معیاری اور خوبصورت کتابیں

باہتمام......محمد علی قریشی

بار اوّل ———— 2007ء

مطبع ———— نیر اسد پریس

کمپوزنگ ———— کلاسکس گرافکس

قیمت ———— -/350 روپے

مکمل سیٹ ———— -/700 روپے

عکس در عکس.....!

"افسونِ جاں" عشنا کوثر سردار کی زندگی کا سفر اور اس کا دوسرا پڑاؤ ــــــ اس ناول کے بارے میں اتنا ہی کہنا چاہوں گی کہ یہ ناول پہلے ناول "اے شمع کوئے جاناں" کے بعد ایک نیا "معرکہ" تھا۔ مجھے اس پہلے ناول کی مقبولیت کا اندازہ تھا سو اسے ہر طور اس سے بہت مختلف اور کچھ خاص جدت سے ہمکنار کرنا تھا۔

"اے شمع کوئے جاناں" کی مقبولیت اپنی جگہ ــــــ میرے پڑھنے والوں کی پسندیدگی اپنی جگہ مگر اس ناول کے کردار اور کہانی اس ناول سے کہیں زیادہ گہرائی لئے ہوئے ہے۔

کرداروں کا بیان، طرزِ زندگی، ان کی فطری طبیعت اور مزاج کا عکاس ہے۔

ہمارے اردگرد ہر طرح کے کردار ملتے ہیں اور آنکھیں کئی طرح کے کرداروں کو دیکھتی ہیں، ان سے ملتی ہیں۔ اس ناول کے کردار جیتے جاگتے تھے۔ انہیں میں نے اپنی سوچ میں ــــــ اپنے آس پاس ــــــ اپنے ساتھ ساتھ ــــــ اندر کہیں چلتے ہوئے دیکھا۔

یہ کردار اس معاشرے میں کہیں نہ کہیں موجود ہیں ــــــ اپنے فطری رنگوں کے ساتھ۔ میں نے حقیقت سے الگ ہو کر کچھ نہیں لکھا۔ آج بھی جہاں خواتین رائٹرز کا نام لیا جاتا ہے وہیں حقیقت سے بہت دور ــــــ خیالی ہواؤں سے باتیں کرتی ہوئی کہانیاں یاد آتی ہیں۔ پڑھنے والوں کے ذہن سے خواتین رائٹرز کی رومانوی کہانیوں کا اثر کبھی ٹوٹ نہیں پایا ــــــ نہ ہی وہ تاثر بدل پایا کہ ایک لڑکی کا قلم حقیقت سے منسلک باتوں کو بھی زیرِ قلم لا سکتا ہے۔

محبت میری ہر کہانی کا "جز" بھی ہوتی ہے اور "کل" بھی۔ میں محبت کے بنا سانس نہیں لے سکتی۔ سو میرے قلم کا ناطہ محبت سے نہ ٹوٹ سکتا ہے نہ ٹوٹے گا ــــــ اس ناول کے کردار محبت سے گندھے ہیں۔ محبت کہتے ہیں ــــــ محبت سنتے ہیں ــــــ محبت لکھتے ہیں ــــــ محبت پڑھتے ہیں۔

پہلے ناول کی طرح اس ناول کا "کل" اور "جز" بھی محبت ہی ہے۔

"افسونِ جاں" ایسا افسوں جو جان سے لپٹا ہے۔ اور ایسا جادو صرف محبت ہے۔۔

شاید کہیں کہیں پڑھنے والوں کو اس ناول کے کردار کچھ الجھے دکھائی دیں تو محبت ایسی ہی ہے ــــــ کچھ الجھی ــــــ کچھ سلجھی۔

اس ناول کے کیریکٹرز اس دائرے سے باہر بھی آتے ہیں، جہاں محبت ایک پل میں دکھائی دیتی ہے۔

کبھی جلتی ـــــ کبھی بجھتی ـــــ

محبت ہے ـــــ!
میں نے محبت کو دیکھا ہے
میلوں دُور تک چلتے ہوئے
ننگے پاؤں جلتے ہوئے
میں نے محبت کو دیکھا ہے ـــــ!
خود اپنی راہ پر چلتے ہوئے
کچھ نہ کہتے ہوئے ـــــ
نہ سنتے ہوئے ـــــ
خود اپنی ہی آگ میں جلتے ہوئے ـــــ
محبت کو میں نے دیکھا ہے
چپ چاپ ہاتھ ملتے ہوئے
کچھ کہتے ہوئے
نہ سنتے ہوئے ـــــ!!
محبت کو میں نے دیکھا ہے ـــــ!!

"Love is a most beautiful thing of this world,
that I do believe!"

اور ایسا غلط بھی نہیں ہے ـــــ بہت سے اور بھی ہوں گے جو محبت کو میرے زاویے سے سوچتے ہوں گے ـــــ میری آنکھوں میں دیکھتے ہوں گے ـــــ بہت سے رنگ ہیں اس کے ـــــ بہت سے شیڈز ـــــ اور "افسونِ جاں" انہی رنگوں کا بیان ہے۔ محبت ہر کیریکٹر میں بولتی ہے۔ ہر کردار کے اسرار و بھید اسی محبت سے کھلتے ہیں۔
وہ "ساہیہ" ہو یا میرب سیال ـــــ سردار سبتگین حیدر لغاری ہو یا اذہان حسن بخاری۔
محبت ہر کیریکٹر کا جز بھی ہے اور کل بھی۔
کئی بار سوچا کیا محبت کوئی گرداب ہے ـــــ یا پھر کوئی "غلام گردش" مگر سمجھ نہیں آیا۔ مگر ناول کے کردار صاف یہ بھید کھولتے ہیں کہ "محبت" کیا ہے؟
میرے لکھنے کا ڈھنگ یہ ہے کہ میں اپنے قلم کو آزاد چھوڑ دیتی ہوں۔ میں اپنے کرداروں کو

نہیں لکھتی ـــــ میرا قلم میرا "کیریکٹرز" خود اپنی مرضی سے لکھتا ہے اور میں نے اپنے قلم کے ساتھ کبھی کوئی زور زبردستی نہیں کی۔ میں نے ان کرداروں کو اپنے اپنے رخ پر ـــــ اپنا سو چاہا کے ساتھ موڑنا نہیں چاہا۔
پتہ نہیں اور لکھنے والے ایسا کرتے ہیں کہ نہیں ـــــ مگر میں کبھی اپنے کرداروں کو اپنے "حکم نامے" کا پابند نہیں بنا پائی۔ میرے کیریکٹرز اپنا آپ کچھ تراشتے ہیں ـــــ شاید وہ میرے لاشعور میں اس طور بستے ہیں۔ مگر بہت بار میں خود نہیں جان پائی وہ میرے اندر تھے یا میں نے انہیں کہیں باہر سے اپنے اندر منتقل کیا۔ یہ گہرائی میرے اندر کی ہے یا نگاہ میں وسعت ہی اتنی ہے کہ ستاروں سے آگے بھی نگاہ دیکھ پاتی ہے۔ بہر حال سبب کچھ بھی رہا ہو مگر میں اپنے کرداروں کو اپنے رنگ ڈھنگ سے موڑ نہیں پائی۔ وہ جیسے ہیں، اپنے آپ کو لے کر آگے خود بڑھتے گئے۔

When routine bites hard
And ambitions are high,
And resentment ride high,
But emotions won't grow
And we're changing our ways,
Talking different roads
Then love, Love will tear us apart again!

Joy Division نے کسی ایسے ہی موقع کے لیے لفظوں کو زبان دی ہوگی۔

محبت اتنا پیچیدہ مسئلہ نہیں ہے ـــــ
محبت "حل" ہے۔
اس ناول کے ہر کردار میں یہ پیچیدگی بھی دکھائی دے گی اور پھر اسی پیچیدگی کا "حل" بھی۔
یہ دیکھا ہوگا آپ نے ـــــ

کسی کا حل، کسی کا مسئلہ ہے
محبت اپنا اپنا تجربہ ہے

ہے ـــــ آپ سطر سطر میں خود کو پائیں گے ـــــ کہیں نہ کہیں، کوئی نہ کوئی تجربہ آپ کو اپنا لگے گا ـــــ کوئی کیریکٹر جب بولے گا تو آپ کو اپنی زبان لگے گی ـــــ یہ کوئی جادو نہیں ہے ـــــ یہ محبت ہے۔ محبت میں، محبت کی کہانیوں میں نیا پن کہیں نہیں ہوتا۔ مگر پھر بھی ہر کہانی پہلے سے زیادہ دلچسپ لگتی ہے۔

محبت کتنی بھی پرانی ہو، اپنے اندر نیا پن رکھتی ہے۔۔۔۔۔

اور اس نئے پن کا، جنت کا حصہ ہر کردار بھی ہے۔

اور ان کرداروں کا حصہ آپ بھی یقیناً بننا چاہیں گے۔ پہلے کی بات اور تھی، میں کچھ بھی ایک حد سے آگے دیکھ نہیں پاتی تھی۔ مگر ایک وقت آتا ہے جب نگاہ مظاہر دیکھنے اور دکھائی دینے والے مناظر سے بہت آگے دیکھنے لگتی ہے۔

میں نے اس اندر کی آنکھ سے ان کرداروں کو بہت دور سے دیکھا مگر مجھے سب کچھ بہت واضح دکھائی دیا۔

گمان نہیں یقین ہے ۔۔۔۔۔ جب آپ ان کرداروں کو پڑھیں گے تو آپ کی دلچسپی آخر تک برقرار رہے گی۔ آج اس ناول کی بات تھی شاید کل کسی اور ناول کی بات میں آپ سے کر رہی ہوں۔ لڑی سے کڑی ملتی ہے۔ مگر محبت کی یہ کہانیاں نہ ختم ہونے والی ہیں۔ سو میرے اندر کی نگاہ ان کرداروں کو دیکھتی رہے گی اور آپ تک پہنچاتی رہے گی۔ اب تک کا سفر ۔۔۔۔۔ یہیں تک ۔۔۔۔۔ کل تک کی کسی نئی بات کے لیے۔

عشنا کوثر سردار

5/4/2007

❋❋❋

ڈھولک کی تھاپ پر لڑکیاں بالیاں بڑے مدھر سُر بکھیر رہی تھیں۔ گاہے بگاہے ہنسی کے بلند ترنگ فضا کو مزید پُر کیف کر رہے تھے۔ گھر کی آرائش کے لئے استعمال کیے گئے تازہ موگرے اور گیندے کے پھولوں کی مہک سے چار سُو ایک جادو سا پھیلا ہوا تھا۔ فارحہ مختلف امور کی ادائیگی کے سبب بڑی عجلت میں یہاں سے وہاں آ جا رہی تھیں۔ ابھی کچھ ہی دیر میں اکلوتی بیٹی کی رسم نبھانی تھی۔ مگر ان کے چہرے پر خوشی اور شادمانی کی بجائے آنکھوں میں ایک گہرا سکوت ٹھہرا ہوا تھا۔

بڑے سبھاؤ سے قدم اٹھاتی، وہ تمام امور انجام دیتی ہوئی ایک رسمی سی مسکراہٹ سجائے سب سے مل رہی تھیں۔ مگر اس سے قبل کہ وہ کچھ کہتیں، رشتے کی ایک بزرگ نے ان کے قریب آ کر اپنا چہرہ کان کے قریب لا کر کوئی مدھم سی سرگوشی کی تھی۔ فارحہ کے چہرے کی کیفیت پل کے پل میں متغیر ہوئی تھی۔ اس سے قبل کہ سید اذہان حسن بخاری ماں کی جانب متوجہ ہوتا یا اس کی کیفیت کو سمجھتا، کوئی لیونگ روم میں داخل ہوا تھا۔ فارحہ کی پتھرائی نظریں اس جانب تک رہی تھیں۔ آنے والے کے قدموں کی آہٹیں چار سُو پھیلے شور میں کہیں مدغم ہو گئی تھیں مگر اس کے باوجود دیکھنے والی کتنی نظریں اس سمت اٹھی تھیں۔ کتنے چہرے حیرت سے تکتے چلے گئے تھے۔ ہر نگاہ کیسی ساکت تھی۔

سید اذہان حسن بخاری نے ساکت نظروں سے اپنے سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑے لمبے چوڑے تنومند جسامت کے مالک سید سعد حسن بخاری کی جانب دیکھا تھا۔ پُر تحیر نگاہ یقین سے خالی تھی۔ کس قدر حیرت سے وہ اس منظر کو دیکھ رہا تھا۔ سامنے کھڑا وجود اجنبی نہ تھا۔ نہ ہی وہ اس حقیقت سے آنکھیں پھیر کر چہرے کا رخ بدل سکتا تھا۔ حقیقت کڑوے سچ کی مانند اس کے سامنے تھی۔ کتنا قریبی تعلق تھا۔ کس قدر مضبوط رشتہ۔ مگر وہ غرور سے تنی گردن، وہ تفاخر سے بھری آنکھیں کس قدر اجنبی تھیں اس گھڑی۔ کسی رتی بھر ملال کا شائبہ تک نہ تھا۔ پہلو میں کھڑا پیکر کس قدر دلربا تھا۔ سنگ مرمر سا تراشیدہ جسم، شیفون کی سرخ ساڑھی میں ملبوس، قیامت سی قیامت تھی کوئی۔ شگفتہ چہرہ، خوشبو سا پیکر، چاند چہرہ، ستارہ آنکھیں، قاتل ادائیں۔ عمر میں سید سعد حسن سے آدھی تو ضرور تھی مگر سعد حسن بخاری کا سر کیسے فخر سے تنا ہوا تھا۔ جیسے وہ ایک عالم کو فتح کر چکے ہوں۔ ایک جہان ان کی مٹھی میں ہو۔ کیسی چمک تھی آنکھوں میں۔

فارحہ ایک ٹک تکتی جا رہی تھیں۔

سید اذہان حسن بخاری کی سرخ رنگ آنکھیں کس قدر رنجیدہ سے اس گھڑی اپنے باپ کو دیکھ رہی تھیں جیسے یہ سب اس کی توقع کے برخلاف ہوا تھا۔ پیشانی کی رگیں کس درجہ تن گئی تھیں۔ مگر اس سے قبل کہ وہ کوئی اقدام کرتا یا پیش قدمی کرتا ہوا باپ کے مقابل جا ٹھہرتا، امید کے پیشِ نظر کی قانون بلند ہی مزاجی

تھیں۔ اس نے فوراً ماں کو سنبھالا تھا۔ شادی والے گھر میں یکدم ایک سکوت سا چھا گیا تھا۔
ڈھولک کی آواز دم توڑ گئی تھی۔ قہقہے سناٹوں کی زد میں آگئے تھے۔ سہاگ کے گیت کہیں حلق میں ہی گھٹ گئے تھے۔ تازہ موگرے اور گیندے کے پھولوں کی خوشبو پل میں ماند پڑ گئی تھی۔ رسم اُبٹن کی منتظر سی نظریں جیسے پتھرا گئی تھیں۔ اذہان حسن بخاری ماں کے وجود کو اٹھا کر ایک پل میں کمرے میں آیا تھا اور پھر دوسرے ہی پل پلٹ کر انتہائی سرعت سے فیملی ڈاکٹر کا نمبر ملانے لگا تھا۔ خاندان بھر کی خواتین فارحہ کو ہوش میں لانے کی تدبیریں کرنے لگی تھیں۔ ساتھ ساتھ چہ میگوئیاں بھی جاری تھیں۔

”ہائے، ہائے ...... ایسی کہانی تو سنی نہ دیکھی۔ توبہ استغفار۔“ کسی خاتون نے کہا تھا۔

”بے شرمی کی حد ہے ...... سعد بھائی کو کم از کم اپنی عمر کا ہی لحاظ کرنا چاہیے تھا۔“ کسی دوسری خاتون نے بھی حصہ لیا تھا۔

”اتنا انتہائی اقدام اور وہ بھی عین بیٹی کی شادی والے دن ...... توبہ توبہ۔ غیرت مرگئی باپ کی تو۔“ ایک مزید اظہارِ افسوس ہوا تھا۔

”اللہ میری توبہ ...... اتنی جواں سال دلہن ...... اپنی بیٹی کی عمر کی لڑکی سے بیاہ کرنے سے پہلے سعد حسن بخاری کو چلو بھر پانی نہ ملا۔“ ایک مزید ہمدردی۔

”ارے جانے کیا سلسلہ چلتا رہا ...... کسی کو خبر نہ ہوئی۔ یہ جو آج ہوا یکدم تو نہ ہوا ہوگا۔ پیچھے کتنی طویل کہانی ہوگی۔ مگر کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔“ ایک بزرگ عورت نے دور کی کوڑی ڈھونڈی۔

”اے ہاں ...... یہ جو فارحہ بیگم کھنی کھنی بیٹھی تھیں، کچھ کہتی سنتی تو آج یہ دن تو نہ دیکھنا پڑتا ...... جانے کیا کھیر پکائی ماں بیٹے نے اندر ہی اندر۔ اب بھگت رہے ہیں نا چپ چاپ۔“ ایک مزید انکشاف۔

”اے خالہ! بھلا اس میں فارحہ کا کیا قصور ...... بے چاری کتنی اُلجھی اُلجھی سی دکھائی دے رہی تھی اتنے دنوں سے۔ دریافت کیا بھی تو مسکرا کر ٹال گئیں۔ اب اپنے گھر کی بدنامی کون چاہتا ہے؟ ...... وہ بے چاری تو مجبوراً چپ سادھے ہوئے تھی شاید۔“ کسی ایک خاتون نے ہمدردی کی۔

”اے ہاں ...... قبر کا حال تو مردہ ہی جانتا ہے ...... کیسی ہنستی بستی گھر گرہستی تھی۔ کون جانتا تھا ایسا بھی دیکھنا ہوگا۔“

”فار گاڈ سیک ...... چپ کریں گی آپ؟“ ماہا نے ماں کو ہوش میں لانے کی تدبیر کرتے ہوئے ان سب خواتین کو دیکھا تھا۔ بھرائی ہوئی آواز اور برہم نظروں میں گہرا اضطراب تیر رہا تھا۔ بولنے والی خواتین چپ ہوگئی تھیں۔

”آپ لوگ پلیز باہر جائیے۔“ اذہان حسن بخاری نے آگے بڑھ کر قدرے مدھم لہجے میں کہا تھا۔ خواتین نے اس پُرسکوت چہرے والے لڑکے کو دیکھا پھر باری باری اُٹھ کر باہر نکلنے لگی تھیں۔ کمرہ خالی ہو گیا تھا۔ ماہا نے سر اٹھا کر بھائی کو دیکھا تھا۔ آنکھیں لبالب پانیوں سے بھری ہوئی تھیں ...... اذہان حسن بخاری نے بہن کو دیکھا تھا پھر دو قدم آگے بڑھ کر اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے اپنا بھاری مضبوط ہاتھ اس کے سر پر دھر دیا تھا اور خاموشی سے اس کا حوصلہ بندھایا تھا۔ مگر پانی ایک تواتر سے پلکوں کے بند توڑتا ہوا

بہہ نکلا تھا۔ اذہان حسن بخاری نے پُرتناؤ چہرے اور بھینچے ہوئے ہونٹوں سے ماں کو دیکھا تھا جن کی پلکیں دھیرے دھیرے لرز رہی تھیں۔ یقیناً وہ ہوش میں آرہی تھیں۔

دونوں بہن بھائی دوسرے ہی لمحے ماں پر جھکے تھے۔

”ممی! ...... آپ ٹھیک ہیں نا؟“ اذہان حسن بخاری کی بھاری آواز اُبھری تھی۔ فارحہ نے خاموش نظروں سے ان کی طرف دیکھا تھا۔ بہت چپکے سے ان کی آنکھوں کے کناروں سے آنسو نکل کر تکیے میں جذب ہو گئے تھے۔ اذہان حسن بخاری کی آنکھوں کا اضطراب دوچند ہو گیا تھا۔ بہت ہولے سے وہ عجب بے بسی کے ساتھ ماں پر سے نگاہ ہٹا گیا تھا۔ تبھی فیض بخاری، ڈاکٹر عزیر کے ساتھ اندر داخل ہوئے تھے۔ اذہان حسن بخاری، چاچا کی آمد پر پلٹا تھا۔ فیض بخاری نے لمبے چوڑے بھتیجے کے کندھے پر فقط ہاتھ رکھ کر حوصلہ بندھایا تھا۔ اذہان حسن بخاری نے فقط خاموشی سے ان کی طرف دیکھا تھا۔ فیض بخاری کی آمد سے اسے کسی قدر ڈھارس بندھی تھی۔ ڈاکٹر عزیر فارحہ کا چیک اپ کرنے لگا تھا۔ اذہان حسن بخاری نے ایک خاموش نظر ماں پر ڈالی تھی۔ ایک لمحے میں ہی وہ نڈھال سی لگ رہی تھیں۔ ماں کی حالت پر اس کا دل جیسے کٹ کر رہ گیا تھا۔

”پریشانی کی تو کوئی بات نہیں عزیر؟“

”نہیں ...... گو میں کچھ دوائیں لکھ رہا ہوں۔ انہیں آرام کی ضرورت ہے۔“

عزیر اس کا دوست تھا۔ اپنے سے قریب لوگوں کو اس لمحے اپنے سامنے پا کر اسے قدرے ڈھارس ہوئی تھی۔ تبھی وہ دروازہ کھول کر باہر نکل آیا تھا۔ اس کا انداز کسی قدر جارحانہ تھا۔ فیض بخاری نے اسے دیکھا تھا پھر اس کے پیچھے ہی باہر نکل آیا تھا۔

”اذہان! تم کوئی ایسا اقدام نہیں کرو گے جس سے مزید کوئی تماشا بنے۔“ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا ان سے خاصے فاصلے پر تھا، جب وہ تقریباً بھاگتے ہوئے اس کے قریب پہنچے تھے۔ مگر اذہان حسن بخاری نے سنی ان سنی کر دی تھی۔ اس کی آنکھوں سے انگارے نکل رہے تھے جیسے وہ ساری دنیا کو جلا کر خاکستر کر دینا چاہتا تھا۔ اس کے چہرے پر حد درجہ تناؤ تھا۔ فیض بخاری نے اسے اس سے قبل اس حالت میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ یقیناً اس کی خاموشی میں بہت سے طوفان پل رہے تھے۔ ایک لاوا تھا جس میں اس کا سارا اندر جل رہا تھا۔ وہ نہیں چاہتے تھے بیٹا باپ کے مقابل کھڑا ہو اور صورتحال مزید بگڑ جائے۔ تبھی اسے اس اقدام سے باز رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرنا چاہتے تھے۔

”اذہان! تم جوش سے کام لے رہے ہو ...... بھابی کی حالت تم دیکھ رہے ہو؟ کیا تم چاہتے ہو کہ صورتحال مزید بگڑ جائے؟“ اس کے ساتھ چلتے ہوئے وہ بولے تھے مگر اذہان حسن بخاری نے جیسے کچھ سنا ہی نہیں تھا۔

”اذہان! تمہیں بھابی کی قسم ہے ...... تم ایسا کچھ نہیں کرو گے جس سے بھابی کو مزید دکھ پہنچے۔“

اذہان حسن بخاری کے قدم تھمے تھے اور وہ عجب ایک بے بسی کے ساتھ خون رنگ آنکھوں سے چاچا کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ فیض بخاری نے دو قدم آگے بڑھتے ہوئے اس کے شانے پر ہاتھ دھر دیا تھا اور

پھر اسے بغور تکتے ہوئے بولے تھے۔

"اذہان! میرے بچے! غصہ یا پھر کوئی شدید ردعمل اس لمحے کا تقاضا نہیں ہے۔ بھائی جی نے جو کچھ اچھا نہیں کیا۔ مگر اب تمہارے ان کے سامنے ڈٹ جانے یا پھر غم و غصہ دکھانے سے کیا اس کا ازالہ ہو گا؟ جبکہ تم یہ بھی جانتے ہو کہ یہ تمہارے مدمقابل آنے کا ہی ایک شدید ردعمل ہے۔ میں یہ نہیں کہوں گا تم نے غلط کیا۔ یقیناً تم بھی حق پر تھے۔ کوئی بھی جوان، خرد مند بیٹا ایسا ہی ردعمل ظاہر کرتا۔ لیکن بھائی نے بھی حد کر دی۔ یہ تناؤ مزید بڑھے گا اذہان! کیونکہ یہ انا پرستی اور ہٹ دھرمی کی جنگ ہے۔ جس پر بھی حق پر نہ ہوتے ہوئے بھی خود کو حق پر محسوس کر رہے ہیں ——— اور المیہ یہ ہے کہ ہم ان کی اس سوچ و نظریے کو قطعاً نہیں بدل سکتے۔ اس لئے نہیں کہ وہ غلط ہیں بلکہ اس لئے بھی کہ اس لمحے وہ سمجھتے ہوئے سمجھ نہیں پا رہے اور دیکھتے ہوئے بھی نہیں دیکھ رہے ہیں۔ عقل اندھی ہو چکی ہے ان کی اور ایسا سب لڑکی کے باعث ہے۔ عشق کا بھوت سوار ہے ان کے سر پر۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو کوئی بھی باپ ایسا کوئی اقدام کرنے کے متعلق سوچتا جیسا انہوں نے کیا۔"

اذہان حسن بخاری، چاچا کے مدھم لہجے پر بہت ہولے سے چہرے کا رخ پھیر گیا تھا۔ اس کے انداز میں ایک عجیب طرح کی بے بسی تھی اور آنکھوں کی ویرانیاں مزید بڑھ گئی تھیں۔ وحشتیں دوچند ہو گئی تھیں۔ فیض بخاری نے بھتیجے کے ہتھیار ڈالنے والے انداز کو دیکھا تھا، پھر قدرے ملائمت سے بولے تھے

"بہت قوی اعصاب کا مالک ہے میرا بچہ ——— مجھے امید ہے تم اس تمام صورتِ حال پر قابو پا لو گے اور تمام معاملات کو اپنے ہاتھ میں کر لو گے۔ میں نے بھائی جی سے بات کر لی ہے۔ وہ یہاں نہیں رہیں گے۔ فی الحال یہی ان کے اور تمہارے حق میں بہتر ہے۔ آگے کی صورتِ حال پر ماہا کی شادی کے بعد سوچیں گے۔ پہلے یہ فریضہ بخیر و عافیت سرانجام پا جانے دو۔ باپ نے ناسمجھی کا ثبوت دیا مگر تم بھائی ہو، صورتِ حال کو سنبھال سکتے ہو ——— سوچو تو اس وقت بھائی بھی تم ہو اور باپ بھی۔ اپنے حقوق کی ذمہ داری سے بھائی جی ہاتھ کھینچ چکے ہیں تو یہ فرض تم پر عائد ہوتا ہے کہ تم مکمل عقل مندی سے ان معاملات کو نمٹاؤ۔"

اذہان حسن بخاری ایک لمبا چوڑا شخص، عجیب بے بسی سے سر جھکائے اس گھڑی چاچا کے سامنے کھڑا تھا۔ عزیر فرسٹ ایڈ باکس لئے چلتا ہوا راہداری میں کھڑے فیض بخاری اور اذہان حسن بخاری کے قریب رکا تھا۔

"اپنی پرابلم عزیر ———؟" فیض بخاری نے اس کی سمت دیکھا۔

"نو بھائی جان! ——— میں نے نیند کا انجکشن دے دیا ہے۔ بھابی سو رہی ہیں ——— کچھ اسٹریس تھی۔ انہیں سکون کی ضرورت ہے۔" عزیر نے کہتے ہوئے دوست کی جانب دیکھا تھا۔ وہ باہر کا بندہ تھا کہ اس سے کچھ چھپایا جاتا۔ اُن کا قریبی عزیز تھا۔ وہ تمام صورتِ حال سے واقف تھا۔ بچپن سے اس گھر میں آ جا رہا تھا۔ سید اذہان حسن بخاری کی زندگی کا کوئی صفحہ اس سے پوشیدہ نہ تھا۔ اس گھڑی بھی کچھ کہے بغیر اس نے اذہان کے کندھے پر ہاتھ دھرا تھا، آنکھوں سے ہمت بندھائی تھی مگر وہ کچھ بولا نہیں تھا، تبھی عزیر نے اجازت چاہی تھی۔

"چلتا ہوں ——— بھابی کو دوا باقاعدگی سے دینا اور ضرورت پڑے تو فون کر لینا۔ ورنہ فیض بھائی تو ہیں یہاں پر۔" عزیر اجازت طلب کرتا ہوا آگے بڑھ گیا تھا۔ اذہان اس گھڑی وہیں رکا ہوا تھا جب رشتے کی ایک خالہ وہاں آ گئی تھیں۔

"فاریہ ٹھیک ہیں اب؟"

"جی ہیں دواؤں کے زیرِ اثر سو رہی ہیں۔ آپ......" فیض بخاری ابھی کچھ بولنے والے تھے جب صغریٰ خالہ انہیں ایک طرف لے گئی تھیں۔ پھر قدرے مدھم لہجے میں گویا ہوئی تھیں۔

"فیض بھائی! صورتِ حال تو مزید بگڑ گئی ہے ——— جو کچھ بھی ہوا اچھا نہیں ہوا۔ جس گھڑی سعد بھائی، بی بی کی نویلی دلہن کے ساتھ یہاں موجود تھے تبھی ماہا کی سسرال رسم کے لیے آ گئی اور خاندان کی خواتین سے خدا کی پناہ۔ انہوں نے ساری صورتِ حال ان لوگوں کے گوش گزار کر دی ہے۔ ماہا کی ساس اور دیگر سسرالی شدید ترین غصے میں ہیں۔ خاندان کے تمام بزرگ حضرات اور مرد انہیں سمجھانے اور قائل کرنے کی ہر ممکن کوشش کر رہے ہیں مگر وہ ہیں کہ غصے کا اظہار کیے جا رہے ہیں ——— ہم اپنے طور پر صورتِ حال سنبھالنے کی ہر ممکن کوشش کر رہے تھے۔ آپ لوگوں کو بھی اس لیے مطلع نہیں کیا کہ فاریہ کی حالت بھی کچھ اچھی نہ تھی۔ پھر ہمیں صورتِ حال کے اس درجہ بگڑنے کی امید بھی نہ تھی۔ ماہا ہماری بھی بچی ہے۔ ہم ان لوگوں کو قائل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ جو کچھ بھی ہوا اس میں بچی کا کوئی قصور نہیں۔ وہ معصوم ہے۔ مگر وہ لوگ سمجھنے کو قطعاً تیار نہیں ——— کہتے ہیں جب باپ کے اس عمر میں ایسے تیور ہیں تو ان موصوف کی بیٹی میں کیسے ممکن ہے کہ ان کے وصف نہ شامل ہوئے ہوں۔ بہت کوشش کی سب نے مگر بات سنبھل نہیں رہی ہے۔" صغریٰ خالہ کا لہجہ اگرچہ بہت مدھم تھا مگر اذہان حسن بخاری تمام صورتِ حال سمجھ چکا تھا اور جواباً دوسرے ہی لمحے اس کے قدم لیونگ روم کی جانب بڑھ رہے تھے جہاں سے دو خاندانوں میں ہونے والے مذاکرات کی آوازیں بخوبی آ رہی تھیں۔ اس کے چہرے کا تناؤ اس گھڑی مزید بڑھ گیا تھا۔ فیض بخاری نے بھی اس جانب قدم بڑھا دیے تھے۔

"سعد بھائی نے اچھا نہیں کیا ——— مجھے تو بہت ڈر لگ رہا ہے ——— ذرا سی غلطی سے بچی کی زندگی نہ بگڑ جائے کہیں۔" صغریٰ خالہ حد درجہ متفکر تھیں۔

"بھائی جی کہاں ہیں؟ رخصت ہو گئے یا......" فیض بخاری نے مدھم لہجے میں دریافت کیا تھا۔

"ارے کہاں ——— جب آپ سمجھا بجھا کر اندر گئے وہ بدستور وہیں کھڑے رہے اور ارد گرد بیٹھی خواتین کی چہ میگوئیاں بڑھتی چلی گئیں ——— اب یہ کیسے ممکن تھا کہ یہ بات ماہا کی سسرال سے پوشیدہ رہ پاتی؟" صغریٰ خالہ پریشان تھیں۔ مگر فیض بخاری مزید کچھ نہیں بولے تھے۔ ان کے قدم تیزی سے آگے کی سمت بڑھ رہے تھے۔

❁ ❁ ❁

خزاؤں نے چلتے منظروں کے ساتھ ساتھ اس کے دل کے اندر بھی اپنا ڈیرہ ڈال دیا تھا۔ سارے زمانے زرد رنگ موسموں جیسے ہو گئے تھے۔ سارے جذبے ان ویرانیوں سے بھر گئے تھے۔ دل کی دھڑکنیں

ان خشک زرد رنگ پتوں کی صورت ادھر اُدھر بکھرتی چلی گئی تھیں۔

اسے ان ویران موسموں سے جیسے عشق تھا۔

اپنے کئی ضروری کام چھوڑ کر وہ ان موسموں کے سنگ سفر کرنے آگئی تھی۔

گھنٹوں ان خشک رنگ پتوں کو ٹوٹتے، بکھرتے اور ہواؤں کی زد پر اُڑتے ہوئے دیکھتی رہتی تھی اس کے اندر ان خاموش لمحوں میں گھنٹوں اک شور ہوتا رہتا تھا۔ کتنی دیر تک وہ اپنے اندر ہونے والے اس شور کو سنتی رہتی تھی۔ پہروں اس کے اندر کوئی بولتا رہتا تھا اور پہروں وہ ٹورنٹو کی سڑکوں پر انجانی پرچھائیں کے پیچھے سرگرداں دوڑتی، بھاگتی رہتی تھی۔ اور جب تھک جاتی تو سنی بروک پارک میں آن بیٹھتی تھی اور پہروں اس کے سامنے خزاں رنگ موسم، اپنے سوگوار جذبوں کے راگ، مدھم سُروں میں الاپتے رہتے۔ اور وہ ان سُروں کے تال اپنے دل سے ملتے محسوس کرتی تھی۔

رُت بدلتے انہی منظروں میں ——— ان بھاگتے دوڑتے لمحوں میں، ایک دن اچانک ہی وہ اس سے آن ملا تھا۔

ہاں، بس یونہی اچانک۔

سر راہ چلتے ہوئے جب خزائیں اپنے رنگ تمام سمتوں میں بکھیر رہی تھیں اور جب ہر منظر ایک سوگ چادر اوڑھے کوئی مدھم، انجانا راگ الاپ رہا تھا اور ان پُر وحشت موسموں میں خشک زرد رنگ پتے کی مانند سرگرداں ”گی“ کتنی دیر تک اپنی ویران رنگ آنکھوں سے اسے تکتی رہی تھی۔

پہلے کبھی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔

سر راہ کبھی ایک دوجے سے ٹکرائے بھی نہیں تھے۔

لیکن اس کے باوجود ”گی“ کو لگا تھا جیسے وہ اس چہرے سے صدیوں سے آشنا ہو ——— ان خدوخال سے برسوں سے شناسا ہو ——— جیسے یہ آنکھیں اس کے لئے اجنبی نہ ہوں یا وہ لہجہ اس کے لئے نیا نہ ہو۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کو کتنے لمحوں تک وہ ساکت نظروں سے چپ چاپ تکتی رہی تھی اور اس کے اندر کیسی مدھم سرگوشیاں گونجتی رہی تھیں۔ مگر ان کے معنی و مفہوم کیسے انجان رہے تھے اس سے۔ اس کے باوجود وہ خود کو اس تک بڑھنے سے روک نہ سکی تھی۔

”سنی بروک پارک“ ان خزاں رنگ موسموں میں گھرا وہی سوگوار گیت الاپ رہا تھا جس کی صدا میں اپنے اندر ہوتی سنتی تھی۔

”خزاں اپنی تمام تر اُداسی اور سوگواری سمیت کتنی پُر کیف ہے نا ——— دل کو چھوتی ہوئی، گھر کرتی ہوئی۔“ اس لمبے چوڑے شخص کے قریب آ کر رکتے ہوئے وہ مدھم لہجے میں بولی تھی اور جہاں پہنچے وہ چونکا تھا وہیں دوجے ہی پل بہت مدھم انداز میں مسکرا دیا تھا۔

”تمہیں خزاں کا یہ موسم پسند ہے؟“ بھاری لہجہ اس سے دریافت کر رہا تھا اور وہ بلا تردد سر اثبات میں ہلانے لگی تھی۔

”ہاں ——— یہ سوگوار موسم اور اس کے سارے اُداس سُر میرے اندر اُترتے ہوئے گھر کر لیتے ہیں۔

اور پھر نا دیر تک میں اپنی دھڑکنوں کو ان سُروں کے سنگ گونجتے ہوئے سنتی رہتی ہوں۔“ اس کا لہجہ دھیما مگر پُر تاثیر تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس جاپانی خدوخال والی لڑکی کو بغور دیکھا تھا۔ نگاہوں میں یکدم ہی دلچسپی کا عنصر اُبھر آیا تھا۔ اس گھڑی سامنے کھڑی وہ لڑکی یقیناً دلچسپی سے خالی نہ تھی۔

”تم انڈین ہو؟“ وہ جاپان کی لڑکی شستہ انگریزی بول رہی تھی۔

”نہیں، پاکستانی۔ سردار حیدر لغاری۔“ مختصر تعارف دیا تھا۔ وہ بہت دھیمے سے مسکرا دی تھی۔

”گی۔ GEE!“

”گی ———؟“ مختصر نام کو دلچسپی سے دہرایا۔ وہ مسکرا دی۔

”گی کا مطلب سورج مکھی کا پھول ہے۔“ بہت ہولے سے آگاہ کیا۔

”اوہ ——— ویری انٹرسٹنگ۔ ٹورسٹ ہو تم یہاں؟“ دریافت کیا۔

وہ مسکرائی، پھر نفی میں سر ہلانے لگی:

”نہیں ——— میں یہیں رہتی ہوں ——— یہی میرا وطن ہے۔“

”لیکن تمہارے خدوخال؟“ سبکتگین چونکا اور وہ مسکرا دی۔

”دراصل میں دو تہذیبوں کا ملاپ ہوں ——— میرا باپ کینیڈین ایئر فورس میں تھا اور میری ماں یہاں سیاحت کے لئے آئی تھی پھر ان دونوں کے دلوں پر محبت نے دستک دی تو تمام فرق ایک طرف دھرا رہ گیا اور ان دونوں نے شادی کر کے گھر بسا لیا ——— مگر جب میری پیدائش عمل میں آنے والی تھی تبھی میرے ڈیڈ کو ایک حادثے میں لقمہ اجل بن جانا پڑا۔ میری ماں بہت وفادار بیوی ثابت ہوئی۔ اس نے اپنے محبوب کی سرزمین کو اپنا اوڑھنا بچھونا کر لیا اور میری پرورش کرتے ہوئے اپنی باقی ماندہ زندگی اسی محبوب کے نام پر بسر کر دی ——— تم جانتے ہو یہ محبت تھی۔ بڑی قوی اور مضبوط شے ہوتی ہے یہ محبت بھی۔ دلوں میں گھر کرتی ہے تو وجود کے گرد ایک اسم پھونک کر آہنی دیوار اُٹھا دیتی ہے۔“

وہ بولتے بولتے یکدم چونکی۔ سبکتگین اس کی سمت تکتا ہوا بغور مسکرا رہا تھا۔ وہ چپ ہوئی، پھر مسکرا دی۔

”تم اس طرح مسکرا کیوں رہے ہو؟“ وہ جیسے لمحہ بھر کو خفا ہوئی۔

”بس ایسے ہی۔“ سبکتگین نے سر نفی میں ہلایا۔ پھر قدرے سنجیدہ ہوتا ہوا بولا۔ ”تم باتیں بہت دلچسپی سے کرتی ہو۔ بطورِ خاص تمہاری آنکھیں ——— جب تم بولتی ہو تو تمہاری آنکھیں بھی اس گفتگو میں شامل ہو کر باتیں کرتی ہیں۔ کیسے کر لیتی ہو تم اس قدر رواں، بھاری بھرکم باتیں؟“

گی نے اسے کسی قدر حیرت سے دیکھا تھا۔ پھر کوئی جواب دیئے بغیر خاموشی سے سر جھکا گئی تھی۔ پھر کچھ ثانیوں بعد بہت ہولے سے گویا ہوئی تھی۔

”سبکتگین! تم کوئی پہلے شخص نہیں ہو جس نے یہ بات کہی ہے۔“

”اچھا ——— کیا تم اس بے وقوفی کا مظاہرہ پہلے بھی کر چکی ہو؟“ وہ قدرے پُر مزاح انداز میں مسکراتے ہوئے گویا ہوا تھا۔ مگر گی کے لبوں پر ایک جامد خاموشی اپنا ڈیرا جما چکی تھی۔ چند ثانیوں تک وہ

پُر وحشت خشک زرد رنگ پتوں کو اِدھر اُدھر اُڑتا ہوا دیکھتی رہی تھی، پھر بہت مدھم لہجے میں ہولے سے گویا ہوئی تھی۔

''سنو تو ـــــ یہ موسم شاعری کرتا ہے۔ دیکھو کتنی صدائیں میرے اندر گونج رہی ہیں۔ کتنی سرگوشیوں کی بازگشت میرے اندر ہے اس سے اور......'' وہ جیسے اس لمحے خود کلامی کا شکار تھی۔ پھر دھیان آیا تو یکدم ہی لب بھینچ کر سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

''تم کتابیں پڑھتی ہو؟''

''نہیں ـــــ وقت نہیں ملتا۔ تم کیوں پوچھ رہے ہو؟''

''یونہی۔'' سبکتگین حیدر لغاری نے شانے اچکا دیے تھے۔

''میری گفتگو سے لگا؟'' وہ یکدم مسکرائی تھی۔ سبکتگین نے سر اثبات میں ہلایا تھا۔ اس کے سیاہ رنگ بالوں سے ہوا ہولے ہولے سرگوشیاں کر رہی تھی۔ کتنی شریر لٹیں بار بار چہرے پر جھول جاتی تھیں جنہیں پکڑ کر وہ دوسرے ہی لمحے کان کے پیچھے اڑس لیتی تھی۔ دو مختلف تہذیبوں کی جھلک اس کے خدوخال میں واضح طور پر نظر آتی تھی۔ وہ عام جاپانی لڑکیوں سے قطعاً مختلف تھی۔ خواہ باضابطہ وہ کسی بھی جاپانی لڑکی سے نہیں ملا تھا مگر اس نے بارہا جاپانی لڑکیوں کو دیکھا تھا اور گی ان جیسی بالکل بھی نہ تھی۔ وہ اسے بغور دیکھ رہا تھا جب وہ اپنے مدھم لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

''جاپانی لڑکیاں اپنی وفاؤں میں بڑی کھری ہوتی ہیں ـــــ بہت وفادار محبوبہ اور بہت وفادار بیوی ثابت ہوتی ہیں۔''

''لیکن تم تو کینیڈین ہونا؟'' وہ قدرے شرارت سے مسکرایا تھا اور وہ بھی مسکرا دی تھی۔ اس کی مسکراہٹ بڑی دلفریب تھی جیسے ان خزاں رنگ لمحوں میں تمام منظروں پر لمحہ بھر کو بہار نے اپنے ڈیرے ڈال دیے ہوں۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اسے بغور دیکھ رہا تھا جب وہ گویا ہوئی تھی۔

''ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟''

''تمہاری مسکراہٹ بہت ترو تازہ سی ہے۔ جیسے بہار کا کوئی دلربا رنگ۔''

''ہاں شاید اس لئے کہ میں عام جاپانی لڑکیوں اور خواتین کی طرح اپنی مسکراہٹ کو دبانے یا چھپانے کے لئے مسکراتے سمے چہرے پر اپنا ہاتھ نہیں دھرتی اور کھل کر مسکراتی ہوں۔ کینیڈین لوگوں کی طرح۔'' وہ مسکرا رہی تھی۔

''باقی جاپانی لڑکیاں کیا کھل کر نہیں مسکراتیں؟'' اسے حیرت ہوئی۔

''نہیں ـــــ وہ اپنی مسکراہٹ کا گلا چہرے پر مسکراتے وقت ہاتھ رکھ کر گھونٹ دیتی ہیں جیسے میری ماں۔ پہلے میں بھی ایسے ہی کرتی تھی۔ مگر پھر کسی کے کہنے پر یہ عادت ترک کرنا پڑی۔''

''کسی کے کہنے پر ـــــ؟'' سبکتگین چونکا۔ ''کون تھا وہ؟''

بات بگڑے جانے پر گی نے لمحہ بھر کو چپ ہو کر اس کی جانب دیکھا پھر چہرے کا رخ پھیر کر جیسے خود کلامی کے انداز میں بولی۔

''تھا کوئی ـــــ بہر حال تم نے مجھے اپنے بارے میں تو بتایا ہی نہیں ـــــ تمہارا نام بہت لمبا چوڑا ہے مگر بہت بارعب بھی۔''

اس کے اظہارِ خیال پر وہ دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

''پاکستان میں کچھ اراضی ہے۔ وہیں پر حکمرانی کا وصف ورثے میں ملا ہے۔ میرے بابا میرے بچپن میں ہی گزر گئے تھے، جب کسی شے کا شعور تک نہ تھا۔ تبھی بابا کی جگہ دستار بندی ہوئی تھی میری۔ اور ان کا تمام اختیار مجھے ورثے میں منتقل ہو گیا تھا ـــــ نانی اماں یعنی میری والدہ کو مجھے جدید زمانوں کا باسی بنانے کا شوق تھا۔ سو انہوں نے کسی قسم کی کوئی قدغن نہیں لگائی مجھ پر اور مجھے پڑھنے کو سات سمندر پار بھیج دیا۔ مگر میں کچھ نہیں بھول سکا۔ نہ اپنی دستار بندی، نہ ذمے داریاں، نہ وہ تہذیب و تمدن۔ سب کچھ ازبر ہے مجھے۔ میں جانتا ہوں بہت سی ذمہ داریاں ہیں میرے کاندھوں پر جنہیں نبھانے مجھے اس دیس جانا ہے ـــــ اس تمام منصب کی ادائیگی کرنی ہے جو مجھ پر فرض ہے۔''

''اوہ ـــــ تبھی تم شکل سے اتنے مغرور لگتے ہو۔ بردبار، سنجیدہ اور بارعب۔''

وہ مسکرائی تھی اور ایک دھیمی سی مسکراہٹ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لبوں کو بھی چھو گئی تھی۔ تبھی گی نے چونکتے ہوئے گھڑی دیکھی تھی۔ پھر اس کے لبوں پر وہ بہار رنگ مسکراہٹ چھپ گئی تھی۔

''کیا ہم دوبارہ کبھی مل سکتے ہیں؟'' بہت مدھم لہجے میں وہ دریافت کر رہی تھی اور سردار سبکتگین حیدر لغاری نے چند لمحوں کو سوچتے ہوئے شانے اچکا دیے تھے۔

''کیوں نہیں۔''

گی کی آنکھوں میں ٹھہرے تمام خزاں رت منظر روشنیوں سے بھر گئے تھے۔

اس کے لبوں پر وہی بہار رنگ مسکراہٹ تھی۔ دلربائی عروج پر تھی اور ان خزاں رنگ موسموں کی ڈھلتی شام میں وہ بہت ہولے سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''کل پھر یہیں ملیں گے ـــــ میں تمہارا انتظار کروں گی۔ آنا ضرور۔'' مدھم لہجے میں کوئی درخواست سی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کچھ نہیں بولا تھا۔ تبھی اس کے گداز لب بہت ہولے سے ہلے تھے۔

''سیونارا گڈ بائے۔'' آواز سرگوشی جیسی تھی۔ اور پھر وہ چلتی تھی اور چلتی ہوئی ہواؤں کی صورت دور جاتے منظروں کے سنگ ہو لی تھی۔ سردار سبکتگین چند لمحوں تک اس سمت تکتا رہا تھا۔ پھر اٹھا تھا اور واپسی کے راستوں پر قدم بڑھانے لگا تھا۔

گی یقیناً ایک دلچسپ لڑکی تھی۔

***

رئی مبیری، ویئر آئم گوئن ٹو۔

گوئن فار اوے۔ ٹو دی سائلنٹ لینڈ۔

رئی مبیری۔

بہت تھکن زدہ سے انداز میں ایک سادہ کاغذ پر اس نے انتہائی بے دھیانی کے ساتھ دو جملے گھسیٹے تھے

اور پھر اسی انداز میں سر کرسی کی پشت سے ٹکا کر کھلی آنکھوں سے چھت کو گھورنے لگی تھی۔ کرسٹینا روزنی ان دو لفظوں کی بازگشت کتنی بار اس نے اپنے اندر سنی تھی۔ کتنی بار طویل سناٹوں میں اس کے اندر ایک گونج سنائی دیتی رہی تھی۔

فیصلوں کی صلیب پر لٹکتے رہنا بہت تکلیف دہ امر ہے ——— اور اس صورت میں تو اور بھی جب کہ فیصلے کا کوئی اختیار بھی آپ کے پاس نہ ہو۔

وجود کے کسی علاقے میں چپ چاپ سناٹوں میں کیا کچھ دفن ہوتا چلا جاتا ہے مگر اس کے باوجود جانے کیوں اس کی سوچوں کے تسلسل میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی۔ تب بھی نہیں جب سیف کمرے میں داخل ہوا اور پھر چلتا ہوا اس کے قریب آن رکا۔ وہ اس وقت بھی نہیں چونکی تھی۔ سیف نے اس کے آگے سے پیپر اٹھا لیا تھا۔ پھر دوسرے ہی لمحے مسکراتے ہوئے اس کی سمت تکنے لگا تھا۔

”کہیں جا رہی ہو تم؟“

اُس کے دریافت کرنے پر وہ چونکی تھی پھر خاموشی سے چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

”شادی کوئی ایسا امر تو نہیں کہ تم اتنی خوفناک ترین وحشتوں کے انبار لگا دو ——— تمہاری جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو خوشی سے پاگل ہو گئی ہوتی۔“ وہ یقیناً اسے چھیڑ رہا تھا۔ مگر اس کے باوجود ایک ساکت چپ اس کے لبوں پر رہی تھی۔

”اس طرح خوامخواہ ٹینشن لینے سے بھلا کیا ہوگا ——— اگر دل نہیں مان رہا تو انکار کر دو نا۔ وہ کسی شاعر نے کس درجہ خوبصورتی سے کہا ہے نا۔

اگر تم میں ہے ہمت تو بغاوت کر دو
ورنہ جہاں ماں باپ کہتے ہیں شادی کر لو

میرب سیال نے سر اٹھا کر دیکھا تھا ——— سیف الرحمٰن مسکرا رہا تھا۔ وہ شانوں پر بکھرے بالوں کو سمیٹنے لگی تھی۔

”سیف الرحمٰن! تمہارا مسئلہ یہ ہے کہ تمہیں سوائے فضول بولنے کے اور کوئی کام نہیں آتا۔“ وہ جیسے اُکتا کر گویا ہوئی تھی۔ مگر پھر دوسرے ہی پل چپ سادھ لی تھی۔ سیف نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر بہت دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

”تصویر تو دکھا دو، موصوف ہیں کیسے؟ نام تو خاصا بارعب ہے۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری! تمہاری ماما کے ریلیٹو ہیں نا؟ سنا ہے اپنی سلطنت کے آپ بادشاہ ہیں موصوف۔ چلو اچھا ہے ——— اسی بہانے کچھ اختیارات تمہارے ہاتھ بھی آ جائیں گے۔ ظاہری سی بات ہے بھئی، ملکہ جو ہو جاؤ گی۔“ وہ نان اسٹاپ بول رہا تھا۔

”سیف! پلیز۔“ میرب سیال نے اُکتائے ہوئے انداز میں اُس کی طرف دیکھا تھا۔ ”میں کوئی فضول بات سننا نہیں چاہتی ——— پلیز لیو می الون۔“

”تا کہ تم اپنے ان ریاستی شہزادے کے متعلق سوچ سوچ کر محظوظ ہو سکو۔“ سیف الرحمٰن کے لبوں پر

ل

نرم مسکراہٹ تھی اور میرب سیال اس کی سمت دیکھ کر رہ گئی تھی۔

”تمہیں پسند نہ آنے کی وجہ دریافت کر سکتا ہوں؟“

”سیف! پلیز ——— میں بہت پریشان ہوں۔“ اس نے سر دونوں ہاتھوں پر گرایا تھا۔

”سردار سبکتگین حیدر لغاری کی وجہ سے؟“ وہ بدستور چھیڑ رہا تھا۔

”پاپا کی وجہ سے۔“ اُس نے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔ ”سیف! میرا دل بہت ڈرتا رہتا ہے۔ ایک خوف لمحہ لمحہ میرا تعاقب کرتا رہتا ہے ——— مجھے راتوں کو نیند نہیں آتی۔ میں سو نہیں پاتی۔ مجھے اس بات کا قطعاً کوئی ملال نہیں کہ انہوں نے میری زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ میری مرضی کے بغیر طے کر دیا۔ مجھے ملال اس بات کا ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ بہت عجیب صورت حال میں ہو رہا ہے۔ میں نے کبھی نہیں سوچا تھا۔ میں پاپا کو اس طرح دیکھوں گی۔ یا پھر......“

اُس کی آنکھوں میں نمی آن ٹھہری تھی اور وہ یکدم ہی اپنے گداز لب بھینچ کر اس نمی کو اپنے اندر کہیں ضم کرنے لگی تھی۔ سیف نے اسے خاموشی سے دیکھا تھا پھر بہت آہستگی سے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ دھر دیا تھا۔ انداز حوصلہ بندھانے والا تھا۔ مگر اس کی آنکھوں میں تیرتی نمی میں لمحہ بھر میں تغیر واقع ہو گیا تھا اور ایک طوفان جیسے بند توڑ کر بہہ نکلا تھا۔

”سیف! پاپا نے اس صورت حال میں میری جان بھی مانگی ہوتی تو میں ان کے حوالے کر دیتی۔ مگر سیف! یہ فیصلہ بہت بڑا ہے۔ وہ ایک انجانا شخص ہے۔ ان دیکھا۔ نہ سوچوں میں اس کے متعلق؟ پھر جب کہ میں یہ جانتی ہوں کہ زوباریہ انہیں مس گائیڈ کر رہی ہیں۔ وہ ان کی بیماری کو ایک قیمتی لمحہ جان کر کیش کروا رہی ہیں۔ وہ کسی ایسے ہی موقع کی تلاش میں تھیں اور یہ موقع انہیں پاپا کی بیماری کی صورت دستیاب ہو گیا۔ سارے راز منکشف ہیں مجھ پر۔ جانتی ہوں، زوباریہ کبھی میری خیر خواہ نہیں ہو سکتیں۔ وہ پاپا کے سامنے اچھی ماں ہونے کا ڈھونگ کرتی ہیں اور پاپا......“ وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر سر جھکا کر بیٹھ گئی تھی۔

”سیف! میں اپنی ساری زندگی کو زوباریہ کے ایک فیصلے کی نذر کرتے ہوئے بے ثمر نہیں ٹھہرا سکتی۔ لیکن...... لیکن میرے پاس اس کے سوا کوئی راستہ بھی نہیں ہے۔“

سیف اسے چند ثانیوں تک خاموشی سے تکتا رہا تھا۔ پھر دھیمے سے گویا ہوا تھا۔

”تمہیں یہ خدشہ کیوں ستاتا رہتا ہے کہ زوباریہ تمہارے ساتھ سنسیئر نہیں یا وہ تمہیں مس یوز کرنا چاہتی ہے؟“

”کیونکہ یہ سچ ہے سیف! اور یہ بات تم بھی جانتے ہو، وہ میری ماں نہیں ہیں۔ سوتیلی کبھی ماں نہیں ہو سکتی۔ وہ بس ایک موقع چاہتی تھی اور وہ موقع اسے پاپا کے باعث مل گیا۔ وہ مجھے ٹھکانے لگا کر اپنی راہ ہمیشہ کے لیے ہموار کرنا چاہتی ہے۔“

”ہو سکتا ہے ایسا نہ ہو ——— زوباریہ آنٹی ایسی لگتی نہیں ہیں۔ ہو سکتا ہے یہ ایک سرد مہری کی دیوار جو درمیان میں آتی ہے وہ فقط تمہارے باعث ہی ہو۔ تم نے ہی کبھی کوشش نہ کی ہو انہیں سمجھنے کی، جاننے کی۔“

"سیف! تم میرے کزن ہو کر ان کی طرف داری کر رہے ہو؟" وہ لمحہ بھر کو حیران ہوئی تھی۔

"میں طرف داری نہیں کر رہا میرب سیال! میں تمہیں فقط سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

"مت سمجھاؤ مجھے۔"

"پھر کیا کروں؟"

"دفع ہو جاؤ۔" میرب سیال نے سر پھر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا۔

وہ خاموشی سے اسے دیکھنے لگا۔

"اس طرح رونے دھونے سے کیا تمہارے مسائل حل ہو جائیں گے؟"

مگر دوسری جانب سے کوئی جواب موصول نہیں ہوا تھا۔

"میرب سیال! تمہیں کیوں عادت ہے معمولی باتوں پر پریشان ہونے کی؟"

"یہ کوئی معمولی بات ہے؟" اس نے بھیگی پلکوں سمیت سر اٹھایا تھا۔

"چلو مانا معمولی بات نہیں بھی ہے مگر اسے اس طرح رو دھو کر حل تو نہیں کیا جا سکتا۔" سیف الرحمٰن نے جیسے اُکتا کر کہا تھا اور میرب سیال ہاتھ کی پشت سے اپنی آنکھیں رگڑنے لگی تھی۔ تبھی سیف الرحمٰن اس کی سمت تکتا ہوا گویا ہوا تھا۔

"تم کیا چاہتی ہو میرب سیال؟"

"معلوم نہیں ـــــ مگر ایسا تو ہرگز بھی نہیں جیسا ہونے جا رہا ہے۔" اس نے سر اٹھا کر سیف جانب دیکھا تھا۔

"جانتے ہو سیف! میری پہلی ترجیح میرے پاپا ہیں ـــــ میں انہیں کھونا نہیں چاہتی۔" کہتے ہو۔ اس کی آواز ایک بار پھر بھرا گئی تھی۔ آنکھیں پھر سمندر ہو گئی تھیں۔ سیف الرحمٰن خاموشی سے اسے تکتا تھا۔ وہ سر جھکائے کہہ رہی تھی۔

"سیف! مجھے بہت ڈر لگتا ہے۔" لہجہ کسی قدر خوفزدہ تھا۔ آواز سہمی ہوئی سی تھی۔ سیف نے بہت ہولے سے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ دھر دیا تھا۔

"ڈونٹ وری ـــــ کچھ نہیں ہوگا۔ ڈاکٹرز کیا کہتے ہیں؟"

"کچھ کومپلی کیشنز ہیں ـــــ امریکہ جانا پڑے گا۔ زوباریہ کے بھائی ہیں وہاں۔ انہوں نے پاپا کی رپورٹس بھیج کر ہارٹ اسپیشلسٹ سے کنسلٹ کیا ہے۔ ان کے نزدیک دل کے دو والو بند ہونا کوئی پیچیدہ مسئلہ نہیں۔ علاج ممکن ہے۔ مگر اس میں بھی رسک ہے۔ میں جانتی ہوں، نا سمجھ نہیں ہوں۔ زوباریہ مکمل بات مجھے نہیں بتا رہیں۔ بٹ ایوری تھنگ از ناٹ آل رائٹ۔" میرب سیال کی آنکھوں میں نئی اُلجھنیں تیر رہی تھیں۔

"میرب! سب ٹھیک ہو جائے گا ـــــ ہو سکتا ہے وہ تمہیں پریشان کرنا نہ چاہتی ہوں۔"

"ہاں ـــــ وہ بھی خیر خواہ ہیں میری۔ مجھے پریشان کرنا نہیں چاہتیں۔ اور دوسری طرف پاپا کی بیماری کو بہانہ بنا کر میرا پتہ صاف کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ اچھی طرح سمجھتی ہوں میں ـــــ پاپا کا

کہنا ہے، وہ اپنی زندگی میں مجھے ایک نئی زندگی میں داخل ہوتا دیکھنا چاہتے ہیں اور ایسا کرنے کے لیے وہ میرا ہاتھ کسی بھی اجنبی کے ہاتھ میں تھمانے کو تیار ہیں۔" اس کے ضبط کے بندھن پھر ٹوٹ چکے تھے۔ سیف اسے سوائے سمجھانے کے اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ سو اپنی کوشش ضائع جاتے دیکھ کر اس نے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔

"تم نے دیکھا ہے اسے؟" دھیمے لہجے میں دریافت کیا تھا۔

"کسے؟" وہ یکلخت چونکی تھی۔

"انہی محترم سردار صاحب کو۔"

اس کا سارا جوش ماند پڑ چکا تھا۔

"اور کیا، دیکھے بغیر بیاہ کر لوں گی؟"

یقیناً وہ ایک بار پھر غیر سنجیدہ تھا۔ وہ کچھ نہیں بولی تھی۔ تبھی وہ مزید گویا ہوا تھا۔

"اور یقیناً تمہیں اسی بات کا شدید ترین افسوس ہوگا۔"

میرب سیال نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

"تو طے ہے کہ تم قربانی دے دو گی؟" وہ یقیناً اس کا موڈ بحال کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میرب نے سر اٹھا کر اسے جارحانہ انداز میں دیکھا تھا مگر اس کے لبوں پر شریر مسکراہٹ دیکھ کر وہ اپنا سارا غصہ بھول گئی تھی۔ ایک خفیف سی مسکراہٹ لبوں کا احاطہ کر گئی تھی۔

"سیف الرحمٰن ـــــ!" اس نے لب بھینچ کر غصے سے دیکھنا چاہا تھا۔

"تو خوش ہو ـــــ ہاں بھئی، ہونا بھی چاہیے۔ ایک ریاست کی شہزادی ہونے جا رہی ہو۔ ایک حکمراں کے دل پر حکمرانی کرنے کا مزہ ہی کچھ اور ہے۔" سیف مسکرا رہا تھا۔ وہ سر جھکا گئی تھی۔

"سیف! میں یہ شادی نہیں کروں گی۔" اس نے حتمی انداز میں کہتے ہوئے سر نفی میں ہلایا تھا۔

"پھر؟ ـــــ پھر کیا کرو گی؟ ـــــ کیا خودکشی؟" وہ قطعاً سنجیدہ نہ تھا۔

"نہیں قتل کر دوں گی۔" وہ سر اٹھا کر جارحانہ انداز میں گویا ہوئی تھی اور سیف الرحمٰن ہنس پڑا تھا۔

"اور مجھے قتل کر کے تمہارا مسئلہ کیا حل ہو جائے گا؟"

"نہیں ـــــ مگر کسی قدر سکون ضرور ہو جائے گا۔" وہ کہہ کر سر جھکا گئی تھی۔ سیف اس کی جانب چپ چاپ تکنے لگا تھا۔

"اور میرا ایم بی اے ـــــ کتنے چاؤ سے بینکنگ اینڈ فنانس میں ایڈمیشن لیا تھا۔ ابھی تو ایک سمسٹر بھی مکمل نہیں ہوا اور......" آنکھیں پھر چھم چھم برسنے لگی تھیں۔

سیف الرحمٰن نے اسے دیکھا تھا پھر ایک گہری سانس خارج کرتا ہوا گویا ہوا تھا۔

"چلتا ہوں۔ تمہیں پھر بھی غبار نکالنا ہو تو مجھے فون کر دینا ـــــ آ جاؤں گا۔" کہنے کے ساتھ ہی وہ دروازے کی سمت بڑھا تھا۔ میرب سیال اس کی پشت کو دیکھتے ہوئے چیخی تھی۔

"سیف الرحمٰن! تم اس طرح نہیں جا سکتے ـــــ مجھے کوئی مشورہ تو دیتے جاؤ۔"

وہ دروازے کے قریب جا کر رکا تھا۔ مڑ کر اسے دیکھا تھا پھر ایک مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھو گئی تھی۔

"تم ایسا کرو، شادی کر لو۔ اس طرح کم از کم مجھے بھی کچھ ریلیف ملے گا۔"

مگر اس کی بات مکمل ہونے سے قبل ہی میرب سیال نے ایک کشن زوردار طریقے سے اسے دے مارا تھا۔ جس سے بچنے کے لئے اس نے فوراً دروازہ بند کر دیا تھا اور میرب سیال دروازے کی سمت تکتی ایک بار پھر دونوں ہاتھوں پر سر گرا گئی تھی۔

❁❁❁

وقت کرتا ہے پرورش برسوں
حادثہ ایک دم نہیں ہوتا!

چاروں اطراف ایک پُر وحشت سناٹا پھیلا ہوا تھا۔
تازہ موگرے اور گیندے کے پھول جا بجا بکھرے ہوئے تھے۔ ایک ہُو کا عالم تھا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے جس گھر میں ڈھولک کی تھاپ پر سہاگ کے گیت گونج رہے تھے، اسی گھر میں اس لمحے سوگ کا سا عالم تھا۔ مہمانوں سے بھرا گھر اب خالی ہو چکا تھا۔
گندھے ہوئے ابٹن کی خوشبو سے پورا گھر مہک رہا تھا۔۔۔۔۔۔ مگر فضاؤں میں وہ تازگی و شادابی باقی نہ تھی۔
ابھی تھوڑی دیر قبل ہی رسمِ ابٹن کی منتظر دلہن کی آنکھوں میں حد درجہ ویرانی تھی۔
ابھی کچھ دیر قبل شادی کے لئے سجایا جانے والا گھر جیسے ماتم کدہ بن چکا تھا۔
سسرال سے ابٹن آیا تھا مگر اس کی خوشبو سے دلہن کے پور پور نہیں مہکے تھے۔
شادی کی ابتدائی رسم وقوع پذیر ہونے سے قبل ہی اختتام پذیر ہو گئی تھی۔
کوئی فیصلہ کن موڑ آیا تھا اور اپنا فیصلہ رقم کر گیا تھا۔
کوئی پل آیا تھا اور لمحوں کا سارا حسن اپنے سنگ سمیٹ لے گیا تھا۔
کئی وکیل تھے۔ مقدمہ کتنی دیر چلا تھا۔ کتنی تاویلیں دی گئی تھیں۔ کتنی وضاحتیں۔ مگر سب بے سود رہا! اقدام بہت بڑا تھا شاید۔
کتنے سمجھانے بجھانے والے تھے مگر حاصل صفر رہا تھا۔ شادی آغاز سے قبل ہی اختتام پذیر ہو گئی تھی۔ ایک بیٹی کو باپ کے کئے کی بڑی بھیانک سزا دی گئی تھی۔ اس کی آنکھوں کے سارے خواب بے دردی سے نوچ لئے گئے تھے۔
اس کی امنگیں، اس کی انا، اس کے سارے جذبات روند دیے گئے تھے۔
وہ جو شام تک شہنائیوں کی آوازوں سے اپنی سماعتوں کو سجائے رکھتی تھی اب ایک پُر وحشت سکوت چپ چاپ کمرے میں بند جھیل رہی تھی۔ خواب قطرہ قطرہ اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔
سید اذہان حسن بخاری چپ چاپ دیوار کے ساتھ لگا کھڑا تھا۔ دوسری طرف سعد حسن بخاری

ہاتھوں پر گرائے بیٹھے تھے اور ان دونوں کے درمیان فیض بخاری دیوار بنے کھڑے تھے۔
ابھی تھوڑی دیر قبل کی جو صورتِ حال تھی اس میں نئی نویلی دلہن کا دم گھٹنے لگا تھا۔ اس کی طبیعت کے سبب اور کچھ قصداً سعد حسن بخاری نے بیگم کو ڈرائیور کے ساتھ گھر واپس بھجوا دیا تھا۔ جب کہ خود وہاں بابا کی سسرال کے سامنے مقدمے کی پیروی کو موجود رہے تھے۔ اپنی شادی کی وجہ بتانے پر کس قدر غم و غصے کا اظہار کیا تھا انہوں نے اور اس سے صورتِ حال بجائے سنوارنے کے مزید بگڑ گئی تھی۔ وہ اپنے طور پر وضاحتیں دے رہے تھے، سمجھا بجھا رہے تھے مگر سب کچھ فضول تھا جیسے۔
سبب معمولی نہ تھا۔ قصہ نظر انداز کیے جانے کے قابل نہ تھا۔ بات چھوٹی نہ تھی۔ سو ساری وضاحتیں رد ہو گئی تھیں اور پہلی بار ایک باپ کے باعث بیٹی کی شادی انجام پذیر ہونے سے رہ گئی تھی۔
ایک باپ کی شادی کے باعث، بیٹی کی شادی ادھوری رہ گئی تھی۔
خواب دیکھنے والی آنکھیں ویرانیوں سے بھر گئی تھیں۔
مگر اس تمام صورتِ حال کے باوجود باپ کو اپنی غلطی ماننے کی بجائے اپنی بات رد کیے جانے کا ملال زیادہ تھا۔
"بے وقوف لوگ ہیں۔۔۔۔۔۔ سمجھ نہیں رہے ہیں۔ میرا معاملہ سراسر الگ ہے اور میری بیٹی کا الگ۔ میں کیا کرتا ہوں، کیا نہیں یہ میرا پرسنل افیئر ہے۔ جس میں کم از کم کسی اور کی مداخلت میں برداشت نہیں کر سکتا۔ خوامخواہ کا ایشو بنا رہے ہیں لوگ۔ بھلا میری شادی سے کسی کا کیا نقصان ہوا ہے؟۔۔۔۔۔۔ اور شادی کرنا کون سا گناہ ہے۔ کتنے لوگ شادیاں کرتے ہیں۔ میں نے دوسری شادی کر کے کون سا گناہ کر لیا۔ گناہ تو جب ہوتا جب میں شادی کے بغیر کوئی تعلق قائم رکھتا۔ یہ ایک شرعی شادی ہے۔۔۔۔۔۔ پھر دنیا اسے قبول کرنے سے کیوں کترا رہی ہے؟ لالچی لوگ ہیں کمبخت، اپنا الّو سیدھا رکھنا چاہتے ہیں۔ میں نے تو یہاں تک پوچھ لیا کیا چاہیے، گاڑی، بنگلہ، کیا کیا چاہیے۔۔۔۔۔۔ مگر وہ بھی ڈھاک کے تین پات بنائے بیٹھے تھے۔ ایک ہی جواز لئے لکیر پیٹے رہے۔ اچھا ہوا! جلد اصلیت کھل گئی۔ گھٹیا لوگ کل جانے کون سے تیور دکھاتے۔" وہ جیسے اس گھڑی خود کلامی کر رہے تھے۔
سید اذہان حسن بخاری نے بے تاثر چہرے سمیت باپ کی سمت نگاہ کی تھی۔ پھر چاچا کی طرف دیکھا تھا اور رسانیت سے پُر لہجے میں بولا تھا۔
"چاچو! ان سے کہئے ہمارا ان سے اب کوئی رشتہ نہیں ہے۔ براہِ مہربانی چلے جائیں یہ یہاں سے۔"
فیض بخاری نے جوان بھتیجے کے شانے پر ہاتھ دھرتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا تھا۔
"تم جاؤ اندر۔۔۔۔۔۔ میں بات کرتا ہوں۔" نرمی سے سمجھانے والا انداز اختیار کیا تھا۔ جانتے تھے ایک آنچ دکھانے والی بات تھی اور سارا منظر خاکستر ہو جاتا تھا۔ وہ جوان خون کے اندر ایک لاوا پکتے ہوئے محسوس کر رہے تھے تبھی احتیاط سے کام لیتے ہوئے اسے وہاں سے ہٹانا چاہتے تھے۔ مگر سعد حسن بخاری بھڑک اٹھے تھے۔
"ہمارا معاملہ اس کا بگاڑا ہوا ہے۔۔۔۔۔۔ اسے مطلع کر دو فیض! یہ گھر قانونی طور پر میرا ہے۔ اس کی

ایک ایک شے میری بنائی ہوئی ہے۔ اس گھر پہ حکم بھی میرا چلے گا۔ اسے میرے یا اس گھر کے معاملات میں بولنے کا قطعاً کوئی حق نہیں۔ یہی بات فارحہ سے بھی کہی تھی میں نے۔ مگر اس نے اسے میرے مدمقابل لا کھڑا کیا۔ اس سے پوچھو کیا شناخت ہے اس کی؟ —— کیا پہچان و مقام ہے سوسائٹی میں؟ کتنے لوگ اسے جانتے ہیں اور جانتے بھی ہیں تو کس حوالے سے؟ —— کیا ہے جو اس کا اپنا ہے؟ سب کچھ میرا دان کیا ہوا ہے۔ آج اگر یہ اپنے قدموں پر جم کر کھڑا ہے تو میری بدولت۔ دو چار لوگ جانتے ہیں، جھک کر سلام کرتے ہیں تو فقط میرے حوالے سے۔ دنیا میں اگر کوئی عزت و مرتبہ ہے تو فقط میرے باعث۔ یہ نام، یہ مقام میرا دیا ہوا ہے۔ اور آج یہ میرے مقابل کھڑا ہو کر مجھے ہی للکار رہا ہے۔ یہ سب کچھ فارحہ کا کیا دھرا ہے۔ اپنا وکیل بنایا ہے اس نے اسے۔ میں نے باور کرایا تھا اسے، بات خود تک محدود رکھو گی تو سب کچھ ٹھیک رہے گا۔ مگر اس نے اسے پٹی پڑھا کر اپنی ڈھال بنالیا۔ بیٹی کی شادی کا مجھے بھلا کوئی خیال نہ تھا؟ مگر یہ سب کیا دھرا ان دونوں ماں بیٹے کا ہے۔"

سید اذہان حسن بخاری عجب ایک ضبط سے سر جھکائے کھڑا رہا تھا۔ کمرے میں فقط سعد حسن بخاری کی آواز گونج رہی تھی۔

"مجھے اس انتہائی اقدام پر ان دونوں نے مجبور کیا۔ کہہ دیا تھا میں نے، ایسا کر گزروں گا اگر ان دونوں ماں بیٹے نے مجھ سے مخالفت کی ٹھانی۔ بے وقوف عورت سمجھی نہیں۔ اس سے قبل بھی جب اس نے یہ معاملہ اٹھایا تھا۔ میں نے فارحہ سے کہا تھا ان موصوف اور مجھ میں سے کسی ایک کا انتخاب کر لو —— بیٹا چاہیے یا شوہر؟ —— مگر تب اس نے آئندہ کسی ایسی مداخلت کے نہ ہونے کی یقین دہانی کرائی تھی۔ مگر ایسا ہوا نہیں۔ ہمت دیکھو ان موصوف کی، مجھ سے باز پرس فرمائی اور ان اقدام میں ماں صاحبہ پیش پیش رہیں۔ خوش کیوں نہ ہوتیں۔ ایک وکیل جو ہاتھ آ گیا تھا۔"

بیٹے کے لیے ان کا لہجہ حد درجہ زہرخند تھا۔ فیض بخاری بہت پُرافسوس انداز میں بھائی صاحب کو دیکھ رہے تھے۔

سید اذہان حسن بخاری بدستور سر جھکائے کھڑا تھا۔ پُرتناؤ چہرہ کسی بھی طرح کے تاثر سے عاری تھا۔ خاموشیوں میں کیا کیا طوفان نہ پل رہے تھے۔ فیض بخاری نے بھتیجے کو دیکھا تھا پھر بہت دھیمے لہجے میں گویا ہوئے تھے۔

"تم اندر چلو —— میں ہوں یہاں۔"

"اسے اندر کیوں بھیج رہے ہو؟ —— اسی کا تو سارا مقدمہ ہے۔ وکالت نہیں کرنے دو گے اسے؟"

سعد بخاری دہاڑے تھے۔ جس سرد جنگ کا آغاز چند دن پہلے باپ بیٹے کے مابین ہوا تھا وہ سرد جنگ اب انتہائی شدت اختیار کر چکی تھی —— فیض بخاری نے اذہان کا شانہ تھام کر ضبط قائم رکھنے کی جیسے درخواست کی تھی۔

اذہان حسن بخاری نے قدم اندر کی جانب بڑھائے تھے۔ تبھی عالم مدہوشی میں چلتی فارحہ دہلیز پر آن رکی تھیں۔ خالی خالی نظروں سے منظروں کو تکتی جیسے کچھ سمجھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ نیم جھلی آنکھیں ویرانیوں

سے بھری ہوئی تھیں۔ سید سعد حسن بخاری اٹھ کر ان کے سامنے جا رکے تھے۔ کچھ دیر تک اسے خاموشی سے تکتے رہے تھے پھر بہت سخت لہجے میں بولے تھے۔

"منع کیا تھا نا میں نے تمہیں —— انجام کی ذمہ دار تم خود ہو۔" الزام بہت کڑا تھا مگر وہ خالی خالی نظروں سے ان کی سمت تکتی چلی گئی تھیں۔

"تم فارحہ بیگم! تم ...... تم نے بیٹے کو فوقیت دی شوہر پر۔ جو کچھ بھی ہوا اس کی ذمہ دار تم خود ہو۔" اسے شانوں سے پکڑ کر جھنجھوڑ دیا تھا۔ "آج جو کچھ بھی ہوا تمہارے اس بیٹے کی وجہ سے ہوا۔ یہ ہنستا بستا گھر، یہ خوشیاں، جو کچھ بھی تم سے روٹھ گیا سب اس بیٹے کی بدولت۔ تمہاری بیٹی کا گھر بنتے بنتے جو رہ گیا فقط اس سپوت کے باعث۔ تم نے اسے چھوٹ دی، باپ سے باز پرس کرنے کی، اس کے نجی معاملات میں ٹانگ اڑانے کی اور میرے اور اپنے درمیان آنے کی۔ اور آج نتیجہ تم دیکھ چکی ہو —— تمہاری بیٹی کی شادی جو آج ٹوٹ گئی ہے تو میرے باعث نہیں۔ میری شادی یا میں اس کی وجہ قطعاً نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ بات تم اچھی طرح جانتی ہو کہ جو کچھ بھی ہوا وہ عمل نہیں، ردعمل تھا۔"

سعد بخاری کا زہرخند لہجہ چہار سمت گونج رہا تھا۔ اس کے ہاتھ فارحہ کے شانوں پر تھے اور وہ جو ساکت بت بنی کھڑی تھی، یکدم ہی لڑکھڑائی تھی اور زمین پر آ رہی تھی۔ اذہان حسن بخاری اور فیض نے فوراً ہی فارحہ کی جانب پیش قدمی کی تھی۔

"ممی ...... ممی ......" عجب ہذیانی انداز میں اذہان حسن بخاری نے پکارا تھا مگر دوسری طرف سے کوئی جواب موصول نہیں ہوا تھا۔ سید اذہان حسن بخاری نے سر اٹھا کر لہو رنگ آنکھوں سے باپ کی طرف دیکھا تھا۔

"اگر میری ماں کو کچھ ہو گیا تو میں آپ کو نہیں چھوڑوں گا۔" سخت لہجے میں کہہ کر اس نے فوراً ہی ماں کو اپنے مضبوط آہنی بازوؤں میں بھرا تھا اور باہر کی سمت نکلنے لگا تھا۔ فیض بخاری نے بھی ساتھ ہی پیش قدمی کی تھی۔

سعد حسن بخاری وہیں کھڑے تکتے رہ گئے تھے۔

* * *

اچانک ہونے والے واقعات کو شدِ ذہن قبول کرتا ہے نہ دل۔

اور وہ اگرچہ دل کے احکامات پر کان دھرنے والوں میں سے نہ تھی مگر اس کے باوجود کئی دنوں سے ایک بے چینی مسلسل اس کا گھیراؤ کیے ہوئے تھی۔ وہ کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر کے ہر طرف سے غافل ہونے کے جتن سوچ رہی تھی۔ اپنے طور پر اس تمام صورت حال سے بھاگ رہی تھی یا بچنے کی سعی کر رہی تھی۔ مگر اس صبح جب وہ کیمپس جانے کی تیاری کر رہی تھی، قانی نے کمرے میں آ کر اطلاع دی تھی کہ پاپا اسے بلا رہے تھے اور اس کا دل جیسے مٹھی میں آ گیا تھا۔

کتنی دیر تک وہ ہیئر برش ہاتھ میں لیے ساکت بیٹھی خود کو اس صورت حال کے لیے ذہنی طور پر تیار کرنے کے جتن کرتی رہی تھی۔ مگر اس کے باوجود جیسے صورت حال اختیار سے باہر تھی۔ مگر یہ فعل بھی ناگزیر

تھا۔ تبھی وہ ہونٹ بھینچے ہولے سے اٹھی تھی اور باہر نکل آئی تھی۔ پاپا ناشتے کی ٹیبل پر اس کے منتظر تھے۔ زوباریہ شاید ثانی کو سکول جانے کے لئے تیاری میں مدد دے رہی تھیں۔ وہ مُردہ قدموں سے چلتی ٹیبل آن بیٹھی تھی۔۔۔۔۔ پاپا نے ڈان کے صفحات پر سے دھیان ہٹا کر اس کی سمت نگاہ کی تھی پھر وہ بجھے بجھے گویا ہوئے تھے۔

''بریک فاسٹ لو۔'' اور میرب سیال مرے دل سے اپنے لئے چائے انڈیلنے لگی تھی۔ پاپا کچھ دیر خاموشی سے اپنا ناشتہ لیتے رہے تھے پھر اس کی سمت دیکھا تھا۔

''میرب! آپ بہت انڈر اسٹینڈنگ بچے ہو میرے۔ صورتِ حال کو سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہو۔ معاملہ اتنا سنگین نہیں مگر میں اپنی زندگی میں اپنے بچوں کو سکیور دیکھنا چاہتا ہوں ——— ہر باپ کی طرح میری بھی یہی خواہش ہے کہ میرے بچے خوش اور محفوظ رہیں۔ ہر باپ اپنے بچوں کے لئے ان کے مستقبل کو سامنے رکھ کر خواب وضع کرتا ہے۔ میرے بھی بہت سے خواب تھے مگر زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔'' پاپا تمہید باندھتے ہوئے مناسب الفاظ ڈھونڈ رہے تھے اور کتنی چپ چاپ اس کی آنکھوں سے پانی نکل کر قطروں کی صورت ٹیبل کی سطح پر بکھرنے لگا تھا۔ پاپا نے بہت ہولے سے اس کے ہاتھ پر ہاتھ دھرا تھا۔

''ڈونٹ بی فولش میرب! زندگی کو بہت بہادری سے فیس کرنا ہے تمہیں ——— میں اپنے بچوں کو کمزور ہرگز نہیں دیکھنا چاہتا۔ مجھے افسوس ہے ہم نے تمہاری رائے جانے بغیر تمہاری بات پکی کر دی۔ مگر یہ اقدام غیر مناسب قطعاً نہیں۔ یہ تمہاری بہتری کے لئے ہے۔ والدین کبھی اپنے بچوں کے لئے برا نہیں چاہتے حمیدہ بیگم، زوباریہ کی کزن ہیں۔ قابلِ بھروسہ لوگ ہیں۔ برسوں پرانی جان پہچان ہے۔ اس کے باوجود میرے لئے یہ فیصلہ کرنا آسان نہ تھا۔ میں جانتا ہوں آپ کی اسٹڈی پر بھی اثر پڑے گا۔ مگر میرے پاس اس سے بہتر فیصلہ نہ تھا۔ حمیدہ بیگم نے ہمیں اپنے فارم ہاؤس پر آنے کی دعوت دی ہے۔ سبکتگین لغاری بھی چند ہی دنوں میں واپس لوٹ آئیں گے۔ آپ مل لیجئے گا ان سے ——— فی الحال فقط نسبت طے ہوئی ہے۔ حمیدہ آپا فوراً شادی کرنا چاہتی ہیں مگر میں یہ فریضہ اتنی جلد سر انجام دینے کے حق میں اس لئے نہیں کہ کوئی ناانصافی نہیں چاہتا۔ میں چاہتا ہوں آپ کی مرضی بھی اس میں شامل رہے۔ منگنی سے شادی تک عرصہ انڈر اسٹینڈنگ کے لئے ہوگا۔ اگر آپ کو ہمارے فیصلے پر کوئی اعتراض ہو تو آپ انکار کر سکتے ہیں جانے سے قبل میں یہ فریضہ اپنے ہاتھوں سر انجام دے جانا چاہتا ہوں ——— مجھے یقین ہے آپ مجھے اس حق سے محروم نہیں کرو گے اور میری خواہش کا احترام کرو گے۔''

مظہر سیال کے لہجے میں ایک مان تھا اور میرب سیال سر جھکائے بیٹھی رہی تھی۔ آنکھوں سے پانی قطرے ایک تواتر کے ساتھ ٹیبل کی سطح پر گرتے رہے تھے۔ مظہر سیال بات جاری رکھتے ہوئے بولے تھے۔

''حمیدہ بیگم کے ساتھ طے پایا ہے کہ جب تک ہم علاج کی غرض سے بیرونِ ملک مقیم رہیں گے، آپ ان کے ہاں قیام کریں گی۔''

پاپا کا حکم عجیب تھا۔ تبھی شاید اس تمام عرصے میں پہلی بار سر اٹھا کر انہیں دیکھا تھا۔

''میں آپ کے ساتھ جاؤں گی۔''

''بچوں جیسی باتیں نہیں کرتے بیٹا! زوباریہ ہوگی نا میرے ساتھ۔'' مظہر سیال نے کسی قدر تیزی سے کہا تھا پھر شاید اندازہ ہونے پر بہت مدھم انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولے تھے۔

''پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔ پھر تمہاری پڑھائی کا بھی حرج ہوگا۔ تم بہت سا پڑھو، بہت قابل انسان بنو۔ یہ میرا خواب ہے۔'' مظہر سیال اسے بچوں کی طرح پچکارتے ہوئے اپنی خواہشات کا انبار لگا رہے تھے اور وہ سر جھکائے میز کی گیلی سطح کو تکتی رہی تھی۔ پھر ان کے چپ ہونے پر یکدم سر اٹھایا تھا۔

''میں کسی کے گھر نہیں رہوں گی۔'' کھنچے کے ساتھ نفی میں سر ہلایا تھا۔

''تو کیا مجھے پریشان کرو گی؟'' پاپا نے اسے وضاحتی نظروں سے دیکھا تھا۔ وہ فوری طور پر کچھ نہ بولی تھی۔ تبھی وہ بولے تھے۔

''دیکھو بیٹا! بات چند روز کی ہے۔ اور حمیدہ آپا کوئی اجنبی نہیں۔''

''نہیں...... نہیں...... نہیں۔'' دل بولنے جا رہا تھا۔ مگر اس کے لبوں پر کئی قفل پڑے تھے۔ مظہر سیال نے اسے بغور دیکھا تھا۔

''پرسنل...... کہیں اور وابستگی ہے آپ کی؟'' وہ اعتراض کی وجہ جاننا چاہتی تھی۔

''نہیں۔'' اس نے سر نفی میں ہلایا تھا۔

''پھر؟''

مگر وہ چپ رہی تھی۔

''کچھ نہیں۔'' وہ دوسرے ہی پل اٹھی تھی اور شولڈر بیگ کاندھے پر ڈال کر باہر نکل آئی تھی۔ ایک روشن صبح اس کے سامنے روشنی کا سفر کر رہی تھی۔ بہت سی چمکیلی روشنی اس کے ارد گرد بکھری تھی مگر اندر کہیں بہت زیادہ گھپ اندھیرا تھا اور وہ اس اندھیرے میں خود کو تلاشتی پھر رہی تھی مگر سرا کہیں بھی نہیں تھا۔

❋❋❋

''محبت اپنی شباہتیں ڈھونڈتی ہے۔ آتے جاتے موسموں میں، گزرتے لمحوں میں، مختلف رنگوں میں، مختلف چہروں میں، مختلف آنکھوں میں۔ محبت کا یہ وتیرہ ہے۔ اضطرابیوں سنگ، زرد پتوں کی طرح بے سمت اڑنا اور منزلوں کا تعاقب کرنا۔ تغیراتِ زمانہ کے باوجود یہ بے خودی تھمتی نہیں ہے۔ یہ شوقِ سفر رکتا نہیں ہے۔ محبت اپنی کھوج جاری رکھتی ہے۔ ناکامیوں سے بے پرواہ اپنا سفر جاری رکھتی ہے۔'' گی کا مدھم لہجہ فضاؤں میں خوشبو کی صورت بکھرتا جا رہا تھا۔ نور تو اب بھی انہی فضاؤں کی زد پر تھا۔ سنی بروک پارک میں خشک زرد پتے اسی انہماک سے سرگوشیوں میں مصروف تھے۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری خاموشی سے اس کی سمت تکتا رہا تھا پھر جانے کیوں ہولے سے مسکرا دیا تھا۔ گی اس کے مسکرانے پر اسے دیکھنے لگی تھی۔ شاید اسی لئے وہ وضاحتی انداز میں گویا ہوا تھا۔

''لڑکیاں شاید ساری ایک جیسی ہوتی ہیں۔'' اس کے تجزیے پر وہ اسے خاموشی سے دیکھنے لگی تھی پھر

ہولے سے گویا ہوئی تھی۔

''کیا مشرقی لڑکیوں کی سوچ ایسی ہی فطری ہوتی ہے؟'' اور وہ ہنس دیا تھا۔ پھر قدرے لاپرواہی سے شانے اچکا دیے تھے۔

''پتہ نہیں۔''

''کیا مطلب؟'' گی کی جانب سے استفسار ہوا تھا۔

''میں پاکستان میں زیادہ رہا نہیں۔ دس برس کا تھا جب مائی اماں نے پڑھنے کی غرض سے برٹین بھیج دیا۔ عرصہ دراز تک وہیں رہائش پذیر رہا۔ کبھی کبھار پاکستان جانا ہوتا رہا۔ مگر وہ ڈیوریشن بہت کم رہا پڑھائی سے فراغت ہوئی تو خاندانی امور کی ذمہ داریاں کندھوں پر آن پڑیں۔ کاروبار کا آغاز ہوا۔ ملکوں ملکوں سفر کرنے لگا اور کسی اور طرف کا دھیان ہی نہیں رہا۔''

''اس کا مطلب ہے تم لڑکیوں سے کبھی وابستہ نہیں رہے؟'' گی کو کسی قدر حیرت ہوئی اور وہ مسکرا دیا۔

''نہیں، ایسی بات نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو میں اس لمحے تمہارے سامنے نہ ہوتا۔ میں ایک عام سا بندہ ہوں۔ فطری تقاضوں سے خود کو بچا نہیں سکتا۔ یہ ممکن بھی نہیں ہے۔ ہاں یہ ہے کہ مشرقی لڑکیوں سے میرا سابقہ اس طور نہیں پڑا۔ بہت سی کزنز ہیں۔ مگر انہیں میں نے کبھی ایسی نظر سے نہیں دیکھا۔'' اس نے کسی بھی مبالغہ آرائی کے بغیر صاف گوئی سے کہتے ہوئے شانے اچکائے تھے اور جواباً گی بہت سی بے یقینی آنکھوں میں بھرے اسے تکنے لگی تھی۔

''یعنی مغرب میں تمہاری وابستگی لڑکیوں سے رہی؟''

جانے اُس نے کیا جاننا چاہا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اپنی ازلی تمکنت سے اس کی سمت نگاہ کی تھی اور دھان پان سی نظر آنے والی گی اس لمحے اپنے چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

اس چہرے کے رنگوں میں ایک تغیر کی سی کیفیت تھی۔ ان فضاؤں کو مات دیتے لبوں پر خاموشیوں کا پہرہ تھا۔ سبکتگین لغاری اس کی سمت سے دھیان ہٹا کر چہرے کا رخ پھیر گیا تھا مگر اس لمحے اس کے لبوں پر بڑی دھیمی سی مسکراہٹ اتری تھی۔

''تمہیں اچھا نہیں لگا؟''

''کیا؟'' گی چہرے کا رخ پھیرے پھیرے بولی تھی۔

''یہی، میری لڑکیوں سے وابستگی۔'' انداز سرسری تھا مگر لبوں کی مسکراہٹ گہری ہوگئی تھی۔ گی کچھ نہ بولی تھی مگر سرسراتی پاگل ہوائیں بہت چپکے چپکے کچھ دھیمی سرگوشیاں کر رہی تھیں۔

''کیا کسی سرد خانے سے کوئی بے خودی ہولے ہولے سر اٹھا رہی ہے؟'' بہت ہولے سے جھک کر سبکتگین لغاری نے ایک مدھم سی سرگوشی کی تھی۔ شرارت سے بھرپور لہجے میں گویا ہوا تھا۔ گی یکدم چونک کر اسے دیکھنے لگی تھی۔ مگر وہ جس سرعت سے گویا ہوا تھا اس سے کہیں زیادہ سرعت سے اس کے اندر تغیر واقع ہوا تھا۔ چہرہ کسی قدر بے تاثر اور انداز لاپرواہانہ تھا۔ شرارت کرنے والا۔ اس کی جانب قطعی اس گھڑی متوجہ نہ تھا۔ گی اسے دیکھتے ہوئے چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

''تم بہت بے تاثر ہو۔ سرد، جامد، خود کو فقط پوز کرتے ہو یا پھر ہو بھی؟'' وہ اس کے متعلق شاید کوئی ہتمی رائے قائم نہ کر پائی تھی تبھی دھیمے لہجے میں گویا ہوئی تھی اور سبکتگین حیدر لغاری کے لبوں پر اس لمحے جانے کیوں مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔

''میرے بارے میں جاننے کی متلاشی ہو؟'' عجب سوال تھا۔

گی نے کسی قدر حیرت سے دیکھا تھا۔ شاید اس کے چہرے سے کچھ اخذ کرنا چاہا تھا مگر پھر ناکام ہو کر سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

''تم کوئی عام آدمی ہرگز نہیں ہو۔'' بہت تھکے ہوئے لہجے میں جیسے وہ اعتراف کرتی ہوئی چہرے کا رخ پھیر گئی تھی اور اس لمحے سردار سبکتگین کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہوگئی تھی۔

''تم یہ اعتراف کرنے والی پہلی لڑکی نہیں ہو۔'' ایک ازلی تمکنت اس گھڑی نہ صرف لہجے میں تھی بلکہ آنکھوں سے بھی یہ احساس ہویدا تھا۔ مگر گی کچھ نہیں بولی تھی۔ کچھ دیر تک ان کے درمیان طویل خاموشی رہی تھی۔ سرسراتی خنک ہوائیں ہولے ہولے بہت سی مدھم سرگوشیاں کرتی پاس سے گزرتی رہی تھیں مگر ان مدھم سرگوشیوں پر نہ گی نے کان دھرے تھے نہ ہی سردار سبکتگین نے۔ بہت سے لمحے خاموشی سے دبے پاؤں گزر گئے تھے۔ پھر انہی خاموش لمحوں میں سردار سبکتگین لغاری نے اس دھان پان سی لڑکی کی جانب دیکھا تھا اور قدرے دھیمے انداز میں مسکراتا ہوا گویا ہوا تھا۔

''کیا تمہیں مجھ سے مل کر خوشی نہیں ہوئی؟''

''نہیں۔'' گی اس کی جانب دیکھے بغیر بولی تھی۔ سبکتگین بغور اس کی سمت تکتا رہا تھا۔ لبوں کی مسکراہٹ اس گھڑی گہری ہوگئی تھی۔

''جھوٹ بول رہی ہو؟'' دھیمے لہجے میں دریافت کیا تھا۔

گی چند ثانیوں تک خاموش رہی تھی، پھر ہولے سے گردن پھیر کر اس کی سمت دیکھا تھا اور اسی قدر دھیمگی سے گویا ہوئی تھی۔

''ہاں۔''

بہت برجستہ اعتراف تھا۔ سردار سبکتگین اسے دیکھنے لگا تھا۔ مگر وہ مزید کچھ نہیں بولی تھی۔ شاید جو بولی تھی وہی بہت کافی تھا۔ سردار سبکتگین کے لبوں پر بہت ہولے سے مسکراہٹ اُبھری تھی۔

''تم پہلی لڑکی نہیں ہو جو ایسا اعتراف بلاتامل کر رہی ہو۔''

گی نے دیکھا اس کی آنکھوں میں ہی نہیں لبوں پر بھی مسکراہٹ تھی۔ یقیناً وہ اسے چھیڑ رہا تھا اور اس سمے گی کے گداز لبوں پر بھی مسکراہٹ بہار کے سارے رنگ اپنے ہمراہ لیے دبے پاؤں اتر آئی تھی جسے چھپانے کے لیے اس نے روایتی جاپانی لڑکیوں کی طرح نہ تو چہرے پر ہاتھ دھرنے کی کوشش کی تھی نہ ہی اس زود رنج مسکراہٹ کو دبانے کی کوشش کی تھی بلکہ وہ بڑے اعتماد کے ساتھ مسکراتی ہوئی گویا ہوئی تھی۔

''تمہیں کبھی محبت نہیں ہوئی؟''

''تمہیں کیا لگتا ہے؟'' سبکتگین نے الٹا سوال داغ کر اسے مشکل میں ڈال دیا تھا۔ لبوں پر پھیلی

مسکراہٹ بتا رہی تھی کہ وہ گی کے اس سوال سے حد درجہ محظوظ ہوا ہے۔ گی نے سرسری انداز میں شانے اچکائے تھے۔ انداز لاپرواہ سا تھا۔ سبکتگین نے یکدم ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔ وہ چہرہ وہیں ان شرارتوں کو چھوا تھا۔ گی ایک پل میں جیسے بیدار ہوئی تھی۔ بے ارادہ ہی ذرا پیچھے کھسکی تھی۔ لمس کوئی انگارہ جیسے۔ مگر سبکتگین کی محویت قطعاً نہیں ٹوٹی تھی۔ وہ اسی طور اس کی سمت تکتا رہا تھا۔

"تم بہت خوب صورت ہو گی!" لہجہ مدھم تھا۔ مگر گی کچھ نہیں بولی تھی۔ چند لمحوں تک خاموشی ان کے درمیان سفر کرتی رہی تھی۔ پھر اچانک گی نے سر اٹھا کر اس لمبے چوڑے شخص کو دیکھا تھا۔

"تم اب تک یہ بات کتنی لڑکیوں سے کہہ چکے ہو؟"

"اتنی ہی جو تمہارے جتنی خوبصورت تھیں۔" وہ مسکرایا تھا۔

گی جانے کیوں اسے بغور تکنے لگی تھی۔ پھر دھیمے لہجے میں بولی تھی۔

"اور ان خوب صورت لڑکیوں میں اتنی خوب صورت کتنی تھیں جو تمہارے دل کو چھو سکیں؟" سبکتگین کچھ نہیں بولا تھا۔ بس فقط اسے دیکھتے ہوئے چہرے کا رخ پھیر گیا تھا۔ گی کچھ دیر تک اسے تکتی رہی تھی، پھر بول اٹھی تھی۔

"جو بہت کم کم مسکرانے والے ہوتے ہیں وہ جب مسکراتے ہیں تو مسکراہٹ ان کے چہرے پر بہت بھلی لگتی ہے۔ ایسے ہی جیسے تمہارے چہرے پر۔" اس کا تجزیہ بہت برجستہ تھا۔ سبکتگین اس کی سمت تکنے لگا تھا۔

"تمہیں کیسے لگا کہ میں کم کم مسکراتا ہوں؟"

"تمہارے چہرے سے۔ بہت تناؤ کی سی کیفیت ہے۔ بہت حد تک سرد و جامد اور بے تاثر۔ شاید بہت اچھے ہو اندر سے ـــــ مگر تمہارا چہرہ اس بات کی ترجمانی نہیں کرتا۔"

اور وہ ہنس دیا تھا۔

"اپنی رائے تبدیل کر رہی ہو؟"

"نہیں ـــــ بہتر انداز میں واضح کر رہی ہوں۔" وہ سر جھکا گئی تھی۔ وہ اس کی سمت تکنے لگا۔ فقط خوب صورت ہی نہیں بہت زیادہ ذہین لڑکی تھی۔ وہ لمحہ لمحہ اس پر پہیلیوں کی صورت میں کھل رہی تھی۔ شاید اسی لئے اس کے ساتھ بات کر کے سبکتگین کو لطف آ رہا تھا۔

"تمہیں کبھی محبت نہیں ہوئی؟" وہ بہت چونکتے ہوئے سر اٹھا کر اس کو تکنے لگی تھی۔ وہ بغور اس کی سمت دیکھ رہا تھا اور اس لمحے ان خواب خواب آنکھوں کے رنگ یکدم بدلنے لگے تھے۔ کتنی ویرانیاں رقص کرنے لگی تھیں اور گی اس کی سمت سے چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔ بالکل غیر ارادی طور پر۔ وہ اس کے اپنے بائیں ہاتھ کی تیسری انگلی میں موجود انگوٹھی کو گھمانے لگی تھی۔ انداز بے حد اضطراری تھا۔ سبکتگین بغور دیکھ رہا تھا۔

"اس نے تم سے بے وفائی کی؟" وہ کسی نتیجے پر پہنچا ہوا گویا ہوا تھا۔

وہ یکدم سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

"کیا بہت چاہتی تھیں تم اسے؟" اسے کسی قدر حیرت ہوئی تھی۔

گی کچھ نہیں بولی تھی۔ تبھی جیسے وہ اس کی عقل پر ماتم کرتا ہوا گویا ہوا تھا۔

"محبت ان زمانے کی شے نہیں۔ کرتے ہوں گے کوئی بے وقوف جن کے پاس عقل کا فقدان ہوتا ہوگا یا دولت کی فراوانی۔ مگر آج کے دور میں قطعاً نہیں۔ وقت کس کے پاس ہے۔ کتنی گھٹیا شے ہے، فضول تفریح اور ایسے میں محبت۔ تان سنس۔"

"ایسا مت کہو۔ محبت کوئی فضول شے نہیں ہے۔"

"تو تم واقعی محبت پر اس درجہ ایمان رکھتی ہو۔ بے وقوف لڑکی! تبھی تمہاری آنکھیں اس قدر ویرانیوں سے بھری پڑی ہیں۔" وہ اسے ڈانٹتے ہوئے دونوں ہاتھ اٹھا کر اسے باور کرانے والے انداز میں بولا تھا۔ "سنو! یہ فقط بے وقوفی ہے۔ یہ بس دماغ کا خلل ہے۔ حقیقت کچھ نہیں ہے اس کی۔" وہ کہہ کر رکا تھا۔ گی سر جھکائے بیٹھی رہی تھی۔

"او مائی گاڈ۔ کتنی بے وقوف ہوتی ہیں یہ ساری لڑکیاں۔ سنو! وہ جو کوئی بھی تھا تمہاری زندگی سے جا چکا۔ تم پر زندگی کے دروازے بند نہیں ہونے چاہئیں۔ تمہیں بھی اپنے حصے کی خوشیاں سمیٹنے کا اتنا ہی حق حاصل ہے جتنا کہ اسے۔ بھول جاؤ اسے۔ تم بھی خوش رہو۔ اپنے حصے کی خوشیاں تلاشو۔ جس طرح کہ وہ یقیناً کر رہا ہوگا۔" وہ بہت جذباتی انداز میں بول کر چپ ہو گیا تھا۔ مگر گی تب بھی کچھ نہیں بولی تھی۔ خاموشی کے ساتھ اٹھی تھی اور تھکے ماندے قدموں سے واپسی کا سفر طے کرنے لگی تھی۔ سبکتگین حیران نظروں سے کافی دیر تک بیٹھا اس سمت تکتا رہا تھا۔

❁❁❁

تقریب تو فقط منگنی کی تھی مگر کلاس اور اسٹیٹس کے تحت انتظامات انتہائی پُر وقار تھے۔ بڑے معمول پر تھی۔ عفنان علی خان دوستوں میں گھرا کھڑا تھا۔ ابھی کچھ دیر میں اس لڑکی کے ساتھ اس کی نسبت طے ہونے جا رہی تھی جس کے لئے اس نے اپنی عقل کے ساتھ عندیہ دیا تھا۔ ماں اور بہنیں تقدیر پر بضد تھیں اس کے لئے لڑکی ڈھونڈنے کے لئے۔ تینوں اس مہم پر صرف ہوئے تھے۔ اس کی جانے کے کتنے قصد ہوئے تھے۔

کتنے دو بڑے۔ پھر مت کہنا پھنسا دیا۔ کوئی ہے تو بتا دو۔ ابھی تیر کمان میں ہے۔" بڑی بہن شادی شدہ اپنے دو سالہ عازی کو سنبھالتے ہوئے بولی تھیں۔ مگر وہ فقط مسکرا دیا تھا۔

"یقین نہیں آتا بھائی! اتنی عمر گزارنے کے بعد بھی آپ نے کہیں دھواں دھار قسم کا عشق نہ فرمایا ہو۔" اُوشہ بہت دیر کی سوچ بچار کے بعد گویا ہوئی تھی۔

"بھیّا! کوئی ہے تو فوراً بتا دیں۔ یاد نہیں پڑ رہا تو خوب سوچ لیں۔ یادداشت کو کھنگالیں۔ کہیں تو کوئی۔ کبھی تو کوئی نظر آئی ہوگی۔" آنکھوں میں شرارت بھرے وہ دریافت کر رہی تھی اور اس نے مسکرا کر چپت لگا دی تھی۔

نئے دنوں کا وقت دبا گیا تھا مگر وہ کیا فیصلہ تھا۔ کوئی کہیں تھا ہی نہیں۔

"اتنی جلدی کیا ہے تم لوگوں کو؟" کچھ نہ بن سکا تو اعتراض کر ڈالا۔

"اکلوتے ہو دو بہنوں کے۔ کتنے چاؤ ہیں دل کے، سمجھتے ہی نہیں ہو۔" عریشہ نے ڈپٹا تھا۔

"اور کیا ——— آئے دن کتنی شادیاں ہوتی ہیں خاندان میں۔ جاننے، ملنے والوں میں۔ ا
میری سہیلیاں چٹ پٹے انداز میں روداد سناتی ہیں۔ یہ نئے کپڑے پہنتے ہیں، لمبی شاپنگ ہوتی ہیں؛
مزے آتے ہیں نا۔" انوشہ کی رائے بھی اہم ترین تھی۔

"تم لوگوں کو قربانی کا بکرا ایسے ہی ملا ہوں۔" وہ انتہائی معصومیت سے احتجاج کرتا۔

ذیشان علی اور فاطمہ علی خان بچوں کی نوک جھونک پر مسکراتے رہتے۔ کتنے عرصے تک وہ ان کی
فرمائش کو ٹالتا رہا۔ کبھی کاروباری مصروفیت کے بہانے، کبھی کسی اور بہانے۔ مگر آخر کب تک۔ بالآخر
ہتھیار ڈالنے پڑے جب انہوں نے لامعہ حق کی تصویر اس کے سامنے ڈال دی۔

"یہ کٹ کھنی بلی۔" وہ بری طرح چونکا۔ نہ چہرہ نیا تھا نہ نام۔ کتنے پرانے فیملی فرینڈ تھے۔ بابا کے
پارٹنر رہ چکے تھے توقیر حق صاحب۔ برسوں پرانی جان پہچان تھی۔ برسوں پرانے تعلقات تھے۔ کوئی ا
نہ تھی وہ اس کے لئے۔

"عفنان علی خان صاحب! بات دراصل یہ ہے کہ بھائی تو آپ ہمارے اکلوتے ہیں مگر ہم حتمی ط
کہتے ہیں کہ اس لڑکی کے سوا تمہیں کوئی لڑکی نہ سمجھ سکتی ہے نہ برداشت کر سکتی ہے۔" عریشہ باور کر
ہوئے بولی تھی۔ وہ سر دونوں ہاتھوں میں تھام کر رہ گیا تھا۔

"سر پیٹو، چاہے جو مرضی کرو۔ اب اور بہانے نہیں چلنے والے۔ اینڈ آف لامعہ حق آخری چ
ہے۔"

"پہلی کون سی تھی؟" وہ بے چارگی سے بولا تھا۔ عریشہ کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

"اچھا، اچھا ——— اب زیادہ بے بی بچے مت بنو۔ بس ہم نے لامعہ حق کو سلیکٹ کر لیا ہے۔"

اسے سوچنے کے لئے وقت دیا گیا تھا اور اس کے پاس کوئی اور فیصلہ نہ تھا۔

"تمہیں بھی تو کسی سے محبت ہوئی ہوگی۔" عریشہ بڑی تھی مگر سارے لحاظ بالائے طاق رکھتے
گویا ہوئی تھی۔ مگر وہ سر نفی میں ہلانے لگا تھا۔

"کبھی کوئی ہلکا سا کرش بھی نہیں؟" عریشہ نے مزید کریدا تھا اور عفنان علی خان کا دل اپنا سر پیٹ
کو چاہا تھا۔

تنہائی کے کتنے لمحوں میں اس نے لامعہ حق کے متعلق سوچا تھا مگر دل کیا چپ چاپ سا تھا اور خ
سے فرد کو قبول کرتے ہوئے فیصلہ دے دیا تھا۔ لامعہ حق کوئی اجنبی تو نہ تھی اس کے لئے۔ عادات
سبھی کچھ منکشف تھا۔ سب خوش تھے اور اس نے ان خوشیوں پر اپنی رضامندی کی مہر ثبت کر دی تھی۔

لامعہ حق کتنی حیران رہ گئی تھی۔

"عفنان علی خان! کہیں میں کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہی؟" جیسے ہی فیصلے کے متعلق اسے علم ہوا ا
نے جھٹ فون کر ڈالا تھا۔ اس نے ایک گہری سانس خارج کی تھی پھر مسکراتے ہوئے گویا ہوا تھا۔

"قطعاً نہیں۔ بلکہ یہ تمہارے خوابوں کی تعبیر ہونے جا رہی ہے۔"

"عفنان علی خان! میں نے کبھی تمہیں اس زاویے سے نہیں دیکھا۔"

"اس زاویے سے تو یقیناً سوچا ہوگا۔" وہ برجستگی سے بولا تھا مگر وہ قطعاً پرواہ کئے بغیر مسکرا دی تھی۔

"اب تو اپنے ویسے ہر زاویے سے دیکھوں گی۔ اب ہمیشہ کے لئے میرے ہونے جا رہے ہو۔" وہ
سرور تھی اور عفنان علی خان بھی مسکرا دیا تھا۔ منگنی کی تاریخ طے ہوئی تھی اور بالآخر یہ دن بھی آن پہنچا تھا۔

لامعہ حق تیاری کے لئے پارلر گئی ہوئی تھی اور اس کے انتظار میں تقریب تاخیر سے دوچار تھی۔ خدا خدا
کر کے لامعہ حق تیار ہو کر پہنچی تھی۔

"ان فضول قسم کی رسموں میں وقت کے زیاں کا بالکل بھی خیال نہیں رکھا جاتا۔" رسم کے لئے جب وہ
اس کے قریب تھی، عفنان علی خان نے قدرے کاروباری انداز میں کہا تھا اور وہ اسے گھورنے لگی تھی۔

"فار گاڈ سیک عفنان علی خان! اسے بھی کوئی بزنس اسائنمنٹ جان کر ڈیل کر لو۔" وہ اس کے جلے بھنے
انداز پر مسکرا دیا تھا۔ بغور اس پر نگاہ ڈالی تھی۔

"منہ میں سے ہوا خارج کر دو۔ پھولا ہوا چہرہ قطعاً اچھا نہیں لگ رہا۔" اور وہ جواباً گھورنے لگی تھی۔
جیسے کہہ رہی ہو، "تمہیں پرواہ ہے کوئی؟"

"اچھی لگ رہی ہو۔" عفنان علی خان نے کان کے قریب بڑی مدھم سی سرگوشی کی تھی اور پھر اسی
سرعت سے سیدھا بھی ہو گیا تھا۔ لامعہ حق اس کی سمت تکنے لگی تھی۔ وہ مسکراتے ہوئے اطراف پر نگاہ دوڑا
رہا تھا مگر مخاطب وہی تھی۔

"نظریں جھکاؤ ——— لڑکیاں اتنی بے باکی سے دیکھتی اچھی نہیں لگتیں۔" وہ چڑانے والے انداز میں
گویا ہوا تھا۔ لامعہ گھورتی ہوئی سر جھکا گئی تھی۔ تبھی فاطمہ نے بیٹے کو منگنی کی رنگ تھمائی تھی۔

"رسم شروع کرو بیٹا!"

عفنان علی خان نے مخملی ڈبیہ کو ہاتھ میں لے کر بیش قیمت رنگ برآمد کی تھی۔ پھر ذرا دیر کو یونہی انگوٹھی کو
دیکھا تھا۔

"سوچ کیا رہے ہو؟ ——— پہنا دو بھی۔" لامعہ حق شرارت سے مسکراتی ہوئی گویا تھی۔ مگر اس نے کسی
قدر سنجیدگی سے ایک نظر اسے دیکھا تھا۔ پھر بہت ہولے سے اس کا مخروطی ہاتھ تھام لیا تھا۔ خرد کا فیصلہ تھا۔
عقل نے مہر ثبت کی تھی۔ دماغ ساتھ تھا اور دل خاموش تھا۔ عفنان علی خان نے بہت ہولے سے رنگ
لامعہ حق کی مخروطی انگلی میں پہنانی شروع کی تھی۔ نگاہ اسی سمت سامنے اٹھی تھی اور نظر ساکت رہ گئی تھی۔
چار سمت سے اٹھنے والے شور نے اعلان کر دیا تھا کہ بندھن بندھ چکا تھا۔ کئی وشز دینے والے قریب آ
رہے تھے اور اس لمحے عفنان علی خان کو چونکنا پڑا تھا۔ مگر نظر تھی کہ بار بار اسی سمت اٹھ رہی تھی۔

وہ اب بھی مسکراتی ہوئی تالیاں بجا رہی تھی۔ سفید لباس میں شانوں پر سیاہ بال بکھرائے، تر و تازہ
چہرے پر دو جگنو سی آنکھیں لئے بہت عام ہی ہونے کے باوجود کوئی بات تھی جو اسے خاص کر رہی تھی۔
عفنان علی خان کیسا بے خود سا اسے دیکھے گیا تھا۔ اب وہ باقاعدہ ہاتھ ہلا کر وش کر رہی تھی۔ شاید لامعہ کی

ہونی جانے والی تھی۔ اردگرد ہجوم تھا۔ شاید اس لئے اب تک آگے بڑھ کر مبارک باد نہ دے سکی تھی۔

اردگرد کئی لوگ تھے۔ کئی چہرے تھے۔ مگر جیسے بے اختیاری غالب آتی جا رہی تھی۔

پہلی بار ایک اضطرابیت نے دبے پاؤں وجود کے علاقے میں قدم دھرے تھے۔

شاید پہلی بار وہ اتنا بے خود ہوا تھا۔

شاید پہلی ہی بار دل دھڑکنے کی صدا آئی تھی۔

کتنے حسین چہرے دیکھے تھے۔

کتنے دلربا پیکر نظروں سے گزرے تھے۔ پھر ایسا خاص کیا تھا اس میں؟

عفنان علی خان نے کتنی بار سرسری جان کر نگاہ چرانی چاہی تھی۔ تمام تاثر کو جھٹکنا چاہا تھا سارے اقدامات ریت کی دیوار ثابت ہوئے تھے۔

نظریں بار بار اسی سمت اٹھ رہی تھیں۔ اسی زاویے پر ٹھہر رہی تھیں اور وہ جیسے تمام تر کوشش کے باوجود بے بس تھا۔ انوشہ بول رہی تھی۔ وہ اس کی سننے کی کوشش کر رہا تھا۔ جب وہ ان کی سمت بڑھی۔

"تھینکس گاڈ! مجھے بھی قطار میں جگہ ملی۔" وہ لامعہ حق کو وش کرتے ہوئے مسکرائی تھی۔ لامعہ کے ہاتھ سے مینگے لے کر ایک طرف دھرا تھا اور اسے گھورتے ہوئے بولی تھی۔

"تمہیں کہا بھی تھا میرے قریب رہنا۔ مگر تم ان سے تو ملو۔ یہی ہیں موصوف عفنان علی خان۔ کیا پسند ہیں؟" لامعہ حق کی کوئی قریبی شناسا تھی۔ شاید تبھی وہ تعارف بھی انتہائی غیر رسمی انداز میں دے رہی تھی۔ جواباً جانے اس نے ہولے سے کیا کہا تھا کہ لامعہ حق کا خوشگوار قہقہہ فضا میں پھیلتا چلا گیا تھا۔ عفنان علی خان اس گھڑی دانستہ بے تاثر بننے کی کوشش کرتے ہوئے کسی اور سے مخاطب تھا۔ چونکا تب جب لامعہ نے متوجہ کیا۔

"یہ امایہ شاہ ہے ——— میری بیسٹ فرینڈ۔ میرے لئے یہ بے حد اہم ہے۔ سو تمہارے لئے اس کی حیثیت واضح ہونی چاہئے۔" لامعہ مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ وہ تر و تازہ چہرے والی لڑکی اس گھڑی عفنان علی خان کی جانب متوجہ تھی اور بڑی شگفتہ سی مسکراہٹ اس کے گداز لبوں کا احاطہ کئے تھی اور اس کی جگنو سی آنکھیں کتنی آب و تاب سے چمک رہی تھیں۔

اس چہرے پر ایسا خاص کیا تھا؟

کیا کشش تھی جو نظروں کو اپنے سنگ باندھ رہی تھی۔

کچھ اس درجہ خوبصورت بھی نہ تھی وہ۔

پھر؟ ——— دل سے سوال ایک بار پھر اٹھا تھا۔

نظریں ایک بار پھر از سر نو اس کا جائزہ لینے لگی تھیں اور نگاہ لمحہ بھر میں اس کی چمکتی آنکھوں پر جم سی گئی تھی۔

اس کی آنکھیں بتاؤں کیسی ہیں
تمثیل سیف الملوک جیسی ہیں

کہیں اندر سے یکدم آواز اٹھی تھی اور لفظ بازگشت ہو گئے تھے۔

لامعہ حق کچھ اور بھی کہہ رہی تھی۔ وہ جادوئی آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔ وقت خواب، خواب گزر رہا تھا اور وہ خاموش تھا۔ نگاہ لمحہ بھر کو چرائی تھی۔

اندر کہیں پھر متواتر شور ہونے لگا تھا۔ مگر وہ جیسے خود پر بند باندھتے ہوئے دانستہ اس وجود سے نظریں چرا رہا تھا۔

وہ قطعی بے تاثر تھا۔ دوستوں کے ساتھ مصروف تھا۔ مگر ہر کوشش جیسے رائیگاں تھی۔

کتنی مدھم مدھم سرگوشیاں اس کے اندر ہونے لگی تھیں۔

اور وہ ان کیفیات کو نہ سمجھتے ہوئے کتنی دیر تک حیران سا رہا تھا۔ یقین تھا جیسے ان آنکھوں نے راہ رکھ لی تھی۔ بچا اختیار ہی نہ رہا تھا۔

اور بے اختیاری نہ سمجھ میں آنے والی تھی۔

٭٭٭

وہ دن کتنے کٹھن تھے۔ گزرتا ایک ایک پل جیسے صدیوں پر محیط تھا۔

کتنی قیامتیں گزر رہی تھیں دل پر۔ مگر ضبط کس قدر لازم تھا۔ دل جیسے پھٹا جا رہا تھا۔ کارڈیو ویسکولر ڈیپارٹمنٹ میں وہ کتنی بار ماں کے پاس دبے قدموں آیا تھا۔ فارحہ نے لئے اسے تکلیف سے چور دیکھنا محال تھا۔ دل کا درد کس قدر بڑھنے لگا تھا۔ ماں کی حالت انتہائی غیر تھی۔ اس کے لئے خالہ کو اس نے گھر چھوڑا تھا مگر خود ایک لمحہ بھی ماں کے پاس سے نہ ہٹا تھا۔

دو روز گزرنے کے بعد فارحہ کی حالت پہلے سے کافی بہتر تھی۔ مگر ہارٹ اٹیک کے باعث ساری توانائی جیسے نچڑ کر رہ گئی تھی۔ تر و تازہ نظر آنے والا چہرہ اس گھڑی حد درجہ بے رونق سا تھا۔ ایک ہی دن نے جیسے چہرے کی ساری شادابی چھین لی تھی۔

سید اقبال حسن بخاری کتنی دیر تک ماں کا ہاتھ تھامے بیٹھا رہا تھا۔ وہ آنکھیں کھولے خالی خالی نظروں سے اسے تکتی رہی تھیں۔

اقبال حسن بخاری بہت آہستگی کے ساتھ سر جھکا گیا تھا اور جب بہت آہستگی کے ساتھ اندر پل پل بہتا ہوا پانی کی صورت آنکھوں کے کناروں سے توڑتا ہوا باہر نکلنے لگا تھا۔ اگرچہ وہ کسی بھی صورت کمزور نہیں پڑنا چاہتا تھا مگر کچھ لمحے ایسے بھی ہوتے ہیں جب خود اپنے آپ پر ضبط کے بند باندھنا آسان نہیں ہوا کرتا۔ ایسے ہی لمحے کا سامنا اقبال حسن بخاری کو بھی تھا۔ فارحہ خالی خالی نظروں سے بیٹے کو دیکھتی رہی تھیں اور گرم سیال پلکوں کے کناروں سے چپ چاپ باہر کی سمت گامزن رہا تھا۔

اقبال حسن بخاری نے سر اٹھا کر ماں کی طرف دیکھا تھا پھر بہت پُرعزم انداز میں گویا ہوا تھا۔

"میں ہوں نا ——— آپ تنہا نہیں ہیں ممی!"

شاید وہ اور بھی بہت کچھ کہنا چاہتا تھا۔ مگر آنسوؤں کا کوئی گولہ جیسے حلق میں اٹک گیا تھا اور وہ چپ ہو کر چہرے کا رخ پھیر گیا تھا۔ چند لمحوں تک اسی طرح چپ چاپ اندر کے درد کو باہر منتقل کرتا رہا پھر ایک

عزم سے ماں کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

”میری ہمت آپ ہیں ممی! میں اور ماہا آپ کے بغیر بالکل ادھورے ہیں۔ کمزور ہیں ہمیں آپ کی ضرورت ہے۔ اتنی ہی جتنی آپ کو ہماری ضرورت ہے۔“ جوان اولاد کس قدر انتشار کا شکار تھی۔ فارحہ بے بسی سے بیٹے کو ٹوٹتے پھوٹتے کے اس عمل سے گزرتا دیکھ رہی تھیں۔

”ممی! پلیز۔“ اذہان نے ہاتھ بڑھا کر ماں کے بالوں میں جذب ہوتے قطروں کو اپنے سفید ہاتھ سے پونچھا تھا پھر اسی قدر آہستگی سے بولا تھا۔

”ممی! آپ نے ہی کہا تھا کہ زندگی میں کوئی بھی نقطہ، نقطہ اختتام نہیں ہوا ہوسکتا ہے جس کو ہم فل اسٹاپ تصور کر رہے ہیں وہیں اس سے آگے ایک نیا پیراگراف شروع ہوتا ہو۔ ممی! آپ کی بتائی وہی چھوٹی سی بات آج میں آپ کو یاد دلانا چاہتا ہوں ____ دوسروں کے لئے رشتوں کے مفہوم بدل سکتے ہیں۔ ہمارا ہر تعلق آپ سے شروع ہوکر آپ پر ہی ختم ہوتا ہے۔ آپ نے جو درس دیا وہ مجھے ازبر ہے۔ اتنا کچھ ہونے کے باوجود میں نے کہیں بھی رشتے کے کسی تقدس کو پامال نہیں ہونے دیا شاید غلطی میری ہی تھی۔ یہ سب کچھ میرے ہی باعث ہوا۔ مجھے بابا کے اور آپ کے درمیان نہیں آنا چاہیے تھا۔ اگر میں مداخلت نہیں کرتا تو شاید صورت حال ایسی نہ ہوتی۔“ اس کا دھیما لہجہ احساس جرم سے چور تھا۔ سر جھکائے وہ بول رہا تھا۔

”میں خود کو آپ کا، ماہا کا مجرم خیال کرتا ہوں ____ شاید میں خود کو کبھی معاف بھی نہ کرسکوں۔ مگر یقین کیجئے، مجھے آپ سے بے حد محبت ہے۔ مجھے آپ کی خیر خواہی مقصود تھی ممی! میں اس آشیانے کو ٹوٹا نہیں دیکھنا چاہتا تھا جس کا حصہ میں بھی ہوں۔ مجھے بھی وہ گھر اسی قدر عزیز ہے۔ یہ اقدام خیر خواہی کے لئے تھا۔ مگر آئی ایم سوری ممی! میں آپ کا گھر نہیں بچاسکا، اپنی بہن کو تحفظ نہیں دے سکا۔ اس کی خوشیوں کو قائم نہیں رکھ سکا۔ میں آپ کا بہت نالائق بیٹا ہوں ممی! بہت برا بھائی ہوں۔“

ٹوٹے لہجے میں حد درجہ شکستگی تھی۔ فارحہ چپ چاپ بیٹے کو تکتی رہی تھیں۔ آنکھوں سے بہتا پانی اندرونی کیفیت کا غماز تھا۔

”ممی! مجھے نہیں معلوم تھا صورت حال اس درجہ شدت اختیار کر جائے گی۔ اگرچہ یہ معاملہ کسی قدر سنگین تھا۔ جب مجھے اپنے دوستوں کے ذریعے بابا کے متعلق پتہ چلا تو مجھے اچھا نہیں لگا۔ ہم نے اپنے والدین کے لئے عزت و مرتبے کے بہت بلند درجات مقرر کر رکھے ہوتے ہیں اور اگر ان درجات سے ایک انچ بھی وہ رشتہ گرنے لگے تو ہمیں بے حد برا لگتا ہے۔ اور ایسا ہی ہوا۔ مجھے اچھا نہیں لگا جب میرے بابا کے بارے میں مجھے کسی اور سے پتہ چلا۔ وہ شکایتیں جو والدین کو جوان اولاد سے متعلق ملتی ہیں وہ مجھے اپنے باپ سے متعلق موصول ہوئیں۔ یہ میرے لئے کم نہیں تھا ممی! جب میں نے آپ کو مطلع کیا تو مجھے کس قدر یقین تھا کہ صورت حال کنٹرول میں آجائے گی۔ مگر ایسا نہیں ہوا اور ہوا تو اس کے برعکس۔ میں جتنا صورت حال سنبھالنے کی کوشش کرتا رہا، حالات اتنے اختیار سے باہر ہوتے چلے گئے۔ میں شرمندہ ہوں مجھے آپ دونوں کے درمیان سے ہٹ جانا چاہیے تھا اور جس طرح بابا چاہتے تھے گھر چھوڑ دینا چاہیے تھا۔

آپ نے مجھے روک کر اچھا نہیں کیا ممی! آپ کو مجھے نہیں روکنا چاہیے تھا۔ میرے گھر سے نکل جانے سے آپ سے یا ماہا سے رشتہ ختم قطعاً نہیں ہوجاتا۔ مگر میرے ایسا کرنے سے آپ کا گھر ضرور بچ جاتا۔ بابا ایسی انتہائی راہ اختیار نہ کرتے جو انہوں نے اب اختیار کی۔“

وہ بہت آرام سے سارے الزام اپنے سر لے رہا تھا۔ وہ سارے جرم بھی جو اس سے سرزد نہیں ہوئے تھے۔ وہ بھی جن میں سرے سے اس کا کوئی قصور ہی نہیں نکلتا تھا۔

فارحہ خاموش تھیں۔ مگر خاموشی متواتر اس بات کی نفی کر رہی تھی۔ وہ اگر ایسا سب نہ کرتا تو بھی شاید صورت حال بہتر نہ ہوتی۔ سعد بخاری نے جس طرح اس کے استفسار پر واضح انداز میں اس تعلق کی تصدیق کرتے ہوئے اسے قبول کیا تھا اور اپنی دیوانگی کا گراف بتایا تھا وہ اس کے لئے کسی دھماکے سے کم نہ تھا۔ اسے اپنے گھر کی بنیادیں اسی دن کھوکھلی ہوتی نظر آگئی تھیں۔ اس کے بعد تو جو بھی ہوا تھا وہ فقط اس گھر کو بچانے کی سعی تھی۔ مگر جو مکان ریت پر بنا ہو اس کی بنیاد چند روزہ ہوتی ہے۔ اسے دکھ اس بات کا تھا جو ایک طویل رفاقت کے تحت انہیں رہا تھا۔ اس مان کا تھا جو اس رشتے کے باعث قائم تھا۔ سارا دکھ اس بات کا تھا کہ وہ اس رفاقت کو مضبوط ترین خیال کرتی تھیں اور ایسا تھا بھی تو ایک زمانہ گواہ تھا۔ لوگ مثالیں دیتے تھے۔ پھر اچانک یہ کیسی آندھی اٹھی تھی؟ کیسا طوفان آیا تھا اچانک؟

کیسے ایک مضبوط ترین گھر کی بنیادیں پل میں کھوکھلی ہوگئی تھیں۔ کیسے ایک پل میں سب کچھ ڈھیر ہوگیا تھا۔ سب کچھ خاک میں مل گیا تھا۔ شاید اس وقت زیادہ دکھ ہوتا ہے جب توقعات حد سے زیادہ ہوں۔ لیکن اس معاملے میں بھی دل متواتر جھٹلا رہا تھا۔ توقعات غلط تو نہ تھیں۔ معاملہ دو طرفہ تھا۔ بس ایک ریلا آیا تھا اور اپنے سنگ سب کچھ بہالے گیا تھا۔

بہت زیادہ یقین بھی ڈبوتا ہے۔ ایسا ہی یقین اسے اس رفاقت پر تھا۔ اپنے گھر پر تھا۔ اس کی بنیادوں پر تھا۔ مگر سب کچھ پل کے پل میں ڈھیر ہوگیا تھا۔

”ممی! آپ ٹھیک ہوجائیں گی ____ سب ٹھیک ہوجائے گا ____ میں بابا سے معافی مانگ لوں گا۔ ہمارا گھر پھر سے آباد ہوجائے گا۔ بابا اگر چاہیں گے تو میں اس گھر کو بھی خیر باد کہہ دوں گا۔ مگر پلیز ممی! پلیز آپ ٹھیک ہوجائیں۔“ سید اذہان حسن بخاری کا انداز جس قدر شکستہ تھا اسی قدر اس کا اندر شکستہ تھا۔ ان ٹوٹتے پھوٹتے لمحوں میں وہ بالکل بچوں جیسی باتیں کر رہا تھا۔ حالانکہ یہ بات دونوں پر منکشف تھی کہ ایسا کچھ بھی ہونا ممکن نہیں۔ جس طرح تیر کمان سے نکلنے کے بعد واپس نہیں پلٹ سکتا اسی طرح اس اقدام کا بھی کوئی ریٹرن نہ تھا۔ یقیناً گزرنے والے کسی لمحے کا کوئی ریٹرن نہیں ہوتا۔

سید اذہان حسن بخاری مداوا چاہتا تھا، ازالہ کرنا چاہتا تھا مگر ایسا کچھ بھی ممکن نہیں تھا۔

یہ بات فارحہ بھی جانتی تھیں اور خود اذہان حسن بخاری بھی۔ مگر دونوں اک دوجے کو آسرا دے رہے تھے۔

❊❊❊

مالکی اماں نے بہت ہنگامی حالت میں فون کر کے اسے بلایا تھا۔ وہ آتے ہوئے کسی سے بھی نہ مل سکا

تھا۔ مگر اس کے فیکس پر اس نے زیادہ چلے آنے کی وجہ لکھ بھیجی تھی۔ اسے امید تھی، اس کی چند روزہ دوست اس معاملے کو انڈر اسٹینڈ کرے گی۔

مائی اماں نے اپنی طبیعت کی خرابی کا کہہ کر اسے بلوا لیا تھا اور یہاں آ کر وہ ان کا مدعا سن کر ایک گہری سانس بھر کر رہ گیا تھا۔

"مائی اماں! آپ جانتی ہیں ابھی ان سب باتوں کے لئے میرے پاس وقت نہیں ہے۔ آپ نے ہی کہا تھا نا کہ میری دستار بندی جب دس برس کی عمر میں ہو گئی تھی تو اس سے وابستہ بہت سی ذمے داریاں بھی آپ ہی آپ میرے ذمے لگ گئی تھیں۔ اور اب جب ان ذمے داریوں کی تکمیل کا وقت آیا ہے تو آپ مجھے ان فضول معاملات میں الجھا رہی ہیں۔" اس کا انداز کسی حد تک بے زار تھا۔

حمیدہ بیگم بیٹے کو دیکھ کر رہ گئی تھیں۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کو یقیناً ماں کے جذبات و احساسات کی پرواہ تھی۔ تبھی بہت ہولے سے ان کے گھٹنوں پر ہاتھ دھرے تھے۔

"مائی اماں! یہ کام کرنے کے لئے ساری عمر پڑی ہے۔ آپ پلیز ان بیڑیوں سے فی الحال مجھے آزاد رہنے دیجئے۔" مدھم لہجے میں ایک بار پھر انکار کیا تھا۔ حمیدہ بیگم خفگی سے دیکھنے لگی تھیں۔

"تجھے ماں کے جذبات کا بھی کوئی پاس نہیں —— کیسا مثل سا وزنی پتھر سینے پر دھرا تجھے بھیج بھیج کر۔ کتنا طویل ورد سہا۔ خود سے تجھے جدا دیکھنا کتنا محال تھا میرے لئے۔ مگر میں نے یہ سب کیا۔ تیری خوشی کے لئے، تیری آنے والی زندگی کی بہتری کے لئے۔ میں چاہتی تھی تم دنیا کو کھلی آنکھوں سے دیکھو۔ جینے کا ڈھنگ سیکھو۔ مگر میں یہ نہیں چاہتی تھی کہ تم ایک ماں کے جذبات کو کچل دو۔" حمیدہ بیگم کسی قدر جذباتی انداز میں گویا تھیں۔ سبکتگین حیدر ماں کو دیکھ کر رہ گیا تھا۔

"قول دے چکی ہوں میں —— آزاد فضاؤں میں پل بڑھ کر قول کا پاس تم بھول چکے ہو گے مگر تمہاری ماں نہیں۔ میں ان لوگوں کو بلوا چکی ہوں۔ اپنی زوبار یہ ہے نا، اس کے شوہر کی پہلی بیوی سے بیٹی ہے۔ خوب صورت اور خوب سیرت ہے۔ میں نے بلوایا ہے فارم ہاؤس پر۔ کچھ اچھے دن ساتھ گزار لیں، یہی مقصد تھا میرا۔ اس سے کسی قدر سمجھنے میں آسانی رہے گی اور تم لڑکی کو دیکھ بھی لو گے۔ باپ بیمار ہے بیچارا۔ باہر علاج کی غرض سے جا رہا ہے۔ بیٹی کے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتا ہے۔"

"آپ نے سوشل ورک کے کام گھر میں بھی شروع کر دیئے —— ان فلاحی کاموں کے لئے ضروری ہے کہ آپ اپنے بیٹے کی قربانی دیں۔ پیسے کی ضرورت ہے تو دے ڈالئے۔ دس، بیس، تیس کتنے لاکھ درکار ہیں انہیں؟"

"سبکتگین حیدر!" حمیدہ بیگم نے بلند آواز سے ڈانٹا تھا۔ وہ خاموش ہو کر سر جھکا گیا تھا۔ پھر بہت آہستگی سے گویا ہوا تھا۔

"معذرت چاہتا ہوں مائی اماں! لیکن آپ کو مجھ سے پوچھے بغیر حامی نہیں بھرنی چاہئے تھی۔"

حمیدہ بیگم چند ثانیوں تک پُر افسوس انداز سے بیٹے کو تکتی رہی تھیں پھر دھیمے لہجے میں بولی تھیں۔

"وہ کوئی غریب، بے سہارا، کم اوقات لڑکی نہیں ہے جسے تمہاری امداد کی ضرورت ہو۔ مظہر سیال ملک وا انڈسٹریلسٹ ہے۔ نام و مقام ہے اس کا۔ اکلوتی بیٹی ہے اس کی۔ ایم بی اے کر رہی ہے۔ کسی طرح سے کم نہیں ہے۔ لغاری خاندان کے نام و مرتبے کا پوری طرح احساس ہے ہمیں۔ جانتے ہیں ہم تحمل نات کا چوند بھی لگانے کی غلطی نہیں کر سکتے۔ ہمیں اس گھر کے لئے کسی ایسی ہی لڑکی کی ضرورت تھی جو کو باندھ کے رکھ سکے۔ اسے سنبھال سکے، سنوار سکے۔ سب سے بڑھ کر تمہیں سنبھال سکے۔" حمیدہ کا لہجہ مضبوط ارادوں کی ترجمانی کر رہا تھا اور سبکتگین حیدر لغاری کچھ نہیں بولا تھا۔

"تم نے جو چاہا وہ کیا سبکتگین حیدر! ہم نے کبھی کسی مقام پر کوئی بند باندھنے کی کوشش نہیں کی۔ کہیں بھی نہیں ٹوکا۔ کہیں تمہیں محدود یا پابند کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اس لئے نہیں کہ تم اختیار رکھتے تھے۔ اس لئے کہ ہم تمہیں تمہاری زندگی خود آپ جینے کی آزادی دینا چاہتے تھے۔ مگر اس کا مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ اس بے جا آزادی سے خاندانی رسم و رواج یا نام و مرتبے کی حیثیت کالعدم قرار پا گئی۔ ہم اختیارات کا ناجائز فائدہ قطعاً نہیں اٹھا رہے۔ جو کچھ بھی ہونے جا رہا ہے وہ تمہاری بہتری کے لئے ماں سے بڑھ کر کوئی خیر خواہ دنیا میں دوسرا نہیں ہوتا۔ تم جان جاؤ گے کہ ہمارا انتخاب بھی غلط نہیں۔"

"لیکن مائی اماں! میں کوئی بھاگ تو نہیں رہا کہیں —— یہیں ہوں۔ خدا آپ کو زندگی دے۔ یہ بعد میں بھی ہوتا رہے گا۔ لیکن اتنی جلدی۔" سبکتگین حیدر لغاری نے کچھ دبا دبا احتجاج کیا تھا۔ "مائی اماں! مجھے آپ کے انتخاب پر مکمل اعتماد ہے، بھروسہ ہے۔ لیکن ابھی فی الحال آپ اس تمام معاملے کو ملتوی کر سکتیں؟" سبکتگین حیدر لغاری نے سر اٹھا کر ماں کی طرف دیکھا تھا۔ وہ دھیمے سے مسکرا دی تھیں۔

"سبکتگین حیدر! جب تمہارے بابا کی شادی ہوئی تھی تو ان کی عمر سترہ برس تھی اور آج جب ہم یہ اقدام کرنے جا رہے ہیں، تم پورے بتیس کے ہو چکے ہو۔ کیا یہ رعایت کافی نہیں ہے تمہارے لئے؟"

"مائی اماں! وہ وقت اور تھے۔ زمانے اور تھے۔" بڑا کمزور سا لہجہ تھا۔

"مگر قدریں تو یہی تھیں۔ کیا تم ان تمام سے انحراف برتنا چاہتے ہو؟" مائی اماں نے اسے چاروں سمت سے گھیر لیا تھا اور سبکتگین حیدر لغاری فقط خاموشی سے دیکھ کر رہ گیا تھا۔ مائی اماں نے مسکراتے ہوئے اس کے مضبوط شانے پر ہاتھ دھر دیا تھا۔

"کوئی ڈھور ڈنگر نہیں ہو بیٹے ہو میرے۔ وہ بھی اکلوتے۔ تمہارے حق میں کوئی غلط فیصلہ کرنے کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتی ہوں۔ کیسے سوچ رہے ہو تم کہ جو ہونے جا رہا ہے وہ کچھ غلط ہے؟ —— اپنی ماں پر اعتبار نہیں ہے تمہیں؟"

سبکتگین حیدر لغاری سر جھکا گیا تھا اور دھیمے لہجے میں بولا تھا۔

"مائی اماں! میں آپ سے اختلاف کرنے کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتا۔ آپ انحراف کرنے کی بات کر رہی ہیں۔" کسی قدر شرمندہ سا انداز تھا۔ مائی اماں کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔ ہتھیار ڈال دیئے گئے تھے اور یہ کم نہ تھا۔ بہت بڑی جیت تھی۔ اسی لئے مائی اماں مسکراتے ہوئے گویا ہوئی تھیں۔

"میں نے اسی لئے ان لوگوں کو فارم ہاؤس پر آنے کی دعوت دی ہے ـــــــ مل بیٹھنے سے بڑھتی ہے۔ جان پہچان میں مضبوطی آتی ہے، تعلقات پائیدار ہوتے ہیں۔ میں چاہتی ہوں تم بھی ذہنی طور پر تیار ہو جاؤ۔ لڑکی کو دیکھ لو، مل لو، بات کر لو۔ وہ بھی تمہیں سمجھ لے۔ گو پرانے زمانوں کے لوگ ہیں۔ جدید زمانوں سے قدم ملا کر چلنے کے قائل ہیں۔ مگر اپنی قدروں کی ہم آہنگی کے ساتھ۔ مظہر میاں دل کے عارضے میں مبتلا ہیں۔ علاج کی غرض سے بیرونِ ملک جا رہے ہیں۔ اپنی اولاد کے فرض سے اپنی زندگی میں سبکدوش ہونا چاہتے ہیں ـــــــ ہم بیٹی والے نہیں مگر ان والدین کے جذبات سمجھ سکتے ہیں جو بیٹی والے ہیں۔ جب تک مظہر میاں اور زوبیا بیرونِ ملک سے باہر رہیں گے، وہ بچی یہیں رہے گی اور تم بھی اس عرصے میں کسی بزنس اسائنمنٹ کو لے کر ملک سے باہر نہیں جاؤ گے۔ میں چاہتی ہوں تم دونوں اچھی طرح ایک دوسرے کو جان لو، سمجھ لو۔ گو سمجھنے کے لئے پوری زندگی پڑی ہے مگر شادی سے پہلے کا یہ عرصہ اس لئے اہم ہوتا ہے کہ اس کے بعد نئی زندگی جو شروع ہونے جا رہی ہے، اس تعلق کو سمجھنے میں، نبھانے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ وہ پیچیدگیاں جو انجانے ہوتے ہوئے فیس کرنا پڑتی ہیں، وہ باہمی انڈراسٹینڈنگ کے باعث بہت حد تک حل ہو جاتی ہیں۔"

کتنے حکم نامے تھے مائی اماں کے ـــــــ اور وہ بس سر جھکائے سن رہا تھا۔

❊❊❊

اس کی آنکھیں بتاؤں کیسی ہیں؟
جھیل سیف الملوک جیسی ہیں

اضطراب نے اس طور دل پہ پہرہ ڈال دیا کہ اب تک کی ساری حقیقتیں پل بھر میں منکشف ہو گئی تھیں۔ اک بے قراری کس طور وجود کے سارے علاقے میں ہلچل مچائے رکھتی ہے، یہ سب اس پر فقط ایک شب میں کھلا تھا۔

کیسے رازوں سے شناسائی پا گیا تھا دل۔

بس ایک شب میں کیسی کایا پلٹ ہوئی تھی۔ کیسے سارے منظر بدل گئے تھے۔

دل کتنے مختلف انداز میں دھڑک رہا تھا۔ کیسے ساز تھے۔ کیسے سُر۔

اِک جادو سا اندر باہر پھیل رہا تھا۔

آج سے پہلے تو کبھی ایسا نہ ہوا تھا۔ پھر آج کیوں!؟

عقل دھڑ دھڑ اک کونے میں کیسے حیرانی سے یک ٹک تکتی جا رہی تھی۔

دل کیسا مسرور تھا۔

اور وہ خود کس قدر حیران سا تمام منظر نامے کو تکتا چلا جا رہا تھا۔

ساری سوچیں جیسے اس ایک نقطے پہ ٹک گئی تھیں۔ وہی ایک نقطہ پھیل کر سارے وجود پر محیط ہو گیا تھا۔ ساری عقل مات ہو گئی تھی۔

سوچ کے ہر جز پر وہ تھی۔ وہی آنکھیں تھیں۔

ہر سمت اسی خیال کا پہرہ تھا۔ ہر جز اس کی روشنی سے پُر تھا۔ وہی محور تھی۔ وہی کل۔ جیسے ہر شے پر اس کا اختیار تھا۔ جیسے وہ ہر شے پر قدرت رکھتی تھی۔ جیسے وہی مختارِ کل تھی۔ اور عفنان علی خان کس قدر حیران تھا۔

عقل نے کس قدر مزاحمت کی تھی۔ خرد نے کس قدر ہاتھ پیر مارے تھے۔ کس قدر جھٹلایا تھا اس نے ہر خیال کو، سوچ کو، اس تصور کو، ان آنکھوں کو، ان آنکھوں سے پھوٹتی روشنی کو، ان آنکھوں سے بجتے ان رنگوں کو، روشنی کی ان حصار میں لیتی لہروں کو۔

عفنان علی خان ڈھیروں سمجھ بوجھ رکھتے ہوئے مکمل خرد مند ہوتے ہوئے مکمل طور پر بے بس تھا جیسے۔ اس نے تو کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ ایسا ہو جائے گا۔ کبھی کوئی آئے گا اور سب کچھ اپنے بس میں کر لے گا۔ فقط ایک پل میں ساری دنیا بدل دے گا۔ کیسے ـــــــ کیسے ہوا تھا یہ سب؟ اور وہ بھی اس لمحے جب وہ ایک نئے تعلق کی ابتداء کرنے جا رہا تھا۔ ایک نئے بندھن کو رقم کرنے جا رہا تھا۔ جب وہ عقل کے طے کئے فیصلوں پر مہر ثبت کر رہا تھا تو کیوں دھڑکا تھا دل اس لمحے؟ ـــــــ کیوں، کس لئے؟

کہاں تھی وہ اب تک۔ کیوں اب ہی سامنے آئی تھی۔

عفنان علی خان دن چڑھے بیدار ہونے پر آنکھیں کھولے یک ٹک چھت کو تکتا جا رہا تھا جب فون کی بیل نے اسے بیدار کر دیا تھا۔ اس نے بے حد کسلمندی سے کروٹ لی تھی اور ہاتھ بڑھا کر فون اٹھایا تھا۔

"کہاں تھے تم؟ لائن پک کیوں نہیں کر رہے تھے؟" دوسری طرف لامعہ حق حقیقت کے طور پر منکشف تھی اور وہ جو ابھی تک ایک سحر کے حصار میں تھا، بمشکل خود کو اس جادو کے قلعے سے باہر لایا تھا۔

"رات بھر مارے خوشی کے ساتویں آسمان پر رہا ہوں۔ اب کیا نیند بھی پوری نہ کروں؟" وہ بائیں ہاتھ سے سر دباتا ہوا جیسے بمشکل مسکرایا تھا۔

"ہیں ـــــــ تمہیں کیا واقعی اس قدر خوشی تھی اس انگیج منٹ کی؟" لامعہ حق جیسے بے ہوش ہونے کو تھی۔

"اس سے بھی کہیں زیادہ۔" لہجہ ہی نہیں، انداز بھی مسرور تھا اور لامعہ حق ہنس دی تھی۔

"تو موصوف سوئے نہیں شب بھر۔ رات آنکھوں میں کٹ گئی۔ حیرت ہے، مجھے کیوں نہ اندازہ ہوا؟ اور کتنے چھپے ہو تم محترم عفنان علی خان! پہلے تو کبھی بتایا نہیں۔ اور اب ایک لمحے میں اتنی دیوانگی دکھا رہے ہو؟"

"تمہیں یہ خوش فہمی کیوں ہو رہی ہے کہ یہ دیوانگی تمہارے لئے ہے؟" وہ مسکرایا تھا۔

"عفنان علی خان!" لامعہ کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا تھا اور وہ ہنس دیا تھا۔

"تم بہت برے ہو عفنان علی خان! تمہیں تو دل رکھنا بھی نہیں آتا۔" لامعہ حق انتہائی خفگی سے بولی تھی۔

"جانتی تو ہو تم، تمہارا انتخاب کیوں عمل میں آیا کہ تم مجھ جیسے کایاں شخص کو جھیل سکو۔ عریشہ اور انوشے کی رائے میں تمہارا اسٹیمنا خاصا اسٹرونگ ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے چھیڑ رہا تھا۔

"ہاں ۔۔۔۔۔ مگر اب اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم میرے دل کو بری طرح کچل دو اور مجھے درد بھی نہ ہو عفنان علی خان! میں ایک عام سی لڑکی ہوں۔ بہت ہی عام سے خواب ہیں میرے۔ جدید زمانے کی پروردہ ضرور ہوں مگر اندر سے وہی فطری پن جھلکتا ہے۔ مجھے خوشی ہو گی اگر تم مجھے جان لو۔" وہ بہت مدھم لہجے میں بولی تھی اور وہ مسکرا دیا تھا۔ پھر ہنسنے سے گویا ہوا تھا۔

"جان پہچان تو اب ہو ہی جائے گی۔ آغازِ سفر جو ہو گیا۔"

"تمہارا پرابلم یہ ہے عفنان علی خان! کہ تم چاروں سمت سے آنکھیں بند کر کے چلتے ہو۔ بالکل ناک کی سیدھ میں۔" وہ جواباً بولی تھی اور وہ ہنستا چلا گیا تھا۔

"چلو، اب تم ساتھ ہو نا۔ راستوں کا اور منزلوں کا تعین کرتی جانا۔ میں آنکھیں بند کر کے قدم دھرتا جاؤں گا۔"

"ہاں ۔۔۔۔۔ اتنے ہی تو اچھے ہو نا تم۔"

"سنو، یہ تم سب کی رائے میرے متعلق اتنی متضاد کیوں ہے؟" وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"غلط تو نہیں ہے۔" وہ کسی قدر خفگی سے بولی۔

"اچھا چلو، باقی کی ناراضگی پھر کسی وقت کے لئے اٹھا رکھو۔ یہ بتاؤ اتنی صبح ہی صبح فون کیوں کیا تھا؟" اور لامعہ کا دل چاہا تھا اپنا سر پیٹ لے۔ واقعی کتنا عجیب بندہ تھا یہ۔

"محترم عفنان! پہلی بات تو یہ کہ مروت بھی کسی شے کو کہتے ہیں۔ اور دوسری بات یہ کہ دوپہر کے بارہ بجے کو صبح ہرگز نہیں کہتے۔"

لامعہ حق نے کہا تھا اور وہ دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

"اب بولو، کیا کروں؟ ۔۔۔۔۔ سنو لامعہ حق! مجھے عام مردوں والے رنگ ڈھنگ نہیں آتے۔ اب ایسا ہی ہوں میں اور یہ بات جانتی ہو تم۔" گویا وہ صاف لفظوں میں واضح کر رہا تھا کہ مجھ سے توقعات لگانا فضول ہوگا اور وہ جو اسے بہت اچھی طرح سے جانتی تھی، جانتے ہوئے کیسے پل میں ایسی بے وقوفی کر بیٹھی تھی۔ ایک لمحے میں ہی اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا۔ تبھی وہ بولی تھی۔

"میں تم سے کوئی توقعات وابستہ نہیں کر رہی عفنان علی خان! لیکن اس تعلق سے متعلق جو بھی ذمہ داریاں ہیں تمہیں انہیں سمجھنا ہوگا۔ شام کے لئے انوشے اور میں نے پی سی میں ڈنر کا پروگرام بنایا ہے۔ بڑی مہربانی تم وقت نکال کر آ جانا۔ رات آٹھ بجے۔" یہ کہہ کر اس نے فوراً ہی فون دھر دیا تھا اور عفنان نے ہونٹ بھینچ کر فون کو دیکھنے لگا تھا۔

خواب کیا تھے ۔۔۔۔۔ اور حقیقت کیا تھی۔

ایک لمحے میں جھیل سیف الملوک جیسی آنکھیں اس کے دل کے پار تھیں۔ عفنان علی خان سر جھٹکتا ہوا ہر سوچ کو باطل قرار دیتا ہوا اٹھا تھا اور واش روم میں گھس گیا تھا۔

❋❋❋

کتنے دلربا منظر آنکھوں کے سامنے تھے۔ کتنے بارونق چہرے تھے اس کے اردگرد۔ پاپا خوش تھے۔

مسکرا رہی تھیں۔ فانی ہنس رہا تھا۔ کچھ نئے چہرے تھے۔ خوشیوں کا سفر ہر جانب محوِ سفر تھا اور جانے بات کچھ ہونے کے باوجود اسے اپنا اندر بنجر ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔

جانے یہ کیسی بے سکونی تھی۔ کیسی گھٹن تھی کہ دم تک گھٹ رہا تھا۔ آزاد فضائیں تھیں۔ ہر سمت سبزہ تھا۔ اپنے عروج پر تھا۔ منظروں میں رنگ تھے۔ ایسے میں تو روح تک مہک جانی چاہئے تھی۔ مگر ایسا نہیں اس کا اندر جیسے گر رہا تھا۔ ویرانیاں بڑھ رہی تھیں۔ جانے کیسے انجانے خدشے تھے۔ کیسے انجانے تھے جو اسے اندر ہی اندر مار رہے تھے۔

اسے کسی بہت انجان شخص سے ملوایا گیا تھا جس کے ساتھ اس کی زندگی کا ناتا بابا جڑنا تھا۔ جس کے زندگی گزارنا تھی۔ جس کے ساتھ اسے اپنی آئندہ کی ساری زندگی گزارنا تھی اور کیسا سرسری تھا اس کا کتنا سرد تھا اس کا انداز جیسے سرے سے کوئی سروکار نہ ہو۔ جیسے وہ کوئی غیر اہم وجود ہو۔ بمشکل پانچ دو منٹ کے پاس بیٹھا تھا۔

کیا نام ہے؟ کیا مشاغل ہیں؟ ۔۔۔۔۔ اور بس۔

بات چند رسمی قسم کے سوالوں سے آگے نہ بڑھی تھی اور پوچھنے سے انداز ایسا تھا جیسے یہ سب کسی بزنس ڈیل کا حصہ ہو اور اس کے اندر بھی کہاں کوئی امنگ تھی۔ کب کوئی شوق تمنا تھا۔ اس کی آنکھیں تو بس قدرت اچانک اُگ آنے والی ویرانیوں پر ٹکی تھیں۔ سماعتیں فقط ان سناٹوں پر لگی تھیں جو روح تک سوال کر رہے تھے۔ کتنی عجیب تھی کیفیت۔ کتنی عجیب تھی صورتِ حال۔ جانے کیوں وہ سمجھ نہ پا رہی یا پھر سب کچھ واقعی نہ سمجھ میں آنے والے اسرار تھے۔ مگر یہ کیسے بھید تھے جو روح کو گھائل کر رہے اندر کے اطمینان کو نگل رہے تھے۔ اسے کیوں ان دیکھے وہموں نے آن گھیرا تھا؟ انجانے خدشات سارے وجود کو محصور کر دیا تھا اور ایسا کیونکر تھا؟ کچھ بھی تو سمجھ نہ پا رہی تھی وہ۔

خالی خالی نظریں عجیب پُر وحشت انداز میں منظروں کو دیکھ رہی تھیں جیسے وہ اس ماحول کا حصہ نہ جیسے اس کی دنیا کوئی اور تھی ۔۔۔۔۔ جیسے باہر کے مناظر سے اس کا کوئی واسطہ ہی نہ تھا۔ کیسا عجیب تھا یہ۔

ہی نہ سمجھ میں آنے والی کیفیات تھیں۔

آنے والے وقت کے لئے کتنے لمحوں تک کچھ بولتے رہے تھے۔ اس کے شانے کے گرد اپنا بازو بہت محبت سے کچھ کہہ رہے تھے۔ جانے کون سے لفظ ان کے لبوں پر تھے۔ جانے کیا کہہ رہے اس کی سمجھ میں کچھ نہ آ رہا تھا۔ سماعتیں سنتے ہوئے بھی نہ سن رہی تھیں۔ سارے احساسات کیسے سے تھے۔ ساری حسیں کیسے نیم جاں ہو رہی تھیں۔

۔۔۔۔۔ اسے پاپا کے چہرے کی مطمئن مسکراہٹ کسی قدر اطمینان دے رہی تھی۔ وہ انہیں خوش تھی۔ انہیں خوشیاں دینا چاہتی تھی۔ مطمئن دیکھنا چاہتی تھی۔ یہی رضا تھی اس کی۔ تبھی تو وہ ان اس فارم ہاؤس پر چلی آئی تھی۔ حمیدہ بیگم متواتر اس کے لئے التفات کے مظاہرے کر رہی تھیں۔ سے اسے اپنے ساتھ بھینچ رہی تھیں۔ اس کی چھوٹی بھولی ضرورتوں کا خیال رکھ رہی تھیں۔

نوازشوں کی بارش ہو رہی تھی۔ مگر وہ خوش نہیں تھی۔

اندر کہیں اطمینان نہیں تھا۔ بے چینی حد سے بہت سوا تھی اور وہ یکسر انجان تھی۔ سردار سبکتگین حیدا یا حمیدہ بیگم سے اسے کوئی انٹرسٹ نہ تھا۔ رتی بھر دلچسپی نہ تھی۔ وہ اگر یہاں تھی تو فقط پاپا کی وجہ سے۔

"میرب بیٹا! خود کو یہاں اجنبی خیال مت کرو۔ ہم سب کو اپنا سمجھو۔" حمیدہ بیگم اسے کھوئی کھوئی کر بولی تھیں۔ مگر وہ جواباً کچھ نہیں بولی تھی۔ جانے کیوں اس سارے ماحول میں اس کا دم گھٹ رہا تھا۔ بھاگ جانا چاہتی تھی۔ ان تمام منظروں سے پیچھا چھڑا لینا چاہتی تھی۔ لیکن ایسا کچھ ممکن نہ تھا۔ اسے لگ رہا تھا جیسے اسے تختہ دار پر لٹکانے کی تیاری کی جا رہی ہو ——— اس کی موت کے سامان ہو رہے ہوں۔ جیسے زندگی ختم ہو رہی ہو ——— جیسے سب کچھ فنا کی جانب گامزن ہو۔

زوباریہ، پاپا اور حمیدہ بیگم اسے سبکتگین حیدر لغاری کے ساتھ وقت گزارنے کے مواقع فراہم کر رہے تھے اور اس کے لئے جیسے یہ سب کچھ سوہانِ روح تھا۔

وہ سنگت، وہ قربت جیسے اس کے لئے ناقابلِ برداشت تھی۔ وہ سرپٹ دوڑتی ہوئی وہاں سے نکل جانا چاہتی تھی مگر وہ یہ بھی جانتی تھی کہ ایسا کچھ بھی ممکن نہیں۔ سو بے حس بت بنی اس تمام صورت حال سے گزر رہی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لئے بھی جیسے یہ سب کچھ بہت مشکل تھا۔ یہ ساری رسمیں، رواداریاں قائم رکھنا شاید اسے بھی بہت گراں گزر رہا تھا۔ ناگواری کی لکیریں اس کے چہرے پر بھی قدر واضح انداز میں رقم تھیں۔ مگر میرب سیال کب یہ سب جاننا چاہتی تھی؟ ——— کب اسے کسی سے، کسی چہرے سے دلچسپی تھی؟ ——— اس کی نظریں تو اپنے اندر کی ویرانیوں سے اُلجھی ہوئی تھیں۔ خاموش پہر ان دونوں کے بیچ بات کئے بنا بسر ہوئے تھے۔ چپ چاپ گزرے تھے۔ دونوں کے لئے بوجھ تھے۔ دونوں کے لئے جیسے بوجھ کو ڈھونا کسی عذاب سے کم نہ تھا۔ دونوں جیسے اس صورت کے لئے تیار نہ تھے۔

وہ سات دن جو وہاں بسر ہوئے تھے کتنے ہولناک تھے۔

پاپا کے جانے کی تیاری مکمل تھی۔ زوباریہ امریکہ میں اپنے بھائی سے مسلسل رابطے میں تھیں۔

وہ کمرے میں بے سدھ سی پڑی تھی جب زوباریہ نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا تھا۔

"میرب! تم تیار ہو جاؤ۔ تمہاری رسم ہونے والی ہے۔" اس کے سامنے ایک پیکٹ ڈالا تھا۔ اس نے اسے اٹھا کر نہیں دیکھا تھا۔ زوباریہ چند لمحوں تک اسے خاموشی سے دیکھتی رہی تھیں پھر دو قدم آگے آئی تھیں اور بے حد نرمی سے بولی تھیں۔

"دیکھو میرب! مظہر کی خواہش ہے یہ۔ ایک اچھی بیٹی ہونے کے ناتے تم پر یہ فرض عائد ہوتا ہے ان کی خواہش کا احترام کرو۔ کل کیا ہوتا ہے یہ کسی کو پتہ نہیں ——— ہم فقط اچھے کی امید رکھ کر دعا کر سکتے ہیں۔ مگر آنے والے کل کو نہ تو جان سکتے ہیں نہ ہی اپنی مرضی سے بدل سکتے ہیں۔"

زوباریہ جانے کیا کہنے جا رہی تھیں۔ کس لئے اتنی لمبی تمہید باندھ رہی تھیں۔ وہ کسی قدر خالی

نظروں سے اسے تکتی جا رہی تھی۔ مگر زوباریہ سے کچھ نہ بولی تھی۔ پیکٹ کھول کر ایک زرتار ڈان کلر کا سوٹ اس کے سامنے دھرا تھا اور پھر بہت مدھم انداز میں بولی تھیں۔

"چلو شاباش، تیار ہو جاؤ۔ ابھی چند لمحوں میں قاضی صاحب بھی آ جائیں گے اور ......"

مگر وہ اس سے آگے سن کہاں سکتی تھی؟ کسی قدر حیرت سے چونکتے ہوئے زوباریہ کی سمت دیکھا تھا۔ مگر وہ اس کی جانب متوجہ ہوئے بغیر اپنا مدعا بیان کرتی رہی تھیں۔ جیسے یہ کوئی معمول کا غیر اہم واقعہ ہو۔ جیسے کوئی سرسری ساذکر ہو۔

اور میرب سیال کی نظریں کیسی ساکت سی تھیں۔ کتنی بے یقینی تھی ان میں۔ کس قدر حیرت تھی۔ آنکھیں کیسی کھلی تھیں۔ تو یہ خدشے، یہی قیاسیں تھیں جو جسم و جاں پر ٹوٹنا تھیں۔ یہی وہ وسوسے تھے جو اندر ہی اندر روح کو گھائل کر رہے تھے۔ یہی ویرانی تھی اندر کی۔ یہی وحشت تھی یا پھر ابھی کچھ اور بھی ہونا باقی تھا۔ کئی قیامتیں اور بھی تھیں جو جسم و جاں پر ٹوٹنا باقی تھیں۔ کچھ عذاب اور بھی تھے۔

زوباریہ جانے کیا کچھ مزید کہہ گئی تھیں۔ اسے کچھ سنائی نہ دے رہا تھا۔ کچھ سمجھ میں نہ آ رہا تھا۔ جانا ایک سکوت سا در آیا تھا۔ نظروں میں پاپا کا چہرہ پھر آ گیا تھا۔ اک اُمید، اک آس لئے آنکھیں کس بات کی متقاضی تھیں اس سے۔ کیا سوال تھا ان میں؟ اسے کچھ یاد نہ رہا تھا۔ کوئی دوسری بات یاد نہ رہی تھی۔ نہ اپنا آپ نہ اور کچھ یاد رہا تھا تو فقط پاپا کا چہرہ۔ وہ پُر اُمید آنکھیں۔ وہ بہت آہستگی سے اٹھی تھی اور دئے گئے حکم نامے کے تحت ڈھلنے لگی تھی۔

اپنا اندر چیخ رہا تھا۔ کچھ بے چینی سوا ہو گئی تھی مگر اس نے کچھ نہیں سنا تھا۔ کچھ نہیں دیکھا تھا۔ چپ چاپ اس کاغذ پر اپنا آپ کسی کے نام لکھ دیا تھا اور گرد کئی لوگ تھے۔ کچھ اپنے ہی تھے۔ مگر اسے سبھی چہرے اجنبی لگ رہے تھے۔ ایک ہی رنگ تھے سب کے، ایک ہی ڈھنگ تھے۔

اسے اپنا آپ کسی پاتال میں گرتا محسوس ہو رہا تھا۔ دل جیسے بیٹھ رہا تھا۔ کیسے رہ سکتی تھی وہ یہاں؟ دل دھڑکن سے بند ہونے کو تھا۔ پھر ساری عمر کیسے گزرتی؟

پاپا اس کے سامنے آن بیٹھے تھے۔ کچھ بول بھی رہے تھے مگر اس کی سمجھ میں کچھ نہ آ رہا تھا۔ وہ خالی نظروں سے بس ان کو تکتی چلی گئی تھی۔

آنکھیں خالی تھیں ——— خشک تھیں۔ شاید سارا پانی کہیں قطرہ قطرہ اندر ہی گر رہا تھا۔

شاید سارا اندر سمندر ہو رہا تھا۔

سید اذہان حسن بخاری ماں کو ہسپتال سے گھر لے آیا تھا۔

ہر جانب ایک طویل جامد سناٹا تھا۔ گھر کے تینوں نفوس ایک دوسرے سے نگاہیں ملانے سے کتر تے تھے۔ تینوں اپنے اندر کے بھید اپنے اندر لیے معمول کے کاموں میں مصروف تھے۔ شاید کوئی وہ مقصود تھا۔ خود کو بھی اور اپنے سے منسوب لوگوں کو بھی۔ یا پھر چپ رہ کر ایک دوسرے کی ڈھارس بندھانا چاہتے تھے۔ خود کو مضبوط ظاہر کر کے کسی کو اس احساس جرم سے بچانا چاہتے تھے یا پھر خود کو بے حسی سے کسی اور کا حوصلہ بندھانا چاہتے تھے۔

اذہان حسن بخاری جب تک ہسپتال میں مصروف رہا تھا اسے کسی اور طرف دیکھنے کی فرصت نہ تھی۔ ماں کے ساتھ اس کی توجہ اس قدر جڑی ہوئی تھی کہ وہ کسی اور سمت دیکھ ہی نہ سکا تھا۔ اور اب گھر لوٹا تھا تو ماہا پر نگاہ گئی تھی۔ چپ چاپ اپنے معمول کے کاموں میں مصروف، بے تاثر چہرہ، نظریں، متحرک ہاتھ اور جامد آنکھیں۔

وہ بری طرح احساسِ جرم میں گھر گیا تھا۔ نگاہ جھک گئی تھی۔ اندر دور تک ایک خاموشی پھیلتی گئی تھی۔ وہ تو اب تک فقط ایک محاذ پر لڑ رہا تھا۔ فقط ایک جانب دیکھ رہا تھا۔ ساری توجہ ایک طرف تھی۔ وہ تو جان ہی نہ پایا تھا کہ کسی اور کو بھی اس کی ضرورت ہے ـــــ کسی اور کو بھی اس کا ساتھ ہے اور وہ بھی وہ، جس کا سب سے عظیم نقصان ہوا تھا۔ وہ ہستی جو اسے بے حد عزیز تھی۔ جس کا ماں اس دل پر کیا قیامت نہ گزری ہوگی۔

کسی سے کچھ نہ کہا تھا۔ کتنا درد ٹھہرا ہوگا اندر ـــــ کتنی گھٹن ہوگی اندر۔

ماہا اس کے سامنے چائے رکھ رہی تھی۔ جب وہ ہولے سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ وہ پلٹنے لگی تھی تو اس نے آواز دی تھی۔

"ماہا ـــــ!"

ماہا رکی تھی مگر پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔ شاید آنکھوں میں یکدم ہی بہت سی نمی آن ٹھہری تھی اور ان کمزور لمحوں میں اپنی کمزوری کو بھائی پر عیاں نہیں کرنا چاہتی تھی۔ مگر مضبوط نظر آنے کا یہ انداز بہت فقط ایک مخلص آواز آنے پر ہی وہ خود پر باندھے گئے ضوابط کی فصیلوں کو قائم نہ رکھ پائی تھی۔ آنکھ

ٹھہرا ہوا بہت سا پانی یکدم ہی باڑ پھلانگ کر باہر آیا تھا اور چہرہ چپ چاپ بھیگتا چلا گیا تھا۔ اس نے خود کو روکا نہیں تھا۔ اس لاوے کو چپ چاپ آنکھوں کے راستے بہنے کی اجازت دے دی تھی۔

اذہان حسن بخاری نے بہن کی پشت کو دیکھا تھا۔ پھر بہت آہستگی سے آگے بڑھ کر بہن کے شانے پر بہت دھیرے سے ہاتھ دھرا تھا۔ وہ یکدم ہی پلٹی تھی اور پھر بھائی کے مضبوط شانے پر سر رکھ کر دھواں دھار رونے لگی تھی۔ اذہان حسن بخاری کتنی ہی دیر اسے ہولے ہولے تھپکتا رہا تھا۔ چپ چاپ اسے تسلی دیتا رہا تھا۔ شاید اس لیے لفظوں کی ضرورت نہیں تھی یا پھر لفظ کسی بھی بات کا ازالہ نہیں کر سکتے تھے یا پھر جو کچھ ہوا تھا اس کے لیے لفظ ناکافی تھے۔ کتنی دیر وہ دونوں بہن بھائی خاموش کھڑے رہے تھے۔ ماہا کے دل کا غبار کسی قدر چھٹ گیا تھا اور اب وہ خاموشی سے کھڑی سر جھکائے کسی قدر شرمندہ سی تھی۔ اذہان حسن بخاری نے بہن کی طرف دیکھا تھا پھر بہت ہولے سے اپنا مضبوط ہاتھ اس کے سر پر دھر دیا تھا۔

"مجھے معاف کر دو ماہا! میں تمہارا مجرم ہوں۔" بہت آہستگی کے ساتھ اس نے اپنا گناہ قبول کیا تھا۔ مگر ماہا نفی میں ہلانے لگی تھی۔

"نہیں ـــــ میں ایسا نہیں سمجھتی۔ آپ خوامخواہ خود کو قصوروار مت ٹھہرائیں۔ جو کچھ ہوا وہ میری قسمت میں درج تھا۔ مجھے اس کا قطعاً کوئی احساس نہیں۔ اچھا ہوا رشتے کی ناپائیداری وقت سے بہت پہلے ہی کھل گئی۔ اگر بعد میں کچھ ہوتا تو یقیناً اچھا نہیں ہوتا۔ میں قسمت کے اس فیصلے پر قطعاً افسردہ نہیں ہوں۔ افسردہ ہوں تو فقط آپ کے اور ممی کے باعث۔" اس کی آنکھیں ایک بار پھر بھر آئی تھیں۔ اذہان حسن بخاری اس گھڑی جیسے مزید پستیوں میں گھر گیا تھا۔ دل پر اور بھی بوجھ آن پڑا تھا۔ شاید تبھی وہ کچھ بولا نہیں تھا۔ پلٹا تھا اور چلتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔ ماہا کتنی ہی دیر بھیگی آنکھوں سے اس سمت تکتی رہی تھی۔

❋❋❋

یہ تعلقات بھی عجیب شے ہیں۔ وابستگی ہوئی نہیں اور توقعات کا سلسلہ دور تک جا پھیلا ہے۔ چاہے کوئی امید دلائے یا نہ دلائے۔ کوئی کچھ کہے نہ کہے مگر یہ سلسلہ رکنے والا نہیں۔ یہ خود بخود اندر سے اٹھنے والا جذبہ ہے، جس پر کوئی روک ٹوک نہیں، کوئی بندش نہیں۔

الامعہ حق کو بھی کوئی یقین نہیں دلایا گیا تھا۔ کوئی وعدہ بھی پیہم نہ تھا مگر اس کے باوجود وہ اپنے ایک خاص دن پر کسی بہت اپنے کی، کسی بہت دل کے قریب فرد کی توقع کر رہی تھی۔ اس کی آمد کی، اس کی توجہ کی، اس کی کسی نوازش کی منتظر تھی۔ دل افسون انتظار سے بندھتا چلا گیا تھا۔ حالانکہ عفنان علی خان نے ایسا کچھ نہیں کہا تھا۔ ایسا کوئی یقین نہیں دلایا تھا مگر وہ تو پھر بھی اس کی منتظر تھی اور ایک لاحاصل انتظار کیے جا رہی تھی۔

صبح آنکھ کھلی تھی تو پہلا احساس یہ جاگا تھا کہ ابھی اس کا فون آئے گا۔ ابھی وہ کوئی پیام بھیجے گا۔ کوئی نوں آہٹ ہوگی، کوئی در پہ ہوگا، وہ دروازہ کھولے گی۔ وہ نہ سہی، کوئی اس سے وابستہ فرد ہی سہی، کوئی اس کا پیامبر ہی سہی، کوئی خبر تو لائے گا۔ کوئی پیام تو بھیجے گا وہ۔ کچھ نہ کہے گا تو فقط پھولوں میں اپنی تمام محبتیں، اپنی تمام شدتیں سمو کر بھیج دے گا ـــــ ایک چھوٹا سا کارڈ ہی سہی، اس کی خوشبو تو سنگ لائے گا۔

تحریر ہی میں سہی، اس کے ہاتھ کا لمس تو ہوگا نا، جسے وہ چھو سکے گی، محسوس کر سکے گی۔

مگر ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔

صبح سے دوپہر اور پھر دوپہر سے شام اور شام سے رات ہوگئی تھی مگر جس سمت سے ایک آس تھی، اس سمت سے کوئی ردعمل نہیں آیا تھا۔

ماما پاپا کو اس کی خوشی عزیز تھی۔ سو انہوں نے ایک چھوٹی سی تقریب کا انعقاد گھر کے لان میں کر رکھا تھا۔ کئی عزیز و اقارب آئے تھے، کئی دوست مدعو تھے۔ مگر وہی نہیں تھا جسے ہونا چاہئے تھا۔

اناہیہ شاہ آئی تھی اور اس کا اترا چہرہ دیکھ کر کتنی دیر تک چھیڑتی رہی تھی۔

"کبھی تو کہتے ہیں بندہ امیر کی بجائے غریب زیادہ اچھا ہوتا ہے۔ امیر کے پاس وقت ہی نہیں ہوتا نہ آپ کو سراہنے کے لئے، نہ اقرار کے لئے، نہ تکرار کے لئے۔ جب کہ مڈل کلاس کے بہت مزے ہیں۔ عیش ہی عیش ہوتا ہے۔ بندے کے پاس وقت بھی ہوتا ہے اور ایک دردمند دل بھی۔ خیال بھی رکھتا ہے، محبت بھی کرتا ہے۔" اناہیہ شاہ مسکراتے ہوئے یقیناً اسے چھیڑ رہی تھی مگر اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ مسلسل منتظر نظروں سے آمد والے راستوں پر تکتی رہی تھی۔

"کوئی فائدہ نہیں ہے—— موصوف نہیں آنے والے۔ نظریں ہٹا لو راستوں سے اب۔" اناہیہ مسکرا رہی تھی اور لامعہ کی آنکھیں پانیوں سے بھر گئی تھیں۔

اناہیہ شاہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ پھر بغور اس کی سمت دیکھتے ہوئے قدرے ملامت سے مسکرائی تھی۔

"کم آن یار! ڈونٹ ٹیک اٹ سیریس۔ مذاق کر رہی تھی میں تو۔"

"میں تمہارے مذاق کی وجہ سے پریشان نہیں۔" لامعہ نے نمی کو اپنے اندر اتارتے ہوئے کسی قدر مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ تقریب اپنے اختتام کو پہنچ رہی تھی۔ مہمان ایک ایک کر کے رخصت ہو رہے تھے۔

"ٹھیک کہا ہے کسی نے۔" اناہیہ کے ہونٹوں پر ایک بار پھر مسکراہٹ تھی۔

"کیا؟" لامعہ نے اس کی جانب دیکھے بغیر پوچھا تھا۔

"بے قدروں سے کر کے پیار، قدر گنوائی دل کی یار۔" اناہیہ شاہ بچ بچ اس کی کیفیت سے محظوظ ہو رہی تھی۔ لامعہ نے اسے فقط خاموشی سے دیکھا تھا۔ بولی کچھ نہیں تھی۔

مہمان بالآخر ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے تھے۔

"اسے ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔" کتنے کرب سے بولی تھی لامعہ۔ اناہیہ شاہ نے اب کے بغور اس کی سمت دیکھا تھا۔ پھر دوسرے ہی پل اس کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

"اور تمہیں بھی تو ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔"

"کیا...... کیا کیا میں نے؟" لامعہ حق کسی قدر حیران ہوئی تھی۔

"تم نے حد کر دی ہے لامعہ حق!" اناہیہ شاہ کسی قدر افسوس سے بولی تھی۔ "تمہیں کم از کم ان کو ایک فون کر دینا چاہئے تھا۔ زیب کال ہی سہی۔ چاہے بھلے کچھ نہ کہتیں۔ مگر ان حضرت کو خبر تو ہو جاتی کچھ یاد کرانا چاہتی ہو۔"

مگر لامعہ پُرافسوس انداز میں سرنفی میں ہلانے لگی تھی۔

"اس کے پاس ایسی کوئی حس نہیں ہے۔"

"اور تم——؟"

اس نے کچھ کہنا چاہا تھا مگر پھر جانے کیا سوچ کر لب بھینچ لیے تھے اور خاموشی کے ساتھ سر جھکائے بیٹھی لامعہ کو دیکھنے لگی تھی۔ لان میں مصنوعی روشنیوں کا بسیرا اب بھی تھا مگر مہمانوں کی رخصت کے بعد ایک عجیب طرح کا سکوت اب چارسو پھیلا ہوا تھا اور اس طویل سناٹے کو محسوس کرتے ہوئے اناہیہ شاہ یقیناً ایسے لفظوں کی متلاشی تھی جو اس کی دوست کے دل کو راحت دے سکیں۔ کسی قدر دلاسہ دے سکیں۔ مگر وہ اس کوشش میں سراسر ناکام تھی۔ اسی تگ و دو میں وہ سر جھکائے بیٹھی تھی جب لامعہ کی آواز اس کے کانوں میں پڑی تھی۔

"اس شخص نے مجھے حد درجہ ڈس اپوائنٹ کیا ہے اناہیہ! میں اس کی غافل طبیعت سے سدا کی واقف دل گرفتہ بھی تھی—— لیکن اُسے تو دل رکھنا بھی نہیں آتا۔ زندگی کے پہلے ہی اسٹیپ پر کس درجہ بے دردی سے پانی پھیرا ہے اس نے میری امیدوں پر۔ بے حد ظالم ہے وہ۔"

حد درجہ پُرافسوس انداز میں وہ کہنے کے ساتھ ہی اٹھی تھی اور بہت تھکے ماندے قدموں سے اندر کی جانب بڑھنے لگی تھی۔ اناہیہ شاہ تا دیر اس کی سمت تکتی رہی تھی۔ پھر ایک گہری سانس خارج کر کے سر اٹھا کر آسمان کی طرف تکنے لگی تھی۔ تقریب کا آغاز ایک امید پر ہوا تھا اور اختتام میں وہی امید دل کے کسی نہاں خانے میں دفن ہو گئی تھی۔ یقیناً لامعہ بہت زیادہ ڈس اپوائنٹڈ تھی اور اس کی یہ کیفیت یقیناً اس کے دل پر بھی ایسا ہی اثر کر رہی تھی۔ بہترین دوست تھی وہ اس کی۔ اس کی کیفیت پر اس کا دل بھی اسی قدر ملول ہو گیا تھا۔

رات خاصی بیت چلی تھی۔ لان میں چارسمت خاموشی و ویرانی کا ڈیرہ تھا۔ رات ہولے ہولے بھیگ رہی تھی۔ ہر سمت اوس کے قطروں کا پہرہ تھا۔ فضا میں ایک نمی سی تھی۔ وہ ابھی اٹھنے کا قصد کر رہی تھی جب نگاہ آسمان کی سمت سے ہٹانے پر اس نے اپنے سامنے ایک عجیب ہی منظر دیکھا تھا۔ کوئی بہت اپنے آپ میں مگن، پُروقار انداز میں مضبوط قدم اٹھاتا اس کی سمت چلا آ رہا تھا۔ قدموں میں پُراعتمادی حد درجہ تھی جیسے وہ دنیا فتح کرنے کا عزم رکھتا ہو۔ اپنے فاتح ہونے کا یقین اس کے قدموں کی مضبوطی سے بخوبی لگایا جا سکتا تھا۔ اناہیہ شاہ پلک جھپکے بغیر اس سمت تکتی چلی گئی تھی۔ شاید بہت محو تھی وہ لامعہ کی کیفیت پر۔ تبھی نہ تو چوکیدار کے گیٹ وا کرنے کی سمت توجہ مبذول کر سکی نہ ہی گاڑی پورچ میں رکنے کی آواز پر کان دھر سکی۔ اور یہ جاننے پر بھی وہ سمجھی تھی کہ آنے والے کے قدموں کا رخ اندر کی سمت ہوگا۔ مگر ان مضبوط قدموں کو مسلسل اپنی طرف آتا دیکھ کر وہ کسی قدر حیران ضرور ہوئی تھی۔

آنے والا اسی پُراعتمادی اور وقار سے چلتا ہوا اس کے قریب آن رکا تھا۔ نگاہ بغور اس پر تھی۔ آنکھوں میں عجب ایک انجانی کیفیت تھی۔ جیسے اس کی آنکھیں اس گھڑی کوئی جادوئی قالب تھیں اور کسی کا عکس لمحہ

ان میں محسوس ہو رہا تھا۔ انابیہ شاہ ان آنکھوں کے متواتر دیکھنے پر کسی قدر چونکی تھی۔ مگر تکنے والے کی نظر ٹولی نہیں تھی۔ وہ اس لمحے سر اٹھا کر جیسے سیاہ گھور آسمان کی وسعتوں میں کچھ تلاشنے لگا تھا۔ انداز کسی قدر دلفریب تھا۔ وہ دلچسپی سے اسے تکنے لگی تھی۔

"کیا ڈھونڈ رہے ہیں؟" وہ کسی قدر حیرانی سے اس کی سمت تکتی ہوئی بول دی تھی۔ مقابل کھڑا شخص ایک لمحہ کو چونکا تھا پھر بغور اس کی سمت تکنے لگا تھا۔

"چاند ——— مگر وہ آج آسمان پر کہاں۔" انداز پر افسوس تھا۔

"کیوں؟" وہ چونکی تھی۔

مقابل نے اسے بہت دلفریبی سے دیکھا تھا۔ پھر ایک جادوئی مسکراہٹ اس کے لبوں کا حصار ہوئی تھی۔

"وہ آج زمین پر جو آ گیا ہے۔" اس کے جادوئی قلعے جیسی آنکھیں اس گھڑی شاید مسکرا رہی تھیں۔ اس ذو معنی وارد کی حس مزاح یقیناً بہت عمدہ تھی۔ وہ ایک دم ہی مسکرائی تھی۔

"باتیں بنانا یقیناً آپ کو بہت اچھی آتی ہیں۔ مگر دل رکھنا۔" لامعہ کے متعلق سوچ کر وہ بولنے جا رہی تھی مگر پھر یکدم ہی رک گئی۔

"دل ———؟" وہ کسی قدر حیران ہوا تھا پھر نگاہ اس پر سے ہٹا کر اپنے سینے پر بائیں جانب مرکوز کی تھی۔ دبیز سیاہ کوٹ کا کالر ہٹا کر اندر جھانکا تھا۔ پھر کسی قدر مایوسی سے دائیں ہاتھ سے سینے کے بائیں حصے کو ٹٹولا تھا۔ انابیہ شاہ کسی قدر دلچسپی سے یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ یقیناً یہ سامنے کھڑا شخص دلچسپی سے خالی نہ تھا۔ شاید کچھ اہم تھا اس میں، اس کی آنکھوں میں، اس کی باتوں میں۔ تبھی تو وہ ان لمحوں کے حصار میں مقید ہو کر یہ تک بھول گئی تھی کہ رات خاصی بیت چکی ہے اور اسے واپس بھی پلٹنا ہے۔ اس لمحے اس کی نگاہ اس شخص پر تھی اور وہ اسے بغور دیکھ رہی تھی۔

"یہاں تو ایک ہی دل تھا، سو وہ بھی نہیں رہا۔ آپ غالباً مغالطہ آرائی سے کام لے رہی ہیں۔ آپ نے اپنا دل تو حال مجھے نہیں سونپا۔" تمام تر تسلی کر لینے کے بعد وہ لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ لیے گویا ہوا تھا۔ پہلے جہاں وہ چند ثانیوں تک ساکت سی اسے تکتی چلی گئی تھی پھر یکدم ہی کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

"رات بارہ بجے کے بعد سے عقل و خرد سر پہ پاؤں دھر کے بھاگ جاتی ہے۔ ٹھیک کہا ہے کسی نے۔" وہ یقیناً محظوظ ہوئی تھی۔

جواباً موصوف دھیمے سے مسکراتے اسے تکتے چلے گئے تھے۔

"یہاں تو دل نہیں رہا اور آپ فقط عقل و خرد کی بات کرتی ہیں۔" وہ یقیناً اس گھڑی سنجیدہ نہ تھا۔ انابیہ شاہ اسے دلچسپی سے تکتے ہوئے ہولے سے مسکرائی تھی۔

"پروف ہو گیا، آپ ہی محترم عقمان علی خان ہیں۔ لامعہ آپ کے متعلق ٹھیک ہی کہتی ہے۔"

"زمانے کی جانے دیجئے، آپ اپنی کہیے۔ کس دیس سے آئی ہیں ——— کس درجہ نور پھیلا ہوا ہے ہر سمت۔ کتنا بہت سا جادو ہے ہر طرف۔ سچ ——— سدھ بدھ کھو بیٹھا میں تو۔" وہ شخص واقعی مقابل کو

کرنا چاہتا تھا۔

انابیہ شاہ کسی درجہ حیرت سے اس کی سمت تکنے لگی تھی۔ وہ بدستور مسکرا رہا تھا۔ رات یکدم ہی جادوئی سی لگی تھی۔ ایک طلسم سا ہر سمت پھیلتا چلا گیا تھا۔ اس کی آنکھیں واقعی کوئی جادوئی قلعہ تھیں جن کے اندر اس کا عکس مقید ہوتا چلا گیا تھا۔ شاید وہ کوئی جادوگر تھا۔ کوئی شعبدہ گر تھا۔ کتنے نرالے انداز تھے اس کے۔ وہ یکدم چونکی تھی اور نگاہ پھیر گئی تھی۔ وہ اٹھنا چاہ رہی تھی مگر اسے ایسا کرنا ناممکن لگا تھا۔ سارا وجود پتھر ہو رہا تھا۔ اپنا تاثر برقرار رکھنے کو وہ دھیمے سے مسکرائی تھی۔ اخلاق نبھایا تھا۔ اس کے سوا جیسے کوئی چارہ ہی نہ تھا۔ پہلی ملاقات تھی اور وہ کمزور پڑنا قطعاً نہیں چاہتی تھی۔ شاید تبھی بات بنانے کو بولی تھی۔

"لامعہ بہت پریشان ہو رہی تھی۔ آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ قصور اس کا بھی نہیں۔ شاید رشتوں میں توقعات اپنے آپ عود کر آتی ہیں۔ بہت خاص دن تھا اس کا اور آپ نے یاد نہ رکھا کر یقیناً اچھا نہیں کیا۔ بہت ملول تھی وہ ——— رو رہی تھی۔ آپ کو نہیں آنا تھا تو مطلع کر دیا ہوتا۔ فقط فون پر ہی دو لفظ کہہ دیے ہوتے۔ لامعہ کا دل تو رہ جاتا۔" اپنی دانست میں اس نے بڑی بات کی تھی مگر اس شخص کا کوئی ردعمل اس کے سامنے نہ آیا تھا۔ عجب بے تاثر انداز تھا جیسے اس نے سن کر بھی نہ سنا ہو۔ مگر اس کے بغور دیکھنے کی محویت قطعاً نہیں ٹوٹی تھی۔ وہ اب بھی دھیمے سے مسکراتا ہوا اس کی سمت تک رہا تھا۔

"آپ کی آواز بھی بہت میٹھی ہے۔ ایسے جیسے منوں کے حساب سے شہد گھلا ہو۔ بتایا نہیں آپ نے، کس دیس سے آئی ہیں آپ؟" وہ بدستور شرارت پر آمادہ تھا۔ وہ دھیمے سے مسکراتے ہوئے دھیان پھیر گئی تھی۔ عجب طلسمی رات تھی۔ کیسی گرفت میں لینے والی باتیں تھیں اس کی۔

"عجیب شخص ہیں آپ۔ مگر ایک بات ہے، لامعہ کا انتخاب غلط نہیں ہے۔ اس کا یہ مطلب بھی قطعی نہیں کہ آپ ہماری پیاری سی لامعہ کی جان عذاب میں مبتلا کر دیں۔ نخرے دکھائیں بھی، لیکن ذرا پیار سے۔ ہماری لامعہ کے دل کو ٹھیس نہیں پہنچنی چاہیے۔" کہتے ہوئے اس نے کلائی پر بندھی گھڑی دیکھی تھی، پھر مسکراتی ہوئی اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔

"چلوں گی اب ——— اچھا ہوا آپ سے دو دو ہاتھ کرنے کا موقع مل گیا۔ لامعہ کو بتاؤں گی تو بڑی تسلی ہو گی اسے۔ ناراض ہے کسی قدر۔ اب آئے بھی تو کیا آئے ہیں۔ خیر منتظر تو وہ اب بھی ہو گی۔ ازالہ ممکن تو ہے۔ بہرحال کوشش کر دیکھیے، تھوڑی کڑوی ضرور ہے مگر دل کی بری نہیں۔ اور ان حالات میں تو ویسے بھی اس کا ہر اقدام جائز ہو گا۔ میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔"

وہ ہولے سے اٹھی تھی۔ مقابل اسے اب تک بغور تک رہا تھا۔ کس درجہ محویت تھی۔ وہ اب کے نہ تو چونکی تھی نہ ہی حیران ہوئی تھی۔ دو قدم بڑھا کر اس کے قریب پہنچی تھی۔ اس کی خوشبوؤں کا پہرہ اس گھڑی فضاؤں میں تھا۔ ماحول میں چار سمت جیسے ایک عجب طلسمی حصار بندھا ہوا تھا اور سارا کچھ اسی جادو کے زیر اثر تھا۔ وہ متاثر نہ تھی مگر کسی قدر حیران ضرور ہوئی تھی۔ وہ جس طرح بغور اسے دیکھ رہا تھا، اس کی سمجھ میں نہ آیا تھا وہ کیا تاثر دے۔ تبھی شاید وہ دھیمے سے مسکرائی تھی۔ قصداً الوداعی تاثر دینے کا اور پل میں قدم اٹھا کر آگے بڑھ جانے کا تھا۔ مگر مقابل کھڑے شخص نے یکدم ہی ہاتھ بڑھا کر اس کے نازک ہاتھ کو گرفت

میں لے کر جیسے سارے لمحوں کو روک دیا تھا۔ وہ ٹھٹکی تھی۔ اس اقدام پر قدرے حیرت سے مقابل کو تکنا چاہا تھا مگر دوسری جانب محویت عجب دیوانگی لئے ہوئے تھی۔ وہ کچھ سمجھ نہ پائی تھی۔ مگر مقابل کھڑا اسے متواتر تکتا چلا گیا تھا۔ کتنی قربت تھی۔ اس کی خوشبو کتنی قریب تھی۔ سانسوں کی تپش سے جیسے سارا سلگنے کو تھا۔

"اس کی آنکھیں بتاؤں کیسی ہیں
جھیل سیف الملوک جیسی ہیں"

کتنے ہولے سے اس کے لب ہلے تھے اور پوری فضا جیسے کسی جادو سے بھرتی چلی گئی تھی۔ انابیہ جیسے پل میں بیدار ہوئی تھی۔ لمحہ بھر میں اس نے اپنا مرمریں ہاتھ اس کی گرفت سے آزاد کرانا چاہا مقابل مسکرایا تھا اور پھر نہ چاہتے ہوئے بھی بہت آہستگی سے مسکراتے ہوئے اس ہاتھ کو اپنی گرفت آزاد کر دیا تھا۔ مگر زیرلب مسکراتے ہوئے اس کے لبوں پر پھر وہی خوشبو کی بات تھی۔

"اس کی آنکھیں بتاؤں کیسی ہیں
جھیل سیف الملوک جیسی ہیں"

اس کی آنکھوں میں کتنا یقین بول رہا تھا۔ انابیہ شاہ ساکت سی تکتی ہوئی لمحہ بھر میں الٹے قدموں پیچھے چلی تھی۔ وہ اسی طور تکتا ہوا، اسی قدر دلفریبی سے مسکرا رہا تھا۔ قدم جیسے من من بھر کے ہونے کو تھے مگر یکدم ہی رخ پھیرتے ہوئے پلٹی تھی اور وہاں سے بھاگتی چلی گئی تھی۔

❊❊❊

عجب تبدیلی آئی تھی۔ سب کچھ بدل گیا تھا۔ مگر اس کے باوجود عقل اور دل بہت چپ چاپ سے اُ کونے میں دبکے بیٹھے تھے۔ سارے وجود میں اک سکوت سا تھا۔ اتنی چپ تھی کہ اگر ایک سوئی بھی گرا ارتعاش سارے بدن میں پھیل جاتا۔

ذہن تھا کہ قبول ہی نہ کر پا رہا تھا۔

اس کی زندگی کی حیثیت بدل گئی تھی۔ حقیقت بدل گئی تھی۔ وہ پل میں کیا سے کیا ہو گئی تھی۔ ساز حوالے بدل دیے تھے وقت نے۔ نئے بندھنوں میں آ باندھا تھا۔ مگر وہ خود کو اور بھی تنہا محسوس کر تھی۔ جیسے کوئی اپنا آپ نہ تھا۔ جیسے سب اجنبی تھے، غیر تھے، پرائے تھے۔ اور ان پرائے لوگوں درمیان کتنی ششدر سی ڈری کھڑی تھی وہ۔ پتہ نہیں اپنے ہونے کا یقین چاہ رہی تھی یا کوئی نئی پہچان ما رہی تھی۔ ان لوگوں سے یا پھر شاید وقت سے، مگر ہر جانب اک سکوت تھا۔ کہیں سے کوئی آواز نہ آ تھی۔ وقت شاید بے رحم تھا۔ تبھی تو وہ اپنوں سے دور ہو گئی تھی۔

انجانے منظروں میں قید ہو گئی تھی۔

بیگانے لوگوں میں آن گری تھی۔

کتنی سرد مہری تھی نگاہوں میں کسی کی۔ کتنے سرد لہجے تھے اور اس یخ بستگی سے اس کا سارا وجود سُن رہا تھا۔ وہ اندر تک سے سرد پڑ رہی تھی۔

"پاپا، زوبار یہ، نانی سب چلے گئے تھے اسے تنہا چھوڑ کر۔ اس برف کے زمانے میں، اسے برف ہونے کو۔ اور وہ تھی کہ کوئی مزاحمت بھی نہ کر پا رہی تھی۔

مائی اماں اس کا کتنا خیال رکھ رہی تھیں۔ محل سے بھی بڑا گھر تھا سردار سبکتگین حیدر لغاری کا۔ کتنی اونچی فصیلیں تھیں اس کی۔ کتنے اہتمام سے سجایا گیا تھا اسے۔ کتنی پُرتعیش آرائش و زیبائش تھی اس محل سے بھی بڑے گھر کی۔ نوکروں کی اک فوج تھی، ہر لحہ، ہر آن مستعد۔ مگر نفوس بہت تھوڑے سے تھے۔ وہ تو ابھی اس مخصوص کمرے سے ہی باہر نہ نکلی تھی جسے رہائش کے لئے اسے سونپا گیا تھا۔ وہی کمرہ اس قدر بڑا اور پُر آسائش تھا کہ اسے خود پر کسی ریاست کی شہزادی ہونے کا گمان گزر رہا تھا۔ پورا گھر جانے کتنا بڑا ہوگا۔ وہ کھوجنے کی مہم پر نکلتی تو خود کھو جاتی۔ ریاستی محل تھا کوئی اور وہ تو تمام زمانوں کی مکین تھی۔ ایک عام سی لڑکی تھی۔ کب عادت تھی اسے راج کماریوں کی طرح زندگی گزارنے کی۔ اس کے پاپا جانے مانے انڈسٹریلسٹ تھے۔ آنکھ کھولتے ہی اس نے گھر میں ہر آسائش پائی تھی۔ ہزار گز پر بنا گھر تھا۔ گھر میں اپنا پن تھا۔ مگر اس محل سے بھی بڑے گھر کے سامنے اسے اپنا گھر بہت چھوٹا لگا تھا۔ وہ اکلوتی تھی۔ آسائش سے پُر زندگی گزار چکی تھی۔ اس کی خواہش سے بھی پہلے ہر شے اس کی دسترس میں تھی۔ اسے کبھی کسی شے کے لئے کہنا نہیں پڑا تھا۔ مگر اس موجودہ حیثیت کے سامنے اسے اپنا آپ بھی بہت چھوٹا لگ رہا تھا۔ جیسے وہ اندر سے کہیں کھو رہی تھی۔ ان بھول بھلیوں میں کہیں گم ہو رہی تھی۔

ایسے کسی ریاستی شہزادے کا تو تصور بھی موجود نہ تھا اس کے ذہن کے کسی خانے میں۔ اب تک تو اس نے کبھی کسی جیون ساتھی کا خاکہ ہی نہ تراشا تھا۔ اب تک کی زندگی تو فقط کتابوں اور تعلیمی اداروں کے اردگرد سرگرداں تھی۔ ابھی تک تو اس نے کسی ایسے تصور کے متعلق سوچا بھی نہ تھا۔

شاید عام سے ہی خواب بھی تھے اور سردار سبکتگین حیدر لغاری تو کسی اور ہی دنیا کا شخص تھا۔

ایسا جیون ساتھی تو اس نے کبھی بھی نہ سوچا تھا۔

وہ تو عام زمانوں میں رہتی تھی۔ عام لوگوں میں بستی تھی۔ کسی خاص وجود کے خیال کا بھی وہاں گزر نہ تھا۔ پھر کیا ہوا تھا اس کے ساتھ۔

اس کا ذہن قطعاً قبول نہ کر پا رہا تھا۔

دل مان نہیں رہا تھا۔

نہ اس سارے ماحول کو، نہ اس نئے بندھن کو، نہ اس صورتِ حال کو۔ اُسے تا حال اس گھر میں اپنی پوزیشن کا تعین کرنا بھی مشکل لگ رہا تھا۔ وہ کوئی مہمان نہ تھی۔ کچھ دنوں تک قیام پذیر ہونے والی کوئی شخصیت بھی نہ تھی۔ مگر سب کچھ اپنا بھی نہ تھا۔ دو ہفتے سے زائد کا عرصہ یہاں گزر چکا تھا اور اُسے لگ رہا تھا جیسے وہ کسی قید خانے میں ڈال دی گئی ہو۔ کسی سنہری پنجرے میں بند کر دی گئی ہو۔ جہاں سے اس کی رہائی ناممکن ہو۔ وہ کھلی فضا میں سانس لینا چاہتی تھی۔ اپنے اندر کی گھٹن کو قدرے کم کرنا چاہتی تھی۔ مگر کسی دروازے میں جیسے کوئی درز نہ تھی۔ اس نے کبھی خواب میں بھی نہ سوچا تھا کہ اس کا اندر بھی اتنی وحشتوں سے بھر جائے گا۔

اس شام اس نے مائی اماں سے یونیورسٹی جانے کی بات کی تو وہ مسکرا دیں۔

"اس کے لئے تمہیں اجازت طلب کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ ــــــ تم بلاشبہ اپنی تعلیم جا[ری رکھ] سکتی ہو۔ مجھے اندازہ تھا۔ لیکن میں تمہاری ذہنی پریشانی کی وجہ سے تمہیں ریلیکس دیکھنا چاہتی تھی[۔] اچھا ہے کچھ وقت سکون سے بسر کر لے۔ دراصل بیٹا! تم جس کیفیت سے گزر رہی ہو اس کا میں [اچھی] طرح سے اندازہ ہے۔ یقیناً باپ زندگی میں تمام رشتوں میں بہت معتبر حیثیت رکھتا ہے اور......" بولتے جا رہی تھیں مگر اس کی جھکی آنکھوں کے کنارے بھیگتے دیکھ کر انہوں نے اپنی بات درمیان [میں] چھوڑ دی تھی۔ پھر بہت پیار سے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھاما تھا اور اس کی روشن پیشانی پر ا[پنی] محبت کی مہر ثبت کرتے ہوئے دھیمے سے مسکرائی تھیں۔

"یہ رشتہ، یہ تعلق تمہاری زندگی میں یقیناً ایک دم تبدیلی لایا ہے۔ میں تمہاری کیفیت سمجھ سکتی ہو[ں۔ تم] جانتی ہو، تم میرے لئے کتنی اور کس قدر خوشیاں لائی ہو؟ ــــــ گو ابھی فقط نکاح کی رسم ہوئی ہے[۔ تم] یہاں پر عارضی طور پر رہائش پذیر ہو۔ مگر تم نے ابھی سے میرا گھر روشنیوں سے بھر دیا ہے۔ میں [اس] وقت کے لئے بے صبری سے انتظار کر رہی ہوں جب تمہارے ممی، پاپا آئیں گے اور میں تمہیں ان [سے] مانگ کر ہمیشہ کے لئے اس گھر میں لے آؤں گی۔" ان کی آواز خوشی سے لبریز تھی۔ مگر وہ اسی طر[ح سر] جھکائے بیٹھی رہی تھی۔ نہ تو نگاہ اٹھا کر ان کی طرف دیکھا تھا نہ ہی کچھ بولی تھی۔

"تمہیں ہر طرح کی آزادی ہے اس گھر میں۔ تم جب تک یہاں ہو، جو چاہو کر سکتی ہو۔ اس گھ[ر میں] تمہاری حیثیت ایک مالکن کی ہے۔ بہو ہو تم اس گھر کی۔ سب کچھ تمہارا ہے۔ تمہارا اپنا۔ سبکتگین حیدر [نے] اس کا چہرہ بہت ہولے سے اٹھا کر وہ دھیمے سے مسکرائی تھیں۔ مگر میرب سیال کچھ نہیں بولی تھی[۔ ان] کی اس شگفتہ سی بات پر بھی اس کے چہرے پر کوئی رنگ نہیں آیا تھا۔ کوئی رنگ تیور بھی نہ ابھرا تھا۔ و[ہ] خالی خالی نظروں سے دیکھ رہی تھی اور مائی اماں اس کے چہرے، اس کی آنکھوں کو بغور تکتے ہوئے جیسے [اس] کے اندر کی کیفیت پا گئی تھیں۔

"میرب بیٹا! جانتی ہو، میں نے تمہیں ہی اس گھر کے لئے کیوں چنا؟ کیونکہ مجھے تمہاری آنکھوں [کی] روشنی بڑی صاف و شفاف لگی تھی۔ مجھے لگا تھا تم وہ ہو جو اس گھر کے لئے، سبکتگین حیدر کے لئے موز[وں] ترین ہو۔ مظہر سیال اور زوباریہ سے یہ بات فقط منگنی کے لئے ہوئی تھی۔ مگر جب تم ہمارے فارم ہاؤ[س] آئیں تو میں تمہیں دیکھ کر اپنے فیصلے پر قائم نہ رہ سکی۔ دراصل بیٹا! میں کسی بھی صورت تمہیں کھونا نہیں چ[اہتی] تھی۔ میرے کہنے پر ہی مظہر سیال اور زوباریہ کو اپنے فیصلے میں ترمیم کرنا پڑی۔"

میرب تمام باتیں فقط خاموشی سے سن رہی تھی۔ مائی اماں مسکرا رہی تھیں۔

"ہمارے وقت تو بڑے مختلف تھے۔ والدین ڈھور ڈنگروں کی طرح بنا پوچھے رشتے طے کر دیا کر[تے] تھے۔ پندرہ سولہ برس لگے نہیں اور لڑکی پرائی ہوئی نہیں۔ یکدم اماں باوا کا گھر چھوڑ کر ایک نئے دیس، ا[یک] نئے گھر سدھار جانا پڑتا۔ ایسے میں کسے فکر تھی کہ باہمی ہم آہنگی بھی کسی چڑیا کا نام ہے۔ مگر ہم اس زما[نے] کے ہوتے ہوئے اور تمام اودار کو برتنے کے باوجود نئے زمانے کے تقاضوں سے واقفیت رکھتے ہیں۔

[چا]ہتے ہیں جب تک تم یہاں ہو اس گھر کو، اس کے طور طریقوں کو اور سب سے بڑھ کر سبکتگین حیدر لغاری کو سمجھ لو۔ مانا جو بھی ہوا بہت جلدی میں ہوا مگر اب وقت ہے کہ تم ایک دوسرے کو جانو، سمجھو اور اپنا لو۔ [ا]یک دوسرے کی عادات و اطوار، پسند ناپسند۔ اسی کا نام ذہنی ہم آہنگی ہے نا۔ میں چاہتی ہوں تم اس گھر کو [اپ]نا جانو اور قبول کرو، دل سے۔ مع سبکتگین حیدر لغاری کے۔ کیونکہ سب کچھ تمہارا ہی تو ہے۔"

وہ بول رہی تھیں جب کہ اس کی نگاہ عین سامنے اٹھی تھی۔ کوئی بڑی تمکنت سے قدم اٹھاتے ہوئے [سیڑھیاں] اتر رہا تھا۔ چال میں بہت اعتماد اور وقار تھا۔ بلیک سوٹ میں مردانہ وجاہت قابل دید تھی۔ یہ وجود اس کے وجود سے منسوب تھا، اس کے وجود کا حصہ تھا۔ مگر میرب سیال بڑے بے تاثر انداز میں نظریں جھکا گئی تھی۔ کوئی اسی تفاخر سے چلتا ہوا قریب آیا تھا۔ ایک لمحے کو نظر اس پر پڑی تھی مگر بڑی سرسری سے۔ دوسرے ہی پل وہ معمول کے انداز میں مائی اماں سے مخاطب تھا۔

"مائی اماں! میں باہر جا رہا ہوں۔ رات تک لوٹ آؤں گا۔" بھاری لہجہ اس کے ارد گرد جیسے ایک حصار سا باندھ گیا تھا۔ مگر اس نے سر اٹھا کر نہیں دیکھا تھا۔ چونکی تب تھی جب مائی اماں بولی تھیں۔

"بیٹا! ٹھیک ہے ــــــ مگر میرب کو بھی ساتھ لے جاؤ۔ بہت دنوں سے گھر میں بند ہے۔ ذرا موڈ [بد]ل جائے گا اس کا بھی۔" مائی اماں کے کہنے پر سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی طرف نگاہ کی تھی۔

"لیکن اماں! میں ایک ضروری کام سے جا رہا تھا اور ممکن ہے واپسی پر دیر بھی ہو جائے۔" اس نے [مکم]ل طور پر تعرض برتا تھا۔ میرب سیال کو حد درجہ سبکی محسوس ہوئی تھی۔

"سبکتگین! کام تو ہوتے ہی رہتے ہیں۔ جو میں کہہ رہی ہوں وہ زیادہ اہم ہے۔ میرب سیال اس گھر [ک]ا حصہ ہے اب۔ تم سمجھ رہے ہو نا؟" مائی اماں نے بارعب انداز میں جیسے سب کچھ باور کرایا تھا۔ وہ لمبا [چو]ڑا شخص ہولے سے سر اثبات میں ہلا گیا تھا۔

"جی ــــــ جو حکم مائی اماں!" ماں کے حکم سے اس نے انحراف نہیں کیا تھا۔ "میں زبیر کے ساتھ کچھ [اہ]م فائلز دیکھ لیتا ہوں۔ جب تک آپ انہیں تیار کرا کر بھیج دیجئے۔" اس پر ایک سرسری سی نظر ڈالتے [ہو]ئے وہ کس قدر سپاٹ لہجے میں گویا ہوا تھا اور پھر دوسرے ہی پل چلتا ہوا وہاں سے نکل گیا تھا۔ مائی اماں [اس] کے جانے کے بعد اس کی جانب تکنے لگی تھیں۔

"جاؤ بیٹا! تم تیار ہو جاؤ۔"

وہ اگرچہ ایسا کچھ نہیں چاہتی تھی مگر جانے کیوں اس لمحے وہ بھی اس حکم سے منحرف نہیں ہو سکی تھی۔ [بہ]ت خاموشی سے اٹھی تھی اور ضروری اقدامات کرنے کو چل پڑی تھی اور دل جانے کیوں اس گھڑی اور بھی [اد]اس ہو گیا تھا۔

❋❋❋

وقت سب سے بڑا مرہم ہے۔ بڑے سے بڑے گھاؤ بھر دیتا ہے۔ مگر اس کے باوجود اندر کہیں ایک [ن]ام سا درد باقی رہ جاتا ہے۔

دن گزر رہے تھے اپنی مخصوص رفتار سے اور ان پہروں میں کہیں کوئی مداوا نہیں تھا۔ گھاؤ پر وقت کا ایک

گھر تو آ رہا تھا مگر اندر کہیں درد کی ٹیسیں اب بھی اسی طرح اندر کو ہلا کر رکھ رہی تھیں۔ گھر کے زندگی بسر کر رہے تھے۔ مگر ایک دوسرے سے کتراتے کتراتے، نظریں چرائے۔ جیسے وہی اک دو کے سب سے بڑے مجرم ہوں۔ اور سید اذہان حسن بخاری کی کیفیت ان سب سے سوا تھی۔ وہ تو اس واقعی مرتکب تھا۔

فارحہ کو اس بات کا احساس تھا مگر جانے وہ کیوں کچھ نہیں بول رہی تھیں۔ چپ چاپ ساکت کر صورتحال کو خاموش نظروں سے تکتی جا رہی تھیں۔ سعد حسن شاہ بخاری کا تعلق اس گھر سے، اس گھ مکینوں سے چاہے کتنا ہی واجبی سہی مگر وہ اس گھر میں آنے جانے سے باز نہیں آئے تھے۔ مہینے میں آدھ چکر لگا ہی لیا کرتے تھے اور اس اقدام میں بھی انہیں قصور انہی کا نظر آ رہا تھا۔

''دیکھو فارحہ! میں ایسا نہیں چاہتا۔ سارا قصور تمہارا ہے۔ تمہاری سرد مہری نے میرے لئے ا میں آنے کے دروازے ڈھا دیے ہیں۔ میں اس گھر سے یا اس گھر کی ذمے داریوں سے سبکدوش نہیں چاہتا۔ مگر تم بہت اجنبی ہو رہی ہو اور ایسا کر کے تم اپنے حق میں برا کر رہی ہو۔ یہ گھر میرا ہے یہاں چاہوں تو روز آ جا سکتا ہوں۔ مگر تمہاری آنکھوں کی سرد مہری عجب الزام دیتی ہوئی سی ہے۔ ا ایسا کب تک چلے گا؟ ——— بچی نہیں ہو تم۔ صورتِ حال کو سمجھ لینا چاہیے۔ اور انہونی کیا ہوئی ہے نے کیا عجب کیا ہے؟ شادی ہی تو کی ہے۔ اور میں تم سے یا بچوں سے کب دستبردار ہو رہا ہوں؟۔ مجھے اب بھی تم سے محبت ہے۔ تم سب کا احساس ہے۔ تم سب کی فکر ہے۔ کسی نئے تعلق کے باندھ سے پرانے رشتے ختم تو نہیں ہو جاتے فارحہ! ان کی حیثیت مٹ تو نہیں جاتی۔ سمجھتا ہوں میں سب نہیں ہوں۔ مجھے اپنے فرائض کا علم ہے اور اس میں کوتاہی قطعاً نہیں برت رہا۔ تم سمجھاؤ اپنے بیٹے کو یکدم ہی باپ بننے کی کوشش کر رہا ہے وہ۔ جانتی ہو کتنے دن سے آفس نہیں آیا۔ میں نے پتہ کروایا تو موصوف میرے مخالف گروپ آف کمپنیز کے ڈائریکٹر سے ہاتھ ملا رہے ہیں۔ اب وہ میری جڑیں چاہتا ہے۔ مجھے کھوکھلا کرنا چاہتا ہے۔ حالانکہ میں جو کچھ بھی کر رہا ہوں اس میں ہم سب کا فائدہ ہے کے لئے کر رہا ہوں میں یہ سب دوڑ دھوپ ——— انہی کے لئے نا۔ پھر کیوں نہیں سمجھ رہا ہے وہ یہ با سمجھاؤ اسے۔ اپنے باپ کا باپ بننے کی کوشش نہ کرے۔ شاہ گروپ آف کمپنیز میں ایم ڈی کی پوسٹ لئے آج اخبار میں اشتہار دوں تو امیدواروں کی لائن لگ جائے۔ مگر میں اپنے بیٹے کے حق کو ختم نہیں چاہتا۔ یہ سب کچھ اسی کا ہے۔ پرسوں بورڈ آف ڈائریکٹرز کی میٹنگ ہے اور میں چیئرمین ہونے کے اس کی غیر موجودگی کے لئے جواب دہ ہوں گا۔ مگر مجھے اس جواب دہی کی فکر نہیں ہے فارحہ! فکر مجھے اس مستقبل کی ہے۔ اسے کہو، اپنا مستقبل اپنے ہاتھوں تباہ نہ کرے۔ لندن سے بزنس کی ڈگری لے کر آ بڑا تیس مار خان بن گیا۔ یہ باپ اس کی پشت پر تھا ورنہ اپنے ملک میں رہ کر کتنے نوجوانوں کے لئے تعلیم حاصل کرنا دوبھر ہو جایا کرتا ہے۔ کجا اتنے پائے کی بزنس ڈگری لینا، وہ بھی لندن جیسے بڑے سے۔ یہ ممکن ہوا تو فقط میرے باعث۔ اس کے باپ کے باعث۔ ورنہ آج وہ بھی اپنے ہاتھ میں ڈگری لئے در در ٹھوکروں کی خاک چھان رہا ہوتا ——— اسے اپنی کامیابی پلیٹ میں دھری دھرائی ملی ہے

لئے دماغ چڑھ گیا ہے۔ باور کراؤ اسے، اپنے باپ کے بغیر وہ کچھ نہیں ہے۔ شاہ گروپ آف کمپنیز کے چیئرمین کی حیثیت سے میں تو باآسانی کسی کو بھی بٹھا کر ایم ڈی کی سیٹ تک اپ کر دوں گا پھر اس کا مستقبل کیا ہو گا؟ سڑکیں ناپے گا وہ۔ خاک پھانکے گا۔ اسے باور کراؤ فارحہ! اسے بتا کسی تجربے کے فقط شاہ گروپ آف کمپنیز میں ہی ایم ڈی کی سیٹ مل سکتی ہے۔ کیونکہ شاہ گروپ آف کمپنیز اس کے باپ کی ہے۔ یہ رعایت ہر کوئی نہیں دے سکتا۔ بچہ نہیں ہے وہ۔ مگر انتہائی جذباتیت سے کام لے رہا ہے۔ گھر کی بات کو، گھر کے معمولی جھگڑے کو لے کر وہ دنیا بھر کے سامنے تماشا بنا رہا ہے۔ اس کی آفس سے غیر موجودگی پر کیسی کیسی تاویلیں پیش کرنا پڑ رہی ہیں مجھے، اس کا اسے یا تمہیں قطعاً کوئی اندازہ نہیں فارحہ! ایک چھوٹی سی بات کو لے کر وہ اس قدر ہائپر ہو رہا ہے۔ یہ انتہا پسندی اسے بہت نقصان پہنچائے گی۔ سمجھاؤ اُسے، اس کا دماغ ٹھکانے لگاؤ۔ ماں ہو تم اس کی اور وہ فقط تمہاری بات سمجھتا ہے۔''

''نہیں ——— وہ آپ کی بات بھی سمجھتا تھا۔'' فارحہ نے بہت آہستگی سے لب کھولتے ہوئے سید سعد شاہ بخاری کی سمت دیکھا تھا اور وہ تنے ہوئے چہرے سے اسے دیکھتے ہوئے یکدم بپھر گئے تھے۔

''یہی بات ——— فارحہ! یہی بات تو تم نے اس کے دماغ میں ڈال دی ہے۔ یہی جتا کر تم نے اسے اپنے ساتھ کیا ہے، میں تم سب کا دشمن ہوں۔ یہی کہہ کر تم نے اسے اپنے ساتھ کیا ہے اور ایسا کر کے تم قطعاً اچھا نہیں کر رہی ہو۔ میں اس کا باپ ہوں۔ اس کے ساتھ مخلص ہوں یا نہیں یہ الگ بات ہے۔ مگر تم ——— فارحہ! تم ماں ہو کر اس کے ساتھ قطعاً مخلص نہیں ہو۔ تمہارا یہ اقدام سراہے جانے کے لائق ہرگز نہیں ہے۔ ایسا کر کے تم اس کے پاؤں پر خود کلہاڑا مار رہی ہو۔ اکلوتا بیٹا ہے وہ ہمارا اور تم فارحہ! دوسری شادی ہی کی ہے نا میں نے فقط۔ اور کیا جرم ہے یہ؟ مذہب، قانون سب اس کی اجازت دیتا ہے۔ کوئی قبیح فعل سرانجام نہیں دیا ہے میں نے۔ مجھے خود اپنی اور میری نظروں میں مجرم ثابت مت کرو۔ اور ایسے میں جب کہ میں اس خاندان کے اور تمہارے حقوق اسی طور پر پورے کر رہا ہوں۔ جرم یہ تب ہوتا نا جب میں تم سے یا بچوں سے دستبردار ہوتا۔'' ہمیشہ کی طرح وہ بنا فارحہ کی سنے بولتے چلے گئے تھے اور فارحہ خاموشی سے سر جھکا گئی تھی۔ آنکھوں میں کتنی بہت سی نمی یکدم ہی آن ٹھہری تھی۔ سید سعد حسن بخاری نے اسے رک کر لحہ بھر کو خاموشی سے دیکھا تھا پھر ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے بہت آہستگی سے اس کے ہاتھ کو تھام لیا تھا۔

''اوہ فارحہ! پلیز سمجھنے کی کوشش کرو۔ دیکھو، میری طرف نگاہ اٹھاؤ۔ دیکھو میں اب بھی تمہارے ساتھ ہوں۔ تم، بچے اب بھی میری پہلی ذمے داری ہو ——— اب بھی میری پہلی ترجیح تم اور بچے ہو۔ کہاں بھاگ رہا ہوں میں، کہاں بھاگ سکتا ہوں؟ میں تو یہاں بھی فقط اس لئے کم آتا ہوں کہ مجھے تمہاری سرد مہری اچھی نہیں لگتی۔ اپنے بچوں کی بیگانگی اچھی نہیں لگتی۔ کیا مجھے تم سب کا احساس نہیں؟ ——— یا مجھے تم سب سے پیار نہیں؟ یا پھر مجھے ماہا کے ساتھ اس طرح پیش آنے والے واقعے کا ادراک نہیں!؟ ——— آئی ایم ناٹ فٹ۔ زندگی میں بھی اسی قدر درد سے گزر رہا ہوں ——— جو میری بچی کے ساتھ ہوا اس کا مجھے بھی اسی طور احساس ہے۔'' سعد حسن بخاری کا لہجہ دھیما اور جذباتی تھا۔

فارحہ نے بہت ہولے سے سر اٹھا کر دیکھا تھا۔ مگر بولی کچھ نہیں تھیں۔

❋ ❋ ❋

اس کی آنکھیں بتاؤں کیسی ہیں
جھیل سیف الملوک جیسی ہیں

وہاں سے لوٹنے کے بعد کتنی دیر تک اک گرفت میں لینے والی آواز اس کے اردگرد گونجتی رہی تھی۔ مدھر بازگشت اس کے گرد اپنا حصار باندھے رہی تھی۔ بلا ارادہ وہ سوچتی رہی جو وہ چاہتی نہیں تھی۔ مگر فسوں ساز لہجہ، وہ جادو بھری آواز اس کا پیچھا نہیں چھوڑ رہے تھے۔

پتہ نہیں کہنے والے کے دل میں کیا سمائی تھی، عجب شخص تھا اور کیسی عجیب باتیں کر رہا تھا۔ لامعہ کا فیا اسے واقعی بہت عجیب لگا تھا۔ وہ دوسری بار ملی تھی اس سے۔ پہلی ملاقات تو بڑی سرسری سی تھی لامعہ کی منگنی کی تقریب میں۔ جب کہ دوسری ملاقات ——— اور کتنی لایعنی باتیں کرتا تھا وہ۔

کیسے لہجوں میں بولتا تھا وہ۔

جیسے وہ سب موسم، سب رنگ، سبھی ساز اپنے سنگ باندھ سکتا ہو۔

کتنا عجب تھا وہ۔ اس کی تو باتیں ہی اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں۔

کیسی مخفی گفتگو کرتا تھا وہ۔ کیسا عجب دیوانہ لہجہ تھا اس کا۔

شاید یہی فطرت تھی اس کی۔ یہی مزاج تھا اس کا۔

مگر وہ کس قدر حیراں تھی۔

اس کے تیور، اس کے انداز اسے بھلائے نہ بھول رہے تھے۔ عجب گمبھیر تھا سب کچھ۔ اس کے انداز، سبھی تیور۔ شاید یہی مزاج تھا اس کا۔

کتنا مختصر سا تجربہ تھا اس کا۔ ایسے بھی یقیناً لوگ ہوتے ہوں گے۔ پہلی ہی ملاقات میں بے تکلف ہو جانے والے۔ چھیڑ چھاڑ کرنے والے۔ اور یوں بھی اس کا تعلق تو اس شخص کے لئے کچھ دلچسپی کا باعث بھی تھا۔ لامعہ کی حیثیت فرینڈ تھی وہ۔ شاید وہ اسی باعث اسے چھیڑ رہا تھا۔

اس نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے خود کو کسی قدر مطمئن کرنا چاہا تھا۔ مگر ایک لمحے میں جادوئی قلعوں سی نگاہیں اس کے سامنے آ گئی تھیں۔

کیمپس سے آنے کے بعد، ایک لمبی نیند لینے کے بعد وہ جاگی تھی تو اٹھ کر فریش ہو کر دادا ابا کے پاس آن بیٹھی تھی۔ یہاں آنے سے قبل اس نے کچن میں سر ڈال کر اندر جھانکا تھا۔ کباب اور پکوڑے جانے کی بڑی زبردست خوشبو اٹھ رہی تھی۔ ماہ وش ملازم کے ساتھ مصروف تھیں۔ وہ ہولے سے مسکرائی تھی۔

"ماما! میری ضرورت تو نہیں؟"

وہ پلٹ کر جواباً مسکرائی تھیں۔

"ہاں ہے نا ——— کھانے کے لئے۔"

وہ ہنس پڑی تھی۔

"اوکے ——— اس میں، میں آپ کی ہیلپ ضرور کر سکتی ہوں۔ مگر پلیز! اگر ساتھ میں گرم گرم چائے بھی ہو تو۔"

ماہ وش مسکرائی تھیں اور سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"تم ابا کے پاس جا کر بیٹھو ——— میں آ رہی ہوں۔"

"اوکے ——— مگر ذرا جلدی۔" وہ ایک پکوڑا اٹھا کر منہ میں رکھتی ہوئی دادا ابا کی طرف آ گئی تھی۔ بریگیڈیئر اعظم رحمان شاہ ریٹائرمنٹ کے بعد کی زندگی اپنی پوتی اور بہو کے ساتھ گزار رہے تھے۔ ایسے میں ان کے پاس بہترین مصروفیت چیس کھیلنا تھا اور وہ ان کے ساتھ بہت اچھا چیس کھیلتی تھی۔ بہت چھوٹی سی تھی جب بابا ایک حادثے میں گزر گئے تھے۔ اس نے اپنے اردگرد ہمیشہ دو مخلص ہستیوں کو پایا تھا جنہیں خود سے بڑھ کر اس کا خیال تھا۔

ماما انٹیریئر ڈیزائنر تھیں۔ کسی قدر مصروف رہتی تھیں مگر ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ اس کے معاملے میں انہوں نے کوئی کوتاہی برتی ہو۔ ایک چھوٹا سا گھرانہ تھا جو محبتوں سے بندھا تھا اور وہ اس میں خوش تھی۔ وہ خوشیوں کی قدر کرنا جانتی تھی۔ کیونکہ سمجھتی تھی کہ یہ بہت مشکل سے ملنے والے خزانے ہیں۔ ابھی بھی وہ ماما اور دادا جی کے ساتھ چائے کے ساتھ ہی کے مختلف قسم کے لوازمات سے مکمل طور پر انصاف کرتے ہوئے مختلف چٹکلے سنا رہی تھی۔ اسی وقت ہی لامعہ کا فون آ گیا تھا۔

"تم کیمپس نہیں گئیں آج؟"

"نہیں گئی تھی ——— اور میں بھی جانتی ہوں کہ تم آج کیمپس نہیں آئی تھیں۔" انابیہ شاہ مسکرائی تھی۔ "اینی ویز، اب کیسے مزاج ہیں جناب کے؟"

"ارے امیزنگ۔ تم نے تو کچھ زیادہ ہی ٹھکانے لگا دیا موصوف کو۔ خاصے سدھرے لگ رہے تھے رات کو۔" لامعہ جواباً بولی تھی۔

"موصوف ——— کس کی بات کر رہی ہو تم؟" انابیہ شاہ قدرے چونکی تھی۔

"عفنان علی خان کی۔" لامعہ مگن سی مسکرائی تھی۔

"میں تمہاری بابت دریافت کر رہی تھی۔" انابیہ نے مسکراتے ہوئے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔

"اوکے ———" لامعہ یکدم ہنس دی تھی۔ "ہاں، میں بھی ٹھیک ہوں۔ مگر وہ عفنان علی خان کچھ زیادہ شانتی سا ہو گیا ہے۔ ایک دم بی بابچہ بن گیا ہے۔ کانوں کو ہاتھ لگا رہا تھا تمہارا نام لے کر۔ لیکن ایسا کیا کہہ دیا تم نے اسے؟"

انابیہ شاہ قدرے حیران رہ گئی تھی۔ سماعتوں میں یکدم ہی کسی کی مدھم سرگوشیاں گونجنے لگی تھیں۔ کوئی جادو چار سو پھیلنے لگا تھا۔

اس کی آنکھیں بتاؤں کیسی ہیں
جھیل سیف الملوک جیسی ہیں

وہی یقین سے پُر مدلل لہجہ۔

وہی خوشبو سی بات۔

انابیہ شاہ نے ایک لمحے میں ہر تاثر کو جھٹکا تھا۔

"کچھ نہیں۔ بس اسے ذرا سمجھایا تھا۔"

"اور وہ اتنا زیادہ سمجھ گیا ——— رئیلی انابیہ شاہ! تم میں واقعی کوئی خاص جادو ہے۔ میں ہمیشہ جاتی ہوں۔ تم صورتِ حال کو یکدم اپنے بس میں کیسے کرتی ہو؟ شاید یہ ذہین لوگوں کی خاص پہچان" لامعہ اعتراف کر رہی تھی۔

"ہاں شاید تم مناؤ، اب تو خوش ہو نا۔ ویسے تمہارے موصوف عفنان علی خان خاصے کائیاں اندھا اعتماد بھی مت کرنا۔" اس نے چھیڑا تھا۔ وہ ہنس دی تھی۔

"اب یہ بات تو سمجھتی ہوں میں۔ لیکن کل واقعی میرا بہت برا حال تھا۔ میں نے طے کر لیا تھا: کیا فائدہ اس شخص کے ساتھ سر پھوڑنے کا جسے آپ کی رتی برابر بھی فکر نہیں ——— مگر خدا کا شکر کچھ نہیں ہوا۔ میں نے تمہارا شکریہ ادا کرنے کے لئے ہی فون کیا ہے۔"

"چلو شکر ہے تمہارے عفنان علی خان کی عقل میں میری سمجھائی گئی بات آ گئی۔"

"آج شام میں کیا پروگرام ہے؟" لامعہ نے دریافت کیا تھا۔

"کوئی خاص نہیں۔" اس نے شانے اچکائے تھے۔

"تو پھر تم فرائیڈیز آ رہی ہو نا؟"

"فرائیڈیز ———؟" وہ چونکی تھی۔

"ہاں ——— عفنان ہم دونوں کو ڈنر دے رہا ہے۔"

"کیا ———؟" وہ بری طرح چونکی تھی۔

یکدم ہی اس کے اندر وہی سرگوشیاں اُبھرنے لگی تھیں۔

وہی نظریں سر اٹھانے لگی تھیں۔

اس کی آنکھیں بتاؤں کیسی ہیں
جھیل سیف الملوک جیسی ہیں

وہ لہجے کی تپش!

"انابیہ!" دوسری طرف سے لامعہ نے پکارا تھا۔ وہ ایک دم جیسے کسی گہرے خواب سے جاگی تھی۔

"ہاں۔"

"تو تم آ رہی ہو نا؟"

"نہیں لامعہ! آج نہیں۔ پھر کبھی سہی۔ ابھی کچھ کام ہے مجھے۔ ایک اہم اسائنمنٹ بنانا ہے پروگرام پھر کسی موقع کے لئے اٹھا رکھو ——— انشاء اللہ ایسے وقت آتے رہیں گے۔ یوں بھی میں بڑی ویلا اودی رولی سے پے نہیں کرنا چاہتی۔ فی الحال تم جاؤ۔ اپنے نام کے لمحوں کو انجوائے کرو۔ بیسٹ آف لک۔ مگر اسے کچھ کھینچ کر رکھنا، ہاں۔" مسکراتے ہوئے مشورہ دیا تھا اور لامعہ کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔

"تھینکس۔ لیکن سنو وہ میری اسائنمنٹ کے لئے بھی کچھ بندوبست کر دینا ——— یو نو، میں تو یہاں عفنان علی خان کے ساتھ بزی ہوں گی اور ...."

"اوکے۔" انابیہ نے مسکراتے ہوئے فون دھر دیا تھا اور اندر پھر وہی آواز سر اٹھانے لگی تھی۔

تصور میں پھر وہی جادوئی قلعوں سی نگاہیں تھیں۔

خود پر مقید کرنے کا سودا دل میں رکھتی۔

بہت سا جنوں مٹھی میں تھامے۔

کیا تھا یہ سب؟ شاید اس کا کوئی وہم جس کی کوئی حقیقت نہ تھی۔

اس کی نگاہ اپنی کلائی پر گئی تھی، جہاں اک انگارہ سا لمس اب بھی زندہ تھا۔

تو کیا واقعی وہ جو سمجھ رہی تھی، وہی کچھ درحقیقت تھا یا پھر فقط گمان تھا؟ رد کیے جانے کے لائق۔

وہ کوئی دوست صفت تھا، شوخی اس کی فطرت تھی، مذاق اس کا وتیرہ تھا، چھیڑ چھاڑ اس کے مزاج کا حصہ تھی یا پھر ....

اس کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا۔ جب وہ فقط اک شوخی تھی، کوئی شرارت تھی تو پھر وہ اک بات، اک چھوٹی سی سرگوشی اس کے ذہن سے کیسے چپک گئی تھی؟ جب وہ لہجہ سرسری تھا،

وہ بات بے معنی تھی،

تو پھر وہ لہجہ متواتر اس کے اندر کیوں گونج رہا تھا؟

کیوں اسے ان پُرتپش آنکھوں کی حرارت اب بھی جلا رہی تھی ——— کیوں اُسے لگ رہا تھا کہ وہ آنکھیں اب بھی اسے کہیں سے چھپ کر دیکھ رہی ہوں جیسے۔

اور وہ یکدم ہی سرنفی میں ہلانے لگی تھی۔

"ڈونٹ بی اسٹوپڈ انابیہ شاہ! ڈونٹ تھنک ایٹ آل۔ جسٹ اسٹاپ اٹ ناؤ۔" باآوازِ بلند اس نے خود کو کہہ کر باقاعدہ ڈپٹا تھا اور پھر ہر خیال کو جھٹکتے ہوئے کمپیوٹر کے سامنے آن بیٹھی تھی۔

❊❊❊

کتنی دیر تک وہ بلاوجہ گاڑی سڑکوں پر بھگاتا رہا تھا۔ نہ منزل کا کوئی تعین تھا نہ ہی راستے واضح تھے۔ ایک ہم سفر ساتھ تھا مگر سب کچھ جیسے بے معنی تھا۔ اتنا کچھ ہونے کے باوجود ایک خالی پن بدستور کہیں اندر موجود تھا۔

اور نگاہوں کے سامنے پھیلے ہوئے راستے تھے مگر ان راستوں پر شاید منزل کہیں نہیں تھی۔ شاید یہ ساتھ بیٹھا ہم سفر ——— ہم سفر بھی نہ تھا، کوئی اجنبی تھا۔ مگر پھر وہ اس کے ساتھ کیوں تھی؟ اس نے خالی خالی نظروں کو اٹھا کر سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت دیکھا تھا۔ جواباً وہ مکمل طور پر اس کے وجود سے غافل ہی بنا تھا۔ توجہ کا ایک سرا بھی اس کی نظروں کے کاسے میں نہ ڈالا تھا۔ اس صورتِ حال پر میرب سیال کی سمجھ

میں نہ آیا تھا کہ کیا کرے۔ اس کی مرضی کو اس تمام عرصے میں قطعاً کوئی دخل نہیں رہا تھا۔ اگر اسے اتنا جاتا تو یقیناً وہ ایسے کسی مرحلے سے گزرنے کو تیار نہ ہوتی مگر سارا افسوس اسی بات کا تھا کہ اسے کو استعمال کرنے کو نہ دیا گیا تھا۔ فقط مسلط کیا گیا تھا اس پر، اپنا حکم نامہ، اپنی مرضی۔ اور ایسے میں ا ذات کہیں دب کر رہ گئی تھی۔ اور اب آئندہ کی صورتِ حال میں جیسے مزید دبتی جا رہی تھی۔ اس شخ سنگت میں اس کے ساتھ بیٹھے ہوئے اسے ماننا پڑا تھا کہ اس نے پاپا یا زوبار یہ کا حکم مان کر اچھا نہیں کیا خود اپنے ساتھ بہت برا کیا ہے اور اس پر مزید چپ سادھ کر وہ مزید برا کرے گی۔ اپنی ذات کی نفی خود سے منکر کر دے گی۔ جس طرح اسے اور دیگر لوگ کر رہے تھے۔ وہ خود بھی ایک دن خود کو جھٹلا دے کیونکہ بے معنی اور فضول شے کی ہر کوئی نفی کرتا ہے اور وہ خود کو ایک بے معنی اور فضول شے بنا رہی تھی۔

گاڑی میں سردار سبکتگین حیدر لغاری کے پرسنل سیل کی بیپ سے اس ساکت ماحول میں یکدم ہی ارتعاش ہوا تھا۔ وہ چونکتے ہوئے اس کی سمت تکنے لگی تھی مگر سبکتگین حیدر لغاری جانے کیوں کال کرنے میں تعرض برت رہا تھا۔ بیپ ہوتی چلی گئی تھی اور تب جیسے سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لئے کال کو ریسیو کرنا ناگزیر ہو گیا تھا۔ بنا اس کی جانب دیکھے اس نے اپنا سیل فون کان سے لگایا تھا۔ دوسری جانب بولا تھا۔ خاموشی اتنی تھی کہ مدھم آواز اس سکوت کو توڑتی چلی گئی تھی۔

''تم ہو کہاں سبکتگین حیدر! پچھلے ایک گھنٹے سے میں تم سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہی ہوں اور تم کہ ——— اچھا بتاؤ۔ اب آ رہے ہو کہ نہیں؟ دیکھو، بہت رنگ ہے یہاں۔ اب انکار مت کرنا۔ ورنہ تم سے کبھی بات نہیں کروں گی۔'' عجب تخاطب تھا۔ بولنے والی کی آواز میں کتنی مٹھاس تھی۔ میرب سیال سننے کا قصد کرتے ہوئے بھی اس گناہ کی مرتکب ہو گئی تھی۔

سبکتگین حیدر لغاری نے لمحہ بھر کو ایک ترچھی نگاہ اس پر کی تھی۔ وہ چہرے کا رخ پھیر کر دوسری سمت تکنے لگی تھی۔ تبھی اس کی بھاری آواز نے اس کے گرد حصار باندھا تھا۔

''او کے ——— میں پہنچ رہا ہوں۔'' کہہ کر اس نے فون بند کیا تھا اور ڈیش بورڈ پر اچھال دیا تھا۔ انداز کس قدر جارحانہ تھا۔ کسی بات کا کوئی شدید ردِ عمل تھا یہ۔ مگر کیا، وہ جان نہ پائی تھی۔ مگر اس گھڑی کے اندر کوئی انتشار تھا اور وہ اس بات کو ضرور سمجھ رہی تھی۔ سبکتگین حیدر لغاری نے گاڑی کا رخ یکدم بدلا تھا اور گاڑی کو کسی مخصوص سمت پر ڈال دیا تھا۔ انداز کس قدر جارحانہ تھا۔ جیسے وہ سب کچھ تہس نہس کر دینا چاہتا ہو پل بھر میں۔ ڈرائیونگ بھی کسی قدر ریش تھی۔ اس کا یہ ردِ عمل میرب سیال کی سمجھ سے باہر تھا۔ مگر وہ اسے دیکھے بغور رہی تھی۔ اس کی پرواہ کئے بغیر کہ وہ اسے قطعاً نہیں دیکھ رہا۔ اس کا ہونا، نہ ہونا اس کے لئے بے معنی ہے۔

کسی قدر الجھن کا شکار، اپنے دائیں بازو کو کھڑکی پر ٹکائے دوسرے ہاتھ سے ڈرائیونگ کرتا ہوا وہ اس کے لئے مکمل طور پر ایک گمبھیرتا تھا۔ انتہائی تیز رفتاری جیسے کوئی احتجاج تھا۔ مگر وہ کیا سمجھتی۔ ذہن تو مفلوج ہو رہا تھا اس گھڑی۔ چونکی تو وہ تب تھی جب گاڑی ایک فائیو اسٹار ہوٹل کے سامنے رکی تھی۔ ا اپنی طرف کا دروازہ کھول کر اترتے ہوئے یکدم ہی چونکتے ہوئے اس کی طرف دیکھنے لگا تھا جیسے ا

ابھی ابھی اس کا دھیان آیا تھا۔ یا پھر وہ کوئی شے تھی اور وہ اسے سیٹ پر رکھ کر بھول گیا تھا۔

''تم .... تم نہیں اترو گی؟'' کسی قدر سراسیمگی سے وہ بولا تھا اور تب میرب سیال نے بہت ہولے سے حرکت کی تھی اور اپنی طرف کا دروازہ کھول کر باہر نکل آئی تھی۔ ماربل کے چکنے فرش پر اپنے بھاری مضبوط قدم اٹھاتا ہوا وہ آگے بڑھنے لگا تھا۔ وہ بہ مشکل اس کے ساتھ چل پا رہی تھی۔ اس کے قدم مخصوص مقام کی جانب اٹھ رہے تھے۔ کتنے لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا خود میں مگن وہ چلتا جا رہا تھا۔ میرب سیال کچھ نہ سمجھتی ہوئی فقط اس کے حکم پر سرِ تسلیم خم کرتی ہوئی اس کے ساتھ چل رہی تھی۔ آنکھیں بند کر کے اس کے کہے پر عمل کر رہی تھی۔

مگر یہ کیا؟ ——— یہ کہاں لے آیا تھا سبکتگین حیدر لغاری اُسے؟ کتنا ہجوم تھا وہاں۔ کتنے جسم تھرک رہے تھے بلند و بانگ میوزک پر۔ کتنی الگ دنیا تھی یہ۔ وہ ساکت نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ کتنے دلربا پیکر تھے جو سبکتگین حیدر لغاری کی سمت بڑھ رہے تھے اور وہ کسی درجہ بولڈنیس کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں خوش آمدید کہہ رہا تھا۔ وہ وہیں کونے میں رک گئی تھی۔ وہ گھر سے ساتھ چلے تھے۔ گاڑی میں تا دیر ہمسفر رہے تھے مگر اس مقام پر آ کر ان کی راہیں جدا جدا تھیں۔

کیسے ہم سفر تھے یہ؟ ——— کیسا سفر تھا یہ؟

کہاں راہیں مڑتی تھیں؟ ——— کہاں قدم پڑنے تھے؟ کچھ خبر نہ تھی۔ وہ بس ساکت سی اسی کونے میں کھڑی تھی۔

تو حقیقت یہ تھی، سبکتگین حیدر لغاری کی حقیقت کچھ اور تھی۔

اس کا روپ بہروپ کچھ اور تھا۔

وہ اس گھڑی کسی پری رخ کے کس قدر قریب تھا۔ کتنی سرشاری تھی لڑکی کے چہرے پر۔ جیسے وہ اس شخص کی بانہوں میں خود کو دنیا کی خوش نصیب ترین لڑکی محسوس کر رہی تھی۔ اور سبکتگین حیدر لغاری.......

وہ یکدم آنکھیں میچ کر چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔ جانے کیسے ایک لمحے میں ہی اس کے اندر ایک طوفان اٹھا تھا۔ آنکھوں میں مرچیں سی چبھنے لگی تھیں۔

تو یہ تھا اس کے لئے کیا گیا انتخاب!

وہ جو اس لمحے انتہائی بے باکی سے کسی اور کی بانہوں میں تھا۔ کسی اور کے قریب تھا۔ وہ جو زندگی میں کسا کی شراکت کے باوجود اس کے سامنے اس کے حصے کے لمحے کسی اور کو سونپ رہا تھا، کس قدر دیدہ دلیری سے اس کے سامنے۔

آنکھوں میں کتنے سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگے تھے۔ مگر وہ تمام نمی پلکیں جھپک جھپک کر کہیں اندر ہی ضم کرنے لگی تھی۔ قریب سے ویٹر گزرا تھا، اسے ڈرنک کی پیشکش کی تھی مگر اس نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔ کتنے جدید زمانے کے پروردہ لوگ تھے سب۔ کتنے ماڈرن ملبوسات۔ اور وہ ایسے میں اپنے شانے کے گرد پھیلا پختون کا سفید دوپٹہ بلا ارادہ ہی ہاتھ بڑھا کر ٹھیک کرنے لگی تھی۔ اتنے لوگوں میں اس کی نگاہ فقط اس ایک شخص پر اٹھی تھی۔ جو اسے اپنے ساتھ نہ چاہتے ہوئے بھی لے آیا تھا۔ سارا غصہ اسی بات پر آ رہا تھا۔ وہ

اس پر اس کی مرضی کے خلاف مسلط کر دی گئی تھی۔ اس کے سر تھوپ دی گئی تھی۔

وہ ایک ان چاہا وجود، ایک ان چاہا ہم سفر۔

زبردستی کا سودا۔ سراسر زبردستی۔

داہنے ہاتھ میں ڈرنک تھامے بایاں ہاتھ اس مرمریں کمر کے گرد حمائل کیے وہ اس گھڑی مکمل طور مسرور تھا۔ نہ تو اسے یہاں لا کر وہ اسے اب یاد رہی تھی اور نہ ہی وہ اسے یاد رکھنا چاہتا تھا۔ ایک مسلط کی گئی ہستی تھی وہ اس پر۔ ایسا روپ وہ روا رکھنا تو واجب تھا اس پر۔

وہ آنکھوں کی ساری نمی اپنے اندر اتارتی ہوئی جیسے اس گھڑی وہاں ٹھہرے رہنے پر پابند تھی۔ متحرک ماحول میں تھرکتے وجودوں کے بیچ، ایک جدید ماڈرن دور کی پارٹی میں وہ مکمل طور پر مشرقی تصویر بنی کھڑی ایک بھدا انداز لگ رہی تھی۔

اپنی نئی کا یہ لمحہ اس کے لئے ایک عظیم تجربہ تھا۔

انتہائی مختصر لباس میں جدید تہذیب کی نمائندہ اس لڑکی کی نگاہ یکدم اس پر پڑی تھی اور وہ اک ادا کے ساتھ سبکتگین حیدر لغاری کے کان کے قریب اپنے اناڑی ہونٹ لے جا کر کوئی سرگوشی کرنے لگی تھی۔ سبکتگین حیدر لغاری نے اسے ایک نظر دیکھا تھا مگر وہ نگاہ بڑی سرسری اور کسی قدر ناگواری لئے ہوئی تھی۔ دوسرے ہی پل وہ اس کی جانب سے رخ پھیر کر اس نازک وجود کی کمر کے گرد بازو حمائل کر کے دھیمے دھیمے رقص کرنے لگا تھا۔ وہ نگاہ جھکائے بغیر ساکت سی اس سمت تکتی چلی گئی تھی۔ کتنے وجود اس کے دلربا پیکر کو دیکھتے ہوئے اسے تنہا کھڑا دیکھ کر اس کی سمت بڑھے تھے مگر اس نے سر نفی میں ہلا دیا تھا اور بڑی مستقل مزاجی کے ساتھ سر جھکا کر اپنے اس ہم سفر کا انتظار کرنے لگی تھی۔

یہ تھا اس کا ہم سفر!

اس کا جیون ساتھی۔

جس کے ہاتھ اس کی ڈور تھی۔

جس کے سنگ اسے قدم قدم چلنا تھا۔

یہ تھا وہ شخص، جس کے نام اس نے اپنی تمام عمر لکھ دی تھی، اپنے سارے خواب لکھ دیے تھے، سارے دن، اپنی ساری راتیں لکھ دی تھیں۔ یہ تھا وہ شریک سفر جس کی منزلوں کا جنون کچھ اور تھا۔

وہ جس کا شوقِ سفر کسی اور رنگ میں رنگا تھا۔

وہ جسے نئی نئی منزلوں کا شوق تھا۔

وہ جسے ایک جگہ ٹھہرے رہنے سے کبھی سابقہ نہ پڑا تھا۔

کتنے لمحے گزر گئے تھے۔ وہ سر جھکائے کھڑی رہی تھی۔ بالکل ایک اچھی بچی کی طرح اس نقطے پر کھڑی تھی جہاں سردار سبکتگین حیدر لغاری اسے کھڑا کر گیا تھا۔ وہ سر اٹھانا نہیں چاہتی تھی۔ کیونکہ آج اسے سر جھکا لینے کی عادت اپنانا تھی۔ کیونکہ ایسا اس کے لئے اس کے بزرگوں نے سوچا تھا۔ یہ حکم اس نامے میں شامل تھا۔ جو فیصلہ اس پر صادر کیا گیا، اس میں درج تھا اور وہ انحراف کیسے کرتی؟

نفی میں گزر گئی تھی۔ سارا وجود شل ہونے کو تھا جب قدموں کی آہٹ اس کے قریب آ کر تھمی تھی۔ کوئی اس کے قریب آ کر رکا تھا۔ اس نے اپنا سر اٹھایا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے عین سامنے کھڑا تھا۔ اس نے دیکھا تھا مگر وہ دوسرے ہی لمحے نگاہ پھیر گیا تھا۔ تبھی ڈانسنگ فلور سے وہی لڑکی تقریباً بھاگتی ہوئی اس کی سمت لپکی تھی۔

"سبکتگین!" قدرے قریب آنے پر اس نے پکارنے کے ساتھ ہی اپنی بانہیں بھی اس کے گرد حمائل کر دی تھیں۔ وہ اب کے درمیان میں سے خود کو ہٹا نہ سکی تھی۔

"سبکتگین! اپنا وعدہ یاد نہیں ہے شاید تم کو جو تم یا واپس پلٹ رہے ہو۔" ایک ادا سے مسکراتے ہوئے وہ بولی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری ہولے سے مسکرا دیا تھا۔

"آج نہیں ـــــ پھر کبھی۔" قدرے مدہم لہجے میں کہہ کر اسے ٹالا تھا۔

"اور تم جو پھر بھول گئے تو؟" عجیب انداز سے وہ اٹھلائی تھی۔ میرب سیال کی پرسنالٹی اس گھڑی جیسے اپنے وجود کا احساس کھو بیٹھی تھی۔ اس کا ہونا نہ ہونا بے معنی تھا جیسے۔

"تم یاد دلا دینا۔" وہ دھیمے سے مسکرایا تھا اور وہ اک ادا سے کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔

"آج کوئی اور...... ہاں......" اک انداز دلربائی سے نگاہ کا زاویہ پھیر کر اسے دیکھا گیا تھا ـــــ جواباً سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بھی میرب سیال پر اک نگاہ کی تھی۔ پھر دوسرے ہی پل وہ نگاہ پھیر کر گیا ہوا تھا۔

"پارٹی ادھوری چھوڑ کر جا رہا ہوں ـــــ مگر جانا ضروری ہے۔"

"اوکے۔" دونوں میں اختتامی کلمات کے ساتھ بچھڑنے سے کچھ ضروری امور بھی انجام پائے تھے۔ میرب سیال نگاہ پھیر گئی تھی۔ ساتھ ہی رخ بھی پھیر لیا تھا۔ چند ثانیوں بعد سردار سبکتگین حیدر لغاری بھی پلٹ کر اس کے ساتھ ہو لیا تھا۔

"چلو ـــــ" عجیب سپاٹ لہجے میں کہا گیا تھا اور وہ تو حکم کی منتظر تھی جیسے۔ ایک لمحے میں قدم اٹھانے لگی تھی۔ مگر قدموں کی رفتار بہت سست اور تھکی ماندی سی تھی۔ جیسے وہ برسوں کی تھکن اپنے ساتھ لے کر چل رہی ہو۔

گاڑی میں بیٹھ کر اس نے اپنے تھکے ماندے وجود کو کسی حد تک ریلیکس کرنے کی غرض سے سیٹ کی پشت سے سر ٹکایا تھا اور آنکھیں موند لی تھیں۔

❊ ❊ ❊

دھاگے کی ڈور ایک بار الجھ جائے تو پھر وہ الجھتی چلی جاتی ہے۔ رشتوں کی حقیقت بھی بالکل ویسی ہے۔ ایک بار ڈور الجھ جائے تو پھر لاکھ ڈھونڈتے رہو، سرا نہیں ملتا۔ فارحہ بھی اپنے گھر، اپنے رشتوں کی ڈور کی مانند اسی نہج پر دیکھ چکی تھی۔ جہاں کوئی سرا اس کے ہاتھ نہ تھا اور پیچیدگیاں تھیں کہ بڑھتی چلی جا رہی تھیں۔

اپنے طور پر اس نے بہت احتیاط سے اذہان حسن بخاری کو سمجھانا چاہا تھا۔ مگر رشتوں کے درمیان بہت وسیع ہوگئی تھی۔ اتنی کہ وقت نے سارے نقش اتنی تفاوت پر لا کھڑے کیے تھے کہ چہروں کے عکس تاثر کھو بیٹھے تھے۔

"ممی! آپ اب بھی ان کی بات مانتی ہیں۔ ان کی طرف داری کر رہی ہیں۔" وہ کسی قدر خفگی سے اٹھا کر انہیں دیکھنے لگا تھا اور وہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہ گئی تھیں۔

"ممی! جانتی ہیں جو انہوں نے کیا، اس کا کوئی ازالہ نہیں ہے۔"

"اور جو تم کر رہے ہو اس کا بھی تو کوئی سبب نہیں ہے۔ مانا جو کچھ ہوا، غلط ہوا مگر......" وہ قطعی انداز میں ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے قدرے تحمل سے گویا ہوئی تھیں۔

"دیکھو اذہان! یہ میرا اور تمہارے پاپا کا نجی معاملہ ہے۔ میں نہیں چاہتی تم اس میں کوئی مداخلت کر۔ ان کی مزید مخالفت مول لو۔"

"ممی!" وہ بے یقینی سے انہیں دیکھنے لگا تھا۔ نظروں میں بہت رنج تھا۔ "آپ خود کو مجھ سے الگ رکھنا چاہتی ہیں؟"

"نہیں، میں تمہیں صحیح اور غلط کا فرق سمجھا رہی ہوں۔" وہ کسی قدر متانت سے گویا ہوئی تھیں۔ وہ جھکائے کسی قدر مضمحل نظر آ رہا تھا۔ فارحہ نے بیٹے کو اس کیفیت میں دیکھا تھا، پھر بہت ہولے سے اس کے مضبوط ہاتھ پر ہاتھ دھر دیا تھا۔

"دیکھو بیٹا! تمہاری عمر بڑی جذباتیت والی ہے۔ اور صورت حال کو ہمیشہ عقل سے جانچا جاتا ہے۔ تمہارا ردعمل ہے وہ اپنی جگہ، میں جانتی ہوں تم اپنی ماں سے، مجھ سے بہت محبت کرتے ہو۔ لیکن بیٹا تمہاری ماں بھی بہت محبت کرتی ہے تم سے۔" مدھم لہجے میں کہتے ہوئے اس لمحے آنکھوں میں کتنے سمندر آن ٹھہرے تھے۔ اذہان سر اٹھا کر ماں کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

"ہاں اذہان! مجھے تمہاری فکر ہے۔۔۔۔ تمہارے اچھے مستقبل کی فکر ہے۔ مانا تمہاری ماں کے ساتھ ناانصافی ہوئی ہے، تمہاری بہن کو زک پہنچی ہے۔ مگر اذہان بیٹا! مسئلے کا یہ حل نہیں ہے کہ تم اپنے حق سے دستبردار ہو جاؤ۔ میں اپنے کسی بھی قول و فعل سے تمہیں تمہارے باپ کے خلاف اکسانا نہیں چاہتی۔ ہر باپ اپنے بچے کے لئے اچھا سوچتا ہے، اچھا چاہتا ہے۔ سعد بخاری کو بھی بہت فکر ہے تمہاری۔ بہت پیار کرتا ہے تم سے۔ تمہارے مستقبل کو تاریک دیکھنا نہیں چاہتا۔" کتنے بہت سے آنسو رخساروں پر بہہ نکلے تھے۔ اذہان حسن بخاری ماں کو بغور تکتا چلا گیا تھا۔

"اپنی ماں پر بھروسہ ہے نا۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ تمہارے لئے کوئی غلط فیصلہ لے سکتی ہے؟" اس کے چہرے کو ہاتھوں سے تھام کر دریافت کیا تھا مگر وہ بہت ہولے ہولے نفی میں سر ہلانے لگا تھا۔

"آپ بے جا طرف داری کر رہی ہیں ان کی۔ بے جا حمایت کر رہی ہیں۔ انہیں میرے مستقبل سے زیادہ اپنی شاہ گروپ آف کمپنیز کی فکر ہو رہی ہے۔ زمانے کی فکر ستا رہی ہے۔ وہ لوگوں کی انگلیوں سے خوفزدہ ہو رہے ہیں جو ان کی طرف اٹھ رہی ہیں۔ اس شکست سے ڈر لگ رہا ہے جو انہیں مستقبل میں

والی ہے۔" دھیمے لہجے میں وہ بولا تھا اور فارحہ ساکت نظروں سے اسے تکنے لگی تھیں۔

"تو کیا تنہا کر دینا چاہتے ہو تم انہیں؟ ۔۔۔۔ بدلہ لینا چاہتے ہو اُن سے؟ ساری ناانصافیوں کا حساب لینا چاہتے ہو؟" ان کے مدھم لہجے میں کتنے خوف بول رہے تھے۔ اذہان حسن بخاری کچھ نہیں بولا تھا۔

"نہیں اذہان! میں تمہیں اس کی اجازت نہیں دوں گی۔ کبھی بھی نہیں۔ تمہیں کل ہی سے شاہ گروپ آف کمپنیز میں بطور ایم ڈی اپنی ذمے داریاں سنبھالنا ہیں۔" ان کا لہجہ ٹھوس تھا۔

"لیکن ممی......" اس نے کچھ کہنے کو لب کھولے تھے مگر انہوں نے ہاتھ اٹھا کر کچھ بولنے سے باز رکھا تھا۔

"یہ تمہاری ماں کا حکم ہے۔" قطعی لہجے میں وہ بولی تھیں اور پھر اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ اذہان حسن بخاری، ماں کی سمت تکتا رہ گیا تھا۔

کتنی دیر اسی طرح ساکت بیٹھے گزر گئی تھی۔ پھر وہ ہونٹ بھینچے اٹھا تھا اور گاڑی کی چابی اٹھا کر باہر نکل آیا تھا۔

تو پاپا اس طرح اپنا کام نکلوا رہے تھے ۔۔۔۔ ممی کو بھی اب ان کی فکر تھی۔ اب بھی ان کا حکم ان کے لئے معتبر تھا۔ اس کا ذہن سلگ اٹھا تھا۔

کتنی بھولی تھیں ممی جو ان کے پرپز کے لئے اپنے بیٹے کو امپوز کر رہی تھیں۔ حالانکہ وہ جانتی تھیں ایسا کر کے وہ فقط سید سعد حسن شاہ بخاری کی ذات کو تقویت دے رہی تھیں۔

کتنی دیر وہ اپنے اندر انتشار لئے، بے سمت راستوں پر سفر کرتا رہا تھا۔ پھر بالآخر تھک کر عزیر کی طرف چلا آیا تھا۔ وہاں کوئی گیٹ ٹوگیدر چل رہی تھی۔

"آئی ایم سوری، مجھے علم نہیں تھا۔" وہ کسی قدر شرمندہ ہوا تھا۔

"کم آن یار! کوئی بڑی پارٹی نہیں ہے۔ زبیر بھیا کے چھوٹے بیٹے نوفی کی برتھ ڈے تھی۔ پھر آگہنے بھی آ گئی تھیں۔ سو سوچا کہ ایک گیٹ ٹوگیدر ارینج کر لی جائے۔ اسی بہانے مل بیٹھنے کا موقع بھی مل جائے گا۔ تُو سنا، بڑا مضمحل سا لگ رہا ہے، خیریت تو ہے؟ کہیں عشق وشق تو نہیں کر بیٹھا کسی سے؟" عزیر چھیڑ رہا تھا۔

وہ بمشکل مسکرایا تھا۔ ارادہ واپس پلٹنے کا تھا مگر فوری طور پر ایسا ناممکن ہی تھا۔ سو وہ چپ چاپ عزیر کے ساتھ آگے بڑھنے لگا تھا۔

"آگہنے کب آئیں؟"

"کل رات ہی، پورے پانچ برس بعد۔" عزیر مسکرایا تھا۔ "تمہیں یاد ہے ان کی شادی پر ہم نے کس قدر غل غپاڑا کیا تھا، کس قدر انجوائے کیا تھا۔ کل رات ہم آگہنے کی شادی کی مووی دیکھ رہے تھے۔ تمہارا بھنگڑا بڑا زبردست لگا۔ دیر تک ہنستے رہے، محظوظ ہوتے رہے۔ سات برس پرانی یادیں تازہ ہو گئیں۔ وقت کتنی تیزی سے گزر جاتا ہے۔ اس وقت کتنے بدھو تھے ہم۔ انتہائی اسٹوپڈ۔ نہ کسی بات کا ہوش تھا نہ کسی

کام کی فکر۔" عزیر مسکرا رہا تھا۔

"ہاں ۔۔۔ چھوٹے ہونے کے سارے زمانے اچھے ہوتے ہیں۔ بے شعوری، بڑی بھلی ہے۔" اذہان حسن بخاری بھی مسکرا دیا تھا۔

"اور اکیجئے کو کس قدر تنگ کیا تھا ہم نے۔ حالانکہ ہم دونوں اس وقت بھی ان سے بہت چھوٹے تھے۔" عزیر ان گئے دنوں کی میٹھی یادوں کو دہرا رہا تھا اور اذہان حسن بخاری کا موڈ بھی کسی قدر بہلنے لگا

"ان کے شوہر نامدار کیسے ہیں؟ ۔۔۔ ساتھ آئے ہیں کیا وہ بھی؟"

"نہیں۔ وہ تو ساتھ نہیں آئے۔ مگر اکیجئے بتا رہی تھیں کچھ دنوں میں شاید وہ بھی آ جائیں۔ بائے دی وے اکیجئے تمہیں بہت مس کر رہی تھیں۔ ان کے خیال میں تو تم اب بھی وہی دبلے پتلے، کمزور و نحیف نو عمر لڑکے ہو۔ تمہیں دیکھیں گی تو حیران رہ جائیں گی۔"

"جیسے تمہیں دیکھ کر ہوئی تھیں۔" وہ یکدم مسکراتے ہوئے بولا تھا اور عزیر ہنس دیا تھا۔ سید اذہان بخاری کا موڈ کچھ بدل گیا تھا۔

وہ اور عزیر بچپن کے دوست تھے۔ کالج تک ساتھ رہے تھے۔ اکیجئے عزیر کی بڑی بہن تھیں۔ جب کالج میں تھے تب ہی اکیجئے کی شادی طے ہو گئی تھی اور ان کے لئے وہ موقع بہت ایکسائٹنگ تھا۔ اسپیشلی اذہان حسن بخاری کے لئے تو یہ پہلا موقع تھا اور عزیر کے ساتھ مل کر اس نے بہت سی اوٹ پٹانگ حرکتیں کی تھیں جو اسے اب یاد بھی نہ تھیں۔ عزیر انہی باتوں کو سوچتے ہوئے اسے چھیڑ رہا تھا۔ وہ عزیر کے ساتھ کھڑا تھا جبھی اکیجئے وہاں آ گئی تھیں۔

"پہچانئے تو بھلا کون ہے یہ؟" عزیر، اذہان کی سمت اشارہ کرتے ہوئے مسکرایا تھا۔ اکیجئے مرتضیٰ آنکھوں میں کسی قدر حیرت بھر کر اسے دیکھنے کی کوشش کرنے لگی تھیں۔ مگر وہ باوجود کوشش کے ناکام رہی تھیں۔ اذہان حسن بخاری دلچسپی سے ان کی سمت دیکھنے لگا تھا۔

"اذہان۔" عزیر نے اکیجئے کی مشکل حل کی تھی۔ مگر ان کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا۔

"اذہان؟ ۔۔۔ یو مین وہی اذہان؟" وہ چونکی تھیں اور اس کے ساتھ ہی کھلکھلا کر ہنسنے لگی تھیں۔

"ویری اسٹرینج ۔۔۔ تم تو بہت بدل گئے ہو بھئی۔ اور شاید کچھ بڑے بھی ہو گئے ہو۔" مسکراتے ہوئے اس کے شانے پر بڑے پنا سے ہاتھ دھرا تھا۔ اذہان حسن بخاری بغور تکنے لگا تھا۔ کھلکھلا کر ہنسنے کے باعث اکیجئے کی آنکھوں میں اس سے کئی جگنو جھلملا رہے تھے۔

"کیسے ہو تم؟ اور کیا کر رہے ہو آج کل؟ ۔۔۔ سنا ہے بڑی پوسٹ سنبھالے بیٹھے ہو، ذمے داریاں نبھا رہے ہو۔"

"جی، وقت کے ساتھ ساتھ یہ ذمہ داریاں تو اٹھانا ہی پڑتی ہیں۔ آپ سنائیے، کیسی ہیں؟ بہت عرصے بعد نہیں لوٹیں؟" اذہان نے جواباً دریافت کیا تھا اور اکیجئے ہولے سے مسکرا کر لب بھینچ گئی تھیں۔

"بس مصروفیت ہی اس قدر رہی۔ اینی وے، تم انجوائے کرو۔" وہ مسکراتے ہوئے یکدم ہی پلٹ گئی تھیں۔ اذہان حسن بخاری تادیر اس سمت تکتا رہا تھا۔

"اکیجئے بدل نہیں گئیں کچھ؟" مدھم لہجے میں وہ بولا تھا۔

"ہوں ۔۔۔ اور ہم بھی تو کتنے بدل گئے ہیں ۔۔۔ تم لندن سے پڑھ لکھ کر بزنس کی ڈگری لے آئے ہو۔ شاہ گروپ آف کمپنیز میں ہولڈنگ پوزیشن سنبھال چکے ہو۔ میں بھی اپنے حصے کی کامیابیاں سمیٹ چکا ہوں۔"

مگر اذہان نفی میں سر ہلانے لگا تھا۔

"مگر اکیجئے نہیں بدلیں شاید۔"

"کیا مطلب؟" عزیر چونکا تھا۔

"مطلب یہ کہ اکیجئے اتنا نہیں بدلیں جتنا ہم بدل گئے ہیں۔ اکیجئے نے اپنے معاملے میں وقت کو روک لیا ہے۔ ان کے چہرے پر آج بھی اتنی ہی شادابی ہے مگر فطرتاً وہ کچھ بدل گئی ہیں۔ پہلے وہ خاصی سنجیدہ سی ہوا کرتی تھیں اور اب......"

"ظاہری بات ہے یار! خوش ہیں وہ۔ نیو یارک میں رہ رہی ہیں۔ روحیل بھائی کس قدر خیال رکھتے ہوں گے ان کا۔" عزیر نے جواب دیا تھا اور وہ مسکرا دیا تھا۔

"ہاں ۔۔۔ یہ تو ہے۔" اس کی نگاہ اکیجئے پر جا ٹھہری تھی۔ مسکراتی ہوئی اکیجئے کی طرف۔ اور کیسا شگفتہ سا تھا ان کا چہرہ۔ کتنی شادابی تھی ان کے چہرے پر اب بھی۔ وقت جیسے ان کے لئے واقعی تھم گیا تھا۔ کتنا پُر سحر کر دیا تھا وقت نے انہیں۔ کوئی انجانی سی کشش بھر دی تھی اس میں۔ جبھی تو شاید اذہان حسن بخاری کی نگاہ بھی بلا ارادہ اس جانب اٹھ رہی تھی۔

❁❁❁

وہ لامعہ کے ساتھ کیفے ٹیریا میں بیٹھی اسائنمنٹ پر اہم ڈسکشن کرتے ہوئے سوڈے کے سپ لے رہی تھی جب یکدم سامنے اس کی نگاہ اٹھی تھی اور وہ چونک گئی تھی۔

عفنان علی خان بڑے پُر اعتماد قدموں سے چلتا ہوا ان کی سمت بڑھ رہا تھا۔ وہ مسکرائی تھی۔ پھر لامعہ کی جانب دیکھا تھا جس کی اس جانب پشت تھی۔

"لامعہ! عفنان علی خان۔"

"ہاں ۔۔۔ ابھی کچھ دیر قبل فون آیا تھا ان کا۔ لیکن سر احسان الحق کی کلاس کے باعث کال مِس ہو گئی۔" لامعہ کا انداز پُر افسوس تھا۔

"ہاں ۔۔۔ لیکن ابھی موصوف خود چلے آ رہے ہیں۔" وہ مسکرائی تھی۔

"کیا؟" وہ چونکی تھی۔ پھر پلٹ کر نگاہ کی تھی مگر تب تک عفنان علی خان سر پر پہنچ چکا تھا۔ وہ جو یکدم اپنی چیزیں سمیٹتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی تھی اس کے یہاں پہنچ جانے پر جز بز ہو گئی تھی۔ وہ وہاں سے ہٹنا چاہ رہی تھی مگر اس کی آمد سے قبل۔ لیکن وہ شخص بھی ویک کا ٹیال تھا۔

"تم کہیں بھاگ رہی ہو؟" لامعہ سے ہیلو ہائے کرنے کے بعد وہ بڑی بے تکلفی سے اس سے مخاطب ہوا تھا۔ وہ مسکرا دی تھی۔

"کیسے ہیں آپ؟"

"پرفیکٹ۔ اور تم؟"

"پرفیکٹ تو۔" اس نے مسکراتے ہوئے شانے اچکائے تھے۔ وہ مسکرا دیا تھا۔

"پھر تو بہت خوب بنے گی ہماری۔" وہ حسب معمول شوخ تھا۔ اس نے لامعہ کی طرف دیکھا تھا بھی مسکرا رہی تھی۔ اس کے لب بھی ہولے سے پھیل گئے تھے۔

"بیٹھو نا تم بھی۔" اسے بدستور کھڑے دیکھ کر کہا تھا۔

"نہیں——— مجھے کچھ کام ہے۔" وہ وہاں ٹھہرنا نہیں چاہتی تھی۔ تبھی سہولت سے کہتے ہوئے مسکرائی تھی۔

"اناہیہ شاہ! ہم کوئی خاص راز و نیاز نہیں کرنے والے۔ بیٹھو تم۔" لامعہ نے اب کے ٹوکا تھا۔ اس دیکھا تھا۔ وہ شخص اسے بغور دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ وہ بہت ہولے سے بیٹھ گئی۔

"میں یہاں سے گزر رہا تھا۔ سوچا تم سے ملتا چلوں۔" عفنان علی خان نے جواز دیا تھا۔

"اچھا کیا۔ مجھے بھی بہت زوروں کی بھوک لگ رہی تھی۔ اور کینٹین کا اسٹف کھانے کا میرا کوئی موڈ تھا۔" لامعہ جواباً مسکرائی تھی۔

"اسے کہتے ہیں دل سے دل کو راہ ہونا۔" اناہیہ شاہ مسکرائی تھی اور جہاں لامعہ ہنسی تھی وہیں وہ شخص مسکراتے ہوئے اسے بغور دیکھنے لگا تھا۔

وہ مسکرا رہا تھا اور اسے ان آنکھوں کے رنگ آج بھی ویسے ہی لگے تھے۔ وہی اچکتی نظر، وہی وارفتگی وہی دیوانہ پن۔

وہ یکدم ہی نگاہ پھیر گئی تھی۔

"لامعہ! تمہاری دوست کی آنکھوں کے رنگ بہت خوب صورت ہیں۔ اس سے قبل جانتی ہو میں نے ایسی آنکھیں کہاں دیکھی تھیں؟" عفنان علی خان بہت مگن سا بول رہا تھا۔

"عفنان! تم میرے سامنے کسی اور کی تعریف کر رہے ہو؟" لامعہ نے مصنوعی خفگی سے اسے گھورا تھا مگر وہ اسی قدر دلفریبی سے مسکرا دیا تھا۔

"نہیں——— مگر ان آنکھوں نے مجھے شربت گلا کی یاد دلا دی ہے۔"

"شربت گلا؟ ہو از شی؟" لامعہ نے گھورا تھا۔ مگر وہ ہنس دیا تھا اور بغور اناہیہ شاہ کی سمت تکنے لگا تھا۔

"شاید تم نہیں جانتی۔ ایک افغانی خاتون تھیں۔ سیونٹیز میں جب مہاجرین کا ایک غول مائیگریٹ کر کے پاکستان آیا تھا۔ تبھی اس نے بھی سرحدوں پر لگنے والے ایک کیمپ میں قیام کیا تھا۔ وہیں کسی انگریزی اخبار کے فوٹو گرافر نے اس کی آنکھوں کو اس کے چہرے سمیت کیپچر کیا تھا۔ اس کی آنکھیں بے حد خوبصورت تھیں۔ وہاں سے وہ شبیہ نکل کر دنیا بھر میں پھیل گئی۔ مختلف رسائل کی زینت بنی اسے چائے کے ٹی سیٹ، قالینوں، غالیچوں پر اسے نقش کیا گیا۔ بی لیوی، آج اتنے برس گزر جانے کے بعد بھی اس کی آنکھوں پر ریسرچ کی جا رہی ہے۔ امریکن یونیورسٹیز میں ان آنکھوں کے رنگوں پر اور ان آنکھوں سے نکلنے

شعاعوں پر ریسرچ کی جا رہی ہے مگر اب تک سب ناکام ہیں۔ سننے میں آیا ہے اس کی آنکھوں سے سبز رنگی شعاعیں نکلتی ہیں جو دیکھنے والی نگاہ کو نہ صرف جکڑتی ہیں بلکہ اسے حیران بھی کر دیتی ہیں۔ ہے نا انٹرسٹنگ اسٹوری؟" وہ ایک گہرے راز سے پردہ اٹھاتا ہوا مسکرا رہا تھا۔ تبھی لامعہ مسکراتے ہوئے بغور اس کی آنکھوں کو دیکھنے لگی تھی۔

"حیران کن۔ میں نے آج تک کیوں غور نہیں کیا؟" اناہیہ شاہ موضوع گفتگو بننے پر کسی قدر الجھن کا شکار نظر آ رہی تھی۔

"آنکھیں تو واقعی خوب صورت ہیں تمہاری اناہیہ شاہ! پھر تو شربت گلا کی طرح تمہاری آنکھوں پر بھی ریسرچ ہونی چاہیے۔" لامعہ مسکراتے ہوئے اسے چھیڑ رہی تھی۔

وہ جیسے اس لمحے زبردستی مسکرائی تھی اور مکمل خود اعتمادی کے ساتھ عفنان علی خان کی سمت تکنے لگی تھی۔

"آپ کی نالج تو خاصی کمال کی ہے۔ میں تو سمجھی تھی آپ فقط باتیں ہی بنا سکتے ہیں۔"

"جو شخص جدید دور کی شربت گلا کو کھوج سکتا ہے وہ یقیناً بہت کچھ اور بھی کر سکتا ہے۔" وہ بہت مضبوط لہجے میں کہتا ہوا مسکرایا تھا۔ انداز ٹھوس اور مدلل تھا۔ وہ اپنی جگہ ساکت سی رہ گئی تھی۔

"اگر آپ فوراً——— مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے۔" لامعہ یکدم بولی تھی۔ ساتھ ہی اناہیہ کی سمت دیکھا تھا۔

"تم بھی چلو۔ اس روز بھی تم نے ٹال دیا تھا۔" اناہیہ شاہ نے سامنے بیٹھے شخص پر اک نظر کی تھی۔ اسے لگا تھا جیسے وہ نظریں اک آس سے اسے دیکھ رہی ہوں۔ شاید پھر کوئی وہم۔ پھر کوئی گمان۔

مگر وہ نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔

"نہیں——— مجھے لائبریری میں کچھ کام ہے۔" سہولت سے منع کرنے کے ساتھ ہی وہ مسکرائی تھی۔

"ایکسکیوز می۔" ان کے اٹھنے سے قبل ہی وہ اٹھی تھی اور چلتی ہوئی کیفے ٹیریا سے نکلتی چلی گئی تھی اور اسے جانے کیوں لگا تھا کہ کوئی نظر اس کا تعاقب کر رہی ہو۔ بغور اسے دیکھ رہی ہو، جانچ رہی ہو۔ وہم تو نہ تھا شاید مگر یقین کرنے کو وہ پلٹ کر دیکھ بھی قطعاً نہ سکی تھی۔

شربت گلا کی آنکھیں۔

"جانتی ہو میں نے ایسی آنکھیں کہاں دیکھی تھیں؟" اک مگن سا لہجہ۔ مگر وہ ہر تاثر کو جھٹکنے لگی تھی۔ پھر کبھی کچھ نہ سوچنے کے لیے۔

***

اس دن کے بعد سے اس نے جتنی بار بھی اس واقعے کے متعلق سوچا تھا اسے وہ اک خواب سا لگا تھا۔ بھیانک ترین خواب۔ مگر ایسا ہرگز نہیں تھا۔ وہ کچھ سوچ کر خود کو بہلا نہیں سکتی تھی۔ کوئی دلاسہ دے کر خود کو بے وجہ مطمئن نہیں کر سکتی تھی کوئی تسلی دل کے لیے نہیں تھی۔ کیونکہ جو منظر اس نے دیکھا تھا وہ کوئی خواب نہ تھا، حقیقت تھی۔ اٹل سچائی۔ اور وہ چاہتی بھی تو نہ تو جھٹلا سکتی تھی نہ ہی اسے فراموش کر سکتی تھی۔ کتنی سوئیاں سارے بدن میں چبھو رہی تھیں۔ کیسی سزا کی مستحق ٹھہری تھی وہ۔

وہ تو کسی اور دنیا کا شخص تھا۔ اس کے رنگ ڈھنگ تو کچھ اور تھے۔ وہ تو کچھ اور طرح کے خواب دیکھتا تھا۔ کتنی شاہانہ تھی اس کی طبیعت۔

اور وہ تو عام زمانوں میں بسنے والی، عام سی لڑکی تھی۔ عام سے خواب رکھنے والی۔ کتنا بے جوڑ میل تھا ان کا ـــــ کتنا غلط فیصلہ تھا وقت کا۔

کتنی دیر تک وہ اپنی قسمت پر ماتم کرتی رہتی تھی۔ بے آواز آنسو بہاتی رہی تھی۔ کل رات پاپا سے بات ہوئی تھی۔ وہ اس کی بابت پریشان ہو رہے تھے۔ اس نے کسی طرح کا کوئی تاثر انہیں نہیں دیا تھا۔ یہی ظاہر کیا تھا کہ سب ٹھیک ہے۔ ان کی بابت بے حد پریشان تھی وہ۔ اتنی تفاوتوں پر وہ پہلے ہی بے حوصلہ ہو رہے تھے۔ ان کی آواز کی نمی کو وہ دل سے محسوس کر رہی تھی۔

''پاپا! آپ رو رہے ہیں نا؟'' کہتے ہوئے اس کی خود کی آواز بھرا گئی تھی۔

''نہیں بیٹا! مگر تم اپنا خیال رکھو۔''

''جی ـــــ مگر آپ کو اپنی کیئر کی ضرورت زیادہ ہے پاپا! اور میرب کو آپ کی بہت فکر ہے۔'' نہ چاہنے کے باوجود اس کی پلکیں بھیگتی چلی گئی تھیں۔

''نئی رپورٹس آ گئیں پاپا؟'' اس نے ہاتھ کی پشت سے آنکھیں رگڑ کر یکدم دریافت کیا تھا۔

''ہوں، ہاں ـــــ آ گئی ہیں۔'' وہ چونکے تھے۔

''کیا کہتے ہیں ڈاکٹرز پاپا؟''

''ایوری تھنگ از فائن بیٹا!'' وہ مسکرائے تھے۔

''پاپا!'' وہ خود پر اختیار نہ رکھ سکی تھی۔

''میرب!'' اتنے فاصلوں پر پاپا نے جیسے اسے تنبیہ کی تھی مگر بہت سے آنسو چپ چاپ رخساروں پر بہتے چلے گئے تھے۔

''ڈاکٹر نے سرجری کے لئے کب کی ڈیٹ دی ہے پاپا؟''

''ابھی نہیں دی۔ مگر تم رونا نہیں میرب!''

وہ جانتی تھی اس کے اس طرح رونے سے پاپا کو بہت تکلیف ہو رہی تھی۔ تبھی وہ آنکھیں رگڑتے ہوئے زرد بار یا اور رفاقی کے متعلق دریافت کرنے لگی تھی۔

''تم خوش ہو نا بیٹا؟'' پاپا نے یکدم ہی اس سے دریافت کیا تھا۔ وہ چونکی تھی۔ پاپا یقیناً اس سے اس نئے رشتے، اس نئے حوالے کی بابت دریافت کر رہے تھے۔ وہ سر اثبات میں ہلانے لگی تھی۔

''جی پاپا!''

''حمیرہ بیگم خیال رکھ رہی ہیں نا تمہارا؟ ـــــ تمہیں وہاں کوئی تکلیف تو نہیں؟'' وہ متفکر تھے۔

''نہیں پاپا! سب ٹھیک ہے۔'' اس نے پاپا کو مطمئن کیا تھا مگر خود اندر تک ایک بے چینی پھیلتے ہوئے محسوس کر رہی تھی۔ چاہتے ہوئے بھی اس کے لئے یہ کڑوا گھونٹ پینا بے حد مشکل ہو رہا تھا۔

❋❋❋

کہیں جانا شروع کر دیا تھا مگر سیف الرحمٰن سے اس کے متعلق کوئی بات نہ کی تھی۔

''کیا بات ہے ـــــ تم مجھ سے کچھ چھپا رہی ہو؟''

''نہیں تو۔'' وہ زبردستی مسکرائی تھی اور سیف الرحمٰن بغور اس کا چہرہ تکنے لگا تھا۔

''میرب میاں! تمہاری یہ آنکھیں جھوٹ کہنے کے فن سے واقف نہیں ہیں۔ تم انہیں سچ بولنے سے باز رکھنے میں ناکام ہو۔ بتاؤ کیا بات ہے؟''

''نہیں ـــــ کوئی بات نہیں ہے۔''

''منگنی سے خوش نہیں ہو؟'' اس نے پکڑا تھا۔

''ایسی بات نہیں ہے۔'' اس نے اس کی سمت دیکھنے سے اجتناب برتا تھا۔

''تو پھر؟'' وہ مصر تھا۔

''میری کلاس۔ ہے سیف الرحمٰن!''

''جان چھڑا رہی ہو مجھ سے ـــــ؟'' وہ مدلل لہجے میں بولا تھا اور وہ جواباً چپ سادھ کر اس کی جانب دیکھنے لگی تھی۔

''بہت پریشان ہو نا۔ پھر کہہ کر دل کا بوجھ ہلکا کیوں نہیں کر رہی ہو؟'' وہ اک نگاہ میں اس کے اندر تک کو پڑھ گیا تھا۔ کتنے سمندر آن تھمے تھے اس کی آنکھوں میں۔ مگر وہ ان تمام پانیوں کو اپنے اندر کہیں ضم کرنے کے جتن کرنے لگی تھی۔

''میرب! میں سننا چاہتا ہوں، کیا ہوا ہے تمہیں؟ اور کیا تم وہیں اپنے منگیتر کے گھر قیام پذیر ہو ابھی تک؟''

وہ سر جھکا گئی تھی۔ پھر ہولے سے بولی تھی۔

''ہوں ـــــ دراصل، مجھے فقط منگنی کے لئے کہا گیا تھا مگر منگنی کی جگہ یکدم ہی نکاح کر دیا گیا ......'' وہ اس کی سمت دیکھنے سے گریزاں تھی۔

''اوہ؟'' سیف الرحمٰن اسے بغور دیکھ رہا تھا۔

''ہوں ـــــ ہوں ـــــ'' مگر وہ نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔

''میرب!''

اور اس کی آنکھوں سے کتنے بند اس دم ہی ٹوٹ کر بہہ نکلے تھے۔ سیف الرحمٰن نے بغور سے اسے دیکھا تھا۔ پھر بہت آہستگی سے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ دھر دیا تھا۔

''میرب!''

''مجھے پاپا بہت یاد آ رہے ہیں سیفی! مجھے سب اپنے بہت یاد آ رہے ہیں۔'' اس نے اپنے آنسوؤں کا کمزور سا جواز دیا تھا۔ سیف الرحمٰن اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔ اتنا تو وہ جان گیا تھا کہ کچھ تھا۔ مگر فی الحال میرب کہنا نہیں چاہ رہی تھی۔ سو اس نے بھی کریدنا مناسب خیال نہیں کیا تھا۔

میرب بہت دیر تک سر جھکائے بیٹھی رہی تھی۔ سیفی نے اپنا رومال دیا تھا۔ اس نے چہرہ پونچھا تھا اور

چہرے کا رخ پھیر کر بولی تھی۔

"سیفی! یہ چینج زندگی میں بالکل اچانک آیا ہے۔ میں ذہنی طور پر اس کے لئے تیار نہیں تھی۔ میں نے کبھی اپنے لئے کسی جیون ساتھی کا کوئی تصوراتی خاکہ بھی نہ بنایا تھا۔ عام لڑکیوں کی طرح کوئی پیکر نہ تراشا تھا۔ مجھ سے یہ تبدیلی ہضم نہیں ہو رہی۔"

"میرب! کتنی لڑکیاں ہیں جن کی اسی طرح بیٹھے بٹھائے اچانک شادیاں ہو جایا کرتی ہیں۔ تم بھی خوش نصیب ہو۔ فقط نکاح کے بندھن میں بندھی ہو ابھی۔" اس نے ماحول کی کثافت کو مسکرا کر چاہا تھا۔ میرب بھی جیسے اس کا دل رکھنے کو مجبوراً مسکرائی تھی۔

"ہیں کیسے موصوف؟" قدرے توقف سے اس نے دریافت کیا تھا۔ وہ بے طرح چونکی تھی اور اثبات میں سر ہلانے لگی تھی۔

"بہت اچھے ہیں۔"

"کس قدر انڈر اسٹینڈنگ ہوئی؟"

"فقط بیس دن تو گزرے ہیں۔ اور اتنے دنوں میں کہاں انڈر اسٹینڈنگ ہوتی ہے۔ اتنے تو رہتے ہیں وہ۔ ملکوں ملکوں سفر رہتا ہے۔ بس ایک آدھ بار بات ہوئی ہے۔ وہ بھی سرسری سی۔"

"سرسری سی؟" اس نے چھیڑا تھا۔ وہ ہنس دی تھی۔

"اب ارینج شادیوں میں تو ایسا ہی ہوتا ہے۔"

"تمہیں کیسے لگتے ہیں موصوف؟"

"پتہ نہیں ——— ابھی تو بغور دیکھا بھی نہیں۔" وہ زبردستی مسکرا رہی تھی، مسلسل۔

"میرب! تم اتنی دقیانوسی خیالات کی حامل تو کبھی نہ تھیں۔ لیکن سنو، اچھا وقت ہے یہ۔ جب تک ان کے یہاں قیام پذیر ہو۔ کوشش کرو اس کے مزاج کو سمجھ لو۔ ایک اچھی گھرداری میں یہ باتیں بڑی اہم ثابت ہوتی ہیں۔"

"اب تم مجھے گھرداری کے سنہرے اصول سمجھاؤ گے۔" وہ مسکرائی تھی۔

"مجبوری ہے ——— اس وقت کوئی بزرگ تمہارے قریب موجود نہیں۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ وہ مسکراتے ہوئے چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔ تبھی وہ گویا ہوا تھا۔

"یہاں سب کو بھی کچھ نہیں ملتا میرب! لیکن کچھ ضرور مل جاتا ہے۔ سو جو مل جائے اسے سنبھال کر رکھو۔ عظیم جانو۔ یوں بھی خوشی کی ساری لا جک ہمارے اندر سے اٹھتی ہے۔ ہم سوچیں گے ہمیں خوشی ملی ہے تو تبھی ہم درحقیقت خوش رہ بھی پائیں گے۔ تم بھی خوشیوں سے متعلق سوچنا شروع کرو اور وقت پر ڈال دو۔ جب جو ہوگا بہتر ہوگا ——— اپنے سارے خدشے، سارے وسوسے کہیں دفن کر کے آنکھوں میں خوابوں کو آنے کی جگہ دو ——— مجھے امید ہے کسی قدر افاقہ ہوگا۔" وہ کہتے کہتے یکدم ہنسا تھا۔ وہ بھی مسکرا دی تھی۔

تبھی داچ مین نے آ کر اطلاع دی تھی۔

"کوئی سردار سبکتگین حیدر لغاری صاحب بتاتا ہے تم کو۔ باہر گاڑی رکی ہے۔ وہ انتظار کر رہا ہے تمہارا۔ شاید لینے کے واسطے آیا ہے۔"

جہاں سیف الرحمن چونکا تھا وہیں وہ بھی قدرے حیرت سے اس کی طرف تکنے لگی تھی۔

"لو ——— تم تو کہہ رہی تھیں انڈر اسٹینڈنگ نہیں۔ یہاں تو کیمپس کے اوقات تک ازبر ہیں۔" وہ یکدم مسکرایا تھا۔ وہ فائل اور دیگر اشیاء سنبھالتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

پارکنگ میں سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سیاہ مرسڈیز کھڑی تھی۔ مگر فرنٹ سیٹ آل ریڈی کسی نازک اندام حسینہ کے وجود سے پُر تھی۔ وہ تھکے ماندے قدموں سے چلتی ہوئی کھڑکی کے پاس جا رکی تھی۔

کسی خاص حکم کی منتظر!

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے سیاہ سن گلاسز آنکھوں سے ہٹائے بغیر اسے دیکھا تھا۔

"بیٹھو۔" حکم صادر ہوا تھا اور وہ چپ چاپ بنا کوئی تعرض برتے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی تھی۔ بہت سا دھواں آنکھوں میں بھرنے لگا تھا۔

کیا پھر وہی اس رات والا منظر ری پیٹ ہونے جا رہا تھا؟

وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی پشت کو خالی خالی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ گاڑی کا ماحول اس گھڑی بڑا رومانک ہو رہا تھا۔ بڑی مدھر مہک پھیلی ہوئی تھی۔ دھیمی آواز میں بڑا سینٹی مینٹل سا ویسٹرن میوزک بج رہا تھا۔ شاید بہت دھیمے سُروں میں کوئی ایک دوجے سے مخاطب بھی تھا۔ قصہ موضوع بحث تھا۔ کوئی داستان خاص چھڑی ہوئی تھی مابین۔

منظر اس رات سے کچھ میل کھاتا ہوا تھا۔ مگر چہرہ آج نیا تھا۔ شاید سردار سبکتگین حیدر لغاری کو یکسانیت پسند نہ تھی۔

شاید اس نگاہ کو نئے منظروں کی بڑی جستجو تھی۔

وہ ہونٹ بھینچے جانے کیوں ساکت سی اس سمت تکتی چلی گئی تھی۔ حالانکہ اس کا تو کوئی حق بھی نہیں تھا۔

حق تو شاید سونپنے سے ہوتا ہے، دینے سے ہوتا ہے۔

اور اسے ابھی تک ایسی کوئی یقین دہانی نہیں کرائی گئی تھی۔

کوئی اقرار نہیں سونپا گیا تھا۔

مگر اس کے باوجود وہ ٹھہری نگاہ بڑی ساکت سی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسی لمحے قدرے چونکتے ہوئے بیک مرر سے اسے دیکھا تھا مگر اپنی چوری پکڑے جانے پر وہ قطعاً خجل نہیں ہوئی تھی۔ بس نگاہ پھیری تھی اور کھڑکی کے اس پار دیکھنے لگی تھی۔

اور تیزی سے بھاگتے منظر۔

اور ان کی طرف بے ساختہ لپکتی نگاہ۔

اس کا حقیقت بھی تو یہی تھی ——— سیفی نے کہا تھا خوشیاں سوچو، خوشیاں تلاش کرو، آنکھوں میں خوابوں کو آنے کی جگہ دو ——— اور وہ کیسے پکڑتی ان بھاگتے دوڑتے منظروں کو؟ ——— کیسے تعاقب

کرتی اِن کا؟

دوڑتے بھاگتے منظر تو شاید خواب ہوتے ہیں جو کبھی ہاتھ نہیں آتے۔ کبھی مٹھیوں میں نہیں دبوچے جا سکتے۔ اور پھر وہ ایسی بے حاصل کوشش کیسے کرتی، جب یقین کا اک لمحہ بھی نہ تھا۔

گاڑی اپنی رفتار سے چلتے چلتے یکدم رکی تھی۔

اس نے چونک کر دیکھا تھا —— وہ پری رُخ وجود مسکراتے ہوئے سردار سبکتگین سے اجازت چاہ رہا تھا۔ کوئی امراء کی کالونی تھی، اسٹریٹ کی دونوں جانب وسیع و عریض بنگلوز بنے ہوئے تھے۔

وہ وجود ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان وجود کے قریب تھا۔ انداز میں شوق تھا، لگن تھی، کوئی گہری وابستگی تھی۔ دونوں میں اختتامی کلمات کے ساتھ علامتی رسومات بھی ادا ہوئی تھیں اور بالآخر وہ پری رُخ گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکل کر کھڑی ہوئی تھی۔ میرب سیال نہ چاہتے ہوئے بھی کنکھیوں سے اُن ناپسندیدہ منظروں کو دیکھ رہی تھی۔

اب وہ پری رُخ کھڑکی میں جھک آئی تھی۔ انداز میں حد درجہ بے قراری تھی۔

''رات تم آ رہے ہونا؟'' باہر کھڑے ہونے کے باعث وہ پہلے کے مقابلے میں قدرے بلند آواز میں بولی تھی۔

''ہوں۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اثبات کی مہر ثبت کی تھی۔

''اوکے۔'' وہ لڑکی بڑی ہی دل ربائی سے مسکرائی تھی، پھر کھلے گیٹ سے اندر کی جانب بڑھ گئی تھی۔

میرب چہرے کا رُخ پھیرے کھڑکی سے ادھر تک رہی تھی۔

وہ پری رُخ چلی گئی تھی مگر گاڑی نہ چلی تھی۔ مگر میرب قطعاً چونکی نہ تھی۔ شاید کچھ اور ہونا باقی تھا ابھی۔ شاید کوئی اقدامِ خاص۔

''سنو ——''

وہ خود میں مگن بیٹھی تھی جب بھاری لہجے میں اسے پکارا گیا تھا۔ وہ بے طرح چونکی تھی۔ کسی قدر حیرت سے اس شخص کی جانب دیکھا تھا۔

''آگے آ جاؤ تم۔'' ایک مزید حکم صادر ہوا تھا۔ وہ ساکت سی چند ثانیوں تک بیٹھی رہی تھی، پھر دروازہ کھول کر اتری تھی اور اس خالی کی گئی سیٹ پر بہت ہولے سے بیٹھ گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔

گویا اس کا حصہ یہ تھا۔

چیز اس کے مصرف میں بھی آتا تھی مگر!

کچھ لمحے اس کے نام بھی تھے مگر!

مگر شاید باقی بچ جانے کے بعد۔

اس کا شمار بھی ہوتا تھا۔

مگر شمار ہو جانے والے تمام سلطوں پہ تبصروں کے بعد۔

آہ..... کتنی ہی ٹیسیں اٹھی تھیں اندر کہیں۔ کتنا درد اٹھا تھا۔ کیا پا لیا تھا اس نے؟ کیا گنوا دیا تھا؟

شاید اپنا آپ، شاید سب کچھ!

کن بے قدرے ہاتھوں میں آئی تھی وہ!

کس مقام پر فٹ کیا گیا تھا اسے، جہاں پہلے سے سارے منظر بھرے ہوئے تھے۔ جہاں اس کی رہے سے کوئی ضرورت ہی نہ تھی۔

کتنے سناٹوں کا پہرہ وجود کے اردگرد بنتا چلا گیا تھا۔ کتنی مشکلوں میں گھر گیا تھا دل۔ کتنی خاموشیوں میں سمٹ گئی تھی جاں۔

اور بتاؤ کیا تھا؟

کیا تھا وہ اوا؟

کس قدر عجلت میں بنا کوئی چھان پھٹک کیے، اس کے نصیب کا فیصلہ سنا دیا گیا تھا۔

اتنا بڑا فیصلہ......!

کیسے ہمدرد تھے اس کے، کیسے اپنے تھے؟

کتنے مضبوط بندھن میں باندھ گئے تھے اسے —— کتنی مضبوط زنجیروں میں جکڑ گئے تھے اسے کہ وہ ابھی تو آزاد نہ ہو سکتی تھی۔ لیکن کیا اس بندھن کی جگہ اگر فقط ایک انگوٹھی اس کی انگلی میں ہوتی تو وہ اس سے خود کو نکال پاتی؟ اس بندھن سے خود کو آزاد کرا لیتی؟

شاید نہیں۔

وہ تب بھی اسی قدر کم زور ہوتی —— اسی قدر بزدل اور ڈرپوک ہوتی۔ کیونکہ اس کا سر محبتوں کے سامنے جھکا تھا۔ مجبوریوں کے سامنے بے بس ہوا تھا وجود۔ اس نے اپنے چاہنے والوں کے لئے اپنی قربانی دی تھی۔ اس کی خوشی کو مقدم جانتے ہوئے آنکھیں بند کر کے اس اندھے کنوئیں میں چھلانگ لگا دی تھی۔

بندھن بندھنے سے قبل بھی سب کچھ مخفی تھا اس پر مگر کچھ بے نام سے خدشے اندر سر اٹھانے لگے تھے۔ اس کی چھٹی حس مسلسل اسے کسی آنے والے خطرے سے متعلق مطلع کر رہی تھی مگر اس نے پھر بھی کوئی آواز نہ اٹھائی تھی۔ کسی ظلم سے نابلد نہیں ہوئی تھی وہ۔ اس پر بھی منکشف تھا۔

کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ کچھ بھی۔

لیکن اس وقت ''کچھ بھی'' کے معنی اس قدر واضح نہ تھے۔

کتنی خاموشی تھی چار سُو —— شاید ساری ہلچل اس کے اندر ہی تھی۔ ساری وحشتیں فقط اس کے اندر امنڈ رہی تھیں۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کس درجہ خاموشی سے ڈرائیونگ میں مصروف تھا۔ بھولے سے بھی اس کے وجود پر اک نگاہ نہ ڈالی تھی۔ بھولے سے بھی اسے نہ دیکھا تھا، جیسے وہ اس کی موجودگی کی نفی کر رہا تھا۔ جیسے اس کے لئے اس کا ہونا نہ ہونا ایک ہی معنی رکھتا تھا۔

میرب سیال نے اک نگاہ کی تھی اس طرف۔ اسے اک لمحے کو بغور دیکھا تھا۔

کس قدر پُر وجاہت تھا وہ شخص۔
کس قدر تمکنت تھی اس کے تیکھے تیوروں میں۔
کس درجہ خود اعتمادی تھی۔
کتنی خصوصیات کا حامل تھا وہ اور کس قدر کشش تھی اس میں۔ اک زمانہ دیوانہ تھا اس کے لئے
اور کہیں پاگل تھیں، اس کی اک نگاہ کی منتظر۔ کیسی شان رکھتا تھا وہ۔ کیسا اک انجانا سا غرور اس کے
پر تھا۔

وہ بلاشبہ بے انتہا کشش کا حامل تھا۔ بہت وجاہت تھی اس میں۔ اس کی بے تاثر نگاہ کے تیور بھ
فنا دینے پر مائل کرتے تھے۔

مگر اس کے باوجود کس قدر نفرت ابھر رہی تھی اس کے لئے میرب سیال کے دل سے۔

اس کا سارا اندر اس ایک انتہائی متاثر کن وجود کی بھرپور نفی کر رہا تھا۔ کوئی ایک جذبہ بھی نہیں
اس کے اندر اس شخص کے لئے۔ کتنا مضبوط تعلق مابین تھا مگر وہ اسے مسلسل رد کر رہی تھی۔ کیونکہ اس
اندر اس کے خلاف جا رہا تھا۔

اور لڑکیوں کی ترجیحات کیا ہوتی ہیں۔۔۔ ان کے خواب کیا ہوتے ہیں، وہ نہیں جانتی تھی۔ مگر
سبکتگین حیدر لغاری اس کی ترجیح قطعاً نہ تھا۔ اگر اسے اختیار دیا جاتا تو وہ سو بار رد کرتی۔ کیونکہ وہ
ترجیح قطعاً نہیں تھا۔ بگڑے نوابوں سی خصوصیات لئے، ریاستی شہزادوں جیسی آن بان رکھنے والا شخص
اس کی ترجیح نہیں ہو سکتا تھا۔

وہ شاید مسلسل بلا ارادہ سردار سبکتگین کی طرف تکتی جا رہی تھی۔ ایک پل کو نگاہ کی تھی مگر خود میں ا
الجھی ہوئی تھی کہ نگاہ وساکت رہ جانے کا احتمال ہی نہ ہوا تھا۔ نگاہ ہٹانا یاد ہی نہ رہا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ایک پل کو ونڈ اسکرین سے نگاہ ہٹا کر اسے دیکھا تھا۔ اور تب وہ
چونکی تھی اور فوراً چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

"مائی اماں نے حکم دیا تھا تمہیں گھر پہنچا دوں۔" اس کی بھاری آواز یکدم اس کے اطراف پھیلا
وہ پہلی بار اس کی توجہ کا مرکز ہوئی تھی، مگر دل میں کہیں کوئی امنگ، کوئی ترنگ نہ جاگی تھی۔ وہ فقط خا
نظروں سے اس شخص کی جانب تکنے لگی تھی۔

"تمہیں کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟" شاید مائی اماں کی کسی تاکید پر وہ دریافت کر رہا تھا۔

میرب سیال نے بہت ہولے سے سر نفی میں ہلایا تھا مگر اس نے بنا کان دھرے گاڑی "چھ
کے سامنے روک دی تھی۔ وہ خاموش نظروں سے اس شخص کی جانب تکنے لگی تھی۔ سردار سبکتگین حید
نے بھی اس پر نگاہ کی تھی۔

"اترو۔" حکم صادر ہوا تھا۔ وہ چند ثانیوں تک اسی طرح سراسیمہ سی تکتی رہی تھی۔ پھر چہرے
پھیر کر اپنی طرف کا دروازہ کھولا تھا اور خاموشی سے اتر گئی تھی۔ اس کے باوجود کہ وہ ایسا کچھ نہیں
تھی۔ مگر وہ سردار سبکتگین حیدر کے کسی حکم سے اب تک جانے کیوں منحرف نہ ہو سکی تھی۔

کتنی دیر تک وہ اسے شاپنگ کراتا رہا تھا۔

کتنی بہت سی اشیاء۔۔۔ جن کی اسے ضرورت بھی نہ تھی اور جن کے لئے اس نے کوئی خواہش بھی
ہر نہ کی تھی، وہ اس کے لئے منتخب کرتا جا رہا تھا۔ لیکن کچھ بھی لینے سے قبل وہ اک نظر اس کی طرف دیکھتے
ہے اتنا ضرور کہتا تھا۔

"ٹھیک ہے؟"

اور وہ سر نفی میں ہلانا جیسے بھول گئی تھی۔

پتہ نہیں اس شخص کا رعب تھا یا پھر وہ کمزور ہی اتنی ہو گئی تھی۔ وہ آج تک کوئی انکار کر ہی نہ سکی تھی۔ کتنی
گئی تھی وہ اتنے تھوڑے دنوں میں۔

کتنی ڈھیر ساری شاپنگ کی سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے لئے۔ بالکل اپنے شایانِ شان۔
یا حیثیت کے مطابق۔ وہ معمولی اشیاء کی سمت تکتا ہی نہ تھا۔ بے تاثر چیزوں پر اس کی نگاہ ٹھہرتی ہی نہ
ں۔ اس کی نگاہِ انتخاب بڑی بلند تھی۔

"تو کیا اس کے معاملے میں بھی؟" کیسا سوال اٹھا تھا یکدم۔

اس کے متعلق سوچتے سوچتے یکدم خود اپنی ذات پر آ گئی تھی۔ مگر اندر بہت خاموش تھا، بڑا ساکت۔

"تمہیں بھوک تو ضرور لگی ہوگی۔" جیمن وِن سے نکل کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے آنکھوں پ
بارہ سیاہ سن گلاسز چڑھاتے ہوئے وہ اس سے مخاطب تھا۔ اور اب کے وہ کس قدر حیرت سے اس کی
ت تکتی چلی گئی تھی۔ نہ تو سر اثبات میں ہلایا تھا نہ ہی نفی میں۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے گاڑی اپنے
طلوبہ راستوں پر ڈال دی تھی۔

شاید آج کے تمام "اقدامات" کے لئے مائی اماں کی جانب سے بطورِ خاص "تاکید" ہوئی تھی۔

آج کا دن اس کے نام لکھ دیا گیا تھا تو اس میں بھی کوئی جواز تھا۔ شاید وہ مائی اماں کی کوئی بات ٹال
ہیں سکتا تھا۔ کوئی بات رد نہیں کر سکتا تھا۔ اور شاید تبھی ایک لمحے میں اس کی سوچ خود اپنے آپ پر ٹھہری تھی تو
ماکا انتخاب بھی کسی ایسے ہی حکم نامے کی طرح تھا۔

مائی اماں کی مرضی، ان کی پسند اور فقط ان کا حکم۔ وہ یقیناً سردار سبکتگین حیدر کی ترجیح نہ تھی۔ ہو بھی نہیں
تی تھی۔ کیونکہ وہ اس "ٹائپ" کی تھی ہی نہیں۔ وہ تو اس کی فقط "مجبوری" تھی۔۔ جس طرح وہ اس کی
مجبوری" تھا۔

تو کیا دونوں فقط "مجبوریوں" کا بندھن نبھا رہے تھے؟

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے گاڑی ایک "میریٹ" کے سامنے روک دی تھی۔

"اترو۔۔۔" ایک بار پھر حکم صادر ہوا تھا اور میرب سیال بہت خاموشی سے اپنی طرف کا دروازہ
کھول کر اتر گئی تھی۔ شاید اب اسے تاعمر ایسے ہی احکامات کی تابعداری کرنا تھی، بنا زبان کھولے، بنا اپنی
رضی جانے فقط سر اثبات میں ہلانا تھا اسے۔ کیونکہ یہی اس کی مجبوری تھی۔

رات بھر وہ ایک پُر وجاہت ترین شخص کے ساتھ رہی تھی۔

کتنے خوب صورت اور قیمتی لمحے بخشے تھے کسی نے اسے۔ مگر اس کے اندر پھر بھی دبے ہی پیر وتھا۔ شاید اس لیے کہ وہ ان تمام اقدامات کی حقیقت جانتی تھی.. وہ شخص جس کی قربتوں کی ہزاروں رتیں فقط خواہش کرتی ہیں۔

وہ آج دن بھر اس کے ساتھ ساتھ رہا تھا. مگر کیسا بے تاثر سا لگ رہا تھا سب کچھ۔ کس قدر بے شام جب اس نے اسے "لغاری ہاؤس" کے باہر چھوڑا تھا اس انتہائی لمحے میں بھی وہ کس تاثر تھی۔ کس قدر سناٹے تھے اندر۔ کہیں کوئی آہٹ نہیں تھی۔

اور کتنی کوشش کی تھی کہ اس دیوانگی پر وہ قابو پالے۔ وہ سامنے آئے تو وہ اس کی جانب نہ دیکھے۔ نگاہ میں وہ دیوانگی، وہ وارفتگی نہ اُمڈے۔ مگر عفنان علی خان مکمل طور پر بے بس رہا تھا۔ کتنا بے خود کر دیتی تھی اسے وہ "شربت گلا"۔ کتنا اضطراب بھر دیتی تھی ساری جان میں۔

وہ جادو سی ست رنگی آنکھیں کتنے اسرار رکھتی تھیں اپنے اندر.. کتنے بھید چھپے تھے ان میں۔ وہ بلا ارادہ ہی جیسے ان رازوں کو پانے کو بے خود ہو جایا کرتا تھا۔ اک پل میں وہ اپنے سارے اختیار، سارے ہوش کھو دیتا تھا۔

بیٹھے بٹھائے دل نے کیسے روگ لگائے تھے، کن منزلوں کا جنون دل میں آن سمایا تھا، کن راہوں کی لگن آنکھوں میں جاگنے لگی تھی۔

ذہن و دل کیسے پل میں مفلوج ہو جاتے تھے۔

کیسے کوئی تدبیر ہو ہی نہ پاتی تھی۔

وہ جانتا تھا یہ ٹھیک نہیں۔ مانتا تھا دل کہ وہ اس کے لیے "شجرِ ممنوع" ہے جس تک اس کی رسائی قطعاً کبھی ممکن نہیں۔ اس کے راستے کوئی اور ہیں اور اس کے راستے کوئی اور۔ جب کہ وہ ایک نئے راستے کا تعین اپنے لیے کر چکا ہے، ایک نئی راہ اپنا چکا ہے۔

کسی بندھن کا پابند ہو چکا ہے، کسی نئے تعلق میں بندھنے کی ابتدا کر چکا ہے، پھر یہ سب کچھ بے معنی ہے۔ اس کی حقیقت کچھ نہیں۔

مگر دل سمجھ نہ پا رہا تھا۔

اس روز جب پی سی میں اسے دیکھا تھا تو قدموں کو اس کی سمت بڑھنے سے قطعاً نہ روک سکا تھا۔ قدم اٹھے تھے اور وہ چلتا ہوا اس کے سامنے جا رکا تھا۔ اور وہ کس قدر حیرت سے سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

"آپ ــــ؟" اس کی نظروں میں کس قدر حیرت تھی۔ شاید وہ اس پل مروتاً مسکرائی تھی۔

"کیسی ہو تم؟" وہ ایسے مخاطب ہوا تھا جیسے صدیوں کی پہچان رکھتا ہو۔ لہجے میں آتی اپنائیت تھی جیسے وہ برسوں سے اس سے واقف رہا ہو اور ویسا اول دن سے تھا۔ انابیہ شاہ کے لب ایک بار پھر مروتاً پھیلے تھے۔

"ٹھیک ہوں ــــ اور آپ؟"

"پرفیکٹ۔" وہ اسی بے خودی سے مسکرایا تھا۔

"ایک ورکشاپ اٹینڈ کرنا تھی۔" انابیہ شاہ نے شاید مروتاً مسکراتے ہوئے جواز دیا تھا۔

وہ بغور دیکھنے لگا تھا۔

"لامعہ نہیں آئی؟"

"نہیں —— شاید وہ کہیں اور مصروف تھی۔"

"اٹینڈ کرلی ورکشاپ؟" بغور تکتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ انابیہ نے رسمی سی مسکراہٹ کے سر اثبات میں ہلایا تھا۔ ایسا قطعاً ممکن نہ تھا کہ وہ اس کے سامنے سے یونہی ایک پل میں ہٹ جاتی۔ گہرے مراسم نہ تھے، کوئی وابستگی نہ تھی، کوئی گہری آشنائی بھی نہ تھی، مگر ایسا بھی نہ تھا کہ سرے سے تعلق ہی موجود نہ ہو۔ لامعہ حق کا حوالہ رد کئے جانے کے قابل تو نہ تھا۔ شاید تبھی وہ تمام تر مروت سلیقے سے نبھا رہی تھی۔ عفنان علی خان نے اس سراسیمہ سی کھڑی لڑکی کو بغور دیکھا تھا پھر بہت سے اظہار مدعا کیا تھا۔

"کیا ہم کہیں بیٹھ سکتے ہیں؟" عجب خواہش لبوں پر مچل گئی تھی۔ نہ جانے مقابل کا ردعمل کیا ہو۔ سنگ مرمر سا تراشیدہ پیکر جانے کس وصف سے پیش آتا۔ جانے وہ گداز لب کیا کہتے۔ مگر یہ سچ تھا کہ ایک لمحے میں وہ خود پر اختیار نہ رکھ پایا تھا۔ مگر اب جب ہوا تھا تو وہ اس صبیح چہرے سے اپنا دھیان نہ ہٹا پایا تھا۔ مگر اس گھڑی وہ چمکتی آنکھیں اس کی سمت اٹھی تھیں اور وہ تراشیدہ لب مسکرائے تھے۔

"ڈنر کروانے کے چکر میں ہیں؟" کسی قدر شگفتہ انداز میں کہا گیا تھا۔ یقیناً وہ اس گھڑی ایک تعلق کو لے کر رسماً مسکرا رہی تھی۔ حالانکہ مذاق کا کوئی خاص تعلق درمیان استوار نہ تھا۔ عفنان علی بغور اسے دیکھ رہا تھا۔

"موسم سرد تو ہے —— آئی تھنک، کافی بہتر رہے گی۔ دراصل میں لامعہ کو شکوے کا کوئی موقع نہیں دینا چاہتی۔ اگر اسے پتہ چل گیا کہ میں آپ سے یہاں ملی تھی اور میں نے ڈھنگ سے آپ کو ٹریٹ نہیں کیا تو وہ مجھ سے ناراض ہو جائے گی۔" مسکراتے ہوئے اس نے وضاحت کی تھی اور اس کے انداز پر عفنان علی خان مسکرائے بغیر نہ رہ سکا تھا۔

"تو آپ لامعہ کے ڈر سے مجھے اچھی طرح مل رہی ہیں!؟" اس کے ساتھ چلتے ہوئے وہ کسی قدر شکوہ انداز میں مسکرایا تھا۔

"نہیں —— ایسی بات نہیں۔" وہ اس کے مقابل بیٹھتے ہوئے مسکرائی تھی۔

"کب سے جانتی ہیں آپ لامعہ کو؟" کافی کا آرڈر دینے کے بعد وہ اس کی جانب متوجہ ہوا تھا۔

"اسکول سے —— ہماری اسکولنگ ساتھ ہوئی تھی۔" انابیہ شاہ کا جواب بڑا مختصر تھا۔ اور وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگا تھا۔

"پھر اس سے قبل کیوں نہ ملیں آپ؟" مسکراتے ہوئے شکوہ ہوا تھا۔

"اس سے قبل کبھی آپ نے منگنی بھی تو نہیں کی۔" جواب بے حد برجستہ اور انداز شگفتہ تھا۔ وہ مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ اس کی آنکھوں کے رنگ اس گھڑی بڑے شوخ سے تھے۔ وہ یقیناً مذاق کر کے محظوظ ہوئی تھی۔

"ویری انٹرسٹنگ۔ آپ کا سنس آف ہیومر خاصا اچھا ہے۔ آپ بہت مختلف ہیں۔"

"کس سے؟" استفہامیہ انداز میں اس کی جانب تکتے ہوئے گویا ہوئی۔ عفنان علی خان مسکرایا تھا، پھر بہت آہستگی سے گویا ہوا تھا۔

"ہر کسی سے۔" انداز بے حد مسرور تھا۔ انابیہ شاہ قدرے حیرت سے اسے تکنے لگی تھی۔ انابیہ شاہ کافی کے کپ سے اٹھتے ہوئے دھوئیں کو بغور تکنے لگی تھی۔ عفنان علی خان کو شاید اپنی حد درجہ بے قراری کا ادراک ہوا تھا تبھی وہ لب بھینچ کر مسکرایا تھا۔

"لامعہ سے بہت مختلف ہو تم —— کیسے، آئی مین کیسے دوستی ہوئی تم دونوں میں؟"

انابیہ نے کافی کے غلیور سے محظوظ ہوتے ہوئے عفنان علی خان کی طرف دیکھا تھا۔ پھر بڑی متانت سے مسکرائی تھی۔

"دوستی یا انڈر اسٹینڈنگ کے لئے ایک جیسا ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ آئی بلیو —— کبھی ایک جیسے سائن ایک دوسرے کو اٹریکٹ نہیں کرتے۔ بیٹری بھی تبھی چارج ہوتی ہے جب ایک سائن نگیٹو اور دوسرا پوزیٹو ہو۔" انداز بے حد مدلل تھا۔ عفنان علی خان اسے بغور تکتا ہوا مسکرایا تھا۔ یقیناً مقابل کی بات قائل کر گئی تھی۔

"درست کہتے ہیں —— حسن چاروں شانے چت کر سکتا ہے۔" دھیمے سے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ انابیہ شاہ جو کافی کا سپ لے رہی تھی، اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

"کیا سوچ رہی ہیں؟" ان کی آنکھوں کو بغور تکتے ہوئے کافی کا سپ لیا تھا۔ اور وہ جو کسی قدر خود میں مگن تھی، چونک پڑی تھی۔ پھر قدرے دھیمے انداز میں مسکراتے ہوئے اس مقابل بیٹھے شخص کو دیکھا تھا۔

"آپ کو کیسے خبر ہوئی کہ میں کچھ سوچ رہی ہوں؟"

"آپ کی آنکھیں سارے بھید کہہ جاتی ہیں۔" وہ دھیمے سے مسکرایا تھا۔ انابیہ شاہ بجائے کنفیوز ہونے کے مکمل اعتماد کے ساتھ عفنان علی خان کی سمت دیکھنے لگی تھی۔

"لامعہ کا قیاس آپ کے متعلق خاصا مختلف ہے۔" گداز لبوں پر بڑی دھیمی مسکراہٹ تھی۔ عفنان علی خان دلچسپی سے تکنے لگا تھا۔ وضاحت قطعاً نہیں چاہی تھی نہ ہی کوئی اختلاف رائے تھا۔ بس فقط مسکرایا تھا۔

"آپ کیا کہتی ہیں!؟" مکمل اعتماد سے اس کی سمت تکتے ہوئے دریافت کیا گیا تھا اور انابیہ شاہ جو مکمل پُراعتمادی کے ساتھ اس کی سمت دیکھ رہی تھی، کچھ بھی کہے بغیر نظریں پھیر گئی تھی۔ تبھی عفنان علی خان کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہوگئی تھی۔

"آپ کو کافی پسند ہے؟" عجب سوال دریافت کیا گیا تھا۔

"ہوں —— " انابیہ نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"اس کا ٹیسٹ کڑوا اور کسیلا ہے اس لئے!؟" جانے وہ کیا پروف کرنا چاہ رہا تھا۔

"نہیں —— اس میں چاکلیٹ اور کریم ہے اس لئے۔" وہ مکمل غیر سنجیدگی سے مسکرائی تھی۔ اس کے غیر سنجیدہ انداز پر عفنان علی خان نے اسے دیکھا تھا، پھر مسکرا دیا تھا۔

جب بھی تم سے ملا ہوں یکسر
ایک نئی لڑکی لگی ہو تم
ایک سپ تلخ، ایک سپ شیریں
میری کافی میں گھل گئی ہو تم

کافی کے کپ کے کناروں پر شہادت کی انگلی پھیرتے ہوئے زیرِ لب مسکرایا تھا۔ لہجہ دھیما تھا، آواز مدھم تھی، جیسے یہ کوئی مدھم سرگوشی ہو، کوئی خود کلامی ہو۔ مگر ایسا ہرگز نہیں تھا کہ وہ مدھم لہجہ کسی دوسرے کے کانوں تک نہ پہنچا ہو۔ انابیہ شاہ نے یقیناً اس آواز کو سنا تھا مگر کسی بھی طرح کا ردِ عمل ظاہر کیے بغیر چہرے کا رخ پھیر گئی تھی جیسے وہ بھی سنی ان سنی کرنا چاہتی تھی۔

"ایک بات کہوں؟" بہت حوصلے سے اظہارِ مدعا ہوا تھا۔

انابیہ شاہ نے فقط خاموشی سے اس شخص کی سمت دیکھا تھا، کوئی اجازت نہیں دی تھی مگر وہ بولنے سے باز نہیں رہا تھا۔

"آپ کی ان آنکھوں میں رنگ باتیں کرتے ہیں۔ کبھی موسم بولتے ہیں۔" عجب انکشاف تھا۔ انابیہ شاہ نے ساکت نظروں سے اس شخص کو دیکھا تھا۔ وہ مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"تھینکس فور دی کافی۔" قدرے رسمی انداز میں مسکراتے ہوئے مقابل کو دیکھا تھا۔ اس کے خلاصی کرانے والے انداز پر عفنان علی خان نے مسکراتے ہوئے پُرشکوہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"تو کیا ہم ساتھ باہر تک بھی نہیں جا سکتے؟" بظاہر وہ نظریں پُرشکوہ تھیں مگر محظوظ ہونے کی کیفیت بے حد واضح تھی۔ وہ یقیناً اس گھڑی محظوظ ہو رہا تھا۔ انابیہ شاہ نے قدم اس کے ہمراہ آگے بڑھا دیے تھے۔ بہت سے کام کبھی کبھی نہ چاہتے ہوئے اور محض رکھ رکھاؤ کے لیے بھی کرنا پڑتے ہیں۔ اور وہ بھی رسمِ دوستی نبھا رہی تھی۔ عفنان علی خان خاموش تھا مگر آنکھوں کی چمک بتا رہی تھی کہ وہ کس درجہ سرشار تھا۔

کوئی سنگ تھا، ہمراہ تھا۔

مگر دل کے لیے یہ چند لمحے بھی غنیمت تھے۔ سنگت مختصری مگر پُرلطف تھی۔

❋❋❋

بہت سے کام دوسروں کی خوشی کے لیے کرنا پڑتے ہیں۔ اور کبھی کبھی ایسا کرنے میں بہت کچھ چپ چاپ اندر ٹوٹتا ہے، بکھرتا ہے اور دفن ہوتا چلا جاتا ہے۔ سید اذہان حسن بخاری کے لیے بھی ماں کے حکم پر سر جھکانا جیسے ایک لازمی جزو تھا۔ انکار اس کے لیے ناممکن تھا۔ سو اس نے سر جھکا دیا تھا۔ کیونکہ وہ سب کچھ کر سکتا تھا مگر اس ایک رشتے کی نفی نہیں کر سکتا تھا۔

سید سعد شاہ بخاری کو شاید اس کے آفس آنے کی اطلاع مل گئی تھی، تبھی وہ اس کے روم میں چلے آئے تھے۔

سید اذہان حسن بخاری میں اب بھی اتنا احساس تھا کہ وہ سامنے کھڑے باپ کو دیکھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ پُرخائف نگاہ خفگی لیے ہوئے تھی، قدرے اجنبی تھی، وہ ان کی طرف سے مکمل طور پر غافل تھا، ان کی طرف

دیکھ بھی نہیں رہا تھا۔ سعد حسن شاہ بخاری نے مضبوط جسامت کے مالک بیٹے کو دیکھا تھا۔ اس لمبے چوڑے قد و کاٹھ میں وہ آج بھی ویسی ہی فطری معصومیت کا حامل تھا۔ سید سعد حسن شاہ بخاری کو وہ آج بھی کوئی چھوٹا سا بچہ ہی لگا تھا۔ وہ اس کے قریب آ گئے تھے، اسے بغور دیکھا تھا اور اس کے مضبوط شانے پر بہت ہولے سے ہاتھ دھر دیا تھا۔ مگر سید اذہان حسن بخاری تب بھی ان کی طرف متوجہ نہیں ہوا تھا۔

"مجھے یقین تھا تم ضرور آؤ گے ——— میں جانتا تھا۔" دونوں ہاتھوں سے اس کے مضبوط شانوں کو تھامتے ہوئے وہ مسکرائے تھے۔ سید اذہان حسن بخاری نے بہت ہولے سے گردن پھیر کر انہیں دیکھا تھا پھر بہت آہستگی سے گویا ہوا تھا۔

"یقین آپ کو خود پر نہیں، اس ہستی پر تھا جسے آپ نے اپنے عزائم کے لیے استعمال کیا۔" اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔ سعد حسن شاہ بخاری نے بیٹے کو دیکھا تھا۔

"چلو ——— کسی کے لیے سہی۔ تمہیں شاہ گروپ آف کمپنیز کا خیال تو آیا۔"

"خیال مجھے شاہ گروپ آف کمپنیز کا نہیں، اس کی گرتی ہوئی ساکھ کا تھا۔ میری ممی بھی تو اس کمپنی کی پچاس پرسنٹ کی شیئر ہولڈر ہیں۔ اور اگر میں کوئی نقصان شاہ گروپ آف کمپنیز کو پہنچاتا تو یقیناً میری ماں کو ایک اور نقصان سہنا پڑتا اور میں اپنی ماں کو کم از کم کوئی زک نہیں پہنچا سکتا۔" اذہان حسن بخاری کا لہجہ متانت سے پُر تھا۔ سید سعد حسن اسے دیکھ کر رہ گئے تھے۔ پھر چہرے کا رخ پھیر کر پُرافسوس انداز سے سر نفی میں ہلانے لگے تھے۔

"تم میرے اس حد تک خلاف جا سکتے ہو، مجھے اس کا اندازہ نہ تھا۔ میرا بیٹا، میرا خون۔" وہ عجیب بے بسی کے ساتھ بیٹے کی سمت تکنے لگے تھے۔ "تم کیا سمجھتے ہو ——— کس کے لیے کر رہا ہوں میں یہ سب کچھ، کس کے لیے؟ تمہارے لیے نا، اور کون ہے میرا۔ اور تم ایک پل میں......" دھیما لہجہ کسی قدر کرب سے دوچار تھا۔ "کس کے لیے ہے یہ میرا سب کچھ ——— تمہارے لیے نا۔ یہ دوڑ دھوپ، یہ محنت، یہ کامیابیاں، یہ دولت کی ریل پیل، یہ نام یہ مرتبہ" اسے دونوں بازوؤں سے پکڑ کر جھنجھوڑا تھا مگر وہ بے تاثر کھڑا رہا تھا۔

"آپ نے مخالفت خود مول لی ہے پاپا! ——— آپ نے یہ علیحدگی کی راہ خود منتخب کی ہے۔" سپاٹ لہجے میں کہتے ہوئے وہ چہرے کا رخ پھیر گیا تھا۔ چہرے کی رگیں بے حد تنی ہوئی تھیں۔ خود پر ایک جبر ناقابلِ بیان تھا۔

"کیا تم اس بات کو ... بھلا نہیں سکتے؟" عجب بے بسی سے کہتے ہوئے بے حد مضبوط قد و قامت کے مالک بیٹے کو دیکھا تھا جو بہت مضبوطی سے اس گھڑی ان کے سامنے ڈٹا کھڑا تھا اور اس گھڑی کس درجہ بے یقینی سے اپنے باپ کو دیکھ رہا تھا۔

"کیا وہ سب بھولنے کے قابل ہے؟ ——— پاپا! آپ نے ہمیں ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ ممی کا کیا قصور تھا، اتنی طویل رفاقت کا کیا صلہ دیا آپ نے انہیں؟ اور بابا ——— اُن کا کیا قصور تھا؟ آپ کو اس کا بھی خیال نہیں آیا۔" کس قدر روٹھے انداز میں وہ مخاطب تھا اس گھڑی۔ مگر آنکھوں کی سرخی

بتا رہی تھی کہ اندر بہت سے طوفانوں کا مقابلہ اس کے لئے آسان نہیں ہے۔ وہ یقیناً اس وقت بہت ...
بند باندھے کھڑا تھا۔

''پاپا! آپ کو لگتا ہوگا کہ آپ ایسا کر کے حق پر ہیں۔ مگر میں اپنی ماں یا اپنی بہن کو کوئی دُکھ نہیں دے سکتا، نہ ہی کوئی مخالف سمت اختیار کر سکتا ہوں۔ آپ کے لئے اتنا کافی ہے کہ میں اب شاہ گروپ آف کمپنیز کے ساتھ ہوں۔ شاید آپ کو احساس نہیں ہے کہ آپ نے کیا کچھ کھو دیا ہے؟ اور میں آپ کو اس احساس دلانا بھی نہیں چاہتا۔ شاید میری طرف سے کوئی کوتاہی ہوئی ہو۔ آئی ایم سوری، لیکن میں آپ کو معاف نہیں کر سکتا پاپا! مجھے اپنے سے وابستہ تمام رشتوں سے پیار ہے اور آپ نے نقصان میرا نہیں، مجھ سے وابستہ رشتوں کا کیا ہے۔'' مدھم لہجے میں بہت کچھ کہہ گیا تھا۔ کہنے کے ساتھ ہی وہ پلٹا تھا اور مضبوط قدموں سے چلتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔ سعد حسن شاہ بخاری بیٹے کو تکتے رہ گئے تھے۔

❋❋❋

ڈاکٹر نے پاپا کی سرجری کی ڈیٹ دے دی تھی۔ اور جب سے اس نے یہ خبر سنی تھی اس کا دل بیٹھا رہا تھا۔ جانے کیوں اسے بے حد ڈر لگ رہا تھا۔ بہت سی خاموشی اندر پھیل رہی تھی اور آنکھیں کیسے بے ارادہ برس رہی تھیں۔ وہ ٹیرس کی سیڑھیوں پر بیٹھی گھٹنوں پر سر دھرے اس وقت خاموشی سے اپنے اندر کے غبار کو دھو رہی تھی، جب سردار سبکتگین حیدر لغاری مضبوط قدموں سے زینہ طے کرتا دکھائی دیا تھا۔ اس نے بلا ارادہ نگاہ کی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری بھی شاید بے ارادہ رکا تھا، اسے بغور دیکھا تھا پھر بے حد سپاٹ لہجے میں دریافت کیا تھا۔

''اینی پرابلم؟''

میرب سیال نے اسے دیکھا تھا، پھر بھیگی بھیگی آنکھوں کی تمام نمی کو ہاتھ کی پشت سے رگڑتے ہوئے سر نفی میں ہلا گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے چند ثانیوں تک اسے اسی طرح خاموشی سے دیکھا تھا، پھر بڑے بے تاثر انداز میں مضبوط قدم اٹھاتا ہوا اس کے پاس سے گزر گیا تھا اور میرب سیال کے اندر کی خاموشی مزید گہری ہوتی چلی گئی تھی۔

یہ تھا اس کا ہم سفر، اس کا رفیق زندگی۔

اس نے اس کے ایک لمحے کی بھی خبر نہ لی تھی۔

ایک لمحے کے ایک غم کو بھی نہ بانٹا تھا۔ اس سے وہ کسی خوشی کی امید کیا کرتی۔ اسے تو وہ حرف تسلی تک میسر نہ تھے۔ ایک شانہ مہربان نصیب نہ تھا۔ کس درجہ تنہا تھی وہ۔ کس درجہ اکیلی۔ وہ اٹھی تھی اور نیم جاں قدموں سے چلتی کمرے میں آ گئی تھی۔ کتنی دیر تک وہ چپ چاپ بیڈ پر لیٹی خالی خالی نظروں سے چھت کی سطح کو تکتی چلی گئی تھی۔ اچانک آہٹ ہوئی تھی مگر وہ چونکی نہیں تھی، دھیان نہیں پھیرا تھا۔ مائی اماں نے دہلیز پر رک کر اسے دیکھا تھا، پھر اندر چلی آئی تھیں۔ وہ تب بھی نہیں چونکی تھی۔

''میرب! میرے بچے! کیا ہوا؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے خود خبر نہ لی تھی، مگر مسیحائی کرنے کو کسی

پر کو ضرور بھیج دیا تھا۔ شاید کسی قدر انسانیت اس میں اب بھی باقی تھی۔ مائی اماں اس کے قریب بیٹھتے ہوئے اس کی پیشانی کو چھو کر دیکھنے لگی تھیں۔

اس نے اچانک اٹھ کر بیٹھتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''ٹھیک ہوں میں ـــــ آپ نے خواہ مخواہ زحمت کی۔'' اس کا لہجہ دھیما مگر کسی قدر سرد تھا۔

مائی اماں نے اسے دیکھا تھا، پھر بہت محبت کے ساتھ اسے اپنے ساتھ بھینچ گئی تھیں۔

''کیسی عجیب باتیں کر رہی ہو تم؟ ـــــ کیا کسی غیر گھر میں ہو؟ بیٹا! کیا تمہیں ہم سے کوئی شکایت ہے؟ ـــــ سبکتگین حیدر نے کہا ہے کچھ؟ مجھے بتاؤ، طبیعت ٹھکانے لگا دوں گی اس کی۔''

مگر وہ نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔ آنکھیں یکدم ہی پانیوں سے بھر گئی تھیں۔ وہ سر جھکا گئی تھی۔

''میرب!'' مائی اماں نے بہت آہستگی سے اس کا چہرہ اوپر اٹھایا تھا۔ تبھی اس کی آنکھوں میں ٹھہرے سمندر چھلک پڑے تھے۔

''ڈاکٹر نے پاپا کی ہارٹ سرجری کی ڈیٹ دے دی ہے۔'' سر جھکا کر وہ بولی تھی۔ مائی اماں نے اسے دیکھا تھا پھر بہت آہستگی سے اپنے ساتھ لگا لیا تھا۔

''بیٹا! اس میں پریشانی والی کیا بات ہے؟ ـــــ انشاء اللہ سرجری کامیاب ہوگی اور مظہر صاحب درست ہو کر وطن واپس لوٹیں گے ـــــ تم بس ان کی تندرستی کے لئے دعا کرو۔ خدا بیٹیوں کی دعائیں بھی رائیگاں نہیں کرتا۔'' انہوں نے حوصلہ بندھایا تھا۔ مگر دل کو پھر بھی ڈھارس نہیں ہوئی تھی۔

''اگر تم زیادہ پریشان ہو تو میں سبکتگین سے کہتی ہوں وہ تمہیں ان کے پاس لے جائے۔''

''نہیں مائی اماں! اس کی ضرورت نہیں۔'' وہ یقیناً سبکتگین حیدر لغاری کو کسی قسم کی تکلیف دینا نہیں چاہتی تھی۔ مائی اماں نے خاموشی سے اسے دیکھا تبھی وہ آہستگی سے گویا ہوئی تھی۔

''ابھی فون پر بات ہوئی ہے میری ان سے۔ وہ ٹھیک ہو جائیں گے انشاء اللہ۔'' اس نے جیسے خود کو ڈھارس دی تھی۔ اپنے اندر کے خدشوں کا گلا گھونٹا تھا۔ حمیرہ بیگم اسے دیکھنے لگی تھیں۔

''تم خود کو اس گھر میں پرایا سمجھتی ہو نا؟''

''نن..... نہیں، ایسی بات نہیں۔'' میرب سیال نے فوراً نفی کی تھی۔

''تو پھر اپنا دکھ، اپنی تکلیفیں چھپاتی کیوں ہو ہم سے؟ ـــــ تمہیں لگتا ہے میں تمہاری ماں نہیں بنا؟'' مائی اماں نے اس کے چہرے کو ہاتھوں میں لیا تھا۔

''آپ غلط سمجھ رہی ہیں مائی اماں! دراصل میں......'' اور اس سے آگے اس سے کوئی بہانہ بن نہ پڑا۔ شاید تبھی وہ چپ سادھ گئی تھی۔ مائی اماں نے اسے دیکھا تھا پھر اپنے ساتھ بھینچ لیا تھا۔

''جس قدر اس گھر پر سبکتگین حیدر کا حق ہے، اسی قدر تمہارا بھی ہے۔ جتنی میں اس کی ماں ہوں، اتنی تمہاری بھی ہوں۔ خدا تمہیں سکھ ہی سکھ دے۔ لیکن اگر کوئی پریشانی ستائے تو تم اپنی اس ماں سے بیان کر سکتی ہو۔''

''جی ضرور مائی اماں!'' سبکتگین حیدر لغاری کی طرح وہ بھی دانستہ نادانستہ حمیرہ بیگم کو مائی اماں کہنے لگی

تھی۔ شاید ان کے ہاں رسماً ماؤں کو مائی اماں بلایا جاتا تھا اور وہ لاشعوری طور پر ان سب رسموں کو قبول کر رہی تھی۔ ان رشتوں کو قبول کر رہی تھی۔

"چلو اٹھو ——— فوراً فریش ہو جاؤ۔ میں سبکتگین حیدر سے کہہ دیتی ہوں، وہ تمہیں کہیں باہر لے جائے۔"

"نن..... نہیں، اس کی ضرورت نہیں۔" میرب سیال نے ایک لمحے میں نفی کرتے ہوئے سر ہلایا۔ ذہنی طور پر وہ پہلے ہی بہت ڈسٹرب تھی اور مزید کوئی پریشانی مول لینا قطعاً نہیں چاہتی تھی۔ اور سبکتگین حیدر لغاری کے ساتھ کہیں جانے کا مطلب تھا اپنے لیے ایک نیا دردِ سر ڈھونڈنا۔ سو اس نے اماں کے اس فیصلے کو ایک لمحے میں رد کیا تھا۔

مائی اماں نے اسے بغور دیکھا تھا۔

"سبکتگین حیدر سے کوئی شکایت ہے تمہیں؟"

"نہیں ——— ایسا نہیں ہے۔ میں بس آرام کرنا چاہتی ہوں۔" اس نے دھیان ان کی سمت ہٹاتے ہوئے کہا تھا اور تب مائی اماں اس کے چہرے کو ہولے سے تھپکتے ہوئے اٹھی تھیں اور باہر نکل گئی تھیں۔

اور اس کے بعد میرب سیال کتنی دیر تک لیٹی خالی خالی نظروں سے چھت کی سطح کو گھورتی چلی گئی تھی۔

❊❊❊

مکمل اور اک تھا اسے۔ وہ تمام صورت حال مکمل طور پر "اختیار" میں رکھنا چاہتا تھا۔ مگر ایک "بے اختیاری" اس کی جان نہیں چھوڑ رہی تھی۔ جانتا تھا وہ کچھ بھی ممکن نہیں مگر وہ بے ارادہ اٹھتے ہوئے قدموں کو روک نہیں پا رہا تھا۔ وہ جب بھی سامنے آتی تھی، پہلے سے زیادہ مشکل میں ڈال جاتی تھی۔ جان سے بھی زیادہ مشکل میں گھر جاتی تھی۔ جانے کیا جادو تھا ان شربتی آنکھوں میں، جانے کیسے بھید تھے آنکھوں کے۔ دیکھتی تھی تو بے خود سا کر جاتی تھی۔

جیسے وہ سب اختیار رکھتی ہو، سارے منتر ازبر تھے، اسے اپنے بس میں کرنے کے۔

کیسی عجب تھی وہ۔

کیسی عجب تھیں، وہ آنکھیں ——— اور وہ خود ———!

ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے اس نے گاڑی کا گیئر بدلا تھا۔ اپنی بے بسی پر بڑا غصہ آتا تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ سمجھنا نہیں چاہتا تھا یا اس نے خود کو سمجھانے کی کبھی کوشش ہی نہیں کی تھی۔ کئی بار کرائی تھا مگر اس کو سمجھانے پر بھی افاقہ قطعاً نہ ہوا تھا۔ وہ سامنے آتی تھی اور سارے منظر اپنے سنگ باندھ لیتی تھی۔

شہر کی سڑکوں پر اس وقت خاصی رونق تھی ——— شام کا وقت تھا، موسم بھی دلفریب تھا۔ بوندا باندی رکی تھی۔ تمام منظر بھیگ رہا تھا ——— مگر اس کے اندر وہی دو آنکھیں جھانک رہی تھیں ——— جیسے بے سلوک جیتی۔

وہ سوچوں میں غلطاں تھا جب اس کا پرسنل سیل چیخ اٹھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر ڈیش بورڈ سے فون اٹھایا تھا۔ فون کی اسکرین پر واضح طور پر "لامعہ" لکھا ہوا تھا۔ اس نے کال پک کر لی تھی۔

"کہاں ہو تم اس وقت؟" لامعہ نے پہلی فرصت میں دریافت کیا تھا۔

"سن سیٹ بولیوارڈ لے رہا ہوں۔" اس نے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔ انداز قدرے بجھا بجھا سا تھا۔ مگر لامعہ نے جیسے محسوس ہی نہ کیا تھا۔ فوراً بولی تھی۔

"پھر تو تم صحیح سمت آ رہے ہو۔"

"عفان علی خان نے کبھی اپنی عقل و خرد سے غلط سمت اختیار نہیں کی۔" وہ دھیمے سے مسکرایا تھا۔ انداز کسی قدر چوٹ کرتا ہوا تھا۔ جانے وہ اس لمحے کس پر خفا تھا۔ خود پر، اپنی تقدیر پر، اس وقت پر یا لامعہ حق پر۔

"آئی نو ——— میں جانتی ہوں۔ میرا انتخاب غلط نہیں ہے۔" لامعہ حق مسکرائی تھی۔ "ایسا کرو، اگر تم سن سیٹ بولیوارڈ لے چکے ہو تو ناک کی سیدھ پر آ جاؤ۔ ہم "لبرٹی" پر ہیں۔ میں نے ڈرائیور کو واپس بھیج دیا تھا۔ دراصل بابا کو گاڑی کی ضرورت تھی۔ ان کی گاڑی ورکشاپ میں تھی۔ مجھے علم نہیں تھا موسم ایسا ہو جائے گا۔ فی الحال تو فقط بوندا باندی ہے مگر اعتبار کچھ نہیں۔ ہم یہیں فورم پر تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ آ جاؤ۔"

"اوکے۔" اس نے جیسے مجبوراً سر ہلایا تھا۔ وہ فون بند کرنے والا ہی تھا مگر تبھی لامعہ بولی تھی۔

"موسم انجوائے کر رہے ہو؟" وہ اس کے لہجے کی تھکن محسوس کرتی ہوئی دھیمے سے مسکرائی تھی۔ ارادہ شاید اس کی کسی قدر دل جوئی کا تھا مگر اس جانب کیسے کیسے بخیے نہ ادھڑے گئے تھے۔ مروتاً ایک مسکراہٹ لبوں پہ لاتے ہوئے انداز قدرے خوش گوار اختیار کیا تھا۔

"آف کورس ——— موسم بہت خوب صورت ہے۔"

"مگر مجھ سے زیادہ نہیں، ہے نا؟" لامعہ کھلکھلائی تھی۔ وہ مسکرا رہا تھا۔

"ہاں ———" جھوٹ بولنا کسی قدر محال لگا تھا۔ مگر جیسے لامحالہ خلاصی کرائی تھی۔

"سنو۔" لامعہ نے ایک بار پھر اسی چاشنی سے پکارا تھا۔

"ہوں۔" ادھر انداز سرسری تھا۔

"سیٹ بیلٹ باندھا ہے نا؟" لامعہ کے لہجے میں کتنی فکر تھی۔

"ہاں ———" ایک گہری سانس خارج کی تھی۔

"اوکے ——— ڈین ڈرائیو کیئر فلی۔" نصیحت کی تھی۔ "آئی ایم ویٹنگ فار یو ———" [illegible] سے مضمون خاصی کہا تھا مگر اس جانب سے فقط "اوکے" کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا گیا تھا۔

گاڑی فورم کے سامنے روکتے ہوئے اسے اندازہ نہ تھا کہ لبرٹی میں لامعہ کے ساتھ کوئی اور بھی ہوگا۔ شاید تبھی اسے سامنے پا کر یکدم اپنے اندر سے اٹھتی ہوئی سرشاری کو وہ باندھ سکا تھا۔

اسکائی بلیو شیفون کے جدید تراش خراش کے ملبوس میں وہ آج بھی جیسے ایک چاند تھی۔ وہ جھیل آنکھیں

آج بھی اتنا ہی فسوں طاری کر رہی تھیں۔ وہ سارے رنگ آج بھی اسی طور اپنے حصار میں باندھ رہے تھے۔ الامعہ نے فرنٹ ڈور سیٹ سنبھالی تھی جبکہ وہ بہت آہستگی سے پیچھے کا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی تھی۔

''کیا ہوا؟ ——— لہجہ تو تمہارا بڑا بجھا بجھا سا لگ رہا تھا۔ ٹھیک تو ہو نا؟'' الامعہ نے اسے سامنے لگے مرر سے حال دریافت کیا تھا۔ وہ گاڑی سروس روڈ سے نکالتے ہوئے مسکرایا تھا۔

''کچھ تھکن ہو گئی تھی۔ مگر اب بہتر ہوں۔ تمہیں دیکھ لیا ہے نا۔'' نگاہوں میں کسی قدر شوخی بھر کر کہا گیا تھا۔ الامعہ اسے دیکھتی ہوئی مسکرا دی تھی۔

''یو چیٹر ——— خوامخواہ مجھے پریشان کر دیا۔ تم سے بات کر کے میں مسلسل انابیہ شاہ کے کان کھا رہی کہ کہیں میں نے تمہیں خوامخواہ ڈسٹرب تو نہیں کر دیا؟ اور تم ہو کہ کتنے فریش نظر آ رہے ہو اس وقت'' بغور دیکھتے ہوئے وہ بولی تھی۔ وہ کھلکھلا کر ہنس دیا تھا۔ بیک مرر سے ایک نظر پیچھے کے منظر پر بھی ڈالی تھی۔

''آئی ایم پرفیکٹلی آل رائٹ۔ بائے دی وے، یہ تم نے اتنی موٹی موٹی کتابیں کس لئے خرید لیں؟ تمہارا دماغ تو پہلے ہی خاصا کمزور سا ہے۔ کیوں ظلم کر رہی ہو اتنا اس پر؟'' بڑا شگفتہ سا مذاق ہوا تھا۔ لاامعہ مصنوعی خفگی سے گھورنے لگی تھی، ساتھ ہی مسکرائی تھی۔

''شٹ اپ عفنان علی خان! یہ میری نہیں، انابیہ شاہ کی ہیں۔''

''اوہ ——— تبھی میں نے سوچا تمہارا ذوق کب سے اتنا عمدہ ہو گیا۔'' اس نے پھر چھیڑا تھا۔ ساتھ ہی ایک اچٹتی سی نظر پیچھے کے منظر پر بھی ڈالی تھی۔

موسم سے قطع نظر، ہر طرف سے بے نیاز اس گھڑی، چاروں سمت سے آنکھیں چرائے ایک کتاب چہرے کے گرد پھیلائے وہ جیسے کسی خواب کی منتظر تھی۔ ''مصروفیت'' اگرچہ خوب تھی مگر عفنان علی خان کے لبوں پر بڑی دل فریب مسکراہٹ پھیل گئی تھی جیسے وہ ان ''فرار لمحوں'' کا بھید پا گیا تھا۔ جیسے اس نے قصداً اختیار کی گئی مصروفیت کا بھید پا لیا تھا۔ شاید وہ ان لمحوں میں جان بوجھ کر غافل رہنا چاہتی تھی۔

الامعہ ساتھ تھی، سو اس کی نگاہ کسی قدر محتاط تھی۔

''یہ تم فوراً گاڑی گھر کی طرف لے جا رہے ہو۔'' الامعہ نے اسے ٹوکا۔

''کیوں ——— تمہیں کہاں جانا ہے؟'' عفنان علی خان نے مسکرا کر اسے دیکھا تھا۔

''تمہیں جلدی ہے کیا؟'' بے اختیار سے ڈپٹا گیا تھا۔ عفنان علی خان نے مسکراتے ہوئے سر تسلیم خم کر دیا تھا۔

''جناب حکم کریں تو گاڑی اسی موڑ پر روک دوں اور تا عمر کھڑا رہوں۔'' سعادت مندی کی حد تھی۔ الامعہ مسکرائی تھی۔

''زیادہ بلی بے بچے مت ہو۔ انابیہ شاہ بھی ساتھ ہے۔''

''اوہ، تم نے مجھے بتایا ہی نہیں۔'' عجب شرارت سی تھی لہجے میں۔

''تمہیں اتنی بڑی، اتنی اہم میری دوست دکھائی نہیں دی؟'' الامعہ نے ڈپٹا تھا۔ ساتھ ہی مسکرا

کے رخ پھیر کر انابیہ شاہ کی طرف نگاہ کی تھی۔

''دیکھو انابیہ! یہاں تمہیں یکسر فراموش کیا جا رہا ہے اور تم ہو کہ مت سے بول تک نہیں رہی ہو۔ کم از کم اپنی احتجاج ہی کر دو۔''

انابیہ نے کتاب نظروں کے سامنے سے ہٹا کر اس کی جانب دیکھا تھا۔

''مجھے معلوم تھا تم مجھے ڈی فنڈ کر لو گی۔'' دھیمے انداز میں مسکرائی تھی۔ ''مجھے پہلے گھر چھوڑ دو۔ ماما پریشان ہو رہی ہوں گی۔'' اس نے درخواست بالواسطہ کی تھی۔ اس کی مخاطب اس گھڑی فقط لامعہ حق تھی۔

''تم بھی کتنی بورنگ ہو نا۔ میں تو سوچ رہی تھی آئس کریم کے لئے چلتے ہیں۔ اتنا خوب صورت موسم ہو رہا ہے۔ اور ایک تم ہو۔ کتنی بڈھی روح ہے تمہاری۔ اس موسم میں بھی اتنی خشک کتاب میں سر دیے بیٹھی ہو۔ کم از کم ان بھیگتے منظروں کو ہی ایک نظر دیکھ لو۔ وجود میں پل میں ایک توانائی سی بھر دیتے ہیں یہ موسم۔ اور تم ہو کہ۔'' لامعہ حق نے پُر افسوس انداز میں سر نفی میں ہلایا تھا۔

عفنان علی خان نے ایک نظر پیچھے کی طرف ڈالی تھی۔ نگاہ لمحہ بھر کو ملی تھی مگر دوسری نگاہ اسی قدر بے تاثر اور اجنبی ہو گئی تھی۔

''عفنان! مجھے تم بعد میں چھوڑ دینا، پہلے انابیہ کو چھوڑ دو۔'' لامعہ حکم صادر کر کے سیدھی ہوئی تھی اور ڈیش بورڈ پر دھری کیسٹس دیکھنے لگی تھی۔ چند لمحوں کی چھان پھٹک کے بعد اس نے ایک کیسٹ اٹھا کر پلیئر میں ڈال دی تھی۔

جے توں اکھیاں دے سامنے نئیں رہنا!
تے بی با ساڈا دل موڑ دے!
جے توں اکھیاں دے سامنے نئیں رہنا
تے بی با ساڈا دل موڑ دے!

استاد نصرت فتح علی خان کی آواز اطراف میں پھیلتی ہوئی سارے ماحول کو اپنے سنگ باندھ گئی تھی۔ بے قراری سوا ہونے لگی تھی۔ جان مشکل میں گھرنے لگی تھی۔ مگر وہ جادو سا پیکر اسی طور خائف تھا۔

جے توں اکھیاں دے سامنے نئیں رہنا!
تے بی با ساڈا دل موڑ دے!
جے توں اکھیاں دے سامنے نئیں رہنا
تے بی با ساڈا دل موڑ دے!

اندر باہر قیامتیں ہی قیامتیں تھیں۔ مگر بظاہر وہ خود پر مکمل اختیار قائم کئے ان تیزی سے بھیگتے ہوئے موڑوں والے راستے پر گاڑی دوڑائے جا رہا تھا۔

❋❋❋

سید افنان حسن بخاری بہت تھکن زدہ سا گھر پہنچا تھا، جب لاؤنج میں ممی کے پاس اسے منجھی دکھائی دی تھی۔

"آپ یہاں؟" تھکن زدہ چہرے پہ مسکراہٹ یقیناً بہت مشکل سے آئی تھی۔
"کیوں ــــــ میں یہاں نہیں آسکتی؟ ــــــ تم یہ کیوں بھول جاتے ہو کہ یہ گھر میرے بھائی کا بھی ہے اور میں رشتے میں تمہاری پھوپھی بھی ہوں۔" اگینے مسکرائی تھیں۔ مگر اس کے چہرے پھر عود کر آیا تھا۔ باپ کے رشتے کے حوالے نے شاید اسے زیادہ خوش نہیں کیا تھا۔ فارحہ نے ا تھا، پھر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔
"میں تمہارے لیے چائے بنا کر لاتی ہوں۔"
"نہیں امی! آپ بیٹھئے۔" اس نے ماں کے آرام کے خیال سے قصداً تعرض برتا تھا۔ فارحہ کر بیٹے کو دیکھا تھا۔
"صورت دیکھو اپنی۔ کتنی اتری ہوئی ہے ــــــ میرا خیال رکھتے ہو، مجھے اپنا خیال نہیں کر گے۔" انہوں نے ماممتا سے شانے پر ہاتھ دھرا تھا۔ اگینے بغور دیکھتی ہوئی مسکرا دی تھیں۔
"آپ کی حد درجہ اسمارٹنس اور خوبصورتی کی وجہ آج سمجھ میں آئی ہے بھابی! آپ تبھی بچوں کی بجائے بڑی بہن دکھائی دیتی ہیں۔ اتنا خیال جو رکھتے ہیں بچے آپ کا۔" بیج کلر کی تھریڈ ورک شیفون کی ساڑھی کا پلو شانے پر درست کیا تھا، پھر مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔
"تم دونوں باتیں کرو، میں آتی ہوں۔" کہنے کے ساتھ ہی فارحہ چلتی ہوئی باہر نکل گئی تھی۔ اذہان بخاری کھویا کھویا سا ماں کی طرف تکتا چلا گیا تھا۔ اگینے نے بغور اس کے چہرے کی سمت دیکھا تھا۔
"فارحہ بھابی بہت لکی ہیں ــــــ انہیں تم جیسا تابعدار بیٹا خدا نے دیا ہے۔"
"نہیں ــــــ لکی میں ہوں، جو مجھے ان جیسی ماں ملی ہیں۔ یو نو اگینے! میں ممی کے لیے کچھ بھی ہوں، کچھ بھی۔ مجھے ان کی آنکھ میں آنے والا ایک نمی کا قطرہ بھی برداشت کرنا محال لگتا ہے۔"
"تبھی تو کہہ رہی ہوں، بھابی خوش قسمت ماں ہیں۔ ہر کسی کو اتنی نیک اور سعادت مند اولاد کہاں، جبکہ والدین سارے ہی محبت کرنے والے اور اپنے بچوں کا خیال کرنے والے ہوتے ہیں۔"
سید اذہان حسن بخاری کچھ نہیں بولا تھا۔ خاموشی سے کوٹ اتار کر صوفے کی پشت پر دھرا تھا، کی ناٹ بھی قدرے ڈھیلی کر دی تھی۔ انداز خاصا تھکا ماندہ تھا، جیسے اس کے وجود پر برسوں کی تھکن، اگینے اسے بغور دیکھ رہی تھی۔
"بہت تھک گئے ہو؟"
"نہیں۔" وہ جو صوفے کی پشت پر سر دھرے، آنکھیں موندے دباتے ہوئے کنپٹیوں کو دبا، یکدم ہی چونک کر آنکھیں کھولتا ہوا سیدھا ہو گیا تھا۔ البتہ بایاں بازو اب بھی صوفے کی پشت پر ایز میں پھیلا ہوا تھا۔ اگینے نے فقط اسے خاموشی سے دیکھا تھا۔ سید سعد حسن بخاری کی رشتے کی کزن وہ۔ خاندان ایک تھا۔ سو یہ کیسے ممکن تھا کہ خاندان میں ہونے والی کوئی بات پوشیدہ رہ پاتی۔ وہ یقیناً اس اسٹرین کی وجہ سمجھ رہی تھیں مگر کچھ کہنا مناسب نہ جانا تھا۔ اگرچہ وہ عمر میں اس سے خاصی بڑی تھی، اس نے کبھی انہیں اپنے باپ کے حوالے سے نہ لیا تھا۔ عزیزہ اس کا بیسٹ فرینڈ تھا اور اگینے اس کی

والی حیثیت رکھتی تھیں جو عزیزہ کے لیے۔ بچپن سے ان کے گھر آنا جانا تھا۔ وہ انہیں کسی مخاطب ہوتے نہیں بلاتا تھا۔ بس فقط "اگینے" کہتا تھا۔
"آپ کچھ کہنا چاہتی ہیں اگینے؟" اسے بغور اپنی طرف تکتا پا کر بولا۔ اگینے نے اسے خاموشی سے یا تھا، پھر دھیمے سے گویا ہوئی تھیں۔
"تم مجھے اچھی خیال کرتے ہو اذہان حسن بخاری؟"
"کیوں؟ ــــــ آپ کو کیونکر لگا؟" وہ قدرے چونکا تھا۔ وہ جواباً خاموشی سے چہرے کا رخ پھیر گئی۔ تبھی ملازم چائے کے ساتھ دیگر لوازمات لے کر آ گیا تھا۔ وہ دونوں لحہ بھر کو خاموش ہی رہے تھے۔ نے چائے بنا کر کپ اس کی سمت بڑھایا تھا، ساتھ ہی مسکرائی تھیں۔
"جب میں شادی کر کے گئی تھی تو تب تم نحیف و کمزور سے نوعمر لڑکے تھے۔ تب تم فقط ایک چمچ شکر تھے۔ میں نے اسی انداز سے شکر ملا دی ہے۔ یقیناً تمہارا ٹیسٹ اب بھی ویسا ہی ہوگا۔" قیاس بہت تھا۔ وہ دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔ کپ تھام کر لبوں سے لگایا تھا، ایک سپ لیا تھا، پھر دوبارہ اگینے کو اٹھا۔
"آپ کچھ کہہ رہی تھیں؟" سلسلہ کلام وہیں سے جوڑنا چاہا تھا۔ اگینے کے شگفتہ چہرے پر یکدم ہی پھیل گئی تھی۔ وہ خاموش ہو کر اسے دیکھنے لگی تھیں۔ پھر سر جھکا کر کپ سے اٹھنے والے دھوئیں کو لگی تھیں۔
"سعد بھائی نے یقیناً اچھا نہیں کیا۔ انہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ لیکن مجھے افسوس اس بات کا بھی تم نے مجھے اس ضمن میں کچھ نہیں بتایا۔ آج آئی ہوں تو بھابی سے علم ہوا۔"
سید اذہان حسن بخاری کے چہرے کا تناؤ جو کسی قدر معدوم ہوا تھا اب پھر اسی صورت دوبارہ موجود چہرے کی رگیں کسی قدر تن گئی تھیں اور وہ خاموش ہو کر بے تاثر انداز میں چائے کے سپ لینے لگا تھا۔ کسی قدر افسوس ہوا تھا۔ تبھی دھیمے سے بولی تھیں۔
"آئی ایم سوری۔"
سید اذہان حسن بخاری چند ثانیوں تک کچھ نہیں بولا تھا۔ دونوں چپ چاپ چائے کے سپ لیتے رہے۔ اگینے شاید اس گھڑی خود کو مجرم محسوس کر رہی تھیں۔ تبھی خاموشی سادھ لی تھی۔ جبکہ اذہان حسن بخاری ذہنی مختلف تھی۔ شاید اسے صورت حال کا اندازہ تھا تبھی وہ دھیمے سے مسکرایا تھا۔
"آپ سنائیے ــــــ کیسی ہیں؟ شوہر نامدار کیسے ہیں آپ کے؟ ساتھ نہیں آئے آپ کے؟" رسمی راہبط کے ساتھ رسمی سی گفتگو کا آغاز ہوا تھا۔ اگینے نے اسے دیکھا تھا، پھر دھیمے سے مسکرا دی تھیں۔
"سب ویسا اپنی جگہ، مگر تم بہت بدل گئے ہو۔" بغور تجزیہ کرنے کے بعد کہا گیا تھا۔ "بہت ذمے دار ہو سے لگنے لگے ہو۔" قصداً مذاق ہوا تھا۔
"بڑا ہو بھی تو گیا ہوں اور آپ......" جملہ ادھورا چھوڑ کر مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔
"شادی کی دیکھی ہوں۔" وہ دھیمے سے مسکرائی تھیں۔ وہ بغور تکنے لگا تھا۔ پھر پرخیال انداز میں

بلایا تھا۔

"ہوں..... آپ ویسی کی ویسی ہیں۔ بتایا نہیں آپ نے کب آ رہے ہیں آپ کے صاحب
زی گفتگو یقیناً موقع محل کے حساب سے تھی۔ اگلے کے لبوں کی مسکراہٹ ایک پل میں معدوم
اس نے نگاہ جھکا کر کپ ٹرے میں رکھا تھا، پھر دھیمے سے مسکرائی تھی۔

"کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ دیکھو کب آتے ہیں۔ میں دیکھتی ہوں فارحہ بھابی کیا کر رہی ہیں
اب آرام کر دو، بہت تھکے ہوئے لگ رہے ہو۔" کھڑے ہوتے ہوئے گویا ہوئی تھیں۔ پھر دوسر
چلتی ہوئی باہر نکل گئی تھیں۔ سید اذہان حسن بخاری جانے کیوں اس سمت تکتا رہا تھا۔

❁❁❁

سیفی نے کہا تھا، خوشی کی ساری لہر جب ہمارے اندر سے اٹھتی ہے —— ہم سوچیں گے
رہنا ہے تو ہم درحقیقت خوش رہ بھی پائیں گے۔ تم بھی خوشیوں کے متعلق سوچنا شروع کر دو او
وقت پر ڈال دو۔

اور اس نے خود کو وقت کے دھارے پر ڈال دیا تھا مگر اس کے باوجود جانے کیوں وہ خوش
ابھی تک پر عمل نہیں کر سکی تھی۔

"تم یونہی خائف ہو۔ بندہ تو خاصا ہینڈسم ہے —— نام کچھ لمبا چوڑا اور اولڈ فیشن ہے مگر
رعب ہے۔ نام سمیت خاصا امپریسو لگتا ہے۔ ہے نا؟" سیف الرحمٰن نے چکن سینڈوچ کے بڑ
بائٹ لیتے ہوئے بڑے دلچسپ انداز میں مسکراتے ہوئے میرب سیال کو دیکھا تھا۔ انداز کسی قد
تھا، مگر میرب سیال کو اس "انکشاف" سے کچھ زیادہ خوشی نہیں ہوئی تھی۔

سیف الرحمٰن بنا کسی پریشانی کے اسے مسلسل دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

"ویسے تمہیں اعتراض کس بات پر ہے؟ موصوف کے حد درجہ ہینڈسم ہونے پر یا بے تحاشا
ہونے پر؟"

"سیفی! تم چپ نہیں رہ سکتے ہو؟" میرب نے قدرے اکتائے ہوئے انداز میں سرخی میں ہا

"تم نہیں کرنے دو گے ڈھنگ سے مجھے کوئی کام۔"

"میں بھی تو کام ہی کی بات کر رہا ہوں —— ویسے کہیں ایسا تو نہیں کہ کہیں تم خود.....
الرحمٰن نے جملہ ادھورا چھوڑ کر ابرو چڑھاتے ہوئے اسے شرارت سے دیکھا تھا۔ وہ جواباً گھور
مگر یقیناً اس کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ وہ جانتی تھی۔ تبھی دوسرے ہی پل نگاہ پھیر کر رسٹ واچ کی سمت
"کیا آج پھر موصوف لینے آنے والے ہیں؟" سیفی نے پھر مسکراتے ہوئے دریافت
میرب سیال نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ تبھی شاید سیفی کو اس پر ترس آ گیا تھا جو دوسرے
سادھ لی تھی۔

"اب چپ کیوں ہو گئے ہو؟" دیکھے بغیر تیزی سے قلم چلاتے ہوئے کہا تھا۔

"میرا بولنا بھی تو تمہیں اچھا نہیں لگتا۔" سیف الرحمٰن نے ایک سرد آہ بھرتے ہوئے شکوہ کیا

وہ دھیمے سے مسکرا دی تھی۔ "چلو اٹھو فوراً —— مجھے کچھ میٹریل کلیکٹ کرنا ہے۔"

وہ تیزی سے اٹھ کر کیفے ٹیریا سے باہر نکل رہے تھے جب اس کے ایک کلاس میٹ نے مطلع کیا تھا کہ
یونیورسٹی کے باہر کوئی اس کا ویٹ کر رہا ہے۔ اس نے بلا ارادہ سیف الرحمٰن کی طرف دیکھا تو وہ شوخی سے
مسکرا رہا تھا۔

"موصوف آن پہنچے۔ تم ایسا کیوں نہیں کرتیں کہ ایک پیپر پر اپنا تمام ٹائم ٹیبل لکھ کر موصوف سردار
سبکتگین حیدر لغاری کو تھما دو تاکہ انہیں کم از کم اس انتظار سے تو چھٹکارا مل جائے۔" وہ یقیناً سنجیدہ نہ تھا۔

"شٹ اپ سیفی!" وہ ہونٹوں پر در آنے والی مسکراہٹ کو ہونٹ بھینچ کر دبا گئی تھی۔ مگر دل یکدم ہی
بہت تیزی سے دھڑکنے لگا تھا۔ مگر ان دھڑکنوں میں کوئی بھی آہنگ خاص نہ تھا۔ ایک ناگواری اور
ناپسندیدگی کا تاثر زیادہ غالب تھا۔

"سیفی! تم نہیں ہوتا —— پلیز میرے ٹاپک سے ریلیٹڈ میٹریل نکال دینا۔"

"اوکے —— اوکے۔ آئی کنسیڈرڈ۔" اس نے فوراً میرب سیال کا جملہ کاٹ کر کہا تھا۔ میرب سیال
نے اسے ایک نظر دیکھا تھا، پھر بہت سست رو قدموں سے باہر نکل آئی تھی۔

میرب سیال کے نیم مردہ قدم جیسے بمشکل اس کے وجود کا وزن سہارے ہوئے تھے۔ اس نے بنا
ادھر ادھر دیکھے پیچھے کا دروازہ کھول کر خود کو نشست پر ڈال دیا تھا۔ اسے یہ جاننے کا قطعاً کوئی شوق نہ تھا کہ
فرنٹ سیٹ خالی ہے یا کہ نہیں۔ وہ اپنا مقام جانتی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے آنکھوں پر سیاہ سن گلاسز چڑھائے، شیشے سے پیچھے کا منظر دیکھا تھا۔
آنکھوں پر سیاہ گلاسز ہونے کے باعث تاثرات کسی قدر محفوظ رہے تھے۔ میرب سیال نے نگاہ اٹھا کر
دیکھنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ نگاہ مکمل طور پر بے نیاز تھی، انداز لاتعلق تھا۔ وہ بیٹھ چکی تھی۔ مگر سردار سبکتگین
لغاری نے گاڑی آگے نہیں بڑھائی تھی۔

میرب سیال نے جانے کیوں اس گھڑی نگاہ اٹھا کر اس کی پشت کو دیکھا تھا۔

"تم آگے آ کر بیٹھ سکتی ہو۔" کسی قدر سپاٹ لہجے میں حکم صادر ہوا تھا۔

اس نے قدرے چونک کر نگاہ اس لمحے پہلی بار فرنٹ سیٹ پر کی تھی۔ "خالی پن" اس کے لئے کسی قدر
حیرت کا باعث تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس لمحے اس کا منتظر تھا۔ میرب سیال نے چند ثانیوں تک
خاموش اس سمت دیکھا تھا، پھر بہت ہولے سے دروازہ کھول کر وہ اتری تھی اور سردار سبکتگین حیدر
لغاری کے ساتھ آن بیٹھی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے جانے کیوں چند ثانیوں تک اسی انداز سے خود کو روکے رکھا تھا، پھر یکدم
ہی گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔ میرب سیال چہرے کا رخ مکمل طور پر موڑے کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔
ماحول میں خاصا سکوت تھا۔ اس دن والی مدھم سرگوشیاں نہیں تھیں۔
بس فقط خاموشی ہی خاموشی تھی۔

شاید ایسا اس لئے تھا کہ دونوں طرف سے یہ ایک جبری فعل تھا، ایک جبری عمل۔

وہ جانتی تھی اس اقدام کے لئے بائی اماں نے اسے اپروچ کیا ہوگا۔ اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اقدام کو سرانجام دینے پر مجبور ہو گیا ہوگا۔ اور کس قدر برا لگتا ہے کبھی کبھی اپنا کسی پر مسلط ہونا۔ کسی کی چاہی ہستی بننا، ناپسندیدہ فرد رہنا۔ بہت تکلیف دہ تھا یہ۔ یقیناً بہت بڑا جبر تھا یہ۔

وہ اسی طرح دم سادھے بیٹھی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی موجودگی، اس کی خوشبو چار سو پھیلی تھی اور یقیناً یہ بات اسے اس ماحول سے غافل نہیں ہونے دے رہی تھی۔

"بائی اماں بتا رہی تھیں آپ کچھ ڈسٹرب تھیں۔" گاڑی کے پُرسکون ماحول میں یکدم اس کی آواز ایک ارتعاش برپا کر دیا تھا۔ وہ یکدم چونکی تھی۔ نگاہ اس سمت کی تھی۔ شاید یقین کرنا چاہا تھا، مخاطب تھی۔ اس گھڑی سردار سبکتگین حیدر لغاری بہ نفسِ نفیس اسی سے مخاطب تھا۔ میرب سیال کوئی القور سمجھ نہ آیا تھا کہ وہ کیا جواب دے۔ شاید تبھی اس نے فقط خاموشی سے اس کی جانب دیکھا تھا۔

"اینی پرابلم؟" اسی دن والا پوچھا گیا مختصر سا سوال اس نے اس بار پھر دہرایا تھا۔ میرب سیال اس کی جانب سے نگاہ ہٹائی تھی پھر بہت ہولے سے نفی میں ہلا دیا تھا۔

"سیال صاحب کیسے ہیں اب؟" اس سے وابستہ اہم ترین شے کی بابت پہلی بار دریافت کیا گیا مگر کس قدر سرسری انداز تھا۔ لاتعلقی کتنی واضح تھی۔ اس کے لئے اس کا تعلق معتبر تھا، بائی اماں معتبر تھیں اس کے لئے اس کے والد فقط سیال صاحب تھے۔ میرب سیال نے فقط سر ہلایا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لب دوبارہ بھینچ گیا تھا۔ شاید وہ بولنا چاہتا تھا، بات کرنا چاہتا تھا مگر شاید اسے مناسب الفاظ نہ مل رہے تھے۔

میرب سیال نے اس صورتِ حال کو فقط خاموشی سے دیکھا تھا۔ وہ اس کشمکش کو آج بھی سمجھ نہ سکی تھی۔ شاید جیسا وہ سمجھ رہی تھی، ویسا نہیں تھا۔ سب قیاس تھا۔

"ڈونٹ بی سکیئر۔ انشاءاللہ سب اچھا ہوگا۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری کی آواز نے یکدم خیالات کی دنیا سے باہر لا پٹخا تھا۔ ایک خفیف سی دل جوئی تھی شاید۔ ایک بہت دھانسو سا دلاسہ تھا۔ میرب سیال نے اس کی جانب نگاہ نہیں کی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ایک نوازش اور کی تھی۔ گاڑی ایک ریسٹورنٹ کے سامنے روک دی آج کے دن کے پھر کچھ لمحے اس کے نام ہونے جا رہے تھے۔ جبراً ہی سہی، کسی کے کہنے پر ہی سہی، مگر پابند تھا اسے چند لمحے دینے کو، چند نوازشیں کرنے کو۔ میرب سیال اس کی جانب دیکھنا چاہتی تھی، نہیں بتانا چاہتی تھی، مکمل طور پر انکار کرنا چاہتی تھی مگر ہمت جیسے ناپید تھی۔ وہ ایسا کچھ نہیں کر سکی تھی۔ واقعی اس شخص میں اتنا رعب تھا یا پھر وہی حد سے زیادہ خود کو دبائی جا رہی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی جانب دیکھا تھا۔ اس نے بھی خاموشی سے نگاہ کی تھی۔ متانت نگاہ میں کوئی خاص حکم تھا۔ وہ بہت ہولے سے اپنی طرف کا دروازہ کھول کر اتر گئی تھی۔ وہ اس گھڑی کے مقابل تھا، ہمراہ تھا، ہم قدم تھا۔ مگر اندر کوئی احساسِ سرشاری نہ تھا۔ شاید کہیں سے کوئی ستائشی نگاہ رہی ہو، کوئی نظر کہیں سے سراہ رہی ہو، کوئی حسد بھرا جملہ کہیں سے ابھرا ہو، کوئی تعریفی فقرہ کسی لب

جانے کتنی نظریں بے ارادہ اٹھی ہوں۔ مگر میرب سیال کو خبر نہ تھی۔ شاید وہ خبر رکھنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ اپنے کو سب اس کا تھا۔ ہر شے پر قادر تھی وہ، مکمل دسترس میں تھا سب کچھ۔ وہ کہنے کو مختارِ کل تھی، ہر شے پر استحقاق رکھتی تھی مگر وہ جانتی تھی یہ سب فقط ایک خواب کی صورت تھا۔ سب کچھ گمان کی صورت تھا! حقیقت کچھ نہ تھی۔

"اب کیا لگ رہا ہے سب کچھ؟" وہ اپنے ہی خوابوں اور خیالوں میں گم تھی جب سردار سبکتگین حیدر لغاری نے آواز کا ایک کنکر پھینک کر اس کی ساری دنیا میں ہلچل سی مچا دی تھی۔ اس نے بے طرح چونک کر دیکھا تھا۔ وہ بغور اس کی سمت دیکھ رہا تھا، اس کے متوجہ ہونے پر وہ آنکھوں میں کوئی تاثر خاص دیئے بغیر رسے دھیمے لہجے میں گویا ہوا تھا۔

"ہاؤ آر یو فیلنگ ناؤ؟" وہ ایسے دریافت کر رہا تھا جیسے اس کی توجہ کے چند لمحوں نے میرب سیال کی زندگی میں عجب انقلاب برپا کر دیا ہو۔ وہ ایک پل میں کوئی عظیم تاریخ مرتب کر گیا ہو۔ میرب سیال پر اس نے کوئی عظیم احسان کر دیا ہو۔ اسکا دل چاہا تھا وہ خوب زور سے ہنسے اور اس کے سارے خواب پل میں مسمار کر دے۔ مگر وہ ایسا نہیں کر سکی تھی۔ فقط سر کو ہولے سے آگے پیچھے ہلا دیا تھا اور اس احسان کو پل میں برابر کر دیا تھا۔ سردار سبکتگین نے اسے لمحہ بھر کو خاموشی سے دیکھا تھا پھر ہولے سے گویا ہوا تھا۔

"میرب سیال! بائی اماں چاہتی ہیں کہ تم اپنا خیال رکھو، خود کو پُرسکون رکھو۔" بھاری لہجے میں عجب رسائی تھی۔

"اور تم —— تم کیا چاہتے ہو؟" ایک ننھا منا سا سوال یکدم دل میں ابھرا تھا مگر لبوں پر قطعاً نہ آیا تھا۔ میرب سیال نے اسے فقط خالی خالی نظروں سے جواباً دیکھا تھا۔ وہ اس کے سامنے بیٹھا، جانے کیسا ہو رہا تھا بن کا کہ جس کے لہجے میں کوئی اپنائیت نہ تھی۔ جس کے انداز میں کوئی تاثر کسی پہچان کا نہ تھا۔ اس برف جیسے سرد لہجے میں کہیں کوئی خاص گرم جوشی نہ تھی۔ کہیں کوئی ہلکی سی چاشنی نہ تھی۔ کوئی ذرہ برابر کیئر نہ تھی اور وہ کیا چاہتی تھی؟ اس نے ایک گہری سانس خارج کر کے چہرے کا رخ موڑ لیا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے بغور دیکھا تھا۔

"ایوری تھنگ از دی پارٹ آف لائف۔ یو شُڈ کنسیڈر اٹ۔" کتنی اہم باتیں تھیں۔ کس درجہ خاص معنی بھی ہو سکتے تھے اگر انداز بھی اسی قدر خاص ہوتا۔

واقعی —— فقط لہجے بات کی اہمیت کو کتنا بدل دیتے ہیں۔ الفاظ کچھ نہیں ہوتے۔ زندگی انہیں لہجے بخشتے ہیں، اپنے مختلف جذبات و احساسات کے ساتھ۔ وہ اسی طرح خالی خالی نظروں سے سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت تکتی چلی جا رہی تھی اور وہ جانے اس لمحے کیا سمجھا تھا۔ تبھی اپنے سپاٹ ترین لہجے میں گویا ہوا تھا۔

"کیا تم جانا چاہتی ہو وہاں؟"

"کہاں؟" اس کے لب بہت ہولے سے ہلے تھے۔ شاید وہ سمجھ نہیں سکی تھی، وہ کیا کہنا چاہ رہا تھا یا کیا کہنا چاہتا تھا۔

"تمو یارک ـــــ میاں صاحب کے پاس، ان کی خیریت دریافت کرنے کے لیے؟" وہ نظر
گھڑی اسی پر تھیں۔ وہ پوری طرح اس کی جانب متوجہ تھا مگر کوئی خاص بات کہیں جھلک نہیں رہی تھی۔ بڑا بے
تھا۔ بڑا پھیکا انداز... اسے لگا تھا جیسے وہ کوئی روبوٹ ہو، کوئی مشینی انداز کا انسان جس کے اندر کسی
کی، کسی احساس کی کوئی رمق نہ ہو اور جو کسی انسانی قاعدے قانون سے سرے سے واقف ہی نہ ہو۔
میرب سیال نے بہت ہولے سے سر نفی میں ہلایا تھا اور نگاہ جھکا گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغا
لب بھینچ گیا تھا۔ کچھ لمحے اسی خاموشی میں گزر رہے تھے۔ پھر وہ قدرے توقف سے گویا ہوا تھا۔
"اگر آپ جانا چاہیں تو یہ ناممکن نہیں ہے۔ ہماری خدمات حاضر ہیں۔ دراصل مائی اماں آپ
دیکھنا چاہتی ہیں۔ انہیں آپ کی بہت فکر ہو رہی ہے۔ آپ سوچ لیجیے، جانا ہو تو بتا دیجیے گا۔" قطع
رکھاؤ لہجے میں عود کر آیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر کے لیے بھی شاید یہ ایک کٹھن مشق تھی۔ میرب سیا
کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ وہ اس ٹیبل سے فقط اس کے اٹھنے کی منتظر تھی۔
"ارے ـــــ سبکتگین! تم یہاں؟ ـــــ وہاٹ اے پلیزنٹ سرپرائز۔" ایک بہت کھلکھلاتی
آواز سماعتوں سے یکدم ٹکرائی تھی۔ اس نے چونک کر سر اٹھایا تھا۔ اس رات، پارٹی والی لڑکی اس لمحے
سبکتگین حیدر لغاری کے بے حد قریب تھی۔ وہ بھی اس کی جانب متوجہ تھا، آنکھوں میں یکدم ہی چمک
تھی۔ چہرے پر شگفتہ سی مسکراہٹ کے ساتھ وہ اس گھڑی آس پاس سے یکسر بے خبر تھا۔
"کتنے دن سے کہاں غائب ہو تم؟ ـــــ یا پھر دانستہ بھاگ رہے ہو۔ کہیں توجہ کا مرکز بدل تو
گیا؟" کھلکھلاتا ہوا لہجہ اس گھڑی دریافت کر رہا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے کینوس کے رنگ حد
دلفریب سہی مگر اس کی نگاہ منظروں سے کتنی جلد اکتا جاتی ہے، یہ بات سب پر منکشف تھی۔ شرارت
لہجے میں انکشاف تھا کوئی مگر وہ برابر مسکرا رہا تھا۔
"پھیکے، بے رنگ منظر اس نگاہ میں جچتے نہیں۔ جانتے ہیں بھی مگر اب اتنی بھی کیا گریز پائی۔"
شکوہ تھا اس نازنین کے لہجے میں۔ پُرشوق نگاہ میں کیسی چمک تھی۔
میرب سیال چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔
"کم آن ترگین! میں آؤں گا کبھی۔" سردار سبکتگین حیدر قدرے دھیمے لہجے میں لبوں پر شگفتہ
مسکراہٹ سجائے عذر دے رہا تھا۔
"کچھ مصروفیت رہی پچھلے دنوں، تبھی کسی طرف کا ہوش نہیں رہا تھا۔" وہ ماہ رخ بہت پُرشکوہ نظر
سے تکتے ہوئے لب بھینچ گئی تھی۔ دونوں کو اس کی موجودگی کا احساس قطعاً نہ تھا یا پھر وہ اس بات کا اظ
کرنا ہی نہیں چاہتے تھے۔
"تم تو ہمیشہ ہی مصروف رہتے ہو سردار سبکتگین حیدر لغاری!"
"اب کیا سارے شکوے اسی ٹیبل پر کھڑے کھڑے کر لو گی؟"
"نہیں ـــــ شام میں کنٹری کلب جانا ہے، میں پارلر کے لیے نکلی تھی۔ بھوک نے ستایا تو یہاں
آئی۔ اندازہ نہ تھا تم سے ملاقات بھی ہو جائے گی۔ مل رہے ہو نا پھر آج شام؟" ایک ادا سے مسکرا

وّل
ہوئے دعوت دہرا گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری لب بھینچ گیا تھا۔
"اوکے، ہاں... ـــــ آج نہیں، میں تمہیں کنفرم کر دوں گا۔" دھیمے لہجے میں قدرے گریز پائی
تھی۔ شاید وہ نازنین اشارہ سمجھ گئی تھی تبھی مسکرائی تھی۔
"اوکے، مگر بھول نہ جانا۔" ایک شگفتہ سی سرگوشی کی تھی اور پھر اسی شگفتہ سی مسکراہٹ کے ساتھ وہاں سے
ہٹ گئی تھی۔
سردار سبکتگین حیدر لغاری نے والٹ جیب سے نکال کر ایک خطیر رقم ٹیبل پر دھری تھی، پھر اٹھ کھڑا ہوا
تھا۔ اشارہ اٹھنے کا تھا اور وہ تو پہلے ہی منتظر تھی۔ فوراً ہی اٹھی تھی اور اس کے ہمراہ چل پڑی تھی۔ مگر قدم من
من بھر کے ہو رہے تھے۔ چال میں ایک تھکن بے حد واضح تھی۔

❁ ❁ ❁

اسے خود سے گفتگو کرنے کا خبط کبھی نہ رہا تھا۔ اسے خود کلامیوں سے شغف بھی کبھی نہیں ہوا تھا۔ مگر
اب جیسے اس کے لیے ہر شے کے معنی بدل گئے تھے۔
ہر بات کا مفہوم بدل گیا تھا۔
کتنی باتوں کے مفہوم بدل دیے تھے۔
وہ ہمیشہ سے ایک خالی گھر تھا۔
مگر اس نے اس "خالی پن" کا شدید ترین احساس دلایا تھا۔ اس "خالی پن" کی اہمیت کو دو چند کر دیا
تھا۔
اس وقت اس کی اس روز والی کتاب اس کے ہاتھ میں تھی جو شاید وہ جلدی میں اس کی گاڑی میں ہی
بھول گئی تھی۔ عفنان علی خان کتنی دیر تک اس کتاب کو ہاتھ میں لیے اس کے لمس کو محسوس کرتا رہا تھا۔
دانستہ اس کی موجودگی کو تلاشا تھا۔ دانستہ اس لمس کو محسوس کرنا چاہا تھا۔ بے خودی کا یہ لمحہ کتنا پُرکیف تھا،
عفنان علی خان کو اس کا اندازہ اس طور پر آج ہوا تھا۔ اس نے اس کی زندگی کو واقعی اپنے رنگ میں رنگ
دیا تھا۔
کچھ اپنے جیسا کر لیا تھا۔
"مسٹر عفنان علی خان! بہت برے پھنسے ہو تم تو ـــــ کچھ زیادہ ہی اسٹوپڈ نہیں بن گئے؟" دایاں
ہاتھ سر پر پھیر کے پُرخیال انداز میں سوچا تھا۔ پھر جانے کیوں مسکرا دیا تھا۔
"اُف اُف مسٹر عفنان علی خان! ـــــ اُف" اندر سے یکدم ایک آواز ابھری تھی اور اس کے
چہرے کے تاثرات یکدم بدل گئے تھے۔ یقیناً یہ اس کی راہ نہیں تھی۔ اسے اس جانب سفر نہیں کرنا تھا۔
اس طرح سوچنا بھی نہیں تھا۔ اس سے قبل بھی تو کئی بار باور کرا دیا تھا خود کو۔ مگر دل تھا کہ مانتا ہی نہ
تھا۔
تاروں بھرے کھلے آسمان کو تکتے ہوئے وہ کتنی دیر تک اس ایک خیال کو سوچتا رہا تھا۔ موسم میں ٹھنڈک
در آئی تھی۔ وجہ بڑھ گئی تھی ان دنوں۔ اس کے سامنے کافی کا بھاپ اُڑاتا کپ تھا۔ جانے کس خیال کے پیشِ نظر

اس نے لب کے بیرونی کناروں پر شہادت کی انگلی کو ہولے سے پھیرا تھا۔

جب بھی تم سے ملا ہوں میں، مگر
ایک لڑکی لگی نئی ہو تم!
ایک سپ تلخ، ایک سپ شیریں
میری کافی میں گھل گئی ہو تم!

اپنا عمدا دیوانگی سے بھرپور مدھم سرگوشی خیالوں میں گونجی تھی اور وہ لب بھینچے بھینچے اس لمحے جیسے خود پر ہنسا تھا۔

"ہاؤ اسٹوپڈ یو آر مسٹر عفنان علی خان! ——— کہاں کے مجنوں بننے چلے ہو تم؟ ——— کہاں کے روگ پال لینے کی خو ہے؟ خرد مندی کا دامن چھوڑ کے کس دیوانے دیس بھاگے چلے جا رہے ہو؟"

اندر سے ایک آواز اٹھی تھی اور اس سے قبل کہ خرد مندی اس دلیل کو قبول کرتی، دل بہت پر زور انداز میں نفی کرتا چلا گیا تھا۔

"جانتا ہوں، مانتا ہوں، ساری حقیقت منکشف ہے خرد پر۔ مگر دل کو بہلانا آسان تو نہیں۔ نہ مانے کیا کروں؟"

عجب دیوانگی اختیار کیے وہ اس گھڑی آسمان کی سمت تکے جا رہا تھا جب اس کے پرسنل سیل کی رنگ ٹون نے اس کی سوچوں کے تسلسل کو یکدم ہی توڑ دیا تھا۔ اس نے اسکرین پر نگاہ کی تھی، کوئی اجنبی نمبر تھا عفنان علی خان نے کال پک کر لی تھی مگر ایک مانوس آواز سن کر وہ حیران رہ گیا تھا۔

"ہیلو، مسٹر عفنان علی خان ——— آپ سن رہے ہیں نا؟ میں انابیہ شاہ بول رہی ہوں۔" شاید اسے باور کرانے کو وہ ایک بار پھر بولی تھی۔

"آپ کو سن کر بندہ کھو سکتا ہے، سو نہیں سکتا۔ آپ بولتی رہیے۔" فطری شوخی ایک لمحے میں عود کر آئی تھی۔ انابیہ شاہ جس نے کسی خاص مقصد کے تحت فون کیا تھا، لحہ بھر کو لب بھینچ گئی تھی۔ موصوف خاصی ٹیڑھی کھیر تھے اور اس کی یقیناً شامت ہی آئی تھی جو اس نے "آ بیل مجھے مار" کے مصداق اسے فون کر لیا تھا۔

"مسٹر عفنان علی خان! دراصل میری کچھ ضروری کتابیں شاید آپ کی گاڑی میں رہ گئی ہیں۔ میں سمجھی تھی لامعہ نے انہیں لے لیا ہو گا مگر اس سے رابطہ کیا تو اس نے انکار کرتے ہوئے آپ کا نمبر تھما دیا۔ کیا میں تسلی کر لوں کہ میری کتابیں آپ کی گاڑی میں ہی ہیں؟"

"آں ——— اچھا، تو وہ اسٹف آپ کا تھا۔" بے خبری کا یہ انداز بڑا مضحکہ خیز تھا۔ مگر عفنان علی خان کے لبوں پر اس گھڑی بدستور بڑی دھیمی مسکراہٹ تھی۔

"اوہ ——— آئی سی۔ میں بھی سوچ رہا تھا یہ کون کوئی سقراط، بقراط اسے میری گاڑی میں رکھ گیا۔ لامعہ حق کے پاس تو سرے سے دماغ ہے ہی نہیں۔ وہ یقیناً ایسی غلطی کبھی نہیں کر سکتی۔" وہ موصوف شاید بات کو بے وجہ طول دینے میں ماہر تھے۔ انابیہ شاہ نے ایک گہری سانس خارج کی تھی پھر مروتاً لہجہ قدرے خوشگوار کیا تھا۔

"بہت شکریہ مسٹر عفنان علی خان! بہت مشکور ہوں گی اگر آپ انہیں لامعہ حق تک پہنچا دیں۔"

"آپ تک کیوں نہیں؟ ——— چیز تو آپ کی ہے۔"

"اس تک پہنچ گئی تو سمجھیے مجھ تک پہنچ گئی۔" خاصا لیا دیا انداز تھا۔ عفنان علی خان نے محسوس کیا تھا، اس دن کے بعد سے اس کے انداز میں ایک واضح کھچاؤ تھا۔ اس سے قبل کسی قدر گئی لپٹی مروت تھی مگر جس دن وہ اسے پپا ہی میں ملی تھی، اس کے بعد سے ایک عجیب سی جھجک، ایک گریز رویے میں در آیا تھا۔ شاید وہ دانستہ ایسا کر رہی تھی۔

"آر یو لسننگ ٹو می عفنان علی خان؟" اس کا کوئی رسپانس نہ پا کر وہ دوبارہ گویا ہوئی تھی۔ عفنان نے ایک گہری سرد قسم کی سانس خارج کی تھی۔

"یس ——— آئی ایم لسننگ یو۔"

"اوکے ———" اس نے شاید دوسری سمت سے فون بند کرنا چاہا تھا، جب بہت ہولے سے اس نے پکارا تھا۔

"انابیہ شاہ!"

"ہوں ———؟" وہ بری طرح چونکی تھی۔

"آج آپ نے آسمان دیکھا؟" عجب سوال تھا۔ شاید اسے خود اندازہ نہ تھا۔

"جی ———؟" انابیہ شاہ کی حیرت یقینی تھی۔

"آپ کو دیکھنا چاہیے ——— آج چاند آسمان پر ہے۔ میلوں کی، صدیوں کی دوری پر۔ مگر اس دوری، مجبوری میں بھی نگاہ اسے صاف دیکھ رہی ہے۔ دید کا عالم بدلا نہیں ہے، شوق تھکا نہیں ہے۔ کچھ اور سوا ہو گیا ہے۔ جنوں اور بھی بڑھ گیا ہے۔" اس کا لہجہ دھیما تھا۔ بالکل خود کلامی سا۔ جیسے وہ اس گھڑی مدھم سرگوشیوں میں اس لمحے خود اپنے آپ سے مخاطب ہو ——— بے خودی عروج پر تھی مگر دوسری جانب کوئی کھلکھلا کر ہنس دیا تھا۔

"اٹس ٹو مچ عفنان علی خان! آپ کا مزاج تو خاصا شاعرانہ سا ہے ——— اور آپ فرما رہے تھے کہ آپ کو کتابوں سے کوئی شغف نہیں۔ حیرت انگیز۔ لیکن سنیں، بہت برے پھنسے ہیں آپ۔ لامعہ حق کو واقعی ان باتوں سے کوئی لگاؤ نہیں ہے ——— وہ تو کتابوں کے نام سے ہی الرجک ہے۔ کتنے مختلف مزاج ہیں آپ دونوں کے۔ میں لامعہ حق کو سمجھاؤں گی کہ وہ اب کتابیں پڑھنا شروع کر دے۔ کیونکہ موصوف خاصی اٹھی پچکل باتیں کرنے کے عادی ہیں۔" وہ شاید دانستہ اس کی بات کو مذاق میں اڑا رہی تھی۔ عفنان علی خان نے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔

"مجھے امید ہے آپ میری کتابوں کا اسٹف لامعہ حق تک پہنچا دیں گے۔ بہت شکر گزار رہوں گی۔" اور دوسرے ہی لمحے اس کی آواز کا سلسلہ سماعتوں سے جدا تھا۔

عفنان علی خان کتنی دیر تک اپنے پرسنل سیل کو تکتا رہا تھا۔ پھر جانے کیوں بہت ہولے سے مسکرا دیا تھا۔

❊❊❊

سید اذہان حسن بخاری نے گھر میں قدم دھرا تو مہمانوں کو دیکھ کر بری طرح چونک گیا۔ یاسر اور ا ... ٹیملی بھلا اب کیا لینے آئی تھی۔ ماما کو اس طرح ریجیکٹ کر کے بھلا اب کیا ناتا یا تعلق باقی بچا تھا۔ اس آگے بڑھنا چاہا تھا مگر تبھی تیزی سے فارحہ اس کے پاس آ گئی تھی۔

"اذہان! یاسر اور اس کے گھر والے آئے ہیں ـــــ تمہارے پاپا بھی موجود ہیں۔"

دونوں خبریں حیران کن تھیں اس کے لیے۔ شاید تبھی وہ اسی طرح ساکت انداز میں ماں کی تکنے لگا تھا۔ وہ اس کی جانب دیکھتی ہوئی ہولے سے گویا ہوئی تھیں۔

"اذہان! وہ اپنے کیے پر شرمندہ ہیں۔ سب سے بڑھ کر یاسر ہے، جسے بے حد افسوس ہے۔ یہ اس لیے ایسا کرنا نہیں چاہتا تھا مگر گھر والوں کے ہاتھوں مجبور کر دیا گیا۔ پھر صورت حال بھی تو ایسی تھ... انہوں نے بات ادھوری چھوڑ کر ایک گہری سانس خارج کی تھی اور پھر بیٹے کو بغور دیکھا تھا۔ اذہان بخاری خاموشی سے ماں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

فارحہ کے لب بہت ہولے سے ہلے تھے۔!

"اذہان! تمہارے پاپا ان سے بات کر رہے ہیں۔ یقیناً اس گزرے لمحے کا کوئی تدارک نہیں۔ لمحہ واپس آ سکتا ہے نہ وہ عظمت۔ مگر یاسر انہیں قائل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس نے اپنی فیملی ا... احساس دلایا ہے کہ ماہا کے ساتھ انہوں نے اچھا نہیں کیا۔ یقیناً وہ اس سلوک کی مستحق نہیں تھی۔"

"اور پاپا ـــــ؟" اس نے مدھم لہجے میں کہا تھا۔ اور ممی دوسرے ہی پل خاموش ہو کر اس کی تکنے لگی تھیں۔ چند لمحوں تک وہ خاموش رہی تھیں۔ پھر بہت آہستگی سے گویا ہوئی تھیں۔

"اذہان! سعد بخاری تم دونوں کا دشمن نہیں ہے۔ اس نے جو کچھ بھی کیا ہے اگرچہ اچھا نہیں کیا۔ نے مجھے دکھ پہنچانے کے ساتھ ساتھ نادانستہ طور پر بیٹی کو بھی نقصان پہنچایا ہے مگر یقیناً اس نے اس نہیں چاہا ہوگا۔ کبھی کبھی حالات و واقعات ہمارا ساتھ نہیں دیتے، ہمارے خلاف چلے جاتے ہیں۔ مگر میں ساری خطا تمہاری ہی نہیں ہوتی۔"

وہ ایک بار پھر سید سعد حسن بخاری کی طرف داری کر رہی تھیں اور وجہ ناپید تھی۔ یا پھر اذہان بخاری ہی سمجھنے سے قاصر تھا۔

"آپ کیا چاہتی ہیں ممی؟ ـــــ کیا ماہا کا رشتہ دوبارہ ان لوگوں کے ساتھ جوڑنا چاہتی ہیں؟" ا... نے یکدم سوال کر کے ممی کو ساکت کر دیا تھا۔ وہ خاموشی سے اس کی سمت دیکھنے لگی تھیں۔ تبھی وہ ایک گہ... سانس خارج کرتا ہوا بہت دھیمے سے گویا ہوا تھا۔

"ممی! پاپا چاہے جو بھی سوچ رہے ہوں مگر میں اب ماہا کے ساتھ مزید کوئی ناانصافی نہیں ہونے دو... گا۔ اگر ان لوگوں کو پہلے کوئی احساس ہوتا تو وہ رشتہ اس طرح ختم ہی نہ کرتے اور یہ یاسر کی عقل بھی کیا ا... جاگی ہے۔ آپ ـــــ ممی! آپ پھر اپنی بیٹی کا فیصلہ ایک پنچایت کے حوالے کر آئی ہیں۔ پھر آ... خاموش نظروں سے کسی فیصلے کی منتظر پاپا کی طرف دیکھ رہی ہیں۔ ماما کی رائے جاننی ہے آپ نے؟ ـــــ

...ماں کی آنکھوں کو دیکھا ہے؟ ـــــ پوچھا ہے وہ کیا چاہتی ہے؟ ـــــ کیا مرضی ہے اس کی؟ آپ پھر ...ماں کی زندگی کی ڈور اس شخص کے ہاتھ میں سونپ رہی ہیں جس نے ایک بار پہلے اسے دنیا کے سامنے تماشا ...کر دیا تھا۔ اس شخص کے فیصلے کی منتظر ہیں جس کے باعث ایک بار پہلے بھی ہم نقصان اٹھا چکے ہیں۔ ممی! ...آپ کیوں اسی غلطی کو ایک بار پھر دہرا رہی ہیں؟ ـــــ کیوں ایک بار پھر ماہا کے لیے مشکل کری ایٹ کر ...رہی ہیں؟ میں کم از کم اب کوئی فیصلہ ماہا کے خلاف نہیں ہونے دوں گا۔ مجھے اس سب کا ازالہ کرنا ہے، جو ...نقصان ہو چکا ہے۔ اب میں کسی کو ماہا کی زندگی سے کھیلنے کا موقع قطعاً نہیں دوں گا۔" مدھم لہجے میں کہا تھا مگر لہجے کی مضبوطی بے حد واضح تھی۔ فارحہ نے اسے خاموشی سے دیکھا تھا پھر اپنا ہاتھ بہت آہستگی سے اس کے مضبوط شانے پر دھر دیا تھا۔

"میں بات کرتی ہوں ـــــ تمہارے پاپا بھی ہیں وہاں۔ انشاء اللہ اب کچھ غلط نہیں ہوگا۔" انہوں نے سہولت سے اسے روک دیا تھا۔ سید اذہان حسن بخاری نے خاموشی سے ماں کو دیکھا تھا۔ وہ پلٹی تھیں اور پھر اندر کی جانب بڑھ گئی تھیں۔

سید اذہان حسن بخاری نے بہت الجھے ہوئے انداز میں کوٹ اتار کر بائیں بازو پر دھرا تھا۔ اسی مضمحل انداز میں ٹائی کی ناٹ قدرے ڈھیلی کی تھی، اوپر کا بٹن کھولا تھا اور پھر لب بھینچ کر ایک گہری سانس خارج کی تھی۔ شاید اندر کی بے چینی کو زائل کرنے کی ایک کوشش کی تھی۔

ماہا چلتی ہوئی اس کے سامنے آن رکی تھی۔

اپنے سامنے کھڑے لمبے چوڑے بھائی کو چند لمحوں تک خاموشی سے دیکھا تھا۔ پھر بہت آہستگی کے ساتھ آگے بڑھی تھی اور اپنا سر اس کے شانے پر دھر دیا تھا۔ سید اذہان حسن بخاری نے بہت آہستگی سے اپنا بایاں ہاتھ اس کے سر پر دھر دیا تھا، کہا کچھ نہیں تھا۔

"بھائی! میں اب یہ تعلق دوبارہ نہیں جوڑنا چاہتی تھی۔ مگر پاپا نے یہ ڈی سی ژن لیا ـــــ بھائی! اب کے میں اپنی زندگی کا فیصلہ خود آپ کرنا چاہتی ہوں۔ مجھے یہ شادی نہیں کرنا ہے ـــــ مجھے وقت چاہیے، اپنے آپ کو اس ڈگر پر واپس لانے کے لیے۔ پھر اسی طور جینے کے لیے۔" مدھم سسکی میں ایک گزارش تھی۔

اذہان حسن بخاری چند لمحوں تک اسی طرح کھڑا رہا تھا۔ پھر بہت ہولے سے اسے خود سے الگ کیا تھا اور اس کے چہرے کو بغور دیکھا تھا۔ نمی آواز اور لہجے میں ہی نہ تھی، اس کی آنکھوں میں بھی تھی۔ اذہان حسن بخاری نے اپنا مضبوط ہاتھ بڑھا کر بہت ہولے سے اس کی آنکھوں سے اس نمی کو سمیٹا تھا، پھر بہت رسانیت سے گویا ہوا تھا۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا ـــــ تم فکر مت کرو، یہ بھائی ہے نا۔" اس کے شانے کو تھامے شاید اسے کوئی دلاسہ دینا چاہ رہا تھا۔ مگر چہرے کی تنی رگیں صاف بتا رہی تھیں کہ اس کے اندر سوچوں کے زیر و بم کا سلسلہ نہ تھمنے والا ہے۔

"تم میرے لیے جا کر اچھی سی چائے بناؤ۔ میں ابھی آتا ہوں۔" اس کے شانے کو ہولے سے تھپتھپا

کر وہ اندر کی جانب بڑھ گیا تھا۔ عزائم یقیناً طے تھے۔ قدموں کی مضبوطی بتا رہی تھی کہ وہ فیصلہ کر کے اور اب فقط اس پر مہر ثبت کرنے جا رہا ہے۔ اندر سے آوازیں متواتر آ رہی تھیں۔ مذاکرات کا دور جاری تھا اور ان آوازوں میں سید سعد حسن بخاری کی آواز کسی قدر نمایاں تھی۔

''دیکھیں، ہمیں اعتراض اس رشتے پر قطعاً نہیں ہے۔ یقیناً اس رشتے کی ڈور دوبارہ جڑ بھی سکتی ہے مگر آپ لوگوں کا رویہ کسی قدر غیر ذمہ دارانہ ہے۔ آپ لوگوں کو سوچنا چاہیے تھا کہ اس میں قصور قطعاً کوئی نہیں ہے۔ یہ خالصتاً ہمارا نجی معاملہ تھا۔ اس میں آپ لوگوں کی کسی قسم کی کوئی مداخلت نہیں ہونی چاہیے تھی —— اب جبکہ خاصے دن بھی گزر چکے ہیں اور بات کی نوعیت بھی قدرے بدل چکی ہے تو ہمیں رشتے کی دوبارہ بات یقیناً خوش آئند ہے —— کم از کم آپ لوگوں کو احساس تو ہوا کہ آپ نے کچھ غلط کیا۔'' سعد بخاری بڑی سہولت سے کچھ کہتے جا رہے تھے جب سید ازہان حسن بخاری نے کمرے میں قدم دھر دیے تھے۔

فارحہ نے یکدم اس کی سمت دیکھا تھا۔ آنکھوں میں اچانک ہی ایک استدعا عود کر آئی تھی۔ جیسے کوئی نصیحت کی تھی، کوئی درخواست کی تھی۔ مگر اس کے قدم تھمے نہیں تھے۔ وہ اسی قدر مضبوطی سے کمرے کے عین وسط میں جا رکا تھا۔ سید سعد حسن بخاری اب بھی متواتر بول رہے تھے۔

''آپ نے اچھا کیا جو چلے آئے —— غلطی بہت سے لوگوں سے ہوتی ہے مگر ہر ایک کو اپنی غلطی کا احساس نہیں ہوتا۔ یہ یقیناً آپ لوگوں کا بڑا پن ہے، جو بات چیت دوبارہ کرنے کو چلے ہیں۔ ہمیں آپ کی آمد سے یقیناً خوشی ہوئی ہے اور یقیناً ان باہمی مذاکرات سے کوئی اہم پیش رفت ہوگی، کوئی نتیجہ خیز بات سامنے آئیں گے۔ عقل اور دانشمندی کا تقاضا یہی ہے۔''

''جی ہاں —— عقل اور دانش مندی کا تقاضا تو یہ ہے کہ انسان اپنی سابقہ غلطیوں پر نظر کرے اور انہیں دوبارہ نہ دہرائے۔'' سید ازہان حسن بخاری نے ٹھوس اور مدلل انداز میں بات کو یکدم آگے بڑھایا تھا۔

سید سعد حسن بخاری نے بیٹے کی طرف چونک کر دیکھا تھا۔ فارحہ کی نظروں میں بھی ایک خوف سمٹ آیا تھا۔ یقیناً صورتِ حال اختیار سے باہر ہونے کو تھی۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔ ایک بار پھر باپ بیٹا مدمقابل تھے اور ایسا ہی تو وہ نہیں چاہتی تھی۔ مگر سید ازہان حسن بخاری مضبوط لہجے میں بولتا چلا جا رہا تھا۔

''میں باور کرانا چاہتا ہوں کہ ہم اتنے زور و شور سے اس ڈرائنگ روم میں بیٹھے کسی سیاسی نوعیت کے مذاکرات نہیں کر رہے کہ دھواں دھار تقریریں جھاڑی جائیں اور نتیجہ صفر رہے۔ یہاں موضوع کوئی خارجی مسئلہ نہیں، فقط ایک فرد ہے۔ کسی ملکی یا خارجی مسئلے پر بھی حکمران بات چیت کرنے بیٹھیں تو عوام کی خواہشات اور مرضی کے ایجنڈے کو اپنے مابین ہونے والے مذاکرات میں شامل رکھتے ہیں۔ آپ لوگ تو پھر اس وقت ایک زندہ وجود کی بات کر رہے ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ اس لمحے اس کی مرضی کو نظر انداز کر دیا جائے؟'' بڑے ہی ٹھوس اور مدلل لہجے میں وہ اس گھڑی گویا تھا۔

سید سعد حسن بخاری بہت ناپسندیدہ انداز میں اس لمحے بیٹے کو دیکھ رہے تھے۔

فارحہ اس لمحے بے یقینی کا شکار تھی۔ ساکت نظروں میں فقط سکوت تھا۔ مذاکرات کے لیے آئے ہوئے مہمانوں کے تاثرات یکسر تبدیل ہو چکے تھے۔ ماحول میں اک سکوت سا در آیا تھا اور یقیناً یہ سکوت کسی طوفان کا پیش خیمہ ہی تھا۔

فارحہ نے نظروں ہی نظروں میں بیٹے کو تنبیہ کی تھی، درخواست کی تھی مگر آج اس نے ہر درخواست رد کر دی تھی۔

''جو کچھ بھی ہو چکا ہے وہ ایک الگ بات ہے —— مگر جو کچھ بھی ہونا ہے وہ ہمارے اختیار میں ہے۔ خردمندی کا تقاضا یہی ہے کہ ہم ان مذاکرات کو یہیں اسی موڑ پر اختتام پذیر کر دیں۔ آئندہ پھر کبھی نہ ملنے کے لیے۔ کیونکہ ماما ایسا نہیں چاہتی تھی۔ شاید آپ لوگوں کو اپنی غلطی کا احساس ہے۔ جو نا انصافی ہوئی اس کا ادراک ہے۔ مگر ماما اس غلطی کو دوبارہ دہرانا نہیں چاہتی۔ آپ کو شاید افسوس ہو مگر آپ کو یہ نشست یہیں برخاست کرنا ہوگی۔''

فارحہ ششدر سی بیٹے کی سمت تکتی چلی جا رہی تھیں۔

سید سعد حسن شاہ بخاری کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات بے حد واضح تھے۔ نگاہوں میں حد درجہ غصے کی کیفیت تھی۔ مگر ازہان حسن بخاری کو جیسے اس لمحے کسی بات کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔ وہ اسی قدر مضبوطی سے اپنے قدموں پر جما کھڑا تھا۔ آنکھوں میں عزم اسی طور برقرار تھا۔ چہرے پر وہی پُرسکون کیفیت تھی۔ وہی سمندر سا ٹھہراؤ تھا۔

''ہمیں آپ کے جذبے کی قدر ہے۔ آپ کا اقدام یقیناً قابل تحسین ہے۔ مگر مجھے بہت افسوس کے ساتھ کہنا پڑے گا کہ آپ لوگ تشریف لے جا سکتے ہیں۔'' بے حد مضبوط انداز میں کہتے ہوئے اس نے ایک نظر فارحہ کی طرف دیکھا تھا۔ ان پُرسکوت نظروں میں اس لمحے کوئی کیفیت نہ تھی۔ وہ بس پُرتحیر انداز سے اس کی سمت تکتی جا رہی تھی۔ سید ازہان حسن بخاری کی نظروں میں کسی طرح کا کوئی احساسِ جرم نہ تھا۔ جیسے وہ اس گھڑی حق پر تھا۔ جیسے کسی اقدام کے لئے غلط اقدام سرزد نہ ہوا تھا۔ جیسے وہ کسی بات کے لئے ذمے دار نہ تھا۔

فارحہ خالی خالی نظروں سے بیٹے کی سمت تکتی چلی گئی تھیں۔

سید ازہان حسن بخاری پلٹا تھا اور پھر باہر نکلتا چلا گیا تھا۔ سعد حسن بخاری نے سر دونوں ہاتھوں سے تھام لیا تھا۔ کہنے سننے کو جیسے اب کچھ باقی نہ رہا تھا۔

نشست برخاست ہو گئی تھی۔ مہمان اٹھ کر رخصت ہو گئے تھے۔ اس لمحے کمرے میں فقط دو نفوس تھے۔ دونوں ایک دوسرے سے نظریں کتراے بیٹھے تھے۔ کمرے کا ماحول ساکت و جامد تھا۔ در و دیوار پر حد خاموشی تھی۔ بالکل ویسا سکوت، جو کسی طوفان کے آنے سے قبل ہوتا ہے۔

یا پھر جانے کے بعد!

ایک انہونی تو ہو چکی تھی۔ ایک واقعہ رونما ہو چکا تھا۔

تو کیا کوئی اور طوفان بھی ابھی آنا باقی تھا؟

کتنی سرد مہری تھی اس گھڑی کا دیوں میں۔
کتنی برف جمی تھی۔
اور برف جب پگھلتی تھی تو کتنے بند ٹوٹ جانے کا احتمال تھا۔
فارحہ خاموشی سے سر جھکائے بیٹھی تھی۔

سید سعد حسن بخاری بنا کچھ کہے، بنا اس کی جانب دیکھے، بنا کوئی الزام دیے، کوئی فیصلہ دیے اٹھے تھے، نگاہ فارحہ سے یکسر اجنبی تھی۔ جیسے وہ اس کے لئے یکسر کوئی اجنبی ہو، غیر کوئی سلسلہ کبھی باقی نہ ہو۔

فارحہ دم سادھے اسی طرح سر جھکائے بیٹھی رہی تھیں۔ سید سعد حسن بخاری نے بہت آہستگی اٹھائے تھے اور وقت اس لمحے میں فاصلوں کی کہانی رقم کرتا چلا گیا تھا۔ خاموشی کچھ اور بھی بڑھ اک سکوت نے ماحول کو چاروں سمت سے لپیٹ کر اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔

کچھ کہا نہیں گیا تھا۔
کچھ سنا نہیں گیا تھا۔
کہیں کوئی فیصلہ نہیں سنایا گیا تھا۔
بس اک خاموشی تھی۔ طویل خاموشی۔
اور اس چپ کے کتنے اسرار تھے۔

سید سعد حسن بخاری بہت خاموشی سے رخ موڑے کمرے سے نکلتے چلے گئے تھے۔ فارحہ کی میں یکدم ہی نمی گھر کرنے لگی تھی۔

رات بہت سرد تھی۔

یخ بستہ ہوائیں رگوں میں خون منجمد کیے دے رہی تھیں۔ مگر وہ کسی طرح کے احساس سے ماورا اس لڑکی کھڑی تھی۔ شانوں پر شال نہ تھی۔ نہ یہ خدشہ تھا کہ کوئی آئے گا اور بہت ہولے سے شانے پر اپنا سرد ہاتھ دھرے گا اور ان ہاتھوں کی تپش سمیٹ لے گی سب کچھ۔ سارے خدشات، سارے وسوسے، سارے خوف چھین لے گا، سارے مخفی احساس، ساری کلفتیں بانٹ لے گا۔

وہ بڑی ساکت سی کھڑی تاروں سے بھرے آسمان کو یک ٹک دیکھے جا رہی تھی۔

آف وائٹ شیفون آنچل بڑا بے ترتیب سا ہوا کے سنگ لہرا رہا تھا۔ خود میں اس قدر گم تھی کہ نہ کان کی آہٹ سن سکے نہ کسی چاپ کو محسوس کر سکے۔ یا پھر آنے والا ہی بہت دبے قدموں آیا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس قطعاً بے تاثر نظر آنے والی کو بہت سرسری انداز میں دیکھا تھا۔ نگاہ قطعاً بے تاثر تھی۔ پھر بہت آہستگی سے قدم اس کی جانب بڑھا دیے تھے۔ وہ مضبوط بھاری قدموں کی آہٹ اس کی سمت تھی۔ مگر وہ اسی قدر غافل تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری لمبے لمبے ڈگ بھرتا اس کے مقابل آن رکا تھا۔ میرب سیال اس لمحے بھی نہیں چونکی تھی۔ فاصلہ بہت زیادہ بھی نہیں تھا۔ فقط چند قدم کی مسافت تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے یخ بستہ ہواؤں کے رخ پر کھڑی اس یکسر غافل لڑکی کو دیکھا تھا جو خود سے بھی غافل، اپنے ماحول سے بھی اجنبی تھی۔

شاید آنے والے کو پہچان کے حوالے ازبر نہ تھے۔ آ تو گیا تھا مگر تخاطب کیا ہونا چاہئے تھا، یہ معلوم نہ تھا۔ شاید اسی لئے ان لبوں پر جامد چپ تھی۔ رویوں میں کسی درجہ سرد مہری سہی مگر کچھ تاثر ان قربتوں میں تھا کہ میرب سیال یکدم ہی چونکی تھی۔ نگاہ اس سامنے کھڑے شخص پر اٹھی تھی، انداز کسی قدر چونکنے والا تھا۔ کچھ حیرت بھی شامل تھی ان آنکھوں میں۔ مگر سامنے کھڑے شخص کی نگاہ ہی نہیں، چہرہ بھی بہت حد تک بے تاثر تھا۔ میرب سیال کے متوجہ ہونے پر وہ لمحہ بھر کو اپنی نگاہ اس پر سے ہٹا گیا تھا۔ پھر اسی سرد مہر انداز میں اس کے لب ہلے تھے۔

”میں نکل رہا ہوں یار کب جا رہا ہوں ——“ اطلاع دی گئی تھی۔

”تو پھر؟“ لبوں سے کچھ نہ کہا تھا مگر نگاہوں نے اس شخص کی سمت تکتے ہوئے استفسار ضرور کیا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے چند لمحے اسی طرح خاموشی کے ساتھ ان یخ بستہ ہواؤں کو محسوس کیا تھا۔

میرب سیال اسی قدر خاموشی سے کسی نئی اطلاع کے لیے منتظر تھی۔ تبھی وہ گویا ہوا تھا۔

"مائی اماں کا حکم تھا آپ کو بھی اپنے ہمراہ لے لوں ——— ضروری تیاری کر لیجئے آپ۔ یارک جا رہے ہیں۔"

"کیا ———؟" وہ بے طرح چونکی تھی۔ مگر وہ بنا اس کی سمت دیکھے اس استفسار کی کوئی تا بغیر چل دیا تھا۔

میرب سیال حیران سی اس شخص کی چوڑی پشت کو تک رہی تھی جو اس گھڑی لمبے لمبے ڈگ خاموشی سے اس کے اور اپنے مابین فاصلوں کی کہانی رقم کر رہا تھا۔

اس کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ وہ اس حکم پر خوش ہو، اطمینان ظاہر کرے، اسے اپنا دوست، اپنا ہم نفس جانے، اس کے اس اقدام پر اسے سراہے یا پھر اس اقدام کو بیگانگی جانے۔ فوری طور پر و ظاہر کیے بغیر اسی طرح کھڑی رہی تھی۔ جو بھی تھا، کسی کو اس کا خیال تھا یا نہیں تھا، یہ بات تسلی بخش پاپا کو دیکھ سکے گی۔ ان لمحوں میں ان کے قریب ہو گی جب انہیں اس کی ضرورت ہے۔ شاید اس نے کوئی تعرض نہیں برتا تھا بلکہ کسی قدر اطمینان نے دل میں ڈیرا ڈال دیا تھا۔

وہ بہت آہستگی سے چلتی ہوئی اپنے کمرے کی جانب بڑھنے لگی تھی۔ جانے سے قبل سیفی سے تھا۔ اس سے بھی تو بات کرنی تھی۔ اسے مطلع بھی تو کرنا تھا۔

"کہیں سونے پر جا رہی ہو؟"

اس نے نیند سے بیدار ہوتے ہی حیرت کا زبردست اظہار کیا تھا۔ میرب سیال کے ہاتھ سے چھوٹتے چھوٹتے بچا تھا۔

"شٹ اپ سیفی! ——— ڈونٹ بی اسٹوپڈ۔" پُرخفت انداز میں اسے ڈپٹا تھا مگر دوسری طر مسکرا دیا تھا۔

"معاملہ کیا ہے؟"

"تم پہلے اچھی طرح بیدار ہو جاؤ۔" میرب نے ایک بار پھر ڈپٹا تھا۔

وہ مسکرا دیا تھا۔

"وہ تو میں ہو جاؤں گا ——— مگر تم کس خوشی میں جاگ رہی ہو اب تک؟ اختر شماری کرنے کا لیا ہے کیا؟ ——— یا پھر شب بیداری کا ارادہ ہے؟" وہ قطعی طور پر غیر سنجیدہ تھا اور میرب سیال کا سر پیٹ لینے کو جی چاہا تھا۔

"سیفی! میں نیو یارک پاپا سے ملنے جا رہی ہوں۔"

"اور محترم سردار صاحب؟" سیفی کی شوخی بدستور قائم تھی۔

"وہ میرے ساتھ جا رہے ہیں۔"

"تم ان کے ساتھ جاؤ یا وہ تمہارے ساتھ جائیں، بات تو ایک ہی ہے کہ تم دونوں ایک دوسرے ساتھ جا رہے ہو۔"

"سیف الرحمٰن! اب جاگ جاؤ۔"

"خوشی ہو رہی ہے؟" سیفی بدستور مسکرا رہا تھا۔

"کس بات کی خوشی ہو گی؟ ——— پاگل ہو گئے ہو تم؟ ——— سیفی! تم جانتے ہو میں کس قدر ٹنس اور تمہیں ہر کیا ہری سوجھ رہی ہے۔" میرب سیال نے تلخی سے کہا مگر وہ ہنس دیا تھا۔

"میرب سیال! جو بھی کہو، سردار صاحب ہیں۔ واقعی کمال شخص۔ تمہیں یاد ہے بے جی ہمیں ایک کہانی سنایا کرتی تھیں۔ سردار سبکتگین نامی ایک بادشاہ کی، جنہیں ہرن کے شکار سے خاصا شغف تھا۔ جو روز خوب ہرنیوں کا شکار کیا کرتے تھے اور ایک دن جب......"

"شٹ اپ سیف الرحمٰن!" میرب سیال کے صبر کا پیمانہ یکدم لبریز ہوا تھا۔

"سنو تو۔" سیف الرحمٰن نے اصرار کیا۔

چند ثانیوں تک خاموش رہا تھا۔ پھر کچھ سوچتے ہوئے پُرخیال انداز میں گویا ہوا تھا۔

"کہیں تمہارے سردار صاحب بھی تو ایسی کسی ہابی کے شائق نہیں؟"

"سیف الرحمٰن!" میرب سیال نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا مگر دوسری جانب سیف الرحمٰن کو کوئی فکر نہ تھی۔

"جو بھی کہو، بی ایم ڈبلیو اور لیموزین میں گھومنے والا شخص اتنا بھولا اور شریف ہو نہیں سکتا۔"

"کیوں ——— تمہیں سب کچھ اتنا مشکوک کیوں لگ رہا ہے؟ ہوش کے ناخن لو سیف الرحمٰن! بے جی ٹھیک کہتی ہیں، تمہاری عقل ٹخنوں میں ہے۔"

"دراز قد تو سردار صاحب بھی ٹھیک ٹھاک ہیں، ان کے متعلق کیا خیال ہے تمہارا؟" وہ مسلسل چھیڑ رہا تھا۔ میرب سیال خاموشی سادھ گئی تھی۔ تبھی وہ دوسری طرف سے گویا ہوا تھا۔

"واپس کب لوٹو گی؟"

"کچھ ہی دنوں میں۔ سیف! تم دعا کرنا۔"

"لو ——— یہ بھی کوئی کہنے والی بات ہے؟ میں تو ہمیشہ ہی تمہارے لئے دعا گو رہتا ہوں۔ خدا تمہاری سلامت رکھے۔ دودھوں نہاؤ، پوتوں پھلو۔" وہ ایک بار پھر پٹڑی سے اتر چکا تھا۔ میرب سیال کچھ نہیں بولی مگر دوسری جانب اس کی ہنسنے کی آواز بتا رہی تھی کہ وہ خاصا محظوظ ہو رہا تھا۔

"میرب سیال! اتنی دور جا رہی ہو نا ——— تمہارا موڈ اچھا کرنا چاہ رہا تھا۔ انشاء اللہ سب اچھا ہو گا۔ اپنا خیال رکھنا۔"

"بے جی کیسی ہیں؟" میرب سیال نے نانی کے متعلق دریافت کیا تھا۔

"ٹھیک ہیں ——— تمہیں یاد کر رہی ہیں۔ دراصل مظہر انکل کے رویے نے انہیں کچھ زیادہ خوش نہیں رکھا۔ تمہارے جانے کے بعد انہوں نے فاصلوں کی بہت وسیع خلیج رشتوں کے درمیان استوار کر دی ہے۔ یقیناً انہیں دکھ ہے۔ ہم انہیں بلیم نہیں کر سکتے۔ مگر بے جی اس معاملے کو لے کر خاصی افسردہ رہتی ہیں۔ خاص طور پر اب جب کہ میرب! تم ہمارے ہوتے ہوئے اس وقت کہیں اور قیام پذیر ہو۔ بے شک وہ اب

تمہاری سسرال ہے۔ مگر بے جی کو یہ چیز بہت پریشان کر رہی ہے۔ مظہر انکل نے ایسا کر کے مجھ اور ہمارے خاندان کی نفی کی ہے۔ جو تعلق تم میں اور ہم میں موجود ہے اسے قطعاً جھٹلایا نہیں جا مظہر انکل اس معاملے میں ہمیں خاصا اجنبی تصور کرتے ہیں۔ ہم تو پھر بھی اس صورت حال کو قبول ہیں مگر بے جی خاصی حساس ہیں اس معاملے میں۔ کیوں نہ ہوں، ان کی نواسی ہو تم۔ وہ بھی اگر سکے تو کبھی آ کر ان سے مل جاؤ۔" سیف الرحمٰن جس قدر سنجیدگی سے اس لمحے بات کر رہا تھا، لگ رہا تھا کہ یہ وہی سیف الرحمٰن ہے جو کچھ لمحے قبل اس سے چھیڑ چھاڑ کر رہا تھا۔

میرب سیال نے ہونٹ بھینچ کر سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"ہوں ــــــ میں آؤں گی۔ تم میری طرف سے بے جی کو پوچھ لینا۔"

دوسری طرف سیف الرحمٰن خاموش رہا تھا۔ وہ بھی چند ثانیوں تک چپ رہی تھی پھر بہت آہستہ گویا ہوئی تھی۔

"دراصل میں بھی کبھی اس بے وجہ سی مہری کی وسیع ترین خلیج کو سمجھ نہیں سکی۔ ماما کی موت ایکسیڈنٹ تھا اور اس کے لئے ماموں پاپا کو بلیم کرتے تھے اور پاپا ماموں کو۔ پاپا، ماما کو لے کر اپوسیو تھے اور ماموں اپنی جگہ۔ قصور ماموں کا بھی نہیں تھا، غلطی کسی سے بھی ہو سکتی ہے۔ بہر حال وہ اس معاملے میں قصوروار نہیں ہیں۔ رشتوں میں دراڑ تو پہلے ہی موجود تھی، ماما کی موت نے تو اس مزید وسعت دی ہے۔ ممکن ہے شاید ایک دن سب بہت اچھا ہو جائے۔ مجھے یہ وقت، یہ زندگی میں نہیں آئی سیفی! شاید تبھی میں تمام معاملات اس وقت کے حوالے کر دیتی ہوں جب ایک دن سب بہت اچھا ہو جائے۔ فی الحال میں پاپا کے لئے بہت پریشان ہوں۔ سیفی! تم بے جی سے کہنا ان کے لئے دعا کریں۔ بعض اوقات غلطیاں معاف کر دینے سے کسی کی مشکل آسان ہو جاتی ہے۔ پاپا کو ان کی دعاؤں کی اشد ضرورت ہے۔" اس کا لہجہ بہت دھیما تھا۔

"میرب! پریشان نہ ہو ــــــ مظہر انکل ٹھیک ہو جائیں گے۔"

"انشاء اللہ۔" میرب نے فون دھر دیا تھا مگر دل پر جانے کیوں اک انجانا سا بوجھ عود کر آیا تھا۔

❋❋❋

بات ساری یہ تھی کہ دل بہت مشکل میں تھا۔ جان پر بنی ہوئی تھی۔ راہ کوئی نہ تھی۔ تنہائی بھی کچھ رہا تھا۔ ایسے میں جو بھی ہوتا، وہ ایک ضروری اقدام ہوتا۔ اس ایک لمحے سے بچ نکلنے کا، جان کنی کا۔ جیں کوئی کیا کرتا ہے، کیا کر سکتا ہے؟

فی الفور اس نے بھی یہی کیا تھا۔

اس کے گھر کی ڈور بیل پر ہاتھ دھرتے ہوئے اسے علم نہ تھا کہ اس سے اگلا لمحہ کیا ہوگا، کیسا ہو ایک لمحہ جو اس کے ہاتھ آیا تھا وہ اسے ہارنا نہیں چاہتا تھا۔

ایک، دو، تین ــــــ چند ثانیے ہی گزرے تھے شاید۔ گیٹ کھلا تھا اور دوسرے ہی لمحے کوئی مقابل تھا۔ عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

"السلام علیکم ــــــ مس اناہیہ شاہ ہیں؟"

سامنے کھڑے بریگیڈیئر اعظم رحمٰن شاہ نے اسے سر تا پا بغور دیکھا تھا۔ کسی کے گھر میں گھنٹی بجا کر اسے ناں شاید اس قدر کنفیوژ کرتا ہے۔ عفنان علی خان جیسا شخص اس نئے خود کو خاصا چغد محسوس کر رہا تھا۔

"آپ؟" اپنے سامنے کھڑے خوش پوش شخص کو بریگیڈیئر صاحب نے بغور دیکھا تھا۔ وہ لب بھینچ کر اس لمحے زبردستی مسکرایا تھا یا پھر محض رسم ادا کی تھی۔

"جی میں ــــــ میں عفنان علی خان ہوں۔"

"تو اس میں اتنا کنفیوژ ہونے کی کیا بات ہے؟" بریگیڈیئر صاحب دھیمے سے مسکرائے تھے۔

عفنان علی خان حیران ہو کر تکنے لگا تھا۔ تبھی وہ مسکرا دیئے تھے۔

"اندر آ جاؤ برخوردار! تم صحیح مقام پر پہنچے ہو ــــــ میں اناہیہ کا دادا ہوں۔"

عفنان علی خان نے سکون کا گہرا سانس لیا اور ساتھ ہی ان کے ساتھ قدم اندر بڑھا دیئے تھے۔

"ساتھ پڑھتے ہو؟" سرخ بجری کی روش پر چلتے ہوئے اور داخلی دروازے کی جانب بڑھتے ہوئے بریگیڈیئر صاحب نے دریافت کیا تھا۔

عفنان علی خان چونکا تھا، پھر مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"نہیں، پڑھ چکا ہوں۔ آج کل بزنس کر رہا ہوں۔ لیکن اتنا جانتا ہوں پڑھنے والی لائف جتنی ایزی اور کلرفل ہوتی ہے، اتنی ہی ٹف اور ہارڈ بھی ہوتی ہے۔ موٹی موٹی خشک کتابوں سے سر کھپانا یقیناً آسان نہیں۔ لیکن اس کے باوجود سب کچھ بہت انٹرسٹنگ ہے۔" مسکراتے ہوئے اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔ بریگیڈیئر صاحب اسے دلچسپی سے تکتے ہوئے مسکرا دیئے تھے۔

"اناہیہ سے کب ملے تم؟"

"منگنی پر۔" بہت بے ارادہ منہ سے پھسلا تھا۔

"منگنی پر؟" بریگیڈیئر صاحب چونکے تھے۔ عفنان علی خان کو اپنی بدحواسی کا یکدم ادراک ہوا تھا۔ تبھی لب بھینچ کر بڑی رسانیت سے مسکرانے کی کوشش کی تھی۔ ساتھ ہی بہت ہولے سے گویا ہوا تھا۔

"آئی مین، ایک تقریب میں۔ اناہیہ گھر پر ہیں نا؟" ان کی طرف تکتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ بریگیڈیئر صاحب مسکرا دیئے تھے۔

"یقیناً۔" ڈرائنگ روم کا ڈور کھولتے ہوئے وہ اندر داخل ہوئے تھے۔ اسے ایک وسیع و عریض ویل ڈیکوریٹڈ ڈرائنگ روم میں بٹھایا تھا۔ پھر نوکر کو آواز دے کر اناہیہ کو بلانے کا حکم دیا تھا اور خود اس کے مقابل آن بیٹھے تھے۔

"برخوردار! خاصے اچھے وقت پر آئے ہو تم ــــــ آج ہمارا برتھ ڈے ہے اور اناہیہ کو نت نئے سرپرائز دینے کی عادت ہے۔ یہ جو تم گھر میں کچھ سجاوٹ دیکھ رہے ہو اسی کے باعث ہے۔ کیک بھی کرنے ہی والا ہے۔ تقریب ہر سال اسی سادگی سے انجام پاتی ہے۔ اس 65 برس کی عمر میں بھی اناہیہ نے مجھے بچہ بنا کر رکھا ہوا ہے اور میں اس کی خوشی میں خوش ہوں۔" بریگیڈیئر صاحب مسکرا رہے تھے۔

عفنان علی خان بھی مسکرا دیا تھا۔ ساتھ ہی کچھ بڑ اُلجھن انداز میں ہونٹ بھینچ کر شانے بھی اچکائے
"لیکن میں تو آپ کے لیے کوئی گفٹ نہیں لایا۔"

"کوئی بات نہیں ــــــ لیکن یہ تمہارے ہاتھ میں پیکٹ تو ہے نا۔" بدستور اس کے ہاتھ میں ہوئے پیکٹ کی طرف اشارہ کیا تھا۔

وہ چونکا تھا۔ پھر مسکرا دیا تھا۔ اپنی حماقت کا احساس ہوا تھا۔ تبھی وہ پیکٹ ٹیبل پر دھر دیا تھا۔

"یہ انابیہ کے لیے ہے۔" دھیمے سے مسکراتے ہوئے مطلع کیا تھا۔

"لیکن انابیہ کی تو آج برتھ ڈے نہیں ہے محترم!" بریگیڈیئر صاحب برجستہ بولے تھے۔

عفنان علی خان نے چونک کر ان کی سمت دیکھا تھا۔ ان کی آنکھوں میں اس لمحے ایک نرم سا احساس اور لبوں پر دھیمی مسکراہٹ تھی ــــــ یقیناً یہ ایک دوستانہ اقدام تھا۔ وہ یقیناً دوستانہ مزاج رکھتے اسے انابیہ کا دوست جانتے ہوئے خصوصی رعایت دے رہے تھے۔ عفنان علی خان مسکرا رہا تھا، پھر سے گویا ہوا تھا۔

"جانتا ہوں۔ یہ ان کی کتابوں کا کوئی اسٹف ہے جو میری گاڑی میں رہ گیا تھا۔ وہ بھول گئی تھی" مطلع کرتے ہوئے یکدم اس کی نظر سامنے کی طرف اٹھی تھی، جہاں وہ تھی۔ یقیناً اپنے گھر میں اسے سامنے دیکھ کر وہ کسی قدر حیران ضرور ہوئی تھی۔ نظروں میں کسی قدر حیرت کا احساس بھی چھا گیا۔ بریگیڈیئر صاحب نے پلٹ کر اس کی طرف نگاہ کی تھی۔

"آؤ، آؤ ــــــ تمہارا کوئی مہمان آیا ہے۔" انابیہ جو صوفے کی پشت پر تھی اس کی سمت تکتے دھیمے سے مسکرائی تھی۔

"کیسے ہیں آپ؟" مروتاً احوال دریافت کیا تھا۔

"پرفیکٹ ــــــ آپ کیسی ہیں؟"

"ٹھیک ہوں۔" وہ اخلاقاً مسکرائی تھی۔ دادا ابا دونوں کو بغور دیکھ رہے تھے۔

"یہ آپ کا ضروری اسٹف تھا۔ میں نے لامعہ سے رابطہ کیا تھا۔ اس نے یہ کہہ کر ریفیوز کر دیا کہ پاس وقت نہیں۔ تب میں نے بذاتِ خود انہیں آپ تک پہنچانا ضروری خیال کیا۔"

"آپ نے اچھا خیال کیا۔" وہ مسکرائی تھی۔ یقیناً وہ اس کی وضاحت کے انداز سے محظوظ ہوئی۔ یہ دادا پوتی اسے خاصا ایزی لے رہے تھے۔ یا پھر وہی اس قدر چغد لگ رہا تھا۔ چند ثانیوں تک اپنے تک جھانکتا تھا۔ یقیناً یہ محاذ آسان نہ تھا۔ کیسے ہوں گے سر بہت سے معرکے۔ پائی ہو گی فتح بہت مقامات پر۔ مگر یہ مقام کوئی اتنا غیر اہم تو نہ تھا۔ وہ یونہی تو اس قدر بودا نہ لگ رہا تھا۔ اندر کے تیور کچھ کم مختلف نہ تھے۔ مقام خاص تھا۔ تبھی تو اس قدر کمزور واقع ہو رہا تھا۔ یونہی خاموش رہ کر اس نے ہاتھوں کو بھینچ لیا تھا۔ پھر سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

"آپ نے مجھے دادا جی کی برتھ ڈے کے متعلق نہیں بتایا تھا۔ اب دیکھئے نا، میں اس اہم ترین دن کوئی گفٹ تک نہیں لایا۔" شکوے کا انداز خاصی اپنائیت لیے ہوئے تھا۔ جہاں وہ حیران ہوئی تھی،

دادا ابا مسکرا دیئے تھے۔

"دونٹ وری۔ اس کی ضرورت نہیں۔ تم آ گئے ہو، یہی کافی ہے۔"

"وش یو مینی مینی ہیپی ریٹرنز آف دی ڈے۔" عفنان علی خان نے وش کیا تھا۔ وہ دھیمے سے مسکرا دیئے۔

"تھینکس۔ تم لوگ بیٹھو، میں آتا ہوں ابھی۔" وہ یقیناً دانستہ وہاں سے اٹھے تھے۔ "لیکن ہاں، کیک ضرور کھا کر جانا۔ بذاتِ خود تمہیں دعوت دے رہا ہوں۔ جانتا ہوں اگر نہیں دوں گا تو میری پوتی میری جان کو آ جائے گی۔" وہ یقیناً اس لمحے شگفتہ انداز میں مذاق ہی کر رہے تھے۔

عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔ انابیہ کے لبوں پر بھی اس لمحے دھیمی سی مسکراہٹ تھی۔ دادا ابا کے جانے پر وہ آہستگی سے چلتی ہوئی اس کے سامنے آن بیٹھی تھی۔

"مائنڈ مت کیجئے گا۔ میرے دادا ابا کی طبیعت عام روش سے ہٹ کر ہے۔ وہ عام بزرگوں کی طرح نہیں، وہ میرے اچھے دوست ہیں۔ ان کی موجودگی میں مجھے کبھی کسی دوست کی کمی محسوس نہیں ہوئی۔"

"اس معاملے میں تو خاصے خوش قسمت واقع ہوئے ہیں دادا ابا۔ یقین مانیے، کچھ حسد محسوس ہونے لگا ہے اس گھڑی ان سے۔" وہ شگفتگی سے مسکرا رہا تھا۔ انابیہ شاہ بھی مسکرا دی تھی۔

"اب یہ مت کہئے گا۔ میرے پاس ایسا کوئی حق محفوظ نہیں۔" اس کی سمت دیکھتے ہوئے دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ وہ گویا ہوا تھا۔ انابیہ شاہ اس لمحے جیسے اخلاقاً مسکرائی تھی۔ پھر اسی انداز میں گویا ہوئی تھی۔

"دادا ابا واقعی بہت اچھے ہیں ــــــ بابا کے بعد وہی ہمارے لیے سب کچھ ہیں۔ اس گھر کے نفوس بہت تھوڑے ہیں۔ میں، ماما اور دادا ابا۔ مگر اس مثلث کے تینوں کونوں میں محبت کی بانڈنگ بڑی سٹرونگ ہے۔" وہ کسی قدر اپنائیت سے اپنی فیملی کے متعلق مطلع کر رہی تھی۔

"اس معاملے میں تو آپ نے خاصا برا کیا۔ مجھے مطلع کر دیتیں تو آج ایک قابلِ فخر دوست میرے ماتحت احباب میں شامل ہو جاتا۔ مجھے دلی افسوس ہے کہ میں یہاں ہوں اور دادا ابا کے لیے کوئی گفٹ نہیں لا سکا۔"

"دوست فقط مادی اشیاء کے لین دین کے اصول پر استوار نہیں ہوتے۔ کچھ اور وصف بھی اس معاملے میں درکار ہوتے ہیں۔"

"مثلاً؟" اسے دلچسپی سے تکتے ہوئے پوچھا۔ انابیہ شاہ چونکی تھی، پھر ہونٹ بھینچ کر دھیمے سے مسکراتے ہوئے شانے اچکا دیئے تھے۔

"ڈیپنڈ کرتا ہے۔ بیتا ہو کیا ہے۔"

"بتائیں گی نہیں؟" بغور دلچسپی سے تکتے ہوئے استفسار کیا تھا۔ وہ مسکرا دی تھی۔

"نہیں۔" صاف انکار کیا تھا۔ اسے کسی قدر حیرت ہوئی تھی۔

"کیوں؟" آگاہی چاہی تھی۔ ان جادوئی آنکھوں میں اس وقت کسی قدر بے چینی سمٹ آئی تھی۔ انابیہ نے ماحول سے کا دھیان پھیر لیا تھا۔

"اس لئے کہ ایسی باتیں بیان نہیں کی جاتیں، سمجھی جاتی ہیں۔"

"اور اگر کوئی قطعاً جاہل مطلق ہو تو؟" آنکھوں میں براہ راست جھانکتے ہوئے استفسار کیا۔ شاہ نے اس مقابل بیٹھے شخص سے نگاہ یکلخت ہی ہٹالی تھی۔ ساتھ ہی بڑے بے تاثر انداز میں شانے اچکا دیئے تھے۔

"سکھائیں گی نہیں مجھے؟" مدھم دھیمے لہجے میں کوئی گزارش تھی۔ استدعا سے پُر نظر بڑی فرصت سے اس کی سمت تک رہی تھی۔ انابیہ شاہ نے اس کی سمت ایک نگاہ سرسری انداز میں ڈالی تھی۔

"کیا؟" لحہ بھر میں اس کی زبان سے پھسلا تھا۔ نظروں میں کسی قدر حیرت در آئی تھی۔ مقابل شخص چند ثانیوں تک خاموشی سے تکتا جیسے محظوظ ہوتا رہا تھا۔ پھر بہت دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

"بہت انوکھے بھید ہیں کیا؟ —— شاید تبھی آپ عیاں کرنے سے گریز برت رہی ہیں۔ سچ کہوں تو شوق جنوں بڑھنے لگا ہے۔"

انابیہ شاہ لب بھینچ کر مسکرا دی تھی۔

"لامعہ سے بھی بات ہوئی تھی۔ میں نے اسے آنے کے لئے کہا تھا۔ شاید وہ بھی آجائے۔" ذکر کیا تھا مگر مقابل شخص کا انداز کسی قدر بے تاثر ہو رہا تھا۔ بلکہ انداز کسی قدر بجھ گیا تھا۔ کچھ لمحے قبل شوق اس لمحے معدوم ہو چکا تھا۔ اس بات کا کوئی جواب دیئے بغیر وہ چہرے کا زاویہ بدل گیا تھا۔ تبھی اس کے ہاتھ کا بیک کیا ہوا بلیک فورسٹ لے آئی تھیں۔ انابیہ نے عفنان علی خان کو ماما سے متعارف کروایا تھا۔

"بیٹا! لامعہ نہیں آئی تمہارے ساتھ؟" ماما نے دریافت کیا تھا۔ وہ جواباً جانے کیوں انابیہ شاہ کی سمت تکنے لگا تھا۔

"عفنان علی خان میری بکس کا اسٹف لوٹانے آئے تھے ماما! —— لامعہ شاید کچھ بزی ہے۔ میری بات ہوئی تھی میری۔ کہہ تو رہی تھی آئے گی۔" جانے کیوں اس لمحے میں اس نے اس شخص کی نا حمایت کر دی تھی۔ وہ اس لمحے اس کی سمت تکنے لگا تھا۔

برتھ ڈے کیک کٹ گیا تھا —— اپنے دادا ابا کے ساتھ مسکراتی ہوئی، سرشاری وہ لڑکی اس گھڑی خاصی مختلف لگ رہی تھی۔ اُس کا یہ روپ خاصا نیا اور انوکھا تھا۔ عفنان علی خان کی نظریں اسے دیکھ رہی تھیں۔ انابیہ شاہ کو یا تو ان نظروں کی اضطرابی کیفیت سے کوئی سروکار ہی نہ تھا یا پھر جان بوجھ کر ان نظروں کے حوالوں سے بچنا چاہ رہی تھی۔ جو بھی تھا، یہ لمحے بیش قیمت تھے۔ ایک گیدرنگ میں اس گھڑی وہ شامل تھا۔ اس خاندان کا حصہ تھا۔ سب سے بڑھ کر وقت جن قربتوں کی داستان رقم کرنے سے گریزاں تھا، وہی قربتیں اس لمحے میں چپکے چپکے اپنے بھید کھول رہی تھیں۔ نظریں اس سے گریزاں تھیں۔

وہ چہرہ اس سے انجان تھا۔

وہ سراپا ان نظروں سے بیگانگی برت رہا تھا۔

مگر یہ احساس کم نہ تھا کہ وہ اس گھڑی، اس لمحے میں شامل تھا جب وہ اس کے ساتھ تھی۔ جب وقت اس کے ساتھ تھا۔ آج کا ایک ایک لمحہ اس کا تھا اور وہ اس پر سرشار تھا۔ انابیہ شاہ حیران تھی، ان مختصر لمحوں میں اس نے دادا ابا سے خاصی دوستی کر لی تھی۔ اور جب جانے سے قبل وہ اسے اخلاقاً دروازے تک چھوڑنے کے لئے آئی تھی تو وہ مسکرا رہا تھا۔

"سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھو —— آج چاند پھر آسمان پر نہیں ہے۔" کھلے آسمان تلے اس کے سنگ کھڑا وہ بہت آہستگی سے گویا ہوا تھا۔ وہ کسی قدر حیرت سے اس کی سمت تکنے لگی تھی۔ وہ بغور اس کی سمت تک رہا تھا۔ نظروں میں کسی قدر شرارت تھی اور لبوں پر بڑی دل آویز مسکراہٹ۔

"ہو بھی نہیں سکتا —— آج پھر چاند زمین کے سفر پر ہے۔" مدھم سی سرگوشی میں شاید کوئی اہم تھا یا پھر اس کی حیرت ہی دو چند تھی۔ یک ٹک اس کی سمت تکتی چلی گئی تھی۔

عفنان علی خان نے اس کی حیرت سے حظ اٹھایا، ایک الوداعی نگاہ اس پر ڈال کر پلٹ گیا تھا۔ انابیہ شاہ اسی طرح کھڑی رہی تھی۔ نظریں اس کی چوڑی پشت پر تھیں۔ وہ اسے اسی طرح تکتی چلی گئی تھی۔ وہ چلا گیا تھا۔ اور گرد اب کوئی نہ تھا۔ لان میں رات کی رانی اور گلابوں کی مہک عجب جادو سا جگا رہی تھی۔ جانے کیا ہوا تھا۔ اس نے بہت ہولے سے سر کھلے آسمان کی سمت اٹھایا، متلاشی نظریں بادلوں میں یکلخت ہی الجھنے لگی تھیں۔ بہت سے چمکتے تاروں بھرے تھال میں اس لمحے کسی شے کی کمی تھی۔ بادلوں نے بہت کچھ چھپا لیا تھا یا پھر واقعی کچھ غیر موجود تھا۔ نگاہ لحہ بھر کو بھٹکی تھی۔

"سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھو —— آج چاند پھر آسمان پر نہیں ہے —— ہو بھی نہیں سکتا۔ آج پھر چاند زمین کے سفر پر ہے۔" مدھم سرگوشی نے یکلخت اس کے گرد اپنا حصار باندھا تھا۔ وہ لحہ بھر میں جیسے بیدار ہوئی تھی۔ سر دوبارہ جھکایا تھا اور دوسرے ہی پل پلٹ کر اندر کی طرف بڑھ گئی تھی۔

❋❋❋

دراڑ جب دلوں پر پڑتی ہے تو فاصلے صدیوں پر محیط ہو جاتے ہیں۔

فارحہ ان لمحوں میں فاصلوں کو صدیوں کی طرح پھیلتے ہوئے چپ چاپ دیکھ رہی تھیں۔

غلط سوچا تھا انہوں نے۔ غلط قیاس کیا تھا۔ کوئی طوفان آئے گا اور اپنے سنگ سب کچھ بہا لے جائے گا۔ یہاں تو سب کچھ سناٹوں تلے دبتا چلا جا رہا تھا۔ خاموشیوں میں دفن ہو رہا تھا۔ بیگانگی مزید بڑھتی چلی گئی تھی اور ان کی سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ قصوروار کسے ٹھہرائیں۔ باپ کو، بیٹے کو، خود کو یا پھر اس وقت کو؟

اذلان حسن بخاری جب اسے میڈیسن دینے آیا تھا تو وہ کتنی دیر تک اسے چپ چاپ تکتی چلی گئی تھیں۔

"ممی پلیز! رونا چھوڑا کیجئے۔ آپ کے لئے بہت ضروری ہے یہ۔ آپ کو شاید یاد نہیں، صبح آپ کو چیک اپ کے لئے بھی جانا ہے۔ آپ تیار ہو جائیے گا، میں آپ کو لے جاؤں گا۔" دودھ کا گلاس ہاتھ میں پکڑے اس گھڑی وہ میڈیسن لئے ان کے سامنے کھڑا تھا۔

فارحہ نے بہت خاموشی سے دودھ کا گلاس اس کے ہاتھ سے لے لیا تھا اور ساری میڈیسن باری باری

گنگ نا تھیں۔ مگر اذہان حسن بخاری اب بھی بدستور ایک سعادت مند بیٹے کی طرح ان کے سامنے تھا۔ فارحہ نے اس کی سمت دیکھا تھا۔ وہ اس گھڑی بغور ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ شفاف آنکھیں پرنم تھیں۔ روشن چہرہ بے تاثر تھا۔ پیشانی پر کوئی شکن نہ تھی۔ مگر وہ جانتی تھیں، سب کچھ پھر بھی اچھا معمول نہ تھا۔ وہ لمبا چوڑا شخص اس گھڑی بچوں کی طرح مضمحل تھا۔ فارحہ کے دیکھنے پر بہت آہستگی سے اس نے اپنا سر ماں کی گود میں دھر دیا تھا۔ وہ اس لمحے واقعی آزردہ تھا۔ فارحہ بیٹے کو چپ چاپ تکتی رہی تھیں پھر بہت ہولے سے اس کے سر پر اپنا ہاتھ دھر دیا تھا۔

"آئی ایم سوری ممی!" بہت ہولے سے اس کے لب ہلے تھے۔ انداز بہت تھکا ہوا تھا۔ شکست خوردہ۔ فارحہ کی آنکھوں میں یکدم ہی نمی اترنے لگی تھی۔

"ممی! میں نے کچھ غلط نہیں کیا۔ آپ نے ہی تو کہا تھا، ایک ٹھیک وقت میں تمہیں جو صحیح نظر آئے اس کے لئے کام کرو اور مستقبل کو اللہ کے حوالے کر دو۔ ماما مجھے بے حد عزیز ہے ممی! میں اسے مزید سانحے کی نذر نہیں کر سکتا تھا۔ کوئی مزید زک پہنچتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ ایک بھائی ہونے کے ناطے اس لمحے اس کے لئے اسٹینڈ لینا مجھ پر فرض تھا۔ میں نے جو بھی کیا میرے خیال سے وہ غلط نہیں ہے اور......"

"نہیں اذہان! تم نے واقعی کچھ غلط نہیں کیا — لیکن شاید کبھی کبھی بہت کچھ اختیار میں نہیں ہوتا۔ جیسے وقت اس گھڑی ہماری مخالف سمت چل رہا تھا۔" بہت دھیمے لہجے میں کہا تھا۔

"لیکن ممی! کبھی قصور وقت کا بھی تو نہیں۔ ہم کبھی کچھ وقت کے سر تو نہیں ڈال سکتے۔" بہت آہستگی سے وہ گویا ہوا تھا۔

"لیکن ایک دوسرے کو الزام دینے سے بھی تو کچھ حاصل نہیں ہوگا۔"

"ممی! کیا سب کچھ پہلے جیسا نہیں ہو سکتا؟ — کیا وہ سارے لمحے واپس نہیں آ سکتے؟ وہ سارے اچھے دن، جو ہم نے مل کر ایک ساتھ گزارے؟" اس کا لہجہ پژمردہ تھا۔

فارحہ خاموش رہی تھیں۔ مگر بہت خاموشی کے ساتھ پلکوں پر سے دو شفاف قطرے ٹوٹے تھے اور رخساروں پر سے پھسلتے ہوئے دوپٹے میں کہیں مدغم ہو گئے تھے۔ اذہان حسن بخاری اسی طور سر ماں کی گود میں دھرے بیٹھا رہا تھا۔

"ممی! جب میں چھوٹا تھا اور کبھی بہت ڈس ہارٹن ہوتا تھا تو مجھے آپ کی آغوش میں سر چھپا کر بہت سکون ملتا تھا۔ ایک عجیب سے اسٹرنتھ ملتی تھی۔ مجھے لگتا تھا جیسے میں ہر طرح کے خطرے سے محفوظ ہوں اور پوری جانفشانی سے اب دنیا کا سامنا کر سکتا ہوں۔" دھیمی آواز کسی قدر آزردہ تھی لیکن فارحہ کچھ نہیں بولی تھیں۔ چپ چاپ اس کے چہرے کو تکتی رہی تھیں۔ وہ اس لمحے کوئی معصوم بچہ تھا۔ دنیا کے سامنے تن کر کھڑا ہونے والا لمبا چوڑا، مضبوط ڈیل ڈول کا مالک شخص اس لمحے بے حد نحیف تھا۔ جیسے وہ اس گھڑی پھر کوئی بچہ تھا۔ فارحہ کا ہاتھ اس کے سر پر تھا۔ اس انتشار سے پُر کیفیت میں اسے دیکھنا فارحہ کو یقیناً تکلیف دے رہا تھا۔ اسے شکستہ حال دیکھنا ایک مشکل تجربہ تھا۔ اکلوتا بیٹا تھا وہ۔ کس قدر عزیز تھا۔ وہ تو اس کی چھوٹی

چھوٹی تکلیفوں پر بے چین ہو جایا کرتی تھیں۔ اس لحاظ سے تو وہ ایک کڑے امتحان میں مبتلا تھا۔

"ممی! آئی لو یو! — آئی لو پاپا ٹو۔ مجھے اپنے گھر کو مکمل دیکھنے کی عادت رہی ہے۔ پاپا کو ہمیشہ لیڈنگ پوزیشن پر دیکھتا رہا ہوں۔ مجھے کس اسکول میں جانا ہے، کون سا سبجیکٹ چوز کرنا ہے، میرے لئے ہیلتھی ایکٹیوٹی کون سی ہے — مجھے کون سا گیم کھیلنا چاہئے، کیسے جوگرز پہننے چاہئیں کہ میرے پاؤں کے لئے آرام دہ رہیں۔ مجھے کن کاموں سے راحت ملتی ہے، کن چیزوں سے مجھے خوشی مل سکتی ہے، کتنے کھلونے، کتنے بہت سے کھلونوں کا ڈھیر میں نے ہمیشہ اپنے کمرے میں دیکھا۔ کتنی بہت سی اشیاء جن کی مجھے ضرورت بھی نہیں تھی، کیسے وہ میرے آگے ڈھیر کرتے چلے جاتے تھے۔ کیسے میری ایک خوشی کے لئے ہزاروں جتن کیا کرتے تھے۔ کتنا اہم جانا انہوں نے ہمیشہ مجھے۔ کیا کچھ نہ کیا میرے لئے۔ کتنی چھوٹی چھوٹی باتوں کے لئے میری کیئر کی، میرا خیال رکھا۔" کتنی آہستگی سے اس کی آنکھوں کے کناروں سے گرم گرم پانی نکل کر پھسلتا ہوا فارحہ کی گود میں جذب ہو رہا تھا۔

"مجھے یاد ہے ممی! جب ایک بار میں ٹیرس کی سیڑھیوں سے پھسل کر گر گیا تھا تو ان کی جان پر بن آئی تھی۔ اور جب میں جونیئر کیمبرج میں اپنی مخالف ٹیم سے باسکٹ بال کا میچ ہار گیا تھا تو وہ میرے لئے کتنے افسردہ ہو رہے تھے۔ مجھے یاد ہے — مجھے یاد ہے ممی! وہ اپنی تمام تر مصروفیات کو پس پشت ڈالے اگلے کئی دنوں تک مجھے جم لے جا کر پریکٹس کراتے رہے تھے جب تک کہ میں بال باسکٹ تک لے جانے میں پرفیکٹ نہیں ہو گیا تھا۔ کتنا ضروری اور اہم کام تھا وہ ان کے لئے۔ میری معمولی سی خامی بھی ان سے برداشت نہیں ہوتی تھی۔ کیسے وہ مجھے ہر عیب سے، ہر کمی سے ماورا دیکھنا چاہتے تھے۔ میری اکاؤنٹس کی ٹیوٹر جب اچانک ہی بیمار پڑ گئی تھیں تو پاپا کی کیسی جان پر بن آئی تھی۔ کیسے وہ آفس سے آنے کے بعد گھنٹوں مجھے پریکٹس کرایا کرتے تھے۔ میں پرفیکٹ نہیں تھا ممی! بہت سی خامیاں تھیں مجھ میں۔ بہت سے عیب تھے مجھ میں۔ مگر پاپا کی تعمیر نے کیسے مجھے ایک کوالٹی پرسنالٹی بخش دی۔"

فارحہ کی آنکھوں کا پانی بہت ہولے ہولے رخساروں پر پھسل رہا تھا۔

"ممی! — ممی! مجھے یاد ہے۔ سینئر کیمبرج میں غلط لڑکوں کی صحبت میں جب پہلی بار میں نے سگریٹ کو چھوا تھا تو وہ کس قدر ٹینس رہے تھے۔ کتنے دنوں تک انہیں یہی فکر ستاتی رہی تھی۔ تو عمری میں اکثر ایڈونچر میں لڑکوں سے شرارتیں سرزد ہوتی ہیں۔ لیکن میں جب کیمپس پکنک میں ایک بار سمندر کی لہروں کی زد پر آیا تھا تو کتنی دیر تک وہ مجھے خود سے لپٹائے بچوں کی طرح آنسو بہاتے رہے تھے۔ حالانکہ یہ بات منکشف تھی ان پر کہ میں ایک اچھا سوئمر ہوں۔ لیکن کس قدر خوفزدہ انداز میں انہوں نے اپنا چوڑا سا ہاتھ میرے سامنے پھیلا کر مجھ سے پرامس چاہا تھا کہ آئندہ میں کبھی پانی میں نہیں جاؤں گا۔ میں جانتا تھا ان کے خوفزدہ ہونے کی وجہ مجھ سے ان کی بے تحاشا محبت تھی۔ وہ مجھے کسی معمولی تکلیف میں بھی نہیں دیکھ سکتے تھے۔ تو میں نے چپ چاپ ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ دھر دیا تھا اور پھر کبھی ان کے کہنے کے مطابق پانی کے قریب نہیں گیا تھا۔" مضبوط لہجہ اس گھڑی بے حد شکستہ تھا۔ بہت کمی سی آواز میں تھی اور آنسو تو فارحہ کی آنکھوں سے بھی بہہ رہے تھے۔۔

''ممی! جب میرا قد ان کے قد کے برابر آیا تھا تو وہ مجھے اپنے ساتھ کھڑا کر کے قد کی لمبائی کو جوڑ کے کس قدر مسرور ہوئے تھے۔ کتنی خوشی ہوئی تھی انہیں، ان کا بیٹا ان کے قد کے برابر ہو گیا۔ آپ سے وہ کیا کہہ رہے تھے اس روز، مضبوط بازو ہوں جیں ان کا ——— کیسے بول رہے تھے وہ آپ دیکھو فارحہ! میرا بیٹا جوان ہو گیا ہے۔ اس کا قد میرے قد کے برابر آ گیا ہے۔ اب مجھے کسی طرح کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں بس اتنی فکر ضرور کرنی ہے کہ میں اب کچھ بڑا ہو گیا ہوں۔' آئینے خود کو دیکھ کر وہ کس درجہ سرشاری سے مسکرا رہے تھے۔ کتنی خوشی ہوئی تھی انہیں میرے بڑے ہونے کی میں نے کیا، کیا ممی! ——— کتنی تکلیف پہنچائی انہیں۔ وہ بچپن میں میری کوئی ناجائز بات بھی رد نہیں کر تھے۔ چھوٹی چھوٹی بے تکی، بے معنی باتوں کو سنتے ہوئے گھنٹوں گزار دیتے تھے۔ چھوٹی چھوٹی خوشیاں کشید کرتے رہنا ان کی عادت تھی۔ مجھے ہر طرح سے خوش رکھنے کی ذمہ داری تھی جیسے ان کی۔ مجھے آ دیکھنا سوہان روح تھا ان کے لئے۔ مگر میں ——— ممی! میں نے کیا، کیا ان کے لئے؟ ——— کیا، کیا کے ساتھ؟ مجھے تو مضبوط بازو بننا تھا نا ان کا۔ انہیں خوش رکھنا تھا نا۔ ان کا ہر طرح سے خیال رکھنا تھا، طرح انہوں نے میرا ہمیشہ رکھا۔ جس طرح مجھے ہمیشہ اہم جانا، مجھے بھی تو ممی! ——— ممی! میں تو نالائق بیٹا ہوں۔ آپ کا بھی اور...... اور پاپا کا بھی۔ نہ میں آپ کو خوش رکھ پایا نہ انہیں۔ میں تو اس کو ہی ٹوٹنے سے، بکھرنے سے نہیں بچا پایا۔ پاپا نے مجھے سب کچھ سکھا دیا، سب کچھ، مگر یہ نہیں جب گھر ٹوٹنے لگتا ہے تو اس کی بنیادوں کو کیسے ہلنے سے بچاتے ہیں ——— کیسے اس مضبوط گھر کو گ سے باز رکھ سکتے ہیں؟ ——— جب دل سے دل دور جانے لگتے ہیں اور فاصلے صدیاں بننے لگتے کس طرح ان فاصلوں کو سمیٹا جا سکتا ہے۔ کس طرح صدیاں بننے سے روکا جا سکتا ہے۔ ایسا تو نہیں انہوں نے۔ انہوں نے نہیں بتایا کہ جب دلوں میں میل آ جائے تو اسے کس طرح دھویا جا سکتا ہے۔ آئینے میں آئے بال کو کس طرح مٹایا جا سکتا ہے؟ ——— کیسے وقت کی سیاہی کو دھویا جا سکتا ہے۔ نہیں بتایا انہوں نے۔ ایسا کچھ بھی نہیں۔ انہوں نے مجھے رول ماڈل تو بنا دیا ممی! ہر طرح سے پرفیکٹ ایک کوالٹی پرسنالٹی بھی دے دی۔ مگر اتنی اہم باتوں کو مجھ سے مخفی رکھ کے انہوں نے میری اندرونی بنیاد کو کس قدر کمزور کر دیا ہے۔ مجھ سے بیگانگی برت کر، خود سے دور کر کے مجھے بہت تنہا اور اکیلا کر دیا، بہت زیادہ کمزور کر دیا ہے۔ اور ایسے میں کیسے لڑوں میں؟ کوئی تنہا کب تک اور کیسے لڑ سکتا ہے؟ اور اپنے آپ سے لڑنا ——— بہت مشکل ہے نا ممی! یہ تو۔ پاپا نے مجھے کبھی خود اپنے آپ سے لڑنے کی تربیت تو دی ہی نہیں۔ کبھی اپنے آپ سے جنگ کرنا سکھایا ہی نہیں۔ اور وہ تو...... وہ تو میرا اپنا آپ ہیں۔ بغاوت جب اپنے اندر سے ہے تو ممی! کس سے لڑوں میں، کیسے لڑوں؟ لڑا بھی کیسے جا سکتا ہے؟ مجھ میں تو حوصلہ ہی نہیں۔ سچ کہوں، ہارنے لگا ہوں میں ——— شاید ہار چکا ہوں۔'' اس مضبوط شخص کی آنکھیں اس بھیگ رہی تھیں۔ کتنے نمکین سمندر اس لمحے ماں کی آغوش میں چپ چاپ مدغم ہو رہے تھے۔

''میرا پرابلم یہ ہے ممی! میں آپ دونوں کو ایک ساتھ دیکھنے کا عادی رہا ہوں ——— ایک ساتھ خوش دیکھتا رہا ہوں۔ مجھے آپ دونوں کی ایک ساتھ کی خوشی دیکھنے کی عادت رہی ہے۔ میں آج بھی آ

دونوں کو ایک ساتھ دیکھنا چاہتا ہوں۔ میری اسٹرینتھ آپ دونوں ہیں۔ اور میں تبھی مضبوط ہوں گا جب آپ دونوں ایک ساتھ مجھے نظر آئیں گے۔ میں آپ دونوں میں سے کسی ایک کو بھی آزردہ نہیں کر سکتا، شکستہ نہیں کر سکتا۔ لیکن...... لیکن ممی! میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ پتہ نہیں ایسا ہو بھی پائے گا یا نہیں۔ اور اگر ہو گا تو کیسے اور کیونکر۔ کوئی تدارک ہے بھی یا کہ نہیں۔ وہ ٹوٹا اعتبار، وہ ٹوٹا گھر، وہ سارے ٹوٹے مان، کیسے جڑیں گے بھلا ——— کس طور؟''

شکستہ لہجہ واضح طور پر نمی سے پُر تھا اور فارحہ کے پاس اس لمحے کوئی تدارک نہ تھا ماسوائے اپنا ماتا سے ہاتھ اس کے سر پر دھرے رکھنے کے۔ وہ اس گھڑی کچھ کر نہیں پائی تھی۔ شاید اس سے زیادہ وہ کچھ کر بھی نہیں سکتی تھی۔

❊❊❊

میرب سیال نے ہدایت کے مطابق اپنا ضروری سامان پیک کر لیا تھا۔ نیو یارک کے کلائمیٹ سے واقف تھی۔ سو بھاری تعداد میں گرم کپڑے بھی رکھ لئے تھے۔ گو اسے کوئی لمبا چوڑا قیام نہیں کرنا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کا بزنس ٹور تھا یہ۔ اس کا اپنا ایک شیڈول طے تھا۔ یقیناً اس کا ارادہ باضابطہ اسے ساتھ لے کر جانے کا نہ تھا۔ اس کی ہمراہی یقیناً مائی اماں کی بدولت عمل میں آئی تھی۔ جو بھی اس کے لئے اہم یہ تھا کہ اس وقت میں جب پاپا کے پاس اس کی موجودگی ضروری تھی، وہ ان کے پاس جا رہی تھی۔ اگرچہ وہ اس پر مسلط ہونا نہیں چاہتی تھی مگر اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ سو اس نے سامانِ سفر باندھ لیا تھا۔

جاتے وقت وہ بے جی سے بات کرنا نہیں بھولی تھی۔ وہ کسی قدر آزردہ تھیں اور اگر وہ ان کو ایسے میں بتائے بغیر چلی جاتی یا پھر اس کے جانے کی اطلاع سیف الرحمٰن سے بہت رسمی انداز میں ملتی تو شاید انہیں افسوس ہوتا۔ تبھی اس نے ان سے بات کرنا ضروری خیال کیا تھا۔

''خوش تو ہے نا انو؟'' انہوں نے شاید ایک نئے تعلق کے متعلق فکر مندی سے اس سے دریافت کیا تھا۔ وہ جیسے اس گھڑی مجبوراً مسکرائی تھی۔

''ہاں بے جی! سب ٹھیک ہے۔'' انہیں مطمئن کرنا چاہا تھا۔

''لڑکا تو اچھا ہے نا ——— تجھے پسند تو ہے نا؟'' ان کی فکر ہورا انداز فطری تھا۔

''ہاں بے جی! کہا نا، سب ٹھیک ہے۔ میں آؤں گی تو آپ کی طرف چکر لگاؤں گی۔ آپ پاپا کے لئے دعا کیجئے گا۔ اور ہو سکے تو ان کی خطاؤں کے لئے انہیں معاف کر دیجئے گا۔''

بے جی یقیناً دوسری طرف رونے لگی تھیں۔

''بے جی! پلیز آپ روئیں نہیں۔'' اس نے ان کا حوصلہ بندھانا چاہا تھا۔ تبھی فون دوسری طرف سے سیف الرحمٰن نے لے لیا تھا۔

''سیفی! بے جی کا خیال رکھنا۔'' اس نے ان کی کیفیت کے پیش نظر تاکید کی تھی۔

''ہاں ——— وہ تو میں رکھ لوں گا۔ مگر تمہارا خیال کون رکھے گا؟'' دوسری طرف وہ یقیناً شرارت سے

مسکرا رہا تھا۔

میرب نے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔ تبھی وہ گویا ہوا تھا۔

"اتنی سرد سرد آہیں خارج مت کرو۔۔۔۔ موسم پہلے ہی کافی سرد ہے۔ اور میرا فریز ہونے کا ارادہ نہیں۔"

"تم فضول باتوں کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتے؟"

"خوش ہونا؟" جانے کیا اگلوانا چاہا تھا۔ وہ اس کی شرارت سمجھ کر مسکرا دی تھی۔

"نہیں ہونا چاہئے کیا؟"

"کیوں نہیں۔۔۔۔ مجھ سے بڑھ کر بھلا کون خیر خواہ ہوگا تمہارا؟"

"حسد کی بو کیوں آ رہی ہے پھر؟" میرب سیال نے جواباً چھیڑا تھا۔ وہ ہنس دیا تھا۔

"میں حسد کر کے کیا کروں گا؟ اگر مجھے ایسے سردار صاحب مفت میں بھی ملیں تو میں نہ لوں۔ لوں بھی تو پہلی فرصت میں بیچ کر ریوڑیاں کھا لوں۔ وہ ان موصوف سے یقیناً زیادہ سود مند ہوں گی۔"

"سیفی۔۔۔۔!" اس نے ڈانٹنا چاہا تھا۔ مگر اس کے باوجود ہنسی اس کے لبوں پر آ چکی تھی۔ تبھی وہ بھی ہنس دیا تھا۔ پھر کچھ سوچ کر سنجیدہ ہوا تھا اور مسکراہٹ بھینچ گئی تھی۔

"میرب!" اس نے سنجیدگی سے پکارا تھا۔

"ہوں۔"

"اپنا خیال رکھنا۔"

"اور کیا؟"

"اور اس موقع کو کسی قدر راویل کرنے کی کوشش کرنا۔ موسم اچھا ہے۔ دل پر اثر پذیر بھی ہو سکتا ہے۔ تم اسے اجازت دو۔ سردار صاحب کی سنگت کچھ اتنی بری بھی نہیں ہوگی۔ اب اپنے احساس بیدار کرو۔ دل ملنے کے کئی مواقع میسر ہوں گے۔ بشرطیکہ تم چاہو۔"

"سیفی! تم اپنے دادی اماؤں جیسے مشورے اپنے پاس نہیں رکھ سکتے؟"

"سچا خیر خواہ ہوں تمہارا۔"

"اگر ایسا ہے تو بے جی کا خیال رکھنا۔ وہ روتو نہیں رہیں اب؟"

"اتنی فکر ہو رہی ہے تو آ کر چکر لگا جاؤ۔"

"ہاں۔۔۔۔" وہ ابھی کچھ بولنے جا رہی تھی جب اپنی پشت پر کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تھا۔ اس نے تبھی باقی کی بات اندر ہی دبا لی تھی اور گویا ہوئی تھی۔

"سیفی! میں تم سے پھر بات کروں گی۔ او کے؟"

سردار سبکتگین حیدر لغاری بنا کسی سبب کے اس کے قریب نہیں آتا تھا۔ یقیناً اس گھڑی بھی وہ کوئی ضروری ہدایت دینا چاہتا تھا۔ میرب نے پلٹ کر اس کی سمت نگاہ کی تھی۔

"آر یو ریڈی ٹو گو؟" مکمل توجہ سے تکتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

"ہوں۔" اس نے میکانکی انداز میں سر اثبات میں ہلایا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے سرسری انداز میں تکتے ہوئے سر ہلایا تھا اور پھر اس پر سے اپنا دھیان ہٹا لیا تھا۔ میرب سیال نے ایک نظر دیوار پر لگی قیمتی وال کلاک پر ڈالی تھی پھر بہت آہستگی سے اس سے مخاطب ہوئی تھی۔

"سنیں۔" پہلا تخاطب تھا یہ۔ اس تعلق کے استوار ہونے سے اب تک پہلی بار اس نے حیدر لغاری سے کچھ کہا تھا۔ پہلی بار بذاتِ خود اسے خود اپنی جانب متوجہ کیا تھا۔ وہ جو جانے کے لئے پلٹنے کو تھا، اس کی دھیمی آواز پر یکدم ہی پلٹ کر سوالیہ انداز میں اس کی سمت تکنے لگا تھا۔ شاید پہلی ہی بار وہ دانستہ اس کی سمت دیکھنے پر مائل ہوا تھا۔ پہلی ہی بار باضابطہ اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ اس گھڑی اپنی پوری توجہ سے اس کی سمت تکتا ہوا اسے یقیناً بڑا عجیب لگا تھا۔ اسے متوجہ کر کے وہ یقیناً کنفیوژ ہوئی تھی۔ پتہ نہیں واقعی اس شخص میں اتنا رعب تھا یا پھر وہ ہی اسے اتنا سر پر سوار کر رہی تھی۔ اس کے یکدم نگاہ جھکا لینے اور خاموشی سادھ لینے پر وہ کسی قدر اکتاہٹ کا شکار ہوا تھا۔ شفاف آنکھوں میں کسی قدر ناگواری کی جھلک عود کر آئی تھی۔ میرب سیال کو بھی اپنی کمزور کیفیت بے حد بری لگی تھی۔ تبھی وہ سر اٹھا کر کسی قدر اعتماد سے اس شخص کی سمت تکنے لگی تھی۔

"ابھی کچھ وقت ہے۔۔۔۔ میں اپنی بے جی سے ملنا چاہتی ہوں۔ کیا ایسا ممکن ہے؟" پہلی درخواست تھی۔ اس خاص تعلق کے حوالے سے پہلی گزارش تھی۔ اس کی پابند تو نہ تھی، تاحال کوئی قیود دوسری جانب سے بھی عائد نہ کی گئی تھیں۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری اسے خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔ وہ اس خاموشی پر شاید مایوس ہو کر سر جھکا گئی تھی۔ بے جی جس طرح آزردہ ہو رہی تھیں، اس کے پیشِ نظر اس نے ایسا ضروری جانا تھا۔ لیکن اب اپنی اس گزارش کے بے قدر ہو جانے کا شدید ترین احتمال ہوا تھا۔ وہ وہاں سے ہٹنے والی تھی جب وہ گویا ہوا تھا۔

"ٹھیک ہے۔۔۔۔ لیکن زیادہ وقت نہیں ہے ہمارے پاس۔" پہلی اجازت تھی یہ۔ پہلی باضابطہ گفتگو تھی ان دونوں کے مابین۔ پہلا حکم تھا شاید۔ جسے صادر کرنے کے بعد وہ پلٹا تھا اور وہاں سے چلا گیا تھا۔ میرب سیال نے چند ثانیوں تک جانے کیوں اس شخص کی چوڑی پشت کو تکا تھا۔ پھر ضروری سامان لینے کمرے کی طرف چل دی تھی۔ لوٹی تھی تو گاڑی سے ٹیک لگائے وہ اس کا منتظر تھا۔ مائی اماں نے کئی تاکیدیں کی تھیں، ضروری ہدایات تھیں۔ جنہیں سنتے ہوئے وہ مسلسل اثبات میں سر ہلا رہی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کا انداز بھی ہمیشہ کی طرح خاصا سرد تھا۔ کسی قدر لاتعلق اور لیا دیا۔ مکمل توجہ جانے کن کن کاموں اور لوگوں کے لئے وقف تھی۔ اس لمبے چوڑے شخص کی سمت بلا ارادہ تکتی ہوئی وہ گاڑی تک آئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری جیسے اس کے اس فعل کا منتظر تھا۔ فوراً ہی مائی اماں سے مل کر وہ اپنی طرف کا دروازہ کھول کر اس کے ساتھ آن بیٹھا تھا۔ ڈرائیور نے حکم پر گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔ میرب سیال نے دھیان کھڑکی کی سمت پھیرنے سے قبل براہِ راست ڈرائیور کو بے جی کا ایڈریس بتانے کے بعد کچھ ضروری ہدایت دے دی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت اس لمحے ایک بے تاثر نگاہ ڈالی تھی اور پھر سے کارخ پھیر لیا تھا۔

ان کے پاس وقت واقعی زیادہ نہ تھا۔ وہ جانتی تھی، اس کے اس اقدام پر وہ شخص کچھ خاص خوش ہوا تھا۔ شاید تبھی جب گاڑی بے جی کے گھر کے سامنے رکی تھی تو اس نے سردار سبکتگین حیدر لغاری گاڑی سے اترنے کی اور اپنے ساتھ چلنے کی درخواست نہیں کی تھی۔

رشتہ اس کا تھا۔ تعلق اس کا تھا۔ وہ کچھ کہتی بھی کیونکر۔ اس تعلق، اس رشتے کی ابھی تک خود اپنے لئے ثانوی حیثیت تھی۔ پھر وہ کسی اور کو اس سلسلے میں اَنوالو کیوں کرتی۔ خاموشی سے اپنی طرف کا دروازہ کھول کر وہ گاڑی سے باہر نکلی تھی اور ابھی پلٹی بھی نہیں تھی جب دوسری سمت کا دروازہ کھلنے کی آواز نے کسی قدر چونکا دیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اپنی طرف کا دروازہ کھول کر اس لمحے گاڑی سے نکل کر کھڑے ہوئے اس کے ہمراہ چلنے کا منتظر تھا۔ اس کی حیرت دو چند تھی۔

کوئی خوش آئند تبدیلی تھی یہ۔

یا پھر وقتی مصلحت کے تحت کوئی وقتی اقدام تھا۔

لیکن سردار سبکتگین حیدر لغاری کب سے مصلحتوں کا پابند ہونے لگا۔ وہ کیونکر دوسروں کی خاطر اپنی نفی کرنے لگا تھا۔ کیا کچھ مروت اس میں بھی باقی تھی؟ مصلحتاً، مروتاً فرائض سر انجام دینا اسے بھی آتا تھا؟ میرب سیال نے اس کی سمت ایک سرسری نگاہ کی تھی۔ پھر قدم اندر کی جانب بڑھا دیے تھے۔

"ماشاء اللہ، دولہا تو بڑا سوہنا ہے تیرا۔" بے جی اس سے ملنے کے بعد اس لمحے سردار سبکتگین حیدر لغاری سے مل رہی تھیں۔ کس قدر بے بچوں کی طرح اس لمحے وہ سر جھکائے کھڑا تھا۔ مائی اماں سے بہت انسیت تھی اسے۔ بزرگوں سے ادب و آداب سے ملنا یقیناً اسے آتا تھا۔ بے جی کی فطری تحریک پر وہ شاید دھیمے سے مسکرایا بھی تھا۔ میرب سیال کو بڑی خوشگوار حیرت ہوئی تھی۔

"خدا جوڑی سلامت رکھے ——— دل کو بڑی راحت ملی ہے تم دونوں کو سامنے دیکھ کر۔ بڑا دل تھا جی۔" بے جی نے محبت سے اسے تکتے ہوئے کہا تھا۔ وہ اس گھڑی جیسے مصلحتاً مسکرائی تھی۔

"سیال سے بڑا گلہ تھا مجھے ——— مگر تیرا دولہا دیکھ کر ساری کلفتیں ڈھل گئیں۔ ساری عمر کے دکھ دیے اس نے۔ اب مر بھی جاؤں گی تو میری قبر بڑی ٹھنڈی رہے گی۔"

"خدانخواستہ بے جی!" میرب سیال فوراً بولی تھی۔ "خدا آپ کو لمبی عمر دے۔"

"بیٹا! کیا کروں گی لمبی عمر لے کر؟ ——— اس عمر میں تو اپنی خواہش کم، بچوں سے زیادہ وابستہ ہے۔ خدا تم لوگوں کو خوش رکھے۔ اس سے زیادہ کی خواہش ہے نہ حاجت۔" بے جی اسے اپنے ساتھ لگائے سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت تکنے لگی تھیں جو اس لمحے گھڑی کی سمت دیکھ رہا تھا۔

"بے جی! ماموں، مامی اور سیفی وغیرہ نظر نہیں آرہے؟"

"سیفی تو کسی کام سے باہر گیا ہے ——— البتہ باقی سب لوگ ایک تقریب میں گئے ہیں۔ مجھے ہوا یہی خیال اس تعلق کے بعد۔ سبکتگین بیٹا کیا سوچ رہا ہوگا، کوئی خاطر داری بھی نہیں کی۔"

"نہیں بے جی! ——— ایسی بات نہیں۔ اچھی بھلی ہمارے پاس وقت زیادہ نہیں تھا۔ مجھے بڑی فکر ہو رہی تھی۔ آپ اپنا خیال رکھئے گا۔"

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کچھ نہیں کہا تھا مگر اس کی نگاہ بدستور اس کی طرف تھی۔ وہ اس کے گھڑی نگاہ کرنے سے تنا جان گئی تھی کہ وہ اس لمحے کیا چاہ رہا ہے۔

"بیٹا! مجھے اپنی اکلوتی نواسی بہت عزیز ہے۔ بہت خیال رکھنا ہے اس کا۔ یوں سمجھو اس گھڑی ہماری جان تمہارے ہاتھوں میں ہے۔ کی جان سے عزیز رکھنا اسے۔ کبھی کوئی آزار مت آنے دینا۔" بے جی نے سردار سبکتگین حیدر لغاری کے سر پر ہولے سے ہاتھ دھرتے ہوئے کہا تھا۔ وہ جانے کیوں اس لمحے اس جانب متوجہ تھی۔ بے جی کی ہدایت پر وہ اس کی سمت تکنے لگا تھا۔ وہ دھیان پھیر گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

"جی ——— آپ بے فکر رہیے۔"

"ایک درخواست اور کروں گی۔"

"جی ضرور۔ مگر درخواست نہیں، حکم کیجئے۔" سعادت مندی بلا کی تھی۔ میرب سیال بری طرح چونکی تھی۔ اس جانب نگاہ بھی کی تھی مگر وہ اب گھڑی اس کی جانب متوجہ نہیں تھا۔ مکمل توجہ سے بے جی کی سمت دیکھ رہا تھا۔

"بہت ترسی ہوں میں ہمیشہ میرب کے لئے۔ میری اکلوتی بیٹی کی نشانی ہے یہ۔ مگر حالات کچھ ایسے رہے کہ سیال نے اسے ہم سے زیادہ ملنے نہیں دیا۔ خیر مجھے اس سے کوئی گلہ نہیں ——— جو اس نے چاہا سو کیا۔ مگر بیٹا! اب جب کہ میرب کی زندگی کے وارث تم ہو، میں تم سے امید رکھوں گی کہ تم اسے ہم سے ملنے آتے جاتے رہا کرو گے۔ بہت تڑپا ہے دل اپنی بچی کے لئے۔ اب اور کی ہمت نہیں۔ عمر کی نقدی ختم ہونے کو آن پہنچی ہے۔ کب بلاوا آجائے، کسے خبر۔ بس تم سے امید کروں گی کہ تم اسے محبت سے رکھو، اس کا خیال کرو اور کبھی کبھار ہم سے ملوانے لاتے رہا کرو۔" بے جی کی درخواست پر اس نے دھیمے سے مسکراتے ہوئے سر اثبات میں ہلایا تھا۔ پھر دھیان پھیر کر میرب سیال کی سمت دیکھا تھا۔

"چلیں ———" وہ جانتی تھی وہ اس کی توقع سے زیادہ وقت لے چکی تھی اور وہ یقیناً توقع سے زیادہ برداشت کا مظاہرہ کر چکا تھا۔ تبھی اس نے فوراً قدم آگے بڑھا دیے تھے۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس گھڑی اس کے ہمراہ تھا۔ اس کے ہم قدم تھا۔ ابھی تھوڑی دیر قبل اس نے اس کا بہت انوکھا روپ دیکھا تھا۔ جس پر یقیناً کم از کم وہ قیاس نہیں کر رہی تھی۔ تبھی شاید حیرت بھری نگاہ اس لمحے اس کی سمت اٹھی تھی۔ اسے اپنی جانب دیکھتے پر وہ قدرے چونکا تھا۔

"کیا؟" مختصر استفسار ہوا تھا۔ میرب سیال نے فوراً سر نفی میں ہلایا تھا اور گاڑی کا دروازہ کھول کر فوراً بیٹھ گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے دوسرے ہی لمحے اس پر سے نگاہ ہٹائی تھی اور اپنی طرف کا دروازہ کھول کر اس کے ساتھ بیٹھ گیا تھا۔ ڈرائیور نے حکم پر گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔ میرب سیال چہرہ موڑ پھیر کر کھڑکی سے باہر تکنے لگی تھی۔

❋ ❋ ❋

اس شام کے بعد سے اس نے ہر خیال کو سرسری لیا تھا۔ یکسر فراموش کر دیا تھا سب کچھ۔ اور کچھ

سوچنے لائق تھا بھی کیا ——— کوئی بات اس قدر معمول سے ہٹ کر بھی واقع نہ ہوئی تھی۔
شام میں جب وہ گرم گرم کافی کے سپ لیتی ٹیرس پر کھڑی اس سرد موسم کو انجوائے کر رہی
چوکیدار کے گیٹ وا کرنے اور اندر پورچ میں آ کر رکنے والی گاڑی نے اسے چونکا دیا تھا۔
تھا کہ وہ اس سے قبل بھی یہاں کا چکر شاید لگا چکا تھا۔ ورنہ چوکیدار کسی اجنبی یا نو وارد کے آ
اس طرح وا ہرگز نہیں کرتا تھا۔

وہ اسی جانب اسی طرح دیکھ رہی تھی جب عفنان علی خان نے گاڑی سے باہر نکل کر ہاتھ ا
وش کیا تھا۔ اخلاق کا تقاضا یہی تھا کہ جواباً وہ بھی ہاتھ ہلا دیتی اور وہ اس قدر ان مینرڈ قطعاً نہیں
آئے مہمان سے بدسلوکی کی روادار تھی۔ سولبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ سجا کر اس نے بہت آہستگی
ہلا دیا تھا۔ عفنان علی خان ہاتھ میں ایک پیکٹ لئے ٹیرس کی بیرونی سیڑھیاں چڑھتا ہوا آ رہا تھا۔
شاہ کو اب مہمان نوازی کے کچھ اور تقاضے بھی پورے کرنے تھے۔

سیڑھیاں چڑھ کر اس لمحے وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا اس کی سمت بڑھ رہا تھا۔ چند ہی ثانیوں میں
کے مقابل تھا۔

"یہاں سے گزر رہا تھا ——— سوچا دادا ابا سے ملتا چلوں۔" حال احوال کے بعد مدعا بیان
یقیناً وہ دادا ابا سے دوستی گانٹھ چکا تھا۔

وہ جواباً رسماً یا پھر شاید اخلاقاً مسکرائی تھی۔ دھیان اس کے ہاتھ میں تھمے پیکٹ کی سمت گیا تھا
"یہ کیا ہے؟"

انابیہ شاہ کے دریافت کرنے پر وہ چونکا تھا۔
"دادا ابا کے لئے گفٹ ہے۔ اس روز میں انہیں کوئی گفٹ نہیں دے سکا تھا۔"
"موصوف کو تعلقات استوار کرنے کے سارے گر شاید ازبر تھے۔
"کیا ہے یہ؟"
"چیس بورڈ۔"

"چیس بورڈ؟" وہ حیران ہوئی تھی۔ تو کیا وہ دادا ابا کی دلچسپیوں سے بھی واقف تھا؟ وہ اگر ا
متاثر نہ ہوتی تو یقیناً اس سامنے کھڑے بندے کی ذہانت کے ساتھ ناانصافی ہوتی۔ شاید تبھی وہ مسکرا
"کھیلنے سے واقف ہیں؟" بغور تکتے ہوئے دریافت کیا تھا۔
"حرج تو کوئی نہیں۔"
"کھیلتے ہیں یا ہارتے ہیں؟" وہ یقیناً محظوظ ہو رہی تھی۔
"دونوں ہی۔ کھیلیں گے نہیں تو جیتیں گے کیسے؟ اور ہاریں گے نہیں تو سیکھیں گے کیسے؟
کے لئے کھیلنا تو بہت ضروری ہے نا۔" موصوف کی قابلیت خاصی کمال کی تھی۔
"پھر تو اسعد کے لئے زندگی خاصی دشوار اور مشکل ہو گی۔ چیس کھیلنے والے دماغ سے چلتے
ہوتے ہیں۔" قیاس آرائی کی تھی۔ مگر مقابل نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ ہاں لبوں کی مسکراہٹ

تھی۔
"دادا ابا لاؤنج میں ہیں۔" اطلاع دی تھی۔
"رہنمائی نہیں کریں گی؟"
"اسعد کو انگلی تھام کر چلنے والے لوگ اچھے نہیں لگتے۔" اس کے ساتھ چلتے ہوئے مسکرا کر مطلع کیا تھا یا
ر کر رہا تھا لیکن عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔
"تمہیں ہر گھڑی اسعد نامہ الاپنے کی عادت کیوں ہے؟" وہ یکدم پٹری سے اترا تھا۔ وہ چلتے چلتے
رکی تھی۔ عفنان علی خان بغور تکتا رہا تھا پھر مسکرا دیا تھا۔ انابیہ شاہ دیکھ کر رہ گئی تھی۔ تبھی عفنان علی
دلچسپی سے اسے دیکھتا ہوا گویا ہوا تھا۔
"دادا ابا خاصے اچھے دوست ہیں ——— آپ نے ٹھیک کہا تھا۔"
"وہ چیس پلیئر بھی بہت عمدہ ہیں۔" وہ مسکرائی تھی۔
"ڈرا رہی ہیں آپ مجھے؟" وہ بغور اس کی سمت تکتے ہوئے مسکرایا تھا۔
"نہیں ——— مطلع کر رہی ہوں۔ وہ سامنے دادا ابا موجود ہیں۔ آپ جا سکتے ہیں۔" اسے لاؤنج میں
کر وہ واپس پلٹ گئی تھی۔ عفنان علی خان مسکرایا تھا، پھر آگے بڑھ گیا تھا۔
عشق مانگے امتحاں کیا کیا!
انابیہ کافی لے کر آئی تھی جب خاصا طف میچ جاری تھا۔ عفنان علی خان اور دادا ابا مکمل توجہ سے شطرنج
دل کو گھور رہے تھے۔ وہ مسکرا دی تھی۔
"دادا ابا! اگر اسعد کو بھی لگا کہ اس کا منگیتر بہت ذہین و فطین ہے تو اس کا سہرا یقیناً آپ کے سر ہو گا۔"
کے مگ ان کے سامنے رکھتی ہوئی وہ یقیناً ان کی کیفیت سے محظوظ ہوئی تھی۔ عفنان علی خان نے فقط
اٹھائی تھی۔ کہا کچھ نہیں تھا۔ وہ وہیں کھڑی تھی جب ماما نے اسے آواز دی تھی۔
"بیٹا! تمہارا فون ہے۔"
"آ رہی ہوں ماما!" ماما کو آواز دے کر وہ عفنان علی خان کی سمت دیکھنے لگی تھی۔
"شطرنج واقعی خاصا مشکل کھیل ہے۔ ہے نا؟" اپنی مستند رائے دے کر وہ ہنسا۔ اس کا جواب سنے پلٹ
۔ عفنان علی خان اسے فقط دیکھ کر رہ گیا تھا۔
انابیہ شاہ کو اس شخص کی کیفیت یقیناً محظوظ کر رہی تھی۔ دادا ابا پچھلے پچاس برسوں سے چیس کھیل رہے
انہیں ہرانا یقیناً آسان نہ تھا۔ وہ بھی عفنان علی خان جیسے قطعی نا بلد شخص کے لئے، جسے چیس کی ابجد
لوم نہ تھی۔
مسکراتی ہوئی فون اسٹینڈ کی طرف آئی تھی۔ دوسری طرف اوزی کی آواز سن کر وہ بری طرح چونک
تھا۔
"آ اوہ ——— اوزی! تم؟ ——— ماما نے مجھے بتایا تک نہیں۔ کتنے بے ایمان شخص ہو تم۔ یقیناً تمہی
نے بتانے سے باز رکھا ہو گا۔"

وہ دادا کے جانے کے بعد عفنان علی خان مسکرایا تھا۔

"خواب و خیال کی کیفیت سے باہر آجاؤ۔ یہ خواب سی آنکھیں جو دیکھ رہی ہیں وہ یقیناً خواب ہے۔" دھیمے لہجے میں ایک خاص تفاخر تھا۔ آنکھوں میں واضح چمک تھی۔ لبوں کی وہی مسکراہٹ بتا رہی تھی کہ وہ اس گھڑی اپنی جیت پر کس درجہ سرشار تھا۔ اس کی سمت بغور تکتا ہوا بہت ہولے سے گویا ہوا تھا۔

اس کی آنکھیں بتاؤں کیسی ہیں
جھیل سیف الملوک جیسی ہیں

وہ مکمل طور پر مسرور تھا۔ ابھی کچھ دیر قبل دھواں دھار بولنے والی لڑکی کی زبان اس قدر گنگ تھی۔

"تمہارے وصف تو نرالے ہیں ـــــ ان آنکھوں کی ایک جنبش سے ہی فقط دنیا زیر و زبر ہے۔ تمہیں افعال و اعمال سے کیا غرض؟ تمہاری کرشمہ سازیاں تو اس سے بھی سوا ہیں۔ کتنے بھیدوں سے واقفیت ہے تمہاری۔ ایک عام سے بندے کی سوچ کی تو رسائی بھی تم تک ممکن نہیں۔ انوکھے جہانوں میں بستی ہو تم؟ ـــــ کتنے انوکھے ٹھکانے ہیں تمہارے۔" عفنان علی خان کی ذہنی رو شاید بھٹک رہی تھی۔ وہ اس گھڑی پھر شاید پٹڑی سے اتر رہا تھا بلکہ شاید اتر چکا تھا۔ انابیہ شاہ اب اسے خاموشی سے دیکھ رہی تھی۔

"کھانا کھا کر جانے کا ارادہ ہے؟"

وہ مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اسے بغور دیکھتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"نہیں ـــــ پھر کبھی سہی۔ آج تو فقط جیت سے سرشار ہوں۔" وہ اسی طرح کھڑا تھا جب مامی آئی تھیں۔

"تم کھڑے کیوں ہو بیٹا! بیٹھو نا ـــــ کھانا کھا کر جاؤ۔"

"نہیں آنٹی! پھر کبھی سہی۔" وہ بولا تھا۔ پھر ایک نگاہ اس کی طرف کی تھی، دھیمے سے مسکرایا تھا اور پلٹ کر قدم بڑھا دیے تھے۔

***

"بھابی! کتنی عجیب بات ہے ـــــ آپ نے سردار سبکتگین حیدر لغاری کی شادی کر کے دلہن کو اسے ہنی مون کے لیے بھی بھجوا دیا اور ہمیں خبر تک نہ ہوئی۔ وہ تو اس روز عفنان نے اسے ہوٹل میں دیکھا تو تب حقیقت کھلی ورنہ شاید آپ تو اپنی بیٹی سے یہ بھی مخفی رکھتیں۔" فاطمہ خان نے مائی اماں سے گلہ کیا تھا۔ وہ بڑی رسانیت سے مسکرا دی تھیں۔

"بھلا ایسی باتیں بھی کبھی مخفی رہ سکتی ہیں فاطمہ؟ ـــــ بتایا تو تھا تمہیں سیال صاحب کی بیماری کے متعلق۔ انہی کی اکلوتی بیٹی ہے میرب۔ وہ علاج کی غرض سے باہر جا رہے تھے سو یہاں چھوڑ گئے تھے۔"

"اور وہ جو عفنان کو خود سبکتگین نے مطلع کیا؟" فاطمہ خان نے استفسار کیا تھا۔

"یہی تو بتا رہی ہوں ـــــ سیال صاحب کو علاج کی غرض سے بیرون ملک جانا تھا۔ اگرچہ بات تو اس سے قبل ہی چلی تھی مگر انداز سرسری تھا۔ سیال صاحب جب جا رہے تھے تو ان کا ارادہ تھا۔ مگر مجھے میرب اس قدر پسند آئی تھی کہ میں اسے ہرگز کھونا نہیں چاہتی تھی۔ سو میں نے ان کے سامنے نکاح کی تجویز رکھی تو انہوں نے بھی انکار نہیں کیا۔ اس طرح میرب سبکتگین کی منکوحہ ہو گئی۔ انہی کا رابطہ کچھ کیا گیا ہے۔ پھر کسے کا ڈھنڈورا پیٹنا۔ سیال صاحب صحیح سلامت لوٹیں گے تو پھر باضابطہ اس کا اعلان کریں گے۔ فی الحال تو وہ دونوں سیال صاحب کی عیادت کو ہی گئے ہیں۔ میرب بہت آزردہ رہتی تھی۔ سبکتگین حیدر بھی بزنس ٹور پہ جا رہا تھا۔ میں نے میرب کو بھی ساتھ کر دیا۔"

"سبکتگین حیدر نے عندیہ دے دیا تھا نکاح کے لیے؟" فاطمہ پھوپھی تھیں۔ بھتیجے کے مزاج سے اچھی طرح واقف تھیں۔ تبھی کسی قدر حیرت سے دریافت کیا تھا۔

مائی اماں مسکرا دی تھیں۔

"فاطمہ! گھوڑا چاہے لاکھ سرکش ہو اپنے سائیں سے سرکشی نہیں کر سکتا۔ چاہے لاکھ ہاتھ پیر مارے مگر سائیں جانتا ہے کہ اسے کس طرح قابو کیا جا سکتا ہے۔"

"سردار سبکتگین حیدر لغاری کو پسند تو ہے نا لڑکی؟" فاطمہ خان کو تشویش ہوئی تھی۔

مائی اماں مسکرا دی تھیں۔

"میرب میں ناپسند کرنے والی کوئی بات نہیں۔ سب سے بڑھ کر مجھے اس لڑکی میں بہت خاص شے دکھائی دی ہے فاطمہ! بہت سی لڑکیوں کو دیکھا ہے میں نے۔ مگر میرب کو دیکھ کر جانے کیوں مجھے لگا کہ یہی وہ لڑکی ہے جو میرے سبکتگین حیدر لغاری کو سمجھ سکتی ہے۔ سب کچھ اپنے رنگ میں رنگ سکتی ہے۔ مجھے یقین ہے وہ ایک دن ایسا سب کر گزرے گی۔" مائی اماں کا لہجہ پُر یقین تھا۔

"وہ تو ٹھیک ہے بھابی! مگر سبکتگین حیدر......" وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی تھیں۔ مائی اماں نے انہیں مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔

"تمہارے خدشے بے جا نہیں ہیں فاطمہ! کسی قدر فکرمند میں بھی تھیں۔ مگر اب مجھے لگنے لگا ہے کہ یہ بالیقین ہو سکتا ہے۔ وہ لڑکی بڑی کرشمہ ساز ہے۔ وہ حالات کو اپنے بس میں کر سکتی ہے۔ پہلے پہل مجھے بھی لگا تھا میں نے کسی معصوم لڑکی کے ساتھ ناانصافی کی ہے۔ لیکن اب مجھے ایسا کوئی پچھتاوا نہیں۔ فاطمہ! مجھے لگتا ہے یہ وہی لڑکی ہے جس کی ضرورت سبکتگین حیدر جیسے شخص کو تھی۔ یہی وہ لڑکی ہے جو اسے مکمل کر سکتی ہے۔"

فاطمہ خان نے سر ہلا دیا تھا۔

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔"

تبھی مائی اماں نے ان کی سمت تکتے ہوئے کہا تھا۔

"تم بتاؤ ـــــ بیٹے کی شادی کب کر رہی ہو؟"

"ابھی کہاں بھابی! ـــــ آپ تو جانتی ہیں آج کل کے بچوں کے مزاج کو۔ عفنان بھی کہاں حق میں تھا جلدی شادی کے۔ وہ تو بڑوں کے اور میرے کہنے پر منگنی کی زنجیر پیروں میں پہن لی۔"

"تو زبردستی کیوں کر رہی ہو بچے پر؟ ـــــ عفنان علی خان تو ماشاء اللہ خاصا سمجھا ہوا بچہ ہے۔ اس

معاملے میں تم تو ایک خوش نصیب ماں واقع ہوئی ہو۔ کرو جہاں کہتا ہے۔ میرے سبکتگین حیدر کا تو معاملہ ہی مختلف تھا۔ ورنہ کیا عجب کہ جس لڑکی کے لئے کہتا میں اسے بہو بنا کر گھر نہ لے آتی۔" سرد آہ کے ساتھ مائی اماں گویا تھیں۔ فاطمہ نے بھائی کے ہاتھ پر بہت ہولے سے ہاتھ دھر دیا تسلی دینے والا تھا۔

"ماشاءاللہ ـــــ بہت سمجھ دار اور سعادت مند تو اپنا سبکتگین حیدر بھی ہے۔ بس ذرا مزاج کچھ بگاڑ اس کی شخصیت میں بھی آ گیا ہے۔ خیر چھوٹی موٹی خامیاں تو ہر انسان میں ہوتی ہیں۔ عیب سے پاک تو صرف خدا کی ذات ہے۔ اور پھر یہ چھوٹی موٹی خامیاں تو دور کی جا سکتی ہیں۔ ان تمام کے برعکس سبکتگین حیدر میں بہت سی عمدہ صفات بھی موجود ہیں جو شاید کسی دوسرے شخص میں نہ ہوں۔ عثمان علی خان، سبکتگین حیدر کے کچھ برعکس واقع ہوا ہے۔ آپ پسند کی شادی کی بات کر رہی ہیں تو پوچھ پوچھ کر ہار گئیں مگر اس نے مجال ہے جو ایک بھی لڑکی کا نام لیا ہو۔ سرے سے اس کی زندگی میں کوئی موجود ہی نہیں تھی۔"

"تبھی تو بہوؤں اور ماں کی مشترکہ پسند پر چپکے سے سر جھکا دیا۔" فاطمہ خان مسکرا رہی تھیں۔

"خیر لامعہ بچی ہے تو اچھی۔ منگنی کی تقریب میں خوب سج رہی تھی عثمان کے ساتھ۔" مائی اماں نے سراہا تھا۔

"بس بھائی! خدا سے یہی دعا ہے کہ وہ جوڑی سلامت رکھے۔ اس تعلق کو سدا بنائے رکھے۔"

"آمین۔" مائی اماں نے بھی اس دعا کی قبولیت کے لئے لب کھولے تھے۔

***

"اکلیتے! آپ نے کبھی معجزے ہوتے دیکھے ہیں؟" اذہان حسن بخاری نے گرم کافی کا سپ ہوئے کھلے آسمان کی وسعتوں کو دیکھا تھا۔

اکلیتے نے اس کی سمت بغور دیکھا تھا پھر مسکرا دی تھی۔

"شاید۔" بولی تو آواز بہت دھیمی تھی۔ اذہان حسن بخاری کافی کا بھاپ اڑاتا کپ ہاتھ میں کی سمت پُرخیال نظروں سے تکنے لگا تھا۔

"شاید کبھی کہیں کسی زمین پر ہوتے ہوں، ہوئے ہوں۔ مگر میں نے کبھی اپنی آنکھوں سے ایسا سازباں نہیں دیکھیں۔" اکلیتے مدھم لہجے میں کہتی ہوئی مسکرائی تھی۔ اذہان حسن بخاری بھی مسکرا دیا۔ اکلیتے مزید گویا ہوئی تھی۔

"شاید معجزے چاند پر ہوتے ہیں ـــــ گمان، میں حسین تر، دلفریب ترین۔ دیکھو، خوب صورت سوچیں تو دلکش ترین ہوتی ہیں۔ مگر.... مگر رسائی سے بہت پرے، دسترس سے نہیں باہر ہوتی ہیں۔ کہوں، میں نے تو آج تک کوئی تارا بھی ٹوٹتے نہیں دیکھا۔ جس کے ٹوٹنے پر کوئی دعا بروقت سوچی جا سکے کہ اس ایک قیمتی لمحے میں مانگی جانے والی وہ دعا پوری ہو جائے۔"

اذہان حسن بخاری نے شاید اس کی بات کے ہی ضمن میں اس لمحے بے دھیانی میں سر اٹھایا

آسمان کو بغور دیکھا تھا پھر بہت آہستگی سے مسکرا دیا تھا۔

"سچ کہوں ـــــ آج تک میں نے بھی کوئی تارا ٹوٹتے نہیں دیکھا۔ اس ضمن میں یقیناً ہمیں ناسا والوں کی خدمات لینی چاہئیں۔ آخر یہ بھید کھلے ایسا ہے بھی یا کہ نہیں۔ سچ میں کوئی ایسا تارا ہے کہ جس کے ٹوٹنے پر کوئی خواہش پوری ہونے کی یقین دہانی ہو سکے؟" وہ مسکرا رہا تھا۔

اکلیتے ہنس دی تھی۔ اذہان حسن بخاری اسے بغور تکنے لگا تھا۔ اکلیتے نے کافی کا سپ لیا تھا، اس پر نگاہ کی تھی اور لب بھینچ کر مسکرائی تھی۔

"زندگی کی الگ کہانی ہے۔ زندگی چاند تاروں میں نہیں بستی، زندگی میں بستی ہے۔ بھلا وہ بہت خوب صورت سہی، مگر دل کو، دماغ کو باور کرانا بہت مشکل ہے۔ حقیقت کا ادراک بہت برا ہوتا ہے۔ آگاہی بہت بری ہوتی ہے۔ آنکھیں بند کر کے چلنا آسان ہے۔ اندھیرے میں کسی بات کا احساس نہیں ہوتا۔ سب رنگ ایک جیسے لگتے ہیں۔ مگر...... مگر آگاہی ان سب باتوں کی مکمل نفی کرتی ہے۔"

"آپ کو ایسا لگتا ہے؟" اذہان حسن بخاری نے مسکراتے ہوئے بغور اسے دیکھا تھا۔ اکلیتے نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر مسکرا دی تھی۔

"تم سے بڑی ہوں۔ جھوٹ تو قطعاً نہیں بول سکتی۔"

"کس نے بتایا آپ کو؟ ـــــ ناسا والوں نے یا خود آپ نے؟" جملہ ادھورا چھوڑ کر وہ شگفتگی سے مسکرایا تھا۔

"او کم آن ـــــ" وہ کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔ اذہان حسن بخاری خاموشی سے اس کی سمت تکتا رہا تھا۔ اکلیتے نے کافی کا سپ لیا تھا پھر اس کی سمت نگاہ کی تھی۔

"ہماری عمر کے ہو لو۔ پھر پوچھیں گے۔ ابھی بہت چھوٹے ہو تم۔ اور تجربہ وقت کے ساتھ آتا ہے۔ اس کا کوئی شارٹ کٹ نہیں ہے۔"

اذہان حسن بخاری نے کافی کا سپ لیتے ہوئے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

"شاید آپ صحیح کہہ رہی ہیں۔" وہ ایک لمحے میں ہم خیال ہوا تھا۔ اکلیتے خاموشی سے سر جھکا کر کافی کے سپ لینے لگی تھی۔ تبھی اذہان حسن بخاری کے پرسنل ڈیجیٹ سیل پر رنگ ٹون بجی تھی۔

"ایکسکیوز می۔" اس نے ایک لمحے میں معذرت کرتے ہوئے موبائل کان سے لگایا تھا۔

"جی چاچو! کیسے ہیں آپ؟" دوسری طرف فیض چاچو تھے۔

"پرفیکٹلی آل رائٹ۔ تم کیسے ہو؟ ـــــ باقی سب لوگ کیسے ہیں؟"

"سب ٹھیک ہیں چاچو! کب آ رہے ہیں آپ واپس؟" اس نے دریافت کیا تھا۔

"سچ بھابی سے بات ہوئی تھی تو وہ بھی کان کھینچ رہی تھیں۔ سیمینار تو کب کا ختم چکا۔ انہیں بھی تشویش ہو رہی تھی کہ کہیں میں نے کہیں یو ایس اے میں قیام کا ارادہ تو نہیں کر لیا۔ انہوں نے تو یہاں تک پوچھ لیا کہ کہیں میں اپنے ساتھ کوئی گوری وہری تو نہیں لا رہا۔" فیض چاچو بہت فرینڈلی تھے۔ اس لئے بھی وہ ہنس رہے تھے۔ اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

"پھر کیا کہا آپ نے؟"

"مجھے تو بہت سی گوریاں پسند آ گئی ہیں۔ مگر معاملہ یہ ہے کہ میں بھی ان کو پسند آ جاؤں۔" وہ کھلکھلا کر ہنس رہے تھے۔

"چاچو! کمال کرتے ہیں آپ بھی۔ آپ کسی جارج کلونی سے کم ہیں کیا؟" اس کا موازنہ بہت خوب تھا۔ تبھی فیض چاچو کھلکھلا کر ہنس دیے تھے۔

"آف کورس۔ اگلے بیس برسوں تک میں بھی ٹاپ موسٹ ایلیجبل بیچلر کا ہی شمار ہوں گا۔"

اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔ تبھی انہوں نے قدرے سنجیدہ ہو کر دریافت کیا تھا۔

"بھائی سے میں نے کچھ دریافت نہیں کیا۔ مگر مجھے بڑی فکر ہو رہی تھی۔ سعد بھائی کی طرف سے سب کچھ ٹھیک ہے نا؟" وہ اصل مدعا پر آ گئے تھے۔ اذہان حسن بخاری لب بھینچ گیا تھا۔ چند ثانیوں تک خاموش رہا تھا پھر سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"سب ٹھیک ہے چاچو!" لہجہ مدھم تھا۔

"ٹھیک کہہ رہے ہو؟" فیض بخاری کا انداز کسی قدر فکر مندانہ تھا۔ مگر وہ کچھ نہیں بولا تھا۔ تبھی وہ بولے تھے۔

"میں یہاں آنا نہیں چاہ رہا تھا۔ ان دنوں جو اس گھر کی حالت تھی، یقیناً اس میں سب کچھ چھوڑ کر جانا بہت آکورڈ لگ رہا تھا۔ مگر فارحہ بھابی نے امپوز کیا تو مجھے آنا پڑا۔ بات تو کچھ دنوں کی تھی مگر میرا سارا دھیان اسی طرف لگا رہا۔ فیملی کرائسس میں ہو تو پھر شاید چھوٹی چھوٹی باتوں اور واہموں میں دل کو الجھنے سے باز نہیں رکھا جا سکتا۔ اور میری فیملی تو درحقیقت مشکل میں ہے۔" فیض بخاری بہت پریشان لگ رہے تھے۔

"نہیں چاچو! یہاں سب ٹھیک ہے۔ آپ کب آ رہے ہیں؟"

"بہت جلد جان! تم اپنا اور بھابی کا خیال رکھنا۔" بہت محبت سے وہ گویا تھے۔

"جی چاچو!" سلسلہ منقطع کر کے اس نے اگینہ کی سمت دیکھا تھا جو اس لمحے اسی کی سمت بغور دیکھ رہی تھی۔ وہ جانے کیوں نظر پھیر گیا تھا۔

"ڈاکٹر صاحب کا فون تھا؟" فیض بخاری کے متعلق دریافت کیا تھا۔ وہ مسکرا دیا تھا۔

"ہوں۔"

"موصوف مشہور و معروف ہارٹ اسپیشلسٹ بن چکے ہیں۔" متاثر کن انداز میں شانے اچکا کر تبصرہ کیا تھا۔ اذہان نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"ہوں۔"

"ابھی تک شادی نہیں کی؟" اسے شاید حیرانی ہوئی تھی۔ اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

"کہیں جوگ ووگ تو نہیں لے لیا؟" مسکراتا ہوا انداز یقیناً تفتیشی ہی تھا۔ اذہان حسن بخاری کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔ تبھی وہ گویا ہوا تھا۔

"میری عمر 30 برس ہو چکی ہے اور موصوف مجھ سے تو چند برس بڑے ہی ہیں۔ جب میں پرائمری کلاس میں تھی تو انہوں نے غالباً اسٹینڈرڈ پوزیشن کے ساتھ پاس آؤٹ کیا تھا۔" وہ فون پر اس کی گفتگو یک طرفہ طور پر سن چکی تھی۔ اتنی سمجھدار تھی کہ لفافہ دیکھ کر خط کا مضمون بھانپ سکتی تھی۔ وہ اس کا موڈ بھی بھانپ گئی تھی شاید۔ تبھی ماحول کی اور اس کے اندر کی کثافت شاید معدوم کرنے کو اس گھڑی بے معنی گفتگو بھی خاصے انہماک سے کر رہی تھی۔ اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

"فیض چاچو تو خاصے ہینڈسم تھے ان دنوں۔ بہت سی لڑکیاں فدا تھیں ان پر۔ آپ نے کبھی انہیں اس زاویے سے نہیں دیکھا؟" دوستانہ انداز میں دریافت کیا تھا۔ اگینہ کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔ اذہان حسن بخاری بغور اس کی سمت دیکھ رہا تھا۔

"بہت نک چڑھا اور خبطی تھا وہ ان دنوں۔۔۔ کسی کو خاطر ہی میں نہیں لاتا تھا۔ مجھے اسے چھیڑ کر بڑا لطف آتا تھا۔ بہت بنتا تھا وہ کہ ذہین ہوں، پوزیشن ہولڈر ہوں، ڈاکٹری پڑھ رہا ہوں، کچھ کچھ ہینڈسم بھی ہوں۔ موصوف کی گردن ہمیشہ یوں تنی رہتی تھی۔ لیکن میرے سامنے اس کی ساری کلف اتر جاتی تھی۔ غباچہ کہہ کر چھیڑتی تھی اسے۔" وہ مسکراتی ہوئی گزشتہ وقت کے پردے چاک کر رہی تھی۔ اذہان حسن بخاری کھلکھلا کر ہنستا چلا گیا تھا۔

"اگینہ! میرے چاچو مجھے خاصے معقول شخص ہیں۔" دفاع کیا تھا۔

"ہاں، تو میں کب انکاری ہوں؟۔۔۔ میں بھی سچ کہہ رہی ہوں۔ تم ان سے پوچھ سکتے ہو۔" اگینہ بولی تھی اور وہ مسکرا دیا تھا۔ اگر اگینہ کا مقصد اس کی ٹینشن ریلیف کرنے کا تھا تو وہ یقیناً اس ضمن میں کامیاب ہو چکی تھی۔ اس لمحے اذہان حسن بخاری کے چہرے پر بڑی شفاف مسکراہٹ تھی۔ اسے مطمئن دیکھ کر اگینہ کو خوشی ہوئی تھی۔

* * *

تہرب سیال نے اپنے وہاں پہنچنے کی پیشگی اطلاع نہیں دی تھی۔ تبھی زوباریہ اسے دیکھ کر قدرے حیران ہوئی تھی۔

"اچھا کیا آ گئیں تم۔ لیکن تمہیں اطلاع تو دینی چاہیے تھی۔" زوباریہ کا انداز ہمیشہ کی طرح کسی قدر سرد تھا۔ تہرب سیال انہیں فقط دیکھ کر رہ گئی تھی۔ سبکتگین حیدر لغاری نے ایک نگاہ کی تھی اس پر پھر زوباریہ کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

"میں ایک [illegible] اپائنٹمنٹ کے لئے آ رہا تھا۔ بی اماں کا خیال تھا اس وقت انہیں بھی سیال صاحب کے [illegible] چاہیے۔ مجھے بی اماں کے خیال سے اتفاق نہیں ہوا۔" مضبوط لہجے میں کہتا ہوا شاید وہ [illegible] تھا۔ تہرب سیال نے کسی قدر چونک کر اس کی سمت نگاہ کی تھی۔ مگر اس لمحے وہ اس کی جانب [illegible] تھا۔ وہ بہت خاموشی کے ساتھ سر جھکا کر آگے بڑھ گئی تھی۔

[illegible] خوش تھے۔ کتنے لمحوں تک [illegible] ساتھ لگائے بیٹھے رہے تھے۔ [illegible] اس [illegible] بعد محسوس کیا تھا۔ کس قدر سکون مل رہا تھا۔ آنکھوں سے بہت خاموشی کے ساتھ گرم [illegible]

گرم پانی بہہ رہا تھا۔

"بچے! ٹھیک ہے سب کچھ۔ تم کیوں رو رہی ہو؟" پاپا نے اس کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیر ہوئے دیکھتے سے مسکرا کر کہا تھا۔ مگر وہ کچھ نہیں بولی تھی۔ تبھی منظر سیال گویا ہوئے تھے۔

"ایوری تھنگ از فائن بیٹا! ـــــ دیکھو میری طرف، لگ رہا ہوں نا تندرست؟ اچھا یہ بتاؤ آ خوش تو ہو نا؟ ـــــ سبکتگین خیال تو رکھ رہا ہے نا تمہارا؟ حمیدہ بیگم سے کہہ دیا تھا میں نے، اپنی اماؤ سوٹ کر جا رہا ہوں۔ تندرست ہو کر لوٹوں گا تو بڑی دھوم دھام سے خود اپنے ہاتھوں سے آپ کو سونپ گا۔ تب تک وہ میرے بچے کا خیال رکھیں۔" وہ شاید اس کا دھیان بٹانا چاہ رہے تھے۔ مگر وہ بہت آنا سی سر اٹھا کر ان کی طرف تکنے لگی تھی۔

"پاپا! مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔"

"کیوں؟" اسے بچوں کی طرح پچکارتے ہوئے وہ مسکرائے تھے۔ "بیٹا! ٹھیک تو ہے سب۔" ا کے باور کرانے پر بھی اس کے اندر کی کیفیت نہیں بدلی تھی۔ تبھی اس کے ہاتھ تھام کر منظر سیال گ ہوئے تھے۔

"ان چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے جب بچپن میں تم میرے لئے دعا کیا کرتی تھیں تو میں ہر تکلیف سے نکل آیا کرتا تھا۔ مجھے یقین ہے اگر آج بھی میری بیٹی میرے حق میں دعا کرے گی تو وہ رائیگاں نہیں جائے گی۔" پاپا کے حوصلہ بندھانے کے باوجود اس کی آنکھوں سے نمی ختم نہیں ہوئی تھی۔

"ابھی تو بہت جینا ہے مجھے۔ اپنی بیٹی کو اپنے ہاتھوں ڈولی میں بٹھا کر رخصت کرنا ہے۔ فانی کی دلہ کو گھر لانا ہے۔ نواسے نواسیوں، پوتے پوتیوں کو گود میں کھلانا ہے۔ ابھی اتنی جلد ہرگز نہیں جانا ہے مجھے تم ہر طرح کی فکر دل و دماغ سے نکال دو۔" پاپا نے اس کی پیشانی پر بہت آہستگی سے اپنے پیار کی مہر ثبت کی تھی۔ اس کے آنسوؤں کی شدت اور بھی بڑھ گئی تھی۔

یکدم آہٹ ہوئی تھی۔ شاید کوئی اس کے قریب تھا۔ خوشبو نتھنوں میں گھسی تھی۔ تاثر بڑا جانا پہچانا تھا۔

"ہمت سے کام لیں۔ اس طرح آپ سیال صاحب کا حوصلہ نہیں بڑھا سکتیں۔" کوئی اس کے قریب کھڑا مخاطب تھا۔ اس کے حواس لمحہ بھر میں بیدار ہوئے تھے۔ یقیناً یہ آواز، یہ لہجہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کا ہی تھا۔ وہ بہت آہستگی سے پاپا سے الگ ہوئی تھی۔

"ٹھہرے کہاں ہو تم لوگ؟" پاپا نے دریافت کیا تھا۔

"ہوٹل میں۔" میرب نے بہت آہستگی سے جواب دیا تھا۔ تبھی زوباریہ بولی تھی۔

"تم ہمارے ساتھ بروک لین میں کیوں آ کر نہیں رہتے؟ یہ زیادہ بہتر رہے گا۔"

زوباریہ کی پیشکش یا پھر مشورے پر اس نے بلا ارادہ سر اٹھا کر سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت نگاہ کی تھی۔ وہ بہت بے تاثر سا چہرے کا رخ پھیر گیا تھا۔ یعنی فیصلہ اس کے ہاتھ ٹھہرا تھا۔ تمام حق وہ محفوظ رکھتی تھی۔ تمام مرضی اس کی تھی۔ ایک لمحے میں اسے فیصلہ کرنا تھا۔ اس نے بہت آہستگی سے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"نہیں ـــــ ہم زیادہ دنوں کے لئے نہیں آئے۔ دو ایک دن میں شاید ان کا کام ختم ہو جائے اور ہمیں واپس لوٹنا پڑے۔ آپ کو خوامخواہ زحمت ہوگی۔" اس نے زوباریہ سے کہتے ہوئے ایک نگاہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت کی تھی۔ لیکن وہ شخص ہمیشہ کی طرح بے تاثر تھا۔ اس کا دھیان قطعاً اس کی سمت نہ تھا اور ایسا کوئی فیصلہ کر کے اسے اس کی حمایت یا ستائش تو قطعاً حاصل نہ کرنی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری سے اس کے تعلقات اگر بہت سرد مہری لئے ہوئے تھے تو زوباریہ سے بھی کوئی خاص انسیت نہ تھی۔ وہ پہلے ہی بہت ٹینس تھی۔ مزید کوئی اسٹریس لینا نہیں چاہتی تھی۔ اور زوباریہ کے ساتھ رہنے کا مطلب تھا اپنے لئے لمحہ لمحہ ٹینشن کری ایٹ کرنا۔

پاپا سے ملنے کے بعد وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے ساتھ باہر نکل آئی تھی۔ دونوں خاموشی سے چلتے ہوئے گاڑی تک آئے تھے۔

"تھینکس۔" میرب سیال نے گاڑی میں بیٹھ کر اس کی سمت نگاہ کر کے بہت آہستگی سے کہا تھا۔ وہ چونکتے ہوئے سوالیہ نظروں سے اس کی سمت تکنے لگا تھا۔

"فور سپورٹنگ می۔" اس کے ساتھ وہ جیسا بھی رویہ رکھتا مگر وہ قطعاً نہیں چاہتی تھی کہ وہ پاپا کے سامنے کسی طرح کی بیگانگی یا سرد مہری کا مظاہرہ کرے۔ تبھی بہت مشکوری اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے چہرے سے بھرپور تاثر دیتے ہوئے بے نیازی سے شانے اچکا دیئے تھے۔ لیکن میرب سیال نے اس کی سمت سے نگاہ نہیں ہٹائی تھی۔

"آج پاپا سے مل کر مجھے جو راحت ملی وہ فقط آپ کے باعث ممکن ہوئی۔ اگر آپ مجھے ہمراہ نہیں لاتے تو شاید اس وقت میں پاپا سے مل نہیں پاتی جس لمحے انہیں میری ضرورت تھی۔" وہ مشکوری بول رہی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کچھ نہیں بولا تھا۔

"یہ رشتے بہت عجیب ہوتے ہیں۔ جتنے دل کے قریب ہوتے ہیں، اتنا ہی کمزور بھی کر دیتے ہیں۔ بیک وقت یہ دو احساسات سے دوچار کرتے ہیں۔ مضبوطی اور کمزوری سے۔"

اس شخص سے اس کا تعلق بڑا عجیب سا تھا۔ سرد مہری میں لپٹا۔ بے تاثر انداز لئے۔ پھر جانے کیوں وہ اس سے اتنی خاص نوعیت کی گفتگو کر رہی تھی۔ شاید وہ واقعی اس کی مشکور تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری بھی شاید مروت کے تقاضوں سے واقف تھا۔ متواتر اس کی سمت توجہ سے تکتا رہا تھا۔ شاید وہ اس کی جانب سے مزید کچھ بولنے کا منتظر تھا۔ مگر میرب سیال اب کے کچھ نہیں بولی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری بہت آہستگی سے نگاہ پھیر گیا تھا۔ بہت مختصر سا تعلق تھا اس کا۔

بہت مختصر دنوں کا ساتھ تھا۔

کتنا کچھ جان پائی تھی وہ اس کے متعلق۔ کتنا منکشف ہوا تھا وہ اس پر۔ اگر کوئی قیاس کرتی تو یقیناً غلط ہوتا۔ یا پھر جو بھی تھا وہ بے مہر نہیں تھا۔ بے تاثر نظر آتا بھی تھا تو شاید تھا نہیں۔ یا پھر وہ محض انسانیت کے ناتے اس لمحے بنا کسی غرض کے اس کے ساتھ تھا۔ میرب سیال اس کی سمت سے نگاہ ہٹا گئی تھی۔

تبھی بھاری آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔

"پریشانیوں کے متعلق سوچنے سے، پریشانیاں مزید بڑھتی ہیں۔ سو وقت پر چھوڑیں۔ انشاء اللہ ٹھیک ہو گا۔" بہت مدھم لہجے میں کہتا ہوا وہ اس لمحے اس کی ہمت بندھا رہا تھا۔ میرب سیال سا کت اس کی سمت دیکھ رہی تھی۔ وہ بغور اس کی سمت تکتا ہوا گویا ہوا تھا۔

"اگر آپ کو سیال صاحب کی ہمت بندھانا ہے تو خود آپ کو مضبوط نظر آنا ہو گا۔ آنسو انسان کو کمزور کر دیتے ہیں۔ خود کو بھی اور اسے بھی جس کا حوصلہ بندھانا مقصود ہو۔ آپ کو اپنی ہمت توڑنی نہیں چاہیے۔ اس سے سیال صاحب کو یقیناً تکلیف ہو گی۔" لفظ بہت نرم تھے مگر انداز بہت دوستانہ تھا۔ ان آنکھوں میں کسی قدر نرمی ضرور تھی۔

میرب سیال خاموشی سے تکتی رہی تھی۔

کوئی رسم دوستی نہیں تھی۔ فقط مروت تھی۔

اور وہ کچھ زیادہ ایکسپیکٹ بھی نہیں کر رہی تھی۔ شاید تبھی وہ خاموش ہوا تھا۔ وہ بھی بہت آہستگی سے چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

دل بہت سنبھلا نہ تھا۔

مگر اس دل جوئی پر کسی قدر ڈھارس ضرور بندھی تھی۔ وہ بہت خاموشی سے بیٹھی تھی جب یکدم سبکتگین حیدر لغاری کا پرسنل سیل بجا تھا۔

میرب سیال کا دل یکبارگی دھڑکا تھا۔

ایک لمحے میں اس نے سردار سبکتگین کی سمت نگاہ کی تھی۔ وہ کسی سے مخاطب تھا۔

صورت حال کڑی ہو تو ایک پتا سرکنے پر بھی دل بہت تیزی سے دھڑکتا ہے۔ پاپا اس وقت ہاسپٹل تھے اور سردار سبکتگین حیدر لغاری کے پرسنل سیل کے بجنے پر وہ یہی سمجھی تھی کہ فون شاید ہسپتال سے ہو گا۔ دل کی دھڑکنیں معمول پر نہیں رہی تھیں۔ لیکن سردار سبکتگین حیدر لغاری بڑی رسانیت سے اس گھڑی کسی کا مخاطب تھا۔ فون یقیناً ہسپتال سے نہیں تھا۔

"کیا ہوا——؟" وہ سلسلہ منقطع کرنے کے بعد اس کی جانب متوجہ ہوا تھا۔ وہ تب بھی حواس باختہ سی اس کی سمت دیکھ رہی تھی اور نہ جانے اس لمحے میں کیا تھا کہ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بہت آہستگی سے اپنا مضبوط ہاتھ بڑھا کر اس کے نازک سے ہاتھ پر دھر دیا تھا۔ شاید وہ اس کی کیفیت سمجھ رہا تھا اور ان کمزور لمحوں میں اس کا حوصلہ بڑھانا مقصود تھا۔

میرب سیال چند ثانیوں تک خالی خالی نظروں سے اس کی سمت تکتی رہی تھی۔ پھر ہونٹ بھینچ کر اس کی سمت سے دھیان ہٹا گئی تھی۔ تب اس لمحے سردار سبکتگین حیدر لغاری بھی مزید کچھ نہیں بولا تھا۔

سید اذہان حسن بخاری سر جھکائے فائل دیکھ رہا تھا۔ جب سعد بخاری نے اس کے آفس میں قدم دھرا تھا۔

"تمہیں کتنا عرصہ ہوا ہے بزنس کرتے ہوئے؟" کسی قدر درشت لہجے میں ان کا مخاطب وہی تھا۔ اذہان حسن بخاری نے چونک کر سر اٹھاتے ہوئے کسی قدر حیرت سے ان کی طرف دیکھا تھا۔ یقیناً ان کا مخاطب وہی تھا۔ مگر وہ کس ضمن میں اس سے دریافت کر رہے تھے، وہ یہ نہیں سمجھ پایا تھا۔ تبھی فقط خاموشی سے ان کی طرف دیکھتا رہا تھا۔ سعد بخاری چند ثانیے تک خاموشی سے اسے تکتے رہے تھے پھر ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے کسی قدر اکتاہٹ سے پر لہجے میں گویا ہوئے تھے۔

"جانتے ہو جتنی تمہاری عمر ہے اتنا میرا تجربہ ہے۔" بھرپور انداز میں جتایا تھا۔ مگر وہ بڑی رسانیت سے مسکرا دیا تھا۔

"یقیناً —— آپ کو میرے والد محترم ہونے کا شرف جو حاصل ہے۔" شانے اچکانے کا انداز واضح ظاہر کر رہا تھا کہ وہ اس معاملے میں مکمل طور پر ہیلپ لیس ہے۔

سید سعد شاہ بخاری نے ایک گہری سانس خارج کرکے جیسے اس لمحے کی ساری کوفت کو رفع کرنا چاہا تھا اور کسی قدر پرسکون انداز میں اس کی طرف دیکھا تھا۔ پھر اسی قدر رسانیت سے گویا ہوئے تھے۔

"پوچھ سکتا ہوں نعیم صاحب کے ساتھ ہونے والی میٹنگ کو تم نے ملتوی کیوں کر دیا؟" بغور اس کی جانب تکتے ہوئے وہ اس سے مخاطب تھے۔

اذہان حسن بخاری نے سامنے دھری فائل بند کر دی تھی۔ پھر سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا تھا اور بہت شگفتہ لہجے میں گویا ہوا تھا۔

"کیونکہ میں جانتا ہوں یہ سب بے سود ہو گا۔ نعیم صاحب فقط اپنی کمپنی کی گرتی ہوئی ساکھ کو سنبھالا دینے کی غرض سے ہماری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا رہے ہیں۔ ان کی دیوالیہ ہوتی کمپنی ہمارے کسی کام کی نہیں۔ شاہ گروپ آف کمپنیز کی اپنی ایک ساکھ ہے۔ ایک نام و مقام ہے۔ معاملہ مارکیٹ ریپوٹیشن کا ہے۔ آج ہماری کمپنی کے شیئرز کس قدر بلند ہیں، یہ بات سب پر منکشف ہے۔ ترقی اور کامیابی کا اوپر جانا گراف سب کے لیے کشش کا باعث ہوتا ہے۔ بلندی کی سمت ہر کوئی بڑھنا چاہتا ہے۔ مگر ایسا آسان نہیں۔"

"تم کیا سمجھتے ہو تمہارے ان کھوکھلے بیانات میں، مجھ جیسا شخص آ سکتا ہے؟ —— کیا تم مجھ سے

بہتر سمجھتے ہو کہ شاہ گروپ آف کمپنیز کے لئے کیا بہتر ہے اور کیا نہیں؟" وہ کسی قدر خائف تھے۔

"اس کا فیصلہ تو بورڈ آف ڈائریکٹرز زیادہ بہتر انداز میں کر سکتا ہے۔ آپ چاہیں تو ایک میٹنگ
سکتے ہیں۔" اس کا لہجہ پرسکون تھا۔

سید سعد شاہ بخاری بیٹے کو دیکھ کر رہ گئے۔ ایک بار پھر بیٹا ان کے مدمقابل تھا۔ چند ثانیوں تک وہ
طرح کھڑے رہے تھے۔ پھر چہرے کا رخ پھیر گئے تھے۔

"تمہیں کیوں عادت ہوتی چلی جا رہی ہے ہر جگہ میری مخالفت کرنے کی؟" ان کا لہجہ مدھم اور
کسی قدر پر افسوس تھا۔ اذہان حسن بخاری انہیں دیکھ کر رہ گیا تھا۔

"ایسا نہیں ہے —— مجھے دانستہ آپ کی مخالف سمت چلنے کی عادت نہیں۔ میں مانتا ہوں آپ
تجربہ بھی مجھ سے بہت زیادہ ہے۔ آج شاہ گروپ آف کمپنیز جس گراف پر ہے وہ بھی سب آپ
باعث ہے۔ مگر پاپا! جو میں کہہ رہا ہوں وہ بھی غلط نہیں ہے —— اور پھر یہ کوئی اس قدر سیریس میٹر
نہیں ہے۔ میرا نہیں خیال کہ نعیم صاحب کو یا ان کی کمپنی کو اپنے ساتھ لینے سے یا نہ لینے سے ہمیں
فائدہ یا نقصان ہو سکتا ہے۔"

"تم جانتے ہو نعیم صاحب ہمارے کتنے پرانے جاننے والے ہیں؟"

"تو کیا ہوا؟" اس نے شانے بے نیازی سے اچکائے تھے۔ "پاپا! بزنس، تعلقات کی بنیاد پر نہیں
چلتے۔ اور جن شرائط پر وہ ہمارے ساتھ ڈیل کرنا چاہتے ہیں ان پر تو قطعاً نہیں۔" اذہان حسن بخاری
انداز کسی قدر ٹھوس تھا۔ سعد بخاری خاموشی سے اس کی سمت دیکھ رہے تھے۔

"پاپا! یہاں معاملہ فقط مخالفت برائے مخالفت کا نہیں ہے اور یہاں فیملی میٹر سے زیادہ معاملہ کمپنی
ساکھ کا ہے۔ ہم اگر چھوٹی چھوٹی معمولی باتوں کو لے کر الجھیں گے اور ایک دوسرے کی مخالفت کریں گے
یقیناً ایسا ماحول کمپنی کے حق میں سازگار نہیں ہوگا۔ میں ایک بزنس مین کا بیٹا ہوں۔ اتنا تو جانتا ہی ہوں
جس طرح گھر کی ڈائننگ ٹیبل پر بزنس سیکرٹس نہیں ڈسکس ہو سکتے اسی طرح گھر کے مسائل کو ڈیل
کرنے کے لئے آفس میں بھی کوئی جگہ نہیں۔"

سید سعد بخاری اسے دیکھ کر رہ گئے تھے۔ کچھ دیر اسی طرح خاموش رہے تھے۔ پھر بہت ہولے
سے پلٹے تھے اور چلتے ہوئے باہر نکل گئے تھے۔ سید اذہان حسن بخاری نے تا دیر نگاہ کو اس سمت سے
نہیں ہٹایا تھا۔

✿ ✿ ✿

"تم ہوتے کہاں ہو آج کل؟" وہ آفس سے نکل رہا تھا جب لامعہ حق نے اسے آن لیا تھا اور وہ
پہلے ہی تھکن سے چور تھا۔ اسے دیکھ کر اس کے چہرے پر مظلومیت کی جو کیفیت ابھری تھی وہ بڑی قطعی
تھی۔ لامعہ حق نے اسے بغور دیکھتے ہوئے گھورا تھا۔

"مجھے اپنے سامنے پا کر تمہیں خوشی نہیں ہوئی؟"

"نہیں —— ایسی کوئی بات نہیں۔" عفنان علی خان تمام تر چلبلا پن میں داخل کرتا ہوا کسی قدر

سنجیدگی کی کوشش کرتے ہوئے گویا ہوا تھا۔

"واقعی؟" لامعہ حق نے جانے کس بات کا یقین چاہا تھا۔

عفنان علی خان نے اس کی جانب دیکھا تھا۔

"ہاں، واقعی۔"

لامعہ حق نے اس کے شانے کو تھامتے ہوئے کسی قدر اطمینان کا اظہار کیا تھا۔

"پر عفنان! تمہاری بے توجہی مجھ سے قطعاً برداشت نہیں ہوتی —— خواہ تم کتنے بھی مصروف ہو،
میں چاہتی ہوں تم مجھے سوچتے رہو، مجھے چاہتے رہو، مجھے اپنی سوچوں میں، خیالوں میں اور......" وہ
دھیمے لہجے میں کسی خواب کی سی کیفیت میں گویا تھی جب عفنان علی خان اس کی سمت تکتے ہوئے ہنس
پڑا تھا۔

"اور کیا لامعہ؟" اس کے انداز پر لامعہ حق نے اسے دیکھا تھا۔ پھر کسی قدر خفگی سے گویا ہوئی تھی۔

"مذاق اڑا رہے ہو میرا؟"

مگر وہ ہنس دیا تھا۔ پھر داہنا ہاتھ بہت ہولے سے اس کے سر پہ بجا کر سر نفی میں ہلاتے ہوئے گویا ہوا
تھا۔

"حیران ہو رہا ہوں لامعہ! تمہاری طرف سے اس طرح کی امید نہیں تھی نا۔ آئی مین، تم اتنی شاعرانہ
محبت بھی رکھ سکتی ہو۔ یہ گہرے گہرے لفظ، یہ بھاری بھاری ثقیل جملے، یہ ساری رنگی باتیں، لامعہ حق کی
محبت کا حصہ تو قطعاً نہیں ہو سکتیں۔" وہ مسکراتے ہوئے اس کے ساتھ لفٹ کی سمت بڑھ رہا تھا۔ لامعہ حق
نے اسے کسی قدر خفگی سے دیکھا تھا۔

"عفنان! کیا تم چاہتے ہو کہ میں اس اٹھارہویں منزل سے کود کر اپنی جان دے دوں؟"

"نہیں —— لیکن تم ایسا کچھ کرنے کے متعلق غور و خوض کر رہی ہو کیا؟" وہ یقیناً دھیمے سے مسکراتے
ہوئے اسے چھیڑ رہا تھا۔ اس کی کیفیت سے محظوظ ہو رہا تھا۔

"عفنان!" لامعہ حق نے گھورا تھا۔

"میرے عشق میں جان سے گزرنے کا ارادہ ہے کیا؟" گراؤنڈ فلور کا بٹن پش کرتے ہوئے اس کی
جانب دیکھا تھا۔ وہ یقیناً اس لمحے سنجیدہ نہ تھا۔

لفٹ گراؤنڈ فلور پر جا کر کھلی تھی۔ وہ چپ چاپ اس کے ساتھ باہر نکل گئی تھی۔ عفنان علی خان نے اس
کے چہرے کو بغور دیکھا تھا۔

"اٹھارہویں فلور سے کودنا اس قدر خوفناک خیال ہے کہ سوچ کر ہی تمہارے رونگٹے کھڑے ہو گئے؟"
وہ اسے چھیڑ رہا تھا۔ لامعہ حق نے اسے فقط گھورا تھا۔ ایک سرسری نگاہ کی تھی۔ پھر دھیان پھیر گئی تھی۔

"تم ساتھ ہو تو میں اٹھارہویں منزل سے بھی کود سکتی ہوں۔"

"مگر شرط یہ ہے کہ مجھے بھی تمہارے ساتھ کودنا پڑے گا؟" وہ کسی قدر خوفزدہ ہوا تھا۔ اداکاری بے حد
شاندار تھی۔ "دیکھو —— فی الحال میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں۔ ایسے خوفناک شوق پالنے کا مجھے کوئی شوق

"رکو ــــــ میں تمہارے لئے کیب ہائیر کر دیتا ہوں۔" اس نے کہنے کے ساتھ ہی متلاشی ا
ادھر اُدھر دیکھا تھا۔ قطعاً بے تاثر نظر آنے والے شخص کا یہ رویہ خاصا انوکھا تھا۔ اُسے اُس کی فکر
وہ اس کے لئے متفکر تھا۔

اس کے لئے سوچ رہا تھا۔

اس لمحے کی کیفیت خاص تھی یہ۔

حقیقت کچھ بھی ہو۔ اس سے قبل اور اس ایک لمحے کے بعد جو بھی ہو لیکن وہ ایک پل اہ
میں بہت اہم تھا۔

بہت خاص تھا۔

میرب سیال نے اس لمبے چوڑے شخص کو سڑک کے اطراف نگاہ دوڑاتے دیکھ کر یکدم ٹوکا تھ

"آپ کو غالباً دیر ہو رہی ہے ــــــ آپ چلے جایئے، میں انتظار کر لوں گی۔"

جواباً سردار سبکتگین حیدر لغاری نے فقط اس کی سمت خاموشی سے دیکھا تھا۔ کہا کچھ نہیں تھا۔ ا
خاموشی کے ساتھ چہرہ پھیر گئی تھی۔ چند لمحے سرک گئے تھے۔ کوئی کیب اب تک ہاتھ نہیں آئی تھ
ہاتھ میں چمڑے کا بیگ لئے دائیں ہاتھ کی کلائی پر بندھی قیمتی رسٹ واچ کو بغور تکتا وہ شخص اس
کیب کو ہائیر کرنے کے جتن کرتا اسے کسی قدر حیران کن لگا تھا۔

"ٹیکسی ــــــ" باقاعدہ چند قدم دوڑ کر اس کے لئے تگ و دو کی گئی تھی۔ کاروں میں سفر
شخص اس کے لئے اس گھڑی ایک کیب کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔ وہ رکھ رکھاؤ سے ہی مرعوب
شخص، انوکھی آن بان رکھنے والا، بزنس ٹائیکون، اس لمحے جیسے اپنے نام، اپنے رتبے، اپنی پہچان
ماورا تھا۔

ٹیکسی روک کر اس نے اس کی سمت نگاہ کی تھی اور میرب سیال جو اسے بغور دیکھ رہی تھی
اٹھاتی ہوئی اس کی سمت بڑھنے لگی تھی۔

اسے بٹھانے کے بعد وہ دروازہ بند کر کے کھڑکی پر جھکا تھا۔

"کوئی مسئلہ ہو تو فون کر لینا۔ ہوٹل آنے کے لئے میں گاڑی بھجوا دوں گا۔ کتنی دیر لگے گی؟"

"زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ۔" اس نے مطلع کیا تھا۔ سردار سبکتگین
نے جواباً کچھ نہیں کہا تھا اور کھڑکی میں سے ہٹ گیا تھا۔ ٹیکسی آگے بڑھنے لگی تھی۔

وہ سمجھ رہا تھا کہ شاید وہ پہلی بار اس شہر میں آئی ہے۔ شاید اسی لئے اس کی پریشانی رو چند تھ
حقیقت اس کے برعکس تھی۔ مگر اس لمحے میں جب وہ اس کے لئے پریشانی کا اظہار کر رہا تھا
اس نے جتانا ضروری خیال نہیں کیا تھا۔ اور پھر اس نے میرب سیال سے دریافت بھی کب کیا
پوچھتا تو وہ ضرور بتا دیتی کہ وہ نیویارک ہی نہیں یورپ کے بھی کئی ٹور پاپا اور فیملی کے ساتھ لگا چکی

فانی اسے دیکھ کر بہت خوش ہوا تھا۔ زوبار یہ ہسپتال میں تھی۔

وہ آپا کے ساتھ تھا۔ میرب نے اس کے لئے اس کا من پسند لنچ بنایا تھا۔ وہ دیر تک اس
چھوٹی باتیں کرتا رہا تھا۔

"پاپا ٹھیک ہو کر گھر واپس کب آئیں گے آپی؟"

"بہت جلد۔"

"اب ہم یہیں رہیں گے؟" اس کے معصوم دل میں کئی سوال تھے۔

"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا تھا۔ پھر اس کے معصوم ہاتھوں کو اپنے دونوں ہاتھوں سے تھام کر
ان سے چھوا تھا اور مکمل توجہ سے اس کی سمت تکتی ہوئی بولی تھی۔

"آپ سے کس نے کہا کہ اب ہم یہیں رہیں گے؟"

"ماما نے۔ وہ آپا سے میرے لئے سکول میں ایڈمیشن کے لئے بات کر رہی تھیں۔"

اسے کسی قدر حیرت ہوئی تھی۔ شاید اسی لئے چند ثانیوں تک اسے ساکت سی تکتی رہی تھی۔ فانی نے
اپنے معصوم ہاتھوں سے اس کا چہرہ چھوا تھا۔

"آپی! آپ بھی ہمارے ساتھ یہیں رہیں گی نا؟"

"ماما کیا کہتی ہیں؟" اس نے زوباریہ کے متعلق دریافت کیا تھا۔

فانی نے اپنا چھوٹا سا سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"معلوم نہیں ــــــ مگر آپ کے بغیر تو میں اداس ہو جاؤں گا۔ مجھے میرا من پسند لنچ کون بنا کر دے
گا اور وہ مزے مزے کی اسٹوریز کون سنائے گا؟" وہ معصومیت سے سر اٹھا کر اس کی سمت دیکھ رہا تھا۔
میرب سیال نے اپنے لبوں کو اس کی پیشانی پر رکھ دیا تھا، اپنے ساتھ لگا کر اسے بھینچا تھا، پھر بہت دھیمے
سے گویا ہوئی تھی۔

"آپ پاپا کے لئے دعا کرتے ہیں؟"

"ہوں ــــــ بہت ساری۔ پاپا کے لئے بہت سی دعا کرتا ہوں اور پھر پھونک مار کر اسے اُڑا دیتا
ہوں۔ میری ساری دعا اللہ کے پاس چلی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ساری دعا پوری کر دیتے ہیں نا؟" وہ
معصومیت سے دریافت کرتا ہوا اس کی سمت دیکھ رہا تھا۔

میرب نے اس کی سمت تکتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔ تبھی اس کی نگاہ وال کلاک پر پڑی تھی۔
سردار سبکتگین حیدر لغاری کو بتایا ہوا وقت یاد آ رہا تھا۔ تبھی وہ فوراً گویا ہوئی تھی۔

"آپی جا رہی ہیں اب۔ آپ اپنا خیال رکھئے گا۔" اس کے پھولے پھولے گالوں کو چھوتے ہوئے وہ
مسکرائی تھی۔ فانی کسی قدر پریشانی سے اس کی جانب تکنے لگا تھا۔

"آپ فانی کے پاس نہیں رہیں گی؟" انداز کسی قدر روٹھا روٹھا سا تھا۔

وہ مسکرا دی تھی۔

"پاپا کے پاس جا رہی ہوں نا ــــــ پھر آؤں گی۔"

"مجھے تنہا ڈر لگے گا۔" آواز میں عدم تحفظ عود کر آیا تھا۔ اس نے اسے ساتھ لگا لیا تھا۔

"ارے ماما ہیں نا آپ کے پاس۔ ابھی کچھ دیر میں ماما بھی آ جائیں گی۔" اسے بہلایا گیا۔

''مجھے ماریہ اچھی نہیں لگتی۔ آپ ماما کو جلد بھیج دیجئے گا۔'' درخواست ہوئی تھی۔

''او کے۔'' وہ مسکرا دی تھی۔ ایک بار پھر اسے پیار کیا تھا اور ماریہ کو ضروری ہدایت دے کر وہ باہر آئی تھی۔ اسٹین ہوپ اسٹریٹ سے نکلتے ہوئے اس نے رسٹ واچ پر نگاہ کی تھی۔ یقیناً اسے دیر ہو گئی تھی۔ تانی کے ساتھ وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری ضرور پریشان ہو گا اس کی بابت۔ وہ تو اسے قطعی نابلد جان رہا تھا۔ ایسے میں اس کے لئے فکرمند ہونا یقینی تھا۔ وہ ہولے ہولے چل رہی تھی جب یکدم ہی ایک لمبی سیاہ گاڑی کے ٹائر اس کے قریب چرچرائے تھے۔ وہ ایک دم اچھل کر پیچھے ہٹی تھی۔ دل بہت تیزی سے دھڑکا تھا۔ اس علاقے میں سیاہ فام گروہوں کی راہ زنی کی وارداتوں سے واقف تھی، سو ساری جان مٹھی میں آ گئی تھی۔ اس نے تنہا نکل کر یقیناً غلطی کی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کو فون کر کے مطلع کر دینا چاہئے تھا اور اس نے کہا بھی تھا کہ مجھے مطلع کر دینا۔

وہ دم سادھے کھڑی اپنے حواس بحال کر رہی تھی جب گاڑی کا شیشہ اتارا گیا تھا۔ وہ کسی بھی صورت حال کے لئے مکمل طور پر تیار تھی۔ ذہن پوری طرح بیدار تھا۔ اعصاب مکمل اختیار میں تھے۔

گاڑی کا شیشہ بہت ہولے سے اتارا گیا تھا۔ مکمل اختیار کے باوجود اس کی آنکھوں میں خوف تھا۔ رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ ایک سنسنی سی جسم میں دوڑ گئی تھی۔

مگر اس نے نگاہ کی تھی اور حیرت دوچند ہو گئی تھی۔۔۔۔ کھڑکی سے جھانکتا چہرہ بہت جانا پہچانا تھا۔۔۔۔ بہت اپنا نہ سہی مگر اسے دیکھ کر میرب سیال کے سارے حواس، سارے اعصاب ایک پل میں معمول پر آ گئے تھے۔ سینے میں رکی ہوئی سانس ایک دم ہی خارج ہوئی تھی۔ دھڑکنیں کسی قدر اعتدال پر آ گئی تھیں۔ اندر ایک اطمینان کی سی کیفیت چھانے لگی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی کیفیت کو بغور دیکھا تھا پھر اپنے مخصوص انداز میں گویا ہوا تھا۔

''آؤ۔۔۔۔ گاڑی میں بیٹھو۔'' کہنے کے ساتھ ہی اس کے لئے دروازہ کر دیا تھا اور وہ جواب میں تھوڑی دیر قبل مکمل طور پر خوفزدہ تھی اب کسی قدر صورت حال تسلی بخش تھی۔ بہت اعتماد کے ساتھ اس نے قدم بڑھائے تھے اور سردار سبکتگین حیدر لغاری کے ساتھ بیٹھ گئی تھی۔ گاڑی اپنی مخصوص رفتار سے منزل کی سمت بڑھنے لگی تھی۔

''میں نے آپ سے کہا تھا نا میرا انتظار کیجئے گا۔''

(کب۔۔۔۔ ایسا کب کہا تھا؟) اسے کسی قدر حیرت ہوئی تھی اس کے غلط بیانی کرنے پر۔ مگر وہ چپ رہی تھی۔ فقط خاموشی سے اس شخص کی سمت دیکھا تھا۔ وہ یقیناً چہرے سے تمام کیفیات جان لینے کا فن رکھتا تھا اور میرب سیال کی کیفیت بھی اس سے چھپی نہ رہ سکی تھی۔ وہ یہاں کے ماحول سے واقف تھا، تبھی اس کی پریشانی بھی بھانپ گیا تھا۔ شاید اس لئے اپنے بزی ترین شیڈول سے وقت نکال کر وہ اسے لینے آن پہنچا تھا۔

''آئندہ احتیاط کیجئے گا۔'' اس نے بے تاثر لہجے کے ساتھ دھیمے انداز میں کہا تھا۔ میرب سیال نے بہت ہولے سے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

''نیو یارک بہت بڑا شہر ہے۔۔۔۔ یہاں سروائیو کرنا بہت آسان نہیں۔ اگر آپ یہاں کے مقامات سے واقفیت نہیں رکھتے تو ہر قدم ایک رسک کے مترادف ہے۔''

''جی۔'' اس نے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

''آپ کو اگر یہاں گھومنا پھرنا ہے تو میپ ہاتھ میں رکھئے گا۔ یہاں اگر کسی سے سرِراہ رک کر بھی بات کریں گی تو وہ بھی خطرے سے خالی نہیں ہو گا۔ مشینی شہر ہے۔ بہت مشینی سی لائف ہے۔ یہاں وقت بہت کم ہے سب کے پاس۔ بہت کم لمحوں میں قدموں کی رفتار بڑھانے کے جنون میں وقت سے آگے نکلنا چاہتے ہیں سب یہاں۔ یہاں یوں سفر کرنا آسان نہیں۔'' ایک بہت بڑے ترقی یافتہ شہر کے متعلق وہ گوہر افشانی کرتے ہوئے اسے باور کرا رہا تھا۔

میرب نے اس کی جانب تکتے ہوئے سر بہت ہولے سے اثبات میں ہلایا تھا۔

''جانتی ہوں۔۔۔۔ پہلے بھی کئی بار آ چکی ہوں۔'' وہ بہت آہستگی سے گویا ہوئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے کسی قدر حیرت سے لمحہ بھر کو دیکھا تھا۔ پھر دوسرے ہی پل چہرے کا رخ پھیر گیا تھا۔ میرب سیال جانے کیوں چند ثانیوں تک اس شخص کی سمت تکتی رہی تھی۔ پھر بہت ہولے سے چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

❊❊❊

''بھابی! ایسا کب تک چلے گا؟'' فیض بخاری نے بہت دھیمے لہجے میں کہتے ہوئے فارحہ کی طرف دیکھا تھا۔ وہ سر جھکا گئی تھیں۔ دانستہ اقدام تھا یہ شاید۔ وہ بہت کچھ مخفی رکھنا چاہتی تھیں۔ خود سے بھی اور دوگرد کے لوگوں سے بھی۔

فیض بخاری نے اپنے سامنے بیٹھی فارحہ کو دیکھا تھا پھر کسی قدر پُرالجھن انداز میں گویا ہوئے تھے۔

''بھابی! آپ جانتی ہیں یہ ٹھیک نہیں ہے۔ ایک تو آپ خود اپنا خیال نہیں رکھ رہی ہیں، دوسرا بھابی! آپ جانتی ہیں آپ ایک سیریس اٹیک سے گزر چکی ہیں۔''

''تو۔۔۔۔ تو کیا ہوا؟'' وہ چائے کے کپ کے کناروں پہ بہت ہولے سے انگلی گھماتے ہوئے مسکرائی تھیں۔

''کیا ہوا۔۔۔۔ بھابی! آپ اس حد تک کیئرلیس ہو رہی ہیں۔ مجھے آپ سے ایسی توقع نہیں تھی۔ اور حد ہو گئی۔۔۔۔'' ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے وہ لب بھینچ گئے تھے۔ فارحہ سر جھکائے رہی تھیں۔

''فیض! فکر مجھے اپنی نہیں، اذہان کی ہے، ماہا کی ہے۔ میں ان کی تکلیف برداشت نہیں کر سکتی۔ انہیں معمولی تکلیف میں مبتلا ہوتا بھی نہیں دیکھ سکتی۔ اپنے بچوں کو ہر تکلیف سے بچانا چاہتی ہوں میں۔ مگر میں مسلسل ناکام ہوں۔ اذہان اس سارے معاملے کو لے کر انتہائی ڈپریسڈ ہے۔۔۔۔ کتنے دن گزر گئے میں نے اس کی آنکھوں میں سکون نہیں دیکھا۔ میں نے کبھی اس کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھے تھے۔ مگر اب جب وہ میری گود میں سر دھرے چپ چاپ آنسو بہاتا ہے تو میرا دامن جیسے جلنے لگتا ہے۔ وہ میری گود میں کوئی ماورائی قوت ڈھونڈتا ہے جو اسے اس صورت حال سے نبرد آزما ہونے کا حوصلہ دے

سکے۔ وہ میری ماتا سے کھوئی ہوئی ہمت چاہتا ہے اور میں..... میں اسے کوئی جھوٹی تسلی بھی نہیں دے پاتی۔ کتنا اچھا دور تھا جب وہ چھوٹا تھا۔ کتنی چھوٹی چھوٹی باتوں سے میں اسے بہلا دیا کرتی تھی۔ چھوٹے چھوٹے اسباب درکار تھے مجھے اسے خوش کرنے کے لئے۔ اور آج ——— ”کتنی بہت کر چاپ ان کی آنکھوں میں آن ٹھہری تھی اور وہ لب بھینچ کر چہرے کا رخ پھیر گئی تھیں۔

فیض چند لمحوں تک اسی طرح خاموشی سے بیٹھے رہے تھے۔ پھر بہت ہولے سے ان کی سمت دیکھتے ہوئے گویا ہوئے تھے۔

”بھابی! آپ وہ واحد فریق ہیں جو اس صورت کو اپنے بس میں کر سکتی ہیں۔ اذہان کو ہم ذمہ دار نہیں ٹھہرا سکتے۔ اس نے وہی کیا جو اسے کرنا چاہئے تھا۔ وہ جب آپ کو عدم تحفظ کا شکار پاتا ہے تو یہ کیفیت اس کے اندر بھی ایک ہلچل مچا دیتی ہے۔ جس طرح ماں بچے کے لئے سینہ سپر ہو جاتی ہے اس طرح بچہ بھی ماں پر آنچ آتے نہیں دیکھ سکتا اور اذہان کی صورت حال تو خاصی پیچیدہ ہے۔ اس نے گھر کو ہمیشہ مکمل دیکھا ہے۔ سعد بھائی کو ہمیشہ ایک ذمہ دار باپ کی طرح پایا ہے۔ سعد بھائی کے بدلتے رویے نے اسے ایک دھچکا پہنچایا ہے۔ مگر وہ رشتوں کا احترام اب بھی نہیں بھولا۔ اسے اب بھی افسوس ہے۔ کیونکہ وہ ابھی ان رشتوں کو معتبر جانتا ہے جن سے وہ جڑا ہوا ہے۔“

”لیکن اس کے باوجود میں جانتی ہوں وہ حقیقت ماننے کو تیار نہیں ——— وہ جب بھی اس بات کو ذہن میں لاتا ہے، ایک طوفان اس کے اندر اٹھنے لگتا ہے۔ اس کے خاموش لبوں پر ساکت جامد چہرہ مگر میں جان جاتی ہوں وہ طغیانیوں میں گھر گیا ہے۔ مگر میں مکمل طور پر بے بس ہوں فیض! میں اسے بھی تو اسے وہ سکون، وہ اعتماد نہیں لوٹا سکتی۔ اسے وہ ایک جڑا ہوا گھر نہیں لوٹا سکتی۔ اسے ایک ہو کر ایک ساتھ رہنے کے لطف سے بہرہ ور نہیں کر سکتی۔ یہ سب میرے اختیار میں نہیں ہے فیض!“ فارحہ کرب سے سر نفی میں ہلانے لگی تھیں۔

”لیکن یہ تو آپ کے بس میں ہے کہ آپ اپنا خیال رکھیں ——— اس کا خیال رکھیں ——— جو ہو چکا۔ اس کا تدارک ممکن نہیں۔ مگر صورت حال کو معمول پر لانے کے جتن تو کئے جا سکتے ہیں۔ کوشش تو کی جا سکتی ہے۔ حقیقت تو ہمیشہ ہی بہت کڑوی اور کسیلی ہوتی ہے بھابی! حقیقت کو جھٹلانے سے یا فرار کرنے سے حقیقت تبدیل نہیں ہو سکتی نہ ہی اسے فیس کرنے کا خوف اس کے بھیانک رنگوں کو کم کرتا ہے۔ ایک نہ ایک دن حقیقت تسلیم کرنی پڑتی ہے ——— فرار کی راہ فقط خوف دیتی ہے، الجھنوں کو بڑھاتی ہے۔ جب سب راہیں بند ہوں تو مکمل یکسوئی کے ساتھ عقل و خرد سے مدد طلب کرنی چاہئے۔ کہیں نہ کہیں روشنی کی ایک لکیر ضرور ملتی ہے اور وہی روشنی کی لکیر اس الجھی ہوئی گتھی کا سرا سلجھانے میں مدد دیتی ہے۔“ فیض بخاری کہہ رہے تھے اور فارحہ ساکت بیٹھی ان کی سمت تکتی چلی گئی تھیں۔ ان کا ذہن شاید اس لمحے بہت کچھ سوچ رہا تھا۔

”ممی! ——— ممی!“ وہ اسی طرح چپ چاپ بیٹھی تھیں جب اذہان کی آواز ان کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔ وہ ان کی جانب بڑھ رہا تھا۔ اور یہ وقت تھا جب انہیں خود کو معمول کے مطابق بہت ریلیکس لگا

تھا۔ انہوں نے ایک نظر فیض بخاری کی طرف دیکھا تھا، پھر چہرے کا رخ پھیر کر ایک گہری سانس خارج کی تھی جیسے اب تک کی تمام کثافت کو ایک لمحے میں باہر منتقل کرنا چاہا تھا۔

سید اذہان حسن بخاری اس کے قریب پہنچ چکا تھا۔

”ممی! ——— اوہ، فیض چاچو بھی یہیں ہیں۔ آپ کو تو غالباً اس وقت ہسپتال میں ہونا چاہئے تھا۔“ اس نے فیض چاچو کو سامنے پا کر مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

فیض بخاری مسکرا دیا تھا۔

”ہسپتال کا نام لے کر مجھے مزید مت ڈراؤ ——— ابھی ابھی تین روزہ سمپوزیم سے جان چھڑا کر آ رہا ہوں۔ پہلے پوالیس میں سیمینار، پھر آتے ہی یہاں سمپوزیم میں شرکت۔ یہ ڈاکٹر ہونا بھی خاصا جان جوکھوں کا کام ہے۔“ وہ زبردستی مسکرا کر جیسے اس لمحہ بھر پہلے کے تاثر کو زائل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

سید اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔ ساتھ ہی چاچو کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔ انداز خاصا تھکا تھکا سا تھا۔ فیض نے بغور دیکھا تھا۔

”ویری بیڈ چاچو! مسیحا ہیں آپ۔ کتنا معتبر نام ہے آپ کا۔“

”ہوں ——— مگر ایک مسیحا کی پرسنل لائف کی بھی کچھ ضروریات ہوتی ہیں ——— اس کا بھی ایک گھر ہوتا ہے، فیملی ہوتی ہے۔ جسے وقت دینا اسے اچھا لگتا ہے۔ جن کے ساتھ وقت گزارنا اسے اچھا لگتا ہے۔ اب دیکھو کتنے دنوں سے میں اپنے بچوں سے ڈھنگ سے مل نہیں پایا۔ ابھی تھوڑی دیر قبل جب فارغ ہو کر گھر لوٹا ہوں تو نہ ماہا ہے یہاں نہ ہی تم تھے۔“

”ماہا کہاں گئی ہے؟“ چاچو کی بات پر مسکراتے ہوئے یک دم اسے ماہا کا خیال آیا تھا۔ تبھی فارحہ گویا ہوئی تھیں۔

”دوست کی طرف گئی ہے ——— گھر میں بیٹھی بور ہو رہی تھی۔ میں نے ہی کہا کہ چلی جاؤ۔ ذرا دل بہل جائے گا۔“

سید اذہان نے کوٹ اتار کر صوفے کی پشت پر دھرا پھر دائیں ہاتھ سے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرنے لگا تھا۔

”بھابی! آپ تو ماشاء اللہ گھر داری خوب اچھی طرح جانتی ہیں۔ ماہا کو کچھ سنہری اصول ہی سکھا دیجئے۔ گھر بیٹھی ہے تو کچھ ہاتھ تو آئے۔“ فیض چاچو مسکراتے ہوئے گویا ہوئے تھے۔

”نہیں ——— اس کی ضرورت نہیں۔ میں نے ماہا کا ایڈمیشن گرین وچ میں کرا دیا ہے۔ اب اسے فراغت کے لمحے بہت کم میسر آ سکیں گے۔ گھر داری سیکھنے کے لئے ابھی عمر پڑی ہے۔ پہلے اس کے لئے جینے کے ڈھنگ سیکھنا بے حد ضروری ہیں۔“ اس کے دھیمے لہجے میں بہت بڑا پن تھا۔ ماہا کے لئے وہ بے حد حساس تھا۔ اس کے متعلق فیصلہ کر کے اس کے چہرے پر حد درجہ راحت تھی۔ گہری آنکھوں میں کسی درجہ سکون تھا۔ فارحہ نے اسے بغور دیکھا تھا۔ تبھی فیض چاچو مسکرائے تھے۔

”یہ تو بہت اچھا کیا تم نے۔“

"ہاں واقعی ــــــ تم نے بہت اچھا کیا۔" فارحہ نے بیٹے کے اطمینان کو اپنے اندر اترتا محسوس کیا تھا۔ وہ دھیمے سے مسکرائی تھیں۔

"تم بیٹھو، میں تمہارے لئے چائے لے کر آتی ہوں۔" وہ اٹھنے لگی تھیں۔ تب وہ ان کا ہاتھ تھام کر ہوا تھا۔

"نہیں ممی! اس کی ضرورت نہیں۔ میں کچھ دیر آرام کروں گا ــــــ شام میں ہم ڈنر کے لئے جائیں گے۔ چاچو! آپ بھی کہیں مت جایئے گا۔ کوئی اور شیڈول ہو بھی تو اسے کینسل کر دیجئے۔ آج کا طور پر فیملی ٹائم ہوگا۔" وہ مسکراتا ہوا اٹھا تھا اور پلٹ کر چلتا ہوا اپنے کمرے کی جانب بڑھنے لگا تھا۔

فارحہ تادیر اسے حیرت سے تکتی رہی تھیں۔ فیض بخاری مسکرائے تھے۔

"ہمارے بچے ہم سے کہیں زیادہ عقل مند ہیں بھابی! ــــــ وہ حالات کو بس میں کرنے کے ساز گر جانتے ہیں۔"

"ہاں۔" فارحہ کے چہرے پر ایک طمانیت کا احساس بہت واضح تھا۔

❁ ❁ ❁

لامعہ کو بہت سی باتوں کا خبط تھا۔ انہی میں سے ایک شاپنگ کرنا بھی تھا اور کبھی کبھی تو فقط ونڈو شاپنگ اور تب وہ بے تحاشا چڑتی تھی۔

"لامعہ! بہت ہی ندیدوں والا انداز ہے یہ۔ اشیاء کو دور سے کھڑے انتہائی للچائی ہوئی نظروں سے تکتے رہنا۔ دوسرے لفظوں میں اسے وقت ضائع کرنا بھی کہہ سکتے ہیں ــــــ بھئی جب کچھ لینا ہی ہو فوراً لو اور باہر نکلو۔ یہ کیا کہ گھنٹوں ادھر سے اُدھر شاپس کے چکر لگاتے اور اشیاء کا پوسٹ مارٹم کرتے گزار دیا۔"

مگر لامعہ کے سر پر اس کے اعتراض کا کبھی کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔ اور آج تو شکر تھا، اس نے باقاعدہ شاپنگ کی تھی۔

"شکر ہے، تم نے آج ونڈو شاپنگ کو ترجیح نہیں دی۔" بہت سے بیگ صوفے پر پٹختے ہوئے اس نے دہائی دی تھی۔ لامعہ مسکرائی تھی۔

"کتنی بوسیدہ لڑکی ہو نا تم ــــــ لڑکیاں تو شاپنگ کے نام پر ہی کھل اٹھتی ہیں اور تم۔"

انابیہ شاہ مسکرائی تھی۔

"مجھے بھی شاپنگ کرنے پر کوئی اعتراض نہیں۔ مگر وہ جو تم گھما پھرا کر تھکا دیتی ہو اس سے جان جاتی ہے میری۔ اب دیکھو، کس قدر تھکا دیا ہے تم نے مجھے۔" صوفے پر انتہائی ایزی انداز میں ٹانگیں پھیلا کر بیٹھتے ہوئے اس نے بالوں کو کلپ سے آزاد کرتے ہوئے صوفے کی پشت پر پھیلا دیا تھا۔ لامعہ مسکرا دی تھی۔

"اب موت جانا ــــــ میں افضل سے کہہ کر چائے منگواتی ہوں۔" اسے آنکھیں بند کرتے دیکھ کر وہ بولی تھی مگر انابیہ شاہ نے آنکھیں وا نہیں کی تھیں۔ اسی طرح پڑی رہی تھی۔

لامعہ اٹھ کر اندر کی طرف بڑھ گئی تھی۔

انابیہ شاہ واقعی بہت زیادہ تھک گئی تھی۔ اسی طرح آنکھیں موند کر بہت سکون مل رہا تھا۔ جی چاہ رہا تھا وہیں سو جائے۔ مگر وہ سونا نہیں چاہتی تھی۔ تبھی گہری سانس خارج کرتے ہوئے قوتِ ارادی مجتمع کرتے ہوئے اس نے آنکھیں وا کی تھیں اور چند قدموں پر رکے شخص کو دیکھ کر ششدر رہ گئی تھی۔ جانے وہ وہاں کب آیا تھا ــــــ اور ــــــ انابیہ شاہ نے پیروں کو صوفے پر سے اتارتے ہوئے قریب دھرا دوپٹہ اٹھا کر شانے پر ڈالا تھا۔ پھر نظریں جھکا کر دونوں ہاتھ پشت پر لے جاتے ہوئے صوفے کی پشت پر بکھرے ہوئے بال سمیٹنے لگی تھی۔

چند قدم کے فاصلوں پر رکے عفنان علی خان نے اسے بغور دیکھا تھا پھر دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

"آئی ایم سوری ــــــ" بہت ہولے سے چلتا ہوا وہ اس کے قریب آن رکا تھا۔ یقیناً وہ شرمندہ تھا۔ مگر لامعہ کے گھر میں شاید وہ اسے قبول نہیں کر رہا تھا۔ دوسرے غلطی خود اس کی اپنی بھی تھی۔ اس کے تو دھیان میں بھی نہ تھا اس گھڑی وہاں کوئی اور بھی ہو سکتا ہے۔

"اٹس او کے ــــــ" مکمل پُر اعتمادی سے اس نے سر ہولے سے ہلایا تھا۔

"خیریت؟ ــــــ اتنی ڈھیر ساری شاپنگ ایک ساتھ؟" صوفے اور ٹیبل پر اِدھر اُدھر دھرے بیگز کو دیکھ کر عفنان علی خان نے سوالیہ نظروں سے انابیہ شاہ کی سمت دیکھا تھا۔ وہ دھیمے سے مسکرا دی تھی۔

"لامعہ کو ایسے بہت سے شوق لاحق ہیں ــــــ کب، کہاں، کیا اس کے دل میں سما جائے کسی کو کچھ علم نہیں۔ آپ کے لئے لمحہ فکریہ ہے۔ مستقبل میں کچھ محتاط انداز اختیار کرنا خاصا سود مند رہے گا۔" ریڈ سگنل کی سمت اشارہ کرتی اس وقت وہ خاصی منفرد لگ رہی تھی۔ بڑی بر وقت نصیحت تھی مگر اس کے باوجود بہت ناصحانہ نہ تھی۔

عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

"کوئی کل ڈھیلی ضرور ہے محترمہ کی۔" صوفے پر دھرے بیگز اٹھا کر اس نے بڑی سہولت سے میز پر دھرے تھے اور خود جگہ بنا کر بیٹھ گیا تھا۔ "سال بھر کی شاپنگ ایک ساتھ کر ڈالی۔" وہ یقیناً حیران تھا۔

انابیہ شاہ مسکرا دی تھی۔

"ایکسکیوز می ــــــ آپ لامعہ کو کم از کم میرے سامنے برا بھلا نہیں کہہ سکتے۔ اور یہ ایک سال کی شاپنگ قطعاً نہیں ہے۔" دفاع یقیناً بہت دلچسپ تھا۔ عفنان علی خان کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔ تبھی لامعہ، افضل کے ساتھ چائے کی ٹرالی لئے اندر داخل ہوئی تھی۔

"تم کب آئے؟" عفنان کی سمت تکتے ہوئے کسی قدر حیرت سے دریافت کیا تھا۔

"بس ابھی تھوڑی دیر قبل۔ تمہارے پرسنل سیل پر ٹرائی کر رہا تھا۔ مگر غالباً تم بزی تھیں۔"

"ہاں ــــــ میں اکثر شاپنگ کے دوران سیل آف کر دیتی ہوں تاکہ کوئی مجھے ڈسٹرب نہ کرے۔" انابیہ کے ساتھ بیٹھتے ہوئے وہ کسی قدر سرد لہجے میں بولی تھی۔

عفنان علی خان نے بغور دیکھا تھا اسے۔ اس روز کی ناراضگی ابھی تک برقرار تھی۔

لامعہ نے خاموشی کے ساتھ چائے کا کپ اس کی سمت بڑھایا تھا جسے تھامتے ہوئے وہ مسکرا دیا تھا
"شام کے پانچ بج رہے ہیں ــــــ اپنے منہ کے کلاک پہ ٹائم ملا لو۔ ابھی تک بارہ بج رہے ہیں
لامعہ جواباً گھورنے لگی تھی۔ انابیہ شاہ اس ماحول میں خود کو خاصا مس فٹ محسوس کرنے لگی تھی۔
لامعہ کی سمت دیکھا تھا۔

"لامعہ! اب چلوں گی میں۔ بہت دیر ہوگئی ہے۔ ماما انتظار کر رہی ہوں گی۔"

"بیٹھو ــــــ چائے تو پی کر جاؤ۔"

"نہیں ــــــ بہت دیر ہو جائے گی۔ تم لوگ پیو۔" انابیہ مروتاً مسکرائی تھی۔

"اوہ ــــــ تو تم ہم دونوں کے خیال سے اٹھ رہی ہو۔ بے فکر ہو کر بیٹھ جاؤ۔ ایسے کوئی راز و نیاز نہیں ہونے والے۔ یہاں لیلیٰ مجنوں والا کوئی چکر نہیں ہے۔" لامعہ نے اس کا ہاتھ کھینچ کر دوبارہ بٹھا لیا تھا۔ وہ لب بھینچ کر اس کی سمت تکنے لگی تھی۔ عفنان علی خان اس تمام صورت حال کو دلچسپی سے دیکھ کر مسکرایا تھا۔

"عالم مدہوشی میں دیکھے جانے کا جنوں ہے تو کوئی آتش شوق بھی تو جگانا سیکھو۔" بڑا ذومعنی انداز تھا۔ اس کی مخاطب یقیناً لامعہ ہی تھی۔ انابیہ شاہ جلدی جلدی گرم چائے کے سپ لینے لگی تھی۔

"آتش شوق گریز پائی سے نہیں بھڑکتی۔ بڑے انوکھے وصف درکار ہوتے ہیں اس کے لئے۔ توجہ ضرورت ہوتی ہے، نظر خاص چاہئے ہوتی ہے۔ یہاں تو تم حد درجہ گریزاں ہو۔ نگاہ کتنی اجنبی ہے۔ ایسے میں کوئی آتش شوق بھڑکے تو کس طور۔" بظاہر وہ لامعہ کی سمت دیکھ رہا تھا مگر مخاطب کوئی اور تھا۔ اس صورت حال پر جہاں لامعہ دھیمے سے مسکرائی تھی وہیں انابیہ شاہ نے خود کو بہت آکورڈ فیل کیا تھا۔

"کتنے برے ہو تم عفنان علی خان!" لامعہ پورے استحقاق سے اس سے مخاطب تھی۔

"ابھی جانا کہاں ہے تم نے ہم کو ــــــ ابھی دیکھا ہی کیا ہے۔ کتنے جہاں آباد ہیں کہیں جو تمہاری نگاہ سے دور ہیں۔ کتنی دنیائیں ہیں جنہیں تم دیکھنا ہی نہیں چاہتیں۔ کتنے منظر ہیں جن پر کبھی تم نے نظر ڈالنا چاہی ہی نہیں۔" کیسا شکوہ تھا۔ انداز میں کس درجہ دیوانگی تھی اس گھڑی عفنان علی خان کے لبوں پر۔
لامعہ کھلکھلا کر ہنستی چلی گئی تھی۔

"انابیہ! اس شخص کی باتیں میری سمجھ میں کبھی نہیں آئیں گی۔ کبھی کبھی تو حد درجہ اجنبی لگتا ہے۔ بیگانہ سا ہے۔ میرا دل چاہتا ہے بس اس کا سر پھوڑ دوں اور بس..." لامعہ حق اس کی حد درجہ دیوانگی پر گویا تپی ہوئی تھی۔ انابیہ شاہ کچھ نہیں بولی تھی مگر عفنان علی خان کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہوگئی تھی۔

"دل کے معاملات بہت عجیب ہیں۔ سمجھنے کے لئے فقط نظر کی نہیں، دل کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ کبھی وقت ملے تو مشورہ کرو دل سے بھی۔ سنو تو سہی دل کیا کہتا ہے اس بابت۔" وہ مکمل طور پر مسرور تھا۔ بظاہر نظریں لامعہ پر تھیں مگر اس کے وصف کا مخاطب کوئی اور ہی تھا۔ شاید یہ بات لامعہ نہیں جانتی تھی۔ تبھی مسکرا رہی تھی۔

"بس، بس ــــــ اب اس درجہ بھی خود کو مجنوں ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں۔ جانتی ہوں تم

بیٹھے ہو۔" لامعہ نے کباب کی پلیٹ انابیہ شاہ کی سمت بڑھائی تھی جسے اس نے سر نفی میں ہلا کر ریفوز کر دیا تھا۔

"اب چلوں گی میں۔" کپ میز کی سطح پر دھرا تھا۔

"دیکھا، ذرا دیکھ نا میری اتنی اچھی سی دوست کو۔ وہ اسی لئے رکنے سے گریز کر رہی تھی۔" لامعہ اسے دیکھ کر مسکرائی تھی۔

"اسی گریز کو تو ختم کرنا چاہتا ہوں میں۔" وہ مدھم لہجے میں گویا ہوا تھا۔ انابیہ شاہ نے عفنان علی خان کی سمت نگاہ کی تھی۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ آنکھوں میں کچھ خاص رنگ تھے، کوئی تاثر خاص تھا۔ وہ لمحہ بھر میں نظر پھیر گئی تھی۔

"لامعہ! اب میں چلتی ہوں۔" اس نے اجازت چاہی تھی۔

"بیٹھتیں تو کتنا اچھا ہوتا۔ عفنان تمہیں چھوڑ دیتے۔ آخر اتنی جلدی کس بات کی ہے؟" اسے رخصت کرنے کے لئے لامعہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ انابیہ فقط مسکرائی تھی اور چلتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔ سارے منظر پیچھے چھوٹ گئے تھے مگر کچھ منظر ذہن میں پھر بھی باقی رہ گئے تھے۔

کتنا عجیب شخص تھا وہ۔

کس قدر مہمل باتیں تھیں اس کی۔

کچھ سے کس درجہ بالاتر تھا وہ۔

اب تک وہ اسے سمجھ نہ سکی تھی اور اس کے لئے اس نے کوئی خاص کوشش بھی نہ کی تھی۔ مگر جس طرح وہ ہر لمحہ اس کی جانب بڑھ رہا تھا وہ سب نظر انداز کئے جانے کے قابل نہ تھا۔

اس نے کئی بار سوچا تھا۔ کئی بار خاص زاویہ فکر اپنانا چاہا تھا۔ مگر خود سب رد کرتی چلی گئی تھی۔

شاید ویسا سب کچھ نہیں تھا جیسا وہ سوچ رہی تھی۔ شاید اس شخص کا مزاج ہی ایسا تھا۔ اس کی طبیعت ہی ایسی تھی۔ ہاں اگر کچھ سوچنے اور فکر کرنے کے قابل تھا تو اس کا اس کی جانب بڑھنا۔ مگر یہ بھی تو محض اتفاق ہو سکتا تھا۔

اس نے تمام تر سوچوں کو جھٹکتے ہوئے کیب کو روکا تھا اور تمام سوچوں کو پس پشت ڈال دیا تھا۔ یقیناً ایسا نہیں تھا جیسا وہ سوچ رہی تھی۔

❋❋❋

جب تک وہ یہاں تھی، بڑی باقاعدگی سے متواتر پاپا سے ملنے جا رہی تھی۔ ان کے ڈاکٹرز سے بھی بطور خاص ملاقات کی تھی۔ وہ خاصی حد تک پُرامید تھی۔ وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی بھی احسان مند تھی۔ جو انتہائی اہم ترین شیڈول میں سے وقت نکال کر وہ اس کے ساتھ ہسپتال ضرور آ جاتا تھا اور وہ سمجھتی تھی اس کا احسان ہی تھا۔ پاپا نے اس شخص سے اس کا تعلق اپنی مرضی سے جوڑا تھا۔ وہ اس کے ساتھ انفرادی طور پر جیسا بھی سلوک کرتا، اسے قبول تھا۔ اسے اس کی سرد مہری سے اتنا گلہ نہیں تھا مگر وہ نہیں چاہتی تھی پاپا اپنے کسی فیصلے پر شرمندگی ہو یا پھر وہ کسی بات کا بوجھ اس حالت میں لیں۔ اگر سبکتگین لغاری اسکی

کیفیت میں وہ اس کے ساتھ تعاون نہیں کرتا تو یقیناً وہ بہت مشکل میں گھر جاتی۔ اپنی بات اور تھی مگر حالت میں پاپا کے لئے کوئی صدمہ برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

اس روز بھی جب وہ ڈاکٹر سے ملنے کے بعد باہر نکلی تھی وہ اس کا منتظر تھا۔ میرب کسی قدر شرمندہ ہو گئی تھی۔

''آپ کو تو اہم ترین کام سے جانا تھا کہیں۔'' ابھی جب تھوڑی دیر قبل ڈو بارہ اسے رکنے کے لئے کہہ رہی تھی تو وہ پاپا کی خیریت دریافت کر کے باہر نکل آیا تھا۔ وہ یہی سمجھ رہی تھی شاید وہ چلا گیا ہو گا مگر باہر نکلی تھی تو اسے موجود پا کر کسی قدر حیران ضرور ہوئی تھی۔

سبکتگین حیدر لغاری جواباً کچھ نہیں بولا تھا۔ اور تب میرب سیال نے بہت ہولے سے دروازہ کھولا اور اس کے ساتھ بیٹھ گئی تھی۔ ڈرائیور نے گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔ پورے سفر میں وہ کچھ نہیں بولی! حالانکہ وہ اس اقدام کے لئے سبکتگین حیدر لغاری کا شکریہ ادا کرنا چاہتی تھی۔ مگر جانے کیا ہوا تھا کہ کوئی مناسب لفظ ملی نہ پائے تھے۔ شاید اسی لئے وہ چپ سادھے بیٹھی رہی تھی۔ گاڑی ٹائم اسکوائر کے سامنے رکی تھی۔ جب سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت نگاہ کی تھی۔

''تمہارا گاڑی میں بیٹھنا مناسب نہیں ——— اگر چاہو تو میرے ساتھ آ سکتی ہو۔'' کوئی حکم نہیں تھا یہ۔ فقط ایک مخلصانہ مشورہ تھا۔ اس سفر میں وہ اس کی ذمہ داری تھی اور وہ اسے ساتھ لا کر اپنی ذمہ داری بہت خوبی سے نبھا رہا تھا۔

میرب سیال نے چند ثانیوں تک اسے خاموشی سے دیکھا تھا پھر اس کے ساتھ چلتی ہوئی ٹائم اسکوائر کی عمارت میں داخل ہو گئی تھی۔ سبکتگین حیدر لغاری نے لفٹ میں داخل ہو کر اپنا مطلوبہ نمبر دبایا تھا۔ رکنے پر وہ اپنے مطلوبہ فلور پر لفٹ سے باہر نکلے تھے۔ وہ سبکتگین حیدر لغاری کے ہم قدم تھی، اس کے ساتھ ہی جب ایک بے حد دلکش پیکر کسی قدر حیرت اور خوشی کے ملے جلے احساسات کا اظہار کرتے دوسرے لفظوں میں چیختا ہوا سبکتگین حیدر لغاری کی جانب لپکا تھا۔

''ہے ——— گین ——— وہاٹ اے پلیزنٹ سرپرائز۔'' کسی قدر جاپانی خدوخال کی وہ ایک بے حد دلنشین لڑکی تھی۔ کتنی بے قراری سے وہ سبکتگین حیدر لغاری کی سمت بڑھی تھی۔ کتنی ——— سی سے اس کے ساتھ لگتے ہوئے ملاقات کے تمام ضروری امور انجام دیئے تھے۔ سبکتگین حیدر لغاری یقیناً اس لڑکی کو اچھی طرح جانتا تھا۔ تبھی تو اس کی کمر کے گرد ہاتھ دھرے بہت خوش نوائی سے ——— مزاج اس سے پوچھ رہا تھا۔ میرب سیال اس گھڑی جیسے کہیں پس منظر میں رہ گئی تھی۔ کچھ قدم کے فاصلے پر وہ چپ چاپ کھڑی ان کی سمت دیکھ رہی تھی۔ وہ دونوں بہت رغبت سے ایک دوسرے سے مخاطب تھا۔ وہ اس سے اس کی موجودگی کے متعلق دریافت کر رہی تھی۔ سبکتگین حیدر لغاری بہت دھیمے سے اسے مطلع کر رہا تھا۔

''ٹھہرے کہاں ہو؟'' شستہ انگریزی میں پوچھتے ہوئے اسے کسی تیسرے وجود کا سرے سے احساس نہیں تھا۔ سبکتگین حیدر لغاری نے مطلع کیا تھا۔

''اور پھر تو ملنا ملانا ہوتا رہے گا۔''

''تم یہاں کیسے؟''

''میں یہاں اپنی آنٹی کے پاس آئی تھی۔ تمہیں نیویارک میں ہوتی ہیں وہ۔ امید نہیں تھی تم یہاں مل جاؤ گے۔ اس کے بعد کوئی رابطہ ہی نہیں رکھا تم نے۔ بڑے بے مروت ہو۔'' بڑی بے تکلفی سے وہ سبکتگین حیدر لغاری کے شانے پر ہاتھ دھرے ہوئے مخاطب تھی۔ کیسی چمک تھی اس لمحے اس پری رخ کی آنکھوں میں۔ کیسی روشنی کی شعاعیں پھوٹ رہی تھیں۔ جیسے سرِ راہ چلتے چلتے یکدم کوئی خزانہ ہاتھ لگا ہو۔ تو حقیقت بھی کہ کہیں کوئی ایک نہ تھا۔

بہت سے دل فرشِ راہ تھے ——— بہت سی آنکھیں محوِ انتظار تھیں۔

کتنی پلکیں جھکی ہوئی تھیں۔ اور سبکتگین حیدر لغاری، اسے تو شاید یاد بھی نہ ہو گا۔ کتنی بھی کہاں یاد رہی گی! اعداد و شمار کتنا مشکل مرحلہ ہو گا۔

کتنے مقامات تھے۔ کتنی نظریں تھیں۔

کتنے دل اور کتنی داستانیں۔

اگر ان سب میں کچھ کامن تھا تو فقط سبکتگین حیدر لغاری۔

میرب سیال اسی طرح کھڑی تھی جب اس سرو قامت اور تیکھے نقوش والی اور کسی قدر جاپانی تاثر دیتی لڑکی کی نگاہ اس پر پڑی تھی۔ اس نے بڑی حیرت سے چونکتے ہوئے دوسرے ہی لمحے سبکتگین حیدر لغاری کی سمت دیکھا تھا۔

''یہ کون ہے تمہارے ساتھ؟'' سوال میں بے تحاشا حیرت تھی۔ سبکتگین حیدر لغاری جو اب تک اس کے وجود سے کسی قدر غافل تھا اس گھڑی یکدم ہی گردن موڑ کر میرب سیال کی سمت دیکھا تھا پھر بہت ہولے سے گردن اثبات میں ہلا دی تھی۔

''ہوں ———'' کسی طرح کی کوئی وضاحت نہیں کی تھی۔ تبھی وہ پری رخ اس کی سمت مسکراتے ہوئے بڑھی تھی۔

''ہائے ——— آئی ایم گی GEE۔'' ہاتھ اس کی سمت بڑھایا تھا۔ جواباً میرب سیال بھی مسکرا دی تھی۔

''میرب سیال۔''

''بہت خوب صورت ہو تم۔ سبکتگین حیدر لغاری ——— نے تمہارے بارے میں نہیں بتایا۔ میں اس کی دوست ہوں۔ جاپانی نژاد کینیڈین۔ ویسے اگر تم مجھے نسل کینیڈین کہو تو مجھے زیادہ خوشی ہو گی۔'' گی کے لبوں پر بڑی دوستانہ سی مسکراہٹ تھی۔ جواباً میرب سیال ——— بھی جیسے مسکرا دینا فرض تھا۔ گی بہت زندہ دل لڑکی تھی۔ ساری باتیں وہیں کھڑے کھڑے کر لینا چاہتی تھی۔

''تم بہت خوب صورت ہو۔''

میرب سیال نے ابھی کوئی جواب نہیں دیا تھا جب سبکتگین حیدر لغاری ان کی طرف پلٹا تھا۔

''بہتر نہ ہو گا کہ ہم کہیں بیٹھ کر بات چیت کر لیں؟''

اول

کی نے مسکراتے ہوئے سر ہلایا تھا۔ تبھی وہ دونوں آگے بڑھنے لگے تھے۔ میرب سیال کے پاس
ساتھ دینے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ تھا۔

بہت سی باتوں اور چیزوں کی وہ نہ چاہتے ہوئے بھی پابند تھی۔ جس طرح اس گھڑی نہ چاہتے
بھی ان کے ساتھ ہونا۔ یقیناً وہ اس لمحے ان دونوں کے درمیان حائل تھی۔ اگر اسے انتخاب کا م
جاتا اور کسی قدر دلبرانہ ری جاتی تو وہ یقیناً کسی کے بھی درمیان دیوار بننا قبول نہ کرتی۔

گی، سبکتگین حیدر لغاری کے بہت قریب تھی۔ اس کے داہنے مضبوط آہنی بازو میں اپنا نازک
ڈالے وہ اس گھڑی مکمل طور پر مسرور تھی۔

نانا کچھ نیا تو نہ تھا۔ حالات بتا رہے تھے، وابستگی کچھ معمولی نہ تھی۔

اسے اس لمحہ انتہائی شرمندگی ہو رہی تھی ۔۔۔۔ بہت آکورڈ فیل کر رہی تھی وہ۔ یقیناً یہ سفر یہ
آسان نہیں تھی۔ جانے کیا راز و نیاز ہو رہے تھے ان میں۔ سرگوشیوں میں بہت سی خاص باتیں ا
تھیں۔ میرب سیال کچھ نہیں سن پائی تھی۔ شاید وہ کچھ سننا چاہتی بھی نہیں تھی۔ وہ اپنی آنکھیں اس منظ
میچ لینا چاہتی تھی۔ کان بھی بند کر لینا چاہتی تھی۔ وہ لمحے بڑے ثقیل تھے جب گی کے پرسنل سیل پر بیل
بجی تھی۔ جانے کون تھا دوسری طرف۔ لیکن اس کے دوسرے ہی پل اس نے معذرت طلب نظروں
سبکتگین حیدر لغاری کی سمت دیکھا تھا۔

"معذرت چاہتی ہوں ۔۔۔۔ لیکن شام میں ضرور ملاقات ہوگی۔ تم ہوٹل میں ہی رہنا۔"

اختتامی الوداعی رسومات انجام دیتے ہوئے وہ اپنے گداز لب سبکتگین حیدر لغاری کے کانوں
قریب لے جاتے ہوئے بہت دلکشی سے مسکرائی تھی۔ جواباً سبکتگین حیدر لغاری کے لبوں پر مسکراہ
آئی تھی۔

وہ پری رخ چلی گئی تھی اور "ٹائم اسکوائر" کی ساری دلکشی جیسے ماند پڑ گئی تھی۔ شاید گی واقعی بہت خ
صورت لڑکی تھی۔ سبکتگین حیدر لغاری کی نظریں دور تک اس کا تعاقب کر رہی تھیں اور میرب سیال کو لگا
تھا کہ سبکتگین حیدر لغاری ابھی تک اس ایک لمحے کے سحر کی گرفت میں تھا اور وہ تاثر ابھی تک ماند نہ پڑ
اس کی آنکھوں کی چمک کتنی بڑھ گئی تھی۔ وہ بے حد مسرور دکھائی دے رہا تھا۔ گی چلی گئی تھی مگر اپنے نقو
سبکتگین حیدر لغاری کے چہرے پر چھوڑ گئی تھی۔ وہ اس کی جانب بغور دیکھ رہی تھی جب وہ اس کی ط
متوجہ ہوا تھا۔

"تم یہاں بیٹھو۔ میں کچھ کام نمٹا کر ابھی آتا ہوں۔" اسے وہاں چھوڑ کر وہ وہاں سے نکل گیا تھا۔

میرب سیال نے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔ نظروں میں پھر گی کا تصور جھلملانے لگا تھا۔ گی
ایک بہت خوب صورت لڑکی تھی۔ خوب صورت تو خیر تمام ہی لڑکیاں تھیں جن سے وہ آج تک سبکتگین
لغاری کے حوالے سے ملی تھی۔ شاید معاملہ یہ تھا کہ سبکتگین حیدر لغاری کی نگاہ واقعی بہت بلند تھی۔ اس
پسند عام نہ تھی۔ عام چہرے اسے بھاتے نہ تھے۔ نام بدلتے تھے، مقام بدلتے تھے مگر اس کی پسند ای
بلند رہتی تھی۔

ل

بار ساتو خیر کوئی بھی نہیں ہوتا۔ مگر اس درجہ پذیرائی کا وصف شاید سبکتگین حیدر لغاری ہی کا خاصہ تھا۔
مختصر سے دنوں میں وہ اسے بہت زیادہ نہیں جان پائی تھی۔ مگر جتنے دن سے اس کے ساتھ تھی ہر روز
کا ایک نیا رنگ اس کے سامنے آرہا تھا جو پہلے رنگ سے یکسر مختلف اور الگ تھا۔ جانے کتنے رنگ اور
تھے سبکتگین حیدر لغاری کی شخصیت کے۔ جانے اور کتنے وصف تھے۔

اسے کھوجنے کی اس قدر جستجو نہ تھی۔ مگر جو کچھ اس کے سامنے آرہا تھا وہ اس سے اپنی آنکھیں بند بھی
کر سکتی تھی۔ بہت کچھ حیران کن تھا۔ بہت کچھ چونکا دینے والا تھا۔ یقیناً ایسی بہت سی حیران کن باتیں،
مزید ابھی اس کے سامنے آنا باقی تھیں۔ سبکتگین حیدر لغاری کی زندگی یقیناً بہت ایڈونچرس تھی۔ بہت
دل شخص تھا۔ لطف اندوزی کے بہت نرالے وصف ازبر تھے اسے۔ اور وہ یقیناً حیران ہونے کے لئے
۔ اب تک کتنے تاثر تھے۔ کتنے چہرے سامنے آئے تھے اور اس پر یہ بھید نہ کھل سکا تھا کہ درحقیقت وہ
تھا۔ ابھی وہ ایک منظر ہی سمجھ نہ پاتی تھی کہ منظر بدل جاتا تھا۔ کتنی پرتیں تھیں سبکتگین حیدر لغاری کی
بت کی۔

وہ نہیں جانتی تھی آنے والے لمحے اس کے لئے کیا لے کر آنے والے تھے۔

اسے آنے والے دنوں میں کیا کرنا تھا۔ وقتی طور پر اس نے تقدیر کا لکھا اسی کو جان کر اکتفا کر لیا تھا۔
ہر بدلتا منظر جس طرح سے اسے چونکا رہا تھا اسے نہیں لگتا تھا کہ وہ زیادہ دن اس ماحول کا حصہ رہ
پا۔

ان کوئی خاص جذباتی وابستگی تو نہیں ہوئی تھی ان دونوں میں مگر یہ ہوا تھا کہ اس کے پچھلے کچھ برے
میرب کی نگاہ سے محو ضرور ہو گئے تھے۔ یا پھر اس نے جان بوجھ کر اس تاثر کو ذہن سے زائل کر دیا
راب اس ایک لمحے میں پچھلے سارے منظر پوری شدت کے ساتھ روشن ہوتے چلے گئے تھے اور ان
لباس کے رنگ اسے کس قدر برے لگ رہے تھے۔

سبکتگین حیدر لغاری یقیناً وہ شخص نہیں تھا جس کی خواہش وہ کرتی۔

وجاہت تھا۔ پُر تاثر تھا۔

شخصیت میں سحر بھی تھا۔ بے تحاشا کشش بھی تھی۔ وقار بھی تھا۔ جاہ و جلال بھی۔

مگر وہ خاص وصف نہیں تھا جو اپنے جیون ساتھی میں وہ تلاشنا چاہتی تھی۔

تین کچھ اچھی عادتیں بھی سبکتگین حیدر لغاری میں۔ کچھ اچھی باتیں بھی ضرور تھیں۔ مگر خامیوں کے
زاویا کا گراف بہت اَن بیلنس تھا۔ شاید کچھ خواص مزید بھی سبکتگین حیدر لغاری کی پرسنالٹی میں
ہوتے مگر انہیں کھوجنے کی، تلاشنے کی جستجو اس میں قطعاً نہیں تھی۔

گہری سانس بھرتے ہوئے اس نے دیکھا تھا۔ سبکتگین حیدر لغاری سامنے سے آتا ہوا اس کی سمت
اٹھ ۔۔۔۔ وہ اس کے قریب آتا اور اسے اٹھنے کے لئے کہتا، وہ اس سے قبل ہی تمام امور انجام
لی تھی۔

چلو ۔۔۔۔" وہ بولا تھا۔ پھر یکدم اس کی سمت پلٹا تھا۔ "تمہیں بھوک تو نہیں؟"

''نہیں۔'' اس نے سرنفی میں ہلایا تھا۔

''اوکے ـــــ چلو پھر۔'' وہ غالباً عجلت میں تھا۔ لفٹ کی جانب بڑھتے ہوئے اس کے انداز میں خاصی سرعت تھی۔ میرب سیال نے سر اٹھا کر اس کی سمت دیکھا تھا۔

''اگر آپ کو کوئی کام ہے تو میں اکیلی ہوٹل چلی جاتی ہوں۔ آپ وہ کام انجام دے لیجیے۔'' قناعت کرنا آ گیا تھا۔ سبکتگین حیدر لغاری نے فقط اس کی سمت خاموشی سے دیکھا۔ کچھ کہا نہیں۔ اسکوائر سے نکل کر اس نے میرب کے لیے ایک کیب ہائر کی تھی اور اسے بٹھا کر کھڑکی میں جھک کر ہدایت کی تھی۔

''ہوٹل پہنچ کر مجھے فون کر دینا۔''

یہ ہدایت یقیناً اس کی خیریت کے پیشِ نظر تھی اور میرب سیال نے بہت ہولے سے سر ہلا دیا تھا۔ ڈرائیور نے ٹیکسی آگے بڑھا دی تھی۔

جب سے سبکتگین حیدر لغاری اس کی زندگی میں آیا تھا، اس کا سر فقط اثبات میں ہلنے لگا تھا۔ کرنے کے لیے زندگی میں کچھ زیادہ میسر نہیں آئے تھے۔ مگر جتنے بھی میسر آئے تھے اسے کچھ انتہائی چھدا انداز میں فقط سر نہیں ہلانا پڑا تھا۔ مگر اب جیسے وہ اس سے زیادہ کی سکت رکھتی ہی نہ تھی۔

ایسا کیا تھا سبکتگین حیدر لغاری میں؟

ایسا کیا تھا اس کی شخصیت میں جو وہ اس کی اس درجہ تابع ہو گئی تھی۔

کتنی دیر تک وہ اسی نہج پر سوچتی رہی تھی مگر کچھ خاص سمجھ میں نہ آیا تھا۔

❋❋❋

زندگی جتنی بھی مشکل ہو، جینے کی صورت نکل ہی آتی ہے۔ پچھلے دنوں زندگی میں جتنی بھی اداسی تھی اس کا کچھ تدارک نہ تھا۔ مگر اب یوں ہوا تھا کہ وہ تاثر اگر پوری طرح زائل نہیں بھی ہوا تھا تو دھیرے دھیرے واپس اپنے ڈھب پر آنے لگی تھی۔

ماہا نے کبھی جانا شروع کر دیا تھا اور اسے دیکھ کر فارحہ کو بہت اطمینان ہوا تھا۔ وہ نئے سرے سے جینا شروع کر چکی تھی۔ ایک مقصد آ گیا تھا اس کے ہاتھ۔ بہت حد تک مصروف ہو گئی تھی وہ بیٹھنے والی کوئی کیفیت باقی نہ رہی تھی۔ اسے مطمئن دیکھ کر اذہان حسن بخاری بھی خوش تھا اور ان دونوں کو دیکھ کر فارحہ خوش تھیں۔ سعد حسن شاہ بخاری کا آنا جانا ایک الگ معمول تھا۔ مگر انہوں نے ماہا کے کیے پر کوئی تاثر ظاہر نہیں کیا تھا۔

''سب کچھ بہت بدل گیا ہے۔'' جانے انہوں نے کس ڈھب پر کہا تھا۔ فارحہ بہت دھیمی تھیں۔

''ہاں ـــــ واقعی بہت کچھ بدل گیا ہے۔'' شاید طنز تھا کوئی۔ سعد حسن شاہ بخاری رکے تھے۔

''آپ کو بچوں کو وقت دینا چاہیے۔ انہیں آپ کی ضرورت یقیناً اب بھی ہے۔'' جانے کیا تھا۔

سعد حسن بخاری کچھ نہیں بولے تھے۔ فقط خاموشی سے اس کی جانب تکتے رہے تھے۔

''تغیر کا باعث کوئی اور تو نہیں۔'' بہت ہولے سے احساس دلایا تھا۔

''تم مجھے میری غلطیوں کی یاد دہانی کرانا چاہتی ہو؟'' سعد حسن بخاری کو شاید آئینہ دکھانا اچھا نہیں لگا تھا۔

''نہیں۔ فقط یاد کرانا چاہتی ہوں۔ کسی کو الزام دینے سے قبل اسباب پر بھی غور ضرور کر لیجیے۔'' فارحہ لہجے میں بولی تھیں۔ سعد حسن بخاری دیکھ کر رہ گئے تھے۔ فارحہ انہیں اسی طرح ساکت چھوڑ کر باہر آ گئی تھیں۔ باہر لاؤنج میں اذہان حسن بخاری، اگینے اور عزیر کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔

''تم لوگ کب آئے؟'' فارحہ، اگینے اور عزیر سے ملتے ہوئے مسکرائی تھیں۔

''بس ابھی ابھی۔''

''ماما کہاں ہے؟ ـــــ کچھ خاطر مدارات بھی کی یا نہیں؟'' فارحہ نے فیروزی شیفون کی ساڑھی کا پلو سنبھالتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ تبھی اذہان حسن بخاری گویا ہوا تھا۔

''آپ بیٹھیں ممی! ماہا گئی ہے کچن میں۔'' تب فارحہ، اگینے کے پاس بیٹھ گئی تھیں۔

''اذہان بتا رہا تھا سعد بھائی آئے ہوئے ہیں۔'' اگینے نے دریافت کیا تھا۔

''ہاں۔'' فارحہ نے مختصر جواب دیا۔ ایک ہلکی سی رنگی مسکراہٹ لبوں پر پھیلی تھی پھر دوسرے ہی پل مدھم ہو گئی تھی۔ اگینے نے انہیں بغور دیکھا تھا۔ وہ ان کی کیفیت کسی حد تک سمجھ گئی تھی۔ شاید تبھی کچھ دریافت نہیں کیا تھا۔

''بھابی! ہم بلال کی شادی کا کارڈ دینے آئے تھے۔'' اگینے نے کارڈ فارحہ کے ہاتھ میں تھمایا تھا۔ وہ بے حد حیرت سے مسکرا رہی تھیں۔

''اوہ ـــــ اتنی اچھی خبر۔ تم لوگوں نے بنا مطلع کیے سب کام ہی ہی بالا طے کر ڈالے اور سب کچھ کر کے اب ہمیں فقط مطلع کر رہے ہو۔'' فارحہ نے مسکراتے ہوئے بہت اپنائیت سے شکوہ کیا تھا۔ اگینے ہنس دی تھی۔

''بھابی! آپ کے بغیر ہم بھلا کچھ کر سکتے ہیں؟ سب آپ کے منتظر ہیں۔ سارے کام آپ کے ہی ہاتھوں انجام پائیں گے ان شاء اللہ۔ رواء کے گھر والوں کو کچھ جلدی تھی۔ سو بہت قریب کی ڈیٹ فکس کرنا پڑی۔ ہم سب لوگوں کے لیے خود بہت غیر متوقع خبر ہے یہ۔ لڑکیوں نے تو اچھا خاصا دھاوا بول دیا ہے۔ بالکل خاص بنا، ہاں، جو کرنی ہوتی ہیں۔'' اگینے مسکراتے ہوئے مطلع کر رہی تھی۔ تبھی عزیر گویا ہوا۔

''اگینے آپا کے قدم بہت لکی ہیں۔ آتے ہی بلال کو ٹھکانے لگا دیا۔ سب سوچ رہے ہیں اگلا نمبر کس کا ہے۔''

''تم فکر نہیں ہو گے۔ لکھ کر رکھ لو۔'' اذہان حسن بخاری نے مسکراتے ہوئے اسے چھیڑا تھا۔ بہت بعد وہ تمام رونقوں کی طرح مسکرا رہا تھا۔ ورنہ وہ تو یہ سب بھول ہی گیا تھا۔ فارحہ اسے دیکھ کر بہت

خوش ہوئی تھی۔

"میں نہیں ہو سکتا، لیکن تم تو ہو سکتے ہو نا۔" عزیر نے جواباً چھیڑا تھا۔ دونوں ہاتھوں پر ہاتھ مارتے ہوئے کھلکھلا کر ہنستے چلے گئے تھے۔ اگینے نے مسکراتے ہوئے فارحہ کی طرف دیکھا تھا۔

"میری مانیں تو بھابی! آپ بھی اب اذہان کے لئے کوئی لڑکی دیکھ ہی ڈالئے۔ گھر میں، کچھ سکون آپ کو بھی ملے گا۔ پھر رونق بھی خوب رہے گی۔"

"اگینے! یہ کیا پٹیاں پڑھا رہی ہیں آپ میری والدہ کو؟" اذہان حسن بخاری نے اگینے کو مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔

"تمہارے بھلے کی باتیں ہی بتا رہی ہوں۔"

"ماشاء اللہ۔ کچھ ہم بھی تو سنیں۔" اگینے کی سمت بغور تکتا ہوا وہ مسکرایا تھا۔

"ارے یار! اگینے تیرے لئے لڑکی دیکھنے کی بات کر رہی ہیں۔ مسیحا ہم ہیں اور نیکیاں کمانے کی سوچ رہی ہے۔" عزیر نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ اذہان حسن بخاری کھلکھلا کر ہنسنے لگا تھا۔ فارحہ کی سمت تکتی چلی گئی تھیں۔ کیسی آسودگی اتر رہی تھی اندر کہیں۔ کس قدر راحت محسوس کر رہی تھیں وہ۔

"کچھ بھی کہو لڑکی تو تمہارے لئے اگینے ہی دیکھے گی۔" فارحہ نے بھی حصہ لیا تھا۔

"ممی! آپ بھی؟" اذہان حسن بخاری نے ماں کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔

"دیکھ لو، اب تو فارحہ بھابی نے بھی گرین سگنل دے دیا۔ اب آرام سے بتا دو اپنی پسند، کیسی درکار ہے تمہیں؟" اگینے نے مسکراتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ اذہان حسن بخاری نے مسکرا کر اگینے کی سمت بغور دیکھا تھا۔

"اوں، ہوں۔" سر نفی میں ہلایا تھا۔ "یہ تو میں آپ کو قطعاً نہیں بتاؤں گا۔" وہ جیسے اس تمام صورت حال سے خاصا محظوظ ہو رہا تھا۔

"اگینے! اپنے محترم اذہان حسن بخاری کا ارادہ کچھ اور ہے۔ آپ اپنا ارادہ بدل لیجئے۔" عزیر نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

"نہیں۔ اذہان حسن بخاری کے لئے لڑکی تو میں ہی دیکھوں گی۔ اور دیکھنا یہ خود بھی اسے دیکھتا رہ جائے گا۔" اگینے نے دعویٰ کیا تھا۔

"کیوں ــــ اس قدر خوفناک ہو گی وہ؟" عزیر نے بیچ میں لقمہ دیا تھا۔ اذہان حسن بخاری کا قہقہہ بہت فطری تھا۔ دونوں دوست عرصہ دراز بعد یوں مل کر بیٹھے تھے اور انجوائے کر رہے تھے۔ اگینے کو آنے کی بطور خاص تلقین کی تھی اور پھر جانے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

اذہان حسن بخاری انہیں چھوڑنے کے لئے باہر تک آیا تھا۔ عزیر جب پورچ سے گاڑی نکال رہا تھا اگینے نے اس کی سمت قدم بڑھانے تھے تبھی اس نے بہت ہولے سے پکارا تھا۔

"اگینے!"

"ہوں؟" اگینے نے گھوم کر اسے دیکھا تھا۔ مدھم سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیلی ہوئی تھی۔

ل

رکھنے لگی تھی۔

"تھینکس۔" بہت ہولے سے وہ بولا تھا۔

"کس لئے؟" اگینے حیران ہوئی تھی۔

"آپ کے باعث آج ہم بہت عرصے بعد کھل کر مسکرائے۔ میں نے بہت دنوں بعد ممی کو اس طرح پرسکون پایا۔" اگینے اس کی سمت تکتی ہوئی مسکرا دی تھیں۔

"شکریہ میرا نہیں بلال کا ادا کرو، جو شادی کر رہا ہے۔ یہ ساری خوشیاں اسی کی شادی کے باعث ہاتھ آئی ہیں۔"

"ہوں۔" اذہان حسن بخاری نے پرخیال انداز میں سر ہلایا تھا۔

"میں بھی تو کہہ رہی ہوں اب تم بھی اس ضمن میں سوچنا شروع کر دو۔" اگینے نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ اذہان حسن بخاری کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔ تبھی عزیر نے ہارن دیا تھا۔ اگینے پلٹنے لگی تھی تب اذہان حسن بخاری نے اسے پکارا تھا۔

"اگینے!"

"ہوں ــــ؟" وہ ایک بار پھر پلٹی تھی۔

اذہان حسن بخاری نے چند ثانیوں تک خاموشی سے دیکھا تھا، پھر بہت ہولے سے مسکرا دیا تھا۔

"لڑکی آپ جیسی ہونی چاہئے۔" آنکھوں میں ایک شرارت رکی ہوئی تھی۔ وہ یقیناً سنجیدہ نہ تھا اس لمحے۔ اگینے نے اس کی سمت بغور دیکھا تھا پھر مسکراتے ہوئے پلٹ گئی تھی۔ اذہان حسن بخاری چند لمحوں تک وہیں رکا اس سمت تکتا رہا پھر لب بھینچ کر مڑا اور قدم اندر کی جانب بڑھا دیئے تھے۔

دن شاید پلٹ رہے تھے۔ زمانہ شاید بدل رہا تھا۔

اسے سب بہت اچھا لگ رہا تھا۔ حالانکہ سب کچھ بدلا نہ تھا۔ مگر اس کے لئے یہی بہت تھا کہ اس کے گھر کی کھوئی ہوئی مسکراہٹیں آج دوبارہ لوٹ رہی تھیں۔ اس کی ماں کی آنکھوں میں اطمینان تھا، سکون تھا۔ لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ اور اتنا کچھ بہت کافی تھا اس کے لئے۔ فارحہ صوفے پر بیٹھی ہوئی تھیں جب اس نے ہولے ہولے چلتے ہوئے ان تک فاصلہ سمیٹا تھا۔ ان کے قریب رک کر چند ثانیوں تک انہیں دیکھا تھا پھر نیچے بیٹھ کر سر ان کی گود میں دھر دیا تھا۔ فارحہ اس کے سر پر ہاتھ پھیرتی ہوئی مسکرائی تھیں۔ کہا کچھ نہیں تھا۔ اذہان حسن بخاری نے بھی فقط مسکراتے ہوئے سر اٹھا کر ماں کو دیکھا تھا۔ دونوں شاید ایک دوسرے کی کیفیت بخوبی سمجھ رہے تھے۔

❋❋❋

انابیہ شاہ اپنے کمرے میں کمپیوٹر کے سامنے بیٹھی نیٹ سرفنگ کر رہی تھی۔ باہر لاؤنج میں دادا ابا اور محترم مرتضیٰ خان دھواں دھار بحث و مباحثے میں مصروف تھے۔ غالباً ان کا موضوع گفتگو ادب تھا۔ دوسرے معنوں میں دونوں حضرات اس لمحے خاصی ادبی گفتگو فرما رہے تھے۔ اس کے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور فاصلہ کچھ اتنا زیادہ بھی نہ تھا۔ شاید تبھی ان کی آواز بخوبی اس کی سماعتوں تک پہنچ رہی تھی۔

اول

عفنان علی خان کے آنے سے ایک فائدہ یہ ہوا تھا کہ دادا ابا کو ایک سنگت میسر آ گئی تھی۔ اور ا وقت خاصا اچھا گزرنے لگا تھا۔ درحقیقت وہ عفنان علی خان کی آمد کے اغراض و مقاصد جاننے کرنے سے یکسر قاصر رہی تھی مگر اس نے بطور خاص اس ضمن میں کچھ سوچا بھی نہ تھا۔ دیکھا جاتا تو کا یہ واقعہ تھا بھی نہیں۔ ہاں یہ تھا کہ وہ شخص بہت دوستانہ مزاج رکھتا تھا۔ شاید اسی لئے کسی حد تکلف واقع ہوا تھا۔ یہ اس کی طبیعت کا خاصہ تھا شاید۔ اس کے باعث اس پر کوئی فتویٰ جاری نہ سکتا تھا۔ ہر شخص کا اپنا ایک مزاج ہوتا ہے۔ ہاں یہ بات سوچنے والی تھی کہ اس نے دادا ابا کا دل موہ لیا تھا۔ دادا ابا کو بہت کم لوگ متاثر کرتے تھے اور انہی میں ان محترم عفنان علی خان کا شمار بھی ہ تھا۔ اس میں کچھ تو تھا کہ دادا ابا اس کے گرویدہ ہو گئے تھے۔ دیکھ کر لگتا ہی نہیں تھا کہ اتنے کم دنوں پہچان ہے۔

انابیہ یکدم اپنے کمرے سے اٹھ کر ان دونوں کے پاس آ گئی تھی۔

دادا ابا، عفنان علی خان کی معلومات پر اسے سراہ رہے تھے۔ اس کی مدلل گفتگو پر اسے اپری شی رہے تھے۔ وہ پلٹنا چاہتی تھی لیکن یکدم یہ ممکن نہ تھا۔ شاید تبھی وہاں کھڑی رہی تھی۔ اور پھر شاید اس خجالت مٹانے کو بہت آہستہ سے جھک کر اپنے بازو دادا ابا کے گرد حمائل کر دیے تھے۔ عفنان علی خان چہرے کو اس گھڑی دانستہ بغور دیکھ رہا تھا۔

"تم تو غالباً بزی تھیں؟"

دادا ابا نے گردن موڑ کر مسکراتے ہوئے انابیہ شاہ سے دریافت کیا تھا۔ وہ مسکرائی تو نگاہ عفنان خان سے لمحہ بھر کو ٹکرائی تھی۔ تبھی وہ ہولے سے گویا ہوئی تھی۔

"اتنی دلچسپ گفتگو ہو رہی تھی۔ مجھ سے رہا نہیں گیا۔ میں نے سوچا چائے، کافی کا پوچھ لوں، ضرورت نہیں؟"

"نہیں ـــــ مجھے تو نہیں۔ تم عفنان علی خان سے پوچھ لو۔" دادا ابا نے مسکراتے ہوئے عفنان خان کی سمت اشارہ دیا تھا۔ تبھی وہ اس کی سمت براہ راست تکنے لگی تھی۔

"ناٹ ایٹ آل۔" اس نے شانے بے فکری سے اچکائے تھے۔ تبھی دادا ابا گھڑی دیکھتے ہو کھڑے ہوئے تھے۔

"بھئی برخوردار! بہت اچھی گفتگو رہی تم سے۔ ابھی نماز کا وقت ہو چلا ہے ورنہ مزید نشست دونوں بیٹھو، باتیں کرو۔ میں نماز پڑھ لوں۔"

دادا ابا کہنے کے ساتھ ہی چلتے ہوئے لاؤنج سے نکل گئے تھے۔ عفنان علی خان اب خاصے آرا بغور تکتے ہوئے اس کی طرف متوجہ تھا۔ وہ ہونٹ بھینچ کر غالباً اس گھڑی مروتاً مسکرائی تھی۔

"مجھے نہیں علم تھا آپ اتنی ادبی قسم کی گفتگو بھی فرما سکتے ہیں۔" اس نے اپنی حیرت کا برملا تھا۔ عفنان علی خان بہت دلکشی سے مسکرا دیا تھا۔

"کیوں ـــــ آپ مجھے اتنا بے ادب جانتی ہیں؟" جواب بہت بروقت تھا۔ وہ مسکرا دی تھی۔

"نہیں، ایسی بات نہیں۔ دراصل میں آپ کو قطعاً نابلد سمجھتی تھی۔" اس نے سچ کہا تھا۔ عفنان علی خان بغور تکتے ہوئے بہت ہولے سے مسکرایا تھا۔

"کس بات سے؟" اس گھڑی خاصی دلچسپی سے وہ انابیہ شاہ کی سمت متوجہ تھا۔ روشن آنکھوں میں بڑی سی چمک تھی۔ جانے کیسا احساس تھا۔ انابیہ شاہ نظروں کا زاویہ بدل گئی تھی۔

عفنان علی خان اپنے سوال کی جواب دہی کے لئے یقیناً منتظر تھا مگر انابیہ شاہ کچھ نہیں بولی تھی۔ تبھی عفنان علی خان بہت ہولے سے مسکرایا تھا۔

"اور کن کن باتوں سے نابلد سمجھتی ہیں مجھے، کبھی سہولت سے وضاحت ضرور کیجئے گا۔"

انابیہ شاہ ایک بار پھر اس کی سمت تکتی ہوئی اخلاقاً مسکرائی تھی۔ ساتھ ہی گویا ہوئی تھی۔

"ادب کے اتنے بڑے ناموں پر گفتگو کرنا آسان نہیں۔ اور وہ بھی دادا ابا کے ساتھ۔ دادا ابا ادب کا پھرتا، چلتا پھرتا انسائیکلوپیڈیا ہیں۔"

"اور میں؟ ـــــ میرے بارے میں کیا خیال ہے؟" بائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سینے پر ٹکاتے ہوئے اس نے خود اپنے متعلق دریافت کیا تھا۔ انابیہ شاہ نے لمحہ بھر کو کسی قدر حیرت سے اس کی سمت دیکھا پھر بہت سہولت سے شانے اچکا دیے تھے۔ بڑا بے تاثر انداز تھا جیسے وہ تمام تر تاثر محفوظ رکھنا چاہتی ہو۔ عفنان علی خان اس کی سمت بغور تکتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔ انداز میں ایک خاص احساسِ تفاخر تھا۔ اپنے وصف کے متعلق بخوبی جانتا ہو۔ اس گھڑی کتنی آہستگی سے وہ گویا ہوا تھا۔

اس جانِ تکلم کو تم مجھ سے تو ملواتے
تسخیر نہ کر پاتا حیران تو کر جاتا!

کتنی دلکش مسکراہٹ اتری تھی اس لمحے اس کے لبوں پر۔ انابیہ شاہ چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔ تبھی وہ ٹھہرا ہوا تھا۔

"کیا اب بھی دوستی کے لئے ماحول سازگار نہیں ہے؟" اس کے مدمقابل کھڑے ہوتے ہوئے وہ اس سے دریافت کر رہا تھا۔ انابیہ شاہ فوری طور پر کوئی جواب نہ دے سکی تھی۔ وہ قدم داخلی دروازے کی سمت بڑھانے لگا تھا۔ انابیہ نے اس کا ساتھ دیا تھا۔

"برف پگھلنے میں اور کتنی دیر لگے گی؟" لبوں پر بڑی دھیمی مسکراہٹ تھی۔ انداز ذومعنی تھا۔ انابیہ شاہ قدم بڑھاتے ہوئے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا پھر دھیمے سے مسکرا دی تھی۔

"آپ کا مزاج دادا ابا سے خاصا میچ کرتا ہے۔ آپ کی اور ان کی خوب بنے گی۔"

"اور آپ؟" دھیمے سے مسکراتے ہوئے اس نے، اس کی سمت اشارہ کیا تھا۔

"میں؟" وہ اپنی جانب اشارہ کرتی ہوئی مسکرا دی تھی۔ "میرا مزاج بہت مختلف ہے۔ لامعہ نے بتایا آپ کو۔ میں بہت زیادہ دوست نہیں بناتی۔ اسکول سے لے کر اب تک میری فقط ایک ہی دوست ہے۔ لامعہ کی شکل میں۔ مجھے افراد کا ہجوم اپنے اردگرد لگانا اچھا نہیں لگتا۔"

عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔ ساتھ ہی ایک خاص ادا سے شانے اچکائے تھے۔ برآمدے کی سیڑھیاں

اوّل

اٹر کر اس نے سر اٹھا کر کھلے آسمان کی سمت نگاہ کی تھی۔ جانے کیا تلاشنے کی کوشش کی تھی۔ انابیہ شا
قدر حیرت سے اس کی سمت دیکھ رہی تھی۔ عفنان علی خان نے دوسرے ہی لمحے دھیان اس کی س
تھا۔

"کاش ——" ایک حسرت بہت ہولے سے اس کے لبوں پر دم توڑ گئی تھی۔ انابیہ شاہ قطعا
پائی تھی۔ عجب دیوانہ پن تھا۔ شاید وہ شخص کسی قدر خبطی واقع ہوا تھا جو عجیب وغریب حرکتیں کرنے
ساتھ خود کلامی کا بھی عادی تھا۔ انابیہ شاہ کے اپنی طرف حیرت سے تکنے پر دھیمے سے مسکرایا تھا۔

"کیا ہوا؟" سوالیہ نظروں سے اس کی سمت دیکھا تھا۔ انابیہ نے بہت ہولے سے سر نفی میں
تھا۔ تبھی وہ مسکرایا تھا۔

"چلتا ہوں —— دادا ابا کو میری طرف سے خدا حافظ کہہ دیجئے گا۔" کہنے کے ساتھ ہی وہ پلٹا
پورچ میں کھڑی اپنی گاڑی کی سمت بڑھ گیا تھا۔ چوکیدار نے گیٹ وا کیا تھا اور جب تک وہ اپنی
نکال کر نہیں لے گیا تھا، انابیہ شاہ وہیں ستون کے ساتھ ٹکی کھڑی رہی تھی۔ پھر وہیں سیڑھیوں پر
تھی۔ رات کی رانی کی مہک نے لان کے تمام ماحول کو اپنے سحر میں باندھا ہوا تھا۔

چند ثانیوں تک وہ اسی طرح بیٹھی رہی تھی پھر ایک لمحے کو سر اٹھا کر کھلے آسمان کی طرف دیکھ
چودھویں کا چاند پوری آب وتاب سے روشن تھا۔ آسمان کا حُسن دوبالا ہو رہا تھا۔

"کاش ——" ایک صورت سرگوشی کی مانند اس کے اطراف میں ابھری تھی۔
وہ سر فوراً پہلے والی پوزیشن پر لے آئی تھی۔ چند ثانیوں تک اسی طرح بیٹھی رہی تھی۔ پھر یکدم اُ
اور گلاس ڈور کھول کر قدم اندر کی جانب بڑھا دیے تھے۔

❋❋❋

ہسپتال سے فون آیا تھا۔ بات تو کچھ خاص نہ تھی۔ ڈاکٹر نے چند ضروری امور کے لئے انہیں
بلوایا تھا۔ مگر جانے کیوں میرب سیال کا دل بہت تیزی سے دھڑکنے لگا تھا۔ یکدم ہی بہت سے خوف
سے در آئے تھے۔ صبح ہی تو وہ پاپا سے مل کر آئی تھی۔ سب کچھ معمول پر تھا۔ پاپا کو وہ اپنی آنکھوں سے
چکی تھی۔ ان کی حالت خاصی بہتر تھی لیکن وہ اپنے دل کا کیا کرتی جو یکدم ہی بہت سے اندیشوں سے
تھا۔ فوری طور پر کچھ اور تو سمجھ میں نہ آیا تھا، اس نے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا تھا اور برابر والے کمر
جانب پیش قدمی کی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے دو الگ الگ روم قیام کے لئے لئے تھے۔
درجہ بوکھلاہٹ کا شکار تھی کہ اس نے دروازے پر دستک دینے کی زحمت گوارا نہیں کی تھی۔ ہاتھ ہینڈ
دھرا تھا اور ایک ہلکے سے دباؤ سے دروازہ کھلتا چلا گیا تھا۔ اندر کا منظر اس کی توقع کے بہت برخلاف
شاید تبھی وہ وہیں دہلیز پر ہی ساکت سی کھڑی رہ گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری گی کے بہت قریب کھڑا تھا۔ گی اس وقت اس کی آہنی گرفت میں
مضبوط ہاتھ گی کی نازک کمر کے گرد دھرے ہوئے تھے اور وہ حد درجہ رغبت سے اس گھڑی اس پر جھکا
جھکا ہوا تھا۔ میرب سیال نے آنکھیں بہت سختی سے میچ ڈالی تھیں۔ یقیناً وہ اس ایک بہت قیمتی لمحے

دل

رہی تھی۔
سردار سبکتگین حیدر لغاری کی گرفت گی پر ڈھیلی ہوتی چلی گئی تھی۔ یقیناً ویسے کسی لمحے کا اندیشہ اسے بھی
ہیں تھا۔ گی نظریں جھکا کر چلتی ہوئی قدرے فاصلے پر جا رکی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس لمحے تنہا اس
کے سامنے کھڑا اسے کسی قدر ناپسندیدہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ یقیناً اسے یہ مداخلت بہت ناگوار گزری
تھا۔

میرب سیال کسی قدر شرمندہ تھی۔ تبھی سر جھکائے کھڑی تھی۔ سختی سے میچی ہوئی آنکھوں کو بہت ہولے
سے وا کیا تھا مگر سر اٹھا کر سامنے کھڑے شخص کو نہیں دیکھا تھا۔ اس کی نگاہیں یقیناً اس گھڑی خشمگیں تھیں
رہونا بھی چاہئے تھیں۔ اس کا اقدام ایسا ہی تھا۔ یہ کارروائی ایٹی کیٹس اور مینرز کے تحت خلاف تھی۔
سے یقیناً ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ شاید اسی لئے اس کے لب بہت ہولے سے ہلے تھے۔

"آئی ایم سوری ——" یقیناً وہ حد درجہ شرمندہ تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی سمت بغور دیکھ
رہا تھا جب وہ اسی طرح سر جھکائے ہولے سے جانے کے لئے پلٹی تھی۔

"ٹھہرو ——" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے پشت سے پکارا تھا۔ اس کے قدم یکدم تھم گئے تھے مگر
جا کی بار اس نے مڑ کر نہیں دیکھا تھا۔

"کوئی کام تھا؟"

"اوں، ہوں۔" میرب سیال نے لب بھینچ کر سر نفی میں ہلایا تھا۔ پلٹ کے دیکھنے کی ہمت اب بھی
اس میں ناپید تھی۔ گی کچھ فاصلے پر کھڑی اس دھان پان سی لڑکی کو بغور دیکھ رہی تھی۔ اس نے قطعاً نہیں
جاننا چاہا تھا کہ ان دونوں میں کیا رشتہ تھا۔ اسے یہ جاننے کی اتنی ضرورت بھی نہ تھی۔ اس کے لئے سب
کچھ بے معنی تھا۔ اگر کچھ اہم تھا تو فقط وہ شخص۔ شاید اسی لئے اس نے سردار سبکتگین حیدر لغاری سے اس
لڑکی کے متعلق کچھ دریافت نہیں کیا تھا۔ مگر وہ لڑکی اس لمحے جب وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے بہت
قریب کھڑی تھی، کیسی عجیب کیفیت تھی اس لڑکی کی آنکھوں میں۔ کتنا بہت سا دھواں بھرا ہوا تھا۔ اور اب
بادہ کس طرح رخ پھیرے کھڑی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کس طرح کسی قدر خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس شخص کے چہرے کے
تاثرات نہ سمجھ میں آنے والے تھے۔ کتنی بے تاثر سی تھیں وہ نظریں۔ اور وہ لڑکی کتنی شرمندہ نظر آ رہی تھی۔

"پھر ——؟" وہ یقیناً اس لڑکی سے جواب چاہ رہا تھا اور وہ ایک بار پھر اسی طرح گردن موڑے سر
اثبات میں ہلا رہی تھی۔

"آئی ایم سوری۔" مدھم لہجہ کسی قدر شرمندہ سا تھا اور اس کے ساتھ ہی وہ تیزی سے کمرے سے نکل
گئی تھی۔

کوئی نیا لمحہ تو نہ تھا —— کوئی نئی بات بھی نہ تھی۔ یہ پہلا منظر تو نہ تھا۔ اسے تو یقیناً اب ان سب
کا عادی ہو جانا چاہئے تھا۔ پھر اس کے اندر بہت سا دھواں کیوں بھرنے لگا تھا؟ —— کیوں اس کا
دل گھٹنے لگا تھا؟ —— کیوں اس کی آنکھوں میں بہت سی جلن گھر کرنے لگی تھی؟

جب کوئی وابستگی سرے سے تھی ہی نہیں۔

جب سرے سے کوئی استحقاق تھا ہی نہیں تو اسے کیوں ہر بار ایسے منظر بہت پر وحشت لگتے تھے؟

جب ایسا سب سردار سبکتگین حیدر لغاری کی طبیعت کا خاصا تھا تو وہ مان کیوں نہیں لیتی تھی؟

کیوں ہر بار اس کی نگاہ حیرانیوں سے بھر جاتی تھی؟

کیوں کبھی وہ بے تاثر نہیں بن پاتی تھیں؟!

اس نے تو اس تعلق کو دل سے مانا بھی نہیں تھا۔

کسی استحقاق کو برتا بھی نہیں تھا۔

پھر کیوں ان منظروں کی جلن اس کے من کو سلگانے لگتی تھی؟ ـــــ کیوں وہ یہ سب دیکھ کر کسی غیر کی مانند اجنبی نہیں بن پاتی تھی؟

اپنے کمرے میں آ کر اس نے بیگ شولڈر پر ڈالا تھا اور باہر نکل آئی تھی۔ آنکھوں میں بہت سا دھواں بھر رہا تھا۔ دل کی کیفیت بہت عجیب تھی۔ سانس سینے میں گھٹ سی رہی تھی۔ مگر وہ تیزی سے چلتی ہوٹل سے نکل آئی تھی۔

کیب میں بیٹھ کر ہسپتال کی جانب بڑھتے ہوئے بھی ذہن اسی طرح جل رہا تھا۔

عجب تو کچھ بھی نہ ہوا تھا مگر جانے کیوں وہ اس صورت حال کو بہت ہارڈ لے رہی تھی۔ یا پھر وجہ سے ہی پریشان تھی۔ دل بہت ہولے جا رہا تھا۔

جانے کیا ہونے جا رہا تھا۔

جانے کیا ہونے والا تھا۔

بے چینی حد درجہ سوا تھی۔

سانس سینے میں گھٹ رہی تھی۔ اس کے لیے جیسے وہ تمام لمحے کاٹنا محال ہو رہا تھا۔

کیب نے اسے ہسپتال کے سامنے اتارا تھا اور وہ تقریباً بھاگتی ہوئی ہسپتال میں داخل ہوئی تھی۔ ڈاکٹر تیزی سے اس کی سمت بڑھتا دکھائی دیا تھا۔

اس کا دل دھک سے رہ گیا تھا ـــــ یقیناً صورت حال بس میں نہ تھی۔

اس کا دل یونہی نہیں گھبرا رہا تھا۔

شاید......

''آپ میرے ساتھ آئیے۔'' ڈاکٹر بہت عجلت سے بولا تھا اور اس کی نظر ساکت رہ گئی تھی۔

دل جیسے تھمنے لگا تھا۔

پوری روح میں قیامت سی برپا ہو گئی تھی۔ نہ جانے صورت حال کیا تھی!؟ ـــــ نہ جانے کیفیت کیسی تھی؟ ـــــ فوری طور پر وہ کچھ نہ جان پائی تھی۔ تبھی وہ خالی خالی نظروں سے تکتی چلی گئی تھی۔ جو سنبھال رکھنا تھا.. استحکام قائم رکھنا تھا۔ وہ مشکل میں تھی۔

ذہن مکمل طور پر ماؤف تھا۔

وہ تنہا تھی ـــــ بہت اکیلی۔

کوئی شانہ مہربان بھی نہ تھا۔

مگر اسے اپنے ضبط کو آزمانا تھا۔

خود کو قائم رکھنا تھا۔

حوصلوں کو کھونا نہیں تھا۔

اس نے خود کو اپنے اندر مجتمع کرتے ہوئے ڈاکٹر کی طرف دیکھا تھا۔

''سب کچھ ٹھیک ہے؟'' شستہ انگریزی میں پوچھتے ہوئے وہ حد درجہ پر اعتماد نظر آنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ڈاکٹر نے بہت عجلت میں سر نفی میں ہلایا تھا۔ پھر اسی قدر روانی سے گویا ہوا تھا۔

''ایمرجنسی ہے ـــــ مسٹر سیال کی کیفیت اچانک بگڑ جانے کے باعث ہمیں فوری طور پر ان کو سرجری روم میں لے جانا ہو گا۔ مگر فکر مت کریں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' ڈاکٹر کا انداز پر عجلت تھا۔

اس کا اندر پل بھر میں بیٹھتا چلا گیا تھا۔ سارے حوصلے پل بھر میں دھرے کے دھرے رہ گئے تھے۔

''ڈاکٹر! پلیز، میں اپنے والد سے ملنا چاہتی ہوں گی۔'' اپنی بھیگتی پلکوں کی نمی کو اس نے یک دم ہاتھ کی پشت سے رگڑ کر صاف کیا تھا۔

''فی الحال ایسا ممکن نہیں۔ مگر حوصلہ مت ہاریں۔ ریسیپشن پر کچھ ضروری پیپرز رکھوا دیے ہیں۔ پلیز، آپ وہ سائن کر دیں۔ ہری اپ۔'' ڈاکٹر تیزی سے سرجری روم کی طرف دوڑ رہے تھے۔ اسی سرعت سے سامنے کا دروازہ کھلا تھا۔ نرسز اور ڈاکٹرز پاپا کو اسٹریچر پر ڈالے تیزی سے باہر نکلے تھے۔

مہر بہ سیال ان کی طرف دوڑی تھی۔ بڑی عجلت میں پاپا کا ہاتھ تھاما تھا۔ بھیگتی آنکھوں سے ان کا چہرہ دیکھا تھا۔ وہ ہوش میں نہ تھے۔

''پاپا! ـــــ پاپا!'' اس نے نم ہوتی آنکھوں سے پکارا تھا۔ مگر جواب کوئی نہ آیا تھا۔ ڈاکٹرز اسی تیزی سے انہیں لے کر سرجری روم کی جانب بڑھ گئے تھے۔ اس کے قدم بہت پیچھے چھوٹ گئے تھے۔ ہاتھ خالی رہ گیا تھا۔

فقط اک لمس تھا۔

ان مہربان ہاتھ کا لمس جس کی تپش اس نے لحہ بھر قبل محسوس کی تھی۔

کیسا کڑا وقت تھا۔

کیسی مشکل آ پڑی ہوئی تھی۔

کتنا بڑا طوفان تھا۔

اور وہ تنہا تھی..

یقیناً اسے حوصلہ نہیں ہارنا تھا۔

بازو میں کوئی بازو نہیں تھا۔ مگر اسے خود کو کمزور ظاہر نہیں کرنا تھا۔

اور ٹوٹنے نہیں دینا تھا۔

چند لمحوں تک وہ اسی طرح کھڑی بھیگی آنکھوں سے سرجری روم کی سمت جاتی ویران راہوں کو دیکھتی رہی تھی۔ پھر ہاتھ آنکھوں تک لے جا کر پلکوں کو رگڑتے ہوئے صاف کیا تھا اور مڑ کر ریسپشن کی طرف بڑھنے لگی تھی۔

ضروری چیزیں سائن کرنے کے بعد اس نے مکمل حوصلے کے ساتھ دوبارہ رب سے رابطہ کیا تھا۔ رابطہ کرنے کے بعد وہ پلٹی تھی۔

لبوں پر بہت سی دعائیں تھیں۔

بہت سی التجائیں تھیں۔

وہ اپنے پورے دل، اپنی پوری جان اور پوری عقل و خرد کے ساتھ اس لمحہ خدا کے سامنے رہی تھی۔ اس کا دل سجدہ ریز تھا اور اسے یقین تھا یہ دعائیں، یہ مناجاتیں رائیگاں نہیں رہیں گی۔

خدا یقیناً اپنے بندوں کی مشکل گھڑی میں ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ جتنی زیادہ صداقت سے مخاطب کیا جاتا ہے، جتنے دل سے پکارا جاتا ہے، اتنی ہی رغبت سے وہ اپنے بندوں پر اپنی رحمتوں کو نازل کر دیتا ہے۔ وہ خود کو اس لمحے خدا کے بہت قریب محسوس کر رہی تھی۔

یقیناً خدا اس کی دعائیں سن رہا تھا۔

اس کی آنکھوں سے بہتے پانیوں میں اور بھی روانی آ گئی تھی۔

کسی طرح کی کوئی پریشانی نہ تھی اس گھڑی۔

کوئی خدشہ نہیں تھا۔

کیونکہ وہ خدا کے قریب تھی۔ اس سے اپنے پورے دل سے مخاطب تھی۔

وہ تنہا نہیں تھی۔

دل اب پہلے کی طرح ڈر نہیں رہا تھا۔

حوصلے پوری طرح مجتمع تھے۔ وہ پُراعتماد نظر آ رہی تھی۔

بڑی فطرتی سی بات ہے۔ شاید کسی بھی شے میں تعطل واقع ہونے سے ساری کیفیت میں اثر پذیری واقع ہو جاتی ہے۔ تسلسل پہلے جیسا نہیں رہتا۔ پہلے جیسی کیفیت باقی نہیں بچتی۔

زندگی و دلکشی باقی نہیں رہتی۔

معنی بدل جاتے ہیں، شے نئے سانچوں میں ڈھل جاتی ہے، تغیر اپنا آپ منوا کر ثابت کر دیتا ہے کہ بہت کچھ واقع ہو چکا ہے اور اب کچھ پہلے جیسا باقی نہیں رہا۔ گرہ دھاگے میں پڑے یا تعلقات میں، ایک جیسی ہی ہوتی ہے۔ بال آئینے میں آئے یا دل میں، کیفیت ایک سی ہوتی ہے۔ فقط اپنی جانب سے تسلی کر لینے سے کچھ نہیں ہوتا۔ خوش گمانی فقط خود کو باور کرانے کا ایک ڈھونگ ہے۔ فرض کر لینا ایسے ہی ہے جیسے آپ خود کو اپنے ہاتھوں خود بے وقوف بنانے چلے ہوں۔

بڑے بودے رہتے ہیں ایسے سارے اقدامات۔

بڑے ہی کمزور رہتے ہیں ایسے سارے ڈھنگ۔

بڑی متضاد کیفیات جو آپ کا منہ چڑا رہی ہوتی ہیں۔ اس سے پل میں ثابت ہو جاتا ہے کہ خود کو بے وقوف بنانے کی آپ کی ساری کوششیں سب رائیگاں رہیں۔

کبوتر کی طرح آنکھیں میچ لینے سے حقیقت چھپ نہیں جاتی۔

خوش فہمی، خوش گمانی بہت بودا بہلاوا ہے جو یقیناً حقیقت کی بھرپور نفی کرتا ہے۔

ناشتے کی ٹیبل پر جس طرح کا سکوت تھا اسے دیکھ کر فارحہ کو بخوبی اس بات کا احساس ہوا تھا۔ اذہان حسن بخاری ناشتے کے بغیر ہی نکل گیا تھا۔ جب سے ایسی صورت حال ہوئی تھی وہ باپ کے معاملے میں ایسا ہی ہو گیا تھا۔ شاید اسے سعد حسن بخاری کا اس طرح مہمانوں کی طرح آنا، قیام کرنا اچھا نہیں لگتا تھا۔ اس لیے جس دن وہ ناشتے کی ٹیبل پر ہوتے تھے وہ اس دن شاید دانستہ عجلت میں ناشتے کے بغیر نکل جاتا تھا۔

فارحہ ماں تھیں۔ انہیں کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہ تھی۔ وہ بیٹے کی کیفیت اس خاموشی میں بھی سمجھ سکتی تھیں۔

"کیسی جا رہی ہے تمہاری پڑھائی؟" سید سعد حسن شاہ بخاری نے ڈان کے صفحات کو اپنے چہرے کے سامنے پھیلاتے ہوئے اور چائے کا سپ لیتے ہوئے ماہا سے دریافت کیا تھا۔

اس نے پہلے کسی قدر چونکتے ہوئے ماں کی سمت نگاہ کی تھی۔ یقیناً اس کے لئے یہ سوال بہت تھا۔ فارحہ کچھ نہیں بولی تھیں۔ تبھی ماہا نے بہت ہولے سے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''جی پاپا! بہت اچھی۔'' یقیناً یہ گریز رشتوں میں پہلے نہ تھا۔

''کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟'' انداز کسی قدر سرسری تھا۔ نگاہ اسی طرح اخبار پر تھی۔

فارحہ نے چائے کے سپ لیتے ہوئے فقط خاموشی سے دیکھا تھا۔

ماہا ایک بار پھر سرنفی میں ہلا رہی تھی۔

''نہیں پاپا! سب ٹھیک ہے۔'' ماہا کا لہجہ اور انداز دونوں کسی قدر گریز لئے ہوئے تھے۔ رشتے شاید پہلے جیسے نہ رہے تھے۔ تعلقات میں دراڑ آنے سے تسلسل قائم نہ رہ سکا تھا۔

''تمہیں اگر ایڈمیشن لینا تھا تو مجھے کہتیں۔ فارن کی کسی یونیورسٹی میں تمہارا داخلہ کرا دیتا۔''

''نہیں پاپا! سب ٹھیک ہے۔'' ماہا نے کہتے ہوئے اک نگاہ ماں کی سمت کی تھی جیسے ان کی مدد ہو۔ جیسے اس اجنبی ماحول میں فقط وہی ایک ہستی اس کی اپنی ہو۔ مگر فارحہ کچھ نہیں بولی تھیں۔ بڑا اس گھڑی خود ہی جواب دہ ہوتا تھا۔ تبھی وہ بہت آہستگی سے گویا ہوئی تھی۔

''تھینکس پاپا! لیکن مجھے خود بھی اس معاملے میں علم نہ تھا۔ اذہان بھائی نے بذات خود ایڈمٹ کر کے مجھے بھی سرپرائز دیا ہے۔ لیکن اب میں کافی سہولت محسوس کر رہی ہوں۔ یہاں مجھے کوئی مسئلہ نہیں۔''

سعد حسن بخاری نے چائے کے سپ لیتے ہوئے ایک نگاہ ماہا پر کی تھی۔ پھر دوسرے ہی پل سر ہلا دیا تھا۔

''میں نے تمہارے اکاؤنٹ میں رقم منتقل کروا دی ہے۔ پھر بھی کسی شے کی ضرورت ہو تو کہہ دینا۔''

''جی پاپا!'' ماہا نے سر ایک بار پھر اثبات میں ہلایا تھا۔ اک نگاہ ماں کی سمت کی تھی پھر فوراً کھڑی ہوئی تھی۔

''میں چلتی ہوں ماما!'' کہنے کے ساتھ ہی وہ اٹھی تھی اور فوراً اس منظر سے ہٹ گئی تھی۔

فارحہ سر جھکائے چائے کے سپ لیتی رہی تھیں۔ یقیناً وہ ان رویوں کے تغیر پر غور کر رہی تھیں۔ سعد حسن بخاری اخبار کی جانب بغور تکتے ہوئے گویا ہوئے تھے۔

''بیٹا بہت سمجھدار ہو گیا ہے تمہارا ——— بہت بڑے بڑے فیصلے کرنے لگا ہے۔'' انداز میں کاٹ تھی۔ فارحہ کا سارا حلق جیسے کڑوا ہو گیا ہو۔ انہوں نے نگاہ اٹھا کر سعد حسن بخاری کی سمت دیکھا۔

''سراہ رہے ہو؟'' بہت دھیمے لہجے میں دریافت کیا تھا۔ ''اگر سراہ رہے ہو تو اتنا باور کرا دوں یقیناً یہ تمہارے لئے بھی اسی قدر فخر کا مقام ہے۔ وہ تمہارا بھی بیٹا ہے۔'' انہوں نے رسانیت سے جتا کر باور کرایا تھا۔ سعد حسن بخاری فقط دیکھ کر رہ گئے تھے۔ فارحہ چند ثانیوں تک خاموشی سے انہیں تکتی رہی تھیں پھر بہت مدھم لہجے میں گویا ہوئی تھیں۔

''سعد! یہ ٹھیک نہیں ہے۔'' لہجہ تھکن سے کسی قدر چور تھا۔

''کیا ٹھیک نہیں ہے؟ ——— وہ جو میں نے کیا یا وہ جو تمہارے بیٹے نے کیا یا پھر وہ جو تم کر رہی ہو؟'' سعد حسن بخاری کا لہجہ کسی قدر زہر خند تھا۔ فارحہ کے لئے یہ سب حیرت کا باعث نہیں ہونا چاہئے تھا مگر جانے کیوں وہ اس گھڑی ساکت سی ان کی سمت تکنے لگی تھیں۔

''کیا ——— کیا، کیا ہے میں نے؟'' لہجہ بے حد کمزور تھا۔ بے یقینی حد سے سوا تھی جیسے انہیں امید نہ تھی کہ سارا کا سارا الزام ان کے سر دھر دیا جائے گا۔ جیسے جواب دہی کا یہ لمحہ بہت تکلیف دہ ہو۔

''تم نے اپنے بیٹے کو اپنا وکیل بنایا ہے فارحہ! تم نے اپنے اندر کی ساری کڑواہٹ اس کے اندر منتقل کر دی ہے۔ اپنا سارا زہر تم نے اس کے اندر انڈیل دیا ہے۔ تم نے میری بے وفائی کا بدلہ میرے بیٹے کو اپنے حق میں کر کے لیا ہے فارحہ! اب کس لئے پُرافسوس ہو؟ ——— کس لئے پریشان ہو؟ اپنا وکیل بنایا تھا تم نے اسے؟ ——— میرے مدمقابل خود آپ کھڑا کیا۔ باہر کون لایا تھا؟ تم نا۔ تم نے اس سارے قصے کو عام کیا تھا نا۔ پھر اب کیوں روتی ہو؟ یہی چاہتی تھیں نا تم کہ تمہارا بیٹا تمہاری حمایت کرے۔ تمہاری وکالت کرے۔ تمہارا ساتھ دے۔ یہی سب تو ہو رہا ہے۔ پھر دکھ کس بات کا ہے اب؟''

کتنے الزامات تھے جو ایک پل میں ان کے سر ہوتے چلے گئے تھے۔ وہ ساکت سی تھیں۔ آنکھوں میں یکدم ہی کتنی بہت سی نمی آن ٹھہری تھی۔ ایک پل میں وہ کتنی کمزور پڑتی چلی گئی تھیں۔ ساری ہمتیں پل میں ڈھیر ہوئی تھیں۔

''میں نے؟ ——— یہ سب میں نے کیا؟ ——— سعد! تم کتنے آرام سے سارے الزامات میرے سر رکھتے ہوئے بری الذمہ ہو رہے ہو۔ میں نے کیا یہ سب؟ ——— اس گھر کا سکون، اس گھر کا خیال۔'' کتنے پُرافسوس انداز میں انہوں نے سر پہ ہاتھ دھرا تھا۔ سارے لفظ جیسے کہیں کھو گئے تھے۔ کتنا تاریک لمحہ تھا۔ کچھ سجھائی ہی نہ دے رہا تھا۔ وہ کتنی بے یقین تھیں۔

''اس گھر کو بنانے میں، میں نے اپنی پوری عمر لگا دی سعد! خود کو مٹا دیا۔ اپنی پہچان، اپنی شناخت، ذہنی شخصیت، سب کچھ رول دیا۔ اس گھر کو آباد کرنے میں، اسے بنانے، سنوارنے میں خود کو تیاگ دیا میں نے۔ اور تم کہتے ہو میں نے ——— میں نے کیا یہ سب۔ سعد! دنیا میں ایسی کون سی عورت ہو گی جو اپنے گھر کا سکون اپنے ہاتھوں برباد کرنا چاہتی ہو؟ ——— اس گھر کو ڈھانا چاہتی ہو جسے بنانے میں اس نے اپنی پوری عمر لگا دی؟'' ان کا مدھم لہجہ کس قدر پُرافسوس تھا۔ کتنا گرم گرم پانی چپ چاپ آنکھوں کے کناروں کو توڑتا ہوا چہرے پر پھیلنے لگا تھا۔ وہ بھیگی بھیگی آنکھوں سے کتنے بے یقین انداز میں سعد حسن شاہ بخاری کو دیکھ رہی تھیں۔ بے معنی رہا تھا سب کچھ۔ فضول گیا تھا سب۔ ایک عمر کی رفاقت، ایک عمر کا احساس، ایک عمر کی ریاضت، رائیگاں رہا تھا سب۔ ساری قربانیاں بے ستائش ٹھہری تھیں۔ وہ ایک پل میں خالی ہاتھ تھیں۔ کتنا ویران لگا تھا اس لمحے میں سارا منظر۔ کتنی خاموشی تھی چار سمت اور ان کا اندر کتنا ساکت تھا۔ جیسے کوئی بہت بڑا سانحہ گزر گیا ہو۔ ان پر الزام دھرنے والا شخص اس گھڑی مکمل طور پر خاموش تھا۔

''سعد! تم......'' فارحہ نے کچھ بولنا چاہا تھا جب سعد حسن بخاری اس کی بات کاٹتے ہوئے گویا ہوا:

تھا۔

"کوئی انوکھا کام نہیں کیا تم نے فارحہ! زندگی میں نے کچھ عجیب کیا ہے۔ بچی نہیں ہو تم۔ پتا ہے تم کیا ثابت کرنا چاہتی ہو۔ خلاف قانون نہیں ہے کچھ بھی۔ جینے کا حق مجھے بھی حاصل ہے۔ پر فیصلے کرنے کا حق رکھتا ہوں میں۔ یہ بات تمہیں کتنی بار باور کرانی پڑے گی۔ کچھ بھی بدلا ہے۔ کچھ بھی نہیں بدل سکتا۔ جو ہونا تھا ہو چکا، قبول کرو اس حقیقت کو۔ کیوں جاہل عورتوں کی پیٹ رہی ہو۔ کیا فرق آیا ہے تمہاری حیثیت میں؟ —— کیا بدلا ہے؟ کس بات کا رونا رو —— کیوں حالات کو معمول پر آنے نہیں دیتی ہو؟ میرے لئے کچھ بھی نہیں بدلا ہے۔ یہ گھر ہے۔ تم میری ہو۔ بچے میرے ہیں۔ کہاں ذمہ داری سے منحرف ہوا ہوں میں؟ —— ہاں منحرف ہونے کی کوشش ضرور کر رہی ہو۔ میری حیثیت کو چیلنج ضرور کر رہی ہو۔"

"کیا —— ؟" فارحہ کس قدر بے یقینی سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔ کیا چاہا تھا انہوں نے؟ تھا۔ وہ تو حالات کو معمول پر لانے چلی تھیں۔ سب کچھ بدلنا چاہ رہی تھیں۔ سب طرف سے آنکھ کے کسی خوش گمانی میں مبتلا ہونا چاہ رہی تھیں۔ انہوں نے تو امن کا پرچم لہرانا چاہا تھا۔ سمیٹنا چاہا سب کچھ۔ سارے قصے بھول کر اپنے گھر کو پھر اسی ڈور سے باندھنا چاہتی تھیں۔ اور کیا ہوا تھا میں ساری کوششیں ڈھیر تھیں۔ کیسے بے سود رہا تھا سب کچھ۔ ہاں یہ ہوا تھا کہ کچھ نئے الزامات گئے تھے۔

کتنے بہت سے آنسو چپ چاپ ان کی آنکھوں سے بہتے چلے گئے تھے۔

سعد حسن بخاری چیئر ہٹا کر ایک جھٹکے سے اٹھے تھے اور بنا ان کی سمت دیکھے کمرے سے نکلے تھے۔ اس ماحول میں تنہا خود کو محسوس کرتے ہوئے بھیگتے چہرے کے ساتھ فارحہ کو تسلیم کرنا پڑا بہت کچھ بدل گیا ہے۔

❋❋❋

سب ہی سوچیں تھیں۔ بہت سے خیالات تھے۔ کئی رنگ بکھرے پڑے تھے چار سمت۔ مگر کا محور فقط وہ تھی۔

خیال کا ہر پہلو فقط اس سے نکلتا تھا اور اسی پر ختم ہو جاتا تھا۔

دل اس ایک خیال کا طواف کرتے کرتے پہروں گزار دیتا تھا اور تھکتا نہ تھا اور وہ اس جیسے بالکل بے یار و مددگار تھا۔ بے اختیاری حد سے سوا تھی۔

اس نے پہلے پہل خیال کیا تھا، فقط چند روزہ کیفیت ہوگی۔

فقط ایک پل کی رغبت۔

اور جیسے جیسے دن گزریں گے، وقت بیتے گا، سب کچھ معمول پر آ جائے گا۔

یہ حقیقت تھی کہ وہ دیوانہ نہ تھا۔ کوئی ارادہ بھی نہ تھا اس کا مجنوں بننے کا۔ گریباں چاک کر کے میں صحرا نوردی کرنے کا اسے کوئی شوق نہ تھا۔ ایسا کوئی خلل اس کے دماغ میں واقع نہ ہوا تھا۔

وقت گزر رہا تھا، اس کا دل اس کی بھرپور نفی کرتا چلا جا رہا تھا۔ وہ آنکھیں اپنا تاثر بھرپور طریقے سے قائم کرتی جا رہی تھیں۔ وہ خیال متروک نہ ہو پا رہا تھا۔ یقیناً صورت حال سنگین ہوتی چلی تھی اور عفنان علی خان یقیناً اس ساری کیفیت پر حیران تھا۔ یہ بات چند روزہ نہ رہی تھی۔ کیفیت اب تک برقرار رہی تھی۔ یعنی معاملہ کچھ اور تھا۔

اس کی آنکھیں بتاؤں کیسی ہیں؟
جھیل سیف الملوک جیسی ہیں

کتنے ہولے سے اُبھریں وہ آنکھیں۔ اندر کہیں اک پل میں اجالا ہوا تھا اور سارا وجود روشنی سے بھر گیا تھا۔

کتنا دور تھا وہ ان باتوں سے۔ کتنا انجان تھا، قطعاً نا آشنا تھا۔ اس کا تو دور کا بھی واسطہ نہ تھا، کجا اس طور جڑا ہونا۔ دیوانگی کی حد تھی اور وہ اس معاملے میں قطعی طور پر بے بس تھا۔

شاید محبت بہت قوی شے تھی۔

بے بس کر دینے والی کوئی ماورائی قوت۔ تبھی وہ بے اختیاری کے بہاؤ میں بہتا چلا جا رہا تھا۔ ورنہ اس نے اس طور تو کبھی نہیں سوچا تھا۔

کوئی اختیار نہیں رہا تھا اس کا خود پر۔ وہ چاہتے ہوئے بھی اس ایک خیال کو سوچنے سے باز نہیں رہ پاتا تھا۔ یقیناً جو ہو رہا تھا وہ نہیں ہونا چاہئے تھا۔ مگر وہ اس معاملے میں مکمل طور پر بے بس تھا۔

کوئی حق نہیں تھا اسے، کوئی سبب نہیں بنتا تھا۔ اور ایسے میں جب کہ وہ خود ایک نئے تعلق میں بندھ چکا تھا اور مرید نئے تعلق میں بندھنے والا تھا۔

یقیناً یہ سب غلط تھا۔ مگر محبت نہیں مان رہی تھی۔ دل نہیں مان رہا تھا۔ وہ چھپنا چاہتا تھا، بھاگنا چاہتا تھا مگر سب بے سود تھا۔ اس کی سوچ کا ہر راستہ دل سے نکلتا تھا اور اس خیال سے جا ملتا تھا۔ وہ جادوؤں سے بھری آنکھیں اسے خود سے بھاگنے نہیں دیتی تھیں اور وہ اسی ایک نقطے پر ساکت و جامد ہو جاتا تھا۔ محبت واقعی ایک قوی شے تھی۔

اس لمحے جب وہ آفس سے نکل رہا تھا تب بھی اس کا خیال اس کے ساتھ تھا۔ پچھلے کئی دن تک اس نے خود پر دانستہ جبر کیا تھا۔ وانستہ جبر سہا تھا۔ مگر یہ بہت کڑی سزا تھی جیسے حقیقت اس کے برعکس تھی۔ وہ ان آنکھوں سے بچ کر نہیں رہ سکتا تھا۔

اس گھڑی موسم بہت خوشگوار ہو رہا تھا۔ آسمان بادلوں سے مکمل طور پر ڈھکا ہوا تھا اور ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی۔ اس نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا تھا۔ بہت سی بوندیں اس کے چہرے پر آن پڑی تھیں۔

موسم کی پہلی بارش تھی۔

اس بارش کی شگفتگی کو محسوس کرتے ہوئے اس کے تصور میں اس کا چہرہ تھا۔ وہی جادوئی آنکھیں اس کے نزدیک تھیں۔ بہت دھیمی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر بکھری تھی۔ محترم عفنان علی خان مکمل طور پر محظوظ

ہوئے تھے اس وقت۔ مکمل طور پر مسرور تھے۔

''موصوف! عقل ٹھکانے نہیں ہے آپ کی؟'' گاڑی میں بیٹھتے ہوئے وہ مسکراتے ہوئے خود سے مخاطب تھا۔

''مجنوں بنتے جا رہے ہیں آپ ـــــ بالکل ٹھیک نہیں ہے یہ۔ انجام کی کچھ فکر کیجئے۔ ورنہ زندگی صحراؤں کی خاک چھانتے بسر ہو جائے گی۔''

مگر باور کرانے کی ساری کوششیں بے کار گئی تھیں۔ دل اپنی کیفیت برقرار رکھے اسی طور تھا اسے ماسوائے افسوس کرنے کے اور کوئی چارہ نہ بچا تھا۔

اپنے ہی خیالوں میں ڈرائیونگ کرتے ہوئے عفنان علی خان کی نگاہ ایک لمحے میں چونکی شاپ پر کھڑی یقیناً وہ وہی تھی۔ سفید لباس میں ملبوس اس بھیگے منظر میں وہ کوئی ماورائی مخلوق لگ رہی اپنے ہی دھیان میں مگن۔

اپنی ہی دھن میں۔

سارا ماحول اس گھڑی اس کے زیر تھا۔ اس کے رنگوں سے بھرا ہوا تھا۔

ہر سمت اس کا جادو بکھرا ہوا تھا اور وہ خود میں گم تھی۔ اپنے آپ میں مگن تھی۔

عفنان علی خان کی نگاہ اس منظر کی گرفت میں تھی۔ گاڑی کی اسپیڈ بہت دھیمی ہو گئی تھی۔

عفنان علی خان نے گاڑی اس کے قریب روک دی تھی۔ وہ بری طرح چونکی تھی۔ بوکھلا ہاتھوں میں پکڑے تمام وہائٹ ٹیوب روز اس کی گاڑی کے بونٹ پر بکھرتے چلے گئے تھے پر آ رہے تھے۔ انابیہ شاہ نے اس اقدام پر یقیناً کڑے تیوروں سے مقابل کی سمت تکنا چاہا تھا دروازہ کھول کر باہر نکلتے ہوئے عفنان علی خان کو دیکھ کر وہ جہاں حیران ہوئی تھی وہیں وہ غصہ زائل ہو گیا تھا۔

''آپ یہاں؟ ـــــ آپ کو معلوم ہے آپ نے میرا کتنا نقصان کر دیا۔ اگر آپ کی جگہ کوئی تو......''

''تو آپ اسے یقیناً بہت سخت سست سناتیں۔ خوب خبر لیتیں اس کی۔ ہے نا؟'' وہ مسکرایا مدھم بوندوں کا تسلسل جاری تھا۔ دونوں اس گھڑی بھیگتے منظر کا حصہ تھے۔

عفنان علی خان کی نظریں اس کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ کتنی شفاف بوندیں اس کے چہرے کتنی دلکشی در آئی تھی اس منظر میں۔ ماحول جادو سے کتنا بھر گیا تھا۔

انابیہ شاہ کسی قدر خفگی سے اس کی سمت تکتی گویا تھی۔

''یقیناً ـــــ لیکن آپ سے یہ کس نے کہا کہ میں آپ کی خبر نہیں لوں گی؟'' عفنان علی خان بغور تکتی وہ گویا تھی۔

''ضرور ـــــ میری خواہش ہوگی ایسا ضرور ہو۔'' انداز اور لہجہ کس قدر ذومعنی تھا۔

''کیا؟'' انابیہ شاہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے یقیناً اس پل حیران تھی۔ عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

''آئی ایم سوری۔ لیکن میں آپ کا نقصان پورا کر سکتا ہوں۔ بائے دی وے، یہ تھے کس کے لئے؟''
کی سمت بغور تکتا ہوا وہ دریافت کر رہا تھا۔

''آپ کے لئے یقیناً نہیں تھے۔'' اس کے لبوں پر دھیمی مسکراہٹ یقیناً طنزیہ ہی تھی۔ لیکن عفنان علی اس کی سمت تکتا بہت بھرپور انداز میں مسکرایا تھا۔

''میں اس لئے بکھرے ہوئے تو تمام میری گاڑی پر ہی ہیں۔'' انداز بہت مسرور تھا۔

''یہ فقط آپ کی غلطی کے باعث ہوا۔'' انابیہ شاہ نے الزام اس کے سر دھرا تھا۔ مگر وہ بہت سرشاری مسکرا دیا تھا۔

''میں قبول کرتا ہوں۔'' سینے پر داہنا ہاتھ دھرتے ہوئے اپنی غلطی قبول کی تھی اور اس کے ساتھ ہی چلتا فلاور شاپ کی سمت بڑھ گیا تھا۔ انابیہ شاہ کسی قدر حیرت سے اس شخص کی پشت کو دیکھتی رہ گئی تھی۔ چند ں میں وہ واپس پلٹا تھا تو اس کے دونوں ہاتھوں میں پھول تھے۔

''یہ اتنے سارے؟'' وہ حیران ہوئی تھی۔ عفنان علی خان بہت دھیمے سے مسکرایا تھا۔

''ہوں یہ ـــــ ایک تو نقصان پورا کرنے کے لئے اور دوسرے آپ کا موڈ بحال کرنے کے لئے۔''

''کیا مطلب؟'' انابیہ قطعاً نہ سمجھی تھی۔

عفنان علی خان نے مسکراتے ہوئے شانے اچکائے تھے۔

''سو سمپل ـــــ ایک آپ کا نقصان پورا کرنے کے لئے ہے یعنی یہ وہائٹ ٹیوب روز۔'' اس نے بھرے ہوئے گلدستے اس کے داہنے ہاتھ میں تھمایا تھا اور پھر بہت دھیرے سے مسکراتے ہوئے سرخ گلابوں گلدستے پر نگاہ کی تھی۔ ''اور یہ آپ کے لئے۔ مجھ سے آپ کا نقصان ہوا، اس کی تلافی کے لئے۔'' اس کا سا ہاتھ تھام کر اس نے وہ گلدستے اس کے ہاتھ میں تھما دیا تھا۔ برستی شفاف بوندیں ان پھولوں پر اپنی کہانی لکھتی جا رہی تھیں۔ انابیہ شاہ نے بوندوں سے اٹے چہرے سے قدرے حیرت سے اس کی سمت دیکھا ''وہ مکمل مؤدب سا اس گھڑی اس کے سامنے تھا۔ بغور اس کی سمت دیکھ رہا تھا۔ چہرے پر کسی قدر شرمندگی اور ندامت کے تاثرات تھے جیسے واقعی اسے اپنی غلطی پر افسوس ہوا اور واقعی وہ اس لمحے شرمندہ ہو۔ یہ شاہ نے سرخ گلابوں پر نگاہ کی تھی اور اس کے ساتھ ہی گویا ہوئی تھی۔

''لیکن آپ کی خطا اتنی بڑی نہیں عفنان علی خان! ـــــ میں یہ نہیں لے سکتی۔ تھینکس۔'' سرسری اور سپاٹ لہجے میں کہتی ہوئی وہ اس گھڑی کسی قدر پُرتکلف لگی تھی۔

عفنان علی خان اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

''پھول واپس نہیں کئے جاتے۔ آپ کو ضرورت نہ ہو تو ڈسٹ بن میں ڈال دیجئے گا مگر اس طرح انکار کرنا قطعاً مناسب نہیں۔'' لہجہ اور انداز بتا رہا تھا کہ اسے کسی قدر ناگوار گزرا ہے۔

انابیہ شاہ نے اس کی سمت نگاہ کی تھی۔ پھر اس کے حوالے پر غور کرتی ہوئی شاید اسے کسی قدر رعایت ہوئی وہ گلدستہ قبول کر گئی تھی۔

''اوکے ـــــ لیکن اب میرا ارادہ اس موسم میں بھیگنے کا قطعاً نہیں ہے۔ میں چلوں گی۔''

"آیئے، میں چھوڑ دیتا ہوں۔" عفنان علی خان نے آفر دی تھی۔
"نہیں ۔۔۔ قریب ہی ہے یہاں سے گھر۔ میں چلی جاؤں گی۔ شکریہ۔" وہ شاید اخلا
تھی۔ اس کے ساتھ ہی قدم اٹھائے تھے۔ عفنان علی خان نے اس کی پشت کو چند ثانیے یونہی
گاڑی لاک کر کے بہت سرعت سے اس کا تعاقب کیا تھا۔ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا وہ لحہ بھر میں ا
قدم تھا۔ انابیہ شاہ اسے حیرت سے تکنے لگی تھی۔
"آپ؟"
"ہوں ۔۔۔" عفنان علی خان شانے اچکاتے ہوئے مسکرایا تھا۔ "بارش میں واک کر
کرنا چاہتا ہوں۔"
انابیہ شاہ نے کسی قدر حیرت سے اسے دیکھا تھا۔ پھر دھیمے سے مسکرائی تھی۔
"پاگل ہو گئے ہیں آپ؟ ۔۔۔ کیا اس سے قبل آپ نے کبھی بارش کا لطف نہیں لیا؟" انداز
پُر اکتاہٹ تھا۔ وہ یقیناً زچ ہو چکی تھی۔ مگر مروتاً اس کا لحاظ کر رہا تھا۔ عفنان علی خان نے
نفی میں ہلایا تھا اور مسکرا دیا تھا۔
وہ اس لمحے اس کے ہمراہ چلنے لگا تھا۔ بھیگتے منظروں میں ایک دلکشی در آئی تھی۔ کیونکہ وہ ا
اس کے ساتھ تھی۔ موسم مسرور تھا۔ مہک رہا تھا۔ کتنا مسحور کن احساس تھا۔ ایک سرور سا پھیل رہا
وجود میں۔ کوئی جادو ہولے ہولے اپنے حصار میں لے رہا تھا۔
"موسموں میں واقعی دلکشی ہوتی ہے۔" کتنے مدھم انداز میں وہ گویا ہوا تھا جیسے آج پہلی بار
بات کا ادراک ہوا تھا۔ جیسے یہ کوئی پہلا احساس تھا۔ انابیہ شاہ نے اس کے ہمراہ چلتے ہوئے ا
تھی۔ بھیگتے موسم میں اس کے سنگ چلتے ہوئے وہ یقیناً بہت محظوظ ہو رہا تھا۔
"آپ نے اس سے قبل کبھی ایسا تجربہ نہیں کیا؟ ۔۔۔ آئی مین لطف نہیں چکھا؟" انابیہ
سے دریافت کر رہی تھی۔
"اوں ہوں۔" عفنان علی خان نے سر نفی میں ہلایا تھا۔ پھر بہت مدھم مسکراہٹ اس کے لبوں
تھی۔ "اس طور تو کبھی نہیں۔" انداز، لہجہ بے حد مسرور تھا۔ ذومعنویت عروج پر تھی۔ مگر انابیہ شا
سمجھ رہی تھی۔ شاید تبھی اس نے سر بہت ہولے سے نفی میں ہلایا تھا۔
"لیکن مجھے تو بارشوں میں بھیگنا قطعاً بھی مرغوب نہیں۔ اگرچہ اس کے باوجود میں کئی بار
بھیگی ہوں جیسے کہ اب بھی نہ چاہتے ہوئے بھیگ رہی ہوں۔"
"نہ چاہتے ہوئے ۔۔۔ یعنی تمہیں یہ موسم پسند نہیں؟" وہ حیران ہوا تھا۔ وہ دھیمے سے
پھر نظر راستوں پر مرکوز کر دی تھی۔
"کیا رکھا ہے ان موسموں میں؟ ۔۔۔ کچھ بھی نہیں۔" لہجہ اور انداز کسی قدر کھویا ہوا سا
علی خان نے اسے بغور دیکھا تھا۔ کہا کچھ نہیں تھا۔
بوندا باندی عروج پر پہنچی تھی۔ موسم میں یکدم شدت آئی تھی اور پانی بادلوں سے بھرپور

کھا تھا۔ انابیہ شاہ نے یکدم نگاہ اس شخص پر کی تھی۔ پھر دوسرے ہی پل سر اٹھا کر آسمان کی سمت دیکھا
بوندوں کا تسلسل اور بھی بڑھ گیا تھا۔ وہ دونوں تیزی سے بھیگنے لگے تھے۔ شاید بہت سرعت سے
بچتے ہوئے انہوں نے ایک قریبی درخت کے نیچے پناہ لی تھی۔
"بارش میں بھیگنے کا بھی اپنا ایک لطف ہے۔ ہے نا؟" عفنان علی خان بہت ہولے سے پتوں سے ٹپکتی
بوندوں کو ہاتھ کی اوک میں جمع کرتے ہوئے مسکرایا تھا۔ انابیہ شاہ کا چہرہ بے تاثر تھا۔ جیسے وہ ان لمحوں
طوالت سے اکتا گئی ہو یا پھر یک دم موسلا دھار رنگ اختیار کرنے والی بارش نے اسے بدمزہ کر دیا

"مجھے بارشوں میں بھیگنا اچھا نہیں لگتا ۔۔۔ بہت بچکانہ اقدام ہے یہ۔" اس نے جیسے اس لمحے خود
ی تھی۔ عفنان علی خان اس کے بوندوں سے اٹے چہرے کو بغور تکتا چلا گیا تھا۔ کتنے قطرے تھے
اس کے صبیح چہرے پر۔
بہت ہولے سے اس نے اپنا ہاتھ بڑھایا تھا اور بہت آہستگی سے ہاتھ اس کے چہرے کے قریب
ان بھیگی پلکوں پر اٹے موتیوں کو اپنی پوروں پر چن لیا تھا۔ اقدام بہت اچانک تھا۔ انابیہ شاہ لمحہ
میں جھجکتے ہوئے پیچھے ہٹی تھی مگر وہ اقدام سرزد ہو چکا تھا۔ وہ قدرے حیرت سے اس شخص کو تکنے لگی تھی
س گھڑی بہت دھیمے انداز میں مسرور سا مسکراتا ہوا کسی قدر رغبت سے اپنی پوروں پر چمکتے اس پانی
قطرے کو دیکھ رہا تھا۔
"یہ کیا ہے؟" کسی قدر ناگوار لہجے میں اس حرکت پر سرزنش کی گئی تھی۔ مگر وہ بہت دھیمے سے مسکرا دیا

"خوشی۔" نگاہ پوروں پر ٹکے اسی ننھے قطرے پر تھی۔ لبوں پر بدستور مسکراہٹ تھی۔
"خوشی؟" وہ حیران ہوئی تھی۔
"ہوں۔" عفنان علی خان نے سر اثبات میں ہلایا تھا۔ پھر مسکراتے ہوئے اس کے چہرے کو دیکھا
پھر اسی قدر آہستگی سے گویا ہوا تھا۔
"آسمان سے اتری ہوئی خوشی۔ جو ان آنکھوں کے لیے بہت سے پیام اپنے سنگ لے کر آئی تھی۔
یں معلوم ہے یہ قطرہ کیا کہہ رہا ہے؟" وہ بدستور مسکرا رہا تھا۔
"کیا؟" لہجہ اسی قدر پُر حیرت تھا۔ وہ یقیناً حیرت سے اس کی سمت متوجہ تھی۔
"اگر یہ چہرہ، یہ آنکھ مجھے نہیں پاتی تو میں واپس لوٹ جاتا اور اپنے ساتھ وہ سارے اچھے لمحے بھی
جاتا جو میں اس کے لیے لایا تھا۔" عجیب دیوانگی تھی لہجے میں۔ وہ ساکت سی تکتی چلی گئی تھی۔
"دیکھو، یہ اب بھی بول رہا ہے ۔۔۔ کہہ رہا ہے تم نے اچھا کیا جو اس لڑکی کو میرے پاس لے
ے ورنہ میں اسے اس کے سارے سپنے بھی سونپ نہ پاتا۔ اس کے حصے کی ساری خوشیاں اور خواب
ٹھڑی میں بند پڑے رہ جاتے اور مجھے پھر اگلے موسموں کا انتظار کرنا پڑتا۔ اور یہ انتظار بہت کڑا ہوتا۔
" وہ مدھم لہجے میں بولا تھا۔ کچھ تو تھا کہ سارا ماحول اس کے زیر آ گیا تھا۔ انابیہ شاہ کسی قدر حیرت

سے اس کی سمت دیکھ رہی تھی۔

"کیا پاگل پن ہے یہ؟" شاید اسے ڈپٹنا چاہا تھا۔ مگر لہجہ کس قدر کمزور تھا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔

"یہ تو فقط ایک پہلا قطرہ تھا۔ تم چاہو تو ایسے بہت سے قطرے مزید بھی تمہارے حصے میں ہیں۔ شاید تم نہیں جانتیں، ہر قطرے کی اپنی ایک گٹھڑی ہے۔ اپنے الگ چھینٹے ہیں۔ الگ خوشیاں الگ رنگ ہیں۔"

اناہیہ شاہ نے یک دم اس شخص پر سے اپنی نگاہ پھیری تھی۔ دور تک دھند ہی دھند تھی۔ سارا ما رہا تھا۔ کتنے قطرے اس گھنے پیڑ کی شاخوں سے ٹپکتے ہوئے ان پر پڑ رہے تھے۔ وہ اب بھی اس ساتھ ساتھ بھیگ رہے تھے۔ وہ متواتر بول رہا تھا۔ وہی مدھم لہجہ تھا اور پورا ماحول اس کے زیر اثر تھا۔

"جانتی ہو موسم فقط موسم ہوتے ہیں۔ مگر دل کے موسموں کا کوئی شمار نہیں۔ ہر پل کی اپنی ہے، اپنا ایک رنگ ہے۔ اپنا ایک وجد ہے۔ کیا کیا قیامتیں کس طور گزر جاتی ہیں دل پر کوئی نہیں موسم ہم مل کر بانٹتے ہیں، مل کر ساتھ گزارتے ہیں۔ مگر ان موسموں کی کہانی بہت مختلف ہے۔ داستان کہتا ہے۔"

نہ جانے کیا کہہ رہا تھا وہ۔ نہ جانے کیا کہنے جا رہا تھا۔ اناہیہ شاہ بنا اس کی سمت دیکھے سرعت سے اٹھی تھی اور دوسرے ہی پل بھاگتے ہوئے جیسے اس ماحول سے دور نکلتی چلی گئی تھی۔

عفنان علی خان وہیں کھڑا کتنی دیر اس سمت تکتا رہا تھا۔ مگر وہ ایک بار بھی نہیں پلٹی تھی۔ جیسے پتھر ہو جانے کا احتمال تھا۔ جیسے وہ حد درجہ خوفزدہ ہو۔

***

دعا دل سے نکلی ہو تو رائیگاں نہیں جاتی۔ اس کی تمام دعائیں بھی مستجاب ہو گئی تھیں۔ مظہر ہارٹ سرجری کامیاب رہی تھی اور میرب سیال کے لئے یہ بہت بڑی خوشی تھی۔ گو وہ لمحات بہت کر رہے تھے جو دل پر بیتے تھے۔ رات اس نے آنکھوں میں بسر کر دی تھی مگر اب ایک اطمینان پھیل رہا تھا۔ اس نے شیشے کے اس پار بستر پر لیٹے پاپا کو دیکھا تھا اور دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا

رات گزر گئی تھی۔ قیامت خیز لمحے گزر گئے تھے۔ دل سنبھل گیا تھا۔

مگر کوئی اب بھی نہیں آیا تھا۔

میرب سیال کو انتظار نہیں تھا۔ شاید وہ اس کی جانب سے امید رکھ بھی نہیں رہی تھی۔ مگر زوبا جب اس کی بابت دریافت کیا تھا تو وہ فوری طور پر کچھ نہ کہہ پائی تھی یا پھر وہ واقعی کوئی وضاحت اسے کرانا نہیں چاہتی تھی۔

رات بھر جاگنے کے باعث سر بہت بھاری ہو رہا تھا۔ رونے کے باعث پپوٹے سوج آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ وجود تھکن سے شل ہونے کو تھا۔

"تم جا کر آرام کر لو۔۔۔۔ میں ہوں یہاں۔" زوباریہ نے مشورہ دیا تھا۔ اس نے سر ہلا دیا

"پاپا جب ہوش میں آ جائیں تو مجھے فون کر دیجئے گا۔"

رو کے۔" زوباریہ نے سر ہلایا تھا۔

وہ تھکن سے شل وجود کے ساتھ ہسپتال سے باہر نکل آئی تھی۔

کوئی امید نہیں تھی۔

مگر وہ ذہن کو اس خیال کو سوچنے سے باز نہ رکھ سکی تھی۔

رات گزر گئی تھی اور وہ نہیں آیا تھا۔

"بے حسی کی حد تھی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ ایسا کیوں سوچ رہی تھی۔ ایسا کیوں چاہ رہی تھی۔ حالانکہ اس نے تو اس تعلق کو سرے سے قبول ہی نہ کیا تھا۔ دل سے مانا ہی نہ تھا۔ بس زبردستی کا سودا تھا۔ اور کیوں رکھتا وہ خیال۔ کیوں کرتا کوئی احساس۔

اس پر کچھ فرض سا تو نہ تھا۔

وہ تو آزاد تھا اول روز سے۔ کوئی ذمہ داری اٹھائی ہی نہ تھی۔ نبھانے کی بات تو بہت بعد کی تھی۔ اس نے ایسی کوئی منت کی ہی نہ تھی۔ پھر کس شے کا افسوس کر رہی تھی وہ۔

اس کی زندگی کی لکیر الگ تھی۔ جینے کے راستے اور تھے۔ طور طریقے مختلف تھے۔

کتنے ناپسندیدہ منظر اس کی نظروں میں گھومتے چلے گئے تھے۔ اس نے جلتی ہوئی آنکھوں میں تیرتے نمکین پانیوں کو اپنے اندر ہی کہیں مدغم کرنا چاہا تھا۔ بہت دکھتے ہوئے سر کو ہولے سے ہاتھوں سے دبایا تھا۔

ٹیکسی ہوٹل کے سامنے رکی تھی۔ اس میں ہمت ناپید تھی، چلنے کی سکت تک نہ تھی۔ سر گھوم رہا تھا۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا رہا تھا۔ مگر وہ بہت پُراعتماد قدموں سے چلتی ہوئی ہوٹل میں داخل ہوئی تھی۔ لفٹ سے نکل رہی تھی جب وہ اسے نظر آیا تھا۔ غالباً وہ اپنے کمرے سے نکلا تھا۔ شاید کہیں جا رہا تھا۔ اسے دیکھ کر رک گیا تھا اور میرب سیال کے لئے جیسے یہ ایک جبری فعل تھا۔ بہ مشکل وہ اس کے سامنے رکی تھی۔

"کیا ہوا؟" جانے وہ اس کی کیفیت کے مدنظر دریافت کر رہا تھا یا پھر صورت حال کے متعلق جاننا چاہ رہا تھا۔ میرب سیال نے سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت اک خاموش نگاہ کی تھی۔ بے تاثر اور لاتعلق نگاہ۔ اور سر بہت ہولے سے نفی میں ہلا دیا تھا۔

"تم کہاں گئی تھیں؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری باز پرس کر رہا تھا۔ کیا حق رکھتا تھا وہ؟ کیا جاننے کا خواہاں تھا وہ؟

کیا وہ واقعی متفکر تھا اس کی بابت؟

اس کی غیر موجودگی اس کے لئے پریشانی کا باعث رہی تھی؟

آنکھوں سے لگ تو نہ رہا تھا۔ چہرہ کس قدر فریش لگ رہا تھا۔ شب بیداری یا کسی پریشانی کی کوئی ہلکی سی بھی لکیر نہ تھی۔

میرب سیال نے سردار سبکتگین حیدر لغاری کے چہرے کو بغور دیکھا تھا۔ یہ تھا وہ شخص جس کے ہاتھ میں

وہی کی زندگی کی ڈور تھی۔ جس کے ساتھ اسے اپنی باقی ماندہ زندگی گزارنا تھی۔ جس کے نام اسے
کچھ کر دیا تھا۔

یہ تھا وہ شخص۔

بے مہر، کج ادا۔

وفا جس کی سرشت میں تھی ہی نہیں۔ اور وہ کیا کیا امیدیں لگانے چلی تھی۔ اپنی عقل پہ حد درجہ
ہوا تھا۔ وہ بہت تلخی سے مسکرائی تھی۔

''بے فکر رہئے سردار سبکتگین حیدر لغاری! میری کوئی ذمہ داری آپ پہ عائد نہیں ہوتی۔ جس طر
آپ کی زندگی میں غیر اہم ہوں اسی طرح آپ بھی میرے لئے قطعاً کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ نام
آپ کے لئے یہ رشتہ؟ آزاد رہنا چاہتے ہیں نا آپ؟ تمام تر ذمہ داریوں سے بچنا چاہتے ہیں نا؟
ہر واسطے سے۔ تعلقات بوجھ لگتے ہیں نا آپ کو ــــــ ہر رشتہ بار لگتا ہے نا؟ زنجیروں میں قید ہونا
نا آپ کو؟ اپنی آزادی بہت عزیز ہے آپ کو۔ مگر مائنڈ اِٹ مسٹر سبکتگین حیدر لغاری! میرب سیال کو
لڑکی نہیں ہے۔ بہت غلط قیاس کیا آپ نے اس کے متعلق۔ بہت غلط سوچا۔'' وہ پُر اعتماد انداز
کے سامنے تنی کھڑی تھی۔ سبکتگین حیدر لغاری اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔ میرب سیال کی سرخ آنکھوں
وجہ ناگواری تھی اور وہ کسی درجہ ناپسندیدہ نظروں سے اس کی سمت دیکھ رہی تھی۔

''بہت غلط قیاس کیا آپ نے سبکتگین حیدر لغاری! ــــــ میرب سیال کوئی کمزور لڑکی نہیں ہے
''میرے لئے کوئی تعلق بوجھ نہیں ہے، کوئی رشتہ زنجیر نہیں ہے۔ میرے نزدیک رشتہ ایک کمٹ
ہے جسے دل سے قبول کرنا چاہئے اور دل سے نبھانا چاہئے۔ ورنہ......'' بہت ہولے سے اس
میں ہلا دیا تھا۔

''کوئی فائدہ نہیں سبکتگین حیدر لغاری! حیرت ہے، دنیا گھوم چکے ہیں اور فقط اتنی سی با
جانتے۔'' کتنا پُر افسوس تھا میرب سیال کا انداز۔ اپنے اندر کا غبار نکالتے ہوئے اسے اندازہ نہیں
وہ اس وقت راہداری میں کھڑی ہے۔ اور یقیناً ایسی باتوں کے لئے ایسا ماحول قطعاً سازگار نہیں
ہوتی ہے ہر بات کی۔ برداشت کی بھی حد ہوتی ہے۔ اور شاید اس کی حد ٹوٹ چکی تھی۔ برداشت خ
تھی یا پھر واقعی وہ اس قدر ڈپریس تھی کہ کچھ اندازہ نہ تھا کہ کس کے سامنے کھڑی ہے۔ کہاں کھڑی
کیا بول رہی ہے۔

سبکتگین حیدر لغاری اس کے مقابل کھڑا بے تاثر چہرے سمیت اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ چہرے
بات کا کچھ احساس ظاہر نہ تھا۔ کسی جذبے کا کوئی ردعمل درج نہ تھا۔ وہ مکمل طور پر سپاٹ نظر آ رہا
جواب نہیں رہا تھا۔ کچھ نہیں بولا تھا۔ بس چپ چاپ کھڑا اس کی سمت تکتا رہا تھا۔ وہ مضبوطی سے
اس کے سامنے کھڑا تھا۔ جیسے اس کی سمت سے کچھ اور بولنے کا منتظر تھا۔ میرب سیال نے سرخ
سے اسے دیکھا تھا پھر دوسرے ہی پل آگے بڑھنا چاہا تھا۔ مگر نہ جانے کیا ہوا تھا، آنکھوں کے سا
میں اندھیرا سا چھا گیا تھا۔ وہ لڑکھڑائی تھی۔ مگر اس سے قبل کہ گرتی، سبکتگین حیدر لغاری نے اسے

بازوؤں میں تھام لیا تھا۔ وہ خشمگیں گھورتی ہوئی سرخ آنکھیں بند ہوتی چلی گئی تھیں۔
بے ہوش ہو چکی تھی۔
سبکتگین حیدر لغاری نے اسے اپنے مضبوط بازوؤں میں سنبھالا تھا اور اٹھا کر روم کی سمت بڑھنے لگا

اس وقت وہ کچھ دیر قبل اپنا غبار اس پر نکال رہی تھی اگر ذرا بھی ہوش و حواس میں ہوتی تو اس کھڑی
حیدر لغاری کا بڑھایا ہوا ہاتھ جھٹک دیتی۔ وہ کوئی کمزور لڑکی نہیں تھی۔ مگر کیا یہ تھا کہ وہی مضبوط لڑکی
ہوش و خرد سے بیگانہ اس لمحے اسی شخص کے بازوؤں پر سوار تھی جس کے سامنے کچھ دیر قبل اس
مضبوط ظاہر کرنا چاہا تھا۔
سبکتگین حیدر لغاری نے اسے بیڈ پر لٹاتے ہوئے ایک نظر اس کے چہرے کو بغور دیکھا تھا۔ غالباً یہ
پہلا تھا۔ وہ اتنے قریب سے اور دانستہ پہلی بار اسے دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر قبل کی آگ اگلتی آنکھیں اب اس
بند تھیں اور وہ مکمل طور پر ہوش و خرد سے بیگانہ تھی۔
ان دنوں میں پہلی بار وہ اس کے مد مقابل کھڑی ہوئی تھی۔ پہلی بار کچھ کہا تھا۔ پہلی بار باضابطہ
ہوئی تھی اور بات اِدھر اُدھر کی نہیں بلکہ اپنی اور اس کے متعلق کی تھی۔ پہلی بار اس پر اس کی شخصیت
کا اور رنگ منکشف ہوا تھا۔
اس پر کمبل ڈال کر وہ پلٹا تھا اور فوری طور پر ڈاکٹر کو فون کیا تھا۔ چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔ کسی طرح کا کوئی
ظاہر نہ تھا۔ ڈاکٹر فوری طور پر پہنچا تھا۔ اس کا مکمل چیک اپ کیا تھا۔
''وائف؟'' ڈاکٹر نے یقیناً تعلق کا تعین کرنا چاہا تھا۔
''مائے وائف۔'' سبکتگین حیدر لغاری نے بہت مدھم لہجے میں مطلع کیا تھا۔
''کوئی چپقلش رہی آپ کے درمیان؟'' ڈاکٹر نے چشمے کے پیچھے سے اسے بغور دیکھا تھا۔ اس نے
بھینچے ہونٹوں کے ساتھ سر بہت ہولے سے نفی میں ہلایا تھا۔
''ہائپر ٹینشن کی وجہ کچھ تو ہوگی۔ اسٹریس یونہی تو کری ایٹ نہیں ہو جاتی۔'' ڈاکٹر شستہ انگریزی میں
بات لہجے کی قدر ترچھی سے مسکرایا تھا۔ سبکتگین حیدر لغاری نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔
ڈاکٹر نے اسے انجکشن دیا تھا، پھر ایک نسخہ لکھ کر اس کی سمت بڑھا دیا تھا۔
''کچھ دیر میں ان کی کیفیت سنبھل جائے گی۔ مگر ان کے لئے پُر سکون رہنا بہت ضروری ہے۔ فوری
میں نے انہیں انجکشن دے دیا ہے۔ چند لمحوں میں ہائپر ٹینشن کنٹرول میں آ جائے گی۔ مگر یہ ٹھیک
بہت خطرناک ہے یہ۔ ہائپر ٹینشن از اے سائیلنٹ کلر۔ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ فشارِ خون کے باعث
دماغی رگ پھٹ سکتی ہے، دل بند ہو سکتا ہے۔ اگر آپ اپنی بیوی سے محبت کرتے ہیں تو بہت خیال
رکھو آپ کو۔'' ڈاکٹر نے کہا تھا۔
ڈاکٹر نے مزید چند ہدایات کی تھیں اور پھر چلا گیا تھا۔ وہ کتنی دیر چپ چاپ کھڑا اس کی سمت تکتا رہا
پھر پلٹا تھا۔ جب اس کا پرسنل سیل بج اٹھا تھا۔

بیچے لان میں تھے۔شاید ٹیرس کی آرائش کی ذمہ داری اس کے سر تھی یا پھر......

''ہیلو! کیا آپ مجھے سن رہے ہیں؟'' سید اذہان حسن بخاری سوچوں میں محو تھا جب اک نے پکارا تھا۔

سید اذہان حسن بخاری نے اس لڑکی کی سمت بغور دیکھا تھا۔ٹیرس پر روشنی کا انتظام کچھ تھا۔دہی معمول کا ایک لیمپ روشن تھا اور جہاں وہ کھڑی تھی وہ جگہ تو قطعاً تاریک تھی۔وہ جانب سے منتظر تھی کسی رد عمل کی۔نگاہیں اس کی سمت تھیں اور اس لمحے اذہان حسن بخاری نے اس کی سمت بڑھا دیئے تھے۔چند قدموں کا فاصلہ طے کر کے وہ چلتا ہوا اس کے مقابل جا رکا۔کھلے آسمان تلے کھڑی وہ اس لمحے کوئی ماورائی مخلوق لگ رہی تھی۔چودھویں کا چاند آسمان تھا۔بہت سی زرد روشنی اس لمحے اس چہرے کا بھرپور احاطہ کئے ہوئے تھی۔

''ماچس ہوگی آپ کے پاس؟'' بہت پُر اعتماد انداز میں وہ اس کی سمت تکتی ہوئی دریافت

سید اذہان حسن بخاری نے اس کی سمت بغور تکتے ہوئے بہت آہستگی سے اپنا دایاں ہاتھ جیب کر لائٹر برآمد کیا تھا۔مقابل کھڑی لڑکی کے چہرے پر بہت شگفتہ مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔اس۔ بالوں کو ہاتھ سے کان کے پیچھے کرتے ہوئے اس کی سمت نگاہ کی تھی۔

''مجھے لگ رہا تھا آپ سگریٹ ضرور پیتے ہوں گے۔اس سے قبل دس عدد اشخاص کا سے مگر بدقسمتی سے ان میں اسموکنگ کا رجحان ناپید تھا۔حیرت ہے میڈیا پر تو بیکو ماتیا اپنی کروڑوں روپے خرچ کر رہی ہے اور اثر خاک نہیں ہو رہا۔حالانکہ ایڈز تو خاصے رھا کر خیز ایک شخص سمندر کی آخری تہہ پر پہنچ کر واپس باہر آ گیا۔یا پھر کسی دوسرے نے بلند و بالا عمارت خوف و خطر چھلانگ لگا دی۔یا پھر......'' وہ بولنے کا شاید خبط رکھتی تھی۔

سید اذہان حسن بخاری نے بنا اس کی سمت توجہ دیئے لائٹر جلایا تھا اور بہت آہستگی کے ساتھ دھرے دیے باری باری روشن کرتا چلا گیا تھا۔بہت مدھم، دھیمی، پُرفسوں روشنی ماحول کا احاطہ تھی۔

مقابل کھڑی لڑکی نے اسے دیکھا تھا پھر مسکرا دی تھی۔

''تھینکس۔'' لہجہ پُر تشکر تھا۔

اذہان حسن بخاری نے مقابل کھڑی نازک اندام لڑکی پر اک نگاہ کی تھی۔چراغوں کی روشنی لمحے اس کا سراپا بہت واضح تھا۔اس کے لبوں پر دھیمی مسکراہٹ غالباً تشکر کے لئے تھی۔نگاہ نے جانچا تھا۔پھر بہت ہولے سے لب وا ہوئے تھے۔

''ولیس اور کے نگر میں سگریٹ نہیں پیتا۔'' مطلع کیا تھا۔مقابل کھڑی لڑکی چونکی تھی۔جیسے بولنے کی تمام محنت اکارت گئی تھی۔وہ لمحہ بھر کو لب بھینچ گئی تھی۔پھر دوبارہ بہت تازگی سے مسکرائی۔

''سگریٹ پینا بھی نہیں چاہئے۔یہ کوئی اچھی عادت نہیں۔مگر اس لائٹر کے لئے بہت شکریہ''

اذہان حسن بخاری کے لبوں پہ جانے کیوں دھیمی سی مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔مگر دوسرے ہی لمحے

سے دھیان ہٹا کر باقی ماندہ دیئے جلانے لگا تھا۔

''روشنی اچھی ہوتی ہے نا ــــ سارا منظر واضح ہو جاتا ہے۔سارے رنگ کھل کر سامنے آ جاتے ہیں۔'' پتہ نہیں وہ واقعی زیادہ بولنے کی عادی تھی یا پھر اس لمحے ایسا کچھ ذکر ضروری تھا۔سید اذہان حسن بخاری نے اسے دیکھا تھا پھر دھیان دوبارہ اسی کام پر مرکوز کر دیا تھا۔

''بعض اوقات بہت سے رنگ پھر بھی واضح نہیں ہوتے۔بہت سے منظر پھر بھی نگاہ سے پوشیدہ رہ جاتے ہیں۔'' شاید اس کی اندرونی شورش کا اثر تھا کہ اس کے لہجے میں اک سکوت در آیا تھا۔

''لیکن اس میں قصور روشنی کا تو نہیں۔قصور تو اس نگاہ کا ہوا جو فقط چند مخصوص منظروں سے آگے بڑھتی ہی نہیں۔پوشیدگی درحقیقت خود پوشیدہ نہیں ہوتی۔نگاہ ڈھونڈنے میں ناکام رہتی ہے کبھی کبھی۔شے سامنے بھی موجود ہو تو بعض اوقات نظر نہیں آتی۔'' بہت دھیمی سی مسکراہٹ لبوں پر سجائے وہ اس گھڑی اس سے مکمل اختلاف برت رہی تھی۔

سید اذہان حسن بخاری نے اسے لمحہ بھر کو نگاہ اٹھا کر بغور دیکھا تھا۔وہ ذہین تھی۔گفتگو کا مدلل انداز بتا رہا تھا وہ کوئی معمولی نوعیت کی لڑکی نہیں۔اذہان حسن بخاری نگاہ پھر پھیر گیا تھا۔اک اک کر کے کتنے دیئے روشن ہوتے چلے گئے تھے۔

''جو بھی ہو، روشنی اندھیرا مٹاتی ہے۔اپنی نگاہ میں نقص ہو تو الزام روشنی پر قطعاً نہیں دھرا جا سکتا۔'' وہ مسکرائی تھی۔اس کے ساتھ ہی دیا اٹھا کر پلٹی تھی اور ٹیرس کی دیواروں پر دھرنے لگی تھی۔سید اذہان حسن بخاری نے اس کی سمت دیکھا تھا۔

''سنبھل کر۔کبھی کبھی روشنی جلا بھی دیتی ہے۔''

وہ پلٹی تھی۔پھر مسکرا دی تھی۔

''جانتی ہوں ــــ میرے لئے خدشے اہمیت نہیں رکھتے۔میری نظر ہمیشہ روشن پہلوؤں پر مرکوز رہتی ہے۔جلاتی تو اور بھی بہت سی چیزیں ہیں۔الاؤ فقط روشنی اور آگ سے ہی تو نہیں دہکتے۔آگ تو اور جلنا بہت سی قسم کی ہوتی ہے۔جلنے کے اور بھی بہت سے اسباب ہوتے ہیں۔ہو سکتے ہیں۔'' کتنے پُر اعتماد انداز میں وہ اس کی سمت تکتی ہوئی گویا تھی۔سید اذہان حسن بخاری فقط دیکھ کر رہ گیا تھا۔شاید حسن نے اسے لاجواب کر دیا تھا یا پھر وہ مزید کچھ بولنا ہی نہ چاہتا تھا۔لبوں پر چپ تھی۔کچھ دیر کا نامکمل کام سرانجام دے چکا تھا۔تمام دیئے روشن ہو چکے تھے۔اس نے لائٹر بند کر کے جیب میں رکھنا چاہا تھا جب وہ یک دم اس کی سمت پلٹی تھی۔

''آں...... ہاں، پلیز۔یہ لائٹر مجھے دے دیجئے۔کچھ ہی دیر میں، میں اسے آپ کو لوٹا دوں گی۔ایمرجنسی اگر کوئی دیا ہوا سے بجھ گیا تو۔'' اس نے خدشے کے باعث گزارش کی تھی۔اذہان حسن بخاری نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر لائٹر اس کی سمت بڑھا دیا تھا۔

''انسان چاہے لاکھ خدشات سے بے نیاز ہو مگر خدشات کی حقیقت سے نگاہ نہیں پھیر سکتا۔اندیشے خود بخود در آتے ہیں، دل میں، ذہن میں۔'' دھیمے لہجے میں بول کر جانے کیا باور کرانا چاہا تھا۔شاید مقابل

کھڑی نڈر کی کی نفی کرنا چاہتا تھا۔ مگر وہ لائٹر تھامتی ہوئی بہت دھیمے سے مسکرا دی تھی۔

سید اذہان حسن بخاری نے اس کی سمت دیکھا پھر نگاہ پھیری تھی اور اس کے ساتھ ہی پلٹتے ہوئے سے ہٹ گیا تھا۔ ٹیرس پر کھڑی اس لڑکی نے اس شخص کی پشت کو قدرے دلچسپی سے دیکھا تھا۔ لبوں شگفتہ سی دھیمی مسکراہٹ تھی۔ وہ اس شخص سے مل کر یقیناً محظوظ ہوئی تھی۔

''ساہیہ خان! تم سے ابھی تک یہ چراغ روشن نہیں ہوئے؟ ـــــ اتنا بڑا کام تو نہیں سونپا نہیں۔ کہہ رہی تھیں کہ بلکری میں نئی شادیوں کے انتظامات اپنے ہاتھوں سرانجام دے چکی ہو کہوں، لگتا قطعاً نہیں ہے۔'' وہ دوبارہ بجھ جانے والے دیوں کو لائٹر سے روشن کر رہی تھی جب عزیز آیا تھا۔

اس نے سر اٹھا کر دیکھا تھا پھر مسکرا دی تھی۔

''کچھ جھوٹ نہیں کہا تھا۔ نہ ہی تمہارے کانوں نے کچھ غلط سنا تھا ـــــ دیے کب کے روشن ہوتے اگر ماچس تم اپنی جیب میں ڈال کر نہیں لے گئے ہوتے۔ بیسیوں لوگوں سے پوچھا تب جا کر بندے سے یہ لائٹر ملا۔ کتنی بڑی خوش آئند تبدیلی آ چکی ہے پاکستان میں۔ حضرات نے غالباً سگریٹ پیکٹ پر درج انتباہ کے باعث سگریٹ نوشی ترک کر دی ہے۔ بہت جلد پاکستان میں کھلی ٹوبیکو دیوالیہ ہو جائیں گی۔'' وہ یقیناً سنجیدہ نہ تھی۔ لبوں پر بڑی دلکش مسکراہٹ تھی۔ عزیز مسکرایا تھا۔ پھر اس ہاتھ میں تھمے لائٹر کو دیکھ کر قدرے چونکا تھا۔

''یہ اذہان حسن بخاری کا لائٹر تمہارے پاس کہاں سے آیا؟'' ساہیہ خان نے قدرے چونکتے اس کی سمت دیکھا تھا۔

''اگر وہ اذہان حسن بخاری تھے تو یہ لائٹر انہوں نے مجھے خود آپ دیا ہے۔ نہ صرف لائٹر دیا ہے دیے روشن کرنے میں میری مدد بھی کی ہے۔''

''اوہ ـــــ تو ملاقات ہو گئی تمہاری موصوف سے؟'' عزیز مسکرایا تھا۔ ''کیسے لگے محترم؟''

''کچھ خبطی سے ہیں۔ خواہ مخواہ فلسفہ بگھارنے کی کوشش کر رہے تھے۔ خیر میں نے بھی جواباً کوئی نہیں چھوڑی۔ خوب تاک تاک کر لفظ پھینکے۔ موصوف اب تک محظوظ ہو رہے ہوں گے۔'' وہ شرارت سے مسکرا رہی تھی۔ چمکتی آنکھوں میں بہت سے جگنو روشن تھے۔ عزیز اسے دیکھتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

''ساہیہ! اتنی لونچ۔ بہت سیدھا سادھا بندہ ہے وہ۔''

''تو میں نے کب کہا کہ اس کے اشتہار لگے ہوئے ہیں۔'' وہ بدستور مسکرا رہی تھی۔

''مگر تمہیں اسے اس طرح تنگ نہیں کرنا چاہئے تھا۔''

''تمہیں کس نے کہا میں نے اسے تنگ کیا ہے؟ ہماری ملاقات خاصی دلچسپ اور ادبی قسم کی ہوئی ہے۔ ہاں فلسفے کا بگھار کچھ زیادہ ہو گیا تھا۔'' وہ اب بھی سنجیدہ نہ تھی۔ گداز ہونٹوں پر بڑی مسکراہٹ دبی تھی۔ عزیز اسے دیکھتے ہوئے سرنفی میں ہلاتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

❊❊❊

انتہ اختیار کیا جانے والا ہر قدم بے سود رہا تھا۔ کتنے دن تک اس نے کوشش کی تھی۔ اس کی سمت والے راستوں پر نگاہ بھی نہیں کی تھی۔ اس کی سمت چلنے والی ہواؤں کا تعاقب بھی نہیں کیا تھا مگر اس اف میں آتی سرگوشیاں تھمی نہیں تھیں اور تب جیسے وہ تھک کر ہار گیا تھا۔

ل نہیں مان رہا تھا۔

ل نہیں لگ رہا تھا اور وہ ایک بار پھر چل پڑا تھا۔

نہی راستوں پر۔

واں سمت جاتے تھے۔ اس شہر جاناں کی سمت جا ملتے تھے۔

''کیا مجنوں سی حالت بنا رکھی ہے؟ خرد مندی سے کوئی واسطہ رکھا ہے یا نہیں؟'' لامعہ کیمپس کی ن میں اسے دیکھتے ہوئے مسکرائی تھی۔

ر چہ سوٹڈ بوٹڈ تھا مگر شیو بڑھا ہوا تھا۔ جس سے انداز بہت رف سا لگ رہا تھا۔ لامعہ کے کہنے پر علی خان بہت ہولے سے مسکرایا تھا۔ نگاہ اس چہرے کا طواف کرنے لگی تھی جو اس کے عین سامنے تھا مگر اس سے یکسر انجان اور بے خبر تھا۔ نگاہ اس کی جانب قطعاً مائل نہ تھی۔ کسی التفات کی امید تو دور کی بات تھی۔

''تم نے دیوانہ بنا دیا ہے ـــــ خرد مندی کا دعویٰ تھا مجھے۔ ہوش مندی پر ناز تھا۔ مگر تم نے تو غرور دھول کر دیے۔ ہوش کھو بیٹھا میں تو۔ شب و روز کے گزرتے تسلسل کی کچھ خبر نہیں۔ تمہیں کچھ دکھو۔'' نظروں نے کتنے چور انداز سے اس چہرے کا طواف کیا تھا۔

لامعہ حیران ہوئی تھی۔ پھر دوسرے ہی پل ہنسی چلی گئی تھی۔

''معفان علی خان! تم واقعی پاگل ہو گئے ہو۔ کہیں صحرا نوردی کا کوئی ارادہ تو نہیں کر لیا؟''

معفان علی خان نے جواب کے سبب لیتی انابیہ شاہ پر ایک نگاہ خاص کی تھی۔ پھر بہت ہولے سے اس لبوں پر مسکراہٹ بکھری تھی۔

کہا سے پوچھنا تو ہے

کہا صلہ وفا کا

ہے یکی کر دن اور رات

کی کو سوچتے رہنا

کی کو کھوجتے رہنا

کہا سے پوچھنا تو ہے

کہا کیسا محبت ہے

کہا سے کی خیالوں سے

الجھا ملی دعاؤں کو

فودکا سبب اثر کرنا

خود کو بے ثمر کرتا
اس سے پوچھا تو ہے

کتنے مدھم لہجے میں اس نے مدعا بیان کیا تھا۔ لامعہ حق جہاں مسکرائی تھی وہیں انابیہ شاہ نظر یکسر بے خبر نظر آنے کی کوشش کرنے لگی تھی۔

"کسی مشاعرے سے شرکت کرکے آرہے ہو؟" لامعہ نے چھیڑا تھا۔

"بس اسی بات کی کسر رہ گئی ہے ان دنوں۔" وہ بہت دھیمے سے مسکرایا تھا۔

انابیہ شاہ نے نگاہ اب بھی اس سمت نہیں کی تھی مگر وہ اپنی سماعتوں کو یقیناً اس سمت سے ہٹا نہیں سکی تھی۔ پھر یک دم اس نشست سے اٹھ جانا بھی جیسے مناسب نہ تھا۔ یہاں رکنا جیسے اس کی مجبوری تھی۔ اب بھی کیا کچھ کہہ رہا تھا۔ لامعہ کے چہرے پر بڑی دلفریب مسکراہٹ تھی۔ جیسے وہ بے حد سرشار عالم دیوانگی پر۔ اور وہ سمجھ نہ پائی تھی اس کیفیت کو۔ کسی کا انداز کس قدر پر پیچ تھا۔ الجھا ہوا۔

"یقین دلانے کا راستہ نہیں ہے کوئی۔ ورنہ بے کلی کی کیفیت بیان کرنے میں دیر کہاں لگتی۔ عجب شے ہے یہ دیوانگی۔ بہت نامراد شے ہے یہ جنوں خیزی ــــ قدموں سے لپٹے تو صورت بچتی ہی نہیں۔" لہجہ دیوانگی سے مکمل طور پر پر تھا۔ مگر بھوری آنکھوں میں بہت سی شوخی تھی۔ پتہ نہیں وہ اس گھڑی سنجیدہ تھا یا پھر کوئی مذاق کررہا تھا۔

"سمندر کو دور سے تکتے رہنے کا نظارہ بہت دلکش ہوتا ہے۔ مگر گہرائیاں ناپنا بہت دقیق کام ہے۔ مشکل میں گھر جاتی ہے۔ اک نہ ختم ہونے والی اضطرابیت وجود میں پھیل جاتی ہے۔ کسی پل چین نہیں۔ عالم دیوانگی کو جھیلنا آسان نہیں۔ جان پر بن آتی ہے۔ کبھی تم نے ساحل پر کھڑے ہو کر اس کا تعاقب کیا ہے؟ کتنے اضطرابوں کی داستان درج ہوتی ہے ان پر۔ کتنی ان کہی داستانیں وہ چھوڑ جاتی ہیں۔ کتنے انوکھے وصف ہیں محبت کے۔ کتنے عجیب فسانے ہیں۔" اس کا انداز کس قدر عجیب تھا اور لامعہ حق ہنستی چلی گئی تھی۔

"آج کیا ہو گیا ہے تمہیں عفنان علی خان؟ ــــ کہیں واقعی تم میرے عشق میں پاگل تو نہیں ہو؟" وہ واقعی حیران تھی۔ عفنان علی خان نے اس سے برابر بیٹھی انابیہ شاہ پر اک نگاہ کی تھی۔ پھر مسکرا دیا تھا۔

"کچھ علم نہیں۔ عالم مدہوشی میں ہوں۔ ارد گرد کا کچھ ہوش نہیں۔ بیدار رہوں گا تو کچھ پتہ چلے گا۔ تو خواب کی سی کیفیت ہے۔ خواب جیسے منظر ہیں۔ خواب جیسے رنگ ہیں اور خواب جیسی تم ہو۔ کتنا تعاقب کرتا ہوں تمہارا۔ کیسے دیوانوں کی طرح تلاشتا ہوں تمہیں ہر سمت۔ تم میری سمت دیکھتی نہیں۔ مجھ پر اپنی نظر کیوں نہیں کرتیں؟ مجھ میں تو اتنا دریافت کرنے کی بھی سکت نہیں کہ یہ عالم خواب کا بھی کہ نہیں۔ میں اس خواب سے جاگوں گا تو تم کو پا سکوں گا کہ نہیں۔ کیا تم میرے لئے ٹھہری رہو گی؟ ــــ دیوانے کا خواب۔"

لہجہ مدھم اور انداز کس قدر خواب آشنا تھا۔

"بس بس، بہت ہو گیا۔ ورنہ میرا دل بند ہو جائے گا۔ آج کے لئے اتنا کچھ کافی ہے۔" لامعہ حق مسکرائی تھی۔ پھر کب کی خاموش اور قدرے لاتعلق بیٹھی انابیہ شاہ پر نظر مرکوز کی تھی۔

"انابیہ! تم جانتی ہو مردوں کے ڈھنگ کتنے عجیب اور وصف کتنے نرالے ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں عورت ایک پہیلی ہے۔ اسے آج تک کوئی سمجھ نہیں سکا۔ مگر درحقیقت مرد ایک معمہ ہے۔ اسے سمجھنے کا دعویٰ کوئی نہیں کرسکتا۔"

"یقیناً!" کب کی خاموش بیٹھی انابیہ شاہ بہت دھیمے سے مسکرائی تھی۔ انداز پراعتماد تھا۔ نگاہ اس شخص پر نہیں کی تھی مگر وہ نظر ہرگز نہ پڑی تھی۔

"مثل مشہور ہے ہاتھی کے دانت کھانے کے اور، دکھانے کے اور۔ خواب دکھانا بہت دلفریب ہے مگر خوابوں میں رہنا بہت مشکل۔" لبوں پر دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے عفنان علی خان کو دیکھا تھا۔ وہ اس گھڑی خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"لامعہ! اپنے خیالی کے لئے کوئی ٹھنڈا وغیرہ منگواؤ۔ موصوف خاصی گرمی سے آئے ہیں۔ باہر کا موسم کیا ہے مسٹر عفنان علی خان؟ گرمی زیادہ ہے یا ٹھنڈ؟" وہ براہ راست اس کی سمت تکتی ہوئی مسکرائی تھی۔
عفنان علی خان نے حسن کے اس بے پناہ شعور اور ان آنکھوں کو دیکھا تھا اور پھر دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

"کن موسموں کی بات کررہی ہیں آپ؟ ــــ اندر کے یا باہر کے؟" بغور اسے تکتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

"میں نے بیرونی موسموں کے متعلق ہی دریافت کیا ہے۔ اندرونی موسموں کی روداد تو آپ کافی سے زیادہ سنا چکے ہیں جناب!" وہ مسکرا رہی تھی اور لامعہ حق ہنستی چلی گئی تھی۔

"ویل سیڈ انابیہ شاہ! یو آر گڈ۔ عفنان علی خان کی اتنی باتوں کے جواب میں مجھ سے کوئی ایک جواب بھی بن نہ پڑا تھا۔ مگر تم نے واقعی ان موصوف کو لاجواب کردیا۔" لامعہ، انابیہ شاہ کی ذہانت کی داد دیتی ہوئی مسکرائی تھی۔ عفنان علی خان اس کی سمت بہ غور تکتا ہوا مسکرا دیا تھا۔ لب بہت ہولے سے وا ہوئے تھے۔

ہم سے اک بار بھی جیتا ہے، نہ جیتے گا کوئی
وہ تو ہم جان کے کھا لیتے ہیں ماتیں اکثر

"مقابل حسن ہو اور مخاطب بھی ہو تو کچھ ایسی کیفیت ہو ہی جاتی ہے۔" انابیہ شاہ چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔ تبھی لامعہ گویا ہوئی تھی۔

"مجھے بھوک لگ رہی ہے عفنان علی خان! اور تم جانتے ہو مجھے کینٹین کے لوازمات قطعاً نہیں بھاتے۔" انابیہ شاہ نے گھڑی کی سمت دیکھا تھا پھر بیگ اور فائل سمیٹتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"سوری گائز ــــ میری کلاس کا وقت ہو چلا ہے۔" کہنے کے ساتھ ہی اس نے کچھ سننے کا انتظار نہیں کیا تھا اور ہوا ہو گئی تھی۔ عفنان علی خان نے اس دور جاتی لڑکی کو دیکھا تھا۔ پھر ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ یقیناً دل ٹھہرنے کا اب کوئی ساماں نہ تھا۔

***

سر بہت بھاری ہو رہا تھا۔ بند ہوتے پپوٹوں کو اس نے جیسے بہ مشکل کھولا تھا۔ کتنی دیر تک ذہن ماؤف رہا تھا۔ سمجھ میں کچھ نہ آیا تھا۔ وہ خالی خالی آنکھوں سے کمرے کے چار سمت دیکھتی رہی تھی۔

یہ کمرہ وہ تو نہیں تھا۔

یہ سب —— اس نے ایک طائرانہ نگاہ کمرے پر ڈالی تھی۔ واش روم سے پانی گرنے کی آواز آرہی تھی۔ وہ کسی قدر چونکی تھی۔ مگر حواس اس قدر بیدار نہ تھے۔ سمجھنے کی کوشش میں اس نے پوری آنکھیں کھول دی تھیں۔ تبھی واش روم کا دروازہ کھلنے کی آواز آئی تھی اور دوسرے ہی لمحے کوئی روبرو تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری۔ اس کے حواس ایک پل میں بیدار ہوئے تھے۔ وہ تاول سے بال ... ہوا یک دم چونکا تھا۔ غالباً اس کے جاگنے پر حیران ہوا تھا۔

میرب سیال یک دم اٹھ کر بیٹھی تھی۔ شانوں پر بال بڑے بے ترتیب انداز میں بکھرے ہوئے ... سر جھکائے وہ اس گھڑی یقیناً اس کیفیت سے قبل کے واقعے کے متعلق سوچ کر کسی قدر شرمندہ تھی۔

''آپ اچانک بے ہوش ہو گئی تھیں —— مجھے فوری طور پر کچھ سمجھ نہ آیا تو آپ کو اٹھا کر اپنے ... میں لے آیا۔ ڈاکٹر نے آپ کو ریلیکس کرنے کے لئے کہا تھا۔ سو ڈسٹرب نہیں کیا۔ ہاؤ ڈو یو فیل ...'' سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی اپنے کمرے میں موجودگی کی وضاحت دے رہا تھا۔ لہجے میں کسی ... کوئی تاثر نہ تھا۔ اس کی بارش ورزش سے متعلق کوئی ردعمل اس کے چہرے پر نہ تھا۔ وہ چہرہ بہت ... تھا۔ میرب سیال نے ایک لمحے کو اس کی سمت نگاہ کی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کی آنکھوں میں سرخ ڈورے تھے۔ شاید وہ شب بھر سویا نہ تھا۔ اپنی گ... اس گھڑی بائیں ہاتھ سے دباتا ہوا وہ اس کی سمت متوجہ نہ تھا۔

''کیا ہوا؟'' میرب سیال کے لبوں پر یک دم سوال ابھرا تھا۔ بڑی غیر ارادی حرکت تھی یہ ... سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت دیکھا تھا جیسے اس تخاطب پر حیران ہوا ہو۔

''شاید کچھ اسٹریس آ گئی ہے نک میں۔ صوفے پر سونے کی عادت نہیں نا۔'' سردار سبکتگین حیدر ... جواب دے کر ہیئر ڈرائیر کرنے لگا تھا۔ میرب سیال کے ذہن میں گزرا ہوا تمام منظر گھوم گیا تھا ... نے معذرت خواہ رنگ قطعاً اختیار نہ کیا تھا۔ وہ کل ہسپتال سے لوٹنے سے اب تک بہت زیادہ سو ... یقیناً یہ دواؤں کا اثر تھا۔ سر اب تک گھوم رہا تھا۔ اس نے وال کلاک سے نگاہ ہٹاتے ہوئے سر کو ... سے قدرے دبایا تھا۔

''مجھے ہسپتال جانا تھا۔'' اس نے مدھم لہجے میں جیسے خود کلامی کی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری ... قدرا لجھی ہوئی اس لڑکی کو آئینے میں دیکھا تھا۔

''ہائپر ٹینشن کے باعث ایسی ادویات دینا ناگزیر ہو گیا تھا۔ یہ تمام فقط ریلیکسیشن کے لئے تھا ... نے کہا ہے یو شڈ مسٹ ٹیک کیئر آف یور سیلف۔ سٹریس لینا کوئی اچھی بات نہیں۔'' آئینے میں ا...

عکس کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ انداز بہت سرسری تھا۔ کسی طرح کا کوئی احساس اس کے لہجے سے ظاہر نہ تھا۔

میرب سیال نے اس کی پشت کو دیکھا تھا۔ آئینے میں اس کا عکس بہت واضح تھا۔ اور اس لمحے یقیناً وہ اسی کی سمت دیکھ رہا تھا۔ نصیحت خوب تھی۔ بروقت تھی۔ مگر افسوس، بہت غلط شخص کے لبوں سے تھی۔

وہ لمحہ لمحہ زچ کرنے والا! اس کی جان سولی پر لٹکانے والا! اس کی تمام پریشانیوں کا جواز، وہ شخص اس لمحے اس تمام معاملے سے کیسا بری الذمہ تھا۔ جیسے وہ اس تمام معاملے کا حصہ تھا ہی نہیں۔ یا پھر جیسے اسے اس بابت کچھ علم تھا ہی نہیں۔ کتنا لاتعلق نظر آنے کی کوشش کر رہا تھا وہ۔ یا پھر یہ سب دانستہ تھا۔ ارادی طور پر تھا۔

کیسے سلگاتا تھا وہ اس کی جان۔ اور پھر کیسے بے تاثر بن جاتا تھا۔ شاید یہ بھی ذمے داری سے بچنے کی کوئی ارادی حرکت تھی۔

کوئی منصوبہ ساز پہلو تھا۔

اپنے اندر کی بے بسی کا احساس ایک بار پھر کس درجہ ہوا تھا۔ پورا ذہن پھر سلگنے لگا۔

وہ ناپسندیدہ وجود تھی۔

ناپسندیدہ ہستی۔ جو فقط کسی کے سر مسلط کی گئی تھی اور وہ اس تسلط پر بھی کس درجہ آزاد تھا۔ کیسے آزادانہ طور پر اپنے رویوں کا اظہار کرتا تھا۔ کیسے آزادی سے اپنے ناپسندیدہ پہلوؤں پر احتجاج کرتا تھا۔ پسندیدہ افعال با اقدام کی شخصی کے لئے اسے کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں تھی۔

وہ آزاد تھا مکمل طور پر۔

شاید زیادتی اس کے ساتھ ہوئی تھی۔ قربانی کا بکرا فقط اسے بنایا گیا تھا۔ دونوں طرف سے۔

ایک طرف وہ بوجھ تھی.. ذمے داریوں کا بوجھ۔ اور دوسری طرف ضرورت۔

ذمے داریوں نے وہ بوجھ اس ضرورت کے دامن میں ڈال دیا تھا۔ اس نے فقط ایک مقام اپنے اس مقام اور رتبے کے پر کیا تھا۔ ورنہ اس کی حقیقت صفر تھی اور سردار سبکتگین حیدر لغاری یقیناً گھاٹے میں نہ رہا تھا۔

یقیناً اس مقام کے لئے کسی ایسی ہی لڑکی کی ضرورت تھی —— اس جیسی بے وقوف، احمق جو زیادہ سوال نہ کر سکتی۔ زیادہ وضاحتیں نہ مانگ سکتی۔ بس خاموشی سے سب تکتی رہتی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے میرب سیال کو اپنی سمت یک ٹک تکتے دیکھ کر اس کی ذہنی کیفیت کا اندازہ اگرچہ کر لیا تھا مگر پھر بھی تیاری سے ہاتھ روک کر اس نے چونکتے ہوئے اس کی سمت دیکھا ضرور تھا۔

''کیا ہوا؟''

میرب سیال نے چونکتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ کچھ لمحوں تک اسی طرح تکتی رہی تھی۔ پھر بہت آہستگی سے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔ وہ ٹائی لگاتے ہوئے اس کی سمت بہ غور دیکھ رہا تھا۔ میرب سیال سر جھکائے کچھ لمحوں تک اسی طرح بیٹھی رہی تھی۔ شاید وہ اس لمحے بہت خالی ذہن تھی۔ کیفیت کسی قدر غائب دماغی کی

تھی۔

"مائی اماں کا فون آیا تھا آپ کے لیے۔" بہت مدھم لہجے میں مطلع کیا تھا۔ میرب سیال اُدھر بیٹھی رہی تھی۔ نگاہ اٹھا کر اس کی سمت دیکھا نہیں تھا۔ نہ ہی کسی طرح کا کوئی ردِ عمل ظاہر کیا تھا۔ ہونے کے برابر تھی۔ جیسے اسے اس ذکر کی مطلق کوئی پرواہ نہیں تھی۔ جیسے وہ سنتے ہوئے بھی نہ سن رہی سردار سبکتگین حیدر لغاری نے پرفیوم اسپرے کرتے ہوئے اس کی سمت اک نگاہ کی تھی۔

"آپ کی خیریت دریافت کر رہی تھیں۔ کس قدر پریشان ہو رہی تھیں۔ غالباً اب تک آپ سے بات نہیں ہوئی۔ اب کے فون آئے تو بات کر لیجیے گا۔ ان کو فکر ہو رہی تھی آپ کی۔" سردار حیدر لغاری جیسے اسے اہم ترین ہدایت کر رہا تھا۔

وہ جانے کیوں بُت بنی بیٹھی رہی تھی۔ حالانکہ ارادہ تو وہاں سے اٹھ کر بھاگ جانے کا تھا۔ وجود میں اس لمحے سکت ہی نہ رہی تھی۔ دروازہ بہت ہولے سے بجا تھا۔ ویٹر ناشتہ لے آیا تھا۔ وہ نہیں چونکی تھی۔ خالی خالی نظروں سے ساکت بیٹھی اس منظر کو تکتی چلی گئی تھی۔ ویٹر ناشتہ سرو کر کے جا چکا تھا۔ اس کے وجود میں تب بھی کوئی حرکت نہیں ہوئی تھی۔

"آپ فریش ہو جائیے۔ ناشتہ آ چکا ہے۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے جیسے اس لمحے حکم دیا۔ میرب سیال نے بہت ہولے سے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ کتنی بارعب شخصیت تھی۔ یقیناً کوئی مرد ہوتا تو بڑی زیادتی ہوئی۔

شاید اس نے اسی لئے میرب سیال کو چنا تھا۔

کمزور تھی وہ اس کی دانست میں۔ بے حد کمزور۔ سر جھکائے کھڑی خاموشی سے اس کے احکامات کر بنا من مانی کیے عمل کی مہر ثبت کرتی چلی جاتی تھی۔ کبھی کوئی اختلاف ہوا ہی نہیں تھا اسے محترم سبکتگین حیدر لغاری سے۔ موصوف کو کبھی انکار سننا پڑا ہی نہ تھا۔ شاید وہ جانتا تھا وہ کتنی کمزور تھی۔ کتنی بے بس۔

اور اس نے کیا بھی تو ایسا ہی تھا۔ کتنے مواقع تھے جہاں اس نے خود اپنے آپ کی نفی کی تھی۔ خود آپ کو جھٹلایا تھا۔ اور سردار سبکتگین حیدر لغاری کے احکامات کی پیروی کر کے دانستہ یا نادانستہ اس نام نہاد غرور و وقار کو تقویت دی تھی۔ یقیناً سردار سبکتگین حیدر لغاری کامیاب رہا تھا۔ اگر اس کی اسٹریٹجی تھی تو وہ صد فیصد نفع میں رہا تھا۔

"آپ جلدی سے ناشتہ کر لیجیے۔ پھر غالباً آپ کو ہسپتال بھی جانا ہے۔ کیسی طبیعت ہے اب مسز کی؟ مجھے ان کی طرف جانا تھا مگر اِن فورچونیٹلی ــــــ ایک ویز، آپ تیار ہو جائیے، ہم ساتھ چلیں گے۔" اس نے کسی قدر پُر افسوس انداز میں کہنے کے ساتھ ایک مزید اطلاع دی تھی۔ مگر وہ اطلاع میرب کے لیے قطعاً بھی خوش آئند نہ تھی۔ میرب سیال نے اپنے سامنے کھڑے تک سک سے تیار سردار حیدر لغاری کی سمت دیکھا تھا۔ پھر بہت ہولے سے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"نہیں ــــــ اس کی ضرورت نہیں۔" جواب کسی قدر غیر واضح تھا۔ شاید تبھی سردار سبکتگین دیکھ

اسے کسی قدر چونک کر دیکھا تھا۔ مگر دوسرے ہی پل شاید دانستہ اس لہجے، اس انداز کو یکسر نظر انداز کیے ہوئے گویا ہوا تھا۔

"بہرحال آپ۔ آپ کو ابھی میڈیسن بھی لینا ہیں۔ رات بھر فون آیا تھا۔ میں نے دانستہ مائی اماں کو آپ کی کیفیت کے متعلق نہیں بتایا ورنہ وہ شاید مزید پریشان ہو جاتیں۔"

میرب سیال بنا اس کی سمت دیکھے، بنا کوئی دھیان دیے کسی قدر ڈگمگاتے ہوئے انداز میں لب بھینچ کر جلدی سے اٹھی تھی۔ مگر تبھی آنکھوں کے سامنے یکدم اندھیرا سا چھا گیا تھا۔ غالباً اسے چکر آیا تھا۔ وہ گرنے والی تھی جب سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کسی قدر مستعد انداز میں آگے بڑھ کر اسے تھام لیا تھا۔

خوشبو کا ایک جھونکا اس کے نتھنوں میں گھسا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس لمحے اس کے کس قدر قریب تھا۔ قربت کس قدر تھی۔ مگر سب کس قدر سرسری تھا۔ دھڑکنیں کتنی اعتدال پر تھیں۔ کوئی رتی بھر بھی تو محسوس نہ ہوا تھا۔ قربتوں کا وہ احساس کس قدر سرسری تھا جیسے وہ قربت بس اس وقت کی سرسری ضرورت تھی اور بند آنکھوں کے ساتھ وہ اس فراخ سینے پر سر دھرے کتنی دیر گہرے گہرے سانس لیتی خود کو سنبھالنے کے جتن کرتی رہی تھی۔ کس قدر کمزور واقع ہوئی تھی وہ۔ مگر یہ کمزوری شاید جسمانی نہ تھی۔ روحانی طور پر ہرٹ ہوئی تھی۔ چوٹ اندرونی تھی۔ نہ نظر آنے والی۔ دکھائی نہ دینے والی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اسی طرح اس کے سامنے کھڑا رہا تھا۔ شاید وہ جانتا تھا، اس کی حالت ٹھیک نہ تھی۔

کتنے لمحوں تک وہ اسی طرح کھڑی رہی تھی۔ پھر اس کے مضبوط شانے پر ہاتھ دھر کے بہت آہستگی سے سر اٹھایا تھا۔ چہرہ پسینے سے تر بتر تھا۔

"آر یو او کے؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری کسی قدر متفکر ہوا تھا۔ میرب سیال نے بنا اس کی سمت نگاہ کیے سر اثبات میں ہلایا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے چہرے کو بغور دیکھا تھا۔ اس کے بہت ہولے سے اپنا ہاتھ ہٹاتی ہوئی وہ قدرے سنبھلتے ہوئے پیچھے ہٹی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے گرنے کے خدشے کے پیشِ نظر اس کا شانہ اب بھی اپنے مضبوط ہاتھوں سے تھام رکھا تھا۔

"میں ڈاکٹر کو بلا لیتا ہوں۔" بغور اس کے چہرے کو تکتے ہوئے کہا تھا۔

"نہیں۔ اس کی ضرورت نہیں۔" میرب سیال نے سر بہت ہولے سے نفی میں ہلایا۔ "میں اپنے روم میں جانا چاہتی ہوں۔" کہنے کے ساتھ ہی وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری سے قدرے دور ہٹی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے یقیناً سہارا دینا چاہا تھا مگر اس نے بہت آہستگی سے اس مضبوط ہاتھ کو پیچھے ہٹا دیا تھا۔

"اس کی ضرورت نہیں۔" کہنے کے ساتھ ہی وہ کسی قدر سست قدموں سے چلتی ہوئی آگے بڑھی تھی اور روم سے نکلتی چلی گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری خاموشی سے اس سمت دیکھ رہا تھا۔ چہرے پر کسی طرح کا کوئی تاثر نہ تھا۔ جیسے اس تمام کیفیت سے اس کا کوئی واسطہ رہا ہی نہ ہو۔ جیسے وہ اس معاملے سے مکمل طور پر لاتعلق ہو۔ یا پھر اس تمام صورت کے وقوع پذیر ہونے سے اسے کوئی فرق نہ پڑتا ہو۔ میرب سیال کے جانے سے بس

ہوا یہ تھا کہ اس نے چند ثانیوں تک اس جانب خاموشی سے تکا تھا۔ پھر شاید معمول کے ا
اسی طرح لب بھینچے پلٹنے والا تھا جب اس کے ڈسچٹ سیل پر رنگ ٹون بجی تھی۔
سبکتگین حیدر لغاری نے اسی بے تاثر انداز میں جیب سے موبائل نکال کر کان سے لگایا
"ہیلو ــــ مائی اماں! ــــ کیسی ہیں آپ؟" تاثرات یکدم تبدیل ہوئے تھے۔
"ٹھیک ہوں ــــ تم کیسے ہو بیٹا؟"
"ٹھیک ہوں مائی اماں!" وہ دھیمے سے مسکرایا تھا۔
"اور میری بہو ــــ وہ کیسی ہے؟ ــــ کہاں ہے وہ؟ میری بات کرواؤ اس سے۔"
"جی مائی اماں!" وہ مودب انداز میں بول کر ایک گہری سانس خارج کرتا ہوا آگے بڑھ
کان سے لگا لیا تھا۔
"تم اس کا خیال رکھ رہے ہو یا نہیں؟" مائی اماں اپنی بہو کے لئے بہت فکر مند تھیں۔
"جی مائی اماں!" اس کے پاس سوائے سر ہلانے کے اور کوئی چارہ نہ تھا جیسے۔
"اور تم نے اسے ہوٹل میں کیوں ٹھہرایا ہوا ہے؟ ــــ مین ہٹن والا گھر کس دن کام آ
تم لغاری خاندان کی بہو کو کہیں لے کر گئے ہو اور اس طرح غیروں کی طرح ہوٹل میں ہی ٹھہرا
رہی ہوگی وہ؟" مائی اماں کسی قدر خفگی سے ڈپٹ رہی تھیں۔ وہ چلتا ہوا میرب سیال کے کمر
تھا۔ دروازہ کھول کر اندر جھانکا تھا۔ وہ بیڈ پر نیم دراز تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس
قدمی کر دی تھی۔ وہ چونکی تھی۔ نگاہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت کی تھی۔ کسی قدر حیرت
مگر اس نے بہت رسانیت کے ساتھ اس کی سمت تکتے ہوئے فون بڑھا دیا تھا۔
"مائی اماں تم سے بات کرنا چاہتی ہیں۔" کہنے کے ساتھ ہی فون اس کے ہاتھ میں تھما
لمحے کی اپنی اہم ترین ذمے داری سے گویا سبکدوش ہو گیا تھا۔
میرب سیال نے فون ہاتھ میں لے کر چند ثانیوں تک خالی خالی آنکھوں سے خاموشی سے
حیدر لغاری کی سمت دیکھا تھا۔ اس گھڑی وہ اس کے چہرے سے دھیان پھیر چکا تھا۔ اور تب
نے فون کان سے لگا لیا تھا۔
"جی مائی اماں! ــــ ٹھیک ہوں ــــ آپ کیسی ہیں؟" آواز میں نقاہت بہت واضح
تبھی مائی اماں چونکی تھیں۔
"کیا ہوا تمہیں؟ ــــ طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟"
"جی مائی اماں! ــــ میں ٹھیک ہوں۔" اس نے باور کرانا چاہا تھا۔ مگر اپنے مدھم لہجے
لانے میں یکسر ناکام رہی تھی۔ آواز کی نقاہت بھرپور چغلی کھا رہی تھی۔
"بیٹا! ماں ہوں۔ مجھ سے ایسے بہانے نہیں چل سکتے۔ کیا ہوا ہے؟ ــــ سبکتگین نے
نہیں بتایا۔" وہ بے حد متفکر نظر آ رہی تھیں۔ میرب سیال کی نگاہ بلا ارادہ اس شخص کی سمت
اس لمحے اس کی سمت متوجہ نہ تھا۔ شاید یہ گریز دانستہ تھا۔ وہ اس لمحے جان بوجھ کر لاتعلق بنا

بی طرح تکی جو اب ہی نہ سے خوفزدہ تھا وہ۔ تمام معاملہ اس پر ڈال کر بری الذمہ ہونا چاہتا تھا۔
سردار سبکتگین حیدر لغاری سے نگاہ ہٹا کر کہنے لگی۔
"موسم کا اثر ہے مائی اماں!" بہانہ گھڑا تھا۔ مگر مائی اماں شاید مطمئن نہیں ہوئی تھیں۔
"فون دے تو اسے ــــ ابھی خبر لیتی ہوں۔ اس لئے تو ساتھ نہیں بھجوایا تھا کہ وہ تم سے مکمل طور پر
بے پروا اپنے کام نپٹاتا رہے۔"
"نہیں مائی اماں! غلطی ان کی نہیں ہے۔" پتہ نہیں کیسے ایک لمحے میں اس کی زبان سے پھسلا تھا۔
ز اس کا تو کوئی ارادہ نہ تھا اس شخص کو ڈیفنڈ کرنے کا۔ اس لمحے سردار سبکتگین حیدر لغاری کسی قدر
لئے ہوئے اس کی سمت تکنے لگا تھا اور وہ خود کتنی حیران ہوئی تھی۔ نادانستگی میں وہ اسے بچا گئی تھی۔
جس طرح وہ ہر طرح سے اس کے معاملات سے لاتعلق نظر آتا تھا، اس سب کو لے کر یہ ممکن تو نہ
ایسا ہوتا تو نہیں چاہئے۔ مگر وہ ایک اقدام سرزد ہو چکا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری پتہ نہیں کسی انکھ
انداز میں اس کی سمت دیکھ رہا تھا یا پھر ایسی کوئی کیفیت اس کی آنکھوں میں تھی ہی نہیں۔ شاید وہ معمول
طرح اس کی جانب متوجہ ہوا تھا اور رتی بھر بھی حیرت ان نگاہوں میں تھی ہی نہیں۔ جو بھی تھا میرب
اس لمحے اس کی جانب سے نگاہ پھیر کر مائی اماں سے مخاطب تھی۔
"بابا کی سرجری کامیاب رہی ہے ــــ میں آپ کو مطلع کرنے والی تھی مگر مصروفیت اس قدر رہی
.... "وہ کوئی وضاحت دیئے جا رہی تھی جب مائی اماں گویا ہوئی تھیں۔
"خدا انہیں زندگی دے۔ ہسپتال جاؤ تو میری جانب سے بطور خاص پوچھنا۔ سیال صاحب سے ہو
میری بات کروا بھی دینا۔"
"جی اچھا۔" میرب سیال کے لئے اس لمحے بولنا جیسے انتہائی مشکل ترین فعل تھا۔ کتنی مشقت کرنا پڑ
رہا ہے۔
سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت دیکھا تھا۔ جیسے اس لمحے میں اسے اس کی مشکل کا اندازہ ہوا
کہ ہاتھ بڑھا کر فون اس کے ہاتھ سے لے لیا تھا۔ مائی اماں اس کے کان کھینچنے لگی تھیں۔
"تم جب جاتے ہو تو ہمیشہ مین ہٹن میں قیام کرتے ہو۔ بہو ساتھ ہے تو ہوٹلوں میں خوار کر رہے
ہو۔ نحیف ہو رہی ہے اس کی آواز۔ ہوٹلوں میں گھر جیسا ماحول کہاں ملتا ہے۔ بیمار پڑوا دیا نا۔ یہ خیال
ہے تم کو اس کا؟" مائی اماں کا لہجہ بہو کی محبت میں چور تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے چہرے پر
مدھم سا تبسم ابھرا تھا۔ میرب سیال کو یقیناً علم نہ تھا کہ دوسری جانب مائی اماں کیا کہہ رہی ہیں مگر وہ
اس سپاٹ چہرے پر مسکراہٹ دیکھ کر چونکی ضرور تھی۔
"ــــ آئندہ ایسی کوئی کوتاہی نہیں ہوگی۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری اس لمحے سارا الزام
سر لیتا ہوا آئندہ کے متعلق تسلی دے رہا تھا۔
پیوست تھی۔ مدھم دھیمی مسکراہٹ تھی۔ میرب سیال کے اپنی جانب تکنے پر وہ اس کی جانب متوجہ ہوا
اور سلسلہ منقطع کرنے کے بعد باضابطہ اس کی جانب تکتے ہوئے مخاطب ہوا تھا۔ اس عرصے میں میرب

سپاٹ چہرے کا رخ پھیر چکی تھی۔

"کیا پروگرام ہے اب؟" وہ شاید آئندہ کے لائحہ عمل کے متعلق دریافت کر رہا تھا۔ میرب اپنے سامنے کھڑے شخص پر ایک نگاہ کی تھی اور پھر بہت ہولے سے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔ تبھی وہ ہوئے بولا تھا۔

"اوکے ــــــ یو کین ٹیک ریسٹ ناؤ۔ شام میں ہسپتال چلیں گے۔"

"نہیں ــــــ اس کی ضرورت نہیں۔ میں ہسپتال جانا چاہوں گی۔" کہنے کے ساتھ ہی وہ واش روم کی جانب بڑھ گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی سمت اسی طرح دیکھ رہا تھا جب وہ اس لمحے یکدم ہی پلٹی تھی۔

"میرے لئے آپ کو کسی طرح کا تردد کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں ہسپتال چلی جاؤں گی۔ کے راستے اجنبی نہیں ہیں میرے لئے۔ آپ اپنی روٹین کو ڈسٹرب مت کیجئے گا۔"

اپنے تمام معاملات سے ایک پل میں اسے الگ کرتی ہوئی وہ پلٹی تھی اور واش روم میں گھس گئی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس سمت تکتا رہ گیا تھا۔ پھر لب بھینچے پلٹا تھا اور دروازہ کھول کر نکلا تھا۔

کبھی کبھی کسی شے کے متعلق قیاس کرنا یا فرض کرنا بہت مشکل ہوتا ہے ــــــ احتمال اس بات کا بھی ہوتا ہے کہ کہیں فرض شدہ نتائج منفی اور لاحاصل نہ رہیں۔ یا پھر یہ بھی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ موجودہ صورت حال کو دیکھ کر جو بات آپ اخذ کر رہے ہوں درحقیقت ویسا کچھ بھی نہ ہو۔ کبھی کبھی نگاہ جو دیکھتی ہے اور اخذ کرتی ہے ویسا ہوتا نہیں ہے۔ شاید بات کچھ ایسی ہی پیچیدہ تھی یا پھر بہت سیدھی اور صاف۔

عفنان علی خان لیونگ روم میں دادا ابا کے ساتھ بہت خوشگوار موڈ میں چیس کھیلنے میں مصروف تھا۔ اب تقریباً یہ معمول بن چکا تھا۔ بات چونکا دینے والی نہیں تھی۔ شاید تبھی زینہ اترتی اناہیہ شاہ چونکی نہیں تھی۔ نہ تو اس کے چہرے یا آنکھوں میں کسی طرح کی کوئی حیرت بکھری تھی۔ البتہ عفنان علی خان نے لمحہ بھر کو نظر اٹھا کر اسے ضرور دیکھا تھا۔ اناہیہ شاہ پر رسم میزبانی جیسے فرض ہو گیا تھا۔ لبوں پر جیسی تیسی مسکراہٹ بڑی مشکل سے ابھری تھی۔ ایک رسمی انداز انجام دینا کسی قدر مشکل لگا تھا مگر اس کے لئے یہ فعل سرانجام دینا جیسے ناگزیر ہو گیا تھا۔

"آؤ اناہیہ بیٹا!" دادا ابا اسے دیکھتے ہوئے مسکرائے تھے۔ "بھئی تمہارا دوست تو بہت ماہر ہو گیا ہے۔ دیکھو، مجھے چاروں شانے چت کر دیا۔" دادا ابا، عفنان علی خان کو سراہتے ہوئے مسکرا رہے تھے۔

"آدمی کا جلیبیہ ہونا ضروری ہے۔ پرفیکٹ اور ماہر کھلاڑی بننے دیر نہیں لگتی دادا ابا! اور عفنان علی خان تو......" وہ بات ادھوری چھوڑ کر مسکرائی تھی۔ تب عفنان علی خان اس کی سمت بہ غور تکتا ہوا مسکرایا تھا۔

"آف کورس ــــــ آدمی کا کھلاڑی ہونا شرط ہے۔ اگر وہ کھلاڑی نہیں ہو گا تو سوچو کتنی نقصان والی بات ہو گی، ہے نا۔ کھلاڑی ہو گا تو اس میں اسپورٹس مین اسپرٹ بھی ہو گی۔ شہ اور مات کی فکر بھی ستائے گی۔ حوصلہ ٹوٹے گا تو بندھانے کی فکر بھی ہو گی۔ ہار کا ڈر ہو گا تو جیتنے کے لئے اقدامات بھی سوچنے پر مائل ہو گا۔ بہت اچھا اور کام کا پوائنٹ ڈس کور کیا تم نے اناہیہ شاہ! یعنی تم بھی نفع اور نقصان کے فلسفے سے واقف ہو۔"

کتنا ذو معنویت تھی ان جملوں میں۔ کتنے معنی نکلتے تھے ان مخفی باتوں کے۔ ان آنکھوں میں اس لمحے کوئی ناکہا بات تو تھی۔ لبوں کی دھیمی مسکراہٹ تو چغلی کھا رہی تھی۔

اناہیہ شاہ نے دادا ابا کی طرف دیکھا تھا پھر بہت دھیمے سے مسکراتے ہوئے شانے اچکا دیئے تھے۔ پھر مسکراتے ہوئے دادا ابا کی سمت دیکھا تھا۔

''آپ نے تو بہت طاق کر دیا محترم عفنان علی خان کو ـــــ شاگردی کام آ گئی۔'' وہ بھر پور انداز میں گویا متاثر ہوئی تھی۔ ''چلیں، ایک فائدہ تو ہوا۔ لامعہ حق کو اب یقیناً کوئی گلہ نہیں رہے گا۔ مگر اب یہ علم ہوگا تو یقیناً اسے خوشی ہوگی کہ محترم عفنان علی خان کی ذہنی صلاحیتوں میں کئی گنا اضافہ ہو چکا ہے نہ صرف یہ بلکہ وہ بہت سے علوم سے واقفیت بھی پا گئے ہیں۔ کئی بھیدوں سے آشنائی ہو گئی ہے ان کی خاص ہاتھ آ گیا ہے ان کے۔'' انداز بہت شگفتہ تھا... وہ یقیناً بہت محظوظ ہو رہی تھی۔

عفنان علی خان نے دادا ابا کی سمت مسکراتے ہوئے نگاہ کی تھی۔ ہونہار پوتی کے پٹر پٹر بولنے پر وہ بہت محظوظ ہو رہے تھے۔ شاید ایسی فصاحت، ایسی بلاغت اسے ان ہی محترم سے ورثے میں ملی تھی۔

''ٹھیک ہے۔ تم نے ایک دم بجا فرمایا۔ یہ سارے وصف تم سے ملنے کے بعد ہی ہاتھ لگے میرے۔ سارے ڈھنگ تم سے ملنے کے بعد ہی سمجھ آئے ہیں۔ اس آگاہی کا سارا کریڈٹ تمہارے نام جاتا ہے انابیہ شاہ! تم نے ہی تو ملوا دیا تھا دادا ابا سے مجھے۔ تم مجھ سے نہ ملتیں تو کیسے جان پاتا میں ساری حقیقتیں۔ کیسے منکشف ہوتے مجھ پر ایسے انوکھے وصف، کتنے رازوں سے آشنائی ہوتی نہ پاتی، کتنی باتوں سے نا آشنا رہتی۔ تم نے تو میری آنکھ کو ضیاء دی ہے۔ روشنی بخشی ہے۔ یہ رمز آشنائی یہ اعظم تمہارے سبب ہی تو ہاتھ لگا ہے میرے۔ کیسے فراموش کر دوں، کیسے کہہ دوں کہ یہ غلط ہے۔ کیسے جھٹلا سکتا ہیں۔'' کتنی روشنی بھر گئی تھی اس لمحے ان مجبوری آنکھوں میں۔ کوئی خاص رنگ تھا، کوئی کیفیت تھی۔ وہ مسکرا رہا تھا۔

''رنگیلے دادا ابا! میں آپ سے نہ ملتا تو شاید وہ سب کچھ نہ جان پاتا جو آپ سے ملنے کے بعد جانا۔ کتنے تجربات بولتے ہیں آپ کی باتوں میں۔ کتنی مختصر نشستیں رہیں آپ کے ساتھ۔ مگر محبت کے رنگ اتنے سچے ہوں تو بہت گاڑھے چڑھتے ہیں۔ آپ کی مختصر ترین ملاقاتوں میں بھی مجھے سیکھنے اور جاننے کا بہت زیادہ موقع ملا۔'' وہ دادا ابا کو سراہتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔ شعبدہ باز تھا کوئی۔ مہارت اس کا وصف تھی یا پل میں سارے رنگوں کو اپنے رنگ میں رنگنا جیسے وتیرہ تھا اس کا۔ دادا ابا اس کے شانے کو تھپتھپاتے ہوئے جوابی کلمات کہتے ہوئے جہاں مسکرا رہے تھے وہیں انابیہ شاہ ساکت نظروں سے اس کی سمت دیکھ رہی تھی۔ یقیناً وہ ایک ماہر کھلاڑی تھا۔ کتنا مسرور دکھائی دے رہا تھا وہ۔ اس لمحے انابیہ شاہ کی سمت تکتی نگاہوں میں چمک کچھ اور بھی سوا ہو گئی تھی۔ وہ مسکراہٹ پہلے سے بھی زیادہ دلکش ہو گئی تھی۔ کتنے اسرار بول رہے تھے ان آنکھوں میں۔ انابیہ شاہ فوراً ہی چہرہ پھیر گئی تھی۔

''دادا ابا! مجھے پارک ٹاور جانا ہے۔ گاڑی کب تک آئے گی؟'' وہ اس لمحے یکسر موضوع بدلتے ہوئے دادا ابا سے مخاطب تھی۔ وہ ایک لمحہ بہت لاتعلقی کا تھا۔ عفنان علی خان نے اس چہرے کو بغور دیکھا تھا۔ آنکھیں اس لمحے اس کے وجود سے یکسر لاتعلق نظر آنے کی کوشش کر رہی تھیں اور یہ گریز یقیناً دانستہ تھا۔

''بیٹا! ایک گاڑی تو ورکشاپ میں ہے اور دوسری تمہاری بابا لے گئی ہیں ـــــ تم انتظار کر لو۔ شاہ آتی ہوں۔'' دادا ابا نے کہتے ہوئے اپنی رسٹ واچ دیکھی تھی۔

انابیہ شاہ کی آنکھوں کی الجھن جیسے بڑھ گئی تھی۔ کتنی کوفت سے لب بھینچے تھے اس نے۔ تبھی دادا ابا نے عفنان علی خان کی سمت دیکھا تھا۔

''تم عفنان کے ساتھ چلی جاؤ ـــــ کیوں بیٹا! کوئی مسئلہ تو نہیں ہوگا نا؟''

''ارے نہیں دادا ابا!'' عفنان علی خان مسکرایا تھا۔

انابیہ شاہ نے اپنے سامنے موجود شخص کی جانب دیکھا تھا۔ دادا ابا کی اجازت کے بغیر اس کے لئے کسی طرح کا تعرض برتنا جیسے ناممکن ہو گیا تھا۔ اس کے پاس کوئی چارہ نہ تھا سوائے اس لمحے عفنان علی خان کے ہمراہ ہونے کے۔ بہت خاموشی کے ساتھ عفنان علی خان کی سمت تکتے ہوئے اس نے قدم آگے بڑھائے تھے۔ عفنان علی خان کے لبوں پر بڑی دلفریب مسکراہٹ ابھری تھی۔

''شکریہ۔'' بہت مودب انداز میں وہ جھک کر مدھم انداز میں گویا ہوا تھا۔ انابیہ شاہ نے قدم اٹھاتے ہوئے اس کی سمت دیکھا تھا۔

''کس بات کا شکریہ؟''

''میرے ساتھ آنے کے لئے ـــــ یہ اعتبار سونپنے کے لئے۔ جانتی ہیں دوستی میں اعتبار کی بہت اہمیت ہوتی ہے۔ پہلی اینٹ کہلاتا ہے یہ۔''

انابیہ شاہ نے گاڑی کا ڈور کھولتے ہوئے کسی قدر حیرت سے اس کی سمت دیکھا تھا۔ پھر اسی قدر روڈ انداز میں گویا ہوئی تھی۔

''کون سی دنیا میں رہتے ہیں آپ محترم عفنان علی خان؟ ـــــ ایسا کچھ نہیں ہے جیسا آپ اخذ کر رہے ہیں۔'' لہجہ اور انداز کسی قدر لاتعلق تھا۔ مگر اس کے ہم قدم چلتا ہوا شخص بہت طمانیت سے مسکرا دیا تھا۔ انابیہ شاہ خاموشی سے گاڑی کا دروازہ کھول کر فرنٹ سیٹ پر بیٹھی تھی۔

''ناراض ہیں اب تک؟ ـــــ خفگی ختم نہیں ہوئی اس دن والی؟ حالانکہ میں نے آپ کا نقصان حتیٰ الامکان حد تک پورا کرنے کی کوشش بھی کی تھی۔''

انابیہ شاہ نے اس کی سمت اک نگاہ کی تھی، پھر لب بھینچ کر بہت دھیمے سے مسکرائی تھی۔

''لامعہ حق کے لئے زندگی کسی امتحان سے کم نہ ہوگی۔ میری سیم پیتھی ابھی سے اس کے ساتھ ہے۔''

''مگر آسانیاں تلاش کرنے والے کسی قدر بزدل واقع ہوتے ہیں۔ راہ متبادل تلاشنا اور راہ بدل لینا وہ کمزور حفاظتی تدبیریں ہیں۔ تمہیں نہیں لگتا بزدلی، کم ہمتی کی نشانی ہے اور کم ہمتی کوئی قابل ستائش عمل نہیں۔'' جواباً عفنان علی خان نے جانے کیا باور کرانا چاہا تھا۔ آنکھوں کی چمک کسی خاص بات کی نشاندہی کر رہی تھی۔ مگر وہ اس کی سمت سے نگاہ کا زاویہ پھیر گئی تھی۔ وہ اس سے بہت انتہا پسندی والا کوئی رویہ روا نہیں رکھنا چاہتی تھی۔ رشتے یا تعلق کی کوئی سمت بھی متعین کرنا نہیں چاہتی تھی۔ نہ ہی دوستی نہ ہی حد درجہ اجنبیت نہ بہت زیادہ لگاوٹ نہ ہی بیزاری۔ وہ اس شخص کے معاملے میں اعتدال پر رہنا چاہتی تھی۔ مگر وہ جانے کیوں ایک لمحے میں صدیاں پھلانگنا چاہتا تھا۔ شاید اس کا مزاج ہی ایسا تھا۔

یہ دوستانہ مزاج، یہ بے تکلفانہ رنگ، شاید یہ اس کا وصف تھا۔ مگر انابیہ شاہ کی اپنی حد بندیاں تھیں ممکن نہ تو خود کراس کر لیتی تھی نہ ہی کسی اور کو ایسے اقدامات کرتے دیکھ کر سراہ سکتی تھی۔ شاید اسی لئے

عفنان علی خان اس کے لئے کسی قدر ناقابل برداشت تھا۔ مگر وہ اس کا باضابطہ اظہار کرنا نہیں چاہتی وہ لامعہ حق کے اور اپنے تعلق کے متعلق آگاہ تھی اور عفنان علی خان کے متعلق بھی آگاہ تھی۔ سوچ تو تھی مگر یہ اس کا مزاج تھا... وہ اذل اذل کی دوستی کو لے کر بہت جلد بے تکلفی برتنے والوں میں سے نہ

"آپ سوچتی بہت ہیں۔" ونڈ اسکرین سے نگاہ ہٹا کر وہ اس کی سمت متوجہ ہوا تھا اور انابیہ شاہ ہوئے اس شخص کی سمت تکنے لگی تھی۔

"خاموشی ایک بات کی بہت واضح اور ٹھوس دلیل ہے۔ ایک تو یہ کہ آپ بہت سنجیدہ ہیں اور گزارنے سے متعلق بہت مدلل نقطہ نظر رکھتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ آپ فقط امپریشن قائم کرنا چاہ رہے کہ لوگ آپ کو سنجیدہ اور بردبار جانیں۔ دوسرے معنوں میں عقل مند۔" وہ بہت شگفتہ انداز میں ہوئے مسکرا رہا تھا۔ انابیہ شاہ کے لبوں پر بہت ہولے سے مسکراہٹ پھیلی تھی۔

"ویٹس گریٹ۔ میں جانتا ہوں آپ ماشاء اللہ سے خاصی ذہین وفطین واقع ہوئی ہیں۔ بات نہ تو اسے جتانے کی سعی قطعاً نہیں کرنا چاہئے۔ مد مقابل شخص کو خواہ مخواہ شرمندہ کرنے والی بات ہوتی ہے بہت خوش گوار انداز میں کہتے ہوئے وہ مسکرا رہا تھا۔ انابیہ شاہ لب بھینچ گئی تھی۔ پھر کسی قدر نرم لہجے میں ہوئی تھی۔

"اور جو لوگ بہت زیادہ بولتے ہیں ان کے متعلق کیا خیال ہے آپ کا؟"

"خاصے اچھے ہوتے ہیں۔ کم از کم اتنے پیچیدہ واقع نہیں ہوتے کہ انہیں شماریات کا کوئی سوال دے دیا جائے۔"

"میں شماریات کا کوئی سوال ہوں؟" انابیہ شاہ نے اس رائے زنی پر کسی قدر حیرت کا اظہار کیا۔ عفنان علی خان نے اس کی سمت دیکھا تھا۔

"دقیق چیزیں کبھی کبھار بہت لطف دیتی ہیں۔ لگن اور شوق اور بھی سوا ہو جاتا ہے۔"

"لامعہ بہت سادہ ہے ــــــ بہت سادہ چیزیں اچھی لگتی ہیں اسے۔" پتہ نہیں کیا جتانے کی کوشش تھی۔ وہ بھرپور انداز میں ہنسا تھا۔

"اور مجھے مشکل اور دقیق۔ میرا مزاج اس قدر سادہ نہیں ہے مگر مجھے سادگی اچھی لگتی ہے۔" اس چہرے کو بغور تکتا تھا۔ لبوں پر بہت گہری مسکراہٹ تھی۔ "جو دلکشی اور رعنائی ان سادہ چہروں میں ہوتی بعض اوقات بہت دلکش اور پُر آرائش چہروں میں بھی نہیں ہوتی۔ کوئی جادو سی بات ہوتی ہے ان جادو چہروں پہ۔ دل خود بہ خود کھنچنے لگتا ہے ان کی جانب۔ بندہ بے اختیار رہ ہی نہیں پاتا خود پر۔"

مدھم لہجے میں کہتا ہوا وہ جانے کیا باور کرانے کی کوشش کر رہا تھا۔ انابیہ شاہ کچھ سمجھ نہ سکی تھی۔ ہاں مگر یہ ضرور جانتی تھی کہ لامعہ حق بہت دلکش تھی۔ آرائش و زیبائش کرنا، بننا سنورنا اسے بہت اچھا لگتا تھا۔

"مجھے پہیلی سی لڑکیاں اچھی لگتی ہیں انابیہ شاہ! ساکت، وسیع اور سبک، کچھ گہری، کچھ مخفی سی، کبھی شوخ رنگوں میں بجتی ہوئی، کبھی خود سے بھی انجانی۔ کبھی اتنی پُرسکون، اتنی ساکت کہ سوئی بھی گرے تو آواز آہٹ سے جان میں اک قیامت مچ جائے۔ اور کبھی اتنی پُرہلچل کہ اک جہاں میں اضطرابیت بھر جائے

اتنی خاموش، اتنی چپ کہ بہت سے رازوں سے واقفیت کے لئے دل مائل ہوں۔ اور کبھی اتنی پُرشور اس کی آنکھوں سے گونجنے لگیں۔ سارا وجود اس کے مدھر شور سے بھر جائے۔"

کتنا مبہم تھا اس کا لہجہ۔ کتنے گہرے انکشافات تھے۔ وہ کیوں کہہ رہا تھا ایسا سب کچھ۔ کیوں الو رہا تھا۔ کیا جاننا مقصود تھا اسے۔ کن رازوں سے واقفیت چاہتا تھا وہ، یا پھر کن باتوں سے روشناس کرانا چاہتا تھا وہ! کیا جتانا چاہتا تھا؟ کیا مقصود تھا اسے اس گھڑی۔

اک دوست سے، اک دوست کی معمولی سی نوعیت کی کوئی بات؟

کیا واقعی وہ اس سے اپنے اندر کی کوئی بات شیئر کر رہا تھا؟ کیا واقعی وہ کوئی دوست ڈھونڈ رہا تھا اس کوئی ایسی ہی روایت درکار تھی جسے رسم آشنائی کہا جاتا ہے، دوستی کہا جاتا ہے۔

"تم شاید مجھے سمجھ نہیں پا رہیں انابیہ شاہ! اور شاید یہ تمہارے لئے آسان بھی نہیں۔ دو چار ملاقاتوں میں کل ہی کتنا پاتا ہے۔ کوئی کسی کو جان ہی کتنا پاتا ہے۔ مگر میں دعویٰ کرتا ہوں کہ میں نے تمہیں سمجھنے میں کوئی غلطی نہیں کی۔" وہ اس پر نگاہ کرتا ہوا کسی قدر سنجیدہ انداز میں گویا ہوا تھا۔

"ایسا نہیں ہے کہ لڑکیوں سے کبھی میرا سابقہ نہ رہا ہو۔ مگر انابیہ شاہ! مجھے کسی نے کبھی اس طور سے متاثر نہیں کیا۔ جانے کیوں دل چاہتا ہے کہ تمہیں وہ سب کچھ کہوں جو میں کہنا چاہتا ہوں۔ جو میرے دل میں ہے اور جو کوئی نہیں جانتا۔" بہت مدھم لہجے میں وہ گویا تھا۔ کیا کہنے جا رہا تھا وہ؟ کیا کہنے کے لئے تمہید باندھ رہا تھا؟

"کیا تم لامعہ حق کو......" جانے کیا سوچ کر اس کے لبوں پر ایک خدشہ ابھرا تھا۔ وہ چونکا تھا، پھر مسکرا دیا تھا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے انابیہ شاہ؟"

"پتہ نہیں ـــــ لیکن مجھے اپنی دوست بہت عزیز ہے۔" اس کے لہجے میں دوستی کی حاجت کو محسوس کرتے ہوئے اس نے اس کی بات سن تو لی تھی مگر اس کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ اپنی دوست لامعہ حق کے بارے میں اتنا سیدھا سوچتی۔ شاید تبھی وہ کسی قدر الجھے ہوئے انداز میں اس کی سمت تکتی ہوئی سرخی میں ڈوب گئی تھی۔

"عفنان علی خان! کچھ مت کہنا۔ کم از کم میں اپنی دوست کے متعلق کوئی فضول بات نہیں سنوں گی۔ اگر کہنا ہے تو تم یہ بات اس کے منہ پر جا کر کہو۔ مجھ سے ہرگز نہیں۔"

وہ یکدم ہنس دیا تھا۔

"تم سے کس نے کہا کہ میں لامعہ حق کی کوئی خامی گنوانے والا ہوں؟ بائے دی وے، کیا کوئی خامی ہے اس میں؟" وہ کسی قدر بھولپن سے مخاطب تھا۔ انابیہ شاہ کی سمجھ میں نہ آیا تھا کہ وہ اس لمحے کس طرح کا اظہار کرے۔ شاید تبھی وہ خاموشی سے اسے تکتی رہی تھی...

"لامعہ سے بہت گہری انسیت ہے نا ـــــ بہت محبت کرتی ہو اس سے؟"

"اس میں کوئی شک نہیں۔ ہم واقعی اچھی دوست ہیں۔" انابیہ شاہ نے باور کرایا تھا۔

”اور میں۔“

انابیہ شاہ خاموشی سے تکتی رہی تھی۔ تبھی وہ مسکراتے ہوئے اس کی جانب متوجہ ہوا تھا۔

”مجھے جھیل سی لڑکیاں اچھی لگتی ہیں انابیہ شاہ! اور تم......“ جملہ ادھورا چھوڑ کر اس نے پارکنگ کے سامنے گاڑی روک دی تھی اور دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

”لامعہ حق تم جیسی نہیں ہے انابیہ شاہ!“ مدھم لہجے میں کہتے ہوئے سر بہت ہولے سے نفی میں ہلایا تھا۔ انداز کسی قدر پُر افسوس تھا۔ انابیہ شاہ تکتی ساکت سی تکتی گئی تھی اسے۔ پھر یکدم ہی جیسے ہوش آیا اور دروازہ کھول کر باہر نکل کر کتنی سرعت سے چلتی ہوئی وہ آنکھوں سے اوجھل ہوئی تھی۔ شاید یہ دانستہ تھا۔ اس نے جان بوجھ کر ایسا کیا تھا۔

’لامعہ حق تم جیسی نہیں ہے انابیہ شاہ!‘ مدھم سرگوشی کسی قدر اُلجھی ہوئی تھی۔ کتنی مبہم بات تھی۔ کوئی اشارہ نہ تھا۔ مگر اس کے اندر ایک لمحے میں جیسے ایک تغیر واقع ہوا تھا۔

شاید...... شاید اس لئے کہ عفنان علی خان نے لامعہ حق کو اس کے سامنے رد کیا تھا۔ اسے تھا۔

’مجھے جھیل سی لڑکیاں اچھی لگتی ہیں انابیہ شاہ! اور تم......‘ ادھورے فقرے نے کتنی دیر تک اندر اپنی بازگشت بنائے رکھی تھی۔

’لامعہ حق تم جیسی نہیں ہے انابیہ شاہ!‘

کیا جتانا مقصود تھا اسے؟ کیا واضح کرنا چاہتا تھا وہ؟ ——— اور پھر وہ اسے لامعہ حق سے کیوں ملا رہا تھا؟ ——— یہ موازنہ کس لئے تھا؟ اور ان دوستوں کے مابین ہی کیوں تھا؟

کیا یہ فقط رائے زنی تھی؟

اک عام سا تجزیہ یا پھر......

انابیہ شاہ کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا۔ مگر یہ ضرور تھا کہ عفنان علی خان کی اُلجھی ہوئی باتوں نے بہت اُلجھا سا دیا تھا۔ بہت عجیب شخص تھا وہ۔ بہت عجیب باتیں تھیں اس کی۔ انابیہ اب تک اسے تھی۔ لامعہ حق کی کیفیت جانے کیا تھی؟

❀❀❀

ساحیہ خان زینہ اتر رہی تھی جب اسے اذہان حسن بخاری، عزیر کے ساتھ کھڑا نظر آیا۔ دلفریب مسکراہٹ اس کے لبوں کا احاطہ کر گئی تھی۔ بہت ہولے سے وہ اس کی سمت بڑھی تھی۔

”اے ساحیہ! کہاں جا رہی ہو تم؟“ عزیر نے اس کی سمت دیکھا تھا تو فوراً پکارا تھا۔

وہ مسکراتی ہوئی اس کے مقابل آن رکی تھی۔ اذہان حسن بخاری اس جانب متوجہ ہوا تھا۔ ظاہری طور پر کوئی تاثر نہ اُبھرا تھا۔ تبھی عزیر نے مسکراتے ہوئے ساحیہ خان کی سمت دیکھا تھا۔

”جانتے ہو اذہان! کون ہے یہ؟“

سید اذہان حسن بخاری نے اس چمکتی آنکھوں والی لڑکی کی سمت نگاہ کی تھی جو اس لمحے بڑی مسکرا رہی تھی۔ آنکھوں میں ایک عجب شرارت ٹھہری ہوئی تھی۔ شاید یہ اس کے مزاج کا خاصہ تھی یا پھر اس کی آنکھوں کا رنگ ہی ایسا تھا۔ یقیناً یہ چہرہ، یہ خدوخال نئے نہ تھے اس کے لئے۔ غالباً اجنبی تو قطعاً نہ تھے۔ وہ پہلے بھی اس چہرے کو دیکھ چکا تھا اور تب اس لمحے ان آنکھوں میں ایسی ہی شرارت رکی ہوئی تھی۔ شاید یہ شوخی، یہ شرارت اس کے مزاج کا حصہ تھی۔ اذہان حسن بخاری نے خاموشی سے اس چہرے کی سمت دیکھا تھا جب عزیر مسکراتا ہوا بولا تھا۔

”تمہیں یاد ہے، ایک لڑکی بڑی شرارتی ہوا کرتی تھی۔ نچلا بیٹھنا اسے آتا ہی نہ تھا۔ مگر اس کی زیادہ تر شرارتوں کا نشانہ تم ہی بنا کرتے تھے۔ یاد ہے ایک بار جب بیس بال کا میچ ہماری ٹیم جیت گئی تھی تو اس نے ہوا بائٹ فور ٹیبٹ کے مقولے پر عمل پیرا ہوتے ہوئے تمہاری پالتو بلی کو عین سردی کے موسم میں نہلا دیا تھا۔ اور وہ تمہارے چھوٹے چھوٹے معصوم سے ٹرٹلز جو اسے انتہائی کمزور و نحیف نظر آتے تھے انہیں صحت عامہ کے زریں اصولوں پر عمل پیرا ہوتے ہوئے واک شاک کرانے کی غرض سے ایکوریم میں سے نکال کر تپتی دھوپ میں تپتے ہوئے فرش پر چھوڑ دیا تھا۔ تاکہ ان کی صحت اچھی ہو جائے۔“ عزیر نے مسکراتے ہوئے یقین دلایا تھا۔ اذہان حسن بخاری نے کسی قدر دلچسپی سے اپنے سامنے موجود لڑکی کو بغور دیکھا تھا۔

”آں، ہاں ——— تو یہ ہے میری دشمن اعظم۔ وہ چوہیا۔“ ایک دلفریب مسکراہٹ نے اس کے چہرے کا احاطہ کیا تھا۔ سامنے کھڑی ساحیہ خان کھلکھلا کر ہنستی چلی گئی تھی۔

”ایکسکیوز می۔ اب وہ چوہیا نہیں رہی۔ ہاں، مجھے کچھ یاد ضرور آ رہا ہے کہ میں کسی بابا بلیک شیپ سے ضرور کہیں ملی ہوں۔“ اس کی آنکھوں میں وہی شرارت تھی۔ پاپا بچپن میں اسے بابا کہہ کر بلاتے تھے اور وہ شرارت سے اسے بابا بلیک شیپ بنا دیتی تھی۔ اذہان حسن بخاری ہنس دیا تھا۔

”ٹرٹلز کو چہل قدمی کروانے کا شوق ابھی بھی اسی وجہ سے ہے کہ کچھ کمی ہوئی ہے؟“ کسی قدر شگفتگی سے مسکراتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ ساحیہ خان ہنس دی تھی۔ عزیر انہیں ملوانے کے بعد وہاں سے ہٹ گیا تھا۔

”وقت کے ساتھ کبھی کبھی بہت کچھ پیچھے چھوٹ جایا کرتا ہے۔ مگر مجھے یقین ہے تم اب بھی بلی کے پھولے چھوٹے بچوں کو ابا کے بڑے سے جوتے میں سلاتے ہو گے۔“

اذہان حسن بخاری کا قہقہہ بہت بے ساختہ تھا۔

”حیرت ہے ——— تم نے مجھے اس رات پہچانا نہیں۔“ ساحیہ نے شکوہ کیا تھا۔ تبھی اذہان حسن بخاری اسے بغور تکتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

”شاید تم بہت بدل گئی ہو۔ یا شاید میں بہت بدل گیا ہوں۔ شاید ہم دونوں بہت بدل گئے ہیں۔“

”شاید ——— مگر تم جانتے ہو میری یادداشت بہت اچھی ہے۔“ وہ مسکرا رہی تھی۔

”اچھا۔“ وہ چونکا تھا۔ ”تو اس رات تم نے مجھے پہچان لیا تھا؟“

”شاید۔“ انداز کسی قدر شرارت سے پُر تھا۔

اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

"تمہیں پہچاننا کوئی مشکل کام نہ تھا۔ میں دور سے دیکھ کر ہی جان گئی تھی۔ یہ بچہ سا معصوم افلاطون نظر آنے کی کوشش کر رہے ہیں یہ یقیناً اذہان حسن بخاری ہی ہیں۔" اس کے انکشاف پر [illegible] حسن بخاری ہنس دیا تھا۔

"تم اب بھی اسی طرح بے تکان بولتی ہو۔ حیرت ہے، میں نے اس رات تمہیں سن کر بھی کیوں [illegible] پہچانا۔ حالانکہ وہ لڑکی دنیا میں واحد ہو سکتی ہے جو بلا بادن کی طرح تابڑ توڑ حملے کرنے میں اپنا ثانی [illegible] رکھتی۔"

ساحیہ خان کھلکھلا کر ہنستی چلی گئی تھی۔ اذہان حسن بخاری اس کی سمت بغور دیکھ رہا تھا۔ یقیناً [illegible] والی شباہتوں سے کہیں زیادہ بدل چکی تھی۔

"کب لوٹی ہو کیلگری سے؟" اذہان حسن بخاری نے دریافت کیا تھا۔

"دو چار روز قبل ہی۔ بلال چاچو کی شادی تھی۔ کیسے نہ آتی۔"

"کیلگری میں سب کیسا چل رہا ہے؟ ـــــ کیا کر رہی ہو تم وہاں؟ شادی وادی تو نہ کر لی.....؟" [illegible] حسن بخاری نے مسکراتے ہوئے جملہ غالباً جان بوجھ کر ادھورا چھوڑ دیا تھا۔ وہ ہنس دی تھی۔

"اب تک اتنے ہی منہ پھٹ ہو، اتنا بھی نہیں جانتے لڑکیوں سے ایسے بے تکے سوالات پوچھے نہیں پوچھ لیے جاتے۔" ساحیہ خان نے اسے جتایا تھا۔

اذہان حسن بخاری ہنس دیا تھا۔

"پوچھوں گا نہیں تو علم کیسے ہوگا؟ ویسے اتنے سالوں میں تم نے پلٹ کر خبر ہی نہیں لی۔ اتنی خفا تھیں ہم سے؟" بغور تکتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

"غالباً نہیں۔ بس مصروفیت کچھ زیادہ ہو گئی تھی۔ وقت ہی نہیں ملا۔" ساحیہ نے شانے اچکاتے ہوئے کسی قدر بے فکری سے کہا تھا۔

"تم کب سے وقت کی پابند ہو گئیں؟ تمہیں تو وقت سے غالباً آگے بھاگنا اچھا لگتا تھا۔ بھول گئیں اکثر تم گھر کے لیے دیا جانے والا ہوم ورک وہیں سکول کی لائبریری میں بیٹھ کر سرانجام دے لیا کرتی تھیں۔"

"ہاں ـــــ اور تم ہوم ورک کے بغیر بڑی بے فکری کے ساتھ باسکٹ بال کھیلتے رہتے تھے۔ کتنا [illegible] مذاق کرتے تھے۔"

"اور تم کتنی پڑھاکو تھیں۔" اذہان حسن بخاری کو کہتے ہوئے یکدم یاد آیا تھا۔ تبھی اس نے لمحہ بھر [illegible] ہوئے اس کی جانب دیکھا تھا۔ نظروں میں کسی قدر شرارت آن رکی تھی۔

"وہ تمہارا موٹا سا چشمہ کہاں گیا؟ وہ تو غالباً تمہاری ذہانت کو پروف کرنے کے لیے اہم ترین ثبوت تھا۔ یاد ہے، جب ہم ایک بار باغ میں امرود توڑ کر بھاگ رہے تھے تو ہم سب دھر لیے گئے تھے۔ باوجود تمہارے۔ اور جانتی ہو وجہ کیا تھی؟ یقیناً تمہارا وہ بقراطی چشمہ۔ انکل نعمان کو لگا تھا کہ تم اتنی ذہین [illegible] اتنی ویسی کوئی شرارت کر ہی نہیں سکتیں۔" وہ بڑی دلچسپی سے اس کی سمت تکتا ہوا مسکرا رہا تھا۔

ساحیہ ہنس دی تھی۔

"بچپن کے دن شاید بہت اچھے ہوتے ہیں ـــــ کیا کر رہے ہو آج کل؟ سنا ہے بڑے ذمے دار ہو گئے ہو۔ بزنس سنبھال لیا ہے۔"

"ہوں۔"

"اور بال بچے؟" کسی قدر شرارت سے مسکراتے ہوئے اذہان حسن بخاری کی سمت دیکھا تھا۔

"بال بچے؟" وہ لمحہ بھر میں چونکا تھا۔ پھر اس کی آنکھوں کی شرارت تکتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

"اپنے پوتے کے لیے لڑکی تلاش کر رہا ہوں۔ اگلے برس تک شادی بھی کر دوں گا۔ ویسے تمہاری نظر میں اچھی لڑکی ہو تو بتاؤ۔" وہ زیر لب مسکراتا ہوا بولا تھا۔

ساحیہ نے لب بھینچ کر اسے مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔ پھر دونوں یکدم کھلکھلا کر ہنستے چلے گئے تھے۔ دو دوست عرصہ دراز بعد ملے تھے۔ کرنے کے لیے بہت سی باتیں تھیں۔ وہ ارد گرد کے ماحول سے بے پروا بہت مگن انداز میں گفتگو کر رہے تھے۔ جب اگیتے وہاں آئی تھی۔

"ہاں لے دونوں دوست؟ ـــــ کیا ساری جمع شدہ باتیں آج ہی کر لینے کا پروگرام ہے؟" [illegible]تے ہوئے ان دونوں کی سمت دیکھا تھا۔

"بھابھی! آپ نے دعویٰ کیا تھا نا کہ میں اذہان کو پہچان نہیں پاؤں گی؟" ساحیہ نے کہا۔

"ہاں ـــــ مگر میں جانتی ہوں وہ دعویٰ اب رد ہو چکا ہے۔" اگیتے پُر افسوس انداز میں کہتی ہوئی لگی تھی۔ اذہان حسن بخاری نے اگیتے کی سمت بغور دیکھا تھا۔

"اگیتے! آپ بھی شامل تھیں اس سارے کھیل میں؟ ـــــ بائی گاڈ، مجھے آپ سے ایسی توقع نہیں [illegible]۔" اذہان حسن بخاری نے مسکراتے ہوئے شکوہ کیا تھا۔

"مجھے کچھ زیادہ علم نہیں۔ ہاں، عزیزہ سے تم اس بابت دریافت کر سکتے ہو۔" اگیتے نے قطعاً لاعلمی کا [illegible] کیا تھا۔

"کچھ زیادہ تو نہیں کیا۔ بس لائبریری تو مانگا تھا۔ اور تم، کتنی ثقیل گفتگو فرما رہے تھے۔ یہ بڑے بڑے [illegible] بالکل دادا ابا لگ رہے تھے۔ جواباً کیسی مشکل ہوئی تھی مجھے بھاری بھاری لفظ ڈھونڈنے [illegible]" ساحیہ مسکرائی تھی۔ اذہان حسن بخاری بھی ہنس دیا تھا۔

"اچھا اب چلو، وہاں بلال کی رسم ہونے جا رہی ہے۔ تم لوگ اپنی یہ ساری باتیں بعد میں کر لینا۔" [illegible] ہوئے اذہان حسن بخاری کو دھکیلا تھا۔ اذہان حسن بخاری نے ایک نگاہ کی تھی اگیتے پر [illegible] کیا تھا۔

"بھابھی! آپ کے لیے بہت اہم موقع ہے یہ غالباً۔" اذہان حسن بخاری نے چلتے ہوئے اگیتے کی [illegible] کہا تھا۔

"کس لیے؟" اگیتے قدرے حیران ہوئی تھی۔

"سب [illegible] اہم مشن کو سرانجام دینے کے لیے۔" وہ مسکرا رہا تھا۔

''مشن اسپاسبل؟'' ایلینے بھڑکی تھی۔ اذہان حسن بخاری بہت دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

''سنا ہے شادیوں میں لڑکیوں کی بڑی بھرمار ہوتی ہے۔ اور ایسے میں کئی مینج مینکر اپنا کام پا لیتے ہیں۔'' وہ یقیناً سنجیدہ نہ تھا۔

''اذہان!'' ایلینے نے مسکراتے ہوئے تنبیہ کی تھی۔

''یہ آپ دونوں کیا کھسر پھسر کر رہے ہیں؟'' ساہیہ نے دونوں کی طرف دیکھا تھا۔ اس سے قبل ایلینے کوئی وضاحت کرتی، اذہان حسن بخاری نے سرنفی میں ہلا دیا تھا۔

''بچوں کے سننے کی باتیں نہیں ہیں۔''

''اذہان!'' ساہیہ نے ہاتھ کا مُکا بنا کر اس کے شانے پر دے مارا تھا۔

''بڑا ہو گیا ہوں میں۔ ابھی بھی مار رہی ہو۔ تیور نہیں بدلے ہیں۔''

''تیور بدل لوں گی تو تمہیں ٹریٹ کیسے کروں گی؟ — تم جیسے بندے سے نمٹنا آسان ہے؟ یہ بات مجھ سے بہتر کوئی نہیں جانتا۔''

ایلینے نے ان دونوں کو مسکراتے ہوئے بغور دیکھا تھا۔

❋❋❋

پاپا سے ملنے کے بعد وہ بہت تھکی ماندی سی لوٹی تھی جب سیف الرحمٰن کا فون آ گیا تھا۔ باوجود کمزوری اور تھکن کے وہ اس کے فون کو نظر انداز نہ کر سکی تھی۔

''کہاں غائب ہو؟ — صبح بھی فون کیا تھا۔ اطلاع ملی، تم ہز بینڈ وائف دونوں غائب! فکر ہو رہی تھی تمہاری۔ کل رات سردار صاحب سے بات ہوئی تھی۔ فرما رہے تھے کچھ طبیعت تمہاری۔ کیا ہو گیا؟'' سیف الرحمٰن نے کسی قدر سنجیدہ ہوتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ وہ چونک گئی۔

''کب...... کب کال کیا تھا تم نے؟''

''غالباً کل رات۔ کیوں، کیا ہوا؟ موصوف تمہیں بتانا بھول گئے یا جان بوجھ کر نہیں بتایا؟''

''سیفی! ایسی بات نہیں ہے۔ شاید مصروفیت کے باعث وہ بتانا بھول گئے ہوں۔'' وہ وضاحت کرتی ہوئی بولی تھی۔ تبھی وہ بولا تھا۔

''تمہیں سردار سبکتگین حیدر لغاری کو ڈیفنڈ کرنے کی ضرورت نہیں ہے میرب سیال! خیر تم کو کیا ہو گیا تھا؟ اپنا خیال نہیں رکھ رہی ہو؟''

''نہیں، سب ٹھیک ہے۔ بس پاپا کے باعث بہت پریشان ہوں۔ اب بہتر ہوں۔'' میرب نے ہاتھ سے سر کو بہت ہولے سے سہلاتے ہوئے جواب دیا تھا۔

''تمہیں اپنا خیال رکھنا چاہیے میرب سیال!'' سیفی نے بہت مخلصی سے باور کرایا تھا۔

''ہاں، جانتی ہوں۔''

''انکل کیسے ہیں اب؟''

''پہلے سے بہتر ہیں — سرجری کامیاب رہی ہے...''

''ٹھیک گاڈ۔ اور تم نے فون کر کے مطلع بھی نہیں کیا؟'' سیفی نے شکوہ کیا تھا۔

''پتا تو ہے، کچھ طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ اب بھی سوچ ہی رہی تھی کہ تمہارا فون آ گیا۔ بے جی کیسی ہیں اور باقی سب؟''

''سب ٹھیک ٹھاک ہیں۔ اور تم......؟'' سیفی نے جملہ ادھورا چھوڑ کر کچھ ثانیوں تک خاموشی اختیار کی۔ جانے کیا کہنے جا رہا تھا وہ جب میرب سیال فوراً بولی تھی۔

''سیفی! تم بے جی کو مطلع کر دینا۔ پاپا بہتر ہیں اب اور میں بھی جلد واپس آ رہی ہوں۔''

''اور......؟''

''اور کچھ نہیں۔'' لہجہ بہت پُرتھکن تھا۔

''تم مستقل پریشان ہو نا میرب سیال؟'' سیف الرحمٰن نے جواباً دریافت کیا تھا۔

''ہاں، وہ پاپا کی وجہ سے......'' وہ کوئی جواز دینے جا رہی تھی جب وہ تیزی سے اس کی بات کاٹتا ہوا بولا۔

''یہ ٹھیک نہیں ہے میرب سیال! تم خود کو کہیں بھول رہی ہو۔''

''بھول چکی ہوں۔'' بہت مدھم، شکستہ سا انداز تھا۔ ایک دوست کے سامنے خود کو پوشیدہ نہیں رکھ پائی۔ شاید اسے بھی کوئی جگہ درکار تھی وینٹی لیشن کی جس سے جا بڑھ گیا تھا۔ غبار سے سارا وجود ڈھک گیا تھا۔ شاید اس کا دم گھٹ جاتا اگر یونہی تھوڑی دیر چپ رہتی تو۔ کتنی خاموشی سے آنکھوں سے پانی کے قطرے ٹوٹ کر رخساروں پر بہنے لگے تھے۔

''کس کے لیے میرب سیال؟ — کس کے لیے یہ سب، جب تم خوش نہیں ہو۔ جب اندر کہیں اطمینان نہیں ہے۔'' سیف الرحمٰن کا دل اس کے ان کہے بھید سے جیسے واقف تھا۔ شاید دوستی کی واضح مثال ہے۔ بندہ سو کوس کی دوری پر بھی بیٹھا ہو تو اپنے کسی کا احوال اس کے دل میں خود بخود اترنے لگتا ہے۔ دوریوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ فاصلے کوئی معنی نہیں رکھتے۔

''کبھی کبھی بہت کچھ سہنا پڑتا ہے سیف الرحمٰن! دانستہ — جان بوجھ کر — جبراً۔''

''تم کیوں یہ جبر سہہ رہی ہو؟ — کیا مجبوری ہے میرب؟ تم نے انکل کے باعث یہ فیصلہ کیا تھا اب تو وہ بہتر ہو چکے ہیں۔ کیا ضروری ہے کہ تم اس شاہ زادے کی قید میں مزید رہو؟ میرب! تم مجھ سے مت چھپاؤ، لاکھ پوز کرو مگر میں جان گیا تھا، اول روز سے ہی، تمہاری آنکھیں بہت بے خبر ہو کر واضح دلیل تھیں ان میں کیا اذیت تھی۔ مجھے تبھی لگا تھا جیسے کوئی معصوم سی، ننھی پری کسی ظالم دیو کی قید میں ہو۔ کیا ہے؟ کیا اس نے تمہیں ہرٹ کیا ہے؟'' سیف الرحمٰن دریافت کر رہا تھا۔ مگر وہ جواب کچھ نہیں بولی تھی۔ ایک لاوا چپ چاپ جلتی آنکھوں سے بہتا ہوا سارے وجود کو جلاتا رہا تھا۔

''تم ایک باشعور لڑکی ہو میرب سیال! اب اپنے فیصلے خود بھی کر سکتی ہو۔''

''کیا...... کیا کروں میں سیفی؟ اس سے کیا گلہ کروں؟ الجھنیں تو خود آپ میرے اندر ہیں۔ کتنی ساری جکڑی ہوا ہے میرا وجود۔''

یکدم آہٹ ہوئی تھی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تھا۔ دروازے کے بیچوں بیچ سردار سبکتگین
کھڑا تھا۔ میرب سیال ساکت تھی۔ اس کی سمت تکتی رہ گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بڑ
سے پیش قدمی کی تھی اس کی سمت اور چلتا ہوا اس کے قریب آن رکا تھا۔ میرب سیال ریسیور ہا
ساکت سی اسی طرح اس کی جانب متوجہ تھی جب سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے تکتے
آہستگی سے اس کے ہاتھ سے ریسیور لے کر کریڈل پر ڈال دیا تھا اور اسے بغور تکتے ہوئے
سے ہاتھ کو تھام لیا تھا۔ یہ پہلا دانستہ اقدام تھا۔

پہلا دانستہ بخشا جانے والا لمس تھا۔ میرب سیال کا ہاتھ جیسے کسی انگارے نے چھو لیا تھا
کیسی بے نام سی تپش سرایت کر گئی تھی اس کے پور پور وجود میں۔ کتنا قریب تھا وہ۔ شاید
اسے اتنے قریب سے دیکھ رہی تھی۔ اس کی مخصوص خوشبو سے سارا ماحول بھر گیا تھا۔ میرب
سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ اس لمحے وہ بغور اس کو دیکھ رہا تھا۔ میرب سیال کی آنکھیں اک
سے بھری ہوئی تھیں جب سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بہت ہولے سے ہاتھ بڑھا کر ان کو
اپنے پوروں پر لیا تھا۔

"التفات کے کون سے روپ دیکھنا چاہتی ہو تم؟ ــــ وارفتگی کی کون سی حد؟" کہتے ہوئے
وہ اس گھڑی مخاطب تھا۔ نگاہ کتنی پرتپش تھی۔ اس کی کلائی اس کی آہنی گرفت میں تھی۔ جانا
نگاہوں کی تپش سے جلنے کو تھا۔

"کوئی گلہ تھا تو شکایت کی ہوتی، ازالہ کیا نہ ہوتا؟" اس کے چہرے کو بغور تکتے ہوئے
کہا تھا۔ میرب سیال کتنی گرم گرم سانسوں کو اس لمحے اپنے چہرے پر محسوس کر رہی تھی۔ کتنا
سارے وجود میں۔ اندر کہیں بھونچال آیا ہوا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کے تیوروں سے واقف کہاں تھی وہ؟ کہاں منکشف تھے اس پر
کے مخفی رنگ؟ کہاں کوئی عقدہ کھلا تھا اس پر۔

وہ تو ابھی فقط اوّل اوّل کی راہوں میں اُلجھی ہوئی تھی۔ اس حیرت کدے سے ہی باہر نہ نکل
جو اس شخص نے اس کے سامنے بچھا دیا تھا۔ وہ اس دنیا سے ہی الگ نہ ہو رہی تھی جس سے
مرضی کے برعکس جدا کیا گیا تھا۔ وہ تو ابھی تک ان ہی پہیلیوں میں کھوئی ہوئی تھی جو اس کے اند
رہی تھی۔ پھر کیسے ــــ کیسے سمجھ پاتی اس شخص کو؟

اور سمجھنا آسان تو نہ تھا۔

"رنگوں میں کھیلنے کا شوق تھا تو کچھ اظہارِ مدعا کیا ہوتا۔ یوں بے نام الزامات تو نہ عائد
ہاتھ بڑھا کر کتنے ہولے سے اس کے چہرے کو چھوا تھا۔ میرب سیال کے اندر جیسے قیامت
تھا۔ نازک وجود بہت ہولے ہولے لرزنے لگا تھا۔ شاید وہ بہت خوفزدہ تھی۔ شاید یہ انداز
ڈھنگ، یہ وصف اس کے لئے بہت نئے تھے۔

ان تجربات سے پہلی بار سابقہ ہوا تھا۔ ان رنگوں سے پہلی بار آشنا ہو رہی تھی وہ۔ چہرہ

کمزور انداز میں اس کے سامنے کھڑی تھی اس کے عزم بہت مضبوط ہونے کا دعویٰ کتنا بودا ثابت ہوا تھا۔ کتنا
چھوٹا بہانہ تھا وہ۔ ایک دم ڈھکوسلا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری آہنی دیوار بنا اس کے سامنے کھڑا تھا کہ کسی طرح کی کوئی مزاحمت بہت بے
معنی نا لگ رہی تھی۔

"موسموں کے احوال چہروں پر درج ہونے لگتے تو سارے مسئلے جنم ہی کیوں لیتے؟ خاموشیاں فقط
الجھنیں بڑھاتی ہیں۔ خواہشوں کی تتلیاں پکڑنے کے لئے عملی اقدام بہت ضروری خیال کئے جاتے ہیں۔
رنگ یونہی ہاتھ نہیں آ جاتے۔ دلکشی اور رعنائی حاصل کرنی پڑتی ہے۔ جھوٹے دعوے فقط ایک بہانہ ہوا
ہوتے ہیں۔ بارشوں میں بھیگنے کا شوق ہو تو کمرے کے اندر دبک کر نہیں بیٹھ جاتے۔ نم ہونے کے لئے
قطرے قطرے کا تعاقب کرنا پڑتا ہے۔ شوقِ تمنا بڑھنے لگا تو لب نہیں سی لئے جاتے۔ آنکھوں کی کہانیاں
کوئی کہاں تک پڑھ سکتا ہے؟ بنا کہے سنے کہاں تک جان سکتا ہے؟ ــــ چلو مان لیا ایسا ہو بھی جائے تو
بھی کبھی عقدہ کھلنے میں دیر بھی تو لگتی ہے۔ خوابوں کی حقیقت آنکھوں سے مت پوچھو۔ دل کی دنیاؤں پر
منکر ہونا کہاں کی عقلمندی ہے، ہوں۔" بہت آہستگی سے اس کے صبیح چہرے کو چھوتے ہوئے کتنی آہستگی سے وہ
اس گھڑی مخاطب تھا۔ میرب سیال کی ساری جان جیسے قیامت کے زد پہ تھی۔

"کہاں درج ہے کہ کہانیوں کو عیاں نہ کرنے کے بھی ثواب ہوتے ہیں؟ تسلیم و رضا کے باب، بنا کسی
راز کے منکشف ہو سکتے ہیں؟" اس کے چہرے کو شہادت کی انگلی سے قدرے اوپر اٹھاتے ہوئے اس
الجھے چہرے پر بغور ایک نگاہ کی تھی۔

"علاج چارہ گر کے پاس ہو تو رجوع کرنے میں دیر کرنا کہاں کی دانشمندی کہلاتی ہے؟" کتنے سوال
تھے سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لبوں پر۔ مگر میرب سیال کے لبوں پر جیسے اس گھڑی چپ سی لگی تھی۔

"چارہ سازی بھی تبھی عمل میں آتی ہے جب اندیشہ ہائے فکر ستائے اور غافل تو یہاں کوئی نہیں۔ پھر
سے سارے الزامات۔ ہواؤں کے بھی رخ ہوتے ہیں۔ بنا رخ کے کوئی آئین سازیاں نہیں ہوتیں۔"
بنا گرم گرم سانسیں اس کے چہرے پر منتقل کرتے ہوئے کسی قدر آہستگی سے اسے اپنی گرفت سے آزاد کیا
تھا۔ میرب سیال اپنا شل سا وجود لئے، آنکھیں میچے کھڑی رہی تھی۔ بالکل ساکت وجود جیسے پتھر ہو گیا تھا۔
وہ کسی بھی طرح کے نتیجے کی پرواہ کئے بغیر سبکتگین حیدر لغاری پلٹا تھا اور بہت رسانیت سے چلتا ہوا کمرے
سے باہر نکل گیا تھا۔ اپنے اندر کی قیامتوں میں گھری میرب سیال کتنی دیر تک اسی طرح کھڑی رہی تھی۔
لگتا جو کچھ ہوا تھا وہ کوئی خواب نہ تھا۔ نہ سراب تھا۔

❊ ❊ ❊

اس شام عفنان علی خان پھر اس کے سامنے موجود تھا اور وہ کسی قدر کراہت سے اسے دیکھ کر رہ گئی
تھی۔ ابا نماز پڑھ رہے تھے اور مہمان نوازی کا تقاضا یہی تھا کہ اسے اچھی طرح سے ٹریٹ کیا جاتا۔ وہ
خاموشی سے بیٹھی ٹی وی دیکھتی رہی تھی۔ ماما نے یقیناً اس کی آؤ بھگت کرنا ضروری خیال کیا تھا۔ شاید اسی
لئے وہ کسی قدر کسمسا کر سامنے اپنی جگہ پر جمی بیٹھی رہی تھی۔ وہ چاہتی تھی مروت کا مظاہرہ کرے مگر اس سے

یہ سب نہیں ہونا تھا۔ کم از کم اس حد تک تو نہیں۔ یقیناً یہ بہت مشکل تھا اس کے لئے۔ مگر عفنان کے لئے فاصلے سمیٹنا شاید بہت آسان تھا۔

جس طرح اس لمحے وہ چائے کا کپ لئے اس کے قریب آن بیٹھا تھا، اسے سامنے دیکھ کر نظریں چرانا یقیناً مناسب نہیں تھا۔ شاید تبھی وہ سنبھل کر بیٹھتے ہوئے کسی قدر مروت کا مظاہرہ کرتی ہوئی مسکرائی تھی۔

"ایک بات بتاؤں؟" عفنان علی خان چائے کے سپ لیتا ہوا بہت دھیمے سے مسکرایا تھا۔ "شاید تمہیں بتایا نہیں۔ تم مروتاً مسکراتی ہوئی قطعاً اچھی نہیں لگتیں۔"

"تو پھر؟" وہ یکدم شرمندہ ہوئی تھی۔ شاید اسی لئے اس لمحے کھل کر مسکرائی تھی۔

"مروت کچھ بڑھ گئی ہے ان لبوں پر۔" مسکراتے ہوئے کسی وجہ رسانیت سے باور کرایا تھا۔ انابیہ شاہ لب بھینچ کر رہ گئی تھی۔ پھر شاید اسی بے دھیانی اور خجالت میں چینل تبدیل کرنے لگی تھی۔

"جانتی ہو، ان بے واسطہ، سرد، منجمد لمحوں میں، میں قربتوں کی کہانیاں کیوں لکھ رہا ہوں؟"

"کیوں؟" انابیہ شاہ ٹی وی اسکرین کی سمت تکتی ہوئی بہت آہستگی سے گویا ہوئی تھی۔ عفنان اس کی سمت تکتا ہوا بہت دھیمے سے مسکرایا تھا۔

"کیونکہ مروتوں میں لپٹے موسم مجھے نہیں بھاتے۔ سرد مہریوں میں ڈوبے، کہر آلود منظر بہت برے لگتے ہیں مجھے۔ رنگوں کا مٹنا مجھے قطعاً پسند نہیں۔ منظروں کے بنجر پن سے مجھے وحشت ہوتی ہے۔ بے چہرے، بے رابطہ لہجے، بے رنگ منظر تکنا یقیناً تکلیف دہ فعل ہے۔ اور میری مشکل یہ ہے کہ میں نہیں جھیل سکتا۔ منظروں کو رنگوں سمیت ڈوبنے سے بچانے کے لئے یہ قصد کرنا ضروری تھا انابیہ شاہ اقدام کرنے سے باز نہیں رہا میں۔"

اس کے مدھم لہجے میں کتنے آہنگ تھے۔ مگر انابیہ شاہ نے اس کی سمت نگاہ نہیں کی تھی۔ جانے خاموشی سے ساتھ ٹی وی اسکرین کو گھورتی رہی تھی۔ عفنان علی خان نے بغور دیکھا تھا اسے پھر آہستگی سے گویا ہوا تھا۔

"قصہ کچھ یوں ہے انابیہ شاہ! کہ اختیار کے راستوں پر میرے قدم رہے ہیں اور اضطراب کا تجربہ بہت نیا ہے میرے لئے۔ گو بہت مشکل صورت حال ہے مگر میں کسی بھی طرح اندھیرے مٹانا چاہتا۔ یہ راستہ، یہ رابطہ، یہ ڈھنگ، یہ سارے فعل سرانجام دینا یقیناً بہت مشکل ہے میرے لئے۔ جانے وہ کہاں کی داستان سنا رہا تھا۔ انابیہ کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تھا۔ بس فقط ایک لمحے کو نگاہ کی تھی۔ وہ پر کہنیاں ٹکائے بغور اسے دیکھ رہا تھا۔ انابیہ شاہ درمیان دوبارہ ٹی وی اسکرین کی جانب مرکوز کر گئی تھی۔

"انابیہ شاہ! اس راستے میں بہت سی کٹھنائیاں ہیں۔ مجھے یہ بھی خبر نہیں کہ اس سے آگے کا سفر کس طرح کا ہوگا۔ کوئی قیاس نہیں ہے مجھے۔ کسی طرح کا کوئی فرض نہیں کر سکتا۔ مگر یہ سچ ہے کہ ان بہت مشکلوں میں گھر گیا ہوں۔"

وہ مدھم لہجے میں بول رہا تھا۔ انابیہ شاہ خاموشی سے ٹی وی اسکرین کو دیکھ رہی تھی جب اچانک آواز ماحول کو اپنے سنگ باندھنے لگی تھی۔

تم میرے سانسوں میں رہتی ہو بولو میں کیا کروں؟
تم میری آنکھوں میں رہتی ہو بولو میں کیا کروں؟
کیا کروں؟
تم میری سوچوں پہ چھائی ہو بولو میں کیا کروں؟
تم میرے ہونٹوں پہ ہنستی ہو بولو میں کیا کروں؟
کوئی کیسے ہو جاتا ہے بے قرار دیا جلے آ جاتا ہے اعتبار
ہر پل جگے وہ کرتا ہے انتظار، دل پہ نہ ہوتا ہے اختیار

انابیہ شاہ نے عفنان علی خان کی سمت نگاہ کی تھی۔ وہ اس لمحے خاموشی لبوں پر لئے بغور اسے دیکھ رہا تھا۔ جانے کیسی الجھنیں تھیں، وہ سمجھ نہ پاتی تھی۔ مگر اس لمحے یکدم ہی اس کے چہرے سے نگاہ ہٹاتے ہوئے اس نے ریموٹ کا بٹن پش کرنا چاہا تھا جب عفنان علی خان نے یکدم ہی ہاتھ بڑھا کر ریموٹ اس کے ہاتھ سے لے لیا تھا۔ انابیہ شاہ قدرے چونکی تھی۔ شاید حیران ہوئی تھی۔ مگر وہ بہت اطمینان کے ساتھ ٹی وی اسکرین پر نگاہ جماتے ہوئے یکدم ہی والیوم بڑھانے لگا تھا۔

یہ میرے سینے کی دھڑکنیں تم سے میں کیا کہوں
یہ میری سلجھی سی الجھنیں تم سے میں کیا کہوں
کوئی کیسے ہو جاتا ہے بے قرار، دیا جلے آ جاتا ہے اعتبار
ہر پل جگے وہ کرتا ہے انتظار، دل پہ نہ ہوتا ہے اختیار

کتنی گرفت میں لینے والے ڈھنگ تھے۔ کیسے رنگ تھے جو چار سو پھیلتے چلے جا رہے تھے۔ عفنان علی خان کی بھوری آنکھوں کی چمک اس لمحے کتنی سوا ہو گئی تھی۔ جیسے بہت سے جگنو یکدم ہی کہیں جل اٹھے تھے۔ جیسے پل میں سارا ماحول تابناک ہو گیا تھا۔ انابیہ شاہ کے لئے وہ صورت حال کس قدر متنازعہ تھی۔ کتنا حیرت سے وہ اس لمحے اس شخص کی سمت دیکھ رہی تھی۔

یہ دیا جلتا رہے یہ کبھی بھی بجھ نہ سکے
دنیا میری اب تم سے ہے تم سے ہے دنیا میری

انابیہ شاہ کو لگا تھا، اس لمحے عفنان علی خان جیسے عالم مدہوشی میں ہو۔ جیسے اک دیوانگی نے اسے اپنے شکنجے میں جکڑ کر بے بس کر دیا ہو۔ وہ اس کی سمت اسی طرح ساکت سی دیکھ رہی تھی جب وہ اس کی سمت متوجہ ہوا تھا۔ شاید وہ انابیہ شاہ کے اپنی طرف متوجہ ہونے پر حیران ہوا تھا یا پھر مسرور۔ آنکھوں کی بے تحاشا چمک کے ساتھ اس لمحے اس کے لبوں پر اک دلفریب مسکراہٹ کا بھی اضافہ ہو گیا تھا۔

یہ میری عجب خواہشیں تم سے میں کیا کہوں
یہ میری تنہا سی محفلیں تم سے میں کیا کہوں
کوئی کیسے ہو جاتا ہے بے قرار، دیا جلے آ جاتا ہے اعتبار
ہر پل جگے وہ کرتا ہے انتظار دل پہ نہ ہوتا ہے اختیار

تکرار یکدم ہی بڑھنے لگی تھی۔ جانے کیا ہوا تھا، اناہیہ شاہ نے یکدم ہی مزاحمت کی تھی اور اٹھنے لگی تھی جب عفنان علی خان نے یکدم ہی اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ اناہیہ شاہ اس گستاخی پر قطعی حیران ہوئی، چونک کر اسے دیکھا تھا مگر وہ بہت اطمینان کے ساتھ ٹی وی کا والیوم کم کرتا ہوا مسکرا دیا تھا۔ اناہیہ کے لئے یہ شخص سدا سے ایک الجھن رہا تھا اور اب بھی وہ اسے کسی قدر حیرت سے دیکھ رہی تھی جب وہ اسے اپنے سامنے بٹھاتے ہوئے بہت آہستگی سے گویا ہوا تھا۔

"بات سنگین ہے اناہیہ شاہ! مگر اتنی نہیں کہ تم مجھ سے خوفزدہ......" بہت دوستانہ مسکراہٹ ان کے لبوں پر تھی۔ پل پل رنگ بدلتا تھا وہ شخص۔ پل پل اپنے اختیار میں کر لیتا تھا۔ کیا اسم تھا اس کے پاس؟ اناہیہ شاہ اسی قدر حیرت سے اس کی سمت دیکھ رہی تھی جب وہ مسکرا دیا تھا۔

"اگر مجھے علم ہوتا کہ تم اس قدر خوفزدہ ہو جاؤ گی تو میں وہ بات جو تم سے شیئر کرنے جا رہا ہوں کبھی نہ کرتا۔" انداز کسی قدر پُر افسوس تھا۔ اناہیہ کے لئے اب بھی وہ شخص، اس کی باتیں معمہ تھیں۔ عفنان علی خان نے بغور نگاہ کی تھی اس پر۔ پھر جیسے ترس آ گیا تھا۔ شاید تبھی وہ قدرے سنجیدہ ہوتے ہوئے اس کی سمت متوجہ ہوا تھا۔

"اناہیہ شاہ! معاملہ شاید تمہیں اتنا گمبھیر نہ لگے مگر ایسا ہو نہیں سکتا۔ کم از کم اس شخص کے لئے نہیں جو اس صورت حال سے دوچار ہو۔" جملہ ادھورا چھوڑ کر اس کے چہرے کی سمت دیکھا تھا وہ حیرتوں میں گھری ہوئی تھی۔ شاید تبھی وہ دھیمے سے مسکرایا تھا۔

"چلو بات آسان کئے دیتے ہیں۔ تو بات اتنی سی ہے اناہیہ شاہ! کہ مجھے تمہاری ضرورت ہے میں تمہاری ہیلپ کی ضرورت ہے۔" اس نے یکدم اظہار مدعا کیا تھا۔

"کس ضمن میں؟" اناہیہ شاہ کی سمت رنگی آنکھوں میں حیرت بہت واضح انداز میں تیر رہی تھی۔

"دوستانہ امداد، فقط چھوٹی سی رعایت۔"

اناہیہ شاہ نے کسی قدر الجھن سے پُر نظروں سے اسے دیکھا تھا پھر کچھ نہ سمجھتے ہوئے سر بہت سے نفی میں ہلا دیا تھا۔

"عفنان علی خان! تمہیں نہیں لگتا، تم بہت پیچیدہ باتیں کرنے کے عادی ہو۔ اب تک تم نے جو کہا وہ میری سمجھ میں کم از کم بالکل بھی نہیں آیا۔ مسئلہ کیا ہے تمہارے ساتھ؟ —— کہنا کیا چاہتے ہو؟ جو تم کہہ رہے ہو یا پھر وہ جو تم کہہ نہیں پا رہے ہو؟" کسی قدر پُر اعتماد انداز سے وہ اس کی سمت دیکھ رہی تھی۔

"شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو —— جو بات میں کہنا چاہتا ہوں، کہہ نہیں پا رہا ہوں۔ لیکن پھر تم اس طرح گھور کیوں رہی ہو؟" اپنی بات وہیں چھوڑ کر وہ یکدم مسکرایا تھا۔ بھوری آنکھوں میں شرارت واضح تھی۔ جیسے وہ جان بوجھ کر بات کو طول دے رہا ہو۔ اناہیہ شاہ زچ سی ہو کر رخ پھیر گئی تھی جب وہ بغور اس کی سمت تکتا ہوا بولا تھا۔

"اناہیہ شاہ! جو کچھ بھی ہوا بہت جلدی میں اور اچانک ہوا۔ میں شاید ابھی اس کے لئے تیار نہ تھا

کے راستے مجھے مرعوب بھی نہیں رہے مگر اس ضمن میں، میں کوئی لائحہ عمل مرتب نہیں کر پایا اور مجھے ان بندھنوں کا پابند ہونا پڑا جن کے لئے فی الحال میں تیار نہیں تھا۔ دیکھو بڑی کچل سی بات ہے۔ ایک مرد ہونے کے ناتے مجھے ہر طرح کا حق حاصل ہے مگر تب صورت حال ایسی تھی کہ میرے پاس جیسے کوئی اور آپشن بچا نہ تھا۔ مگر اب......" وہ کسی قدر روانی سے کہتا ہوا یکدم الجھنوں میں گھر گیا تھا۔ اناہیہ شاہ اسے بغور دیکھ رہی تھی۔ وہ لب بھینچ کر دھیمے سے مسکرایا تھا۔ پھر اناہیہ شاہ کی سمت مکمل توجہ سے تکتا ہوا بولا تھا۔

"تم سے مدد مانگنے کی اہم ترین وجہ یہ ہے کہ تم بالواسطہ یا بلاواسطہ اس معاملے سے جڑی ہو۔ آئی مین لامعہ کی دوست ہونے کے ناتے۔ تم دونوں غالباً بچپن سے ساتھ ہو۔ بہت اچھی انڈر اسٹینڈنگ مابین موجود ہوگی۔ مجھے اسی انڈر اسٹینڈنگ کی ضرورت ہے۔ کیونکہ وہ انڈر اسٹینڈنگ میرے پاس نہیں ہے۔ میں لامعہ کے اتنے قریب کبھی نہیں رہا۔ کبھی اس طور اسے دیکھا نہیں۔ جاننے کی خواہش بھی دل میں ابھری ہی نہیں۔ سو وہ میرے لئے ایک اجنبی دیس کی کوئی اجنبی کہانی جیسی ہے۔ کوئی اجنبی دو چار سرسری سی ملاقاتوں میں مل کر جتنا کسی دوسرے اجنبی کو جان سکتا ہے اتنا ہی میں لامعہ حق کے متعلق جان پایا ہوں۔ یہ بڑی فطری سی کنڈیشن ہے۔ ایسا ہونا کوئی عجب نہیں۔ وہ میرے قریب تھی مگر میں نے اس کی طرف کبھی دیکھا نہیں، کبھی جاننے کی کوشش نہیں کی۔ مگر اب...... اب میں چاہتا ہوں اناہیہ شاہ! تم اس ضمن میں میری مدد کرو۔ تم بہترین دوست ہو اس کی۔ اس کے متعلق تم سے بہتر کوئی اور نہیں جان سکتا۔" وہ کہہ کر رکا تھا۔ اناہیہ جو اسے بغور دیکھ رہی تھی، چونکی تھی۔

"اور......"

وہ چونکا تھا۔ پھر دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

"اناہیہ شاہ! زندگی یوں نہیں گزرتی۔ تمہیں نہیں لگتا، بہت مشکل ہے یہ، جس کے متعلق آپ سرے سے کچھ جانتے ہی نہ ہوں اس کے متعلق کوئی اہم ترین فیصلہ کر لیں۔ زندگی بسر کرنے کی بات تو بہت دور کی ہے اناہیہ شاہ! میں تو اس کے متعلق سوچتے ہوئے بھی عجب الجھن محسوس کر رہا ہوں۔ تمہاری طرف میں یونہی نکل پڑا تھا۔ میں جانتا تھا تم وہ واحد فریق ہو جو یہ گتھی سلجھا سکتی ہو اور تمہیں میری مدد کرنا ہوگی اناہیہ شاہ! کیونکہ میں اجنبی راستوں پر سفر کرنا نہیں چاہتا۔ بہت مشکل ہوگا یہ میرے لئے۔ لامعہ حق سے تعلق فقط ایک فیملی کا فیصلہ تھا۔ میری مرضی، رائے اس میں قطعاً بھی شامل نہیں رہی۔ میں نے بس مہر ثبت کی ان فیصلوں پر جو مجھے سنائے گئے تھے۔ اگرچہ یہ جبری اقدام نہ تھا۔ کسی طرح کا دباؤ نہ تھا۔ میں کسی طرح آزاد بھی تھا مگر بعض اوقات دوسروں کی خوشی کے لئے بہت کچھ کرنا پڑتا ہے اور اب جب کہ فیصلے سرزد ہو چکے ہیں، مجھے اندیشوں نے آن گھیرا ہے۔ اناہیہ شاہ! مجھے نہیں لگتا ایسا تعلق بہت پائیدار ہو سکتا ہے جس میں ایک فریق دوسرے فریق کو سرے سے جانتا ہی نہیں۔ پیچیدگیاں تو ہو سکتی ہیں نا۔ اب نہ کہنا بعد میں کہ بات ایک عمر کی ہے اناہیہ شاہ! اور یہ زندگی دوبارہ نہیں ہے۔" بہت ہولے سے اپنا مدعا بیان کر کے اس نے اناہیہ شاہ کی سمت دیکھا تھا۔ وہ اس لمحے بغور اس کی سمت دیکھ رہی تھی۔

"تو پھر میں اس میں کیسے کارآمد ہوں؟ آئی مین، میں کیسے ہیلپ آؤٹ کر سکتی ہوں تمہیں؟ میں تو

تمہیں بھی زیادہ نہیں جانتی۔" شانے اچکاتے ہوئے وہ بولی تھی۔ عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔ پھر آنکھوں میں چمکتے جگنوؤں کی چمک اور بھی بڑھ گئی تھی۔

"لیکن جان تو سکتی ہو نا تم ـــــ آئی مین، تم لامعہ حق کو تو جانتی ہو نا۔ ہم دونوں کے بیچ انڈر اسٹینڈنگ ڈی ویلپ کر تو سکتی ہو نا۔" ہولے سے مسکراتے ہوئے درخواست کی تھی۔ انابیہ شاہ خاموشی سے اس کی سمت دیکھتی رہی تھی۔ جیسے وہ اس تمام معاملے پر از سر نو غور کر رہی تھی۔ یا پھر شاید صورت حال طور پر سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ عفنان علی خان نے اسے الجھن میں دیکھا تو مسکرا دیا تھا۔

"اس میں مشکل کہاں ہے انابیہ شاہ؟"

"آسانی بھی تو کہیں نہیں۔"

"یعنی تم اس استدعا پر غور بھی نہیں کرو گی ـــــ؟" بہ غور تکتے ہوئے نگاہوں میں کسی قدر بے سمت آئی تھی۔

"ایسا میں نے کہا نہیں۔" انابیہ شاہ نے پہلی بار بہت دھیمے سے مسکراتے ہوئے شانے اچکائے تھے۔

"لیکن کیا ایسا ہو بھی نہیں سکتا؟"

"ایسا میں نے ابھی سوچا نہیں۔" انابیہ شاہ سر نفی میں ہلاتے ہوئے مسکرائی تھی۔

"یعنی تم...... تم اس کے متعلق سوچ سکتی ہو؟"

"شاید...... شاید نہیں۔" وہی بے نیازانہ انداز تھا۔

عفنان علی خان کی آنکھوں میں خدشے ابھر آئے تھے۔

"ریفیوز کرو گی؟"

"مجھے کیا کرنا چاہیے کیا نہیں، اس کے متعلق فیصلہ اتنی آسانی سے نہیں ہو سکتا۔"

"یعنی تمہیں لامعہ سے کوئی انسیت نہیں؟"

"بلیک میل کر رہے ہو مجھے؟" انابیہ شاہ یکدم مسکرائی تھی۔

عفنان علی خان نے اس لڑکی کی آنکھوں کو بہ غور دیکھا تھا۔ پھر مسکرا دیا تھا۔

"بالکل گہری خاموش جھیل جیسی ہو تم۔" انداز یکدم ہی بدلا تھا۔ انابیہ شاہ چونکی تھی۔ پھر نفی میں سر ہلاتی ہوئی مسکرا دی تھی۔

"اور لامعہ حق میرے جیسی بالکل بھی نہیں ہے۔ ہے نا، یہی کہا تھا نا تم نے؟" عفنان علی خان کی سمت بہ غور تکتے ہوئے وہ مسکرا رہی تھی۔

"عفنان علی خان! تمہارا مجھے اس سے اور اسے مجھ سے کمپیئر کرنا میری بالکل سمجھ میں نہیں آیا۔ یقیناً ہم دونوں اچھے دوست ہیں۔ مگر الگ الگ شخصیتوں کے مالک ہیں۔ اور تم شاید، بہر حال یہ کچھ مشکل لگتا ہے۔ لامعہ حق مجھے بہت عزیز ہے۔ اس کی خاطر میں یہ مدد کر سکتی ہوں۔ مگر اس سے قبل مجھے لامعہ حق سے بھی بات کرنا ہو گی۔ یا پھر تم اسے اس سے مخفی رکھنا چاہتے ہو؟" مکمل اعتماد کے ساتھ عفنان علی خان کی سمت دیکھا تھا۔ وہ کچھ نہیں بولا تھا۔ تبھی وہ مسکرائی تھی۔

"تم نے سب کچھ واضح کر کے یقیناً اچھا کیا۔ ورنہ......"

"ورنہ کیا؟" وہ چونکا تھا۔

"کچھ نہیں۔" وہ اس لمحے بڑی ہلکی پھلکی نظر آ رہی تھی۔ اس اظہار مدعا کے بعد یقیناً اس کا یہ نیا روپ اس کے سامنے آیا تھا۔ وہ کسی قدر مطمئن دکھائی دے رہی تھی۔ شاید اس سے قبل وہ واقعی اس سے کسی قدر خائف رہی تھی۔ مگر اب اس کا اعتماد بتا رہا تھا کہ وہ اس کا اعتبار حاصل کر چکا تھا۔ اب یقیناً صورت حال اس کے حق میں ہی ہوا چاہتی تھی۔ وہ ناکام نہیں رہا تھا۔ قربتیں کچھ ہاتھ تو لگی تھیں۔ جب کچھ بھی رہا ہو وہ اس لمحے انابیہ شاہ کے قریب تو تھا اور فی الحال اس کے لیے یہ احساس کافی تھا۔

❋❋❋

سید اذہان حسن بخاری، عزیر کے ساتھ کھڑا تھا جب سابیہ خان خاصے عجیب و غریب انداز میں اسے اسکائی بلیو کلر کا جدید تراش خراش کا لہنگا ہاتھوں سے قدرے ٹخنوں تک اٹھائے، جوتے ہاتھ میں اٹھائے سیڑھیاں اترتی دکھائی دی تھی۔ انداز کسی قدر پُر وحشت تھا۔ مگر اذہان حسن بخاری نے کسی قدر دلچسپی سے اسے دیکھا تھا۔ وہ بنا ارد گرد کی پرواہ کیے چلتی ہوئی اس کے پاس آن رکی تھی۔ پہلی فرصت میں ہاتھ میں پکڑے جوتے زمین پر ڈالے تھے۔ پھر دوسرے ہاتھ میں تھما چھوٹا سا پرس اس کی سمت بڑھایا تھا۔

"ذرا پکڑو اسے۔ یہ دوپٹہ بھی نا۔" کسی قدر اکتاہٹ کے ساتھ وہ بھاری کام والے دوپٹے کو شانے پر سے ہٹا کر عجیب وحشت سے گھورنے لگی تھی۔ "کیا کروں اس کا؟ ـــــ یہ پھپھو کو بھی جانے کیا سوجھی، نکال کر یہ لہنگا تھما دیا۔ کہاں تجربے ہیں مجھے ایسی ہیوی ڈریسنگ کرنے کے۔ کتنی آکورڈ لگ رہی ہوں نا میں۔ منع بھی کیا تھا مگر مانی ہی نہیں، پکڑ کر مذاق بنا دیا۔ جوکر لگ رہی ہوں پوری۔ اب اگر کہیں لڑکھڑا کر گر گرا گئی تو مجھے سنبھالے گا کون؟ یہ پھپھو بھی نا مذاق بنانے پر تلی بیٹھی ہیں۔ دکھانا چاہتی ہیں شاید کیلگری سے یہ عجوبہ آیا ہے۔" وہ حسب معمول بے تکان بول رہی تھی۔ اذہان حسن بخاری اسے دیکھتے ہوئے بے ساختہ ہنسا تھا۔

"ہنس کیوں رہے ہو؟ ـــــ کیا تمہیں بھی میں عجوبہ لگ رہی ہوں؟" سابیہ نے خائف نظروں سے اپنے مقابل کھڑے شخص کو دیکھا تھا۔ وہ مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلانے لگا تھا۔ نظریں بہ غور اس چہرے پہ تھیں۔

"اب اس دوپٹے کا کیا کروں؟" وہ سوا تین گز سے بھی طویل بھاری بھرکم دوپٹے کو بدستور ہاتھ میں لیے پریشان حال کھڑی تھی۔ پتہ نہیں وہ اذہان حسن بخاری سے کوئی حل مانگ رہی تھی یا فقط مشورہ۔ اذہان حسن بخاری نے اسے چند ثانیوں تک بہ غور دیکھا تھا پھر کسی قدر لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے شانے اچکا دیے تھے۔

"سوری ـــــ ہیلپ لیس ہوں اس معاملے میں۔ یکسر انجان اور قطعی نابلد۔ لیکن شاید تمہیں پہلے یہ دوپٹہ یوں لینا چاہیے۔ اس سے کم از کم یہ ہو گا کہ اس لانگ اسکرٹ کی لمبائی کسی درجہ کم ہو جائے گی۔" اس نادر و نایاب مشورے پر سابیہ نے اسے کسی قدر گھورتے ہوئے دیکھا تھا۔

"اذہان! یہ لانگ اسکرٹ نہیں ہے۔ غالباً لہنگا کہتے ہیں اسے۔" حد درجہ بیزار کتاہٹ انداز سے مزید گھورنے کا ارادہ موقوف کرتی ہوئی اپنی سینڈل کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔ پھر اپنی جانب دلچسپی سے تکتے ہوئے اذہان حسن بخاری کی سمت وہ طویل بھاری بھرکم دوپٹہ بڑھایا تھا۔

"تم ذرا اسے پکڑو۔"

اذہان حسن بخاری کے لئے یہ تجربات یقیناً بہت نئے اور انوکھے تھے۔ شاید تبھی وہ اپنے ان ہاتھوں کی سمت قدرے حیرت سے دیکھ رہا تھا جن میں ساہیہ خان کا ننھا منا سا پرس اور بھاری بھرکم دوپٹہ تھما تھا۔ مگر اس سب کے باوجود اس کی دلچسپی کا تسلسل ٹوٹا نہیں تھا۔ وہ ساہیہ خان کو جھکے سینڈل ہوئے بغور دیکھ رہا تھا۔ وہ سینڈل پہن کر سیدھی ہوئی تھی۔ مسکراتے ہوئے اذہان حسن بخاری کو دیکھا تھا۔

"تھینکس۔ آئیڈیا اچھا تھا تمہارا اس لانگ اسکرٹ کی لمبائی کو کم کرنے کا۔ اگر اس میں میرا پاؤں پھنس گیا تو؟" مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ اذہان حسن بخاری بغور اس کی سمت تکتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

"اب تم مجھ سے یہ فریاد مت کرنا کہ میں تمہیں تھام لوں۔"

"اذہان!" اس کی شرارت پر وہ اسے گھورنے لگی تھی۔

"اب اس دوپٹے کا میں کیا کروں!؟" اذہان حسن بخاری نے اپنے ہاتھ میں تھمے اسکائی بلیو بھاری بھرکم دوپٹے کو کسی قدر حیرت سے دیکھا تھا۔ اور تب شاید ساہیہ کو اپنی حماقت کا اندازہ ہوا تھا۔ کسی قدر جھجک سے فوراً اس کے ہاتھ سے دوپٹہ لے لیا تھا۔

"تم نے کبھی لڑکیوں کو دوپٹہ اوڑھتے نہیں دیکھا؟" غالباً اپنی خفت مٹانے کو وہ کسی قدر ڈپٹنے والے انداز میں گویا ہوئی تھی۔ اذہان حسن بخاری بہت محظوظ ہونے والے انداز میں مسکرایا تھا۔

"سوری، میں نظر باز قطعاً واقع نہیں ہوا۔" آنکھوں میں حد درجہ شرارت لئے وہ گویا ہوا تھا۔ ساہیہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا پھر اپنے نازک سے ہاتھ کا مُکا بنا کر اس کے شانے پر دے مارا تھا۔ اذہان بخاری ہنستا چلا گیا تھا۔ تبھی وہ اپنی خفت مٹاتے ہوئے اسے گھورنے لگی تھی۔

"میرے پوچھنے کا مقصد یہ تھا کہ تم نے یہاں لڑکیوں کو دوپٹے اوڑھتے دیکھا ہوگا۔۔۔۔ کیسے اوڑھے جاتے ہیں ایسے بھاری بھرکم دوپٹے؟"

"میرا مطلب بھی یہی تھا کہ تم قطعاً ایک نابلد شخص کے سامنے کھڑی ہو۔ شاید تمہیں اسے گلے میں رکھنا چاہئے۔ ایک طرف کا پلو آگے کی طرف اور دوسرا گردن کی طرف سے بل دے کر پیچھے کی طرف۔" بہت ماہرانہ مشورے سے نوازا تھا۔ ساہیہ اس کی ہدایات کو بغور سنتے ہوئے مکمل حیران ہو چکی تھی۔

"کیسے؟ ایسے۔۔۔۔؟" خاصے بے ڈھنگے انداز میں اس نے چادر کی طرح اس آنچل کو اپنے گرد لپیٹا تھا۔ اذہان حسن بخاری بے ساختہ ہنسا تھا۔ ساہیہ جیسے زچ ہو گئی تھی۔

"اذہان۔۔۔۔!"

اور تب اذہان حسن بخاری کے لئے اس کی مدد کرنا ناگزیر ہو گیا تھا۔

"پکڑو۔" اس کا ننھا سا پرس اس کے ہاتھ میں تھمایا تھا۔ پھر اس کے اس دوپٹے کو تھاما تھا اور کچھ اس طرح تہہ کیا تھا کہ سائیڈز کا دلکش بارڈر نمایاں ہو گیا تھا۔ دوپٹے کو اسی مہارت سے اس کے بائیں شانے پر دھرا تھا۔ پھر باقی ماندہ دوپٹے کو گردن کے رخ پر گھما کر پیچھے کی طرف ڈال دیا تھا۔ گردن کے قریب سے نیلے رنگ کے دوپٹے کی بہت واضح لکیر بن کر ایک دلکشی عطا کر گئی تھی۔ بھاری مزاج دار گردن میں بھاری دوپٹے کو سنبھالنے کی ذمہ داری جیسے اب ختم ہو گئی تھی۔ اذہان حسن بخاری نے بہت مہارت سے سمیٹا تھا ان دوپٹے کو۔ جب وہ اس کے قریب ہو کر یہ کام انتہائی مہارت سے کر رہا تھا، ساہیہ خان بہت دلچسپی سے اسے بغور دیکھ رہی تھی۔

"اٹس پرفیکٹ ناؤ۔" ایک ناقدانہ زاویے سے اسے دیکھتے ہوئے وہ مسکرایا تھا۔ ساہیہ خان بہت اچھے سے مسکرائی تھی۔

"تھینکس! تم نے میری مشکل حل کر دی، ورنہ اپنے پھپھو نے تو پھنسا دیا تھا مجھے آج۔ اینی ویز، لگ کیسی رہی ہوں میں؟ یہ لپ اسٹک کا شیڈ اس سوٹ کے ساتھ آکورڈ تو نہیں لگ رہا!؟" وہ کچھ اس انداز سے دریافت کر رہی تھی جیسے وہ ان کاموں میں مکمل طور پر ماہر ہو۔ اذہان حسن بخاری کا قہقہہ بہت بے ساختہ تھا۔

"کیا ہے۔۔۔۔ اس طرح کیوں ہنس رہے ہو؟ فقط دریافت ہی تو کیا ہے۔ ایک ناقدانہ نظر ڈال کر بتا نہیں سکتے۔"

"تم شاید بھول رہی ہو۔ میں تمہارا اسپیشل فرینڈ ہوں۔" مسکراتے ہوئے یاد کرایا تھا۔

"ہوں۔۔۔۔ دوست تو ہو نا۔ اب فی الحال یہاں کوئی اور دستیاب ہے نہیں۔ اور بائے دی وے کیا کل دوست نظر نہیں رکھتا یا پھر سنس لیس ہوتا ہے؟" وہ کسی قدر ڈپٹتی ہوئی بولی تھی۔ اذہان اسے تکتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔ پھر سرتاپا اس پر ایک بھرپور ناقدانہ نگاہ ڈالی تھی۔

"ہوں، ٹھیک ہے۔ ناٹ بیڈ۔" لب بھینچ کر سوچتے ہوئے رائے زنی کی تھی۔ ساہیہ خان جانے کیوں مسکرا دی تھی۔

"اگر میں نے تمہاری جگہ ایک فی میل فرینڈ بنائی ہوتی تو یقیناً میں بہت فائدے میں ہوتی۔ اینی ویز، تھینکس فور دی کمپلیمنٹ۔ میں آئینہ دیکھ لوں گی۔"

"میں جو تمہارے سامنے کھڑا ہوں۔ اس کے متعلق کیا خیال ہے؟" لب بھینچ کر مسکراتے ہوئے وہ سینے پر ہاتھ باندھے مکمل شرارت کے موڈ میں تھا۔ "چاہو تو آئینہ بنا لو، اپنا عکس دیکھ لو، اپنا روپ رنگ سنوار لو، چاہو تو۔۔۔۔"

"اذہان! میں تمہارا سر پھوڑ دوں گی۔" وہ خفگی سے بھرپور لہجے میں بولی تھی۔ مگر اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

"اس کی ضرورت نہیں ہوگی غالباً۔ آئینہ تاب کہاں لا سکے گا اس حسنِ کرشمہ ساز کی۔ چکنا چور ہو جائے گا تو اک لمحے میں۔ اگر آئینہ ہوا تو۔" شرارت اس کی آنکھوں سے ہویدا تھی۔ ساہیہ نے پہلے تو اسے

گھور کر کسی قدر خفگی سے دیکھا تھا پھر ہنس دی تھی۔

"چالاک ہو گئے ہو ــــ باتیں بنانا خوب آ گئی ہیں۔ بچپن میں تم یقیناً ایسے نہ تھے۔" وہ مسکرا دیا تھا۔

"بچپن میں تو تم بھی چوہیا سی ہوا کرتی تھیں۔ بقراطی چشمے والی چوہیا۔"

"اور تم؟" ساہیہ نے اس کی سمت اپنی شہادت کی انگلی اٹھائی تھی۔

"میں اس وقت بھی بہت ہینڈسم تھا۔ یاد ہے، وہ تمہاری بیسٹ فرینڈ سویرا جو مجھے دیکھ کر چلتی ہوئی کھلے ہوئے گٹر میں گر گئی تھی۔" مسکراتے ہوئے یاد دلایا تھا۔ ساہیہ لب بھینچ کر مسکراتی ہوئی سر ہلانے لگی تھی۔

"ایسا اس لئے ہوا تھا اذہان حسن بخاری! کہ تم نے جان بوجھ کر اس کا چشمہ چھپا دیا تھا۔" اور میں اس کا بھانڈا پھوڑ دیا تھا مگر وہ بدمزہ ہونے کی بجائے کھلکھلا کر ہنستا چلا گیا تھا۔ ساہیہ خان اسے دیکھتی ہوئی مسکراتی رہی تھی۔

"تم بالکل بھی نہیں بدلے ہو اذہان حسن بخاری!" سر نفی میں ہلاتے ہوئے وہ مسکرائی تھی۔

"اور تم ــــ" بغور دیکھا تھا۔ پھر بہت دھیمے لہجے میں گویا ہوا تھا۔ "یقیناً بہت بدل گئی ہو۔"

ساہیہ اپنے سلکی بالوں کو کان کے پیچھے کرتی ہوئی مسکرا دی تھی۔

"چلیں اب۔ باہر لان میں سب منتظر ہوں گے۔"

"ہوں۔" اذہان سر ہلاتے ہوئے اس کے ساتھ چل پڑا تھا۔

ساہیہ خان اب بھی اس بھاری بھرکم ڈریس میں کمفرٹیبل فیل نہیں کر رہی تھی۔ داہنے ہاتھ سے بھی وہ لانگ اسکرٹ نما شے اس نے قدرے اوپر اٹھائی ہوئی تھی۔ مگر اس کے باوجود جانے کیا ہوا پاؤں لڑکھڑا گیا تھا۔ اذہان جو اس کے ساتھ چلتے ہوئے بدستور دلچسپی سے اسے دیکھ رہا تھا غالباً اس سمت سے کسی ایسی ہی حماقت کی توقع کر رہا تھا۔ توجہ اس پر مرکوز تھی۔ تبھی فوراً اسے سہارا دے کر تھام لیا تھا۔

"تھینکس!" ساہیہ کسی قدر خجل سی ہو کر سنبھلی تھی۔

"اس کی ضرورت نہیں۔ غالباً تمہیں اس کی ضرورت تھی۔ لیکن بی کیئر فل۔ یہاں سے باہر نکل کر سنبھالنے والا اتنا مضبوط سہارا دستیاب نہیں ہوگا۔"

"کیوں ــــ کہاں جا رہے ہو تم؟" کسی قدر حیرت سے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ اذہان بخاری نے اس نازک اندام لڑکی کو بغور دیکھا تھا، پھر مسکرا دیا تھا۔

"کیوں ساتھ جانا چاہتی ہو؟" چھوٹی سی شرارت کی تھی۔ ساہیہ نے جواباً گھورا تھا۔

"عجب تو کچھ نہیں۔ دل ہی تو ہے۔ مچل بھی تو سکتا ہے نا۔ اک سہانے سفر کے لئے، کسی کی رفاقت کے لئے، چاند کے تمنائی انہی زمینوں پر تو بستے ہیں۔" وہ ایک بار پھر چھیڑ رہا تھا اور ساہیہ گھور کر رہ گئی تھی۔

"بہت خوش فہم ہو رہے ہو۔ کہاں کے پرنس آف ویلز ہو؟"

"ہوں تو نہیں مگر بن تو سکتا ہوں، کسی کے دل کا۔ حکمرانی کے وصف بھی تو نرالے ہیں۔"

"اذہان!" مسکراتے ہوئے تنبیہہ کی تھی مگر وہ ہنس دیا تھا۔

"منظر دلکش ہوں تو بہکنے میں دیر کتنی لگتی ہے۔ اختیار کے زاویے کمزوریوں میں بھی تو گھر سکتے ہیں۔"

"اذہان! تم چاہتے ہو میں تمہارے پاس سے چلی جاؤں؟"

"نہیں۔ غالباً میں تو تمہاری مشکل حل کرنے کے لئے یہاں موجود ہوں۔ کہو تو بانہوں میں اٹھا لوں۔" آنکھوں میں بھرپور شرارت تھی۔

"اذہان!"

لیکن وہ ہنس دیا تھا۔

"سوچ لو، میں تو تمہارے فائدے کے لئے ہی کہہ رہا تھا۔ چلنا دشوار ہو رہا ہے کسی قدر تم سے۔"

"ڈونٹ وری اباؤٹ می اینی مور۔ میں چل سکتی ہوں۔"

"پھر بھی سہارے کی ضرورت تو پڑے گی۔"

"نہیں پڑے گی۔" ساہیہ نے مسکراتے ہوئے باور کرایا تھا اور وہ مسکرا دیا۔

"چلو، جہاں تک ممکن ہو سکے، ساتھ چلتے ہیں۔"

"اور اس سے آگے؟" ساہیہ مسکرائی تھی۔

"آگے کی فکر ابھی سے نہیں کرنا چاہئے۔ اندیشے زمانے آ جائیں گے۔"

"اندیشوں سے ڈرتے ہو؟" نگاہ اٹھا کر دلچسپی سے دیکھا تھا۔

"نہیں ــــ آج تو جینا چاہتا ہوں۔" بہت دھیمے سے مسکرایا تھا۔

"اور کل؟"

"جو آیا نہیں اس کی فکر کرنا فضول ہے۔" انداز سرسری تھا۔

"کس نے بتایا تمہیں؟" مسکراتے ہوئے لمبے چوڑے ساتھ چلتے شخص کو دیکھا تھا۔

"تمہاری آنکھوں نے۔" جواب بہت برجستہ اور بھرپور تھا۔ ساہیہ نے اس کی سمت دیکھا تھا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ آنکھوں میں شرارت تھی۔ ساہیہ بھی مسکرا دی تھی۔

"جانتی ہو مجھے تمہارے اس لانگ اسکرٹ نے رعایت دے دی۔ ورنہ ابھی تم اگر اسے تھام کر چل نہ رہی ہوتیں تو ایک زناٹے دار سیر سے شانے پر جما چکی ہوتیں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا اور ساہیہ کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

***

یہ تعلق کیا تھا؟ درمیان کیا تھا؟ ــــ وہ کبھی سمجھ نہ پائی تھی۔ یہ سب تو دور کی بات، وہ شخص کیا تھا؟ وہ تو ابھی تک اسے ٹھیک سمجھ نہ پائی تھی۔

کتنا دلکش تھا وہ ــــ یا کسی کے سوالوں کی طرح الجھا ہوا۔ شاید اس نے باضابطہ اسے سلجھانے کی کبھی

کوشش نہیں کی تھی۔ نہ ہی ضرورت محسوس کی تھی۔ اگر وہ اس سے ایسا رویہ روا رکھتا تھا تو شاید کچھ کی بھی تھی۔ اسے کوئی ردِعمل ضرور چاہیے تھا۔ اتنا تو جتانا چاہیے تھا کہ وہ کیا ہے اور اس کی زندگی کی کیا اہمیت ہے۔ مگر اس نے جتایا تو تھا اور کیا انجام ہوا تھا اس کا؟

میرب سیال کی نگاہ اپنی اس کلائی پر گئی تھی جہاں اس کی آہنی انگلیوں کا نشان اب بھی ثبت تھا۔ اس روز کے متعلق سوچ کر ہی وہ آنکھیں میچ گئی تھی۔ وہ کون سا روپ تھا اس کا؟ کون سا؟ اسے تو کوئی واقفیت تک نہ تھی۔ اس کے وصف کیسے، تبھی جان ہی نہ پائی تھی۔

شاید وہ کسی قدر انتہا پسند تھا۔

شاید بااختیاری کا زعم حد درجہ تھا۔

شاید تبھی ساری دنیا اس کے لیے بڑی ثانوی سی اہمیت رکھتی تھی۔

شاید وہ تو اسے اپنی رعایا لگتی تھی۔ بے یار و مددگار، اس پر انحصار کرتی ہوئی۔ مکمل طور پر اس پر، میں۔ اور یہ کسی طور سچ بھی تو تھا۔ پاپا کے فیصلے نے اسے اس درجہ محکوم بنا دیا تھا ورنہ وہ مزاحمت کی رکھتی تھی اور مزاحمت تو اب بھی کر سکتی تھی۔ جس سبب اس نے یہ قید قبول کی تھی اس سزا کو سہنا قبول کیا تھا۔ وہ سبب اب موجود نہ رہا تھا۔ پاپا کے باعث اس نے خود کو پابند کیا تھا اور اب ماشاء اللہ وہ زندہ تھے۔ ایسے میں وہ کوئی فیصلہ تو کر سکتی تھی۔ ہر طرف سے کان بند کر کے فقط اپنے اندر کی بھی تو سن کر جینے کا حق تو اسے بھی حاصل تھا۔

کم از کم اسے یہ تو سوچنے کا حق تھا کہ وہ اتنی ارزاں نہیں۔ اتنی بے وقعت نہیں۔ اس کی حیثیت ہے۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کا رویہ کچھ بھی رہا ہو، فیصلہ بہرحال اسے لینا تھا۔ وہ مزید کسی آزمائش سے گزرنے کا ارادہ نہیں رکھتی تھی۔ کتنی دیر تک وہ اس رشتے کے متعلق سوچتی رہی تھی۔

پاپا سے بھی ملنے گئی تھی تو آنسو خود بخود آنکھوں سے امڈ امڈ آ رہے تھے۔

''بیٹا! کیا ہوا پاپا کی جان کو؟'' پاپا نے فکرمندی سے پوچھا تھا۔

''اوں، ہوں۔'' اس نے فوراً سر نفی میں ہلاتے ہوئے ہاتھ کی پشت سے آنکھیں رگڑی تھیں۔ ''بس آپ کو دیکھ کر پاپا! آئی لو یو پاپا!'' وہ جانے کیوں بہت کم ہمت ہو رہی تھی۔ انداز اچھا تھا۔ لیکن وہ پاپا کو پریشان کرنا نہیں چاہتی تھی تبھی کچھ دیر بیٹھنے اور ادھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد باہر آ گئی تھی۔ زوباریہ اسے اہم ترین معلومات دینے لگی تھی۔

''تمہارے پاپا کی خواہش کے عین مطابق تمہارے لیے ورجینیا میں ایک گھر خرید دیا ہے اور وہ والا اپارٹمنٹ تو آل ریڈی تمہارے نام ہے۔''

''اس کی کیا ضرورت تھی زوباریہ؟''

''ضرورت نہیں، اسے خواہش کہتے ہیں۔'' زوباریہ بہت ہولے سے مسکرائی تھی۔ ''تمہارے خواہش ہے یہ۔ انہوں نے اپنے سوئس اکاؤنٹ کو تم دونوں بہن بھائی کے نام منتقل کروا دیا ہے۔ ...پوری ہونے کے بعد تم دونوں حاصل کر سکو گے۔''

''زوباریہ!'' وہ ساکت رہ گئی تھی۔ جانے کیسے اندیشوں نے یک دم اسے آن گھیرا تھا۔ دل ایک دم مٹھی میں آ گیا تھا۔ آنکھوں کی نمی بڑھنے لگی تھی۔

''زوباریہ! میرے لیے پاپا اور میری فیملی ہی سب کچھ ہے۔ آپ پاپا سے کہہ دیں، ہم مل کر رہیں گے، ایک گھر میں، ایک چھت تلے، ہنسی خوشی رشتوں کی ڈور میں بندھے۔ رشتے اہم ہوتے ہیں زوباریہ! پیسہ، دولت کسی شے کا نعم البدل نہیں ہو سکتی۔ آپ پاپا کو منع کر دیں۔''

زوباریہ نے اس کی سمت دیکھا تھا۔ پھر ملائمت سے مسکراتے ہوئے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ دھر دیا تھا۔

''میرو! ہم نے جو کچھ بھی کیا وہ کچھ عجب نہیں ہے۔ سب ٹھیک ہے اور انشاء اللہ ٹھیک رہے گا۔ خدا تمہارے پاپا کو سلامت رکھے، زندگی دے۔ مگر میرو! ایسے معاملات ضروری خیال کیے جاتے ہیں۔ والدین اپنے بچوں کے لیے وہ سب کچھ کرتے ہیں جو انہیں ان کے لیے بہتر لگتا ہے۔ یہ تمہارے پاپا کی خواہش تھی۔ تم اسے ایک باپ کی طرف سے تحفہ سمجھو۔ مگر یہ کوئی بٹوارہ یا جائیداد کی تقسیم نہیں ہے۔ تمہاری رخصتی میں تو ابھی دیر ہوگی مگر بیٹیوں کی حقیقت تو فقط زبان سے نکالنے تک کی ہوتی ہے۔ کہاں ہیں اور پرائی ہوئی نہیں۔ والدین اپنی اولاد کو لے کر جہاں فکرمند ہوتے ہیں وہیں ان کے سہانے اور روشن مستقبل کو لے کر خواب بنتے اور انہیں تعبیریں بخشنے کی کوششیں کرتے ہیں۔ سمجھو لو، تمہارے پاپا بھی ابھی سے تمہاری رخصتی کی تیاریوں میں جت گئے ہیں۔ بہت خوشی سے وہ ایک ایک خواب بُن رہے ہیں۔ میرا نہیں خیال کہ تمہیں اس میں کوئی اعتراض ہونا چاہیے۔ تم کل میرے ساتھ چل کر وہ تمام پراپرٹی دیکھ لو جو مظہر نے تمہارے لیے خریدی ہے۔'' زوباریہ کسی درجہ حلاوت سے مخاطب تھی۔

اور وہ تو کبھی اس کے قریب آئی بھی نہ تھی۔ کبھی آنا چاہا ہی نہ تھا۔ بس ایک سرد مہری کی چادر اپنے چار سو لپیٹے اس تعلق سے دور بھاگتی رہی تھی۔ دانستہ فرار کی راہیں تلاشتی رہی تھی۔

''کیا ہوا؟ ــــ کچھ پریشان ہو تم؟'' زوباریہ نے اس کے چہرے کو بہت ہولے سے چھوتے ہوئے پوچھا تھا۔ وہ چونکی تھی پھر بہت ہولے سے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''آپ فانی کا ایڈمیشن یہیں کروا رہی ہیں؟''

''ہاں۔'' زوباریہ نے بہت مدھم لہجے میں جواب دیا تھا۔ ''دراصل تمہارے پاپا کے باعث ہمیں کچھ اور عرصہ یہاں قیام کرنا ہوگا۔ تم تو جانتی ہو پاکستان میں وہ سہولیات حاصل نہیں جو یہاں کے ہسپتالوں میں ہیں۔ ایک میجر سرجری کے بعد احتیاط کی ضرورت مزید بڑھ جاتی ہے۔ خدا نہ کرے کسی طرح کی کوئی کمپلیکیشن واقع ہو۔ مگر احتیاط پھر بھی ضروری ہے۔ زیادہ دیر نہیں مگر جتنا عرصہ یہاں رہیں گے، فانی کا لاسٹ رہے گا اور یہ کسی بھی طرح بہتر نہیں اس کے لیے۔ یہ ڈی سی ژن بھی تمہارے پاپا کے ہی کہنے پر لیا ہے ہم نے۔'' زوباریہ بہت دھیمے سے مسکرائی تھی۔

میرب سیال اپنی جگہ کچھ شرمندہ سی ہو گئی تھی۔ یقیناً اس کے قیاس غلط ثابت ہوئے تھے۔ اس کی

سوچوں نے خودرو جھاڑیوں کی مانند اس کے ذہن میں جگہ بنائی اور زد بار یہ اس کا چہرہ چھپاتے ہوئے دھیمے سے مسکرائی تھی اور پاپا کی جانب بڑھ گئی تھی۔ وہ وہیں کھڑی سوچ رہی ہوٹل واپس جانا چاہئے یا پھر فانی سے ملنے بروک لین۔ وہ ابھی سوچ ہی رہی تھی جب وہ شخص دیا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری مضبوط قدم اٹھاتا ہوا اس کی سمت بڑھ رہا تھا۔ وہ چلتا ہوا اس کے رکا تھا۔ چند ثانیوں تک خاموشی سے دیکھا تھا اسے.. پھر گویا ہوا تھا۔

''میں سیال صاحب سے مل کر آتا ہوں ـــــ تم جا کر گاڑی میں بیٹھو۔'' عجب تحکم تھا اس میں۔ میرب سیال نے اس شخص کی سمت دیکھنا چاہا تھا۔ شاید کوئی ردعمل بھی دینا چاہا تھا۔ مگر وہ سے آگے بڑھ گیا تھا۔

کتنی دیر وہ وہیں کھڑی رہی تھی۔ بنا کوئی فیصلہ کئے، بنا کسی حکم کو مانے۔ اور کیوں مانتی؟ یا کیا سمجھتا تھا وہ؟ کیا اپنی قطار میں لگی کھڑی مہ جبینوں میں سے کوئی ایک یا پھر اپنی رعایا کا کوئی فرد کیا تھی وہ اس کے لئے؟

سر جھکا کر کلائی پر نگاہ کی تھی۔ جہاں اس کی آہنی گرفت کے نشان اب بھی اسی طور ثبت تھے خود میں الجھی کھڑی تھی جب سردار سبکتگین حیدر لغاری وہاں دوبارہ لوٹ آیا تھا۔ اسے وہاں دیکھ کر کس قدر حیرت سے دیکھا تھا اسے۔ میرب سیال اس کی سمت جانے کیوں تکنا نہیں چاہتی تھی۔ سبکتگین حیدر لغاری نے اسے بہ غور دیکھا تھا۔ پھر بہت ہولے سے اپنا مضبوط ہاتھ بڑھا کر اس کے ہاتھ کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ میرب سیال نے چونک کر اس کی سمت دیکھا تھا مگر سردار لغاری بنا اس کی سمت متوجہ ہوئے اسے لے کر آگے بڑھنے لگا تھا اور وہ جو ایک قدم بھی اٹھانا نہیں چاہتی تھی جانے کیوں اس کے سنگ کھنچتی چلی گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے لے جا کر گاڑی میں بٹھایا تھا پھر خود بھی اس کے ساتھ بیٹھ گیا تھا۔ ڈرائیور نے گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔

اب کیا ارادہ تھا اس کا؟

کیا کرنے جا رہا تھا وہ؟

اس کے حوالے سے ہر آنے والا پل اسے حیرت سے دوچار کرتا تھا۔

پراسرار تھا وہ شخص اس کے لئے۔ اسے سمجھنے کا دعویٰ تو وہ رد وہ تو اس کے رویوں کو سمجھنے کی استعداد نہیں رکھتی تھی۔ کس قدر حیرت سے اس نے سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت نگاہ کی تھی۔ مگر وہ اس کی سمت متوجہ نہ تھا۔ سیل فون پر کسی سے بات کر رہا تھا۔

''تمام ضروری فائلز کو دیکھ لیجئے گا۔ یہ اسائنمنٹ بہت اہم ہے ہمارے لئے۔ سب کام مینیج کر دیا ہے میں نے.. میری ساری اپائنٹمنٹ کینسل کروا دیجئے۔ نو ایٹی بزنس میٹنگ۔ نو اپنی بزنس امپلائز دونوں تک آپ مجھے بالکل ڈسٹرب نہیں کریں گے۔ آئی ایم ٹیکنگ لیو فرام اپنی ہیڈک۔ کوئی فائلز وغیرہ مت بھیجئے گا۔ تمام ضروری فائلز سائن کر دی ہیں میں نے.. اہم ترین میٹنگز بھی نمٹا لی ہیں''

جانے کس سے مخاطب تھا۔ شاید کسی ماتحت سے ـــــ شاید ـــــ

میرب سیال نہ جاننا پائی تھی۔ مگر اس کی ہونے والی گفتگو سے اسے کچھ اسی طرح کا اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ اپنا اہم ترین امور سے رخصت لے رہا تھا۔ مگر کیوں؟

میرب سیال کی نظریں اپنے قریب بیٹھے سبکتگین حیدر لغاری پر مرکوز تھیں۔ کتنی قربت تھی۔ کتنے قریب تھے ـــــ فقط ایک ہاتھ کا فاصلہ۔ یا شاید اس سے بھی کم۔ ہاتھ بڑھاتی تو پل میں سارے فاصلے سمٹ جاتے۔ ہاتھ میں ہاتھ آتا تو کوئی دوری باقی بچتی ہی نہیں۔

مگر کتنی کج ادا تھا یہ شخص۔

کس قدر بے مہر تھا۔

کہانیوں کی کہانیاں لکھنے والے لمحے اس کے اور سردار سبکتگین حیدر لغاری کے درمیان جیسے خواب تھے۔ خواب جو فقط خواب ہوتے ہیں۔ جن کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔

وہ اسی طرح بدستور اس کی سمت دیکھ رہی تھی جب وہ فون بند کر کے اس کی سمت متوجہ ہوا تھا۔

''کیا ہوا؟'' اس کی کسی انجانی الجھن کا پتہ چاہا تھا۔

میرب سیال یکدم چونکی تھی۔ پھر فوراً ہی چہرہ پھیر گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے بہ غور دیکھا تھا۔ پھر بہت ہولے سے ہاتھ بڑھا کر اس کے ہاتھ کو تھام لیا تھا۔ میرب سیال کو جیسے کرنٹ چھو گیا تھا۔ چونک کر وہ اس کی سمت تکنے لگی تھی۔ سبکتگین حیدر لغاری اس کی سمت بہ غور دیکھ رہا تھا۔ اس نے ان روشن آنکھوں کو کبھی اس سے قبل غور سے نہیں دیکھا تھا۔ کبھی توجہ کی ہی نہیں تھی۔ نظر ملی بھی تھی تو بہت سرسری انداز میں وہ دیکھ کر پھیر لیتی تھی۔ وہ خوفزدہ نہیں تھی۔ مگر وہ کبھی اس کی جانب اس طرح دیکھ بھی نہ پائی تھی۔ ان آنکھوں کو اس طور دیکھ نہ پائی تھی جس طرح آج دیکھ رہی تھی۔ شاید کوئی رنگ خاص تھا ان آنکھوں میں۔ شاید وہ آنکھیں تھیں ہی انوکھی، یا پھر......

میرب سیال کا دل یکبارگی بہت تیزی سے دھڑکا تھا۔

اب کیا؟

کیا کرنے جا رہا تھا وہ؟

اب کیا ارادے تھے اس کے؟

وہ تو اک نگاہ غلط انداز بھی اس پر کرنا گوارا نہ کرتا تھا۔ نگاہ ملتی بھی تھی تو انداز حد درجہ سرسری ہوتا تھا۔ مگر اب..... کس وجہ فرصت سے وہ اس کی جانب مائل تھا۔

کس قدر توجہ سے اسے دیکھ رہا تھا۔

کیوں آخر؟

کیسی التفات؟

کوئی نوازش؟

یا پھر کوئی اور ستم۔

''کیا ہوا؟۔۔۔۔۔۔ اس طرح کیا دیکھ رہی ہو؟ طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟'' بہت توجہ ہوئے باقاعدہ ہاتھ بڑھا کر اس کی پیشانی اور چہرے کو چھوا تھا۔ ''ہر طرح کی فکر اور پریشانی کر لو اور...... اور ایجھنوں میں گھرنا کوئی اچھی بات نہیں ہے۔'' بہت دھیمے سے مسکراتے مخاطب تھا جیسے برسوں کے مراسم ہوں اور کبھی کسی طرح کا کوئی تفاوت رہا ہی نہ ہو۔ جیسے قربت باب ان کے درمیان درج ہوں اور شناسائی اپنے عروج پر ہو۔ کبھی کوئی سد راہ ان کے درمیان ہو۔ کوئی فاصلہ مابین رہا ہی نہ ہو اور......

''زندگی بہت دلکش ہے غالباً۔ اس میں فقط دلکشی ہونی چاہئے، رعنائی ہونی چاہئے۔ اُلجھن سلجھانے کو صدیاں پڑی ہیں اور صدیوں تک کون جیا ہے؟ ان آنے والی صدیوں کی فکر کرنے سے بہتر ہے نہیں کہ ان موجودہ لمحوں کو صدیوں پر محیط کر دیا جائے۔ ایک ایک پل پر، ایک ایک نئی کہانی لکھی جائے، دلکشی کی، رعنائی کی، لطافتوں کی۔ کیا خیال ہے؟'' اس کے چہرے کو ہوتے ہوئے وہ کسی درجہ توجہ سے مخاطب تھا اس سے۔ سپاٹ چہرے کی کیفیت کتنی مختلف تھی۔

لبوں پر کیسی مسکراہٹ تھی۔

کیا کیا ہونے جا رہا تھا؟

کیا کرنے والا تھا وہ؟

پھر کوئی نیا وار؟

یہ انداز تو نہ تھے اس کے۔ ایسے تیور تو نہ تھے۔ یہ آج اسے کیا ہو رہا تھا؟۔۔۔۔۔۔ سردار لغاری کہیں پاگل تو نہیں ہو رہا تھا؟

گاڑی تیزی سے فراٹے بھر رہی تھی۔

''کک...... کہاں جا رہے ہیں ہم؟'' اس نے بدلتے رستوں پر نگاہ کر کے کسی درجہ خوفزدہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت دیکھا تھا۔

وہ بہت رسانیت سے مسکرا دیا تھا۔ پھر بہت توجہ سے اسے دیکھا تھا۔

''ایک نئے جہاں کو ڈسکور کرنے۔۔۔۔۔۔ اک نئی دنیا کے سفر پہ۔''

سردار سبکتگین حیدر لغاری کا لہجہ مطمئن تھا۔ جیسے کوئی معمول کی بات ہو۔ میرب سیال نے حیرت سے اس شخص کو دیکھا تھا۔

''کیا۔۔۔۔۔۔ کہاں؟ کہاں جا رہے ہیں ہم؟'' کوشش کے باوجود وہ اپنے اندر کے خوف کو چھپا نہ سکی تھی۔ ہراساں سی اس لمحے وہ کسی قدر بے بسی سے سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت دیکھ رہی تھی کہ اس شخص کا اطمینان ہنوز برقرار تھا۔ کتنی توجہ سے اس لمحے اس پر نگاہ کی تھی۔ بہت دھیمے سے مسکرایا اور پھر اسی درجہ اطمینان سے گویا ہوا تھا۔

''کہا تو ہے۔ اک نئی دنیا کے سفر پر تھی! اس میں نہ سمجھ میں آنے والی کون سی بات ہے؟''

میرب سیال پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کی سمت تکتی چلی گئی تھی اور تب وہ اسی درجہ اطمینان سے اس کی جانب تکتا ہوا گویا ہوا تھا۔

''اینی پرابلم؟''

اس نے جیسے میکانکی انداز میں اس کی سمت یک ٹک تکتے ہوئے سر نفی میں ہلایا تھا۔ عجب ہونق انداز تھا وہ اس لمحے مکمل طور پر اپنا اعتماد کھو چکی تھی۔

''آر یو او کے؟۔۔۔۔۔۔ میرا مطلب ہے اچھا محسوس کر رہی ہو؟'' وہ ایک بار پھر نوازشوں کی بارش کرتا انتہائی دلکش انداز میں گویا تھا۔ جیسے اس سے بڑا اس کا کوئی ہمدرد اس ساری روئے زمین پر نہ ہو۔ اور میرب سیال کی آنکھوں میں حیرت ہی حیرت تھی۔ وہ جیسے سمجھ نہ پا رہی تھی کہ اس لمحے میں اسے کس طرح کا ردعمل ظاہر کرنا چاہئے۔ وہ جیسے اس لمحے مکمل طور پر خالی الذہن تھی۔ جیسے تمام کی تمام عقل سر پر پاؤں دھر کر رخصت ہو چکی تھی۔ پتہ نہیں اس شخص کا، اس کی شخصیت کا رعب ہی اتنا تھا یا پھر صورت حال ہی اتنی گھمبیر تھی کہ وہ فوری طور پر وہ کچھ بھی سمجھ نہیں پائی تھی۔ حالانکہ اتنی بے وقوف یا ہونق وہ کبھی بھی نہیں رہی تھی۔ مگر اس شخص کے سامنے جانے کیوں وہ کبھی بھی اپنی شخصیت کا مکمل اعتماد ظاہر نہیں کر پائی تھی۔ جانے وہ اس معاملے میں مرعوب تھی یا کنفیوژڈ یا پھر خوفزدہ۔

وہ اسی کیفیت میں سردار سبکتگین حیدر لغاری کی جانب دیکھ رہی تھی جب وہ بولا تھا۔

''آر یو سکیرڈ؟''

تب اس لمحے یکدم ہی میرب سیال کا سر نفی میں ہلتا چلا گیا تھا۔ پتہ نہیں وہ اتنی اثر پذیر کیسے واقع ہوئی تھی۔

''تو پھر؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بغور تکتے ہوئے جواز چاہا تھا اور تب جانے کیوں وہ کچھ بول ہی نہ سکی تھی۔ جانے کیوں ذہن جیسے ماؤف ہو گیا تھا۔ زبان جیسے قوت گویائی کھو چکی تھی۔ گاڑی تیزی سے ایئرپورٹ کی سمت بڑھ رہی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی اس کے ساتھ کیا ہونے جا رہا تھا۔ کیا ہونے والا تھا۔

اس شخص کا اگلا قدم کیا تھا۔ وہ شاید اندازہ بھی نہیں کر سکتی تھی۔

اس کی منصوبہ سازی، اس کی سوچ سے بھی سوا تھی۔

اس کی سوچوں تک رسائی جیسے ناممکن تھی۔

عجب دھوپ چھاؤں سا شخص تھا۔ عجب مزاج تھا اس کا۔ نہ سمجھ میں آنے والا۔ کتنے رنگ تھے اس کے ہر رنگ پہلے سے کتنا مختلف تھا۔ وہ سوچتی بھی تو کبھی سمجھ نہ پاتی۔ شاید اس شخص کو اس کے لئے ایک معمہ بنا رہا تھا۔ وہ اسے کبھی بھی سمجھ نہیں سکی تھی۔ چاہتی بھی تو نہیں۔ بہت الجھا ہوا شخص تھا وہ۔ ریاضی کے فارمولوں سے بھی کہیں زیادہ الجھا ہوا۔

اور وہ...... وہ جیسے بہت زیادہ تھک چکی تھی۔ پورا وجود جیسے اس لمحے شل سا لگ رہا تھا۔ ہمت جیسے

نابید تھی۔ وہ احتجاج تو کیا کرتی وہ تو اس سے نگاہ ملا کر کچھ دریافت کرنے کی ہمت خود میں نہیں پاتی
نگاہ حیران سی تھی اور زبان گنگ۔
کتنی آہستگی سے اس نے اس لمحے اپنے بے ہمت وجود کو جنبش دے کر سر سیٹ کی پشت پر ڈالا
آنکھیں موند لی تھیں۔
یقیناً وہ مزاحمت نہیں کر سکی تھی۔
اختلاف رائے نہیں کر سکی تھی۔
یہ اس کے بس کی بات شاید نہیں تھی۔

محبت اور جنگ میں سب جائز ہے۔ شاید تبھی عفنان علی خان کو اپنے سارے اقدام حق پر نظر آ رہے
تھے۔ شاید یہ انسانی فطرت ہے۔ یہ بات سائیکی سے ریلیٹ ہے۔ انسان کا پرسنل انٹرسٹ اس کی پہلی
ترجیح زار پاتا ہے۔ بالکل اسی طرح جب جان اپنی مشکل میں ہو تو کسی اور طرف کی فکر قطعاً نہیں ستاتی۔
جب اپنے گھر میں آگ لگی ہو تو سد باب کے لیے پہلا خیال اپنے ہی گھر کا آتا ہے۔ سارے اقدامات
اس لیے ہی اپنے مفاد کے لیے عمل میں آتے ہیں۔ فکر اس لمحے فقط اپنی ستاتی ہے۔ ہزاروں تدبیریں
کی جاتی ہیں فی الفور اس تکلیف اور پریشانی سے نجات کے لیے۔ دنیا کی کوئی فکر باقی نہیں رہتی۔ کہیں
کچھ بھی ہو رہا ہو، کسی طرح کی مصیبت آ جائے، کوئی بھی خطرہ عود کر آئے، کوئی انوکھی واردات ہو
جائے، کوئی سانحہ گزر جائے، کہیں کوئی قیامت آ جائے۔ مگر فکر پھر بھی اپنے گھر کی ہی ستاتی ہے۔
عفنان علی خان کے لیے بھی اپنی جان کی اضطرابیت کو جھیلنا اور سہنا آسان نہ تھا۔ بہت مشکل میں تھی
وہ۔ اور تمام تر نگاہ فقط اپنی جان پر مرکوز تھی۔ پہلی ترجیح اس کی اپنی ذات تھی۔ معاملہ بھی تو دل کا تھا۔ اور
جان مشکل میں تھی۔ پھر کیسے اقدامات کی فکر نہ ستاتی۔
شاید یہ کسی قدر خود غرضی کے زمرے میں آتا تھا۔ مگر اس کے سوا جیسے کوئی چارہ بھی نہ تھا۔
غلط اور صحیح کی فکر ان حالات میں قطعاً نہیں رہتی۔ سب ثانوی نظر آتا ہے۔ فقط اپنا آپ صحیح نظر آتا
ہے۔ اور عفنان علی خان کے لیے بھی فقط اپنا آپ اہم تھا۔ اپنا دل اہم تھا۔ اپنی جان اہم تھی۔ باقی سب
ثانوی نظر آ رہا تھا۔ کسی جھوٹ پر شرمندگی نہ تھی۔ کسی اقدام پر کوئی پشیمانی نہ تھی۔ سب حق پر نظر آ رہا تھا۔
غلط کیا کچھ بھی تھا اسے قطعاً فکر نہ تھی۔
سمندر کی وسعتوں کو بغور تکتے ہوئے وہ یقیناً اس لمحے اس ماحول کا حصہ نہ تھا۔ لامعہ حق نے اسے
بغور دیکھا تھا۔ پھر بہت دھیمے سے بولی تھی۔
"عفنان علی خان! کہاں ہو تم؟"
"ہوں۔۔۔" وہ بے طرح چونکا تھا پھر اس کی سمت تکتے ہوئے سر بہت ہولے سے نفی میں ہلا دیا
تھا۔ ایک دل کش مسکراہٹ لبوں کا حصہ ہوئی تھی۔
"یہیں تو ہوں۔"
"پھر میرے ساتھ کیوں نہیں ہو؟" لامعہ حق نے مدھم لہجے میں جیسے جتایا تھا۔ عفنان علی خان نے اس
کی سمت دیکھا تھا پھر بہت ہولے سے مسکرا دیا تھا۔

"تمہارے ساتھ ہی تو ہوں۔" لہجہ مدھم اور کھویا کھویا سا تھا جیسے اس لمحے اسے خود کی کچھ خبر
"تو پھر میرے ساتھ کیوں نہیں ہو؟" لامعہ حق نے بہت مان سے اس کے ہاتھ پر اپنا ہا
ہوئے شگفتہ چہرے کے ساتھ اسے دیکھا تھا۔ وہ نگاہ پھیرتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

تم میرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

لہجہ بہت مدھم تھا۔ جیسے کوئی بے خبری مدھم سرگوشی۔ لامعہ حق نے پرغور نگاہ کی تھی اس پر۔
"کچھ گمشدہ سے لگ رہے ہو؟"
عفنان علی خان اس سوال پر چونکا قطعاً نہیں تھا۔ نہ ہی کسی طرح کی کوئی حیرت اس کے چہرے
ہوئی تھی۔ وہ اسی طرح بے فکری سے سمندر کی وسعتوں پر نگاہ مرکوز کیے رہا تھا۔ مگر اک دھیمی
اس لمحے اس کے چہرے کا حصہ ضرور ہوئی تھی۔ اس کی جانب دیکھے بغیر اس کے لب بہت ہو
ہلے تھے۔

میری دیوانگی پہ اس قدر حیران ہوتے ہو
میرا نقصان تو دیکھو محبت گمشدہ میری

عجب کھویا کھویا سا انداز تھا۔ جیسے اسے اپنے اردگرد سے کچھ واسطہ نہ ہو۔ جیسے اپنے آپ کی
ہو۔ کچھ خبر نہ ہو۔ جانے کس دیس کا اسیر تھا وہ۔
جانے کن جہانوں میں بس رہا تھا۔
"خیریت؟ ___ کہیں کسی نے چرا تو نہیں لیا تمہیں مجھ سے؟" لامعہ حق نے بہت د
مسکراتے ہوئے دریافت کیا تھا۔
عفنان علی خان بہت بے فکری سے مسکرا دیا تھا۔
"ایسی سنگین غلطی کوئی نہیں کرسکتا۔ بے فکر رہو۔"
"اور جو اس وقت تمہارے ساتھ ہے؟" لامعہ حق کا سوال بہت واضح تھا۔ عفنان علی خان کے
بڑی دلفریب مسکراہٹ بکھری تھی۔
"اسی کے ساتھ تو ہوں۔" انداز بہت مسرور تھا۔
"اور میں؟" لامعہ حق کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ مگر سیاہ کٹورا آنکھوں میں بہت سے خدشے آن
تھے جن کی یقیناً کوئی فکر محترم عفنان علی خان کو قطعاً نہیں تھی۔ شاید تبھی ان لمحوں میں اس شخص کے
ٹھہری مسکراہٹ کچھ گہری ہوگئی تھی۔
"کیا ___ کیا سننا چاہتی ہو تم؟" وہ اس کی سمت بہت توجہ کے ساتھ تکنے لگا تھا۔ انداز دل
تھا۔ وہ یقیناً اس لمحے بہت محظوظ ہو رہا تھا۔
"کیا کہو گے تم؟" لامعہ حق بھی دوسری سمت کمزور قطعاً نہیں پڑی تھی۔ لبوں پر وہ دلربا مسکرا
طلوع رہی تھی۔

"مجھے کیا کہنا چاہئے لامعہ؟" عفنان علی خان نے الٹا سوال کر کے اسے مشکل میں ڈال دیا تھا۔
"کچھ بھی۔ مگر کوئی جھوٹ نہیں۔"
"کوئی دلفریب، جاناں نسل جھوٹ بھی نہیں؟ دل کچھ تو بہلنا چاہتا ہوگا۔" زیر لب مسکراتے ہوئے
لامعہ حق کو دیکھا تھا۔ جواباً لامعہ حق نے اسے چند ثانیوں تک اسی طرح دیکھا تھا پھر بہت ہولے سے
مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔
"نہیں عفنان علی خان! دل ناداں ضرور ہے مگر اتنا بھی نہیں۔ شوق کی منزلیں بے شک سہی مگر کبھی
یہ سب کچھ مان لو۔ یہ ضروری بھی نہیں۔"
عفنان علی خان کو جیسے اس درجہ مدلل جواب کی امید اس کی جانب سے نہیں تھی۔ شاید تبھی وہ اس کی
سمت تکتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔
"تم کب سے خردمندی کے اشاروں پر چلنے لگیں لامعہ حق؟" اس کی حیرت یقیناً سوا تھی۔
"کیوں ___ تم مجھے اس درجہ کم عقل جانتے ہو؟"
عفنان علی خان نے لب بھینچ کر چند ثانیوں تک جیسے سوچا تھا۔ پھر مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔
"یقیناً نہیں۔ حسن کو جھٹلانے کی سعی یقیناً میں نہیں کرسکتا۔ میں ہی کیا، کوئی بھی ایسی غلطی نہیں کرسکتا۔"
"اب یقیناً تم ڈپلومیسی سے کام لے رہے ہو۔" وہ مکمل اعتماد سے مسکرائی تھی۔
"اوں ہوں ___ اسے میانہ روی کہتے ہیں۔" وہ مسکرایا تھا اور پھر ہنس دیا تھا۔ "بائے دی وے، تم
کیا چاہتی ہو؟"
"کہوں تو کیا جان لوگے؟" وہ شگفتگی سے مسکرائی تھی۔
"شاید۔" عفنان علی خان نے سر پرُخیال انداز میں ہلایا تھا۔
"شاید نہیں۔" لامعہ حق نے مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلایا تھا پھر لب بھینچ کر چہرے کا رخ پھیرا تھا
اور نگاہ سمندر کی وسعتوں پر جما دی تھی۔
"یہ معاملات بہت عجیب ہوتے ہیں عفنان علی خان! شاید تم جان نہ پاؤ۔ کہنا، جتانا کبھی کبھی بہت
بے وقعت کر دیتا ہے۔ بہت بے معنی لگتا ہے ایسے میں سب کچھ۔"
وہ بہت آہستگی سے اٹھی تھی اور چلتے ہوئے سمندر کی لہروں کے سنگ ہو لی تھی۔ عفنان علی خان نے
اسے دیکھا تھا۔ دل اس جانب مائل قطعاً نہ تھا مگر اس لمحے توجہ کے در بند رکھنا جیسے اسے روا نہ لگا تھا۔ شاید
کسی مروت کے ساتھ ہی سہی، وہ اس لمحے اٹھا ضرور تھا اور چلتے ہوئے اس کے سنگ جا ملا تھا۔
"یہی ___ یہی منشا تھی نا دل کی؟" اس کی سمت تکتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ وہ اس لمحے اس کے ہم
قدم تھا۔ مگر لامعہ حق نے کسی قدر پرُ الجھن نظروں سے اس کی سمت دیکھا تھا۔ شاید وہ اس کے جملے سے
کچھ اخذ نہ کر پائی تھی۔ عفنان علی خان بہت بھرپور انداز میں مسکرا دیا تھا۔
"ہم قدم رہوں ___ تمہارے ساتھ رہوں۔ قدم قدم سنگ رہوں۔ لمحہ لمحہ سنگ چلوں۔" وہ جیسے
اپنے کسی الہام سے جیسے غیب کے بھید پا گیا تھا۔ لامعہ حق نے اس کی سمت دیکھا تھا مگر نظر کے کسی زاویے

سے نہ لگا تھا کہ وہ کبھی کسی بات سے مرعوب ہوئی ہے یا حیرت نے اسے چاروں سمتوں سے آن گھیرا ہو۔ بولی بھی تھی تو انداز بہت بے فکر تھا۔

"اس میں عجب بات کیا ہے عفنان علی خان؟ جو تعلق تم میں اور مجھ میں ہے اسے دیکھا جائے تو بات کچھ اتنی انوکھی بھی نہیں۔"

اس نے مکمل طور پر اسے رد کیا تھا۔ مگر عفنان علی خان اس کی سمت تکتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

"باندھ کر رکھنا چاہتی ہو اپنے پلو سے؟ ــــــ اپنا پابند رکھنا چاہتی ہو؟"

"آزاد چھوڑ دوں گی تو یہ بھی تو مناسب نہ ہوگا۔" وہ بہت شگفتگی سے مسکرائی تھی۔ "تم کیا چاہتے ہو، تمہیں آزاد چھوڑ دیا جائے؟ بندھے ہوئے بندھنوں سے کس قدر نالاں ہو؟ رہائی چاہتے ہو؟ اسیری سے وحشت ہو رہی ہے؟" انداز بہت سرسری تھا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے؟" عفنان نے پوچھا تھا۔

"مجھے؟ ــــــ مجھے لگتا ہے عفنان علی خان! تم......" اس نے کچھ کہنا چاہا تھا پھر جانے کیوں لب بھینچ کر چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔ عفنان علی خان بہ غور اس کی سمت تکتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

"کہونا ــــــ رک کیوں گئیں؟ میں منتظر ہوں سننے کے لئے۔ کسی سنسنی خیز انکشاف کے لئے، الزام کے لئے۔ حوصلہ ہے مجھ میں۔" وہ اس کیفیت سے حد درجہ محظوظ ہو رہا تھا۔

لامعہ حق نے اب کے کسی قدر سنجیدگی سے اسے دیکھا تھا۔ پھر اسی قدر مدھم لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

"تم بہت مشکل شخص ہو میرے لئے عفنان علی خان! مجھے یقین ہے مجھے کھو کر تمہیں کسی طرح کا کا پچھتاوا نہیں ستائے گا۔ تم بہت سکون میں رہو گے یقیناً۔" اس نے جیسے جلے دل کے پھپھولے پھوڑے تھے اور اس لمحے عفنان علی خان کا قہقہہ بہت بے ساختہ تھا۔

"تمہیں کس نے بتائی یہ بات؟"

مگر لامعہ حق کچھ نہیں بولی تھی۔ چہرے کا رخ پھیرے ساحل کی لہروں کے سنگ چلتی رہی تھی۔

"سنو، کسی نے بہت غلط اطلاع دی ہے تمہیں کہ تم خفا ہو کر غصے میں اچھی لگتی ہو۔" اس کا موڈ بحال کرنا چاہا تھا۔ مگر وہ اسی طرح چہرے کا رخ پھیرے رہی تھی۔

"جانتی ہوں۔"

"کیا؟" عفنان علی خان نے دلچسپی سے بہ غور اسے دیکھا تھا۔

"تمہارے دل میں میرے لئے کوئی جگہ نہیں۔"

عفنان علی خان بہت بے ساختہ ہنسا تھا۔

"افسوس، ابھی ایسی کوئی پلاننگ میں نے کی نہیں۔ جب اس کے متعلق سوچوں گا تو سب سے پہلا تمہیں مطلع کروں گا۔ امید ہے تم چانس مس نہیں کرو گی۔ یقیناً ایک گولڈن اپرچونٹی ہوگی یہ تمہارے لئے۔"

وہ سنجیدگی سے اسے منانے پر بضد نظر آ رہا تھا۔

"تم فور بیڈ روم کا سپر لگژری اپارٹمنٹ بڑے آرام سے بک کروا سکو گی۔ اس سے زیادہ کے متعلق سوچنا مت۔ دل کے والوز (خانے) اس سے زیادہ ہوتے نہیں۔ سو اس سے زیادہ کی کوئی رعایت میں نہیں دینے سے قاصر ہوں۔" وہ مسکرا رہا تھا۔

لامعہ حق نے اس کی سمت دیکھا تھا۔ لبوں پر بکھرتی مسکراہٹ کو وہ اس لمحے روک نہیں سکی تھی۔

"باتیں بنانا تو بہت خوب آتی ہیں۔"

"اس کے علاوہ بھی کئی گڈ کوالٹیز ہیں مجھ میں۔ تم نے شاید کبھی غور نہیں کیا۔ کبھی فرصت ملے تو سوچنا۔" کس قدر مدھم سرگوشی کی تھی۔

"میں تمہارے بارے میں سوچوں اور تم؟"

"او گاڈ، یہ لڑکیاں بھی۔ دل کے چار کے چار کمرے تمہیں لکھ کر دینے کو تیار بیٹھا ہوں اور تم اک ذرا سا اعتبار تک نہیں کر سکتیں۔"

"تمہارا کوئی بھی انداز اعتبار سونپنے والا نہیں ہے عفنان علی خان! ہر اقدام سے کج روی کی جھلک صاف دکھائی دیتی ہے۔" لامعہ حق کا موڈ بحال ہو چکا تھا اور وہ اس لمحے مسکرا رہی تھی۔ عفنان علی خان نے اس کی سمت لب بھینچ کر جیسے ہزار ضبط سے دیکھا تھا پھر اسی خاموشی سے اس کا ہاتھ تھاما تھا اور گاڑی کی سمت بڑھنے لگا تھا۔ لامعہ حق اس اقدام پر حیران ضرور ہوئی تھی مگر بولی کچھ نہیں تھی۔ جو بھی تھا، اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ اچھا ضرور لگ رہا تھا۔ دل میں آرزو بھی جاگی تھی، یہ ساتھ ہمیشہ یونہی قائم رہے۔ یہ ہاتھ یونہی ہاتھ میں رہے اور یہ خواب آسا لمحے کبھی ختم نہ ہوں۔

پتہ نہیں ایسا ممکن تھا بھی کہ نہیں۔

❋❋❋

سامیہ خان اس شور اور ہنگامے کی عادی نہ تھی۔ اکیلے کے خیال سے وہ لڑکیوں کے درمیان بیٹھ تو گئی تھی مگر ڈھولک کی تھاپ اور بے ڈھب آوازوں نے اسے خاصا بدمزہ کر دیا تھا۔ وہ بے دھیانی میں ادھر ادھر دیکھ رہی تھی جب عین سامنے قدرے کچھ فاصلے پر اسے سید اذہان حسن بخاری، فارحہ کے ساتھ کھڑا نظر آیا تھا۔ اس طرح جم کر ایک جگہ پر بیٹھنا اس کی فطرت میں نہ تھا۔ سو اسے دیکھ کر ایک لمحے میں اس کے چہرے پر زندگی دوڑ گئی تھی۔ وہ فوراً اٹھی تھی اور اس کی سمت بڑھنے لگی تھی۔

"تھینک گاڈ! تم نظر آ گئے۔ ورنہ میری برداشت جواب دے چکی تھی۔ چلو فوراً نکلو یہاں سے۔" اس کا بازو تھام کر وہ عجلت سے پُر انداز میں بولی تھی۔ اذہان حسن بخاری نے ماں کے سامنے خجل سا ہو کر اس کی سمت دیکھا تھا۔ تبھی شاید سامیہ خان کو بھی اپنی غلطی کا اندازہ ہوا تھا۔ کسی قدر خجل ہو کر سامیہ نے فارحہ کی سمت دیکھا تھا۔

"السلام علیکم آنٹی! کیسی ہیں آپ؟"

فارحہ بہ غور دلچسپی سے اسے دیکھتی ہوئی مسکرائی پھر اس کے گال کو بہت ہولے سے تھپتھپاتی ہوئی گویا ہوئی تھیں۔

''میں ٹھیک ہوں بیٹا! تم کچھ الجھن میں نظر آ رہی ہو۔ خیریت؟''

''جی، وہ بس ایچو تیلی اتنا شور ہضم نہیں ہوتا مجھ سے۔''

''تو سیدھے سے کہو نا، تم آنٹی کے اس ہینڈسم، ڈیشنگ بیٹے کے ساتھ گھومنے جانا چاہتی ہو۔'' اذہان حسن بخاری نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تھا۔ وہ ہنس دی تھی۔

''کم آن، اب میری مجبوری سے اتنا زیادہ فائدہ بھی مت اٹھاؤ۔ میں تمہیں کسی طرح کا جھوٹ بولنے کی اجازت قطعاً نہیں دے سکتی اور وہ بھی اتنا بڑا جھوٹ۔''

''جھوٹ؟'' اذہان حسن بخاری بے طرح چونکا تھا۔ ''یہ جھوٹ ہے۔'' اذہان حسن بخاری کا ارادہ اسے تنگ کرنے کا تھا۔ مگر اس لمحے ساہیہ خان زچ ہو گئی تھی۔

''تم چلو یہاں سے۔ اس کا فیصلہ ہم بعد میں کر لیں گے۔ بائے آنٹی۔'' اسے کھینچتی ہوئی وہ تیزی سے وہاں سے نکل آئی تھی۔

باہر نکل کر اس نے کھلی فضا میں ایک گہرا سانس لیا تھا اور ماحول کی تمام لطافتوں کو جیسے اپنے اندر اتارا تھا۔

''تھینک گاڈ۔'' اس نے سر اٹھا کر آسمان کی وسعتوں کو اک نظر دیکھا تھا۔ اذہان حسن بخاری نے اسے کسی قدر دلچسپی سے دیکھا تھا۔

''وہ سب تو ٹھیک ہے ـــــ لیکن یہ میرا بازو کیا یونہی تھامے رہنے کا ارادہ ہے؟'' دھیمے سے مسکراتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

ساہیہ خان نے اس کی سمت دیکھا تھا۔ تبھی وہ مسکرا دیا تھا۔

''نہیں۔ میں فقط یہ کنفرم کرنا چاہ رہا تھا اگر ارادہ بدستور تھامے رکھنے کا ہے تو میں ذہنی طور پر تیار ہو جاؤں۔'' وہ یقیناً سنجیدہ نہ تھا۔ اس لمحے آنکھوں میں ایک شرارت رکی ہوئی تھی۔

ساہیہ خان مسکرائی تھی پھر داہنے ہاتھ کا ایک مکا بنا کر اس کے شانے پر دے مارا تھا۔ ساتھ ہی قدرے خجل ہو کر اس کے بازو کو اپنی گرفت سے رہا کر دیا تھا۔

''نہیں۔ میرا مطلب یہ قطعاً نہ تھا۔ بازو تھامے رکھ سکتی ہو مگر کتنی دیر؟'' وہ شرارت سے بھرپور انداز میں مسکرا رہا تھا۔ بلیک سوٹ کے ساتھ آف وائٹ شرٹ اور ڈارک ٹائی میں وہ اس لمحے خاصا وجیہہ لگ رہا تھا۔ ساہیہ اسے تکتی ہوئی مسکرا دی تھی۔

''اذہان حسن بخاری! تم چالاک ہو گئے ہو۔ مگر یہ اسمارٹنس یہاں کام نہیں آنے والی۔ ساہیہ عالم کی لڑکی کم از کم تمہاری باتوں میں نہیں آنے والی۔ یہ جال کہیں اور جا کر بچھاؤ۔''

''اچھا؟'' وہ محظوظ ہوئے بغیر نہیں رہا تھا۔ قہقہہ بہت بے ساختہ تھا۔

''تمہیں کس نے کہا کہ میں یہاں کوئی جال بچھا رہا ہوں؟''

''تمہاری باتوں نے۔'' ساہیہ خان مسکرائی تھی۔

''اور آنکھیں؟'' اذہان حسن بخاری نے بغور دلچسپی سے اسے دیکھا تھا۔

''نہیں ـــــ'' لمحہ بھر کو سوچا تھا پھر شانے بہت بے فکری سے اچکاتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''ایسا تجربہ مجھے کبھی نہیں ہوا۔''

''کوئی ارادہ بھی نہیں ہے؟'' دھیمے لہجے میں دریافت ہوا تھا۔

''اذہان!'' ساہیہ خان زچ ہو گئی تھی۔ لب بھینچ کر مسکراتے ہوئے اسے گھورا تھا۔

''اب اگر کوئی اول فول بکی تو میں تنہا کہیں چلی جاؤں گی۔'' تنگ کرنے پر باقاعدہ دھمکی دی تھی۔

''کیسے؟ ـــــ تمہیں تو یہاں کے راستوں کی بھی خبر نہیں۔''

''اب اتنی بھی ڈفر نہیں ہوں میں۔ بچپن انہی گلیوں میں گزرا ہے۔'' ساہیہ بے فکری سے مسکرائی تھی۔

''ہاں۔ مگر اب کافی کچھ تبدیلیاں رونما ہو چکی ہیں۔ اور پھر تمہیں میرے ساتھ کی عادت بھی تو ہے۔''

''عادت؟'' وہ بے طرح چونکی تھی۔ ''غالباً آپ اس جگہ لفظ ''ضرورت'' استعمال کرنا چاہ رہے تھے۔ بڑی اچھی کمزوری ہے آپ کی۔'' اس نے تصحیح کرتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ مگر وہ مسکرا دیا تھا۔

''جانا کہاں ہے؟''

''کیا مطلب جانا کہاں ہے۔ کسی بھی پُرسکون جگہ۔ گاڑی نکال لو۔ کچھ اور نہیں تو لانگ ڈرائیو کے متعلق ہی سوچ لو۔ اب کیا یہ سب کچھ بھی تمہیں میں ہی بتاؤں؟''

''نہیں۔ میں دراصل سفر کے متعلق سوچ رہا تھا۔ تمہارا سفر تو یقیناً بہت شاندار کٹے گا۔ مگر مجھے کسی قدر زخم ضرور کرنا پڑے گا۔ اردو والا نہیں، انگریزی والا۔'' آنکھوں میں شرارت لیے مسکرا رہا تھا۔

''تمہیں احساس نہیں ہے شاید، اب ہم بڑے ہو چکے ہیں۔'' جانے کیا جتانا چاہا تھا۔ مگر اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

''ہاں ـــــ مگر وہ زمانہ فراموش نہیں کر سکتا جب میں ایک انتہائی معصوم بچہ تھا اور تم مجھے ہمیشہ ڈومینیٹ کیا کرتی تھیں۔'' اس کا جواز بہت بچکانہ تھا۔ ساہیہ خان بے ساختہ مسکرائی تھی۔

''اور سارے حساب کتاب اب پورے کرو گے؟''

''کیا حرج ہے۔'' اذہان حسن بخاری نے بے فکری سے شانے اچکائے تھے۔ ''موقع ہی اب دیا ہے تم نے۔'' وہ مسکرا رہا تھا۔

''تم ہی نے نہیں، تمہیں وقت نے موقع ہی اب دیا ہے۔'' ساہیہ نے وضاحت دی تھی۔

''کیا فرق پڑتا ہے۔ اب یا تب۔''

''بدلہ لو گے مجھ سے؟''

''معاف کر دوں گا تو یقیناً یہ اقدام مناسب نہ ہوگا۔'' گاڑی کی سمت پیش قدمی کی تھی۔

''او، تم بچپن کی باتوں کو اب تک دل سے لگائے بیٹھے ہو؟'' ڈرائیونگ سنبھالتے ہوئے اس شخص کو دیکھا تھا جس کے چہرے پر ایک دھیمی سی مسکراہٹ رکی ہوئی تھی۔

''تم بڑی ہی اتنا گہرا چھوڑ گئی تھیں۔'' اذہان حسن بخاری اس کی سمت متوجہ نہیں تھا مگر اس کے لبوں کی

مسکراہٹ اس لمحے کچھ گہری ہو گئی تھی۔ ساہیہ خان جیسی بااعتماد لڑکی نے اسے چند ثانیوں تک دیکھا تھا۔ پھر چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

"بہت کچھ بدل گیا ہے نا یہاں۔" شہر کے راستوں کو تکتے ہوئے غالباً وہ کسی قدر حیراں ہوئی۔

"ہاں ـــــ مگر اندر کے سارے زمانے اب بھی ویسے ہی ہیں۔ سارے موسم ویسا ہی ٹھہرا۔"

"اذہان!" وہ جیسے اب ضبط ہار گئی تھی۔

"لے کر کہاں جا رہے ہو؟"

"دور کہیں۔ جہاں کوئی روکنے والا نہ ہو۔ جہاں کوئی ٹوکنے والا نہ ہو۔"

"شٹ اپ اذہان!" ساہیہ خان کے لبوں پہ مسکراہٹ کھیل گئی تھی۔

"اچھا چلو، تم بتاؤ، کہاں جانا ہے؟ میں کچھ کہوں گا تو پھر ڈانٹو گی۔"

"اتنا وقت گزر گیا ہے۔ مجھے تو کچھ بھی یاد نہیں۔" ساہیہ نے لاعلمی کا اظہار کیا تھا۔

"لیکن مجھے تو سب کچھ یاد ہے۔" اذہان حسن بخاری نے ونڈ اسکرین سے نگاہ ہٹا کر اسے دیکھا۔

"کیا؟" وہ چونکی تھی۔

"اک بقراطی چشمے والی لڑکی تھی۔ اور وہ مجھے بہت ستاتی تھی۔" وہ مسکرایا تھا۔ ساہیہ خان ہنس دی۔

"اور تم سارے حساب بے باق کرنے کی کوشش میں ہو۔"

"ہوں۔ زیادہ نہیں۔ مگر کسی حد تک تو۔" وہ چھیڑنے سے باز نہیں رہا تھا۔

"شیم آن یو اذہان! تمہارے شہر میں مہمانوں کے ساتھ اس طرح کا سلوک روا رکھا جاتا ہے؟" وہ ہنسی تھی۔ اس کی ہنسی بہت جلترنگ بجاتی ہوئی تھی۔

"سبھی کے ساتھ تو نہیں۔ مگر کچھ خاص دوستوں کے ساتھ۔" پرغور نگاہ کی تھی۔

"ابھی کہاں لے کر جا رہے ہو؟" ساہیہ نے موضوع بدلا تھا۔

"بتایا تو تھا۔" وہ اسی بے نیازی سے مسکرایا تھا۔ مگر ساہیہ جواباً کچھ نہیں بولی تھی۔ اذہان حسن نے بھی مزید کچھ نہیں کہا تھا۔ گاڑی سمندر کے کنارے روک دی تھی۔ ساہیہ بے طرح چونکی تھی۔

"تمہیں کس طرح پتہ چلا کہ اس وقت میرا دل سمندر کے لیے چاہ رہا ہے؟" وہ دروازہ کھول کر نکل آئی تھی۔

"شاید۔ نا تمہیں تم نے دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ مجھے وہ چھوٹی سی بقراطی چشمے والی لڑکی بھولی نہیں جو سمندر کے کنارے بیٹھ کر ریت سے گھروندے بنایا کرتی تھی۔"

"تم ایک بے رحم اور چالاک، انہیں ایک ہی وار میں ڈھا دیا کرتے تھے۔"

کتنا شوق تھا اسے ریت کے کچے گھروندے بنانے کا۔

اور کتنا بیر تھا اس لڑکے کو ان کچے گھروندوں سے۔

"تم لڑکیاں ہمیشہ کچے گھروندے ہی کیوں بناتی ہو؟" پرغور تکتے ہوئے دلچسپ سوال اٹھایا تھا۔

"پتہ نہیں۔ لیکن یہ خواب گھروندے بہت لطف ضرور دیتے ہیں۔" ساہیہ نے اعتراف کیا تھا۔

"بے وقوفی۔ سراسر بے وقوفی کے سوا یہ کچھ نہیں۔"

"شاید۔ مگر خوابوں پر اختیار کسے ہوا ہے؟"

"تم خواب دیکھتی ہو؟"

"ہاں، کبھی کبھی۔" ساہیہ خان مسکرائی تھی۔ اس کے رخسار کا ڈمپل بہت واضح ہو گیا تھا۔

"اور تم؟" سوالیہ نظروں سے اذہان حسن بخاری کی سمت دیکھا تھا۔ وہ مسکرا دیا تھا۔

"کبھی اتفاق نہیں ہوا۔" شانے اچکائے تھے۔

"تم نے کوشش نہیں کی یا کسی خواب نے پلکوں پہ کبھی دستک ہی نہیں دی؟"

وہ اس سوال پہ محظوظ ہوتے ہوئے چہرے کا رخ پھیر گیا تھا۔ ساہیہ خان اس کی سمت بغور تکتے گئی تھی۔ پتہ نہیں اس نے گریز کیوں برتا تھا۔ جواب دینے میں تامل کیوں برتا تھا مگر ساہیہ خان نے بھی اس لمحے میں اس پر کوئی دباؤ نہیں ڈالا تھا۔ وہ اسی طرح خاموش کھڑی سمندر کی وسعتوں کو دیکھ رہی تھی۔ جب اچانک ہی آسمان پہ چھائے ہوئے سیاہ بادلوں سے بوندیں گرنے لگی تھیں۔ ساہیہ نے سر اٹھا کر آسمان کی سمت دیکھا تھا۔ رات گہری تھی۔ سیاہ بادل گھرے ہوئے تھے۔ چاند تاروں کے چہروں پہ ایک دبیز چادر کا پہرہ تھا۔ ساہیہ خان کے چہرے پہ موسم جیسے دلکشی کی ایک نئی کہانی لکھ گیا تھا۔

"آج چاند تاروں کا پہرہ آسمان پر نہیں۔" بہت مسرور ہو کر اس نے جیسے خود سے ہی کوئی سرگوشی کی تھی۔ اذہان حسن بخاری اسے دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

"انہیں خبر ہو گئی ہو گی کہ آج کوئی اس سمت نکلنے والا ہے۔" انداز اور لہجہ بہت شگفتہ تھا۔ ساہیہ خان بے ساختہ مسکرائی تھی۔

"باتیں بنانے میں تم اپنا ثانی نہیں رکھتے یقیناً۔"

"تمہیں بارش اچھی لگتی ہے؟"

"ہوں۔ اور تمہیں؟" ساہیہ نے چہرے کا رخ پھیر کر اس کی سمت دیکھا تھا۔

"بارش کسے اچھی نہیں لگتی ہو گی۔" وہ شانے اچکاتا ہوا بے نیازی سے بولا۔

"مگر میں یہ پہلی بار دیکھ رہی ہوں۔ ایک سحر پھونکتی ہوئی رات میں سمندر کا یہ کنارہ، اور اوپر بادلوں سے برستی شفاف پانیوں کی بوندیں، جیسے موسم کوئی دلکشی کی انوکھی داستان وقت کے چہرے پہ لکھتے ہوئے لکھتا جا رہا ہو۔ کتنا افسوس ہے ان منظروں میں۔ ساری جان میں ایک جادو سا ابھرنے لگا ہے۔ کوئی بہت ہی دلکش احساس ہے یہ جو کم از کم لفظوں میں بیان نہیں ہو سکتا۔" وہ دھیمے لہجے میں بول رہی تھی۔ جب وہ یکدم ہی ہنسا تھا اور ہنستا چلا گیا تھا۔

"تم بھی ساہیہ خان! ـــــ تم بھی عام لڑکیوں کی سی سوچ رکھتی ہو!"

"کیوں ـــــ تمہیں حیرت کیوں ہے؟ اس میں عجب کیا ہے؟ کوئی پڑھ لکھ لینے سے ہماری سوچ نے کوئی انوکھا جنم نہیں لیا۔ پھر تمہیں کیسے لگا کہ میں کوئی انوکھی لڑکی ہوں، عام لڑکیوں سے ہٹ کر؟" ساہیہ خان

نے دریافت کیا تھا۔ مگر وہ کچھ نہیں بولا تھا اور سمندر کی شوریدہ سر لہروں کو بغور تکنے لگا تھا۔

''تمہیں سمندر اچھا لگتا ہے؟'' ساحبہ نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

''ہاں۔ کیوں؟''

''کیونکہ ——'' اذہان نے مسکراتے ہوئے اس کی سمت نگاہ کی تھی۔ ''کیونکہ یہ وسیع اور گہرا ہے۔''

''اور محبت؟'' ساحبہ خان نے اس کی جانب مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔

''محبت۔'' وہ جیسے محظوظ ہوا تھا۔ ''تم محبت کے متعلق کیا جانتی ہو؟''

''کچھ زیادہ نہیں۔ مگر شاید یہ کہیں نہ کہیں ضرور ہے۔ کسی مخفی گوشے میں، کسی پوشیدہ لمحے میں، بھری جیب میں، کسی بادل کے ٹکڑے میں، کہیں۔ کہیں، کچھ نہ کچھ ہے ضرور۔''

''تمہیں اتفاق ہوا کبھی؟'' اذہان حسن بخاری نے محظوظ ہوتے ہوئے سوال داغا تھا۔

''کس بات کا؟'' وہ حیران ہوئی تھی۔

''محبت ڈھونڈنے کا۔ اس کے تعاقب میں جانے کا۔''

''محبت کے تعاقب میں جانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ یہ خود بہ خود تعاقب میں آ جاتی ہے۔ ہم لوگوں کے لئے یہ وقف ہوتی ہے۔'' اس نے مختصر جملوں میں ایک گہرا رنگ بیان کر دیا تھا۔ اذہان حسن بخاری بغور تکتا ہوا بولا۔

''اور اگر یہ تعاقب میں نہ آئے تو؟''

''یہ ہو نہیں سکتا۔ محبت اپنے مطلوب کو ڈھونڈ لیتی ہے۔ اس کے لئے اسے کوئی تردد نہیں کرنا پڑتا۔ اس کے لئے یہ قطعاً مشکل نہیں۔ جس طرح اور بہت سی چیزوں میں ہمارا حصہ مخصوص ہوتا ہے، اسی طرح ہے۔ محبت اپنا حصہ سونپنے ضرور تعاقب میں آتی ہے اور قسمت کا وہ حصہ سونپے بغیر واپس پلٹتی نہیں۔''

''کبھی اس نے تمہارا تعاقب کیا؟'' اذہان حسن بخاری نے مسکراتے ہوئے دریافت کیا تھا اور وہ گھورنے لگی تھی۔

''یہ تمہیں میں کیوں بتاؤں؟ کتنے منہ پھٹ شخص ہو تم اذہان حسن بخاری! کتنی بڑی بڑی باتیں سب اتنے انداز میں یوں پوچھ جاتے ہو جیسے روزمرہ کے موسم کے احوال کے متعلق دریافت کر رہے ہو۔'' ساحبہ خان نے چہرے پر پڑنے والی بوندوں کو ہاتھ کی پشت سے پونچھا تھا۔ وہ ہنس دیا تھا۔

''تم جاننے سے گریزاں ہو۔''

''شٹ اپ اذہان حسن بخاری! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ایسا اب تک کچھ نہیں ہوا ہے۔'' وہ لڑکی اس لمحے جیسے خجل سی ہوگئی تھی۔

''کیوں؟ —— کسی کی نگاہ نہیں پڑی تم پر یا تم نے کسی پر کبھی کوئی نگاہ نہیں کی؟''

''یہ میں تمہیں کیوں بتاؤں؟'' وہ اپنی دلکش مسکراہٹ چہرے پر لئے اس کی سمت پر اعتماد انداز سے تکنے لگی تھی۔

''یعنی محبت ابھی تمہارے تعاقب میں نہیں آئی۔'' وہ باز نہیں آیا تھا۔

''اذہان!'' اس نے جیسے زچ ہو کر اسے چپ کرانے کی کوشش کی تھی۔

''آں... ں... ں... تو تم یہاں اس لئے آئی ہو؟'' وہ بدستور اسی طرح چھیڑ رہا تھا۔ نگاہوں میں بلا وجہ شرارت رکی ہوئی تھی۔

''کیا مطلب؟'' وہ یقیناً نہیں سمجھی تھی۔ اذہان حسن بخاری کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہوگئی تھی۔

''جب محبت کبھی مطلوب کے تعاقب میں نہیں آتی تو مطلوب کو خود محبت کا تعاقب کرنا پڑتا ہے۔ ہے نا؟''

''شٹ اپ اذہان!'' وہ مسکراتے ہوئے لب بھینچ کر اسے گھورنے لگی تھی۔

''کہیں تمہیں کسی کی محبت ہی تو نہیں کھینچ لائی؟'' مسکراتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

''کس کی؟ —— کس کی محبت کھینچ کر لائے گی مجھے؟'' وہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بہت پُراعتماد انداز میں اس کی سمت تکنے لگی تھی۔

''ہو سکتا ہے مجھ جیسا کوئی ہینڈسم یا پھر میں ہی۔'' کوئی انوکھا قیاس کیا تھا اور وہ کھلکھلا کر ہنستی چلی گئی تھی۔

''واٹ اے گڈ جوک اذہان حسن بخاری! تم نے سارے دن کی کوفت ایک پل میں رفع کر دی۔ مگر یہ جوک دوبارہ مت سنانا۔ میں بدمزہ ہو جاؤں گی۔'' اس کے چہرے پر شفاف بوندوں کے سنگ وہی نرم سی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ وہ ازلی اعتماد اس کی آنکھوں میں تھا اور اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

''آئس کریم کھاؤ گی؟''

''تمہارے اتنے اچھے جوک کے بعد یقیناً یہ ایک اضافی ٹریٹ ہوگی۔ کچھ میٹھی سی، کچھ کریمی سی۔''

''تو پھر بیٹھو گاڑی میں۔'' اذہان حسن بخاری نے کہنے کے ساتھ ہی پیش قدمی کر دی تھی اور تب ساحبہ خان نے بھی قدم اٹھانے شروع کر دیے تھے۔

❋❋❋

کتنی بار آئی تھی وہ ان راستوں پر۔ کتنی بار اس نے ان مقامات کو دیکھا تھا۔ کوئی بھی جگہ نئی تو نہیں تھی۔ سارے منظر دیکھے بھالے تھے، یہی یورپ کی گلیاں تھیں۔ مگر تب وہ اس درجہ خوفزدہ نہیں تھی۔ دل اس طرح لرز نہ رہا تھا۔ دھڑکنوں میں انتشار ارتعاش نہ تھا۔ وہ اس قدر خوفزدہ نہ تھی۔ شاید تب وہ اپنی فیملی کے ساتھ تھی۔ ان کے بہت سے اپنے اس کے ساتھ تھے۔ سارے مان دینے والے رشتے، سارے اپنا پن دینے والے لوگ۔ اور اب۔

تنہا اس کی کس درجہ بھرمار تھی۔ نوازشوں کا سلسلہ نہ تھمنے والا اور حیران کن تھا اور اس کا دل وہاں رہا کوئی قدم قدم اس کے ساتھ تھا۔ اس کا دل بہلانے کے سامان ڈھونڈ رہا تھا۔ اسے خوش کرنے کے لئے کوشاں تھا اور وہ خوش نہیں تھی۔

التفات کی تیز بارش تھی اور وہ پھر بھی جیسے صحرا کی دھوپ میں ننگے سر کھڑی جل رہی تھی۔
سردار سبکتگین حیدر لغاری نے تحائف کا ایک ڈھیر اس کے سامنے لگا دیا تھا۔ کتنی ڈھیر سارا تھی۔ ہر جگہ سے اس کے لئے کچھ نہ کچھ وہ لیتا رہا تھا۔

"ہنی! ہاؤ از اٹ؟" ہر شے لینے سے پہلے وہ اس کی سمت بہت توجہ سے تکتے ہوئے انداز میں دریافت کرتا تھا اور جب وہ جواباً ساکت رہتی تھی تو وہ بہت دھیمے سے مسکراتے ہوئے اس کے ساتھ لگا کر تنقیدی زاویے سے تکتا تھا۔

"آئی تھنک یہ خاصی جچ رہی ہے تم پر۔ شاید یہ کلر بھی تم نے پہلے کبھی نہیں پہنا۔ ہو تمہیں۔" فان کلر کا ایک پارٹی ویئر ایوننگ گاؤن وہ اس کے ساتھ لگا کر تنقیدی نظروں سے تکتا تھا اور وہ ساکت سی تکتی ہوئی یکدم ہی رخ پھیر گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کتنی طرح مختلف مقامات سے اس کے لئے لے لی تھیں۔

"ہنی! کچھ پریشان لگ رہی ہو؟" بہت توجہ سے اس کی سمت تکتے ہوئے اس نے بارہا "خوش نہیں ہو میرے ساتھ؟" وہ کسی قدر متفکر ہو کر دریافت کرنے لگا تھا۔ مگر وہ کچھ نہیں کہہ سکی۔ کیوں وہ اتنی بے ہمت ہو رہی تھی یا پھر اس شخص کے انداز ہی اس قدر چونکا دینے والے تھے حیرتوں میں گھر گئی تھی۔

کیسے ڈرامائی انداز میں اس شخص نے اپنے رویوں کا رخ پھیرا تھا۔ کہاں تو وہ اس سے علیحدہ تھا۔ اس کی جانب ایک نگاہ غلط انداز تکنا بھی جیسے کفر جانتا تھا۔
اوروں پہ کرم اپنوں پہ ستم، کے مصداق وہ اس کی جانب مائل تک نہ تھا اور کہاں اب وہ نوازشوں کی، عنایتوں کی بارش کئے دے رہا تھا۔ کتنی جلدی بدلے تھے اس کے رویے اس قدر اچانک۔ آخر کوئی اسرار تو تھا۔ کچھ تو بھید تھا۔ کیا تھا جو وہ سمجھ نہ پا رہی تھی۔

اس وقت وہ سات ہزار فٹ کی بلندی پر بنے ہوئے ہوٹل ماؤنٹین پالس میں تھی۔ ماؤنٹین بنا یہ ہوٹل سوئٹزرلینڈ کے تمام حسین نظاروں کو آنکھوں تک منتقل کر رہا تھا۔ مگر اس کے اندر کوئی جاگ رہی تھی۔ ہر حس منجمد تھی۔ وہ اپنے اندر کے اسباب جاننے کی خواہاں تھی مگر باوجود جاننے سے قاصر تھی۔ شاید سردار سبکتگین حیدر لغاری کو سمجھنا آسان نہ تھا۔ مگر اس کا ذہن جانے آنے والے خطرے کے لئے مسلسل الارم بجا رہا تھا۔ حالانکہ ایسا ہونا ضروری بھی نہیں تھا۔ نہ بھی ہوتا۔ مگر نہ جانے کیوں ایسا لگ رہا تھا کہ اس کے اندر باہر بے حد خاموشی ہے۔ ایک گہرا اور یہ سکوت کسی نہ کسی طوفان کا پیش خیمہ ضرور ہے۔ جیسے ہی یہ سکوت ٹوٹے گا تو ایک طوفان آئے پتہ نہیں یہ فقط واہمے تھے، فقط اس کے خدشے تھے یا پھر اس میں کچھ صداقت بھی تھی۔ خوفزدہ ضرور تھی۔ چاپ بھی کرتا تھا تو وہ لرز کر رہ جاتی تھی۔
سردار سبکتگین حیدر لغاری جس قدر اس کے قریب آ رہا تھا وہ اس سے اتنا ہی دور بھاگ رہی اس سے اسی قدر خوفزدہ تھی۔

"ہنی! تمہاری آنکھوں میں یہ خوف کیسا تیر رہا ہے؟ کس بات کے اندیشے تمہیں ستا رہے ہیں؟" اس لفٹ چیئر پر تھے جب سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بہت توجہ سے تکتے ہوئے دریافت کیا تھا۔
وہ یکدم ہی سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔
سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بہت ہولے سے مسکراتے ہوئے اپنا بایاں بازو اس کے شانے کے گرد دیا تھا۔ میرب سیال کے اندر یکدم ہی حشر برپا ہو گیا تھا۔
"زندگی بہت چھوٹی اور مختصر ہے ہنی! اسے بے کار کی فکروں میں ضائع کر دینا کہیں کی بھی دانش مندی ان تمام فکروں کو اٹھا کر ایک طرف رکھ دو۔ دیکھو یہ موسم کیا کہہ رہا ہے۔ یہ سارے دلربا منظر تمہیں کس پیار سے تکتے ہیں۔ حسن کو نزاکتوں اور لطافتوں کے موسموں میں قیام کرنا چاہئے۔ بے توجہی کے موسم اسے منجمد کر دیتے ہیں اور تمازتوں والی رتیں اسے جھلسا دیتی ہیں۔ سو ان خوب صورت موسموں کا انتخاب کر لینا ہی عقل مندی ہے ہنی! ان منظروں پر نگاہ کرو۔ انہیں اس حیرت کدے سے باہر نکلنے کی دو۔ دیکھو کس درجہ ساکت ہیں یہ تمہیں دیکھ کر۔ شاید یہ بھی جانتے ہیں حسن زلف پر پیچ کی طرح الجھا ہوا ہو تو کچھ اور بھی سلجھا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ دلکشی کچھ اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ شاید اسی لئے یہ سارے منظر حیران سے ہیں۔ کیا تم انہیں ان حیرتوں سے باہر نکلنے کا موقع نہیں دو گی؟"
وہ بہت ہولے سے مسکرا رہا تھا۔

"میرا مشورہ ہے ہنی! تمہیں ان رنگوں سے دوستی کر لینی چاہئے۔ ان منظروں سے بات چیت کرنا ہی بہتر ہو گا تمہارے لئے بھی اور ان منظروں کے لئے بھی۔ ورنہ یہ سارے دلربا منظر یقیناً تمہاری طرح الجھ جائیں گے اور ایسے میں مشکل کچھ اور بھی بڑھ جائے گی۔ کیا تم چاہتی ہو کہ یہ موسموں کی ساری لطافتوں سے اٹ جائیں؟ اور ایک منظر، ایک گہری چپ کی چادر اوڑھ لیں؟ کیا یہ ان موسموں کے ساتھ ناانصافی نہ ہو گی؟" کتنی توجہ سے وہ اس کی جانب تکتا ہوا کہہ رہا تھا۔ قربتوں کے موسم بہار تھے۔ نوازشوں کے منظر دلفریب تھے۔ سارا موسم اس دلربائی میں گھر گیا تھا۔ مگر میرب سیال کے دلوں پر اسی قدر گہری دھند کی چادر لپٹی رہی تھی۔ لفٹ چیئر نے جیسے ہی ماؤنٹین کے انتہائی سرے کو چھوا تو وہ فوراً اتری تھی مگر توازن برقرار رکھنا ممکن نہ رہا تھا۔ قریب تھا کہ وہ لڑکھڑاتی ہوئی گرتی خطرے سے دوچار ہوتی، سردار سبکتگین حیدر لغاری کی آہنی گرفت نے اسے اپنے حصار میں لے لیا

"یہ راستے بہت پر پیچ ہیں ہنی! ان گیسوؤں سے بھی زیادہ پر پیچ۔" جتایا تھا تا کہ یہ بے نیازی سود مند

میرب سیال نے سہمی ہوئی آنکھیں کھول کر اسے دیکھا تھا۔ وہ شخص اسے اسی طرح حصار میں لئے کھڑا تھا۔ لبوں پر کسی قدر دلفریب مسکراہٹ تھی جیسے وہ اس کی بوکھلاہٹ کی تمام کیفیات سے حد درجہ محظوظ ہوا۔ میرب سیال نے بہت آہستگی سے بنا کچھ کہے خود کو اس کے حصار سے آزاد کرایا تھا اور اس کے ہاتھ پشت کر چلتی ہوئی اس شخص سے قدرے دوری پر جا رکی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے چند ثانیوں تک اسی طرح کھڑے دیکھا تھا پھر اس کی جانب قدمی کر دی تھی۔

"الجھن کیا ہے؟ یہ ذہنی رو اس قدر بھٹکی ہوئی کیوں ہے؟ خطرات ایسے میں اور بھی بڑھ جاتے ہیں جب آپ بے توجہی برتنے لگیں۔"

میرب سیال نے فقط خاموشی سے اس شخص کی نوازشوں کو دیکھا تھا۔ کہا اب بھی کچھ نہ تھا۔ سبکتگین حیدر لغاری نے اس کا ہاتھ کسی بچے کی مانند تھام لیا تھا اور اسے لے کر چلنے لگا تھا۔ وہ بھی میں اس شخص کے ساتھ کھنچتی چلی گئی تھی۔

"خاموشیوں کو لبوں پر اس طرح پہرہ بٹھائے رکھو گی تو موسموں کو شکوہ تو ضرور ہو گا۔ لازم موسموں کے دلفریب رنگوں کو سمیٹنا ہے تو ہاتھ تو بڑھانا ہو گا۔" کتنی سنجیدگی اور ذو معنویت تھی اس میں۔ بہ ظاہر جو کچھ تھا وہ نظر نہیں آ رہا تھا اور جو نظر آ رہا تھا یقیناً ویسا کچھ تھا نہیں۔

کیا یہ شخص سراب سا تھا؟

کوئی سراب تھا۔

یا پھر کوئی حقیقت۔

وہ نظر اٹھائے اسے دیکھ رہی تھی جب وہ بہت دھیمے سے مسکرایا تھا۔

"کوئی سراب نہیں ہے ہنی! سب حقیقت ہے۔ بہت روشن اور واضح حقیقت۔" وہ سوچ رہا تھا جیسے اس کی سوچیں سطر سطر پڑھ رہا تھا۔ میرب سیال کس درجہ حیرت سے اس کی سمت تکنے لگی تھی۔ کی حیرتوں سے کچھ نسبت نہ رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"یہ جان لینا بے حد ضروری ہے ہنی! کہ یہ سب حقیقت ہے۔ یہ میں ہوں۔ یہ تم ہو اور یہ نظارے، یہ سب ہمارے لئے ہیں۔ تمہاری یہ آنکھیں، ان کے سارے رنگ، ان کے سارے خاص زاویے کے منتظر ہیں۔ کچھ خاص رنگوں کی جستجو میں۔ خاموشیوں کا احتجاج کچھ سوا ہو گیا ہے اب بھی ان ساکت جامد خاموشیوں کو توڑنا مناسب خیال نہیں کرو گی؟"

سردار سبکتگین حیدر لغاری کا لہجہ مدھم تھا۔ مگر نظر کے زاویے بہت خاص تھے۔ اس کے ہاتھ کی گرفت یکدم ہی کچھ نئے عنوان درج کرتی چلی گئی تھی۔ حدت کا احساس کچھ اور سوا ہو گیا تھا۔ قربت کے معنی مفہوم ایک پل میں بدلنے لگے تھے۔ جیسے وہ لمس یکدم ہی بہت مدھم مدھم سرگوشیاں کرتے کرتے کے لہو میں دوڑنے لگا تھا۔ پوری جان یکدم ہی ایک قیامت کے زیر آنے لگی تھی۔ وہ یکدم ہی ایک ٹیک لگا کر رک گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اسے بہ غور تکنے لگا تھا۔

"میں ان آنکھوں کو بہ غور دیکھ رہا ہوں ہنی! ان کا کوئی بھی رنگ مجھ سے پوشیدہ نہیں۔ ان کے نقش درج ہیں ان کے مفہوم تم شاید پڑھنے سے قاصر ہو۔ میں نہیں... مجھے ان آنکھوں میں چھپا صاف دکھائی دے رہا ہے۔ دیکھو، یہاں میں ہوں، سطر سطر تحریر ہوں، ہر رنگ میں ڈھل رہا ہوں

بوندوں کی بارش کچھ اور بڑھ گئی تھی۔ مگر وہ ہر حرف سے منکر ہوتی ہوئی یکدم ہی چہرے کا رخ پھیر گئی تھی... منکر ہونا ایک بہلاوہ۔ بے ہنی! اور بہلاوے زیادہ دیر کام نہیں آتے۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے چہرے کو بہ غور دیکھ کر جھینپتے ہوئے جیسے اس بچپنے کو رخصت کرنے کی ہدایت دی تھی مگر وہ تب بھی کوئی جواب دیے بغیر چلتی ہوئی آگے بڑھنے لگی تھی۔ دھڑکنوں کا شور یکدم ہی بڑھنے لگا تھا۔ شاید وہ بہت خوفزدہ تھی۔ شاید اسے سردار سبکتگین حیدر لغاری کے سنگ انجانے راستوں کے سفر پر نہیں آنا چاہئے تھا۔ وہ اس وقت Vey Vey شہر میں تھے۔ وہ شہر جو چارلی چیپلن کی رہائش گاہ کے طور پر بھی مشہور ہے۔ ہانپ کر فریڈی مرکری کے اسٹیچو کے ساتھ ٹیک لگا کر گہرے گہرے سانس لینے لگی تھی۔ وجود پر یکدم ہی ایک تھکن آن پڑی تھی۔ وہ خود کو بے حد بے ہمت اور کمزور محسوس کر رہی تھی اور سردار سبکتگین حیدر لغاری کا ارادہ جانے کیا تھا۔

جانے کون سا کھیل کھیلنے جا رہا تھا وہ؟

جانے کیا عزائم تھے اس کے۔ وہ قطعاً نہیں جانتی تھی۔ مگر اس کے اندر چھپے خوف کے سائے کچھ اور بھی گہرے ہو گئے تھے۔

کاش وہ یہاں سے بھاگ سکتی۔ بھاگ کر اس شخص سے دور نکل سکتی۔ وہ جتنا اس کے قریب آ رہا تھا، اس کی وحشتوں میں اسی قدر اضافہ ہو رہا تھا۔ الجھنیں اور بھی بڑھ رہی تھیں۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری اتنا ہی پُراعتماد دکھائی دے رہا تھا۔ اور اس شخص کے مزاج کے تیور یقیناً وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔

نہ جانے کیا ہونے والا تھا اب اس کے ساتھ؟

❊❊❊

انابیہ شاہ اپنے کمرے میں تھی جب ماما نے بتایا تھا کہ اس کا فون ہے۔ وہ بے دھیانی میں چلتی ہوئی نیچے آئی تھی۔ فون اٹھا کر کان سے لگایا تھا۔

"کیسی ہو بلی؟"

"اوزی! تم؟" وہ حیرت سے پُر لہجے میں مسکرائی تھی۔ "تم تو آنے والے تھے۔ اطلاع تو عرصہ دراز تک بھجوا دی تھی۔ کیا ریڈ کارپٹ استقبال کی توقع کر رہے تھے؟ کچھ سنسنی پھیلانا چاہ رہے تھے یا پھر بے پر کی اڑائی تھی؟ ویسے سنو، یہاں بھی کوئی منتظر نہ تھا۔" بہت کچھ کہنے کے ساتھ اس نے جتایا تھا اور دوسری طرف اوزی کھلکھلا کر ہنستا چلا گیا تھا۔

"سنو! یہ آخری بات کچھ چغلی کھا رہی ہے۔ کہہ دو کہ تم جھوٹ بول رہی ہو، میں مان لوں گا۔" اوزی بھرپور جانب ہنس رہا تھا۔ وہ بھی مسکرا دی تھی۔

"خوش فہمی والی عادت گئی نہیں تمہاری۔ کہا تھا تو آئے کیوں نہیں؟"

"تم انتظار کر رہی تھیں نا؟"

"نہیں ـــــ میں جانتی ہوں تم سرپرائز دینے کے عادی ہو۔ کبھی بھی، جب دل میں سمانے کی آن ٹھہر گئے۔"

"تم بلاؤ تو آواز دے کر میں تب بھی آ جاؤں گا۔" وہ دوسری جانب شرارت سے مسکرایا تھا۔

"جانتی ہوں کتنے سعادت مند ہو۔ آنے کا حوصلہ نہیں ہوا۔ کیا ابھی تک زخم اتنے ہی گہرے ہیں؟"
وہ مسکرائی تھی۔ اوزی کا قہقہہ بڑا بے ساختہ تھا۔

"تم جانتی ہو انابیہ شاہ! دل بہت مضبوط ہے میرا۔ اثر جلد قبول نہیں کرتا۔"

"اب جھوٹ تو مت کہو۔ اور وہ بھی اس قدر بڑا جھوٹ۔" انابیہ شاہ نے جھٹلایا تھا۔

"ہاں ہاں ـــــ اتنا مضبوط نہیں۔ مگر ہے تو دل ہی نا۔"

"یعنی کہ دل سنبھلا نہیں ابھی تک؟" انابیہ شاہ نے چھیڑا تھا۔

"اور تم دکھانے سے باز نہیں آؤ گی؟"

"زخموں پہ نمک چھڑکنے کا بھی اپنا ہی ایک لطف ہے۔" انابیہ شاہ مسکرائی تھی۔

"سنگدلی کی حد ہے۔ اقدام دوستانہ ہرگز نہیں۔" اوزی نے دوسری جانب دہائی دی تھی۔

"اور تم...... تم نے بھی حد کر دی۔"

"کیا..... کیا ہے؟ شہر بدر ہی تو ہوا ہوں بس۔"

"اور جو روگ لگایا ہے؟"

"بے فکر رہو ـــــ سوگ قطعاً نہیں منا رہا۔ بڑے مزے میں گزر رہی ہے۔ ہم لڑکے بہت بے نیاز طبیعت کے مالک ہوتے ہیں۔ بہت سے اسٹاپ پڑتے ہیں ہماری زندگی میں اور ہر اسٹاپ پر ایک کہانی جنم لے لیتی ہے۔"

"اور پچھلی کہانی؟" انابیہ شاہ نے وضاحت چاہی تھی۔

"وہ وہیں اسی اسٹاپ پہ کہیں پیچھے چھوٹ جاتی ہے۔ جیسے پیچھے چھوٹ جانے والے منظر دھندلا جاتے ہیں اور دھندلے منظروں کی سمت کوئی زیادہ دیر نہیں تکتا۔ کیونکہ یہ منکشف ہوتا ہے کہ ان کی حقیقت کچھ بھی باقی نہیں۔"

"بہت فلسفہ بگھارنے لگے ہو۔"

"تمہیں سوچنے لگا ہوں نا۔" اوزی دوسری طرف پھر ایک بار کھلکھلا کر ہنس دیا تھا۔

"شٹ اپ اوزی! ایک تو اس عرصہ دراز بعد فون کرتے ہو اور پھر اتنی فضول سی گفتگو بھی کرتے ہو۔" انابیہ شاہ نے ڈپٹا تھا۔

"چلو اچھی اچھی باتیں کرتے ہیں۔ تم شادی کب کر رہی ہو؟"

"شادی؟" وہ بے طرح چونکی تھی۔

"کوئی ملا یا اب تک میرا انتظار کر رہی ہو؟" وہ شرارت سے مسکرا رہا تھا۔

"شٹ اپ اوزی!" وہ مسکرائی تھی۔ "تمہیں اتنی سنگین قسم کی خوش فہمیاں کب سے ہونے لگیں؟"

"جب سے میں تمہاری آنکھوں کے متعلق سوچنے لگا ہوں۔" وہ کھلکھلا کر ہنسا تھا۔

"واہٹ رബش۔" وہ جھینپ کر بولی۔ "اوزی! سیدھی راہ پر آ جاؤ۔"

"تم آواز دو نا۔ کچی ڈور سے بندھا سیدھا کھنچا چلا آؤں گا۔" وہ ترکی بہ ترکی جواب دے رہا تھا۔ وہ اس کی اس چٹکی پر کھلکھلا کر ہنستی چلی گئی تھی۔

"اوزی! تم بہت کمال کے شخص ہو۔ باتیں بنانا یقیناً تمہیں خوب آتا ہے۔"

"مگر زندگی جیسے خوب صورت بنائی جا سکتی ہے یہ فقط تمہاری آنکھیں بتاتی ہیں۔" وہ یقیناً باز آنے والا نہ تھا۔ یہ شوخی، یہ شرارت اس کی فطرت تھی اور یہ بات وہ بھی طرح جانتی تھی شاید تبھی مسکرا دی تھی۔

"تم کب رہے ہو؟"

"میں کر رہی ہوں؟"

"اگر کہوں ہاں تو؟"

"تو میں مان لوں گا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں تمہارے دوستوں کی فہرست میں چند گنے چنے نام ہیں۔ اور ان گنے چنے ناموں میں اوزی کا نام یقیناً پہلا ہے۔"
وہ مسکرا دی تھی۔

"اسی بات کا تو مان ہے مجھے اوزی! میں جانتی ہوں میں اپنے دوستوں کو کس قدر عزیز ہوں۔ انکل اور پھپھو کیسے ہیں؟"

"سب ٹھیک ہیں۔ ماما بہ طور خاص اپنی اکلوتی بھتیجی کو پیار بھجوا رہی ہیں۔"

"ان سے میری طرف سے تھینکس کہو۔"

"محبتوں کے لیے شکریہ نہیں کہتے۔"

"ہاں، جانتی ہوں۔ لیکن یہ تھینکس تمہارے لیے نہیں، پھپھو کے لیے ہے۔ اب سیدھے سے بتا دو، کب آ رہے ہو؟ ـــــ بتا کر پھر غائب مت ہو جانا۔ تم جانتے ہو مجھے انتظار کرنا کتنا برا لگتا ہے۔"

"ابھی تو بتا نہیں رہا ہوں۔ جلد آنے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

"سامنا کر لو گے؟" وہ ہولے سے مسکرائی تھی۔ وہ ہنس دیا تھا۔

"نہ بھی کر سکا تو تمہارا آنچل تو ہے نا۔"

"منہ چھپاؤ گے؟" انابیہ شاہ نے چھیڑا تھا۔

"کیوں نہیں ـــــ آنسو اگر آبشار بننے لگے تو پونچھ لوں گا۔"

"کاورڈ۔" انابیہ شاہ نے جیسے طعنہ دیا تھا۔ مگر وہ اسی طرح کھلکھلا کر ہنستا چلا گیا تھا۔

"طعنے مارنے والی عادت گئی نہیں تمہاری۔"

"ابھی کچھ بھی نہیں۔ تم آ جاؤ تو دو دو ہاتھ کروں گی۔" وہ مسکرائی تھی۔

"ضرور ـــــ بصد شوق۔ انکار کس کافر کو ہے؟" اوزی شرارت سے اب بھی باز نہ آیا تھا اور تب اس نے خدا حافظ کے کلمات کے ساتھ سلسلہ منقطع کر کے فون رکھ دیا تھا۔ اوزی کا فون بہت دنوں بعد آیا تھا اور اس سے بات کر کے اس کا دل ہمیشہ ہلکا پھلکا ہو جاتا تھا۔ اچھے دوستوں کی شاید یہی خاصیت ہے۔ وہ مسکراتی ہوئی مڑی تھی کہ جب نظر یکدم عین سامنے جا پڑی تھی۔ وہ یقیناً چونکے بغیر نہ رہ سکی تھی۔ اسے قطعاً

اس بات کی خبر نہ تھی کہ یہاں کوئی اور بھی موجود ہے۔ جب وہ آئی تھی تو یقیناً اپنی بے دھیانی میں عفنان علی خان کو دیکھ نہ پائی تھی۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ وہ دادا ابا کے ساتھ تشریف فرما تھا اور وہ اسے کوئی نوٹس نہ لے پائی تھی۔

محترم عفنان علی خان اس کی سمت دیکھ چکے تھے۔ سو اب وہیں سے پلٹ جانا بھی کسی طرح مناسب نہ تھا اور ایسے میں جب کہ وہ اس کی جانب متوجہ بھی تھی تو نظر انداز کر کے چلے جانا مناسب نہ لگا تھا تبھی وہ اس کے متوجہ ہونے پر بہت رکی سی مسکراہٹ کے ساتھ آگے بڑھی تھی۔ عفنان علی خان کی نگاہیں اسی کی سمت تھیں۔

''کیا ہو رہا ہے؟'' وہ رکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی تھی۔

''تم بڑی خوش قسمت ہو۔ تمہارے پاس دادا ابا جیسی ہستی ہیں۔ تم نے ٹھیک کہا تھا۔ دادا ابا واقعی لٹریچر کا چلتا پھرتا انسائیکلو پیڈیا ہیں۔ بہت معلومات ہیں ان کے پاس۔'' عفنان علی خان بے حد متاثر رہا تھا۔

''تو آپ فیض یاب ہو رہے ہیں دادا ابا کی معلومات سے۔'' انابیہ شاہ مسکرائی تھی۔

''واقعی بات۔ دادا ابا واقعی بے مثال ہیں۔'' اس نے تعریف کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ دادا ابا نے جواباً اس کی پیٹھ تھپتھپائی تھی۔

''جیتے رہو بیٹا۔''

''تھینک یو دادا ابا! آپ کی صحبت میرے لئے ایک اعزاز ہے۔'' عفنان علی خان یقیناً اپنی جگہ جاچکا تھا۔ اس لمحے دادا ابا مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

''یقیناً تم سے مزید نشستیں بھی رہیں گی۔ مگر فی الحال مجھے کسی ضروری کام سے جانا ہے۔ تم سے ملاقات ہوگی۔'' دادا ابا اٹھے تھے اور وہاں سے چلے گئے تھے۔

عفنان علی خان بہ غور انابیہ شاہ کی سمت تکنے لگا تھا۔

''کیا سوچا آپ نے؟''

''کس بات سے متعلق؟'' انابیہ شاہ حیران ہوئی تھی۔ عفنان علی خان نے اس کی جانب دیکھ کر مسکرا دیا تھا۔

''بھول گئیں آپ؟''

انابیہ شاہ نے خاموشی سے چند ثانیوں تک دیکھا تھا۔

''کیا مجھے یاد رکھنا چاہیے تھا؟''

''اگر ایسا ہوتا تو اچھا تھا۔'' عفنان علی خان کا لہجہ کچھ دھیما تھا۔

''مگر ایسا ہو نہ سکا اور اب یہ عالم ہے.......'' وہ برجستگی سے کہتے ہوئے مسکرائی تھی۔

''تو نہیں تیری جستجو بھی نہیں۔'' عفنان علی خان اس نے ادھورے جملے کو مکمل کر دیا۔ وہ مسکرایا تھا۔ اس کے چہرے کو بہ غور تکتی رہی تھیں۔ لبوں پر ایک تبسم جامد ہو گیا تھا اور وہ بہت ہولے سے بولا تھا۔

''اور بولا ـــــــ مگر ایسا یقیناً نہیں ہے۔'' لہجہ دھیما اور سرگوشی جیسا تھا۔ شاید انابیہ شاہ ٹھیک طور پر نہیں پائی تھی تبھی اس کی سمت تکتی رہی تھی۔ جب کہ عفنان علی خان کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

''تو آپ نے فراموش کر دیا مجھے۔'' عفنان علی خان نے جیسے بڑی فرصت سے اسے دیکھا تھا۔

''میں نے کب کہا تھا کہ میں آپ کو ہمیشہ یاد رکھوں گی؟'' انابیہ شاہ نے بے نیازی سے کہتے ہوئے جیسے لاجواب کر دیا تھا۔ وہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا تھا۔ وہ یقیناً برجستگی اور حاضر جوابی میں اپنا ثانی نہ رکھتی تھی۔

''تو آپ میری مدد نہیں کریں گی؟'' عفنان علی خان کی بھوری آنکھوں کی جوت یکدم ہی بجھنے لگی تھی۔

''کیا میں نے آپ سے ایسا کوئی وعدہ کیا تھا؟'' انابیہ شاہ کے پُراعتماد چہرے پر بہت دبی مسکراہٹ ابھری تھی۔ عفنان علی خان کی ساری امیدیں پل میں ڈھیر ہوئی تھیں۔

''تو آپ واقعی میری کوئی مدد نہیں کر رہی ہیں؟''

''ہاں.....ہوں۔'' انابیہ شاہ نے سر نفی میں ہلایا تھا۔ ''میں نے سوچا تو مجھے لگا یہ ٹھیک نہیں ہوگا۔ بہتر ہے تم لامعہ حق سے خود رجوع کرو۔ یہ معاملہ تم دونوں کے بیچ کا ہے اور مجھے یقیناً تم دونوں کے بیچ نہیں آنا چاہیے۔ اس سے غلط فہمیاں بھی جنم لے سکتی ہیں۔ میری اور لامعہ کی دوستی بھی خطرے میں پڑ سکتی ہے اور ایسا میں قطعاً نہیں چاہوں گی۔'' انابیہ شاہ کی ست رنگی آنکھوں کی روشنی بڑی شفاف تھی۔ ایک اعتماد سا جھلک رہا تھا اس کے لہجے سے۔ عفنان علی خان کی ساری ہمت جیسے ڈھے گئی تھی۔ وہ ساکت سا اس کی سمت تکتا چلا گیا تھا۔ پھر یکدم ہی سر نفی میں ہلانے لگا تھا۔

''تم.....تم ایسا نہیں کر سکتیں۔ آئی مین، تم کیسے چاہو گی کہ لامعہ کی زندگی اچھی نہ گزرے۔''

''میں یقیناً ایسا نہیں چاہوں گی اور میں ایسا چاہتی بھی نہیں۔ تبھی تو ایسا اقدام لے رہی ہوں۔ دیکھو عفنان علی خان! میں تمہیں فقط کچھ دنوں سے جانتی ہوں اور یہ جان پہچان بھی بڑی واجبی سی ہے۔ جب کہ لامعہ حق کو میں گزشتہ اٹھارہ برس سے جانتی ہوں۔ تب سے، جب مجھے رویوں کی کچھ پہچان بھی نہ تھی۔ اور ہم نے تب ایک دوسرے کو جانا اور.......''

''اور انابیہ شاہ! مجھے تمہاری اسی انڈر اسٹینڈنگ کی ضرورت ہے۔'' وہ اس کی بات کاٹتا ہوا گویا ہوا تھا۔ انابیہ شاہ نے اسے بہت اطمینان سے دیکھا تھا۔

''مگر اس انڈر اسٹینڈنگ سے تمہیں کیا ملے گا عفنان علی خان؟ میں یہ بات ٹھیک طور پر سمجھ نہیں پا رہی۔ تمہیں کس لگ رہا چارہ گر کوئی اور ہے اور تم رجوع کہیں اور سمت کر رہے ہو۔'' انابیہ شاہ کا رویہ یقیناً اس کے لئے چونکا دینے والا تھا اور وہ یقیناً اس دن کے بعد سے اس سے ایسی کوئی توقع نہیں کر رہا تھا۔ بلکہ جس طرح اس نے اس سے بات کی تھی، اس سے وہ یہی اخذ کر پایا تھا کہ وہ اس ضمن میں اس کی مدد کرنے کو تیار ہے۔ مگر ایسا یقیناً نہیں تھا۔ انابیہ شاہ یقیناً ایک ذہین لڑکی تھی جو عقل و خرد سامنے رکھ کر فیصلے کرنے کا

گر جاتی تھی اور عفنان علی خان نے یقیناً اسے سمجھنے میں غلطی کی تھی۔ وہ اس کے رویے پر حیران تھا۔ تبھی چند ثانیوں تک کچھ بول ہی نہ پایا تھا۔ فقط خاموشی کے ساتھ اس کی سمت تکتا رہا تھا۔

"عفنان علی خان! لامعہ حق سے جو میری انسیت یا نسبت ہے اس کے لئے میں تمہیں تو کچھ دے سکتی ہوں مگر تمہارے لئے قطعاً بھی کسی طرح سود مند ثابت نہیں ہو سکتی۔ اگر یہی بات مجھے لامعہ حق شاید میں ایسا آنکھیں بند کر کے کر گزرتی۔ مگر تمہارے لئے۔" وہ بہت ہولے سے سرگوشی میں بولی تھی۔ "ایسا ممکن نہیں ہے عفنان علی خان! تم سے میری کوئی نسبت نہیں ہے۔ کوئی حوالہ ہے بھی تو فقط حق کا۔ میں تمہیں لامعہ حق کے توسط سے دیکھتی ہوں، اس کے توسط سے ملتی ہوں، اس کے ذریعہ جانتی ہوں، اس سے زیادہ تم میرے لئے کچھ نہیں ہو۔ میں چند لمحوں کی فقط جان پہچان کے لئے طویل عمر کی رفاقت اور دوستی کو داؤ پر نہیں لگا سکتی۔ یہ میرے لئے ممکن نہیں ہے۔" وہ مکمل طور پر انکاری تھی اور عفنان علی خان جہاں کچھ دیر قبل کسی قدر حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا اب شاید کسی قدر محظوظ تھا۔ تبھی اس لمحے اس کے لبوں پر ایک دھیما سا تبسم کھیل گیا تھا۔

"انابیہ شاہ! میں تمہیں کوئی انتہائی اقدام اٹھانے کو نہیں کہہ رہا۔ مسئلہ فقط یہ ہے کہ میں لامعہ حق کو جاننا چاہتا ہوں اور اس میں تمہاری اتنی ہی مدد چاہتا ہوں جتنی کہ کوئی ایک بہترین دوست، کسی دوسرے کی کر سکتا ہے۔ میں تم سے کوئی فیور نہیں چاہ رہا۔ نہ ہی کوئی شرط درمیان رکھ رہا ہوں۔ کسی طرح کی غلط بیانی بھی میں نے ہرگز نہیں کی۔ اگر مجھے تمہاری کوئی مدد درکار ہے تو اس میں کچھ جھوٹ نہیں ہے واقعی تمہاری ضرورت ہے انابیہ شاہ! تمہاری انڈر اسٹینڈنگ کی ضرورت ہے۔ تم جتنا لامعہ حق کو جانتی ہو یقیناً مجھے نہیں جانتیں۔ اس کی اور تمہاری طویل رفاقت بھی ہے مگر میں تم سے کیا چاہ رہا ہوں انابیہ؟ کیا مانگ رہا ہوں؟ کچھ زیادہ تو نہیں، جسٹ لٹل کیئر۔ جسٹ لٹل ہیلپ۔ وہ بھی اس لئے کہ میں لامعہ کو اس طور نہیں جانتا اور جاننا چاہتا ہوں۔ میں نہیں جانتا تم اس چھوٹی سی بات کو اتنا ہارڈلی کیوں لے رہی ہو حالانکہ اس میں اتنی عجیب بات کیا ہے؟ کیا ایک انسان کی مدد کرنا غلط ہے؟ کیا ایک انسان کو کچھ بتانا برائی ہے؟ اور تم سے میں کیا چاہتا ہوں، یہی نا کہ تم مجھے لامعہ حق کے متعلق بتاؤ، مطلع کرو۔ وہ کیا پسند کرتی ہے، کیا ناپسند کرتی ہے، اسے کیا اچھا لگتا ہے کیا نہیں اور اس میں انوکھی اور عجیب بات کیا ہے انابیہ شاہ؟" عفنان علی خان نے بہت مدھم لہجے میں جیسے احتجاج کیا تھا۔ مگر انابیہ شاہ بہت ہولے سے ہنس دی تھی۔

"یہ بات تمہیں جتنی آسان نظر آ رہی ہے درحقیقت اتنی آسان ہے نہیں عفنان علی خان!"

"تم ڈر رہی ہو؟"

"نہیں ۔۔۔۔ یقیناً نہیں۔ اس میں ڈرنے والی کوئی بات ہے بھی نہیں عفنان علی خان! میں ایسا نہیں کر سکتی، وہ بات میں نے تمہیں باور کرا دی۔ جو نہیں ہو سکتا، وہ نہیں ہو سکتا۔ ممکن، ناممکن کے بھی اپنے پیمانے ہوتے ہیں اور میرا دل، میرا دماغ مجھے جس بات کی اجازت نہیں دیتا وہ میں نہیں کرتی ہوں۔ اس کے لئے چاہے تم مجھے بزدل کہو یا ڈرپوک۔ مگر میں جانتی ہوں، میں ایسا ڈی سی ژن کیوں لے رہی ہوں۔ میں کوئی غلط کام نہیں کر سکتی۔ میری اپروچ بہت فیئر ہے۔ تم نے مجھے ابھی جانا ہی کہاں ہے۔ اس لئے اگر مجھے بزدل یا ڈرپوک، کچھ بھی سمجھو مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں جانتی ہوں، جو مجھے جانتا ہے وہ ایسی بات نہیں کہہ سکتا۔" اس کی سمت پُر اعتماد نظروں سے تکتی ہوئی وہ اس گھڑی بےپناہ اعتماد میں تھی۔

عفنان علی خان مسکرا دیا تھا، جانے کیوں۔ اور انابیہ شاہ کسی قدر مروت رکھتی تھی۔ کرنسی اس کے مزاج کا حصہ تھی شاید حق پر ہوتے ہوئے بھی اور اسے انکار کے بعد بھی وہ کسی مروت سے اس کی سمت تکنے لگی تھی۔

"آئی ایم سوری عفنان علی خان!" بہت ہولے سے وہ بولی تھی اور پھر پلٹ کر چلتی ہوئی زینہ طے کرنے لگی تھی۔ عفنان علی خان بغور اس لڑکی کی پشت کو تکتا رہا تھا۔ پھر بہت تھکے ہوئے انداز میں اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ لبوں پر ایک شگفتہ سی مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

❊❊❊

آکیجے نے اذہان حسن بخاری کے سر ذمے داری لگائی تھی کہ وہ ساہیہ خان کو شہر کی سیر کرائے۔ اگرچہ ساہیہ خان کا بچپن اسی شہر میں گزرا تھا مگر آکیجے کا کہنا ماننا اذہان حسن بخاری پر جیسے فرض تھا۔ سو وہ بنا کوئی نزدیک اسے لے گیا تھا اور کتنے ہی مقامات دکھا ڈالے تھے۔

"یہ شہر، اس کے خدوخال، گلیاں، سڑکیں، سب کچھ کتنا بدل گیا ہے۔" ساہیہ خان کسی قدر حیران تھی۔

"خود کو دیکھو، مجھے دیکھو ساہیہ خان! جب ہم اتنے بدل گئے ہیں تو یہ شہر کیونکر نہ بدلا ہوگا۔"

ساہیہ خان نے اسے بغور دیکھا تھا۔

"تم بدل گئے ہو اذہان حسن بخاری! میں تو اب بھی ویسی ہی ہوں۔"

"اچھا؟ لیکن مجھے تو کسی طرح سے بھی تم وہ ساہیہ نہیں لگ رہیں۔"

"کیوں؟ تمہیں میں کس طرح وہ ساہیہ نہیں لگ رہی؟"

"اچھا یہ بتاؤ، کیا تبدیلیاں آئی ہیں مجھ میں؟" وہ یکدم رک کر دلچسپی سے اسے دیکھتی ہوئی دریافت کرنے لگی تھی۔ اذہان حسن بخاری نے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"کم آن اذہان! چلو زیادہ نہیں ایک، دو، تین، چار، پانچ فقط پانچ تبدیلیاں گنوا دو۔" اس نے مسکراتے ہوئے انگلیوں پہ گنواتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تھا پھر یکدم اس کی سمت کسی قدر رازداری سے جھکی تھی۔

"سنو، فقط پازیٹو تبدیلیوں کی بات کرنا۔ نیگیٹو کی بات تو......" دھمکی دینے والے انداز میں وہ کہہ کر مسکرائی تھی۔

"تمہارا یہ جو دھمکی دینے والا انداز نہیں بدلا ہے۔"

"یہ پازیٹو تبدیلی ہے؟" اس نے مصنوعی خفگی سے گھورا تھا۔ وہ ہنس دیا تھا۔

"برا مانت، پنچ کرنے والی عادت نہیں گئی ہے۔"

ساحیہ نے ہاتھ کا ایک مکا بنا کر اس کے شانے پر دے مارا تھا۔

”یہ...... یہ عادت بھی نہیں گئی۔“

”یہ تو ساری کی ساری نگیٹو باتیں ہی گنوائی ہیں تم نے۔ چلو خیر، میں تمہیں تمہاری اچھی باتیں بتاتی ہوں۔ نمبر ایک تم پہلے سے زیادہ ہینڈسم اور ڈیشنگ ہو گئے ہو۔ نمبر دو بہت ذمے دار ہو گئے ہو پہلے تو بہت غیر ذمے دار تھے۔“ وہ بتاتے ہوئے مسکرائی تھی۔ ”نمبر تین سنجیدہ اور بردبار ہو گئے ہو۔ نمبر چار کیئرنگ اور لونگ ہو گئے ہو اور لاسٹ بٹ ناٹ دی لیسٹ، ڈیڈی کیٹڈ بہت ہو گئے ہو۔“ کہتے ہوئے اس کی سمت دیکھا تھا۔ ”ایم آئی رائٹ؟“

”اس میں عجب کیا ہے؟ —— وقت کے ساتھ اتنی تبدیلیاں تو آ ہی جاتی ہیں اور اگر ایسا نہ ہو اگر تبدیلیاں نہ ہوں تو اس میں کوئی خاص بات مجھے نظر نہیں آتی۔ تم بتاؤ اب کہاں جانا ہے؟“

”گھڑی دیکھو اذہان! تمہارا نہیں خیال یہ کھانے کا وقت ہو رہا ہے اور ہمیں کھانے کے لیے جانا چاہیے۔“ ساحیہ خان نے مسکراتے ہوئے کہا تھا اور تب اذہان حسن بخاری چونکتے ہوئے بولا۔

”اوہ، اچھا یاد دلایا۔“ اذہان نے کہنے کے ساتھ ہی گاڑی میریٹ کی طرف موڑ دی تھی۔

”تمہاری زندگی میں کیا واقعی کوئی بڑی تبدیلی نہیں آئی؟“ میریٹ میں کینڈل لائٹ ڈنر کرتے وہ یکدم مسکرائی تھی اور اذہان حسن بخاری کچھ نہ سمجھتے ہوئے اس کی سمت تکنے لگا تھا۔

”کیا مطلب؟ کس طرح کی تبدیلی کی بات کر رہی ہو تم؟“

اور تب وہ شرارت سے مسکرائی تھی۔ اس کی دلکش آنکھوں میں یکدم ہی جگنو چمکنے لگے تھے۔

”کوئی لڑکی وغیرہ۔“ وہ اسی شرارت سے مسکرائی تھی۔

”لڑکی وغیرہ؟“ وہ شاید سمجھا نہ تھا۔

”اس سے زیادہ سیدھی بات کیسے ہو سکتی ہے۔ یقیناً میں نہیں جانتی۔“ وہ خفگی سے تکنے لگی تھی۔

”آں...... ں...... ں...... تو تمہارا اشارہ اس طرف تھا۔“ وہ یکدم چونکا تھا۔

”اور تم کیا سمجھے تھے؟“ وہ مسکرائی تھی۔

”کچھ نہیں۔“ اذہان حسن بخاری نے شانے اچکاتے ہوئے بے تاثر انداز اختیار کیا تھا۔ ساحیہ نظروں سے اس کی جانب تکنے لگی تھی۔ تبھی اذہان حسن بخاری بھی انجوائے کرتے ہوا مسکرایا تھا۔

”لڑکی —— کوئی ایسی خاص چونکا دینے والی لڑکی اب تک آئی نہیں زندگی میں۔“

”میں بھی نہیں؟“ ساحیہ نے مسکراتے ہوئے آنکھیں دکھائی تھیں۔

”تم؟ —— تم تو خاصے سے زیادہ چونکا دینے والی ہو۔“ وہ جیسے ہنسی میں ٹال گیا تھا۔

”سچ بتاؤ نا۔“ ساحیہ نے اصرار کیا تھا۔

”بتا تو رہا ہوں۔ تمہارے علاوہ کوئی نہیں۔“

”بے ایمان! کتنے جھوٹے ہو تم۔“ ساحیہ نے اسے گھورا تھا۔ وہ ہنس دیا تھا۔

”لٹ می تھنک۔“ وہ ذہن پر کسی قدر زور دیتے ہوئے سوچنے لگا تھا۔

”اس میں اتنا سوچنے والی بات کیا ہے اذہان؟ جس لڑکی نے تمہیں کرش کیا ہوگا وہ بھولی تو نہ ہوگی۔“

”کرش —— تو تم اس زاویے سے پوچھ رہی تھیں۔ پہلے بتانا تھا نا۔“ وہ یقیناً اسے چھیڑ رہا تھا۔ ساحیہ گھورنے لگی تھی۔ تبھی وہ مکمل توجہ سے اس کی سمت تکتے ہوئے بولا۔

”تم۔“

”کیا —— ؟“ وہ چونکی تھی۔ ”شٹ اپ اذہان!“ وہ جیسے بدمزہ ہو گئی تھی۔ وہ یقیناً اس کے انداز سے محظوظ ہوا تھا۔

”اور تم؟“

”میں، کیا؟“ وہ اپنی طرف شہادت کی انگلی رکھتے ہوئے چونکی تھی۔

”تم نے اپنی طرف کسی کو آنے نہیں دیا یا کسی نے کبھی زحمت ہی نہیں کی؟“ وہ شرارت سے مسکراتے ہوئے دریافت کر رہا تھا اور وہ گھورنے لگی تھی۔

”تمہیں نہیں لگتا اذہان حسن بخاری! کم از کم تمہیں لڑکیوں سے اس درجہ صاف گوئی سے سوالات پوچھنے کا سلسلہ منقطع کر دینا چاہیے۔“

”تم نے جواب نہیں دیا۔“ اذہان حسن بخاری نے مسکراتے ہوئے اس کی سمت دیکھا تھا۔ ساحیہ نظریں اٹھا کر اس کی سمت تکنے لگی تھی۔

”تم نے پوچھا تھا اور میں نے اس کا جواب دے دیا ہے اذہان!“

”ہاں۔ لیکن تم نے یہ نہیں بتایا کہ تمہاری زندگی کسی نئے عنوان سے مہکی یا کہ نہیں؟“

”یہ میں تمہیں کیوں بتاؤں؟“ وہ شرارت سے سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی تھی۔ ”تم اس روز بھی کچھ ایسا ہی پوچھ رہے تھے۔ ارادہ کیا ہے؟“ عجب اک شرارت کے ساتھ مسکراتے ہوئے وہ اس سے دریافت کر رہی تھی اور اذہان حسن بخاری ہنس دیا تھا۔

”تمہیں لگتا ہے ساحیہ! کہ تم جیسی مردمار لڑکی کے متعلق کوئی کافر اس زاویے سے سوچ بھی سکتا ہے۔ کم از کم مجھ پر تو ابھی اتنا برا وقت نہیں آیا کہ اپنی شامت کو خود سے آواز دوں۔“ وہ یقیناً اس لمحے اسے چھیڑ رہا تھا۔ وہ ہنس دی تھی۔

”ٹھیک کہا تم نے مردمار لڑکی۔ وہاں کیلگری میں ہمارے پڑوس میں ایک انڈین لڑکا تھا۔ ایک دن اس بے چارے نے مجھے صبح میں جوگنگ کرتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ اس کے بعد تو اس نے گویا اپنا معمول بنا لیا۔ بہانے بہانے سے، یو نو، وہ تو لڑکوں کا خاص انداز ہوتا ہے۔ نام کیا ہے جی؟ کرتی کیا ہیں؟ غرض یہ ہیں، تو کیا ہم شام میں مل سکتے ہیں وغیرہ۔ اور تم جانتے ہو میں نے اس بے چارے کو کیسے بھاگنے پر مجبور کر دیا؟ حالانکہ موصوف اچھا خاصا ہینڈسم تھا۔“ وہ مسکراتے ہوئے بتا رہی تھی۔

”نام کیا تھا اس کا؟“ اذہان نے بغور تکتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

”علی۔ لیکن تم نام کیوں پوچھ رہے ہو؟“

"تمہیں جواب تک یاد ہے اس میں کچھ خاص بات تو ہوگی۔" ازہان مسکرایا تھا۔ وہ ہنس دی تھی۔
"اسے یاد رکھنے والی ایسی ویسی کوئی بات نہیں۔ وہ بھی تم نے اصرار کیا تو مجھے یاد کرنا پڑا۔ بقول تمہارا نام ہوا کے اسپیج کے ساتھ کسی کی ہمت ہو ہی نہیں سکتی کہ قریب سے بھی گزر جائے۔" وہ بولا۔
"یاد ہے تمہیں بچپن میں تمہاری کیسی بری پٹائی لگا یا کرتی تھی۔"
ازہان حسن بخاری اس ذکر پر شرمندہ سا ہو گیا تھا۔ پھر قدرے توقف سے اس کی جانب پرناز ہوئے بولا۔
"ویسے اب تو خاصی تبدیل ہو چکی ہو تم۔ اور خوب صورت تو یقیناً ہو۔"
"اوہ، ریئلی؟" وہ حیران ہوئی تھی۔
"آف کورس۔" ازہان حسن بخاری نے دل پر ایک ادا سے ہاتھ رکھ کر جیسے کوئی حلف اٹھایا تھا۔ یکدم مسکرا دی تھی۔
"جھوٹے کہیں کے۔"
ازہان حسن بخاری ہنس دیا تھا۔

❊❊❊

وہ اس وقت جرمنی میں تھے۔ کتنے ہی مقامات گھومنے کے بعد وہ اس وقت ہائیڈل برگ میں تھے۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی سمت تکتے ہوئے بہت دھیمے سے مسکرایا تھا۔
"اس ہیڈل برگ کیسل کے لئے ایک بات مشہور ہے کہ یہ جگہ بے حد رومینٹک ہے اور یہ کہ یہاں تنہا نہیں جانا چاہئے۔ اٹس اے لور پلیس۔ محبت کرنے والوں کو اپنے لو ونس کے ساتھ اس قلعے میں جانا چاہئے۔" شاید وہ یہاں پہلے بھی آچکا تھا۔ کس کے ساتھ؟ یہ وہ نہیں جانتی تھی اور شاید جاننا بھی نہیں چاہتی تھی۔ مگر وہ بول رہا تھا۔
"ایک بار پہلے میں یہاں آیا تھا اپنے کچھ دوستوں کے ساتھ۔ جب وہ سب قلعے کے باہر تھے میں تب تنہا اندر چلا گیا تھا اور جانتی ہو تب کیا ہوا تھا؟" وہ پرجوش لہجے میں بتاتے ہوئے یکدم رکا۔ میرب سیال کو جاننے کا بھلا کیا شوق ہو سکتا تھا؟ وہ تو سن بھی بے دلی کے ساتھ رہی تھی۔ دھیان اس کی سمت لگانا ہی کب چاہتی تھی وہ۔ مگر وہ بھی نہ جانے کیوں اسے اس لمحے اس ہیڈل برگ کیسل کی داستان سنانے پر بضد تھا۔ اس کے رکنے پر میرب سیال نے فقط سوالیہ نظروں سے اس کی سمت دیکھا۔ دریافت قطعاً نہیں کیا تھا۔ مگر شاید یہ اشارہ ہی سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لئے کافی تھا کہ وہ مزید بتانے لگا تھا۔
"میں اس قلعے کے چیپل میں تھا جب مجھے کوئی جادو خود کو زیر کرتا لگا تھا۔ مجھے لگا تھا جیسے کوئی میرے اندر ہو اور ہولے ہولے مجھ میں باتیں کر رہا ہو۔ وہ لہجہ میری سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ میں اس زبان سے شاید واقف نہیں تھا۔ مگر میرے اندر جو سرور اس لمحے تھا اس سے قبل میں نے محسوس نہیں کیا تھا۔ جیسے کوئی میرے اندر ہے اور کہہ رہا ہے، مجھے تم سے ملنا ہے، کہیں، کسی روز۔
کسی بھی دن، کسی بھی مہینے۔
کسی بھی ماہ و سال۔
کسی گلی میں، کسی کونے میں، کسی کوچے میں۔
تم میرے ساتھ کی تمنا کرو۔
مجھے سوچو، اتنا کہ تمہارے خیال کے تمام زاویے میرے رنگوں میں رنگنے لگیں۔
مجھے چاہو، اتنا کہ میں تم میں سانس لینے لگوں اور تم تم نہ رہو۔
مجھے چاہو، اتنا کہ کوئی حد باقی نہ رہے۔
مجھے اپنی جاں میں رکھ لو، اپنے اندر کہیں چھپا لو۔
میں تم میں گم ہو جاؤں اور تم مجھ میں۔
کوئی تمہیں ہمیں کھوجنے بھی آئے تو کوئی نشان باقی نہ ملے۔
مجھے خود میں ضم کر لو۔
میں تمہارا سامان خاص ہوں۔ زاد راہ ہوں۔ مجھے اپنے سنگ لے لو اور اپنا ہمسفر کر لو۔
میرا ہاتھ، ہاتھ میں تھام لو اور مجھے کبھی تنہا مت چھوڑو۔ مجھے سنگ رہنا ہے تمہارے۔ قدم قدم ساتھ چلنا ہے۔ میں جادو ہوں۔ مجھے اپنے وجود پر چھانے دو۔ مجھ کو اپنا کر لو۔ یا مجھے اپنا ہو جانے دو۔"
وہ دھیمے مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔ کیسے خواب ناک حروف تھے اور کیسا جادو سا تھا اس کا لہجہ۔
"یہیں، اسی چیپل میں، یہیں پر مجھے ایسا لگا تھا کہ کہیں کوئی میرا منتظر ہے۔ میرا انتظار کر رہا ہے۔ شاید کئی دنوں سے، شاید مہینوں سے، شاید سالوں سے، یا پھر شاید صدیوں سے—— تب میرا ایمان ایسی باتوں پر نہیں تھا۔ اور......"
"اور اب؟" میرب سیال کے لب جانے کیسے یکدم وا ہوئے تھے۔ وہ چونکا تھا۔ اسے لمحہ بھر کو دیکھا تھا۔
"پتہ نہیں۔" شانے عجب ایک بے نیازی سے اچکائے تھے۔ "مجھے نہیں معلوم۔ شاید یہ سب فضول باتیں ہوں۔ جن پر کم از کم میں یقین نہیں رکھتا۔ مگر اس قلعے کے متعلق مشہور ہے کہ یہاں محبت باتیں کرتی ہے اور گمشدہ وجود کے حصوں کو تلاشتی ہے۔ تب میں تنہا تھا اور یقیناً یقین کرنے والی کوئی بات تھی بھی نہیں۔ مگر مجھے لگتا ہے کچھ ہے ضرور جو سمجھ میں آنے والا ہے۔ مگر بہت اہم اور خاص ہے۔ اس کے بعد بھی میں بارہا اس قلعے میں آیا۔ مگر تنہا نہیں۔"
"اور اس کے بعد وہ آواز نہیں آئی؟" میرب سیال کی آواز خود اس کے لئے اجنبی تھی۔
"نہیں۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری اس قلعے کے متعلق، اس کے فرنیچر اور تصویروں سے متعلق معلومات بہم پہنچانے لگا تھا۔ وہ چیپل کے وسط میں کھڑی دیواروں پر نقش آرٹ کے نمونوں کو دیکھ رہی تھی جب سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کا ہاتھ یکدم ہی گرفت میں لیا تھا۔ وہ چونکی تھی۔ مگر اس سے قبل کہ وہ زیادہ بات کرتی سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ایک جھٹکے سے کھینچ کر اپنے قریب کیا تھا۔

ماحول میں محبت باتیں کر رہی تھی۔

ایک جادو چار سو پھیل رہا تھا۔

ایک فسوں، جاں کو اپنے بس میں کر رہا تھا۔

فضا میں ایک نشہ تھا اور یہ کیسے ممکن تھا کہ دل پر اس جادو کا کوئی اثر نہ ہوتا۔

کتنی مشکل میں گھر گئی تھی جان۔ کیسا بھونچال سا آ گیا تھا سارے وجود میں۔ ایک قیامت تھی۔ دھڑکنوں نے یکدم ہی حشر مچا دیا تھا۔ اس کا وجود ایک عجیب جنونی گرفت میں تھا۔ سانسیں اس کے چہرے کو جھلسا رہی تھیں۔

میرب سیال کی جان فنا ہونے کو تھی۔ اس لمحے مزاحمت کیسی بے معنی لگ رہی تھی۔ وجود حشر اٹھا دینے کو تھا۔

میرب سیال نے ایک جھٹکے سے اس حصار سے خود کو رہا کرایا تھا اور پھر بھاگتی ہوئی اس جگہ سے چلی گئی تھی۔

ہوٹل میں آ کر وہ اپنے کمرے میں رُک کر کتنی دیر تک گہری گہری سانسیں لیتی رہی تھی۔

دل ایک عجیب انداز سے دھڑک رہا تھا۔ بڑا بے ہنگم شور تھا۔ اس کا پورا وجود جیسے کسی ہوا میں تھا۔ وہ کانپ رہی تھی۔ وہ ایک لمحہ جیسے قیامت کو چھو کر گزرا تھا۔ سارے وجود میں جس کا اثر تک وہ محسوس کر رہی تھی۔ آنکھوں میں جانے کیوں اس لمحے بہت سی نمی آن ٹھہری تھی اور پلکیں ہولے ہولے بھیگنے لگی تھیں۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے وہاں سے اس طرح چلے آنے پر پریشان سا اس کے پیچھے آیا تھا جب وہ بیڈ پر اوندھے منہ پڑی ہولے ہولے لرز رہی تھی۔

دروازے میں رک کر اس نے میرب سیال کو دیکھا تھا۔ پھر بہت ہولے سے پیش قدمی کی تھی۔ اسے چند ثانیوں تک دیکھا تھا، پھر بہت آہستگی سے کسی قدر جھکتے ہوئے اس کے شانے پر اپنا ہاتھ رکھا تھا۔ میرب سیال کو لگا تھا جیسے اس کے وجود کو کوئی انگارہ چھو گیا ہو۔ وہ یکدم اٹھ بیٹھی تھی۔ بھیگی آنکھوں میں ایک خاص طرح کا سحر تیر رہا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت بغور دیکھا تھا۔ قریب بیٹھتے ہوئے اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔

اس گرفت میں، اس لمس میں کوئی خاص آہنگ تھا۔

کوئی بے خودی تھی۔

اور میرب سیال کی جان ہوا ہونے لگی تھی۔ کتنا خوف سمٹ آیا تھا اس کی آنکھوں میں۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری کو مطلق پروا نہ تھی۔ ہاتھ بڑھا کر کس قدر آہستگی سے اس کے چہرے کو چھوا تھا۔ پیشانی سے گداز لبوں تک شہادت کی انگلی سے ایک صراط بنائی تھی۔ میرب سیال آنکھیں بند کیے وہ شخص اس کے قریب تھا۔ بے حد قریب۔ اس کی قربت سے اس کا سارا وجود جیسے جل جانے کو تھا۔ گرم دہکتی سانسوں کو وہ اپنے چہرے پر محسوس کر رہی تھی اور اس کا سارا وجود شل ہونے کو تھا۔ بہت بوری ہی تھی وہ اس گھڑی۔ کس قدر کمزور۔

"محبت زندگی ہے ہنی! اور زندگی بہت مختصر ہے۔" وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔ جب یکدم ہی میرب سیال کے بے جان وجود میں ایک قوت آن سمائی تھی۔ ہمت جیسے یکدم ہی بیدار ہوئی تھی۔ میرب سیال کا ہاتھ اٹھا تھا اور سردار سبکتگین حیدر لغاری کے چہرے پر اپنے نشان ثبت کر گیا تھا۔ کمرے کے سناٹے میں ایک شور ہوا تھا اور سارا منظر ساکت رہ گیا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کس قدر سلگتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ پھر اسی قدر جارحانہ انداز سے اس کے بالوں کو ہاتھ کی گرفت میں جکڑ کر اس کے چہرے کو سلگتی نظروں سے دیکھا تھا۔

میرب سیال نے ایک جھٹکے سے خود کو اس سے آزاد کرایا تھا اور اسے گھورتی ہوئی دیوار سے جا لگی تھی۔

"کیوں ...... کیوں کر رہے ہو تم یہ سب میرے ساتھ؟ کس لیے؟ کیوں؟" کتنے آنسو اس کے رخساروں کو بھگوتے چلے گئے تھے۔ کچھ لمحوں قبل تک کا خوف جیسے اس کے اندر سے کہیں معدوم ہو گیا تھا اور اس لمحے وہ اپنے سامنے موجود شخص کو کس قدر پُراعتماد نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"محبت تم جیسا شخص قطعاً نہیں کر سکتا۔ تم جیسے شخص کے نصیب میں محبت ہو بھی نہیں سکتی اور ہو گی بھی نہیں۔ تم محبت کے قابل نہیں ہو۔ تمہاری بدنصیبی پر مجھے ترس آتا ہے۔ میں بلاوجہ تم سے خوفزدہ ہوتی رہی۔ تم ...... تم جیسا شخص جو خود ...... خود سے نظریں نہیں ملا سکتا، وہ کسی دوسرے کو کتنا نقصان پہنچا سکتا ہے۔ مجھے اس بات کا اندازہ کر لینا چاہیے تھا۔ اب تک بہت سی لڑکیوں سے ملے ہو گے تم۔ بہت سی لڑکیوں کو اپنا گرویدہ کیا ہو گا۔ بہت کو اپنے حصار میں باندھا ہو گا۔ مگر سب لڑکیاں ایک جیسی نہیں ہوتیں سردار سبکتگین حیدر لغاری! حیرت ہے، مجھے تمہاری سمجھ اتنی دیر میں کیوں آئی۔ تم جو چال چل رہے تھے اس کی خبر تو مجھے تبھی ہو جانی چاہیے تھی جب تم مجھے یہاں لے کر آ رہے تھے۔" کتنی پُراعتماد سی وہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔

اور سردار سبکتگین حیدر لغاری اسے یک ٹک دیکھ رہا تھا۔

"افسوس ہو رہا ہے مجھے۔ میں نے تم پر اعتبار کیا، تم پر۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری! ترس آ رہا ہے مجھے تم پر۔ تم تو بہت چھوٹے ہو۔ دلوں سے کھیلتے ہو نا۔ مگر یاد رکھنا، تمہارا دل کبھی آباد نہیں ہو گا۔ ترسو گے محبت کو۔ اور تمہیں ایک بوند بھی نہیں ملے گی۔ محبت کبھی تمہیں ملی نہیں ہے۔ اس لفظ سے تمہارا سابقہ کبھی پڑا نہیں۔ سو جھوٹے خواب دکھانا بند کر دو۔ خود کو دیکھو، تمہیں خود پر بہت ترس آئے گا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری! محبت جیسے لفظ سے ناآشنا ہو تم۔ اور افسوس ناآشنا ہی رہو گے۔"

اس کی آنکھوں میں تکتی ہوئی وہ بولی تھی۔ اور پھر اس بھیگے چہرے اور آنکھوں کے ساتھ اس کمرے سے نکلتی چلی گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کتنی دیر تک ساکت سا اپنی جگہ پر کھڑا رہا تھا۔

نتیجہ جو کچھ ہوا تھا وہ بے حد غیر متوقع تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کو اس بات کی امید شاید قطعاً نہ تھی۔

وہ بھی میرب سیال جیسی لڑکی سے۔

چہرے کی رگیں ۔ بے حد تن گئی تھیں۔ تناؤ بے حد بڑھ گیا تھا۔ ایسا پہلی بار ہوا تھا اس کے ساتھ
کسی لڑکی نے اس کے وجود کی نفی کی تھی۔ پہلی بار کسی اقدام پر اسے اس طرح کے جارحانہ رویا
دیکھنا پڑا تھا۔ ورنہ زندگی کس قدر آسان رہی تھی اس کے لئے ۔ جب، جو چاہا ہاتھ آ گیا تھا۔ جو
ہاتھ بڑھا کر تھامنا چاہا تھا وہ دسترس سے دور نہ رہی تھی۔ اور آج اس کی منکوحہ، اس کی زندگی
ایک بزدل اور انتہائی خوفزدہ سی نظر آنے والی لڑکی اس کی نفی کر گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کے اندر انتشار یکدم ہی بڑھ گیا تھا۔ وہ باہر نکلا تھا اور اپنے کمرے میں
تھا۔ اس کے اندر ایک الاؤ دہک رہا تھا۔ احساسِ توہین سے چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ یقیناً جو ہوا تھا وہ
کئے جانے کے قابل نہ تھا۔ اس کی نفی کے ساتھ اس کی تذلیل بھی کی گئی تھی۔ یقیناً یہ احساس بھلایا
سکتا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کے اندر کی کیفیت اس کے چہرے پر درج تھی۔ اگر اس گھڑی وہ
سامنے ہوتی تو وہ یقیناً اس کے وجود کو تہس نہس کر چکا ہوتا۔

میرب سیال تنہائی کے ایک گوشے میں بیٹھی کتنی دیر تک آنسو بہاتی رہی تھی۔ کتنی دیر تک اس کے
رکا درد آنسوؤں کی صورت اس کے تکیوں میں جذب ہوتا رہا تھا۔ کیا سمجھتی تھی وہ اس شخص کو اور کیا نکلا تھا
یاں کے سامنے جو صورت حال تھی، جس طرح سبکتگین حیدر لغاری اپنا امیج بنا رہا تھا وہ سمجھ نہ پا رہی تھی۔
جانے کیوں اسے کبھی نہیں لگا تھا کہ وہ شخص اس کے لئے بھی کسی طرح کی کسی پریشانی کا باعث ہو سکتا
وہ بھی ایک لمحے کو بھی سوچ نہیں سکی تھی کہ وہ کسی طرح کا کوئی نقصان اسے بھی پہنچا سکتا ہے۔ شاید
لئے بھی کہ جس طرح وہ اس سے لاتعلق نظر آ رہا تھا، نظر آنے کی کوشش کر رہا تھا اس کے باعث وہ بھی
اس سوچ کے ساتھ لے ہی نہیں سکی تھی۔ شاید اسی لئے وہ اس کے سنگ چل پڑی تھی۔ بنا کسی خوف
مگر وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ اپنے ہی گھر میں نقب زنی کرے گا۔

آخر ایسا کیا ہوا تھا کہ وہ اس اقدام پر مائل ہوا۔

میرب سیال نے از سرِ نو صورت حال کا جائزہ لینا شروع کیا تھا۔ کیونکہ یہ توجہ، یہ قرب کا احساس، یہ
نئی تھا، دسترس میں لینے کی خواہش، رسائی پانے کی لگن، محبت تو قطعاً نہ تھی اور اس سے قبل سردار
سبکتگین حیدر لغاری نے اس سے محبت کا کبھی کوئی دعویٰ کیا بھی نہیں تھا۔ دعویٰ کرنا تو دور کی بات اس کے
کسی اقدام سے الفت کی یا محبت کی کوئی رمق بھی نہیں ملتی تھی۔ التفات یا نظرِ کرم کی بات بھی دور کی تھی۔ وہ
اس معاملے میں اس درجہ تک بے نیاز تھا کہ اس کے وجود تک کی خبر نہ تھی۔ جیسے اس کے لئے اس کا
ہونا نہ ہونا ایک سا تھا۔ وہ اس کے ساتھ ہوتی بھی تھی تو اس کی توجہ یا دلچسپی کے معیار کے پیمانے شاید
مختلف تھے۔ جن پر کم از کم وہ پوری نہیں اترتی تھی۔ پھر کیسے ہوا تھا یہ سب، کس باعث؟

جب وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی منظورِ نظر نہ تھی۔ جب کوئی واسطہ بھی نہ تھا۔ تو پھر اس اجنبیت کے
باوجود اچانک ایسے کیسے مہربان ہوا تھا وہ؟

اتنے دنوں پہلے بھی تو وہ اس کے ساتھ تھی۔ تب تو کچھ نہ ہوا تھا۔ اگر سردار سبکتگین حیدر لغاری کا ضبط اتنا
کمزور ہوتا تو وہ پہلے ہی ہار گیا ہوتا۔ مگر یقیناً ایسا نہیں تھا۔ یقیناً وہ پہلے اس کی توجہ کا مرکز نہیں تھی اور راتوں
رات اتنا جادوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ کوئی جادوئی بات نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ ایک لمحے میں سردار سبکتگین حیدر لغاری
کو اپنے دلربا انداز میں چھا لے گئی اور وہ فطری عاشقوں کی طرح محبتوں کی انتہائی معراج کو چھونے
کا خواہشمند۔ یقیناً ایسا کوئی خوش کن لمحہ بھی ان کے درمیان نہیں آیا تھا۔ ایسا کوئی حادثہ بھی نہیں ہوا تھا کہ

پل بھر میں جنگل کا جنگل ہرا ہونے کی کیفیت سمجھ میں آسکتی۔

میرب سیال آنسو بہاتے بہاتے یکدم چونکی تھی۔

"آں ـــــ تو تم اس لئے قریب آئے میرے۔ اس لئے ان التفات کی بارشوں کو سنگ آئے کہ مجھے نئے رنگوں سے آشنا کرسکو۔ تم یہ سمجھے کہ میں التفات کی خواہش مند ہوں، تمہاری چاہ محبت چاہتی ہوں، تمہاری نظر کرم کی منتظر ہوں۔ سو تم ایک مہربان بادل بن گئے۔

تم یقیناً سیفی کے ساتھ ہونے والی گفتگو کو سن چکے تھے اور اس کی باتیں تمہیں بتا گئی تھیں، تبھی کہ مجھے تمہاری نوازشوں کی ضرورت ہے اور میں تمہاری جانب سے کسی پیش قدمی کی منتظر ہوں۔ اور تم مہربان بادل بن گئے۔ التفات کی بارش برسانے کو چل پڑے اور میں سمجھ نہ پائی کہ یہاں شدید ردعمل بھی ہوسکتا ہے۔ میں سمجھ ہی نہیں پائی اور تم آگے بڑھتے چلے گئے۔ تو تم یہ سمجھے سردار حیدر لغاری! کہ میں قطرہ قطرہ بھیگنے کی خواہش مند ہوں۔ میں بارشوں کا تعاقب کرنا چاہتی، خواہشوں کی تتلیاں پکڑنا چاہتی ہوں۔ تم سمجھے کہ میں منتظر ہوں۔ کسی دلربائی کی، تمہاری جانب پذیرائی کی۔ تم سمجھے کہ میں بھی ایک عام سی لڑکی ہوں اور فطرت کے تقاضوں سے روشناس ہوں۔ تو یہ تمام صورت حال ایک ردعمل تھا۔ تم سن چکے تھے کہ سیفی کیا کہہ رہا تھا، میں کیا کہہ رہی، خوش نہیں تھی تم سے، اور تمہیں خوش کرنے کا انداز یہ نظر آیا کہ مجھے اپنے رنگوں سے رنگ دو، جو جیسا طرح جھوٹے اور سچے ہیں۔

چند روزہ رفاقت، چند روزہ التفات۔

چند روزہ مہربانی اور پھر ایک طویل سیاہ رات۔

تم سمجھے کہ میرے فطری تقاضے بھی وہی ہیں۔ وہی توجہ چاہتی ہوں میں۔

تمہارے احساس کی وہی تپش، وہی حدت، وہی گرم جوشی، وہی احساس پذیرائی اور تم!

میرب سیال یکدم ہی اٹھی تھی اور چلتی ہوئی اپنے کمرے میں گئی تھی۔ تیزی سے سارا سامان بیگ میں بھرا تھا اور پرس شولڈر پر ڈال کر سوٹ کیس گھسیٹتی ہوئی باہر نکل آئی۔ کاؤنٹر پہ چابی دی تھی، چیک آؤٹ کرکے باہر نکل آئی تھی۔ یقیناً اب اسے اس شخص کے ہمراہ نہیں رہنا تھا۔ اس کے بعد تو قطعاً وہ اس قدر کرسکتا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ وہ تو اس سے بہت خوفزدہ تھی۔ کتنا رعب تھا، کتنا متاثر تھی۔ وہ تو اس کی سمت نگاہ اٹھا کر دیکھنے سے بھی ڈرتی تھی۔ کتنا بلند لگتا تھا وہ اسے اور کیسے پل میں ڈھیر ہوا تھا سب کچھ۔

ایک چھوٹی سی معمولی سی بات کا کیسا شدید ردعمل دیا تھا اس شخص نے۔ ایک تو وہ دوستوں کے ہونے والی گفتگو اخلاقیات کی خلاف ورزی کرتے ہوئے سنی، پھر اس کے خلاف اقدامات بھی کرڈالے اور وہ بھی اس قدر انتہائی اور جارحانہ اقدام۔ تو نیاز مند کرنا چاہتا تھا وہ اسے۔ جب خبر ہوئی تھی وہ خائف ہے، خوش نہیں ہے، اس رفاقت سے اس کی وابستگی اس طور نہیں ہے تو وہ تپ گیا تھا۔ وہ اس کی جانب سے کچھ اقدام خاص کی توقع رکھتی ہے اور وہ اسے نیاز مند کرنے چلا تھا، کم

کتنی سطحی سی سوچ تھی، کتنی سطحی سی ہوگئی تھی۔ کتنا عام، سطحی مرد بن گیا تھا وہ۔ اتنا تو متاثر تھی وہ اپنی ہی نظروں میں۔ جانے سردار جہانگیر حیدر لغاری کی نظروں میں وہ کس مقام پر ہو، جو وہ اتنا انتہائی اقدام اٹھانے کا مرتکب ہوا۔

کیا سمجھ رہا ہو گا وہ اسے۔

اس کا وقار، اس کا تشخص، اس کی انا، اس کی خودداری جیسے پل میں سب ڈھیر ہوگیا تھا۔ کیسا پست لگ رہا تھا اب مجھے۔

بہت سی آنکھوں میں بھر رہی تھی مگر وہ چلتی چلی جارہی تھی۔ قدم من من بھر کے ہورہے تھے۔ ذہن ماؤف تھا مگر وہ چل رہی تھی۔ اس شخص سے، اس کی پرچھائیں سے بھی دور نکل جانا چاہتی تھی۔ نفرت ہورہی تھی اسے اس شاہ فطرت شخص سے۔ بلندیوں پر رہنے کا کتنا ڈھونگ کرتا تھا وہ اور درحقیقت کتنا پست تھا۔

یہ سوچتی بھی تو شاید سمجھ نہ پاتی۔ کبھی کچھ اخذ نہ کرپاتی۔ اس کی سوچ کی رسائی اس مقام تک آ ہی نہ پاتی مگر ایسا تھا اور یہ سچ تھا۔ وہ شخص بلند نظر تھا، بلند قامت تھا۔ مگر درحقیقت اس درجہ بلند تھا نہیں۔ مجھ کر بھی نہیں گزرا تھا اسے۔

وہ سوچ رہی تھی اور خود اپنی نظروں میں گر رہی تھی۔ آخر کیا سوچ کر اس نے پیش قدمی کی تھی۔ اس درجہ بے وقعت اور ارزاں۔

کیا یہی حیثیت تھی اس کی سردار جہانگیر حیدر لغاری کی نظروں میں؟ ـــــ کیا یہی مقام تھا اس کا اس کی زندگی میں؟

❁❁❁

فاصلوں اور مجبوریوں کی کہانی بہت جاں گسل تھی۔ وہ جتنا وقت کی فصیلوں کو پاٹنے کی کوشش کرتا چاہتا فاصلے اتنے ہی صدیوں پر محیط ہوتے چلے جارہے تھے۔

عثمان علی خان درمیان موجود تمام فاصلوں کو ایک لمحے میں مٹانا چاہتا تھا اور دوسری جانب فاصلے تھے کہ بڑھتے ہی جارہے تھے۔ ایسے میں کوئی تدبیر کارگر ہوتی تو کس طرح؟

وقت متواتر اس کی مخالفت کررہا تھا۔ دل بضد تھا۔ مگر ہر اقدام منفی نتائج لا رہا تھا۔

فاصلوں کی لکیر کو مٹانے کی ہر کوشش جیسے رائیگاں تھی۔ وقت کے ہاتھوں وہ شکست خوردہ تھا مگر دل ماننے کو تیار نہ تھا۔ مسلسل کسی ضدی بچے کی مانند ضد کیے جارہا تھا۔

اسی شام ماسمہ کا فون آیا تھا۔ وہ بتارہی تھی کہ پی سی میں ان کا کوئی سیمینار ہے۔ وہ یکدم چونکا تھا۔

"تم آجاؤ گی؟"

"نو"

''اوہ ـــــ مگر میرا تو کچھ اور پروگرام تھا۔''

''کیا..... کیا پروگرام تھا تمہارا؟'' لامعہ چونکی تھی۔

''تم تو غالباً بزی ہو آج شام۔ ہم ڈنر کسی اور وقت کے لئے اٹھا رکھتے ہیں۔''

''اوہ، تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا کہ تم ایسا کوئی پروگرام بنانے والے ہو؟''

''سرپرائز ڈیئر!'' وہ مسکرایا تھا۔

''تو آ جاؤ، ہم وہیں ڈنر ساتھ کر لیں گے۔''

''وہاں غالباً تمہارے فیلوز کی گیدرنگ ہو گی۔ تم خواہ مخواہ ڈسٹرب ہو گی۔'' تعرض برتا

''ارے نہیں، ایسا کچھ نہیں ہے۔ ہم ڈنر سیمینار کے بعد کریں گے۔ تم اس وقت آنا چاہو تو ٹھیک ہے۔ بصورت دیگر تمہارے پاس عین ڈنر کے وقت پہنچنے کا آپشن تو موجود ہے۔''

''ہاں ـــــ یہ بہتر رہے گا۔'' اس نے سرسری لہجے میں کہا تھا۔ مگر اندر کہیں بہت کچھ تھی۔ اور اس شام وہ کتنی اہم ترین اپائنٹمنٹس اور میٹنگز کینسل کرتا ہوا پی سی میں تھا۔

سیمینار کے اختتام پر لامعہ اسے نظر آئی تھی مگر پھر یکدم اس کی ایک دوست اسے کھینچ تھی اور تب وہ منتظر نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا تھا۔

مضطرب نظریں بڑی بے قراری سے اس ایک آشنا چہرے کو کھوج رہی تھیں۔ جب تھی۔ ایک اطمینان دل کے کسی کونے میں پھیلنے لگا تھا۔

عفنان علی خان نے اس کی جانب پیش قدمی کر دی تھی۔ انابیہ شاہ کی نگاہ بھی اس کی شاید تبھی وہ اس کی سمت تکنے لگی تھی۔

''آپ یہاں؟ ـــــ حیرت ہے۔ لامعہ نے ایسا کچھ نہیں بتایا تھا۔'' بات کا آغا بہانہ درکار تھا۔ سو اس سے مناسب کچھ اور نہ لگا تھا۔ انابیہ شاہ نے اس کی سمت دیکھا تھا، دی تھی۔

''لامعہ اکثر ایسی باتیں بھول جاتی ہے۔ بائی دی وے، آپ یہاں کیسے؟ کہیں آپ کرنے تو نہیں آئے؟ حیرت ہے، لامعہ نے ایسا کچھ نہیں بتایا تھا۔'' وہ جیسے ایک لمحے میں رہی تھی۔

عفنان علی خان مسکرایا تھا۔

''گڈ، انٹرسٹنگ۔'' وہ جیسے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ لبوں پر بڑی جاندار مسکرا انابیہ شاہ بہت پُراعتماد نظروں سے اس کی سمت دیکھ رہی تھی۔

''آپ کو غالباً لامعہ نے انوائٹ کیا ہے۔''

''نہیں ـــــ میں نے اسے انوائٹ کیا ہے۔ ایکچوئلی ہمارا ڈنر کا پروگرام تھا۔ لامعہ کا کوئی سیمینار ہے۔ میں نے کہا چلو ڈنر کا پروگرام اس کے بعد رکھ لیتے ہیں۔''

''خاصے انڈراسٹینڈنگ ہیں آپ۔ آپ تو اچھا خاصا کھنچے لگے ہیں لامعہ کو۔'' انابیہ شا

''کیا ہم کہیں بیٹھ سکتے ہیں؟'' وہ جواباً بولا تھا۔ انابیہ شاہ نے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

''کیوں نہیں؟'' اور تبھی وہ چلتے ہوئے آگے بڑھنے لگے تھے۔

''میں نے کہا جب کوئی دوست مدد کرنے کو تیار نہیں تو خود ہی کیوں نہ صورت حال کو قابو کرنے کے لئے تدبیر ڈھونڈی جائے۔'' وہ بہت اعتماد سے مسکرایا تھا۔

''ویری گریٹ۔'' انابیہ شاہ نے جیسے داد دی تھی۔ ''بہت اچھا سوچا آپ نے۔ زندگی کی ناؤ اپنی ہو تو دوسروں کے حوالے نہیں کرتے۔ چلانے کی کوشش آپ کرتے ہیں۔ دیر یا سویر، کوشش کرنے سے چیزیں ہاتھ آ جاتے ہیں۔'' وہ مسکرائی تھی۔

''اچھا ایک بات بتاؤ، دل کے تالاب میں چپوؤں والی کشتی نہیں چلتی۔ اگر چلائی جائے تو سارا پانی چھلک جاتا ہے اور فقط خالی رہتا ہے، کشتی چلتی نہیں۔'' وہ ہنسی تھی۔ ہنسی بڑی کھلکھلاتی ہوئی تھی۔ عفنان خان بغور اس کی سمت تکنے لگا تھا۔ اس کی آنکھوں میں جیسے سینکڑوں جگنو چمکنے لگے تھے۔

عفنان علی خان نے بغور اپنے مقابل بیٹھے چہرے کو بغور دیکھا تھا۔ ویٹر دھواں اُڑاتی کافی سرو کر گیا اس کی توجہ کافی سے زیادہ اس چہرے پر تھی۔

''ایک بات بتاؤ گی؟'' انداز سرسری تھا۔

''ہوں'' انابیہ شاہ نے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

''تم نے کبھی محبت کی ہے؟'' وہ انتہائی اطمینان سے سوال پوچھ گیا تھا۔

''کیا؟'' وہ یکدم چونک پڑی تھی۔

عفنان علی خان کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

''کیسا سوال ہے؟'' انابیہ شاہ نے جواب دینے سے تعرض برتا تھا۔ وہ ہنس دیا تھا۔ محظوظ ہونے کا دلفریب تھا۔ انابیہ شاہ سر جھکا کر کافی کے سپ لینے لگی تھی۔

''اظہار کے کون سے طریقے کارگر ہو سکتے ہیں؟ یقین دلانے کے راستے کیا ہو سکتے ہیں؟'' بہت دھیمے لہجے میں کئے گئے سوال میں ہزاروں معنی پنہاں تھے۔

''ویری آرٹسٹک آف ویری انٹرسٹنگ۔'' انابیہ شاہ نے شانے اچکاتے ہوئے اسے ایک نظر دیکھا تھا۔

''کیا کہوں اور کیسے؟ کیا کہہ دوں کہ..... کہ میں تمہیں ہر سمت سے اپنے قبضے میں کر لینے کا خواہاں والی سمتوں میں حسد بھی شامل ہے۔ کاش..... کاش میں تمہاری خواب گاہ کا وارڈ روب ہوتا، کاش اپنے سارے خواب رکھتیں ـــــ تمہارے کئی خوابوں تک میری رسائی ممکن ہوتی۔''

عفنان علی خان کافی کے کپ کو بغور تکتے ہوئے کہہ رہا تھا اور انابیہ شاہ ساکت سی بیٹھی اس کی سمت تھی۔ عفنان علی خان نے سر اٹھا کر اس کی سمت دیکھا تھا۔

''کیا ایسا کہنا مناسب ہو گا؟'' بغور اسے تکتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

انابیہ شاہ نے اس کی آنکھوں کی سمت دیکھا تھا پھر شانے اچکاتے ہوئے سرنفی میں ہلا دیا تھا۔ پھر اسی لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

"کہنے کے لیے ۔ بے تحاشا لفظوں کی ضرورت نہیں ہوتی ۔"
"تو پھر؟" وہ مسکرایا تھا۔
"پتہ نہیں۔ شاید میں نہیں جانتی ۔" وہ نگاہ پھیر گئی تھی۔
"لامعہ کی دوست ہو اور اتنی سی مدد نہیں کر سکتیں ۔"
"تمہیں ہر بار یہ کیوں لگتا ہے کہ میں کوئی خدائی فوجدار ہوں ۔ یا پھر کوئی ہیلپ لائن" نے جواز چاہا تھا۔
عفنان علی خان ہنس دیا تھا۔
"مجھے ایسا ہرگز نہیں لگتا۔ مگر میں مدد کس سے مانگوں۔ تم جھیل سی گہری ہو اور ایسے لوگ بہت کے مالک ہوتے ہیں۔ ان کی سوچ بھی اسی قدر وسعت رکھتی ہے۔"
"اور لامعہ حق جھیل سی گہری نہیں ۔ ہے نا!" وہ اس کی سمت دیکھتی ہوئی مسکرائی تھی۔ وہ ہنس
"تمہیں یاد ہے اب تک؟"
"میں ایسی باتیں نہیں بھولتی۔"
"اور کیا کیا یاد ہے تمہیں؟" بہ غور تکتے ہوئے دریافت کیا تھا۔
"وہ سب کچھ جو میں یاد رکھنا چاہتی ہوں۔"
"تھینکس۔" وہ بہت دلکشی سے مسکرایا تھا۔
"فور وہاٹ؟" وہ چونکی تھی۔
"تم نے مجھے اپنی سوچوں میں زندہ رکھا، یادوں میں تازہ رکھا۔" وہ ہنسا تھا۔ "تم باتیں اچھی شاید مجھے پہلی بار ادراک ہو رہا ہے کہ خوب صورت لڑکیاں باتیں بھی خوب صورت کرتی ہیں۔"
"یہ اعتراف ہے یا شکست اعتراف؟" وہ بنا متاثر ہوئے گویا ہوئی تھی۔ عفنان علی خان مسکرا
"اعتراف...... اعتراف شکست کہوں تو شاید زیادہ مناسب لگے۔" جملہ ذو معنی تھا۔ کئی تھے۔ انابیہ شاہ نگاہ کا زاویہ پھیر گئی تھی۔
"بتایا نہیں تم نے۔"
"کیا؟" وہ چونکی تھی۔
"تمہیں کبھی محبت ہوئی یا نہیں؟"
"بہت فضول سوال نہیں یہ؟" وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بہت پُر اعتماد انداز
پھر یکدم رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے اس کی سمت تکنے لگی تھی۔
"ایکسکیوز می ۔ لامعہ کو آنے میں شاید دیر لگے گی۔ مجھے جانا ہوگا اب۔" وہ کہتی اس کی سمت ایک مروت سے دیکھتی ہوئی مسکرائی تھی اور پھر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔
عفنان علی خان تادیر اس پُر اعتماد قدم اٹھاتی لڑکی کو تکتا رہا تھا۔

* * *

سردار سبکتگین حیدر لغاری چت اپنے بیڈ پر پڑا تھا جب یکدم ذہن میں ایک جھماکا ہوا تھا اور وہ تیزی سے اٹھ کر باہر کی سمت دوڑا تھا۔ پہلی فرصت میں اس کے کمرے کا دروازہ بجایا تھا مگر کمرہ لاک تھا۔ یقیناً وہ یہاں نہیں تھی۔ وہ بڑی عجلت میں ریسپشن پر پہنچا تھا۔ اس کی بابت دریافت کیا تھا۔
"جناب! وہ تو ابھی تھوڑی دیر قبل چیک آؤٹ کر گئی ہیں۔" ریسپشنسٹ نے شستہ انگریزی میں مطلع کیا تو دوسرے ہی لمحے سردار سبکتگین حیدر لغاری نے باہر کی سمت دوڑ لگا دی تھی۔ نگاہ بہت بے قراری سے اسے ڈھونڈ رہی تھی لیکن وہ کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ باہر کی سمت دوڑا تھا۔ تبھی وہ اسے دور سے دکھائی دی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بڑی سرعت سے اس کی جانب پیش قدمی کی تھی۔ وہ تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی جب وہ اس کے سامنے جا رکا تھا۔ بوندا باندی ہو رہی تھی۔ موسم خراب تھا۔ میرب سیال نے نگاہ اٹھا کر اس کی سمت دیکھا تھا۔ بھیگی پلکوں پر بہت سے موتی اب بھی چمک رہے تھے۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے ہاتھ سے سامان لینا چاہا تھا مگر وہ مزاحمت کرتی ہوئی پیچھے ہٹ گئی تھی اور تب سردار سبکتگین حیدر لغاری کا بھاری ہاتھ اٹھا تھا اور میرب سیال کے چہرے پر اپنا نشان ثبت کر گیا تھا۔ میرب سیال ساکت سی اس کی سمت تکنے لگی تھی۔
بوندا باندی کے تسلسل میں یکدم ہی تیزی آ گئی تھی۔ تیز بوچھاڑ انہیں بھگونے لگی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری انتہائی خشمگیں نظروں سے تکتا ہوا اس کے سامنے کھڑا تھا۔ میرب سیال کی ساکت نظریں کسی قدر حیرت سے اس کی سمت اٹھی ہوئی تھیں۔ وہ اسی طرح ساکت و جامد کھڑی تھی۔ جب سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اپنا مضبوط آہنی ہاتھ بڑھا کر اس کی کلائی کو تھاما تھا۔ مگر وہ مزاحمت کرتی ہوئی چیخ پڑی تھی۔
"مجھے نہیں رہنا ہے تمہارے ساتھ —— کیوں کر رہے ہو تم میرے ساتھ ایسا؟ کیا سمجھتے ہو تم؟ کیا بااختیار ہو؟ سب کچھ روا رکھ سکتے ہو، جو چاہو کر سکتے ہو، حاکم و مختار ہو، دنیا کو اپنی مٹھی میں لیے رکھتے ہو۔ جب چاہو، جو چاہو کر سکتے ہو۔ لیکن میں نہیں ڈرتی ہوں تم سے۔ سنا تم نے۔ کوئی خوف نہیں مجھے تمہارا۔ تم کس حد تک جا سکتے ہو، جان گئی ہوں میں۔ کتنا بلند جانا تھا میں نے تمہیں مگر بہت کھوکھلے ہو۔"
بارش میں بھیگتی ہوئی انتہائی نفرت سے سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت تکتی وہ چیخ رہی تھی۔ لہجہ اور انداز بے خوف تھا۔ اگرچہ میرب کی کلائی اب بھی اس آہنی گرفت میں تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ میرب سیال کی آنکھوں سے بہت تیزی سے آنسو بہہ رہے تھے اور انتہائی تیزی سے بارش کے پانیوں میں مل کر ضائع ہو رہے تھے۔
"کیا سمجھتے ہو تم؟ تمہاری قربتوں کی متلاشی ہوں میں۔ تم جیسے شخص کی ہمراہی کی خواہاں ہوں۔ کیا اخذ کیا ہے تم نے۔ کیا چاہتی ہوں میں تم سے، ایسی قربت، ایسی محبت، ایسا التفات، ایسا کرم، کیا سمجھے تم سردار سبکتگین حیدر لغاری! کیا اخذ کر کے تم نے ایسا اقدام اٹھایا؟ کیسے تمہیں لگا کہ میں تمہاری سرد مہری سے عاجز آ گئی اور تمہاری کسی گرم جوشی کی خواہاں ہوں۔ تم کتنے سطحی مرد ہو، یہ اچھی طرح جان گئی ہوں میں۔ تمہیں کیسے لگا کہ میں ایک ایسی ارزاں سی لڑکی ہوں جسے حاصل کرنا تمہارے لیے اتنا آسان رہے گا۔ تو

دیکھا تھا۔

"شرمانے، گھبرانے والوں کو جو بھی کہتے ہوں مگر ازہان حسن بخاری قطعاً نہیں کہتے۔"

"تو پھر کیا کہتے ہیں؟" سابیہ خان نے شرارت سے چھیڑا تھا۔ ازہان حسن بخاری اسے چند لمحے تک خاموشی سے تکتا رہا تھا۔ پھر یکدم اس کا نازک ہاتھ تھام کر اس ہجوم کی سمت بڑھنے لگا تھا۔

اوہ لے گئی میری بانہہ پھڑ کے

اوہ لے گئی میری بانہہ پھڑ کے

گانے والے کی آواز فضا میں گونج رہی تھی اور ازہان حسن بخاری کے قدم اس ردھم میوزک کے ساتھ اٹھنے لگے تھے۔ وہ نہ صرف خود جھوم رہا تھا بلکہ سابیہ خان کو بھی اپنے سنگ بھنگڑا کرنے پر مجبور کر رہا تھا۔ سابیہ خان جہاں حیران ہوئی تھیں وہیں مسکرا بھی رہی تھی۔

"بہانے تو ایسے بنا رہے تھے جیسے سرے سے واقف ہی نہیں۔ قطعی نابلد ہو۔"

"تمہیں آزما رہا تھا۔"

"اور میں تو جیسے بے وقوف بن گئی تھی۔"

"لگ تو ایسے ہی رہا تھا۔"

"اور اگر میں کہوں کہ میں فقط چھیڑ رہی تھی تو؟" شرارت سے بہ غور اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے مسکرائی تھی۔ وہ مسکرا دیا تھا۔

جوش نال پاؤ بھنگڑا

جوش نال پاؤ بھنگڑا

میوزک مکمل طور پر ردھم میں تھا۔

"اور اگر میں کہوں کہ میں جانتا تھا، تو؟"

"تو میں کہوں گی یہ غلط ہے۔ ایسا نہیں تھا۔" اسے رد کیا تھا۔

"پھر...... پھر کیا تھا؟" وہ جاننے پر بضد ہوا تھا۔ سابیہ مسکراتی ہوئی گھومی تھی۔

جوش نال پاؤ بھنگڑا

جوش نال پاؤ بھنگڑا

اس کی توجہ غالباً مکمل طور پر اس جانب نہ تھی۔ پاؤں یکدم مڑا تھا، وہ لڑکھڑائی تھی، تبھی ازہان بخاری نے انتہائی سرعت سے اسے اپنی پناہ میں لے لیا تھا۔

اک خوشبو کا گھیراؤ بہت دلفریب تھا۔ بات لمحہ بھر کی تھی مگر سابیہ خان کی دھڑکنوں میں یکدم ارتعاش سا ہوا تھا۔ کتنی گرم گرم سانسوں کو اس نے اپنے چہرے پر محسوس کیا تھا۔ جان یکدم ہی اک میں گھرنے لگی تھی۔ ایک مشکل اس افسوں کو اور بھی بڑھانے لگی تھی۔

"آر یو آل رائٹ؟" ازہان حسن بخاری نے اسی طرح اسے اپنے حصار میں تھامے ہوئے شہادت کی انگلی سے اس کے جھکے ہوئے چہرے کو قدرے اوپر اٹھا کر مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔ سابیہ خان

...ہلا پایا تھا اور پھر دھیان پھیرتے ہوئے بہت آہستگی سے اس کے حصار سے نکلنا چاہا تھا۔ مگر ...طرف ازہان حسن بخاری جیسے شرارت پر مائل تھا۔ بازوؤں کا گھیرا کھولنے کا ارادہ ملتوی کرتے ...کسی قدر شرارت سے اس کی جانب دیکھا تھا۔ سابیہ خان نے نگاہ اٹھا کر اس کی سمت دیکھا تھا۔ وہ ...بہانہ آنکھوں میں شرارت رکی ہوئی تھی۔

...چھوڑو مجھے۔" دھیمے لہجے میں جیسے کوئی درخواست ہوئی تھی۔

...اگر میں کہوں نہیں۔" وہ شرارت سے مدھم سی سرگوشی کرتا ہوا مسکرایا تھا۔

...ازہان حسن بخاری!" سابیہ نے سر اٹھا کر کسی قدر خفگی سے تکتے ہوئے ڈپٹا تھا۔ وہ کھلکھلا کر ہنس دیا ...ساتھ ہی بازوؤں کا گھیرا کھول کر اسے اپنی گرفت سے آزاد کر دیا تھا۔ سابیہ نے خجل سی ہو کر ہاتھ کا ...نا مارا کر اس کے شانے پر دے مارا تھا اور سر جھکا کر یونہی زرتار بلیو دوپٹے کو درست کرنے لگی

...سابیہ خان کے چہرے کی حالت کچھ متغیر تھی۔ وہ اس کی سمت سے نگاہ اب بھی پھیرے ہوئے تھی۔

...ایک بات کہوں؟" ازہان حسن بخاری اس کے چہرے کی کیفیت کو بہ غور تکتے ہوئے مسکرایا تھا۔

...ہوں۔" سابیہ نے خود کو معمول پر ظاہر کرنے کو چہرے پر ایک اطمینان بھری دھیمی سی مسکراہٹ سجا کر ...سمت دیکھا تھا مگر ازہان حسن بخاری کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

...شرمائی ہوئی اچھی لگتی ہو۔" عجب انکشاف تھا۔ سابیہ حیران رہ گئی تھی۔

...ازہان!"

...وہ شرارت پر بضد نظر آ رہا تھا۔ قدرے جھکا تھا۔

...کہہ رہا ہوں ——— یقین نہ ہو تو آئینہ دیکھ لو۔ تکلف کی ضرورت نہیں، میری آنکھیں حاضر ہیں۔ ...اپنا عکس دیکھ کر اندازہ لگا سکتی ہو۔" مدھم لہجے میں کی گئی پیشکش عجب دلربا تھی۔ وہ ساکت سی تکتی ...۔

...بات کا؟" بے دھیانی میں جیسے لبوں پر سے پھسلا تھا۔

...حسن بخاری کے لبوں کی دھیمی مسکراہٹ یکدم ہی قہقہے میں تبدیل ہو گئی تھی۔

...بے وقوف لگ رہی ہو۔"

...انا!" وہ چیخی تھی۔ مگر وہ ہنستا چلا گیا تھا۔ تبھی وہ جانے کے لیے آگے بڑھی تھی مگر تبھی عین اسی ...حسن بخاری نے اس کے نازک سے ہاتھ کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ سابیہ خان گردن کا رخ ...کی سمت تکنے لگی تھی۔

...یہ بھنگڑا نہیں کرو گی میرے ساتھ؟" لبوں پر ٹھہری مسکراہٹ میں عجب ایک شرارت تھی۔ سابیہ ...دیکھا تھا، پھر اس کا فطری اعتماد عود کر آیا تھا۔

...تم یہ شوق تنہا پورا کر لو۔"

...کہا سا کہ آنے کے لیے ہنسی نے مجبور کیا تھا۔ احساس دلایا تھا۔"

''اوہ ہاں حسن بخاری! میں نے جتنا ساتھ دینا تھا، دے دیا۔ اب تم اکیلے ہی انجوائے کر و سلاؤ کر سکتے ہو تو کسی اور کو تلاش کر لو۔''

''اوہ ـــــ کیا واقعی تلاش کر لوں؟'' سوالیہ نظروں سے اس کی سمت دیکھا تھا۔ وہ ہنس دی تھی۔

''آف کورس۔'' اجازت دی تھی۔

''تمہیں برا تو نہیں لگے گا؟''

''مجھے...... مجھے کیوں برا لگے گا؟'' اور جواباً اس کا قہقہہ بے حد برجستہ تھا۔ وہ کھلکھلا کر ہنسی تھا اور تبھی سا بیہ خان ہاتھ چھڑا کر وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی۔

***

عفنان علی خان داوا ابا سے مل کر نکل رہا تھا جب انابیہ شاہ اسے تالاب کے کنارے بیٹھی نظر آئی۔ رات کا پہر اور اس پر چودھویں شب کا چاند آسمان کے عین وسط میں، حسن ایسے میں کچھ اور نکھر سا گیا۔ مدھم روشنی میں وہ ایک عجب تاثر دے رہی تھی۔ چاند کی پہلی روشنی کا عکس اس کے چہرے پر تھا۔ وقت دو چاند اپنا عکس تالاب کے پانی پر چھوڑ رہے تھے۔ تالاب کا پانی اس لمحے روشنی اور نور سے بھرا تھا۔ ایک عجب سی روشنی پھوٹ رہی تھی اس پانی سے۔ سارا پانی جیسے سونا ہو گیا تھا۔

عفنان علی خان نے پھر قدم اس کی سمت بڑھا دیے تھے۔

''عجب معجزہ ہے یہ۔ آنکھوں کو یقین نہیں ہوتا۔ کیسی کیسی کرشمہ سازیاں ہو سکتی ہیں۔ سوچ دنگ رہ جاتی ہے۔'' بہت ہولے سے وہ گویا ہوا تھا۔

انابیہ شاہ جو کسی قدر محو تھی، قدرے چونکتے ہوئے اس کی سمت تکنے لگی تھی۔

''کچھ کہہ رہے تھے آپ؟''

''کہہ چکے۔ غالباً اب کچھ باقی بچا نہیں۔''

انابیہ شاہ نے فقط اسے خاموشی سے دیکھا تھا۔ کہا کچھ نہیں تھا۔ تبھی وہ گویا ہوا تھا۔

''حسن اور فسوں ایک ساتھ پہلی بار دیکھ رہا ہوں۔ شاید تبھی اس قدر حیران ہوں۔'' وہ مسکرایا تھا۔ انابیہ شاہ حیران ہوئی تھی۔ شاید تبھی کسی قدر چونکتے ہوئے اس کی سمت نگاہ کی تھی مگر وہ مسکراتے ہوئے نفی میں ہلانے لگا تھا۔

''حیران ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں چاند کی بابت بات کر رہا ہوں۔ چاندنی راتوں کے حوالے سے متعلق اس سے قبل فقط سوچا تھا، سنا تھا۔ دیکھا کبھی نہیں تھا۔ یہ واقعی حیران کن ہے۔ یہ چاند، یہ پانی، یہ عکس، یہ بھیگی بھیگی سی روشنی، آنکھیں خیرہ کیوں نہ ہوں۔'' بہت مبہم سا مسکرایا تھا۔ ''شاید تم اسے نہیں سمجھو گی۔''

انابیہ شاہ اس کی سمت سے نگاہ پھیر گئی تھی مگر وہ اس چہرے کو بغور تکتا رہا تھا۔

''کچھ کہہ رہے ہیں آپ؟''

عفنان علی خان بہت ہولے سے مسکرا دیا تھا۔

''آپ کی گہری آنکھوں والے جب ساحل پر آتے ہیں
لہریں شور مچاتی ہیں لو آج سمندر ڈوب گیا''

یہ سوچ رہا تھا اگر چاند کی آنکھیں ہوتیں تو وہ کیسا نظر آتا؟'' اس نے اپنی حیرت کا برملا اظہار کیا تھا۔

انابیہ شاہ اس کی بات پر اب کے چونکی نہیں تھی، ہاں کسی قدر حیران ضرور ہوئی تھی۔

''چاند کی آنکھیں؟ ـــــ چاند کی آنکھیں کس طرح ہو سکتی ہیں؟ یہ خیال تمہارے ذہن میں کیسے آیا؟''

''یونہی۔ ویسے اگر ایسا ہو تو کتنا بھلا لگے۔ بائی دی وے تم نے کبھی ایسا سوچا ہے؟''

''اوں، ہوں۔ غالباً میں ایسی فضول باتیں نہیں سوچتی۔'' انابیہ شاہ نے پُرافسوس لہجے میں کہتے ہوئے نفی میں ہلایا تھا۔ تبھی وہ مسکراتے ہوئے گویا ہوا تھا۔

''میں نے دیکھا ہے۔'' انداز مسرور تھا۔

''کیا؟'' وہ چونکی تھی۔

''چاند کے چہرے پر دو خوب صورت آنکھوں کا پہرہ
آپ کی صورت سے ملتا ایک چہرہ دیکھا ہے
نیلے گہرے آسماں میں، روشنی کا اک جزیرہ دیکھا ہے۔''

وہ مکمل طور پر مسرور نظر آ رہا تھا۔ باتیں سرگوشیوں جیسی تھیں۔ لہجہ اور انداز پُرفسوں تھا۔ اور انابیہ شاہ کسی قدر حیرت سے اس کی سمت تکتی رہی تھی۔

''آپ خود کلامی کے مرض میں مبتلا ہیں۔''

''نہیں ـــــ غالباً مجھے خود سے باتیں کرنا اچھا لگتا ہے۔ مگر اس لمحے میرا مخاطب چاند ہے۔ آسمان کی اور وسعتوں میں وہ ایک چاند جو حسین ہے۔ بے حد حسین۔ دلفریب اتنا ہے کہ دل اسے پانے کو مچل مچل جائے۔ ہاتھ تھامنے کو ایک لمحے میں اٹھ جائیں۔ آنکھیں اسے دیکھیں اور دیکھتے رہنے کے اصرار میں جلا ہو جائیں۔ خواہشیں بے انت سمندر ہو جائیں اور سارے لمحے خواب لگنے لگیں۔ مجھے اس چاند کے متعلق سوچنا اچھا لگتا ہے۔ باتیں کرنا اچھا لگتا ہے۔ وہ میرے سارے حوالوں میں ہے، ساری باتوں میں ہے۔ میرے سارے قصے اسی سے منسوب ہیں۔ ساری کہانیاں اسی سے وابستہ ہیں۔ مجھے اچھا لگتا ہے اسے دیکھنا، اسے دیکھتے رہنا، اسے سوچنا اور پہروں سوچتے رہنا۔ اس کا ذکر لمحہ لمحہ خود سے کرنا اور اسے کبھی جتانا نہیں۔ اسے خوابوں میں ملنا، پانا اور لمحہ لمحہ کھو جانا ـــــ مجھے اچھا لگتا ہے اس سنگ رہنا، قلیل، ذریں لمحوں میں ملنا۔ کبھی فقط ایک لمحے کا دیکھنا۔ مجھے یہ سب کچھ اچھا لگتا ہے۔ یہ دوری اور نزدیکی کی کہانی بڑی پُرلطف اور دلفریب ہے۔ شاید باتوں میں، میں اسے بیان نہ کر سکوں۔ نہ تم سمجھ سکو۔''

وہ اس کی سمت تکتا ہوا مسکرا رہا تھا۔ وہ اب کے بہت دھیمے سے مسکرائی تھی۔

''لامعہ سے پوچھوں گی۔''

''کیا؟''

"وہ کیسے ہضم کر لیتی ہے اتنی مشکل باتیں؟" وہ مسکرا رہی تھی۔

عفنان علی خان کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

"شاید اس لیے کہ اسے کبھی کچھ سننے کا اتفاق ہوا ہی نہیں۔"

"یعنی؟" وہ چونکی تھی۔

"مشکل باتیں اس کی عقل میں ذرا کم ہی آتی ہیں۔" وہ اس ذکر سے جیسے خوش نہیں ہوا تھا۔ تبھی ختم کرنا چاہی تھی۔ مگر انابیہ شاہ مسکرا دی تھی۔

"لامعہ کو پتہ چلے کہ تم اس کے متعلق ایسا سوچتے ہو تو یقیناً نتیجہ اچھا نہیں ہوگا۔" عفنان علی خان نے دیا تھا۔ پھر اس کی سمت بہ غور تکنے لگا تھا۔

"تم مجھے جتا رہی ہو یا ڈرا رہی ہو؟"

"کیا تم ڈر رہے ہو؟" وہ محظوظ ہوتی ہوئی مسکرائی تھی۔

وہ کھلکھلا کر ہنس دیا تھا

"تمہیں میں اس درجہ چکن ہارٹ نظر آتا ہوں؟"

"پتہ نہیں۔" انابیہ شاہ نے بے نیازی سے شانے اچکائے تھے۔ "میں کوئی قیاس نہیں کر سکتی۔"

"کوشش بھی نہیں کرو گی؟"

"میں فضول قسم کے کاموں کے لیے وقت صرف نہیں کرتی۔ تم غالباً لامعہ کے متعلق بات کر رہے تھے۔" انابیہ شاہ نے اسے یقین دلایا تھا۔

"اوں، ہوں۔" سر بہت ہولے سے نفی میں ہلایا تھا۔ "میں غالباً چاند کے متعلق بات کر رہا تھا۔ موضوعِ گفتگو یہ پُرفسوں چاند تھا۔ جس کا عکس پانی میں ہے۔" نگاہ تالاب کی سمت کر کے اشارہ دیا تھا جہاں انابیہ شاہ کے چہرے کا عکس چاند کے عکس کے ساتھ جگمگا رہا تھا۔

انابیہ شاہ حیران سی ہو کر تالاب کے پانی کی سمت تکنے لگی تھی۔

"اوہ ـــــ مگر یہ تو فقط عکس ہے۔ فقط ایک شباہت۔ اور شباہتوں کی حقیقت کچھ خوش آئند کب ہوتی۔" انابیہ شاہ نے جیسے اسے ڈرایا تھا۔ مگر وہ مسرور سا مسکرا دیا تھا۔

"تم نے کبھی خواب دیکھے ہیں انابیہ شاہ؟"

"خواب دیکھنا اور بات ہے عفنان علی خان! اور خوابوں میں جا کر رہنا اور بات۔ بہت سے لوگ خوابوں میں زندگی بسر کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔ مجھے خواب دیکھنا تو اچھا لگتا ہے مگر خوابوں میں رہنا نہیں۔ میں اس مقولے پر عمل کرتی ہوں۔

خواب ہوتے ہیں دیکھنے کے لیے
ان میں جا کر مگر رہا نہ کرو"

"دلچسپ۔" وہ متاثر ہو کر مسکرایا تھا۔ "میری سمجھ میں ایک بات نہیں آئی۔"

"کیا؟"

"خوب صورت لڑکیاں اتنی ذہین کیوں ہوتی ہیں۔"

"شاید اس لیے کہ کوئی انہیں بے وقوف نہ بنا سکے۔"

"لیکن ہر خوب صورت لڑکی کا ذہین ہونا بھی شرط نہیں۔"

"اپنے کہے کو خود آپ جھٹلا رہے ہیں عفنان علی خان!"

"اوں، ہوں۔" وہ مسکرایا تھا۔ "غالباً میں ایک وضاحت دینا بھول گیا تھا۔"

"لامعہ حق کی ہمت کی داد دینا پڑے گی۔" وہ مسکرائی تھی۔

"تم ہر بات میں بے چاری لامعہ حق کو کان سے پکڑ کر کیوں کھینچ لاتی ہو؟"

"کیوں، تمہیں اچھا نہیں لگتا؟" انابیہ شاہ نے چونکتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ جواب دیے بغیر تالاب کی انگوٹھی سے تکنے لگا تھا۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہیں؟" انابیہ شاہ کو تشویش ہوئی تھی۔

"اپنے چاند کو۔" وہ مسرور سا مسکرایا تھا۔

"وہ خود تکنے کی ہمت نہیں یا برداشت نہیں؟" وہ مسکراتے ہوئے جیسے چھیڑ رہی تھی۔ وہ بہ غور اس کی تکتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

"ہمت تو ہے۔ مگر ڈرتا ہوں۔" مدھم لہجے میں کئی بھید چھپے تھے۔

"کس بات سے؟" وہ حیران ہوئی تھی۔ وہ چند ثانیوں تک اس کی سمت تکتا رہا تھا پھر بہت دھیمے سے بولا تھا۔

"چاند برا مان جائے گا۔" جواب بہت غیر متوقع تھا۔ شاید تبھی انابیہ شاہ مزید کچھ نہیں بولی تھی بلکہ اس سمت سے نگاہ بھی پھیر گئی تھی۔ عفنان علی خان اس کی سمت تکتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

"چلتا ہوں۔" ایک نگاہ خاص اس کے چہرے پر ڈالی تھی اور پھر اسی طرح مسکراتے ہوئے پلٹ کر بڑھنے لگا تھا۔ انابیہ شاہ یکدم اٹھی تھی اور اندر کی سمت بڑھنے لگی تھی۔

❋❋❋

مہر سیال نے آنکھیں کھول کر کمرے کے ماحول کو دیکھا تھا۔ فوری طور پر کچھ سمجھ میں نہ آیا تھا۔ مگر رفتہ رفتہ سب منظر آنکھوں کے سامنے واضح ہونے لگے تھے۔ ساتھ ہی ذہن کے تمام طبق بھی روشن ہو گئے۔ وہ یکدم ہی اٹھ بیٹھی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کمرے میں نہیں تھا اور وہ اس وقت یقیناً اس کے کمرے میں تھی۔

ایک شدید طور کا احساسِ عدم تحفظ اس کے اندر ابھرا تھا۔ دل یکدم ہی کسی خوف سے بھر گیا تھا۔ اس نے طائرانہ نظر کمرے پر ڈالی تھی۔ عجب سکوت سا تھا کمرے میں۔ شاید سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کمرے میں نہ تھا۔ وہ کچھ دیر تک اسی طرح بیٹھی خالی ذہن اور خالی خالی نظروں سے ہر شے کو دیکھتی رہی تھی۔ عجب ایک وحشت سی اس کے اندر اس لمحے پھیلی ہوئی تھی۔ دل وہاں سے لمحہ بھر میں بھاگ جانے کو چاہا تھا۔ مگر شاید ایسا اس کے لیے ممکن نہ تھا۔ زندگی نے اسے عجب ایک دوراہے پر لا کھڑا کیا تھا۔

جہاں پر کھڑی وہ عجب اُلجھن میں تھی۔ ہر سمت جیسے تاریکی کے گہرے سائے تھے اور اس کی سمجھ کام نہیں کر رہا تھا۔ کچھ سجھائی نہ دے رہا تھا۔ جانے اس سے آگے کی راہ کیا تھی۔۔ فی الحال تو سارے منظر دھند میں لپٹے ہوئے تھے۔ وہ نہ اس راہ پر آگے بڑھ سکتی تھی نہ ہی واپس پیچھے پلٹ سکتی تھی۔

کوئی بھی فیصلہ کرنا جیسے اس کے لئے آسان نہ تھا یا پھر صورت حال ہی اتنی پیچیدہ تھی کہ اسے حل نہ رہی تھی، کوئی سرا ہاتھ آ نہ رہا تھا، کوئی گرہ کھل نہ رہی تھی۔ وہ بس حواس باختہ سی تاریکیوں میں کھڑی تھی۔ لیکن یہ طے شدہ بات تھی کہ اسے ان تاریکیوں میں سدا نہیں رہنا تھا۔ اسے یہاں سے راہ سوچنا تھی۔ یہاں سے نکلنے کی تدبیر سوچنا تھی اور یقیناً یہ آسان نہ تھا۔ مگر اسے اس مشکل کو حل اپنی پوری عقل کے ساتھ، پورے ذہن کے ساتھ، مکمل ہوش مندی اور خرد مندی کے ساتھ۔ کوئی جذ کی بات نہ تھی یہ۔ سو کوئی جذباتی قسم کا فیصلہ نہیں کرنا تھا اسے۔ اگرچہ جس طرح کی صورت حال درپیش تھی وہ فی الفور اس سے نکل جانا چاہتی تھی۔ مگر یقیناً ایسا ممکن نہ تھا۔ اسے یہاں سے نکلنا تھا پوری خرد مندی اور عقل کو بیدار رکھتے ہوئے۔

وہ اسی طرح خالی خالی آنکھوں سے منظر کو دیکھ رہی تھی جب کمرے میں آہٹ ہوئی تھی۔ اس نے کی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری ناشتے کی ٹرے لئے اس کے سامنے موجود تھا۔ جانے کب دروازہ اور کب وہ اندر داخل ہوا تھا۔ وہ خود میں اتنی گم تھی کہ جان ہی نہ پائی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری چلتا ہوا اس کے پاس آ کے رکا تھا۔ میرب سیال نے سر اٹھا کر اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ بہت ہولے سے چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ناشتے کی ٹرے بیڈ پر دھرتے ہوئے اس کی سمت دیکھا تھا اور پھر خود بھی اس کے مقابل بیٹھ گیا تھا۔

"میرے خیال میں تمہیں پہلے ناشتہ کر لینا چاہئے۔ باقی کے تمام ضروری امور اس کے بعد کے لئے اٹھا رکھنے چاہئیں۔" وہ اس کی سمت تکتا ہوا بہت دھیمے لہجے میں گویا ہوا تھا۔

میرب سیال نے اس کی سمت نہیں دیکھا تھا، نگاہ پھیرے رکھی تھی۔ مگر دل میں یکدم ہی جانے کیوں بہت سا خوف بھر گیا تھا۔ دھڑکنیں معمول پر نہ رہی تھیں۔ یکدم ہی ایک ارتعاش سا سارے وجود میں پھیلا تھا۔ یقیناً یہ کیفیت خوف کی تھی، عدم تحفظ کی تھی۔ وہ اس پناہ میں، اس قرب میں خود کو محفوظ نہیں جانتی تھی۔ کوئی احساس خوف بن کر رگ و پے میں سرایت کر رہا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے مقابل بیٹھا تھا۔ انداز بے تاثر تھا۔ کوئی اقدام ناپید تھا۔ کچھ ہونے یا نہ ہونے کا احتمال بھی نہ تھا مگر اس کے باوجود میرب سیال کی دھڑکنوں میں خوف کی ایک واضح نشاندہی مل رہی تھی۔

رات کے متعلق وہ نہیں جانتی تھی۔ بے ہوشی میں سارے احساس جیسے منجمد ہو گئے تھے۔ کسی بات کا کچھ ہوش نہ رہا تھا۔ مگر اب وہ کیفیت باقی نہ رہی تھی۔ اب وہ خرد مندی سے پورے ہوش و حواس رکھے اس شخص کے سامنے تھی۔ مگر اس کے باوجود خوفزدہ تھی۔ شاید یہ سارے خوف اسی بیداری کے تھے۔

رات وہ اس کے رحم و کرم پر تھی۔ ہوش و خرد سے بیگانہ ہو کر اس کی بانہوں میں جھول گئی تھی۔ بانہوں

لے آیا تھا۔ ہیٹر آن کر کے، اپنا کمبل اس کو اوڑھایا تھا۔ وہ یقیناً اس کے قریب تھا۔ مگر وہ نہیں جانتی تھی۔

میرب سیال رات والی اور اب کی کیفیت میں واضح فرق محسوس کر رہی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی رات کیا ہوا ہوگا۔ مگر اب جب اٹھی تھی تو سردار سبکتگین حیدر لغاری کو اپنے مقابل دیکھ کر اس کی پھر وہی کیفیت جذبات میں بے ہوش ہونے سے قبل تھی۔

"کیا ہوا؟۔۔۔۔۔ کیا سوچ رہی ہو؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت تکتے ہوئے دریافت کیا۔ انداز اور لہجہ سپاٹ تھا۔ مگر میرب سیال کچھ نہیں بولی تھی۔ ایک نگاہ بھی اس کی سمت نہیں کی تھی۔ یہ بھی تک گوارا نہ سمجھا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر بہت ہولے سے ہاتھ اٹھا کر اس کی سمت بڑھایا تھا۔ چہرے کا رخ کسی قدر اپنی طرف پھیرا تھا۔ شاید وہ اس کی توجہ چاہتا تھا۔ میرب سیال کی بے توجہی اسے کسی قدر کھل رہی تھی۔ یا پھر وہ کسی قدر ان سیٹ ہو رہا تھا۔ مگر اس کا یہ کوئی خوش آئند رد عمل نہیں ہوا تھا۔ بلکہ میرب سیال بدک کر کچھ اور بھی پیچھے ہٹ گئی تھی۔ جیسے اسے کسی اژدھے نے چھو لیا ہو۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت نگاہ کی تھی، بہت بے تاثر اور سرد تھی وہ۔ کسی طرح کا کوئی احساس اس نگاہ میں نہ تھا۔ کسی طرح کا کوئی تاثر اس کے چہرے سے واضح نہ تھا۔ شاید اسے میرب سیال کے اس انداز پر کسی قدر غصہ آ رہا تھا۔ یا پھر اسے اس کا اس طرح رد کرنا ایک ناگوار گزر رہا تھا۔ مگر اس طرح کی کسی بات کا اظہار اس کے چہرے پر نہ تھا۔

"شاید تم نے سنا نہیں۔۔۔۔۔ میں نے کہا ہے تمہیں ناشتہ کر لینا چاہئے۔" بے حد سرد مہر لہجے میں وہ گویا تھا۔ میرب سیال نے تب بھی اس کی سمت نگاہ نہیں کی تھی۔ ہاں آنکھوں میں یکدم ہی سمندر آن ٹھہرے تھے اور طغیانی اتنی بڑھی تھی کہ لمحہ بھر میں پیمانے چھلک پڑے تھے۔ وہ چہرے کا رخ پھیرے اسی طرح بیٹھی تھی جب آنکھوں سے گرم سیال پانی کے قطرے بہہ کر رخساروں کو جلانے لگے تھے۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت خاموشی سے دیکھا تھا۔ وہ یقیناً اس لمحے خود کو بے حد بے بس محسوس کر رہا تھا۔ میرب سیال اس شخص کے سامنے کمزور پڑنا نہیں چاہتی تھی۔ مگر جیسے کسی بات پر اس کا زبان بند تھا اور فضول کا کوئی بند وہ باندھنا چاہتی بھی نہیں تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری چند ثانیوں تک اسی طرح اسے بیٹھا دیکھتا رہا تھا پھر بے حد ناگواری سے گویا ہوا تھا۔

"چاہتی کیا ہو تم؟۔۔۔۔۔ کیا قیامت آ گئی ہے جو یوں واویلا مچا رہی ہو؟ آسمان تو ٹوٹ کر نہیں گر پڑا، یہ ماتم کس بات کا ہو رہا ہے؟ تم۔ ذہنی طور پر بالکل ٹھیک ٹھاک ہو۔۔ ایک رات گزر جانے کے بعد کیا تمہیں اندازہ نہیں ہو گیا کہ میں کیا کر سکتا ہوں اور کیا کچھ نہیں۔" مدھم لہجے میں جیسے انگارے ہی انگارے تھے۔ میرب سیال کی بھیگی پلکیں ٹھہری ہوئی تھیں اس کی نگاہوں سے جیسے شعلے لپک رہے تھے۔

"تمہیں کس بات کا اب تک اندازہ نہیں ہوا کہ میں کس درجہ اختیار رکھتا ہوں۔۔ میں کیا کر سکتا تھا اور میں نے کیا نہیں کیا۔۔۔۔۔ تم رات میرے رحم و کرم پر تھیں۔ اگر مجھے کسی طرح کا فائدہ اٹھانا ہوتا تو کون

روک سکتا تھا مجھے، تم؟ جسے خود کا بھی کچھ ہوش نہ تھا۔ کیا سمجھتی ہو تم، کس بات نے مجھے فیصلہ کا مجبور کیا؟ تمہارے ان مگرمچھ کے آنسوؤں نے، یا پھر تمہارے اس بے وقوفانہ ڈر اور خوف نے سبکتگین حیدر لغاری دھیمے لہجے میں کہتا ہوا بغور میرب سیال کو دیکھ رہا تھا جو اس لمحے بھی اس کی پھیرے ہوئے تھی۔

"میں چاہتا تو کچھ بھی کر سکتا تھا۔ اور تم کیا کر لیتیں؟ ــــــ ماسوائے آنسو بہانے کے، رونے کے اور خوفزدہ ہونے کے، تمہیں آتا ہی کیا ہے؟ رات تم نے بہت کچھ کہا اور میں نے سنا اور سمجھا یاد رکھو، سردار سبکتگین حیدر لغاری نے سننا سیکھا نہیں ہے، فقط حکم صادر کرنا جانتا ہے۔ یہ روٹھنے، چونچلے چھوڑ دو، مجھے ان باتوں کا کچھ خاص تجربہ نہیں ہے۔ سو بے سود ہے گا یہ سب۔ یہ ڈرامہ بند ہو جانی چاہئے۔ کوئی قیامت تو آئی نہیں ہے نہ ہی آسمان سر پر گر پڑا ہے۔ کیا تمہیں اب یہ نہ لگا کہ تم ایک اہم ترین رشتے میں منسوب ہو اور تمہیں اب اس طرح کی بچکانہ حرکتوں کو ترک کر دینا چاہئے۔"

کتنے بارعب لہجے میں وہ کہہ رہا تھا۔ انداز میں مکمل استحقاق بول رہا تھا جیسے وہ ہر بات کا مالک ہو۔ جیسے واقعی ساری دنیا اس کی مٹھی میں ہو اور وہ جس سے جو چاہے سلوک روا رکھ سکتا ہو۔ مگر میرب اس کی سمت متوجہ نہیں تھی۔ نگاہ پھیرے اس سے صاف طور پر لاتعلق نظر آ رہی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ایک بار پھر شہادت کی انگلی سے اس کے چہرے کا رخ اپنی سمت کیا۔ کچھ دیر تک بغور دیکھا تھا۔ پھر اسی سرد لہجے میں گویا ہوا تھا۔

"مجھے باتوں کو بار بار دہرانے کی عادت نہیں ہے ــــــ میں چاہتا ہوں تم بھی ایک بار کا کہا ہونے کی عادت اپنا لو۔ آئی تھنک یہ فائدہ مند رہے گا تمہارے لئے۔ بہ صورت دیگر مجھے اپنی بات منوانی اور نبھانے خوب آتے ہیں۔" سرد و جامد لہجے میں ایک واضح وارننگ تھی۔ اور میرب سیال اس کی سمت تکنے لگی تھی۔

"آئی ہیٹ یو سردار سبکتگین حیدر لغاری! ــــــ نفرت ہے مجھے تم سے۔ بہت کھوکھلے ہو تم بڑے بڑے دعوے کرتے قطعاً اچھے نہیں لگتے۔ مجھے کچھ جتانے یا سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ کمزور مجھے سمجھ رہے ہو، غالباً میں اتنی کمزور ہوں نہیں۔ تم نے یقیناً غلط قیاس کیا ہے۔ میرب سیال ہرگز نہیں ہے۔ اگر تم اختیار رکھتے ہوئے اپنے حق جتانا اور نبھانا جانتے ہو تو میرب سیال بھی اتنا رکھتی ہے کہ وہ ان تمام ناپسندیدہ مناظر سے خود کو الگ کر سکے۔ آئی ہیٹ دِس سچویشن ــــــ آئی ہیٹ دِس لائف ــــــ آئی ہیٹ یو سردار سبکتگین حیدر لغاری! ــــــ میرب سیال تم سے نفرت کرتی ہے اسے قطعاً بھی ایسا کرنے سے باز نہیں رکھ سکتے۔" میرب سیال زہرخند لہجے میں بولی تھی۔ جب سبکتگین حیدر لغاری نے یکدم ہی ہاتھ بڑھا کر اس کے بالوں کو مٹھی میں جکڑ کر اس کے چہرے کو جارحانہ انداز میں اپنے قریب کیا تھا۔ میرب سیال کے چہرے کو اس کی گرم گرم سانسیں انگاروں کی طرح چھونے لگی تھیں۔ کس قدر قریب تھا وہ۔ مگر سب کچھ کس قدر تکلیف دہ تھا۔ قربت کے ان لمحات کا

بڑی خوشی آئند بات نہ تھی۔ کوئی بھی مہربان لمحہ نہ تھا۔ میرب سیال تکلیف سے کراہ کر رہ گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے چہرے کو خشمگیں نظروں سے تکتا رہا تھا۔ پھر بنا کچھ کہے اس کے بالوں کو جھٹکے سے آزاد کر دیا تھا۔ اٹھا تھا اور کمرے سے نکلتا چلا گیا تھا۔

❋❋❋

وہ بہت گہری نیند سو رہی تھی جب کسی نے اس پر پانی کا جگ الٹ دیا تھا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی تھی۔ حواس لمحہ بھر میں بیدار ہوئے تھے، نگاہ اٹھی تھی اور وہ چیخ پڑی تھی۔

"اوزی کے بچے! ــــــ" وہ خطرناک تیوروں سے چھلانگ لگا کر بیڈ سے اتری تھی۔ مگر اس سے قبل ہی اوزی مسکراتے ہوئے دوڑ لگا چکا تھا اور اس لمحے وہ ماما کے پیچھے چھپ رہا تھا۔

"اوزی کے بچے! باہر نکلو۔ میں تمہیں چھوڑوں گی نہیں۔" وہ چیخی تھی۔

"تمہارے ہاں مہمانوں کا استقبال اس طرح ہوتا ہے؟" وہ ماما کے پیچھے سے سر نکال کر مسکرایا تھا۔

"ہمارے ہاں مہمان اس طرح کی حرکتیں بھی نہیں کرتے۔"

"یعنی بیٹ فور ٹیٹ۔" وہ مسکرایا تھا۔

انابیہ شاہ اسے گھورنے لگی تھی۔

"ایک تو بے وقت آتے ہو، اس پہ عجیب و غریب حرکتیں بھی کرتے ہو۔" وہ کسی قدر نرم پڑی تھی۔ تبھی وہ ماما کے پیچھے سے نکل کر اس کے سامنے آ گیا تھا۔ دونوں ہاتھ کانوں تک لے جا کر معافی نامہ دائر کیا تھا۔

انابیہ شاہ نے درخواست پر غور کیا تھا اور مسکرا دی تھی۔ تبھی اوزی نے اسے تھام کر ساتھ لگا لیا تھا۔

"بچوں والی حرکتیں گئی نہیں ہیں تمہاری۔" وہ مسکراتے ہوئے سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

"تمہیں کس نے کہا کہ میں بڑا ہو چکا ہوں؟"

"میں نے آج تک چھ فٹ کا کوئی بچہ نہیں دیکھا۔" انابیہ شاہ نے مسکراتے ہوئے انکشاف کیا تھا اور اوزی کھلکھلا کر ہنستا چلا گیا تھا۔

"تم ابھی تک ویسی ہی تیکھی مرچ جیسی ہو۔"

"بتا کر نہیں آ سکتے تھے؟ ــــــ کم از کم ایک فون ہی کر دیتے۔"

"تم کیا کرتیں؟ کیا بام و در سجا دیتیں؟"

"شاید نہیں۔ مگر میری نیند تو تباہ نہ ہوتی۔" وہ مسکرائی تھی۔ اوزی گھورنے لگا تھا۔

"عجیب بدتمیز لڑکی ہو۔ میں اتنی دور سے تمہارے لئے آیا ہوں اور تم نیند سے نین نہیں ملا رہی ہو۔" اس کا انداز ایسا تھا کہ انابیہ شاہ کو ہنسی آ گئی تھی۔

"تم اس قابل ہو کہ تم سے نین ملائے جائیں؟ بائے دی وے، آئے کب ہو؟"

"تھوڑی دیر قبل۔ آنٹی نے بتایا تھا تم سو رہی ہو ہمیشہ کی طرح۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا۔

"اور تم نے سوچا ہمیشہ کی طرح اس کی نیند برباد کر دی جائے۔" انابیہ شاہ اس کی بات کاٹتی ہوئی

اوزی

مسکرائی تھی۔

"یار! سال کے تین سو پینسٹھ دن تو تم آرام سے سوتی ہو۔ کیا ہوا جو آج جلدی بیدار ہوگئیں
دن وے، موسم کیسا ہے یہاں کا؟" اوزی آنکھ ایک ادا سے دباتا ہوا مسکرایا تھا۔

انابیہ شاہ کے لبوں پر مسکراہٹ گہری ہوگئی تھی۔

"موسم بدل چکا ہے اوزی! اب پہلے جیسی کوئی بات نہیں رہی۔ یہ بات شاید تم اچھی طرح جانتے
"لیکن موسم بدلنے کے کوئی چانسز نہیں۔" اوزی کا لہجہ کچھ بجھ گیا تھا۔ انابیہ شاہ نے اس کو
افسوس پر اسے دیکھا تھا۔ پھر بہت دھیمے سے مسکرادی تھی۔

"کبھی کبھی ہواؤں کے رخ بدلنے بھی پڑتے ہیں اوزی! ـــــ اگر تم میں دم ہو تو موسموں کو اپنے بس
میں کرلو۔"

"تم جانتی ہو، یہ خاصا مشکل ہے۔ اور میرے وجود پر خاصی تھکن کا بوجھ لدا ہے۔ اکیلا نہیں
ایک بے نام سی تھکن بھی اپنے سنگ لایا ہوں۔ مسافتوں کا بوجھ ہلکا نہیں تھا انابیہ شاہ! پاؤں گرد سے اٹے
ہوئے ہیں۔ آنکھوں میں تھکن ہے اور چہرے پر مسافتوں کی کوفت۔ ایسے میں، میں موسموں کو اپنے
بس کرنے کے فقط خواب دیکھ سکتا ہوں۔ عملاً نہیں۔" اوزی کی آنکھوں میں کئی اُجالے ہولے ہولے
تھے۔ انابیہ شاہ نے اسکے ہاتھ پر اپنا ہاتھ دھر دیا تھا۔ تبھی وہ مسکرایا تھا۔

"یہ کوئی مشکل ہے انابیہ شاہ!"

"مشکل تو مشکل ہی ہوتی ہے ـــــ اسے آسان کرنا پڑتا ہے۔"

"میرا ایک کام کروگی؟" اوزی ہولے سے مسکراتے ہوئے اس کی سمت دیکھ رہا تھا۔

"کیا؟" وہ چونکی تھی۔

"موسموں سے کہہ دو، مجھے وہ سارے نقش لوٹا دیں جو وہ اپنے سنگ لے گئے ہیں۔ وہ سارے خواب
وہ سارے راستے جو گرد سے اٹ گئے ہیں، انہیں پھر سے انہی رونقوں سے بھر دیں۔ میں سارے سپنوں
کی تعبیریں لے آؤں گا۔ بس یہ موسم وہ اسم اعظم بول دیں جن کے کہنے سے سارے بند دروازے کھلتے
چلے جائیں اور سارے منظر روشن ہوجائیں۔" وہ مسکرا رہا تھا اور انابیہ شاہ ہنس دی تھی۔

"اوزی! صبح صبح اتنی ثقیل گفتگو ـــــ ناشتہ نہیں کرنے دوگے کیا؟ میرا پیٹ تو تمہاری فلسفیانہ باتوں
سے بھر جائے گا۔" انابیہ شاہ نے کہا تھا اور وہ ہنس دیا تھا۔

"پوچھوگی نہیں تمہارے لئے کیا لایا ہوں؟"

"کیا لائے ہو؟" وہ پوری توجہ سے پوچھنے لگی تھی۔

"خود آگیا ہوں ـــــ کیا یہ کافی نہیں؟" وہ یکدم کھلکھلا کر ہنس دیا تھا۔ انابیہ شاہ نے ہاتھ کا مکا
اس کے شانے پر دے مارا تھا۔

***

صورت حال تسکین بخش نہیں تھی میرب سیال کے لئے۔ یہ ممکن نہ تھا کہ فوری طور پر ان حالات

تی اور اس شخص سے دور بھاگ جاتی۔ اس نے اپنی نفرت کا برملا اظہار کر دیا تھا۔ مگر اس کا کوئی
خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہیں ہوا تھا۔

حالات جوں کے توں سردار سبکتگین حیدر لغاری کے ہاتھ رہے تھے۔ وہ مکمل طور پر اس کے رحم و کرم پر
تھی۔ اس کا یہ جتانا کہ وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری سے نفرت کرتی ہے، کچھ خاص کارآمد ثابت نہ ہوا تھا۔
سبکتگین حیدر لغاری پر اس کا کچھ خاص اثر نہ پڑا تھا۔

اسے اگلے کئی دنوں میں بھی وہ یہی جتاتی اور باور کراتی رہی تھی۔ مگر اس کا نتیجہ صفر ہی رہا تھا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے، کیا تمہیں میں خود سے محبت کے لئے مائل نہیں کرسکتا یا مجھ میں اتنی اہلیت ہی نہیں"
اس روز جب وہ اسے باہر لے جانا چاہ رہا تھا اور وہ مسلسل انکاری تھی، سردار سبکتگین حیدر لغاری
اس کی کلائی کو عجب جنونی انداز میں تھام کر گویا ہوا تھا۔ وہ بے تاثر سرد جامد آنکھیں بہ غور میرب سیال کو دیکھ
رہی تھیں اور میرب سیال چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔ اور تب سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے چہرے پر کچھ
جھک آیا تھا۔ شہادت کی انگلی سے اس کی پیشانی سے لے کر لبوں تک ایک سرائیت کھینچی تھی، پھر مسکرا دیا

"میرے لئے یہ قطعاً مشکل نہیں ہے ہنی! مجھے ہواؤں کے رخ بدلنے آتے ہیں۔ مجھے وہ سارے
راز ہیں جن سے بند تالے کھلتے ہیں۔ شاید تمہیں خبر نہیں، میں وہ فسوں بھی جانتا ہوں جو ایک بول
کے ساتھ سارے قفل کھولتا چلا جاتا ہے۔ مجھے سمتوں کو بدلنا آتا ہے سویٹی! میں رنگوں کو اپنے رنگ میں رنگتا
ہوں۔ مجھے علم ہے منظروں کو کب، کہاں اور کیسے اپنے اختیار میں کرنا ہے۔ کب گریز پا نظاروں کو
اختیار میں کرنا ہے اور کب سارے منظروں کو جل تھل کرنا ہے۔ یہ حقیقت مجھ سے پوشیدہ نہیں ہنی!"
دھیمے سے وہ مسکرا رہا تھا۔ آنکھوں سے ایک عجب روشنی پھوٹ رہی تھی اور میرب سیال کی ساری جان
جیسے بھونچال آگیا تھا۔ وہ نظریں جھکا کر چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔ مگر وہ حصار اسی طور اس کے اردگرد
قائم تھا۔ وہ جادوئی طور اسے تھام رہی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی نظریں اس کے چہرے کو بہ غور
دیکھ رہی تھیں۔

"مجھے گریز پا موسموں کو برتنے کے سارے ڈھنگ آتے ہیں۔ مجھے علم ہے کیسے بادل بنتا ہے اور قطرہ
برستا ہے۔ میں آسمان کی وسعتوں سے بھی باخبر ہوں۔ مجھے علم ہے، گرد منظروں کو دبا دیتی ہے۔ سو
نام پھونکنا ہے کہ جادو کا ایک قاعدہ سا بن جائے۔" لہجہ اور انداز بہت دھیما تھا۔ جیسے کوئی مدھم سرگوشی۔
"مگر کچھ بھولا نہیں ہوں سویٹی! سو مجھے کچھ باور کرانے کی کوشش مت کرو۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری
کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ ایک مدھم، پراسرار مسکراہٹ۔

میرب سیال چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے چند ثانیوں تک اس چہرے کو تکا
پھر بہت آہستگی سے اس کی کلائی پر سے اپنی گرفت ہٹائی تھی۔

میرب سیال اس کی سمت تکتی ہوئی دیوار سے جا لگی تھی۔ چہرہ حواس باختہ ہو رہا تھا۔ وہ لاکھ خود کو مضبوط
ظاہر کرتی تھی مگر یہ سچ تھا کہ وہ مضبوط تھی نہیں۔ مگر وہ اس صورت حال سے نکلنا ضرور چاہتی تھی اور اس

کے لیے راستہ بھی سوچ رہی تھی۔ مگر فی الحال اسے کوئی راہ سجھائی دے نہیں رہی تھی۔

"کتنا وقت لو گی تم تیار ہونے میں؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی سمت تکتا ہوا دریافت کرنے لگا اور میرب سیال یکدم ہی سرکشی میں چلانے لگی تھی۔

"تم میرے ساتھ زبردستی قطعاً نہیں کر سکتے سردار سبکتگین حیدر لغاری! تم کتنے ہی دعوے کر لو میں تم سے ڈرنے والی نہیں۔ تمہاری کسی بات نے مجھے متاثر نہیں کیا۔ سنا تم نے سردار سبکتگین حیدر لغاری! میں تم سے قطعاً بھی مرعوب نہیں ہوئی۔ تم اپنا تاثر قائم کرنے میں ناکام رہے ہو۔" وہ دھیمے مگر سخت لہجے میں بولی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

"بہت معصوم ہو تم۔ بے حد بھولی بھالی۔ مجھے بعض اوقات تم پر غصہ بالکل بھی نہیں آتا۔ کیوں؟ کیونکہ میں نے اس سے قبل اتنی بھولی صورت دیکھی ہی نہیں۔ شاید تم نے بھی سردار سبکتگین حیدر لغاری جیسا کوئی شخص تم سے قبل نہ دیکھا ہو۔ مگر یہ سچ ہے، تم جتنی معصوم اور بھولی بھالی ہو سردار سبکتگین حیدر لغاری اسی قدر اپنے وعدوں اور ارادوں میں اٹل ہے۔ آئی تھنک تم تجربہ کرنا ضروری خیال کرو گی۔" وہ اسے بچوں کی طرح ٹریٹ کر رہا تھا۔ یہ کیسا روپ تھا اس کا؟ یہ کیسا رنگ تھا؟ وہ شخص رنگ بدلتا تھا اور ہر رنگ پہلے رنگ سے مختلف ہوتا تھا۔ جانے اس کا حقیقی رنگ کیا تھا اور کس طور حقیقی ہوا کرتا تھا؟ اس کے تیور میرب سیال کی سمجھ میں نہ آنے والے تھے۔ وہ واقعی اسے سمجھ نہ پائی تھی یا سمجھنا چاہتی بھی نہیں تھی۔ شاید وہ واقعی سردار سبکتگین حیدر لغاری سے نفرت کرتی تھی۔ شاید وہ واقعی اس سے بھاگنا چاہتی تھی اور کوئی متبادل راہ نہیں پاتی تھی۔ یا پھر ایسا اس کے لیے ممکن ہی نہیں تھا۔

کبھی کبھی وقت بہت بے بس کر کے رکھ دیتا ہے اور میرب سیال کو لگ رہا تھا کہ وقت نے اس کے قدموں میں بیڑیاں ڈال کر اسے اپنا پابند کر لیا ہے اور اب وہ چاہے بھی تو اس قید سے رہائی نہیں پا سکتی۔ شاید مجبوریوں کی زنجیر پیروں میں ڈالے اسے یونہی ان فصیلوں میں قید رہنا تھا۔ شاید اس کی ساری زندگی انہی دیواروں سے سر پٹختے ہوئے گزر جانی تھی۔

شاید اسے یونہی عمر بھر روتے رہنا تھا۔ شاید یونہی عمر بھر قید و بند میں بسر کرنا تھی۔ یہ ایک طویل سزا تھی جس کی مدت معین نہ تھی۔ شاید اسے جب تک جینا تھا، انہی سزاؤں کو سہنا تھا۔ شاید یہ سزائیں اس کے لیے تھیں۔ سو پھر یہ احتجاج بھی فضول تھا شاید۔

شاید اسے اس قید و بند سے سمجھوتہ کر لینا چاہیے تھا۔ شاید اسے ان بیڑیوں سے دوستی کر لینی چاہیے تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری شاید یہی تو سمجھا رہا تھا۔ اور غلط کہاں کہہ رہا تھا وہ؟ شاید وہ درست تھا۔ اس کا حرف حرف سچا تھا۔ وہ واقعی سچ کہہ رہا تھا۔ وہ اس کی زندگی پر مکمل اختیار رکھتا تھا۔ مختار کل تھا۔ سیاہ و سفید کا مالک تھا۔ کیونکہ اس کا سارا جیون اس شخص کے نام لکھا تھا اور یہ بات فراموش کیے جانے والی نہ تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کے حرف حرف میں سچائی تھی اور وہ شاید پاگل تھی جو دیوار دا... سے سمجھوتہ کر لینا چاہیے تھا۔ ٹھیک اس طرح جس طرح اس سے قبل کیا تھا۔ شاید اسے یہ سب برداشت کرتے رہنا چاہیے تھا جس طرح کہ اس سے قبل برداشت کرتی رہی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری شاید ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔

... دامن سے کٹ کر نہیں جی سکتی تھی۔ اس کے بنا اس کی زندگی کا مفہوم بے معنی تھا۔ کیونکہ سب ایسا ہی بابا کرتے تھے۔

اس کی نظروں کے سامنے پاپا کا چہرہ آیا تھا۔ کتنے خوش تھے وہ اس بندھن سے۔ اس کی ذمہ داری سونپ کر وہ بے حد مطمئن تھے۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کا اسے یہاں ان سے ملوانے کے لیے لانا اور کئی دن تک وہیں رکھنا یقیناً ایک سراہے جانے لائق اقدام تھا۔ اور پاپا کتنا خوش ہوئے تھے۔ وہ واقعی سردار سبکتگین حیدر لغاری کے معترف ہو گئے تھے۔ ان کے دل میں اس کی جگہ اور بھی بڑھ گئی تھی۔ اور ایسے میں اگر وہ ان سے علیحدہ ہو جاتی یا کسی سے ذکر بھی کر دیتی تو شاید یہ بسا بسایا سکون ایک پل میں تہس نہس ہو جاتا۔ سارا اطمینان جاتا رہتا۔ اور شاید کچھ باقی نہ رہتا۔ اور ایسا ہی تو وہ نہیں چاہتی تھی۔ یہی ایک بات تو اس کی جان کی سب سے بڑی دکھتی رگ تھی۔ اس کی سب سے بڑی مجبوری۔ اور شاید سردار سبکتگین حیدر لغاری اس دکھتی رگ سے بخوبی واقف تھا۔ تبھی تو اس طرح کا انداز اختیار کیے ہوئے تھا۔ اور وہ بھی تو جانتی تھی اس کی مجبوری کیا ہے۔ وہ بھی تو واقف تھی کہ اس کی کمزوری کیا ہے۔ پھر کیا حاصل تھا اس چون و [illegible]جا ہے۔

وہ خاموشی سے چلتی ہوئی وارڈ روب کے سامنے جا رکی تھی اور ایوننگ پارٹی کے لیے ڈریس منتخب کرنے لگی تھی۔ شاید اسے سردار سبکتگین حیدر لغاری کے اشاروں پر ناچنے والی کٹھ پتلی بن جانا چاہیے تھا۔ بنا کوئی آرگومنٹ کیے اس کی ہر بات چپ چاپ مان لینی تھی کہ وقت کا تقاضا یہی تھا۔

کیونکہ وقت اس کے ساتھ نہیں تھا۔

اور جانے کب تک اس کے مخالف ہی رہنا تھا۔

وہ چپ چاپ تیار ہونے لگی تھی۔ جب یکدم ہی فون کی بیل ہوئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری غالباً کمرے میں نہیں تھا۔ اس نے فون اٹھا لیا تھا۔ دوسری طرف مائی اماں تھیں۔

"کیسی ہے میری بیٹیا؟" مائی اماں بہت محبت سے اس کی خیریت دریافت کر رہی تھیں۔ وہ تمام ہمتوں کو مجتمع کرتے ہوئے بہت دھیمے سے مسکرائی تھی۔

"جی مائی اماں! ٹھیک ہوں میں۔ آپ...... آپ کیسی ہیں؟" کتنی مشکل صورت حال تھی۔ اسے اپنے دشمن کو فائدہ پہنچانا تھا اور اس کے لیے خود کو لحہ لحہ مارنا تھا۔ آواز حلق سے بہ مشکل نکل رہی تھی مگر دل نے بولنے کا سلسلہ موقوف نہیں کرنا تھا۔

"سبکتگین حیدر کہاں ہے؟ ـــــــ کیسا ہے وہ؟"

"جی وہ بھی ٹھیک ہیں مائی اماں! دراصل......" وہ ابھی کچھ بولنے ہی جا رہی تھی جب کسی نے ایک لمحے میں فون اس کے ہاتھ سے جھپٹ لیا تھا۔ وہ حیرت زدہ سی پلٹی تھی۔ اس کے بے حد قریب سردار

سبکتگین حیدر لغاری کھڑا تھا۔ اس کی سمت خشمگیں نظروں سے تکتا ہوا۔ غالباً اسے خدشہ تھا کہ وہ کوئی گل دے اور مائی اماں کے سامنے اس کا امیج خراب نہ ہو جائے۔ اُس نے اس کے ہاتھ سے فون لیا، کچھ دیر بات کی تھی اور پھر سلسلہ موقوف کر کے اس کی سمت دیکھا تھا۔

میرب سیال کی آنکھوں میں ایک لمحے میں سمندر آن ٹھہرا تھا۔

"نہیں کر سکتی میں یہ سب۔ نہیں رہنا ہے مجھے تمہارے ساتھ۔ نہیں جھیلنی ہے مجھے یہ لحہ لحہ بہت جان لیوا ہے یہ میرے لئے۔ پلیز نکر جاؤ میرے وجود کی حقیقت سے۔۔۔ فراموش کر دو مجھے، رو آزاد مجھے۔ جینا چاہتی ہوں میں۔ سانس لینا چاہتی ہوں۔ تمہاری قربتوں میں دم گھٹنے لگا میرا۔۔۔ مر جاؤں گی میں۔ نہیں رہ سکتی میں تمہارے ساتھ۔" عجب ہذیانی انداز میں چیخ رہی تھی اور سردار سبکتگین حیدر لغاری ایک لمحے میں اس کی سمت بڑھا تھا۔

بہت توجہ کے ساتھ اس چہرے، ان آنکھوں کو دیکھا تھا جن میں کئی سمندر ٹھہرے ہوئے تھے۔ پلکوں کئی پانیوں کا بوجھ اٹھائے ہوا تھا۔ کچھ تحیر، کچھ خوف اپنے اندر سمیٹے وہ آنکھیں اس لمحے ساکت تھیں۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ہاتھ دیوار پر ٹکاتے ہوئے جیسے ان حیرتوں سے پُر آنکھوں کو اس لمحے اور بھی مشکل میں ڈال دیا تھا۔ فرار کے بھی راستے جیسے مسدود ہو گئے تھے۔

میرب سیال پانیوں سے بھری آنکھوں سے اسے ساکت سی تکتی چلی گئی تھی۔ اس شخص کی آنکھوں یا چہرے سے کسی طرح کے تاثر کا اظہار نہ مل رہا تھا۔

وہ لمحہ پھر جیسے کسی قیامت کی پیش قدمی کا اعلان کر رہا تھا۔

میرب سیال کی ساکت آنکھوں میں خوف ہی خوف تھا۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسی اطمینان سے دایاں ہاتھ اس کے چہرے کی سمت بڑھایا تھا۔ شہادت کی انگلی سے ان پلکوں پر ٹکے موتیوں کو اپنی پور پر لیا تھا۔ بہ غور دیکھا تھا اور پھر ایک پل میں ہوا میں اُڑاتے ہوئے بہت محظوظ ہونے والے انداز میں مسکرا دیا تھا۔

"عورت کے آنسوؤں میں بہہ جانے والی شے کو جانتی ہو کیا کہتے ہیں؟" دلچسپی سے میرب سیال کی سمت دیکھتے ہوئے سوال دریافت کیا تھا۔ وہ کچھ نہیں بولی تھی اور سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لبوں کی مسکراہٹ اس لمحے کچھ اور بھی گہری ہو گئی تھی۔

"مرد۔" وضاحت بہت دلچسپ تھی۔ لبوں پر مسکراہٹ تھی اور میرب سیال کی آنکھیں ساکت تھیں مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری بہت اطمینان کے ساتھ مسکرا رہا تھا۔

"مقولہ بہت مشہور ہے۔ شاید تمہیں بھی ازبر ہو۔ مگر یہاں ایسی کوئی علامت نہیں ملتی۔" بہت سہولت سے جتایا تھا۔ "مجھ پر ان نمکین سمندروں کا جادو کچھ زیادہ اثر نہیں کرے گا میرب سیال! سو یہ سارا کھیل بہت بے کار رہے گا۔ شاید یہ سن کر تمہیں بھی کچھ افسوس ضرور ہو، یہ بالکل بے سود ہے۔" لبوں پر مسکراہٹ بدستور قائم تھی۔

"بے سود کام کر کے شاید تمہیں بھی کچھ زیادہ خوشی نہیں ہو گی۔ سو وقت برباد کرنے سے پچھتاوا [illegible]

بڑی توجہ سے تکتے ہوئے وہ دریافت کر رہا تھا اور ساکت نظروں سے تکتی میرب سیال کے پاس اس لمحے کوئی جواب نہ تھا۔

"تم بھول رہی ہو شاید، یہ عرصہ باہمی انڈر اسٹینڈنگ کے لئے ہے۔ اور تم اتنا تو سمجھ گئی ہو گی کہ مجھے یوں کو دہرانا قطعاً اچھا نہیں لگتا اور یہ کہ سردار سبکتگین حیدر لغاری اپنے وعدوں اور ارادوں میں کس درجہ اٹل ہے۔ کیا اب تک نہیں سمجھی ہو کہ سردار سبکتگین حیدر لغاری اپنی چیزوں سے دستبردار ہونا پسند نہیں کرتا۔ جو شے اس کی ہے وہ اس کی ہے۔ خوابوں میں نہیں، حقیقت میں زندگی بسر کرتا ہے یہ شخص۔ سو تم بھی اب بچپنے کی ساری باتیں چھوڑ دو، اپنی اس بچکانہ سوچ سے باہر نکل آؤ۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اپنی وائف سے کم از کم اس طرح کے بچکانہ اقدامات کی توقع نہیں کرتا۔" بہت ہولے سے ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کو تھپتھپایا تھا جیسے وہ اس لمحے کسی بچے سے مخاطب ہو۔

"شاباش، اب جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ یقیناً ہمیں دیر ہو رہی ہے۔" بارعب لہجے میں حکم صادر کیا تھا اور پھر پلٹ کر چلتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

میرب سیال کتنی دیر تک کھڑی اس سمت تکتی رہی تھی۔

ساحبہ خان مہندی کی کون ہاتھ میں لیے عجیب و غریب انداز میں اس کی سمت دیکھ رہی تھی۔
ازہان حسن بخاری وہاں آیا تھا۔
"آنٹی کہاں ہیں؟"
"پھپھو؟ ــــــ پتہ نہیں، شاید اوپر ٹیرس پر ہوں۔ فارحہ آنٹی بھی وہیں ہیں۔" وہ عجب سرسری انداز میں بتاتے ہوئے کون میں سے پن نکال کر ہتھیلی پھیلا کر آڑی ترچھی لکیریں کھینچنے لگی تھی۔
"یہ کیا کر رہی ہو؟" ازہان حسن بخاری نے اسے کسی درجہ دلچسپی سے دیکھا تھا۔
"مہندی لگا رہی ہوں۔" سرسری انداز میں بنا اس کی سمت دیکھے مطلع کیا تھا۔ ازہان حسن بخاری نے اسے دیکھا تھا، وہ اسی طرح عجب بے ڈھنگے انداز میں ہتھیلی پہ آڑی ترچھی لکیریں کھینچ رہی تھی۔
ازہان حسن بخاری نے اس کی جانب پیش قدمی کر دی تھی۔
"لاؤ۔" اس کے عین سامنے بیٹھتے ہوئے ہاتھ بڑھایا تھا۔
"کیا؟" وہ چونکی تھی۔
"مہندی ایسے نہیں لگاتے۔" مسکراتے ہوئے آگاہ کیا تھا۔
"تو پھر؟" وہ حیرت زدہ سی دیکھنے لگی تھی۔
ازہان حسن بخاری نے ہاتھ بڑھا کر کون اس کے ہاتھ سے لے لی تھی۔
"تم؟" ساحبہ خان کسی درجہ حیرت سے اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔ مگر ازہان حسن بخاری نے اعتماد کے ساتھ مسکراتے ہوئے کون اس کے ہاتھ سے لے لی تھی۔ پھر ٹشو سے اس کی ہتھیلی سے آڑی ترچھی لکیروں کو صاف کیا تھا۔ ساحبہ بہت غور سے اس شخص کو دیکھ رہی تھی۔
"مہندی لگانا کوئی آسان کام نہیں ہے۔" وہ بہت مستند انداز میں اُسے باور کرا رہا تھا۔
"اچھا۔" وہ مرعوب ہوئے بغیر نہ رہی تھی۔
"مہندی لگانے کے لئے کون کو اس طرح پکڑنا پڑتا ہے۔" وہ سمجھا رہا تھا۔
"اوہ ــــــ ویری نائس۔" ساحبہ خان پھر متاثر ہوئے بغیر نہ رہی تھی۔
ازہان حسن بخاری اس کی ہتھیلی کو ہاتھ میں لیے دوسرے ہاتھ سے بہت آہستگی کے ساتھ پھول بنا رہا تھا۔
"یہ کیا بنا رہے ہو؟" وہ حیران ہوتی تھی۔

"پیزا ہٹ۔" وہ مسکرایا تھا۔
"عجیب و غریب۔ سادہ پیزا ہٹ نہیں ہے؟" وہ چونکی تھی۔
"اس سے کئی درجہ بہتر ہے جو تم اس سے قبل بنا رہی تھیں۔" وہ مسکرایا تھا۔
"پرفیکٹ ہو گیا ہے۔ پورا باغ لگانے کے موڈ میں ہو تم۔ بس گملے بنانے کی کسر رہ گئی ہے۔ تم نے ان کے غنچے جلد چھوڑ دیے ہی نہیں۔ اب گملے کہاں بناؤ گے؟" وہ یقیناً اس لمحے شرارت آنکھوں میں لیے چھیڑ رہی تھی۔ ازہان حسن بخاری ہنس دیا تھا۔
"تم نے اس سے قبل کبھی مہندی لگائی ہے؟"
"ہاں۔ بچپن میں۔"
"او۔ وہ کس نے لگائی تھی؟"
"تم نے۔" وہ بے ساختہ ہنسی تھی۔ "تم ایک کام کیوں نہیں کرتے؟"
"کیا؟"
"یہ بزنس وزنس چھوڑ کر اپنی فیلڈ میں کیوں نہیں آ جاتے؟ ــــــ خاصے ماہر لگ رہے ہو۔" وہ یقیناً چھیڑ رہی تھی۔
"تھینک یو سو مچ ساحبہ!" وہ بجل سا ہو گیا تھا۔ لبوں پر پُرخفت سی مسکراہٹ تھی۔ ساحبہ ہنس دی تھی۔ "رنگ اجالنے کے لیے کیا کرنا ہوگا؟"
"پتہ نہیں۔ لیکن آنٹی اس روز بتا رہی تھیں۔" وہ شرارت سے سر اٹھا کر اس کی سمت تکنے لگا تھا۔
"کیا؟"
"یہی کہ رنگ گہرا آنا محبت کرنے والے پر ڈیپینڈ کرتا ہے۔ وہ جتنی زیادہ محبت کرتا ہے، رنگ اتنا نکھرا آتا ہے۔ اب مجھے تو یہ پتہ نہیں کہ تمہاری زندگی میں داخل ہونے والا تم سے کتنی محبت کرتا ہے۔ یقیناً یہ بات تم زیادہ بہتر انداز میں جانتی ہوگی۔" وہ آنکھوں میں بہت سی شرارت لئے اس لمحے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔
ساحبہ خان اس کی جانب دیکھنے لگی تھی۔ پھر یکدم اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے کھینچ لیا تھا۔ وہ یکدم ہنس دیا تھا۔
"کیا ہوا؟"
"کچھ نہیں۔" وہ سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔ پھر بغور اس ہتھیلی کو دیکھنے لگی تھی۔
"تمہیں خدشہ ہے کہ رنگ اچھا نہیں آئے گا؟" وہ بدستور شرارت پر مائل تھا۔
"تمہیں فکر کیوں ستا رہی ہے ازہان حسن بخاری؟"
"دوست ہوں۔ تمہیں کسی مشکل میں کیسے دیکھ سکتا ہوں؟" اس نے شانے بے نیازی سے اچکائے تھے۔ ساحبہ اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔
"تم بار بار ناخن کیوں چبا رہی ہو؟" ازہان حسن بخاری نے اس کے چہرے کی سمت دیکھا تھا۔

"اظہارِ افسوس کے لیے اس سے بہتر کوئی طریقہ شاید نہ ہو۔"

"افسوس کی کیا ضرورت ہے ـــــ میں ہوں نا۔" بھرپور شرارت سے مسکراتے ہوئے ساہیہ کی طرف دیکھا تھا۔

"شٹ اپ اذہان!" وہ مسکرائی ہوئی گھورنے لگی تھی۔ وہ ہنس دیا تھا۔

"تمہاری پریشانی مجھ سے دیکھی نہیں گئی۔" وہ بدستور شرارت پر مائل تھا۔

"ہاں ـــــ مگر اس کے لیے تمہیں قربانی کا بکرا بننے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"آر یو شیور؟" اذہان حسن بخاری نے اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔ ساہیہ نے مسکراتے ہوئے مکے کا ایک مکا بنا کر اس کے شانے پر جڑ دیا تھا۔ پھر ہتھیلی پر بنے پھول بوٹے دیکھنے لگی تھی۔

"تم نے مہندی واقعی اچھی لگائی ہے۔"

"لیکن فائدہ کیا؟ ـــــ رنگ تو آئے گا نہیں۔" وہ چھیڑتے ہوئے مسکرایا تھا۔ ساہیہ خان ہنس دی تھی۔

"ہاں۔ مگر پھر بھی یہ ایک اچھا تجربہ ہے۔ جو دل چاہے کر لینا چاہیے، سوچنا نہیں چاہیے کہ کیا ہو گا کیا نہیں۔ نفع نقصان تو بزنس کے لیے سوچے جاتے ہیں، چھوٹی چھوٹی خوشیاں اور راحتیں سمیٹنے کے لیے نہیں۔"

"ہوں ـــــ شاید ٹھیک کہہ رہی ہو تم۔ لیکن تم دل کی کچھ زیادہ ہی نہیں مانتی ہو؟" اذہان حسن بخاری نے مسکراتے ہوئے اس کی جانب دیکھا تھا۔

"ہاں۔ تمہارے خیال میں یہ گڈ سائن ہے یا نہیں؟"

اذہان حسن بخاری نے جواباً اسے خاموشی سے دیکھا تھا۔ تبھی وہ مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

"مجھے نہیں پتہ اذہان! اور لوگ کس طرح سوچتے ہیں یا کیا کرتے ہیں۔ مگر میرا اپنا ایک جینے کا ڈھنگ ہے اور مجھے اسی طرح جینا اچھا لگتا ہے۔ اس سے اور کچھ شاید نہ ملتا ہو مگر راحت بہت ملتی ہے۔ اور راحت بہت معنی رکھتی ہے۔ شاید تمہیں یہ بہت امیچور سا لگے، شاید تم افسوس بھی کرو میری عقل پر مگر مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"ہاں ـــــ میں جانتا ہوں۔" اذہان حسن بخاری نے اس کی سمت دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا؟" وہ چونکی تھی۔

"یہی کہ تم ایسی ہی ہو۔" وہ مسکرایا تھا۔ وہ ہنس دی تھی اور اس کے رخسار کا ڈمپل اس لمحے واضح ہو کر بہت بھلا لگنے لگا تھا۔ اذہان حسن بخاری اس کی سمت بغور دیکھنے لگا تھا۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟" وہ چونکی تھی۔

"تمہارے چہرے کے رنگ دیکھ رہا ہوں۔ بہت نیچرل ہے سب کچھ۔ بے ریا، بے فکر اور شفاف۔"

"دل سے جینے والے ایسے ہی ہوتے ہیں۔" وہ مسکرائی تھی۔

"ایک کام کرو۔" اذہان حسن بخاری کے لہجے میں ایک درخواست تھی۔

"کیا؟" وہ چونکی تھی۔

"مجھے بھی جینا سکھا دو ـــــ مجھے اپنے جیسا بنا دو۔" وہ مسکراتے ہوئے اس کی سمت بہت توجہ سے دیکھتے ہوئے بولا تھا اور وہ ہنستی چلی گئی تھی۔

"مذاق کر رہے ہو اذہان حسن بخاری!"

"نہیں، میں مذاق نہیں کر رہا ـــــ تم واقعی بہت اچھی ہو۔"

ساہیہ خان جواباً مسکرا دی تھی۔

"یہ اعتراف شاید تم نے زندگی میں پہلی بار کیا ہے۔"

"شاید۔" اذہان حسن بخاری بہت دھیمے سے مسکرایا تھا۔

"شاید؟" وہ جواباً مسکرائی تھی۔

"اور شاید تمہیں یہ اچھا بھی لگا ہے۔" وہ اب طنز کرنے پر مائل تھا۔ ساہیہ خان نے اس کی سمت دیکھا تھا۔

"تم باز نہیں آؤ گے اذہان! قطعاً نہیں سدھر سکتے تم۔"

"تم کوشش کر دیکھو ـــــ شاید تم کامیاب ہو جاؤ۔" وہ شرارت سے مسکرایا تھا۔

"یہ گنجائش تمہاری ضرورت ہے یا مجبوری؟"

"عجیب بے ڈھنگی لڑکی ہو ـــــ ساری بات کا مزا کرکرا کر دیا۔ اچھی خاصی خواہش کو ضرورت اور مجبوری کے خانوں میں ڈال رہی ہو۔" وہ برا سا منہ بنا کر بولا تھا اور ساہیہ خان ہنستی چلی گئی تھی۔

"کیا ہو رہا ہے؟" تبھی وہاں اگینے آئی تھی۔ ساہیہ نے مسکراتے ہوئے اپنا مہندی والا ہاتھ اس کے آگے کر دیا تھا۔

"اذہان مجھے مہندی لگانا سکھا رہا تھا۔"

"سکھا نہیں رہا تھا بلکہ یہ مہندی میں نے ہی لگائی ہے۔ اگینے! سچ بتائیے گا، کیسی لگ رہی ہے؟" وہ بتاتے ہوئے اگینے کی سمت دیکھنے لگا تھا۔

"تم یہ کام بھی کر سکتے ہو؟ ـــــ حیرت ہے۔" اگینے مسکرائی۔

"اگینے! آپ داد دے رہی ہیں یا واقعی حیرت کا اظہار کر رہی ہیں؟" وہ بغور دیکھتے ہوئے بولا۔

"میں داد دے رہی ہوں، یقیناً۔ اوپر جاؤ، بلال کو تم سے شاید کوئی کام ہے۔" اگینے نے ساڑھی کا پلو درست کرتے ہوئے کہا تھا۔ اذہان حسن بخاری نے ایک نظر ان کی سمت بغور دیکھا تھا، پھر اٹھ کھڑا ہوا۔

"اگینے!" جاتے جاتے وہ یکدم پلٹا تھا۔

"ہوں؟" اگینے چونکی تھیں۔ وہ پھر بہت مدھم لہجے میں بولا تھا۔

''اچھی لگ رہی ہیں آپ۔'' کہنے کے ساتھ ہی وہ پلٹ کر تیزی سے وہاں سے نکل گیا تھا۔
مسکراتی ہوئی پلٹ کر ماہیہ سے بات کرنے لگی تھی۔

❋❋❋

اس شام وہ اوزی کے ساتھ لاؤنج میں تھی جب عفنان علی خان آیا تھا۔ اُسے لگا تھا، وہ اس گھر کے
نئے فرد کو دیکھ کر شاید کسی قدر حیران ہوگا یا پھر کسی قدر حیرت کا اظہار کرے گا، مگر ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔
دادا سے ملنے کے بعد ان کی طرف بڑھا تھا۔ اوزی نے بھی اس کی سمت کسی قدر چونکتے ہوئے دیکھا
اور پھر دوسرے ہی لمحے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

دونوں مقابل کھڑے ایک دوسرے کو چند ثانیوں تک تکتے رہے تھے، پھر یکدم ہنستے ہوئے بغلگیر ہو
گئے تھے۔ اور انابیہ شاہ کسی قدر حیرت زدہ رہ گئی تھی۔

''واٹ اے سرپرائز یار! تو یہاں کہاں؟'' اوزی مسکراتے ہوئے اس کے چوڑے شانے پر ہاتھ
مارتے ہوئے عجب انداز سے پوچھ رہا تھا۔

''یہ ایک لمبی داستان ہے ــــــ تو سنا، تو واپس کب لوٹا مانچسٹر سے؟ اور شادی وادی تو نہیں
کہیں؟ ان دنوں بڑا مجنوں ہو رہا تھا تو کسی پاکستانی گوری کے لیے۔ کیا ہوا اُس کا؟ کہیں کوئی اور تو نہیں
لے اُڑا؟'' عفنان علی خان کا انداز بھی اسی قدر دوستانہ تھا اور اوزی کھلکھلا کر ہنستا چلا گیا تھا۔

''بس چھوڑ یار! اس عمر کے قصے خواب ہوئے۔ اس عمر کی باتیں جانے دو۔ تو سنا، تو کب لوٹا؟
تیرے تو دور دور تک ارادے نہ تھے۔''

''بس لوٹنا پڑا۔ یا یوں سمجھو یہی ضروری بھی تھا۔ شاید نہ لوٹتا تو بہت کچھ کھو دیتا۔'' عفنان علی خان نے
انابیہ شاہ کی سمت ایک نگاہ ڈال کر مسکرایا تھا۔

''یعنی بہت کچھ پا لیا ہے تم نے یہاں آ کر۔''

''نہیں خیر، ابھی پایا تو نہیں مگر خواہش ضرور ہے۔ اینی وے، یہاں کہاں؟'' عفنان علی خان مسکراتے
ہوئے دریافت کر رہا تھا۔

اوزی نے ایک نگاہ انابیہ شاہ کی سمت دیکھا تھا پھر مسکرا دیا تھا۔

''ہی از مائی کزن ــــــ اور تم؟''

''فرینڈز۔'' عفنان علی خان نے انابیہ شاہ کی سمت دیکھتے ہوئے بہت دھیمے لہجے میں انکشاف کیا تھا اور
وہ دیکھتی رہ گئی تھی۔

کچھ دیر بعد وہ ساتھ بیٹھے دھواں دھار بول رہے تھے اور دونوں کے فلک شگاف قہقہے فضا میں گونج
رہے تھے۔ صاف ظاہر تھا وہ دونوں پہلے سے اچھے دوست تھے۔ مگر انابیہ شاہ پھر بھی کسی قدر حیران
تھی۔ اسی حیرت میں اٹھ کر وہ لان میں چلی آئی تھی اور پائپ لگا کر کیاریوں کو پانی دینے لگی تھی۔

''تمہیں کیا ہوا؟ ــــــ یہ مالن کب سے بن گئیں؟'' اوزی، عفنان علی خان کے ساتھ وہاں آیا تو
وہ سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

''تم کہیں جا رہے ہو؟'' وہ اوزی سے مخاطب ہوئی تھی۔

''ہاں ــــــ میں عفنان کے ساتھ جا رہا ہوں۔ رات کے کھانے پر کوئی اہتمام مت کرنا، میں کھانا
باہر ہی کھاؤں گا۔''

''ماما پوچھیں تو کیا بتاؤں؟'' وہ سرسری انداز میں گویا تھی۔ عفنان علی خان اس چہرے کو بغور دیکھ رہا
تھا۔

''یہی کہ میں عفنان کے ساتھ ہوں۔ ویسے اس کی ضرورت نہیں ہوگی۔ میں نے دادا ابا کو مطلع کر دیا
ہے۔ تم پھر بھی آنٹی کو بتا دینا۔''

''اوکے۔'' اس نے سر اثبات میں ہلایا تھا اور پوری توجہ سے پودوں کو پانی دینے لگی تھی۔

''ایک بات بتاؤ۔'' اوزی گیا نہیں تھا۔
وہ چونکی تھی۔ اس کی سمت سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا۔ نگاہ عفنان علی خان سے بھی ٹکرائی تھی جو اس
لمحے ان کی جانب متوجہ تھا۔

''تم نے بتایا نہیں کہ تم عفنان علی خان کو جانتی ہو۔'' اوزی نے مسکراتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ وہ
اس کی سمت دیکھ کر رہ گئی تھی۔

''مجھے خواب نہیں آیا تھا۔ نہ ہی الہام ہوا تھا کہ تم کسی محترم عفنان علی خان کو اس سے قبل بھی جانتے
ہو۔'' اس کا انداز بے حد لاتعلق لیے ہوئے تھا۔ اوزی مسکرا دیا تھا۔ جب کہ عفنان علی خان بہت دلچسپی
سے اس چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

''انابیہ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ انہیں جاننے کا دعویٰ میں کر سکتا ہوں، یہ نہیں۔'' مختصر جملے میں ہزار معنی
پنہاں تھے۔

''بے نا انابیہ! غالباً یہ تعلق میری ہی جانب سے ہے۔ دادا ابا سے دوستی میں نے اپنی مرضی سے ہی کی
تھی، یہ میری ہی خواہش تھی۔ انابیہ تو ابھی سے واقف بھی نہیں۔ یا اگر ہیں بھی تو کسی درجہ لاتعلق ہیں۔
شاید یہ لاتعلقی ان کے مزاج کا حصہ ہے۔'' وہ بہت دلچسپی سے اس کی جانب دیکھتا ہوا اظہار مدعا کر رہا تھا
اور انابیہ شاہ چپ چاپ اسے دیکھ رہی تھی۔ اوزی بہت دلچسپی سے سنتا ہوا مسکرا رہا تھا۔ انابیہ شاہ نے اپنے
کزن کی سمت ایک نگاہ کی تھی پھر بہت رسانیت سے مسکرا دی تھی۔

''سوری، میں واقعی تمہیں بتانا بھول گئی۔ میری بہت ہی کلوز فرینڈ کے فیانسی ہوتے ہیں۔ شاید تم اسے
جانتے بھی ہو، روحی نام ہے اس کا۔'' بہت پُرسکون لہجے میں مطلع کرتے ہوئے بھی وہ جیسے جنگل میں آگ لگا
گئی تھی۔ اوزی کے چہرے کے تاثرات ایک لمحے میں بدلے تھے۔ ایک سایہ سا آ کر گزر گیا تھا اور وہ
دوسری سمت رخ پھیر گیا تھا۔ تبھی عفنان علی خان نے اس کے شانے پر ہاتھ دھرتے ہوئے یاد دہانی کرائی
تھی۔

''ہم لیٹ ہو رہے ہیں اوزی! شاید تم بھول رہے ہو۔''

''ہاں ــــــ چلو۔'' اوزی یکدم مسکرایا تھا اور پھر فوراً ہی پلٹ کر عفنان علی خان کے ساتھ آگے

بڑھنے لگا تھا۔ انابیہ شاہ کسی قدر پُر افسوس انداز میں اوزی کو جاتے ہوئے دیکھنے لگی تھی۔ وہ ایسا نہیں چاہتی تھی مگر جانے کیسے وہ بول گئی تھی اور اب ایک احساسِ ندامت نے اسے گھیر لیا تھا۔ ایک اس کے اندر پھیلنے لگا تھا۔ مگر شاید اس کا مداوا اس کے پاس نہ تھا۔

❋ ❋ ❋

یہ سچ تھا، اس کا دم گھٹ رہا تھا۔ وہ اندر ہی اندر جیسے مر رہی تھی۔ لمحہ لمحہ جیسے ایک اذیت میں تھا۔ مگر وہ ان قربتوں سے دور نہیں بھاگ سکتی تھی۔

ایک لمحہ نہیں، ایک پل نہیں، وہ ایک ثانیہ بھی اس کے سنگ بسر کرنا نہیں چاہتی تھی۔ مگر یہ اختیار میں نہ تھا۔ کیا عجب بے بسی کی گھڑی تھی کہ فیصلے کا کوئی اختیار اس کے ہاتھ میں نہ تھا۔ وہ تھی۔ مکمل طور پر بے بس۔ وہ شخص جیسا سلوک چاہتا، اس سے روا رکھتا۔ جو چاہتا تھا، کرتا تھا۔ شاید کا رویہ غیر مساوی تھا۔ مگر اس نے طے کر لیا تھا، اسے کیا کرنا ہے۔

اس شام جب وہ اس کے پاس آئی تھی وہ کسی کے ساتھ فون پر بزی تھا۔ شاید دوسری طرف وش ہی تھی۔ اس کا لہجہ بہت شہد آگیں تھا۔ وہ اس سے بات کرنا چاہتی تھی مگر وہاں کھڑا رہنا فضول تھا۔ وہ چلتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔ کچھ دیر وہیں کھڑی اس کے فارغ ہونے کا انتظار کرتی رہی تھی، پھر کمرے میں آگئی تھی۔ جی بہت برا ہو رہا تھا۔ رونے کو بے حد چاہ رہا تھا۔ مگر وہ رونا نہیں چاہتی تھی۔ کے ان آنسوؤں سے سردار سبکتگین حیدر لغاری کو نفرت تھی۔ اور وہ بھی ان آنسوؤں سے نفرت کرتی۔ اس کی کمزوریوں کو اس شخص پر عیاں کر دیتے تھے۔ اور یہ یقیناً ٹھیک نہ تھا۔ جب کسی پر آپ کی کمزوریاں عیاں ہو جائیں تو تب وہ کچھ اور بھی مضبوط ہو جاتا ہے اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی کمزوریاں سبکتگین حیدر لغاری کو اور بھی طاقت ور کر دیں۔ تبھی اس نے تیزی سے بھیگتی پلکیں ایک لمحے میں بے دردی سے ہاتھ کی پشت سے رگڑتے ہوئے پونچھ دی تھیں۔ پھر اٹھی تھی اور الماری کھول کر پیک کرنے لگی تھی۔ آنکھوں میں بے حد جلن تھی۔ وہ اس شخص کے متعلق سوچنا نہیں چاہتی تھی۔ نہیں چاہتی تھی مگر ذہن اس طرف سے ہٹ نہیں رہا تھا۔

"تمہیں اہمیت دینا چاہتی میں تمہیں کوئی۔ قطعاً بھی نہیں۔" اس نے ہاتھ میں پکڑی سینڈل پُر وحشت انداز میں اچھالا تھا۔ دروازے کی سمت اس کی پشت تھی۔ وہ دیکھ نہیں پائی تھی۔ تبھی سردار سبکتگین حیدر لغاری کمرے میں داخل ہوا تھا اور تیزی سے اپنی سمت آتی ہوئی سینڈل کو جس تشویش سے دیکھا تھا اسی قدر سرعت سے ہاتھ بڑھا کر کیچ بھی کر لیا تھا۔

"اتنی الجھن میں کیوں ہو؟ ـــــ جو دل کہتا ہے اسے مان لینے میں حرج کیا ہے؟" لہجہ ابھری تھی اور میرب سیال بے طرح چونک پڑی تھی۔ ایک لمحے میں رخ پھیر کر دیکھا تھا۔ سردار حیدر لغاری ہاتھ میں اس کی سینڈل لیے بغور اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ شاید وہ اس کی کیفیت درجہ محظوظ ہو رہا تھا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس پر کھل رہی تھی۔ جتنا مخفی رکھنا چاہتی تھی خود کو، وہ اس کے زمانوں سے اسی درجہ شناسائی رکھتا تھا۔

میرب سیال نے ڈبڈبائی آنکھوں سے اسے دیکھا تھا پھر دوسرے ہی لمحے چہرے کا رخ پھیر کر آنکھوں کو رگڑ ڈالا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری چلتا ہوا آگے بڑھ آیا تھا۔ اس کے مقابل کھڑا ہوا تھا۔ چند ثانیوں تک اسے دیکھا تھا، پھر سینڈل والا ہاتھ اس کی سمت بڑھا دیا تھا۔

"غصے کا بہترین حل یہ ہے کہ غصے کو آنے ہی نہ دیا جائے۔ اُلجھنوں میں گھرے رہنا مسئلے کا حل قطعاً نہیں۔ سامنے کہہ دینے سے دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔" وہ یقیناً محظوظ ہو رہا تھا۔

میرب سیال نے سر اٹھا کر اس کی سمت دیکھا تھا، پھر بہت آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر سینڈل اس کے ہاتھ سے لے لی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے بغور دیکھا تھا۔

"کچھ کہنا چاہتی تھیں تم؟" بغور دیکھتے ہوئے وضاحت چاہی تھی۔ میرب سیال کچھ نہیں بولی تھی مگر میں لبالب بھری تھیں اور یکدم ہی چھلک بھی گئی تھیں۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت دیکھا تھا، ہاتھ بڑھا کر پلکوں سے نمی کے ایک قطرے کو چن لیا تھا۔ بغور دیکھتے ہوئے بہت دھیمے سے مسکرایا تھا۔ انداز میں اس روز والی اُلجھن نہ تھی۔ شاید آج میرب سیال کے آنسوؤں نے سردار سبکتگین حیدر لغاری کو واقعی راحت دی تھی۔

"جلن ہے یا کوئی افسوس؟" مختصر جملہ اپنے اندر بہت گہرائی لیے ہوئے تھا۔ لہجے میں کوئی خاص بات تھی۔ مگر میرب سیال نے سر اٹھا کر اس کی جانب نگاہ نہیں کی تھی۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ واقعی محظوظ ہو رہا تھا اور میرب سیال شاید یہی دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔

"مجھے واپس جانا ہے۔" بہت مشکل سے اظہارِ مدعا کیا تھا۔ آنکھیں رگڑ ڈالی تھیں۔

"کیا ضرورت ہے اتنے بند باندھنے کی؟ ـــــ خود پر اتنے ستم ڈھانے کی؟ جو ہوتا ہے، ہو جانے دو۔" وہ مسکرا رہا تھا۔ میرب سیال نے سر اٹھا کر دیکھا تھا۔

"میں واپس جانا چاہتی ہوں۔" اس کی کہی ان سنی کر دی تھی۔

"کیوں؟ ـــــ میرا کسی اور جانب مائل بہ کرم ہونا اچھا نہیں لگ رہا؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے چہرے کو بغور دیکھ رہا تھا۔

"میں نے پیکنگ کر لی ہے ـــــ اگر آپ کو کام ہے تو آپ رک جائیے۔ مگر میں مزید نہیں رک سکتی۔" وہ اس کی سمت دیکھے بولی تھی اور سردار سبکتگین حیدر لغاری کا قہقہہ اس کے اطراف کو بجتا چلا گیا تھا۔

"تکرار ـــــ ہاں، مگر اس سے کیا ہوگا؟ کچھ بدل تو نہ جائے گا۔ بدلنا ہے تو خود کو بدلو میرب سیال! میری سب باتوں کا عادی ہو جانا چاہیے۔ تمہیں میرے ساتھ رہنا ہے تو کسی قدر برداشت تو کرنا ہوگا۔ کیونکہ میرے معمولات یہی ہیں۔ مجھے یکسانیت کبھی اچھی نہیں لگی۔ ایک جیسے موسم مجھے نہیں لگتے۔ ٹھہرے زمانوں سے میرا جی اوب جاتا ہے۔ اور اتنے دن سے تم بھی تو میرے ساتھ ہو۔ اتنا تم کی جان ہی گئی ہوگی۔"

میرب سیال نے سر اٹھا کر سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت دیکھا تھا۔

"میں جتنا جان گئی ہوں، وہ بہت کافی ہے سردار سبکتگین حیدر لغاری! اس سے زیادہ میں نہیں جانا چاہتی۔ میں اس معاملے پر بات کرنا ضروری خیال نہیں کرتی۔ یوں بھی میں لفظوں سے زیادہ اقدامات پر یقین رکھتی ہوں۔ فی الحال میں یہی کہنا چاہتی ہوں کہ مجھے یہاں سے جانا ہے۔ آپ میری کچھ مدد کریں گے یا نہیں؟" بہت اعتماد سے بولتی میرب سیال کی سمت سردار سبکتگین حیدر لغاری نے متاثر ہونے والے انداز میں دیکھا تھا۔ پھر گویا ہوا تھا۔

"جانے کی اتنی جلدی کیا ہے؟ ——— ابھی ہی تو وہ لمحے میسر آئے ہیں جب کچھ کھلنے لگا ہے۔ منکشف ہونے لگا ہے کچھ۔" وہ جانے کیوں مسکرا رہا تھا۔ شاید میرب سیال کی کیفیت سے حظ اٹھا رہا تھا۔

"آپ میری کچھ مدد کریں گے یا نہیں؟" میرب سیال نے قطعی لہجے میں دریافت کیا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

"مجھ سے زیادہ تمہارا خیر خواہ اور کون ہوگا میرب سیال؟"

میرب سیال اس شخص کو دیکھ کر رہ گئی تھی۔

"اسی بات کا تو احتمال ہے مجھے۔" وہ دھیمے لہجے میں باور کرا رہا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری ہنس دیا تھا۔

"خوف زدہ ہو مجھ سے؟"

"نہیں ——— مجھے آپ سے ڈر نہیں لگتا، یہ بات بتا چکی ہوں میں آپ کو۔ ڈر مجھے لگتا ہے اپنی سیاہ بختی سے۔ سارا قصور اسی کا ہے۔ یہی ہے جس نے مجھے اتنا کمزور کر دیا ہے اور آپ کو بہت مضبوط۔"

"انٹرسٹنگ۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرایا تھا۔ "تو مجھ سے الگ ہونے کے متعلق سوچا ہوا ہے۔" میرب سیال نے کسی قدر حیرت سے اس کی سمت دیکھا تھا۔ تبھی وہ مسکراتے ہوئے گویا ہوا تھا۔

"تمہاری سوچیں تک پڑھنے پر قادر ہوں میرب سیال! اور کہاں تک یقین دلاؤں کہ تمہیں کیا سمجھتا ہوں یا سمجھنے لگا ہوں؟" وہ بے حد دلچسپی سے میرب سیال کی سمت دیکھ رہا تھا۔

"میرے خیال میں ہم بہت بہترین جیون ساتھی ثابت ہوں گے۔ یہی ساری کوالٹیز تو درکار ہوتی ہیں اچھے جیون ساتھی بننے کے لئے۔ ایک دوسرے کو جاننا، ایک دوسرے کے دل کی بات جاننا، ایک دوسرے کی کیئر کرنا، خیال کرنا۔ یہی نا، اور کیا ——— اور کیا میرب سیال، ہاں؟" سردار سبکتگین حیدر مسکرا رہا تھا۔

میرب سیال اس کی سمت دیکھ کر رہ گئی تھی۔

"یعنی مجھے خود ہی کچھ کرنا ہوگا۔" اس نے جیسے ایک لمحے میں اخذ کیا تھا۔ وہ مسکراتے ہوئے سر ہلانے لگا تھا۔

"نہیں میرب سیال! تم اب میری ذمہ داری ہو۔ تمہارا خیال رکھنا، تمہارے متعلق سوچنا

پرواہ کی ہے۔ اور یہ تبھی ممکن ہے جب تم میرے ساتھ رہو۔" وہ جیسے اسے بتا رہا تھا۔ بہت کچھ باور کرا رہا تھا۔ میرب سیال خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"میرب سیال! یقیناً تم میری بات سمجھ رہی ہونا؟" وہ مسکراتے ہوئے یقین چاہ رہا تھا اور میرب سیال نے چہرے کا رخ پھیر لیا تھا۔

"ہم یہاں سے کب جائیں گے؟" مدھم لہجے میں دریافت کیا تھا۔

"جب تم کہو گی۔" وہ اسے مکمل لبرٹی دیتے ہوئے مسکرایا تھا۔

"تو پھر میں آج ہی جانا چاہتی ہوں۔" میرب سیال نے اس کی سمت دیکھا تھا۔

"شیور۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے مسکراتے ہوئے شانے بہت بے نیازی سے اچکائے تھے۔ میرب سیال سر جھکائے تیزی سے پیکنگ کرنے لگی تھی۔

❊❊❊

ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی۔

ساہیہ خان کے لئے یہ سب بہت دلچسپ تھا۔ تبھی وہ لان میں آ کر بچوں کے ساتھ کھیلنے لگی تھی۔ بوندا باندی آہستہ آہستہ بارش میں بدلنے لگی تھی۔ مگر اس کا شوق نہ تھما تھا۔ نگینے کب سے آوازیں دے رہی تھی گردن کر نہ دے رہی تھی۔

"ساہیہ! فون کروں گی تمہاری ماما کو ——— شکایت لگاؤں گی باقاعدہ، یہاں آ کر بگڑ رہی ہو۔" نگینے نے دھمکی دی تھی مگر وہ ہنستی چلی گئی تھی۔

"نگینے! بگڑنے میں اور انجوائے کرنے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ اور میں اس وقت انجوائے کر رہی ہوں، رئیلی، بہت مزہ آ رہا ہے۔ میری مانیے تو آپ بھی آ جائیے۔" اس نے با آواز بلند کہتے ہوئے فٹ بال بچوں کی طرف اچھالا تھا۔ مگر فٹ بال بچے کی جگہ اذہان حسن بخاری کے ہاتھ میں جا پہنچا تھا۔

"اذہان! تم کب آئے؟" ساہیہ خان اسے دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔ وہ مسکرا دیا تھا۔

"بس ابھی ابھی۔ تم سناؤ۔"

موڈ بولڈ سا وہ شخص بنا پرواہ کے وہاں کھڑا تھا۔ بارش تیزی سے اسے بھگو رہی تھی۔ مگر اس گھڑی اسے جیسے احساس تک نہ تھا۔ وہ اس نکھری ستھری شفاف سی لڑکی کو چہرے پر بہت شگفتگی لئے زندگی سے بھرپور انداز میں مسکراتے دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

وہ تیز بارش میں بھیگتی بہت دلربا لگ رہی تھی۔

اذہان حسن بخاری تیز بارش میں بھیگتا ہوا اسے دیکھتا رہا تھا۔

"تمہیں اتنا کرنا بہت پانے جا رہے ہو یہاں۔ بہت فارغ وقت ہاتھ آ گیا ہے کیا؟"

"نہیں ——— وقت نکال رہا ہوں۔ وہ بھی بطور خاص تمہارے لئے۔ اگر ایسا نہیں کروں گا تو پھر تم ہی گلہ کرو گی۔" مسکراتے ہوئے جواز دیا تھا۔

"اچھا بہانہ ہے۔" ساہیہ مسکرائی تھی۔

''بہانہ؟ —— یہ بہانہ ہرگز نہیں ہے۔ میں واقعی تمہارے لئے وقت نکال رہا ہوں۔'' بطور خاص مسکرایا تھا۔

''ایک بات بتاؤں —— تم بہک رہے ہو۔'' آگاہ کیا تھا۔ وہ مسرور سا مسکرا دیا تھا۔

''بہک چکا ہوں۔ مجھے چیک کر رہی تھیں تم، میں حاضر دماغ ہوں یا نہیں؟''

وہ ہنس دی تھی۔

''میں کتنی بری ہوں، جانتے ہو تم۔''

''جانتا ہوں —— تبھی تو ہمیشہ حملوں کے لئے تیار رہتا ہوں۔'' وہ مسکرایا۔ ''یعنی آزمائش کے اترا ہیں۔''

''یہ میں نے ابھی نہیں کہا۔''

''کہا نہیں مگر پروف تو ہو گیا۔''

''پروف؟ لیکن ابھی تو میں نے تمہیں آزمایا ہی نہیں۔''

''تو آزماؤ نا، پلیز۔'' عجب لجاجت بھرے انداز میں درخواست ہوئی تھی۔

''اتنی جلدی کیا ہے اذہان حسن بخاری؟ —— وقت تو آنے دو، فیصلہ آپ ہی ہو جائے گا۔''

''آزمانے کے لئے وقت کی قید رکھنے والے چور ہوتے ہیں۔'' اذہان حسن بخاری شرارت سے پُر تھا۔

''چور؟'' وہ مسکراتی ہوئی کسی قدر حیرت سے چونکی تھی۔ ''تم مجھے چور کہہ رہے ہو؟''

اذہان حسن بخاری بے ساختہ ہنسا تھا۔

''اسے کہتے ہیں چور کی داڑھی میں تنکا۔''

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' کسی قدر جارحانہ انداز میں وہ گھورتی ہوئی جانے کے لئے تیزی سے اٹھی تھی۔ مگر وہ توازن برقرار نہ رکھ پائی تھی۔ بھاگتے ہوئے پاؤں مڑا تھا۔ وہ گرنے کو تھی جب یکدم کمال حد سرعت کے ساتھ اذہان حسن بخاری نے آگے بڑھ کر اسے تھام لیا تھا۔ ساہیہ خان کو لگا تھا جیسے اسے انگارے نے چھو لیا ہو۔ ایک لمحے میں سنبھلتے ہوئے اس کی گرفت سے نکلنا چاہا تھا مگر وہ اس کے گرد حلقہ باندھے بہت شرارت سے مسکرا رہا تھا۔

''کتنا رومینٹک موسم ہے —— کہو تو ایک آدھ ڈوئیٹ گا لیں؟''

''شٹ اپ اذہان!'' اس نے مسکراتے ہوئے اس کے شانے پر مکا جڑا تھا۔

''فلموں میں تو ایسا ہی ہوتا ہے۔'' اذہان حسن بخاری مسکرایا تھا۔

''لیکن ہم کسی فلم کا حصہ نہیں ہیں۔'' ساہیہ خان نے ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھڑایا تھا۔ وہ چلی تھی تبھی پاؤں مڑا تھا اور وہ گرتی چلی گئی تھی۔ اذہان حسن بخاری نے اسے زمین پر بیٹھے ہوئے دیکھا تھا دیکھ کر ہنستا چلا گیا تھا۔

''شٹ اپ اذہان! اٹھاؤ مجھے۔'' ساہیہ خان نے اب کے خود ہاتھ بڑھایا تھا۔ اذہان حسن بخاری نے

بڑھے ہوئے ہاتھ کو مسکراتے ہوئے تھام لیا تھا۔ وہ اٹھی تھی مگر کراہ کر رہ گئی تھی۔ شاید چوٹ شدید لگی تھی۔ اذہان حسن بخاری نے اسے سہارا دے کر کھڑا کیا تھا۔ ساہیہ خان نے قدم اٹھانے کی کوشش کی تھی مگر ایک قدم بھی نہ چل سکی تھی۔ اذہان حسن بخاری نے اس کی سمت دیکھا تھا۔ وہ خاصے ہیلپ لیس انداز میں کھڑی اس کی سمت دیکھ رہی تھی۔ شاید پاؤں میں موچ آ گئی تھی اور چلنا یقیناً ممکن نہیں رہا تھا اس کے لئے۔

اذہان حسن بخاری نے بہت سہولت سے جھک کر اسے بانہوں میں اٹھا لیا تھا۔

''یہی...... یہی چاہ رہی تھیں نا تم؟'' مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

''میں نے ایسی کوئی درخواست نہیں کی تھی۔'' انداز شرارت سے پُر تھا۔

تیز برستی ہوئی بارش میں وہ اسے اپنے مضبوط بازوؤں میں اٹھائے چلتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔

''درخواست نہیں کی تھی۔ مگر اس روتی بسورتی صورت میں، تم جانتی تھیں، ایسا ہی ہو گا۔ کیسا لگ رہا ہے ایک ہینڈسم سے بندے کی بانہوں میں سفر کرنا؟'' وہ یقیناً اس کا موڈ بحال کرنے کو خوشگوار انداز میں بولا تھا۔ ساہیہ خان تکلیف کے باوجود مسکرا دی تھی۔

''تم بہت خوش فہم ہو اذہان حسن بخاری!''

''نہیں تو، کچھ اتنا زیادہ بھی نہیں۔ لیکن ایک بات کہوں، تمہارا وزن خاصا زیادہ ہے۔ کل سے بیلنس ڈائٹ لینا شروع کر دو۔ ورنہ عنقریب سلمنگ کلب جوائن کرنا پڑے گا۔'' وہ چھیڑ رہا تھا اور وہ ہنس دی تھی۔

''قسمت —— مذاق نہیں ہے یہ۔ تمہارا وزن واقعی کافی زیادہ ہے۔ دیکھو میرا سانس پھول رہا ہے۔'' وہ اب بھی سنجیدہ نہ تھا۔

''شٹ اپ اذہان!'' وہ ہنس دی تھی۔ ''اچھے خاصے تو چل رہے ہو۔ اور یوں بھی لڑکیوں کی عمر اور وزن کی بات نہیں کرنی چاہئے۔ وہ دونوں کے ہی معاملے میں بہت کونشیئس ہوتی ہیں۔''

''ہاں، جانتا ہوں۔ لیکن مجھے جھیلنا پڑ رہا ہے، سو بول رہا ہوں۔ اپنے کے ہاتھ کے بنے گاجر، مٹر، آلو کے پراٹھے کھانا بند کر دو۔'' اذہان حسن بخاری اسے لے کر اندر بڑھتے ہوئے بولا تھا اور وہ ہنس دی تھی۔

''تمہیں کیسے پتہ چلا کہ میں ان تمام قسموں کے پراٹھے نوش کر رہی ہوں ان دنوں؟''

''ایسے سب کو ایسے ہی کھلاتی ہیں۔ اور جانتی ہو ان کی خوب صورتی کا اصل راز یہی ہے۔ وہ دوسروں کو کھلا کر موٹا کر دیتی ہیں مگر خود ہرگز نہیں کھاتیں۔'' وہ مسکرا رہا تھا۔

''اچھا؟'' وہ حیران ہوئی تھی۔

''کیا ہو گیا ہے اسے؟'' لاؤنج میں بیٹھے سب لوگ اسے اس طرح اذہان حسن بخاری کی بانہوں میں دیکھ کر چونک گئے تھے۔ اپنے فکر مندی میں چیخ پڑی تھیں۔ ''کہا بھی تھا بارش میں مت کھیلو، مگر مانی ہی نہیں۔ پھسل گیا نا۔ دکھاؤ مجھے کیا ہوا ہے؟''

"کچھ نہیں اگینے! خالی موچ ہے شاید۔ آپ بام لگا کر پٹی باندھ دیں۔ کل تک ٹھیک ہو جائے گا۔"
اذہان حسن بخاری نے اسے صوفے پر بٹھاتے ہوئے مشورہ دیا تھا۔ مگر اگینے کی فکر کم نہیں ہوئی تھی۔
"لگوالی نا چوٹ؟ اب مزہ آ گیا؟ ــــــ تب جب منع کر رہی تھی تو سن کر نہیں دے رہی تھیں۔" ڈپٹتے ہوئے وہ عزیر کا نمبر ملا رہی تھی۔
"ہاں، عزیر! ــــــ کہاں ہو تم؟ ــــــ جلدی گھر پہنچو۔ ساجیہ کو پاؤں میں شدید چوٹ آئی ہے۔ نہیں، اتنی انجرڈ نہیں۔ غالباً تم دیکھ لو آ کر۔ اگر ضرورت ہوئی تو ہم ہسپتال لے جائیں گے۔ جلدی تو آ جاؤ۔" گھر کے ڈاکٹر کا یہی فائدہ تھا۔ جہاں کہیں بھی ہوتا تھا فوراً ادھر لیا جاتا تھا۔ اب بھی وہ دوست کے ساتھ تھا مگر آپا کی بات کہاں ٹال سکتا تھا۔ اگینے جانتی تھی ابھی تھوڑی دیر میں وہ یہاں ہوگا۔ تبھی اطمینان سے آ کر اس کا پاؤں دیکھنے لگی تھی۔
اذہان حسن بخاری بغور دلچسپی سے اس کی سمت دیکھ رہا تھا۔ شاید وہ اگینے کو اس طرح پریشان ہوتے پہلی بار دیکھ رہا تھا۔
"کیا ہے پھپھو؟ ــــــ آپ بھی نا بس۔ اور یہ چاچو کو پریشان کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اتنی سیریس انجری نہیں ہوئی ہے۔ معمولی سی موچ ہی تو ہے۔ اذہان ٹھیک کہہ رہا تھا، آپ بام مل کر پٹی باندھ دیں، ٹھیک ہو جائے گا کل تک سب۔"
اگینے نے سنی ان سنی کرتے ہوئے ہیٹر آن کیا تھا۔ پھر کسی قدر ناپسندیدگی سے اس کے گیلے کپڑوں کو دیکھا تھا۔
"اُفوہ، یہ گیلے کپڑے۔"
"اگینے! فی الحال اسے چینج کرنے کا آرڈر مت دیجئے گا۔ یہ چل پھر نہیں سکتی۔ اور خدانخواستہ اگر زیادہ یا کمپلیکیٹڈ ہوئی تو مسئلہ ہو جائے گا۔"
"ہاں، مگر تمہارے ساتھ تو کوئی مسئلہ نہیں ہوگا نا۔ پھر تم یہاں کیوں کھڑے ہو؟" اگینے نے پلٹ کر اس کی جانب دیکھا تھا۔ وہ چونک گیا تھا۔ اگینے بہت نرمی سے مسکرائی تھی۔
"تم تو جا کر کپڑے چینج کر سکتے ہو نا۔ اس طرح سوٹڈ بوٹڈ بھیگے ہو۔ بیمار پڑ گئے تو؟ ــــــ جاؤ، عزیر کے کمرے میں جا کر کپڑے چینج کر لو۔ میں تمہارے لئے گرم گرم کافی تیار کرتی ہوں۔" اگینے بولی تھی۔ وہ مسکراتے ہوئے پلٹ کر عزیر کے کمرے کی سمت بڑھنے لگا تھا۔
"شادی کے دن سر پر ہیں اور تم چوٹ لگوا کر بیٹھ گئی ہو۔ اب خاک انجوائے کرو گی۔ چاچا کا ناچ دیکھنے آئی تھیں اور خود چوٹ لگوا کر بیٹھ گئیں۔ اب اٹھنا مت، بیٹھی رہو یہیں، جب تک عزیر نہیں آ جاتا۔ میں تمہارے لئے کافی بنانے جا رہی ہوں۔ ہیٹر چل رہا ہے۔ ابھی تھوڑی دیر تک کپڑے سوکھ جائیں گے۔" اگینے نے اسے ہدایت کی تھی۔ اس نے اچھے بچوں کی طرح سر ہلایا تھا اور اگینے تب پلٹ کر کچن کی سمت بڑھ گئی تھی۔
"یہ پھپھو بھی نا ــــــ چھوٹی چھوٹی باتوں پر پریشان ہو جاتی ہیں۔ مگر......" یکدم اپنا بازو ...

... بالا
... نے بال کھینچا یا دبایا تھا اور پھر دھڑام سے گرنا۔ وہ یکدم مسکرا دی تھی۔

❊❊❊

... سیڑھیوں پر قدرے نیم تاریکی میں بہت چپ چاپ بیٹھا تھا۔ جب انابیہ شاہ چلتی ہوئی اس کے ... بیٹھی تھی مگر وہ تب بھی چونکا نہیں تھا۔ نہ ہی انابیہ شاہ کی طرف دیکھا تھا۔ انابیہ شاہ نے اس کی سمت ... تھا۔ پھر بہت زمی سے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ دھر دیا تھا۔
"میرا مقصد تمہارا دل دکھانا ہرگز نہیں تھا۔" وہ مدھم لہجے میں بولی تھی۔ اوزی نے اس کو دیکھا تھا۔ پھر ... سے مسکرا دیا تھا۔
"نہیں، کس نے کہا انابیہ شاہ! کہ تم نے میرا دل دکھایا ہے؟"
انابیہ شاہ کچھ نہیں بولی تھی۔ چپ چاپ اسے دیکھتی رہی تھی۔ تبھی وہ مسکرا دیا تھا۔
"قصور کسی کا نہیں ہے انابیہ شاہ! اس دل کو دکھنا ہی تھا، سو دکھ گیا۔ اوزی کا دل بہت کمزور ہے۔ اسے ... عادت ہو چلی ہے ایسے معاملات کی۔" وہ مسکرایا تھا، بات جیسے مذاق میں اڑانا چاہی تھی۔ "تم سناؤ، ... کیوں نہیں ہو اب تک؟"
"میں اتنی جلدی نہیں سوتی اوزی! اور تم......" وہ کچھ بولتے بولتے رہ گئی تھی۔ خاموش ہو کر چہرے کا ... پھیر گئی تھی۔ اوزی نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر اس کے گرد بازو پھیلاتے ہوئے دوستانہ انداز میں ... مسکرایا تھا۔
"سنو اچھی لڑکی! ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر اوزی کے دل کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تم بے کار میں خود کو ... مت کرو۔ میں جانتا تھا، یہ ہو چکا ہے۔ سب کچھ بھی ہو، اس سے فرق نہیں پڑتا۔"
"اوزی!" انابیہ شاہ نے کچھ کہنا چاہا تھا مگر وہ سر نفی میں ہلاتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔
"سنا ہوگا تم نے زندگی سفر ہے، موڑ بہت سے پڑتے ہیں۔ ہر موڑ منزل نہیں ہو سکتا۔ ڈونٹ وری۔ ... بازو کے۔"
انابیہ شاہ چپ رہی تھی۔ تبھی وہ بولا تھا۔
"تم مجھ سے سب کچھ چھپانا چاہتی تھیں نا؟" لبوں پر مسکراہٹ تھی اور انابیہ شاہ فقط اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔ ... اندر وہ ہنس دیا تھا۔
"اوزی کو اتنا کمزور سمجھتی ہو؟"
"مجھے نہیں پتہ تھا تم عفنان علی خان کو پرسنلی اتنی اچھی طرح جانتے ہو۔" انابیہ شاہ کا لہجہ مدھم تھا اور وہ ... مسکرا دیا تھا۔
"اس سے کیا فرق پڑتا ہے انابیہ شاہ؟ ــــــ یہ تم نے منہ پر بارہ کیوں بجا رکھے ہیں۔ ویسے بارے ... شاہ، وقت کیا ہوا ہے؟"
"اپنی رسٹ واچ پر دیکھو۔"
"او ہاں، میں بھول ہی گیا تھا کہ میں وقت کو اپنے ہاتھ میں لئے گھومتا ہوں۔" وہ اس کی یاد دہانی پر

مسکرا رہا تھا۔ انابیہ شاہ نے چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔ اوزی اس کی سمت دیکھنے لگا تھا۔

"تم۔۔۔۔۔ انابیہ شاہ! تم کہاں تک پہنچی ہو؟"

"میں؟" وہ چونکی تھی۔ "کیا مطلب؟"

اوزی مسکرا دیا تھا۔

"زندگی سفر ہے نا۔ کہیں تم بھی برداشت تو نہیں کر رہیں؟"

انابیہ شاہ کچھ نہیں بولی تھی۔ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی تھی اور اوزی پتہ نہیں اس کی خاموشی سے کیا سمجھا تھا۔

"تمہیں اپنے بارے میں سوچنا چاہیے انابیہ شاہ!"

انابیہ شاہ پہلے چونکی تھی، پھر بہت دھیمے سے مسکرا دی تھی۔

"ہاں۔۔۔۔۔ میں اپنے بارے میں سوچتی تو ہوں۔ تم کیا سمجھتے ہو، کیا میں اتنی ہی کیئرلیس ہوں؟"

اوزی نے اسے دیکھا تھا، پھر مسکرا دیا تھا۔

"نہیں۔۔۔۔۔ اس سے بھی کہیں زیادہ۔"

"کیا مطلب؟"

"انابیہ شاہ! خود کو اہمیت دینا سیکھو۔ تم خود اپنے لیے کس قدر اہم ہو۔ اس بات کا ادراک تمہیں بہت سکون دے گا۔"

"یہ کیا بات ہوئی؟۔۔۔۔۔ فقط ادراک سکون کیسے دے سکتا ہے؟ ادراک سے زیادہ دیگر اقدامات کیا تو ضروری ہوں گے۔" انابیہ شاہ نے بات کو مذاق میں اڑانا چاہا تھا اور اوزی بھی مسکرا دیا تھا۔

"یہی تو۔۔۔۔۔ یہی تو کہہ رہا ہوں کہ خود کو کچھ اہمیت تو دو۔"

"تمہیں کیا لگتا ہے اوزی! میں خود کو اہمیت نہیں دیتی؟ میرا خیال ہے ہر کوئی اپنے آپ کو اہمیت ضرور دیتا ہے۔ یہاں بات میری نہیں، تمہاری ہو رہی تھی اور یہاں میرے خود کو اہمیت دینے سے زیادہ ضروری بات یہ ہے کہ تم خود اپنے اس جنگلی خول سے باہر نکل آؤ۔ بہت کھوئے کھوئے لگتے ہو کبھی کبھی۔" وہ جواباً مسکراتی ہوئی بولی تھی اور اوزی ہنستا چلا گیا تھا۔

"ہنس کیوں رہے ہو؟۔۔۔۔۔ میں ٹھیک کہہ رہی ہوں۔"

"میں یہ نہیں کہہ رہا کہ تم ٹھیک نہیں کہہ رہی ہو۔ جانتی ہو، کبھی کبھار چیزیں جیسی نظر آتی ہیں ویسی ہوتی نہیں ہیں اور درحقیقت جیسی ہوتی ہیں ویسی نظر نہیں آتیں۔"

"یہ فلسفیانہ باتیں خدا کے لیے اپنی پٹاری میں بند رکھو اوزی! تم جانتے ہو ناں مشکل باتیں میری سمجھ میں قطعاً نہیں آتی ہیں۔"

"تمہاری سمجھ میں تو ویسے بھی بہت کچھ نہیں آتا انابیہ شاہ!" وہ مسکرایا تھا۔ انابیہ شاہ اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

"تم عفنان علی خان کو کب سے جانتی ہو انابیہ شاہ؟" قدرے توقف کے بعد اوزی نے دریافت کیا تھا۔

انابیہ شاہ نے بہت چونک کر اس کی سمت دیکھا تھا۔

"تم کیوں پوچھ رہے ہو اوزی؟" اس کا لہجہ مدھم تھا۔

اوزی نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

"نہیں، ایسے ہی۔" انداز ٹالنے والا تھا۔

"وہ کچھ کہہ رہا تھا تم سے؟" انابیہ شاہ نے اس کی سمت بغور دیکھا تھا۔

"نہیں، ایسا کچھ نہیں ہوا۔ میں یوں ہی پوچھ رہا تھا۔ دراصل وہ تمہاری دوست کا فیانسی ہے نا، سو تم اس کے متعلق کیا سوچتی ہو؟"

"میں؟۔۔۔۔۔ میں اس کے متعلق کیا سوچوں گی اوزی؟ تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا؟"

"ریلیکس۔ تم غلط سمجھ رہی ہو۔ میرا مطلب یہ ہرگز نہیں تھا۔" اوزی نے سر نفی میں ہلایا تھا۔

"تو پھر۔۔۔۔۔ پھر کیا تھا؟" انابیہ شاہ نے اسے کسی قدر ناپسندیدگی سے دیکھا تھا۔ اوزی نے بہت آہستگی سے اس کا ہاتھ تھاما تھا اور پھر اس کی جانب دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

"انابیہ شاہ! تم بہت اچھی ہو۔" وہ مسکرا رہا تھا۔

"یہ بات میں جانتی ہوں اوزی! اب زیادہ مکھن مت لگاؤ۔"

وہ مسکرائی تھی۔ وہ ہنس دیا تھا۔ تبھی وہ اس کی جانب دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

"دادا ابا کا اچھا دوست بن گیا ہے اوزی! دادا ابا شاید اس سے قبل بہت تنہائی محسوس کرتے تھے۔ اکثر وہ کتابوں میں الجھے نظر آتے تھے۔ میں اور ماما شاید انہیں زیادہ وقت دے نہیں پاتے تھے۔ مجھے اس بات کا اندازہ ہے اوزی! ابھی جب عفنان علی خان ان سے ملنے کی غرض سے یہاں آنے لگا تو میں نے کوئی قدغن نہیں لگائی۔ اس کی وجہ سے دادا ابا کا وقت اچھا گزر جاتا ہے اوزی! مجھے دادا ابا بہت عزیز ہیں۔"

"اور عفنان علی خان؟" اوزی یکدم گویا ہوا تھا۔ وہ حیران ہو کر اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔

"عفنان علی خان؟"

"ہاں۔۔۔۔۔ میں کہہ رہا تھا، عفنان علی خان اس لحاظ سے خاصا معقول اور مناسب شخص ہے۔ وہ جس قدر اچھا نظر آتا ہے اس سے کہیں زیادہ دل کا اچھا ہے۔ یقیناً دادا ابا اس کے ساتھ اچھا محسوس کرتے ہوں گے۔" اوزی مسکرا رہا تھا اور انابیہ شاہ اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔ پھر قدرے توقف سے بولی تھی۔

"تم عفنان علی خان کو کب سے جانتے ہو؟"

"یہ چھوڑو، جتنا اسے جانتا ہوں کیا یہ کافی نہیں ہے؟" پھر کسی قدر تشویش سے اس کی جانب دیکھنے لگا تھا۔ "کہیں تم اپنی دوست کو لے کر تو ایری ٹیٹ نہیں ہو رہیں؟"

انابیہ کچھ نہیں بولی تھی۔ مگر اوزی ہنس دیا تھا۔

"تمہاری دوست لاکھوں میں ایک اور جتنا ملے اور وہ چراغ لے کر بھی ڈھونڈے تب بھی اسے عفنان علی خان جیسا نظر نہیں ملے گا۔"

سبکتگین حیدر لغاری جس کی دلربائی کا اسیر تھا۔

اس گھڑی بھی وہ اس کے ساتھ بہت خوش گوار موڈ میں تھا۔ دونوں جانے کیا بات کر رہے تھے۔ میرب سیال کی نگاہ ساکت تھی۔ وہ اس کی سمت جھک رہا تھا۔ میرب سیال یکدم ہی چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔۔ پھر پتہ نہیں کیا ہوا تھا، وہ یکدم دروازہ کھول کر اتری تھی اور تیزی سے چلتی ہوئی وہاں سے جانے لگی تھی۔ بنا اس کی پرواہ کیے کہ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی غیر موجودگی میں کس درجہ پریشان ہوا۔ اسے کچھ پرواہ نہیں تھی۔ بس اس کے اندر جیسے ایک طوفان اٹھا تھا اور وہ وہاں سے بھاگ کھڑی ہوئی تھی۔ بہت نمی اس کی آنکھوں میں آن رکی تھی۔ مگر وہ رکی نہیں تھی، قریب سے گزرنے والی کیب کو روکا تھا اور پھر فوراً دروازہ کھول کر بیٹھ گئی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی، سردار سبکتگین حیدر لغاری کیا سوچے گا، کیا کرے گا۔ اسے اس کے متعلق پرواہ نہیں تھی۔ بالکل ویسے ہی جیسے اسے اس کی پرواہ نہیں تھی۔

کیب فراٹے بھرنے لگی اور وہ آنکھیں رگڑنے لگی تھی۔

***

اگینے اور دیگر لوگ ساہیہ خان کو متواتر ڈانٹ ڈپٹ رہے تھے اور وہ جانتی تھی اس کا قصور تھا، سر جھکائے بیٹھی تھی۔

”شادی کتنی نزدیک ہے اور تم…… لوگ کیا کہیں گے، ہونے والے دولہے کی وہ بہن جو کبھی گری نہ تھی۔“ اس کے چلنے پھرنے پر پابندی تھی۔ حالانکہ معمولی سی موچ تھی مگر سب کا نزلہ اس پر گر رہا تھا۔

اذہان آیا تھا تو وہ اسے دیکھ کر مسکرائی تھی۔

”خوش ہو اب؟“ اذہان حسن بخاری نے مسکراتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ وہ وہی شگفتہ سی لڑکی تھی۔

”ہاں بہت۔ کم از کم انجوائے بھی تو میں نے ہی کیا ہے نا۔ اور یہ معمولی سا درد اس کے سامنے کچھ نہیں ہے۔“

اذہان حسن بخاری نے اسے بہ غور دیکھا تھا۔ یہ لڑکی واقعی بہت زندہ دل تھی۔

”ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟“ اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر ساہیہ نے مسکراتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

”زندگی۔“ وہ بہت آہستگی سے مسکرایا تھا۔

”زندگی؟“ وہ چونکتے ہوئے مسکرائی تھی۔

”ہاں—— زندگی، دلکشی اور……“ جملہ مسکراتے ہوئے ادھورا چھوڑ دیا تھا۔

”اور……؟“ ساہیہ خان مسکرائی تھی۔

”رعنائی۔“ اذہان حسن بخاری نے مسکراتے ہوئے جملہ مکمل کیا تھا۔ وہ ہنس دی تھی۔

”رنگی سراہیہ خان! کبھی کبھی مجھے تم پر حیرت ہوتی ہے۔ تم زندگی سے اتنے خوش گوار رنگ کیسے چن لیتی ہو؟—— کیسے ڈھونڈ لیتی ہو اتنے کھلتے ہوئے موسم؟“ اذہان حسن بخاری نے دریافت کیا تھا اور وہ کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔

”اس کا جواب ضرور تمہیں دوں گی۔ مگر ایک شرط پر۔“

”وہ کیا؟“

”وہ یہ کہ تمہیں مجھے آئس کریم کھلانے لے جانا ہوگا۔“ ماہیہ خان نے فرمائش کی تھی اور وہ ہنس دیا۔

”سوچ لو، بارش ہو رہی ہے آج بھی۔ کیا آج بھی بازوؤں پر اٹھانا پڑے گا؟“

”اٹھا لو، مجھے تو کوئی حرج بھی نہیں۔“ وہ مسکرائی تھی۔ ”تو پھر تم لے جا رہے ہو نا؟“

”اگینے سے پوچھنا ہوگا۔“ اذہان حسن بخاری مسکرایا تھا۔

”وہ تو کبھی بھی اجازت نہیں دیں گی۔“ ساہیہ نے منہ بسورا تھا۔

”تو پھر؟“

”کہہ دو، میں لے جانا چاہ رہا ہوں۔“ مسکراتے ہوئے مشورہ دیا تھا۔ وہ مسکرا دیا تھا۔ پھر بہت آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر اس کا ہاتھ مانگا تھا۔ ماہیہ خان نے اس کی سمت دیکھا تھا، پھر مسکراتے ہوئے اپنا ہاتھ اس کی جانب بڑھا دیا تھا۔ اذہان حسن بخاری نے اس کا ہاتھ تھام کر سہارا دے کر اسے کھڑا کیا تھا۔ ساتھ ہی تھوڑے فاصلے پر دیگر خواتین کے ساتھ بیٹھی ضروری امور پر تبادلہ خیال کرتی اگینے کی طرف دیکھا تھا۔ پھر باآواز بلند مطلع کیا تھا۔

”اگینے! ہم آئس کریم کھانے جا رہے ہیں۔“

”ٹھیک ہے—— جلدی آ جانا۔“ اگینے کا جواب تھا اور اذہان حسن بخاری اسے لے کر آگے بڑھنے لگا تھا۔

”لے کر تو جا رہا ہوں۔ مگر سنو، میرے سہارے کی عادی مت ہو جانا۔“ اذہان حسن بخاری نے چھیڑا تھا وہ مسکرا دی تھی۔

”تمہاری ایک پرابلم ہے اذہان حسن بخاری! پتہ ہے کیا؟ تم خوش فہم بہت جلد ہو جاتے ہو۔“

”اوہ رئیلی؟“ وہ مسکرایا تھا۔ ”ایک خوب صورت لڑکی میرے اتنے قریب ہوگی تو بولو اور کیا ہوگا؟“

اذہان بخاری نے سے باز نہیں رہا تھا اور ساہیہ خان کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔

”تم کچھ بھی کہو اذہان حسن بخاری! میں نے تمہیں بدل دیا ہے۔“ اس کی آنکھوں میں چمک تھی۔

”اچھا؟“ وہ حیران ہوا تھا۔

”تم میرے رنگ میں رنگنے لگے ہو۔“ ایک گہرا انکشاف ہوا تھا اور وہ ہنس پڑا تھا۔

”اچھا—— کیا واقعی؟ مجھے اس بات کا پتہ نہیں تھا۔“ وہ محظوظ ہوا تھا۔

”اب تو پتہ چل گیا نا؟“ ساہیہ مسکرائی۔

”ہاں۔“ وہ مسکراتے ہوئے بغیر رکے کہا تھا۔ گاڑی کا دروازہ کھول کر اسے بٹھایا، پھر دوسری طرف سے گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ پر آن بیٹھا تھا۔

”تم کیا اتنی بے وقوف کیوں ہوتی ہو؟“

"تم ایسا سمجھتے ہو ——— میں ایسا نہیں سمجھتی۔ لڑکیاں تو خدا کی بنائی ہوئی خاصی عقل مند مخلوق [illegible]
ساہیہ نے بھرپور انداز میں ڈی فنڈ کیا تھا۔ اذہان حسن بخاری ونڈ اسکرین کی سمت تکتا ہوا مسکرا دیا [illegible]
"تم مسکرا رہے ہو؟" ساہیہ کو جیسے الجھن ہوئی تھی اور وہ ہنس دیا تھا۔
"تو اور کیا کروں؟" ایک نظر اسے دیکھا تھا۔
"یعنی تم مذاق کر رہے ہو؟" وہ کسی قدر خفگی سے بولی تھی۔ اذہان حسن بخاری نے مسکراتے ہوئے سر [illegible] نفی میں ہلا دیا تھا۔
"نہیں، کم از کم میں اتنی خوب صورت لڑکی سے اختلاف نہیں کر سکتا۔" اس کا انداز شرارت سے [illegible] اور ساہیہ خان مسکرا دی تھی۔ بہت آہستگی سے چہرے کا رخ پھیر لیا تھا۔ اذہان حسن بخاری ونڈ اسکرین [illegible] گرتی پانی کی بوندوں کو تکتے ہوئے مسکرایا تھا۔
"بارش ہو رہی ہے ساہیہ!" پتہ نہیں اس نے اطلاع دی تھی یا پھر سوال کیا تھا۔ وہ بھی نہیں سمجھ [illegible] شاید کسی قدر حیرت سے اس کی سمت دیکھا تھا۔
"ہاں، تو پھر؟" دھیمی سی مسکراہٹ لبوں پر تھی مگر آنکھوں میں حیرت بہت واضح تھی۔
"بارش ——— ساہیہ! تم لڑکیوں کو بارش اتنی پسند کیوں ہوتی ہے؟"
"بارش؟" وہ چونکی تھی۔ پھر مسکرا دی تھی۔ "شاید اس لئے کہ ہم اپنے اندر بہت زیادہ دلکشی اور [illegible] رکھتے ہیں۔"
اذہان حسن بخاری ہنس دیا تھا۔
"مجھے تم سے ایسے ہی کسی جواب کی توقع تھی ساہیہ خان!"
"جب توقع تھی تو پھر پوچھا کیوں؟"
"تصدیق، ساہیہ خان! تصدیق چاہتا تھا میں۔"
"تو اب ہو گئی تمہاری تصدیق؟" وہ مسکرائی تھی۔
"ہاں۔" اس کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔
"ایک بات کہوں ساہیہ؟" اجازت طلب کی تھی۔
"ہاں کہو؟" وہ کھڑکی سے باہر برستی بارش کو بغور دیکھ رہی تھی۔
"تم بالکل اس بارش جیسی ہو۔" عجب انکشاف تھا۔ ساہیہ خان نے بہت چونک کر اس کی سمت دیکھا تھا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔
"شٹ اپ اذہان! ابھی ایسے دعوے مت کرو۔ ابھی تمہیں موسموں کی کچھ خبر نہیں۔ ابھی تم [illegible] جانتے۔ نہ تم رنگوں کو، موسموں کو...... اور......" ساہیہ خان نے کھڑکی کی سمت چہرہ پھیر [illegible] بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔
"اور؟" اذہان حسن بخاری نے نگاہ ونڈ اسکرین سے اس کی سمت منتقل کی تھی۔ ساہیہ خان [illegible] کے مدھم لہجے پر اس کی سمت دیکھا تھا پھر بہت اعتماد کے ساتھ مسکرا دی تھی۔

[illegible] ساہیہ خان کو بھی۔" جملہ مکمل کیا تھا۔ مگر اذہان حسن بخاری ہنس دیا تھا۔
"[illegible] ایسے لگا کہ میں تمہیں اب جاننے لگا ہوں ساہیہ خان؟" وہ جیسے اس کے جواب سے حد درجہ [illegible] رہا تھا۔
"ظاہری بات ہے اذہان حسن بخاری! ہم ملے بھی تو اب ہی ہیں۔" ساہیہ خان نے یقین دلانا چاہا۔
"اگر یہ پہچان اوّل اوّل کی تو نہیں۔" اذہان حسن بخاری منکر ہوا تھا۔ ساہیہ خان اس کی سمت دیکھتی [illegible] ہماری رسائیت سے مسکرائی تھی۔
"اوّل اوّل کے تعلقات سے بھی کچھ زیادہ پیچیدہ سی بات ہے۔ اذہان حسن بخاری! ہم تب ملے تھے [illegible] ہماری کوئی پرسنالٹی ڈی ویلپ ہی نہ ہوئی تھی۔ وہ بچپن تھا۔ جب سب منظر اچھے لگتے ہیں اور سارے [illegible] خوب صورت۔ وہ دور بڑا نا سمجھی کا دور تھا۔ سراسر حماقتوں کا دور۔ اور حماقتوں کو یاد رکھنا اور یاد کرنا کوئی [illegible] بات نہیں۔ ہم یقیناً اب اتنے احمق نہیں رہے۔"
"یعنی اب اس سے زیادہ احمق ہو گئے ہیں۔" اذہان حسن بخاری مسکرایا تھا۔ وہ بھینچے لبوں کے ساتھ [illegible] مسکرا دی تھی۔
"اگر سوچو ساہیہ خان! اب اس مزید احمق پن کے ساتھ ایک دوسرے کو سمجھنا تو اور بھی دشوار ہوگا نا۔"
"تم کتنا فضول بولتے ہو نا اذہان حسن بخاری!"
"پتہ نہیں۔ مگر اتنا جانتا ہوں مجھے بولنا تم نے سکھایا ہے۔" اس نے اعتراف کیا تھا۔ وہ حیران ہوئی [illegible]
"یعنی اس سے قبل تم جیسے بولتے ہی نہیں تھے۔"
اذہان حسن بخاری نے گاڑی آئس کریم پارلر کے سامنے روک دی تھی۔
"نہیں بولتا تھا۔" اعتراف کیا تھا۔ لبوں پر بہت دھیمی سی مسکراہٹ تھی۔ ساہیہ کی سمت بغور دیکھتے [illegible] وہ چہرے کا رخ پھیر کر اس کے لئے آئس کریم کا آرڈر دینے لگا تھا اور ساہیہ خان اس کی سمت بغور دیکھنے لگی تھی۔
"تمہیں کیا لگتا ہے ساہیہ خان! اس آئسکریم میں ایسی کیا بات ہے جو بندے کے موڈ کو چٹکی پل کر [illegible] بنا دیتی ہے؟" آئس کریم اس کی سمت بڑھاتے ہوئے وہ بولا تھا۔ وہ مسکرا دی تھی۔
"اس میں کریم ہے، مٹھاس ہے اذہان حسن بخاری! اور یہ دونوں چیزیں محبت کی علامت ہیں۔"
"آ...... اچھا......" وہ ہنس دیا تھا۔
"تمہیں کیسے معلوم تھا؟" وہ حیران ہوئی تھی۔
اذہان حسن بخاری نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔
"نہیں۔ مگر تم نے بتا کر بہت اچھا کیا۔" اس نے کہتے ہوئے جھک کر اس کی آئس کریم میں سے ایک [illegible] اٹھا لیا تھا۔

''واقعی، میٹھی اور کریمی تو ہے۔'' پُر خیال انداز میں کہتے ہوئے وہ مسکرایا تھا۔

''جانتے ہو، آئس کریم سب کے ساتھ شیئر نہیں کرتے۔'' سابیہ خان نے ایک انکشاف سا کیا۔

''کیا مطلب؟ ——— پھر کس کے ساتھ شیئر کرتے ہیں؟'' اذہان حسن بخاری نے سوالیہ نظروں سے اس کی سمت دیکھا تھا۔ سابیہ خان نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر مسکرا دی تھی۔

''اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں کے مفہوم تم مجھ سے پوچھتے ہوئے بہت اسٹوپڈ لگتے ہو اذہان حسن بخاری!'' اور وہ کھلکھلا کر ہنس دیا تھا۔

''جس بات کے متعلق پتہ نہ ہو اس کے متعلق پوچھ لینے میں، میں کوئی قباحت محسوس نہیں کرتا سابیہ خان!'' باور کرا دیا تھا۔ ''شاید تم بتانا نہیں چاہ رہی تھیں یا واقعی تمہارے پاس اس کا کوئی جواب نہیں؟'' مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

''میں کوئی بھی بات بلا جواز نہیں کرتی اذہان حسن بخاری!'' سابیہ خان مسکرائی تھی۔

''تو پھر بتاؤ نا تم کیا کہہ رہی تھیں؟''

''کس بات سے متعلق؟'' وہ حیران ہوئی تھی۔

''آئس کریم سے متعلق۔'' وہ مسکرایا تھا۔

''تم اتنی کریوسٹی کیوں محسوس کر رہے ہو اذہان حسن بخاری؟''

''اور تم چھپانا کیوں چاہ رہی ہو؟''

''میں چھپانا نہیں چاہ رہی مگر کچھ باتیں خود آپ بھی سمجھنا چاہئیں اذہان حسن بخاری! اور میرا خیال کہ تم ماشاءاللہ سمجھ کی اسٹیج میں ہو۔'' وہ جتاتی ہوئی مسکرائی تھی۔

اذہان حسن بخاری نے اس کی سمت دیکھا تھا۔ پھر جھک کر اس کے کپ میں سے آئس کریم لے کر منہ میں رکھی تھی، پھر مسکرا دیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بہت شرارت تھی اور سابیہ خان اسے دیکھ کر رہ گئی۔

''تم سیدھی سادی باتوں کو کتنا پیچیدہ کر دیتی ہو سابیہ خان!'' وہ شرارت سے مسکرا رہا تھا۔ سابیہ خان اسے گھورنے لگی تھی۔ مگر وہ ہنستا چلا گیا تھا۔

***

ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی۔ وہ اوزی کے ساتھ ساحل کے کنارے کھڑی تھی۔ جب اچانک اوزی کو کوئی پرانا دوست مل گیا تھا۔ وہ معذرت کرتا ہوا اس کے سنگ بڑھ گیا تھا۔

انابیہ شاہ تنہا ساحل کی لہروں کے سنگ کھڑی سمندر کی وسعتوں کو دیکھنے لگی تھی۔ بوندا باندی کچھ بڑھنے لگی۔ وہ بھیگنے لگی تھی۔ اس نے نگاہ اس سمت کی تھی جہاں اوزی گیا تھا۔ وہ اب تک نہ لوٹا تھا۔ رخ پھیر کر ساحل پر لہروں کے سنگ کھیلتے بچوں کو بغور دیکھنے لگی تھی۔

برستی ہوئی بوندیں اسے بھگونے لگی تھیں۔ مگر جب اچانک ہی کسی نے اس پر چھتری کا سایہ کیا تو کسی کی موجودگی کے احساس نے اسے پلٹ کر دیکھنے پر مجبور کر دیا تھا۔ عفنان علی خان اس کے مقابل ڈھال بنا کھڑا تھا۔

''وہ چونک گئی تھی۔ آواز میں حیرت بہت نمایاں تھی۔

''یہاں تنہا کھڑی کیا کر رہی ہو؟'' وہ اس کے مقابل آن کھڑا ہوا تھا۔

''میں تنہا نہیں ہوں... اوزی بھی ہے۔ اس کا کوئی فرینڈ مل گیا تھا، وہ اس کے ساتھ گیا ہے۔ آپ کو کیا معلوم تھا کہ ہم یہاں آنے والے ہیں؟'' وہ مسکراتی ہوئی بولی تھی۔

''نہیں۔ مگر شاید اسے دل سے دل کو راہ ہونا کہتے ہیں۔ ویسے کیا تم ایسا نہیں سمجھتیں؟''

وہ نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔

''نہیں۔ میرا تجزیہ دل کو سمجھنے کا تجربہ بالکل مختلف ہے۔''

''یہاں بھی تم میری مخالف سمت کھڑی ہو۔'' عفنان علی خان مسکرایا تھا۔ وہ جواباً اس کی سمت دیکھتی پھر بہت دھیمے سے مسکرا دی تھی۔

''آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ تنہا کیوں ہیں؟ ——— اس موسم میں تو لامحہ کو آپ کے ساتھ ہونا چاہیے تھا۔''

عفنان علی خان نے اس کے سوال پر اس کی سمت دیکھا تھا پھر شانے اچکا دیے تھے۔ انداز کسی قدر لاپروا تھا۔

''تمہیں یقیناً حیرت ہوئی ہو گی اوزی کے اور میرے تعلق پر۔'' وہ جیسے بات جاری رکھنے کو بولا تھا۔ انابیہ نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''نہیں ——— کچھ خاص نہیں۔'' انداز سرسری تھا اور عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

''اوزی تمہیں بہت اچھی طرح سے جانتا ہے۔''

''آپ کو کس طرح پتہ چلا؟'' وہ حیران ہوئی تھی۔

''ذکر کر رہا تھا ——— یوں ہی باتوں میں اکثر وہ تمہارا ذکر کر دیتا ہے۔''

''عفنان علی خان! اچھے اور پرانے دوستوں کی یہی خصوصیت ہوتی ہے۔ وہ ایک دوسرے سے اچھی طرح واقف ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کا ذکر برملا کرتے ہیں۔'' شاید وہ باور کرا رہی تھی۔ عفنان علی خان مسکرایا تھا۔

''شاید۔'' اس کا انداز کسی قدر بے تاثر تھا۔

''مگر ——— آپ کو کبھی اندازہ نہیں ہوا؟'' انابیہ شاہ نے اس کی سمت دیکھتے ہوئے دریافت کیا تو عفنان علی خان نے چند ثانیوں تک خاموشی سے دیکھا تھا۔ پھر سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''نہیں۔'' وہ مسکرا دیا تھا۔ انابیہ شاہ اسے حیرت سے دیکھتی ہوئی شانے اچکا گئی تھی۔ پھر نگاہ پھیر کر ساحل کی وسعتوں پر جما دی تھی۔ عفنان علی خان اسی طرح اس پر چھتری تانے کھڑا تھا جب وہ احساس کر کے بولی تھی اور اس کی سمت دیکھا تھا۔

''آپ پلیز میری فکر نہ کریں۔ مجھے بارشوں میں بھیگنے سے ذرا قطعاً ڈر نہیں لگتا۔ اوزی کو بہت شوق ہو گا مجھے بھی بارشیں بہت پسند ہیں۔ ایک بوند بھی گرے تو وہ کمرے میں یا گھر کے اندر دبک کر نہیں

وہ اس تعلق سے قبل بھی جانتا تھا کہ ان دونوں کی سوچوں میں زمین آسمان کا فرق ہوگا، وہ کبھی ایک ذہنی سطح نہیں ملے گی۔ وہ اسے دیکھتے ہی جان گیا تھا، وہ بے حد امیچور ہے۔ وہ بہت کچھ الگ کرے گی اس سے اور اس کی سوچوں تک کبھی رسائی حاصل نہ کر سکے گی۔

وہ یہ بات اچھی طرح جانتا تھا۔ مگر وہ یہ بات مائی اماں کو نہ سمجھا سکا تھا۔ وہ کچھ سننے کو، ماننے کو تیار نہ تھیں۔ بس اپنی خواہشیں نظر آ رہی تھیں انہیں اور وہ اس لیے ان کی خواہشوں کو کسی طرح بھی رد کرنے کا حوصلہ خود میں نہیں پا رہا تھا۔ اس نے خود کو رد کر کے ان کا فیصلہ مان لیا تھا مگر وقت اسے روشن کر رہا تھا۔ وہی ہوا تھا جو اس نے اخذ کیا تھا۔ وہ لاابالی پن کی اس عمر میں تھی جہاں خوابوں کے شہر بسائے جاتے ہیں، خوابوں کے محل بنائے جاتے ہیں۔

وہ خوابوں، خیالوں میں زندگی بسر کرنے والی لڑکی تھی اور وہ حقیقتوں کو کھلی آنکھ سے دیکھنے والا میچور شخص۔

یہی تضاد ان دونوں کے بیچ کے فاصلے سمیٹ نہ سکا تھا اور یقیناً ایسا کبھی ہونا بھی ناممکن ہی تھا۔ اس تعلق کو اب کسی بوجھ کی طرح اتار کر پھینک بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ اس کی سرشت میں نہ تھا۔ وہ چاہتا تو اس کا حسب نسب، خاندانی وقار اسے اس بات کی اجازت نہ دیتے۔ سو اب یہ تعلق خواہ بوجھ بنا کر سبکتگین حیدر لغاری کو اسے ڈھونا ضروری تھا۔ خواہ عمر بھر سہی۔ مگر وہ میرب سیال سے کسی بھی طرح دستبردار نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ جانتا تھا، وہ اس سے بھاگ رہی تھی، رہائی چاہتی تھی۔ مگر وہ چاہتے ہوئے اتنی چھوٹ نہیں دے سکتا تھا کہ وہ اپنے حقوق کی کوئی جنگ لڑے یا پھر اس سے علیحدگی کے متعلق سوچے بھی اور خواہ اسے اس کے لئے کچھ بھی کرنا پڑتا۔ کچھ بھی۔

”گین! پلیز ڈونٹ بی ایموشنل۔“ گی نے بہت آہستگی سے اس کے شانے پر اپنا نازک ہاتھ رکھا تھا۔ ”گین! یو ول فائنڈ آؤٹ ہر۔“ اس کے لہجے میں یقین تھا اور تبھی سردار سبکتگین حیدر لغاری کا کم کھڑا ہوا تھا۔

”کہاں جا رہے ہو تم؟ ——— رکو، میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔“ گی نے پیشکش کی تھی۔ گین نے تنے ہوئے چہرے کے ساتھ اس کی سمت دیکھتے ہوئے ہاتھ اٹھا کر اسے کوئی بھی اقدام کرنے سے روکا تھا۔ سائیڈ ٹیبل پر سے گاڑی کی چابی اٹھائی تھی اور باہر نکل گیا تھا۔

گی نہیں جانتی تھی وہ کہاں گیا ہے۔ مگر وہ دیکھ رہی تھی اس کی آنکھوں میں حد درجہ وحشت نظر آ رہی تھی۔ وہ یقیناً اس وقت بے حد غصے کے زیر تھا۔ اس کے چہرے کا تناؤ اس کے اندر کی غمازی کر رہا تھا۔ اس کی تنی رگوں کو دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ اس لمحے کوئی بھی انتہائی قدم اٹھا سکتا ہے۔ کوئی بھی۔

نیویارک کوئی چھوٹا شہر نہ تھا جہاں وہ اسے آسانی سے ڈھونڈ پاتا۔

اسے مسنگ ہوئے تین چار گھنٹے ہو چکے تھے اور سبکتگین حیدر لغاری پاگلوں کی طرح گاڑی نیویارک کی سڑکوں پر دوڑاتا اسے کھوج رہا تھا جو خود اپنی مرضی سے مسنگ ہوئی تھی۔

کوئی ٹھکانہ علم میں نہ تھا جہاں کے متعلق قیاس ہوتا کہ وہاں جانے کا احتمال ہوگا اور وہاں وہ مل بھی جائے گی۔

”کہیں وہ واقعی راہ تو نہیں بھٹک گئی؟“ ایک لمحے کو اس کے ذہن میں خیال آیا تھا مگر دوسرے ہی لمحے اس نے اسے رد کر دیا تھا۔ یقیناً ایسا نہیں تھا اور ایسا ہو بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ کوئی بچی نہ تھی۔ اور پھر اس شہر کے مقامات اور راستوں سے نا آشنا بھی نہیں تھی۔

یقیناً وہ جہاں بھی گئی تھی، اپنی مرضی سے گئی تھی اور یہ فرار ارادی تھا۔ اس نے جان بوجھ کر یہ قدم اٹھایا۔ پھر بھی اس کے لئے یہ ضروری تھا کہ وہ اس کے گمشدہ ہونے کی رپورٹ کسی پولیس اسٹیشن پر درج کرا دیتا۔

کئی مقامات دیکھنے کے بعد اس نے سوچا تھا۔ اس کی تصویر ہاتھ میں لئے کئی لوگوں سے اس کے بارے پوچھا تھا۔

”اس لڑکی کو دیکھا کہیں آپ نے؟“

”نو سر۔“

اب تک وہ کتنے مقامی لوگوں کو روک کر پوچھ چکا تھا مگر فائدہ کچھ نہ ہوا تھا۔ یہاں کی زندگی اتنی تیز تھی کہ لوگوں کو خود اپنی شکل بھی شاید یاد نہ رہتی ہوگی۔ کجا کسی اور کی خبر رکھنا اور خدوخال دیکھنے کے بعد یاد رکھنا۔ یقیناً یہ ناممکن ہی تھا۔

اس وقت وہ سینٹرل پارک میں تھا۔ فانی کو لے کر اکثر وہ اس پارک میں آتی رہی تھی۔ اسے گمان تھا ڈپریشن میں وہ اسی طرف نکل آئی ہو۔ یقیناً اس ڈپریشن کے بعد اسے سکون کی تلاش ہوگی۔ شاید اس نے فوری طور پر فرار کے بعد اس نے اس طرف کا رخ کیا ہو۔ وہ ذہنی سکون کی متلاشی ہوگی اور یہ مقام اس کے لئے انتہائی موزوں تھا۔ قدرت نے جتنی خوب صورتی انسان کو بخشی ہے وہ ساری اس سے شناسا جاتی ہے۔ اس شہر میں بیچ جنگل میں وہ کتنی دیر تک اس کی تصویر ہاتھ میں لئے پاگلوں کی مانند اسے ڈھونڈتا رہا تھا۔

سبکتگین حیدر لغاری بہت شکستہ سا اٹھا تھا۔ یقیناً اس کی تلاش آسان نہ تھی۔ بنا پولیس کی مدد کرنا ناممکن ہی تھا اور اسے ہر صورت پولیس کی مدد لینا ہی تھی۔ اگر زیادہ وقت گزر جاتا تو یقیناً معاملہ بھی سنگین ہو سکتی تھی اور وہ ایسا ہرگز نہیں چاہتا تھا۔

روک فیلر سینٹر کے متعلق سوچ کر وہ یکدم چونکا اور پھر گاڑی اسی سمت دوڑا دی۔

یہاں پر سردیوں کے لئے اسکیٹنگ پلیس بنائی جاتی ہے اور گرمیوں میں یہاں پر ریسٹورنٹ بنایا جاتا ہے۔ سردیوں میں یہاں پر کرسمس کے موقع پر سب سے بڑا کرسمس ٹری بھی لگایا جاتا ہے جسے دیکھنے کے لئے لوگ دور دور سے آتے ہیں۔ مگر فی الحال ایسا نہیں تھا۔ کیونکہ ابھی دسمبر کی آمد میں کچھ دیر تھی۔ یہاں پر نہ تو اسکیٹنگ کے لئے اہتمام نظر آ رہا تھا اور نہ ہی کسی اور طرح کی کوئی تبدیلی واقع ہوئی تھی۔ گاڑی روک کر روک فیلر سینٹر کی جانب بڑھنے لگا تھا۔ تبھی اس کی نظر پشت کے بیٹھے اس نازک وجود پر پڑی تھی۔ شاید اس نے اپنا سر گھٹنوں پر دھرا ہوا تھا۔ شاید وہ پُر ملال ہو رہی تھی۔ سبکتگین حیدر لغاری رک کر ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے اسے دیکھا تھا، پھر کچھ سوچتے ہوئے قدم آگے بڑھائے تھے۔ یقیناً یہ صورت حال ایسی نہ تھی کہ اس سے کسی سخت لہجے میں باز پرس کی جاتی یا پھر ڈانٹا جاتا۔ سبکتگین حیدر لغاری میں اتنا سنس تو تھا کہ وہ موقع کی نوعیت کو سمجھ سکتا تھا۔ اپنا سارا غصہ، اکتاہٹ، سارا ملال اس نے ایک گہری سانس لے کر رفع کی تھی اور اس کے سامنے جا کھڑا ہوا تھا۔ مگر وہ اسی طرح گھٹنوں پر سر دیئے بیٹھی رہی تھی۔ نہ چونکی تھی نہ سر اٹھایا تھا نہ اس کی طرف دیکھا تھا۔

سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت بغور دیکھا تھا، پھر بہت سہولت سے جھک کر گھٹنوں کے بل اس کے سامنے بیٹھ گیا تھا۔ نظریں بغور اس چہرے پر تھیں۔ اسی طرح توجہ سے دیکھتے ہوئے بہت آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ دھرا تھا۔

میرب سیال یکدم چونک گئی تھی۔ بے حد حیرت سے بھیگی پلکوں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ اس کا تاثر آنکھوں سے کچھ واضح نہ تھا مگر اس لئے وہ بغور اس کی سمت دیکھ رہا تھا۔

کیسے آ گیا تھا وہ یہاں؟ ——— کیسے خبر ہو گئی تھی اسے اس کی؟ ——— میرب سیال ایک نظر اس کی سمت دیکھنے کے بعد نگاہ پھیر گئی تھی۔

"کوئی ایسے بھی کرتا ہے؟" سبکتگین حیدر لغاری نے مدھم لہجے میں دریافت کیا تھا۔ نظریں بدستور اس کے چہرے پر تھیں۔ "اگر آنا تھا تو کم از کم بتا ہی دیا ہوتا۔ جانتی ہو میں کس قدر پریشان ہو گیا تھا؟ کہاں کہاں نہیں ڈھونڈا تمہیں اور تم ...." بے حد دھیمے لہجے میں کچھ دیر قبل والا کوئی تاثر نہ تھا۔ نہ وہ اتنا تند تھا نہ وہ تناؤ۔ شاید وہ خود پر قابو پانے کے سارے گر جانتا تھا۔ خود پر اس کا اختیار واقعی قوی تھا اور شاید خود کو سنبھالنا اور موقع کے مطابق ڈھالنا ناممکن ہی تھا۔ یقیناً وہ خود پر اختیار رکھتا تھا۔ تبھی اس لمحے بھی ملائمت لئے اس کی طرف متوجہ تھا۔

میرب نے اس کی سمت دیکھا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ وہ بہت غصے میں ہو گا۔ اس کے دماغ میں بھی وہ یہ سمجھ رہا ہو گا کہ وہ فرار ہو گئی ہے۔ لیکن ایسا نہیں تھا۔ وہ چند لمحے اپنے ساتھ بتانا چاہتی تھی۔

فقط ... سے فقط چاہتی تھی اور بس۔ مگر اس کی سوچ کے مطابق کچھ نہ ہوا تھا۔ اس شخص کے چہرے پر اکتاہٹ نہ تھی۔ کوئی تناؤ نہ تھا۔ ہاں، تھا تو صرف ٹھہراؤ تھا۔

"اگر مجھے مطلع کرنا ضروری نہیں سمجھتی تھیں تو کسی اور کو ہی بتا دیا ہوتا۔ جانتی ہو تمہارے اس طرح بنا بتائے چلے جانے سے کس درجہ پریشان ہوا ہوں میں؟ ——— کتنے عجیب عجیب خیال آ رہے تھے میرے دل میں؟ ——— کتنے واہموں نے مجھے آن گھیرا تھا۔ مجھے لگا تھا کہیں تم مستقل نہ ہو گئی ہو یا پھر کسی ..."

"بہت مدھم لہجے میں کہہ کر سبکتگین حیدر لغاری نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے چہرے کا رخ پھیر لیا تھا۔ میرب سیال ساکت نظروں سے اس کی سمت دیکھتی گئی تھی۔ وہ اس کے بے حد قریب بیٹھا تھا، وہ پھر بھی اسے سمجھ نہ پا رہی تھی۔ اس کے چہرے کو پڑھ نہ پا رہی تھی۔ کیا تھا وہ؟

میرب بغور اس کی طرف دیکھ رہی تھی جب وہ اس کی طرف دیکھتا ہوا بولا تھا۔

"کیا ہوا؟"

میرب کچھ نہیں بولی تھی۔ بس اس کے چہرے، اس کے خدوخال کو دیکھتی رہی تھی۔ سبکتگین حیدر لغاری نے میرب کی سمت دیکھتے ہوئے بہت آہستگی سے اپنا ہاتھ بڑھایا تھا، بہت ہولے سے اس کی بھیگی پلکوں کو چھوا تھا۔

"تم رو رہی تھیں ———؟" کس درجہ کیئرنگ انداز تھا پوچھنے کا۔ جیسے اسے بہت تکلیف پہنچی ہو اس الزام سے۔

میرب لب بھینچے اس کی سمت تکتی رہی تھی۔ سبکتگین حیدر لغاری بہت آہستگی سے اس کا ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھوں کی گرفت میں تھام کر لبوں تک لے گیا تھا۔

"سوری! ——— میں نے تمہیں پریشان کیا۔" فقط ایک جملہ، ایک مدھم سرگوشی جیسے اس سب کا ازالہ کر گئی تھی۔ میرب سیال کی آنکھوں سے بہت آہستگی سے نمکین پانی کے قطرے ٹوٹ کر گرے تھے۔

"میں نہیں چاہتا تمہیں کوئی تکلیف پہنچے۔ مگر دانستہ یا نادانستہ ایسا ہو جاتا ہے۔ دراصل میرب! یہ سب ارادی نہیں ہے، میں خود جان بوجھ کر ایسا نہیں کرتا۔ میں جانتا ہوں تمہارا دل بہت نرم ہے اور میں اسے تکلیف پہنچانا ہرگز نہیں چاہتا۔ تمہیں دکھ دینا یا دکھی کرنا ہرگز بھی میری منشا نہیں ہوتی۔ اتنی اچھی لڑکی کا دل کون دکھانا چاہے گا۔ تم سمجھتی ہو، اتنا بے حس ہوں میں؟ ——— اتنا سنگدل؟"

میرب بہت خاموشی سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"میرب! شاید میں نے واقعی کچھ برا کیا ہے جو شاید مجھے نہیں کرنا چاہئے تھا۔ مگر تم خود سوچو، کوئی اتنی جلدی کیسے بدل سکتا ہے؟ ایک عرصہ میں نے ان فضاؤں میں گزارا ہے۔ میں جانتا ہوں تم بطور ہم سفر بہت سی خوبیاں دیکھنا چاہتی ہو مجھ میں۔ اس طرح میں بھی تم میں بہت سے پہلو تلاشتا ہوں۔ دراصل شاید ہم ابھی تک ایک دوسرے کو سمجھ نہیں پا رہے ہیں۔ مگر اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں میرب! کہ ہم فوری طور پر کوئی فیصلہ لے لیں۔ تم سمجھ رہی ہو نا میں کیا کہنا چاہ رہا ہوں؟ یقیناً یہ عرصہ کافی نہیں ہے جو ہم نے ایک دوسرے کے سنگ گزارا۔ ایک دوسرے کو سمجھنے کے لئے کبھی کبھی ایک عمر بھی ناکافی ہوتی ہے۔ یہ

تو فقط کچھ عرصہ تھا۔ اگر ہم ایک دوسرے کو سمجھنے میں ناکام رہے ہیں تو ضروری تو نہیں کہ فوری طور پر کوئی
بھی فیصلہ لے لیں۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے میرب! خامیوں یا خوبیوں کی میعاد کبھی بھی کل وقتی نہیں ہوتی۔ یہ علم
تبدیلیوں سے متعلق ایک پروسس سا ہے جس میں تبدیلیاں واقع ہوتی رہتی ہیں۔ تم اگر مجھے اپنے انداز
سے دیکھنا چاہتی ہو یا میں تمہیں اپنی سوچ کے مطابق دیکھنا چاہتا ہوں تو اس کے لیے ہم دونوں کو
وقت ایک دوسرے کو دینا ہوگا۔ راتوں رات ایسے انقلابات نہیں آتے میرب! سوچو، میں کیوں اپنی
زندگی اٹھا کر فقط تمہارے لیے تبدیل کر دوں گا؟ یا پھر تم کیوں اپنا سب کچھ فقط میرے لیے بدل دو گی؟ ہم
میں سے کسی کے لیے بھی اپنا آپ بدل دینا آسان نہیں ہوتا میرب! ایسا کرنے کے لیے اسباب لازم
ہوتے ہیں۔ سب سے بڑھ کر وقت درکار ہوتا ہے میرب! جو شاید تم نہیں سمجھ رہی ہو۔" بہت مدھم لہجہ
کہہ رہا تھا وہ اور میرب سیال اس شخص کو بھیگی آنکھوں سے بغور دیکھ رہی تھی۔

"یہ تعلق، یہ عمر بھر کے رشتے، کوئی پل بھر کی بات نہیں ہوتی۔ انہیں سمجھنے کے لیے اور استوار کرنے کے
لیے صدیاں لگ جاتی ہیں اور ایسا عموماً ارینج میرجز میں ہوتا ہے جہاں فریقین ایک دوسرے کے بارے
میں سرے سے واقف نہیں ہوتے۔ وہاں ایسا ہی ہوتا ہے عموماً۔ مگر باہمی انڈر اسٹینڈنگ سے سب ٹھیک
ٹھیک بھی ہو سکتا ہے۔ میں یہ نہیں کہہ رہا کہ تم میرے لیے اپنا سب کچھ بدل دو۔ نہ ہی میں یہ کہہ رہا ہوں
کہ میں تمہارے لیے اپنا سب کچھ بدل دوں گا۔ یقیناً یہ دعویٰ بہت غلط ہوگا۔ لیکن میں یہ ضرور کہہ سکتا ہوں
کہ شاید ایسا ہو بھی جائے۔ شاید اس لیے کہ یک طرفہ طور پر کچھ نہیں ہوتا میرب! یہ تعلق، یہ رابطہ دو طرفہ
ہے۔ ایک ہاتھ سے دو ایک ہاتھ لو۔ ہم نے کوئی جنونی سی محبت یقیناً نہیں کی تھی کہ تم اپنا سب کچھ میرے لیے
بدل دو۔ یا پھر میں خود کو تمہارے مطابق ڈھال لوں۔ ایسا ہو سکتا ہے لیکن وقت کے ساتھ ساتھ۔ اگر کبھی
ایسا ہو تو زیادہ اچھا ہے۔ جس طرح تمہیں مجھ میں بہت کچھ برا لگتا ہے اسی طرح مجھے بھی تمہاری کئی
عادات ناپسند ہیں۔ ہو سکتا ہے میں بھی تمہیں اپنی زندگی میں لا کر خوش نہ ہوں۔ ہو سکتا ہے میں بھی
خوشی فیل نہ کر رہا ہوں۔ مگر میں شادی کو بچوں کا کھیل نہیں سمجھتا۔ جو اسے بچوں کا کھیل سمجھتے ہیں وہ اسے
آگے بڑھانے میں یکسر ناکام رہتے ہیں اور میں نہیں چاہتا کہ ہم اس معاملے میں ناکام ہوں۔ جس طرح
تمہاری کچھ مجبوریاں رہی ہیں اسی طرح میری بھی کچھ مجبوریاں رہی ہوں گی۔ ہم دونوں ٹھیک بھی ہو سکتے
ہیں اپنی جگہ پر اور دونوں غلط بھی۔ مگر ہمیں اس تعلق کو مجبوریوں کے خانے سے نکال کر محبتوں کے خانے
میں لانا ہے اور یہ تبھی ممکن ہوگا جب تم مجھ سے تعاون کرو گی اور میں تم سے۔ یہ بات بات پر رونا دھونا
کرنا بچوں جیسی باتیں ہیں۔ سمجھدار بنو۔ شاید اب تک میں بھی تمہارے ساتھ خوش نہیں ہوں مگر میں خوش
ہونا چاہتا ہوں اور یہ اعتراف اس لیے کر رہا ہوں کہ تم بھی اس بات کو سمجھ لو کہ ہم دونوں کو کیا کرنا ہے۔"
صاف گوئی سے سارے معاملات پر روشنی ڈال رہا تھا اور میرب سیال خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ
غلط تو نہیں کہہ رہا تھا وہ۔ کوئی ریاکاری اس کی آنکھوں میں نہ تھی۔ اس کا لہجہ خالص تھا۔ یقیناً اسی طرح
مسائل اسے بھی درپیش تھے اور اب تک وہ فقط اپنے حوالے سے سوچ رہی تھی۔ وہ اس نقطے پر سوچ نہیں
سکی تھی کہ سبکتگین حیدر لغاری کی بھی کوئی مجبوری ہو سکتی ہے۔

"زندگی کسی کے لیے نہیں بدلتا میرب! اور اتنی پرانی باتوں کو کسی ایک فرد کے لیے ایک لمحے میں بدلنا
آسان بھی نہیں اور بدلنے کے لیے سبب درکار ہوتے ہیں۔ راتوں رات انقلابات نہیں آتے۔"
سبکتگین حیدر لغاری نے کچھ غلط تو نہ کہا تھا۔
"کیا سوچ رہی ہو؟" اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر وہ بہت ملائمت سے مسکرایا تھا۔ میرب سیال نے
آہستگی سے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔ تبھی سبکتگین حیدر لغاری نے اسی ملائمت سے مسکراتے ہوئے اس کی
سمت اپنا چوڑا، مضبوط ہاتھ بڑھا دیا تھا۔ میرب سیال نے اس کی طرف دیکھا تھا پھر بہت آہستگی سے اپنا
ہاتھ اس کے ہاتھ پر دھر دیا تھا اور اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔
سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔ وہ دونوں ساتھ ساتھ چلنے لگے تھے۔

***

بارش جتنی شدید تھی، لہروں کی طغیانی میں اتنا ہی اضافہ ہو چکا تھا۔ جہاں تھوڑی دیر قبل عفنان علی خان
نظر آ رہا تھا اب وہ ان لہروں میں غائب ہو چکا تھا۔
اپسرا شاہ ساکت نظروں سے اس پر وسعت سمندر کو دیکھ رہی تھی۔ کتنے لوگ تھے سمندر کے کنارے۔
مگر کوئی بھی اس وقت مدد کے لیے ان لہروں کی سمت جانے کو تیار نہ تھا۔ وہ جو اتنا چیخی تھی، چلائی تھی تو
سب بے سود رہا تھا۔ اور نہ جانے کہاں تھا اور عفنان علی خان۔۔۔۔ اس نے ڈبڈباتی آنکھوں سے
اس سمندر کی سمت نگاہ کی تھی۔ کتنی تیزی سے اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اس شخص کے لیے
جس کے ساتھ اس کا کوئی تعلق خاص بھی نہ تھا۔ وہ شخص جسے وہ ٹھیک سے جانتی بھی نہ تھی۔ جس کے ساتھ
اس کا کوئی خاص حوالہ بھی نہ تھا۔ اس کی ڈبڈبائی نظر اٹھی تھی اور وہ ساکت رہ گئی تھی۔ وہ چھتری ہاتھ میں
تھامے لہروں پر تیزی سے تیرتا ہوا کنارے کی طرف آ رہا تھا۔ سب لوگ حیرت زدہ سے اسے دیکھ رہے
تھے۔
"عفنان!" اسے جیسے یقین نہ آیا تھا۔ ڈبڈبائی آنکھوں کو زور سے رگڑا تھا۔ مگر وہ منظر خواب نہ تھا۔
اگلے لمحے کنارے پر پہنچ جانے والا وہ عفنان علی خان ہی تھا۔ وہ ساکت سی اس کی سمت تکتی گئی تھی۔ وہ
لہروں پر چلتا ہوا اس کے مقابل آن رکا تھا۔ کچھ دیر تک اسے دیکھتا رہا تھا پھر مسکراتے ہوئے چھتری والا
ہاتھ اس کی سمت بڑھا دیا تھا۔
"ڈر گئی تھیں؟" بغور تکتے ہوئے دریافت کیا تھا۔
"شٹ اپ! ۔۔۔۔ شٹ اپ عفنان علی خان!" وہ اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے چیخی تھی مگر وہ مسکرا دیا
تھا۔
"ڈر گئی تھیں نا کہ میں مر جاؤں گا؟" وہ جیسے محظوظ ہو رہا تھا۔
"جسٹ شٹ اپ۔ زندگی مذاق ہے تمہارے لیے؟ ۔۔۔۔ کیوں کیا تم نے ایسا؟ تمہیں کچھ ہو
جاتا تو کیا جواب دیتی میں لامعہ کو؟ اور تم۔۔۔۔" اس کی آنکھیں تیزی سے چھلکتی چلی گئی تھیں۔ "کیا سمجھتے
ہو تم، زندگی اتنی فضول شے ہے؟" اس کے ہاتھ میں تھمی ہوئی چھتری کو ایک جھٹکے سے تھاما تھا۔

"یہ...... فقط یہ...... اسے تھامنے کے لیے تم نے زندگی کو داؤ پر لگا دیا۔ کیا سمجھا تم نے خود کو؟ کوئی ہیرو جو ایسے انوکھے کام کر کے کسی بھی لڑکی کو امپریس کر لو گے؟" وہ داد دیتے ہوئے "تمہیں کیا لگا، کیا معرکہ سر کیا ہے تم نے۔ مگر سن لو، ابا بیہ شاہ ایسی لڑکی نہیں ہے۔ یہ، اسے تھامنے کے لیے تم اپنی جان سے لڑنے گئے تھے نا؟" اس نے ہاتھ میں پکڑی چھتری کی سمت اشارہ کیا تھا اور پھر ایک جھٹکے سے ہاتھ بلند کرتے ہوئے اسے سمندر کی لہروں پر اچھال دیا تھا۔

"تم ہیرو ہو نا، تو اب جاؤ، پھر پکڑ لاؤ اسے جا کر۔" وہ کہہ کر مڑی تھی جب عفنان علی خان نے مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ ابا بیہ شاہ نے بہت چونک کر اسے پلٹ کر دیکھا تھا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔

"تم تو ہو گی نہیں، پھر کیا فائدہ؟ امپریس تو مجھے تمہیں کرنا ہے نا۔ اور تم ہی چلی جاؤ گی تو پھر یہ ڈرامہ کا فائدہ؟" وہ بات کو جیسے مذاق میں اڑانا چاہ رہا تھا۔ مگر ابا بیہ شاہ اسے خفگی سے دیکھتی ہوئی چہرہ پھیر گئی تھی۔

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ لامعقول تم جیسے بندے کے ساتھ گزارہ کیسے کرے گی؟ تم تو میں نہ آنے والے ہو۔ کیا تمہیں اندازہ ہے کہ ابھی تھوڑی دیر قبل جو کیا، وہ سوائے پاگل پن کے اور کچھ نہ تھا۔" وہ تھک کر جیسے چپ ہو گئی تھی۔ مگر عفنان علی خان مسکراتا ہوا بغور اسے تکتا رہا تھا۔

"تم نے خود ہی تو کہا تھا، جاؤ پکڑ لاؤ۔"

"تم غلط بیانی کر رہے ہو —— میں نے ایسا کچھ نہیں کہا تھا۔"

"مگر تم مجھے چیخ چیخ کر پکار تو رہی تھیں نا۔" وہ مسکرایا تھا۔

"میں چاہتی تھی کہ تم بچ جاؤ۔" وہ کہتی ہوئی دھیان پھیر گئی تھی۔

"اور اگر میں پھر بھی نہیں بچتا تو؟" وہ جیسے محظوظ ہوا تھا مگر وہ کچھ نہیں بولی تھی۔ تبھی عفنان علی خان اس کے چہرے کو دلچسپی سے تکتا ہوا مسکرایا تھا۔

"اچھا بتاؤ، اگر مجھے کچھ ہو جاتا تو تم کیا کرتیں؟"

"میں اتنی بے حس نہیں ہوں کہ کسی کے مرنے پر خوشی مناؤں۔" وہ اسی انداز سے بول کر چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

"تو پھر کیا [illegible] مناتیں؟" وہ بدستور مسکرا رہا تھا۔

"تم جانتے ہو یہ لہریں، یہ سمندر روز کتنے لوگوں کو نگل جاتا ہے۔ مذاق ہے یہ سب تمہارے لیے؟ اگر تمہیں واقعی کچھ ہو جاتا تو؟ کیا پروف کرنا چاہتے تھے تم، بہت گڈ سوئمر ہو تم؟ اور جو [illegible] ایسا نہ ہوتا تو؟ تم سنجیدہ نہیں تھے، مذاق کر رہے تھے مگر یہ بات یہ سمندر نہیں جانتا۔ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ کچھ بھی۔"

"مگر ہوا تو نہیں نا۔" وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر تسلی دیتا ہوا مسکرایا تھا۔ "اور رہی اس سمندر کی بات تو یہ بات بھی جانتا ہے جو کوئی اور نہیں جانتا۔ اس پر میری دیوانگی کے راز منکشف ہیں۔ تبھی تو واپس باہر اچھال دیا۔" مسکراتا ہوا اسے مطمئن کرنے کو وہ بولا تھا مگر وہ جلتی بھنتی وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی۔

عفنان علی خان بارش میں کھڑا بھیگتا ہوا اس دور جاتی لڑکی کو دیکھتا رہا تھا۔

❋ ❋ ❋

سب لوگ ہال کمرے میں بیٹھے تھے جب اذہان حسن بخاری اندر داخل ہوا تھا۔

"آؤ میرے یار! بڑی دیر کر دی —— کہاں تھا تو؟" عزیر اسے دیکھتا ہوا مسکرایا تھا۔

"کیا ہو رہا ہے؟" وہ سامیہ خان کو سب کے درمیان مرکز نگاہ بنا دیکھ کر کسی قدر حیران ہوا تھا۔ اس کا ہاتھ شاید اس وقت ہیرو کارڈز تھے اور وہ حسب عادت کوئی سنسنی پھیلائے بیٹھی تھی۔ تمام ینگ پارٹی اس کے پاس ہی بیٹھی تھی۔

"ہیرو کارڈ بھائی۔ سب کو اپنے احوال جاننے کی فکر ستا رہی ہے۔" عزیر مسکرایا تھا۔

"اور تم سمجھتے ہو یہ ٹھیک ہو گا؟" وہ کسی قدر حیرت سے مسکرایا تھا۔ سامیہ خان کی نگاہ اس پر تھی اور وہ اذہان اسے بغور دیکھ رہی تھی۔

"تم یقین نہیں کرتے؟" وہ کسی قدر حیران ہوئی تھی۔ اذہان حسن بخاری نے اس کی طرف دیکھا تھا اور بہا بے نیازی سے شانے اچکا دیے تھے۔

"ہاں —— میں یقین نہیں کرتا۔ بس ایک فن ہے اور بس۔"

"اور ہم تم سے یہ کب کہہ رہے ہیں اس پر یقین کرو۔" سامیہ خان وہی شرارت آنکھوں میں لیے بے فکری انداز میں مسکرا رہی تھی۔

"میں جانتا ہوں، تم مجھ سے ایسی کوئی فرمائش نہیں کرو گی۔"

"تمہارا پرسن رونگ بھی تو ہو سکتا ہے۔" سامیہ خان مسکرائی تھی اور اذہان حسن بخاری اسے بغور تکتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

"یعنی تم مجھ سے کوئی ایسی فرمائش کرنے والی ہو؟"

"تمہیں کیا لگتا ہے اذہان حسن بخاری؟" وہ مسکرائی تھی۔

اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔ پھر شہادت کی انگلی سینے پر رکھی تھی۔

"مجھے...... مجھے لگتا ہے سامیہ! میں اتنا بے وقوف نہیں ہوں جتنا تم سمجھ رہی ہو۔"

"مگر تم اس سے زیادہ بے وقوف ہو۔" سامیہ خان نے برجستہ کہا تھا اور سب ہنسنے لگے تھے۔

"سامیہ سے تم نہیں جیت سکتے۔ مان لو یار!" عزیر نے اپنی بہن کی بھرپور سائیڈ لی تھی۔

"تمہارا مان لے وہ اذہان حسن بخاری نہیں۔" وہ بغور دلچسپی سے اس چہرے کو تکتا ہوا مسکرا رہا تھا۔

"ایسے دعوے مت کرو اذہان حسن بخاری! کہ بعد میں شرمندہ ہونا پڑے۔" وہ مسکرا رہی تھی اور وہ [illegible] تھا۔

"سامیہ خان! تمہارے آگے گھٹنے ٹیکنے سے بہتر ہے میں خودکشی کر لوں۔"

"اتنے سنجیدہ نہ ہو، کھیل لو، گیم ہی تو ہے۔" عزیر نے شانہ تھپتھپایا تھا۔

"مگر بہت خطرناک کھیل ہے یہ۔ اور اذہان حسن بخاری خطرات جان بوجھ کر مول نہیں لیتا۔ انجانے

چھیدوں پر پردہ پڑا رہے تو بہتر ہے۔ کھل جائے تو سب بے وقعت ہو جاتا ہے۔ میں ان باتوں کو بُرا سمجھتا۔"

"بے وقوفی نہ کرو اذہان! چلو سلیکٹ کرو اپنے کارڈز۔" سامیہ نے اس کے سامنے کارڈز رکھے تھے۔

"اتنے شوشے چھوڑنے کی عادت بدلی نہیں تمہاری۔ تم بھی نہیں بدلو گی۔" اذہان حسن بخاری مسکراتے ہوئے ہتھیار ڈال دیے تھے۔ "لیکن سنو، کوئی فضول بات مت کرنا۔" وارننگ دی تھی۔

"چٹ پٹی باتیں سننے کی بڑی عادت ہے تمہاری۔"

"تم نے عادی بنا دیا ہے۔" اذہان حسن بخاری بغور تکتا ہوا بڑی برجستگی سے کہتا ہوا مسکرا رہا تھا۔

"سارے الزام ایک طرف، فی الحال کارڈز چوز کرو۔" سامیہ نے مسکراتے ہوئے حکم جاری کیا۔

"کچھ آتا واتا بھی ہے یا فقط بے وقوف بنا رہی ہو؟" اذہان حسن بخاری نے دریافت کیا تھا اور نکال کر اس کے سامنے دھر دیے تھے۔ سامیہ خان بنا اس کی بات کا کوئی جواب دیے بغور کارڈز دیکھنے لگی تھی۔

"کیا ہوا؟ ۔۔۔۔ اتنی کھو کیوں گئیں تم؟" وہ اس کی سمت دیکھتا ہوا مسکرایا تھا۔ سامیہ خان اسے دیکھتی ہوئی مسکرا دی تھی۔

"بڑے چھپے رستم ہو تم۔ یہ عشق وشق کے چکر میں کب سے پڑ گئے؟"

اذہان حسن بخاری کا قہقہہ بے حد بے ساختہ تھا۔

"ایسا اس میں درج ہے۔"

"کیوں، یہ جھوٹ ہے؟" سامیہ خان بہت یقین سے اس کی سمت دیکھتی ہوئی مسکرائی تھی۔ اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

"پلیز، کیری آن، انٹرسٹنگ۔ اب واقعی مجھے مزہ آ رہا ہے۔ ہاں، تو میں مجنوں بن چکا ہوں، جلدی سے میری لیلیٰ کا چہرہ دیکھ کر خدوخال بھی بتا دو۔ یہ تو پتہ چل جائے کہ وہ مجھ جیسے ڈیشنگ بندے کے ساتھ سوٹ بھی کرے گی یا کہ نہیں۔"

"اٹس ناٹ جوک، اذہان حسن بخاری! ویری بیڈ۔" عزیر نے اسے باز رکھا تھا کیونکہ وہ سامیہ کا ہوا چہرہ دیکھ چکا تھا۔ اذہان مسکرا دیا تھا۔

"چلو بتاؤ شاباش! میں سننے کے لئے بہت بے قرار ہوں۔ کم از کم یہی بتا دو کہ آج کے دن میری کوئی ڈیٹ ویٹ ہے کہ نہیں اس کے ساتھ؟" آنکھوں میں شرارت لئے وہ مسکراتا ہوا سامیہ خان کو دیکھ رہا تھا۔ سامیہ خان اس کی سمت دیکھتی ہوئی مسکرا دی تھی۔

"کتنا شوق ہے نا جاننے کا اور ابھی تھوڑی دیر قبل کہہ رہے تھے، آئی ڈونٹ بیلیو دیٹ۔" بالکل نقل اتاری تھی۔ سب ہنسنے لگے تھے۔ اذہان حسن بخاری بغور دلچسپی سے تکتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

"مجھے نہیں پتہ تھا یہ سلسلہ اتنا انٹرسٹنگ ہو گا۔ بائی دی وے، یہ ٹیرو کارڈ پڑھنا سیکھا کہاں؟"

"کینیڈا میں ہماری ہمسائی تھیں، ایک آنٹی۔ انہی سے۔ تم کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"تم مجھے سکھا دو گی؟" وہ شرارت سے اس کی سمت دیکھ رہا تھا۔

سامیہ خان مسکرا دی تھی پھر کارڈز کی سمت دیکھتے ہوئے اسے بتانے لگی تھی۔

"آج کی شام اچھی گزرے گی۔ اسی خاص ہستی کے ساتھ گزرے گی اور تمہارے دل کو بہت راحت پہنچے گی۔"

"مسالہ کچھ کم ہے ۔۔۔۔ پلیز کچھ اور بڑھاؤ نا۔" وہ درخواست کرتا ہوا مسکرایا تھا۔ سب ہنسنے لگے تھے۔

"تم سنجیدہ نہیں ہو گے تو میں قطعاً نہیں بتاؤں گی۔"

"بتاؤ گی نہیں تو میں یہ غیب کی باتیں کیسے جان پاؤں گا؟" اذہان حسن بخاری مسکرایا تھا۔ "اچھا چلو، آگے بڑھاؤ بات۔ مزید کیا ہے ان ٹیرو کارڈز میں؟"

سامیہ خان مسکرا دی تھی۔

"جتنے اچھے بزنس مین ہو، اتنے اچھے لور قطعاً نہیں ہو۔ کاروباری طور پر تو آج یقیناً تم نے بہت بڑی ڈیل سائن کر کے اپنی کامیابی کو یقینی بنا دیا ہے۔ مگر ان دوسرے قسم کے معاملات میں تم قطعاً ناتجربہ کار واقع ہوئے ہو۔"

"یعنی؟" اذہان حسن بخاری چونکا تھا۔ لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ یقیناً وہ بہت محظوظ ہو رہا تھا۔

"یعنی وہ موصوفہ آج تمہیں بالکل بھی گھاس نہیں ڈالیں گی۔" سامیہ کا انداز پُر افسوس تھا۔

"چل بھئی، تیری نیا تو ڈوبی سمجھ۔" عزیر نے مسکراتے ہوئے بھرپور ہمدردی کا اظہار کیا تھا۔

"یعنی تو نہیں لگنے والا پار۔ پہلا عشق اور وہ بھی اتنا ناکام۔" ایک اور کزن نے مزید ہمدردی کی تھی۔

تبھی اذہان حسن بخاری نے سامیہ خان کی سمت دلچسپی سے مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔

"اس معاملے میں کامیاب کیسے ہوا جا سکتا ہے، یہ نہیں لکھا تمہارے ان ٹیرو کارڈز میں؟"

"مذاق اڑا رہے ہو اذہان حسن بخاری!" سامیہ خان نے خفگی سے دیکھا تھا۔

"تم نے تو میرے ہاتھوں کے طوطے اڑا دیے۔ اب میں کیا مذاق بھی نہیں کر سکتا؟" بے حد برجستگی سے وہ بولا تھا اور سب ہنستے چلے گئے تھے۔

"کسی بھی قسم کی پیش قدمی کرنے سے اجتناب برتنا۔ ورنہ بات بگڑ سکتی ہے۔" سامیہ نے ہدایت نامہ جاری کیا تھا۔ وہ سعادت مندی سے گردن ہلانے لگا تھا۔

"یعنی میں کچھ بھی کر لوں، عشق میں ناکام ہونا طے ہے۔" پُر افسوس انداز میں کہتے ہوئے سامیہ خان کو دیکھا تھا۔ وہ مسکرا دی تھی۔

"یہ صرف آج کے دن کے لئے تھا۔" اس کا حوصلہ بندھایا تھا۔

"انٹرسٹنگ۔ یعنی کل کی باتیں جاننے کے لئے پھر تم سے رجوع کرنا پڑے گا۔" اذہان حسن بخاری

مسکرا دیا تھا۔ ”ویسے اس سے قبل تو تم نے مجھے نہیں بتایا کہ تمہیں کوئی اس طرح کا علم بھی آتا ہے۔“

”ابھی تم نے ساحیہ خان کو جانا ہی کتنا ہے اذہان حسن بخاری!“

”تمہیں جاننے کے لئے کیا روز روز تم سے ٹیرو کارڈز پڑھوانا ضروری ہے؟“ وہ اب بھی سنجیدہ تھا۔

”شٹ اپ اذہان!“ وہ ڈپٹنے لگی تھی۔

”کیا ہو رہا ہے بھئی؟“ تبھی اندر اگیجے مرتضیٰ داخل ہوئی تھی۔ اذہان حسن بخاری نے نگاہ اٹھا کر اس کی سمت دیکھا تھا پھر مسکرا دیا تھا۔

”آ جائیے اگیجے! بہت انٹرسٹنگ کارڈز پڑھتی ہے اپنی ساحیہ۔ غیب کی باتوں سے کمال کی واقف ہے اس کی۔“

”نہیں بھئی، مجھے تو معاف ہی رکھو۔ یہ بچوں کے کام بچوں کو ہی اچھے لگتے ہیں۔“ اگیجے مسکرائی تھی۔

”یعنی آپ بھی میری طرح ان باتوں پر بیلیو نہیں کرتیں اگیجے؟“ اذہان حسن بخاری پر غور تکتا ہوا گویا تھا۔

”بالکل نہیں۔“ اگیجے نے مسکراتے ہوئے شانے بے نیازی سے اچکائے تھے۔ ”اپنی وے عزیز! صبح کے انتظامات کے لئے بڑے بھائی سے مل لو۔“

”جی بہتر۔“ عزیز فوراً اٹھ گیا تھا۔

اگیجے نے ان سب کی طرف دیکھا تھا پھر ملائمت سے مسکرائی تھی۔

”تم سب اس طرح کیوں بیٹھے ہو؟ شادی والا گھر ہے۔ کوئی ہلا گلا کرو بھئی۔ اور ساحیہ! یہ تم کیا ان ٹیرو کارڈز کے ذریعے لوگوں میں سنسنی پھیلا رہی ہو۔“

”یہی بات اگیجے! بالکل یہی بات میں نے بھی ساحیہ کو سمجھائی تھی۔“ اذہان حسن بخاری مسکرایا تھا۔ ساحیہ بھی مسکرا دی تھی۔

”ایسا کچھ نہیں ہے پھپھو! ہم خاصا انجوائے کر رہے ہیں۔ ویسے آپ ہمارے لئے چائے کے ساتھ کچھ بھجوا دیں تو لطف اور بھی دوبالا ہو جائے گا۔“ ساحیہ نے مسکراتے ہوئے کہا تھا اور اگیجے سر ہلاتی ہوئی باہر نکل گئی تھی۔ اذہان حسن بخاری نے اگیجے کے جانے کے بعد اس کی سمت دیکھا تھا۔

”کتنی فضول لڑکی ہو تم۔ بجائے اگیجے کی ہیلپ کرنے کے تم الٹا ان سے کام کروا رہی ہو۔“

ساحیہ مسکرا دی تھی۔

”پاؤں۔ اذہان! اس زخمی پاؤں کے ساتھ کوئی کام کیسے کر سکتا ہے؟“

”تو کس نے کہا تھا بارش میں بھیگ کر پاؤں زخمی کرو۔“

”اب تو ہو گیا نا۔“ وہ مسکرا دی تھی۔ آنکھوں میں وہی شرارت تھی۔ چہرے پر وہی شگفتگی۔ اور اذہان اس کی سمت دیکھتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

”کبھی نہیں سدھرو گی تم۔“

❁ ❁ ❁

بھی کبھی توجہ جتنی بھی ہو، مرہم کتنی بھی ہمدردی کے ساتھ رکھا گیا ہو، زخم نہیں بھرتا۔ وہ سوچ رہی تھی۔ جا سوچ رہی تھی اتنا ہی مزید الجھ رہی تھی۔ وہ واقعی اس شخص کو سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر پہاں حد تک بدل سکتا تھا یا بدل گیا تھا، وہ نہیں سمجھ پا رہی تھی۔ اور اگر یہی اس کا اصل رنگ تھا تو پھر وہ فا جو اس نے ہیڈل برگ میں کیا تھا؟

اس لمحے وہ پاپا کے سامنے بیٹھا کتنے سعادت مند انداز میں گفتگو کر رہا تھا۔ زوباریہ بھی اس کی قائل ہو رہی تھی۔

”ہم میرب کی طرف سے یقیناً اب اتنے پریشان یا فکر مند نہیں رہے۔ تم جس طرح میرب کا خیال کر رہے ہو وہ ہمارے لئے بہت تسلی کا باعث ہے۔ سیال صاحب ہمیشہ متفکر رہا کرتے تھے یہ سوچ کر کہ بیٹی کا ہم سفر کیسا ہوگا۔ اکلوتی بیٹی کے معاملے میں شاید کوئی بھی والد اسی طرح جذباتی ہو سکتا ہے۔ مگر تم نے بیٹی ان تمام خدشوں کو دور کر دیا ہے۔“ زوباریہ کہہ رہی تھی اور میرب سیال، سردار سبکتگین حیدر لغاری کو بے ساختہ دیکھنے لگی تھی۔ وہ بھی اس لمحے اسی کی جانب متوجہ تھا۔ میرب سیال بہت آہستگی سے رخ پھیر گئی تھی اور تانی کے ساتھ مصروف ہو گئی تھی۔

کبھی کبھی اپنی کمزوریوں کی خبر جنہیں نہیں بھی کرنا چاہتے جب انہیں تک وہ خبر جا پہنچتی ہے تو اچھا نہیں لگتا۔ وہ بھی نہیں بتانا چاہتی تھی اس شخص کو کہ وہ کتنی کمزور ہے۔ اس کے تمام رشتے ناطے اسے کتنا کمزور بنا رہے ہیں۔ ان کی محبت اسے کتنا کمزور کر رہی ہے۔ ہاں یہ محبت ہی تو تھی جس نے اسے اس قدر کمزور کر دیا تھا کہ وہ اس جیسے ہم سفر کے ساتھ زندگی گزارنے کو تیار ہو گئی تھی۔

وہ شخص جس کی شخصیت میں کوئی ہوش مند لڑکی چند لمحے بھی گزارنا قبول نہ کرتی۔ اس نے جانتے بوجھتے خود کو اس کے نام کر دی تھی اور وہ جانتا تھا یہ بات، وہ کس قدر کمزور ہے، کس قدر ڈرپوک ہے۔

”کیا ہوا بیٹا؟ ـــــ کچھ پریشان لگ رہی ہو۔“ پاپا نے بہت ملائمت سے پوچھتے ہوئے اس کا ہاتھ تھاما تو وہ مسکرا دی تھی۔

”نہیں پاپا! میں تو بہت خوش ہوں۔“ نظر خود بہ خود سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت اٹھ گئی تھی جو اس لمحے اس کی سمت بہ غور دیکھ رہا تھا۔

”خوش کیوں نہیں ہوگی۔ اتنا اچھا خیال کرنے والا، چاہنے والا ہم سفر جو ملا ہے۔ جو اس کا خیال ہم سے بھی زیادہ رکھ رہا ہے۔“ زوباریہ کافی سرو کرتی ہوئی مسکرائی تھی۔

”ان کے چہرے کی شگفتگی اور تازگی گواہ ہے اس بات کی۔“ زوباریہ نے اسے کپ تھما کر مسکراتے ہوئے اس کے گال کو بہت ہولے سے تھپتھپایا تھا۔ میرب مسکرا دی تھی۔ مگر وہ مسکراہٹ بہت بے کیف اور پھیکی تھی۔ اور زوباریہ کہہ رہی تھی۔

”تمہارا یورپ کا ٹور یقیناً بہت اچھا رہا ہے۔ چہرہ بہت کھلا کھلا سا لگ رہا ہے۔ یعنی تمہیں سبکتگین کے ساتھ ٹور پر جانے کے لئے پرسٹ کر کے یقیناً ہم نے اچھا کیا۔ ورنہ یہاں رہ کر اور زیادہ پاپا کے متعلق سوچ سوچ کر تمہارا جو حال تھا وہ دیکھنے کے لائق تھا۔ منہ پر بارہ بج رہے تھے۔“ زوباریہ مسکرائی تھی اور اس کے

لمحے ایک مکمل تبسم چہرے پر سجا جیسے قرض ہو گیا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری اس لمحے پاپا کے ساتھ بیٹھا تھا۔ پاپا غالباً کافی کے لئے اٹھ کر بیٹھنا چاہ رہے تھے جب سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بہت توجہ کے ساتھ ان کے شانوں کو اپنے ہاتھوں سے تھام کر بیٹھنے میں مدد دی تھی۔ پھر ان کی پشت پر کشن رکھتے ہوئے کافی کا کپ اٹھا کر ان کے ہاتھ میں تھمایا تھا۔ اس کا انداز بہت کیئرنگ تھا اور میرب سیال جانے کیوں دیکھتی چلی گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس لمحے اس کی سمت نگاہ کی تھی اور مسکرا دیا تھا۔

"پاپا! آپ کی بیٹی خاصی بگڑی ہوئی ہے۔ بہت تنگ کیا اس نے مجھے۔ جب تک بھی وہاں رہی ناک میں دم کئے رکھا۔ اور محترمہ بات بات پر روتی تو اس طرح ہیں کہ آبشار بھی کیا بہتی ہوگی۔" وہ یقیناً خوش گوار موڈ میں فقط چھیڑ رہا تھا۔ دوسرے معنوں میں پاپا سے اس کی شکایت لگا کر اپنائیت کا کوئی گہرا رنگ نمایاں کر رہا تھا اور پاپا اور زوباریہ جہاں مسکرائے تھے وہیں وہ اس کی سمت دیکھ کر رہ گئی تھی۔

"بیٹا! یہ ایسی ہی حساس ہے۔ تمہیں اس کا بہت خیال رکھنا ہوگا۔ چھوٹی چھوٹی باتیں جو عام لوگوں کے لئے کوئی معنی بھی نہیں رکھتیں انہیں لے کر پریشان ہونا اس کی عادت ہے۔ پھر مجھ سے تو اس کی محبت بہت زیادہ ہے، تبھی تو ماحول بدلنے کے لئے اسے تمہارے ساتھ بھیج دیا تھا۔ یہاں رہتی تو مجھے دیکھ کر یونہی پریشان رہتی۔" پاپا نے مسکراتے ہوئے سردار سبکتگین حیدر لغاری کے شولڈر پر اپنا ہاتھ دھرا، وہ اس لمحے مسکرا رہا تھا۔ اپنائیت کے کتنے رنگ سجے تھے اس کے چہرے پر اور میرب سیال کس طرح حیران تھی۔

"بیٹا! ابھی چھوٹی ہے یہ۔ شاید اپنی ذمے داریوں کو اور زندگی کے نشیب و فراز کو اس انداز میں سمجھتی جس طرح کہ سمجھنا چاہئے۔ یقیناً ابھی جذباتی ہے۔ فوری طور پر سوچتی ہے اور ایکٹ کرتی ہے۔ عمر کے ساتھ ایک ٹھہراؤ بھی آ جائے گا۔ میں چاہتا ہوں آپ اسے انڈر اسٹینڈ کرو۔ آپ کا تعاون رہا تو یقیناً اس میں مثبت تبدیلیاں بہت جلد رونما ہوں گی اور وہ اپنی ذمے داریوں کو سمجھنے لگے گی۔" پاپا ملائمت سے کہہ رہے تھے اور وہ ان کی سمت دیکھنے لگی تھی۔

"پاپا! بچی تھوڑی ہوں میں۔ اور آپ....." اس نے سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت دیکھا، بہت نارمل انداز میں مسکرا دی تھی۔ "آتے ہی میری شکایتیں لگانا شروع کر دیں۔ میرے ہی پاپا کو خلاف کر کے اپنے حق میں کرنا چاہتے ہیں۔ مگر ایسا قطعاً نہیں ہوگا۔" وہ بہت شگفتگی سے مسکرا دی۔ پاپا کے چہرے پر اس لمحے کیسی آسودگی پھیل رہی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری بغور اس کی سمت دیکھ رہا تھا۔

"چلیں؟" اس کی سمت دیکھتے ہوئے رائے جاننا چاہی تھی۔ میرب سیال نگاہ اٹھا کر اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔ وہ پوری توجہ سے اس کی جانب متوجہ تھا۔

"کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ میں کچھ وقت اپنی فیملی کے ساتھ گزار سکوں؟ ــــ آئی مین، میں پاپا کے ساتھ یہاں رہنا چاہتی ہوں جانے سے پہلے۔"

"اوکے، ایز یو وش۔" اس کی بات مکمل ہونے سے قبل ہی سردار سبکتگین حیدر لغاری نے مسکراتے ہوئے تسلیم ہونے کی مہر ثبت کر دی تھی اور اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"اوکے پاپا! اب اجازت دیجئے۔" بہت سعادت مندی سے وہ پاپا سے اجازت مانگ رہا تھا۔

"ابھی تو تم لوگوں کے جانے میں کچھ دن ہیں نا۔ میں چاہ رہی تھی ہم فیملی پکنک کا کوئی اہتمام کریں۔" رائے دی گئی تھی۔

"وائے ناٹ؟" وہ مسکرایا تھا۔

"اچھا خیال ہے نا میرب؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی سمت دیکھتے ہوئے اس کی رائے چاہ رہا تھا۔ وہ جہاں چونکی تھی وہیں فوراً اثبات میں سر بھی ہلا دیا تھا۔

"جی...... جی ضرور۔" انداز کھویا کھویا سا تھا۔ تبھی زوباریہ نے اس کی سمت دیکھا تھا۔

"میرب! سبکتگین کو باہر تک چھوڑ کر آؤ۔" زوباریہ کے یاد دلانے پر وہ سر اٹھا کر سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت دیکھنے لگی تھی۔ سبکتگین آگے بڑھ گیا تھا۔ میرب سیال کو مجبوراً پیش قدمی کرنی پڑی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری غالباً دانستہ آہستہ چل رہا تھا۔ میرب اس کے پیچھے چل رہی تھی جب وہ یکدم ہی جانے کیوں مڑا تھا۔ میرب سیال اور اس کے درمیان کے فاصلے یکدم ہی سمٹ گئے تھے۔ میرب سیال کا سر اس کے سینے سے جا لگا تھا اور یہ بالکل غیر دانستہ طور پر ہوا تھا۔ یقیناً یہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے اس یکدم پلٹنے کے باعث ہوا تھا کہ میرب سیال اپنے اوسان بحال ہی نہ رکھ پائی تھی۔ مگر اس لمحے نہ وہ لڑکھڑائی نہ ہی گری تھی۔ کیونکہ ایک مضبوط حصار اسے اپنی پناہ میں لے چکا تھا۔

اس بے تحاشا قربت پر یقیناً حواس بحال رکھنا ناممکن رہا تھا۔ ایک خوشبو کا احساس رگ و پے میں اترتا گیا تھا۔ میرب سیال کی دھڑکنوں میں یکدم ہی زیر و بم آیا تھا شاید اسی لئے اس نے سر اٹھانے کی سعی کئے بغیر آنکھیں میچ رکھی تھیں۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے چہرے کو گردن جھکا کر تکتے ہوئے بہت آہستگی سے اس کے چہرے پر آئی ہوئی بالوں کی لٹوں کو ہٹایا تھا۔ اس لمس کے احساس نے میرب سیال کے اندر ایک پل میں کھلبلی مچا دی تھی۔ اس نے ایک پل میں پیچھے سرکنا چاہا تھا مگر بانہوں کا حصار اس کے گرد مضبوط تھا۔ اس نے نظریں جھکائے عجب بے بسی سے جیسے خود کو اپنے حال پر چھوڑ دیا تھا۔ یقیناً کوئی بھی مزاحمت ناممکن تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے چہرے پر کیا تاثر تھا، وہ جان نہ پائی تھی کہ نگاہ اٹھا کر دیکھنے کی جرأت سے ناپید تھی اس میں۔ مگر ایک پرتپش حصار وہ اپنے ارد گرد بدستور محسوس کر رہی تھی۔ اسے یقیناً سبکتگین کی سانسوں سے اس کا سارا وجود جلنے کو تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس چہرے کو بغور تکتے ہوئے اچانک بہت ہولے سے جھک کر اس کی پیشانی پر ایک مہر ثبت کی تھی۔ میرب سیال کی جان اس لمحے اور بھی مشکل میں گھر گئی تھی۔ وہ آنکھیں بہت سختی سے میچ گئی تھی۔ مگر تبھی سردار سبکتگین حیدر لغاری کی بھاری آواز اس کی سماعتوں میں پڑی تھی۔

"اتنا ڈر لگتا ہے تمہیں مجھ سے؟" جانے کس خیال کے تحت وہ پوچھ رہا تھا۔ میرب سیال نے بہت

آہستگی سے سر اٹھایا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری بہ غور اس کی سمت دیکھ رہا تھا۔ نگاہوں میں تحفظ
اس کی پناہ میں عجب اک تحفظ کا احساس تھا۔ دل کی دھڑکنوں میں ارتعاش تھا مگر اس شور میں، اس
ہلچل میں کوئی خوف کہیں پوشیدہ نہ تھا۔ جس گرفت میں وہ تھی اس میں والہانہ پن تھا۔ اس لمس کا
قیامت سی سارے وجود میں تھی۔ مگر شاید کوئی خوف کہیں نہ تھا۔ اس کا جھک کر پیشانی پر کسی قدر
سے مہر ثبت کرنا یقیناً اسے برا نہیں لگا تھا۔ تب ہی اس نے سر بہت ہولے سے نفی میں ہلایا تھا اور
سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

''ذرا سا بھی نہیں؟''

''نہیں۔'' میرب سیال نے بہت مدھم لہجے میں کہتے ہوئے نگاہ جھکا لی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر
جانے کیوں مسکرا دیا تھا۔

''خوف بھی نہیں؟''

''نہیں۔'' میرب سیال نے اس کی جانب دیکھے بغیر جواب دیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے
انکشاف پر کسی قدر چونکتے ہوئے دیکھا تھا۔

''اس تبدیلی کی وجہ جان سکتا ہوں؟'' مدھم لہجے میں دریافت کیا تھا۔

''کیا یہ ضروری ہے؟'' میرب سیال نے بہت آہستگی سے کہا تھا۔

''اوں..... ہوں۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے سر بہت ہولے سے نفی میں ہلایا تھا۔ ''مجھے
شاید یہ اچھا لگا ہے۔'' بہت آہستگی سے کہا تھا۔

''کیا؟'' میرب سیال نے گردن اٹھائے بغیر مدھم لہجے میں دریافت کیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر
نے بہت ہولے سے اس کا چہرہ اٹھایا تھا۔

''تمہارا مجھ پر اعتبار کرنا۔ تھینکس اے لاٹ۔'' مدھم لہجے میں کہتے ہوئے اس کے چہرے کو چھوا
تھا۔

''کیا میں ٹھیک کہہ رہا ہوں؟'' جاننا چاہا تھا۔

''کیا؟'' میرب سیال کے لیے ان قربتوں کو جھیلنا جیسے دوبھر ہو رہا تھا۔ لہجہ مدھم اور آواز کسی قدر
ہوئی تھی۔

''شاید تم نے مجھ پر اعتبار کرلیا ہے۔'' بہت دھیمے سے وہ مسکرایا تھا۔ مگر میرب سیال نے کوئی
دیے بغیر چہرے کا رخ پھیر لیا تھا۔

''شاید تمہیں مجھ پر اعتبار آنے لگا ہے۔ کسی قدر ہی سہی، مگر یہ تبدیلی خوش آئند ضرور ہے
دی ہی لائے۔'' سردار سبکتگین حیدر نے قدرے گردن جھکا کر اس روشن پیشانی پر ایک جلتا ہوا لمس
تھا اور پھر بہت آہستگی سے اسے اس خوشبو کے حصار سے رہا کر دیا تھا۔

''گڈ بائے۔'' بہت آہستگی سے ہاتھ ہلاتا ہوا وہ پلٹا تھا۔

میرب سیال نے سر اٹھا کر اسے جاتا ہوا دیکھا تھا پھر یکدم ہی پلٹ کر قدم اندر کی جانب بڑھا

❁ ❁ ❁

کھڑکیاں بند ہیں دیواروں کے سینے ٹھنڈے
پیٹھ پھیرے ہوئے دروازوں کے چہرے چپ ہیں
سرگوشی ہیں کہ خاموشی کے دھبے جیسے
فرش میں دفن ہیں آہٹیں سارے دن کی
سارے ماحول پہ تالے سے پڑے ہیں جیسے
تیری آواز کی اک بوند جو مل جائے کہیں
آخری سانسوں پہ ہے رات
بچ جائے گی

عفنان علی خان بیڈ پر چت لیٹا تھا۔ نگاہ چھت پر تھی بظاہر۔ مگر سوچوں سے جھلکی ہوئی وہ بھیگی آنکھیں
کسی طور چھٹ نہ رہی تھی۔

اس کے لیے اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ پریشان تھی۔ یہ خیال دل کو بہت تقویت
دے رہا تھا۔ پہلی بار اس کی سمت سے کچھ منکشف ہوا تھا۔ پہلا احساس تھا جو فقط اس کے لیے ظاہر ہوا تھا۔
پہلا راز تھا جو ظاہر ہوا تھا۔ شاید پہلا عقدہ تھا جو کھلا تھا۔ گو بہت واضح نہ تھا مگر کچھ ایسا ہوا ضرور تھا۔ جانے
کیا تھا اس چہرے میں، ان آنکھوں میں کہ وہ کبھی خود کو روک ہی نہ پایا تھا۔ اس نے بار بار سوچا تھا، محبت
کیا ہوئی تھی۔ وہ اس کی سمت کیونکر راغب ہوا تھا۔ ایسا کیا خاص تھا اس میں۔ مگر یہ عقدہ کبھی نہ کھلا تھا۔
اور اس کا خوب صورت ہونا بھی کوئی معنی نہیں رکھتا تھا کہ کئی خوب صورت چہرے اس سے قبل بھی نگاہ سے
گزرے تھے۔ مگر دل اس طور دھڑکا نہ تھا۔ شاید محبت کے واقع ہونے کے لیے کسی خاص جواز کی ضرورت
نہیں ہوتی۔

کوئی مخصوص موسم نہیں ہوتا۔

محبت اپنا جواز خود ہے۔ اسے کرنے کے لیے جواز ڈھونڈنے نہیں پڑتے۔ سو دل جب مچلا ہوا تھا تو وہ
تنہا بے بس ہو گیا تھا۔

شاید محبت ایسی ہی بے بس کر دینے والی قوت ہے۔

وہ اسی طرح لیٹا اس احساس کے متعلق سوچ رہا تھا جب اوزی کا فون آ گیا۔

''کیا ہو رہا ہے؟''

''کچھ نہیں یار! جسٹ فیلنگ ریسٹ۔'' وہ بہت دھیمے سے مسکرایا تھا۔

''سنا ہے، بہت بڑے حادثے سے بچے ہو؟''

''الحمد للہ'' عفنان علی خان نے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔

''یہ ٹھنڈی ٹھنڈی سانسیں لینا بند کرو اور اس طرف آ جاؤ۔'' اوزی نے حکم نامہ جاری کیا تھا۔

"کیا کام ہے؟" عفنان علی خان کا لہجہ بہت تھکا ماندہ سا تھا۔

"اچھا، تو ابھی مجھے تم سے ملنے کے لیے جواز تلاشنے ہوں گے۔"

"نہیں، آ رہا ہوں۔" عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اوزی کے سامنے تھا اور وہ اس کی اچھی خاصی خبر لے رہا تھا۔

"مجھے تم سے اس درجہ حماقت کی امید نہیں تھی۔ اگر تمہیں واقعی کچھ ہو جاتا تو؟" اوزی ڈپٹ رہا تھا۔

"تو تم نے ڈانٹنے کے لیے مجھے یہاں بلایا ہے۔" عفنان علی خان نے مسکراتے ہوئے اس کی بات ٹالی تھی۔

"یہ کیا کم ہے عفنان علی خان؟" اوزی حیران ہوا تھا۔ "تم اکلوتے بیٹے ہو اپنے والدین کے، اکلوتے بھائی ہو۔ تم نے ایک بار بھی سوچا نہیں یہ حماقت کرنے سے قبل؟"

"سوچتا تو شاید کرتا نہیں۔" عفنان علی خان بہت اطمینان سے مسکرا رہا تھا اور اوزی اسے دیکھ رہا تھا۔

"تمہیں انابیہ شاہ نے کچھ زیادہ ہی بتا دیا ہے۔ اتنا کچھ خاص ہوا نہیں تھا۔" وہ مسکرا رہا تھا۔

"شٹ اپ عفنان علی خان! تم اس درجہ دیوانے ہو سکتے ہو، مجھے اندازہ نہیں تھا۔ اس سے قبل میں نے کبھی تمہیں اس طرح کی حرکتیں کرتے نہیں دیکھا۔"

"اس سے قبل اس طرح کے حالات بھی تو زندگی میں درپیش نہ آئے تھے۔" عفنان علی خان بہت [illegible] سے مسکرا رہا تھا اور اوزی اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

"مجنوں بن کر تاریخ میں نام لکھوانا چاہتے؟ کیا کرتے، ہاں؟ اگر کچھ ہو جاتا تو؟ ــــ اپنے بارے میں نہیں تو اپنے سے وابستہ لوگوں کے متعلق ہی سوچا ہوتا۔ زندگی اتنی ارزاں شے ہے تمہارے لیے؟"

اوزی کا غصہ ٹھنڈا نہ ہوا تھا مگر عفنان علی خان اسی درجہ اطمینان سے مسکرا رہا تھا۔ انابیہ شاہ تبھی ان دونوں کے لیے کافی لے کر آ گئی تھی۔ عفنان علی خان نے کپ تھامتے ہوئے اس کی سمت دیکھا تھا۔

"اپنے کزن کو کیا بتا دیا ہے تم نے؟ ــــ اس کا پارہ نیچے نہیں اتر رہا۔" وہ مسکرایا تھا، مگر انابیہ نے کوئی تاثر دیے بغیر پلٹ کر دوسرا کپ اوزی کی سمت بڑھا دیا تھا اور پھر ذرا خاموشی سے پلٹ کر باہر نکل گئی تھی۔

عفنان علی خان اس کی پشت کو دیکھتا رہ گیا تھا۔ اوزی نے گہری سانس خارج کی تھی۔

"عفنان علی خان! تم جیسے کول بندے سے میں اتنی انتہا پسندی کی امید قطعاً نہیں کرتا۔"

"خواہ مخواہ پریشان ہو رہے ہو تم۔ دیکھو، کچھ نہیں ہوا ہے مجھے۔ ٹھیک ٹھاک ہوں بالکل۔ [illegible] سالم۔ اور تم جانتے ہو نا میں کتنا گڈ سوئمر ہوں۔"

"یہ بات دل کی تسلی کے لیے کافی نہیں ہے عفنان علی خان! یقیناً تم ہمیں عزیز ہو۔"

مگر تبھی عفنان علی خان چونکا تھا۔

"ہمیں؟ ــــ یہ ہمیں میں کون کون شامل ہیں تمہارے علاوہ؟" مسکراتے ہوئے دریافت کیا۔

اوزی نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر مدھم لہجے میں گویا ہوا تھا۔

"انابیہ شاہ بہت حساس لڑکی ہے عفنان علی خان! تمہارے اس اقدام نے یقیناً اسے بہت حد تک ہرٹ کر دیا تھا۔ وہ گھر آ کر بھی بہت دیر تک روتی رہی تھی۔ تمہیں اس کے سامنے اس طرح کی حرکتوں سے اجتناب برتنا چاہیے۔ یقیناً اس کا دل دکھا ہے۔" اوزی مطلع کر رہا تھا۔

"اچھا، مجھے نہیں پتہ تھی یہ بات۔" اس نے برملا حیرت کا اظہار کیا تھا اور اوزی اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

عفنان علی خان کافی کا کپ رکھتا ہوا اٹھا تھا۔

"کہاں جا رہے ہو؟" اوزی چونکا تھا۔

"ہمیں میں شامل دیگر لوگوں سے معذرت کرنے۔" بہت دھیمے سے مسکرایا تھا۔ پھر پلٹ کر باہر نکل گیا۔

انابیہ شاہ باہر ٹیرس پر جھولے پر بیٹھی تھی۔ جب وہ بہت آہستگی سے چلتا ہوا اس کے قریب آن بیٹھا تھا۔

انابیہ شاہ چونکی نہیں تھی نہ ہی اس کی سمت نگاہ اٹھا کر دیکھنے کی زحمت کی تھی۔ شاید ایسا اس نے دانستہ کیا تھا۔ عفنان علی خان نے اس کی جانب دیکھا تھا۔

"اوزی بتا رہا تھا تم ناراض ہو مجھ سے؟" انداز بہت دوستانہ تھا مگر انابیہ شاہ نے جیسے سنی ان سنی کر دی۔ عفنان علی خان نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر مسکرا دیا تھا۔

"چلو، معذرت کرتا ہوں میں۔ آئی ایم سوری۔" بغور توجہ سے تکا تھا مگر وہ کچھ نہیں بولی تھی۔ اسی خاموش چہرے کا رخ پھیرے بیٹھی رہی تھی اور وہ بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"دراصل مجھے نہیں پتہ تھا کہ تمہارا دل اتنا کمزور ہے۔ میں تو یونہی مذاق کر رہا تھا۔ اینی وے، اگر تم اس طرح کے مذاق اتنا خوفزدہ کرتے ہیں تو آئندہ کے لیے توبہ کرتا ہوں، ہرگز نہیں کروں گا۔ اوزی نے بھی اچھا خاصا ڈانٹ ڈپٹ لیا ہے اور اس پر تم بھی۔" وہ مسکراتے ہوئے اس کی سمت تکنے لگا تھا۔

"ویسے مجھے نہیں پتہ تھا کہ تم میری اتنی اچھی دوست ہو کہ مجھے کچھ ہونے سے تمہیں کچھ فرق پڑتا ہے۔"

"نہیں ــــ مجھے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ تم غالباً غلط سمجھ رہے ہو۔" وہ اسی قدر روڈ انداز میں گویا ہوئی، مگر عفنان علی خان مسکرا رہا تھا۔ پھر بہت توجہ سے اسے دیکھنے لگا تھا۔

"انابیہ شاہ! بعض لمحے بہت بھاری ہوتے ہیں۔ جھیلنا آسان نہیں ہوتا انہیں۔ جو جھیل رہا ہو اس کا حوصلہ ہی ہوتا ہے۔ وہ کمزور نظر آ رہا ہو تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ وہ درحقیقت کمزور ہے۔ وہ بہت حوصلے والے ہوتے ہیں۔ اگر چاہے بھی تو اس حقیقت سے منکر نہیں ہو سکتا کوئی۔"

مگر انابیہ شاہ کچھ بولی نہیں تھی۔ عفنان علی خان نے اس کی سمت دیکھتے ہوئے ایک گہری سانس نکالی تھی۔

"تکلیف ہونے کے جواز ڈھونڈنے والے یہ نہیں جانتے کہ بعض اسباب کس درجہ بھاری ہوتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کا اندازہ کوئی اس طور کر نہیں پاتا۔" مکمل توجہ سے اسے دیکھا تھا۔

"میں جانتا ہوں انابیہ شاہ! تمہارے خائف ہونے میں اسباب صاف دکھائی دیتے ہیں بے اختیاری بعض اوقات اختیار نہیں دیتی انابیہ شاہ!" لہجہ بہت مدھم تھا اور انابیہ شاہ اسی طرح رخ پھیرے بیٹھی رہی تھی۔ صفدان علی خان لب بھینچ کر ایک گہری سانس خارج کرتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

"کاش، میرے اختیار میں ہوتا کہ میں تمہیں وہ سارے جواز سونپ سکتا انابیہ شاہ!" بہت مدھم میں کہتا ہوا وہ مسکرایا تھا۔

"کاش کہہ پاتا وہ باتیں جو میں کہنا چاہتا ہوں۔ مگر افسوس کبھی باتیں کہیں کھو جاتی ہیں اور کبھی اور کبھی دونوں ہی ساتھ نہیں دیتے۔ وقت سے شکوہ اس لئے نہیں کروں گا کہ جانتا ہوں ایک روز مجھے اسے اپنے بس میں کر لینا ہے۔ اور تب سب ویسا ویسا ہوگا جیسا جیسا میں چاہوں گا۔" کتنا پُرعزم اس کا لہجہ اور انداز۔ انابیہ شاہ اس کی سمت دیکھتی رہ گئی تھی۔

***

"ابھی تک تیار نہیں ہوئی ہو تم؟" ازہان حسن بخاری نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا تھا۔ ساہیہ نے شیشے میں سے اسے دیکھا تھا پھر مسکرا دی تھی۔

"لڑکیاں تیاری میں وقت لیتی ہیں ازہان حسن بخاری!" اس نے بلش آن لگاتے ہوئے مسکراتے ہوئے جتایا تھا۔ ازہان حسن بخاری اندر بڑھ آیا تھا۔

"فائدہ؟ ---- فرق تو پھر بھی کچھ نہیں پڑے گا۔" مسکراتے ہوئے آئینے میں بہت دلچسپی سے عکس دیکھا تھا۔

ساہیہ خان بہت بے ساختہ ہنسی تھی۔

"کسے ---- ازہان حسن بخاری پر یا پھر کسی دیکھنے والے پر؟"

"شاید دونوں پر۔" ازہان حسن بخاری کے لبوں پر مسکراہٹ ٹھہری ہوئی تھی۔

"ویسے کرتی کیوں ہو تم لڑکیاں یہ بناؤ سنگھار؟"

"تاکہ خوب صورت نظر آ سکیں۔" ساہیہ لپ اسٹک لبوں پر پھیرتی ہوئی مسکرائی تھی۔

"خوبصورت نظر آ سکیں یا ہم لڑکوں کو بے وقوف بنا سکیں؟" ازہان حسن بخاری مسکرایا تھا اور ساہیہ خان رخ پھیر کر اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔ نگاہوں میں بہت سی شرارت آن رکی تھی اور گداز لبوں پر مسکراہٹ۔

"ازہان حسن بخاری! اس کام کے لئے تیز کانٹوں سے لیس ہونا ضروری تو نہیں۔"

ازہان حسن بخاری بے ساختہ ہنس دیا تھا۔

"ذہین لڑکیوں کی ایک بات بہت اچھی ہوتی ہے۔ خود کو ڈیفنڈ بہت بہتر انداز میں کر پاتی ہیں۔"

"اور تمہیں یہی بات اچھی نہیں لگتی۔" ساہیہ خان مسکرائی تھی۔ ازہان حسن بخاری بغور دلچسپی سے اسے دیکھنے لگا تھا۔

"کس نے کہا تم سے؟"

"تمہاری آنکھوں میں صاف دکھائی دے رہا ہے ازہان حسن بخاری!"

"تمہیں آنکھیں پڑھنا بھی آتا ہے؟" ازہان حسن بخاری کسی قدر حیران ہوا تھا۔ "بتایا نہیں اس سے پہلے تم نے۔" آواز میں حیرت حد سے سوا تھی مگر لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

ساہیہ خان سر اٹھا کر اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔

"تم مجھے کنفیوژ کرنے کی کوشش کر رہے ہو ازہان حسن بخاری؟" انداز پُراعتماد تھا اور ازہان حسن بخاری مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلانے لگا تھا۔

"ہرگز نہیں ساہیہ خان! کیونکہ میں جانتا ہوں خوب صورت لڑکیاں پُراعتماد ہوں یا نہ ہوں یہ ضرور کوشش کرتی ہیں کہ لوگ انہیں پُراعتماد جانیں۔"

"ازہان حسن بخاری! کیا یہ ضروری ہے کہ میں تم سے انگری کروں؟" ساہیہ خان بہت دلربائی سے مسکرائی تھی اور نیلز پر کیوٹکس لگانے لگی تھی۔

ازہان حسن نے اس کے چہرے کو بغور دیکھا تھا، پھر مسکرا دیا تھا۔

"تم جھوٹ بھی کہو گی تو وہ بہت دلربا ہوگا ساہیہ خان! تم کہو گی تو میں آنکھیں بند کر کے اعتبار کر لوں گا۔" عجب سعادت مندی سے وہ گویا تھا اور ساہیہ خان مسکرا دی تھی۔

"کیا لائے ہو میرے لئے؟" نیلز پر پھونک مارتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

"تمہیں کیسے خبر ہوئی کہ میں تمہارے لئے کچھ لایا ہوں؟" وہ کسی قدر حیران ہوا تھا اور ساہیہ خان مسکرا دی تھی۔

"ازہان حسن بخاری! تمہیں مجھ سے زیادہ بہتر اس روئے زمین پر کوئی اور نہیں جان سکتا۔" عجب دعویٰ تھا اور ازہان حسن بخاری حیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

"اوہ، رئیلی؟"

"آف کورس ----" ساہیہ خان مسکرائی تھی۔ "اب جلدی سے اپنے ہاتھ آگے کر کے مجھے دکھاؤ، کیا لائے ہو؟"

ازہان حسن اسے دیکھتے ہوئے مسکرایا تھا اور پھر اپنے ہاتھ آگے کرتے ہوئے پیکٹ اس کی سمت بڑھا دیا تھا۔

"کیا ہے؟ ---- کھول کر دکھاؤ نا۔"

"تم خود دیکھ لو نا۔"

"کیسے دیکھوں؟ میرے نیلز پر لگی کیوٹکس خراب ہو جائے گی۔" ساہیہ خان اپنی مخصوص مسکراہٹ لبوں پر سجائے اس کی سمت دیکھ رہی تھی اور تب ازہان حسن بخاری پیکٹ کھولنے لگا تھا۔ ساہیہ خان کی نگاہیں بغور اسے دیکھنے لگی تھیں۔

"گجرے ----!" اس کے ہاتھ میں تازہ پھولوں کے گجرے دیکھ کر وہ مسکرائی تھی۔ ازہان حسن بخاری اس کی سمت تکتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

"اب یہ مت کہہ دینا کہ انہیں تمہیں پہنا بھی دوں۔"

"کیوں ــــــ تم میری اتنی چھوٹی سی فرمائش پوری نہیں کر سکو گے؟" وہ اپنی مخصوص شرارت لیے کھلکھلاتے ہوئے ہنسی تھی۔ اذہان حسن بخاری نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے اس کی کلائی کو تھاما۔

"کیسے کیسے کام کروانے لگی ہو تم مجھ سے۔"

"کمی ہی کیا ہے۔ اسی بہانے ایک خوب صورت لڑکی کی قربت تو میسر آ رہی ہے۔" وہ شرارت سے مسکرا رہی تھی۔ اذہان حسن بخاری نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر مسکرا دیا تھا۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟ ــــــ کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟"

"سابیہ خان! میں اگر تم سے اختلاف کروں گا تو تمہیں یقیناً برا لگے گا۔" بہت سہولت سے گجرا نازک کلائی میں پہناتے ہوئے اذہان حسن بخاری مسکرایا تھا۔

اور سابیہ خان مسکراتے ہوئے سر ہلانے لگی تھی۔

"نہیں ــــــ مجھے قطعاً برا نہیں لگے گا۔ مگر حسن کو جھٹلانا آسان نہیں ہے۔ اتنا دھیان میں رکھنا۔"

"اوہ، رئیلی۔" اذہان حسن بخاری نے بغور اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔ اس کی کلائی پر اس کی گرفت کچھ مضبوط ہو گئی تھی۔ سابیہ خان جو اس کی سمت بہت پُر اعتماد انداز سے دیکھ رہی تھی یکدم نظریں جھکا گئی تھی۔ اذہان حسن بخاری کے لبوں پر مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

"حسن کو شکست دینا مشکل نہیں ہے سابیہ خان! نہ ہی جھٹلانا آسان۔ صرف مشکل ہے تو حسن کو شکست خوردہ دیکھنا۔"

سابیہ خان بنا اس کی سمت دیکھے اپنی کلائی کو دیکھنے لگی تھی۔ پھر یکدم مسکرا دی تھی۔

"اذہان حسن بخاری! یہ دونوں گجرے ایک ہی کلائی میں پہنا دو گے تو دوسری کلائی میں کیا پہناؤ گے؟" اس کا اعتماد ایک لمحے میں اس کے لہجے میں تھا۔

"یہ تو تمہیں بتانا چاہیے نا۔" اپنی غلطی کو ہرگز ماننے کو تیار نہ ہوا تھا اور سابیہ خان مسکرا دی تھی۔

"جلدی کرو اذہان! ابھی تمہیں مجھے نیچے جانے کے لیے بھی ہیلپ آؤٹ کرنا ہے۔"

"تم کچھ زیادہ ہی ایکسپکٹ نہیں کر رہی ہو مجھ سے؟" اذہان حسن بخاری نے سر اٹھا کر اسے مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔

"آئی تھنک سو۔" سابیہ خان مسکرائی تھی۔ "مگر غالباً یہ میری مجبوری ہے۔ اس انجری کے بعد تمہارے لیے خود سے چلنا مشکل ہے۔"

اذہان حسن بخاری نے گجرے دونوں کلائیوں میں پہنا کر تنقیدی نظروں سے اس کی کلائیوں کو دیکھا تھا۔

"کیسی لگ رہی ہیں؟" اس نے مسکراتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

"ہاں ٹھیک ہے۔ اگر یہ گجرے کسی خوب صورت کلائی میں ہوتے تو ان کی خوب صورتی شاید کچھ بڑھ گئی ہوتی۔" وہ مسکرایا تھا۔

"کیا مطلب ہے، یعنی میری کلائیاں خوب صورت نہیں ہیں؟" سابیہ خان نے اسے خفگی سے دیکھا تھا۔ اذہان حسن بخاری نے مسکراتے ہوئے اپنا مضبوط ہاتھ اس کے سامنے پھیلا دیا تھا۔

"چلو، ورنہ وہ سب ہمیں یہاں چھوڑ کر دلہن لیتے روانہ ہو جائیں گے۔" مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

سابیہ خان نے اسے دیکھا تھا اور اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر دھر دیا تھا۔

اذہان حسن بخاری نے اسے سہارا دے کر کھڑا کیا تھا پھر لے کر آگے بڑھنے لگا تھا۔

"کیا سوچا ہے تم نے، شادی یہیں پاکستان میں کرو گی یا وہاں کیلگری میں؟"

سابیہ خان نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ وہ عجب شرارت آنکھوں میں لیے اس کی سمت دیکھ رہا تھا۔ سابیہ خان مسکرا دی تھی۔

"یہ میں تمہیں کیوں بتاؤں اذہان حسن بخاری؟"

"اس لیے کہ میں تمہارا بہترین دوست ہونے کے ناتے سب سے بڑا خیر خواہ ہوں۔" اذہان حسن بخاری نے جواز دیا تھا۔

"مگر اس کے باوجود مجھے تم سے خیر خواہی کی قطعاً کوئی امید نہیں ہے اذہان حسن بخاری!" سابیہ خان نے کسی قدر پُر افسوس انداز سے کہا تھا اور وہ مسکرا دیا تھا۔

"میری خیر خواہی پر شک کر رہی ہو؟"

"نہیں ــــــ مگر میں فی الحال تم پر اعتبار نہیں کر سکتی اذہان حسن بخاری!" اور وہ ہنس دیا تھا۔

"میری نیک نیتی پر اس قدر شک۔"

"شک نہیں اذہان! اسے حفظ ماتقدم کہتے ہیں۔" وہ مسکرائی تھی۔

"یعنی تم مجھ پر بعد میں اعتبار کرو گی۔" وہ اطمینان سے مسکرا رہا تھا۔

"ایسا میں نے کب کہا؟" وہ حیران ہوئی تھی۔

"مگر یہ تو کہا نا فی الحال نہیں یعنی بعد میں ضرور ایسا ہو گا۔" اذہان حسن بخاری مسکرا رہا تھا اور سابیہ خان اسے دیکھتے ہوئے مسکرا دی تھی۔

"تقریب اعتبار منعقد کرنا اس قدر آسان نہیں اذہان حسن بخاری! اس سے قبل کسوٹی پر پرکھنا بھی بے حد ضروری ہوتا ہے۔"

"اوہ رئیلی۔ تو پلیز پرکھو نا۔ مجھے اچھا لگے گا اگر یہ تقریب اعتبار جلد منعقد ہو جائے۔" اذہان حسن بخاری بے حد سنجیدگی سے بولا تھا اور وہ چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔ اذہان حسن بخاری کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

❁ ❁ ❁

پیر کیس، واقعی سب ٹھیک ہو گیا تھا یا پھر ایسا بظاہر نظر آ رہا تھا۔ وہ کچھ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ سردار سبکتگین جہانداری کا مزاج کیا تھا، وہ اب تک سمجھ نہیں پائی تھی۔

کبھی وہ شعلے جیسا تھا اور کبھی شبنم۔ کبھی اتنی وحشت اندر بھر دیتا تھا کہ وہ سانس تک لینا بھول جاتی اور کبھی اتنا مہربان بن جاتا تھا کہ اس سے بڑا کوئی ہمدرد نہ لگتا تھا۔ وہ واقعی اسے اب تک سمجھ نہ پائی اور سبکتگین حیدر لغاری بھی تو یہی کہہ رہا تھا۔ ابھی انہیں ایک دوسرے کو سمجھنا چاہیے۔

وہ مڑی تھی۔ جب سردار سبکتگین حیدر لغاری کو اپنے سامنے دیکھ کر چونک گئی تھی۔

''آپ؟''

''یہاں سے گزر رہا تھا، تمہارا دھیان آ گیا، سو چلا آیا۔ کیا میں نے ٹھیک نہیں کیا؟'' اسے اپنی طرف حیرت سے تکتا پا کر وہ گویا ہوا تھا اور میرب سیال فوراً ہی سر نفی میں ہلانے لگی۔

''ایسا نہیں ہے۔ دراصل میں......''

''میرے متعلق سوچ رہی تھیں؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بہت مدھم لہجے میں کہا تھا اور وہ کچھ کہے بغیر دیکھتی رہ گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا اور میرب سیال بہت آہستگی سے سر جھکا گئی تھی۔

''کیا ہم کچھ وقت ساتھ گزار سکتے ہیں؟ ـــــ آئی مین، کہیں باہر جا سکتے ہیں؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے دریافت کیا تھا اور میرب سیال کسی قدر حیرت سے اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔ پھر بہت آہستگی سے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''پاپا...... پاپا سے پوچھنا ہوگا۔''

''اب تک پاپا کی انگلی تھام کر چلی ہو؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کسی قدر محظوظ ہوتے ہوئے بغور دلچسپی سے اسے دیکھا تھا۔ وہ خجل سی ہو گئی تھی۔ یقیناً وہ کچھ زیادہ ہی حماقتوں کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ اسے اتنا زیادہ پزل ہونے کی ضرورت قطعاً نہیں تھی اور وہ بھی سردار سبکتگین حیدر لغاری کے سامنے۔ اسے بہت مضبوط نظر آنا چاہیے تھا تاکہ وہ اسے آسانی سے کوئی زک نہ پہنچا سکے اور؟''

وہ چونکی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری بہت آہستہ سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے چکا تھا اور اگلے لمحے اس کے قریب کھڑا بہت توجہ سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''غالباً پاپا تو اس سے قبل ہی اپنی اس بیٹی کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے چکے ہیں۔ اصولاً تو تمہیں اب میری انگلی تھام کر چلنا چاہیے۔'' وہ جیسے اس کی بوکھلاہٹ سے محظوظ ہو رہا تھا۔ لبوں پر بڑی دلکش مسکراہٹ ٹھہری ہوئی تھی اور نگاہیں بغور اس کے چہرے کو دیکھ رہی تھیں۔

''میں...... میں انگلی تھام کر چلنے کی اسٹیج سے نکل چکی ہوں۔'' اس نے اعتماد بحال کرنے کو کسی قدر مضبوط لہجے میں کہتے ہوئے سر اٹھا کر سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت دیکھا۔ شاید اپنی دانست میں وہ اسے مرعوب کرنا چاہتی تھی مگر وہ قطعاً متاثر نہ ہوتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

''اوہ، رئیلی؟ ـــــ مگر مجھے تو لگتا ہے تم اب بھی میری انگلی تھام کر چلنا چاہتی ہو۔ کہیں میں غلط تو نہیں؟'' اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے وہ گویا تھا اور میرب سیال یکدم ہی چہرے کا رخ پھیر گئی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بہت آہستگی سے اس کے چہرے کا رخ اپنی طرف کیا تھا اور پھر بہت

...بولا تھا۔

''نگاہیں مت پھیرو میرب سیال! ان پلکوں کی جنبش کے مفہوم سمجھنے کا خاص حق محفوظ رکھتا ہوں بنا... کیا تم مجھے ان آنکھوں میں لکھی تحریر پڑھنے سے محروم کر دو گی؟'' کیا رنگ تھے لہجے کے۔ کیا تیور تھے آنکھوں کے۔ میرب سیال بہت زور سے لب بھینچ کر نگاہ پھیر گئی تھی۔

''آپ...... آپ غالباً کہیں لے جانا چاہ رہے تھے۔'' یاد دہانی کرائی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

''میرب سیال! اس نگاہ کے تیور جاننے کا موقع نہیں دو گی، اس چہرے کو پڑھنے نہیں دو گی تو کیسے سمجھ پاؤں گا تمہیں؟ تمہیں نہیں لگتا کہ تم میرے ساتھ نہیں تو اپنے ساتھ ناانصافی کر رہی ہو؟'' سردار سبکتگین بہت دھیرے سے مسکرا رہا تھا۔ مگر اس مسکراہٹ میں کوئی ریاکاری نہ تھی۔ ان آنکھوں میں کسی نئی سازش کا جال بُنا نہیں آ رہا تھا۔

کیا واقعی موسم رنگ بدل رہا تھا؟ ـــــ منظر رنگوں میں رنگ رہے تھے؟ ـــــ کیا واقعی آسمان اتر کر زمین پر جھک آیا تھا؟

میرب سیال اسے سر اٹھائے خاموشی سے دیکھ رہی تھی جب وہ بہت اپنائیت سے مسکرا دیا تھا۔

''کیا ہوا؟ ـــــ ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟''

میرب سیال نے سر بہت ہولے سے نفی میں ہلا دیا تھا۔

''آپ اندر چل کر پاپا کے پاس بیٹھیں، میں تیار ہو کر آتی ہوں۔'' وہ یکدم ہی ہاتھ چھڑا کر آگے بڑھ گئی تھی اور تھوڑی دیر بعد جب وہ تیار ہو کر باہر نکلی تو سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کا منتظر تھا۔ وہ آہستگی سے چلتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے ہم قدم تھا اور شاید یہ احساس کچھ خاص لیے ہوئے تھا۔

''ایک بات کہوں؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری بہت مدھم لہجے میں بولا تھا۔

میرب سیال نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ اسٹریٹ لائٹ کی روشنی میں اس کے چہرے کے تاثرات واضح تھے۔

''مجھے زندگی میں کبھی خود کو بدلنے کا خیال اس سے قبل نہیں آیا تھا۔'' وہ بہت دھیمے سے مسکرایا۔ ''میں نے کبھی اس رخ کے متعلق سوچا بھی نہ تھا۔ یہ نئے بندھنوں میں بندھنا، نئے تعلق استوار کرنا، ان کی ضروریات پورا کرنا، ان کی توقع پر پورا اترنا، کچھ ماننا، کچھ منوانا، ان باتوں کے متعلق کبھی نہیں سوچا تھا میں نے۔ اتنی جلد میں ان سب چکروں میں پڑنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ یہ زندگی بہت سی ڈیمانڈز کرتی ہے۔ سمجھتا ہے کہ میں ذمے داریوں سے بھاگنا چاہتا تھا۔ دراصل اس زندگی کی ذمے داریاں بہت سی باتوں کا تقاضا کرتی ہیں۔ بہت سی توقعات، بہت سی خواہشات بنا کسی پذیرائی کے، بنا کسی سبب کے بھی جنم لے لیتی ہیں اور اگر انسان ان پر پورا نہ اترے تو بہت تکلیف ہوتی ہے۔ کوئی ملال دل کو گھیرنے لگتا ہے۔ سو میں نے سوچ لیا تھا جب تک ان سب ذمے داریوں کو ٹھیک طور پر پورا کرنے کے قابل نہیں ہو جاتا، ان کے

متعلق نہیں سوچوں گا۔ مگر مائی اماں کی خواہش پر سر جھکانا پڑا اور ان دنوں میں ان کے تجربات سے گزر رہا ہوں۔" وہ بہت دھیمے سے مسکرا رہا تھا۔ جب میرب سیال اس کے ساتھ چلتے ہوئے سر اٹھا کر اس کا چہرہ دیکھنے لگی تھی۔

"آپ پچھتا رہے ہیں مجھ سے تعلق جوڑ کر؟" جانے کیا سوچ کر دریافت کیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری چونکا تھا۔ پھر بہت دھیمے انداز میں مسکرا دیا تھا۔

"تم ایسا سمجھ رہی ہو؟" اس نے الٹا سوال کر کے میرب سیال کے لئے مشکل پیدا کر دی تھی۔ میرب سیال اس کی سمت دیکھتی ہوئی سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

"بات غالباً آپ کے متعلق ہو رہی تھی۔" یاد دہانی کرائی تھی۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری بہت دھیمے سے اس کی سمت تکتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

"ہم دونوں ایک دوسرے سے الگ تو نہیں۔" جانے کیا جتانا چاہا تھا۔ میرب سیال قطعاً متاثر ہوئے بغیر اس کی سمت دیکھنے لگی۔

"آپ نے بتایا نہیں، پچھتا رہے ہیں مجھ سے تعلق جوڑ کر؟"

"تمہیں ایسا کیوں لگا؟" مسکراتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ میرب سیال چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

"آپ کے لہجے میں کوئی ریگرٹ صاف بول رہی ہے۔" مدھم لہجے میں انکشاف کیا تھا۔

"اچھا؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری حیران ہونے سے زیادہ شاید محظوظ ہوا تھا۔ لبوں پر مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

"کیا ایسا غلط ہے؟" میرب سیال نے قطعاً متاثر ہوئے بغیر وضاحت چاہی تھی۔

"ہاں۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بنا کسی تعرض کے جواب دیا تھا۔ میرب سیال نے چونک کر اس کی سمت نگاہ کی تھی۔ وہ بہت اعتماد سے اس کی سمت دیکھ رہا تھا۔

"اگر ایسا نہیں ہوتا تو آج میں تعلقات کی راہ اتنی ایمانداری اور جانفشانی سے بحال نہ کر رہا ہوتا۔ لگتا ہے تم اب بھی مجھ پر شک کر رہی ہو۔" کسی قدر پُر افسوس انداز میں کہا تھا۔ میرب سیال سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

"نہیں ایسی بات نہیں ہے۔"

"تو پھر کیسی بات ہے؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بغور دلچسپی سے اس کی سمت دیکھا تھا۔ میرب سیال کچھ نہیں بولی تھی، اس کے سنگ چلتی ہوئی بہت آہستگی سے چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری گویا ہوا تھا۔

"شاید تم نے بھی مجھ جیسے جیون ساتھی کے خواب نہیں دیکھے ہوں گے۔ ٹھیک اسی طرح میرے خیالوں میں بھی کوئی تم جیسی لڑکی نہیں تھی۔" بے حد صاف گوئی سے کہتے ہوئے اس کی سمت دیکھا تھا۔

"یہ سچ ہے میرب سیال! ہم اچانک ایک دوسرے سے آن ملے ہیں۔ دو الگ الگ سمتوں کے لوگ جنہیں وقت نے ایک سمت میں چلنے پر مجبور کر دیا ہے۔ ایسے میں انہیں زیادہ واویلا نہیں کرنا چاہئے۔

بہتر ہے کہ ہم وقت کے اس فیصلے کا خیر مقدم کریں اور قسمت کے فیصلے کو خوشی سے اور ذہن و دل کی رضامندی سے قبول کریں۔ جذباتیت کام سنوارتی نہیں ہے فقط بگاڑتی ہے اور میں نہیں چاہتا کہ ہم مزید کوئی نقصان اٹھائیں۔ شاید ہم دونوں ایک دوسرے کی خواہشوں کے مطابق نہیں ہیں میرب سیال مگر ہم ایک دوسرے کو ایک دوسرے کی خواہشات کے مطابق ڈھال ضرور سکتے ہیں۔ یہ سمجھوتہ اس رشتے کے لئے بہت ضروری ہے۔ اور اگر اسے دل سے قبول کیا جائے تو یہ اتنا برا بھی نہیں لگے گا۔ تم یقیناً میری بات سمجھ رہی ہو نا۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کا ہاتھ بہت آہستگی سے اپنے مضبوط ہاتھ کی گرفت میں لیتے ہوئے اس کی سمت دیکھا تھا۔ میرب سیال نے سر اٹھا کر اس کی سمت دیکھا تھا پھر سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"اگر ہم ایک دوسرے کو ابھی سمجھ لیں گے، ذہن و دل سے قبول کریں گے تو یقیناً بعد میں پرابلمز نہیں رہیں گے۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری نرم لہجے میں کہہ رہا تھا۔ میرب سیال اپنا ہاتھ اس مضبوط ہاتھ میں دیکھتے ہوئے سر اثبات میں ہلا رہی تھی۔ جب یکدم کسی نے اس کے قریب سے گزرتے ہوئے اس کے شانے سے پرس اچک لیا تھا۔ وہ خوفزدہ ہو کر چیخی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے شانوں سے تھام کر دیکھا تھا۔

"آر یو آل رائٹ؟"

"میں ـــــ بیگ ـــ میرے پرس۔" اس نے تیزی سے بھاگتے ہوئے اس شخص کی سمت اشارہ کیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کا شانہ تھپتھپایا تھا۔

"ڈونٹ وری۔ تم یہیں رکو۔" کہنے کے ساتھ ہی وہ تیزی سے اس پرس اچکنے والے چور کی سمت بڑھنے لگا تھا۔ چور نے اسے اپنے پیچھے آتے دیکھ کر اور بھی تیزی سے بھاگنا شروع کر دیا تھا۔

"سبکتگین!" میرب سیال نے اسے باز رکھنے کو آواز دی تھی مگر وہ سنی ان سنی کرتا ہوا اس چور کے پیچھے بھاگنے لگا تھا۔

"سبکتگین!" ایک تیز رفتار ٹرالر تیزی سے اس کی سمت بڑھتا دیکھ کر اسے خبردار کرنے کو وہ چیخی تھی۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری اس سے بہت فاصلے پر ہونے کے باعث غالباً اس کی آواز نہ سن سکا تھا ـــــ

ٹرالر تیزی سے اس کی سمت بڑھا تھا۔

"سبکتگین!" وہ چیخی تھی۔

ٹرالر بہت تیزی سے کسی وجود سے ٹکرایا تھا۔ ایک دلخراش چیخ ابھری تھی اور میرب سیال کو سارا منظر تاریکی میں ڈوبتا لگا تھا ـــــ!

یہ سب اتنی سرعت سے ہوا تھا کہ وہ کچھ سمجھ ہی نہ سکی تھی۔ کتنی دیر حواس باختہ سی وہیں کھڑی رہی تھی۔ ساکت نظریں اس منظر پر مرکوز تھیں جہاں کوئی حادثہ یقیناً ہو چکا تھا۔

اس کا وجود جیسے پتھر ہو گیا تھا۔

کتنے لمحوں تک وہ اسی طرح ساکت کھڑی رہی تھی۔ پھر قدم بڑھانے لگی تھی۔ سارے حواس بالکل منجمد تھے اور وہ چلتی چلی گئی تھی۔ اس جگہ کی جانب جہاں کوئی حادثہ رونما ہو چکا تھا۔ کیسی پتھری تھیں اس کی نگاہیں۔ قدم رکے تھے اور وہ ساکت رہ گئی تھی۔

کوئی سڑک پر چت پڑا تھا اور اس کا سانس رکنے لگا تھا۔ مگر وہ چہرہ، وہ خدوخال ویسے تو نہ تھے کوئی اور ہی تھا۔ اور تب اس کی نگاہ اپنی جانب سے رخ پھیرے کھڑے شخص پر پڑی۔ لانبا قد، چوڑے شانے ——— میرب سیال سرعت سے اس کی جانب بڑھی تھی۔

وہ خدوخال، وہ چہرہ اجنبی قطعاً نہ تھا۔ اس کے سامنے کھڑی وہ کتنی حیرت سے اسے تکتی رہی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری جو زمین پر پڑے اس وجود کو کسی قدر تاسف اور افسوس سے دیکھ رہا تھا کھڑی چونکتے ہوئے اس کی جانب دیکھنے لگا تھا۔ اس کی آنکھیں پتھرائی ہوئی تھیں اور چہرہ حواس باختہ

"میرب!" بہت آہستگی سے اس کے شانے پر ہاتھ دھرتے ہوئے اسے پکارا تھا۔ مگر وہ تب بھی نہ چونکی تھی۔ اسی اجنبی انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے بہت آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کو اپنے ہاتھ سے چھیڑا تھا جیسے وہ اس کے ہونے کا یقین چاہ رہی تھی۔ عجب بے خود سا انداز تھا۔ سردار حیدر لغاری نے اس کے اس ہاتھ کو تھام کر لبوں سے لگایا تھا۔

"میرب! ——— کیا ہوا میرب!؟" بہت بے قراری سے دریافت کیا تھا۔ یقیناً وہ اس کی کیفیت نہیں پایا تھا۔ مگر میرب اسے اسی طرح خالی خالی نظروں سے دیکھتی ہوئی یکدم ہی اس کے فراخ سینے پر سر دھر کر رونے لگی تھی۔

"میرب! کیا ہوا؟" اس نے اس کے گرد اپنے بازو حمائل کرتے ہوئے کسی قدر فکر مندی سے دریافت کیا تھا۔ مگر وہ بنا کچھ کہے اسی طرح روتی چلی گئی تھی۔ اور تب ساری بات جیسے اس کی سمجھ میں آ گئی تھی، وہ اس کی طرف سے فکر مند ہوئی تھی۔ اس کے متعلق سوچ کر پُرملال ہوئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری لب بھینچ کر مسکرا رہا تھا۔ پھر اسے خود سے الگ کرتے ہوئے دیکھا تھا۔

"کچھ نہیں ہوا ہے مجھے۔"

میرب سیال نے سر اٹھا کر بھیگی بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھا تھا۔ تبھی وہ اس کی جانب بغور تکتے ہوئے دوبارہ بولا تھا۔

"سب کچھ ٹھیک ہے ——— سب کچھ۔" مضبوط لہجے میں تسلی دیتے ہوئے باور کرایا تھا اور اسے تھام کر گاڑی تک لایا تھا۔

تھوڑی دیر میں پولیس وہاں پہنچ چکی تھی اور معمول کی کارروائی شروع ہو چکی تھی۔ یہ خدا کا شکر تھا کہ حادثے میں کوئی جانی نقصان نہیں ہوا تھا۔ وہ چور فقط زخمی ہوا تھا۔ ریسکیو کی ٹیم موقع پر پہنچ کر اسے ہسپتال لے جا چکی تھی۔ سب کچھ ٹھیک تھا۔ مگر میرب سیال بہت سہم سی گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کو وہاں تھوڑی ضروری کارروائی کے بعد وہ اسے لے کر گھر واپس آ گیا تھا۔

***

کمرے میں اندھیرا کیے وہ گھٹنوں پر سر دھرے ساکت بیٹھی تھی جب اوزی نے دروازہ کھول کر اندر قدم رکھا مگر وہ تب بھی نہیں چونکی تھی۔ اوزی چلتا ہوا اس کے قریب آن رکا تھا۔ چند ثانیوں تک اسے یونہی تکتا رہا تھا پھر اس کے قریب بیٹھ گیا تھا۔ اسے دیکھتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر لیمپ روشن کیا تھا۔

"زندگی روشنی سے عبارت ہے انابیہ شاہ! کیونکہ روشنی میں سبھی منظر بہت واضح ہو جاتے ہیں اور سبھی زاویے صاف دکھائی دیتے ہیں۔"

اوزی کا لہجہ نرم تھا اور انابیہ شاہ سر اٹھا کر اسے خاموشی سے دیکھنے لگی تھی۔ اوزی نے بہت آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر اس کے ہاتھ پر دھر دیا تھا۔

"انابیہ! زندگی میں بہت کچھ ہوتا ہے ——— بہت کچھ۔ مگر جو پل گزر جاتا ہے وہ اپنے ساتھ بہت کچھ لے جاتا ہے۔ مگر کبھی کچھ نہیں۔" اس کا لہجہ مدھم تھا۔ مگر بہت کچھ باور کراتا ہوا۔

انابیہ شاہ بہت آہستگی سے نظریں پھیر گئی تھی۔

"مجھے معلوم تھا انابیہ شاہ! ایسا ہی ہوگا۔ تمہارا یہ خوف، یہ ڈپریشن پھر سے عود کر آئے گا اور تم پھر انہی اندھیروں میں گھر جاؤ گی۔ مگر انابیہ شاہ! ایسا کرنے سے کیا سب کچھ بدل جائے گا؟ تم جینا چھوڑ دو گی تو کیا زندگی رک جائے گی؟"

اوزی اس کی طرف مکمل توجہ سے تکتا ہوا دریافت کر رہا تھا مگر انابیہ جواباً خاموش تھی۔ اس کی ساکت آنکھوں میں بہت سے گہرے سائے رکے ہوئے تھے۔ چہرہ پُرسکون سا تھا۔ اوزی نے اسے بغور دیکھا تھا۔ ان آنکھوں سے کتنی خاموشی سے نمکین پانیوں کے قطرے ٹوٹ کر چہرے کو بھگونے لگے تھے۔ اوزی کی نگاہ سرہانے کے قریب دھری اس تصویر پر پڑی تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اس تصویر کو اٹھایا تھا جہاں کوئی بہت دلکشی سے مسکراتا ہوا، زندگی سے بھرپور دکھائی دے رہا تھا۔ زندگی کے سارے رنگ اس چہرے پہ تھے۔ سارے رنگ اس کی آنکھوں میں تھے اور اوزی نے انابیہ شاہ کی سمت دیکھا تھا۔

انابیہ شاہ کی آنکھوں سے بہت آہستگی سے نمکین پانی کے قطرے ٹوٹ کر رخساروں پر بہہ رہے تھے۔ وہ کہیں گم سی تھی۔ اوزی کچھ بھی کہے بغیر چہرے کا رخ پھیر گیا تھا۔ عجب ایک بے بسی کا انداز تھا۔

کتنی دیر وہ اسی طرح چپ چاپ بیٹھا رہا تھا اور اناہیہ شاہ کی آنکھوں سے چپ چاپ آنسو بہتے رہے۔

''اناہیہ شاہ! زندگی میں سے جو لوگ چلے جاتے ہیں وہ کبھی واپس نہیں آتے۔ تمہیں یہ بات سمجھنا چاہیے اور مان لینی چاہیے۔'' اوزی نے مدھم لہجے میں بنا اس کی طرف دیکھے باور کرانا چاہا تھا۔ آنکھوں سے نمکین پانی اسی طرح بہتا رہا تھا۔

''اناہیہ شاہ! جن کا ساتھ جتنا ہوتا ہے، وہ اتنا ہی ہوتا طے ہوتا ہے۔ اس میں کسی کی مرضی کو دخل نہیں ہوتا۔ ہم نہ تو اپنی مرضی سے ان لمحوں کو بڑھا سکتے ہیں نہ گھٹا سکتے ہیں نہ ہی اپنی مرضی سے ان لمحوں کو لا سکتے ہیں۔ یہ ممکن نہیں ہے اناہیہ شاہ! بالکل بھی ممکن نہیں۔''

اناہیہ شاہ چپ چاپ بیٹھی کسی غیر مرئی نقطے کی جانب تکتی رہی تھی۔

''اناہیہ شاہ! غازی کا اور تمہارا ساتھ اتنا ہی تھا۔ وہیں تک کا تھا جہاں تک تم دونوں ساتھ چلے۔ آگے کا موڑ آخری تھا جسے نہ تم بدل سکتی تھیں نہ ہی غازی۔'' اوزی کا لہجہ مدھم تھا۔

''اناہیہ شاہ! غازی ایک گزر جانے والا موڑ ہے۔ جسے گزر ہی جانا تھا۔ اس میں تمہارا یا کسی اور کا قصور نہیں۔ تم اگر چاہتیں بھی تو اسے روک نہیں سکتی تھیں کیونکہ اسے بہرحال جانا ہی تھا اور اسے لے جانے والوں کو روکا نہیں جا سکتا۔ اناہیہ شاہ! خود کو اس منظر نامے سے باہر لاؤ۔ میں جانتا ہوں عفنان خان کے مذاق میں کیے گئے ایک اقدام نے تمہیں پھر وہیں پر لے جا کھڑا کیا ہے جہاں سے تم لوٹ کر ایک بار پہلے آئی تھیں۔ مگر تمہیں خود کو باور کرانا ہے اناہیہ شاہ! کہ یہ فقط مذاق تھا اور مذاق فقط مذاق ہی ہوتا ہے۔ اس میں نقصان کسی کا نہیں ہوا۔ نہ ہی عفنان علی خان کا مقصد کسی کی دل آزاری تھا۔ اناہیہ شاہ! تمہیں خود کو باور کرانا ہے کہ غازی کے واقعے کا اس واقعے سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ ایک الگ نوعیت کا واقعہ تھا اور یہ الگ نوعیت کا اور یہ کہ اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں تھا۔'' اوزی کا انداز بہت سمجھانے والا تھا اور اناہیہ شاہ اسے سن رہی تھی۔ اوزی نے بہت آہستگی سے اس کا ہاتھ تھاما تھا پھر بغور تو جیسے تکتا ہوا گویا ہوا تھا۔

''ان دونوں واقعات میں قطعاً بھی کوئی مماثلت نہیں اناہیہ شاہ! تمہیں خود کو اس سیاہ دائرے سے نکالنا ہے اناہیہ شاہ! جس کے اندر رہ کر تمہیں تمام رنگ سیاہ دکھائی دیتے ہیں۔ تمہیں خود کو باور کرانا ہے زندگی صرف رنگوں سے اور روشنی سے عبارت ہے اور باقی سب رد کیے جانے کے قابل۔''

اناہیہ کی آنکھوں کے نمکین سمندر اسی طرح طغیانیوں سے پُر تھے اور اوزی اسے دیکھ رہا تھا۔

''غازی جا چکا ہے اناہیہ شاہ! اور اسے لوٹ کر واپس نہیں آنا ہے۔ اس کے لیے تم خود کو مت ہلکان کرو۔ اس کے غم میں تو تمہیں اس بات کی اجازت قطعاً نہیں دوں گا۔'' بہت ہولے سے ہاتھ بڑھا کر اس کی آنکھوں کے نمکین پانیوں کو سمیٹا تھا۔ اس کا انداز کسی ہمدرد کا سا، حوصلے بندھانے والا تھا۔ وہ ایک مہربان دوست کی طرح اس کے سامنے تھا اور تبھی اناہیہ شاہ اس کے شانے پر سر دھرتے ہوئے رونے لگی تھی۔ اوزی نے اسے تھاما تھا پھر اس کے شانے کو بہت ہولے سے تھپتھپانے لگا تھا۔

❋❋❋

تمہارا نور کچھ زیادہ طویل نہیں ہو گیا؟ پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا۔ کہیں یہ سب ان بھابی صاحبہ کا کمال تو نہیں؟'' عفنان علی خان مسکرایا تھا۔

دوسری جانب کوئی ہنستا چلا گیا تھا۔

''تمہیں لگتا ہے ایسا ہے؟''

''نہیں۔ مگر ایسا بھی تو ہو سکتا ہے نا، کیپٹن صاحب! آپ جیسے بندے میں بیٹھے بٹھائے تبدیلیاں رونما ہو گئیں۔ ضرور اسباب کچھ خاص ہی ہیں۔ بڑے ڈرامے، بھابی کی تصویر ہی ای میل کر دو یار! کیونکہ موڈ میں تو تم نظر نہیں آ رہے ہو۔ چپکے چپکے نکاح کیا، چپکے چپکے رخصتی بھی ہو گئے۔ نہ جتایا، نہ بتلایا۔ مجھے تو لگتا ہے تم بھابی جی کے عشق میں ڈوب چکے ہو۔'' عفنان علی خان نے فتویٰ جاری کیا اور دوسری طرف کیپٹن صاحب ہنس دیے تھے۔

''اب یہی پانی گردن تک آیا ہی چاہتا ہے۔ تم سناؤ۔ پھپھو سے بات ہوئی تھی، بتا رہی تھیں تم آج کل کافی بزی ہو؟''

''کیا کہا انہوں نے تم سے؟'' عفنان علی خان حیران ہوا تھا۔

کیپٹن ہنس دیا تھا۔

''کیا غلط کہا تھا پھپھو نے؟''

''نہیں۔'' عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔ ''آئی ایم ریئلی ان ٹربل۔ کچھ ہے جو سمجھ نہیں آ رہا ہے۔ کچھ ہے جو سمجھ نہیں پا رہا ہوں۔ کچھ ہے جو بہت الجھا ہوا سا ہے۔'' مدھم لہجے میں کہتے کہتے وہ یکدم چونکا تھا۔ ''تم کب آ رہے ہو؟''

''کیوں؟ کیا ہوا؟ معاملہ کچھ زیادہ سنگین ہے کیا؟'' کیپٹن دوسری طرف متفکر ہوا تھا۔

''ہوں۔'' عفنان علی خان نے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔

''کہیں عشق وشق کے چکر میں تو نہیں پڑ گئے؟'' کیپٹن کو دوسری طرف تشویش ہوئی تھی۔ عفنان علی مسکرایا تھا۔

''تم آ جاؤ تو پھر بات کریں گے۔''

''آج کیوں نہیں؟''

''تم بھابی کے ساتھ بزی ہو نا۔ یار! بات کراؤ نا بھابی سے۔ ہم بھی تو دیکھیں جنہوں نے اپنے محترم کیپٹن حیدر الغازی کو قابو میں کر لیا وہ در حقیقت ہیں کیسی۔'' عفنان علی خان مسکرایا تھا۔

کیپٹن ہنس دیا تھا۔

''ابھی قریب نہیں ہے۔ آج کل میرے ساتھ نہیں ہے۔ کل ایک ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔ اس کے بعد ڈسٹرب ہو گئی تھی۔ میں نے اس کے پیرنٹس کے ہاں چھوڑ دیا۔''

''ایکسیڈنٹ۔۔۔ کوئی نقصان تو نہیں ہوا؟'' عفنان علی خان نے تشویش سے دریافت کیا تھا۔

''نہیں، خدا کا شکر ہے، سب ٹھیک رہا۔ مگر تم جانتے ہو نا لڑکیوں کی سائیکی، کس درجہ بہادر ہوتی

ہیں۔ بس یہی بہادری کام آگئی۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرایا تھا۔ "اپنی وے، تم کچھ بتا رہے تھے"
عفنان علی خان چونکا تھا۔

"ہاں .... نہیں، تم آجاؤ پھر بات کریں گے۔" دھیمے سے مسکرایا تھا۔

"اور جب تک پانی سر سے گزر گیا تو!" سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرایا تھا۔

"کیا ہو سکتا ہے۔ جو ہونا ہے وہ تو بہرحال ہوتا ہی ہے۔" وہ بہت نیم جان انداز میں مسکرایا تھا۔
سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

"یعنی معاملہ خاصا سنگین ہے۔"

"کیا ہو سکتا ہے۔ جو ہونا تھا ہو چکا۔ اب تو کوئی سدباب بھی ممکن نہیں رہا۔" عفنان علی خان دھیمے سے مسکرایا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

"یعنی مجنوں بن گئے ہو۔"

عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔ مگر بڑی بے جان سی مسکراہٹ تھی۔

"یار گین! تمہیں کبھی عشق نہیں ہوا؟ اتنی لڑکیوں سے ملا تو، اتنی لڑکیوں کی قربت ملی، اتنا دلفریب، دلربا ہجوم تیرے اردگرد بنے رہے۔ کبھی .... کبھی نہیں لگا .... کہیں .... کسی ایک جگہ ایک چہرے کے لئے رک جانا چاہئے۔ یہ چلنا پھرنا، بھاگنا، یہ سفر در سفر، یہ منزلوں کا جنون، یہ پات کبھی ڈال کا سلسلہ اب موقوف ہو جانا چاہئے۔" عفنان علی خان کا لہجہ مدھم تھا۔
اور سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

"میرے یار! تو میری بات چھوڑ، اپنی سنا۔ تیرا یہ حشر اس انچیج منٹ والی نے کیا ہے یا معاملہ کچھ اور ہے؟"

عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔ پھر ایک گہری سانس خارج کی تھی۔

"یار گین! مجھے تمہاری بہت ضرورت ہے۔ یار سیٹ وہ اپنا یہ سلسلہ۔ مجھے تمہیں بہت کچھ بتانا ہے، مشورہ کرنا ہے۔"

"یہ راتوں رات پانی سر کو کیسے آگیا؟ ——— بات اتنی تنی تو نہیں لگتی۔ جب میں وہاں تھا تو تم نے کچھ کیوں نہیں کیا؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری کو حیرت ہوئی تھی۔

"تب مجھے صورت حال کی سنگینی کا اندازہ خود اس طور نہیں تھا۔" عفنان علی خان دھیمے سے مسکرایا۔

"نام کیا ہے؟"

"گین! اب تم! تھے تھوڑے سے دنوں میں میرا نام بھی بھول چکے ہو؟" عفنان علی خان کو حیرت ہوئی تھی۔

"شٹ اپ یار! میں اس لڑکی کے متعلق پوچھ رہا ہوں۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرایا تھا۔

"تم آجاؤ نا یار! پھر بات کریں گے۔"

"کچھ زیادہ سیریس نہیں ہو گئے تم؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری کو تشویش ہوئی تھی۔ عفنان علی خان مسکرایا تھا۔

"یار گین! تیرا میرا معاملہ بہت مختلف ہے۔ تو ہمیشہ چلتا رہا ہے اور کبھی کسی موڑ پر رکا ہی نہیں۔ اور" وہ دھیمے سے مسکرایا تھا۔ "میں کبھی چلا ہی نہیں۔ کبھی کوئی سفر کیا ہی نہیں۔ مگر ایک لمحے میں جب چلا تو زمانوں کا سفر کر آیا ہوں۔" ایک جملے میں ہزار ہا داستانیں پوشیدہ تھیں اور سردار سبکتگین حیدر لغاری متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

"جن محترمہ سے منسوب ہوا انہیں خبر ہے کہ محترم کہیں اور منسوب ہو چکے ہیں؟"
عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔ "نہیں۔"

"اور ان محترمہ کو خبر ہے جن کے باعث آپ اس کیفیت کو پہنچ چکے ہیں؟"

"نہیں، اسے بھی خبر نہیں ہے۔" عفنان علی خان کا لہجہ دھیما تھا۔

"تم نے اسے کبھی بتایا نہیں؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری کی انویسٹی گیشن شروع ہو چکی تھی۔ عفنان علی خان چونکا تھا۔

"یار گین! تمہیں نہیں لگتا یہ انویسٹی گیشن قبل از وقت ہے؟ سردار صاحب! آپ کسی جھگڑے کے حل کے لئے نہیں بیٹھے ہیں۔ یہ عفنان علی خان کی زندگی کا معاملہ ہے۔" مسکراتے ہوئے یقین دہانی کرائی۔
سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

"زندگی کا نہیں، محبت کا معاملہ ہے۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے جتایا تھا۔

"اچھا ——— تو اس میں فرق کیا ہے؟ بات ایک ہی ہے۔ کبھی محبت کی ہو تو خبر بھی ہو نا۔" جتایا تھا۔
سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

"چلو اب آ کر تم سے سیکھوں گا۔"

"مجھے تمہیں کچھ سکھا کر یقیناً خوشی ہوگی۔" عفنان علی خان نے مسکراتے ہوئے فون کا سلسلہ منقطع کر کے پلٹ کر دیکھا تھا۔ فاطمہ علی خان دروازے میں کھڑی تھیں۔

"ماما! آپ؟" وہ مسکرایا تھا۔

"گین کا فون تھا؟" فاطمہ علی خان مسکرائی تھیں۔

"جی ماما۔"

"کب آ رہا ہے وہ؟ ——— اور اس کی دلہن کیسی ہے؟"

"جلد آ رہا ہے ماما!" عفنان علی خان مسکرایا تھا۔

فاطمہ علی خان چلتی ہوئی اس کے قریب آن رکی تھیں۔ پھر اس کے چہرے کو بہت محبت سے تھام لیا۔

"اور تم میری جان! تمہیں کیا ہوا ہے؟" ان کا لہجہ فکر مند تھا اور عفنان علی خان ان کے ہاتھوں کو تھام کے مسکرایا تھا۔

دل

"مجھے کیا ہوا ہے ماما؟ آئی ایم پرفیکٹلی آل رائٹ۔ اچھا تو کیوں کسی کو بھی آپ نے ہی مطلع کیا تو
ان نے مجھے فون کھڑکا دیا۔ ماما! سب ٹھیک ہے۔ بس کام کا کچھ برڈن تھا اس لئے۔ اور آپ خواہ
پریشان ہو گئیں۔" مطمئن کرنا چاہا تھا۔ مگر فاطمہ خانم سرنفی میں ہلانے لگی تھیں۔

"خواہ مخواہ نہیں میرے بچے! ماں کی نگاہ کبھی بھی کچھ غلط نہیں دیکھ سکتی۔ میں نے فیضان سے بھی پو
چھا تھا۔ ان کے مطابق آفس میں کوئی اتنی بڑی پرابلم نہیں ہے کہ تم اس طرح گھبرائے پھرتے نظر آؤ۔" فا
خانم مطمئن نہ ہوئی تھیں اور عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

"اوہ کم آن ماما! سب کچھ ٹھیک ہے۔۔۔۔ آپ نے خواہ مخواہ پاپا کو بھی پریشان کر دیا۔ دیکھیں
میں آپ کو ٹھیک نہیں لگ رہا؟۔۔۔۔ اینی وے، انوشے کہاں ہے؟ اسے کہیں ایک کپ کافی میرے کمرے
میں بھجوا دے۔ مجھے ایک میٹنگ کے لئے جانا ہے اور آئی ایم آل ریڈی لیٹ۔" بہت عجلت سے وہ اپنے
وارڈ روب کی سمت بڑھا تھا۔ تبھی فاطمہ بولی تھیں۔

"تم جاؤ، ہاتھ لو۔ میں کپڑے نکال دیتی ہوں۔"

* * *

وہاں حسن بخاری اور ساحرہ خان ایک ساتھ کھڑے تھے۔ دونوں میں یقیناً کوئی نوک جھونک ہو رہی
تھی۔ فارحہ انہیں دور سے دیکھتی ہوئی مسکرائی تھیں۔ بیٹے کی زندگی میں آنے والی یہ تبدیلی یقیناً خوشگوار
تھی۔ انہیں اچھا لگا تھا۔ ورنہ جس طرح کی سچویشن سعد حسن بخاری نے کری ایٹ کر دی تھی اسے دیکھ کر
تو لگتا تھا حالات کبھی معمول پر نہ آسکیں گے اور زندگی میں ایک تناؤ بدستور قائم رہے گا۔ مگر۔۔۔۔ فارحہ ایک گہرا
سانس خارج کرتی ہوئی مسکرائی تھیں۔

خدا کا شکر تھا ایسا نہیں ہوا تھا اور بہر طور سب کچھ زندگی کی طرف واپس لوٹنے لگا تھا۔ ماہان
بخاری بھی۔ انہوں نے بیٹے کی طرف محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے سوفٹ ڈرنک کا سپ لیا تھا۔
کوئی ان کے قریب آن رکا تھا۔ فارحہ چونکی تھیں۔ ان کے بہت قریب کوئی اور نہیں، سعد حسن بخاری
کھڑے تھے اور ان کے پہلو میں ان کی نئی نویلی بیگم عریبہ بھی موجود تھیں۔

فارحہ کے چہرے سے سارا اطمینان ایک لمحے میں رخصت ہوا تھا۔ مسکراتے لب بھینچ گئے تھے اور
ان کی جگہ ایک تناؤ نے لے لی تھی۔ وہ اس تقریب میں کسی طرح کی کوئی بدمزگی نہیں چاہتی تھیں۔ تبھی انہوں نے
سمت سے نگاہ پھیر کر آگے بڑھ جانا چاہا تھا۔ مگر سعد حسن بخاری اس لمحے ان کا ہاتھ تھام چکے
رہے تھے۔ فارحہ نے بہت چونک کر ان کی سمت دیکھا تھا۔ وہ جیسے ان کی اس کیفیت سے حظ اٹھا
رہے تھے۔

"ہمیشہ بہت جلدی میں رہتی ہو فارحہ! کبھی تو فرصت سے اوقات نکال کر ہم سے بھی دو گھڑی بات
کیا کرو۔"

فارحہ نے بہت خاموش سی نگاہ اس چہرے پر ڈالی تھی اور رخ پھیر گئی تھیں۔

"کم آن۔۔۔ اس طرح اجنبی مت بنو۔ میری بیوی سے ملو۔ یہ عریبہ، عریبہ بخاری۔ عریبہ

اسے۔" سعد حسن بخاری کے لبوں پر بڑی مضحکہ خیز مسکراہٹ تھی۔ اگر وہ انہیں کوئی زک
پہنچانا چاہتے تھے تو وہ ایسا کر چکے تھے۔ فارحہ کے چہرے کی کیفیت بہت متغیر تھی۔

"کیوں۔۔۔۔ کیوں لائے ہو تم اسے یہاں سعد حسن بخاری؟ یہ دکھانے کے لئے کہ تم کتنی جوان بیوی
رکھ سکتے ہو یا پھر یہ کہ تم جسے چاہو سڑک پر سے اٹھا کر اس مرتبے پر فائز کر سکتے ہو؟"

ان کے لہجے میں بہت سے الاؤ دہک رہے تھے۔ سعد حسن بخاری کے چہرے کی کیفیت پل بھر میں متغیر
ہوئی تھی۔

"شٹ اپ فارحہ! اپنی حدود میں رہو۔"

"میں اپنی حدود ہی میں ہوں۔ لیکن تم اپنی حد میں نہیں۔" فارحہ مضبوط لہجے میں کہتی پہلی بار بہت ہائپر
ہوئی تھیں۔ "تم جو زہر میری زندگی میں گھول چکے ہو سعد حسن بخاری! اسے میں ابھی نہیں بھول سکتی۔ مگر پلیز
اس طرح کی حرکتیں کر کے مجھے اب مزید پریشان مت کرو۔ سکون سے رہنے دو مجھے میرے بچوں کے
ساتھ۔ تمہاری زندگی سے مجھے کچھ واسطہ نہیں ہے۔ جو ہونا تھا وہ ہو چکا، میں اسے قبول کر چکی ہوں۔ مگر
ہمت مجھ میں اب بھی نہیں کہ تمہارے بار بار کے ان حملوں کا مقابلہ کروں۔" سعد حسن کی سمت سے
رخ پھیرتے ہوئے وہ بہت نیم جاں نظر آرہی تھیں۔ ویران آنکھوں میں ایک لمحے میں ایک انجانی سی
تھکن آن رکی تھی۔

"میں تمہارے ان فضول کے ہتھکنڈوں سے تنگ آ چکی ہوں۔ کچھ نہیں چاہتی ہوں میں تم سے۔ بس
رہنے دو، میرے بچوں کے ساتھ۔ میرے لئے میرے بچوں کا سکھ اور میرے گھر کا سکھ بہت معنی رکھتا
ہے۔" فارحہ چہرے کا رخ پھیرے پوری طرح مضمحل نظر آرہی تھیں۔

سعد حسن بخاری مسکرا دیئے تھے۔

"کون سا گھر فارحہ!۔۔۔۔ کون سے گھر کا سکھ؟۔۔۔۔ وہ گھر تو کب کا ٹوٹ چکا جس کے سکھ کی
تم بات کر رہی ہو۔ تمہیں نہیں لگتا یہ بہانہ بہت بودا اور فضول ہے؟"

فارحہ نے سعد حسن بخاری کی سمت دیکھا تھا۔ وہ مسکرا رہے تھے۔ پہلو میں کھڑے چہرے کی دلربائی
بھی عجیب تھی۔

"کیا بات جتانے کے لئے تم اسے یہاں لائے ہو؟" مدھم لہجے میں شکستگی بے حد واضح تھی۔ آنکھوں
میں انگارے جھلکنے لگے تھے۔

"یہی بات سعد حسن!۔۔۔۔ یہی بات جتانے کو تم یہاں اس کے ہمراہ آئے ہو تاکہ میرا سب کچھ
لٹ کر بکھر چکا ہے اور اب میں خالی ہاتھ ہوں۔ کچھ نہیں رہا میرے پاس اب اور۔" ان کے حوصلے جیسے
ٹوٹنے لگے تھے۔ شاید تبھی وہ بغیر مزید کچھ کہے چپ ہو کر سرنفی میں ہلانے لگی تھیں۔ پھر ہمت کر کے
بولی تھیں۔

"مگر سعد حسن بخاری! میں اب بھی اتنی ہی مضبوط ہوں، اتنی ہی باحوصلہ ہوں۔ کیونکہ میرے پاس
میرے بچے ہیں جو میری سب سے بڑی طاقت ہیں۔ مگر تم۔۔۔۔ تم بے حد کمزور ہو میری نظر میں سعد حسن!

کیونکہ میں تمہیں خالی ہاتھ دیکھ رہی ہوں۔ تمہیں نہیں لگتا سعد حسن! تم یہاں میرے پاس اپنے اعلیٰ ایڈین جی خلش کی تسکین کرنے آئے ہو۔"

"شٹ اپ فارحہ! ــــ آئی سے شٹ اپ۔" سعد حسن بخاری نے مدھم مگر کسی قدر سخت لہجے میں کہا تھا۔ چہرے کا تناؤ بہت بڑھ چکا تھا۔ دونوں کے درمیان کی تکرار بڑھ رہی تھی۔ جب اذہان بخاری کی نگاہ ان کی سمت اٹھی تھی۔ اسے صورتحال کی نوعیت سمجھنے میں قطعاً بھی دیر نہیں لگی تھی۔ بہت تیزی سے وہ آگے بڑھا تھا۔

"واٹ ہیپنڈ ممی؟"

مگر فارحہ کچھ نہیں بولی تھیں۔ ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے اس منظر کو دیکھا تھا پھر فوراً ہی مڑ کر وہاں سے نکلتی چلی گئی تھیں۔

اذہان حسن بخاری نے باپ کی طرف قطعاً خاموش نظروں سے دیکھا تھا اور بنا کچھ کہے وہاں سے چلا گیا تھا۔

❊❊❊
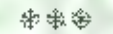
سردار سبکتگین حیدر لغاری خاموشی سے بیٹھا ہوا تھا جب گی اس کے قریب آن بیٹھی تھی۔ اس کا مگ کافی کا مگ بڑھایا تھا۔ پھر بہت دھیمے سے مسکرا دی تھی۔

"کیا سوچ رہے ہو؟" شستہ انگریزی میں دریافت کیا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے جواباً اس کی سمت دیکھا تھا۔ پھر بہت آہستگی سے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"کچھ نہیں۔" لبوں پر بڑی رکی سی مسکراہٹ تھی۔ "تمہیں لگا میں کچھ سوچ رہا ہوں؟" براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔ گی نے اس کی سمت بغور دیکھا تھا پھر مسکرا دی تھی۔

"میرے بارے میں سوچ رہے تھے؟" انداز میں کسی درجہ شرارت تھی اور سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

"کیا تم سمجھتی ہو کہ مجھے تمہارے متعلق سوچنا چاہیے؟"

"نہیں سوچنا چاہتے ہو؟" الٹا سوال کر دیا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

"نہیں۔" صاف انکار تھا۔

مگر گی اس کی سمت بغور دیکھتی ہوئی مسکرا دی تھی۔

"آر یو شیور؟"

"آف کورس۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بڑے بے تاثر انداز میں شانے اچکا دیئے تھے۔ گی مسکرا دی تھی۔

"تھینک سرا۔ تھینک یو ویری مچ۔ یعنی دل کی گہرائی سے شکریہ۔" وہ وضاحت دیتی ہوئی مسکرائی تھی۔

"مگر یہ شکریہ تھا کس بات کے لیے؟"

اس کی سمت دیکھا تھا پھر دلکشی سے مسکرا دی تھی۔ "مجھے نہ سوچنے کے لیے۔" مدھم لہجہ میں اپنے شانے اچکائے تھے۔ انداز کسی قدر بے نیازانہ تھا۔ اور سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

"تم اتنا کیوں رہتی ہو؟"

"سوچ کر کہ جس نے تمہیں چاہا وہ کیسا ہوگا؟"

گی کے لبوں کی مسکراہٹ ایک لمحے میں معدوم ہوئی تھی۔ آنکھوں کی جوت ایک لمحے میں بجھی تھی۔ اداس ہوئی تھی وہیں بہت آہستگی سے چہرے کا رخ بھی پھیر گئی تھی۔

"بہت چاہتی ہو اسے؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بغور اس کے چہرے کو پڑھا تھا۔ گی نے ایک نگاہ دیکھا تھا پھر نگاہ پھیر لی تھی۔

"کیا بہتر نہ ہوگا اگر ہم اس سلسلے میں کوئی بات نہ کریں؟"

"تم اس ذکر سے بچنا چاہتی ہو؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے بغور دیکھا تھا۔ وہ کچھ بھی کہے بغیر چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔ تبھی سردار سبکتگین حیدر لغاری بہت دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

"ڈرتی ہو؟" دھیمے لہجے میں دریافت کیا تھا۔ گی نے اس کی جانب دیکھا تھا پھر بہت آہستگی سے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"ہاں۔ کہیں ٹوٹ کر بکھر نہ جاؤں۔"

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت دیکھا تھا، پھر مسکرا دیا تھا۔

"کیا ہوا؟" گی چونکی تھی۔

"سوچ رہا تھا۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرایا تھا۔

"کیا؟" گی نے سوالیہ نظروں سے اس کی سمت دیکھا۔

"یہی کہ محبت کا کیا واقعی کوئی وجود ہے؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری کی آنکھوں میں جہاں حیرت تھی لبوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی اور گی نے اسے بہت حیرت سے دیکھا تھا۔

"تم محبت پر واقعی یقین نہیں رکھتے گین؟"

اور سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

"تم کیا سمجھتی ہو؟ کیا محبت کی واقعی کوئی وقعت ہے اس زمانے میں گی؟ آئی مین اس دور میں؟"

"تمہیں کیا لگتا ہے گین؟ ــــ کیا نہیں ہے؟" گی نے کسی قدر حیرت سے اسے دیکھا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی جانب دیکھا تھا پھر شانے بہت بے نیازی سے اچکاتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

"میں نہیں جانتا۔ مگر میں نے محبت کو کبھی بھی یہاں وہاں اپنے اردگرد چلتے پھرتے نہیں دیکھا۔ کیا تم نے دیکھا ہے؟" وہ غیر سنجیدہ انداز میں مسکرا رہا تھا اور گی تاسف سے سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

"مجھے یقین نہیں ہو رہا گین! کیا تم واقعی محبت سے منکر ہو؟" وہ واقعی حیران تھی اور سردار سبکتگین حیدر لغاری جانے کیوں اس کے انداز پر مسکرا دیا تھا۔

"اور مجھے حیرت ہو رہی ہے، تم محبت کی اس درجہ حامی ہو۔ مجھے تو لگ رہا ہے تم میں جولیٹ کی روح
آگئی ہے۔" وہ مسکرا رہا تھا۔ "اور مجھے لگتا ہے کہ مجھے اب تم کو گی کی بجائے جولیٹ کہہ کر بلانا ہوگا [illegible]
گلیوں میں بال کھولے پھرتی بے قرار کھاتی لڑکی ——— محبت کی انگلی تھامے، دور تک چلتی ہوئی [illegible]
سوچ کر ہی محظوظ ہو رہا تھا۔ مگر گی اس کی شرارت پہ مسکرائی نہیں تھی۔ تبھی وہ بولا تھا۔
"کم آن گی! نکل آؤ اس دیوانے پن سے باہر۔ کیونکہ روم کی گلیوں میں آنکھوں میں ویرانی لیے
کھولے، بے قراری سے گھومتا پھرتا اور رومیو رومیو پکارتا وہ کریکٹر اپنے اندر کوئی حقیقت نہیں رکھتا
صرف شیکسپیر جیسے دیوانے اور جذباتی شخص کے ذہن کا شاخسانہ تھا۔" وہ اپنی دانست میں اس کی الجھن (?)
دور کر رہا تھا اور وہ مسکرا دی تھی۔
"میں تمہاری بات مان بھی لوں گین! تو کیا فرق پڑتا ہے؟ حقیقت جو ہے وہ بدل تو نہیں جائے گا (?)
اس کا انداز کسی قدر پُر تاسف تھا اور سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔
"نہیں مانتا تو مت مانو۔ مگر تم میری سوچ نہیں بدل سکتیں۔"
گی نے اسے بہ غور دیکھا تھا۔
"ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟" وہ مسکرایا تھا۔ گی بھی جواباً مسکرا دی تھی۔
"دیکھ رہی ہوں سردار سبکتگین حیدر لغاری! کیا..... کیا واقعی تمہیں کبھی محبت نے نہیں گھیرا، کبھی اپنا (?)
تمہارے اندر پڑاؤ نہیں ڈالا؟"
سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کوئی وضاحت نہیں دی تھی۔ مگر گی مسکرا دی تھی۔
"کہیں یہ تمہاری شخصیت کا رعب تو نہیں کہ محبت تمہارے قریب کبھی پھٹکی ہی نہیں؟ سردار سبکتگین حیدر
لغاری! خود کو اتنا بھی مت بناؤ کہ تم زندگی کے اصل رنگ کو ہی نہ سمجھ سکو۔ خاص بننے کا اپنا ہی ایک مزہ (?)
ہے۔ مگر کبھی کبھی عام بن جانا بھی بہت اچھا لگتا ہے۔"
اور سردار سبکتگین حیدر لغاری جواباً مسکرا دیا تھا۔ گی نے بہ غور اس کے چہرے کو دیکھا تھا، پھر مسکرا دی
تھی۔
"ایک بات پوچھوں گین؟"
"ہوں۔"
"وہ کون ہے جس کے لیے تم اس روز اتنا پریشان ہو رہے تھے؟"
گی کا سوال بہت غیر متوقع تھا۔ شاید تبھی سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے کسی قدر چونک کر دیکھا
تھا۔
"تم کیوں پوچھ رہی ہو؟"
"تمہیں اچھا نہیں لگا؟" گی نے اسے ندامت سے دیکھا تھا۔ "دراصل میں نے پہلی بار اسے تمہارے
ساتھ دیکھا ہے۔ میں نے کبھی اس سے قبل پوچھا نہیں اور شاید مجھے جاننے کی کوئی ضرورت بھی نہیں تھی
مگر جس طرح تم اس روز اس کے لیے پریشان ہو رہے تھے وہ بہت حیران کن تھا۔ ایسا کوئی کسی بہت [illegible]

ہی کر سکتا ہے۔"
[illegible] کہہ رہی تھی اور سردار سبکتگین حیدر لغاری بہت بے تاثر انداز میں چہرے کا رخ پھیر گیا تھا۔
گی نے اسے چپ ہو کر دیکھا تھا۔ تبھی سردار سبکتگین حیدر لغاری اٹھ کھڑا ہوا تھا۔
"جا رہے ہو؟" گی نے مدھم لہجے میں دریافت کیا تھا۔
"ہوں۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے سر اثبات میں ہلایا تھا۔ گی نے اسے کسی قدر بے قرار نظروں
سے دیکھا تھا۔
"کچھ کہنا چاہتی ہو؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری جیسے اس نگاہ کو پڑھ رہا تھا۔
گردن بہت ہولے سے نفی میں ہلی تھی۔ خودکلامی کا سا کوئی انداز تھا اور اگرچہ سردار سبکتگین حیدر
لغاری اس لفظ کا مفہوم نہیں جانتا تھا مگر جانے کیوں مسکرا دیا تھا۔ گی چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔
"مت جاؤ، ابھی کہہ رہی ہو اور نظریں بھی پھیر رہی ہو۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کہا تھا اور وہ
پلٹ کر اسے دیکھنے لگی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔ مسکراہٹ کچھ گہری ہو گئی تھی۔
"جا رہا ہوں۔ مگر پھر آؤں گا۔ مجھے خدا حافظ نہیں کہو گی؟" اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔
"سیونارا۔" گی کا لہجہ مدھم اور بجھا بجھا سا تھا مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔
"گلابائے۔" ہولے سے ہاتھ ہلا کر وہ پلٹا تھا اور پھر باہر نکلنے لگا تھا۔

❀❀❀

عفنان علی خان، اوزی سے مل کر نکل رہا تھا۔ جب بیرونی سیڑھیوں پر ستون کے ساتھ لگ کر بیٹھی
انابیہ شاہ پر نگاہ پڑی تھی۔ قدم خود بہ خود رک گئے تھے۔ وہ بہت آہستگی سے اس کے قریب بیٹھ گیا تھا۔
انابیہ شاہ نے کسی قدر چونک کر اسے دیکھا تھا۔ عفنان علی خان بہت نرمی سے انداز میں مسکرایا تھا۔
"اچھے دوستوں کو کوئی اس طرح پریشان کرتا ہے؟" مدھم لہجے میں دریافت کیا تھا۔ انابیہ شاہ بہت
الجھتے ہوئے دیکھنے لگی تھی۔
"پریشان؟ میں نے کسے پریشان کیا ہے؟" مدھم لہجے میں حیرت بہت واضح تھی۔ وہ اس لہجے عفنان
علی خان کی سمت دیکھ رہی تھی اور عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔
"اوزی کو۔ انابیہ شاہ! تمہیں نہیں لگتا تم اس کے ساتھ کچھ غلط کر رہی ہو؟"
انابیہ شاہ نے اسے خاموشی سے دیکھا تھا پھر چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔
"اوزی کی عادت ہے چھوٹی چھوٹی باتوں پر پریشان ہونے کی۔"
"اور تم؟" عفنان علی خان نے اس کی سمت اشارہ کیا تھا۔ انابیہ شاہ نے اس کی سمت دیکھا تھا۔
"تمہیں کس نے کہا عفنان علی خان! کہ میں پریشان ہوں؟"
"اچھا، تو تم پریشان نہیں ہو؟" وہ مسکرایا تھا۔ انابیہ شاہ لب بھینچ کر چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔ خاموشی
[illegible] بیٹھی رہی [illegible] عفنان علی خان نے اسے دیکھا تھا۔ پھر بہت آہستگی سے اس کے ہاتھ پر اپنا مضبوط
ہاتھ رکھ دیا تھا۔

"آئی ایم سوری انابیہ شاہ!" لہجہ مدھم تھا۔

اور وہ بے حد چونک کر اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔ انابیہ شاہ کچھ نہیں بولی تھی اور عفنان علی خان اس سمت خاموشی سے دیکھتا ہوا نظر پھیر گیا تھا۔

"ابھی تک ہمارے درمیان کوئی رشتہ استوار نہیں ہوا ہے نا انابیہ شاہ! کوئی ربط نہیں بنا ہے۔ جس کا کوئی نام بھی نہیں ہے۔ نہ دوستی، نہ ہی دشمنی۔ مگر انابیہ شاہ! میں پھر بھی تمہارے لئے کچھ خاص محسوس کرتا ہوں۔ تمہارے متعلق خاص رنگ سے سوچتا ہوں۔ تمہیں خاص زاویے سے دیکھتا ہوں۔ تمہارا دکھ، تمہاری ہنسی، تمہاری خوشی، تمہارا افسردہ ہونا یہ سب بہت معنی رکھتا ہے میرے لئے انابیہ شاہ! میں اس ربط کا کوئی مفہوم سمجھ نہیں پاتا مگر اس ربط کو بہت واضح انداز میں محسوس ضرور کرتا ہوں۔" لہجے میں وہ کیسے کیسے انکشافات کر رہا تھا اور انابیہ شاہ اسے چپ چاپ دیکھ رہی تھی۔

"انابیہ شاہ! مجھے وہ سارے رنگ بھی سمجھ میں نہیں آتے۔ مگر میں انہیں اپنے ارد گرد بکھرا ہوا ضرور دیکھتا ہوں۔ سب زاویے، سبھی حاشیے۔ انابیہ شاہ! ان سب کا سلسلہ تم سے کیوں جا ملتا ہے؟ میں تمہارے متعلق خود کو سوچنے سے باز نہیں رکھ پاتا۔" اس کا مدھم لہجہ کتنے رنگوں سے بھرا ہوا تھا اور انابیہ کس درجہ حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"تم جب میری کچھ لگتی بھی نہیں ہو، ہمارے درمیان کوئی ربط، کوئی تعلق ہے ہی نہیں تو پھر یہ انابیہ شاہ؟ —— پھر یہ سب کیوں؟ —— ایسا کیوں انابیہ شاہ؟" کتنے سوال تھے اس لہجے میں۔ آنکھوں کی تپش کس درجہ بڑھ گئی تھی۔ کتنی بے قراری عود کر آئی تھی اور انابیہ شاہ ایک پل میں چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔ عفنان علی خان بہت دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

"میرے پاس اس رشتے کو دینے کے لئے کوئی نام نہیں ہے انابیہ شاہ! اور میں جانتا ہوں تم اس معاملے میں خود کو بہت بے بس پاتی ہوگی۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس ربط کا کوئی نام نہیں یا یہ ربط بے معنی ہے۔ بعض اوقات بہت سی چیزوں کے مفہوم سمجھ میں نہیں آتے۔ بہت سی باتیں عام فہم نہیں ہوتیں، وہ بے معنی نہیں ہوتیں۔ انہیں یونہی بے سبب جان کر چھوڑ دینا دانش مندی نہیں۔ بہت سی چیزیں وقت مانگتی ہیں، وقت چاہتی ہیں، اپنا آپ منوانے کے لئے اور باور کرانے کے لئے۔ دوستی اور دشمنی کو بھی وقت دینا چاہئے۔ وقت دینے سے بہت سے مدھم رنگ بھی گہرے ہو جاتے ہیں اور وہ کچھ بھی واضح ہو جاتا ہے جو اس سے قبل واضح نہیں ہوا ہوتا۔" بہت مدھم سی مسکراہٹ عفنان علی خان کے لبوں پر تھی۔ مگر انابیہ چہرے کا رخ پھیرے خاموشی سے بیٹھی رہی تھی۔ عفنان علی خان نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر مسکرا دیا تھا۔

"پتہ نہیں تمہاری لوجک کیا ہے انابیہ شاہ! مگر میں کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی بہت کچھ شیئر کرنے کی خواہش اپنے اندر پاتا ہوں۔ دوستی نہیں، دشمنی بھی نہیں مگر اس خاموشی میں بھی کچھ کہنے کو دل چاہتا ہے۔ شاید تمہیں مجھے سننا اچھا نہیں لگتا ہوگا مگر مجھے تم سے کہنا بہت اچھا لگتا ہے۔ میرا دل چاہتا ہے انابیہ! تم سے بہت سی باتیں کروں۔ بہت سی باتیں۔ معنی، بے معنی بہت سی باتیں۔ کچھ کو تم سمجھو، کچھ کو

کہتا چلا جاؤں۔" وہ عجیب دیوانگی سے کہتے ہوئے مسکرایا تھا پھر سر نفی میں ہلانے لگا تھا۔

"کیا شاید اس لئے ہے کہ اوزی کی طرح میرا کوئی اتنا اچھا دوست نہیں ہے۔ اوزی از ریئلی اے گڈ... تم اس کی دوست ہو۔ اس کے ساتھ ہو۔"

انابیہ شاہ اس کی سمت خاموشی سے دیکھنے لگی تھی۔ عفنان علی خان نے اس کی سمت رنگین آنکھوں کو دیکھا پھر مسکرا دیا تھا۔

انابیہ شاہ اسے کس درجہ حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

عفنان علی خان اسے اس طرح ساکت چھوڑتا ہوا اٹھا تھا اور وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔ انابیہ شاہ تھی وہ اسی طرح بیٹھی رہی تھی۔

* * *

فارحہ سر جھکائے چپ چاپ سی بیٹھی تھیں جب اذہان حسن بخاری ان کے قریب آن رکا تھا۔ فارحہ بی بی نہیں چونکی تھیں۔ اسی طرح بیٹھی رہی تھیں۔ اذہان حسن بخاری نے انہیں دیکھا تھا پھر بہت آہستگی سے گھٹنوں کے بل جھک کر ان کے قدموں میں بیٹھ گیا تھا۔ تب فارحہ چونکی تھیں اور اس کی جانب دیکھنے لگی تھیں۔

"تم سوئے نہیں؟" بہت مدھم لہجے میں دریافت کیا تھا مگر اذہان حسن بخاری نے کوئی جواب نہیں دیا۔ خاموشی سے انہیں دیکھتا رہا تھا۔ تب فارحہ جانے کیوں بہت خاموشی کے ساتھ چہرے کا رخ پھیر گئی تھیں۔ اذہان حسن بخاری نے اپنا سر ان کی گود میں رکھ دیا تھا۔

"ممی! —— میں آپ کے ساتھ ہوں۔ آپ خود کو تنہا کیوں محسوس کر رہی ہیں؟ میں آپ کی اسٹرینتھ بننا چاہتا ہوں ممی! میں آپ کو بے حوصلہ نہیں دیکھ سکتا۔"

فارحہ نے اس کی سمت دیکھا تھا۔ پھر بہت آہستگی سے اس کے سر پر اپنا ہاتھ دھر دیا تھا۔

"میں جانتی ہوں، میں کمزور نہیں ہوں۔ کیونکہ میرا بیٹا میری طاقت ہے۔ تم نے یہ سوچا بھی کیسے کہ میں کمزور پڑ رہی ہوں؟"

اذہان حسن بخاری نے سر اٹھا کر ماں کی طرف دیکھا تھا۔ پھر ان کی گود سے سر اٹھاتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر ان کی آنکھوں کی نمی کو اپنے ہاتھوں سے پونچھنے لگا تھا۔

"ایک طرف آپ مجھے اپنی طاقت بھی کہہ رہی ہیں اور دوسری طرف رو بھی رہی ہیں ممی؟"

"رونے کے لئے فقط یہ جواز نہیں ہوا کرتا کہ کوئی کمزور ہے۔ رونے کے لئے بعض اوقات اور بھی سبب ہوا کرتے ہیں۔" مدھم لہجے میں وضاحت دی تھی۔ اذہان حسن بخاری نے ماں کی طرف دیکھا تھا پھر بے حد بے بسی کے ساتھ دوسرے ہی پل چہرے کا رخ پھیر گیا تھا۔

"ممی! آپ کو لگتا ہے کہ رونے سے کسی مسئلے کا کوئی حل نکل سکتا ہے؟ —— کیا آپ سمجھتی ہیں کہ یہ آنسو بہا دینے سے وہ درد باقی نہیں رہے گا؟" مدھم لہجہ بہت شکستہ سا تھا۔

فارحہ بہت آہستگی سے نظریں پھیر گئی تھیں۔

''میں جانتی ہوں، یہ ہمدردانہ حماقت ہے۔ عمر کی باقی ماندہ تمام مسافتوں پر محیط، دور تک پھیلا ہوا [illegible] بھی جانتی ہوں، فقط دو آنسو رو دینے سے یہ ختم نہیں ہو سکتا۔ نہ ہی کسی بات کا مداوا ممکن ہے [illegible] اوقات بہت سی باتوں پر اختیار نہیں ہوا کرتا اور یہ کیفیت بھی انہی میں سے ایک ہے۔''

اذہان حسن بخاری سر اٹھائے ان کی سمت خاموشی سے دیکھتا رہا تھا پھر بہت آہستگی سے گویا ہوا تھا۔

''ممی! کیا ایسا ممکن نہیں کہ آپ پاپا کی اس غلطی کو بھلا کر ہم پر، خود پر اور اس گھر پر توجہ دیں [illegible] اس لیے نہیں کہہ رہا کہ مجھے پاپا سے کوئی ہمدردی ہے مگر ممی! میں آپ کو کوئی معمولی سی زک پہنچتے ہوئے [illegible] نہیں دیکھ سکتا۔ آپ کو ذرا سی بھی تکلیف ہوتی ہے تو میرا دل اس سارے جہاں کو تہس نہس کر دینے کو چاہتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا آپ پاپا کی غلطی کو فراموش کر دیں۔ پاپا کو معاف کر دیں۔ مجھے صرف آپ عزیز ہیں۔ آپ کو کسی طرح کا نقصان پہنچتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔''

فارحہ نے بھیگی ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھا تھا پھر چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

''میں جانتا ہوں ممی! ایسا آسان نہیں ہے ـــــ ایسا نہیں ہے کہ مجھے آپ کے دکھ کا اندازہ نہیں ہے۔ مجھے اندازہ ہے۔ مگر......'' وہ جیسے مزید کہہ نہ سکا تھا۔ جذبات لہجے پر غالب آ گئے تھے اور وہ چپ ہو کر چہرے کا رخ پھیر گیا تھا۔

فارحہ نے اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں تھاما تھا۔

''بیٹا! بہت کچھ بکھر جائے تو سمیٹنا کسی قدر دشوار ضرور ہو جایا کرتا ہے۔ مگر ایسا ناممکن نہیں ہے۔ یو آر رائٹ۔'' مدھم لہجے میں بیٹے کا حوصلہ بندھایا تھا۔ ''ایسا نہیں ہے کہ مجھے سنبھالنے کا فن نہیں آتا۔ مسئلہ یہ ہے کہ میں جیسے ہی سب کچھ سمیٹنے کی کوشش کرتی ہوں تو سب کچھ پہلے سے بھی زیادہ بکھر جاتا ہے۔'' ان کے لہجے میں بہت شکستگی تھی۔ ''پہلے سے زیادہ بکھر جانا، سمیٹنا اور بھی مشکل کر دیتا ہے۔'' فارحہ جیسے تھک کر چپ ہوئی تھیں۔ مگر چہرے کا رخ پھیرتے ہوئے جیسے اپنے چہرے کے تاثرات کو چھپاتے ہوئے [illegible] تھیں۔

''تم جاؤ، جا کر آرام کرو۔ تھک گئے ہو گے۔''

اذہان حسن بخاری نے مضمحل سا ہو کر ماں کی طرف دیکھا تھا۔

''ممی! ایسا کب تک ہوتا رہے گا؟''

اور فارحہ کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔ تبھی شاید وہ لب بھینچ کر نگاہ پھیر گئی تھیں۔

''ممی! آپ بچپن میں جب مجھے کہانیاں سنایا کرتی تھیں تو مجھے آپ کی زبان سے نکلے حرف حرف [illegible] ایمان تھا۔ مجھے لگتا تھا ممی! وہ جادو بھرے کردار جب چاہیں، جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ سارے حالات [illegible] بس میں کر سکتے ہیں۔ تب مجھے لگتا تھا وہ سارے کردار سچ ہیں اور میں جب چاہوں ان کرداروں سے [illegible] زندگی میں مدد لے سکتا ہوں۔ مگر ممی! آج مجھ پر کھلا ہے کہ وہ جادوئی کردار بھی اتنے ہی بے بس [illegible] اگر وہ آج یہاں ہوتے۔ شاید آج اس لیے مجھے کوئی بہلاوہ بہلا نہیں سکتا۔ مگر ممی! جانے کیوں میرا [illegible] بھی یہ چاہتا ہے کہ آپ میرا سر اپنی گود میں رکھ کر اپنے ملائم ہاتھ میرے بالوں میں پھیریں اور مجھے [illegible]

[illegible] کہانیاں سنائیں جن میں سب کچھ ناممکن، ممکن ہو جایا کرتا تھا۔ اور......'' مدھم مدھم لہجے میں [illegible] لیے وہ رکا تھا۔ پھر بنا فارحہ کی طرف دیکھے یکدم ہی اٹھا تھا اور باہر نکل گیا تھا۔ فارحہ کتنی دیر تک [illegible] بیٹھی وہیں بیٹھی رہ گئی تھیں۔

❊ ❊ ❊

[illegible] بارش ہو رہی تھی۔ جب سردار سبکتگین حیدر لغاری اسے لینے آیا تھا۔

''شام میں فانی کا برتھ ڈے منانا چاہتی ہوں۔ کیا جانا ضروری ہے؟'' کسی قدر الجھن سے پُر نظروں [illegible] پانے سردار سبکتگین حیدر لغاری کو دیکھا تھا اور وہ بہت ملائمت سے مسکرا دیا تھا۔

''ہاں، مگر ہم واپس لوٹ آئیں گے۔ فانی کی برتھ ڈے ساتھ منائیں گے۔'' تسلی سے مطلع کیا تھا۔

[illegible] سیال کسی قدر حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

''کہاں کا پروگرام ہے؟''

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت دیکھا تھا۔ لبوں کی مسکراہٹ اس دم گہری ہو گئی تھی۔

''بے فکر رہو ـــــ فی الحال ہنی مون کا کوئی پروگرام نہیں۔''

میرب سیال اس کی اس درجہ بے باکی پر اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔ اسے وہ چھوٹی سی شرارت بھی بہت [illegible] لگی۔ یہی وجہ تھی شاید کہ جب وہ اس کے ساتھ نکل رہی تھی، نظریں جھکائے ہوئے تھی۔ لبوں پر کوئی [illegible] تھا۔ گاڑی سبک روی سے آگے بڑھ رہی تھی جب سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت دیکھا [illegible] دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

''پوچھو گی نہیں کہاں لے جا رہا ہوں؟'' نظروں میں ایک خاص چمک تھی۔ شاید وہ پھر مذاق کے موڈ [illegible] مگر وہ اب کے پُر اعتماد انداز میں دھیمے سے مسکراتی ہوئی سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

''نہیں ـــــ شاید مجھے اعتبار ہے۔''

''رئیلی؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری کسی قدر حیران ہوا تھا۔ میرب سیال مسکراتے ہوئے چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

''آپ کو حیرت کیونکر ہو رہی ہے؟ کیا میری طرف سے قبول نہیں کرتے کہ میں آپ پر اعتبار کر دوں [illegible]'' اس کی سمت دیکھے بغیر دریافت کیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر بہت آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کا رخ اپنی طرف پھیر لیا تھا۔ میرب سیال کسی درجہ حیران ہوئی [illegible] دھڑکنوں میں کسی قدر ارتعاش بھی واقع ہوا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی سمت بغور دیکھتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

''مجھے بہت لوگ اچھے لگتے ہیں۔ آنکھوں میں دیکھ کر، نظر ملا کر بات کرنے والے۔ نظر چرا کر [illegible] والے جیسے لگتے ہیں۔'' ایک گہرا انکشاف کیا تھا اور میرب سیال اس کی سمت دیکھ کر رہ گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

''کچھ کہہ رہی نہیں تم؟'' جتایا تھا۔ مگر میرب سیال کچھ نہیں بولی تھی۔ تبھی وہ مسکراتے ہوئے گویا ہوا

تھا۔

"ہاں، اعتبار... یہی پوچھ رہی تھیں نا تم؟" اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔ "تمہیں اعتبار تو واقعی آ کرنے لگی ہو اور مجھے اس بات کی خوشی بھی ہے میرب سیال! مگر تمہارا ایا تو فیس ایبل ہے یا پھر تمہیں جذبات چھپانے پر ملکہ حاصل ہے کہ کبھی کبھی کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ میں تمہارے چہرے کو ٹھیک طور پر نہیں پا تا۔ اس کے باوجود کہ میں پڑھنا چاہتا ہوں۔ تم ایسا کرو اپنے چہرے کو کسی قدر آسان کر لو کیونکہ جو ایکسپریشنز سمجھ میں نہیں آتے تو بہت الجھن ہوتی ہے۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اعتراف کر پھر اعتراف، وہ سمجھ نہیں پائی تھی۔ شاید اسی لیے چند ثانیوں تک چپ چاپ سی اس کی سمت دیکھتی رہی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر بہت آہستگی سے چہرے کا رخ پھیر گیا تھا۔

"اس انداز سے مت دیکھو۔ ابھی توجہ کی اتنی بری عادت نہیں پڑی ہے۔ کسی قدر بچپنا باقی ہے۔ کر بیٹھا تو پھر شکوہ کرو گی۔"

میرب سیال نے دیکھا تھا، اس کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ وہ یقیناً سنجیدہ نہ تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کا یہ کوئی نیا ہی روپ تھا جو اس گھڑی اس کے سامنے آ رہا تھا۔ وہ کسی قدر حیران سی چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

"ایک بات کہوں؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت دیکھا تھا۔ میرب سیال نے اس سمت نگاہ نہیں کی تھی مگر انداز شاید اجازت دینے والا تھا۔ تبھی سردار سبکتگین حیدر لغاری دھیمے لہجے میں بولا تھا۔

"مجھے اچھا لگا۔"

میرب سیال نے کسی قدر چونکتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"کیا؟" مدھم لہجے میں دریافت کیا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی آنکھوں میں براہ راست دیکھتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

"تمہارا اپنے لیے پریشان ہونا، فکرمند ہونا۔" مدھم لہجے میں گہرے اسرار تھے اور میرب سیال اس سمت دیکھتی ہوئی بہت ہولے سے نگاہ پھیر گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اپنا مضبوط ہاتھ بڑھا بہت آہستگی سے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔

"تھینکس...... تھینکس آ لاٹ۔" لہجہ سرگوشی جیسا تھا۔ میرب سیال نے اس کی سمت دیکھا تھا اور شاید دھیما مسکرا دی تھی۔

"میں رشتوں پر اعتبار کر رہی ہوں سردار سبکتگین حیدر لغاری! مجھے نہیں پتہ کہ آگے کیا ہونے والا ہے کیا ہوگا، مگر میں صرف اس اعتبار پر اعتبار کر رہی ہوں جو مجھے آپ نے اس روز روک کر دلایا تھا۔" مدھم لہجے میں اس نے انکشاف کیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی سمت چند ثانیے خاموشی سے دیکھتا رہا تھا، پھر دھیمے لہجے میں گویا ہوا تھا۔

"تمہیں لگتا ہے کہ یہ سب ٹھیک نہیں، یا ایسا کر کے تم کوئی غلطی کر رہی ہو؟" گہری آنکھیں اس

بغور دیکھ رہی تھیں۔ میرب سیال نے اس کی سمت ایک نگاہ کی تھی پھر بہت دھیمے سے مسکراتے نفی میں ہلا دیا تھا۔

"مجھے نہیں خیال کہ اعتبار کوئی غلطی ہے۔ اگر یہ غلطی ہوتی تو میں اسے قطعاً نہ دہراتی۔" مختصر سا جملہ دہرایا جانے کو تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری لب بھینچ کر چہرے کا رخ پھیر گیا تھا۔

"تمہیں لگتا ہے گزری باتوں کو دہرا کر کچھ حاصل ہو سکتا ہے؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری کا لہجہ ٹھہرا ہوا میرب سیال بہت دھیمے سے مسکرا دی تھی۔

"ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

"سرپرائز۔" وہ اس کی سمت دیکھتا ہوا مسکرا دیا تھا۔ "اعتبار ہے نا؟" مدھم لہجے میں دریافت کیا تھا اور میرب سیال سر اثبات میں ہلاتے ہوئے مسکرا دی تھی۔

تبھی گاڑی رکی تھی اور سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے اترنے کا اشارہ کیا تھا۔

"گاڑی ایک انتہائی خوب صورت گھر کے سامنے رکی تھی اور اس کی نگاہیں خیرہ ہونے لگی تھیں۔ وہ گل بہت سے پھولوں سے ڈھکا، سفید دودھیا سا، وہ جیسے کسی خواب میں سفر کرنے لگی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے قریب آن رکا تھا۔

"یہ......!" کسی قدر حیرت سے چونک کر اس نے اس گھر کی سمت اشارہ کیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر مسکرا دیا تھا۔

"اپنے گھر میں قدم نہیں رکھو گی؟"

"اپنا گھر؟" وہ دوسری بار چونکی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کا ہاتھ تھامتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

"اٹس یور ہنی!" کہنے کے ساتھ ہی وہ اس کا ہاتھ تھام کر اندر بڑھنے لگا تھا اور وہ جیسے کسی خواب میں رہنے لگی تھی۔ اتنا بڑا گھر تھا اور اتنا ویل فرنشڈ کہ وہ ساکت سی رہ گئی تھی۔

"اچھا لگا تمہیں؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری ڈور پر سے پردے سرکاتے ہوئے مسکرایا تھا۔ بارش کے الگتی بوندیں اس شیشے پر تھیں۔ شیشے سے باہر نظر آنے والا لان کا سبزہ بہت بھلا تاثر دے رہا تھا۔

"تھینکس! مگر اس کی کیا ضرورت تھی؟"

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت دیکھا تھا۔ پھر دو قدم کا فاصلہ عبور کرتا اس کے قریب آن رکا شانوں سے تھاما تھا اور کسی قدر قریب کر لیا تھا۔ میرب سیال کا دل یکبارگی دھڑکا تھا۔ ایک ہلچل سے وہاں تک پھیل گئی تھی۔ وہ نظریں جھکائے کھڑی تھی۔ جب سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی بغور دیکھتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

"ضروری نہیں ہنی! محبت...... اسے محبت کہتے ہیں اور میرا خیال ہے محبت کی ضرورت ہمیشہ رہتی ہے۔" مدھم لہجے میں بہت سے رنگ تھے مگر میرب سیال میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ سر اٹھا کر اس کی سمت دیکھ سکتی۔ وہ اسی طرح سر جھکائے کھڑی رہی تھی۔ جب سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بہت آہستگی اس کا جھکا چہرہ اوپر اٹھایا تھا اور اسے بغور دیکھتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

"محبت کوئی مہربانی نہیں میرب سیال! کہ اس کے لئے تعرض برتا جائے یا پھر مشکور ہوا جائے۔ ایک حق ہے، جسے بہت اعتماد کے ساتھ قبول کرنے کا فن آنا چاہئے۔"

پتہ نہیں فضا میں خنکی بہت زیادہ تھی یا پھر اس شخص کی قربت ہی میں کوئی اسرار تھا کہ وہ کسی قدر کانپ رہی تھی۔

سر جھکائے کھڑی وہ اس لمحے سردار سبکتگین حیدر لغاری کی توجہ کا مرکز تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے گرد اپنا حصار کچھ اور بھی تنگ کر دیا تھا۔ اس کی سانسوں کی تپش وہ اپنے چہرے پر محسوس کر رہی تھی۔

"تمہیں نہیں لگتا موسم کچھ بدل رہا ہے اور محبت کا آغاز اب ہوا ہی چاہتا ہے؟" لبوں پر مسکراہٹ لئے وہ اس سے مخاطب تھا اور میرب سیال اپنی آنکھیں بہت زور سے میچ گئی تھی۔ اندر ہلچل سی برپا ہو گئی تھی۔ سارا وجود جیسے کسی طوفان کی زد پر آ گیا تھا۔ اس قربت سے جیسے سارا وجود تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے چہرے کی سمت بہ غور دیکھا تھا پھر جانے کیوں اس کے گرد اپنا حصار بہت آہستگی سے ہٹاتے ہوئے اسے اس قربت سے آزاد کر دیا تھا۔

میرب سیال نے اس کے اس اقدام پر کسی قدر سکھ کا سانس خارج کیا تھا۔ مگر نگاہ اٹھا کر دیکھنے کی ہمت اس میں اب بھی نہ تھی۔

"میرب!" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے نگاہ شیشے کی سمت پھیرتے ہوئے باہر کا جل تھل منظر دیکھا تھا۔

"جی؟" بہت مشکل سے اس نے حلق سے آواز برآمد کی تھی۔

"کیا تم اب بھی مجھ سے ڈرتی ہو؟" مدھم لہجے میں پوچھا گیا سوال بہت اَن ایکسپیکٹڈ تھا۔ تبھی میرب کسی قدر چونک کر اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"اگر تمہارا ڈر کچھ دور ہو گیا ہو تو بیٹھ جاؤ ــــــ میں تمہارے لئے کافی لے کر آتا ہوں۔" سبکتگین حیدر لغاری گویا ہوا تھا اور پھر یکدم ہی مڑ کر باہر نکل گیا تھا۔

میرب سیال سر جھکائے اسی طرح کھڑی رہی تھی۔

کیسا تھا وہ شخص ــــــ وہ کیوں اسے سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

❁ ❁ ❁

"مجھے حیرت ہے اوزی! ــــــ تم میں اتنی بھی ہمت نہیں؟" انابیہ شاہ نے کسی قدر حیرت سے اس کی سمت دیکھا تھا مگر اوزی چونکے بغیر مسکرا دیا تھا۔

"نہیں ــــ میں کم ہمت نہیں ہوں انابیہ شاہ! مگر میں کسی قدر محتاط ضرور ہوں... حالات میرے لئے بہت نازک ہیں اس لئے انہیں میں مزید الجھانا نہیں چاہتا۔" ایک مدھم جاں سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر تھی۔ انابیہ شاہ اسے حیرت سے دیکھنے لگی تھی۔

"کم ہمت اور بزدل اور کسے کہتے ہیں اوزی؟"

ڈال دیا تھا۔

"تم مکمل طور پر کاورڈ ہو۔ میں مصلحت پسند ہوں اس لئے تم مجھے کسی قدر رعایت دے سکتی ہو۔" وہ بولا تھا اور انابیہ شاہ اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

"اتنے کم ہمت ہو کہ کسی کا سامنا بھی نہیں کر سکتے۔"

اوزی نے لب بھینچ لئے تھے، اسے دیکھا تھا اور پھر بہت ملائمت سے مسکرا دیا تھا۔

"تم چاہتی ہو کہ سب کچھ پہلے سے بھی زیادہ بکھر جائے؟"

"نہیں ــــــ میں ایسا نہیں کہہ رہی۔ مگر فقط ایک رسمی سی ملاقات کی ہمت تو تم میں ہونی چاہئے۔ یہ دنیا بڑی ہے اتنی ہی مختصر بھی ہے۔ کبھی کبھی ہم جن سے بچنے کے لئے بھاگتے ہیں نادانستگی میں انہی سے ٹکرا جاتے ہیں اور تم تو پھر زیادہ فاصلے پر نہیں ہو۔ ایک ملک ہے، ایک شہر ہے اور......" انابیہ شاہ چپ ہو گئی تھی۔

اوزی مسکرا دیا تھا۔

"وہ بخیے اُدھڑ گئے تو دوبارہ رفو گری کون کرے گا؟" کسی قدر غیر سنجیدہ انداز سے اسے دیکھا تھا۔ مگر انابیہ نے چہرے کا رخ پھیر لیا تھا۔ اوزی شرارت سے اس کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

"اگر رفو گری کا وعدہ کرو تو میں پیش قدمی کرنے کو تیار ہوں۔" لبوں پر مسکراہٹ تھی اور انابیہ شاہ اسے گھورتے ہوئے دیکھنے لگی تھی۔

"شٹ اپ اوزی!"

اوزی ہنس پڑا تھا۔

"چلو ایک بات تو کنفرم ہے، یہ لڑکیاں رفو گری بہت اچھی کرتی ہیں۔ پھاہے رکھنے میں انہیں کمال حاصل ہے۔ زخم دنوں میں ٹھیک ہوتا ہے۔ اور مزے کی بات یہ ہے کہ کوئی نشان تک باقی نہیں رہتا۔"

"ہم ایک اہم پہلو پر بات کر رہے تھے اوزی!" انابیہ شاہ نے اسے کسی قدر ناگواری سے دیکھا تھا اور وہ ہنستے ہوئے اسے دیکھنے لگا تھا۔

"اچھا ــــ تو کیا کروں؟ جاؤں اور گھٹنے ٹیک دوں؟ ہتھیار ڈال دوں یا پھر فرار ہو جاؤں؟ ــــــ تم زیادہ ہی غلط قسم کے مشورے نہیں دے رہی ہو تم مجھے؟ کیسی دوست ہو تم؟ میری ریپوٹیشن خراب کرنے کے چکر میں ہو۔" اوزی شرارت سے مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا اور وہ چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔ اوزی نے سنجیدہ ہوتے ہوئے اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں تھام لیا تھا اور بہت توجہ سے دیکھتے ہوئے ملائمت سے بولا تھا۔

"تو میری دوست! میری اچھی سی ہمدرد! ایسے نہیں ہوتا ہے۔ جو بیت گیا سو بیت گیا۔ دبی راکھ کو کریدنے سے ہاتھ کچھ نہیں آتا۔ ہم اجنبی ہی بنے رہیں تو اچھا ہے۔ ان اجنبی راستوں پر، اجنبی لوگوں میں کسی انجان جگہ میں، اجنبی سے مقام میں۔ اگر کہیں بھولے سے مل بھی جائیں تو اجنبی بن کر، بنا کچھ کہے نظر بچا کر نگاہ کئے گزر جائیں۔ یہی مناسب ہے۔ چیز اپنی ہو تو استحقاق جتانا بھی اچھا لگتا ہے اور

دھوئیں جانا بھی۔ مگر شے پرانی ہو تو اس کے جلوے بھی پرانے ہو جاتے ہیں۔ تمہاری سمجھ میں یہ اتنی سی بات نہیں آتی۔" مسکراتے ہوئے اس کے سر پر ہلکے سے چپت لگائی تھی اور اناہیہ شاہ اسے دیکھ کر تھی۔ تبھی وہ مسکرایا تھا۔ "پرانے مال پر نظر رکھنا کوئی اچھی بات تو نہیں اناہیہ شاہ! کتنی بڑی باتیں کر ہو تم بھی۔" انداز شرارت سے پُر تھا۔ وہ غالباً ان ساری باتوں کو مذاق میں اُڑانا چاہ رہا تھا۔ اناہیہ شاہ نے اسے چپ چاپ دیکھا تھا، کہا کچھ نہیں تھا۔

اوزی نے اس کی سمت دیکھتے ہوئے مسکرا کر شانے اچکائے تھے۔

"جو سوز گزر گیا سو گزر گیا۔ پلٹ کر دیکھنے سے کچھ فائدہ نہیں۔ دیکھو گی تو بھی سارے منظر اور دھواں دھواں ملیں گے۔ پھر فائدہ؟"

"کس بات سے فائدہ نہیں؟" وہ دونوں چپ چاپ بیٹھے تھے جب ایک تیسری آواز نے انہیں چونکایا تھا۔ دونوں نے نگاہ کی تھی۔ عفنان علی خان ان کی سمت دیکھتا ہوا مسکرا رہا تھا۔

"تم لوگ کچھ خاص ڈسکس کر رہے تھے؟"

"ارے نہیں یار! ہم میں ایسا کچھ خاص نہیں کہ کچھ خاص ڈسکس کریں۔ تم سناؤ، یہ چھکے چھکے کیسے مار دیا؟ آج شام کا تمہارا شیڈول تو خاصا ٹف تھا نا۔ آنٹی سے بات ہوئی تھی صبح، تمہارا تو [illegible] اٹینڈ جانا تھا؟"

عفنان کرسی کھینچ کر مسکراتے ہوئے بیٹھ گیا تھا۔ پھر ایک گہری سانس خارج کی تھی۔

"ہاں ـــــ جانا تو تھا۔ مگر پاپا نے وہ اسائنمنٹ اپنے ذمے لے لیا۔ یو نو ایکسپیرینس از دا گیم۔ سو ہم رد ہو گئے اور پاپا جی کو اپنی عمر اور تجربے کا فائدہ مل گیا۔" وہ مسکرایا تھا۔

نگاہ اس چہرے پر گئی تھی۔ اناہیہ شاہ چہرے کا رخ پھیر گئی تھی اور عفنان علی خان کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

"چائے کافی کچھ نہیں ملے گی؟" براہِ راست دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ اناہیہ شاہ نے ان کو دیکھا تھا۔ اٹھنے کا قصد کیا تھا تب ہی اوزی نے روک دیا تھا۔

"تم بیٹھو، کافی میں بنا کر لاتا ہوں۔"

"اپنی دوست کا اتنا خیال۔" عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

"یار! دوست ہے نا۔ اور اس کی طبیعت یوں بھی ان دنوں کچھ بہتر نہیں۔ اگر کافی کی جگہ کچھ اور لو تو؟" اوزی مسکراتا ہوا پلٹا تھا اور اندر کی جانب بڑھ گیا تھا۔

عفنان علی خان اس کی سمت بغور دیکھنے لگا تھا۔

"کیا ہوا؟" اس کی طبیعت سے متعلق غالباً تشویش ہوئی تھی۔

اناہیہ شاہ نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"نہیں، ایسا کچھ نہیں۔ ٹھیک ہوں میں۔ اوزی تو بس خوامخواہ۔" اس کا انداز سرسری تھا۔

مگر عفنان علی خان کی نظریں اس چہرے کا طواف کرنے لگی تھیں۔

"اپنا خیال رکھا کرو ـــــ خود سے اس درجہ لاپرواہی اچھی نہیں ہوتی۔" مشورے سے نوازا تھا۔ وہ بڑا اکتائے ہوئے انداز میں اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔

"بڑی کی عادت ہے۔ کچھ نہیں ہوا مجھے۔ غور سے دیکھیے اور بتایئے، آپ کو لگتا ہے کہ مجھے کچھ ہوا ہے؟" ذرا اکتائے ہوئے انداز میں کہا تھا اور عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔ نظریں بغور اس چہرے کو [illegible] نہیں۔

"کیسے ممکن ہے کہ کسی پر ایک نگاہ کرو اور اس کے اندر کوئی طوفان برپا نہ ہو، وہ اپنا آپ نہ بھلا دے۔" اس کی رو پھر بہکنے لگی تھی اور اناہیہ شاہ تھک کر جیسے چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

"نہیں نہیں لگتا عفنان علی خان! تم بے معنی اور لایعنی باتیں زیادہ کرتے ہو؟" کسی قدر اکتائے انداز میں دریافت کیا تھا مگر وہ اس کی سمت دیکھتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

"کیا کروں ـــــ ہوش باقی ہی نہیں رہتے۔ کچھ سوچوں تو بامعنی بات بھی کروں۔ یہاں تو یہ عالم ہے کہ جو کہہ رہا ہوتا ہوں اس کی بھی کچھ خبر نہیں ہوتی۔ جو دیکھ رہا ہوتا ہوں وہ بھی سب خواب سا ہے۔ دل چاہتا ہے یہ خواب کبھی نہ ٹوٹے۔ یہ بے خودی سدا یونہی بنی رہے۔ مگر میں جانتا ہوں ایسا نہیں۔ سچ پوچھو تو یہ ہوش مندی کے لمحے زیادہ ظلم ہیں۔" وہ مسکرا رہا تھا۔ انداز بے حد غیر سنجیدہ تھا۔

اناہیہ شاہ لب بھینچ کر نظروں کا رخ پھیر گئی تھی۔

"تم نے سوچا کبھی؟" بہت آہستگی سے دریافت کیا تھا۔

"کیا؟" اناہیہ شاہ بے طرح چونکی تھی۔ عفنان علی خان نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر مسکرا دیا تھا۔

"ہمارے مابین کیا ہونا چاہیے ـــــ دوستی یا پھر دشمنی؟" انداز میں شرارت تھی اور اناہیہ شاہ مسکرا دی

"مجھے کبھی کسی سے دشمنی رکھنے کی ضرورت پیش نہیں آئی اور دوستی کے لیے میں بہت وقت لیتی

"کتنا وقت؟ ـــــ دو، چار، چھ یا پھر دس، کتنے سال؟" وہ مسکرایا تھا۔ اناہیہ شاہ اس کے انداز پر [illegible] تھی۔

"فی الحال وقت کا تعین ممکن نہیں عفنان علی خان! زندگی بڑی ان پریڈکٹیبل ہے اور دوستی اور دشمنی بھی زیادہ۔" اناہیہ شاہ بولی تھی اور وہ اس کی سمت دیکھتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

کچن میں اوزی کافی تیار کرتے ہوئے زور و شور سے گنگنا رہا تھا۔

"اب جتنا بھی تو مجھ سے
[illegible] تیرے میں
یہ تو عادت سی ہے ایسے جینے میں
گلہ سے کوئی شکوہ بھی نہیں ہے
یہ تو زندہ ہوں میں اس نیلے آسمان میں"

عفنان علی خان اس کی سمت بغور دیکھنے لگا تھا۔ اناہیہ شاہ چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

''دور جتنا بھی تو مجھ سے

پاس تیرے میں

اب تو عادت سی ہے ایسے جینے میں''

اوزی کی آواز متواتر ان تک پہنچ رہی تھی۔ عفنان علی خان نے بہت آہستگی سے اپنا مضبوط بازو کرسی کے نازک سے ہاتھ پر دھر دیا تھا۔ اناہیہ شاہ نے بے حد چونک کر دیکھا تھا۔ مگر عفنان علی کی خوبصورت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی۔ وہ ان ست رنگی آنکھوں کو بغور دیکھنے لگا تھا۔

''میں اکثر سوچتا ہوں اس گزرتے ہوئے ماہ و سال میں کہیں کوئی دن ایسا ہے جبھی کر لیا جو سنگ کچھ نئے رنگ باندھ کر میری طرف آئے گا اور مجھ سے کہے گا کہ لو جو کچھ تمہارا تھا وہ تمہیں آج دیا، رکھو اپنی امانت اپنے پاس اور مجھے جانے دو۔ مگر میں پھر لوٹ کر آؤں گا، تمہارے لئے اس سے کہیں زیادہ اپنے سنگ سمیٹ کر سوچتا ہوں ایسا ہوتا بھی ہے یا کہ نہیں۔ ایسا ہو گا بھی کسی دن یا کہ کہیں یہ میرے خواب، میری خواہش سب بے معنی ہی نہ ہوں۔ یہ جو میں سب دیکھتا ہوں، سوچتا سب کہانیاں ہی نہ ہوں کہ آنکھ کھولوں اور کچھ باقی بچے ہی نہ۔'' وہ تھک کر جیسے چپ ہو گیا تھا۔ پھر دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

''اناہیہ شاہ! جو جہان خیالوں میں، خوابوں میں آباد ہوتے ہیں وہ حقیقت میں آباد کیوں نہیں ہوتے؟ ناممکن تو کچھ بھی نہیں۔ پھر اتنا کچھ بے معنی کیوں رہتا ہے؟ کیوں جاں سلگتی ہے اور کچھ بجھائی نہیں دیتا؟''

اناہیہ شاہ سر جھکائے بیٹھی تھی اور عفنان چہرے کا رخ پھیر گیا تھا۔ اوزی کافی لے آیا تھا۔

''ہیلو ــــــ کہاں غائب ہو تم دونوں؟ ــــــ ایک ساتھ ہوتے ہوئے بھی اتنی خاموشی؟'' مسکراتے ہوئے کافی کے کپ ان کے سامنے رکھے تھے۔ عفنان علی خان نے ان ست رنگی آنکھوں کو دیکھا تھا پھر مسکرا دیا تھا۔

''کبھی کبھی جو جتنا قریب نظر آتا ہے درحقیقت اتنا ہی دور ہوتا ہے۔ یہ حقیقت نہ سمجھ میں آنا ہے۔''

عفنان علی خان اٹھا تھا اور پھر پلٹ کر وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔ اوزی نے اناہیہ شاہ کی سمت دیکھا تھا۔ مگر وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھی۔

❋❋❋

گھر دیکھنے کے بعد وہ واپس لوٹ رہے تھے جب سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی سمت دیکھتے ہوئے گویا ہوا تھا۔

''تمہیں نہیں لگتا تم کچھ زیادہ ہی خاموش رہتی ہو ــــــ تمہاری عمر کی لڑکیاں تو بہت بولنے والی ہیں۔'' اس کا تجزیہ کمال کا تھا۔ میرب نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر دھیمے سے مسکرا دی تھی۔

''ضروری تو نہیں کہ تمام لڑکیاں ایک جیسی ہی ہوں۔''

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی بات پر کچھ سوچتے ہوئے پُر خیال انداز میں سر ہلایا تھا۔

''ہاں ــــــ جیسے سبھی لڑکے بھی ایک جیسے نہیں ہوتے۔ لیکن تم اتنی چپ چپ، گم صم گم صم ہو گی تو ہم دوسرے کو جانیں گے کیسے؟ ــــــ تم میرے بارے میں کیسے جانو گی؟''

میرب سیال مسکرائے بغیر نہ رہ سکی تھی۔

''اس کے لئے مجھے کیا کرنا چاہئے؟''

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت دیکھا تھا، پھر سوچتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

''تم سوال کر سکتی ہو۔''

''کیسے سوال؟''

''ایسے سوال جن کی مدد سے تمہیں جاننے میں مدد ملے۔''

''کیا ایسا کرنے سے ایک دوسرے کے متعلق جانا جا سکتا ہے؟'' میرب سیال کو کسی قدر حیرت ہوئی۔

''پتہ نہیں ــــــ شادی شدہ زندگی کا یہ میرا بھی پہلا ہی تجربہ ہے۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ...پکاتے ہوئے کہا تھا اور دونوں ہی مسکرا دیئے تھے۔ تبھی سبکتگین حیدر لغاری قدرے سنجیدگی سے گویا ہوا۔

''میرا نہیں خیال کہ میوچل انڈر اسٹینڈنگ کے لئے ان سب باتوں کا سہارا لینا ضروری ہے۔ یہ خود ... ثابت ہوتی ہے۔ جیسے کہ میں تمہیں کسی قدر سمجھنے لگا ہوں۔ اسی طرح تم بھی یقیناً مجھے کسی قدر سمجھنے لگی ہو گی۔''

میرب سیال کچھ نہیں بولی تھی۔ فقط خاموشی سے اسے دیکھتی رہی تھی۔

''تمہیں گفٹ پسند آیا؟'' براہِ راست آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

''ہوں۔'' میرب سیال نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''اور میں؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری کا انداز کسی قدر مختلف تھا۔ لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ تھی اور ...... وہ یکدم ہی نگاہ چرا گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی ...

''بتاؤ گی نہیں تو پتہ کیسے چلے گا؟''

''آپ کو یہ بات جاننے کی جلدی ہے ــــــ؟'' میرب سیال نے جواباً پُر اعتماد انداز سے اس کی سمت دیکھا تھا۔

''نہیں۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے نفی میں سر ہلایا تھا۔ تبھی وہ بولی تھی۔

''کوئی بھی نتیجہ اخذ کر لینا ضروری نہیں ہوا کرتا۔ بہت سی باتوں کے لئے وقت درکار ہوا کرتا ہے۔ ... میں ابھی واقعی آپ کو سمجھ نہیں پائی ہوں۔ شاید یہ عمل کچھ وقت لے گا۔''

''اور کیا ناممکن بھی؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔ میرب سیال نے

اس کی سمت دیکھا تھا پھر بہت ہولے سے نظر پھیر گئی تھی۔
"ایسا میں نے تمہیں کہا اور یقیناً ایسا ہے بھی نہیں۔ بٹ اِٹ ٹیکس ٹائم۔" وہ پُر اعتماد لہجے میں بولا اور سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی سمت دیکھتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔
"تم جتنی پُر اعتماد بولنے میں نظر آتی ہو، خاموشی میں نہیں لگتی ہو۔" تجزیہ کیا تھا۔ وہ کسی قدر حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔
"آپ مجھے اس قدر بے وقوف اور کم عقل جانتے ہیں؟" کسی قدر افسوس ہوا تھا کہ وہ اس کے متعلق ایسا سوچتا ہے۔
سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔
"نہیں ——— ایسی بات نہیں ہے۔ لیکن سمجھنے میں کچھ وقت لگتا ہے۔ لیکن تم چپ رہنے سے بولنے میں زیادہ عقل مند لگتی ہو۔" عجیب رائے تھی۔ میرب سیال کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔
"کیا اب مجھے یہ ثابت کرنے کے لئے کہ میں ذہین ہوں، بولتے رہنا ہوگا۔"
"ہاں ——— اس لئے بھی کہ مجھے تمہیں سننا اچھا لگے گا۔"
سردار سبکتگین حیدر لغاری نے سنجیدگی سے کہا تھا اور وہ حیران سی اس کی سمت تکنے لگی تھی۔ مگر وہ سبکتگین حیدر لغاری اس کی سمت سے نگاہ پھیر چکا تھا۔

❊❊❊

"کیا ہوا ہے؟ ——— اتنے چپ چپ سے کیوں ہو؟" ساہیہ خان نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے اسے بہ غور دیکھا تھا۔
اذہان حسن بخاری نے اس کی سمت نہیں دیکھا تھا اور اسی طرح خاموشی سے چلتا رہا تھا۔
"اذہان حسن بخاری! کبھی کبھی خاموش رہنے سے الجھنیں اور بھی زیادہ بڑھ جاتی ہیں۔ اور میں نہیں چاہتی کہ تمہارے معاملے میں ایسا کچھ ہو۔"
اذہان حسن بخاری تب بھی کچھ نہیں بولا تھا۔ ساہیہ نے اس کی سمت نگاہ کی تھی۔
"زندگی میں بہت کچھ ہوتا ہے اذہان حسن بخاری! مگر اس طرح طاری کر لینے سے مسائل حل نہیں ہو جاتے۔ تم اگر مجھے کچھ نہیں بتانا چاہتے تو مت بتاؤ۔ مگر اس طرح چپ رہ کر مجھے الجھن میں بھی مبتلا مت کرو۔"
اذہان حسن بخاری نے اس کی سمت دیکھا تھا، پھر بہت دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔
"جانتے ہو اذہان حسن بخاری! جب میں یہاں آئی تھی اور پہلے دن تمہیں دیکھا تھا تو تم اس روز مجھے ایسے ہی لگے تھے۔ زندگی سے بہت دور ——— زندگی سے بہت خالی۔ مجھے لگا تمہارا رنگوں سے کبھی کوئی واسطہ رہا ہی نہیں۔ رنگوں کو کبھی تم نے دیکھا ہی نہیں ——— بہت بے رنگ اور خالی لگے تھے تم مجھے۔ اور میرا دل چاہا تھا، بہت سے رنگ بھر دوں تم میں۔ تمہارے اندر نئے احساس جگا دوں۔ تمہیں ایک نئے زاویے سے دیکھنا سکھا دوں۔ نئے سلیقے برتنا سکھا دوں۔" ساہیہ خان بولی تھی اور اذہان حسن بخاری اس کی سمت

مسکرا دیا تھا۔
"ساہیہ خان! رنگ کتنے بھی گہرے ہوں، بالآخر اپنا تاثر کھو ہی دیتے ہیں۔ کیونکہ زندگی ان رنگوں سے کہیں زیادہ گہری ہے۔ بے حد گہری، اپنے ہر ہر موڑ پر بے طرح چونکا دیتی ہے۔"
"اور اگر تم اسی طرح زندگی کے سامنے کم ہمت پڑتے رہو گے تو کیا مشکلات کا حل نکل آئے گا اذہان بخاری؟" ساہیہ خان نے اس کی سمت دیکھا تھا۔
اذہان حسن بخاری بہت آہستگی سے چہرے کا رخ پھیر گیا تھا۔
"ساہیہ! مجھے کبھی نہیں لگا کہ میں کم ہمت اور کمزور ہوں ——— مگر جب میں خود سے وابستہ افراد کو کسی مشکل میں دیکھتا ہوں تب مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میں کس قدر بے بس اور کمزور ہوں۔ میں ان لمحوں میں کسی شے کا تدارک نہیں کر پاتا ہوں تو اور بھی شکستہ ہو جاتا ہوں۔ ایسا ہونا مجھے اور بھی توڑ جاتا ہے۔ میں بکھر جاتا ہوں ——— خود اپنی جان پر مشکل ہو تو جھیلنا آسان ہے۔ مگر اپنے کسی بہت پیارے کو تکلیف میں دیکھنا بہت مشکل ہے۔" اس کا لہجہ مدھم اور کسی قدر شکستہ تھا۔
ساہیہ نے اسے خاموشی سے دیکھا تھا۔
"میرا دل چاہتا ہے ساہیہ خان! میرے پاس کوئی منتر ہو ——— کوئی اسم ہو ——— میں اسے اس دم پڑھوں اور سب کچھ اچھا ہو جائے۔ کوئی جادو کی چھڑی ہو، اسے وقت پڑنے پر گھماؤں اور سب کچھ ٹھیک ہو جائے اور کوئی مشکل باقی نہ رہے۔"
ساہیہ خان نے اسے دیکھا تھا۔ پھر مسکرا دی تھی۔
"اذہان حسن بخاری! کبھی کبھی تم مجھے بہت بچے سے لگتے ہو۔ بہت انوسینٹ سے۔ جو دنیا کے برے لوگوں سے خوفزدہ ہے اور ان کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا چاہتا ہے۔ مگر جب کر نہیں پاتا تو بہت ڈس ہارٹ ہوتا ہے۔ پتہ نہیں ایسا ہے بھی کہ نہیں مگر میں اتنا ضرور جانتی ہوں اگر ایسا نہیں بھی ہے تو ہر انسان کے اندر ایک بچہ ہوتا ہے جو خوفزدہ بھی ہوتا ہے اور وقت پڑنے پر بہادر بھی ہونا چاہتا ہے۔ اگر آپ بہادر بننا چاہیں تو صرف ایسا سوچنے سے ہی ہو سکتا ہے۔" وہ مسکرا رہی تھی۔
اذہان حسن بخاری نے اپنی اس ہمدرد کو دیکھا تھا اور جانے کیوں مسکرا دیا تھا۔
"آج تم مجھے کچھ زیادہ ہی کیژول نہیں لے رہی ہو؟"
"اگر میں تمہیں نارمل بھی لوں گی تب بھی کچھ خاص فرق نہیں پڑے گا۔" وہ شرارت سے مسکرائی تھی۔ یقیناً اس کا موڈ بحال ہو جانے کی خوشی تھی۔
اذہان حسن بخاری نے اسے دیکھا تھا پھر بہت دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔
"ساہیہ خان! میں ہمیشہ سے ایسا نہیں ہوں۔"
"اچھا ——— تم ہمیشہ سے جیسے ہو، میں جانتی ہوں۔" ساہیہ خان مسکرائی تھی اور اس کی سمت چاکلیٹ بڑھا دیا تھا۔
"اتنی ٹینشن لینا کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ لو، چاکلیٹ کھاؤ اور کسی قدر ریلیکس ہو جاؤ۔" اس کا انداز

بدستور شوخ تھا۔ اذہان حسن بخاری نے مسکراتے ہوئے اس کے ہاتھ سے چاکلیٹ لے لیا تھا۔

''اب یہ مت کہنا کہ اتنا میٹھا کھاتی ہوں اسی لیے موٹی ہو رہی ہوں۔ کیونکہ میں جانتی ہوں میں موٹی ہرگز نہیں ہوں۔ اس لیے تمہارے چھیڑنے سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔'' وہ مسکرائی تھی اور اذہان حسن بخاری کے لبوں پر بھی مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

''تمہیں کوئی بات زندگی میں مشکل نہیں لگتی؟ — تم ہر شے کو اتنا ایزی کیسے لے لیتی ہو؟''

''کیونکہ میں جانتی ہوں اذہان حسن بخاری! میرے ایسا نہ کرنے سے بھی چیزیں اور ان کی زیر جوں کی توں رہے گی۔ سو میرے خواہ مخواہ کے برڈن لینے اور پریشان ہونے سے جب کوئی فرق پڑنے والا نہیں ہے تو پھر میں ان باتوں کو اتنا ہیوی کیوں لوں؟ سو میرے دوست! ٹیک اٹ لائٹ اینڈ بیک ٹو لائف برائٹ۔ زندگی اسی کا نام ہے۔ ہنسو، مسکراؤ اور سب کچھ بھول جاؤ۔ یاد رکھو صرف وہ باتیں جو کام کی ہیں۔'' وہ چاکلیٹ کی بائٹ لیتے ہوئے مسکرائی تھی۔

اذہان حسن بخاری نے اسے مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔ تبھی اس کا پرسنل ڈیجیٹل سیل بجا تھا۔ اس نے فوراً کال ریسیو کی تھی۔

''ہیلو — ماہا! کیا ہوا؟''

''بھائی وہ......'' ماہا دوسری طرف بہت پریشان لگ رہی تھی۔

''ماہا! — ہیلو ماہا! — ٹیل می، کیا ہوا ہے؟ — تم رو کیوں رہی ہو؟''

اذہان حسن بخاری کا سارا سکون ہوا ہو چکا تھا۔

دوسری طرف ماہا بہت پریشان لگ رہی تھی۔ اذہان حسن بخاری کے چہرے کی کیفیت یکسر بدل گئی تھی۔

''ماہا! ڈونٹ وری۔ میں آ رہا ہوں۔'' بہت سرعت سے اذہان حسن بخاری نے سیل فون کا سلسلہ منقطع کیا تھا اور اسی تیزی سے گاڑی کی سمت بڑھا تھا۔

''اذہان! کیا ہوا ہے؟'' ساہیہ خان نے اسے بہت پریشانی سے دیکھا تھا۔ اذہان حسن بخاری نے پلٹ کر اس کی سمت دیکھا تھا۔ پھر سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''پتہ نہیں۔ مگر ماہا بہت پریشان ہے۔ میرا گھر پہنچنا بہت ضروری ہے۔''

''میں بھی ساتھ چلوں؟'' ساہیہ نے عجلت سے اس کی سمت بڑھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ مگر اذہان دروازہ کھولتے ہوئے سر نفی میں ہلا گیا تھا اور پھر اسی سرعت سے گاڑی میں بیٹھا تھا اور گاڑی بھگا لے گیا تھا۔ ساہیہ نہیں جانتی تھی کہ دوسری طرف صورت حال کیا تھی مگر وہ بہت پریشان ہو گئی تھی۔ یقیناً کچھ ہوا تھا جس کے باعث ماہا اتنی پریشان تھی۔

کبھی کبھی ذہن جتنا سوچتا ہے، اتنا ہی الجھتا جاتا ہے اور وہ دانستہ طور پر کچھ بھی سوچ کر الجھنا نہیں چاہتی تھی مگر بعض باتوں پر اختیار نہیں ہوا کرتا۔ اور وہ بھی سوچوں کے اس جال سے خود کو بچا نہیں پا رہی تھی۔

دوبارہ کر ذہن اس طرف جا رہا تھا۔ رہ رہ کر سارے منظر نگاہ میں گھوم رہے تھے۔ رہ رہ کر ساری باتیں ذہن میں چکرا رہی تھیں۔ وہ لمحے بھر کی قربتیں، وہ حدتیں، وہ شدتیں، بھلائے نہیں بھول رہی تھیں۔ اور مہرب سیال سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ ایسا کیوں ہے؟

شاید وہ شخص اسے کسی قدر حیران کر رہا تھا۔ وہ اس کی باتوں، اس کی پرسنالٹی کے سحر میں کچھ الجھ رہی تھی۔ کچھ تھا جو باعث اضطراب تھا۔

وہ رات کے اس پہر، واک کرتے ہوئے پلٹی تھی جب اپنے سامنے سردار سبکتگین حیدر لغاری کو کھڑا پا کر حیرت زدہ رہ گئی تھی۔ یقیناً اسے یہ خواب کا کوئی سلسلہ لگا تھا یا پھر اپنا کوئی وہم۔ تبھی سر جھٹکتے ہوئے اس کے قریب سے گزر کر آگے بڑھ جانا چاہا تھا جب اس شخص نے بہت آہستگی سے اس کے ہاتھ کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ مہرب سیال بری طرح چونکی تھی۔ ٹھٹکی تھی۔ چند ثانیوں تک یونہی کھڑی رہی تھی۔ پھر بہت آہستگی سے نگاہ پھیر کر اس کی سمت دیکھا تھا اور اس کے روبرو ہونے کا یقین کیا تھا۔

''آپ؟'' وہ حیرت سے بولی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری بہت دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

''تمہیں نہیں لگتا، مجھے خواب جان کر تم کوئی غلطی کر رہی ہو؟''

مہرب سیال نے سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت دیکھا تھا پھر بہت مدھم انداز سے مسکرا دی تھی۔

''میں حقیقتوں کو خواب سمجھنے والوں میں سے نہیں۔ میرا خیال ہے مجھے خواب اور حقیقت میں امتیاز کرنا خوب آتا ہے۔'' خود کو پُر اعتماد ظاہر کرنا چاہا تھا مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

''میں جانتا ہوں تم بہت سیانی ہو۔ خوابوں کو حقیقت سمجھنے کی غلطی تم یقیناً نہیں کر سکتیں۔''

''یہ تعریف ہے تو کوئی یا پھر......؟'' مہرب سیال نے مسکراتے ہوئے جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔

''اگر اعتراف کہوں تو کیسا لگے گا؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری جواباً مسکرا دیا تھا اور مہرب سیال نب کھینچ کر رہ گئی تھی۔

''مجھے حیرت نہیں ہوئی۔ کیونکہ میں سمجھتی ہوں کوئی بھی رائے قائم کرنے میں ہر فرد آزاد ہے۔''

سردار سبکتگین حیدر لغاری چند ثانیوں تک اسے خاموشی سے بلکہ کسی قدر دلچسپی سے دیکھتا رہا تھا۔

"تمہارے متعلق کوئی بھی رائے حتمی طور پر قائم نہیں کی جا سکتی۔ جو بھی اخذ کرتا ہوں، بہت جلد مسترد کرنا پڑتا ہے۔ تم بہت ان پری ڈکٹیبل ہو۔"

"ان پری ڈکٹیبل یا اُلجھی ہوئی؟" میرب سیال بہت ملائمت سے مسکرائی تھی۔ پُراعتماد آنکھوں میں بہت اُجلی روشنی کا ڈیرہ تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے دیکھا تھا، پھر مسکرا دیا تھا۔

"تمہارا کیا خیال ہے ——— تم زیادہ حیران کن ہو یا پھر زیادہ ذہین؟"

"ہر ذہین، حیران کن ہی ہوتا ہے۔" اس نے کہا تھا اور سردار سبکتگین حیدر لغاری ہنس دیا تھا۔ میرب سیال کو اس شخص کو اس طرح ہنستا دیکھ کر کسی قدر حیرت ہوئی تھی۔ تبھی شاید وہ اس کی سمت دیکھتی رہ گئی مگر سبکتگین حیدر لغاری نے حیران ہوئے یا چونکے بغیر اس کی سمت دیکھا تھا۔

"سیانے کہتے ہیں گرل فرینڈ چاہے جیسی بھی ہو، بیوی ہمیشہ ذہین ہونی چاہیے۔ مجھے خوشی ہے کہ بیوی ذہین ہے۔ بے وقوف محبوبہ کی طرح اس کے سامنے بین نہیں بجانا پڑتی۔" وہ قطعاً سنجیدہ نظر نہیں تھا اور میرب سیال مسکرائے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔

"بے وقوف محبوبہ کے سامنے بین بجانے کی ضرورت یوں بھی پیش نہیں آتی کہ وہ ان باتوں سے کر اپنی انگلی پر نچانا خوب جانتی ہے۔" میرب سیال نے اس کے جملے کو گویا مکمل کیا تھا اور سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔ میرب کچھ نہیں بولی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری بھی چند ثانیوں تک خاموشی سے اسے دیکھتا رہا تھا، پھر گویا ہوا تھا۔

"تمہیں گھر پسند آیا؟"

"ہوں۔" میرب سیال نے مسکراتے ہوئے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

"میرب! میرا یہ خواب تھا، میرا ایک گھر ہو اس گھر میں کوئی ایسا، جس کے سامنے میں سوا اس کی مانوں، اس کی سنوں، اس کے سنگ سنگ چلوں ——— اور یہ سفر کبھی ختم نہ ہو، محبت بڑھتی جائے باقی کسی شے کی ضرورت باقی نہ رہے ——— مجھے وقت نے کچھ ایسا سفر میں رکھا کہ کبھی کسی جگہ رک کر گھڑی قیام نہیں کر سکا۔ چہرے بہت سے دیکھے، لوگ بہت سے سنے، مگر کسی میں زندگی کی بازگشت نہیں دی میرب سیال! سب بہت رسمی سا تھا۔ بہت بے کیف اور کسی قدر بے مزہ۔ سچ کہوں، مجھے کسی خاص کی چاہ کبھی نہیں تھی۔ کسی خاص چہرے کو دیکھنے کے متعلق میں نے کبھی نہیں سوچا۔ کبھی کوئی خواہش تھی کہ ایسا ہو جائے کہ باقی سب کچھ ماند پڑ جائے، ساری چمک دمک، ساری ظاہری وضع قطع ۔۔۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری رکا تھا پھر اس کے چہرے کو بغور تکتے ہوئے مسکرایا تھا۔ "میرب! میں نے خوابوں پر اعتقاد نہیں کیا۔ کبھی خواب نہیں بُنے۔ مگر تمہارا ساتھ اب مجھے اچھا لگنے لگا ہے میرب! اب در بدر۔ اب ایک جگہ رکنے کو دل چاہتا ہے۔ تمہارے ساتھ میرب! تمہارے ساتھ چلنے کو دل چاہتا ہے۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری کہہ رہا تھا اور میرب سیال اسے کسی قدر حیرت سے دیکھتی رہ گئی تھی۔ وہ

واقعی حیران کر رہا تھا۔ وہ تقریباً اعتبار منعقد کر رہی تھی۔ اس پر اعتبار کر رہی تھی۔ مگر اس درجہ، وہ ان کی کھڑی تھی۔ جب سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں تھام کر لیا تھا، تب بجا تھا اور ایک خاص لمس نے اس کے اندر بہت سے احساس ایک ساتھ بیدار کر دیے تھے۔

"وہ گھر تمہارے لیے ہے میرب! میرے سارے خوابوں سمیت۔" کیسا یقین بول رہا تھا اس کے لہجہ۔ مگر میرب سیال جانے کیوں اس لمحے چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

"ہاں میرب! اب میں خواب دیکھنا چاہتا ہوں ——— تمہارے بارے میں خواب ——— کیا مجھے تم اجازت دو گی کہ میں تمہارے متعلق کوئی خواب دیکھ سکوں؟"

سردار سبکتگین حیدر لغاری کی قربتیں کچھ نئی کہانیاں کہہ رہی تھیں اور میرب سیال اس لمحے آنکھیں بہت زور سے میچ گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے چہرے کو بغور دیکھا تھا پھر دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔ اس پر سے گرفت ہلکی کر دی تھی۔ میرب سیال کی جیسے جان میں جان آئی تھی۔

اس نے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔

"میرب!" بغور تکتے ہوئے پکارا تھا۔

"ہوں۔" میرب سیال نے دیکھے بغیر کہا تھا۔

"ایک بات کہوں؟"

"جی۔"

"اعتبار آنے میں چاہے دیر لگے مگر یہ اعتبار بہت مضبوط ہونا چاہیے۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری کی آنکھیں اس صبیح چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے مسکرائی تھیں۔ "میں تمہیں یہ بتانے آیا تھا کہ ہم اب چلیں گے۔ تم اپنی پیکنگ مکمل کر لو۔ کچھ شاپنگ وغیرہ کرنا ہو یا دوستوں کے لیے کچھ تحائف لینے ہوں تو فہرست بنا کر مجھے شیڈول سے آگاہ کر دینا۔ او کے؟" بہت کیئرنگ انداز میں دریافت کیا تھا۔

"او کے۔" میرب سیال بہت دھیمے سے مسکرا دی تھی۔

❋❋❋

اسے خدشہ تھا کہ کچھ ایسا ہی ہوا ہو گا۔ اور یہی ہوا تھا۔ پاپا نے وہی کیا تھا اور ممی کی طبیعت یکدم ہی بگڑنے لگی تھی۔

اذہان حسن بخاری صورت حال تو نہ جانتا تھا مگر دیر سے معلوم تھا وہی معمول کی کوئی جھڑپ ہوئی ہو گی اور شاید تناؤ اس حد تک بڑھا ہو گا کہ ممی کی برداشت جواب دے گئی ہو گی۔ پاپا بھی وہیں تھے مگر وہ فوری طور پر ان سے کچھ نہیں کہہ سکا تھا۔ مگر یہ ضرور ہوا تھا کہ اس کے اندر کا تناؤ بے حد بڑھ گیا تھا۔ فیض چاچو ممی کو ٹریٹمنٹ دے کر باہر نکلے تھے، تبھی وہ ان کی سمت بڑھا تھا۔

"چاچو!" اس کا انداز بہت تھکا ماندہ تھا اور فیض حسن بخاری نے اس کے شانے پر اپنا ہاتھ دھر دیا تھا۔

"سب کچھ ٹھیک ہے ——— ڈونٹ وری۔ بی پی کچھ بڑھ گیا تھا۔ مگر اب سب کچھ انڈر کنٹرول ہے۔"

فیض بخاری نے اس کا حوصلہ بندھایا تھا مگر وہ کچھ نہیں بولا تھا۔

"کیا بچوں کی طرح پریشان ہو رہے ہو ـــــ کہا تو ہے سب کچھ ٹھیک ہے۔" بہت ہولے سے بھتیجے کا چہرہ تھپتھپایا تھا۔ مگر وہ مسکرایا نہیں تھا۔

"چاچو! کیا میں ممی سے مل سکتا ہوں؟"

"نہیں ـــــ ابھی نہیں۔ میں نے میڈیسن دی تھی، وہ اب آرام کر رہی ہیں۔ یہ ان کے لئے بہت ضروری ہے۔"

"چاچو! کوئی پریشانی کی بات تو نہیں؟" وہ فکرمندی سے بولا تھا۔

"میں ڈاکٹر ہوں۔ مگر اس سے قبل تمہارا چاچو بھی ہوں۔ تم سمجھتے ہو کہ میں تم سے کچھ جھوٹ کہوں گا؟" وہ دھیمے سے مسکرائے تھے۔ "مگر ایک ہارٹ پیشنٹ کے لئے اس حد تک بڑھا ہوا بی پی میرے خیال میں کوئی اچھی علامت نہیں ہے۔ ہمیں ان کا خیال رکھنا ہوگا۔ اور تم جیسے سعادت مند بیٹے سے میں یہ امید کر سکتا ہوں کہ تم ان کا بہت خیال رکھو گے۔" انہوں نے بہت ملائمت سے کہتے ہوئے اس کا موڈ بحال کرنا چاہا تھا مگر وہ تب بھی نہیں مسکرایا تھا۔

"اوکے ـــــ میں چلتا ہوں۔ کوئی پریشانی کی بات ہو تو مجھے فون کر دینا۔" فیض چاچو دوبارہ ہسپتال کے لئے نکل گئے تھے اور اس وقت کمرے میں صرف وہ دونوں باپ بیٹا رہ گئے تھے۔ کتنی دیر خاموشی چہار اطراف پھیلی رہی تھی۔ اذہان حسن بخاری نے نگاہ اٹھا کر باپ کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ نہ ہی سعد حسن بخاری کچھ بولے تھے۔

ماہا کافی لے کر آئی تھی۔ جب پاپا نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے اپنے جانے کے متعلق آگاہ کیا تھا تبھی اذہان حسن بخاری گویا ہوا تھا۔

"ماہا! ان سے کہو میں ان سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

ماہا نے باپ کی سمت دیکھا تھا اور حیرت تو سعد حسن بخاری کی نگاہوں میں بھی تھی۔ جواباً انہوں نے کچھ نہیں کہا تھا۔ مگر اذہان حسن بخاری نے بھی قدم اٹھاتے ہوئے باپ کی سمت پیش قدمی کی تھی۔

"ماہا! تم باہر جاؤ۔" مدھم لہجے میں کوئی تحکم تھا۔ ماہا نے ایک نظر باپ اور بھائی کی سمت دیکھا تھا اور باہر نکل گئی تھی۔ سعد حسن بخاری بہت حیرت سے بیٹے کی سمت دیکھ رہے تھے۔ چہرے [illegible] کی سرخی اس کے اندر کے انتشار کی بھرپور غمازی کر رہی تھی۔ وہ کسی قسم کے سوال و جواب کے موڈ میں نہیں تھے۔ لیکن اس لمحے یہ جیسے ناگزیر تھا۔ اذہان حسن بخاری باپ کی سمت بہ غور دیکھ رہا تھا۔

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں ممی کی اس کیفیت سے قبل کیا واقعہ رونما ہوا تھا؟" ایک بار پھر بیٹا باپ کے مقابل تھا۔ ایک بار پھر تناؤ کی کیفیت حد درجہ بڑھ چکی تھی۔

سید سعد حسن بخاری کے چہرے اور آنکھوں میں حد درجہ ناگواری در آئی تھی۔

"میرا نہیں خیال کہ میں تمہیں کسی طرح کی جواب دہی کا پابند ہوں۔" ان کا انداز بے حد سخت تھا۔ اذہان حسن بخاری انہیں دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔

"آپ نے جو چاہا وہ کیا۔ جو آپ کو مناسب لگا وہ آپ نے روا رکھا۔ پھر اب دوسروں کو ان کے حال پر کیوں نہیں چھوڑ دیتے؟ کیوں جینے نہیں دیتے؟ ـــــ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ زندگی پر صرف آپ کا حق [illegible] گزارنے کی لبرٹی صرف آپ کو حاصل ہے اور باقی سب ایک سانس لینے کے لئے بھی آپ کے [illegible]"

"ڈیڈی!" اذہان حسن بخاری کا لہجہ مدھم تھا مگر سعد بخاری بیٹے کی گستاخی پر سخت طیش میں آ گئے تھے۔

"کیا ایسی فضول سی گفتگو کے لئے تم میرا اتنا ٹائم برباد کرنا چاہتے ہو یا پھر کوئی نئی بات بھی ہے [illegible] پاس کرنے کے لئے؟" کسی قدر درشت انداز میں کہتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

"نئی نئی باتیں عمل میں لانے کی ریت تو آپ نے اپنے سر لے لی ہے۔ ایک بار چونکا دینے والی بات عمل میں لا کر جو داغ بیل آپ نے ڈالی تھی وہ اب آپ کی عادت ہو چکی ہے۔ حیرت اس بات پر ہے کہ جب آپ اتنا کچھ کرنے کے بعد بھی خود کو حق پر سمجھتے ہیں تو پھر باقی لوگوں نے کیا قصور کیا ہے؟ آپ ان کو ان کے حال پر کیوں نہیں چھوڑ دیتے؟ کیوں ہر روز ایک رائی کا پہاڑ بنا دیتے ہیں؟ جب سب کچھ وہ ہو رہا ہے جو آپ نے چاہا ہے تو پھر مسئلہ کیا ہے؟ آپ خوش ہیں نا اپنی مرضی کر کے تو پھر باقی اپنی مرضی سے خوش کیوں نہیں رہ سکتے؟ آخر کس بات کی سزا دے رہے ہیں آپ اس عورت کو؟ کیوں انگاروں پر گھسیٹ رہے ہیں آپ اسے؟ ـــــ کیا قصور ہے اس کا؟ کس شے کی کمی رکھی ہے اس نے آپ کی زندگی میں؟ سبھی کچھ تو دیا ہے۔ ایک گھر، سکون، بچے۔ پھر کیا چاہتے ہیں اب آپ اس سے؟ اس نے آپ کے لئے سیکری فائس تک کر لیا۔ ایک عظیم قربانی کی امید رکھی ہو گی نا آپ نے ایک عورت ہونے کے ناتے ان سے۔ انہوں نے تو اس کا بھی ثبوت دے دیا۔ کوئی واویلا نہیں کیا، کوئی شور نہیں مچایا۔ ہر الزام چپ چاپ سہہ گئیں وہ۔ پھر اب کیا چاہتے ہیں آپ ان سے؟" کوشش کے باوجود بھی وہ اپنے لہجے کو سخت ہونے سے نہیں باز رکھ سکا تھا اور سعد حسن بخاری ساکت سے اپنے مقابل کھڑے بیٹے کو دیکھتے رہ گئے تھے۔

"شٹ اپ اذہان! ـــــ تمہیں شاید معلوم نہیں ہے کہ تم کس سے مخاطب ہو۔"

"معلوم ہے ـــــ معلوم ہے۔ تبھی تو...... تبھی تو میرا لہجہ اب بھی اتنا ہی دھیما ہے اور انداز اتنا ہی مہذب۔ جس عورت کو آپ اپنی زندگی سے خارج کر چکے ہیں اس نے ایسے آداب تو سکھائے ہی نہیں تھے کہ اپنے سے وابستہ رشتوں میں تمیز کر سکیں۔ آپ یہ مت سمجھئے کہ میں آپ سے کسی طرح کی بدتمیزی یا کسی بات کی تسکین کرنا چاہ رہا ہوں یا آپ کے مدمقابل کھڑا ہو کر آپ سے اپنی ماں کے ساتھ ہونے والی ناانصافی کا بدلہ لے رہا ہوں۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔ میں اگر آپ سے کچھ چاہتا ہوں تو صرف اتنا کہ ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دیں۔ کیونکہ جینے کا حق جتنا آپ کو ہے انہیں بھی ہے۔ بہت بہت [illegible] ہماری زندگی آپ کے ایک چھوٹے سے اقدام سے۔ ہم دنوں تک کوشش میں لگے رہتے ہیں مگر [illegible] بات معمول پر نہیں آتی۔ اور جب صد ہزار کوششوں سے پلٹ کر اس مقام پر آتے ہیں [illegible] سب کچھ ایک لمحے میں بکھیر دیتے۔ اور آپ...... آپ کا ایک اقدام ہمیں پھر سے [illegible] ہے۔ کیوں...... کیوں کرتے ہیں آپ ایسا؟ ـــــ آخر کس بات کی سزا دے رہے ہیں آپ

نہیں!؟ آپ یہی کیوں چاہتے ہیں کہ صورت حال سدا کنٹرول میں رہے۔ گیند ہمیشہ آپ کے کورٹ میں رہے۔۔۔۔۔ میں، ممی، ماما۔۔۔۔ کیا بگاڑا ہے ہم سب نے آپ کا؟۔۔۔۔ کیوں سینڈل نار چڑھ رہے آپ ہمیں؟۔۔۔۔ کیا آپ بھول گئے ہیں کہ ایک باپ کے کیا فرائض ہوتے ہیں۔ ایک شوہر کی ذمے داریاں تو آپ بھلا ہی چکے ہیں۔ کیا باپ ہونے کے فرائض بھی فراموش کر چکے ہیں؟۔۔۔۔ ان کے مقام سے ہٹا ہی چکے ہیں، کیا آپ کی زندگی میں سے ہمارا مقام بھی خارج ہو گیا ہے؟'' از حسن بخاری کا مدھم لہجہ سعد حسن بخاری کو ساکت کر گیا تھا۔ کتنی دیر تک وہ اسے اسی طرح ساکن ہو کر تکتے رہے تھے۔ پھر بہت سخت انداز میں گویا ہوئے تھے۔

''تمہیں مجھ سے اس انداز سے مخاطب ہونے کا کوئی حق نہیں ہے۔ نہ ہی ہم میاں بیوی کے معاملات میں دخل دینے کا کوئی حق ہے۔۔۔۔ تم شاید بھول رہے ہو کہ میں وہی باپ ہوں جس نے تمہیں اس مقام تک پہنچایا ہے۔ تم جو کچھ بھی ہو میری وجہ سے ہو۔ مجھ سے کٹ کر تمہاری کوئی حقیقت نہیں ہے۔ مانتا ہوں بڑے ہو چکے ہو تم، مگر اتنے بڑے قطعاً نہیں ہوئے کہ اپنے باپ کے مقابل آ کر کھڑے ہو سکو۔ میں اپنے باپ ہونے کا کوئی فرض بھولا نہیں ہوں۔ تم مجھے کچھ جتانے کی کوشش مت کرو۔ مجھے یاد کرانے کی۔ میں اپنی ذمے داریوں سے خوب واقف ہوں۔ تم آج ہر بات کے لئے مجھے ملزم کر رہے ہو۔۔۔۔ اپنے باپ کو۔۔۔۔ مجھے، جس نے تمہیں آج اس قابل بنایا۔ حالانکہ اگر تم غور کرو تو اس سب کا سبب تم خود ہو۔ تم ازہان! تم نے یہ سارا معاملہ بگاڑا۔ تم اپنے باپ کے مقابل آن کھڑے ہوئے۔ جو بھی ہوا، آج تک جو بھی معاملہ پیش رہا اس کا سبب تم تھے۔۔۔۔ تم۔ معاملہ ہم دونوں کا تھا، ہم دونوں کا تھا۔ مگر تم نے اسے بڑھاوا دیا۔ وکیل بن کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ ماں کے سپورٹر بن گئے اور مجھے دشمن فرض کر لیا۔ حالانکہ غور کرو تو جان جاؤ گے کہ دوست کون ہے اور دشمن کون؟ بیٹے ہونے کی تم یہ بات سکتے ہو، میں نہیں۔ مجھے اب بھی یاد ہے کہ تم میرے بیٹے ہو۔۔۔۔ یاد رکھو! بیٹا جتنا بھی بڑا ہو جائے، باپ سے بڑا نہیں ہو سکتا۔ میں نہیں بھولا ہوں۔ سو تم بھی یاد رکھو۔''

سعد حسن بخاری نے مدھم لہجے میں باور کرایا تھا اور پھر فوراً ہی پلٹ کر وہاں سے نکل گئے تھے۔ ازہان حسن بخاری کتنی دیر تک خاموشی سے وہیں کھڑا اس سکوت میں کھوئے لفظوں کے مفہوم کو کھوجتا رہا تھا۔

❋ ❋ ❋

کبھی کبھی کسی صورت حال سے بچنے کی سعی کرنے کے سارے اقدامات دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔ بھاگنے کی جتنی کوشش کی جائے، راستے قدموں سے بندھ جاتے ہیں۔ اور اگرچہ اس نے ایسی کوئی سعی تو دانستہ نہیں کی تھی مگر اس کے باوجود جب لامعہ حق اس کے سامنے آئی تھی تو وہ کتنی دیر تک ساکت سا دیکھتا رہا تھا۔

''ہے اوزی! واٹ اے پلیزنٹ سرپرائز۔ کب لوٹے تم؟'' بے حد گرمجوشی سے اسے گلے لگاتے ہوئے وہ کسی قدر بے تکلفی سے مسکرا رہی تھی اور اوزی فوری طور پر کچھ نہیں بول سکا تھا۔

لیکن پر فقط مسکرانے کے اس کے پاس جیسے کوئی چارہ نہ تھا۔

''واپس آ گئے ہو اور بتایا تک نہیں۔ ایسی لاتعلقی کی امید تم سے نہیں تھی اوزی! بڑے بے مروت ہو گئے ہو تم اب کے تو۔'' لامعہ حق مسکراتے ہوئے شکوہ کر رہی تھی اور اوزی مسکرا دیا تھا۔

''تم نے بھی تو لاتعلقی کی حد کر دی۔ منگنی کر لی اور خبر تک نہیں ہونے دی۔'' اوزی نے جواباً شکوہ کیا تو لامعہ حق ہنس دی تھی۔

''کم آن۔۔۔۔ اس میں چھپانے والی کوئی بات نہیں۔ تم تو جانتے ہو، لامعہ حق ہر کام ڈنکے کی چوٹ پر کرنے کی عادی ہے۔ تم سناؤ، تنہا لوٹے ہو یا اپنے ساتھ کوئی گوری دوری بھی لائے ہو؟'' لامعہ حق اسی شوخی کے ساتھ مسکرا رہی تھی اور اوزی بھی مسکرا دیا تھا۔

''ہمارے ایسے نصیب کہاں۔۔۔۔ کیا ساری باتیں اسی شاپنگ مال میں کھڑے کھڑے کر لو گی؟''

لامعہ حق کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

''آج بھی ملنے کے بہانے اسی کثرت سے ڈھونڈتے ہو۔ ٹھہرے کہاں ہو؟'' لامعہ حق نے اس کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے کہا تھا۔

''لابہ کے یہاں۔'' اوزی نے مسکراتے ہوئے مطلع کیا تھا۔

''لابہ کے یہاں؟'' لامعہ حق چونکی تھی۔ ''لیکن اس نے تو ایسا کچھ نہیں بتایا مجھے۔ حالانکہ ہماری بات تو جو اکثر ہوتی رہتی ہے۔'' لامعہ حق کے لہجے میں حیرت نمایاں تھی۔ ''کہیں تم نے اسے خود تو منع نہیں کیا تھا مجھے بتانے سے؟'' لامعہ حق نے کسی نتیجے پر پہنچتے ہوئے کسی قدر چونک کر اسے دیکھا تھا۔ وہ مسکرا دیا تھا۔

''آج بھی بے سبب الزام عائد کرنے کی عادت نہیں گئی تمہاری۔''

''کب سے ہو یہاں؟'' لامعہ حق نے ریسٹورنٹ میں داخل ہوتے ہوئے اس کی سمت دیکھا تھا۔

''کچھ ہی دن ہوئے ہیں۔''

''اور کب تک قیام کرو گے؟'' لامعہ حق نے مکمل تجسس کی تھی۔

اوزی اس کی سمت دیکھتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

''کہاں؟'' آنکھوں میں کسی درجہ شرارت آن رکی تھی۔

لامعہ حق ہنس دی تھی۔ وہی نقرئی ہنسی جو زندگی کے سارے احساس جگانے کا گر اپنے اندر رکھتی تھی۔

''تمہاری باتیں آج بھی اتنی ہی الجھی ہوئی ہیں۔ اور نظریں اتنی ہی متلاشی۔ لگتا ہے تمہاری تلاش کو منزل نہیں ملی۔'' مسکراتے ہوئے تجزیہ کیا تھا۔

اوزی مسکرا دیا تھا اور پھر بہ غور اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا تھا۔

''کیا کروں بس نہیں ہوں کہ ایک حیران کن جگہ کی تلاش پر نکلوں اور راستے میں ہی پڑاؤ ڈال کر اسی پر اکتفا کروں اور اسی مقام کا ہو رہوں۔ مجھے جن جہانوں کی تلاش ہے ان سے کم پر اکتفا کرنا مجھے نہیں آتا شاید۔''

لامعہ حق نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر ایک دلفریب مسکراہٹ اس کے لبوں کا احاطہ کر گئی تھی۔

"یہ عادت کچھ اتنی اچھی نہیں اوزی! انسان کو کسی قدر کیپر و مائنڈنگ ہونا چاہئے۔ ایسا ہونے سے
بہت سی آسانیاں ہو جاتی ہیں۔"

"آسانیاں تو انہیں اچھی لگتی ہیں لامعدحق! جو مشکلات سے نظریں چراتے ہوں۔ جنہیں زندگی کی
آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے کی عادت ہی نہ ہو۔ اور میرے متعلق تو جانتی ہو تم۔" اوزی مسکرا دی
اور لامعدحق اس کی سمت دیکھ کر رہ گئی تھی۔

"تمہیں اچھا لگتا ہے یوں در بدر بھٹکنا؟" بغور دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

"مجھے کیا اچھا لگتا ہے، اس کے متعلق کبھی کسی نے جاننے کی کوئی خاص کوشش نہیں کی۔" اوزی
کہتے ہوئے جیسے اسے لاجواب کر دیا تھا۔ لامعدحق اس کی سمت دیکھ کر رہ گئی تھی۔

"ضروری تو نہیں کہ تمہیں جو اچھا لگتا ہے اوزی! وہی سب، دوسروں کو بھی اچھا لگتا ہو۔" لامعدحق
مصلحت سے پُر انداز اختیار کیا تھا۔

"بدلی نہیں ہو تم۔ آج بھی قائل کرنے کے سارے گُر آزمانا جانتی ہو۔"

"اور تم بھی تو نہیں بدلے ہو ــــــ آج بھی اسی طرح جھٹلانا جانتے ہو۔"

"حُسن کو جھٹلانے کی سعی کوئی کافر ہی کر سکتا ہے۔" اوزی مسکرایا تھا اور لامعدحق بھی مسکرا دی تھی۔ ویٹر
آرڈر سرو کر کے چلا گیا تھا۔

"تم نے بتایا نہیں کب تک قیام کرو گے اس شہر میں؟" لامعدحق نے مسکراتے ہوئے اس کی سمت
دیکھا تھا اور اوزی کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

"تم اگر شہر کی وضاحت نہ بھی کرتیں تب بھی میں سمجھ سکتا تھا کہ تم شہر میں قیام کی ہی بات کر رہی ہو۔"
اس کی آنکھوں میں بہت سی شرارت رکی ہوئی تھی اور لامعدحق اس لمحے ہنس دی تھی۔

"تم جیسے بندے کے سامنے یہ سب بہت ضروری ہو جایا کرتا ہے اوزی! تم کسی بھی بات کا مطلب
کہاں سے کہاں لے جاتے ہو۔"

"ہاں ــــــ مگر کبھی کبھی بہت سی وضاحتیں اور تاویلیں بھی کسی بات کے واقع ہونے کو روک نہیں
سکتیں لامعدحق! شاید تم یہ بات نہیں جانتی ہو۔" اوزی کا انداز یاد کرانے والا تھا اور لامعدحق اسے دیکھ کر
رہ گئی تھی۔

"کبھی کبھی سفر پر چلنے سے قبل اس بات کا تعین کر لینا بہت ضروری ہو جاتا ہے اوزی! کہ راستہ
صحیح بھی ہے یا کہ نہیں۔ آیا یہ رستہ فقط رستہ ہی ہے یا پھر اس کی کوئی ڈگر منزل کی طرف بھی جاتی ہے؟"

"شوقِ جنوں جب حد سے سوا ہو جائے تو اس بات کا کوئی ہوش رہتا ہی کب ہے لامعدحق! اس بات
کا تعین تو جب ممکن ہوتا ہے نا جب کچھ ہوش باقی رہے۔ کیا تمہیں ابھی تک اس بات کا اندازہ نہیں ہوا؟"
اوزی کا لہجہ مدھم تھا اور لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ۔ مگر اس کے باوجود لامعدحق اس کی سمت متوجہ نہیں ہو
سکی تھی۔ تبھی اوزی مسکراتا ہوا اس کو دیکھنے لگا تھا۔

"تمہارے فیانسی محترم سے ملاقات ہوئی تھی۔ موصوف خاصی توپ شے واقع ہوئے ہیں۔"

"تم ملے ہو ان سے؟ کہاں؟ اور ہائے ربّی وے، تمہیں کیسے خبر ہوئی کہ میرے فیانسی وہی ہیں؟"
[illegible] کو حیرت ہوئی تھی اور اوزی مسکرا دیا تھا۔

"خبر نہیں ہوئی ہوتی اگر موصوف میرے دوست واقع نہ ہوئے ہوتے۔"

"دوست؟ ــــــ تم عفنان علی خان کے دوست ہو؟ حیرت ہے، عفنان نے بھی مجھے کبھی کچھ نہیں
[illegible]" لامعدحق کو شدید حیرت ہوئی تھی۔

"اس نے تو تمہیں اور بھی بہت کچھ نہیں بتایا لامعدحق! اس کے بارے میں تو تمہیں کبھی اس درجہ
[illegible] بھی نہیں ہوئی۔" انداز بہت عام تھا مگر لہجہ بہت خاص۔ اور لامعدحق کے لبوں کی مسکراہٹ ایک لمحے
[illegible] غائب ہوئی تھی۔ اوزی نے اس چہرے کو بغور دیکھا تھا۔

"خوش ہو؟" غالباً اس تعلق کے متعلق دریافت کیا تھا۔ لامعدحق نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر بہت
آہستہ سے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

"ہاں۔ مگر تم کیوں پوچھ رہے ہو؟ کیا تمہیں کوئی ڈاؤٹ ہے؟"

"نہیں ــــــ تمہارا خیال ہے لامعدحق!" انداز باور کرانے والا تھا اور لامعدحق مسکراتے ہوئے سر نفی
میں ہلانے لگی تھی۔

"میری فکر کرنا چھوڑ دو اوزی! مجھے اپنی فکر کرنا خود آتا ہے۔ اور میں تمہیں اس کیئر کے لئے تھینکس بھی
نہیں کہوں گی۔" وہ مسکرا رہی تھی۔ اور اوزی ہنس پڑا تھا۔

"تم آج بھی اتنی ہی بے مروت ہو۔"

"اور بے لحاظ بھی۔ تم جانتے ہو مجھے بے وجہ کرٹسی دکھانا اچھا نہیں لگتا۔ اینی وے۔ عفنان علی خان کو
کب سے جانتے ہو؟"

"کیوں، ارادہ کہیں اس کے متعلق انویسٹی گیشن کرنے کا تو نہیں؟"

"جن سے محبت کی جاتی ہے ان کے متعلق بذاتِ خود جانا جاتا ہے۔ شہر کی ہواؤں سے یا چہروں سے
نہیں پوچھا جاتا۔" جتایا تھا اور اوزی لب بھینچ کر مسکرا دیا تھا۔

"کاش میں ایسا کہہ سکتا! کسی نے اسے لگی گائے!" لہجے میں کوئی حسرت بول رہی تھی۔

"[illegible]" لامعدحق کے لہجے میں یقین ہی یقین تھا۔ لبوں پر وہی دلفریب مسکراہٹ۔ اوزی اسے
دیکھ کر رہ گیا تھا۔

❊ ❊ ❊

کبھی کبھی کوئی واقعہ اس طرح وقوع پذیر ہوتا ہے کہ اس کے اثرات اگلے کئی لمحوں تک زائل نہیں ہو
پاتے۔ [illegible] حسن بخاری کے اندر جس خلفشار نے سر اٹھایا تھا وہ سلسلہ ابھی تک تھما نہیں تھا۔ بلکہ انتشار کچھ
بڑھتا چلا گیا تھا۔ وہ جتنا سوچتا تھا، خود کو اتنا ہی بے بس پاتا تھا اور یہ صورتحال اسے اور بھی ڈسٹرب کر
رہی تھی۔ آفس سے جانے کے بعد وہ بجائے اندر جانے کے وہیں لان میں لگی بینچ پر بیٹھ گیا تھا۔
محبت جب جاں کر دینے والے ہوں تو انسان قرار کے راستے خود بخود ڈھونڈنے لگتا ہے۔ مگر اس

کے پاس کوئی راہِ فرار نہ تھی اور یہ کیفیت اس انتشار کو اور بھی بڑھا رہی تھی۔ کوٹ بازو پر دھرے وہ چپ چاپ وہاں بیٹھا تھا جب ساہیہ خان چلتی ہوئی اس کے پاس آن رکی تھی۔

"کہاں تھے تم؟ ــــ آنٹی اتنی پریشان ہو رہی تھیں۔ اور تم نے اپنا سیل کیوں آف کر دیا تھا؟" ساہیہ خان نے دریافت کیا تھا۔ مگر اذہان حسن بخاری کچھ نہیں بولا تھا۔ نہ ہی اس کی سمت دیکھنے کی زحمت کی تھی۔ اسی طرح ساکت سا بیٹھا رہا تھا اور ساہیہ خان اسے بغور دیکھنے لگی تھی۔

"اذہان! یہ ٹھیک نہیں ہے۔ میں تمہیں کم از کم اتنا ویک نہیں سمجھتی تھی۔ تم ماما اور خادم آنٹی کو سنبھالنے کی بجائے خود اس صورت حال سے منہ چھپائے فرار کے راستے تلاش کر رہے ہو۔"

"تو کیا کروں میں ــــ کیا کروں؟" وہ کسی قدر برہمی سے کہتے ہوئے اسے دیکھنے لگا تھا۔ ساہیہ خان اس کے درشت انداز اور بلند آواز پر اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔ اذہان حسن بخاری نے اسے دیکھا اور بہت آہستگی سے سر نفی میں ہلانے لگا تھا۔ انداز پُر افسوس تھا۔

"آئی ایم سوری ساہیہ!" مدھم لہجے میں کسی قدر ندامت تھی۔ مگر ساہیہ جواباً کچھ نہیں بولی تھی۔ بس خاموشی سے اسے دیکھتی رہی تھی۔ اذہان حسن بخاری اس کی طرف سے نگاہ پھیر گیا تھا۔ پھر مدھم لہجے میں گویا ہوا تھا۔

"میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا ساہیہ! میں کیا کروں؟ ــــ جو ہو رہا ہے میں نے اس کے متعلق نہیں سوچا تھا۔ میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ مجھے یا میری فیملی کو اس طرح کی کیفیت سے دوچار ہونا پڑے گا۔ جب زندگی ایک سوالیہ نشان بن کر رہ جائے گی اور ہم سب اٹھنے والے سوالات کے جواب میں ایک دوسرے کی شکلیں دیکھتے رہ جائیں گے۔" اذہان حسن بخاری کا انداز بے حد بے بسی لیے ہوئے تھا۔ ساہیہ خان اسے خاموشی سے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

"ساہیہ! ــــ میں نے کبھی بھی زندگی میں خود کو اتنا بے بس نہیں پایا۔ جو صورتِ حال درپیش ہے اس کے متعلق کوئی لائحہ عمل کام نہیں آ رہا۔ میں ہر طرح کی کوششیں کر کے تھک چکا ہوں۔ جب بھی لگتا ہے کہ تدبیر کام آ گئی ہے تو تبھی یہ عقدہ کھلتا ہے کہ صورتِ حال پہلے سے بھی کہیں زیادہ پیچیدہ ہو گئی ہے۔" اس کا لہجہ مدھم تھا اور انداز تھکا ماندہ۔ ساہیہ خان نے بہت آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر اس کے ہاتھ پر دھر دیا تھا۔

"اذہان! شکست مان لینا دانش مندی نہیں ــــ بہت سی باتوں کے اسرار نہ سمجھ میں آنے والے ہوتے ہیں۔ مگر یہی بھید اپنے اندر بہت سے سوالوں کے جواب رکھتے ہیں۔ تمہیں ہمت سے کام لینا چاہیے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ تمہیں جو کچھ نظر آ رہا ہے اسے قبول کرو۔ حقیقت کو مان لینے سے بھی بہت سے سوالوں کے جواب خود بخود مل جاتے ہیں۔ تمہارا پرابلم یہ ہے اذہان! کہ تم ابھی تک حقیقت کو ہی تسلیم نہیں کر پا رہے ہو۔ اور یہی سب سے بڑا سبب ہے تمہاری شکست کا۔ تمہارا ابھی تک صورت حال کو دیکھتے ہوئے بھی قبول نہیں کر پا رہا اور یہی سب سے بڑا مسئلہ ہے اذہان! ابھی بھی حقیقت کو تسلیم کر لینے سے ہی بہت سی باتوں کا جواب مل جاتا ہے۔ کچھ اور نہیں تو کم از کم اس صورت

یہ سب باب ہی سمجھ میں آ جاتا ہے۔

"میں تمہاری بات کو مسترد کرتا ہوں۔" اذہان حسن بخاری نے اس کی سمت دیکھتے ہوئے ٹھوس لہجے میں اس کے تمام الفاظ کو ایک لمحے میں رد کیا تھا۔ "بس ساہیہ خان! رد کرتا ہوں میں تمہاری ہر بات۔ کتابی باتیں ہیں۔ تم یہ سب اس لیے کہہ رہی ہو کیونکہ تم اس طوفان کا حصہ نہیں ہو ساہیہ! جس میں ہوں۔ تم اس طوفان کی شدت کو اس طرح سے محسوس بھی نہیں کر پا رہی ہو جس طرح کہ میں ہوں۔ پھر تم کوئی حل کیونکر پیش کر سکتی ہو جب تمہیں کسی بات کا اندازہ ہی نہیں۔" اس کا لہجہ کس قدر اجنبی تھا اور ساہیہ خان اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔ نظروں میں حد درجہ بے یقینی تھی۔ گویا اذہان حسن بخاری سے ایسے کسی اقدام کی توقع نہیں تھی۔

کتنی دیر تک وہ اسے اسی طرح ساکت سی دیکھتی رہی تھی۔ پھر کسی درجہ تاسف سے سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

"اذہان! یہ ٹھیک ہے کہ مجھے ان باتوں کا ادراک نہیں ہے اور جس کیفیت سے تم گزر رہے ہو اسے میں نے کبھی نہیں جھیلا۔ مگر یہ غلط ہے کہ میں اسے اس طرح سے محسوس نہیں کر رہی ہوں۔ تم نے ابھی تم نے مجھے ایک لمحے میں خود سے الگ کر دیا۔ پرایا کر دیا۔" اس کا لہجہ مدھم تھا اور انداز پُر ... مگر اذہان حسن بخاری اس کی سمت سے نظریں پھیر گیا تھا۔

"کبھی کبھی طوفان میں گھرے ہوئے شخص کو صورت حال کا اندازہ اس انداز سے نہیں ہو پاتا جس طور کہ باہر سے دیکھنے والے کو ہوتا ہے۔ جو دور سے دیکھ رہا ہوتا ہے وہ زیادہ بہتر طور پر اندازہ کر پا رہا ہوتا ہے کہ صورت حال کتنی سنگین ہے۔" وہ اٹھی تھی اور پھر بنا اس کی سمت دیکھے، چلتی ہوئی وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی۔

❁ ❁ ❁

"تم آج لامعہ حق سے ملے تھے؟" اناہیہ شاہ نے اس کی سمت دیکھتے ہوئے تیکھے انداز میں کہا تھا اور اوزی حیران ہوتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

"تمہیں کیسے خبر ہوئی؟"

"تمہارے چہرے پر لکھا ہے اوزی!"

"اچھا! ــــ" وہ حیران ہوا تھا۔ "تو کیا ایسی ساری باتیں چہرے پر آن درج ہوتی ہیں؟" اس کا انداز سادہ تھا۔ مگر اناہیہ شاہ مسکراتے ہوئے لب بھینچ گئی تھی۔

"اف کورس۔ لیکن تم نے بتایا نہیں کیا ہوا، کیا وہ حیران تھی؟" اناہیہ شاہ نے گفتگو کا سلسلہ پھر وہیں ملا لیا تھا اور جواباً اوزی کے لبوں پر بہت بھینی بھینی سی مسکراہٹ ابھری تھی۔

"جب سب کچھ میرے چہرے پر درج ہے تو پھر پوچھ کیوں رہی ہو؟"

اناہیہ شاہ نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر مسکرا دی تھی۔

"اوزی! اگرچہ تمہاری حالت خاصی دگرگوں ہو رہی ہے۔ مگر ایک فطری تجسس بھی تو ہوتا ہے نا۔"

"تم لطف لینا چاہتی ہو میری کیفیات سے۔ کسی شاعر نے ٹھیک ہی کہا ہے۔

کچھ میں ہی جانتا ہوں جو مجھ پر گزر گئی

دنیا تو لطف لے گی میرے واقعات میں۔"

اس کا انداز ڈرامائی بنا ہوا تھا اور انابیہ شاہ ہنس پڑی تھی۔ تبھی اوزی نے مسکراتے ہوئے اس کی جانب دیکھا تھا۔

"دوسروں پر ہنسنا کتنا آسان ہے نا۔"

"ہاں ہے۔ مگر ہمدردی کے بچاؤ بھی تو میں ہی رکھتی ہوں نا۔" انابیہ شاہ بہت دنوں بعد کھلکھلائی تروتازہ لگی تھی۔ اوزی اس کی سمت بغور دیکھتا ہوا مسکرایا تھا۔

"اچھی لگ رہی ہو اتنے دنوں بعد کھل کر مسکراتی۔" اوزی نے کہا تھا اور وہ لب بھینچ کر چہرے کو پھیر گئی تھی۔

"میں نے یہ تعریف اس لیے نہیں کی کہ تم اپنے مسکراتے لب اس قدر سختی سے بھینچ لو۔" اوزی نے یاد کرایا تھا۔

"تم نے بتایا نہیں ملاقات کیسی رہی؟"

"کبھی رونق ہے تمہارے خیال میں۔ وہ گریز اں گریزاں، ہم پریشاں پریشاں۔ ایسے میں انداز کیا ہو سکتا ہے؟ وہی جو اول ملاقات میں رہا، اس سے کچھ زیادہ مختلف تو نہیں تھا۔" وہ پر مزاح انداز کہتا ہوا مسکرایا تھا۔

"رشتی ——— اس لڑکی سے مجھے مل کر کبھی نہیں لگا کہ میں اسے پہلے بھی کہیں مل چکا ہوں یا اسے جانتا ہوں۔ اس سے جتنی بار بھی ملا ہوں ہر ملاقات وہی پہلی سی لگی ہے۔" اوزی کا انداز بہت تھا۔ وہ تمام باتیں اس طرح بیان کر رہا تھا جیسے روزمرہ کی خبروں سے مزین کوئی اخبار پڑھ کر سنا رہا انابیہ شاہ نے اسے بغور دیکھا تھا۔ شاید تبھی اس کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

"کیا ہوا؟" اوزی اس کی سمت دیکھتا ہوا پوچھنے لگا تھا۔ تبھی وہ مسکراتی ہوئی اس کی سمت سے نگاہ گئی تھی۔

"مجھے اکثر لگتا ہے تم روزمرہ کی خبروں سے مزین کوئی اخبار پڑھ کر سنا رہے ہو ——— خود اپنے سے متعلق۔ تمہارا انداز بڑا ہی کیجول ہوتا ہے۔" انابیہ شاہ نے تجزیہ کیا تھا اور وہ مسکرا دیا تھا۔

"محبت کی ہے تم نے کبھی انابیہ شاہ؟" مدھم لہجے میں دیا عجب سوال تھا اور انابیہ شاہ جو مسکرا رہی تھی بے حد چونک کر اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔

"یہ کیسا سوال ہے؟"

اوزی اس کی سمت تکتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

"انابیہ شاہ! آسان شے نہیں ہے محبت۔ ایسے کرنے والا خود ایک خبر بن جاتا ہے۔" یاد کرایا تھا۔ انابیہ شاہ اس کی سمت سے نگاہ پھیر گئی تھی۔

"انابیہ!" اوزی نے بہت مدھم لہجے میں پکارا تھا۔

"ہوں؟" انابیہ شاہ نے اس کی سمت دیکھنے سے دانستہ گریز کیا تھا۔

"ہاں محبت بہت آسان شے نہیں مگر یہ اتنی مشکل بھی نہیں کہ چہرے پر ہوائیاں اڑ جائیں۔" انداز چڑانے والا تھا۔ انابیہ شاہ نے اس کی سمت مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔ پھر قریب پڑا کشن اٹھا کے کھینچ مارا

"ویسے جب تمہیں محبت ہو تو مجھے ضرور بتانا۔"

"کیوں؟" انابیہ شاہ نے کسی قدر ناگواری سے اسے دیکھا تھا۔ مگر وہ مسکرا دیا تھا۔

"دونوں مل کر اختر شماری کریں گے۔" اس کی آنکھوں میں شرارت تھی اور انابیہ مسکرا دی تھی۔

"مجھے ایسا کوئی شوق نہیں ہے۔" اس نے سرسری انداز سے کہنے کے ساتھ ہی ریموٹ اٹھا کر ٹی وی کی جانب اپنی توجہ مبذول کی تھی۔ اوزی نے اسے بغور دیکھا تھا۔

"انابیہ!" دلچسپی حد سے سوا تھی۔

"ہاں۔" انابیہ کا انداز سرسری تھا۔

"جس طرح تم محبت کے نام پر شائے ہوتی ہو اس سے مجھے صاف کچھ گڑبڑ نظر آتی ہے۔"

"اوزی!" انابیہ شاہ نے اسے گھورا تھا مگر وہ ہنس دیا تھا۔

ڈور بیل ہوئی تھی۔ ماما نے کچن سے پکار کر اسے دروازہ کھولنے کی ہدایت کی تھی۔

"انابیہ! دیکھو کون ہے باہر؟"

انابیہ نے جواباً اوزی کی سمت دیکھا تھا۔

"جاؤ دیکھو جا کر، ساتھ والے انکل اکبر ہوں گے۔ دادا ابا سے ملنے آئے ہوں گے۔ انہیں دادا ابا کے کمرے میں پہنچا دینا۔ اور سنو، واپسی میں میرے لیے کافی بھی بنا لانا۔" اس نے دو تین آرڈر ایک ساتھ دیے تھے۔ اوزی نے ہاتھ میں پکڑا کشن اس کی سمت اچھالا تھا اور گھورتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ وہ پوری توجہ سے ٹی وی اسکرین کی سمت دیکھنے لگی تھی۔

کچھ لمحوں کے توقف سے اس کے قریب آہٹ ہوئی تھی۔

"کون تھا اوزی؟" وہ اس کی جانب دیکھے بغیر بولی تھی۔ مگر دوسری جانب سے کوئی جواب نہیں آیا تھا۔

"اوزی! تم نے کوئی جواب نہیں دیا؟ ——— کون تھا؟" انابیہ شاہ نے ٹی وی کا والیم کم کرتے ہوئے اوزی کی سمت کی تھی اور اوزی کی جگہ کسی اور کو کھڑا دیکھ کر چونک پڑی تھی۔

"آپ؟"

عفنان علی خان اس کی سمت دیکھتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

"کافی لینے گیا ہے وہ۔ غالباً تم نے اسے آرڈر کیا تھا!" اس کے دیکھنے پر وضاحت کی تھی۔ "بیٹھنے کے لیے نہیں کہو گی؟" عفنان علی خان نے بغور اس کے چہرے کو دیکھا تھا۔

"اوزی کے مہمان ہیں ——— اس کے آنے تک انتظار کر لیجیے۔" وہ شرارت سے مسکرائی تھی۔ یہ پہلا موقع تھا جب وہ کسی قدر معمول سے ہٹ کر بولی تھی۔

عفنان علی خان نے ان ست رنگی آنکھوں کو دیکھا تھا اور مسکرا دیا تھا۔

"یعنی میں آپ کا مہمان نہیں ہوں۔" وہ اس کے اجازت نہ دینے کے باوجود اس کے عین سامنے بیٹھ گیا تھا۔ انابیہ خاموشی کے ساتھ ٹی وی اسکرین کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

"مجھے خواہش ہو چلی ہے یہ جاننے کی کہ تم اپنے مہمانوں کو کیسے ٹریٹ کرتی ہوگی۔"

انابیہ شاہ نے اس کی سمت دیکھا تھا۔ پھر ٹی وی آف کر کے ریموٹ ایک طرف رکھ دیا تھا۔

"آپ کو میرے متعلق اتنا تجسس کیوں ہے؟ مانا ہوتا ہے ہر انسان کو تھوڑا بہت تجسس کسی دوسرے انسان سے متعلق۔ مگر اس درجہ۔ آپ کیوں خیال کرتے ہیں کہ میں کسی اور پلینٹ سے آئی ہوں اور میرا ٹریٹمنٹ دیگر انسانوں کے ساتھ آپ سب سے کچھ مختلف ہے؟" وہ بولی تھی اور عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

"اپنے بارے میں تم بہت اچھی اور مزیدار رائے رکھتی ہو۔ غالباً میں نے تمہارے متعلق ایسا کچھ خیال نہیں کیا تھا۔ مگر تم نے بتا کر مجھے لاجواب کر دیا ہے۔" عفنان علی خان محظوظ ہوئے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ انابیہ شاہ اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

"مجھے آج اچھا لگا ہے انابیہ شاہ! آج تم نے ثابت کر دیا ہے کہ تم اچھا بول سکتی ہو۔ مجھے تمہاری خاموشیوں سے بہت وحشت ہوتی ہے اور......"

"مجھے یہ جاننے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے عفنان علی خان! کہ آپ کو کیا شے اچھی لگتی ہے اور کیا نہیں۔ لیکن مجھے آپ میں بہت کچھ ہے جو پسند نہیں ہے۔" وہ اس کی سمت پُر اعتماد انداز سے دیکھتی ہوئی بولی تھی۔ مگر عفنان علی خان ہنستا چلا گیا تھا۔

"اوہ، رئیلی ـــــ کیا واقعی ایسا کچھ ہے؟ اگر ہے تو پلیز ٹیل می، میں اپنے متعلق تم سے سننے کے لئے منتظر ہوں۔ اچھی یا بری، کچھ بھی۔ مگر کچھ سمجھ تو آئے کہ دوسری طرف ہے کیا۔ بہت گزر گئی ہماری تمہاری میں۔ اب تو اس بھید کو کھل جانا چاہیے۔" وہ مسکرا رہا تھا۔ آنکھوں میں شرارت رکی ہوئی تھی اور انابیہ شاہ اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

اوزی تبھی کافی لے کر آ گیا تھا۔

"یہ اتنی خاموشی کیوں چھائی ہوئی ہے؟" ان دونوں کو خاموش دیکھ کر اسے کسی قدر حیرت ہوئی تھی۔ انابیہ شاہ کچھ نہیں بولی تھی۔ جب کہ عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

"ہو سکتا ہے ہم اس مقولے پر عمل کر رہے ہوں کہ خاموشی بھی گفتگو کرتی ہے۔"

"ویل سیڈ۔" اوزی نے مسکراتے ہوئے اسے داد دی تھی۔ "خاموشی کبھی کبھی واقعی باتیں کرتی ہے۔ مگر کبھی کبھی باتیں اس خاموشی سے کہیں زیادہ بہتر ہوتی ہیں۔ کیا خیال ہے؟" اوزی مسکرایا تھا اور عفنان علی خان جانے کیوں ہنس پڑا تھا۔

"شاید ہم میں سے کوئی اس حقیقت کو نہیں جانتا۔ یا پھر جانتے بوجھتے نظر انداز کر رہا ہے۔ انابیہ... سے کہیں اہم یہ بات ہے کہ میرے فارم ہاؤس پر ایک گیٹ ٹو گیدر ہو رہی ہے ـــــ میں چاہتا ہوں کہ

...حسیت تم سب بھی شرکت کرو۔" عفنان علی خان نے مسکراتے ہوئے انابیہ شاہ کی سمت دیکھا۔ "امید ہے کہ تم سب ضرور آؤ گے۔"

انابیہ شاہ کچھ کہے بغیر اٹھی تھی اور پھر اسی خاموشی سے چلتی ہوئی وہاں سے نکل گئی تھی۔ عفنان علی خان نے دور تک اس کا پیچھا کیا تھا۔

***

...بہت خاموش سی بیٹھی تھی۔ فارحہ اس کے سامنے تھیں۔ مگر دلجوئی کے سارے لفظ جیسے کہیں کھو گئے۔

"اس طرح کیا دیکھ رہی ہو؟ کیا مجھ میں کوئی بہت بڑی تبدیلی رونما ہو گئی ہے؟" فارحہ اس کے موڈ کو بدلنے کے لئے بہت دھیمے سے مسکرائی تھیں اور اگینے انہیں دیکھ کر رہ گئی تھی۔

"بھابی! آپ کو نہیں لگتا آپ کا دل گنجائش سے بہت زیادہ بڑا ہے؟"

وہ نہ جانے کیوں مسکرا دی تھیں۔

"اگینے! ایسا ہونا بھی ضروری ہے۔ خاص طور پر ایک عورت کے لئے۔ کیونکہ اسے بہت کچھ دیکھنا پڑتا ہے ...نا بھی پڑتا ہے۔"

اگینے نے خاموشی سے فارحہ کی سمت دیکھا تھا۔

"بھابی! آپ کو لگتا ہے کہ ایسا کر کے کوئی فائدہ ہو سکتا ہے؟"

"فائدہ ـــــ فائدے اور نقصان کے متعلق سوچنا عبث ہے اگینے! میں نے اب تک کی زندگی میں ... کبھی بھی کسی فائدے کی امید نہیں رکھی۔ آج سعد مجھ سے بدظن ہے۔ ہزار ہا گلے ہیں ... ہے۔ مگر میں یہ بات جانتی ہوں، میں نے اس کے لئے، اس گھر کے لئے کتنی قربانیاں دی..." فارحہ کا لہجہ افسردہ تھا۔ "آج وہ ان قربانیوں کا صلہ کسی اور کو دینا چاہتا ہے۔ تم جانتی ہو اگینے! اب وہ کیا چاہتا ہے؟" فارحہ نے نگاہ اٹھا کر اس کی سمت دیکھا تھا۔

"اگینے! وہ چاہتا ہے ہماری کمپنیز کے تھرٹی پرسنٹ شیئرز وہ اس کے نام کر دے۔ اپنی نئی شریک حیات کے نام۔ اور ایسا کرتے ہوئے اسے اس بات کا قطعاً کوئی احساس نہیں کہ کیا کر رہا ہے اور کیونکر کر رہا ہے۔ فارحہ کے حصے کی خوشیاں تو وہ کسی اور کو دان کر ہی چکا ہے۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ اب وہ اپنے بچوں کو بھی فراموش کر رہا ہے۔ ایسا کرتے ہوئے اسے قطعاً احساس نہیں کہ وہ اپنے بچوں کے ساتھ کتنی بڑی ناانصافی کر رہا ہے۔ مگر میں ...... میں یہ ناانصافی قطعاً بھی اپنے بچوں کے ساتھ نہیں ہونے دوں گی۔ اپنا مقام تو شیئر کر سکتی ہوں، اپنے حصے کی خوشیاں بھی کسی تیسرے وجود کو سونپ سکتی ہوں مگر اپنے بچوں کا حصہ نہیں بانٹ سکتی۔ سعد جانتا ہے اس کمپنی کی پچاس پرسنٹ کی شیئر ہولڈر میں ہوں۔ بقیہ کے ... اس کے نام ہیں اور وہ انہیں بھی اپنے بچوں کی بجائے دوسروں میں بانٹ دینا چاہتا ہے۔" فارحہ کی آواز رندھ گئی تھی۔ یقیناً وہ سنجیدہ تھیں۔ اگینے کے پاس ان کی تسلی کے لئے شاید کوئی لفظ نہ تھے۔ تبھی شاید وہ خاموشی سے ان کی طرف دیکھتی رہی تھی۔

فارحہ نے بھیگی آنکھوں سے اگینے کو دیکھا تھا۔

"اگینے! میں نے ایسا کیا کیا؟ کیا غلط کیا؟ ——— کیا تو کیا عجب؟ وہ مجھے دروازہ... ٹھہرا رہا..."

فارحہ ضبط ہار گئی تھیں۔ اور تبھی اگینے نے ان کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر بہت آہستگی سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے فارحہ کی سمت دیکھا تھا۔

"بھابی! پلیز، اگر آپ ہی حوصلہ ہار دیں گی تو باقی لوگوں کو کون سنبھالے گا؟ ان حالات میں ثابت قدم رہنا چاہیے۔ وقت سب سے بڑا منصف ہے۔ آپ سب کچھ خدا کے حوالے کر دیجیے وہ بہتر کرے گا۔ ایک دن سعد بھائی کو اپنی غلطی کا اندازہ ضرور ہو گا۔" اگینے نے ملائمت سے بڑی بھابی فارحہ کو تسلی دی تھی۔ فارحہ سر جھکائے بیٹھی تھیں جب ماہا پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ اندر داخل ہوئی۔

"ممی! بھائی....... بھائی اپنے کمرے میں پیکنگ کر رہے ہیں ——— میں نے ان سے پوچھا وہ مجھے کچھ بتا نہیں رہے۔"

فارحہ اس اطلاع پر بھونچکا رہ گئی تھیں۔ اگینے اور انہوں نے ایک ساتھ اذہان حسن بخاری کے کمرے کی سمت پیش قدمی کی تھی جہاں اذہان حسن بخاری تیزی کے ساتھ پیکنگ میں مصروف تھا۔

❊❊❊

دوپہر میں سردار سبکتگین حیدر لغاری کا فون آیا تھا۔ آج کا ڈنر وہ اس کے ساتھ کرنا چاہتا تھا اور اس کے پاس انکار کا کوئی جواز نہیں تھا۔ شاید اسی لئے وہ شام میں تیار ہونے لگی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری جب آیا تھا تو اسے دیکھ کر کچھ لمحوں تک ساکت سا تکتا رہا تھا، پھر کہا تھا۔

"بیوٹی فل ——— لیکن میرے خیال میں تمہارے بال کھلے ہوئے زیادہ اچھے لگتے ہیں۔" کہتے ہوئے وہ اس کے قریب آیا تھا، عین اس کے سامنے رکا تھا اور پھر بانہیں پھیلا کر اس کی پشت پر سے ہوتے ہوئے اس کے جوڑے کی شکل میں بندھے بالوں کو بہت آہستگی سے کھول دیا تھا۔ میرب سیال اس کی قربت پر ساکت رہ گئی تھی۔ اس کے وجود سے اٹھتی خوشبو نے اس کے حواس خطا کر دیئے تھے۔ وہ نظریں جھکائے اسی طرح بت بنی کھڑی تھی جب سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے چہرے کو پر غور تکتے شہادت کی انگلی سے اس کے چہرے کو کسی قدر اوپر اٹھایا تھا۔

"نائس ——— نار یولکس ویری پریٹی۔" بہت دھیمی سی مسکراہٹ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لبوں کا احاطہ کر گئی تھی اور میرب سیال اس لمحے نظریں جھکا گئی تھی۔

"چلیں؟" بہت مدھم لہجے میں دریافت کیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے چہرے کو بغور تکتے ہوئے بہت ملائمت سے مسکرایا تھا۔

"ہاں ——— مگر ٹھہرو، شاید میں کچھ بھول رہا ہوں۔" اس چہرے کو نگاہ کسی قدر دلچسپی سے دیکھا اور ان نظروں کی حدت میرب سیال کے لئے کسی قدر پریشانی کا باعث بن رہی تھی۔ وہ اس کے انداز سے کسی قدر الجھن میں نظر آ رہی تھی۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری کو غالباً اس بات کا کوئی احساس نہ تھا۔

... لغاری نے اس چہرے کو بغور دیکھا تھا پھر بہت آہستگی سے اس روشن پیشانی پر جھکتا ہوا بھرپور ... تھا اور میرب سیال کی رگوں کا سارا خون جیسے اس کے چہرے پر آن ٹھہرا تھا۔ سینے میں کہیں ... ارتعاش سا برپا ہو گیا تھا اور وہ اپنی کیفیت پر خود آپ حیران رہ گئی تھی۔

... سبکتگین حیدر لغاری نے جیب میں سے ایک پیکٹ نکالا تھا پھر اس میں سے ایک چمکتا ہوا، نازک ... نکال کر اس کی گردن کی سمت بڑھایا تھا۔

"اجازت ہے؟" اس کے کسی قدر حیرت سے دیکھنے پر غالباً سردار سبکتگین حیدر لغاری نے مسکراتے ... کی سمت دیکھا تھا۔ میرب سیال نے ناچار سر اثبات میں ہلا کر نظریں جھکا لی تھیں اور تب سردار ... حیدر لغاری کے ہاتھ اس کی نازک گردن میں اس قیمتی نیکلس کو پہنانے لگے تھے۔

... کی یہ کہانیاں ہزار باجاں گسل سہی، وہ لمحے کتنے بھی دلفریب سہی، مگر یہ سب میرب سیال کے ... بہت دشوار ہو رہا تھا۔ لیکن وہ جیسے مکمل طور پر بے بس تھی۔

... سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی گردن میں وہ موتیوں سے مزین قیمتی نیکلس پہنا کر ایک تنقیدی ... سے اسے دیکھا تھا اور پھر مسکرا دیا تھا۔

"... لو بیڈ۔"

میرب سیال نے کسی درجہ حیرت سے اسے نظریں اٹھا کر دیکھا تھا۔ تبھی سردار سبکتگین حیدر لغاری ... اٹھا۔

"... تک ناٹ یولکس رئیلی پریٹی۔" ان آنکھوں میں اس کے لئے ستائش ہی ستائش تھی اور میرب ... لمحے جیسے ناچار مسکراتے ہوئے نظر جھکا گئی تھی۔

"... دیکھنے کے لئے میری نظریں ہی کافی ہیں یا کسی قسم کے آئینے کی ضرورت اب بھی باقی ہے؟" سردار ... حیدر لغاری نے مدھم لہجے میں جھک کر اس سے دریافت کیا تھا اور وہ مسکرا دی تھی۔

"... اب ہم چل سکتے ہیں؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کہا تھا۔

"... ناٹ ——— شیور۔" اور اس کے ساتھ ہی وہ اسے لے کر آگے بڑھنے لگا تھا۔ میرب سیال ... سارے تجربے بہت نئے تھے اور سارے حوالے انجانے۔ شاید اسی لئے وہ اپنی دھڑکنوں کا ... تک اپنے کانوں میں سن رہی تھی۔

... سبکتگین حیدر لغاری واقعی حیران کن تھا اور وہ اسے قدم قدم پر واقعی حیران بھی کر رہا تھا۔ یا پھر ... حیران ہو رہی تھی اور درحقیقت ان باتوں میں حیران ہونے والی کوئی بات نہ تھی۔ بہر حال جو ... میرب سیال کے لئے یہ لمحے قیامت سے کم نہ تھے۔

... کی سنگت، اس کی ہمراہی اس کے لئے جیسے خواب جیسی تھی۔ وہ جانتی تھی یہ حقیقت تھی اور یہ ... تھا۔ مگر وہ بات خود کو باور کرانے کے باوجود باور نہ کرا پا رہی تھی۔

... دوران بھی جانے وہ کیا کچھ کہہ رہا تھا۔ میرب سیال کو اپنا آپ بہت کھویا کھویا سا لگا تھا۔

"کیا ہوا؟ ——— کیا سوچ رہی ہو؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی جانب کسی قدر تشویش

سے دیکھا تھا۔ میرب سیال چونکی تھی اور فوراً ہی سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"نہیں، ایسی کوئی بات نہیں۔"

"آر یو انجوائنگ، ڈئیر؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے جانے کس خدشے سے پیش نظر دریافت کیا اور وہ یکدم ہی مسکرا دی تھی۔

"آف کورس۔"

"تو پھر تم اتنی گم صم سی کیوں ہو؟"

"نہیں ــــــ ایسا نہیں ہے۔" میرب سیال نے مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلایا تھا۔

"کیا میں تمہیں خوش رکھنے میں ناکام ہو رہا ہوں؟ ــــــ کیا میں اس کوشش میں یکسر ناکام ہوں؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا اور وہ مسکرا دی تھی۔

"آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔ ایسا نہیں ہے۔ میں بہت خوش ہوں۔ مجھے اچھا لگ رہا ہے یہ سب۔" مدھم لہجے میں اظہار کیا تھا۔

"کیا؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری جیسے کچھ نہ سمجھا تھا۔

"یہ سب ...... یہ سب کچھ جو آپ میرے لئے کر رہے ہیں۔ یہ رات، یہ ڈنر، یہ سارا اور ......"

"اور میں ...... میرب؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے جملے کو درمیان میں سے اچک لیا۔ وہ چونکتے ہوئے اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی آنکھوں میں اسی طرح دیکھتے ہوئے دریافت کر رہا تھا۔

"اور میں ...... میرب سیال؟ تم نے بتایا نہیں، میرے متعلق کیا خیال ہے تمہارا؟ کیا سوچتی ہو؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری کا سوال شاید بہت مشکل تھا۔ تبھی میرب سیال کتنی دیر تک خاموشی سے اسے تکتی رہی تھی پھر جیسے بے بسی سے نظریں پھیر گئی تھی۔

"آپ ...... آپ بھی اچھے ہیں۔" اس نے جیسے زبردستی وہ ایک جملہ ادا کیا تھا اور سردار سبکتگین حیدر لغاری کے چہرے پر ایک نرم سی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

"صرف اچھا؟" نگاہیں کچھ اور بھی وضاحت چاہ رہی تھیں۔ مگر میرب سیال چپ رہ گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کو جیسے اس پر رحم آ گیا تھا۔ تبھی مسکرا دیا تھا۔

"ٹھیک ہے۔ مگر بات اچھا لگنے سے کچھ آگے بڑھنے کی امید ضرور رکھتا ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا کچھ اتنی تسلی بخش تو نہیں نا؟" کسی قدر ملائم لہجے میں وہ اظہار مدعا کرتا ہوا اس کی رائے جاننا چاہ رہا تھا۔ وہ کچھ نہیں بولی تھی۔

فلور پر ہلکی ہلکی دھیمی آرکسٹرا پر اپنی اپنی محبتوں کے جہاں آباد کئے ہوئے تھے۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس جانب ایک نگاہ کی تھی پھر مسکراتے ہوئے اس کی سمت دیکھا تھا اور تبھی بہت آہستگی سے اپنا چوڑا ہاتھ اس کے سامنے پھیلا دیا تھا۔ میرب سیال کسی قدر حیرت سے اس کی سمت دیکھنے لگی۔

"آؤ ــــــ میں تمہارے ساتھ کچھ دیر رقص کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے اجازت ہے نا؟" مدھم لہجے میں کہا گیا تھا اور میرب سیال ساکت سی اس کی سمت تکتی ہوئی سر یکدم نفی میں ہلا گئی تھی۔

"مجھے اس سب سے کچھ شغف نہیں۔"

"مجھ سے تو ہے نا؟" مدھم لہجے میں پوچھے گئے سوال میں کیا کیا نہ تھا۔ میرب سیال خاموشی سے اس سمت دیکھ رہی تھی۔ جب سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے نازک سے ہاتھ کو اپنے مضبوط ہاتھ کی گرفت میں لیا تھا اور وہ اس لمحے جانے کیوں کوئی آہ بھی نہ بھر سکی تھی۔ اٹھی تھی اور اس کے سنگ چل پڑی تھی۔

دل کو کسی ایسے ہی لمحے کی آرزو تھی۔ کسی ایسے ہی مضبوط رفیق سفر کی خواہش تھی جو اپنا پناہ میں لیتا تو کوئی ڈر باقی نہ رہتا جو اس کے ہاتھ کو تھامتا تو لگتا ساری دنیا اس کی مٹھی میں آ گئی ہو۔ وہ جس کے ساتھ چلتی تو لگتا کہ ساری دنیا اس کے ساتھ چل رہی ہو۔ جس کی قربتوں میں اسے پر وزن بھی آسمان لگتی۔ ویسا ہی تو ہوا تھا۔ وہ شخص اس کے قریب تھا۔ وہ اس کی پناہ میں تھی۔ اس کی مضبوط بانہوں نے اسے گھیرا ہوا تھا۔ مگر جانے کیوں دل پھر بھی جیسے مطمئن نہ تھا۔ ایسا کیوں تھا؟ وہ خود بھی نہیں جانتی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی قربتیں کیا کیا کہانیاں نہ کہہ رہی تھیں۔ وہ اس کی زلفوں پر جھکا جانے کیا کہہ رہا تھا۔ اسے تو بس اپنا وہ شانہ اس حدت سے جلتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ سارا وجود جیسے کسی آتش کے زیر تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لب اس کے گیسوؤں پر ہولے ہولے چلتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ وہ کچھ سرگوشیاں کر رہا تھا۔ مگر میرب سیال کے خود اپنے اندر کا شور اس قدر تھا کہ وہ کچھ بھی سن نہیں پا رہی تھی۔ اسے کچھ بھی سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ بس اسے اپنا آپ کسی الاؤ کے حصار میں لگ رہا تھا۔ حدت اتنی تھی کہ ڈرائنگ روم سلگتا ہوا محسوس کر رہی تھی۔

***

"کیا ہو رہا ہے یہ سب؟ ــــــ کہاں جا رہے ہو تم؟" فارحہ نے کسی قدر حیرت سے دریافت کیا تھا۔ اذہان حسن بخاری نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ اسی طرح سامان نکال کر سوٹ کیس میں رکھتا رہا تھا۔ صفیہ نے پیش قدمی کی تھی اور اس کے عین سامنے جا رکی تھیں۔

"میں پوچھ رہی ہوں کیا ہو رہا ہے یہ سب؟ ــــــ کیا کر رہے ہو تم یہ؟"

اذہان حسن بخاری نے ماں کی طرف ایک نظر دیکھا تھا۔ پھر چہرے کا رخ پھیر گیا تھا۔

"تھک گیا ہوں میں ــــــ جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب میری برداشت سے باہر ہے۔ تھک چکا ہوں روز روز ٹوٹ پھوٹ کر اور سمیٹ سمیٹ کر۔ اس لئے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں اب یہاں نہیں رہوں گا۔ میں یہاں سے جا رہا ہوں۔ واپس اسٹیٹس۔" اذہان حسن بخاری نے مطلع کرنے کے ساتھ ہی اپنا سامان دوبارہ سوٹ کیس میں رکھنا شروع کر دیا تھا اور فارحہ اور وہ گیتی اپنی جگہ ساکت رہ گئی تھیں۔ پھر ایک دم فارحہ نے پیش قدمی کی تھی اور اس کے ہاتھ سے سب کچھ لے کر بیڈ پر ایک طرف اچھال دیا تھا۔

"کیا کر رہے ہو یہ تم؟ ــــــ تم ہمیں چھوڑ کر جاؤ گے؟ ــــــ ہم سب کو؟" اس کی سمت دیکھا تھا۔

مگر اذہان حسن بخاری ان کی سمت سے نگاہ چرا گیا تھا۔ کچھ لمحے یونہی کھڑا رہا تھا پھر قدرے توقف سے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے فارحہ کی طرف دیکھا تھا۔

"ممی! یہ بات آپ بھی جانتی ہیں اور میں بھی جانتا ہوں کہ یہ سب بدلنے والا نہیں ہے۔ یہ تنازعہ روز بڑھنے والا ہی ہے اور بڑھتے ہوئے تنازعات کبھی ختم نہیں ہوتے۔ یہ بات آپ بھی جانتی ہیں اور یہ بھی جانتا ہوں ممی! جب کچھ ختم ہونے والا ہی نہیں تو پھر فائدہ؟" اذہان حسن بخاری کا لہجہ تھکا ماندہ تھا۔ فارحہ اسے دیکھ کر رہ گئی تھیں۔ کتنی خاموشی سے پلکوں کے کنارے سے نمکین پانی کے قطرے ٹوٹ کر بکھرتے چلے گئے تھے اور اذہان حسن بخاری ہاتھ میں تھمے ہوئے کپڑے ایک طرف پھینک کر ان کی سمت دیکھنے لگا تھا۔

"کیا کروں میں —— بتائیے آپ، کیا کروں؟" اس کا انداز بے بسی سے پُر تھا۔ "جب میرے یہاں رہنے سے کچھ بدل ہی نہیں رہا تو پھر میرے یہاں ہونے سے فائدہ؟ ممی! آپ کیوں رو رہی ہیں؟ میں آپ کو تو بلیم نہیں کر رہا۔ اور......" وہ تمام ارادے توڑتا ہوا آگے بڑھا تھا اور فارحہ کی آنکھوں کو اپنے ہاتھوں سے صاف کرنے لگا تھا۔ اگینہ، ماں بیٹے کی محبت کا منظر بغور دیکھ رہی تھی۔

"مجھے...... مجھے چھوڑ کر جانا چاہتا ہے تُو؟ اپنی ماں کو؟ —— اتنا بڑا بوجھ ہو گئی ہے آج تیرے لئے ماں کہ اسے چھوڑ کر جانا چاہتا ہے تُو؟" فارحہ کا ضبط جواب دے گیا تھا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھیں۔ اذہان حسن بخاری نے چوڑے ہاتھ سے ان کی آنکھوں کی نمی کو پونچھا تھا پھر انہیں تھام کر ساتھ لگا لیا تھا۔

"میں نہیں جانا چاہتا آپ کو چھوڑ کر۔ بہت مشکل ہے یہ میرے لئے۔ لیکن کیا کروں، آپ ہی بتائیے کیا کروں؟ جب یہاں رہ کر میں صورت حال کو اپنے بس میں ہی نہیں کر پا رہا تو پھر میرے یہاں رہنے سے فائدہ؟ جب آپ دونوں کو یونہی ایک دوسرے سے رسہ کشی کرتے رہنا ہے تو پھر کیا فرق پڑتا ہے کہ میں یہاں رہوں یا کہ نہیں۔" اس کا لہجہ مدھم تھا اور فارحہ اس کی طرف دیکھنے لگی تھیں۔

"مجھے فرق پڑتا ہے اذہان! تیری ماں کو فرق پڑتا ہے۔ تُو کیوں اپنی ماں کو مزید دُکھی کرنا چاہتا ہے؟" اذہان کی سمت بغور دیکھتے ہوئے سر نفی میں ہلایا تھا۔ "ٹھیک ہے، مان لوں گی میں وہ سب کچھ جو سعد حسن بخاری کہتا ہے۔ کوئی مخالفت نہیں کروں گی۔ مگر تم...... تم کہیں نہیں جاؤ گے۔" آنسو ان کی آنکھوں سے متواتر بہہ رہے تھے۔ "سنا تم نے —— تم کہیں نہیں جاؤ گے۔" ان کے کمزور لہجے میں بھی ایک حکم تھا۔ اور اذہان نے انہیں بانہوں میں سمیٹ کر اپنے ساتھ لگا لیا تھا۔

"ممی! آپ سب کے بغیر میری زندگی کا کوئی تصور نہیں ہے —— میں آپ سب کے بغیر نہیں رہ سکتا ہوں۔ میرے لئے یہ سوچ بھی جان لیوا ہے مگر......" اس نے تھک کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔ "میں یہ نہیں کہتا ممی! کہ سرنڈر آپ کریں یا کسی کی غلط بات کو چپ چاپ مانتی چلی جائیں۔ میں یہ سب نہیں چاہتا۔ مگر ممی! میں آپ کو اس طرح ٹوٹ کر بکھرتے ہوئے بھی نہیں دیکھ سکتا۔ میرے لئے یہ سب تکلیف دہ ہے۔ میں فرار آپ سے نہیں چاہتا۔ فرار میں اس صورت حال سے بھی نہیں چاہتا۔ فرار چاہتا ہوں تو بس اس شکست و ریخت کے عمل سے، جو میں دیکھ نہیں پا رہا ہوں۔ میں آپ کو اس کیفیت میں

بابا کو سمجھا نہیں سکتا کہ وہ سب کچھ فراموش کر کے ہاتھ بڑھائیں جو زندگی کی طرف لوٹتا ہو۔ میں ملت پر مائل نہیں کر سکتا اور شاید میں انہیں قائل بھی نہیں کر سکتا۔ وہ ہر بار آپ کو توڑیں گے، اور میں کبھی بھی کوئی احتجاج نہیں کر سکوں گا۔ مگر میرے لئے یہ سب کچھ دیکھنا بھی بہت مشکل ہے۔ میں ہر بار آپ کو ڈیفنڈ کرنے کے لئے ان کے سامنے جا کھڑا ہوں گا اور انہیں ہر بار میں خود کا بھی بڑا دشمن لگوں گا۔ وہ غلط ہوتے ہوئے بھی خود کو غلط نہیں سمجھتے۔ انہیں گلہ ہے کہ میں ان کی پکار رہا ہوں یا آپ کو ڈیفنڈ کرنے کے لئے ان کے مقابل کھڑا ہو رہا ہوں۔ وہ یہ جاننے کی کوشش رہے کہ میں بھی اگر آپ کو چھوڑ دوں گا تو آپ کتنی تنہا رہ جائیں گی۔ میں دانستہ ان کی مخالفت نہیں مگر ان کو جھٹلانا اور رد کرنا میرے بس میں نہیں۔ مجھ سے یہ کبھی نہیں ہو سکے گا اور نہ ہی میں آپ کو آپ کا مقام واپس دلا پاؤں گا۔ یہ فاصلوں کی خلیج بڑھتی چلی جائے گی۔" اذہان حسن بخاری کا لہجہ خوردہ تھا۔

"ممی! گھر، گھر کے افراد سے بنتا ہے۔ گھر میں بسنے والوں سے بنتا ہے۔ میں نے ہمیشہ ایک بسا ہوا بچا ہے۔ وہ شکھ دیکھا جو عظیم تر تھا۔ لیکن اب جب میں اسی بسے ہوئے گھر کو ٹوٹتا پھوٹتا دیکھتا ہوں تو یہ برداشت نہیں ہوتا۔ اس گھر کی بنیادیں میرے سامنے کھوکھلی ہو رہی ہیں اور میں کچھ کر نہیں پا رہا۔ قصور شاید کسی کا بھی نہیں ہے ممی! قصور شاید اس وقت کا ہے جس نے ہم سب کو اس دوراہے پر لا لایا ہے جس پر ہم چل کر آگے بڑھ پا رہے ہیں نہ ہی اس سے پلٹ پا رہے ہیں۔ ممی! ہم میں سے نہیں جانتا کہ اس سے آگے کا موڑ کیا ہے۔ یا پھر اس سے آگے کی راہ کیا ہو گی۔" اذہان حسن بخاری کے کنارے بہت آہستگی سے بھیگ رہے تھے۔ وہ انتشار کے مرحلے سے چپ چاپ گزر رہا کی آنکھیں بھی بھیگنے لگی تھیں۔

بھیگی آنکھوں سے سر اٹھا کر بیٹے کی سمت دیکھنے لگی تھیں۔

"کیا تجھے اپنے ساتھ باندھ کر رکھنا نہیں چاہتی اذہان! مگر میں تجھ سے جدا ہو کر بھی نہیں جی سکتی۔ کیا کروں، مجبور ہوں دل کے ہاتھوں، اپنی ممتا کے ہاتھوں۔ اس لئے تجھے بھی مجبور کر رہی تُو اس مشکل صورت حال میں بھی میرے ساتھ رہے۔ میرے ساتھ جئے۔ کچھ خودغرضی ہے۔ مگر ماں ہی خود غرض ہوتی ہے۔" فارحہ بھیگی آنکھوں کے ساتھ بولی تھیں اور اذہان حسن بخاری نے ہو کر سر ان کے سامنے جھکا دیا تھا۔

"آپ سے الگ ہرگز نہیں ہوں۔ یہ جان آپ کی ہے، مانگئے تو وہ بھی دے دوں گا۔"

"باتیں کر کے اپنی ماں کو اور دُکھی مت کر۔ ورنہ بہت پٹائی لگاؤں گی۔" فارحہ نے ہاتھ اٹھا کر دھمکی دی تھی۔ اذہان حسن بخاری نے ماں کی سمت دیکھا تھا پھر انہیں اپنے ساتھ بھینچ لیا تھا۔

❁❁❁

سے پہلے کی ایک شام وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے ساتھ سب کے لئے گفٹس خرید رہی تھی۔ کا فون آ گیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری بہت خوش دلی سے بات کر رہا تھا۔

''جی مائی اماں! سب ٹھیک ہے یہاں ــــــ جی، آپ کی بہو بھی۔''

مائی اماں نے غالباً اس کی بابت پوچھا تھا اور وہ مسکراتے ہوئے اس کی سمت دیکھنے لگا تھا۔

''جی، آ رہے ہیں ہم کل کی فلائٹ سے۔ لیجئے، اپنی بہو سے بات کیجئے۔'' اس نے سیل فون اس کی سمت بڑھا دیا تھا۔ میرب سیال نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر فون اس کے ہاتھ سے لے لیا تھا۔

''السلام علیکم مائی اماں!''

''وعلیکم السلام بیٹا! کیسی ہو؟'' مائی اماں محبت سے مخاطب تھیں۔ وہ مسکرا دی تھی۔

''جی، ٹھیک ہوں ــــــ آپ کیسی ہیں مائی اماں؟''

''ٹھیک ہوں بیٹا! میں نے سوچا تم دونوں تو مجھے یاد کرو گے نہیں، میں ہی کر لوں۔''

''ارے یہ کیسے سوچ لیا آپ نے؟ ایسا بھلا ہو سکتا ہے؟ ہم آپ کو کیسے بھول سکتے ہیں؟'' میرب نے مودب انداز میں کہا تھا۔

''جانتی ہوں جان! میں تو مذاق کر رہی تھی۔ یہ بتاؤ، سبکتگین حیدر لغاری خیال تو رکھ رہا ہے نا تمہارا؟''

''جی۔'' اس نے مسکراتے ہوئے سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت دیکھا تھا۔

''بیٹا! وہ بظاہر جو نظر آتا ہے ویسا ہے نہیں۔ دیکھنے میں لگتا ہے وہ سخت گیر ہے۔ جیسے شاید دوسروں کے جذبات کا قطعاً کوئی احساس نہیں۔ وہ شاید دوسروں کے متعلق سوچتا بھی نہیں، مگر ایسا نہیں ہے۔ حیدر ایک دردمند دل رکھتا ہے۔ تکلیف میں تو وہ کسی جانور کے ننھے سے بچے کو بھی نہیں دیکھ سکتا۔ صرف مورائیلی کی نہیں ہے بیٹا! وہ واقعی ایک حساس طبیعت کا مالک لڑکا ہے۔ بس سمجھنے میں کچھ وقت لگتا ہے۔ اسے سمجھنا کسی قدر دشوار ضرور ہے مگر ناممکن نہیں۔ وہ کسی سے خائف ضرور رہ سکتا ہے، لاتعلق ہو سکتا ہے مگر کسی کو دکھ نہیں پہنچا سکتا۔'' مائی اماں سردار سبکتگین حیدر لغاری کے متعلق کہہ رہی تھیں اور میرب سیال بے دھیانی میں اس شخص کی سمت دیکھنے لگی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی سمت بہت الجھن سے دیکھ رہا تھا۔

''میں یہ تو نہیں جانتی بیٹا! کہ تم اسے کس حد تک سمجھ پائی ہو۔ مگر میں چاہتی ہوں کہ تم اسے اندازا کر سکو۔ اسے سمجھنا اتنا مشکل بھی نہیں ہے۔ بس اسے دل سے دیکھنے کی ضرورت ہے۔ تم سمجھ رہی ہو میری بات؟'' مائی اماں نے اس سے دریافت کیا تھا اور اس نے سر بے دھیانی میں اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''جی۔''

''بات یہ ہے بیٹا! جب ہم کسی کو کسی حد تک سمجھنے لگتے ہیں تو پھر مشکلات کسی قدر کم ہونے لگتی ہیں۔ بہت سی پریشانیاں ہماری اپنی تیار کردہ بھی ہوتی ہیں۔ اس میں قصور صرف دوسرے کا ہی نہیں ہوتا۔ اس لیے نہیں کہہ رہی بیٹا! کہ میں تمہاری ساس ہوں اور سبکتگین حیدر لغاری کی ماں۔ ایسا بالکل نہیں۔ میں اس سے زیادہ تمہاری خیر خواہ ہوں۔ اس لیے میں چاہتی تھی کہ تم دونوں کے درمیان ایک اچھی انڈر اسٹینڈنگ ہو جائے۔ تم دونوں ایک دوسرے کو اچھی طرح سے سمجھ لو۔ میرا خیال ہے یہ عرصہ اس کے لیے خاصا سودمند ثابت ہوا ہو گا۔ ہے نا؟'' مائی اماں نے پوچھا تھا اور اس نے سر ایک بار پھر اثبات میں ہلایا تھا۔

''جی۔''

''اچھا، کیا واقعی تم ایک دوسرے کو سمجھنے لگے ہو کسی قدر؟'' مائی اماں کو کسی قدر خوشی ہوئی تھی۔ وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت دیکھتی ہوئی مسکرا دی تھی۔

''جی کسی قدر پیش رفت ہوئی تو ہے۔ شاید اسے شناسائی ہونا ہی کہتے ہیں۔''

''شکر ہے خدا کا۔ میں دل سے دعا گو تھی تم دونوں کے لئے۔'' مائی اماں نے باقاعدہ شکر ادا کیا تھا۔ ''بات دراصل یہ ہے کہ نئی زندگی کا یہ عرصہ بہت اہمیت کا حامل ہوتا ہے اور اس میں اس سے بھی زیادہ بات یہ ہے کہ سارا کا سارا کردار ایک عورت یا پھر لڑکی ہی ادا کرتی ہے۔ تم اسے اچھا کہو یا پھر برا مگر حق رہا ہے اس باب میں سمجھ بوجھ سے کام ایک لڑکی کو ہی لینا پڑتا ہے۔ تبھی ایک ہنستی بستی زندگی وجود میں آتی ہے۔ ایک ہنستا بستا گھر بن سکتا ہے۔ تم میری بات سمجھ رہی ہو نا؟''

''جی مائی اماں!'' میرب سیال نے مسکراتے ہوئے جواب دیا تھا۔

''بیٹا! بات نصیحتوں کی نہیں ہے۔ نصیحتیں بڑے بوڑھے بزرگ کرتے ہیں۔ تو مجھے اپنی ساس مت خیال سمجھو اور ماں سے بڑھ کر ایک دوست۔ میں سبکتگین سے زیادہ تجھے اپنا مخلص لگوں گی۔ یہ مت خیال کرنا کہیں کسی مقام پر اپنے بیٹے کی حمایت کروں گی یا خواہ مخواہ اسے سپورٹ کروں گی۔ نہیں، میں اسے بیٹا ہونے کی رعایت بالکل نہیں دوں گی اگر وہ کوئی غلطی اس ضمن میں کرے گا۔ تم اس بات کا یقین کر لو۔ سبکتگین حیدر کو بھی سمجھا دو۔ جب سے گیا ہے، کاروبار میں الجھا ہوا ہے۔ ایک بار بھی ڈھنگ سے بات نہیں کی۔'' مائی اماں بولی تھیں اور وہ مسکرا دی تھی۔

''آپ ان سے بات کر لیجئے۔''

''ان سے بات تو میں کروں گی ہی مگر پہلے تمہیں اتنا کہنے دو کہ اپنا بہت خیال رکھنا اور سبکتگین حیدر کا بھی۔ تمہارے پاپا کی طبیعت اب کیسی ہے؟''

''پہلے سے بہت بہتر ہیں۔ آپ سبکتگین حیدر سے بات کر لیجئے۔'' وہ فون اسے تھما کر ایک گفٹ شاپ کی سمت بڑھ گئی تھی۔ اور جب وہ ایک کرسٹل ہارٹ ہاتھ میں لئے اسے جانچ رہی تھی تبھی سبکتگین حیدر لغاری وہاں آ گیا تھا۔ میرب سیال نے چونک کر اس کی سمت دیکھا تھا مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری اسے دیکھنے کی بجائے پوری توجہ سے اس کرسٹل ہارٹ کی سمت دیکھنے لگا تھا۔

''بیوٹی فل۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس آئٹم کو بغور سراہا تھا۔

میرب سیال مسکرا دی تھی۔

''اچھا ہے نا؟''

''ہاں، بہت۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ہاتھ بڑھا کر وہ گفٹ آئٹم اس کے ہاتھ سے لے لیا تھا۔ عجلت کے انداز میں اس کرسٹل ہارٹ کو دیکھتے ہوئے اپنی توجہ شاپ کیپر کی سمت مبذول کی تھی اور اسے فوراً پیک کرنے کو کہا تھا۔

میرب سیال اسے تسلی کے لئے لینا چاہتی تھی۔ مگر اب بے بسی سے اسے سرخ... دیکھ کر رہ گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری شاید اس کی مشکل سمجھ گیا تھا۔ تبھی بہت ملائمت سے مسکراتے ہوئے اس کے چہرے کو اپنے بھاری مضبوط ہاتھ سے بچوں کی طرح تھپتھپایا تھا۔

"تم کچھ اور لے لو۔ شاباش۔" اور میرب سیال اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔ جانے کس کے لئے خریدا گیا تھا سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کرسٹل ہارٹ کو۔ اسے قلق اس بات کا نہ تھا کہ ان سے ان کے ہاتھ سے اسے لے کر اپنے لئے پیک کروا لیا تھا۔ بات اس سے بھی کہیں یہ کاٹ رہی تھی، سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے کس کے لئے بطور خاص منتخب کیا تھا۔ وہ خالی خالی نظروں سے گفٹس دیکھ رہی تھی جب سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے قریب کھڑے ہوتے ہوئے پوچھنے لگا تھا۔

"کیا ہوا؟۔۔۔ نانی اماں نے ایسا کیا کہہ دیا کہ تمہارا موڈ بگڑ گیا؟"

وہ ایک لمحے میں چونکی تھی۔

"نہیں۔ ایسی بات نہیں ہے۔ ایسا کچھ نہیں ہوا۔" اس نے سر نفی میں ہلایا تھا اور سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

"شیور؟" بغور اس کی سمت دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

"ہوں۔" وہ مسکراتے ہوئے اس کی سمت سے نگاہ پھیر گئی تھی۔

"نانی اماں کیا کہہ رہی تھیں؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری کو جانے کیوں جاننے کا شوق ہوا تھا اور میرب سیال اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔

"کچھ خاص نہیں۔ بس رسمی سی باتیں ہو رہی تھیں۔ آپ کو کچھ خاص تجسس نہیں ہو رہا جاننے کا؟" مسکراتی ہوئی پر اعتماد نظروں سے اس کی سمت دیکھتی ہوئی بولی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت بغور دیکھا تھا پھر جانے کیوں مسکرا دیا تھا۔

"ہو سکتا ہے ہم میں بہت پرسنل باتیں ڈسکس ہوئی ہوں۔ جن کے متعلق کسی اور سے شیئر کرنا اچھا نہ ہو۔" میرب سیال نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا اور سردار سبکتگین حیدر لغاری کو اس کے پر اعتماد انداز پر کسی قدر حیرت ہوئی تھی۔

"اوہ، رئیلی؟" غالباً وہ محظوظ ہوا تھا۔

"ہاں۔" میرب سیال مسکراتی ہوئی اس کی جانب سے توجہ ہٹا کر گفٹس پیک کروانے لگی تھی۔

"میرب!" ہولے سے پکارا تھا۔

"جی۔۔۔" وہ پلٹی نہیں تھی۔ اسی طرح کھڑے کھڑے جواب دیا تھا۔ اس کی پشت پر کھڑا سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

"جانتی ہو، ہزبینڈ وائف میں کچھ بھی پرسنل نہیں ہوتا۔" جتایا تھا۔ وہ مسکرا دی تھی۔

"ہوتا ہے۔" اسے رد کیا تھا۔ انداز کمال کا پر اعتماد تھا۔ مگر سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔ "ناٹ ایٹ آل... میں بھی بہت کچھ پرسنل ہوتا ہے۔ جیسے ابھی آپ نے وہ کرسٹل ہارٹ پیک کروایا تو میں نے

بالکل نہیں پوچھا کہ وہ آپ نے کس کے لئے پیک کروایا ہے۔"

"اوہ۔۔۔ تو یہ بات ہے۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری حیران ہونے سے زیادہ محظوظ ہوا تھا۔ مگر میرب سیال مزید کچھ بھی کہے بغیر آگے بڑھ گئی تھی۔ اور تب اس کی پشت کو دیکھتے ہوئے سردار سبکتگین حیدر لغاری کو بھی پیش قدمی کرنا پڑی تھی۔

❁❁❁

کتنے دن گزر گئے تھے۔ وہ اس روز کے بعد اس کی طرف نہیں آئی تھی۔ اور اسے بھی مصروفیت اس قدر تھی کہ وہ اس سے بات تک نہ کر سکا تھا۔ مگر اس کے باوجود یہ معلوم تھا کہ وہ اس سے ناراض ہے اور وہ جانتا تھا، غلطی بھی اسی کی تھی۔ تبھی شام میں وہ اس کی طرف آ گیا تھا۔ وہ ٹیرس پر تھی۔ اسے دیکھتے ہی منہ پھیر کر وہاں سے نکل جانا چاہا تھا مگر اذہان حسن بخاری نے بہت سرعت سے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا اور اس کی سمت دیکھتا ہوا مسکرا دیا تھا۔ ساہیہ خان کسی قدر ناگواری سے اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔ مگر بہت مؤدب انداز میں سر جھکا گیا تھا۔

"میں جانتا ہوں، غلطی میری تھی۔ سو آئی ایم سوری۔" مدھم لہجے میں کہا تھا اور ساہیہ خان اس کی سمت دیکھ کر رہ گئی تھی۔

"نہیں، غلطی تمہاری نہیں تھی اذہان حسن بخاری! غلطی میری ہی تھی۔ میں تمہیں اپنا سمجھی تھی۔ تبھی تمہاری دلجوئی کرنے پہنچ گئی تھی۔ مگر مجھے نہیں پتہ تھا کہ تم اسے اپنی زندگی میں مداخلت سمجھو گے۔" ساہیہ خان نے کسی قدر لاتعلق لہجے میں کہا تھا۔ مگر اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

"آئی سیڈ آئی ایم سوری، مجھے اپنی غلطی کا اندازہ ہو گیا تھا تب ہی۔"

"لیکن تب تو تم نے ایسا کچھ نہیں کہا تھا۔" ساہیہ خان نے اس کی سمت پرشکوہ نظروں سے دیکھا تھا۔ اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

"تب تم نے پوچھا ہی نہیں تھا۔ یاد ہے، فوراً ہی اٹھی تھیں اور چلی آئی تھیں۔" یاد دلایا تھا۔ مگر ساہیہ خان اس کی سمت سے رخ پھیر کر کھڑی ہو گئی تھی۔

"ساہیہ! پلیز ٹرائے ٹو انڈرسٹینڈ می۔" اس کے عین سامنے کھڑے ہوتے ہوئے مدھم لہجے میں التجا کی تھی اور ساہیہ خان اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔

"اذہان حسن بخاری! میں جانتی تھی تم کس وجہ سے مشکل میں گھرے ہوئے ہو۔ مجھے تمہاری کیفیت کا اندازہ تھا بھی۔ میں نے تمہیں دیگر دوستوں سے ہٹ کر ٹریٹ کیا۔ مجھے معلوم تھا تمہیں دلجوئی کی ضرورت ہے مگر میں یہ بھی جانتی تھی تمہیں ہمدردی کا کوئی عام انداز نہیں بھائے گا۔ شاید تم اس ہمدردی کو اچھا خیال نہ کرو۔ اس لئے میں نے تم سے ایک مختلف رویہ اپنایا۔ مقصد فقط یہی تھا کہ تم کسی قدر سنبھل جاؤ۔ اپنی الجھنوں کو فیس کرنا سیکھ جاؤ۔ میں نے ایک عام دوست سے ہٹ کر تمہاری دلجوئی کی۔ مگر تم اذہان! تم بہت برے ہو۔" وہ چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

"واقعی بہت برا ہوں۔ مگر کیا کروں؟ ــــــ ایسا ہی ہوں میں۔ کیا تم مجھے اس طرح قبول کر پاؤ گی؟"

سامیہ خان نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر ایک دھیمی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیل گئی تھی۔

"اذہان! تمہارا پرابلم پتہ ہے کیا ہے؟ تم اپنے دوستوں کو بہت ہی کیئر ولی لیتے ہو اور ایسا کرتے ہوئے تم ان کے جذبات کو بھی کسی قدر ہیرٹ کر جاتے ہو۔"

"لیکن یہ بات بھی سچ ہے کہ میں اپنے دوستوں کو کھونا قطعاً بھی نہیں چاہتا۔ سو ہاؤ کین آئی لوز مائی بیسٹ فرینڈ ناؤ۔" اذہان حسن بخاری نے اپنا چوڑا ہاتھ اس کی سمت پھیلایا تھا۔ سامیہ خان نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر اپنا ہاتھ اس کے مضبوط ہاتھ پر دھر دیا تھا۔

"تھینکس۔" اذہان حسن بخاری مسکرایا تھا۔ سامیہ خان بھی مسکرا دی تھی۔

"میں تم سے ناراض نہیں اذہان! میں ایک دوست کی کیفیت کو سمجھ سکتی ہوں۔ میں جانتی تھی تم ڈپریسڈ تھے۔ اور ایسے میں تو کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ میں بس تمہیں کچھ وقت دینا چاہتی تھی تاکہ تم اس صورت حال کو خود آپ سمجھ سکو اور قبول کر سکو۔" سامیہ خان نے دھیمے لہجے میں کہا تھا۔ اذہان حسن بخاری اس کی سمت دیکھتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

"سامیہ خان! تم میری بہت سمجھ دار اور عقل مند دوست ہو۔ تم نے واقعی ٹھیک کہا تھا کہ جب تک اس صورت حال کو قبول نہیں کر لوں میں اس سے نہیں نمٹ سکتا۔ اور اب میں نے صورت حال کو قبول کرنا شروع کر دیا ہے۔"

"تبھی اسٹیٹس دوبارہ جانے کا ڈرامہ رچایا؟" سامیہ خان نے مسکراتے ہوئے اس کی سمت دیکھا۔ اذہان حسن بخاری بہت دھیمے سے مسکراتے ہوئے چہرے کا رخ پھیر گیا تھا۔

"تو ساری خبریں رکھی جا رہی تھیں۔ ــــــ اتنی فکر تھی تو خود کیوں نہیں آ گئیں؟"

"روکنے؟" سامیہ خان نے وضاحت چاہی تھی مگر وہ کچھ بولے بغیر مسکرا دیا تھا۔

"میں جانتی تھی تم نہیں جا سکو گے اذہان!"

"کیوں؟ ــــــ تمہیں یہ یقین کیونکر تھا؟" اذہان حسن بخاری کو کسی قدر حیرت ہوئی تھی اور وہ مسکرا دی تھی۔

"اذہان حسن بخاری! جو شخص تعلقوں میں بندھا ہو، وہ کبھی کہیں نہیں جا سکتا۔ میں جانتی تھی تم سے وابستہ رشتوں کی محبت تمہیں کہیں جانے نہیں دے گی۔ بہتر ہو گا تم بھی اس بات کا یقین کر لو اور آئندہ فارحہ آنٹی کو پریشان کرنے کا ارادہ نہ کرو۔"

"فارحہ آنٹی کو نہیں مگر ان کی منظور نظر اس بلی جیسی لڑکی کو پریشان کرنے کا ارادہ تو کر سکتا ہوں نا!" اسے شانوں سے تھامتا ہوا مسکرایا تھا۔ سامیہ خان مسکرا دی تھی۔

"اذہان! فارحہ آنٹی بہت پریشان ہیں۔ پلیز تم واقعی انہیں آئندہ پریشان مت کرنا۔ بہت کیا ہے [illegible] ... تمہیں ..." سامیہ خان نے باور کرایا تھا اور اذہان حسن بخاری

[illegible] اس لڑکی کو دیکھ کر رہ گیا تھا۔

"[illegible] مجھے بے وقوف سمجھتے تھے اذہان؟" اس کے اس طرح دیکھنے پر وہ مسکرائی تھی۔

"[illegible] ـــــ ایسی بات نہیں ہے۔ مگر میں تم سے اس قدر سمجھ داری کی باتیں ایکسپیکٹ نہیں کر رہا [illegible] تھا۔"

"[illegible] کیا سمجھتے تھے، سامیہ خان کو صرف ہنسی مذاق ہی کرنا آتا ہے؟"

"[illegible] میں صرف یہ سوچ رہا تھا کہ تم ہر رنگ میں کتنی خوب صورت ہو۔" آنکھوں میں شرارت لیے [illegible] تھا اور سامیہ خان ہنس دی تھی۔ وہی اپنی فطری ہنسی۔

"[illegible] ہمیشہ میرے ساتھ رہنا، اسی طرح۔" اذہان حسن بخاری نے مسکراتے ہوئے مدھم لہجے میں [illegible] کی تھی اور وہ سر اثبات میں ہلاتی ہوئی مسکرا دی تھی۔

"[illegible] مگر تمہیں ایک پرامس کرنا ہو گا۔"

"[illegible] کیا؟" وہ چونکا تھا۔

"[illegible] وہ یہ کہ آئندہ کتنا بھی بڑا کرائسس کیوں نہ زندگی میں آ جائے، تم اسے اتنا ہیوی نہیں لو گے۔ [illegible] ٹھنڈے دماغ سے سوچ کر اس صورت حال سے نمٹو گے۔" سامیہ خان نے اپنا نازک سا ہاتھ [illegible] بڑھایا تھا۔

"[illegible] ـــــ آئی پرامس۔" اذہان حسن بخاری نے مسکراتے ہوئے اپنا بھاری ہاتھ اس کے ہاتھ [illegible] تھا۔

❋❋❋

[illegible] خان کو کوشش کے باوجود نیند نہیں آ رہی تھی۔

[illegible] بے خودی تھی۔ ایک اضطراب تھا جو دل کو چاروں اطراف سے گھیرے ہوئے تھی اور وہ بے بس تھا۔

[illegible] بے بسی۔

[illegible] کب سے

[illegible] کچھ باقی ہیں

[illegible] تیری یاد

[illegible] ہے

[illegible] کب سے

[illegible] پایا تھا ان آنکھوں میں ایسا کیا جادو تھا؟ ـــــ اس چہرے میں کیسی کشش تھی کہ وہ اس [illegible] کچھ بھی نہ پاتا تھا۔ کچھ سوچ ہی نہ پاتا تھا۔ کیا بھید تھا ان آنکھوں میں۔

[illegible] تجھ سے

[illegible] میں

[illegible] کی ہے تجھ کو ایسے جینے میں

زندگی سے کوئی شکوہ بھی نہیں ہے

اب تو زندہ ہوں میں اس نیلے آسمان میں

کتنی باتیں تھیں جو ان کہی تھیں۔ کتنی کہانیاں تھیں جو کبھی بیان نہ ہو سکی تھیں، جنہیں کبھی ادا کیا ہی نہ جا سکا تھا۔ کیسی بے اختیاری تھی اس دل میں اور کیسی بے بسی تھی اس کی۔

چاہت ایسی ہے تیری بڑھتی جائے

آہٹ ایسی ہے یہ تیری مجھ کو ستائے

یادیں گہری ہیں اتنی کہ دل ڈوب جائے

اور آنکھوں میں یہ غم نم بن جائے

اب تو عادت ہے مجھ کو ایسے جینے میں

سبھی لمحے ہیں

سبھی باتیں ہیں

بھلا دو انہیں

مٹا دو انہیں

اچانک اس کے پیچھے آہٹ ہوئی تھی۔ اس نے پلٹ کر دھیان کیا تھا۔

"صفقان!" ماما کو اسے اس وقت جاگتا دیکھ کر کسی قدر حیرت ہوئی تھی تبھی وہ چلتی ہوئی آگے آئی تھیں۔ "تم سوئے نہیں ابھی تک؟" ماما نے دریافت کیا تھا اور اس نے بنا جواب دیے نظریں جھکا لی تھیں۔ سرخ آنکھوں میں کوئی گہرا اضطراب بول رہا تھا۔ فاطمہ خان نے کسی قدر فکر مندی سے بیٹے کی پیشانی پر ہاتھ دھرا تھا۔ صفقان علی خان بہت دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں ماما!" وہ حوصلے سے کہہ کر سر جھکا گیا تھا۔ فاطمہ خان نے بیٹے کو بغور دیکھا تھا اور بیٹے کے سامنے بیٹھ گئی تھیں۔

"کیا بات ہے؟ تم پریشان لگ رہے ہو۔ کیا بات ہے جو تم مجھ سے چھپا رہے ہو؟ اس روز بھی میں نے پوچھا تھا مگر تم ٹال گئے تھے۔ تم کیا سمجھتے ہو، ماں سے جھوٹ بولنا اس قدر آسان ہے؟ کیا میں تمہیں دیکھ رہی؟"

"کیا؟" وہ مسکرایا تھا مگر انداز بہت بجھا بجھا سا تھا۔ "کیا دیکھ رہی ہے آپ کی نگاہ؟"

فاطمہ خان کچھ نہیں بولیں مگر وہ بیٹے کی جانب بغور دیکھ رہی تھیں۔ صفقان علی خان نے ان کا ہاتھ دیکھا تھا پھر بہت دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

"ماما! میں نے آپ سے کچھ چھپایا ہے۔"

"کیا؟" فاطمہ خان چونکی تھیں۔

"بہت کچھ ماما!" وہ سر جھکا گیا تھا۔ انداز بے حد بجھا بجھا سا تھا۔ "بہت کچھ۔" وہ ان کا ہاتھ تھامے کہنے لگا تھا۔ "لیکن اب میں مزید کچھ نہیں چھپاؤں گا۔۔۔۔۔ آپ جانتی ہیں میں کسی جرم کا مرتکب

نہیں ہوا لیکن ہی خود کو مجرم سمجھنے لگا ہوں۔ میں نے ایسا کوئی کام نہیں کیا۔ مگر اس کے باوجود ایک احساسِ جرم ہے جس میں جکڑا ہوا ہوں۔ مجھے اپنے آپ سے ہر گھڑی لپٹا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ ماما! آپ جاننا چاہتی ہیں نا میں کس لئے پریشان رہتا ہوں؟ وہ کون کی۔ یہ چیز کیا ہے جو مجھے ستاتی رہتی ہے؟"

اضطراب سے بھری آنکھوں کو وہ ماں کی سمت اٹھائے کہہ رہا تھا۔ اور فاطمہ خان ساکت سی بیٹے کو دیکھ رہی تھیں۔

مجھے خوابوں سے کبھی کوئی شغف نہیں رہا ماما! ۔۔۔۔۔ مجھے کبھی کوئی بے قراری نہیں تھی۔ مگر اس کی آنکھوں نے عجب ہلچل مچا دی اور دیکھتے ہی دیکھتے سارا منظر اسی کے رنگ میں رنگ گیا۔ ماما! اس کی ایک نگاہ نے مجھے زندگی کے ہزار ہا رنگ دکھائے، ہزار ہا معنی بتائے۔ وہ باتیں بھی سمجھائیں جو میں اس سے قبل نہیں سمجھتا تھا۔ اس نے مجھے دیکھا تو لگا زندگی بس وہ ہے اور باقی سب خواب۔ ماما! اس کی خواب آنکھوں میں عجب ایک بات ہے جو ہوش بھلا دیتی ہے۔ اور ۔۔۔۔۔ اور مجھے کچھ یاد نہیں رہتا۔ میں اس کے سامنے ہوتا ہوں تو کچھ اور دیکھ ہی نہیں پاتا، کچھ اور سوچ ہی نہیں پاتا۔ صرف ۔۔۔۔۔ صرف اسے دیکھتا ہوں اور اسے سوچتا ہوں۔ عجب بے خود کر دیتی ہے وہ مجھے۔ کچھ ہوش باقی نہیں رہنے دیتی ۔۔۔۔۔ میں اس کے سامنے ہار جاتا ہوں۔ عجب ایک پسپائی ہوتی ہے میرے انداز میں اور اسے کچھ خبر نہیں ہے ۔۔۔۔۔ اس کی جادوئی آنکھیں میرے اندر کئی خواب جگانے لگتی ہیں اور میں بے بس سا، خالی خالی نگاہوں سے اس کے چہرے کو تکتا رہتا ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا ماما! ۔۔۔۔۔ میں اس سے دور بھاگنا چاہتا ہوں مگر پاؤں بندھ جاتے ہیں۔ میں نہیں دیکھنا چاہتا ان رنگوں سے، خوابوں سے بھری آنکھوں کو مگر ان رنگوں سے عجب ایک انسیت سی ہو چلی ہے کہ کوئی تدبیر کام نہیں آتی۔ اور تب تب منہ پر کھلتا ہے کہ میں کبھی اس سے دور ہونے کی سعی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ آئی لو ہر ۔۔۔۔۔ آئی لو ہر ماما! ۔۔۔۔۔ میں اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا ماما! ہر بندھن توڑ دوں گا۔ میں ان زنجیروں میں بندھ کر نہیں رہ سکتا۔" صفقان علی خان کا انداز شکستہ اور نڈھال تھا اور فاطمہ خان ساکت سی بیٹے کو دیکھ رہی تھیں۔

"دم گھٹنے لگا ہے میرا ۔۔۔۔۔ اب میں وہ سب کر جاؤں گا جو مجھے اس سے ملا سکے۔ کیونکہ مجھے احساس ہونے لگا ہے ماما! کہ اس کے بنا کوئی راستہ نہیں۔ نہ جینے کا، نہ ۔۔۔۔۔" وہ یکدم اٹھا تھا اور چلتا ہوا وہاں سے نکل گیا تھا۔

فاطمہ خان کتنی دیر تک وہاں بیٹھی سر سراتی ہوا کے شور کو سنتی رہی تھیں۔

میرب سیال اپنی پیکنگ کر رہی تھی۔ جب سیفی کا فون آ گیا تھا۔

"سیفی تم؟ ــــ تم اتنے عرصے بعد؟ کہو، کیسے یاد آ گئی میری؟" وہ حیران ہونے کے ساتھ کہے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔ مگر سیفی ہنس دیا تھا۔

"تمہارے تھانیدار صاحب کا ڈر تھا۔ بس اسی لئے باوجود چاہنے کے بھی کال نہیں کر سکا۔"

"تھانیدار؟" وہ حیران ہوئی تھی۔

"محترم سردار سبکتگین حیدر لغاری صاحب۔" سیفی نے وضاحت دی تھی اور وہ حیرت سے چونکی تھی۔

"انہوں نے اس بابت کچھ کہا تھا تم سے؟"

"ارے نہیں۔ کہا تو کچھ نہیں کبھی۔ مگر موصوف کی وحشت ہی اتنی ہے کہ مجھ جیسا بندہ سہم کر جائے۔" وہ بدستور مذاق کے موڈ میں تھا۔

"سیفی!" اس کے ہنسنے پر میرب سیال نے اسے ڈپٹا تھا۔

"ہیں کہاں اس وقت محترم؟ ــــ لگتا ہے پہرہ کچھ کم ہوا ہے، جو تم مجھ سے بات کر رہی ہو۔" دوسری طرف مسکرا رہا تھا۔ "ویسے خوشی مجھے اس بات کی زیادہ ہے کہ میں تم سے بات کرنے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔"

"کیا مطلب؟" وہ چونکی تھی۔ یعنی سیفی اس سے قبل بھی اس سے بات کرنے کی کوشش کرتا رہا تھا۔

"کیا ہوا؟ ــــ کیا سوچنے لگیں تم؟" سیفی نے جیسے اسے جھنجھوڑا تھا۔

"نہیں، کچھ نہیں۔ تم بتاؤ، یہاں کا نمبر کہاں سے ملا؟ تمہیں کیسے خبر ہوئی کہ میں پاپا کے ساتھ ہوں؟" اس نے مسکراتے ہوئے خود کو معمول پر رکھنا چاہا تھا۔

"زوبار یہ سے بات ہوئی تھی۔ تبھی خبر ہوئی کہ تم یہاں ہو۔ کیا ہوا؟ ــــ یہ معجزہ کیسے ہوا؟ سردار صاحب نے اتنی نرمی کیسے کر دی؟" سیفی ہنس رہا تھا۔

"شٹ اپ سیفی! اب وہ اتنے بھی جلاد نہیں ہیں۔ تم تو خواہ مخواہ۔"

"اوہو... ــــ یعنی اب وہ وقت آن پہنچا ہے کہ تم انہیں ڈیفنڈ بھی کرنے لگی ہو۔" سیفی مسکرایا تھا۔ میرب سیال مسکرا دی تھی۔

"سیفی! میرے پاس تمہیں کہنے کو کچھ نہیں ہے۔ بے جی کے متعلق بتاؤ، کیسی ہیں وہ؟"

"انہیں یاد کر رہی ہیں۔ کچھ زیادہ دن نہیں لگا دیے تم نے؟"

"ہاں۔ مگر اب تمہارے انتظار کی یہ مدت ختم ہو رہی ہے... میں واپس آ رہی ہوں۔"

"اوہ، رئیلی؟ لیکن کب؟"

"بہت جلد۔" میرب سیال کے لبوں پر بہت مطمئن مسکراہٹ تھی۔ "سیفی! میں جانتی ہوں میں اسٹڈیز بہت کچھ مس کر چکی ہوں۔ پلیز، تم میرے لئے نوٹس تیار رکھنا اور مجھے اس میں تمہاری ہیلپ کی بھی ضرورت پڑے گی۔ تم ایسا کرنا......"

"میرب!" وہ تیزی سے بول رہی تھی جب اپنے پیچھے آہٹ کے ساتھ ایک بھرپور لہجہ سنائی دیا تھا۔ وہ پلٹ کر دیکھنے لگی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے قریب کھڑا اس کی توجہ کا منتظر تھا۔

"سیفی! میں تم سے بعد میں بات کرتی ہوں۔" کہنے کے ساتھ ہی اس نے سلسلہ منقطع کیا تھا اور سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت دیکھنے لگی تھی۔

"تم مصروف تھیں؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی طرف پوری توجہ سے دیکھتا ہوا مسکرایا تھا۔

"نہیں۔ آپ کو کوئی کام تھا؟"

"کام؟" مسکراتے ہوئے بھرپور انداز میں اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔ "کیا تم سے ملاقات کے لئے کام جیسے حوالوں کی ضرورت ہے؟"

"نہیں۔" میرب سیال نے بلا تعرض سر نفی میں ہلا دیا تھا اور اس لمحے سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے چہرے کو بغور دیکھا تھا، پھر بہت دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

"تمہارے چہرے پر کسی شے کی کمی ہے میرب!" لہجہ دھیما تھا۔ میرب سیال بے طرح چونکی تھی۔ بے دھیانی میں ہاتھ چہرے کی جانب چلا گیا تھا۔ بہت آہستگی کے ساتھ اس نے اپنے چہرے کو چھوا تھا۔ سوال میں کسی قدر حیرت تھی۔

"کمی؟ ــــ کس چیز کی کمی؟" اس کا لہجہ بھی حیرت سے بھرپور تھا اور سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا اٹھا۔ بہت آہستگی سے قدم اٹھا کر اپنے درمیان کا فاصلہ سمیٹا تھا اور اس کے قریب آن رکا تھا۔ اسے بغور دیکھتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کو بہت آہستگی سے چھوا تھا۔ میرب سیال اس کے اقدام پر کسی قدر جھجک کر نظریں جھکا گئی تھی۔ مگر وہ مسکرا رہا تھا۔

"یور اسمائل ــــ ہنی! آئی ایم مسنگ یور اسمائل ان یور فیس۔" مدھم لہجے میں کہتے ہوئے وہ بے خود سا اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ میرب سیال کی دھڑکنوں میں ارتعاش یکدم ہی برپا ہوا تھا۔ مسکرائی تو وہ گیا، اور نگاہ اٹھا کر اس کی سمت اس لمحے دیکھ بھی نہ سکی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی نگاہوں میں اس گھڑی والہانہ پن سی تھی۔

"میں بہت سے رنگ، اس چہرے پر بکھرے دیکھنا چاہتا ہوں ہنی! مجھے اچھا لگتا ہے جب تم مسکراتی ہو۔ مجھے وہ بھی رنگ انوکھے لگتے ہیں جو اس لمحے تمہاری ان آنکھوں سے پھوٹتے ہیں۔ مجھے وہ چمک بہت اچھی لگتی ہے جس کے باعث تمہارا چہرہ کچھ اور بھی نکھر سا جاتا ہے۔" کتنی میٹھی سی، مدھم سرگوشی تھی۔ "سوال

کیسے سمجھ سکتی ہو کہ میں ان کے ساتھ کسی طرح کی کوئی نا انصافی کر سکتا ہوں۔ عریبہ تھرڈ پرسنٹ چاہتی ہے مگر اس کا مطلب قطعاً یہ نہیں کہ میں اپنے شیئرز کے تھرٹی پرسنٹ دے بھی دوں۔ مجھے یہ بات معلوم ہے کہ میرا ایک بیٹا ہے، بیٹی ہے۔ ان کا حصہ، ان کے حصے کی ذمہ داری میں کیسے بانٹ سکتا ہوں؟ تم ہمیشہ مجھے غلط سمجھتی ہو۔ ہمیشہ الزام دیتی ہو۔"

فارحہ سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھنے لگی تھیں۔

"میں نے کبھی کسی طرح کا کوئی الزام نہیں دیا آپ کو۔ میں نے صرف آپ سے یہی کہا تھا کہ میں اپنے بچوں کے سلسلے میں کوئی نا انصافی برداشت نہیں کروں گی۔ مگر خیر، اب میں ان باتوں کو بھی دہرانا نہیں چاہتی۔ آپ کو جو کرنا ہے کیجیے۔" فارحہ کا لہجہ لاتعلق تھا اور سعد بخاری اسے دیکھ کر رہ گئے تھے۔

"تمہارا پرابلم یہ ہے کیا ہے فارحہ! تم صورت حال اور حالات کو اپنے بس میں جب ہوتا نہیں پاتیں تو بچوں کی طرح ہار مان کر سر پٹخنے لگتی ہو۔ تم کیا سمجھتی ہو، تم اگر حقیقت نہیں مانو گی تو کیا سب کچھ بدل جائے گا؟ ایک صرف تمہارے نہ ماننے سے ہر بات کا مفہوم تبدیل ہو جائے گا؟ ـــــ یقیناً ایسا نہیں ہے فارحہ! اب تمہیں بھی یہ بات خود کو باور کرا دینی چاہیے۔"

فارحہ بہت دھیمے سے مسکرا دی تھیں۔ عجب ایک طنز تھا اس انداز میں۔

"میں خود کو یہ بات بہت پہلے باور کرا چکی ہوں۔"

سعد بخاری نے خاموشی سے ان کی سمت دیکھا تھا۔

"مجھے تم سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔ بچوں سے متعلق۔" بہت مدھم لہجے میں مدعا بیان کیا تھا اور فارحہ بہت چونک کر سعد بخاری کی سمت دیکھنے لگی تھیں۔

"کیسی بات؟" انداز حیرت سے پُر تھا اور سعد حسن بخاری انہیں دیکھنے لگے تھے۔

"بچوں کے مستقبل سے متعلق۔"

اور فارحہ دیکھتی رہ گئی تھیں۔

❊❊❊

"کیا ہوا؟ ـــــ یہ منہ پر بارہ کیوں بجے ہوئے ہیں؟ صبح گھڑی نہیں ملائی تھی کیا؟" اوزی اسے کافی کا مگ تھماتے ہوئے مسکرایا تھا اور انابیہ شاہ مسکرا دی تھی۔

"بعض چہرے ہوتے ہی ایسے ہیں، کچھ بھی کر لو فرق نہیں پڑتا۔"

"یعنی تمہارا چہرہ واقعی اس خراب گھڑی جیسا ہے جو بارہ سے آگے کبھی نہیں بڑھتی؟" اوزی مسکرایا تھا۔ انابیہ شاہ ہونٹ بھینچ کر مسکرا دی تھی۔

"تمہیں کیا لگتا ہے اوزی! زندگی کیا ہے؟"

"کچھ بھی ہو، مگر صبح کا اخبار تو ہرگز نہیں ہے۔" اوزی شانے اچکاتا ہوا مسکرایا تھا۔

"صبح کا اخبار؟" وہ کسی قدر حیران ہوتے ہوئے مسکرائی تھی۔

"آف کورس یار! زندگی صبح کا اخبار ہرگز نہیں ہے کہ اس میں روز ایک طرح کی خبریں شائع ہوں۔

نہیں لگتا، ہمیں روز ایک نئے احساس کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک نئی امنگ، ایک نئی ترنگ کی۔ اگر اسی طرح روز ایک طرح کی خبریں اور ایک طرح کے واقعات زندگی میں واقع ہونے لگیں تو پھر زندگی میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔ ہے نا۔" اوزی وضاحت دیتا ہوا مسکرایا تھا۔

"ہاں، شاید۔" انابیہ شاہ کافی کا سپ لیتے ہوئے مسکرا دی تھی۔

"کیا پروگرام ہے؟" اوزی نے دریافت کیا تھا۔

"کس سے متعلق؟" انابیہ شاہ چونکی تھی۔

"ہمدان انوی ٹیشن دے کر گیا تھا نا۔ بھول گئیں تم؟" اوزی نے یاد دلایا تھا اور انابیہ شاہ لب بھینچ کر بے کار رخ پھیر گئی تھی۔

"کیا کرنا ہے؟" اوزی نے دریافت کیا تھا اور انابیہ شاہ خاموشی سے اسے دیکھنے لگی تھی۔ پھر بہت تنہا سے بولی تھی۔

"ابھی کچھ طے نہیں ہے۔ جب ہوگا تو بتا دوں گی۔" آواز مدھم تھی۔

"انابیہ!" اوزی نے بہت آہستگی سے پکارا تھا۔

"ہاں۔" وہ اس کی سمت دیکھے بغیر بولی تھی۔

"تمہیں نہیں لگتا تم بہت زیادہ زندگی سے بھاگتی ہو؟"

"ہاں، شاید۔" وہ جانے کیوں ہنس دی تھی۔

"شاید نہیں، یقیناً۔ تم واقعی زندگی سے فرار چاہتی ہو لیکن تمہیں نہیں لگتا ایسا کر کے تم کچھ غلط کر رہی ہو؟"

"غلط یا صحیح، اس سے کیا فرق پڑتا ہے اوزی!" وہ بجھے بجھے سے انداز میں بنا اس کی سمت دیکھے بولی۔

"فرق...... فرق پڑتا ہے انابیہ! تمہیں نہیں لیکن آنٹی کو، نانا جی کو اور مجھے انابیہ! میں اس طرح اچھی ساکھ کو ضائع ہوتے ہوئے نہیں......"

"تم بھی تو اوزی! ـــــ تم بھی تو ضائع ہو رہے ہو ـــــ خود کو ضائع کر رہے ہو۔" انابیہ شاہ نے اس کا بات کاٹ دی تھی اور اوزی اس کی سمت دیکھتا ہوا ہنسا تھا۔

"ہاں نا ـــــ یہ تو ہے۔ مگر کیا ہو سکتا ہے۔ لیکن سنو، تمہیں میری فکر کرنے کی اس قدر ضرورت نہیں ہے۔ تم ہم لڑکوں کو نہیں جانتی ہو۔ ہم بہت ڈھیٹ ہوتے ہیں۔ کچھ بھی ہو جائے، ہماری فطرت نہیں بدلتی۔ ہم اپنے منہ کے بہانے کہیں نہ کہیں، کسی نہ کسی طرح ڈھونڈ ہی لیتے ہیں۔ کیا کریں، اس کے بغیر ہمارا گزارہ نہیں ہوتا نا۔" انابیہ شاہ ہنس دی تھی۔

"تم دنیا کے پہلے مرد ہو جو مردوں کے خلاف اتنی کثرت سے بول لیتے ہو۔ ورنہ تو مرد اکثر اپنے متعلق غلط آرائیوں کو جھٹلاتے ہی نظر آتے ہیں۔" انابیہ شاہ نے کہا تھا اور وہ مسکرا دیا تھا۔

"انابیہ شاہ! حقیقت کو تسلیم کر لینا چاہیے۔ اس کے باوجود کہ حقیقت بہت تلخ ہوتی ہے۔" اگرچہ اوزی کا انداز جتانے والا نہیں تھا مگر اس گھڑی انابیہ شاہ لب بھینچ کر یکدم ہی چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

"رات بہت ہو گئی ہے۔۔۔۔ ہمیں اب سو جانا چاہئے۔ گڈ نائٹ۔" کہنے کے ساتھ ہی پلٹ کر چلتی ہوئی زینے کی سمت بڑھنے لگی تھی۔ اوزی نے اس کی سمت دیکھتے ہوئے ایک گہری سانس خارج کی تھی پھر چلتے ہوئے اپنے کمرے کی سمت بڑھنے لگا تھا۔

❋ ❋ ❋

"تم بزنس کرو گی؟" اذہان حسن بخاری کی حیرت اس کے لہجے میں ہی نہیں اس کی آنکھوں اور چہرے سے بھی صاف عیاں تھی۔ اور حیرت سے زیادہ غالباً وہ محظوظ ہوا تھا۔ کیونکہ لبوں پر مسکراہٹ بھی تھی۔ ساہیہ نے اسے کسی قدر ناپسندیدہ انداز سے دیکھا تھا۔

"اس میں اتنا حیران ہونے والی کیا بات ہے؟۔۔۔۔ کیا لڑکیاں بزنس نہیں کر سکتیں یا نہیں کر رہیں مسٹر اذہان حسن بخاری! آپ کی عقل یقیناً بہت ناقص ہے۔ یا پھر آپ ان مردوں میں سے ہیں جو عورت کو اب بھی سترہویں یا پھر اٹھارہویں صدی میں دیکھنے کے خواہش مند ہیں۔ آج کی لڑکی سب کچھ کر رہی ہے۔" وہ خفا خفا سے لہجے میں بولی تھی اور اذہان حسن بخاری ہنس دیا تھا۔ جیسے وہ اس چڑ کر وہ بہت محظوظ ہوا تھا۔

"تم مانو یا نہ مانو۔ میں اب بھی لڑکیوں کے گھر میں بیٹھ کر کام کاج کرنے کے حق میں ہوں۔ کپڑے دھونا، ڈش واشنگ کرنا، کوکنگ کرنا، ان سب کاموں سے فارغ ہو کر کسی فرد خاص کے لئے سجنا سنورنا بیٹھ کر بے تابی سے کسی آنے والے کا انتظار کرنا۔ اور پھر جب وہ آ جائے تو مسکرا کر اسے ویلکم کرنا اور اس کے لئے کھانا گرم کر کے نکالنا۔" وہ طویل فہرست گنوانے کے موڈ میں تھا۔ مگر ساہیہ خان نے تبھی اسے ٹوک دیا تھا۔

"شٹ اپ اذہان! مجھے کم از کم تم سے یہ توقع نہیں تھی۔" وہ غصے سے بولی تھی اور اذہان حسن بخاری ہنس دیا تھا۔ ساہیہ خان منہ پھلا کر دوسری سمت دیکھنے لگی تھی۔

"کیا ہوا؟۔۔۔۔ اچھا، دکھاؤ مجھے یہ فائل، کیا پروجیکٹ تیار کیا ہے تم نے۔" فائل لینے کو ہاتھ بڑھایا تھا مگر ساہیہ خان نے جھٹک دیا تھا۔

"رہنے دو۔۔۔۔ میں کر لوں گی۔ نہیں ضرورت ہے مجھے تمہاری اور تمہاری مدد کی۔"

"ساہیہ! جسٹ کڈنگ یار! میں جانتا ہوں تم میں کتنا پوٹینشل ہے کام کرنے کا۔ ویسے یہ فرنچائز کا آئیڈیا تمہیں ملا کہاں سے؟"

"آئیڈیا نہیں ملا۔ میں اس سے قبل کام کر چکی ہوں کینیڈا میں۔ اور میں جانتی ہوں ہاؤ ٹو ورک۔" ساہیہ خان نے باور کرایا تھا اور اذہان حسن بخاری متاثر ہوئے بغیر نہیں رہا تھا۔

"مگر اس سے پہلے تم نے کبھی نہیں بتایا تھا اس سے متعلق۔"

"تم نے کبھی پوچھا ہی نہیں۔ یا پھر جاننے کی کوشش ہی نہیں کی۔ تم شاید مجھے ایک بے وقوف لڑکی سمجھ رہے تھے۔" ساہیہ خان مسکرائی تھی اور اذہان حسن بخاری ہنس دیا تھا۔

"اب اگر سمجھ رہا تھا تو کیا عجیب تھا۔ ٹپیکل ٹائپ پرسنٹ لڑکیاں ایسی ہی تو ہوتی ہیں۔" وہ مکمل طور پر

بہتر موڈ میں تھا۔ ساہیہ نے اسے دیکھا تھا، پھر فائل اور پرس سمیٹ کر اٹھنے والی تھی جبھی اذہان حسن نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ ساہیہ خان نے کسی قدر خفگی سے اس کی سمت دیکھا تھا۔

"ہاتھ چھوڑو میرا۔"

"خفا ہو کر جا رہی ہو؟" اذہان حسن بخاری نے بھرپور انداز میں مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

"نہیں۔ مگر میں اس سلسلے میں انکل سے بات کر لوں گی۔" وہ بولی تھی اور اذہان حسن بخاری کے لبوں کی مسکراہٹ یکدم جو غائب ہوئی تھی سو ہوئی تھی، ساہیہ خان کے ہاتھ پر اس کے ہاتھ کی گرفت بھی یکدم ڈھیلی ہوئی تھی اور دوسرے ہی لمحے اس کا نازک ہاتھ اس کے مضبوط ہاتھ کی گرفت سے آزاد تھا۔

ساہیہ خان نے اس کے چہرے کی یکدم بدلتی کیفیت کو دیکھا تھا پھر ایک گہری سانس خارج کرتی ہوئی اس کے سامنے دوبارہ بیٹھ گئی تھی۔ کچھ دیر تک وہ کچھ نہیں بولی تھی۔ بس اسے فقط خاموشی سے دیکھا تھا جو بہت سے دھیان پھیرے بیٹھا اس لمحے بہت اجنبی نظر آیا تھا۔

"اذہان!" بہت آہستگی سے اسے پکارا تھا۔ "دیکھو، اگر تم میری طرف دیکھو گے نہیں، بات نہیں کرو گے تو یہاں میرے رکنے کا کوئی جواز نہیں رہے گا۔" مسکراتے ہوئے اس کا موڈ بحال کرنا چاہا تھا۔ مگر وہ نہیں مسکرایا تھا۔

"اذہان!" ساہیہ خان نے اسے تنبیہ کرنے والے انداز میں دیکھا تھا۔ مگر اذہان نے اس کی سمت نہیں دیکھا تھا۔

"اذہان! واٹس رانگ۔ تم اپنے پاپا سے اس قدر نفرت کرتے ہو کہ ان کا نام آتے ہی تمہارا موڈ یکسر تبدیل ہو گیا۔" ساہیہ خان کے لہجے میں حیرت تھی۔ مگر اذہان حسن بخاری کی توجہ اس کی جانب نہیں تھی۔

"اذہان! ۔۔۔ نے کہا تھا تم بدل رہے ہو، حقیقت کو تسلیم کر رہے ہو۔ کیا یہ سب اس کا ثبوت ہے؟ ان سے ایسا کب تک ۔۔۔ ہے گا؟ کیا واقعی تم انکل سے اتنی نفرت کرتے ہو کہ ان کا نام بھی نہیں سن سکتے؟"

"نہیں۔" اذہان حسن بخاری نے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔ "ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" وہ خود کو نارمل ظاہر کرنے کو اس کی سمت دیکھنے لگا تھا۔ ساہیہ خان نے اسے بغور دیکھا تھا۔

"اذہان! یہ سب ٹھیک نہیں ہے۔" کسی قدر پر افسوس انداز میں کہتے ہوئے سر نفی میں ہلایا تھا۔ تبھی اذہان نے اس کے ہاتھ سے فائل لی تھی اور بغور دیکھنے لگا تھا۔

"یہ پروجیکٹ تم اسٹارٹ کہاں سے کرنا چاہتی ہو؟ کچھ پلان کیا ہے تم نے؟ پھر بجٹ، رجسٹریشن، لائسنس۔۔۔۔ میرا خیال ہے تمہیں اس پر اچھا خاصا ہوم ورک کرنا ہو گا۔ اچھا ہو گا تم ایک بار پاپا کی مدد بھی لے لو۔ ان فیکٹ ان کا ایکسپیرینس مجھ سے بہت زیادہ ہے اور وہ تمہیں مجھ سے زیادہ اچھا مشورہ بھی دے سکیں گے۔" اس کی سمت سنجیدگی سے دیکھتا ہوا وہ بول رہا تھا اور ساہیہ خان ششدر رہ گئی تھی۔

"اذہان حسن بخاری! بالکل بھی اچھے نہیں لگ رہے ہو۔ پلیز، یہ دکھاوے کا خول ۔۔۔ اتار دو اپنے

چہرے پہ۔"

اذہان حسن بخاری نے اس رائے کو سنتے ہوئے اسے بہ غور دیکھا تھا اور مسکرا دیا تھا۔

"ساہیہ خان! کبھی کبھی کسی کی کسی کے ساتھ اس حد تک انڈر اسٹینڈنگ ہونا بھی اچھا نہیں لگتا۔ تم اس گھڑی بالکل بھی اچھی نہیں لگ رہی ہو۔ کیونکہ تم میرے سامنے بیٹھی مجھے بہ غور دیکھ رہی ہو اور سطر پڑھ رہی ہو۔ مجھے تمہارا یوں اپنے اندر اس طرح جھانکنا بالکل بھی اچھا نہیں لگ رہا۔" اذہان حسن بخاری کا لہجہ مدھم اور انداز جتانے والا تھا اور ساہیہ خان مسکرا دی تھی۔

"کیا اب تم مجھ سے بھی فرار چاہتے ہو؟" مدھم لہجے میں دریافت کیا تھا۔ اذہان حسن بخاری نے اس کی سمت بہ غور دیکھا تھا، پھر دھیمے انداز میں مسکرا دیا تھا۔

"نہیں ——— مگر مجھے یہ سب اچھا بھی نہیں لگ رہا۔" بہت آہستگی سے سر نفی میں ہلایا تھا۔

"کیا اچھا نہیں لگ رہا؟ اذہان! میں تو ہمدرد ہوں تمہاری۔ ایک سنسیئر فرینڈ۔ پھر تمہیں میرے سامنے یوں منتشر ہونا اور بکھرنا برا کیوں لگ رہا ہے؟ میں جانتی ہوں بعض لمحوں میں ہم اس قدر شکستہ ہوتے ہیں کہ خود سے بھی بچھڑنا چاہتے ہیں۔ مگر یہ ٹھیک نہیں ہے۔ کیونکہ یہ کوئی سدباب نہیں ہے۔ سدباب یہ ہے کہ حوصلہ مندی سے اور بہادری سے ان حالات کا سامنا کریں۔ مجھے بھی اچھا نہیں لگ رہا کہ میرا بہترین دوست میرے سامنے اس قدر شکستہ ہو رہا ہے۔ تم پلیز کسی قدر سنبھالو، بدلو خود کو۔ کیونکہ یہ سب ٹھیک نہیں ہے۔" ساہیہ خان نے دھیمے لہجے میں اسے سمجھایا تھا اور اذہان حسن بخاری اس کی سمت دیکھتے ہوئے دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

"چلو اٹھو اب، فوراً۔" دوستانہ انداز میں مسکراتے ہوئے حکم دیا تھا۔

"کہاں جانا ہے؟" اذہان حسن بخاری حیران ہوا تھا۔

"لنچ کے لئے۔" ساہیہ خان مسکرائی تھی۔ "وقت ہے نا؟" کسی قدر تشویش سے اس کی سمت دیکھا تھا۔ اذہان حسن بخاری نے اس کی سمت دیکھا تھا، پھر مسکرا دیا تھا۔

"ہوں۔"

❀ ❀ ❀

کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی ایک بات برملا کہہ لینے سے بہت سکون ملتا ہے اور کوئی فیصلہ لے کر کسی نتیجے پر پہنچ کر اس سے زیادہ۔

عفنان علی خان کو بھی اپنے اندر ایک اطمینان سا محسوس ہو رہا تھا۔ ماں کو اپنی رائے سے آگاہ کرنے کے بعد اسے کسی قدر سکون ملا تھا۔ اب تک وہ فقط خود اس آگ کی لپیٹ میں تھا اور کوئی راہ دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ مگر اب یہ ہوا تھا کہ اپنی رائے دینے کے بعد اسے اس قدر یقین تھا کہ ماما اس کی رائے کو قطعاً رد نہیں کریں گی۔ وہ اس کو پا سکتا تھا یا کہ نہیں، یہ سب بعد کی باتیں تھیں۔ فی الحال یہ تسکین کافی تھی کہ وہ ایک دوغلی زندگی سے باہر آ رہا تھا۔ منافقت سے باہر نکل رہا تھا اور یہ بات کسی قدر اطمینان بخش تھی۔ صبح وہ معمول کے مطابق آفس کی طرف جا رہا تھا جب سڑک کے کنارے انابیہ شاہ اسے کھڑی نظر آئی

عفنان علی خان نے گاڑی روک دی تھی۔ انابیہ شاہ نے اس کی سمت کسی قدر چونکتے ہوئے حیرت سے دیکھا تھا مگر اس نے اطمینان سے مسکراتے ہوئے اس کے لئے دروازہ کھول دیا تھا۔ اور تب جیسے انابیہ کے لئے گاڑی میں اس کے ساتھ بیٹھنا ناگزیر ہو گیا تھا۔

"ڈرائیور سے کہا ہوتا، تمہیں ڈراپ کر دیتا۔" عفنان علی خان اس کا خیال کر کے بولا تھا۔

"وہ سو رہا تھا۔ اور میں نے اس کی نیند ڈسٹرب کرنا ضروری خیال نہیں کیا۔ انکل بھی ماما کے ساتھ انہیں ضروری کام سے جانا تھا۔ سو میں نے انہیں یہیں تک ڈراپ کرنے کا کہہ دیا۔ میری گاڑی ورکشاپ میں ہے۔ اینی وے، مجھے ان چھوٹی چھوٹی پرابلمز کو لے کر اتنی پریشانی نہیں ہوتی۔" وہ بولی تھی اور عفنان علی خان اس کی سمت دیکھتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

"آپ غالباً واحد لڑکی ہیں جو پرابلمز کو لے کر کسی قدر پریشان نہیں ہوتیں۔ ورنہ تو لوگ خاصا گھبرا جاتے ہیں۔ ان فیکٹ ان کے ہاتھ پاؤں کے طوطے اڑ جاتے ہیں پریشانی کو دیکھ کر۔"

انابیہ شاہ مسکرا دی تھی۔

"کیا ان میں آپ بھی شامل ہیں؟" اس کی آنکھوں میں کوئی گہری شرارت تھی اور عفنان علی خان مسکرا دیا۔

"نہیں۔" بہ غور اس کی سمت نگاہ کی تھی۔ "غالباً میں بھی اس معاملے میں کچھ کچھ تمہارے جیسا ہوں۔ مجھے بھی پرابلمز سے نمٹنا آتا ہے۔"

"مجھے نہیں خیال کہ یہ کوئی اتنی بڑی کوالٹی ہے۔" انابیہ شاہ نے شانے کسی قدر بے نیازی سے اچکاتے ہوئے کہا تھا اور عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

"بعض اوقات چھوٹی چھوٹی باتوں سے ذات میں اتنی خوب صورتی گھر کر جاتی ہے کہ بڑی بڑی باتوں کو ڈھونڈنے کی نوبت ہی نہیں آتی۔" انداز جتانے والا تھا۔ انابیہ شاہ جو مسکرا رہی تھی، اس کی سمت دیکھ کر لب بھینچتے ہوئے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی تھی۔

"مجھے دیر ہو رہی ہے۔" چہرے کا رخ پھیرے پھیرے بولی تھی۔ انداز کسی قدر لاتعلقی لئے ہوئے تھا۔ عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

"کیا تمہیں نہیں لگتا انابیہ شاہ! اتنی عجلت میں رہنا ٹھیک نہیں۔ زندگی بہت دھیان اور سمجھ بوجھ سے دیکھنے والی چیز ہے۔"

انابیہ شاہ نے چہرے کا رخ پھیر کر عفنان علی خان کو دیکھا تھا۔ وہ مسکرا دیا تھا۔

"تمہارے دیکھنے کا انداز بتا رہا ہے انابیہ شاہ! کہ تم مجھ سے اتفاق رائے نہیں رکھتی ہو۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے عفنان علی خان! کہ میں تم سے اتفاق رکھتی ہوں یا کہ نہیں۔ یہ مسئلہ اتنا بڑا نہیں ہے کہ اس کے متعلق سوچ کر الجھا جائے۔ دنیا میں بہت سے لوگوں کا پوائنٹ آف ویو اکثر ایک دوسرے سے مختلف ہی ہوتا ہے۔" انابیہ شاہ نے سرسری سے انداز میں یاد کرایا تھا۔

"ہاں ——— مگر اس کے باوجود بہت سے لوگ ایک ساتھ چلتے ہیں۔ شاید تم ٹھیک ... کہہ رہی ہو۔

"دیکھو ہنی! ——— بغور دیکھو ——— پڑھو، سب اجازت ہے تمہیں۔" مدھم سرگوشی میں کوئی تو بات ضرور تھی۔ میرب سیال کی پلکیں اس لمحے خود بہ خود جھکتی چلی گئی تھیں۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہوگئی تھی۔

"اتنی جلدی ہمت ہار جاؤ گی ہنی! تو تمہیں اس بھید سے شناسائی کیسے ملے گی، جس کی تلاش تم کو ہے؟ اس طرح تو تم کچھ بھی جان نہیں پاؤ گی کبھی۔" انداز کسی قدر محظوظ ہونے والا تھا اور میرب نے چہرے کا رخ پھیر لیا تھا۔ اندر ایک شور سا برپا تھا اور آوازیں صاف سماعتوں تک آرہی تھیں۔ ایسے میں کیا کہتی، سنتی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی مشکلات میں یقیناً اضافہ کر رہا تھا۔ وہ جس قدر بچنا چاہتی تھی اسی قدر الجھ جاتی تھی۔

"ہنی! سوچ سوچ کر اتنا مت الجھو کہ میں بے اختیار تمہیں سلجھانے کی کوئی تدبیر کرنے کی کوشش کر بیٹھوں۔" وہ خود سے الجھ رہی تھی۔ جب سردار سبکتگین حیدر لغاری کی بھاری آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔ وہ نگاہ اٹھا کر اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔ مگر انداز بے حد ہونق تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

"ٹیل می یور پرابلم ہنی؟"

"پرابلم؟" وہ چونکی تھی۔ پھر سر نفی میں ہلایا تھا۔ "نہیں ——— کوئی پرابلم نہیں ہے۔" اس نے باور کرایا تھا مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری اسے کسی قدر تشویش سے دیکھنے لگا تھا۔

"اگر کوئی پرابلم نہیں تو پھر یہ آنکھیں اس قدر پریشان کیوں ہیں؟ ——— یہ اس چہرے پر الجھی حیرتوں کا پہرہ کس لئے ہے؟"

میرب سیال کچھ بولے بغیر چہرے کا رخ پھیر گئی تھی اور سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

"کوئی تشویش ہے تو اسے لبوں سے بیان کرو ہنی! چپ رہنے سے تو الجھنیں اور بھی بڑھ جاتی ہیں۔ باہمی مشاورت سے بڑے بڑے مسائل سلجھ سکتے ہیں۔ دلوں کی الجھنوں کو سلجھانے کا یہ سب سے بہترین طریقہ ہے۔ یقین نہ ہو تو آزما دیکھو۔"

"نہیں ——— ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں پریشان نہیں ہوں۔ نہ ہی ایسی کوئی الجھن مجھے گھیرے ہوئے ہے۔" میرب سیال نے وضاحت دے کر سردار سبکتگین حیدر لغاری کو مطمئن کرنا چاہا تھا۔

"اگر کوئی الجھن نہیں تو پھر اس خاموشی کا سبب کیا ہے؟ کچھ چاہئے؟ کسی شے کی ضرورت ہے تو بتاؤ، کیا چاہئے؟" وہ آسمان و زمین اس کے قدموں میں دھرنے کو تیار تھا۔ انداز ایسا تھا کہ میرب سیال کے لبوں پر مسکراہٹ اتر آئی تھی۔

"مجھے بتاؤ، تمہیں کیا چاہئے؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری کہہ رہا تھا۔

"کچھ نہیں چاہئے مجھے۔" میرب سیال نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سر نفی میں ہلایا تھا۔

"کچھ نہیں؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی آنکھوں میں بہ غور دیکھا تھا۔

"نہیں۔" میرب سیال کی پلکیں اس لمحے پر جو لرزیدہ جھکی تھیں وہیں چہرے کی مسکراہٹ بھی اور گہری

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے چہرے کو شہادت کی انگلی سے قدرے اوپر اٹھاتے ہوئے بہ غور دیکھا تھا اور مدھم لہجے میں بولا تھا۔

"کیا میرا یقین بھی نہیں؟"

میرب سیال بے حد چونک کر اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔ تبھی سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اپنا جملہ دہرایا تھا۔

"کیا میرا یقین بھی نہیں ہنی؟ ——— میرا اعتبار بھی نہیں؟ ——— کیا میرا پیار بھی نہیں؟" مدھم سرگوشی میں شدت تھی اور انداز میں کس قدر شدت۔ میرب سیال کے حواس خطا ہونے لگے تھے۔ اس نے خود کو اس پل بے بس محسوس کیا تھا۔

"بولو میرب سیال! کیا میرا پیار بھی نہیں؟" اس کے جھکے ہوئے سر کو اٹھا کر مسکراتے ہوئے بھرپور توجہ سے اس کے چہرے کو دیکھا تھا۔ میرب سیال نے اس کی پرتپش نظروں میں دیکھا تھا، پھر بہت آہستگی سے اثبات میں ہلا دیا تھا اور سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہوگئی تھی۔

"کبھی کبھی لفظ بہت ضروری ہو جایا کرتے ہیں میرب! تم ایسا کرو مجھے سوچ کر جواب دے دینا۔ ابھی مجھے تمہارے جواب کی ضرورت نہیں ہے۔"

"کیا...... کیا مطلب؟" میرب سیال حیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔

"کیونکہ......" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے مسکراتے ہوئے اس کی آنکھوں کو بہ غور دیکھا تھا، پھر بازی رکھتے ہوئے بولا تھا۔ "کیونکہ میرب! میں ان آنکھوں کی زبان اب سمجھنے لگا ہوں۔ مجھے پڑھنا آگیا ہے ہنی! اور جب پڑھنا آجائے تو پھر نظروں سے کوئی بھی مفہوم چھپا نہیں رہ سکتا۔" باور کرایا تھا اور میرب سیال اسے دیکھ نہیں سکی تھی۔ جانے کیوں۔

***

ابیہ شاہ کا موڈ قطعاً کہیں جانے کا نہیں تھا۔ نہ ہی وہ کسی کو کسی طرح کی کوئی خاص تقویت دینا چاہتی تھی ——— مگر اس شام اچانک ہی فون آگیا تھا جسے اوزی نے ریسیو کرنے کے بعد اس کی سمت ریسیور بڑھایا تھا۔

"کون ہے؟" وہ حیران ہوئی تھی۔

"بات کر لو۔" اوزی بولا تھا اور پھر وہاں سے ہٹ گیا تھا۔ ابیہ شاہ نے ریسیور کان سے لگا لیا تھا اور دوسری طرف ایک یکسر اجنبی آواز سن کر وہ کسی قدر حیران رہ گئی تھی۔

"ابیہ! کیسی ہو تم؟" کوئی خاتون بہت محبت سے دریافت کر رہی تھیں۔

"جی! ٹھیک ہوں۔ مگر آپ......؟" اس نے قصداً جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔

"میں فاطمہ علی خان ہوں ——— نعمان علی خان کی ممی۔"

"اوہ ——— کیسی ہیں آپ؟" اس نے حیران ہونے کے ساتھ اخلاقاً دریافت کیا تھا۔

''اب آپ اصرار کر رہی ہیں تو میں انکار بھی تو نہیں کر سکتا نا۔'' سعادت مندی سے کہا، وہ مسکرا رہا تھا۔
''مذاق نہیں اذہان! ٹھیک سے بتاؤ تمہاری پسند کیا ہے؟ کیسی لڑکی پسند ہے تجھے؟''
''آپ واقعی سنجیدہ ہیں؟'' اذہان نے مسکراتے ہوئے ماں کی طرف دیکھا تھا۔ فارحہ نے مسکراتے ہوئے سر اثبات میں ہلایا تھا۔
''ہاں۔''
''یعنی اب آپ روایتی ماؤں کی طرح گھر گھر جا کر حور پریوں کی تلاش شروع کرنے والی ہیں؟'' اذہان کو کسی قدر تشویش ہوئی تھی۔
''نہیں۔'' فارحہ مسکرا دی تھیں۔ ''میرا ارادہ ایسا کچھ کرنے کا نہیں ہے۔ تبھی تو تم سے تمہاری پسند دریافت کر رہی ہوں۔ ویسے میرے پاس ایک لڑکی ہے۔''
''کون؟'' وہ چونکا تھا۔
''یہ میں تمہیں نہیں بتا سکتی ابھی۔ لیکن تم اگر چاہتے ہو کہ لڑکی تمہاری من چاہی ہو تو۔ ویسے تمہیں سلمیٰ خان کیسی لگتی ہے؟'' انہوں نے سرسری انداز میں کہتے ہوئے بیٹے کی طرف دیکھا تھا۔ اذہان حسن بری طرح چونکا تھا، پھر مسکرا دیا تھا۔
''سلمیٰ۔۔۔۔۔ آپ اس کے متعلق سوچ رہی ہیں؟۔۔۔۔۔ ممی! پلیز، آپ ایسا سوچئے گا بھی مت مجھے اپنے گھر کو تیسری جنگ عظیم کا میدان نہیں بنانا ہے اور نہ ہی میں چاہتا ہوں کہ میرے بچے ہیروشیما ناگاساکی کی کوئی مخلوق لگیں۔'' وہ برجستہ بولا تھا اور فارحہ مسکرا دی تھیں۔
''اب ایسی بھی توپ صفت نہیں ہے وہ۔''
''توپ؟۔۔۔۔۔ یہ مثال اس کے لئے بہت چھوٹی ہے ممی! اسے تو آپ مدر بم کہئے۔'' وہ برملا بولا اور فارحہ ہنس دی تھی۔
''مگر مجھے تو پسند ہے وہ۔ اور تمہارے پاپا کو بھی۔'' فارحہ بے دھیانی میں بولی تھیں اور اذہان حسن بخاری کے چہرے کے تاثرات ایک لمحے میں بدلے تھے۔ ایک پل میں مسکراہٹ غائب ہوئی تھی اور اس کی جگہ ایک تلخی نے لے لی تھی۔ فارحہ بیٹے کی اس کیفیت کو دیکھ کر رہ گئی تھیں۔
''میں سونا چاہتا ہوں۔۔۔۔۔ آئیے، میں آپ کو آپ کے کمرے تک چھوڑ دوں۔'' لہجہ بے حد سپاٹ تھا اور فارحہ کے لئے یہ بات کسی تشویش سے کم نہیں تھی۔

❊❊❊

کبھی کبھی بہت سی چیزوں کی، باتوں کی امید نہیں ہوتی اور جب وہ وقوع پذیر ہو جاتی ہیں تو بہت اچھا لگتا ہے۔ عفنان علی خان کا دل بھی اسی ایک خوشی سے بھر گیا تھا۔
وہ چہرہ اپنے سامنے دیکھ کر وہ جیسے بُت بن گیا تھا۔
امید کہاں تھی کہ وہ آئے گی۔ دل نے سو بار کہا تھا مگر وہ ماننے کو تیار ہی نہ تھا۔ کتنی تاویلیں دی تھیں اس نے۔ اس کی سرد مہری کو لے کر کتنی وضاحتیں دی تھیں مگر دل کا کہا رد نہ ہوا تھا اور وہ چہرہ اس کے سامنے تھا۔ دل کی مراد بر آئی تھی۔ خواہش پوری ہوئی تھی۔ مگر وہ کتنا ساکت سا اسے دیکھتا جا رہا تھا اور ایسا کرتے ہوئے اسے اردگرد کے لوگوں کی بھی پرواہ نہیں تھی۔ ایک میکانکی انداز میں چلتا ہوا وہ اس کے سامنے رکا تھا۔ عجب دیوانگی سے پُر انداز تھا۔ اناہیہ شاہ اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

''السلام علیکم زی!۔۔۔۔۔ کیا میں آپ کا ہاتھ تھام سکتا ہوں؟'' سعادت مندی سے درخواست کی تھی۔ اناہیہ شاہ کچھ نہیں بولی تھی۔ مگر اسی لمحے عفنان علی خان نے بہت آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر اس کا نازک سا ہاتھ تھام لیا تھا۔ اناہیہ شاہ کسی قدر حیران ہوئی تھی مگر وہ اطمینان سے مسکرا دیا تھا۔
''دراصل مجھے اب یقین آ گیا ہے کہ تم واقعی میرے سامنے ہو۔ ورنہ میں تمہیں کوئی خواب سمجھنے کی غلطی کر بیٹھتا۔'' اس کا انداز سرشاری سے پُر تھا اور اناہیہ شاہ نے ایک نظر ادھر اُدھر متوجہ لوگوں پر ڈال کر قدرے خجالت سے اسے دیکھا تھا۔
''عفنان علی خان!''
''ہاں۔'' وہ جی جان سے متوجہ ہوا تھا۔
''میرا ہاتھ۔''
عفنان علی خان چونکا تھا، پھر مسکرا دیا تھا۔
''اوہ، ہاں۔'' ایک خواب سے بیدار ہونے کے ساتھ ہی اناہیہ شاہ کا ہاتھ اپنی گرفت سے آزاد کر دیا تھا اور اس لمحے اناہیہ شاہ خود کو کمزور ظاہر کرنا نہیں چاہتی تھی۔ تبھی کسی قدر اعتماد سے اس کی طرف دیکھا تھا۔
''لامعہ کہاں ہے؟''
''لامعہ؟'' وہ ایسے چونکا تھا جیسے اس نے کوئی انوکھی، بھولی بسری داستان اس کے سامنے چھیڑ دی ہو۔
''لامعہ نہیں آئی کیا؟۔۔۔۔۔ تم نے اُسے انوائٹ نہیں کیا؟'' اناہیہ شاہ کو تشویش ہوئی تھی۔ مگر وہ بہت لاپروائی سے مسکرا دیا تھا۔
''سوری۔۔۔۔۔ اس معاملے میں مجھے کوئی اطلاع نہیں۔ یہ ڈیپارٹمنٹ ماما کے ہاتھ تھا۔'' اس کا انداز لاپروا تھا۔ اناہیہ شاہ نے اسے کس قدر حیرت سے دیکھا تھا۔ تبھی فاطمہ خان وہاں آ گئی تھیں۔
''ماما! اناہیہ شاہ۔'' عفنان علی خان نے ماں کی توجہ مبذول کروائی تھی۔ فاطمہ خان بہت گرمجوشی سے اناہیہ سے ملی تھیں۔
''باقی لوگ نہیں آئے؟''
''جی آئے ہیں۔ وہ اوزی کے ساتھ وہاں ہیں۔'' اس نے ہجوم کی طرف اشارہ کیا تھا۔
''اوکے۔۔۔۔۔ میں ان سے مل لوں۔ عفنان! تم اناہیہ کو اندر لے کر جاؤ۔'' فاطمہ خان نے بیٹے کو حکم دیا اور وہ سعادت مندی سے سر ہلاتا ہوا اس کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ اناہیہ شاہ نے ناچار قدم آگے بڑھا دیئے تھے۔
''ایک بات کہوں؟'' اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا تھا۔
''بولو۔'' اناہیہ شاہ نے اجازت دی تھی اور عفنان علی خان کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

"تم اچھی لگ رہی ہو۔" برملا اظہار کیا تھا۔ انابیہ شاہ کو اپنے اجازت فراہم کرنے پر کسی قدر افسوس ہوا تھا۔ تبھی انوشے سامنے سے آتی ہوئی اسے دکھائی دی تھی۔

"بھائی! یہ کون ہیں؟"

"انابیہ شاہ ——— ماما کی مہمانِ خاص۔ سننے میں آیا ہے بطور خاص دعوت دے کر بلوایا گیا ہے۔ خیال رکھنا، مزاج پر کوئی بات گراں نہ گزرے۔" عفنان علی خان نے مسکراتے ہوئے بہن کو ہدایت جاری کی تھی۔ انوشے مسکراتی ہوئی اسے لے کر آگے بڑھ گئی تھی۔

عفنان علی خان کا انداز ہمیشہ ہی چونکا دینے والا ہوتا تھا۔ مگر وہ اندر آ کر لامعہ حق کو وہاں موجود پا کر حیران رہ گئی تھی۔

"ارے انابیہ! تم بھی یہاں انوائیٹڈ ہو؟" لامعہ اسے دیکھ کر حیران ہوئی تھی اور انابیہ شاہ فوری طور اسے کوئی جواب نہ دے سکی تھی۔

❋❋❋

"تمہارے اور میرے درمیان مجھے ایک گہرا رابطہ لگتا ہے گین! سمجھ میں نہیں آتا کیا۔ مگر میں جانے کیوں خود کو تم سے بہت قریب پاتی ہوں۔ اب یہی دیکھ لو کہ میرا کام یہاں ختم ہو چکا ہے۔ مگر یہاں سے جانے کو میرا من نہیں چاہتا۔ اب اگر تم وجہ دریافت کرو گے گین! تو مجھے تم بے وقوف لو گے۔" گی مسکرائی تھی۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کوئی تاثر نہیں دیا تھا۔ گی اپنے ہاتھوں کو پھیلا کر ان پر ٹھوڑی ٹکا کر اسے بغور دیکھنے لگی تھی۔ پھر مسکرا دی تھی۔

"کبھی کبھی ہم اپنی ذات کی گمشدہ کڑیوں کو وہاں ڈھونڈنے کی کوششیں کرتے ہیں جہاں ان کے لئے کوئی شواہد نہیں ہوتے۔ نہ ہی امکانات۔ بات کچھ عجب ہے مگر ایسا ہوتا ہے گین!"

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت دیکھا تھا اور دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

"گی! تمہاری باتوں میں رنگ، خواب بولتے دکھائی دیتے ہیں۔ مجھے تم واقعی روم کی گلیوں میں آوارہ پھرتی جولیٹ لگتی ہو۔ جس کا رومیو اسے چھوڑ کر دور جہانوں کے سفر پر چلا گیا ہے اور واپسی کا کوئی امکان نہیں۔"

"تمہاری قیاس آرائی میں بہت سچائی ہے گین! میں تمہیں جھٹلا نہیں سکتی۔ میں واقعی اپنے رومیو کی تلاش میں سرگرداں ہوں اور باوجود کوشش کے اسے کہیں نہیں پاتی ہوں۔ مجھے لگتا ہے میری تلاش فضول ہے اور ساری کوششیں رائیگاں۔" گی کا لہجہ بہت دھیما اور کسی قدر الجھا ہوا تھا۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

"مجھے یہ سب کچھ بہت بے معنی سا لگتا ہے گی! شاید اس لئے کہ مجھے ان سب حوادث سے کبھی واسطہ نہیں پڑا۔ یا پھر مجھے ان معاملات سے کچھ رغبت ہی نہیں۔ مگر گی! میں تمہیں یہ ہرگز نہیں کہوں گا کہ تم ان راہوں پر مت چلو۔ اگر محبت پر تمہارا ایمان کامل ہے تو یقیناً تم ایک نہ ایک دن اپنی امید کو ضرور پا لو گی۔ میں نے کبھی ایسی دیوانگی دیکھی نہیں، برتی نہیں۔ مگر ایک بزنس مین ہونے کے حوالے سے اتنا ضرور کہوں

گا کہ ڈی ٹرمینیشن اور ڈیڈیکیشن ہو تو کوئی بھی مقام حاصل کیا جا سکتا ہے۔" اس کا تجزیہ کمال کا تھا۔ گی جیسے بہکتی ہوئی مسکرا دی تھی۔

"گین! محبت کے متعلق تمہارا زاویہ فکر کتنا معاشی رنگ لئے ہوئے ہے۔ اتنا میٹریلسٹک بندہ۔ قیاس اپنے ہی زاویے سے کرتا ہے اور......"

"اور کیا گی؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔ انداز محظوظ ہونے والا تھا اور گی اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"اگر تمہیں کبھی محبت ہو گئی تو تم کیا کرو گے گین؟" گی نے دریافت کیا تھا اور سردار سبکتگین حیدر لغاری بے ساختہ ہنسا تھا۔ جیسے گی کے اس سوال نے اسے حد درجہ محظوظ کیا تھا۔ گی اسے کسی قدر حیرت سے دیکھنے لگی۔

"تمہارا سوال کسی قدر دلچسپ ہے گی! تم واقعی گفتگو میں مہارت رکھتی ہو۔" وہ اسے ٹال گیا تھا۔ "تم ایک بات بتاؤ۔ کیا تمہیں واقعی یقین ہے کہ تم اسے پا لو گی؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لبوں پر مسکراہٹ تھی جیسے وہ اس کی کیفیت سے محظوظ ہو رہا ہو۔ مگر گی کسی قدر افسوس سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"بہت افسوس کی بات ہے گین! تم میرا مذاق بنا رہے ہو۔ حالانکہ تم درحقیقت اس سے متعلق کچھ جانتے ہی نہیں ہو۔"

"تمہیں کیا پتہ کہ میں کچھ جانتا ہوں کہ نہیں؟" براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانکتا ہوا سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرایا تھا۔ انداز کسی قدر چیلنجنگ تھا اور گی اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔ گین کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

"مجھے نت نئے تجربات کرنے کا شغف بہت پہلے سے ہے۔ بہت کچھ نیا سیکھنے کو ملتا ہے اس سے۔ راز ہائے ناانجان رہنے سے کہیں بہتر باخبر رہنا اور جاننا ہوتا ہے۔ بندہ بہت سی مشکلات سے نہ صرف بچ جاتا ہے بلکہ اسے ان مشکلات سے نبرد آزما ہونے کا طریقہ بھی آ جاتا ہے۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری کا انداز مبہم تھا۔ گی مسکرا دی تھی۔

"تم جانتے ہو گین! لڑکیاں مردوں سے زیادہ عقل مند ہوتی ہیں۔ کیونکہ وہ جانتی کم ہیں مگر سمجھتی زیادہ ہیں۔"

"ضروری نہیں ہے گی! کہ میں تمہاری رائے سے اتفاق بھی کروں۔ تم بتانے والی تھیں کہ اس تمام تلاش کا پس منظر کیا تھا۔"

"میں نے تمہیں ایسا کچھ بتانے کا وعدہ نہیں کیا تھا۔" گی کسی قدر حیرت سے کہتی ہوئی مسکرا دی تھی۔ "اور یوں بھی جس بندے کو اس معاملے سے سرے سے دلچسپی ہی نہیں اسے بتا کر مجھے کیا ملے گا؟ مجھے تو تم سے کسی چھوٹی سی ہمدردی کی بھی امید نہیں۔"

"اور اس کے باوجود تمہیں مجھ میں دلچسپی ہے اور تم مجھ میں اپنی ذات کی گمشدہ کڑی ڈھونڈ رہی ہو؟"

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے لاجواب کر دیا تھا۔ گی مسکرا دی تھی۔

"بعض اوقات ایسا ہوتا ہے گین! اور ایسا صرف محبت میں ہوتا ہے۔ محبت چہروں میں چہرواں ڈھونڈتی ہے۔ شباہتوں میں شباہتیں تلاشتی ہے۔ یہ محبت کی بڑی فطری سی کہانی ہے۔ محبت کی نظر یہ اضطرابیت لئے ہوئے ہوتی ہے۔ گمشدہ چہروں کو چہروں میں ڈھونڈنا اس کی مجبوری ہے۔ اور گمشدہ لہجوں اکثر لہجوں میں تلاشنا اس کی عادت۔ محبت کی یہ کہانی میں تمہیں کیسے سمجھاؤں گین! اگر سمجھانے کی کوشش کروں تو شاید سمجھا نہیں پاؤں گی۔ کیونکہ گین! وجہ یہ نہیں کہ مجھے سمجھانے کا گُر نہیں آتا بلکہ معاملہ برابر ہے کہ تمہارے اندر ایسا کوئی دیا روشن ہی نہیں۔ نہ امید کا، نہ ایمان کا۔ اور ایسے میں محبت کی اُلجھی باتیں تمہیں سمجھاؤں گی تو یہ سر پتھر سے پھوڑنے والی بات ہی ہوگی۔"

گی کسی قدر پُر شکوہ انداز میں بولی تھی اور سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

***

"بی ہیو لائیک اے نارمل انابیہ! —— تمہارے انداز کی بیزاری تمہارے چہرے پر صاف نظر آ رہی ہے۔" اوزی نے اُسے بہت دبے دبے سے لہجے میں ڈپٹا تھا اور وہ چہرے کا رخ پھیر کر ہجوم کی سمت دیکھنے لگی تھی۔

"انابیہ! مانا تم یہاں پر اپنی مرضی کے برخلاف آئی ہو مگر کیا ضرورت ہے اس طرح بے زار نظر آنے کی بھی؟ تمہیں نہیں لگتا تم انتہائی آدم بے زار لڑکی ہو۔ نارمل لوگ بھلا کیا کہیں آتے جاتے نہیں؟ کیا ملتے ملاتے نہیں؟" باقاعدہ ڈپٹا تھا اور انابیہ شاہ اسے مسکراتے ہوئے دیکھنے لگی تھی۔

"اوزی! مجھے پوز کرنا نہیں آتا۔ میری سب سے بڑی خامی یہی ہے کہ جو کچھ میرے اندر ہے وہی باہر بھی۔"

"اور دنیا میں جینے کے لئے یہ عادت کچھ اتنی اچھی نہیں ہے انابیہ شاہ! نارمل لوگ ایسے ہی بی ہیو کرتے ہیں۔" اوزی نے باقاعدہ ڈپٹا تھا۔

"تو تمہارا خیال ہے میں ابنارمل ہوں؟" وہ مسکرائے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔ تبھی نگاہ سامنے اٹھی تھی۔ عفنان علی خان، لامعہ حق کے ساتھ کسی بات پر مسکرا رہا تھا۔ دونوں کس قدر قریب تھے۔ لامعہ حق کا ایک ہاتھ عفنان علی خان کے مضبوط شانے پر تھا اور گداز لبوں پر ایک دلکش مسکراہٹ تھی۔ بہت آہستگی سے نگاہ پھیر کر وہ دوسری سمت دیکھنے لگی تھی۔

اوزی نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا تھا۔ پھر مسکرا دیا تھا۔

"محبت زندگی میں ہزار ہا رنگ لے کر آتی ہے اور آنکھوں کے لئے بیش بہا خواب۔ جن آنکھوں میں کوئی رنگ نہیں، کوئی خواب نہیں ان پر صد افسوس۔" جانے کیوں اسے جتایا تھا۔ مگر انابیہ شاہ کچھ نہیں بولی تھی۔ چہرے کا رخ پھیرے کھڑی رہی تھی۔

"موسموں کو آنکھوں سے باتیں کرنے دینا چاہئے انابیہ شاہ! ورنہ واقعی خواب آنکھوں سے روٹھ جاتے ہیں۔" اوزی کا لہجہ مدھم تھا اور اس پل انابیہ مسکرا دی تھی۔ پھر اس کی طرف دیکھا تھا۔

ہوتے تلخ تجربات کرنے کے بعد بھی تم اس طرح کی سوچ رکھتے ہو اوزی! کمال ہے۔ صد آفرین ہے تم پر۔" اعزاز داد دینے والا تھا اور اوزی مسکرا دیا تھا۔

"محبت بڑا حوصلہ دیتی ہے انابیہ شاہ! چاہے ساتھ رہے نہ رہے، ہاتھ آئے نہ آئے۔ مگر محبت اپنی تکمیل بہت خوبی سے خود آپ کرتی ہے۔" اوزی کا لہجہ بے حوصلہ نہ تھا۔ وہ لامعہ حق کی طرف بغور دیکھ رہا تھا اور اس کی آنکھوں میں اس گھڑی کئی جگنو چمک رہے تھے۔

انابیہ شاہ مسکرا دی تھی۔

"اوزی! کیا محبت میں اتنا حوصلہ ہے کہ وہ اپنے مطلوب فرد کو کسی اور کے ساتھ دیکھ سکے؟"

اوزی مسکرا دیا تھا۔

"میں نے کہا نا انابیہ! محبت بہت حوصلہ دیتی ہے۔"

انابیہ شاہ مسکرا دی تھی۔

"حوصلہ یا صبر اوزی؟"

"دونوں ہی۔"

"بڑی فطری بات ہے۔ جب کوئی شے دسترس سے باہر ہو تو نفسیاتی طور پر دل و دماغ کو صبر آ ہی جاتا ہے۔ اس میں اتنا عجب کیا ہے؟" انابیہ نے کسی قدر اختلاف کیا تھا۔

"ایسا نہیں ہے انابیہ شاہ! نارسائی کا کرب بڑا جان لیوا ہے۔ مگر محبت میں سب جھیلنا آ جاتا ہے۔"

"یہ تو بالکل ایسے ہی ہوا کہ جب سر پر پڑتی ہے تو سب سمجھ میں آ جاتا ہے۔" انابیہ شاہ مسکرائی تھی۔ تبھی منشا وہاں آئی تھی۔

"انابیہ! آپ کو ممی بلا رہی ہیں۔" اطلاع دینے کے ساتھ ہی وہ تیزی سے پلٹ گئی تھی۔

"اوکے، میں آتی ہوں۔" وہ اوزی سے کہہ کر پلٹی تھی اور چلتی ہوئی اندر کی طرف بڑھنے لگی تھی۔ راہداری میں قدم دھرا تھا تبھی اس کا ہاتھ کسی نے گرفت میں لے کر تیزی سے اپنی طرف کھینچ لیا تھا۔ وہ بُری طرح کسی وجود سے جا ٹکرائی تھی۔ فوری طور پر سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا۔ آنکھیں بہت سختی سے میچے اس نے بہت تیزی سے چلتی سانسوں پر قابو پانے کی کوشش کی تھی۔ مگر حواس بحال ہونے والے انہی لمحوں میں اسے احساس ہوا تھا کہ وہ کسی کے بہت قریب ہے۔ کسی کی گرم گرم سانسوں کی تپش اسے اپنے چہرے پر محسوس ہوئی تھی۔ تبھی اس نے بہت آہستگی سے آنکھوں کو کھول کر سر اٹھایا تھا اور اپنے سامنے موجود وجود کو دیکھا تھا۔

عفنان علی خان اسے بغور دیکھ رہا تھا اور اس گستاخی پر وہ ساکت رہ گئی تھی۔ اسی پل عفنان علی خان نے ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کو بہت ہولے سے چھوا تھا۔

"انتظار...... انتظار...... انتظار...... ایک لامتناہی انتظار۔" مدھم لہجے میں بے پناہ شدت تھی اور مالی سمت دیکھتی آنکھوں میں بے انتہا تپش۔

"کبھی سوچا ہے تم نے؟ —— کبھی غور کیا ہے، یہ انتظار کس قدر جان لیوا ہو سکتا ہے۔ محبت کرنے

والوں کے نصیب میں تو یوں بھی کئی عذاب اترتے ہیں۔ کیا ضروری ہے کہ خود محبت کرنے والے بھی ان کو خود آپ دعوت دیں؟" مدھم سے لہجے میں بے قراریوں کی ہزار ہا داستانیں تھیں۔ انابیہ شاہ اس کے تیوروں پر کسی قدر حیران سی اسے دیکھنے لگی تھی۔ مگر عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔ اس کی کلائی پر اس کی گرفت مجنونانہ تھی۔

"عفنان علی خان!" بے حد درشت لہجے میں کہتے ہوئے اسے ناپسندیدہ نظروں سے دیکھا تھا مگر تبھی عفنان علی خان نے اسے ٹوکتے ہوئے ہاتھ بڑھا کے بہت آہستگی سے اس کے لبوں پر رکھ دیا تھا۔

"شش۔" سر بہت آہستگی سے نفی میں ہلایا تھا۔ "آج کچھ مت کہو۔ کچھ نہیں انابیہ شاہ! میں نے ان قیمتی لمحوں کے لئے بہت انتظار کیا ہے ——— بہت صبر سہا ہے میں نے اس دل پہ۔ ہزار ہا اضطرابوں کو جھیلا ہے۔ پلیز، آج نہیں۔" مدھم لہجے میں کوئی درخواست سی تھی۔ اس کا ہاتھ بدستور اس کے لبوں پر تھا۔ جیسے اسے خدشہ تھا کہ وہ اسے بولنے نہیں دے گی۔

"میں تمہاری ضرور سنوں گا۔ مجھے بھی بہت چاہ ہے انابیہ شاہ! تمہیں دیکھنے کی، تمہیں سننے کی۔ مگر آج نہیں۔ آج تم مجھے اجازت دو کہ میں تم سے کہہ سکوں، تمہیں سنا سکوں۔ وہ داستان جو تم نے آج تک نہیں سنی۔ وہ تمام لفظ جو میں آج تک نہیں کہہ سکا۔" وہ اس کے چہرے کو بہ غور دیکھ رہا تھا اور انابیہ شاہ کی کیفیت عجیب تھی۔ ذہن اس لمحت پر بے حد ماؤف سا تھا۔

"جنہیں آج تک تم نہیں سن سکیں، وہ تمام حرف انابیہ شاہ! ——— سوچتا ہوں، شروع کہاں سے کروں۔ تمہاری ایک نگاہ نے مجھے قیامتوں کی نذر کر دیا تھا یا جب میں اپنا آپ گنوا بیٹھا تھا۔ کب سے انابیہ شاہ؟ ——— کہاں سے بتاؤں؟ یہ داستان تو صدیوں پر محیط ہے اور مجھے اک پل ہزار ہا صدیوں کے برابر لگا ہے۔" عفنان علی خان کا لہجہ بھاری اور بوجھل تھا۔ کتنی شدت تھی اس میں اور انابیہ شاہ ساکت سی اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کے ہونق انداز سے دیکھنے پر وہ بہت ہولے سے مسکرایا تھا۔ پھر ہاتھ بڑھا کر اس کی آنکھوں کو بہت آہستگی سے چھوا تھا۔ انابیہ شاہ پلکیں میچ گئی تھی۔

عفنان علی خان کا لہجہ بھرا ہوا تھا اور وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

"ان آنکھوں نے انابیہ شاہ! ——— تمہاری ان آنکھوں نے مجھے کہیں کا نہیں رکھا ——— لوٹ لیا سب، وہ بھی جو میرا تھا اور وہ بھی جو میرا نہیں تھا۔ ان آنکھوں نے مجھے واقعی کہیں کا نہیں چھوڑا۔ تمہاری ایک نظر نے عجب اثر کیا۔ جہاں کئی اضطرابوں کی نذر کیا، وہیں بہت حسین احساس سے بھی روشناس کرایا اور مجھے پہلی بار لگا کہ یہ زندگی بے حد حسین ہے۔ تمہاری طرح، تمہاری ان آنکھوں کی طرح۔ بے انتہا دلکش اور دلفریب۔ انابیہ شاہ! تمہاری ان آنکھوں کا پہرہ میرے دل پر تب سے ہے جب تم پہلی بار مجھے دکھائی دی تھیں۔ تمہاری شباہتوں کا ڈیرہ تب سے میرے اندر ہے۔ میرے لہو میں، میری رگ رگ میں دوڑتا ہے جب سے تم نے ایک بے خبری نظر مجھ پر کی تھی۔ ایک سرسری نگاہ۔ مگر وہ نظر میرے اندر تباہی برپا کرنے کو کافی تھی۔ پہلی بار انابیہ شاہ! پہلی بار میں نے خود کو بے حد بے بس پایا۔ پہلی بار اتنا مضطرب، جیسے یہ امیر بہت اجنبی لگی انابیہ شاہ!" پرجوش لہجہ میں کیسی کیسی کہانیاں نہ تھیں۔

انابیہ شاہ! شاید میں تمہیں کبھی نہیں بتا سکوں گا۔ کبھی سمجھا نہیں سکوں گا کہ میں تمہارے لئے کس طور فیل کرتا ہوں اور کیا فیل کرتا ہوں۔ مگر میں اتنا یقین ضرور دلا سکتا ہوں کہ میں تمہارے لئے سب کچھ کروں۔ ہر شے، جو ناممکن ہے، اسے بھی ممکن کر سکتا ہوں۔ اور اب میں ایسا کر کے دکھاؤں گا۔ یو انابیہ شاہ!"

پُر یقین لہجے میں وہ کہتا ہوا، اس پر ایک نگاہِ خاص ڈالتا ہوا آگے بڑھ گیا تھا اور انابیہ شاہ حیرتوں بھری نگاہ لئے اسے بت بنی دیکھتی رہ گئی تھی۔

فضا میں ایک تاثر انگیز آواز کا پہرہ دور تک تھا۔ ایک بازگشت اس کے اندر باہر تھی۔ چاروں طرف اور وہ ساکت سی کھڑی تھی۔

کسی ہاتھ نے اس کے شانے کو بہت ہولے سے چھوا تھا۔ وہ یکدم ٹھٹکی تھی۔ اوزی اس کے سامنے کھڑا اس کی اجنبی سی کیفیت پر اسے بہ غور دیکھ رہا تھا۔

"کیا ہوا؟" بہت فکرمندی سے دریافت کیا تھا۔

انابیہ شاہ کچھ نہیں بولی تھی۔ بہت آہستگی سے اس کے شانے پر اپنا سر دھر دیا تھا اور بہت سا گرم گرم پانی پلکوں کے بند توڑتا ہوا بہہ کر اوزی کے شانے میں جذب ہونے لگا تھا۔

"مجھے یہاں سے جانا ہے اوزی! ابھی، اسی وقت۔" اس نے مدھم لہجے میں درخواست کی تھی اور اوزی ٹھٹک کر رہ گیا تھا۔

❁❁❁

اذہان حسن بخاری میٹنگ سے باہر نکلا تھا جب ساہیہ خان کا فون آ گیا تھا۔ دوران میٹنگ بھی اس کی کئی کالز آئی تھیں، کئی ایس ایم ایس بھی موصول ہوئے تھے مگر اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ وہ اہم موضوع پر اس کی رائے لینا چاہتی تھی مگر وہ اس قدر تھک چکا تھا کہ اس کا موڈ بالکل بھی ساہیہ سے بات کرنے کا نہ تھا۔ وہ گھر کی طرف ڈرائیو کرنے لگا تھا۔ انداز کسی قدر پُرسکوت تھا اور چہرہ بظاہر بے تاثر۔

"کوشش کرو، تم آئندہ کبھی زندگی میں کسی موقع پر کمزور نہیں پڑو گے۔" ایک بہت مخلص، پُرخلوص لہجہ اس کے قریب گونجا تھا اور جانے کیا سوچ کر اس نے سیل سوئچ آن کر دیا تھا۔ دوسری طرف ساہیہ خان مسلسل ٹرائی کر رہی تھی۔ سیل آن کرنے کے بعد پہلی کال اسی کی تھی۔ موبائل کی اسکرین پر ساہیہ خان کا نام چمک رہا تھا۔ اذہان حسن بخاری نے بہت بے دلی سے کال ریسیو کی تھی۔

"اذہان! کہاں غائب ہو تم؟ ——— اتنے میسج، ایم ایس کئے، فون کالز کیں اور تم ایک بار بھی رابطہ نہیں ہوئے۔" دوسری طرف ساہیہ خان بھرپور شکوہ کر رہی تھی۔ مگر وہ ہمیشہ کی طرح نہ تو مسکرایا اور نہ دوستانہ انداز میں کوئی وضاحت دی تھی۔

"کہو ——— کیا کام ہے؟" بہت سرسری سے سرد مہر لہجے میں دریافت کیا تھا اور دوسری طرف ساہیہ ٹھٹک کر رہ گئی تھی۔

"کام؟ ــــ ازہان حسن بخاری! کیا میرا تمہارا تعلق صرف کام کا ہے؟ اور یہ کس لہجے میں بات کر رہے ہو تم مجھ سے؟ ــــ کیا ہوا ہے تمہیں؟"

"تھکن، ساہیہ خان!" ازہان حسن بخاری نے وسیع تارکول کی سڑک پر نظر جمائے ہوئے ایک تو تھی وضاحت دیتے ہوئے گہری سانس خارج کی تھی۔ "ایک اہم ترین میٹنگ تھی۔ پاپا کہیں اور تھے، سو سب کچھ مجھے ہی ہینڈل کرنا پڑا۔ اینی ویز، تم کچھ کہہ رہی تھیں؟" وہ مدعا پر آیا تھا اور ساہیہ چونک پڑی تھی۔

"آر یو آل رائٹ ازہان حسن بخاری؟"

"آف کورس۔" اس نے مسکرانے کی کوشش کی تھی۔ "بس شیڈول بہت ٹف تھا آج کا۔ تمہیں کیا کہنا تھا؟ ایسا کرو سارا ایجنڈا تیار کر کے رکھو۔ ملتے ہیں تو بات کرتے ہیں۔" اس کا انداز بہت سرسری سا تھا۔

"ازہان!" ساہیہ خان نے بہت ہولے سے پکارا تھا۔

"ہاں؟" اس کا لہجہ بہت مدھم اور انداز بہت بجھا بجھا سا تھا۔

"تم مجھے اگنور کر رہے ہو نا، جان بوجھ کر؟" ساہیہ نے دوسری طرف دریافت کیا تھا اور ازہان بخاری جواباً کچھ نہیں کہہ سکا تھا۔

"ازہان حسن بخاری! مجھے یقین تھا تم مجھ سے جھوٹ نہیں بول سکو گے۔" ساہیہ خان کا لہجہ یقین پر تھا اور ازہان حسن بخاری بولا تھا۔

"تم غلط سمجھ رہی ہو ساہیہ! میں گھر پہنچتا ہوں تو بات کرتے ہیں۔ میں ڈرائیو کر رہا ہوں۔" سبب بیان کیا تھا اور ساہیہ دوسری طرف کچھ نہ کہہ سکی تھی۔

"اوکے؟" ازہان حسن بخاری نے اجازت چاہی تھی۔

"اوکے۔" ساہیہ نے دوسری طرف سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔

ازہان حسن بخاری خاموشی کے ساتھ ونڈ اسکرین سے اس پار نظر آنے والی سیاہ تارکول کی سڑک پر بھاگتی دوڑتی گاڑیوں کو دیکھنے لگا تھا۔ انداز بہت الجھا الجھا سا تھا۔

گمبھیر چپ میں کئی کہانیاں تھیں۔

کچھ بھی بے معنی نہ تھا۔ اسباب لاتعداد تھے۔

مگر ازہان حسن بخاری کے لبوں پر ایک گہری چپ تھی۔

❄ ❄ ❄

"تم بہت لکی ہو میرب! تمہیں سبکتگین جیسا جیون ساتھی ملا ہے۔ کتنا ٹف شیڈول ہے اس کا، مگر اس کے باوجود وہ تمہارے لئے وقت نکالنا نہیں بھولتا۔ ایسے میں جب بندہ کئی ضروری کام بھول جاتا ہے، سبکتگین حیدر لغاری کو تمہاری یاد رہتی ہے۔" زوباریہ اس سے مخاطب تھی اور مظہر سیال مسکرا دیے تھے۔

"اپنی بیٹی کا یہی نصیب میں چاہتا تھا اور اب اپنی زندگی میں ہی اسے خوش اور مطمئن دیکھ چکا ہوں۔ اب میں مر بھی جاؤں تو مجھے کوئی غم نہیں ہوگا۔" پاپا کے لہجے میں ڈھیروں ڈھیر اطمینان تھا اور وہ

مسکرا اٹھی تھی۔

پھر وہ کافی بنانے کے لئے اٹھ گئی تھی۔ اور جب واپس لوٹی تھی تو سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔ میرب سیال نے اپنے حصے کی کافی کا بنایا ہوا کپ اس کے سامنے رکھ دیا تھا۔

"نہیں ــــ میں کافی نہیں لوں گا۔ تم لے لو۔" اسے سرسری انداز میں کہنے کے بعد وہ پاپا کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

"میں بزنس کے سلسلے میں شکاگو جا رہا ہوں۔ مائی اماں سے بات ہوئی تھی۔ ان کی ہدایت تھی میرب کو بھی ساتھ لے لوں۔ اگر آپ کی اجازت ہو تو......" بہت سعادت مندی سے وہ مظہر سیال سے دریافت کر رہا تھا۔

"بیٹا! مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟ شیور ــــ وائے ناٹ ــــ آپ میرب سے پوچھ لو۔" پاپا مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

"کیسی باتیں کرتے ہیں آپ؟ ــــ بھلا میرب کو کیا اعتراض ہوگا؟" زوباریہ نے میرب کی فطری حیا سوچ کر کہا تھا اور پھر میرب کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ میرب خاموشی سے سردار سبکتگین حیدر لغاری کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

"میرب! تم تیاری کر لو۔ غالباً سبکتگین کو دیر ہو رہی ہوگی۔ تمہیں آج ہی نکلنا ہے نا گین؟" زوباریہ نے دریافت کیا تھا۔

"جی۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

"میرو! جلدی پیکنگ کر لو۔ ٹھنڈ بہت ہو گی۔ تم گرم کپڑے زیادہ پیک کرنا، چلو میں تمہاری ہیلپ کرتی ہوں۔" زوباریہ اس کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنے کمرے تک جاتے ہوئے میرب سیال کا ذہن مزید الجھ چکا تھا۔ جانے اب کیا ارادے تھے سردار سبکتگین حیدر لغاری کے۔ بہرحال اسے اب اس کے ساتھ جانا تو تھا کہ تعرض کی نہ کوئی وجہ تھی نہ ہی گنجائش۔

زوباریہ نے اس کی مدد کی تھی اور اگلے کچھ ہی لمحوں میں وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے ساتھ تھی۔

شکاگو ایئرپورٹ پر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت دیکھا تھا۔

"تم تھک تو نہیں گئی ہو؟ ــــ اگر تھک گئی ہو تو ہم کچھ دیر ریسٹ کر سکتے ہیں۔ لیکن میرے پاس وقت کم ہے۔ یہاں رکنا میں افورڈ نہیں کر سکتا۔" اپنی مجبوری بیان ہوئی تھی اور وہ کسی قدر حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

"غالباً میں نے آرام کے لئے نہیں کہا۔ جو آپ کو مناسب لگے، آپ کر سکتے ہیں۔" میرب سیال نے کہا اور وہ مسکرا دیا تھا۔

"تھینکس آف یو۔ ایکچوئلی ہمیں اپنی منزل الینوائے کے مقام کاربن ڈیل تک پہنچنے کے لئے ابھی کافی لمبا سفر کرنا ہے۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اپنی مجبوری بیان کی تھی۔ پھر شاید اسے

میرب سیال پر کسی قدر ترس آ گیا تھا جو اس نے سینٹ لوئس میں ہی خیمہ زنی کی پیش گوئی کر دی تھی اور وہ فقط اسی کے لئے تھا۔ میرب کو اگر کسی قدر تھکن تھی بھی تو وہ اب سینٹ لوئس کے حسین موسم کے باعث ہو چکی تھی۔ ٹھنڈی ہواؤں اور بارش نے اس کا استقبال کیا تھا اور اس کے مزاج کی ساری کلفت اور بیزاری ڈھل گئی تھی۔ وہ ایک دم فریش ہو چکی تھی۔ سینٹ لوئس میں سردار سبکتگین حیدر لغاری کے قیام کا فیصلہ میرب سیال کو پسند آیا تھا اور پہلی بار اس نے اسے سراہا تھا۔ ہوٹل کے روم میں کھڑکی سے باہر بارش کی بوندیں گرتے دیکھ کر وہ بہت سکون محسوس کر رہی تھی۔ ٹھنڈ بے حد تھی۔ کمرے میں ہیٹر آن تھا۔ مگر شیشے سے باہر کا منظر دیکھ کر اس ٹھنڈ کا اندازہ پورے طور پر ہو رہا تھا۔ مگر اسے یہ سب بہت اچھا بھی لگ رہا تھا۔ وہ بہت مگن سی کھڑی باہر کا منظر دیکھ رہی تھی۔ شاید تبھی اسے سردار سبکتگین حیدر لغاری کے وہاں آنے کا علم نہیں ہوا تھا۔ وہ چونکی تھی، نہ ہی پلٹ کر دیکھا تھا۔ غالباً وہ واقعی محو تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری جانے کب اس کے پیچھے آن رکا تھا، پھر بہت آہستگی سے دونوں بازو پھیلا کر اسے اپنے حصار میں بھر لیا تھا۔

میرب سیال کو جیسے کوئی کرنٹ سا چھو گیا تھا۔ وہ بے طرح چونکی تھی۔ گردن کا رخ پھیر کر بے ساختہ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی پشت پر کھڑا چہرہ اس کی گردن پر جھکائے بہت ہولے ہولے کچھ کہہ رہا تھا۔ اس کے لمس کی حدت سے میرب سیال کو اس سرد موسم میں بھی اپنا سارا وجود جلتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

"یہ لمحے زندگی کا احساس اپنے سنگ لا رہے ہیں ہنی! ـــــ تم سوچو تو محسوس کرو گی کہ زندگی انہی لمحوں میں ہی ہے۔ مگر میرے لئے زندگی کا احساس جس قدر دلکش ہے تمہارا احساس اس سے کہیں زیادہ دل پذیر اور دلکش ہے۔"

وہ حواس باختہ سی آنکھیں بہت زور سے میچ گئی تھی۔ اس اچانک توجہ اور التفات کا کوئی مطلب وہ نہیں پائی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری رات کے اس پہر اس کے قریب تھا۔ اس کے کمرے میں تھا۔ میرب سیال کی دھڑکنوں کا ارتعاش بڑھتا چلا گیا تھا۔ وہ بے جان بت بنی اس لمحے اس کے بازوؤں کے حصار میں تھی۔ اس میں اتنی ہمت بھی باقی نہیں تھی کہ وہ کوئی مزاحمت ہی کر سکتی۔ حواس مکمل طور پر گم تھے۔ ایک بار پھر وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے رحم و کرم پر تھی۔ اس کی زندگی کی ڈور اس کے ہاتھ میں تھی، اس کے ساتھ تھی، اس پر قناعت کر رہی تھی۔ اور اب وہ چاہے جیسا بھی سلوک روا رکھتا۔

"بہت سی باتیں نہ کہی جائیں یا نہ باور کرائی جائیں تو ان کے مفہوم دھندلانے لگتے ہیں۔ اور ہنی! تمہارے اور اپنے معاملے میں قطعاً ایسا نہیں چاہتا ہوں۔۔ مجھے بہت سے مفہوم دھندلانے سے قبل ہم واضح کرنے ہیں۔ بہت سی باتوں کی خوشبو کو تمہاری سانسوں سے چننا ہے، بہت کچھ کہنا ہے، بہت کچھ ہے۔ جو وقت کو گنوا دیتے ہیں، میری دانست میں وہ عقل مند نہیں ہوتے۔ اور مجھے ان لمحوں کو اپنی گرفت میں بھرنا ہے۔" اس کی زلفوں پر اپنی گرم پُرتپش سانسوں کی حدت منتقل کرتے ہوئے وہ اس گمبھیر لہجے میں کہہ رہا تھا اور میرب سیال کی حالت ان نوازشوں پر ایسی تھی کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔

"مجھے یہ کہنے دو ہنی! کہ زندگی تمہارے ساتھ کچھ اور بھی دلکش ہو جاتی ہے۔ یہ لمحے تمہارے حسن سے بہت سے رنگ چرا کر اپنے ساتھ باندھ لیتے ہیں اور مزید دلفریب ہو جاتے ہیں۔ تم اتنے بہت سے

اپنے سنگ رکھتی ہو کہ میں حیران سا ہو جاتا ہوں۔ جب بھی تمہیں دیکھتا ہوں تم مجھے نئی سی لگتی ہو۔" ہم سرگوشیاں کتنی بہت سی حدتیں اس کے اندر بھر رہی تھیں۔ کتنے نئے احساس جگا رہی تھیں۔ وہ آنکھیں میچے کھڑی تھی۔ جب سامنے دیوار پر لگے کلاک نے الارم بجایا تھا اور سردار سبکتگین حیدر نے بہت آہستگی سے اس کا رخ اپنی طرف پھیرا تھا۔

پانچ، چھ، ڈیڑھ ... لو یو ہنی! ـــــ مینی مینی ہیپی ریٹرنز آف دی ڈے۔" دھڑکنوں کا شور اتنا بڑھا تھا کہ ... سے چھلنے لگے تھے۔ اپنی تمام تر بے بسی کو محسوس کرنے کے باوجود وہ اس لمحے حیران تھی۔ سردار حیدر لغاری کو اس کی زندگی کے وہ خاص ترین لمحے کیسے یاد رہے تھے؟ ـــــ کیسے علم ہوا تھا ... نے تو اسے کبھی مطلع نہیں کیا تھا۔

نہیں چاہتا تھا ہنی! تمہاری زندگی کے ان لمحوں کو تم میرے ساتھ ـــــ صرف میرے ساتھ بسر ... ان لمحوں کی ساری دلکشی کو میں تمہارے چہرے پر دیکھوں، تمہیں سنوں، محسوس کروں۔ صرف میں ... میں تمہارے قریب ہوں اور تمہارے سارے رنگ اور ساری دلکشی صرف میرے لئے ہو۔ میرے ... نہ کوئی دیکھے، نہ سنے۔ بس تم ہو، میں ہوں اور محبت۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری کا لہجہ دھیما تھا۔ ... لہجے میں موجود حدتوں اور شدتوں کو مکمل طور پر محسوس کر رہی تھی۔ اس کے اندر جیسے ایک ہلچل سی ...

... ان دی ایئر ہنی! اینڈ آئی کین ہیئر دی وائس آف لو۔ کیا تمہیں کچھ سنائی نہیں دے رہا؟" بغور ... آنکھوں میں دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا اور میرب سیال نے اس لمحے خود کو بے حد بے بس محسوس ...

... عجب حال تھا۔ کتنی قیامتوں کے زیر تھا سب کچھ۔ وجود کے تمام علاقوں میں ایک ہلچل سی تھی۔ ... تجربات سے روشناس کرا رہی تھی اسے وہ نگاہِ خاص ـــــ کتنے نئے زاویوں سے سوچنا سکھا ... مگر اس کے لئے اس طرزِ عمل کو جھیلنا آسان نہ تھا۔ کجا کہ اس کو سمجھنا یا اس سے اخذ کرنا۔ وہ اس ... شخص کے سامنے دم سادھے کھڑی تھی۔

... قربتوں کے ان موسموں کی پذیرائی کے لئے دل کے در وا کرنا بہت ضروری ہو جاتا ہے میرب ... سارے لمحے، یہ منظر، یہ تمہارے میرے درمیان حائل خاموشیاں، سنو تو کیا کچھ نہیں کہتے۔" ... حیدر لغاری کے لبوں پر بہت دھیمی مسکراہٹ تھی۔

... نہیں لگتا کہ ان قربتوں کے موسموں کی کہانیوں کو تمہیں سمجھانے کی اس درجہ ضرورت ہے۔ تمہیں کیا ... سارے معنی اس قدر دقیق ہیں کہ پذیرائی کوئی راہ نہ پا سکے؟ یا پھر نوازشوں کی مزید کوئی ... باقی ہے؟" اس کے مدھم لہجے میں کتنے سوال سنگ رہے تھے کہ وہ ان کی تپش صاف محسوس کر ...

... قربتوں کی بات ہی الگ ہے ہم ایک طرف اظہار رکھتے ہیں۔ خواہشیں بھی تو لامحدود ہوتی ہیں۔ آسمان ... باتیں صحیفوں کی طرح اس طرح اترتی ہیں کہ دل ایمان لائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ پھر ایسے میں کس

یقین کی بات کی جائے؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لبوں پر مسکراہٹ تھی اور میرب سیال میں اس کی طرف دیکھتے رہنے کی ہمت ناپید تھی۔ دل میں انتشار تھا اور سانسوں میں زیر و بم۔ وہ ان لمحوں کی طوالت پر کوئی احتجاج نہیں کر سکتی تھی، نہ ہی انہیں سمیٹ کر راہ فرار اختیار کر سکتی تھی۔ اس سامنے کھڑے شخص کے چہرے پر، آنکھوں میں فتح مندی کی عجب سرشاری تھی۔ اور میرب سیال اپنی بے بسی خوب جانتی تھی۔

"اتنی بندشوں کا پابند خود کو کرنا بہت فضول لگتا ہے ہنی! کھل کر سانس لینے سے جو تر و تازگی اندر سرایت کرتی ہے اس کی لذت ناقابل بیان ہے۔ جب اتنے حقائق سامنے ہوں تو اپنے اندر سے گھٹن زدہ ایک بوسیدہ ماحول کو نکال دینا ہی بہتر ہوتا ہے۔ کبھی کبھی خود سے، اپنے آپ سے انحراف کر کے، اپنے اندر کی دبی دبی آواز کو بھی سن لینا چاہیے۔ دیکھنا تو چاہیے کہ دل کیا کہتا ہے۔ بلاوجہ کے واہموں میں خود کو الجھا لینا کہاں کی عقل مندی ہے۔" اس کے ملائم ہاتھ کو اپنے مضبوط ہاتھ میں لے کر ایک خاص انداز سے دیکھتے ہوئے وہ مسکرا رہا تھا۔

"مانا اندیشوں کی فکر بھی کرنا چاہیے۔ مگر ہر وقت یہ سلسلہ جاری رہے، کوئی اتنا ضروری بھی نہیں۔ کبھی کبھی عقل و خرد کو دل کی سمت آنے والی راہوں پر آنے سے روک دینا بہت ضروری ہو جاتا ہے۔ اور کبھی یہ اقدام خاص انجام دینے سے قطعاً بھی دیر نہیں کرنی چاہیے۔ کیونکہ دل کے وصف جتنے نرالے ہیں بہرحال اتنے دل پذیر بھی ہیں۔ اور زندگی کو بہتر طور لطافتوں کی ضرورت ہرگز، باقی رہتی ہے۔ کیا حرج ہے اگر کبھی دل کو صرف دل کے اختیار میں دے دیا جائے اور مکمل اختیارات سونپ کر اسے آزاد چھوڑ دیا جائے۔ اب یہ اتنا سرکش بھی نہیں کہ لوٹ کر واپس ہی نہ آئے۔ دل، دل ہی تو ہے۔ کچھ نرم، کچھ گرم بالکل اپنے پُر لطف احساسات کی طرح۔ کیا تمہیں لگتا ہے کہ کہانی کچھ اس سے الگ اور ہٹ کر ہے؟" کتنی بھرپور توجہ سے وہ اس کی آنکھوں میں براہ راست دیکھتے ہوئے دریافت کر رہا تھا اور میرب سیال کے پاس ان باتوں کا کوئی جواب نہ تھا۔ یہ نہیں تھا کہ وہ لاجواب ہو گئی تھی بلکہ وہ حیرتوں میں گنگ تھی اور لبوں پر چپ کے ہزار تالے پڑے تھے اور ایسے میں وہ بولتی بھی تو کیا؟

سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔ شاید اس پر کسی قدر ترس آ گیا تھا۔

"حسن واقعی کرشمہ ساز ہے ہنی! گرفت میں لینے والے سارے تیور اسے از بر ہوتے ہیں۔ مگر یہاں کچھ سمجھنے اور سمجھانے کی نہیں ہو رہی، نہ ہی جتانے کی۔ بات تو ہے دل سے دل کو منانے کی۔ اور یہ بے شک بے حد ضروری ہے۔ میرا نہیں خیال کہ تم اس حقیقت سے کوئی انحراف کرو گی یا کسی طرح کی الجھن بر تمہیں کوئی اتنا گیری گھیرے میں لے گی۔ کیونکہ یہ بات میں بھی جانتا ہوں اور تم کو بھی سمجھ لینا چاہیے کہ دلوں میں بننے والے سارے سلسلوں میں درحقیقت صرف محبت کو سفر کرنا چاہیے۔ صرف اور صرف محبت کو۔ باقی کسی بات کی گنجائش نہیں۔" انداز باور کراتا ہوا تھا۔ مگر میرب سیال نے اپنے سامنے کھڑے شخص کی سمت دیکھنے سے مکمل گریز کیا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ہاتھ بڑھا کر اپنے مضبوط ہاتھوں سے اس کے نازک شانوں کو تھاما تھا۔ میرب سیال کے نازک وجود میں ایک سنسنی سی دوڑ گئی تھی۔ کسی ممکنہ خطرے کو بھانپ کر وہ آنکھیں میچ گئی

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس چہرے کو بغور دیکھا تھا پھر اس وجود کو اپنے بازو کے حصار میں لے کر ہوئے جہازی سائز کے بیڈ کی طرف بڑھنے لگا تھا۔ میرب سیال کے لئے یہ سارے لمحے قیامت خیز دھڑکنوں کے زیر و بم سے کانوں کے پردے پھٹے جا رہے تھے۔ قدم من من بھر کے لگ رہے تھے۔ اس کے لئے آگے بڑھنا دشوار ترین تھا۔ مگر کوئی مزاحمت اس تنے لئے محال تھی۔ سردار سبکتگین حیدر کے قدم مطلوبہ مقام پر پہنچنے کے بعد تھمے تھے۔ بہت آہستگی سے اسے بیڈ پر بٹھایا تھا۔ میرب سیال نے انھال جیسے ناچار سرانجام دے رہی تھی۔ دم سادھے اس کی سمت دیکھنے سے مکمل طور پر گریزاں سردار سبکتگین حیدر لغاری نے مکمل اختیار سے اسے لٹا کر اس پر کمبل ڈالتے ہوئے اسے دیکھا تھا اور پایا تھا۔

آج کی شب کی صبح کیسی ہو گی، اس کی خبر نہیں۔ مگر آج کے دن کے سارے خواب تمام ہوئے۔ تا ہے کہ جس طور بسر کرنے کی خواہش تھی، اس طور یہ دن بسر ہوا۔ گڈ نائٹ، اب تم سو جاؤ۔ صبح کیا ہو گا اس کا فیصلہ غالباً صبح پر ہی چھوڑ دینا کافی ہو گا۔" مسکراتے لبوں پر ایک ملائمت تھی۔ نظروں میں عزت، مگر ایک پُر تعظیم انداز، جیسے اس کی پرواہ رکھتی ہوں۔

"گڈ نائٹ ——!"

بہت آہستگی سے دیکھتے ہی دیکھتے وہ اس کی پیشانی پر ایک مہر خاص ثبت کرتا ہوا اٹھا تھا اور پلٹ کر کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔ اور میرب سیال اس سرد موسم میں جل اٹھنے والے الاؤ میں گھری، نرم بستر پر کافی دیر تک اس لہجے کی تپش میں جلتی رہی تھی۔ نگاہیں کتنی حیرت سے اس بند دروازے کو تکتی رہی تھیں جسے ابھی تھوڑی دیر قبل سردار سبکتگین حیدر لغاری بند کر گیا تھا۔ مگر اس ایک دروازے کو بند کرنے سے جو خیالات کے کتنے در وا ہو جانے میں وا کر گیا تھا یا پھر وابستگی کے سارے اقدامات تھے۔

انابیہ شاہ کے اندر جھکڑ سے چل رہے تھے۔
اُسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ ایک قیامت کا لمحہ آ کر گزر گیا ہے۔ مگر ایسا ہو چکا تھا اور فرد و عقل و جہاں تا ازبر تھی۔ مگر اسے جھیلنا پھر بھی دشوار زین تھا۔ کئی لمحے بیت چکے تھے اس بات کو مگر اس کا وجود اب تک کانپ رہا تھا۔ اس لہجے کی بازگشت وہ اپنے اردگرد محسوس کر رہی تھی۔
"ان آنکھوں نے ——— انابیہ شاہ! تمہاری ان آنکھوں کا پہرہ میرے دل پر تب سے ہے جب تم پہلی بار مجھے دکھائی دی تھیں۔ تمہاری شباہتوں کا ڈیرہ تب سے میرے اندر ہے میرے لہو میں، میری رگ رگ میں دوڑ رہا ہے جب سے تم نے ایک بے خبر سی نظر مجھ پر کی تھی۔ ایک سرسری سی نگاہ۔ مگر وہ میرے اندر قیامتیں برپا کرنے کو کافی تھی۔ پہلی بار میں نے خود کو بے حد بے بس پایا۔ انابیہ شاہ! شاید میں تمہیں کبھی نہیں سمجھا سکوں گا۔" اس لہجے میں کتنی شدتیں تھیں۔ اپنے اردگرد گونجتی اس بازگشت میں اسے ایک الاؤ سا جلتا محسوس ہو رہا تھا اور اس الاؤ میں اس کا سارا وجود جل رہا تھا۔
ناممکن تو نہ تھا سب کچھ۔
اسرار اور بھید تو اول روز سے محسوس ہو رہے تھے۔ مگر وہ اپنے طور پر بند باندھنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی مگر سراسر ناکام رہی تھی۔
عفنان علی خان کا جنون، اس کی محبت ایک بپھرا ہوا سمندر تھا جو اپنے اندر بہت سے تلاطم رکھتا تھا۔ جس کے اندر ہزار ہا طغیانیاں تھیں اور ہزار ہا طوفان۔
غلطی اس کی تھی شاید۔ وہ ممکنہ خطرات کو بھانپ کر بھی کوئی مناسب حکمت عملی وضع نہ کر سکی تھی۔
اپنی آنکھوں، اپنے چہرے کو آئینے میں دیکھتے ہوئے اس کا انداز کس قدر پُر وحشت تھا۔
"ان آنکھوں نے انابیہ شاہ! ——— تمہاری ان آنکھوں نے مجھے کہیں کا نہیں رکھا۔" کتنے دنوں کی باتوں میں اس طوفان کے شواہد ملتے تھے۔ پھر وہ کیسے نہ سمجھ سکی تھی؟ کیسے نہیں؟
"میں تمہارے لئے سب کچھ کر سکتا ہوں ——— ہر شے، جو ناممکن ہے، اسے بھی ممکن کر سکتا ہوں انابیہ! ایسا میں کر کے دکھاؤں گا۔ اور تم دیکھو گی انابیہ شاہ!" ایک بے حد پُرعزم لہجے کی بازگشت ان کے اندر تھی۔ اس نے قریب رکھا گلدان اٹھا کر اس آئینے پر دے مارا تھا جس میں اس کا عکس تھوڑی دیر تک جھلملاتا رہا تھا۔

❋❋❋

اذہان حسن بخاری نے وعدہ تو کر لیا تھا مگر وہ اس پر عمل درآمد نہیں کر سکا تھا۔ اور ساحبہ خان اس کے

ہزار کا بھید پا گئی تھی اسی لئے دوسرے دن وہ اس کے سامنے تھی۔
"وجہ تو نہیں جانتی مگر مجھے لگ رہا ہے اذہان! جیسے تم مجھ سے دانستہ بھاگنا چاہ رہے ہو۔ مجھے بتاؤ، ایسا ہوا ہے؟" ساحبہ خان کی آنکھوں میں اُلجھن نظر آ رہی تھی۔ مگر اذہان حسن بخاری نے بہت سرسری انداز میں ہلاتے ہوئے کہا تھا۔
"ایسا کچھ نہیں ہے۔ تم غلط سمجھ رہی ہو۔ کیا بات کرنے والے تھے ہم؟ ——— کچھ ورک آؤٹ کیا تم نے پروجیکٹ کو لے کر؟" اذہان حسن بخاری کا لہجہ کسی قدر بے تاثر تھا اور ساحبہ کی نگاہوں میں بے یقینی آ گئی۔
"اذہان! یہ کیا ہو رہا ہے؟ ——— یہ تم مجھ سے کس لہجے میں بات کرنے لگے ہو؟ ایسے اجنبی تو نہ تھے ہم؟"
اذہان حسن بخاری کے لبوں پر بہت بے جان مسکراہٹ اُبھری تھی۔
"ساحبہ خان! تمہیں عادت ہو چلی ہے بلاوجہ شک کرنے کی۔ ایک بات طے ہے، تمہارے بوائے فرینڈ کی بڑی گزرنے والی ہے۔ تم تو ناک میں دم کر دو گی اس کا۔" تجزیہ کمال کا تھا۔ مگر ساحبہ خان قطعاً محظوظ نہ ہوئی تھی۔
"ایسی رسمی اور مروت سے لبریز باتوں کی جگہ تو ہمارے درمیان پہلے نہیں تھی۔ کہیں تم ...... اوہ، ہاں تو تم اسی بات کو لے کر اب تک اتنے ڈپریسڈ ہو۔ لیکن کہا تو تھا وہ سب مذاق تھا۔ نانا انکل کی ایڈوائز میرے لئے اہم ہے۔ مگر جب میں تم پر بھروسہ کر رہی ہوں تو مجھے اس بات کا یقین ہے کہ یہ غلط ہرگز نہیں ہے۔ لیکن اذہان حسن بخاری! تم ایسے کیسے ہو سکتے ہو؟ اور وہ بھی میرے ساتھ؟" ساحبہ خان کا لہجہ ہی نہیں، نگاہ بھی بے یقینی سے پُر تھی۔ مگر اذہان حسن بخاری چہرے کا رخ پھیر گیا تھا۔ کوئی وضاحت نہیں دی تھی۔ ساحبہ خان نے خاموشی سے دیکھا تھا پھر پلٹ کر آگے بڑھنے لگی تھی۔ اور اسی لمحے اذہان حسن بخاری نے بڑھ کر اس کے نازک سے ہاتھ کو اپنے ہاتھ کی گرفت میں لے لیا تھا۔ ساحبہ خان نے اس کی طرف مڑ کر نہیں دیکھا تھا۔
"اذہان! پلیز، اب کوئی وضاحت دینے کی کوشش مت کرنا۔ میرے لئے ٹولریٹ کرنا آسان نہیں ہو گا۔" عجیب لہجے میں کہا تھا مگر اذہان حسن بخاری نے اس کے ہاتھ کو چھوڑے بغیر اس کی طرف دیکھا تھا۔
"نہیں ساحبہ! میں کسی قسم کی کوئی وضاحت دینے کی کوشش نہیں کر رہا۔ ایسا کروں گا بھی تو شاید یہ بہت فضول لگے گا۔ میں تمہیں کسی طرح کی زک نہیں پہنچانا چاہتا۔ اگر تمہیں میری کوئی بات بری لگی ہو تو معاف کر دینا۔ تم بیٹھو۔" اس کا ہاتھ بہت آہستگی سے چھوڑ دیا تھا۔ ساحبہ خان نے پلٹ کر اذہان حسن بخاری کی سمت دیکھا تھا، پھر مسکرا دی تھی۔
"اذہان حسن بخاری! مجھے لگتا ہے اگر میں یہاں رکوں گی تو تمہاری الجھنوں میں مزید اضافہ کروں گی۔ جانے مجھے کیوں لگ رہا ہے کہ تمہیں جو بھی مشکل درپیش ہے، اس میں کہیں نہ کہیں میرا کوئی حصہ ضرور ہے۔"
ساحبہ خان کا انداز پُراعتماد تھا اور اذہان حسن بخاری نگاہ پھیر گیا تھا۔
"ایسی کیا بات ہے اذہان حسن بخاری! جو تم مجھ سے نگاہ نہیں ملا پا رہے ہو؟"

مگر اذہان حسن بخاری نے اس کی طرف تب بھی نگاہ نہیں کی تھی۔

"اوہ—— مائے گاڈ۔ اذہان! تمہاری چپ مجھے کیوں کسی بات کی صاف چغلی کھاتی لگ رہی ہے۔ ٹھیک ہے، تم مجھے نہیں بتانا چاہتے تو نہ سہی۔ مگر سنو، اگر تمہاری اس چپ کے باعث نہیں، کسی جگہ میری ذات کو کوئی زک پہنچی تو اس کے لئے میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔"

وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اذہان حسن بخاری نے خاموشی سے اسے دیکھا تھا۔

"تمہیں اگر مجھ سے کچھ کہنا ہو تو مجھ سے رابطہ کر لینا۔ اب میں یہاں بالکل نہیں آؤں گی۔" خفا خفا انداز سے نہہ کر وہ وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی اور اذہان حسن بخاری کے پاس ماسوائے اسے خاموشی سے جاتے ہوئے دیکھتے رہنے کے اور کوئی راستہ نہ تھا۔

❋❋❋

بہت عرصے بعد وہ جیسے پر سکون نیند سویا تھا۔ صبح کا سورج بیدار ہو کر اس کی کھڑکیوں پر اپنی دستک دے چکا تھا مگر آج عفنان علی خان کا اٹھنے کا کوئی موڈ نہ تھا۔ شاید وہ اور کچھ دیر اسی طرح پڑا رہتا لیکن فون کی مسلسل ہونے والی بیل نے اسے کسی قدر ڈسٹرب کر دیا تھا۔ کسی قدر اکتائے ہوئے انداز میں اس نے کال ریسیو کی تھی۔

"ہیلو۔" لہجہ نیند کی خماری سے بھرا تھا اور آنکھیں بدستور مندی ہوئی تھیں۔

"ہیلو—— عفنان! لامعہ حق از ہیئر—— ویئر آر یو؟—— اور یہ تم نے اپنا سیل کیوں آف کر رکھا ہے؟"

"اوہ—— تھانیدار جی آپ——" عفنان علی خان کی آنکھیں کھل گئی تھیں۔ "کیا خیال ہے آپ کا—— بندہ اس وقت کہاں ہو سکتا ہے؟" لہجہ کسی قدر رتپا ہوا تھا مگر لامعہ حق بنا پرواہ کئے بولی تھی۔

"جاگے نہیں ہو کیا اب تک؟"

"جاگ چکا ہوں—— تم شام میں کیا کر رہی ہو؟"

"کیوں—— تمہارا پروگرام مجھے ڈیٹ پر لے جانے کا ہے؟" لامعہ حق نے دوسری طرف چھیڑا تھا مگر وہ قطعاً محظوظ نہیں ہوا تھا۔

"تم شام میں مجھے ٹنگھر یلا میں ملو۔" حکم دیا تھا۔

دوسری طرف لامعہ حق مسکرا دی تھی۔

"خیریت؟—— یہ آج اس قدر مہربانی کس لئے؟"

"تم ملو—— خود جان جاؤ گی۔"

"وہ تو ٹھیک ہے۔ مگر میں نے فون تمہیں اس لئے کیا تھا، وہ پاپا کی کوئی اہم ترین فائل تمہارے پاس ہے۔ پلیز تم وہ ان تک ضرور پہنچا دینا۔ اور ٹھینکس فور انوائٹنگ می۔ میں شام میں ٹنگھر یلا پہنچ جاؤں گی مگر دیکھو آج پھر تم کوئی بہانہ کر کے منع مت کر دینا۔ تمہارا کوئی اعتبار بھی نہیں ہے۔"

"یقین رکھو—— آج کا شیڈول قطعاً بھی تبدیل نہیں ہوگا۔" عفنان علی خان کا لہجہ یقین دلانے والا تھا۔

دوسری طرف لامعہ حق نے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔ وہ آج عرصہ دراز بعد بہت مسرور سا اٹھا تھا۔ جیسے کوئی بوجھ ہوتے ہوئے سرک رہا تھا۔ وہ پر سکون لگ رہا تھا۔ لبوں پر ایک دھیمی سی مسکراہٹ تھی۔ وہ بہت مگن سا سیٹی پر کوئی شوخ سی دھن بجا رہا تھا۔ وہ باتھ لے کر نکلا تھا جب سردار سبکتگین حیدر لغاری کا فون آ گیا تھا۔ اسکرین پر اس کا نام دیکھ کر عفنان علی مسکرایا تھا۔ پھر کال ریسیو کر کے سیل کان سے قریب کر لیا تھا۔

"تو آخر کار آپ کو یاد آ گئی ہماری۔ ہمیں تو آپ کا انتظار تھا۔ آپ نہ آئے...... سو یہ کال بھی غنیمت لگی۔" عفنان علی خان نے شکوہ کیا تھا۔

دوسری طرف سردار سبکتگین حیدر لغاری ہنس دیا تھا۔ "مصروفیت اچانک بڑھ گئی تھی۔ ورنہ تم جانتے ہو، سبکتگین حیدر لغاری وعدے کا کس قدر پابند ہے۔"

"میں تو سمجھ رہا تھا شریک سفر کی محبت نے لمحوں کو طوالت پر مجبور کر دیا ہے۔" ایک لطیف سا مذاق کیا جواباً سردار سبکتگین حیدر لغاری کا قہقہہ بہت جاندار تھا۔

"ہاں، وہ بھی ہے...... مگر کام زیادہ اہم ہے۔"

"شریک سفر کو خوش رکھنا اور اسے وقت دینا بھی تو ایک اہم ترین فریضہ ہے۔ اب تو بھابی کو دیکھنے کا اشتیاق دو چند ہو گیا ہے۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی زندگی میں انقلاب برپا کرنے والی لڑکی معمولی ہرگز نہیں ہوگی۔" مسکراتے ہوئے انکشاف کیا تھا۔

"ٹھیک کہہ رہے ہو—— دیکھو اب بھی میں شکا گو میں ان محترمہ کا برتھ ڈے سیلیبریٹ کرنے میں لگا ہوں۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرایا تھا۔

"سب کام کاج چھوڑ کر؟" عفنان علی خان کو شدید ترین حیرت ہوئی تھی۔

"غالباً۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری کا جواب قریباً مثبت تھا۔

"گریٹ——" عفنان علی خان متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ "تو آخر کار جگہ جگہ وفادار بالے بالا سردار سبکتگین حیدر لغاری ایک جگہ ٹھہر ہی گیا۔ کیا میں ان عظیم خاتون سے بات کر سکتا ہوں جنہوں نے اتنا بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے؟" عفنان علی خان نے خواہش ظاہر کی تھی اور سردار سبکتگین حیدر لغاری ہنستا گیا تھا۔

"ویل سیڈ۔ میں اس وقت باہر ہوں، وہ ہوٹل میں ہے۔ آج بھی تمہاری بات اس سے نہیں ہو سکتی۔ ہماری بنا کہاں تک پہنچی؟ کنارے لگ گئی یا اب تک بیچ منجدھار میں ہی پھنسی ہوئی ہے؟"

"یہ محبت کی ناؤ ہے میرے بھائی! اتنی آسانی سے پار نہیں لگتی۔ ہزاروں طوفانوں کا مقابلہ مردانہ وار کرتا ہے تب بھی یہ ناؤ ڈولتی ہی رہتی ہے۔" عفنان علی خان نے دردناک لہجے میں کہا تھا اور سبکتگین حیدر لغاری ہنس دیا تھا۔

"اور کس نے کہا تھا محبت کرو؟"

عفنان علی خان کا قہقہہ بہت فطری تھا۔

''کسی نے بتایا ہی نہیں تھا میرے دوست! کہ یہ اتنا جان جوکھوں کا کام ہے۔ اب سر پہ پڑا ہے تو جھیلنا آ ہی جائے گا۔''

''اور نتیجہ کیا رہا؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے دریافت کیا تھا۔

''نتیجہ تو معلوم نہیں۔ مگر کوششیں سنا ہے کامیاب ہو جاتی ہیں۔''

''تو تم کوششیں کر رہے ہو۔ گڈ، میں تمہاری کامیابی کے لئے دعا کروں گا۔''

''بھابی کا اسی طرح خیال رکھنا۔'' عفنان علی خان مسکرایا تھا۔

''تم سے تو بے فائدہ ہے ——— ہاں، بھابی سے بات کرنا واقعی سود مند ہو گا۔ فارغ ہو جاؤ تو ان سے بات ضرور کرانا۔ مجھے یقین ہے بہت سی گر کی باتیں ہاتھ لگیں گی۔'' انداز چھیڑنے والا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری ہنس دیا تھا۔

❊❊❊

بہت بے دلی کے ساتھ گاڑی پورچ کرنے کے بعد وہ اندر داخل ہوا تھا۔ انداز بے حد تھکن لئے ہوئے تھا۔ کوٹ اتار کر بائیں کلائی پر دھرا تھا، دائیں ہاتھ سے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے قدم اپنے کمرے کی طرف بڑھا رہا تھا جب فارحہ کی آواز نے اُسے چونکا دیا تھا۔

''آج آنے میں تم نے اتنی دیر کر دی؟'' فارحہ زینے کے آخر پر کھڑی تھیں۔ اذہان حسن بخاری نے مڑ کر دیکھا تھا، سامنے ماں موجود تھی۔ مگر اس استفسار پر وہ کسی قسم کی کرٹسی کا مظاہرہ نہیں کر سکا تھا۔

''کام کچھ زیادہ تھا آج۔'' بولا تھا تو انداز بہت سرد تھا۔

''تھک گئے ہو؟'' بغور دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ اذہان حسن بخاری نے کچھ کہے بغیر سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''اتنے تھک گئے ہو کہ کھانا کھائے بغیر اپنے کمرے میں جا رہے ہو؟'' فارحہ کے لہجے میں تشویش تھی۔

''وہ...... میں نے کھا لیا تھا۔'' الجھن اس کی آنکھوں میں ہی نہیں، اس کے لہجے اور آواز میں بھی صاف جھلک رہی تھی۔ ''آپ...... آپ نے کھانا کھایا؟''

''اس گھر کا ایک اصول رہا ہے اذہان! ——— جب تک سارے افراد اکٹھے نہ ہو جائیں، کھانا نہیں کھایا جاتا۔'' فارحہ کا لہجہ سپاٹ تھا جیسے وہ اس سکوت میں چھپے بھید کے معنی سمجھنا چاہ رہی تھیں۔

اذہان حسن بخاری شرمندہ سا دوبارہ اتر آیا تھا اور چلتا ہوا فارحہ کے سامنے آن رکا تھا۔

''ممی! آپ......''

''اذہان!'' اذہان نے بولنا چاہا تھا مگر فارحہ نے ہاتھ اٹھا کر اسے کچھ بھی کہنے سے روک دیا تھا اور اسے پر شکوہ نظروں سے دیکھتی ہوئی بولی تھیں۔

''مجھے تمہارے رویے میں کوئی بڑی تبدیلی نظر آ رہی ہے اذہان! میں نے یہ گھر بہت مشکل سے بنایا تھا اور مجھے خود پہ بہت فخر محسوس ہوتا تھا کہ میں نے اینٹ اینٹ جوڑ کر محبت کی ایک عمارت تعمیر کی ہے۔ اس عمارت کے بانیوں میں محبت کا بسیرا میرے ان ہاتھوں سے ہوا تھا۔ یہ گھر میری زندگی بھر کی کمائی تھا

اس کی بنیاد کیا ہلی سب کچھ تہس نہس ہو گیا۔ آج اس گھر کی اینٹ اینٹ گرتی ہوئی دیکھ رہی ہوں اور مجھے دکھ ہو رہا ہے۔'' آواز میں ایک کرب تھا اور اذہان حسن بخاری اس لمحے شرمندہ ہو گیا تھا۔ ماں کے گرد بازو پھیلایا تھا اور لے کر چلتا ہوا صوفے کی سمت آ گیا تھا۔

''ممی! آئی ایم سوری۔ میرا مقصد آپ کو ہرٹ کرنا قطعاً نہ تھا۔ دراصل...... میں واقعی تھک گیا تھا......'' وہ بولا تھا جب فارحہ نے تیزی سے اس کا جملہ کاٹا تھا۔

''تھک تو میں بھی گئی ہوں اذہان! مگر میں کس سے کہوں، بتاؤ کس سے؟'' ان کا لہجہ قدرے اُداس تھا۔ اذہان جواباً کچھ نہیں بولا تھا۔ فارحہ کی آنکھوں میں نمی بھر آئی تھی۔ چہرے کا رخ پھیرتے ہوئے ان کا لہجہ شکست خوردہ تھا۔

''تھک تو میں بھی گئی ہوں...... بولو...... میں کیا کروں؟...... کہاں جاؤں؟...... میرے لئے تو کوئی جائے پناہ بھی نہیں ہے۔ کوئی دوسری راہ بھی نہیں ہے۔ میں کتنی بے بس ہوں۔ کتنی شکست خوردہ اور تنہا ہوں...... کسے بتاؤں میں، کسے کہوں کہ میں ہار گئی ہوں؟''

مدھم لہجے میں ایک کرب تھا۔ کتنے ہی آنسو، آنکھوں سے ٹوٹ کر بکھرتے چلے گئے تھے۔ اذہان حسن بخاری نے ماں کی طرف دیکھا تھا پھر ہاتھ بڑھا کر ان کی آنکھیں اپنے ہاتھوں سے پونچھتے ہوئے مدھم لہجے میں بولا تھا۔

''پلیز ممی! میرا مقصد آپ کو تنہا کرنا نہیں تھا۔ نہ ہی میں آپ کو ناخوش کر سکتا ہوں۔ میں آپ سے اجنبی نہیں ہو سکتا۔ کچھ بھی ممکن نہیں ہے میرے لئے۔''

فارحہ نے بیٹے کو دیکھا تھا۔

''تو پھر مجھ سے بھاگ کیوں رہے ہو؟ ——— اس گھر سے ——— اس گھر کے لوگوں سے؟ کیا میں نہیں جانتی تجھے؟ ——— تُو کیوں وہ بات مجھے نہیں بتا رہا جو تجھے کاٹ رہی ہے؟ ——— ایسا کیا ہے جو تجھے بے چین کر رہا ہے؟ ہمارے درمیان اس روز رشتے کی بات ہوئی تھی نا، تو ٹھیک ہے۔ تمہیں پسند نہیں تو نہ سہی، ہم دوبارہ اس پہ کبھی بات نہیں کریں گے۔ مگر تُو...... تُو خود پر کوئی جبر نہ کر...... خود کو کوئی سزا نہ دے۔'' فارحہ کا لہجہ لجاجت لئے ہوئے تھا اور اس لمحے اذہان حسن بخاری نے ایک لمحے میں فیصلہ کیا تھا۔

''نہیں ممی! ——— ایسا کچھ نہیں ہو گا۔ آپ چاہتی ہیں نا، ساہیہ سے میرا تعلق جڑے ——— تو ٹھیک ہے، آپ ایسا کر سکتی ہیں۔ مگر پلیز، آئندہ کبھی ان آنسوؤں کو ان آنکھوں سے بہنے مت دیجئے گا۔ آپ کے بیٹے کے لئے آپ کے احساسات، جذبات بہت معنی رکھتے ہیں۔'' لہجے میں ٹھہراؤ تھا۔ فارحہ کسی قدر حیرت سے بیٹے کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

''اذہان! مجھے بتاؤ، پرابلم کیا ہے؟ تم کیوں مجھ سے بات کرنے میں پس و پیش سے کام لے رہے ہو؟ تمہاری ماں ہوں میں۔ کیا اپنے دل کی بات تم مجھ سے بھی نہیں کہہ سکتے؟ ——— ساہیہ خان میرے خیال سے تمہارے لئے سب سے بہتر لڑکی تھی، تمہارے لئے وہ ایک بہترین شریک سفر ہو سکتی تھی۔ مگر ایسا صرف میں نے سوچا یا پھر تمہارے پاپا نے۔ تم چاہو تو اس سوچ کو، اس پسند کو رد بھی کر سکتے ہو۔ مگر اس طرح نہیں

ازہان!۔۔۔۔۔ مجھ سے تمہارا یہ اُلجھن سے بھرا رویہ برداشت نہیں ہو رہا۔ تم اگر سامیہ سے صرف اس لیے ہاتھ کھینچنا چاہتے ہو، صرف اور صرف اس لئے دور بھاگنا چاہتے ہو کہ سامیہ خان تمہارے پاپا کی بھی پسند ہے تو یہ جواز بہت بچگانہ ہے ازہان!۔۔۔۔۔ صرف اس جواز کو لے کر تمہیں اپنی زندگی بگاڑنے کا حق میں کبھی نہ دوں گی۔ اور رہی بات یہ کہ تم اس فیصلے سے اس لئے ناخوش ہو کہ اسے تمہارے پاپا نے تمہارے لئے پسند کیا اور تم انہا سے نفرت کی حد متعین کرتے ہوئے کسی شدت پسندی کا ثبوت دینا چاہتے ہو تو یہ بھی میرے نزدیک ناقابل قبول ہوگا۔ کیونکہ ازہان! تم میرے بیٹے ہو۔ مگر اپنے ہزبینڈ سے نفرت کی اجازت میں تمہیں قطعی نہیں دوں گی، نہ ہی مخالفت کرنے کی۔ ان کے اور میرے درمیان کیا ہوتا ہے؟ کیوں ہوتا ہے؟ یہ تمہارا سر درد نہیں۔ تم اپنے معاملات میں اس رشتے کی کسی کڑواہٹ کو لانے کی کوشش مت کرو۔ اپنی زندگی کو اپنی سوچ اور عقل سے اور نقصان کے تعین کے ساتھ پرکھنا سیکھو۔ اگر سامیہ تمہیں پسند ہے اور تم اسے صرف اس لیے کھونا چاہتے ہو کہ وہ تمہارے پاپا کی پسند کردہ لڑکی ہے تو یہ سراسر غلط ہوگا۔ اور اگر کوئی اور وجہ بھی ہے تو میں چاہوں گی تم اسے دل میں رکھنے کی بجائے کہہ دو۔ کیونکہ اُلجھنیں دل میں رکھنے سے اور بھی بڑھتی ہیں، گھٹتی نہیں۔'' فارحہ، بیٹے کی سمت جواب طلب نظروں سے دیکھ رہی تھیں مگر ازہان حسن بخاری کچھ بھی کہے بغیر چہرے کا رُخ پھیر گیا تھا۔

''ازہان! سامیہ خان اتنی اچھی اور پیاری ہے کہ کوئی بھی اسے ٹھکرا نہیں سکتا۔ تمہارے دل میں کیا ہے میں نہیں جانتی۔ مگر سامیہ جیسی لڑکی میرے بیٹے کی بہترین شریکِ سفر ہو سکتی ہے۔ ایسا میں سوچتی ہوں، اسے رد کرنے والا کوئی احمق ہی ہوگا۔''

ازہان حسن بخاری نے ماں کی طرف دیکھا تھا پھر مسکرا دیا تھا۔

''ممی! مجھے پسند پر کوئی اعتراض نہیں۔'' لبوں پر بہت دھیمی مسکراہٹ تھی۔ فارحہ نے بیٹے کو کسی قدر حیرت سے دیکھا تھا۔ ازہان حسن بخاری نے ماں کے ہاتھ کو ہاتھ میں لیا تھا اور ان کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

''آپ کو لگتا ہے، تو ٹھیک لگتا ہے ممی!'' اس نے عندیہ دیا تھا۔ فارحہ اسے اسی طرح دیکھ رہی تھی جب ازہان حسن بخاری نے اپنا سر فارحہ کے شانے پر دھر دیا تھا۔

''آپ سامیہ خان کو میری زندگی کا حصہ کر سکتی ہیں۔'' مدھم لہجے میں کہہ کر وہ یکدم اٹھا تھا اور چلتا ہوا سیڑھیاں پھلانگ گیا تھا۔

❄❄❄

عفنان علی خان، لامعہ حق کے سامنے بیٹھا تھا اور دونوں کے درمیان خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ دونوں ایک دوسرے سے نظریں پھیرے بیٹھے تھے۔ لامعہ حق کے چہرے پر ایک بے یقینی کی کیفیت تھی اور آنکھوں میں ایک انجانی سی ویرانی۔

عفنان علی خان نے اس کی طرف دیکھا تھا اور مدھم لہجے میں بولا تھا۔

''لامعہ حق! زندگی میں منافقت ہونا اچھا نہیں۔ جو دل میں ہو وہی افعال و اعمال میں بھی ہونا ضروری ہے۔ مجھے کہنے دو لامعہ حق! کہ دلوں کے درمیان فقط محبت کو رابطہ بن کر رہنا چاہیے، کسی سمجھوتے کو نہیں۔ دل

بہت نازک اور پُرپیچ ہوتے ہیں۔ ان پر محبت کی ناؤ تو چل سکتی ہے مگر کوئی سمجھوتہ ترین ہرگز نہیں۔ ایسی کوئی راہ دلوں میں نہیں پڑتی جس پر سمجھوتے اپنی راہ بناتے ہوں۔ دل سے دل تک صرف محبت کی ہے، کوئی سمجھوتہ نہیں۔ مصلحت کے تقاضے دوریاں تمہیں تو مان سکتی ہیں مگر وہ دل قطعاً نہیں۔ دل کی بات کی ٹیبل پر آ بھی جائیں تو بات فقط احساسات کی ہوتی ہے، محبت کی ہوتی ہے۔ محبت اپنے مفادات پر نہیں چلتی۔ مگر محبت سے کم پر قناعت بھی نہیں کر سکتی۔ محبت کی قناعت بھی صرف محبت ہے۔''

لامعہ حق نے اس کی سمت دیکھے بغیر اپنے ہاتھ کی تیسری انگلی سے بیش قیمت رنگ نکالی تھی اور ٹیبل پر اس کے سامنے رکھ دی تھی۔

''میں جانتی ہوں عفنان علی خان!۔۔۔۔۔ دلوں کے درمیان کوئی سمجھوتہ ترین نہیں چل سکتی، فقط محبت چلتی ہے۔ اور محبت، تمہارے میرے درمیان نہیں۔'' ایک بے جان سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر آ کر ٹوٹی۔ وہ عفنان علی خان کی طرف دیکھنے سے مکمل گریز کر رہی تھی جیسے وہ نہیں بتانا چاہتی تھی کہ وہ ضبط کے کن زاویوں سے گزر رہی ہے۔

''مجھے تمہاری فیئر اپروچ پسند آئی عفنان علی خان!۔۔۔۔۔ کم از کم تم میں سچ بولنے کی ہمت تو ہے۔ کچھ لوگوں میں تو وہ بھی نہیں ہوتی۔ ساری زندگی دل کے منافی گزار دیتے ہیں۔ عمر بھر منافقت کرتے رہتے ہیں اور انہیں احساسِ جرم تک نہیں ہوتا۔ تمہاری ہمت تو قابلِ داد ہے۔ کم از کم تم عام مردوں کی طرح نہیں ہو۔ ۔۔۔۔۔ شاید بھی مجھے تم اچھے لگتے ہو۔'' آنکھوں کے کناروں کی نمی کو انگلیوں کے پوروں سے پونچھتی ہوئی بتا رہی تھی۔ ''شکر ہے ہم نے ساری زندگی اس دھوکے میں نہیں گزاری۔ بہت سے لوگوں سے ہم پھر بھی بہتر ہیں۔ ہم نے سراب منظروں کو دیکھتے دیکھتے عمر نہیں گزاری۔''

عفنان علی خان نے خاموشی سے اسے دیکھا تھا۔ تسلی کا کوئی لفظ اس گھڑی اس کے لبوں پر نہ تھا۔ اس کی آنکھوں میں کوئی ملال نہ تھا۔ مگر لامعہ حق کے لئے یہ گھڑی کسی قدر ملال کی تھی۔

''عفنان علی خان! مجھے بہت ملال ہے۔ کیونکہ میں تم جیسے خالص شخص کو کھو رہی ہوں۔ کاش تمہاری محبت میرے لئے ہوتی۔۔۔۔۔ میری ہوتی۔'' اس کے لبوں پر مسکراہٹ تھی مگر اس کی آنکھوں کے کنارے نم تھے۔ ''ہے، اگر تم دلوں کے مابین سمجھوتے کر لیتے تو ہم دونوں جہنمی ہوتے۔'' وہ مسکرائی تھی۔ ''تم مجھے دیکھ کر ہنستے اور میں تمہیں دیکھ کر شکر۔ اور صابر اور شاکر دونوں جنتی ہیں۔'' وہ مسکرا رہی تھی۔ مگر عفنان علی خان کے لیے مسکرا نہیں سکا تھا۔ شاید اسے لامعہ حق کے دُکھ کا احساس تھا اور شاید اسی لئے اس نے اپنا مضبوط ہاتھ اس گھڑی اس کے نازک سے ہاتھ پر رکھ دیا تھا۔ مگر لامعہ حق اس کے کچھ کہنے سے قبل ہی سرخرو ہو گئی تھی۔

''کچھ مت کہنا پلیز۔ کچھ بھی مت کہنا۔ مجھے اس لڑکی سے یقیناً بہت جیلسی محسوس ہو گی۔ اس لئے کہ مجھے بتانا بھی نہیں کہ وہ کون ہے۔ کیونکہ میں جانتی ہوں وہ جو کوئی بھی ہے، یقیناً بہت لکی ہے۔'' لامعہ حق مسکراتے ہوئے جتا رہا تھا اور عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

''بُری تم بھی نہیں ہو لامعہ حق!''

"ہاں ــــــ مگر اس سے اچھی ہرگز نہیں۔" وہ جانے کیوں اس لمحے کو بہت لائٹ لینا چاہ رہی تھی کہ اس کے لبوں کی مسکراہٹ دیکھ کر عفنان علی خان چہرے کا رخ پھیر گیا تھا۔

"لامعرق! دل کے کھیل بہت عجیب ہیں۔ اس میں پیدل مات ہوتی ہے۔ مجھے اپنی جیت کا کوئی امکان نہیں ہے مگر میں یہ رسک لے رہا ہوں۔ کیونکہ محبت میرے ساتھ ہے اور مجھے دلاسہ دے رہی ہے کہ وہ دل اس دل کی ضرور سنے گا۔ وہ مجھے ملتی ہے یا نہیں، یہ میں نہیں جانتا۔ مگر وہ نہیں تو کوئی اور بھی نہیں۔ کبھی وہ مفاہمت والی زندگی کبھی نہیں گزاروں گا۔ وہ ہوگی تو اس کے ساتھ جیوں گا۔ وہ نہیں بھی ہوگی تو زندگی اس کے لیے ہوگی ــــــ شہ یا مات۔"

اس کا لہجہ مضبوط تھا۔ پُرعزم تھا۔ اور لامعرق مسکرا دی تھی۔

"ایک بات بتاؤ گے؟ ــــــ اس نے تمہارے اندر جگہ مجھ سے پہلے بنائی تھی یا میرے بعد؟" بظاہر لب مسکرا رہے تھے مگر ان آنکھوں میں اس لمحے ایک اُداسی تھی اور لہجے میں ایک حسرت۔

عفنان علی خان نے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔

"کیا فرق پڑتا ہے۔ مدت کتنی کثیر ہے یا کتنی قلیل، وہ میرے اندر ہے اور چلی جاتی ہے۔ میں لمحہ لمحہ سوچتا ہوں۔ وہ قدم قدم میرے ساتھ چلتی ہے، اہم صرف یہ ہے۔ کب سے ہے، یہ نہیں۔"

"تمہاری دیوانگی اس پر منکشف ہے؟" عجیب سوال تھا اور عفنان علی خان کے لبوں پر ایک پژمردہ مسکراہٹ نے دم توڑا تھا۔

"نہیں۔"

لامعرق نے اسے شدید ترین حیرت سے دیکھا تھا۔ تبھی وہ بولا تھا۔

"اصل مقصد یہ نہیں کہ وہ مجھے چاہتی ہے یا نہیں۔ میں اسے چاہتا ہوں، اصل بات یہ ہے۔ محبت کا جواب محبت سے آئے یہ ضروری نہیں۔"

لامعرق مسکرا دی تھی۔ لہجے میں حیرت بے حد نمایاں تھی۔

"اور تم یہ جو اس کے لیے کھیل رہے ہو؟" جانے کیا جتانا چاہا تھا اسے۔ شاید کسی اندیشے کی طرف توجہ مبذول کرانا چاہتی تھی وہ۔ مگر عفنان علی خان ایک عزم سے مسکرا دیا تھا۔

"ہاں ــــــ کیونکہ محبت کو شہ اور مات سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔" چہرے پر حد درجہ سکون تھا۔ جیسے اپنے فیصلے سے مطمئن تھا۔

"اگر وہ لڑکی میرے سامنے ہوتی تو شاید میں اسے قتل کر چکی ہوتی۔" لامعرق نے مسکراتے ہوئے انکشاف کیا تھا۔ وہ چونکا تھا۔

"حسد کی وجہ سے؟" وہ حیران ہوا تھا۔

لامعرق نے سر اثبات میں ہلایا تھا اور وہ مسکرا دیا تھا۔

"او مائے گاڈ ــــــ اتنی انتہا پسندی اچھی نہیں ہوتی۔ اس شدت پسندی کو کسی اور کے لیے سنبھال رکھو۔ کیونکہ زندگی میں کوئی ایک ایسا ضرور ہوتا ہے جس کے لیے ایک زندگی ناکافی لگتی ہے۔ اور مجھے یقین

ہے کوئی ایک تمہاری زندگی میں بھی ضرور آئے گا ــــــ کب؟ خدا ساری منا جانتا ہے۔"

لامعرق اس تسلی پر کچھ نہیں بولی تھی۔ ایک نظر اسے مسکرا کر دیکھا تھا، پھر اٹھی تھی اور چلتی ہوئی وہاں سے چلی گئی تھی۔

عفنان علی خان نے ایک نظر اسے جاتا دیکھا تھا اور پھر نظر ٹیبل پر دھری اس رنگ پر پڑی تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے اٹھا لیا تھا اور بہ غور دیکھنے لگا تھا۔

❊ ❊ ❊

اذہان حسن بخاری جانتا تھا، اس کی رضامندی کے بعد ممی دیر نہیں کریں گی۔ وہ پہلی فرصت میں پروپوزل لے کر ساحیہ خان کے گھر ہوں گی اور یقیناً ایسا ہی ہوا تھا۔

ساحیہ خان کا فون آیا تھا۔ خاصی جلی کٹی سنا رہی تھی مگر وہ مسکرا رہا تھا۔

"تمہاری ہمت کیسے ہوئی اذہان بخاری! یہ سب کرنے کی؟"

"کیا مطلب ہے تمہارا، ہمت کیسے ہوئی؟ ہمیں بتی دار بندے ہیں ــــــ ہر کام ڈنکے کی چوٹ پر کرتے ہیں۔" وہ مسکرا رہا تھا مگر آنکھوں میں ایک عجیب ویرانی کا تاثر تھا۔ اس کا لہجہ بھی اس بات کی چغلی کھا رہا تھا۔

"اذہان! شٹ اپ۔ تم جانتے ہو یہ سب جو ہو رہا ہے ٹھیک نہیں ہے۔" وہ عجیب کشمکش و پیچ میں تھی۔

"کیا ٹھیک نہیں ہے؟" اسے چھیڑنے کا قصد کیا تھا مگر وہ تڑپنے لگی تھی۔

"کیا ٹھیک نہیں ہے۔" باقاعدہ اس کی نقل اتاری گئی تھی۔ "اتنے ہی تو بچے ہو نا تم...... دیکھ نہیں رہے کتنے اہم کام سر انجام دینے جا رہی ہوں میں۔ بزنس اسٹارٹ کرنا بچوں کا کھیل تو نہیں ہوتا۔ اور تم......"

جھنجلاہٹ میں بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔

"بچوں کا کھیل نہیں ــــــ یہی بات تو تمہیں سمجھنا ہے ساحیہ خان! ایک پرفیکٹ بزنس ٹائیکون کی مدد کے لیے بزنس کرنا زیادہ آسان رہے گا۔ وہاٹ ڈو یو تھنک؟" مسکراتے ہوئے چھیڑا تھا اور وہ سٹپٹا کر رہ گئی تھی۔

"اذہان! آر یو میڈ؟ ــــــ واپس لو اپنا پرپوزل۔"

"سوری سویٹی! تم اپنے پیرنٹس سے خود بات کرو یا پھر خود ہمت ہے تو انکار کر دو۔" اذہان حسن بخاری مسکرایا تھا۔

"میں...... میں انکار کر دوں؟ دماغ تو خراب نہیں ہو گیا ہے تمہارا؟" وہ جل کر بولی تھی۔

اذہان حسن بخاری ہنس دیا تھا۔

"زبردستی کوئی نہیں ہے۔ میں تو خود ڈر سے تڑوا رہا ہوں، تم سے زیادہ مظلوم ہوں میں۔ تمہیں تو پھر بھی نا پسند ہوں۔ مگر اس طرف تو ایسے بھی کوئی شواہد نہیں دستیاب۔"

"پھر تو تمہارے لیے انکار کرنا زیادہ آسان ہوگا۔" وہ مسکرائی تھی۔

"نہیں ــــــ میں کوشش کر کے دیکھ چکا ہوں۔ کسی کام نہیں آئی۔ تم شرادگی ...... شاید کام

جاؤ۔ فائدہ تو دونوں کا برابر ہوگا۔" وہ قطعاً سنجیدہ نظر نہ آ رہا تھا۔

"اذہان!" اس نے ٹوکا تھا مگر وہ ہنستا چلا گیا تھا۔ "سچ بتاؤ نا۔" اصرار ہوا تھا۔

"کیا؟"

"یہ سب، یہ تعلق، یہ رشتہ، تمہاری مرضی اس میں شامل ہے کہ نہیں؟"

"یہ بات تو مجھے تم سے پوچھنی چاہیے۔ یہ خاصا لڑکوں والا جملہ ہے۔ تمہیں تو مشرقی لڑکی کی طرح گھونگھٹ میں منہ چھپا کر صرف شرمانا چاہیے۔" چھیڑا تھا۔ مگر دوسری طرف ساہیہ خان مسکرائی نہیں تھی۔

"اذہان حسن بخاری! تم میرے سامنے نہیں ہو۔ میں دیکھ بھی نہیں رہی ہوں۔ مگر مجھے جانے کیوں لگ رہا ہے جیسے......"

"جیسے......؟" وہ چونکا تھا۔

"تم سوچ لو اذہان حسن بخاری! مجھے لگتا ہے یہ سب بہت جلدی ہے۔ ابھی یہ عمر ذمہ داریوں کو سنبھالنے کی نہیں ہے۔ اور ابھی ہم ایک دوسرے کو بھی اچھی طرح سے نہیں جانتے ہیں۔ ہمیں ایک اچھی زندگی گزارنے کے لیے اچھی انڈراسٹینڈنگ کی ضرورت ہوگی اور یہ فی الفور نہیں ہوگی۔ وقت درکار ہوگا اس کے لیے۔ ہم اس دور میں یقیناً نہیں ہیں اذہان حسن بخاری! جہاں زندگی تجربات کی نذر کر دی جاتی تھی۔" سنجیدہ تھی۔ مگر اذہان حسن بخاری جواباً کچھ نہیں کہہ سکا تھا۔

"چلو...... تم مجھے سن رہے ہو نا؟"

"ہاں۔" وہ جیسے بیدار ہوا تھا۔ "حسن صاحب! ہم بعد میں بات کرتے ہیں۔ اس وقت مصروف ہوں۔"

"اوکے۔" ساہیہ خان نے دوسری طرف فون رکھ دیا تھا۔

اذہان حسن بخاری نے سر چیئر کی پشت سے ٹکا دیا تھا اور ایک وحشت سے چھت کی سمت تکنے لگا تھا۔

❋❋❋

ساتھ رہنے اور ساتھ ہونے میں واضح فرق ہوتا ہے۔ اور وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ جس شخص کے ساتھ تھی درحقیقت اس کے ساتھ تھی بھی یا کہ نہیں۔

وہ قدم قدم اس کے ساتھ تھا۔ اس کا خیال رکھ رہا تھا۔ اس کی پسند ناپسند کو اہم جان رہا تھا۔ اس کی زندگی کے اہم ترین دنوں کو سیلی بریٹ کر رہا تھا۔ مگر یہ سب دل سے بھی تھا، وہ نہیں جانتی تھی۔ مگر وہ ایک سمجھنے سمجھانے کی بات کہ معاملہ زندگی بھر کا تھا اور ارینج میرج میں یوں تو ہوتا ہی ہے۔ سمجھوتہ تو کرنا ہی ہے سو وہ بھی اس انڈراسٹوڈ کو پیر دماغ کو کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"کیا ہوا؟...... تم پریشان نظر آ رہی ہو؟" اس کے چہرے پر پریشانی کی لکیریں دیکھ کر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے دریافت کیا تھا اور میرب سیال سرنفی میں ہلاتی ہوئی ایک مروت سے مسکرا دی تھی اور سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے چہرے کو بغور دیکھنے لگا تھا۔

"اپنے اس چہرے کو، اپنی ان آنکھوں کو مروت کی نذر مت کیا کرو۔ کئی رنگ بجھنے لگتے ہیں۔" مسکراتے لبوں سے ایک انکشاف کیا تھا جو کہ میرب سیال کے لیے کسی قدر چونکانے کا باعث بنا تھا اور سردار سبکتگین

...ری اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے لگا تھا۔

یقین نہیں ہو رہا؟" مسکراتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

میرب سیال نے سر انکار میں ہلاتے ہوئے چہرے کا رخ پھیر لیا تھا۔

کیا ہم باہر جا سکتے ہیں؟" اس کی خواہش اس سرد موسم میں یقیناً عجب تھی تبھی تو گرم گرم کافی کے سپ لیتے سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے کسی قدر حیرت سے دیکھا تھا۔

یہاں کیا اچھا نہیں لگ رہا؟"

یہ سوال سن کر وہ خاصی بدمزہ ہوئی تھی۔ تبھی ہال میں یہاں سے وہاں نگاہ دوڑانے لگی تھی۔

یہ ممکن نہیں ہے۔ مگر باہر موسم خاصا ٹھنڈا ہے اور بارش بھی ہو رہی ہے۔ مجھے ڈر ہے کہیں تم بیمار نہ پڑ جاؤ۔ اس کے خدشے کی نشاندہی کے باوجود وہ ضدی بچوں کی طرح خفا سی چہرے کا رخ پھیرے بیٹھی رہی تبھی وہ مسکراتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

اوکے، اٹھو۔" اس کی خواہش اس کے لیے مقدم تھی یا نہیں، وہ نہیں جانتی تھی مگر اس گھڑی وہ فوری طور پر ...تھی۔ شاید کسی قدر حیرت بھی اس شخص کے اقدام پر۔ وہ اسی طرح بیٹھی اسے دیکھ رہی تھی جب سبکتگین حیدر لغاری نے اس کا نازک ہاتھ پکڑ کر یکدم اسے کھینچ لیا تھا۔ وہ لمحہ بھر کو لڑکھڑائی تھی مگر ایک مضبوط حصار نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ خوشبو کا ایک دلفریب احساس ہوا تھا۔ وہ دوسرے ہی لمحے ...ی اور اس کی سمت دیکھے بغیر چلنے لگی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے دیکھا تھا اور مسکرا دیا تھا۔

ہوا میں ٹھنڈ بہت زیادہ تھی اور اس پر مستزاد بارش...... اس کی ضد نے سردار سبکتگین حیدر لغاری کو رین کوٹ لینے کی بھی اجازت نہیں دی تھی۔

تم نے رین کوٹ بھی لینے نہیں دیا۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے شکوہ کیا تھا۔

اس سے کیا ہوتا؟" وہ اس لمحے اس کی ایک بھی سننے کو تیار نہ تھی۔

ہم اس میں اپنے خواب رکھتے۔ اس کی پاکٹس میں ان بھیگے بھیگے لمحوں کی حدت کو، شدت کو کہیں چھپا کر رکھ کر بھول جاتے اور گرم پُر تمازت موسموں میں پہروں ان میں سے وہ پل نکال کر محظوظ ہو کر مسکراتے رہتے۔" وہ مسکرا رہا تھا۔

ساؤنڈز سو رومانٹک...... ؟" اس کی رائے جاہی تھی۔ اس شخص کی آنکھوں میں اس لمحے شرارت تھی ...مدعی اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑا کر آگے بڑھتی چلی گئی تھی۔ بھیگے موسم کی خوشبو سے ساری ...معطر تھیں۔ اور میرب سیال اس خوشبو کو اپنے اندر بھر لینے کا قصد کر رہی تھی۔

...ان سے برستے موتیوں کے کئی قطروں کو وہ اپنی ہتھیلیوں پر جمع کرنے کی کوشش کر رہی تھی مگر مسلسل ناکام ...سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی اس خواہش کو دیکھا تھا اور پھر چلتے ہوئے اس کے قریب آن رکا تھا۔

...ہاتھ اس کے ہاتھوں کے گرد دائرہ بناتے ہوئے اسے ایک نظر بطور خاص دیکھا تھا اور مسکرا دیا تھا۔

مل کر خواب جمع کریں۔" مختصر جملہ بہت کچھ باور کرانے اور واضح کر دینے کو کافی تھا۔ میرب ...اس شخص کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔

"کیا دکھائی دے رہا ہے؟" مسکراتے ہوئے اپنی آنکھوں کی بابت دریافت کیا تھا۔ میرب سیال
نے چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

"اس موسم میں لوگ ہمیں بھیگتا دیکھیں گے تو دیوانہ ہو جائیں گے۔ انہیں شاید خبر نہیں، محبت
والوں سے سب کچھ ممکن ہو سکتا ہے۔" وہ مسکرا رہا تھا۔

میرب سیال نے یکدم ہی اپنے ہاتھ کھینچ لئے تھے۔ اس روز کی قربت کے بعد اس کی جھجک بڑھا
بڑھ گئی تھی۔ حالانکہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کا انداز بہت پروٹیکٹیو ہوتا تھا۔ مگر اس کے باوجود وہ اس
سے دور بھاگتی تھی۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ اس سے خوفزدہ تھی، ایسا بالکل نہیں تھا۔ خوفزدہ وہ اپنی دھڑکنوں
کا طلم پر ہوتی تھی۔

"تمہیں یہ سب کیسا لگتا ہے میرب؟" اس کی طرف بغور توجہ سے دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا اور
تعرض مسکرا دی تھی۔

"یہ محبت، یہ کیئر، یہ پروٹیکشن کسے بری لگ سکتی ہے؟" اور اس کے جواب نے سردار سبکتگین حیدر لغاری
کو حیران کر دیا تھا۔ وہ اس کی طرف سے یقیناً کسی ایسے جواب کی توقع نہیں کر رہا تھا۔ آسمان سے برستی
ان بوندوں میں بھیگتے ہوئے اس کے چہرے کو وہ بغور دیکھ رہا تھا۔

"سو۔۔۔۔۔ وہاٹ گرل وانٹ ریئلی؟" سوال ہوا تھا اور میرب سیال نگاہ جھکا گئی تھی۔

"جسٹ لو اینڈ پروٹیکشن۔" مختصر جواب نے سردار سبکتگین حیدر لغاری کو بہت محظوظ کیا تھا۔ تیز ہو
جسم سے آر پار ہو رہی تھیں۔ برستی بارش اس خنکی کو اور بھی بڑھا رہی تھی۔ مگر میرب سیال بے پرواہی
کر ان برستی بوندوں سے چہرے کو تر و تازہ کرنے لگی تھی۔ ٹھنڈ کی شدت انتہا پر تھی مگر وہ عجب بے خودی
اس کے ہونٹ کپکپا رہے تھے اور چہرہ سفید پڑ رہا تھا۔

"میرب۔۔۔۔۔!" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے مدھم لہجے میں پکارا تھا مگر وہ اتنی مگن تھی کہ
نہیں تھی۔

"میرب!" اسے شانے سے تھام کر یکدم ہی اپنے ساتھ کھینچ لیا تھا۔ میرب سیال اس اچانک افتاد
بھونچکا رہ گئی تھی۔ اپنے وجود کو عدتوں میں پا کر نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ وہ عجب ایک تشویش نظروں
لئے اسے دیکھ رہا تھا۔

"آر یو آل رائٹ؟"

"ہوں۔" میرب سیال نے سر اثبات میں ہلانے کے ساتھ ہی اس کی حدت گرفت سے خود کو علیحدہ
تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اپنا اوور کوٹ اتار کر ایک لمحے میں اس کے شانوں پر ڈال دیا تھا۔

"چلیں؟" اجازت طلب نظروں سے اس کے چہرے کو دیکھا تھا۔

"ہاں۔" میرب سیال نے اس کی سمت سے نگاہ ہٹائی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اسے لے کر
بڑھنے لگا تھا۔

❀ ❀ ❀

زیادہ تر اوقات صورت حال اتنی تیزی سے بدلتی ہے کہ فوری طور پر کوئی سد باب نہیں ہو پاتا۔
ہی اپنے ہی اندر سے نبرد آزما ہونے میں لگی ہوئی تھی کہ وقت اسے اور بھی آزمائش میں ڈال گیا تھا۔
حق اس کے سامنے تھی اور انابیہ شاہ اسے خالی خالی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ شاید وہ اس کے کچھ
منتظر تھی۔ مگر لامعہ حق کچھ نہیں بولی تھی۔ چپ چاپ اس کے شانے پر اپنا سر رکھ دیا تھا اور اس کے
گرم لاوا اس کے شانے کو جلانے لگا تھا۔
انابیہ شاہ ساکت سی بیٹھی اس لمحے کے فوری سد باب کے متعلق سوچنے لگی تھی۔ غبار تو اس کے اندر
وہ کہاں جاتی؟۔۔۔۔۔ کس سے کہتی؟

"بیا! میں ہار گئی۔۔۔۔۔ ہار گئی میں۔۔۔۔۔ سب کچھ۔" اس کے شانے پر آنسو بہاتے ہوئے لامعہ حق
نے کہا اور اس کے اندر کئی طوفان سر اٹھانے لگے تھے۔ صورت حال کا اندازہ اسے نہیں تھا مگر وہ اخذ
کر چکی تھی کہ شاید عفنان علی خان نے اس کے متعلق مطلع کر دیا ہے یا پھر اسے کہیں اور سے.....
"بیا! آئی ہیٹ دیٹ گرل...... آئی ہیٹ ہر انابیہ!...... وہ جو کوئی بھی ہے اس کے باعث میں
ہار رہی ہوں۔ وہ مجھ سے سب کچھ چھین چکی ہے۔ کچھ نہیں چھوڑا اس نے میرے پاس......
لے لیا اس نے۔" لامعہ حق کسی کے متعلق کہہ رہی تھی اور اس انکشاف پر وہ اسے ساکت بیٹھی دیکھ
رہی۔ میں اتنی بھی ہمت نہیں تھی کہ اس سے پوچھ سکتی کہ مدعا کیا ہے۔
"بیا! اس نے مجھے ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ اگر میرے اختیار میں ہوتا تو میں اسے قتل کر
دیتی۔۔۔۔۔ آئی کل ہر۔۔۔۔۔ آج جو کچھ بھی ہوا ہے، صرف اس کی وجہ سے ہوا ہے۔ یہ ساری ہار
اسی کی ہے۔"
"لامعہ۔۔۔۔۔ کس کی بات کر رہی ہو تم؟" انابیہ شاہ نے اپنے اندر کی تمام ہمتیں جمع کرتے ہوئے
پوچھا تھا۔

"جو اس کے دل میں ہے۔ جو اس کے اندر ہے اور اسے مجھ سے دور کر رہی ہے۔" لامعہ حق بہت
رو رہی تھی۔ اس کا لہجہ مدھم تھا مگر اس کے اندر کا سارا کرب اس کے لہجے میں تھا۔
"لگتا ہے بہت حوصلہ ہے مجھ میں، جھیل سکتی ہوں میں سب کچھ بہت آرام سے۔۔۔۔۔ مگر ایسا نہیں
ہے۔۔۔۔۔ میں بہت کمزور لڑکی ہوں۔۔۔۔۔ بے حد کمزور۔۔۔۔۔ اس کے سامنے میں ضبط کے
رہی۔۔۔۔۔ مگر میرا سارا اندر طوفانوں کی زد پر رہا۔۔۔۔۔ اور اسے اس بات کا احساس تک نہیں
کتنا خود غرض ہے وہ۔۔۔۔۔ یہ ساری دنیا اتنی خود غرض کیوں ہوتی ہے انابیہ شاہ؟۔۔۔۔۔ اور میں
ناشی ہوں نا۔ ہم سب خود غرض کیوں ہوتے ہیں؟" وہ اسے شانوں سے تھامے پوچھ رہی تھی۔
اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ خاموشی سے فقط اسے دیکھ رہی تھی۔
"شاہ! تم...... تم تو ایسی نہیں ہو۔ تم تو...... تم تو کسی کی خوشی کے لئے اپنا سب کچھ بھی وار کر
لامعہ حق اس کا شانہ تھپکتی ہوئی مسکرائی تھی۔ "تم سے تو کوئی تمہاری جان بھی مانگے تو تم ہنسی خوشی
دے کر سکتی ہو تم میں...... مگر سب...... سب ایسے نہیں ہوتے انابیہ شاہ! ساری دنیا ایسی نہیں

ہے۔ایسا کیوں ہے انابیہ شاہ؟" اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے وہ پوچھ رہی تھی اور انابیہ شاہ نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیا تھا۔کب کا رکا ہوا غبار پلکوں کے کنارے توڑ کر یکدم باہر نکلا تھا اور اس کا بھیگنا چاؤ گیا تھا۔انداز میں عجب ایک بے بسی تھی۔اس کی بیسٹ فرینڈ مشکل میں تھی۔

"معاملہ کیا ہے لامعہ حق؟ ـــــ کیا ہوا ہے تمہیں؟" اس کی طرف توجہ سے دیکھتے ہوئے مدھم میں دریافت کیا تھا اور لامعہ حق ہنس دی تھی۔عجب ایک پاگل پن اس کے انداز میں دکھائی دے رہا تھا۔انابیہ شاہ اسے خاموشی سے دیکھ رہی تھی جب وہ اسے دیکھ کر مسکرائی تھی۔

"انابیہ شاہ! اس نے مجھے چھوڑ دیا کسی اور کے لئے۔" مدھم لہجے میں کیا گیا انکشاف کسی قیامت سے کم نہ تھا۔انابیہ شاہ اسے ساکت سی دیکھ رہی تھی جب لامعہ حق نے اس کے سامنے اپنا خالی ہاتھ کر دیا تھا اور ایک پاگل پن سے مسکراتی ہوئی بولی تھی۔

"دیکھو، خالی ہے اب یہ ہاتھ۔کچھ نہیں ہے اس میں۔یہ انگلی بھی خالی ہے اب۔میں نے عفنان خان کو اس کے رنگ کے ساتھ ہر رشتہ بھی لوٹا دیا ہے۔اور اب عالم یہ ہے کہ میں بالکل تنہا رہ گئی ہوں۔بے دم اکیلی۔" وہ بھیگی آنکھوں کے ساتھ مسکرا رہی تھی اور انابیہ شاہ اتنی خالی تھی کہ اسے تسلی دینے کو اس کے پاس دو لفظ بھی نہ تھے۔ہمتیں انتہائی پست تھیں۔وہ اپنے آپ کو بہت شکست خوردہ محسوس کر رہی تھی۔بہت تھکی ہوئی۔

لامعہ حق کے آنسو اسے اپنے آنسو لگ رہے تھے اور اس کی ہار اپنی ہار۔مگر اس بات کو جتانے کو اس کے پاس کوئی لفظ نہ تھے، فقط آنسو تھے جو خاموشی سے رخساروں کو بھگو رہے تھے۔

"جب کوئی آپ پر کسی اور کو فوقیت دیتا ہے تو قطعاً اچھا نہیں لگتا۔روح اندر سے کٹنے لگتی ہے۔عجب احساس کرب اندر جاگتا ہے۔مگر اس کے باوجود اس لمحے بہت بے بسی محسوس ہوتی ہے۔" لامعہ حق جھکائے عجب انکشافات کر رہی تھی۔"کتنی عجیب بات ہے نا...... اس نے لامعہ حق کو اپنی زندگی سے نکال دیا، کسی اور کے لئے، کسی اور کی محبت کے لئے۔شی مسٹ بی اے لکی گرل...... آئی ایپری شی ایٹ۔ بٹ آئی کانٹ لائیک ہر۔مجھے اس سے شدید ترین جلن محسوس ہو رہی ہے انابیہ شاہ...... شدید حسد۔اس میں ایسا کیا ہوگا جو لامعہ حق میں نہیں؟ کیا وہ مجھ سے زیادہ خوب صورت ہو سکتی ہے؟ کیا وہ زیادہ دلکش ہو سکتی ہے؟ کیا...... کیا خاص بات ہوگی اس میں؟"

بھیگی آنکھوں سے وہ اسے دیکھ رہی تھی مگر اس کے کسی سوال کا جواب اس کے پاس نہیں تھا۔

لامعہ حق یکدم مسکرائی تھی، پھر ہنس دی تھی۔انداز عجب دیوانگی لئے ہوئے تھا۔

"میں تو بھول ہی گئی۔شاید وہ پوری کی پوری ہی بہت خاص ہوگی۔یا پھر عفنان علی خان کی نظر نے خاص بنا دیا ہوگا۔" وہ ایکسپلین کر رہی تھی۔انابیہ شاہ نے اسے تھاما تھا اور اپنے ساتھ لگا لیا تھا اور آنکھوں سے آنسو اور بھی تواتر سے بہنے لگے تھے۔

"انابیہ شاہ! مجھے نفرت عفنان علی خان سے کرنی چاہئے یا اس لڑکی سے؟ میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔ قصور [illegible] مجھے بتاؤ کر [illegible] زیادہ ہاتھ ہے اس لڑکی کا جسے عفنان علی خان نے

عفنان علی خان کا جو باوجود میری توجہ کے، محبت کے، میرا وفادار نہ رہ سکا۔کسی کی ایک نگاہ اسے مار گئی۔" اس کے شانے پر سے سر اٹھاتے ہوئے وہ مسکرائی تھی اور ہاتھ کی پشت سے آنکھیں رگڑتے ہوئے

باوجود کوشش کے میں عفنان علی خان سے نفرت نہیں کر سکتی۔اس کا کوئی اقدام مجھے برا نہیں لگتا۔اب وہ اقدام قتل ہی کیوں نہ ہو۔کچھ بھی ہو، بندہ جی دار ہے۔ہمت ہے اس میں۔بہت سے لوگوں میں تو نہیں ہوتی ہے۔عفنان علی خان کی صاف گوئی مجھے اچھی لگی۔میرے دل میں گھر کر گئی۔اس نے کہا دلوں کے درمیان کوئی سمجھوتہ ٹرین ہرگز نہیں چلائی جا سکتی۔دلوں کے مابین راستے اتنے پُر پیچ ہیں کہ ان پر ایک ہی ناؤ ہی چل سکتی ہے یا پھر محبت...... جو دل سے دل کو باہم پیوست کرتی ہے، جوڑتی ہے اور ...... ایسی کوئی محبت کا حوالہ ہم دونوں کے بیچ نہ تھا۔" وہ اپنی ہاتھ کی لکیروں کو بغور دیکھتے ہوئے بتا رہی تھی۔

اچھا ہی ہوا اس نے مجھے دھوکا میں نہیں رکھا۔سب کچھ بتا دیا، ابھی تو وقت اور حالات ہمارے بس میں ہیں۔یہ بات اگر کل مجھے معلوم ہوتی تو شاید میں تو جی ہی نہ پاتی۔بار دیتی، خود کو، عفنان علی خان کو یا پھر اس کو۔اچھا ہی ہوا عفنان علی خان نے دیگر مردوں کی طرح مجھے دھوکا نہیں دیا۔وہ سچ کا قائل ہے، اس کا باپ، منافق نہیں ہے وہ۔اور سب سے بڑھ کر بہت چاہنے والا ہے۔بے حد، بے حساب۔مگر میرا ہے، بس یہی بات بہت بری ہے۔"

انابیہ شاہ جواب تک اسے ساکت سی بیٹھی دیکھ رہی تھی، اس لمحے بہت آہستگی سے چہرے کا رخ پھیر کر بہت مدھم لہجے میں بولی تھی۔

"تم جانتی ہو وہ کون ہے؟"

"نہیں ـــــ اور میں اسے جاننا بھی نہیں چاہتی۔ایسا کرنے سے میری نفرت، میرا حسد اس کے لئے بڑھے گا۔کیونکہ وہ مجھے احساس دلاتی ہے کہ میں شکست خوردہ ہوں...... رجیکٹڈ ہوں...... کسی کی وجہ سے اس کے باعث خارج ہوں۔اور میں جانتی ہوں اس کے متعلق اگرچہ میرا تجسس بہت زیادہ ہے مگر اس کو جاننا میرے لئے اسی قدر تکلیف دہ ہوگا اور میں اپنی تکلیف کو یقیناً بڑھانا نہیں چاہوں گی۔اور اس سے فرق بھی کیا پڑتا ہے، کوئی بھی ہو وہ، میں تو نہیں ہوں نا۔" اور انابیہ شاہ اس سے نظر ملائے بغیر نہ رہ سکی تھی۔اس کے اندر کتنے طوفان سر ابھار رہے تھے۔کتنے جھکڑ چل رہے تھے۔لامعہ حق کہہ رہی تھی۔

"جانتی ہو، عفنان علی خان کو یہ بھی علم نہیں کہ وہ اسے چاہتی بھی ہے کہ نہیں۔مگر اس کے باوجود اس نے سب کچھ داؤ پر لگا دیا ہے۔شی مسٹ بی اے لکی گرل نا...... عفنان کہہ رہا تھا اس سے فرق نہیں پڑتا کہ وہ مجھے چاہتی ہے کہ نہیں، میں اسے چاہتا ہوں، یہ بات اہم ہے۔میں اس کے ساتھ جینا چاہتا ہوں۔وہ نہیں تو کوئی بھی نہیں، اس کے ساتھ جیوں گا، اس کے لئے جیوں گا۔وہ نہیں بھی ہوگی تو زندگی اسی کے لئے ہو گی۔منافقت والی زندگی نہیں گزارنا چاہتا۔اسٹرینج نا...... دنیا کے ناٹکی نائن پرسنٹ مردوں سے مختلف وہ فالو آن رہنے کی بجائے نئی تاریخ رقم کرنا چاہ رہا ہے۔"

انابیہ شاہ کے لئے یہ سارے انکشافات قیامت سے کم نہ تھے۔ کسی کی شدتوں کی کہانی وہ چپ چاپ سن رہی تھی اور اس میں ہمت ناپید تھی یہ بتانے کی کہ وہ لڑکی جس سے لامعحق نفرت کرنا چاہتی ہے اور جس کے متعلق تجسس ہے وہ کوئی اور نہیں، انابیہ شاہ ہے۔ اس کی اپنی بیسٹ فرینڈ۔ وہ اپنے اندر کے طوفانوں کا سامنا چپ چاپ کر رہی تھی جب لامعحق پُرافسوس لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

''دیکھا جائے تو عقنان علی خان خاصا قابلِ ترس ہے۔ مجھ میں اور اس میں کوئی فرق نہیں۔ میں یکطرفہ محبت کے عذاب میں مبتلا رہی، اور وہ بھی اسی یکطرفہ راہ پر گامزن ہے بے چارا...... قابلِ ترس ہے میرے لئے کیونکہ مجھ پر اس یکطرفہ محبت کا عذاب منکشف ہے۔ انابیہ شاہ! ہر محبت کا جواب محبت کیوں نہیں ہو سکتا؟ کیوں ہم اپنی بے پناہ محبت سے کسی دل کو اپنے آہنگ سے نہیں دھڑکا پاتے؟...... کیوں ہم تنہا رہتے ہیں اور باوجود شدت سے چاہنے کے کوئی دوسرا قدم ہمارے ساتھ نہیں اٹھتا۔ کوئی ہاتھ، ہاتھ میں نہیں ہوتا؟''

لامعحق کی نظروں میں کتنے سوال تھے۔ مگر ان میں سے کسی کا جواب بھی انابیہ شاہ کے پاس نہ تھا۔ فقط اسے خالی خالی آنکھوں سے دیکھتی چلی جا رہی تھی۔

❋❋❋

ساہیہ خان اس شام شنگریلا میں اس کے ساتھ تھی اور اسے کسی قدر الجھن سے دیکھ رہی تھی۔ ازہان بخاری نے اس کے چہرے کو دیکھا تھا اور مسکرا دیا تھا۔

''بات کیا ہے ساہیہ خان؟''

ساہیہ خان نے اس کے چہرے پر سے اپنی نگاہیں ہٹائی تھیں اور ایک اکتائی ہوئی سانس خارج کرتے ہوئے انتہائی الجھن سے پیشانی پر ہاتھ دھرا تھا اور اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

''ازہان! تم تو یوں لاتعلق ہو رہے ہو جیسے تمہارا اس سے کوئی واسطہ ہی نہیں۔'' ساہیہ خان حیران تھی۔ ازہان بخاری مسکراتے ہوئے اسے دیکھنے لگا تھا۔

''چاہتی کیا ہو تم؟ ـــــ بیٹھے بٹھائے اتنا ہینڈسم لڑکا تمہیں مل رہا ہے۔ اور کیا چاہیے؟ غالباً تمہارے دل کی مراد بر آئی ہوگی۔'' بات کو مذاق میں اڑانا چاہتا تھا اور ساہیہ خان کسی قدر حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''تم ازہان حسن بخاری!'' وہ مسکرائی تھی۔ ''تم تو مجھے مفت طوطا بھی نہ لادو۔ مفت خورے کہو، دل کی مراد بر آئی ہے۔'' باقاعدہ اس کی نقل اتاری تھی۔

ازہان حسن بخاری کا قہقہہ بہت فطری تھا۔

''پرابلم کیا ہے تمہارے ساتھ؟''

''پرابلم؟ ـــــ پرابلم تم ہو ازہان حسن بخاری!'' ساہیہ خان نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ازہان حسن بخاری کسی قدر چونکا تھا، پھر مسکراتے لب بھینچ کر نگاہ کا زاویہ بدل لیا تھا۔

''میں؟'' لہجے میں کسی قدر حیرت تھی۔

''ہاں تم ازہان حسن بخاری!...... تم...... مجھے تمہارے انداز میں عجب طرح کی ایک الجھن نظر آتی ہے۔ کوئی بات ہے جو تمہیں تنگ کر رہی ہے۔ تم پریشان ہو اور ایسا میں اب سے نہیں پچھلے کئی دنوں سے محسوس کر رہی ہوں۔'' ساہیہ خان کا لہجہ پُریقین تھا اور ازہان حسن بخاری اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا تھا۔

''ایسا کچھ نہیں ہے۔'' ازہان حسن بخاری نے باور کرانا ضروری خیال کیا تھا۔ ''ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔''

''کیا واقعی؟'' ساہیہ خان نے اسے بھرپور اعتماد سے دیکھا تھا۔ ''اگر ایسا ہے تو پھر مجھے تمہاری نظروں میں کچھ دکھائی کیوں نہیں دے رہا؟ کیوں مجھے لگ رہا ہے کہ تم فرار کے راستے تلاش کر رہے ہو؟ بظاہر تو میرے سامنے ہو مگر تمہاری آنکھیں مجھ سے کترا رہی ہیں۔ شاید کچھ کہنا چاہ رہے ہو مگر کہہ نہیں پا رہے یا کہہ سکتی ہوں وہ کیا بات ہے؟'' ساہیہ خان اسے ہمیشہ حیران کر جایا کرتی تھی اور اب بھی وہ کسی قدر حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا مگر یہ حیرت زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکی تھی اور ازہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

''تم ٹھیک کہتی ہیں۔ تم سے بہتر شریکِ سفر مجھے مل ہی نہیں سکتا۔ تم میرے لئے بہترین چوائس ہو۔'' انداز دلفریب تھا۔ مگر ساہیہ خان مطمئن ہوئے بغیر بولی تھی۔

''اور تم ازہان حسن بخاری؟ ـــــ تم کیا خیال کرتے ہو؟ غالباً یہ رائے تو میرے لئے تمہاری ممی کی تھی۔'' اس کا ازہان پر اعتماد تھا اور ازہان حسن بخاری جہاں چند ثانیوں تک اسے خاموشی سے دیکھ رہا تھا، وہیں دوسرے ہی پل مسکرا دیا تھا۔

''یہ تمہیں میں قبل از وقت کیوں بتاؤں؟ ـــــ وہ لمحہ تو آنے دو جب یہ انکشافات ہو سکیں، میں کہوں اور تم سن سکو۔'' لبوں پر مسکراہٹ دلفریب تھی۔ ''بس ایک ذرا انتظار...... کن صدائیں دے رہی ہے بہار کی۔'' انداز شرارت سے پُر تھا مگر ساہیہ خان مسکرائی نہیں تھی۔

''تم نے کہا تھا فارحہ آنٹی مجھے تمہارے لئے بہترین شریکِ سفر خیال کرتی ہیں۔''

''ہاں...... تو پھر......؟'' ازہان حسن بخاری سمجھ نہیں سکا تھا۔ تبھی شاید سرسری انداز اختیار کرتے ہوئے بات کو مذاق میں اڑانا چاہا تھا مگر وہ مکمل سنجیدہ نظر آ رہی تھی۔

''ازہان! مجھے تمہارا شریکِ سفر نہیں بننا۔'' انکشاف کیا تھا۔

''واٹ......؟'' وہ حیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

''ہاں...... مجھے تمہارا شریکِ سفر نہیں بننا ازہان حسن بخاری! کیونکہ میں تمہاری جیون ساتھی بننا چاہتی ہوں...... شریکِ سفر کبھی بھی، کسی موڑ پر راہ پلٹنے کا ارادہ کر سکتا ہے۔ کسی بھی موڑ پر ہاتھ چھوڑ کر آگے بڑھ سکتا ہے مگر جیون ساتھی سانس سے سانس کا بندھن ہے جو آخری سانس تک باقی رہتا ہے۔ اور ساہیہ خان تمہاری جیون ساتھی بننا تو قبول کر سکتی ہے، شریکِ سفر نہیں۔'' اصطلاح تھوڑی عجیب ضرور تھی مگر بات میں کسی قدر وزن ضرور تھا۔ شاید تبھی ازہان حسن بخاری متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا تھا اور مسکرا دیا تھا۔

''شریکِ حیات تو بن سکتی ہو نا۔ یہ تو زندگی سے اور سانسوں سے خاصا قریب ہے۔'' انداز میں کسی قدر شوخی تھی اور ساہیہ خان مسکرا دی تھی۔

"تم بات کا پسندیدہ کونا کہیں سے بھی کھینچ کر لے جاسکتے ہو۔ مگر تم مجھے ٹال نہیں سکتے ہو اذ بخاری!...... جب تک مجھے اصل سبب نہیں بتاؤ گے، میں ماننے والی نہیں ہوں۔"

"کیا بچگانہ باتیں ہیں سابیہ خان! میں انگری ہوں۔ تبھی تو یہ پرپوزل بھی لے کر تمہارے ہیں۔" اذہان حسن بخاری نے بارور کرانا چاہا تھا مگر وہ اسے کھوجتی آنکھوں سے دیکھنے لگی۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟" اذہان حسن بخاری نے اس کے دیکھنے پر استفسار کیا تھا۔

"ان آنکھوں میں مجھے اپنے لئے کہیں کوئی محبت دکھائی نہیں دے رہی اذہان حسن بخاری! تشویش بجا تھی شاید۔" اذہان حسن بخاری اس کے چہرے کی طرف سے نگاہ پھیر گیا تھا۔

اور اس لمحے سابیہ خان کی حیرت سوا ہو گئی تھی۔ کتنی دیر خاموشی سے وہ اسے دیکھتی رہی تھی، ہولے سے سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔ وہ اسی طرح بیٹھی تھی جب اذہان حسن بخاری کی آواز ابھری تھی

"یہ سچ ہے، مجھے تم سے محبت نہیں ہے۔" اذہان حسن بخاری کا انکشاف کسی دھماکے سے کم نہ تھا۔ خان ساکت سی اسے تکتی رہ گئی تھی۔

"ہاں، یہ سچ ہے سابیہ خان!...... مجھے تم سے محبت نہیں ہے اور مجھے تم سے محبت ہو یہ بھی ضروری ہے۔" اذہان حسن بخاری نے لہجے میں عجب ایک سکوت تھا اور سابیہ خان اسے حیرتوں میں ڈوبی دیکھے جا رہی تھی۔ پھر یکدم وہاں سے اٹھی تھی اور چلتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔

❋❋❋

انابیہ شاہ کا عجب حال تھا۔

وہ پے در پے انکشافات سے نکل نہیں پا رہی تھی۔ عجب سانحے رونما ہو رہے تھے اور اس کی سوچ کی جیسے ساری امت سلب ہو گئی تھی۔ مگر اس حیرت اور پریشانی میں کسی نے مزید اضافہ کرنا ضروری تھا اور اس طغیانی میں اضافہ دو چند ہو گیا تھا۔

عفنان علی خان نے اس کے یہاں اپنا پرپوزل بھجوایا تھا۔

اس کے لئے...... یعنی انابیہ شاہ کے لئے۔

اس نے سنا تھا تو جیسے ایک آسمان اس کے سر پر آن گرا تھا۔

کتنی دیر تک وہ حیرتوں میں ڈوبی ساکت بیٹھی رہی تھی۔

اوزی اس کے قریب آن بیٹھا تھا مگر جیسے اس کے پاس بھی اسے کہنے کے لئے کچھ نہ تھا۔

"اوزی! مجھے کہیں جانا ہے۔" انابیہ شاہ نے تمام ہمتیں مجتمع کرتے ہوئے اوزی کی طرف دیکھا

"کہاں جانا چاہتی ہو تم؟" اوزی نے دریافت کیا تھا۔

"تم میرے ساتھ چلو گے یا نہیں؟" انابیہ شاہ کا لہجہ قطعی تھا۔

"انابیہ! تم مینٹلی بہت ڈسٹرب ہو اور میں تمہیں اس کیفیت میں کہیں نہیں لے جا سکتا۔ انابیہ! آرام کرنا چاہئے۔ نانا اور آنٹی پہلے ہی بہت پریشان ہیں تمہیں لے کر۔"

"انہی پریشانیوں کو تو کم کرنا چاہتی ہوں میں اوزی!"

تمہیں اس وقت ریسٹ کرنا چاہئے۔ یہ ڈپریشن تمہارے لئے اچھا نہیں ہے۔" اوزی نے اس کے شانے پہ ہاتھ دھرا تھا اور آنسو اس کی آنکھوں سے بہت آہستگی سے بہنے لگے تھے۔

"انابیہ!" اوزی کے لئے یہ صورت حال کسی قدر پریشانی کا باعث تھی۔ "دیکھو اگر تم چاہتی ہو کہ تمہارے اس بھائی کو کوئی دکھ نہ ہو تو پلیز اسٹاپ کرائنگ ناؤ...... اور کسی کو فرق پڑے نہ پڑے، مگر مجھے اپنی بہن کا رونا بہت تکلیف دیتا ہے۔ تم جانتی ہو تم جب بچپن میں بھی رویا کرتی تھیں تو میں اپنے کھلونے تمہیں دے کر بہلانے کی کوشش کیا کرتا تھا۔ اس وقت تو اتنا سنس بھی نہیں تھا...... اور اب تو...... انابیہ! سب کس قدر چاہتے ہیں تمہیں...... اور تم جواباً کیسی تکلیف دے رہی ہو ہم سب کو...... تمہارا یہ رویہ کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے۔ تم کیوں خود کو مجرم سمجھ رہی ہو؟ محبت ہی کرتا ہے نا کوئی تم سے...... عجب کیا ہے انابیہ! کوئی گناہ تو نہیں ہے یہ...... نہ ہی وہ ایسا کر کے کوئی گناہ کر رہا ہے۔ حیرت ہے، ہم کسی کی غیبت کرتے ہوئے نہیں ڈرتے، چوری کرتے ہوئے نہیں ڈرتے، کسی کو بے عزت کرتے ہوئے بھی ہمیں عجب محسوس نہیں ہوتا، حتیٰ کہ قتل کرتے ہوئے بھی نہیں ڈرتے...... ڈاکہ مارتے ہوئے بھی نہیں ڈرتے۔ مگر محبت کرتے ہوئے، کسی کو دل سے محبت کرتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ کیا محبت کرنا اتنا ہی برا کام ہے؟ کسی کو چاہنا، دل سے محبت کرنا اتنا ہی بڑا گناہ ہے؟ کبھی نہیں سمجھ سکا ہوں میں۔ یہ سب کچھ اتنا ٹھیک ہے تو ہم اسے غلط کیوں سمجھتے ہیں؟" اوزی اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا اور وہ سر دونوں ہاتھوں پر گرا کر اس کی طرف سے رخ پھیر گئی تھی۔

"اوزی! امی اور دادا کی نظروں میں سر اٹھانے کے قابل نہیں رہی میں۔ لامحالہ کے آنسو مجھے جینے نہیں دے رہے۔ اور......" کتنی آہستگی سے اس کی آنکھیں پھر چھلکنے لگی تھیں۔

اوزی نے اس کے گرد بازو پھیلا کر اسے خود سے قریب کر لیا تھا اور بہت کیئرنگ انداز میں بولا تھا۔

"تمہیں عادت ہو چکی ہے انابیہ! دنیا بھر کی فکر کرنے کی۔ کبھی تم نے اپنے دل کی سننے کی کوشش کی ہے، دل کیا کہتا ہے؟ کبھی غور کرنے کی ضرورت محسوس کی ہے تم نے؟ غازی کے بعد تم نے خود پر زندگی کے دروازے کس طرح بند کر لئے ہیں، یہ سب جانتے ہیں۔ مگر تم...... تمہیں اس کے باوجود کوئی فکر نہیں ہے کہ سب اگر تمہاری وجہ سے جلتے کڑھتے ہیں تو کیوں۔ نانا، آنٹی اور میں...... تمہیں کسی کی کوئی پرواہ نہیں انابیہ!...... تمہیں نہیں لگتا نہ تم اچھی پوتی ہو نہ اچھی بیٹی اور نہ اچھی بہن۔ کس قدر پریشان کرتی ہو تم ہمیں...... تم جانتی ہو نا...... تم پہلے بھی ایک مشکل سے گزر چکی ہو...... یہ الجھنیں، یہ بیکار کے مسئلے مسائل تمہیں کیا دیں گے انابیہ!...... سوائے تمہاری مشکلات کو بڑھانے کے۔ تم جانتی ہو ڈاکٹر ابھی بھی تمہیں اڈوائز کر کے گیا ہے، نہ تو تم نے میڈیسن لی ہے اور نہ تم ان فضول کی باتوں کو سوچنے سے باز رہ رہی ہو۔ یہ ڈپریشن تمہارے لئے کس قدر خطرناک ہو سکتا ہے، جانتی ہو نا تم؟"

انابیہ اس کے شانے پر سر رکھ کر رونے لگی تھی اور اوزی اس کا شانہ تھپتھپانے لگا تھا۔

"میں چاہتا ہوں انابیہ! تم اپنے اندر کا سارا غبار دھو ڈالو اور پھر کبھی دوبارہ مت روؤ۔"

"اوزی! مجھے لگ رہا ہے میں سب کی مجرم ہوں...... سب کی نظروں سے گر گئی ہوں۔" وہ آنسوؤں

کے درمیان بول رہی تھی۔

"ایسا کیوں لگتا ہے تمہیں؟ ـــــ تمہارا اس میں کیا قصور ہے؟ تم نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔ اور تم کسی کا کسی اقدام سے باز بھی نہیں رکھ سکتی ہو۔ عفنان علی خان اگر تم سے محبت کرتا ہے تو کیا تم اسے ایسا کرنے سے منع کر سکتی ہو؟ یقیناً نہیں۔ خوامخواہ کی فکریں مت پالو۔" اوزی نے نصیحت کی تھی۔ دروازے پر کھٹکا ہوا تھا۔ اوزی نے سر اٹھا کر دیکھا تھا، وہاں آنٹی کھڑی تھیں۔

"عفنان علی خان آیا ہے ـــــ انابیہ سے بات کرنا چاہتا ہے۔"

انابیہ نے سر اٹھا کر ممی کی طرف دیکھا تھا مگر وہ اسی لمحے مڑ کر باہر نکل گئی تھیں۔

"تم ملنا چاہتی ہو اس سے؟" اوزی نے اس کی طرف دیکھا تھا۔ انابیہ شاہ شال سنبھالتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

عفنان علی خان لیونگ روم میں اس کا منتظر تھا۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اس کے سامنے جا رکی تھی۔ عفنان علی خان نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا، پھر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

انابیہ شاہ بھیگی آنکھوں سے اسے چپ چاپ دیکھتی چلی گئی تھی۔

عفنان علی خان کے لئے اس کا یہ روپ، یہ حالت بہت تکلیف کا باعث بنی تھی۔ اس کا دل کٹ کر رہ گیا تھا۔

"انابیہ!"

"شٹ اپ عفنان علی خان! شٹ اپ...... اب میں تمہاری کوئی بکواس نہیں سنوں گی۔ میں صرف تمہیں یہ بتانے آئی ہوں کہ مجھے تمہارا پرپوزل قبول نہیں ہے۔ ویٹس آل......" وہ کہہ کر پلٹی تھی جب عفنان علی خان نے یکدم ہی اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ انداز بے حد جنونی تھا اور اس کی آنکھوں سے اس لمحے عجب شعلے نکل رہے تھے۔ انابیہ شاہ نے اسے کسی قدر حیرت سے دیکھا تھا پھر بہت مضبوط لہجے میں بولی تھی۔

"مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنا ہے۔ بہتر ہوگا تم اس وقت کوئی بحث نہ کرو۔" اپنا ہاتھ چھڑانا چاہا تھا مگر عفنان علی خان نے اسے دونوں شانوں سے تھام کر جھنجھوڑ ڈالا تھا۔

"میں اپنی زندگی کو تمہارے اس ایک فیصلے کی نذر نہیں کر سکتا انابیہ شاہ! ـــــ میں ساری کشتیاں جلا کر آیا ہوں اور اب پیچھے قطعاً نہیں ہٹوں گا۔ اب چاہے تم میری پذیرائی کرو یا نہ کرو، میں اپنے فیصلوں میں ترمیم کرنے کا عادی نہیں ہوں۔ اور جو میں طے کر چکا ہوں اس سے منحرف نہیں ہوں گا۔ تم چاہے میرا ساتھ دو یا نہ دو۔ چاہے مجھے چاہو یا نہ چاہو۔ میرا ہاتھ تھامو یا نہ تھامو۔ بٹ آئی کانٹ اسٹاپ لونگ یو انابیہ شاہ اینڈ نو میری طرف سے یہ محبت کم ہو سکتی ہے نہ ہی ختم ہو سکتی ہے۔ میں تمہیں یہی باور کرانے اور سمجھانے آیا ہوں۔ تمہارے لئے جو میرے دل میں جگہ ہے وہ کبھی بھی کم نہیں ہوگی۔" انتہائی مضبوط لہجے میں باور کراتے ہوئے اسے دیکھا تھا اور پھر اس کے شانے پر اس کے مضبوط آہنی ہاتھوں کی گرفت یکدم ہی ڈھیلی پڑ گئی تھی۔ وہ اسے چھوڑ کر یکدم پلٹا تھا اور وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔

انابیہ شاہ بھیگی آنکھوں سے اس دھندلے منظر کو دیکھتی رہ گئی تھی۔

❊❊❊

وہ نیند میں تھی، جب مائی اماں کا فون آیا تھا۔

کل بارش میں بھیگنے کی وجہ سے اس کی طبیعت واقعی بگڑ گئی تھی اور سردار سبکتگین حیدر لغاری اگلے دن اس کی کیئر کرنے کے ساتھ ساتھ اسے ڈپٹ بھی رہا تھا۔

"کہا بھی تھا...... بارش میں مت بھیگو۔ مگر عجب ضدی ہو تم۔"

میرب سیال نے اس شخص کی طرف دیکھا تھا اور اس لمحے جانے کیوں اس کا کیئر کرنا اسے اچھا لگا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی طرف بغور دیکھا تھا۔

"کیا ہوا؟" غالباً وہ سمجھ رہا تھا کہ وہ اس کے ڈپٹنے پر برا مان گئی ہے۔ میرب سیال نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے منہ تک کمبل اوڑھ لیا تھا۔

"سو جانا۔ مگر سونے سے قبل یہ کافی پی لو۔" اس کے چہرے پر سے کمبل ہٹاتے ہوئے حکم جاری کیا تھا۔ میرب سیال نے بادل نخواستہ اٹھ کر اس کے ہاتھ سے کافی لینے کے لئے ہاتھ بڑھایا تھا۔ نازک ہاتھ اس کے مضبوط ہاتھ سے لمحہ بھر کو ٹکرایا تھا اور سردار سبکتگین حیدر لغاری کو لگا تھا جیسے اسے کوئی انگارہ سا چھو گیا ہو۔ کسی قدر تشویش سے ہاتھ بڑھا کر اس کی پیشانی کو چھوا تھا۔ وہ بخار میں تپ رہی تھی۔

"تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں؟" وہ فون اٹھا کر کسی ڈاکٹر کا نمبر ڈائل کرنے لگا تھا جب میرب سیال نے بے ساختہ اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ یہ حرکت یکدم ہی سرزد ہوئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے دیکھا تھا۔ میرب سیال نے یکدم ہی اپنا ہاتھ واپس کھینچ لیا تھا اور اس کی طرف سے نظر پھیر گئی تھی۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے ـــــ میں ٹھیک ہو جاؤں گی۔ معمولی بخار ہے، آپ فکر نہ کریں۔" میرب سیال کی نظر گریزاں تھی۔

"شیور......؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی طرف دیکھا تھا۔ میرب سیال نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"اوکے۔" وہ پلٹا تھا اور دراز میں سے چند ٹیبلٹس نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دی تھیں۔

"تم یہ لے لو۔ اور اگر پھر بھی کیفیت برقرار رہے تو مجھے انفارم کرنا مت بھولنا۔" ہدایت کی تھی۔ میرب سیال نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"ٹیک کیئر ـــــ!"

"اوکے ـــــ!"

سردار سبکتگین حیدر لغاری باہر نکل گیا تھا۔ وہ سو گئی تھی۔ مگر اب مائی اماں کی کال نے اسے یکدم ہی بیدار کر دیا تھا۔ طبیعت خراب ہونے کے باوجود اس نے بہت خندہ پیشانی سے ان سے بات کی تھی۔

"سبکتگین حیدر کہاں ہے؟ ـــــ میری بات کراؤ۔"

"آپ نے ان کے سیل پر ٹرائی نہیں کیا؟" اسے حیرت ہوئی تھی۔

"کیا ہے۔ مگر وہ اپنے کمرے میں نہیں ہے اور سیل اس کا مسلسل بند ہے۔ کئی بار ٹرائی کیا مگر رابطہ نہیں ہو پا رہا۔ اس کے کمرے میں دیکھو جا کر ٹھیک تو ہے وہ؟" مائی اماں کی تشویش بجا تھی۔ مگر اس کی ہمت...... رات کے چار بجے وہ سبکتگین حیدر لغاری کو ڈسٹرب کیسے کر سکتی تھی؟ اور پھر......

"آپ کو ضروری کام ہے کوئی؟"

"ہاں ــــــ کام بھی ہے۔ مگر...... اچھا ایسا کرو تم پتہ کرو، میں تھوڑی دیر بعد کال کرتی ہوں۔"

"جی بہتر۔" میرب سیال نے بستر چھوڑتے ہوئے فون رکھا تھا اور باہر نکل آئی تھی۔ مائی اماں کا حکم تھا، اس کے لئے رد کرنا آسان نہ تھا۔ مگر چار بجے کے قریب......! یہ بھی ٹھیک نہ تھا کہ کسی کو ڈسٹرب کر دیا جائے۔ اور سبکتگین حیدر لغاری کے مزاج سے تو وہ واقف تھی۔ جانے وہ کیسا ردِعمل ظاہر کرتا...... اس سے کچھ بعید بھی نہ تھا۔ پل پل موسم بدلتا تھا اس کا مزاج۔

پل میں موسم، پل میں شعلہ تھا وہ ــــــ اور ــــــ

وہ چلتی ہوئی اس کے روم کے باہر جا رکی تھی۔ بہت ڈرتے ڈرتے دستک دی تھی مگر کوئی رسپانس نہیں ملا تھا۔ اس نے ڈرتے ڈرتے پھر ہمت کی تھی مگر دوبارہ بھی کوئی رسپانس نہیں آیا تھا۔ غالباً وہ گہری نیند سونے کا عادی تھا۔ مگر مائی اماں کا حکم بھی تو ماننا ضروری تھا۔

اس نے ایک بار پھر دستک دی تھی مگر جواب نہ پا کر اس نے یونہی دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ دھرا تھا۔ کمرہ لاکڈ نہیں تھا، کھلتا چلا گیا۔

میرب سیال کی نظر عین سامنے کمرے پر پڑی تھی اور اس کی نگاہ ساکت رہ گئی تھی......!

سردار سبکتگین حیدر لغاری اپنے کمرے میں نہیں تھا۔

میرب سیال کی نگاہ متحیر رہ گئی تھی۔ آہستگی سے چلتی ہوئی وہ آگے بڑھی تھی۔ واش روم کا دروازہ کھول کر دیکھا تھا مگر کوئی وہاں نہ تھا۔

"سبکتگین!" میرب سیال نے پکارا تھا۔ نظروں نے یہاں وہاں اسے تلاشا تھا۔

"سبکتگین!" پریشانی لہجے میں عود کر آئی تھی۔ مگر اس کے کمرے میں کوئی نہ تھا جو اس کو جواب دیتا۔ اس کی نیند پوری طرح سے اڑ چکی تھی۔ نیند کی خماری سے بھری ہوئی آنکھیں مکمل طور پر کھل چکی تھیں۔ سراسیمہ سی کمرے کو ایک طائرانہ نگاہ سے دیکھتی پلٹی تھی اور باہر نکل آئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کہاں تھا؟ وہ نہیں جانتی تھی۔ مگر یہ بات کسی تشویش سے کم نہ تھی۔ پریشانی واضح طور پر اس کی آنکھوں میں در آئی تھی۔

وہ کوئی بچہ نہ تھا۔ مگر رات کے اس پہر اس کا اس طرح کمرے سے غائب ہو جانا یقیناً باعثِ تشویش تھا۔

"میں ساری کشتیاں جلا کر آیا ہوں اور اب پیچھے قطعاً نہیں ہٹوں گا۔ اب چاہے تم میری پذیرائی کرو یا نہ، چاہے مجھے چاہو یا نہ چاہو۔ میرا نہ تھا سو یا نہ تھا سو لیکن تمہیں نہیں چھوڑ سکتا انابیہ شاہ!"

عفنان علی خان کا لہجہ ابھی تک اس کی سماعتوں میں گونج رہا تھا۔ پچھلی شب کا اثر جوں کا توں تھا۔ وہ اس کے اس مجنونانہ لہجے کو اور ان پُر جنون آنکھوں کو فراموش ہی نہیں کر پا رہی تھی۔

وہ سب جیسے ایک تاثر خاص بن گیا تھا۔ اگلے دن وہ کیمپس بھی نہیں جا سکی تھی۔ لامعہ کا فون آیا تھا مگر اس نے بات نہیں کی تھی۔ اس کی ہمتیں جیسے ٹوٹ چکی تھیں۔

سیل سارا دن بجتا رہا تھا۔ اسکرین پر ایک نمبر ابھرتا رہا تھا مگر اس نے ایک بار بھی کال ریسیو نہیں کی تھی۔ آف کر دیا تھا۔ مگر جب دوسرے دن سوئچ آن کیا تھا تو سیل ایس ایم ایس سے بھرا پڑا تھا۔

"پلیز ٹاک ٹو می۔"

یہ اور اس جیسے کتنے ہی میسجز اسے مزید پریشان کر رہے تھے اور شام میں عفنان علی خان پھر اس کے گھر موجود تھا اور وہ اسے حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

"ضبط کو آزمانا چاہتی ہو؟" عفنان علی خان اس کی آنکھوں میں بغور دیکھ رہا تھا۔ کل کی بہ نسبت آج وہ زیادہ پُراعتماد دکھائی دے رہا تھا۔ چہرے پر پُرسکون کیفیت تھی۔ جیسے وہ صورت حال کو اپنے بس میں کر چکا تھا۔

"آزمانا چاہتی ہو مجھے یا پھر خود کو؟...... انابیہ شاہ! کیا یہ اتنا آسان ہے؟...... آسان ہے یوں نگاہ پھیرنا...... یا پھر اجنبی بن جانا؟...... تمہیں نہیں لگتا تم نے عفنان علی خان کو سمجھنے میں غلطی کی ہے۔" کہتے ہوئے وہ مکمل طور پر پُراعتماد دکھائی دے رہا تھا۔

"کیا سمجھتی ہو؟ اتنی جلدی ہمتیں ہار سکتا ہے کوئی؟ ــــــ اتنی جلد حوصلہ ہار سکتا ہے؟" بغور دیکھتے ہوئے نفی میں ہلایا تھا اور مسکرا دیا تھا۔

"جو بھی جانا، غلط جانا، غلط سمجھا۔ انابیہ شاہ! ــــــ جو ایک پل بھی اپنی سمت بدل لے وہ محبت نہیں۔ عفنان علی خان تم سے بے انتہا محبت کرتا ہے۔ اتنی کہ تم سوچ بھی نہیں سکتیں۔ کیا سمجھتی ہو تم، مجھ سے اجنبی رہو گی تو میں ہر راہ بدل لوں گا، پلٹ کر لوٹ جاؤں گا...... پھر کبھی تمہاری سمت نہ آنے کے لئے؟ کیا عفنان علی خان اتنا کمزور ہے یا پھر اس کی محبت اتنی کھوکھلی ہے؟ بولو انابیہ شاہ! کیا لگا تمہیں؟" مدھم لہجہ کسی جنون کو اپنے اندر رکھتا تھا۔

"دل کو سنبھالنا اتنا ہی آسان ہے۔ سمجھنے اور سمجھانے کی باتیں کب تک ہمارے مابین ہوتی رہیں گی انابیہ شاہ! کب تک ہم وقت گنواتے رہیں گے؟ کیوں نہیں سوچتی تم؟ لمحے قیمتی بھی تو ہو سکتے ہیں۔ گزر گئے پلٹ کر واپس کب لوٹیں گے۔ تمہیں اتنی سی بات سمجھ میں نہیں آئی۔ ایک چھوٹی سی بات۔ عمر جیتے کو تھوڑ ہے اور تم محبت کے لیے گنوا رہی ہو ——— کیا تروں میں انابیہ شاہ! تمہارا۔ کیسے سمجھاؤں کہ دل کی اپنی مرضی ہوتی ہے اور دماغ کی اپنی۔ دل اور دماغ کبھی ایک راہ پر نہیں چل سکتے۔ تبھی تو تمہارے معاملے میں دل سمجھا نہیں پاتا۔ اور تم ہو کہ یہ بات سمجھتی ہی نہیں ہو۔ سمجھنا بھی نہیں چاہتی ہو۔ بس لکیریں کھینچے جا رہی ہو دائرے بنائے جا رہی ہو۔ اپنے اور میرے درمیان فاصلے بڑھاتی جا رہی ہو اور سمجھتی ہی نہیں کہ یہ فاصلے دل سے کتنی دور لے جائیں گے۔ طفل بھی اپنے فائدے اور نقصان کی بات کو بخوبی سمجھتا ہے۔ مگر تم انابیہ شاہ!.......تم تو.......کیسے بتاؤں میں تمہیں؟ کیسے سمجھاؤں؟"

"کچھ سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے۔" انابیہ شاہ نے تیزی سے اس کی بات کاٹ دی تھی اور اجنبی لہجے میں باور کراتے ہوئے بولی تھی۔ "کچھ بھی باور کرانے کی ضرورت نہیں ہے تمہیں عفنان علی خان! کیونکہ میں اپنا اچھا برا، نفع نقصان، سب خوب سمجھتی ہوں۔ سو پلیز، اپنا اور میرا وقت برباد مت کرو۔ میں اپنے فیصلے مطلع کر چکی ہوں اور بار بار دہرانا مجھے اچھا نہیں لگتا ——— اگر تم یہ سمجھ رہے ہو کہ تم ایسی بے تکی باتیں کر کے مجھے قائل کر لو گے تو یہ تمہاری خام خیالی ہے۔"

انابیہ شاہ کہہ کر آگے بڑھنے لگی تھی جب بہت سرعت سے عفنان علی خان نے اس کے نازک سے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ انابیہ شاہ نے کسی قدر حیرت سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ آنکھوں میں ناگواری کا عنصر بہت واضح تھا۔ مگر دوسری طرف عفنان علی خان بہت مطمئن سا مسکراتا نظر آ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بہ غور جھانکتا ہوا وہ جیسے اپنی محبت کا بھرپور اعتراف کر رہا تھا۔

"یہ فرار، یہ بھاگنا، دوڑنا، یہ حقیقتوں کو جھٹلانا، سب سے چہرہ چھپانا، کب تک؟ ——— ہاں، کب تک انابیہ شاہ؟" مضبوط ہاتھ شانوں پر دھرتے دریافت کیا تھا اور انابیہ شاہ ساکت سی اس کی سمت دیکھتی رہ گئی تھی۔ جیسے وہ اس گھڑی قطعاً بے بس تھی یا پھر حیران و ششدر۔ اور عفنان علی خان کہہ رہا تھا۔

"دیوار اٹھانا چاہتی ہو تو اتنا جان لو، کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوگی۔ راستوں کو علم ہے۔ درمیان محبت ہے اور سفر جذبوں کو کرنا ہے۔ سو فاصلے اپنا آپ سمیٹ لیں گے۔ تمہیں کوئی اور راہ نکالنا ہوگی انابیہ شاہ! مگر اس کے لیے بھی ضروری نہیں کہ تم کامیاب بھی ہو۔" بہت دھیمی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر تھی۔

"سنا ہوگا تم نے، محبت سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ مگر اس پیچیدہ مسئلے کا حل بھی صرف اور صرف محبت ہے۔ سو جو بھی اقدام اٹھاؤ جان لینا کہ یہ سر جھکا ہوا ہے اور ہمیشہ جھکا رہے گا۔ تلوار اٹھاؤ اور یہ دل وار کرو، دل حاضر ہے۔ مگر یہ کھیل فیئر ہونا شرط ہے۔ بساط جب بچھ ہی چکی ہے تو پھر ڈر کیسا۔ ہار ہو یا جیت کیا فرق پڑتا ہے۔ محبت تمام خساروں کا مداوا بہت خوبی سے کرنا جانتی ہے۔ سو کھیل لینے میں کیا حرج ہے۔ آئی ایم ریڈی تو بیٹ... دہاٹ ابانٹ یو، دل سیپٹ اور بات؟" مسکراتی نگاہ میں کچھ خاص رنگ تھے۔ انابیہ شاہ کی حیرت سوا تھی۔ کچھ نہیں بول سکی تھی وہ۔

اختتام کشتیاں جلا کر آیا ہوں ——— واپس پلٹنے کی تو کوئی راہ ہی نہیں ہے۔

دل کو اس راہ پہ چلنا ہی نہیں
جو مجھے تجھ سے جدا کرتی ہے

"آزمانا ہو تو آزما لو ——— جانچنا ہو تو جانچ لو۔ کوئی راہ تبدیل نہیں ہوگی۔"

ہم لہجے میں کوئی خاص بات ضرور تھی۔ وہ مبہوت سی کھڑی تھی جب عفنان علی خان اسی پُر اعتماد انداز بگڑاتا ہوا پلٹا تھا اور پھر وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔

⁂

بے تاثر بن جانا اتنا آسان نہیں ہوتا۔ اور ان معاملات میں تو قطعاً بھی نہیں جو براہ راست آپ سے جڑے ہوں۔

جو ہوا کچھ ویسا ہی تھا جیسا وہ ایکسپیکٹ کر رہی تھی۔ مگر اسے حیرت اس بات پر ہو رہی تھی کہ اس کے باوجود بھی وہ اس نقطے پر اب تک خود کو ساکت و جامد محسوس کر رہی تھی۔

"سابیہ! کیا ہوا؟" اگینے چلتی ہوئی اس کے پیچھے آن رکی تھی۔ مگر سابیہ خان چونکی نہیں تھی۔ نہ ہی پلٹ کر اس کی طرف دیکھا تھا۔ ساکت نگاہ خلاؤں میں کہیں یونہی اُلجھی رہی تھی۔

"سابیہ!" اگینے اس کے سامنے آن رکی تھی۔ بہ غور اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے جیسے صورت حال کو جانچا تھا مگر اس کا چہرہ اس کے لیے کھلی کتاب نہ تھا۔ اگینے کے اس طرح جانچنے پر وہ مسکرا دی تھی اور انداز بھانپتی مگر وہ جیسے تمام صورت حال اپنے بس میں کرنے کا اختیار رکھتی تھی۔

"بھابی کب سے تمہیں کھانے کے لیے بلوا رہی تھیں۔ تم نے سنا نہیں۔" اگینے نے کسی قدر جانچتی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ سابیہ خان نے سرنفی میں ہلا دیا تھا۔

"بھوک نہیں ——— ماما سے کہیے، جب ہوگی کھا لوں گی۔"

"کیا بات ہے؟"

"کچھ نہیں پھپھو!" لب بہت ہولے سے مسکرائے تھے۔

"کسی نے کچھ کہہ دیا؟"

"کون.......کون کہے گا کچھ مجھ سے؟" مسکراتے ہوئے نگاہ چرا رہی تھی۔

"ازہان.......ازہان نے کچھ کہہ دیا؟" اگینے کسی نقطے پہ پہنچی تھی اور سابیہ خان ساکت سی اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ بولی کچھ نہیں تھی۔

"نہیں ——— وہ کیا کہے گا کچھ مجھ سے۔ وہ میرا اچھا دوست ہے اور دوستوں میں کچھ عجب کیسے ہو سکتا ہے؟" وہ خوامخواہ مسکرائی تھی۔

"تمہیں یقین ہے؟" اگینے نے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"قطعی۔" سابیہ خان مسکرائی تھی۔

"آپ کو کیا لگا ——— کیا ایسا ہو سکتا ہے ہم میں؟" نظریں چراتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ اگینے اس

کے چہرے کو بغور تک رہی تھی۔

”خود کو اور دوسروں کو بے وقوف بنانا کوئی اچھی بات نہیں۔“ اجیہ نے بولی تھی۔ انداز باور کرانے والا تھا مگر ساہیہ خان مسکرا دی تھی۔

”پھپھو! آپ کو کیا لگتا ہے، اذہان کو اور مجھے لے کر جو ہونے جا رہا ہے، آئی مین جو تعلق بننے جا رہا ہے وہ کتنا صحیح ہے؟“ الجھن سے بھرے لہجے میں دریافت کیا تھا۔

”تو تم اس بات کو لے کر پریشان ہو؟“ اجیہ جیسے حتمی نتیجے تک پہنچی تھی۔ ساہیہ کچھ نہیں بولی تھی۔ اجیہ نے دو قدم آگے بڑھ کر اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں لے کر محبت سے دیکھا تھا اور نرمی سے مسکرائی تھی۔

”ساہیہ! آنے والے دنوں کی فکریں، آنے والے دنوں پر ہی چھوڑ دینا اچھا ہوتا ہے۔ ایسا کرنے سے بہت سے مسائل جنم نہیں لیتے۔ یہ ایک اچھا حل ہے اپنے آپ کو ریلیکس رکھنے کا۔“

”مگر پھپھو! صرف آج ریلیکس رہنے کے لیے میں اپنے آنے والے کل کو اندیشوں میں مبتلا نہیں کر سکتی۔ کیونکہ آج پر ہی آنے والے کل کو بیس کرتا ہے۔ سو آج سے ہی کل کی فکر کرنا ضروری ہے۔“

”جب میں تمہاری عمر میں تھی تو بالکل بھی ایسا نہیں سوچتی تھی۔ خاصی بڈھوں والی سوچ ہے۔“ اجیہ نے مذاق میں ڈالنا چاہا تھا اور وہ اپنی کوشش میں کامیاب رہی تھی۔ ساہیہ خان مسکرا دی تھی۔ مگر یہ مسکراہٹ قلیل لمحوں کی تھی۔ چند لمحے بعد ہی وہ ہونٹ بھینچ کر اسی ڈگر پر تھی۔

”پھپھو! رابطوں میں پذیرائیاں بھی ہوں، کیا یہ ضروری ہے؟“ بات بہت گہری تھی شاید تبھی اجیہ چونک پڑی تھی۔ مگر ساہیہ خان کو اس بات کا احساس ہونے نہیں دیا تھا۔

”کن رابطوں کی بات کر رہی ہو تم؟ —— رابطے تو کئی طرح کے ہوتے ہیں۔“

”ہاں، ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔“ ساہیہ خان لاجواب ہو کر مسکرا دی تھی۔ ”رابطے تو کئی طرح کے ہوتے ہیں۔ کئی طرح کے ہو سکتے ہیں۔ ہر رابطہ میں پذیرائی بھی ہو، یہ ضروری نہیں۔ اور ضروری تو یہ بھی نہیں کہ ان بے تکے موضوعات پر بے تکی بات بھی کی جائے۔“

”رابطے تو کئی طرح کے ہوتے ہیں۔ مگر ساہیہ! ہر رابطہ سے ہم ہر طرح کی توقعات نہیں رکھ سکتے۔ کچھ خاص لوگوں سے ہی خاص توقعات وابستہ کی جاتی ہیں۔“

”اور کتنا بڑا پاگل پن ہے نا یہ پھپھو! نہ کسی کی سننا، نہ کہنا، بس پاگلوں کی طرح اپنی طرف سے توقعات کا بیٹھ جانا اپنے آپ کو کتنا بے قیمت کرنے والی شے ہے نا۔ کوئی سمجھتا ہی نہ ہو، جانتا ہی نہ ہو اور آپ—“ بے الجھے ہوئے انداز میں کہتے ہوئے وہ یک دم ہی بات ادھوری چھوڑ کر چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔ اجیہ نے اس انداز کو محسوس کر رہی تھی مگر واضح طور پر کچھ پوچھنا مناسب نہیں جانا تھا۔

”تم آؤ —— کھانا کھا لو۔ بھائی کو بہت فکر ہو گی ورنہ۔“

”پھپھو!“ ساہیہ خان نے جواباً کچھ بولنے کو لب کھولے تھے مگر پھر بولے بغیر لب بھینچ گئی تھی۔ اجیہ نے اپنے دونوں ہاتھ اس کے کاندھوں پر رکھتے ہوئے بہت نرمی سے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

اپنا یہ عمر خواہ مخواہ کی فکروں میں گھرنے کی نہیں ہے۔ اور تمہاری عمر تو یوں بھی ابھی بہت کم ہے۔ انجوائے کرو۔ یہ الجھاوؤں کے جال بڑے ہی ظالم ہوتے ہیں۔ ایک بار الجھے تو سلجھنے کی کوئی نہیں۔ تجھے بہت عزیز ہو، سو مشورہ یہی دوں گی کہ جو ہو رہا ہے، جو ہونے جا رہا ہے ہو جانے دو۔ تم وقت کو روک سکتی ہو نہ وقت کے کسی اقدام کو۔ تو کیا بہتر نہیں کہ ہم خواہ مخواہ کے الجھاوؤں کی کریں اور ان جنوں کو ان کے رحم و کرم پر چھوڑ دیں کہ بعض اوقات آنکھیں میچ لینا ہی سب سے بڑا ہے۔ اب چاہے یہ اقدام کسی خوف کے سبب ہی کیوں نہ ہو یا پھر کسی مصلحت کے تحت۔“ مسکراتے اس کے چہرے کو تھپتھپایا تھا۔

اٹھو، کھانا ٹھنڈا ہو گیا تو مزہ نہیں آئے گا۔“ انداز بہت سرسری تھا اور ساہیہ خان انہیں دیکھ کر رہ گئی بے سبب تو نہ تھی۔ کیسے وہ نظر انداز کرتی اور کیسے آنکھیں میچتی۔

***

اذہان حسن بخاری ایزی چیئر پر آنکھیں بند کیے بیٹھا تھا۔ کمرہ اندھیروں میں ڈوبا ہوا تھا۔ دل کے پر کئی خیالوں کی آہٹیں تھیں۔ کئی آوازیں دستکیں دے رہی تھیں۔ دو آنکھوں کا پہرہ دل پر تھا۔ دو کپکپا رہے تھے۔ کچھ حرف تھے شاید۔

ٹوٹے پھوٹے، بے ربط، بے آہنگ۔

مگر ہزار ہا معنی اپنے اندر سمیٹے۔

حیران تھی، کچھ ویران۔ لمبی دراز پلکیں کچھ کپکپا رہی تھیں۔ اک انجان سا بوجھ ان پر لدا تھا۔ سمندر آنکھوں کے کنارے چپکے چپکے بھیگ رہے تھے۔

گداز لب ساکت تھے۔ عارض بھیگ رہے تھے۔ سارے لمحے پانیوں کی زد پر تھے اور وہ خاموش

خود سے الگ کبھی مت ہونے دینا۔ یہ احساس سپردگی، یہ نیا پن، یہ احساس محبت، دل ڈرتا ہے۔ جائے سب۔ اذہان! میرے رہو گے نا؟“

مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔ گداز لب کپکپا رہے تھے۔ سمندر آنکھیں طغیانیوں میں گھری تھیں اور وہ نہ جھپک سکا۔ بس ساکت سا تکتا رہا تھا۔

کھو جاؤں تو کیا کرو گے اذہان؟“

ڈھونڈوں گا —— تلاشوں گا —— دنیا کے ایک نقطے سے دوسرے تک۔ اک کنارے سے صدائیں دوں گا —— تمہارا نام لوں گا۔“

لہجہ بے قرار تھا۔ مدھم، جنوں خیز۔

ایسا کرنے سے میرے خیالوں تک رسائی پا سکو گے؟ کیا ڈھونڈ لو گے مجھے؟“ وہ بھیگی آنکھیں ان کی اور اس کا اک جہاں جیسے قیامتوں میں گھر گیا تھا۔

نہ دو گے اذہان حسن بخاری؟“ وہ نگاہ بے قرار تھی۔

"نہیں، کوئی اپنی زندگی کیسے گنوا سکتا ہے؟ ــــ میں جینا چاہوں گا۔ زندگی کے ساتھ، تمہارے ساتھ۔" بے قرار لہجہ احساسِ محبت سے بھرپور تھا۔ ہاتھ بڑھا کر اس کی آنکھوں کے تمام آنسو اپنی پوروں پہ چنے تھے۔ وہ کانپتا، کمزور لہجہ، مدھم آواز اس کے گرد حصار باندھ رہی تھی۔ مضطرب نگاہ اس کے چہرے پر تھی۔

"مجھے سمیٹ لو ــــ اپنی پناہ میں لے لو۔ میں زندگی ہوں تو مجھے جی کیوں نہیں لیتے؟ باندھ لو دھڑکنوں میں ــــ سانسوں میں بسا لو ــــ مجھے تمہارے ساتھ رہنا ہے، تمہارے لئے تمہاری زندگی ہوں میں۔ تمہارے لئے ہوں۔ احساس سے چھو لو مجھے کوئی اندیشہ باقی نہ رہے سارے پل سمیٹ کر گرفت میں باندھ لو۔ میں تم سے بچھڑنا نہیں چاہتی۔ یہ لمحے مجھے ڈرا رہے ہیں، یہ گزر گئے تو کچھ باقی نہیں رہے گا۔ تم ان خدشوں کو مٹا کیوں نہیں دیتے؟ سانسوں کی ہوں تو مجھے اپنے رنگوں میں رنگ کیوں نہیں لیتے؟ میں تمہارے اختیار کے دائروں میں ہوں۔ اختیار میں رہنے دو۔ تمہارے بغیر، تمہارے بنا زندگی باقی نہیں رہے گی۔" وہ گہرے سمندر پھر طغیانی پر تھے۔

اور اذہان حسن بخاری کے لبوں پہ گہری چپ تھی۔

"تمہاری چپ میں ایک سکوت ہے اذہان حسن بخاری! اور مجھے یہ سکوت بہت ڈرا رہا ہے۔" مضبوط ہاتھوں سے ان نازک ہاتھوں کو ہولے سے تھام لیا تھا۔ گرم لمس یہ جتانے کو کافی تھا کہ وہ سنگ ہو گی۔

"میں حالات کو اپنے بس میں کر لوں گا ــــ تمہارے لئے سب کچھ کروں گا ــــ اس محبت کے لئے، اس رفاقت کے لئے، سب کچھ۔ بس مجھے کچھ لمحے دو۔ میں ہر وہ اقدام کروں گا جو تمہیں مجھ سے دور نہ کرے۔ فقط چند دن ــــ چند روز ــــ چند لمحے۔ میں سب کچھ بدل دوں گا، سب کچھ۔" وہ نم سا لہجہ یقین دلاتا ہوا تھا۔

"محبت کا احساس ہو تم ــــ تمہاری آہٹوں نے مجھے زندگی بخشی ہے۔ تمہارے اک لمس نے مجھے مکمل کیا ہے۔" سرگوشیوں میں شدت تھی اور وہ بھیگی نگاہ سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"اذہان!...... اذہان!" کوئی پکار رہا تھا شاید۔ کوئی ہاتھ، ہاتھ سے چھوٹ رہا تھا۔ کوئی نگاہ پلٹ رہی تھی۔ وہ لرزتی پلکیں گریزاں ہو رہی تھیں۔ وہ گداز لب کچھ کہہ رہے تھے۔ قدرے دور ہو رہے تھے... ہولے ہولے پیچھے ہو رہے تھے اور اس کا دل ایک گہرے اضطراب میں گھرتا جا رہا تھا۔ دھڑکنیں پاتالوں میں کھو رہی تھیں۔ سانسیں رک رہی تھیں۔ دل جیسے دھڑکنا بھول رہا تھا۔

"اذہان!...... اذہان!" کسی نے اس کا شانہ ہلا کر اسے جیسے جھنجھوڑا تھا۔ اس نے ایک لمحے کو آنکھیں وا کی تھیں۔

"اذہان! کیا ہوا؟" ممی اس کے سامنے کھڑی پریشانی سے دریافت کر رہی تھیں۔

اذہان حسن بخاری نے کھوئے کھوئے انداز میں خالی خالی آنکھوں سے انہیں دیکھا تھا۔ پھر سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

...پچے کو دیکھ کر رہ گئی تھیں۔

❋❋❋

...ہو تھا۔

...تی تھی۔

...لمحے میں سب کچھ متزلزل ہوتا لگا تھا۔

...اتوں کھدروں میں چھپے خوف ایک لمحے میں پھر سر اٹھانے لگے تھے۔

...بکتگین حیدر لغاری اس کے سامنے کھڑا تھا اور وہ اسے خالی خالی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔

"...رہا تھا ہوں تم پریشان ہو گئی تھیں۔ مگر تمہاری طبیعت خراب تھی، سو میں نے تمہیں ڈسٹرب کرنا ...سمجھا اور تم......" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے وضاحت دینا چاہی تھی۔ میرب سیال خاموشی ...ھتی رہی تھی اور سردار سبکتگین حیدر لغاری مزید کچھ نہیں کہہ سکا تھا۔

...بکتگین حیدر لغاری نے بہت آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر اس کے شانے پر دھرا تھا۔ میرب سیال نے ...ات دیکھنے سے مکمل گریز برتا تھا۔ یہ انداز بیگانگی کا اقدام غالباً دانستہ تھا۔ وہ نگاہ جھکائے کھڑی ...ں لمحے وہ ہاتھ اس کے شانے پر آیا تھا اس نے اپنا نازک سا ہاتھ بڑھا کر بہت آہستگی سے اس ...ا اپنے شانے پر سے ہٹا دیا تھا۔

...بکتگین حیدر لغاری کو اس اقدام پر بہت حیرت ہوئی تھی۔

"...ہا، تم......" کچھ بولنے کو لب کھولے تھے مگر پھر کچھ بولے بغیر لب بھینچ گیا تھا۔ کچھ لمحوں کے ...بعد بولا تھا تو لہجہ بے حد مضبوط تھا۔

"...الجھی ہو، کہاں گیا تھا میں آدھی رات کو اٹھ کر۔ اعتبار نہ کرنے کی عادت ہو گئی ہے تمہاری۔ کیا ...تمہارے پلو کا اسیر ہو گیا ہوں میں؟ ــــ باندھ کر رکھ لیا ہے تم نے مجھے؟ ــــ تمہاری مرضی ...کے بنا کہیں نہیں جا سکتا؟ میرب سیال! تم......" غصے میں بولتے بولتے یکدم وہ مٹھیاں بھینچ کر ...رہ گیا تھا۔ پھر ہاتھوں سے بالوں کو کسی قدر الجھن سے کھینچتے ہوئے اس کی طرف کسی قدر غصے سے ...

"...ہا تم اپنے اور میرے رشتے کے بیچ پھر خواہ مخواہ کی دیوار اٹھانے کی کوشش کر رہی ہو۔ ایسا کچھ ...نہیں جیسا تم سمجھ رہی ہو۔ آئی واز جسٹ بزی وِد وی ورک۔ اینڈ دیٹس آل۔ پلیز ٹرائے ٹو میک سینس ...ایک ٹرسٹ۔ ایسے کیسے چلے گا؟ تم بیوی ہو میری، پلیز ماں بننے کی کوشش مت کرو۔ میں بہت ...مشکل سے تمہارا اعتبار جیتنے کی کوشش کر رہا ہوں اور تم...... تم پھر مجھے اسی ڈگر پر دھکیل رہی ہو۔ کیا تم ...ہمارے درمیان وہ دیوار پھر سے کھڑی ہو جائے؟ وہ سارے فاصلے پھر سے عود کر آئیں؟" اسے ...جھنجھوڑتے ہوئے کسی قدر اکھڑے ہوئے انداز میں کہا تھا۔

...سیال نے اس کی طرف دیکھا تھا۔ پھر بہت آہستگی سے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"...میں کچھ نہیں کہہ رہی ہوں ــــ میں نے ایسا کچھ نہیں کہا۔" باور کراتے ہوئے چلتی ہوئی دور جا

اول

رکی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی طرف دیکھا تھا پھر مسکرا دیا تھا۔

"میرب! تم بالکل بچوں سا مزاج رکھتی ہو ——— ذرا سی بات ہوئی نہیں اور تم روٹھی نہیں۔"

ہوئے اس کی پشت پر جا رکا تھا۔ "اینی وے، آج کا کیا پروگرام ہے؟ ہمیں شام کہاں گزارنی چاہیے" کے دونوں شانوں کو تھام کر اس کا رخ اپنی طرف موڑا تھا۔ مگر میرب سیال کچھ نہیں بولی تھی۔ بس نگاہ اٹھا کر اس کی سمت دیکھا تھا اور سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

"اینی ویز، تھینکس۔"

"فور وہاٹ ———؟" میرب سیال چونکی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

"تمہارا یہ روپ پہلی بار میرے سامنے آیا ہے تو جانا ہے کہ شاید اسی کا نام محبت ہے۔ شاید کہتے ہیں۔ ایک دوجے کو سوچنا، فکر کرنا، ایک دوسرے کے لیے پریشان ہونا، یہ سب محبت ہی ہے خوشی ہے کہ ہم دونوں کے بیچ محبت جنم لے چکی ہے۔ اگر آج ایسا نہ ہوتا تو تم مجھ سے اس قدر گریز آتیں۔ یہ روٹھا روٹھا سا انداز بتا رہا ہے کہ تمہیں میری کتنی فکر ہے۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری کا انداز ذکر پر تھا۔ وہی رنگ تھے۔ وہی ڈھنگ۔ لہجے میں وہی چاشنی تھی اور نظروں میں وہی تاثر خاص۔

میرب سیال اس کی سمت دیکھتی چلی گئی تھی۔

"کیا اب بھی ناراض ہو؟" بغور اس کی آنکھوں میں جھانکتا ہوا مسکرایا تھا۔ میرب سیال چہرے کا رخ پھیرا تھا اور نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

"میں آپ سے ناراض نہیں ہوں۔ ناراض نہیں تھی۔"

"اور اس کے باوجود تم میری طرف اس وقت نہیں دیکھ رہی ہو۔ گریزاں ہو اور مجھے نظر انداز اسے ناراضگی نہیں تو اور کیا کہیں گے؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

میرب سیال کچھ بولے بغیر چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

❋❋❋

Piano کی ساری Black Keys ایک ایک کر کے ٹوٹ چکی ہیں ——— جدائی کا جو گیت بھیج رہا ہوں وہ میں نے سارے کا سارا White Keys پر Compose کیا ہے۔ یہ سوچ کر کہ Shawl کے بغیر بھی White Dress میں بہت خوب صورت لگتی ہو۔

کھلی کتاب کے کسی سرے سے ایک سوکھا گلاب یکدم ہی نیچے جا گرا تھا۔ اذہان حسن بخاری کر اس سوکھے پھول کو اٹھایا تھا اور بغور تکنے لگا تھا۔

"تمہیں لڑکیوں میں سب سے اچھی بات کیا لگتی ہے؟"

"لڑکیوں میں؟" اس کی آواز حیرت میں ڈوبی ہوئی تھی۔

"کیوں ——— اس سوال میں اتنا عجب کیا ہے؟"

عجب کچھ نہیں ہے۔ مگر اگر میں تمہارے علاوہ کسی اور کے متعلق سوچوں گا تو برا تو تمہیں ہی لگے گا نا۔"

زیا تھا۔

آنکھوں نے اسے عجب خفگی سے دیکھا تھا۔

کھلکھلا کر ہنس دیا تھا۔

چہرہ خفا خفا سا رخ پھیر گیا تھا۔ اسے خفگی کا احساس ہوا تھا اور اس کے چہرے کو بہت آہستگی سے اپنی موڑا تھا اور بہت مدھم لہجے میں بولا تھا۔

"مجھے صرف تم اچھی لگتی ہے اور صرف تم ہی اچھی لگتی ہو۔ تمہارے سوا اور کچھ نہیں۔" سرگوشی میں انداز والا تھا۔ "تم مسکراتی ہو تب اچھی لگتی ہو۔ جب میری طرف نگاہ اٹھا کر دیکھتی ہو بہت اچھی لگتی ہو اور نگاہ پھیر کر اجنبی بن جاتی ہو تب تو اور بھی اچھی لگتی ہو ——— مجھے تم میں جو بھی ہے، سب اچھا لگتا تمہارا چھوٹی چھوٹی باتوں پر پریشان ہو جانا، ہر بات کی فکر کرنا، بات بے بات روٹھ جانا اور پھر نے پر مان جانا۔ تمہاری تمام خامیاں، تمام خوبیاں، تمام کمیاں، تمام کمزوریاں سب بہت اچھا لگتا

بولا تھا اور وہ کھلکھلا کر ہنستی چلی گئی تھی۔

اذہان حسن بخاری نے ڈائری کو کھولا تھا۔ کئی نقش از سر نو تازہ ہو کر اس کے ارد گرد چمکنے لگے تھے۔

"میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔"

"کیا؟"

"کہہ دوں؟"

"ہاں۔"

"تم میری خواہشوں میں ہو۔"

"پاگل۔"

"جو بات میں نے تم سے آج تک نہیں کی تھی۔ سنبھال کر رکھے تھے سارے لفظ۔ مگر تم یہ کتاب تو بند کر

نے کر دی بند۔ پھر۔"

"مجھے اپنے دل میں رہنے دو۔" وہ شرارت پر آمادہ ہوا تھا۔

"شٹ اپ اذہان! واٹس سو چیپ اینڈ ویری فلمی۔" وہ ہنس پڑی تھی۔

"میں تم سے عام لفظ کہنا نہیں چاہتا تھا۔"

"کم آن اذہان! فضول کی مت ہانکو۔ بہت ضروری کام کر رہی ہوں میں۔ سو پلیز ڈسٹرب مت کرو۔"

ناسنے اسے دیکھا تھا اور وہ مسکرا دیا تھا۔

اذہان حسن بخاری نے کچھ صفحے مزید پلٹ دیے تھے۔

کی آنکھیں پھر اسکے سامنے تھیں۔

گداز لب کپکپا رہے تھے۔
بہت کچھ کہنے کی خواہش تھی مگر لبوں پر کوئی ایک لفظ بھی نہ تھا۔ سر بہت ہولے ہولے نفی میں ہل رہا تھا۔
اس کے ہاتھوں نے اس چمکتے چاند سے چہرے کو اپنے حصار میں لیا تھا۔ بھیگی پلکوں کی لرزش کچھ اور بھی بڑھ گئی تھی۔
"مجھے تمہارے ساتھ رہنا ہے۔ تمہارے ساتھ جینا ہے۔ تم مجھے روک کیوں نہیں لیتے؟ توڑ کیوں نہیں دیتے یہ ساری دیواریں، یہ سارے حصار جو تمہیں اور مجھے الگ الگ دائروں میں بانٹ رہے ہیں۔ چپ کیوں ہو تم؟ مجھ سے کہتے کیوں نہیں کہ میرے بغیر جی نہیں سکو گے۔ کہہ دو کہ زندگی آسان نہیں رہے گی۔ مجھے تمہاری خاموشیوں سے وحشت ہو رہی ہے۔ توڑ دو یہ برف کی دیوار۔ ان لبوں کی خاموشی۔ یہ چپ تمہارے اور میرے درمیان فاصلے حائل کر رہی ہے۔ تم اتنی چھوٹی سی بات سمجھتے کیوں نہیں ہو؟ میں جا رہی ہوں۔ میں چلی جاؤں گی۔ کیسے جیو گے؟"
بھیگی آنکھوں میں کسی قدر اضطراب تھا۔ عارض بھیگ رہے تھے مگر وہ خاموش کھڑا تھا۔
"کیا میرے بغیر جی لو گے؟" گداز لب لرز رہے تھے۔
لمحے ہاتھ سے سرک رہے تھے۔ "اذہان حسن بخاری! وقت گزر رہا ہے۔ یہ پل بیت گئے تو کچھ ہاتھ نہ رہے گا۔"
ایک تصویر ڈائری سے جھانکتی دکھائی دی تھی۔ اذہان حسن بخاری نے تصویر ہاتھ میں لے لی تھی۔ ایک چہرہ اس کے سامنے تھا۔ تابناک بلا کی تھی۔ مگر اس کے تصور میں انہی دو بھیگی پلکوں کا پہرہ تھا۔
"یہ لمحے جب تم میرے سامنے ہو، میرے پاس ہو، میرے قریب ہو۔ یہی لمحے میرے لیے زندگی ہیں۔ مجھے جی لینے دو۔ ان آنکھوں میں لمحہ دو لمحہ کو جی سکی۔ میں اپنے عکس کو تمہاری آنکھوں میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ تمہارا چہرہ میرے سامنے ہو تو مجھے کچھ یاد نہیں رہتا۔ یہ آنکھیں کچھ یاد نہیں رہنے دیتیں۔ میں ان لمحوں میں جینا چاہتا ہوں۔ مجھے جی لینے دو۔ لمحہ دو لمحہ کو جی سکا۔ حسین اور دل پذیر ہو تم۔ اپنے سارے رنگ ان لمحوں کو بخش دو۔ دان کر دو اپنی ساری دلکشی اس وقت کو۔ میں ان لمحوں کو روک لینا چاہتا ہوں۔ اپنے آنچل کو پھیلا دو۔ میں آسمان کے تمام تارے چن لینا چاہتا ہوں۔ یہ اپنی آنکھوں کے جگنو مجھے سونپ دو۔ تمام لمحے کی یاد اپنے دل میں محفوظ کر لینا چاہتا ہوں۔ مجھے اجازت دو۔" ایک جنون فضا میں ڈوب ابھر رہا تھا۔ وقت کی ساعتیں تھم گئی تھیں۔ نبضیں جم گئی تھیں۔ سانسیں رک گئی تھیں۔ تمام منظر جم گئے تھے۔
وہ مبہوت سا کھڑا تھا۔
پرسنل سیل یکدم ہی بجنے لگا تھا۔ اذہان حسن بخاری جیسے ایک گہرے خواب سے بیدار ہوا تھا۔ تصویر ڈائری میں رکھی تھی اور ڈائری بند کر کے سائیڈ کی دراز میں ڈال دی تھی۔
"ہیلو۔۔۔۔۔ جی، آئی ایم ریڈی ٹو میٹنگ۔ جی، آپ بات کر لیں۔" وہ کہتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔ کچھ دیر قبل والا ہر تاثر چہرے سے معدوم ہو چکا تھا۔
فارحہ نے بیٹے کو سیڑھیاں اترتے دیکھا تھا۔

"کہاں جا رہے ہو؟۔۔۔۔۔ کھانا لگ چکا ہے۔"
"نہیں ممی! پاپا کا فون آیا ہے۔ ایک اہم میٹنگ ہے۔ مجھے جانا ہو گا۔" کہنے کے ساتھ ہی وہ تیزی سے باہر نکل گیا تھا۔

❊❊❊

اندازہ بے اعتباری کے درمیان لٹکے رہنا آسان نہ تھا۔ اس سے کہیں بہتر تھا کہ وہ اس تمام معاملے کو ایک طرف رکھ دیتی اور زندگی کو پھر سے ایک ڈگر پر لانے کی سعی کرتی۔ اس نے ایک بار خود کو پھر سمجھایا تھا۔ سمجھوتوں میں اس طرح تو ہوتا ہے۔ زندگی میں اس طرح کی مشکلیں تو سہنا تھیں۔ پھر لڑنے سے اور جلنے کڑھنے سے فائدہ۔
شام کا اہتمام لازم تھا۔ حکم تھا۔ سو وہ تھوڑی سی تیاری کے بعد باہر نکل آئی تھی۔ مگر سردار سبکتگین حیدر نہیں تھا۔
چلتی ہوئی اس کمرے تک آ گئی تھی۔ چند لمحوں تک اسی طرح ساکت کھڑی رہی تھی۔ عجب کشمکش در پیش کا انداز تھا۔
دروازہ کھولے یا نہ کھولے۔۔۔۔۔ اندر جائے یا کہ نہ جائے۔
دل کے اندر لمحہ بھر کو ایک سکوت کا احساس ہوا تھا۔
اس نے اس قلیل لمحے میں جیسے سوچا تھا اور پھر کسی نتیجے پر پہنچتے ہوئے دروازہ کھول دیا تھا۔ مگر آنکھیں ممکنہ خوف کے پیش نظر بہت زور سے میچ لی تھیں۔ دروازہ کھل چکا تھا۔ اس نے بہت آہستگی سے پلکوں کو کھول کر کمرے پر نگاہ کی تھی۔ کمرے میں کسی ممکنہ خطرے کا دور دور تک نام و نشان تک نہ تھا۔ بلکہ جو نگاہ نے دیکھا تھا اسے دیکھ کر کسی قدر حیرت نے گھیر لیا تھا۔
سردار سبکتگین حیدر لغاری بیڈ پر لیٹا ہوا تھا اور اپنا ہاتھ دائیں کاندھے پر رکھا ہوا تھا۔ چہرے کے تاثرات ظاہر تھا کہ وہ بہت تکلیف میں ہے اور بہت مشکل سے جھیل رہا ہے۔ وہ بہت سرعت سے آگے بڑھی تھی ایک لمحے میں اس پر جھکتے ہوئے دریافت کیا تھا۔
"کیا ہوا؟۔۔۔۔۔ آر یو آل رائٹ؟"
سردار سبکتگین حیدر لغاری نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔
"یس۔۔۔۔۔ آئی ایم آل رائٹ۔ ڈونٹ یو وری۔"
سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اپنے معاملات سے اسے جیسے علیحدہ رکھنا چاہا تھا۔ میرب سیال کسی قدر بحال میں آ گئی تھی۔
"کچھ بتائیں گے آپ مجھے؟۔۔۔۔۔ ہوا کیا ہے آپ کو؟" وہ پلٹی تھی اور بہت سرعت کے ساتھ کوئی نمبر ملانے لگی تھی۔
"کیا۔۔۔۔۔ کیا کر رہی ہو میرب؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے یکدم اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ میرب سیال نے اس کی سمت دیکھا تھا اور بہت رسانیت سے بولی تھی۔

"میں ڈاکٹر کو کال کر رہی ہوں۔" ہاتھ بدستور اس کے ہاتھ پر تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی طرف دیکھتے ہوئے مرتقی میں ہلا یا تھا۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے ـــــــ ڈاکٹر سے کنسلٹ کر چکا ہوں اور میڈیسن بھی لے چکا ہوں۔ آرام آنے میں کچھ وقت تو لگے گا۔" وضاحت دیتے ہوئے بھی اس کا نازک ہاتھ اس کے مضبوط ہاتھ میں تھا۔

میرب سیال نے خاموشی سے اس کی سمت دیکھا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے بہت آہستگی سے اپنے پاس بٹھا لیا تھا۔ تکلیف کے آثار اب بھی اس کے چہرے پر تھے۔

"تھینکس فور یور کیئر۔ مگر اب میں ٹھیک ہوں ـــــــ پہلے سے کہیں بہتر۔ تم آ گئی ہو نا۔" تکلیف میں بھی شرارت سے باز نہیں رہا تھا۔ مسکرایا تھا۔ مگر میرب سیال کے لبوں پر خاموشی تھی۔

"تم نے دروازہ اتنا ڈرتے ڈرتے کیوں کھولا؟ ـــــــ مجھ پر کیا اب تک اعتبار نہیں آیا؟ خدشے اس قدر تھے کہ دل کی ماننا گوارہ نہیں کیا؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری اپنے سامنے موجود چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے دریافت کر رہا تھا۔

مگر میرب سیال کچھ نہیں بولی تھی۔ اسی ساکت چپ کے ساتھ چہرے کا رخ پھیر گئی تھی اور آہستگی سے بولی تھی۔

"ایسا پہلی بار ہوا ہے یا اس سے قبل بھی یہ کیفیت رہی ہے آپ کی؟"

"مجھ پر اعتبار نہیں ہے؟" مدھم لہجے میں دریافت کیا تھا۔

"اگر تکلیف تھی تو مجھے کیوں نہیں بتایا؟" میرب سیال نے اس کی سمت دیکھے بغیر کہا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے چہرے کو مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔ پھر بہت آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کا رخ اپنی سمت کر لیا تھا۔

"مجھ پر اعتبار تو نہیں تھا نا۔ تم کیا سمجھ رہی تھیں، کیا میں کسی کے ساتھ بزی تھا؟" براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ میرب سیال نگاہ چرا گئی تھی۔ کچھ نہیں بولی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کا ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھ میں لے لیا تھا۔

"کیا وہ اعتبار اتنا کچا تھا میرب سیال؟ ـــــــ کیا وہ محبت اتنی کمزور تھی؟" مدھم لہجے میں کوئی شکایت تھی۔ مگر میرب سیال چہرے کا رخ پھیرے بیٹھی تھی۔

"آپ نے بتایا نہیں، آپ کو یہ مسکولر پین کب سے تھا؟"

سوال بالکل مختلف سمت کا تھا اور سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لبوں پر بہت دھیمی سی مسکراہٹ پھیلی تھی۔

"میری فکر ہے تو پھر یہ گریز کیوں میرب سیال؟" لہجہ مدھم تھا۔ کسی سرگوشی سا۔ "اتنی محبت ہے تو پھر یہ اتنی دوری کیا ہے میرب سیال؟ کیوں میں پلٹ کر تمہاری طرف دیکھتا ہوں تو تمہیں میلوں کی نہیں، صدیوں کی دوری پر کھڑا پاتا ہوں۔ مجھے لگتا ہے کہ میرے پاس نہیں ہو، میرے ساتھ نہیں ہو۔ ایسا کیوں ہے میرب؟

…یہ اس لئے ہے؟ اسباب واضح کر دو تو کوئی تدبیر بھی کی جائے۔ مگر تم خاموشیوں میں گھری کھڑی ہو۔ …چپ کے ساتھ۔ مجھے بتاؤ، نشاندہی کرو میرب سیال! میں تخمینہ لگاؤں گا۔ کوئی سدباب ڈھونڈوں …تش کروں گا وہ سارے گلے دور کر سکوں۔ شکوے مٹا سکوں۔ صرف ایک بار کہو۔ فقط ایک بار بتاؤ۔ …دل تک جانے والے رستوں پر میری رہنمائی کرو۔ میں تمہارے دل کو چھونا چاہتا ہوں۔ اترنا چاہتا …تمہارے دل میں۔ اپنے دل تک آنے والے راستوں کا تعین کرو میرے لئے۔ مجھے سمجھاؤ، کیسے جیت …وں میں یہ دل؟ کیسے تمہیں پا سکتا ہوں؟ میں تم سے روح کا رشتہ چاہتا ہوں میرب سیال! دل کا تعلق …ہوں۔ بتاؤ مجھے، تمہارے دل تک پہنچنے کے لئے مجھے کیا کرنا ہوگا؟ ـــــــ کتنے آگ کے دریا پار …نے ہوں گے؟ ـــــــ کتنے سمندر پاٹنے ہوں گے؟" مدھم لہجے میں ہزار ہا خواہشیں تھیں اور لاتعداد…

…مگر میرب سیال خاموشی سے سر جھکائے بیٹھی رہی تھی۔

"تمہیں کیا لگا میرب سیال! میں تمہیں دھوکا دے رہا ہوں؟" بغور اس کی سمت تکتے ہوئے سوال کیا …وہ کچھ نہیں بولی تھی۔

"ایک بات کہوں میرب؟" بہت آہستگی سے پکارا تھا مگر وہ نگاہ پھیرے رہی تھی۔

"پلیز، میک ڈسٹ، آئی ایم یور۔" ایک مدھم سرگوشی تھی۔ ایک یقین تھا۔ میرب سیال نے اس کی سمت …تھا اور اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

"آپ…… آپ کو آرام کرنا چاہئے۔" پلٹے بغیر کہا تھا۔

"اور تمہیں اعتبار۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔ میرب سیال نے چہرے کا رخ پھیر کر اس کی سمت دیکھا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری بغور اس کی سمت دیکھ رہا تھا۔

"کین یو گیو می، جسٹ ون لٹل فیور؟" مدھم لہجے میں دریافت کیا تھا۔ میرب سیال چونک پڑی تھی۔

"کیا؟"

"کین یو اسمائل ـــــــ اسمائل فور می؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لہجے میں ایک درخواست تھی۔ …سیال نے اس کی سمت دیکھا تھا اور پھر بہت دھیمے سے مسکرا دی تھی۔

"سویٹ تھینکس! آئی ڈو لائیک اے مائے پرنسس۔"

"آپ کو آرام کرنا چاہئے ـــــــ تھوڑی دیر بعد ہم ڈنر ساتھ کریں گے۔" میرب سیال نے مدھم لہجے …یا تھا۔

"شکوے اور شکایتوں کے ساتھ؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرایا تھا۔ میرب سیال نے اس کی طرف …تھا پھر دونوں ہنس دیئے تھے۔

"ایک بات کہوں۔"

"ہاں۔"

"مجھے تمہارا ہنسنا، اس طرح اچانک ہنسنا بہت اچھا لگتا ہے۔ تم اس لمحے میری آنکھوں میں دیکھ کر جان …ہو کہ تمہارا چہرہ دلکشی سے کتنا بھر چکا ہے۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری بولا تھا۔ میرب سیال نے مسکراتے

لب بھینچ لیے تھے اور پھر بہت آہستگی سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے نکال کر باہر نکل آئی تھی۔

❋❋❋

عجب ایک احساسِ جرم اُسے ہو رہا تھا۔ عجب ایک احساسِ گناہ اُسے ستا رہا تھا۔ حالانکہ غلطی اس کی کہیں بھی نہیں تھی۔ کبھیں پر بھی اس سے کوئی مس ٹیک نہ ہوئی تھی۔ مگر اس کے باوجود خمیازہ وہ بھگت رہی تھی۔ وہ سر جھکائے سیڑھیوں پر خاموش بیٹھی تھی جب اوزی چلتا ہوا اس کے پاس آن بیٹھا تھا اور کافی کپ مسکراتے ہوئے اس کی سمت بڑھا دیا تھا۔

"آج بہت روز بعد تم کیمپس گئی تھی نا؟"

انابیہ شاہ نے اس کی سمت دیکھا تھا اور لب بھینچ کر چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

"پتہ نہیں ——— مجھے تو ہر دن ایک سزا کی طرح ہی لگتا ہے۔"

"لامعہ حق ملی تھی؟" اوزی نے دریافت کیا تھا اور انابیہ شاہ نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"نہیں ——— میں نے کوشش ہی نہیں کی اس سے ملنے کی۔ گئی تو وہ کہیں آگے کی رو میں تھی اور بیچ میں، میں اتنی بزی ہو گئی کہ سر اٹھا کر دیکھنے کی مہلت ہی نہیں ملی۔ کئی روز کے لیکچر مس تھے اور بہت ڈھیر کام جمع تھا۔" وہ ڈھیروں وضاحتیں دیتے ہوئے یکدم ہی تھکنے لگی تھی۔ اوزی نے اس کی سمت دیکھا تھا مسکرا دیا تھا۔

"تم اتنی چھوٹی سی بات ہنس کر نہیں کہہ سکتیں کہ تم میں ہمت نہیں تھی اس کا سامنا کرنے کی؟" احساس دلایا تھا۔ انابیہ شاہ نے اس کی سمت جیسے چونکتے ہوئے دیکھا تھا اور پھر عجب ایک وحشت سے مسکرا دی تھی۔

"ہاں، غالباً اسے بزدلی اور کم ہمتی ہی کہتے ہیں۔" عجب ایک بے بسی اس کے چہرے پر تھی مگر وہ مسکرا رہی تھی۔

"ایسا کب تک چلے گا انابیہ شاہ؟ ——— تمہیں نہیں لگتا اب تمہیں کسی قدر بہادر اور دلیر ہو جانا چاہیے؟"

"ہاں۔" وہ یکدم مسکرا دی تھی۔ "میں بھی یہی سوچتی ہوں۔ مجھے آج غازی کی بہت یاد آ رہی ہے۔ اکثر کہتا تھا، جو لوگ خود سے اور دوسروں سے ڈرتے ہیں ان کی ساری زندگی بھاگتے ہوئے گزر جاتی ہے۔ اور وہ غلط قطعاً نہیں کہتا تھا۔" وہ جیسے اعتراف کر رہی تھی۔ اوزی نے اسے خاموشی سے دیکھا تھا اور چہرے کا رخ پھیر گیا تھا۔

"اوزی! مجھے احساسِ گناہ ستا رہا ہے۔ مجھے ہر کسی کی نگاہیں الزام دیتی لگ رہی ہیں اور ایسا صرف ایک شخص کے باعث ہے۔ اس نے ایسا کیوں کیا اوزی؟ ——— اس نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا؟"

وہ بہت آزردہ لگ رہی تھی۔ عجب اُلجھی اُلجھی سی۔

اوزی اس کا موڈ بدلنے کو مسکرا دیا تھا۔

"کہیں باہر چلیں؟ ——— آؤٹنگ پر؟"

انابیہ نے سر نفی میں ہلا دیا تھا اور چہرے کا رخ پھیرتے ہوئے بولی تھی۔

"ایسا کب تک چلے گا اوزی؟ کب تک میں لوگوں سے بھاگتی رہوں گی اور ڈرتی رہوں گی؟ مجھے یہ ختم کرنا ہو گا۔ اور ایسا بہت جلد ہو جائے تو اچھا ہے۔" اس نے جیسے ایک نقطے پر پہنچتے ہوئے کہا تھا۔ "مجھے تمام صورتِ حال کو بس میں کرنا ہو گا اوزی! ——— مجھے سب پہلے جیسا کرنا ہو گا اور میں ایسا ہی ضرور کروں گی۔" اس کا لہجہ پُرعزم اور مضبوط تھا۔

"انابیہ شاہ! بچوں جیسی باتیں مت کرو۔ کوئی انسان اتنا ایزی نہیں ہوتا کہ تم اسے گارنش کر کے بھی دسترخوان پر رکھ دو۔ انسان، انسان ہوتا ہے اور اس کی اپنی مرضی اور خواہش بھی ہو سکتی ہے۔ اتنی سی بات تمہاری سمجھ میں کیوں نہیں آتی ہے؟" اوزی نے اُسے باور کرایا تھا۔

"تم کسی کو بھی اپنی مرضی کے مطابق نہیں چلا سکتی ہو انابیہ شاہ! ایسا ممکن نہیں ہے۔ بات اگر عقل و خرد کی ہو تو بھی یہ برین واشنگ ممکن ہو سکتی ہے۔ مگر بات اگر دل کی ہو تو کیا کرو گی تم؟ کیا زبردستی کسی کو مجبور کر سکو گی کہ کوئی اپنی سمت بدل لے یا کسی اور کی سمت لوٹ جائے۔ اگر اسے وہاں رہنا ہوتا تو وہ وہاں سے کوچ ہی کیوں کرتا؟ جیسے اکھڑنے کی کوئی تو حقیقت ہو گی انابیہ شاہ! اتنی چھوٹی سی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی اور کیا تدبیر کرو گی تم؟ تمہیں نہیں لگتا یہ تمہاری مزید حماقت ہو گی اور اس کے سوا کچھ نہیں۔ اس سے تو بہتر ہو گا تم صورتِ حال کو جیسی ہے جہاں ہے اسی طرح، اسی حالت میں چھوڑ دو۔ بعض اوقات اس طرح بہت سی باتوں کا حل نکل آتا ہے۔"

"اور لامعہ حق؟ اس کا کیا کروں میں؟ ——— میں اس کا سامنا نہیں کر پا رہی ہوں۔ اس کے متعلق کیا کہو گے تم؟"

"اس کے سوا کچھ نہیں انابیہ شاہ! کہ تم حماقتوں پر حماقتیں کر رہی ہو۔ جو شے تمہارے بس میں نہیں ہے اسے کرنے کی کوششیں مت کرو۔ دریاؤں کو الٹے پہاڑ پر بہنے کے لیے کبھی مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ نہ ہی ہواؤں کے رخ بدلے جا سکتے ہیں۔"

"اور یہی بات انابیہ شاہ سمجھ نہیں رہی ہے۔" ان دو کے علاوہ ایک تیسری آواز ابھری تھی اور دونوں پلٹے تھے۔ نگاہ اٹھا کر دیکھا تھا تو عفنان علی خان کو وہاں موجود پایا تھا۔ وہ مسکراتا ہوا، پُرعزم سا آگے بڑھا تھا۔

"دریاؤں کو الٹے پہاڑ پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ نہ ہی ہواؤں کے رخ بدلے جا سکتے ہیں انابیہ شاہ! تمہیں یہ سمجھ لینی چاہیے۔"

انابیہ شاہ کو اس لمحے اس کی وہاں آمد کی توقع نہ تھی۔ شاید تبھی وہ کسی قدر حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔ عفنان علی خان اس کی سمت دیکھتے ہوئے بہت دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

"محبت ایسا دریا ہے
کہ بارش روٹھ بھی جائے
تو پانی کم نہیں ہوتا"

محبت موسم ہے انابیہ شاہ! ——— دل میں اترتی ہے تو دل کو بھی موسم سا کر دیتی ہے۔ موسم کو اپنی مرضی سے

موڑا تو ڑا تو جا سکتا ہے مگر فقط محبت کے منتر کے ساتھ۔ جیسے یہ اسم آتا ہو گا اسی سے یہ بندہ رام ہو گا۔ بصورت دیگر کوئی بھی امید رکھنا خبط ہے۔ کئی اسرار و بھید ہیں محبت کے۔ کہاں تک سمجھاؤں تمہیں! یہاں تک کہ اس کی کاوش میں تم نہیں بنا سکتیں۔ نہ دل کو اپنے حاشیوں اور زاویوں پر چلانا ممکن نہیں ہے۔ محبت ایک شوریدہ سر ہے اور سمندر اپنے راستے خود آپ بناتا ہے۔ اپنی سمت خود آپ طے کرتا ہے۔ نہ تو تم کوئی سمت متعین کر رہی ہو نہ ہی اسے کسی سمت بہنے سے روک سکتی ہو۔ تو پھر یہ بے وجہ کی حماقتیں کیوں؟" بہت کچھ باور کرانے والے لہجے میں کہتے ہوئے اناپیہ شاہ کو دیکھا تھا۔

اناپیہ شاہ یکدم ہی اٹھی اور چلتی ہوئی اندر کی سمت بڑھ گئی تھی۔ عفنان علی خان اسی عزم سے مسکراتا تھا۔

دل کو اس راہ پہ چلنا ہی نہیں
جو مجھے تجھ سے جدا کرتی ہے

❋❋❋

اذہان حسن بخاری نے سگریٹ سلگا کر ڈھیر سا دھواں فضا میں منتقل کیا تھا اور اس دھوئیں میں کئی عکس چھپنے لگے تھے۔

"پاس ہوں نا۔ تمہارے ساتھ ہوں نا، اس لیے کوئی قدر نہیں ہے۔ تمہیں احساس تب ہو گا اذہان حسن بخاری! جب میں تمہارے ساتھ نہیں ہوں گی۔" وہ چہرہ کچھ خفا خفا سا دکھ رہا تھا اور وہ مسکرا دیا تھا۔

"کیوں ـــــ کہاں جا رہی ہو تم؟" انداز کچھ شرارت سے پُر تھا مگر وہ خفا خفا سا چہرہ کچھ نہ بولا تھا۔

"دیکھو گی بھی نہیں میری طرف؟"

"تمہیں کیا لگتا ہے اذہان حسن بخاری! لمحے تمہاری گرفت میں ہیں؟ جادو کی چھڑی ہے تمہارے ہاتھ میں؟ تم جب چاہو گے چھڑی گھماؤ گے اور سب کچھ تمہارے بس میں ہو گا؟" انداز ڈپٹنے والا تھا مگر وہ مسکرا دیا تھا۔

"وقت ہی تو ہاتھ میں نہیں ہے۔ ہاتھ میں جو لمحے بھی ہوں تو انہیں صدیوں پر محیط کر لوں گا۔ چند گھڑیاں نواز دو، پھر دیکھو اذہان حسن بخاری کیا کچھ کر سکتا ہے۔"

"تم چاہتے ہو میں تمہیں آزماؤں؟" وہ مسکرائی تھی۔

"چاہو تو آزما لو۔ حرج کیا ہے؟ نتائج تو حسبِ منشا اور تمہارے حق میں ہی نکلنا ہیں۔" وہ سر اٹھا کر انداز میں بولا تھا اور وہ کھلکھلا کر ہنس دی تھی ~~~~ وہ شانے اچکاتا ہوا بولا تھا اور وہ کھلکھلا کر ہنس دی تھی

"تم چاہتے ہو الزام بھی آئے تو میرے سر آئے۔"

"ایسا میں ہونے نہیں دوں گا۔ یہی تو شرط ہے۔ آزما لو۔"

"سوچ لو ـــــ وقت پڑنے پر کہیں بدل تو نہیں جاؤ گے؟"

"جو بدل جائے وہ اذہان حسن بخاری نہیں ہو گا۔" وہ دعویٰ کر رہا تھا۔

وہ مسکرا دی تھی۔ پھر سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

یہ آزمائش پہ یقین نہیں رکھتی۔ محبت میں یہ شرط نہیں آنا چاہیے۔ یوں کیا محبت کو تو ہر شرط سے بے نیاز ہونا چاہیے۔ محبت پابندیوں سے آزاد ہونی چاہیے۔ ایسے ہی جیسے یہ ہوا، جیسے یہ پانی اور ....."

"اور جیسے یہ تمہاری مسکراہٹ۔ تمہاری ہنسی تمہارے لبوں سے آزاد ہوتی ہے تو کتنے پھول چار سمت کھلا دیتی ہے۔" وہ مسکرایا تھا اور وہ کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔

"باتیں بنانا تو کوئی تم سے سیکھے۔"

"اور محبت کرنا؟"

وہ لمحہ بھر کو رکی تھی، پھر سر ہلاتی ہوئی مسکرا دی تھی۔

"ہاں، محبت کرنا بھی۔ صرف تم سے۔" مدھم لہجہ اعتراف سے پُر تھا اور وہ سرشار سا مسکرا دیا تھا۔

"ایک بات بتاؤ گے؟"

"پوچھو۔"

"تم نے کبھی سوچا ہے، اگر ہم نہ ملے تو دنیا کیسی ہو گی؟"

"نہیں ـــــ میں یہ سوچنا نہیں چاہتا۔ اور تم بھی مت سوچو۔ ابھی تو یہ سب مسکراتے ہوئے کہہ رہی ہو جب ہجر جھیلنا پڑے گا تو علم ہو گا، محبت آسان نہیں ہے۔"

وہ جتا رہا تھا اور وہ شرارت سے مسکرا رہی تھی۔

"کیا پتہ، کہیں کوئی تم سے بھی زیادہ چاہنے والا میری راہ تک رہا ہو۔ کہیں کوئی ہو جسے صرف میرا انتظار ہو ......"

اور اس کی بات ختم ہونے سے قبل ہی اذہان حسن بخاری نے اپنا ہاتھ اس کے لبوں پر رکھ دیا تھا۔

"ایسی بات مذاق میں بھی نہیں، ہاں۔ اس دنیا میں بہت سے چہرے، بہت سے نام ہوں گے مگر اس کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک میں فقط ایک نام ہی پکاروں گا۔ میرے جہانوں میں یہاں سے وہاں تک صرف ایک نام کی بازگشت ہو گی اور وہ نام صرف اور صرف تمہارا ہو گا۔" ان نازک شانوں پر ہاتھ دھرے وہ باور کرا رہا تھا۔

"راستوں کو علم ہے، انہیں جس سمت جانا ہے۔ ہمارے قدموں سے لپٹے ہوئے یہ تمام راستوں کو خبر ہے کہ کن منزلوں پر ختم ہونا ہے۔ سو تم بھی اس دل کو فکروں سے آزاد کر لو۔ یہ آنکھیں اتنی شفاف آئینہ سی ہیں ان میں تیرتے خدشے کچھ اچھے نہیں لگتے۔" وہ بولا تھا اور وہ مسکرا دی تھی۔

"مجھے لگتا ہے اذہان حسن بخاری! تم پاگل ہو، جو سنتے کم ہو اور بولتے زیادہ ہو۔"

"ہاں، پاگل تو ہوں۔ مگر صرف تمہارے لیے۔" سر تسلیم خم کیا تھا اور وہ مسکرا دی تھی۔

"اذہان!"

"ہاں؟"

"اذہان!" کسی نے اسے جیسے بیدار کر دیا تھا۔ یادوں کا سرا اس کے ہاتھ سے چھوٹ سا گیا تھا۔ اس نے مڑ کر دیکھا تھا۔ کمرے میں ایک سکوت تھا اور ساحیہ خان اس کے سامنے کھڑی تھی۔

"اذہان! کیا ہوا؟ ویئر آر یو؟" اسے کسی قدر حیرت سے دیکھا تھا۔ اذہان سیدھا ہو بیٹھا تھا۔

"تم اسموکنگ کر رہے تھے؟۔۔۔۔۔ کمرے میں اس قدر دھواں بھرا ہوا تھا۔ اس سے پہلے تو تم نے کبھی اسموکنگ نہیں کی۔ کیا ہوا ہے تمہیں؟ اور یہ تم مجھے اپنے سامنے دیکھ کر اس قدر حیران کیوں ہو؟" اور اذہان حسن بخاری نے جیسے اس گھڑی زبردستی مسکرانے کی کوشش کی تھی۔

"تم کب آئیں؟"

"کیا مطلب کب آئیں۔۔۔۔۔ کیا تم سو رہے تھے؟" وہ مسکرائی تھی۔ "ویسے کیا سمجھ رہے تھے تم؟ نے کہہ دیا تم مجھے چاہو گے، نہیں تو کیا میں تمہیں چھوڑ چھاڑ کر بیٹھ جاؤں گی؟" وہ اپنے مزاج کے مطابق شے بہت لائٹ لے رہی تھی۔

"یا ئے دی وے، مسئلہ کیا ہے؟ آنٹی بتا رہی تھیں تم بہت پریشان نظر آ رہے ہو ان دنوں۔ کہیں محبت تو نہیں ہو گئی تمہیں؟" وہ شگفتگی سے مسکراتے ہوئے دریافت کر رہی تھی۔ انداز شرارت سے پُر تھا۔ اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

"کس نے بلایا ہے تمہیں؟"

"ظاہری بات ہے۔ تمہیں تو یہ توفیق ہو نہیں سکتی تھی۔ دوست ہونے کا دعویٰ کرتے ہو اور کوئی بات تک شیئر نہیں کرتے۔ روٹھ گئی تو پلٹ کر پوچھا تک نہیں۔ کہا ہو گا اچھا ہوا جان چھوٹ گئی۔ کتنا تنگ کرتی تھی۔" وہ بے تکان بول رہی تھی اور اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

ساحیہ خان نے پھولے ہوئے منہ کے ساتھ خفگی سے پُرنظروں سے اسے دیکھتے ہوئے نازک سا ہاتھ بڑھا کر اس کی پیشانی کو چھوا تھا۔

"بخار وخار تو نہیں ہے۔ دیکھنے میں بھی ٹھیک ٹھاک لگ رہے ہو۔ پھر پرابلم کہاں ہے؟ کہیں واقعی تمہارے دماغ میں خلل تو واقع نہیں ہو گیا؟" اس کی سمت دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ اذہان حسن بخاری مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

"خلل۔۔۔۔۔ خلل کیسا؟"

"وہی جو چچا غالب نے فرمایا تھا۔ کیا تمہیں علم نہیں؟" یکدم وہ چونکی تھی۔ کسی قدر حیرت سے اس کی سمت دیکھا تھا اور اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

"میں پریشان ہوں۔ مجھے اور پریشان نہ کرو۔" عجب شاعرانہ انداز میں دہائی دی تھی۔ ساحیہ خان گھورنے لگی تھی۔

"تم مرد بہت گھنے ہوتے ہو۔ دل میں کچھ، زبان پر کچھ۔ معاملہ ایسا تھا تو دل میں دبانے کی کیا ضرورت تھی؟ فارحہ آنٹی سے کہہ کیوں نہیں دیا؟" سیدھا سا حل بتایا تھا۔

"کہا نہیں کہہ دیا؟" وہ مسکرا دیا تھا۔

"ارے۔۔۔" وہ حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکی تھی۔ "اب کیا یہ بھی میں ہی بتاؤں؟ ویسے ہی تو چور ہو تم۔ اندر ہی اندر کھچڑی پکا رکھی ہے اور اب دیکھو کیسے معصوم بن رہے ہو۔ اچھا ہوا تم میرے پیچھے آ گئے تھے

ساری زندگی روتے ہوئے گزر جاتی میری تو۔ بالکل ناریل جیسے ہو۔ دھوکے باز۔ باہر سے کچھ، اندر سے کچھ۔" وہ بڑبڑا رہی تھی۔ اذہان حسن بخاری مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

"تو تم نے دریافت کیا تھا۔" ساحیہ خان چونکتے ہوئے دیکھنے لگی تھی۔ بات اپنی بابت کر رہا تھا۔ وہ سمجھ نہیں پائی۔

"کیا مجھے کبھی کوئی اختیار تھا؟" الٹا سوال کر دیا تھا۔

اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

"تم اختیار قائم کرنا چاہتی ہو؟" شرارت آنکھوں میں لئے بغور دیکھا تھا۔

"اختیار اور تم پر؟ مجھے خبطی لوگوں کو بھگتنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ کھسکے ہوئے لوگ اپنا سکون، اپنی زندگی تو برباد کرتے ہی ہیں دوسروں کا جینا بھی دوبھر کر دیتے ہیں۔ اور میں ابھی زندگی سے اتنی عاجز نہیں آئی۔ خدا کا شکر ہے، دماغ بھی بالکل درست ہے میرا۔ الٹا سیدھا کوئی اقدام کرنے کی نہیں ٹھان سکتی۔" اب بھی خفگی لئے ہوئے تھا۔

"یعنی تم میں پاگلوں والی کوئی بھی نشانیاں نہیں۔ پھر تو بہت مشکل ہو جائے گی۔" وہ بغور مسکراتے شرارت سے گویا ہوا تھا۔

"کس معاملے میں؟" وہ چونکی تھی۔

"تمہارے ساتھ بسر کرنے میں۔" وہ برملا بولا تھا۔ ساحیہ خان کی آنکھیں حیرت سے کھلی رہ گئی تھیں۔

"جنونی شخص! مجھے نہ تو خطرات سے کھیل کر گینیز بک میں اپنا نام لکھوانے کا کوئی شوق ہے نہ ہی میں کوئی ایڈونچرس واقع ہوئی ہوں۔ تم اگر ماؤنٹ ایورسٹ بھی ہوتے تب بھی میں تمہیں سر کرنے کے بارے میں کبھی نہ سوچتی۔" وہ باور کراتے ہوئے بولی تھی اور اس کے ساتھ ہی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ وہ محظوظ ہوئے بنا نہ رہ سکا تھا۔

"بائے دی وے، میں باہر ہوں۔ فارحہ آنٹی کے پاس۔ تم تھوڑی دیر میں فریش ہو کر باہر آ جاؤ۔" وہ کہہ کر جانے لگی تھی جب اذہان حسن بخاری نے مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

"اس کے باوجود بھی کہ میں دماغی خلل رکھتا ہوں اور ناریل کی طرح دھوکے باز ہوں، اندر سے کچھ، باہر سے کچھ؟" براہ راست آنکھوں میں دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

"ہاں۔۔۔۔۔ اس کے باوجود۔" وہ مسکرا دی تھی۔ "تم جیسے بھی ہو، دوست ہو میرے۔ اور میں اپنے دوست کو تنہا نہیں چھوڑ سکتی۔ چاہے تم مجھ سے کچھ کہو یا نہ کہو۔ کچھ شیئر کرو یا نہ کرو مگر میں جانتی ہوں دوست کو ان میں ایک دوست کی شدید ضرورت ہو سکتی ہے۔ میں تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔" وہ کہتی ہوئی باہر نکل گئی اور اذہان حسن بخاری اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔

❀ ❀ ❀

دیکھا بھی ضروری تھی مگر اس کی توجہ نے اس قدر کو بکھر سے محفوظ دیا تھا۔ کسی قدر رہ سکتی، زندگی پھر اس کے پاس آ گئی تھی۔

''جو پل تمہارے ساتھ ہوتے ہیں، مجھے وہ سارے لمحے زندگی جیسے لگتے ہیں۔'' سردار سبکتگین لغاری کہہ رہا تھا اور میرب سیال مسکرا دی تھی۔

''یو شڈ ٹیک ریسٹ۔ ابھی ڈاکٹر سے میری بات ہوئی ہے۔ میڈیسن لینے کی اور بیڈ ریسٹ لینے کی تاکید کی ہے۔'' انداز کسی قدر اپنائیت کا خاص آہنگ رکھتا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کا سے میڈیسن کے ہاتھ سے لیتے ہوئے اسے بغور دیکھا تھا۔

''ایسے کیا دیکھ رہے ہیں؟'' میرب سیال کسی قدر چونکی تھی۔

''تمہاری آنکھیں۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

''آنکھیں؟'' میرب سیال حیران ہوئی تھی۔

''تم نے غالباً آج آنکھوں میں کچھ لگایا ہے۔'' بغور جائزہ لیتے ہوئے کہا تھا۔ میرب سیال نے اس سمت دیکھا تھا۔ پھر دھیان پھیر کر میڈیسن دراز میں رکھنے لگی تھی۔

''ہاں۔ غالباً کاجل کہتے ہیں اسے۔''

''کاجل۔'' وہ حیران ہوا تھا۔ ''تم نے آج سے قبل غالباً اس کا استعمال نہیں کیا۔ ہے نا؟''

''ہاں۔ آپ ڈنر یہیں لے لیں گے اپنے روم میں یا پھر......'' وہ روانی سے کہہ رہی تھی جب سبکتگین حیدر لغاری نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ میرب سیال کی زبان وہیں اسی لمحے پر تالو سے جا چپکا۔ نگاہ یکلخت ہی جھکتی چلی گئی تھی۔ انداز میں کچھ گریز در آیا تھا۔

''ایک بات پوچھوں؟'' بغور اس کے چہرے کو تکتے ہوئے کہا تھا۔

''جی۔'' میرب سیال کے دل کی دھڑکنیں یکلخت ہی ارتعاش میں گھرنے لگی تھیں۔

''تمہیں یہ سب کیسا لگ رہا ہے؟''

''کیا؟'' ایک جھکی جھکی سی نظر سردار سبکتگین حیدر لغاری پر ڈالی۔

''یہی، میرے ساتھ رہنا، وقت گزارنا۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے چہرے پر آئی بالوں کی ایک شریر سی لٹ کو مضبوط ہاتھ سے کسی قدر پیچھے سرکایا تھا۔ میرب سیال کے دل میں یکلخت ہی زیر و بم اٹھے۔

''ہاں۔'' میرب سیال کی آواز کسی قدر دبی دبی سی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے لمحہ بھر کو رک کر دیکھا تھا۔ پھر جانے کیوں مسکرا دیا تھا۔

''یہ ضروری ہے کہ ملیں تو ساری رسمی باتیں کریں، رسمی موضوعات پر بات کریں؟ کیا ہم ایک دوسرے کی بات نہیں کر سکتے؟ ایک دوسرے کے دل کی بات نہیں کر سکتے؟ تمہیں کیا اچھا لگتا ہے؟ کیا نہیں لگتا، کون سی باتوں پر تمہیں خوشی ہوتی ہے، کون سی باتوں پر الجھن ہوتی ہے، غصہ آتا ہے۔ تم نے کچھ نہیں بتایا۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے مدھم لہجے میں کہا تھا۔

میرب سیال نے نگاہ اٹھا کر سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت دیکھا تھا۔

''یہ باتیں کبھی نہیں جاتیں۔ انہیں جاننے کی سعی بذات خود کرنا ہوتی ہے۔'' اظہار مدعا کیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

''ہاں، شاید۔'' وہ جیسے ہم خیال ہوا تھا۔ ''تم نے نہیں بتایا تمہیں مجھ میں کیا اچھا لگتا ہے۔'' دریافت کیا پھر دوسرے ہی لمحے سرخی میں نہاتے ہوئے وہ مسکرا دیا تھا۔

''تمہیں مجھ میں کوئی شے اچھی لگ سکتی ہے۔ غالباً یہ اپنے متعلق سب سے بڑی غلط فہمی ہوگی۔ تمہیں ایسی کوئی بات مجھ میں اچھی لگی ہو۔ یا...... شاید...... کوئی بھی نہیں۔'' بے تاثر انداز میں شانے اچکائے

میرب سیال پُر خیال انداز میں اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔

''کچھ اچھا نہیں لگا نا؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرایا تھا۔ چہرے پر کسی قدر معصومیت تھی۔ میرب اس لمحے خود کو مسکرانے سے باز نہیں رکھ سکی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری بھی مسکرا دیا تھا۔

''میں تمہارے چہرے پر اسی مسکراہٹ کو تلاش کر رہا تھا۔ ویسے مجھے لگتا ہے کہ تم جو خاموش رہتی ہو تو اس کے بھی کئی بھید ہیں۔ غالباً تم بہت مدبر ہو۔ ہر بات کو خاموشی سے تکتی ہو، سوچتی ہو، نتیجہ اخذ کرتی ہو اسے صیغہ راز میں رکھنا زیادہ اہم خیال کرتی ہو۔ سوچنے سمجھنے کا یہ انداز بھی اچھا ہے۔ مگر اس میں ان کا احتمال بھی ہے۔ تمہارے لئے تو نہیں، مگر ہم جیسے غیر مدبر لوگوں کے لئے۔ جو بات کو سوچے سمجھے بنا منہ پر کہہ دیتے ہیں۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری کا انداز بہت اپنائیت لئے ہوئے تھا۔ لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ میرب سیال بہت دھیمے سے مسکرا دی تھی۔

''ایسا کچھ نہیں ہے۔''

''تو پھر کیسا ہے؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ میرب سیال کچھ نہیں بولی۔

''میرب! کیا تم جانتی ہو، میں تمہارے لئے کیا سوچتا ہوں؟''

''میرا خیال ہے آپ کو اب آرام کرنا چاہئے۔'' میرب سیال نے بات کو اپنی مرضی کا اختتام دینا اٹھ جانا مناسب خیال کیا تھا۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری ان لمحوں کو جیسے ایک نیا رنگ دینا چاہ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ دھر دیا تھا۔ وہ جو اٹھنے والی تھی، چونک کر اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔

''یہ گریز، یہ انداز بیگانگی، یہ خاموشی، میرب سیال! اسے میں کیا سمجھوں؟ کیا نام دوں اسے؟ تمہارے یہ جو چپ کی کہانیاں ہیں انہیں میں کیا نام دوں؟ یہ تمہاری نگاہ کی الجھنیں، یہ پلکوں پر لرزتی جھجک، کیا نام دوں؟ یہ سب دانستہ ہے، کسی مصلحت کے پیش نظر ہے یا...... میرب سیال! تمہیں نہیں لگتا تم نے اپنے گرد خواہ مخواہ کی بہت سی دیواریں استوار کی ہیں۔ خود کو بے مقصد کے الجھاوؤں میں الجھا رکھا ہے۔ جب بھی تمہارے چہرے کو تکتا ہوں، مجھے تم ہزار ہا فکر میں گھری نظر آتی ہو۔ تمہاری یہ نگاہ مجھے کوئی شکوہ دکھائی دیتی ہے۔ تمہارے یہ لب، ان پر میں نے کسی خاموشی میں لپٹے کئی سوال دیکھے ہیں۔ ان میں کئی چھپے سوال سے ہیں۔ کئی شکایتیں سی ہیں۔ مجھے بارہا لگتا ہے میرب سیال! جیسے تم اپنے آپ کو ان خاموشیوں میں دفن کر رہی ہو۔ اور ایسا دانستہ ہے۔ کیا میرب سیال! کیا...... کیا بات ستاتی ہے؟ کس بات کی الجھن تمہیں اس گریز پر مائل رکھتی ہے؟ کیا بات ہے کہ تمہیں مسکرانا گوارا نہیں

پڑنا یاد نہیں رہتا۔ کیا تم اس دوجہ میرے خوف کے زیرِ ہو؟ اس قدر ڈرتی ہو تم مجھ سے؟ یا پھر میں یا میرا تو تمہارے لیے اس قدر ناپسندیدہ ہے کہ تم......"

"نہیں...... نہیں......ایسی بات نہیں ہے۔" وہ یکدم یاور کرانے کو بولی تھی۔ لمحہ بھر کو خاموشیاں کے درمیان پھیلنے لگی تھیں۔

میرب سیال خاموش ہو کر چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

"ایسا کچھ نہیں ہے—— میں صرف زندگی کو برتنے کے انداز دیکھ رہی ہوں۔ آپ—— آپ کے رویے، آپ سے منسوب سبھی باتیں، میرے لیے یہ سب ایک نیا تجربہ ہے۔ اور کسی بھی لڑکی کے لیے معاملات کو لے کر ایڈجسٹ کرنا آسان نہیں ہوتا۔" وہ حقیقت حال کہتی ہوئی چہرے کا رخ پھیر گئی تو سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے صبیح چہرے کو بغور دیکھ رہا تھا۔

"یعنی تمہاری ساری الجھنیں میرے ہی باعث ہیں۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرایا تھا۔ "تم اعتبار کرنے سے اب بھی ڈر رہی ہو۔ مجھے آزمانے سے خوف زدہ ہو اور......" وہ بات ادھوری چھوڑ گیا تھا۔

"کیا لگتا ہے تمہیں میرب سیال! کوئی دھوکا دوں گا تمہیں؟" اس کی آنکھوں میں براہِ راست جھانکتے ہوئے دریافت کیا تھا اور میرب سیال کے پاس سوائے خاموشی کے اور کوئی جواب نہ تھا۔ آنکھوں میں حیرت در آئی تھی۔ گویا وہ اس کے مزاج کے موسموں کو سمجھنے لگا تھا۔

"حیران کیوں ہو یہ جان کر کہ میں تمہارے مزاج کے تمام موسموں تک رسائی رکھتا ہوں—— جانتا ہوں یا جاننے لگا ہوں۔" وہ بہت ہی اپنائیت اپنے لہجے میں سمیٹے کہہ رہا تھا۔ میرب سیال نے مزید اظہار کرنے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے نگاہ پھیر لی تھی۔

"تمہیں سردار سبکتگین حیدر لغاری کیسا لگتا ہے میرب سیال؟" سوال بہت واضح اور اچانک تھا۔ سبکتگین حیدر لغاری جیسے تمام الجھنوں کی وضاحتیں آج ہی ڈھونڈ لینے کے درپے تھا۔

"کیا لگتا ہے، سردار سبکتگین حیدر لغاری کیا ہے؟ کیا سوچتی ہو تم، بہت دھوکے باز ہے، کوئی بہت بڑا ہے، کیا جھوٹا ہے، مکار ہے، ظالم ہے، ٹھگ ہے؟"

"نہیں—— ایسا کچھ نہیں ہے۔"

"ہاں یا نہیں—— میں تمہارا واضح جواب سننا چاہتا ہوں۔ کیا سوچتی ہو تم سردار سبکتگین حیدر لغاری کے متعلق؟—— جتنا عرصہ ہم ساتھ رہے ہیں، جتنا وقت ساتھ گزارا ہے اس سے کچھ تو اخذ کیا ہو گا تم نے، کسی کو جاننے کے لیے، اپنا کچھ ماننے کے لیے اتنا تو ٹائم کافی ہے۔ پھر تم...... تم کیسے ایسے اجنبی رہ گئیں؟ مجھے لگتا ہے میرب سیال! میں کوئی ظالم جادوگر ہوں جس نے تمہیں زبردستی اپنی قید میں بند کر رکھا ہے، تمہارے سپنوں کو باندھ رکھا ہے۔ تمہاری آنکھوں کو نئے خواب بننے سے باز رکھا ہے۔ پابند کر رکھا ہے تمہیں اپنا۔ جیسے یہ رابطہ، یہ تعلق، یہ رشتہ سب زبردستی کا ہو—— جیسے یہ تعلق نہ ہو کوئی سمجھوتہ ہو، جو وہ دل پر کسی بوجھ کی طرح لدا ہو۔ میں اکثر سوچتا ہوں ہم دونوں میں ایک خلا قسم کی...... تو کیا......"

رہا کوششوں کے باوجود اگر تم میری طرف نہیں دیکھتی ہو یا گریزاں ہو تو اس کے پس پردہ کوئی وجہ ہو گی۔ کیا میں یہ جان سکتا ہوں کہ اس سب کا اصل سبب کیا ہے؟—— میں اچھا ہم سفر بننے کی کوشش کے باوجود اچھا ہم سفر نہیں بن پا رہا یا پھر کہیں کوئی کوتاہی مجھ سے سرزد ہو رہی ہے؟ میں مانتا ہوں میں نے بہت سی غلطیاں کی ہیں—— بہت سی غلطیاں مجھ سے سرزد ہوئی ہیں۔ بہت سی غلطیوں کو میں نے بار بار دہرایا ہے۔ مگر کیا—— کیا کسی بات کا کوئی سدِباب ممکن نہیں؟ یاد کرا دیا تھا میں نے کہ میری طرف سے جذباتی وابستگی فی الحال نہیں ہے۔ مگر آگے جا کر بھی نہیں ہو گی۔ کیا ایسا کہا تھا میں نے؟—— میں نے تو جاننے کی، تھامے رکھنے کی ہر ممکن کوشش کروں گا۔ ایسا نہیں کہا تھا میں نے؟ پھر کیا میرب سیال! کیا میں نے کوشش نہیں کی تمہیں خوش رکھنے کی، تمہیں پیار دینے کی، تمہیں جاننے کی، تمہیں سمجھنے کی، تمہیں اپنانے اپنا جاننے کی؟—— بولو کیا سب کچھ نہیں کیا میں نے؟ کیا نہیں قدم بڑھایا ہمیشہ تمہاری طرف؟ کیا تمہیں پذیرائی یا نہیں دیئے، لطف نہیں یا قربت......؟"

وہ بول رہا تھا۔ جب میرب سیال نے اس کی بات کو کاٹنا چاہا تھا۔

"ایسا یقیناً ہوا ہے مگر......"

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے شانے پر اپنے ہاتھ رکھ دیئے تھے۔

"چپ رہو تم میرب سیال! فی الحال میری سنو۔ میں کیا کہہ رہا ہوں، کیا کہنا چاہتا ہوں۔ سنو یہ اور محسوس کرو۔ مجھے لگتا ہے تم جان بوجھ کر میری ہر کوشش کو ناکام بنانا چاہتی ہو۔ تم یہ کبھی وہ مانا کرنا ہی نہیں چاہتیں۔" کتنے الزام دم توڑ رہے تھے سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لبوں پر اور میرب سیال حیرت سے گنگ اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"یہ...... یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟" میرب سیال کی آواز جیسے کسی پاتال سے آئی تھی۔

سردار سبکتگین مسکرا دیا تھا۔

"بات اتنی مشکل تو نہیں کہ تمہاری سمجھ میں نہ آ سکے؟"

"سمجھنے کی ہی تو کوشش کر رہی ہوں—— آپ اتنے سارے الزام یک طرفہ طور پر اپنے اخذ کر کے مجھ پر کیسے دھر سکتے ہیں؟—— آپ نے کیونکر سوچ لیا کہ میں اس تعلق کو قائم رکھنا نہیں چاہتی یا آگے نکلنا چاہتی؟" بہت سے سوالوں کی وضاحتیں مانگتے ہوئے وہ پُراعتماد نظر آ رہی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

"تم حسین ہی نہیں، پُراعتماد بھی ہو میرب! اب خود ہی بتاؤ، بندہ قائل ہو کہ نہیں؟"

"آپ بات کو مذاق میں ٹال رہے ہیں؟"

"کہیں ایسا لگ رہا ہے؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لبوں پر بدستور مسکراہٹ تھی۔

"کتنا آسان ہے نا الزام عائد کر دینا۔ کسی کی سنے بغیر، جانے بغیر، سمجھے بغیر، بڑے مزے سے ایک حتمی فیصلہ دے دینا۔ کیا لگتا ہے سردار سبکتگین حیدر لغاری! کچھ بزدلی نہیں یہ؟" لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ لیے وہ نظر آ رہی تھی۔

ازل

"میرب!" وہ چیخ پڑا تھا۔ عجب ایک جنونی انداز میں اسے شانوں سے تھام کر جھنجوڑ ڈالا تھا اور انتہائی غصے سے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے باور کرایا تھا۔

"آئندہ یہ بات پھر مت کہنا۔"

میرب میاں نے اس کے ہاتھ بہت آہستگی سے اپنے شانوں پر سے ہٹا دیئے تھے۔ اور بہت رسانیت سے بولی تھی۔

"بے بنیاد اور بے سبب الزام پر غصہ اسی طرح آتا ہے نا؟ آپ کیوں سمجھتے ہیں کہ ہر بات کا حق صرف آپ کو ہی حاصل ہے۔ لبرل ہیں نا۔ کچھ براڈ مائنڈڈ بھی ہو جایئے۔ اگر آپ شوہر ہو کر الزام عائد کر سکتے ہیں تو میں بیوی ہو کر ان سوالوں کی بلکہ ان الزاموں کی وضاحت بھی مانگ سکتی ہوں۔ غصہ صرف مرد کو نہیں آ سکتا۔ ایک عورت کو بھی آ سکتا ہے۔"

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بہت جارحانہ انداز میں اسے دبوچا تھا۔ آنکھوں میں حد درجہ اشتعال دکھائی دے رہا تھا۔ وہ واقعی اس لمحے شاید ترین غصے میں تھا۔ میرب بہت اطمینان کے ساتھ اس کی سمت دیکھتی رہی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری ماسوائے اسے دیکھنے کے کچھ نہ کر سکا تھا۔ دانت بھینچ کر غصے کی انتہائی کیفیت کو ایک لمحے میں دباتے ہوئے اس کے بازو کو ایک جھٹکے سے چھوڑا تھا اور کمرے سے نکل گیا تھا۔

یہ آج کل کہاں ہوتے ہو تم؟ —— کیا وہ بات واقعی سچ ہے؟" آئس کریم لیتے ہوئے سابیہ ... پائی تھی۔

کون سی بات؟" وہ چونکا تھا۔

... دماغ کے خلل والی۔ کہیں واقعی تم ......" سابیہ خان نے شرارت سے مسکراتے ہوئے جملہ چھوڑ دیا تھا۔

... کوئی بات نہیں ہے۔" اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

کیا ہو بھی نہیں سکتی؟" سابیہ متواتر شرارت کے موڈ میں تھی۔ اذہان حسن بخاری ہنس دیا تھا۔

... کتنا زیادہ آسان ہوتا ہے سابیہ خان! یا دھوکا کھانا؟"

پتہ نہیں —— کبھی اتفاق نہیں ہوا۔" شانے اچکا دیئے تھے۔ "نظر میں جو دکھ رہی ہوں وہ کسی ... کوئی زیادہ باعث حیرت ہے۔"

کیا؟" اذہان حسن بخاری چونکا تھا۔

"تم میرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

کی چوری، چپکے چپکے سوچتے رہتے ہو اذہان حسن بخاری؟"

سابیہ! ہوا میں تیر مت چلاؤ۔" وہ محظوظ ہوتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

سابیہ خان ہنس پڑی تھی۔

... میں تیر نہ چلاؤں تو اور کیا کروں؟ تم نے مجھے بتایا بھی تو کچھ نہیں؟"

... اس کا مطلب یہ تو ہرگز نہیں کہ یو میک گیسز اینڈ میک اے فول۔" اذہان حسن بخاری نے دہائی ...

... تم جو سب کو فول بنا رہے ہو، اس کا کیا؟"

... کسی کو بے وقوف نہیں بنا رہا۔" اذہان حسن بخاری نے مسکراتے ہوئے وضاحت دی تھی۔ مگر ... مسکرا دی تھی۔

... چاہ رہا ہے اذہان حسن بخاری! ایک پوری تحقیقاتی کمیٹی بنا کر تمہارے پیچھے لگا دوں۔ کتنے ... ابھر رہے ہو ان دنوں تم۔ احساس ہے تمہیں؟"

اذہان حسن بخاری مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

"تمہیں اتنی فکر کیوں ہو رہی ہے، اگر کچھ ہے بھی تو۔"

"کیا نہیں ہونی چاہئے؟ دوست ہو تم میرے۔ تمہاری فکر میں نہیں کروں گی تو اور کون کرے گا؟"

"اور کون کرے گا؟" اسی کے انداز میں وہ کہتے ہوئے مسکرایا تھا۔

"وہی کرے گی نا، جسے کرنا چاہئے۔۔ جسے تم اپنے خیالوں میں دیکھ رہی ہو۔" انداز کسی قدر شرارت سے پُر تھا۔ ساحبہ خان ہنس دی تھی۔

"تم نے یہ سوچا بھی کیسے؟" حیران ہوا تھا۔

"کیوں ـــــ تم محبت نہیں کر سکتے؟" ساحبہ نے آنکھوں میں براہِ راست دیکھا تھا۔ اذہان بخاری کچھ سوچتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے، محبت یونہی چلتے پھرتے ہو سکتی ہے؟" وہ اب بھی سنجیدہ نہ تھا۔

"میرا نہیں خیال محبت کرنے کے لئے کسی لمبی چوڑی پلاننگ کی یا فرصت کی ضرورت پیش آ سکتی ہے۔"

"تم کیسے کہہ سکتی ہو؟ ـــــ تم نے تو کبھی محبت کی بھی نہیں۔" اس نے بات کو مذاق میں اڑایا تھا۔ ساحبہ خان ہنستی چلی گئی تھی۔

"سچ بتاؤ اذہان! مجھے جو رد کر رہے ہو تو اس کے پیچھے واقعی کوئی ایسا ہی ریزن تو نہیں؟"

"اگر ہو بھی تو کیا ہو سکتا ہے؟ تمہیں عادت ڈالنا ہو گی۔"

"برداشت کرنے کی؟"

"آف کورس۔ اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہو گا نا تمہارے پاس۔" اذہان حسن بخاری ہنس دیا۔

"تم سیریس مت ہو جانا۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کو دل پہ لے لینے کی عادت ہے تمہاری۔"

"عادت نہیں، تم نے عادی بنا دیا ہے۔ تم ہمیشہ چونکا دینے والی باتیں کرتے ہو۔ بندے کا دل ہوتے ہوتے رہ جائے۔ لکھ کے رکھ لو، وہ جو کوئی بھی ہے بہت بری گزرنے والی ہے اس بے چاری کا۔"

اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

"تمہارا بزنس پلان کہاں تک پہنچا؟ بہت دنوں سے کچھ ڈسکس نہیں کیا تم نے۔"

"بہت دنوں سے تم نے وقت ہی کب دیا ہے؟"

"ہاں، سوری۔ شاید میں ہی بہت بزی رہا۔ مجھے بھی دھیان ہی نہیں رہا۔"

"کس کا؟ ـــــ میرا یا میرے بزنس پلان کا؟" ایک لطیف سا طنز ہوا تھا۔ اذہان حسن بخاری نے دیکھا تھا، پھر مسکرا دیا تھا۔

"دونوں کا۔ اس اعتراف پر تم کوئی جرمانہ لگانا چاہو تو لگا سکتی ہو۔"

"تم اتنی بہادری سے سچ بولتے ہو کہ سننے والا حیران رہ جائے۔ مگر جب حیرت سے باہر نکلے تو داد دیے بغیر نہ رہ سکے۔ تم واقعی ناریل جیسے دکھتے ہو۔ اندر سے کچھ باہر سے کچھ۔"

اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

***

تمہاری آنکھوں سے میری آنکھوں تک

سلسلے بنتے ہیں جو

وہ بننے دو

رابطے بنتے ہیں جو بننے دو

دلوں کے درمیان دیواریں اٹھنے سے

بہت سے خواب روٹھ جاتے ہیں

ہاتھ سے ہاتھ چھوٹ جانے سے

سنا ہے دل بھی ٹوٹ جاتے ہیں

خواب روٹھ جاتے ہیں

خواب کی مسافت کو

نظر سے دل تک لانے کو

مجھ کو ایک لمحہ دو

"تمہیں نہیں لگتا، معاملہ بہت زیادہ الجھا دیا ہے تم نے؟" اوزی نے کہا تھا اور عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

"کیا کروں اب، جو الجھ گیا ہے سب۔ دلوں کے معاملات میں ایسا تو ہوتا ہی ہے میرے بھائی!"

"یہ ٹھیک نہیں ہوا عفنان! بہت قلیل لمحوں میں تم سب کچھ اپنے بس میں کرنے کے خواب دیکھ رہے ہو۔"

عفنان علی خان ڈرائیو کرتا ہوا رسانیت سے مسکرا دیا تھا۔

"تو کیا یہ غلط ہے؟ ـــــ ہاں، دیکھ رہا ہوں میں خواب۔ مگر سب نے سب انابیہ شاہ کے حوالے سے۔ بہت قلیل لمحوں میں ملی تھی وہ مجھ سے۔ بہت قلیل لمحوں میں، میں نے اسے جانا اور انہی قلیل لمحوں میں اپنی ساری زندگی اس کے نام کر دی۔" عفنان علی خان کا لہجہ عزم سے پُر تھا۔

اوزی مسکرا دیا تھا۔

"عفنان! مجھے یقین نہیں ہو رہا تم جیسا بندہ ایسا بھی سوچ سکتا ہے، ایسے اقدامات بھی کر سکتا ہے۔ تم وہ تو نہ تھے جس نے بزنس کے علاوہ کبھی کچھ سوچا ہی نہیں تھا آج تک۔ جسے اسٹاک ایکسچینج کے اکانومی گراف کے علاوہ کچھ سوجھتا ہی نہ تھا۔ معلوم ہی نہ تھا کچھ۔"

"ہاں، نہیں معلوم تھا کچھ۔" عفنان علی خان نے ایک لہجے میں اوزی کی بات رد کی تھی۔ "ہاں، نہیں جانتا تھا ـــــ کچھ بھی نہیں جانتا تھا میں کہ محبت کیا ہوتی ہے۔ مگر اس کی ایک نگاہِ بے خبر نے سب بتا دیا۔ بتا دیا سب کچھ۔ وہ بھی جو میں سمجھتا تھا اور وہ بھی جو میں نہیں سمجھتا تھا۔ تمہیں کیوں لگ رہا ہے اوزی! میں نے کچھ غلط کیا، کیا تم بھی یہی سمجھتے ہو کہ میں نے انابیہ شاہ سے محبت کر کے کچھ غلط کیا ہے؟" عفنان

علی خان نے دریافت کیا تھا۔

"تمہارے تمام سوالوں کے جواب تمہارے انہی سوالوں میں چھپے ہیں عفنان! ـــــ تم اپنے لیے غور کرو تو جان پاؤ گے کہ تمہارے لہجے میں کسی خدشے کا کوئی شائبہ تک نہیں ہے۔ کچھ واسطہ نہیں ہے کہ کچھ نفع ہاتھ آئے گا یا صرف خسارہ۔ مگر عفنان! میں یہ سوچ رہا ہوں اگر تم واقعی ہار گئے تو کیا ہوگا۔ کبھی سوچا ہے تم نے؟"

عفنان علی خان کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

"انجام کی فکر کرتا تو شاید آج یہ سب نہیں کر پاتا۔ میں جانتا ہوں، اس وقت خالی ہاتھ ہوں میں کچھ پاس نہیں ہے میرے۔ مگر مجھے یقین ہے ایک دن یہ ہاتھ خالی نہیں رہے گا۔ ایک دوسرا ہاتھ اس ہاتھ میں آئے گا اور تمام تر سپردگی سوچتے ہوئے اس ہاتھ کو ہمیشہ کے لئے تھام لے گا۔"

اوزی کچھ نہیں بولا تھا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے اوزی! کیا ہوگا؟" عفنان علی خان نے اس کے چہرے کے تاثرات پڑھتے ہوئے کسی قدر محظوظ ہونے والے انداز میں مسکراتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

"پتہ نہیں۔ کوئی پری ڈکشن میں کر نہیں سکوں گا۔"

"تجھے ناامید نہیں کر سکو گے، اس لئے؟" عفنان مسکرایا تھا۔

"نہیں۔ ایسا نہیں ہے۔ میں کیا، شاید کوئی بھی اس کے متعلق پری ڈکٹ نہ کر سکے۔"

عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

"محبت کے لئے کبھی بھی کوئی پری ڈکشن نہیں کی جا سکتی اوزی! تم کیا، کوئی بھی پری ڈکٹ نہیں کر سکتا کہ محبت کا اگلا موڑ کیا ہوگا۔ محبت بہت حیران کن ہے۔ مگر اسی قدر نتائج سے بے پرواہ۔ کبھی تجربہ ہوا آپ جان جاؤ گے۔"

اوزی مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

"افسوس عفنان! میں تمام تر قائل ہونے کے باوجود تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ نہ ہی کسی طرح کا کوئی پری ڈکشن۔"

"کیا میں تم سے کوئی مدد مانگ رہا ہوں؟" عفنان علی خان حیران ہوا تھا۔ "تم نے یہ سوچا بھی کیسے کہ میں کچھ توقع کر رہا ہوں تم سے۔ میں جو کرنا چاہوں گا خود کروں گا۔" عفنان علی خان کے ارادے اس کے لہجے میں صاف دکھائی دے رہے تھے۔ اوزی مسکرا دیا تھا۔

"تم مصلحت پسندی کی کوئی راہ نہیں دیکھ سکے۔"

"تم چاہتے ہو تمہارا دوست کاورڈ کہلائے؟" عفنان نے مذاق میں ٹالا تھا۔

"نہیں۔ مگر میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ تم کہیں سے جا کر خالی ہاتھ واپس آؤ۔"

"کیا اتنا ہی مشکل ہے یہ خواب؟"

"شاید۔"

"اوزی! تم مجھے یہ مشورے دے رہے ہو اور تمہیں معلوم ہے لڑکیوں کو چوہے اچھے نہیں لگتے۔"

"آئی ایگری۔ شیر اچھے لگتے ہیں انہیں۔ مگر تم شاید بھول رہے ہو۔ شادی کے بعد سارے شیر خود بہ خود چوہے ہو جاتے ہیں۔" اوزی نے کہا تھا۔ عفنان علی خان کا قہقہہ بہت فطری تھا۔

"مگر وہ ایک الگ معاملہ ہے اور ایک الگ بحث۔ فی الحال مجھے شیر رہنے دو۔ بعد کی کہانی بعد میں دیکھیں گے۔"

"ایک بات پوچھوں؟" اوزی نے دریافت کیا تھا۔

"پوچھو۔" عفنان کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

"تمہیں اناہیہ میں کیا اچھا لگا تھا؟"

"کیا یہ ضروری ہے کہ کوئی بات اچھی لگے تبھی محبت ہو؟" عفنان علی خان نے جواباً سوال کر دیا تھا۔

اوزی کچھ نہیں بولا تھا۔

"اوزی! محبت خوبیوں، خامیوں یا گڈ اینڈ بیڈ کو نہیں دیکھتی۔ نہ چہروں اور ناموں سے ہوتی ہے۔ میں چاہوں بھی تو تمہیں سمجھا نہ پاؤں۔ محبت بس ہو جاتی ہے۔ کیسے اور کیونکر ہوتی ہے یہ میں خود بھی نہ سمجھ سکا۔ بس کوئی لمحہ ہوتا ہے جو سب کچھ لے کر بہت کچھ دے جاتا ہے۔ اور وہی لمحہ محبت ہے۔ تم کہہ رہے تھے، میرے پاس کچھ نہیں ہے اور میں خالی ہاتھ ہوں۔ جب کہ میں ایسا سمجھتا ہی نہیں۔ میرے پاس اس کی باتیں، اس کی سوچیں، اس کی یادیں، بہت کچھ ہیں۔ اس کا احساس مجھے کچھ اور سوچنے ہی نہیں دیتا۔ وہ بے خبر رہے، انجان رہے مگر میں اپنے دل کو اس کے لئے دھڑکنے سے باز نہیں رکھ سکتا۔ دو دھیانی سے دیکھے بھی تو کوئی جگنو میری مٹھیوں میں دے جاتی ہے۔ اس کے قدم میرے ساتھ نہ اٹھیں، میرے ساتھ چل رہی ہوتی ہے۔ وہ بات کرے نہ کرے مگر وہ میری گفتگو میں ہوتی ہے۔ اپنی تمام تر بے توجہی کے باوجود وہ میرے ساتھ رہتی ہے۔ ہر لمحہ پاس پاس رہتی ہے۔ تم خود کہو میرے دوست! اگر خسارہ ہے تو پھر نفع کسے کہتے ہیں ـــــ؟" عفنان علی خان کے لبوں پر سوال تھا اور اوزی اس گھڑی لاجواب تھا۔

❋ ❋ ❋

وہ خود حیران تھی۔ جانے کیسے اتنی ڈھیر ساری ہمت آ گئی تھی اس میں۔ کیسے وہ اس کے مدمقابل کھڑی ہو کر، اتنا کچھ کہہ سکی تھی۔ شاید بات یہ بھی تھی کہ ہدف اس کی ذات کو بنایا گیا تھا۔ براہِ راست اس پر نکتہ چینی کی گئی تھی اور یہی وہ لمحہ تھا جب وہ چپ نہیں رہ سکی تھی۔ کچھ بھی تھا لیکن وہ سردار سبکتگین حیدر کسی کو اس بات کا حق نہیں دے سکتی تھی۔

وہ نہیں جانتی تھی اس نے اچھا کیا یا کہ برا۔ مگر وہ شرمندہ نہیں تھی۔ نہ ہی خوفزدہ۔ اُسے کسی بات کی فکر نہیں تھی، نہ پرواہ تھی اس شخص کا ردعمل کیا ہوگا یا وہ جواباً اس سے کیسا برتاؤ کرے گا۔ اس کے ساتھ رہتے ایک بات کی خبر ہو گئی تھی اسے۔ وہ جتنی لچک کا مظاہرہ کرے گی، وہ اسے اتنا ہی توڑنے کی کوشش کرے گا۔ مصلحت پسندی کے تقاضے اور سہی مگر وہ اپنے ہاتھوں خود کو اس مقام سے پیچھے

نہیں لا سکتی تھی۔۔اصولوں سے آگے کی دنیا یقیناً ناقابل قبول تھی۔

اگلا پورا دن وہ اسے دکھائی نہیں دیا تھا ۔۔۔۔ کہاں گیا تھا، یہ بھی پتا کر نہیں گیا تھا۔ وہ پریشان نہیں تھی۔ نہ ہی اپنے کیے پر کوئی پچھتاوا تھا۔ تبھی معمول کے مطابق ڈنر کے لیے نیچے آ گئی تھی۔

سوچوں سے الجھے ذہن کے ساتھ سر جھکائے بیٹھی وہ اپنے آپ میں مگن اپنا نیل لینے کے لیے بڑھی تھی، جب اچانک ہی اُس کی نظر اٹھی تھی اور وہ تحیر سے بھر گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کچھ فاصلے پر کی ٹیبل پر تھا۔ موڈ خوشگوار تھا۔ چہرے پر ہو جانے والی کسی بات کا شائبہ تک نہیں تھا۔ کچھ بدلا بدلا سا لگ رہا تھا جیسے وہ، وہ نہ تھا یا پھر میرب سیال کو ہی ایسا لگا تھا۔ کوئی ساتھ تھا اس کے۔ کوئی حسین پیکر، کوئی دلربا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری مگن تھا۔ مسرور نظر آ رہا تھا۔

"تو کیا ۔۔۔۔ یہ کوئی ری ایکشن تھا؟

کیا وہ اپنے پہلے والے رنگ میں تھا؟!

ایک لمحے میں بدل دیا گیا تھا پھر سب؟

سارے لمحے خواب ہوئے تھے۔

اور ساری باتیں خیال سی۔

کیا واقعی دھواں ہو گیا تھا سب کچھ؟

میرب سیال حیرتوں سے بھری نگاہ لیے اس جانب دیکھ رہی تھی جب سردار سبکتگین حیدر لغاری کی نگاہ اس پر پڑی تھی۔ مگر جیسے کوئی اتفاقیہ نظر کسی اجنبی پر پڑ جاتی ہے۔

تو ...... تو ...... کیا وہ پھر اجنبی ہو گئی تھی؟

سردار سبکتگین حیدر لغاری پھر سے بیگانہ ہو چکا تھا اُس سے؟

اُس کی آنکھوں میں جیسے مرچیں سی چبھنے لگی تھیں۔ ایک لمحے میں سارا اندر دھواں دھواں لگا تھا۔ جانے کیوں نگاہ کے سامنے کے منظر دھندلانے لگے تھے۔ وہ اٹھی تھی اور چلتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔

وہ حوصلہ ہارنا نہیں چاہتی تھی مگر سارے بند جیسے ریت کی دیوار ثابت ہو رہے تھے۔ طغیانیاں اس قدر تھیں، شدید دسری اتنی تھی کہ ہر بار دھوتی چلی گئی تھی۔

غبار ابھی پوری طرح دھلا بھی نہیں تھا، دھند ابھی چھٹی بھی نہیں تھی کہ کمرے کا دروازہ کھلا تھا اور دوسرے ہی پل کوئی اندر تھا۔ وہ چونک پڑی تھی۔ جان گئی تھی، کوئی آ گیا ہے۔ قدموں کی چاپ اُس کے کان سن چکے تھے۔ گویا اس کا یہ انداز بھی اب فاش ہونے کو تھا۔

کوئی اگر محظوظ ہونا چاہتا تو یہ لمحہ بہت خاص تھا۔

بھاری قدموں کی چاپ اس کے قریب آ کر تھمی تھی۔ وہ ساکت سی بیٹھی رہ گئی تھی۔ جھکا سر اٹھنا تھا۔ بھیگی نگاہوں نے کسی قدر جلدی سے آنے والے کی خبر گیری کرنا چاہی تھی۔ مگر یہ عقدہ کھل چکا تھا کہ آنے والے نے مقابل کھڑے ہو کر مسکراتے ہوئے اس چہرے کو دیکھا تھا اور شاید اس سے بھی

بچا نہ ہوئی تھی کہ مضبوط ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کو کسی قدر اوپر اٹھا دیا تھا اور بغور تکتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

"بس اتنا ہی تھا حوصلہ؟" کوئی واقعی محظوظ ہوتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔

میرب سیال نے نظریں اٹھا کر اس لمحے چوری سے نہیں، دیدہ دلیری سے دیکھنا چاہا تھا۔ مگر کوئی مسکرا اٹھا۔ نگاہ کی چمک اور بھی سوا ہو گئی تھی۔

"ضبط آزمانے کا اتنا شوق کیوں تھا میرب سیال! جب حوصلہ تھا ہی نہیں ۔۔۔۔؟" کوئی اس پر واضح کر رہا تھا۔

اور میرب سیال خالی خالی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ کیا کر سکتی تھی وہ؟ کیا تھا اس کے اختیار میں؟

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ان بھیگی آنکھوں پر اٹکے موتیوں کو بڑے آرام سے اپنی انگلیوں کی پوروں پر لیا تھا اور ایسا کرتے ہوئے لبوں کی مسکراہٹ اور بھی گہری ہو گئی تھی۔

"سچ کہو، حاسد ہو رہی ہو نا تم؟ جلن ہو رہی ہے نا بہت؟" سوال کیا گیا تھا۔ مگر میرب سیال کے پاس اس لمحے کوئی جواب نہ تھا۔ اس نے چہرے کو بھرپور توجہ سے دیکھتے ہوئے چھوا تھا۔

"عشق، محبت، پیار، اُلفت سب فضول کی چیزیں ہیں۔ ایک دم بے کار۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری تو ایسا ہے۔ تمہیں کس نے کہا تھا کہ دل لگاؤ اور بے خبر ہو جاؤ، ہاں۔" وہ جیسے اس لمحے سے بھرپور حظ اٹھا رہا تھا۔ لطف اندوز ہو رہا تھا۔ آنکھوں کی چمک صاف کہہ رہی تھی۔

میرب سیال جیسے منوں مٹی تلے جا پڑی تھی۔

کیسا وار تھا۔

"بھول گئی تھیں تم، سردار سبکتگین حیدر لغاری نئے موسموں کا عادی ہے ۔۔۔۔ ٹھہرے ہوئے، پرانے راستے زیادہ دیر نہیں بھاتے۔ کسی ایک جگہ پڑاؤ کرنا اس کی سرشت میں نہیں۔ ناممکن ۔۔۔۔ بالکل ناممکن ہے اس کے لیے دنوں تک ایک ہی راہ پر چلتے رہنا۔ تمہیں کیا لگتا تھا، بدل جائے گا وہ؟ بدل دو گی تم اسے اپنی دقیانوسی، ری سوچ سے؟ کیا لگتا تھا، رنگ لو گی اپنے رنگ میں اور دوبارہ وہ رنگ اتر ہی نہ پائے گا؟ اوہ، میرب! کتنی بھولی بھالی، معصوم یا پھر ڈفر بے وقوف ہو تم۔" اظہارِ مدعا کرتے ہوئے وہ بغور دیکھ رہا تھا۔ لبوں پر مسکراہٹ تھی اور میرب سیال کی وہ کیفیت تھی کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔

کتنا کند دار تھا یہ۔ کیسے میٹھی چھری سے کاٹی گئی تھی وہ۔

کیا وہ واقعی سچ کہہ رہا تھا؟

اس کا وہ روپ، وہ نرمی، وہ دوستانہ مزاج، وہ اپنا پن، کیا واقعی ...... کیا واقعی سب دھوکا تھا؟ ...... سب خواب تھا؟

"معاملہ یہ ہے میرب سیال! سردار سبکتگین حیدر لغاری کوئی آسان محاذ نہیں ہے ۔۔۔۔ اسے سر کرنے کے لیے آرائیاں، محبت ہوں گی اور جیتنے کے سارے ارادے ریت کے ڈھیر۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری

مسکراتے ہوئے سرنفی میں ہلاتے ہوئے جیسے افسوس کر رہا تھا۔

”حیف، حیف میرب سیال! خرد مندی کا بڑا دعویٰ تھا تمہیں۔ تو پھر اس لمحے یہ نگاہ اتنی حیرتوں میں ڈوبی ہوئی کیوں ہے؟ ۔۔۔۔۔ کیا اب بھی یقین نہیں آیا کہ سردار سبکتگین حیدر لغاری وہ ہے جسے تم دیکھ رہی ہو یا پھر وہ جسے تم دیکھ رہی تھیں؟ ۔۔۔۔۔ حیران کیوں ہو؟ اتفاقاً وہ لمحہ نہیں تھا جب تم میرے قریب آئی تھیں۔ اتفاقاً یہ لمحہ ہے میرب! جس نے تم پر بہت کچھ کھول دیا ہے۔ کند عقل کی لڑکی کہوں تمہیں یا پھر میرب سیال؟ کبھی سوچا ہے تم نے، کبھی کوشش کی ہے غور کرنے کی کہ کتنی گھٹن ہے تمہاری سوچوں میں اور کتنا حبس ہے تمہارے اندر۔ ایسے میں اگر سمندر کو بھی دیکھو گی تو وہ بھی جوہڑ سا لگے گا۔ کوششیں تو کی تھیں میں نے اپنے زاویۂ نظر سے تمہیں دنیا دکھانے کی، تمہاری سوچوں کو بدلنے کی۔ ایک چھوٹی سی کوشش تمہاری بوسیدہ، گھٹی گھٹی سوچ کو بدلنے کی۔ مگر نہیں۔ رہیں تم وہی کی وہی، چھوٹے سے دماغ والی چھوٹی سی لڑکی۔ نہ میرے دکھائے منظروں کا کوئی اثر ہوا نہ دکھائی گئی دنیا کو دیکھ کر کوئی نظریہ بدلا۔ اور شاید ایسا ہونا بھی ناممکن ہی ہے۔ شاید میں ہی غلط سمجھا تھا کہ تم یا تمہاری سوچ بدل سکتی ہے۔ دنیا دکھا کر میں تمہارے دماغ کو کھول سکتا ہوں یا منظر تمہاری سوچ پر کوئی اثر ڈال سکتے ہیں۔ کنوئیں کے مینڈک کبھی بارش ہو بھی جائے تو بھی کنوئیں سے باہر نہیں آ سکتے۔ باہر کی دنیا، انہیں بہت نئی نئی اور ناقابلِ قبول سی لگتی ہے۔ اور نتیجتاً وہ دوبارہ کنوئیں کے اندر کی دنیا میں ہی گشت کر رہے ہوتے ہیں۔“ پُرسکون انداز میں کہتا ہوا مسکرا رہا تھا۔

مگر میرب سیال کی نگاہ ساکت تھی۔ سر اٹھائے وہ اُسے صرف حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں لے کر بغور دیکھا تھا۔

”میرب سیال! کیا لگتا ہے تمہیں، سردار سبکتگین حیدر لغاری تمہارا پیار ہو سکتا ہے؟ اس سیاہ زلف گرہ گیر کا اسیر ہو سکتا ہے؟ کیا لگتا ہے، یہ چنچل نگاہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے دل کے آر پار ہو سکتی ہے؟ بیڑیاں ڈال سکتی ہے میرے قدموں میں؟ یہ زلف، یہ نظر، یہ گداز لب کیا بھلا سکتے ہیں ساری دنیا کو؟ کیا لگا تھا تمہیں میرب سیال؟ قریب آؤ گی تو جادو کر دو گی؟ بس میں کر لو گی سب اپنے؟ دن کو رات کہو گی تو کوئی رات کہے گا۔ پاگل۔“ لب مسکرائے تھے۔

”پاگل ہو نا تم۔ سورج کو چھونے چلی تھیں۔ سوچا تھا چھوٹی سی ماچس کی ڈبیہ میں بند کر کے اپنے دوپٹے کے پلو سے باندھ کر رکھ لو گی۔ کیا لگا تھا میرب! کر لیا سب کچھ تم نے؟ باندھ لیا سورج کو اپنے دوپٹے کے پلو سے؟ سر کر لیا تم نے سب کچھ؟ پاگل ہو نا۔ جو بھی جانا، غلط جانا۔ جو بھی سمجھا فضول۔ کب بدلو گی تم خود کو؟ کھلی آنکھوں سے دنیا کو دیکھنا سیکھو میرب سیال! دنیا تمہارا دو چار انچ کا تنگ سا دائرہ نہیں ہے۔ نگاہ اٹھا کر دیکھو گی تو نگاہ کھلی کی کھلی رہ جائے گی۔ اور جہاں تک رہی بات سردار سبکتگین حیدر لغاری کی تو وہ وسعتوں کا عادی ہے۔ اور سو باتوں کی ایک بات یہ ہے کہ سردار سبکتگین حیدر لغاری تمہارا پیار ہرگز نہیں ہے۔ ہرگز بھی نہیں ہے۔ وہ سورج بھی نہیں ہے جسے تم چھوٹی سی ماچس کی ڈبیہ میں بند کر کے اپنے پلو سے باندھ کر رکھ سکو۔“

پُرلطف انداز میں مسکرا رہا تھا وہ۔ کیسا تفاخر تھا۔ انداز کیسا فاتحانہ سا تھا۔

فاتح ہی تھا وہ۔ فاتح ہی تو رہا تھا۔

مسرور تھا تو تعجب کیا تھا۔

شکست خوردہ تو وہ بھی تھی۔ تحیر بھری نگاہ کتنے پانیوں سے بھرتی چلی گئی تھی۔ مگر وہ اسی طرح مسرور سا مسکرا رہا تھا۔

”یہ معصوم، بھولا بھالا چہرہ، اس پر یہ بھیگتے سمندر سی آنکھیں۔ ایسے قاتلانہ عزائم۔ ارادے کیا ہیں؟ اپنی تو ترکش کا کوئی تیر بچا کر رکھنے کا ارادہ ہے یا نہیں؟ تہیہ کر لیا ہے کہ اپنے دام سے نکلنے نہیں دو گی۔“

کتنے سمندر ایک پل میں چھلکے تھے۔

کتنے بند ایک لمحے میں ٹوٹے تھے۔

وہ محظوظ ہوتے ہوئے بڑے پُرافسوس انداز میں سرنفی میں ہلانے لگا تھا۔

”نہیں۔ آج نہیں۔ آج تو بالکل بھی نہیں۔ کوئی جادو آج نہیں چلے گا۔ کوئی تیر نہیں، سردار سبکتگین حیدر لغاری کا دل کوئی کاغذی گھوڑا نہیں جانان! کہ ان نمکین سمندروں میں بہہ جائے۔ آج سارے منتر بے سود رہیں گے اور ساری تدبیریں رائیگاں۔“ اس کے چہرے کو بہت ہولے سے تھپتھپایا تھا۔

”کچھ بھی کر لو، آج نہیں دل ٹھہرنے کا۔ دل کے بہلاووں کو آج تسلیاں بھی کام نہیں آئیں گی۔ زاویوں سے جاگ چکی ہیں آنکھیں۔ تم بھی اب جینے دیکھنا بند کر دو۔ کھیل بند۔ کھیل ادھورے ہی اچھے لگتے ہیں کہ جیت کی خوشی نہ ہار کا غم۔ بھول جاؤ سب۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کو خسارے پسند نہیں۔ ہمارے لئے یہ جان لینا بہت ضروری ہے۔ انڈر اسٹینڈ؟“ مسکراتے ہوئے اسے کسی بچے کی طرح پچکارا تھا اور پھر اسے اسی طرح حیرتوں میں ڈوبا چھوڑ کر وہاں سے ہٹتا چلا گیا تھا۔

میرب سیال کتنی دیر تک یک ٹک اس سمت تکتی رہی تھی۔

❄ ❄ ❄

ذہن بہت اُلجھا ہوا تھا۔ مگر اس صورتِ حال سے باہر تو آنا تھا۔ کب تک وہ ان جھمیلوں میں رہتی۔ مسئلہ براہِ راست اس کی ذات سے منسوب نہ ہوتے ہوئے بھی اب مکمل طور پر اسی کو گھیر چکا تھا۔

دوسرے فریقین کی کیفیت کیا ہو گی، وہ نہیں جانتی تھی۔ مگر اس کی خود کی جان بہت مشکل میں تھی۔ اس کے باوجود بھی کہ وہ براہِ راست اس معاملے کا حصہ نہ تھی اور اسے خیر کمار کرا نوالو کیا گیا تھا۔ مگر اب حقیقت یہ تھی کہ تمام مسئلہ اسی کے باعث تھا۔ وہ تجزیاتی نگاہ سارے معاملے پر ڈالتی تھی تو خود کو ہی مجرم پاتی تھی۔

خرد مندی کا تقاضا یہی تھا کہ وہ بے سمت سوچ کر اُلجھنے سے بہتر کوئی پوزیٹو سائیڈ چنتی اور اس مسئلے سے خود کو باہر نکالتی۔ گو یا کسی قدر مشکل ضرور تھا مگر ناممکن نہیں۔

بہت ریلیکس ہو کر، غیر جانبدار ہو کر اس نے رات بھر سوچا تھا اور پھر عفنان علی خان کا سیل نمبر ملا ڈالا تھا۔ دوسری طرف بے قراری کی حد تھی۔ پہلی رِنگ پر ہی کال ریسیو کر لی گئی تھی۔

"ہیلو۔" عفنان علی خان کی بھاری آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔ مگر ادھر یہ خاموشی تو عفنان علی خان مزید گویا نہیں ہوا تھا۔ جیسے وہ منتظر تھا یا پھر کال کرنے والے کو موقع دے رہا تھا۔

انابیہ شاہ نے خشک لبوں پر زبان پھیری تھی۔

"ہیلو ——— انابیہ شاہ ہیئر۔"

"یس، میں جانتا ہوں۔" دوسری طرف ایک لطیف سی شرارت ہوئی تھی۔ ابھر وہ کچھ کہہ نہ سکی تھی۔

"انابیہ! آئی ایم ویٹنگ۔"

ردعمل گرم جوشی لیے ہوئے تھا۔ مگر انابیہ شاہ کو جیسے ان پذیرائیوں سے کچھ شغف نہ تھا۔ وہ بولی تو لہجہ بہت سپاٹ تھا۔

"عفنان علی خان! ملنا چاہتی ہوں میں تم سے۔"

"انٹرسٹنگ ——— بٹ ناٹ سرپرائزنگ۔" وہ دوسری طرف مسکرایا تھا۔ "تمہاری اس خواہش میں کسی مصلحت پسندی کی بو آرہی ہے۔ انابیہ شاہ! سچ کہو۔ میری ایک شرط ہوگی۔"

"شرط؟" وہ چونکی تھی۔

"درخواست کروں گا ایک تم سے۔" وہ سنجیدہ نہ تھا اور انابیہ شاہ لب بھینچ کر رہ گئی تھی۔

"عفنان علی خان کی شرائط بھی محبت سے متعلق ہیں۔ سارے نظریے، سارے زاویے، سبھی باتیں محبت اور صرف محبت۔ اب کہو، کہاں تک بھاگو گی؟ اور کہاں تک انکار کی سعی کرو گی؟" عفنان علی خان کا دھیما لہجہ اُسے تپا گیا تھا۔

"عفنان علی خان! میں نے تمہاری خواہشوں کو تکمیل دینے کے لیے یہ میٹنگ نہیں رکھی۔"

"تو پھر کہو، مدعا کیا ہے؟ ——— مجھے تو محبت کے سوا کچھ سوجھتا ہی نہیں۔ کیا تمہارے اور ہمارے مابین کوئی اور مسئلہ بھی ڈسکس ہو سکتا ہے؟" سوال ہوا تھا مگر ادھر انابیہ شاہ کچھ نہیں بولی تھی۔ عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

"اصول تو یہ ہے انابیہ شاہ! جب مذاکرات کی میز پر آئیں تو پیچیدہ مسائل میں سے سب سے اہم اور بڑے مسائل زیرِ بحث آئیں۔ اور میرے اور تمہارے بیچ تو صرف ایک ہی مسئلہ ہے۔ وہی مسئلہ سب سے بڑا بھی ہے اور سب سے اہم بھی۔ تمہارا کیا خیال ہے، کیا سوچ رہی ہو تم؟"

عفنان علی خان شاید ہارنا نہیں جانتا تھا۔ اور ادھر انابیہ شاہ پیچ و تاب کھا کر رہ گئی تھی۔

"مجھے تمہیں جھیلنے کا کوئی شوق نہیں ہے عفنان علی خان!"

"اوہ ریئلی۔ تو پھر اس وقت اپنا اور میرا وقت کیوں برباد کر رہی ہو؟" وہ بات کو قطعاً سنجیدہ نہ لیتا ہوا مسکرا رہا تھا۔

"عفنان علی خان! ملاقات کے جواز اپنی مرضی کے مطابق ڈھونڈو گے تو خود کو دنیا کا احمق ترین شخص پاؤ گے۔"

مگر دوسری طرف وہ بے فکری سے ہنس دیا تھا۔

"فضول کیا ہے انابیہ شاہ! تمہیں کس بات کی فکر ستا رہی ہے؟ ——— اگر میرا معاملہ یک طرفہ ہے تو ان الجھاؤں میں تم کیوں بکھر رہی ہو؟ تمام باتوں کو ان کے حال پر چھوڑ کر چین کی نیند کیوں نہیں سو جاتیں؟" لطف اندوزی کی حد تھی۔

انابیہ شاہ دانت بھینچ کر رہ گئی۔

"سنو، میں فوراً تم سے ملنا چاہتی ہوں۔ بتاؤ ہاں یا نہیں؟"

عفنان علی خان لمحہ بھر کو خاموش ہوا تھا۔ پھر مسکرا دیا تھا۔

"بیلیں۔ مل سکتی ہو۔ اینڈ یور ڈیزائرز؟"

"نہیں میں صرف یہی سننا چاہتی تھی۔"

"اور کچھ نہیں؟" عفنان علی خان نے مدھم لہجے میں ایک آس سے دریافت کیا تھا۔

"اور کیا عفنان علی خان؟ کس بات کی امید رکھتے ہو تم مجھ سے؟"

"پذیرائی کرو اور دل سے کرو۔ اس سے آگے کی تمام اسٹریٹجی بناؤ تو وہ بھی دل سے۔ چاہو، اپنا بناؤ اور صرف دل سے۔"

"دیوانے ہو عفنان علی خان! تم اب بھی ایسا سوچتے ہو؟"

"کیا کروں ——— تمہارے بغیر کچھ اور سوجھتا ہی نہیں۔ کچھ بھی کروں، کچھ بھی سوچوں، تمام راہیں آپ تم سے جا ملتی ہیں۔ اسے تم محبت نہیں کہو گی تو اور کیا کہو گی، ہاں۔" وہ سنجیدہ نہ تھا اور ادھر انابیہ نے بنا جواب دیے فون بند کر دیا تھا۔

دوسری طرف عفنان علی خان مسکرایا تھا اور اس کا نمبر ملانے لگا تھا۔ انابیہ شاہ کے سیل پر نمبر چمکا تھا اور نہ چاہتے ہوئے بھی وہ کال ریسیو کر گئی تھی۔

"میں تم سے ملنے کو تیار ہوں ——— جگہ اور وقت تمہاری پسند کا ہوگا۔ ایک بات کہوں، تم نے مجھے بڑی خوشی دی ہے۔ بھر دیا ہے میرا دل مسرت سے۔ یہاں سے وہاں تک دل بلیوں اچھل رہا ہے۔ کیا ہوگا؟ یہ تو میں نہیں جانتا۔ مگر اس افراتفری کے زمانے میں وقت سے کچھ لمحے چرا کر ہم ایک دوسرے کے سامنے ہوں گے۔ یہ احساس بہت دل پذیر ہے۔ مجھے تو یہ سوچ بھی اتنی اچھی لگ رہی ہے کہ روبرو ہوں گے۔ پھر اس کے بعد جو ہو سو ہو۔" عفنان علی خان کے سارے زمانے ایک ہی مرکز کے گرد گھومتے تھے۔ انابیہ شاہ ایک گہری سانس لے کر رہ گئی تھی۔

"تمہارا پرابلم کیا ہے، جانتے ہو تم؟ تم لٹو بنے ایک ہی چکر میں گھومتے رہنا چاہتے ہو عفنان علی خان۔" باور کرایا تھا۔

"کیا کروں ——— میرا مرکز تم جو ہو۔" وہ کھلونا ہوا تھا۔ "تم سے تم تک فاصلے، رابطے مجھے اچھے لگتے ہیں۔ خواہ لٹو کی طرح گول گول گھوموں، چاہے مسافتوں کے ساتھ سفر کروں۔ مگر نقطہ ایک ہی ہے، تم اور بس تم۔ معاملہ بند ہو گیا کوئی راستہ نہیں ہے یہاں۔ انابیہ شاہ! اقدامات کرو تو سوچ کر اور یہ غور دیکھ کر کہ مجھے تم دراستوں میں گھری بالکل اچھی نہیں لگو گی۔"

وہ شرارت پر مائل تھا۔ لبوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ مگر انابیہ شاہ کی برداشت جواب دے چکی تھی۔ ایک ہی لمحے میں وہ سلسلہ منقطع کر چکی تھی۔

عفنان علی خان مسکرا رہا تھا۔

"معاملہ کچھ بھی ہو انابیہ شاہ! تم راہ پر تو آئیں۔ اب قائل کرنے میں دیر نہیں لگے گی۔"

❄❄❄

تمہارے آخری خطوں کی
سطروں میں.....
عجب کچھ اسرار پنہاں تھے
کچھ خواب جو تم نے
آدھے آدھے بانٹ کر
میری آنکھوں میں رکھ دیے تھے
وہ خواب ابھی تک جاگ رہے ہیں
گلاب کی جس ٹہنی پر تم نے
اپنے پیار کا ہاتھ دھرا تھا
وہ لمس ابھی تک تازہ ہے
تیرے احساس کی خوشبو کی طرح
بارش کی بوچھاڑ میں
بھیگتی اس لڑکی کا چہرہ
اب تک میں دیکھ رہا ہوں
آدھے سوکھے آدھے گیلے خوابوں والی
اس لڑکی کو
بے خود سا چپ چاپ سا تکتا
کہیں اپنے اندر ڈھونڈ رہا ہوں

اذہان حسن بخاری بھیگتے منظروں کو تکتا چپ چاپ کھڑا تھا۔ بارش بہت سی کثافتوں کو دھو گئی تھی۔ کچھ بوجھل پن تھا جو اسی طرح برقرار تھا۔ کوئی جگہ نہیں تھی جہاں گھٹن اب بھی باقی تھی اور.....

"یہ تم مجھے اس طرح کیوں دیکھ رہے ہو اسٹوپڈ! میں تمہیں بھیگتا ہوا موسم دیکھنے کو کہہ رہی ہوں۔ دیکھو سب کچھ کتنا صاف شفاف سا لگ رہا ہے۔ سارے منظر کیسے دھل گئے ہیں۔ یہ بارش بھی کتنی عجیب ہوتی ہے نا۔"

"عجیب نہیں، خوبصورت۔" اس نے سرنفی میں ہلاتے ہوئے اس خوشبو کے لہجے کی نفی کی تھی۔

"اذہان! تم مجھے تنگ کر رہے ہو۔ میری مخالفت۔" وہ دھمکی دیتی ہوئی مسکرائی تھی۔ وہ مسکرا دیا تھا۔

ہاں۔ کیونکہ میں جانتا ہوں تم خوب صورت ہو۔" انکشاف کیا تھا۔ وہ چہرہ مسکرا دیا تھا۔

اذہان! میں بارش کی بات کر رہی ہوں اور تم......"

ہائے دی وے، میں بھی بارش کی بات ہی کر رہا ہوں۔ تم ——— تم بھی تو بارش سی ہو۔ شفاف، دل پذیر۔ ان بوندوں کی طرح۔"

اذہان!" وہ پر افسوس انداز میں اسے دیکھنے لگی تھی۔ "تمہیں لڑکیوں میں صرف خوب صورتی دکھائی دیتی ہے۔ اگر میں خوب صورت نہ ہوتی تو تم مجھ سے محبت نہیں کرتے؟"

نہیں۔" مسکراتے ہوئے سرنفی میں ہلایا تھا۔ اس نگاہ میں حیرت واضح تھی مگر وہ ہنس دیا تھا۔ "آئی ایم کرتا۔ محبت نہیں کرتا، بہت زیادہ محبت کرتا۔ بالکل مجنوں والی۔ سچی، پکی محبت۔" انداز میں تھی۔ وہ مسکرا دی تھی۔

کم آن یار! اچھی یا بری، تم جیسی بھی ہوتیں ——— تم، تم ہی ہوتیں۔ یہ تم لڑکیوں کو شک کرنے کی کیوں ہوتی ہے؟ بندہ محبت میں ڈوبا، بے بس اور لاچار ہوگا اور تم پھر بھی شک کر رہی ہوگی۔"

وہ چہرہ مسکرا دیا تھا۔

شک نہیں کر رہی ——— تمہیں اپنے بس میں کر رہی ہوں۔ بالکل نارئیل جیسے ہو تم۔ دھوکے باز۔ کچھ، اندر سے کچھ۔ کوئی اور حسین صورت دیکھ کر بدل گئے تو؟"

الزام آیا تھا۔ مگر وہ ہنس دیا تھا۔

تم بھی عجیب ہوتی ہو تم لڑکیاں بھی۔ تعریف نہ کرو تب بھی گلہ ہوتا ہے اور اگر کرو تب بھی خوش نہیں ہے۔"

مائنڈ اِٹ اذہان بخاری! تعریف تم میری نہیں، اس بارش کی کر رہے تھے۔"

ہاں، کر رہا تھا۔ مگر یہ کہہ کر کہ یہ بارش تمہارے جیسی ہے۔ اور میں اس پر اب بھی قائم ہوں۔ کٹ کی طرح پنجے جھاڑ کر پیچھے پڑ جاتی ہو۔"

وہ چہرہ کھلکھلا کر ہنسا تھا۔

میں مذاق کر رہی تھی اذہان حسن بخاری!"

"میں، آئی نو ———" وہ بولتا ہوا مسکرایا تھا۔

"اذہان! وہاٹ یو نو؟" ایک لہجہ اس کے گرد ابھرا تھا اور وہ حیران رہ گیا تھا۔ ایک لمحے میں وہ اس اس دنیا میں تھا۔

نابیہ خان اس کے قریب کھڑی تھی۔ اسے حیرت سے دیکھتی ہوئی۔

"کیا ہوا؟ ——— بتایا نہیں تم نے۔ کیا جانتے ہو تم؟"

اذہان حسن بخاری کچھ نہیں بولا تھا۔ چہرے کا رخ پھیر گیا تھا۔ انداز کسی قدر جھجکا سا تھا۔ نابیہ خان سے بغور دیکھا تھا۔

"تو اب خود کلامی کی بھی عادت پڑ گئی تمہیں اذہان حسن بخاری! بائے دی وے، مخاطب کس سے

''ہائے، وہاٹس اپ ـــــ کیسی گزر رہی ہے؟ سب کچھ ٹھیک چل رہا ہے نا؟ کتنا خیال ہے تمہا
دیکھو کھانے کے لئے لایا ہوں تمہارے لئے۔ رو رو کر کتنا برا حال کر لیا ہے اپنا۔ ڈارلنگ! تم اپنا ہا نگر
خیال نہیں رکھتی ہو۔ اپنا نہیں تو کم از کم اپنے اس وفادار شوہر کا ہی کچھ خیال کر لو۔ چلو اٹھو شاباش! یہ
لو۔ آئی نو تم انرجی لیس ہو رہی ہو اور مجھ سے یہ دیکھا نہیں جا رہا۔ چلو اٹھو، شاباش۔'' مسکراتے ہوئے
اسے جیسے بچوں کی طرح پچکار رہا تھا۔

میرب سیال نے بہت ہمت سے آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ انداز میں ناگواری واضح تھی
سردار سبکتگین حیدر لغاری کو جیسے مطلق پرواہ نہیں تھی۔ چہرے کی تر و تازگی کے ساتھ ساتھ مزاج بھی ہ
بشاش تھا اور لہجہ اس سے بھی توانا۔

''مسز میرب سبکتگین حیدر لغاری! اٹھئے شاباش، ابھی بہت ہمت درکار ہوگی آپ کو۔ مقابلہ کرنا
جینا بہت ضروری ہے اور جینے کے لئے کھانا بہت ضروری ہے۔ بوڑھے کہتے ہیں کھانے سے
مدافعت خاصی بڑھ جاتی ہے اور دماغ چاق و چوبند ہو جاتا ہے۔'' اسے اٹھانے کے لئے ہاتھ بڑھ
مگر کاندھے پر دھرا ہاتھ میرب سیال نے جھٹک دیا تھا اور اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔

''گڈ۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرایا تھا۔

میرب سیال اٹھ کر بیٹھ گئی تھی مگر کسی شے کو ہاتھ نہ لگایا تھا۔ کھانے کی ٹرے اس کے سامنے جو
توں پڑی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''مسز میرب سبکتگین حیدر لغاری! کیا ارادہ ہے؟ ـــــ کیا آپ اپنے ہزبینڈ کے ہاتھوں کھا
خواہش رکھتی ہیں؟''

میرب سیال نے اس کی سمت ایک نگاہ ڈالی تھی۔ جس میں ناپسندیدگی بہت واضح تھی۔ سردار سبک
حیدر لغاری نے اُسے مسکراتے ہوئے دیکھا تھا اور سوپ کا پیالہ اٹھا لیا تھا۔

''مسز سبکتگین حیدر لغاری! شوہر مجازی خدا ہوتا ہے۔ خدمت کرتے ہیں، کرواتے نہیں۔ آپ
سمجھدار ہیں۔ اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں کو سمجھانے کی ضرورت تو نہیں پڑنی چاہئے۔'' سوپ کا چمچ
اس کے منہ کی طرف بڑھایا تھا۔ میرب سیال نے منہ نہیں کھولا تھا مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری خاص
ٹرمنٹ واقع ہوا تھا۔

''مسز لغاری! منہ کھولئے، پلیز۔'' اور میرب سیال کے پاس دوسرا راستہ نہ بچا تھا۔

''گڈ ـــــ دیٹس نائس۔ آپ کی یہ بات بہت اچھی ہے مسز لغاری! آپ خاصی انڈر اسٹینڈ
ہیں۔ جلد انڈر اسٹینڈ کر لیتی ہیں۔ اس خاصیت کے باعث بہت سی باتوں کی بچت ہو جاتی ہے
سے بڑی بات بندہ کسی اندھیرے میں نہیں رہتا۔'' ایک مزید چمچ اس کی سمت بڑھاتے ہوئے بہ وہ م
آ رہا تھا۔

مگر میرب سیال نے بجائے منہ کھول کر اس کے ہاتھ سے سوپ لینے کے لئے ہاتھ بڑھا کر
اس کے ہاتھ سے لینا چاہا تھا۔ ہاتھ سے ہاتھ ٹکرایا تھا۔

ب سیال نے اس اتفاق پر اس شخص کی جانب سے نظریں پھیر لی تھیں۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری
تھا۔

پ میں ہمت نہیں ہے مسز لغاری! یو آر فیلنگ ناٹ ویل، ڈونٹ ناؤ۔'' اپنے طور پر وہ خود کو باور
ہوئے اس کے منہ میں سوپ ڈالنے لگا تھا۔

لغاری کے لئے جیسے کسی بات کا احتجاج کرنا بے حد دشوار تھا۔ شاید اس گھڑی واقعی ہمت نہ پی
اتی بھی نہیں کہ وہ اپنے قاتل کی مدد لیتی۔

لیز، میں لے لوں گی۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری سپون اس کی طرف بڑھا رہا تھا جب اس نے
تھا۔

وہ، اچھا ـــــ اتنی ہمت آ گئی ہے آپ میں۔ گڈ ـــــ اچھی بات ہے۔'' میرب نے پیالہ لینے
ہاتھ بڑھایا تھا جسے سردار صاحب نے بخوشی اس کی سمت بڑھا دیا تھا۔

لڈ چینج ـــــ'' وہ اُسے سوپ اپنے ہاتھوں سے لیتا دیکھ کر سراہے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ میرب
نے اسے نگاہ اٹھا کر دیکھا تھا۔

کچھ کہنا چاہتی ہیں مسز لغاری؟''

ہاں..... میں واپس جانا چاہتی ہوں۔ آئی وانٹ ٹو بیک۔''

وہ ـــــ یو وانٹ ٹو بیک۔'' پُر خیال انداز میں سوچا تھا۔ ''مگر مسز لغاری! اٹس ناٹ پوسیبل۔
ٹ آل۔ فی الحال ارادہ پوسٹ پون کر دو۔ یہ ناممکن ہے۔''

مگر کیوں؟'' وہ احتجاج کئے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔

قت مسز لغاری! ایک اچھا وقت ہے میرے ہاتھ میں۔ اکتائی ہوئی بھی اور ایموشنلی بھی۔''
کیا مطلب؟'' وہ کچھ بھی نہیں سمجھی تھی۔ لفظوں سے زیادہ استفسار آنکھوں میں تھا۔ مگر سردار سبکتگین حیدر
بہت رسانیت سے مسکرایا تھا۔

یعنی، مسز لغاری! غالباً اُس روز دیکھا تھا آپ نے اُسے میرے ساتھ۔ غالباً پرابلم یہ ہے مسز
کہ میں کچھ وقت اجنبی کے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں۔ اچھا لگ رہا ہے۔ شی از اے انٹرسٹنگ گرل
ٹو ڈاہر۔''

میرب سیال کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔

اگر آپ نہیں جانا چاہتے تو مجھے پرواہ نہیں۔ مگر میں جاؤں گی۔'' انداز اور لہجہ درشت تھا۔ مگر سردار
حیدر لغاری بہت اطمینان سے مسکرا دیا تھا۔

ممکن نہیں ہے مسز لغاری! سوری، ایسا بالکل بھی ممکن نہیں ہے۔ آپ کو میرے ساتھ ٹھہرنا ہوگا۔ ایک
ہزبینڈ کے فرائض میں نبھا رہا ہوں۔ ایک سعادت مند بیوی کے حقوق آپ پر نبھانا فرض ہیں۔
''لب مسکرا رہے تھے اور وہ چپ ہو گئی تھی۔
اور مجھے جانا ہوگا۔ ایک اہم اپائنٹمنٹ ہے۔ آپ یہ سارا کھانا کھا لیجئے گا۔ رات میں ملاقات رہے

گی۔ آپ کا اٹر جیفک ہونا بہت ضروری ہے۔" گھڑی دیکھتے ہوئے وہ یکدم اٹھا تھا اور ایک بھرپور نگاہ پر ڈالتے ہوئے دروازہ کھول کر باہر نکل گیا تھا اور میرب سیال کیسی بت بنی بیٹھی تھی۔

❁ ❁ ❁

وہ چہرہ اس کے سامنے تھا اور عفنان علی خان خاموشی سے اُسے دیکھ رہا تھا۔ انابیہ شاہ کے چہرے پر ناگواری کا تاثر بہت واضح تھا۔ جیسے وہ ان ناپسندیدہ لمحوں کو مجبوراً جھیل رہی تھی۔

"تم کچھ کہنا چاہ رہی تھیں؟" عفنان علی خان نے بہت نرمی سے کہتے ہوئے اس کی توجہ کا درست سمت میں موڑا تھا۔

انابیہ شاہ بے حد اکتائے ہوئے انداز میں نظروں کا زاویہ پھیر گئی تھی۔

"عفنان علی خان! تم کوئی بچے نہیں ہو کہ میں انگلی پکڑ کر صحیح اور غلط کے متعلق بتاؤں۔ میرے خود بھی لائف کا کوئی اتنا بڑا تجربہ نہیں ہے۔ مگر میں رائٹ اور رونگ کے متعلق ججمنٹ کر سکتی ہوں۔ میرے لئے یہ مشکل نہیں ہے۔ مجھے یقین ہے یہ صلاحیت میرے پاس بھی ہے۔"

"تو تم کیا چاہتی ہو؟" عفنان علی خان نے یکدم دریافت کیا تھا۔

"ابھی میری بات ختم نہیں ہوئی ہے عفنان علی خان!" انابیہ شاہ نے ایک گہرا سانس خارج کرتے ہوئے اپنے اندر کے تاثرات پر جیسے قابو پانا چاہا تھا۔

عفنان علی خان جیسے اس کی ٹینشن سے واقف تھا۔ تبھی کچھ بھی بولے بغیر خاموشی سے اسے دیکھتا رہا تھا۔

"عفنان علی خان! تم جو کر رہے ہو وہ غلط ہے۔ سراسر بے وقوفی۔ مجھے اس کی کوئی پروا نہیں اسے جاری رکھو یا ترک کر دو۔ مگر پلیز اس بات کا احساس ضرور کر لو کہ اس حماقت کے باعث کسی کی زندگی بری طرح ڈسٹرب ہو رہی ہے۔ ایک نہیں دو تین۔ تم پوری تین زندگیاں تباہ کرنے پر تلے ہو۔ مجھے مطلق فکر نہ ہوتی اگر ان میں سے ایک میری خود کی زندگی نہ ہوتی۔ تم مجھے نقصان پہنچا رہے ہو۔ کوئی حق نہیں پہنچتا عفنان علی خان! کہ تم اپنے ساتھ ساتھ دوسروں کی زندگی کو بھی ڈسٹرب کرو۔" لہجہ، انداز درشت تھا۔ مگر وہ بہت اطمینان سے مسکرا دیا تھا۔

"میں بہت خیر مقدم ہوں انابیہ شاہ! معلوم نہیں تمہیں کس بات نے اتنا ہائپر کر دیا ہے۔ یا کوئی بات تمہارے دل پر گراں گزری ہے۔ میں نے تمہارے ہاں پرپوزل بھجوایا، تمہیں چاہا، پسند کیا، چاہنے کا حق تمہیں دیا۔ تم نے رد کر دیا، ریجیکٹ کر دیا۔ میں نے ریزن نہیں مانگا۔" وہ باری باری انگلیوں پر گنوا رہا تھا۔

"تم نے فون کیا، ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ بلوایا، میں چلا آیا۔ کیا ملنا چاہتی ہو تم، اتنا کچھ گنوایا۔ تبھی یہ کچھ تو فیئر اینڈ پونڈ ہو ہے۔ پھر تم مزید کیا چاہتی ہو مجھ سے انابیہ شاہ؟ ـــــ اس سے زیادہ کیا امید ہے؟ کیا تم مجھے بتا سکو گی؟" عفنان علی خان بہت اطمینان سے مسکراتا ہوا اُسے لاجواب کر گیا تھا۔ انابیہ شاہ اس لمحے خاموشی سے اسے دیکھنے کے سوا اور کچھ نہ کر سکی تھی۔

"مزید کیا انابیہ شاہ؟ کیا چاہتی ہو تم مجھ سے؟" عفنان علی خان نے دوبارہ دریافت کیا تھا اور انابیہ شاہ کی برداشت کی حد جواب دے گئی تھی۔ مزید وہاں بیٹھ کر اس کی فضول بکواس سننے سے اس نے وہاں سے اٹھ جانا مناسب جانا تھا۔ مگر یہ سعی بھی ناکام رہی تھی۔ اس نے ارادہ کیا تھا اور یہ اقدام ہونے سے قبل ہی وہ نگاہ بھانپ چکی تھی۔ نتیجتاً اس کا مضبوط ہاتھ اس کے نازک ہاتھ پر تھا۔ انابیہ شاہ نے سلگتی نگاہوں سے اسے دیکھنا چاہا تھا مگر اس شخص کے لبوں پر بہت پرسکون مسکراہٹ تھی۔ بہت دھیمے لہجے میں وہ کہہ رہا تھا۔

"کیوں چاہتی ہو تم ایسا انابیہ شاہ؟ کیوں ـــــ کیوں مجھے خود سے دور کر دینا چاہتی ہو؟ اگر میں تمہیں چاہ رہا ہوں تو یہ میرا پرابلم ہے۔ سراسر میرا ہیڈک۔ تم مجھے اس سے باز رکھنا چاہتی ہو؟ کیوں انابیہ شاہ؟"

"میرے پاس تمہارے ان فضول سوالوں کا کوئی جواب نہیں ہے عفنان علی خان! تم ایسا کیسے کر رہے ہو؟" بہت پُر افسوس انداز میں سر نفی میں ہلایا تھا۔ مگر وہ مسکرا دیا تھا۔ مضبوط ہاتھ اب بھی میز کی سطح پر رکھے اس کے نازک ہاتھ پر تھا۔

"تم کچھ بھی کرو، کچھ بھی کہو، کوئی بھی تلخ بات، تلخ اقدامات۔ میں جھیل سکتا ہوں انابیہ شاہ! کیونکہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ تم سے محبت...... صرف محبت۔" ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے ٹھوس انداز میں کہتے ہوئے اسے باور کرایا تھا۔

"صرف محبت انابیہ شاہ! اور تم اسے بدل نہیں سکتی ہو۔ نہ ہی سمت موڑ سکتی ہو۔ تمہیں اتنی چھوٹی سی بات سمجھ میں کیوں نہیں آتی؟ کتنی بار کہوں میں، کتنی بار سمجھاؤں؟ کیا لگتا ہے تمہیں، احمق ہوں میں؟ تو انابیہ شاہ! یہ بھی قبول ہے مجھے۔ سب کچھ کر سکتا ہوں میں تمہارے لئے۔ سب کچھ سہہ سکتا ہوں مگر یہ..." سر نفی میں ہلانے لگا تھا۔ "یہ نہیں ہوگا مجھ سے انابیہ شاہ! ـــــ تم محبت کے یہ آپشنز بدل دو، یہ نہیں ہو سکے گا یہ۔ بالکل بھی نہیں۔" انداز مدھم مگر مدلل تھا اور انابیہ شاہ چپ تھی۔ پھر یکدم وہ اٹھی اور چلتی ہوئی وہاں سے نکل گئی تھی۔

مذاکرات ناکام رہے تھے۔

انابیہ شاہ کی آنکھیں جل رہی تھیں۔ نمکین پانی بہہ جانے کو بے تاب تھا۔

دروازہ کھول کر گاڑی میں بیٹھی تھی۔ اوزی نے اسے کسی قدر حیرت سے دیکھا تھا۔

"کیا ہوا؟" مگر انابیہ شاہ نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ اوزی نے اسے دیکھتے ہوئے گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔

"ٹپ...... ٹپ...... ٹپ......"

کتنے آنسو آنکھوں سے باہر تھے۔ چہرہ بھیگتا چلا گیا تھا۔ اوزی نے اسے دیکھا تھا اور ٹشو اس کی سمت بڑھا دیا تھا۔

❁ ❁ ❁

تیور بدل گئے تھے۔ رویہ یکسر بدل گیا تھا اور جانے اب اور کیا ہونا باقی تھا۔ میرب سیال نہیں جانتی

تھی۔ مگر وہ اس شخص سے اب ہر شے کی امید کر سکتی تھی۔ جو ہو چکا تھا وہ کافی تھا۔ مزید بدمزگی وہ نہیں چاہتی تھی اور ایسے میں تو بالکل بھی نہیں جب کہ وہ دیارِ غیر میں تھی۔ اور اپنوں سے دور۔ مصلحت کی انگلی تھام کر چلنا سود مند تھا۔ سو وہ انحراف نہیں کر سکتی تھی۔ حالات کو اپنے بس میں رکھنے کے لئے یہ بہت ضروری تھا۔

اس کی بات مان کر وہ اس کے ساتھ شام کی تقریب کے لئے تیار کھڑی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری آیا تھا۔ اسے دیکھا تھا اور چونکے بغیر نہیں رہا تھا۔

''از اٹ یو مسز لغاری؟'' مسکراتے ہوئے آنکھوں میں حیرت بہت واضح تھی یا پھر وہ کوئی طنز کر رہا تھا۔ میرب سیال سمجھ نہ سکی تھی۔ مگر کسی قدر بے توجہی سے نظریں پھیر گئی تھی۔

''اوں...... ں...... مصلحت پسندی...... تو مسز لغاری! سیانی ہو گئی ہیں آپ اب۔ دانش مندی سے قابو پانا چاہتی ہیں صورت حال پر۔ تدبیر اچھی ہے۔ مسٹر لغاری قائل ہو گئے آپ کی عقلمندی کے۔ رئیلی امپریسڈ۔'' وہ اس کیفیت سے محظوظ ہوتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔ ''طفل جان رہی ہیں نا آپ! ہز بینڈ مسٹر سبکتگین حیدر لغاری کو۔ ایک ضدی خود سر بچے سے نبرد آزما ہونے اور نمٹنے کے اقدامات کر رہی ہیں نا آپ۔ بہلانے کے یہ اسلوب بہت بچگانہ نہیں مسز لغاری؟'' اس کے چہرے پر آگئی ایک شریر لہر چھوتے ہوئے وہ یقیناً اسے زچ کرنا چاہتا تھا اور میرب سیال بھی نہیں چاہتی تھی کہ وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب ہو۔ اسی لئے بغیر کوئی ردعمل ظاہر کیے وہ اس کے سامنے خاموشی سے کھڑی رہی تھی۔ گو بہت مشکل تھا مگر میرب سیال کو یہ ممکن کرنا تھا۔

''چلیں۔'' وہ پُرسکون انداز میں بولی تھی اور مسٹر لغاری حیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکے تھے۔

''تو ٹھان لی آپ نے ...... ایک سعادت مند بیوی بن کر رہیں گی۔ گڈ...... انٹرسٹنگ!'' وہ متاثر ہوا تھا۔

میرب سیال کچھ کہے بغیر اس کی ہمراہی میں چل پڑی تھی۔ ایک ایک لمحہ دل پر بھاری تھا مگر مرتے نہ کرتے کے مصداق یہ بوجھ تو ڈھونا ہی تھا۔

وہ نہیں جانتی تھی سردار سبکتگین حیدر لغاری اسے پارٹی میں کیوں لایا تھا۔ کیونکہ وہاں وہ اسے اک کونے میں کسی فالتو شے کی طرح چھوڑ کر خود کسی اور کے ساتھ بزی ہو چکا تھا۔

کون تھی وہ؟

شاید چینی۔ اسے تو اس کا چہرہ بھی یاد نہیں تھا۔ کتنا سرسری انداز تھا اس کا دیکھنے کا۔ توجہ تو اس کی تھی ساری۔ بس یہ نظر آیا تھا کہ اس کے ساتھ کوئی تھی۔ کون تھی؟ کیسی صورت تھی؟ کیا نام تھا؟ کیا جانتی تھی وہ۔ کتنی دیر سبکتگین حیدر لغاری ان موصوفہ کے ساتھ بزی رہا تھا۔ میرب سیال کے لئے دشوار تھا۔ چہرے کا رخ پھیر لینے کے باوجود وہ بے تاثر نہ بن سکی تھی۔ اندھی بہری بنی وہ اسی طرح کھڑی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس لڑکی کو لئے اس کے قریب آیا تھا۔

''شی از چارلی۔ وی موسٹ بیوٹی فل گرل آف دی ایوننگ۔'' انداز ستائش سے بھرپور تھا۔ مگر وہ

بھی ...... متاثر نہیں ہوئی تھی۔ سب دیکھتے ہوئے اندھی اور سنتے ہوئے بہری تو بنی ہی تھی، اب یقینی طور پر گونگی بھی ہو گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے ساتھ رہنا تھا تو ایسا کرنا ہی تھا۔

''کیا ہوا تمہیں؟ چارلی پسند نہیں آئی؟'' وہ چھیڑ رہا تھا۔

میرب سیال غصے سے دانت بھینچ کر رہ گئی تھی۔

''چینی، شینی، چپٹی ہو یا چارلی شارلی مجھے اس سے قطعاً کوئی غرض نہیں ہے۔ اس چپٹی ناک والی لڑکی کی جگہ اگر آپ چارلی تھیرون کو بھی لے آئیں تب بھی مجھے خاص فرق نہیں پڑے گا سردار سبکتگین حیدر لغاری! کیونکہ میں دیکھتے ہوئے بھی اندھی بن گئی ہوں اور سنتے ہوئے بہری۔ اگر آپ مجھے بولنے پر اُکسائیں تو میں گونگی بن کر بھی رہ سکتی ہوں۔ کیونکہ میں سمجھ گئی ہوں کہ اگر مجھے آپ کے ساتھ کو جھیلنا ہے۔ ایک ناپسندیدہ رفاقت کو برداشت کرنا ہے تو یہ سب کرنا بہت ضروری ہو گا۔ سو چینی ...... شینی ...... چپٹی یا چارلی ...... شارلی یا چارلیز تھیرون ...... آئی ڈونٹ کیئر۔''

کسی قدر درشت انداز میں وہ گویا ہوئی تھی۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری بجائے ہاپیر ہونے کے یا اشتعال میں آنے کے مسکرا دیا تھا۔

''اب تم خالص مسز لغاری لگ رہی ہو۔'' انداز چڑانے والا تھا۔ مگر میرب سیال نے اس کی جانب دیکھنے کی سعی نہیں کی تھی۔ شاید یہی ایک طریقہ تھا خود کو محفوظ اور نارمل رکھنے کا۔ یقیناً اس کی کوشش یہی تھی، مخالف کو زیر کرنے کا نیا ڈھنگ سوچ رہا تھا۔ کوئی جال بُن رہا تھا اس کے لئے اور وہ بہتر یہی محسوس کر رہی تھی کہ انجان بن جائے۔

''مسٹر لغاری! شاید میں آپ کی وائف کو پسند نہیں آئی۔'' چارلی کسی قدر اظہارِ افسوس سے بولی تھی۔ مسز انگریزی میں لہجہ متاثر کن تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی چوائس اور معیار کی وہ قائل نہ ہو جاتی تو نامانی ہوتی۔

''وائف؟ ...... ہو از وائف؟ ...... شی از اونلی اے گرل فرینڈ آف مائن۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری کا جواب اُسے چونکا گیا تھا۔

''اوہ، سوسیڈ۔ میں نے سوچا شاید یہ آپ کی وائف ہیں۔'' چارلی نے ایک بار پھر شستہ انگریزی میں اظہار افسوس کیا تھا۔

''مجھے میرے معیار اور پیمانے سے گرا کر اس طرح لٹ ڈاؤن کر کے تم کیا ثابت کرنا چاہتے ہو سردار سبکتگین حیدر لغاری؟ ...... یہی کہ تم کتنے کمزور ہو یا پھر یہ کہ مجھے قبول کرنا اور زیر کرنا تمہارے لئے ناقابلِ دشوار ہے۔'' اس نے پُراعتماد انداز میں ایک تیر اُچھالا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کی پُرسکون سمندر آنکھوں میں یکلخت ہی ایک طغیانی آئی تھی۔ پیشانی پر کئی شکنیں ایک ساتھ واضح ہوئی تھیں۔ بہت جارحانہ انداز میں اس کو شانوں سے تھاما تھا۔ سلگتی ہوئی نظر ڈال کر اسے دیکھا تھا مگر پھر کچھ کہے بغیر چھوڑ دیا تھا اور چارلی کا ہاتھ تھام کر آگے بڑھ گیا تھا۔

میرب سیال کا دل اپنی تضحیک اور تذلیل پر رونے کو چاہ رہا تھا۔ کیا حیثیت تھی اس کی اس شخص کی

زندگی میں۔ ایک خود پسند شخص کی زندگی میں ـــــ کج رو، کج ادا، بے وفا۔ ایک جگہ ٹھہرنا جس کی سرشت میں نہ تھا اور وہ اس میں وفا ڈھونڈ رہی تھی۔ تھی نا قابل افسوس بات۔

آنکھوں میں سمندر تیرنے لگے تھے۔ وہ پلکیں جھپک جھپک کر ان آنسوؤں کو اندر ہی اندر کہیں دفن کرنے کی کوشش کرنے لگی تھی۔ مگر ہر جتن بے سود لگ رہا تھا۔ بھربھری ریت کی دیوار کی مانند وہ بے بس تھی۔

❁ ❁ ❁

تیرے میرے رستوں میں
ایک بھی موڑ ایسا نہیں
جو کسی روز یونہی اتفاقاً
کر دے روبرو ہم کو
تیری میری آنکھوں میں
کوئی بھی رنگ ایسا نہیں
کر دے جو کوئی سرگوشی
یا کوئی مدھم سی آہٹ کہ جس سے
اس بھید بھری چپ کی قلعی کھل جائے
بہ ظاہر جو انجان بنے پھرتے ہیں
اس پرلطف اتفاق پہ چونکیں تو
جانیں ہم تم
گنوا دیا ہے جو ہم نے وہ پل
وہ ایک پل اپنا تھا
وہ ایک پل کتنا قیمتی تھا

''یہ کیا کر رہے ہو تم؟ کہیں جا رہے ہو کیا؟'' ساہیہ خان اندر داخل ہوئی تھی۔ جب اسے پیکنگ کرتے دیکھ کر چونک گئی تھی۔ اذہان حسن بخاری نے اس کی جانب بغیر دیکھے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''ہاں، اپنی ڈریم گرل کو ڈھونڈنے۔'' لبوں پہ مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں شرارت۔ اور ساہیہ خان حیران ہونے کے ساتھ مسکرائی تھی۔

''اوہ، ریئلی ـــــ اس ڈریم گرل کو جس سے تم تنہائی میں باتیں کرتے ہو؟!''

''آف کورس۔'' وہ تصدیق کرتا ہوا مسکرایا تھا۔

ساہیہ خان نے اسے کسی قدر اچنبھے سے دیکھا تھا اور پھر یکدم کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔ اذہان حسن بخاری بھی ہنس دیا تھا۔

''میں کچھ ہیلپ کروں تمہاری؟''

''نہیں یار! میں خود کرلوں گا۔ تم اس وقت یہاں کیا کر رہی ہو؟''

''کیا مطلب اس وقت یہاں کیا کر رہی ہوں۔ دوست ہو تم میرے۔ کوئی کام پڑے تو پوچھنے بنا آ جاتی ہوں۔'' بھنویں جمائی تھی۔ مگر اذہان حسن بخاری شرارت سے اسے دیکھتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

''کسی لڑکی کو میں نے اتنی دیدہ دلیری سے اپنی ہونے والی سسرال میں گھومتے پھرتے نہیں دیکھا۔''

''تو اب دیکھ لو۔ تمہیں کس نے کہا ہے کہ یہ میری ہونے والی سسرال ہے؟ ـــــ یہ میرے انکل کا گھر ہے اور میں جب چاہے بے دھڑک آ جا سکتی ہوں۔''

''یعنی تمہیں اپنے انکل کا یہ گھر بطور سسرال قبول نہیں؟'' انداز کسی قدر شرارت سے پر تھا۔ مگر ساہیہ خان کے چہرے کی مسکراہٹ ایک لمحے میں غائب ہوئی تھی۔

''اذہان! تم میرے لئے کیا لاؤ گے؟''

''تمہارے لئے؟ ـــــ سوچنے دو۔ تمہارے لئے تو نہیں مگر میں اپنے لئے ایک میم ضرور لاؤں گا۔'' وہ ہنسا تھا۔ ''کم آن یار! میں تم جیسی دیسی لڑکی کو سنبھال لوں، یہی بہت ہے میرے لئے۔ تم ایک ہی چیز ہو۔'' ایک دلچسپ سی بات بہت سرسری انداز میں وقوع پذیر ہوئی تھی۔ ساہیہ خان اس کی شرٹ اٹھا کر چپ چاپ سوٹ کیس میں رکھنے لگی تھی۔

''کیا ہوا؟ ـــــ تمہیں اچھا نہیں لگا میرا تمہیں ترجیح دینا؟'' اذہان حسن بخاری مسکرایا تھا۔

ساہیہ خان جیسے زبردستی مسکرائی تھی۔

''اذہان! پلیز، میں اس معاملے کو ڈسکس کرنا نہیں چاہوں گی۔'' لہجے میں چھپی پس پردہ درخواست بھی خاص ساعت نہیں ہوئی تھی۔

''تو پھر کیا چاہو گی تم ساہیہ خان؟ مجھے بس میں کرنا، قابو میں کرنا یا مٹھی میں بند کرنا؟'' انداز میں شرارت نمایاں تھی۔ مگر ساہیہ خان مسکرائی نہیں تھی۔

''کیا ہے یار! اس روز کی ایک چھوٹی سی بات دل سے لگا کر بیٹھ گئی ہو۔ اتنی سی بات بھی نہیں سمجھتی ہو صرف مذاق تھا۔ تمہارے علاوہ کسے چاہوں گا یار! میری ویران زندگی میں پہلی اور آخری آنے والی لڑکی تم ہی ہو۔''

جھوٹ کی انتہا تھی۔ ساہیہ خان مسکرائے بغیر نہ رہ سکی تھی۔

''اوہ، اچھا۔ تو تم نے یقین کرلیا۔ مگر ایک مزے کی بات بتاؤں، یہ بھی ایک مذاق تھا۔'' وہ ہنسا تھا۔ ساہیہ خان نے ہاتھ میں پکڑی شرٹ کا گولہ سا بنا کر اسے دے مارا تھا۔

''جی چاہے تو اوتھ لے لو۔ میں حلف اٹھانے کو تیار ہوں۔ اس سے زیادہ یقین دلانے کا کوئی طریقہ بتا دو۔'' بطور خاص توجہ سے تکتے ہوئے سوال کیا تھا۔ مگر ساہیہ خان نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

''تم لڑکیوں کی ایک خرابی ہے۔ یقین نہیں کرتی ہیں۔''

''تمہیں کیسے تجربہ ہوا، تمہاری زندگی میں آنے والی پہلی اور آخری لڑکی تو میں ہوں نا۔'' مسکراتے ہوئے بخاری کا ماتھا ٹھنکا کر دیا تھا۔ وہ ہنس دیا تھا۔

"کچھ بھی ہو۔ میں تم سے شادی قطعاً نہیں کروں گی۔" اس نے برملا کہتے ہوئے اذہان حسن بخ
دیکھا تھا۔

"میرے اتھ لینے کے باوجود بھی نہیں؟"

"نہیں۔" سر نفی میں ہی ہلا تھا۔

"کیوں؟" لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

"اس لئے کہ تم مجھے سوٹ نہیں کرتے ہو۔ ایک چھوٹے بندے کو میں اپنے لئے نہیں چن سکتی
شرارت سے مسکرائی تھی۔ اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

"تم سنجیدہ نہیں ہو نا؟"

"تم سے کس نے کہا؟"

"تمہاری آنکھوں نے۔"

"آنکھیں پڑھنے کا فن آ گیا ہے آپ کو؟"

"سیکھنا پڑا۔ تمہیں عمر بھر جھیلنے کا قصد جو کر بیٹھا ہوں۔" انداز میں شرارت واضح تھی۔ مگر ساحبہ
نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"اس کا فیصلہ بعد میں ہوگا اذہان حسن بخاری!—— اتنے بڑے فیصلوں کے لئے قلیل لمحے
ہوتے ہیں۔"

"تو تم کثیر لمحوں کی تلاش میں ہو؟" براہ راست آنکھوں میں جھانکا تھا۔ ساحبہ خان سر جھکا کر
کیس میں اس کی ضروری اشیاء رکھنے لگی تھی۔

"یہ اتنے سارے پرفیوم لے جانے کی کیا ضرورت ہے؟ غالباً تم تو کسی خوشبو کے تعاقب
رہے ہو نا؟" چھیڑا تھا۔ مگر اذہان حسن بخاری کی سوئی وہیں اٹکی تھی۔

"تم نے جواب نہیں دیا۔"

"کس بات کا؟" وہ یکسر انجان بنی تھی۔

"ساحبہ! میں تمہیں کثیر لمحے دینے کو تیار ہوں۔ تم بہ غور جانچ پڑتال کر سکتی ہو۔" ایک پیشکش
ہوئی تھی۔ ساحبہ خان نے چونکتے ہوئے سر اٹھایا تھا اور مسکرا دی تھی۔

"جا کہاں رہے ہو؟"

"اس کو چھوڑو۔ کہاں جانا چاہتا ہوں یہ دریافت کرو۔"

"اور کہاں جانا چاہتے ہو؟" وہ اس کی سنجیدگی پر مسکرائی تھی۔

"تمہارے دل تک۔" جواب مختصر اور انداز مدلل تھا۔

ساحبہ خان ساکت رہ گئی تھی۔ اس لہجے، اس انداز کی اُمید نہیں تھی اور وہ بھی اذہان جیسے...
کی توقعات کو زیر کر رہا تھا۔

"حیران ہونے سے زیادہ ضرورت تعاون کرنے کی ہے ساحبہ! کچھ زیادہ نہیں تو صرف

ع کر دو۔" وہ واقعی سنجیدہ تھا۔ ساحبہ خان نے اس کی آنکھوں میں جھانکنا چاہا تھا مگر کچھ سجھائی
اذہان حسن بخاری چلتے ہوئے اس کے قریب آ گیا تھا۔

وہ مت دیکھو ساحبہ! جو دکھائی دے رہا ہے۔ وہ دیکھو جو دکھائی نہیں دے رہا۔ وہ زیادہ خاص
باور کرایا تھا۔ اس کا ہاتھ تھاما تھا۔ ساحبہ خان اس نئے تجربے پر کسی قدر حیران رہ گئی تھی۔

میں چاہتا ہوں ساحبہ! میں واپس آؤں تو تم مجھے اپنے متعلق سوچتی ملو۔ ایٹ لیسٹ تم کسی فیصلے پر
ئی ہو۔ میں تمہارے متعلق سنجیدگی سے سوچ چکا ہوں۔ بہتر ہوگا تم بھی سنجیدگی سے میرے متعلق
شروع کر دو۔"

یک خاص بات۔

یک خاص انداز۔

یک خاص توجہ کے ساتھ۔

ساحبہ خان کے لئے بدستور اس کی سمت دیکھتے رہنا دشوار ہو گیا تھا۔ یکدم ہاتھ اس کے ہاتھ سے نکالا
چلتی ہوئی سرعت سے باہر نکل گئی تھی۔ فوری طور پر یہ اقدام غنیمت لگا تھا۔

❋❋❋

بھی کبھی جس معاملے کو سلجھانے کی جتنی زیادہ کوشش کی جائے وہ؛ اتنا ہی اُلجھتا چلا جاتا ہے۔۔ اناہیہ
ے ساتھ صورت حال کچھ مختلف نہیں تھی۔ دل کچھ بوجھل سا تھا۔ مگر اب اس نے قصد کر لیا تھا کہ وہ
کے کیے کی سزا خود کو اور اپنی فیملی کو نہیں دے گی۔ تبھی وہ فریش ہو کر باہر آ گئی تھی۔ ممی کچن میں تھیں۔
ممی! چائے ملے گی——؟" خوشگوار موڈ شاید ممی کے لئے بھی حیران کن تھا۔ وہ چونکے بغیر نہیں
تھیں۔

کیا ہوا ممی؟ آپ اس طرح کیوں دیکھ رہی ہیں؟"

نہیں، ایسا نہیں ہے۔"

چنج اچھا نہیں؟"

نہیں، بہت اچھا ہے۔" ممی مسکرائی تھیں۔ "تم دادا جی کے پاس جا کر بیٹھو، میں تمہارے لئے
اور کچھ اسنیکس لے کر آتی ہوں۔"

اوزی کہاں ہے!؟"

پتہ نہیں، کسی کام سے شاید باہر گیا ہے۔ تمہیں اس موڈ میں دیکھے گا تو اسے بھی خوشی ہوگی۔ بہت
ری ہو تم ہم سب کو۔"

مجھے اندازہ ہے ممی! مگر پراسس، اب اور نہیں۔" یقین دلایا تھا۔

اچھی بات ہے، تمہیں احساس ہو گیا۔ اب کم از کم ہم اپنی بیٹی کو اچھے موڈ میں دیکھ سکیں گے۔ خوش
چلی والی اناہیہ شاہ۔"

میں بھی یہی سوچتی ہوں ممی! سب کچھ فراموش کر کے پہلی والی اناہیہ شاہ بن جاؤں۔ ایکی ویز، آپ

جلدی سے چائے بھجوا دیں۔ میں دادا ابا کے پاس ہوں۔" اناہیہ شاہ کہہ کر نکل آئی تھی۔
دادا ابا کمپیوٹر پر بزی تھے۔
"دادا ابا!" کمرے کا دروازہ کھول کر جھانکتی ہوئی وہ مسکرائی تھی۔
"اوہ، مائے چیمپئن چائلڈ!" دادا ابا اسے دیکھ کر مسکرائے تھے۔ وہ آگے بڑھ آئی تھی۔
"کیا ہو رہا ہے؟ کسی سے چیٹ ہو رہی ہے؟" بھرپور شرارت سے مسکرائی تھی۔ دادا ابا مسکرا دیے تھے۔
"نہیں، کچھ ضروری کام تھا۔ تم بتاؤ، یہ آج اتنا بدلاؤ کیسے آ گیا؟ ـــــ وہ رونی بسورتی اناہیہ کہاں چلی گئی؟"
"وہیں، جہاں سے آئی تھی۔ آج آپ کا چیس کھیلنے کا موڈ نہیں جو یہاں بیٹھے ہیں۔" وہ مسکرائی تھی۔
"چیس کھیلنے کے لیے ایک عدد انٹیلیجنٹ پارٹنر کی ضرورت پڑتی ہے اور میرے پاس وہ ناپید ہے کچھ دنوں سے۔" دادا ابا مسکرائے تھے۔
"تو سمجھیے آج وہ مل گیا۔ کم آن، اٹھیے۔ آج میرا آپ کو ہرانے کا موڈ ہو رہا ہے۔ بہت دنوں سے اس دماغ سے کام نہیں لیا میں نے۔ پڑے پڑے کہیں زنگ ہی نہ لگ جائے۔" مسکراتے ہوئے ان کی چیزیں سمیٹی تھیں۔ دادا ابا مسکرا دیے تھے۔
"تو تم نے واقعی پروگرام بنا لیا ہے مجھے ڈی فیٹ کرنے کا؟"
"آف کورس دادا ابا! آپ اسے مذاق سمجھ رہے ہیں؟" وہ مسکرائی تھی۔ دادا ابا اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔
"ایک بات صاف ظاہر کرتی ہے کہ تم میری پوتی ہو۔ تم میں اسپورٹس مین اسپرٹ ہے۔ کچھ دن اندھیرے میں رہ کر بالآخر اس بات کا احساس کر لیتی ہو کہ اس سے باہر کیسے نکلا جا سکتا ہے؟"
"یہ تو گڈ اور ہلدی سائن ہوا نا دادا ابا! آخر ایک بریگیڈیئر کی پوتی ہوں۔ یہ سارے گٹس مجھ میں نہیں ہوں گے تو اور کس میں ہوں گے؟" اناہیہ شاہ عرصے بعد مسکراتی ہوئی خود کو تر و تازہ محسوس کر رہی تھی۔

❁❁❁

میرب سیال کونے میں چپ چاپ کھڑی تھی۔
چار سو ہنگامہ تھا۔ ہجوم تھا۔ شور تھا۔ سب انجوائے کر رہے تھے۔ ایک وہی تھی جو پانی سے بھری آنکھوں سے دھندلے دھندلے منظر کو کسی قدر یاسیت سے دیکھ رہی تھی۔
سردار سبکتگین حیدر لغاری کسی چینی بچی مشتی یا پھر چارلی شارلی کے ساتھ ڈانسنگ فلور پر بزی تھا۔ کسی اور کی بانہوں میں، کسی اور کی سنگت میں، کسی اور کے اتنے قریب۔ اسے دیکھنا خاصا برا تجربہ تھا۔ میرب سیال اس سمت دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔ مگر نظر تھی کہ بار بار اسی سمت اٹھ رہی تھی۔ وہ شخص مسرور دکھائی دے رہا تھا۔ زندگی جینا جیسے جانتا تھا وہ۔ اور ایک وہ تھی! اپنی زندگی کی نہج پر حیران کھڑی تھی۔ جیسے نہ تو آگے بڑھ جانے کے متعلق کچھ پتہ تھا نہ پلٹ جانے کے متعلق کوئی اندازہ۔ وہ خود نہیں جانتی تھی وہ کیا چاہتی

انداز سراسیمہ سا تھا۔ وہ شاید واقعی حیران تھی۔ زندگی پر فوری طور پر بدلنے والے رنگوں پر اور شاید دیکھ...
"ہیلو سویٹی! گڈ یو ڈانس ود می آن دی فلور؟" وہ خود میں اتنی گم تھی کہ کسی کے پاس آ کر رکنے اور اس کے پوچھنے پر مطلق نہ چونکی تھی۔ چونکی تب تھی جب اس شخص نے شستہ انگریزی میں اپنا سوال دوبارہ دہرایا تھا۔
"کیا ہم اس حسین شام میں ایک دوسرے کی بانہوں میں جھول سکتے ہیں؟ اس رنگین شام کو مزید رنگین بنا سکتے ہیں ایک ساتھ وقت بتا کر؟" وہ ساکت رہ گئی تھی۔ سر نفی میں ہلاتے ہوئے دھیان سردار سبکتگین حیدر لغاری کی طرف گیا تھا جو بہت مصروف دکھائی دے رہا تھا۔
"نو تھینکس۔"
"اتنی دلکشی، اتنی رعنائی اور اس پر تنہائی؟ کیا معاملہ ہے؟" کوئی افسوس کرتا ہوا حیران تھا۔ "کوئی فکر کی بات نہیں۔ ہم ہیں نا سراہنے والے اور تمہاری اس اداسی کو مٹانے والے۔ کم آن ـــــ مائے آرمز آر یور..." مقامی شخص نے شستہ انگریزی میں کہتے ہوئے شانوں سے تھام کر اپنی طرف کھینچنا چاہا تھا۔ میرب سیال کی آنکھوں میں خوف کے ساتھ ساتھ بے بسی بھی بہت واضح تھی۔ وہ آواز دیتی تو کسے۔ کوئی تو کسے۔ اپنا کون تھا یہاں؟ وہ تو کھلے آسمان کے نیچے ننگے سر تن تنہا کھڑی تھی۔
"نو...... نو، آئی سیڈ نو...... تھینکس...... مجھے نہیں جوائن کرنا آپ کو۔ گو اوے۔" میرب سیال نے احتجاج کرنا چاہا تھا۔ اس بڑھتے ہوئے ہاتھ کو جھٹکا تھا۔ آنکھیں پانیوں سے بھری تھیں اور پل بھر میں چھلک گئی تھیں۔ تنہا تھی وہ ایک دم ـــــ اکیلی، وقت کے رحم و کرم پر۔
"کم آن بیب! مائے آرمز آر اوپن فور یو۔" سامنے کھڑا شخص بدستور پیشکش پر مائل تھا۔
میرب سیال کے لیے صورت حال کو سنبھالنا دشوار ہو رہا تھا۔ وہ اسے جھٹک رہی تھی مگر وہ شخص باز نہ آ رہا تھا۔ شاید وہ جان گیا تھا وہ کتنی کمزور تھی، تنہا تھی۔
میرب سیال کی بھیگی آنکھوں کے سامنے سارے منظر دھندلا رہے تھے۔
کسے پکارتی؟ کون آتا اس کی مدد کو؟
وہ تو ابھی کچھ دیر قبل کہہ گیا تھا۔
"شی از اونلی اے گرل فرینڈ آف مائن۔"
وہ جو بے توقیر کر گیا تھا اسے معیار سے گرا گیا تھا۔
"لٹس انجوائے بے بی! از لائف، از سو بیوٹی فل۔ ایز لائیک یو۔ کم آن۔"
نمکین پانیوں سے لبالب بھری آنکھوں سے اس نے ایک بار پھر وہ ہاتھ جھٹکا تھا۔
"سب...... سبک...... سبکتگین...... !" بے ارادہ پکارنا چاہا تھا۔ مگر ہمت اتنی ناپید تھی کہ نام لے سکتی۔ آواز گلے میں گھٹ کر رہ گئی تھی۔ آنسوؤں کے گولے کے ساتھ۔
وہ حد سے زیادہ بے یار و مددگار تھی۔

شاید اس شام وہ وقتی تھا، وقت کے رحم و کرم پر تھی۔ جو چاہتا سو کرتا۔
اپنی بے بسی پر ٹوٹ کر رونا آ رہا تھا۔
چہرہ متواتر بھیگتا چلا جا رہا تھا۔

کسی بھی طرح کی امید اس شخص سے رکھنا عبث تھا۔ اپنوں سے دور ایک پرائے دیس میں وہ پرا لوگوں کے رحم و کرم پر تھی۔

بھیگتی آنکھوں کے آگے جیسے ایک دھند سی تھی۔ منظر بھی واضح طور پر دکھائی نہ دے رہا تھا اور جو دے رہا تھا اس پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ کوئی اس کی مدد کو پہنچ چکا تھا۔ کوئی آ گیا تھا۔ ابھی تھوڑی دیر قبل مقامی شخص اس کے قریب کھڑا اسے زچ کر رہا تھا اس گھڑی وہ اسے کسی سے بری طرح زدوکوب ہوتے دیکھ رہی تھی۔

میرب سیال نے پانیوں سے بھری آنکھوں کو پونچھتے ہوئے کسی قدر بے یقینی سے سردار سبکتگین لغاری کو دیکھا تھا۔ جس کا انداز بے حد جارحانہ اور مشتعل تھا۔ اس لمحے وہاں موجود سکیورٹی گارڈز اسے قابو کرنے کی ناکام کوشش کر رہے تھے مگر بری طرح ناکام تھے۔

میرب سیال ساکت سی کھڑی اسے دیکھ رہی تھی۔ چند سکیورٹی گارڈز اس پٹنے والے مقامی شخص کو وہاں سے لے گئے تھے۔ مگر سردار سبکتگین حیدر کی نظروں میں اب بھی اتنی ہی خفگی تھی۔ سکیورٹی گارڈز کی حراست سے نکل کر اس کی سمت آتے ہوئے اس کے چہرے کی کیفیات بہت متضاد تھیں۔

میرب سیال بے دم سی سانس روکے کھڑی تھی جب وہ اس کے مقابل آن کھڑا ہوا تھا۔ میرب نے اسے ناپسندیدہ انداز سے دیکھا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے آہنی ہاتھ بڑھا کر اس کا ہاتھ تھامنا چاہا تھا مگر میرب سیال نے وہی ہاتھ اس کے چہرے پر دے مارا تھا۔ ایک لمحے کو ایک سکوت سا چھا گیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اسے سرخ سرخ آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کا چہرہ شدتِ جذبات سے سرخ تھا۔ آنکھوں میں جیسے خون اتر آیا تھا۔ مٹھیاں بھنچ گئی تھیں۔ جیسے وہ خود پر حتی الامکان قابو پانا چاہتا تھا۔ میرب سیال کو رتی بھر فکر نہ تھی۔ اسے بچانے آنے کی یہ قیمت بہت کڑی تھی۔

"بیوی...... بیوی نہیں ہوں میں تمہاری...... یہی...... یہی کہا تھا نا تم نے؟ گرل فرینڈ بنا کر لائے تھے تم مجھے یہاں؟ تو پھر اب کیوں آئے؟ کیوں نہیں چھوڑ دیا مجھے ان ہی درندوں کے رحم و کرم پر؟...... گرل فرینڈ کے ساتھ تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ تمہیں کیا پتہ کہ بیوی کیا ہوتی ہے...... اس کی عزت کیا ہے...... کبھی رشتے بنائے ہوں، نبھائے ہوں تو کچھ خبر بھی ہو...... نام کے رشتے بنا کر رشتے برتے نہیں جاتے۔ بیوی کی جگہ کیا ہوتی ہے اور گرل فرینڈ کی کیا؟ تم ابھی تک نہیں سمجھے ہو۔ اور سمجھو گے بھی کیسے؟ جب تم بیوی کو محفلوں میں لا سکتے ہو...... اس کے سامنے کسی کی بانہوں میں بانہیں ڈال کر ناچ سکتے ہو تو کوئی تمہاری بیوی کی سمت بھی اسی خواہش سے بڑھ سکتا ہے۔ عجب تو کچھ نہیں ہوا۔ کیوں اتنے برہم دکھائی دے رہے ہو مسٹر سردار سبکتگین حیدر لغاری......؟" آنکھوں میں دیکھتی ہوئی وہ شدید انداز میں وہ دریافت کر رہی تھی۔ مگر تب تک غصے سے سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اپنا مضبوط آہنی ہاتھ بڑھا کر یکدم ہی اس کا ہاتھ گرفت میں لیا تھا اور جارحانہ انداز میں کھینچتا ہوا اس ماحول سے نکل آیا تھا۔ وہ کوئی بپھرا ہوا شیر لگ رہا تھا جو اپنے آپ پر قابو پانے کی کوشش میں تھا۔ میرب سیال کو اب کوئی خوف نہیں تھا۔ اسے نتائج کی پرواہ نہیں تھی۔ اسے اس شخص کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنا تھا...... ہر قسم کے خوف سے دامن چھڑا چکی تھی وہ...... جو ہونا سو ہوتا...... اپنا ہاتھ آہنی گرفت میں لیے جارحانہ انداز میں اسے لے کر آگے بڑھتے شخص کو، اس کی پشت کو وہ دیکھ رہی تھی۔ مگر اب نہ آنکھوں میں آنسو تھے، نہ ہی کسی قسم کا کوئی خوف۔ جیسے اب وہ جینا سیکھ چکی تھی۔

دل اور دماغ جب دو مختلف سمتوں پر ہوں، انہیں ایک سمت میں لانا آسان نہیں ہوتا۔ نہ ہی اس میں کی جانے والی کوشش کامیاب......!

پتہ نہیں وہ اس ضمن میں واقعی کامیاب تھی بھی یا کہ نہیں ——— مگر یہ سب کرتے ہوئے بڑا مشکل میں تھا۔

وہ اندھیرے میں کھڑی تھی۔ ایکینے اسے دیکھ کر کسی قدر پریشانی سے اس کی طرف بڑھی تھی۔

''ساہیہ! کیا ہوا؟ ——— اس طرح اندھیرے میں کیوں کھڑی ہو؟''

''پھپھو! آپ کو وہ طریقہ معلوم ہے جس میں سب کو خوش رکھنے کے ساتھ ساتھ خود کو مطمئن رکھا جاتا ہو؟'' ساہیہ مسکرائی تھی۔ مگر لبوں پر بڑی ہی بجھی بجھی مسکراہٹ تھی۔

''کیوں، کیا ہوا؟ ——— تم اس طرح کیوں سوچ رہی ہو؟''

''کیونکہ ——— کیونکہ پھپھو! ——— مجھے لگ رہا ہے میں باوجود کوشش کے ویسا نہیں کر پا رہی جیسا کرنا چاہتی ہوں۔ دل و دماغ دو مختلف سمتوں پر چلنے کو مائل ہیں اور......'' بات ادھوری چھوڑتے ہوئے وہ خاصی الجھن میں دکھائی دی تھی۔ ایکینے نے اس کے شانوں پر ہاتھ دھر دیے تھے۔

''یہ ہماری ساہیہ، جس کے پاس ہر مشکل کا حل موجود ہے، ہر سوال کا جواب موجود ہے آج اتنی کیوں دکھائی دے رہی ہے؟ ——— تم تو اپنی ایک مسکراہٹ سے کسی دشمن کا بھی دل جیت سکتی ہو، دردمند، حساس دل رکھتی ہو۔ پھر اتنی مایوس کیوں ہو؟'' اس کے چہرے کو اوپر اٹھاتے ہوئے ایکینے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

''پھپھو! دل جیتنا الگ بات ہے اور دل میں گھر کرنا دوسری بات۔ اور آپ کی ساہیہ اس بار ناکام رہی ہے۔ شاید اس لئے بھی کہ خواہشوں کے الاؤ اسے جلانے لگے ہیں۔ نہ چاہتے ہوئے بھی جذبات سے دامن چھڑا نہیں پا رہی ہے۔ بھول نہیں پا رہی ہے کہ وہ بھی ایک لڑکی ہے اور ایک دل ہے۔ اور اس دل میں لاتعداد خواہشیں جو کروں کی طرح، جو کہ مار کر اور مسکرا مسکرا کر وہ دوسروں کے لبوں پر مسکراہٹ تو لا سکتی ہیں۔ انہیں مطمئن و پُرسکون تو کر سکتی ہے مگر اس سب میں وہ خود کہاں ہے؟ اس کی ذات کہاں ہے؟'' مدھم لہجہ بجھا بجھا سا تھا۔

ایکینے کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔

''پھپھو! کوئی آپ کو نہیں چاہتا، محبت نہیں کرتا، یہ سننا جھیلنا آسان ہے۔ مگر کوئی کسی اور سے پیار کرنے کے

لئے آپ سے محبت نہیں کر سکتا، یہ جھیلنا آسان نہیں ہے۔''

وہ ساکت رہ گئی تھی۔

''پھپھو! وہ مجھ سے محبت نہیں کرتا۔ اس کی خواہشوں میں کوئی اور ہے......اور......''

''کیا تم سے اذہان نے کہا؟'' ایکینے کا لہجہ دھیما تھا۔ کسی قدر حیرت سے بھرا۔

''نہیں ——— میں بے وقوف نہیں۔ میں یہ بات جانتی ہوں۔''

''تو پھر ——— کیا طے کیا تم نے؟''

''ابھی ——— یہی تو پرابلم ہے پھپھو! میں کسی نتیجے پر نہیں پہنچ پا رہی ہوں۔'' وہ مسکرائی تھی۔ ''شاید زندگی کے راستے اسی قدر کٹھن اور مشکل ہوتے ہیں۔'' لہجے میں ایک یاسیت تھی۔ مگر ایکینے کچھ نہیں بولی تھی۔ مگر اس کے لہجے، نظروں میں ایک گہرا کرب دکھائی دے رہا تھا۔

❋❋❋

''اتابیہ شاہ! ——— زندگی کو جینے کی صورت اور ہوتی ہے اور بسر کرنے کی اور۔ جینے کے ڈھنگ سیکھنے پڑتے ہیں اور بسر کرنے کے طریقے خود سے وضع کرنے پڑتے ہیں۔ اور میں دوسری کیفیت کو جینے والوں میں سے ہوں۔ میرے خیال میں زندگی کا کوئی فریز شدہ لوازمات نہیں ہوتا۔ ہو بھی نہیں سکتا۔ کوئی ساتھ چلے نہ چلے ——— رہے نہ رہے۔''

معدق سوفٹ ڈرنک کے سپ لیتی ہوئی بہت پُراعتماد دکھائی دے رہی تھی۔ اتابیہ شاہ کے پاس شاید کچھ نہ تھا۔

''جو باب بند، ہو بند۔ میں کسی معاملے کو دوبارہ ہوا نہیں دینا چاہتی۔ اس لئے پلیز تم یہ مصالحت کے طریقے سوچنا بند کر دو ——— میں جانتی ہوں، یہ ساری کوششیں ناکام ہونے والی ہیں۔''

''لامعہ! تم جانتی ہو وہ لڑکی کون ہے؟'' جھکی نظروں میں کوئی ندامت سی تھی۔

معدق مسکرا دی تھی۔ انداز بجھا بجھا سا تھا۔

''کیا فرق پڑتا ہے؟ ——— کوئی بھی ہو۔ مسائل کم تو نہیں ہیں جو مزید بڑھائے جائیں۔ تم نے بتایا نہیں، تم بتا رہی تھیں تمہارے لئے کوئی پروپوزل آیا ہے ——— اور تم اسے مسلسل ریجیکٹ کر رہی ہو۔ کیا بات ہے؟ ——— بہت گھنی ہو تم...... مجھ سے بھی چھپانے لگی ہو؟'' لامعدق کا لہجہ معمول کا سا تھا۔

اتابیہ شاہ نظریں چرا گئی تھی۔

''میں تمہیں کچھ بتانا چاہتی ہوں لامعہ!''

''کیا؟ ——— بتاؤ نا۔'' وہ مسکرائی تھی۔ مگر تبھی اس کے پرسنل سیل پر ایس ایم ایس کی مخصوص ٹون بجی تھی۔ اسکرین پہ ساری توجہ صرف کرتی ہوئی مسکرائی تھی۔ اور اس کی طرف معذرت طلب نظروں سے دیکھا تھا۔

''سوری یار! ——— ہم پھر بات کریں گے۔ مگر آئی مسٹ سے ——— خوامخواہ کی فکریں پالنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر لڑکا اچھا ہے تو فوراً اسے ہاں کہہ دو۔ ——— ریفوز کرنے کا آپشن پھر کسی وقت اور

ازل

موقع کے لئے اٹھا رکھو۔ او کے ـــــ پھر ملیں گے تو بات کریں گے۔" لامعہ حق عجلت میں اسے چھوڑ نکل گئی تھی۔ مگر وہ تا دیر وہیں بیٹھی اپنی اُلجھنوں کو لے کر اُلجھتی رہتی تھی۔ جانے کب یہ سلسلہ تھمنا تھا، کہاں جا کر تھمنا تھا۔ تھمنا بھی تھا یا کہ نہیں؟

وہ مکمل طور پر شکست خوردہ دکھائی دے رہی تھی ـــــ قصور اس کا کہیں بھی نہیں تھا۔ مگر وہ خود کو پھر بھی مجرم سمجھ رہی تھی۔ حالات بھی کے بھی اس کے مخالف تھے اور وہ سد باب ڈھونڈتے ڈھونڈتے نڈھال تھی۔

❋❋❋

کچھ پھول چننے
کچھ خواب بُننے......
چلے تھے تو قدم گر......
راستوں نے پیروں میں بچھے تمام رستوں کو
اور دور کر ڈالا......
خاک میں ملا ڈالا
کھو گئے سبھی رستے
رنگ شہر بھی اُجڑ گیا
نگاہ سے نگاہ کا واسطہ......
ہر رابطہ......
فاصلوں سے اٹ گیا......

سارا سفر ختم ہو گیا تھا ـــــ راستے ختم ہو گئے تھے اور قدم گرد سے اٹ گئے تھے۔ جہاں سے چلے تھے قدم، پڑاؤ دوبارہ وہیں آن پڑا تھا۔

سیفی، سبھی دوسرے کزنز، بے جی اسے دیکھ کر حیران تھے۔

"تم اس طرح مجھے گھور گھور کر کیوں دیکھ رہے ہو؟" سیفی کے دیکھنے پر وہ تمام صورت حال کو کنٹرول ظاہر کرتے ہوئے مسکرائی تھی۔

"میں تمہاری آنکھوں میں وہ رنگ تلاشنے کی کوشش کر رہا ہوں جو تم اپنے لہجے میں ظاہر کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔" سیفی مسکرایا تھا۔ میرب سیال لمحہ بھر کو ساکت رہ گئی تھی۔ پھر مسکراتی ہوئی شکوہ بھری نظروں سے بے جی کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

"نانو! دیکھ لیں ـــــ کیسی فضول باتیں کر رہا ہے یہ سیفی کا بچہ۔"

"سیفی! ـــــ بری بات ہے بچے۔ بہن کو اس طرح نہیں ستاتے۔" ممانی نے سیفی کو گھورکا تو وہ مسکرا دیا تھا۔

"مجھے حیرت ہو رہی ہے۔ اتنے دنوں بعد یہاں واپس آئی ہوں میں۔ پاپا اور دیگر لوگ تو یہاں

ایسے میں، میں اپنے ننھیال نہیں آؤں گی تو اور کس کے پاس جاؤں گی؟" سیفی مسکرا دیا تھا۔ بے جی نے سینے سے چپت لگائی تھی۔

"کیوں خواہ مخواہ چھیڑ رہا ہے ـــــ میرو! تو سنا، وہاں سب ٹھیک تو ہے نا؟" مظہر کی طبیعت پہلے سے بہتر ہوئی یا نہیں؟"

"جی ـــــ بہت بہتر ہیں پہلے سے۔"

"مظہر بھائی نے تو حد کر دی۔ سارے ربط ہی توڑ دیے۔ اتنی دوری آن پڑی ہے درمیان کہ حال احوال پوچھنے سے بھی گئے۔" منجھلی ممانی نے شکوہ کیا تھا۔ لہجے میں ایک افسوس تھا۔

"کیا ہو سکتا ہے؟ ـــــ بندہ تو کوشش کر سکتا ہے، سو ہم نے کی تھی۔ مگر وہی مائل نہیں رہے کبھی۔" ماموں اشتیاق کے لہجے میں بھی افسوس تھا۔

بے جی خاموشی سے جیسے کچھ سوچنے لگی تھیں۔ وہ جانتی تھی اس لمحے ان کے ذہن و دل میں کیا سوچیں چل رہی ہوں گی۔ سو ان کی طرف دیکھتی ہوئی مسکرا دی تھی۔

"نانو! میں نے وہاں ایک شے کو بہت زیادہ مس کیا۔ آپ جانتی ہیں کیا؟ ـــــ آپ کے ہاتھ سے بنی ہوئی سویوں کو۔ سچ، بہت یاد آئیں۔" وہ پوری کوشش میں کامیاب رہی تھی۔ نانو مسکرا دی تھیں۔ پھر انہوں نے اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا تھا۔

"میں تو تیرا یہی چہرہ دیکھ کر جی رہی ہوں۔ تیرے نین نقش مجھے گمشدہ رشتوں کا احساس دیتے ہیں۔ تو جانتی ہے تیری شکل ہو بہو اپنی ماں جیسی ہے؟"

"ہاں ـــــ اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ ماما کی شکل آپ سے بھی بہت ملتی تھی۔" میرب سیال مسکرائی تھی۔

"ہاں۔ مگر عادتیں اس کی ساری کی ساری اپنے باپ جیسی تھیں۔ مجال ہے جو کسی بات کو برا مان کر دل پہ لے لے۔ ہر دم مسکراتا چہرہ۔ دشمن نے بھی دل دُکھا دیا تو جواباً اُسے سنبھل ہی دیا۔" بے جی پرانی یادوں میں کھوئی دکھائی دے رہی تھیں۔

"پھر تو اپنی میرب صاحبہ بھی بالکل انہی پر گئی ہیں۔ یہ بھی اپنے دشمنوں کو کشادہ دلی سے نہ صرف معاف کرتی ہیں بلکہ دل سے برداشت کرنے کی کوشش بھی کرتی ہیں۔" سیفی مسکرا رہا تھا۔ مگر میرب سیال کا لہجہ کسی طرح کی کوئی مروت سے بھری مسکراہٹ بھی نہ آ سکی تھی۔ وہ کسی طرح کی مروت کا مظاہرہ کرنے میں یکسر ناکام رہی تھی۔

"میری تو خواہش تھی اپنے سیفی کے لئے مظہر بھائی سے تمہیں مانگتی۔ مگر خیر جو خدا کو منظور، خدا نصیب اچھے کرے۔" بڑی زیب ممانی نے خواہش کا برملا اظہار کر دیا تھا۔ بے جی نے انہیں کسی قدر خفگی سے دیکھا تھا۔

"نصیبوں کے کھیل ہیں سارے ـــــ جو لکھا ہو، وہ ہو کر رہتا ہے۔ خدا نے جس کے ساتھ اس کا جوڑ لکھا ہے، خدا جوڑی بنائے رکھے۔"

''آمین۔ یوں بھی مجھے ایسے اُلو کے لوگوں کو جھیلنے کی عادت نہیں۔'' سیفی مسکرایا تھا۔

''ہاں ــــــ مگر تم جھیل تو اب بھی رہے ہو۔'' میرب نے بات کو مذاق میں ٹالنا چاہا تھا۔

''ہاں۔ مگر اس طرح سے جھیلنے میں اور اُس طرح سے جھیلنے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ اس کا مطلب کم از کم تم تو سمجھ ہی سکتی ہو۔'' سیفی مسکرایا تھا۔ بات اگرچہ مذاق میں تھی مگر میرب کے لبوں پر کوئی مسکان نہیں پھیلی تھی۔

''بھو! کچن میں دیکھ لو ذرا۔ رات کے کھانے میں اہتمام رکھنا۔ داماد پہلی بار آ رہا ہے۔ میرو! کب کہا تھا سبکتگین نے آنے کا؟''

''وہ نانو!...... کہا تو رات کا ہی تھا مگر......''

''اگر مگر کیا!! ــــــ ٹھیک سے بتاؤ نا ــــــ موصوف آنے والے ہیں یا کہ نہیں؟ ہاتھ میں سیل فون ہے۔ کال کر کے کنفرم کر لو۔ اتنی ٹینشن کیوں لے رہی ہو؟'' سیفی نے کہا تھا۔

وہ ناچار نمبر ملانے لگی تھی۔ مگر دوسری جانب ریسپانڈ نہیں کیا گیا تھا۔ نتیجتاً وہ سلسلہ منقطع کر کے ان سب کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

''غالباً بزی ہیں۔''

''اور اگر وہ لینے بھی نہ آئے تو؟'' کزن حور عین نے چھیڑا تھا۔

''تو کیا ــــــ ہم نے اپنی بیٹی کو گھر سے تو نہیں نکالا ہوا۔ وہ تو مظہر بھائی ہی نے گڑبڑ کر دی۔ بچی نکاح کے دو بول پڑھوا کر رہنے کے لیے سسرال میں چھوڑ دیا۔ اتنی بڑی ننھیال کے ہوتے ہوئے، پرایا گھر کا انتخاب کیا بیٹی کے رہنے کے لیے۔ بات اگر چند دن کی بھی تھی تو ننھیال کیا برا تھا؟ مظہر بھائی نے ایک طرح سے طمانچہ مارا ہے ہمارے منہ پر۔'' بڑی ممانی صاف گوئی سے بولی تھیں۔ بے جی جواباً خاموش رہی تھیں۔

''بھابی تہمینہ ٹھیک کہہ رہی ہے بے جی! لوگ انگلیاں اٹھا رہے ہیں ہم پر۔ مظہر سیال نے اچھا کر ٹھیک نہیں کیا۔ سگی ننھیال پر اعتبار نہیں، غیر لوگوں پر بھرپور اعتماد ہے۔ اس سے زیادہ ذلت ہماری اور کیا ہو گی؟'' سمیع ماموں نے بھی دبا دبا احتجاج کیا تھا۔ میرب سیال کے پاس سوائے خاموشی سے سر جھکا جانے کے اور کوئی راہ نہ تھی۔

''آؤ، ہم ٹیرس میں چلتے ہیں۔ یہاں کچھ گھٹن سی ہو رہی ہے۔'' ہادیہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اور اسے اس بوجھل بوجھل ماحول میں وہ لمحہ غنیمت لگا تھا۔

ڈھیر سارے کزنز کے جھرمٹ میں ــــــ خوشگوار ماحول میں بھی اسے کئی طرح کی کثافتوں کا سامنا تھا۔ شاید یہ موسم اس کے اندر کے تھے۔ سیفی نے اُسے خاموشی سے دیکھا تھا مگر کچھ دریافت نہیں کیا تھا۔

❊❊❊

''کتنے دن ہو گئے نا ہمیں ڈھنگ سے کچھ انجوائے کیے ــــــ نہ کوئی آؤٹنگ نہ بلاوجہ کا آؤٹ، نہ شاپنگ۔ نہ کوئی اور مصروفیت۔ کوئی لطف نہیں۔''

لامعہ حق کا لہجہ اس کے اندر کی صاف چغلی کھا رہا تھا۔ حالانکہ اس کے لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ تھی۔ مسکراتی ہوئی وہ بہت پُراعتماد دکھائی دے رہی تھی۔ مگر اناہیہ شاہ اس کے اندر کے تمام انتشار جیسے دیکھ پائی تھی۔

''لامعہ! ــــــ تمہاری اس کیفیت سے میں خوش نہیں ہوں۔ تمہاری یہ کیفیت مجھے اندر سے بہت چبھ رہی ہے۔ مجھے لگ رہا ہے جیسے میرا اندر بھرپور تنازعوں میں گھر گیا ہے۔ سارا وجود جل رہا ہے۔''

''اور دور تک چھاؤں کہیں نہیں ہے۔'' لامعہ حق نے معمول کے انداز میں مسکراتے ہوئے اس کا جملہ مکمل کیا تھا اور ہنس دی تھی۔

''اناہیہ! ــــــ تمہاری دوست اب اتنی کمزور بھی نہیں ہے۔ اور تم جانتی ہو مجھے بے کار کے روتے ہوئے چہرے بہت برے لگتے ہیں۔'' اناہیہ مسکرا دی تھی۔

''اناہیہ! میں اپنی اس پرانی دوست کو بہت مس کر رہی ہوں جو تمام غموں سے، دکھوں سے واقعی دور رہا کرتی تھی۔ جسے بلاوجہ کے واہموں اور خدشات سے کچھ واسطہ نہ تھا اور جو زندگی کو جینا جانتی تھی۔ مگر یہ بہت اچھی سی اناہیہ کے ساتھ۔'' لامعہ حق مسکرا دی تھی۔ مگر اناہیہ شاہ ایسی کوئی کرٹسی نہیں دکھا سکی تھی۔ بے آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر اس کے اسٹیئرنگ پر دھرے نازک ہاتھ پر دھر دیا تھا۔

''لامعہ! میں تمہیں ایک بات بتانا چاہتی ہوں۔'' اناہیہ شاہ نے مضبوط لہجے میں کہا تھا

''کیا؟'' لامعہ حق سننے پر مائل نظر آ رہی تھی۔ مگر اناہیہ لمحہ بھر کے لیے کچھ نہیں کہہ سکی تھی۔ شاید بہت حد درکار تھی۔ مگر اُسے یہ سب کہنا تھا۔ کم از کم وہ اپنی بہترین دوست کو کسی قسم کے اندھیرے میں رکھنا نہیں چاہتی تھی۔ نقصان پہنچانا نہیں چاہتی تھی اور اس کے لیے کہنا بے حد ضروری تھا۔

''لامعہ! میں تم سے چھپانا نہیں چاہتی۔ نہ ہی اب چھپاؤں گی۔ عفنان علی خان کی زندگی میں آنے والا دوسری لڑکی کوئی اور نہیں، میں ہوں۔'' اناہیہ شاہ نے سچ کہا تھا۔ ایک لمحہ سکوت رہا تھا۔ لامعہ حق کی گاڑی کو یکدم بریک لگے تھے اور وہ بے حد حیرت کے ساتھ اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔

''لامعہ! پلیز ــــــ تم یہ مت سمجھنا کہ میں تمہاری خیر خواہ نہیں ہوں یا تمہاری مخلص نہیں ہوں۔ مجھے نہیں پتہ یہ سب کیونکر اور کیسے ہو گیا۔ کیسے عفنان علی خان میری محبت میں اس درجہ گرفتار ہوا۔ مگر میں نے ایسا کبھی نہیں چاہا تھا۔ کبھی بھی نہیں۔ اور اسی لیے میں نے کبھی بھی اس کی کسی طرح سے کوئی پذیرائی نہیں کی۔ اگرچہ وہ تم سے تعلق توڑ چکا ہے مگر میں اب بھی یہی چاہتی ہوں کہ وہ تمہاری طرف لوٹ جائے، مجھے پروپوزل بھجوانے والا کوئی اور نہیں، عفنان علی خان ہی ہے۔ مگر میں نے اس کے پروپوزل کو رد کر دیا ہے۔ میں اس سے کسی طرح کا کوئی ریلیشن شپ نہیں چاہتی۔ اس کے برعکس میں اس کے اور تمہارے درمیان پل کا کام کرنا چاہتی ہوں۔ میری کوشش ہے تم دونوں کے بیچ پھر سے وہی تعلق قائم ہو جائے۔'' اناہیہ شاہ مخلصانہ انداز میں کہہ رہی تھی۔ مگر لامعہ حق جیسے کسی عالم سکوت میں تھی۔

اناہیہ شاہ مجرم نہ ہوتے ہوئے بھی، اپنا کوئی قصور نہ پاتے ہوئے بھی شرمندہ نظر آ رہی تھی۔

''لامعہ! آئی ایم سوری، اگر تمہارا دل میری وجہ سے دکھا ہے۔ مگر میں نے ایسا کبھی نہیں چاہا۔'' نا کردہ

جرائم کی وضاحت دیتا ہوا وہ بہت مضمحل دکھائی دے رہا تھا۔

لامعہ حق نے اس کی سمت دیکھا تھا اور جانے کیوں مسکرا دی تھی۔

''اسٹرینج ـــــ ویری اسٹرینج۔'' وہ ابھی تک حیرت میں تھی۔ لہجہ متاسف تھا۔ ''مجھے ابھی تک یقین نہیں ہو رہا ـــــ اور وہ تم تھیں ـــــ''

اناہیہ شاہ کچھ نہیں کہہ سکی تھی۔ اور لامعہ حق ہنس دی تھی۔ عجب ایک پاگل پن کا سا انداز تھا۔ وہ ہنستے ہوئے سر نفی میں ہلا رہی تھی۔

''نہیں اناہیہ شاہ! تم وہ ہرگز نہیں ہو جس سے میں نفرت کر سکوں یا نفرت کروں۔ بالکل بھی نہیں، کوئی اور ہوتا تو بات بھی تھی۔ مگر تم...... تم سے میں چاہوں بھی تو نفرت نہیں کر پاؤں گی۔ سچ کہوں تو میں ابھی تک یقین بھی نہیں کر پا رہی ہوں کہ وہ تم ہی ہو ـــــ میری اپنی دوست، میری اناہیہ۔ ایک ساتھ ایک دوسرے کے کھلونوں سے کھیلتے بچپن گزرا ـــــ کبھی تم میرے گھر اور کبھی میں تمہارے۔ کبھی کوئی تفریق درمیان رہی ہی نہیں۔ اور آج۔'' وہ مسکرا دی تھی۔ ''تمہیں یاد ہے اناہیہ! ہم بچپن میں ایک جیسے کھلونوں اور چیزوں کی طرف ایک ساتھ مائل ہوا کرتے تھے۔ جو شے تمہیں اچھی لگتی تھی وہی مجھے بھی اچھی لگتی تھی۔ اور اس بات کو لے کر اکثر ہم میں جھگڑا بھی ہو جایا کرتا تھا۔ مگر ہم زیادہ دیر تک دور نہیں رہ پایا کرتے تھے اور نتیجتاً پھر ساتھ ہوتے تھے۔ اور آج......'' وہ ایک تاسف سے شانے اچکاتی ہوئی ونڈ اسکرین سے پار دیکھنے لگی تھی۔

اناہیہ شاہ خاموش نہیں رہ سکی تھی۔

''تم غلط سمجھ رہی ہو لامعہ! میرا اعتنان علی خان میں کبھی کوئی انٹرسٹ ڈی ویلپ نہیں ہوا ـــــ اور نہ ہی ہوگا۔''

''ہاں ـــــ میں جانتی ہوں۔ مگر میرا مطلب یہ نہیں تھا۔ میں جانتی ہوں تم مجھ سے اور میں تم سے کتنے سنسیئر ہیں۔ میں جانتی ہوں تمہارا کبھی کوئی قصور اس میں رہا نہیں ہوگا۔ میرا یقین تم پر مجھ سے بہت زیادہ ہے۔'' لامعہ کے لبوں پر دھیما سا تبسم تھا اور اناہیہ شاہ کی نظروں میں بے یقینی تھی۔ اس نے کچھ کہنے کے لئے لب کھولنا چاہے تھے مگر اس سے قبل ہی لامعہ حق اس کے ہاتھ پر ہاتھ دھرتے ہوئے بولی تھی۔

''ڈونٹ تھنک اینی مور اناہیہ! آئی سیڈ دیٹ آئی بلیو ـــــ یقین ہے تو پھر کسی وضاحت کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔ یہ تو لکھا نہیں تا، ساری بات ان کی ہے۔ یو مسٹ بی اے لکی گرل۔'' تبسم بجھا بجھا ماندا اور اس کے ساتھ ہی اس نے مزید کچھ کہے بغیر گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔

اناہیہ شاہ گھر آنے تک خاموشی سے بیٹھی رہی تھی۔ کہنے سننے لائق کچھ باقی نہ بچا تھا جیسے۔ ان کے گھر کے باہر گاڑی رکی تھی اور اناہیہ شاہ نے لامعہ حق کی طرف دیکھا تھا۔ وہ اسی دوستانہ انداز میں مسکرا دی تھی۔

''کل میرا شاپنگ کا موڈ ہو رہا ہے۔ اگر وقت ہو تو فون کر دینا۔ ہم پروگرام ڈن کر لیں گے۔''

اناہیہ شاہ نے سر ہلا دیا تھا۔ لامعہ حق نے مسکراتے ہوئے گاڑی بڑھا دی تھی۔

اناہیہ شاہ تادیر وہیں کھڑی رہی تھی۔

قصور اس کا کہیں نہیں تھا۔ مگر اس کے اندر ایک گلٹ پھر بھی تھا۔ وہ گلٹی فیل کر رہی تھی۔ کیونکہ وہ جانتی تھی لامعہ حق کی وہ مسکراہٹ، وہ تبسم جھوٹا تھا اور یہ بات اسے لامعہ سے کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔

❋❋❋

''پتہ نہیں فارحہ بھابی! مجھے یہ بات کہنا بھی چاہئے یا نہیں۔ مگر مجھے جانے کیوں ساہیہ اور اذہان اس رشتے سے خوش دکھائی نہیں دیتے ـــــ انہوں نے مجھ سے ایسا کچھ کہا تو نہیں، مگر بہت سی باتوں کے کہنے کے لئے لفظوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔''

''تم ایسا کچھ نہیں ہے اگینے! اذہان نے خود اس رشتے کے لئے مجھے اپنی رضامندی دی ہے۔ اور رہی ساہیہ کی، تو لڑکیاں عموماً اس معاملے کو لے کر کسی قدر اپ سیٹ ہوتی ہیں۔ شاید اس لئے بھی کہ وہ حساس ہوتی ہیں۔ ساہیہ اور اذہان کو چھوڑو، تم اپنی بات کرو۔ واپس جانے کا کوئی ارادہ نہیں ہے؟ کتنا عرصہ گزر گیا، روحیل نے پلٹ کر خبر کیوں نہیں لی؟ تم دونوں کے درمیان سب ٹھیک تو ہے نا؟'' مسکراتے ہوئے بظاہر نارمل انداز میں دریافت کیا تھا۔ مگر اگینے کے چہرے کی کیفیت ایک پل میں متغیر ہوئی تھی اور نظریں چرا گئی تھی۔

''کیا ہوا؟ ـــــ برا مان گئیں؟ میں تو صرف مذاق کر رہی تھی۔ میرا مقصد یہ نہیں تھا۔'' فارحہ نے معذرت چاہی تھی اور اگینے جیسے اس لمحے ایک کرسی سے مسکرائی تھی۔

''ایسی بات نہیں ہے بھابی! آئی ڈونٹ مائنڈ دیٹ۔''

''تو پھر اگینے! مجھے کیوں لگ رہا ہے کہ جیسے ان آنکھوں میں کچھ ہے۔ کوئی ایسی بات جو تم سب سے چھپانا چاہ رہی ہو۔ حتیٰ کہ خود سے بھی۔''

فارحہ کا انکشاف اگینے کو حیران کر دینے کو کافی تھا۔ وہ کچھ بول نہیں سکی تھی۔

فارحہ نے ہاتھ بڑھا کر اس کے ہاتھ پر دھر دیا تھا اور بہت ملائمت سے مسکراتے ہوئے اسے دیکھنے لگی تھی۔

''اگینے! کبھی کبھی بھید کو بھید بنائے رکھنے سے زیادہ مشکل بھید کو سنبھالنا ہوتا ہے۔ اگر کوئی بات تمہیں پریشان کر رہی ہے تو تم مجھ سے شیئر کر سکتی ہو ـــــ الجھاؤوں کو زیادہ دیر تک نہ سلجھایا جائے تو پیچیدگیاں بڑھنے لگتی ہیں۔'' مشورہ مخلصانہ تھا مگر اگینے کچھ نہیں بولی تھی۔

❋❋❋

خدشات کبھی کبھی درست بھی ہوتے ہیں۔

میرب سیال کو جو لگا تھا وہ درست ہی تھا۔ سرور سبکتگین حیدر الغازی اسے نہیں لینے آیا تھا۔ تاناشاہ الماس نے ڈرائیور بھجوا دیا تھا۔

نانو، ماموں، ممانیوں نے کوئی وضاحت نہیں مانگی تھی مگر وہ اپنی جگہ جیسے چور سی بن کر رہ گئی تھی۔

لوٹی تھی تو وہ محل نما گھر اسی قدر ویرانیوں میں ڈوبا ملا تھا۔

دو دن پہلے جب وہ لوٹی تھی تو تب بھی اس نے اس گھر میں ایسا ہی سناٹا دیکھا تھا۔ یا پھر اس کے اندر

کا موسم ہی اتنا پُر وحشت تھا کہ سب کچھ اسی رنگ میں رنگا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ اتنے عرصے کی دوری کے باوجود مائی اماں کو بھی زیادہ وقت نہیں دے سکی تھی۔ اور آج صبح بھی جب وہ نکل رہا تھا وہ خاموشی سے گاڑی میں آن بیٹھی تھی۔

"نانو سے ملنے جانا ہے۔" مگر اس سے زیادہ کچھ کہنے کی زحمت گوارہ نہیں کرنا پڑی تھی اور کوئی یکا اجنبی بن کر اس کی طرف سے توجہ کا ہاتھ کھینچ چکا تھا۔

بس لمحہ بھر کی بات تھی اور وہ نگاہ پھر سے اجنبی تھی۔ اور غالباً وہ لمحہ بھر کو جو نگاہ دانستہ اس پر ڈالی گئی تھی وہ بھی بوجہ التفات نہیں بلکہ اس میں استفسار کا عنصر زیادہ غالب تھا۔ میرب سیال کوئی شکوہ کرنے کا حق محفوظ نہیں رکھتی تھی۔ سو چپ چاپ اس کی طرف سے نگاہ پھیر گئی تھی۔

"میرب!" وہ بے دھیانی میں زینہ طے کر رہی تھی جب مائی اماں کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔ وہ پلٹی تھی۔

"جی مائی اماں؟"

"بیٹا! اگر مناسب لگے تو کچھ وقت ہم ساتھ گزار لیں؟" وہ پوچھ رہی تھیں اور میرب سیال کو انکار مناسب نہ لگا تھا۔ حالانکہ اس وقت وہ کسی سے بھی بات کرنے کے موڈ میں نہ تھی۔ مگر وہ بے مروتی کا مظاہرہ نہیں کر سکی تھی اور چلتی ہوئی ان کی طرف آ گئی تھی۔

"کیا ہوا؟ ــــــ بہت تھک گئی ہو؟" مائی اماں نے مسکراتے ہوئے اس کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر پوچھا تھا۔ وہ ایک مروت سے مسکرا دی تھی۔ کوئی جواب نہ تھا۔

"تم واپس کیا آئی ہو، میرے گھر کی تو جیسے رونق لوٹ آئی ہے۔ زندگی تم ہی تو ہو۔ ٹھیک کہتے ہیں بیٹیوں کے دم سے ہی گھر میں رونق ہوتی ہے۔ بیٹوں کا کیا ہے، نکلے تو نکلے، نہ نکلے گھر پر...... ہزار ہا بے وجہ کی مصروفیات پال رکھی ہوتی ہیں۔ مگر بیٹیاں...... بیٹیاں ماں باپ کا بے حد خیال رکھتی ہیں۔ اپنے وقت میں سے وقت نکال کر ماں باپ کو دیتی ہیں۔ ان میں بیٹوں کی بہ نسبت عقل مندی بھی زیادہ ہوتی ہے اور مروت بھی۔" مائی اماں غالباً قصداً اس خاموشی کو توڑنا چاہتی تھیں۔ تبھی بے معنی گفتگو بھی جاری رکھنا چاہتی تھیں۔ اور میرب نہ چاہتے ہوئے بھی مسکراتے ہوئے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"سبکتگین حیدر تو یوں بھی زیادہ اس گھر میں نہیں رہتا۔ میرے دیور اور نندوں کی بچیاں، بچے ہیں جو اکثر چھٹیوں میں آ جاتے ہیں اور تب اس گھر میں قدرے رونق ہو جاتی ہے۔ مگر اب مجھے ان کے آنے کا بالکل بھی کوئی انتظار نہیں۔ جانتی ہو کیوں؟ کیونکہ اب میری بیٹی جو میرے پاس آ گئی ہے۔ ورنہ سارا سال میں ان بچوں کی چھٹیوں کا انتظار کرتی رہتی تھی کہ کب ان کی چھٹیاں ہوں اور کب وہ یہاں رہنے کے لئے آئیں اور اس گھر کی خاموشی کچھ کم ہو۔" مائی اماں اپنی تنہائی اور اس گھر کی وحشت سے وابستہ کہانیاں بیان کر رہی تھیں۔ مگر دوسری طرف میرب سیال خاموش تھی۔

"کیا ہوا؟ ـــ بور ہو رہی ہے تو؟ ــــــ میری باتیں لطف نہیں دے رہیں؟" مائی اماں نے غالباً نتیجہ اخذ کر لیا تھا۔ میرب سیال نے فوری طور پر سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

نہیں ــــــ ایسی بات نہیں ہے۔"

"پھر کیا بات ہے؟ جب سے تُو لوٹی ہے، خوش دکھائی نہیں دے رہی۔ جانے سے قبل بھی تیرے پر پریشانی والی کیفیت تھی۔ مگر یہ کیفیت اس سے کہیں زیادہ ہے۔ مجھے لگ رہا ہے کہ کوئی بات ہوئی تجھے بے حد ناگوار گزری ہے۔ مگر تُو اسے چپ چاپ جھیل رہی ہے۔ مجھے بتا، کیا ہوا؟ سبکتگین حیدر نے کچھ کہا تجھے؟" بات سچ تھی۔ وہ کوئی وضاحت نہیں کر سکتی تھی۔ مائی اماں کی نگاہ واقعی جہاندیدہ تھی وہ اپنے بیٹے سے بہت اچھی طرح واقف تھیں۔

"میرو! میرے بچے! یہ جو وقت تم دونوں کو ساتھ گزارنے کو دیا گیا تھا صرف اسی بات کے لئے تھا کہ تم دونوں ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھ اور جان سکو۔ حالانکہ ایسا کچھ ضروری بھی نہیں تھا۔ ہمارے ہاں تو رسم یہ ہے کہ بس شادی ہو گئی تو نباہنا شروع ہو گیا۔ مگر میں نے ایسا اسی لئے چاہا تھا کہ میں سبکتگین حیدر کے مزاج سے اچھی طرح واقف تھی اور ہوں۔ میں جانتی ہوں اس میں کتنی خامیاں اور کتنی خوبیاں ہیں۔ ماں کی نظر بچے کی ساری کمیوں کو دیکھ سکتی ہے اور میں بھی گین کے منفی پہلوؤں سے ناواقف نہیں ہوں۔ میں جانتی ہوں کسی عام لڑکی کا گزارہ اس کے ساتھ ناممکن ہوتا۔ یکتا حُسن بھی کوئی خاص معنی نہ رکھتا۔ اسے قائل کرنے اور زیر کرنے کے لئے حُسن اور عقل کی بیک وقت ضرورت تھی اور مجھے ایسے میں تمہارا انتخاب بہترین لگا۔ بیٹا! یہ مت سمجھنا کہ میں خود غرض ہوں اور گین کے مزاج کو جانتے بوجھتے میں نے ایک لڑکی کو عذاب میں مبتلا کیا ــــــ تم مجھے اپنی بیٹی کی طرح عزیز ہو۔ میں گین سے بڑھ کر تمہیں چاہتی ہوں اور ہر معاملے میں میری فوقیت گین سے بڑھ کر تم ہو۔ اور تم ہی ہو گی۔ ایسا یقین دلا کر میں تم کو کوئی سبز باغ نہیں دکھا رہی۔ اگر تم اسے خود غرضی بھی کہو تو یہ صرف اتنی ہے کہ میں اپنے بیٹے کو راہ راست پر دیکھنا چاہتی ہوں۔ تم یہی کہو گی کہ کسی کا پیدا کیا گیا بگاڑ میں کیوں سدھاروں ــــــ میں کیوں اس کی غلطیوں کی سزائیں یا عذاب جھیلوں؟ تو بیٹا! میں صرف اتنا کہوں گی، مکمل کوئی شخص بھی نہیں ہوتا۔ گین کی پرسنالٹی میں جو خامیاں آ گئی ہیں وہ دور ہو سکتی ہیں اور ایسا صرف تم کر سکتی ہو۔ مجھے تم پر کامل یقین ہے۔"

مائی اماں پتہ نہیں واقعی سچ کہہ رہی تھیں یا کہ نہیں۔ میرب سیال کا سر جھکا ہوا تھا اور آنسو بہت خاموشی سے ٹوٹ ٹوٹ کر اس کے ہاتھوں پر گر رہے تھے۔

اندر داخل ہوتے ہوئے سبکتگین حیدر لغاری نے اس منظر کو کسی قدر حیرت سے دیکھا تھا۔ لمحہ بھر کو قدم رکے تھے۔ مائی اماں نے اس کی طرف دیکھا تھا۔ میرب بھی دیکھ چکی تھی مگر دانستہ نہ تو نگاہ اٹھائی تھی نہ اس کی سمت توجہ کی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری بھی بے تاثر انداز لئے آگے بڑھ چکا تھا جیسے اسے مطلق پرواہ نہیں تھی۔ تو پھر وہ کس کے لئے آنسو بہا رہی تھی؟ میرب سیال نے سوچا تھا اور پھر یکدم آنکھیں رگڑتی ہوئی وہاں سے اٹھی تھی اور چلتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔

❁ ❁ ❁

ان بھر کی خواری کے بعد اللہ حق نے اسے واقعی بہت تھکا دیا تھا۔ مگر تابیہ کو خوشی تھی کہ اس نے ایک

اچھا دن لامعہ حق کے ساتھ گزارا تھا۔ اور وہ بھی ایک عرصے کے بعد۔ لامعہ کی بہت سی خوشیوں میں وہ صرف اس کی خاطر، اس کے لئے شریک ہوتی تھی۔ اور ایسا کر کے اسے خوشی ہوتی تھی۔

"کیا ہوا؟ ——— تھک گئی ہو؟" ماما نے اسے دودھ کا گلاس تھماتے ہوئے پوچھا تھا۔

"نہیں ماما! بس ذرا سر میں درد ہو رہا ہے۔"

"اچھا لاؤ، میں سر میں تیل ڈال دوں۔"

"نہیں ماما! آپ پلیز زحمت نہ کریں۔" اس نے تعرض برتا تھا۔

"زحمت کیسی؟ ——— بچوں کے کام کر کے بھی کبھی ماں کو زحمت ہوئی ہے؟" ماہ وش شاہ بیٹی کے سر میں تیل ڈالنے لگی تھیں۔

"ماما ———!"

"ہوں ———؟"

"آپ کو کیا لگتا ہے، جو میں کر رہی ہوں یا جو میں نے کیا، وہ ٹھیک ہے؟"

ماہ وش شاہ کے ہاتھ لمحہ بھر کو تھمے تھے اور پھر وہ دھیمے سے مسکرا دی تھیں۔

"دیکھو بیٹا! ہم نے اپنے بچوں کی جیسی تربیت کی ہے، جیسی زندگی کے اصول سمجھائے ہیں، ان کی بنا پر ہمیں مکمل یقین ہے کہ ہمارے بچے کبھی کوئی غلط فیصلہ کر ہی نہیں سکتے۔ اسی یقین کو لے کر ہم نے تمام فیصلے کا حق اپنے بچوں کے ہاتھ سونپ دیا ہے۔" ماہ وش مطمئن نظر آ رہی تھیں۔

"لیکن ماما ———؟" اس نے گردن موڑ کر ماں کی طرف بے بسی سے دیکھا تھا۔

"تم مطمئن ہو نا ———؟" ماما نے مسکراتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

"ہوں ———" عجب ایک الجھن میں انابیہ شاہ نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"جب مطمئن ہو تو یقیناً تم نے ٹھیک ہی کیا ہے۔ باقی کے وہموں اور خدشوں کو دل میں جگہ دینے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ میرے لئے لامعہ اور تم برابر ہو ——— میں لامعہ کو تمہاری طرح ہی عزیز رکھتی ہوں۔ پھر میں ایک بیٹی کے لئے اچھا اور دوسری کے لئے برا کیسے چاہ سکتی ہوں؟ جب فاطمہ ہما خالہ عثمان کا پروپوزل لے کر آئی تھیں، مجھے پتہ تھا تمہارا فیصلہ کیا ہوگا ——— اس لئے میں نے یا پاپا جی نے کوئی مداخلت نہیں کی اور فیصلے کا اختیار تمہارے ہاتھ دے دیا۔ مجھے اور پاپا جی کو یقین تھا کہ تم کیا فیصلہ کرو گی۔ اور تم نے کتنا ٹھیک کیا، اسے تم نے ثابت کر دیا۔" ماہ وش بول رہی تھیں اور انابیہ رخ ان کی طرف پھیرے خاموشی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"اتنا بھروسہ مجھ پر؟ ——— اور اگر میں آپ کے بھروسے پر پوری نہیں اترتی تو؟"

"ایسا ہو نہیں سکتا تھا۔ اور ایسا ہوا بھی نہیں۔" ماہ وش مسکرا دی تھیں۔ "دیکھو بچے! عثمان کتنا ہونہار قابل لڑکا ہے یہ بات ہم بھی جانتے ہیں اور تم بھی۔ مگر یہ پروپوزل دنیا کا کوئی آخری پروپوزل نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ بات تم بھی جانتی تھیں اور ہم بھی ——— ہم اگر لامعہ کی بجائے اپنی بچی کی فیور کرتے تو یقیناً خود غرضی ہوتی ——— عثمان علی خان کیا، اس جیسے لاکھوں لڑکوں کی پسند اور ترجیح تم جیسی لڑکی ہو۔

ہے اور ہو گی بھی۔ مگر انابیہ شاہ کی ترجیح کیا ہو گی، یا کیا ہو سکتی ہے وہ اچھی طرح جانتی ہے۔" ماہ وش کے چہرے پر مدھم سا تبسم تھا اور آنکھوں میں یقین۔ انابیہ شاہ نے مسکراتے ہوئے ماں کے گلے میں باہیں ڈال دی تھیں۔

"ماما! میں نے ساری حقیقت لامعہ سے کہہ دی ہے اور اس کے بعد میں بہت مطمئن ہوں۔ میں نے ٹھیک کیا نا؟"

"ہوں ——— بالکل صحیح۔ ایسا کر کے تم نے بہت سے خدشوں اور واہموں کو اپنے ہاتھوں دفن کر دیا ہے ساتھ ہی ان غلط فہمیوں کے انبار کو بھی جنہیں وقت کے ساتھ جنم لینا تھا اور سنگین ہونا تھا۔" ماہ وش نے اس کے چہرے کو بہت پیار سے تھپتھپایا تھا۔ وہ بہت ہلکے پن کے ساتھ مسکرا دی تھی۔ یقیناً بہت سا بوجھ آج دل سے سرک گیا تھا۔

"کیا ہو رہا ہے یہ؟ ——— اکیلے اکیلے محبتیں سمیٹی جا رہی ہیں۔" اوزی نے دروازے میں سے سر اندر ڈال کر دریافت کیا تھا۔ ماہ وش اور انابیہ مسکرا دی تھیں۔

"آ جاؤ! ——— میں ماما سے تمہاری شکایتیں کر رہی تھی۔"

"مجھے تم سے ایسی ہی امید تھی ——— ایک بری خبر ہے ——— میں واپس جا رہا ہوں۔ اس لئے اب تمہیں کوئی مزید تنگ نہیں کریگا۔" اوزی مسکراتے ہوئے ایک بری خبر دے رہا تھا۔

"یہ کیا بات ہوئی بیٹا! اتنی جلدی؟" ماہ وش شاہ نے شکوہ کیا تھا۔

"اور جلدی سے بھی زیادہ اچانک۔ یہ کیا بات ہوئی بھلا؟" انابیہ نے کسی قدر خفگی سے دیکھا تھا۔

"زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ ابھی دو دن ہیں۔ ممی کا فون آیا تھا، وہاں سے بزنس اسائنمنٹ کے سلسلے میں میری ضرورت ہے۔ تم فکر مت کرو ——— جلد فارغ ہو کر تمہاری شادی میں شرکت کے لئے دوبارہ واپس آؤں گا۔" اوزی مسکرا دیا تھا۔

❋ ❋ ❋

"ماہا کے لئے ایک لڑکا دیکھا ہے ——— بہت اچھا نوجوان ہے ——— اپنا بزنس اسٹارٹ کر رہا ہے۔ ماہا کے لئے بہت معقول رہے گا۔" ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے ڈنر کرتے سعد حسن بخاری نے مطلع کیا تھا اور وہ حیران رہ گئی تھیں۔

"کون ہے؟ ——— خاندان کیا ہے؟ ——— فیملی بیک گراؤنڈ ——— چال چلن؟"

"اس سب کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں تمہیں۔ سب چھان بین کر چکا ہوں میں۔ ہر طرف سے مطمئن ہو کر ہی میں نے بات کرنا مناسب خیال کیا ہے۔" سعد حسن بخاری نے جتانے والے انداز میں مطلع کیا تھا۔

"پھر بھی ——— کچھ تو پتہ چلنا چاہئے۔ اتنا بڑا فیصلہ ہم یونہی تو نہیں کر سکتے۔ بیٹی کا معاملہ ہے، ہم لاپرواہی تو نہیں کر سکتے۔ ایک نتیجہ ہم بھگت کر دیکھ چکے ہیں۔ مزید کی گنجائش نہیں نکلتی ہے۔"

"فارحہ! ——— تم مجھے اپنے بچوں کا دشمن سمجھتی ہو۔ یہ کیا زہر کے بیج بو رہی ہو تم میرے خلاف

میرے بچوں کے دلوں میں!؟ ــــــ میں کیا ان کے لئے برا سوچوں گا؟'' سعد حسن بخاری کا انداز الزام عائد کرتا ہوا تھا۔

''ایسا کچھ نہیں کر رہی ہوں میں ــــــ میں صرف کچھ باتوں کی وضاحت چاہ رہی ہوں۔ جن ضرورت بھی ہے۔ آپ نے اذہان کے لئے فیصلہ کیا تو میں نے اسے تسلیم کیا۔ مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ بات کو تسلیم کرنے کے لئے میں پابند ہوں۔ اذہان کا اور ساہیہ کا معاملہ اور تھا۔ ساہیہ کے خاندان کو جانتے ہیں۔ وہ اپنے ہیں۔ مگر اب جس لڑکے کے متعلق آپ بات کر رہے ہیں اس کا کوئی ایک بھی حو آپ کے پاس نہیں ہے۔ اور میں اپنی بیٹی کو کسی بھی اندھے کنوئیں میں نہیں دھکیل سکتی۔ وہ اتنی ڈسٹر ہے کہ ابھی تک پہلے ہی کی کیفیت سے باہر نہیں نکل پا رہی ہے۔ کسی لڑکی کی شادی ٹوٹ جانا معمولی بات نہیں ہوتی۔ آپ کی بیٹی پر کیا گزری، اس کا احساس آپ کو چاہے نہ ہو مگر مجھے بخوبی ہے۔'' فارحہ نے مد لہجے میں باور کرایا تھا۔

سعد حسن بخاری کی آنکھوں میں ناگواری واضح طور پر اتر آئی تھی۔

''مجھے احساس ہے فارحہ بخاری! ــــــ مجھے احساس ہے۔ تبھی تو یہ قدم اٹھا رہا ہوں۔ عریبہ کا فرسٹ کزن ہے وہ۔ اور عریبہ نے ہی مجھے اس کے متعلق بتایا ہے۔ میں ملا ہوں اس سے ــــــ اور مجھے وہ اس کے لئے ہر لحاظ سے مناسب لگا ہے۔'' سعد حسن بخاری نے وضاحت دی تھی اور فارحہ اپنی جگہ ساکت رہ گئی تھی۔

''وہ دوسری عورت ــــــ وہ اب فیصلے کرے گی میرے بچوں کی زندگی کے متعلق؟ اور آپ.....
فارحہ سے مارے صدمے کے کچھ بولا ہی نہیں گیا تھا۔ شدتِ جذبات سے ان کی دھڑکنوں کی رفتار بڑھ گئی تھی اور پورا وجود کانپنے لگا تھا۔ مگر سعد حسن بخاری کو اس کی مطلق پرواہ نہیں تھی۔

''تم حماقتوں کے مظاہرے کر سکتی ہو، میں نہیں۔ ایک بار بیٹی کی شادی ختم ہو جانے کے بعد کون ہے جو اسے قبول کرے گا؟ تم یہ بات کیوں نہیں سمجھ رہی ہو؟'' سفاکی کی حد تھی۔

''آپ.....آپ یہ بات کہہ رہے ہیں..... کیا آپ نہیں جانتے کہ اس کا سبب کیا تھا؟ غلطی آپ کی تھی۔ اس معصوم بیٹی کی نہیں، اس کے باپ کی تھی۔ جو باپ اپنے لطف کو دیکھتے ہیں ان کے بچوں کو ایسی ہی سزاؤں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔''

''فارحہ!'' سعد حسن بخاری کا لہجہ پُرطیش تھا۔

''چلائیے مت ــــــ سچ سننے کی ہمت رکھیے اپنے اندر۔ آپ.....آپ اتنے سفاک ہو سکتے ہیں مجھے یقین نہیں ہو رہا۔ اپنی ہی بیٹی کے لئے، اپنی ماہا کے لئے آپ نے ایسی بات کی۔ وہ ماہا جو آپ کے لئے کبھی آپ کی ننھی پری تھی۔ وہ ننھی پری جسے آپ اتنا پیار کرتے تھے، آج آپ کے لئے......'' چھلکتی آنکھوں کے ساتھ فارحہ مزید کچھ بول ہی نہ سکی تھیں۔

''تم جو بھی کہو ــــــ مگر میرا فیصلہ پھر بھی وہی رہے گا ــــــ مجھے یہ ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ میں اپنے بچوں سے کتنا سنسیئر ہوں۔ میں جو کر رہا ہوں وہ ان کی بھلائی کے لئے ہی ہے۔'' سعد

بخاری کا انداز حتمی تھا۔ وہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور فارحہ ساکت سی بیٹھی رہ گئی تھیں۔
دروازے کے کنارے پر کھڑی ماہا کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا تھا۔

❋❋❋

فیضان اور فاطمہ علی خان بچوں کے ساتھ ڈنر پر انوائٹ تھے۔ فاطمہ بطورِ خاص بھتیجے اور بہو سے ملنے آئی تھیں۔ میرب ان کو بہت پسند آئی تھی۔

''ماشاء اللہ ــــــ میری بہو اتنی خوبصورت ہو گی ــــــ میں نے تو سوچا بھی نہ تھا۔'' فاطمہ نے سراہا

''تگین یار! تمہارا تو واقعی جیک پوٹ لگ گیا ہے۔ اس لئے تم وہاں سے واپس آنے کو تیار نہ تھے۔'' عفنان علی خان نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

میرب سیال کی نظر عین سامنے بیٹھے سردار سبکتگین حیدر لغاری پر پڑی تھی۔ کوئی خوشگوار تاثر چہرے پر نہ ابھرا تھا۔ وہ مروتاً بھی مسکرا نہیں سکی تھی۔ وہ مروت نبھاتی بھی تو کس لئے۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری بھی سرسری نگاہ ڈالنے کے بعد اجنبی ہو چکا تھا اور عفنان علی خان اس سے قطع نظر دریافت کر رہا تھا۔

''بھابی! آپ کو پتہ نہیں ہے، آپ نے کمال کیا ہے ــــــ ایک اچھے خاصے بے راہ رو بندے کو راہ پر ڈال دیا ہے۔ اس کمال کے لئے آپ کا نام تو گینز بک میں آنا چاہئے۔ کیوں سردار صاحب! کیا کہتے ہیں آپ؟'' عفنان علی خان نے رائے چاہی تھی اور سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ایک نظر خاص میرب سیال پر ڈالی تھی۔

''درست فرماتے ہو ــــــ شک کی گنجائش بالکل نہیں ہے۔'' جملہ خاص سہی، مگر تاثر خاص نہ تھا۔ میرب سیال نے اس کی سمت دیکھنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ انوشے نے اس کا ہاتھ بہت پیار سے تھاما تھا۔

''ہم بھی عفنان بھائی کے لئے لڑکی دیکھ رہے ہیں۔ اگر آپ اپنے ہی جیسی کسی خوبصورت لڑکی کو جانتی ہیں تو پلیز ہمیں بتا دیجئے۔ ہماری جوتیاں گھسنے سے بچ جائیں گی۔ کیوں عفنان بھائی! ہم ٹھیک کہہ رہے ہیں نا؟'' انداز میں کچھ شرارت تھی۔ عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

''اس کی ضرورت نہیں ہے ــــــ کیونکہ عفنان آل ریڈی اپنے لئے لڑکی دیکھ چکا ہے۔'' بڑی عریشہ اپنے پہلو سے بیٹھے کو گود میں سنبھالتے ہوئے مسکراتے ہوئے عفنان کو دیکھا تھا۔

''عریشہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔ ہم نے واقعی عفنان کے لئے ایک اچھی سی لڑکی دیکھ لی ہے۔ ماشاء اللہ خوبصورت بھی ہے اور خوب سیرت بھی۔'' فاطمہ نے وضاحت دی تھی۔

''کون ہے وہ؟ ــــــ کیا ہم جانتے ہیں؟'' نانی اماں نے دریافت کیا تھا۔

''ہاں، وقت کیا۔ وہ بریگیڈیئر اعظم رمضان شاہ ــــــ جن کے بیٹے اور پوتے کی موت سمندر میں ڈوب کر واقع ہو گئی تھی۔ جن کی بہو انٹیریئر ڈیزائنر ہے۔''

''اوہ ہاں ــــــ یاد آیا ــــــ ان کی تو بہت پیاری سی بچی تھی، کیا نام تھا اس کا......'' نانی اماں ذہن پر زور دیتے ہوئے بولی تھیں۔

''انابیہ شاہ۔''

''ہاں ــــــ انابیہ شاہ ــــــ ہمارے گھر کی ڈیز اخننگ میں بھی وہ مسز ظہیر شاہ کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ بہت سعادت مند بچی ہے۔ اور مسز ظہیر شاہ بھی تو کتنی ہمت والی ہیں۔ ایک پہاڑ سی عمر انہوں نے شوہر کے بغیر گزاری ہے۔ کیا نام تھا ان کے بیٹے کا، ہاں، غازی ــــــ کتنا چھوٹا سا بچہ تھا، سمندر کی شوریدہ لہروں نے جسے نگل لیا۔ بیچارے ظہیر شاہ صاحب بچے کو بچانے گئے مگر ــــــ خدا کو جو منظور ــــــ ہو کیا جا سکتا ہے۔ جب یہ واقعہ سنا تھا تب بھی کلیجہ منہ کو آ گیا تھا۔ کیسا سانحہ تھا۔ بریگیڈیئر صاحب ہمارے بہت پرانے جاننے والوں میں سے ہیں۔ سردار کمال حیدر لغاری مرحوم جب زندہ تھے تو اکثر ان کی نشست رہتی تھی ان سے۔ مجھے تو اپنی بیٹی مانتے تھے وہ۔ سردار کمال حیدر لغاری کیا گزرے، ساری نشستیں یاد بن کر رہ گئیں۔ بہت خوشی ہوئی آج تمہارے منہ سے ان کے متعلق سن کر۔'' مائی اماں کہہ رہی تھیں اور عفنان علی خان کے ذہن میں وہ منظر گھوم رہا تھا جب وہ سمندر کی طرف جا رہا تھا۔ بظاہر ڈوب رہا تھا۔ اور اس کے بعد کتنے دنوں تک انابیہ شاہ ڈسٹرب رہی تھی۔ اور وہ......... وہ سمجھ ہی نہ پایا تھا۔ تو کیا اس کے اس نے یقیناً اسے وہی منظر دوبارہ یاد دلا دیا تھا۔ وہ کرب اسے دوبارہ دیا تھا ــــــ کتنی مشکل میں گھر گئی ہو گی اس کی جان۔ اور وہ سمجھ ہی نہ پایا تھا تب۔

''آپ آئیے بھائی جی! مجھے ایک ضروری بات کرنا ہے آپ سے۔ بچوں کو بیٹھ کر باتیں کرنے دیجیے۔'' فاطمہ نے مائی اماں کا ہاتھ تھاما تھا۔ میرب کے انٹرسٹ کی کوئی شے نہیں تھی۔ سو وہ خاموشی سے بیٹھی تھی۔

''یہ ناانصافی ہے بھئی۔ ہم مردوں کی نشست میں بھلا کیا چارم باقی رہے گا؟'' فیضان علی خان نے مسکراتے ہوئے جملہ اچھالا تھا۔

''پاپا ٹھیک کہہ رہے ہیں ممی! ــــــ آپ کے بغیر واقعی بور ہو جائیں گے۔'' عریشہ نے مسکراتے ہوئے جملہ اچھالا تھا۔ مگر فاطمہ، بھائی جی کا ہاتھ تھامے مسکراتے ہوئے آگے بڑھ گئی تھیں۔

''کیا ہوا بھابی! آپ بہت چپ چاپ سی ہیں ــــــ گین بھائی سے کوئی ناراضگی چل رہی ہے کیا؟'' میرب سیال بہت دیر سے چپ، دم سادھے، سر جھکائے بیٹھی تھی۔ انوشے نے نوٹس لیتے ہوئے دریافت کیا تھا اور وہ بری طرح چونک پڑی تھی۔ نظریں بے ساختہ ہی سردار سبکتگین حیدر لغاری سے جا ملی تھیں۔ مگر وہ شخص بے تاثر بنا عفنان علی خان سے گفتگو میں مصروف رہا تھا۔ غالباً جان بوجھ کر نظرانداز کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ میرب سیال اس کی جانب سے نگاہ بدل گئی تھی۔ کیا تھا درمیان جس کا وہ پاس کرتی اور مروت کا مظاہرہ کرتی۔ جب کسی کو اس کی پروا نہیں تھی تو وہ بھی کیوں پروا کرتی؟ دل نے سوچا ضرور تھا، مگر جانے کیوں وہ اس پر عمل نہیں کر سکی تھی۔ شاید وہ اس شخص کی طرح بے حس اور خود غرض نہیں تھی۔

''نہیں ــــــ ایسی بات نہیں ہے۔ اکچوئلی آئی ایم فیلنگ ناٹ ویل۔'' لبوں پر ایک پھیکا سا مدھم تبسم سجائے وہ بولی رہی تھی۔ گفتگو میں پوری طرح منہمک ہوتے ہوئے بھی سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بطور خاص دیکھا، نظر اس پر ڈالنا ضروری خیال کیا تھا۔ مگر اب کے میرب پوری طرح بے تاثر تھی۔

''ارے بھابی! آپ کو تو اپنا خیال رکھنا چاہیے۔ سو سوری! آپ کو ہماری وجہ سے اتنی زحمت اٹھانا پڑی۔'' انوشے شرمندہ دکھائی دے رہی تھی۔

''نہیں ــــــ ایسی بات نہیں۔ مجھے بہت خوشی ہوئی ہے آپ سب کو یہاں دیکھ کر...... مل کر ......'' مروت لبوں پر تھی مگر بات کچھ بن نہ پڑی تھی۔

''میرا خیال ہے آپ ریسٹ کر لیجیے۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری کا اس لہجے کا نوازا جانے والا مشورہ حیران کن لگا تھا اُسے۔ غالباً اسی لیے وہ اس کی سمت بطور خاص دیکھنے پر مجبور ہوئی تھی۔ مگر وہ ایک لمحے کے التفات کے بعد دوبارہ بے تاثر اور اجنبی تھا۔ نظر اس کی سمت سے ہٹ چکی تھی اور ساری کی ساری توجہ اس لمحے عفنان علی کی سمت تھی۔ جانے وہ کیا بات چیت کر رہے تھے۔

''گین بھائی ٹھیک کہہ رہے ہیں بھابی! ــــــ ہمیں کمپنی دینے کو گین بھائی موجود ہیں۔'' عریشہ نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ وہ اٹھی تھی۔ مگر اچانک دوپٹہ کہیں اُلجھا ہوا محسوس ہوا تھا۔ وہ کسی قدر حیرت سے پلٹی تھی۔ اس کے دوپٹے کا کونا عریشہ کی گود میں بیٹھے گپلو سے حمزہ کے ہاتھ میں تھا۔ وہ اس کی جانب دیکھتے ہوئے معصومیت سے مسکرا رہا تھا۔

''بُری بات حمزہ! مامی ہیں۔ گین ماموں ناراض ہو جائیں گے۔'' عریشہ نے مسکراتے ہوئے جملہ اچھالا تھا۔

''گین بھائی! حمزہ آپ کے جذبات کی ترجمانی کر رہا ہے۔ آپ بھی غالباً اندر سے یہی چاہ رہے ہوں گے کہ میرب یہاں...... ہمیں نظروں کے سامنے براجمان رہیں اور آپ گاہے بگاہے تکتے رہیں۔''

سردار سبکتگین حیدر لغاری محظوظ ہوتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

''حمزہ میاں! سدھر جائیے۔ اپنا قبلہ و کعبہ درست فرما لیجیے۔ ٹھیک نہیں ہے یہ۔ پرائے مال پر نظر رکھنا اچھی بات نہیں ہے۔ کم از کم اتنا ہی خیال کر لو کہ یہ حق آپ کے ماما کا ہے۔'' لبوں پر خفیف سا تبسم تھا۔ اس نے حمزہ صاحب کو اپنی جانب بلایا تھا اور گود میں لے کر پیار کرنے لگا تھا۔ عفنان علی خان مسکراتے ہوئے بغور گین کو دیکھنے لگا تھا۔

''یہ تبدیلیاں کچھ زیادہ خوش آئند نہیں؟'' شرارت سے بھرپور مسکراہٹ لبوں پر تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

''بچے کیسے اچھے نہیں لگتے؟''

''ہاں ــــــ لگتے ہیں ــــــ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری صاحب کو ــــــ کچھ انوکھی بات ہے۔'' ان کی نظروں میں شرارت تھی۔ میرب سیال جو بہت تنہا وہیں جمی کھڑی تھی، عفنان علی خان اس کی سمت دیکھتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

''اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟ ــــــ ایک شادی شدہ بندے کی ترجیحات یہی ہو سکتی ہیں۔'' عریشہ بولی تھی اور عفنان علی خان کا قہقہہ بے حد برجستہ تھا۔ سبکتگین حیدر لغاری کے لبوں پر بھی خفیف سی مسکراہٹ تھی۔ غالباً اس لمحے دانستہ نگاہ بہت ہی کچھ ہی فاصلے پر کھڑی میرب سیال کی سمت ڈالی گئی تھی۔

سمجھے بغیر کہ اس نگاہ میں کیا تاثر تھا۔ میرب سیال چلی تھی اور تیزی سے آگے بڑھنے لگی تھی۔

***

"یہ کیا تک ہے اتنی اچانک جانے کی؟" انابیہ بہت خفا خفا نظر آ رہی تھی۔ مگر اوزی مسکرا دیا تھا۔

"یار! کہا تو ہے، تمہاری شادی پر واپس آ جاؤں گا ——— مجھے پتہ ہے، ایک بھائی کے کیا فرائض ہوتے ہیں۔ تمہیں مجھے سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"شٹ اپ اوزی! ——— فضول کی بکواس نہیں۔"

"کم آن یار! ——— عزت کرو، تم سے بڑا ہوں میں۔" اوزی نے تیزی سے پیکنگ کرتے ہوئے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ انابیہ اسی خفگی سے نظریں پھیر گئی تھی۔

"او کے اوزان سید صاحب! ——— کیا آپ رک نہیں سکتے؟" انابیہ نے دوبارہ دیکھا تھا۔ اوزی مسکرا دیا تھا۔

"یار! ہمیشہ کے لئے تھوڑی جا رہا ہوں؟ بس کچھ دنوں کی بات ہے۔ مجھے پتہ ہے یہاں میری کتنی ضرورت ہے۔ اچھا اب یہ اپنا پھولا ہوا چہرہ درست کرو۔ ورنہ میں گیا تو بالکل بھی واپس نہیں آؤں گا۔"

اوزی نے دھمکی دی تھی۔ انابیہ ناچار مسکرائی تھی۔

"میری پیاری گڑیا! تم ہنستی اچھی لگتی ہو۔" اوزی نے اسے شانوں سے تھام کر مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔ انابیہ کے لبوں کی مسکراہٹ معدوم ہو چکی تھی۔ اور وہی اُداسی آنکھوں میں تھی۔ اس نے اپنا سر اس کے شانے پر رکھ دیا تھا۔

"اوزی! آج مجھے غازی کی بہت یاد آ رہی ہے۔" نمی اُس کی آنکھوں میں ہی نہیں، اس کے لہجے میں بھی تھی۔

اوزی نے ایک چپت اس کے سر پر لگائی تھی اور مسکرا دیا تھا۔

"پاگل! ——— میرے ہوتے ہوئے؟" اُس کے آنسوؤں کو اپنے ہاتھوں سے پونچھتے ہوئے اُسے پچکارا تھا۔ "میں نے آج تک تمہیں محسوس نہیں ہونے دیا کہ میں غازی نہیں ہوں، یا غازی ہم سب کے درمیان نہیں ہے۔ مانتا ہوں میں تمہارا ماں جایا نہیں ہوں۔ مگر ایک بات تم شاید بھول رہی ہو۔ میں تمہارا رضاعی بھائی ہوں اور میں تمہارے لئے غازی جیسا ہی ہوں۔ کیا تم یہ نہیں سمجھ سکتی ہو کہ غازی نہیں رہا تو تمہارا دوسرا بھائی تمہارے ساتھ موجود ہے۔ جس کے لئے تم اہم ہو۔ بے حد اہم۔ جو تمہاری آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا۔ جسے تمہارے چہرے کی اُداسی اچھی نہیں لگتی۔ جو صرف تمہارے چہرے پر مسکراہٹ دیکھنا چاہتا ہے۔ جس کے شانے پر سر رکھ کر تم رو سکتی ہو۔ کیا میں وہ بھائی نہیں ہوں؟" اوزی پُرشکوہ نظروں سے دیکھتا ہوا دریافت کر رہا تھا۔ "کیا میں تمہارا غازی نہیں بن سکتا؟" اک آس سے دریافت کیا تھا۔

"نہیں۔" انابیہ نے سر ہولے سے نفی میں ہلایا تھا۔

اوزان سید کی آنکھوں میں ایک بے چینی جھلکنے لگی تھی۔

"کیونکہ تم آل ریڈی میرے اوزی بھائی ہو! غازی پاسٹ ہے اور تم پریزنٹ۔ مگر دل کی جو بات آ کر اٹکا

[...]ل اور آج اہم ترین ہے۔" انابیہ نے آنسو پونچھے تھے اور مسکرا دی تھی۔

اوزان سید نے اس کی ناک دبائی تھی اور مسکرا دیا تھا۔

"جاؤ، اب میرے لئے جا کر اسٹابری شیک بنا کر لاؤ۔ کتنی انرجی ویسٹ کر دی ہے تم نے۔" اوزی [...]تھا اور وہ مسکراتے ہوئے سر ہلاتی ہوئی پلٹ کر کچن کی طرف آ گئی تھی۔

***

انابیہ شاہ کمپیوٹر آف کرنے کے بعد اٹھی تھی اور بیڈ کی طرف آتے ہوئے کلائی سے رسٹ واچ نکال کر [...]ئیڈ ٹیبل پر ڈالی تھی۔ عین اسی لمحے سائیڈ ٹیبل پر پڑا اس کا پرسنل سیل بج اٹھا تھا ——— اُس نے اسکرین [...]عفنان علی خان کا نام دیکھا تھا اور ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے کسی نتیجے پر پہنچ کو کال ریسیو کر لی۔

"ہیلو ———!"

"انابیہ! عفنان اسپیکنگ۔" دوسری طرف سے مطلع کیا گیا تھا۔

"آل رائٹ ——— کہنے کے لئے کچھ نئی تازی ہے آپ کے پاس؟" پُر اعتماد لہجہ حیران کن تھا۔

"نئی تازی؟ ——— ویل، نئی تازی تو کچھ نہیں ہے۔ مگر آج مجھے ایک بات پتہ چلی۔ جو کہ مجھے آج [...]تک نہیں معلوم تھی۔" عفنان علی خان سنجیدہ ہو چکا تھا۔

"کیا؟" انابیہ چونکی تھی۔

"انابیہ! کچھ اور نہ سہی، مگر نہ چاہنے کے باوجود ایک خواہش دل میں جنم لیتی ہے۔ محبت نہ سہی، مگر کیا اس قابل بھی نہیں کہ کچھ چھوٹی چھوٹی باتوں کے ساتھ اپنے سُکھ دُکھ، اپنی کامیابیاں، ناکامیاں، [...]دریاں، مضبوطیاں، کمیاں بھی شیئر کر سکیں؟ ——— مانا ہم میں کوئی تعلق نہیں مگر کیا مروت کا وہ رشتہ بھی [...]مانن سکتا کہ ہم چند باتوں کو ہی شیئر کر سکیں؟ مل بیٹھیں تو چند لمحوں میں بے غرض باتیں کر سکیں؟"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟" وہ چونکی تھی۔

"انابیہ! مجھے آج غازی کے متعلق پتہ چلا، تمہارے پاپا کے متعلق پتہ چلا اور مجھے بہت افسوس ہوا۔ [...]نابیہ کی، مجھے ان کے متعلق کچھ پتہ نہ تھا۔ تم نے کبھی بتایا ہی نہیں۔ اس قابل بھی نہیں سمجھا کہ اپنے [...]نا بانٹ سکو……" وہ مدھم لہجے میں اظہارِ افسوس کر رہا تھا۔

"پلیز عفنان!" انابیہ نے اسے مزید بولنے سے باز رکھا تھا اور مدلل لہجے میں بولی تھی۔

"کچھ کہنے سننے کی ضرورت وہاں پیش آتی ہے جہاں کوئی ربط درمیان ہو، جہاں کوئی تعلق ہو۔ اور [...]تمی سے یا پھر بدقسمتی سے میرا تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہمارے درمیان ایسا کچھ بھی نہیں ہے جسے [...]رہ ہم ایک دوسرے سے کہہ سن سکیں۔ اور یوں بھی مجھے اپنے دُکھ سُکھ کہنے کے لئے تمہاری قطعی [...]ت نہیں ہے۔ تمہاری کیا، شاید مجھے اپنی فیملی کے علاوہ کسی کی بھی ضرورت نہیں ہے جن سے میں کچھ [...]نا سکتی ہوں۔ وہ تمام رشتے خوش قسمتی سے میرے پاس ہیں اور مجھے مزید کی ضرورت نہیں ہے۔ اور [...]تک رہی بات تمہاری، جب میں تمہارا پرپوزل ریفوز کر چکی ہوں تب مجھ سے بات کرنے کا تمہارا

اُول

کوئی ربط نہ باقی بچتا نہیں ہے۔ تمہیں نہیں لگتا کہ ہم بے حاصل سفر کر رہے ہیں؟" بے تاثر لہجے میں دریافت کیا تھا اور عفنان علی خان اس کی سفاکی پر مسکرا دیا تھا۔

"انابیہ! تم میں اور مجھ میں یہی تو فرق ہے —— جیسا تم سوچتی ہو ویسا میں نہیں سوچتا۔ اگر سوچتا ہوتا تو یہ ربط توڑ نہ دیتا؟" جذبات سے پُر لہجے میں جتایا گیا تھا۔ عفنان علی خان کے لہجے میں ہنوز اطمینان برقرار تھا اور آنکھوں میں ایک خاص طرح کا ٹھہراؤ۔

انابیہ شاہ کو بے حد ناگوار گزر رہا تھا۔

"تم یہ بات سمجھ کیوں نہیں لیتے عفنان علی خان! کہ انابیہ شاہ تمہارے لئے نہیں ہے۔ تمہارا کوئی تعلق اس کے ساتھ نہیں بن سکتا۔ جتنی بھی کوشش کر لو، خواہش کر لو، تم مجھ تک رسائی نہیں پا سکتے ہو۔"

"انابیہ! کہا تو ہے جس طرح تم سوچتی ہو، اگر میں سوچتا ہوتا تو آج تم سے بہت دوری پر نکل چکا ہوتا۔" انداز جتانے والا اور اپنے اندر کسی قدر تاسف لئے ہوئے تھا۔ "کہا تو تھا تم سے، عفنان علی خان ہارنے والا نہیں ہے۔ شکست ماننے والے اور ہوتے ہوں گے۔ عفنان علی خان اپنے ارادوں میں کتنا اٹل ہے یہ تم تب جان جاؤ گی جب تم میری دنیا میں قدم رکھو گی۔ محبت تمہاری منتظر ہوگی ہر ہر گام پر اور تم خود کو دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی تصور کرو گی۔ ایسا ایک دن ہوگا اور ضرور ہوگا۔ میری محبت تمہیں تم سے چھین لے گی۔" عفنان علی خان کا لہجہ پُریقین تھا۔ مگر انابیہ بہت اطمینان سے مسکرائی تھی۔

"عفنان علی خان! میں نے تم سے زیادہ احمق شخص اپنی ساری زندگی میں نہیں دیکھا۔ کچھ بھی نہیں ہاتھ میں تمہارے اور پھر بھی اتنے پُریقین دکھائی دے رہے ہو۔ ایسا پوز کر کے تم کسے دھوکا دے رہے ہو؟ خود کو یا پھر دوسروں کو؟ —— بھول جاؤ سب کچھ۔ لوٹ جاؤ واپس اپنی دنیا میں۔ یہاں تمہیں کچھ نہیں ملنے والا۔ یہ راہیں یکطرفہ راستوں کی سمت بڑھ رہی ہیں جن کے اختتام پر کوئی منزل نہیں۔ اتنی دور مت آؤ کہ لوٹنا دشوار ہو جائے۔ احمقوں کی جنت میں رہنا بند کر دو۔ کچھ حاصل نہیں ہے اس کا —— خوش فہمیاں کچھ نہیں دیں گی تمہیں۔ کیونکہ انابیہ شاہ تم سے محبت نہیں کرتی۔ نہ ہی تم اس کی ترجیح ہو سکتے ہو۔"

انابیہ شاہ کا انداز باور کرانے والا تھا۔ مگر عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔ انداز رسانیت سے پُر تھا۔

"مجھے فائدہ پہنچتا ہے یا کہ نقصان، فکر نہ کرو۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ میں کیا کر رہا ہوں، کیوں کر رہا ہوں، یہ تمہارا دردِ سر نہیں ہے اور اس سے تمہیں کوئی فرق بھی نہیں پڑنا چاہیے۔"

"پاگل ہو تم —— کیا کر رہے ہو؟ کچھ خبر نہیں ہے تمہیں۔ کس احساس میں جی رہے ہو تم۔ ایک رد کر دیا ہے میں نے تمہیں۔ پھر اور کس بات کی خوش فہمی ہے تمہیں؟ —— کیا سوچ رہے ہو تم؟ آؤں گی میں تمہاری سمت؟ تو کس لئے؟ —— جب میں تمہیں چاہتی ہی نہیں ہوں تو پھر یہ یقین کیوں؟ یہ احمق پن نہیں تو اور کیا ہے؟" انابیہ برہم دکھائی دے رہی تھی۔

"چاہتی نہیں ہو، مگر چاہو گی بھی نہیں، یہ ضروری تو نہیں۔ میں سب کچھ بدل دوں گا، سارے پراسس۔ ایسا بہت جلد ہوگا۔" عفنان علی خان کے لہجے کا عزم قابلِ رشک تھا۔

"[illegible] بکواس بند کرو۔ کیوں چاہوں گی میں تمہیں، ہاں ——

میں کسی اور کو آل ریڈی چاہتی ہوں۔ کس خوش فہمی میں ہو تم؟ —— میرے لئے یہ میٹر نہیں ہے کہ تم مجھے کتنا چاہتے ہو۔ میرے لئے یہ اہم ہے کہ میں کیا چاہتی ہوں اور کسے چاہتی ہوں —— میں تم سے محبت نہیں کرتی ہوں کیونکہ میری ترجیح کوئی اور ہے۔ سن رہے ہو تم —— میں کسی اور سے محبت کرتی ہوں، کرتی تھی۔ اور کرتی رہوں گی۔ کیسے پڑھو گے تم اسے؟" انابیہ شاہ ترش لہجے میں کہہ رہی تھی اور عفنان علی خان دوسری طرف ساکت کھڑا تھا۔ اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ لبوں پر ساکت، جامد چپ اور انابیہ شاہ کہہ رہی تھی۔

"میں نے تم سا بے وقوف شخص ساری زندگی میں نہیں دیکھا۔ میں تم سے اسے شیئر کرنا بھی نہیں چاہتی تھی مگر تم ...... تم سے چھٹکارہ پانے کا ایک یہی راستہ تھا میرے پاس۔ اب تو تم سمجھ گئے ہوگے کہ انابیہ شاہ تمہیں کیوں ٹھکرا رہی ہے؟"

"کو...... کون ہے وہ......؟" عفنان علی خان کو اپنی آواز خود کسی کنوئیں سے آتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

"جو بھی ہو...... مگر وہ تم نہیں ہو، نہ ہی ہو سکتے ہو۔ دوبارہ مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش مت کرنا۔ انڈر اسٹینڈ؟" انابیہ شاہ نے سخت گیر لہجے میں کہتے ہوئے فون رکھ دیا تھا۔

دوسری طرف موجود عفنان علی خان کی کیفیت اشتعال انگیز تھی۔ آنکھوں میں جیسے خون اُتر آیا تھا۔ رگیں تن گئی تھیں۔ کیسا سنگین انکشاف کیا تھا اس نے —— یہ سچ جھیلنا بے حد دشوار لگا تھا۔ ایک لمحے میں [illegible] رائیگاں لگا تھا —— روح میں قیامت سی مچ گئی تھی۔ ساری جان اس عذاب میں گھر گئی تھی۔

❁❁❁

انابیہ شاہ تیزی سے سلائس کے بائٹ لیتی ہوئی دوسرے ہاتھ سے کپ میں چائے انڈیل رہی تھی۔

"اتنی جلدی کیا ہے؟ —— آرام سے ناشتہ کرو۔ ابھی تو کافی ٹائم ہے۔" مہوش شاہ نے ڈپٹا تھا۔ مگر [illegible] نفی میں ہلانے لگی تھی۔

"ایکسٹرا کلاس کا ارجنٹ منٹ ہے۔ دیر سے پہنچی تو سب سر پر سے گزر جائے گا۔ پچیس منٹ ہیں میرے پاس۔ اور حسبِ عادت ہماری مرسڈیز آرام فرمانے کو ورکشاپ میں پڑی ہے۔ بابا! آپ اسے نکال کیوں نہیں دیتے؟ کتنے نخرے برداشت کرنے پڑتے ہیں ہمیں ان موصوف کے۔" انابیہ اس پرانی گاڑی سے بے حد عاجز تھی۔

بابا مسکرا دیئے تھے۔

"بیٹا! وہ گاڑی تمہارے پاپا کی نشانی ہے —— تمہاری ماما کو دیا جانے والا پہلا گفٹ۔ اور گفٹس سنبھال کر رکھے جاتے ہیں۔"

"ان محترمہ کو کہاں اندازہ ہوگا ان باتوں کا —— جب خود بختیں گی تو پھر پتہ چلے گا کہ یادیں کیا ہوتی ہیں اور یادگاریں کیا۔" اوزی نے سلائس پر مارجرین لگاتے ہوئے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

"اوزی! —— بیٹا! ایسا نہیں کہتے۔ خدانخواستہ، اللہ نہ کرے، جیسی میری قسمت ہے ویسی انابیہ کی

ہو۔ خدا اس کے بخت روشن رکھے۔ اسے کبھی یادگاروں کو سنبھالنے کی ضرورت ہی نہ پڑے۔" ماما نے ا کی سائیڈ لی تھی اور وہ مسکرا دی تھی۔

"دیکھنا ــــ ماں، ماں ہوتی ہے اور بھائی......"

"کہہ دو اب، بھائی قصائی ہوتا ہے۔" اوزی بھرپور طور پر محظوظ ہوتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

"ہاں۔ کوئی شک نہیں۔ بھائی قصائی ہی ہوتا ہے، بھابی کے آجانے کے بعد۔" اناہیہ مسکرائی تھی۔

"اچھا، اب ترکی بہ ترکی لڑنا بند کرو۔ آج ویسے بھی مجھے چلے جانا ہے۔"

"آپ یہ الزام مت عائد کر دینا کہ مجھے تمہارے جانے سے کوئی خوشی ہو رہی ہے۔" اناہیہ مسکرائی تھی۔

"ایسا کچھ میں نے نہیں کہا۔" اوزی مسکرایا تھا۔

"قصد تو کرنے والے تھے۔ میں نے ہی روک دیا۔" حملہ برابر کا تھا۔ بریگیڈیئر صاحب اور ماہ وش شاہ بچوں کی محبت بھری لڑائی مسکراتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔

"جلدی سے اٹھ جاؤ۔ چھوڑ دوں تمہیں۔ ورنہ کلاس مس ہو جائے گی۔" چائے کے سپ لیتے ہو اوزی نے آفر کی تھی۔ "اور ہاں ــــ جلدی آجانا، ہم مل کر گھومنے چلیں گے۔ ممی نے فون کر کے لسٹ بنوائی ہے، کچھ شاپنگ بھی کر لیں گے۔" اوزی بولا تھا اور وہ شرمندہ سی ہو گئی تھی۔

"سوری ــــ مجھے آج چھٹی کرنا چاہئے تھی نا۔ مگر یہ کلاس ــــ اچھا پرامس، میں جلدی آجا گی۔" اٹھ کر کھڑے ہوتے ہوئے بیگ شولڈر پر ڈالا تھا۔ اوزی نے اس کی خاطر عجلت میں گھونٹ بھرا

"تم بیٹھو ــــ میں چلی جاؤں گی۔"

"نہیں ــــ میں زحمت قطعاً نہیں کر رہا۔ تم اتنا تکلف ہرگز مت کرو۔" اوزی نے گاڑی کی چا اٹھائی تھیں۔ مگر اناہیہ شاہ نے مسکراتے ہوئے ہاتھ اس کے شانے پر رکھ کر دباؤ ڈالتے ہوئے اس چوڑے شخص کو بٹھانا چاہا تھا۔

"تم واقعی زحمت مت کرو ــــ بیٹھ کر ماما کے ساتھ اس لسٹ کو ڈسکس کر لو۔ میں آجاؤں گی تو فوراً شاپنگ کے لئے نکل جائیں گے۔ یوں بھی تمہیں آج چلے جانا ہے اور اس کے باعث تم مصروفیت بڑھ جائے گی۔ میری فکر مت کرو۔ نہ ہی میری عادتیں بگاڑو۔ تم کل نہیں ہو گے تو میں کیا گی؟" مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

"دیکھا آنٹی! یہ لڑکی۔" اوزی نے شکوہ کرنا چاہا تھا۔ مگر اناہیہ مسکراتی ہوئی ہاتھ ہلاتی ہوئی پلٹ گئی

"بائے ماما! ــــ بائے دادا جی!" تیزی سے آگے بڑھتی چلی گئی تھی۔

"گڈ بائے۔" ماما اور دادا جی بولے تھے اور وہ مسکرا دیا تھا۔

"یہ لڑکی بھی نا ــــ" وہ دوبارہ کرسی کھینچ کر بیٹھا تھا۔

ماہ وش شاہ مسکرا دی تھیں۔

"ٹھیک کہہ رہی تھی وہ۔ تمہیں آج جانا ہے اور کئی ضروری کام نمٹانے ہیں ــــ تم مجھے وہ لسٹ دکھا دو۔ تاکہ تمہیں سہولت ہو جائے۔" وہ نرم لہجے میں بولی تھیں۔

میں اس گھر میں پیدا کیوں نہیں ہوا؟"

"یہ کیا بات ہوئی؟ ــــ تم کیا ہمارے بیٹے نہیں ہو؟ اور تمہارا تو اس گھر سے وہ رشتہ ہے، جس کے بعد تمہیں کسی طرح کا شکوہ یا شکایت رہنی ہی نہیں چاہئے۔" ماہ وش نے محبت سے ڈپٹا تھا۔ اوزی مسکرا دیا

"آنٹی! مجھے اناہیہ کی بہت فکر ہے۔ وہ بہت حساس ہے۔ اس کا خیال رکھئے گا۔"

"یہ بات بھلا کہنے والی ہے؟ ــــ اور تم کون سا ہمیشہ کے لئے جا رہے ہو۔ اناہیہ کی شادی پر لوٹنے آؤ گے تو پراسس کیا ہے نا تم نے۔"

"ظاہری بات ہے۔ میری بہن کی شادی میرے بغیر کس طرح ہو سکتی ہے؟ ویسے آپ نے کوئی لڑکا فائنل کیا اس کے لئے؟"

"نہیں ــــ ابھی تو نہیں۔ مگر دو ایک ہیں ذہن میں رکھا ہے۔ آگے تو نصیب کی بات ہے۔ مگر جلد ہی کوئی لڑکا مل جائے گا تو ہم بات آگے بڑھا دیں گے۔" ماہ وش شاہ نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

"اور تو سب ٹھیک ہے ــــ بس اس کٹ کھنی بلی کی مرضی معلوم کر لیجئے گا۔" اوزی نے مسکراتے ہوئے کہا تھا اور ماہ وش مسکرا دی تھیں۔

"ہاں، ضرور ــــ اس کی مرضی کے بغیر تو کچھ نہیں ہو سکتا۔"

❋❋❋

"اناہیہ! تم سوچ رہی ہو گی شاید میں نے وہ سب سن کر تمہاری طرف سے دل میں کوئی غلط بات بٹھالی ہے۔ یہ بالکل غلط ہے ــــ مجھے حیرت ضرور ہوئی ہے۔"

ڈیپو موشن کا سپ لیتی اناہیہ شاہ لمحہ بھر کو ٹھٹکی تھی۔ جانے لامعتق کیا کہنے جا رہی تھی۔ مگر وہ ملامت سے بھر ادی تھی۔

"اناہیہ شاہ! میں تم سے نفرت نہیں کر سکی۔ تم وہ لڑکی نہیں ہو جس سے میں نفرت کر سکوں۔ میں نے کہا ہو چکا تھا ــــ اگر اس لڑکی کے متعلق مجھے علم ہو جائے تو شاید میں اسے زندہ نہ چھوڑوں، میں اس سے لا سے نفرت کرتی تھی جس نے عفنان علی خان کو مجھ سے چھینا، دور کیا۔ مگر جب تم نے بتایا کہ وہ تم ہو تو لگا مجھے بہت سے لمحوں تک یقین ہی نہیں ہوا تھا ــــ میری واقعی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ مجھے تم سے کیسا برتاؤ رکھنا چاہئے یا کیسا برتاؤ کرنا چاہئے۔ مگر اناہیہ! تم اتنی اچھی ہو، اتنی پیاری ہو کر میں کوئی زک تمہیں پہنچتے ہوئے دیکھ ہی نہیں سکتی۔ تو پھر نفرت کیسے کرتی؟ ــــ کتنا بڑا ہے تمہارا دل۔ میں بہت بری ہوتی تمہارے متعلق کچھ غلط سوچتی بھی۔" لامعتق نرم دھیمے لہجے میں کہہ رہی تھی اور اناہیہ شاہ اسے خاموشی سے ٹکٹکی دیکھ رہی تھی۔

"سب سے بڑھ کر اناہیہ! تمہاری یہ صاف گوئی۔ اگر تمہارے دل میں کوئی چور ہوتا تو بھلا تم مجھ سے یہ سب کچھ کہہ پاتیں؟ تم یقیناً یہ راز چھپانا چاہتیں اور عفنان علی خان سے فوراً کوئی تعلق باندھ لیتیں۔ مگر عفنان علی خان کے اتنے التفات اور نظر عنایت کے باوجود تم نے ایسا نہیں کیا۔ تم ایک سنسیئر فرینڈ ہو اور تم

نے عفنان علی خان کے پروپوزل کو ریفیوز کر کے ایسا ثابت بھی کر دیا ہے اور ایسا دیکھ کر تمہاری اہمیت میری نظروں میں، میرے دل میں اور بھی بڑھ گئی ہے انابیہ! تم جانتی ہو، تم اب مجھے پہلے سے بھی کہیں زیادہ عزیز ہو چکی ہو۔" لامعہ حق کا لہجہ جذباتیت سے پُر تھا اور انابیہ شاہ دھیمے سے مسکرا دی تھی۔

"تھینکس۔۔۔۔ مجھے اسی بات کا خدشہ تھا کہ تم کہیں ان ساری باتوں کو غلط نہ سمجھو اور میں پرانے برسوں کی دوستی، یہ محبت، یہ تعلق کہیں کھو نہ دوں۔"

لامعہ حق مسکرا دی تھی اور ساتھ ہی ہاتھ بڑھا کر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔

"پاگل!۔۔۔۔ تم نے ایسا سوچا بھی کیسے؟ لامعہ حق اور انابیہ شاہ کی دوستی اتنی کمزور تھوڑی ہے کہ اس میں چھوٹی چھوٹی، معمولی باتیں کوئی دراڑ ڈال سکیں۔ میں نے کہا نا، میں یہ سب جان کر تم سے اور بھی قریب ہو گئی ہوں۔ تم مجھے پہلے سے کہیں زیادہ عزیز ہو گئی ہو۔ مگر تم نے عفنان علی خان کو ریفیوز کر کے اچھا نہیں کیا۔ وہ تم سے محبت کرتا ہے اور کس قدر کرتا ہے، مجھ پر یہ بات منکشف ہے۔ جب میں تمہارا نام بھی نہیں جانتی تھی اور صرف عفنان کے منہ سے اس کا ذکر سنا تھا میں تب بھی اس پر رشک کرتی تھی۔" لامعہ حق نے مسکراتے ہوئے ایک گہری سانس لی تھی۔

"انابیہ! ڈونٹ ریفیوز ہم اپنی مور۔۔ میں محبت کر چکی ہوں۔ جانتی ہوں، نارسائی کا کرب کیا ہوتا ہے۔ ان خوابوں کا عذاب کیا ہوتا ہے جو محبت کی آنکھ میں تعبیر پائے بغیر ہی ٹوٹ جاتے ہیں۔ عفنان علی خان کو تم سے محبت یکطرفہ ہی سہی مگر اس میں شدت ہے۔ اگر تم اسے گنواؤ گی تو تم دنیا کی بہت بڑی لڑکی ہو گی۔"

"لامعہ! تم......" انابیہ نے بولنے کے لیے لب کھولے تھے مگر لامعہ حق نے اسے بولنے سے قطعاً روک رکھا تھا۔

"انابیہ!۔۔۔۔ جو جس کے لیے ہوتا ہے اسے ہی ملتا ہے۔ اس کھیل میں زبردستی نہیں ہو سکتی۔ عفنان علی خان کو اگر میں زبردستی حاصل کر بھی لیتی تو وہ میرے لیے کس کام کا ہوتا؟ اس کے دل میں تو تم ہو اور میں شاید زبردستی کوشش کر کے بھی وہ جگہ نہ لے پاتی۔ یہ محبت ہے انابیہ شاہ! جو کسی سے زبردستی چھینی نہیں جا سکتی نہ ہی زبردستی کسی کے دل میں گھر کیا جا سکتا ہے۔ یہ تو خاموشی سے اپنے آپ دلوں میں اتر کر تسخیر کرتی ہے۔" لامعہ حق مدھم لہجے میں کہہ رہی تھی اور انابیہ شاہ ساکت تھی۔

"پاگل لڑکی!۔۔۔۔ کسی کے خوف سے خوابوں کا ناتا اپنی آنکھوں سے جوڑنے سے مت روکو۔ جانے دو اس سلسلے کو۔ جو دل تمہارے لیے ہے اس میں تم ہی رہو گی۔ تمہارے جھٹلانے یا رد کرنے سے وہاں، میں یا کوئی اور جگہ نہیں لے سکتا۔ چاہ کر بھی نہیں۔" لامعہ کے لبوں کی مسکراہٹ بہت پھیکی تھی۔

"عفنان علی خان باور کرا چکا ہے۔۔۔۔ وہ جس سے محبت کرتا ہے وہ اسے ملے نہ ملے یہ بات اس کے لیے بہت سیکنڈری ہے۔ وہ ہر صورت میں اسے ہی چاہتا رہے گا۔ اس کے ساتھ۔۔۔۔ یا اس کے بغیر۔۔۔۔ مگر اس کے سوا کوئی نہیں۔۔۔۔

بیلیو می۔۔۔۔ اور کسی کو اس کی زندگی میں کوئی جگہ نہیں۔ تم میری پرواہ مت کرو۔ میرا یقین ہے ایک کے لیے کوئی کہیں نہ کہیں موجود ہے اور جس کے دل میں، میں رہوں گی وہ ایک دن میرے سامنے

[...]ن کھڑا ہو گا اور میرا ہاتھ تھام کر اپنی ساری محبت مجھے سونپ دے گا۔ آئی بیلیو، ایسا ہو گا۔ عفنان اور تم [...]لو۔ تم ایک دوسرے کے لیے ہی بنے ہو۔" لامعہ حق کا لہجہ باور کراتا ہوا تھا۔ اور عین اسی لمحے انابیہ شاہ [...]ی نظر اپنی رسٹ واچ پر پڑی تھی اور وہ فوراً معذرت کرتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"سوری لامعہ!۔۔۔۔ اوزی کو آج جانا ہے۔ اور میرا جلدی گھر پہنچنا بے حد ضروری ہے۔ او کے، [...]ے۔" کتابیں اور فائل سنبھالتی ہوئی، بیگ شولڈر پر ڈالتی وہ عجلت سے کہتے ہوئے اٹھی تھی۔

"جاؤ گی کیسے؟ رکو، میں تمہیں ڈراپ کر دیتی ہوں۔" لامعہ حق نے آفر دی تھی۔ وہ ملامت سے مسکرا [...]ئی تھی۔

"نہیں، تھینکس۔ آئی ول مینج۔" کہتے ہوئے وہ پلٹی تھی اور تیزی سے کیمپس سے باہر نکلنے لگی تھی۔

❋ ❋ ❋

کتنی عجیب بات تھی۔

انابیہ شاہ سمجھ رہی تھی، لامعہ حق سب کچھ سن کر اس سے بدظن ہو جائے گی۔ مگر ایسا نہیں ہوا تھا۔ کس [...]بدجہ کشادہ دلی سے وہ اسے عفنان علی خان کو اپنانے کا مشورہ دے رہی تھی۔

"بے وقوف!" انابیہ شاہ کے لبوں پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ نے دم توڑا تھا۔

"لامعہ حق!۔۔۔۔ بظاہر تم جو بھی کہو، مگر کیا میں نہیں جانتی کہ تمہارے دل میں کیا ہے۔ تم مجھ سے کیسے چھپا سکتی ہو؟۔۔۔۔ تم تو اپنی معمولی معمولی چیز دل کے لیے اتنی جذباتی ہوا کرتی تھیں اور۔۔۔۔ کہاں تم اپنی محبت دان کرنے چلی ہو۔ اور کیا سمجھتی ہو، میں سب قبول کر لوں گی؟ تم جب میرے متعلق اتنی کنسرن ہو تو میں کیسے دھوکا دے سکتی ہوں تمہیں؟۔۔۔۔ تم نے یہ کیوں نہیں سوچا کہ انابیہ شاہ بھی دوستی کو نبھانا جانتی ہے۔ اور اس دوستی کے لیے ہزاروں عفنان علی خان رد کر سکتی ہے۔"

دور تک سنسان، ویران سڑک پر چلتے ہوئے وہ کسی کیب کی تلاش میں تھی۔ سوچتے ہوئے آنکھیں [...]جلاتی تھیں۔ وہ لامعہ کے متعلق ہی سوچ رہی تھی جب اس کا پرس میں موجود سیل بجنے لگا تھا۔ انابیہ شاہ نے [...]سی طرح چلتے ہوئے سیل بیگ سے برآمد کیا تھا اور اسکرین پر اوزی کا نام دیکھتے ہوئے مسکرا دی تھی۔

"کیا ہے؟۔۔۔۔ انتظار نہیں ہو رہا؟۔۔۔۔ آ رہی ہوں بھئی۔"

"یار! لسٹ کو میں نے سمجھ لیا ہے۔ مگر ایک شے سمجھ میں نہیں آ رہی۔ یہ گلا بند کیا ہوتا ہے؟"

"گلا بند۔۔۔۔؟" انابیہ شاہ بے طرح چونکی تھی۔ "اوہ۔۔۔۔ ڈفر۔۔۔۔ گلا بند نہیں۔۔۔۔ یہ ضرور گلوبند ہو گا۔" مسکراتے ہوئے وضاحت دی تھی۔ "اپنی اردو درست کرو۔ رومن میں لکھو گے تو ایسا ہی ہو گا۔ ایک طرح کا نیکلس ہوتا ہے جو عورتیں گلے میں پہنتی ہیں۔ اگر تم اسے گلا بند کہو گے تو قیامت ہو جائے گی۔"

"گلا بند یا گلوبند۔۔۔۔ وہاٹ ایور۔۔۔۔ بس تم جلدی سے آ جاؤ یار!۔۔۔۔ میں لسٹ دیکھ دیکھ کر پریشان ہو رہا ہوں۔ ممی نے جانے کیا کیا لکھوا دیا ہے۔" اوزی اپنی خجالت مٹانے کو بولا تھا۔

"آنٹی کا بھی ضروری فون آ گیا تھا۔ ان کو بھی جانا پڑ گیا۔ اب فلائٹ میں چند گھنٹے رہ گئے ہیں اور

میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔ آنٹی نے جلد واپس آنے کا کہا ہے۔ مگر کیا پتہ وہ نہ آ سکیں۔ تم کہاں ہو؟"
انابیہ مسکرا دی تھی۔
"میں اس وقت ٹھنڈی سڑک پہ مٹر گشت کر رہی ہوں اور ایک عدد کیب کو تلاش کر رہی ہوں۔ بہرحال تم پریشان مت ہو۔ میں جلد پہنچ جاؤں گی۔ یہ بتاؤ، یہ گلو بند لینے کی ضرورت کیوں پیش آ گئی؟ ــــــ کہیں آنٹی تمہاری شادی کا پروگرام تو نہیں بنا رہیں؟" انابیہ چلتی ہوئی شرارت سے مسکرائی تھی۔
اوزی ہنس دیا تھا۔
"ایسی کوئی بات فی الحال نہیں ہے۔ اور سنو میری اچھی سی انابیہ! تم آنے میں زیادہ دیر کرو گی تو میں اور میری پریشانیاں واقعی بڑھ جائیں گی۔ تم ایسا کرو جہاں ہو، وہیں رکو۔ میں تمہیں لینے پہنچ رہا ہوں۔"
انابیہ نے تبھی سامنے سے آنے والی کیب کو ہاتھ کا اشارہ دیتے ہوئے روکا تھا۔
"اس کی ضرورت نہیں ہے ــــــ میں کیب میں بیٹھ رہی ہوں۔ تم بھی اب پریشان ہونا بند کرو اور بیٹھ کر آرام سے میرا انتظار کرو۔ کچھ ہی دیر میں، میں پہنچ رہی ہوں۔ او کے۔"
"او کے۔" اوزی مسکرا دیا تھا اور انابیہ نے بھی کیب کا دروازہ بند کرتے ہوئے سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔
"پاگل۔ گلا بند ــــــ" ایک نئی ایجاد پر وہ مسکرائے بنا نہیں رہ سکی تھی۔
"بھائی! ذرا جلدی ــــــ فیروزن کی طرف چلنا ہے۔" ہدایت دیتے ہوئے وہ سیل دوبارہ بیگ میں ڈالتے ہوئے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی تھی۔

❊ ❊ ❊

"اوزی بیٹا! انابیہ کا سیل ٹرائے کرو ــــــ میرے دل کو کچھ ہو رہا ہے۔ ابھی تک پہنچی کیوں نہیں وہ۔ کتنے بجے اُس کی بات ہوئی تھی تم سے؟"
"یہی کوئی قریباً سوا بارہ بجے ــــــ آپ فکر مت کیجئے، میں دیکھتا ہوں۔" پریشان تو اوزان سید کا دل بھی تھا مگر وہ ماہ وش آنٹی کو پریشان کرنا نہیں چاہتا تھا اس لئے بہت رسانیت سے اس کا نمبر دو چار بار ٹرائی کیا تھا۔ مگر سیل مسلسل آف مل رہا تھا۔
ماہ وش اور دادا ابا بے حد متفکر نظر آ رہے تھے۔
"ایسا آج تک نہیں ہوا ــــــ اُس کی تو کوئی دوست بھی نہیں۔ اور اگر کہیں جانا بھی ہو تو وہ پہلے گھر میں انفارم کرتی ہے۔ اتنی غیر ذمے دار وہ ہے نہیں۔ پھر آج کیا ہو گیا۔ اوزی بیٹا! ذرا لامعہ کا نمبر ملاؤ۔"
"جی آنٹی۔" یہ اطلاع کیے بغیر کہ انابیہ کا سیل ریسپانڈ نہیں کر رہا، وہ لامعہ کا نمبر ملانے لگا تھا۔ غالباً وہ آنٹی کو مزید پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔
گلوکوز ڈی کے سپ لیتی ماہ وش واضح انداز میں کانپ رہی تھیں۔ اوزی مرد تھا، خود پر قابو تھا۔ اگرچہ وہ بھی اتنی قدر پریشان تھا۔
"ہیلو لامعہ! ــــــ اوزی بات کر رہا ہوں۔ انابیہ تمہارے ساتھ ہے؟" عجلت بھرے انداز میں دریافت کیا تھا۔

انابیہ؟" لامعہ چونکی تھی۔ "نہیں، وہ تو قریباً بارہ بجے ہی میرے پاس سے اٹھ کر کیمپس سے چلی گئی تھی۔ کیا ہوا؟ ــــــ ابھی تک گھر نہیں پہنچی؟"
"ہاں۔" اوزی کی پریشانی دو چند ہونے کو تھی۔
"مگر وہ تو یہ کہہ کر نکلی تھی کہ تم اس کا انتظار کر رہے ہو اور وہ گھر ہی جا رہی ہے۔ ہو سکتا ہے، راستے میں کہیں رک گئی ہو۔ تم اس کے سیل پہ ٹرائی کر کے دیکھو نا۔" لامعہ حق نے مشورہ دیا تھا۔
"اس کا سیل ریسپانڈ نہیں کر رہا۔ اور یہاں سب بہت پریشان ہو رہے ہیں۔ تم اس کے دیگر فرینڈز سے واقف ہو۔ پلیز کنفرم کرو، وہ کسی اور کی طرف تو نہیں نکل گئی؟"
"ڈونٹ وری۔ میں ابھی کنفرم کر کے تمہیں فون کرتی ہوں۔ تم پریشان نہیں ہو۔ اور آنٹی اور دادا ابا کو بھی دلاسہ دو۔ انابیہ کہیں نہیں جا سکتی۔ وہ ایک سمجھ دار اور ذمہ دار لڑکی ہے۔ اور یوں بھی ابھی زیادہ وقت گزرا نہیں کہ اتنی پریشانی ہو۔ ہو سکتا ہے وہ ٹریفک جام میں گھر گئی ہو۔ معاملہ معمولی بھی ہو سکتا ہے۔ خواہ مخواہ کی پریشانی کری ایٹ مت کرو۔ کراچی جیسے شہر میں سڑکوں پر اتنا وقت لگ جانا کوئی عجیب بات نہیں۔"
لامعہ اُسے مطمئن کرنے کو بولی تھی۔
"خدا کرے سب ٹھیک ہی ہو۔" وہ دانستہ کم آواز میں بات کر رہا تھا۔ آنٹی کا خدشہ تھا، کہیں وہ یہ سب سن کر مزید پریشان نہ ہو جائیں۔
"تم کنفرم کر کے مجھے فون کرو ــــــ آئی ایم ویٹنگ۔"
"آل رائٹ ــــــ مگر تم آنٹی اور دادا ابا کو مزید پریشان مت کرو۔ ہم کسی بھی حادثے کا خدشہ ہی ذہن میں نہ لائیں تو بہتر ہے۔ گو اتنی تاخیر ہو جانا معمولی بات ہے۔ مگر یہ کال دے کر تم نے مجھے بھی پریشان کر دیا ہے۔ خدا اُسے اپنے حفظ و امان میں رکھے۔"
"خدا کرے ایسا ہی ہو۔" اوزی نے کہتے ہوئے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا تھا اور لامعہ کی کال کا انتظار کرنے لگا تھا۔
"کیا ہوا؟ ــــــ انابیہ، لامعہ کے ساتھ بھی نہیں ہے؟" ماہ وش نے پوچھا تھا۔
"نہیں آنٹی! وہ اس کی طرف سے بارہ بجے نکل آئی تھی۔ غالباً وہ ٹریفک میں پھنس گئی ہے کہیں۔" اوزی نے انہیں مطمئن کرنے کو کہا تھا۔ مگر ایسا کہتے ہوئے اس کا اپنا دل بے حد پریشان تھا۔ انابیہ کو اب تک گھر پہنچ جانا چاہئے تھے۔ اس کے کیمپس سے یہاں تک کا فاصلہ کچھ اتنا زیادہ بھی نہ تھا۔ بیس منٹ کی ڈرائیو تھی۔ ٹریفک جام ہوتی تو زیادہ سے زیادہ چالیس منٹ لگ جاتے۔ مگر اب تو......
اُس نے گھڑی دیکھی تھی اور اُس کی پریشانی دو چند ہوگئی تھی۔ دوسری طرف آنٹی کا برا حال تھا۔ اوزی کچھ بھی سوچنے سے قبل لامعہ کے فون کا انتظار کر رہا تھا۔ اور لامعہ کا فون آ گیا تھا۔
"ہیلو لامعہ! ــــــ کیا ہوا؟" اوزی نے عجلت سے دریافت کیا تھا۔
"اوزی! انابیہ کہیں نہیں ہے۔ شاید وہ کسی حادثے کی نذر......"
"لامعہ! پلیز ــــــ" اوزی کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا تھا۔

"اوزی! پلیز، میں انابیہ کی دوست ہوں۔ آپ کی اس طرح گمشدگی میرے لئے بھی اتنی ہی پریشان کن ہے۔" لامعہ حسن نے وضاحت دی تھی۔

"لامعہ حسن! ابھی تک انابیہ کی گمشدگی کنفرم نہیں ہوئی ہے۔ پھر تمہیں کیسے پتہ چل گیا کہ وہ گم شدہ ہو چکی ہے۔ تم نے یہ کہا بھی کیسے؟" اوزی کا لہجہ اشتعال انگیز تھا۔

"کول ڈاؤن ــــ میرا مطلب وہ نہیں تھا اوزی! میں بھی اتنی ہی پریشان ہوئی ہوں یہ خبر سن کر جتنا کہ تم۔ اینی وے، میں وہاں آرہی ہوں۔ تم فوراً ہاسپٹلز اور دیگر مقامات میں فون کر کے پتہ کرو۔ ساتھ ہی پولیس کو خبر کرو۔" لامعہ نے عجلت میں فون بند کر دیا تھا۔ مگر اوزی کی پریشانی مزید بڑھ چکی تھی کہ انابیہ کہیں کسی دوست کی طرف نہیں گئی تھی۔ تو پھر وہ کہاں گئی؟ ــــ کہیں واقعی وہ کسی ایکسیڈنٹ کی نذر تو نہیں.....

مگر اس سے آگے اس نے کچھ سوچا ہی نہیں گیا تھا۔

صورتحال بہت مشکل تھی۔ آنٹی کا برا حال تھا اور وہ دلاسہ دینے کی کوشش میں مسلسل ناکام تھا۔

وہ دل میں مسلسل دعائیں مانگ رہا تھا کہ انابیہ ساتھ خیریت کے ہو۔ ہاسپٹلز کے نمبرز ملاتے ہوئے اس کے ہاتھ واضح انداز میں کانپ رہے تھے۔

آنٹی مسلسل رو رہی تھیں۔

"انابیہ ــــ میری بچی ــــ"

اوزان سید کے چہرے سے پریشانی واضح طور پر جھلک رہی تھی۔ انابیہ کا کہیں پتہ نہ تھا۔ آنٹی کا برا حال تھا۔ بابا جی بھی پریشان تھے۔ مگر وہ مرد تھے۔ کڑے حالات میں بھی ضبط رکھنا جانتے تھے۔

اوزان سید تمام تر اندرونی کیفیات پر بھرپور انداز میں قابو پاتے ہوئے عفنان علی خان کا نمبر ملانے لگا تھا۔

"عفنان! ــــ کہاں ہو تم؟"

"آفس میں ہوں ــــ کیوں، کیا ہوا؟" اس کے لہجے کی پریشانی بھانپتے ہوئے عفنان علی خان نے دریافت کیا تھا۔

"مجھے اس وقت تمہاری بہت ضرورت ہے۔" اوزان سید کا انداز بے حد الجھا ہوا تھا۔ پریشانی سے پیشانی کی رگیں تنی ہوئی تھیں۔

"ہوا کیا ہے؟ ــــ تم اتنے پریشان کیوں لگ رہے ہو؟"

"انابیہ از مسنگ۔" اوزان سید کا لہجہ عجب نیم جاں تھا۔

"واٹ ــــ؟" عفنان علی خان کے سر پر جیسے کسی نے بم پھوڑ دیا تھا۔ "پاگل تو نہیں ہو گئے تم؟"

"عفنان! یہ وقت بحث کرنے کا نہیں ہے۔ تم آ جاؤ ــــ مجھے تمہاری فوری ضرورت ہے۔ انابیہ کا واقعی کچھ پتہ نہیں ہے۔ میں ہر جگہ پتہ کر چکا ہوں ــــ یہاں پر صورتحال واقعی تشویشناک ہے۔ تم فوراً پہنچو۔ ہمیں فوری طور پر تھانے میں رپورٹ کرنا ہے۔"

"ٹھیک...... میں آ رہا ہوں۔ پریشان نہ ہو۔ انشاء اللہ انابیہ کو کچھ نہیں ہوگا۔" بے حد عجلت میں کہتے

عفنان علی خان نے کال کا سلسلہ منقطع کیا تھا اور گاڑی کی چابی اٹھا کر انتہائی عجلت سے باہر نکلا۔ کیفیات پر قابو پانے کی ساری کوششیں رائیگاں ہو رہی تھیں۔ ذہنی انتشار بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ مگر عفنان علی خان کو خود پر بے حد اختیار رکھنا تھا۔ جب تک کہ وہ اسے تلاش نہ کر لیتا ــــ اسے ٹھیک کرنے کی ضرورت تھی۔ اور وہ یہ بات جانتا تھا۔

توجہ کے وصف کیا یاد لے تھے، سارے منظر دھندلے سے ہو کر رہ گئے تھے۔ دل سوچتا بھی تھا تو سارا زمانہ خواب سا لگتا تھا۔

وہ زینہ اتر رہی تھی، جب سردار سبکتگین حیدر لغاری کو زینے کے آخر میں کھڑے پر سیل فون پر کسی سے محو گفتگو پایا تھا۔ موڈ خاصا خوشگوار تھا۔ دوسری طرف کوئی بھی ہوتا مگر جو بھی تھا، سردار صاحب کے دل کو مطلوب ترین تھا۔ خاصا بلند قہقہہ کانوں میں پڑا تھا۔ وہ آخری زینے پر قدم رکھتے ہوئے اپنی ساری توجہ اس شخص پر مبذول کیے ہوئے تھی۔ نتیجتاً پاؤں مڑا تھا اور قریب تھا کہ وہ گر جاتی —— سنبھلنے کے لیے اس کا مضبوط شانہ غنیمت لگا تھا۔ بے دھیانی میں ہاتھ اس کی پشت پر پڑا تھا۔ مگر سنبھلتے سنبھلتے بھی اس کی پیشانی اس کی مضبوط پشت سے جا ٹکرائی تھی۔ فقط پیشانی ہی کیا وہ پوری کی پوری اس وقت سردار سبکتگین حیدر لغاری کی چوڑی پشت سے کسی بیل کی مانند لپٹی ہوئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس آفتِ ناگہانی پر مڑ کر بڑی حیرت سے اسے دیکھا تھا۔ وہ لمحہ بڑی خجالت کا تھا۔ وہ نگاہ ملانا تو دوسری بات، سر تک نہ اٹھا سکی تھی۔ نگاہیں ایسی چور تھیں جیسے اس نے کوئی ڈاکہ ڈال دیا ہو۔ شرمندگی اس قدر تھی کہ دھڑکنوں کے اندر ایک انتشار برپا ہونے کے ساتھ سارا وجود بھی کانپ رہا تھا۔ قربتوں کی کہانی عجیب تھی۔ دھڑکنوں میں آہنگ تو تھا مگر امنگ نہیں۔ قربتوں کے اس لمحے میں حدت ضرور تھی مگر شدت ہرگز نہیں۔ ایک مخصوص خوشبو اس کے اطراف تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری گردن کا رخ موڑے اسے بغور دیکھ رہا تھا۔

میرب سیال نے لرزتی پلکوں کے ساتھ ایک چور سی نگاہ ڈالی تھی اور بہت آہستگی سے اپنا نازک ہاتھ جو اس لمحے سردار سبکتگین حیدر لغاری کے مضبوط شانے پر دھرا تھا، اسی طرح جھکی جھکی پلکوں سے ہٹایا تھا اور دھڑکنوں کے زیر و بم پر قابو پاتی وہ پیچھے ہٹی تھی۔ معذرت کا کوئی لفظ رسماً بھی لبوں پر لانے کی ہمت اس میں ناپید تھی۔ الٹے دو قدم چلتی وہ سر جھکائے اسی طرح دور ہٹی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اسی طرح گردن کا رخ موڑے اسے بہ غور دیکھ رہا تھا۔ چہرے پر کوئی بھی تاثر واضح نہ تھا۔

''آئی...... ایم...... سوری!...... وہ اچانک...... پاؤں......'' وضاحت دینے کے لیے لفظ تلاشے جا رہے تھے مگر سب بے سود تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی تمام تر ہمت اور محنت پر پانی پھیرتا، چلا فون کان سے لگاتے ہوئے گفتگو کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے پلٹا تھا اور زینہ طے کرنے لگا تھا۔ میرب سیال کے لیے یہ اقدام خاصا چونکا دینے والا تھا۔

وہ چند لمحوں تک اسی طرح ساکت سی کھڑی رہی تھی۔ پھر چلتی ہوئی مائی اماں کے کمرے کی طرف آ گئی تھی۔ چہرہ یوں تپ رہا تھا جیسے کسی نے اس کے منہ پر طمانچہ دے مارا ہو—— وہ لمحہ بھلانا آسان نہ تھا۔ شدید ترین تضحیک محسوس ہوئی تھی۔

''کیا ہوا؟—— ایسے چہرہ کیوں اترا ہوا ہے؟'' مائی اماں نے دریافت کیا تھا۔ مگر وہ سرنفی میں ہلا گئی تھی۔

''کیا ہوا؟—— سبکتگین حیدر نے کچھ کہا؟'' مائی اماں نے بھرپور تشویش کے ساتھ اس کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر دریافت کیا تھا۔

''نہیں—— ایسی بات نہیں ہے۔''

''پھر——؟'' مائی اماں نے توجہ سے سبب دریافت کیا تھا۔ وہ کچھ نہیں بول سکی تھی۔ مگر مائی اماں نے بہت محبت کے ساتھ اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا تھا۔

''میری جان!—— گھر والوں کی یاد آ رہی ہے۔ ہے نا؟''

''میں کچھ دنوں کے لیے نانو کے گھر جانا چاہتی ہوں۔'' میرب سیال نے انکشاف کیا تھا اور مائی اماں کی نظروں میں واضح طور پر تشویش ابھری تھی۔

''خیریت؟—— یہاں کوئی تکلیف ہے تو مجھے بتاؤ؟—— کوئی بات بری لگ گئی کسی کی؟''

''نہیں—— ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ دراصل میری اسٹڈی کا بہت حرج ہوا ہے اور اسے کور کرنا بہت ضروری ہے۔ سیفی سے میری بات ہوئی تھی۔ میں اگر وہاں جا کر کچھ دن رہ لوں گی تو بہت مدد مل جائے گی۔'' اس نے مدعا بیان کیا تھا۔

مائی اماں کے چہرے پر کسی قدر اطمینان کی لہر دوڑتی نظر آئی تھی۔

''اچھا—— میرا تو اس طرف دھیان ہی نہیں گیا۔ واقعی، تجھے اگر کوئی پرابلم ہے تو تُو چلی جا۔ اس میں اعتراض والی بھلا کون سی بات ہے؟'' مائی اماں نے بلاتردد کہا تھا۔

''تو ٹھیک ہے—— میں آج ہی چلی جاتی ہوں۔ سیفی کو فون کر دیتی ہوں، وہ مجھے لے جائے گا۔'' میرب اٹھی تھی۔

''ٹھیک ہے بیٹا! لیکن وہاں جا کر اپنی مائی اماں کو مت بھول جانا۔ رابطے میں رہنا۔ ورنہ مجھے فکر رہے گی۔'' مائی اماں نے ہدایت جاری کی تھی۔ ''اور اپنا بہت خیال رکھنا۔''

میرب مسکرا دی تھی۔

''آپ تو ایسے کہہ رہی ہیں جیسے میں سات سمندر پار جا رہی ہوں۔''

مائی اماں نے اٹھ کر اس کی پیشانی پر بوسہ دیا تھا اور محبت سے اس کے چہرے کو دیکھتی ہوئی بولی تھیں۔

''میرے لیے تو تیرا جانا ایسا ہی ہے—— ماں ہوں نا—— فکر تو رہے گی۔ اگرچہ وہ گھر تیری ننھیال کا ہے۔''

میرب مسکرا دی تھی۔

"میں چلوں گی۔ چھوٹی موٹی شاپنگ بھی کرنا ہے۔"

"ہاں ـــــ ٹھیک ہے۔" مائی اماں نے اجازت دی تھی اور میرب ساتھ چلتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔ دو قدم بھی نہ چل پائی تھی جب اس کا ہاتھ یکدم ہی کسی آہنی گرفت میں آ گیا تھا۔ گرفت اس قدر مضبوط تھی کہ تکلیف کا ایک واضح احساس اس کے چہرے پر ابھرا تھا۔ کسی نے اس قدر سرعت سے جارحانہ انداز میں اس کا رُخ اپنی سمت موڑا تھا۔ سنبھلنے کی کوشش یقیناً بیکار تھی۔ کوشش کرتی بھی تو توازن برقرار نہ رہ پاتا۔ شاید اسی لئے نتیجتاً وہ اس لمحے اس شخص کے اتنے قریب تھی کہ جس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ اس کے وجود کی خوشبو اور وہ قربت حواس باختہ کرنے کو کافی تھی۔ حتیٰ کہ وہ اس کی دھڑکنوں کی آواز بھی سن رہی تھی۔ اس نے بہت آہستگی سے سر اٹھایا تھا۔ کوئی اس کی سمت بہت خشمگیں نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے متوجہ ہونے پر اُسے بہت جارحانہ انداز میں شانوں سے تھام کر پُرتپش نظروں سے دیکھا تھا۔

"نگاہ اگر اجنبی ہے تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ نظر مائل نہیں۔ تم نے یہ سوچا بھی کیسے کہ تم اپنے طور پر فیصلے لینے کے لئے اتنی آزاد ہو؟ اور تمہیں کسی کی اجازت کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی؟" دریافت کرنے کا انداز درشت تھا اور آنکھوں سے جیسے لاوا نکل رہے تھے۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کا یہ احتجاج اس کی سمجھ سے بالاتر تھا۔ اس کی آہنی گرفت سے اس کے شانے بُری طرح دُکھ رہے تھے۔ انگلیاں جیسے گوشت میں کھب رہی تھیں۔ میرب سیال نے اُسے بہت ناگواری سے دیکھتے ہوئے ایک لمحے میں اس کے ہاتھ اپنے شانوں پر سے جھٹکے تھے اور دو قدم چلتی ہوئی اس کے حصار سے پیچھے ہٹ گئی تھی اور اس کی سمت مکمل خوداعتمادی سے دیکھتی ہوئی گویا ہوئی تھی۔

"میں کیا کرتی ہوں، کس لئے کرتی ہوں، کیوں کرتی ہوں، اس سب کی خبر رکھنے کی ضرورت آپ کو قطعاً نہیں۔ نہ ہی فکر کرنے کی۔ انڈر اسٹینڈ؟" لہجہ، انداز سب اعتماد سے پُر تھا۔ اور سبکتگین حیدر لغاری اس کی ہمت پر حیران تھا۔

وہ ایک نظر بھرپور ناگواری سے ڈالتی ہوئی پلٹی تھی۔ جب سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بے حد جارحانہ انداز میں اُسے سرعت سے تھام کر اپنی طرف کھینچا تھا۔ میرب سیال کے لئے اس کا یہ جنونی پن سمجھ نا سکا تھا۔ کوئی شے تھا اس سے باہر نہیں تھی۔ وہ جانتی تھی سردار سبکتگین حیدر لغاری اپنے سامنے اسے کھڑا دیکھ کر یونہی مشتعل ہوگا۔ وہ اس کے پُراعتماد نظر آنے پر اسی طرح تلملائے گا۔ اور سب کچھ اس کے اندازے کے مطابق ہوا تھا۔ اسی لئے شاید سردار سبکتگین حیدر کے اس اقدام پر بھی وہ حواس باختہ نہیں ہوئی تھی۔ اس کی اتنی قربت پر بھی بوکھلائی نہیں تھی۔ وہ جس طرح تیز نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا، جواباً اس کا انداز اسی قدر مطمئن اور تسلی بخش تھا۔ اور یہ اطمینان یقیناً سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لئے تسلی بخش نہیں تھا۔

"تم ـــــ کہیں نہیں جاؤ گی ـــــ!" ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے باور کرایا گیا تھا۔ نگاہ جنونی کی تپش ایسی تھی کہ جیسے اسے جلا کر خاکستر کر دے گی۔ یقیناً ایسا کوئی انداز اس سے قبل اس کے سامنے نہیں آیا تھا۔ یہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کا کوئی نیا ہی روپ تھا۔ سرخ آنکھوں میں جانے کیا تھا ـــــ میرب سیال جو مقابل دیکھنے کا قصد کئے بیٹھی تھی، یکدم ہی نظریں پھیر گئی تھی۔

"انڈر اسٹینڈ ـــــ؟"

اسے ایک جھٹکے سے چھوڑتے ہوئے وہ بھاری قدم زمین کے سینے پر رکھتا ہوا مضبوط قدموں سے چلتا آگے بڑھ گیا تھا۔ انداز ایسا تھا جیسے وہ اس زمین کے سینے کو روند دینا چاہتا ہو۔ کیا انتہا پسند دکھائی دیا اس لمحے۔

ابھی تو اس شخص سے اس کا کوئی رشتہ ہی نہیں تو یہ حال تھا۔ کوئی جذباتی وابستگی بھی نہیں دی تھی ـــــ کوئی توجہ، ذرا سا التفات ـــــ کچھ بھی نہیں تھا اور وہ اس حد تک جاتا ہوا دکھائی دیا تھا۔ اگر کوئی دلی ...ی ہوتی تو یہ شخص کس حد تک جاتا؟

میرب سیال ساکت سی کھڑی سوچ رہی تھی۔

دھڑکنوں کے زیر و بم میں اس پُرتپش چہرے کے ساتھ وہ اب بھی اسی سمت دیکھ رہی تھی جس سمت وہ گیا تھا۔ ایک جلتا ہوا لمس اس کی کلائی پر اب بھی موجود تھا۔ انگلیوں کے نشان جیسے پیوست ہو گئے تھے۔

تو یہ انداز بیگانگی تھا۔

اجنبیت تھی۔

انجانا پن تھا۔

ناپسندیدگی تھی۔

اگر سب کچھ اس کے برعکس ہوتا تو کیا ہوتا؟

❊❊❊

تشویش بڑھ چکی تھی۔

لمحے کھڑی بھری ریت کی طرح ہاتھ سے سرکتے جا رہے تھے۔ اور ہر گزرتا لمحہ اپنے ساتھ مزید وحشتیں لا رہا تھا۔

وہ گھر جہاں انابیہ شاہ کے وجود سے زندگی دوڑتی تھی، وہ گھر انابیہ شاہ کے بغیر ایک ویران کھنڈر لگ رہا تھا۔ اتنی وحشت تھی کہ جیسے کوئی صف ماتم بچھی تھی۔ گھر کے مکینوں کے چہرے آنسوؤں سے تر تھے اور آنکھیں دہلیز پر لگی ہوئی تھیں۔

"اوزی! تم دروازہ بند کیوں کر رہے ہو؟ ـــــ انابیہ کو آنا ہے ابھی۔ اور یہ کمرے کی لائٹس جلا دو ـــــ جانتے ہو ـــــ وہ اندھیرے سے کس قدر خوفزدہ ہوتی ہے۔" ماہ وش پر عجب پاگل پن سوار تھا۔ بیٹی کی گمشدگی نے گہرا صدمہ دیا تھا۔ حالت پاگلوں جیسی ہو رہی تھی۔

اوزی نے انہیں تھام کر اپنے ساتھ بھینچ لیا تھا ـــــ آنکھوں سے بہت خاموشی کے ساتھ نمکین پانی قطرے ٹوٹ کر ماہ وش کے شانوں پر جذب ہوئے تھے۔

"آپ ـــــ کیا سمجھتی ہیں مام! ـــــ کیا مجھے کوئی دکھ نہیں؟ ـــــ کیا مجھے کوئی فکر نہیں کہ وہ کہاں ہوگی اور کس حال میں ہوگی۔ ہمیشہ اس کی چھوٹی چھوٹی خوشیوں کا خیال رکھنے والا بھائی آج کتنا بے بس

ہے۔ کڑے ترین حالات میں۔ جب کہ اس کی بہن مشکل میں ہے اور اسے اس کی شدید ضرورت ہے وہ اسے ڈھونڈ نہیں پا رہا ہے۔ جان نہیں پا رہا ہے کہ وہ کہاں ہے اور کس حال میں ہے——— میرے پر کیا گزر رہی ہے۔ یہ میں کیسے بتاؤں؟" ماہ وش کو تسلی دیتے ہوئے وہ خود بھی ٹوٹ کر بکھر گیا تھا۔ عفنان خان جو قدرے فاصلے پر تھا، چلتا ہوا اس کے قریب آیا تھا اور اس کے شانے پر ہاتھ دھر دیا تھا۔ تسلی کا ایک خاموش سا اظہار تھا اور اوذان سید کے لئے ان کڑے لمحوں میں جن کا ساتھ غنیمت تھا۔ ایسے؛ جب کہ وہ بے حد تنہا محسوس کر رہا تھا خود کو، عفنان علی خان نے اس کے ساتھ آ کر اس کی بھرپور ہمت بڑھائی تھی۔

"تم ماما کو کھانا کھلا دو——— دادا جی نے بھی کچھ نہیں کھایا——— یہ ٹھیک نہیں ہے اوذی!——— کوشش کر رہے ہیں——— پولیس بھی سرگرم عمل ہے۔ امید ہے بہت جلد انابیہ کا پتہ چل جائے گا۔ تم مت کرو——— میں نے اوپر بات کی ہے۔ نیچے کے افسران کو کڑی ہدایت جاری کی گئی ہے۔ اگلے چا گھنٹوں میں انابیہ ہمارے درمیان ہو گی۔ انابیہ کو کچھ نہیں ہو گا——— بلیو می——— میں اسے کچھ ہو نہیں دوں گا——— اسے آنچ بھی آئی تو تہس نہس کر کے رکھ دوں گا سب کچھ۔ اطمینان رکھو——— جلد ہم میں ہو گی——— یہاں، ہمارے درمیان——— فقط بارہ گھنٹے——— میں نے پاپا اور انکل سے بات کر لی ہے۔ وہ بھی اپنے اثر و رسوخ استعمال کر رہے ہیں۔ اگلے چند گھنٹوں میں انابیہ کی کچھ خبر نہ ہو یہ ممکن نہیں۔"

عفنان علی خان کے لہجے میں عجب ایک یقین بول رہا تھا۔ اپنے مضبوط ہاتھوں کی پوروں سے ماہ وش کی آنکھوں کے آنسو پونچھتے ہوئے بہت پُراعتماد دکھائی دے رہا تھا۔

"آئیے ماما! کھانا کھا لیجئے۔ آپ کو مجھ پر یقین ہے نا؟——— انابیہ کو میں کچھ ہونے نہیں دوں گا اب تو آپ کھانا کھا لیجئے۔"

ماہ وش ضبط کا یارا رکھنے کی کوشش میں پھر رونے لگی تھیں۔ دادا جی الگ چپ چاپ سے بیٹھے تھے۔

عفنان علی خان ماہ وش کو شانوں سے تھام کر کھانے کی ٹیبل تک لایا تھا۔

"اوذی! تم دادا جی کو لا کر ٹیبل پر بٹھاؤ۔ کم آن یار!——— اگر تم بھی یوں حوصلہ ہار دو گے تو اس صورت حال سے کون نمٹے گا؟" کونے میں نڈھال کھڑے اوذان سید کو کہا تھا۔ اوذان سید آہستگی سے چلتے ہوئے دادا جی کی طرف بڑھ گیا تھا۔ قدم بے حد نڈھال اور چال میں واضح تھکن تھی۔

عفنان علی خان نوالے بنا کر ماہ وش کے منہ میں رکھنے لگا تھا۔

ماہ وش اگرچہ کھانا نہیں چاہ رہی تھیں مگر وہ انہیں بچوں کی طرح بہلاتے ہوئے مسلسل کھلا رہا تھا۔

"آپ کھانا نہیں کھائیں گی تو انابیہ بہت ناراض ہو گی۔" مسکراتے ہوئے وہ غالباً ان کا دھیان سمت کی طرف ڈالنا چاہ رہا تھا۔ حالانکہ اس کی اپنی آنکھیں اس لمحے جلتی ہوئی سی محسوس ہو رہی تھیں کناروں پر سرخی کھنڈی ہوئی تھی جیسے وہ اپنے اندر کی طغیانی پر بمشکل قابو پائے ہوئے تھا۔ چہرہ اندرونی وحشت اور نڈھال سا تھا۔ اس کے وجود کو دیکھ کر برسوں کی تھکن کا احساس ہو رہا تھا۔ مگر وہ

خود وہ کے آنسو سمیٹ رہا تھا۔ خود دل کتنے طوفانوں کی زد پر تھا۔ مگر وہ دوسروں کو مسکراتے ہوئے بہلا

۔ اپنی جان مشکل میں تھی۔ روح پر کوئی عذاب اترا ہوا تھا۔

سانس تک لینا دشوار تھی۔

ایک ایک لمحہ صدیوں پر بھاری تھا۔

مگر وہ مسکرا رہا تھا۔

"آپ انابیہ کو تو جانتی ہیں نا ماما!——— وہ آپ کو تو کچھ نہیں کہے گی لیکن میری اور اوذی کی خیر نہیں یہ جان کر کہ ہم دو دو ہٹے کٹے لڑکوں نے آپ کا خیال نہیں رکھا، وہ بہت برہم ہو گی——— اوذی کو پھر بھی وہ کوئی رعایت دے کر بخش دے گی مگر میں؟——— مجھے ذہنی خیریت کے متعلق کوئی اتنا یقین" ماما کے منہ میں نوالے رکھتے ہوئے وہ مسکرانے کی کوشش میں عجب بجھا بجھا سا دکھائی دے رہا تھا۔

"دادا جی! آپ ہی بتائیے——— میں غلط ہوں یا صحیح———؟" عین سامنے بیٹھے دادا جی کی رائے تھی۔ مگر وہ کچھ نہیں بول سکے تھے۔ ہاتھ میں تھما ہوا نوالہ وہیں پلیٹ میں رکھ دیا تھا اور عفنان علی خان جیسے ساری محنت اکارت ہو گئی تھی۔ بہت خاموشی سے وہ اٹھا تھا اور چلتا ہوا شیشے کی دیوار کے پاس جا کمرے میں اس وقت چار نفوس موجود تھے——— مگر خاموشی قبرستان جیسی تھی۔

عفنان علی خان نڈھال سا کھڑا تھا۔ جب فون بجا تھا۔ اوذی نے سرعت سے پیش قدمی کی تھی۔ مگر اس بھی زیادہ جلدی کا مظاہرہ عفنان علی خان نے کیا تھا اور فون اٹھا لیا تھا۔

"ہیلو———!" کسی بھی متوقع خبر کو سننے کے لئے وہ ہر طرح سے تیار تھا۔

"ہیلو عفنان!——— میں لامعہ بات کر رہی ہوں۔"

"اوہ———!" عفنان علی خان کا سارا تجسس دھرا کا دھرا رہ گیا تھا۔ ایک سرد سانس خارج کرتے ہوئے وہ جیسے صبر آزما لمحے سے گزرا تھا۔

"کہو۔"

"میں انابیہ کے متعلق پوچھنا چاہ رہی تھی۔ کچھ پتہ چلا اس کا؟——— کوئی خبر؟" لامعہ حق کا لہجہ سے بھرپور تھا اور آواز میں نقاہت واضح تھی۔

"نہیں——— اب تک تو نہیں۔" عفنان علی خان کا لہجہ سرد تھا۔

"خدا کرے وہ خیریت سے ہو جہاں بھی ہو——— مجھے تو اس کی بہت فکر ہو رہی ہے۔ ماما اور پاپا بھی پریشان ہیں اس کی گمشدگی کو لے کر۔ میں تو اس خبر کو لے کر اتنی اپ سیٹ ہوں کہ ہائپر ٹینشن کی ہو گئی ہے۔ ابھی ابھی ڈاکٹر دیکھ کر گیا ہے۔ میڈیسن کے زیر اثر ہوں۔ مگر انابیہ کی فکر پھر بھی نہیں جا رہی۔ میری طرف سے معذرت کر لینا——— میں جانتی ہوں مجھے اس وقت وہاں ہونا چاہئے مگر میری حالت ایسی نہیں۔ میرے لئے اس صورت حال کو فیس کرنا آسان نہیں۔"

اس کی لمبی چوڑی وضاحت اور تردید عفنان علی خان بہت تحمل سے سن رہا تھا۔

دوسری طرف غالباً لامعہ واقعی رو رہی تھی۔ لہجہ بھرا رہا تھا۔

عفنان علی خان غالباً اس کے خاموش ہونے کا منتظر تھا۔

”میں لڑکی ہوں ناں ۔۔۔۔ سمجھ سکتی ہوں ایک لڑکی کی عزت کیسی آبگینوں سی ہوتی ہے ۔۔۔۔ ایک رات گھر سے باہر گزری نہیں اور ......“

”لامعہ! پلیز۔“ عفنان علی خان کے لئے اُسے مزید سننا دشوار ہو گیا تھا۔ لہٰذا تمام تر مروت اور بالائے طاق رکھتے ہوئے ناگواری سے گویا ہوا تھا۔

”تم لڑکی ہو اور یہی نہیں سمجھ رہی ہو کہ اس صورت حال میں ایک لڑکی اور اس کی ساری فیملی کتنی شرمندہ ہو سکتی ہے۔ انابیہ جہاں بھی ہے، یقیناً اپنی مرضی سے نہیں ہے۔ اور ایک لڑکی ہونے کے ناطے تم بات یقیناً بہت اچھی طرح سے سمجھ سکتی ہو۔“ انتہائی کھردرے لہجے میں کہتے ہوئے وہ انابیہ شاہ اور اس کی فیملی کا سب سے بڑا خیر خواہ لگا تھا۔

لامعہ کے آنسو اور بھی تواتر سے بہنے لگے تھے۔

”تم ٹھیک کہہ رہے ہو عفنان! اس کڑے وقت میں انابیہ کی فیملی کو اور انابیہ کو ہماری ہمدردی کی بہت ضرورت ہے۔ تم انابیہ کی فیملی کے لئے اتنا کر رہے ہو۔“

”بس یا کچھ اور بھی کہنا چاہتی ہو تم؟“ عفنان علی خان کا لہجہ حد درجہ بیزار تھا۔

”جیسے ہی کوئی خبر ملے، پلیز مجھے ضرور انفارم کرنا۔“ لامعہ حق کے آنسوؤں کی رفتار میں اضافہ ہو گیا تھا۔ ”انابیہ ۔۔۔۔ میری دوست ۔۔۔۔ میری بہن ۔۔۔۔ جانے کس حال میں ہو گی؟ ۔۔۔۔ اب تک نہ جانے کیا کچھ ہو چکا ہو گا اس کے ساتھ ۔۔۔۔ بارہ گھنٹے گزر گئے ۔۔۔۔ اور اس کا کچھ پتہ نہیں۔ ایک اس شہر کی پولیس کو بھی جانے کیا ہو گیا ہے۔ کبھی وقت پر ۔۔۔۔ کام نہیں کرتی ۔۔۔۔ کسی لڑکی کی گمشدگی اس کی فیملی کے لئے کتنی پریشان کن ہو سکتی ہے، انہیں کاش اندازہ ہو جائے اور وہ بروقت کوئی اقدام کر سکیں۔“ لامعہ حق کا بولنا اور عفنان علی خان کا سننا خاصا مشکل تھا۔ مگر عفنان علی خان کی طرف سے اخلاق کا بھرپور مظاہرہ تھا۔

”سمجھ میں نہیں آ رہا انابیہ کی گمشدگی ہوئی کیونکر ۔۔۔۔ اُس معصوم لڑکی کی تو کسی کے ساتھ کوئی دشمنی بھی نہیں تھی۔ وہ بہت اچھی تھی۔“

”عفنان! ۔۔۔۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے نا کہ وہ کہیں اپنی مرضی سے ۔۔۔۔ اپنی منشا سے ۔۔۔۔ کسی کے ساتھ ۔۔۔۔!!“

”لامعہ! ۔۔۔۔ ہم یہاں ضروری فون کال کا انتظار کر رہے ہیں۔ تم اپنی یہ ہمدردی اور خیر خواہی کبھی دکھا لینا۔ خدا حافظ۔“ عفنان علی خان نے بیزاری سے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا تھا اور جلتی ہوئی پیشانی کو انگلیوں کی مدد سے دباتے ہوئے گلاس ڈور کے پاس جا رکا تھا۔ اضطراری کیفیت میں جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے سگریٹ کا پیکٹ اور لائٹر برآمد کیا تھا اور اس ٹینشن زدہ ماحول سے ریلیف کے لئے سگریٹ سلگا کر دھوئیں کے مرغولے بنا کر فضا میں منتقل کرنے لگا تھا۔

اوزان سید چلتے ہوئے اس کے قریب آ گیا تھا اور تسلی کے لئے اس کے چوڑے شانے پر ہاتھ رکھا

...نے سے بھرے اس ماحول میں سوئی بھی گرتی تو آواز دور تک جاتی۔

گھڑی کی سوئیوں کی آواز خاموشی میں دور تک پھیل رہی تھی۔ رات کے اس پہر جب بہت سی ...نکھیں خوابوں کی دنیا میں سفر کر رہی تھیں، کچھ آنکھیں جاگ رہی تھیں ۔۔۔۔ اور مسلسل چل رہی تھیں۔ ...نیں رستوں پہ لگے تھے ۔۔۔۔ مگر آنے والے کے قدموں کی چاپ کہیں دور تک بھی سنائی نہیں دے ...رہی تھی۔

گھڑی کی سوئیاں آہستہ آہستہ آگے سرکتی جا رہی تھیں۔

...قریباً چار بجے کا وقت تھا جب عفنان علی خان کا سیل فون بجا تھا۔ اسکرین پر سبکتگین حیدر لغاری کا نام ...چمکتے ہوئے عفنان علی خان نے فوراً کال ریسیو کی تھی۔

”ہیلو انکل! ۔۔۔۔ واٹ ہیپنڈ ۔۔۔۔ اینی پروگریس؟“ عفنان علی خان کا لہجہ بے چینی سے پُر تھا۔

دوسری طرف سے جانے سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کیا کہا تھا، عفنان علی خان تیزی کے ساتھ پیپر ...قلم کھینچنے لگا تھا۔ غالباً سردار سبکتگین حیدر لغاری کوئی اہم ترین انفارمیشن دینے کے ساتھ کوئی ایڈریس بھی ...نوٹ ڈاؤن کروا رہا تھا۔ شاید مشکل کا حل نکلنے کے قریب تھا۔ جان پر بھاری لمحے ٹلنے کا وقت آن پہنچا ...روح پر قیامت برپا کرنے والے لمحے اپنے پیچھے سمیٹ رہے تھے۔

عفنان علی خان نے سرعت سے پیپر کھینچ کر جیب کے اندر رکھتے ہوئے سیل فون پر گفتگو کا سلسلہ منقطع ...کیا تھا اور اوزان کی طرف دیکھا تھا۔

”سبکتگین حیدر لغاری کو کمشنر صاحب کی کال موصول ہوئی ہے ۔۔۔۔ انابیہ سے متعلق پولیس کو کچھ ...سراغ ملے ہیں۔ اور پولیس اس وقت اس علاقے میں موجود ہے۔ کسی بھی ممکنہ کارروائی کی غرض سے۔ مجھے ...وہاں جانا ہو گا۔“ عفنان علی خان کی آنکھوں کی پریشانی مزید بڑھ گئی تھی۔ ویرانیاں اور بھی سوا ہو گئی تھیں۔ ...اگر اس کے پَر ہوتے تو وہ ایک لمحے میں وہاں اُس جگہ پر پہنچ چکا ہوتا۔ اوزان سید کو اس کے انداز میں ...بے چینی صاف نظر آئی تھی۔ یہ خبر اتنے دل دہلا دینے والے ساکت لمحوں میں ایک ارتعاش بن کر آئی تھی۔ سناٹے ...میں ایک شور سنائی دیا تھا۔ خوش آئند تھا یا کہ نہیں، یہ وہ دونوں نہیں جانتے تھے۔ مگر دونوں کے لئے صرف ...یہ جان لینا کافی تھا کہ انابیہ کے متعلق کوئی خبر ہاتھ لگ گئی تھی ۔۔۔۔ یہ اذیت اگر کچھ بھی تو اس اذیت سے ...کہیں بہتر تھی جو وہ انابیہ کی گمشدگی سے لے کر اب تک جھیل رہے تھے۔

”رکو عفنان! میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔“ اوزان سید نے کہا تھا۔

عفنان علی خان نے مڑ کر صوفے کی پشت سے سر ٹکائے سوئے دادا جی اور ماہ وش کی طرف دیکھا تھا۔

”مگر دادا جی اور ماہ وش ماما ۔۔۔۔؟“ عفنان علی خان نے کسی خدشے کے پیش نظر اوزان سید کی ...طرف دیکھا تھا۔ ”میرے ہوتے ہوئے انابیہ کو کچھ نہیں ہو گا ۔۔۔۔ بلیو می ۔۔۔۔ انابیہ جتنی اس گھر کو ...عزیز ہے اس سے کہیں زیادہ مجھے عزیز ہے۔ انابیہ کو کچھ نہیں ہو گا۔ اگر ہوا تو اس کی تمام تر ذمہ داری تم بلا ...جھجک مجھ پر عائد کر دینا۔ میں ہر الزام اپنے سر لینے کے لئے تیار ہوں گا۔“ عفنان علی خان کا لہجہ مضبوط اور ...یقین سے بھرا ہوا تھا۔

اوزی نے اُسے بغور دیکھا تھا۔ وہ ابھی اُلجھن میں تھا۔ تبھی ماہ وش کی آنکھ کھلی تھی۔

''کیا ہوا؟ ــــ تم لوگ اس طرح کیوں کھڑے ہو؟ ــــ انابیہ کی کوئی خبر آئی؟'' انہوں نے دریافت کیا تھا۔ اور اوزی اُن کی طرف بڑھ گیا تھا۔

''جی مام! ــــ ہم آپ کو یہی بتانا چاہ رہے تھے۔ اچھا ہوا آپ جاگ گئیں ــــ فون آیا ہے۔ اور ہم وہیں جا رہے ہیں۔ آپ پلیز، اپنا اور دادا جی کا خیال رکھیے گا۔ ہم بہت جلد آ جائیں گے۔ انابیہ کو واپس لے کر ــــ ہماری اپنی انابیہ کو۔''

اوزی نے ان کی پیشانی پر پیار کرتے ہوئے انہیں دیکھا تھا اور پھر عفنان علی خان کے ساتھ تیزی سے آگے بڑھ گیا تھا۔

عفنان علی خان کے بھاری قدم آگے ضرور بڑھ رہے تھے مگر ہر قدم من من بھر کا لگ رہا تھا۔ جانے کیوں، دل بہت بوجھل سا لگ رہا تھا۔

اضطراب ــــ بے چینی ــــ کچھ مزید بڑھ گئی تھی۔

جانے کس حال میں تھی انابیہ ــــ؟

کیا گزر رہی تھی اُس پر ــــ؟

جانے کس نے اُسے کڈنیپ کیا تھا؟ اور کس خاص مقصد سے ایسا سب کیا تھا ــــ؟

کتنے جلتے ہوئے سے سوال تھے دماغ میں۔ مگر ان کا جواب فی الحال کسی کے پاس نہ تھا۔

اور پتہ نہیں انابیہ زندہ بھی تھی یا کہ.......

اس سے آگے کی سوچ دل کی دھڑکنوں کو روکنے کے لئے کافی تھی۔ وہ ایسا کچھ سوچنا نہیں چاہتا تھا۔ اس کی خیریت کی کتنی ہی دعائیں اس نے دل ہی دل میں مانگ لی تھیں۔ آنکھیں مسلسل جل رہی تھیں۔ مگر دل سے مسلسل ایک ہی صدا آ رہی تھی۔

انابیہ جہاں کہیں بھی ہو، خیریت سے ہو ــــ زندہ اور صحیح سلامت ہو۔

❋❋❋

کمرے میں مکمل طور پر اندھیرا تھا۔

انابیہ شاہ کا نیم جاں وجود کمرے کے عین وسط میں ماربل کے فرش پر چت پڑا تھا ــــ اُس کے دونوں طرف کی کلائیاں کٹی ہوئی تھیں، اور ان سے خون بہت تیزی سے بہہ کر پورے کمرے کے فرش پر پھیلا ہوا تھا۔ وہ اس وقت ہوش و حواس سے بیگانہ تھی نہ اس درد پر کوئی سسکی تھی، نہ کوئی آہ۔

زندگی کے احساس کی کوئی رمق جیسے اُس میں ناپید تھی۔ اندھیرے کمرے میں سناٹا ہی سناٹا تھا۔

پولیس نے گھر کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا تھا اور ممکنہ افراد کی تلاش شروع کر دی تھی۔ مگر اس کمرے میں ابھی تک کوئی نہیں آیا تھا۔ عفنان علی خان کی کیفیت وہاں پہنچ کر عجیب نیم جاں سی تھی۔ جسم سے ساری ہمت جیسے کسی نے ایک پل میں نچوڑ لی تھی۔ جانے کیوں اُس کا دل مسلسل کسی خطرے کا سگنل دے رہا تھا۔ دل کو جانے کیوں کچھ ہو رہا تھا۔ کیفیت ایسی تھی کہ وہ خود آپ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ یوں لگ رہا

ہے جسم سے جان جانے کو تھی۔ جیسے جسم بے روح ہو رہا تھا۔ وہ چلتے چلتے لڑکھڑایا تھا جب سبکتگین حیدر لغاری نے اُسے سہارا دیا تھا۔

''سبکتگین! مجھے لگ رہا ہے ــــ یہاں کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ میرا دل میرے ساتھ نہیں ہے۔ عجب گھبراہٹ سی ہو رہی ہے۔ جیسے روح جسم سے نکل رہی ہو۔''

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے شانے پر ہاتھ دھرتے ہوئے خاموشی سے اُسے حوصلہ دیا تھا۔

عفنان علی خان گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑا تھا مگر پھر یکدم ہی عجب اضطراری انداز میں یہاں سے وہاں ٹہلنے لگا تھا۔ اوزی قدرے فاصلے پر ایس پی سے کچھ ڈسکس کر رہا تھا۔

''حوصلہ رکھو ــــ سب ٹھیک ہو گا۔ پولیس کارروائی کر رہی ہے۔ چند لمحوں میں صورتحال بس میں ہو جائے گی۔ اتنا یقین رکھو ــــ انابیہ یہیں کہیں ہے، اسی گھر کے اندر۔'' سبکتگین کا لہجہ پُر یقین تھا۔ عفنان علی خان نے عجب بے چینی سے چل کر آتے ہوئے اُن کے شانے پر ہاتھ دھر دیا تھا۔

''سبکتگین! میں اندر جانا چاہتا ہوں ــــ پلیز، ایس پی سے بات کرو۔ میرا دل بیٹھ رہا ہے سبکتگین! ــــ پلیز کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ دیکھو، سنو میرے دل کی آواز ــــ یہ دھڑک نہیں رہا ہے۔ انابیہ ٹھیک نہیں ہے۔ سبکتگین! ــــ پلیز ــــ ان سے بات کرو ــــ مجھے اندر جانا ہے۔'' وہ عجب جنونی انداز میں چیخ اٹھا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے سر ہلاتے ہوئے ایس پی کی طرف دیکھا تھا۔

''میں بات کرتا ہوں ــــ مگر اس میں تمہاری اپنی جان کو خطرہ بھی ہو سکتا ہے۔ یہ سب تمہاری یقینی موت کے لئے ہی تھا۔ اندر جا کر کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ جو کوئی اندر ہے، وہ یقیناً ہتھیاروں سے لیس بھی ہو گا۔ میں ذاتی طور پر تمہارے لئے کوئی رسک لینا نہیں چاہتا ــــ یہ بات سمجھنے کی کوشش کرو تم۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے نرم لہجے میں سمجھانا چاہا تھا۔ مگر عفنان علی خان کا ضبط اس گھڑی جواب دے گیا تھا اور وہ پھٹ پڑا تھا۔

''کیا...... کیا صبر کروں میں؟ کیا سمجھوں؟ ــــ میری جان جا رہی ہے ــــ روح نکل رہی ہے جسم سے ــــ اور تم کہہ رہے ہو میں سمجھوں۔ سبکتگین! ٹرائے ٹو انڈرسٹینڈ! ــــ جان نکل جائے گی تو باقی کیا رہے گا ــــ ہاں ــــ؟ کیا رہے گا باقی؟ ــــ تم سمجھ کیوں نہیں رہے ہو؟ ــــ مجھے جانے دو ــــ پولیس اپنی کارروائی کرے ــــ مگر میں اُسے خود دیکھنا چاہتا ہوں ــــ اگر وہ اس گھر میں ہے تو میری نظروں سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔''

اس کا انداز عجب جنونی تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس لمحے بکھرے، بے حال، نیم جاں شخص کو دیکھا تھا اور پھر سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''گو ــــ گو ان سائیڈ دی ہاؤس ــــ بٹ بی کیئر فل! ــــ تمہاری جان ہمارے لئے بہت قیمتی ہے۔'' ہدایت خاص تھی۔ مگر سننے کی فرصت کہاں عفنان علی خان کے پاس کہاں تھی۔ وہ سرعت سے مڑا تھا اور بھاگتا ہوا گھر کے اندر داخل ہو گیا تھا۔ اوزی نے عفنان علی خان کو گھر کے اندر جاتے ہوئے دیکھا

تھا اور پھر سبکتگین حیدر لغاری کی طرف آ گیا تھا۔

''یہ عفنان کیوں اندر چلا گیا؟''

''ضد ۔۔۔۔ اس کا دل ضدی بچہ بن گیا ہے ۔۔۔۔ اور میں اُسے روک کر اس ضدی بچے پر کوئی قدغن لگانا نہیں چاہتا ۔۔۔۔ اگر میرے ایسا کرنے سے اس کے جنونی پن کو کچھ سکون میسر آ سکتا ہے تو اس کی اضطرابیت میں کچھ افاقہ ہو سکتا ہے تو اس کا اندر چلے جانا ہی بہتر ہے۔ اگر تم بھی چاہو تو اندر جا سکتے ہو۔ مجھے امید ہے تم عفنان کا خیال رکھو گے۔''

سردار سبکتگین حیدر لغاری کا مشورہ اس لمحے دل کے لیے راحت کا باعث بنا تھا۔ اوزان سید نے پیش قدمی کرنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ اس کے قدم تیزی سے اندر کی جانب بڑھ رہے تھے۔ چار سمت کمرے ہی کمرے تھے۔

اوزان سید بھاگتے ہوئے عفنان علی خان کا تعاقب کرنے لگا تھا۔ ہزار گز کے اس گھر کے راستے اس کے لیے یقیناً اجنبی تھے۔ عفنان عجب دیوانے پن سے ایک ایک کمرہ کھول کر جھانک رہا تھا۔ جانے کب سے بند پڑا تھا یہ گھر ۔۔۔۔ ماحول میں عجب ایک گھٹن سی تھی۔

عفنان نے ایک کمرے کی بتی جلائی تھی اور ساکت رہ گیا تھا۔ اوزان سید ایک ایک کمرے میں جھانک رہا تھا جب یکدم ہی نظر عفنان علی خان پر پڑی تھی۔ اُسے ایک کمرے کے دروازے پر ساکت کھڑا دیکھ کر وہ تیزی سے اسکی جانب بڑھا تھا۔ عفنان علی خان عجب بت بنا کھڑا تھا۔

اوزان سید نے اس کے عقب سے اندر جھانکا تھا اور وہ بھی اسی طرح ساکت رہ گیا تھا۔ اندر دکھائی دینے والا منظر وحشت ناک تھا۔ انابیہ شاہ کمرے کے عین وسط میں ۔۔۔۔ فرش پر نیم جاں پڑی تھی۔ کمرے کا فرش اس کے خون سے نہایا ہوا تھا۔ عفنان علی خان کے پتھر سے وجود میں بہت آہستگی سے حرکت ہوئی تھی اور نیم جاں قدموں سے چلتا ہوا انابیہ کی سمت بڑھا تھا۔ گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوئے مضبوط ہاتھ بڑھا کر بہت آہستگی سے اس کے چہرے کو چھوا تھا۔ انابیہ کا سرد پڑتا وجود زندگی کی رمق سے جیسے عاری تھا ۔۔۔۔ اوزی کی کیفیت بھی عفنان علی خان سے کچھ مختلف نہیں تھی۔ بہت تھکے تھکے قدم اٹھتے کے اندر پڑے تھے اور چلتے ہوئے انابیہ کے پاس آن رکے تھے۔ جھک کر اس کی ناک کے آگے ہاتھ رکھ کر یقین کرنا چاہا تھا۔

''عفنان! یہ زندہ ہے ۔۔۔۔ سانس لے رہی ہے ۔۔۔۔ ہری اپ ۔۔۔۔ ڈونٹ ویسٹ دی ٹائم اینی مور۔''

اس کی مدھم پڑتی سانسوں کی رفتار پر اوزان سید چیخا تھا۔ اور وہ ایک ڈوبتا لمحہ جیسے عفنان علی خان کے تھکے ماندے، ہارے ہوئے وجود میں ایک زندگی کی رمق ڈال گیا تھا۔ اس کے شکستہ حوصلے یکدم ہی زندگی سے بھر گئے تھے۔ اس نے سرعت سے اس کے بے جان پڑتے، سرد وجود کو اپنے مضبوط بازوؤں میں اٹھایا تھا اور تیزی کے ساتھ آگے بڑھنے لگا تھا۔

پولیس بھی ان کے گرد جمع ہو چکی تھی۔ پورے گھر میں انابیہ کے علاوہ کسی وجود کے شواہد نہیں ملے تھے۔ جو کوئی تھا بھی تو وہاں سے جا چکا تھا ۔۔۔۔ غالباً اُسے پولیس کے آنے کی خبر پہنچ گئی تھی۔ پولیس کے ہاتھ کچھ ثبوت لگے تھے جنہیں انہوں نے محفوظ کر لیا تھا۔

عفنان علی خان نے بجلی کی سی سرعت کے ساتھ چلتے ہوئے انابیہ کا وجود گاڑی میں ڈالا تھا۔ اوزان بھی اسی تیزی سے فرنٹ ڈور کھول کر اس کے ساتھ بیٹھا تھا اور عفنان علی خان نے طوفانی انداز میں گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔

اس لمحے اُسے کسی خدشے کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔

کوئی حادثہ ہو جاتا تو ہو جاتا ۔۔۔۔

اس کی بلا سے ۔۔۔۔ دنیا فنا ہو جاتی ۔۔۔۔ اُسے کچھ پرواہ نہیں تھی۔ پرواہ تھی تو فقط اتنی کہ انابیہ کو کچھ نہیں ہو۔ وہ بچ جائے۔

اس کی ڈوبتی سانسیں بحال ہو جائیں۔

اور وہ زندگی سے بھر جائے۔

اوزان سید کی کیفیت بھی اسی جیسی تھی۔ فرق تھا تو صرف اتنا کہ انابیہ اس کے لیے کچھ اور حوالہ رکھتی تھی اور عفنان علی خان کے لیے کچھ مختلف۔

مگر دونوں کا مقصد فقط انابیہ کی جان بچانا ہی تھا۔

کیونکہ دونوں کو ہی وہ زندگی اپنی زندگی سے بھی زیادہ پیاری تھی۔

گاڑی اس رات کے پہر میں سناٹوں کو چیرتی ہوئی تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی۔ اوزان سید بار بار پلٹ کر جھکتے ہوئے انابیہ کو دیکھ رہا تھا۔ اُس کا چہرہ سفید پڑ رہا تھا اور جسم ٹھنڈا ۔۔۔۔

عفنان علی خان کے لیے وہ لمحے جیسے قیامت کے سے تھے۔

''ہاؤ ۔۔۔۔ ہاؤ از شی ۔۔۔۔؟'' عفنان علی خان کی آواز جیسے کسی کنوئیں سے آئی تھی۔ عجب شکستہ سا لہجہ تھا۔

''ڈونٹ وری ۔۔۔۔ شی ول بی فائن ۔۔۔۔ خدا جانتا ہے ۔۔۔۔ یہ ہمیں کتنی عزیز ہے۔ اسے کچھ نہیں ہو گا۔ اوپر والا ہمارے ساتھ کوئی ناانصافی نہیں کر سکتا ۔۔۔۔ تم حوصلہ رکھو۔'' ایسے میں جب اپنے حوصلے پست ہو رہے ہوں کسی اور کو حوصلہ دینا نہایت دشوار تھا۔ مگر وہ دونوں اس وقت باری باری ایسا کر رہے تھے۔ کیونکہ گاڑی کی پچھلی سیٹ پر پڑا نیم جاں ہوتا وجود دونوں کو ہی بے حد عزیز تھا۔ وہ ۔۔۔۔ زندگی کی ہلکی سی رمق اپنے اندر لیے لڑکی ۔۔۔۔ اگر اس لمحے دیکھتی تو جان جاتی کہ کوئی اُسے زندگی سے بھی بڑھ کر عزیز جانتا ہے۔

کسی نظرِ خاص کے لیے وہ کتنی خاص اور کسی دل کے لیے وہ جاں کی مانند ہے۔

یہ انکشاف انابیہ شاہ کے لیے یقیناً حیران کن ہوتا!

❋ ❋ ❋

ہاسپٹل پہنچنے پر جس پریشانی اور تاخیر کا سامنا ہو سکتا تھا وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری اور اس کے اثر و

دوست کے باعث نہیں ہوا تھا اور انابیہ کو بروقت ٹریٹمنٹ مل رہی تھی۔

دونوں طرف کی کٹی ہوئی کلائیوں کے باعث بلیڈنگ بہت تیزی سے اور بہت زیادہ ہو گئی تھی۔ یہ بات بہت بڑی تشویش کا باعث تھی۔ انابیہ شاہ کو اس لمحے مصنوعی سانس دی جا رہی تھی۔ مگر اس کی ڈوبتی سانسیں عفنان علی خان کا دل ڈبائے جا رہی تھیں۔ گلاس ڈور کے اس پار سے اُسے اُکھڑے اُکھڑے سانس لیتے دیکھ کر جیسے اس کا دل خود بھی ڈوب رہا تھا۔ کتنی بہت سی دعائیں اُس کے لئے دل نے خاموشی میں خدا سے مانگی تھیں۔

ابھی تھوڑی دیر قبل وہ انابیہ کے لئے اپنا بلڈ ڈونیٹ کر کے آیا تھا۔ یہ محض اتفاق ہی تھا کہ اس کا بلڈ گروپ انابیہ سے میچ کر گیا تھا۔ ورنہ او نیگیٹو گروپ کے بلڈ ملنے میں یقیناً رات کے اس پہر بہت دشواری ہوتی۔ ڈاکٹروں کی ایک ٹیم اس پر جھکی اسے زندگی کی طرف واپس لانے کی سرتوڑ کوشش کر رہی تھی۔ اوزان سید شہزاد بہن کی یہ کیفیت دیکھنے کی ہمت نہیں تھی۔ ضبط سے لب بھینچے سرخ آنکھوں کے ساتھ وہ پلٹا تھا اور راہداری کے ایک کنارے پڑ چار کا تھا۔ مرد تھا ——— لیکن اس حالت میں ضبط رکھنا ناممکن ہو گیا تھا۔ گرم گرم سیال مادہ آنکھوں کے کناروں کو توڑ کر نکلا تھا اور چہرہ بھگوتا چلا گیا تھا۔ عفنان علی خان کی نظریں اس گھڑی جیسے پتھرا گئی تھیں۔ ذہن کچھ سوچ نہ رہا تھا۔ نظریں صرف اس منظر پر جمی تھیں جو وہ شیشے کے اس پار سے دیکھ رہا تھا۔

انابیہ غالباً سانس نہیں لے پا رہی تھی۔ اس کی سانسیں غالباً ٹوٹ رہی تھیں۔ ڈاکٹرز اس پر جھکے ہوئے تھے۔ کوششیں جاری تھیں اسے زندگی کی طرف لانے کی۔ پتہ نہیں کیا لکھا تھا اس کے نصیب میں۔ عفنان علی خان کتنا درد سا اٹھتا محسوس کر رہا تھا سینے کے بائیں طرف۔ جیسے اُس کی جاں اس گھڑی سخت مشکل میں گھر گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی کیفیت کو سمجھتے ہوئے اس کی سمت بڑھا تھا اور اس کی پشت پر کھڑے ہوتے ہوئے اپنا ہاتھ اس کے شولڈر پر رکھ دیا تھا۔

”ڈونٹ ول بی فائن ——— ڈونٹ وری۔“ دلاسہ دیا تھا۔ مگر عفنان علی خان کے بت سے وجود میں کوئی حرکت نہیں ہوئی تھی۔ عجب جنونانہ سا انداز تھا۔ عجب جنوں خیزی تھی ——— سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لئے کسی کی فیلنگز دیکھنا بہت حیران کن تجربہ تھا۔ اُس نے غالباً کبھی اس سے قبل ایسی کوئی کیفیت نہ تو کسی کے لئے محسوس کی تھی نہ کسی اور کی سمت سے اس کا عملی مظاہرہ دیکھا تھا۔

کیا واقعی کوئی اتنا اہم کسی کے لئے ہو سکتا ہے؟

کیا واقعی کوئی اس قدر رگ جاں سے قریب ہو سکتا ہے؟

اتنا عزیز ——— اتنا قریب کہ اس کے بغیر سب ہیچ لگے۔ اس کے نہ ہونے سے کوئی فرق پڑنے اور دل کو کچھ ہونے لگے ——— کوئی قیامت سی روح پر اترنے لگے۔

وہ کتنی حیرت سے عفنان علی خان کی پتھرائی آنکھوں کے سرخ رنگ کناروں کو طغیانی میں گھرا ہوا دیکھ رہا تھا۔ کتنی خاموشی سے نمکین سمندر بند توڑ کر بہے جا رہے تھے۔

کیا محبت واقعی کوئی ایسی شے ہے؟ ——— اتنا زور آور جذبہ ہے؟

کیا محبت اب بھی باقی ہے؟ ——— اب بھی لوگ دیوانے ہوتے ہیں؟ ——— کیا خرد مندی سر پہ پاؤں رکھ کر اب بھی رخصت ہو جاتی ہے جب عشق کا خلل دماغ میں واقع ہوتا ہے؟

سردار سبکتگین حیدر لغاری کس درجہ حیران تھا۔ وہ تو کوئی حوصلہ دینا چاہتا تھا عفنان علی خان کو ——— تسلی کے دو بول بولنا چاہتا تھا ——— مگر وہ کیسا لاجواب سا اس لمحے کھڑا اسے صرف خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔

کیا محبت جیسی چیز اب بھی دنیا میں وقوع پذیر ہو سکتی ہے!

ہو رہی ہے؟

لوگ محبت کی انگلی تھامے، دل کے اشاروں پر اب بھی چلتے ہیں؟ ——— کیا اب بھی ایک جاں دو قالب والا کوئی قصہ پارینہ ہونے سے رہ گیا ہے؟

داستانِ عشق کیا اب تک متروک نہیں ہو سکی؟ کیا اہلِ دل اب بھی باقی ہیں، دل کے اشاروں پر قدم آپ چلنے کے لئے؟؟

وہ یہ تو جانتا تھا عفنان علی خان کسی لڑکی کے لئے سنجیدہ تھا۔ اس قدر اور اس طرح اس نوعیت تک، یہ وہ نہیں جانتا تھا۔

عفنان علی خان کی نظریں شیشے کے اس طرف منظر پر ٹکی تھیں جہاں انابیہ شاہ زندگی اور موت سے لڑ رہی تھی۔

عفنان علی خان کی آنکھوں کے کنارے بہت خاموشی سے بھیگ رہے تھے۔

”اسے کچھ نہیں ہو گا ——— بیلیو می ——— شی ول سروائیو۔“ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے مدھم لہجے میں یقین ہی یقین بول رہا تھا۔

”جس لڑکی کو کوئی اتنا چاہتا ہو، اس کے ساتھ کی اتنی تمنا رکھتا ہو، اسے کیسے کچھ ہو سکتا ہے؟ ——— خدا تمہارے دل کی آواز سن رہا ہے ——— بس ——— تمہارا ایمان کامل ہو گا ——— اُمید رکھو ——— محبت تمہیں رہے گی ——— تمہارے آس پاس، تمہارے دل میں۔ ہمیشہ کے لئے ——— ہمیشہ تک۔“

اس لمحے کی کوئی کرشمہ سازی تھی ——— یا کچھ اور ——— سردار سبکتگین حیدر لغاری شاید خود نہیں جانتا تھا کہ وہ کیا بول رہا تھا۔ اُس کو وہ جذبہ جسے اس نے کبھی خود برتا ہی نہیں تھا وہ اس لمحے اس کے حق میں صدا بلند کر رہا تھا۔

ایمان نہیں تھا اُسے محبت پر ——— پھر نہ جانے کیسی اُمید محبت کی آبیاری کر رہی تھی؟

”یقین رکھو ——— شی ول بی فائن ——— اینڈ ول بی یور۔“

عفنان علی خان جیسے اس گھڑی کچھ نہ سن رہا تھا۔ اس کی نظریں صرف انابیہ پر تھیں جہاں ڈاکٹرز کی مسلسل کوششوں کے بعد اس کی حالت سنبھل چکی تھی ——— اُسے اطمینان سے سانس لیتا دیکھ کر صد شکر کے ساتھ عفنان نے اپنی آنکھیں میچی تھیں اور ایک گہری سانس خارج کی تھی جیسے ایک پہاڑ دل پر سے

سرکا تھا۔

"تھینک گاڈ!" ایک رکی ہوئی سانس خارج ہوئی تھی۔ ڈاکٹرز کے چہرے پر اطمینان دیکھ کر وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری ملائمت سے مسکرا دیا تھا۔

"میں نے کہا تھا نا ــــ اسے کچھ نہیں ہو گا۔"

عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

"میں اوزی کو بتا دوں ــــ وہ گھر فون کر دے ــــ مام اور دادا جی کو ہم نے اب تک کچھ نہیں بتایا۔ وہ یقیناً پریشان ہو رہے ہوں گے۔ اور تم ــــ تمہیں بھی اب گھر چلے جانا چاہیے۔ مائی اماں اور بھابی پریشان ہو رہی ہوں گی۔ تھینکس۔" "اب بھیج کر وہ مشکور ہوا تھا۔ سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

"تم پریشانی میں تھے ــــ کیسے تمہیں چھوڑ کر چلا جاتا؟ اٹس اوکے ــــ مجھے فون کر کے انابیہ کے متعلق بتاتے رہنا ــــ تم ابھی رکو۔ ڈاکٹرز باہر آ رہے ہیں۔ ان سے بات کر لینا ضروری ہے۔ پتہ چل جائے گا کہ انابیہ کی کنڈیشن اب کیسی ہے ــــ کہیں اُس کی حالت اب بھی تشویش ناک تو نہیں۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے خدشہ ظاہر کیا تھا۔

ڈاکٹرز کی ٹیم باہر نکلی تھی اور عفنان علی خان انابیہ کے متعلق پوچھنے لگا تھا۔

"ہاؤ از شی ــــ ڈاکٹرز ــــ؟"

"اِیوری تھنگ از فائن اینڈ انڈر کنٹرولڈ ــــ مگر پھر بھی اگلے بارہ گھنٹوں تک انہیں انڈر آبزرویشن رکھنا ضروری ہے۔ ہم بلڈ دے رہے ہیں۔ مگر بلیڈنگ بہت زیادہ ہو جانے کے باعث اب بھی بلڈ کی ضرورت مزید باقی ہے۔ فرسٹ آف آل، آپ بلڈ کا بندوبست کیجئے گا۔ فی الحال آپ کا ڈونیٹ کیا گیا بلڈ موجود ہے ہمارے پاس۔ مگر وہ وقت کے لئے ناکافی ہے۔ حیرت کی بات ہے، غالباً ہم اسے کوئی فری کل ہی کہیں گے۔ اتنا بلڈ ضائع ہو جانے کے بعد کسی کا بچ جانا کوئی معجزہ ہی ہو سکتا ہے۔ ایسی ہی باتیں ہیں جو خدا پہ بندے کا ایمان مضبوط کرتی ہیں۔" ڈاکٹر مسکرا رہے تھے۔

"کوئی پریشانی کی بات تو نہیں نا ڈاکٹر؟" عفنان علی خان مطمئن نظر نہ آ رہا تھا۔

"نہیں ــــ شی از اوکے ــــ دو چار دن میں آپ اسے گھر بھی لے جا سکیں گے۔ مگر فی الحال کچھ ٹریٹمنٹ ضروری ہے۔ آئی تھنک یو انڈر اسٹینڈ۔" ڈاکٹر ملائمت سے مسکرا دیے تھے۔

"تھینکس ڈاکٹر!" عفنان مشکور نظر آ رہا تھا۔

"تھینکس تو گاڈ ــــ جسٹ" ... اس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے وہ وہاں سے گئے تھے۔ عفنان علی خان، سردار سبکتگین حیدر لغاری کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

"میں چلتا ہوں اب ــــ صبح پھوٹ چکی ہے۔ گھر میں داخل ہوں گا تو نا معلوم کتنی کہانیاں جنم لے رہی ہوں گی۔" سبکتگین حیدر لغاری ملائمت سے مسکرا رہا تھا۔ "پریشانی میں گھر فون کر کے بتا نہیں سکا۔ میں بھی سوچ آف تھا۔ تشویش خطرناک حد تک ہو گی۔ او کے ــــ چلتا ہوں۔ مجھے فون کرتے رہنا۔" اس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے سردار سبکتگین حیدر لغاری آگے بڑھ گیا تھا۔

عفنان علی خان، اوزی کو دیکھنے کے لئے آگے بڑھنے لگا تھا۔ دوسرے ہاتھ سے سیل پر انابیہ کے گھر کا ملاتے ہوئے مام کو خیریت کی اطلاع دینے لگا تھا۔

"جی مام! ــــ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ ہمیں مل گئی ہے۔" عفنان علی خان کے لہجے میں اطمینان چھلک رہا تھا۔ مگر دوسری طرف ماہ وش جہاں یہ خبر سن کر لمحہ بھر کو خوش ہوئی تھیں، وہیں دوسرے ہی لمحے چہرے پر ایک متضاد کیفیت دوڑ گئی تھی۔

"کہاں تھی وہ؟ ــــ اور اب کہاں ہے؟" لہجہ بجھا بجھا سا تھا۔ وہ بیٹی جس کے لئے وہ کئی گھنٹوں سے مسلسل پریشان رہی تھیں، مسلسل ایک ذہنی انتشار میں رہی تھیں، اب مل گئی تھی تو جانے کیوں لہجہ بجھا سا تھا۔ شاید اس لئے کہ وہ کئی گھنٹے گھر کی دہلیز سے باہر گزار چکی تھی۔

عفنان علی خان تمام تفصیلات سے انہیں آگاہ کر رہا تھا۔ مگر دوسری طرف ماہ وش خاموش تھیں۔

❁❁❁

بہت تھکے ماندے قدموں سے سردار سبکتگین حیدر لغاری گھر کے اندر داخل ہوا تھا۔

صبح کی مخصوص سرگرمیاں گھر میں جاری تھیں۔ مائی اماں ناشتے کی ٹیبل پر موجود تھیں۔ غالباً میرب ان کے کیمپس جانے کی تیاری زوروں پر تھی۔ بطورِ خاص بہو کے لئے ناشتہ تیار ہو رہا تھا۔ اور جس کے لئے ناشتہ تیار کیا جا رہا تھا اور خاص لگاوٹ کا مظاہرہ کیا جا رہا تھا وہ اس لمحے فون اسٹینڈ کے قریب کھڑی فون پر کسی سے گفتگو میں مصروف تھی۔

سبکتگین حیدر لغاری نے ایک نگاہ ڈالی تھی۔

"ارے سبکتگین حیدر! آ گئے تم بیٹا؟ ــــ کہاں رہے رات بھر؟ ــــ کم از کم فون ہی کر دیا ہوتا۔" مائی اماں پریشانی سے گویا ہوئی تھیں۔ وہ بہت تھکے ہوئے انداز میں مسکرا دیا تھا۔

"بس مائی اماں! کچھ مشکل صورتحال پڑ گئی تھی۔ سو موقع ہی نہیں ملا۔ اور سچ کہیں تو دھیان بھی نہیں رہا۔ ماحول خاصا ٹینس تھا۔" سرخ ڈوروں سے بھری آنکھوں سے وضاحت دینا چاہی تھی۔ جب میرب ان کی آواز کانوں میں پڑی تھی۔

"جھوٹ کے پیر نہیں ہوتے ــــ اگر ہوتے تو بیچارا صاف پکڑا جاتا۔ جب بات پرسنل ہی نہیں کی جا سکی تو پھر اسے جھوٹ کا سہارا لینے کی ضرورت ہی کیا ہے؟"

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے مڑ کر دیکھا تھا۔ وہ غالباً کسی سے فون پر گفتگو کر رہی تھی۔ چوٹ یقیناً اس پر نہیں تھی۔ گفتگو کا لب لباب اس کے کسی اپنے موضوع سے متعلق تھا۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری کو جانے کیوں لگا تھا کہ کوئی اس پر صاف طنز کر رہا ہو ــــ چہرے پر ایک ناگواری نظر آئی تھی اور آنکھوں میں کسی قدر غصہ۔

"آؤ بیٹھو ــــ چائے لو ــــ ناشتے میں کیا لو گے تم؟" مائی اماں نے دریافت کیا تھا۔ مگر پھر سبکتگین حیدر لغاری کے کچھ بولنے سے قبل ہی وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

"تم بیٹھو، میں تمہارے لئے ناشتہ بنواتی ہوں۔" وہ چلتی ہوئی کچن کی سمت بڑھ گئی تھیں۔ سبکتگین حیدر

لغاری بجائے بیٹھنے کے اسی طرح کھڑا رہا تھا۔ نظریں جانے کیوں کچھ تفاوت پر کھڑے وجود کے سراپے میں اُلجھتی رہی تھیں۔

"صبح صبح میں کوئی وضاحت سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ نہیں ـــــــ بالکل بھی نہیں ـــــــ تم اپنی تمام باتیں سنبھال کر رکھو ـــــــ جب میرا موڈ ہوگا، تمہیں بتا دوں گی ـــــــ کہہ دیا ـــــــ مگر ابھی نہیں۔" میرب بہت شگفتگی سے مسکرا رہی تھی۔ اُس کے شفاف چہرے پر بہت اُجلا پن تھا۔ جیسے صبح اُس کے چہرے پر کھل رہی تھی۔ وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی موجودگی سے یقیناً واقف تھی۔ مگر انداز بے حد سرسری سا تھا۔ جیسے اسے کوئی پرواہ نہ ہو۔ کوئی فرق نہ پڑتا ہو۔ کوئی اجنبی سی نگاہ بھی اس جانب نہ اُٹھی تھی۔ غالباً وہ دانستہ اس شخص کو نظر انداز کر رہی تھی۔ اس لمحے مسکراتی ہوئی وہ جیسے اس ماحول کا حصہ بھی نہ تھی۔ یا جیسے سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے لئے وہاں موجود ہی نہیں تھا۔

"سیفی! پلیز ـــــــ میں آ رہی ہوں نا کیمپس۔ جو بات کرنا ہے، وہیں کر لینا۔ اور وہ سب باتیں بھی جو تم......"

سردار سبکتگین حیدر لغاری کو جانے کیا ہوا تھا۔ جانے کب، کیوں اور کیسے قدم میرب سیال کی طرف اُٹھے تھے۔ اس کے قریب رکے تھے۔ بغور توجہ سے دیکھا تھا اور ریسیور اس کے ہاتھ سے لے لیا تھا۔ میرب سیال اسے حیرت سے تکنے لگی تھی۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ریسیور کریڈل پر ڈال کر اسے مکمل طور پر اجنبی انداز برتا تھا۔

"یہ...... یہ کیا بدتمیزی ہے؟ ـــــــ آپ کا ایسا کرنے کا کیا حق بنتا ہے؟ کیا، کیا ہے آپ نے یہ؟" میرب سیال کی ہمت قابلِ دید تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لئے یہ لمحہ یقیناً حیران کن تھا۔ کتنی ناگواری نظر آئی تھی ان سرخ آنکھوں میں۔ سرخی مزید بڑھ گئی تھی۔ کس درجہ بے نیازی تھی دوسری طرف۔ لاتعلقی اور کس درجہ ترحم ـــــــ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے آہنی ہاتھ بڑھا کر اس نازک شانے پر دھرا تھا اور اس کے ایک سمت دانستہ مڑے ہوئے چہرے کے رخ کو ہاتھ بڑھا کر اپنی سمت موڑا تھا۔ میرب سیال کے لئے صبح صبح یہ افتاد یقیناً ناگہانی اور ناقابلِ قبول تھی۔ مگر افسوس، اس لمحے وہ وہاں سے فوری طور پر چاہ کر بھی تو ہٹ نہیں سکی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری آنکھوں میں بہت سی ناپسندیدگی اور ناگواری لئے اسے دیکھ رہا تھا۔ میرب دانستہ نظریں پھیر گئی تھی۔

"بازپرس کرنا چاہتی ہو؟ نظر رکھنا چاہتی ہو؟ تو پھر اس طرح نظر پھیرے کیوں کھڑی ہو؟ ـــــــ نظر اُٹھاؤ ـــــــ دیدہ و دل پر وار کرو ـــــــ حوصلہ ہے سہنے کا ـــــــ جتنے تیر ترکش میں ہیں سب آزما لو۔ کوئی قید و بند نہیں ہے۔ مگر اٹس ناٹ فیئر اے فیئر گیم ـــــــ سردار سبکتگین حیدر لغاری کو پیچھے سے چھپ کر وار کرنے والے لوگ انتہائی ناپسند ہیں اور انہیں ان موصوف کی ڈکشنری میں کاورڈ کہا جاتا ہے۔ اور بزدلوں کے لئے میری زندگی میں دوستی یا دشمنی کے لئے کوئی جگہ نہیں۔" اس کے آہنی ہاتھ کی گرفت اس کے شانے پر خطرناک حد تک سخت تھی۔ آواز بھی مدھم تھی۔ مگر لہجہ کس قدر درشت تھا۔

میرب سیال کے لئے وہ لمحے قیامت خیز تھے۔ وہ جتنا ان قربتوں سے بھاگتی تھی، وہ لمحے اتنے ہی

دوری سے اس کے تعاقب میں آتے تھے۔ اس لمحے بھی وہ نظر پھیر گئی تھی۔ اس کے باوجود کہ اسے بزدل ہونے جانے کیسے کیسے خطابات سے نوازا گیا تھا۔

"توجہ اور کرم کے پہلو وہاں نکلتے ہیں جہاں نگاہ میں تمناؤں کا ڈھیر دکھائی دے۔ خواب لمحوں کے تعاقب میں آگے کا شوق اس قدر ہو تو نگاہ کو روشن رکھنا اور قدموں کو صحیح سمت پر ڈالنا از حد ضروری ہے۔ غلط سمت یا غلط سمت چلنے والے قدم منزل پر یا تو پہنچتے ہی نہیں۔ یا بہت دیر سے پہنچتے ہیں۔" جانے وہ کیا سمجھانا چاہ رہا تھا۔ جانے کیا سمجھا تھا وہ۔ جانے کیا اخذ کیا تھا؟

میرب سیال حیران تھی۔ مگر وہ جانتی تھی یا تو وہ غلط سمجھ رہا تھا یا پھر تمام لفظوں، معنوں اور رنگوں کو صرف اپنے رنگ میں دیکھنا چاہتا تھا اور اپنے رنگ میں ہی دیکھتا تھا۔ اس کی ایک غلط فہمی یہ بھی تھی کہ وہ میرب سیال کو اپنے تابع اور رعایا کا حصہ سمجھتا تھا۔ مگر وہ اس کے حاکمانہ مزاج سے بغاوت کرنے کو تیار کھڑی تھی۔

اس کی سمت بھرپور اعتماد سے دیکھتے ہوئے اس کا ہاتھ اپنے شانے پر سے ہٹایا تھا اور اسی قدر اعتماد سے مڑی تھی اور چلتی ہوئی ناشتے کی ٹیبل کی طرف بڑھ گئی تھی۔ تبھی مائی اماں ملازم کے ساتھ سردار سبکتگین حیدر لغاری کا پسندیدہ ناشتہ لئے اندر داخل ہوئی تھیں۔

"فارغ ہو گئیں تم؟ ـــــــ چلو جلدی سے ناشتہ کر لو۔ اور تگین! تم وہاں کہاں کھڑے ہو؟ ـــــــ چلو آؤ یہاں، ناشتہ کر لو۔ پھر آرام کر لینا۔ اور آج بزنس کے بکھیڑوں کو کچھ سائیڈ پر رکھ دینا۔ چہرے سے ہی تھکے ہوئے لگ رہے ہو۔ ابھی تھوڑی دیر قبل فاطمہ سے بات ہوئی تھی۔ اُسی نے بتایا انابیہ کے متعلق۔ تم بات بھر وہاں تھے تو خبر کیوں نہیں کی؟ ـــــــ اب کیسی ہے وہ؟ ـــــــ تم لوگوں سے فارغ ہو جاؤں تو میں بھی نکلوں گی اس کی طرف۔ ہوا کیا تھا اُس کے ساتھ؟ ـــــــ فاطمہ بتا رہی تھی کوئی کڈنیپنگ کا کیس تھا؟ خدا کا شکر کہ وہ بازیاب ہو گئی۔ مگر ـــــــ کیا پتہ، کیا کیا گزری اس بیچاری پر ـــــــ بتا رہی تھی، عفنان بہت اذیت میں رہا اسے لے کر۔" مائی اماں سلائس پر جیم لگاتے ہوئے اسے دیکھ رہی تھیں۔

مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری کچھ بھی کہے بغیر اندر کی سمت بڑھ گیا تھا۔ میرب سیال کو اس شخص کے معاملات سے کچھ لینا دینا نہیں تھا۔ اور کوئی سروکار وہ رکھنا بھی نہیں چاہتی تھی۔

وہ کیا سمجھ رہا تھا؟ ـــــــ میرب سیال اُس کی فکر میں دبلی ہوئی جا رہی ہے؟ اُس کے متعلق ـــــــ اُس کے معاملات سے متعلق ذہنی کشمکش ہے؟ ـــــــ سوچ خاصی شرمندہ کر دینے والی تھی۔ جبکہ ایسا کچھ تھا ہی نہیں تو پھر سردار سبکتگین حیدر لغاری اتنا خوش فہم کیوں ہو رہا تھا؟ کیوں سوچ رہا تھا کہ وہ اس کے متعلق پرواہ کرتی ہے اور فکرمند ہے۔ اور اسے اس کے معاملات سے انتہائی حد تک لگاوٹ ہے۔ ایسی صورت میں جبکہ وہ اجنبی بننا چاہتی تھی اور لاتعلق نظر آنا چاہتی تھی۔ اس کی یہ سوچ میرب سیال کے لئے کس قدر تشویش کا باعث تھی۔

مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری کی کوئی کل ڈھیلی ضرور تھی۔ عجیب دکھسکا ہوا شخص تھا۔ اور وہ اس کے متعلق سوچ کر یقیناً اپنا وقت برباد کر رہی تھی۔ اسے جو سوچنا تھا، وہ سوچتا رہتا۔ میرب کی بلا سے۔

میرب سیال نے ہر طرف کی سوچوں کو ایک طرف ڈالتے ہوئے چائے کا کپ اٹھایا تھا اور بغور چہرے پر بغور نظریں جماتے ہوئے چائے کے سپ لینے لگی تھی۔

❁ ❁ ❁

میرا کچھ ساماں
تمہارے پاس پڑا ہے
وہ ساون کے کچھ بھیگے بھیگے دن
رکھے ہیں
اور میرے اک خط میں لپٹی
رات پڑی ہے
وہ رات بجھا دو
میرا وہ سامان لوٹا دو!
پت جھڑ ہے کچھ..... ہے نا
پت جھڑ میں کچھ پتوں کے
گرنے کی آہٹ
کانوں میں اک بار
پہن کے لوٹائی تھی
پت جھڑ کی شاخ ابھی
تک کانپ رہی ہے.....
وہ شاخ گرا دو.....
میرا وہ سامان لوٹا دو.....

بات مصروفیات کے لمحوں کی نہیں تھی ـــــ زندگی کچھ اتنی فراغت سے بھری بھی نہ تھی۔
مگر عجب کہانی تھی کہ ہر لمحہ اُس کی یادوں سے بھرا تھا۔ وہ جیسے سارے لمحے اپنے نام کرنا چاہتی تھی۔ یا پھر وہ خود ہی دامن بچانا نہیں چاہتا تھا۔ مدعا چھڑانا ـــــ عجب اک دور تھی۔
ان دیکھی ـــــ ان جانی ـــــ!
مگر دل سے ایسی بندھی تھی کہ رابطہ تو تھا ہی نہ تھا۔ رابطہ بظاہر نہ تھی ـــــ کوئی سلسلہ بھی نہ تھی۔۔۔
مگر کچھ تھا ـــــ یکطرفہ سہی ـــــ مگر اذہان حسن بخاری اس سلسلے کو توڑ نہیں سکا تھا۔ وہ کتنے لمحے ساکت سا بیٹھا اس کی تصویر کو دیکھ رہا تھا۔ لبوں پر کوئی سوال نہ تھا۔
نہ کوئی شکوہ ـــــ نہ شکایت ـــــ!
نہ جھوٹ موٹ کی خفگی ـــــ نہ ناراضگی...
بس وہ چپ چاپ ان خد و خال کو دیکھ رہا تھا۔

دل میں کوئی آنچ سی سلگتی ہوئی اب بھی باقی تھی۔
کوئی دبی دبی سے چنگاری اب بھی راکھ کے نیچے دبی تھی۔
بس اک ذرا ہوا لگنے کی دیر تھی اور چنگاری کو آتش بنتے دیر نہ لگتی۔
مگر اُسے خود پر اختیار تھا ـــــ
بے حد ـــــ بے حساب ـــــ!
اور وہ خود یہ بات اچھی طرح سے جانتا تھا۔
سو تمام تر اضطراب، تمام بے چینی، روح کے اندر کی افراتفری، دل کے اندر کی شخیانی، بے کیف دل کی شوریدہ سری دل جھیلتا تھا ـــــ اور اس کے پاس کہنے کے لئے کچھ نہیں تھا۔ سننے کے لئے بھی کچھ باقی نہیں بچا تھا۔
اگر سب کچھ عبث تھا تو وہ کیوں چل رہا تھا اس راہ پر۔
کیوں مسلسل اس بے کلی کے ساتھ جی رہا تھا۔
اندر سے کئی سوال اٹھتے تھے۔ مگر وہ کچھ بھی ترک نہیں کر سکتا تھا۔ چاہتے ہوئے بھی نہیں۔
ایک ایک نقش کو دیکھتے ہوئے وہ جیسے اس ماحول کے اندر تھا۔ ان لمحوں میں جی رہا تھا۔
”کیوں..... کیوں کر رہے ہو تم میرے ساتھ ایسا؟ ـــــ کیوں ـــــ کس لئے؟“ کسی لہجے میں درجہ بے چینی تھی۔ مگر وہ نگاہ اجنبی سی تھی۔
”اگر تم سوچ رہے ہو کہ میں تمہارے اس طرح اجنبی ہو جانے سے تم سے اجنبی ہو جاؤں گی تو تم غلطی پر ہو اذہان حسن بخاری! تم مجھے جانتے نہیں ہو۔ میں کچھ بھی کر سکتی ہوں۔“ دھمکی آمیز لہجہ تھے۔
”کیا..... کیا کرو گی تم؟ ـــــ بولو، کیا؟“ اذہان حسن بخاری نے اسے شانوں سے تھام کر جھنجھوڑا!

”جان ـــــ جان دے دوں گی میں اپنی ـــــ انڈراسٹینڈ؟“ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر تی ہوئی وہ مضبوط لہجے میں گویا ہوئی تھی۔ مگر اذہان حسن بخاری نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔
”یہ کرنا آسان نہیں ہے ـــــ اور تم ایسا کچھ کرو گی بھی نہیں ـــــ انڈراسٹینڈ؟“ مضبوط لہجے میں کراتے ہوئے اسے ایک جھٹکے سے چھوڑا تھا اور چلتا ہوا قدرے دور جا رکا تھا۔
”تم مجھ کو کیوں نہیں رہی ہو؟ ـــــ کیوں نہیں ـــــ کہ ہمارے راستوں کی کوئی منزل نہیں ہے۔“
”اور کیا تم مجھے بھول سکو گے؟“ وہ چلتی ہوئی اس کے قریب آن رکی تھی۔ آنکھیں پانیوں سے لبریز تھا۔ ایک ہلچل سی تھی ان آنسو دولن پر۔
”تمہیں اندازہ ہے اذہان حسن بخاری! ـــــ تم کیا کر رہے ہو؟“
مگر رخ پھیرے اذہان حسن بخاری کے لبوں پر کوئی جواب نہ تھا ـــــ فقط ایک چپ تھی... ساکت، چپ۔
”اذہان! میرے بغیر تم کیا کرو گے؟ ـــــ یہ دن ـــــ یہ رات ـــــ یہ لمحے، تمہیں نہیں لگتا ان

سب کا پل پل قیامت ہو گا کاٹنا۔ کیا سوچ رہے ہو تم؟ ــــــ یہ فصیلیں کیوں اٹھا رہے ہو تم اپنے اور میرے درمیان؟ ــــــ کیوں رکھ رہے ہو یہ صدیوں کی تنادتیں اپنے اور میرے بیچ؟ ــــــ فاصلے اگر گے تو صدیاں بن جائیں گے اذہان! تمہاری یہ نظر، تمہاری یہ نگاہ دوبارہ کبھی مجھے دیکھ نہیں پائے گی۔"

"پھر کیوں ــــــ کیوں جا رہے ہو تم ایسا؟ ــــــ وہ بھی دانستہ؟" ان سبے چین جھلکتی آنکھوں میں اضطراب ہی اضطراب تھا۔ مگر ان سوالوں کا کوئی جواب اذہان حسن بخاری کے پاس نہ تھا۔

حسن سراپا احتجاج تھا۔ مگر اذہان حسن بخاری اسی طرح پشت پھیرے کھڑا رہا تھا۔

"ہمارے درمیان یہ فاصلے دانستہ ہیں۔ بہتر یہی ہے تم سب کچھ بھلا دو۔ فراموش کر دو۔ زندگی میں بعض باتیں بھلا دینا ہی ضروری ہوتی ہیں۔ ورنہ ان کی کسک جینے نہیں دیتی۔" رخ پھیرے پھیرے وہ مدھم لہجے میں بولا تھا۔

"تمہیں یقین ہے اذہان! تم سے الگ ہو کر میں جی رہی ہوں گی ــــــ یا تم جی رہے ہو گے۔ کیوں ــــــ کیوں بانٹ رہے ہو تم خود کو اور مجھے ٹکڑوں میں؟ ــــــ یہ ٹکڑوں میں جینا آسان تو نہیں ہو گا۔ نہ تمہارے لئے، نہ میرے لئے۔"

خیالوں کا تمام سلسلہ ایک لمحے میں منقطع ہوا تھا۔

اذہان حسن بخاری کا سیل فون بج رہا تھا۔ وہ چونکا تھا اور تمام چیزیں وہیں چھوڑ کر کال ریسیو کرتے ہوئے ٹیرس کی طرف نکل گیا تھا۔ کمرے کا ماحول عجیب ہو رہا تھا۔ گھٹن سی گھٹن تھی ہر طرف۔ اذہان حسن بخاری کے لئے سانس لینا تک دشوار ہو رہا تھا۔ آفس سے ضروری کال تھی۔ بات کرنا ضروری تھا۔ ورنہ وہ کسی سے بات کرنے کے موڈ میں اس وقت نہ تھا۔ ٹیرس پر کھڑے بات کرتے ہوئے اذہان حسن بخاری کو اندازہ نہیں تھا کہ اس وقت اس کے کمرے میں کوئی آ بھی سکتا ہے اور ان بکھری چیزوں کو، ان تمام یادوں کو دیکھ بھی سکتا ہے۔ وہ وہیں ٹیرس پر مصروف گفتگو تھا جب سامیہ وہاں، اس کے کمرے میں آئی تھی۔

"اذہان ــــــ!" دروازے میں رک کر پکارا تھا۔ مگر جواب نہ پا کر اندر بڑھ آئی تھی۔

"اذہان ــــــ!" دوسری آواز دیتے ہوئے بھی وہ غالباً یہی اخذ کر رہی تھی کہ وہ واش روم میں ہے۔ کمرے کے اندر قدم رکھتے ہوئے وہ یکدم چونکی تھی۔ بیڈ پر یہاں سے وہاں کئی Souvenir بکھرے پڑے تھے۔ کئی یادیں ــــــ کئی تصویریں ــــــ کئی خدوخال ــــــ اور سامیہ خان نے جھک کر ایک تصویر اٹھائی تھی۔ نظر ساکت رہ گئی تھی۔ دل جیسے لمحہ بھر کو دھڑکنا بھول گیا تھا۔

سامیہ اسی طرح تصویر پر نظریں جمائے کھڑی تھی جب اذہان حسن بخاری اندر داخل ہوا تھا اور سامیہ خان کو وہاں موجود پا کر ساکت رہ گیا تھا۔

سامیہ خان نے بہت آہستگی سے نظر اٹھا کر اس کی سمت دیکھا تھا۔

"اذہان! ــــــ یہ ــــــ"

مگر اذہان حسن بخاری کچھ نہیں کہہ سکا تھا۔ شاید کہنے کو بس کے پاس تھا بھی نہیں۔ سامیہ خان اس تصویر کو وہیں ڈال کر بہت سرعت سے مڑی تھی اور چلتے ہوئے اس کے قریب سے نکل جانا چاہا تھا مگر تبھی

اذہان حسن بخاری کی گرفت میں آ گیا تھا۔

سامیہ خان رک گئی تھی۔ مگر پلٹ کر اس کی سمت دیکھ نہیں سکی تھی۔ اذہان حسن بخاری نے اسے بغور [illegible]ا تھا۔ اس کی سمت سے رخ پھیرے کھڑی یقیناً ان لمحوں میں بہت دل گرفتہ تھی۔

"کچھ کہو گی نہیں؟ ــــــ کوئی وضاحت نہیں مانگو گی؟" مدھم لہجے میں دریافت کیا تھا۔ مگر سامیہ [illegible]نا اس کی سمت دیکھے بہت آہستگی سے ہاتھ چھڑا کر آگے بڑھ گئی اور اذہان حسن بخاری کھڑا اپنے اس [illegible]ہاتھ کو دیکھتا رہ گیا تھا۔

سامیہ خان گاڑی کا دروازہ کھول کر بیٹھی تھی اور گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔ آنکھیں تیزی سے بھیگ رہی [illegible]ن اور اس کے ساتھ اردگرد کے تمام منظر بھی بھیگتے دکھائی دے رہے تھے۔

ایک اکیلا چھتری میں
جب آدھے آدھے بھیگ رہے تھے
آدھے سوکھے آدھے گیلے.....
سوکھا تو میں لے آئی تھی
گیلا من شاید بستر کے پاس
پڑا ہو.....!
وہ بھجوا دو.....!!
میرا وہ سامان لوٹا دو.......
ایک سو سولہ چاند کی راتیں
ایک تمہارے کاندھے کا تل
گیلی مہندی کی خوشبو
جھوٹ موٹ کے شکوے کچھ
جھوٹ موٹ کے وعدے بھی
یاد دلا دوں.......
سب بھجوا دو.......
میرا وہ سامان لوٹا دو.......
میرا کچھ سامان
تمہارے پاس پڑا ہے
وہ ساون کے کچھ بھیگے بھیگے دن رکھے ہیں
وہ میرے اک خط میں لپٹی رات پڑی ہے
وہ رات بجھا دو.......
میرا وہ سامان لوٹا دو.......!

کیسا تھا یہ ہم سفر ——— کیسا تھا وہ ساتھ ——— کیسا بندھن تھا جو بندھ کے چار پا تھا۔ کیا ——— دھاگے سے بھی بہت کچا، کچے رنگوں والا ——— ایک کچا بندھن ——— کچھ بوندیں پڑی تھیں اور منظر بھیگتا چلا گیا تھا۔ سارے کچے رنگ پھیلتے چلے گئے تھے۔

پھیکے رنگ کتنی جلد اترے تھے ——— اور ——— ایسا ——— ایسا تو ہوتا ہے ——— پھر ——— نظر حیران کیوں تھی؟

دل میں عجیب درد سا کیوں تھا؟

یہ کیوں چین کھنس پڑ رہا تھا؟

کیوں سب کچھ ختم ہوتا دکھائی دے رہا تھا؟

سامیہ خان کو خود اپنے دل کی دھڑکنیں حد درجہ مدھم سنائی دے رہی تھیں۔ جیسے ——— کہیں ——— کچھ ڈوب رہا تھا۔

کیا؟ ——— وہ نہیں جانتی تھی۔

❋❋❋

ویرانی تو تھی مگر اس درجہ بھی نہیں۔

پہلے جب گھر میں داخل ہوتا تھا، شاید اس کا احساس بھی نہیں ہوتا تھا۔ مگر آج گھر میں داخل ہوا تو ویرانی کا واضح احساس ہوا تھا۔

"مائی اماں! ——— میرب کہاں ہے؟" جانے کس خدشے کے پیش نظر دریافت کیا تھا۔

"میرب تو اپنی نانی کی طرف گئی ہے۔ تجھے بتایا تو تھا۔ اسے اسٹڈی میں ہیلپ درکار ہے ——— تمہارے ساتھ جانے کے باعث اس کی اسٹڈی کا خاصا حرج ہوا ہے ——— جسے مکمل کرنا ضروری تھا خیریت، تُو کیوں پوچھ رہا ہے؟ ——— کیا میرب نے تجھے بتایا نہیں تھا ———؟" مائی اماں نے دریافت کیا تھا۔ اور سردار سبکتگین حیدر لغاری نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"نہیں شاید، بتایا تو تھا ——— غالباً مجھے ہی یاد نہیں رہا۔ پریشانی اس قدر رہی کہ ——— خیر میں دیکھ لیتا ہوں۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری الٹے قدموں واپس پلٹا تھا۔ مائی اماں حیرت سے تکتی رہ گئیں۔

"کہاں جا رہے ہو بیٹا؟ ——— کچھ مجھے بتاؤ گے تم؟" وہ راہداری کے دوسرے کنارے پر تھا۔ مائی کی آواز سن کر پلٹا تھا اور مسکرا دیا تھا۔

"پریشان نہ ہوں مائی اماں! ایک ضروری کام یاد آ گیا ہے۔ ابھی تھوڑی دیر میں واپس لوٹتا ہوں۔ آپ کھانا تیار رکھیے۔" اس کا شگفتہ لہجہ بھی شاید ماں کی ہی بدولت تھا یا پھر انہیں مطمئن کرنے کا کو بہانہ۔ وہ تیزی سے پلٹا تھا اور گاڑی کی سمت بڑھ گیا تھا۔

چہرے کی کوئی کیفیت پراسرار یا سمجھ میں نہ آنے والی نہیں تھی۔ غالباً اپنے چہرے سے وہ بہت مطمئن اور ریلیکس نظر آ رہا تھا۔ انداز میں کوئی جارحانہ پن نہیں تھا۔ ڈرائیو بھی اسموتھ اینڈ سیف تھی۔ مطلوبہ جگہ آنے پر گاڑی بہت اطمینان کے ساتھ روکی تھی اور گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکلا تھا۔ دستک دینے

لیے بہت عزت و احترام سے اندر لے جایا گیا تھا اور دیکھنے والی ہر نگاہ اسے وارم ویلکم دے رہی تھی۔ دیتی بھی کیوں نہ۔ آخر کو وہ اس گھر کا داماد تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری سب سے بہت خندہ پیشانی سے مل رہا تھا۔ لبوں پر بڑی شگفتہ سی مسکراہٹ تھی۔ غالباً آج کے دن میں اس سے زیادہ خوش اخلاق کوئی دوسرا بندہ تھا نہیں۔

اس کا ثبوت وہ سب سے باری باری مل کر دے رہا تھا۔

سب خوش تھے ——— حیران تھی تو بس میرب سیال۔

حیرت تھی تو صرف اس کی نظر میں۔

"سبکتگین بھائی! اس روز آپ سے ملنے اور آپ کو دیکھنے کی اتنی چاہ تھی۔ مگر افسوس، آپ دو بار آنے بھی آپ سے ملاقات نہیں ہو سکی۔" ہادیہ مسکرا رہی تھی۔ "لیکن ایک بات کہوں گی، آپ واقعی لاجواب ہیں۔ ہماری میرب بہت لکی ہے۔" ان سب کے شگفتہ جملوں کا جواب دیتا ہوا وہ کہیں سے بھی سردار سبکتگین حیدر لغاری نہ لگ رہا تھا۔ وہ تو کوئی اور ہی لگ رہا تھا۔ بڑوں کے ساتھ بات کرتے ہوئے ایک خاص حد ادب اور احترام ——— مؤدب سا انداز گفتگو ——— یہ آج کیا ہو گیا تھا اس بندے کو۔

میرب سیال اسی طرح ایک کونے میں ساکت سی کھڑی تھی۔

"نانو! ——— کیا آج میں میرب کو اپنے ساتھ لے جا سکتا ہوں؟ وہ دراصل ایک دوست نے دعوت دی ہے اور میرب کا میرے ساتھ جانا ناگزیر ہو گیا ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو......"

وہ کتنے مؤدب انداز میں انتہائی تابعداری سے کہہ رہا تھا۔ میرب سیال کی نگاہ اسے بغور دیکھ رہی تھی۔ اچھا تاثر دینا چاہ رہی تھی غالباً ——— تو کیا ——— سردار سبکتگین حیدر لغاری پھر کوئی جال بُن رہا تھا۔

"بیٹا! کیوں نہیں ——— تم میرب سے پوچھ لو ——— اگر اسے اعتراض نہ ہو تو ضرور لے جاؤ۔" نانو بولیں اور وہ اس ہجوم میں کھڑی میرب سیال کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

نظروں میں ملائمت تھی اور لبوں پر مسکراہٹ۔

"میرب! کیا تم میرے ساتھ چلو گی؟"

"چلے گی کیوں نہیں؟ ——— اس میں بھلا انکار کرنے والی بات کون سی ہے؟ میرب کو تو بہت خوش ہونا چاہیے۔ کیوں میرب؟" کزن زاویہ نے اسے مسکراتے ہوئے ایک آنکھ بند کر کے ٹہوکا مارا تھا۔ انداز شرارت سے پُر تھا۔ مگر میرب مسکرائی نہیں تھی۔ اس شخص کی سمت دیکھا تھا۔ نظریں ملی تھیں۔ ایک بھرپور نظر ڈالی گئی تھی دوسری سمت سے۔ میرب خاموشی سے سر ہلاتی ہوئی چینج کے لیے اندر بڑھ گئی تھی۔

بڑی مختصر سی تیاری کے ساتھ وہ کچھ لمحوں کے بعد سردار سبکتگین حیدر لغاری کے سامنے تھی۔ موصوف نانا ماموں کے ساتھ بیٹھے بڑے خوش گوار موڈ میں خوش گپیوں میں مصروف تھے۔

"چلیں۔" چلتے ہوئے قریب پہنچ کر دریافت کیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی سمت متوجہ ہوا تھا۔ ایک نظر سر تا پا اسے تنقیدی زاویے سے دیکھا تھا۔ پھر لب بھینچ کر مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ میرب سیال جانتی تھی اس تمام میں اس کا کوئی اپنا مقصد چھپا ہوگا۔

کہیں نہ کہیں اس کا اپنا مطلب ضرور ہو گا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری بنا مقصد اور مطلب کے کوئی کام کر گزرتا، امپاسبل۔ اپنے کنسرن کے بغیر وہ ایک قدم بھی نہیں اٹھاتا تھا۔ اس کے ساتھ رہتے رہتے وہ اتنا تو جان ہی گئی تھی۔ اس کے ساتھ بیٹھتے ہوئے میرب سیال نے اسے بغور دیکھا تھا۔

مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری کو شاید اس کی سمت سے کوئی فکر لاحق نہ تھی۔ نہ ہی وہ اس کے موڈ کے اس قدر تابع تھا کہ اس کی اس درجہ پرواہ کرتا۔ اسموتھلی اینڈ سیف ڈرائیو کرتے ہوئے سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اپنے خوشگوار اور بھرپور موڈ کا احساس دیا تھا۔ اور ہاتھ بڑھا کر پلیئر آن کر دیا تھا۔

بھیگی سی اک رات یہ
لے آئی کیا ساتھ یہ!
دھڑکنیں جو ہمیں
کہنے لگی تھیں
خاموشی کے درمیاں
کب چاہی تھی بات یہ
دھڑکنیں جو ہمیں
کہنے لگی ہیں
نہ کہو...... نہ سنو......؟
خامشی گفتگو ہونے لگی ہے
زندگی خواب میں کھونے لگی ہے!!!

سردار سبکتگین حیدر لغاری اور یہ تیور —— یہ شغف کب تھے اُسے؟
کتنا مسرور دکھائی دے رہا تھا وہ اس لمحے —— ڈرائیو کے دوران ایک بار بھی اس کی سمت نہ دیکھا تھا۔ مگر چہرے کا اطمینان قابل دید تھا۔

نہ کہو
نہ سنو
خامشی گفتگو ہونے لگی ہے
زندگی خواب میں کھونے لگی ہے

مغنی کی آواز دلربا تھی۔ ایک سحر باندھتی ہوئی۔ مگر اس سب کی ضرورت یہاں کہاں تھی؟ —— اور کس لئے؟ میرب سیال اگر حیران نہ ہوتی تو یقیناً قیامت ہوتی۔ وہ اس شخص کو سمجھنے کا جتنا دعویٰ کرتی تھی، کھلا یہی تھا کہ وہ کچھ نہیں سمجھی —— کچھ بھی نہیں —— اُسے مکمل طور پر سمجھنا شاید ناممکن تھا —— اور اب یہ صورت حال —— ایسا کر کے وہ میرب سیال کو یقیناً چڑانا چاہ رہا تھا۔ مگر کیوں؟ —— کس لئے؟

وہ تو مطلوب نہیں تھی نا اسے ——؟

سرے سے کوئی گنجائش ہی نہیں تھی اس کے لئے دل میں۔
تو پھر یہ سارے بہانے کس بات کے لئے تھے؟ ...... کس لئے تھے؟
وہ کچھ نہ سمجھی تھی۔ ہاتھ بڑھا کر کیسٹ پلیئر آف کر دیا تھا۔
''ہم کہاں جا رہے ہیں؟'' سوال براہ راست پوچھا تھا۔ مگر دوسری سمت سے جواب دیئے بغیر دوبارہ پلیئر آن کر دیا گیا تھا۔

تقدیریں لے آئی ہیں
تم پہ چھڑے دو جھکے
ایسا کیا ہے
اتنے کیوں اچھے لگتے ہو مجھے
تم ہی جیون کی آرزو
نہ کہو
نہ سنو
خامشی گفتگو ہونے لگی ہے
زندگی خواب میں کھونے لگی ہے......!!

میرب سیال نے سردار سبکتگین حیدر لغاری کو تشویش بھری نظروں سے دیکھا تھا۔ جیسے واقعی اسے اس کی دماغی حالت پر شبہ ہو۔ ہاتھ بڑھا کر پھر پلیئر آف کر دیا تھا۔
''یہ کیا ہو رہا ہے؟ —— ہم کہاں جا رہے ہیں؟'' تیز لہجے میں دریافت کیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی طرف دیکھے بنا اطمینان سے مسکرا دیا تھا۔ رومانیت سے پُر انداز تھا اور بولا تھا تو اتنا ہی عجب لہجہ تھا۔
''کہاں؟ —— وہیں جہاں سب لوگ جاتے ہیں۔'' ایسے پچکارا تھا جیسے کسی بچے کو۔
''کہاں؟ —— سب کہاں جاتے ہیں؟'' میرب نے اسے تشویش سے دیکھا تھا اور وہ مسکرا دیا تھا۔
''اپنے گھر —— ہوم سویٹ ہوم۔'' مسکراہٹ دل جلانے والی تھی۔ اور میرب تپ اٹھی تھی۔
''اپنا گھر ہوتے ہوئے کہیں باہر قیام کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ کہا تو تھا تم سے، کہیں مت جاؤ۔ پھر تم نے —— حالانکہ تمہیں سمجھ لینا چاہئے تھا کہ عادت پڑ چکی ہے تمہاری —— تم نہیں ملو گی تو سب ابتر لگے گا نا۔ اگر تم نہیں نا۔'' وہ ایسے بول رہا تھا جیسے دنیا کا بہترین کیئرنگ ہزبینڈ ہو۔
''تو آپ نے ان سب کے سامنے وہ جھوٹ کیوں بولا؟ —— اور میرا وہ سامان ——'' میرب کا نم جاں تھا۔ وہ ایک بار پھر شکست خوردہ تھی اور وہ شخص پھر فاتح دکھائی دے رہا تھا۔
''کسی شے کی فکر کرنے کی ضرورت آپ کو قطعی نہیں ہے سویٹ ہارٹ! —— میں ہوں نا —— بے کار آپ کا تابعدار، فرمانبردار ہزبینڈ۔ میں نے تو آپ کے لئے ہر سبجیکٹ کے لئے الگ الگ ٹیوٹرز کا بندوبست بھی کر دیا ہے۔ تمہیں پریشانی قطعاً نہیں ہوگی۔ ہر تو بندہ حاضر ہے۔''

یہ کیا انداز تھا؟ ۔۔۔ یہ کیا تیور تھے؟ ۔۔۔ میرب سیال اس کے انداز پر حیران تھی اور ابھی اس حیرت سے باہر بھی نہیں نکلی تھی جب اس نے کانوں میں سردار سبکتگین حیدر لغاری کی آواز پڑی تھی۔

"مقابلے کے لئے نظروں کے سامنے رہنا بہت ضروری ہوا کرتا ہے مسز لغاری! ۔۔۔ آپ شاید یہ بات بھول گئی تھیں۔ دشمن سامنے ہو تو لڑنے کا لطف دوبالا ہو جایا کرتا ہے۔ کہا تو تھا آپ سے، چھپ جانے والے بزدل لوگ مجھے پسند نہیں۔ پھر بھی آپ سمجھی نہیں۔ صد حیف ۔۔۔ کتنا سمجھاؤں آپ کو؟"

اوہ ۔۔۔ تو یہ تھا ڈرامہ۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری اپنے شکار کو نظروں سے دور نہیں دیکھ سکتا تھا۔ دشمن کو نظروں کے سامنے رکھنے کی عادت تھی اس کی اور وہ......

میرب سیال بہت تھکے ماندے انداز میں چہرے کا رخ کھڑکی کی سمت پھیر گئی تھی۔

وہ کیوں نہیں سمجھ رہا تھا کہ اس کے مقابل دشمن خاصا ڈرا سہما، نڈھال اور بے ہمت تھا۔ لڑتا تو کس سے؟ ۔۔۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ایک بھرپور نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی تھی اور انتہائی فاتحانہ انداز میں مسکرا دیا تھا۔

عفنان علی خان گہری نیند میں تھا۔ جب اس کے سیل فون کی مسلسل بجتی رنگ ٹون نے اسے بری طرح ڈسٹرب کر دیا تھا۔

وہ رات بھر سو نہیں سکا تھا۔ غالباً دو راتوں کی نیند تھی اور اتنی ہی تھکن ۔۔۔ سرخ آنکھیں کھل نہ رہی تھیں۔ اس نے غنودگی آنکھوں سے ہاتھ بڑھا کر سیل فون اٹھایا تھا اور کال ریسیو کر کے کان سے لگایا تھا۔

"ہیلو ۔۔۔!" لہجہ نیند میں ڈوبا ہوا تھا۔

"ہیلو عفنان! ۔۔۔ میں اوزی بول رہا ہوں۔"

"ہاں اوزی! بولو۔"

"عفنان! اناہیہ......"

"اناہیہ ۔۔۔ کیا ہوا اناہیہ کو؟" وہ ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھا تھا۔ ساری نیند ایک لمحے میں اڑ چکی تھی۔

"اناہیہ کو کچھ نہیں ہوا ہے۔ وہ ہوش میں آ گئی ہے۔" دوسری طرف سے اوزی نے مطلع کیا تھا اور عفنان علی خان کی رکی ہوئی سانس بحال ہوئی تھی۔ ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے اس نے بالوں میں ہاتھ پھیرا تھا۔

"تھینک گاڈ! ۔۔۔ تم نے مجھے ڈرا دیا تھا۔"

"ڈرا تو اناہیہ نے مجھے بھی دیا تھا جب رات کے آخری پہر اچانک ہی اس کی سانس اکھڑنے لگی تھی۔

......"

"تم ...... تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟" عفنان نے نامکمل بات سنتے ہوئے تیزی سے اس کی بات کاٹی تھی۔

"تم تھکے ہوئے تھے عفنان! پھر تم نے ان دو دنوں میں جو کیا وہ کم نہیں ہے۔ میں نے تمہارا بے آرام ہونا غرض سے تمہیں ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں جانا۔ بہرحال، پہلے سے بہتر ہے وہ۔ رات میں ڈاکٹرز کی بروقت ٹریٹمنٹ کے باعث اس کی کیفیت پر قابو پا لیا گیا تھا۔ اب وہ خطرے سے باہر ہے۔ جسم کا سارا خون جب نچڑ جائے تو پھر پرابلم تو ہوتی ہی ہے۔ دوسرے نیا بلڈ ایڈجسٹمنٹ میں کچھ وقت تو لیتا ہے۔ حالت سنبھلتے سنبھلتے ہی سنبھلے گی۔" اوزان سید اناہیہ کی کیفیت کے متعلق مطلع کر رہا تھا۔ عفنان علی خان اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"ٹھیک ہے ۔۔۔ میں آ رہا ہوں۔"

"عفنان! زیادہ جلدی نہیں ہے ——— تم آرام سے آنا۔ میں اناہیہ کے پاس ہوں۔"
عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔
"میں اپنی نیند پوری کر چکا ہوں۔ وہاں اناہیہ کے پاس ہے کوئی تمہارے علاوہ؟"
"نہیں ——— ماما تھیں۔ مگر میں نے انہیں گھر بھجوا دیا ہے۔ اصل میں بہت پریشان تھیں۔ ان کی کچھ سمجھ میں تو یہ تک نہیں آ رہا کہ وہ کیا کریں۔ عفنان! اناہیہ کا یوں گم شدہ ہونا معمولی بات نہیں ہے۔" اوزان سید نے کہا تھا۔ چند ثانیوں تک عفنان علی خان کچھ بول نہیں سکا تھا۔
"تم آ رہے ہو پھر؟" دوسری طرف سے اوزان سید نے جیسے اسے بیدار کیا تھا۔
"ہاں ——— آ رہا ہوں میں۔" عفنان علی خان نے سلسلہ منقطع کیا تھا اور چند ثانیوں تک اسی طرح چپ چاپ سا کھڑا رہا تھا۔ پھر سیل فون سائیڈ ٹیبل پر دھرا تھا اور پلٹ کر واش روم میں گھس گیا تھا۔

❋ ❋ ❋

نیویارک سے پاپا کا فون تھا۔ خیریت دریافت کر رہے تھے۔
وہ کیا کہتی؟ ——— کیا بتاتی؟ ——— کس حال میں ہے؟ ——— کیسی ہے؟ ——— لبوں پر جتنے بھی لفظ تھے سب جھوٹے تھے۔ رواداریوں میں رنگے ہوئے، مصلحتوں میں ڈوبے ہوئے۔ اور ایسا کرتے ہوئے وہ خود بھی تو ڈوب رہی تھی۔ دل اندر ہی اندر بیٹھ رہا تھا۔ زیادہ سے بھی بات ہوئی تھی۔ وہی مخصوص سوال تھے ——— وہ خوش تو ہے ———؟
وہ کیا کہتی؟ ——— خوشی کا مفہوم وہ بھول گئی تھی جب سے سردار سبکتگین حیدر لغاری سے تعلق بنا تھا۔ اس کے اندر صرف ایک جال بنا تھا۔ پریشانیوں کا ——— فکروں کا۔ اس نے صرف سمجھوتے کیے تھے۔ خود کو فقط مصلحتوں کا پابند کیا تھا اور سردار سبکتگین حیدر لغاری ———؟
کیا تھا وہ شخص؟ ——— کیسا تھا؟ ——— کیسے سوچتا تھا وہ؟ ——— کیسے جیتا تھا؟ ——— اپنے قاعدے، اپنے اصول اور صرف اور صرف اپنی من مانی! ——— نہ کسی دوسرے کی کوئی فکر نہ پرواہ۔ جاتا ہے تو کوئی بھاڑ میں جائے، اس کی بلا سے۔
کیسا خود پسند شخص تھا۔ کیسی خود غرضی تھی اس میں۔ اور تیور، مزاج ساتویں آسمان پر رہتے تھے۔ شاید اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ وہ کیا کیوں کر رہا ہے؟ کس کے لیے کر رہا ہے؟ ——— میرب سیال نے کئی بار سمجھوتوں کی بنیاد پر اس شخص کو سمجھنے کی کوشش کی تھی۔ مگر وہ کبھی نہیں جان سکی تھی کہ وہ در حقیقت کیا ہے اور کیا چاہتا ہے۔ ساری کوشش ——— ساری محنت ——— ساری ہمتیں ——— ایک دم فضول تھے، سب بے کار گئے تھے۔ پتہ نہیں اس تعلق کو لے کر سردار سبکتگین حیدر لغاری کی کیا اسٹریجی تھی۔ کیا لائحہ عمل تھا؟ کیا سوچا تھا اس نے؟ ——— آخر کب تک اسی طرح چلتے رہنا تھا؟ اگر یہ رشتہ اتنا ہی ناپسندیدہ تھا، بوجھ تھا تو پھر سردار سبکتگین حیدر لغاری جیسا عقل مند بندہ اسے مسلسل ڈھوئے کیوں جا رہا تھا؟ ——— فون کریڈل پر ڈالتے ہوئے کتنا نمکین پانی آنکھوں سے باہر تھا۔ وہ پلٹی تھی جب اپنے مقابل کھڑے شخص کو دیکھ کر ٹھٹک گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ میرب نہیں چاہتی تھی کہ اس کی کمزوری کسی پر عیاں ہو، اسی مقصد سے چہرے کا رخ موڑ لیا تھا۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری جیسے ان کمزور لمحوں کو گرفت میں لینے کا خواہاں تھا۔ ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کا رخ اپنی طرف موڑا تھا اور دلچسپی سے بغور تکنے لگا۔ وقت کمزوریوں کو ہوا دینے کے درپے تھا۔ میرب سیال تمام تر بند باندھنے میں ناکام رہی تھی۔ آنکھوں کے کناروں سے نمکین قطرے ٹوٹ کر گرے تھے اور سارے راز فاش کر گئے تھے۔ اس کا رہا سہا بھرم بھی جا رہا تھا۔ چہرے کا رخ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت تھا لیکن وہ بھیگی پلکیں تحت الجھن میں گھری سامنے کھڑے شخص سے گریزاں سی تھیں۔ انداز سے صاف لگ رہا تھا وہ ایک لمحہ بھی وہاں مزید کھڑے رہنا نہ چاہتی۔ اگر اسے موقع ملے تو وہ پہلی فرصت میں راہ فرار اختیار کرے گی۔ نظریں پھیرے وہ مکمل طور پر اجنبی نظر آ رہی تھی۔ مگر وہ بھیگی پلکیں تمام بھیدوں کی قلعی کھول رہی تھیں۔ سارے راز افشا ہو رہے تھے۔
سردار سبکتگین حیدر لغاری کو اس کیفیت نے جیسے بلاشبہ محظوظ کیا تھا۔ ہاتھ بڑھایا تھا اور پلکوں پر ٹکے موتی کو اپنی پور پر لے لیا تھا اور بغور جائزہ لیتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔
"وقت، موسم، حالات کچھ بھی ہو، تمہارے حق میں نہیں ہے۔ اور دوسرے تم خود اپنے اوپر ظلم کرنے کے درپے ہو ——— یہ اذیت پسندی نہیں تو اور کیا ہے؟" انداز بھرپور محظوظ ہونے والا تھا۔ مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ ایسا کر کے وہ شعلوں کو ہوا دے رہا ہے۔
میرب سیال کا سارا ضبط جواب دے گیا اور وہ پھٹ پڑی تھی۔
"تم ——— سردار سبکتگین حیدر لغاری! ——— تم کب میری زندگی میں دخل دینا بند کرو گے؟ ——— یہی ایک پریشانی ہے۔ کب سمجھو گے تم کہ تمہیں میری زندگی میں کم از کم انٹرفیئر نہیں کرنا چاہیے۔ بڑے مینرز والے بنتے ہو ——— بہت توپ شے ——— مگر اتنی سی بھی تمیز نہیں ہے تمہیں ——— اتنے ادب و آداب اور مینرز بھی سکھانے پڑیں گے تمہیں؟ ——— اور پانے وی دے، تمہارا پرابلم کیا ہے؟ ——— سمجھتے کیا ہو تم؟ ——— مجھے نہیں چاہتے ہو نا؟ ——— میں پسند نہیں ہوں نا تمہیں؟ ——— قصہ ختم۔ پھر مسئلہ کیا ہے تمہارے ساتھ؟ ——— ناپسندیدہ چیزوں کی طرف تو آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا جاتا۔ پھر تمہاری ناپسندیدگی کا پیمانہ کیا ہے؟ ——— کیوں میرے لمحے لمحے کی خبر گیری کرتے ہو؟ ——— جب تمہارا میرا کوئی واسطہ ہی نہیں تو پھر تمہاری بلا سے ——— میں جیوں یا مروں، تمہیں کوئی فرق نہیں پڑنا چاہیے۔ جب مزاج ساتویں آسمان پر ہے تو پھر سر جھکا کر بار بار زمین کی طرف کیوں دیکھتے ہو؟ ضرورت کیا ہے نیچے دیکھنے کی؟ ——— سچ بات تو یہ ہے سردار سبکتگین حیدر لغاری! عادت ہو چکی ہے تمہاری دوسروں کی زندگی میں دخل اندازی کرنے کی۔ اپنی زندگی تو تم بہت سکون کے ساتھ، بڑے آرام سے گزارنا چاہتے ہو اور گزار رہے ہو... مگر دوسرے اپنی زندگی کیسے جیتے ہیں ——— کیسے جینا چاہتے ہیں، اس بات کی پل پل خبر رکھتے ہو تم۔ اور مجھے تو آج تک یہی سمجھ نہیں آیا کہ تم چاہتے کیا ہو خود سے ——— اور رشتے کو نبھانا چاہتے بھی ہو یا نہیں؟ ——— تم جیسا اسٹیٹس کو کا بندہ ...

کوئی ایک بات بھی پوشیدہ نہیں رکھ سکا تھا۔ اور یہ بات بھی چھپانا نہیں چاہتا تھا۔ مگر جانے کیوں کبھی کہہ نہ سکا تھا۔

بس اپنے دل ہی دل میں سوچ رکھا تھا۔ ایک دن ملے گا تو سب کچھ کہہ دے گا۔ سب کچھ بتا دے گا۔ ساری باتیں جو راکھ کے ڈھیر میں دبی تھیں۔ جو یاد بن کر دل میں اُسی کی طرح بجھی ہوئی تھیں۔ مگر ایک بار پھر وقت اس کے حق میں نہ رہا تھا اور وہ ایک بار پھر خالی ہاتھ کھڑا تھا۔

اسی وقت فارحہ چلتی ہوئی اس کے پیچھے آن رکی تھیں۔

"کیا ہوا!۔۔۔۔۔ تو اس طرح کیوں کھڑا ہے؟"

اذہان نے فی الفور پلٹ کر انہیں دیکھا تھا۔ فارحہ چلتی ہوئی بیٹے کے سامنے آن رکی تھیں۔ بغور چہرے کو دیکھا تھا۔

"کوئی پرابلم ہے اذہان؟"

"نہیں ممی!" اذہان حسن بخاری نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے ماں کو دیکھا تھا اور مسکرا دیا تھا۔ "آپ سوئی نہیں اب تک؟"

"نہیں۔۔۔۔۔ نیند نہیں آ رہی تھی۔ اور تم۔۔۔۔۔ تم بھی تو نہیں سوئے۔"

"ہاں۔۔۔۔۔ مجھے بھی نیند نہیں آ رہی تھی۔" اذہان کے لبوں پر بڑی عجیب سی مسکراہٹ تھی۔

"آپ۔۔۔۔۔ آپ کچھ پریشان لگ رہی ہیں۔" ماں کو بغور تکتے ہوئے پوچھا تھا۔

فارحہ چہرے کا رخ پھیر گئی تھیں۔

"کبھی وہ وقت تھا اذہان! جب تمہاری ماں نے کسی پریشانی کا منہ تک نہ دیکھا تھا۔۔۔۔۔ ازدواجی زندگی کے ہزاروں مسائل ہوتے ہیں مگر میں بہت لکی رہی۔ میں نے اپنے گھر کی بنیادوں کو مضبوط تر کرنے کے لئے اپنی ساری قوت خرچ کر دی۔ مگر۔۔۔۔۔ اچانک صرف ہوا کے ایک جھونکے کے آ جانے سے وہ ساری مضبوطی دھری کی دھری رہ گئی اور میرا سارا بھرم مٹی میں مل گیا۔۔۔۔۔ خواب ٹوٹ جائیں تو آنکھوں کو بہت تکلیف ہوتی ہے اذہان! پتہ نہیں مجھے تم سے اس بات کا شکوہ کرنا چاہئے یا نہیں؟ اور تمہیں بھی یہ بات مجھ سے چھپانی چاہئے تھی یا کہ نہیں؟"

"کون سی بات ممی؟۔۔۔۔۔ کس کی بات کر رہی ہیں آپ؟" اذہان حسن بخاری چونکا تھا اور فارحہ نے ہاتھ اٹھا کر اس کے سامنے کر دیا تھا۔

"یہی۔۔۔۔۔ یہی سب چھپا رہا تھا نا تو مجھ سے اور خود سے؟۔۔۔۔۔ یہی بات تھی نا جو تجھے سونے نہیں دے رہی تھی؟"

اذہان حسن بخاری اپنے سامنے موجود تصویر کو دیکھ کر ساکت رہ گیا تھا۔ فارحہ پانیوں سے بھری آنکھوں کے ساتھ مرتی سی ہلانے لگی تھیں۔ بولی تھیں تو لہجہ بہت شکست خوردہ تھا۔

"اذہان۔۔۔۔۔ بیٹا! تو نے مجھ سے، اپنی ماں سے یہ سب کچھ چھپایا۔۔۔۔۔ بتایا کیوں نہیں کہ تو کیا چاہتا ہے اور یہ۔۔۔۔۔" تصویر کا رخ اپنی طرف موڑ کر بھیگی آنکھوں سے تصویر کو دیکھا تھا اور پھر ہاتھ پیچھے گرا

تھا۔

"اذہان!۔۔۔۔۔ بچے!۔۔۔۔۔ تو نے میرے لئے۔۔۔۔۔ اس گھر کے لئے اپنی خوشیوں کی قربانی دے دی۔ اس وقت کیوں نہیں بتایا؟۔۔۔۔۔ کیوں اتنا کمزور پڑ گیا تو؟ کیوں جانے دیا خوابوں کو اپنی آنکھوں سے؟۔۔۔۔۔ رنگوں سے کیوں ہاتھ کھینچ لیا؟۔۔۔۔۔ جانتے بوجھتے تم نے ایسا کیا۔۔۔۔۔ حالات بگڑے تو ٹوٹ گئے۔ ایک بار۔۔۔۔۔ صرف ایک بار مجھ سے کہا ہوتا، میں کبھی ایسا نہ ہونے دیتی۔"

"ممی! پلیز۔۔۔۔۔ جو ہو چکا ہے میں اس پر کوئی بات کرنا نہیں چاہتا۔ جو ہونا چاہئے ہمیں بات صرف اس پر کرنی چاہئے۔" اذہان حسن بخاری رخ پھیر کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"میں ساہیہ کے متعلق سوچنا چاہتا ہوں ممی! اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ وہ اس وقت میرے سامنے ہے اور میرے لئے اس کی اہمیت باقی سب باتوں سے کہیں بڑھ کر ہے۔۔۔۔۔ نگاہ کے سامنے کا کوئی منظر اہم نہیں۔ نہ گزشتہ نہ پیوستہ۔۔۔۔۔ بس وہ اور صرف وہ۔۔۔۔۔ میں ایمانداری سے اس سے تعلق باندھنا چاہتا ہوں۔" لہجہ مدھم تھا اور آواز بوجھل۔

فارحہ نے بیٹے کی پشت کو بغور دیکھا تھا۔

"اور تمہارے خواب؟۔۔۔۔۔ تمہاری آنکھیں؟"

"سب فضول ہے ممی!۔۔۔۔۔ کسی کی کچھ اہمیت نہیں۔ سب بے کار ہے۔ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں ممی! جو سانپ گزرنے کے بعد لکیر پیٹتے رہ جاتے ہیں۔ جو لکیر مٹ چکی، موسم چکی۔۔۔۔۔ اس کی کوئی حقیقت جب باقی ہی نہیں تو پھر اس کے متعلق سوچنے سے فائدہ؟"

فارحہ کے دل کا بوجھل پن کچھ مزید بڑھ گیا تھا۔ وہ پلٹی تھیں اور چلتی ہوئی زینہ اتر گئی تھیں۔

زندگی میں کیا ہوا تھا؟۔۔۔۔۔ کیا ملا تھا؟۔۔۔۔۔ ساری زندگی وفاداری کے نام کر کے کیا ہاتھ آیا تھا؟ شوہر کا شکوہ، نہ بچوں کا شکوہ۔ دونوں بچے کیسا عجیب نصیب لئے بیٹھے تھے۔ بے رنگ خوابوں کا حصول، خالی ہاتھ اور صرف پیاس۔ کیوں ہوا تھا ایسا؟۔۔۔۔۔ کس لئے؟۔۔۔۔۔ اس کا جواب شاید کسی کے پاس نہیں تھا۔

اذہان حسن بخاری پلٹ کر ماں کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ وہ شکست خوردہ سی چلتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھیں اور وہ خود، ارادے ہزار ہا مضبوط سہی، انداز اور لہجہ بھرپور توانا سہی مگر اندر کہیں نہ کہیں، کوئی نہ کوئی چیز ٹوٹی تھی۔ بہت کمزور ضرور دراڑ ہوئی تھی۔ وجود کا وہ علاقہ بہت ویران سا تھا۔ مگر اس بات کی خبر اسے صرف اپنے تک محدود رکھنا تھی!

❊ ❊ ❊

پتہ نہیں کیا ہو گیا تھا اسے؟

جانے کیوں وہ اتنا زیادہ بول گئی تھی۔

ہمیشہ ایک سبک ندی کی طرح، ایک سبک بہاؤ جیسا مزاج رکھنے والی لڑکی۔۔۔۔۔ جانے کیسے اپنی برداشت کھو گئی تھی۔ اب سوچ رہی تھی تو کسی قدر پچھتاوا ہو رہا تھا۔ اس لئے نہیں کہ وہ سردار بختگین حیدر

لغاری سے خوفزدہ تھی، اس کے کسی شدید ردعمل سے ڈرتی تھی ـــــ اُسے اس بات کا خوف تھا کہ بدلے کے طور پر کوئی سنگین ترین اسٹریٹجی اختیار کرے گا۔ اُسے ان باتوں کی مطلق پرواہ نہیں تھی۔ اگر وہ قدر شرمندہ تھی بھی تو اس باعث کہ اس نے آج تک کسی کے ساتھ اس انداز سے بات نہ کی تھی۔ اتنے سخت لفظ استعمال نہ کئے تھے۔ افسوس تھا تو اس بات کا کہ وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کو، اس کے غرور کو جھکانے کے لئے اپنے معیار سے کس قدر نیچے آ گئی تھی۔ جو آج تک نہ کیا تھا وہ کر دیا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ زخموں کے گھاؤ بھر جانے والے ہوتے ہیں۔ مگر باتوں اور زبان کے گھاؤ کبھی نہ بھرنے والے ہوتے ہیں۔ پھر سردار سبکتگین حیدر لغاری کے باعث وہ جو سہہ رہی تھی، اس کے ساتھ کچھ ویسا ہی کرنے اس کا کیا اسے لوٹانا نہیں چاہتی تھی۔ پھر کیا فرق رہ جاتا اس میں اور سردار سبکتگین حیدر لغاری میں۔

وہ ناشتے کے لئے ٹیبل پر آئی تھی تو نظر جھکی جھکی سی تھی۔

''کیا ہوا؟ ـــــ آج کیمپس جانے کا ارادہ نہیں ہے کیا؟ ـــــ بہت دیر سے جاگی ہو کیا؟ اور تمہاری آنکھیں؟'' مائی اماں نے اس کے لئے چائے انڈیلتے ہوئے چونکتے ہوئے اسے بہ غور دیکھا تھا۔ میرب سیال اپنی جگہ چوری ہو گئی تھی۔ بے ارادہ نگاہ اٹھی تھی اور عین اپنے سامنے بیٹھے سردار سبکتگین حیدر لغاری سے جا ملی تھی۔ دوسری طرف کوئی بے ارادہ بھی نظر بھی نہیں تھی۔ بے تاثر چہرہ، سرد نگاہ۔ مگر توجہ کا کوئی پہلو جس سے نہیں نکلتا۔

''جی ـــــ وہ ـــــ رات دیر تک اسٹڈی میں بزی رہی۔ اس لئے۔'' میرب سیال نے بہانہ تراشا تھا۔

''چلو ـــــ جلدی سے ناشتہ کر لو۔ ورنہ پھر کیمپس کے لئے دیر ہو جائے گی۔'' مائی اماں نے چائے کا کپ اس کے سامنے رکھتے ہوئے اسے محبت سے دیکھا تھا۔

''نہیں مائی اماں! آج میں کیمپس نہیں جاؤں گی۔ مجھے نانو کے گھر جانا ہے۔'' دھیمی آواز میں اطلاع دی گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے چہرے پر کوئی رد عمل کا تاثر نہ ابھرا تھا۔ مائی اماں مسکرا دی تھیں۔

''ٹھیک ہے ـــــ تگین تمہیں ڈراپ کر دے گا۔ خیریت ہے نا سب؟ ـــــ وہاں سب ٹھیک ہے؟'' مائی اماں کے لہجے میں تشویش تھی۔

''جی ـــــ سب ٹھیک ہے۔ بس یونہی دل چاہ رہا تھا۔'' میرب کا لہجہ بجھا بجھا سا تھا۔ مائی اماں نے اسے اور پھر تگین کو بہ غور دیکھا تھا۔

''شام تک لوٹ آؤ گی نا ـــــ یا پھر ـــــ؟'' مائی اماں شاید اس سکوت کو کسی قدر توڑنا چاہ رہی تھیں جو اس وقت وہ اس ماحول میں محسوس کر رہی تھیں۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس وقت میز چھوڑ کے اٹھا تھا۔ توجہ اس ماحول پر یا گفتگو پر بالکل بھی نہیں تھی۔

''تگین! مجھے زمینوں پر جانا ہو گا ـــــ تمہارے چاچا کا فون آیا تھا ـــــ زمینوں کے انتقال کو لے کر کچھ مسئلے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں جنہیں بروقت حل کرنا بہت ضروری ہے۔'' مائی اماں نے اطلاع دی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری چونک پڑا تھا۔

''آپ ـــــ آپ کیوں؟ ـــــ میں چلا جاتا ہوں نا۔''

''نہیں، تم نہیں۔ تمہیں یہاں پہلے ہی بہت مصروفیت ہے۔ اور یوں بھی میں نہیں چاہتی کہ تم ان سب جھمیلوں میں پڑو۔ یہ مسئلے بہت پیچیدہ ہوتے ہیں۔ تمہیں ان باتوں کا کوئی تجربہ بھی نہیں۔ ہم برسوں سے یہ مسئلے دیکھتے آئے ہیں اور حل بھی کرتے آئے ہیں۔ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ تم اپنی ولایتی تعلیم کو لے کر جو کام کر رہے ہو وہی تمہارے لئے بہتر ہے ـــــ اسی کو لے کر دن رات ایک کر دیتے ہیں۔ نہ ہمارے پاس وقت ہے نہ ہی اپنے لئے ـــــ ان جھمیلوں میں الجھو گے تو اور بھی مشکل ہو جائے گی۔'' مائی اماں نے اسے قصداً روکا تھا۔

''لیکن مائی اماں ......'' سبکتگین حیدر نے بولنا چاہا تھا مگر مائی اماں نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا تھا۔ اور ملائمت سے مسکراتے ہوئے گویا ہوئی تھیں۔

''تگین! ـــــ تم یہاں رہو۔ تمہاری ضرورت یہاں زیادہ ہے۔ کچھ نئے رشتے جو تمہاری زندگی میں آئے ہیں انہیں اپنا حصہ بنانے کے لئے تمہیں خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے بچے! کیا یہ ایسی باتیں ہیں کہ بار بار انہیں دہرایا جائے؟'' بیٹے کی طرف دیکھا تھا۔ تگین کچھ نہیں بولا تھا۔ مگر میرب کے لئے یہ خبر کسی قدر پریشانی کا باعث ضرور تھی کہ اب وہ تنہا یہاں صرف اور صرف اس شخص کے رحم و کرم پر ہو گی۔ اور اس سے کچھ اچھی امید اسے نہیں تھی۔

سینے میں دل ایک خوف سے دھڑکا تھا۔ ایک پریشانی کی لہر اٹھی تھی اور بے چینی سارے وجود میں سرایت کر گئی تھی۔

''میرب! کیا ہوا؟ ـــــ تم اس طرح سر جھکائے اپنے ناشتے کو کیوں گھورے جا رہی ہو؟'' مائی اماں نے اسے جتایا تھا تو اسے اپنی حماقت کا بھرپور احساس ہوا تھا۔

''نہیں ـــــ کوئی بات نہیں۔'' میرب سیال نے خشک لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے اپنے سامنے موجود شخص پر ایک نگاہ ڈالی تھی مگر دوسری طرف انداز بالکل سرد اور اجنبی تھا۔ جیسے کوئی تعلق مابین موجود نہ ہو۔ میرب سیال اس بات کی منتظر تھی کہ مائی اماں کی ہدایت کے مطابق جانا تو اسی کے ساتھ تھا۔

''کب جانا ہے آپ کو مائی اماں؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری ماں سے مخاطب تھا۔

''آج ہی ـــــ تم جلد آ جانا۔'' بیٹے کو ہدایت کی تھی۔

میرب کچھ شرمندہ سی ہوئی تھی۔

''پھر تو میرا جانا بھی ضروری نہیں مائی اماں! ـــــ آپ جا رہی ہیں اور ـــــ''

''نہیں، ایسی بات نہیں۔ تم چلی جاؤ، اگر تمہارا جی چاہ رہا ہے۔ میں نہیں چاہوں گی تم اس سے متعلق کوئی جبر کرو۔'' مائی اماں بولی تھیں۔

''جبر؟ ـــــ کیسا جبر مائی اماں؟ ـــــ کیا میں اس گھر کا حصہ ......'' وہ بولے جا رہی تھی مگر سردار سبکتگین حیدر غصہ سے کرسی کھینچ کر اٹھ کھڑا ہوا تھا اور جاتے ہوئے میرب سیال کو وہ بھرپور احتجاج کا حصہ لگا تھا۔ وہ اسی طرح منہ کھولے بیٹھی تھی جب مائی اماں نے اٹھ کر محبت سے اس کے گرد اپنا بازو پھیلا دیا

تھیں۔

"تم جاؤ ــــــ بچے اپنی ماں کے ساتھ اس قدر راہ و رسم نبھاتے اچھے نہیں لگتے۔ تم بے فکر ہو کر جاؤ۔ تسکین ہو گا تا یہاں ـــــ اور میرے لئے تم میں اور تسکین میں کوئی فرق نہیں۔"

مائی اماں کا انداز محبت سے لبریز تھا۔ اس کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے وہ ملائمت سے مسکرائی تھیں۔ عیرب سیال کے لئے اس لگاوٹ کے بعد جیسے کوئی راہ نہ بچی تھی۔ وہ اٹھی تھی اور چلتی ہوئی سردار سبکتگین حیدر لغاری کے پیچھے چل پڑی تھی۔

وہ ڈرائیونگ سیٹ سنبھالے اس کا منتظر تھا۔ گاڑی کے قریب رک کر وہ چند لمحے گومگو کی کیفیت میں کھڑی رہی تھی پھر دروازہ کھول کر سردار سبکتگین حیدر لغاری کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔

درمیان کوئی لگاوٹ، کوئی جذباتی پن پہلے بھی نہ تھا۔ مگر اب کے خاموشی ہی خاموشی تھی۔ وہ اس رشتے کو بھی سمجھ نہ پائی تھی۔ اس کے اور سردار سبکتگین حیدر لغاری کے درمیان جو ہوتا آیا تھا اور جو ہو رہا تھا وہ سب سمجھ سے باہر تھا۔

وہ شخص عجب مزاج رکھتا تھا۔ اس روز کی سختی کے بعد اچانک ہی نرمی در آئی تھی۔ اسے اپنے ساتھ واپس لے آنا ـــــ شاید فضا کوئی نیا گیت سنانے کو تھی۔ مگر پھر یکدم ہی موسم بدلا تھا اور وہ تیز دھوپ میں تنہا کھڑی تھی۔

تمازت سے سارا وجود جھلس رہا تھا اور ہوا سانس لینے کو جیسے ناکافی تھی۔ دم گھٹ سا رہا تھا۔ کیسی زندگی ملی تھی اسے۔ کیسے ماحول میں جینا پڑ رہا تھا اسے۔

ابھی یہ حال تھا اور جب کبھی یہ رشتہ باضابطہ طور پر اسے نبھانا پڑتا، تب کیا ہوتا؟ ـــــ کیسی صورتحال ہوتی؟ حالات اس سے تو کچھ بڑھ کر ہی پیچیدہ ہوتے۔ اب یہ بندھن ایسا بوجھ لگ رہا تھا تو تب..... ایک چور سی نظر غیر دانستہ طور پر اس شخص پر پڑی تھی۔

اس کے وجود سے بے خبر وہ ڈرائیو کر رہا تھا۔

اس شخص کو اور اس سے وابستہ تعلق کو لے کر کبھی نہیں لگا تھا کہ اس کا کوئی واسطہ اس شخص سے ہے بھی۔ عجب انداز تھے اس کے ـــــ پتہ نہیں کیا دل میں تھا اس کے۔ اول دن سے لے کر اب تک وہ اس کے لئے ایک سوالیہ نشان رہا تھا اور......

اس کی سوچوں کو بریک لگے تھے۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری گاڑی روکے اس کے وہاں سے نکل جانے کا منتظر تھا ـــــ نگاہ پھیر کر دیکھا تھا تو سامنے نانو کے گھر کا گیٹ دکھائی دیا تھا۔ عجب بے خبری انجانے پن میں سارا سفر بسر ہوا تھا۔ وہ سمجھ ہی نہ پائی تھی اور شاید ایسی ہی بے خبری میں ساری عمر کٹ جانا تھی۔

شدت سے سکتہ تھا۔ سوال کوئی نہیں تھا۔

عیرب سیال اپنی طرف کا دروازہ کھول کر باہر نکلی تھی اور ابھی کوئی چھوٹی سی درخواست ادا کرنے کو تھی کہ گاڑی

تھی کہ سردار سبکتگین حیدر لغاری گاڑی زن سے لے اڑا تھا۔ دھواں دھواں سے منظر کو وہ زیادہ دیر نہیں دیکھ سکی تھی۔ اور ہاتھ کی پشت سے آنکھوں کو رگڑتی ہوئی گیٹ کی جانب بڑھ گئی تھی۔

❋ ❋ ❋

فضا میں عجب تناؤ سا تھا۔ پتہ نہیں اتنی سوگواری کس بات کی تھی۔ حالانکہ جس شے کی اتنی تلاش کی جائے وہ مل جائے تو خوشی دیدنی ہوتی ہے۔ مگر اس معاملے کو دیکھتے ہوئے جانے کیوں صورتحال بہت بوجھل سی لگ رہی تھی۔ ساری فضا دھواں دھواں سی تھی۔

انابیہ کو ڈسچارج کر دیا گیا تھا۔ ایک ہفتہ گزر رہا تھا۔ صرف سات دن ـــــ!

مگر سارے منظر پہلے سے حد درجہ مختلف لگے تھے۔ امعہ اس کے ساتھ ساتھ تھی۔ بھرپور دلجوئی کر رہی تھی۔ مگر انابیہ اسی طرح چپ تھی۔ ماہ وش نے بیٹی کا دھیان رکھنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ مگر لبوں پر ایک طویل خاموشی تھی۔ دادا جی الگ چپ چاپ سے تھے ـــــ اوزی الگ نظریں چرا رہا تھا۔ نظر اٹھتی تو بڑی رکی سی مسکراہٹ لبوں پر ہوتی تھی۔ بڑی مروت لئے ایک بھاری سا انداز جو جھیلنا آسان نہیں لگتا تھا۔

سب بظاہر انابیہ کا بھرپور خیال رکھ رہے تھے۔ بھرپور توجہ دے رہے تھے۔ مگر اس شام چائے کی ٹیبل پر وہ اچانک ہی پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی۔ اوزی چونک پڑا تھا۔

"کیا ہوا؟ ـــــ دیکھو! ـــــ میں نے یہ تمہارا بسکٹ واپس تمہاری پلیٹ میں رکھ دیا ہے۔ میں تو مذاق کر رہا تھا۔ کیا ہوا؟" بھرپور لگاوٹ سے ہاتھ اس کے گرد پھیلاتے ہوئے جھک کر دریافت کیا تھا۔ مگر یکدم ہی اس کا ہاتھ جھٹک کر روتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ اوزی نے ماہ وش کی طرف دیکھا تھا۔ مگر وہ نظریں پھیر گئی تھیں۔

"ماما! یہ سب کیا؟ ـــــ آخر کب تک؟ ـــــ کب تک، ہاں؟ ـــــ وہ کب تک اسی طرح چپ چپ کھنچی رہے گی؟ ـــــ آپ کو نہیں لگتا ہمیں اس کے لئے کچھ کرنا چاہئے؟" اوزی کا انداز بہن کی محبت میں چور تھا مگر ماہ وش بخاری کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ اوزی چیئر کھینچ کر اٹھا تھا جب دادا جی نے اسے روک دیا تھا۔

"اوزی، بیٹا! اسے رو لینے دو ـــــ اگر تم اس کے آنسو پونچھ دو گے تو وہ بہت کمزور پڑ جائے گی۔ اسے اس کا کھویا ہوا اعتماد واپس لوٹانے کے لئے یہ بہت ضروری ہے۔" دادا جی اپنی دانست میں شاید درست کہہ رہے تھے۔ مگر اوزان سید کو نہیں لگتا تھا کہ یہی مسئلے کا حل تھا۔ شاید حالات کے پہلے جیسے ہونے کو بہت وقت درکار تھا اور وقت گزرنے کے بعد بھی کچھ پتہ نہ تھا کہ صورتحال بہتر ہوتی یا مزید مخدوش ہو جاتی۔ اس کے لئے انابیہ کو اس کیفیت میں دیکھنا قابل قبول نہیں تھا۔ بچپن سے لے کر آج تک اسے کسی دکھ کو نہیں پہنچنے دی تھی۔ وہ اس کا ٹھیک اسی طرح خیال رکھتا تھا جس طرح کہ غازی کو رکھنا چاہئے۔ انابیہ کے ساتھ اس کا رشتہ اسے دنیا بھر سے زیادہ عزیز تھا۔ مگر چاہ کر بھی وہ اس کے لئے کچھ کر نہیں پا رہا تھا۔ شاید یہی کیفیت باقی سب کی بھی تھی۔ وہ سب بھی انابیہ کو اسی قدر چاہتے تھے۔ مگر چاہ کر بھی اس

کے لئے کچھ کر نہیں پار ہے تھے۔

"صورتحال اب پہلے جیسی نہیں رہی اوزی! —— تم شاید نہیں سمجھ پار ہے ہو کہ انابیہ کے ساتھ جو ہو
ہے وہ کسی بھی طرح سے معمولی نہیں ہے۔ اس کے ساتھ کچھ ہوا ہے یا نہیں —— کسی کے لئے یہ بات
جاننا ضروری نہیں ہے۔ اس کے ساتھ کیا ہوا ہے، یہ بات سب کے لئے موضوع گفتگو ہے اور دلچسپی کا
باعث ہے۔ جب ہم گھر والے ہو کر اس بات کو جھیل نہیں پار ہے، برداشت نہیں کر پا رہے تو باقی سب
لوگوں کی کیفیت کیسی ہو گی؟ —— وہ ہمارا حصہ ہے جب کہ ہمیں اس کی پاک دامنی پر کوئی شک نہیں
ہے۔ مگر ہم پھر بھی اس سے گریزاں ہیں۔ رویوں میں عجب تناؤ سا ہے —— رشتے میں تناؤ در آیا ہے تو
پھر باہر صورتحال کیا ہو گی؟ —— میں اس کی ماں ہوں۔ مگر میں جانتی ہوں انابیہ اب پہلے کی طرح دنیا کو
فیس کبھی نہیں کر پائے گی۔ وہ اس اعتماد سے سر اٹھا کر دوبارہ پھر کبھی نہیں چل سکے گی۔ کسی لڑکی کا کڈنیپ
ہو جانا معمولی بات نہیں۔ سب کی نظروں کے ساتھ ساتھ وہ خود اپنی نظروں سے بھی گر جاتی ہے۔ عزت
جانے کے لئے گھر کی دہلیز سے پار ایک رات بسر ہو جانا کافی ہوتا ہے۔ ہم جانتے ہیں، انابیہ کے ساتھ
کچھ برا نہیں ہوا۔ نہ ہی اب تک اس کے کڈنیپ ہونے کی کوئی خاص وجہ سمجھ میں آئی ہے۔ مگر —— یہ
پل جو اس نے اس گھر کی چھت سے باہر گزارے وہ معمولی نہیں ہیں۔ نہ ہی کسی طرح نظر انداز کئے جانے
کے قابل ہیں۔" ماہ وش کا لہجہ بیٹی کے غم میں ڈوبا ہوا تھا۔

اوزی کچھ بولے بنا مڑ کر باہر نکل گیا تھا۔ ماہ وش دادا ابا کی طرف مڑی تھی۔

"ابا جی! آپ دیکھ رہے ہیں —— آپ کی لاڈلی ننھی پری کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ اتنا کچھ ——
اتنا کچھ ہو گیا اور ہم کچھ کر نہیں پائے —— کیا منہ دکھائیں ہم زمانے کو؟ —— اور کیا چہرہ لے کر باہر
جائے گی وہ؟ —— زندگی کی جنگ وہ جیت کر تو لوٹ آئی —— موت کو تو شکست دے دی۔ مگر زندگی
سے ہار جائے گی —— نہیں جینے دے گی اسے یہ زندگی —— آپ جانتے ہیں، جب وہ ہاسپٹل میں
تھی تو میں نے ایک دعا مانگی تھی۔ وہ دعا جو شاید دنیا کی کوئی ماں اپنے بچے کے لئے نہیں مانگی۔ میں نے
مانگا تھا کہ وہ اپنی گم شدہ سانسوں میں ہی کہیں گم ہو جائے اور وہ مر جائے —— ہاں، میں نے اس کے
لئے یہ دعا مانگی تھی کہ میری بچی —— میری بچی مر جائے ——" ساکت آنکھوں سے چپ چاپ لاوا
بہہ رہا تھا۔

دادا ابا سر جھکائے بیٹھے تھے۔ مگر ماہ وش کو اپنا غبار دھونے کی کوئی تو جگہ درکار تھی۔

"کتنی ظالم ماں ہوں نا میں —— دنیا کی کتنی ظالم ماں —— مجھ جیسی تو کوئی ڈائن بھی نہ ہوتی ہو
گی۔ کیسی دعا مانگی تھی میں نے اس کے لئے —— مگر آپ جانتے ہیں کیوں؟ —— صرف اس لئے کہ
میں اپنی بیٹی کا دکھ نہیں دیکھ سکتی تھی۔ کتنے ناز و نعم سے پالا تھا میں نے اسے۔ اور اب —— اب وہ
زمانے کی ٹھوکروں میں ہو گی۔ اسی —— اسی دن کے لئے میں نے اسے پلکوں پہ بٹھایا تھا؟ —— وہ
میری ننھی کا پری جسے کبھی زمانے کے سرد و گرم نہیں لگنے دیے، وہ —— وہ آج ننگے سر کھلے آسمان کے نیچے
کھڑی ہے —— تمازتوں میں جھلس رہی ہے۔ اور میں جانتی ہوں یہ تمازتیں کبھی ختم نہیں ہوں گی۔"

…ے نا کردہ گناہوں کی پاداش میں ہمیشہ جلتی رہے گی —— اس کو ان سوالوں کا سامنا ہو گا جن کے
…ب اسے خود بھی معلوم نہیں —— اسے وہ جتایا جائے گا جو جرم اس نے کبھی کیا ہی نہیں —— ایسا ہو
…— اور میں، آپ یا اوزی —— ہم کچھ کر نہیں پائیں گے —— یونہی چپ چاپ کھڑے تماشہ
…یکھتے رہیں گے —— ایسا ہی ہو گا" عجب دیوانوں جیسا انداز تھا۔ ماہ وش پلٹی تھیں اور کمرے سے نکل
…ئیں۔ دادا ابا سر جھکائے بیٹھے رہے تھے۔

❁ ❁ ❁

موسم یکدم ہی بدلا تھا اور ہر طرف منظر تیزی سے بھیگ رہے تھے۔

میرب کے لئے بات باعث تشویش تھی۔ کتنی دیر ہو گئی تھی اور اسے گھر سے لینے کوئی نہیں آیا تھا۔ یہاں
…کوئی مرد حضرات ابھی تک نہ لوٹے تھے۔ اور تو اور فیضی تک ناپید تھا۔

میرب سیال نے گھڑی دیکھی تھی اور اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ وہ جانتی تھی مائی اماں کے جاتے ہی، منظر
…ے ہٹتے ہی وہ کچھ ایسا ہی رنگ دکھائے گا، ایسے ہی رویے کا مظاہرہ کرے گا۔ وہ اس سے کچھ اچھا
…یکٹ بھی نہیں کرتی تھی۔ تائی، ممانیاں اور کزنز اسے روکتی رہ گئی تھیں مگر وہ چلتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔
…ش بہت تیز تھی اور موسم واقعی اچھا نہیں تھا —— اس کا اندازہ اسے باہر آ کر ہوا تھا۔ جو اس نے کیا وہ
…رف ایک جذباتی اقدام تھا اور صرف حماقت —— اس کے سوا کچھ نہیں۔

تیز بارش میں ایک فٹ آگے کا منظر تک ٹھیک سے دکھائی نہ دے رہا تھا۔

سڑک دور تک ویران تھی اور وہ اس سڑک پہ چلنے والی واحد فرد۔ دل میں خوف نہ بھرتا تو اور کیا ہوتا!
جانے کیوں آج کل وہ سارے فیصلے غلط کر رہی تھی۔ حماقت پر حماقت سرزد ہو رہی تھی اس سے۔ ایک
…ے بعد ایک غلط کام ہو رہے تھے اس کے ہاتھ سے —— کل مبین سے وہ بدمزگی —— بلکہ بدمزگی بھی
…ہاں؟ —— وہ تو سرے سے کچھ بولا ہی نہ تھا۔ فقط ایک سوال ہوا تھا اس کی جانب سے اور وہ بے نقط
…اتی چلی گئی تھی۔ جانے کیسے وہ آج کل اتنی جلد ٹمپر لوز کر رہی تھی۔ ٹمپرامنٹ تو نہ تھا اس کا —— پھر کیوں
…ر رہا تھا سب اس سے؟ —— وہ پہلے عمل کر رہی تھی اور پھر پچھتا رہی تھی —— شاید سوچے سمجھے بغیر
…ٹھائے گئے اقدامات پر ایسا ہی ہوتا ہے۔ جیسے کہ وہ اس وقت سڑک کے بیچوں بیچ کھڑی تیز بارش میں
…بھیگتی ہوئی تن تنہا کھڑی تھی۔ انداز اس قدر کھویا کھویا سا تھا کہ وہ سامنے سے آتی ہوئی گاڑی کا ہارن تک
…ہ سن سکی تھی۔ خیالوں میں اس قدر مگن اور سوچوں میں اس حد تک الجھی ہوئی تھی کہ گاڑی کی تیز ہیڈ لائٹس کا
…بھی اندازہ تک نہ ہوا تھا۔

گاڑی میں موجود شخص نے شاید اس کو دیکھ چکا تھا اس لئے فوراً ہی بریک لگائے تھے۔

میرب سیال گاڑی کے ٹائر چرچرانے پہ چونکی تھی اور اپنے سامنے کھڑی گاڑی کو کسی قدر حیرت سے
…یکھنے لگی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری گاڑی کا دروازہ کھولتا اور چلتا ہوا میرب سیال کے مقابل جا رکا تھا
…ہے۔ نظریں اسے کسی قدر حیرت سے دیکھ رہی ہیں —— وہ یقیناً اسے اس موسم میں اس طرح تنہا اس
…ڑک پر کھڑا ایکسپکٹ نہیں کر سکتا تھا۔ مگر ایسا حقیقتاً تھا —— وہ اس خطرناک موسم میں وہاں تن تنہا موجود

تھی اور ایسا یقیناً صرف اس سے بدلہ لینے کے لئے تھا۔ وہ جانتی تھی ایسا کر کے وہ اسے یعنی سردار سبکتگین حیدر لغاری کو نیچا دکھا سکتی تھی۔

میرب سیال کسی قدر حیرت سے اس لمحے اپنے سامنے موجود اس کھڑے شخص کو دیکھ رہی تھی جو بارش کی مطلق پرواہ کئے بغیر اس وقت اس کے مقابل کھڑا اُسے بری طرح سے گھور رہا تھا۔ یقیناً یہ تیمار ناپسندیدہ فعل کا تھا کہ اس نے یکدم ہاتھ بڑھا کر میرب سیال کی نازک سی کلائی کو اپنی مضبوط آہنی گرفت میں لیا تھا اور کھینچتے ہوئے گاڑی میں جا بٹھایا تھا۔ میرب سیال اس لئے اس سے کسی ایسے ہی اقدام کی توقع کر رہی تھی اور ایسا ہی ہوا تھا۔۔۔۔ اُس کے سرعت سے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالنے اور جارحانہ انداز میں گاڑی آگے بڑھا دینے سے صاف ظاہر تھا کہ اس وقت وہ شدید غصے میں تھا۔ اگرچہ اس سے کچھ باز پرس نہیں کی تھی مگر اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں تھا کہ وہ اس کی طرف سے اپنا دل صاف کر چکا ہے۔ ڈرائیونگ کا رف انداز اس کے اندر کی اضطرابیت کو صاف ظاہر کر رہا تھا۔ میرب سیال چپ چاپ دم سادھے بیٹھی تھی۔ کسی طرح کی وضاحت کی ہمت اس میں یکسر ناپید تھی۔ وہ مانتی تھی اس نے تنہا باہر نکل کر غلط کیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری یقیناً اسے لینے ہی آیا تھا۔ جو بھی تھا وہ اس کی ذمے داری تھی۔ عزت تھی۔ اور اس معاملے میں اس نے کبھی کوئی کوتاہی نہیں برتی تھی۔ ہر ادا، ہر انداز چیخ چیخ کر کہتا تھا کہ "یو بیلونگ ٹو می! یو آر مائن۔۔۔۔!" اپنا یہ استحقاق اس پر ذہنی مہر ہونے کا تھا یا واقعی وہ اپنی عزت کا پاس رکھنا چاہتا تھا، میرب نہیں جانتی تھی مگر وہ اس لمحے کسی قدر شرمندہ ضرور تھی۔

لغاری ہاؤس کے وسیع پورچ میں گاڑی رکی تھی تو وہ فوری طور پر اتر نہیں سکی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری چند لمحوں تک اس کی سمت بنا دیکھے اس کے باہر نکلنے کا منتظر رہا تھا۔ غالباً اسے گھر چھوڑ کر واپس کہیں جانا تھا۔ مگر میرب سیال اس قدر سوچوں میں اُلجھی ہوئی تھی کہ اپنی سوچ کے تانے بانے بننے میں احساس ہی نہ ہوا تھا کہ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس لمحے اس سے کیا چاہ رہا ہے۔۔۔۔ غالباً وہ معذرت کے لفظ ڈھونڈنا چاہ رہی تھی مگر فوری طور پر یہ سب بہت مشکل لگ رہا تھا۔

عجب گومگو کی سی کیفیت تھی۔ جب سردار سبکتگین حیدر لغاری نے دوسری طرف کا دروازہ کھول کر چلتے ہوئے اس کی جانب کا دروازہ کھولا تھا اور اسے کلائی سے پکڑ کر نیچے کھڑا کر دیا تھا۔

"کبھی بیچ سڑک پر کھڑے، کبھی گاڑی میں بیٹھے کھوئے کھوئے اور سوئے سوئے رہنے کی عادت ہوگی تمہاری۔ مگر میں اپنی اشیاء کے معاملے میں بالکل بھی کیئرلیس نہیں ہوں۔۔۔۔ اس لئے بہتر ہوگا تم بیدار ہونا سیکھ لو۔ میری شے کو یا مجھ سے وابستہ کسی شے کو کوئی معمولی سی بھی زک پہنچے، یہ بات مجھے قطعی قابلِ قبول نہیں۔ اور تم میری بیوی ہو۔۔۔۔ خود کو سنبھالنے کی ذمے داری اگر تم بہتر طور پر اٹھانے کے قابل نہیں ہو تو مجھے سدِباب کے طریقے اچھی طرح سے ازبر ہیں۔۔۔۔ اپنی شے کو کس طرح سے سنبھال کر رکھا جاتا ہے یہ بات میں اچھی طرح سے جانتا ہوں۔ بہتر ہوگا تم بھی یہ بات گرہ سے باندھ لو۔۔۔۔ انڈر اسٹینڈ؟" انتہائی سخت گیر لہجے میں کہتے ہوئے اسے سرخ رنگ آنکھوں سے گھورا تھا۔

میرب سیال نے سر اٹھا کر اپنے مقابل کھڑے شخص کو دیکھا تھا جو اس لمحے اس کے شانے پر اپنا ہاتھ

مضبوطی سے جمائے بہت مدلل انداز میں اپنا حق اس پر جتا رہا تھا۔ میرب سیال کچھ نہیں بولی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری چند ثانیے تک اسے انہی خشمگیں نظروں سے دیکھتا رہا تھا پھر یکدم اسے جھٹکے سے چھوڑا تھا اور گاڑی میں دوبارہ بیٹھ کر گاڑی ریورس گیئر میں ڈال کر زن سے اُڑا لے گیا تھا۔ میرب سیال کسی قدر ساکت سی اس برستے موسم میں کھڑی اس کے اس اقدام پر دیکھتی رہ گئی تھی۔

ردعمل شدید ہوگا، وہ جانتی تھی۔ مگر اس قدر۔۔۔۔ وہ یہ نہیں جانتی تھی۔

❋ ❋ ❋

شب بھر کی بیداری کے بعد عفنان علی خان بہر حال ایک فیصلے پر پہنچ گیا تھا جس کا مدعا اس نے صبح ناشتے کی ٹیبل پر سب کے سامنے بیان کر دیا تھا۔

"ماما!۔۔۔۔ پاپا!۔۔۔۔ میں اناہیہ سے فوری طور پر شادی کرنا چاہتا ہوں۔۔۔۔ میں چاہتا ہوں آپ لوگ یہ پرپوزل لے کر ایک بار پھر ان کے گھر جائیں۔"

فاطمہ خان نے بیٹے کو بغور دیکھا تھا۔

"تم نے یہ فیصلہ سوچ سمجھ کر کیا ہے؟۔۔۔۔ کہیں اس میں کوئی جذباتی پہلو تو غالب نہیں؟" پاپا نے ماما کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

عفنان علی خان نے سرنفی میں ہلا دیا تھا۔ تبھی فاطمہ خان بولی تھیں۔

"عفنان! تم اناہیہ کے لئے کس درجہ سنجیدہ تھے، یہ بات ہم سب اچھی طرح جانتے ہیں۔ مگر پہلے کی بات اور تھی۔ اور تب بھی ان لوگوں نے ہمیں انکار کر دیا تھا۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ اس صورتحال کے ساتھ اس پرپوزل کے لئے یہ حالات سازگار ہیں؟۔۔۔۔ اور اس بار ہمیں شرمندہ ہونا نہیں پڑے گا بیٹا! ہمیں ملال اس بات کا بھی نہیں کہ ہمیں دوبارہ انکار کر دیا جائے گا۔ میں صرف یہ سوچ رہی ہوں کہ کیا اب بھی تم اناہیہ کو وہ پہلا سا مقام دے سکو گے؟۔۔۔۔ کہیں تمہارا یہ فیصلہ تمہیں کل کسی پچھتاوے میں مبتلا نہ کر دے۔"

فاطمہ علی خان نے تمام پہلو بیٹے کے سامنے رکھے تھے۔

"ایسا کچھ نہیں ہوگا۔۔۔۔ آپ فکرمند نہ ہوں۔۔۔۔ میں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے۔ آپ جانتی ہیں ماما! میں جذباتی واقع ہوا ہوں۔ مگر اس قدر نہیں۔ میں وہ فیصلے کرتا ہوں جنہیں میں نبھانے کی اہلیت اور سکت رکھتا ہوں۔ اگر مجھے خدشہ ہوتا کہ میں کل پچھتاؤں گا تو شاید میں یہ فیصلہ کرتا ہی نہیں۔ میں اناہیہ کا ہاتھ تھامنا چاہتا ہوں۔" عفنان علی خان کا لہجہ اٹل تھا۔

"اتنا کچھ ہو جانے کے بعد بھی؟" فاطمہ خان نے بیٹے کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔

"ہاں۔" عفنان علی خان کا جواب بہت ٹھوس تھا۔

"بیٹا! ہم چاہیں گے تم ایک بار پھر بھی سوچ سمجھ لو۔۔۔۔ اب وقت بدل چکا ہے اور اناہیہ پہلے جیسی نہیں رہی ہے۔"

"ماما! اناہیہ پہلے جیسی ہی ہے۔۔۔۔ آپ پلیز اس پرپوزل کو لے کر جانے کی تیاری کریں۔ آپ لوگوں نے جب اس فیصلے کا حق میرے ہاتھ میں دیا ہے تو پھر اس درجہ متذبذب کیوں ہیں؟ اور جہاں تک

رہی بات انابیہ کی تو وہ میرے لئے اب بھی پہلے جیسی ہی ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ آپ پلیز، آج ان کے ہاں جانے کی تیاری کیجئے ——— اس سے زیادہ میں کچھ اور کہنا نہیں چاہتا۔" عفنان علی خان جیسے جتا کر اٹھا تھا اور چلتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔ وہاں بیٹھے نفوس ایک دوسرے کا منہ تکتے رہ گئے تھے۔

❋ ❋ ❋

لامعہ حق اپنا زیادہ تر وقت انابیہ کے ساتھ بسر کر رہی تھی۔ مگر اس کی کیفیت اب بھی پہلے جیسی ہی تھی۔ وہی چپ چپ ——— گم صم، گم صم سا انداز ——— نہ بلانے پر متوجہ، نہ کوئی بات، نہ کسی سوال کا کوئی جواب۔ پتہ نہیں وہ بولنا چاہتی نہیں تھی یا واقعی اس کے پاس بولنے کو کچھ باقی نہیں بچا تھا۔

"انابیہ! ——— کچھ تو بولو ——— تم کب تک یوں چپ سادھے بیٹھی رہو گی؟ ——— کیا اپنی لامعہ سے بھی بات نہیں کرو گی؟ ——— دیکھو، میں کب سے تمہاری آواز سننے کی منتظر ہوں۔ تم پلیز! بات کرو مجھ سے ——— آخر تم خود کو اور ہم سب کو کس بات کی سزا دے رہی ہو؟ ——— ہم سب جانتے ہیں تمہارے ساتھ جو ہوا وہ محض ایک حادثہ تھا۔ مگر اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ تم جینا چھوڑ دیتی۔ انابیہ! تمہیں خدا نے ایک نئی زندگی دی ہے ——— اس کا مقصد سمجھو ——— جو ہوا اسے بھول جاؤ، خدا کا شکر ہے تم محفوظ رہیں۔ ایسا کچھ غلط تمہارے ساتھ نہیں ہوا۔ پھر اس خاموشی کا سبب کیا ہے؟ ——— تم اپنے ساتھ ساتھ اپنے پیاروں کو بھی سزا دے رہی ہو اور یہ صحیح نہیں ہے۔ میں تمہیں قطعاً بھی اس بات کی اجازت نہیں دوں گی۔" لامعہ حق متواتر بول رہی تھی۔ مگر انابیہ شاہ ایزی چیئر پر بیٹھی سر اٹھائے چھت کی طرف چپ چاپ دیکھ رہی تھی۔ مگر آنکھوں کے کنارے بڑی خاموشی سے بھیگ رہے تھے۔

لامعہ حق تھک کر اٹھی تھی اور چلتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔ ماہ وش نے اسے خاموشی سے دیکھا تھا ——— لامعہ حق نفی میں سر ہلاتی ہوئی ان کے پاس جا رکی تھی۔

"کوئی فائدہ نہیں ہے آنٹی! ——— انابیہ شاہ کا فوری طور پر اس فیز سے باہر آنا قطعاً ناممکن ہے۔ اسے وقت درکار ہے اور ہمیں اس کے ساتھ کوئی زور زبردستی نہیں کرنی چاہئے ——— اس کی جو کیفیت ہے اس سے صرف وہ خود باہر آ سکتی ہے۔ صرف اپنی کوشش سے۔ ہماری جتنی بھی کوششیں ہوں گی، وہ بے کار رہیں گی۔ میں سوچ رہی ہوں کیوں نا ہم انابیہ کو کچھ دنوں کے لئے کسی پُر فضا مقام پر لے جائیں۔ شاید اس سے کچھ افاقہ ہو جائے۔ بعض اوقات اردگرد کے منظر بدلنے سے اندر کا موسم بھی بدل جاتا ہے۔" لامعہ حق نے مشورہ دیا تھا مگر ماہ وش نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"میرا نہیں خیال یہ کوئی بہترین حل ہے ——— اس سے کچھ نہیں ہوگا۔ انابیہ کو کسی بیرونی تبدیلی سے زیادہ اندرونی تبدیلی کی ضرورت ہے۔ اور اس کے لئے اس کا اپنوں کے درمیان رہنا بہت ضروری ہے۔"

"ہاں ——— یہ بھی ہے۔" لامعہ حق نے پُر خیال انداز میں سر ہلایا تھا۔ پھر آنٹی کی طرف دیکھتی ہوئی بولی تھی۔ "آنٹی! کیوں نہ ہم انابیہ کی شادی کروا دیں؟"

"شادی ——— ؟" ماہ وش بخاری چونکی تھیں۔

"ہو سکتا ہے اس سے کوئی اثر اس کی زندگی پر پڑ جائے۔ انابیہ اس وقت اپنے اندر کا وہ بھرپور اعتماد

کھو چکی ہے۔ وہ سمجھ رہی ہے کہ اس کی زندگی کے سارے رنگ رخصت ہو گئے ہیں اور اب اس کی زندگی میں کچھ باقی نہیں رہا ——— ایک چھونے سے کڈنیپ کے بعد وہ خود کو دنیا کی نظر سے کہیں نیچے محسوس کر رہی ہے۔ وہ صورتحال کو فیس نہیں کر پا رہی ہے۔ اور ہمیں اس کا کھویا ہوا اعتماد لوٹانے میں مدد کرنا ہو گی۔"

"مگر شادی اس کا حل کس طرح ہے؟ اور پھر اس صورتحال میں کون انابیہ کے لئے تیار ہوگا؟" ماہ وش کا انداز متفکرانہ تھا۔

"میں ——— میں تیار ہوں۔" ایک بھرپور شناسا آواز ابھری تھی۔ لامعہ حق اور ماہ وش نے بیک وقت چونک کر دیکھا تھا۔ دہلیز کے بیچوں بیچ عفنان علی خان کھڑا تھا۔

"تم ——— ؟" لامعہ حق کو شدید ترین حیرت ہوئی تھی اور ماہ وش بخاری بھی کچھ کم حیران نہیں تھیں۔ مگر عفنان علی خان بھرپور اعتماد سے چلتا ہوا ان کے قریب آن رکا تھا۔

"میں انابیہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" اظہارِ مدعا براہِ راست ہوا تھا۔

ماہ وش نے بے یقینی سے عفنان علی خان کو دیکھا تھا۔

"عفنان بیٹا! تم جانتے ہو تم کیا کہہ رہے ہو؟"

"جی ——— بہت اچھی طرح سے۔ میں نے ماما پاپا کو بھی اس بات سے آگاہ کر دیا ہے اور وہ بطورِ خاص آج پروپوزل لے کر آپ کے پاس آئیں گے ——— اور مجھے امید ہے آپ آج مجھے دوبارہ رد نہیں کریں گے۔"

"عفنان بیٹا! ——— تم ——— تم شاید نہیں جانتے ہو تم کیا کرنے جا رہے ہو ——— شادی کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ اور انابیہ ———" انہوں نے روانی سے کہتے ہوئے یکدم رک کر اسے دیکھا تھا۔ پھر ایک گہری سانس خارج کی تھی اور بہت اطمینان سے اسے دیکھا تھا۔

"بیٹا! عمر بھر کے فیصلے یوں اتنی جلد بازی میں نہیں ہوتے۔ اور میں نہیں چاہتی کل تک میری بیٹی جس شخص کے سامنے سر اٹھائے کھڑی بات کرتی تھی آج اس کے سامنے رہے تو اس کی نظریں زمین کی سمت جھکی ہوں ——— تم پلیز اپنے پیرنٹس کو منع کر دو ——— میں فی الحال انابیہ کی شادی کہیں بھی کرنا نہیں چاہتی، جب تک کہ وہ اس فیز سے باہر نہ آ جائے اور اپنا کھویا ہوا اعتماد خود دوبارہ بحال نہ کر لے ——— تم وہ شخص ہو جو اس کے تب بھی طلب گار تھے۔ میں جانتی ہوں تم اس سے محبت میں مبتلا تھے۔ مگر اب اس زندگی میں، اس رفاقت میں وہ محبت کتنی باقی رہے گی؟ ——— یا پھر رہے گی بھی یا کہ نہیں ——— اس کے بارے میں مجھے کوئی خاص یقین نہیں ہے۔ اور میرا خیال ہے اس کے متعلق تم بھی کوئی یقین دہانی قبل از وقت کروا نہیں پاؤ گے۔" ماہ وش بخاری کا لہجہ مضبوط تھا اور عفنان علی خان کی نظروں میں یکدم ہی بے چینی در آئی تھی۔

"آپ یہ سمجھ رہی ہیں ——— میں ان حالات میں انابیہ پر ترس کھا رہا ہوں؟ ——— مجھے اس اقدام پر آپ کی ہمدردی قائل کر رہی ہے؟"

"کیا ایسا نہیں ہے؟" ماہ وش نے اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔ پھر بہت اطمینان کے ساتھ گہری سانس خارج کرتے ہوئے اس کے شانے پر اپنا ہاتھ دھر دیا تھا۔

"دیکھو بیٹا! ——— ہمدردی تمام عمر نہیں نباہی جا سکتی ——— تم شاید سمجھ نہیں رہے ہو۔ مگر میں اس وقت اپنی بیٹی سے زیادہ تمہاری مخلص ہوں۔ میں نہیں چاہتی تم کل کو کسی پچھتاوے میں مبتلا ہو۔ کیونکہ محبت اور چیز ہے اور ہمدردی ایک الگ شے......"

"میں انابیہ سے ہمدردی نہیں کر رہا۔ اور کس نے کہا کہ اسے کسی ہمدردی کی ضرورت بھی ہے؟ ——— وہ اب بھی میرے لئے اسی قدر اہمیت رکھتی ہے اور میں اب بھی اسے اسی طرح دیکھتا ہوں۔ نہ اسے مجھے دیکھنے کے لئے سر اٹھانے کی ضرورت ہے نہ ہی مجھے اسے دیکھنے کے لئے سر جھکانے کی ضرورت۔ فضول کی تاویلوں میں آپ نہ ہی الجھیں تو بہتر ہوگا۔ میں انابیہ کو چاہتا ہوں اور اسے اپنی زندگی میں شامل دیکھنا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد اگر آپ کو کوئی شکایت ہوتی ہے تو آپ مجھے اس کے لئے بلیم کر سکتی ہیں۔ مگر فی الوقت اس بات کو لے کر پریشان ہونا کوئی بہترین حل نہیں ——— شام میں ماما، پاپا آ رہے ہیں اور میں چاہوں گا، اب کے آپ سب کا جواب پوزیٹو رہے۔ انابیہ اور اس کی خوشیوں کی ضمانت میں آپ کو دیتا ہوں۔" عفنان علی خان مضبوط لہجے میں اپنی محبت کا ثبوت دیتے ہوئے بولا تھا اور پلٹ کر وہاں سے نکل کر چلا گیا تھا۔

لامعہ حق اور ماہ وش اُسے دیکھتی رہ گئی تھیں۔ مگر جہاں لامعہ کی نگاہ ساکت تھی اور حیرت میں ڈوبی ہوئی تھی وہیں ماہ وش بخاری کی نظر گہری سوچوں میں دکھائی دے رہی تھی۔

❋ ❋ ❋

"انابیہ کے لئے عفنان کا پروپوزل؟ ——— اگین؟ ——— آئی تھنک یہ ایک اچھا چینج ہے۔ ہمیں واقعی انابیہ کی شادی کے متعلق سوچنا چاہئے۔" اوزی نے پُر خیال انداز میں کہا تھا۔

دادا ابا نے بھی پُر خیال انداز میں سر ہلایا تھا اور ماہ وش بخاری کی طرف دیکھتے ہوئے بولے تھے۔

"عفنان علی خان اچھا لڑکا ہے بیٹا! ——— مجھے خوشی ہے وہ اس صورت حال کو سمجھ بھی رہا ہے اور انابیہ کو ان حالات میں قبول کرنے کو بھی تیار ہے۔ ہمیں اس بار اسے رد کرنا نہیں چاہئے ——— پہلے کی بات اور تھی۔ لامعہ اور عفنان کا رشتہ ٹوٹنا ایک اہم ترین پہلو تھا۔ مگر اب ہماری بچی کی کیفیت کو لے کر ہمارے پاس کوئی راہ نہیں ہے۔ اس بار عفنان علی خان کو ٹھکرانے کی غلطی یقیناً حماقت ہوگی۔"

"مگر ابا جی! انابیہ ——— انابیہ نہیں مانے گی ——— میں جانتی ہوں اسے ——— وہ کبھی بھی اس فیصلے کے لئے ہاں نہیں کرے گی۔ عفنان علی خان کو قبول کرنا اس کے لئے آسان نہیں ہوگا۔" ماہ وش بخاری نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"کیا آسان ہوگا اور کیا نہیں ——— اس وقت یہ پہلو اہم نہیں۔ اہم انابیہ کی کیفیت اور یہ سارے حالات ہیں۔ اور اب عفنان علی خان کو رد کر دیا جاتا ہے تو کیا گارنٹی ہے، انابیہ کو کوئی اچھا جیون ساتھی مستقبل میں مل سکے گا؟ ——— ہم اس کے خیر خواہ ہیں، اس کی بہتری کا فیصلہ ہم سب کو مل جل کر اور تمام

باتوں کو سامنے رکھ کر کرنا ہوگا۔ یہاں لڑکیوں کے رشتوں کے لئے ہزار ہا مسائل پہلے سے ہی موجود ہیں۔ انابیہ تو پھر......" اوزی کہتے کہتے رک گیا تھا۔

"دادا جی! ہم سب کو انابیہ عزیز ہے اور ہمیں اس کی خوشیوں کو پھر سے اس کی زندگی میں لانا ہوگا اور عفنان سے بہتر جیون ساتھی اس کے لئے کوئی اور نہیں ہوگا ——— میں عفنان کو بہت اچھی طرح سے جانتا ہوں۔ وہ اپنے ارادوں میں اٹل ہے۔ جو کمٹمنٹ کرتا ہے اسے آخر تک نبھاتا ہے ——— انابیہ کا ہاتھ اگر وہ تھامتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کبھی انابیہ کا ہاتھ بیچ راہ میں نہیں چھوڑے گا۔ ہمیں انابیہ کو ہر صورت اس پروپوزل کے لئے قائل کرنا ہوگا۔"

ماہ وش سر جھکا گئی تھیں۔

"سمجھتی تو میں بھی ہوں مگر......" آنکھوں میں یکدم پانی آن رکا تھا۔

"شام میں عفنان کے پیرنٹس آ رہے ہیں اور میں اس بار خود بھی ان لوگوں کو انکار نہیں کرنا چاہتی۔ مگر انابیہ......"

"ماما! ——— آپ کو انابیہ سے بات کرنا ہوگی۔ آپ ہی ہیں جو انابیہ کو قائل کر سکتی ہیں۔" اوزان سید نے زور دیا تھا۔ ماہ وش نے سر ہلایا تھا اور پلٹ کر وہاں سے نکلتی چلی گئی تھیں۔

❋ ❋ ❋

اذہان حسن بخاری چلتا ہوا ساہیہ خان کے مقابل جا رکا تھا۔

ساہیہ خان نے اس کی جانب نگاہ کئے بغیر قریب سے نکل کر آگے بڑھ جانا چاہا تھا، جب اذہان حسن بخاری نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ ساہیہ خان رک گئی تھی مگر اس کی سمت نگاہ اب بھی نہ کی تھی۔ نظر جھکی ہوئی تھی۔ عجیب خائف سا انداز تھا۔

اذہان حسن بخاری اسے بغور تکنے لگا تھا۔

"اس درجہ خائف ہو کہ میری جانب دیکھو گی بھی نہیں؟" مدھم لہجے میں شکوہ کیا تھا۔

ساہیہ خان نے اس کی جانب دیکھا تھا اور سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"نہیں اذہان! میں تم سے خائف نہیں ہوں ——— تم غلط سمجھ رہے ہو۔"

"تو پھر اس قدر گریزاں کیوں ہو؟ ——— تمہارے تیور اجنبی کیوں لگ رہے ہیں؟ یہ فضا اتنی بوجھل سی کیوں ہے؟" اذہان حسن بخاری نے دوستی کی اس فضا کو بھرپور طور پر مس کیا تھا۔ ساہیہ اس کی طرف متوجہ نہیں دیکھ سکی تھی۔

"ایسی کوئی بات نہیں ——— ہم اب بھی اچھے دوست ہیں۔"

"اچھے دوست ہیں تو تم اس طرح مجھ سے نظریں چرائے کیوں کھڑی ہو؟" اذہان حسن بخاری نے اس کے کہنے پر اسے اسی وقت پکڑا تھا۔ ساہیہ خان فوری طور پر کوئی جواب نہیں دے سکی تھی۔ چند ثانیوں تک خاموشیاں ان کے درمیان ڈیرہ ڈالے رہی تھیں اور بالآخر اذہان حسن بخاری نے اس خاموشی کے سکوت کو توڑا تھا۔

"ساحیہ! تم نے جو بھی دیکھا وہ —— وہ صرف میرا پاسٹ ہے۔ صرف ماضی۔ اور ماضی کبھی حال اور مستقبل کے ساتھ نہیں چل سکتا۔ ایک ذی شعور شخص یہ بات بہت اچھی طرح سے سمجھ سکتا ہے۔ کیا تمہیں ضرورت ہے کچھ یاد کرانے کی؟!" اس کے چہرے کا رخ اپنی جانب پھیر کر بہ غور دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ مگر ساحیہ کے لبوں پر صرف خاموشی تھی۔

"ساحیہ! تم تو مجھے سمجھنے کی دعویدار تھیں نا! —— مجھے میری خاموشیوں میں سمجھا تھا نا تم نے۔ تو پھر اب لفظ کیوں نہیں سمجھ رہی ہو؟! —— مجھے تمہاری اور صرف تمہاری ضرورت ہے۔" ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے یقین دلانے کی کوشش موثر ترین تھی۔ ساحیہ چپ چاپ اسے دیکھ رہی تھی۔

"ساحیہ! ایسا نہیں ہے کہ پاسٹ کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ ہوتی ہے —— یقیناً ہوتی ہے۔ مگر اتنی نہیں کہ وہ پریزنٹ یا فیوچر کو ڈپلیٹ کر سکے —— زخم پرانے ہو جائیں تو صرف داغ باقی رہ جاتے ہیں۔ ان میں درد باقی نہیں رہتا۔ مگر دیکھنے والے کو وہ داغ بغور دکھائی دیتا ہے۔ نظر پڑے تو پوچھنا ضرور ہے، کیا ہوا تھا؟ —— یہ داغ کیسے پڑا؟! —— کوئی چوٹ لگی تھی؟! —— حالانکہ یہ بات بڑی انڈراسٹوڈ ہے کہ اگر داغ دکھائی دے رہا ہے تو یقیناً اس جگہ کبھی چوٹ بھی ضرور لگی ہو گی۔ مگر کریدنے کا یہ انداز صرف اس تجسس کو ظاہر کرتا ہے۔ لوگوں کو ایسا تجسس ہوتا ہے دوسروں کے متعلق۔ مگر کوئی یہ نہیں سوچتا کہ یہ صرف داغ ہے اور داغ میں کہیں کوئی درد اب باقی نہیں رہا ہے۔ یہ صرف میرا پرابلم نہیں ہے ساحیہ! ایسے بہت سے داغ ہر شخص کی زندگی میں ہوتے ہیں۔ میں تمہیں خود اس کے متعلق بتانا چاہتا تھا۔ کچھ بھی چھپانا نہیں چاہتا تھا تم سے۔ مگر ایک خاص وقت پر۔ لیکن اس سے قبل تم نے خود کسی قدر جان لیا۔ اگر تم مجھے موقع دیتیں تو میں ایک ایک پہلو، گزشتہ زندگی میں گزرا ایک ایک گوشہ تمہیں ضرور دکھاتا —— خود آپ مطلع کرتا اور اب بھی کروں گا۔ تم جو سوال پوچھنا چاہتی ہو پوچھ سکتی ہو —— میں اس کے لئے تیار ہوں۔ میں اپنی زندگی کا ایک ایک گوشہ تم پر منکشف کر دینا چاہتا ہوں۔ تاکہ کل تمہیں کسی بات کی باز پرس کی اور سے نہ کرنا پڑے۔ تم کچھ اور دیکھو، کچھ اور جانو تو کسی خدشے میں مبتلا نہ ہو جاؤ —— اس لئے میں اپنی زندگی کی گزری ہوئی کوئی بات تم سے مخفی نہیں رکھوں گا۔ گزرے ایک ایک پل کا گوشوارہ دینے کو تیار ہوں میں۔ تمام حقیقتوں کا اندراج اس میں شمار ہو گا۔ مگر اس کے لئے تمہیں یقین کرنا ہو گا —— ایک بھرپور اعتبار۔ مجھ پر —— میری باتوں پر اور ساری حقیقتوں پر۔" عرض مدعا کیا تھا۔ ساحیہ نے سر اٹھا کر اس کی سمت دیکھا تھا۔

"کیوں؟ —— ایسا کیوں چاہتے ہو تم کہ میں وہ سب گوشوارے دیکھ لوں اور جان لوں؟ —— جو گزرا، وہ سب تمہارا ہے۔ اس کی جانچ پڑتال کرنے کی ضرورت مجھے کیوں ہو؟" ساحیہ کا لہجہ بے تاثر تھا۔ اذہان حسن بخاری نے دونوں ہاتھ اس کے شانوں پر رکھ دیئے تھے اور بھرپور توجہ سے اس کی سمت دیکھتے ہوئے گویا ہوا تھا۔

"کیونکہ ساحیہ! تم —— تم میری بہترین دوست ہو اور تمہیں مجھ سے وابستہ ہر بات کی خبر ہو، یہ بہت ضروری ہے۔" انداز خلوص اور لہجہ بھرپور اعتبار دیتا ہوا تھا۔

"نہیں —— اس کی ضرورت نہیں ہے اذہان! میں تمہیں جتنا جانتی ہوں وہی میرے لئے کافی ہے۔ انسان کی زندگی کے کچھ مخفی گوشے ہوتے ہیں اور میں نہیں چاہتی کہ تم اسے میرے سامنے عیاں کرو۔ تم میرے دوست ہو اور یہی ہم دونوں کے حق میں بہتر ہے کہ ہم ایک دوسرے کے بارے میں صرف وہ باتیں جس کی ضرورت ہے —— اس سے زیادہ کچھ نہیں —— جس کی سرے سے ضرورت ہی نہیں اس کے بارے میں بات کرنے سے بھی کیا حاصل۔" ساحیہ خان نے قصہ ختم کیا تھا۔

"نہیں —— اس کی ضرورت ہے ساحیہ!" اذہان حسن بخاری نے سر ہولے سے نفی میں ہلایا تھا۔ "ایسا نہیں ہے کہ یہ سب بہت فضول ہے۔"

"فضول نہیں اذہان! مگر اس کی اہمیت اتنی نہیں ہے —— تم کیوں چاہتے ہو کہ میں وہ سب کچھ جان لوں جو تم کبھی بسر کر چکے ہو؟" ساحیہ نے اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔

اذہان حسن بخاری نے براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا اور مدھم لہجے میں گویا ہوا تھا۔

"کیا تم اپنی آئندہ زندگی میرے ساتھ بسر کرنا نہیں چاہو گی؟" سوال اگرچہ اتنا دقیق نہیں تھا مگر ساحیہ خان فوری طور پر کوئی جواب نہیں دے سکی تھی۔ مگر وہ اس کی سمت متواتر دیکھ بھی نہیں سکی تھی۔ پہلے رخ موڑا تھا اور پھر پلٹ کر دو چار قدم دور جا رکی تھی۔

"اذہان! —— بہتر ہو گا کہ ابھی ہم اس موضوع کو لے کر کوئی بات نہ کریں۔ فی الحال میں بھی اپنے بزنس پر کونسنٹریٹ کرنا چاہتی ہوں اور تم بھی۔ تمہیں بھی کچھ وقت درکار ہو گا یقیناً تمام صورتحال پر قابو پانے کے لئے۔ ہمیں اس فیصلے کو کسی اور وقت کے لئے اٹھا رکھنا چاہئے۔ اور شاید فیصلہ وقت کے ہاتھ ہی چھوڑ دینا مناسب ہے —— بعض اوقات جن فیصلوں میں ہمیں بہت مشکل درپیش ہوتی ہے، وقت انہیں کس قدر آسان کر دیتا ہے۔" ساحیہ خان شاید وقت چاہتی تھی۔ اذہان حسن بخاری لب بھینچے اس کی پشت کو دیکھتا رہا تھا۔

"ساحیہ! کیا تمہیں مجھ پر یقین نہیں ہے؟" مدھم لہجے میں کسی قدر اضطرابیت تھی۔ ساحیہ خان فی الفور کچھ نہیں کہہ سکی تھی۔ اذہان حسن بخاری چلتا ہوا اس کے سامنے جا رکا تھا۔ بغور اس کے چہرے کو تکنے لگا تھا پھر اسے شانوں سے تھام کر اس کے چہرے کا رخ اپنی طرف پھیرا تھا اور مدھم سرگوشی میں دریافت کیا تھا۔

"کیا اعتبار نہیں مجھ پر؟ —— بولو، کیا یقین نہیں رکھتی ہو مجھ پر؟"

ساحیہ کی آنکھوں میں یکدم ہی سمندر آن رکے تھے۔

"کیا تم سمجھتی ہو کہ میں تمہیں کوئی دھوکا دوں گا؟ —— کوئی فریب؟" ایک مزید سرگوشی بوجھل فضا میں آئی۔ ساحیہ خان کی ٹھہری نظروں سے بہت آہستگی سے قطرے ٹوٹ کر چہرے کو بھگو گئے تھے۔

"ساحیہ! کیا تمہیں لگتا ہے کہ اذہان حسن بخاری تمہیں تمہارے حصے کی خوشیاں نہیں دے سکے گا؟"

ایک سرگوشی پھر بازگشت ہوئی تھی۔ مگر اس کا جواب صرف ساحیہ خان کے گرم گرم بہتے ہوئے آنسو تھے۔ جنہیں وہ ضبط کئے اس کے سامنے کھڑی تھی۔

"کیا سا ہیہ! بولو کیا؟ —— کیا ہے تمہارے دل میں؟ —— بتاؤ مجھے —— میں جاننا چاہتا ہوں تم کیا سوچتی ہو —— کیا چاہتی ہو؟ —— میرے لئے تمہاری منشا، تمہاری مرضی جاننا بے حد ضروری ہے۔ تم کہو، میں سننا چاہتا ہوں —— سننا چاہتا ہوں وہ آواز —— وہ آواز جو تمہارے دل میں چھپی ہے۔ کوئی زبردستی نہیں ہوگی۔ کوئی فیصلہ مسلط نہیں ہوگا تم پر۔ تم بتاؤ، کیا ہے تمہارے دل میں؟ —— کیا اتنی ذرا سی بھی جگہ نہیں تمہارے دل میں میرے لئے؟ —— اتنی سی بھی گنجائش نہیں ہے؟ —— اگر نہیں ہے تو کیا تم اتنی سی جگہ اپنے دل میں میرے لئے بنا بھی نہیں سکتی ہو؟"

اذہان حسن بخاری کے مدھم لہجے میں عجیب درخواست تھی یا اپنے اندر کا بوجھل پن ہی اتنا تھا کہ انابیہ خان کے لئے اپنے آپ کو سنبھالنا دشوار ہو گیا تھا۔ تمام تر ضبط ہار کر اس نے اذہان حسن بخاری کے شانے پر سر دھرا تھا اور دھواں دھار رونے لگی تھی۔

اذہان حسن بخاری نے اپنے شانے پر دھرے اس کے سر کو دیکھا تھا اور پھر اپنا حصار اس کے گرد باندھ دیا تھا۔

❋❋❋

انابیہ شاہ سر جھکائے خاموش سی بیٹھی تھی۔ جب ماما اس کے سامنے بیٹھی مدعا بیان کر رہی تھیں۔

"انابیہ! —— ہمارے پاس انکار کے لئے اب کوئی راہ نہیں ہے۔ کوئی راستہ بچا ہی نہیں ہے۔ کبھی تمہارے فیصلے پر میں نے ہی تمہیں سراہا تھا اور کہا تھا کہ عفنان علی خان یقیناً تمہارے لئے دنیا میں آخری شخص نہیں ہے۔ تم کسی بھی شخص کی خواہش ہو سکتی ہو۔ مگر مجھے آج لگ رہا ہے بیٹا! عفنان علی خان ہی وہ شخص ہے جو آج مجھے دنیا میں تمہارے لئے آخری مگر بہترین انتخاب لگ رہا ہے۔ اس لئے نہیں کہ وہ تم سے شادی کرنا چاہتا ہے یا وہ تمہارے ساتھ بیتے ہوئے سانحے پر تم سے ہمدردی کر رہا ہے۔ بلکہ وہ آج بھی تم سے محبت کرتا ہے۔ ویسی ہی محبت جیسی وہ تم سے پہلے کرتا تھا —— تم جانتی ہو، تم اپنی ختم ہوتی سانسوں سے لڑ کر اس دنیا میں واپس آئی ہو؟ —— شاید اس لئے کہ عفنان علی خان نے تمہارے ساتھ کی تمنا بہت شدت سے کی تھی۔ آج اگر تم زندہ ہو، ہم سب کے سامنے ہو تو صرف اس کی کوشش کے ہی باعث۔ تمہیں بازیاب کرانے سے بروقت ہاسپٹل پہنچانے تک ہر فعل اسی نے سرانجام دیا۔ تمہاری زندگی بچانے میں خدا کے بعد اس کا ہاتھ ہے۔ ہوتا تو سب خدا کی مرضی سے ہی ہے۔ مگر کچھ وسیلے زمین پر بھی بنتے ہیں۔ اور یہ سچ ہے عفنان علی خان تمہاری زندگی بچانے کا سبب بنا ہے۔ کوئی اگر اتنی خواہش سے تمہارا ساتھ چاہ رہا ہے تو وہ یقیناً تمہاری قدر بھی کرے گا —— سب سے بڑی بات، اس کے لئے تمہارے ساتھ ہونے والے سانحے کی کوئی وقعت نہیں۔ شاید محبت کرنے والوں کا دل بہت بڑا ہوتا ہے۔ اس میں گنجائش دوسروں کے مقابلے میں زیادہ ہوتی ہے۔ یہ سچ ہے کہ وہ اپنی پوری مرضی کے ساتھ، اپنے پورے دل کے ساتھ اب بھی تمہارا طلب گار ہے۔"

انابیہ شاہ کی ٹھہری ہوئی آنکھوں سے بہت آہستگی سے چند قطرے نمکین پانی کے ٹوٹ کر گرے تھے۔ ماہ وش نے بیٹی کو تھام کر ساتھ بھینچ لیا تھا۔

"بیٹا! —— کبھی کبھی زندگی میں ایسے موڑ پڑتے ہیں جب ایک راہ کے آگے کوئی دوسری راہ دکھائی نہیں دیتی۔ بس وہی موڑ آخری لگتا ہے اور اس کے آگے سارے راستے بند دکھائی دیتے ہیں۔ مگر در حقیقت ایسا ہوتا نہیں ہے۔ بات فقط چند قدم آگے بڑھا دینے کی ہوتی ہے اور پھر اس آخری موڑ سے آگے کے راستے بھی واضح دکھائی دینے لگتے ہیں۔ یہ زندگی کی وہ حقیقت ہے جو صرف برت کر ہی سیکھی جا سکتی ہے ہے......" ان کی آواز بھرا گئی تھی۔

کتنی تیزی سے آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔ انابیہ یکدم ہی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔ اس کا پورا وجود لرز رہا تھا اور ماہ وش بیٹی کو ہولے ہولے تسلی دے رہی تھیں۔

شاید انابیہ شاہ اس زندگی کے موڑ سے آگے کی حقیقت جان گئی تھی یا پھر تمام بند راستوں کی کہانی اس کی سمجھ میں آنے لگی تھی۔

❋❋❋

عفنان علی خان کا پرپوزل قبول کر لیا گیا تھا۔ وہ خواہش جو کبھی ناممکن دکھائی دیتی تھی، آج پوری ہونے کو تھی —— وہ اس کی ہونے کو تھی:

وہ چہرہ ——

وہ آنکھیں ——

وہ لب و رخسار ——

جنہیں دیکھنے کی اس نے کبھی صرف حسرت کی تھی —— خواہش کی تھی —— آج عمر بھر کے لئے اس کے سنگ ہونے کو تھے —— وہ اس کی ہم قدم ہونے کو تھی۔ مگر اس کی آنکھوں میں کوئی خوشی کی رمق دکھائی نہیں پڑ رہی تھی —— عجب سکوت سا تھا ان آنکھوں میں۔

چہرہ بہت بے تاثر سا تھا۔ اس واقعے کے بعد وہ بطور خاص کبھی بھی انابیہ سے نہیں ملا تھا۔ وہ ایک بار آیا بھی تھا تو صرف دور سے دیکھا تھا، بات نہیں ہوئی تھی۔ اور بات ہوتی بھی کیسے؟ —— وہ اس سانحے کے بعد جیسے بولنا ہی بھول چکی تھی۔ اسے کسی نے بھی بولتے نہیں سنا تھا —— جیسے وہ لفظوں کے معنی بھول گئی تھی۔

عفنان علی خان، دادا ابا اور ماہ وش سے تھینکس کہنے آیا تھا۔ پلٹ کر پلٹ رہا تھا جب اوزان سید نے پیچھے سے صدا بلند کر کے پکار لیا تھا۔

"عفنان —— !"

عفنان علی خان نے مڑ کر دیکھا تھا۔ اوزی اس کی سمت چلتا ہوا آ رہا تھا۔

"کیا ہوا؟ —— اتنی جلدی واپس جا رہے ہو؟ —— اب تو اس گھر سے تمہارا تعلق اور بھی مضبوط ہو گیا ہے۔ اب بھی اتنی جلدی بھاگ رہے ہو؟" شاید اس بوجھل فضا کو اوزی کسی قدر ہلکا کر دینے کا خواہاں تھا بھی دھیمے پن سے مسکرایا تھا۔

عفنان علی خان اس پُر لطف جملے پر فوری طور پر کوئی ردِ عمل ظاہر نہیں کر سکا تھا۔ اوزی نے اسے بغور

دیکھا تھا اور پھر اس کے شانے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔

"تھینکس ___!" لہجہ مشکور تھا۔

"فور وہاٹ ___؟" عفنان علی خان چونکا تھا۔

"انابیہ کے لئے اتنا کچھ کرنے کے لئے اور اس کے لئے اتنا بڑا اسٹینڈ لینے کے لئے۔ تم نے ہمارے لئے، انابیہ کے لئے بہت کچھ کیا۔ اور اس تاریکی میں ڈوبے فیز میں جب انابیہ بے حد برے دور سے گزر رہی تھی، تم نے اس کا ہاتھ تھامنے کا فیصلہ لے کر ہم سب پر......"

"کوئی احسان نہیں کیا۔" عفنان علی خان نے یکدم ہی اوزی کی بات کاٹ دی تھی۔ اوزی خاموشی سے اسے دیکھنے لگا تھا۔ عفنان علی خان کے لبوں پر بڑی بے جان سی مسکراہٹ نے دم توڑا تھا۔

"یہ کوئی احسان نہیں ہے اوزی! ___ اور یہاں کوئی بھی کسی پر احسان نہیں کرتا۔ انابیہ از اے پرفیکٹ گرل۔ وہ کل بھی مکمل تھی اور آج بھی مکمل ہے۔ میں نے صرف یہ ثابت کرنا چاہا۔ اس کا ہاتھ تھامنے کا فیصلہ کر کے، اسے زندگی میں شامل کرنے کی ٹھان کر میں نے کسی پر کوئی نہ تو احسان کیا ہے نہ ہی کوئی بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تم سب ایسا کیوں سوچ رہے ہو؟" عفنان علی خان کا لہجہ اکتایا ہوا تھا۔

"تم اسی لئے انابیہ سے بھی نہیں ملے؟" اوزی نے ایک اہم پہلو کی طرف نشاندہی کرائی تھی اور عفنان علی خان چہرے کا رخ پھیر گیا تھا۔

"یہ سچ ہے، آج میں اس سے دانستہ ملنا نہیں چاہتا ___ اس لئے نہیں کہ میں اس کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں رکھتا یا وہ اس قابل نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں تم سب جیسا سوچ رہے ہو وہ بھی ویسا ہی سوچ رہی ہے اور میں تم سب کو جب سمجھا نہیں پا رہا ہوں تو اس کی سوچ کو کیسے بدلوں گا؟ ___ جبکہ میں اسے تب بھی قائل نہیں کر پایا تھا جب وہ مجھ سے اس درجہ بدظن نہیں تھی۔ اب تو معاملہ ہی اور ہے۔ خیر، ملنا تو اب سب سے ہی ہے اور یہ ملن عمر بھر کے لئے ہے۔ میں کہیں بھاگ نہیں رہا ہوں۔ اسے سامنے بٹھا کر تمام احوال کہوں گا اور ساری غلط فہمیاں مٹا دوں گا۔ تب شاید یہ میرے لئے اتنا مشکل نہیں ہوگا جتنا کہ آج مجھے دکھائی دے رہا ہے۔ شاید تم سمجھ رہے ہو گے میں کیا کہنا چاہ رہا ہوں یا کیا کہنا چاہتا ہوں۔" عفنان علی خان نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا اور پھر یکدم ہی پلٹ کر چلتا ہوا وہاں سے نکل گیا تھا۔ اوزی تا دیر کھڑا اسے دیکھتا رہا تھا۔ جانے کیوں اسے عفنان علی خان کے انداز میں وہ پہلے سی بات دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

پتہ نہیں واقعی ایسا تھا یا پھر اوزان سید کو ہی ایسا لگ رہا تھا۔

عجیب تھکن بھرا سا لہجہ تھا اس کا اور عجیب سرد سا انداز۔

جیسے وہ کسی کڑے دور سے چپ چاپ گزر رہا تھا اور نہیں چاہتا تھا کہ اس کی خبر کسی اور کو بھی ہو۔

پتہ نہیں یہ سچ بھی تھا کہ صرف اوزی کو ایسا لگا تھا۔ اوزی پلٹا تھا اور پھر اندر کی جانب بڑھنے لگا تھا۔

انابیہ جتنی کمزور اور شکستہ آج تھی، شاید پہلے کبھی نہیں تھی۔

آج شاید وہ تعلق عفنان کو ایک مجبوری لگ رہا تھا یا پھر اوزی ہی کچھ غلط سمجھ رہا تھا اور ویسا کچھ تھا ہی نہیں۔

❊❊❊

میرب سیال کے قیاس کس قدر سچ تھے۔ وہ اب جان چکی تھی۔ مائی اماں کے گھر میں ہونے سے جو ب دکھاوے کی کیئر تھی وہ بھی اب باقی نہیں رہی تھی۔ ان دونوں کے درمیان سرے سے کوئی واسطہ ہی نہیں رہا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کا جب دل چاہتا تھا، وہ آتا تھا ___ جب دل چاہتا تھا چلا جاتا تھا۔ اکثر تو گھر سے باہر گزرتا تھا موصوف کا۔ اور اگرچہ اسے اس سے کچھ سروکار نہیں تھا مگر اتنے بڑے خالی گھر میں اس کا وقت گزارنا انتہائی دشوار ہو چلا تھا۔ مگر اس کی شکایت وہ اس شخص سے نہیں کر سکتی تھی۔ اس کا برتاؤ بھی تو ایسا تھا جیسے کوئی واسطہ سرے سے ہی نہیں۔

کہاں تو حق جتایا جا رہا تھا ___ اپنے رشتے کی دلیلیں دے رہا تھا ___ اہمیت سمجھا رہا تھا اور کہاں اب خود یاد نہیں تھا کہ وہ اس سے وابستہ بھی تھی ___ جی رہی تھی تو کس حال میں؟ ___ کچھ کھا بھی رہی تھی یا نہیں؟ ___ ہمیشہ سے بھرے پرے گھر میں فیملی کے ساتھ رہنے کی عادی رہی تھی مگر اب یہاں، کتنے دن ہوئے تھے اس نے کوئی بات نہیں کی تھی۔ زبان جیسے تالو سے چپک کر رہ گئی تھی۔ بس اسی روز آخری بار اس قدر بولی تھی جب سردار سبکتگین کو کھری کھری سنائی تھیں اور اس کے بعد ایسی خاموش ہوئی تھی کہ کچھ بول ہی نہ سکی تھی۔

اس نے گھڑی کی سمت دیکھا تھا۔

کتنا وقت ہو چلا تھا اور محترم سردار سبکتگین حیدر لغاری کا کچھ اتہ پتہ نہ تھا ___ پتہ نہیں کب آنا تھا اسے؟ اور اس نے اب تک کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔ اس لئے نہیں کہ وہ اس کا انتظار کر رہی تھی یا دل میں اس کے ساتھ کھانے کی کوئی خواہش تھی۔ ایسا کچھ نہیں تھا۔ مگر یہ ضرور تھا کہ وہ تنہا کھانے کی عادی نہیں تھی۔ صبح بریک فاسٹ بھی نہیں لیا تھا ___ دوپہر کا کھانا وہ پھر گول کر گئی تھی۔ شام میں کافی کے کپ کے ساتھ صرف اسنیکس لئے تھے۔

اور اب رات کے اس پہر اسے شدید بھوک لگ رہی تھی۔ ملازم کھانا بنانے کی ہدایات چاہ رہے تھے لیکن اس وقت وہ اتنے برے موڈ میں تھی کہ ڈانٹ کر بھگا دیا تھا۔ پتہ نہیں انہوں نے کچھ بنایا بھی تھا کہ نہیں۔ وہ بیڈ سے اٹھی تھی جب گیٹ کھلنے اور گاڑی پورچ میں آ کر رکنے کی آواز آئی تھی۔ شاید سردار صاحب تشریف لے آئے تھے۔ وہ اٹھتے اٹھتے دوبارہ بیٹھ گئی تھی۔ اس کے سامنے کچن کی طرف جانا کچھ مناسب نہیں لگا تھا۔ چند لمحوں تک اس کے اپنے کمرے میں جانے کی منتظر بیٹھی رہی تھی۔ پھر اٹھی تھی اور چلتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔ مگر جب سیڑھیوں پر تھی تبھی عین اسی لمحے اچانک لائٹ چلی گئی تھی ___ میرب سیال کی فطری بزدلی ایک لمحے میں عود کر آئی تھی۔ وہ اس کے خیال سے چیخی نہیں تھی۔ خود پر کسی طرح سے قابو پا کر بس بچگانہ اقدام سرزد ہونے سے خود کو روک لیا تھا۔ مگر آنکھیں بند کر کے وہ اسے پکارنے

نہیں بھولی تھی۔

"نگین!۔۔۔۔۔۔ نگین پلیز! اپنے کمرے میں سے باہر آؤ۔۔۔۔۔۔ میں یہاں زینے پر پھنس گئی ہوں۔ پلیز، مجھے خوف آ رہا ہے۔۔۔۔۔۔ یہاں اندھیرا بہت ہے۔ آپ یہاں باہر آ کھڑے ہوں گے؟" آنکھیں بند کر کے ایک ایسی درخواست کی تھی جو وہ کرنا نہیں چاہتی تھی۔ کبھی کبھی دل پر پتھر رکھ کر بہت سے امور سرانجام دینے پڑتے ہیں اور بحالت مجبوری اسے پکارنا بھی اس کے لئے ناگزیر ہو گیا تھا۔ قدموں کی چاپ سماعتوں میں اب تک نہیں ابھری تھی۔ وہ آنکھیں بند کیے منتظر کھڑی تھی۔۔۔۔۔۔ دوبارہ پکارنے کی ہمت ناپید تھی۔ مگر خوف سے دھڑکنوں میں ایک زیر و بم سا تھا اور بحالت مجبوری وہ دوبارہ بول رہی تھی۔

"نگین!۔۔۔۔۔۔ آپ۔۔۔۔۔۔ آپ یہاں آ کر کھڑے ہوں گے۔۔۔۔۔۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ یہاں بہت اندھیرا ہے۔ آپ۔۔۔۔۔۔ آپ سن رہے ہیں نا؟۔۔۔۔۔۔ کیا آپ میرا سیل مجھے پکڑا سکتے ہیں؟ میں یہاں زینے پر تنہا کھڑی ہوں۔ اندھیرے میں آگے بڑھ جانا ممکن نہیں لگ۔۔۔۔۔۔"

باقی کی درخواست زبان تلے دبا گئی پڑی تھی۔ عین اس کے سامنے سے بلکہ بے حد قریب سے لائٹر جلنے کی آواز آئی تھی اور روشنی کی ایک لکیر نے سارا منظر واضح کر دیا تھا۔۔۔۔۔۔ جسے آنکھیں بند کیے وہ دیوانہ وار کہیں اندر سے پکار رہی تھی وہ اس لمحے اس کے سامنے تھا۔۔۔۔۔۔ غالباً وہ اسی لمحے زینہ چڑھنے کی سعی میں تھا جب لائٹ چلی گئی تھی۔ وہ بھی اسی جگہ رک گیا تھا۔ مگر میرب سیال کی طرح اس نے کوئی شور نہیں مچایا تھا۔

میرب سیال کی نظر ساکت رہ گئی تھی۔

تو وہ اس کے اتنے پاس تھا۔

اس قدر قریب اور وہ اسے دیوانہ وار کہیں اندر سے پکار رہی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری لائٹر جلائے اس کے عین سامنے کھڑا اس کے چہرے کو بغور دیکھ رہا تھا۔ میرب سیال جو کچھ لمحوں قبل اسے پکار رہی تھی اس لمحے اس کے اس درجہ قریب ہونے پر اس کی جانب دیکھنے کی سعی نہیں کر سکی تھی۔ مگر ایک اطمینان سا رگ و پے میں دوڑتا محسوس ہوا تھا۔

"وہ۔۔۔۔۔۔ لائٹ۔۔۔۔۔۔ نہیں تھی۔۔۔۔۔۔ اور۔۔۔۔۔۔" سر جھکا کر وضاحت دینے کی کوشش کی تھی۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سنے بغیر چہرے کا رخ پھیر کر بارعب انداز میں نوکر کو پکارا تھا۔

"فاضل!۔۔۔۔۔۔ فاضل۔۔۔۔۔۔!"

"جی سرکار۔۔۔۔۔۔!" مؤدب ملازم ایک لمحے میں بوتل کے جن کی طرح حاضر ہوا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے خشمگیں نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"ابھی تک جنریٹر آن کیوں نہیں ہوا؟۔۔۔۔۔۔ خودکار نظام ہے نا۔۔۔۔۔۔ تو پھر پرابلم کیا ہوا ہے؟"

"جناب! کوئی ٹیکنیکل فالٹ ہے۔۔۔۔۔۔ میں نے دیکھنے کی کوشش کی ہے اور جلد قابو پانے کی ہدایت کر دی ہے۔ چند لمحوں میں لائٹ بحال ہو جائے گی۔" فاضل نے مؤدب انداز میں یقین دلایا تھا۔

"ٹھیک ہے۔۔۔۔۔۔ تم جاؤ۔ اور ہاں، سنو۔۔۔۔۔۔ بی بی کو جہاں جانا ہے ان کی رہنمائی کر دو اور

ایمرجنسی لائٹ یا کینڈل کا بندوبست بھی کر دو۔" ہدایت خاص ہوئی تھی۔

"جی بہتر۔" فاضل مؤدب انداز میں پلٹ گیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی طرف نظر کی تھی۔ زبان خاموش تھی مگر میرب کو صاف لگا تھا جیسے اس کی نظر پوچھ رہی ہو۔

"بس یا کچھ اور؟۔۔۔۔۔۔ سب ٹھیک ہے نا جناب؟"

"تھینکس!" میرب نے خشک لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا تھا۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری کچھ نہیں بولا تھا۔ اس کا ہاتھ تھاما تھا۔ پکڑ کر اوپر تک لایا تھا۔ اپنے ہاتھ میں تھما لائٹر اس کے ہاتھ میں تھمایا تھا اور قریب سے گزر کر آگے بڑھ گیا تھا۔

میرب سیال اس خوشبو کے احساس کو اپنے اردگرد محسوس کرتی بے ارادہ ہی پلٹ کر اس شخص کے عقب میں دیکھنے لگی تھی۔ فاضل چٹکیوں میں ہدایت پر عمل کرتا ہوا ایمرجنسی لائٹ لے آیا تھا۔

"جی بی بی جی!۔۔۔۔۔۔ کہاں جانا ہے؟" فاضل رہنمائی کرنے کو تیار تھا۔ مگر میرب سیال نے سر نفی میں ہلا دیا تھا اور پلٹ کر اپنے کمرے کی طرف سفر کرنے لگی تھی۔ مگر عین اسی لمحے اس کے کانوں میں سردار سبکتگین حیدر لغاری کی بھاری آواز پڑی تھی۔

"فاضل!۔۔۔۔۔۔ اپنی بی بی سے پوچھ لو، ڈنر وہ اپنے کمرے میں کریں گی یا باہر ڈائننگ ہال میں؟ جہاں یہ کہیں، کھانا لگوا دو۔۔۔۔۔۔ گھر میں کچھ پکا بھی ہے آج یا نہیں؟"

میرب سیال نے پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔ مگر قدم آگے نہیں بڑھ سکے تھے۔ سردار صاحب غالباً راہداری میں ہی تھے۔

"مالی نہیں تھیں صاحب!۔۔۔۔۔۔ چھوٹی بی بی نے بھی کوئی خاص ہدایت نہیں دی۔ بہت عام سا میلیو ہے۔ آپ حکم کریں تو میں باہر سے آرڈر دے کر منگوا لوں؟"

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کچھ فاصلے پر کھڑی میرب سیال کی پشت کو دیکھا تھا۔ ایمرجنسی لائٹ کی روشنی میں سارے منظر بہت واضح تھے۔

"اپنی چھوٹی بی بی سے پوچھ لو۔۔۔۔۔۔ جو کہیں، وہی کرو۔۔۔۔۔۔ میں اپنے کمرے میں ہوں۔ تھک گیا ہوں۔ آرام کرنا چاہتا ہوں۔۔۔۔۔۔ مجھے ڈسٹرب مت کرنا۔۔۔۔۔۔ رائٹ؟"

"جی بہتر۔" فاضل نے مؤدب انداز میں سر ہلایا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ٹائی کی نات ڈھیلی کرتے ہوئے میرب سیال کی پشت کو بغور دیکھا تھا۔ میرب نے دانستہ طور پر پلٹ کر اس کی سمت نگاہ کی تھی۔ نگاہ ایک لمحے کو ملی تھی مگر دوسرے ہی لمحے سردار سبکتگین حیدر لغاری اجنبی بن کر واپس پلٹ گیا تھا۔

میرب سیال وہاں کھڑی چند ثانیوں تک اسی سمت تکتی رہی تھی۔

"بی بی جی!۔۔۔۔۔۔ یہ لائٹ آپ کے کمرے میں رکھ دوں؟" فاضل ایمرجنسی لائٹ ہاتھ میں پکڑے اس کی ہدایت کا منتظر تھا۔

میرب سیال نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا اور اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی تھی۔ فاضل

ہاتھ رکھ کر پلٹ گیا تھا۔

عجب سیاں تھا کمرے میں چھت کو تکتے ہوئے بیڈ پر لیٹ گئی تھی۔ اور اس لمحے آنکھیں جانے کیوں بھیگنے لگی تھیں۔

❊ ❊ ❊

انابیہ شاہ چپ چاپ سی اپنے کمرے میں بیٹھی ہاتھ پھیلائے اپنے ہاتھوں کی لکیروں کو دیکھ رہی تھی جو مہندی کی تہہ کے نیچے تیزی سے چھپ رہی تھیں۔

یہ مہندی کوئی عام مہندی نہ تھی۔

شگن کی مہندی تھی ــــــ کسی کے نام کی مہندی تھی ــــــ!

جس کے خواب ہر لڑکی دیکھتی ہے۔

اور خالی خالی آنکھوں میں ہزار ہا نمکین سمندر آن رکے تھے۔

ماہ وش اس کی کیفیت دیکھ رہی تھیں۔ دانستہ اس کے قریب نہیں آئی تھیں۔ مگر لامعہ کو اس کی سمت اشارہ کر کے اس کے پاس جانے کے لئے کہا تھا۔ لامعہ چلتی ہوئی اس کے قریب آن بیٹھی تھی۔ ہاتھ بڑھا کر اس کی آنکھوں سے گرتے آنسوؤں کو سمیٹا تھا اور اس کا چہرہ اوپر اٹھائے اسے دیکھتے ہوئے ملائمت سے مسکرائی تھی۔

”کتنی بری بات ہے انابیہ! ــــــ آج کے دن تم رو رہی ہو ــــــ یہ ٹھیک نہیں ہے۔ خوشیوں کے پل جب زندگی میں آئیں تو انہیں مسکراتے ہوئے سمیٹنا چاہئے۔ اس طرح روتے ہوئے، اداس ہو کر نہیں۔“ انابیہ نہ تو اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی ــــــ نہ ہی اس کی آنکھوں کے بہتے اشک رکے تھے۔

”کیا ہو رہا ہے یار! تم کوئی واحد لڑکی تھوڑی ہو جس کی شادی ہو رہی ہے؟! ــــــ دنیا میں تمام لڑکیوں کی شادیاں ہوتی ہیں۔ مگر تم......“ لامعہ حق نے مسکراتے ہوئے اس کا چہرہ قدرے اوپر اٹھایا تھا۔

”تم واقعی ایک لکی گرل ہو ــــــ تم خود اپنے بارے میں غلط سلط سوچنا بند کر دو ــــــ تم دنیا کی پرفیکٹ لڑکی ہو جس میں کوئی خامی ہے نہ برائی۔ عفنان علی خان جیسا بندہ تمہارا ہاتھ تھام رہا ہے۔ اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوگا؟“ اس کا مدھم لہجہ کسی قدر حسرت لئے ہوئے تھا۔

انابیہ چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔ لامعہ حق کچھ دیر تک لب بھینچے اسے دیکھتی رہی تھی پھر اٹھی اور چلتی ہوئی باہر نکل گئی تھی۔

شادی بہت سادگی سے سرانجام پا رہی تھی۔ زیادہ ہنگامہ نہیں تھا۔ فضا میں سہاگ کے گیتوں کا شور تھا۔ بزرگ خواتین کچھ گنگنا رہی تھیں۔ مگر انابیہ شاہ اپنے اندر کے سناٹوں سے نکل نہیں پا رہی تھی۔ صرف اپنے اندر ہی نہیں اسے ساری فضا میں ایک سکوت سنائی دے رہا تھا۔ شاید یہ سکوت اس کے اندر کا تھا۔

کسی کام سے لامعہ اس کے پاس سے گزری تھی۔ جب وہ بولی تھی۔

”لامعہ ــــــ!“ یہ پہلا لفظ تھا جو اس روز کے بعد سے اس کی زبان سے ادا ہوا تھا۔

لامعہ رک گئی تھی۔ پلٹ کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

”ہاں ــــــ؟“

انابیہ چند ثانیوں تک اسے دیکھتی رہی تھی۔ پھر چہرہ پھیر گئی تھی۔

”میں عفنان علی خان سے ملنا چاہتی ہوں۔“

”کیا؟ ــــــ اس وقت؟“ لامعہ حق بے طرح چونکی تھی۔ ”اس وقت کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟ ــــــ براب تم اس سے کیا کہنا چاہتی ہو؟“

انابیہ کچھ نہیں بولی تھی۔

”کیا ہوا؟“ اوزی نے اس کی طرف دیکھا تھا۔

”انابیہ عفنان سے ملنا چاہتی ہے۔“

”تم نے کیا کہا؟“ اوزی نے دریافت کیا تھا۔

”کچھ نہیں ــــــ مگر اگر وہ چاہتی ہے تو ہمیں اسے عفنان سے ملنے دینا چاہئے۔ اسے روکنے سے کیا حاصل ہوگا؟ ــــــ ہو سکتا ہے وہ عفنان سے واقعی کوئی ضروری بات کرنا چاہتی ہو۔“ لامعہ نے اخذ کیا تھا۔

اوزی نے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

”فی الحال ایسا ممکن نہیں ــــــ میں خود سمجھاتا ہوں اسے۔“ اوزی چلتا ہوا اس کی سمت بڑھ آیا تھا۔

انابیہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔ اوزان سید کچھ دیر تک یونہی کھڑا بہن کو دیکھتا رہا تھا، پھر گھٹنوں کے بل جھک کر اس کے سامنے بیٹھ گیا تھا۔

”کیا ہوا ــــــ؟“

انابیہ نے سر اٹھا کر بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھا تھا اور پھر یکدم ہی اس کے ساتھ لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔

”اوزی! ــــــ انابیہ بے وقعت ہوگئی۔ اتنی بے وقعت کہ خود اپنے آپ سے بھی نظریں نہیں ملا سکتی۔ بہت گر گئی ہوں نا میں [illegible] بہت ارزاں ہوگئی ہوں نا [illegible] اتنی بوجھ کہ تم سب بھی اسے اپنے کاندھوں پر ڈھو نہیں سکتے [illegible] اتار پھینکنا چاہتے ہو مجھے ایک ناپسندیدہ بوجھ کی طرح۔ اتنی غیر اہم اور بے وقعت ہوگئی ہوں میں؟! ــــــ پڑے کیوں نہیں رہنے دیا! ایک کونے میں مجھے کسی غیر اہم شے کی طرح؟ ــــــ کیا لے رہی تھی میں تم سب کا؟ ــــــ کیوں مجھے نکال رہے ہو اس گھر سے؟ ــــــ کیوں بے دخل کر رہے ہو مجھے میرے اس گھر سے؟ ــــــ کیا واقعی اب میں تم سب کے لئے پہلے جیسی نہیں رہی؟ ــــــ نہیں رہی نا؟ ــــــ تو گلا کیوں نہیں گھونٹ دیا میرا؟ ــــــ کیوں؟ ــــــ زندہ دفن کیوں نہیں کر دیا؟ ــــــ جب مر رہی تھی تب مرنے کیوں نہیں دیا؟ [illegible] کیوں بچایا آج کے دن کے لئے؟ ــــــ سب اپنی اپنی سوچ رہے ہیں ــــــ اپنی اپنی تھوپ رہے ہیں ــــــ کسی نے یہ بھی سوچا کہ میں کیا چاہتی ہوں ــــــ میں کیا سوچ رہی ہوں؟ ــــــ میرے دل پہ کیا گزر رہی ہے؟ ان ــــــ ان کڑے حالات میں، میں کیا کرنا چاہتی ہوں، کیا نے یہ نہیں سوچا ــــــ کسی نے یہ نہیں

پوچھا۔ کیا اس واقعے نے مجھ سے میری زندگی پر اختیار بھی چھین لیا؟ —— کیا اب میں اپنی زندگی کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے کی اہل نہیں رہی؟ —— کیوں کیا تم سب نے میرے ساتھ ایسا؟ —— ایک پل میں —— صرف ایک پل میں پرایا کر دیا۔ نکال پھینکا مجھے اپنی زندگیوں سے باہر —— کیا حق نہ میرا اس گھر پر؟ —— تم سب پر ——؟" آنسو کتنی تیزی سے آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔ لبوں پر کتنے سوال تھے۔ مگر اوزی کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ اسے چند ثانیوں تک اسی طرح دیکھتا رہا تھا پھر اسے اپنے ساتھ بھینچ لیا تھا اور اس کی اپنی آنکھیں بھی بھیگنے لگی تھیں۔

"انابیا! —— تم ہمارے لئے بوجھ نہیں ہو —— ہم تمہاری خوشیوں کے خواہاں ہیں۔ خوشیوں کے لئے ہیں اس کا اندازہ تمہیں آج نہیں، لیکن کل ضرور ہوگا۔" بھیگی آنکھوں کے ساتھ اوزان سید کہہ رہا تھا۔ مگر انابیہ شاہ مسلسل آنسو بہا رہی تھی۔

بقیہ واقعات کے لئے جلد دوئم کا مطالعہ کیجئے

میرب سیال ناشتے کی ٹیبل پر تھی۔ جب اطلاع ملی تھی کہ جناب سردار سبکتگین حیدر لغاری صاحب فیلنگ ناٹ ویل۔

"کیا ہوا؟" اس نے ملازم سے دریافت کیا تھا۔

"فلو اور بخار ہے ــــ رات حالت کچھ زیادہ خراب تھی بخار بہت تیز تھا جس کے باعث ڈاکٹر کو کال کر کے گھر بلانا پڑا۔" ملازم نے اطلاع دی تھی۔ وہ چونک پڑی تھی۔

"رات کو؟ ــــ اور تم لوگوں نے مجھے نہیں بتایا" حیرت ہوئی تھی۔ یقیناً گین نے منع کیا ہوگا ــــ ذہن میں پہلا خیال آیا تھا۔

"صاحب نے منع کیا تھا؟" اس نے کریدا تھا۔

"نہیں جی ــــ وہ تو ہوش میں ہی نہ تھے ــــ میں آپ ساری رات ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھتی رہی ہوں۔" فاضل کی بیگم زلیخا نے اطلاع دی تھی۔

وہ اپنی جگہ شرمندہ سی ہو گئی تھی۔ چیئر کھینچ کر اٹھی تھی۔ مگر عین زینے کے درمیان ہی جانے کیوں قدم رک گئے تھے۔ وہ آگے نہیں بڑھ سکی تھی۔ وہ واپس پلٹی تھی۔ زلیخا کو گین کے ناشتے کے لئے خاص ہدایت دی تھی اور فون کی اطلاع آ گئی تھی۔ ریسیور کان سے لگا کر نمبر ملانا چاہا تھا مگر پھر ارادہ ملتوی کر دیا تھا۔

مائی اماں یقیناً اکلوتے بیٹے کی کیفیت پر پریشان ہو جاتیں اور یہ ٹھیک نہ ہوتا۔ یہی سوچ کر اس نے فون رکھ دیا اور چلتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔ چار سُو سرخ گلاب کے پھولوں کی جیسے جھاڑ سی لگی تھی۔ مالی پودوں کو پانی دے رہا تھا۔ وہ بے ارادہ ہی چلتی ہوئی اس طرف آ گئی تھی۔

"بی بی جی! آپ؟" مالی اسے دیکھ کر مؤدب ہو کر کھڑا ہو گیا تھا۔

میرب سیال نے سرخ گلابوں کو بغور دیکھا تھا۔

"مجھے یہ پھول چاہئیں۔" مدعا بیان کیا تھا۔

"بہتر بی بی جی! ــــ میں آپ کے لئے توڑ دیتا ہوں۔" مالی نے عملی اقدام کرنے کو قدم اٹھایا تھا۔ مگر تبھی میرب نے اسے روک دیا تھا۔

"نہیں ــــ میں خود کر لوں گی ــــ تم جاؤ یہاں سے۔" حکم دیا تھا۔ مالی کسی قدر تشویش سے اسے دیکھنے لگا تھا۔

"بی بی جی! ــــ یہ بہتر نہیں ہے ــــ پھولوں کے ساتھ بہت نوک دار کانٹے بھی ہیں۔ اور اگر

آپ کو کوئی زخم لگا تو بڑی بی بی اور صاحب تو ہمیں نوکری سے چلتا کر دیں گے ـــــ میں آپ کو پھول نکال دیتا ہوں۔ آپ صرف اشارے سے بتا دیں، کون کون سے درکار ہیں۔"

"نہیں ـــــ اس کی ضرورت نہیں ـــــ تم ہٹو یہاں سے ـــــ جو جو چاہئے ہوگا، میں خود نکال لوں گی۔ اور ہاں ـــــ کسی کو اس کے متعلق مت بتانا ـــــ ورنہ نوکری سے نکال دوں گی۔" دھمکی دی تھی۔ مالی بے چارہ فوراً ہی پیچھے ہٹ گیا تھا۔ میرب آگے بڑھی تھی اور سرخ گلابوں کے کنج سے اپنی پسند کی ٹہنیاں نکالنے لگی تھی۔ مالی اُسے کھڑا دیکھ رہا تھا۔

ایک ـــــ دو ـــــ تین ـــــ!

کتنے لاتعداد پھول ایک گلدستے کے لئے ـــــ اور کتنے زیادہ زخم ہاتھوں اور کلائیوں پر صرف ان پھولوں کو حاصل کرنے کی تگ و دو میں، اس کو تب احساس نہ ہوا تھا۔ مگر جب تمام ٹہنیوں کا گلدستہ بنا کر پلٹی تو کلائیوں سے بہتا خون دیکھ کر وہ حیران رہ گئی تھی۔ وہائٹ دوپٹے کے پلو سے رگڑ کر ان خون رستے زخموں کو صاف کیا تھا اور بکے ہاتھ میں لے کر اندر کی طرف چل پڑی تھی۔

"زلیخا! صاحب کو ناشتہ پہنچایا؟" زینے کے آغاز پر رک کر زلیخا کو آواز دے کر دریافت کیا تھا۔

"جی بی بی جی! ـــــ ناشتہ کرا دیا ہے ـــــ مگر وہ دوا نہیں لے رہے۔"

"او کے ـــــ ٹھیک ہے ـــــ میں دیکھتی ہوں ـــــ مائی کا فون آئے تو ان کو صاحب کے متعلق کچھ مت بتانا۔ ورنہ وہ پریشان ہو جائیں گی۔ تم سمجھ رہی ہو نا؟" بھرپور مالکانہ انداز سے زلیخا کو دیکھا تھا۔

"جی بی بی جی!" زلیخا نے سر اثبات میں ہلایا تھا اور اس کے ہاتھوں اور کلائیوں کو بغور دیکھا تھا۔

"بی بی جی! ـــــ آپ کے ہاتھوں اور کلائیوں پر سے خون رس رہا ہے ـــــ لائیے، میں مرہم پٹی کر دوں ـــــ مائی کو خبر ہوئی تو بہت سخت سست کہیں گی۔"

"نہیں ـــــ اس کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہیں جو کہا ہے تم صرف وہ کرو۔" وہ بولی تھی اور سرعت کے ساتھ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آ گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے کمرے تک جانے تک اس کی سانس پھول چکی تھی۔ دروازے کے باہر رک کر اس نے چند لمحوں تک اپنی سانس بحال کی تھی پھر ہاتھ سے دروازہ ہلکے سے بجایا تھا۔ اندر سے کوئی آواز فوری طور پر نہیں آئی تھی۔ میرب نے دوبارہ دستک دی تھی۔ کوئی جواب تب بھی نہیں آیا تھا۔ اور تب اس لمحے اس نے بہت آہستگی سے ہینڈل پر دباؤ ڈال کر دروازہ کھول دیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری غالباً سو رہا تھا ـــــ کمرے میں اندھیرا تھا۔ دبیز پردے گرے ہوئے تھے اور لائٹس آف تھیں۔ میرب نے اس کے آرام کی غرض سے اسے ڈسٹرب کرنا مناسب خیال نہیں کیا تھا۔ ایک قدم اندر رکھا تھا اور ہاتھ بڑھا کر بائیں جانب لگے بٹن میں سے ایک بٹن دبا کر زیرو واٹ کا ننھا سا بلب روشن کر دیا تھا۔

کمرے میں ایک مدھم سی روشنی پھیل گئی تھی۔ اس روشنی سے ہوا یہ تھا کہ اب کمرے کے منظر کسی قدر غیر واضح ہی سہی مگر دکھائی ضرور دینے لگے تھے۔ میرب سیال بکے والا ہاتھ پشت پر کئے چند لمحوں تک

یونہی دروازے کے قریب کھڑی سردار سبکتگین حیدر لغاری کی طرف دیکھتی رہی تھی۔ آنکھوں پر بازو دھرے وہ یقیناً اس لمحے سو رہا تھا۔

بقول ملازمین کے رات بھر وہ سو نہیں پایا تھا۔ وہ سوچ کر آئی تھی کہ اسے دوا کھلا دے گی۔ مگر اب اس کے آرام میں خلل نہ لانے کی غرض سے وہ اُسے صرف دور سے کھڑی دیکھ رہی تھی۔

میرب سیال کا دل بہت نرم تھا۔ دوست اور دشمن کے لئے یکساں، ایک سوفٹ کارنر رکھتا تھا۔ اس کے لئے کسی سے بھی بدظن رہنا ناممکن تھا۔ وہ ایسا کر ہی نہیں سکتی تھی۔ یہی نرمی تھی کہ وہ اس روز اسے سخت سست سنانے کے بعد بہت گلٹی فیل کر رہی تھی اور کسی طرح اس کا ازالہ کرنا چاہتی تھی۔ سردار سبکتگین سے معذرت کرے یا پھر کسی بھی طرح کا نرم رویہ یا سلوک روا رکھ کر۔ وہ یہ نہیں دیکھ رہی تھی کہ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس سے کس طرح کا بی ہیو کر رہا تھا ـــــ وہ اسے سوچنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ یہ اس کا ظرف تھا۔ اور جو اس سے ہو سکتا تھا اسے وہ کر رہا تھا۔ شاید اسی کے باعث آج وہ زخمی کلائیوں اور ہاتھوں کے ساتھ پشت پر سرخ گلابوں کا بکے چھپائے سردار سبکتگین حیدر لغاری کے کمرے میں تھی۔ چند لمحوں تک یونہی کھڑے وہ اسے دیکھتی رہی تھی۔ پھر ہمت کر کے قدم آگے بڑھا دیئے تھے۔ قدم دانستہ طور پر دبے دبے سے تھے۔ وہ کوئی آہٹ اس لئے نہیں چاہتی تھی کہ کہیں وہ ڈسٹرب ہو کر اٹھ نہ جائے۔ دبیز کارپٹ پر دبے پاؤں چلتے ہوئے انداز عجب چوروں کا سا تھا ـــــ ہاتھ اسی طرح پشت پر باندھے وہ چلتی ہوئی اس کے بیڈ کے قریب جا رکی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کو قریب سے دیکھ کر پشت پر باندھے دونوں ہاتھ آگے کئے تھے اور سرخ گلابوں کو بغور دیکھتے ہوئے ان پر اپنی چند گرم سانسوں کا لمس چھوڑا تھا اور پھر بہت آہستگی سے وہ بکے سردار سبکتگین حیدر لغاری کے سرہانے کے پاس رکھ دیا تھا۔ لب بھینچ کر چند لمحوں تک اس شخص کو دیکھا تھا۔ پھر جیسے ہی جانے کو پلٹی تھی ایک آواز نے اس کے بڑھتے قدم اسی جگہ پر باندھ دیئے تھے۔

"آئی ہو ـــــ اور ملے بغیر جا رہی ہو؟ ـــــ حال احوال نہیں پوچھو گی؟" ایک بھاری آواز اُبھری تھی۔ میرب سیال نے ڈرتے ڈرتے چہرے کا رخ پھیر کر دیکھا تھا اور دل اُچھل کر حلق میں آ گیا تھا۔

کوئی اس کی طرف بغور دیکھ رہا تھا۔ پوری کی پوری توجہ اسی کی طرف تھی۔

میرب سیال نے اپنی سانسوں میں اٹھتے زیر و بم کو واضح طور پر خود بھی محسوس کیا تھا۔ سینے میں دل واقعی بہت بری طرح دھڑک رہا تھا۔

آگے بڑھ جانے کی کوئی راہ نہیں تھی۔ اور پیچھے مڑ کر دیکھنا اس کے لئے انتہائی دشوار تھا۔

"وہاں کھڑی رہو گی؟ ـــــ قریب نہیں آؤ گی؟" ملائم لہجہ اُبھرا تھا۔

میرب سیال نے ڈرتے ڈرتے رخ پھیرا تھا۔ نیم اندھیرے میں منظر مکمل طور پر واضح نہ تھے۔ مگر جس قدر واضح تھے ان سے صاف ظاہر تھا کہ کوئی اس کی سمت مکمل توجہ سے دیکھ رہا تھا۔

میرب سیال کے لئے وہاں سے بھاگ نکلنے کی جیسے کوئی راہ نہیں تھی۔ وہ بہت آہستگی سے پلٹی تھی۔ نیم تاریکی میں نظر آتا چہرہ اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ بہت مرے مرے قدموں سے وہ آگے بڑھی تھی۔ سائیڈ ٹیبل پر دھرے پھول اٹھائے تھے اور کانپتے ہاتھوں سے اس کی سمت بڑھا دیئے تھے۔ سامنے موجود شخص کا چہرہ

کسی قدر واضح دکھائی دے رہا تھا۔ اس لمحے وہ تکیوں کے سہارے نیم دراز سا تھا۔

کیا تھا ـــــ پتہ نہیں، بیماری کا اثر تھا یا پھر کچھ اور ـــــ سردار سبکتگین حیدر لغاری کا مزاج بہت نرم ہوا تھا۔ تبدیلی حیران کن تھی۔

میرب سیال کے لئے یہ انداز خاصا انوکھا تھا۔ وہ سمجھ نہیں پائی تھی۔ دھیان بوکھلاہٹ کے ساتھ پھولوں پر جا ٹھہرا تھا۔

''آپ ـــــ آپ لے لیجئے ـــــ یہ آپ کے لئے ہیں۔'' سانسوں کے زیر و بم پر قابو پانے کی ناکام کوشش ہوئی تھی۔

''میرے لئے؟ ـــــ میرے لئے ہیں تو اتنی دور کیوں کھڑی ہو؟ ـــــ کچھ اور قریب آ جاؤ۔'' دھیمے لہجے میں عجب سی درخواست تھی۔ میرب نے چار پانچ قدم کے فاصلے کو قدرے مختصر کرنے کو دو قدم مزید بڑھا دیئے تھے۔ کانپتے ہاتھوں سے گلدستہ آگے بڑھایا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ہاتھ بڑھا کر کچھ اس طرح تھاما تھا کہ میرب کے ہاتھ بھی اس کے ہاتھ میں آ گئے تھے۔ میرب سیال بھونچکی رہ گئی تھی۔ اقدام بہت غیر متوقع تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری دائیں ہاتھ سے اس کا ہاتھ تھامے، بائیں ہاتھ سے پھول ایک طرف رکھتے ہوئے اس کی خون رستی کلائیوں کو ہاتھوں میں لے بغور جانچنے لگا تھا۔

میرب سیال یوں نگاہ چرا گئی تھی جیسے کوئی چور چوری پکڑے جانے پر کرتا ہے۔ عجیب مجرم سا انداز تھا۔ ہمیشہ کوشش کرتی تھی کہ وہ اس شخص پر منکشف نہ ہو ـــــ مگر ـــــ ہمیشہ کوششیں ناکام ہو جاتی تھیں۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس گھڑی بھی کمرے کی مدھم روشنی میں میرب سیال کی کلائیوں کے زخموں کو بغور توجہ سے دیکھ رہا تھا۔

''اتنے زخم؟ ـــــ اور وہ بھی میری خاطر؟ ـــــ یہ ہوا اچانک الٹی سمت کس طرح چل پڑی؟؟'' لبوں پہ خفیف سا تبسم تھا۔ پتہ نہیں طنز تھا یا ستائش یا پھر حیرت؟ ـــــ میرب سیال کچھ سمجھ نہیں پائی تھی۔ مگر وہ اپنی کلائیاں اس کے ہاتھ سے کھینچ لینا چاہتی تھی۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری کی گرفت بتا رہی تھی کہ ایسا ناممکن تھا۔

''ہمدردی میں اتنی دور جایا نہیں جا سکتا اور ـــــ مروت و اخلاص کا وہ زمانہ رہا نہیں ـــــ پھر بھید کیا ہے، اس بات کا پتہ کیسے چلے گا؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرایا تھا۔ انداز بھرپور محظوظ ہونے والا تھا۔ میرب نے کلائیاں کھینچنا چاہی تھیں مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری شاید اسکے لئے ابھی فی الفور تیار نہ تھا۔ نظر جھکا کر بہ غور زخموں کو دیکھنے لگا تھا۔

''زخم خاصے گہرے لگے ہیں ـــــ مرہم پٹی ضروری ہے۔ کم از کم یہی سوچ لیا ہوتا کہ مجھے تو مرہم پٹی کا بھی کوئی تجربہ نہیں۔'' لبوں پہ خفیف سا تبسم تھا۔ اسے ہاتھ سے پکڑ کر اپنے قریب بٹھا لیا تھا۔ میرب کے لئے یہ اقدام کسی قدر جبرا تھا۔ بیٹھ کر وہ نگاہ ملانے کا قصد نہیں کر سکی تھی۔ ایک بیڈ پر ـــــ قربت، خاصی جان لیوا تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری ہاتھ کے اشارے سے اسے ''ویٹ'' کا سائن دیتا مڑا تھا اور بیڈ پر لیٹے لیٹے سائیڈ ٹیبل کی دراز کھول کر ایک فرسٹ ایڈ باکس برآمد کیا تھا اور واپس اپنی پوزیشن پر آ گیا تھا۔ جس قدر وہ میرب سیال کے اقدام پر حیران تھا اسی قدر میرب سیال اس کے اقدام پر حیران تھی۔ گردن موڑے اسے تب تک بہ غور دیکھتی رہی تھی جب وہ فرسٹ ایڈ باکس برآمد کر رہا تھا۔ جیسے ہی وہ مڑا تھا، وہ واپس اپنی پہلی پوزیشن میں آ گئی تھی۔ غالباً بیماری میں یہ تبدیلی حیران کن تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کا دل خاصا نرم ہو گیا تھا۔ جیسے کایا پلٹ گئی تھی۔

میرب سیال اس جیسے شخص سے یہ توقع نہیں کرتی تھی۔

اتنی ہمدردی!

اتنی توجہ!

اتنی اہمیت! ـــــ اس شخص سے اگر ملتی تو یقیناً صورتحال اتنی ہی غیر متوقع لگتی۔

''بتایا نہیں تم نے، اتنے زخم میرے لئے کیوں؟ ـــــ پھول ہی چننے تھے تو کسی سے کہہ دیا ہوتا۔ اتنا تردد کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ ـــــ دل میں کچھ جگہ چاہئے تھی تو کچھ اور کیا ہوتا۔'' الزام تھا یا کوئی طنز ـــــ یا پھر کوئی تنقید؟ ـــــ میرب سیال فوری طور پر سمجھ نہیں پائی تھی۔ وہ بیمار کا حال پوچھنے آئی تھی۔ مگر کچھ پوچھنے کی سکت ناپید تھی۔ الٹا بیمار اس کی تیمارداری کرتے ہوئے ہوش ٹھکانے لگا رہا تھا۔

''میں ـــــ میں صرف آپ کا احوال پوچھنے آئی تھی۔'' مدھم آواز میں بالآخر وضاحت دے ڈالنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری بینڈیج کرتے ہوئے جانے کیوں مسکرا دیا تھا۔

''اچانک، اتنی فکر؟ ـــــ اتنی توجہ؟ ـــــ اتنا خیال؟''

ایک ساتھ پتہ نہیں سوال تھے یا پھر الزام۔ میرب سیال بینڈیج ہوتے ہی یکدم اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اگر بیماری میں اس شخص کا دماغ اتنا چلتا تھا تو پھر ہوش مندی یا تندرستی میں کیا عالم ہوتا ہوگا؟

''کیا ہوا؟ ـــــ اتنی جلد حال احوال معلوم ہو گئے؟ ـــــ میں نے ابھی تو کوئی جواب بھی نہیں دیا۔'' میرب سیال کو اندازہ ہوا تھا، اس کا ہاتھ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے ہاتھ میں ہی رہ گیا تھا۔ عجب ہونق انداز میں وہ پلٹی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری دوسرے ہاتھ سے ان تازہ گلابوں کے بکے کو لیتے ہوئے چہرے کے قریب لے گیا تھا۔

''ہوں ـــــ کچھ خوشبو تو ہے۔ شاید تمہاری چند سانسیں اس پر رہ گئی ہیں۔ کچھ گرمی بھی ہے۔ شاید تمہارے ہاتھ کا لمس ان شاخوں پر اب بھی باقی ہے۔ مگر ان کی تروتازگی مجھ سے ایک شکایت کر رہی ہے۔ باقی ہو کیا؟ ـــــ تم نے کچھ شاید چرا لیا ہے ـــــ شاید نہیں، یقیناً تم نے کچھ چرا لیا ہے۔'' مدھم سرگوشی میں جیسے کوئی جادو تھا۔ بڑا انوکھا انداز تھا۔ ایک تو کمرے کی نیم تاریکی عجب اسرار پھونک رہی تھی اس پر یہ ایک خاص آہنگ ـــــ جانے کیا چاہتا تھا یہ شخص اب اس سے!

اس کی سنگت میں تو ہر لمحہ ہی قیامت تھا۔

میرب سیال نے کسی قدر اُلجھن سے اس شخص کو دیکھا تھا۔

''آپ...... خدارا، میرا ہاتھ چھوڑ دیجیے۔''

سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرایا تھا اور پھر حکم کی ایسے تعمیل کی تھی جیسے وہ اس پر ہی مامور ہو۔

''جاتے ہوئے دروازہ بند کرتی جانا۔۔۔۔۔ میں ان پھولوں سے اور بہت سی باتیں سننا چاہتا ہوں۔ وہ بھی جو تم نے نہیں کہی ہیں۔''

وہ پلٹی تھی جب ایک مزید دھماکہ ہوا تھا۔ میرب سیال نے گردن کا رخ پھیر کر دیکھا تھا مگر وہ اس کی بجائے ان گلاب کے سرخ رنگ پھولوں پر اپنی ساری توجہ مرکوز کیے ہوئے تھا۔

میرب سیال پلٹی تھی اور دروازہ بند کرتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔ سانسوں کی رفتار معمول سے کچھ ہٹ کر ہو رہی تھی۔

❋❋❋

بہت سی باتوں کے ملال نہ سونے دیتے ہیں۔ نہ ہی چین سے جینے دیتے ہیں۔

انابیہ کی جان بے حد مشکل میں پھنسی تھی۔ وہ اس وقت ایسے مقام پر تھی جس کے آگے تمام راستے بند دکھائی دے رہے تھے۔ آگے بڑھ جانے کو کوئی راہ نہ تھی اور نہ واپس مڑ جانے کو کوئی راستہ۔ ایک ایسا جہاں جس کے آگے صرف تاریکی تھی اور تاریکی میں سارے منظر تاریک تھے۔

''میں اس بند گلی میں رہنا نہیں چاہتی۔'' انابیہ بہت ہولے سے بڑبڑائی تھی۔

''میں اس بند گلی میں جینا نہیں چاہتی۔'' وہ چیخی تھی۔ اور پھر گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ کر دھواں دھار رونے لگی تھی۔ جانے کتنی دیر تک یونہی بیٹھی روتی رہی تھی۔ پھر اٹھی تھی اور عفنان کا نمبر ملا ڈالا تھا۔ مگر کچھ کہہ نہیں سکی تھی۔ خاموش۔۔۔۔۔ چپ چاپ۔۔۔۔۔ بہت سا پانی آنکھوں کے کنارے سے بہتا رہا تھا۔

دوسری طرف عفنان علی خان بھی چپ تھا۔ جانے کیوں۔

''مجھے...... مجھے آپ سے...... بات کرنی ہے۔'' انابیہ نے عرض مدعا کیا تھا۔

عفنان علی خان کچھ نہیں بولا تھا۔ چپ چاپ فون کا سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔

انابیہ فون پٹختے ہوئے چلائی تھی۔

''کیوں...... کیوں بات نہیں کر سکتے ہو تم مجھ سے؟۔۔۔۔۔ کیوں ہمت نہیں ہے تم میں؟۔۔۔۔۔ حوصلہ نہیں ہے نا، تو کیوں بن رہے ہو پھر مسیحا؟۔۔۔۔۔ کیوں نبھا رہے ہو یہ رواداریاں؟۔۔۔۔۔ کیوں کس لیے؟'' آنسوؤں کے درمیان وہ چیخ چیخ کر رو رہی تھی۔ ''کیوں سمیٹ رہے ہو دنیا بھر کی داد؟ کیوں کر رہے ہو یہ دکھاوے کی مہربانیاں؟۔۔۔۔۔ سچ تو یہ ہے کہ تم ایک دوغلے انسان ہو عفنان علی خان! اندر سے کچھ ہے، باہر سے کچھ۔ کیوں نہیں سن سکتے میری؟ جب مجھ میں حوصلہ ہے تو پھر تم میں کیوں نہیں؟'' وہ چیخ رہی تھی۔

کمرے کے دروازے پر کھڑے اوزان سید نے اسے دیکھا تھا۔ وہ گھٹنوں پر سر دھرے رو رہی تھی۔

اوزان چپ چاپ پلٹا تھا اور وہاں سے چلا گیا تھا۔

دوسری طرف عفنان علی خان خاصا مضطرب دکھائی دیا تھا۔

''کیا ہوا؟'' فاطمہ نے بیٹے کو بغور دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

عفنان علی خان چونکا تھا، پھر سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''تم نے انابیہ سے بات کیوں نہیں کی؟'' فاطمہ نے بیٹے کو سخت الجھن میں محسوس کیا تھا۔ وہ اس لمحے اگرچہ ماں سے رخ پھیرے کھڑا تھا مگر وہ جان سکتی تھیں کہ اس کے اندر کس قدر انتشار ہو گا۔

''عفنان! بہت سے لمحوں کے سوال، اپنے جواب اپنے اندر ہی پوشیدہ رکھتے ہیں۔ ان جوابوں کو جاننے کی سعی کرنا اس لیے ضروری نہیں ہوتا۔ وقت کے ساتھ وہ آپ ہی کھل کر سامنے آ جاتے ہیں۔ اگرچہ انتظار دشوار ترین عمل ہے مگر بہت سی باتوں سے روشناسی کے لیے کبھی کبھار یہ ضروری ہو جایا کرتا ہے۔۔۔۔۔ تم فی الفور خود سے الجھنے کی کوشش ترک کر دو۔۔۔۔۔ ان باتوں سے زیادہ اور کوئی ضروری کام نہیں اس وقت۔''

عفنان علی خان پلٹا تھا۔ اس کی آنکھیں جیسے دھواں دھواں تھیں۔

''میں انابیہ سے اب بھی اتنی ہی محبت کرتا ہوں ماما!۔۔۔۔۔ اب بھی اتنی ہی محبت کرتا ہوں میں اس سے۔ مجھے نہیں پتہ، یہ سب کیا ہے اور کیوں ہے؟۔۔۔۔۔ میں صرف ایک بات جانتا ہوں، وہ اگر اس صورت حال کو برداشت کر رہی ہے تو میں خوش نہیں ہوں۔ میں نے اسے پانے کے خواب ضرور دیکھے ہیں مگر ان لمحوں میں مجھے لگ رہا ہے میں شاید کسی قدر خود غرض ہو رہا ہوں۔ پتہ نہیں ماما! میں ٹھیک کر رہا ہوں یا غلط؟۔۔۔۔۔ میں نہیں جانتا۔ محبت کوئی جبری عمل نہیں ہے۔ میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ انابیہ اس معاملے میں خود پر کوئی جبر کرے یا پھر کوئی سمجھوتہ کرے۔ مگر میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔ کچھ بھی نہیں۔ میں چاہتا ہوں اسے جبر نہ کرنا پڑے۔ آزاد کر دوں اسے ہر جبر سے۔ آزاد کر دوں ہر بندھن سے۔ ختم کر دوں یہ سارے جبری رشتے جنہیں ڈھونا نہ اس کے بس میں ہے نہ میرے بس میں۔۔۔۔۔ میں جانتا ہوں کہ میں ایسا نہیں کر سکوں گا۔ ایسا نہیں ہو سکے گا مجھ سے۔'' وہ سر نفی میں ہلانے لگا تھا۔ ''یہ میرے لیے ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ میرے اندر وہ ہے۔ ہر جگہ وہ ہے۔ اور اسے نظر انداز کرنا میرے بس میں نہیں ہے۔ نہ بھولنا، نہ فراموش کرنا۔ شاید یہ خود غرضی ہے۔ مگر میں کیا کروں؟۔۔۔۔۔ میں اس سے محبت کرتا ہوں، بے انتہا محبت۔ اور یہ محبت نتیجے سے بے پرواہ ہے۔''

وہ پلٹا تھا اور باہر نکل گیا تھا۔ فاطمہ خان بیٹے کی کیفیت پر کٹ کر رہ گئی تھیں۔

❋❋❋

''ساحیہ!۔۔۔۔۔ میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔'' اذہان حسن بخاری نے مدھم روشنی میں کھانا کھاتے ہوئے کہا۔

''کیا؟'' اس خواب سے ماحول میں ساحیہ نے نگاہ اٹھا کر اذہان حسن بخاری کو دیکھا تھا۔

''شکریہ!'' اذہان حسن بخاری مسکرایا تھا۔ ''بعض اوقات جب کوئی آپ کو بنا کہے سمجھ لیتا ہے تو بہت

اچھا لگتا ہے۔ مجھے اس بات کی خوشی ہے سابیہ! تم نے مجھے میرے تمام رنگوں سمیت دیکھا، جانچا اور قبول کیا۔ بہت کم لوگ ہوتے ہیں جن پر اپنا آپ منکشف کرنے کو دل چاہتا ہے۔ بہت کم لوگوں کے سامنے خود کو کھولنا غیر مناسب نہیں لگتا۔ مگر تم سے مجھے اپنے متعلق کچھ نہیں کہنا پڑا۔ کبھی بھی نہیں۔ ہمیشہ تم نے مجھے خاموش موسموں میں خود سے دریافت کیا۔ میں کب، کہاں تنہا ہوں، کب مجھے کسی بہت اپنے کے ساتھ کی، اس کی تسلی کی ضرورت ہے یہ تم نے ہمیشہ بنا کہے جانا۔" بہت آہستگی سے ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھا تھا۔

سابیہ مسکرا دی تھی۔

"اذہان! مجھے تمہاری یہی بات اچھی لگتی ہے۔ تم خود سے زیادہ دوسروں کی فکر میں جیتے ہو۔ تم نے خود اپنی فکر نہیں کی۔ کبھی اپنی خوشی کے متعلق نہیں سوچا۔ مگر یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ کافی نقصان ہو سکتا ہے ایسی حرکتوں سے۔۔۔۔ بہت محتاط رہو۔ دوسروں کی فکر میں جینا اچھی بات ہے مگر خود ہمارا بھی ہم پر کوئی حق ہوتا ہے۔ جو پورا کرنا بہت ضروری ہوتا ہے۔"

"مگر تم ہو نا میرا خیال رکھنے کو۔" اذہان نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ سابیہ مسکرا دی تھی۔

"اذہان! چلتے چلتے آگے بڑھ جانا اس زندگی کا حصہ ہے۔۔۔۔ مگر آگے بڑھتے بڑھتے خود کو بھول جانا بہت بری بات ہے۔ مرد کیئرلیس ہوتے ہیں، یہ بات میں جانتی ہوں۔۔۔۔ مگر اتنے، اس قدر ہوتے ہیں، یہ بات تم نے جتائی ہے۔" لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ "اذہان! میں بے ترتیبی کی عادی ہوں۔ مجھے زندگی میں ہر شے اپنی جگہ پر اچھی لگتی ہے۔ میں ہنستی ہوں، مسکراتی ہوں، روتی بھی ہوں اور وقت ملے تو خواب بھی دیکھتی ہوں۔" سابیہ خان کے لبوں پر بڑی دلکش مسکراہٹ تھی۔ "بڑا دلچسپ ہے یہ۔ کبھی بے دھیانی میں بہت سی افراتفری کے درمیان آنکھیں بند کر کے زاویہ کو بیٹھو۔ اور صرف وہ بات سوچو جو تمہیں اچھی لگتی ہے۔ جس کے بارے میں تمہیں سوچنا اچھا لگتا ہے۔ پھر دیکھنا تمہیں ایک پل میں زندگی کتنی بھلی لگنے لگے گی۔ کتنی تازگی بھر جائے گی تمہارے اندر۔۔۔۔ جینے کی ایک نئی اُمنگ......"

"تم کس کے متعلق سوچتی ہو؟" وہ روانی سے بول رہی تھی جب اذہان حسن بخاری نے بول کر اسے لمحہ بھر کو حیران کر دیا تھا۔ سابیہ اس ایک پل میں بہت ہونق لگی تھی۔ اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

"تم نے بتایا تھا، تم کس کے متعلق سوچتی ہو؟"

"بہت سی باتیں ہیں۔" سابیہ نے گریز پائی برتی تھی۔ نظر چرا گئی تھی۔

"جیسے؟" اذہان حسن بخاری کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ جیسے وہ محظوظ ہو رہا تھا۔

"جیسے۔۔۔۔ جیسے رنگ، جیسے خواب، جیسے موسم، جیسے......" تاویل بہت غیر مناسب لگی تھی۔ اذہان حسن بخاری کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔ پوری توجہ سے دیکھتے ہوئے اپنا مضبوط ہاتھ بڑھا کر اس کے نازک سے ہاتھ کو گرفت میں لیا تھا۔

"سابیہ! کیا مجھے یہ باور کرانا ضروری ہے کہ ہمیں یہاں بات کس کی کرنا ہے؟" مدھم سرگوشی میں رنگ تھے۔ کسی قدر حدت تھی نظروں میں۔۔۔۔ سابیہ خان جیسی پر اعتماد لڑکی اس لمحے نظریں ملا نہ سکی تھی۔

"سابیہ! رنگ، خواب، موسم، سب زندگی کا حصہ ہیں۔ مگر یہ سب بھی تبھی کوئی معنی رکھتے ہیں جب کوئی ہمارے ساتھ ہو۔ وہ ایک، جس کی ضرورت دل محسوس کرتا ہے۔۔۔۔ جس کے ہونے سے، نہ ہونے سے بہت فرق پڑتا ہے سابیہ! اگر وہ ساتھ زندگی کا حصہ ہو تو ہر شے میں رنگ آپ ہی آپ بھر جاتے ہیں۔ ورنہ یہی موسم جان کو آ جاتے ہیں اور یہی خواب آنکھوں کے لئے عذاب بن جاتے ہیں۔"

اذہان حسن بخاری نے بہت کچھ جتانے کی کوشش کی تھی۔ سابیہ خان کے لبوں پر بہت دھیما سا تبسم تھا۔

"تو سمجھنے لگے ہو تم بھی زندگی کو؟"

"سمجھوں گا کیسے نہیں؟۔۔۔۔ زندگی ان دنوں میرے ساتھ جو ہے۔" اذہان حسن بخاری نے جیسے اقرار کیا تھا۔

"اذہان! زندگی واقعی بہت خوب صورت ہے۔" سابیہ اپنی دانست میں بولی تھی۔

"ہاں۔۔۔۔ میں دیکھ رہا ہوں۔۔۔۔ تمہاری بات سے اتفاق کرنے کو دل چاہ رہا ہے۔ کیا کروں، اس کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہیں ہے۔" اذہان کے لبوں پر گہری مسکراہٹ تھی۔ سابیہ کسی قدر زچ ہوتے ہوئے اسے دیکھنے لگی تھی۔

"اذہان۔۔۔۔!"

مگر اذہان مسکرا دیا تھا۔

❊❊❊

لامعہ حق مسلسل اسی گھر میں تھی۔ انابیہ کی شادی کی تیاریوں میں پیش پیش تھی۔

ماہ وش کو غالباً اس بات کا احساس تھا کہ کچھ غلط ہو رہا ہے جو نہیں ہونا چاہئے۔ اسی خیال سے انہوں نے لامعہ کو پاس بلایا تھا۔

"لامعہ!۔۔۔۔ بچے! تم۔۔۔۔" کچھ کہنا چاہا تھا مگر لفظوں نے ساتھ ہی نہ دیا تھا۔ لامعہ چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

"مجھے پتہ ہے، یہاں ہر کوئی گلٹی فیل کر رہا ہے۔۔۔۔ مگر ایسا اگر نہ ہو تو بہتر ہے۔ ہم سب کو حقیقت کو سمجھنے کا عادی ہونا چاہئے۔ جو گزر چکا ہے اسے بھول جانا ہی مناسب ہے۔ اور جو ہو رہا ہے وہی آج کی حقیقت ہے۔ سب سے بڑی حقیقت۔" لامعہ کا لہجہ بہت دھیما تھا اور وہ دانستہ نظریں چرا رہی تھی۔ "ویسے بھی میں بہت خوش ہوں۔۔۔۔ انابیہ میری سب سے اچھی دوست ہے۔ اس کی زندگی سنوارنے کی سب سے زیادہ خوشی مجھے ہی ہو گی۔ اس نے جس طرح کی صورت حال کا سامنا کیا، وہ معمولی بات نہیں ہے۔ اگر عفنان کی صورت اسے ایک کیئرنگ اینڈ لونگ ہزبینڈ مل جائے تو میں خوش کیوں نہیں ہوں گی؟ اور ویسے بھی عفنان علی خان سے کسی حوالے سے میرا ابھی کوئی رشتہ تھا، ہے نہیں۔ جو شے ٹوٹ جائے اس کی قیمت نہیں رہتی۔"

لامعہ اس ہجوم کے اندر سر جھکائے کھڑی تھی۔

ماہ وش نے ہاتھ بڑھا کر بہت محبت سے اس کا چہرہ تھاما تھا۔

”لامعہ!——— بچے! میرے لئے انابیہ میں اور تم میں کبھی کوئی فرق نہیں رہا——— تم جانتی ہو۔ ما کی نگاہ سے کچھ نہیں چھپ سکتا۔ ہر شے دیکھ سکتی ہے یہ نظر——— تم کچھ بھی کہو، مگر میں سمجھتی ہوں ا کیفیت کو تم جس سے گزر رہی ہو، میں اسے دیکھ رہی ہوں۔“

لامعہ نے سر نفی میں ہلایا تھا۔

”نہیں ماما!——— ایسا کچھ نہیں ہے۔ میں خوش ہوں۔“ وہ مسکرائی تھی۔ ”میں واقعی بہت خوش ہوں اور خوش کیوں نہ ہوں——— انابیہ کی ساری خوشیاں مجھے اتنی ہی عزیز ہیں جتنی کہ انابیہ خود——— وہ ہنس ہے، مسکراتی ہے تو میں بھی خود کو اندر سے اتنا ہی خوش محسوس کرتی ہوں۔ وہ خوش نہیں ہے تو میں بھی خو نہیں ہوں۔ اس کا یہ درد مجھے بھی اندر سے اتنا ہی کاٹ رہا ہے۔ میں اس کے لئے دعا کر رہی ہوں، آ کے بعد اسے پھر کبھی رونا نہ پڑے۔ اُداسی کی، پریشانی کی اُس کی یہ آخری رات ہو——— کل سے وہ ایک نیا جیون، ایک نئے رنگ، نئے ڈھنگ سے شروع کرے۔ اور مجھے یقین ہے ایسا ہی ہوگا۔ عفنز اسے بہت خوش رکھے گا۔“ آنکھوں کے کناروں پر نمکین پانی کے چند قطرے بہت خاموشی سے ٹوٹ پلکوں سے گرے تھے اور لامعہ حق تیزی سے پلٹ کر اس کمرے میں موجود ہجوم میں غائب ہو گئی تھی۔

کچھ دور فاصلے پر کھڑے ہوئے اوزان سید نے اسے بغور دیکھا تھا۔ ماہ وش اُس کی سمت پلٹی تھیں۔

”اوزان!——— وہاں باہر لان میں لائٹنگ کروا دی تم نے؟“

”جی——— “ اوزان نے بہت آہستگی سے سر ہلا دیا تھا۔ دھیان اب بھی اس طرف تھا جس طرف لامعہ گئی تھی۔

”کیا ہوا؟“ مہ وش نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا تھا۔ مگر اوزان سید کچھ نہیں بولا تھا: وش بہت افسردگی سے نظر پھیر گئی تھیں۔

”سوچتی ہوں تو مجھے خود بھی عجیب لگتا ہے۔ کل وہ تعلق لامعہ کی زندگی کا حصہ تھا اور آج——— انابیہ اس سے جڑنے جا رہی ہے۔ سوچو تو یہ بات معمولی نہیں۔ نہ ہی نظر انداز کیے جانے کے قابل۔ لا اس صورتحال سے بہت آرام سے نہیں گزر رہی——— یقیناً اس کے اندر کہیں بہت کچھ ہو رہا ہے۔ جم بھید وہ ہمیں نہیں دینا چاہتی۔ جب کہ یہ انابیہ کی عادت تھی۔ چپ چاپ اپنے اندر کی باتوں کو چھپانا لینا——— وہ اپنی کوئی بات مجھ سے بھی ڈھنگ سے نہیں کہہ پائی۔ میں اسے خود سے سمجھتی تھی: لامعہ——— لامعہ بہت چھوٹی چھوٹی باتوں پر چیخ چیخ کر رونے لگتی تھی اور اٹینشن چاہتی تھی۔ صورتحال سے گزر رہی ہوتی تھی سب کو بتانا چاہتی تھی۔ مگر آج——— آج مجھے اس کے اندر ایک سکو تیرتا دکھائی دے رہا ہے۔ اور میں جانتی ہوں اس کی وجہ کیا ہے۔ وہ چپ چاپ اپنے اندر کہیں گم ہو ہے۔ آج میں انابیہ کی چپ سے زیادہ اس کی چپ سمجھ رہی ہوں۔ اس خاموشی کے سارے اسباب م ہیں مجھے۔ ماں ہوں نا، کسی ایک بچے کی تکلیف بھی نہیں جھیل سکتی میں۔ ایک وقت میں اپنے سار بچوں کو خوش دیکھنا چاہتی ہوں۔“ ماہ وش بہت جذباتی انداز میں کہہ رہی تھیں۔ مگر اوزی کا چہرہ سپاٹ

وہ شاید اس وقت کچھ اور سوچ رہا تھا۔ نگاہ اب بھی اسی سمت تھی جہاں لامعہ حق گئی تھی۔

❁ ❁ ❁

وہ کیمپس سے لوٹی تھی تو گھر میں غیر معمولی ہلچل تھی۔ تمام ملازم یہاں سے وہاں بھاگتے ہوئے خاصے مستعد دکھائی دے رہے تھے۔

’کہیں مائی اماں واپس تو نہیں آ گئیں؟‘ میرب سیال نے سوچا تھا اور آگے بڑھ آئی تھی۔ مگر مائی اماں کے آنے کے شواہد ناپید تھے۔

اس نے قریب سے گزرتی زلیخا کو روکا تھا۔

”زلیخا! یہ کیا ہو رہا ہے؟——— مائی اماں آ چکی ہیں کیا؟“

زلیخا مسکرا دی تھی۔

”نہیں جی——— مائی اماں تو واپس نہیں آئیں۔ مگر ایک بہت خاص مہمان آ رہا ہے صاحب کا۔ خاص ہدایت کی جا رہی ہے۔ پورے گھر کو نئے سرے سے صاف ستھرا کرنے کا آرڈر دیا ہے۔ پورے گھر کے نوکروں کو تو جیسے پر لگ گئے ہیں۔“ زلیخا مسکراتی ہوئی کہہ کر آگے بڑھ گئی تھی۔

میرب سیال نے کسی قدر حیرت میں گھر کر سوچا تھا۔

’کون———؟‘ تجسس نہ ہونا عجب تھا۔ مہمان یقیناً سردار سبکتگین حیدر لغاری سے ہی تعلق رکھتا تھا۔ تبھی تو مائی کے نہ ہونے کے باوجود وہ اتنا مستعد ہو رہا تھا۔

’مگر کون———؟‘ وہ سوچتی ہوئی اپنے ہی دھیان میں آگے بڑھی تھی جب کسی سے ٹکرا گئی تھی۔ سنبھل کر دیکھا تھا——— نظروں کے عین سامنے سردار سبکتگین حیدر لغاری تھا۔

”کیا ہوا سویٹی؟——— کہاں گم ہو؟“ اس کے چہرے کو ہاتھ میں لے کر بغور توجہ سے دیکھتے ہوئے یوں دریافت کیا تھا جیسے وہ دنیا کا سب سے اچھا شوہر ہو۔ لبوں پر مسکراہٹ تھی جیسے وہ اس کی کیفیت سے حد درجہ محظوظ ہو رہا تھا۔

میرب سیال نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے اس کی گرفت سے نکلنے کی ایک سعی کی تھی۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری ابھی اس کے لئے تیار نہیں تھا۔ بغور توجہ سے اس کے چہرے کو تکتے ہوئے مسکرایا تھا۔

”اتنا بے خبر اور انجان رہنا اچھی بات نہیں سویٹی!——— خود کو بیدار رکھا کرو۔ اپنے خوابوں کی حفاظت کرتے رہنے کے لئے یہ بہت ضروری ہے——— بہت ضروری ہے کہ تم ان خوبصورت آنکھوں کو خدشوں سے، بے کار کے واہموں سے آزاد کر دو۔ ایک خوبصورت تجربے کے طور پر ہی سہی، کوشش کر لینے میں کیا حرج ہے؟“ مدھم لہجے میں کوئی اسم پھونکنا چاہا تھا اس پر۔ میرب سیال اس کی گرفت میں پھڑ پھڑا کر رہ گئی تھی۔ اس شخص کے تیور نہ سمجھ میں آنے والے تھے۔

اس کے چہرے پر جھکا وہ اسے بغور دیکھ رہا تھا۔

”تمہارا پرابلم یہ ہے کہ تم اپنے اندر کی خبر کسی کو ہونے دینا نہیں چاہتی ہو۔ مگر کوئی نگاہ ان قیود کو بھی نہیں مانتی۔“ کتنی گرم گرم سانسیں اس کے چہرے پر تھیں۔ حدت سے وہ جلنے کو تھی۔

''توڑ دو یہ فضول کی دیواریں ـــــ یہ حد بندیاں۔ نکل کر دیکھو ان سے باہر۔ جان پاؤ گی کہ زنا
کیا ہے، اس کی حقیقت کیا ہے اور جینے کا لطف کیا ـــــ جو تمہاری طرح فکروں سے بندھے رہتے ہیں
وہ دن بھی ڈھنگ سے جی نہیں پاتے۔ اپنے آپ کو جینے دو ـــــ مائل کرو کہ جینا بہت ضروری ہے۔
ایک پل میں ہزاروں لمحے سمیٹ لینے کا ہنر سیکھو ـــــ جان لو کہ ہزار لمحوں میں زندگی نہیں ہوتی کبھی
فقط ایک ایک لمحہ جینے کے لئے اپنے اندر کئی صدیاں رکھتا ہے۔ تجربہ کرو کبھی اور جان لو، ان شب و روز
حقیقت کیا ہے ـــــ ایک لمحے کے لئے نہیں، ایک پل کے لئے بھی نہیں، صدیوں کے لئے۔ صدیوں
رازوں بھری بات جان لو۔ اور مان لو کہ تم غلط ہو۔ قبول کرو کہ تم نے کبھی وہ لطف آگہی اور رمز آشنائی
ہی نہیں۔ جانا ہی نہیں۔ کبھی خود کو کھو جا ہی نہیں۔ کھوج لیتیں تو جان پاتیں کہ تم بے رنگ، پھیکے رنگوں
جی رہی ہو اور اس زندگی کی حقیقت کچھ نہیں۔ تیار ہو جاؤ، فاطمہ پھپھو کے ہاں عفنان کی شادی کی تقریب
ہے، وہاں جانا ہے۔ اس کے بعد نئے لمحوں کا سواگت ہمیں بھی اسی قدر جوش و خروش سے کرنا ہے۔ اگر
انتظار طویل ہے اور صبر آزما بھی۔''

مدھم سرگوشیوں میں کیسے کیسے اسرار تھے۔ کیسے کیسے بھید چھپے تھے۔ میرب سیال نے ایک جھٹکے سے خو
اس کی گرفت سے آزاد کرانا چاہا تھا یا پھر وہی اب مزید حصار میں رکھنے پر مائل نہ تھا۔ گرفت ڈھیلی پڑی
اور ایک لمحے میں میرب اس حصار سے باہر تھی۔ اختیار ختم ہوا تھا۔

پل دو پل کی مہربانی نے اپنے پر سمیٹ لیے تھے اور وہ شخص اسی قدر گریز پائی سے پلٹا تھا اور آ
بڑھ گیا تھا۔ مگر میرب سیال خود کو ان پرتپش لمحوں کی گرفت میں اب تک جلتا ہوا محسوس کر رہی تھی۔

❄❄❄

انابیہ شاہ کو سجایا سنوارا جا رہا تھا ـــــ دلہن کا روپ دیا جا رہا تھا۔ مگر وہ عجب بت بنی بیٹھی تھی
ساکت آنکھوں میں کوئی خواب نہ تھا۔ نہ کوئی خیال۔ عجب ویرانی سی تھی۔ جیسے وہ تمام خوابوں سے اپنا
توڑ چکی تھی۔ زندگی جیسے اس وجود میں تھی ہی نہیں۔

لامعہ اُسے زیورات پہناتے ہوئے چپ چاپ آنسو بہا رہی تھی۔ جب انابیہ نے اچانک ہی اُس
ہاتھ تھام لیا تھا۔

''لامعہ ـــــ!'' بہت آہستگی سے پکارا تھا۔

مگر لامعہ کچھ نہیں بولی تھی۔ چپ چاپ چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

''لامعہ! ـــــ مجھے تم سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور نہ ہی تمہیں مجھ سے کچھ پوچھنے کی
میں جانتی ہوں تم کن کٹھن مراحل سے گزر رہی ہو۔ اگر ـــــ اگر تمہاری جگہ میں ہوتی تو شاید ـــــ
شاید میں بھی ایسا ہی کرتی۔ مگر لامعہ! یہ ٹھیک نہیں کیا تم نے۔'' پُرسکوت لہجے میں انابیہ بولی تھی۔ جـ
لامعہ چونک کر اسے دیکھنے لگی تھی۔ لمحہ بھر کو اس کی نگاہ ساکت رہ گئی تھی۔

انابیہ چند ثانیوں کو اسے خاموشی سے دیکھتی رہی تھی، پھر بہت آہستگی سے گویا ہوئی تھی۔

''لامعہ! اپنے خواب، اپنی ہی آنکھوں میں سنبھال کر رکھنے چاہئیں۔ دان کر دیں تو آنکھیں بانجھ

جاتی ہیں۔ کائی جم جاتی ہے پلکوں کی درزوں پر۔ آنکھوں کی زمین سیم زدہ ہو جاتی ہے۔ ایک ایسی جگہ جس
پر پھر کبھی خواب نہیں اُگ سکتے۔ لامعہ! تم نے اپنی آنکھیں کیوں بنجر کر لیں؟ ـــــ کیوں ناتا توڑ لیا
خوابوں سے؟'' انابیہ کا لہجہ دھیما تھا اور لامعہ کی ساکت آنکھوں سے چپ چاپ آنسو بہہ رہے تھے۔

''لامعہ! کیا تمہیں اندازہ ہے کہ تم نے کیا، کیا اور کتنا غلط کیا؟ ـــــ میں کیسے جی پاؤں گی اتنے
سارے بوجھ دل پہ لے کر! ـــــ تم نے ایک پل کے لئے بھی نہیں سوچا کہ کتنی مشکل ہو جائے گی میری
زندگی ـــــ پہلے ہی آسان تو نہیں ـــــ تم نے روکا کیوں نہیں عفنان کو؟ ـــــ ان سب کو؟ ـــــ
کیسے ہونے دے رہی ہو تم یہ سب چپ چاپ؟ ـــــ لامعہ! کیوں کوشش کر رہی ہو تم اس درجہ عظیم بننے
کی؟ ـــــ میں تمہارے یہ احسان لے کر کیسے جیوں گی؟ ـــــ تم نے کیوں کیا لامعہ! ایسا؟ ـــــ
کیوں چاہا کہ میں ایسی زندگی جیوں؟'' مدھم آواز کے ساتھ کتنی خاموشی کے ساتھ آنسو آنکھوں سے نکل
رہے تھے۔ لامعہ کچھ بول نہیں سکی تھی۔

''لامعہ! مجھے یہ احساس واقعی جینے نہیں دے گا۔ میں جب تک عفنان علی خان کے ساتھ جیوں گی،
مجھے یہ بات مارتی رہے گی کہ میں نے تمہارا، اپنی دوست کا حق غصب کیا۔ میں نے تمہیں ـــــ لامعہ!
تم......'' انابیہ شدت جذبات سے چپ ہو گئی تھی۔ لامعہ نے بہت آہستگی سے اس کے ہاتھ سے اپنا
ہاتھ نکالا تھا اور باہر نکل آئی تھی۔ مگر اپنے عین سامنے کھڑے اوزی کو دیکھ کر چونک گئی تھی۔

اوزی نے اسے بغور دیکھا تھا۔ لامعہ نظریں چرا گئی تھی۔ اوزی نے بہت آہستگی سے بنا کچھ کہے اس
کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ لامعہ کسی قدر حیرت سے اسے دیکھنے لگی تھی۔ اوزی کی نظریں بدستور اس کے چہرے کا
احاطہ کئے ہوئے تھیں۔

''اوزی! ـــــ تم ـــــ'' لامعہ نے کسی قدر الجھن سے اسے دیکھا تھا۔

''شادی کرو گی مجھ سے؟'' اوزان سید نے بغور دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

لامعہ حق اپنی جگہ ساکت رہ گئی تھی۔

''میں کہہ رہا ہوں ـــــ مجھ سے شادی کرو گی؟'' اوزان سید نے اپنا سوال دہرایا تھا۔

لامعہ حق اب بھی اسی قدر حیران تھی۔ زبان گنگ تھی۔ جیسے اس کے پاس بولنے کو لفظ نہ تھے۔

''میں تمہیں اپنانا چاہتا ہوں ـــــ اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتا ہوں ـــــ بولو، کیا تم اس کے
لئے تیار ہو؟'' اوزان سید نے اپنی بات کو آگے بڑھایا تھا۔

''یہ...... یہ کیا عجیب سوال ہے؟'' لامعہ نے بے یقینی سے اسے دیکھا تھا۔ وہ واضح انداز میں کنفیوژڈ
دکھائی دے رہی تھی۔

''سوال عجیب نہیں ہے لامعہ! بہت بروقت اور مناسب ہے ـــــ تم یہ مت سمجھو کہ یہ کوئی بہت
جلدی کا فیصلہ ہے۔ میں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے۔''

''مگر ـــــ میں ـــــ اتنی جلدی ـــــ اوزی! تم سمجھ کیوں نہیں رہے ہو؟ ـــــ پاگل ہو گئے ہو
تم ـــــ یہاں انابیہ کو لے کر اتنی ٹینشن رہی اور اب جبکہ اس کی شادی ہو رہی ہے تو تم ـــــ کہیں تم بھی

سب لوگوں کی طرح یہی تو محسوس نہیں کر رہے کہ میرے ساتھ......؟'' لامعہ نے جملہ ادھورا چھوڑ کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

''دیکھو اوزان سید! ——— میرے ساتھ ایسا ویسا کچھ غلط نہیں ہو رہا یہاں۔ اور تم ——— تم نے یہ کہا بھی کیسے؟ ——— تم جانتے ہو نا، میں ایک بار پہلے بھی تمہیں انکار کر چکی ہوں۔ اور پروپوز کرنے کا یہ کون سا طریقہ ہے؟ ——— اس طرح بیچ راہ کھڑے، اچانک افراتفری میں راستہ روک کر؟ ——— رشتے اتنی ہی آسانی سے بنتے ہیں کیا؟ ——— مذاق سمجھ رکھا ہے تم نے شادی کو؟'' لامعہ نے سختی سے کہتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

''نہیں ——— میرے نزدیک شادی مذاق نہیں ہے لامعہ! ——— تبھی تو تمہیں پرپوز کر رہا ہوں۔ وقت ہے تمہارے پاس ——— تم مجھے سوچ کر جواب دے سکتی ہو۔ مگر میرا نہیں خیال کہ تمہارے پاس انکار کا کوئی جواز ہوگا۔ پھر بھی میں تمہارے فیصلے کا انتظار کروں گا۔''

اوزی پلٹا تھا اور وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔ لامعہ حق کتنی دیر تک کھڑی اس سمت دیکھتی رہی تھی۔

❄❄❄

زندگی لمحہ لمحہ سفر کرتی ہے اور ہر قدم اپنے ساتھ ایک نیا تجربہ لے کر آتا ہے۔ وہ تجربہ جو اس سے قبل نہیں کیا ہوتا۔ نظر وہ رنگ دکھاتی ہے جو اس سے قبل نہیں دیکھا ہوتا۔

انابیہ رخصت ہو کر ایک نئی دنیا بسانے عفنان علی خان کے گھر آ گئی تھی ——— یہ الگ بات تھی کہ نہ دل میں کوئی اُمنگ تھی نہ ترنگ۔ حجلۂ عروسی میں وہ بُت بنی چپ چاپ بیٹھی تھی جب عفنان علی خان دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تھا۔ وہ تب بھی نہیں چونکی تھی۔

عفنان علی خان نے دروازہ بند کیا تھا اور چند لمحوں کے لئے عجب ایک تذبذب میں وہیں کھڑا رہا تھا۔ انابیہ شاہ بنا گھونگھٹ کے بیڈ پر بیٹھی تھی۔ عفنان علی خان کے اندر داخل ہونے پر وہ چونکی نہیں تھی۔ بس چپ چاپ اٹھی تھی اور چلتی ہوئی ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا رکی تھی۔ آہستہ آہستہ سارے زیوروں سے خود کو آزاد کیا تھا اور زرتار سرخ آنچل بیڈ پر اچھالتے ہوئے چلتی ہوئی ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گئی تھی۔

عفنان علی خان ان اقدامات کو چپ چاپ کھڑا دیکھ رہا تھا۔ کہنے کو، بولنے کو کچھ نہ تھا۔ اور کہتا بھی کس سے؟ در و دیوار سے بات کرنے کا اسے کوئی جنون نہ تھا۔ پاگل تھا کسی کے عشق میں ——— مگر اب اتنا بھی نہیں کہ ——— کیسے کیسے خواب نہ سجائے تھے۔ مگر آج تو سب دھرا کا دھرا رہ گیا تھا۔

یہ وقت ———
یہ لمحے ———
جیسے کبھی خواب تھے۔

انابیہ کا ماننا ——— اپنی زندگی میں آنا اسے ناممکن لگتا تھا ——— مگر آج ——— آج وہ اس کی زندگی میں تھی ——— ایک چھت ——— ایک کمرے میں ——— ایک در و دیوار کے ساتھ، اس کے ساتھ موجود تھی۔ قرب تھا، اختیار تھا۔

استحقاق جتانے کے سارے حق وہ محفوظ رکھتا تھا۔ مگر جیسے قدم بندھے ہوئے تھے اور دل......

شاید......اب وہ بھی مر چکا تھا۔

وہ کچھ دیر تک ویسے ہی کھڑا رہا تھا۔ پھر آگے بڑھ آیا تھا۔ تبھی ڈریسنگ روم کا دروازہ کھول کر انابیہ باہر نکلی تھی اور نظر اس پر پڑی تھی اور چونک کر رک گئی تھی۔ کچھ دیر تک خاموشی سے دیکھتی رہی تھی۔ عفنان علی خان کچھ نہیں بولا تھا۔ غالباً وہ اس صورت حال پر سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اس کا رویہ کیسا ہونا چاہئے۔ وہ چپ چاپ کھڑا دیکھ رہا تھا جب انابیہ چلتی ہوئی اس کے قریب آن رکی تھی۔

''تو جیت گئے تم؟ ——— بالآخر فاتح رہے تم۔ جو چاہا، حاصل کر لیا۔ کیا فرق پڑتا ہے اگر کسی کی انا مجروح ہو رہی ہو۔ کسی کو سفر کرنا پڑ رہا ہے، یا پھر کوئی بے موت مر رہا ہے یا مر مر کر جی رہا ہے۔ عفنان علی خان! تمہیں تو جیتنے کی عادت ہو چکی ہے۔ اور اپنی اس جیت کے لئے تم کچھ بھی کر سکتے ہو ——— کسی بھی حد تک جا سکتے ہو۔ اور ایسا میں دیکھ چکی ہوں۔'' انابیہ کا لہجہ ٹھوس مگر دھیما تھا۔ عفنان علی خان اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

''کیا ——— کیا دیکھ چکی ہو تم؟ ——— میں نہیں سمجھا ——— کیا دیکھا ہے تم نے؟''

''تم ——— تم نہیں سمجھتے ہو عفنان! کہ میں کیا کہہ رہی ہوں؟ ——— تم نہیں سمجھتے ہو کہ میں کیا بات کر رہی ہوں اور کیوں کر رہی ہوں؟'' انابیہ حیرت سے اسے دیکھتے ہوئے چیخی تھی۔

''تم ——— کیا سمجھتے ہو عفنان! تم اتنا کچھ کر گزرو گے اور کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آئے گا۔ کوئی عقل نہیں رکھتا تمہارے علاوہ یہاں؟ ——— کیا سب اندھے ہیں یہاں؟ ——— نہ کوئی دیکھ سکتا ہے نہ ہی سمجھ سکتا ہے؟''

عفنان علی خان کے چہرے کی کیفیت متغیر ہو گئی تھی۔ بہت غصے سے اس وقت انابیہ کو دیکھا تھا۔

''انابیہ! تم جو کہنا چاہتی ہو اس پر اچھی طرح سے غور کر لو ——— میں تمہاری کوئی بات سمجھ نہیں پا رہا ہوں۔ اور میرا خیال ہے ابھی تمہیں کچھ کہنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ میں یہیں ہوں سننے کے لئے۔ تم کہتی رہنا، میں سنتا رہوں گا۔ فی الحال تم آرام کرو۔'' سپاٹ لہجے میں کہہ کر وہ پلٹا تھا جب انابیہ تیزی سے چلتی ہوئی اس کے سامنے آن رکی تھی۔

''کیا سمجھتے ہو تم ——— بہت اسمارٹ ہو، بہت بڑے کھلاڑی ہو؟ ——— جب، جس طرح چاہو گے کھیلتے رہو گے؟''

عفنان علی خان کا ضبط جواب دینے کو تھا۔ مگر وہ سختی سے لب بھینچ گیا تھا۔ پھر ایک گہرا سانس خارج کرتے ہوئے اسے شانوں سے تھام کر بغور دیکھا تھا۔

''انابیہ! تمہیں آرام کی شدید ضرورت ہے۔''

''کیا ——— کیا سمجھتے ہو تم؟ ——— پاگل ہوں میں؟ ——— کیا سمجھتے ہو تم، اتنی بدھو اور بے وقوف ہوں کہ تم نے جو کیا وہ سمجھ ہی نہ پاؤں گی؟'' انابیہ چیخی تھی۔

''عفنان! ——— زندگی تاش کا کھیل نہیں ہے کہ تم اپنی مرضی کے پتے اٹھا اٹھا کر اپنے ہاتھ میں رکھتے

جاؤ اور جیت ہار بار تمہاری ہی ہو ـــــ میں صرف تمہیں اتنا بتانا چاہتی ہوں کہ تم کسی خوش فہمی میں مت رہنا۔ کیونکہ اس بار تم جیت کر بھی نہیں جیت سکو گے۔"

"کیا ـــــ کیا کہہ رہی ہو تم؟" عفنان علی خان نے اُسے شانوں سے تھام کر جھنجھوڑا تھا۔ "بولو، کیا سمجھ رہی ہو تم؟ اور کیا سمجھانا چاہ رہی ہو تم مجھے؟ ـــــ کیا، کیا ہے میں نے؟ ـــــ بولو، کیا کیا ہے میں نے؟ ـــــ کون سی جیت کو تم میری جیت کہہ رہی ہو؟ ـــــ کہاں فاتح رہا ہوں میں؟ ـــــ تم یہاں اس کمرے میں میرے سامنے ہو تو کیا یہ میری جیت ہے؟ ـــــ پاگل! ایسا تو میں بہت پہلے بھی کر سکتا تھا۔ کیا مشکل تھا میرے لئے۔ میری محبت کو میری کمزوری مت سمجھو۔ اگر آج تم یہاں اس کمرے میں موجود ہو تو صرف اس لئے کہ میں نے تم سے محبت کی ہے۔ کوئی احسان نہیں کیا میں نے تم پہ۔ کوئی اور موقع ہوتا تو شاید میں خود تم سے دستبردار ہو جاتا، یہ سن کر بھی کہ تم کسی اور کے متعلق سوچتی ہو ـــــ کسی اور کو چاہتی ہو، تمہیں اپنی زندگی میں داخل کر لینا آسان نہیں تھا میرے لئے۔ اور تم ہو کہ اب بھی۔" ایک جھٹکے سے اسے چھوڑتے ہوئے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے رخ پھیر کر کھڑا ہو گیا تھا۔ ضبط کی، برداشت کی جیسے یہ حد تھی اس کی۔

"پتہ نہیں کیا کیا سوچ رہی ہو تم ـــــ کیا کیا الزام لگا رہی ہو۔ لیکن میں ـــــ میں شاید کبھی کسی شے کی وضاحت نہیں کر سکوں گا۔ کسی شے کی صفائی نہیں دے سکوں گا۔ کبھی کوئی ثبوت نہیں پیش کر سکوں گا۔ بالکل ایسے ہی جیسے آج تک میں اپنی محبت کو تم پر ثابت نہیں کر سکا۔ ایک ایک پل، ایک ایک دن، ایک ایک رات، کس قدر، کس طرح سوچا تمہیں ـــــ کس طرح چاہا ـــــ مگر تم آج تک، اسی ایک چیز کو نہیں پا سکیں تو آج ـــــ آج کیا سمجھ پاؤ گی؟" مدھم لہجے میں افسوس ہی افسوس تھا۔ "تمہیں جو سوچنا ہے، سوچتی رہو ـــــ جو الزام لگانا چاہتی ہو لگاتی رہو۔ میرے پاس کسی الزام کے لئے نہ تاویل نہ ہے کوئی وضاحت، نہ کوئی صفائی، نہ ثبوت ـــــ جو کرنا چاہتی ہو تم کر لو۔ جرم ثابت کرنے کے لئے جو کر سکتی ہو کر لو۔ میرے پاس تب بھی یہی جواب ہو گا۔ ہر صفائی یہی ہو گی کہ میں نے تم سے پیار کرنے کا جرم کیا ہے۔ اور وہی جرم مسلسل کر رہا ہوں۔ نہ کبھی خود کو اس سے روک سکا ہوں نہ ٹوک سکا ہوں۔" اس کے چہرے کو بہ غور دیکھا تھا۔

"بارہا ـــــ بارہا سوچا ـــــ بارہا دیکھا تمہیں ـــــ اور پھر سوچا، ایسا کیا ہے تم میں؟ ـــــ ایسا کیا؟ ـــــ کیوں اس قدر پاگل ہو رہا ہوں میں؟ ـــــ مگر نہیں۔" سر نفی میں ہلاتے ہوئے نگاہ پھیر گیا تھا۔ "کبھی نہیں سمجھ سکا۔ کبھی کوئی جواز تمہارے خلاف نہیں رہا۔ کمبخت یہ دل بھی کبھی تمہارے خلاف نہیں رہا۔ اب کیا کروں، جب میرا دل ہی میرے ساتھ نہیں تو پھر کسی اور سے کیا شکوہ کروں؟ ـــــ تم تو پھر کوئی اور ہو۔ مجھ سے الگ ہو۔ مجھ سے جدا۔ نہ رابطہ، نہ واسطہ، کچھ نہیں۔ صرف ایک سکوت۔ اور سکوت کو سمجھنے کی تم کبھی کوشش نہیں کر سکتیں۔" وہ جانے کو آگے بڑھا تھا۔

"تم اس طرح خود کو بچا کر نہیں جا سکتے ہو ـــــ نہ ہی تم اتنے انجان ہو۔ سچ تو یہ ہے کہ تم اس معاملے میں ملوث رہے ہو۔ جب کچھ اور نہ بن سکا تو یہ راہ اپنائی۔ مجھے اغواء کرایا، پھر بازیاب کرایا۔ جھوٹی

ہمدردی جتائی اور موڑ توڑ کر راہ وہاں تک لا کر ختم کی کہ تمہارا سارا مطلب پورا ہو گیا۔ میرے لئے زندگی کے دروازے بند کر کے تم نے اپنے لئے زندگی کی نئی راہیں کھولی ہیں۔ تم ایک خود غرض شخص ہو۔ جو صرف اپنا مفاد دیکھتا ہے اور بس۔ اپنے فائدے کے لئے جو کچھ بھی کر سکتا ہے وہ سب تم نے کیا۔ سب کی نظروں میں ہمدردی بھی سمیٹی، مجھ پر احسان بھی کیا اور وہ سب پا بھی لیا جس کی کبھی تمنا کی تھی۔ کتنے فراڈ شخص ہو تم۔ کتنا بڑا دھوکا ہو ـــــ یہ مجھ سے بہتر کوئی نہیں جانتا۔ صرف مجھے پانے کے لئے تم اس حد تک گر سکتے ہو، صرف ایک جسم کے لئے۔" اس کا لہجہ زہر خند تھا۔

عفنان علی خان نے تیزی سے آگے بڑھ کر اسے شانوں سے تھاما تھا۔ انداز انتہائی پُر اشتعال تھا۔ جیسے انابیہ نے اس کے اندر ایک الاؤ دہکا دیا تھا۔ آنکھوں میں سرخی سی اتر آئی تھی۔ لب سختی سے بھینچے اُسے دیکھتے ہوئے وہ جیسے ہزار ضبط کی راہ سے چپ چاپ گزر رہا تھا۔

"تم جو ثابت کرنا چاہتی ہو کرو، میں وہاں جا کر بھی یہی کہوں گا جو یہاں اس بند کمرے میں تم سے کہا۔ تم جو ثابت کرنا چاہتی ہو کر لو ـــــ جہاں جانا چاہتی ہو چلی جاؤ۔ جو بھی گناہ ثابت کرنا چاہتی ہو کر لو۔ میں تیار ہوں۔" مدھم لہجا اپنے اندر جیسے ہزار ہا طوفان چھپائے ہوئے تھا۔

"تم جو کرنا چاہتی ہو، کر لو۔ شاید ایسا کر کے تم کچھ سمجھ لو جو اب تک نہیں سمجھی ہو۔ مگر میں تم سے اپنی وضاحت کے لئے کچھ نہیں کہوں گا۔ کوئی صفائی نہیں، ایک لفظ بھی نہیں۔ پچھتا رہا ہوں آج میں۔ بہت غلط جگہ ڈوبا ہوں میں۔ صرف جسم......." جلتی ہوئی آنکھوں سے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے اس کے آہنی ہاتھوں کی گرفت، خود بہ خود ہی اس کے نازک کندھوں پہ سخت ہو گئی تھی۔ شعلہ برساتی نظریں اس لمحہ انابیہ کے چہرے پر گڑھی تھیں۔

"کیا ـــــ کیا سمجھتی ہو تم؟ ـــــ صرف جسم ـــــ اور اس سے آگے کچھ نہیں۔ بہت چھوٹا سوچتی ہو تم۔ بہت چھوٹی عقل ہے تمہاری۔ تم یا تمہارا جسم میرے لئے پانا کبھی کوئی پرابلم تھا ہی نہیں۔ بولو، کب میں بے اختیار تھا؟ کب میں تمہیں نہیں پا سکتا تھا؟ ـــــ ہزار ہا لمحے تھے میرے پاس۔ میں ایسا جب چاہتا کر سکتا تھا۔ میرے لئے تمہیں یا تمہارے جسم کو حاصل کرنا مشکل نہیں تھا۔ تم ہی کیا، کوئی بھی لڑکی، جب چاہتا، جہاں چاہتا حاصل کر سکتا تھا۔ مگر صرف محبت کی مالا جپتا رہا میں ـــــ آنکھوں پہ پٹی بندھ گئی تھی میری۔ اندھا ہو گیا تھا تمہاری محبت میں۔ بہت کمزور پڑ گیا تھا اپنی اس محبت کے ہاتھوں۔ تم تمہارے خیال، تمہاری محبت سے باہر کبھی نکل ہی نہیں سکا۔ اس سے آگے کبھی کچھ سوچ ہی نہیں سکا۔ ورنہ کیا مشکل تھا میرے لئے۔ اور بقول تمہارے، تمہارا اغواء بھی میں نے ہی کیا ـــــ تو پھر کیا مشکل تھا تمہیں وہاں بھی پا لینا۔ ایسا تو میں وہاں بھی کر سکتا تھا۔ آخر تمہیں اغواء کرنے میں کچھ تو فائدہ نکلتا میرا۔ یونہی کلائیاں کاٹ کر کیوں چھوڑ دیتا؟" انتہائی درشتی سے کہتے ہوئے اسے ایک جھٹکے سے چھوڑا تھا۔

"کچھ نہیں سمجھتی ہو تم ـــــ کچھ نہیں ـــــ فضول ہے تم سے سر پھوڑنا۔ تم سدا اسی ڈگر پر چلتی رہو گی۔ اور اسی طرح سوچتی رہو گی۔" لب سختی سے بھینچ کر وہ پلٹا تھا اور باہر نکل گیا تھا۔

انابیہ پانیوں سے بھری آنکھوں سے اسی جگہ بیٹھتی چلی گئی تھی۔

کیا عذاب اُترا تھا اب کے آنکھوں پر ______

نہ چین تھا، نہ قرار تھا۔

عجب مشکل میں تھی جان۔

❋❋❋

شادی کی تقریب میں شرکت کے بعد میرب سیال خاصی تھک گئی تھی۔ ایک خاص رشتے کے ساتھ، خاص حوالے کے ساتھ۔ یہ سب تجربے بڑے انوکھے اور نئے تھے۔ انوشے وغیرہ اسے کئی حوالوں سے چھیڑ رہی تھیں اور سوائے مسکرانے کے اس کے پاس کوئی آپشن نہ تھا۔ اتنا مسکرائی تھی کہ جبڑے تک دُکھنے لگے تھے۔

ہاتھوں سے چہرے کو دونوں طرف سے دباتی ہوئی، زینہ چڑھ رہی تھی جبھی کچھ آوازوں کے ساتھ اپنے پیچھے اُسے کچھ آہٹیں سنائی دی تھیں۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری تقریب میں اُسے تنہا چھوڑ کر کسی ضروری کام سے نکل گیا تھا۔ وہ واپس ڈرائیور کے ساتھ آئی تھی۔ غالباً وہی لوٹا تھا۔ اُس نے کسی قدر اطمینان سے چہرے کا رخ پھیر کر اپنے پیچھے ہال میں دیکھا تھا۔ مگر نگاہ ساکت رہ گئی تھی۔

ہال کا منظر نامہ خاصا مختلف تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری وہاں کسی کے ساتھ موجود تھا۔ میرب سیال کی نگاہ ساکت رہ گئی تھی۔

دور کھڑی مسکراتی ہوئی 'گی' کو دیکھا تھا۔

گی نے اُسے دیکھ کر اپنا ہاتھ ہلایا تھا۔ وہ فوری طور پر کوئی ردعمل ظاہر نہ کر سکی تھی۔ مگر وہ اس لمحے اس کی طرف متوجہ نہ تھا۔ بغور توجہ سے گی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

تو یہ ہے وہ خاص مہمان۔

یہی وہ شخصیت جس کا انتظار اتنے جوش و ولولے سے کیا جا رہا تھا۔

اور وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کا ولولہ ______ وہ بے قراری ______ وہ سب خاص تیاریاں صرف اس ایک فرد کے لئے تھیں؟

تو کیا گی اتنی اہم تھی اس شخص کے لئے؟

اس قدر اہمیت رکھتی تھی کہ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے لئے دن گن گن کر کاٹے تھے۔

وہ شوق، وہ لگن صرف اس چہرے کے لئے تھی؟ ______ تو پھر اس سے اس کی وہ لگاوٹ، وہ توجہ کس لئے تھی؟

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے پھر کیا پینترا بدلا تھا ایک لمحے میں کہ اس کے لئے کہانی کو سمجھنا پہلے سے زیادہ دشوار ہو گیا تھا۔ اب کیا کھیل تھا، کس طرح کھیلا جا رہا تھا؟ ______ یہ سمجھنا اسے انتہائی دشوار لگا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کو سمجھنا یقیناً آسان نہ تھا۔ وہ کوششیں کر کر کے ہار گئی تھی۔ اور یہ کھلا تھا کہ سب ناممکن ہے۔

کتنی پھٹی پھٹی ______ حیرت سے بھری آنکھوں سے وہ ساکت بت بنی کھڑی ان دونوں کی سمت دیکھ

رہی تھی۔

کیا ہو رہا تھا یہ؟

کیوں ہو رہا تھا؟

سردار سبکتگین حیدر لغاری کیا کر رہا تھا یہ؟

وہ اُس کی منکوحہ تھی، اس کی دسترس میں تھی اور وہ نئے جہانوں کی تلاش میں سرگرداں تھا۔ یہی مزاج تھا اُس کا ______ پھر میرب کیوں نہیں سمجھی تھی؟ ______ کیوں نہیں اسے لگا تھا کہ سب اگر ویسا ہی ہے اور ویسا ہی رہنا ہے تو وہ کیوں خود کو اس درجہ ڈھال رہی ہے؟ اس کے ماحول میں، کیوں رنگ رہی ہے ایک نئے ڈھنگ، نئے رنگ میں؟ ______ کیوں سمجھوتوں کے پل باندھ رہی ہے؟ اس کے اور اپنے درمیان پڑنے والی دیواریں ڈھا رہی ہے۔

پاگل ______ بالکل پاگل تھی وہ۔

جو سمجھ رہی تھی کہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کبھی بدل بھی سکتا ہے۔ وہ ایک نئے زاویے میں ______ نئے رنگ میں ڈھل سکتا ہے۔

بالکل غلط قیاس کیا تھا اس نے۔ وہ مُڑی تھی۔ پلٹنے لگی تھی جب سردار سبکتگین حیدر لغاری کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔

"میرب! سنو۔" وہ رُکنا نہیں چاہتی تھی مگر جانے کیا ہوا تھا کہ قدم آگے بڑھ ہی نہ سکے تھے۔ اسی جگہ پر جم گئے تھے۔ کسی میکانکی انداز میں وہ پلٹی تھی۔ لبوں سے بولی کچھ نہیں تھی۔ بس چپ دیکھا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری بہت دلکشی سے مسکرایا تھا۔

"زلیخا کو آرڈر کر کے بھجوا دو ______ کچھ اچھا سا ______ تم سمجھ رہی ہو نا، میں کیا کہہ رہا ہوں؟"

مسکراتے ہوئے بدستور نگاہ اس کے چہرے پر تھی۔ میرب سیال کسی قدر دوری پر تھی مگر اس کے باوجود وہ اس شخص کی آنکھوں کے رنگ کو پڑھ سکتی تھی اور جان سکتی تھی کہ اس گھڑی وہ کس درجہ محظوظ ہو رہا تھا اور کس درجہ سرشار تھا۔ مائی کے جانے کے بعد اس کے یہ رنگ بہت انوکھے تھے۔ آج سے پہلے کچھ بھی تھا، سردار سبکتگین حیدر لغاری کسی لڑکی کو کبھی اس طرح گھر کی دہلیز پار کرا کر اندر نہیں لایا تھا۔ مگر آج، مائی کے گھر پر نہ ہونے سے وہ ساری حد بندیاں ٹوٹ گئی تھیں۔ جو ان دیکھی ایک دیوار تھی وہ اب نہیں رہی تھی۔

"میرب!" اُسے چپ چاپ بت بنا کھڑا دیکھ کر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اُسے پکارا تھا۔

وہ چونکی تھی۔

"جی ______؟" عجب سعادت مندانہ انداز تھا۔ جیسے وہ واقعی اُس کی خادم تھی اور اس کی خدمت پر مامور تھی۔

"پھر جاؤ۔" عجب حکم صادر ہوا تھا۔ صوفے پر گی کے کسی قدر قریب بیٹھا وہ بہت دھیمے سے مسکرا رہا تھا۔ وہ پلٹی تھی جب آواز ایک بار پھر تعاقب میں آئی تھی۔

"میرب ______!"

اس کی برداشت کی حد تھی مگر کسی کے سامنے وہ کسی طرح کی کوئی بدمزگی نہیں چاہتی تھی۔ اپنا یا کسی اور کا تماشہ بنوانا مقصود نہ تھا۔ تبھی بہت سعادت مندی سے دوبارہ پلٹی تھی۔

''جی ـــــ کچھ اور؟'' بہت ضبط سے مسکراتے ہوئے وہ یوں بولی تھی جیسے وہ اس گھر کی ملازمہ ہو۔ گی نے اس کے کان کے قریب اپنے گداز لب کر کے کچھ کہا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرایا تھا میرب سیال اب بھی منتظر سی، تابعدار کھڑی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری غالباً اُسے وہیں روک کر بھول چکا تھا۔ میرب سیال نے کچھ دیر ضبط کے بند باندھتے ہوئے اسے خاموشی سے دیکھا تھا۔ پھر بول پڑی تھی گین اپنی منظورِ نظر گی کے ساتھ کچھ زیادہ ہی مصروف نظر آ رہا تھا۔

''سردار سبکتگین حیدر لغاری! کیا میں جاؤں؟'' اجازت نامہ پیش ہوا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے چونکتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

میرب سیال پلٹی تھی اور آگے بڑھنے لگی تھی۔ اندر کہیں بہت سا دھواں بھر رہا تھا۔ بہت بے عزتی محسوس ہو رہی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے حد کر دی تھی۔ واقعی کسی ملازمہ کی طرح پیش آ رہا تھا اس سے اپنی نظروں میں کتنی بے وقعت سی لگی تھی وہ ـــــ تذلیل کے احساس سے آنکھیں جلنے لگی تھیں اور جل جانے اور بھی کیا کچھ، کہاں کہاں رہا تھا۔ مگر یہ جاننے کی فرصت کسے تھی۔

''مائی! آپ کیوں گئیں؟ ـــــ خدارا واپس آ جائیں۔'' زلیخا کو محترم سردار سبکتگین حیدر لغاری کی ہدایت خاص پہنچا کر وہ اپنے کمرے کی طرف آ رہی تھی تو بے ساختہ دل سے نکلا تھا۔ اور ساتھ ہی آنکھوں سے آنسو بھی بہہ نکلے تھے۔

کیسا جیون ساتھی ملا تھا؟

جس کے ساتھ ہر لمحہ ایک نیا امتحان تھا۔ ہر لمحہ ایک نیا تجربہ تھا۔ اور ہر تجربہ پہلے سے زیادہ مختلف تھا اس مختصر سے عرصے میں اتنے سے رنگ دیکھ لئے تھے تو جانے عمر بھر کتنے تجربوں کے رنگ دیکھنا باقی تھے۔

وہ کس سے کہتی؟ ـــــ کس سے کہتی؟ ـــــ کوئی پرسانِ حال بھی تو نہ تھا۔

❋ ❋ ❋

اذہان حسن بخاری نے فیصلہ کر لیا تھا، ایک نئی زندگی میں داخل ہونے کا۔ نئے رفیق، نئے ہم سفر کے ساتھ۔ سو گزشتہ عہد کی باتوں کو فراموش کر دینا بھی اتنا ہی ضروری تھا۔ اگرچہ فی الفور ایسا ممکن نہ تھا مگر وہ جانتا تھا، ساہیہ کی محبت ایسا کر دے گی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ کسی قدر مطمئن نظر آ رہا تھا۔

رات کے کھانے پر چیئر کھینچ کر بیٹھتے ہوئے وہ بہت ملائمت سے مسکرایا تھا۔

فارحہ نے اسے بغور دیکھا تھا اور مسکرا دی تھیں۔

''کچھ مختلف لگ رہے ہو آج۔ کوئی خاص بات؟''

اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

''ممی! آپ وہ واحد نظر رکھتی ہیں جو میرے اندر جھانک لیتی ہے۔''

''ہاں۔ مگر اب مجھے لگ رہا ہے ان دنوں...... '' فارحہ نے بیٹے کو چھیڑا تھا۔ اذہان مسکرا دیا تھا۔

''مجھے معلوم تھا آپ جان چکی ہیں۔''

فارحہ نے مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''نہیں ـــــ میں کچھ بھی نہیں جانتی۔ تم بتاؤ نا، معاملہ کیا ہے؟ ـــــ کوئی نیا کاروباری معاہدہ کیا ہے یا کچھ اور؟''

اذہان ہنس دیا تھا۔

''ممی! آپ بھی نا ـــــ لڑکی دیکھ لی ہے میں نے آپ کی بہو بنانے کے لئے۔''

''اچھا ـــــ کون ہے وہ؟'' فارحہ مسکرائی تھیں۔

''آپ کی پسند، ساہیہ خان۔ اور کون۔'' اذہان نے مسکراتے ہوئے جیسے ہتھیار ڈالے تھے۔

فارحہ مسکرا دی تھیں۔

''تو بالآخر کسی فیصلے پر پہنچ گئے تم۔''

''ہاں ـــــ میں نے سوچا، اور مجھے لگا، واقعی ساہیہ وہ لڑکی ہے جو مجھے جھیل سکتی ہے۔ جو مجھے ایک اچھی زندگی دے سکتی ہے۔'' وہ مسکرایا تھا۔ ''اس کی رفاقت مجھے ایک نیا احساس دلا سکتی ہے۔''

''یعنی اب میں تمہارا رشتہ باضابطہ لے کر ساہیہ کے گھر جا سکتی ہوں؟'' فارحہ نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ اذہان حسن بخاری نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''ہاں! ـــــ یہ باقی سب لوگ نظر نہیں آ رہے ـــــ بابا، چاچو؟''

''فیض تو خیر تھکا ہوا ہے، اپنے کمرے میں آرام کر رہا ہے۔ بابا پڑھ رہی ہے۔'' بابا کے نام پر فارحہ کا چہرہ کسی قدر بجھ کر رہ گیا تھا۔

''کیوں، کیا ہوا؟ آپ اس طرح پریشان کیوں ہو گئیں؟ ـــــ کوئی پریشانی؟'' اذہان نے دریافت کیا تھا۔

فارحہ فوری طور پر کوئی جواب نہیں دے سکی تھیں۔ اور اذہان سمجھ گیا تھا کہ کوئی بات ضرور ہے۔

''ممی! آپ پھر مجھ سے کچھ چھپا رہی ہیں۔'' جانچتی نظروں سے ماں کو دیکھا تھا۔

''نہیں ـــــ ایسی کوئی بات نہیں۔ وہ دراصل ـــــ تمہارے پاپا ـــــ ایک رشتہ بابا کے لئے لائے تھے۔ تم کچھ دنوں سے یوں بھی پریشان تھے کہ میں نے تمہیں پریشان کرنا ضروری خیال نہیں کیا۔''

''رشتہ ـــــ کیسا رشتہ؟ ـــــ آپ نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟ کون ہے؟ ـــــ کیا کرتا ہے؟'' اذہان نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا تھا۔

''تمہارے پاپا کے کوئی جاننے والے ہیں۔'' فارحہ نے دانستہ چھپایا تھا۔

''جاننے والے؟ ـــــ پاپا کے ایسے کون سے جاننے والے ہیں جن کے متعلق میں نہیں جانتا؟ آپ بتایئے، آپ کو ضرور علم ہوگا۔ آپ نے بتایا نہیں لڑکا کیا کرتا ہے؟''

''سعد بتا رہے تھے، اپنا کوئی چھوٹا موٹا کاروبار شروع کرنے والا ہے ـــــ اُن کی دوسری بیوی کا کوئی رشتہ دار ہے ـــــ''

''کیا ___؟'' اذہان حسن بخاری کو جیسے جھٹکا لگا تھا۔ ''پاپا ایسا کر رہے ہیں؟ ___ اتنا کچھ گھر ہو رہا ہے اور آپ نے مجھے بتایا تک نہیں۔ اور پاپا ___ پاپا ایسا کر بھی کیسے سکتے ہیں؟ ___ ان کو ابھی اپنی غلطی کا احساس نہیں کہ ایک بار ماہا کی زندگی ان کی وجہ سے خراب ہو چکی ہے۔ ان کی وجہ سے کسی کی بیٹی کی شادی ہوتے ہوتے رہ گئی اور انہیں ذرا بھی احساس نہیں ___ وہ اس حد تک جا سکتے ہیں، اس کا اندازہ نہ تھا۔ اور آپ ___ ممی! آپ پھر خاموشی کے ساتھ سب ہونے دیئے جا رہی ہیں۔ کتنی کمزور واقع ہوئی ہیں۔ پاپا آخر چاہتے کیا ہیں؟ ___ جب اپنی زندگی، اپنی دنیا الگ بسا لی ہے تو دوسروں کو ان کے حال پر کیوں نہیں چھوڑ دیتے؟ ___ ہماری زندگی میں مسلسل دخل اندازی کیوں کر رہے ہیں؟ ___ پہلے میرے اور ساہیہ کے رشتے کو لے کر اور اب ماہا......'' اذہان نے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔ ''وہ کیوں چاہتے ہیں کہ اس گھر میں، اس گھر کے لوگ صرف انہی کے حکم پر چلیں۔''

''اذہان! وہ تمہارے پاپا ہیں۔ یہ مت بھولو تم۔'' فارحہ نے ڈپٹا تھا۔

''نہیں بھول رہا ہوں ___ یہی بات تو نہیں بھول سکتا کہ وہ میرے پاپا ہیں۔ مگر وہ جو کر رہے ہیں وہ ٹھیک نہیں ہے۔ کم از کم اس بار میں ماہا کو کوئی قربانی نہیں دینے دوں گا۔'' وہ اٹھا تھا اور چلتا ہوا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔ فارحہ چپ چاپ بیٹھی اس کو جاتا دیکھتی رہ گئی تھیں۔

❁ ❁ ❁

عفنان علی خان کا ذہن اب تک سلگ رہا تھا۔

رات اس نے دوسرے کمرے میں بسر کی تھی۔ صبح جب اٹھ کر وہاں سے نکل رہا تھا، ممی نے آلیا۔ دریافت کچھ نہیں کیا تھا مگر عفنان علی خان کسی مجرم کے سے انداز میں چہرے کا رخ پھیر گیا تھا۔

''انابیہ بہت مضطرب تھی ___ اس لئے میں......''

فاطمہ بیٹے کی ٹوٹی پھوٹی، شکستہ سی وضاحت پر مسکرا دی تھیں۔ پھر آگے بڑھ کر اس کے چہرے کو ہاتھوں میں لے کر محبت سے دیکھا تھا۔

''بیٹا! تم اب اس ڈگر پر ہو جہاں اپنی زندگی کو بہت بہتر طریقے سے خود آپ سنبھال سکتے ہو۔ شادی ایک ذمے داری ہوتی ہے جسے تم اٹھا چکے ہو۔ اور مجھے امید ہے تم اب کسی گام پر نہ چوکو گے۔'' فاطمہ نے بیٹے کے چہرے کو تھپتھپاتے ہوئے مسکرا دی تھیں۔

''اپنے کمرے میں جاؤ اور جا کر تیار ہو جاؤ۔ آج شام تم لوگوں کے ولیمہ کی دعوت رکھی گئی ہے۔ انابیہ کو بھی بتا دینا۔ اسے سہ پہر میں ہی بیوٹی سیلون جانا ہوگا۔ وہیں سے گاڑی اسے لے کر ہوٹل لے جائے گی۔ جہاں ولیمہ ہے۔ میں عریشہ کو اس کے ساتھ بھجوا دوں گی۔'' فاطمہ نے اطلاع دی تھی۔

عفنان علی خان سر ہلاتے ہوئے وہاں سے چل پڑا تھا۔ کمرے کا دروازہ مقفل نہیں تھا مگر اسکے باوجود وہ کھولتے ہوئے لمحہ بھر کو ہچکچایا ضرور تھا۔

اگرچہ یہ اس کا اپنا کمرہ تھا۔ کتنے شب و روز اس نے اس کمرے میں پورے بھرپور استحقاق کے ساتھ بسر کیے تھے۔ مگر آج اس پر کوئی اور قابض تھا۔ کمرے کی مدھم روشنی میں دھیان، اس خواب بسر ہو

چہرے پر گیا تھا۔

سرخ رنگ عروسی لباس میں وہ بے خبر سوئی ہوئی بہت بھلی لگ رہی تھی۔ عفنان علی خان کے قدم بے ارادہ اس کی سمت بڑھے تھے۔ پاس جا کر رک کر بغور اس چہرے کو دیکھتے ہوئے ہاتھ اس کے چہرے کی سمت بڑھایا تھا۔ مگر پھر یکدم ہی ارادہ ملتوی کرتے ہوئے بڑھا ہوا ہاتھ واپس کھینچ لیا تھا۔ لمحہ بھر کو اسی طرح کھڑا رہا تھا پھر کمبل بہت آہستگی سے اٹھا کر اس پر ڈال دیا تھا اور پلٹ کر واش روم کی سمت بڑھ گیا تھا۔

انابیہ شاہ نے واش روم کے بند ہوتے دروازے کی آواز سنی تھی اور بہت آہستگی سے آنکھیں کھول دی تھیں۔ آنکھیں ایک لمحے میں جلنے لگی تھیں۔

''میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی عفنان! ___ تم نے جو کیا ہے تمہیں اس کی سزا بھگتنی ہی ہو گی۔ میں لامعہ حق کے ساتھ کی جانے والی ناانصافی کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔ اور مجھے اپنانے کے لئے تم نے جو راہ اختیار کی، اس پر میں تمہیں تب تک سزا دیتی رہوں گی جب تک میں اس گھر میں تمہارے ساتھ رہوں گی۔ تم نہیں جانتے، تم نے مجھے اپنا کر اپنے لئے خود اپنی سزا تجویز کی ہے۔ میں تمہاری زندگی جہنم بنا دوں گی کہ تم خود مجھ سے چھٹکارا پانا چاہو گے۔ مگر تب میں تمہیں نہیں چھوڑوں گی ___ بہت جلد تمہیں اپنے کیے کا احساس ہو جائے گا۔ لامعہ حق کی قربانی، اس کے آنسو، مجھے تب تک چین سے جینے نہیں دیں گے جب تک میں تمہیں ایک عذاب میں مبتلا نہ کر دوں۔ اور تم دیکھنا، ایسا ہی ہو گا۔ تمہیں احساس ہو گا کہ کسی معصوم دل سے، کسی زندگی سے کھیلنا آسان نہیں۔ تمہارے ساتھ رہ کر میں تمہارا دل قدم قدم پر توڑوں گی ___ تمہیں اتنے گھاؤ دوں گی کہ تم تڑپو گے۔ اور تم جتنا تڑپو گے مجھے اتنی ہی راحت ملے گی۔ بہت بڑے کھلاڑی بنے چلے تھے نا تم۔ بہت بڑا جال بنا تھا تم نے۔ مگر جلد ہی خود مان جاؤ گے کہ وہ جال نہیں تم نے اپنے لئے عذاب مول لیا ہے۔ انابیہ تمہیں چین سے جینے نہیں دے گی۔ جیت اور فتح مندی کے کسی نشے میں اگر چور بھی ہو تو بہت جلد یہ نشہ ہرن ہو جائے گا۔ کیونکہ مجھے پا کر تم جیتے ہرگز نہیں ہو۔ ہار گئے ہو ___ اور اب ہمیشہ ہارو گے ہی۔ اب میں تمہیں جیتنے نہیں دوں گی ___ لامعہ کے آنسو ___ اس کی سسکیاں ___ اس کی آہیں ___ سب میرے اندر پڑاؤ ڈالے بیٹھی ہیں۔ اور یہ تب تک بیٹھی رہیں گی جب تک کہ میں ان کا کوئی حساب چکا نہ دوں۔ تمہیں اپنے کیے کا خمیازہ بھگتنا ہو گا عفنان علی خان! ایسا ضرور ہو گا۔''

وہ کمبل ہٹا کر اٹھی تھی، جب واش روم کا دروازہ کھلا تھا اور عفنان علی خان باہر نکلا تھا۔ اُسے جاگتا دیکھ کر لمحہ بھر کو ٹھٹکا تھا، پھر تولیے سے بال رگڑتا ہوا ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آن رکا تھا۔ انابیہ اس کی سمت سے رخ پھیر کر بالکل اجنبی بن گئی تھی۔ عفنان علی خان نے اس کے عکس کو آئینے میں دیکھا تھا پھر بنا کسی تمہید کے گویا ہوا تھا۔

''ممی نے بتایا ہے شام میں ولیمہ کے سلسلے میں ہوٹل میں دعوت ہے۔ تمہیں سہ پہر میں ہی عریشہ کے ساتھ بیوٹی سیلون جانا ہو گا۔''

''اس سب کی کیا ضرورت ہے جبکہ ہم میں کوئی رشتہ ہی نہیں؟'' انابیہ نے اسی طرح رخ پھیرے کہا

تھا۔ عفنان علی خان نے مڑ کر اس کی طرف بغور دیکھا تھا۔

یہ تھی وہ لڑکی ـــــ جس سے اس کے خیال آباد تھے ـــــ دل آباد تھا۔ اور اس نے ایک غلطی کر دی تھی۔ اس کے ساتھ اپنا گھر بسانے کا خواب بھی دیکھ لیا تھا۔ مگر یہ خواب پورا ہو کر بھی جیسے پورا تھا۔ وہ آج اس کے ساتھ تھی۔ ہمراہ تھی۔ مگر یہ سب ہو کر بھی جیسے کچھ نہ تھا۔ سارے خواب جل گئے اور سارا منظر دھواں دھواں تھا۔

''رشتہ ہوتا کبھی نہیں ہے ـــــ رشتہ بنانا پڑتا ہے۔ مگر تم شاید اس بات سے ناواقف ہو۔ بچ باتوں کی طرح تم کبھی یہ بات بھی سمجھ نہیں پاؤ گی۔'' عفنان علی خان کا لہجہ پُر افسوس تھا۔

''ایسی بات کہتا ہوا وہ شخص اچھا نہیں لگتا جو خود انجان نہ ہو۔ رشتے بہت خالص ہوتے ہیں اور خالص چیزوں کے بارے میں ہی لوگ باتیں کرتے اچھے لگتے ہیں جو خود بھی اسی قدر خالص ہوں۔ بے ایمانی اور دھوکے بازیوں پر رشتے قائم کرنے والے صرف جھوٹے ہوتے ہیں۔ اور جھوٹے لوگ حق اور سچ کی بات کرنے کا بھی کوئی حق نہیں رکھتے۔''

انابیہ شاہ کا لہجہ زہر خند تھا۔

عفنان علی خان جواباً اُسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

''میرا آج کسی بھی طرح کی تقریب میں شرکت کرنے کا موڈ نہیں ہے ـــــ بہت تھک چکی ہوں۔ آرام کروں گی۔ ولیمہ ملتوی کر دو۔'' انابیہ کا لہجہ ہٹ دھرمی لئے ہوئے تھا۔

''کیا؟'' عفنان علی خان حیران رہ گیا تھا۔ ''تم جانتی ہو تم کیا کہہ رہی ہو؟''

''ہاں ـــــ'' انابیہ کا لہجہ مطمئن اور پُر اعتماد تھا۔ ''جب کوئی رشتہ ہے ہی نہیں تو میں یہ دکھاوا کیوں کروں؟''

''دکھاوے؟'' عفنان علی خان کا لہجہ بے یقینی لئے ہوئے تھا۔ جیسے اُسے یقین نہیں ہو رہا تھا کہ وہ اس حد تک بھی جا سکتی ہے۔

''تم انہیں دکھاوے کہتی ہو؟ ـــــ یہ رشتوں کا احساس ہے۔ یہ رسمیں ہی تو ہیں جو دلوں کو دلوں سے باندھتی ہیں۔ مگر میں یہ سب باتیں تمہیں کیوں بتا رہا ہوں جبکہ تمہیں اس سے کوئی فرق ہی نہیں پڑتا۔'' عفنان علی خان نے کسی قدر افسوس سے سر نفی میں ہلایا تھا۔

انابیہ مسکرا دی تھی۔ جیسے وہ اس شخص کو چڑانا چاہتی تھی۔

''تمہارا ایک مسئلہ ہے عفنان! ـــــ تم بہت جذباتی واقع ہوئے ہو۔ مردوں کو اس درجہ جذباتی نہیں ہونا چاہئے۔ اس میں صرف لڑکیاں اچھی لگتی ہیں۔ اگر دماغ سے کام لیتے تو آج شاید صورت حال تمہارے حق میں ہوتی۔'' انداز عجب تپانے والا تھا۔ اور عفنان علی خان جیسا ٹھنڈا مزاج شخص انتہائی جارحانہ انداز میں اس کی سمت بڑھا تھا اور اسے شانوں سے تھام کر جھنجوڑ ڈالا تھا۔

''عفنان علی خان کو اتنا کمزور مت جانو۔ اگر میں چپ ہوں، کچھ جھیل رہا ہوں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں اتنا کمزور ہوں۔ یہ میری ناکامی، یہ میری کمزوری صرف جز وقتی ہے۔ مصلحت ہے۔'' انابیہ کے چہرے کو بغور گھورتے ہوئے وہ انتہائی سخت لہجے میں بولا تھا۔ مگر انابیہ مسکرا دی تھی۔

''اپنی کمزوریوں کو دبانے کی عادت ہو چکی ہے تمہاری۔ کبھی کسی خول تلے، کبھی کسی خول تلے۔ سچ تو یہ ہے عفنان علی خان! کہ تم مصلحتوں کے عادی ہوتے جا رہے ہو۔ کیونکہ تمہارے پاس اور کوئی چارہ نہیں۔ جو صورت حال کو اپنے بس میں نہ کر پائیں، وہ جھنجھلا کر یونہی تاویلیں تلاشتے ہیں۔ بودے اور غیر مؤثر جواز ڈھونڈتے ہیں تاکہ اپنی ذات کی قلعی نہ کھل جائے اور بات کسی قدر بنی رہے۔'' انابیہ شاہ درشت لہجے میں ایک ایک لفظ پر زور دیتی ہوئی بولی تھی۔

عفنان علی خان کا ہاتھ اٹھا تھا مگر جانے کیوں ہوا میں ہی معلق رہ گیا تھا۔ اُس نے انتہائی جارحانہ انداز میں سرخ آنکھوں کے ساتھ اس کی سمت دیکھتے ہوئے اٹھا ہوا ہاتھ پیچھے ہٹایا تھا اور اسے ایک جھٹکے سے چھوڑتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

انابیہ خاموشی سے دروازے کی طرف دیکھتی رہ گئی تھی۔ پھر مسکرا دی تھی۔

''یہ پہلا دن ہے ـــــ آج کے دن کی ابتداء کے لئے یہ کافی ہے۔ شام ہو گی تو پھر سوچیں گے، کیا رہا کیا نقصان ـــــ کیا سود رہا، کیا خسارہ۔ مگر آج کی شروعات اچھی رہی۔ بیسٹ آف لک مسٹر عفنان علی خان! اگرچہ آپ کا برا وقت شروع ہو چکا ہے۔'' ایک شدید ترین کیفیت کے ساتھ لب بھینچ کر وہ اٹھی تھی اور واش روم میں گھس گئی تھی۔

❁❁❁

موسم اچانک ہی بدلا تھا۔

شدید ترین بارش ہو رہی تھی۔ جب اذہان حسن بخاری کا فون بجا تھا۔ وہ گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔

''جی ممی؟''

''اذہان! ـــــ وہ ماہا ـــــ ماہا گھر پر نہیں ہے۔''

''گھر پر نہیں ہے؟ ـــــ کہاں گئی؟'' اذہان کے لئے خبر جیسے دھماکا تھی۔

''مجھے نہیں پتہ۔ شام تک اپنے کمرے میں تھی۔ فیض اُس کے پاس تھا۔ دونوں کتنی دیر بیٹھے باتیں کرتے رہے تھے۔ میں مطمئن ہو کر کچن کی طرف آ گئی تھی مگر دوبارہ جھانک کر اس کے کمرے میں دیکھا تو وہ وہاں نہیں تھی۔''

''فیض چاچو کہاں ہیں؟ ـــــ ان کو ماہا کے متعلق کچھ پتہ ہے؟'' اذہان نے دریافت کیا تھا۔

''نہیں۔ وہ تو ہسپتال کے لئے نکل گیا تھا شام کی چائے کے بعد ہی۔ ابھی فون کیا ہے، وہ بھی واپس آ رہا ہے۔ مجھ میں نہیں آ رہا، آخر وہ جا کہاں سکتی ہے؟ ـــــ اذہان! ماہا کو کچھ نہیں ہونا چاہئے۔ تم جانتے ہو تم دونوں مجھے کس قدر عزیز ہو۔'' فارحہ دوسری طرف رونے لگی تھیں۔ اذہان کے لئے صورت حال کو سنبھالنا دشوار ہو گیا تھا۔

''ممی! آپ فکر نہ کریں۔ میں دیکھتا ہوں۔ وہ کہیں نہیں جا سکتی۔ میری بہن ہے وہ ـــــ میں آ رہا ہوں۔ آپ خدارا حوصلہ رکھیں۔ اور فیض چاچو آ جائیں تو مجھے اطلاع دیں۔ میں راستے میں ہوں۔

جن جگہوں کے بارے میں مجھے معلوم ہے، وہاں دیکھتا ہوں۔ آپ بھی ماہا کی دوستوں کے گھر فون کر
جیسی صورت حال چل رہی تھی، اسے لے کر ایسا تو ہونا ہی تھا۔ آخر عاجز آ گئی تھی نا وہ ــــ پاپا کو بھ
کر دیجئے۔ شاید اب انہیں کچھ خیال آ جائے اور ان کی آنکھیں کھل جائیں۔'' اذہان کو روہ کر سعد
بخاری پر غصہ آ رہا تھا۔ آخر سب کیا دھرا انہی کا تو تھا ــــ ماہا گھر چھوڑ کر یونہی تو کہیں نہیں چلی گئی تھی

''بے وقوف لڑکی ــــ مجھ سے بات نہیں کر سکتی تھی۔ بھائی کے ہوتے ہوئے، ایسے بے وقو
اقدام۔'' اسٹیئرنگ پر ہاتھ مارتے ہوئے وہ کسی قدر جھنجلایا تھا۔ ماہا نے یقیناً غلط کیا تھا۔ مگر وہ اب
پریشان ہو چکا تھا۔

زندگی میں پے در پے پریشانیاں اور صرف مسائل تھے۔ چین کی کوئی گھڑی اب تک نہیں آئی تھی۔
نے ڈرائیو کرتے ہوئے ساہیہ کا نمبر ملایا تھا۔

''ساہیہ! ماہا گھر چھوڑ کر کہیں چلی گئی ہے ــــ تم اگینے کے ساتھ گھر چلی جاؤ۔ ممی پریشان ہیر
خدارا ان کی ہمت بندھاؤ۔ مجھے پتہ ہے ماہا کہاں گئی ہو گی۔''

''مگر ماہا نے گھر چھوڑا کیوں؟ ــــ ہوا کیا ہے؟'' ساہیہ نے کسی قدر تشویش سے دریافت کیا تھ

''بہت لمبی کہانی ہے یہ۔ اس وقت سنانا ممکن نہیں ہے۔ مگر بس یہ سمجھ لو، یہ اسی واقعے کی ایک کڑی
جس کے تحت ماہا کو پہلے بھی نشانہ بنایا جا چکا ہے۔ ہمارے والد صاحب ــــ انہیں صرف اپنا مفاد
ہے ــــ نہ اولاد عزیز ہے نہ گھر بار ــــ عجیب شخص ہیں ــــ پتہ نہیں کب سمجھیں گے۔'' اذہا
انداز جھنجلایا ہوا تھا۔

''تم پریشان مت ہو ــــ میں اگینے پھپھو کے ساتھ ابھی نکل جاتی ہوں۔ پریشان مت ہو،
ٹھیک ہو جائے گا۔ اللہ بہتر ہی کرے گا۔ بس تم پریشان مت ہو۔'' ساہیہ نے اس کا حوصلہ بندھایا تھا۔

''شکریہ۔''

''اپنا خیال رکھنا ــــ موسم ٹھیک نہیں ہے۔ گھر کی فکر مت کرنا۔ میں سب سنبھال لوں گی۔'' س
نے فکرمندی سے کہا تھا۔ اذہان شدید ترین ذہنی دباؤ میں تھا۔

''بہتر۔'' کہہ کر فون کا سلسلہ منقطع کر دیا تھا اور پوری توجہ ڈرائیونگ پر مبذول کر دی تھی۔ ذہن
الجھ رہا تھا۔ وہ پھر ایک گرداب میں تھا۔

❄❄❄

نیویارک سے پاپا کا فون تھا۔ حسب معمول وہ انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''آپ سب کب واپس آئیں گے؟ ــــ میں بہت تنہا محسوس کر رہی ہوں۔'' میرب نے آنس
کے درمیان کہا تھا۔

''تم فکر مت کرو ــــ ہم جلد آ جائیں گے۔ بس تمہارے پاپا کے کچھ ٹیسٹ مزید ہو جائیں۔
ڈاکٹرز مطمئن ہو جاتے ہیں تو ہم واپس آ جائیں گے۔ اگر تم زیادہ اداس ہو تو کچھ دن کے لئے چلی آ
زوباریہ نے کہا تھا۔

وہ سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

''نہیں ــــ پہلے ہی پڑھائی کا بہت حرج ہو چکا ہے۔ بس آپ پاپا کا خیال رکھیں۔''

''اور تم اپنا۔'' زوباریہ نے اسے تاکید کی تھی۔

''ہاں، میں رکھوں گی ــــ مگر سچ کہوں ــــ آپ سب کے بغیر یہاں کچھ اچھا نہیں لگ رہا۔''
ضبط ہار رہی تھی۔ دل بھر بھر آ رہا تھا۔

''ارے گین کے ہوتے ہوئے بھی؟'' زوباریہ نے چھیڑا تھا۔ مگر میرب اس کے باوجود نہیں مسکرائی
تھی۔ فون رکھ کر اپنے کمرے کی طرف جانے کو آگے بڑھی تھی جب اپنے پیچھے کچھ دبی دبی آوازیں سنائی
دی تھیں۔

وہ چونک کر مڑی تھی۔ اندھیرے میں کچھ فاصلے پر کوئی تھا۔ باتوں کے دبے دبے انداز بتا رہے تھے
کوئی اسرار ہے ــــ میرب سیال دو قدم آگے بڑھی تھی۔ لاؤنج کی مدھم روشنی میں منظر کسی قدر واضح
ہوئے تھے۔

گی، سردار سبکتگین حیدر لغاری کے بہت قریب کھڑی تھی۔ اس کی آنکھیں تیزی سے بھیگ رہی تھیں
وہ کچھ کہہ رہی تھی۔ فاصلہ کچھ زیادہ تھا، لفظ سمجھ میں نہیں آ رہے تھے۔ میرب دبے قدموں کچھ اور آگے
بڑھی اور ستون کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

''گین! ــــ میں کیسے اس پریشانی سے نکلوں؟ ــــ میرے لئے تنہا ان مراحل سے گزرنا بہت
دشوار ہے۔ ایک تنہا، اکیلی عورت یہ سب نہیں سہہ سکتی۔ تم سمجھ کیوں نہیں رہے ہو؟ ــــ بغیر شادی کے
ماں بننا اور اس کے بعد کی پیچیدگیاں سہنا آسان نہیں ہے۔ میں اس وجود کو دنیا میں لانا چاہتی ہوں، مگر
مکمل تحفظ بھرے احساس کے ساتھ۔ کیا یہ اتنا ہی مشکل خواب ہے کہ جو پورا نہیں ہو سکتا؟ ــــ کیا
چاہ رہی ہوں میں؟ ــــ کیا غلط سوچ رہی ہوں؟ ــــ ہر ماں یہی تو چاہتی ہے کہ اس کا بچہ ایک
پورا اعتماد کے ساتھ سر اٹھا کر جئے، دنیا کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلے تو اسے کوئی شرمندگی نہ ہو۔ یہ
غلط ہے کیا اگر میں اپنے بچے کے نام کے ساتھ...... تاکہ وہ بھرپور اعتماد کے ساتھ سر اٹھا کر جئے۔ دنیا
ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلے تو اسے کوئی شرمندگی نہ ہو۔ میں اپنے بچے کے نام کے ساتھ ایک بھرپور
دیا ہوا نام بھی جڑا دیکھنا چاہتی ہوں۔ کیا یہ خواہش اتنی ہی عجیب ہے کہ پوری نہ ہو سکے؟''

آوازیں بے حد واضح تھیں اور میرب سیال کو لگا تھا اس کے قدموں تلے سے زمین نکل گئی ہو۔ گی جو
رہی تھی، وہ ایک کہانی تھی اور اس کہانی کا سرا صرف گی سے ہی نہیں ملتا تھا، اس کا دوسرا سرا یقیناً سردار
سبکتگین حیدر لغاری سے جڑتا تھا۔ تبھی تو وہ اس وقت رات کی تاریکی میں اس کے اتنے قریب کھڑی مدعا
کر رہی تھی۔

میرب سیال کی آنکھیں حیرت سے کھلی ہوئی تھیں۔ جیسے وہ یقین کر لینا چاہتی تھی کہ جو اس نے سنا وہ
طرح سے غلط تھا یا پھر اس کی سماعتوں کا دھوکا تھا، یا پھر جو اس کی آنکھیں دیکھ رہی تھیں وہی کوئی
تھا۔

"گین!— بتاؤ مجھے، کیا کروں میں؟— میں اس بچے کا گلا دنیا میں آنے سے قبل ہرگز گھونٹ سکتی۔ میں اتنی ظالم نہیں ہوں۔ مگر میں اتنی بہادر بھی نہیں ہوں کہ تن تنہا اس کی ساری ذمے داری اٹھا لوں۔ جس طرح کی بے تحفظ زندگی میں نے بسر کی، میں نہیں چاہوں گی کہ میرا بچہ بھی ویسے ہی جیئے۔ میں اس کے لئے ایک الگ دنیا بنانا چاہتی ہوں۔ وہ دنیا جو میری زندگی اور میری دنیا سے مختلف ہو۔ بولو گین!— یہ کیسے ممکن ہو سکے گا؟— تم چپ کیوں کھڑے ہو؟— کچھ بولتے کیوں نہیں؟ کیا میں سمجھوں کہ واقعی میں اس کھلے آسمان تلے تن تنہا کھڑی ہوں اور میرے ساتھ کوئی نہیں؟"

"جذباتی مت ہو— سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم بچے کی پیدائش تک یہیں میرے پاس رہو۔ کچھ کوشش کرتا ہوں۔ تب تک کوئی نہ کوئی حل ضرور نکل آئے گا۔ تم رو نہیں— سب ٹھیک ہو گا۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی خواب ناک آنکھوں سے گرتے گرم گرم اشک چنتے ہوئے مضبوط لہجے میں تسلی دی تھی۔

میرب سیال کا دل جیسے ایک لمحے کو دھڑکنا بھول گیا تھا۔ وہ ساکت سی کھڑی تھی۔

"گین! تم جتنا آسان لے رہے ہو معاملہ اتنا آسان نہیں ہے۔ تم سمجھ کیوں نہیں رہے ہو؟"

"ہاں جانو! فی الحال میرے لئے یہ تھوڑا مشکل ہے۔ مگر میں تمہیں اس بات کی تسلی دیتا ہوں کہ جلد صورت حال بس میں ہو جائے گی۔ تب تک تو تم یہاں میرے پاس رہ سکتی ہو نا۔ بغیر کسی ڈر اور خوف کے۔" گین اس کی آنکھیں پونچھتے ہوئے مسکرایا تھا۔ غالباً وہ گی کا موڈ بحال کرنا چاہ رہا تھا۔ مگر گی نہیں مسکرائی تھی۔

"اچھا بتاؤ— بچے کا نام کیا رکھو گی؟" دھیان پھیرا تھا۔

"پتہ نہیں۔ بچے کا نام تو باپ رکھتا ہے۔ اور تم........" گی نے الجھن سے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔ اس بات کی فکر کرنے کی بھی فی الحال ضرورت نہیں۔ ابھی تو اس ہے۔ تم خواہ مخواہ کی فکریں مول مت لو جانو! تمہیں اپنا بہت زیادہ خیال رکھنے کی ضرورت ہے۔"

"ہاں— مگر تم—" گی کے آنسو پھر تواتر سے بہنے لگے تھے۔

"اپنی دوا لی تم نے؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بھرپور توجہ سے دریافت کیا تھا۔ گی نے سر نفی میں ہلایا تھا۔

"میں نے اس ملک کی سب سے بہترین گائنی سے بات کر لی ہے۔ کل تمہارا چیک اپ ہے۔ میرے پاس وقت نہ ہو۔ تم ڈرائیور کے ساتھ ضرور چلی جانا۔" انداز خیال رکھنے والا تھا۔ میرب نے اس سے قبل سردار سبکتگین حیدر لغاری کا یہ روپ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ گی کے لئے اور اس دنیا میں آنے والے بچے کے لئے انتہائی پریشان ہو رہا تھا۔

میرب سیال کی دنیا ایک پل میں گھومی تھی۔ وہ اسی طرح ساکت سی کھڑی تھی جب گی کی نظر پڑی تھی۔ اس نے سردار سبکتگین حیدر لغاری کی طرف اشارہ کیا تھا۔ اس نے رخ پھیر کر دیکھا تھا۔ میرب سیال کو کچھ فاصلے پر کھڑا پا کر چونک گیا تھا۔

میرب سیال نے اپنی سمندر رنگ آنکھوں سے اس شخص کی سمت دیکھا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے مڑ کر اس کی سمت ابھی پیش قدمی کی ہی تھی کہ وہ سرعت سے مڑی تھی اور تیزی سے چلتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف آ گئی تھی۔ بند دروازے سے لگ کر وہ کتنی دیر تک سر اٹھائے چپ چاپ چھت کو گھورتی رہی تھی۔ پھر وہیں بیٹھتی ہوئی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے دروازہ بجایا تھا۔

"میرب!— میرب!" دو چار آوازیں بھی دی تھیں مگر میرب نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ شاید مایوس ہو کر سردار سبکتگین حیدر لغاری واپس پلٹ گیا تھا۔

میرب کی سسکیاں تا دیر کمرے میں گونجتی رہی تھیں۔ جانے کتنی دیر تک وہ اسی طرح بیٹھی روتی رہی تھی۔ پھر یکدم اٹھی تھی اور اپنا تمام ضروری سامان نکال کر ایک سوٹ کیس میں بھرا تھا اور تیزی سے بھیگتی ہوئی آنکھیں سختی سے ہاتھ کی پشت سے رگڑتی ہوئی وہ سوٹ کیس اٹھائے باہر نکل آئی تھی۔ مگر عین سامنے سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کا منتظر تھا۔

"کیا تماشہ ہے یہ؟— کیا ہوا ہے؟— یہ کیا کر رہی ہو تم؟— یہ سوٹ کیس— یہ— یہ سب کیا ہے؟"

مگر میرب سیال کچھ نہیں بولی تھی۔ چپ چاپ اس کے قریب سے گزر کر آگے بڑھ جانا چاہتی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے سوٹ کیس اس کے ہاتھ سے چھین کر دور دھکیل دیا تھا۔ میرب نے تب اکیلے ہی آگے بڑھنے کی ٹھانی تھی۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے سختی سے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ میرب سیال مڑی تھی اور اپنے نازک ہاتھوں کے کتنے ہی مکے اس کے سینے پر برسا دیے تھے۔

کتنے ہی مکے برساتے ہوئے وہ چیخے جا رہی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے نازک سے ہاتھوں کو بجائے روکنے کے اس کے نازک سے وجود کو اپنے مضبوط آہنی بازوؤں کے حصار میں سمیٹ لیا تھا۔ میرب سیال دھواں دھار ہو رہی تھی۔

"چھوڑ دو مجھے— چھوڑ دو۔" میرب سیال نے اس کے آہنی حصار سے خود کو ایک جھٹکے سے آزاد کرا لیا تھا۔

"تم یہاں سے نہیں جا سکتی ہو۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے سختی سے حکم صادر کیا تھا۔

"کون— کون روکے گا مجھے، تم؟ کون لگتے ہو تم میرے؟— کیا رشتہ ہے میرا تم سے؟ صرف ایک کاغذی رشتہ۔ اس کے سوا کیا حیثیت ہے میری؟— یہ تم بھی جانتے ہو اور میں بھی۔ بہت سفر کر لیا میں نے۔ اب میں اور مزید نہیں......."

"میرب! تم میری بات سنو۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے شانوں سے پکڑ کر جھنجھوڑا تھا۔

"کچھ نہیں سننا چاہتی میں۔ خدارا تم میری راہ چھوڑ دو۔ ورنہ— ورنہ میں کچھ کر بیٹھوں گی۔" میرب جیسے ہوش و حواس میں نہ تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کا ہاتھ تھام کر اپنی طرف کھینچتے ہوئے کسی قدر خشمگیں نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''مائی کے آنے تک تمہیں یہیں رہنا ہوگا۔ کہیں نہیں جا سکتی تم۔'' سخت لہجے میں کہا تھا۔ میرب جیسے آج کسی بپھری ہوئی شیرنی کی سی ہو رہی تھی۔ عجب طاقت کے ساتھ اسے دھکیلنا چاہا تھا جب سبکتگین حیدر لغاری کا ہاتھ ایک لمحہ میں اٹھا تھا اور اس کے چہرے پر اپنے نشان ثبت کر گیا تھا۔

لمحہ بھر کو چاروں طرف سناٹا چھا گیا تھا۔ میرب سیال نے اسے بے یقینی سے دیکھا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی سمت دیکھتے ہوئے ٹھوس لہجے میں گویا ہوا تھا۔

''میں تم سے صرف ایک بات کہہ رہا ہوں۔ تم کہیں نہیں جا سکتی۔ تم کہیں نہیں جاؤ گی۔ سن لیا؟ ــــــ جانتی ہو، اصولوں کے معاملے میں، میں کس قدر پابند واقع ہوا ہوں۔ مجھے اپنی حکم عدولی قطعاً منظور نہ ہے۔ کہہ دیا، سو کہہ دیا۔ تم کہیں نہیں جاؤ گی۔ نہ اب ــــــ نہ کل ــــــ نہ پرسوں۔ سمجھ گئیں؟ تم نے یہیں رہنا ہے۔ اسی گھر میں، میرے ساتھ ــــــ اپنی چیزوں سے دستبردار ہونے کی عادت نہیں میری۔ اب تک تم دیکھ بھی چکی ہو گی اور سمجھ بھی۔ مجھے نہ کوئی وضاحت دینا ہے نہ ہی کوئی تسلی۔ تم چیخ کر رونا چاہتی ہو تو ایسا بصد شوق کر سکتی ہو۔ میں تمہیں نہ رونے سے منع کروں گا نہ ہی چیخنے چلانے سے۔ مگر تم اس دہلیز سے پار نہیں جا سکتیں۔ اس سے آگے نہیں۔ تم سے میرا کیا رشتہ ہے، یہ بات مجھے بار سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ نہ ہی جتانے کی۔ تم میری بیوی ہو اور ہمیشہ رہو گی۔ اسی طرح میں تمہارا شوہر ہوں اور ہمیشہ رہوں گا۔ نہ تم اس حقیقت کو جھٹلا سکتی ہو نہ ہی فراموش کر سکتی ہو۔ حتیٰ کہ تبدیل بھی نہیں کر سکتیں۔ جو بخت میں درج ہونا تھا، ہو چکا۔ اور ہمارے ہاں بار بار بخت نہیں لکھے جاتے۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری بار بار باتیں دہرانے کا عادی نہیں ہے۔ جتنا عرصہ ساتھ رہی ہو اس میں اتنا تو سمجھ ہی گئی ہو گی۔ مجھے دوبارہ یہ سب کہنے کی ضرورت نہیں پڑنی چاہئے۔ اس گھر کے کچھ قاعدے قانون ہیں۔ انہیں پورا کرو۔ جو صرف تمہارے لئے وضع کئے گئے ہیں۔''

''کیوں ــــــ کیوں کروں میں ایسا؟ ــــــ کس لئے؟ ــــــ تم جیسے شخص کے لئے؟ کتنا بڑا ہو تم ــــــ کیوں پابند کر رہے ہو تم مجھے اپنا؟ ــــــ کس لئے؟'' میرب چیخی تھی۔

''میں نے کہا نا، کوئی وضاحت نہیں۔ تم اس چار دیواری کے اندر جو کرنا چاہتی ہو کر سکتی ہو۔ چیخو چلاؤ، روؤ، جو بھی تمہاری منشا ہے پوری کرو۔ مگر اس گھر سے باہر نکلنا تمہارے لئے ممکن نہیں ہے۔''

''کیوں؟ ــــــ باندی ہوں میں تمہاری؟ ــــــ غلام ہوں یا پھر خریدا ہے تم نے مجھے؟ ــــــ کیوں مانوں میں تمہاری؟ اور کس لئے؟'' وہ آنسوؤں کے درمیان چیخی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت دیکھا تھا اور بہت ملائمت سے مسکرا دیا تھا۔

اس کے چہرے پر اس کے ہاتھ کا نشان اب بھی ثبت تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری ایک لمحہ کو عجب مجرم سے انداز میں آگے بڑھا تھا اور اس کے چہرے کو بغور توجہ سے دیکھتے ہوئے ملائمت سے چھوا تھا۔

میرب سیال آنکھیں میچ گئی تھیں۔

''مجھے خود پر سختی پر مائل مت کیا کرو ہنی! تم ایک بات نہیں جانتی ہو، تم پر جبر کرنا مجھے اچھا نہیں لگتا۔

پچھتاووں میں مبتلا کر دیتی ہو تم مجھے۔ جیسے اب، اس لمحے۔ سمجھتی کیوں نہیں ہو تم مجھے؟ ــــــ کیوں نہیں سمجھتی ہو کہ......'' مدھم لہجے میں کہتے ہوئے جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا اور کسی قدر افسوس سے سر نفی میں ہلانے لگا تھا۔

''نظروں کے سامنے رہتی ہو تو اک آس بندھی رہتی ہے۔ دور چلی جاتی ہو تو اور بھی اجنبی سی لگتی ہو۔ کیوں نہیں سمجھتی ہو تم یہ ساری باتیں؟ ــــــ کیا کیا سمجھاؤں میں تمہیں؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری اُلجھن بھرے انداز میں بولا تھا اور پھر اسے وہیں چھوڑ کر وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔

میرب سیال وہیں بیٹھتی چلی گئی تھی۔ آنسو اب بھی متواتر پلکوں سے بہہ رہے تھے۔ بہت غلط جگہ پھنسی تھی وہ۔

فرار کی ساری راہیں مسدود تھیں۔

کوئی بہت بڑا دھوکا تھا یا پھر نظر ہی فریب کھا رہی تھی ــــــ!

مگر اب کسی شبے کی کوئی گنجائش ہی کہاں تھی؟! ــــــ سب کچھ تو صاف شفاف تھا ــــــ اگر عقل یا نظر پر کوئی پردہ تھا بھی تو وہ اب ہٹ چکا تھا اور اس وقت نگاہ جو دیکھ رہی تھی اس میں کسی دھوکے یا فریب کا عنصر باقی ہی نہ تھا۔ جو تھا، سب کچھ سچ تھا۔ نہ کوئی غلط فہمی، نہ ہی کوئی اور تاویل۔

تو کیا اسے عقل کی مان لینی چاہئے تھی؟ ــــــ اعتبار کر لینا چاہئے تھا اس نگاہ پر؟! ــــــ شاید ہاں کہ اس کے علاوہ اب چارہ ہی کیا تھا۔ اور کس خوش فہمی میں رہتی وہ اور کتنے دھوکے کھاتی اور قیاس کرتی کہ سب ٹھیک ہے یا پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔

وہ بہت تھکے ہوئے قدموں سے چلتی ہوئی اپنے کمرے میں واپس آ گئی تھی اور دروازہ بند کر کے بیڈ پر آن گری تھی۔

بعض اوقات کمرے کی باتیں صرف کمرے تک محدود نہیں رہتیں۔ رشتوں میں دراڑ ہو تو خبر سب ہو جاتی ہے۔

عفنان علی خان نے کچھ نہیں کہا تھا۔ اپنے طور پر وہ بات کو سمیٹنا چاہتا تھا۔ صرف اپنے تک محدود رکھنا چاہتا تھا۔ مگر یہ ممکن نہیں تھا اور بات کھل چکی تھی۔ اس کی زندگی کی شروعات کچھ خوشگوار نہ تھی ـــــ ایک بھرم تھا جسے وہ قائم رکھنا چاہتا تھا مگر ایسا شاید ناممکن تھا۔ اس کے لئے اس حقیقت پر پردہ رکھنا بہت دشوار ہو گیا تھا۔ کیونکہ دوسرا فریق مخالفت پر مائل تھا۔ دوسری سمت سے کوئی تعاون نہ تھا اور شاید اسے اس امید رکھنا بھی نہیں چاہئے تھی۔ شاید تبھی اس رویے کی کوئی شکایت اس سے کی بھی نہ تھی۔ مگر انابیہ کو اس بات کی مطلق پرواہ نہیں تھی کہ اس کے باعث کسی کو کن حالات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ درحقیقت وہ چاہتی بھی یہی تھی کہ کوئی ان حالات سے گزرے۔ وہ صرف سزا دینا چاہتی تھی۔ عفنان علی خان نے اس دن کے بعد اس سے کوئی بات کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

ایک بے نام رفاقت تھی ـــــ ایک ان چاہا سفر تھا اور بے نام ونشان راستے تھے۔ اور ان راستوں پر کوئی ساتھ ہو کر بھی ساتھ نہیں تھا۔

اس شام چائے پر پاپا نے اس کے ہاتھ پر سوئٹزرلینڈ کے ٹکٹ پکڑائے تھے اور وہ خاموشی سے ان کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

''جاؤ ـــــ زندگی گزارو بھئی ـــــ اس طرح کیا دیکھ رہے ہو؟ ـــــ تمہارے ہنی مون ٹرپ کے ٹکٹس ہیں یہ۔'' پاپا نے وضاحت کی تھی اور فاطمہ، بیٹے کی طرف دیکھ کر رہ گئی تھیں۔ انابیہ سر جھکائے چائے کے کپ کو دیکھتی رہی تھی۔

''اگر بچے اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتے تو ٹھیک ہے۔ ہمیں خواہ مخواہ اصرار نہیں کرنا چاہئے۔ زندگی کی شروعات کیسے ہونی چاہئے، اس بات کا اندازہ ان کو بھی خوب ہو گا۔ اب یہ اس اسٹیج پر تو یقیناً نہیں ہیں کہ ہم انہیں زندگی کے مفہوم سمجھائیں اور غلط اور صحیح کی تمیز دیں۔'' فاطمہ نے بروقت بول کر جیسے صورتحال کو سنبھالا تھا۔ ''کیوں انابیہ بیٹے! ـــــ ٹھیک کہہ رہی ہوں نا میں؟'' مسکراتے ہوئے انابیہ کی طرف دیکھا تھا۔ انابیہ نے نظر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا تھا اور چیئر گھسیٹ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''انابیہ!'' عفنان کو یہ لمحہ جھیلنا کسی قدر دشوار لگا تھا۔ کچھ بھی تھا، اپنی بے عزتی وہ سہہ سکتا تھا۔ مگر اپنے بزرگوں کے لئے انابیہ کا یہ رویہ اس کے لئے ناقابل برداشت تھا۔

مگر انابیہ نہیں رکی تھی ـــــ چلتی ہوئی وہ کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

عفنان علی خان کی پیشانی پر کئی سلوٹیں ایک ساتھ واضح ہوئی تھیں۔ ایک جھٹکے سے اٹھا تھا وہ مگر فاطمہ نے بیٹے کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا تھا اور مصلحت سے دیکھا تھا۔

''عفنان! ـــــ تمہیں اس کا خیال رکھنا ہے۔ اسے زچ نہیں کرنا ہے۔ جو اس کی مرضی ہے اسے پورا کرو۔ اگر وہ جانا نہیں چاہتی تو کوئی زبردستی کرنے کی ضرورت نہیں ہے ـــــ عفنان! اسے تمہاری توجہ کی ضرورت ہے۔ وہ جس فیز سے باہر آئی ہے اس کے متعلق ہم سب بھی جانتے ہیں اور تم بھی جانتے ہو۔ یہ حقیقت سب پر منکشف ہے اور تمہیں اس پر خفا ہونے کی یا شرمندہ ہونے کی ضرورت بالکل بھی نہیں ہے۔ ہم انابیہ کی کیفیت سمجھ سکتے ہیں اور تم بھی اسے سمجھنے کی کوشش کرو۔ تم اسے نارمل حالات میں، نارمل طریقے سے پرکھنے کی اور برتنے کی کوشش کر رہے ہو۔ جبکہ ایسا بالکل بھی نہیں ہے۔ انابیہ کو تمہاری نرمی اور توجہ کی خصوصی ضرورت ہے۔ سمجھنے کی کوشش کرو۔'' فاطمہ نے نرمی سے کہا تھا اور عفنان علی خان ان کی طرف دیکھ کر رہ گیا تھا۔

''میرا خیال ہے تمہاری ممی ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ تمہیں اس پر خصوصی توجہ دینی چاہئے۔ انابیہ کو واقعی تمہاری بہت ضرورت ہے۔''

اور عفنان علی خان چیخ پڑا تھا۔

''نہیں ہے ـــــ نہیں ہے اسے میری ضرورت ـــــ اسے میری ضرورت بالکل بھی نہیں ہے۔ آپ سب کیوں نہیں سمجھ رہے؟''

ایک جذباتی لمحے کی رو میں بہہ کر وہ چیخا تھا مگر پھر یکدم لب بھینچ کر ملامت بھرے انداز میں پلٹ کر کمرے کی طرف آ گیا تھا۔ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تھا۔ انابیہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی کہیں جانے کی تیاری میں مصروف تھی۔ خود کو آئینے میں دیکھتی ہوئی بھرپور توجہ سے لپ اسٹک لبوں پر پھیر رہی تھی۔ آئینے میں عفنان علی خان کے عکس کو دیکھا بھی تھا تو نظر انداز کر دیا تھا۔ عفنان علی خان کے لئے اس کے رویے کو برداشت کرنا جیسے ناقابل برداشت ہو گیا تھا۔

وہ جارحانہ انداز میں آگے بڑھا تھا اور ایک جھٹکے سے اسے کھینچ کر کھڑا کیا تھا۔ انابیہ شاہ اپنا توازن برقرار نہیں رکھ سکی تھی اور نتیجتاً وہ اس کی بانہوں میں، اس کے حصار میں تھی۔ خوشبو کا ایک جھونکا، ایک بادِ صبا سا وجود اس لمحے عفنان کی دسترس میں تھا ـــــ یہ وہ قربت تھی جس کے متعلق اس نے کبھی سوچا تھا ـــــ یہ وہ خواہش تھی جو اس کے اندر مچلتی رہی تھی ـــــ یہ وہ خواب تھا جو ہمیشہ اس نے دیکھا تھا۔

مگر اس گھڑی، اس لمحے میں جیسے سب کچھ ہیچ تھا۔ وہ کچھ محسوس نہیں کر رہا تھا۔ کچھ نہیں دیکھ رہا تھا۔

نہ وہ کپکپاتا ہوا جسم ـــــ نہ وہ ایک لمحے میں اٹھ کر جھکتی ہوئی گریزاں سی نظر ـــــ نہ وہ لرزتے لب۔ عفنان علی خان کو اتنی قربت میں اپنے قریب کھڑے اس سراپے میں کچھ کشش محسوس نہ ہوئی تھی۔ نہ لب و رخسار میں، نہ آنکھوں میں، نہ گیسوؤں میں۔ وہ خوشبو سا بدن ...... وہ بھرپور سراپا جیسے اس گھڑی اس کے لئے بے معنی تھا۔

نہ ان گرم، دہکتی سانسوں کے زیر و بم نے کوئی قیامت اٹھائی تھی، نہ ان زلفوں کی خوشبو نے کہیں ہلچل مچائی تھی۔ عفنان علی خان اتنی قربت میں اسے عجب خالی خالی نظروں سے دیکھتا رہا تھا اور پھر لمبے کر ایک جھٹکے سے اس کے وجود کو اپنی گرفت، اپنے حصار سے آزاد کر دیا تھا۔

"انابیہ شاہ! ـــــ زندگی کو اپنے زاویے سے دیکھو گی تو بہت پچھتاؤ گی۔ میں تمہارے نر وضاحتوں کے انبار نہیں لگا سکتا۔ تمہیں سو سو تاویلیں نہیں دے سکتا ـــــ کوئی مشورہ بھی شاید نہیں کر تم بہت سمجھ دار ہو۔ مگر برائے مہربانی، زندگی کو دوسروں کے زاویے سے دیکھنا بھی سیکھ لو ـــــ زندگی وہی نہیں جیسے تم دیکھتی ہو۔ زندگی وہ بھی ہے جسے دوسرے دیکھتے ہیں ـــــ مجھے تم سے جب کوئی دلچسپی نہیں تو تمہاری سمت سے بھی کوئی مطلب نہیں ہونا چاہیے۔ یہی سوچ رہی ہو گی تم۔ مگر مجھے مطلب تم تمہاری سوچ سے نہیں ہے۔ مجھے اگر کچھ خیال ہے تو صرف اپنے بہت اپنوں کا۔ میں انہیں کوئی دکھ ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔ مجھے تم چاہے جتنے بھی کچوکے لگاؤ، چاہے میرا کتنا بھی نقصان کرو ـــــ مجھے ہے۔ مگر میرے والدین کو اگر ذرا سی بھی تکلیف تمہارے کسی غلط رویے کے باعث پہنچتی ہے تو اعتراض ہے اور اس صورتحال میں تم سے لاتعلق نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ تم آج جو بھی ہو، جیسی بھی ہو، اگر میں اگر ہو تو صرف میرے حوالے سے۔ اور مجھے اس حوالے کو استعمال کرنے کا پورا پورا اختیار ہے۔ دوبارہ کبھی اس طرح کی صورت حال پیش آئے تو اس کے متعلق ضرور سوچ لینا۔" ہاتھ اٹھا کر کسی قدر درشت لہجے میں اسے وارننگ دیتے ہوئے وہ پلٹا تھا اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا تھا۔

انابیہ ساکت سی کھڑی اس سمت دیکھتی رہ گئی تھی۔

❊ ❊ ❊

کوئی کتنی دیر سوگ منا سکتا ہے۔

کتنی دیر رو دھو سکتا ہے۔

کتنی دیر زندگی سے کٹ کر جی سکتا ہے۔

میرب سیال نے بھی دروازہ کھول دیا تھا اور اس بند کمرے سے نکل کر باہر آ گئی تھی۔ مگر زندگی سے کا انداز عجب گریز پائی لیے ہوئے تھا ـــــ وہ کیمپس جانے کے لیے تیار تھی۔ زینے کے آخری حصے قدم تھے جب نظر سردار سبکتگین حیدر لغاری پر پڑی تھی۔ وہ نگاہ پھیر کر، اجنبی بن کر سوبے پہلو جھکائے قریب سے گزر جانا چاہتی تھی جب اچانک ہی سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کا ہاتھ گرفت میں لے لیا تھا۔

کتنی عجب بات تھی ـــــ نہ کوئی حق بچا تھا ـــــ نہ کوئی استحقاق تھا۔ مگر وہ شخص اب بھی اس پر جتانا حق بجانب سمجھ رہا تھا۔ اب بھی اسی طور پر حق جتا رہا تھا۔

میرب سیال نے اس کی سمت خاموشی سے دیکھا تھا اور اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے کھینچنے کی ناکام کوشش کی تھی۔

"کچھ کھا کر جاؤ۔" حکم صادر ہوا تھا۔

مگر میرب نے سنی ان سنی کر دی تھی۔ ہاتھ دوبارہ اس کی گرفت سے نکالنا چاہا تھا مگر گرفت دوسری طرف اب بھی اتنی ہی مضبوط تھی۔ وہ ایک بار پھر ناکام رہی تھی۔

"میں نے کہا، کچھ کھا کر جاؤ۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری کا لہجہ نرم مگر انداز کسی قدر بارعب تھا۔ میرب سیال کی آنکھوں میں یکدم ہی آنسوؤں کا ایک طوفان امڈ آیا تھا۔ سوجی سوجی سرخ آنکھوں سے اشک بہت خاموشی سے ٹوٹ کر گرے تھے اور اس کے ساتھ ہی جیسے اس کی ہمت جواب دے گئی تھی۔

"کیا ـــــ کیا چاہتے ہو اب تم؟ ـــــ کیا سبکتگین حیدر لغاری؟ ـــــ مجھے قید کر دینا؟ اس چار دیواری کے اندر دفن کر دینا یا پھر اپنی عزت کے لیے میری آواز دبا دینا ـــــ بولو کیا ـــــ؟ اب کیا چاہتے ہو تم مجھ سے؟ ـــــ اگر تمہیں لگتا ہے کہ میں تمہاری کوئی جاگیر یا ریاست ہوں تو مجھے ایک بار ہی جلا کر خاکستر کر دو۔ ایک بار ہی مجھے زندہ دفن کر دو ـــــ یہ بار بار کا مرنا، لمحے لمحے کی موت بہت تکلیف دہ ہے میرے لیے۔ ایک کام کرو تم، گلا گھونٹ دو میرا ـــــ تمہاری غیرت کا بھرم بھی رہ جائے گا اور تمہیں بھی کسی قدر تسلی ہو جائے گی۔ مار دو مجھے۔" میرب چیخی تھی مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری پر جیسے اس کی چیخ و پکار کا کوئی اثر نہ ہوا تھا۔ بہت تسلی، بہت اطمینان کے ساتھ اس کا ہاتھ تھامے رکھا تھا اور اسے لے کر چلتا ہوا ٹیبل کی طرف آ گیا تھا۔ دوسرے ہاتھ سے کرسی کھینچ کر اسے بٹھایا تھا اور پھر برابر والی کرسی کھینچ کر خود اس کے قریب بیٹھ گیا تھا اور ہاتھ بڑھا کر توس پر جیم لگا کر اس کی سمت بڑھایا تھا۔ مگر میرب بھیگی آنکھوں کے ساتھ چہرے کا رخ بھی پھیر گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت لحہ بھر کو بغور دیکھا تھا پھر ہاتھ بڑھا کر ہی اس کے چہرے کا رخ اپنی طرف پھیرا تھا اور اپنے ہاتھ سے اسے زبردستی ناشتہ کروانے لگا تھا۔

میرب سیال کھانا نہیں چاہتی تھی۔ دو ایک بار اس کا ہاتھ بھی روکا تھا مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری کے سامنے کوئی بھی مزاحمت فضول تھی جیسے۔ مسلسل بھیگی آنکھوں آنکھوں کے ساتھ وہ بنا اس کی طرف دیکھے، لقمے زہر مار کرتی چلی گئی تھی۔

سبکتگین حیدر لغاری کو جیسے اس کے آنسوؤں کی کوئی قدر نہ تھی۔ بنا توجہ دیے، بنا تسلی دیے، بنا ان آنسوؤں کو صاف کیے وہ اسے ناشتہ کروا رہا تھا ـــــ جیسے اُسے مطلق پرواہ نہیں تھی کہ وہ روئے یا جو بھی کرے۔

میرب سیال کو اپنی بے بسی پر مزید رونا آ رہا تھا۔ آنسو تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ مگر سبکتگین حیدر لغاری کی جانب سے کوئی دلاسہ نہیں تھا۔ ناشتہ کروا کر دودھ کا گلاس اس کے لبوں کی طرف بڑھایا تھا۔ جسے میرب نے ہاتھ بڑھا کر خود پکڑ لیا تھا۔ جینا تو تھا ـــــ سہنا بھی تھا ـــــ تو پھر اپنے آپ سے یہ دشمنی کیوں؟ ـــــ جب سارے حالات جھیلنے تھے تو پھر توانا رہنا بھی تو اتنا ہی ضروری تھا۔ وہ نہ تو چپ کر کے بیٹھ سکتی تھی نہ وہاں مزید پڑاؤ کر کے بیٹھے رہنا چاہتی تھی۔ یقیناً اسے سوچنا تھا کسی اگلے اقدام کے بارے میں، کسی راستے، کسی موڑ کے بارے میں۔

یہ زندگی نہیں تھی ـــــ قید تھی ـــــ جبر تھا اور وہ یہ جبر مزید نہیں سہہ سکتی تھی۔

سمجھوتہ بھی اصولوں کی بنیاد پر ہوتا ہے اور یہاں تو کوئی اصول تھا ہی نہیں۔ ایک یک طرفہ کھیل بس۔ کوئی مسلسل کھیل رہا تھا اور وہ دیکھ رہی تھی۔
مسلسل ہار رہی تھی اور مسلسل رو رہی تھی۔

بالکل کسی بچے کی طرح ——— جو اپنے سے زیادہ شاطر شخص کے ساتھ کھیلتا ہے اور ہر بار ہارتا ہے اور سر پیٹتا ہے ——— وہ بھی سر پیٹ رہی تھی ——— حالانکہ حل یہ نہیں تھا ——— حل یہ ہو بھی نہیں سکتا تھا اُسے کچھ اور کرنا چاہئے تھا ——— اُسے کچھ اور سوچنا تھا ——— وہ نہ تو مسلسل سر پیٹ سکتی تھی ——— نہ بار بار ہارنے کی سکت تھی اس میں ——— نہ ہی وہ روتے رہنا چاہتی تھی۔ اگر یہ سمجھوتہ بھی تھا تو بہت بُری حالت میں تھا ——— اُسے کوئی توجیہہ قبول نہیں کرتی تھی۔ اسے جینا تھا اور زندگی سے اپنے حصے کا سکون آرام، چھین لینا تھا ——— وہ سب کچھ جو وقت نے اس کے ہاتھ سے چھین لیا تھا، اسے وہ سب واپس لینا تھا۔ وہ خود کو مزید سمجھوتوں کی نذر نہیں کر سکتی تھی۔ اس کے بہت اپنوں نے اسے جس زندگی کے حوالے کیا تھا وہ کسی طرح سے قابل قبول نہ تھی۔ جھیل وہ رہی تھی۔ بھگت وہ رہی تھی۔ مسلسل رو بھی وہی رہی تھی۔ نہ پوچھ جب کسی کو اس کی کیفیت کا اندازہ ہی نہیں تھا تو وہ کسی حل کے لئے بھی کسی اور کی طرف کیوں دیکھتی؟ ——— یا مزید سہتی بھی تو کیوں؟ ——— وہ کسی ڈر کے خوف سے اپنے آپ کو، اپنی زندگی کو داؤ پر نہیں لگا سکتی تھی جبکہ اس کے بہت اپنے اس کے ساتھ ایسا کر چکے تھے۔ اسے مصلحتوں کی نذر کیا گیا تھا ——— رشتوں میں باندھ کر قربان گاہ پر لا کر کھڑا کر دیا گیا تھا اور محبت کے نام پر اسے ذبح کر دیا گیا تھا۔ یہ تھے اپنے ——— بہت اپنے ——— وہ سوچ رہی تھی تو سبھی کچھ سیاہ دکھائی دے رہا تھا۔ پاپا کو اپنے فرائض کی جلدی تھی۔ زوباریہ کو اسے نمٹا دینے کی پڑی تھی اور نتیجتاً وہ گہری کھائی میں تھی۔ اور اس بات کا اندازہ کسی کو نہیں تھا۔ پھر اگر تھا بھی تو کوئی کرنا نہیں چاہتا تھا۔ صرف وہ جانتی تھی۔
وہ کہاں تھی اور کن حالات میں تھی۔

رشتے یوں نہیں باندھے جاتے ——— عمر بھر کے فیصلے بھی نہیں لکھے جاتے۔ اس نے سر جھکا دیا اور زندگی بھر کا عذاب اپنے نام لکھوا لیا۔

اگر دنیا بھر کے والدین یونہی بیٹیوں کی شادیاں کرتے ہوتے تو شاید آج کوئی بیٹی بھی خوش نہیں ہوتی۔ سچ تو یہ تھا کہ اسے ایک بوجھ کی طرح بہت جلدی میں بغیر چھان پھٹک کیے سر سے اتار دیا گیا تھا ——— نمٹا دیا گیا تھا۔

ان کی بلا سے ——— اس کے ساتھ پھر کچھ بھی ہوتا۔ وہ کوئی بھی حالات جھیلتی ——— کچھ بھی سہتی۔

ایسا تو ہو نہیں سکتا تھا کہ کوئی اس شخص کے متعلق پہلے سے واقف نہ ہوتا، جبکہ یہ زوباریہ کے رشتے داروں میں سے تھا۔ اور یہ رشتہ بھی زوباریہ نے ہی کروایا تھا۔ جب زوباریہ ان لوگوں سے واقف تھی تو سردار سبکتگین حیدر لغاری کی طبیعت، اس کے مزاج سے کیسے نہ آشنا ہوگی؟ ——— یقیناً وہ سب جانتی تھی اور پاپا کی بیماری ایک دلچسپ بہانہ تھا جو زوباریہ کے ہاتھ لگا تھا اور میرب سیال کی تقدیر بدل گئی تھی۔

کتنے آنسو چپ چاپ آنکھوں سے بہہ رہے تھے اور وہ ساکت نظروں سے سردار سبکتگین حیدر لغاری کو دیکھ رہی تھی۔

تو یہ تھی اس کی سزا۔
ایک عمر بھر کی طویل جبری سزا جو اسے سہنا تھی اور صرف رونا تھا۔
کیا پاپا جانتے تھے کہ وہ جلدی میں ایک غلط جگہ اعتبار کر کے اپنی اکلوتی بیٹی کو کھائی میں خود اپنے ہاتھوں دھکیل چکے ہیں؟
یقیناً نہیں ——— !
مگر وہ جانتی تھی اب اسے کیا کرنا تھا۔

ہاتھ کی پشت سے آنکھوں کو سختی سے رگڑ کر وہ اٹھی تھی۔ جب سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ میرب سیال کو اپنے جسم کے اس حصے پر چیونٹیاں رینگتی ہوئی محسوس ہوئی تھیں۔ ایک شدید ترین کراہت کا احساس ہوا تھا اور اس نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ اس سے چھڑا لیا تھا اور لب بھینچ کر سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

"دوبارہ نہیں ——— کبھی بھی دوبارہ مجھے چھونے کی کوشش مت کرنا۔ بہت برا احساس ہوتا ہے مجھے۔ کراہت آتی ہے۔ گھن آتی ہے تم سے بھی اور ——— اپنے آپ سے بھی۔" کتنا کچھ کہنا چاہتی تھی مگر شدتِ جذبات سے وہ کسی کمزور بچے کی طرح کانپ رہی تھی اس گھڑی۔ اور لفظ تھے کہ ساتھ ہی نہ دے رہے تھے۔ آنسوؤں کا کوئی پھندا اس گھڑی گلے میں تھا ——— دوبارہ کئی آنسو روانی سے چہرے کو بھگو گئے تھے۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری اٹھا تھا۔ اسے بغور دیکھا تھا اور پھر ہاتھ بڑھا کر اس کا نازک ہاتھ اپنی گرفت میں لیتے ہوئے اسے ایک جھٹکے سے خود کے قریب کر لیا تھا۔ چند ثانیوں تک اس کے بھیگتے چہرے کو دیکھتا رہا تھا۔ میرب سیال ساکت سی اسے دیکھ رہی تھی۔

"تمہارے قریب آنا، تمہیں چھونا میرا حق ہے ——— اور تم مجھے اس حق کو استعمال کرنے سے نہیں روک سکتیں۔ تمہارے کتنے قریب آ سکتا ہوں یا آنا چاہتا ہوں یا پھر نہیں اس کا فیصلہ اور یقین صرف مجھے کرنا ہے، تمہیں نہیں۔ اس سے متعلق نہ تو کوئی قیود تم لگا سکتی ہو نہ ہی کوئی حدود تم مقرر کر سکتی ہو۔ جو تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے، اس کے متعلق سوچ کر اپنی انرجی ضائع مت کرو۔ تم صرف وہ سوچو جو تمہیں کرنا ہے۔ ایک اچھی بیوی بننے کی کوشش۔ ایک بہترین شریک سفر بننے کی تگ و دو اور مجھے سمجھنے کی خواہش اپنے اندر پیدا کرو سویٹی! ورنہ بہت مشکل ہو جائے گی۔ انڈر اسٹینڈ؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی سمت فیصلہ کن انداز سے دیکھتا ہوا مسکرایا تھا۔ میرب سیال کے لئے وہ لمحہ ناپسندیدہ ترین تھا۔ سانسوں سے ٹکرائی اس کی سانسیں بے حد ناگوار لگی تھیں اور وہ چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

"خواہشوں کو مارنے کی عادت ترک کر دو ہنی! ——— تم جانتی ہو ابھی زندگی شروع ہونے کو ہے اور ختم ہونے کو ابھی عمر پڑی ہے۔ لاتعداد لمحے ہیں ہمارے پاس جو ہمیں صرف ایک دوجے کے ساتھ، ایک دوجے کی سنگت میں، ایک دوجے کی محبت کا دم بھرتے ہوئے اور قرب کی خواہش کرتے ہوئے بسر کرنے

ہیں۔ سو ابھی سے ہاتھ مت کھینچو۔ ابھی تو سلسلہ شروع بھی نہیں ہوا اور تم اسے ختم کر رہی ہو۔" لبوں پر پراسرار مسکراہٹ تھی۔ جس کے بھید میرب سیال یقیناً نہیں سمجھ سکتی تھی۔

"مجھے اچھا نہیں لگتا خواہشوں پر پہرے بٹھانا ——— تم بھی یہ بیگانگی ترک کر دو۔ شرائط دلوار تعلقات میں اچھی نہیں لگتیں اور جبر رکھنا روا نہیں لگتا۔ سو یہ درمیان دیواریں اٹھانا بند کر دو اور صرف وہ جو مجھے اچھا لگتا ہے۔ جو ہم دونوں کو اچھا لگتا ہے۔ ایک شاندار کپل ——— ہمیں ایک اچھا شادی شدہ بننا ہے اور ابھی اس کے لئے کافی وقت پڑا ہے۔ ابھی تک تو میں نے تمہیں ڈھنگ سے دیکھا بھی نہیں تم......"

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے مسکراتے ہوئے سرنفی میں ہلایا تھا۔

"بہت بری ہو تم ——— بالکل بھی اچھی نہیں ——— ایک اچھی بیوی بنو۔ اگر نہیں ہو تو کوشش کر بن سکتی ہو۔ یہ بات تم بھی جانتی ہو اور میں بھی۔ شاباش، اِدھر اُدھر کی فضول باتوں کو سوچنا ترک کرو صرف اپنے اور میرے بارے میں سوچو۔" لہجہ مدھم تھا اور انداز لگاوٹ سے بھرپور۔

"زندگی ان اُلجھنوں کے علاوہ بھی کچھ ہے۔ یقین کرو، بہت حسین اور دلفریب۔ سوچو، غور کرو "کچھ نہیں" کے علاوہ "کچھ" ہے۔ شاید بہت کچھ۔ جو شاید تم نہیں جانتی ہو یا جسے جاننا نہیں چاہتی ہو وہ رد کئے جانے کے قابل نہیں ہے۔ نظر انداز مت کرو۔ نہ خود کو، نہ مجھے، نہ اس زندگی کو۔ سب کچھ ضر ہے اور بہت ضروری ہے۔ اپنے دل کی انگلی تھامو اور صرف اس کے ساتھ چلو اور باقی سب بھول؛ عقل و خرد ورغلانے والے جزو ہیں اور آنکھ و دل حقیقت منکشف کرنے والے عضو۔ سو نگاہ سے دیکھو دل سے فیصلہ کرو۔ تمہیں کیا کرنا ہے اور کیا نہیں ——— یہ تمہاری آنکھیں بھی جانتی ہیں اور تمہارا دل بھی"

مدھم لہجہ کوئی بھرپور احساس رکھتا تھا۔ مگر میرب سیال ایک جھٹکے سے اس حصار سے نکلی تھی اور بیگ کر چلتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔ مگر گیٹ پر کھڑے چوکیدار نے تب تک دروازہ نہیں کھولا تھا جب تک سبکتگین حیدر لغاری بہ نفس نفیس خود باہر تشریف نہیں لائے تھے۔ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے دوسری طرف دروازہ اس کے لئے کھولا تھا اور میرب سیال کو مجبوراً پیش قدمی کرنا پڑی تھی۔

"یہ مت سمجھو کہ تم پر کوئی قیود لگائی جا رہی ہیں یا کوئی جبر کیا جا رہا ہے۔ یہ سب اس لئے ہے کہ فی الحال عقل سے کام نہیں لے رہی ہو ——— اطمینان سے سوچ نہیں رہی ہو۔ اس جذباتیت میں تمہیں خیال نہیں ہے، مگر مجھے ہے۔ اور یہ سارے اقدامات تمہیں محفوظ رکھنے کو ہی ہیں۔ ورنہ تم کسی قید میں نہ ہو، صرف ایک پناہ میں ہو۔" اس کے بیٹھنے پر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے واضح کیا تھا اور گاڑی ریورس گیئر میں ڈال کر گیٹ سے نکالی تھی اور راستے پر ڈال دی تھی۔

میرب سیال کیمپس آنے تک کچھ نہیں بولی تھی۔

❋❋❋

اذہان حسن بخاری بہن کے سامنے بیٹھا تھا جو خاموشی سے آنسو بہا رہی تھی۔

اذہان نے کچھ دیر تک یونہی اسے دیکھا تھا اور آہستگی سے تھام کر ساتھ لگا لیا تھا۔

"ایسا کیوں کیا ماہا؟ ——— کیا مجھ پر اعتبار نہ تھا؟ ——— اپنے بھائی پر یقین نہیں تھا؟ ——— بہت برا ہوں نا میں۔ بھائی ہی کیا، میں شاید اچھا بیٹا بھی نہیں ہوں ——— اگر اچھا بیٹا ہوتا تو آج ممی اتنی بری زندگی بسر نہ کر رہی ہوتیں۔ اور تم ماہا! ——— گڑیا! یہ کیا بیگانہ پن ہے؟ ——— کوئی شکایت تھی، شکوہ تھا یا کوئی بات بری لگی تھی تو مجھ سے کہا ہوتا ——— یوں اچانک گھر چھوڑنے کی کیوں ٹھانی؟ ——— کیا اعتبار نہیں تھا اپنے بھائی پر؟ ——— تمہیں بھی لگا تھا میں تمہارے لئے کچھ نہیں کر سکوں گا؟...... جس طرح کہ ممی کے لئے کچھ نہیں کر سکا؟" اذہان حسن بخاری کا مدھم لہجہ مجرمانہ سا تھا۔

ماہا نے سر اٹھا کر بھائی کی طرف دیکھا تھا اور نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

"نہیں بھائی! ——— مجھے آپ پر بھی اعتبار تھا اور ممی پر بھی۔ مگر میں مزید کوئی ایشو اٹھانا نہیں چاہتی تھی۔ ہمارا گھر، اس کا سکون اب پہلے جیسا نہیں رہا ہے۔ اور میں اس معاملے کو اٹھا کر گھر کی فضا کو مزید بوجھل کرنا نہیں چاہتی تھی۔ میں آپ سے کہتی تو کیا ہوتا؟ آپ پھر پاپا کے مقابل تن جاتے اور پاپا کو پھر اپنی ایگو ہرٹ ہوتی لگتی اور وہ آپ کے مخالف اور بھی تن کر کھڑے ہو جاتے۔ وہ آپ کو اپنے بیٹے کی نظر سے کم اور کسی حریف کی نظر سے زیادہ دیکھتے اور یہی میں نہیں چاہتی تھی۔" ماہا نے اپنے خدشے کو بھائی کے سامنے رکھا تھا۔ اذہان نے بہن کو تھام کر ساتھ لگا لیا تھا اور سر پر پیار کیا تھا۔

"کبھی کبھی جس طرح ہم مسئلے کا حل سوچتے ہیں وہ غلط بھی ہو سکتا ہے ——— جانتی ہو تمہاری اس نادانی کی وجہ سے ممی کتنی پریشان ہیں؟ ——— چاچو کتنے پریشان ہیں؟ اور میں ——— میری تو جان ہی نکل گئی تھی۔ کم از کم مجھے ہی بتا دیا ہوتا کہ معاملہ یہ ہے اور مجھے اس سے اختلاف ہے۔ اور اختلاف کی بات بھی جب ہوتی جب ہم اس کے لئے تیار ہوتے ہیں۔ ممی، چاچو، ہم تو خود اس کے مخالف تھے۔ تم کیا سمجھتی ہو، پاپا اگر تمہیں کسی کھائی میں دھکیلنا چاہتے تو ہم انہیں دھکیلنے دیتے؟" اذہان بھرپور طریقے سے اسے سمجھانا چاہتا تھا۔

مگر ماہا بھیگی آنکھوں کے ساتھ سرنفی میں ہلانے لگی تھی۔

"میں نے یہ قدم بہت سوچ کر اٹھایا ہے۔ شاید اس طرح پاپا کو اپنی کسی غلطی کا اندازہ ہو جائے۔ بھائی! میں اچھی جگہ پر نہیں ہوں ——— اپنی ننھیال میں ہوں ——— نانی کے گھر ہوں ——— آپ فکر مند نہ ہوں۔ ممی کو بھی سمجھائیے ——— میں آپ سب سے بہت زیادہ دور نہیں ہوں ——— نہ ہی میں نے کوئی بغاوت کی ہے۔ یہ صرف اس لئے ہے کہ پاپا کسی قدر جان سکیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں اور کتنا غلط کر رہے ہیں۔ ہم سب کی زندگیوں سے کھیلنے کا انہیں کوئی حق نہیں ہے...... پہلے میرے ساتھ، پھر ماما کے ساتھ، پھر آپ کے ساتھ ——— اور اب پھر۔ بھائی! یہ ضروری تو نہیں کہ پاپا ہمیشہ وہ ہی ہوتے دیکھیں جو وہ دیکھنا چاہتے ہیں ——— پاپا کو وہ بھی تو دیکھنا چاہئے جو ہو رہا ہے اور وہ سمجھ نہیں پا رہے۔ بعض اوقات ہم کتنا غلط کر رہے ہوتے ہیں۔ مگر ہمیں خود اندازہ نہیں ہوتا اور جب اس بات کا احساس ہمیں کوئی دوسرا دلاتا ہے یا کوئی مختلف صورتحال دیکھ کر ہمیں خود جو اندازہ ہوتا ہے وہ ہماری آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہوتا ہے۔ ہر دفعہ بچے ہی غلط نہیں ہوتے ——— کبھی کبھی والدین بھی غلط ہوتے ہیں۔ اسی بات کا احساس

میں پاپا کو کروانا چاہتی ہوں۔"

"لیکن انہیں پتہ چل جائے گا کہ تم یہاں ہو۔ پھر اس سے کیا فرق پڑے گا؟ —— اس سے بہتر تم گھر چلو۔ اپنے گھر میں ہم سب کے درمیان تم زیادہ محفوظ ہو۔"

"بھائی! میں جانتی ہوں میں اپنے گھر میں زیادہ محفوظ ہوں۔ آپ سب کے درمیان زیادہ محفوظ ہوں۔ مگر اس سے کچھ نہیں ہوگا۔ آپ پاپا کو جانتے ہیں —— وہ ایسے نہیں تھے —— مگر یہ اچانک بدلاؤ ان کے اندر آیا ہے، اس کو ختم کرنے کے لئے کسی ایسے ہی چونکا دینے والے واقعے کی ضرور ہے۔ آپ بے فکر رہیے، میں محفوظ ہوں یہاں۔ مجھ پر اعتبار نہیں تو نانو سے پوچھ لیجئے —— کتنا میں یہاں میرا خیال رکھنے کے لئے۔" ماہا بھائی کو مطمئن رکھنے کو مسکرائی تھی اور اذہان کی پشت پر کھڑی کو دیکھا تھا۔ اذہان نے گردن موڑ کر دیکھا تھا۔ نانی ملائمت سے مسکرائی تھیں اور اذہان کے شانے پر سے اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔

"ماہا ٹھیک کہہ رہی ہے۔ تمہیں یا فارحہ کو اس کے متعلق پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ اس کا رکھنے کو ہم سب ہیں —— ماہا کسی غیر یا اجنبی جگہ پر نہیں ہے۔ تم یوں بھی تو سمجھ سکتے ہو کہ یہ اپنی چھ گزارنے اپنی ماں کی ماں کے گھر آئی ہے —— جس طرح کہ اور بہت سے بچے آتے ہیں۔" مسکرائیں۔ اذہان حسن بخاری نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"ٹھیک ہے نانو! —— مگر ممی سے بات کر کے آپ انہیں سنبھال لیجئے گا۔ آپ کو پتہ ہے وہ کتنی پریشان ہو جاتی ہیں۔"

"ہاں، جانتی ہوں —— اس کی ماں ہوں۔ کیا اس کو نہیں سمجھوں گی؟" نانی مسکرائی تھیں اور اذ سر پر محبت سے ہاتھ پھیرا تھا۔ "بچے! کبھی کبھی اُلجھی ڈور کو سلجھانے کے لئے بہت سے پاپڑ بیلنا پڑ ہیں۔ ماہا جو کر رہی ہے اگرچہ اس سے پریشانی ہو سکتی ہے فارحہ کو بھی اور سعد کو بھی۔ مگر اُلجھی ہوئی گتھی طریقے سے سلجھ سکتی ہے تو کوئی حرج نہیں۔"

اذہان نے کچھ سوچتے ہوئے سر انکار میں ہلایا تھا۔

"نہیں نانو! —— مسئلے کا حل یہ نہیں ہے۔ ماہا شاید بہت خوفزدہ ہے اور ہم پر دوسری بار بھروسہ بھی نہیں کر پا رہی —— شاید یہ ٹھیک ہے، حق پر ہے —— اور میں واقعی نہیں چاہوں گا کہ یہ دوسری بھی اپنی زندگی کو ہمارے حوالے کرے۔ ایک تجربہ ہم بھگت چکے ہیں —— تب نہ میں کچھ کر سکا کوئی اور۔ کم از کم دوسری بار ہم کسی پچھتاوے میں مبتلا ہونا نہیں چاہیں گے —— میں تو بالکل بھی نہیں۔ اس لئے میں اس بار ماہا کو اس کی مرضی پر چھوڑ دینا چاہتا ہوں۔ جو اسے مناسب لگتا ہے اسے وہ چاہئے۔ لیکن جب اسے کوئی خطرہ ہوگا، تب میں دور نہیں رہوں گا۔ اس کے قریب پہنچنے والا میں پہ ہوں گا —— مجھے اپنی گڑیا بہت پیاری ہے۔" ماہا کے چہرے کو محبت سے تھپتھپایا تھا۔

"نانو! آپ خیال رکھئے گا اس کا —— میں آتا جاتا رہوں گا۔" اذہان اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"بیٹھو نا —— ... کھانا کھا کر جانا۔" نانو نے کہا تھا مگر وہ سر نفی میں ہلاتے ہوئے باہر نکل گیا تھا۔

زندگی ہر گھڑی ایک امتحان تھی اور کچھ نہیں تھا ——

ایک گہری سانس خارج کر کے گاڑی اسٹارٹ کی تھی۔ تبھی اس کا سیل بجا تھا۔ اذہان حسن بخاری نے سیل فون کان سے لگایا تھا۔

"ہاں ساحبہ! —— ایوری تھنگ از اوکے —— سب کچھ ٹھیک ہے یہاں —— پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔"

"ماہا مل گئی؟ —— کہاں ہے وہ؟"

"یہیں —— اسی شہر میں —— نانو کے پاس۔ تم ممی کو بتا دو، پریشان نہ ہوں۔ ماہا نے پریشانی کو پنے طور پر حل کرنے کا یہ راستہ نکالا ہے جو اس کے خیال میں مناسب ترین ہے۔"

گاڑی کو سڑک پر ڈالا تھا۔

"اور تم اذہان؟ —— تم نے اسے اس کی مرضی کرنے دی —— کیا یہ واقعی ٹھیک ہے؟" ساحبہ وسری طرف بہت فکرمند دکھائی دی تھی۔ اذہان نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"سچ کہوں —— مجھے خود پتہ نہیں۔ مگر اس بار کوئی پچھتاوا اپنے سر لینا نہیں چاہتا۔ کم از کم میں اپنے ہاتھ دھو لینا چاہتا ہوں۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں ماہا سے لاتعلق ہو گیا —— میں اسے ہر ممکن طور پر سپورٹ کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"اذہان! —— تم اپنا خیال رکھو —— کسی طرح کی کوئی ٹینشن مت لو —— خدا سب ٹھیک کر دے گا۔ یہ معاملہ اتنا پیچیدہ نہیں ہوگا۔ یہ کہنا غلط ہوگا —— سعد انکل شاید بہت غصہ کریں مگر تمہیں بہت تحمل اور خوش مزاجی سے اس صورت حال کو سدھارنا ہے —— ماہا کی زندگی کا معاملہ اس بار تمہارے اتھ ہے اور میں تمہیں شرمندہ دیکھنا نہیں چاہوں گی۔" ساحبہ بہت کیئرنگ انداز میں تشویش کے ساتھ بولی تھی تو اذہان جانے کیوں مسکرا دیا تھا۔

"ساحبہ! شاید پاپا اتنے برے نہیں ہیں جتنا ہم انہیں جان رہے ہیں —— میں نے ہمیشہ انہیں رول ڈل کے طور پر لیا ہے۔ میں ان کی بہت عزت کرتا ہوں۔ ایک بیٹے کے لئے یہ بہت بڑا اعزاز ہوتا ہے کہ وہ باپ کے نقش قدم پر چلے۔ اور میں نے یہ سارے مراحل طے کئے —— مجھے پاپا سے بڑھ کر اور پاپا کو مجھ سے بڑھ کر کوئی عزیز نہ تھا۔ مگر اچانک رشتوں میں ایک دراڑ آ گئی اور سب کچھ پہلے جیسا نہیں ہا۔ مگر میں آج بھی پاپا کی اتنی ہی رسپیکٹ کرتا ہوں —— انہیں آج بھی اسی درجہ بلندی پر دیکھتا ہوں۔ لسا اب بھی اپنے باپ سے اتنی ہی محبت کرتا ہوں اور اب بھی انہی جیسا بننا چاہتا ہوں۔ مگر یقیناً سب نوں میں نہیں —— یہ لڑائی نظریاتی نہیں، یہ اختلاف رشتوں میں اٹھا ہے اور جہاں پاپا نے ہاتھ کھینچ لیا ہاں میں سب کچھ چھوڑ کر اجنبی نہیں بن سکتا۔ میں گھر پہنچ رہا ہوں، تم فکر مت کرو۔" اذہان ملائمت سے مسکرایا تھا۔

"ٹیک کیئر اذہان!" ساحبہ نے دوسری طرف سے کہا تھا اور اذہان نے مسکراتے ہوئے سلسلہ منقطع کر یا تھا۔

کچھ بھی تھا، وہ پاپا کو اس حد تک غلط قرار نہیں دے سکتا تھا۔ ان کی غلطی ضرور تھی مگر یہ نہیں کیا اور کیا صحیح ـــــ کبھی کبھی وہ بالکل سمجھ نہیں پاتا تھا۔ سوچتا بھی تھا تو ذہن الجھنے لگتا تھا۔ شاید وہ بخاری سے اس درجہ نفرت کر نہیں سکتا تھا، کر نہیں پاتا تھا۔

چاہنے کے باوجود ـــــ!

یا پھر رشتوں میں آئی دراڑ صرف دکھاوے کو تھی اور یہ لڑائی صرف نظریاتی اور وقتی تھی۔

اذہان حسن بخاری خاموشی سے ڈرائیو کر رہا تھا مگر ایک سکوت اپنے اردگرد سے محسوس ہو رہا تھا۔ جانے کیا ہونے والا تھا۔

❋ ❋ ❋

باہر شدید بارش ہو رہی تھی۔ مگر عفنان علی خان کو اپنے اندر سکوت اور بہت بوجھل پن لگ رہا تھا۔ حد حبس اور گھٹن۔ یہی وجہ تھی کہ کہ وہ دیر تک آفس میں مصروف رہنے کے بعد کچھ فائلیں گھر پر بھی تھا اور اب جھکا انہی کو دیکھ رہا تھا۔

اناہیہ باتھ لے کر فریش سی واش روم سے نکلی تھی۔ بالوں سے ٹاول ہٹا کر بالوں کو جھٹک کر ڈالا تھا۔ ننھے منے پانی کے قطرے عفنان علی خان کے چہرے اور فائل پر آن پڑے تھے۔ عفنان اٹھا کر دیکھا تھا ـــــ نگاہ لحہ بھر کو ملی تھی۔ ایک نئی نویلی دلہن کے بالوں کی شبنم فضا میں بکھری ہوا اُس کا دھلا دھلا چہرہ بہت تر و تازہ لگ رہا تھا۔ عفنان علی خان کے وجود میں ایک لمحے میں کئی خوا نے سر اٹھایا تھا۔ فائلز ایک طرف رکھ کر وہ اپنی جگہ سے اٹھا تھا اور چلتا ہوا اناہیہ شاہ کے پاس جا رکا تھ

اناہیہ اُسے کسی قدر تذبذب سے دیکھ رہی تھی۔ وہ سمجھی تھی غالباً اس کی اس بے اختیاری حرکت نے عفنان کو ڈسٹرب کیا ہے یا پھر اس کے کام میں خلل واقع ہوا ہے یا پھر وہ واقعی کچھ سمجھ نہیں پائی تھی لئے ساکت سی، تکتی ہوئی چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔ عفنان نے دو قدم کے اس فاصلے کو بہت آہستگی اور بھی سمیٹ دیا تھا۔ اناہیہ شاہ کے لئے اس کا انداز، اس کے تیور کسی قدر تشویش کا باعث تھے۔

''آئی ایم ـــــ سوری ـــــ مجھے اندازہ نہیں تھا ـــــ پانی کے قطرے آپ پر اور ـــــ پر ـــــ'' کیفیت کا اندازہ کرتے ہوئے وہ بولی تھی۔

عفنان علی خان نے بنا کچھ کہے اسے بغور دیکھتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کو بہت سے چھوا تھا۔

اناہیہ ایسا کچھ تصور نہیں کر رہی تھی۔ شاید اسی لئے اس لمحے کسی قدر کنفیوز دکھائی دی تھی۔ پلکا لرزش بہت واضح تھی۔ اُلجھن میں اس نے پردہ کھینچ دیا تھا۔ باہر بھیگتا ہوا منظر دلفریب لگ رہا تھا۔ اس نے جانے کیوں کھڑکی کے شیشے بھی کھول دیئے تھے ـــــ تیز ہوا اور تیز بوچھاڑ آنے لگی تھی۔

''باہر بارش ہو رہی ہے۔'' جانے کون سا تاثر زائل کرنے کو وہ بولی تھی۔ عفنان علی خان جیسے لمحے میں بیدار ہو گیا تھا۔ ایک لمحے میں رخ موڑا تھا اور ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے دونوں بالوں کی طرف لے گیا تھا۔

''کیسے کہوں تم سے کہ یہ خواب دکھانا بند کر دو مجھے ـــــ اب نہ ان کی ضرورت ہے نہ ہی خواہش۔''

مدھم لہجہ خود کلامی کا سا تھا۔ انداز ایک اُلجھن بھرا تھا۔

اناہیہ نے اس کی چوڑی پشت کو بغور دیکھا تھا۔ غالباً وہ کچھ سن نہیں پائی تھی، عفنان کیا بولا تھا۔ وہ اسی طرح کھڑی تھی جب اچانک بجلی چمکی تھی اور لائٹ بھی چلی گئی تھی۔ اناہیہ نے ایک لمحے میں بالکل غیر ارادی طور پر اپنے سے دو قدم کے فاصلے پر کھڑے شخص کی جانب پیش قدمی کی تھی اور اس مضبوط وجود سے لپٹ گئی تھی۔ بڑی ہی فطری حرکت تھی یہ۔ ایک طرف تو وہ عفنان علی خان سے بدظن تھی۔ اس کے خلاف محاذ آرائیاں کر رہی تھی اور دوسری طرف وہ اس کے وجود میں پناہ تلاش کر رہی تھی۔ اس نے ایک لمحے میں عیاں کر دیا تھا کہ وہ کتنی بہادر تھی اور کتنی مضبوط۔

عفنان علی خان پلٹا نہیں تھا۔ جس طرح کھڑا تھا اسی طرح کھڑا رہا تھا۔ غالباً وہ اس کی کیفیت سمجھ رہا تھا اور اسے سنبھلنے کا موقع دینا چاہتا تھا۔ وہ جانتا تھا، اناہیہ زیادہ دیر تک اس کیفیت میں نہیں رہے گی اور جلد دوبارہ اپنے پہلے والے خول میں لوٹنا چاہے گی۔ جس میں وہ خود کو مضبوط بھی ظاہر کرتی ہے اور محفوظ بھی۔ اور یہ بھی کہ یہ حرکت جتنی اچانک اور فطری طور پر سرزد ہوئی ہے اناہیہ کے لئے وہ اسی قدر شرمندگی کا باعث ہوگی اور شاید وہ اناہیہ کو اس لمحے شرمندہ دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ تبھی اسی طرح رخ پھیرے کھڑا رہا تھا اور اناہیہ اس کی پشت سے سر ٹکائے گہرے گہرے سانس لیتی رہی تھی۔

عفنان نے جیب سے لائٹر نکال کر جلایا تھا اور اسی طرح کھڑے کھڑے، ہاتھ قدرے بلند کر دیا تھا کہ روشنی اناہیہ تک پہنچ جائے اور اس کا خوف اس درجہ برقرار نہ رہے۔

اناہیہ نے روشنی کی ایک لہر اندھیرے میں پھوٹتے دیکھ کر بہت آہستگی سے سر اٹھایا تھا اور تب نگاہ اپنے سامنے کھڑے مضبوط شخص پر پڑی تھی جس کی چوڑی مضبوط پشت سے وہ اب تک سر ٹکائے کھڑی تھی۔ یقیناً غلطی سرزد ہوئی تھی اور اس گھڑی وہ شرمندہ بھی دکھائی دی تھی۔ بہت آہستگی سے اس مضبوط شانے پر اب تک رکھا ہوا اپنا نازک سا ہاتھ اٹھایا تھا اور دو قدم پیچھے سرک گئی تھی۔ مدھم لو میں چہرہ اور اس کے تاثرات چھپانا کسی قدر آسان تھا اور اس ضمن میں تو اور بھی جب کوئی آپ کی طرف متوجہ بھی نہ ہو۔

اناہیہ کو اس شخص کا اپنی طرف نہ دیکھنا اس لمحے غنیمت لگا تھا۔ یعنی بھرم رہ گیا تھا، اس کی انا کا، وقار کا اور خودداری کا۔

شاید وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ کوئی دانستہ اسے ان لمحوں سے بچا رہا تھا۔

اناہیہ اس مدھم سی لو میں اس شخص کی پشت کو تکتی ساکت سی کھڑی تھی جب عفنان نے آگے بڑھ کر بیڈ کی سمت متوجہ ہوتے ہوئے سائیڈ ٹیبل سے کینڈل برآمد کر کے جلا کر ایسے مقام پر رکھ دیا تھا کہ کمرے میں روشنی کی ترسیل برابر ہو سکے۔ لائٹر بجھا کر جیب میں ڈالتے ہوئے وہ پلٹا تھا۔ غالباً باہر نکل جانا چاہ رہا تھا مگر تبھی غیر ارادی طور پر اناہیہ نے اسے پکار لیا تھا۔

''عفنان ـــــ!''

عفنان علی خان رک گیا تھا۔ مگر مڑ کر نہیں دیکھا تھا۔

انابیہ پکارنے کے فوری بعد کچھ کہنے کی ہمت اپنے اندر محسوس نہیں کر رہی تھی۔ عفنان علی خان کھڑا تھا جب بہت سی ہمت مجتمع کرتے ہوئے اظہارِ مدعا آخرکار کر دیا تھا۔

"عفنان!——پلیز، مت جاؤ۔ مجھے ڈر لگتا ہے۔" انداز کس درجہ خوفزدہ اور آواز بیٹھی ہوئی تھی۔ عفنان علی خان پلٹا تھا اور بنا اس کی سمت دیکھے چلتا ہوا واپس کاؤچ پر آن بیٹھا تھا۔ پھر جیب سے سیل برآمد کیا تھا اور کوئی نمبر ملا کر ہدایت کرنے لگا تھا۔

"جنریٹر آن کرو، اوور۔" صرف ایک جملہ کہہ کر فون کا سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔ انابیہ اسی طرح وہیں کے پاس کھڑی تھی۔

"یہاں آ کر بیٹھ جاؤ——تھوڑی دیر میں جنریٹر آن ہو جائے گا۔" اُسے کہہ کر دوبارہ فائل تھی اور مدھم کینڈل لائٹ میں فائل کو بغور دیکھنے لگا تھا۔

انابیہ نے ہدایت پر عمل نہیں کیا تھا۔ چپ چاپ وہیں کھڑکی کے ساتھ لگی اس کی سمت دیکھتی رہی۔ عفنان علی خان نے دوبارہ اس سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ وہ اس مدھم روشنی میں فائل پر جھکا تھا۔ انابیہ اُس کی سمت تکتی رہی پھر لب بھینچ کر نگاہ پھیرلی تھی اور کھڑکی سے باہر برستی بارش کو بغور دیکھنے لگی تھی۔

❊❊❊

کلاسز کے بعد وہ خواہ مخواہ لائبریری میں گھسی کتاب پر سر جھکائے بیٹھی رہی تھی۔ گھر کا کوئی تصور کے پاس نہ تھا اور واپسی کے راستے بے حد دشوار تھے۔

گھر——اپنا گھر——ایک خیال اس کے اندر لپکا تھا۔ اور وہ فوراً بیگ لے کر اٹھی تھی اور تیز تیز چلتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔ کتنے دن ہو گئے تھے وہ در و دیوار دیکھے۔

وہ گھر، وہ کمرہ، وہ لان دیکھے۔

کیب اس کے اپنے گھر کے باہر رکی تھی اور وہ کتنی ہی دیر ساکت سی کھڑی گیٹ کو اور باہر کی دیوار کو تکتی رہی تھی۔ پھر بیگ سے چابی ڈھونڈ کر برآمد کی تھی جو ہر وقت اس کے پاس رہتی تھی۔ گیٹ کھول کر اندر داخل ہوئی تھی تو ہر شے کو اسی طرح پایا تھا۔ گھر کی دیکھ بھال گارڈز اور نوکروں کے ذمے تھی۔ یقیناً متواتر اس گھر کی دیکھ بھال بھی کر رہے تھے۔ لان میں سارے پودے تر و تازہ تھے——گھاس ہموار اور برابر تھی۔ پودوں کو صبح ہی پانی دیا گیا تھا۔ گلاس ڈور تک جاتی راہداری صاف و شفاف تھی۔ وہ قدم قدم چلتی اندر بڑھ آئی تھی۔

ایک شہر——ایک مقام اور اتنے دنوں کی دوری۔ وہ اپنے محور کے بغیر کتنے دن تک سرگرداں رہی تھی——اتنی دوری نہ تھی اور پھر بھی وہ دور رہی تھی۔

یہ قصداً کیے گئے فیصلے بعض اوقات کتنا دکھ دیتے ہیں۔ اس نے خود اپنے ساتھ کس درجہ ناانصافی کی تھی۔ ایک ایک شے کو چھوتے ہوئے کتنی یادیں اس کے اندر جاگ رہی تھیں اور آنکھیں کتنی دھندلا رہی تھیں۔

یہ وہ گھر تھا جہاں اس نے آنکھ کھولی تھی، جہاں پاؤں پاؤں چلی تھی، جہاں ہنسی تھی——کھیلی تھی——روئی تھی۔ اور آج جب بہت شکستہ تھی تو اپنا غم ان در و دیوار سے بانٹنے چلی آئی تھی۔ اپنے گھر کی ہر ہر شے کتنا اپنا پن دے رہی تھی۔

"سردار سبکتگین حیدر لغاری! تمہارے لئے میں نے کیا کچھ تیاگ دیا——کتنا کچھ گنوا دیا، چھوڑ دیا۔ تم نے اپنے نام کی مہر لگا کر میرے لئے میرے سارے حوالے پرائے اور غیر معتبر کر دیئے۔ سارے احساس مٹا دیئے اور پھر بالآخر مجھے بھی مٹا دیا۔

کیسے شخص ہو تم؟

اپنی ہی چیزوں کو توڑتے ہوئے تمہیں دکھ نہیں ہوتا——کوئی پچھتاوا نہیں ہوتا——کوئی تکلیف نہیں ہوتی تمہیں——

کتنے بے درد شخص ہو تم——اور اس سے زیادہ بے حس میں ہوں جو تمہارے ساتھ ہوں۔" اپنے کمرے میں قدم رکھتے ہوئے ایک ایک شے کو چھو کر دیکھتے ہوئے وہ جیسے ضبط ہار رہی تھی۔

"کیوں——کیوں ہوں میں تمہارے ساتھ، جب میں تمہارے ساتھ کہیں نہیں ہوں۔ کیوں چنا میں نے تمہیں اپنے لئے اگر تم غلط ترین انتخاب تھے——کیوں سر پھوڑ رہی ہوں متواتر اگر تم پتھر ہو اور تمہیں میری بات سمجھنا ہی نہیں——کیوں؟——کس لئے؟ کس لئے شب و روز کا یہ سفر ہے؟ جب رائیگانی ہے تو میں کیوں رک نہیں جاتی؟ کیوں ہوں تمہارے ساتھ اگر تم میرے ہو ہی نہیں اور کبھی ہو بھی نہیں سکتے۔ تو پھر یہ میرے یک طرفہ سمجھوتے بھی کیوں؟——کیوں رہوں میں تمہارے ساتھ جب تمہیں قدم قدم میرے ساتھ چلنا ہی نہیں؟——کس لئے یہ رشتہ بھی، جب ہمیں ایک ساتھ بسر ہونا ہی نہیں——کیوں——کس لئے——؟"

وہ گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔ جانے کتنی دیر گزر گئی تھی اسی طرح بیٹھے۔ روتے روتے——سسکیاں مدھم پڑی تھیں تو اس نے تھک کر سر اٹھایا تھا اور اپنی جگہ ساکت رہ گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کی وہاں اس کے سامنے موجودگی یقیناً اس قدر حیرت کا باعث تھی۔ یقیناً یہ اس کا وہم تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری——اُس کا خوف، اس پر اس درجہ سوار تھا کہ اسے ہر جا وہی دکھائی دے رہا تھا۔ حالانکہ وہ یہاں کہاں آ سکتا تھا؟——اُسے تو خبر بھی نہیں تھی۔ جو وقت واپسی کے لئے اُسے دیا تھا، ابھی اس میں خاصی دیر تھی اور اسے تو کیمپس سے ہی پک کرنا تھا——!

ہاں، یقیناً یہ ہیولا تھا۔ کوئی تصور تھا اُس کا۔ وہ باآوازِ بلند شکوے کر رہی تھی اس سے——اور اب سے لگا تھا وہ اس کے سامنے موجود تھا۔

میرب نے ہاتھ بڑھا کر اس ہیولے کو چھوا تھا اور اپنی جگہ ساکت رہ گئی تھی جب اس ہیولے میں حرکت ہوئی تھی اور اس کے نازک ہاتھ کو اپنے مضبوط ہاتھوں میں جکڑ لیا تھا۔ میرب سیال کی حیرت کی کوئی حد نہیں رہی تھی۔ کس درجہ پاگل ہو رہی تھی وہ——کس درجہ ذہنی توازن بگڑ رہا تھا اُس کا۔ وہ

جو دیکھ رہی تھی اس پر یقین نہیں کر رہی تھی۔ اور جس پر یقین کر رہی تھی، اسے دیکھ نہیں رہی تھی۔ سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی شخصیت کو کتنے انتشار سے دوچار کر دیا تھا۔ اور اب اس کے عین سامنے
مگر یہ کس طرح ہوا تھا؟—— باہر کا گیٹ تو وہ خود بند کر کے اندر آئی تھی۔ یا پھر یہاں بھی اور کوئی غلطی ہوئی تھی—— کس درجہ ذہنی توازن بگڑ رہا تھا اس کا۔ مسلسل ٹینشن—— مسلسل جاگنا، ڈھونا اور سوچنا اور کوئی حل نہ پانا—— یہ ذہنی انتشار اسے کہاں لے جا رہا تھا۔ وہ آپ حیران تھی۔ سبکتگین حیدر لغاری اس کے سامنے بیٹھا اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی مضبوط گرفت میں تھے اور وہ ساکت بیٹھی تھی۔

"کیوں جینے نہیں دے رہے ہو مجھے؟—— کس لئے؟—— جب میرا تم سے کوئی واسطہ نہیں پھر یہ سب کیوں؟—— تم کیوں کر رہے ہو یہ سب؟ کوئی اچھی بات تو نہیں سارے ثواب اپنے میں لکھ لینا اور عذاب کسی اور کے خانے میں ڈال دینا—— تم میرے نام وہ سزائیں کیوں لکھو جن کے گناہ مجھ سے سرزد ہوئے ہی نہیں؟—— کیا خود غرضی نہیں ہے؟ ہزار بار سوچا، شکوہ نہ کروں—— کوئی شکایت نہ کروں۔ چپ چاپ سمجھوتے کی چادر اوڑھ لوں۔ تمہارے ساتھ قدم چلوں۔ تمہیں سوچوں، تمہیں چاہوں اور بس تمہیں دیکھوں۔ اور میں نے ایسا کیا بھی۔ ایسا ہی کیا نے۔ نہیں چاہا تھا اگرچہ کبھی بھی، نہیں چاہا تھا تمہیں۔ مگر خود کو مار دیا—— تمہارے لئے فنا کر دیا۔ ڈھال دیا تمہارے سانچے میں خود کو۔ رنگ دیا تمہارے رنگ میں۔ تمہیں جو شے اچھی لگتی صرف دیکھتی، اسے سوچتی، پہروں تنہا بیٹھ کر—— تمہاری اِک اِک شے کے متعلق غور کرتی۔ آٹھ مہینے دن سات گھنٹے تمہارے ساتھ رہی—— تمہارے نام کے ساتھ رہی۔ ایک ایک لمحہ لکھ دیا تمہارے ایک ایک پل۔ اور تم—— تم نے کیا صلہ دیا مجھے؟—— جانتی تھی، ہرجائی ہو تم۔ وفا نہیں ہے تم کبھی میرے ہو کر رہ بھی نہ سکو گے۔ ہر رات تمہاری سنگت ایک نئے چہرے، نئے نام کے ساتھ ہے۔ مگر اس طرح تو نہیں۔" سر بہت آہستگی سے نفی میں ہلایا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری! میں نے ایسا کبھی نہیں سوچا تھا کہ تم ایسا بھی کرو گے—— پتہ نہیں میں تم پر اعتبار کرنے لگی تھی۔ حد درجہ اعتبار—— مجھے لگنے لگا تھا میں تمہیں بدل سکتی ہوں اور میں آج کے دن بدل دوں گی۔ تمہیں نہ نئے چہروں سے آشنائی کا شوق رہے گا نہ نئے ناموں سے کچھ رہے گی—— تمہاری زندگی میں ایک دن ایسا سورج ضرور طلوع ہو گا جب تمہاری تلاش صرف مجھ شروع ہو گی اور صرف مجھ تک ختم ہو گی۔ میں کسی ایسے دن کی منتظر تھی، پر اُمید تھی میں۔ مگر تم—— میرے سارے ارادوں کو ایک پل میں ڈھیر کر دیا—— ساری اُمیدوں پر پانی پھیر دیا۔ تم نے جس کے متعلق میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔ حالانکہ جیسے تم ہو، جیسے کھیل تم کھیلتے ہو اور جس طرح کے سرانجام دیتے ہو اسے دیکھ کر تو مجھے تم سے ہر بات کی اُمید رکھنا چاہئے تھی۔ مگر جانے کیوں، میں نے کبھی نہیں سوچا۔ مجھے لگا تمہارے لئے زندگی کی حقیقی تلاش صرف میں ہوں—— صرف میں۔ تم بھی سلوک مجھ سے روا رکھا، جو بھی تم کرتے رہے، میں نے کبھی کسی بات کے لئے تمہیں مورد الزام

ٹھہرایا۔ کیونکہ میں جانتی تھی اگر یہ رشتہ میرے لئے سمجھوتہ ہے تو تمہارے لئے بھی یقیناً کسی خوشی کا باعث نہیں ہے۔ یہی جان کر میں نے تمہاری ہر غلطی معاف کی۔ ہر غلط سلوک درگزر کیا۔ ہر قصور کو بھلا دیا۔ مگر تم—— تمہیں ذرہ برابر شرمندگی نہیں کہ تم نے کیا، کیا۔ ایک دوسری عورت کو اٹھا کر گھر میں لے آئے جب کہ تمہاری منکوحہ میں تھی۔ جب مجھے تمہارے ساتھ زندگی بسر کرنا تھی اور تمہیں میرے خواب دیکھنے تھے تو پھر یہ سب کیونکر ہوا؟—— تم نے اتنی بڑی غلطی کیسے کر دی؟—— کیسے؟" مدھم تھکے ماندے لہجے میں پوچھتے ہوئے کتنے آنسو آنکھوں سے رواں تھے۔ کس درجہ شکستہ لگ رہی تھی وہ۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ہاتھ بڑھا کر اس کے آنسوؤں کو اپنی پوروں پر لیا تھا اور پھر اسے اپنے حصار میں لے لیا تھا۔

میرب سیال اب بھی نہیں چونکی تھی۔ شاید اب بھی یہ وہی خیال تھا اس کے لئے۔

"اگر یہ پناہ میری تھی—— تو تم نے اس میں کسی اور کو کیوں حصے دار بنایا؟—— تم تو عادی تھے نا نئی فضاؤں کے—— نئی ہواؤں کے—— نئی جہت—— نئے خوابوں سے عشق تھا تمہیں۔ تمہاری ترجیحات جب یہی تھیں تو پھر مجھے خواب دیکھنا کیوں سکھائے تم نے؟ مجھے اپنے ساتھ کیوں کیا؟ جب ہمارے راستے جدا تھے—— ہمیں ایک ساتھ چلنا ہی نہیں تھا تو پھر مجھے قدم قدم اپنے ساتھ چلنے کا عادی کیوں بنایا؟—— کیوں سکھایا اپنے زاویے سے زندگی کو دیکھنا، پرکھنا اور برتنا؟—— مجھے ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ ہم قدم کیوں کیا؟" میرب کتنے مدھم لہجے میں شکوے کر رہی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے سر پر اپنا چہرہ جھکا دیا تھا۔ مگر یہ کیا، وہ ٹوٹی ہوئی شاخ کی طرح ایک طرف لڑھک گئی تھی۔

"میرب!—— میرب!" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے جھنجھوڑا تھا مگر اس کے وجود میں کوئی حرکت نہیں ہوئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے نازک وجود کو ایک لمحے میں اپنے مضبوط بازوؤں میں اٹھایا تھا اور تیزی سے لے کر گاڑی کی سمت بڑھا تھا۔ پچھلی سیٹ پر اسے ڈال کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی تھی اور گاڑی ہواؤں سے باتیں کرنے لگی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کا چہرہ بے تاثر تھا۔

❋❋❋

"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تمہیں خبر نہ ہو؟—— فارحہ! تم یقیناً جانتی ہو کہ ماہا کہاں ہے مگر تم اسے صرف مجھ سے چھپانا چاہتی ہو۔ مگر تم نہیں جانتی ہو کہ تم ایسا کر کے کتنا غلط کر رہی ہو۔" سعد حسن بخاری کس قدر درشت لہجے میں کہہ رہے تھے جب اذہان نے قدم اندر رکھا تھا۔

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں پاپا!—— ممی ہی نہیں، میں اور چاچو، ہم سب جانتے ہیں کہ ماہا کہاں ہے اور کیوں ہے۔ بہتر ہو گا آپ بھی جان لیجئے کہ اگر ماہا نے ایسا کیا تو کیوں کیا۔ صرف اور صرف آپ کے خوف سے۔"

"مجھے یقین تھا۔" سعد حسن بخاری نے سر ہلایا تھا۔ "مجھے یقین تھا تم سب اس حقیقت سے واقف ہو گے... ماہا کو تم لوگوں نے جان بوجھ کر کہیں چھپا دیا ہے۔"

''چھپایا نہیں ہے پاپا! وہ نانو کے گھر ہے اور اپنی مرضی سے ہے۔ اسے وہاں سے ہم تو کیا شاید آپ بھی نہیں لا سکتے۔ عاقل و بالغ ہے وہ اور ایک بالغ بچہ اپنی مرضی سے فیصلہ کر سکتا ہے۔ اس کے لئے نہ اسے قانون روک سکتا ہے نہ ہی ہم جیسے سو کالڈ رشتے۔ بجائے یہ جانچنے کے کہ ماہا کدھر ہے آپ یہ سوچیے کہ وہ ادھر کیونکر ہے؟ ـــــ ایک باپ کے خوف سے جو دوسری بار اس کی زندگی کو اپنے ایک غلط فیصلے کی نذر کرنا چاہتا ہے۔ پاپا! آپ کب یہ سمجھیں گے کہ ماہا آپ کی وہی ننھی پری ہے جس کی ایک ذرا سی تکلیف پر آپ خود بھی رو دیا کرتے تھے۔ اور آج ـــــ آج آپ کس درجہ سنگدل ہو چکے ہیں۔ کیا آپ وہی ایک لبرل باپ ہیں جنہوں نے اپنے بچوں کو ایک نئی سوچ کے ساتھ جینا سکھایا، سوچنا سکھایا اور جب وہ سوچنا اور جینا سیکھ گئے تو آپ ان کے پر کاٹ دینا چاہتے ہیں اور ان کے ذہن مفلوج۔ پاپا! یہ کیا ہے؟ ـــــ کیا آپ نے ایمان داری سے خود ایک بھی بار سوچا ہے کہ آپ ماہا کے لئے یہ فیصلہ کیونکر لے رہے ہیں؟ ـــــ صرف اس لئے کہ کوئی اور ایسا چاہتا ہے ـــــ پاپا! آپ اپنے بچوں کی زندگیاں کسی اور کے فیصلے کی نذر کر دینا چاہتے ہیں؟'' اذہان بہت حد تک جذباتی نظر آیا تھا۔

فیض چاچو نے اس کے شانے پہ ہاتھ رکھ کر اسے مزید بولنے سے جیسے روک دیا تھا۔ سعد حسن بخاری فارحہ کی طرف دیکھنے لگے تھے۔

''تم سے صرف ایک مدعا بیان کیا تھا فارحہ! تم نے تو رائی کا پہاڑ بنا دیا۔ میرے بچوں کو میرے خلاف کرنے میں تمہارا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ میں نے ماہا کا رشتہ طے نہیں کر دیا تھا، صرف ایک پروپوزل سامنے رکھا تھا۔ ضروری نہیں تھا کہ ہم ماہا کی شادی ہیں کرتے۔ مگر تمہاری عادت ہو گئی ہے واویلا کرنے کی۔'' سعد حسن بخاری کہہ کر رکے نہیں تھے ـــــ وہاں سے نکلتے چلے گئے تھے۔ اذہان حسن بخاری نے ماں کی طرف دیکھا تھا اور پھر قریب جا کر انہیں اپنے ساتھ لگا لیا تھا۔

''ڈونٹ وری ممی! ـــــ آپ فکر نہ کریں۔ ماہا کے ساتھ اب میں کچھ غلط ہونے نہیں دوں گا۔''

''بیٹا! تم نے ماہا کو سیف کرنے کے لئے جو بھی کیا ٹھیک کیا۔ مگر بھائی کو سمجھانا ذرا مشکل ہے۔ وہ نظریاتی اختلاف کو دیکھ رہے ہیں۔ اس وقت انہیں صرف یہ لگ رہا ہے کہ وہ ٹھیک ہیں باقی سب غلط۔ جب وہ ذرا ٹھنڈے ہوں گے تو میں خود بات کروں گا ـــــ ماہا ہم سب کو عزیز ہے۔ مگر بہتر ہو گا ہم ماہا کو واپس اس گھر میں لے آئیں۔'' فیض چاچو نے صلاح دی تھی۔

''چاچو! آپ یہ کہہ رہے ہیں۔ جبکہ آپ پاپا کو اچھی طرح جانتے ہیں ـــــ جانے کیسے ہو گئے ہیں وہ۔ کتنا بدل کر رکھ دیا ہے اس عورت نے انہیں۔ انہیں اپنے بچے، اپنا گھر کچھ دکھائی نہیں دے رہا ـــــ سب غلط لگ رہا ہے۔ اور رہی ماہا کی بات، تو ماہا اپنی مرضی سے وہاں گئی ہے اور اسے وہاں سے نہ تو میں واپس لا سکتا ہوں نہ ہی آپ۔ کیونکہ وہ خود یہاں آنا نہیں چاہتی۔ اور چاچو! وہ حق پر بھی ہے۔ جس گھر میں رہنے والوں کو تحفظ نہ ملے اور انہیں باہر بھاگنا پڑے وہ گھر نہیں ہوتا۔ پاپا نے اپنے منفی رویے سے اس گھر کو گھر نہیں، ایک اکھاڑا بنا دیا ہے ـــــ جہاں ہر روز ایک نئے اختلاف کو لے کر اپنے اپنے اصولوں کے موقف پر سختی سے ڈٹا رہا جاتا ہے اور بے قصوروں کی قربانی دی جاتی ہے۔ پاپا کو عادت ہو گئی ہے دوسروں سے قربانی لینے کی۔ مگر اب ایسا نہیں ہو گا۔ میں ایسا کچھ نہیں ہونے دوں گا۔'' اذہان حسن بخاری کا لہجہ اور انداز دونوں ہی اٹل تھے۔

❋❋❋

مسلسل پریشانی اور سوچوں نے اُسے اس نہج پر لا کھڑا کیا تھا جہاں کچھ بھی ہو سکتا تھا۔

اس کا بی پی خطرناک حد تک بڑھ گیا تھا جسے نارمل کرنے کے لئے ڈاکٹرز مسلسل کوشش کر رہے تھے۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے جانے کیا سوچ رہا تھا۔

ایک بار پہلے بھی اس کی یہی حالت ہوئی تھی۔ جب وہ نیویارک میں تھی اور اس کے پاپا کی سرجری ہوئی تھی۔ تب بھی سبکتگین حیدر لغاری نے ہی اسے سنبھالا تھا اور اب بھی۔

''آپ ان کے ہزبینڈ ہیں؟'' تب سبکتگین حیدر لغاری نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''کتنا عرصہ ہو گیا آپ کی شادی کو؟''

''آٹھ مہینے ـــــ چھبیس دن ـــــ اور ساٹھ گھنٹے۔'' اندر کوئی مدھم آواز ابھری تھی۔

''زیادہ عرصہ نہیں ہوا ـــــ مگر تشویش کی بات کیا ہے؟ ـــــ ہاؤ از شی ناؤ؟ ـــــ اب کیسی ہے وہ؟ کیا سب کنٹرول میں آ رہا ہے؟ ـــــ بی پی کیسا ہے؟ ـــــ نارمل ہے یا ـــــ؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کئی سوال ایک ساتھ کر دیے تھے۔

ڈاکٹر مسکرا دیا تھا۔

''جب اتنا لونگ اینڈ کیئرنگ ہزبینڈ ہو تو پھر پرابلم کیا ہو سکتی ہے کہ بی پی اس حد تک پہنچ جائے؟'' ڈاکٹر کو تشویش ہوئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کچھ نہیں کہا تھا۔ خاموشی کے ساتھ میرب سیال کے چہرے کو دیکھنے لگا تھا۔ ڈاکٹر اس کا بی پی دوبارہ لینے لگا تھا۔

''آپ انہیں بروقت لے آئے۔ ورنہ بات اختیار سے باہر بھی ہو سکتی تھی۔ برین ہیمبرج ـــــ پیرالائزڈ ـــــ یا پھر ہارٹ فیل ـــــ اکچوئیلی اتنی سی عمر میں اتنا زیادہ بی پی ہونا خطرے سے خالی نہیں۔ اتنی کم عمری میں عموماً اتنا ہائپر ٹینشن ہوتا نہیں۔ مگر جب ہوتا ہے تو اس کی کوئی خاص وجہ ہوتی ہے۔ مگر اتنے ہائی پریشر سے دل، گردے، دماغ کچھ بھی متاثر ہو سکتا ہے۔ مجھے تو وجہ صرف وقتی ٹینشن اور اسٹریس ہی لگ رہی ہے۔ مگر ہو سکتا ہے وجہ کوئی اور بھی ہو۔ میں کچھ ٹیسٹ لکھ دیتا ہوں۔ آپ وہ کروا لیجئے۔ عموماً کڈنیز کے باعث بھی یہ پرابلم ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے ان کے کڈنیز میں کوئی خرابی ہو۔''

''نہیں، ایسا کچھ نہیں ہے ـــــ یہ صرف وقتی اسٹریس ہے۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے فوری طور پر جواب دیا تھا۔

''سمجھدار ہیں آپ۔ مگر آپ کو اپنی وائف کی ایکسٹرا کیئر کی ضرورت ہے ـــــ بے حد خیال رکھنے کی۔ اگر انہیں کوئی پریشانی ہے بھی تو اسے فوری طور پر بانٹیے اور انہیں تنہا مت چھوڑیے۔ تنہائی میں ادھر ادھر کے خیال اور سوچیں زیادہ پریشان کرتی ہیں۔'' ڈاکٹر نے مخلصانہ رائے دی تھی۔ ''آپ دونوں کا پیئر بہت اچھا ہے۔ دعا ہے جوڑی سلامت رہے ـــــ مجھے امید ہے کہ آپ کی وائف دوبارہ اگر ہاسپٹل

میں آئیں گی تو اس کا کاز یہ ہائپر ٹینشن نہیں ہو گی۔'' ڈاکٹر مسکرایا تھا۔ ''ویسے اب ان کی حالت پہلے
بہت بہتر ہے۔ بی پی از انڈر کنٹرول ــــــ میں کچھ ٹانکس اور دوائیں لکھ دیتا ہوں۔ انہیں ضرور دیں
انشاء اللہ شی ول بی فائن۔'' ڈاکٹر نے پرچہ لکھ کر اس کی سمت بڑھایا تھا۔

میرب سیال نے بہت آہستگی سے آنکھیں کھول کر دیکھا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری فوری طور پر اس کی سمت بڑھا تھا۔

''میرب! اب کیسا محسوس کر رہی ہو تم؟ ــــــ آر یو آل رائٹ؟'' کسی قدر تشویش سے دریافت تھا۔ مگر میرب نے کوئی جواب نہیں دیا تھا ــــــ خالی خالی نظروں سے اسے دیکھا تھا اور پھر اسی آ سے چہرے کا رخ پھیر لیا تھا۔

❊❊❊
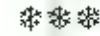
اس شام وہ لوگ ماہ وش بخاری کے گھر تھے۔ اوزی چائے کے ساتھ مسلسل چھیڑ چھاڑ کر رہا تھا۔

''کب تک بوریا بستر ڈال کر بیٹھے رہنے کا ارادہ ہے؟ ــــــ اپنی راہ لو۔ ورنہ شادی کر کے گھر لو۔'' انابیہ نے اسے چھیڑا تھا اور اوزی ہنس دیا تھا۔

''ہاں ــــــ میں بھی یہی سوچ رہا ہوں ــــــ بلکہ سوچ چکا ہوں۔ بس تم سے بات کرنا باقی تھا۔ لڑکی کی رضامندی لے لینا۔ دراصل وہ مجھے بتانے سے گریزاں ہے شاید۔ مشرقی لڑکی ہے نا۔ شرمیلی بہت ہے۔'' اوزی مسکرایا تھا۔ عفنان علی خان چپ چاپ بیٹھا تھا۔

''کون ہے وہ؟ ــــــ کیا میں اُسے جانتی ہوں؟'' انابیہ نے دریافت کیا تھا۔

''ہاں ــــــ بہت اچھی طرح۔'' اوزی مسکرایا تھا۔

''ایکسکیوز می! ــــــ'' عفنان علی خان اٹھا تھا اور چلتا ہوا دادا ابا کے پاس جا بیٹھا تھا۔ انابیہ نے او بطور خاص اوزی نے اسے دیکھا تھا۔

''انابیہ! ایک بات بتاؤ گی؟''

''ہوں۔''

''سچ سچ ــــــ ایک اچھا دوست سمجھ کر ــــــ''

''ہوں۔''

''تم عفنان کو جان بوجھ کر اگنور کر رہی ہو نا؟'' اوزی نے اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ دھرا تھا۔ انابیہ چپ ہو کر ایک لمحے میں اجنبی ہو گئی تھی۔ جیسے وہ اس سوال کا کوئی جواب دینا نہیں چاہتی تھی۔

''انابیہ! تم اب بھی عفنان کو قصور وار سمجھتی ہو۔ جبکہ اس نے تمہارے لئے اتنا کچھ کیا جتنا شاید ہم سب بھی نہیں کر سکتے۔'' اوزی نے اسے قائل کرنے کی کوشش کی تھی۔

مگر انابیہ جواباً ایک لفظ بھی نہیں بولی تھی۔

''انابیہ! تمہیں لگتا ہے، عفنان جیسا شخص کچھ غلط کر سکتا ہے؟ ــــــ وہ جو صرف ایک حساس دل رکھتا ہے اور صرف محبت کرنا جانتا ہے۔ تم سمجھتی ہو کہ وہ کچھ ایسا بھی کر سکتا ہے جس کو نہ عقل تسلیم کرتی ہو اور نہ دل

ل؟'' اوزان سید نے سنجیدگی سے بہن کی طرف دیکھا تھا اور انابیہ بے تاثر دکھائی دے رہی تھی۔

''انابیہ! یہ ٹھیک نہیں ہے۔ عفنان کو اس بات کی سزا مت دو جو اس نے کیا ہی نہیں۔ تم لامعہ کو لے کر کچھ زیادہ ہی جذباتی ہو رہی ہو ــــــ یہ ٹھیک نہیں ہے۔''

''تمہیں کیا پتہ کہ میں لامعہ کو لے کر جذباتی ہو رہی ہوں۔ میں نے تو تم سے ایسا کچھ نہیں کہا۔'' انابیہ نے اس کی سمت حیرت سے دیکھا تھا۔ اوزی نے اس کا ہاتھ تھاما تھا اور بغور توجہ سے دیکھا تھا۔

''انابیہ! تم مجھ سے کچھ بھی نہیں کہو گی تب بھی میں وہ بات جان جاؤں گا جو تمہارے دل میں ہے۔ نہیں مجھے کچھ کہنے کے لئے لفظوں کے سہارے لینے کی ضرورت نہیں ہے اور یہ بات میں اب سے نہیں جانتا ہوں، جب تمہاری شادی ہو رہی تھی تب بھی جانتا تھا تم عفنان کی طرف سے بدظن ہو۔ مگر میں سمجھا تھا وقت کے ساتھ تم اس حقیقت کو انڈر اسٹینڈ کر لو گی۔ مگر تم ــــــ انابیہ! اپنی زندگی کو کسی بے وقوفی کی نذر مت کرو۔ تم مانتی ہو نا یہ سب قسمت کے کھیل ہوتے ہیں۔ تم تو اتنی سمجھدار تھیں۔ مجھے سمجھایا کرتی تھیں۔ پھر اب کیا ہوا؟ ــــــ یاد ہے جب لامعہ حق نے مجھے ریجیکٹ کر دیا تھا تو تم نے مجھے سو سو دلاسے دیئے تھے اور آج ــــــ آج تم خود اس حقیقت سے منحرف ہو رہی ہو کہ تقدیر نامی کوئی شے اس دنیا میں کسی انسان کے پاس ہوتی بھی ہے ــــــ انابیہ! تم یہ کیوں نہیں سمجھ رہی ہو کہ عفنان، لامعہ کے لئے نہیں تھا۔ اگر وہ لامعہ کے لئے ہوتا تو اسی کے ساتھ رہتا۔ مگر تم جانتی ہو وہ اس کے ساتھ رہ کر بھی اس کے ساتھ نہیں تھا۔ کیوں؟ ــــــ جانتی تھیں نا تم وہ تمہیں چاہتا تھا۔ بس یہی ایک غلطی ہوئی ہے اس شخص سے۔ اس نے ایمانداری سے تمہاری خواہش کی ہے......''

''اوزی! تم اسے فیور مت کرو ــــــ یہ ٹھیک ہے وہ تمہارا بہترین دوست ہے مگر تم یہ مت بھولو کہ تم میرے بھی بھائی ہو۔'' انابیہ نے اسے جھٹلایا تھا۔

''ہاں ــــــ بھائی ہوں ــــــ تبھی تو چاہتا ہوں تم اپنے گھر خوش رہو، آباد رہو۔ سنو انابیہ! ماہ وش ماں کو پتہ چلے گا تو انہیں بہت دکھ ہو گا۔ اور لکھ کر رکھ لو تم ــــــ تم اس حقیقت کو زیادہ دنوں تک چھپا نہیں سکو گی اور آہستہ آہستہ یہ بات سب کو پتہ چل جائے گی۔''

''کیا بات سب کو پتہ چل جائے گی بھئی؟'' ماہ وش شاہ ملازم کے ساتھ ٹرالی لئے اندر داخل ہوئی تھیں۔ اوزی مسکرا دیا تھا۔

''کچھ نہیں ناما! ــــــ یونہی انابیہ سے ہنسی مذاق کر رہا تھا۔ بہت دنوں بعد فرصت سے بیٹھے ہیں نا۔'' اوزی نے بات بنائی تھی۔

''ہاں ــــــ یہ تو ہے۔ مگر انابیہ! یہ کیا سن رہی ہوں میں؟ ــــــ تم ہنی مون پر نہیں جا رہی ہو؟ بری بات بیٹا! ــــــ فاطمہ سے بات ہوئی تھی۔ وہ بتا رہی تھیں کہ تم منع کر رہی ہو ــــــ جان! یہ چھوٹی چھوٹی باتیں بہت اہمیت رکھتی ہیں زندگی میں اور پھر یہی دن تو ہنسنے کھیلنے کے ہوتے ہیں۔ اس کے بعد تو ذمہ داریاں بڑھتی چلی جاتی ہیں۔ بائے دی وے، یہ عفنان وہاں کیا کر رہا ہے؟ ــــــ تم لوگ کمپنی نہیں دے رہے ہو اسے؟'' ماہ وش نے کہہ کر عفنان کو آواز دی تھی۔

"عفنان بیٹے! ـــــ یہاں آجاؤ ـــــ اور ابا جی! آپ بھی آجایئے ـــــ چائے تیار ہے۔"

عفنان علی خان اٹھ کر اس طرف چلا آیا تھا۔ ماہ وش جہاندیدہ تھیں۔ ایک عجب طرح کا کھنچاؤ دونوں کے بیچ محسوس کیے بنا نہیں رہ سکیں تھیں۔ مگر وہ جانتی تھیں قصور ان کی اپنی بیٹی کا ہوگا۔ تبھی ہدایت جاری کرتے ہوئے اندر بڑھ گئی تھیں۔

"انابیہ! چائے سے فارغ ہونے کے بعد مجھے ضرور ملنا۔ بہت ضروری بات کرنی ہے۔"

"جی۔" انابیہ نے سر ہلایا تھا۔ وہ جانتی تھی کیا بات ہوگی۔ اوزی کی طرح ماما بھی اس کی کلاس لیں گی۔ اسے سمجھائیں گی۔ جانے کیوں سب کو قصور اسی کا دکھائی دے رہا تھا۔ غلطی اسی کی لگ رہی تھی حالانکہ اگر کوئی اس کی سنتا اور پوچھتا تو صاف صاف بتا سکتی تھی کہ غلطی کس کی تھی۔ عفنان علی خان اس جانب متوجہ نہیں تھا۔ وہ اس کے پیرنٹس کے سامنے جتنا ہارش بی ہیو کرتی تھی وہ اتنا ہی رکھ رکھاؤ قائم کیے ہوئے تھا۔ وہ جتنا بات کو بگاڑتی تھی وہ اتنی ہی بات کو بنائے رکھنے کی کوشش میں تھا۔ انابیہ نے اس سمت بغور دیکھا تھا۔ اگر ان کے درمیان سب کچھ ٹھیک نہیں تھا تو اس کی خبر یقیناً سب کو ہونا نہیں چاہیے تھی۔ عفنان اس معاملے میں سبقت لے گیا تھا اور وہ اس گھڑی شرمندہ دکھائی دے رہی تھی۔ مگر وہ اپنی غلطی ماننا نہیں چاہتی تھی۔ اوزان، عفنان سے بات چیت کر رہا تھا۔ انابیہ اٹھ کر ماما کے کمرے کی سمت بڑھ گئی تھی۔

جب واپس لوٹی تھی تو عفنان اس کا منتظر تھا۔ انابیہ ناچار اس کے ساتھ چل پڑی تھی۔

دھیمی دھیمی پھوار پڑ رہی تھی۔ وہ چلتے چلتے اچانک لان میں رک گئی تھی۔ عفنان علی خان جو اس سے ایک دو قدم کے فاصلے پر تھا، یکدم مڑا تھا۔ وہ سر آسمان کی طرف اٹھائے بارش سے محظوظ ہوتی ہوئی بڑی بھلی لگی تھی۔ مگر یہ استحقاق، یہ حقوق ـــــ شاید اس کے نام نہیں تھے۔ وہ دیکھتے رہنے کی خواہش کرتے ہوئے بھی مسلسل اس کی سمت نہیں دیکھ سکا تھا اور چلنے کے لئے مڑ کر قدم اٹھا دیا تھا۔

"عفنان!" ایک صدا بازگشت بنی تھی۔ عفنان علی خان کسی قدر حیرت سے چونک کر مڑا تھا۔ انابیہ اس کی سمت متوجہ تھی۔

"کیا تھوڑی دیر رک نہیں سکتے ہو؟" کیا تھا اس لہجے میں ـــــ کوئی درخواست، کوئی خواہش، یا پھر بس ایک رکھ رکھاؤ والی بات ـــــ صرف ایک جملہ ـــــ

"بارش تو تمہیں بھی اچھی لگتی تھی نا؟" جانے کس زمانے کی بات یاد دلائی تھی۔ عفنان کو ایک بار تو حیرت ہوئی تھی مگر وہ بے تاثر بن گیا تھا۔

"ہاں ـــــ مگر اب اچھی نہیں لگتی۔ تم ٹھہرنا چاہتی ہو تو ٹھہر جاؤ، میں انتظار نہیں کر سکتا۔ جانا ہے۔" وہ مڑا تھا۔ انابیہ نے ایک لمحے کو دیکھا تھا ـــــ پھر چلتی ہوئی اس کے پیچھے آ گئی تھی۔ عفنان گاڑی کا دروازہ کھول رہا تھا جب وہ چلتی ہوئی گاڑی کے پاس جا رکی تھی۔

"میں تمہیں بتانا چاہتی تھی۔"

"کیا؟" عفنان بے تاثر انداز میں گاڑی کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھا تھا۔ بارش تیز ہو رہی تھی۔ انابیہ بھی تیزی سے بھیگنے لگی تھی۔ تبھی دروازہ کھلا تھا اور فرنٹ سیٹ سنبھال لی تھی۔

"میں سوئٹزرلینڈ جانے کو تیار ہوں ـــــ مگر میری ایک شرط ہے۔"

عفنان نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے ایک نگاہ اس پر ڈالی تھی۔

"تم اپنی شرائط ماما کو بتا دینا ـــــ غالباً وہ پندرہ بیس دنوں میں سوئٹزرلینڈ جا رہی ہیں ـــــ اگر ان کو تمہاری شرائط منظور ہوں گی تو وہ تمہیں اپنے ساتھ لے جائیں گی۔"

انابیہ شاکڈ رہ گئی تھی۔

"کیوں ـــــ کیا ہم سوئٹزرلینڈ نہیں جا رہے؟"

"نہیں۔" عفنان علی خان نے حتمی انداز میں کہا تھا۔ "تمہیں گھر جانا ہے یا کہیں اور ڈراپ کر دوں؟ ایکچوئلی مجھے کہیں اور بھی جانا ہے۔" عفنان کا رویہ عجب سرد مہر ہو رہا تھا۔

انابیہ اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

"اگر تمہیں زیادہ جلدی ہے تو میں کیب لے لیتی ہوں۔" ایک مشورہ دیا تھا۔ مگر عفنان علی خان نے ذرا اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"میرے خیال میں یہ زیادہ مناسب ہے۔" گاڑی سائیڈ پر روک کر ایک کیب ہائر کی تھی اور پھر اس کی طرف کا دروازہ کھول دیا تھا۔ انابیہ اپنی جگہ ساکت رہ گئی تھی۔ عفنان اس حد تک غیر ذمے دار ہو سکتا تھا ـــــ رات کے اس لمحے وہ اپنے ـــــ اپنی بیوی کو تنہا ـــــ اکیلے ایک کیب میں سفر پہ مائل کر رہا تھا۔ مگر ـــــ یہ تجویز تو خود اس کی اپنی تھی۔ عفنان علی خان کو دیکھا تھا، وہ اس کا منتظر تھا۔ تب وہ چپ چاپ گاڑی سے اتر کر کیب میں بیٹھ گئی تھی۔ عفنان علی خان اس درجہ بے مروت ہوگا، وہ نہیں جانتی تھی۔

عفنان علی خان کی گاڑی کو زن سے آگے بڑھتے دیکھ کر اس نے سوچا تھا۔ اور پھر گاڑی سے باہر دیکھنے لگی تھی۔ جانے کیوں اپنی تذلیل کا احساس بھرپور انداز میں ہوا تھا ـــــ عفنان کیا جان بوجھ کر ایسا کر رہا تھا؟

❋ ❋ ❋

اصولاً تو سردار سبکتگین حیدر لغاری کو کوئی اقدام کرنے چاہئیں تھے۔ مگر میرب کو گھر لانے کے بعد اس میں کوئی پیش رفت دکھائی نہیں دی تھی۔ ہنوز اسی گھر میں موجود تھی اور سردار سبکتگین حیدر لغاری اُسے نہ تو کنور کر پا رہا تھا اور نہ ہی اس کی طرف سے ہاتھ کھینچ پا رہا تھا ـــــ اس کی فراغت کے کئی لمحے اب بھی اس کے ساتھ ہی بسر ہوتے تھے۔ میرب سیال کو اس سے کچھ سروکار نہ تھا کہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کیا کچھ روا رکھتا تھا اور کیا کچھ نہیں۔ اُسے اس شخص سے بھی کوئی سروکار نہ تھا، وہ کیوں اس کے ساتھ اپنی شامیں نا تا یا پھر اپنی پوری لائف۔

اُسے اس سے مطلق کوئی سروکار نہ تھا۔

اُسے جو کرنا تھا، وہ سوچ چکی تھی۔ شام میں پاپا سے بات ہوئی تھی پھر اس کے فوراً بعد مائی کا فون بھی آ گیا تھا۔ کتنے دنوں بعد ان سے بات ہوئی تھی۔ وہ اس کی طرف سے سخت تشویش میں تھیں۔ غالباً سردار

سبکتگین حیدر لغاری نے انہیں اس کی گزشتہ روز کی کیفیت کے متعلق مفصل رپورٹ دے دی تھی۔ اس
بات کر کے انہیں مطمئن کر دیا تھا۔ ان کے آنے میں ابھی کچھ دن تھے مگر وہ میرب کو بار بار اپنا خیال ر
کی تلقین کر رہی تھیں۔ میرب جانتی تھی مائی اماں اس سے کس درجہ محبت کرتی تھیں۔ وہ ان کے لئے
ایک بیٹی جیسی تھی۔ وہ بھی مائی اماں کو اتنا ہی مس کر رہی تھی۔

شاور لے کر فریش ہونے کے بعد وہ الماری کھول کر اپنی تمام چیزوں کو نکال کر بیڈ پر ڈال رہی تھ
ساتھ ہی دو تین ملازم خواتین کو متواتر ہدایت کر رہی تھی کہ کون سا سامان کس سوٹ کیس میں رکھیں۔
ریلیکسڈ موڈ میں اپنا سیل اٹھا کر سردار سبکتگین حیدر لغاری کو "ٹیکسٹ" کیا تھا اور اسی قدر اطمینان سے
ہوئی دوبارہ الماری کے پاس آن رکی تھی۔

"ارے ــــ یہ کیا کر رہی ہو؟ ــــ یہ اوور کوٹ اس بلیک سوٹ کیس میں رکھو اور یہ جوتے
گرے بیگ میں ڈالنے ہیں۔" ہدایت دے کر وہ مڑی تھی جب سردار سبکتگین حیدر لغاری کو اپنے
کھڑے پایا تھا۔ وہ اتنی جلد پہنچ جائے گا اسے اندازہ نہ تھا۔ بہت اطمینان سے ایک سانس خارج کر
ہوئے پُر اعتماد نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی نظروں میں حد درجہ حیرت د
دے رہی تھی۔ وہ اسے اور اس کے کمرے کے ماحول کو کسی قدر حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" میرب کو بازو سے تھام کر کسی قدر غصے سے دریافت کیا تھا مگر میرب اپنا بازو
کی گرفت سے چھڑاتی ہوئی اطمینان سے مسکرا دی تھی۔

"پاپا کا فون آیا تھا ــــ مائی سے بھی بات ہو گئی ہے میری۔ تم جانتے ہو میری طبیعت ٹھیک
ہے۔ میں کچھ دنوں کے لئے ان تمام کاموں سے چھٹی لینا چاہتی ہوں۔ ایگزیمز بھی نسٹ چکے ہیں اِن
سمسٹر ہو سکتا ہے میں ڈراپ کر دوں اور نیکسٹ سمسٹر جوائن کر دوں۔ خیر یہ سب بعد کی باتیں ہیں اور
یقیناً اس میں کچھ خاص انٹرسٹ بھی نہیں ہو گا ــــ خاص بات یہ ہے کہ میں تمام کاموں سے فرا
لے کر چھٹیاں گزارنے پاپا کے پاس جا رہی ہوں۔ مائی نے بھی اس فیصلے کو خوشی خوشی قبول کیا ہے۔
کورس انہیں میرا بہت خیال ہے۔ بیٹی ہوں نا اُن کی........"

وہ ابھی کچھ اور بھی بول رہی تھی جب سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے کھینچتا ہوا کم
سے باہر لے گیا تھا۔

"کیا...... یہ کیا ہو رہا ہے؟ ــــ کیا کہہ رہی ہو تم؟ ــــ ہوش میں تو ہو؟" سردار سبکتگین
لغاری کسی درجہ برہم دکھائی دیا تھا مگر میرب نے اس کا شانہ بجاتے ہوئے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا

"ریلیکسڈ ــــ بی ریلیکسڈ ــــ ٹینشن لینا تمہارے لئے اچھا نہیں۔ اور یہ تو یوں بھی ایک
فری نیوز ہے تمہارے لئے۔ میرے جانے کے بعد غالباً تمہیں بی کے ساتھ اور بھی اچھا وقت گزار
موقع مل جائے گا اور تم بھی اچھی طرح سے اس کا خیال رکھ پاؤ گے۔" وہ مسکراتے ہوئے غالباً کوئی
رہی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لئے اس لڑکی کا یہ روپ بہت نیا تھا۔ کل تک جو اس کی کیفیت
اسے دیکھ کر نہیں لگتا تھا کہ وہ اس فیز سے باہر بھی نکلے گی اور کہاں وہ آج اچانک اتنے چل (Chill)

تھی۔

"میرب! تم نہیں جا سکتی ہو ــــ میں نے کہا نا تم نہیں جاؤ گی۔ مائی اماں تمہیں کیسے اجازت دے
سکتی ہیں؟ ــــ میں روکتا ہوں اسے۔ تم کہیں نہیں جاؤ گی۔" جنونی انداز میں اسے شانوں سے تھامتے
مضبوط لہجے میں کہا تھا مگر میرب مسکرا دی تھی۔

"لگتا ہے سردار سبکتگین حیدر لغاری! تمہیں اپنی بیوی سے محبت نہیں۔ اس کی اس درجہ خراب کیفیت
کے باوجود تم اسے یہاں دیکھنا چاہتے ہو۔ سنا نہیں تھا ڈاکٹر نے کیا ہدایت کی تھی ــــ تمہیں میرا خیال
رکھنا چاہئے۔ اور پھر میں کون سا ہمیشہ کے لئے جا رہی ہوں۔ صرف چھٹیاں گزارنے جا رہی ہوں ــــ تمہیں
بی کو چھوڑ کر آنے میں کوئی پرابلم نہ ہو تو تم بھی میرے ساتھ چلو۔ دونوں مل کر انجوائے کریں گے۔ دو
پا کہتے ہیں ــــ ایک سے بھلے دو۔" وہ اطمینان سے مسکرائی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے
بت سے دیکھا تھا پھر شانوں سے پکڑ کر جھنجھوڑ دیا تھا۔

"پاگل ہو گئی ہو تم ــــ میں نے کہا نا، کہیں نہیں جاؤ گی تم۔ یہیں رہو گی میرے پاس۔" حکم صادر
کیا تھا مگر میرب مسکرا دی تھی۔

"تم نے وہ امریکی کہاوت نہیں سنی شاید، جس کے پاس کیک ہوتا ہے اسے چیری بھی لازمی درکار
ہوتے ہیں۔ تمہارا بھی یہی پرابلم ہے۔" عجب طنز تھا۔ وہ مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلا رہی تھی۔ "میں
تو جا رہی ہوں ــــ اور یہ کوئی مذاق نہیں ہے ــــ مجھے جانا ہی ہے۔ اگر کسی اور کو میرا کوئی خیال
نہیں ہے تو ضروری نہیں کہ میں خود بھی اپنا کوئی خیال نہ کروں۔ میں نے اپنے سوچنے کا انداز بدل دیا
ہے۔ اب میں زندگی کو اس طرح سے دیکھنے لگی ہوں جس طرح سے بہت سے دوسرے لوگ دیکھتے ہیں۔
میرے لئے کوئی شے زندگی سے بڑی یا بڑھ کر قطعاً نہیں ہے۔ میری بات تمہاری سمجھ میں آ رہی ہے
؟" میرب نے کسی قدر توجہ سے سر اٹھا کر اسے مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری عجب تذبذب سے اسے دیکھ رہا تھا۔ نظروں میں حیرت بے حد واضح تھی۔
وہ واقعی بے حد حیران تھا۔

"تم کہیں نہیں جاؤ گی ــــ انڈر اسٹینڈ؟ ــــ تم میری بیوی ہو۔ اور تمہیں روکنے کے سارے
حق میرے پاس ہیں۔ اس سے زیادہ نہ تم کچھ کہو گی نہ ہی میں سنوں گا۔ رائٹ؟"
دونوں شانوں سے اسے تھام کر یکدم وہ سختی سے بولا تھا جب میرب سیال مسکرا دی تھی۔

"اوہ مسٹر ہزبینڈ! ــــ شاید آپ بھول رہے ہیں ابھی ہمارا صرف نکاح ہوا ہے، رخصتی نہیں۔ مشرق
میں شادی کو صرف تبھی شادی کہا جاتا ہے جب لڑکی دلہن بن کر اپنے ہزبینڈ کے گھر آ جائے۔ اور میں
ابھی آپ کی منکوحہ ہوں ــــ ہمارا صرف نکاح ہوا ہے، شادی نہیں۔" اس کے خیال میں اس کی دلیل
بڑی مضبوط تھی۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔ ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کو بالکل ایسے تھپتھپایا
جیسے اس گھڑی وہ اس کے سامنے کوئی بچی ہو۔

"سوئٹی ــــ یہ جو گز بھر کا فاصلہ ہے نا، اسے یونہی قائم رہنے دو۔ ورنہ یہ جو چھوٹی موٹی دیواریں

ہیں نا، ان کے گرنے میں کچھ زیادہ دیر نہیں لگتی۔ نہ تو ابھی حوصلہ ہارا ہے نہ ہی ہمت۔ معصو[illegible] ا۔ افرق آ رہا ہے فقط وابستہ ہے۔ ورنہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لئے کچھ بھی مشکل نہیں۔ ناممکن [illegible] ہوں۔۔۔۔" مسکراتے ہوئے سرگوشی میں بتلایا تھا۔" ایسا کوئی لفظ اس شخص کی زندگی میں نہیں [illegible] لہجہ بہت کچھ باور کراتا ہوا تھا۔ میرب سیال کو اپنے حوصلے ایک لمحے میں پست ہوتے محسوس ہوئے تھے۔

"تم میری کیا ہو؟ یہ بتانا تمہیں ضروری نہیں ہے۔ آئی نو دیٹ ۔۔۔۔ جانتا ہوں یہ بھی۔ [illegible] میں ہو، میرے اختیار میں ہو، بار بار یاد دہانی کرانے کی ضرورت باقی ہے کیا؟ ۔۔۔۔ پاگل ہو تم سچ، بالکل پاگل ۔۔۔۔ کچھ بھی نہیں سمجھتی ہو۔ چھوٹی چھوٹی لکیروں کو مٹانا دشوار نہیں ہوتا ہنی! چھوٹی باتوں پر جلنا کڑھنا چھوڑ دو۔ بہت فکر رہتی ہے تمہاری۔ بہت ستاتی ہو تم۔" مدھم سرگوشی اس عجیب تھی۔ میرب سیال متواتر اس کی طرف دیکھ نہ سکی تھی۔ نظریں خود بخود جھکتی چلی گئی تھیں۔ سردار سبکتگین لغاری نے اسے شانوں سے تھامتے ہوئے بغور دیکھتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر چہرے کو قدرے اوپر اٹھایا۔

"رشتوں کے نباہنے میں اور رشتوں کے بنانے میں بہت فرق ہوتا ہے میرب! ۔۔۔۔ اپنے استحقاق سے میں واقف ہوں۔ سو اپنی طرف سے تم بھی یہ یقین کر لو کہ تمہارے لئے تمہاری آخری راہ میں ہی ہوں۔ نہ تم کو میرے علاوہ کہیں اور دیکھنا ہے نہ ہی سوچنا ہے۔ کیونکہ میرے اور تمہارے درمیان جو رشتہ بندھا ہوا ہے اسے میں نبھانا چاہتا ہوں۔ نہ کوئی اور راہ نہ کوئی تاویل۔ میرے پاس کے علاوہ کوئی دلیل بھی نہیں ہے ہنی! ۔۔۔۔ سو تم بھی خواہ مخواہ کی یہ من مانیاں ترک کر دو۔ اچھا نہیں بار بار تم پر یہ جتانا کہ تم بے حد کمزور ہو اور میں کس قدر با اختیار۔" بچوں کی طرح اسے پچکارتے ہوئے نرمی سے مسکرا رہا تھا۔

میرب سیال اپنے اندر بہت کچھ ٹوٹتا ہوا محسوس کر رہی تھی۔ بہت سی ہمتیں شاید چپ چاپ دم توڑ رہی تھیں۔

وہ چپ چاپ کھڑی تھی جب اردگرد کسی کے قدموں کی آہٹ محسوس ہوئی تھی۔ میرب نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تھا۔ قدرے فاصلے پر گی کھڑی تھی۔ جواب چلتی ہوئی قریب آ گئی تھی۔

"آئی ایم سوری! ۔۔۔۔ یہ سب میری وجہ سے ہے نا۔ دراصل مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم گین کے ناتے سے وابستہ ہو۔" گی شستہ انگریزی میں کہتے کہتے لحہ بھر کو رکی تھی۔ پھر ہاتھ بڑھا کر میرب کے شانے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔

"تمہیں کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے ۔۔۔۔ اگر کسی کو جانا ہے تو شاید وہ میں ہوں۔ میں نہیں جانتی تھی کہ تمہیں میرے متعلق اس قدر دھچکا لگے گا۔ میں تو تم دونوں کے متعلق ٹھیک سے جانتی بھی نہیں تھی۔ گین سے کبھی پوچھا بھی نہیں اور اس نے کبھی بتایا بھی نہیں۔ میں ہمیشہ سمجھتی تھی، تم شاید اس کی دوست ہو یا پھر کوئی ریلیٹو۔ دراصل رشتے کی اس نہج کا مجھے کوئی اندازہ نہ تھا۔ مگر کل رات جب پتا چلا تو واقعی بہت افسوس ہوا۔ مسز گین! ۔۔۔۔ یو مسٹ بی اے لکی گرل۔ تمہارے اختیار میں وہ بندہ ہے جس کے اختیار میں آنے کے لئے کئی دل خود سے خواہش کرتے ہیں۔ ان کئی دلوں کے ساتھ خاصا برا کیا

ہنسی۔" شاید بات کو کسی قدر ثقیل ہونے سے بچانے کے لئے وہ مسکرائی تھی۔ مگر میرب پر اس کی حس مزاح کا کوئی خاص فرق نہیں پڑا تھا۔ وہ اسی طرح چپ چاپ کھڑی رہی تھی۔

"میرب! تم بہت خوبصورت ہو۔ یقیناً تمہارا دل بھی بہت خوبصورت ہو گا۔ مگر میں اس دل میں اپنی گنجائش ہرگز نہیں ڈھونڈوں گی۔ نہ ہی ایسی کوئی اجازت طلب کروں گی۔ کیونکہ اس دل میں اگر کوئی رہتا ہے تو وہ صرف گین ہی ہے ۔۔۔۔ میں نہ تو تم سے گین کو چھیننے آئی ہوں نہ ہی تمہیں خوفزدہ کرنے۔ اگر تمہیں میری وجہ سے کوئی تکلیف پہنچی ہے تو میں اس کے لئے معذرت کروں گی۔ ساتھ ہی اس بات کا یقین بھی دوں گی کہ تمہیں مزید تکلیف نہیں اٹھانا پڑے گی۔ کیونکہ صبح میں یہاں سے چلی جاؤں گی۔۔۔۔۔"

"گی! ۔۔۔۔ تم کہیں نہیں جاؤ گی۔" وہ بول رہی تھی جب سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا تھا۔ انداز دوٹوک تھا اور میرب جو اس لمحے سامنے کھڑی تھی اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی سمت دیکھا تھا اور پھر نگاہ پھیر کر دوبارہ گی کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

"دوبارہ ایسی بات مت کہنا۔ آئی کانٹ بیئر دیٹ۔ تم یہیں رہو گی ۔۔۔۔ یہیں، میرے پاس۔ چاہے یہ کسی کو اچھا لگے یا نہ لگے۔ آئی ڈونٹ کیئر۔" اس قدر حتمی انداز۔ اس قدر حتمی ٹھوس لہجہ۔

میرب سیال نے کسی قدر بے یقینی سے سردار سبکتگین حیدر لغاری کو دیکھا تھا۔ خالی خالی آنکھوں میں نمی سی تیرنے لگی تھی۔ اس کے قدم یکدم ہی اٹھے تھے اور وہ چلتی ہوئی وہاں سے نکلنے لگی تھی۔

اندر باہر ۔۔۔۔ ہر طرف ایک سناٹا تھا۔

کتنی آوازیں اندر ہی اندر دم توڑ رہی تھیں۔ مگر وہ چپ چاپ چلتی جا رہی تھی۔ جانے کہاں جا کر یہ تم ہونا تھا۔

اُس روز لامعہ گھر میں آئی ہوئی تھی۔

عفنان علی خان گھر میں داخل ہوا تو ماحول خاصا خوشگوار ملا تھا۔ انابیہ کی ہنسی کی آواز کتنے دنوں میں گونجی تھی۔

وہ سن کر رک گیا تھا۔ حالانکہ ارادہ اندر بڑھ جانے کا تھا۔

"کیسے ہو تم؟" لامعہ نے اس کی سمت خاص توجہ سے دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ انابیہ جو کہ اب سے پہلے بہت کھلکھلا کر ہنس رہی تھی اس وقت اس کے ہونٹ سختی سے ایک دوسرے میں بھنچے تھے۔ انو شے مہمان کی خاطر مدارات میں پیش پیش تھی۔

"بھائی! آپ چائے لیں گے؟"

"نہیں۔" عفنان نے سرنفی میں ہلا دیا تھا اور بغور توجہ سے اس سامنے موجود چہرے کو دیکھا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں۔ اور تم؟ ـــــ بہت دنوں بعد چکر لگایا۔ کہاں تھیں؟" لامعہ سے بات ہوئے انداز بہت عام تھا۔ لبوں پر دھیمی مسکراہٹ شاید کسی فطری کرٹسی کے باعث تھی۔ انابیہ ان نگاہ کتراتی تھی۔ لامعہ حق کا قہقہہ بہت فطری تھا۔

"تو تم مجھے مس کر رہے تھے؟"

عفنان نے اسے بغور دیکھا تھا۔ نظریں اس سامنے بیٹھے چہرے سے کہیں زیادہ اس چہرے پر رہی تھیں جو اس لمحے کسی قدر اجنبی بنا کنی کترا رہا تھا۔ عفنان علی خان اس لمحے کی گرفت سے باہر نکلا تھا اور لبوں پر ایک دلفریب تبسم پھیلنے لگا تھا۔

"تیرے ایوانوں میں پرزے ہوئے پیماں کتنے
کتنے وعدے جو نہ آسودۂ اقرار ہوئے
کتنی آنکھوں کو نظر کھا گئی بدخواہوں کی
خواب کتنے تری شہ راہوں میں سنگسار ہوئے
بلا کشانِ محبت پہ جو ہوا سو ہوا
مبادا جو کوئی ظالم ترا گریباں گیر
لہو کے داغ تو دامن سے دھو ہوا سو ہوا
ہم تو مجبورِ وفا ہیں مگر اے جانِ جہاں

اپنے عشاق سے ایسے بھی کوئی کرتا ہے
تیری محفل کو خدا رکھے ابد تک قائم
ہم تو مہماں ہیں گھڑی بھر کے ہمارا کیا"

کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے نگاہوں میں اضطراب کی کوئی خاص کیفیت تھی اور لہجہ بہت بجھا بجھا سا تھا۔ ٹیبل کے اس طرف بیٹھی لامعہ نے فوراً ٹوکا تھا۔

"خدانخواستہ ـــــ یہ کیا بات ہوئی؟ ـــــ انابیہ! دیکھو ذرا ـــــ تمہارے مسٹر ہزبینڈ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ اچھی اچھی باتیں کریں بھئی۔ ابھی تو آپ کی زندگی کی شروع ہوئی ہے۔ ابھی تو آپ نے دودھوں نہانا ہے اور پوتوں پھلنا ہے۔ میں نے مثال صحیح دی ہے نا انابیہ؟" لامعہ نے شرارت سے اسے دیکھا تھا۔ مگر انابیہ پر اس لطیف سی شرارت کا مطلق کوئی اثر نہ ہوا تھا۔

عفنان مسکرا دیا تھا۔ نظر خاص اس چہرے پر تھی۔ خدوخال پر تھی۔

"لامعہ! تمہاری یہی بات مجھے بہت پسند ہے۔ تم زندگی کو بہت لائٹ لیتی ہو۔ کاش میں نے تمہارا ہی نوٹ لیا ہوتا تو زندگی آج کسی اور ڈگر پر ہوتی۔" دل میں اچانک جانے کیا آن سمائی تھی کہ مسکراتے ہوئے گرد کے ماحول کو نظر انداز کرتے ہوئے لامعہ کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ لامعہ غالباً اس کے موڈ سے واقف تھی، تبھی کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔

"انابیہ! سنبھالو اپنے شوہر کو بھئی۔ تمہاری نظروں کے سامنے پہ کیسی کیسی خواہشوں کا اظہار ہو رہا ہے۔ آئی تھنک یو شُڈ ٹیک نوٹس فرسٹ ـــــ یہ کوئی اچھا سائن نہیں ہے۔" لامعہ نے چھیڑا تھا۔ انابیہ نے ایک نظر بطور خاص اپنے مسٹر ہزبینڈ کو دیکھا تھا۔ نظریں تیر تلوار شاید بھی کچھ تھیں۔ مگر عفنان جیسے ہر بات کو رد کرتا مسکرا دیا تھا۔

"اوں ہوں ـــــ مذاق نہیں کر رہا ہوں میں۔ ڈونٹ ٹیک اِٹ رونگ۔ مجھے واقعی اندازہ نہیں ہو رہا ہے کہ زندگی میں جذباتی فیصلوں کے کیا نتائج ہوتے ہیں۔ آئی فیل گلٹی ـــــ شاید میں نے تمہارے ساتھ کچھ اچھا نہیں کیا۔ تمہارا دل ضرور دکھا ہوگا۔ تبھی تو۔" چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ مگر عفنان کا لہجہ بہت بجھا بجھا سا تھا۔

لامعہ نے مسکراتے لب بھینچ کر انابیہ کی طرف دیکھا تھا اور پھر عفنان کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ نکال لیا تھا۔

"میں چلتی ہوں۔"

"لامعہ! کچھ دیر تو اور بیٹھو۔ آج تمہاری وجہ سے مجھے بہت سی ناپسندیدہ چیزیں بھی اچھی لگ رہی ہیں۔" ایک نگاہ انابیہ کی طرف دیکھا تھا۔

انابیہ اس لمحے ایسے بیٹھی تھی جیسے اس سارے معاملے سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو۔ وہ بالکل اجنبی ہو یا پھر وہ واقعی بہت حیران تھی۔ عفنان جو کر رہا تھا وہ واقعی اس سے ایسا ایکسپکٹ نہیں کر رہی تھی۔

"عفنان! کم آن ـــــ بہت مذاق ہو گیا۔ تمہارا تو کچھ نہیں لیکن میں انابیہ کو بہت اچھی طرح سے جانتی ہوں۔ اس گھر میں میرا داخلہ سرے سے بند کر دے گی۔ ہے نا انابیہ؟" لامعہ نے مسکراتے ہوئے

انابیہ کی طرف دیکھا تھا۔ انابیہ کے چہرے پہ بہت مروت بھری مسکراہٹ پل بھر کو ابھری تھی اور معدو
ہو گئی تھی۔

عفنان مسکرا دیا تھا۔

"کیسی بات کہہ دی تم نے ـــــ درد یاد آ گئے ـــــ پتہ نہیں کتنے پرانے زخم ادھیڑ دیے تم نے

آگے جو بلا آتی تھی، سو دل پہ ٹلی تھی
اب کے تو میری جان ہی پہ آن بنی ہے
اے درد! کہوں کس سے بتا، راز محبت
عالم میں سخن چینی ہے یا طعنہ زنی ہے"

عفنان علی خان جانے کس جذبے کے زیر اثر تھا۔ آج تو رنگ ہی الگ تھا۔ انابیہ کی نظریں
سے بھری تھیں مگر وہ اس کی جانب دیکھنے سے مکمل طور پر گریزاں تھی جبکہ لامعہ ہنس دی تھی۔

"عفنان! بہت ہو گیا ـــــ آج آفس اور میٹنگ کی جگہ مشاعرہ اٹینڈ کر کے آئے ہو۔ کبھی
کبھی درد ـــــ اس سے قبل کبھی ایسے رنگ تو نہ تھے تمہارے۔"

عفنان مسکرا دیا تھا۔

"ہاں ـــــ اس سے قبل ایسا درد بھی تو نہ ہوا تھا۔"

لامعہ سرنفی میں ہلاتی ہوئی مسکراتی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"انابیہ! اسے باندھ کر رکھو۔ بیویوں والے سارے گر آزمانا شروع کر دو۔ موصوف خاصے مشکوک
رہے ہیں۔" پرس شولڈر پر ڈالتے ہوئے لامعہ نے خاص ہدایت کی تھی۔

انابیہ تو کیا ہی کوئی ردعمل دیتی اس سے قبل ہی موصوف بول اٹھے تھے۔

"کل کا کیا پروگرام ہے تمہارا ـــــ فارغ ہو یا......؟"

"عفنان! اب بس بھی کرو۔ دیکھو انابیہ کے چہرے کا رنگ بدل رہا ہے۔ یہ ٹھیک نہیں ہے۔"
اپنی دوست کا مکمل خیال تھا۔ عفنان علی خان نے اس چہرے کو بغور دیکھا تھا۔

"یہ چہرہ کتنے رنگ بدل سکتا ہے یہ شاید تم بھی نہیں جانتی ہو ابھی۔ فقط صورت پر مت جاؤ۔
بھالی ادائیں بھی کبھی بڑے گہرے وار کرتی ہیں۔" لبوں پر بظاہر مسکراہٹ لیے، جانے وہ کون کو
بیان کر رہا تھا۔ لامعہ انابیہ کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا دی تھی۔

"کم آن عفنان! ـــــ بہت ہو گیا۔ اب تم میری دوست کو زیادہ ٹیز مت کرو۔ جانتے ہو۔
بیلے ہیں اسے حاصل کرنے کے لیے تم نے۔ کل تک تو تم ان لب و رخسار کی تعریف کرتے نہ تھکتے۔
آج ...... میرے سامنے اسے اس قدر ستا رہے ہو۔" لامعہ نے مسکراتے ہوئے انابیہ کی بھرپور
داری کرتے ہوئے اسے اپنے ساتھ لگایا تھا۔ ساتھ ہی ہاتھ اٹھا کر وارننگ دی تھی۔

"اگر تم نے انابیہ کو دوبارہ ستایا تو دوست میں تمہاری بعد میں بنوں گی۔ پہلے میں انابیہ کی ہوں۔
انابیہ کی میں دوست کم بہن زیادہ ہوں۔ بہن سمجھتے ہو نا ـــــ میں آپ کی سالی۔ اور سالی بہت خو

وتی ہے۔" لامعہ نے مسکراتے ہوئے بھرپور احساس دلایا تھا۔

عفنان علی خان کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

"ہاں ـــــ خطرناک بھی ہوتی ہے اور آدھے گھر کے حقوق کی مالک بھی۔ تو پھر کیا حرج ہے کہ
آدھے حقوق اسے سونپ بھی دیے جائیں۔"

"شٹ اپ عفنان!" لامعہ کا قہقہہ بہت فطری تھا۔ "تمہارے مذاق میری پیاری سی انابیہ کی جان
یک دن ضرور لے لیں گے۔ میری بہن کا خیال رکھو، رائٹ؟ آئندہ شکایت نہیں سنوں گی۔"

انابیہ کے سر پہ پیار کرتے ہوئے لامعہ ہاتھ ہلاتی ہوئی وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی۔

انابیہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔

کچھ کہنے ـــــ کچھ پوچھنے کی ہمت ناپید تھی۔

عفنان علی خان نے براؤنیز کا پیس اٹھا کر منہ میں رکھتے ہوئے اسے بہ غور دیکھا تھا اور پھر اٹھ کر اندر
کی جانب بڑھ گیا تھا۔

انابیہ کی جھکی آنکھوں سے کتنے گرم گرم قطرے ٹیبل کی سطح پر گر رہے تھے۔

❄❄❄

تنہا تنہا ـــــ
بے کل بے کل ـــــ
میری راتیں پاگل پاگل ـــــ
خالی دل ہے ـــــ
خالی نظریں ـــــ
موسم بھی چپ چاپ کھڑا ہے!

سیفی کا فون تھا۔ مگر اس میں بات کرنے کی ہمت بالکل ناپید تھی۔

"کیا ہوا؟ ـــــ تمہارے پرنس آف ویلز نے کیا تمہاری زبان بندی کروا دی ہے؟" سیفی مسکرایا
تھا۔ مگر میرب نے سرنفی میں ہلا دیا تھا۔

"نہیں۔" لہجہ بہت نیم جاں تھا۔

"نہیں ـــــ یہ تمہاری آواز بکری جیسی اتنی منمناتی ہوئی سی کیوں ہو رہی ہے؟ ـــــ کیا معاملہ
ہے؟ ـــــ اپنے احکامات سے ان موصوف پرنس نے تمہیں بکری تو نہیں بنا دیا؟ یار! اگر ایسا ہوا ہے تو
بہت برا ہوا ہے۔ اب میں دیکھوں گا تو پہچانوں گا کیسے؟ ـــــ اور بالفرض تمہیں پہچان بھی گیا تو تم سے
بات کیسے کروں گا؟ مجھے تو بکروں کی طرح میں، میں کرنے کا کوئی تجربہ نہیں۔" سیفی کی حس مزاح اس
وقت کمال عروج پر تھی۔

میرب سیال کے لبوں پر ایک دھیمی سی مسکراہٹ اتری تھی۔

"سیفی! تم بھی نا ـــــ اتنے دنوں بعد کیوں فون کیا؟ ـــــ کہاں غائب تھے؟ نانو سے بات ہوئی

تھی، بتا رہی تھیں تم بزنس اسائنمنٹ پر بزی ہو آج کل ماموں کے ساتھ۔ یہ اتنی جلد بزنس میں کیو
ڈال دیا؟ فی الحال تو تمہیں اپنی اسٹڈی پر کونسنٹریٹ کرنے کی ضرورت ہے نا، اور تم......"

"ہاں ــــــ مگر کونسنٹریٹ کرنے کی ضرورت تو تمہیں بھی کہیں اور ہے۔ لیکن خیر چھوڑو، تم۔
سیفی نے مسکراتے ہوئے جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔

"اتنے روز سے ملنے کیوں نہیں آئیں؟ ــــــ سسرال میں بہت جی لگ گیا کیا؟" بھرپور
تھا۔ میرب کی آنکھوں سے خاموشی سے پانی کے قطرے ٹوٹ کر گر رہے تھے۔

"سیفی! مجھے تمہیں کچھ بتانا ہے۔" بے ہمت آواز اور لہجہ اس کی کمزوری کا بھرپور ترجمان تھا۔

"کیا؟" سیفی کو تشویش ہوئی تھی۔

"آئی ایم ناٹ ہیپی۔"

"کیا؟ ــــــ کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"ہاں ــــــ میں واقعی خوش نہیں ہوں۔"

"کس سے؟" سیفی سمجھ نہ سکا تھا۔

"اس زندگی سے ــــــ اپنے آپ سے ــــــ اور شاید کسی سے بھی نہیں۔" میرب نے تمام
کو مجتمع کیا تھا۔

"اور مسٹر لغاری سے ــــــ؟" سیفی نے دریافت کیا تھا اور میرب کے گلے میں آنسوؤں کا پھندا
اٹک گیا تھا۔

"بولو میرب! ــــــ بتاؤ تو سہی، ہوا کیا ہے؟ ــــــ تم رو کیوں رہی ہو؟ ــــــ کسی نے کچھ ک
ہے کیا؟ ــــــ اوکے، میں تمہیں لینے آ رہا ہوں۔ خود کو اتنا کمزور مت سمجھو۔ تم تنہا نہیں ہو۔" سیفی
حوصلہ بندھایا تھا۔

میرب نے ایک گہری سانس خارج کی تھی اور ہاتھ کی پشت سے آنکھوں کو رگڑ ڈالا تھا۔

"سیفی! اس کی ضرورت نہیں ہے۔ آئی ایم اسٹرونگ۔ میں خود کو ڈیفنڈ کر سکتی ہوں اور سیف

"تو پھر ــــــ؟"

"کچھ نہیں۔" یکدم سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"میرب! تم خوش نہیں ہو، تمہیں یہ بات کسی کو بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ جب سے تم اس شخص
تعلق میں بندھی ہو تمہارا چہرہ، تمہاری آنکھیں یہ کہانی صاف کہتے ہیں۔"

میرب کچھ نہیں بولی تھی۔ سیفی اس کا وہ دوست تھا جس سے شاید وہ کچھ بھی چھپا نہیں سکتی تھی۔

"میرب! میں یہ سن کر خوش نہیں ہوں کہ تم خوش نہیں ہو۔ مگر یہ اختیار میرے ہاتھ نہیں ہے۔ کاش
تمہیں خوش رہنے کی کوئی ترکیب دے سکتا۔" سیفی اس کے لئے افسردہ تھا۔ "تمہیں لینے آؤں م
کچھ دن یہاں رہو گی تو طبیعت بہل جائے گی۔"

"کیا فائدہ؟ ــــــ واپس تو یہیں آنا ہے۔" میرب کا لہجہ نیم جاں تھا۔

"تمہیں نہیں لگتا تم نے ایک غلط شخص کا انتخاب کیا؟ ــــــ مجھے چنا ہوتا تو آج ایسی نوبت نہ آتی۔"
شاید اس کا موڈ بحال کرنے کو سیفی بولا تھا۔ مگر میرب مسکرائی نہیں تھی۔

"سیفی! میں رونا نہیں چاہتی۔ کمزور پڑنا بھی نہیں چاہتی۔ مگر میں کیا کروں، میں مضبوط نہیں ہوں۔"
کوئی کوئی اپنا ایسا ہوتا ہے جس کے سامنے کوئی خول خود پر چڑھائے رکھنا اچھا نہیں لگتا۔ سیفی بھی شاید ایسا
ہی کوئی اپنا تھا۔

"میں آ جاتا ہوں میرب!" سیفی نے حتمی انداز میں کہا تھا۔

"نہیں ــــــ تم مت آنا۔" میرب کسی خوف کے زیر اثر بولی تھی۔

"کیوں ــــــ تمہارا وہ حاکم وقت مجھے چاروں سے چکی پسوا دے گا؟" سیفی مسکرایا تھا۔ "میرب! نہ تو
تم اس کی قیدی ہو، نہ ہی میں کوئی رعایا ہوں۔ تم نے خواہ مخواہ اس شخص کو ہوا بنا رکھا ہے۔ خواہ مخواہ ڈرتی
رہتی ہو۔ اسے صرف ایک انسان سمجھو، تمہاری پرابلمز خود بخود ختم ہو جائیں گی۔" سیفی نے سمجھایا تھا۔

میرب نے سر ہلاتے ہوئے فون رکھ دیا تھا۔

پلٹی تھی تو چونک پڑی تھی۔ پیچھے وہی "حاکم وقت" کھڑا تھا۔

میرب کو پتہ تھا، جانتی تھی وہ اس کی گفتگو سن چکا تھا۔ وہ اپنے آپ کو کسی ردعمل کے لئے تیار کر رہی تھی
مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

"کیسا محسوس کر رہی ہو اب؟ ــــــ ایک اچھا فیصلہ لے کر یقیناً تمہیں بہت اطمینان محسوس ہو رہا ہوگا
نا۔" کتنا ہمدرد بنا وہ دریافت کر رہا تھا۔ میرب خالی خالی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

اس حقیقت کو سمجھنے میں لٹایا کیا کچھ
میرا دشمن، میرا غم خوار نہیں ہو سکتا
تیرگی، چاہے ستاروں کی سفارش لائے
رات سے مجھ کو سروکار نہیں ہو سکتا

"کیا ہوا؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ہاتھ بڑھا کر ملائمت سے دریافت کرتے ہوئے اسے
بھرپور توجہ سے دیکھا تھا۔ میرب نے اس کے ہاتھ کو جھٹکتے ہوئے چہرے کا رخ پھیر لیا تھا۔

"آئی ہیٹ یو۔" نفرت کا بھرپور اظہار کرتے ہوئے سر نفی میں ہلایا تھا اور الٹے قدموں پیچھے ہٹنے لگی
تھی اور دیوار سے جا لگی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے ردعمل پر یوں مسکرایا تھا جیسے کوئی کسی ہوئی
کے روٹھنے پر محظوظ ہوتا ہے۔ اس کی سمت پیش قدمی کی تھی۔

"بہت ضدی ہو تم ــــــ اتنی ضد اچھی نہیں ہوتی سویٹی! یو شڈ انڈراسٹینڈ۔ سمجھداری
ضرورت ہے تمہیں صرف۔ یہ خدشے، وسوسے، اوہام سب فضول ہیں۔ ایک وہم ہے کہ میں قیدی تھی۔ وہ سارا
حقیقت نہ ہے نہ ہی کوئی منطق۔ اگر کبھی ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچو گی تو ساری بات گہرے سانس لے کر خود کو
میں آ جائے گی۔ تم تیار ہو جاؤ۔ اب یہ مت پوچھنا کہ کہاں جانا ہے۔ آف کورس
ملائمت سے مسکراتے ہوئے اس کے چہرے کو تھپتھپایا تھا۔

کھڑکیاں بند ہیں، دیواروں کے سینے ٹھنڈے
پیٹھ پھیرے ہوئے دروازوں کے چہرے چپ ہیں
میز کرسی ہیں کہ خاموشی کے دھبے جیسے
فرش میں دفن آہٹیں سارے دن کی
سارے ماحول پہ تالے سے پڑے ہیں چپ کے
تیری آواز کی اک بوند جو ٹل جائے کہیں
آخری سانسوں پہ ہے رات
یہ بچ جائے گی!

عفنان علی خان ٹیرس پر تھا۔ موسم پُر لطف تھا۔ ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی اور تاریکی میں ا
خاموشی کے ساتھ یہ تسلسل کسی قدر بھلا لگ رہا تھا۔

شاید اس لئے بھی کہ یہ خاموشی اندر کی طویل خاموشی کے ساتھ ہم آہنگ تھی۔ باہر کے ماحول کا ا
کے ماحول کے ساتھ ٹرانزیشن تھا۔ انوشے بہن ہونے کے سارے فرائض بہ خوبی نباہ رہی تھی۔ ابھی تھو
دیر قبل اسے کافی کا بھاپ اُڑاتا کپ دینے کے ساتھ وہ اچھی خاصی کمپنی بھی دے گئی تھی۔ مگر اس
جانے کے بعد ماحول اسی سکوت میں گھر گیا تھا۔

اگر یہی تنہائی اس کی ذات کا حصہ بنی تھی تو اس نے وہ راستہ چنا ہی کیوں؟ اپنے فیصلے پر ازسرِ نو سو
ہوئے کافی کا ایک سپ لیا تھا جب اپنے پیچھے قدموں کی آہٹ سے چونک گیا تھا۔ گردن کا رخ موڑ
دیکھا تھا۔ انابیہ کچھ ہی فاصلے پر ہاتھوں میں دو کپ کافی کے لئے کھڑی تھی۔

عفنان کے مڑ کر دیکھنے پر قریب آ گئی تھی۔

"اوہ —— تو تم پہلے ہی کافی لے چکے ہو۔" اس کے ہاتھ میں بھاپ اُڑاتا کپ دیکھ کر انابیہ کو ش
زیادہ اچھا نہیں لگا تھا۔ عفنان مسکرا دیا تھا۔

"ہاں —— تم نے دیر کر دی۔" انداز ذو معنی تھا۔

انابیہ کی نظروں میں ایک گہرا سکوت آن رکا تھا۔

"شاید ——" لب بہت آہستہ سے وا ہوئے تھے اور پھر ایک دوسرے میں پیوست ہو گئے تھے
عفنان نے ایک نظر بھرپور انداز میں اس پر ڈالی تھی پھر دانستہ نگاہ پھیر گیا تھا۔

"تمہیں اچھا لگا شاید۔" انابیہ نے گرم کافی کا سپ لیتے ہوئے اس کی جانب دیکھنے سے مکمل گریز
تھا۔

"کیا ——؟" عفنان چونکا تھا۔ وہ یقیناً نہیں سمجھ پایا تھا کہ انابیہ کس بابت اس سے وہ سوال کر رہ
ہے۔ انابیہ بجائے جواب دینے کے یا وضاحت دینے کے کافی کا سپ لے کر سر جھکا گئی تھی اور شاید
دانستہ طور پر اپنی ہتھیلی پھیلا کر اس پر پانی کے برستے قطرے جمع کرنے لگی تھی۔

"تمہیں برا لگا؟" عفنان علی خان بغور اسے پڑھتے ہوئے مسکرایا تھا۔

انابیہ نے نگاہ اٹھا کر اس کی سمت دیکھا تھا اور پھر اپنی بھیگتی ہتھیلی کو سمیٹ لیا تھا۔ عفنان علی خان نے
روں سے بھیگتے اس چہرے کو بھرپور توجہ سے دیکھا تھا۔ اگرچہ وہ نظریں خاموش تھیں اور اس سے گریزاں
تھیں مگر ان میں لکھی تحریر وہ واضح طور پر پڑھ سکتا تھا۔

"لامعہ بہت دنوں بعد آئی۔ کہیں گئی ہوئی تھی یا تم نے دانستہ اسے فراموش کر دیا تھا؟" بالآخر وہ بات
ن زو ہوئی تھی جس کا چرچا اب تک "پس پردہ" چل رہا تھا۔ انابیہ اس ذکر پر چونکی ضرور تھی مگر کچھ بولی
ں تھی۔

"اچھا لگا اس کا آنا۔" عفنان نے برملا اظہار کیا۔ "بہت مختلف لڑکی ہے وہ۔ بالکل اس کافی کے کپ
ی۔" عفنان اس کی تعریف کرتے ہوئے مسکرایا تھا۔ "ایک سپ تلخ —— ایک سپ شیریں۔"

انابیہ کے لئے یہ تعریف یقیناً حیران کن تھی۔

"یعنی تمہیں لامعہ سے مل کر واقعی اچھا لگا؟" وہ کسی نتیجے پر پہنچی تھی۔

"ہاں —— مگر میں اس سے پہلی بار تو نہیں ملا۔ ہم ایک عرصہ تک اچھے دوست رہ چکے ہیں اور
ی بھی۔ مگر میں یہ بات تمہیں کیوں بتا رہا ہوں۔ میرا نہیں خیال کسی طرح کی کوئی وضاحت دینے کی
یہ کوئی ضرورت ہے۔"

انابیہ کچھ نہیں بولی تھی۔ چپ چاپ چہرے کا رخ پھیرے وہ کھڑی رہی تھی۔ وہ بارش کی بوندوں کو اس
، چہرے پر کہانی لکھتے چپ چاپ دیکھتا رہا تھا۔ پھر یکدم مسکرا دیا تھا۔

"تمہیں جیلسی فیل ہوئی؟"

انابیہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا اور پھر یکدم سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"مجھے جیلسی کیوں فیل ہو گی؟"

عفنان اس کی آنکھوں میں جھانکتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

"یہ تو مجھے نہیں پتہ —— یو بیٹر نو —— شاید تم نادانستہ طور پر اپنے اور میرے رشتے کو لے کر اور
یسیو ہو رہی ہو۔ تم سمجھ رہی ہو اگر تم بیوی ہو تو مجھ پر سارا کا سارا حق صرف تمہارا ہی ہے۔ وری پریکٹیکل
دج۔" لہجے میں افسوس سے زیادہ طنز شامل تھا۔ انابیہ کو اس شخص کے سامنے اس لمحے بہت ہتک محسوس
ئی تھی۔

"تم غلط سمجھ رہے ہو کہ مجھے کوئی فرق پڑتا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تم چاہے
جہ کو کوئی اہمیت دو یا پھر کسی اور کو —— آئی ڈونٹ کیئر۔" کسی قدر تلملا کر کہتی ہوئی وہ پلٹی تھی مگر
رے ہی لمحے وہ واپس مڑی تھی۔

"اور تم یہ بھی غلط سمجھ رہے ہو کہ میں تم پر کوئی غاصبانہ حقوق جتا رہی ہوں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ جو
یہ تمہارے اور میرے مابین سرے سے ہے ہی نہیں اسے لے کر میں تم پر کیا حق جتاؤں گی؟ جبکہ اس
نتے کو رد بھی میں ہی کر رہی ہوں۔" انتہائی زہر خند لہجے میں جتاتی ہوئی وہ کہہ کر مڑنے لگی تھی جب
نان نے اس کا ہاتھ ایک لمحے میں تھام لیا تھا۔ نظروں میں کسی قدر غصہ تھا۔ انابیہ کی بات نے یقیناً اسے

مشتعل کر دیا تھا۔ بوندا باندی تیز بارش کا روپ اختیار کرنے لگی تھی۔ دونوں بری طرح بھیگنے لگے، جیسے عثنان علی خان کو سرے سے پرواہ نہ تھی۔

"رد تم نے مجھے نہیں کیا انابیہ! رد تم نے اپنی خواہشوں کو کیا ہے۔ نہ تو تم مجھے کبھی رد کر سکی ہو نہ ہی کر سکو گی۔ تمہاری آنکھوں میں اس لمحے کیا ہے؟ ــــ کیا میں نہیں جان سکتا؟ تم مجھ سے کیا چھپانا چاہ رہی ہو، کیا مجھے معلوم نہیں؟ انابیہ! تم کیا چاہتی ہو؟ یہ بات تم خود اپنے آپ سے پوچھو، تاویلیں زمانے کی سے بہتر ہے۔ تم ایک بند کمرے میں خود اپنے آپ سے صرف ایک بات کی وضاحت مانگو۔ آسان سی ہے، تم یہاں ہو اور کس لئے ہو؟ ــــ اگر تم مجھے رد کر رہی ہو تو پھر کس ناتے سے یہاں ہو؟ ریزہ باقی بچتا ہے پھر؟ ــــ کچھ نہیں جانتی ہو تم۔" عثنان نے اس کے وجود کو ایک جھٹکے سے چھوڑ دیا تھا۔

"کچھ نہیں جانتی ہو اور جاننا بھی نہیں چاہتی ہو۔" اسے اسی بارش میں بھیگتا چھوڑ کر وہ وہاں سے چلا گیا تھا۔

انابیہ کتنی دیر تک اس بارش میں بھیگتی اس سمت خالی خالی نظروں سے تکتی رہی تھی۔

❄❄❄

ایک پرواز دکھائی دی ہے
تیری آواز سنائی دی ہے
آگ میں رات جلا ہے کیا کیا
کتنی خوش رنگ دکھائی دی ہے

"تو کیا سوچا ہے پھر تم نے؟" فیض چاچو نے اسے کافی کا کپ تھماتے ہوئے اس کے قریب اپنی جگہ سنبھالی تھی۔ اذہان چونکا تھا اور مسکرا دیا تھا۔

"کس کے متعلق؟"

فیض چاچو مسکرا دیے تھے۔

"سوچنے کے لئے یہ بھی اچھا سوال ہے۔ مگر فی الحال جو ہے صرف اس کے متعلق سوچنا زیادہ بہتر ہوگا۔" فیض چاچو کی بات پر وہ مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

"چاچو! آپ نے خود کبھی اپنے بارے میں نہیں سوچا؟" سوال میں کئی معنی پنہاں تھے۔ مگر فیض بخاری مسکرا دیے تھے۔

"کیا؟ ــــ کیا سوچوں؟" اذہان کے لئے یہ سوال اگرچہ غیر متوقع نہیں تھا مگر وہ چند لمحوں کے لئے چپ ہو کر انہیں دیکھنے لگا تھا۔

"چاچو! کیا آپ اسے بہت چاہتے تھے؟" اذہان حسن بخاری بولا تھا تو فیض بخاری کو ساکت کر گیا تھا۔ کچھ دیر وہ یونہی نظر پھیرے بیٹھے رہے تھے پھر مسکرا دیے تھے۔

"کس کی بات کر رہے ہو تم؟" ٹالنے کا انداز خوب تھا۔

"وہی جو آپ کے ساتھ ہے اور نہیں بھی ہے۔" اذہان حسن بخاری نے ملائمت سے کہا تھا۔

فیض بخاری مسکرا دیے تھے۔

"یہ جو زندگی ہے نا، بہت عجب شے ہے یہ۔ کسی سے بھی پوچھ کر دیکھ لو۔ کوئی بھی یہاں زندگی سے خوش نہیں ہے۔ ہزار ہا شکوے شکایات ہیں سب کو مگر کبھی کسی نے زندگی سے نہیں پوچھا، وہ ہم سے کیا چاہتی ہے؟" بہت الجھا ہوا سا سوال تھا۔

اذہان مسکرا دیا تھا۔

"چاچو! زندگی نے کبھی تو، کسی موقع پر تو کچھ ایسا دیا ہوگا جس نے دل کو راحت بخشی ہوگی۔"

"ہاں ــــ مگر وہ جتنے حسین تھے، اسی قدر روح فرسا بھی ہیں۔ سوچنے بیٹھو تو کوئی ایک رنگ بھی ہاتھ نہیں لگتا۔ سب اس کے سنگ ہو گئے۔ جب موسم خواب ہو گئے تو پھر ــــ پھر باقی کیا بچا ہے؟" بہت کمزور سا انداز تھا۔ فیض بخاری نے مسکرا کر جیسے خود کو دھوکا دیا تھا۔

"چاچو! موسم کیا کبھی دوبارہ لوٹ کر نہیں آتے؟"

اذہان حسن بخاری نے مدھم لہجے میں عجب سوال داغ دیا تھا۔ فیض بخاری نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"پتہ نہیں ــــ کبھی ایسا ہوتے دیکھا نہیں۔ صرف سنا ہے۔ جو موسم گزر گئے، جو اپنے ساتھ لے گئے سو لے گئے۔ واپس نہ لمحے آتے ہیں نہ ہی گزرے موسم۔"

"کوشش کریں تب بھی نہیں؟" اذہان حسن بخاری کی سرگوشی سے عجب اضطراب جھلک رہا تھا۔

"پتہ نہیں۔" فیض بخاری نے اس کی طرف سے چہرے کا رخ پھیرتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

اذہان حسن بخاری کچھ لمحے خاموش رہا تھا پھر اسی مدھم لہجے میں بولا تھا۔

"میں جانتا ہوں چاچو! ایسا کچھ ہونا ممکن نہیں۔ نہ تو موسم دوبارہ لوٹ کے آ سکتے ہیں نہ ہی دل دھڑکنا سیکھ سکتا ہے۔ مگر جانے کیوں سوچتا ہوں کبھی کبھی اگر ایسا ہو سکے تو کیسا ہو۔ شاید ــــ شاید ساری خلش مٹ جائے یا پھر کچھ اور بھی بڑھ جائے۔" اذہان کا انداز کھویا کھویا تھا۔

"موسموں کا تسلسل شاید کل اور آج کی کہانی کو نہیں بدل سکتا۔ یہ المیہ سہی، مگر یہی سچائی ہے اور اسی سچائی کو میں قبول کرنا چاہتا ہوں۔"

"تم تنہا نہیں اذہان! شاید ہم بھی اس سچائی کو قبول کرنا چاہتے ہیں، مگر کر نہیں پاتے۔" فیض بخاری یکدم مسکرا دیے تھے۔ "خیر چھوڑو تم اس فلاسفی آف لائف کو۔ تم نے ساہیہ کے متعلق کیا سوچا ہے؟"

"ساہیہ؟ ــــ اس کے متعلق کیا سوچنا ہے؟ جو سوچنا تھا سوچ لیا۔" اذہان کافی کے کپ کی سطح پر انگلی پھیرتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔ "شی از اے نائس گرل۔ ویری انڈر اسٹینڈنگ اینڈ کیئرنگ۔" تسلیم کیا تھا۔ فیض بخاری مسکرا دیے تھے۔

"ہاں ــــ وہ واقعی بہت اچھی ہے۔ اسے کبھی جانے مت دینا۔ زندگی میں رنگ بھرنے والے ہاتھ بہت تھوڑے ہوتے ہیں۔" اس کے شانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے جتایا تھا۔ اذہان لب بھینچ کر مسکرا دیا تھا۔ تبھی مین گیٹ کھلا تھا اور پورچ میں گاڑی آ کر رکی تھی۔ ساہیہ اور دا گیتے ایک ساتھ برآمد ہوئے تھے۔

"لو ــــ تمہاری زندگی کی بہار تو آ گئی۔" چاچو اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرائے تھے۔ اذہان

بھی مسکرا دیا تھا۔

"کیا ہو رہا ہے یہاں؟ ـــــ آج کیا گھر والوں نے تم دونوں کو گھر سے باہر کر دیا ہے؟" اگینے کی طرف آتی ہوئی مسکرائی تھی۔

"نہیں ـــــ ہم تو زندگی کے نکالے ہوئے ہیں۔" فیض چاچو نے سخن وری کی حد کر دی تھی۔ ا مسکرا دی تھیں۔

"زندگی کو الزام دینے والے ڈرپوک اور بزدل ہوتے ہیں۔ شاید سنا نہیں ہے آپ نے۔"

"مجھے اختلاف نہیں ہے۔" فیض چاچو مسکرا دیئے تھے۔

"ہماری باتیں یہیں کھڑے کھڑے ہوں گی یا ہمیں اندر بھی مدعو کریں گے؟" اگینے نے شکوہ کیا تھا۔

"آپ کا اپنا گھر ہے۔ کیا اجازت کی ضرورت ہے آپ کو؟" فیض چاچو نے نہ صرف اگینے کے راستہ چھوڑا تھا بلکہ بہ نفس نفیس خود انہیں لے کر اندر کی جانب بڑھ گئے تھے۔

ساہیہ مسکراتی ہوئی اس کی جانب دیکھنے لگی تھی پھر اس کے قریب بیٹھ گئی تھی۔

"اگینے پھپھو کو دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہ اپنی زندگی میں کتنے بڑے کرائسس جھیل رہی ہیں۔ میرے خیال میں اگر ہمیں جینے کا ڈھنگ سیکھنا ہو تو ان سے رجوع کرنا چاہئے۔"

"کیوں، کیا ہوا؟ ـــــ میرا تو خیال ہے شی از کمپلیٹلی اے ونڈرفل وومن۔ خاصی خوش باش وہ۔ اور ایک اچھی زندگی بھی بسر کر رہی ہیں۔"

ساہیہ نے اس کی طرف دیکھا تھا پھر نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

"ایسا نہیں ہے اذہان! ـــــ شی از ناٹ اے ہیپی وومن۔ ان کو دیکھ کر مجھے زندگی سے کبھی کبھی ڈر لگنے لگتا ہے۔ یہاں کوئی بھی اپنی زندگی سے خوش نہیں ہے۔ مگر اگینے پھپھو کی زندگی میں کہیں کوئی رنگ نہیں ہے۔ مگر وہ پھر بھی کوئی شکوہ نہیں رکھتیں۔ نہ اپنے آپ سے ـــــ نہ زندگی سے نہ ہی لوگوں سے۔ اذہان! ان کی زندگی سفر کر رہی ہے۔ ان کے ہزبینڈ انہیں چھوڑ چکے ہیں مگر وہ یہ بات صرف اپنے تک محدود رکھے ہوئے ہیں۔ انہوں نے کوئی اچھی میرج لائف نہیں گزاری۔ اس کے باوجود وہ نباہتے رہنا چاہتی تھیں۔ مگر ایک دن یہ سلسلہ بھی ٹوٹ گیا۔ وہ واپس لوٹ آئیں اور کسی سے کچھ نہیں کہا۔ کسی سے کوئی شکوہ نہیں انہیں اور وہ خوش ہیں۔ اذہان! بعض اوقات سب کو خوش رکھنے کے چکر میں خود کا کتنا نقصان ہو جاتا ہے نا۔" ساہیہ نے افسردہ لہجے میں کہا تھا اور اذہان اس کی سمت مسلسل دیکھتا نہ رہ سکا تھا۔

"اذہان! مجھے ڈر لگتا ہے۔"

"کس بات سے؟" اذہان نے اس کی سمت دیکھنے سے مکمل گریز کیا تھا۔

"تم سے، خود سے اور شاید سب سے۔"

"یہ کیا بات ہوئی؟" اذہان اس کا دل رکھنے کو مسکرایا تھا۔

ساہیہ نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔

"نہیں اذہان! میں غلط نہیں کہہ رہی۔ مجھے واقعی ڈر لگنے لگا ہے۔ کہیں میں خالی ہاتھ نہ رہ جاؤں۔"

ساہیہ جیسی زندگی سے بھرپور لڑکی ایسا خدشہ ظاہر کرتی بہت عجیب لگی تھی۔

اذہان حسن بخاری نے اس کا ہاتھ تھاما تھا اور مسکرا دیا تھا۔

"لاؤ، دیکھوں تو ذرا، اس ہاتھ میں بھلا کتنے رنگ ہیں۔" اس کی ہتھیلی کو پھیلاتے ہوئے بغور دیکھا تھا۔ "فیض چاچو ابھی تھوڑی دیر پہلے تمہارا ذکر کرتے ہوئے بڑی مزیدار بات کہہ رہے تھے۔" اذہان حسن بخاری نے اس کا دھیان بٹانا چاہا تھا مگر وہ کچھ نہیں بولی تھی۔

"پوچھو گی نہیں کیا؟" اذہان مسکرا رہا تھا۔ مگر ساہیہ کچھ نہیں بولی تھی۔ چپ چاپ اس کی طرف دیکھتی رہی تھی۔ اذہان مسکرا دیا تھا۔

"زندگی میں رنگ بھرنے والے ہاتھ ایسے ہوتے ہیں۔ سچ کہا تھا انہوں نے۔"

"اذہان! اگر میں تنہا رہ گئی تو؟" ساہیہ کے خدشات نہ ختم ہونے والے تھے۔ لمحہ بھر کو اذہان کچھ نہیں کہہ سکا تھا پھر سر نفی میں ہلاتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

"پاگل ہو تم ـــــ یہ بھلا کیا سوچ ہوئی؟ تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں؟" براہ راست آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا تھا۔ ساہیہ کچھ نہیں بولی تھی۔

"ساہیہ! ٹرسٹ می۔ میں مانتا ہوں میرے پاس اتنے رنگ نہیں ہیں۔ نہ ہی اتنے خواب کہ تمہیں جواباً دے سکوں۔ مگر میں اس اعتبار کی بنیاد ضرور رکھ سکتا ہوں جسے لے کر ایک اچھی اور بھرپور زندگی گزاری جا سکتی ہے۔" اذہان نے بھرپور انداز میں یقین دلایا تھا۔ ساہیہ اسے کچھ دیر یونہی دیکھتی رہی تھی پھر نظر پھیرتے ہوئے بولی تھی۔

"ماما کا کیا ہوا؟ ـــــ معاملہ کچھ سلجھایا کہ نہیں؟"

"ہوں ـــــ کسی قدر ـــــ پاپا نے ضد وقتی طور پر چھوڑ دی ہے۔ مگر ماما فی الحال نانو کے ہاں ہی ہیں۔ شاید وہ کسی قدر خوفزدہ ہے ـــــ ساہیہ! ممی کل انگیج منٹ کی بات کر رہی تھیں۔"

"کس کی انگیج منٹ کی بات؟" ساہیہ بالکل نہیں سمجھی تھی۔

"تمہاری اور میری انگیج منٹ کی بات۔"

ساہیہ خان کی آنکھوں میں کچھ خاص رنگ اترے تھے اور پلکیں خود بخود جھکتی چلی گئی تھیں۔ اذہان نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا اور یقین دلاتے ہوئے بھرپور انداز میں بولا تھا۔

"مجھے یقین ہے تم میرے ساتھ خوش رہو گی۔ ٹرسٹ می۔ میں تمہیں کبھی دکھی نہیں کروں گا۔"

❋❋❋

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے گاڑی سمندر کی گیلی ریت پر روک دی تھی اور اس کی طرف کا دروازہ کھول کر اسے ہاتھ تھام کر باہر نکال لیا تھا۔

میرب سیال ایک میکانکی انداز میں اس کے ساتھ کھنچتی چلی گئی تھی۔ اس شخص کے تیور ہمیشہ اس کی سمجھ میں نہ آنے والے تھے۔ وہ کبھی بھی اسے سمجھ نہیں پائی تھی اور اب تو اور بھی سب کچھ الجھا الجھا ہوا نظر آ رہا

آسمان پر سیاہ کالے بادل چھائے ہوئے تھے۔ بوندا باندی ہو رہی تھی۔ موسم کسی بھی وقت خطر
صورت حال اختیار کر سکتا تھا۔ مون سون کی ہواؤں کا زور تھا۔ میرب کا آنچل دور تک لہرا رہا تھا۔ موس
واضح انداز میں خنکی تھی۔ وہ کپکپا رہی تھی۔ مگر اتنی ہمت ناپید تھی کہ اس شخص سے کچھ کہہ سکتی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے لہروں کے بیچوں بیچ لے جا کر اسے اپنے سامنے کھڑا کیا تھا اور
بغور دیکھنے لگا تھا۔ میرب سیال کے لئے اس کا یہ رویہ سمجھ سے بالاتر تھا۔ وہ قطعاً نہیں سمجھ پائی تھی
ایسا ری ایکٹ کیوں کر رہا تھا۔ پیروں سے کئی لہریں آ کر ٹکرا رہی تھیں۔ ریت کئی بار پیروں کے نیچے
سرکتی محسوس ہوئی تھی۔ تیز ہوائیں جسم کے آر پار ہو رہی تھیں۔ وہ واضح انداز میں کپکپا رہی تھی۔
ہونٹ لرز رہے تھے۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اسے اس طرح دیکھتا رہا تھا۔ پھر ایک دم سے اسے
ساتھ بھینچ لیا تھا۔

"کیوں کرتی ہو تم ایسا؟ —— کیوں کیا تم نے ایسا؟ —— چاہتا ہوں، نہ کچھ کہوں تمہیں،
شکوہ نہیں، نہ شکایت۔ مگر تم —— میں تمہیں سزائیں دینا نہیں چاہتا سویٹ! پھر کیوں تم........" اس
بھیگے گیسوؤں پر اپنے لب رکھ کر وہ کتنے مدھم انداز میں کہہ رہا تھا اور میرب اس کے مقابل ساکت
کھڑی تھی۔

ان سنسناتی ہواؤں میں تنہا کھڑے وجود کو، وہ حرارت سے پُر حصار کچھ عجب نہیں لگا تھا۔ ا
میں ضم کر لینا نامعتبر نہ لگا تھا۔ اپنا بے حد کمزور ہونا برا نہ لگا تھا۔ اس کا خود پر جارحانہ انداز میں حق ج
نہ لگا تھا۔

شاید کچھ اچھا لگا تھا۔

شاید وہ موسم!

شاید وہ بارش!

شاید وہ جادو جو اس لمحے وہ اپنے ارد گرد پھیلتا محسوس کر رہی تھی۔ یا پھر وہ وسیع سمندر۔

وہ خاموش ماحول۔ جس میں نہ کوئی آہٹ تھی نہ کوئی دوجی آواز۔

دور تک خاموشی تھی اور اس خاموشی میں گونجتی ایک ایک آواز وہ اس گھڑی بغور سن رہی تھی۔

شوریدہ سر سمندر کی آواز۔

لہروں کا شور۔

بارش کی آواز۔

بوندوں کی ایک انوکھی نغمگی۔

موسم میں رچا ایک الوہی احساس

اس پُر تپش حصار میں سینے میں دھڑکتے دل کی آواز۔

ان دھڑکنوں کا شور۔ اور خود اس کے اپنے دل کا ارتعاش!

کتنا انوکھا تجربہ تھا۔ کس قدر نیا احساس۔ جو شاید اس سے قبل نہ تو اس نے محسوس کیا تھا نہ ہی اس

یلے اس کو برتا تھا۔ وہ چند لمحوں پر محیط پل اسے کئی خواب دیکھنے پر اکسانے لگا تھا۔ وہ قربتوں کا پل وہ پل
نکھیل اسے خود سے جدا کرنے کے جتن کرنے لگا تھا۔

وہ سارا شہر جیسے اس وقت ایک طلسم کدہ تھا اور وہ اس سحر سے جکڑے ماحول کا حصہ تھی۔ عجب فسوں
باز تھا وہ شخص —— عجب بھید بھری چپ تھی۔

کتنی دوری پر تھی وہ۔ اپنے ساز و آہنگ سے جینے کی قائل۔ نہ دل کا پتہ نہ درون جاں کا۔ اور کیسے
ک پل میں اس شخص نے سارے کے سارے منظر بدل ڈالے تھے۔ عجب حاشیے کھینچے تھے اس کے
گرد کہ سارے کے سارے زاویے بدل دیے تھے۔

فسوں گری کی حد تھی۔

اسم گری کی انتہا تھی کوئی —— لمحہ دو لمحہ کو تو وہ بھی کھو گئی تھی۔ مگر نہیں۔

وہ یکدم جیسے اس خواب سے بیدار ہوئی تھی۔ بہت آہستگی سے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

جان میں پھیلا فسوں اپنا اثر کھونے لگا تھا۔

وہ رگوں میں دوڑتا اضطراب سمٹنے لگا تھا۔ وہ ایک پل میں حقیقت کے کھلے آسمان تلے تھے۔ وہ
اور وہ گری اپنے پیرہن سمیت بھیگی تھی۔

وہ سارا کا سارا چھو ٹکا گیا جادو اُڑن چھو تھا۔

وہ کھنچا گیا حصار بہت آہستگی سے اپنے گرد سے ہٹا چکی تھی اور اس کے ساتھ ہی وہ طلسم بھی ٹوٹ چکا
ا۔ مگر جان میں دم توڑتی ایک ہلکی سی ہلچل اب بھی باقی تھی۔

گریزاں سی نظر اٹھی تھی مگر قدم کچھ پرے سرک گئے تھے۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے تیزی سے بوندوں سے بھیگتے اس چہرے کو بغور دیکھا تھا۔

"میرب! پلیز، ڈونٹ ڈو دیس ٹو ی۔" خاموش، ساکت فضا میں ایک مدھم سرگوشی ہوئی تھی۔ انداز ملتجی
تھا۔

میرب سیال کا دل چاہا تھا وہ آنکھیں بہت زور سے میچے اور اس ماحول سے بھاگتی ہوئی کہیں دور چا
لے۔ مگر وہ ایسا نہیں کر سکی تھی۔ نہ تو قدموں میں اتنی ہمت تھی، نہ جاں، نہ کوئی اقدام بغاوت۔ وہ اسی
رح کھڑی رہی تھی۔ سر جھکائے، کسی حکم کے پابند، کسی منشا کے زیر۔

"تمہیں کہا تھا نا، مجھے اچھا نہیں لگتا تم پر رعب جماؤں، اپنا حق جتاؤں یا تمہیں مرعوب کروں۔ مجھے
بار باتوں کو دہرانا بھی اچھا نہیں لگتا۔ پھر کیوں —— کیوں کیا تم نے ایسا؟ —— مسٹر سیال کو یہاں
نے کے لئے کیوں کہا؟ —— فون پر بات ہوئی ہے میری۔ پتہ چلا وہ تمہیں لینے آ رہے ہیں۔ کہا تھا
—— منع کیا تھا نا کہ تم کہیں نہیں جاؤ گی۔ پھر کیوں؟ —— وائے میرب؟ —— وائے؟"

کس قدر سخت لہجے میں وہ دریافت کر رہا تھا۔

آسمان سے برستا ہوا پانی انہیں تیزی سے بھگونے لگا تھا۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری اس لمحے اس قدر
لی ہو رہا تھا کہ اسے کسی بات کا ہوش نہ تھا۔

''میں خود نہیں جانتا میرب سیال! میں اتنا قدامت پرست بھی کبھی نہیں رہا۔ مگر تمہارے معا۔
جانے کیوں دستبردار نہیں ہو سکتا۔ ڈونٹ گٹ ڈی رونگ۔ اولڈ ہوں۔'' بہت آہستگی سے ہاتھ اٹھا
میں ہلایا تھا۔

''میں تمہیں کسی قید کا پابند کرنا نہیں چاہتا۔ مگر تمہیں آزاد چھوڑ کر میں کوئی رسک بھی لینا نہیں
جانتا ہوں میں، میری پناہ تمہیں اچھی نہیں لگتی۔ مگر کیا کروں، میری عادت نہیں ہے دستبردار ہو
جانتا ہوں، مانتا ہوں، تم جیتا جاگتا وجود ہو۔ سانس لیتا ایک حساس وجود۔ جو سوچتا ہے، دیکھتا
ہے۔ مگر شاید وہ نہیں جو چاہیے۔ کسی قدر نادان ہو۔ اور اسی بات کا ملال ستاتا ہے مجھے۔ کہیں بے
میں اپنا کوئی عظیم نقصان نہ کر بیٹھو۔ جانتا ہوں، تمہیں ناصح کی ضرورت نہیں۔ میں راہبر بھی بننا نہیں
چاہتا ہوں تو صرف وہ، جو تم شاید سمجھ ہی نہیں رہی ہو۔''

انداز کسی قدر افسوس ناک تھا جیسے وہ اس کی عقل پہ ماتم کر رہا تھا۔

''میری مجبوری دیکھ رہی ہو تم۔ اپنے اصولوں کے خلاف جا رہا ہوں۔ نہ بات دہرانے کا عادی
حکم عدولی سننے کا۔ مگر تمہارا معاملہ عجب ہے۔ رعایت دینا ضروری ہو گیا ہے۔ مجھے میرے اصول
بغاوت پر اکسا رہی ہو تم۔ مگر کیا کروں، تمہارا کچھ نہیں کر سکتا میں۔ مگر پلیز، مجھے اور آزمانا بند کر دو
پر تو تم مائل نہیں ہو، ستانا تو بند کر سکتی ہو نا؟'' اس کا چہرہ اوپر اٹھا کر اسے بہ غور دیکھا تھا۔

''مسٹر سیال آئیں تو انہیں منع کر دینا۔ تم کہیں نہیں جاؤ گی۔ اس سے زیادہ نہ میں کچھ کہنا چاہتا
ہی سننا۔'' یکدم دوٹوک فیصلہ سناتا وہ پلٹا تھا اور چلتا ہوا گاڑی کی سمت بڑھ گیا تھا۔

میرب سیال کتنی دیر تک زمین کے مضبوط سینے پر چلتے اس بے حد مضبوط جسامت والے مغرو
شخص کو دیکھتی رہی تھی۔ دھند میں لپٹے منظر بہت پُرسکوت تھے۔

وہ بارش بھی بہت چپ چاپ سی تھی اور لہروں کی طغیانی۔ اور تو کچھ یاد نہ تھا—— ہاں اندر وہ
کسی علاقے میں کہیں، کسی قدر کچھ ارتعاش سا ضرور برپا محسوس ہوا تھا۔ وہ لمبا چوڑا شخص حتمی اند
فیصلہ سنا کر اس گھڑی گاڑی کا دروازہ کھولے اس کی جانب متوجہ کھڑا اس کا منتظر تھا۔ کتنی آہستہ
میرب نے اس کی سمت اپنے بے جان قدم اٹھائے تھے۔ کیسا میکانکی سا انداز تھا۔ وہ کچھ نہیں جانتی
قدم اٹھا رہی تھی یا قدم خود بخود اٹھ رہے تھے۔

❄❄❄

اذہان حسن بخاری گھر میں داخل ہوا تھا تو ماحول خاصا مختلف ملا تھا۔ لحہ بھر کو تو وہ ٹھٹک کر رک گیا
گھر اپنا ہی ہے نا؟' یقین کرنے کو اس نے ایک بار در و دیوار کو بہ غور دیکھا تھا۔

''کیا کر رہے ہو میاں!—— چلے آؤ۔ یہ محفل جو آباد ہوئی ہے آپ ہی کے سبب ہوئی ہے
نے اسے دیکھتے ہی ہانک لگائی تھی۔

اذہان حسن بخاری نے کسی قدر حیرت سے اس غول کی طرف دیکھا تھا۔ ڈھولکی کی
آواز—— گانا بجانا، انتہائی بے سُرے راگ الاپنا—— اور وہ بھی اس کے گھر کے اندر۔ ای

طوفانِ بدتمیزی، بھانت بھانت کی بولیاں۔

''کیا ہو رہا ہے یہ؟'' اذہان حسن بخاری نے کسی قدر حیرت سے پہلے ان سب کی طرف اور پھر فارحہ
کی طرف دیکھا تھا۔ وہ ملائمت سے مسکرا دی تھیں۔ عزیر اس کا ہاتھ تھام کر بھنگڑے کے سے انداز میں
اسے گھمانے لگا تھا۔

''مہندی کی خوشبو سے
سانسوں پہ چھا جائے
آ جانِ من!
ہم آئے—— تجھ کو لینے!
نذرانہ دل کا دینے
ہم تیرے ہو جائیں گے
یہی——!
ہے لیکن!''

اذہان حسن بخاری کی نظر ہجوم میں گھری بیٹھی سامیہ پر پڑی تھی۔ وہ اس کی طرف دیکھتی مسکرا رہی تھی۔

''یہ کیا ہو رہا ہے؟'' اذہان اب بھی نہ سمجھا تھا۔

''سو سمپل یار!—— تیری آزادی ختم ہونے کا جشن منایا جا رہا ہے۔'' دوست فاران نے ہاتھ سے
اس کی گردن کے قریب چھری پھیرنے کی ایکٹنگ کی تھی۔

''یعنی خدا تمہارا حامی و ناصر ٹھہرے۔ کشتی طوفان میں گھرنے کو ہے۔'' ایک اور کزن نے چٹکلا چھوڑا
تھا۔

''سیدھی سی بات ہے یار! ہم گرتی دیوار کو ایک دھکا اور دینے آئے ہیں۔''

''تجھے چپو چلانا تو آتا ہے نا؟—— ویسے اس سمندر میں کشتی چلانے کا کوئی لائسنس ابھی تک جاری
نہیں ہوا۔ صرف کچھ سنس استعمال کرنے چاہئیں۔'' عبید نے انکشاف کیا تھا۔ زبردست قہقہہ پڑا تھا۔

''ہاں—— جیسے کامن سانس، الاٹے سنس، سنس آف ہیومر اور اسی جیسے اور بہت سے سنس——
یا تجھے تھوڑا سا انڈر اسٹینڈنگ ہونا پڑے گا اور ساتھ ہی حاضر دماغ بھی۔'' عزیر نے ابھی سے وارننگ
دے دی تھی۔

''ماجرا کیا ہے؟'' اذہان نے بہت سکون سے دریافت کیا تھا۔ کمرے میں قہقہوں کی بہار آ گئی تھی۔

''یار! یہ اب بھی نہیں سمجھا۔'' نعمان نے اس کی عقل پر بھرپور ماتم کیا تھا۔

''کیسے سمجھائیں اسے اب؟'' عزیر سوچ میں پڑ گیا تھا۔

''تو نے تیسری جنگ عظیم کے متعلق کبھی سوچا ہے؟'' عبید نے اسے کریدا تھا۔

''چلو، یہ تو دور کی بات ہے۔ یہ بتا دو، دوسری عالمی جنگ کے متعلق ضرور سنا ہوگا۔ بس سمجھ لے، تیری
زندگی میں بھی ویسا ہی انقلاب برپا ہونے والا ہے۔'' لبوں پہ مسکراہٹ لئے نعمان شرارت سے بولا تھا۔

"اب تو سمجھ جا میرے یار!"

"میرے خیال میں اسے کچھ کچھ کے مزید لگانے ہوں گے۔ شاید فوری طور پر مدعا بیان کرنے پر دماغ پر تھوڑا اثر پڑا ہے۔" عبید نے فتویٰ جاری کیا تھا۔ اذہان کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔

"ہٹو، ہٹو۔ میرے پیارے سے بھائی کو تنگ مت کرو۔ ابھی تو رات گئے تک یہ غل غپاڑا چلنا ہے" ماہا ہجوم کو چیرتی ہوئی ایپل جوس لئے آگے بڑھی تھی۔

"بھائی! پلیز، آپ بیٹھ جاؤ۔" ماہا نے محبت سے کہا تھا۔

"چکر میں مت آنا اذہان بابو! مرغے پر چھری پھیرنے سے پہلے کی تیاری ایسی ہی ہوتی ہے۔" نے جملہ اچھالا تھا۔

"مرغا نہیں، بکرا کہو بے وقوف! ——— دیکھا نہیں ہمارے اذہان میاں ماشاء اللہ سے کیا غضب ڈیل ڈول رکھتے ہیں۔" نعمان نے تصحیح کی تھی۔ قہقہوں کا طوفان آ گیا تھا۔

اذہان نے جوس کا گلاس تھام لیا تھا اور مسکراتے ہوئے ان سب کی طرف دیکھا تھا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟ ——— یہ ساری ٹیم کیا آج ہی پاگل خانے سے باہر آئی ہے؟"

"ہاں ——— تجھے صرف یہ بتانے میرے بھائی! کہ بہت جلد تو بھی وہاں جانے والا ہے۔" عزیز نے ایک آنکھ دبا کر کہا تھا۔ زبردست قہقہے پڑے تھے۔

"ارے میرے یار! ——— تیرے "حضرت میاں" بننے کی پہلی قسط ادا ہونے جا رہی ہے۔ پہلی اسٹیج پر تو نے بالآخر قدم رکھ دیا ہے۔ یار! خوش نصیب ہے۔ ہم تو نجومیوں کے پاس چکر ہی لگا گئے۔ نہ محبوب قدموں میں آیا نہ کوئی چاند کھڑکی سے طلوع ہوا۔ سر کا چاند ضرور طلوع ہو گیا۔" نعمان کو اپنے تیزی سے کم ہوتے بالوں کا قلق ہوا تھا۔

"ٹھیک کہہ رہا ہے یار! ——— ہم سب کا دکھ مشترکہ ہے۔ مگر تو وہ واحد خوش نصیب ہے نوجوانوں کی انجمن سے خارج ہونے جا رہا ہے۔" عبید نے بھرپور رشک کیا تھا۔

"کم آن یار! ابھی صرف منگنی کی ڈیٹ فکس ہونے جا رہی ہے۔ ڈونٹ بی فنی۔" اذہان نے مسکراتے ہوئے جان چھڑائی تھی۔

"خوشیوں کے پل جتنے بھی ہاتھ لگیں انہیں مٹھی میں بند کر لینا چاہئے۔ اور یہ خوشی اتنی معمولی ہے۔ آخر کو میرے اکلوتے بھائی کی انگیجمنٹ ڈیٹ فکس ہونے جا رہی ہے۔ اٹس اے گریٹ ٹائم برٹ۔" ماہا نے بھائی کے ساتھ لگتے ہوئے کہا تھا۔ اذہان نے مسکراتے ہوئے بہن کے گرد بازو اور اس کے سر پر پیار کرتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

"تو تم نے اس سارے غول کو یہاں اکٹھا کیا ہے؟" بہن سے دریافت کیا تھا۔

"کیا بات کرتا ہے یار؟ ——— ہم آ گئے ہیں، احسان مان۔ ورنہ تو ہم اس کی بھی فیس چارج کرتے ہیں۔" عبید نے مطلع کیا تھا۔

"اگر اجازت ہو تو ممی سے مل لوں؟" اس گھیرے ہوئے غول کی طرف دیکھا تھا اور اجازت

ارحہ کی طرف چلا آیا تھا اور ساہیہ کے ماما پاپا، اکینے اور دیگر خاندان کی بڑی شخصیات کے ساتھ بیٹھی تھیں۔

ارحہ نے اٹھ کر بیٹے کو گلے لگایا تھا۔ اذہان نے انہیں بغور دیکھا تھا۔

"آپ خوش ہیں نا؟"

"ہوں ——— بہت۔ اور تم؟" محبت سے بیٹے کے بال بکھیرے تھے۔

"میں بھی۔" اذہان مسکرایا تھا۔ "ممی! ——— پاپا؟" بہت مدھم لہجے میں دریافت کرنا چاہا تھا۔ اس اہم ترین موقع پر یقیناً وہ اس اہم ہستی کو اپنی زندگی میں شامل دیکھنا چاہتا تھا۔ ممی نے چہرے کے اشارے سے اسے مڑ کر دیکھنے کو کہا تھا۔ اذہان مڑا تھا اور اپنے پیچھے سعد حسن بخاری کو کھڑے دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔

"مبارک ہو مائی سن!" پاپا نے کہتے ہوئے اسے ساتھ بھینچا تھا۔ اذہان حسن بخاری کو اپنی زندگی کا یہ خوبصورت ترین دن لگا تھا۔

"تھینکس، اینڈ......." اذہان لمحہ بھر کو ہیزی ٹیٹ ہو کر رکا تھا۔ "اینڈ آئی لو یو پاپا! ——— آئی لو یو سو مچ۔" مدھم لہجے میں کتنے عرصے بعد اظہار ہوا تھا۔

سعد حسن بخاری نے بیٹے کو دیکھا تھا اور پھر اسے دوبارہ اپنے ساتھ بھینچ لیا تھا۔

"آئی لو یو ٹو مائی سن!" مدھم لہجے میں کتنے دنوں کی تھکن تھی۔

نارحہ کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔

"سعد بھائی! پلیز، آئیے۔ وقت گزرا جا رہا ہے۔ بزرگوں کی مجلس تاریخ طے کرنے کو آپ کی منتظر ہے۔" فیض بخاری نے آ کر ان کو مطلع کیا تھا۔ سعد بخاری، نارحہ اور فیض کے ساتھ آگے بڑھ گئے تھے۔

اذہان حسن بخاری کتنی دیر وہاں کھڑا رہا تھا۔ اس کمرے میں اب بھی اتنا ہی ہنگامہ تھا۔

اکھیاں ملا لے ساڈے نال گڑیے!
بھنگڑا تو پا لے ساڈے نال گڑیے!

عبید، نعمان، عزیز بھی کزنز اور دوست پیش پیش تھے۔ لڑکیاں الگ ساہیہ کو گھیرے بیٹھی تھیں۔ اذہان حسن بخاری چلتا ہوا اس کی سمت بڑھنے لگا تھا۔ ساہیہ خان اس کی سمت متوجہ تھی۔

عبید، نعمان، عزیز بھی بھنگڑا کرنے میں مصروف تھے۔ لڑکیاں بھی تالیاں بجاتے ہوئے اپنا حق ادا کر رہی تھیں۔ اذہان حسن بخاری نے ساہیہ کے قریب رک کر مسکراتے ہوئے اس کی سمت ہاتھ بڑھایا تھا اور اسے اپنی طرف کھینچ لیا تھا۔

ساہیہ توازن بحال کرتی ہوئی اسے گھورنے لگی تھی۔

"مسٹر! ابھی رائٹس آپ کے نام رجسٹرڈ نہیں ہوئے۔ کچھ خیال کیجئے۔" جتایا تھا۔

اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

"خیال؟ ——— کس بات کا خیال؟" یکسر انجان پن سے دریافت کیا تھا۔ "ہم تو آپ کو صرف ہکس کہنا چاہتے ہیں۔"

''بہانہ اچھا ہے۔'' ساہیہ کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ اتری تھی۔ ازہان مسکرا دیا تھا۔

''یار! اٹس ناٹ اے جوک۔ یہ بات بھی تھی۔ مگر......'' بات مکمل ہونے سے قبل ہی ساہیہ مگر
تھی۔ ازہان چوری پکڑے جانے پر بنا خجل ہوئے مسکرا دیا تھا۔

''سو واٹ؟ ــــ یار! فیانسی ہونے جا رہا ہوں تمہارا۔ اب اتنا تو حق بنتا ہے میرا۔ میں واقعی
تھینکس کہنا چاہتا ہوں۔'' ازہان نے مسکراتے ہوئے بغور اسے دیکھا تھا۔

''مگر کیوں؟'' ساہیہ نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔

''ساہیہ! ــــ تم نے مجھے زندگی کا وہ سکھ دیا ہے جس کے بارے میں، میں صرف سوچ سکتا
یہ گھر، اس کی خوشیاں لوٹانے میں یقیناً سارا کا سارا ہاتھ تمہارا ہے۔ ممی کے چہرے کی راحت اور
میرے لئے زندگی کا سب سے بڑا چیلنج تھا، پاپا کا فیملی کی طرف لوٹ آنا، تمہارے باعث، سب کچھ
لوٹ آیا ہے۔ آئی ایم ریئلی ہیپی وید یو۔ تم نے مجھے بہت بڑی خوشی دی ہے۔'' ازہان اس کا ہاتھ
عقیدت سے لبوں تک لے جاتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔ ساہیہ بہت دھیمے سے مسکرا دی تھی۔ پھر جیسے
میں کھویا ہوئی تھی۔

''ازہان! تمہاری خوشیاں، میری خوشیوں سے الگ نہیں ہیں۔ نہ ہی میری خوشیاں تمہاری خو
ہے۔ اب ہمیں اک دوجے کے لئے ہی جینا ہے۔ اور رہی بات یہ کہ یہ سب میرے باعث ہے
صرف تم سوچتے ہو۔ ورنہ اس میں میرا کوئی کمال نہیں ہے۔ میرے ہاتھ میں کوئی جادو نہیں ہے کہ
گھماؤں اور سب اچھا ہو جائے۔'' ساہیہ مسکرائی تھی۔

ازہان کے لبوں پر بھی دھیمی سی مسکراہٹ تھی۔ اس کی سمت سے نگاہ ہٹا گیا تھا۔ ساہیہ نے اسے
دیکھا تھا۔

''ازہان!''

''ہوں؟'' وہ جیسے چونکا تھا۔

''تم خوش ہو؟'' بہت عجیب سوال تھا۔ ازہان چونکا تھا، پھر مسکرا دیا تھا۔

''آف کورس یار! ــــ بھور کے لڈو کھانے جا رہا ہوں۔ سنا ہے بہت لکی ہوتے
لڈوؤں کو ٹیسٹ کرتے ہیں۔''

لبوں پر مسکراہٹ مطمئن کرنے کو کافی تھی۔ مگر ساہیہ اسے متواتر تشویش سے دیکھتی رہی تھی۔ ا
سیل نکال کر کوئی نمبر ملانے لگا تھا۔

''پچھتاؤ گے تو نہیں؟'' خدشہ برملا تھا۔ ساہیہ کی تمام توجہ اس پر تھی۔

''کم آن یار! فضول کی باتیں لے کر بیٹھ گئی ہو تم۔''

''ایکسکیوز می۔'' ازہان کہتا ہوا آگے بڑھ گیا تھا۔

عزیز، فیض چاچو اور ماما مٹھائی لے کر آن وارد ہوئے تھے۔

''مبارک ہو ــــ تاریخ طے ہو گئی منگنی کی۔ یعنی آدھی قید کا آغاز ہوا ہی چاہتا ہے۔ ٹھیک

بعد۔'' ماما نے کہتے ہوئے گلاب جامن اس کے منہ میں ٹھونس دیا تھا۔

''بھائی کہاں ہیں؟''

''وہاں، ٹیرس پر۔ سیل پر کسی سے بات کر رہے ہیں۔'' ساہیہ کا انداز کھویا کھویا سا تھا۔ اردگرد ہجوم نے
اسے گھیر لیا تھا۔ کوئی اس کے اندر کا سکوت محسوس نہیں کر سکا تھا۔ ماما بھی مٹھائی ہاتھ میں لئے بھائی کی
طرف پیش قدمی کر گئی تھی۔

❋❋❋

انابیہ سیل پر کسی سے بات کر رہی تھی۔ عفنان علی خان اندر داخل ہوا تھا۔ اور تبھی اس نے وہ سلسلہ
منقطع کر دیا تھا اور مڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

عفنان اس کی جانب مطلق کوئی توجہ دیے بغیر جھک کر دراز میں سے کچھ تلاشنے لگا تھا۔

''عفنان!'' انابیہ نے بہت آہستگی سے پکارا تھا۔

عفنان علی خان نے مڑ کر اس کی طرف نہیں دیکھا تھا مگر اس کے تلاشتے ہاتھ تھم گئے تھے۔ اندازہ کیا
جا سکتا تھا کہ وہ اس کی بات سننے پر مائل تھا اور پوری توجہ اس لمحے اس کی جانب مبذول کیے ہوئے تھا۔
انابیہ کو فوری طور پر مدعا بیان کرنا مشکل لگا تھا۔ شاید اسی لئے وہ رخ پھیر کر چلتی ہوئی کھڑکی کے پاس
جا رکی تھی۔

''مجھے تم سے بات کرنی ہے۔'' دھیما لہجہ کسی بھی طرح کے جذبات سے عاری تھا۔ عفنان علی خان
نے مڑ کر اس کی سمت دیکھا تھا۔ پھر پرخیال انداز میں سر ہلا دیا تھا۔

''مجھے بھی تم سے بات کرنی ہے۔''

انابیہ چونکی نہیں تھی۔ صرف مڑ کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

عفنان علی خان کسی گہری سوچ میں گم تھا۔ غالباً وہ کسی اہم نقطے پر سوچ رہا تھا۔

''آؤ میرے ساتھ۔'' حکم صادر کرتا ہوا وہ چلتا ہوا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا تھا۔

انابیہ کچھ دیر تک اسی طرح کھڑی اس سمت تکتی رہی تھی پھر چلتی ہوئی اس کے پیچھے آ گئی تھی۔

عفنان پورچ میں گاڑی کا لاک کھول رہا تھا۔ وہ بھی چلتی ہوئی گاڑی کے پاس جا رکی تھی۔ عفنان علی
خان نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے اس کی طرف کا دروازہ کھول دیا تھا۔

انابیہ نے بیٹھ کر اپنی طرف کا دروازہ بند کیا تھا اور عفنان علی خان نے گاڑی آگے بڑھانے میں دیر
نہیں لگائی تھی۔ گاڑی میں کافی دیر تک خاموشی چھائی رہی تھی۔ نہ انابیہ کچھ کہہ سکی تھی نہ ہی عفنان علی
خان۔ شاید دونوں ایک دوسرے کی طرف سے بولنے کے منتظر تھے۔

''آپ کچھ کہنا چاہتی تھیں۔'' عفنان علی خان نے اس کی طرف دیکھے بغیر پہلا موقع اسے دیا تھا۔

انابیہ چونکی تھی مگر فوری طور پر کچھ نہ کہہ سکی تھی۔

''آپ ــــ آپ کیا کہنا چاہتے تھے؟'' انابیہ جانے کیوں الجھن کا شکار نظر آئی تھی۔ عفنان علی
خان کسی قدر لاتعلقی سے ایک نگاہ اس پر ڈال کر دوبارہ ونڈ اسکرین کی سمت متوجہ ہو گیا تھا۔ تبھی اس کا سیل

بج اٹھا تھا۔ عفنان نے اسکرین پر چمکتا ہوا نام دیکھا تھا اور کال ریسیو کرلی تھی۔

''اوہ ـــــ آئی ایم سوری یار! میں بھول گیا۔ تمہارا ٹیکسٹ مورننگ میں ملا تو تھا۔ مگر پھر دن بھر اتنی مصروفیت رہی کہ یاد ہی نہیں رہا۔ تم بتاؤ، اس وقت کہاں ہو؟ کہیں ریسٹورنٹ میں بیٹھی میرا انتظار تو نہیں کر رہیں؟'' تخاطب توجہ کا باعث بنا تھا۔

جواباً پتہ نہیں دوسری طرف سے کیا کہا گیا تھا کہ عفنان علی خان کا قہقہہ گاڑی میں گونج گیا تھا۔

''کیا کروں ـــــ ایسا ہی ہوں۔ اگر انتظار نہیں کرسکتیں تو لوٹ جاؤ۔ میں یہ جھیل سکتا ہوں۔'' مسکراتے ہوئے مدعا بیان کیا تھا۔

انابیہ چہرے کا رخ پھیرے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی تھی۔

''عفنان علی خان کے دل کو ابھی جانا ہی کہاں ہے آپ نے ـــــ جہیں، رفوگری کا کوئی اتنا زیادہ کام نہیں۔ معمولی مرمت اور بٹننگ کی ضرورت ہے۔ کوئی زیادہ ٹوٹ پھوٹ نہیں ہے۔'' مسکراتے ہوئے ایک دلچسپ وضاحت کی تھی۔ جانے کس سوال کے جواب میں۔

انابیہ رخ پھیرے مکمل لاتعلق نظر آنے کی کوشش کر رہی تھی۔

موصوف کی گفتگو طول پکڑتی جارہی تھی۔

انابیہ نے ہاتھ بڑھا کر کیسٹ پلیئر آن کردیا تھا۔ سرد ساز چار اطراف پھیلنے لگے تھے۔

بے بسی نہیں ہے یہ بے جواز!
خاموشی میرے دل کا ہے سوال!
بے رخی ہی کسی پہ ہے تو کسی بہار
وہ نظر جو تھی اپنی مثال
دل میرا کرتا ہے تمہیں تلاش
تم صنم ہو میرا سوال
فاصلے ـــــ گرہوں گے درمیاں
مل نہ سکیں گے ہم ـــــ
فاصلے ـــــ!
گرہوں کے درمیان
مل نہ سکیں گے ہم ـــــ!

عفنان علی خان نے کسی قدر ناپسندیدہ انداز سے دیکھا تھا پھر ہاتھ بڑھا کر پلیئر آف کردیا تھا۔ انابیہ اس کی سمت متوجہ نہیں تھی۔ تبھی وہ اس کے چہرے کے ناپسندیدہ تاثرات نہیں جان پائی تھی۔ عفنان علی خان دوبارہ گفتگو میں مصروف ہوچکا تھا۔

''اوکے یار! ـــــ غصہ ٹھنڈا کرو ـــــ اور آج کی ملاقات کا وقت کچھ آگے بڑھا دو ـــــ یار! تم آگے بڑھانے کے لئے کہہ رہا ہوں۔ میٹنگ پوسٹ پونڈ نہیں کر رہا۔''

''اوکے ـــــ رائٹ۔'' دوسری طرف سے شاید گرم جوشی کا اظہار ہوا تھا۔ عفنان مسکرا دیا تھا۔

''اوکے ـــــ سیم ہیئر! ـــــ سی یو سون۔''

عفنان علی خان نے سلسلہ منقطع کرتے ہوئے اس کی سمت دیکھا تھا۔ انابیہ اس کی سمت قطعاً متوجہ نہیں تھی۔

''کہیے، کیا کہنا تھا آپ کو؟'' ڈرائیونگ کرتے ہوئے خاطر خواہ توجہ اسے دی تھی۔ انابیہ نے اس کی طرف دیکھنے سے مکمل اجتناب برتا تھا۔

''لامعہ تھی؟'' پتہ نہیں کیا سوچ کر سوال داغا گیا تھا۔

عفنان علی خان لمحہ بھر کو حیران ہوا تھا۔ پھر لاتعلقی سے ونڈ اسکرین کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

''دیٹس ناٹ یور کنسرن۔ یہ آپ کا کنسرن نہیں ہے انابیہ شاہ! ـــــ میرا نہیں خیال کہ مجھے کسی کو جواب دہ ہونا ہے یا میں کسی طور پر کسی کا پابند ہوں۔'' بہت کھردرے انداز میں جواب سے نوازا گیا تھا۔

انابیہ اپنی جگہ ساکت رہ گئی تھی۔

''کیوں؟ ـــــ اچھا نہیں لگا آپ کو؟ اس لئے، یہ میرا کنسرن نہیں؟'' جواباً کہا تھا۔ مگر عفنان نے جواب دینا ضروری خیال نہیں کیا تھا۔

''آخر کیا کر رہے ہیں آپ؟ ـــــ یہ کیا نیا چکر ہے؟ ـــــ اگر آپ سمجھ رہے ہیں کہ اس ٹیکنیکل انداز سے آپ میرے دل میں کوئی جگہ پالیں گے تو یہ بالکل غلط ہے۔ خام خیالی ہے آپ کی۔ بالکل غلط سوچ رہے ہیں آپ۔ ایسا کچھ بھی نہیں ہوگا۔ بہت بوگس طریقہ ہے یہ کسی کی بھی توجہ پانے کا۔ آئی ایم ریئلی ناٹ امپریسڈ بائے دیٹ۔''

عفنان علی خان نے گاڑی سڑک کے ایک جانب روک دی تھی اور بے حد جارحانہ انداز سے اس کی سمت تکنے لگا تھا۔

''کیا سمجھتی ہیں آپ؟ ـــــ میں صرف آپ کے لئے جیتا اور مرتا ہوں؟ ـــــ میری زندگی صرف آپ سے شروع ہو کر صرف آپ تک ختم ہوتی ہے؟ ـــــ صرف آپ ہی ایک اہم ترین ہستی ہیں اس دنیا میں؟ ـــــ اگر آپ ایسا سوچ رہی ہیں تو آپ خود کو بے حد اہمیت دینے کی عادی ہیں۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔ کیونکہ مجھے آپ کی کوئی فکر نہیں ہے۔ آپ کچھ بھی سوچیں، کچھ بھی کریں، آئی ریئلی ڈونٹ کیئر۔ آپ عادی ہوچکی ہیں الزامات لگاتے رہنے کی۔ کبھی اپنے کڈنیپ کا الزام، کبھی کسی اور سے انوالومنٹ کا دعویٰ۔ مجھے تو سمجھ میں یہ نہیں آتا آپ میرے ساتھ بھی کیوں ہیں؟ جبکہ آپ پہلے ہی دن یہ باور کرا چکی ہیں کہ آپ سے زیادہ مجھ پر اگر کسی کا حق ہے تو وہ لامعہ کا ہے۔ میں نے آپ کو اپنا کر غلطی کی ہے تو پھر مجھے اس غلطی کو سدھارنے کیوں نہیں دیتیں آپ؟ ـــــ میں واقعی کنسیڈر کرتا ہوں۔ ریلائز؟ کیا ہے میں نے۔ لیں، آئی میڈ مسٹیک۔ ـــــ اے بگ مسٹیک۔ مگر اب میں اپنی غلطی کو واقعی سدھارنا چاہتا ہوں۔ لیں، آئی وانٹ ٹو بیک ٹو مائی لائف فرام یو۔'' عفنان علی خان قطعی انداز میں بولا تھا اور انابیہ شاہ اسے ساکت کھڑی دیکھتی رہ گئی تھی۔

نہ مدعا یا، تھا اپنا ــــــ نہ کوئی سوال۔
کس قدر ہتک محسوس ہو رہی تھی اس گھڑی۔
اپنی غلطی کا بھرپور احساس ہوا تھا۔
اسے یقیناً عفنان علی خان سے ایسے سوال نہیں کرنے چاہیے تھے۔ شرمندگی سی شرمندگی تھی۔
دل چاہا تھا زمین پھٹے اور وہ اس میں جا سمائے۔ مگر افسوس، نہ اس وقت قدموں تلے زمین تھی؛ سر کنے کو کوئی مہربان آسمان ــــــ وہ خالی ہاتھ تھی اور ــــــ گنوانے کو شاید اس کے پاس کچھ تھا بھی نہیں۔
نہ کوئی حق جتانے کو تھا۔
نہ کوئی حرف منانے کو اور ــــــ
چہرہ پھیرتے ہوئے اس نے یکدم ہی ہاتھ دروازے پر رکھتے ہوئے کھولنے کی سعی کی تھی۔ مگر تبھی گاڑی کو تیزی سے بریک لگاتے ہوئے عفنان نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔
"یہ کیا کر رہی ہیں آپ؟ ــــــ پاگل پن دکھانے کی عادت ہو چکی ہے آپ کو۔" ایک الزام بروقت دھرا تھا۔
انابیہ شاہ کی جھکی آنکھوں سے بہت آہستگی سے نمکین پانی کے قطرے ٹوٹ کر ہاتھوں پر گرے تھے عفنان علی خان نے بغور اس چہرے کو دیکھا تھا اور پھر کسی قدر احساسِ جرم سے چہرے کا رخ پھیر گیا تھا۔
"آئی ایم سوری!" بہت آہستگی سے لبوں سے برآمد ہوا تھا۔ معذرت کے لفظوں میں کسی پچھتاوے کی ہلکی سی بازگشت تھی۔ جیسے وہ اپنے کیے پر کسی قدر پشیمان تھا۔
انابیہ بنا کچھ کہے، بنا اس کی طرف دیکھے چہرے کا رخ پھیرے بیٹھی رہی تھی۔ پھر یکدم ہاتھ بڑھا کر دروازہ دوبارہ کھولنے کی سعی کی تھی مگر اب کے عفنان علی خان پہلے سے زیادہ مستعد تھا۔ ہاتھ بڑھا کر سرعت سے اس کے نازک ہاتھ پر رکھ دیا تھا۔ انابیہ شاہ نے بھیگی آنکھوں سے کسی قدر برہمی سے اسے دیکھا تھا۔
"ہاتھ چھوڑیے میرا۔" حکم صادر ہوا تھا۔ مگر عفنان علی خان نے اس حکم کی تعمیل نہیں کی تھی۔ اس کا بھاری ہاتھ جوں کا توں اس کے ہاتھ پر موجود رہا تھا۔
"میرا ہاتھ چھوڑیے۔" برہمی کسی قدر بڑھی تھی مگر عفنان علی خان نے مطلق کوئی پرواہ کیے بغیر اسے دیکھا تھا۔
"تمہیں جہاں جانا ہے، وہاں تمہیں میں چھوڑ دوں گا۔ بار بار بچوں والی حرکتیں مت کرو۔ تمہیں ہمیشہ اپنی پرواہ ہوتی ہے۔ ہمیشہ اپنے بارے میں سوچتی ہو تم۔ ہر بات میں صرف اپنا فائدہ چاہتی ہو اور اپنا فوری طور پر چاہتی ہو۔" بہت سارے الزامات ایک ساتھ لگاتے ہوئے گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔
انابیہ شاہ نے اسے کسی قدر حیرت سے دیکھا تھا۔ اس کی نظریں غالباً کسی الزام کی وضاحت چاہ رہی تھیں۔ مگر عفنان علی خان بنا کسی الزام کی تردید کیے ونڈ اسکرین کی سمت نگاہ جمائے ڈرائیو کرتا رہا تھا۔ گاڑی کا رخ گھر کی جانب تھا۔

"مجھے گھر نہیں جانا ہے۔" انابیہ نے جتانے والے انداز میں کہا تھا۔ مگر عفنان علی خان نے سنی ان سنی کر دی تھی۔ انابیہ شاہ کا غصہ بڑھ گیا تھا۔
"آئی سیڈ، مجھے گھر نہیں جانا ہے۔" وہ چیخی تھی۔ مگر عفنان علی خان پر اس کے غصے کا مطلق کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ بہت اطمینان اور رسانیت سے اسے دیکھا تھا اور بہت مدھم لہجے میں گویا ہوا تھا۔
"میں تمہیں گھر چھوڑ دوں گا۔ اس کے بعد تم جہاں چاہے چلی جانا۔ میں تمہیں ہرگز نہیں روکوں گا۔" انداز حتمی تھا۔ انابیہ شاہ اس شخص کی سمت دیکھ کر رہ گئی تھی۔ پھر عجیب خفگی سے پُر انداز میں چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔ عفنان علی خان کو غالباً اس خفگی کی پرواہ ہرگز نہیں تھی۔ تبھی وہ بنا اس کی طرف دیکھے پوری توجہ سے ڈرائیو کرتا رہا تھا۔
"تم مجھ سے کوئی بات کرنا چاہتی تھیں؟" قدرے توقف سے گاڑی میں بھاری آواز اُبھری تھی۔ مخاطب یقیناً وہی تھی۔ مگر وہ اس لمحے مکمل طور پر اجنبی دکھائی دے رہی تھی۔ نہ تو پلٹ کر اس کی طرف دیکھا تھا نہ ہی کوئی جواب دیا تھا۔
"بات اگر فیصلہ کن یا نتیجہ کن ہے تو تمہیں مجھ سے ضرور شیئر کرنا چاہیے۔ ہو سکتا ہے کہ اس سے ان تمام اُلجھنوں کا اختتام ممکن ہو سکے جو میرے اور تمہارے درمیان بدستور بڑھتی چلی جا رہی ہے۔" عفنان علی خان نے ایک معقول مشورہ دیا تھا مگر انابیہ شاہ نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ چہرے کا رخ پھیرے کھڑکی سے باہر دیکھتی رہی تھی۔
عفنان علی خان نے اس کی جانب ایک نگاہ ڈالی تھی اور پھر کھڑکی پر کہنی ٹکا کر بھرپور توجہ کے ساتھ ڈرائیو کرنے لگا تھا۔ چہرہ اگرچہ بے تاثر تھا مگر نگاہوں کی اُلجھن کسی قدر بڑھ رہی تھی جو اس بات کا پیش خیمہ تھی کہ اس کے اندر یقیناً بہت سے طوفانوں کی طغیانیوں کا ڈیرہ تھا۔ مگر اسے اپنے جذبات و احساسات کو بھرپور انداز میں مخفی رکھنے پر گویا دسترس حاصل تھی۔

کسی کے حکم نامے میں اتنی تاثیر تھی یا وہ واقعی مرعوب ہو گئی تھی ــــــ اندر کی خوف کی لہر تھی
کوئی انجانا ڈر!

اُس شام وہ ریسیور کان سے لگائے پاپا سے بات کرتے ہوئے انہیں یقین دہانی کرا رہی تھی
یہاں بہت خوش ہے اور انہیں اس کی فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ واضح طور پر تو انہیں منع نہیں
تھی کہ یہاں مت آئیں مگر اپنی طبیعت کے متعلق کنسرن ہو کر فی الحال انہیں آنے سے روک دیا تھا
اس نے کیوں کیا تھا وہ خود بھی نہیں جانتی تھی۔ نہ تو وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی اطاعت کرنا چاہتی
اپنے کسی اقدام سے اسے خوش کرنا۔ مگر جانے کیوں، جیسے یہ عمل کسی میکانکی انداز میں خود بخود ہی ا
گیا تھا۔

فون رکھ کر وہ مڑی تھی تو سردار سبکتگین حیدر لغاری کو اپنے پیچھے کھڑا پایا تھا۔ وہ نہ تو چونکی تھی نہ ہی
کا کوئی اظہار کیا تھا۔ چپ چاپ چلتے ہوئے اس کے قریب سے نکل جانا چاہا تھا مگر سردار سبکتگین
لغاری کو شاید اسے داد دینا مقصود تھا جس نے بہت چپکے سے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

میرب سیال نے پلٹ کر اس کی سمت دیکھنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ ایسی لاتعلق سی کھڑی رہی تھی
نگاہ اس کی سمت مائل تھی نہ کسی تیور میں کرم کا کوئی گمان تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ایک قد
درمیانی فاصلہ عبور کرتے ہوئے اسے بغور دیکھا تھا اور ہاتھ بڑھا کر اپنی طرف سے گریزاں چہرہ
جانب مائل بہ کرم کرنے کی ٹھانی تھی۔ مگر میرب سیال نے نگاہ اٹھانے کی زحمت نہیں کی تھی۔

"کیا بات ہوئی مسٹر سیال سے؟" بنا کسی تمہید کے وہ اصل مدعا پر آیا تھا۔ میرب سیال جانتی تھی سردار
سبکتگین حیدر لغاری کے یہاں روکنے کا مقصد فقط یہی جاننا تھا تبھی اس نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

"ہاں، میں نے منع کر دیا ہے۔" مثبت جواب جان کر یقیناً سردار سبکتگین حیدر لغاری کی انا کو
تسکین ملی تھی، وہ جانتی تھی۔ اور یہی تاثر وہ اس لمحے اس شخص کے چہرے پر دیکھ رہی تھی۔

"تھینکس!" سردار سبکتگین حیدر لغاری کی آنکھوں کی چمک میں کسی قدر اضافہ ہوتا دکھائی دیا تھا۔ ا
طے کردہ نتائج کے مطابق نتیجہ دیکھ کر یقیناً اسے خوش ہی ہونا چاہئے تھا۔ نتیجہ میرب کی توقع کے بھی بر
نہ تھا۔ دانستہ نادانستہ وہ اس شخص کو خوشی سے ہمکنار کر چکی تھی۔ یہی وہ چاہتا تھا کہ اس کا بول بالا ہو۔ جو
کہے اس کو ٹھیک کہا جائے۔ جو حکم ہو، اس پر فوری طور پر عمل پیرا ہوا جائے۔
وہ دن کو دن کہے ــــــ تو کوئی دن کہے۔

اور اگر وہ رات کہے تو مقابل موجود اسے رات کہے۔ یہی کیفیت حالت امن قائم رکھنے کی تھی۔
ورنہ دیگر نتیجہ اس کے برعکس ہو سکتا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس وقت اگر خوش یا پُر اطمینان دکھائی
دے رہا تھا تو صرف اس لئے کہ اس کے کہے پر بنا سوچے سمجھے مہر تصدیق ثبت کر دی گئی تھی۔ میرب سیال
اس لمحے وہ اپنے مقابل کھڑا شخص کسی قدر خود غرض دکھائی دے رہا تھا جسے صرف اپنی فکر تھی اور صرف اور
بس اپنی غرض عزیز تھی۔

اس کی بلا سے کوئی جئے یا مرے، اسے قطعاً کوئی پروا نہیں تھی اور اس نے اس شخص کو خوشی دی تھی۔
اسے اطمینان بخشا تھا۔ اس کی محکوم ہوئی تھی۔ بنا سوچے سمجھے، آنکھیں بند کر کے اس کی تائید کی تھی۔
کیوں کیا تھا اس نے ایسا؟ وہ خود بھی نہیں جانتی تھی۔

"غصہ تو نہیں ہوئے وہ؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے دریافت کیا تھا۔ میرب سیال نے سر نفی میں
ہلا دیا تھا۔

"گڈ۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے سراہا تھا۔ "دیٹس لائک اے گڈ گرل۔" بھرپور تعریف کی
تھی۔ مگر میرب سیال کے چہرے پر کوئی خاص تاثر نہ ابھرا تھا اس ستائش پر۔ اس کرم پر وہ کچھ خاص خوش
دکھائی نہ دی تھی۔

"سو اب کیا کرنا ہے؟ ــــــ میرا خیال ہے سب سے پہلے وہ بیگ، سامان کھولنا شروع کرو جو تم نے
جانے کی تیاری میں باندھ کر اب تک رکھا ہوا ہے۔ وہ سامان کھل جائے گا تو ساتھ ہی اور بھی بہت سی
گرہیں کھل جائیں گی جو اب تک دکھائی بھی نہیں دے رہیں۔ بیلیو می!" سردار سبکتگین حیدر لغاری جانے
کس بات کی یقین دہانی کرانا چاہتا تھا، میرب سیال نہیں جانتی تھی۔ شاید اسی لئے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"پتہ نہیں، بعض گرہیں کھلیں گی یا اور بھی گہری پڑ جائیں گی۔" خدشہ بلا جواز نہ تھا۔ مگر سردار سبکتگین
حیدر لغاری مسکرا رہا تھا۔

"یہی بات تو سمجھانا چاہ رہا ہوں تمہیں۔ گرہیں کھولنا شروع کرو، باندھنا نہیں۔ باندھو گی تو ہر گرہ گہری
ہوتی چلی جائے گی۔ اور پھر شاید تم سے وہ کبھی کھل ہی نہ سکے۔" ملائمت سے کہتے ہوئے اسے کسی قدر توجہ
سے دیکھا تھا۔

"گرہیں کئی طرح کی ہیں سوئٹی! غور کرو تو ساری بات اپنے آپ سمجھ میں آ جائے گی۔ ابتداء اپنے باہر
سے کرو۔ بہت سی گرہیں تمہارے ارد گرد بھی ہیں۔ خود کو ان سے آزاد کرانے کی چھوٹی سی کوشش کرو۔ بس!
اتنا جانتا ہوں ابتداء اگر جلد کر دو گی تو دل تک کا سفر بہت جلد طے ہو جائے گا۔ جو میں دیکھ رہا ہوں وہ تم
نہیں دیکھ رہیں۔ جہاں تک میری نگاہ کی رسائی ہے شاید تمہاری نگاہ کا وہاں تک دیکھنا ممکن ہی نہیں۔" مدھم
لہجے میں بہت کچھ باور کرانے کی کوشش میں تھا۔

"تمہارا دل کئی طرح کی گرہوں میں مقید ہے سوئٹی! اسے آزاد کرو۔ دل کھلا ہو تو عاقل، بندھا ہو تو
بے قصور ہوتا ہے۔ آزاد ہو تو عاقل، قید ہو تو معصول کہلاتا ہے۔ تمہیں کس بات کی فکر ستاتی ہے؟ کیوں
ان خدشوں میں گھری کھڑی ہو؟ دل ہی تو ہے، اڑنے دو۔ آزاد پنچھی سا، جائے گا کہیں نہیں۔ لوٹے گا تو

واپس وہیں آئے گا جہاں آنا چاہئے مگر......" مسکراتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر اس ساکت سے پیچ
ہولے سے چھوا تھا۔

"مان لو سوئٹی! یہ عرصہ اس کے ادراک کا لمحہ ہوگا۔ اس چھوٹی سی اڑان میں یہ ننھا سا دل وہ بھید
آئے گا جو اس نے صدیوں میں بھی نہ جانے ہوں گے۔ ایک بار آزاد کر کے تو دیکھو، گرہیں کھولنے
تو کرو، تیاری تو پکڑو، پھر دیکھو کیسی کرشمہ سازیاں ہوتی ہیں۔ آزما لو، یقین کرنے کی یہ صورت بہ
ثابت ہوگی۔ بہت سی الجھنیں اپنے آپ سلجھ جائیں گی۔ اڑان بھر کے آنے والا دل وہ اسم اعظم
ساتھ لائے گا جس کے پڑھنے کی بھی نوبت نہیں آئے گی اور ہر در خود بخود وا ہوگا۔ حقیقتیں منکشف ک
اس سے زیادہ اچھا راز نہ کبھی ہاتھ لگا ہے نہ لگے گا۔ ٹرسٹ می۔" لہجہ یقین کی آخری حدوں کو چھو رہا
مگر میرب سیال اس شخص پر مزید اعتبار کرنے کا رسک نہیں لے سکتی تھی۔ بہت آہستگی سے
میں ہلانے لگی تھی۔

"میں حقیقتوں اور سرابوں کے مابین فاصلوں کی لکیروں سے واقف ہوں سبکتگین حیدر لغاری!
فضاؤں میں اڑان بھرنے کے نقصانات بھی معلوم ہیں۔ مجھے چھپے ہوئے بھیدوں سے بھی کسی قدر
ہے۔ مجھے درون جاں اور بیرون جاں کے معاملات سمجھانے کی کوشش مت کرو۔ میں جانتی
گرہیں کھلنے سے کیا کرشمہ سازی واقع ہو سکتی ہے۔ مجھے نفع اور نقصان کا مکمل ادراک ہے۔ سوال
حقیقت ثانوی ہو کر رہ جاتی ہے۔" لہجہ دھیما مگر کسی قدر مدلل اور پُر اعتماد تھا۔

"دل کی، جذبات کی، احساسات کی باتیں آپ مت کیا کریں۔ بہت جھوٹی لگتی ہیں۔ لگتا
دونوں پاؤں جوڑ کر جھوٹ بول رہے ہیں۔" میرب سیال کے لبوں پر خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ
تھا۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری کا قہقہہ بہت برجستہ تھا۔

"اچھا ــــ اتنے غور سے سننے لگی ہو مجھے کہ سچ اور جھوٹ ایک پل میں علیحدہ علیحدہ پہچان
بھرپور تاثر چھوڑ جاتے ہیں۔ بہت جینئس ہو تم تو۔ پل میں کیا سے کیا کرنے کے سارے گر
تمہیں۔ جب نگاہ اتنی گہری ہے تو ڈر کس بات کا ہے؟" اپنے طور پر چیلنج دیا تھا۔ میرب سیال نے
کر سر نفی میں ہلایا تھا۔

"نہیں، ڈر نہیں ہے۔ اسے حفظ ماتقدم کہتے ہیں۔ ڈرنے سے ہاتھ کچھ نہیں آتا سوائے خوف
حفظ ماتقدم کے تحت کئے جانے والے بہت سے اقدامات، ان خوف کے اثرات کو بہت حد تک
ہیں۔" میرب سیال کا ٹھوس لہجہ اس کے اندر کی بھرپور ترجمانی کر رہا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری
بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

"بہت سیانی ہو تم۔ ہار اور جیت کے سارے اسباب جانتی ہو، تم پھر بھی اتنی اری پینسیو رہتی
تو کھل کر کھیلنا چاہئے۔ یہ چھپ چھپ کر وار کرنا کچھ غیر مناسب نہیں لگتا؟" سردار سبکتگین حیدر
سامنے کھڑی دھان پان سی لڑکی کی ذہانت سے یقیناً مرعوب ہوئے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ لبوں کو
جا رہی تھی کہ وہ بہت محظوظ ہو رہا ہے اس سے۔

دور یا وار کا کوئی تجربہ نہیں رکھتی، نہ ہی مجھے چھپ چھپ کر وار کرنا پسند ہے۔ میں ایسے مخفی کھیلوں کی
یں جن کی شہ اور مات کا اندازہ بھی نہ ہو سکے۔" میرب سیال کا جواب بہت دلیری کا ثبوت دے رہا
ردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

تو پھر کس بات کی قائل ہو تم؟" پھر جواب کا انتظار کئے بغیر بولا تھا۔

میرب! تمہارے متعلق ایک بات ہمیشہ بہت دلچسپ اور چونکا دینے والی لگتی ہے مجھے۔ تم پرت در
کھلتی ہو اور پھر بھی نہیں کھلتیں۔ تمہاری یہی بات مجھے مزید جاننے پر اکساتی ہے۔ سچ بتاؤ اور کتنے
ہیں تمہارے جن کے متعلق میں اب تک سرے سے جانتا ہی نہیں؟ ــــ جن تک اب تک میری
ممکن نہیں ہو سکی؟ ــــ تمہارے اندر کی وہ دنیا کیسی ہوگی؟ ــــ سچ، تم بہت سویٹ ہو ہنی!"
جاننے کے جتن کرتا ہوا وہ یکدم مسکرایا تھا۔

چلو، آج کی اس بحث کا انجام بغیر شہ اور مات پر کرتے ہیں۔ تم سے جیتنے کا دعویٰ یوں بھی بودا ہوگا۔
سے آج تک کوئی جیت پایا ہے؟" لبوں پر ابھرنے والی مسکراہٹ دلفریب تھی۔

ر پور توجہ سے اس چہرے کو تکتے ہوئے بہت آہستگی سے اس کا چہرہ تھپتھپایا اور چلتا ہوا آگے بڑھ گیا
رب سیال کے لئے اپنے قدموں کی متزلزل عمارت پر مزید کھڑا رہنا دشوار ہو گیا تھا۔ وہ وہیں
س میں بیٹھ گئی تھی۔ کتنا عجیب تھا یہ شخص۔

اید وہ اسے کبھی سمجھ نہیں سکتی تھی۔ عجیب ریاضی کے سوالوں کی طرح الجھا ہوا سا شخص تھا۔
ب کیا چاہتا تھا اسے خود بھی خبر نہیں ہوتی تھی۔
یا، کیوں، کس لئے کرتا تھا شاید وہ خود بھی کوئی توجیہہ پیش نہیں کر سکتا تھا۔ وہ تجلک سا شخص اس کی
زندگی تجلک کر رہا تھا۔

❋ ❋ ❋

دیکھو، یہ سیٹ کیسا ہے؟" سامنے میز پر زیورات کے بہت سے ڈبے پھیلائے فارحہ نے ایک سیٹ
ــ اذہان حسن بخاری کی توجہ چاہی تھی۔ وہ مسکرا دیا تھا۔ فیض چاچو اور ماما ہنس پڑے تھے۔ اذہان
ہو گیا تھا۔

کم آن ممی! مجھے ان باتوں کی تمیز کہاں ہے؟"

سیکھو گے تو آئے گی نا۔" فارحہ نے مسکراتے ہوئے ڈپٹا تھا۔

می ٹھیک کہہ رہی ہیں بھائی! بزنس کی تمام مصروفیات چھوڑ کر فوری طور پر ممی کے گھٹنے سے لگ کر بیٹھ
یہ سب سیکھنا بہت ضروری ہے آپ کے لئے۔ آخر کو شادی کے بعد بھی تو یہ تمام کام آپ کو ہی کرنا
ماہا نے شرارت سے چھیڑا تھا۔

کیوں چاچو؟"

ان بھئی، ماہا کہہ تو ٹھیک رہی ہے۔ واقعی اگر کامیاب زندگی گزارنا ہے تو بھابی کی بات مان کر یہ
سیکھنا ہی پڑے گا۔" فیض چاچو نے بھی تائید کر دی تھی۔ اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

''اگر صرف انگیج منٹ ہونے پر یہ حال ہے تو شادی کی تیاریوں میں تو مجھے تمام مصروفیات ہمیشہ کے لئے گھر بیٹھنا پڑے گا۔''

''ان سب باتوں کو چھوڑو، یہ سیٹ دیکھ کر بتاؤ کیسا ہے؟'' ممی مدعا اسی جگہ پر واپس لائی تھیں۔ سیٹ دیکھتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

''آئی تھنک، اچھا ہی ہے۔''

''صرف اچھا؟ ـــــ بہت اچھا کیوں نہیں؟'' ماہا نے چھیڑا تھا۔

''کیونکہ بہت اچھا یہ صرف تب ہو سکتا ہے جب اسے کوئی پہننے والا بھی موجود ہو۔'' اذہان ماہا مسکرا دی تھی۔

''تو یوں کہیے نا کہ معاملہ یہ ہے۔ اتنی دیر سے ممی کو تنگ کیوں کر رہے تھے آ گیا بات کے؟'' ماہا بولی تھی تو فارحہ کو یاد آ گیا تھا۔

''ساحبہ کو فون کیا تو تھا کہ آ کے اور پہن کر دیکھ لے۔ ابھی تک آئی نہیں۔ ماہا! ذرا فون اذہان، بیٹے! وقت نکال کر تم ساحبہ کو انگیج منٹ کی کچھ شاپنگ ہی کروا دو۔ ہم تو کر رہے ہیں کارِ خیر میں کچھ حصہ لو تا کہ تمہیں بھی پتہ چلے یہ کام کچھ اتنا آسان نہیں ہے۔'' ممی نے کہا تھا بہت عجیب سا بنا تھا۔ فیض چاچو ہنس دیے تھے۔

''مجبور کے لڈو کھانے جا رہے ہو میاں! خوش نصیب ہو۔ تمہیں تو واقعی خوشی خوشی ان کا لینا چاہیے۔''

ماہا ابھی نمبر ملا ہی رہی تھی جب ساحبہ، انگینے اور عزیر کے ساتھ وہاں آ گئی تھی۔

''لیجیے، جس کا تھا انتظار، وہ شاہکار آ گیا۔'' ماہا نے ساحبہ کو دیکھ کر بھائی کی طرف آ کر شرارت لگایا تھا۔ اذہان حسن بخاری، ساحبہ کی سمت بغور دیکھتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

''ارے بھائی! آپ تو پورا کا پورا بازار اٹھا لائیں ـــــ اتنے زیورات ایک ساتھ حیران رہ گئی تھی۔

''ارے یہ تو کچھ نہیں ـــــ میں تو ابھی پانچ سیٹ مزید رکھوا آئی ہوں۔ ساحبہ، اذہان کر خود منتخب کرے گی۔'' فارحہ نے کہا تھا۔ عزیر، اذہان کے پاس آن بیٹھا تھا۔

''کیوں اذہان میاں! تیاریاں ٹھیک چل رہی ہیں؟'' اذہان مسکرا دیا تھا۔

''یار! اب تم تو بخش دو۔ دوست ہو میرے۔ تم سے تو کم از کم ایسی کوئی امید نہیں تھی دیا تھا۔

''بھول جاؤ سب کچھ ـــــ اس وقت میں تمہارا سسرالی ہوں، اور بس۔'' ساحبہ زیورات دیکھنے لگی تھی۔

''ماشاء اللہ، بہت خوبصورت لگ رہا ہے۔'' فارحہ نے بھرپور تعریف کی تھی۔

انگینے نے بھی تائید کی تھی۔

ے آپ ساری تعریف خود ہی کیے جائیں گے یا کوئی اذہان بھائی سے بھی پوچھے گا؟'' ماہا نے زین فردوس کی طرف توجہ مبذول کروائی تھی۔ ساحبہ نے مسکراتے ہوئے اذہان کی طرف دیکھا تھا۔

را خیال ہے اب آپ بھی رائے دے ہی دیجیے۔ ساحبہ زبان سے پوچھ نہیں سکتیں۔ مگر ہم ان کی ذ کر سکتے ہیں نا۔'' ماہا نے بھائی پر زور دیا تھا۔

ی تم سب رائے دینے کی بات کر رہے ہو۔ تھوڑی دیر بعد کسی اور شے کی فرمائش کر دو گے۔ بھئی ان دولہا ہیں ـــــ اس بات کا خاص خیال رکھا جائے کہ دولہا بھی انسان ہوتا ہے۔'' عزیر نے چھیڑا تھا۔ سب ہنس پڑے تھے۔ اذہان نے ایک مکا کھینچ کر اسے رسید کیا تھا جس سے بچاؤ کے نے آگے کشن کر دیا تھا۔

لیے بھائی! اب رائے دے ہی دیں۔ ساحبہ پر یہ سیٹ کیسا لگ رہا ہے؟''

ئی تھنک، پہلے والا زیادہ اچھا لگ رہا تھا۔''

ـــــ!'' سب نے ایک مشترکہ آواز کسی تھی۔

ی تو کہہ رہے تھے جناب کہ ہمیں ان باتوں کی کوئی تمیز نہیں اور اب۔'' فارحہ نے خبر لی تھی۔

را خیال ہے میں چلتا ہوں۔'' اذہان اٹھنے لگا تھا۔ عزیر نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

ہاں یار! یہ محفل کی رونق آپ کے ہی تو دم سے بنی ہے۔ بلکہ یہ ساری کی ساری محفل آباد ہی آپ ہوئی ہے۔'' اذہان پھر بیٹھ گیا تھا۔

زیر چاچو! آپ مجھے نانو کے گھر چھوڑ دیں گے؟'' ماہا نے بھائی کی خلاصی کرانے کا ایک حل یہ ا۔

ہیں نہیں یار! مگر یہ تمہیں صرف اپنے بھیا جان پر ترس آ رہا ہے یا واقعی جانے کا موڈ ہو رہا ہے؟'' اذہان کی طرف شرارت سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

ئیں ـــــ ایسی بات نہیں ہے۔ مجھے واقعی جانا ہے۔ نانو انتظار کر رہی ہوں گی۔'' ماہا بھائی کی کے باعث چکر ضرور لگا رہی تھی مگر قیام اب بھی نانو کے ہی گھر تھا۔

سا، ماہا ٹھیک کہہ رہی ہے عزیر! تمہارے پاس وقت ہو تو ذرا چھوڑ دو اسے، تمہارے آنے تک میں ہنڈ کا فروٹ ٹرائفل بناتی ہوں۔'' فارحہ نے اس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے کہا تھا۔

یا رشوت۔ بھابی! آپ سے ایسی امید نہیں تھی۔ آپ مجھے یہاں سے بھگانا چاہ رہی ہیں؟ بیٹا ہو گیا، دیور نہیں؟'' شرارت بھرے انداز میں شکوہ کیا تھا۔ فارحہ اسے ایک چپت لگاتی ہوئی مسکرا

کی بات مت کرو ـــــ مجھے تم دونوں ایک جیسے عزیز ہو۔ کوشش کر رہی ہوں کوئی لڑکی تمہارے سا جائے انہی دنوں تو دونوں دوستوں کے معاملات ایک ساتھ نمٹ جائیں۔''

بچے، آپ تو الٹا پھنسانے کی بات لے بیٹھیں ـــــ یہ دیکھیں۔'' دونوں ہاتھ جوڑ دیے تھے۔ فی الحال معاف ہی رکھیں۔ اس سے بہتر ہے میں ماہا کو چھوڑ آؤں۔ چلو ماہا! ہم چلتے ہیں۔'' عزیر

اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''جا رہے ہو تو واپسی میں کھانے کو کچھ لیتے آنا۔ بھابی! گھر میں کیا پکا ہے؟'' اگینے نے دریا اور ساتھ ہی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''عزیر! دو لارج پیزا ٹھیک رہیں گے۔ ذرا جلدی آنا۔ بہت بھوک لگ رہی ہے۔''

''ارے، پہلے کیوں نہیں بتایا؟ کھانا تو شاید بن رہا ہے۔ چلو میں پہلے تمہارے لئے کچھ فارحہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ فیض چاچو پہلے ہی اٹھ کر جا چکے تھے اور اب اگینے کے جانے دونوں وہاں کمرے میں اکیلے رہ گئے تھے۔ ساحیہ نے کلائی میں کنگن گھماتے ہوئے ازہان کا تھا جو اسے اس لمحے ایک خاص توجہ سے دیکھ رہا تھا۔

''کیا ہوا؟ ——— اس طرح کیا دیکھ رہے ہو؟ ——— کیا پہلی بار دیکھا ہے؟'' ساحیہ ہوئے ننھے منے سے جھکے کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا۔ ارادہ اتارنے کا تھا۔ مگر ازہان حسن بخار ہاتھ یکدم ہی تھام لیا تھا۔

''اوہوں، ابھی نہیں۔ رہنے دو، اچھا لگ رہا ہے۔''

''کیا اچھا لگ رہا ہے؟'' ساحیہ نے چونکتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ ازہان مسکرا دیا تھا۔

''سب کچھ اچھا لگ رہا ہے۔ تم اچھی لگ رہی ہو۔ یہ لمحے اچھے لگ رہے ہیں۔ آئی ر سیلف کی۔ اس گھر میں بہت اچھا سا موسم محسوس کر رہا ہوں اور وہ موسم خوشی کا ہے۔ آئی یونہی ٹھہر جائے اور اس کے بعد کوئی اور موسم نہ آئے۔'' بہت سے جملے تھے مگر ان جملوں میں بھی پرسنلی ساحیہ کے لئے نہ تھا۔ وہ کنسرن تھا، صرف اپنی فیملی کے لئے یا پھر اپنے گھر کے لئے شاید نہیں۔ پتہ نہیں کیا سوچ کر کلائیوں میں موجود کنگن واپس اتارنے کو کلائی پر ہاتھ دھر کسی دوسرے ہاتھ میں آ گیا تھا۔ ساحیہ نے سر اٹھا کر دیکھا تھا۔ اس وقت اس کا ہاتھ ازہا کے ہاتھ میں تھا اور وہ اسے بغور توجہ سے دیکھ رہا تھا۔

''ساحیہ! تم میرے لئے اہم ہو ——— سب سے زیادہ اہم۔ کیونکہ تم نے مجھے رنگ خواب دیئے ہیں۔ مجھے زندگی کا حقیقی مفہوم دیا ہے، مجھے جینا سکھایا ہے۔ جب میں بہت اا تب مجھے تمہاری مسکراہٹ نے بتایا کہ زندگی روشنی بھی ہے۔ تمہاری آنکھوں نے بتایا کہ زند ہے۔ تمہارے ان ہاتھوں نے مجھے رنگ دیئے ——— میری بے جان زندگی کو ایک نئی زندگا راہ پھونکی۔ مجھے تم اچھی لگتی ہو۔'' مدھم لہجے میں بولتے بولتے بہت آہستگی سے سر اٹھا کر ایک کی تھی۔

''ہاں ——— مجھے تم بہت اچھی لگتی ہو ساحیہ! اس لئے نہیں کہ تم مجھے کچھ دے رہی ہو کہ تم میرے ساتھ ہو اور میں یہ ساتھ ہمیشہ چاہتا ہوں۔ تمام عمر کے لئے۔'' انداز بھرپور! تھا۔ ساحیہ مسکرا دی تھی۔

''مجھے تمہاری طرف سے کسی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے ازہان! ——— ہم تب ب ہمیں لفظوں کے مفہوم بھی معلوم نہ تھے۔ جب ہمیں خبر ہی نہ تھی کہ جذبات کیا ہوتے ہیں۔ ہم تب بھی ب دوسرے کی اتنی ہی کیئر کرتے تھے ——— تمہیں یاد ہوگا جب تم بچپن میں کھیلتے کھیلتے گر جاتے تھے تو ماتب بھی تمہاری اس چوٹ کو اسی شدت سے محسوس کرتی ہوئی اس پر مرہم رکھتی تھی۔ حالانکہ تب ہمیں نہ ظوں کے معنی پتہ تھے نہ جذبوں سے کوئی روشناسی تھی۔ اور اب تو......'' وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر جانے بول مسکرا بھی تھی۔

''ازہان! ہمارے درمیان جو ہے وہ کچھ اور ہے جسے جتانے کی یا بتانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ بت نہیں ہے۔'' مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلایا تھا۔ ''میں جانتی ہوں یہ بات اور تم بھی جانتے ہو۔ یہ بت واقعی نہیں ہے۔ مگر جو ہے وہ بہت خاص ہے۔ درحقیقت ضرورت اس بات کی ہوتی ہے کہ ہمیں ایک سرے کا بھرپور احساس ہے ازہان! ہم ایک دوسرے کی ہر طرح سے کیئر کرتے ہیں، خیال رکھتے ہیں، رپور توجہ دیتے ہیں، ایک دوجے کے کہے بنا ایک دوجے کی پرابلمز جان لیتے ہیں، ایک دوجے کا سوال ھاتے ہیں۔ جہاں ضرورت ہوتی ہے وہاں ساتھ دیتے ہیں۔ جب اتنا کچھ ہے تو کسی اور شے کی رورت کہاں باقی رہتی ہے۔ جو ہمارے درمیان ہے اگر اسے نکال دیا جائے تو ہمارے رشتے میں باقی کیا بچے گا؟ کبھی سوچا ہے تم نے؟'' گداز لب بہت ہولے سے مسکرائے تھے۔ ازہان حسن بخاری اسے بغور اتار رہا تھا۔ ساحیہ نے مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''شاید کچھ نہیں۔ محبت اگر نہیں ہے تو نہ سہی۔ مگر جو محبت نکال کر باقی بچ رہا ہے وہ زیادہ اہم ہے۔ کیونکہ فقط محبت کے نکل جانے سے وہ فرق نمایاں نہیں ہو رہا جو فرق باقی سب نکال دینے سے پڑ رہا ہے۔ بات کی اہمیت کا اندازہ مجھے خوب ہے ازہان! اس لئے میں اصل میں ان کی قدر کرتی ہوں۔ جو نہیں اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ مگر جو ہے وہ اہم ترین ہے۔ یقین کرو، مجھے کوئی فرق نہیں پڑ رہا۔ جو رے درمیان نہیں ہے، میں تم سے وہ مانگ بھی نہیں رہی۔ ہم میں دوستی ہے، ایک انڈر اسٹینڈنگ ہے۔ کہ جب ہم ایک دوسرے کے دل کی بات جانتے ہیں تو پھر اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے؟'' ساحیہ لہجے کا ٹھہراؤ بتا رہا تھا، اس کے اندر کتنی طمانیت تھی ——— اس کی آنکھوں میں وہی شفاف رنگ تھے کی کے بھی اندر کو ظاہر کر سکتے ہیں۔

ازہان حسن بخاری بہت ہولے سے مسکرایا تھا۔

''آئی ایم سو لکی ساحیہ! اگر تم میری زندگی میں نہیں آتیں تو شاید بہت بڑی کمی رہ جاتی۔''

''میں تو تمہاری زندگی میں ہمیشہ سے تھی ازہان! میں کیسے تمہارے ساتھ نہ ہوتی؟'' ساحیہ کے گداز لبوں پر بہت دلکش مسکراہٹ ابھری تھی۔

''لوگ پل دو پل کو ملتے ہیں، بچھڑ جاتے ہیں۔ ہم تو بچپن سے ساتھ ساتھ ہیں۔ کچھ عرصے کو دور دور رہے تھے مگر اس عرصے میں بھی دل شاید دور نہ ہوئے تھے۔ ورنہ آج میں تمہیں اتنے اچھے انداز سے جان نہ رہی ہوتی۔ نہ تم مجھے سمجھ رہے ہوتے۔'' ساحیہ کی آنکھیں واقعی بہت شفاف تھیں۔ اس لمحے بھی ناشناسا جو چمک تھی وہ واضح سمجھ میں آ رہی تھی۔

''تم بہت اچھی ہو سابیہ!'' اذہان نے ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کو آہستگی سے چھوا تھا۔ بناز
مسکراتے ہوئے اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیا تھا۔

''اذہان! اگر میں تم سے درمیانی عرصے میں دور نہیں جاتی تو مجھے یقین ہے تم صرف مجھ سے محبت
گرفتار ہوتے۔'' شگفتہ سی بات اذہان حسن بخاری کے لبوں پر مسکراہٹ لے آئی تھی۔

''جب تم چھوٹی تھیں تو اتنی خوبصورت نہیں تھیں نا۔ ورنہ شاید میں تب بھی صرف تمہی سے محبت کر
سابیہ نے اس کے شانے پر ایک مکا مارا تھا۔ اذہان مسکرا دیا تھا اور اس کے ہاتھوں کو اپنے ہا
لے لیا تھا۔

''تب تم واقعی خوبصورت نہیں تھیں۔ ہر وقت ریں ریں، بہتی ناک، ہر وقت بے وجہ ضد، لڑ
آفت زیادہ تھیں۔ اور اس وقت تمہاری ناک بھی کتنی چپٹی تھی نا۔'' شرارت سے اسے دیکھا تھا۔ سا
مسکراتے ہوئے اسے گھورا تھا۔

''اذہان! میں تب بھی بہت اچھی تھی۔ ورنہ تمہیں جھیلنا تب آسان تھا اور نہ اب۔ مگر یہ میر
آسان ہے۔ کیونکہ مجھے مشکل کام ہمیشہ اچھے لگتے ہیں۔''

''اور تمہیں میں بھی اچھا لگتا ہوں۔'' اذہان حسن بخاری نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا ا
بچوں جیسی بے فائدہ باتیں کرتے ہوئے شاید کسی قدر اچھا لگا تھا۔ ''بڑا ہونا شاید بہت نقصان دہ
قدر۔''

سابیہ مسکرا دی تھی اور پھر سر جھکا کر اقرار کرتی ہوئی بولی تھی۔

''ہاں ــــــ مجھے تم بھی اچھے لگتے ہو۔ اپنی بہت سی باتوں کی طرح۔'' اذہان حسن بخاری
تک خاموشی سے اس کی سمت دیکھتا رہا پھر مسکرا دیا تھا۔

❋❋❋

بڑھتی ہوئی خاموشیاں
جاگتی راتیں، لمبے دن
آنکھوں میں کچھ خواب ادھورے ــــــ
ہونٹوں پر آدھی بات ــــــ
آدھی بات بھی اُلجھی سی ــــــ
اُلجھی باتوں کے بھید نرالے
سمجھے کون، بتائے کون
اُلجھاؤوں میں رستے گم ہوں
دل سے دل تک
آئے کون؟

انابیہ شاہ تیزی سے اپنا سامان الماری سے نکال کر پیک کر رہی تھی۔ پتہ نہیں اسے کیا بات

پہ نہیں پائی تھی۔ مگر اس لمحے اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور ہونٹوں پر چپ تھی۔ عفنان علی
بان انداز لگانے میں ماہر نہیں تھا مگر جب وہ اندر داخل ہوا تھا تو پہلی فرصت میں اس کے متحرک وجود کو
تھامتے ہوئے اس کے ہاتھ میں تھما سامان پکڑا تھا اور بیڈ پر اچھال دیا تھا۔

''یہ کر کیا رہی ہو تم؟'' ڈپٹتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ مگر انابیہ شاہ نے کوئی جواب دیئے بغیر خود کو اس
کی گرفت سے آزاد کرانا چاہا تھا۔

''لیومی ــــــ!''

مگر عفنان علی خان نے جیسے سنی ان سنی کر دی تھی۔

''آئی سیڈ، لیومی!'' سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تھا۔ انداز درشت تھا۔ مگر عفنان علی خان نے اس
کے حکم پر کوئی عمل نہیں کیا تھا۔ اسی جارحانہ گرفت میں اسے تھام کر پہلے سے کچھ زیادہ قریب کر لیا تھا۔
اقدام ایسا تھا کہ انابیہ اپنی جگہ ساکت رہ گئی تھی۔ اس کی آنکھوں سے ایک خاص چمک ہویدا تھی۔ اتنے دن
کی لاتعلقی کے بعد یہ استحقاق عجیب تھا۔ جبکہ انابیہ اس کی سمت سے ایسی کوئی توقع سرے سے کر ہی نہیں
رہی تھی۔ قبل از وقت کوئی حکمت عملی مرتب نہیں کی تھی۔ اس لمحے کی حیرت قابل دید تھی۔ نظریں خود بخود
اٹھتی چلی گئی تھیں۔

''تم کیا سمجھتی ہو انابیہ! میرے تم سے لاتعلق رہنے میں تمہاری طرف سے کوئی قدغن ہے؟ یا میں صرف
تم تک آنے کی کوئی سعی اس لئے نہیں کر پا رہا ہوں کہ مجھے تم سے کوئی خوف لاحق ہے؟'' اس کا جھکا چہرہ
اٹھا کر بغور دیکھتے ہوئے وہ مسکرایا تھا۔

''انابیہ! تم اندازے لگانے میں ماہر ہو۔ مگر ہر بار ہر انداز ایکوریٹ رزلٹ دے، یہ ضروری نہیں۔ تم
سمجھ رہی تھیں اگر میں تم سے اس وقت بھی لاتعلق رہوں گا تو ایسا نہیں ہوگا۔ آئی ول ٹیک نوٹس۔ میں اس
صورتحال کو بس میں ضرور کر لوں گا انابیہ! کیونکہ اگر اب بس میں نہ کیا تو شاید ہر شے پہلے سے زیادہ غیر
منظم ہو جائے گی۔'' انداز جتانے والا تھا۔ انابیہ کچھ سمجھ نہیں پائی تھی وہ کس بابت بات کر رہا تھا۔ شاید اسی
لئے وہ اس کی طرف اس قدر حیرت سے دیکھتے ہوئے صورتحال کا اندازہ لگانا چاہ رہی تھی۔

''تم سمجھ رہی ہو نا۔ میں تمہیں جانے دوں گا اور تم اب تک جو من مانی کرتی آئی ہو اب بھی کر سکو گی تو
غلط ہے۔ جب تمہیں میری خوشیوں کی کوئی پرواہ نہیں ہے تو مجھے بھی تمہاری کوئی پرواہ نہیں ہے۔ میری
طرف سے اب تم نہ تو کسی رعایت کی امید رکھنا نہ ہی کسی ستائش کی۔ اگر تم یہ سمجھ رہی ہو کہ میں تمہیں جانے
دوں گا کہ تم جا کر اپنی زندگی اپنی پسند اور منتخب انداز میں گزار سکو تو ایسا بالکل نہیں ہوگا۔ جب میں اس
زندگی کو ایک سمجھوتے کی طرح گزار رہا ہوں تو تمہیں بھی یہ سمجھوتہ اسی طور نبھانا ہوگا۔ اس سمجھوتے میں نفع
اور نقصان برابر کا ہوگا۔ اگر میرا نقصان تو تمہارا بھی اتنا ہی نقصان۔ رائٹ؟'' دوٹوک لہجے میں کہتا ہوا وہ
اس لمحے کسی قدر سفاک لگا تھا۔ کہیں سے بھی وہ پہلے والا محبت کرنے والا نہیں لگ رہا تھا یہ تیور ان تیوروں
سے کتنے مختلف تھے۔ انابیہ اسے سر اٹھائے کھڑی حیرت سے دیکھ رہی تھی اور وہ جیسے اس کی سوچوں کو
سمجھتے ہوئے بولا تھا۔

''تم کیوں سمجھتی ہو کہ تمہارے ہر رویے کے جواب میں مجھے پہلے جیسا ہی رہنا چاہیے؟۔۔۔ پتھر پھینکو تو مجھے تمہاری طرف پھول پھینکنا چاہیے؟ میری محبت اور رعایت کی عادی ہو چکی ہو تم تمہیں یہ جتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ اب ایسا نہیں ہوگا۔ وہ دور خواب ہوا جب عفنان علی خان طرح صرف تمہارے نام کی مالا جپا کرتا تھا اور دن رات خواب دیکھا کرتا تھا۔ میری نیند ٹوٹ چکی میں بیدار ہو چکا ہوں۔ مکمل طور پر۔ اب نہ تو نیند باقی ہے نہ ہی وہ پہلا سا خمار۔ میری آنکھیں کھل چکی ہیں اور ہر شے مجھے صاف صاف دکھائی دے رہی ہے۔ میں تمہیں چھوڑ دوں، کہا تم؟ تا کہ تم جا کر اس شخص کے ساتھ سہانے خواب دیکھ سکو جس سے تم محبت کرتی ہو۔ ادل ہوں؟ خان اب اتنا پاگل نہیں رہا للابیہ شاہ! اب یہ دل اس طور تمہارا بیمار نہیں رہا۔ اب نہ تو میں دیوانہ وار بند کر کے تمہارے لب و رخسار کی تعریف کر سکتا ہوں نہ گیسو اور پلکوں کی چلمن کے لئے زمین و آسمان قلابے ملا سکتا ہوں۔ مگر میں ایک کام کر سکتا ہوں۔ تمہیں اس رشتے کی حقیقت سمجھا سکتا ہوں۔ میرا حق بنتا ہے، وہ جتا سکتا ہوں اور......'' بات ادھوری چھوڑ کر بہت آہستگی سے نفی میں سر ہلایا تھا اور تھا۔ چہرہ اس کے چہرے کے قدرے قریب کیا تھا۔

''تم نے ایک بار ٹھیک کہا تھا کہ میں تمہیں صرف پانا چاہتا تھا۔۔۔ صرف جسمانی طور پر چاہتا تھا تو اب ذہنی طور پر اس کی تیاری کر لو۔ میں اپنا یہ حق وصولنا چاہتا ہوں۔ تمہیں پانا اب بہت ہو گیا ہے۔ از حد ضروری۔'' اس کے ساکت چہرے کو بغور تکتے ہوئے مسکرا کر بہت آہستگی سے کہتے اور پلٹ کر باہر نکل گیا تھا۔

اللابیہ شاہ کے قدموں تلے سے جیسے زمین سرک گئی تھی۔ وہ چلتا ہوا فقط گیا نہیں تھا، ساتھ ہی سکون بھی سنگ لے گیا تھا۔

دھک۔۔۔ دھک۔۔۔ دھک۔۔۔!

دل کے دھڑکنے کی صدا شاید کہیں قریب سے ہی آ رہی تھی۔ یہ شور بہت دور نہیں تھا۔

یہ ہنگامہ کہیں آس پاس ہی ہوا تھا۔

یہ طوفان زیادہ فاصلے پر تو نہ تھا۔ شاید کہیں اندر ہی اٹھا تھا۔ وجود کے سارے علاقے میں جو بلا جواز نہ تھی۔ یہ جو دائیں بائیں آگ سی جلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی یہ سچ ہی تھا۔ الاؤ پورے علاقے چکا تھا۔ راستے اگر بند نظر آ رہے تھے تو یہ نظروں کا دھوکا نہ تھا۔ جاں واقعی مشکل میں گھر چکی تھی۔

وہ کسی بت کی طرح وہیں بیڈ پر گرنے والے انداز میں بیٹھی تھی۔ وجود اب بھی پتھر سا تھا اور کسی سکتے سے گویا پتھرائی ہوئی سی تھیں۔

دھڑکنوں کی رفتار کتنی تیز تھی۔ دل جیسے کان پھاڑ کر باہر آنے کو تھا۔ عفنان علی خان کہہ گیا تھا واقعی بے بس تھی؟۔۔۔ دھڑکنوں کا ارتعاش اگر خوف کے پیش نظر تھا تو وہ اس خوف سے کیسے سکتی تھی؟

ذہن اس قدر مفلوج تھا کہ نہ تو کوئی سوچ ذہن میں تھی نہ ہی دوجی کوئی بات!

گیا عفنان علی خان ایک پل میں اس کے لئے کھلے ہوئے تمام راستے بند کر گیا تھا۔ وجود کے برے علاقے کو جنگل بنا کر عجب ایک الاؤ دہکایا تھا اور پل میں تپش جھلسانے کو تھی۔ کتنا مختلف سمجھتی تھی عفنان علی خان کو۔ شاید کسی قدر فائدہ بھی اٹھایا تھا اس کی رعایتوں سے۔ مگر اب وہ کیسا سفاک نظر آ رہا ا۔ کیا کر سکتی تھی، سوچ سوچ کر تھک گئی تھی مگر سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا۔ عفنان علی خان اسے واقعی مشکل سے دوچار کر گیا تھا۔ سارا سکون غارت کر گیا تھا اور خود وہ یقیناً اسی قدر اطمینان میں تھا۔ سکون میں تھا۔

❋❋❋

کتنے دنوں بعد وہ سیفی سے ملی تھی۔ کتنی دیر تک بنا کچھ کہے اس کے شانے پر سر رکھ کر روتی رہی تھی۔ سیفی نے اس سے کچھ دریافت نہیں کیا تھا۔ شاید وہ اس کے کہے بغیر جانتا تھا کہ اس کے دل میں کیا لیا ہے۔ اسے لفظوں میں کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔ سیفی واقعی اس کا ایک اچھا دوست تھا۔ تبھی تو وہ اس لمحے اسے خود سے الگ کرتے ہوئے چھیڑتا ہوا مسکرایا تھا۔

''ساری شرٹ خراب کر دی۔ اماں دھوئیں گی تو پھر باتیں سنائیں گی۔ ایریل کا خرچ ڈبل کروا دو گی تم و۔ سارے پیسے میری جیب سے کٹیں گے۔'' اپنے سفید بھیگے ہوئے شانے کو دیکھتے ہوئے مسکرا کر اپنا رومال اس کے ہاتھ پر رکھا تھا۔

''او۔۔۔ اب ناک بھی پونچھ لو۔ یا وہ بھی اسی شرٹ کی آستین سے صاف کرو گی؟'' جملے میں شگفتگی تھی اور وہ مسکرائے بغیر نہ رہ سکی تھی۔

''تم نے انکل کو کیوں آنے سے روک دیا؟۔۔۔ تمہیں انہیں آنے دینا چاہیے تھا۔ مجھے لگتا ہے اس سب کچھ میں جو ہو رہا ہے، کہیں سے زیادہ غلطی ان لوگوں کی ہے۔ نہ وہ تمہیں اس طرح بے یار و مددگار اس کے حوالے کرتے نہ وہ اس طرح تمہیں ہرٹ کرنے کی کوشش کرتا۔ تم اگر آفینڈ ہو رہی ہو تو صرف اپنے پیرنٹس کی غلطی کے باعث۔'' سیفی نے کہا تھا اور وہ سر جھکا کر رہ گئی تھی۔

''سیفی! میں نہیں جانتی کہ قصوروار کون ہے۔ مگر میں یہ ضرور جانتی ہوں کہ میرا بہت نقصان ہو رہا ہے اور اس نقصان کا کوئی ازالہ نہیں ہے۔''

''تم نے اس شخص کی بات مانی کیوں؟۔۔۔ جب انکل نے کہا تھا کہ وہ آ رہے ہیں تو تم نے پھر فون کر کے انہیں منع کیوں کر دیا؟۔۔۔ تم اس قدر ڈرتی ہو اس شخص سے؟ اس قدر سوار ہے وہ تمہارے حواسوں پر؟'' سیفی ڈپٹ رہا تھا۔

''میں خود نہیں جانتی سیفی! کہ میں نے ایسا کیوں کیا؟۔۔۔ میں اسے کوئی طمانیت یا خوشی دینا ہرگز نہیں چاہتی تھی۔ مگر اس شام پاپا سے بات ہوئی تو میں اس شخص کے حسب منشاء کر گزری۔ پتہ نہیں کیوں؟'' انداز میں ایک پچھتاوا تھا اور سیفی نے اسے بغور دیکھا تھا۔

''کیوں؟۔۔۔ کیوں کیا تم نے ایسا؟۔۔۔ کہیں محبت تو نہیں ہو گئی تمہیں اس شخص سے؟''

میرب سیال نے چونکتے ہوئے سر اٹھایا تھا۔ سیفی کے لبوں پر بہت شرارت بھری مسکراہٹ تھی۔ میرب نے آنکھ کا ڈنکا بنا کر اسے دے مارا تھا۔ سیفی ہنس دیا تھا۔

"بھی اتنی تابعداری تو صرف محبت میں ہی ممکن ہے۔ تاریخ بھی گواہ ہے۔ ایک بار کا ذکر ہے سوہنی نے حضرت مہینوال سے مچھلی کھانے کی فرمائش کر دی۔ بے چارے حضرت مہینوال سارا دن کوننگ کے لئے کانٹا لگائے بیٹھے رہے مگر قسمت بری تھی جو ایک مچھلی بھی کانٹے میں نہ پھنسی۔ مگر نہ کرتا۔ کچھ محبت تھی کچھ مجبوری۔ سو حضرت مہینوال نے تن وار دیا اور پنی ران کا گوشت نکال کر بی بی سوہنی کو نوش کرنے کے لئے پیش کر دیا۔ تو محبت تو ایسی کرشمہ سازیاں بھی دکھاتی ہے۔ آج کے دور میں کسی نے ایسا کیا ہوتا تو سر جیکلی بہت سی مشکلات درپیش آ سکتی تھیں۔ اینٹی سیپٹک ہو، خدانخواستہ حضرت مہینوال اپنی جان سے بھی ہاتھ دھو سکتے تھے۔ مگر کیا سہانا دور تھا کہ محبت کے ساتھ ہر شے بھی خالص اور پیور تھی۔ بالکل ماں کے پیار کی طرح۔"

سیفی کی یہی بات اچھی تھی۔ وہ برے سے برے موڈ کو بھی لمحوں میں اچھا کرنا جانتا تھا۔ میرب جو چند لمحے قبل دھواں، دھار رو رہی تھی اب کھل کر مسکرا رہی تھی۔

"ماں کا پیار تو اب بھی اتنا ہی خالص ہے ڈفر! ہاں، باقی محبتوں کی کوئی گارنٹی نہیں۔ جانے کون کہاں نظر بدل جائے یا راہ بدل جائے۔ آج کے دور میں اجنبی ہوتے دیر نہیں لگتی۔ محبت کا لفظ متروک ہوتا جا رہا ہے۔ بلکہ کسی قدر نایاب۔ مجھے یقین ہے اگلے کچھ دنوں میں یہ بالکل ناپید ہو جائے گا اور کوئی کولمبس بھی دریافت نہیں کر سکے گا۔ گمشدہ چیزیں کبھی کبھی بالکل واپس نہیں ملتیں۔" میرب سیال کا رنگ غالب آنے لگا تھا۔ سیفی ہنس رہا تھا۔

"ویلیس لائک اے گڈ گرل۔ لائک اے مائے فرینڈ۔ دنیا کو مارو گولی۔ ورنہ دنیا آپ کو جینے نہیں دے گی۔ جس کو جتنی امپورٹنس ملتی ہے وہ آپ کے لئے اتنا ہی بڑا خطرہ بنتا ہے۔ دوسرے معنوں میں اسے امپورٹنس نہیں خود کو زک پہنچانے کا سرٹیفکیٹ جاری کر رہے ہوتے ہیں۔ آپ کا دل ایک ادارہ ہے سو اس کی ایڈمن اور ڈین کو اس بات کا تعین آنکھیں کھول کر کر لینا چاہئے کہ کسے یہ مراعات دی جائیں اور کسے نہیں۔ کوئی اس اہلیت کے قابل ہے بھی یا نہیں۔ بعض اوقات بہت سے نامعقول اس کا فائدہ اٹھا جاتے ہیں۔ کیونکہ دل کی ایڈمن بہت نرم واقع ہوئی ہے۔ مگر اب وقت آ گیا ہے کہ آنکھیں کھولے اور اپنے قاعدے قانون بدلے اور ایسے تمام دھوکے بازوں سے ہوشیار رہے "نو انٹری" کا بورڈ لگا دے۔ تم دل کی انتظامیہ کی اونر ہو میرب! اپنے دل کے قاعدے قانون بنانا رکھتی ہو تم۔ اپنا یہ حق استعمال کرو۔ یہی وہ طریقہ ہے جس کو لاگو کر کے نقصان سے بچا جا سکتا ہے۔ رونے دھونے اور واویلا کرنے سے بہتر نہیں کہ پہلے اپنا قبلہ کعبہ کو ہی بہتر سمت میں رکھا جائے۔ اس سے شکایت کرنے کی بجائے دوسروں کو شکایت کا موقع فراہم ہی نہ کیا جائے۔" مسکراتے ہوئے انداز ہلکا پھلکا تھا۔ مگر بظاہر ان مذاق کی کئی باتوں میں بہت سے سوچ کے پہلو نکلتے تھے۔ سیفی کی بات تھی۔ وہ ایک ایسا دوست تھا جو نہ اسے اس کی غلطیوں پر ڈپٹتا تھا، نہ ناصح بن کر بھاری ثقیل تھا۔ مگر وہ ہنستے ہنستے ایسی باتیں کہہ جاتا تھا جو "Key" کا درجہ رکھتی تھیں۔ ایسی Keys جو بہت تالوں کو بڑے آرام سے کھول سکتی تھیں۔ میرب سیال کا دل جو چند لمحے پہلے تک بہت بوجھل تھا،

ذرا ہلکا پھلکا ہو چکا تھا۔ کچھ نہ کہہ کر، کچھ نہ بتا کر بھی اسے بہت راحت ملی تھی۔

"سیفی! شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ بعض اوقات اپنے ہاتھوں سے دی گئی رعایتیں بہت تکلیف دیتی ہیں۔ مگر وہ رعایتیں اس وقت کی ضرورت ہوتی ہیں سیفی! میرے پاس بھی کوئی اور راستہ نہیں تھا۔" کسی قدر تاسف سے کہہ کر وہ سر جھکا گئی تھی۔

سیفی نے مسکراتے ہوئے اس کی ہمت بندھائی تھی۔

"کم آن یار! انسان ہی ہے نا، اتنا ڈرنے کی کیا ضرورت ہے؟ —— کم از کم جتنی دیر یہاں ہو اتنی دیر تو بے خوف محسوس کرو۔ ویسے تم اس سے اتنا ڈرتی کیوں ہو؟ —— دیکھنے میں وہ اتنا خوفناک دکھائی تو نہیں دیتا۔" اس کا موڈ تبدیل کرنے کو وہ شرارت سے مسکرایا تھا۔

"سیفی! کسی کے خوفزدہ کر دینے کے لئے صرف ظاہری طور پر خوفناک ہونا ضروری نہیں ہے۔"

"میں بتاتا ہوں تمہیں —— تمہارا یہ خوف ختم ہو سکتا ہے۔ تم ایک کام کرو۔"

"کیا؟" میرب چونکی تھی۔

"تم اس شخص سے محبت کرنا شروع کر دو۔" سیفی کا قہقہہ فطری تھا۔ میرب مسکرا دی تھی۔ پھر سر جھکاتی ہوئی آہستگی سے بولی تھی۔

"اس سے محبت ممکن نہیں ہے سیفی! —— جو شخص کسی سے محبت نہیں کرتا اس سے کوئی دوسرا محبت کیسے کر سکتا ہے؟ وہ محبت جیسے لفظ کے مفہوم سے بھی آشنا نہیں۔ دل، جذبات، احساسات، اس کے نزدیک سب فضول کی چیزیں ہیں۔ وہ صرف اصولوں سے بنا ہے۔ بلا کا خود پرست ہے، خود پسند ہے۔ اسے صرف وہ اچھا لگتا ہے جو اسے پسند ہے۔ دوسروں کی پسند، ناپسند کیا ہے یہ جاننے کی کبھی اس نے کوشش نہیں کی۔ اسے دوسروں کو جاننے کی کوئی خواہش نہیں ہے۔ وہ صرف یہ چاہتا ہے کہ دوسرے اس کی پرواہ کریں۔ اسے خوش کرنے کے جتن کریں۔ وہ صرف دہکتا الاؤ ہے جو صرف جلانا جانتا ہے۔ جو اس کے قریب جاتا ہے، اسے چھونے کی کوشش کرتا ہے وہ خاک بن جاتا ہے۔ وہ نہ سمجھ میں آنے والا معمہ ہے۔ سمجھنے والا سمجھنے کی کوشش کرتے ہوئے خود الجھ کر رہ جاتا ہے۔ وہ بہت عجیب ہے سیفی! اتنا عجیب کہ اپنی پسندیدہ چیزوں کو خود آپ زک پہنچاتا ہے۔ حاسد ہے بلا کا۔ ہواؤں سے بھی بیر ہے اُسے۔ اپنی شے کے متعلق اتنا کنسرن ہے کہ پرایا سایہ بھی برداشت نہیں اور خود اپنے لئے اس کے قانون قاعدے سب بہت مختلف ہیں۔ وہ سمجھتا ہے جینے کے رائٹس صرف اس کے پاس ہیں۔ باقی سب فضول ہے۔ مجھے وہ اس دنیا کا شخص لگتا ہی نہیں۔" میرب کا لہجہ دھیما تھا۔

سیفی مسکرا دیا تھا۔

"تم نے شیر کو دیکھا ہے؟"

"تم سردار سبکتگین حیدر لغاری کے اقدامات کو سراہ رہے ہو؟ —— اُسے داد دے رہے ہو؟" میرب سیال کو کسی قدر حیرت ہوئی تھی۔

"نہیں۔" سیفی مسکرا دیا تھا۔ "ایک بہت پرانی روسی کہانی ہے۔ سن لو، شاید کچھ کام کی شے ہاتھ لگ

جائے۔ ایک خاتون تھی۔ بے حد خوبصورت، دلفریب، شائستہ، تہذیب یافتہ، بالکل تمہاری طرح! ہزبینڈ تھا بے تہذیب، اکھڑ، بالکل جنگلی، بالکل تمہارے میاں کی طرح۔ وائف اپنے اس ہزبینڈ سے پریشان تھی۔ قریب ہی ایک جنگل میں ایک بہت پہنچا ہوا عظیم بزرگ رہتا تھا۔ اس کی شہرت دور دور تھی وائف کو بھی خبر ملی۔ وہ اپنے ہزبینڈ کو سدھارنے کی کوشش میں اس کے پاس جا پہنچی۔ بابا نے روداد سنی اور بہت سوچ بچار کے بعد حل تجویز کیا کہ اس کا علاج صرف ایک شیر کے بال سے ممکن، بال بھی مونچھوں کا۔ اب مونچھ کا بال حاصل کرنا آسان نہیں، وہ بھی حضرت شیر کا۔ خاتون کچھ پریشان ہوئی مگر بابا کا حکم تھا کہ جب تک شیر کا بال نہیں آجاتا، علاج ممکن ہی نہیں۔ وہ خاتون جائے اور شیر کی مونچھ کا وہ بال لے آئے۔ ساتھ ہی بابا نے یہ بھی بتا دیا کہ قریب ہی جنگل میں خاتون کو ایسا کوئی شیر مل سکتا ہے۔ خاتون پریشان تو ہوئی مگر اٹھ کر گھر چلی آئی۔ بہت سوچ بچار کے بعد بابا کی بات ماننے کی ٹھانی۔ اپنے ہاتھوں سے شیر کے لئے طعام تیار کیا اور جنگل کی راہ لی۔ شیر کے قریب جانا بہت مشکل یا دوسرے معنوں میں اپنی موت کو خود دعوت دینا تھا۔ مگر خاتون اپنے شوہر کو سدھارنے کے لئے کچھ بھی کر سکتی تھی۔ سو پہلے تو شیر کو دور بیٹھا دیکھ کر کسی قدر خوفزدہ ہوئی۔ قدم ٹھٹک کر رک گئے۔ مگر پھر جی کڑا کر قدم آگے بڑھائے اور قدرے فاصلے پر طعام رکھ کر تیزی سے مڑی اور کسی قدر فاصلے پر محفوظ مقام پر رکی جہاں سے وہ شیر کی حرکات و سکنات جانچ سکتی۔ حضرت شیر اٹھے اور اس طعام تک گئے جو خاتون اپنے ہاتھوں سے ان کے لئے تیار کیا تھا۔ سونگھا اور پھر بیٹھ کر کھانے میں مصروف ہو گئے۔ خاتون کی ڈھارس بندھ گئی۔ دوسرے روز پھر یہی ہوا۔ تیسرے روز بھی اور پھر اس سے اگلے روز بھی۔ خاتون ہر روز کھانا لا کر رکھتی رہی اور اس کے ساتھ ہی ہر قدم خود بھی آگے بڑھتی رہی۔ یعنی ہر نئے دن کے ساتھ وہ پھر ایک اور قدم آگے بڑھتا رہا۔ شیر اسے دیکھ کر نہ تو دھاڑتا، نہ اس کی طرف کوئی پیش قدمی کرتا۔ رفتہ رفتہ اس میں سختی کی جگہ نرمی ہوتی اور خاتون خوف کھانے کی بجائے نڈر ہو کر اس کے پاس بیٹھ کر اسے اپنے ہاتھ سے کھانا کھلانے لگی۔ ساتھ ہی اسے محبت سے سہلاتی اور باتیں بھی کرتی۔ اور ایک دن وہ اس قابل ہو گئی کہ باتوں ہی باتوں میں محبت سے اسے سہلاتے ہوئے حضرت شیر کی مونچھ کا بال ان کی اجازت سے حاصل کر لیا اور فوراً بابا کی طرف رخ کیا۔ بابا خاتون کی اس ہمت اور دلیری کے قائل ہو گئے۔ بال ہاتھ میں لیا تو گویا یقین نہ ہوا۔ مسکراتے ہوئے خاتون کو بھرپور داد دی۔

خاتون نے دریافت کیا۔ بابا! کیا اب میرے شوہر راہ راست پر آجائیں گے؟ تو بابا مسکراتے ہوئے بولے۔ کیوں نہیں۔ جب تم اتنا مشکل اور ناممکن کام کر سکتی ہو تو یہ کام کیسے ممکن نہیں ہو سکتا؟ تم نے دنوں میں انتہائی خونخوار جانور کو اپنی توجہ اور محبت سے سنوارا، سدھار لیا اور اس کی مونچھ کا بال حاصل کر لیا۔ وہ جانور جس سے لوگ کوسوں دور سے ہی خوف کھاتے ہیں، تم نے اسے بخوشی اس کام کے لئے آمادہ کر لیا تو پھر تم اپنے شوہر کو کیسے نہیں سنوار سکتی ہو؟ اسے بھی اسی توجہ اور محبت کی ضرورت ہے۔ تم اسے محبت سے سنوار سکتی ہو۔ ایسا بابا نے کہا۔ میرب! میں بھی تمہیں یہ مشورہ دوں گا۔ تم ایسا کر سکتی ہو میرب! تمہیں اسے وہ کیئر دینا ہوگی، وہ توجہ دینا ہوگی۔ محبت سے جانور بھی سدھر سکتا ہے تو پھر انسان کیوں نہیں

سبکتگین اس جنگلی شیر سے بھی بڑا جنگلی ہے؟" اس نے میرب کا چہرہ اوپر اٹھا کر مسکراتے ہوئے بہت کیا تھا مگر میرب مسکرا نہیں سکی تھی۔

تبھی شرجیل وہاں آ گیا تھا۔

"میرب! کوئی تمہیں لینے آیا ہے۔"

"کون؟" میرب چونکی تھی۔ مڑ کر دیکھا تو دل دھک سے رہ گیا تھا۔ قدرے فاصلے پر دروازے کے بیچ سردار سبکتگین حیدر لغاری کھڑا تھا۔

"لو ــــ تمہارے حضرت شیر آ گئے۔" سیفی نے مسکراتے ہوئے جھک کر مدھم سی سرگوشی کی تھی مگر ویسی مسکراہٹ میرب کے لبوں پر نہ آ سکی تھی۔ وہ اٹھی تھی اور شرجیل کے پاس سے گزرتے ہوئے سردار سبکتگین حیدر لغاری کے قریب جا رکی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے بغور دیکھا تھا۔

"چلیں؟" توجہ قابلِ دید تھی۔ میرب کو جانے کیوں لگ رہا تھا کہ وہ شخص کافی دیر سے یہاں موجود تھا اور باتیں بہت حد تک سن چکا تھا یا شاید بالکل بھی نہیں۔

میرب بیال نے سر اٹھا کر اسے دیکھتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"میں نانو سے مل کر آتی ہوں۔" میرب اس کے قریب سے گزر کر آگے بڑھ گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بغور اس کی پشت کو دیکھا تھا۔

❋❋❋

تم اس درد سے گزرے ہو نا؟
وہ شب جس میں جل جاتی ہیں آنکھیں
تم پر بھی گزری ہے
وہ شب جو مہتاب سے ٹپکے
آنسو آنسو، شبنم شبنم وہ شب
مجھ پر بھی اتری ہے
وہ دن جب گھڑیاں سو جائیں
لمحے پتھر کے ہو جائیں
وہ دن تم نے بھی کاٹا ہے
دونوں کے جسموں، روحوں میں
یکساں دکھ کا سناٹا ہے
پھر کیوں مجھ سے پوچھتے ہو تم؟

ساحیہ بہت خاموش سی بیٹھی تھی۔ آنکھوں سے بہت چپکے چپکے آنسو ٹوٹ کر بے وقعت ہو رہے تھے۔ لیجئے چلتی ہوئی اس کے پاس آن بیٹھی تھی۔ ساحیہ نہیں چاہتی تھی اس کے اندر کی خبر کسی کو ہو مگر یہ وہ لمحہ تھا جب ا کیشہ اس کے راز سے واقفیت حاصل کر چکی تھی۔ ساحیہ کسی قدر شرمندہ نظر آ رہی تھی۔ نظریں اٹھائے

بغیر چہرے کا رخ پھیرا تھا اور ہاتھ اٹھا کر آنکھیں رگڑ ڈالی تھیں۔ اکیٹنے خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔ نہ فوری طور پر کچھ پوچھا تھا نہ کچھ کہا تھا۔ ساہیہ کمزوری کے ان لمحوں کا ادراک کسی کو دینا نہیں چاہتی تھی۔ اس لمحے وہ بے نقاب تھی اور پردہ سارے بھید چاک کر گیا تھا۔

''ساہیہ! تم خوش نہیں ہو نا؟'' اکیٹنے نے بہت آہستگی سے دریافت کیا تھا۔ ساہیہ کچھ نہیں بولی۔ چپ چاپ کھڑکی سے باہر دیکھتی رہی تھی۔ اکیٹنے نے ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کو محبت سے اپنے ہاتھ میں لیا تھا۔

''ساہیہ! ــــ بچے! یہ کیوں؟ ــــ کس لئے؟ ــــ اگر تم خوش نہیں ہو تو......''

ساہیہ نے بنا ان کی طرف دیکھے انکار میں سر ہلایا تھا۔

''نہیں ــــ میں خوش ہوں۔ بہت خوش۔''

اکیٹنے اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

''خوش ایسے ہوتے ہیں؟'' انداز سوالیہ تھا۔

ساہیہ غالباً انہیں مطمئن کرنے کو مسکرا دی تھی۔

''پھپھو! آپ تو بس۔ آئی ایم ویری ہیپی۔ میری زندگی میں ایسا کوئی جواز نہیں ہے جو مجھے ناخوش کر سکے۔''

''تم یہ بات اب مجھ سے بھی چھپاؤ گی؟'' اکیٹنے جیسے اسے سطر سطر پڑھ رہی تھی۔ ساہیہ سر جھکائے رہی تھی۔ اکیٹنے نے اسے تھام کر ساتھ لگا لیا تھا۔

''ساہیہ! جس کام کو کر کے آپ کا اندر مطمئن نہ ہو اسے کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ رشتوں کو رشتوں کی طرح بنانا اور نباہنا چاہئے۔ انہیں بوجھ نہیں بنانا چاہئے۔ جو تعلقات بوجھ بن جاتے ہیں وہ انسان کو تھکا دیتے ہیں اور یہ تھکن بہت بری ہوتی ہے۔ میں جانتی ہوں تم بہت سمجھدار ہو۔'' اسے خود سے الگ کر کے اس کی آنکھوں کو پونچھا تھا۔

''تمہیں زندگی کا ادراک ہم سے زیادہ ہے۔ اسی لئے بھائی نے، بھابی نے اور ہم سب نے یہ فیصلہ تمہارے سر چھوڑ دیا تھا۔ لیکن اب بھی اگر تمہیں لگتا ہے کہ تم نے کوئی غلط قدم غلط سمت میں اٹھا لیا ہے اور ایسا کر کے خوش نہیں ہو تو تم اپنا وہ قدم واپس لے سکتی ہو۔ ابھی دیر نہیں ہوئی ہے۔'' مدھم لہجے میں کہتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ ساہیہ نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''نہیں ــــ ایسا کچھ نہیں ہے۔ میں واقعی بہت خوش ہوں۔ میں اس سے پہلے کبھی اتنی مطمئن نہیں تھی۔'' جھکا ہوا سر بہت سے بھید بنا کہے بتا رہا تھا۔

اکیٹنے گہری سانس لے کر رہ گئی تھی۔

''ساہیہ! جب کوئی خوش اور مطمئن ہوتا ہے نا، اسے کہنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ مجھے لگتا ہے تم یہ فیصلہ صرف اس لئے کر رہی ہو کہ اس سے اذہان حسن بخاری کو کچھ مثبت نتائج مل سکیں۔''

''نہیں ــــ ایسا نہیں ہے۔'' ساہیہ نے سر نفی میں ہلایا تھا۔

''ایسا ہی ہے ــــ ایسا ہی ہے ساہیہ! تم ایسا اس لئے کر رہی ہو کہ تم اذہان حسن بخاری کی بہترین دوست ہو۔ تم جانتی ہو وہ تم سے محبت نہیں کرتا۔ اور تم یہ بھی جانتی ہو کہ تم اس سے کتنی شدید محبت کرتی ہو۔'' ایک لمحے میں اکیٹنے نے اسے جتایا تھا۔ ساہیہ ساکت سی تکتی رہ گئی تھی جب اکیٹنے اس کا شانہ تھام کر بولی تھی۔

''ساہیہ! محبت کی ایک عادت بہت بری ہوتی ہے۔ کسی قدر خود غرض ہوتی ہے۔ یہ جتنا دیتی ہے اس کے جواب میں اتنا ہی ریٹرن بھی مانگتی ہے۔ اور جب ایسا جواباً نہیں ہوتا تو بہت دکھ ہوتا ہے۔''

''نہیں ــــ ایسا کچھ نہیں ہے۔ میں اذہان سے کچھ بھی ریٹرن نہیں چاہتی۔ میری نظر میں محبت صرف دینے والا ہاتھ ہے۔ پھیلا ہوا ہاتھ نہیں۔ محبت صرف نوازنا جانتی ہے۔ صرف دینا اور دینا جانتی ہے، لینا نہیں۔ واپسی کی امید نہیں رکھتی محبت۔ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے کہ اذہان کی زندگی میں کون تھا۔ وہ کسے محبت کرتا تھا۔ میں صرف یہ جانتی ہوں کہ میں اذہان سے بہت محبت کرتی ہوں۔ مجھے وہ اچھا لگتا ہے۔ اس کے دکھ سکھ، سب مجھے اپنے لگتے ہیں۔ میں اسے خوش اور مطمئن دیکھنا چاہتی ہوں۔ میں اگر اس کے لئے کوئی زبردستی کا بوجھ ہوتی تو شاید میں کبھی اس کی زندگی میں شامل نہ ہوتی۔ مگر اس کی زندگی میں اگر میں آ رہی ہوں تو صرف اس لئے کہ وہ میرا ساتھ چاہتا ہے۔ اسے میری ضرورت ہے۔''

''اسے تمہاری ضرورت ہے تو کیا تمہیں اس کی ضرورت نہیں؟ ــــ ساہیہ! کبھی سوچا ہے تم نے، تم بہت سے خانوں میں بٹے ہوئے شخص کے ساتھ کیسے جیو گی؟ تمہاری یہ حالت، یہ آنسو۔ ایمانداری سے بتاؤ ساہیہ! کیا تم نہیں چاہتی ہو کہ وہ بھی تمہیں اسی طرح چاہے، تمہاری خواہش اسی طرح محسوس کرے؟ مان لو، یہ ٹھیک ہے، مان لو تم کچھ غلط نہیں کر رہی ہو اور مان لو یہ کوئی خود غرضی بھی نہیں ہے۔ تو کیا تم بھی تم سوچتی ہو کہ تم جو کر رہی ہو وہ ٹھیک ہے۔'' اکیٹنے نہیں چاہتی تھی جو خلا اس کی زندگی میں آیا ویسا ہی کوئی خلا ساہیہ کی زندگی میں بھی آتا۔ وہ متفکر سی اسے دیکھتے ہوئے کسی سد باب کے متعلق سوچ رہی تھی جب ساہیہ بولی تھی۔

''میں نے محبت کو دیکھا ہے۔ میں جانتی ہوں محبت کیا ہے۔ بہت قریب سے دیکھا ہے میں نے۔ یہ اپنے سارے سد باب خود کرتی ہے۔ اپنے تمام خدشوں کا تدارک آپ کرتی ہے۔ اس کے درد کا علاج اسی کے پاس ہے۔ اپنے ازالے یہ آپ کرتی ہے۔ یہ خلاؤں کو بھرتی ہے پھپھو! خلا پیدا نہیں کرتی۔ یہی امید ہے یہ، میرا ایمان بھی یہی ہے۔ میں نہیں جانتی کہ میں جو کر رہی ہوں وہ صحیح بھی ہے یا نہیں۔ نتائج کی پرواہ نہیں۔ کیونکہ میں جانتی ہوں محبت کا خسارہ کبھی خسارہ نہیں ہے۔ اس خسارے میں کئی منافع بھی آتے ہیں۔ اور میں تو اس معاملے میں بھی نفع میں ہوں کہ میں اس کے ساتھ ہوں گی ہر صورت۔ چاہے وہ مجھے چاہے یا نہ چاہے، اس کا ہاتھ میرے ہاتھ میں ہو گا۔ چاہے میں اس کی سوچوں میں کہیں نہ بھی ہوں۔ ہم ساتھ ہوں گے۔'' ساہیہ کا یقین محکم تھا۔ اکیٹنے خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی جب صبیحہ بیگم دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تھیں۔

''کیا ہوا؟ ــــ یہ تم دونوں اس طرح سر جوڑے کیوں بیٹھی ہو؟ اور ساہیہ! تم ــــ تمہاری

آنکھوں کو کیا ہوا ہے؟ تم روئی ہو؟'' کسی قدر تشویش سے وہ آگے بڑھی تھیں جب اگینے نے بات بدل لیا تھا۔

''ساحیہ عام لڑکیوں کی طرح ہمیں جھنجوڑ کر جانا نہیں چاہ رہی بھابی! اگرچہ فی الحال انگیج منٹ ہوئی ہے مگر بالکل پاگل ہو گئی ہے یہ۔ بھلا ہم کون سا بہت دور ہیں۔ یہیں قریب ہی تو ہوں گے۔ اور ابھی شادی میں کافی عرصہ پڑا ہے۔'' مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ ساحیہ بھی مسکرا دی تھی۔ ممی کو کچھ اطمینان ہوا۔

''وہ نیچے ارباب آیا ہوا ہے ـــــ تم دونوں کو شاپنگ کے لئے جانا تھا نا۔''

''جی ممی! ـــــ میں تو بھول ہی گئی تھی۔ آپ پلیز اسے بٹھائیے۔ میں تیار ہو کر تھوڑی دیر میں آتی ہوں۔'' ساحیہ کہہ کر اٹھی تھی اور واش روم میں گھس گئی تھی۔ ممی پلٹ گئی تھیں۔ اگینے بھی ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

❄❄❄

پتہ نہیں بینی نے ٹھیک بھی کہا تھا یا کہ نہیں۔ پتہ نہیں اسے ایسا کہنا بھی چاہیے تھا کہ نہیں۔

اس شخص کے ساتھ متواتر رہنا اور اس کی تمام اچھی اور بری باتوں کو قبول لینا آسان تو نہ تھا۔ وہ ایک بار معاف کر سکتی تھی، دوسری بار بھی۔ مگر کیا بار بار۔

اتنی رعایت تو کوئی محبت میں بھی نہیں دیتا۔

اور اسے تو شاید اس شخص سے محبت تھی بھی نہیں۔ پھر کس بل بوتے پر وہ اسے اتنے مواقع فراہم کرتی اور پھر کیا گارنٹی تھی کہ وہ واقعی سدھر جاتا اور دوبارہ ایسی غلطی نہ کرتا۔ اسے ہرٹ نہ کرتا۔ اور یہ سب اپنے طور پر اخذ کر رہی تھی۔ اپنے طور پر سوچ رہی تھی۔ کیسز آنگ اے فول ـــــ اقدامات تو تب ہوتے جب سردار سبکتگین حیدر لغاری کو اپنی غلطی کا احساس بھی ہوتا یا وہ معذرت طلب بھی کرتا۔ ایسا تو تھا ہی نہیں۔

نہ تو سردار سبکتگین حیدر لغاری کو اپنی غلطی کا کوئی احساس تھا نہ ہی اس نے کبھی کوئی معذرت طلب کی تھی۔ وہ تو صرف دھونس جمانے کا عادی تھا۔ یعنی ایک تو چوری اس پر سینہ زوری۔ نہ تو اپنی غلطی تسلیم کرتا تھا، نہ پھر، دہرانے کی گارنٹی دیتا تھا۔ جب اسے کوئی احساس تھا ہی نہیں، کبھی کوئی ریگرٹ محسوس ہی نہیں ہوا تھی تو پھر اس کو رعایت دینے کا مطلب صرف یہ تھا، آ بیل مجھے مار۔

پول کے کنارے چلتے چلتے وہ رکی تھی۔ پھر جھک کر بیٹھی تھی اور پاؤں پول کے پانی میں ڈبو دیئے۔ تبھی اس لمحے نگاہ اٹھی تھی۔ اوپر ٹیرس پر سردار سبکتگین حیدر لغاری، گی کے ساتھ موجود تھا۔ دونوں باتیں کر رہے تھے۔ شاید اپنے آنے والے وقت کے لئے کوئی اسٹریٹجی پلان کر رہے تھے یا پھر وہ گی کا کام بڑھا رہا تھا۔ کچھ بھی تھا وہ دونوں قریب تھے۔

وہ دھیان ہٹا نہیں سکی تھی۔

کیا سوچ رہی تھی وہ؟

اور اصل صورتحال کیا تھی؟

وہ کیسے معاف کرتی اس شخص کو جو اس کی نگاہ کے سامنے اپنی دنیا آباد کیے ہوئے تھا۔ اپنے ایک ناجائز رشتے کے ساتھ دھڑلے سے جی رہا تھا اور شرمندہ تک نہ تھا۔ اسے کیسے معاف کرتی وہ۔

اسے محبت کرنا سکھاتی؟

اس شخص کو جو شاید رشتوں کے احساس سے بھی واقف نہ تھا۔ اُسے تو محبت کے سچے بھی نہیں آتے تھے۔ وہ اس پر اپنی عزت صرف کرتی۔ اسے اپنے جذبات سونپتی تا کہ وہ اس کے دل کے ساتھ کھیل سکتا۔

پہلے تو وہ صرف اپنے احساسات کے ہرٹ ہونے پر روتی تھی۔ پھر شاید دل ٹوٹنے کا واویلا کرتی۔ اس سے کیا بعید تھا۔ اور بینی کہہ رہا تھا اسے محبت کرنا سکھاؤ، اس سے محبت کرو۔ وہ یقین سے کہہ سکتی تھی۔ صد یقین تھا اسے۔ محبت سے کوئی جانور ضرور سدھر سکتا تھا مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری ہرگز نہیں۔

کوئی خدشہ نہیں تھا یہ۔ کوئی خوف نہیں تھا۔ صرف ایسا ہونے کے صد فیصد چانسز تھے کہ وہ قدم بڑھاتی یا اٹھاتی۔ کیونکہ وہ شخص صرف دکھ دینا جانتا تھا۔

وہ سر اٹھائے ساکت سی دیکھ رہی تھی جب سردار سبکتگین حیدر لغاری، گی کے ساتھ بات کرتے کرتے اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا تھا۔ گی بھی غالباً تبھی اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔ اسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے اس نے ہاتھ ہلایا تھا۔ میرب کوئی ردعمل نہیں دے سکی تھی۔ نہ تو مسکرائی تھی نہ ہی ہاتھ ہلایا تھا۔ بس نگاہ ہٹا لی تھی۔ اسے امید نہیں تھی دوسرے ہی لمحے سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے پاس ہوگا۔ وہ سوچوں کے الجھی ہوئی پول کے شفاف پانی پر نگاہ جمائے بیٹھی تھی جب سردار سبکتگین حیدر لغاری چلتا ہوا آیا تھا اور پول کے پانی میں پاؤں ڈبو کر اس کے قریب بیٹھ گیا تھا۔

''موسم اچھا ہے نا؟'' مسکراتے ہوئے گفتگو کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ شاید وہ جانتا تھا باتیں کرنے کے لیے موسم کا تذکرہ کامیاب ترین گر ہے۔ وہ مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھ رہا تھا مگر میرب نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ شاید وہ گفتگو کے اس سلسلے کو آگے بڑھانا نہیں چاہتی تھی۔

''ہوا ابھی چل رہی ہے لیکن آسمان پر جتنے بادل ہیں، لگتا ہے بارش ضرور ہوگی۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری کی گفتگو پہلے سے کہیں مختلف تھی۔ میرب اسے دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔

''میرب! تمہارا کزن بہت سمجھدار لڑکا ہے۔ اس کی باتوں میں دم ہے۔ سچ کہوں، میں اسے بہت بے وقوف لڑکا سمجھتا تھا۔ مگر وہ حیران کن ہے۔ تمہیں اس کی باتوں پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ مصالحت راہ بہترین ہے۔ ماحول سازگار کرنے میں بھی بہت حد تک معاون ہو سکتا ہوں۔''

وہ حیران، ساکت سی دیکھ رہی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے متعلق اس کا قیاس درست تھا۔ وہ ان کے مابین ہونے والی گفتگو سن چکا تھا۔ تو یہ مصالحت کی کوشش تھی۔ یعنی وہ چاہتا تھا کہ وہ اس پر اپنا وقت صرف کرے۔ میرب خاموش تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بہت آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر میرب کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

''میرب! اگر سمت صاف نظر آ رہی ہو تو قدم اٹھانے میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔ دو چار قدم صحیح سمت اٹھ جائیں تو، یہ زیادہ بہتر ہے اس کے کہ بے سمت چلتے ہوئے عمر گزار دی جائے۔'' اپنی دانست میں

بہترین بات کی تھی۔ مگر میرب سیال نے سر انکار میں ہلا دیا تھا۔

''سردار سبکتگین حیدر لغاری! آپ کی زبان سے ایسی باتیں اچھی نہیں لگتیں۔ عجیب متضاد ان آپ کا۔ آپ صرف دوسروں سے ہی کیوں امید رکھتے ہیں؟ خود تو آپ غلط کو بھی صحیح سمجھ کر کرنے عادی ہیں اور دوسروں سے مصالحت کی امید رکھتے ہیں۔''

''مصالحت بھی ہو سکتی ہے۔ اگر تم انڈر اسٹینڈ کر لو۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری غالباً آج خوشگو میں تھا۔ نہ صرف اس کی کڑوی کسیلی باتوں کے جواب میں مسکرا رہا تھا بلکہ مزید گفتگو کا سلسلہ بھی رکھے ہوئے تھا۔

''میرب! آپ کی ایک بات اچھی نہیں ہے۔ آپ سوچتی اور سمجھتی بہت کم ہیں۔ یہ جو دماغ ہے سمجھنے کی عادت ڈالیں۔ کچھ سوچنے کا کام سونپیں۔ فارغ مت چھوڑیں۔ فضول سوچنا شروع کر دے آپ کا پرابلم صرف یہ ہے کہ آپ ایک نقطے سے آگے سوچنا ہی نہیں چاہتی ہیں۔ نہ کچھ دیکھتی ہیں نہ ہیں۔ جو ذہن میں پہلی سوچ آتی ہے اسے لے کر آگے بڑھتی ہیں اور سوچ کے گھوڑے دوڑاتی ہیں۔ ان بے لگام گھوڑوں کو روکنے اور بس میں کرنے کی عادت ڈالیے۔ فائدے ہوں نہ ہوں نقصان سے ضرور بچ جائیں گی۔ ضروری نہیں کہ کسی بات کی جانچ پڑتال کیے بغیر اسے حتمی مان لیا صرف اس لیے کہ صرف آپ کا دل یا صرف آپ کا دماغ ایسا کہہ رہا ہے۔ کبھی کبھی دوسروں کی بات لینا بھی اچھا ہوتا ہے۔ ہمیشہ نقصان ہی ہو تو ضروری نہیں، دوسرے صرف آپ کے دشمن ہی ہوں یہ ہو سکتا ہے نا کہ دوسرے آپ سے کسی قدر مخلص ہوں۔ شاید آپ سے کچھ زیادہ مخلص۔ آپ یہ کیوں ہیں کہ سبھی کچھ آپ کے خلاف ہے اور کوئی بھی آپ کے ساتھ نہیں۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

میرب سیال کچھ نہیں سمجھ سکی تھی۔ چپ چاپ دیکھتی رہی تھی۔

''آپ یہ کیوں سمجھتی ہیں کہ میں آپ کی مخالف سمت پر ہوں؟ میں آپ کے ساتھ بھی تو ہو سکتا ہوں!'' خفیف انداز میں مسکراتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔

یہ تیور کچھ نئے تھے۔ پہلے سے کچھ مختلف!

کیا پھر کوئی نیا جال؟

پھر کوئی نئی چال؟

میرب سیال اعتبار نہیں کر سکتی تھی۔ اس شخص کی عادت ہو چلی تھی دھوکا دینے کی۔ وہ ماہر تھا۔ اور اس کے ہاتھ پھر سیفی کا انوکھا مشورہ بھی لگ چکا تھا۔ گویا ایک نیا طریقہ اسے اسکیپ گوٹ بنانے کا اپنا دوست اس کے ہاتھ سونپ چکا تھا۔ ایک بار پھر وہ اس کے احساسات سے کھیلنے چلا تھا۔ ایک ایک قاتل منصف بننے چلا تھا۔

بہت آہستگی سے وہ سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

''ٹرسٹ می!'' سردار سبکتگین حیدر لغاری مدھم لہجے میں باور کراتے ہوئے بولا تھا۔ میرب سیال

بن بیر اس کی سچائی جاننے کی کوشش میں اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

''ٹرسٹ می!'' میرب سیال کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سردار سبکتگین حیدر لغاری مدھم لہجے میں گویا تھا۔ انداز ایسا تھا کہ سننے والی سماعتیں ایک لمحے میں ہار جاتیں۔

آنکھوں میں وہ رنگ تھے، وہ چمک تھی کہ اعتبار کے سوا کوئی صورت نہ رہتی۔ وہ دل جیتنے کے فن سے تھا۔ اسے علم تھا تیر کب چلانا ہے اور کب وار کرنا ہے۔ کون سی گھڑی سود مند ہے اور کس لمحے حالات بس میں کرنا ہے۔ اسے سب گر آتے تھے۔ وہ تمام اسلوب سے واقف تھا۔ اسے توجہ سمیٹنی آتی تھی۔ اپنا اسیر کرنا آتا تھا۔ وہ جانتا تھا کب اسے لگاوٹ کا مظاہرہ کرنا تھا اور کب اجنبی بن جانا تھا۔

وہ جانتا تھا۔ اسے ازبر تھے سارے ڈھنگ۔

وہ جیتنے کے سارے پہلو جانتا تھا سو وہ کبھی ہارا نہیں تھا۔

وہ کھیلنا جانتا تھا۔ شاطر دماغ تھا۔ اسے معلوم تھا کہاں، کون سا ہنر آزمانا تھا۔ سو وہ اس گھڑی اس کے بنے تھا۔

''ٹرسٹ می!'' ہزار ہا ان کہی باتوں کو جتاتے ہوئے وہ بھرپور زور دیتے ہوئے اس کی آنکھوں میں تک رہا تھا اس وقت۔ وہ سدا کا ناقابل اعتبار شخص اس کا اعتبار چاہ رہا تھا۔

میرب سیال کچھ نہیں بولی تھی۔ فقط چپ چاپ اس کی آنکھوں میں تکتی رہی تھی۔ شاید وہ سچائی کے کچھ جانچنا چاہتی تھی ان آنکھوں میں۔ مگر وہ کچھ جان نہ پائی تھی اور وہ کہہ رہا تھا۔

''تمہیں مجھ پر اتنا اعتبار تو ہونا چاہیے کہ اگر میں کہوں کہ یہ دن نہیں رات ہے تو تم کہو ہاں رات ہے۔ ہاں تو میری بات پر آنکھ بند کر کے اعتبار کرنا چاہیے۔'' وہ مسکراتے ہوئے اس سے اس کا اندھا اعتماد چاہ رہا تھا۔ بلائنڈ ٹرسٹ مانگ رہا تھا۔

واہ!۔۔۔۔ کیا دیدہ دلیری تھی۔

میرب سیال چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے چہرے کو بغور تکتا رہا تھا۔

''تم سردار سبکتگین حیدر لغاری پر اعتبار نہیں کر رہی ہو۔ تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں ہے۔ دنیا کو دیکھنے کا میرا تجربہ بہت زیادہ ہے۔ تمہاری نظر وہاں تک سوچ بھی نہیں سکتی جہاں تک میری نگاہ دیکھ سکتی ہے۔ تم اس کو جانتی ہی نہیں ہو جس سے میں زندگی کے نشیب و فراز کو سمجھنے کی اہلیت رکھتا ہوں۔ تمہارے ذہن کے دریچے وا ہی نہیں ہیں جہاں سے میں ایک جہاں کو کھوج سکتا ہوں اور تم مجھ پر ٹرسٹ نہیں کر رہی ہو۔'' سبکتگین حیدر لغاری کسی قدر نرمی سے مسکرایا تھا۔ میرب سیال کی نظروں میں اعتبار کے رنگ پھر بھی نہ سے تھے۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

''اب یہ مت کہہ دینا کہ میں اعتبار کے قابل ہی نہیں ہوں۔ اگرچہ میں تمہاری طرف سے ایسی باتوں کی امید رکھتا ہوں۔ بہت سیانی ہو تم۔ اپنے فائدے کی باتوں کو خوب سمجھتی ہو۔ مگر کوئی رسک لینا نہیں چاہتا ہو۔ مگر رسک تو لینا پڑے گا۔ رسک تو لینا ہی ہوتا ہے سوئٹی!'' انداز جتانے والا تھا۔ ''دنیا میں یہ بہت بڑی بات ہے۔ زندگی میں اس کے بغیر گزارا ممکن نہیں۔ کوئی نہ کوئی، کبھی نہ کبھی، کسی نہ کسی پر تو اعتبار کرتا ہی

ہے۔اسی سے زندگی کی گاڑی آگے بڑھتی ہے۔اعتبار نہ ہو تو ایک سکے کا بھی کاروبار ممکن نہیں ہ
بات رشتوں کی کر رہے ہیں سوئی! سوچو، پرکھو، جانچو۔زندگی یوں نہیں چلتی ہے۔اس طرح نہیں
اپنے دماغ کو کھلا لو۔کام لینا سیکھو اس سے۔تمہیں کیوں لگتا ہے کہ میں تمہارا مخالف ہوں، ساتھ
آزما کر تو دیکھو، تم جان جاؤ گی کہ حقیقت کیا ہے، سچ کیا ہے۔" اس کی منجمد آنکھوں میں جھانک
سردار سبکتگین حیدر لغاری کہہ رہا تھا۔یکدم موسم نے کروٹ لی تھی اور بادلوں سے بوندوں کا ا
شروع ہو کر زمین کی طرف آنے لگا تھا۔سردار سبکتگین حیدر لغاری کا تجربہ سو فیصد درست رہا
اندازہ درست تھا۔پیش گوئی درست ثابت ہوئی تھی۔بارش شروع ہو چکی تھی۔میرب سیال نے
خوف سے یکدم اٹھ جانا چاہا تھا جب سردار سبکتگین حیدر لغاری نے یکدم اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ
وہ فرار کے اس لمحے کو پا نہیں سکی تھی۔بے بسی سے سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھنے لگی تھی۔لبوں پر
تبسم لئے وہ جتانے والے انداز میں کہہ رہا تھا۔

"مان لو میرا تجربہ تم سے بہتر ہے اور اندازہ تم سے کئی گنا درست۔تمہاری نگاہ وہاں تک نہ
جہاں تک میں دیکھ سکتا ہوں۔" لبوں کی مسکراہٹ گہری ہو رہی تھی اور آنکھوں کی چمک دو گنی۔

"تبھی کہتا ہوں میرے تجربے سے کچھ سبق لو۔کچھ سیکھو۔میرا تجربہ تم سے کہیں زیادہ اور بہ
نہ تو میرا مشاہدہ غلط ہو سکتا ہے نہ تجربہ۔آزما کر دیکھ لو۔" وہ مسکرا رہا تھا۔

میرب سیال نے برستی بارش میں اسے دیکھتے ہوئے سر نفی میں ہلایا تھا۔

"نہیں سردار سبکتگین حیدر لغاری! میں تم پر اعتبار نہیں کر سکتی۔بھلے ہی زندگی کے لئے تمہارا
سے زیادہ بھرپور سہی مگر میں نے تمہیں دیکھ کر زندگی کو جانچنا سیکھا ہے۔میری کیلکولیشن کبھی غلط
سکتی۔تم پر اعتبار کا مطلب ہے خود اپنی شامت کو آواز دینا۔اپنے نقصان کو خود آپ دعوت دینا۔ا
ہو چکا ہے اور اب ان سب باتوں کا وقت گزر چکا ہے۔میں ایسا بارہا کر کے دیکھ چکی ہوں اور ا
نہیں کر سکتی۔تم ان لوگوں میں سے ہو جو جیت بھی اپنی چاہتے ہیں اور پٹ بھی۔تمہیں جیتنے کا جنو
ہے بلکہ خبط۔مگر صرف تمہاری انا کو تسکین دینے کے لئے میں اپنا بھرپور نقصان نہیں کر سکتی۔تم
بات کر رہے ہو، کس کو اپنے ساتھ رکھتے ہوئے؟ ——— مجھے بتاؤ یہ اعتبار کی کون سی صورت ہے
پول کھل چکی ہے۔سارا معاملہ سامنے آ چکا ہے اور تم بنا شرمندہ ہوئے اپنی بات ٹھونسے جا رہے ہو۔
نہیں رہے کہ غلطی ہوئی ہے تم سے۔قصور ہے تمہارا اور ایک بار بھی نہیں کئی بار۔تم نے جو کیا
سے بتاؤ کیا وہ معاف کئے جانے کے قابل ہے؟" بھرپور اعتماد سے اس کی جانب دیکھتی ہوئی وہ
بارش کا زور بڑھ چکا تھا۔دونوں تیزی سے بھیگ رہے تھے مگر دونوں کو ہی پرواہ نہیں تھی۔

"ہاں ——— میں مانتا ہوں۔سارا کا سارا قصور میرا ہی تھا۔جو بھی غلط کیا میں نے ہی کیا۔تم
کہیں کوئی غلطی نہیں رہی۔ساری کی ساری غلطیاں مجھ سے سرزد ہوئی ہیں۔سارا قصور میرا تھا
کے جارحانہ انداز میں اس کا لہجہ ملائم اور ٹھہرا ہوا تھا۔مگر میرب سیال کے انداز میں اعتبار کے کو
تھے۔وہ اب بھی اتنی ہی خفگی لئے ہوئے، برہم دکھائی دے رہی تھی۔وہ مزید کچھ کہے بغیر اپنا ہا

رہی تھی مگر عین اسی لمحے بارش کے پانی کی پھسلن کے باعث سنگ مرمر کے بنے اس فرش پر اس کے پاؤں
کا توازن برقرار نہیں رہ سکا تھا اور دوسرے ہی لمحے وہ پول کے پانی میں تھی۔سوئمنگ تو در کنار وہ کبھی پانی
کے قریب بھی نہیں جاتی تھی۔آج بھی پتہ نہیں کون سی دھن تھی کہ چلتی ہوئی پول کے پاس آ گئی اور پھر
پاؤں ڈبو کر بیٹھ بھی گئی۔اور اب وہ ڈوبتی ہوئی خود کو بچانے کی کوشش میں بری طرح ہاتھ پاؤں مار رہی
تھی۔وہ چیخ نہیں رہی تھی۔غالباً وہ اس کی مدد لینے کو تیار نہیں تھی۔مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے
پیچھے کودنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔مگر پانی کے خوف کے باعث وہ ہاتھ پیر مارنا چھوڑ چکی تھی۔اس کا وجود
پول کی سطح کی طرف تیزی سے بڑھ رہا تھا جب سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے وجود کو اپنے حصار
میں لے لیا تھا۔اسے تیزی سے لے کر پول کی اوپری سطح پر آیا تھا اور اسے سائیڈ پر ڈالا تھا مگر اس کے
وجود اس میں کوئی حرکت نہ تھی۔وہ ہوش و خرد سے بیگانہ تھی۔

"میرب!" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کا چہرہ تھپتھپایا تھا مگر جواب ندارد تھا۔

"میرب!" دیوانہ وار پکارتے ہوئے وہ اس پر جھکا تھا۔نبض ٹوٹی تھی۔اس سرد پڑتے وجود میں جیسے
حرارت کا ایک قطرہ نہ تھا۔وہ ساکت پڑی تھی۔

"میرب!" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے جھنجھوڑ دیا تھا۔

❊❊❊

"یہ تم مجھے کہاں لے آئے ہو؟ ——— ہم تو غالباً شاپنگ کے لئے جانے والے تھے نا؟" ساحیہ نے
مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔گاڑی اذہان حسن بخاری کے پورچ میں رک چکی تھی۔اذہان نے اتر کر
اس کی طرف کا دروازہ کھولا تھا اور اسے لے کر اندر کی جانب بڑھنے لگا تھا۔

"ہاں ——— ہم شاپنگ پر جانے والے تھے۔مگر اس کام سے ضروری بھی کوئی کام ہے۔سوچا پہلے
سے سرانجام دے لیا جائے۔" وہ مسکرایا تھا۔

"کیا؟" وہ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے چونکی تھی۔

"ابھی بتاتا ہوں۔" وہ بغور توجہ سے تکتا ہوا مڑا تھا۔زینے کے اختتام پر فارحہ کھڑی تھیں۔

"تم لوگ شاپنگ کے لئے نہیں گئے؟" آواز میں حیرت تھی۔اذہان مسکرا دیا تھا۔

"نہیں ممی! دراصل مجھے کچھ ضروری کام یاد آ گیا تھا۔دوسرے ساحیہ سے کچھ ضروری بات بھی کرنا
تھی۔سو ارادہ بدل دیا۔ہم کل چلے جائیں گے۔"

"خیریت؟ ——— ایسی کیا ضروری بات آن پڑی اچانک جو شاپنگ ملتوی کر دی؟" فارحہ متفکر ہوئی
تھیں۔

"ارے ممی! ہم فیانسی تو اب ہونے جا رہے ہیں۔اس سے قبل تو ہم اچھے دوست تھے اور اب بھی
ہیں۔ہزار باتیں ہیں، ہزار راز ہیں۔اب سبھی کچھ تو نہیں بتایا جا سکتا نا۔آپ چائے بھجوا دیجئے۔
ساحیہ! چائے لو گی یا کافی؟"

"کافی۔" ساحیہ مسکرائی تھی۔اذہان ماں کی طرف مڑا تھا۔

"ممی! دو کافی پلیز۔"

"ابھی تھوڑی دیر قبل تیری چوائس چائے تھی۔" ممی نے چھیڑا تھا۔ اذہان مسکرا دیا تھا۔

"ساری زندگی اب تو جھیلنا ہی ہے۔ سوچا ابھی سے اثر پذیری قبول کرلوں۔" اذہان مسکرایا
مڑا تھا اور ساہیہ کے ساتھ آگے بڑھ گیا تھا۔

"کیا بات ہے؟ ___ کوئی سیکرٹ ڈسکس کرنا ہے جو یہاں لے آئے ہو؟" ساہیہ نے
ریلنگ کے ساتھ لگ کر کھڑے ہو کر مسکرا کر اسے دیکھا تھا۔ اذہان مسکرا دیا تھا پھر آہستگی سے سر اثبا
ہلا دیا تھا۔

"ہاں۔ وہ سیکرٹ جو تم سے ڈسکس کرنا ہے، بے حد ضروری ہے۔"

"کیا مطلب؟ ___ تم واقعی کوئی سیکرٹ مجھ سے شیئر کرنا چاہ رہے ہو؟" ساہیہ باور
میں ٹالتی ہوئی مسکرائی تھی۔ اذہان نے اس کی جانب تکتے ہوئے اقرار میں سر تسلیم خم کیا تھا۔

"مجھے واقعی تم سے ایک بہت ضروری بات شیئر کرنا ہے۔"

"کون سی بات؟ ___ کہیں تمہیں مجھ سے پیار تو نہیں ہو گیا؟" ساہیہ نے شرارت سے کہا
اذہان حسن بخاری ہنس دیا تھا۔

"ہاں، یہ بھی۔ مگر کوئی اور بات بھی ہے۔"

"ارے کیا واقعی؟ ___ قسم کھاؤ، کیا تمہیں واقعی مجھ سے محبت ہو گئی ہے؟" وہ شرارت سے
اذہان ہنس بخاری نے جواباً مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ تھاما تھا اور بغور دیکھنے لگا تھا۔

"یہ تم ایسا کیا دیکھ رہے ہو؟" وہ چونکی تھی۔ انداز سنجیدہ نہ تھا۔ وہ جیسے اس کی سب باتوں کو
ٹال رہی تھی۔ مگر اذہان مکمل سنجیدگی سے اسے اس گھڑی دیکھ رہا تھا۔ ساہیہ خان نے اس کے اندر
کچھ نہ سمجھتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔

"اے اذہان! کیا ہوا؟ ___ کیا بات ہے؟" وہ کسی قدر سنجیدہ ہوئی تھی۔ اذہان حسن بخاری
اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"بتاتا ہوں۔" بہت آہستگی سے اس نے اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر بغور دیکھا تھا۔
ہم زندگی کا اہم ترین سفر شروع کرنے جا رہے ہیں۔ میں چاہتا ہوں اس سے قبل کہ ہم اس
دھریں سب باتیں پہلے ہی طے پا جائیں۔ جو الجھن دیتی ہے، وہ فقط بات نہیں پھانس ہوتی ہے
نہیں چاہتا کہ کل کو اس پھانس کو لے کر تمہارا دم گھٹنے یا تم مجھ سے کوئی شکوہ کرو۔ میں تم سے اپنی
ایک ایک مخفی گوشہ ڈسکس کر دینا چاہتا ہوں۔ تمہیں ہر بات بتا دینا چاہتا ہوں۔ میں نے کب کیا
کیا، کس لئے کیا، سب کچھ۔ میری گزشتہ گزری ہوئی زندگی کا ایک ایک ورق، ایک ایک حرف
سامنے ہو گا۔ آج تم مجھ سے جتنے چاہو سوال پوچھ سکتی ہو مگر آج کے بعد صرف اعتبار ہو گا۔ تم
میرے بیچ صرف پیار ہو گا۔" مدھم لہجے میں کی گئی بات کسی خاص سمت اشارہ کر رہی تھی۔ ساہیہ
تھی۔

"اس کی ___ اس کی کیا ضرورت ہے؟" لہجہ مدھم اور کمزور تھا۔ اذہان نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"ضرورت ہے ___ ضرورت ہے ساہیہ! کیا تمہیں میرے پیار کی ضرورت نہیں؟" براہ راست
ان آنکھوں میں تکتے ہوئے پوچھا تھا۔ "تم نہیں جاننا چاہو گی وہ کون تھی، کیسا روپ تھا اس کا، میں کیسے
اسے جاننا تھا، کیسے تکتا تھا، وہ کیسے رنگوں میں کھلتی تھی، کیسی دکھتی تھی، جاننا نہیں چاہو گی تم، وہ خواب سی
وقت کیا ہوئی، وہ کیسے خواب سی ملی اور خواب سی جدا ہوئی، جاننا نہیں چاہو گی تم؟ میں اب اس کے
بارے میں کیا سوچتا ہوں، میرا دل کیا چاہتا ہے، کیا کہتا ہے، کوئی راہ اب بھی تکتا ہے یا کہ نہیں۔ میرے
دل میں ان دھڑکنوں کے لئے میرا پیار باقی ہے کہ نہیں۔ کیا جاننا نہیں چاہو گی تم؟ میں کیا چاہتا ہوں اب؟
کیا سوچتا ہوں؟" سرگوشی مدھم تھی۔ اس کے قریب رک کر اس کے جھکے چہرے کو اوپر اٹھاتے ہوئے اسے
دیکھا تھا۔ ساہیہ اس کی جانب تکنے لگی تھی۔ ان آنکھوں کے رنگ بہت گہرے تھے۔

***

ملگجی سی شام میں عنفان علی خان نے کمرے میں قدم رکھا تو انابیہ شاہ کی سانسیں الجھنے لگی تھیں۔
سینے میں دل نے ایسا شور مچایا تھا کہ وہ خود حیران رہ گئی تھی۔ ہر طرف ایک ارتعاش سا تھا۔ دھڑکنوں کا
شور کانوں کے پردے پھاڑ رہا تھا۔ وہ سر جھکائے بیٹھی تھی مگر کان ان قدموں کی آہٹوں پر لگے ہوئے
تھے۔ بھاری قدم لمحہ بہ لمحہ اس کی طرف بڑھ رہے تھے اور انابیہ شاہ کے سینے میں موجود دل نے جیسے دھڑکنے کا
ارادہ ملتوی کر دیا تھا۔ دل جیسے بند ہونے کو تھا۔ عنفان علی خان نے قریب رک کر اسے بغور دیکھا تھا
شانوں سے تھام کر اسے مقابل کھڑا کیا تھا اور بغور اس چہرے کو تکنے لگا تھا۔ انابیہ شاہ کی وہ حالت تھی
کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ چہرہ اس کے قریب کر دیا تھا۔ نگاہ سے نگاہ کی دوری بہت مختصر سی تھی۔

اس کی نگاہوں کی تپش، اس کی گرم سانسوں کی حرارت، اس کی قربت ___ انابیہ شاہ کے لئے کچھ
بھی سہنا آسان نہیں تھا۔ نہ تو ان نگاہوں میں دیکھنے کا یارا تھا نہ ان قیامتوں کو جھیلنے کا کوئی تجربہ۔
عنفان علی خان نے ہاتھ بڑھا کر اس چہرے کو چھوا تھا۔ انابیہ کی جان جیسے ہوا ہونے لگی تھی۔ وہ ایک
قدم پیچھے کو سرکی تھی مگر عنفان علی خان نے ہاتھ بڑھا کر اسے اپنے حصار میں لے لیا تھا۔

"کہا تھا نا، ذہنی طور پر خود کو تیار کرنا شروع کر دو۔ تم اپنے پاس میری امانت ہو، اور امانت جتنی بھی دیر
رکھ لی جائے اسے بہرحال سونپنا ہی ہوتا ہے۔ آج، کل یا پرسوں تمہیں اپنا آپ میرے سپرد کرنا ہی ہو گا۔ ہم
ہسبنڈ وائف ہیں۔ شادی ہوئی ہے ہماری۔ جب خدا نے ہمیں ایک کر دیا ہے تو پھر یہ فرضی لکیریں بھی
درمیان کیوں رہیں۔ دوریاں اچھی نہیں، پاس آنے کی خواہشوں کو ابھارتی ہیں مگر اب وقت آ گیا ہے کہ
ان دوریوں کو سمیٹ دیا جائے۔" اس کے گرد اپنے حصار تنگ کرتے ہوئے عنفان علی خان کہہ رہا تھا اور
انابیہ شاہ کی جان نکلنے کو تھی۔

"تمہاری دوری مجھے اچھی لگتی ہے۔ یہ گریز اچھا لگتا ہے۔ تمہارا مجھ سے یوں نظر چرانا اچھا لگتا ہے۔ تم
اچھی لگتی ہو۔ مگر تم بالکل اچھی نہیں ہو۔" مدھم سرگوشی میں شکوہ کرتے ہوئے اپنا سر اس کے سر کے ساتھ ٹکایا
تھا۔ گرم سانسوں کی تپش سے انابیہ شاہ کو اپنا چہرہ جھلستا ہوا محسوس ہوا تھا۔ وہ آنکھیں زور سے میچ گئی تھی اور

عفنان علی خان سرگوشی میں کہہ رہا تھا۔

''ہاں ـــــ تم بالکل بھی اچھی نہیں ہو ـــــ میرا بالکل بھی کوئی خیال نہیں ہے تمہیں۔ نہیں سوچتی ہو تم میرے بارے میں۔ یہ ادراک، یہ ڈھنگ، یہ رنگ، سب سیکھے تو اب۔''

''عفنان ـــــ!'' وہ کمزور سا احتجاج کرتی ہوئی تھی۔ آنکھیں میچی ہوئی تھیں جیسے کسی طر

سے بچنا چاہتی ہو۔ عفنان اپنی دھن میں بول رہا تھا۔

''تم سیکھ لو ساری باتیں جو تمہیں مزید دلکشی دے سکیں۔ کئی ڈھنگ تو پہلے بھی ازبر ہیں۔ رنگ تو پہلے بھی نمایاں ہیں۔''

''عفنان! ـــــ عفنان! پلیز۔'' مدھم لہجے میں جیسے منت کی تھی۔

فنان نے سنی ان سنی کر دی تھی۔ اس کی گرفت میں وہ بری طرح کانپ رہی تھی۔

''اپنی آنکھیں کھولو۔ دیکھو میری طرف۔ میں رنگ دیکھنا چاہتا ہوں آج ان کے۔ بغور پڑھ

ہوں۔ آج ان آنکھوں کی سطر سطر میرے لئے ہوگی۔ میرے ذکر سے آباد ہوگی۔ ان دھڑکنوں کا

صرف میرے لئے ہوگا اور......'' وہ اس کی سمت دیکھتا ہوا مسکرایا تھا۔

''عفنان! ـــــ پلیز میری بات سنو۔ میں تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔ پلیز، پہلے میری بات

لو'' انابیہ شاہ نے کپکپاتے لبوں سے کہتے ہوئے اپنی دھڑکنوں کو سنبھالنا چاہا تھا۔

عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

''کہنے سننے کو اب عمر پڑی ہے جان! یہ سب باتیں تو ہوتی رہیں گی۔''

انابیہ شاہ کی جان پر بن آئی تھی۔

صورتِ حال بس سے باہر ہونے کو تھی۔ سب کچھ اختیار سے باہر ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔ سدا

ہوتا ہے، کچھ سمجھ میں نہ آرہا تھا۔ فوری طور پر ذہن ماؤف تھا اور وہ شخص......

کیسی پریشان کن صورتحال اس کے لئے پیدا کر چکا تھا۔ اس کی کیفیت وہ تھی کاٹو تو بدن میں

اس لمحے بہت خوفزدہ نظروں سے وہ عفنان علی خان کی سمت دیکھ رہی تھی۔ آنکھیں پانیوں سے بھ

تھیں۔ اس کی حالت دگرگوں تھی۔ مگر مقابل کو اس پر ترس آتا تھا یا نہیں، اس کا کوئی اندازہ نہ تھا۔

اسی خوف زدہ انداز میں چلتی ہوئی وہ دیوار سے جا لگی تھی۔ عفنان علی خان نے اس کی جانب

قدمی کی تھی اور دیوار پر ہاتھ ٹکاتے ہوئے فرار کے سبھی راستے مسدود کر دیے تھے۔

اس چہرے، ان آنکھوں کو بغور دیکھتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر چہرے پر آئے ہوئے ان گیسوؤں کو

کے لئے ہاتھ بڑھایا تھا۔

کبھی کبھی

میرے دل میں خیال آتا ہے

کہ زندگی

تیری نرم زلفوں کی نرم چھاؤں میں

گزرنے پاتی تو شاداب ہو بھی سکتی تھی

مگر ـــــ

یہ ہو نہ سکا اور ـــــ

اور اب یہ عالم ہے

کہ تو نہیں ـــــ

تیری جستجو بھی نہیں ـــــ!

چہرے کو چھوتے ہوئے لبوں پر بہت دھیما سا تبسم تھا۔ مدھم سرگوشی میں کوئی کسک سی تھی۔ انابیہ اس کی سمت متوجہ نہیں تھی۔ نگاہ جھکی ہوئی تھی مگر وہ پرتپش نگاہ اس چہرے پر بدستور پہرہ دے رہی تھی۔ تاثر بھرپور تھا۔ قربت تھی، پسپائی تھی۔

عفنان علی خان کا اس کے نازک شانے پر دھرا ہوا ہاتھ ہٹا تھا۔ نگاہ ایک دم بے تاثر ہوئی تھی۔ پھر بیگانہ ہو کر اس چہرے پر سے ہٹ گئی تھی۔ وہ یکدم پلٹا تھا اور چلتا ہوا وہاں سے نکل گیا تھا۔ انابیہ شاہ اس اقدام پر ساکت سی اس جانب تکتی رہ گئی تھی۔

یہ اچانک کایا پلٹ کیسے ہوئی تھی ـــــ؟

الاؤ سرد کیسے پڑا تھا ـــــ؟

آتش تھا تو بجھ کیسے گیا تھا ـــــ؟

وہ کچھ نہیں سمجھ سکی تھی۔ شاید یہ فقط اسے زچ کرنے کا انداز تھا یا پھر واقعی ـــــ

بعض اوقات جن سے محبت کی جاتی ہے وہ بہت گہرے دکھ سے دوچار کرتے ہیں۔ ساہیہ کے
اس وقت کوئی دوسری راہ نہیں تھی ماسوائے اس کے کہ وہ وہاں رکے اور اذہان حسن بخاری کی ساری بات
کو سنے۔ حالانکہ نہ تو اس میں ہمت تھی نہ ہی حوصلہ۔ اس کے وجود کی عمارت گرنے کو تھی۔ مگر وہ لرزتی
اور اذہان حسن بخاری کی سمت دیکھ رہی تھی، جیسے شاید اس کی کوئی پرواہ نہیں تھی یا پھر بہت زیادہ تھی،
تمام حقائق اس کے سامنے پیش کرنا چاہ رہا تھا۔ شاید وہ اس کی ضرورت بہت زیادہ محسوس کر رہا تھا، مگر
اسے کیسے سمجھاتی کہ وہ یہ سب سننا نہیں چاہتی ہے۔

وہ یہ سب نہیں سن سکتی ہے۔

اس میں حوصلہ نہیں ہے۔

اور شاید ہمت بھی نہیں۔

مگر یہ بات وہ کیوں نہیں سمجھ رہا تھا۔

کیوں نہیں سمجھ رہا تھا کہ دکھ کی گہرائیاں اتھاہ ہوتی ہیں اور نکلنے کی کوئی راہ نہیں ہوتی۔

"ساہیہ! میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ......" ساہیہ نے ہاتھ بڑھایا اور اس کے ہونٹوں پر رکھ دیا
اور سر نفی میں ہلاتے ہوئے بولی تھی۔

"نہیں اذہان! اس کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہارے کل سے مجھے کچھ سروکار نہیں ہے۔ اگر تمہارے دل
میں کوئی خلش ہے تو اس کا سدباب کرو۔ مجھے ان وضاحتوں کی ضرورت نہیں ہے۔ جو میرا نہیں وہ میں
لے سکتی۔ جو میرا ہے مجھے وہ چاہیے۔ مجھے تمہارا کل نہیں، آج چاہیے اذہان! میں تمہارے آج کے دکھ
بانٹنا چاہتی ہوں۔ جو کل تم نے بتا دیا وہ بتا دیا۔ میں نہیں جانتی تم ایسا کیوں چاہتے ہو۔ مگر مجھے اس سب
سننے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ مگر مجھے فرق ضرور پڑے گا اگر تم اپنے کل سے کبھی آزاد ہی نہ ہو سکو۔"

"یہی تو ساہیہ! ـــــ یہی تو میں نہیں چاہتا ہوں ـــــ میں خود کو اپنے کل سے آزاد کرنا چاہتا
ہوں۔ کیونکہ مجھے خدشہ ہے کہ میرے کل کی پرچھائیاں کہیں تمہیں میرے آنے والے کل میں مجھ
سے بدگمان نہ کر دیں۔ کہیں وہ دل جو آج میری چارہ گری کر رہا ہے، میری دل جوئی کر رہا ہے وہ کل کسی
سے دوچار نہ ہو جائے۔ اسی لئے ـــــ اسی لئے میں چاہتا ہوں ساہیہ کہ تم سب باتیں جان لو۔"

ساہیہ بہت کرب سے مسکرائی تھی۔

"تم مجھے ایک شکی لڑکی تصور کر رہے ہو؟"

مگر اذہان نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

"یہ گزری باتیں صرف دکھ دیتی ہیں اذہان! صرف دل دکھاتی ہیں۔ کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمہارے
باعث دکھی ہوں؟" اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے ملامت سے مسکرائی تھی۔ اذہان نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"تو پھر اس معاملے کو یہیں ختم کر دو۔ دبی راکھ میں چنگاریاں اگر ہیں بھی تو وہ بجھ جائیں گی اذہان!
مگر اس راکھ کو کریدنے سے شاید دبی ہوئی چنگاریاں بھی شعلہ بن جائیں۔"

"تم خوفزدہ ہو ساہیہ؟" پتہ نہیں وہ کیا سوچ کر بولا تھا۔

ساہیہ کے پاس اس سوال کے لئے کوئی جواب نہیں تھا۔ جہاں وہ خاموش رہی تھی، وہیں اذہان بولا
تھا۔

"ساہیہ! میں یہی ڈر ختم کرنا چاہتا ہوں۔ اسی خوف کو مٹانا چاہتا ہوں۔"

"مگر میرے اندر کوئی ڈر نہیں ہے اذہان!" ساہیہ کے لبوں پر بہت دم توڑتا تبسم تھا۔ جیسے وہ اپنے اندر
بڑھنے والے انتشار پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"ایک بات پوچھوں اذہان؟"

"ہوں۔"

"کیا تم اب بھی اس سے محبت کرتے ہو؟" ساہیہ نے براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے
مدھم لہجے میں دریافت کیا تھا اور اذہان حسن بخاری ایک لمحے میں ساکت رہ گیا تھا۔ کوئی جواب نہیں تھا اس
کے پاس اس سوال کا۔ اور ساہیہ کو شاید اسی کی توقع تھی۔ اسی لئے وہ مسکرا دی تھی۔

"ایک مشورہ دوں اذہان! اپنے آپ کو کچھ وقت دو۔ اس دل کو کچھ وقت دو اور شاید اس محبت کو بھی۔
اس لمحے کا انتظار کرو جب محبت اپنی جڑیں تمہارے اندر سے نکال کر باہر کرے یا پھر اور پھیلا لے۔ شاید
ایسا مشورہ تمہیں کوئی اور نہ دے سکے۔ مگر میں دے رہی ہوں۔ کیونکہ میں سب سے پہلے تمہاری دوست
ہوں۔ اور اذہان! میں اس لمحے تمہاری آنکھوں کو پڑھ رہی ہوں۔ اس چہرے کو پڑھ رہی ہوں۔ مجھے کچھ
اور جاننے کی ضرورت نہیں ہے۔ زندگی صرف ایک بار جینے کے لئے ہے اذہان! اسے فضول کے سمجھوتوں
کی نذر مت کرو جن کو کر کے تم خوش نہ رہ سکو۔" ساہیہ بہت کچھ سمجھانا چاہ رہی تھی۔ مگر وہ مسکرا دیا تھا۔

"نہیں ساہیہ! اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے پاس اس راہ پر واپس جانے کے لئے کوئی لمحہ نہیں
ہے۔"

"تم ایسا اس لئے کر رہے ہو کہ تم اپنی فیملی کے لئے بہت زیادہ جذباتی ہو؟ ـــــ خود سے زیادہ ان
کے لئے سوچتے ہو؟" وہ فوری طور پر بولی تھی اور اذہان کچھ بول نہیں سکا تھا۔

"اذہان! سچ بتاؤ۔ کیا تمہارا دل اب بھی وہ خواب نہیں دیکھتا؟ نظریں اس چہرے کو دیکھنے کی ضد نہیں
کرتیں؟ ـــــ یا یہ سب جھوٹ ہے؟ تمہیں اب بھی کوئی جادوئی چھڑی ہاتھ لگے تو کیا تم اس زندگی کو
واپس موڑ کر وہیں سے شروع کرنا نہیں چاہو گے، پھر اسی موڑ سے ـــــ اسی مقام سے؟" ساہیہ اسے
حیران چھوڑ گئی تھی۔ اذہان کچھ بول نہیں سکا تھا اور وہ کہہ رہی تھی۔

"ازہان! کچھ وقت اور وہ محبت کو۔ خود کو ــــ اس حد تک کہ یا تو تم اسے بھول جاؤ یا اس دائرے سے باہر آ جاؤ یا پھر اس تک پہنچ جاؤ۔"

ازہان مسکرا دیا تھا پھر اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے بولا تھا۔

"تم غلط سمجھ رہی ہو ساہیہ! ــــ بالکل غلط۔ اگر میں نے کوئی فیصلہ لینا ہوتا تو لے چکا ہوتا۔ مجھے کرنا تھا میں کر چکا ہوں۔ تم اگر یہ سمجھ رہی ہو کہ میں اس رشتے کو نباہ نہیں پاؤں گا تو تمہارے یہ سارے قیاس بے بنیاد ہیں۔ میں نے تم سے بندھن باندھنے کا فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے اور اس کے لئے مزید کسی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔ ہماری انگیج منٹ اپنے وقت پر ہی ہو گی۔" ازہان حسن نے ایک لمحے میں فیصلہ لیا تھا اور پلٹ کر چلتا ہوا وہاں سے نکل گیا تھا۔

ساہیہ اپنے خدشات کے ساتھ وہاں کھڑی اس خالی خالی منظر کو دیکھتی رہ گئی تھی۔ پتہ نہیں وہ ٹھیک طور پر سمجھا بھی پا رہی تھی کہ نہیں یا وہ سمجھتے ہوئے نہیں سمجھ رہا تھا۔

وہ اپنے لئے نہیں، صرف اور صرف اس کے لئے پریشان تھی۔ مگر یہ بات وہ اسے کیسے جتاتی کہ وہ نقصان سہہ کر بھی صرف اس کا فائدہ چاہتی ہے۔

❄ ❄ ❄

ردائے زخم تازہ

اوڑھ کر میں بھی

سر شہر تمنا

طاق دل پر

اک دیا اپنے لہو سے

اور روشن کر رہا ہوں

سنا ہے غم گساری کا کوئی موسم

میری دہلیز تک بھی

آنے والا ہے

اسے نہیں امید تھی کہ وہ بچ جائے گی یا وہ اسے بچا لے گا ــــ مگر ایسا ہو چکا تھا۔ آنکھ کھلی تو دیکھا کہ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس پر جھکا ہوا تھا۔ اس کے چہرے کو ہاتھ میں لئے، مکمل توجہ سے دیکھ رہا تھا۔

"میرب! ــــ آر یو آل رائٹ؟" میرب کے دیکھنے پر اس نے یوں دریافت کیا تھا جیسے اسے بہت پرواہ ہو۔ کتنا بڑا اداکار تھا یہ شخص ــــ تاثرات بدلنا اس کے لئے مشکل نہ تھا۔ وہ کسی بھی سانچے میں ڈھل سکتا تھا۔ کوئی بھی روپ اختیار کر سکتا تھا۔ مگر اس کے باوجود وہ میرب سیال کے دل میں گھر نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ وہ اسے سمجھ گئی تھی۔ بارہا اعتبار کر کے دیکھ چکی تھی۔ اور اب ــــ شاید مزید اعتبار کی صورت نہ تھی۔ وہ اس کے باعث کوئی اور نقصان نہیں اٹھا سکتی تھی، اس لئے اٹھنا چاہا تھا مگر سر بری طرح چکرا یا تھا اور سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے اپنے بازوؤں میں تھام لیا تھا۔ بھیگے ہوئے اس موسم کے شعلوں نے چھو لیا تھا۔ وہ ایک لمحے میں واپس پیچھے ہٹی تھی مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے اپنی حصار سے آزاد نہیں کیا تھا۔

وہ ان ستمگر بازوؤں کے گھیرے میں تھی۔

دل کی دھڑکنوں کا ارتعاش کچھ بڑھا تھا۔

وہ ان جان کوئی جادو سا پھیلا تھا۔

کوئی ان جانا احساس۔

پتہ نہیں یہ جادو موسم کا تھا یا اس کے اندر ہی کوئی لہر اٹھی تھی۔

کوئی فسوں سا اس کے اندر دوڑتا بھاگتا محسوس ہوا تھا۔

نگاہ ایک پل میں گریزپائی برتنے پر مجبور ہوئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کمزور بچے کی سی مانند کانپتے وجود کو بغور دیکھا تھا۔ نگاہ گرمئ شوق لئے ہوئے تھی۔ بارش انہیں تیزی سے بھگو رہی تھی مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری کو جیسے احساس تک نہ تھا۔ وہ نرم انداز میں کانپ رہی تھی مگر وہ جیسے کسی بے خودی کے زیر اثر تھا۔

نہ کوئی دوسری بات سوچ رہا تھا نہ سمجھ رہا تھا ــــ شاید وہ کسی ایسے ہی احساس کے زیر خود کو محسوس کر رہا تھا۔ شاید کوئی جادو سا دبے پاؤں اس کے اندر بھی پھیل رہا تھا۔

شاید کوئی ان چھوا احساس اس کے دل کو بھی اپنے حصار میں لے رہا تھا۔ میرب سیال کی نگاہ اٹھ نہ پا رہی تھی کہ مقابل دیکھنے والی نگاہ میں تپش ہی اس قدر تھی۔ اس بھیگتے موسم کی خنکی بھی جیسے ایک لمحے میں بجھ گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کو بہت آہستگی سے چھوا تھا۔ شاید وہ ان ہرے لمحوں میں کوئی نئی کہانی لکھنا چاہ رہا تھا یا پھر کوئی نیا تجربہ کرنے کے درپے تھے۔ وہ اس بات سے شاید بے خبر تھا کہ مقابل کھڑی اس نازک سی لڑکی کی جان کس درجہ قیامت میں گھری ہوئی تھی۔ وہ مکمل طور بے خبر تھا شاید ــــ یا پھر جانتے بوجھتے ان فسوں خیز لمحوں کی رفاقت کو بڑھانے کے درپے تھے۔ وہ رکی جنبش نگاہ جیسے کچھ کہہ رہی تھی۔ خاموشی ہی جیسے بول رہی تھی۔ فضا میں عجب ایک آہنگ سا تھا۔ ہوا کا بھی پُر فسوں تھا۔

وصال موسم

تمہارے ابرو کے اک اک اشارے کا منتظر ہے

نظر اٹھاؤ

اور اپنے رستوں پہ کھلنے والے

گلاب دیکھو

ساعتوں سے کہو، خوشی

نگاہ اور آئینے کے مابین

سخن کا آغاز کر رہی ہے

ہوا سے پوچھو

وہ کس بدن کی مہک سے پیہم الجھ رہی ہے

سنو یہ موسم وصال کا ہے

سو اس کو یوں رائیگاں نہ جانو ——

کچھ تھا

اس فضا میں

ہوا میں ——

کوئی الوہی احساس

شاید نغمگی

یا پھر کوئی اسم

یا شاید نشہ

کچھ تھا —— کہ سارا منظر خواب نگر کا سا تھا

نگاہ کو جو بھی —— جہاں تک بھی دکھائی دے رہا تھا

حد نگاہ تک —— صرف جادو ہی جادو تھا

اس لمحے کے زیر شاید دل بھی تھے

صرف وہی نہیں

سردار سبکتگین حیدر لغاری بھی غالباً اسی ماحول کے تابع تھا۔ اس کی خود کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ ان نگاہوں کی تپش اپنے چہرے پر محسوس کر رہی تھی۔ ان نگاہوں کی وارفتگی وہ دیکھ نہیں رہی تھی۔ مگر سبکتگین حیدر لغاری نے بے خودی کے احساس سے چور اس کے چہرے پر اپنا چہرہ جھکایا تھا —— وہ لمحہ اس خواب سے جاگنے کا تھا۔ اس سارے طلسمی ماحول سے باہر آنے کا تھا۔ وہ ایک لمحے میں اپنے اس حصار کو توڑ کر باہر نکلی تھی اور اس کے ساتھ ہی وہ جادوئی لمحہ اپنے رنگین پر سمیٹ کر خواب سمت واپس لوٹ گیا تھا۔ الٹے قدموں واپس چلتے ہوئے اپنے عین سامنے کھڑے اس لمبے چوڑے دیکھا تھا جس کی گرم سانسوں کی تپش اب بھی وہ اپنے چہرے پر محسوس کر رہی تھی۔

جس کا لمس اس کے ارد گرد حصار بنا اب بھی لپٹا ہوا تھا۔

اور جو کھڑا اب بھی اس کی سمت اس ایک خاص تاثر سے متوجہ تھا۔

وہ یکدم پلٹی تھی اور بھاگتی ہوئی اس ماحول سے دور نکلنے لگی تھی۔

یہ دنیا اس کی نہیں تھی۔

خواب بھی اس کے نہیں تھے۔

یہ نگر اس کے لئے نہیں تھا۔

سب کچھ بے پناہ دلکش تھا۔

دلفریب تھا۔

مگر بیطا دھوکا تھا۔ صرف فریب ——

اور وہ بار بار یہ فریب کھانا نہیں چاہتی تھی۔

❁❁❁

خواب کچھ بکھرے ہوئے سے خواب ہیں

کچھ ادھوری خواہش

تشنہ لب آوارگی کے روز و شب

ایک قدموں سے تھکن لپٹی ہوئی

ایک گہری بے یقینی کے نقوش

جانے کب سے دو دلوں پر ثبت ہیں

رات ہے اور وسوسوں کی یورشیں

یہ اچانک

طاق پہ جلتے دیئے کو کیا ہوا

صبح ہونے میں تو خاصی دیر ہے

آئینے اور عکس میں دوری ہے، کیوں

روح پیاسی ہے ازل سے

درمیاں تاثیر کا اک دشت ہے

ناگہاں پھر ناگہاں ——

یہ وہی دستک، وہی آہٹ تو ہے

ہاں! مگر ان دوریوں، مجبوریوں کے درمیاں

کون آئے گا چلو پھر چلیں

شاید اس کو یاد آئے کوئی بھولی بسری بات

وہ دریچہ بند ہے تو کیا ہوا

چاند ہے اس بام پہ جاگا ہوا

عنفان علی خان سر جھکائے بہت چپ چاپ سا بیٹھا تھا جب لامعہ حق نے اس کے قریب آ کر رکتے ہوئے اس کے شانے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔

''کیا ہوا؟ —— بہت ڈسٹرب لگ رہے ہو؟''

عنفان علی خان نے بنا اس کی سمت دیکھے سر نفی میں ہلا دیا تھا اور لامعہ حق اس کی طرف دیکھتی ہوئی جانے کیوں مسکرا دی تھی۔

''یکطرفہ محبت بہت تکلیف دیتی ہے نا؟ ـــــ درد نا قابلِ برداشت ہوتا ہے نا؟ ـــــ تو پھر یہ جاری کیوں رہتا ہے؟ ـــــ ہم ایسا کرنا چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟''

اس کے قیاس پر عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

''محبت یکطرفہ ہو یا دو طرفہ ـــــ دونوں ہی طرح سے تکلیف دیتی ہے۔ اس کا ہونا بھی تڑپ اور نہ ہونا بھی کسک ـــــ یہ ہر طرح سے جلاتا، تڑپاتا احساس ہے۔ مگر ـــــ یہی راحت بھی ہے۔''

''ایک بات پوچھوں؟'' لامعہ حق نے بہت آہستگی سے دریافت کیا تھا۔ پھر اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر بولی تھی۔ ''اگر انابیہ کے ساتھ وہ صورت حال پیش نہ آتی تو کیا تب بھی تم اسے اپنی زندگی میں شامل کر لیتے؟ ـــــ یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ تم سے محبت نہیں کرتی؟''

لامعہ حق کا سوال بہت کڑوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں موجود کڑوی کسیلی اس کافی سے بھی زیادہ تلخ۔ اس میں حقائق موجود تھے۔ وہ حقائق جن سے شاید وہ خود بھی بھاگنا چاہتا تھا۔

انابیہ شاہ اس سے محبت نہیں کرتی تھی ـــــ کر بھی نہیں سکتی تھی۔ اس کی زندگی میں کوئی اور تھا۔ کوئی دوسرا ـــــ جس کی جگہ اس کے دل میں پہلے سے موجود تھی۔ جسے وہ پتہ نہیں کب سے چاہتی تھی۔ وہ ـــــ جانے وہ کیوں دیوانہ ہو گیا تھا۔

کیوں اسے دیکھتے ہی بے خود ہو گیا تھا۔

کچھ یاد ہی نہ رہا تھا۔

اور جب جاگا تھا ـــــ تو وہ نہ رہا تھا۔

اور تب کیا ہو سکتا تھا۔

اب بھی جو اس نے کیا تھا، وہ خود نہیں جانتا تھا اس نے کیوں کیا تھا۔ اس فیصلے کو لینے کی تمام تر ذمہ داری اس کے سر تھی۔ وہ اپنے خاندان کا اکلوتا بیٹا تھا اور اپنی زندگی کے اہم ترین فیصلے کے لیے اس نے صرف اپنی من مانی کی تھی ماما، پاپا نے یہ جان کر نہ ٹوکا تھا کہ شاید اس میں اس کی خوشی ہے۔ اور اس کی خوشی کہاں تھی؟

کیا وہ خوشی حاصل کر پایا تھا؟ ـــــ اس تعلق کو جوڑ کر ایک دن بھی سکون سے سو پایا تھا؟

اس نے بہت آہستگی سے سر نفی میں ہلایا تھا۔

''پتہ نہیں، شاید میں نے ایسا کبھی سوچا نہیں۔'' عفنان علی خان کا لہجہ ایسا مدھم تھا جیسے آواز کسی کھائی سے آ رہی ہو۔

''لامعہ! ایک بات پوچھوں؟''

''ہوں۔''

''کیا تم جانتی ہو وہ کون ہے؟'' نگاہوں میں عجیب ایک کرب سا تھا۔

''کون؟ ـــــ کس کی بات کر رہے ہو؟'' لامعہ چونکی تھی۔

''وہی، جس سے انابیہ محبت کرتی ہے۔'' جملہ میں شاید پھانس تھی جو حلق میں کہیں اٹک ہوا تھا۔ لامعہ حق نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''نہیں ـــــ ہمارے درمیان کبھی کوئی ایسی بات ڈسکس نہیں ہوئی۔ انابیہ نے مجھے غالباً کبھی نہیں بتایا یا کہ وہ کسی سے اس طور انوالو بھی ہے۔ حالانکہ میں اسے بچپن سے جانتی ہوں۔ اس کی زندگی کا کوئی گوشہ مجھ سے چھپا نہیں۔ مگر ہو سکتا ہے کہ یہ بات وہ مجھ سے ڈسکس کرنا مناسب نہ سمجھتی ہو ـــــ ہوتا ہے ایسا بھی ـــــ بعض اوقات بہت سی باتیں دوستوں میں بھی کھل نہیں پاتیں۔ اور محبت ـــــ شاید بڑی ایسا ہی نجی معاملہ ہے۔''

''تو تم بھی اسے نہیں جانتی ہو۔''

عفنان علی خان سر نفی میں ہلاتا ہوا درمیان میں نظر پھیر گیا تھا۔ عجیب منتشر سا انداز تھا۔ لامعہ حق اس کے انداز سے کچھ نہیں پا سکی تھی کہ وہ کیا چاہ رہا تھا ـــــ اگر اسے اس شخص کے متعلق علم ہو بھی جاتا تو وہ کیا کرتا۔ کیا اس کا جاننا ضروری تھا کہ وہ کون تھا؟

''تم یہ کیوں جاننا چاہتے ہو عفنان! کہ وہ کون ہے؟ ـــــ کیا اس کا ہونا اتنا ہی ضروری ہے تمہارے لیے؟''

''اوں ـــــ ہوں ـــــ میرے لیے نہیں ـــــ انابیہ شاہ کے لیے۔'' سر انکار میں ہلاتے ہوئے وضاحت دی تھی۔ ''وہ جو کوئی بھی ہے، اس کا ہونا یا نہ ہونا انابیہ کے لیے ضروری ہے۔''

''فرض کرو، تمہیں اس شخص کے متعلق پتہ چل جائے تو کیا تم انابیہ کا ہاتھ اسے سونپ دو گے؟'' لامعہ نے کریدا تھا۔ عفنان علی خان ہنس دیا تھا۔

''گولی مار دوں گا اسے۔ ہماری زندگی کوئی فلمی کہانی نہیں ہے لامعہ! جس میں لوگوں کی ہمدردیاں بٹورنے کو میں اپنی بیوی کا ہاتھ اس کے عاشق کے ہاتھ میں سونپ دوں گا۔'' مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلایا اور دوبارہ ہنس دیا تھا۔

''ایسا نہیں ہو سکتا ـــــ ایسا نہیں ہوتا۔ کیونکہ زندگی کوئی فلم نہیں ہے۔ ریئل لائف میں ریئل پرابلم ہے۔ مجھے تو یہ احساس بھی سونے نہیں دیتا کہ اس کے دل میں کوئی اور ہے اور وہ جن حالات سے بھی گزری، جس طرح بھی مجھ تک پہنچی، میرے لیے وہ قابلِ قبول ہے۔ مگر وہ کسی اور کو چاہتی ہے ـــــ تمنا کرتی ہے ـــــ یہ قبول نہیں کر پا رہا ہوں میں۔'' مدھم لہجے میں کانچ ٹوٹنے کی صدا تھی۔ سر جھکائے بولتا ہوا وہ اس لمحے بہت کمزور، پسپا اور شکست خوردہ لگ رہا تھا۔

''میں ہار چکا ہوں ـــــ مکمل طور پہ ہار چکا ہوں ـــــ میں تب بھی نہیں ہارا، جب وہ اچانک غائب ہو گئی ـــــ تب بھی نہیں ہارا جب وہ چوبیس گھنٹوں تک نہیں ملی ـــــ تب بھی نہیں ہارا جب اس کے زندگی سے خالی وجود کو اپنے ہاتھوں سے اٹھا کر ہاسپٹل کی طرف بھاگا تھا۔ میں تب بھی نہیں ہارا جب وہ اپنی زندگی ہار چکی تھی، اس کی سانسیں ختم چکی تھیں۔ جب میں دل ہی دل میں گڑگڑا کر اس کے دیوانہ وار زندگی کی دعا مانگ رہا تھا ـــــ میں تب بھی نہیں ہارا جب وہ مسلسل مجھے ریجیکٹ کرتی میری محبت کو نظر انداز کرتی رہی۔ میں تب بھی نہیں ہارا۔ مگر میں ہار گیا جب اس نے کہا کہ اس کے

دل میں کوئی اور ہے ــــــ اس کی ساری محبت کسی اور کے لئے ہے ــــــ میں ہار گیا، ایک دم
میرے اندر کی تمام توانائیاں ایک لمحے میں ختم ہو گئیں اور مجھے لگا میں اب کبھی نہیں لڑ سکوں گا۔
جانتی لیکن اس نے میرے جینے کا جواز ختم کر دیا ہے۔ مجھے ختم کر دیا ہے۔ میں دن رات سوچتا ہوں
ہے وہ شخص جسے وہ سوچتی ہے؟ ــــــ جانتی ہے ــــــ چاہتی ہے ــــــ کیا وہ اسے مجھ سے زیادہ
ہے؟ ــــــ کیا مجھ سے زیادہ اس کی فکر کرتا ہے؟! ــــــ کیا مجھ سے زیادہ پیار کرتا ہے؟ ــــــ
سوچتا ہوں اور کوئی جواب نہیں پاتا۔ شاید اس کا جواب میرے پاس نہیں ہے ــــــ اس کے پاس
مگر وہ مجھے بتاتی نہیں ہے۔ اور میں اس سے سننے کا منتظر ہوں۔ کیونکہ یہ ہار بہت عجیب ہے ــــــ
پسپا کر دیا ہے مجھے اس نے۔ مگر اب بھی کہیں اندر سے اک آواز مجھے آکساتی ہے اور میرا دل چاہتا ہے
میں چیخ کر کہوں کہ نہیں ــــــ میں ہارا نہیں ہوں ــــــ کیونکہ میں جی رہا ہوں ابھی۔ مگر میں جانتا ہوں
یہ جھوٹ ہے۔ اس نے مجھے مار دیا ہے۔ مگر وہ جانتی نہیں۔ تم اسے بتاؤ نا ــــــ سمجھاؤ اسے۔ کہو
کہ عفنان علی خان کا جینا اور اس کے بغیر جینا کوئی معنی نہیں رکھتا ہے ــــــ اور میں واقعی جی نہیں رہا
ہوں۔ شاید واقعی ہار چکا ہوں۔ مگر ماننا نہیں چاہتا۔

یہ ہار عجیب سی ہوتی ہے
میں ہارا ہوں
پر مانوں کیوں؟
یہ ہار عجیب سی ہوتی ہے
جیسے اندر ٹوٹے کچھ
میں ہارا ہوں پر مانوں کیوں؟
یہ ہار عجیب سی ہوتی ہے

یہ ہار واقعی بہت عجیب ہے لامعہ حق!" لبوں پر ایک دم ٹوٹتا تبسم تھا۔
محبت کیا واقعی اتنی عجیب اور انقلابی نوعیت کی ہوتی ہے؟ سدا کے زندگی سے بھرپور عفنان علی خان کو
دیکھتے ہوئے لامعہ حق سوچ رہی تھی۔ ایسا اور کیا تھا اس میں جس نے عفنان علی خان جیسے شخص کو
دبا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی لیکن اپنے طور پر کوئی جواب نہیں پا رہی تھی۔ شاید محبت ایسے ہی کسی خاص
ساکت لمحے میں وقوع پذیر ہوتی تھی۔ اتنی خاموشی سے کہ خود کو بھی خبر نہ ہو سکے۔ وہ خود بھی تو ایسا
زیر تھی۔ سامنے بیٹھا شخص اس لئے بھی حد درجہ اہم تھا ــــــ کیوں تھا؟ کس لئے تھا؟ کب سے
کچھ نہیں جانتی تھی۔ مگر اس کے بناء کچھ دشوار سا تھا۔ اور یہ بات وہ اسے بتانا نہیں چاہتی تھی۔ مگر وہ
شکست پر خود کو بھی اسی قدر شکست خوردہ محسوس کر رہی تھی۔ غالباً وہ اس کی وہ پسپائی، وہ تھکن
چاہتی تھی۔ تبھی ہاتھ بڑھا کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیا تھا۔
عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔
"تم رو کیوں رہی ہو؟ ــــــ کیا میری کہانی اتنی دردناک ہے؟!" پھر یک دم ہنس دیا تھا۔

یہ کہانیاں اتنی دردناک کیسے ہوتی ہیں؟ سوہنی مہینوال ــــــ ہیر رانجھا ــــــ اور میں بھی ــــــ
تم تو نہیں ہونا۔" ہاتھ بڑھا کر اس کے آنسو پونچھتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔
دیکھو، سب کام کرنا ــــــ بس محبت مت کرنا ــــــ اچھی دوست ہو میری، اس لئے بہت سچے کی
ح دے رہا ہوں ــــــ بہت اچھی ہو تم ــــــ میں نہیں چاہتا کہ تم بھی ایسے ہی کسی درد سے دوچار
ہو۔ درد جھیلنا آسان نہیں ہے ــــــ میں بہت برا ہوں ــــــ مجھے یاد ہے، ایک بار میں نے بھی تمہارا
بھایا تھا، تم سے اپنی انگیج منٹ ختم کر کے ــــــ مگر میں تمہیں تب بھی اس درد سے بچانا چاہتا تھا۔
اس درد سے بھی اور اس کے بعد آنے والے درد سے بھی ــــــ زندگی بہت مشکل ہو جاتی ہے لامعہ!
محبت نہ ملے۔ مگر تب زیادہ مشکل ہو جاتی ہے جب پتہ چلے کہ وہ آپ کا نہیں ہے جو آپ کے ساتھ
۔ جسے آپ اپنا سب کچھ جان رہے ہیں، آپ اس کے لئے کچھ نہیں ہیں ــــــ نوباڈی۔" مدھم لہجے
لہرا ہوا وہ اٹھا تھا اور پھر چلتا ہوا وہاں سے نکل گیا تھا۔
لامعہ کی آنکھیں اب بھی متواتر بھیگ رہی تھیں۔ وہ اس شخص کے دکھ میں رو رہی تھی جو کسی اور کی محبت
بیٹا تھا۔ وہ اس کے دکھ پر رو رہی تھی جو اس کے دردیلے سرے سے واقف ہی نہ تھا۔

❊❊❊

تمہاری یادوں کے نرم جھونکے
اداس شاموں کے زرد ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے
سفر سے لوٹے
تو میں نے دیکھا شکستہ گھر کا اُجاڑ آنگن
مہک اٹھا ہے
عذاب جاں کے جو سلسلے تھے، وہ ٹل گئے ہیں
ہوائے ہجراں سمٹ گئی ہے
وہ دن بدل چکے
تمہارے قدموں کی دھیمی دھیمی سی چاپ ابھری
تو میں یہ سمجھا وصال کی شبھ گھڑی
بس آیا ہی چاہتی ہے
مگر یہ وہم و گماں کی رت ہے
عجب نہیں کہ تمہارے لمس بدن کا نشہ
جو میری آنکھوں کی نیم خوابی سے کھیلتا ہے
سراب نکلے
اور اس سے گہرا عذاب نکلے
جو میں نے اب تک نہیں سہا ہے

میرب سیال نے اپنی زندگی کا لائحہ عمل یک دم ہی نئے طور پر مرتب کر لیا تھا اور وہ مصروفیات ترک کر دی تھیں جو اسے اس گھر میں انوالو رکھنے پر مجبور کرتے ہوئے مزید زک تھیں۔ اس نے اپنے طور پر نئی مصروفیات ڈھونڈ کر خود کو کچھ اس طرح مصروف کرنا چاہا تھا کہ ... سے کوئی سامنا ہو، نہ واسطہ باقی رہے۔ کچھ اور اس کے بس میں نہیں تھا۔ مگر اس کے بس میں تھا طور پر اقدامات کر سکتی تھی۔ سو کر لئے تھے۔ ابھی بھی وہ کیمپس سے لوٹنے کے بعد ایک انفارمیشن کو لیکٹ کر رہی تھی جب وہ چلتا ہوا اس کے سر پر آن کھڑا ہوا تھا۔ اور وہ جو ایک ... مصروف تھی اس لمحے میں سارا کونفیڈنس سر پر پاؤں رکھ کر بھاگتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ نظریں ... متوجہ ضرور ہوئی تھیں مگر وہ اس کی طرف زیادہ دیر دیکھ نہیں سکی تھی۔

جانے کیا تھا ——— کیا ہوا تھا اسے۔

کیا تھا اس شخص کی نظروں میں ——— کہ وہ پہلی سی رہی ہی نہیں تھی۔

کیا تھا اس لمحے میں کہ ——— اس کا سارا اعتماد ڈھیر ہو گیا تھا۔

وہ اس شخص سے کیوں کترانے لگی تھی۔!

نظر چرانے لگی تھی۔

راہ بدل کر گزرنے لگی تھی۔

کوئی نہ سمجھ میں آنے والا معمہ تھا۔

وہ نظریں جھکائے، عجیب کنفیوزڈ انداز میں ہونق سی بیٹھی تھی۔ ٹیبل پر رکھے اس کے ہاتھ پر سبکتگین حیدر لغاری نے اپنا ہاتھ دھرا تھا اور اس کی جان ایک پل میں مشکلوں سے دوچار کر دی ... اٹھا کر اس شخص کی سمت دیکھ نہ سکی تھی۔ فرار کی متلاشی نگاہ ادھر ادھر بھٹک رہی تھی جب سردار ... لغاری نے ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کو تھاما اور اس کے چہرے کو قدرے اوپر اٹھا کر اپنی ... متوجہ کرتے ہوئے بھرپور دلچسپی سے دیکھا تھا اور مسکرا دیا تھا۔

"یہ نگاہ اتنی گریزاں سی کیوں ہے؟ ——— محبت ہو گئی ہے کیا؟" وہ اس کی کیفیت سے بھرپور لطف لے رہا تھا۔

"یہ جھکی جھکی سی پلکیں ——— یہ انداز بے نیازی ——— یہ چہرے کا تغیر ——— نگاہ کا اٹھ جانا ——— دیکھتے ہوئے بھی نہ دیکھنا اور نہ دیکھتے ہوئے بھی برابر خبر رکھنا ——— یہ سارے ... والے ہی ہیں۔ کہیں دل تو نہیں ہار گئیں؟" کتنی دلچسپی سے سردار سبکتگین حیدر لغاری کی نگاہیں ... کے چہرے کو سطر سطر پڑھ رہی تھیں اور وہ حیران رہ گئی تھی۔ نظر اٹھا کر اپنے بے حد قریب کھڑے ... دیکھا تھا جو شاید محبت جیسے لفظ کے پیچھے بھی ٹھیک طرح سے نہ جانتا تھا۔ اور کیسے کیسے انکشافات ...

"محبت ہو گئی ہے نا؟ ——— مجھ سے محبت۔ دریاؤں، سمندروں سے بھی گہری، بہت ... تمہارا دل وہ گہرے سبز سمندر کی تہہ میں چھپا ہوا سیپ تھا نا جو بارشوں سے واقف تھا نہ موسموں سے، نہ لطف بہار کا تجربہ رہا نہ خزاؤں سے واسطہ۔ تو پھر اس سیپ میں گہر کیسے بنا سوئی؟ ...

... کب سے یہ راز دل میں دبائے بیٹھی ہو؟ ——— کب سے بادلوں سے بوندیں سمیٹ رہی ہو اور ہواؤں ... کو خبر تک نہیں ہونے دے رہیں۔ مگر ایک بات کہوں۔" مدھم سرگوشی میں عجیب جنوں خیزی تھی۔ نگاہ میں ... ارتگی سی تھی۔

"تمہارے بنا کہے بھی میری نگاہ وہ بھید پا گئی ہے ——— تمہارے دل کی دھڑکنوں نے جو راز اپنے ... زرد بار رکھے تھے وہ گہرے راز میرے دل تک پہنچ گئے ہیں۔ تمہاری ان کہی کے بھید میں پا رہا ہوں۔ ان ... بہوں کو پڑھ رہا ہوں ——— تمہاری ان قربتوں کی مہک بھی بتا رہی ہے کہ تمہیں محبت ہو چکی ہے۔ بہت ... اوک ہو تم ——— نظر بچا کے گزرنے لگی ہو، راہ بدلنے لگی ہو۔ مگر فضاؤں میں پھیلتے اس احساس کو چھپا ... نہیں روک سکیں۔ چھپا تیں بھی کیسے؟ ——— خوشبو ہی تھی۔ پھیلنا تھی، ہر سو پھیل گئی ——— میرے دل ... پہنچنا تھی، سو پہنچ گئی۔" اس کا مدھم لہجہ فضاؤں میں بھی الاؤ دہکا سکتا تھا۔ توجہ قابل دید تھی۔ دعوے بلا ... کے تھے۔

مگر میرب سیال کی منزل یہ نہیں تھی، وہ جانتی تھی۔ تمام تر دھڑکنوں پر قابو پاتے ہوئے وہ چیئر کھینچ کر ... اٹھی تھی۔ ارادہ وہاں سے فرار کا تھا۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری اسے زچ کرنے کا کوئی لمحہ ہاتھ سے ... نے نہیں دینا چاہتا تھا۔ وہ شاطر تھا۔ جانتا تھا کون سا لمحہ وار کا ہے، کون سا لمحہ پسپائی دے سکتا ہے اور ... کون سا لمحہ فاتح بنا سکتا ہے۔ میرب سیال کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھا اور ایک مدھم سرگوشی اس کے گرد ... بے چپکے اپنا حصار باندھ رہی تھی۔

"شکست خوردہ ہو، پسپا ہو، دل اختیار سے باہر ہو رہا ہے، بٹنے کے لئے تیار ہوں۔" اس لہجے میں ... پورا یقین تھا۔

"کیونکہ میرے بنا دل نہیں لگ رہا ——— دھڑکنوں میں ہلچل ہے۔ کوئی خاص بات ہے، تم کہہ دو ... آنکھیں بند کر کے یقین کر لوں گا۔ کیا کروں، اعتبار کے سوا کوئی چارہ جو نہیں۔ تم نے عجب اک حصار ... بنایا ہے۔ فرار کی کوئی راہ چھوڑی ہی نہیں ——— آج اگر تم جو مشکلوں میں گھری قیامتوں کے زیر کھڑی ... تصور کس کا ہے؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت اس کا چہرہ نہ تھا اور وہ صد شکر کرتی ہوئی آنکھیں ... گئی تھی۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری کو اسے مشکلات میں گھیر ڈالنا اچھا لگتا تھا۔ تبھی وہ چلتا ہوا اس کے ... سامنے آن رکا تھا۔ نگاہ کی دیوانگی قابل دید تھی۔ وہ میرب سیال کو اس طرح پر شوق انداز میں دیکھ رہا تھا ... آج سے قبل کبھی نہ دیکھا ہو۔

"اس دل کا نا ——— ؟" بغور اسے دیکھتے ہوئے شہادت کی انگلی اس کے دل پر رکھی تھی۔ میرب سیال ... کی نگاہ اٹھا کر اس کی سمت تکنے لگی تھی۔

"یہی دل ہے نا ——— جو اب تمہارا نہیں رہا۔ پریشان ہو کہ پرایا ہو گیا۔" مسکراتے ہوئے پتہ نہیں ... اس نے سرگوشی میں ہلایا تھا اور پھر یکدم ہنس دیا تھا۔ میرب سیال اس شخص کی بدلتی کیفیات کی عادی ... مگر اس لمحے وہ اس سے اس قدر قطعاً ایکسپیکٹ نہیں کر رہی تھی۔ تبھی بہت حیرت سے اسے دیکھنے لگی ... اور تو وہ اس کی عقل پر ماتم کر رہا تھا۔ اس کا مذاق اڑا رہا تھا۔ اس کے جذبات و احساسات کو

ٹھوکروں میں رکھ رہا تھا۔ مٹی میں رول رہا تھا، تو ٹھیک سوچا اس نے۔ اگر وہ یا اس کا دل ... ہوتا یقیناً اس کے ساتھ کچھ ایسا ہی سلوک کرتا۔ وہ اس کج ادا سے واقف تھی۔ بھرپور انداز میں جانتی تھی۔ تبھی اس لمحے اپنا ہاتھ ایک جھٹکے سے اس کے ہاتھ سے چھڑا لیا تھا۔

"تمہیں خوش فہمیوں میں جینے کی عادت ہو چلی ہے سردار سبکتگین حیدر لغاری! ــــــ اگر تم احمقوں کی جنت میں خوشی خوشی رہنا چاہتے ہو تو شوق سے رہو کیونکہ نہ تو میرا تمہیں بیدار کرنے کا ارادہ ہے نہ ہی حقیقت حال سے آگاہ کرنے کی کوئی کوشش میں کرنے والی ہوں۔" وہ کسی قدر کھردرے لہجے میں بولی تھی۔

انداز تھا کہ وہ اس خواب سے بیدار ہو جائے گا اور اس کی آنکھیں کھل جائیں گی۔ مگر یہ کیا، وہ شخص تو ہنس پڑا تھا۔

"تو سو رہا ہوں میں، وہ بھی احمقوں کی جنت میں۔" متاثر ہوئے بغیر نہیں رہا تھا۔ "انداز ستائش کا انداز خوب تھا۔" "تو خواب ہی دکھا دو کوئی۔" ایک خاص پیشکش ہوئی تھی۔ "دیوانہ ہوا دیوانہ بنا دو ــــــ کچھ اور پاگل کر دو۔ کیا حرج ہے اگر کچھ لمحے اور عالم مدہوشی میں بسر ہو جائیں۔ خیزی کی حدوں کو چھونے کی سعی تو کی جا سکتی ہے۔ ضروری تو نہیں کہ ساجد کے پہلی ہی بار کے جذبے کو پا لیں۔ ریاضتوں کو عمریں بھی تو درکار ہوتی ہیں۔ اگر بے صبری کا یہی عالم ہے تو ریاضتوں کے جانے کا احتمال جینے نہیں دے گا۔ کیونکہ یہ نقصان فقط دل کا ہی نہیں جاں کا بھی ہوگا۔ سو اتنا بے رحم نہ رائیگاں جانو ــــــ کہ سو رہا ہوں تو سونے دو۔ اسی طور جینے دو۔" اس شخص کے لبوں پر تبسم مسکراہٹ اور اس کی آنکھوں سے ہویدا چمک کوئی پیغام لئے ہوئی تھی۔ مگر میرب سیال نے نہ سننے کی ٹھان لی تھی۔

"سردار سبکتگین حیدر لغاری! بہت شاطر شخص ہو تم۔ تمہیں دور چھوڑ کر دھکیل دینا بھی آتا ہے اور دور کھینچنا بھی۔ تم ہزار ہا طریقوں سے واقف ہو ــــــ ہزار روپ ہیں تمہارے۔ کبھی سمجھ میں آتے ہو، بالکل نہیں آتے۔ مگر ایک بات صاف میری سمجھ میں آتی ہے۔"

"کیا؟" وہ مسکراتے ہوئے یک دم اس کی بات کاٹ کر براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اس کی جان مشکل میں ڈال گیا تھا۔

"یہ کہ تمہیں مجھ سے محبت ہو گئی ہے۔" وہ پھر اسم گری آزما رہا تھا۔ اپنے ڈھنگ دکھا رہا تھا۔ میرب سیال اس کی سمت سے نگاہ پھیر گئی تھی۔

"تم صرف دھوکا ہو سردار سبکتگین حیدر لغاری! اور یہ بات میں بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔ تم کانٹے کی طرح چبھن دینا جانتے ہو۔ اور مجھے زخم زخم ہونے کا کوئی شوق نہیں ہے۔"

"اوں ہوں ــــــ" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کا چہرہ ہاتھ بڑھا کر اپنی طرف کرتے ہوئے سر انکار سے ہلایا تھا۔

"میں اتنا برا نہیں ہوں۔ تمہارے قیاس بہت منفی انداز کے ہیں۔ بالکل تمہاری طرح ... کبھی آزمانا چاہو تو آزما لینا ــــــ مجھ سے بہتر سولس اور مجلے میں زخموں پر مرہم رکھنا بھی جانتا ہوں۔ کبھی آزمانا چاہو تو آزما لینا ــــــ مجھ سے بہتر سولس اور دلدار نہیں پاؤ گی۔" وہ بدستور مسکراتے ہوئے اس کے حوصلے آزما رہا تھا۔ میرب سیال نے اس سے الجھنا سبب نہیں جانا تھا۔ اس لئے اس چہرے پر سے اپنی مزید توجہ ہٹا کر پلٹی تھی اور کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری جانے کیوں مسکرا دیا تھا۔ شاید اس کا پلڑا اس بار بھی بھاری رہا تھا اور اب کا فاتح پھر بھی تھا۔ کسی کو شکست خوردہ دیکھنے کا لطف حد سے سوا تھا۔ وہ واقعی مسرور دکھائی دے رہا تھا۔

❊❊❊

تمہاری یاد کے جگنو
پسِ شام خزاں
پھر جگمگا اٹھے
دردِ دل پر چراغ کے جلنے سے کچھ پہلے
گزشتہ پہر کے
کچھ بھولے بسرے وعدہ و پیماں
تمہارے لمس کی پرچھائیاں اوڑھے
طواف دل کو آ نکلے
خیال و خواب کے درپن میں جھلکیں
تمہاری خواب ناک آنکھیں
تمہاری حشر ساماں مسکراہٹ
اور تمہارے قرب کی خوشبو
وہ اس خوشبو میں لوریتا ہوا
اک ادھورے وصل کا امکان
مگر میں تو بہت مدت سے
ایک رنج ساماں اور لہو روتی ہوئی
تنہائی کی زد پر
کتاب زیست کے سب منتشر اوراق جاں کو
اک نئی ترتیب دینے میں مگن تھا
کہ ایسے میں
تمہاری یاد کے جگنو
پسِ شام خزاں
پھر جگمگا اٹھے!

بعض چیزیں، بعض باتیں، بعض یادیں نہ کبھی زندگی سے خارج ہو پاتی ہیں نہ ہی دماغ پر۔۔۔ چیزوں کے لیے کس کس خانے میں کوئی "ٹریش" بھی موجود ہیں جن میں دانستہ انہیں ڈال دیا جا۔۔۔ باقی ماندہ جگہ نہ گھیریں۔

اذہان حسن بخاری نے تجزیہ کیا تھا تو ہر شے کو اسی مقام پر پایا تھا۔

سامیہ نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ وہ اب کہیں بھی اس کے اندر تھی۔

مگر وہ غلط تھی۔

کہیں نہیں ــــــ وہ ہر جگہ تھی۔ وہ وقت دے بھی لیتا خود کو تو شاید وہ اس کے اندر سے با۔۔۔ اس کی یادوں کے، باتوں کے رنگ بہت گہرے تھے۔ اس کے سبھی نقش بہت گہرے تھے ــــــ ا۔۔۔ بعد بار ہا بارشیں بری تھیں۔ کئی لمحے دبے پاؤں سر کے تھے مگر وہ معدوم نہیں ہوئی تھی۔

اور شاید ایسا ہو بھی نہیں سکتا تھا ــــــ اپنے اندر جھانکنے کے بعد اسے ایک بار پھر سب ہا۔۔۔ دکھائی دیا تھا۔ غالباً اب تک وہ بہت بڑا "پری ٹنڈر" رہا تھا۔ اپنے طور پر اخذ کرتا رہا تھا کہ "صورتِ۔۔۔ اختیار میں ہے۔ مگر ایسا نہیں تھا۔

وہ سامیہ کی طرف بڑھ رہا تھا ــــــ اسے تھامنے کو ہاتھ بڑھا رہا تھا اور اس کے لیے اس۔۔۔ کہیں جگہ ہی نہیں تھی۔ تو پھر کیوں تھی یہ جہت مسلسل۔

گر وہ بھول نہیں سکتا تھا تو پھر کیوں تھی یہ زندگی بھی؟ ــــــ جب وہ نہیں تھی، شب رائیگاں۔۔۔ سب رائیگاں ہی تھا تو پھر یہ مسلسل ہاتھ پیر مارنا کیا معنی رکھتا تھا۔

وہ کیا چاہتا تھا؟ شاید وہ خود بھی نہیں جانتا تھا ــــــ محبت نے اسے جس مقام پر چھوڑا تھا وہ۔۔۔ تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا اور وہ اب تک اسی تاریکی میں کھڑا تھا۔ نہ اس کے اندر روشنی تھی نہ کوئی۔۔۔ رمق۔ اس نے خود کو غور سے کبھی دیکھا نہیں تھا۔ مگر شاید وہ پتھر کا ہو چکا تھا۔ اس مقام سے آگے۔۔۔ کیسے بڑھتا؟

سب بہلاوے تھے ــــــ دھوکا تھا ــــــ فریب تھا ــــــ جو وہ اب تک خود کو دیتا آیا تھا۔۔۔ اسے خود سے بھی زیادہ ضرورت دوسروں کو یہ بتانے کی تھی کہ وہ جی رہا ہے۔ شاید ضرورت دوسروں کو۔۔۔ جتانے کی تھی کہ وہ جی سکتا ہے اور اسی کوشش میں وہ مزید ٹکڑوں میں بٹ رہا تھا۔

وہ بہت دیر سے کسی غیر مرئی نقطے کو دیکھ رہا تھا جب اس کے پیچھے آہٹ سی ہوئی تھی۔ پلٹ۔۔۔ تھا۔ سامیہ اس کے قریب کھڑی تھی۔ وہ چونکا نہیں تھا اور سامیہ مسکرا دی تھی۔

"مجھے لگا تمہیں میری ضرورت ہوگی ــــــ سو چلی آئی۔"

اذہان حسن بخاری ان تمام لمحوں سے واپس باہر آتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

"ایسا تمہارے دل نے کہا؟"

"اوں ــــــ ہاں۔" سامیہ ہنس پڑی تھی۔ "ویسے مزے کی بات بتاؤں ــــــ میرا دل اکثر۔۔۔ سگنلز ہی دیتا ہے۔ اکثر پتہ نہیں چلتا کہ یہ چاہتا کیا ہے اور کیوں چاہتا ہے۔ خیر تم بتاؤ۔" وہ کھل۔۔۔

دوستانہ انداز میں چھیڑتی ہوئی مسکرا رہی تھی اور اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

"شاید۔" اذہان نے مسکراتے ہوئے شانے اچکا دیے تھے۔ "اگر جھاڑ پر چڑھانے والی خوبصورت لڑکی نہ ہوتیں۔" جواب خلافِ توقع تھا سامیہ بے ساختہ ہنسی تھی۔

"تم ہاکی اور باسکٹ بال ایک ساتھ کھیل رہے ہو۔" اطلاع دی تھی۔

"اچھا ابھی میں کہہ رہا تھا کہ گول ہونے میں اتنی دیر کیوں لگ رہی ہے۔" وہ چونکتا ہوا حیرت سے بھرپور ایکٹنگ کرتا ہوا مسکرایا تھا۔ سامیہ نے اس کے شانے پر اپنے نازک سے ہاتھ کا مکا دے مارا تھا۔

"سدا کے فراڈ ہو تم ــــــ کھیلنا تمہیں بالکل بھی نہیں آتا۔"

"ہاں ــــــ شاید بھی ہار رہا ہوں۔" اذہان کے لبوں پر ایک پھیکی مسکراہٹ نے دم توڑا تھا۔ سامیہ مسکرا دی تھی۔ پھر حوصلہ بندھاتی ہوئی بولی تھی۔

"تم جیت بھی سکتے ہو ــــــ اگر تم یہ تعین کر لو کہ تمہیں درحقیقت کھیلنا کیا ہے۔ ہاکی یا پھر باسکٹ بال؟" لہجے میں شگفتگی ناپید تھی مگر وہ اس کے باوجود کھلکھلا کر ہنسی تھی۔ "تمہیں یاد ہے تم جب چھوٹے تھے تو باسکٹ بال کے کتنے برے کھلاڑی تھے۔ تمہیں کھیلنا تب بھی بالکل نہیں آتا تھا۔ یاد ہے نفیس چاچو اکثر تمہیں بال ہاتھ میں تھما کر بازوؤں میں اٹھا کر گول کروانے کے لیے اور دوسرے معنوں میں تمہارا دل خوش کرنے کے لیے بال باسکٹ میں ڈلوایا کرتے تھے۔" سامیہ نے یاد دلایا تھا اور اذہان نے ایک گہرا کش لیتے ہوئے سر جھکا کر اثبات میں ہلا دیا تھا۔ ساتھ ہی مسکرا دیا تھا۔

"ہاں ــــــ مجھے تب بھی کھیلنا نہیں آتا تھا۔" کھلے دل سے تسلیم کیا تھا۔

"اور تمہیں اب بھی کھیلنا نہیں آتا۔" سامیہ نے مسکراتے ہوئے بھرپور تجزیہ کیا تھا۔

"ہاں ــــــ اب بھی نہیں آتا۔" اذہان حسن بخاری نے ایک بار پھر کھلے دل سے تسلیم کیا تھا۔

"سو ہارنے کا یہ سلسلہ کب تک جاری رکھو گے؟" سامیہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ اذہان چند ثانیوں تک یوں ہی اس کی سمت خاموشی سے دیکھتا رہا ــــــ پھر مسکرا دیا تھا۔

"ہو از آسکنگ؟ مائی فرینڈ، اور فیانسی؟"

"فرینڈ ــــــ جسٹ فرینڈ۔" سامیہ نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے کہا تھا۔

"تم پھر باسکٹ بال اور ہاکی ایک ساتھ کھیلنے کی کوشش کر رہے ہو۔" سامیہ جتاتی ہوئی کھلکھلا کر ہنسی تھی۔ اذہان بھی ہنس دیا تھا۔

"ہاں شاید۔" پھر قدرے توقف سے پوچھا تھا۔ "تمہیں کیسے خبر ہوئی کہ اس وقت میں تنہا ہوں اور مجھے کسی اچھے دوست کی ضرورت ہے؟"

"سچ کہوں؟" سامیہ نے اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔ "میرے دل نے ــــــ اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ میرا دل کبھی غلط سگنلز نہیں دیتا۔" ایک پھیکی سی مسکراہٹ اس لمحے سامیہ کے لبوں پر تھی اور اذہان حسن بخاری اس کی جانب سے نگاہ پھیر گیا تھا۔

"اذہان!" سامیہ نے اس ساکت ماحول میں بہت آہستگی سے پتھر پھینکا تھا۔

"ہوں۔"

"اگر تمہیں اختیار دیا جائے تو تم اپنی زندگی کو کس رخ پر موڑنا چاہو گے؟۔۔۔۔۔ آگے کی طرف یا پیچھے کی طرف؟" پتہ نہیں کیا جاننے کی خواہش میں وہ بولی تھی۔

اذہان مسکرا دیا تھا۔

"مجھے احمقوں کی جنت میں رہنے کا کوئی خاص تجربہ نہیں۔ ورنہ اس سوال کا جواب بہت پرُ بتاتا۔" اس نے یکسر مذاق میں ٹالا تھا۔ وہ اس لمحے کوئی ثقیل بات افورڈ نہیں کرسکتا تھا۔ اور ساہیہ غالباً اس کی ہر بات کہنے سے قبل جان جاتی تھی۔ تبھی مسکرا دی تھی۔

"ساہیہ! چلیں؟" اذہان نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

"کہاں؟" وہ چونکی تھی۔

"آئس کریم کھانے۔ کیوں، تمہارا موڈ نہیں ہے؟" اس کی حیرت بھری آنکھوں میں جھانکا تھا۔ اگرچہ اس کا موڈ نہیں تھا مگر وہ مسکراتے ہوئے اس کے ساتھ چل پڑی تھی۔ پتہ نہیں وہ ٹھیک کر رہی تھی یا غلط۔۔۔۔ نہیں جانتی تھی وہ۔ مگر اس کی دلجوئی کی ضرورت اس وقت ایک دوست کو تھی۔ اور وہ ہاتھ کھینچ سکتی تھی۔

ایسا اس کے لیے ممکن بھی نہیں تھا۔

***

مائی اماں کا فون تھا۔ مگر وہ بہت محتاط انداز میں بات کر رہی تھی۔ غالباً مائی اماں سردار سبکتگین لغاری کے اس آنے والے "مہمان" سے آگاہ تھیں۔ اس نے اپنے طور پر کوئی تذکرہ نہیں چھیڑا تھا۔ معمول کے انداز کی بات کی تھی۔ مائی اماں حسب معمول اسے اپنا خیال رکھنے کی تاکید کر رہی تھیں اور اس نے اثبات میں ہلاتے ہوئے فون رکھ دیا تھا۔ چلتی ہوئی لاؤنج میں آ بیٹھی تھی۔ انداز اتنا کھویا کھویا تھا کہ گی کے وہاں آنے اور اپنے قریب بیٹھنے کا احساس تک نہ ہوا تھا۔ جب دھیان پڑا تھا تو گی اس کی طرف دوستانہ انداز میں دیکھتی ہوئی مسکرا رہی تھی۔ میرب سیال کو اس کے ساتھ تعلقات کی نوعیت معلوم نہ تھی۔ اس بات کا اندازہ بھی نہیں کر سکی تھی کہ اس کے ساتھ اس کے تعلقات کی نہج کیا ہونا چاہئے۔ شاید اس وہ کسی مروت کا مظاہرہ تک نہ کر سکی تھی۔

"مائی اماں کا فون تھا؟" گی نے شاید کوئی موضوع گفتگو ڈھونڈا تھا۔ مگر میرب کو اس کا انداز جانے کیوں کسی بھرپور تفتیش کا سا لگا تھا۔

"ہاں۔۔۔۔ تم مائی اماں کے متعلق جانتی ہو؟" میرب نے شستہ انگریزی میں دریافت کرتے ہوئے اسے کسی قدر حیرت سے دیکھا تھا۔

گی مسکرا دی تھی۔

"ہاں۔۔۔۔ گین نے سب کے متعلق بتا رکھا ہے۔"

"سب کے متعلق؟" حیرت قابلِ دید تھی۔

"ہوں۔" گی نرمی سے مسکرائی تھی۔ میرب مکمل طور پر امپریسڈ دکھائی دی تھی۔ یعنی وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے اس درجہ قریب تھی کہ۔۔۔۔

"مگر تم غالباً میرے متعلق نہیں جانتی تھیں۔ ایسا تم نے خود کہا تھا۔" میرب نے کھردرے لہجے میں مسکرا کر جیسے کوئی گہرا طنز کیا تھا۔ گی لب بھینچ کر رہ گئی تھی۔ پھر قدرے توقف سے بولی۔

"ہاں۔ میں واقعی نہیں جانتی تھی۔ مگر اس میں بھی قصور میرا نہ تھا شاید۔ نہ میں کوئی قیاس کر پائی۔ کبھی کوئی اندازہ اور۔۔۔۔۔"

"رشتہ اپنے اصل خدوخال میں نہ تھا نا؟" میرب نے تیزی سے اس کی بات کاٹی تھی۔ گی نے اسے دیکھا تھا۔ اس کے لبوں پر بہت پھیکی سی مسکراہٹ تھی۔ شاید اس کی آنکھوں میں نمی بھی آن ٹھہری تھی۔ گی کو "صورت حال" کا کسی طور اندازہ ہوا تھا۔ گی بہت ملائمت سے مسکرائی تھی۔

"تم گین سے محبت کرتی ہو؟" کیسا عجب سوال تھا۔ ایک دوسری لڑکی اس کے رشتے کی وضاحت چاہ رہی تھی جو اس کے وابستہ رشتے سے کوئی تعلق نہیں رکھتی تھی۔ مگر شاید بہت خاص تعلق رکھتی تھی۔

میرب نے سرد مہری سے گردن پھیرتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"نہیں۔۔۔۔ میں گین سے محبت نہیں کرتی۔ میں صرف اس سے وابستہ ہوں۔ کب تک، کتنے دنوں تک؟۔۔۔۔ یہ نہیں جانتی۔ مگر اس رشتے کی معیاد کا تعین نہ ہوتے ہوئے بھی اتنا یقین ہے کہ اس کی عمر فقط چند روزہ ہے۔ کیونکہ ریت پر بنے گھر ناپائیدار ہوتے ہیں۔ اور ہمارے رشتے کی بنیاد بھی بہت گہری نہیں پڑی۔" بہت سرسری انداز میں مطلع کرتے ہوئے میرب سیال یوں مسکرا رہی تھی جیسے کوئی معمول کی بات ہو رہی ہو۔ گی کو اس کے انداز پر کسی قدر حیرت ہوئی تھی۔ یا تو اس کا حوصلہ بہت زیادہ تھا۔ یا پھر وہ واقعی ایک باہمت لڑکی تھی۔

"تم گین سے اس درجہ بدگمان ہو؟"

"بدگمان؟" وہ حیرت سے چونکی تھی۔ پھر مسکرا دی تھی۔ "بدگمان نہیں ہوں میں۔ بدگمانی تو غالباً وہاں ہوتی ہے نا جہاں کوئی تعلق اپنے اصل خدوخال کے ساتھ وقوع پذیر ہو رہا ہو۔ اور ہمارے درمیان رشتے کی تو کوئی حیثیت ہے نہ ہی کوئی وقعت۔ تمہیں پریشانی کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ میرب سیال یقیناً تمہارے لئے کوئی خطرہ نہیں ہے۔" مسکراتے ہوئے یقین دہانی کروائی تھی۔ گی فوری طور پر کچھ بولی نہیں تھی۔ خاموشی سے دیکھتی ہوئی نگاہ پھیر گئی تھی۔ شاید وہ کسی قدر شرمندہ ہو گئی تھی۔ مگر میرب اس درجہ لاتعلق تھی کہ وہ اس طرح کی کسی بات کا اندازہ کرنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ خود جن حالات سے گزر رہی تھی اس کے ہوتے ہوئے وہ دوسروں کے احساسات کا خیال کرنا بھول رہی تھی۔ یا پھر اسے رشتوں کو برتنا اب آ رہا تھا۔ وہ ڈھنگ سیکھ رہی تھی، کس تعلق کو کس نہج پر رکھنا چاہئے، آ گیا تھا اسے۔ اور گی کے ساتھ غالباً اس کا رویہ اسی طرح ہونا چاہئے تھا۔

وہ اس سے حسد محسوس نہیں کر رہی تھی، نہ ہی کوئی خوف۔۔۔۔ حالانکہ وہ اس شخص کے انتہائی قریب واقع ہوئی تھی۔

"میں یہاں قیام نہیں کرنا چاہتی تھی۔ مگر گین ـــــ وہ مانا ہی نہیں۔" گی پتہ نہیں کیوں اسے
وضاحت دے رہی تھی۔ حالانکہ میرب نے تو ایسا کوئی سوال دریافت بھی نہیں کیا تھا۔ شاید اسی لئے
لیے مسکرادی تھی۔

"اگر گین ایسا چاہتا ہے تو کچھ سوچ کر ہی چاہتا ہوگا۔ اس کے فیصلے اکثر بہت مختلف ہوتے
وہ جانتا ہے اسے کیا کرنا ہے ـــــ شاید اسی لئے وہ نقصان نہیں اٹھاتا۔" میرب نے اس کے گی
ایک ساتھ اس کے سامنے پیش کر دیئے تھے اور گی جانے کیوں مسکرادی تھی۔

"تم گین سے بہت ناراض لگتی ہو۔"

"ناراض؟ ـــــ نہیں، تم پھر غلط سمجھ رہی ہو۔ ہمارے درمیان ایسا کوئی تعلق نہیں کہ ہم
دوسرے سے ناراض ہوسکیں۔"

"مگر گین تو کہہ رہا تھا کہ تم دونوں قانونی طور پر ہزبینڈ وائف ہو۔ اگرچہ عملاً تمہاری آمد ان کی
نہیں ہوئی۔ مگر تم حق تو محفوظ رکھتی ہونا۔" گی جانے اسے کیا جتانا چاہتی تھی۔ یا پھر وہ اس سے انداز
کے باعث کسی قدر خوفزدہ تھی۔

میرب کسی نتیجے پر پہنچتی ہوئی اس کی جانب متوجہ ہوئی تھی۔

"تو تم مجھ سے خوف زدہ ہو۔" بہت اطمینان بھری مسکراہٹ اس کے لبوں پر تھی۔

مگر گی ہنس دی تھی۔

"نہیں ـــــ شاید نہیں ـــــ بالکل بھی نہیں۔" ایک لمحے میں گی کی مسکراہٹ اس کا منہ چڑا
تھی اور اس کا سارا بھرم ایک لمحے میں جاتا رہا تھا۔ بھلا اسے خوفزدہ ہونے کی ضرورت کیا تھی؟
سبکتگین حیدر لغاری جب اس کے ساتھ تھا۔ غالباً خوفزدہ ہونے کی ضرورت تو اسے تھی اور وہ......

وہ ایک دم اٹھی تھی اور چلتی ہوئی وہاں سے نکل آئی تھی۔ غالباً ان نامساعد حالات کا سامنا کرنے
ہمت اس میں نہیں تھی۔

گی سے ملنا ـــــ اس کے ساتھ بیٹھنا ـــــ بات کرنا۔

اسے تو یہ سوچ کر بھی گھن آتی تھی کہ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس سے اس طور وابستہ تھا۔ اس نے
نہ جانے کس کس سے۔ یہ ایک نشانی عملاً اس کے سامنے تھی ـــــ جانے اور کتنی دعوے دار بن کر آم
اور وہ کس کس سے لڑتی۔ جس انداز سے سردار سبکتگین حیدر لغاری راہ و رسم بڑھانے کا عادی تھا۔ ان
کئی ایسے ناقابل برداشت رشتے سامنے آسکتے تھے۔ فقط گی پر ہی کیا موقوف تھا۔ اور اگر گی یہاں
سبب کون تھا؟

وہی شخص نا۔

اس کی اجازت تھے ـــــ اس کے باعث وہ یہاں تھی نا ـــــ اور یہی بات ثابت کرتی تھی
قصوروار وہ تنہا نہیں تھی۔ کوئی اور بھی اس کے ہمراہ تھا۔

وہ جو ہر بات پر قادر رہتا تھا ـــــ وقت کی رفتار جس کے ہاتھ میں تھی ـــــ اور جو خود کو حاکم

کرتا تھا۔

"آئی ہیٹ یو سردار سبکتگین حیدر لغاری! ـــــ نفرت ہے مجھے تم سے۔" تمام تر غصہ کمرے کے
وے پر نکالتی ہوئی وہ بیڈ پر گر گئی تھی۔

❋❋❋

وہ آفس میں تھا۔ حالانکہ آفس ٹائم کب کا ختم ہو چکا تھا مگر وہ کچھ اور ٹائم وہاں قیام کرنا چاہتا تھا۔ مگر ماما
ن آ گیا تھا، گھر میں کچھ مہمان آ گئے ہیں ـــــ وہ چلا آیا تھا کہ ماں کی بات ٹال نہیں سکتا تھا۔ مگر گھر آ
پتہ چلا تھا کہ مہمان بھی اس سے وابستہ تھے جس سے وہ بھاگ رہا تھا ـــــ اوزی اور ممی ـــــ مگر وہ
شاہ کی بے حسی کا بدلہ ان لوگوں سے نہیں لے سکتا تھا۔ اس لئے وہ اسی طور ان سے ملا تھا۔ اوزی
پُر شکوہ کر رہا تھا۔

"یار! تم تو دوست ہی زیادہ بھلے تھے ـــــ یہ رشتہ کچھ زیادہ راس نہیں آیا۔ ہر روز دور سے دور تر
نے جا رہے ہو۔ کہیں یہ انابیہ تو تمہیں منع نہیں کرتی؟ خود تو ادھر کا رخ کرتی نہیں، تمہیں بھی آنے نہیں
۔ بزرگ صد فیصد درست فرماتے ہیں کہ شادی کے بعد بندہ دوستوں سے تو جاتا ہی ہے، خود سے بھی
ا رہتا ہے۔"

عفنان علی خان کے پاس مسکرانے کے علاوہ اور کوئی دوسرا راستہ نہ تھا۔ انابیہ شاہ کچھ فاصلے پر بیٹھی اپنی
ماں سے کچھ بات چیت کر رہی تھی۔ عفنان علی خان کے متوجہ ہونے پر نگاہ لمحہ بھر کو اس سے ملی تھی۔ اور
رے ہی پل وہ اجنبی بن گئی تھی۔

ماہ وش بخاری نے داماد کو مسکراتے ہوئے دیکھا تھا اور محبت سے بولی تھیں۔

"بیٹا! تم بہت تھکے ہوئے لگ رہے ہو۔ پہلے تم فریش ہو جاؤ۔ باتیں تو ہوتی رہیں گی۔" انابیہ شاہ نے
کھا تھا۔ وہ واقعی اس لمحے کسی قدر تھکن سے چور نظر آ رہا تھا۔ گویا اس لمحے ان کے گرد قیام پذیر ہونا فقط
ل کی مروت اور کرٹسی ہی تھی۔ عفنان علی خان نے وہ احسان مندی سے جھکا ہوا سر دیکھا تھا اور سر انکار
میں ہلا دیا تھا۔

"نہیں ممی! اس کی ضرورت نہیں۔ میں تو شرمندہ ہوں کہ اتنے روز تک آپ کی طرف آ نہیں سکا۔"

"بس یار! اب بہانے بازی کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم جانتے ہیں تُو کتنا مصروف ہے۔ اسی لئے ہم
خود آ گئے۔" اوزی بولا تھا اور وہ مسکرا دیا تھا۔

"تُو سنا ـــــ جا نہیں رہا واپس؟ ـــــ سنا ہے کوئی لڑکی وڑکی دیکھ لی ہے ـــــ شادی کا ارادہ
باندھ لیا ہے کیا؟" اوزی ہنس دیا تھا۔

"ہاں ـــــ سوچا تو تھا۔ مگر تیرا حال دیکھ کر ہمت نہیں پڑ رہی۔ سوچ رہا تھا۔ مگر پھر کچھ مصروفیات
آڑے آ گئیں۔"

"مصروفیات آڑے آ گئیں یا اس لڑکی نے ہری جھنڈی دکھا دی؟" عفنان علی خان نے مسکراتے
ہوئے چھیڑا تھا۔ اوزی ہنس دیا تھا۔

"ہاں —— یہ وجہ بھی خاصی معقول ہے۔ مگر اس سے بھی بڑی وجہ پاپا نے یہاں بزنس کی ذمہ داری سونپ کر پیدا کر دی۔ اب کچھ ہنر آزمالوں تو پھر سوچتا ہوں۔ یوں بھی جب تک لڑکی راضی نہیں ہوگی، کچھ نہیں ہوسکتا۔ میں اس کے سفید جھنڈی دکھانے کا انتظار کر رہا ہوں۔"

"ایسی غلطی مت کرنا —— یہ انتظار بہت مہنگا پڑے گا تجھے۔ کیونکہ اس قوم کا کچھ پتہ نہیں۔ چکر میں تو نہ ہی پڑ تو بہتر ہے۔" عفنان علی نے نادر مشورے سے نوازا تھا اور اوزی ہنس پڑا تھا۔

"ٹھیک کہہ رہا ہے تو۔ مگر کیا کروں کمبخت اس دل کا —— مانتا ہی نہیں۔"

انابیہ شاہ ان کی گفتگو سے انجان نہ تھی۔

"منالو اسے —— اسی میں تمہارا فائدہ ہے اور تمہارے اس دل کا بھی۔" مسکراتے ہوئے اس کے سینے پر ایک محبت بھرا پنچ مارا تھا اور اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"میں ذرا فریش ہو کر آتا ہوں۔ ایکسکیوزمی!" وہ اٹھا تھا۔

"انابیہ بیٹا! دیکھو عفنان کو کسی شے کی ضرورت ہوگی۔" ماہ وش نے بیٹی کو جیسے گہری نیند سے جگایا تھا اور انابیہ شاہ کے لئے اٹھنا جیسے ناگزیر ہو گیا تھا۔ وہ ناچار اٹھی تھی اور قدم اس شخص کے تعاقب میں دیے تھے۔ یہ مجبوریاں بھی کبھی کبھی کیا کرواتی ہیں۔ ممی اگر نہ کہتیں تو غالباً وہ اس شخص کا سایہ باقی کہ وہ اس کے سائے سے بھی دور رہنا چاہتی تھی۔ آگے بڑھتے قدموں میں کچھ لرزش تھی۔ کمرے میں پہنچی تو وہ کوٹ اتار کر ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کر رہا تھا۔ انابیہ شاہ دروازے کے پاس رک گئی۔ نگاہ اٹھی ہی نہ تھی۔ اس شخص سے ملی ہی نہ تھی۔

وہ جیسے اس کی سمت دیکھنے کی ہمت بھی اپنے اندر نہیں پاتی تھی۔

عفنان علی خان نے اسے بت بنے کھڑا دیکھا تھا۔ شرٹ کے بٹن کھولتے ہوئے ہاتھ لمحہ بھر کو تھمے۔ پھر جانے کیوں پیش قدمی کر دی تھی۔ وہ اس کی جان مشکل میں کرنا ہرگز نہیں چاہتا تھا۔ مگر اس کا اپنی جانب بڑھتا دیکھ کر انابیہ شاہ کی جان ہوا ہوگئی تھی۔ سفید شرٹ کے کھلے بٹنوں کے باعث سینہ واضح دکھائی دے رہا تھا۔ انابیہ شاہ لرزتی جان سمیت کر ایک قدم الٹا ہٹاتی ہوئی پیچھے ہٹی تھی وہ اس کی جانب متوجہ نہیں تھی۔

"کیا ہوا؟ —— اینی پرابلم؟" عفنان علی خان اس کے خوف کے اسباب جانے بغیر الجھ کر دیکھنے لگا۔ انداز سرسری تھا۔ لگاوٹ کا کوئی مظاہرہ نہ تھا۔ نہ توجہ قابلِ دید تھی۔ مگر انابیہ شاہ کو جانے پھر بھی دوسری جانب سے "خطرہ" محسوس ہو رہا تھا۔

"میں نے پوچھا کوئی مسئلہ ہے؟" عفنان علی خان نے اس کے جواب نہ دینے پر جھنجلا کر دریافت کیا تھا۔ انداز میں کسی درجہ اکتاہٹ سی تھی۔

انابیہ نے فوری طور پر سر انکار میں ہلاتے ہوئے ایک نگاہ اسے دیکھا تھا۔

"تو؟" اس کے وہاں موجود ہونے پر جواز تلاشا تھا۔ انابیہ شاہ شرمندہ سی ہوگئی تھی۔ کوئی جواز پاس تھا نہیں۔ مگر وہ اپنی سبکی نہیں چاہتی تھی۔ تبھی خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولی تھی۔

"میں جانا چاہتی ہوں۔"

عفنان علی خان کچھ بولا نہیں تھا مگر آنکھوں میں تیرتی واضح حیرت یقیناً اس جملے کی وضاحت چاہتی تھی۔

"کچھ —— کچھ دنوں کے لئے —— ممی کے گھر۔" انابیہ شاہ نے اپنا مدعا بیان کیا تھا۔ عفنان علی خان چند ثانیوں تک خاموشی سے اسے دیکھتا رہا تھا۔ پھر شرٹ اتار کر بیڈ پر اچھال دی تھی۔ انابیہ شاہ کے لئے یہ اقدام قدرے تشویش کا باعث بنا تھا۔

ایک —— دو —— تین۔ درمیان کا گز بھر کا فاصلہ ایک لمحے میں سمیٹا تھا اس شخص نے۔ اور انابیہ شاہ کی جان قیامتوں کی نذر کر دی تھی۔ ایک خوف سے بھری نگاہ اٹھی تھی اور دوبارہ جھک گئی تھی۔ عفنان علی خان نے ہاتھ بڑھا کر اس کا چہرہ اوپر اٹھایا تھا اور بہ غور تکتے ہوئے حتمی انداز میں کہا تھا۔

"نو۔"

انابیہ شاہ نے کسی درجہ حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

"لیکن......" کچھ بولنا چاہا تھا مگر عفنان علی خان نے ہاتھ اس کے گداز لبوں پر رکھ دیا تھا اور سر نفی میں ہلاتا ہوا بولا تھا۔

"آئی سیڈ نو —— نو مین جسٹ نو۔" انداز فیصلہ کن تھا اور وہ استفسار کرنے کی خواہش رکھتے ہوئے بھی استفسار نہ کر سکی تھی۔ کرتی بھی کیسے۔ اس لمحے کیفیت ایسی تھی کہ کاٹو تو بدن میں لہو تک نہیں۔

وہ شخص اس قدر قریب تھا —— بظاہر سرد مہر تھا مگر سرد مہری کے باوجود شعلوں کی ایک لپک جو آنکھوں سے ہویدا تھی وہ دھڑکنوں میں زیر و بم بپا کرنے کو کافی تھی۔ انابیہ شاہ کے لئے ان لمحوں کو جھیلنا مشکل ترین تھا۔

"اینی تھنگ ایلس ——؟" بہت ہی گرم، دہکتی، پرتپش سانس اس کے چہرے پر چھوڑتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ انابیہ شاہ کی جان پر بن آئی تھی۔

یہ لمحے جو گزر رہے تھے —— "عنایتوں سے بے نیاز" گزر رہے تھے۔

اور جو ان لمحوں پر کوئی "کرم" کی "مہر" ثبت ہو جاتی تو کیفیت کیا ہوتی۔

یہ تپش —— یہ الاؤ —— ابھی اس طور تھا تو "نیاز مندی" کے موسموں کی کیفیت کیا ہوتی؟

"کچھ مزید ——؟" مزید دریافت کیا گیا تھا۔ لہجہ اس قدر مدھم تھا مگر سرد مہری اسی طور غالب تھی۔

انابیہ شاہ نے نگاہ اٹھا کر اس "بے نیاز" شخص کو دیکھا تھا اور سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"شیور؟" عفنان علی خان کو جانے کیوں اس کی یقین دہانی مقصود تھی۔ شاید وہ اس چہرے کو، ان آنکھوں کو بغور پڑھ رہا تھا۔ اور جانتا تھا کہ ایک الجھن متواتر اسے ستا رہی ہے۔ انابیہ شاہ نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا اور پلٹنا چاہا تھا۔ مگر عفنان علی خان نے اس سے قبل ہی ہاتھ اس کے شانوں پر رکھ دیے تھے۔ دوسرے لفظوں میں اس کے فرار کے راستے ایک لمحے میں مسدود کر دیے تھے۔ انابیہ کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا۔

کیا۔۔۔۔۔
کیا چاہ رہا تھا یہ شخص۔۔۔۔۔؟
ارادے کیا تھے اس کے۔۔۔۔۔؟

ایک حشر برپا تھا جان میں۔۔۔۔۔ ایک قیامت کے زیر تھی روح۔ مگر مقابل کھڑا وہ شخص پُرسکون تھا۔ ایک بار پھر اس کا جھکا چہرہ اٹھا کر اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔

"تم کچھ کہنا چاہتی ہو؟" پتہ نہیں وہ اس کی الجھنوں کو بڑھانا چاہتا تھا یا کہ گھٹانا۔ وہ قطعاً بچ رہی تھی۔ مگر وہ اس وقت نارمل کیفیات کے زیر قطعاً نہ تھی اور یہ بات وہ اسے سمجھا نہیں سکتی تھی کہ وہ اس لمحے اس کے مقابل تھا۔ اس کی اسکیچر باڈی نمایاں تھی۔ انابیہ دیکھنا تو کجا، سانس تک نہ لے رہی تھی۔

"میں نے پوچھا تم کچھ کہنا چاہتی ہو؟" کسی قدر جھنجلا کر اس شخص نے دوبارہ دریافت کیا تو اس نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"نن۔۔۔۔۔ نہیں۔" اور اس کے انکار پر مقابل کھڑے شخص کو حیرت ہوئی تھی۔

"تو پھر مجھے کیوں لگ رہا ہے؟" بغور تجزیہ کیا تھا۔

"کیا؟" وہ جانتی تھی اس کی خاموشی سے اس کو وحشت ہو رہی ہے۔ غالباً انابیہ نے بولنے کا خیال کیا تھا مگر لہجہ کانپتا ہوا سا تھا۔ شاید آواز ہی نہیں، وہ خود بھی کسی شاخ کی مانند کانپ رہی تھی۔ نہیں عثمان علی خان کو "صورتِ حال" کا اندازہ تھا کہ نہیں۔ وہ اس لمحے بغور اس کی جانب دیکھتا بولا تھا۔

"کہ تم مجھ سے کچھ کہنا چاہتی ہو۔ کہیں تم یہ تو نہیں کہنا چاہتی کہ تم اس رشتے کو نبھاتے نبھاتے تھک چکی ہو اور مزید کوئی جبر نہیں سہہ سکتی؟" اس کی گرم گرم سانسیں اسے اپنے چہرے سے ٹکراتی محسوس ہو رہی تھیں۔ وہ آنکھیں سختی سے میچ کر جیسے ان قیامتوں سے گزرنے کے جتن کر رہی تھی۔ مگر یہ جھیلنا اس کے لئے دشوار ترین تھا۔

"مگر ابھی تم نے کچھ جھیلا ہی کہاں ہے۔۔۔۔۔ سہا ہی کہاں ہے کچھ؟۔۔۔۔۔ ابھی تو سلسلہ شروع بھی نہیں ہوا۔ پھر انجام کیسے ممکن ہے؟۔۔۔۔۔ پہلے آغاز تو ہو لینے دو، پھر انجام کی بات بھی کر لینا۔ یہ قبل از وقت ہے۔ سو ضد نہ کرو۔ کوئی ایسی ضد جو میں پوری نہ کر سکوں۔ تمہیں ملال ہو اور میں یہ سوچتا رہوں کہ تمہاری خوشی کو مقدم نہیں جان سکا۔" مدھم لہجے میں نہ سمجھ میں آنے والے بھید تھے۔ نگاہ اس پر جمی ہوئی تھی اور انابیہ کا سارا وجود جیسے شعلوں کی لپیٹ میں تھا۔ وہ اسی طرز پر اظہارِ مدعا کر رہا تھا۔

"تمہاری خوشی بھی پوری ہو گی۔" سرگوشی ایک نئی نوید سنا رہی تھی۔ "مگر۔۔۔۔۔ میری ہونے کے بعد۔" مضبوط لہجہ اتنا ہی پُرعزم تھا۔

"نہیں چاہتا کہ کوئی گلہ رہے تمہیں۔۔۔۔۔ تم بھی میرا پوری طرح خیال رکھو۔۔۔۔۔ جب دونوں کو ایک دوسرے سے کوئی شکایت نہیں ہونی چاہئے۔ رہنا شرط ہے بالکل چینے کی طرح۔

نے کی عادت ڈالو۔ شاید اچھا لگے۔ تمہیں بھی اور مجھے بھی۔" بہت سی باتوں کو باور کراتے ہوئے وہ کے چہرے پر جھکا تھا اور بہت سی گرم گرم پُرتپش سانسوں کو اس کے چہرے پر چھوڑتے ہوئے واپس پلٹا تھا۔

انابیہ شاہ کی کیفیت کسی بُت کی سی تھی۔ غالباً نہیں۔۔۔۔۔ وہ اس لمحے حقیقتاً پتھر ہو چکی تھی۔

❋❋❋

"کیا ہوا؟۔۔۔۔۔ سابیہ بتا رہی تھی کہ تم انگیج منٹ پوسٹ پون کرنا چاہتے ہو؟" فارحہ نے دریافت کیا اور وہ کسی قدر حیران رہ گیا تھا۔ سابیہ اس وقت وہیں تھی اور ماما کے ساتھ فیشن سے متعلق میگزین سے غالباً تقریب کے لئے بنائے جانے والے ڈریسز کے لئے ہیلپ آؤٹ کر رہی تھی۔

اذہان حسن بخاری کی نگاہ اس پر ٹھہر گئی تھی اور وہ مسکرا دیا تھا۔ غالباً فارحہ کو یہ باور کرانے کے لئے کہ صورتِ حال "انڈر کنٹرول" ہے۔

"ایسا آپ سے سابیہ نے کہا؟"

"ہاں۔" فارحہ نے مہر ثبت کی تھی۔ "کیوں، کیا واقعی اس میں صداقت ہے کوئی؟" ساتھ ہی یقین بھی تھا۔

اذہان مسکرا دیا تھا۔

"بڑی عجیب ہے یہ لڑکی بھی۔ مجھے بھی کچھ ایسے ہی کہہ رہی تھی کہ وہ ابھی اس کے لئے تیار نہیں اور یہ منٹ کی ڈیٹ پوسٹ پون کر دی جائے۔" نظروں میں شرارت چمک رہی تھی۔

فارحہ چونکی تھیں۔

"سابیہ؟۔۔۔۔۔ بھلا اُسے کیا پرابلم ہے؟۔۔۔۔۔ ابھی پوچھتی ہوں۔" پلٹ کر آواز دی تھی۔ "سابیہ! ذرا ادھر آنا۔۔۔۔۔!"

"ذرا ادھر آؤ۔" فارحہ نے کہا تھا اور سابیہ اٹھ کر چلتی ہوئی اس طرف آ گئی تھی۔ اذہان مسکراتے بھرپور انداز میں سابیہ خان کو دیکھ رہا تھا۔

"یہ ماما کی بچی بھی عجیب ہے۔۔۔۔۔ ایک طرف وہ بیک پروائی سے آؤٹ فٹ ڈیزائن کروا رہی ہے دوسری طرف قسم قسم کے فیشن میگزین میں سر کھپا رہی ہے۔ یہ لڑکیوں کو بھی فیشن کا عجیب بخار چڑھا رہتا ہے۔ کچھ سوجھتا ہی نہیں۔" وہ اس طرح بول رہی تھی جیسے وہ خود نہ تو اس تقریب سے کوئی واسطہ رکھتی ہو نہ حصہ۔ فارحہ ہی نہیں اذہان بھی مسکرا دیا تھا۔

"بیٹا!۔۔۔۔۔ آج کل کی بچیوں میں آپ بھی شامل ہوتی ہیں۔ بول تو آپ ایسے رہی ہیں جیسے دادی اماں آپ ہی ہوں۔ سر جھاڑ۔۔۔۔۔ منہ پہاڑ۔۔۔۔۔ آج تک کسی دلہن کو اس طرح پھرتے ہم نے بھی نہیں دیکھا۔"

اذہان ہنسے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ اور سابیہ اس ڈپٹ پر اسے گھورے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔ فارحہ نے محبت سے اسے اپنے پاس بٹھایا تھا۔

دوقدم

''بیٹا! سب کچھ ماہا سے ہے اور اس کی دوست سے۔ کتنے تھوڑے دن رہ گئے ہیں انگیج
تم نے ابھی تک یہ بھی ڈیسائیڈ نہیں کیا کہ تم پہنو گی کیا؟''ــــ اذہان! میں نے اگیتے کو بلوالیا
بہت سے اچھے ڈیزائنرز کے متعلق پتہ ہے۔ اسے ساتھ لے لو اور ساہیہ کو بھی۔ اور آج ہی
ڈریس ڈیزائن ہونے کے لئے دے دوــــ آخر دن ہی کتنے رہ گئے ہیں۔ اور ماہا! تم بھی
! پنے لئے اتنی مصروف ہو اور بھابی کے لئے نہیں۔ تمہاری دوست آن لائن مشورہ دے رہی
نہیں ہو سکا کچھ مشورے بھابی کے لئے بھی لے ڈالوں۔'' فارحہ کی ڈانٹ میں بھی محبت تھی
ی نہیں، اذہان بھی مسکرا رہا تھا۔

''ممی!ــــ ایک بات کہوں؟ آپ کو ڈانٹنا بالکل نہیں آتا۔ ابھی سے ہاتھ کھینچ کر رکھ
شکایت مت کیجئے گا، بہو ہاتھ میں نہیں رہی۔'' وہ جلتی پہ تیل چھڑک رہا تھا۔ فارحہ نے اس کا کا
''خبر تو مجھے تیری بھی لینی ہے۔ مجھے میری بیٹی کے خلاف اکسا کر تو صاف بچ نکلنا چاہتا
نے محبت سے ڈپٹا تھا۔ اذہان نے ہنستے ہوئے سر ان کی گود میں رکھ دیا تھا۔

''سب چلے گاــــ مگر کبھی اپنی بہو کو برتری مت دیجئے گا اس بیٹے پر۔ ابھی سے جلن
لگی ہے مجھے تو اس سے۔ کہیں یہ میری ماں نہ چھین لے مجھ سے۔'' مسکراتے ہوئے ایک آنکھ
کو دیکھا تھا۔ ساہیہ نے جواباً خطرناک تیوروں سے گھورا تھا۔ اذہان سیدھا ہو بیٹھا تھا۔

''ممی! آپ بھول گئیںــــ اس سے پوچھئے نا، یہ کیا کہہ رہی تھیــــ وہ
بات۔'' یاد دلایا تھا۔

''میں پوچھ لوں گی اس سےــــ تم فی الحال جاؤ یہاں سے۔ مجھے بہت سی ضروری
اپنی بیٹی سے۔'' فارحہ نے ساہیہ کو ساتھ بھینچا تھا۔ اذہان مسکراتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ جاتے
دینا نہیں بھولا تھا۔

''میں باہر گاڑی میں ہوںــــ ممی سے بات مکمل ہو جائے تو آجانا۔ ورنہ پھر شکایت
کر بیٹھ جاؤ گی کہ کہیں لے کر نہیں جاتا۔'' کہہ کر فوراً پلٹ گیا تھا۔ فارحہ اور ساہیہ مسکرا دی تھیں

''تم خوش ہو ناــــ؟'' فارحہ نے محبت سے ساہیہ کے چہرے کو ہاتھوں میں لیا تھا۔

ساہیہ مسکرا دی تھی۔

''ہاں۔'' سر جھکا کر جواب دیا تھا۔

''مجھے علم تھاــــ اور مجھے یہ بھی پتہ ہے کہ یہ پوسٹ پون کرنے والی بات بھی صرف
اذہان ہی پھیلا رہا ہے۔ اس میں تمہارا کوئی عمل دخل نہیں۔ ایسا ہے نا؟'' فارحہ نے پوچھا
ساہیہ اس بار کوئی جواب نہیں دے سکی تھی اور فارحہ اس کے چہرے کو محبت سے تکتے ہوئے کہ
''میں اذہان کی ماں ہوںــــ اور میں کہتی ہوں کہ میں نے آج سے قبل کبھی اسے
دیکھا۔ وہ اپنے فیصلے پر مطمئن ہے اور قائم بھی۔ باقی سب تو ہنسی مذاق ہےــــ جو چاہ
ایک بات کا یقین ہے اور وہ یہ کہ تم وہ لڑکی ہو جو اذہان کو بہت خوش رکھ سکتی ہے۔ جو اسے

وہ اس کے اندر جھانک سکتی ہے۔ میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہوں گی۔ اور شاید اس سے زیادہ کی
ت بھی نہیں ہے۔ تم سمجھدار ہو، میری توقع سے زیادہ۔ جاؤــــ وہ تمہارا انتظار کر رہا ہے۔ جانے
ل اس بات کا یقین کر لو، میرا یقین کامل ہے۔ تم بھی اپنا دل اس یقین سے بھر لوــــ جاؤ
''

ساہیہ اٹھی تھی اور چلتی ہوئی اس شخص کی جانب بڑھنے لگی تھی جو غالباً اس وقت اس کا منتظر تھا۔ فارحہ
ہی تھی کہ وہ اپنا دل یقین سے بھر لےــــ مگر وہ جانتی تھی فی الفور یہ ممکن نہیں تھا۔
ور ممکن تو یہ بھی نہیں تھا کہ وہ یہ تعلق باندھ لیتی۔ کتنی مشکلوں سے نبرد آزما تھی وہ۔ مگر وہ ان سب کو کیسے
سب کو اس سے توقعات تھیں۔ مگر وہ اپنے اندر کا کیا کرتیــــ خود کا کیا کرتی۔

ب دل اس کے پاس تھا۔
و کیا چاہتا تھا، وہ جانتی تھی۔
گر یہ ان خواہشات کا راستہ نہیں تھا۔
گر اس کے باوجود وہ ان راستوں پر چل پڑی تھی۔ کبھی کسی کی خاطرــــ تو کبھی کسی کی......
''کیا ہوا؟ــــ کیا کہا ممی نے؟'' وہ کھوئے کھوئے سے انداز میں اپنی طرف کا دروازہ بند کر کے
ی جب اذہان نے اسے کسی قدر تشویش سے دیکھا تھا۔ وہ چونکی تھی اور مسکرا دی تھی۔
''نہیںــــ کچھ نہیں۔ تم گاڑی چلاؤ۔ ہمیں دیر ہو رہی ہے ناــــ جیولر کی دکان بند ہو جائے
''اس کی بے خبری اور بات بنانے کی ادا پر اذہان نے اسے مسکراتے ہوئے دیکھا تھا اور وہ کسی قدر
کھوئی کھوئی سی دکھائی دے رہی تھی، یا شاید کسی گہری سوچ میں تھی۔
''ہم جیولر کے پاس نہیں، ڈیزائنر کے پاس جا رہے ہیںــــ تمہاری انگیج منٹ کی آؤٹ فٹ
تیار کروانے۔ ہیو یو اینی ڈاؤٹ؟'' بیدار کرتا ہوا وہ مسکرایا تھا۔
''آںــــ ہاںــــ یاد آیاــــ غالباً ڈیزائنر کے پاس ہیــــ بائے دی وے، اگیتے بھی
والی تھیں نا۔ ممی بتا رہی تھیں تمام ڈیزائنرز کی انفارمیشن تو انہی کے پاس ہے۔'' بات بناتے ہوئے وہ
اٹکی اذہان نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے اسے ایک نظر بغور دیکھا تھا اور ایک دھیما سا تبسم اس
ہ پر پھیل گیا تھا۔
''ساہیہ!ــــ تم جھوٹ بولنے کی صلاحیت سے واقف نہیں ہو۔ سو پلیز ٹرائی بھی مت کیا کرو۔
پکڑی جاتی ہو۔ تم دوست ہو میری۔ اور یہی سب سے بڑی خوبی ہے کہ ہم ایک دوسرے کو حد سے
انتے ہیں۔'' جتانے کا انداز لاجواب تھا۔ ساہیہ اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔ یعنی وہ صاف پکڑی جا چکی
تک لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔
''اذہان! ان لمحوں کو روک دو اذہان!ــــ مجھے ڈر لگ رہا ہےــــ سارے لمحے خواب سے لگ
ہیں۔ اور لگتا ہے جیسے ایک پل میں یہ سارا خواب ٹوٹ جائے گا۔ پلیز، ٹرائے ٹو اسٹاپ دیٹ آل
ــــ جو ہو رہا ہے اسے روکنے کی کوشش کرو۔'' ساہیہ کی آواز میں خدشے تھے مگر اذہان مسکرا دیا تھا۔

''پاگل مت بنو ـــــ ٹرسٹ می ڈیم اٹ ـــــ کسی اور پر نہیں تو ایک دوست پر تو اعتبار کرو نا۔ ٹرسٹ می ـــــ آئی ول نیور لٹ یو ڈاؤن ـــــ اعتبار کرو میرا۔'' مدھم لہجہ اعتبار سے بھرا سا تھا۔ وہ اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

❄❄❄

اسے لگا تھا اس نے غلط کیا تھا۔

پاپا کو آنے سے اسے نہیں روکنا چاہیے تھا۔ تمام صورت حال ان کے گوش گزار کر دینا چاہیے تھا۔ پھر وہ چاہے جو بھی فیصلہ کرتے ـــــ کم از کم اس کے دل پر جو ایک بوجھ سا منوں کے حساب سے پڑا تھا، وہ تو باقی نہ رہتا۔

پاپا اس کے دشمن تو نہ تھے۔ کون باپ چاہے گا اس کی اولاد دوزخ کی آگ میں جلے ـــــ اس کا برا چاہ سکتے تھے؟ ـــــ اگر انہیں تمام صورت حال پتہ چل جاتی تو شاید وہ اسے یہاں یوں بے یار و مددگار بھی نہ چھوڑتے۔ اس تعلق سے چھٹکارا ملتا یا نہیں، مگر وہ اپنوں کی پناہ میں تو چلی جاتی، یوں بے تحفظ تو نہ رہتی۔

تو کیا اسے واقعی پاپا کو سب بتا دینا چاہیے تھا؟

اس نے سوچا تھا۔

اب تک اگر وہ چپ تھی تو صرف ان کی بیماری کے خیال سے۔

وہ ہارٹ پیشنٹ تھے اور ان کے لیے یہ انکشافات یقیناً کسی دھچکے سے کم نہ تھے۔ اور دھچکا کیا صورت حال دکھاتا۔

وہ سمجھی تھی کہ وہ حالات کو اپنی مرضی سے سدھار لے گی۔ مگر افسوس، اس کے ہاتھ جادو کی چھڑی نہ تھی اور وقت بھی اس پر مہربان نہ تھا۔ سو وہ سوکھی شاخ کی مانند ٹوٹتی چلی گئی تھی۔

سوکھے ـــــ خزاں رسیدہ پتوں پر چلتے چلتے وہ سنگی بنچ پر بیٹھی تھی اور از سر نو حالات کے سدباب کے متعلق غور کرنے لگی تھی۔ وہ خود میں اتنی مگن تھی کہ کب سردار سبکتگین حیدر لغاری وہاں آیا، کب اس کے پاس بیٹھا وہ جان ہی نہ پائی تھی۔ بنچ کی سطح پر رکھے اس نازک سے ہاتھ پر آہستگی سے اس نے اپنا ہاتھ دھرا تھا اور وہ چونکتے ہوئے اسے یوں دیکھنے لگی تھی جیسے وہ کوئی خواب دیکھ رہی ہو۔

''کیا ہوا؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری کا لہجہ ہی نہیں، انداز بھی ملائم تھا۔ بھرپور خیر خواہ۔ میرب کچھ نہیں بولی تھی۔ خالی خالی نظروں سے اسے یوں ہی دیکھتی رہی تھی۔ سردار سبکتگین نے بہت آہستگی سے اسے شانوں سے تھاما تھا اور نرم لہجے میں دریافت کیا تھا۔

''کیا ہوا؟ ـــــ مجھے نہیں بتاؤ گی؟'' توجہ قابلِ دید تھی۔ کرم تھا تو انتہا تھی کوئی۔ سردار لغاری نے اسے اپنے قریب کرتے ہوئے ساتھ بھینچ لیا تھا۔ محبت جتانے کا کوئی خاص انداز کرنے کی کوئی ادا۔ میرب سیال کچھ سمجھ نہیں پائی تھی۔ نہ ہی وہ دبے پاؤں گزرتا وقت ـــــ

اک سا منظر ـــــ وقت بھی شاید حیراں تھا ـــــ لمحے مجسم تھے ـــــ مگر یہ کوئی طلسماتی کہانی نہیں تھی ـــــ یہ منظر حقیقت تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری ایک ہمدرد کی صورت اس کے سامنے تھا ـــــ قریب تھا ـــــ اور اس کی بھرپور دلجوئی کے جتن کر رہا تھا۔

تو کیا اسے احساس ہو گیا تھا؟

اپنی غلطیوں کا اعتراف کرنے آ گیا تھا وہ؟

کیا اپنے کیے پر پشیمان تھا؟

لبوں پر لفظ نہ تھے۔

لمحوں کی طرح وہ بھی خاموش تھا۔

بس ایک لمس تھا ـــــ ایک بھرپور تحفظ تھا ـــــ ایک بھرپور حصار تھا ـــــ ایک اختیار میں لینے والی گرفت تھی۔ اور اندر تک سرشار کر دینے والی گرم جوشی۔

میرب سیال کی آنکھوں سے بہت آہستگی سے شفاف پانی کے قطرے ٹوٹے تھے اور سردار سبکتگین حیدر لغاری کے کوٹ کے شانے میں کہیں جذب ہو گئے تھے۔ اس کے شانے پر اپنی مٹھی کی گرفت مضبوط کرتے ہوئے وہ آنکھیں سختی سے میچ گئی تھی اور سردار سبکتگین حیدر لغاری مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''جب جانتی ہو پناہ یہی حصار ہے تو خود کو اس قدر اذیت کیوں دیتی ہو؟ ـــــ جب علم ہے کہ کوئی دوسرا راستہ ہی نہیں تو پھر یہ راستہ بدل بدل کر چلنا بھی کیوں؟ ـــــ جب اتنے سارے اسباب دل کے ساتھ ہیں تو پھر دل سے ہی دشمنی کیوں؟ ـــــ بغاوت ہی کرنا چاہتی ہو تو اپنے اندر کے اس منفی احساس سے کیوں نہیں کرتیں؟ ـــــ جانتی ہو، جب وقت، یہ لمحے، یہ سارے پل تمہارے اختیار میں ہیں تو انہیں اپنے بس میں کیوں نہیں کر لیتیں؟ ـــــ بھول کیوں نہیں جاتیں سب کچھ؟ ـــــ کیوں فراموش نہیں کر دیتیں؟ ـــــ کڑوی باتیں جب دکھ دیتی ہیں تو تم ان میٹھی باتوں پر غور کیوں نہیں کرتیں جو تمہیں راحت دے سکتی ہیں؟ ـــــ ان میٹھے لمحوں کے متعلق کیوں نہیں سوچتیں جو تمہاری زندگی میں نئے ذائقے بھر سکتا ہے۔ تمہیں رنگوں سے بیر کیوں ہو چلا ہے میرب؟ ـــــ جب آس پاس اتنے پھول ہیں تو تم ان سب سے ہٹ کر صرف کانٹوں کے متعلق ہی کیوں سوچتی ہو؟ ـــــ تم شبنم سے تر نرم احساسات سے بھرپور پلوں کو کس طرح نظر انداز کر پاتی ہو جو تمہارے شب و روز کو معطر کر سکتے ہیں۔ تم ان لمحوں کو کیسے پیچھے چھوڑ رہی ہو سوئی! جن کی انگلی تھام کر تم وقت کی نبضوں کو بھی روک سکتی ہو۔ تم چاہو تو کیا کچھ نہیں کر سکتیں بال ـــــ تم خود کو بے اختیار کیسے کہتی ہو؟ ـــــ کیسے سمجھتی ہو خود کو بے بس؟ ـــــ چاہو تو تمہارے اختیار میں کیا نہیں۔

یہ وقت

یہ لمحے

یہ رنگ

یہ موسم

یہ خواب
سب تمہاری انگلی کے ایک اشارے کے منتظر ہیں ہنی! ـــ انہیں فقط ایک اشارہ دو ـــ منظر کو بدل دو ـــ یہ تمہارے اختیار میں ہے ـــ ٹرسٹ می ـــ یہ سب تمہارے اختیا
ہے۔"

اس کے شانے پر سر دھرے وہ چپ چاپ آنسو بہا رہی تھی اور وہ بول رہا تھا۔

"اور اک کا کوئی لمحہ گرفت میں لو سویٹی! نئے رنگ، نئے خواب تمہارے منتظر ہوں گے۔ یہ تو تمہیں جلا رہی ہیں، فقط تمہارے اپنے سبب ہیں ـــ تم ان تمازتوں سے نکل سکتی ہو تو نکلو کیو شبنموں، بارشوں سے تمہیں گلہ کیوں ہے؟ کچھ بھی تو تمہارے خلاف نہیں ـــ جب سب تمہارا ہے تو تم اتنا تنہا محسوس کیسے کر سکتی ہو؟" مدھم سرگوشی میں کوئی بھرپور احساس تھا۔ "یو آر ناٹ الون ناٹ الون ـــ" بھرپور یقین دہانی تھی مگر میرب بہت آہستگی سے آنکھیں کھولتی ہوئی اس کے باہر نکلی تھی۔ چند ثانیوں تک اس شخص کے سامنے بیٹھی اسے تکتی رہی تھی پھر اٹھی تھی اور چلتی ہو قدموں سے اندر کی طرف بڑھنے لگی تھی۔

اس کا انداز فیصلہ کن تھا۔

گویا وہ فیصلہ کر چکی تھی۔

اٹھتے قدم اس کے مضبوط ارادوں کو ظاہر کر رہے تھے۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری دور سنگی بینچ پر بیٹھا اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

وہ اس لمحے نہ سمجھ میں آنے والا معمہ تھی۔

اس کے انداز، تیور بھی پہلے سے بہت مختلف تھے۔

میرب سیال فیصلہ کر چکی تھی ـــ حتمی فیصلہ۔

تمام سلسلے کو وہیں ختم کر دینے کا فیصلہ ـــ ٹھان لی تھی اس نے، اب اور نہیں۔

تو پھر آنکھوں سے آنسو بھی کیوں بہہ رہے تھے؟

سوچ لیا تھا کہ نہیں جینا، نہیں رہنا اس شخص کے ساتھ تو دور جاتے قدم اتنے تھکن سے چور

جب اقدامات صحیح تھے تو یہ بے کلی سی کیوں تھی؟

اس نے پاپا سے بات کرنے کو فون اٹھایا تھا۔ مگر ریسیور کان سے لگانے سے قبل ہی ا
مضبوط ہاتھ میں آ چکا تھا۔

دھندلائی آنکھوں سے اس نے دیکھا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے سامنے کھڑا تھا
چپ کے تالے لگائے، خاموشیوں کے ساتھ وہ کون سے پیغام اس کی سمت فقط آنکھوں سے
تھا اس کی نگاہوں میں جو اس سے قبل نہ تھا۔

میرب کی پانیوں سے بھری آنکھیں دھند میں لپٹا وہ چہرہ زیادہ دیر نہ دیکھ سکی تھیں۔ سردار
لغاری کچھ کہے بغیر اسے دیکھتا رہا تھا۔ پھر بہت آہستگی سے ریسیور لے کر اس کے ہاتھ سے ر

ہاتھ کو بغور دیکھتے ہوئے اپنے لبوں تک لے گیا تھا۔

"نیڈ آئی سے ویٹ۔ آئی نیڈ یو؟" مدھم لہجہ فضاؤں کو اپنے ساتھ باندھ رہا تھا۔

"نیڈ آئی نیڈ ٹو ٹیل یو دیٹ ہاؤ مچ آئی کیئر اباؤٹ یو؟" وہ کوئی بازی گر تھا۔ بہت آرام سے موسموں اپنے بس میں لے رہا تھا۔ میرب سیال کے اندر اتنی ہمت نہ تھی کہ اس کی سمت نگاہ اٹھا کر دیکھ سکتی یا کر کوئی بات کہہ سکتی۔

بہت آہستگی سے ان آنکھوں سے آنسو ٹوٹے تھے اور چہرے پر پھسلتے چلے گئے تھے۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بنا اجازت لیے ہاتھ مکمل استحقاق سے اس کے چہرے کی سمت بڑھایا تھا ان تمام موتیوں کو اپنی پوروں پر لے لیا تھا۔

"خوابوں سے ناتا توڑ لو گی تو جیو گی کیسے؟" اس کے چہرے کو بغور تکتے ہوئے وہ پوچھ رہا تھا۔ مگر سر جھکائے کھڑی میرب سیال کے پاس اس وقت کوئی جواب نہ تھا۔

"کیسے جیو گی میرے بغیر؟ ـــ اتنی دوریاں بڑھا دو گی تو یہ فاصلے سمیٹو گی کیسے؟" مقابل کھڑے کے لبوں پر کئی سوال تھے۔ مگر وہ فقط اس کی سمت سے توجہ ہٹائے منہ پھیرے کھڑی تھی۔

"لک میرب! ـــ لک ایٹ می! دیکھو میری طرف۔ کس چیز سے بھاگ رہی ہو تم؟ ـــ کس سے؟ ـــ کس خوف سے؟" اسے بغور دیکھتے ہوئے شانوں سے ہاتھ تھام کر اپنی جانب متوجہ کیا

"محبت کرنے لگی ہو مجھ سے، اس لیے؟" اس کے چہرے پر نظریں گاڑھے وہ دھیمے لہجے میں بافت کر رہا تھا۔

"ہار رہی ہو تم ـــ ہار جاؤ گی اس لیے جی نہیں پا رہی ہو۔ جی نہیں سکو گی میرے بن، اس لیے؟ یا کس لیے؟ یہ محبت آسان نہیں لگ رہی اس لیے؟ مشکل میں گھر گئی ہے جان اس لیے؟ ـــ بتاؤ کس لیے؟ ـــ محبت ہو گئی تو کیا مر جاؤ اس خوف سے؟ ـــ بتاؤ، کیا ہاں؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے جھنجھوڑ دیا تھا۔ پھر عجب اک دیوانگی سے اسے اپنے ساتھ بھینچ لیا تھا اور عجب ہارے ہوئے لہجے میں بولا تھا۔

"تو کیا میرب! محبت ہی تو ہے ـــ اگر ہو گئی ہے تو کیا؟ کب تک خود پر یہ جبر کرتی رہو گی؟ ـــ ایک کام کرو، مار دو مجھے۔ تم مار دو۔ مگر یہ خوابوں سے بھاگنا ترک کر دو۔ محبت کوئی ناخوشگوار حادثہ ہے سا خوشگوار واقعہ۔ تجربہ کرو گی تو اتنا برا بھی نہ پاؤ گی۔ محبت یوں اچھی چیز نہیں ہے میرب! تم شراروں کو زیر ہوا دے رہی ہو۔ دبانے سے یہ الاؤ مدھم نہیں پڑیں گے، الٹا تمہیں جلا دیں گے۔ اور میں ایسا نہیں چاہتا۔ نہیں چاہتا میں ایسا۔" اسے اپنے ساتھ بھینچے وہ عجب دیوانگی سے گویا ہوا تھا۔

میرب سیال کی آنکھوں سے بہت چپ چاپ آنسو بہہ رہے تھے اور وہ کہہ رہا تھا۔

"محبت ہو گئی تو کیا میرب! کیا کرو گی تم؟ ـــ اپنے آپ کو سزائیں دینا بند کر دو۔ اس طرح خود کو جھٹکا مت دو۔" کوئی خواب تھا، نہ کوئی خیال، نہ گمان، نہ کوئی وہم۔ وہ اس لمحے اسے باور کرانے کے

در پے تھا۔ وہ حقیقت جس سے وہ خود اب تک بچتا آیا تھا۔ وہ حقیقت جس کے لئے اس کی زندگی میں جگہ نہیں تھی۔

وہ سچ باور کرانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ سچ جسے وہ خود صرف بے وقوفی فرض کرتا تھا۔ بقول اس نے یہ بے وقوفی کبھی نہیں کی تھی۔ وہ خود ایسی بے وقوفی شاید کبھی کرنا بھی نہیں چاہتا تھا۔

میرب سیال نے اپنے گرد سے یکدم اس کے بازوؤں کا وہ گرم حصار ہٹا دیا تھا اور تقریباً بولی تھی۔

"نہیں ہے مجھے محبت ——— میں تم سے محبت نہیں کرتی۔ میں نے تم سے محبت کبھی بھی نہیں پل کے لئے بھی نہیں ——— ایک لمحے کے لئے بھی نہیں ——— کبھی بھی نہیں۔" بھیگی آنکھوں انکار میں ہلاتے ہوئے وہ بولی تھی۔ "نہیں کرتی میں تم سے محبت ——— بالکل بھی نہیں۔ کس میں ہو تم، ہاں؟ ——— کس خوش گمانی میں گم ہو؟ ——— کیا تم خود کو کسی محبت کا اہل سمجھتے ہو؟ کیا تم، محبت ایسے ہی ہو جاتی ہے؟ یونہی چلتے پھرتے؟ اور ہے کیا تم میں ایسا سردار سبکتگین حیدر لغاری سے محبت ہو سکے؟ ——— بتاؤ مجھے، میں اگر محبت کروں تم سے تو تمہاری کس بات سے؟ ——— کون سی عادت دل جیت سکتی ہے؟ اور سب سے بڑی بات کیا تم اس قابل ہو کہ تم سے محبت کی جائے؟ دھوکا ہو تم، صرف دھوکا۔ بہت کھوکھلے ہو تم۔ اور محبت کھوکھلے لوگوں کے اندر کبھی گھر نہیں کرتی۔ اسے زمین درکار ہوتی ہے اور وہ تم نہیں ہو ——— سردار سبکتگین حیدر لغاری! جو شخص خود محبت جیسے لفظ نہ جانتا ہو اسے دوسروں سے اس کے متعلق بات کرنے کا بھی کوئی حق نہیں۔ جتنے دن میں نے ساتھ گزارے ہیں ان میں ایک پل بھی ایسا نہیں رہا جب میں نے تم میں کوئی خوش آئند تبدیلی دیکھی ہو۔ تم خود کو نہیں بدل سکتے، نہ بدلنا چاہتے ہو۔ مگر تم چاہتے ہو صرف ایک بات، تمہارے لئے سب پل میں بدل جائے۔ جیسا جیسا تم چاہتے ہو سب ویسا ویسا ہو جائے۔ سارے رنگ تمہارے، خواب تمہارے، سارے فیصلے تمہارے۔ اور دوسروں کا کیا سردار سبکتگین حیدر لغاری! صرف دوسروں کی ہار سے کس طرح کا لطف لینا چاہتے ہو؟ ——— صرف اس بات کا اطمینان کرنے کہ جیت گئے ہو، تم دوسروں کو خالی ہاتھ دیکھنا چاہتے ہو۔ اپنی مرضی، اپنے نظریے، اپنے فیصلے۔ اور کیا تمہارا دل اہم ہے۔ اس کی مرضی اہم ہے۔ اور دوسروں کے لئے تم کیا سوچتے ہیں، وہ بے جا سچ بات تو یہ ہے کہ تم کہانی کو ختم کرنا چاہتے ہو تو صرف اپنے ڈھنگ سے۔ تمہیں دوسروں کا انجام ناپسند ہے تو صرف اس لئے کہ تم اپنا آپ عزیز رکھتے ہو۔ اس حد تک کہ انجام بھی اپنی مرضی کردہ چاہتے ہو۔ تمہیں پتہ ہے، تم نہیں نباہ سکتے یہ تعلق۔ تم نہیں نباہ سکو گے یہ قید و بند۔ نفرت ان بندھنوں سے۔ اُلجھن دیتی ہیں تمہیں یہ رشتوں کی بیڑیاں ——— تم توڑنا چاہتے ہو، آزاد ہونا چاہتے ہو مگر اپنے طریقے سے۔ تمہیں کسی اور کا طریقہ ناپسند ہے۔ کسی اور کا فیصلہ قبول نہیں۔ وہ دوں گی تمہیں، یہ ڈر تمہیں لاحق ہے۔ تم نہیں چاہتے میں جاؤں، تمہیں چھوڑ دوں۔ تمہاری انا کو ٹھیس لگے ہو گی نا۔ تو اسے تسکین دینے کے لئے کیا کرو گے؟ میرا گلا دبا دو گے، میری جان لے لو گے؟

لے لو۔ لے لو یہ جان بھی۔ مگر میں تمہاری مرضی کا کوئی انجام اپنی زندگی میں نہیں چاہتی۔" سر انکار میں ہلاتے ہوئے وہ پُرعزم تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اسے ساکت کھڑا دیکھ رہا تھا۔

"تم ہارنا نہیں جانتے ——— تم ہارنا چاہتے بھی نہیں۔ سو راہیں روکو گے میری، جانے نہیں دو گے۔ میں چھوڑ کر چلی بھی گئی تو حیلوں بہانوں سے واپس بلاؤ گے اور واپس بلا کر اپنی مرضی کا انجام لکھو گے۔ جانتی ہوں میں، چھوڑ دو گے ایک دن تم مجھے۔ مگر توڑنے کے بعد ——— چھوڑ دو گے مجھے۔ مگر انا کا پندار توڑنے کے بعد۔ میرا وقار، میرا غرور، میرا مان توڑنے کے بعد ——— چھوڑ دو گے مجھے جب تمہاری انا کا پرچم تمہیں سر بلند دکھائی دے گا۔ کوئی ملال نہیں ہو گا تب تمہیں کہ ہارے ہوئے نہیں ہو گے۔ اپنی ہار سے ڈر لگتا ہے تمہیں۔ اپنی ہار سے ڈرتے ہو تم۔ روک لو گے مجھے ہر ایک بار۔ روک لو گے ہر بار۔ میں رک بھی جاؤں گی مگر تمہیں جیتنے دینے کے لئے نہیں۔ کوئی چیلنج دے کر میں تمہیں جیت پر اکسانا نہیں چاہتی۔ تمہیں شاید جیتنا ہی ہے مگر اس طرح نہیں۔ پلیز، بند کرو ایسا کھیل۔" میرب سیال کہہ کر پلٹی تھی اور وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کھڑا اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔

مجھ میں یہ انتشار خواب و خیال
اس کی باتوں کے پیچ و خم سے ہے
جز تمہارے بیاں کریں کس سے
وہ شکایت جو ہم کو ہم سے ہے

اندر ایک عجب انتشار تھا۔ کچھ بھی اپنی جگہ نہ تھا۔ بہت دگرگوں سی حالت میں وہ شیشے کے سامنے تیار ہو رہی تھی۔

ابھی تھوڑی دیر قبل عفنان علی خان دروازے کے اندر سر ڈال کر اسے تیار ہونے کے لئے حکم دے گیا تھا۔ غالباً کہیں جانا تھا۔ وہ ٹھیک سے سن تک نہ پائی تھی۔ اس کی ذہنی کیفیت سے شاید وہ واقف تھا۔ اس کی مدد کے لئے عریشہ کو اس کے پاس چھوڑ گیا تھا۔ عریشہ نے اس کے لئے مناسب ترین آؤٹ فٹ کے ساتھ میچنگ سینڈل اور دیگر چیزیں نکال کر اس کے سامنے رکھ دی تھیں اور مسکراتی ہوئی اس کا چھپا کردہ کمرے سے نکل گئی تھی۔ وہ چلتی ہوئی اپنے لئے منتخب کردہ چیزوں کی طرف آئی تھی۔

ساڑھی۔ بڑی حیرت سے فان کلر کی اس شیفون کی ساڑھی کو دیکھا تھا۔ عفنان علی خان کی طرف سے اسے مشکل میں ڈالنے کا صرف ایک بہانہ تھا۔ اس نے کبھی ساڑھی نہیں پہنی تھی۔ ہاں، ممی کو پہنتے دیکھا تھا مگر خود پہننا اور کیری کرنا بہت مشکل تھا۔ وہ جانتی تھی۔ آج ضرور وہ اسے کسی مشکل میں گھرا چاہتا تھا۔

''بھابی! آپ کو کسی طرح کی مدد کی ضرورت ہے؟'' عریشہ نے سر اندر ڈال کر جھانکا تھا۔ اس نے نفی میں ہلا دیا تھا اور پلٹ کر ساڑھی باندھنے لگی تھی پوری ساڑھی زمین پر گرائے وہ چنٹ ڈال رہی تھی جب دروازہ پھر کھلا تھا۔

''کیا عریشہ! کہا نا، تمہاری مدد کی ضرورت نہیں۔'' کسی قدر ناگواری سے کہتے ہوئے وہ مڑی تھی۔ ''میرے لئے یہ کام مشکل ہے نا......''

باقی کا جملہ زبان پر ہی رہ گیا تھا۔ وہاں عریشہ نہیں، عفنان علی خان کھڑا تھا۔ جہاں وہ بت بنی وہیں نظر جھکتی چلی گئی تھی۔ فوری طور پر اتنی ہمت تک نہ تھی کہ زمین پر پڑی ساڑھی کا آنچل پکڑ کر خود پر لے سکتی۔ ہاتھ جہاں تھے وہیں تھم گئے تھے۔ وہ جہاں تھی، وہی جم گئی تھی۔ عفنان علی خان نے اس کی پیش قدمی کی تھی۔ وہ بت ساد وجود اس لمحے فوری طور پر کوئی حرکت نہیں کر سکا تھا۔ مگر ان نظروں میں

لیے ایک خوف واضح دکھائی دیا تھا۔

ایک ـــــ

دو ـــــ

تین ـــــ

جتنا فاصلہ درمیان تھا، عفنان علی خان کے قدم وہ فاصلہ سمیٹ چکے تھے۔

انابیہ شاہ کے اندر ہمت ناپید تھی کہ اپنے اتنے قریب اس شخص کو نگاہ اٹھا کر دیکھ سکتی اس کے اندر کی حالت پہلے سے بھی زیادہ دگرگوں تھی۔ عفنان علی خان اس کے بے حد قریب کھڑا اسے چند ثانیوں تک یونہی مبہوت سا تکتا رہا تھا۔ نظارہ کسی قیامت کا سا تھا۔ نظر کیسے نہ جمتی۔ توجہ کے کئی پہلو نکلتے تھے اس منظر سے۔ کوئی بے خبر رہتا بھی تو کس درجہ؟ ـــــ انابیہ اس لمحے جیسے دم سادھے کھڑی تھی۔ عفنان علی خان نے بہت آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کو چھوا تھا۔ شہادت کی انگلی ایک صراط بناتی ہوئی اس کے گداز لبوں پر آن ٹھہری تھی۔ وہ کسی بچے کی طرح کانپ گئی تھی۔ اندر ایک قیامت سی اٹھی تھی جیسے۔ جھکتی نظر زمین میں گڑ جانے کو تھی۔ مگر مقابل جو نگاہ تھی اب قدر پر شوق تھی۔ نہ توجہ کم ہوئی تھی، نہ دیکھنے میں کوئی تعطل واقع تھا۔

''پرہیز گاری کے سارے اصولوں سے واقف ہوں۔ مگر توبہ ٹوٹ جانے پر کوئی جواز پیش نہیں کر سکوں گا۔'' سامنے دیکھتی نگاہ جہاں مبہوت تھی وہیں لہجہ بھی کھویا کھویا سا تھا۔

''کوئی گلہ کرو گی تو عبث ہوگا اگر دیکھ پاؤ تو جان جاؤ کہ اختیار قائم رکھنا آسان نہیں۔ اپنے قدموں پر کھڑا ہوں۔ خردمندی کا دعویٰ کر رہا ہوں۔ عجب پاگل ہوں نا ـــــ حشر کا سا عالم ہے اور میں اب بھی انکاری ہوں۔ کتنا بے ایمان ہوں میں۔'' لبوں پر خفیف سی مسکراہٹ بڑی دلفریب تھی۔ انابیہ شاہ کی جھکی نگاہ اٹھی نہ تھی۔ چہرے کی کیفیت وہ تھی کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ عجب بت بنی وہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔ اس کی جلتی نگاہوں کا سامنا آسان نہ تھا۔

''حسین، تراشیدہ خدوخال، یہ ایمان گنوانے پر مائل کرتے تیور، میں خود میں قائم ہوں تو شاید بھرم باقی رکھنے کی کوئی صورت بن ہو گی۔ جو نام دینا چاہو دے لو۔'' مدھم سرگوشی۔ اس کے سارے وجود کو جیسے کسی الاؤ کا سامنا تھا۔

شاید وہ نظر بہکی ہوئی تھی۔

وہ لہجہ بے راہ رو تھا۔

مقابل شاید اپنے آپ میں نہ تھا۔

شاید آج کچھ ہونے کو تھا۔

کوئی قیامت آنے کو تھی یا پھر آ چکی تھی۔

وہ جانتی بھی تو شاید روک نہ پاتی۔

قدم بڑھتے تو تعرض کی کوئی وجہ اس کے پاس نہ ہوتی اور......

انابیہ شاہ قیامتوں کے اندر گھری کھڑی سوچ رہی تھی جب وہ جھکا تھا۔ انابیہ شاہ کی نگاہ ساکت تھی۔ وہ اس کی ساڑھی کا آنچل اٹھا رہا تھا۔

شاید وہ گھڑی آنے کو تھی جب قیامت اس کے مقابل ہوتی۔ وہ لمحہ سر پر تھا جب شاید وہ بےبسی کی آخری حد پر کھڑی ہوتی۔ وہ پل اس کے سامنے کھڑا صاف دکھائی دے رہا تھا جو اس سے اس کا سکون سب کچھ چھین لینے کو تھا۔

وہ اس قیامت سے بچنے کو آنکھیں سختی سے بھینچ گئی تھی۔

شاید یہ لمحہ کبوتر بن جانے کا تھا۔ وہ خطرات سے نمٹنا نہیں جانتی تھی۔ نمٹ نہیں سکتی تھی سو ان سے کو وہ آنکھیں بھینچ گئی تھی۔ مگر ــــ

کسی ہاتھ نے اس کے شانے کو تھاما تھا۔ ایک ہاتھ کا لمس اس کے شانے پر تھا اور وہ زیادہ دیر اس لمحے کی گرفت میں نہ رہ سکی تھی۔ آنکھیں جھٹ سے کھولی تھیں۔ لرزتی پلکیں اٹھی تھیں۔ مقابل کھڑے کو دیکھا تھا اور نظریں ساکت رہ گئی تھیں۔ وہ ہاتھ اس کے شانے پر آنچل رکھ رہا تھا۔ اس کے ڈھانپ رہا تھا۔ وہ حیرت سے پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ عفنان علی خان اس کی آنکھوں جھانکتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

"چیز اپنی ہو تو نہ چرانے کی نوبت آتی ہے نہ لوٹ کھسوٹ کی۔ مجھے جب حاصل کرنا ہوگا تو مانگ کر، تمہاری اجازت سے حاصل کروں گا۔ تم خوفزدہ تھیں؟" وہ جیسے محظوظ ہوتا ہوا مسکرایا۔

"مجھ سے خوفزدہ ہونے کی تمہیں ضرورت نہیں ہے۔ بہت اصول پرست اور حق پرست انسان ہوں۔ ایمانداری کی آج چھوٹی سی مشق تو دیکھ لی تم نے۔ آئی تھنک، کچھ زیادہ باور کرانے کی ضرورت باقی رہی ہوگی۔" ان چمکتی نظروں میں کوئی خاص بات تھی۔ انابیہ شاہ کے اس طرح دیکھنے پر وہ جانے مسکرا دیا تھا۔

"یہ سچ ہے ــــ میں فرشتہ نہیں ہوں۔ مگر انسان بننے کی کوشش ضرور کر رہا ہوں۔ سچ کہوں لمحہ بھر کو ڈگمگایا ضرور تھا مگر قدم ثابت رہے۔ اس ثابت قدمی کی مثال بننے کو کتنی قیامتیں جان پر گزریں یہ بات کوئی نہیں جانتا۔ آئندہ احتیاط برتنا۔ دوبارہ ثابت قدمی کا دعویٰ کر سکوں گا نہ ایمان کی مضبوطی کا۔ آخر کو بندہ بشر ہوں۔ دل بھی رکھتا ہوں اور جذبات بھی۔" شاید اس کے تاثرات سے حظ اٹھانے کی صورت تھی۔ وہ اس کیفیت سے حد درجہ محظوظ ہوا تھا۔ انابیہ شاہ کچھ نہیں کہہ سکی تھی۔ اس سے قبل کہ اس نے اس کی نگاہوں کی تاب نہ لا کر پلٹنے کی سعی کی تھی مگر وہ سعی مزید گلے آن پڑی تھی۔ وہ تھی۔ توازن برقرار نہ رہا تھا۔ بےترتیب پڑا آنچل غالباً سب سے بڑی وجہ رہا تھا اور دوسرے عفنان علی خان کی بانہوں میں تھی۔ عفنان اس چہرے کو بغور توجہ سے دیکھ رہا تھا۔ اس لمحے میں نگاہ چمک کچھ بڑھی تھی اور وہ مسکرا دیا تھا۔ انابیہ شاہ ایک لمحے میں توازن برقرار رکھ کر اپنے قدموں ہوئی تھی۔

عفنان علی خان مسکراتا ہوا اسے دیکھتا ہوا پلٹا تھا اور چلتا ہوا دروازے تک پہنچ گیا تھا۔ وہ جو

ی کھڑی تھی، ایک عجب اثر دیتی ہوئی پلٹنے کو تھی جب وہ مڑا تھا۔

"جلدی تیار ہو جائیے ــــ ورنہ مجھے سب کچھ منسوخ کرنا پڑے گا۔ آپ تیار ہو رہی ہیں نا ــــ؟"

ی جان قیامت میں ڈالنے کا وہ کوئی لمحہ ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتا تھا۔

انابیہ شاہ نے تمام تر غصے کو اپنے اندر کہیں دباتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔ اس کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔

"میری مزید کوئی ضرورت تو باقی نہیں؟ آئی مین اگر آپ کہیں تو عریشہ کو بھجوا دوں، وہ آپ کی ہیلپ کر دے گی۔"

"نہیں، اس کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ نظروں کی مزید تاب نہ لا کر ہیل کو وہیں اتار کر ساڑھی کے تمام آنچل کو ہاتھوں سے سمیٹ کر پلٹی تھی اور ڈریسنگ روم میں گھس گئی تھی۔

عفنان علی خان مسکراتا ہوا واپس پلٹ گیا تھا۔

***

"ایک بات پوچھوں ازہان؟" آئس کریم کھاتے ہوئے ساہیہ خان مسکرائی تھی۔ ازہان حسن بخاری نے اسے پیشگی اطلاع دیتے ہوئے دیکھا تھا۔

"شیور! ــــ مگر بات ڈھنگ کی ہونا شرط ہے۔"

"کیا مطلب؟ ــــ ساری بے ڈھنگی باتیں میں ہی کرتی ہوں؟" ساہیہ خان نے اسے گھورتے ہوئے کہا تھا۔

"نہیں ــــ کچھ بے ڈھنگی باتیں میں بھی کرتا ہوں۔ کچھ ہم دونوں مل کر کرتے ہیں جیسا کہ ابھی اس گھڑی کر رہے ہیں۔" ازہان نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

"اتنے خوبصورت لمحوں کو ضائع کرنا حماقت نہیں تو اور کیا ہے، ہاں؟"

ساہیہ مسکرا دی تھی۔

"تم مرد کثرت سے ڈائیلاگ مارنے کے عادی کیوں ہوتے ہو؟ ــــ جانتے ہو نا عورت بے چاری ٹھہری سدا کی بے وقوف۔ دو چار چکنی چپڑی باتیں کر کے اسے رام کیا جا سکتا ہے تو پھر یہ گر آزمانے میں دیر کیوں کی جائے؟"

ازہان کا قہقہہ بہت بے ساختہ تھا۔

"تم ایسا سوچتی ہو؟" اس کے آئس کریم فلیور میں سے آئس کریم لے کر منہ میں رکھی تھی۔

"میں ایسا سوچتی نہیں ہوں بلکہ سمجھتی ہوں۔" ساہیہ نے اپنی آئس کریم اس کے آگے سے ہٹاتے ہوئے اسے گھورا تھا۔

"خود کو پوز کرنے کا بہت شوق ہوتا ہے تمہیں۔ ہر جگہ خود کو ہرکولیس ثابت کرنا چاہتے ہو۔ چھوٹی باتوں میں بھی خود کو تیس مار خان ظاہر کرنا چاہتے ہو۔ ایون آئس کریم فلیور لیتے وقت بھی۔ تمہیں اسٹرابری اور کو نہیں تھی نا تو اب کیوں؟" ساہیہ خان چڑ کر بولی تھی اور وہ ہنستا چلا گیا تھا۔

''یہ آج کیا ہو گیا ہے تمہیں ساہیہ؟ ــــ یہ کیسی باتیں کر رہی ہو تم؟ ــــ تمہیں ایسی شکایتیں کیونکر ہو گئیں مجھ سے؟ ــــ اذہان حسن بخاری سے؟'' لہجے میں حیرت نمایاں تھی۔ ''تم ایم اے کمپلیٹ پیکج آف ہزبینڈ۔ شکر کرو اتنے آرام سے دستیاب ہوں۔ ورنہ آج کل کے دور میں ہے اتنا او بیڈیینٹ قسم کا ہزبینڈ''

ساہیہ خان نے کسی قدر شکایتی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''ایکسکیوزمی! تم اور او بیڈیینٹ ہزبینڈ۔''

''تمہارا کیا خیال ہے؟'' اذہان نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

''آئی تھنک، یہ اس صدی کا سب سے بڑا جوک ہے ــــ گینز بک آف ورلڈ ریکارڈ دیکھیے۔ آپ نے واقعی اس صدی کا سب سے بڑا جوک مارا ہے۔''

اذہان ہنس دیا تھا۔

''یہ آج تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم کیسی باتیں کر رہی ہو؟ کیا سارا جھگڑا آج ہی کر لو گی؟ ــــ پرفیکٹ وائف بننے کی پکی مشق تو نہیں کر رہیں؟'' اذہان بولا تھا اور وہ مسکرا دی تھی۔

''ڈونٹ ٹرائی ٹو بی اوور اسمارٹ ہاں ــــ اب تم میرا موڈ ٹھیک کرنے کے لئے چکنی چپڑی استعمال مت کرو۔ اچھی طرح سمجھتی ہوں میں تم آدمیوں کی سائیکالوجی۔'' بہت دنوں بعد وہ ساہیہ لگ رہی تھی۔ تڑ تڑ بولنے والی۔ نہ ڈرنے والی نہ جھجکنے والی۔ بے ساختہ ہر بات کہہ دینے والی۔ اذہان اُسے بغور تکتا ہوا مسکرایا تھا۔

''اچھا، تو میں چکنی چپڑی باتوں کا استعمال کر رہا ہوں۔ بائی دی وے، تم جانتی کیا ہو ہم مردوں کی سائیکالوجی کے بارے میں؟ ــــ بتاؤ، کیا خرابی ہوتی ہے ہم میں؟ اچھے خاصے وفادار ہوتے ہیں ہم لوگ یار! تم لوگ دن کو دن کہنے کے لئے کہتے ہو تو ہم کہتے ہیں۔ جہاں کھڑا ہونے کے لئے کہو اچھے بچوں کی طرح گھنٹوں کھڑے رہتے ہیں۔ اور کیا کریں، بتاؤ؟ اپنی پوری زندگی اتنی لمبی طویل زندگی جسے مزید رنگین کر کے گزارا جا سکتا ہے، ہم تم لوگوں کے لئے، فقط ایک چہرے، ایک دل سے وابستہ ہو کر دن رات تمہیں دیکھتے ہوئے گزار دیتے ہیں۔ اور کیا ہاں؟ اور کیا ایکسپکٹ کرتی ہیں خواتین ہم سے، بتاؤ۔'' اذہان حسن بخاری نے صورت حال سے بھرپور لطف لیا تھا۔

''ایکسکیوزمی! کیا کہا آپ نے؟ ــــ ایک چہرے کو، ایک دل کو، ایک نظر کو دیکھتے ہوئے ساری زندگی گزار دیتے ہو۔ تم لوگ جو جنگل میں بھی منگل کرنا جانتے ہو، ان کونوں کھدروں میں چھوٹی درزوں میں بھی تم انجوائے منٹ کے بہانے خوب ڈھونڈ لیتے ہو۔ ایک نظر کو دیکھتے ہو نظروں کو اور بہ غور دیکھ لیتے ہو۔ چور چوری سے جا سکتا ہے، ہیرا پھیری سے نہیں۔ تم اپنی زندگی کو بخوبی جانتے ہو۔ ورنہ آپ کا دم نہ گھٹ جائے۔ آپ مر نہ جائیں؟'' ساہیہ کی طرف سے بھرپور وار ہوا تھا۔

اذہان حسن بخاری نے مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ وہ کسی قدر رنجیدہ مگر وہ پوری توجہ سے مسکراتے ہوئے اسے دیکھنے لگا تھا۔

''ہاں ــــ واقعی، ہم تو مر جائیں اگر کوئی آپ جیسا ہماری زندگی میں نہ ہو۔ واقعی مر تو جائیں اگر یہ سا ہاتھ، ہاتھ میں نہ ہو۔'' اس کی آنکھوں میں براہ راست دیکھتے ہوئے اس نے بہت بڑا ڈائیلاگ بولا تھا۔ ساہیہ نے اسے دیکھا تھا اور مسکرا دی تھی۔

''اتر آئے نا اپنی اصلیت پر۔ یہ تم لوگوں کا آخری حربہ ہوتا ہے۔ تیر اچھا ہے اور بروقت بھی۔ مگر میں کیا کروں اذہان حسن بخاری! جبکہ میں دیکھ رہی ہوں کہ آپ کی نظریں مجھے کم اور میرے پیچھے والی سیٹ پر بیٹھی لڑکی کو زیادہ دیکھ رہی ہوں۔ وہی کونوں کھدروں سے رنگ ڈھونڈنے والی بات ہو گئی نا۔'' مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ وہ ہنس دیا تھا۔

''تمہارا جواب نہیں ساہیہ! ــــ سیانے ٹھیک کہتے ہیں۔ بے وقوف محبوبہ زیادہ بہتر ہوتی ہے بجائے عقل مند بیوی کے۔ بٹ ٹرسٹ می، آئی ول لو یو آل ویز یور۔ پوری سچائی سے، ایمان داری سے۔ یقین کرو۔ میرا سب کچھ تمہارا ہو گا۔ مجھ سمیت۔ ایمان، امید، محبت، سب کچھ ــــ کبھی تبدیلی نہیں ہو گی۔ چار سالوں بعد جب تم اتنی خوبصورت بھی نہیں رہو گی تب بھی نہیں۔ اور دس سالوں بعد جب کچھ موٹی ہو جاؤ گی تب بھی نہیں۔ اور کچھ سالوں بعد بھدی ہو جاؤ گی تب بھی نہیں۔''

ساہیہ نے اسے گھورا تھا اور وہ ہنس دیا تھا۔

''کم آن یار! شہر میں اتنے سارے سلمنگ اور فٹنس کلب کس لئے ہیں؟ اور بیوٹی سیلون کس دن کام آئیں گے؟''

''اذہان!'' ساہیہ نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ ''اٹس ٹو مچ ہاں۔'' ہاتھ اٹھا کر اسے وارننگ دی تھی مگر اذہان حسن بخاری نے مسکراتے ہوئے اس کے ہاتھ کو بہت گرم جوشی سے اپنے ہاتھ میں تھام لیا تھا اور اس کے چہرے کو بھرپور توجہ سے دیکھتے ہوئے مسکرایا تھا۔

''ساہیہ! مجھے واقعی تمہاری بہت ضرورت ہے۔ ایک دو قدم کے لئے نہیں، تمام عمر ساتھ چلنے کے لئے۔ چند لمحوں کے لئے نہیں، تمام عمر ساتھ رہنے کے لئے۔ مجھے واقعی تمہاری ضرورت ہے۔'' لہجہ خالص اور بھرپور تھا۔ یہ نہ تو کوئی مذاق تھا نہ کوئی روایتی جملے۔ وہ اس وقت واقعی دل سے یہ سب کہہ رہا تھا۔ ساہیہ نے اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا اور بہت دھیمے سے مسکرا دی تھی۔

''بہت ڈرنے لگی ہوں اذہان! ــــ بہت زیادہ خوفزدہ رہنے لگی ہوں۔ سب خواب جیسا لگتا ہے۔ ڈرتی ہوں آنکھ کھلے تو خود کو کسی گمان میں نہ پاؤں۔ ابھی جو خود کو ہواؤں میں اُڑتا ہوا، روئی کی طرح تیرتا محسوس کرتی ہوں، کل کہیں اپنے پیر تپتی ریت پر نہ پاؤں۔'' مدھم لہجے میں عجب خدشے سے تھے۔ جھکی نظر جانے کس خوف کے تحت کانپ رہی تھی۔ اذہان حسن بخاری اسے دیکھتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

''اوہ کم آن یار! ــــ ٹرسٹ می۔ ہماری زندگی میں کہیں دور تک بھی کوئی ولن نہیں ہے۔ بلیوی، ہماری یہ پیاری لو اسٹوری جو ایک اچھے اینڈ کے ساتھ ختم ہونے جا رہی ہے۔'' یقین دلانے کا انداز بہت دلچسپ تھا مگر ساہیہ نے اسے گھورا تھا۔

"ختم ہونے نہیں، آغاز ہونے۔ ہماری نئی لائف شروع ہونے جا رہی ہے۔" اس نے پ

اذہان مسکرا دیا تھا۔

"ہاں۔ آغاز ہونے جا رہی ہے اور یہ تم ٹیپیکل وائف کیوں بننے لگی ہو ابھی سے؟...... کی طرح ٹریٹ کرنے کا انداز ہوتا ہے تم عورتوں کا۔"

ساہیہ نے اسے دیکھا تھا۔ وہ اپنی مسکراہٹ دبا نہیں سکی تھی۔ تبھی جب وارننگ دینے کے لیے اٹھایا تھا تو لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

"اذہان! ناٹ اگین ہاں۔ ہم بہت فضول بحث کر چکے۔ اب اٹھو۔ بہت سے کام نمٹانا" ساہیہ نے تحکم بھرے انداز میں کہا تھا۔

"کیا ہے یار! تم بھی نا۔ کتنے دنوں بعد ہم ٹینشن فری ماحول میں مل کر بیٹھے تھے۔ بات کرنا رہا تھا اور تم......" اذہان نے اسے شکایتی نظروں سے دیکھتے ہوئے ویٹر کو بل لانے کا اشارہ کیا آیا۔ اس نے والٹ سے پیسے نکال کر ٹیبل پر رکھے اور اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر ساہیہ کی طرف دیکھا تو مسکرا

"اس طرح کیا دیکھ رہی ہو؟...... اوکے یار! شادی کے بعد گھر کا بجٹ تم بنایا کرنا۔ جب آزاد ہوں، اپنے ڈھنگ سے جی لینے دو۔"

ساہیہ مسکرا دی تھی۔

"تم تو بعد میں آنے والی زندگی کا خاکہ اس طرح کھینچتے ہو جیسے تم بہت معصوم چوزے ہو اور جلاد، ہاتھ میں خوفناک ہتھیار لئے میں تمہارے پیچھے ہوں گی اور تم میرے آگے آگے۔"

"بالکل ٹام اینڈ جیری کی طرح۔ ہے نا؟" اذہان حسن بخاری نے اس کے کھینچے گئے نقشے کو اور ہنس دیا تھا۔ ساہیہ بھی مسکرا دی تھی۔

"انٹرسٹنگ نا۔ ویسے مجھے ٹام اینڈ جیری واقعی بہت پسند ہیں۔ اچھا شوہر میں ہوں یا نہیں مگر ضرور ہوں گا۔ اپنے بچوں کے ساتھ بیٹھ کر کارٹون دیکھا کروں گا۔ اگر تمہارا دل چاہے تو تم بھی دے سکتی ہو۔"

ساہیہ نے اسے گھورنا چاہا تھا مگر وہ ایسا نہیں کر سکی تھی۔ بہت فطری انداز میں کئی رنگ اس پر پھیل چکے تھے اور وہ گھورنا تو درکنار اس گھڑی ڈھنگ سے اس کی سمت دیکھ تک نہ سکی تھی۔ اگر جان پائی کہ اذہان حسن بخاری اسے کن نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

ریسٹورنٹ سے نکلنے سے گاڑی میں بیٹھنے تک وہ اپنا دھیان پھیرے رہی تھی۔

"کتنی مزیدار لائف ہو گی نا۔ مجھے تو ابھی سے سوچ کر ایکسائٹمنٹ ہو رہی ہے۔" چابی لگاتے ہوئے اذہان حسن بخاری نے بدستور شرارت سے اسے دیکھا تھا۔

"ہم اپنے بچوں کے نام بھی ٹام اینڈ جیری رکھیں گے۔ لیکن اگر دو سے زیادہ ہوئے تو" خدشے کے پیش نظر اس نے ساہیہ کو دیکھا تھا۔

"شٹ اپ اذہان!...... گاڑی چلاؤ۔ آئی ایم گیٹنگ لیٹ۔" اس کی سمت بنا دیکھے اس

حسن بخاری اس لمحے کھلکھلا کر ہنس دیا تھا۔

***

کب تک بام و در سے الجھیں
وحشت ہے تو گھر سے نکلیں
جاگی ہوئی ان گلیوں میں
رات گئے تک تنہا گھومیں
بھولے بسرے سے دو نیناں
آڑے جاتے رستہ روکیں
پیار سے کوئی حال جو پوچھے
سر اس کے کاندھے پر رکھ دیں
ایسا نہ ہو جی بیٹھ ہی جائے
کب تک چڑھتے چاند کو دیکھیں

پاپا کا فون آیا تھا۔ وہ رونا نہیں چاہتی تھی۔ کمزور پڑنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ مگر آنکھوں سے خود بخود آنسو بہے تھے۔

"تم پریشان ہو میرب!" پاپا جانے کیسے جان گئے تھے۔

"نہیں پاپا! بس آپ سب کو بہت مس کر رہی ہوں۔" اس نے اپنی آنکھیں رگڑتے ہوئے کہا تھا۔

"اب تمہیں ہمیں مزید مس نہیں کرنا پڑے گا۔ آئی ایم کمنگ۔" پاپا نے اطلاع دی تھی۔

وہ اس لمحے خوش ہونے کی بجائے حیران ہوئی تھی۔

"کیا مطلب؟" اس کا ماتھا ٹھنکا تھا۔ کہیں سردار سبکتگین حیدر لغاری نے تو کوئی شکایت نہیں لگا دی؟ سے قبل فون کر کے ساری باتیں گوش گزار تو نہیں کر دیں کہ سارا الزام اگر آئے تو اس کے سر آئے اور وہ صاف بچ نکلنے میں کامیاب ہو جائے۔

میرب سیال نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے خیالوں کے برعکس بہت نان سے اسٹیئرز اتر رہا تھا۔ مگر میرب کی سوچ اور نگاہ اسی شخص سے بندھ گئی تھی اور پاپا کہہ رہے تھے۔

"میں تمہیں ابھی بزنس کے جھمیلوں میں الجھانا نہیں چاہتا تھا۔ سو سارا بزنس اور اس کی دیکھ بھال حشمی کے حوالے کر دی تھی۔ مگر اس نے بہت سی جگہوں پر اس بات کا ناجائز فائدہ اٹھایا ہے اور ہماری کاروباری ساکھ کو خاصا دھچکا لگا ہے۔ اس کی لوٹ کھسوٹ کی ایک لمبی فہرست ہمیں وقتاً فوقتاً ملتی رہی ہے۔ مگر اب برداشت سے باہر ہو چکی ہے۔ ہم نے اس پر اعتبار کر کے بہت بڑی غلطی کی۔" پاپا بڑے افسوس سے لہجے میں کہہ رہے تھے۔

"لیکن پاپا! حشمی انکل تو آپ کے بہت اعتماد کے بندے تھے...... یوں وہ کئی بار مجھ سے بھی سامنے آئے تو مجھے ان کے رویے میں کہیں کوئی تبدیلی دکھائی نہیں دی۔ پاور آف اٹارنی تو میرے نام تھا پھر

یہ سب کیسے ہوا؟'' وہ حیران تھی۔
پاپا مسکرا دیئے۔
''بیٹا! رشتوں کو ہمیشہ آنکھیں بند کر کے اور کاروبار کو ہمیشہ آنکھیں کھول کر دیکھنا چاہئے
صورت تبھی نکل سکتی ہے۔ آپ ابھی بہت چھوٹی ہو۔ کاروباری الجھنیں اور داؤ پیچ نہیں سمجھ سکتیں
میں آ کر دیکھ لوں گا۔ جو نقصان ہوا وہ اتنا بڑا پھر بھی نہیں ہے۔ مگر بروقت ہمیں اطلاع مل گئی
آسان ہے۔ اینی ہاؤ، آپ اپنا خیال رکھو۔''
''جی پاپا!'' اس نے فون رکھتے ہوئے سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت دیکھا جواب
قریب پہنچ چکا تھا۔
''رشتوں کو ہمیشہ آنکھیں بند کر کے اور کاروبار کو ہمیشہ آنکھیں کھول کر دیکھنا چاہئے۔ انتہا
تبھی نکل سکتی ہے۔'' پاپا کی آواز اس کے اندر کہیں سے اُبھری تھی۔ مگر اس نے سر جھٹک کر
حیدر لغاری کی طرف دیکھا۔ وہ غالباً نہیں، یقیناً آفس جانے کے لئے تیار تھا۔
''پاپا سے آپ کی بات ہوئی تھی؟''
سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے دیکھا تھا اور پھر سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔
''ہاں۔''
''تو آپ نے ان سے کیا کہا؟''
''میں نے؟ ــــــ مجھے ان سے کچھ کہنا تھا کیا؟'' اکھڑے لہجے میں سردار سبکتگین حیدر لغاری
اسی سے سوال کر دیا۔
''بنئے مت۔ آپ نے ان سے کچھ تو کہا ہوگا۔'' میرب سیال اپنی بات پر سختی سے جمی تھی
اسے بہت اطمینان بھری نظروں سے دیکھا گیا۔
''کیا کہوں گا ہاں، کیا کہوں گا میں ان سے؟ ــــــ تمہارے خلاف کان بھروں گا، کیا
ہی خلاف محاذ کھڑا کروں گا کیا؟ ہاں، بولو کیا؟ ــــــ بقول تمہارے کوئی ایک گن بھی مجھ میں
کس بل بوتے پر قائل کروں گا؟ تم سمجھ کیا رہی ہو، میرے پاس اتنا فالتو وقت ہے، کوئی اور کام
تصورِ جاناں کیے ہوئے تمہیں سوچتا رہوں یا پھر تمہارے خلاف محاذ آرائیاں کرتے ہوئے
کرتا رہوں۔ تم سمجھ کیا رہی ہو ہاں؟ کیا سمجھ رہی ہو تم خود کو ــــــ بہت اہم ہو تم؟ ــــــ
تمہیں دیکھنے، تمہیں سوچنے، تمہارے آگے پیچھے بھاگتے رہنے کے علاوہ میرے پاس کوئی
ایکسپکٹ کر رہی ہو تم مجھ سے؟ میرے پاس تمہارے علاوہ اور کوئی کام نہیں ہے؟ چھوڑ دو
تمہارے گھٹنے سے لگ کر بیٹھ جاؤں؟ بولو کیا کروں؟'' وہ جیسے ایسے ہی کسی لمحے کی تلاش میں تھا
اندر کے غبار کو باہر نکال سکتا۔ وہ اس لمحے پھٹ پڑا تھا۔
میرب حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔
''بات تمہارے باپ سے بات کیا کر لی تم نے الزام لگانے شروع کر دیئے۔ تم سو رہی

غلطی ہے؟ ان کا فون وہاں امریکہ سے آ گیا تو میری غلطی ہے؟ میرا گھر ہے، میرے گھر کا فون
میں نے اٹھا لیا تو کیا جرم کر دیا؟ تم اس وقت موجود نہیں تھیں۔ خوابِ خرگوش کے مزے لوٹ
رہی تھیں تو کیا میرا قصور ہے؟ میں نے اپنے گھر کا فون اٹھایا۔ ان سے تمیز سے بات کی۔ کہہ دیا کہ آپ سو
رہی ہیں تو کیا غلط کیا؟ کیا مجھے آپ کو اس وقت اٹھانا چاہئے تھا، بازوؤں میں لا کر یہاں فون پر کھڑا کرنا
تھا یا پھر آپ کے لئے کوئی اہم ترین میسج ڈائری میں نوٹ کر لینا چاہئے تھا؟ مجھے کیا کرنا چاہئے تھا
میرب سیال صاحبہ؟'' انتہائی غصے سے وہ اس کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔
میرب سیال جواباً کچھ نہیں بول سکی تھی اور وہ ہاتھ اٹھاتا اسی درشت انداز میں گویا ہوا تھا۔
''میں آپ کا ملازم نہیں ہوں۔ نہ ہی آپ کا پی اے ہوں۔ آپ کو حکم جمانے کا زیادہ شوق ہو تو آپ
لیجئے۔ یہ گھر اور اس کی ایک ایک اینٹ، ایک ایک چیز میری ہے۔ اس گھر میں جو بھی ہے وہ سب
اور اپنی چیزوں کو استعمال کرنے کا ڈھنگ میں بخوبی جانتا ہوں۔ نہ تو مجھے اس کے لئے کسی کی
ضرورت ہے نہ کسی مشورے کی اور نہ ہی کسی حکم نامے کی۔ آئی ایم دی آنر بائے مائی سیلف۔
سننے کی عادت ہے۔ سننے یا لینے کی نہیں۔ آئندہ مجھ سے بات کرتے ہوئے احتیاط برتنے گا۔ اپنی
مخالف سمت جاتے تمام راستوں کو اپنی سمت موڑنے کا ڈھنگ سردار سبکتگین حیدر لغاری بخوبی
ہے۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری یقیناً وہ نہیں ہے جو تم اسے سمجھی ہو۔ کیپ دی لمٹ۔'' وہ ہاتھ اٹھا کر
تنبیہ دے کر پلٹا اور چلتا ہوا وہاں سے نکلتا چلا گیا۔ صبح صبح اس کا لہجہ کیسی آگ اگل رہا تھا۔
لچک پذیری، وہ نرمی، وہ لہجے کی گرمی!
سب ناپید تھا۔ ایک لمحے میں دوبارہ وہی سردار سبکتگین حیدر لغاری تھا۔ ایک لمحے میں وہی دوری تھی اور
بغاوت۔
لگا ہی نہ تھا کہ درمیان میں کوئی نرم موڑ آیا بھی تھا۔ لگتا ہی نہ تھا کہ کوئی ایک نہیں، کئی خوشگوار لمحے
دلوں کی قربت سے بڑھتے ان کے درمیان فاصلے سمیٹتے رہے تھے۔ لگتا ہی نہ تھا ــــــ
نیا مکمل تھا۔
میرب سیال کے کل شام کے رویے کے بعد کا یہ نیا لائحہ عمل تھا۔
میرب سیال سر جھکائے کھڑی تھی۔ جانے کب کی چلتی ہوئی اس کے پاس آن رکی تھی۔ ایک عجب سا
اس کے چہرے پر تھا۔ شاید وہ جنت اپنے قدموں میں لئے جا رہی تھی۔ یہ اسی بات کا اعجاز تھا۔ میرب
نے پہلے بھی دیکھا تھا مگر ان دنوں کی تازگی پہلے جیسی نہیں تھی، اس سے کچھ بڑھ کر تھی۔ مگر بات ایک
پر فائز ہونے سے بھی کچھ زیادہ کی تھی۔ شاید وہ تکمین کے قریب تھی۔ اس کے پاس تھی اور یہی خوشی
اندر کو مہکانے کے ساتھ ساتھ اس کے چہرے کا گھیراؤ بھی کر رہی تھی۔ میرب نے نگاہ اٹھا کر اپنے
لڑکی سے حد خوبصورت نظر آئی، دنیا کی سب سے زیادہ خوش نصیب عورت کو دیکھا تھا۔ وہ ایسا نہ
تاثر ایک خاص احساس اس لمحے کی کو بہت خاص ثابت کر رہا تھا۔
جنت جچی تھی۔

ایک خاص ترین شخص کا دل۔
وہ اس کے بچے کو جنم دینے جا رہی تھی۔
وہ شخص جو عورت کو ایک کھلونے سے زیادہ نہیں سمجھتا تھا، وہ گی کو ایک اہم ترین مسند پر
کچھ تو خاص بات تھی اس میں۔ وہ اگر اس کے گھر میں تھی تو ضرور دل میں بھی تھی۔ اور وہ
اپنی طرف آیا تھا۔
اس کے لئے اس کا پیار، محبت، توجہ، نرمی، لچک پذیری سب دھوکا تھا۔ وہ ایک ساتھ دو
یاب ہونے کی کوشش کر رہا تھا اور اس میں کامیاب بھی ہونا چاہتا تھا۔
میرب اس کیلئے ایک چیلنج سے زیادہ کچھ نہیں تھی۔ وہ کبھی نہیں ہارا تھا۔ شاید اسی لئے
جنون بڑھ چلا تھا۔
کئی آنسو چپ چاپ بے قدرے پلکوں کی باڑ پھلانگ کر چہرہ بھگو گئے تھے۔ گی نے ا
دیکھا تھا۔
"کیا ہوا ــــ؟" پوچھنے کے ساتھ بہت دوستانہ انداز میں اس کے شانے پر ہاتھ
اس کا دل بہت بڑا تھا یا پھر وہ سمجھ بوجھ کرنا چاہتی تھی یا پھر یہ بھی تھا کہ وہ اس کی حیثیت
جانتی تھی۔
وہ جانتی تھی وہ گین کی زندگی میں کتنی جگہ رکھتی ہے اور کتنی وقعت!
گی یقیناً سمجھدار تھی۔ اور وہ ــــ؟ اپنی آنکھیں سختی سے رگڑتی ہوئی میرب نے گی کو
"میرا دل تمہاری طرح بڑا نہیں ہے گی! ــــ آئی کانٹ ایکٹ لائک یو۔" نفی میں
عجیب تجلک انداز میں بولی تھی۔ گی نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے کسی قدر حیرت سے اسے دیکھا
"وہاٹ ڈز اٹ مین؟ وہاٹ آر یو سیئنگ؟" وہ غالباً اس کے آنسو دیکھ کر پریشان ہو
"گین نے کچھ کہا؟ ــــ تم رو رہی ہو؟" شستہ انگریزی میں کہتے ہوئے گی نے
گر دو پھیلایا تھا مگر میرب نے اس کھوکھلے سہارے کو دوسرے ہی لمحے جھٹک دیا تھا اور
طرف دیکھتی ہوئی درشت انداز میں بولی تھی۔
"مجھے تمہاری یا تمہارے اس گین کی کسی ہمدردی کی ضرورت نہیں ہے۔ سنا تم
ہوں۔ نہ ہی کبھی کمزور پڑوں گی۔ تم ابھی گین کو نہیں جانتی ہو۔ میں جانتی ہوں۔ عو
کھلونے سے زیادہ نہیں ہے۔ وہ تم سے کھیل چکا ہے۔ کچھ دیر اور کھیلے گا اور بالآخر اپنا
دے گا۔ وہ ایسا ہی کرتا ہے۔ وہ ایسا ہی کرتا رہے گا۔ وہ کبھی نہیں بدلے گا۔ بندھن اس
ہیں۔ رشتے اس کے لئے مذاق ہیں۔ تم جس حالت میں اس کے ساتھ رہ رہی ہو شاید تم
ہو۔ مگر جب تم رشتے کے متعلق کہو گی تو وہ تم سے کوئی بندھن نہیں باندھ سکے گا۔ کیونکہ
بندھنا بالکل پسند نہیں ہے۔ اس کی نفسیات یہی ہے۔ جو شے اس سے جتنی دوری پر
ہے۔ جتنی قریب ہے، اتنی ہی بے وقعت ہے۔ اگر تم اس کی زندگی میں کوئی جگہ باقی

ن کو قائم رکھو۔ اس سے دوری پر چلی جاؤ۔ وہ تمہارے پیچھے پیچھے آ جائے گا۔ شاید اپنا بھی لے۔ مگر
کے لئے نہیں۔ ایسا اس کے لئے ممکن نہیں ہے۔ وہ ایسا ہی ہے۔ وہ گلابوں سے عشق کرتا ہے۔
اس کی توجہ کا مرکز ہیں۔ مگر خود وہ ایک تھیروں ہے۔ یس، ہی از لائک اے تھیروں! ــــ وہ ایک
ہے جو چبھتا ہے اور صرف درد دیتا ہے۔" آنسوؤں سے تر چہرے کے ساتھ وہ کہتی ہوئی پلٹی تھی اور
یاں پھلانگ گئی تھی۔
کی حیرت سے کھڑی اسے دیکھتی رہ گئی۔ بہت کچھ اردو میں اور ایک آدھ جملہ انگریزی میں۔ وہ مفہوم
پڑ نہیں جان پائی تھی مگر اس کا انداز اور کچھ جملے اسے سمجھا گئے تھے کہ وہ بہت ڈپریس ہے اور شاید گین
کی حد تک خفا بھی اور یہ بھی شاید اس لئے تھی کہ وہ یہاں تھی۔ اب جب اس نے اس سے بات
ی تو اسے لگا تھا کہ وہ ان دونوں ہزبینڈ وائف کے درمیان انٹرفیئر ہونے کی کوشش کر رہی ہے۔ وہ اسی
ج کھڑی تھی جب اس کا سیل بجا تھا۔ اسکرین پر "گین" روشن تھا۔
اس نے کال ریسیو کر لی تھی۔
"ہیلو گین!"
"میں نے تمہیں یاد دہانی کے لئے فون کیا ہے۔ آج تمہارا ریگولر چیک اپ ہے۔ ڈاکٹر رابعہ قمر کے پاس۔"
"تھینکس! میں جانتی تھی۔" گی چونکتی ہوئی مسکرائی تھی۔
"تم تیار رہنا۔ میں چار بجے تمہیں پک کر لوں گا۔" گین نے کہا مگر اس نے فوراً سر نفی میں ہلا دیا۔
"نہیں گین! اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں خود چلی جاؤں گی۔" اس نے تردد کیا۔ گین دوسری
ف متفکر دکھائی دیا۔ ڈرائیو کرتے ہوئے اس کی مکمل توجہ گی کی سمت تھی۔
"آر یو شیور؟"
"یس! آئی ول مینج۔" گی نے اسے مطمئن کرنے کو کہا تھا۔
"پھر بھی اگر کوئی پرابلم ہو تو مجھے فون کر لینا۔ میں میٹنگ میں ہوں گا مگر تمہاری کال ریسیو ہو جائے
گی۔" اس کے تعرض کے باوجود سبکتگین حیدر لغاری اس کے لئے متفکر دکھائی دیا۔
گی مسکرا دی۔
"تم فکر مت کرو۔ بائی دی وے، تھینکس فور دی کیئر۔"
"میں نے ڈاکٹر رابعہ سے بات کر لی ہے۔ ان کے نزدیک کوئی کمپلی کیشنز فی الحال نہیں ہے۔ مگر پھر
چیک اپ کے بعد مجھے کال کر کے ضرور بتا دینا۔ ورنہ ڈاکٹر رابعہ سے مجھے خود بات کرنا پڑے گی۔" وہ
گی کے لئے مکمل طور پر کنسرن تھا۔ گی کے لئے اس کی فکر صاف دکھائی دے رہی تھی۔
"میں تمہیں بتا دوں گی۔" گی نے اطمینان دلایا۔
"میں دوبارہ فون کروں گا۔"
گی نے مسکراتے ہوئے فون کا سلسلہ منقطع کیا اور گہری سوچ میں ڈوب گئی۔

❁ ❁ ❁

دوئم

سمت جانے سے پہلے کچھ بکھر کے دیکھ لیتے ہیں
ہوا کی لے پہ رقص شام کر کے دیکھ لیتے ہیں
بہت دن آگہی کے نام پر دنیا نے بھٹکایا
سو کچھ دن کنج غفلت میں ٹھہر کے دیکھ لیتے ہیں
جہاں پہ تھا غرور کج کلاہی کا مجرم ہم سے
اسی رہ سے شکستہ پا گزر کے دیکھ لیتے ہیں

بہت دن بعد وہ لامعہ کے ساتھ بیٹھی کسی بات پہ بے ساختہ ہنس رہی تھی۔ لامعہ نے اس کے بغور دیکھا تھا اور مسکرا دی تھی۔

''کیا ہوا؟۔۔۔۔۔ ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟'' انابیہ شاہ نے چونکتے ہوئے اسے دیکھا تھا پھر ہاتھ کی سمت بڑھا کر پانی کے ننھے ننھے قطرے صاف کرنے لگی تھی جو کھلکھلا کر ہنسنے کے باعث آنکھوں میں جمع ہو کر رخساروں پہ بہہ نکلے تھے۔ وہ بہت کم کم ہنستی تھی۔ سو یہ مواقع بھی بہت کم میں میسر آتے تھے۔ اپنی طرف دیکھتے پا کر لامعہ نے سر نفی میں ہلا دیا تھا اور اس کے چہرے سے ہوئی مسکرا دی تھی۔

''بہت کم لوگ ہنستے ہوئے خوبصورت لگتے ہیں۔''

''جھوٹ۔'' انابیہ شاہ نے بلا تردد اسے دیکھا تھا۔ لامعہ نے چونک کر دیکھا تھا تبھی وہ وضاحت دیتی بولی تھی۔

''ہنستے ہوئے سبھی لوگ اچھے لگتے ہیں۔ ہاں، روتے ہوئے بہت کم لوگ خوبصورت لگتے ہیں۔'' انابیہ کی بات میں لاجک تھی۔ لامعہ مسکرا دی تھی۔

''یو آر رئیلی اے لکی گرل۔ عفنان بہت محبت کرتا ہے تمہیں۔ شاید یہ بات تم نہیں جانتی ہو۔'' بات پہ انابیہ کے چہرے پہ پھیلی مسکراہٹ غائب ہو گئی تھی۔ لامعہ پہ سے نگاہ ہٹانے کے ساتھ کی سمت سے اپنا چہرہ بھی پھیر گئی تھی۔ انداز بتا رہا تھا کہ وہ اس موضوع پہ کوئی بحث نہیں کرنا چاہتی۔ لامعہ جانے کیوں بضد دکھائی دی تھی۔

''انابیہ! تمہیں برا لگے گا اور شاید لگنا بھی چاہئے۔ آئی ایم وی تھرڈ پرسن۔ اور مجھے کوئی زائد تم لوگوں کے تعلق کو لے کر کچھ ڈسکس کرنے کا یا انٹرفیئر کرنے کا۔ مگر انابیہ! میں تمہیں ایک بات کہنا چاہتی ہوں۔ محبت جب دستکیں دے تو اپنے دل کے دروازے وا کرنے میں دیر نہیں کرنی چاہئے۔ ورنہ دستکیں کھو جاتی ہیں اور دل کے دروازے کی سمت آتے قدم اور ان کی آہٹیں خواب ہو جاتی ہیں۔''

لامعہ کا لہجہ اس کے لئے مخلص تھا مگر وہ بہت سرسری انداز میں اس کی طرف دیکھ کر نگاہ ہٹا گئی تھی۔

''محبت۔۔۔۔۔ تم کیا جانتی ہو محبت کے بارے میں؟'' انابیہ کا لہجہ بہت سرسری سا تھا

بار انفیکس کر رہی ہو۔ لامعہ نے اس کی جانب دیکھا تھا اور بنا کوئی وضاحت یا جواب دیے پھیر گئی تھی۔ انابیہ نے اس کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھا تھا اور بہت نرمی سے مسکرا دی تھی۔ ''بارہا کسی کی بھی محبت زیر و نہیں کرتا۔ تمہیں اس سے ہمدردی ہو رہی ہے۔ تم اسے فیور کر رہی بلکہ تم اس کے متعلق کچھ نہیں جانتی ہو یا پھر جان کر بھی نظر انداز کرنا چاہتی ہو۔ لامعہ! یہ جو محبت ہے بری شے ہے۔ کبھی اپنی مخالف سمت ہو چنے ہی نہیں دیتی۔ تم بھی عفنان علی خان کی مخالف سمت ہیں پا رہی ہو۔ شاید کبھی تم نے بھی تو محبت کی تھی نا اس سے۔ تمہیں عفنان علی خان غلط نظر نہیں آ رہے بلکہ تم اسے ٹھیک طریقے سے دیکھنا ہی نہیں چاہتیں۔ دل کی نظر سے ہٹ کر اگر صرف باہر کی آنکھ سے جج کر کے دیکھو تو وہ مجرم تو ہے۔''

''مجرم!۔۔۔۔۔ کیا، کیا ہے اس نے؟'' لامعہ چونکی تھی۔

انابیہ شاہ مسکرا رہی تھی۔

''دل۔۔۔۔۔ دل توڑا ہے اس نے۔ اور دل دکھانا سب جرموں سے بڑا جرم ہے اور وہ اس جرم کا مرتکب ہوا ہے۔''

''دل؟۔۔۔۔۔ کس کا دل؟۔۔۔۔۔ کیا اس نے تمہیں ہرٹ کیا؟'' لامعہ اس لمحے شدید ترین الجھن کا شکار دکھائی دی تھی۔ شاید وہ تصویر کا ایسا رخ دیکھنے جا رہی تھی جو اس سے قبل اس نے نہیں دیکھا تھا یا پھر دیکھا جاتا تھا۔

انابیہ اس کی طرف دیکھتی ہوئی مسکرا دی تھی۔

''جانے دو لامعہ! بات تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گی۔ میں جو کر رہی ہوں مجھے کرنے دو۔ جس دن یہ کچھ صاف ہو جائے گا تمہاری سمجھ میں بھی آ جائے گا۔ فی الحال سب کچھ بہت الجھا ہوا بھی ہے اور پیچیدہ بھی۔'' انابیہ شاہ کا اطمینان ہنوز قائم تھا۔

لامعہ نے اسے کسی قدر حیرت سے دیکھا تھا۔

''تم کر کیا رہی ہو؟۔۔۔۔۔ پاگل ہو گئی ہو؟ اپنی زندگی کو اپنے ہاتھوں سے کمپلی کیٹڈ کر رہی ہو اور تمہیں اپنی حماقت کا اندازہ تک نہیں ہے۔ عفنان علی خان تمہیں بہت چاہتا ہے۔ تم جانتی ہو یہ بات۔ میں جانتی ہوں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ تم ایک الجھی ہوئی زندگی گزارنے پہ تلی ہوئی ہو؟''

''میں نے کہا نا، تم نہیں سمجھو گی۔'' لامعہ نے اسے بغور دیکھا تھا۔

''انابیہ! تم نے کبھی محبت کی ہے؟'' لامعہ کا سوال شاید بہت غیر متوقع تھا۔ انابیہ کے چہرے کی مسکراہٹ ایک لمحے میں معدوم ہو گئی تھی۔ غالباً اب تک پوچھا جانے والا یہ ناپسندیدہ ترین سوال تھا جس کا جواب انابیہ دینا ضروری نہیں سمجھتی تھی۔ اس کے چہرہ پھیر لینے پہ غالباً لامعہ کو تو یہی لگا تھا۔

''لامعہ! تم مجھ سے کیا ایکسپیکٹ کر رہی ہو؟ کیا لگتا ہے تمہیں، میں تمہیں کیا جواب دوں گی؟'' اس کی طرف سے چہرہ پھیرے انابیہ مسکرائی تھی۔ لامعہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''پتہ نہیں انابیہ! بٹ آئی نو ون تھنگ۔''

"دہاٹ؟" انابیہ مسکرائی تھی۔

"آئی جسٹ جیلس آف یو۔" لامعہ بولی تھی اور انابیہ کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔

"اگر یہ مذاق ہے تو اچھا ہے۔ لیکن اگر تم سنجیدہ ہو تو پھر مجھے سیریس ہونا پڑے گا۔ نہ صرف ہونا پڑے گا بلکہ کوئی نوٹس لینے کے ساتھ کوئی اسٹریٹجی بھی تمہارے لئے بنانا پڑے گی۔ صاف ہے اگر تم میرے شوہر پر نظر رکھو گی تو مجھے برا تو لگے گا نا۔ نہ صرف برا لگے گا بلکہ مجھے کچھ کچھ خوف گا۔" وہ متواتر مسکرا رہی تھی۔ غالباً اس موضوع کو سرے سے مذاق میں اڑا دینا چاہتی تھی اور ا دیکھ کر رو گئی تھی۔ انابیہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا اور توجہ سے اسے دیکھتی ہوئی بولی تھی۔

"لامعہ! تم سب کے متعلق سوچ رہی ہو۔ کچھ اپنے متعلق بھی سوچا ہے؟"

"ہاں، سوچتی ہوں اپنے بارے میں بھی۔" سر جھکا کر بجھے بجھے سے انداز میں جواب دیا تھا۔

"پھر؟" انابیہ نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

"کچھ اچھا نہیں لگتا انابیہ! بعض اوقات۔ جو بات کوئی نہیں جانتا وہ دل جانتا ہے۔ اور دل جینے نہیں
انابیہ اس کی جانب دیکھتی ہوئی سر نفی میں ہلاتی ہوئی مسکرا دی تھی۔

"لامعہ! ایسے جیا نہیں جاتا۔"

"اور جو تم جی رہی ہو وہ جینے کا طریقہ ہے یا زندگی ہے؟" لامعہ نے اس کی طرف جواباً
انابیہ کے پاس اس وقت شاید کوئی جواب نہ تھا۔ وہ سر جھکا گئی تھی۔ لامعہ کچھ نہیں بولی تھی۔ چند
انابیہ گویا ہوئی تھی۔

"زندگی ایک مسئلہ ہے لامعہ! اور محبت ایک لاینحل مسئلہ ہے۔ محبت اور زندگی کے مابین اگر کا من ہے تو وہ صرف مسئلہ ہے۔ میں اسے سلجھانا چاہتی ہوں۔ کوشش کر رہی ہوں۔ جانتی ہو اور......" بولتے بولتے سر اٹھا کر دیکھا تو عفنان علی خان نظروں کے عین سامنے کھڑا تھا۔ انابیہ
گئی تھی جبکہ لامعہ اس کی طرف دیکھتی ہوئی مسکرا دی تھی۔

"کہئے عفنان! کیسے ہو تم؟"

"پرفیکٹ۔ تم کیسی ہو؟ بہت دنوں بعد صورت دکھائی۔"

"ہاں ـــــ میں چاند پر تھی۔" لامعہ مسکرائی تھی۔

"اچھا ـــــ بتایا ہوتا تو ہم بلوا لیتے یا خود چلے آتے۔" عفنان نے مسکراتے ہوئے نظر اور
بیٹھی انابیہ کی طرف دیکھتے ہوئے ایک خوشگوار جملہ اچھالا تھا۔

لامعہ مسکرا دی تھی

"چاند پر لوکل ہزبینڈز کا داخلہ ممنوع ہے۔"

"اوہ ـــــ تب تو میں بڑے آرام سے داخل ہو سکتا ہوں۔ اچھا ہوا تم نے بتا دیا۔" عفنان علی
کے لبوں پر مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں گہری شرارت۔ لامعہ کھلکھلا کر ہنسی تھی۔

"انابیہ! کیا کرتی ہو یار؟ تم اپنے ہزبینڈ پر قابو کیوں نہیں رکھتی ہاں؟ بی آ اسٹرونگ وومن یار! بندہ

سے نکل گیا تو سر پیٹتی رہ جاؤ گی۔" اس نے مسکراتے ہوئے انابیہ کی طرف دیکھا تھا مگر انابیہ نے سوائے خاموشی سے اس شخص کی جانب دیکھنے کے کوئی اور عمل سر انجام نہیں دیا تھا۔

عفنان علی خان نے اس کی طرف ایک نگاہ خاص کی تھی اور مسکرا دیا تھا۔

"تم اسے پٹیاں مت پڑھاؤ۔ وہ آل ریڈی جانتی ہے اسے کیا کرنا ہے۔ غالباً تم سے زیادہ سمجھ بوجھ ہے اس کے پاس اور تم سے زیادہ عقل ہے۔" لہجے میں ہی نہیں اس وقت اس کی نظروں میں بھی ایک کاٹ تھی۔ انابیہ نے اس کی طرف نگاہ نہیں کی تھی۔ لامعہ نے ان دونوں کے درمیان کشیدگی دیکھی تھی اور مسکراتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"میں اب چلتی ہوں۔" پھر انابیہ کی طرف دیکھتی ہوئی بولی تھی۔ "انابیہ! تم ایک چکر لگا لینا۔ مام بہت دنوں سے تمہیں پوچھ رہی تھیں۔"

انابیہ نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"میری طرف سے بھی ان کو پوچھ لینا۔"

"او کے۔" لامعہ مسکراتی ہوئی پلٹی تھی اور باہر کی طرف قدم بڑھانے لگی تھی۔ انابیہ اٹھی تھی۔ ارادہ وہاں سے نکل جانے کا تھا مگر عفنان علی خان اس کے سامنے آن رکا تھا۔ انابیہ نے ایک نگاہ اس پر ڈالی تھی اور پھر دھیان پھیر لیا تھا۔ غالباً اب وہ مدعا سننے کی منتظر تھی۔ عفنان علی خان اسے اسی طرح دیکھتا رہا تھا۔

ایک ـــــ

دو ـــــ

تین ـــــ

کتنے ثانیے چپ چاپ دبے پاؤں گزرے تھے۔ عفنان علی خان کی سمت سے عرض مدعا نہ ہوا تھا۔ انابیہ نے نگاہ دوبارہ ڈالی تھی۔ وہ اب بھی اس کی طرف اسی طرح بغور دیکھ رہا تھا۔ نگاہ میں کچھ تھا۔ وہ زیادہ دیر دیکھ نہیں سکی تھی اور نگاہ پھیر لی تھی۔ عفنان نے بہت آہستگی سے ہاتھ اس کے شانوں پر دھرے تھے اور مدھم لہجے میں بولا تھا۔

"کیا تھا وہ؟ ـــــ کیا وہ تمہیں مجھ سے بھی زیادہ چاہتا تھا؟"

مدھم سرگوشی میں ایک گہرا شکوہ تھا۔ انابیہ شاہ کی جان یکدم ہی قیامتوں سے گھری تھی۔ وہ نگاہ اٹھا کر اس کی سمت دیکھ نہ سکی تھی۔ عفنان نے ہاتھ بڑھا کر اس کا جھکا چہرہ اوپر اٹھایا تھا اور بھرپور توجہ سے دیکھا
جا رہا تھا۔

"کیا مجھ سے زیادہ توجہ؟ ـــــ مجھ سے زیادہ پیار؟ ـــــ مجھ سے زیادہ اعتبار؟ ـــــ کس معاملے میں وہ مجھ سے زیادہ بہتر تھا کہ تم اسے بھول نہیں پا رہی ہو؟ کیا مجھ سے زیادہ دیوانہ تھا وہ؟ کیا مجھ سے بھی کچھ زیادہ پاگل تھا؟" عفنان علی خان کے مدھم لہجے میں کئی شکایتیں تھیں۔ مگر انابیہ کے پاس کسی سوال کا کوئی جواب نہیں تھا نہ کوئی وضاحت۔

"میں نے تمہیں چاہا تو کوئی حد ہی نہیں چھوڑی۔ کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ بے حد، بے حساب، دیوانہ

دار، حد سے سوا چاہا تمہیں۔ چاہا تو کچھ اور نہ دیکھا۔ ہر طرف سے نگاہ بند کر لی۔ کان بند کر لئے۔ دیکھا صرف تمہیں۔ سنا تو صرف تمہیں۔ کہاں کمی رہ گئی انابیہ! بتاؤ، کہاں کچھ کم رہا؟" اس کا چہرہ ہاتھوں میں لئے وہ اسے بغور تکتا ہوا دریافت کر رہا تھا۔ آنکھوں کی تپش انابیہ کے چہرے کو سرخ کر رہی تھی۔ مگر وہ اس کی طرف دیکھنے سے مکمل گریزاں تھی۔ عفنان اسے متواتر خاموشی سے دیکھتا رہا تھا۔ اطمینان کے ساتھ ہم کے ساتھ۔ اور پھر یکدم مسکرا دیا تھا۔

"دیوانہ ہوں نا ــــــ دیوانگی کی باتیں کرتا ہوں۔ ہنسی تو آتی ہو گی تمہیں۔ ہنستی بھی ہو گی اکیلے میں۔ ارے یار، کیسا بے وقوف بندہ ہے۔ اس کی بیوی ہوں، کسی اور کی طلب گار ہوں اور یہ پھر بھی اسی پاگل پن سے مجھے چاہتا چلا جا رہا ہے۔ ہے نا بدھو۔" وہ ہنس دیا تھا۔

"ہاں، بدھو ہوں میں ــــــ بے حد بدھو ــــــ پاگل، تمہارا پاگل ــــــ تمہاری اس نگاہ کا دیوانہ جو تم نے مجھ پر کبھی ڈالی ہی نہیں۔ تمہاری اس بات کا دیوانہ جو میرے لئے تھی ہی نہیں۔" سرگوشی میں ہلکا سا وہ مسکرایا تھا۔

"کچھ نہیں تھا میرے لئے ــــــ مگر کچھ ہے جو میرے لئے ہے اور وہ تم سے میرا رشتہ ہے۔ کبھی نہیں چھوڑوں گا تمہیں۔ اس رشتے سے کبھی آزاد نہیں کروں گا۔ مجرم ہو تم میری۔ اس دل کو بہت دکھایا ہے تم نے۔ تمہیں میرا نقصان سود سمیت پورا کرنا ہو گا۔" اس کے وجود کو ایک جھٹکے سے چھوڑ کر وہ مڑا تھا اور چلتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔ انابیہ لب بھینچے ڈبڈبائی آنکھوں سے اس طرف دیکھتی رہ گئی تھی۔

❋❋❋

"اذہان! ایک بات بتاؤ۔" ڈرائیو کرتے ہوئے اذہان حسن بخاری کو ساہیہ نے مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ دونوں جیولر کے پاس انگیج منٹ رنگ لینے جا رہے تھے۔ اذہان اس کے سوال کی نوعیت کو سمجھتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

"تم مجھے کنجوس سمجھ رہی ہو۔ یار! تم جتنی مہنگی رنگ چاہو اپنے لئے منتخب کر سکتی ہو۔ میرے کریڈٹ کارڈ میں خاصی بڑی رقم ہے۔ ٹرسٹ می۔"

ساہیہ مسکرا دی تھی۔

"تھینکس۔ اب میں سب سے قیمتی رنگ پر ہاتھ رکھوں گی۔ مگر اس وقت میری توجہ اس رنگ پر بالکل کی پرائس پر نہیں تھی۔"

اذہان مسکرا دیا تھا۔

"تھینک گاڈ! ورنہ مجھے یقین ہو چلا تھا میری ساہیہ کی سائیکالوجی عام خواتین سے الگ ہرگز نہیں ہو سکتی۔ زندگی میں پہلی بار تم نے مجھے غلط ثابت کیا ہے ساہیہ! اور اس کے لئے مجھے کوئی افسوس بھی نہیں ہے۔"

"اذہان! ہم پہلی بار منگنی کرنے جا رہے ہیں۔"

"اچھا ــــــ لوگ کیا دو تین بار منگنی کرتے ہیں؟" وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا۔ ساہیہ نے اسے گھورا تھا اور وہ مسکرا دیا تھا۔

"ساہیہ! تم دل کھول کر شاپنگ کر سکتی ہو۔ تمہارا ہونے والا ہزبینڈ کنجوس نہیں ہے۔ غالباً ٹوئل فدا ضرور ہے تم پر۔" ونڈ اسکرین سے نظر ہٹا کر اسے بھرپور توجہ سے دیکھا تھا۔

ساہیہ مسکرا دی تھی۔

"اذہان! تم بات بدلنا بہت اچھی طرح جانتے ہو۔"

"ہماری سوچ اتنی ملتی ہے کہ ہم ایک دوجے کے دل کی بات کہے بنا ہی جان جاتے ہیں۔ مجھے کامل یقین ہے کہ شادی کے دس سال بعد ہماری شکلیں بھی اس خطرناک حد تک ملنے لگیں گی کہ لوگ ہمیں دیکھتے ہی پہچان لیں گے اوہ، اچھا تو آپ دونوں ہزبینڈ وائف ہیں۔"

اذہان حسن بخاری نے دلچسپ بات کی تھی۔ ساہیہ مسکرا دی تھی۔

"ازنٹ سو فنی۔ تم تو ابھی سے اسٹریٹجی پلان کئے بیٹھے ہو۔ مگر یہ سب کچھ ایسا دلچسپ نہیں ہے۔ شادی کے دس سال بعد اگر ہماری شکلیں نہ ملیں تو مجھے زیادہ خوشی ہو گی۔"

"ایسا میں نہیں کہتا ساہیہ! ایسا سبھی سمجھدار لوگ کہتے ہیں۔ شادی کے دس سال بعد ہزبینڈ وائف کی شکلیں خطرناک حد تک ملنے لگتی ہیں۔" اذہان نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

"ہاں۔ ہوتا ہو گا۔ مگر ہمارے معاملے میں ایسا نہیں ہو گا۔ انڈر اسٹینڈ ڈیٹ۔"

"اچھا ــــــ تو کیا تمہارا ارادہ کاسمیٹکس سرجری کا بھی ہے۔" اذہان نے اسے بھرپور شرارت سے دیکھا تھا۔ "یار! تم تو بہت خرچہ کروا دو گی۔"

"اذہان!" ساہیہ نے اسے گھورا تھا۔

"کامن سنس کی بات ہے یار! شکلیں تو اسی صورت میں نہیں ملیں گی جب تم سرجری کروا لو گی۔ کیونکہ میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ خدا کا شکر ہے، خاصا ہینڈسم ہوں میں۔ ہاں، تمہاری ناک بس ذرا چپٹی ہے۔ اسے ٹھیک کروا لینا۔ میری ناک کے سامنے......" وہ اپنا جملہ مکمل نہیں کر سکا تھا۔ ساہیہ نے اس کے بازو پر ایک مکا مارا تھا اور وہ ہنس دیا تھا۔

"سچ کہوں، مجھے انجلینا جولی جیسی لڑکی درکار تھی۔ ممی سے بھی کہہ دیا تھا، ویسی کوئی ڈھونڈ لاؤ تو آنکھیں بند کر کے ہاں کر دوں گا۔ مگر ہائے یہ نصیب۔ آپ ہمارے نام لکھ دی گئی تھیں اور لکھا ہوا ہم جھٹلا نہیں سکتے۔"

"جھٹلا سکتے تو کیا اپنی زندگی سے خارج کر دیتے؟" ساہیہ نے اسے آہستگی سے مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔ اذہان اس سوال کے اندر در پردہ سوال کو بخوبی سمجھ سکتا تھا۔ تبھی لب بھینچ کر ونڈ اسکرین کی سمت دیکھنے لگا تھا۔

"کیسی تھی وہ؟ کیا تم اسے بہت چاہتے تھے؟" سوال نہیں، باؤنسر تھا۔

"کڈنگ ساہیہ! آئی واز جسٹ کڈنگ۔" اذہان حسن بخاری نے اس کی سمت دیکھے بغیر مسکرا کر اس سوال کو ٹالا تھا۔ مگر ساہیہ نے اس کی طرف سے اپنی توجہ ہٹائی تھی نہ ہی نگاہ۔

"کوئی بات تو اچھی نہ ہو گی اس کی۔ شاید تمہیں ہر بات اچھی لگتی ہو گی اس کی۔ ہے نا؟" بدستور اسی

لہجے میں کہتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''ساہیہ!'' مسکراتے ہوئے وہ بنا اس کی طرف دیکھے اس سوال سے صاف بچتا نظر آیا تھا۔ انداز الجھن نہ تھی مگر وہ مطمئن بھی دکھائی نہ دیا تھا۔

''ان بھاگتے دوڑتے دنوں میں اچانک ہی کسی روز یونہی اچانک وہ چلتی ہوئی تمہارے سامنے کھڑی ہوئی تو تم کیا کرو گے؟''

''ساہیہ!'' وہ بھرپور اطمینان سے مسکرانے کی کوشش کرتا رہا تھا۔ نگاہ اس کی سمت نہ تھی۔ ساہیہ دی تھی۔

''چلو فرض کرو وہ آ جاتی ہے واپس تمہاری زندگی میں، یونہی چلتے چلتے ——— اچانک، کسی روز تم کیا کرو گے؟''

گاڑی کے ٹائر یکدم چرچرائے تھے اور گاڑی رک گئی تھی۔ ساہیہ غالباً اس کے تاثرات جاننے لئے اس کی طرف بغور دیکھ رہی تھی۔ مگر وہ بہت اطمینان سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

''میں وقت کو روک دوں گا ساہیہ!'' مدھم لہجہ جنون سے پُر تھا۔

ساہیہ ساکت سی اسے تکتی رہ گئی تھی۔ مگر اذہان کی آنکھوں کی چمک کچھ سوا ہو گئی تھی۔

''میں وقت کی نبضیں تھام لوں گا ساہیہ! مگر صرف تمہارے لئے۔'' مدھم سرگوشی میں جتانے سمجھانے کو بہت کچھ تھا۔ ساہیہ جواب تک دم سادھے خاموش بیٹھی تھی، مسکرا دی تھی۔

''تم جھوٹ بول رہے ہو نا؟'' ساہیہ نے اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔ وہ مسکرا دیا تھا۔

''نہیں ——— بولنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ کم آن یار! شک مت کرو۔ تم اچھی طرح جانتی ہو جو سے میری زندگی میں تم ہو، صرف تم ہی ہو۔ کسی اور کے لئے جگہ ہی نہیں چھوڑی تم نے۔ تمہارا وزن زیادہ تیزی سے نہیں بڑھ رہا؟''

ساہیہ نے اسے ایک پنچ رسید کیا تھا۔ وہ ہنس دیا تھا۔

''آئی ایم کڈنگ ہاں۔ تمہارا وزن واقعی پہلے سے زیادہ بڑھ گیا ہے۔ اب یہ مت کہنا ایسا خوشی مارے ہے۔ مجھے غور سے دیکھو، کتنا ہینڈسم اور ڈیشنگ ہوں نا۔ ایمانداری سے، خود بتاؤ میرے جا غبارے کی طرح پھولی ہوئی کوئی لڑکی اچھی لگے گی؟'' وہ بدستور مسکرا رہا تھا۔

''اذہان!'' ساہیہ نے مسکراتے ہوئے اسے گھورنا چاہا تھا اور خود بھی ہنس دی تھی۔ اذہان نے مسکراتے ہوئے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔

''مجھے ایک ایسی ہی لڑکی چاہیے تھی۔ پیاری سی، اچھی سی۔ جس کا دل بھی اسی کی طرح صاف اور خوبصورت ہو۔ جو مجھے نظر سے نہیں دل سے دیکھے اور سمجھے۔ میری زندگی میں آئے تو یہاں سے وہاں تک روشنی سی بھر دے۔ تمہیں یاد ہے ساہیہ! جب تم مجھے پہلی بار ملی تھیں تو تم ٹیرس پر دیے جلا رہی تھیں۔ تم نہیں جانتی ہو مگر تب تمہارے ان خوبصورت ہاتھوں نے دیے اس تاریک ٹیرس پر ہی نہیں، بہت سے دیے میرے دل میں بھی روشن کر دیے تھے۔ ڈونٹ اے فیور! تم جیسی ہو، ہمیشہ ویسی ہی رہنا۔ خود کو مت بدلنا۔

اچھی ہو۔ میں آج سے دس سال بعد نہیں، بیس اور تیس سال بعد بھی تمہیں اسی طرح دیکھنا ہو، بہت اچھی ہو۔ چاہتا ہوں گا۔'' وہ آنکھوں میں تپش لئے اس کے چہرے کو بغور تکتے ہوئے مدھم لہجے میں بولا تھا۔

ساہیہ اس کی طرف سے دھیان پھیرتی ہوئی اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ نکالتی ہوئی مسکرا دی تھی۔

''گاڑی چلاؤ اذہان! ——— غالباً ہم جیولر کے پاس اپنی انگیج منٹ رنگ منتخب کرنے جا رہے تھے۔'' یاد دلایا تھا۔ اذہان مسکرایا ہوا گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا تھا۔

''کتنی مشکل سے موڈ بنایا تھا مگر تم نے رومانس کا سارا بیڑہ غرق کر دیا۔ میرے اندر سے پھوٹتی محبت کا ایک لمحے میں قتل عام کیا ہے۔ کہیں تم کسی زمانے میں ٹیچر تو نہیں تھیں؟'' اذہان نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ ساہیہ مسکرا دی تھی۔

''نہیں ——— ہم لیلیٰ مجنوں تھے۔ تم شاید بھول رہے ہو ہم اپنی داستانِ محبت دوبارہ مکمل کرنے آئے ہیں۔ کوئی ڈھنگ کی بات کرو۔'' ساہیہ اکتائے ہوئے انداز میں کہہ کر کھڑکی کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

''دس، بیس، تیس سال کی چھوڑو، مجھے یقین ہے شادی کے دس روز بعد بھی میں مر گئی تو تم میری قبر پر مٹی ڈالنے والے پہلے شخص ہو گے۔ مردوں کی خصلت کو کون نہیں جانتا۔''

''نہیں، میں اسے پکی لگوا دوں گا۔'' اذہان ہنسا تھا۔ ''کم آن یار! کیسی بری باتیں کر رہی ہو؟ ——— ہم خوبصورت بندھن میں بندھنے جا رہے ہیں اور تم اچھا نہیں بول سکتی ہو تو برا بھی مت بولو۔ بتاؤ مجھے، یہ شکوے گلے کیوں ہیں تمہیں مجھ سے؟ ——— اتنا بے چارہ سا بندہ ہوں میں۔ تمہارا اتنا خیال رکھنے کی کوشش بھی کر رہا ہوں۔ اور کیا کروں۔''

''محبت ——— اذہان!'' اس کی طرف پلٹتی ہوئی ساہیہ مدھم لہجے میں گویا ہوئی تھی۔ اذہان نے ایک خاموش نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی تھی اور دوبارہ ونڈ اسکرین کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ وہ اس لمحے یکسر بے تاثر دکھائی دیا تھا۔ شاید ساہیہ نے بہت اچانک وہ ذکر چھیڑا تھا اس لئے۔ ساہیہ اس کی طرف دیکھتی ہوئی نگاہ پھیر گئی تھی۔

''دس، بیس یا شاید تیس برس ——— اور میں ان برسوں میں سے کسی ایک دن کے انتظار میں ہوں اذہان! جو تمہیں دل سے میرا کر دے۔'' ساہیہ کی طرف سے کی گئی خود کلامی تھی۔ جسے شاید اذہان نے نہیں سنا تھا۔ یا پھر اگر سنا بھی تھا تو اس کے پاس کوئی معقول جواب تھا نہ کوئی جواز۔

❋❋❋

چاروں جانب بکھر رہی تھی
ایک ادھوری تنہائی
ہوا نے رُک کر ہم دونوں کو
مُڑتے دیکھا تو گھبرائی
ہجر کی دہلیز پہ اُس نے
مجھ سے کچھ سرگوشی کی

اس کے بعد اس راہ گزر پہ
دُور تلک خاموشی تھی

''کیا ہوا؟ ـــــــ تم ٹھیک تو ہو؟'' مائی اماں نے دوسری طرف سے دریافت کیا تھا۔ میرب
بہت آہستگی سے اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''جی مائی اماں! میں ٹھیک ہوں۔'' آواز صاف چغلی کھا رہی تھی۔

''ٹھیک ہو تو آواز ٹھیک کیوں نہیں؟''

''مجھے فلو ہے مائی! موسم کا اثر ہے۔'' میرب نے بہانہ گھڑا تھا۔

''یہ موا موسم بھی نا۔ خیال نہیں رکھ رہی ہو اپنا۔ اور یہ سبکتگین حیدر کہاں ہے؟ ـــــــ وہ خیال
رہا تمہارا۔ کتنی سختی سے ہر بار فون پر تاکید کرتی ہوں مگر اس کے باوجود وہ بے احتیاطی برت رہا
معاملے میں۔'' مائی اماں اس کے لئے فکر مند تھیں۔

''نہیں مائی اماں! وہ خیال رکھ رہے ہیں میرا۔'' نظر بھٹکتی ہوئی سامنے گئی تھی۔ کچھ فا
صاحب جانے کون سے راز و نیاز میں مصروف تھے۔

''بات کراؤ میری، ابھی کان کھینچتی ہوں۔''

''مائی! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ وہ میرا خیال رکھ رہے ہیں۔ اس وقت وہ کچھ بزی ہیں۔
سکتے۔ میں انہیں کہہ دوں گی، وہ آپ سے بات کر لیں گے۔ آپ کیسی ہیں؟ ـــــــ دا جان
ہیں؟ میں آپ کو بہت مس کر رہی ہوں۔'' نظر بھٹکتی ہوئی پھر اس منظر پر جا ٹھہری تھی۔

آسمان پر بادل تھا اور اس میں تارے سمٹے تھے
ہم دونوں کے قدموں سے کچھ سوکھے پتے لپٹے تھے

سردار سبکتگین حیدر لغاری کی نگاہ بھی اس پر پڑی تھی۔ مگر بہت جلد وہ نظر اجنبی ہو گئی تھی۔ لگا
تھی اور قریب بیٹھی گی پر مرکز ہو گئی تھی۔

''مائی! آپ کی واقعی بہت یاد آ رہی ہے۔'' اس کا لہجہ بجھا بجھا سا تھا۔ اس شخص کے
رویے پر دل جانے کیوں اتنا کٹ رہا تھا۔ حالانکہ وہ تو اس کی واقف تھی۔ اس کا مزاج جانتی تھی۔

وہ آوارہ بادل تھا۔
کس دیس کا تھا۔ کس زمین کا۔
شاید وہ خود بھی نہیں جانتا تھا۔
پھر وہ کیوں اس کے متعلق سوچ کر اتنا ان فیئر فیل کر رہی تھی۔
ساتھ جب نام کا تھا تو وہ سمجھ کیوں نہیں پا رہی تھی۔
چند روزہ تھا تو وہ اندر تک اتنی کیوں بکھرتی جا رہی تھی۔

''میرب! تم میرے پاس آ جاؤ۔'' دوسری طرف مائی اماں کہہ رہی تھیں۔ ''میں کوشش کر رہا
کام جلد نمٹ جائے تو لوٹ آؤں۔ مگر یہ بکھیڑے بہت وقت لیتے ہیں۔ مجھے تیری بھی بہت فکر

نگین کے متعلق جانتی ہوں۔ سدا کا کیئر لیس ہے۔ اس کی فکر تو خود مجھے کرنی پڑتی ہے۔ وہ کسی کا کیا خیال
رکھے گا۔ میں نگین سے کہتی ہوں، وہ تجھے میرے پاس بھجوا دے۔'' مائی اماں نے اس کی فکر کی تھی۔ اس کی
آنکھوں میں رکا پانی بہت خاموشی سے بند توڑ کر رخساروں پر بہہ نکلا تھا۔ نگاہ پھر اس منظر پر تھی مگر وہ منظر
پُرسکون تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی جانب متوجہ نہیں تھا۔ میرب نے ہاتھ کی پشت سے آنکھوں کو
رگڑا تھا۔

''جی مائی اماں! میں سوچتی ہوں ـــــــ پاپا کا فون بھی آیا تھا۔ وہ بھی آ رہے ہیں۔'' اطلاع دی تھی۔
ساری توجہ جانے کیوں اب بھی وہیں تھی۔ جانے کیوں وہ اپنی نگاہ اس منظر سے ہٹا نہیں پا رہی تھی۔

''ہاں، مظہر سیال صاحب کا ہماری طرف بھی فون آیا تھا۔ یہ سن کر خوشی ہوئی کہ وہ صحت یاب ہو چکے
ہیں اور کاروبار زندگی کو سنبھالنے واپس لوٹ رہے ہیں۔ انشاء اللہ اب ہماری مراد بھی پوری ہو سکے گی۔
بھائی صاحب کے آتے ہی تمہاری رخصتی کی بات سامنے رکھ دوں گی۔ اب میں اور دیر نہیں کروں گی۔ چاند
کی اصل جگہ آسمان ہے۔ اور تمہاری جگہ نگین کا دل ہے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ تم دونوں کو ایک کر دیا
جائے۔'' مائی اماں دوسری طرف مسکرا رہی تھیں۔ یہ میرب کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے کر بھینچ ڈالا تھا۔
وہ منظر دیکھ رہی تھی۔ کی غالباً افسردہ تھی۔ غمزدہ ہو کر رو رہی تھی۔ نگین نے پوری توجہ سے اس کے آنسو اپنے
ہاتھ سے پونچھتے ہوئے اسے اپنے ساتھ بھینچ لیا تھا۔ میرب نے آنکھیں سختی سے میچی تھیں اور ساتھ ہی اپنا
رخ بھی اس طرف سے پھیر لیا تھا۔ مائی اماں پتہ نہیں کیا سوچ رہی تھیں۔ انہوں نے جانے کیا کچھ
مزید سوچ رکھا تھا۔ وہ کتنا کچھ کہہ رہی تھیں اور وہ خود ـــــــ اپنی دگرگوں ہوتی کیفیت کو سنبھالنے کی اس
نے ہر ممکن کوشش کی تھی اور غالباً وہ سننے کی بھی جو مائی اماں اس گھڑی کہہ رہی تھیں۔

''میری بہت تمنا ہے اپنے نگین کا گھر بسا دیکھ لوں۔ اس کے بچوں کو گود کھلا لوں۔ پھر چاہے مر جاؤں،
غم نہیں ہوگا۔ میری جان ہے نگین۔ مجھے اس سے بہت پیار ہے۔ وہ بھی جانتا ہے۔ تبھی میری کوئی بات رد
نہیں کر سکتا۔ وہ جانتا ہے میں اس کے لئے سب سے بہتر سوچوں گی۔ تبھی آنکھیں بند کر کے اس نے
شادی کا معاملہ بھی مجھ پر ڈال دیا اور میں نے اس کے لئے ایک ہیرا ڈھونڈ نکالا۔ ایک چمکتا تارہ۔ جو اس
کی پوری زندگی کو روشن کر دے گا اور......''

''مائی! میں آپ سے بعد میں بات کرتی ہوں۔ میرے سیل پر پاپا کی کال آ رہی ہے۔'' اس کے لئے
مزید بات کرنا دشوار ہو رہا تھا اس لئے اس نے بروقت بہانہ کر کے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ مگر فرار کی
راہیں جب مسدود ہوتی دکھائی دی تھیں جب سردار سبکتگین حیدر لغاری کی آواز نے اس کے اٹھتے قدم وہیں
باندھ دیے تھے۔

''مائی کا فون تھا؟'' میرب پلٹ کر دیکھنا چاہتی تھی نہ اس سے بات کرنا۔ مگر اس وقت یہ دونوں ہی
باتیں ناممکن ہوتی دکھائی دی تھیں۔

''ہاں۔'' اس نے پلٹے بغیر جواب دیا تھا۔

''کیا کہہ رہی تھیں؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی پشت کو بغور دیکھا تھا۔ انداز سرسری تھا۔

نگاہ میں بھی کوئی خاص تاثر نہ تھا۔ میرب سیال نے گردن موڑ کر ترچھی نظروں سے اس شخص کو دیکھا تھا۔

"آپ ان سے بات کرلیں۔ وہ غالباً آپ سے بات کرنا چاہ رہی ہیں۔" مائی کا پیغام مکمل طور پر نہ کرسکی تھی۔ مگر اطلاع پہنچادی تھی۔

"کس سلسلے میں؟ —— کہیں تم نے کوئی الٹی سیدھی بات تو نہیں کہہ دی؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کڑے تیوروں سے اسے دیکھتے ہوئے کسی قدر درشت لہجے میں کہا تھا۔ وہ ایک جھٹکے سے مڑی تھی۔

"میں —— میں کیا الٹی سیدھی کہوں گی اُن سے؟ آپ جو کررہے ہیں میں جانتی ہوں۔ تو کیوں غلط سلط قیاس کررہے ہیں؟"

"مائی سے رات کو میری بات ہوئی تھی۔ وہ تمہیں وہاں بلانا چاہ رہی ہیں۔ تم جانا چاہتی ہو تو جاؤ۔ میں تمہیں روکوں گا نہیں۔ ویسے بھی میں کل رات کی فلائٹ سے نیویارک جارہا ہوں۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری کی طرف سے دو اطلاعات ایک ساتھ آئی تھیں۔ میرب سیال اپنی جگہ ساکت رہ گئی تھی۔

"آپ جارہے ہیں —— کیوں؟" وہ اس کے اتنے اجنبی انداز کے باوجود پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

"ہوں —— کچھ کام ہے۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری کی نظریں ہی نہیں لب ولہجہ بھی سرد ترین تھا۔

"تم مائی کے پاس جانا چاہتی ہو؟" غالباً جانے سے قبل وہ اسے ٹھکانے لگانا چاہتا تھا۔ میرب فوری طور پر کوئی جواب نہیں دے سکی تھی۔

"ایسے کیا کھڑی ہو؟ تمہیں جانا ہے یا نہیں؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری کو غالباً اس کی خاموشی سے درجہ اُلجھن ہوئی تھی۔ میرب سیال نے سرنفی میں ہلا دیا تھا۔

"ابھی فی الحال میں نے کچھ ڈیسائیڈ نہیں کیا۔ میرے بابا آرہے ہیں اور ان سے میرا ملنا ضروری ہے۔ وہ آجائیں تو اس کے بعد سوچوں گی۔" اس کی جانب سے نظریں ہٹاتی ہوئی وہ بولی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بے تاثر انداز میں شانے اچکادیے تھے۔

"تمہاری مرضی۔" وہ پلٹا تھا اور چلتا ہوا وہاں سے نکل گیا تھا۔ میرب لب بھینچے کھڑی اس کی دیکھتی رہ گئی تھی۔ مضبوطی سے قدم اٹھاتا وہ شخص قدم قدم چلتا ہوا اس سے دور جارہا تھا۔

❄❄❄

سرسراتی ہواؤں کے بیچ کھلے آسمان کے نیچے اس تاریکی میں عفنان علی خان تنہا کھڑا تھا۔ خنک موسم کے کئی رنگ اس کی آنکھوں سے جھانک رہے تھے۔ ٹیرس پر اس لمحے کھڑا وہ مضطرب دکھائی دے رہا تھا۔

اس کا بے تاثر چہرہ، سرد نگاہ گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ خزاں کے اس موسم میں اسے اپنا وجود کسی خزاں رسیدہ پتے کی طرح لگا تھا۔

اپنی مسافت اسے اتنی ہی بے وقعت اور اپنے خواب اتنے ہی دھواں دھواں دکھائی دیے تھے۔

سارا تصور اس کا تھا شاید۔ اس نے ہی زندگی کو غلط رنگ اور غلط زاویے سے دیکھا تھا۔

انابیہ کے ساتھ اس کا ملنا: ایک تعلق کا بندھنا۔

ایک لمحے میں سوچا تھا تو سب ایک بودا مذاق لگا تھا۔

ایک یکطرفہ راہ —— یکطرفہ سفر اور صرف خسارہ ——

آج اتنے سفر کے بعد اگر آج اپنے ہاتھ وہ پھیلا کر دیکھتا تو انہیں خالی پارہا تھا۔ خسارہ —— صرف

وہ خود کو ہارا ہوا پارہا تھا اور یہی ہار اسے جینے نہیں دے رہی تھی۔ اس کا سانس گھٹ سا رہا تھا۔ کتنی دیر سر آسمان کی طرف اٹھائے بالوں کو مٹھیوں سے بھینچے وہ گہرے گہرے سانس لیتا رہا تھا مگر کچھ نہ ہوا تھا۔ اور تب وہ چلتا ہوا اندر آگیا تھا۔ فریج کھول کر سوفٹ ڈرنک کا کین نکالا تھا۔ کھول کر لبوں سے لگایا تھا۔ تبھی دھیان اس کی طرف گیا تھا۔ وہ اس کی طرف سے رخ پھیرے لیٹی تھی۔

عفنان علی خان چلتا ہوا انابیہ کی سمت بڑھنے لگا تھا۔

ایک —— دو —— تین۔

درمیان کے جتنے قدم تھے وہ بالآخر لمحے ہوگئے تھے۔ فاصلہ مٹا تھا اور وہ اس کے قریب کھڑا نظر آیا۔ چند لمحوں تک اس کے قریب کھڑا اسے دیکھتا رہا تھا پھر جھک کر اس کا شانہ بہت آہستگی سے ہلایا تھا۔ انابیہ نیند میں جانے کو تھی، ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی تھی۔

"تم —— کیا ہوا ——؟" اس کی بے تاثر نظر سے وہ کچھ اخذ نہ کرتی ہوئی بولی تھی۔

عفنان علی خان اسی بے تاثر انداز میں اس کی طرف دیکھتا چلا گیا تھا۔ پھر ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کو بہت ملائمت سے چھوا تھا۔

"ڈراپ سین!" لہجہ مدھم تھا۔

انابیہ کچھ اخذ نہ کرسکی تھی اسی لئے کسی قدر حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

"کیا —— کیا مطلب؟"

"ڈراپ سین —— میں اپنے اور تمہارے رشتے کو ایک حتمی موڑ دینا چاہتا ہوں۔ تمہیں اس روز بتایا تھا جس روز حاصل کرنا ہوگا تمہیں تمہاری اجازت سے حاصل کرلوں گا۔ ٹوڈے آئی وانٹ میک لو ٹو یو۔"

"کیا ——؟" وہ حیرت سے اپنی جگہ بت بن گئی تھی۔ شاید یہ کوئی خواب تھا۔ شاید وہ بدستور نیند میں تھا۔

شاید وہ کسی بھولے بھٹکے خواب میں تھی اور ——

ہاتھ بڑھا کر عفنان علی خان کے چہرے کو چھوا تھا۔ ارادہ یقین کرلینے کا تھا۔ مگر عفنان شاید اس کی شرارت اس کو "اجازت نامہ" سمجھا تھا۔ اس نے اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر بغور توجہ سے اس کے چہرے کو دیکھا تھا۔

آج اس کی نگاہ میں کوئی جنوں خیزی نہ تھی۔

اس کے سارے خواب جیسے سرد خانوں میں مقید سرد جامد پڑے تھے۔

کوئی گرم جوشی اس کے رویے میں نہ تھی۔

انابیہ شاہ حیرتوں سے بھری نظروں کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھی۔
فوری طور پر کچھ سمجھ میں نہ آیا تھا کہ وہ کیا کرے؟
کیا ہونا چاہئے تھا؟
سدباب کے طور پر کچھ از بر نہ تھا۔
یہ کوئی حقیقت تھی یا وہ واقعی خواب میں تھی؟ ساکت نگاہ سمجھ نہ پائی تھی۔

ذیان حسن بخاری نے گاڑی چلاتے ہوئے گھر سے آئی ہوئی کال ریسیو کی تھی۔
"جی ممی! کہئے۔"
"ذیان! اماں کے ہاں سے ماہا کو لیتے آنا۔ کچھ شاپنگ کے لئے جانا ہے۔" امی نے حکم دیا تھا۔ اُس
ا رز دوسرا اثبات میں ہلا دیا تھا۔
"بہتر ممی! کچھ اور؟"
"فی الحال یہی۔ تم گھر آؤ پھر باقی بات کرتے ہیں۔" ممی نے مسکراتے ہوئے سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔
اُ نے گاڑی نانی کے گھر جانے والے راستے پر ڈال دی تھی۔ فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ چند ہی لمحوں میں وہ
تھا۔ معمول کے مطابق ہارن دیا تھا۔ چوکیدار نے گیٹ کھولا تھا۔ اس نے گاڑی پورچ میں روکی تھی۔
ساہیہ کا فون آیا تھا۔ وہ بات کرتا گاڑی سے باہر نکلا تھا۔
"ساہیہ! میں آ رہا ہوں۔ بس یہاں سے ماہا کو لینا ہے اور......" وہ اپنے دھیان میں بات کرتا ہوا
بڑھا تھا جبھی کسی سے ٹکرا گیا تھا۔ سنبھل کر دیکھا تو نگاہ ساکت رہ گئی تھی۔
"ان بھاگتے دوڑتے دنوں میں اچانک ہی کسی روز یونہی اچانک وہ چلتی ہوئی تمہارے سامنے آن
کھڑی ہوئی تو تم کیا کرو گے؟" ساہیہ کا لہجہ اس کی سماعتوں میں گونجا تھا۔ وہ ساکت سا اپنے سامنے موجود
کو دیکھ رہا تھا۔
"چلو فرض کرو وہ آ جاتی ہے واپس تمہاری زندگی میں، یونہی چلتے چلتے اچانک کسی روز، تب تم کیا کرو
"

ساہیہ بضد تھی۔
"ساہیہ! میں وقت کو روک دوں گا۔ میں وقت کی نبض تھام لوں گا۔" اپنی آواز بھی اس کے کہیں آس
تھی۔
وہ چہرہ خواب نہ تھا۔
خیال نہ تھا۔
جاگتا احساس تھا۔
زندہ لمحے کے سینے میں دھڑکتے دل کی دھڑکنیں اس وقت بھی سن رہا تھا۔
لمحے اگرچہ ٹھہر چکے تھے۔ نظریں جم گئی تھیں۔

مگر سینے میں موجود دل اب بھی دھڑک رہے تھے۔

دھک۔۔۔۔۔ دھک۔۔۔۔۔ دھک۔۔۔۔۔

اذہان حسن بخاری کی نگاہ یوں ساکت تھی جیسے کوئی خواب کا سا عالم ہو۔ جیسے سارے ر
ہوں اور دکھائی دینے والا ہر منظر خواب خواب۔

اس کے سامنے کھڑے وجود میں بھی کوئی حرکت نہ تھی۔ اس کی طرف دیکھتی وہ نگاہ بھی اس
تھی۔ جیسے یقین اس طرف بھی نہ تھا۔

اذہان حسن بخاری نے اپنے قدم اس کی طرف بڑھائے تھے اور اس کے مقابل آن رکا تو
اس کی جانب تکتی نگاہ پانیوں سے بھر گئی تھی۔

"میرب!" اذہان حسن بخاری نے جیسے یقین کرنے کو اسے آہستگی سے چھو کر دیکھا تھا۔
کے پتھر سے وجود میں حرکت ہوئی تھی اور وہ بے اختیاری میں اس کے شانے پر سر رکھ کر رونے
اگر کوئی اور وقت ہوتا، کوئی اور لمحہ ہوتا تو شاید صورت حال مختلف ہوتی۔ مگر یہ وہ لمحے تھے
سیال بے حد شکستگی کے عالم میں تھی۔ دل جس دور سے گزر رہا تھا اس میں اختیار رہ ہی نہ پایا تھا
بھیگتی چلی گئی تھیں۔

اذہان حسن بخاری اپنے شانے پر دھرے اس کے سر کو دیکھتا ہوا اب بھی اسی قدر حیران تھ
نے بڑھ کر اسے گرفت میں لیا تھا، نہ کوئی حصار باندھا تھا۔ وہ ایک عالم حیرت میں تھا اور سا بر
وقت چپ چاپ دبے پاؤں گزر رہا تھا۔ لمحوں میں کوئی آہٹ نہ تھی۔ کوئی ہلچل نہ تھی۔
وہ وقت کی نبض کو نہیں تھام سکا تھا۔

میرب سیال اپنے اندر کا بہت سا غبار اس کے شانے پر بہا کر دور ہوئی تھی۔ چند لمحے
جھکائے چپ چاپ شرمندہ سی کھڑی رہی تھی۔ انداز میں ایک واضح جھجک مانع تھی۔ ایک بے
گرفت کے بعد کا عالم تھا یہ۔

اذہان چپ چاپ کھڑا عجب بے بسی کے عالم میں اسے دیکھ رہا تھا۔ زیادہ دیر نہ گزری تھ
بھی نہ ہوئی تھی۔

ابھی کل کی بات لگتی تھی۔

دل کا بے وجہ قیامت کرنا۔ ہلچل مچانا۔ شور کرنا۔

وہ ساری آوازیں آج اتنی دبی دبی سی کیوں تھیں؟ یا پھر سماعتوں کا ہی کوئی قصور تھا۔

دل دھڑک رہا تھا تو آواز کیوں نہ آ رہی تھی؟ یہ لمحے اتنے چپ چاپ، اجنبی بنے کیو
تھے؟ وہ جو آشنا تھا، آج اجنبیوں کی طرح ایک دوجے سے نگاہ پھیرے چپ چاپ سے کیوں
میرب سیال بنا اس کی طرف دیکھے مڑی تھی غالباً وہ اس منظر سے چپ چاپ جدا ہونا چا
اذہان حسن بخاری نے اسے پکار لیا تھا۔

"میرب!" پڑھنے والے نے جیسے کوئی اسم اعظم پھونکا تھا۔ میرب سیال کے قدم وہیں

...وہ پلٹی نہیں تھی مگر وہیں اس جگہ جیسے جم گئی تھی۔ اذہان حسن بخاری نے بہت آہستگی سے چلتے ہوئے
اس کی جانب پیش قدمی کی تھی اور چلتے چلتے اس کے مقابل جا رکا تھا۔

چپ چاپ اس کے چہرے کو تکتا رہا تھا۔ بہت کچھ کہنے کی خواہش کی تھی مگر کچھ نہیں کہہ سکا تھا۔ ایک
بھی نہیں۔ چپ چاپ وہ نگاہ پھیر گئی تھی۔ انداز میں بے بسی سی تھی۔

"کیسی ہو تم؟" اذہان حسن بخاری کو اپنی آواز اجنبی لگی تھی۔ میرب سیال نے اس کی طرف چہرہ
کرتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا تھا اور مسکرا دی تھی۔ مگر بہت مصنوعی مسکراہٹ تھی۔

"اور تم۔۔۔۔۔ تم کیسے ہو؟" نگاہ ملانے کی ہمت دونوں میں ناپید تھی۔ اذہان حسن بخاری کو اپنا آپ
بعد شکست لگا تھا۔ مگر اس نے میرب کی تقلید کرتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"ہاں۔۔۔۔۔ میں بھی ٹھیک ہوں۔" مدھم لہجے میں کچھ ٹوٹنے کی صدا تھی۔ میرب اس کی طرف دیکھے
نہیں رہ سکی تھی وہ چپ چاپ اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ میرب کے انداز میں ہی نہیں، نگاہ میں بھی گریز
آ گئی۔

"خوش۔۔۔۔۔ خوش ہو تم؟" اذہان کی نگاہوں نے اس کے چہرے کو پڑھنے کی کوشش کی تھی۔ میرب
نے اس کی طرف دیکھے بغیر سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"اور تم؟" جواباً پوچھنا جیسے اس کے لئے فرض ہو گیا تھا۔

اذہان حسن بخاری نے اسے دیکھا تھا اور پھر مسکرا دیا تھا۔

"تم سے بچھڑ کر جیتا ہوں!
تیری طرح میں بھی جھوٹا ہوں"

میرب اس کی طرف دیکھ نہیں سکی تھی۔ توجہ پھر بٹ گئی تھی۔

"مظہر انکل کیسے ہیں؟۔۔۔۔۔ زوباریہ آنٹی، فانی۔۔۔۔۔؟"

"سب ٹھیک ہیں۔" میرب نے مدھم لہجے میں جواب دیا تھا۔

"نانو سے پتہ چلا تھا انکل مظہر کے بارے میں۔ پوچھنا بھی چاہتا تھا مگر......" اس کے آگے وہ نہیں
کہہ سکا تھا۔

"تارحہ آنٹی کیسی ہیں؟" میرب نے خاموشی کے اس تسلسل کو ٹوٹنے نہیں دیا تھا۔ شاید خاموشی میں
رستے جو سوال تھے ان کا سامنا کرنے کی ہمت دونوں میں ناپید تھی۔

"ٹھیک ہیں وہ بھی۔ ماما نے تو کہیں ڈیرا جمایا ہوا ہے ان فیکٹ، حالانکہ گھر میں کئی کام ہیں مگر وہ
شہزادی ہے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کو لے کر روٹھ جائے تو منانا مشکل ہو جاتا ہے۔ پاپا سے اس کی کچھ
ناراضگی تھی۔ سو وہ......"

"انگیج منٹ ہو رہی ہے تمہاری؟" وہ مسکراتے ہوئے بول رہا تھا جب میرب نے بول کر اس کا سارا
اندازہ دبا دیا تھا۔ وہ اس کی طرف سے نگاہ پھیر گیا تھا۔ لب بھینچ لئے تھے اور بہت آہستگی سے اس نے سر
شکستہ ہلا دیا تھا۔ عجب مجرمانہ سا انداز تھا۔

"جینے کی رسمیں نبھانا پڑتی ہیں میرب! سو رسم نبھا رہا ہوں۔" وہ بہت آہستگی سے مسکرایا تھا۔
رہی تھیں تمہاری رخصتی بھی عمل میں آنے والی ہے۔ مظہر انکل واپس آرہے ہیں اور......"

"ہاں، ٹھیک سنا تم نے۔ پاپا واپس آرہے ہیں —— اینڈ آئی ایم سو ایکسائیٹڈ..." لبوں پر مسکراہٹ
"پری ٹنڈ" کرنے کا انداز بہت خوب تھا۔

"کبھی؟ —— انکل کے آنے کے لئے یا اپنی ریگل میرج کے لئے؟" اذہان حسن بخا
مسکراتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ میرب نے مسکراہٹ کا سہارا لیا تھا۔

"دونوں کے لئے۔ اپنی انگیجمنٹ میں بلاؤ گے نہیں؟" پتہ نہیں امتحان لینا مقصود تھا اور
پُراعتماد نظر آنے کی حتی الامکان کوشش کر رہی تھی۔ اذہان مسکرا دیا تھا۔

"کیسے بلاتا؟ تم خفا تھیں نا مجھ سے۔" اذہان کی جان کئی قیامتوں کے زیرِ تھی۔

"سبھی تعلق توڑ لئے۔ کیا اچھا کیا تم نے؟" میرب سیال نے دوستانہ انداز میں شکوہ کیا تھا
صورتحال کو یوں بس میں ظاہر کرنا چاہ رہے تھے جیسے سب کچھ اپنے اختیار میں ہو۔ مگر بکھرنے کا یہ
واضح تھا۔

"اوں، ہوں —— اچھا نہیں کیا شاید۔" مدھم سرگوشی میں افسوس نمایاں تھا۔ نگاہ بغور اس نے
کو جو دیکھ رہی تھی۔ "بالکل بھی اچھا نہیں کیا۔ مگر کیا کروں، تم تو جانتی ہو مجھے۔ سدا کا بھلکڑ ہوں
حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

"مجھے بھول گئے؟" میرب سیال کی آواز ہی نہیں، نگاہ بھی شکوہ کر رہی تھی۔
اذہان حسن بخاری نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ جیسے اس لمحے اس کے پاس کوئی لفظ تھے نہ
چپ چاپ نگاہ پھیر گیا تھا اور میرب سیال مسکرا دی تھی

"کیسے دوست ہو؟ کبھی یاد نہیں آئی تمہیں میری؟ مجھے تو لگا تم مجھے بھولے ہی نہیں ہو گے۔
تھی نا میں تمہیں؟"

"ہاں، بہت۔" عجب اک رکھ رکھاؤ میں وہ بھی مسکرایا تھا۔ "مگر تم نے جاتے ہوئے منع کر
تمہیں کبھی اپنی صورت نہ دکھاؤں۔"

"میں نے کہا اور تم نے مان لیا؟" میرب نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"تمہاری کوئی بات ٹالی ہے کبھی؟" اذہان نے مسکرا کر خود کو معمول پر ظاہر کرنا چاہا تھا۔ بے
نمایاں تھی اس کی آنکھوں میں۔ میرب مسکرا بھی نہیں سکی تھی۔

"اور تم ——؟" اذہان نے اس کے خاموشی سے نگاہ پھیر لینے پر اسے بغور دیکھا تھا۔

"ہاں —— بہت خوش ہوں۔" مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تھا۔ غالباً خود کو کمزا
مقصود نہ تھا۔ مگر اذہان مسکرا دیا تھا۔

"کس لئے؟ —— شادی کر رہی ہو اس لئے؟"

"ہاں —— اس کے لئے بھی۔ مگر پاپا واپس آرہے ہیں اس لئے بھی۔ بہت تنہا پڑ گئی

تم نے ایک بار بھی پلٹ کر نہیں پوچھا۔ کتنے بے مروت رشتے دار ہو میرے۔ کتنے تعلق تھے ہمارے
بن مگر تم کوئی ایک بھی نہ نبھا سکے۔" مسکراتے ہوئے ایک مزید شکوہ ہوا تھا۔
اذہان حسن بخاری مسکرا رہا تھا۔

"ڈر تھا۔"

"کس بات کا؟" چونک کر اسے دیکھا تھا۔

"تمہارا بوائے فرینڈ بہت برا پیٹتا نا مجھے؟" اذہان مسکرایا تھا۔ "سیفی بتا رہا تھا، موصوف خاصے خوفناک
یا تم نے بوائے فرینڈ ہی ڈھونڈ نا تھا تو ڈھنگ کا ڈھونڈا ہوتا۔ یہ جلاد ڈھونڈنے کی کیا ٹھانی؟" معمول پر ظاہر
نے کے لئے کیسے کیسے ضبط درکار تھے، اس کا اندازہ اذہان کو ہو رہا تھا۔ نہ مسکرانا آسان تھا نہ اس کے
منے کھڑے ہو کر ایسی معمول کی بات چیت کرنا۔ مگر اسے ایسا کرنا تھا۔ کیونکہ یہ منشا تھی اس ذات کی۔
جسے وہ پہلے بھی نہیں ٹال سکا تھا اور اب بھی نہیں۔

میرب ان کے مذاق پر مسکرا دی تھی۔

"سیفی نے اتنا کچھ بتا دیا تمہیں؟"

"نہیں۔ بہت کچھ اس نے نہیں بھی بتایا۔" اذہان نے مسکراتے ہوئے لب بھینچ کر اسے دیکھا تھا۔

"کیا؟" میرب نے بہت آہستگی سے دریافت کیا تھا۔

"یہی کہ تم بہت خوش ہو۔" اذہان اسے بغور دیکھتے ہوئے مسکرایا تھا۔ میرب زیادہ دیر مسکرا نہیں سکی تھی
نگاہ پھیر گئی تھی۔ اذہان اسے دیکھتا ہوا دھیان پھیر گیا تھا۔

"تم کبھی آئی ہی نہیں۔ ممی کو بھی اپنی بھانجی سے ملنے کا بہت اشتیاق رہا۔ کئی بار پوچھا بھی انہوں نے
......"

"تم ٹال گئے ہو گے۔" میرب نے اسے ٹوکتے ہوئے کہا تھا۔

"نہیں، بتایا تھا میں نے انہیں۔" اذہان نے اقرار کیا تھا۔

"کیا؟" اپنی آواز بہت مدھم اور نیم جاں لگی تھی میرب کو۔

"یہی کہ سارا قصور میرا تھا۔" اذہان نے فراخ دلی سے سارا الزام اپنے سر لیا تھا۔ میرب کچھ کہہ نہیں
پائی تھی۔ وہ دونوں ایک دوجے سے نگاہ پھیرے چپ چاپ سے کھڑے تھے جب ماہا نے وہاں آ کر
دونوں کو متوجہ کیا تھا۔

"اذہان بھائی! کب آئے آپ؟ —— میرب آپی سے مل لئے۔ چلو اچھا ہوا۔ ورنہ مجھے یقین تھا اگر
آپ کے جانے کے بعد میں آپ کو بتاتی کہ میں نانو کے یہاں میرب آپی سے ملی تھی تو یقیناً آپ بہت گلہ
کرتے کہ مجھے کیوں نہیں ملوایا۔" وہ شرارت سے مسکرا رہی تھی۔ ان دونوں کی کیفیات سے قطع نظر۔
ایسا کی بات پر دونوں مسکرا دیے تھے۔

"کتنی عجیب بات ہے نا —— ہم کزن ہیں مگر اس کے باوجود اک دوجے کی حال احوال کی خبر تو دور
ملاقاتیں بھی حادثتاً اور اتفاقاً دیکھتے ہیں۔ جب بھی وقت اچانک ہمیں ملا دیتا ہے۔ ہے نا میرب

آپی؟'' ماہا نے مسکراتے ہوئے کسی قدر حقیقت بیان کی تھی۔ میرب نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''دلوں کی دوریاں ایسی ہی ہوتی ہیں ماہا! بعض اوقات دور ہو کر بھی کوئی متواتر یاد رہتا ہے بعض اوقات ایک شہر میں، ایک علاقے میں رہتے ہوئے کبھی یاد بھی نہیں آتا۔''

''ارے، یہ کیسی بات کر دی آپ نے۔ ممی نے سنا تو انہیں بہت برا لگے گا۔ آخر کو سگی ماسی ہیں کی۔ ماسی مطلب ماں ـــــ سی۔ ہم سے زیادہ آپ سے پیار کرتی ہیں وہ۔ مگر آپ بھی نا۔ آخری بار شادی کی رسم تک میں شرکت نہ کی۔ مایوں والی شام آئیں بھی تو کھڑے کھڑے واپس لوٹ آئیں اور ہمیں اپنے نکاح تک میں نہ بلایا۔ انکل بیمار پڑے، باہر چلے گئے، آپ نے بتایا تک نہیں۔ میری ٹوٹ گئی مگر آپ نے پلٹ کر خبر تک نہ لی۔ ایسے ہی اجنبی ہو گئے تھے ہم آپ کے لئے؟ جانتی آپ کے پاپا کو اپنی سسرال یعنی ہماری ساری فیملی سے پرابلم ہے۔ نانو سے، ماموں سے، ہم سے آنٹی کے گزر جانے کے بعد تو انہوں نے بالکل ہی دور کر دیا ہم سے۔ اور اب تو حد ہو گئی۔ آپ کی ہونے والی ہے یعنی شادی۔ اور ادھر اذہان بھائی کی انگیج منٹ۔ مگر نہ آپ کی ہمیں کوئی خبر ہے نہ ہماری۔'' ماہا متواتر شکوہ کر رہی تھی۔ میرب بہت سی باتوں کے اسباب جانتی تھی اور بہت سی باتوں نہیں۔ خاموشی ہی بہتر تھی۔ اس لئے بہت سی باتوں کے بھید شاید تبھی پردے کے پیچھے چھپے رہ سکتے وہ آگے بڑھی تھی اور ماہا کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر ماتھے پر پیار کیا تھا۔

''فارحہ آنٹی کو میری طرف سے ضرور پوچھنا۔'' اس کا چہرہ تھپتھپاتے ہوئے کہا تھا۔ جب ماہا ہاتھ تھام کر مسکرا دی تھی۔

''پھر کب ملیں گے ہم؟ کہیں پھر اتفاقاً یا......'' اس کی شرارت پر وہ مسکرا دی تھی۔

''لسٹ سی ماہا! آئی ریئلی ڈونٹ نو۔'' اسے محبت سے دیکھ کر اذہان کی طرف دیکھا تھا اور اسی مسکراہٹ کے ساتھ بولی تھی۔

''چلتی ہوں میں۔''

اذہان نے بھی رسمی سی مسکراہٹ کا تبادلہ کیا تھا۔ میرب سیال مڑی تھی اور اپنی گاڑی کی طرف بڑھی تھی۔ اذہان حسن بخاری کی نگاہیں بہت سے اضطرابوں سے بھر گئی تھیں۔ تا دیر اس منظر پر جمی رہیں جب تک گاڑی گیٹ سے باہر نہیں نکل گئی تھی۔ ماہا نے بھائی کی جانب بغور دیکھا تھا اور بہت دھیمے مسکرا دی تھی۔

''بھائی! آپ نے وقت گنوا دیا نا۔'' اس ایک جملے میں جتانے کو بہت کچھ تھا۔ اذہان حسن بخاری نہیں بولا تھا۔ بہت ہارے ہوئے انداز میں مسکراتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔ ماہا کا دل کٹ گیا تھا۔

''بھائی! اگر آپ اس وقت کوئی اسٹینڈ لیتے تو آج میری آپی آپ کے ساتھ ہوتیں نا۔ آپ نے کوئی اسٹینڈ کیوں نہیں لیا ـــــ؟'' ماہا نے بھائی کی کیفیات کے پیش نظر کہا تھا اور وہ کچھ بھی کہے بغیر پھیر گیا تھا۔

''آپ فیملی کرائسس میں الجھے رہے۔ ممی کا گھر بچانے کے جتن میں آپ نے اپنا دل نہیں دیکھا۔ اگر دیکھ پاتے تو آج صورت حال مختلف ہوتی۔ کیا پایا بھائی! کیا پایا ہم دونوں بہن بھائیوں نے؟ وہ وقت ہم دونوں سے بہت کچھ چھین کر لے گیا نا۔ آپ سے چپ چاپ اور مجھ سے واضح طور پر۔ آپ نے ہماری بجائے خود اپنی فکر کیوں نہیں کی بھائی؟ ـــــ میری مایوں کے روز جب میرب آپی گھر آئی تھیں تو وہ آپ کا پوچھ رہی تھیں۔ بہت پریشان دکھائی دے رہی تھیں وہ۔ آنکھوں میں الجھن تھی۔ وہ آپ کے متعلق پوچھ رہی تھیں۔ میں تب نہیں جانتی تھی، صورت حال ایسی بھی ہو سکتی ہے۔ وقت انہیں لئے آپ سے اتنا دور بھی لے جا سکتا ہے۔ میں اس روز نہیں جانتی تھی، آپ ان سے ملے یا نہیں۔ اگلے دو چار دنوں میں جو قیامت ہمارے گھر پر ٹوٹی تھی اسے لے کر نہ ہم کچھ سوچ سکے نہ دیکھ سکے۔ مگر کچھ عرصے بعد جب مجھے سیفی سے میرب آپی کے نکاح کے متعلق پتہ چلا تو خوشی نہیں ہوئی مجھے۔ کیونکہ میں نے ہمیشہ انہیں اپنی بھابی کے روپ میں دیکھا تھا۔ مگر...... بھائی! آپ کو پتہ نہیں احساس ہے یا نہیں مگر ہم دونوں کے مجرم پاپا ہیں۔ انہوں نے ممی کو ہی نہیں، اپنے بچوں کو بھی ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ یہ مجھے آج پتہ چلا ہے کہ میرب آپی اپنے اچانک طے کردہ رشتے کو لے کر اس وقت پریشان تھیں جب ہمارے گھر آئیں۔ وہ یقیناً کوئی حل چاہتی تھیں اور حل نکل بھی آتا اگر آپ نے اس وقت کو اپنی گرفت میں لیا ہوتا۔ پاپا کے گھر کو بچانے کی بجائے اپنے دل کو دیکھا ہوتا۔ میرب آپی آپ کا ساتھ چاہتی تھیں نا۔ اس وقت اگر آپ نے ان کا ساتھ دیا ہوتا تو آج آپ اتنے شکستہ اور ادھورے دکھائی تو نہ دے رہے ہوتے۔ آپ نے کیوں اسٹینڈ نہیں لیا اس وقت؟ کیوں الجھے رہے ہمارے الجھاؤں میں؟ کیوں اپنے دل کو نہیں دیکھا؟ کیوں گنوا دیا اتنی اچھی لڑکی کو؟ کیوں توڑ دیا اس کا دل جو آپ کا دل آباد کئے ہوئے تھی؟ آپ کو نہیں لگتا، خود کے ساتھ ساتھ آپ نے اس کے ساتھ بھی برا کیا ہے۔ خود کو تو نقصان پہنچایا ہی ہے، اسے بھی تکلیف دی ہے۔ آپ کو کیا لگتا ہے، وہ خوش ہے؟''

ماہا کا مدھم لہجہ بہت سے سوالوں سے پُر تھا۔ اس کی آنکھیں بہت آہستگی سے بھیگ رہی تھیں۔ اذہان حسن بخاری نے سر بہت آہستگی سے ہلاتے ہوئے اس کی آنکھوں کو پونچھا تھا اور مسکرا دیا تھا۔

''ہم ایک دوسرے کے لئے نہیں تھے گڑیا! ـــــ ہم ایک دوسرے کے لئے نہیں تھے۔ تبھی وقت نے ہماری مخالفت کی۔ میں نے کوئی قربانی نہیں دی۔ میں نے اس وقت جو بھی اپنی فیملی کے لئے کیا وہ اس وقت کی ضرورت تھا۔ میری فیملی کو میری زیادہ ضرورت تھی ماہا! آج وہ بھی اپنی زندگی میں نئی خوشیاں سمیٹنے جا رہی ہے اور میں بھی نئے راستوں کی سمت گامزن ہوں۔ جو ہو چکا ہے اس کا ملال کرنے کی ہم دونوں کو نہ فرصت ہے نہ ضرورت۔ پھر تم کیوں خود کو مجرم سمجھ رہی ہو؟ اور کیا ہم ساری باتیں آج یہیں کھڑے کھڑے کر لیں گے؟ بھول گئیں تم، تمہارے اس ہینڈسم سے، ڈیشنگ سے بھائی کی انگیج منٹ ہونے جا رہی ہے کل۔ تم یوں اِدھر اُدھر کی سوچ کر وقت برباد کر رہی ہو۔ تیاری نہیں کرنا ہے؟ ویئر از یور ایکسائٹمنٹ ہاں؟ آئی ایم مسنگ دیٹ آن یور فیس۔'' مسکراتے ہوئے اسے دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے بولا تھا۔ ''ممی نے مجھے تمہیں لانے کے لئے کہا تھا۔ تم اپنا سامان لے آؤ۔ میں یہیں باہر گاڑی میں تمہارا انتظار کرتا ہوں۔''

"آپ اندر نہیں آئیں گے؟ ــــــ نانو کو خبر ہوئی کہ آپ یہاں پورچ میں ہی کھڑے ہو کر لوٹ گئے ہیں تو بہت خفا ہوں گی۔" ماہا نے خدشہ بیان کیا تھا۔ وہ مسکرا دیا تھا۔

"تم فکر مت کرو۔ میں سمجھا دوں گا انہیں۔ ممی انتظار کر رہی ہوں گی۔ جلدی سے سامان لے آ۔" مدھم لہجے میں کہہ کر اس کا گال تھپتھپا کر وہ پلٹا اور گاڑی کی طرف چلا گیا تھا۔

ماہا نے بھائی کو بغور دیکھا تھا۔ دھند میں لپٹی اس خنک سی شام کے سارے منظر اسے بہت تھکے اور جامد لگے تھے۔ وہ پلٹی تھی اور اندر کی جانب بڑھ گئی تھی۔

اذہان حسن بخاری بے تاثر چہرے کے ساتھ گاڑی میں بیٹھا بہن کا انتظار کرنے لگا تھا۔

❋❋❋

اپنے کانپتے وجود کو سنبھالنا انابیہ کو بے حد دشوار لگا تھا۔ عفنان علی خان کی پیش قدمی پر وہ بہت سے قدم پیچھے ہٹی تھی۔ سردی کے موسم میں اس کا چہرہ پسینے سے تربتر تھا۔ آنکھوں میں خوف تھا۔ مگر عفنان علی خان کے اس کی جانب بڑھتے قدم نہیں رکے تھے۔

"نہیں ــــــ" بہت آہستگی سے اس نے سر نفی میں ہلایا تھا۔ مگر عفنان علی خان نہیں رکا تھا۔

"نہیں ــــــ" وہ چیخنے کی خواہش میں چیخ نہیں سکی تھی۔ آواز حلق میں گھٹ کر رہ گئی تھی۔

اس کی آنکھ ایک دم کھلی تھی اور وہ اٹھ بیٹھی تھی۔

گہرے گہرے سانس خارج کرتی ہوئی وہ چند لمحوں تک اسی طرح بیٹھی رہی تھی۔ پھر حواس بحال ہوئے تھے تو ہاتھ بڑھا کر لیمپ جلایا تھا۔ کمرے کا منظر بے حد واضح ہو کر اس کے سامنے تھا۔ سانس رک گئی تھی جہاں عفنان علی خان صوفے پر سویا ہوا تھا۔ اتنی بے خبر نیند تھی کہ اپنے اوپر سے کمبل سرکنے کا بھی احساس اسے نہ ہوا تھا۔ سردی کی شدت کا اسے کوئی احساس نہ تھا۔ انابیہ کا ہاتھ اپنی پیشانی تک گیا تھا۔ پیشانی ہی نہیں، سارا چہرہ پسینے سے بھیگا ہوا تھا۔ ہاتھ پر کئی قطرے لے کر اس نے اپنے ہاتھ ... پھر عفنان علی خان کو دیکھا تھا اور ساری حقیقت خود بہ خود واضح ہو گئی تھی۔ یقیناً خواب تھا وہ۔

مگر کس قدر دل دہلا دینے والا تھا۔

"تھینک گاڈ۔" ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے اس نے اپنے چہرے کو صاف کیا تھا۔

عفنان علی خان اور اس کے درمیان تفاوت اسی طور قائم تھی۔ اور یہ بات دل کی تسلی کو کافی تھی۔ ہٹا کر اٹھی تھی۔ بیڈ سے نیچے اتری تھی۔ چلتی ہوئی بے ساختہ ہی عفنان علی خان کی سمت آئی تھی۔ نیچے گرے ہوئے کمبل کو اٹھا کر بہت آہستگی سے اس پر ڈالا تھا اور اسی قدر آہستگی سے مڑ کر واش روم میں گئی تھی۔ بہت سے چھپاکے منہ پر مارنے کے بعد وہ ٹاول سے چہرہ پونچھتی ہوئی باہر آئی تھی۔ کلاک کی سمت گیا تھا۔ صرف دو بجے تھے ابھی۔ بستر میں جانے کی بجائے بیڈ کی طرف آ کر ڈائری لی اور رائٹنگ ٹیبل پر آ گئی تھی۔ مگر اس سے قبل وہ کمرے کی لائٹ بند کرنا نہیں بھولی تھی۔ ٹیبل لیمپ کی روشنی میں اس نے ڈائری کو کھولا تھا اور پچھلے لکھے صفحات کو الٹ کر سرسری انداز میں دیکھا تھا اور پھر صفحے الٹتے آگے بڑھی تھی اور قلم کھول کر تیزی سے کچھ لکھنے لگی تھی۔ تنہائی تھی۔ سکون تھا۔ آس پاس کے ہرا ... ماحول اور وہ بہت روانی سے لکھ رہی تھی۔

❋❋❋

اے افسونِ جاں، افسونِ انتظار
کیا کہیں کہ بسر ہوتے ہیں روز و شب کیسے
کیسے اٹھتی ہے روح میں قیامت کوئی ــــــ!
کیسے کٹتی ہے بارگراں سانس کوئی
کیسے آتا ہے کسی بیمار کو بے وجہ قرار
اے افسونِ جاں، افسونِ انتظار

اذہان حسن بخاری نے گھر میں قدم رکھا تھا۔ ایک چہل پہل تھی۔ تیاریاں عروج پر تھیں۔ وہ تھکے ہارے سے قدموں سے چلتا ہوا اپنے کمرے میں آ گیا تھا۔ اسے یہ کہنے کی ضرورت نہیں پڑی تھی کہ "مجھے ڈسٹرب نہ کیا جائے۔" فارحہ سے اس کا سامنا ابھی تک نہیں ہوا تھا اور فی الحال وہ ان سے سامنا کرنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ کچھ وقت تنہائی میں خود اپنے ساتھ خاموشی میں گزارنا چاہتا تھا۔ سو وہ آنکھیں بند کر کے چپ چاپ لیٹ گیا تھا۔

"کیا سوچ رہی ہو تم؟" اس کی آواز اس کے اندر گونجی تھی۔

"ایک بات۔" میرب سیال جواباً بہت دلکشی سے مسکرائی تھی۔

"کیا؟" وہ چونکا تھا۔

"یہی کہ تمہیں اگر زندگی میں سے اور مجھ میں سے انتخاب کرنا پڑے تو تم کسے چنو گے؟" وہ شرارت کے موڈ میں تھی۔ وہ مسکرا دیا تھا۔

"یہ بھی کوئی سوچنے والی بات ہے؟ ــــــ میرے لئے تم زندگی سے زیادہ اہم ہو۔ ہر ایک شے سے زیادہ اہم ہو۔"

"اوں، ہوں ــــــ بناؤ مت۔"

"تو پھر کیا کروں؟ ــــــ کود جاؤں اس چیئر لفٹ سے؟" وہ ہنسا تھا۔

"ڈونٹ بی اوور اسمارٹ۔ یہاں سے کودنا تم جیسے بندے کے لئے مشکل بھی نہیں ہے۔ کوئی بھی اسٹنٹ آرام سے کر جاؤ گے تم۔ پھر میں تم سے ایسی کوئی فرمائش ہی کیوں کروں؟"

"تو پھر؟" وہ مسکرایا تھا۔

میرب کچھ دیر تک اسے خاموشی سے دیکھتی رہی تھی، پھر مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"کچھ نہیں۔"

"کچھ نہیں؟" وہ حیران ہوا تھا۔

"ہوں۔"

"شیور؟" اس کی اپنی تسلی نہ ہوئی تھی۔

”سدت پرسدت۔“ وہ مسکرائی تھی۔ ”میرے لئے تمہاری محبت سب سے اہم ہے۔“

”اور میرے لئے تم۔“ وہ مسکرایا تھا۔

”جانتی ہوں میں۔“

”تو پھر پوچھ کیوں رہی تھیں؟“ مصنوعی غصے سے گھورا تھا۔

”تسلی کر رہی تھی۔“ وہ ہنس دی تھی۔

”یقین کر لو۔ ہماری لو اسٹوری میں کہیں دور دور تک بھی کوئی ولن نہیں ہے جو ہمیں ملنے سے روک سکے۔ آج ممی کو انفارم کروں گا تو کل تم دلہن بنی میرے گھر پر ہو گی۔“ اذہان کا لہجہ پُریقین تھا۔

”اچھا —— اتنا آسان ہے کیا سب کچھ؟“ میرب نے مسکراتے ہوئے اسے گھورا تھا۔ ”گھر سے باہر پڑی ہوں کیا، یا پھر بوجھ ہوں اپنے گھر والوں کے لئے؟“

وہ ہنس دیا تھا۔

”ایسا کچھ نہیں ہے۔ جانتا ہوں میں۔ مگر مجھے اپنی محبت کی سچائی کا یقین دلانے کے لئے کوئی بڑا تو مارنا تھی۔ سو......“ مسکراتے ہوئے بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔ میرب مسکرا دی تھی۔ پھر سنجیدہ ہوتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

”اذہان! کیا تمہیں واقعی لگتا ہے کہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا؟“

”کیوں، تمہیں نہیں لگتا؟“ وہ اس کے خدشے کو کوئی نام نہ دے سکا تھا۔

”پتہ نہیں۔“ اس نے شانے اچکا دیئے تھے۔ ”جب سے بڑے ماموں کی ڈرائیونگ سے ممی الگ ہو گئی ہیں پاپا کا رویہ ممی سے وابستہ ہر رشتے کے لئے سرد ہو گیا ہے۔ وہ بڑے ماموں کو اس حادثے کا ذمہ دار سمجھتے ہیں۔ یہ بات صاف نظر آتی ہے۔ مگر کہیں کوئی اور بات بھی ہے اذہان! مجھے اس سے پہلے پاپا کا رویہ اپنی ننھیال کے لئے پُرجوش اور گرم جوش نہیں لگا۔ فارحہ آنٹی کے لئے تو کبھی بھی نہیں۔ جھگڑا پاپا کو میں کچھ نہیں سمجھ سکی۔ کبھی ان سے پوچھ بھی نہیں سکی۔ مگر ان کو کہیں نہ کہیں میری ننھیال سے کوئی پُرخاش ضرور ہے۔ ممی سے وہ بہت محبت کرتے تھے۔ مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں مگر......“

”کہیں کچھ نہیں ہے میرب ——!“ اذہان نے اسے جھٹلایا تھا۔ ”سب کچھ ٹھیک ہے۔ اور رہی انکل کی بات تو آئی ایم شیور، انہیں اپنی بیٹی کے لئے مجھ سے اچھا لڑکا کہیں نہیں ملے گا۔ وہ مجھے لوٹانا ہرگز نہیں چاہیں گے۔“ اسے تسلی دینے کو وہ مسکرایا تھا۔ انداز مذاق میں اڑانے والا تھا۔ اور میرب ہنسا مسکرا دی تھی۔

”تم صرف میرے لئے ہو میرو! تمہیں نہ کوئی چرا سکتا ہے نہ چاہ سکتا ہے۔ اگر کوئی ہوا تو......“ مسکراتے ہوئے یقین دلانا چاہا تھا۔ وہ مسکرا دی تھی۔

”کچھ زیادہ ہی بڑے ڈائیلاگ نہیں مار رہے آپ اذہان صاحب؟“

”ہاں، تو پھر؟“ وہ خجل سا ہو کر مسکرایا تھا۔

میرب بے ساختہ ہنستی چلی گئی تھی۔

”اذہان!“ وہ اسی طرح لیٹا ہوا تھا جب فارحہ نے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر جھانکا تھا۔

”اذہان! کیا ہوا؟ —— اس طرح کیوں لیٹے ہوئے ہو؟ طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟“ فکرمندی سے جھک کر اس کی پیشانی کو چھوا تھا اور اسی لمحے وہ آنکھیں کھولتا ہوا اٹھ بیٹھا تھا۔

”اذہان بیٹا! کیا ہوا ہے تمہیں؟ اس طرح اپنے کمرے میں کیوں آ گئے؟“

”کچھ نہیں ممی! ٹھیک ہوں میں۔“ اذہان حسن بخاری نے مسکرا کر انہیں مطمئن کرنا چاہا تھا۔ مگر وہ پھیکی مسکراہٹ فارحہ کو زیادہ مطمئن نہیں کر سکی تھی۔

”کیا بات ہے؟“ اذہان رشتوں میں اتنی ایمانداری کا قائل تھا کہ کچھ بھی چھپا نہیں سکا تھا۔ فارحہ کی طرف دیکھا تھا اور بہت آہستگی سے بولا تھا۔

”میں میرب سے ملا آج۔“

فارحہ حیران رہ گئی تھیں۔

”کہاں؟“

”نانو کے گھر۔ وہ بھی غالباً ان سے ملنے آئی تھی۔ میں آپ کے کہنے پر ماما کو لینے گیا تھا تبھی اچانک وہ میرے سامنے آ گئی۔“ کہہ کر وہ لب بھینچ کر سر جھکا گیا تھا۔ فارحہ نے بیٹے کو بغور دیکھا تھا۔ اس کی کیفیت جاننے کے لئے فارحہ کے لئے اسے آنکھوں سے دیکھنا ضروری نہیں تھا۔ وہ آنکھیں بند کر کے بھی اسے دیکھتیں تو جان سکتی تھیں اس کے دل میں کیا تھا —— اس لمحے وہ کس کیفیت کے زیر تھا۔ وہ جانتی تھیں شاید وہ کچھ نہیں بولی تھیں اور وہ سر جھکائے کہہ رہا تھا۔

”میری زندگی کا بہت کڑا لمحہ تھا وہ —— میں جی نہیں پایا۔ مر گیا، لمحہ بھر کو۔ میرا اندر میری روح سے خالی ہو گیا اور میں خالی خالی آنکھوں سے چپ چاپ تکتا رہا ان آنکھوں کو، اس چہرے کو جو کبھی میرے لئے بہت خاص تھا۔ اور آج شاید کچھ بھی نہیں۔“ اذہان حسن بخاری ماں کے سامنے وہ سب بول رہا تھا جو وہ دنیا میں کسی کے سامنے نہیں بول سکتا تھا۔ سر جھکائے اس لمحے وہ بے حد شکست خوردہ دکھائی دے رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو چپ چاپ بہہ رہے تھے۔ وہ دنیا میں اگر کسی کے سامنے کمزور پڑ سکتا تھا صرف اس کی ماں تھی۔ فارحہ چپ چاپ ساکت سی اسے دیکھ رہی تھیں۔

”ہم اجنبیوں کی طرح ملے۔ رسمی بات چیت کی اور بالکل اجنبی لوگوں کی طرح کنی کتراتے ہوئے ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ کہانی ختم ہو گئی۔ اس لمحے مجھے وہ سارے لمحے خواب لگے جب ہم ملے تھے۔ بار بار ملے تھے۔ تب اس لمحے کی پہچان مجھے لمحہ بھر کی لگی۔ شاید ہم کسی غلط وقت کے غلط لمحے میں ملے۔ میں اب بھی نہیں ماننا چاہتا تھا۔ میں نہیں بتا سکتا آپ کو، اسے بھی نہیں اور شاید خود کو بھی نہیں۔ میں دل سے نہیں ملنا چاہتا تھا۔ کبھی بھی دوبارہ نہیں۔ میں سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا کہ ہم دوبارہ کبھی مل جائیں گے بھی۔ مگر وقت نے ہمیں ایک بار پھر ایک دوسرے کے مقابل کر دیا۔ ہم ایک دوسرے سے کیا کہہ رہے تھے۔ بول رہے تھے تو صرف جھوٹ بول رہے تھے۔ رسم دنیا نبھا رہے تھے۔ مگر میری آنکھوں نے اسے پڑھ لیا اور اس نے مجھے۔ میں جان گیا کہ وہ خوش نہیں ہے۔ اس کی آنکھوں میں درج

تھا۔ کتنی بے سکونی ہے اس کے اندر۔ مجھے گمان ہے میری آنکھوں نے بھی اسے وہ سب نہ بتایا ہو
اس سے چھپانا چاہتا تھا۔“ مدھم لہجہ بے حد کمزور تھا۔
فارحہ بیٹے کی کیفیت چپ چاپ دیکھ رہی تھیں۔ آنسو صرف اذہان کی آنکھوں سے ہی رواں
ان کی اپنی آنکھیں بھی چپ چاپ بھیگ رہی تھیں۔
”میں اپنا ہر رشتہ پوری ایمان داری سے نبھانا چاہتا ہوں۔ پھر میرے ساتھ ہی ایسا کیوں ہوا
وقت مجرم کیوں بنا رہا ہے؟ اب جبکہ میں ایک نئی زندگی میں قدم رکھنے جا رہا ہوں اور وہ بھی ایک
کی سمت گامزن ہے۔ ہم ایک دوجے کے مقابل کیونکر آن رکے؟ کچھ دن اور چپ چاپ کیوں
گئے؟ ہم دنیا کے کسی کونے میں یونہی ایک دوسرے سے بے خبر ہو کر، انجان بن کر گزار لیتے تو آج
تو نہ کھلتا جو کھلا۔ وہ سب تو نہ ہوتا جو ہوا۔ ایسا کیوں ہوا ممی؟“ اذہان بچوں کی طرح ان سے رو رہا
تھا۔ فارحہ نے اسے تھام کر اس کا سر اپنی گود میں رکھ لیا تھا۔
”جھوٹ ہیں ـــــ بہلاوے ہیں سب ممی! جھوٹے دعوے ہیں۔ کچھ نہیں بھول سکا۔ مگر
چاہتا ہوں اُسے۔ اُس سے وابستہ ہر بات کو۔ کیونکہ میں جانتا ہوں یہ ضروری ہے اس کے لئے!
میرے لئے بھی۔“
اذہان حسن بخاری کا لہجہ شکستہ اور نیم جاں تھا۔ فارحہ بھیگتی آنکھوں سے بیٹے کے چہرے کو چپ
تکتی رہی تھیں۔
سامیہ نے جو کسی کام سے وہاں آئی تھی، سب سنا تھا اور آہستگی سے دروازہ بند کر کے وہ
واپس لوٹ گئی تھی۔

❋❋❋

جاں مژگاں میں جو جلتا ہے الاؤ کوئی ـــــ!
دن نکلنے کی نکلتی نہیں صورت کوئی ـــــ!
نگاہِ پُرشوق کا عالم ہے چاند ہاتھ میں ہو
اور سرِ طاقِ جاں نہیں جینے کا لمحہ کوئی
پھر اے میرے چارہ ساز بتا ـــــ!
کوئی رات بسر کیسے ہو
نہ ہو آنکھ میں کوئی خواب تو بات کیسے ہو
”کیا ہوا؟ ـــــ وائے آر یو لکنگ سو اَپ سیٹ؟“ سردار سبکتگین حیدر نے ڈرنک کا سپ
کے چہرے کو بغور دیکھا تھا۔ گی متفکر سی اسے دیکھتی ہوئی سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔
”یہ ٹھیک نہیں ہے گین!“
سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔
”کیا؟ ـــــ کیا ٹھیک نہیں ہے؟“ استفسار عجب تھا۔

”وہی جو سب ہو رہا ہے۔ گین! پلیز تم یہ سب مت کرو۔ مجھے گلٹی فیل ہو رہا ہے ـــــ مجرم لگ
رہی ہوں میں خود کو۔ میں تمہاری زندگی قطعاً بھی ڈسٹرب کرنا نہیں چاہتی گین! تم اگر میرے خیر خواہ ہو تو
بتاؤ تمہاری زندگی سے کیسے کھیل سکتی ہوں؟“ گی اپنی جگہ عجیب مجرم سی دکھائی دے رہی تھی۔
سردار سبکتگین حیدر لغاری ویٹر کو بلا کر ایک نیا آرڈر کرتا ہوا بہت اطمینان سے مسکرا دیا تھا۔
”ہاں ـــــ تو کیا کہہ رہی تھیں تم؟“
”چھوڑ دو سب گین! ـــــ یہ ٹھیک نہیں ہے۔“ گی کو سخت رنج تھا۔
”اور؟“ گین مکمل اطمینان سے مسکرایا تھا۔
”میں تم دونوں کی زندگی سے جا رہی ہوں۔ جو کچھ ہو رہا ہے اسے روکنا ضروری ہے گین! دیر ہو گئی تو
کچھ باقی نہیں بچے گا۔“
”تم کہیں نہیں جاؤ گی۔ دیٹس مائی آرڈر۔ یہیں رہو گی، جب تک کہ تمہارا مسئلہ حل نہیں ہو جاتا۔ تمہیں
سپورٹ میں کر رہا ہوں۔ جب مجھے ایسا کرنے میں کوئی اعتراض نہیں ہے تو کسی اور کو کیونکر ہو گا؟“
”مگر ایسا ہونے سے جو ہو رہا ہے وہ ٹھیک نہیں ہے۔ تم سمجھ کیوں نہیں رہے ہو گین؟“ وہ رنج ہو گئی
تھی۔ سمجھانے کی ساری کوشش رائیگاں تھی۔ وہ اسی اطمینان سے مسکرا دیا تھا۔
”آئی ڈونٹ کیئر۔ جو ہوتا ہے ہو جانے دو۔ مگر تمہارے ملنے جو ذمہ داری میں نے اٹھائی ہے وہ
پوری کر کے رہوں گا۔ پرامس کیا ہے تم سے، پورا کروں گا۔“ وہ ارادوں میں اٹل دکھائی دیا تھا۔ گی کی
الجھن بڑھ گئی تھی۔
”کیوں گین؟ ـــــ کیوں کر رہے ہو ایسا؟ سزا دے رہے ہو خود کو؟ محبت کرتے ہو نا اس سے؟“
”محبت؟“ وہ چونکا تھا۔ پھر ہنس دیا تھا۔ ”دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا گی؟“ اس کا انداز مذاق
اڑانے والا تھا۔ گی اسے دیکھنے لگی تھی۔
”کچھ غلط نہیں کہہ رہی میں۔ تمہاری آنکھوں میں صاف پڑھا جا رہا ہے، تمہارے لئے وہ کتنی خاص
ہے۔ یہ بات کیا تم خود سے بھی چھپانا چاہتے ہو؟ جھوٹ بولنا چاہتے ہو خود سے بھی؟“ گی بضد تھی۔
”ایکسکیوز می! ایسا کچھ نہیں ہے۔ گین ایسے ڈرامائی تصوں پر یقین نہیں رکھتا۔ یہ محبت کے کاغذی
گھوڑے گین کی دنیا میں نہیں چلتے۔ خوابوں کے دلیس کی باتیں کرنے والوں میں سے میں نہیں ہوں۔“ وہ
نفی میں ہلاتا ہوا مسکرا دیا تھا۔ گی اس کی کیفیت پر مسکرا دی تھی۔
”ہاں ـــــ صاف دکھائی دے رہا ہے کہ تم کس درجہ بے وقوفی کر سکتے ہو؟ تم محبت کو حماقت سے
زیادہ تصور نہیں کرتے نا؟“
”محبت حماقت کے سوا کچھ ہے؟“ وہ محظوظ ہو کر سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھتا ہوا مسکرایا تھا۔
”ہمارے یہاں ایک بہت عظیم شاعر چچا غالب ہوتے ہیں۔ ان کا فرمان ہے۔“ کہتے ہیں جس کو عشق،
خلل ہے دماغ کا۔“ تم سمجھتی ہو کہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے دماغ میں ایسا کوئی خلل واقع ہو چکا ہے تو
تم لائی حماقت کر رہی ہو۔ بہت پریکٹیکل بندہ ہوں میں ـــــ یہ پیار، محبت میرے لئے نہیں ہے۔“ ایک

بھرپور انداز میں جھٹلایا تھا۔

"ایسا ہے تو اسے خود سے دور جانے کیوں نہیں دیتے؟ ـــــ تمہاری آنکھوں میں اتنی بے چینی بھر جاتی ہے جب وہ تمہارے سامنے نہیں ہوتی۔ اب اس لمحے تم خود کو کس بات کی سزا دے رہے ہو؟ اس سے دور ہو، اسے مدعا سنا نہیں پا رہے ہو، بتا نہیں پا رہے ہو تو کیا کیفیت ہے تمہاری؟ ـــــ کیا کچھ غلط دیکھ رہی ہوں یا غلط سمجھ رہی ہوں؟"

سردار سبکتگین حیدر لغاری ہنستا چلا گیا تھا۔

"یہ سب باتیں اس کے سامنے بھولے سے بھی مت کہنا ـــــ سچ مان جائے گی۔" وہ بات کو جیسے اڑا دینا چاہتا تھا۔

"مان جائے گی تو کچھ غلط تو نہیں کرے گی۔ بیوی ہے وہ تمہاری ـــــ تم کیوں کر رہے ہو اس کے ساتھ ایسا؟ ـــــ یقین دلانے کی کوشش کیوں نہیں کرتے اسے؟" گی نے اسے سمجھانے کی ٹھان لی۔

"کہتا ہوں، سب جھوٹ ہی لگتا ہے۔" وہ مسکرایا تھا۔

"یقین کہاں کرتی ہے وہ؟" لہجے میں ایک افسوس سا تھا۔ گی اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔ اس لمحے اس کی آنکھوں میں عجب ایک ویرانی سی تھی۔ گی کے لئے اس کی یہ کیفیت نا قابل برداشت تھی۔

"اس بات کا یقین دلا دو اسے کہ اس کے بنا تمہاری آنکھوں میں کس درجہ ویرانی ہے۔"

"اور وہ یقین کرلے گی؟" مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تھا جیسے وہ اس کے مشورے سے درجہ محظوظ ہوا تھا۔

"ہاں۔" گی نے یقین کو پختہ کیا تھا۔

"ٹھیک ہے ـــــ کہہ دوں گا۔" سعادت مندی کی حد تھی۔ گی جانتی تھی وہ سیریس نہ تھا۔ بات کو سنجیدہ نہیں لے رہا تھا۔

"گین! اسے سب کچھ صاف صاف بتا دو۔ تم اگر ایسا نہیں کر سکتے تو میں کر دوں گی۔" دھمکی دی مگر وہ اسی اطمینان سے مسکرا دیا تھا۔

"کوئی فائدہ نہیں ہے گی! وہ یقین نہیں کرے گی۔ اسے کسی بات کا یقین نہیں ہے۔ کچھ بھی کہہ لو، وہ اپنی ڈیڑھ انچ کی مسجد سے باہر نکلنے والی نہیں۔ جہاں تک میری بات ہے، وہ بہت بدظن ہے۔ میری کہی کسی بات کا یقین کرنا ناممکن ہے اور تمہیں بھی میں اس حماقت کی اجازت نہیں دوں گا۔"

"تم میری خاطر خطرہ کیوں مول لے رہے ہو گین؟ اتنے سارے الزامات کیوں لے رہے ہو سر؟ وہ اگر کچھ غلط بھی سمجھ رہی ہے تو غلط فہمی دور کیوں نہیں کر دیتے اس کی؟ کیا یہ اتنا مشکل ہے؟ بلکہ غیر عورت ہو کر تم پہ یقین کر رہی ہوں تو پھر وہ کیوں نہیں؟ تم اس سے کہہ کر تو دیکھو۔"

"تم کیوں یقین کرتی ہو، اور وہ کیوں نہیں؟ یہ میں بالکل نہیں جانتا گی! ٹرسٹ می۔ بٹ آئی تھنک۔ یقین بہت اندر کی چیز ہوتی ہے اور یہ خود بخود جنم لیتا ہے۔ کوئی زبردستی اسے آپ کے اندر نہیں اتار سکتا ہے نہ آپ کو گھول کر تعویذ کی طرح پلا سکتا ہے۔ یقین کے لئے کہیں کوئی جادو منتر نہیں ہے۔"

اور وہ مجھ پہ یقین نہیں کرتی ہے تو دنیا کی کوئی طاقت اسے ایسا کرنے پر مجبور نہیں کر سکتی۔"

"تو پھر ٹھیک ہے ـــــ میں اسے صاف صاف بتا دیتی ہوں۔ شاید وہ کام میرا سچ کر دے جو دنیا کا کوئی اور نہیں کر سکتا۔" وہ پُرعزم تھی۔ گین مسکرا دیا تھا۔

"پاگل ہوئی ہو تم۔ سب بے کار رہے گا۔ مجھے پتہ ہے اس کا وہ یقین نہیں کرے گی۔ سوائے کچھ بتا کر وقت ضائع کرنے والی بات انتہائی فضول ہے۔" گی کو سمجھانا بے کار گیا تھا۔ وہ سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

"کل میں چلی جاؤں گی یہاں سے۔ میں یہ سب نہیں دیکھ سکتی۔ خود کو مزید مجرم تصور نہیں کر سکتی میں۔ تمہاری زندگی کو مزید ڈسٹرب کر سکتی ہوں۔ کس بات کی سزا جھیلو تم جبکہ تمہارا مجھ سے نہ کوئی واسطہ ہے نہ تعلق۔ تم اسے نہیں بتا سکتے تو میں تو بتا سکتی ہوں۔ آئی ایم پرفیکٹ وہ یور کٹنگ ـــــ یہی سمجھتی ہے نا وہ؟ میں اسے بتاؤں گی وہ کتنی غلط ہے۔ ضرورت پڑی تو میں اسے ڈی این اے ٹیسٹ سے بھی ثابت کر کے دکھا دوں گی۔ یور آنر، ناٹ دی فادر آف مائی چائلڈ۔ ہاں، جو ہے اسے ڈھونڈنے میں تم میری مدد ضرور کر رہے ہو۔" گی روانی سے بولی تھی اور وہ مسکرا دیا تھا۔

"کوشش کر کے دیکھ لو ـــــ کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔ بائے دی وے، ہم کچھ زیادہ امپورٹنس نہیں دے رہے ان محترمہ کو؟ ذکر کچھ حد سے سوا ہو چلا ہے۔ بہت بور کر رہی ہو تم مجھے۔" مسکراتے ہوئے اشارہ کر کے ویٹر کو بلایا تھا۔ گی نے اس کی کیفیت کو دیکھا تھا اور ہاتھ اٹھا کر ویٹر کو منع کرتے ہوئے اس کا بازو پکڑ کر اسے اٹھایا تھا اور زبردستی لے کر ریسٹورنٹ سے باہر نکلنے لگی تھی۔

"تم خوامخواہ پریشان ہو رہی ہو۔ تم نے سارا موڈ خراب کر دیا۔" گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے شاکی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ گی کچھ نہیں بولی تھی۔

"تم اسے کچھ نہیں کہو گی۔ کچھ نہیں۔ کچھ بھی نہیں۔ اسے یقین کرنا ہو گا تو وہ خود کرے گی۔ اور جہاں تک رہی بات محبت کی تو مجھے اس سے کوئی محبت نہیں ہے۔ ہاں وہ میری بیوی ضرور ہے اور یہ ایک سانحہ ہے صرف یا پھر تم اسے حادثہ بھی کہہ سکتی ہو اور اتفاق بھی۔" اسے باور کراتے ہوئے وہ مسکرایا تھا۔

"میں سچا ہوں یا نہیں مجھے یہ باور کرانے کی نہ کسی کو ضرورت ہے نہ ثابت کرنے کی۔ سردار سبکتگین لغاری کو کسی تائید کی ضرورت نہیں ہے۔ نہ کسی اچھائی کے سرٹیفکیٹ کی ضرورت ہے۔ میں اچھا ہوں یا برا خود اپنے لئے ہوں۔" وہ بولا تھا اور گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔

گی کچھ نہیں کہہ سکی تھی۔ اسے صرف دیکھ کر رہ گئی تھی۔

"بہت محدود سوچ ہے اس کی۔ بہت محدود سوچتی ہے وہ۔ اس کے لئے ساری باتوں کے مفہوم ایک ہیں۔ تم سے میرا تعلق نہ وہ کبھی سمجھی تھی، نہ سمجھے گی۔ سو چپ رہنے میں ہی عافیت ہے۔ میری فکر مت کرو۔ اپنا فکر کو میں آپ ہی کافی ہوں۔ تمہاری وجہ سے میری زندگی ڈسٹرب نہیں ہو رہی۔ نہ تمہارے جانے سے کوئی انقلاب آئے گا۔ سو تم یہیں رہو۔ جب تک جانے کو میں نہ کہوں۔" اس کی جانب دیکھے بنا ڈرائیونگ کرتے ہوئے وہ بولا تھا اور گی خاموشی سے اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

❋❋❋

وہ لکھتے لکھتے وہیں ٹیبل پر سو گئی تھی۔

عفنان علی خان صبح اٹھا تھا تو اسے دیکھ کر چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ کچھ کہنے کا ارادہ تو نہ تھا مگر ا
تو قدم خود بخود اس کی جانب اٹھ گئے تھے۔ بہت آہستگی سے اس کا زمین پر جھولتا شال اٹھایا تھا اور اس
شانوں پر دھرا تھا۔ جب اچانک وہ نیند سے بیدار ہو گئی تھی۔ بے حد چونک کر اسے دیکھنے لگی تھی۔ پھر
درست کیا تھا اور ڈائری فوراً اٹھا کر ساتھ بھینچتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

عفنان علی خان نے پہلے اسے اور پھر اس کی ڈائری کو دیکھا تھا۔

"وہ...... میں لکھتے لکھتے یہیں پر......" انابیہ شاہ جانے کیوں وضاحت دینے لگی تھی۔ وہ ا
چپ چاپ کھڑا دیکھ رہا تھا جب فاطمہ خان نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا تھا۔

"جاگ گئے تم دونوں؟" مسکراتے ہوئے دونوں بچوں کو دیکھا تھا۔

"جی ماما!" عفنان مسکرایا تھا۔ "کوئی کام تھا تو مجھے بلوا بھیجا ہوتا۔" ان کے زحمت کرنے پر
فاطمہ مسکرا دی تھیں۔

"ہاں ____ کام تھا۔ گین کا فون آیا تھا۔ شام میں انوائٹ کیا ہے اس نے۔ نیو پارک جا
وہ" مطلع کیا تھا۔

"خیریت؟" عفنان چونکا تھا۔ "بھابی کے ساتھ یا ____ اور یہ پارٹی کس خوشی میں؟ کہیں
ہنی مون کی تیاری تو نہیں؟" وہ مسکرایا تھا۔ فاطمہ بھی مسکرا دی تھیں۔

"نہیں ____ غالباً ایسا نہیں ہے۔ کوئی آفیشل پارٹی ہے۔ تمہارا سیل ٹرائے کر رہا تھا وہ۔ بات
نہیں کر رہا تھا۔ تم نے سوئچ آف کر دیا ہوگا۔ میں نے سوچا بتا دوں۔ کہیں تم کسی اور اپائنٹمنٹ کا
جاؤ۔ آج کا وقت فارغ رکھنا۔ ورنہ گین کو تم جانتے ہو، وہ تمہیں آ کر اٹھا لے جانے سے بھی گر
کرے گا۔" فاطمہ نے مسکراتے ہوئے تنبیہہ کی تھی۔ عفنان مسکرا دیا تھا۔

"ہاں ____ جانتا ہوں میں اسے۔ آپ فکر نہ کریں۔" یقین دلایا تھا۔ مگر فاطمہ خان نے
ہوئے سر نفی میں ہلاتے ہوئے چپ کھڑی ہوئی انابیہ کو دیکھا تھا۔

"ہاں، مگر تمہیں تنہا نہیں جانا ہے۔ انابیہ کو بھی تمہارے ساتھ جانا ہے۔" فاطمہ خان نے
سے اپنی اکلوتی بہو کا چہرہ ہاتھ میں لیا تھا۔ انابیہ مسکرا دی تھی۔ عفنان علی خان اس کی طرف اک نگا
ڈالتا ہوا مڑا تھا اور واش روم میں گھس گیا تھا۔ فاطمہ بیٹے کو دیکھتی ہوئی مسکرا دی تھیں۔ "عفنان کو
لے کر اپ سیٹ مت ہوا کرو۔ اسے جانتی ہوں میں۔ بہت چاہتا ہے وہ تمہیں۔ اس سے پہلے
اسے نہ کسی لڑکی میں انوالو دیکھا نہ کسی کے لئے اتنا سنجیدہ دیکھا۔" فاطمہ نے محبت سے اسے د
کہا تھا۔ انابیہ ایک بار پھر مسرت سے مسکرا دی تھی۔

"ارے میں بھی کتنی پاگل ہوں۔ نیچے تمہارے پاپا ناشتے کے لئے کہہ رہے تھے اور میں
بالکل ہی بھول گئی انہیں ____ پہلے ہی شکوہ رہتا ہے، میں ان سے زیادہ عفنان کا خیال رکھتی
شکوہ تم سے کچھ سال بعد عفنان بھی کرے گا۔ باپ بیٹے میں کچھ زیادہ فرق نہیں ہے۔" فاطمہ

نہیں۔ وہ جھینپ کر رہ گئی تھی۔ فاطمہ نے اس کا چہرہ تھپتھپایا تھا۔

"تم فریش ہو کر آ جاؤ ____ میں ٹیبل لگاتی ہوں۔"

فاطمہ واپس پلٹ گئی تھیں۔ انابیہ کچھ دیر یوں ہی کھڑی دیکھتی رہی تھی۔ پھر چلتے ہوئے بیڈ کی سائیڈ
کی طرف آئی تھی۔ دراز کھولا تھا اور ڈائری اس میں ڈال کر دراز بند کر دی تھی۔ جب عفنان علی
واش روم کا دروازہ کھول کر باہر نکلا تھا۔ نگاہ اسے دیکھ کر کچھ چونکی ضرور تھی مگر وہ کچھ جتائے بغیر تاول
بال رگڑتا ہوا شیشے کے سامنے آن رکا تھا۔

"رات ماما کا فون آیا تھا ____ دادا کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ انہوں نے مجھے آنے کے لئے کہا
ہے" اس نے پلٹ کر مطلع کیا تھا۔ عفنان نے اسے آئینے میں ایک نگاہ سرسری انداز میں دیکھا تھا اور جیل
بالوں کو اسپائکس لک دینے لگا تھا۔

"یعنی تم پارٹی میں جانا نہیں چاہتی ہو۔" لبوں پر خفیف سے تبسم میں ایک طنز تھا۔ انابیہ کچھ نہیں بولی
۔ اپنی صفائی میں اسے کچھ کہنا مقصود نہ تھا۔

"پچھلی بار بھی جب گین نے انوائٹ کیا تھا تب بھی تمہارے ساتھ کچھ ایسا ہی پرابلم تھا۔" عفنان
کہے بغیر نہ رہ سکا تھا۔ صبح صبح کی یہ بدمزگی وہ نہیں چاہتی تھی۔ تبھی بہت رسانیت سے اس کی طرف
دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

"آپ سمجھ رہے ہیں میں بہانے گھڑ رہی ہوں۔ جبکہ ایسا کچھ نہیں ہے۔ آپ فون کر کے ماما سے بات
کر سکتے ہیں۔" اس کے شک کے پیش نظر کہا تھا۔

"مجھے کسی انویسٹی گیشن کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ بے تاثر انداز میں کہہ کر اٹھ کر چلتا ہوا الماری کی
طرف بڑھا تھا۔

"ٹھیک ہے ____ میں تیار ہو جاؤں گی۔ آپ پارٹی سے واپسی پر مجھے وہاں چھوڑ دیجئے گا۔" انابیہ
کہے بغیر پلٹی تھی اور واش روم میں گھس گئی تھی۔ عفنان علی خان اس کی طرف دیکھ کر رہ گیا تھا۔

❋❋❋

میرب پارٹی کے لئے تیار ہو رہی تھی۔ ابھی ابھی وہ دروازہ کھول کر اسے آرڈر دے گیا تھا۔ جب تک
وہ یہاں تھی، اس کے "احکامات" کی تعمیل کرنا فرض تھا اس پر۔ وہ کوئی بات ٹال کر کوئی بدمزگی پیدا کرنا نہیں
چاہتی تھی۔ تیار ہونے کے بعد وہ کانوں میں ایئر رنگز پہن رہی تھی جب اس کا پرسنل سیل بجا تھا۔ میرب
نے اسکرین کی طرف دیکھا تھا۔ کوئی انجان سا نمبر وہ اٹھاتی نہیں تھی۔ مگر اس لمحے جانے کیوں کال ریسیو
کر کے فون کان سے لگا لیا تھا۔

"ہیلو ____!"

"ہیلو میرب؟" دوسری طرف آواز حسن بخاری تھا۔ وہ لمحہ بھر کو ساکت رہ گئی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا۔
"ممی کو تمہارے متعلق بتایا۔ بات کرنا چاہتی تھیں وہ ____ ماما نے تمہارا ڈائیکٹ دیا۔ کیسی ہو تم؟"
شرارت چیئر کرتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

میرب خود پر قابو پاتے ہوئے مسکرا دی تھی۔

"ٹھیک ہوں میں ـــــ بات کراؤ آنٹی سے ـــــ بائے دا وے، ایسا کیا بتا دیا تم سب نے میرے متعلق؟ کچھ اچھا ہی بتایا ہے نا؟" وہ عام تاثر سے بات کرتی ہوئی مسکرا دی تھی۔

"تم بات کرو ممی سے۔" اذہان حسن بخاری نے فون فارحہ کی طرف بڑھا دیا تھا۔

"ہیلو میرب! ـــــ میری جان! کیسے ہو آپ؟" فارحہ آنٹی نے بالکل ممی والے انداز میں پکارا کیا تھا۔ میرب کی آنکھیں لبالب پانیوں سے بھر گئی تھیں۔

"ٹھیک ہوں میں۔ آپ کیسی ہیں آنٹی؟" آواز کوشش کے باوجود بھرا گئی تھی۔ فارحہ دوسری طرف کی کیفیت بھانپ گئی تھیں۔ ان کی خود کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔

"ایسے غیر ہو گئے تھے ہم ـــــ پلٹ کر پوچھا تک نہیں ـــــ مظہر بھائی نے تو خیر کبھی بھی نہیں سمجھا، تم نے بھی پرایا کر دیا پل میں؟" ان کا شکوہ بجا تھا۔ میرب کی آنکھوں سے چپ چاپ آنسو لگے تھے۔

"وقت اجنبی ہو گیا آنٹی! ـــــ پاپا کی بیماری، پھر علاج کے لئے نیویارک جانا، میرا نکاح سب اس قدر اچانک ہوا کہ وقت ہی نہیں ملا۔"

"اور اس کے بعد؟ ـــــ اس کے بعد بھی ہماری یاد نہیں آئی؟ ـــــ آپا کے بعد تم نے بھی لیا کہ ہم سے تمہارا ہر رشتہ ختم ہو گیا؟" فارحہ کی بات کا اس کے پاس کوئی جواب تھا نہ وضاحت۔ آنٹی کہہ رہی تھیں۔

"میرب بیٹا! تم نے مجھ سے کچھ کیوں نہیں کہا؟ ـــــ ماما کی مایوں والے دن اگر تم مجھ سے شیئر کر دیتیں کہ مظہر بھائی تمہارا رشتہ کہیں اور طے کر رہے ہیں تو میں کچھ بھی کر کے ان سے تمہیں لیتی۔ آج میرا بیٹا ایک ادھوری زندگی نہیں جی رہا ہوتا۔ پاگل ہے وہ تو ـــــ فیملی کے سوا اسے کچھ نہیں دیتا۔ اگر اس نے اپنی زندگی کو اہم جانا ہوتا تو آج مجھے اتنا دکھ نہ ہوتا۔" فارحہ آنٹی دوسری طرف رہی تھیں۔

"ان باتوں سے اب کوئی فائدہ نہیں ہے آنٹی!" میرب کی آواز مدھم تھی۔ کہتے ہوئے اس نے آنکھوں کو پونچھا۔

"ہاں، شاید ـــــ ان باتوں سے اب کوئی فائدہ نہیں ـــــ وقت گزرتا رہے تو اپنے پیچھے پچھتاوے چھوڑ جاتا ہے۔ مگر ان پچھتاووں کے ساتھ جینا آسان نہیں ہوتا۔"

میرب جواباً کچھ نہیں بول سکی تھی۔

کچھ فاصلے پر دوسرے لینڈ لائن پر مسلسل کوئی کال آ رہی تھی۔ بیل ہو رہی تھی۔ مگر میرب ـــــ اتنی الجھی ہوئی تھی کہ اٹھ کر دیکھ تک نہ سکی تھی۔ شاید اسے احساس تک بھی نہ تھا۔

"تم آؤ گی نہیں مجھ سے ملنے؟" فارحہ نے پوچھا تھا۔

"آپ بلائیں گی تو ضرور آؤں گی آنٹی!" اس نے مسکرانے کی ناکام کوشش کی تھی۔

"تو آ جاؤ پھر۔" فارحہ آنٹی نے فوری فرمائش کی تھی۔

"آج؟" وہ چونکی تھی۔ "آج تو ممکن نہیں ہے ـــــ گھر میں یہاں ایک پارٹی رکھی گئی ہے۔ میں وقت نکال کر کسی روز آؤں گی۔ پاپا اور زرد بار یہ بھی آنے والے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ بھی ساتھ آئیں۔ اذہان کی انگیج منٹ ہونے جا رہی ہے۔ انوائٹ نہیں کریں گی آپ مجھے؟" مسکراتے ہوئے وہ تمام حالات معمول پر ظاہر کرنا چاہتی تھی۔

فارحہ دوسری طرف بہت دل گرفتہ دکھائی دی تھی۔ لبریز آنکھوں سے اذہان کی طرف دیکھا تھا جو کچھ فاصلے پر ماما سے کوئی بات کر رہا تھا۔

"تمہاری آنٹی کے گھر کے دروازے تمہارے لئے ہمیشہ کھلے ہیں بیٹا! جب چاہو آ جاؤ۔"

"تو ٹھیک ہے ـــــ پھر میں بنا بتائے کسی بھی دن آ جاؤں گی مگر آپ کو ممی کی طرح مجھے آلو کے پراٹھے بنا کر اپنے ہاتھوں سے کھلانا ہوں گے۔"

"کھلاؤں گی۔" وہ بھیگی آنکھوں کے ساتھ بولی تھیں۔ "تمہارا دُلہا کیسا ہے؟ ـــــ ماما بتا رہی تھی کہ تمہاری بھی رخصتی ہو رہی ہے۔"

"ہاں۔" وہ بجھے بجھے سے انداز میں بولی تھی۔

تبھی دروازہ کھلا تھا اور سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اندر قدم دھرا تھا اور چلتا ہوا اس کے مقابل آن رکا تھا۔ میرب نے اسے چونکتے ہوئے دیکھا تھا۔

"آنٹی! ـــــ میں آپ سے بعد میں بات کرتی ہوں۔" سلسلہ منقطع کر کے اس کی طرف دیکھا تھا۔ کسی قدر خشمگیں نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"بہت ضروری کال تھی؟" نظریں اس کے چہرے کو بغور دیکھ رہی تھیں۔

"ہاں۔" میرب نے آہستگی سے جواب دے کر سیل ڈریسنگ ٹیبل پر دھرا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے ناپسندیدہ انداز سے دیکھا تھا اور بولا تھا۔

"کوئی اس سے ضروری فون کال اس لینڈ لائن پر بھی تھی ـــــ مائی تم سے بات کرنا چاہتی تھیں۔" بتا رہا تھا۔ وہ شرمندہ سی ہو کر سر جھکا کر کلائی میں قیمتی بریسلٹ پہننے لگی تھی۔

"سوری! ـــــ مجھے دھیان نہیں رہا۔" وہ دانستہ اپنی بھیگی پلکیں چھپا رہی تھی۔

"دھیان نہیں رہا ـــــ یا تم نے دھیان دینا ضروری نہیں سمجھا؟" وہ وضاحت چاہ رہا تھا۔ مگر میرب نے اسے کوئی وضاحت نہیں دی تھی۔ سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

"کیا کہہ رہی تھیں وہ؟"

سردار سبکتگین حیدر لغاری کو شدید ترین حیرت نے آن گھیرا تھا۔ میرب نے اس سے الجھنا مناسب نہیں

"پارٹی کے لئے مہمان آ گئے؟" بات یکسر بدل دی تھی اور یہ بات سردار سبکتگین حیدر لغاری کو بہت ناگوار گزری تھی۔

"تمہارے لئے مائی کی بھی اب کوئی اہمیت نہیں ہے؟"

"پوچھ تو رہی تھی۔ آپ نے بتایا نہیں تو کیا کروں؟ —— زبردستی تو آپ سے اگلوا نہیں سکتی نا! ایسا کوئی علم مجھے نہیں آتا کہ آپ کا دماغ پڑھ سکوں۔" بے تاثر انداز میں کہہ کر پرفیوم خود پر اسپرے کیا تھا۔

"تم میں ایسی کوئی صلاحیت اگر ہوتی تو صورت حال یقیناً اس سے بہت مختلف ہوتی میرب سیال! تو پرابلم ہے۔ دماغ کا استعمال تمہیں کرنا بالکل بھی نہیں آتا۔" وہ اس کی عقل پر افسوس کرتے ہوئے اور پلٹ کر چلتا ہوا دروازے کی جانب بڑھ گیا تھا۔ مگر دروازے کے پاس جا کر جانے کیوں دوبارہ گیا تھا۔ پلٹ کر اسے دیکھا تھا۔

"مائی کا خیال تھا تم ان کے پاس کچھ دن گزار لو۔ مگر شاید اب ان کی ضرورت نہیں ہے۔ پاپا بعد میں نیویارک فلائی کر جاؤں گا۔ تم یہاں رہنا چاہتی ہو یا کہیں اور، اس کا فیصلہ تم کر سکتی ہو۔" بے تاثر انداز میں کہتا ہوا وہ پلٹا تھا اور باہر نکل گیا تھا۔ میرب سیال کچھ لمحوں تک اسی طرح بیٹھی اس کو رہی تھی پھر اٹھی تھی اور چلتی ہوئی باہر آ گئی تھی۔ عفنان اور انابیہ اسے رستے میں ہی مل گئے تھے۔

"واہ بھابی! یو آر لکنگ سو فیبلس۔ میں تو گین سے واقعی جیلسی فیل کرنے لگا ہوں۔ آج پتہ لگا میرج کے کتنے فائدے ہوتے ہیں۔" کن انکھیوں سے انابیہ کو دیکھا تھا۔ جلے دل کے پھپھولے پھوڑنے کا انداز بہت خوب تھا۔ میرب سیال مسکرائی تھی۔

"لو، میرج ہو یا ارینج میرج —— شادی دونوں صورتوں میں ایک جوا ہے عفنان! اس کا تمہیں ابھی نہیں، کچھ عرصہ گزرنے کے بعد ہوگا۔ ابھی تو نئی نئی رتوں کا خمار دلفریب ہوگا۔" میرب مسکراتے ہوئے کچھ فاصلے پر سیل فون پر بات کرتے ہوئے گین کو دیکھ کر طنز کا تیر اچھالا تھا۔ عفنان نے مسکرا دیا تھا۔

"کاش ایسا کچھ ہوتا بھابی! بٹ آئی ایم ناٹ لکی۔ ان فیکٹ سب گین صاحب کی طرح کا نصیب نہیں رکھتے نا۔"

انابیہ کو سخت اُلجھن ہونے لگی تھی۔ مگر وہاں ٹھہرنا اس کی مجبوری تھی۔

"شادی ایک جوا ہو نہ ہو، ایک بلا ضرور ہے جو گلے پڑتے ہی گلا دبا دیتی ہے —— بندہ کسی بہت بڑے خطرے سے بھی صحیح سلامت گزر سکتا ہے۔ مگر شادی کا مرض سے بچ سکتا ہے —— اسپاسیبل۔" عفنان نے تہیہ کر لیا تھا ساری کسر آج ہی پوری کر دے گا۔

میرب، انابیہ کو اپنے ساتھ لگاتی ہوئی مسکرا دی تھی۔

"اتنی تو خوب صورت وائف ہے تمہاری۔ تمہیں کس بات کا قلق ہے؟"

"کوئی ایک ہو تو بتاؤں بھی۔ یہاں تو ہزاروں شکوے ہیں۔ کیا کیا سناؤں؟" عفنان مسکرا دیا۔ میرب بھی مسکرائی تھی۔ تبھی گین چلتا ہوا ان کے قریب آن رکا تھا۔

"کیا ہوا؟ —— کس کو کس سے شکوہ ہے یہاں؟" مسکراتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

عفنان مسکرا دیا تھا۔

"یہ پوچھو کس کو کس سے شکوہ نہیں ہے۔ مجھے تو تم سے بھی ہزاروں شکوے ہیں بھائی میرے کہ ایک شہر میں ہوتے ہوئے بھی مہینوں نہ شکل دکھاتے ہو نہ دیکھتے ہو۔ ہائے واوے کل شام تم اس ریسٹورنٹ میں کیا کر رہے تھے ان خاتون کے ساتھ؟"

میرب نے چونکتے ہوئے سردار سبکتگین حیدر لغاری کی طرف دیکھا تھا مگر وہ بہت بے تاثر انداز میں اس کی طرف سے نگاہ پھیرتا ہوا پُرسکون لہجے میں گویا ہوا تھا۔

"کون خاتون؟ —— گی ہے دہ —— شی از مائے فرینڈ —— آج کل وہ یہیں میرے پاس رہ رہی ہے۔" مطلع کرتے ہوئے میرب کو یکسر نظر انداز کیا تھا اور مسکراتے ہوئے اس جوڑے کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

"ہائے داوے، تم ابھی تھوڑی دیر قبل ایک دوسرے سے کیا شکوے شکایات کرتے دکھائی دے رہے تھے؟ انابیہ! جانتی ہو تم، یہ بندہ پاگل ہے تمہارے لئے۔ تم نے اسے نہیں دیکھا —— میں نے دیکھا ہے۔ جب کڈنیپ کے بعد تم ہاسپٹل میں تھیں اس وقت اس کی حالت دیکھنے والی تھی۔ مجھ جیسے شخص کو جسے پیار محبت پر سرے سے کوئی یقین ہی نہیں، ماننا پڑا کہ محبت شاید کہیں نہ کہیں ہے —— اور بہت ٹھوس شواہد کے ساتھ موجود ہے۔ وہ جب چاہے اپنا آپ منوا سکتی ہے۔ میں اس لمحے کو کیپچر (Capture) کر سکتا تو تمہیں ضرور دکھاتا۔ یو آر ریئلی اے لکی گرل۔ تم نے اس کے اندر محبت جگائی۔ کوئی تو خاص بات ہوگی تم میں۔ اس لمحے میں نے شدت سے تمہیں اس سے ملنے کی دعا مانگی تھی اور دیکھو وہ پوری بھی ہو گئی۔ آج تم دونوں ساتھ ہو۔ اینوی ایبل کپل۔ آئی مسٹ سے۔" وہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ انابیہ زبردستی مسکرائی تھی جبکہ عفنان ہنس دیا تھا۔ گین نے اس کے ہنسنے سے قطع نظر انابیہ کے شانے پر ہاتھ دھرتے ہوئے اسے سلامی دی تھی۔

"سب لوگ عورت کو کمزور کہتے ہیں —— سمجھتے ہیں۔ مگر میں تو اس مقولے کو سرے سے رد کرتا ہوں۔ عورت چاہے تو کچھ بھی کر سکتی ہے۔ جو مرد جیسی چیز کو "کمپلیٹ" کرتی ہے، وہ خود کمزور کیسے ہو سکتی ہے؟ عفنان کی قدر کرنا —— یہ صرف تمہارے خدوخال سے محبت نہیں کرتا۔ کوئی بھی مرد صرف ایک عورت سے محبت نہیں کرتا۔ اس کے لئے اس کے خواص زیادہ اہم ہوتے ہیں۔ بہت راز کی بات بتا رہا ہوں میں۔ ہاں یہ البتہ ہم مرد نہیں جانتے کہ ایک عورت مرد کی کس بات سے محبت کرتی ہے۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کہا تھا اور انابیہ مسکرا دی تھی۔

"ایک عورت مرد کی محبت سے محبت کرتی ہے۔ یہ بھی ایک گہرا راز ہے جو میں آج کھول رہی ہوں۔"

"اوہ، رئیلی۔ ایک عورت مرد کی محبت سے محبت کرتی ہے؟ —— ویری انٹرسٹنگ —— یعنی اگر میں کسی عورت سے محبت کرتا ہوں تو میری بیوی اس عورت سے محبت کرے گی —— ہے نا؟ —— یہی مطلب ہے نا تمہارا؟" گین نے شرارت سے مسکراتے ہوئے چھیڑا تھا۔

انابیہ نے مسکراتے ہوئے سر انکار میں ہلایا تھا۔ میرب چپ چاپ کھڑی تھی۔

"اچھا ـــــ میں تو یہی سمجھا تھا ـــــ ہے نا عثنان! ـــــ تم بھی یہی سمجھے تھے نا؟" عفنان کو ان کا ہم خیال کرنا چاہا تھا۔ عفنان نے شانے اچکا دیے تھے۔

"پتہ نہیں بھائی! وہاں امریکہ میں تو لڑکیاں جس مرد سے محبت کرتی ہیں اس کے کتے سے بھی پیار کرتی ہیں۔ انہیں ان کا کتا بھی اتنا ہی عزیز ہوتا ہے۔ مگر پاکستانی عورتوں کا کوئی پتہ نہیں۔" عفنان بولا تھا اور وہ دونوں بھائی ہنس دیے تھے۔

میرب کو اپنا وجود وہاں بہت مس فٹ لگ رہا تھا۔ وہ آگے بڑھ جانے کو تھی جب گین نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے روک لیا تھا اور عفنان سے بات جاری رکھتے ہوئے گویا ہوا تھا۔

"پاکستانی لڑکیوں کا واقعی کچھ پتہ نہیں ـــــ بہت گہرے راز جیسی گہری ہوتی ہیں یہ۔ نہ کھلتی ہیں، نہ کھلنے دیتی ہیں ـــــ اینی ہاؤ ـــــ لٹس انجوائے دی پارٹی۔ آئی ول جوائن یو لیٹر۔" عفنان اور ان سے کہا تھا۔ وہ دونوں مسکراتے ہوئے آگے بڑھ گئے تھے۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکراتے ہوئے انہیں جاتا ہوا دیکھتا رہا تھا۔ میرب سیال کا ہاتھ اب بھی ہاتھ میں تھا۔ میرب سوالیہ نظروں سے اس کی سمت دیکھتی ہوئی منتظر تھی اس کی جب وہ ان دونوں کو سراہتا ہوا بولا تھا۔

"گڈ کپل نا؟ انہیں دیکھ کر احساس ہوتا ہے، محبت کرنے والے بے وقوفوں کی دنیا میں کچھ کمی نہیں اب بھی کثرت سے مل جاتے ہیں۔" پتہ نہیں وہ کیا کہنے جا رہا تھا جو اس طرح کا انداز اختیار کر رہا تھا میرب اس کی طرف دیکھتی ہوئی چپ چاپ منتظر تھی۔

"تم نے ڈیسائیڈ کر لیا؟ ـــــ مائی تمہیں لے کر بہت پریشان دکھائی دے رہی ہیں۔ ان کا بس چلے تو اڑ کر یہاں پہنچ جائیں۔ زیادہ دنوں کے لئے نہیں جا رہا۔ مگر ان کی فکر سمجھ میں آنے والی ہے۔ اتنی فکر انہوں نے کبھی میری بھی نہیں کی۔ تم تو میرے رشتوں کو بھی میرا نہیں چھوڑ رہی ہو۔" شکوہ نہیں، غالباً طنز کوئی۔ میرب کچھ نہیں بولی تھی۔ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ سے آزاد کرتے ہوئے وہ مزے سے بولا تھا۔

"مظہر سیال صاحب سے بات ہوئی تھی میری۔ غالباً وہ آج کل میں آ رہے ہیں۔ اگر وہ آ جاتے ہیں تو اچھی بات ہے۔ ورنہ تم مائی کے پاس چلی جانا۔ مسٹر چاولہ یہیں ہوں گے۔ وہ آپ کو مائی کے پاس بحفاظت پہنچانے کا بندوبست کر دیں گے۔ پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔" وہ مزید کچھ کہنے جا رہا تھا جب گی نے اسے پکارا تھا۔

"گین ـــــ!"

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی طرف دیکھا تھا اور بہت رکھ رکھاؤ سے "ایکسکیوز می" کہتا ہوا اس کی جانب بڑھ گیا تھا۔ میرب کھڑی اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

❁❁❁

عثنان علی خان انابیہ کی خواہش کے پیش نظر اس کے میکے میں چھوڑ کر گھر آ گیا تھا۔

زیادہ دن تو نہیں ہوئے تھے اس کی سنگت کو مگر اس کے بنا اپنا یہ کمرہ بہت حد تک خالی سا لگا تھا۔ ہاتھ لے کر کتنی دیر تک کھڑا کمرے کے سناٹے میں اسے "مس" کرتا رہا تھا۔ پھر قدم بہت آہستگی سے بیڈ

کی طرف بڑھائے تھے۔ آج بہت دنوں بعد وہ دوبارہ اپنے بیڈ پر تھا۔ ورنہ "حفظ ما تقدم" کے طور پر یہ علاقہ "ممنوعہ" ہو چکا تھا اس کے لئے۔ جب سے انابیہ اس گھر میں تھی، وہ صوفہ ہی اس کا بیڈ تھا۔ نرم نرم بستر پر لیٹا تھا تو دن بھر کی تھکن کا احساس ہوا تھا۔ غالباً سر میں بھی درد تھا۔ اس نے سائیڈ دراز کھولا تھا ٹیبلٹ ڈھونڈنے کے خیال سے۔ تبھی ہاتھ انابیہ کی ڈائری سے ٹکرایا تھا۔ جانے کیوں اس کی ڈائری کو ہاتھ میں لے لیا تھا۔

تھا تو "خلاف قانون" مگر وہ اس لمحے رہ نہیں سکا تھا۔ آج تک کوئی "بے ایمانی" نہیں کی تھی مگر اس لمحے جانے کیوں کچھ بغاوت کرنا بھلا لگا تھا۔ فطری تجسس عود کر آیا تھا اور عثنان علی خان اس ڈائری کے صفحے الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔

18 جنوری

آج بہت افسوس ہوا۔ لیکن سب کچھ لامعہ کی بچی کی وجہ سے ہوا۔ ٹھیک تو رات دیر تک اس کا اور پھر اپنا اسائنمنٹ تیار کرنے میں لگی رہی۔ اور صبح جب کیمپس میں پہنچی تو لامعہ نے راہداری میں روک کر ہی بتایا کہ آج کلاس نہیں ہو رہی ـــــ لٹس موو ٹو کیفے ـــــ ہم دیر تک بیٹھے ٹیبل بجا کر گاتے رہے۔ اور جب باہر نکلے تو پتہ چلا کہ سر ہاشمی کلاس لے کر جا چکے ہیں ـــــ میں نے وضاحتی نظروں سے لامعہ کو دیکھا مگر وہ شانے اچکا کر بے نیاز بن گئی۔ مگر اس کی مسکراہٹ صاف بتا رہی تھی کہ وہ شرارت کر چکی ہے۔ اسٹوپڈ آج اس کی وجہ سے کلاس بھی مس کرنا پڑ گئی۔ لان میں وہ آگے آگے تھی اور میں پیچھے پیچھے۔ مگر میری خجالت دور نہیں ہو رہی تھی اور وہ ہنس رہی تھی۔ یہ پہلی شرارت نہیں ہے اس کی۔ ایسی شرارتیں وہ روز کرتی ہے۔ مگر ـــــ ایک بات ہے۔ اس کے باوجود وہ مجھے بہت عزیز ہے۔ میں بہت اچھی طرح سے اسے جانتی ہوں۔ وہ بچپن سے ہی ایسی ہے۔

20 جنوری

آج دادا جی کا ریگولر چیک اپ تھا۔ مگر میں غازی کی وجہ سے اتنی اپ سیٹ تھی کہ انہیں ہسپتال لے کر جانا تو دور کی بات اپنے کمرے تک سے نہ نکل سکی تھی۔

کتنے برس ہو گئے غازی کو گئے ـــــ مگر میں آج بھی، جب اس کی برسی ہوتی ہے ـــــ اسے اپنے آس پاس محسوس کرتی ہوں ـــــ اپنے بھائی کی صورت میرے سامنے ہوتی ہے ـــــ اور مجھے وہ ایک ایک لمحہ یاد آتا ہے جب ہم دونوں ساتھ تھے۔ پتہ نہیں کیوں؟ ـــــ میرے ساتھ ہی ایسا کیوں ہوتا ہے؟ جو شے میری مطلوب ہوتی ہے تو مجھے اس سے دست بردار ہونا پڑتا ہے۔ وہ شے میری دسترس سے دور ہو جاتی ہے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی ـــــ اور مجھے اسے بھولنا شرط لگتا ہے۔ آج بھی حسب معمول می ما کو ہاسپٹل لے کر گئیں اور ہمیشہ کی طرح اوزی کا فون بھی آیا۔ اوزی میرے لئے غازی جیسا ہے۔ میں روتی ہوں تو وہ مجھے رونے نہیں دیتا۔ کہتا ہے میں تمہارا غازی ہوں ـــــ تمہارے دو بھائی تھے ـــــ ایک چلا گیا ـــــ ایک تمہارے پاس ہے۔ جو تمہارے پاس ہے تم اس کے بارے میں سوچا کرو ـــــ میں چپ ہو جاتی ہوں۔ مگر میں اسے نہیں بتا سکتی ـــــ میں غازی کو نہیں بھول سکتی۔

21 جنوری

لامعہ بہت عجیب ہے اور بدتمیز بھی۔ سمجھتی ہی نہیں ـــــ اوزی بہت چاہتا ہے اسے۔ اور یہ بات وہ جانتی ہے۔ مگر مانتی نہیں۔ پتہ نہیں لامعہ کے دل میں کیا ہے مگر اوزی کے دل میں صرف لامعہ ہے۔ مجھے اپنے بھائی کے لئے وہ "پرفیکٹ میچ" لگتی ہے مگر بات ایسے تو نہیں بنتی۔ ایک نہیں ـــــ دو نہیں ـــــ کئی بار اوزی اپنی توجہ کا اظہار لامعہ سے کر چکا ہے۔ مگر لامعہ سنجیدہ نہیں۔ آج شاید دلبرداشتہ ہو کر اوزی واپس لوٹ گیا ـــــ اور سب سے زیادہ وہ نقصان میرا ہوا۔ میرا دوسرا بھائی بھی مجھ سے دور ہو گیا۔ مگر میں لامعہ کو اس کا قصوروار نہیں ٹھہرا سکتی۔ دل کے رشتے عجیب ہوتے ہیں۔ زبردستی نہیں جڑتے۔ میں یہ بات جانتی ہوں۔"

25 جنوری

لامعہ سوچتی ہے میں بے وقوف ہوں اور مجھ جیسی ایڈیٹ، اسٹوپڈ لڑکی اس ساری دنیا میں نہیں ہے۔ اس کے خیال میں مجھ میں لڑکیوں والی کوئی بات نہیں ہے ـــــ نہ سجنا ـــــ نہ سنورنا ـــــ نہ اس کی طرح ڈھیروں ڈھیر شاپنگ کرنا ـــــ نہ یہ، نہ وہ ـــــ مجھے اختلاف نہیں ـــــ مگر میں چاہ کر بھی اس جیسی نہیں ہو سکتی۔ وہ بہت پیاری ہے۔ ہم دونوں میں تضاد سہی مگر ہم دونوں ایک دوسرے سے الگ نہیں۔ آج خلافِ معمول یہ ہوا کہ لامعہ نے مجھے بہت سی شاپنگ کروائی ـــــ میری مہینے بھر کی پاکٹ منی ایک دن میں اُڑا دی۔ مجھے بہت سے شوخ رنگوں کے ڈریسز دلوائے اور پتہ نہیں کیا کچھ۔ پتہ نہیں کیا ہوا یا پرلا ـــــ مگر مجھے ایک مہینے کی پاکٹ منی جانے کا واقعی افسوس ہے۔ مگر لامعہ کا کچھ نہیں کیا جا سکتا۔

28 جنوری

آج لامعہ نے اچھی خبر سنائی ہے۔ اس کی انگیج منٹ ہو رہی ہے۔ اس کی خوشی ہمیشہ مجھے بہت عزیز رہی ہے۔ مگر دل میں جانے کیوں ایک خیال یہ بھی آیا ـــــ کیا ہوتا اگر لامعہ نے میرے بھائی کو اپنے لئے چنا ہوتا۔ خیر اتنی خوشی کے موقع پر مجھے کچھ عجیب نہیں سوچنا چاہئے۔ شاید اوزی کے لئے کہیں کوئی بہت خوب صورت لڑکی رکھی ہو گی۔ شاید ہم سب کے لئے کہیں نہ کہیں، کوئی نہ کوئی ہے۔ جیسے لامعہ کو من پسند جیون ساتھی ملنے پر خوشی ہے، ایک دن اوزی بھی خوش ہو گا۔ اور میں کس لئے ہوں ـــــ بھائی کے لئے بہت خوب صورت سی لڑکی ڈھونڈوں گی ایک دن ـــــ!

عفنان علی خان نے دو چار صفحے ایک ساتھ الٹ دیئے تھے۔

7 فروری

لامعہ نے اپنا ہمسفر چن لیا ہے۔ آج اس کی انگیج منٹ تھی۔ لامعہ کا خیال ہے اب مجھے بھی فکر لگ جانا چاہئے۔ مجھے بھی کسی کو ڈھونڈ لینا چاہئے۔ مگر میرا خیال ہے کہ جسے مجھے ڈھونڈنا ہو گا وہ یہیں میں خود آئے گا۔ میں ایسے تردد کرنے والی نہیں۔ لامعہ اگر انابیہ جیسی لڑکی سے ایسا کچھ ایکسپکٹ کرتی ہے تو یقیناً وہ حماقت کے دہانے پر ہے۔ مجھے پتہ ہے اگر وہ یہ لائنز پڑھے گی تو مجھے بے وقوف کہے گی۔ مگر کیا کروں ـــــ میں ایسی ہی ہوں۔

لامعہ کی انگیج منٹ سیریمنی اچھی رہی۔ اس کا ہونے والا ہزبینڈ اچھا ہے۔ مجھے جوڑی اچھی لگی ہے۔ خدا کرے لامعہ ہمیشہ خوش رہے۔

14 فروری

یہ محبت کرنے والوں کا دل بھی عجیب ہے۔ کوئی یادگار بناتے ہیں، کوئی یادگاریں مناتے ہیں۔ کوئی تجدید عہد و وفا کرتے ہیں۔ کوئی محبت سوچتے ہیں۔ حالانکہ محبت کرنے کے لئے نہ دن کی قید ہونا چاہئے نہ وقت کی۔ مجھے محبت کے متعلق کچھ خاص پتہ نہیں۔ مگر آج اوزی سے بات ہوئی۔ وہ بہت ڈسٹرب لگ رہا تھا۔ اسے اس کیفیت میں دیکھ کر مجھے اچھا نہیں لگا۔ وہ لامعہ کو مس کر رہا تھا اپنی زندگی میں ـــــ ایسا اس نے کہا نہیں۔ مگر میں اپنے بھائی کی آواز سے جان سکتی ہوں۔ میرا یقین ہے دنیا کی کوئی بھی سب سے اچھی لڑکی جہاں کہیں بھی ہے وہ صرف میرے بھائی کے لئے ہے۔ خدا میرے بھائی کو بہت سی خوشیاں دے۔

آج لامعہ کے فیانسی سے بھی ملاقات رہی۔ میں باہر لان میں تھی جب وہ آیا۔ بہت دلچسپ گفتگو کرنے کا عادی ہے۔ اس کا سینس آف ہیومر کمال کا ہے۔ بالکل لامعہ کی طرح۔ خدا لامعہ کو بھی خوش رکھے۔ لامعہ میرے لئے بضد تھی اور میں نے اسے لڑکا دیکھنے کے لئے کہہ دیا ہے۔ اسے مطمئن کرنے کے لئے یہ ضروری تھا۔ ورنہ وہ جان کہاں چھوڑتی ہے ـــــ!

عفنان علی خان نے کچھ صفحے تیزی سے پلٹے تھے۔ جتنا بڑا معمہ وہ اسے ہمیشہ لگی تھی غالباً اتنی ہی تھی۔ اس کی پرسنل ڈائری میں کچھ بھی اس کا پرسنل نہ تھا۔ خود سے زیادہ لوگوں کی باتیں تھیں ـــــ دوسروں کے حوالے تھے ـــــ یعنی وہ زندگی میں خود کو اہمیت دینے کی کبھی قائل نہیں رہی تھی یا پھر اسے پتہ ہی نہیں تھا خبر ہی نہیں تھی کہ وہ کس قدر اہم ہے۔ عفنان علی خان کو اب تک ایسا کچھ نہیں ملا تھا جو اسے حیران کر پاتا۔ یہ تمام باتیں وہ تھیں جنہیں وہ جانتا تھا۔ جن کی اسے خبر تھی۔ کیا تھی انابیہ شاہ؟ کیا وہ واقعی اس کی کھوج میں تھا؟

25 مارچ

رابطوں میں ـــــ واسطوں میں ایک لاجیکل پوائنٹ ہوتا ہے۔ میں ٹھیک طور پر کچھ اخذ نہیں کر سکی مگر ایک رابطہ مجھے اچھا لگ رہا ہے اور وہ ہے عفنان علی خان کا مجھ تک آنا ـــــ مختلف حیلوں سے، بہانوں سے ـــــ اور زاویوں سے مجھے تکنا ـــــ میری طرف بڑھنا!

شاید وہ جاننا ہو جو وہ کر رہا ہے۔ میں صرف ایک بات جانتی ہوں ـــــ میں ایک لڑکی ہوں اور لڑکی کی حسیات مرد سے بھی کہیں زیادہ شارپ ہوتی ہیں ـــــ بہت سی مخفی باتوں کا ادراک مجھے بھی اس طور جلد ہو جاتا ہے جس طرح کہ عام لڑکیوں یا خواتین کو ہوتا ہے۔

عفنان علی خان کا مسلسل مجھ سے ٹکرانا ـــــ حیلوں بہانوں سے مجھ سے ملنا ـــــ میرے گھر آنا ـــــ واوا جی سے دوستی گانٹھنا ـــــ بے معنی کچھ بھی نہیں۔ شاید وہ نہیں جانتا کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ مگر میں جانتی ہوں مجھے کیا کرنا ہے ـــــ لامعہ میری بہترین دوست ہے اور مجھے اسے کسی بھی طرح ہرٹ ہونے سے بچانا ہے۔

5 اپریل

اوزی واپس آ گیا ہے۔ مجھے خوشی ہے، وہ کسی طور سنبھل گیا ہے اور زندگی کی طرف واپس لوٹنا ہے۔ لامعہ کو بھولنا یقیناً اس کے لئے آسان نہیں رہا ہوگا۔ مجھے محبت سے کبھی واسطہ نہیں رہا ـــــ اس لئے شاید میں اس کی کیفیت اس طور نہیں سمجھ سکتی۔ مگر میں جانتی ہوں، سب کچھ بھول کر وہ اپنی زندگی کو معمول کی طرف لائے۔

15 اپریل

آج جو ہوا وہ نہیں ہونا چاہئے تھا۔ عفنان علی خان کی حوصلہ افزائی میں نے کبھی نہیں کی۔ مگر وہ بڑھتے ہوئے قدم کبھی نہ روک سکا۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا میں اسے کیسے سمجھاؤں اور باز رکھوں۔ کئی بار سختی سے بات کر کے دیکھی ـــــ مگر وہ عجب دیوانگی کے بخار میں مبتلا ہے ـــــ سمجھتا ہی نہیں اور آج تو حد ہو گئی ـــــ اس نے اپنی محبت کا برملا اظہار کر دیا اور میں ساکت رہ گئی۔ جانے کیوں کچھ کہہ سکی۔ کیا کروں اس شخص کا ـــــ کچھ سمجھ میں نہیں آتا ـــــ میں اس کی فارم ہاؤس کی اس پارٹی سرے سے جانا ہی نہیں چاہتی تھی۔ مگر ممی اور دادا ابا اور پھر اوزی کے ان سسٹ کرنے پر چلی گئی اور یہ سانحہ ہو گیا۔

کیا کر رہا ہے وہ؟ ـــــ کیا وہ نہیں جانتا؟ ـــــ لامعہ سے اس کا رشتہ اور مجھ سے اس طرح کی حرکتیں اسے زیب نہیں دیتی ہیں۔ مجھے پریشان کر کے، اس طرح ڈسٹرب کر کے اسے کیا مل رہا ہے؟

میری سمجھ میں واقعی کچھ نہیں آ رہا۔ کیا کروں اس کا ـــــ اگر لامعہ کو ایسا کچھ پتہ چل گیا تو ــــ میری کوئی غلطی کہیں نہیں۔ مگر کہاں میں گواہیاں دیتی پھروں گی ـــــ اس شخص کو اپنے امیج کا کوئی خیال نہیں مگر اسے میرا تو کچھ خیال کرنا چاہئے ـــــ مجھے اس شخص سے واقعی ڈر لگنے لگا ہے۔

زندگی میں کبھی میرے ساتھ ایسا نہیں ہوا ـــــ کوئی میرے قریب نہیں آیا ـــــ کبھی کسی کی ہمت ہی نہیں ہوئی۔ پھر اب کیسے؟ میری سختی، سرد مہری اور ہارش بی ہیویئر کے باوجود وہ کیوں دیوانہ بنا بیٹھا ہے؟

30 مئی

"یہ کیا ہوا ہے؟ ـــــ میری سمجھ میں نہیں آ رہا ـــــ لامعہ کی انگیج منٹ ٹوٹ گئی ہے۔ آج وہ آئی تھی اور میرے شانے پر سر رکھ کر تا دیر روتی رہی۔

عفنان علی خان نے اسے کہا ہے کہ وہ اس سے محبت نہیں کرتا۔ اس لئے وہ اس کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتا۔ رشتہ توڑ دیا ہے اس نے کہ رشتے کی کوئی وقعت نہ تھی۔ یہ کیا ہوا؟ ـــــ ایسا تو نہیں ہونا چاہئے تھا۔ وہ لامعہ ـــــ میری عزیز دوست ـــــ میرے کاندھے پر سر رکھے تا دیر روتی رہی اور اس کے آنسو قطرہ قطرہ میرے دل پر گرتے رہے۔ میں جو کسی غیر، کسی اجنبی کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی، چیونٹی تک کو نہیں مار سکتی، اپنی دوست کا درد چپ چاپ سہہ رہی ہوں ـــــ اور درد بھی وہ جو اس کو ذات کا دیا ہوا ہے۔ میں نے کبھی عفنان علی خان کی کوئی حوصلہ افزائی نہیں کی۔ پھر میری سمجھ میں نہیں میری محبت کی جڑیں اس کے اندر اتنی گہری کیسے ہو گئیں کہ اس نے اتنا انتہائی قدم لے لیا۔ کیا کروں

کچھ سمجھ میں نہیں آتا ـــــ میں اپنی دوست کی مجرم کیسے بن گئی؟

9 جون

پاگل ہے وہ شخص۔ ادھر لامعہ سے انگیج منٹ توڑی ادھر مجھے پرپوز کر دیا۔ رشتے کیا ہیں اس کے لئے؟ تعلق کیا معنی رکھتے ہیں؟ ـــــ محبت کرنے کا دعویدار ہے وہ۔ محبت ایسی نہیں ہوتی۔ اتنی خودغرض، اتنی بے درد ـــــ اس نے لامعہ کا دل توڑ دیا کہ وہ اس سے محبت نہیں کرتا ـــــ لامعہ نے اوزان سید کا دل توڑ دیا کہ وہ اس سے محبت نہیں کرتی تھی اور میں ـــــ میرے ساتھ یہ کیا ہو رہا ہے؟ میں نے ہمیشہ سب کی خیر خواہی چاہی ـــــ بھلا چاہا ـــــ پھر ایسی مشکل صورت حال سے میرا واسطہ کبھی نہیں پڑا۔ شاید اس وقت میں ہی وہ واحد ہستی ہوں جو کوئی حتمی فیصلہ لے کر سب کچھ بدل سکتی ہوں۔ میں نے انکار کر دیا ہے اور دادا ابا اور ممی نے بھی میرے فیصلے کو سراہا ہے۔ میں عفنان علی خان سے کوئی واسطہ رکھنا نہیں چاہتی نہ ہی کوئی رشتہ استوار کرنا ـــــ اس کا کہنا ہے کہ وہ شدید ترین محبت میں مبتلا ہے مجھ سے ـــــ اس کا کہنا ہے محبت دیوانگی ہے اور وہ میرے لئے دیوانہ ہے۔ مگر میں جانتی ہوں، ایسا کچھ نہیں ہے۔ عشق دماغ کا صرف خلل ہے۔ اور بہت جلد وہ مجھے بھول جائے گا۔ محبت کسی بھی دیوانگی سے پُر کیوں نہ ہو، کتنی بھی بے بس کر دینے والی اور شدید کیوں نہ ہو، کسی کو دکھ نہیں پہنچا سکتی۔ جو دوسروں کو تکلیف دے کر خود راحتیں ڈھونڈے وہ محبت نہیں ہو سکتی ـــــ یہ بات مجھے عفنان علی خان کو باور کرانا ہے۔

23 اگست

سوچ سوچ کر تھک گئی ہوں۔ کیا کروں، فیصلہ نہیں ہوتا۔

لامعہ کی حالت مجھ سے دیکھی نہیں جاتی۔ شاید مجھے اسے سب کچھ بتا دینا چاہئے۔ وہ نہیں جانتی کہ وہ لڑکی کون ہے جس کے لئے عفنان علی خان نے اسے چھوڑا۔ مگر میں جانتی ہوں اور میں کوئی بوجھ دل پر لے کر جینا نہیں چاہتی۔

29 اگست

آج جب لامعہ مجھے گھر چھوڑنے آئی تھی، میں نے اسے سب کچھ بتا دیا۔ میں نے وہی کیا جو مجھے کرنا چاہئے تھا۔ اگر میں ایسا نہ کرتی تو شاید اس گلٹ کے ساتھ ہی مر جاتی۔ میرا دل بند ہو جاتا۔ مجھے عفنان علی خان سے نفرت ہونے لگی ہے۔ اپنے آپ کو ایک تعلق کے بوجھ سے آزاد کرنے کے بعد وہ خود کو کس قدر آزاد محسوس کرنے لگا ہے۔ اب وہ اور بھی دیدہ دلیری سے مجھ سے اپنی محبت کا دم بھرنے لگا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ وہ میرا دل جیت لے گا اور میں جانتی ہوں وہ صرف اور صرف خوش فہمی میں جی رہا ہے۔ دل ایسے نہیں جیتے جاتے، یہ بات اس کی سمجھ میں بھی جلد آ جائے گی۔

1 ستمبر

ابھی تھوڑی دیر پہلے عفنان علی خان کا فون آیا تھا ـــــ پتہ نہیں کیوں، یہ شخص سمجھتا ہی نہیں کہ میں اس سے محبت نہیں کرتی۔ کر بھی نہیں سکتی۔ لامعہ کے خوابوں کو مسمار کر کے میں ان پر اپنا محل کھڑا نہیں کر سکتی۔ یہ میرے لئے ممکن نہیں ہے۔ میں دنیا میں کسی کے ساتھ بھی کوئی تعلق باندھوں گی تو اور کوئی بھی ہو،

عفنان علی خان ہرگز نہیں ہوگا۔ لامعہ مجھے بے حد عزیز ہے اور میں اسے کوئی تکلیف نہیں دے سکتی۔ عفنان علی خان اپنی محبت میں اندھا ہوسکتا ہے، میں نہیں۔ مجھے اس کی محبت کسی صورت قبول نہیں۔ وہ کہتا ہے وہ اپنی محبت میں سچا ہے۔ رشتے کو دوستی سے نباہ نہیں پایا سو توڑ دیا۔ لامعہ کو دھوکا نہیں دے سکتا تھا سو توڑ لیا۔ اس نے ایمانداری سے کام لیا ــــــ اچھا کیا ــــــ ایسا وہ سمجھتا ہے۔ جتنا وہ مجھے چاہتا ہے ساری دنیا میں، کائنات میں کوئی نہیں چاہ سکتا۔ ایسا وہ سمجھتا ہے۔ مگر میں کیا کروں؟ میں ایسا نہ سمجھتی ہوں نہ خیال کرتی ہوں۔ میری زندگی میں میرا ہم سفر کوئی بھی ہوسکتا ہے، عفنان علی خان نہیں۔

سو میں نے اسے کہہ دیا ہے، میں اس سے محبت نہیں کرتی ــــــ کسی اور سے محبت کرتی ہوں۔ میری زندگی میں کوئی اور ہے جسے میں چاہتی ہوں۔ محبت کرتی ہوں۔ کون؟ یہ بات نہ اس کے لئے اہم! جاننا چاہئے نہ ضروری۔ میں جانتی ہوں اس بات نے اسے برہم کیا ہوگا ــــــ بہت زیادہ طیش دلایا ہوگا۔ مگر یہ ضروری تھا اس کے بڑھتے ہوئے قدم روکنے کے لئے ــــــ مجھ سے دور جانے کے لئے۔

بہت تھک چکی ہوں میں ــــــ صبح کیمپس جانے کا موڈ بالکل بھی نہیں۔ مگر لامعہ کا فون آیا ہے۔ بضد ہے کہ میں ضرور آؤں۔ ادھر اوزی جا رہا ہے۔ وہ بھی منع کر رہا ہے کہ میں کیمپس نہ جاؤں۔ مگر لامعہ کو میں نہیں ٹال سکتی ــــــ سو صبح ضرور جانا ہے ــــــ ہاں جلد لوٹ آؤں گی ــــــ اوزی کو بھی تو ناراض نہیں کر سکتی نا! ــــــ بھائی کی حیثیت اپنی جگہ ہے۔

21 ستمبر

زندگی میرے لئے اپنا مفہوم بدل چکی ہے ــــــ سب کچھ بدل چکا ہے ــــــ میں نے اپنا زندگی میں کبھی نہیں سوچا تھا جو میرے ساتھ ہوا ــــــ اپنی انا، اپنا وقار، اپنا پندار سدا عزیز رہا مجھے۔ کبھی وہ اقدام نہیں کیا جس سے کوئی حرف آئے۔ پھر میرے ساتھ ایسا کیونکر ہوا؟ ــــــ میں، میں نہ رہی ــــــ میرا انا نہ رہی ــــــ میرا غرور نہ رہا ــــــ میرا سدا اٹھا ہوا سر جھک گیا۔

سوچتی ہوں تو یقین نہیں ہوتا۔ میں اغواء کر لی گئی ــــــ اس شہر میں، ان گلیوں سے ــــــ جن میں ساری زندگی چلی ــــــ اچانک کیسے ہوگیا یہ؟ ــــــ سوچتی ہوں اگر لامعہ کے اصرار پر اس دن کیمپس نہ گئی ہوتی تو شاید ایسا نہ ہوا ہوتا ــــــ پھر سوچتی ہوں ــــــ ایسا ہونا ہوتا تو گھر پر بیٹھ کر بھی ہو جاتا۔ پتہ نہیں کون لوگ تھے۔ کس نے کیا یہ؟ میں سمجھ نہیں پائی ــــــ آنکھ کھلی تو میں ایک ویران گھر میں تھی۔ اور وہاں کوئی نہ تھا۔ میں چیختی رہی ــــــ روتی رہی ــــــ رات گئے کوئی آیا۔ میں کرسی کے ساتھ بندھی ہوئی تھی ــــــ سارا گھر اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا ــــــ صرف قدموں کی آہٹ تھی۔ میں صورت تک نہ دیکھ سکی۔ میرے ناک پر ایک بار پھر کلوروفارم والا رومال رکھ دیا گیا ــــــ اور میں ہوش و خرد سے ماورا ہوگئی ــــــ پھر کیا ہوا؟ ــــــ مجھے خبر نہیں۔ جب میں ہوش میں آئی تو میں ہاسپٹل کے بیڈ پر تھی۔ مجھے بتایا گیا کہ میں موت کو شکست دے کر لوٹی ہوں ــــــ اپنے کڈنیپ کے صرف چوبیس گھنٹوں میں، میں بازیاب کروا لی گئی تھی۔ اور ایسا عفنان علی خان نے کیا تھا۔ میری زندگی کو بچانے میں اس نے کلیدی کردار ادا کیا تھا۔ کیونکہ وہ مجھ سے شدید محبت کرتا تھا۔ شدید ترین محبت! ــــــ سو اس نے مجھے

مگر میں جینا نہیں چاہتی تھی۔ اگر میں مرگئی ہوتی تو زیادہ اچھا ہوتا۔ نظریں نہیں ملا پا رہی تھی میں سب سے اور اپنے آپ سے ــــــ میری غلطی کہیں نہیں تھی ــــــ مگر میں اپنا سر بہت جھکا ہوا محسوس کر رہی ہوں۔ عفنان میرے آس پاس ہے۔ اس نے عظیم کارنامہ سرانجام دیا ہے، مجھے بچایا ہے، میری عزت بچائی ہے۔ مگر میرے دل میں اس کے لئے کچھ نہیں ــــــ کہیں بھی نہیں! ــــــ اگر اس نے میرے دل میں جگہ حاصل کرنا چاہی تھی تو وہ ناکام رہا ہے۔ وہ ایسا کر کے بھی میرے دل میں جگہ نہیں بنا پایا۔ سب کچھ ٹھیک ہے۔ دنیا کو دیکھتی ہوں تو سب کچھ اپنے مقام پر لگتا ہے۔ سب مجھے جینے پر اکساتے ہیں۔ زندگی کے مفہوم بتاتے ہیں، سمجھاتے ہیں۔ مگر کوئی میری نظر سے مجھے نہیں دیکھتا۔ میں پہلے جیسی نہیں رہی ــــــ کوئی یہ بات کیوں نہیں سمجھتا ــــــ!

عفنان علی خان کی آنکھیں مجھے اب بھی ویسے ہی دیکھتی ہیں۔ ان میں اب بھی ویسی ہی دیوانگی ہے۔ مگر مجھے اس کی دیوانگی سے وحشت ہوتی ہے۔

کیسے چاہ سکتا ہے وہ مجھے اس قدر ــــــ اس طرح!

کیسے اس کا دل اتنا وسیع ہوسکتا ہے ــــــ ایک لڑکی جو کڈنیپ ہوچکی ہے اس کے لئے وہ اب بھی ویسا ہی سوچتا ہے۔

یا تو وہ بہت عظیم بننے کی کوشش کر رہا ہے ــــــ یا ــــــ!

23 ستمبر

میرے پاس سے لفظ کھو چکے ہیں ــــــ کچھ بولنا نہیں چاہتی ــــــ کسی سے ملنا نہیں چاہتی۔ کسی کو دیکھنا نہیں چاہتی۔

مگر وہ شخص ــــــ میرا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ اس نے ایک بار پھر میری زندگی میں ہلچل مچا دی ہے مجھے ایک بار پھر پرپوز کر کے۔

عفنان علی خان اتنا وسیع القلب کیسے ہوسکتا ہے؟ ــــــ کہیں یہ سب اس نے تو نہیں کروایا؟ ــــــ مجھے حاصل کرنے کے لئے؟

جب ہر طرف سے میرا حصول ناممکن ہوگیا تو میرے لئے ایسی صورت حال کری ایٹ کر دی کہ انکار کی کوئی صورت ہی نہ رہے۔ نہ میرے لئے، نہ میرے گھر والوں کے لئے ــــــ!

سب جس طرح مجھ پر دباؤ ڈال رہے ہیں، مجھے عفنان علی خان کا خواب سچ ہوتا دکھائی دے رہا ہے۔ یقین نہیں ہوتا، کیا کوئی اس قدر، اس طرح کر سکتا ہے؟ ایسا کچھ کر سکتا ہے؟ ــــــ اس لڑکی کے لئے، جسے وہ بے حساب چاہتا ہو ــــــ؟

27 ستمبر

ممّا نے ہاں کہہ دی ہے۔ میرے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔ دانستہ نادانستہ یا مجبوری تھا۔ عفنان علی خان کی خواہش پوری کر دی ہے۔ میں اس کی ہونے جا رہی ہوں۔ مگر میں خوش نہیں ہوں۔ مر رہی ہوں۔ مر چکی ہوں۔ شاید اس روز ہی مر گئی تھی جب میرے ساتھ یہ سب کچھ ہوا تھا۔ میں

گئی تھی۔ عفنان علی خان اگر مجھے حاصل کرنے پر خوش ہو رہا ہے یا جشن منا رہا ہے تو میں اسے الم ہوں۔ صرف ایک لاش سے تعلق باندھ رہا ہے وہ۔ ایک سرد مُردہ جسم سے جس کے اندر حرارت کا کوئی رمق باقی نہیں ——— اس کی جنون خیزی اسے کچھ نہیں دے گی سوائے پچھتاوے کے۔ مگر جو کچھ بھی ہوا، اسے اس کی قیمت چکانی ہوگی۔ میرے ساتھ اس کا ہر ہر لمحہ عذاب ہوگا ——— میری عزت، میرے وقار کی قیمت اتنی کم نہیں ——— یہ احساس اسے میں دلا کر رہوں گی۔ یو پوزیسو ایاہوٹ بی۔ میرے لئے جنون خیز ہے وہ اور میں اس کی اسی جنون خیزی کو اس کے خلاف کروں گی۔

27 اکتوبر

عفنان علی خان کا میرے ساتھ زندگی جینے کا خواب پورا ہو رہا ہے مگر وہ ان لمحوں میں نہ خوش ہے۔ میں نے اسے باور کرا دیا ہے کہ میں اس کے لئے نہیں ہوں۔ اس کی نہیں ہوں۔ میں چاہتی ہوں۔ یہ بات وہ برداشت نہیں کر پا رہا۔ میں دن بہ دن نفسیاتی طور پر اسے کمزور کر رہی کمزور کر دوں گی ——— جینے نہیں دوں گی اسے۔ اس نے مجھ سے میرا غرور چھینا تھا۔ مجھے دوم نظر ملانے کے لائق نہیں رکھا تھا۔ میں بھی اسے خوشی کے نام سے اور زندگی سے بیزار کر دوں گی۔

کہیں کوئی نہیں میری زندگی میں ——— کہیں کوئی بھی نہیں ——— نہ میرے خوابوں میں ——— آج تک میری زندگی میں کیا خوابوں تک میں کسی کا گزر نہیں ہوا ——— نہ میں نے نہ کوئی اور مجھے میری نظروں میں اس طرح بچا۔ مگر کوئی ہے جو اب میری زندگی میں ہے۔ عفنان علی خان کی جنون خیزی کو بڑھاوا دینے اور اسے کمزور کرنے کے لئے ضروری ہے۔ اسے پر کمزور کرنے اور شکست خوردہ کرنے کے لئے یہ "کوئی" میرا خود کا تراشیدہ ہے۔

12 نومبر

میں صرف چاہتی ہوں ——— عفنان علی خان اپنی غلطی تسلیم کرلے۔ اس نے جو بھی کیا غلط میرے ساتھ اس طرح نہیں کرنا چاہئے تھا۔ نہ میرے ساتھ نہ لامعہ کے ساتھ۔ وہ جس روز اعتراف کرلے گا میں اسے چھوڑ دوں گی۔ میں دل سے چاہتی ہوں وہ لامعہ کو اپنا لے۔ لامعہ بہت محبت کرتی ہے اور میں عفنان کے ساتھ رہ کر خود کو لامعہ کا مجرم تصور کرتی ہوں۔ یہی عفنان کو گا۔ میں صرف اس قیمت پر اسے معاف کر سکتی ہوں۔

17 نومبر

عفنان علی خان سے میں اپنی نفرت برقرار نہیں رکھ پا رہی۔ اس سے ہی کیا، میں کسی سے نہیں کر سکتی۔ یہ میرا مزاج نہیں۔ کبھی کبھی مجھے لگتا ہے عفنان بھی مجرم نہیں ہے ——— مگر میں ہٹ کر سوچ نہیں سکتی۔ اگر میرے کڈنیپ سے کسی کا فائدہ ہو سکتا تھا تو وہ صرف عفنان تھا۔ یہ گیم تھا جو اس نے میرے ساتھ کھیلا۔ صرف مجھے حاصل کرنے کے لئے۔ کوئی کسی سے اتنی دیوانگی بھی کر سکتا ہے، اتنی جنون خیزی کے ساتھ؟ یقین نہیں ہوتا۔ مگر اب مجھے یقین کرنا پڑ رہا ہے۔

کے ساتھ ہوں اور اسے دیکھ رہی ہوں۔ وہ واقعی میرے لئے پاگل ہے۔ مگر میں اسے اب پاگل کرنا نہیں چاہتی۔ مجھے ترس آتا ہے اس پر۔ میں ایسا نہیں کر سکتی عفنان صرف مجھ سے وابستہ فرد نہیں ہے، وہ گھر کا، اپنے ماں باپ کا اکلوتا بیٹا ہے۔ اہم ترین ہے وہ ——— اس گھر کے لئے، اپنوں کے لئے۔ مجھے لگتا ہے میں اس کے ساتھ ایسا سب کر کے غلط کر رہی ہوں۔ صرف اپنے کڈنیپ کا ری وینج (Revenge) لینے کو میں اسے پاگل نہیں کر سکتی۔ میرے لئے یہ بہت مشکل ہو رہا ہے۔ ہم ایک کمرے میں ——— ایک ساتھ رہ رہے ہیں۔ اس نے کبھی کسی موقع پر فائدہ اٹھانے کی کوشش نہیں کی۔
اگر وہ چاہتا تو ساری "دیواریں" گرا سکتا تھا مگر اس نے ایسا کچھ نہیں کیا۔

کیا چاہتا ہے وہ۔
کیا واقعی اس کے لئے میرا دل اہم ہے؟ ——— میری محبت اہم ہے؟

21 نومبر

میں کمزور نہیں پڑ رہی۔ پڑنا بھی نہیں چاہتی۔ مگر وہ شخص مجھے زچ کر رہا ہے۔ مسلسل کمزور۔ بے بس کرنے کی کوشش کر رہا ہے اور میں ہارنا نہیں چاہتی۔ میں اسے چھوڑ دینا چاہتی ہوں۔ چاہتی ہوں وہ لامعہ کو اپنا لے۔ اب تک جو بھی کیا میں نہیں جانتی وہ ٹھیک تھا یا غلط۔

مجھے اگر پچھتاوا ہے تو اس لئے نہیں کہ مجھے عفنان غلط نظر نہیں آتا یا میں اسے غلطی پر نہیں سمجھتی یا میں نے اسے معاف کر دیا ہے۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔ اگر ایسا کوئی پچھتاوا میں محسوس کر رہی ہوں تو صرف اس لئے کہ میں نے کبھی کسی کے ساتھ کچھ غلط نہیں کیا۔ میں کسی کے ساتھ کچھ برا روا نہیں رکھ سکتی۔

5 دسمبر

عفنان نے کتنا غلط کیا اس کا اندازہ ہر بار مجھے لامعہ سے مل کر ہوتا ہے۔ وہ روتی ہے تو اس کے آنسو میرے دل پر گرتے ہیں۔ عفنان کو اپنے کیے کا ازالہ کرنا ہوگا۔ اسے لامعہ کی طرف واپس لوٹنا ہوگا۔ ہر قیمت ملی۔

11 دسمبر

اول روز سے اب تک وہ اپنی محبت مجھ پر منکشف کر دینے کا متمنی ہے۔ چاہتا ہے میں یقین کر لوں۔ مگر میرے لئے یہ ناممکن ہے۔ کل بھی تھا اور آج بھی ——— اور کل بھی یقیناً ایسا ہی رہے گا۔

میں اس قدر سنگ دل نہیں ——— کسی کا دل نہیں دکھا سکتی ——— ترس آتا ہے کبھی کبھی اس بندے پر۔ کوئی اس طرح بھی کسی کو چاہ سکتا ہے؟ ——— اس قدر ——— اتنا زیادہ ——— اتنا بے حساب ——— دیوانگی کے ساتھ ——— پاگل ہے یہ بندہ ——— کیا کہوں اسے ——— میرے پاس نہ اس کو دینے کو کوئی سزا ہے نہ جزا۔ شاید اس کی دیوانگی کا میرے پاس کوئی حل بھی نہیں ہے کیونکہ میرے کہنے سے نہ وہ مجھے چاہنے سے خود کو روک سکا ہے نہ روک سکے گا۔ نہ ہی کبھی بدل سکے گا خود کو۔ مگر میں چاہتی ہوں، دل سے بدل دے وہ خود کو ——— سوچے تو صرف لامعہ حق کے لئے۔ کیونکہ لامعہ اس کے لئے ضروری ہے۔ بہت ضروری۔

کیونکہ وہ لامعہ کے لئے ضروری ہے۔ مگر یہ بات مجھے اسے باور کرانے کو وقت لگے گا شاید۔

18 دسمبر

بہت برا خواب دیکھا ابھی کچھ دیر قبل۔ پورے بدن میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ عفنان علی خان
پانے کی خواہش کی تھی۔ اس کی اس بات نے مجھے جانے کیوں حد سے سوا خوفزدہ کر دیا۔ مجھے اب
پر یہ تسلیم کرنا پڑا ہے یا شاید میں کر چکی ہوں یہ تسلیم کہ وہ صرف لامعہ کا ہے اور مجھے ہر قیمت پر اسا
کو لوٹانا ہے ——— میں اسے اپنے پاس صرف امانت کی طرح رکھنا چاہتی ہوں اور اس سے زیادہ
کوئی واسطہ رکھنا نہیں چاہتی۔ اچھا ہوا وہ صرف خواب تھا۔ اس خواب میں عفنان کی خواہشوں
ڈیرہ تھا اور شکر ہوا کہ آنکھ بروقت کھل گئی اور سب خواب رہا۔ میں اٹھی تو وہ صوفے پر ہمیشہ کی طرح
برقرار رکھے سو رہا تھا۔ مگر اس خواب نے مجھے ہلا کر رکھ دیا۔ اس کے بعد دیر تک میں سو نہیں سکی۔
خوف زدہ نہیں تھی میں اس سے ——— کبھی بھی خوفزدہ نہیں ہوئی۔ جانے کیوں اس سے مجھے
خوف محسوس نہیں ہوا۔ اگر وہ برا ہے ——— اس نے کچھ برا کیا ہے تو مجھے اس سے خوف تو ضرور
چاہئے تھا۔ مگر جانے کیوں، ایسا کچھ نہیں۔

اس نے اس روز کہا تھا۔ ”وہ مجھے جب بھی حاصل کرے گا، مجھے میری اجازت سے حاصل
اگر اس کے لئے میری ”اجازت“ اہم ہے تو یقیناً اس کی خواہش اس پر غالب نہیں۔ اگر وہ اپنی
سے اس درجہ مغلوب نہیں تو وہ یہ سب کیسے کر سکتا ہے؟

میں اس کے سامنے ہوں۔ روبرو ہوں۔ بے حد قریب ہوں۔ ہاتھ بڑھا کر وہ جب چا
”حاصل“ کر سکتا ہے۔ زور آور ہے وہ ——— پھر اس کے لئے میری اجازت ہی کیوں اہم ہے؟

کیا واقعی میں اس کی خواہشوں سے زیادہ زور آور ہوں؟

زیادہ اہم ہوں؟

اس سوال سے آگے کے کئی صفحات خالی تھے۔ یعنی یہ کل رات کی آخری روداد تھی جو انابیہ کی
اور عفنان نے پڑھی۔ بہت آہستگی سے اس نے ڈائری بند کر دی تھی۔ کچھ دیر یوں ہی خاموش
پھر ڈائری واپس اس جگہ پر رکھ دی تھی۔ ایک جرم اس سے سرزد ہوا تھا۔ مگر بہت سے راز دل
ضرور ہٹ گیا تھا۔

اگر آج اس نے یہ چھوٹا سا جرم نہیں کیا ہوتا تو وہ انابیہ کو کبھی اتنے اچھے طریقے سے جان نہ
وہ اتنا کچھ جان کر انابیہ سے محبت کرنا بند نہیں کر سکتا تھا۔ شاید وہ محبت کہیں اندر اور بھی بڑھ گئی
سے بھی کہیں زیادہ ہو گئی تھی۔

سب سے بڑا اطمینان یہ کافی تھا کہ انابیہ کی زندگی میں کہیں ”کوئی اور“ نہ تھا۔ جو سوالیہ نشان
اسے پریشان کرتا رہا تھا اب وہ باقی نہیں رہا تھا۔ انابیہ کی زندگی میں اب بھی کئی سوالیہ نشان باقی
انہیں ختم کرنے کی کوشش بھی کرتا تو شاید ختم نہیں کر سکتا تھا۔

***

سبکتگین حیدر الفاری چلا گیا تھا اور جانے سے قبل اس سے مل کر بھی نہیں گیا تھا۔ مگر اس کے سیل پر
ٹیکسٹ کر کے تاکید ضرور کر گیا تھا کہ اسے مائی اماں کے پاس جانا ہے۔ مگر اس سوچ سے قبل
کے حکم کی تعمیل کرے یا نہ کرے، پاپا کا فون آ گیا تھا۔ وہ لوگ پاکستان پہنچ چکے تھے۔

”پاپا! ——— آپ نے مجھے بتایا کیوں نہیں، آپ لوگ آ رہے ہیں؟ میں آپ کو ایئرپورٹ پر لینے آ
اس نے شکوہ کیا تھا۔

”سرپرائز بیٹا! ——— سوچا تمہیں خوشی کے ساتھ کچھ حیران بھی کر دیا جائے۔ سبکتگین کا فون آیا تھا۔ وہ
باہر چلا گیا ہے۔ میں تمہیں لینے آ رہا ہوں۔“

”نہیں پاپا! میں خود آ جاتی ہوں۔ زوباریہ اور فانی بھی آئے ہیں ساتھ؟“

”ہاں ——— گھر آباد ہو گیا ہے پھر سے ——— آ کر دیکھو ——— تمہیں سب کچھ پہلے جیسا لگے گا۔
اپنے بچے کے بغیر فیملی کچھ نامکمل لگ رہی ہے۔“ پاپا بولے تھے۔

اس کی آنکھیں پانیوں سے بھر گئی تھیں۔ سب کچھ یقیناً پہلے جیسا نہیں رہا تھا۔ وہ ویسی نہیں رہی تھی۔
سب سے بڑی تبدیلی وقت نے یہی کی تھی۔

”میں آ رہی ہوں پاپا! اپنی کمپلیٹ فیملی کے ساتھ، اپنے کمپلیٹ گھر کو دیکھنے۔“ اس نے فون رکھ کر اپنا
سامان پیک کیا تھا اور ایک اختتامی نگاہ اس گھر پر ڈال کر چلتی ہوئی باہر نکل گئی تھی۔
لاؤنج میں لگی اس کی تصویر نے لمحہ بھر کو قدم روکے تھے۔ وہ رک گئی تھی۔ مگر ڈبڈبائی نگاہ زیادہ دیر اس
پر ٹھہر نہ سکی تھی۔ آنکھیں رگڑتی ہوئی وہ پلٹی تھی اور آگے بڑھ گئی تھی۔
گھر میں واقعی سب کچھ ویسے کا ویسا ہی تھا جیسا وہ چھوڑ کر گئی تھی۔ پاپا کے شانے پر سر دھرے وہ بہت
دیر تک روتی رہی تھی۔

”خوشی کے موقع پر روتے نہیں میرب! ہم سب اکٹھے ہیں ——— ہمیں اس کے لئے خدا کا شکر ادا
کرنا چاہئے۔“ زوباریہ نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تھا۔
وہ آنکھیں پونچھتی ہوئی مسکرا دی تھی۔

”ہاں ——— ہم سب اکٹھے ہیں اور اب بہت جلد ہم دوبارہ میرب کو چلتا کر دیں گے۔ ہمیشہ ہمیشہ
کے لئے۔“ پاپا مسکراتے ہوئے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولے تھے۔ مگر وہ مسکرا نہیں سکی تھی۔ جھک
کر فانی کو گلے لگا کر پیار کرنے لگی تھی۔

”آپ کی آپا نے آپ کو بہت مس کیا فانی! ——— بہت زیادہ یاد آئی آپ کی۔ کیا آپ کو ہماری یاد
نہیں آئی؟“ بھیگی آنکھوں کے ساتھ وہ پوچھ رہی تھی۔ فانی چھوٹا تھا مگر اس کی آنکھیں پونچھتے ہوئے مسکرا
دیا تھا۔

”اب میں آ گیا ہوں واپس۔ آپ کو نہ مجھے یاد کرنے کی ضرورت ہے نہ رونے کی۔ آپ کو پتہ ہے
میں آپ کے لئے کیا لایا ہوں۔ ڈھیر سارے چاکلیٹ۔“ ہاتھ کے اشارے سے فانی نے بتایا تھا۔ وہ مسکرا
اٹھی تھی۔

"میں بھی آپ کے لئے بہت سے چاکلیٹ لائی ہوں۔" میرب نے بیگ سے چاکلیٹ نکال کر
کے ہاتھ پر رکھے تھے۔ تبھی زوبار یہ بولی تھی۔

"تم فریش ہو جاؤ میرو! میں ٹیبل لگاتی ہوں۔ اور یہ آپ فون پر شروع بھی ہو گئے۔ پھر ریلیا
لیجئے، پھر کام ہی کام کرنا ہے۔ میرو گھر آئی ہے۔ کتنے عرصے بعد ہم سب مل کر بیٹھے ہیں۔ کچھ تو
کیجئے۔" زوبار یہ پاپا سے بولی تھی۔ وہ اپنے سیل پر کوئی نمبر ملاتے ہوئے مسکرا دیئے تھے۔

"میرو بچے! ــــ میرا خیال ہے ایک کلاس مزید ہونے سے پہلے آپ فریش ہو کر آ جایئے تا
ساتھ کھائیں گے۔ اس کے بعد باہر جائیں گے۔" پاپا نے خیال ظاہر کیا تھا۔ مگر زوبار یہ کچن کی طرف
رک کر بولی تھی۔

"کوئی کہیں نہیں جائے گا ــــ پہلے کھانا، پھر آرام ــــ کل دیکھیں گے کسے کیا کرنا ہے۔
بعد گھر کا ماحول دیکھا ہے۔ کچھ محسوس تو کرنے دیں۔ ہم سب تو خیر ساتھ تھے۔ مگر میرب ــــ اا
بارے میں بھی تو سوچئے ــــ وہ تو وقت گزارنا چاہتی ہو گی نا ہمارے ساتھ۔ اور میرب! تم اد
کیوں کھڑی ہو؟ کیا اپنے ہی گھر میں اپنے آپ کو اجنبی محسوس کر رہی ہو؟ ــــ بھئی وہی گھر ہے
سب ہیں۔" زوبار یہ مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

"ہاں ــــ مگر میں وہ نہیں ہوں۔" اس کے اندر سے آواز ابھری تھی مگر وہ بولی نہیں تھی۔
ہوئے اس سارے ماحول کو دیکھا تھا۔ ایک کمپلیٹ ماحول تھا، کمپلیٹ گھر کا ــــ ایک کمپلیٹ
کتنے عرصہ بعد وہ یہ سب دیکھ رہی تھی ــــ یہ مسکراتے چہرے ــــ بہت اپنے نظر آتے تھے۔
سب کچھ کیسا خواب خواب سا لگ رہا تھا۔

وہ مسکراتی ہوئی پلٹی تھی اور اپنے گھر کی طرف بڑھ گئی تھی۔ ایک ایک شے وہیں تھی جہاں آج سے
نو ماہ پہلے تھی۔ سب کچھ ویسے کا ویسا تھا۔ ہر شے اپنے ٹھکانے پر ملی تھی اسے۔ مگر اسے جانے کیوں
کچھ بہت اجنبی محسوس ہو رہا تھا ــــ ایک ایک شے کو چھو کر وہ جیسے یقین کر رہی تھی۔ کمرا۔
بستر ــــ الماری ــــ آئینہ ــــ سب اسے حیرت سے تکتے ملے تھے۔ اسے لگا جیسے سب
رہے ہوں۔

"میرو! تم پہلے جیسی کیوں نہیں لگ رہیں؟"

کتنا بدل دیا تھا اسے وقت نے۔ کتنی آزمائشیں لی تھیں وقت نے۔ اور وہ سردار سبکتگین حیدر
ایک عجیب سا رشتہ ــــ ایک عجیب سا نام۔ نہ تعلق اسے سمجھ پایا نہ وہ اس تعلق کو۔ ایک
آنکھیں نم کر گئی تھی۔ مگر اس نے ہاتھ کی پشت سے سختی سے آنکھوں کو رگڑ دیا تھا جیسے وہ اب مزید رونا
چاہتی تھی۔

ارادہ کر لیا تھا اس نے اب اور نہیں روئے گی۔ پُرعزم تھی وہ۔ پاپا اس کے ساتھ تھے۔ اس کی
کے ساتھ تھی۔ اب تنہا نہیں تھی وہ۔
کسی کے رحم و کرم پر نہ تھی۔

اپنے گھر میں تھی۔ اپنوں کے درمیان۔
جس صورت حال سے وہ گزری تھی اسے مزید سب کو اس سے غافل نہیں رکھنا تھا۔ جو کچھ اس کے
ساتھ ہوا تھا، جو کچھ زندگی نے اس کے ساتھ برتا تھا اسے سب کو بتانا تھا۔ اپنے ان اپنوں کو جو اس کے
لئے جن کے لئے وہ اہم تھی۔
وہ کن پریشان کن تکلیفوں سے گزری ــــ کیسے حالات سے نبرد آزما رہی ــــ اگر پاپا کو پتہ چل
جاتا تو وہ کوئی بھی اقدام کرنے میں دیر تو نہ لگاتے۔ اس نے خود انہیں مطلع نہیں کیا تھا۔ وقت مناسب نہ تھا
مگر اب سب کچھ ٹھیک ہو چکا تھا۔
پھر صورت حال بھی اختیار سے باہر کیوں رہتی۔
ایک گہری سانس خارج کرتی ہوئی وہ اطمینان سے پلٹی تھی۔ تبھی اس کا سیل بجا تھا۔
اس نے کال ریسیو کی تھی۔
"ہیلو ــــ جی، میرب ہی بات کر رہی ہوں ــــ کیا ــــ؟"

میرب سیال کے لئے خبر پریشان کن تھی۔ مائی کی طبیعت ٹھیک نہ تھی۔ مسٹر چاولہ نے فوری انہیں ہاسپٹلائز کروا کر اسے خبر دینا ضروری خیال کیا تھا۔

"مائی آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔ آپ کہیں تو آنے کے انتظامات کر دوں؟" مسٹر چاولہ پوچھ رہے تھے۔ اسے فوری طور پر سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کہے۔ ابھی ابھی وہ اپنے گھر میں اپنوں کے بیچ آئی تھی۔ کیسے ممکن تھا کہ وہ اب فوراً ہی واپس بھی......

"مائی کو بتا دوں کہ آپ نہیں آنا چاہ رہیں؟" مسٹر چاولہ نے اس کی خاموشی پر دریافت کیا تھا۔ وہ فوری طور پر بولی تھی۔

"نہیں ـــــ میں آ رہی ہوں۔" وہ بیٹھی تھی۔ پتہ نہیں اس نے درست فیصلہ کیا تھا یا کہ نہیں۔ اب اتنی الجھن میں نہیں تھی۔

"کیا ہوا؟ ـــــ کس کا فون تھا؟" پاپا جو اس کے پیچھے کھڑے تھے اسے سوچ میں الجھا دیکھ کر دریافت کیا تھا۔

"مسٹر چاولہ کا ـــــ مائی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ وہ مجھ سے ملنا چاہتی ہیں۔"

"سو، وہاٹ ہیپنڈ؟ تمہیں فوراً جانا چاہئے۔ جبکہ سبکتگین بھی یہاں نہیں ہے، انہیں تمہاری ضرورت ہے۔" پاپا نے بلا تردد کہا تھا۔ اس نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"جی ـــــ مجھے پتہ ہے۔ اس لئے میں نے اپنے آنے کے متعلق انہیں انفارم کر دیا ہے۔" ... ہوئے اس کا انداز الجھن سے پُر تھا۔

مظہر سیال نے مسکراتے ہوئے اس کے گرد بازو پھیلا کر اسے دیکھا تھا۔

"بعض موقعوں پر کچھ ضروری کاموں کو کرنا زیادہ ضروری ہوا کرتا ہے۔ ہم یہاں ہیں، تمہارے ہیں۔ مگر سبکتگین کی مائی کو اس وقت تمہاری زیادہ ضرورت ہے۔" پاپا نے نرمی سے اسے سمجھایا تھا۔ ... دی تھی۔

"جانتی ہوں پاپا! لیکن طویل وقت کے بعد آپ سب کے ساتھ وقت گزارنے کا موقع ملا تھا۔ آپ سب کو چھوڑ کر جانا نہیں چاہ رہی تھی۔" دل کی بات کہی تھی۔ پاپا جانتے تھے۔ مسکرا دیے تھے۔

"میں جانتا ہوں۔ مگر اب ہم سے زیادہ حق ان کا ہے تم پر۔ اب تم ان کی بیٹی زیادہ ہو۔ اور رکھتی ہیں وہ تمہارا۔ ہم سے تو زیادہ پیار کرتی ہیں تمہیں۔ ہم یہاں نہیں تھے تو انہوں نے جس طرح

...یال رکھا، وہ بات نظر انداز نہیں کی جا سکتی تم اپنا ضروری سامان پیک کر لو۔ ہو سکے تو سبکتگین سے کونٹیکٹ کر کے اسے بھی بتاؤ۔ بیٹا! یہ چھوٹے چھوٹے لمحے ہوتے ہیں جو زندگی کو زندگی سے جوڑ کر رکھتے ہیں۔ ...ہیں پتہ چلتا ہے کہ ہم تنہا اور کمزور نہیں ہیں۔ تم سمجھ رہی ہو نا میری بات؟"

"جی پاپا!" وہ آہستگی سے بولی تھی۔ وہ سب اب بھی نہیں کہہ سکتی تھی جو کہنا چاہتی تھی۔ جو دل کی تھی، ...ل میں ہی تھی اب تک۔ نہ وقت ملا تھا نہ موقع اور نہ شاید ہمت تھی اس میں۔ پاپا کہنے کے بعد اس کی ...یشانی پر پیار کرتے ہوئے "سویٹ ڈریم" کہہ کر کمرے سے چلے گئے تھے اور میرب سیال اپنی سوچوں ...ے الجھنے کو اکیلی رہ گئی تھی۔

...ب کچھ بہت عجیب لگ رہا تھا۔ اپنا گھر، اپنا آپ، سب بہت عجیب، جیسے کسی اور بات کی عادت سی ...و چلی تھی۔

...دن بھر میں پہلی بار اس شخص کا خیال آیا تھا۔

...وہ کج روش، کج ادا، جس سے اس کا تعلق بہت گہرا جڑا تھا۔

پاپا نے کہا تھا "اس سے بات کر لو" کیا بات کرتی وہ اس سے؟ کہنے سننے کو باقی کیا تھا بھلا؟

اس کی سوچ سے بھی زیادہ ان پری ڈکٹیبل شخص تھا وہ۔ جب بھی، جو بھی اس کے بارے میں سوچا تھا ...کچھ درست ثابت نہ ہوا تھا۔ کوئی غلط فہمی نہیں تھی اسے۔ مکمل یقین تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری جیسا تھا ...ے ویسا ہی رہنا تھا۔ نہ بدلا تھا نہ اسے کبھی بدلنا تھا۔ وہ سوچتی بھی تو وہ اسے مکمل طور پر اپنے مخالف سائیڈ ...پر کھڑا دکھائی دیتا تھا۔ اس میں اور خود میں اسے کوئی ایک بات بھی مشترک دکھائی نہ دیتی تھی۔ پھر "ایک" ...ہونے کا کوئی اور سبب کیا ہو سکتا تھا۔ اور قدرِ مشترک ڈھونڈنا تو پھر بھی دور کی بات تھی۔ وہ جو سرے سے ...اسے سمجھا نہ تھا۔

وہ کیا سوچتی ہے؟

کیا چاہتی ہے؟

کیوں چاہتی ہے؟

اس سے یقیناً سردار سبکتگین حیدر لغاری کو کوئی سروکار نہ تھا۔ اپنی دنیا تھی اس کی۔ اپنا ویس تھا اور اپنا ...پیس۔ تصور اس کا تھا۔ وہ اس کی دنیا میں نہ ہوتے ہوئے بھی اسے اپنی دنیا جیسا دیکھنا چاہتی تھی۔ اپنے ...خوابوں جیسا ـــــ اپنے خیالوں جیسا۔ اور وہ شخص تو سرے سے خوابوں کی حقیقت پر بھی یقین نہ رکھتا ...تھا۔ پھر بھی جانے کیوں سوچ رہی تھی وہ اسے۔

یک دم وہ چونکی تھی۔ سیل فون جانے کب سے بج رہا تھا۔ وہ اتنی محو تھی کہ اندازہ ہی نہ ہوا۔ اب ہوا تو ...فوراً کال ریسیو کر کے سیل کان کے قریب کیا تھا۔ دوسری طرف وہی تھا جس کا گزر اس کی سوچوں میں تھا۔

"مسٹر چاولہ کا فون آیا تھا ـــــ مائی کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ انہوں نے کہا تم جانا نہیں چاہتیں؟" ...اس کا لہجہ میں لگایا گیا ایک الزام اسے حیرت میں مبتلا کر گیا تھا۔

"...کچھ غلط سنا ہے آپ نے ـــــ میں جا رہی ہوں۔" اس نے باور کرانے کو زور دیا تھا۔

"کہاں؟" وہ چونکا تھا۔

"مائی کے پاس۔" میرب نے جتایا تھا۔

"مجھے تم پر زور زبردستی یقیناً روا نہیں لگتی۔ تمہیں اپنے معاملات میں الجھانا نہیں چاہتا۔ مائی کی ذمہ داری کرنا یقیناً تمہارا درد سر نہیں ہے ___ اس لئے اگر تم نہ چاہو تو تمہیں اجازت ہے۔" دوسری طرف اطمینان سے کہہ رہا تھا۔

میرب سیال کو غصہ آئے بغیر نہیں رہا تھا۔ سو درشت لہجے میں بولی تھی۔

"اگر آپ سے اجازت طلب کرنا ہوتی تو مسز چاولہ کے فون کے بعد فوراً آپ کو فون کر لیا ہوتا اور میرے اختلافات کے بیچ آپ مائی کو لانے کی کوشش مت کریں۔ میں جانتی ہوں اس وقت مجھے کیا کرنا ہے۔"

"بہت اچھی بات ہے، اگر آپ جانتی ہیں کہ آپ کو کیا کرنا ہے۔ میرا مقصد صرف یہ باور کرانا تھا اپنے رشتوں کا کوئی بوجھ میں آپ پر ڈالنا نہیں چاہتا جسے آپ سہار نہ سکیں۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں مائی میری ذمے داری ہیں۔" دوسری طرف وہ جتاتے ہوئے اجنبی لہجے میں گویا تھا۔ میرب جانتی تھی، واقف تھی اس کے مزاج سے۔ سو باور کراتے ہوئے بولی تھی۔

"آپ پر یقیناً کوئی احسان نہیں کر رہی ___ مائی میرے لئے بہت معتبر ہیں اور انہیں میں آپ کے حوالے سے ہٹ کر سوچتی اور دیکھتی ہوں۔ یوں بھی مائی میرے اور آپ کے درمیان حائل مسئلے کا حصہ نہیں ہیں۔ وہ میرے لئے بھی ماں جیسی ہیں۔" میرب نے کہہ کر فون رکھ دیا تھا۔

دوسری طرف موجود سردار سبکتگین حیدر لغاری ہاتھ میں موجود فون کو چند ثانیوں تک دیکھتا رہا، پُرخیال نظروں سے سیل فون کو دیکھتے ہوئے بہت اُلجھن سے بالوں میں ہاتھ پھیرا تھا۔ پھر دوبارہ نمبر ملا دیا تھا۔ مگر پھر جانے کیا ہوا تھا کہ ایک دو بیل جانے کے بعد اچانک ہی سلسلہ منقطع کر دیا۔ اس ایک لمحے میں گی کی آواز اس کے گرد گونجی تھی۔

"محبت کرتے ہو نا اس سے؟"

وہ چونکا تھا۔ بلکہ حد سے سوا حیران ہوا تھا۔ پھر ہاتھ میں پکڑا فون پٹخنے والے انداز میں سامنے رکھا تھا۔

"حماقت ___" با آواز بلند ڈپٹا تھا۔

"محبت حماقت کے سوا کچھ ہے؟" اس کے احتجاج پر گی کی ایک اور سرگوشی اُبھری تھی۔

"رَبِش۔" با آواز جھلانے کا انداز بہت خوب تھا۔ کچھ سوچ کر اس نے دوبارہ فون اٹھا لیا۔ مسز چاولہ سے بات کرنے کا تھا مگر اس سے قبل ہی فون بج اٹھا تھا۔

"ہیلو۔" دوسری طرف گی تھی۔

"بولو، گی!" تمام سوچوں کو جھٹکتے ہوئے وہ بولا تھا۔

"مائی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے ___ مسز چاولہ کا فون آیا تھا۔"

"ہاں جانتا ہوں میں۔ مسز چاولہ نے مجھے اطلاع دے دی تھی۔ میں واپس آ رہا ہوں۔ میرب بھی چلی جاتی ہوں مائی کے پاس ___ تم اپنا کام چھوڑ کر مت آؤ۔ مسز چاولہ بتا رہی تھیں کہ اب پہلے سے بہتر ہیں۔"

"... از مائے مدر گی! ___ ان کے لئے میں کسی قسم کی غیر ذمہ داری کا مظاہرہ نہیں کر سکتا۔ اور تم طرف گھر میں رہ کر آرام کرو۔ یہ تمہارے لئے زیادہ ضروری ہے۔ میرب سے بات ہوئی تھی میری۔ وہ جا رہی ہے مائی کے پاس۔" اطلاع دی تھی۔

"یقین ہے تمہیں اس پر؟" دوسری طرف گی نے مسکرا کر جانے کیا جتانا چاہا تھا۔ وہ جواباً کچھ نہیں بولا تھا۔

"گھر بہت سُونا ہو گیا ہے گین! ___ میرب کے یہاں سے چلے جانے کے بعد جو ویرانی یہاں آئی ہے شاید تم یہاں آؤ تو تم بھی اسے محسوس کرو۔" گی مدھم لہجے میں کہتے ہوئے اسے خوابوں کی دنیا میں رہنے والی کوئی مخلوق لگی تھی۔

گی اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولی تھی۔

"سارا گھر جیسے اسے تلاش کر رہا ہے گین! ___ تم یہاں نہیں ہو، مجھے جانے کیوں یقین ہے تمہارا احساس، یہاں وہاں اُسے کہیں ڈھونڈ رہا ہے۔" گی کی باتیں جیسے واقعی خیالی ہوائی تذکروں سے بھری ہوئی تھیں۔ اتنی ٹینشن میں ہونے کے باوجود وہ ہنس دیا تھا۔

"تمہارا جواب نہیں گی ژیانگ! باتیں واقعی دلچسپ کرتی ہو مگر تھوڑی بہت بے وقوفی سے بھری۔ سچ بتاؤں، تمہیں اس بندے نے اگر دھوکا دیا تو اس کا سبب صرف یہی تھا۔ تم حد سے سوا رعایت دینے کی قائل ہو۔"

"گی ژیانگ کو کسی نے کیوں دھوکا دیا، یہ ایک الگ معاملہ ہے گین! مگر اس وقت جو گی ژیانگ کہہ رہی ہے وہ اگنور کئے جانے کے لائق نہیں ہے۔ تم جو کہہ رہے ہو وہ میں سمجھ رہی ہوں گین! جو تمہارے اندر ہے میں وہ بھی جانتی ہوں۔" اسے جھٹلاتے ہوئے گی کہہ رہی تھی۔

"اسے جانے مت دینا گین! ___ جانے مجھے کیوں لگتا ہے کہ اگر وہ تمہاری زندگی سے چلی گئی تو تمہارا بہت بڑا نقصان ہو جائے گا۔"

"اور تمہیں میرے نقصان کی اتنی پرواہ ہے کہ تم اپنے نقصان کو بھی نہیں دیکھ رہی ہو؟" مسکراتے ہوئے جتایا گیا۔ "گی! ___ اگر تم اپنی زندگی کی فکر کرو تو یہ زیادہ ضروری ہوگا۔ مجھے، میری زندگی کو میرے حال پر چھوڑ دو۔ میرا ایمان ہے، جو ہونا ہے سو ہونا ہے۔ اس سے زیادہ مجھے کچھ نہیں کہنا۔ مائی کے متعلق جاننا اور باخبر رہنا۔ فی الحال یہ زیادہ ضروری ہے میرے لئے۔ میں واپس آنے کی کوشش کرتا ہوں۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کہہ کر فون بند کر دیا تھا۔

"اسے جانے مت دینا گین!" گی ژیانگ کی سرگوشی اس کے آس پاس گونجی تھی۔

"جانے مجھے کیوں لگتا ہے کہ اگر وہ تمہاری زندگی سے چلی گئی تو تمہارا بہت بڑا نقصان ہو جائے گا۔"

گی کے خدشے اس کے اردگرد گونجتے رہے تھے۔ مگر وہ جیسے کان بند کر کے اٹھا تھا اور گاڑی کی چابی
باہر آ گیا تھا۔ کرنے کو کوئی ضروری کام اور بھی تھے۔

***

میرب سیال نے پیکنگ مکمل کی تھی اور مسٹر چاولہ کو فون کر کے پلٹی تھی جب پاپا کو اپنے قریب
دیکھا تھا۔

''میں جا رہی ہوں پاپا!''

پاپا نے آگے بڑھ کر مسکراتے ہوئے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ مظہر سیال نے بیٹی کو
سراہا تھا مگر وہ مسکرائی نہیں تھی۔ چپ چاپ ان کی طرف دیکھتی رہی تھی۔

''آپ مجھ پر ٹرسٹ کرتے ہیں پاپا؟''

''یہ کیسا سوال ہے؟'' پاپا کچھ حیران ہوئے۔ ''آف کورس، آئی ٹرسٹ یو۔'' پاپا نے اس کے
ہاتھ رکھا تھا۔ وہ چند ثانیوں تک خاموشی سے ان کی طرف دیکھتی رہی تھی۔

''کچھ کہنا چاہتی ہو تم ــــ مجھے لگتا ہے بیٹا! کوئی بات ہے جو تمہیں پریشان کر رہی ہے۔ اگر ا
تو کہہ دو۔ ہو سکتا ہے اس بات کا کوئی حل ہاتھ لگ جائے۔ کبھی کبھی بہت الجھی ہوئی ڈور کو جب دو لوگ
کر سلجھاتے ہیں تو وہ بڑے آرام سے سلجھ جاتی ہے۔''

''مگر کبھی کبھی وہ ڈور اور بھی الجھ جاتی ہے پاپا!'' اس کے جواب نے پاپا کو سوچنے پر مجبور کر دیا تھا

''کیا مطلب؟ ــــ کیا ہوا؟'' پریشانی سے پوچھا تھا۔ مگر میرب نے سر نفی میں ہلا دیا تھا ا
مطمئن کرنے کو مسکرا دی تھی۔

''کچھ نہیں پاپا! ــــ آپ سے دور رہی نہیں کبھی۔ بہت زیادہ مس کیا آپ کو ــــ'' اور اپنی
کوشش کے باوجود اس کی آنکھیں پانی سے بھر گئی تھیں۔ پاپا نے تھام کر اسے ساتھ لگا لیا تھا۔

''میرا بچہ!'' محبت سے سر پر پیار کیا تھا۔ ''پاپا آپ سے دور تھوڑی ہیں۔ آپ جب چاہیں ا
سے فون پر بات کر سکتی ہیں۔ فی الحال تو آپ اپنی مدر ان لاء سے ملنے جا رہی ہیں۔ جب بچ بچ کر
ہو گئی تو پھر کیا کریں گی آپ؟'' پاپا نے مسکراتے ہوئے کسی قدر شرارت سے دیکھا تھا۔

وہ مسکرا دی تھی۔

''گڈ گرل۔'' پاپا نے اس کی ہمت بندھائی تھی۔ ''پاپا کے شیر بچے ہو ــــ ایک دم اتنا کمزور
سکتے ہو؟'' پاپا بولے تھے مگر اس سے قبل کہ وہ کوئی جواب دیتی، باہر گاڑی کا ہارن بجا تھا۔ جو بات
چاہتی تھی، وہ دل میں ہی رہ گئی تھی۔

''مسٹر چاولہ آ گئے ہیں شاید۔'' وہ بولی تھی۔

''اپنا خیال رکھنا بیٹا!''

''جی پاپا!'' اپنا سفری بیگ اٹھا کر وہ چل پڑی تھی۔ پھر ان ہی راستوں پر ــــ ابھی
جانے ایسا کیوں تھا جب بھی وہ ان راستوں سے اپنے قدم اٹھاتی تھی ــــ بھاگتی تھی ــــ

لے اس کے سامنے آ رکتے تھے۔ قسمت کیسا کھیل کھیل رہی تھی اس کے ساتھ، وہ سمجھ نہیں پائی تھی۔

***

ساہیہ خان چپ چاپ کھڑی تھی۔ اذہان حسن بخاری چلتا ہوا اس کے پیچھے آن رکا تھا۔ ساہیہ آہٹ یا
قدموں کی چاپ پر پلٹی نہیں تھی۔ نہ مڑ کر اس کی طرف دیکھنا چاہا تھا۔ اذہان حسن بخاری فوری طور پر کچھ
نہیں بول سکا تھا۔

خاموش نظروں سے اس کی پشت کو بس چپ چاپ دیکھا تھا، پھر ہاتھ بڑھایا تھا اور بہت آہستگی سے
اس کے شانے پر رکھ دیا تھا۔ ساہیہ نے گردن موڑ کر اس مضبوط ہاتھ کو اپنے شانے پر دھرا صرف دیکھا تھا۔
وہ اب بھی کچھ نہیں تھی۔

''ساہیہ!'' اذہان حسن بخاری نے بہت ہولے سے پکارا تھا۔ مگر ساہیہ نے پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔

اذہان حسن بخاری نے دوسرا ہاتھ بڑھا کر اس کے شانے پر رکھا تھا اور اس کا رخ اپنی طرف موڑ لیا تھا۔

''اس طرح چپ مت رہو ساہیہ! ــــ مجھے اپنے اور تمہارے بیچ یہ چپ بالکل اچھی نہیں لگتی۔ جب
تم چپ ہوتی ہو تو فاصلے بہت بڑھتے دکھائی دیتے ہیں۔ تم سے دور جانا نہیں چاہتا ساہیہ!'' اس کی آنکھوں
میں پھر پورا اعتماد سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ مگر ساہیہ تب بھی کچھ نہیں بولی تھی۔

''ساہیہ! رشتوں میں ایک شے بہت ضروری ہوتی ہے، اعتبار ــــ اعتبار بہت ضروری ہوتا ہے
ساہیہ! ــــ ایک بات پوچھوں؟ مجھ پر اعتبار کرتی ہو تم؟'' مدھم لہجے میں دریافت کیا تھا۔ ساہیہ کی
آنکھوں میں یکدم بہت سا پانی ٹھہرا تھا اور ایک لمحے میں پلکوں کی باڑ پھلانگ کر باہر بہہ نکلا تھا۔

''اعتبار کرتی ہو مجھ پر ساہیہ؟'' اذہان حسن بخاری نے ٹھوڑی سے اس کے چہرے کو تھام کر دیکھتے
ہوئے سرگوشی میں دریافت کیا تھا۔ ساہیہ نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''ہاں۔'' پانیوں سے بھری آنکھوں سے اس شخص کی جانب دیکھا تھا۔

اذہان حسن بخاری نے ہاتھ بڑھا کر ان آنکھوں کی نمی کو اپنے ہاتھ پر لے لیا تھا۔

''اگر اعتبار ہے تو پھر یہ آنسو کیوں ہیں ساہیہ؟ ــــ جہاں اعتبار ہوتا ہے وہاں آنسو نہیں ہوتے
ساہیہ!'' مدھم لہجے میں باور کرایا تھا۔

''ضروری تو نہیں ہے کہ جہاں اعتبار ہو وہاں کچھ کہنے سننے کی ضرورت ہی باقی نہ رہے۔'' ساہیہ خان
نے جواباً شکوہ کیا تھا۔

''مگر یہ بھی تو نہیں ساہیہ! کہ بنا کچھ پوچھے الزام عائد کر دیے جائیں۔ کیا ٹھیک ہے یہ؟'' اذہان حسن
بخاری نے کچھ زیادہ نہ کہہ کر بھی بات واضح کر دی تھی۔

''میں نے کوئی الزام عائد نہیں کیا اذہان!''

''تو پھر کیا، کیا ہے ساہیہ؟ ــــ اعتبار کیا ــــ الزام نہیں لگایا تو پھر یہ آنسو بھی کیوں ہیں؟ تم اپنی
بار بار آزمائش کرنا چاہتی ہو؟'' اذہان حسن بخاری نے وضاحت چاہی تھی۔ ساہیہ نے سر انکار میں ہلا دیا
تھا

"ایسی بات نہیں ہے اذہان! مجھے تم پر اعتبار ہے۔ بس مجھے ڈر لگ رہا ہے۔" سر جھکا کر کسی خوفزدہ بچے کی طرح وضاحت دی تھی۔

"ڈر؟ —— جہاں اعتبار ہوتا ہے وہاں ڈر ہوتا ہے سابیہ؟" اذہان نے کسی قدر چونکتے ہوئے نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے سوال داغا تھا۔ مگر سابیہ اس کی طرف سر اٹھا کر نہیں دیکھ سکی تھی۔

"تم شاید نہ مانو اذہان! مگر کبھی کبھی کوئی خوف کہیں نہ کہیں سے نکل کر سامنے آ جاتا ہے تو بہت ہے —— مگر اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ اعتبار ختم ہو گیا۔ اس ڈر کا کوئی جواز ہو، یہ ضروری نہیں۔ میں تمہیں نہیں بتا سکتی۔ مگر میں واقعی ڈر گئی تھی۔"

"بتا نہیں سکتیں مگر جتا تو سکتی ہو نا کہ تم کیا محسوس کرتی ہو۔" اذہان حسن بخاری جتانے والے انداز میں بولا تھا۔ سابیہ کچھ نہیں بولی تھی اور وہ اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں لے کر بھرپور توجہ سے بڑی آہستگی سے کہہ رہا تھا۔

"میرے لئے یہ جاننا، سمجھنا بہت ضروری ہے سابیہ! کہ تم کیا سوچتی ہو، کیوں سوچتی ہو۔ تمہیں کس بات سے خوشی ملتی ہے؟ کس بات سے تکلیف؟ میرے لئے یہ جاننا اہم ہے سابیہ! بہت ضروری میرے لئے۔ کیونکہ میرے لئے تم ضروری ہو سابیہ!" لہجہ بھرپور اعتماد دلاتا ہوا تھا۔ نظریں بہت سا سونپتی ہوئی تھیں۔ اس کی قربت، احساسِ تحفظ دیتی ہوئی تھیں۔ تو پھر وہ کیوں ڈر رہی تھی؟ —— سابیہ خان نے بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھا تھا تو اپنے اندر کے سارے خدشات بے وجہ اور بے بنیاد لگے اور وہ کہہ رہا تھا۔

"اعتبار رشتوں کے لئے ضروری ہے سابیہ! کیونکہ اعتبار رشتے بناتا ہے۔ جوڑتا ہے۔ مگر یقین اس سے بھی زیادہ ضروری ہے سابیہ! کیونکہ یقین اس رشتے کی مضبوطی کو اور بھی بڑھا دیتا ہے۔ یقین تمام ڈر اور وسوسے مٹا دیتا ہے۔ ایک کام کرو سابیہ! تم یقین کو دل میں جگہ دو۔ کوئی حکم نامہ نہیں ہے یہ، درخواست ہے۔ یقین کر کے دیکھو سابیہ! —— یہ آنسو جو آج تمہاری آنکھوں میں دکھائی دے رہے ہیں، دوبارہ کبھی نہیں آئیں گے۔ مجھ پر یقین کرو۔" اذہان حسن نے بھرپور یقین دلاتے ہوئے کہا تھا۔

"میرا تم پر یہ یقین کمزور نہیں ہے اذہان! اور یہ یقین کبھی کمزور پڑے گا بھی نہیں۔" سابیہ نے آنکھوں کو رگڑتے ہوئے کہا تھا۔ "جانتی ہوں —— تمہیں اپنی چیزوں کو بہت سنبھال کر رکھنے کی عادت ہے۔ تم بچپن میں اپنے کھلونوں کے لئے بھی بہت کنسرن تھے۔ کوئی ایک کھلونا بھی میں نے تمہیں توڑتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ بھی تو سب آج بھی اس چھوٹے سے کمرے میں موجود ہیں جسے تم بچپن میں استعمال کرتے تھے۔ جب تمہارے لئے چھوٹی چھوٹی، بے جان چیزوں کی اتنی وقعت ہے تو پھر میرا دل کیسے توڑ سکتے ہو؟ تم یقیناً ایسا نہیں کر سکو گے۔ کیونکہ میرا دل ان کھلونوں سے تو پھر بھی بہت قیمتی ہے۔"

"جب اتنا سب کچھ جانتی ہو تو پھر وہ پاگل پن کس لئے تھا؟ کیا تم ان باتوں پر اعتبار کرنے لگی تھیں؟ آنسوؤں سے مردوں کا دل جیتا جا سکتا ہے؟" اذہان حسن بخاری نے اس کی چھوٹی سی ناک دباتے ہوئے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ وہ مسکرا دی تھی۔

"تم ٹھیک کہتی ہو سابیہ! میں تمہارا دل واقعی نہیں توڑ سکتا۔ کیا کروں، میرا اپنا دل ٹوٹا ہوا ہے نا۔" وہ مسکرایا تھا۔ انداز میں کسی قدر تازگی تھی۔ یقیناً یہ مذاق کا کوئی انداز تھا۔ سابیہ مسکرا دی تھی۔

"کیا میں تمہارا دل جوڑ سکتی ہوں؟" بہت دھیمے لہجے میں اجازت چاہی تھی۔

"ہوں۔" اذہان حسن بخاری نے سر اثبات میں ہلایا تھا۔ ساتھ ہی اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے بائیں طرف سینے پر عین دل کے اوپر رکھا تھا۔

"جوڑ دو۔" اجازت دی چاہی تھی۔

"تمہیں لگتا ہے میں ایسا کر سکتی ہوں؟" سابیہ نے کسی قدر حیرت سے گھورا تھا۔ اذہان حسن بخاری نے بھرپور یقین ظاہر کرتے ہوئے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

"کیسے؟" اس طرف سے جواز طلب ہوا تھا۔ نازک ہاتھ بدستور اس کے فراخ سینے پر تھا۔ اس کے مضبوط ہاتھ کے نیچے دبا ہوا —— اذہان حسن بخاری نے اس کے ہاتھ کو تھاما تھا اور اپنے ہاتھوں کو حرکت دیتا ہوا چہرے کے قریب لے گیا تھا اور بہت آہستگی سے سر جھکا کر لب اس کے ہاتھ پر رکھ دیئے تھے۔

"ایسے، بھرپور محبت سے، اپنے ہونے کے بھرپور احساس سے —— اپنی حدت سے۔" اذہان حسن بخاری جیسے ارادہ کر کے آیا تھا کہ آج یقین کی صورت بنا کر ہی لوٹے گا۔ سابیہ خان اس کی سمت تکتی رہ گئی تھی۔ نگاہوں میں حیرت حد سے سوا تھی —— اور وہ کہہ رہا تھا۔

"تمہیں کچھ بتانا چاہتا ہوں سابیہ!" انداز سرسری تھا۔ سابیہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ اس سے کیا کہنے جا رہا ہے۔

"کل میرب سے ملا تھا میں۔" اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں دبائے اس نے اقرار کیا تھا۔ اور اس اطلاع پر وہ مزید حیران رہ گئی تھی۔ اذہان حسن بخاری سمجھ گیا تھا کہ وہ اس کی طرف سے ازخود "اطلاع" دیئے جانے کی امید نہیں رکھتی تھی۔ اس لئے مزید اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے گویا ہوا تھا۔

"ہاں —— ملا میں اس سے۔ مگر بہت عام سے موقع میں۔ بہت عام سے انداز میں۔ بہت سے عام لوگوں کی طرح۔ ایسے ہی جیسے کوئی اچانک سرِ راہ چلتے چلتے کسی دوسرے سے ملتا ہے۔ اس کی بھی رخصتی ہو رہی ہے۔ خوش تھی وہ بھی۔ اور میں بھی نئی راہوں پر قدم رکھتے جا رہا ہوں، سو میں بھی خوش ہوں۔ جب ہم دونوں ناخوش نہیں ہیں تو پھر باقی کیا بچتا ہے۔ ہم ملے، حال احوال پوچھا، دو چار باتیں کیں اِدھر اُدھر کی۔ اور اپنی اپنی راہ پر چل دیئے۔ نہ گزرے وقت کی کوئی پرچھائیں ہمارے درمیان آئی نہ ہم نے اس گزرے وقت کو سوچا نہ اک دوسرے سے کوئی گلہ کیا۔ ہم نے ایسا کچھ بھی نہیں کیا سابیہ!" اس نے بہت حوصلے سے نفی میں ہلایا تھا۔

"ہم نے ایسا کچھ نہیں کیا —— شاید ہم دونوں جانتے ہیں کہ گزرے وقت کا پلٹ آنا ممکن نہیں۔ ہم اپنی اپنی زندگیوں میں اپنے اپنے نئے خوابوں کے ساتھ خوش ہیں سابیہ! اور ہمیں وقت سے واقعی کوئی گلہ نہیں ہے۔"

"یہ سب تم مجھے کیوں بتا رہے ہو اذہان؟" سابیہ نے سوال کیا تھا۔

"اس لئے کہ میں تمہیں یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں۔"

"کیوں؟ —— اعتبار دلانے کی یہ بھی کوئی شرط ہے؟"

"نہیں —— یہ اعتبار دلانے کی ایک رسم ہے۔ میں رسم نباہ رہا ہوں۔ ساہیہ! میں تمام رشتے ایمانداری سے نباہنے کا قائل ہوں۔ میں نہیں چاہتا ہمارے درمیان کبھی کچھ بھی غیر واضح اور چھپا راز رہے۔"

"میں جانتی ہوں اذہان! اس شام جب تم فارحہ آنٹی کو سب بتا رہے تھے تو اتفاق سے میں نے سب سن لیا تھا۔" اس نے اقرار کیا تھا۔ اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔

"اور تم نے قیاس کیا تھا کہ میں یہ سب تمہیں نہیں بتاؤں گا۔"

"نہیں —— ایسا میں نے کچھ نہیں سوچا تھا۔"

"تو پھر وہ آنسو کس لئے تھے؟"

"صرف اس لئے کہ میں ڈر گئی تھی۔" بات بنائی تھی۔

"اور وہ ڈر یہ تھا کہ میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔"

"نہیں۔" بہت آہستگی سے سر نفی میں ہلایا تھا اور بھرپور اعتماد سے بولی تھی۔ "مجھے صرف یہ ڈر تھا اب میں تم سے قریب نہیں رہ سکوں گی۔"

"کیا مطلب؟" وہ چونکا تھا۔ ساہیہ کچھ لمحوں کو چپ رہی تھی۔ پھر بھرپور اعتماد سے بولی تھی۔

"اذہان! زندگی کے راستے ختم نہیں ہوتے۔ ہم ان لوگوں سے دوبارہ بھی مل سکتے ہیں جن سے کہیں بچھڑ گئے تھے۔ حادثہ یوں ہی رونما نہیں ہوا اذہان! وقت کا ایک اشارہ ہے یہ۔ سمجھنے کی کوشش کرو وہ یوں ہی تمہارے سامنے دوبارہ نہیں آئی۔ یہ بات سرسری نہیں ہے کہ تم ایک موڑ پر اچانک ملے۔ دوبارہ ملنا معمولی بات نہیں ہے اذہان! مت پرواہ کرو۔ نہ میری، نہ دنیا کی، نہ کسی اور کی۔ اس موقع کو گنواؤ اذہان!"

اذہان حسن بخاری نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔ پھر کسی قدر برہمی سے اسے شانوں سے دبوچا، ناگوار نظروں سے دیکھا تھا۔ مگر فوری طور پر کچھ کہہ نہ سکا تھا۔ اس کی گرفت میں کھڑی وہ کہہ رہی تھی۔

"کوئی دوبارہ نہیں ملتا اذہان! یہاں کوئی بھی دوبارہ نہیں ملتا۔ زندگی تمہیں موقع دے رہی ہے تو خواہ مخواہ کی رسموں کا پابند مت کرو —— تم نے اسے کہا کہ تم خوش ہو —— اس نے تم سے کہا کہ خوش ہے۔ تم دونوں نے اک بار بھی نہیں سوچا کہ جو خوش ہوتے ہیں انہیں یہ بتانے کی نوبت کبھی نہیں آتی کہ وہ خوش ہیں۔ وہ خوش دکھائی دیتے ہیں اذہان! —— کیا وہ تمہیں خوش دکھائی دی تھی؟" ساہیہ نے پوچھا تھا۔ مگر اذہان حسن بخاری نے اس ضمن میں کوئی جواب نہیں دیا تھا مگر اسے خشمگیں نظروں سے دیکھتے ہوئے ڈپٹا ضرور تھا۔

"شٹ اپ ساہیہ!"

"شٹ اپ ود ہاٹ؟ —— اذہان! تم کب تم دوسروں کے لئے جیو گے؟ کم از کم یہ میں نہیں چاہتی

کہ اس بار تم میرے لئے کوئی قربانی دو۔"

"پاگل ہو گئی ہو تم؟" اذہان حسن بخاری نے اسے شانوں سے تھام کر جھنجھوڑا تھا۔

"پاگل میں تب ہوئی ہوتی جب میں اپنے انٹرسٹ کی، اپنے فائدے کی بات کرتی۔ یہی ٹھیک ہے اذہان! جو میں کہہ رہی ہوں۔" وہ رسانیت سے بولی تھی۔

"شٹ اپ ساہیہ! تمہاری ہی کیا، مجھے کسی کی بھی ہمدردی کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ مجھے کیا کرنا ہے اور مجھے کیا کرنا چاہئے۔ میری زندگی میں کب کیا ضروری ہے اور کیا غیر ضروری ہے؟ اس کا فیصلہ مجھے کرنا ہوگا۔"

ساہیہ کی بات ہی ایسی تھی کہ اسے کسی قدر کھردرا لہجہ اختیار کرنا پڑا تھا۔ اپنے بہت سارے غصے کو دباتے ہوئے اس نے ساہیہ کو اپنی گرفت سے آزاد کیا تھا اور پلٹ کر وہاں سے نکل گیا تھا۔

ساہیہ بھیگی آنکھوں سے اسے خود سے دور جاتا دیکھتی رہی تھی۔

"یہ ضروری ہے اذہان! —— دوسری بار اتفاقاً ملی ہے وہ تمہیں۔ تیسری بار یقیناً نہیں ملے گی۔ اتنی سی بات تم سمجھ کیوں نہیں پا رہے؟ —— اپنی دوست پر اعتبار نہیں کر رہے ہو تم۔ کیا تمہیں لگتا ہے کہ میں تمہارا برا چاہ رہی ہوں؟" با آواز بلند وہ اس سے شکوہ کر رہی تھی۔ مگر اسے جواب دینے کو وہ پاس نہ تھا۔ بہت دور جا چکا تھا۔ اور وہ اسے خود سے اور بھی پرے دھکیل دینا چاہتی تھی۔

❄❄❄

"یہ کیا سن رہی ہوں میں؟ —— تم دونوں نے شادی اور رشتوں کو مذاق بنا لیا ہے؟ —— کبھی تم انکار کرتے ہو تو کبھی وہ۔ شادی نہ ہوئی گڈے گڑیا کا کھیل ہو گیا۔" فارحہ نے اس کی طرف آتے ہوئے کسی قدر تختی سے اسے ڈپٹا تھا۔ اذہان حسن بخاری نے کچھ سمجھ میں نہ آتے ہوئے ان کی طرف دیکھا تھا۔

"آئی ایم سوری۔ میں سمجھ نہیں پا رہا ہوں کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔" معذرت کرتے ہوئے جاننے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ "کیا ہوا؟"

فارحہ نے فون صوفے پر پھینکتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"تم نے کچھ کہا ہے ساہیہ سے؟"

"ساہیہ سے؟ —— ساہیہ سے میں کیا کہوں گا؟" وہ چونکا تھا۔

"ابھی تم اس سے نہیں ملے اب تک؟"

"نہیں —— میں ملا ہوں آج شام اس سے۔" کسی مجرم کی طرح وہ نظر پھیر گیا تھا۔

"اور کیا کہا تم نے اس سے ایسا کہ اس نے انگیج منٹ سے انکار کر دیا ہے؟"

"ساہیہ نے انگیج منٹ سے انکار کر دیا؟" وہ اگرچہ اس کی طرف سے ایسی ہی کسی حماقت کی توقع کر رہا تھا۔ مگر ایسا پھر بھی اسے یقین نہیں تھا کہ وہ اس قدر جلدی ایسی بے وقوفی کا مظاہرہ کرے گی۔

"اس نے فون کیا تھا؟" اذہان حسن بخاری نے دریافت کیا۔

"نہیں —— میں نے فون کیا تھا۔ جیولری کے کچھ سیٹ دکھانے تھے اسے کہ وہ کل کیا پہننا چاہتی

ہے۔ مگر وہاں سے سننے کو کچھ اور ہی ملا۔ اذہان! کیا میں یہ پوچھ سکتی ہوں کہ تم نے اسے کیا کہا؟"
نے غصے سے دریافت کیا تھا۔

"کیا کہا میں نے؟ ـــــ آپ مجھ پر اعتبار نہیں کر رہی ہیں؟"

"میں تم پر اعتبار کرتی ہوں یا نہیں، یہ بعد کی بات ہے اذہان! اہم بات فی الحال یہ ہے کہ تیاریاں ہو چکی ہیں۔ کارڈ تک بٹ چکے ہیں۔ کل گیسٹ آئیں گے تو ہم کیا کہیں گے، کچھ سوچا ہے تم نے؟ کیا مذاق ہے اذہان؟ مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی، تم جیسا سمجھ دار لڑکا ایسا بھی کر سکتا ہے۔ اپنی ریسپیکٹ کا کچھ خیال ہے تم کو؟"

فارحہ نے بنا سوچے سمجھے سارا کا سارا الزام اس کے سر پر رکھا تھا اور وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"واقعی ممی! مجھے کچھ اندازہ نہیں کہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔ کوئی وضاحت میرے پاس نہیں ہے۔ صرف اتنا کہنا چاہوں گا کہ میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔ میں وہاں شام ساہیہ سے ملنے گیا تھا۔ اور میرا کسی بھی طرح اس انگیج منٹ کو ملتوی کرنے کا نہ تھا۔" یہ کہہ کر وہ باہر نکل گیا تھا۔ گاڑی میں بیٹھا باہر نکالتے ہوئے گاڑی اس کے گھر کے راستوں پر ڈال دی تھی۔

کچھ ہی لمحوں میں وہ اس کے سامنے تھا۔ ساہیہ نے کسی قدر حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

"کیا ہوا؟"

مگر اذہان حسن بخاری نے اس کا ہاتھ تھاما اور اسے لے کر چلتا ہوا باہر آ گیا تھا۔

"اذہان! کیا ہوا ہے؟ ـــــ کیا تم مجھے بتاؤ گے؟"

"تم گاڑی میں بیٹھو۔ بتاتا ہوں تمہیں۔" فرنٹ ڈور کھول کر اسے بٹھایا تھا اور خود سرعت سے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی تھی۔

"ہوا کیا ہے؟"

"تم چپ ہو کر بیٹھ سکتی ہو؟" ہمیشہ سے پرسکون نظر آنے والا بندہ اس لمحے بہت مختلف لگا تھا۔ اس نے غالباً اس سے پہلے اسے کبھی اس کیفیت میں نہیں دیکھا تھا۔ اس لمحے اس کے ذہن میں بالکل نہ تھا کہ یہ کسی طرح کا کوئی ری ایکشن ہے۔ شام میں جب وہ گیا تھا اس کے ذہن میں صرف وہ ملاقات محفوظ تھی اور اس سے آگے کچھ نہیں تھا۔

"ہوا کیا ہے اذہان؟ ـــــ کیا تم مجھے بتاؤ گے؟ فارحہ آنٹی تو ٹھیک ہیں نا؟ انہیں تو کچھ نہیں ہوا؟" اس نے تشویش سے دریافت کیا تھا۔ مگر اذہان حسن بخاری نے ونڈ اسکرین سے نگاہ نہیں ہٹائی تھی۔

"اذہان! کیا ہو رہا ہے یہ؟ کچھ بتاؤ گے تم مجھے؟" وہ چیخی تھی۔

"کچھ نہیں ہوا ہے ـــــ کل ہماری انگیج منٹ ہے اور میں تمہیں بھگا کر لے جا رہا ہوں۔" اس نے اطلاع دی تھی۔ وہ چونک پڑی تھی۔

"وہاٹ؟ ـــــ وہاٹ آر یو سیئنگ؟ کیا کہا تم نے؟"

"اور کیا کروں؟ ـــــ اس کے سوا تم نے کوئی راہ چھوڑی نہیں۔" اذہان حسن بخاری کا اطمینان برقرار تھا۔

"اذہان ـــــ!" اسے متوجہ کرنا چاہا تھا۔ مگر اس نے تب بھی اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

"اذہان! کیا تم میری طرف دیکھو گے ایک بار؟" توجہ چاہی تھی۔

"کیا اپنا گرویدہ بنا لینا چاہتی ہو؟ ـــــ ارادہ کیا ہے؟" جواب اس کے قیاس کے بالکل برعکس تھا۔

"ظاہر ہے، چونکی نہ تو اور کیا کرتی۔

"یہ بات تو مجھے تم سے پوچھنا چاہیے اذہان! کہ ارادہ کیا ہے؟ ـــــ آخر یہ سب کر کے تم کیا ثابت کرنا چاہتے ہو؟ ـــــ کیا مذاق ہے یہ؟" وہ درشت لہجے میں بولی تھی۔

"مذاق نہیں ہے کوئی ـــــ میں واقعی تمہیں گھر لے جا رہا ہوں۔ اور کل کی تقریب تک تم وہیں اپنی سسرال میں رہو گی ـــــ ہاں، انگیج منٹ کے بعد تم واپس آ سکتی ہو۔ اگر تمہارا دل چاہے تو۔" وہ پہلی بار مسکرایا تھا۔

"تم دھونس جما رہے ہو مجھ پر؟"

"اور کیا کروں؟ ـــــ تم نے دوسری کوئی راہ چھوڑی نہیں۔ ممی کو انکار کر کے تم نے توپ کا جو رخ میری طرف موڑا ہے اس کے جواب میں اپنا دفاع مجھے ضروری لگا ہے۔ اگر تم زیادہ من مانی کرو گی تو مجھے یہ فیصلہ بدلنا ہو گا۔" ایک نئی دھمکی دی تھی۔

"کیسا فیصلہ؟ ـــــ یہ کیا دھمکیاں دے رہے ہو تم مجھے؟" وضاحت چاہی تھی۔

"دھمکیاں نہیں ہیں ـــــ اتنا سب کچھ کیا ـــــ عین موقع پر یہ سب ہوتا نہیں دیکھ سکتا۔ تو ٹھان لی ہے۔ اگر تم انگیج منٹ سے دوبارہ انکار کرو گی تو نکاح پکا۔ رخصتی ہم دو چار مہینوں بعد بھی کروا لیں گے۔ کیا خیال ہے، ڈائریکٹ شادی ہی نہ کر لیں؟ دو چار اچھے نکاح رجسٹرار لنک میں ہیں میرے۔ گھر والے نہ مانے تو کورٹ میرج بھی ہو سکتی ہے۔"

اگر یہ مذاق تھا تو سنگین ترین تھا۔ ساہیہ اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

"تم ایک سمجھ دار آدمی ہو......" وہ کہنے جا رہی تھی۔ مگر اذہان حسن بخاری نے اس کی بات درمیان میں ہی کاٹ دی تھی۔

"کیوں، سمجھ دار آدمی کا دل نہیں ہوتا؟" وہ اطمینان سے مسکرایا تھا۔

"کیا میں تم سے پوچھتی ہوں اذہان! کیا بچپنا ہے یہ؟"

"کم آن ساہیہ! شادی کا ڈی سی ژن لینا صاف ظاہر کرتا ہے کہ میں کتنا سمجھ دار ہوں۔" پتہ نہیں وہ سنجیدگی ظاہر کیوں نہیں کر رہا تھا۔ ساہیہ کو اس کے انداز سے بہت الجھن ہوئی تھی۔

"اذہان! گاڑی روکو۔ میں واپس جا رہی ہوں۔" اس نے ایک لمحے میں اپنا فیصلہ سنایا تھا۔ مگر اذہان حسن بخاری نے ایک لمحے میں بنا سوچے سمجھے اس کا فیصلہ رد کر دیا تھا۔

"میں واقعی مذاق نہیں کر رہا ہوں ساہیہ! ـــــ میں نے بچپن میں بچکانہ فیصلہ کبھی نہیں کیا تھا تو پھر زندگی کی اسٹیج پر کوئی امچور ڈی سی ژن کیسے لے سکتا ہوں؟ ـــــ تم سے تعلق بنانے کا فیصلہ میرا

اپنا تھا اور ایسا میں نے بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے۔ اس سے زیادہ میں کچھ کہنا نہیں چاہتا۔"

"مگر تم ایسا کیسے کر سکتے ہو ازہان؟ ——— میں تم سے کوئی بحث کرنا نہیں چاہتی۔ مگر کم از کم تم
وقت تو دو۔ اس لڑکی کے متعلق سوچو تو سہی۔ تم خود سے بھاگ کر کیا ثابت کرنا چاہتے ہو ازہان؟"

"تمہیں لگتا ہے میں خود سے بھاگ رہا ہوں؟" ازہان نے سنجیدگی سے وضاحت چاہی تھی۔

"مجھے لگتا ہے ایسا ہی ہے۔ تمہیں ڈر ہے کہ تم ہار جاؤ گے۔"

"مجھے ایسا نہیں لگتا۔" مضبوط لہجے میں کہتا ہوا وہ اس کی جانب بالکل بھی متوجہ نہ تھا۔

"مگر ایسا ہے ازہان! اور اب تم چپ چاپ گاڑی واپس موڑ دو اور مجھے میرے گھر چھوڑ کر آؤ۔
مذاق نہیں ہے یہ ازہان! میں تنہا نہیں ہوں ——— گھر ہے میرا ——— گھر سے وابستہ افراد ہیں میرے۔
تمہیں میری فیملی پر سٹیج کا خیال کرنا چاہیے۔"

"مجھے اس کا بھرپور خیال ہے ——— احساس ہے ——— بے فکر رہو، میں نے انکلز اور آنٹی
سے بات کر لی تھی۔ تبھی تو تمہیں جب بازو سے پکڑ کر لا رہا تھا، کسی نے روکا نہیں۔" وہ تمام منصوبہ
پہلے سے کیے بیٹھا تھا۔ ساہیہ حیران رہ گئی تھی۔ پھر اسے سمجھاتے ہوئے نرمی سے بولی تھی۔

"ازہان! ——— ایسا مت خیال کرو کہ میں تمہاری دشمن ہوں۔ اگر تم سوچو گے تو تمہیں میں اپنی
اپنی سب سے بڑی خیر خواہ لگوں گی۔ میں کہیں بھاگ نہیں رہی ہوں۔ میں ہوں تمہارے پاس۔
رشتے مذاق نہیں ہیں ازہان! ——— میں نہیں چاہتی ہوں کہ کل تم کوئی ریگریٹ فیل کرو۔ اس وقت
تم ٹھیک پر نہیں سوچ رہے ہو۔ تمہیں گھر والوں کا خیال ہے، معاشرے کا خیال ہے، اپنی فیملی پرسٹیج کا خیال
ان سب باتوں کے بیچ تم خود کہاں ہو؟"

ازہان نے بہت اطمینان سے گاڑی گھر کے وسیع پورچ میں روکی تھی اور اتر کر دروازہ کھولا اور
ہاتھ سے تھام کر باہر نکالا تھا۔

"میں یہاں ہوں ——— تمہارے ساتھ۔" جواب بہت دلکش تھا۔ مگر وہ محظوظ نہیں ہو سکی تھی۔
الجھن کے ساتھ اسے دیکھتی رہی تھی۔

"تم یہ ٹھیک نہیں کر رہے ہو ازہان! ——— ابھی بھی وقت ہے۔ کچھ دنوں کے لیے ——— صرف
دنوں کے لیے یہ سب ملتوی کر دو ——— اپنے بارے میں سوچو ازہان!" درخواست کی تھی۔

"سوچ لیا ہے۔" تسلی سے کہہ کر اس کے ہاتھ کو مضبوطی سے تھام کر وہ اندر کی طرف بڑھا تھا۔
ساہیہ خان کے پاس کوئی چارہ نہیں رہا تھا۔ سوائے خاموشی کے ساتھ قدم اس کے ساتھ اندر کی
بڑھانے کے۔

فارحہ انہیں دیکھ کر چونکی تھیں۔

"لیجیے، حاضر ہے آپ کی بہو ——— سنبھال لیجیے ——— اب کہیں مت بھاگنے دیجیے گا۔ اگر
یہاں سے جاتی ہیں تو یقیناً ذمہ دار میں نہیں ہوں گا۔" رسانیت سے کہتے ہوئے باقاعدہ اس کا ہاتھ
کے ہاتھ میں دے دیا۔

فارحہ نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے اسے دیکھا۔ مگر وہ بہت ملائمت سے مسکرا دیا تھا۔

"بہت تھک گیا ہوں ——— کچھ آرام کرنا چاہتا ہوں ——— آپ اپنی بہو کے ساتھ ضرور پلاننگ کر
سکتی ہیں۔" اطمینان سے کہتا ہوا وہ آگے بڑھ گیا تھا۔ فارحہ نے ساہیہ کی طرف دیکھا تھا اور ساہیہ کچھ کہے
بغیر چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

❊❊❊

دادا ابا کی طبیعت اب پہلے سے بہتر تھی۔ اناہیہ شاہ شام کی چائے انہیں اپنے ہاتھوں سے پلا رہی تھی۔
ازان سید قریب ہی بیٹھا مسلسل بول رہا تھا۔

"شادی سے پہلے کتنا واویلا مچا رہی تھیں نا تم ——— اور شادی کے بعد یکسر ہم سب کو بھول ہی گئی ہو۔
ماؤں کے ——— کتنی بار کہا ——— تب کہیں جا کر آئی ہیں یہ محترمہ۔ ماما! دیکھ رہی ہیں آپ، کتنا بدل
گئی ہے یہ؟"

ماہ وش مسکرا دی تھیں۔ اناہیہ کان بند کیے اپنی ساری توجہ دادا ابا کی طرف مبذول کیے ہوئے تھی۔

"سسرال میں جب زیادہ محبت ملتی ہے تو ایسا ہی ہوتا ہے۔" ماہ وش نے مسکراتے ہوئے بیٹی کے سر پر
ہاتھ رکھا تھا۔

"تم یہ کباب لو نا ——— چکن کے بنائے ہیں ——— تمہیں میٹ، بیف پسند نہیں ہے نا۔"

"جی جی! لے رہی ہوں میں۔" اناہیہ نے جواب دیا تھا۔

"واہ ——— ان کے لیے اتنا خیال کیا جا رہا ہے اور ہماری کچھ پرواہ ہی نہیں ہے۔ ماما! آپ بھی لگتا
ہے صرف بیٹی کی ہی ماں ہیں ——— بیٹے کا کچھ خیال نہیں۔ حالانکہ عموماً مائیں بیٹوں سے زیادہ محبت کرتی
ہیں۔" ازان سید نے شکوہ کیا تھا اور ماہ وش مسکرا دی تھیں۔

"میں ان ماؤں میں سے نہیں ہوں ——— میرے لیے بیٹے بیٹیاں ایک جیسے ہیں۔ تمہارا بھی تو اتنا
خیال رکھتی ہوں۔ اب ماں سے شکوے گلے ہو گئے تمہیں؟"

ازان سید نے اٹھ کر بازو ان کے گرد حائل کر دیے تھے۔

"ارے میں تو مذاق کر رہا تھا۔"

"ہاں، مذاق کر رہا تھا ——— جانتا ہے نا، لڑکی تو آخر ماں، بہن کو ہی دیکھنی ہے۔" اناہیہ نے جواباً
کہا تھا۔ ازان ہنس دیا تھا۔

"ارے یار! ——— کیا رستے زخم پر ہاتھ دھرا ہے۔ درد تازہ ہو گیا ہے۔ کبھی کچھ سنجیدگی سے سوچنا
——— کیسی بہن ہو؟ لڑکی بتا دی، دکھا دی، نام تک بتا دیا اور اس پر بھی اتنی دیر؟ ——— کیسی بہن ہو
مسکراتے ہوئے تیر داغا تھا۔ اناہیہ مسکرا دی تھی۔

"اکیلی ہی بہن ہوں میں ——— تم نے بھی تو توپ پسند کی۔ کوئی لڑکی پسند کی ہوتی تو کوئی بات بھی
اسے راضی کرنا آسان کہاں ہے؟"

"کیا ——— تمہارے لیے بھی مشکل ہے یہ؟ بیسٹ فرینڈ ہے وہ تمہاری۔"

''کس کی بات کر رہا ہے یہ؟'' ماہ وش نے چونکتے ہوئے دیکھا تھا۔

''اسی کی جس کے سحر سے یہ موصوف آج تک نکل نہیں پائے۔ لامعہ حق۔''

''لامعہ؟ ــــ تو کیا برا ہے اس میں؟ ــــ اچھی خاصی لڑکی ہے وہ تو۔ سب سے بڑی بات ہم
دراز کا تعلق ہے۔ یہ کون سی مشکل بات ہے......؟'' ماہ وش مسکرائی تھیں۔ مگر انابیہ نے درمیان میں
ٹوک دیا تھا۔

''مشکل ہے ممی! ــــ اوزی تو ریڈی ہے مگر لامعہ ریڈی نہیں ہے۔'' فوری طور پر وہ انہیں بتا
سکتی تھی۔ نہ سمجھا سکتی تھی۔ اس لئے مختصراً کہہ کر بات سمیٹنے کی کوشش کی تھی۔

''اگر اوزان کو پسند ہے تو کیا حرج ہے؟ ــــ ہم لامعہ کی فیملی سے بات کر کے دیکھ لیتے!
کیوں ابا؟ ــــ ٹھیک کہا نا میں نے؟ ــــ آپ کو کیا لگتا ہے، اوزی نے ٹھیک سوچا ہے؟'' ماہ وش
نے دادا ابا کی رائے چاہی تھی۔

''ہاں ــــ سوچا تو بہتر ہوگا۔ یہ نہ ہو کل کو عامرہ ہم پر کوئی کلیم کر دے۔ آخر بیٹا تو اسی کا ہے۔
اپنی بیٹی کو میں اچھی طرح جانتا ہوں۔''

''آپ اس کی فکر مت کیجئے ابا جی! ــــ عامرہ اور نوید بھائی سے بات میں کر لوں گی۔ لیکن
بات کی داد دینا پڑے گی۔ ہمارے اوزان سید کی پسند ہے اچھی ــــ لامعہ بھی مان جائے تو بہت
جوڑی بن جائے گی۔ شاید یہی ہے خدا کا پوشیدہ فیصلہ۔ انابیہ کی شادی کے بعد میں خود بہت اکیلی
رہی تھی لامعہ کو لے کر۔ لیکن اگر میرے بیٹے سے اس کی شادی ہو جاتی ہے تو یہ ایک پرفیکٹ میچ ہوگا
کہتے ہیں ــــ خدا نے کہیں نہ کہیں، کسی نہ کسی کو، کسی نہ کسی کے لئے ضرور رکھا ہے۔'' ماہ وش خوش
دی تھیں۔

''ہاں ــــ مگر لامعہ کے معاملے میں فی الحال یہ قبل از وقت ہے۔ فی الحال وہ اس کے
نہیں ہے۔'' انابیہ شاہ مسلسل انکاری تھی۔

''یہ تم بہن ہو کر کس قسم کی باتیں کر رہی ہو یار؟ ــــ کہیں تم اس کے لئے خود تو جگہ چھوڑ
نہیں؟'' اوزان سید مسکرا رہا تھا۔

''شٹ اپ اوزی!'' انابیہ شاہ نے مسکرانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے اسے گھورا تھا۔
چہرے کی کیفیت متغیر ضرور ہو گئی تھی۔ اس کے دل کی بات اوزان سید نے کیسے جان لی تھی۔

''کیسی باتیں کرتے ہو تم اوزان! ــــ موڈ خراب کر دیا تم نے بہن کا۔ وہ روٹھ گئی تو وا
آئے گی۔'' دادا ابا نے خدشہ ظاہر کیا تھا۔

انابیہ نے سرنفی میں ہلا دیا تھا اور مسکراتی ہوئی گویا ہوئی تھی۔

''ایسی کوئی بات نہیں دادا ابا! ــــ آپ دیکھئے گا، میں اوزی کی جان کتنی مشکل میں کر
ابھی بدلہ لینے کے کئی موقعے میرے ہاتھ بھی آنے والے ہیں۔ بہن ہونے کے ناطے اس کی شا
ذمے داریاں مجھ پر ہی ہوں گی نا۔ پھر پوچھوں گی۔''

''یعنی تم لامعہ کے لئے جگہ چھوڑنے والی واقعی نہیں ہو؟'' اوزان سید اس کی آنکھوں میں اعتماد سے
دیکھتا ہوا مسکرایا تھا۔ وہ کوئی جواب نہیں دے سکی تھی۔ چائے کا کپ لے کر اٹھی تھی۔ مگر پلٹتے ہی عفنان علی
خان سامنے کھڑا دکھائی دیا تھا۔

''یہاں کون، کس کے لئے جگہ چھوڑنے والا ہے؟'' عفنان علی خان وہاں ہونے والی بات کی
وضاحت کے ضمن میں گویا ہوا تھا اور وہاں موجود تمام افراد ماسوائے انابیہ کے چونکتے ہوئے مسکرا دیے
تھے۔

''ارے عفنان! تو؟ ــــ میرے یار! کیا لمبی عمر ہے تیری ــــ ادھر نام لیا اور ادھر تو حاضر۔
جواب نہیں تیرا میرے دوست!'' اوزان سید نے اٹھ کر باقاعدہ اسے گلے لگا کر بھینچ کر پیار کیا تھا۔ عفنان
علی خان مسکرا دیا تھا۔

''گویا مجھ سے زیادہ بہتر میرا ذکر ہے۔ میں غیر موجود ہوں مگر ذکر موجود ہے۔'' مسکراتے ہوئے
انابیہ شاہ کو بغور دیکھا تھا۔ اوزی مسکرایا تھا۔

''ہاں ــــ غائب دماغ لوگوں کی بستی میں اکثر ایسا ہوتا ہے۔''

''میری بیگم کو غائب دماغ کہہ رہے ہو تم؟'' عفنان نے اسے گھورا تھا اور آگے بڑھ کر دادا ابا اور ماہ
وش کے آگے سر جھکا کر پیار لیا تھا۔

''جیتے رہو بیٹا!'' ماہ وش اور دادا نے دعا دی تھی۔ اوزان ہنس دیا تھا۔

''غائب دماغ تو غالباً آپ کہہ رہے ہیں ــــ میری اطلاع میں ایسے لوگوں کو بدھو زیادہ کہا جاتا
ہے جو لوگ آنکھیں بند کر کے اندھا دھند کسی پر اعتبار کرتے ہیں، انہیں غالباً بدھو کہنا بھی کچھ کم لگتا ہے تمہارا
کیا خیال ہے؟'' اس نے عفنان سے رائے چاہی تھی۔ مگر اس سے قبل کہ عفنان علی خان کوئی جواب دیتا،
انابیہ نے اسے ڈپٹ دیا تھا۔

''شٹ اپ اوزی!''

''آئی تھنک شی از رائٹ۔ میں بھی پروٹیسٹ کروں گا اس کے خلاف۔ ایک ہزبینڈ کے سامنے تمہیں
اس کی وائف کی کمزوریاں گنوانے کا کوئی حق نہیں۔'' عفنان علی خان نے مسکراتے ہوئے سر جھکائے کھڑی
انابیہ کو دیکھا تھا جو اس کی طرف دانستہ دیکھنے سے گریزاں تھی۔ عفنان علی خان بات جاری رکھتے ہوئے
بولا تھا۔

''ایک ہزبینڈ کی گنتی بھی خاصی اچھی ہوتی ہے۔ ٹھیک ٹھاک گن سکتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ بے
چارہ دوسروں کے سامنے اسے گنوا نہیں سکتا۔'' مسکراتے ہوئے رائے زنی کی تھی۔ اوزان سید کا قہقہہ تا دیر
گونجتا رہا تھا۔

''کیا مردوں والی بات کہی ہے۔ ہمت ہے میرے بھائی! ــــ ایک شادی شدہ بندے کو اس ہمت
پر یقیناً ناانصافی ہوگی۔ ہے نا دادا ابا؟'' اوزی بولا تھا۔ دادا ابا مسکرا دیے تھے۔

''بہن کو تنگ مت کرو اوزان سید! ــــ مردوں کی لاج رکھنے کے کئی موقعے اور بھی آئیں گے۔ ابھی

الحال بھائی ہونے کا فرض نبھانا زیادہ ضروری ہے۔" ماہ وش نے بھی تائید کی تھی۔
"میرا خیال ہے ابا جی ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ تم لوگ بیٹھو، باتیں کرو۔ میں عفنان کے لئے چائے کرا آتی ہوں۔"
"آپ بیٹھئے ممی! ــــ میں جاتی ہوں۔" اناہیہ نے انہیں منع کرنا چاہا تھا۔ درحقیقت وہ فرار چاہتی تھی۔
مگر ماہ وش نے اسے روک دیا تھا اور اس کا چہرہ پیار سے تھپتھپاتے ہوئے بولی تھیں۔
"تم عفنان کے پاس بیٹھو۔ وہ تمہارے لئے آیا ہے۔ یہ زیادہ ضروری ہے۔" انداز کم از کم لفظ زیادہ بات سمجھانے والا تھا۔ اناہیہ وہاں سے ہٹنے کا ارادہ کر رہی تھی، مجبوراً دوبارہ وہاں بیٹھ گئی تھی۔
"اب کیسی طبیعت ہے آپ کی دادا جی؟ ــــ آئی ایم سو سوری ــــ میں کل رات آ نہ دراصل دن بھر کی مصروفیات کے بعد اتنا تھک گیا تھا کہ......"
"کوئی بات نہیں بیٹا! ــــ مجھے اندازہ ہے۔" دادا ابا نے کوئی تعرض کئے بغیر کہا تھا۔
"دادا ابا تو اب ٹھیک ہیں ــــ تمہیں کیا ہوا ہے؟ یہ آنکھیں اس درجہ سرخ کیوں ہو رہی نہیں سکے کیا؟" اوزان سید نے دریافت کیا تھا۔
عفنان علی خان، اناہیہ کی طرف ایک نگاہِ خاص ڈالتا ہوا بولا تھا۔
"ہاں ــــ کچھ ضروری کام آن پڑے تھے۔"
اناہیہ مکمل بے نیاز نظر آنے کی کوشش کر رہی تھی۔
"ایسے کون سے ضروری کام تھے کہ نیند تک قربان کر دی؟" اوزان نے وضاحت چاہی تھی۔
"تھے کچھ ایسے ضروری کام بھی۔ جو اس سے پہلے صرف التوا میں پڑے ہوئے تھے رات وقت اور موقع بھی ــــ سو انجام دینے میں وقت نہیں آئی۔" عفنان علی خان مخفی اشاروں میں بات کر
"نہیں بیٹا! ــــ یہ ٹھیک نہیں ہے ــــ سب سے پہلے اپنی صحت ہے۔ اپنا خیال رکھو ہوتے رہتے ہیں۔" دادا ابا نے مسکراتے ہوئے تاکید کی تھی اور عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔
"جی دادا جی! ــــ اب ایسا ہی کروں گا۔" سعادت مندی کی حد تھی۔ نگاہ پورے استحقاق چہرے کو دیکھ رہی تھی۔
"رات وہ موڑ نہ آنے دیتا تو آج زندگی کے مفہوم کو سمجھ نہ پاتا۔ بہت کچھ راز بن کر رہ جا ہمیشہ کے لئے۔" وہ سمجھ میں نہ آنے والی باتیں کر رہا تھا۔
اوزی مسکرا دیا تھا۔
"ایسا کیا تیر مار دیا؟ ــــ کہیں ڈی ٹیکٹیو تو نہیں بن گئے تم؟" عفنان علی خان مسکرا دیا تھا ابا بولے تھے۔
"اوزان! مجھے میرے کمرے تک چھوڑ دو۔ کچھ آرام کرنا چاہتا ہوں۔" پھر عفنان کے ہا رکھتے ہوئے مسکرا کر بولے تھے۔ "معذرت چاہتا ہوں برخوردار! تمہیں کمپنی نہیں دے سکوں گا۔

جب آؤ گے تو انشاء اللہ نہ صرف نشست جمے گی بلکہ چیس کا وہ ادھورا کھیل بھی کھیلیں گے جو ادھورا ڑ دیا تھا۔"
عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔
"جی دادا جی! ضرور۔ آپ ٹھیک ہو جایئے۔ میں ہارنے کو تیار ہوں۔ اپنوں کے ہاتھوں ملی جانے والی میں ایک عجب لطف ہوتا ہے۔ جس کا اندازہ صرف ہارنے والا ہی کر سکتا ہے۔" ایک نگاہ اناہیہ کی طرف لتے ہوئے، مسکراتے ہوئے ذومعنی انداز میں کہا تھا۔ اوزان سید آگے بڑھ کر انہیں سہارا دے کر کمرے طرف لے گیا تھا۔
اس وقت صرف اور صرف وہ دونوں مقابل تھے۔ عفنان علی خان نے اس چہرے کو بھرپور نظروں سے ھتے ہوئے گرفت میں لیا تھا۔
"ماما کہہ رہی تھیں تمہیں لیتا آؤں۔ تیار ہو......" جملہ قصداً ادھورا چھوڑ کر اسے دیکھا تھا۔ اناہیہ شاہ نے پہلی بار ایک دانستہ نگاہ اس شخص پر ڈالی تھی۔ فوری طور پر کچھ نہیں کہہ سکی تھی۔ عفنان علی خان نے موشی سے چند ثانیوں تک اسے دیکھا تھا اور بولا تھا۔
"رہنا چاہتی ہیں آپ؟" پھر بنا اس کے جواب کا انتظار کئے بولا تھا۔
"اگر آپ آج چلیں تو کل صبح میں آپ کو دوبارہ چھوڑ دوں گا اور شام کو پک کر لوں گا۔ اسطرح ماما بھی ش رہیں گی اور شاید آپ بھی۔"
اناہیہ نے کچھ سوچتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تھا۔
"یہاں رہنے میں میری خوشی سے زیادہ میری ضرورت ہے۔ شادی کے بعد ایک لڑکی کی ذمہ داری اپنی فیملی کے لئے ختم نہیں ہو جاتی۔ یہ میرے اپنے ہیں۔" جانے اس نے کیا جتانا چاہا تھا۔ عفنان علی خان نے نرمی سے اس کی طرف دیکھا تھا اور گویا ہوا تھا۔
"ٹھیک ہے ــــ اگر آپ کی ذمہ داری یہاں رہنے سے کسی طرح پوری ہوتی ہے تو آپ شوق سے رہیئے۔ میں ماما کو بتا دوں گا۔" وہ اٹھا تھا جب وہ فوراً بولی تھی۔
"ٹھہریئے ــــ ٹھیک ہے، میں چلتی ہوں۔"
عفنان علی خان نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا تھا پھر سر انکار میں ہلا دیا تھا۔
"نہیں۔ میرا مطلب ہے میں تیار ہوں۔" اناہیہ زور دے کر کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔
ہ وش چائے لے کر آئی تھیں تو اسے اپنے کمرے کی طرف حیرت سے بڑھتا دیکھ کر بولی تھیں۔
"اسے کیا ہوا؟"
"اناہیہ ساتھ چلنا چاہتی ہے۔ حالانکہ میں نے تو منع بھی کیا ہے کہ......" مہ وش مسکرا دی تھیں۔
"تو اس میں اس قدر پریشان ہونے والی بات کیا ہے؟ اسے اپنے گھر تو واپس جانا ہی ہے۔ میکہ تو ف چند لمحوں کے پڑاؤ کی جگہ بن جاتا ہے شادی کے بعد۔ میری بیٹی سمجھدار ہے۔"
عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔

"تم بیٹھو۔ تب تک چائے تو پیو۔" ماہ وش نے لوازمات اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا تھا۔

"جی ــــ" وہ سعادت مندی سے کہتا ہوا بیٹھا تھا۔ اس کے خیال میں اناہیہ فرار چاہتی تھی، وہ اس سے دہ مل لیا تھا۔ ان کی طبیعت اتنی خراب نہ تھی کہ اناہیہ ڈیرہ جما کر وہاں بیٹھ جاتی۔ مگر وہ اسے مزید فرار کا موقع نہیں دے سکتا تھا۔ اس کے مطابق اناہیہ کو وہاں ہونا چاہئے تھا ــــ اُس کے گھر میں ــــ اُس کے آس پاس ــــ اس کی عقل کے بند دروازے کھولنے کے لئے یہ ضروری تھا۔

تھوڑی دیر بعد جب وہ گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر اس کے ساتھ بیٹھی تھی، وہ بہت مطمئن دکھائی دے رہا تھا۔ شاید اسی لئے ہاتھ بڑھا کر پلیئر آن کر دیا تھا۔

کہو اِک دن ــــ
تمہارے پاس جو کچھ بھی ہے
وہ ہمارا ہے
اگر یہ سب کچھ ہمارا ہے تو
ہمیں سونپ دو اک دن
تم اپنا ہاتھ ــــ ہاتھ پر رکھ کے
روح کھینچ لو اک دن
کہو اِک دن ــــ

مغنی کی آواز میں دبی وہ خواہش اناہیہ شاہ کو بالکل بھی پسند نہیں آئی تھی۔ تبھی تو ہاتھ بڑھایا تھا اور دوسرے ہی پل اس آواز کا گلا گھونٹ دیا تھا۔ صفدان علی خان نے اس "اقدام" پر کوئی "احتجاج" نہیں کیا تھا۔ وہ بہت مطمئن اور پُرسکون دکھائی دے رہا تھا۔ ہاں، اس اقدام پر ایک نگاہ اس چہرے پر ضرور ڈالی تھی۔ مگر فوری طور پر ردِعمل دینا ضروری خیال نہیں کیا تھا۔

❋❋❋

میرب سیال نے وہاں پہنچ کر فوری طور پر مائی اماں سے ملاقات کی تھی اور اسے لگا تھا کہ اس نے آ کر ٹھیک ہی کیا تھا۔ کیونکہ اسے دیکھتے ہی اماں کی کیفیت سنبھلنے لگی تھی۔

"کیا ہو گیا؟ ــــ کیا کر لیا مائی؟ ــــ ایک دم اتنا تیز بخار اور اس پر اتنا ہائی بی پی؟ کیا کر لے لی؟" مائی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اس نے اسی لگاوٹ سے دریافت کیا تھا جس کا مظاہرہ مائی اماں نے اس کے لئے کیا تھا۔

مائی اماں مسکرا دی تھیں۔

"اپنی بچی کے لئے اداس ہو گئی تھی۔ بہت دنوں سے تجھے دیکھا نہیں تھا نا۔" مائی اماں نے اس کا محبت سے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا تھا۔ اور میرب سیال مسکرا دی تھی۔ لب بھینچ گئی تھی۔ پھر قدرے توقف سے چہرہ دوسری طرف پھیر کر دوائیاں دیکھتی ہوئی بولی تھی۔

"آپ دوائیاں تو وقت پر لے رہی ہیں نا؟"

"ان دوائیوں کو چھوڑو تم اب ان کی ضرورت مجھے نہیں ہے۔ تم یہ بتاؤ جب میں وہاں نہیں تھی، سبکتگین حیدر نے خیال تو رکھا تھا نا تمہارا؟ تنگ تو نہیں کیا؟" شاید وہ ماں ہونے کے ناطے واقف تھیں بیٹے کے مزاج سے۔ تبھی تو کہہ رہی تھیں۔

"سبکتگین کے بارے میں اکثر لوگ کہتے ہیں کہ اس کا مزاج نہ سمجھ میں آنے والا ہے۔ مگر وہ اس کی وجہ نہیں جانتے۔ میں جانتی ہوں۔ وہ اپنے دل کی بات کبھی کہنے کا قائل نہیں ہے۔ چاہتا ہے جو بھی ہے سب آپ سمجھ جائیں۔ اب سب تو ایسا کرنے سے رہے۔ غیب کا علم ہر ایک کے پاس تو نہیں ہوتا نا۔ مگر یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آتی۔ شروع سے ایسا ہی ہے۔" مائی نے مسکراتے ہوئے اس کے ہاتھ کو ایسے تھام کر اپنے ہاتھ میں رکھا ہوا تھا جیسے وہ چھوڑیں گی تو وہ فوراً وہاں سے اٹھ کر بھاگ جائے گی۔ میرب کو کسی نور شرمندگی نے آن گھیرا تھا۔ کتنے دن سے وہ بلا رہی تھیں اسے۔ پیغامات پہ پیغامات بھجوا رہی تھیں۔ مگر وہ مان نہیں رہی تھی۔ ایک لمحے کو تو وہ شاید خودغرض اور اپنے آپ کو دیکھنے والی بن گئی تھی۔ مائی غالباً واقعی اس سے بہت اٹیچڈ ہو گئی تھیں اور اتنا پیار کرنے لگی تھیں کہ وہ نظر نہیں آئی تو بیمار پڑ گئیں۔ کسی حد تک وہ مائی کی اس کیفیت کی ذمہ دار خود آپ لگی تھی۔

"جانتی ہو، جب وہ چھوٹا تھا تو تب بھی اپنے دل کی بات نہیں بتاتا تھا۔ اپنی پسند، ناپسند ــــ سب دل میں رکھتا تھا۔ کوئی کھلونا اچھا لگتا یا کچھ چاہیے ہوتا تو چپ چاپ جا کر اپنے کمرے میں بیٹھ جاتا۔ اور تب میں سمجھ جاتی کہ اسے کیا درکار ہے۔" مائی اماں، سردار سبکتگین حیدر لغاری کے بچپن کی یادیں تازہ کرتی ہوئی مسکرائی تھیں۔ "ماں ہوں نا ــــ ماں کا دل سب سمجھ جاتا ہے۔ وہ بھی جو کوئی اور نہیں سمجھ سکتا۔"

"آپ نے ٹھان لی ہے کہ ساری باتیں آج ہی کر لیں گی؟" میرب نے محبت سے انہیں دیکھا تھا۔ "کچھ تو حالت سنبھلی ہے۔ پھر بگڑ گئی تو؟"

"کہا نا، اب کچھ نہیں ہوگا مجھے۔ تُو ساتھ ہے نا میرے۔ تیری موجودگی میں بھلا کچھ ہو سکتا ہے مجھے؟" کچھ سوچتے ہوئے وہ مسکرائی تھیں۔ پھر خود ہی بولی تھیں۔

"سبکتگین دیکھ لے تو بہت جیلسی فیل کرے۔ اس سے زیادہ عزیز ہو گئی ہو مجھے۔ بچپن میں جب اس کے اور کزن میری گود میں گھس کر بیٹھ جایا کرتے تھے تو وہ بڑا مان جایا کرتا تھا۔" مائی نے ایک یاد اور تازہ کی تھی۔ میرب مسکرا دی تھی۔

"آپ بے فکر رہیں۔ اس بار انہوں نے خود مجھے آپ کے پاس بھجوایا ہے۔ اصولاً انہیں بالکل بھی برا نہیں ماننا چاہئے کہ اب وہ اکیلے آپ کی محبت کے حق دار نہیں رہے، کوئی اور بھی آ گیا ہے۔" محبت سے جتایا تھا میرب نے۔ مائی مسکرا دی تھیں۔

"سمجھتا ہے وہ۔ تبھی تو تجھے میرے پاس فوراً بھجوا دیا جب تم نہیں تھیں تو دنیا کے کسی بھی کونے سے بھاگا دوڑا چلا آتا تھا۔ اور اب دیکھو، کتنے اطمینان سے وہاں بیٹھا ہے۔ جانتا ہے نا، کوئی ہے اس کے علاوہ بھی جو اس کی ماں کو اتنا ہی عزیز رکھتا ہے۔ اور حق بھی رکھتا ہے۔" مائی نے محبت بھرے لہجے میں جتایا تھا۔ میرب نگاہ چرا گئی تھی۔ ایسا یقیناً نہیں تھا۔ مائی کی غلط فہمی تھی یہ فقط۔ مگر وہ انہیں جتانا نہیں چاہتی تھی تبھی

خاموشی سے سامنے موجود وجود کو خالی خالی نظروں سے دیکھتی رہی تھی۔ مائی کا دل بہت بولنے کو چاہ رہا تھا سو وہ بول رہی تھیں۔

''کیسا لگا تجھے اپنے گھر جا کر؟ ــــــ مظہر میاں آ گئے نا؟ کیسی طبیعت ہے اب ان کی؟''

''سب ٹھیک ہے مائی! پاپا آپ کو پوچھ رہے تھے۔ ابھی تھوڑی دیر قبل بھی فون آیا تھا۔ مگر تب آپ سو رہی تھیں اور میں نے ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں خیال کیا۔''

''چلو پھر بات ہو جائے گی۔ چاہتی تو میں یہی تھی کہ کچھ دن جی بھر کے رہ لے تو وہاں۔ پھر تو تجھے ہمیشہ کے لئے میرے پاس آ جانا ہے۔ ٹھیک ہو جاؤں تو وہاں واپس جا کر مظہر میاں سے رخصتی کی بات کروں گی۔ ویسے بات تو ان کے کان میں تب ہی ڈال دی تھی جب وہ امریکہ میں تھے۔ اب تو باضابطہ تجھے یہاں لانے کی اجازت مانگنی ہے۔'' مائی اماں آنے والے دنوں کی منصوبہ بندی بیان کر رہی تھیں اور وہ جو زبردستی مسکرا رہی تھی، یکدم بجھ کر رہ گئی تھی۔ شاید وہ مائی اماں کو انڈر اسٹینڈ کرنا چاہتی تھی یا پھر جان کر نظر انداز کرنا چاہتی تھی۔

غالباً گی کے متعلق سردار سبکتگین حیدر لغاری نے انہیں کچھ نہیں بتایا تھا۔ یا پھر اگر وہ جانتی بھی تھیں تو اس قصے کو خاطر خواہ اہمیت نہیں دے رہی تھیں۔

''کیا ہوا؟ ــــــ کیا سوچ رہی ہے تو؟'' مائی نے اسے گم صم دیکھ کر دریافت کیا تھا۔ میرب نے چونکتے ہوئے سر آہستگی سے نفی میں ہلا دیا تھا۔

''نہیں ــــــ کچھ نہیں۔''

''اب سو جایئے آپ۔ میں یہیں ہوں، آپ کے پاس۔'' یقین دلایا تھا۔

''اس طرح بیٹھی رہے گی تو تھک جائے گی تو۔ جا ولہ سے کہہ کر میں نے تیرے لئے کمرہ ترتیب دلوا دیا تھا۔ جا، تو بھی جا کر آرام کر لے۔ تھک گئی ہو گی نا۔ کتنی بری ماں ہوں، مجھے دھیان ہی نہیں رہا کہ اتنا دور سے سفر کر کے آئی ہے تو۔''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ سو جایئے۔ میں موجود ہوں۔'' مائی اماں دواؤں کے زیر اثر تھیں۔ آنکھیں بند کی تھیں تو نیند میں جانے میں دیر نہیں لگی تھی۔ بہت جدت کا قائل تھا یہ گھرانہ۔ اپنے پیچھے علاقے میں گھر ہونے کے باوجود جدید آرائش سے مزین تھا۔ گھر اگرچہ کچھ پرانا اور قدیم ضرور تھا مگر بہت مضبوط حالت میں تھا۔ غالباً گین یا پھر مائی اماں یہاں آتے جاتے رہتے تھے، اکثر قیام کرتے تھے تبھی جدید ضروریات زندگی کی ہر شے یہاں موجود تھی۔ آرائش و زیبائش سب کسی ماہر انٹیریئر ڈیزائنر کے ہاتھ کا کمال لگتا تھا۔

مائی کے سونے کے بعد وہ اٹھی تھی اور یونہی چلتی ہوئی وسیع و عریض گھر کا جائزہ لینے لگی تھی۔ راہداری سے گزر رہی تھی تبھی کسی کی آواز اس کے کانوں میں پڑی تھی۔ مگر یہ آواز باتوں یا گفتگو کی نہ تھی۔ غالباً کوئی درد سے سسک رہا تھا۔ اسے گمان گزرا تھا، شاید مائی اماں۔ وہ الٹے قدموں سرعت سے مڑی تھی اور ان کے کمرے کی طرف بھاگی تھی۔ مگر دروازے پر رک کر دیکھنے پر اطمینان ہوا تھا۔ مائی اماں بہت اطمینان

سے گہری نیند سو رہی تھیں۔ تو پھر وہ آواز کس کی تھی؟ ــــــ وہ یکدم چونکی تھی اور مڑ کر قدم واپس راہداری میں ڈال دیئے تھے۔ کچھ ہی قدم چل کر وہ آواز دوبارہ اس کے کانوں میں پڑی تھی۔ اس نے کان لگاتے ہوئے ایک کمرے کے سامنے رک کر ہاتھ ہینڈل پر رکھ دیا تھا۔ دروازہ غالباً لاکڈ نہ تھا تبھی کھلتا چلا گیا تھا اور اس کی نگاہ حیرت زدہ رہ گئی تھی۔

کوئی خاتون زمین پر اوندھے منہ پڑی شدید ترین درد سے نبرد آزما ہوتے ہوئے بری طرح کراہ رہی تھی۔ میرب سیال نے ایک لمحے میں آگے بڑھ کر اسے سہارا دیتے ہوئے اٹھا کر سیدھا کیا تھا۔ اس کے منہ سے غالباً بلیڈنگ ہوئی تھی۔ لبوں سے نیچے تھوڑی اور نیچے گرنے کے باعث آدھا چہرہ اسی خون سے بھرا ہوا تھا۔

''کیا ہوا ہے آپ کو؟ ــــــ یہ خون ــــــ؟''

مگر وہ نحیف و لاغر جسم والی خاتون کچھ نہیں بول سکی تھیں۔ اک نگاہ سے اسے دیکھا تھا اور شدید ترین کھانسنے لگی تھیں۔ میرب سیال کے لئے انہیں اس طرح سنبھالنا دشوار ہوا تھا۔ بہت مشکل سے اٹھا کر اس نے انہیں بیڈ پر ڈالا تھا۔ ایسا کرنے میں اس کی سانس بری طرح پھول گئی تھی۔ مگر اس نے اپنی بے ترتیب ہوتی سانسوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے سرعت سے آگے بڑھ کر کھڑکی کے پردے کھینچ دیئے تھے۔ غالباً کمرے کی گھٹن بھی اس خاتون کی کھانسی کا سبب تھی۔ مگر ان کی کھانسی میں تب بھی کوئی خاطر خواہ فرق نہ پڑا تھا۔

میرب نے ساتھ والے ٹیبل سے ٹشو نکال کر ان کا چہرہ صاف کیا تھا پھر اسی سرعت سے پانی گلاس میں انڈیلا تھا اور گلاس ان کے لبوں سے لگایا تھا۔ پانی سے ان کی کھانسی میں کچھ فرق پڑا تھا۔ مگر اب وہ بہت گہرے گہرے سانس لے رہی تھیں۔

''کیا ہوا ہے آپ کو؟ ــــــ ٹھیک ہیں آپ؟ ــــــ کہیں بے چین ہو رہا ہے آپ کو؟ ــــــ ٹھہریئے، میں ڈاکٹر کو فون کر کے بلاتی ہوں۔'' وہ اٹھی تھی مگر اس کے کانپتے ہاتھ نے ایک لمحے میں اس کا نازک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ میرب نے مڑ کر دیکھا تھا۔ نحیف، کمزور جسم والی خاتون سر نفی میں ہلا رہی تھیں۔

''نہیں ــــــ اس کی ضرورت نہیں ہے۔''

''کیوں ضرورت نہیں ہے؟ اپنی حالت دیکھ رہی ہیں آپ؟'' یہ جانے بغیر کہ وہ کون ہے، کیوں ہے، کس لئے ہے وہ اس کی فکر کرتی ہوئی بولی تھی اور پلٹ کر تیزی سے چلتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔ ڈاکٹر ابھی ابھی اپنا نمبر اس کے پاس چھوڑ کر گیا تھا۔ اس خیال سے اس نے وہ نمبر اپنے سیل میں محفوظ کیا تھا کہ مائی کے سلسلے میں خدانخواستہ ایمرجنسی میں ضرورت پڑے تو وہ فوری طور پر رابطہ کر سکے۔ مگر مائی کے سلسلے میں تو نہیں، البتہ کسی اور کے سلسلے میں اس کی ضرورت پڑ گئی تھی۔ اپنا سیل اٹھا کر اس نے تیزی سے نمبر ملایا تھا اور بولی تھی۔

''ہیلو ڈاکٹر! ــــــ یہاں آپ کی فوری ضرورت ہے۔'' کہہ کر وہ چلتی ہوئی دوبارہ اس کمرے میں آئی تھی۔ وہ خاتون اب بھی اسی طرح گہرے گہرے سانس لے رہی تھیں۔ میرب آگے بڑھی تھی۔

"میں نے ڈاکٹر کو فون کر دیا ہے۔ کچھ ہی دیر میں آ جائیں گے وہ۔ آپ پلیز آرام سے لیٹ جائیے۔" اپنا سیل فون وہاں اس کے سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر اس نے دوبارہ گلاس اٹھایا تھا۔

"پانی اور دوں آپ کو؟" وہ جھجک کر اتنی اپنائیت سے دریافت کر رہی تھی جیسے وہ اس چہرے کو برسوں سے جانتی ہو۔ اس خاتون نے منہ پر ٹشو پیپر رکھ کر کھانستے ہوئے سر انکار میں ہلا دیا تھا۔

"نہیں ——— اس کی ضرورت نہیں ہے۔ شکریہ میں پہلے سے بہتر ہوں۔" اس خاتون نے ایک بار اس کے چہرے کو بغور دیکھا تھا اور کہتے ہوئے آہستگی سے لیٹ کر آنکھیں موند لی تھیں۔ مگر اس کا چہرہ ایک تکلیف اور کرب کے احساس کو نمایاں کر رہا تھا۔ یقیناً وہ ٹھیک نہیں تھیں۔

میرب نے جھجک کر دوسرا کشن اٹھا کر گردن کے نیچے رکھ دیا تھا اور سر قدرے اوپر کر دیا تھا۔

"اس طرح آپ کو سانس لینے میں آسانی رہے گی۔ لیکن آپ نے اس طرح دروازے کھڑکیاں بند کیوں کیے تھے؟" میرب نے دریافت کیا تھا۔ مگر اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ ڈاکٹر آ گیا تھا۔ میرب نے اپنی نگرانی میں ان کا چیک اپ کروایا تھا اور ضروری ہدایات لی تھیں۔

"انہیں ہاسپٹلائز ہونے کی ضرورت ہے۔ یو نو، شی نیڈ اے سینی ٹوریم۔ ایک دو بار پہلے بھی میں ان کا چیک اپ کرنے آ چکا ہوں اور میں نے ان کے ورثاء کو تب بھی تلقین کی تھی مگر انہوں نے غالباً یہ ضروری خیال نہیں کیا۔ اینی ہاؤ، میں نے انہیں انجکشن دے دیا ہے۔ اب یہ کچھ دیر آرام سے سو سکیں گی۔" ڈاکٹر نے اس کے ساتھ چل کر باہر آتے ہوئے کہا تھا۔ وہ چونکی تھی۔

"سینی ٹوریم میں ———؟"

"بالکل ٹھیک سمجھی ہیں آپ۔ ایسی بیماری اور کنڈیشن میں پیشنٹ کو جس طرح کا علاج اور کیئر درکار ہوتی ہے وہ صرف سینی ٹوریم میں ہی پروائیڈ ہو سکتی ہے۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے انہیں کچھ عرصہ وہاں رکھوایا بھی تھا میرے کہنے پر۔ مگر جیسے ہی ان کی حالت سنبھلی یہ دوبارہ یہاں پائی گئیں۔ غالباً انہیں واپس لے آیا گیا۔ دیکھیے، اس بیماری میں بار بار علاج اور ٹریٹ منٹ ادھورا چھوڑ دینے سے مرض اور بھی شدت اختیار کر لیتا ہے۔ اور پھر اس کا علاج اور بھی کمپلی کیٹڈ ہو جاتا ہے اور ان کے معاملے میں ایسا دو چار بار ہو چکا ہے۔ میں کائنڈلی ریکوسٹ کروں گا کہ ایک ڈاکٹر ہونے کے ناطے میرا یہ فرض بنتا ہے کہ میں پیشنٹ کا خیال کروں اور اس کے متعلق اس کے ورثاء کو قائل کروں۔ فار گاڈ سیک، آپ انہیں ہاسپٹلائز کروائیں جتنی جلدی ہو سکے۔ ورنہ ان کی جان کو خطرہ بھی ہو سکتا ہے۔ خدانخواستہ وہ جان سے بھی ہاتھ دھو سکتی ہیں۔" ڈاکٹر نے مکمل صورتحال اور اس کی تفصیل سے آگاہ کرتے ہوئے کہا تھا اور اس کی طرف دیکھا تھا۔

"میں چلتا ہوں اب۔ لیکن دوبارہ اگر میری ضرورت پڑے تو بلانے سے مت چوکیے گا۔" ڈاکٹر خندہ پیشانی سے کہہ رہا تھا۔ میرب نے سر ہلا دیا تھا۔

"جی ضرور۔"

ڈاکٹر چلتا ہوا گاڑی کی طرف بڑھ گیا تھا۔ مگر وہ فوری طور پر وہاں سے موو نہیں کر سکی تھی۔ قدم انجانی

طاقت نے باندھ لئے تھے۔ اب تک جو نہیں سوچا تھا ان سوچوں کی یلغار ہو گئی تھی۔

کون تھی وہ؟

کیا مائی کی رشتہ دار؟ ——— کوئی بہن یا پھر ———

لیکن ڈاکٹر تو سردار سبکتگین حیدر لغاری کا حوالہ دے رہا تھا؟

مگر وہ اس کے ورثاء کی بات بھی تو کر رہا تھا۔ کون تھے اس کے ورثاء جنہوں نے اسے اس طرح تکلیف میں یہاں لا ڈالا تھا۔

کون تھی وہ؟

اور کس بات کی سزا دی جا رہی تھی اسے؟

لیکن وہ جو کوئی بھی تھی، اس کا تعلق اس فیملی سے ضرور تھا۔ مائی اور گین سے ضرور تھا۔ کیا وہی اس کے ورثاء تھے؟ ——— اگر تھے تو وہ اس کے دشمن کیوں تھے؟ اس کی اس حالت کے ذمہ دار کیوں تھے؟ وہ آج اس حال میں کیوں تھی؟ ——— آخر کیا لگتی تھی وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی؟ ——— وہ اتنا لبرل بندہ جو اپنی سوچ میں آزاد ترین تھا، اس سے وابستہ کون سا رشتہ تھا جو اس طرح بند کمرے میں درد کی شدت سے نڈھال خون تھوک رہا تھا؟ ——— کتنی منتشر سوچوں سے الجھتی وہ چلتی ہوئی اس کمرے میں دوبارہ آئی تھی۔ غالباً ڈاکٹر کی فوری دی جانے والی ٹریٹمنٹ کا اثر تھا جو اب وہ خاتون پُرسکون انداز میں سو رہی تھی۔ میرب نے آہستگی سے چلتے ہوئے آگے بڑھ کر سائیڈ ٹیبل سے اپنا فون اٹھایا تھا اور دبے پاؤں واپس پلٹ کر دروازہ بند کرتے ہوئے باہر آ گئی تھی۔

رات لمحہ لمحہ بیت رہی تھی۔ مگر اب نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ سوچ کے کئی زاویے اسے الجھاووں میں ڈال رہے تھے۔ سونے نہیں دے رہے تھے۔

آخر کون تھی وہ؟ ——— اور اس کے متعلق اسے کیوں آگاہ نہیں کیا گیا تھا؟ ——— وہ مسلسل ایک ہی نکتے پر سوچ رہی تھی۔

❄❄❄

مصروفیت کے اہم ترین لمحوں میں سے وقت نکال کر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کا سیل نمبر ملایا تھا۔

"ہیلو۔" وہ دوسری طرف جاگ رہی تھی غالباً اس وقت۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کو سوچ کر حیرت ہوئی تھی۔ وہاں پاکستان میں یقیناً یہ رات کا پہر تھا اور اب تک اس کا جاگنا؟ ——— کیا وہ اس کے معاملات اور تعلقات کے لئے واقعی اتنی کنسرن تھی؟

"ہیلو!" میرب سیال نے اس کے نہ بولنے پر دوبارہ کہا تھا۔

"مائی کیسی ہیں اب؟" اس نے بنا کسی تمہید کے دریافت کیا تھا۔

"ٹھیک ہیں۔" دوسری طرف میرب سیال کا لہجہ پُرسکوت تھا۔ دوری کے باوجود وہ اس کا چہرہ نہ دیکھتے ہوئے بھی اس کی کیفیت پہچان گیا تھا۔

''وہاٹ ہیپنڈ؟ ـــــ ٹھیک تو ہو تم؟'' اس فکر کرنے کا جواز میرب سیال نہیں جانتی تھی۔ مگر
جیسے اس وقت جواب دینا فرض تھا۔

''ٹھیک ہوں میں۔''

''ٹھیک ہو تو جاگ کیوں رہی ہو اس وقت؟'' اس کے لئے یہ کوئی فکر تھی، کوئی کیئر تھی، کوئی کنسرن
پھر محض ایک ڈانٹ ڈپٹ تھی۔ وہ سمجھ نہیں پائی تھی۔

''نیند نہیں آ رہی تو کیا کروں؟'' اس نے شانے اچکا کر ضدی بچوں کی طرح جواب دیا تھا جیسے
وقت اس کے مدمقابل بیٹھا ہو۔

''نیند نہیں آ رہی تو سونے کی کوشش کرو۔'' جیسا سوال تھا ویسا ہی جواب آیا تھا۔ اس شخص کا
پہلے بھی کبھی زمین پر نہیں رہا تھا۔ پھر آج وہ اس سے کیا رعایت اخذ کرتی۔

''ٹھیک ہے ـــــ کرتی ہوں کوشش۔'' اس نے بحث میں الجھنا ضروری خیال نہ کرتے ہو
سعادت مندی سے کہا تھا۔ تبھی اس نے بات بدلتے ہوئے پوچھا تھا۔

''مائی سو رہی ہیں کیا؟''

''ہاں۔'' میرب نے بھی مختصر جواب دیا تھا۔

''ڈاکٹر نے کیا کہا؟ ـــــ کوئی پریشانی کی بات تو نہیں؟'' دونوں فریقین کے لہجے ایک دوسر
کے لیے سرد تھے۔ اس سے صاف ظاہر تھا کہ دونوں کے دلوں میں کچھ نہیں اور فاصلے بدستور قائم
مزید بڑھ رہے ہیں۔

''نہیں ـــــ کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے۔ مائی اب پہلے سے بہتر ہیں۔'' اس نے مطمئن کر
کی اپنی کوشش کی تھی۔

''ڈاکٹر بتا رہا تھا بخار تیز تھا اور بی پی بھی ہائی تھا۔ اب کیا کنڈیشن ہے؟'' وہ تمام باتوں کی تفصیل
سے یوں جاہ رہا تھا جیسے وہ اس وقت ڈیوٹی پر مامور کوئی نرس ہو۔

''بخار کم ہو گیا ہے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے بی پی لیا تھا میں نے۔ 131 تھا۔ اِٹس کوائٹ نارمل؟''
جواب وہ چاہ رہا تھا اس نے ویسا ہی جواب دیا تھا۔ مگر وہ اب بھی مطمئن نظر نہ آیا تھا۔

''ہاں۔ مگر ہائی بی پی ان کی صحت اور جان کے لئے سخت خطرہ ہے۔ ایک دو بار پہلے بھی اٹیکس
ہو چکی ہیں۔'' وہ فکرمند دکھائی دیا تھا۔ اپنے کسی پرسنل افیئر کو لے کر اس کی پہلی بات چیت تھی جو
کے ساتھ انجام پا رہی تھی۔ پہلی بار وہ اسے بہت مختلف لگا تھا۔ اس کا الجھا ہوا لہجہ وہ صاف محسوس کر
تھی۔ شاید اسی لئے اتنی مخالفت ہونے کے باوجود پوچھے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔

''کیسی اسٹرائکس؟''

''پیرالائسز اسٹرائکس۔ ان اسٹرائکس کے باعث پیرالائز ہونے کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔ مائی کو پہلا اٹیک
ہوا تب شروع ہوئے تھے جب پاپا کی ڈیتھ ہوئی تھی۔ حالانکہ اس وقت مائی کی عمر بھی کچھ زیادہ نہیں تھی
وہ سوچتی بہت زیادہ ہیں۔'' وہ اسے اس طرح اپنائیت سے بتا رہا تھا جیسے وہ اس کی بہت اپنی ہو۔

پہلی بار ـــــ پہلی بار میرب کو سردار سبکتگین حیدر لغاری بہت مختلف لگا تھا اس خاکے سے، اس
ہیولے سے بہت مختلف جو اس نے خود آپ اس کے متعلق اخذ کرتے ہوئے مرتب کیا تھا۔ کیا وہ واقعی کچھ
مختلف تھا یا صرف اسے اس وقت لگا تھا؟ سوچ رہی تھی۔ وہ بالکل نہیں سمجھ پائی تھی کہ سوچ یکدم اس کی انگلی
تھام کر اس نہج پر کیوں لے گئی تھی جہاں اس نے پہلی بار اس کے متعلق کچھ پازیٹو انداز میں سوچا تھا۔

''کین یو ڈو می اے لٹل فیور؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے سوچوں سے بیدار کرتے ہوئے
دریافت کیا تھا۔

''وہاٹ؟'' اس نے سوالیہ انداز اختیار کیا تھا۔ ''وچ کائنڈ آف فیور؟'' دریافت کیا تھا سردار سبکتگین
حیدر لغاری سے۔ چند ثانیوں تک جانے کیوں چپ سادھ لیا تھا۔ میرب سمجھی تھی کہ رابطہ منقطع ہو گیا تبھی
وہ بولی تھی۔

''ہیلو ـــــ!''

''یس، آئی ایم دیئر۔'' وہ جیسے اپنی موجودگی ظاہر کرنے کو بولا تھا۔

''مائی کا خیال رکھنا میرب! شی از ویری امپورٹنٹ فور می۔ میری سب سے قیمتی شے ہیں جن کا خیال
تمہیں رکھنے کو کہہ رہا ہوں۔ میں آنے کی کوشش کرتا ہوں۔ ایکچوئیلی یہاں اتنا کام ہے کہ وقت نکالنا مشکل
ہو رہا ہے۔ اور ادھورا کام چھوڑ کر میں آ نہیں سکتا۔ مسٹر جاولہ بھی یہاں نہیں ہیں۔ اور اگر میں وہاں جا کر
انہیں یہاں بھیجتا ہوں تو بہت نقصان ہوتا ہے۔'' کوئی خاص بات کہتے کہتے وہ یقیناً بات بدل گیا تھا۔ مگر یہ
بات بھی یقیناً اہم تھی۔ وہ اسے ماں کا خیال رکھنے کی تاکید کر رہا تھا۔ وہ ماں جو اس کے لئے بہت زیادہ اہم
تھی یعنی وہ اپنی اہم ترین ذمہ داری اسے سونپ رہا تھا۔ وہ بھی درخواست کے ساتھ۔ کیا اتنا اعتبار کرتا تھا
وہ اس پر، اتنی دوری کے باوجود، اتنی مخالفت ہونے کے باوجود، سب سے بڑی اور اہم بات، دل اتنے دور
ہونے کے باوجود؟ میرب سیال واقعی اس لمحے حیران تھی۔ یہ رات کیسی تھی؟ ـــــ اسے حیران سے سوا
حیران کر رہی تھی۔ وہ سوچوں میں اُلجھی تھی اور وہ پوچھ رہا تھا۔

''تم رکھو گی نا مائی اماں کا خیال؟''

''ہاں۔'' اس نے بہت ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا تھا۔

''تھینکس میرب!'' وہ جیسے مشکور ہوا تھا۔ وہ کچھ شرمندہ دکھائی دی تھی۔

''مجھے مائی کی کیفیت کے متعلق اتنا پتہ نہیں تھا۔ اگر معلوم ہوتا تو میں پہلے ہی یہاں آ جاتی جب وہ مجھے
بلانا چاہ رہی تھیں۔'' اس نے برملا اعتراف کیا تھا اور پوچھا تھا۔ ''آپ نے مائی کے متعلق مجھے پہلے کیوں
نہیں بتایا؟''

''کیا بتاتا؟ ـــــ اس سے پہلے یہ ضروری بھی نہیں لگا تھا۔ شاید اس سے پہلے اس کی اتنی ضرورت
محسوس نہیں کی تھی۔ میں جانتا ہوں وہ میرے لئے کتنی اہم ہیں اس لئے کبھی اپنی ذمہ داری کسی اور کو سونپنے کی
نوبت ہی نہیں آنے دی۔''

''تو اب مجھے کیوں سونپ رہے ہو؟'' وہ پوچھنا چاہتی تھی۔ مگر پوچھ نہیں سکی تھی۔

وہ مزید ہدایات جاری کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"مائی کے لئے میں بہت پوزیسو ہوں میرب! اور اس وقت بہت پریشان بھی ہوں۔ تم پلیز وقفے وقفے سے ان کے متعلق مجھے آگاہ کرتی رہنا۔"

"آپ پریشان نہ ہوں۔ میں کردوں گی۔" وہ ایسا کہنا چاہتی تھی مگر رک گئی تھی۔ بولی تھی تو الفاظ تھے۔

"ٹھیک ہے ـــــ کچھ اور؟"

"نہیں۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ایک گہری تھکی ماندی سانس خارج کی تھی اور سلسلہ منقطع تھا۔ مگر فون بند کر کے بھی وہ اسی دائرے میں الجھا رہا تھا۔ اسے خود سمجھ نہیں آیا تھا، اس نے اس وقت کر کے میرب کو ہی کیوں یہ ذمہ داری سونپی تھی۔ کرنے کو یہ تاکید وہ مسز چاولہ کو بھی کر سکتا تھا۔ پھر ہی کیوں؟

"اتنا یقین ہے تمہیں اس پر؟" گی کا کہا گیا ایک جملہ اس کے گرد گونجا تھا۔ لیکن جیسے وہ کان بند کرتے ہوئے ایک اہم ترین فائل نکال کر دیکھنے لگا تھا۔ پھر سیل پر ماتحت کا نمبر ملایا تھا۔

"میٹنگ کا وقت کتنے بجے کا تھا ہارون؟"

"سر! شام سات بجے کا۔"

"اور تم نے مجھے ری مائنڈ تک نہیں کروایا۔ ایجنڈا ریڈی ہے نا؟"

"جی سر!"

"رائٹ۔ کل کی پوسٹ پون ہوئی میٹنگ کا ٹائم بھی ری شیڈول کرواور ایسا آج ہی ہو جانا چاہیے۔ میں کام جلد سے جلد ختم کر کے واپس جانا چاہتا ہوں۔"

"ڈونٹ وری سر! آئی ول مینج دیٹ۔" مطلوبہ جواب ملتے پر اس نے سلسلہ منقطع کیا تھا۔

"گھر بہت سونا ہے گین! ـــــ میرب کے یہاں سے چلے جانے سے جو ویرانی یہاں آئی۔ جب تم یہاں آؤ تو تم بھی اسے محسوس کرو۔" گی ژیانگ کے کہے گئے جملے بازگشت بن رہے تھے۔ بہت الجھے ہوئے انداز میں اٹھا تھا اور دوبارہ نمبر ملا کر فون کان سے لگایا تھا۔

"ظفر! فنانس کی فائل دیکھ لی تم نے؟ ـــــ کل میٹنگ ہے اور میں نہیں چاہوں گا کہ فیگرز کسی بھی طرح سے رونگ ہوں۔" سوچوں کو جھٹلانے کا انداز خوب تھا۔ شاید وہ ان لمحوں کو جھٹلاتا تھا اور فرار کے راستے اختیار کر رہا تھا مسلسل۔ مگر آوازیں تعاقب بن کر اس کے اردگرد تھیں۔

"سارا گھر جیسے اسے تلاش کر رہا ہے گین! ـــــ تم یہاں نہیں ہو لیکن مجھے جانے کیوں تمہارا احساس یہاں وہاں اسے کہیں ڈھونڈ رہا ہے۔"

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے تھک آ کر باہر کا رخ کیا تھا اور چلتے ہوئے ہارون سے رابطہ کیا تھا۔

"ہارون! گاڑی تیار ہے؟"

"جی سر!"

"رائٹ ـــــ تم اپنے روم سے نکلو، میں آ رہا ہوں۔"

"کہیں جانا ہے سر؟ ـــــ میٹنگ تو سات بجے ہے۔" ہارون حیران ہوا تھا۔

"جانتا ہوں، میٹنگ کا ٹائم سات بجے ہے۔ مجھے اسٹاک ایکسچینج جانا ہے۔"

ہارون نے فون بند کر دیا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری گاڑی کی طرف تیزی سے بڑھ رہا تھا جب گی ژیانگ کی آواز اس کے پاس میں آئی تھی۔

"اسے جانے مت دینا گین! ـــــ جانے مجھے کیوں لگتا ہے کہ اگر وہ تمہاری زندگی سے چلی گئی تو بہت بڑا نقصان ہو جائے گا۔ اسے جانے مت دینا گین!" وہ صدا پھر بازگشت بن جانے کو تھی۔ مگر سبکتگین حیدر تمام آوازوں سے جیسے کان بند کرتے ہوئے گاڑی کا دروازہ کھول کر بیٹھ گیا تھا۔

"اسے جانے مت دینا گین!" گی ژیانگ کی آواز بہت تھکی ماندی صدا میں بدل گئی تھی اور بالآخر وہ بوجھل لئے قدموں واپس مڑ گئی تھی۔

❋❋❋

کل شام اس نے کہا تھا کہ وہ اگلی صبح اسے وہاں چھوڑ دے گا۔ انابیہ شاد اس کے آفس جانے سے قبل تیار ہوئی کھڑی تھی۔

"اسعد کا فون آیا تھا ـــــ وہ بھی آ رہی ہے وہاں۔ آپ مجھے چھوڑ دیجئے گا۔ ممی کو فون کر دیا ہے میں انتظار کرتی ہوں گی۔" باقاعدہ آگاہ کیا تھا۔

عفنان علی خان نے ٹائی کی ناٹ باندھتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

"اجازت [illegible] ہوں؟" وہ یوں اجازت چاہ رہا تھا جیسے اب تک سارے کام اسی کی اجازت سے کرتا ہو۔ پوری طور پر اس طنز کو سمجھی نہیں تھی۔ اس لئے بنا کوئی جواب دیے پلٹ کر اپنے ہینڈ بیگ میں کچھ رکھنے لگی تھی۔

"تمہارا آج جانا ضروری ہے؟" عفنان علی خان نے کوٹ پہنتے ہوئے آئینے میں اسے بغور دیکھا جو کل جیسے ترتیب پا چکا تھا۔

"آپ کو بتایا تو تھا اور آپ خود بھی تو مل کر آئے ہیں دادا ابا سے۔ آپ کو نہیں لگتا کہ میری کچھ ضرورت ہے؟" انابیہ نے جتاتے ہوئے کہا تھا۔ عفنان علی خان نے کوئی ردعمل فوری طور پر ظاہر نہیں کیا بلکہ اطمینان سے خود پر پرفیوم اسپرے کیا تھا، بال سیٹ کیے تھے اور پلٹ کر پرسکون انداز سے اسے دیکھا۔

"ٹھیک فرمایا آپ نے۔ غالباً آپ آزاد ہیں یہ فیصلہ کرنے میں کہ آپ کی زیادہ ضرورت کہاں ہے۔ بہرحال کچھ لبرٹی میں بھی تو چاہتا ہوں۔" جانے کس خواہش کا اظہار کیا تھا۔ وہ سمجھی نہیں تھی۔

"کون سی لبرٹی کی بات کر رہے ہیں آپ؟ ـــــ اب اس وقت بحث کا کون سا وقت ہے؟ کل شام کہا تھا کہ آپ مجھے ممی کے ہاں دوبارہ چھوڑ دیں گے۔" خالصتاً بیویوں والا انداز تھا۔

دو ٹم

وہ محظوظ ہوئے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ ایک خفیف سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیل گ
انداز ہ تو نہیں ہوا تھا مگر وہ خجل سی ہو کر چہرہ پھیر گئی تھی۔ وہ چلتا ہوا قریب آ گیا تھا۔
''دانستہ نادانستہ آپ خود کو اس جگہ کا، اس پوزیشن، اس اسٹیٹس کا حصہ سمجھنے لگ گئی ہیں
جیسا حق جتا رہی ہیں آپ۔ کیا سمجھوں میں اسے؟ کوئی کرم یا ستم؟'' بغور اس کی طرف
بڑھا کر اس کا چہرہ اپنی طرف پھیرا تھا۔ انابیہ کوئی جواب نہیں دے سکی تھی۔ اسے اس
چاہیے تھا اور وہ تھی بھی۔
''میں اپنے اور تمہارے درمیان کسی تعلق کی کوئی وضاحت نہیں مانگ رہا۔ صرف ج
آپ نے ایسا کرنا گوارہ کیسے کر لیا؟ انکاری تھیں نا آپ؟ تو اتنی جلدی تسلیم کیسے کر لیا
ہوئے صرف اپنی حیرت بیان کر رہا تھا۔ انابیہ خاموشی سے اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔ کیا کہتی؟
لیے اس کے پاس کچھ نہ تھا۔ وہ شخص یقیناً عجب بات کر رہا تھا۔ یا پھر اسے شرمندہ کرنا چا
معاملے کو وہ طول دینا نہیں چاہتی تھی۔
''عجیب لگ رہی ہے میری بات؟'' وہ جیسے اس کے دل کو سطر سطر پڑھتے ہوئے گویا
چونک کر دیکھا تھا اسے۔ تبھی دروازہ بجا تھا۔ ساتھ ہی انوشے نے با آواز بلند پکارا تھا۔
''بھائی! بھابی!۔۔۔۔ بریک فاسٹ ریڈی ہے۔ ماما آپ کو بلا رہی ہیں۔''
انابیہ نے فرار کی راہ پا کر پہلی فرصت میں سرعت کے ساتھ قدم دروازے کی طرف
تھے۔ مگر عین اسی لمحے عفنان نے اس کی کلائی کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ انابیہ شاہ ٹھہر گ
''میری بات ابھی ختم نہیں ہوئی انابیہ!''
''اور مجھے آپ کی بات قطعی ضروری نہیں لگ رہی۔''
''سنے بغیر آپ کو کیسے اندازہ ہو گیا کہ میری بات ضروری تھی بھی کہ نہیں؟'' ان کے
کر دیے تھے ایک لمحے میں۔ انابیہ شاہ نے لاجواب ہو کر اسے دیکھا تھا۔ وہ زیرِ لب مسکرا
''انابیہ! اہم بات کرنا ہے تم سے۔ بہت ضروری بات۔'' وہ قدم آگے بڑھ کر دہرا رہا
''تو کہیے۔۔۔۔ سن رہی ہوں میں۔'' انابیہ کو مزید فرار مناسب نہ لگا تھا۔ سو دو ساتھ
''ایسے ہی کہہ دوں؟۔۔۔۔ آئی مین اس طرح کھڑے کھڑے؟ بات واقعی معقول
دو گھڑی بیٹھ کر بات کر لیں تو مناسب ہوگا۔'' عفنان علی خان کا اطمینان برقرار تھا۔
''کیا وہ بات اتنی اہم اور ضروری ہے کہ ہم شام تک کا انتظار نہیں کر سکتے؟'' انابیہ
اسے دیکھا تھا۔
''ہاں، یہی سمجھ لو۔''
''تو پھر آپ بول کیوں نہیں رہے؟۔۔۔۔ وقت کیوں گنوا رہے ہیں؟۔۔۔۔
بیٹھ کر سنوں یا کھڑے ہو کر۔ آپ کے لیے۔'' وہ دو ٹوک انداز میں بولی تھی۔ عفنان نے
تھا۔ بلکہ اس کی طرف سے دھیان بھی پھیر گیا تھا۔ پھر آہستگی سے بولا تھا۔

ابی شادی کرنا چاہتا ہوں انابیہ!''
کی حیرت اس کی آنکھوں سے عیاں تھی۔ اسی حیرت کو توڑنے کی کوشش میں وہ گویا ہوئی تھی یا پھر
یقین کرنا چاہا تھا کہ جو اس نے سنا ہے وہ ٹھیک ہے بھی کہ نہیں۔
ہلیکروزی! ہوبات یو سے؟۔۔۔۔ کیا کہا آپ نے؟''
نان نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے اسے شانوں سے تھاما تھا اور سنجیدگی سے بولا تھا۔
ہی جو تم نے سنا۔ میں شادی کرنا چاہتا ہوں انابیہ! تمہارے ساتھ شادی کے فیصلے کو میں غلط نہیں
ر میرے بھی کچھ ارمان ہیں۔ کچھ خواب ہیں۔ ایک اچھی، خوبصورت زندگی گزارنا چاہتا ہوں میں
م از کم ذہنی سکون ہو۔ تھک چکا ہوں میں انابیہ! یہ چوہے بلی کا کھیل کھیلتے کھیلتے۔ شادی بچوں کا
یل ہے۔ ایک ریسپانسبل لائف کا نام ہے شادی۔ اور ہم دونوں اس ذمہ دار زندگی کو نبھانے کو تیار
ں رشتے کو آگے بڑھانے کو۔''
یہ ساکت کھڑی تھی۔ مگر اس کا وجود ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔ عفنان کے ہاتھ اس کے شانوں
ر اسے اس کی کیفیت کا بھرپور اندازہ ہو رہا تھا۔ ان ساکت آنکھوں میں نمی سی تھی۔
اسد بھی نثار ہے اس کے لیے۔ اور ہم دونوں کو تم سے کوئی پرابلم نہیں ہے۔ لامعہ نے تو یہاں تک
ہے کہ اس گھر میں تم ہی رہو گی۔ اس کمرے پر بھی تمہارا حق ہوگا۔ جو ہم رشتہ جوڑنے جا رہے ہیں،
شتے پر ہاتم پر براہِ راست کوئی اثر نہیں کرے گا۔ میری جگہ خود کو تم رکھ کر سوچو گی تو تمہیں یہ فیصلہ حق
ب لگا۔ آئی ہوپ تم میری بات سمجھ رہی ہو۔ ہے نا؟''
انابیہ نے اس سے نظریں چرا گئی تھی۔ آنسو بہہ جانے کو تھے۔ مگر وہ اس شخص کے سامنے ایسا قطعاً نہیں
ا۔
نان علی خان نے بغور اس کے چہرے کو دیکھا تھا۔
ہیں کوئی پرابلم تو نہیں ہے نا میرے اس فیصلے سے؟'' اس کا چہرہ تھام کر اپنی طرف موڑتے ہوئے
کیا تھا۔ انابیہ نے پُراعتماد انداز میں سر نفی میں ہلا دیا تھا۔ اور پلٹ کر چلتی ہوئی وہاں سے نکل گئی تھی۔
نان نے آگے بڑھ کر اسے روکا نہیں تھا۔ پکارا نہیں تھا۔ وہیں کھڑا دیکھتا رہا تھا۔ انابیہ تیزی سے
یاں اتری تھی اور ناشتے کی ٹیبل کے قریب سے گزرتی ہوئی نکل گئی تھی۔ فاطمہ اسے پکارتی
تھیں۔
ابیہ!۔۔۔۔ انابیہ۔۔۔۔!'' وہ پیچھے تک آئی تھیں مگر وہ رکی نہیں تھی۔
پلٹ کر عفنان کے پاس آئی تھیں۔
سے کیا ہوا؟۔۔۔۔ کیا کہا تم نے؟''
ی ڈونٹ نو۔'' اس نے مکمل لاعلمی کا اظہار کیا تھا اور چلتا ہوا آفس کے لیے نکل گیا تھا۔
یا اور ہے اس گھر میں؟'' فاطمہ نے الجھ کر کہا تھا۔

❁❁❁

ساہیہ آئینے کے سامنے بیٹھی تیار ہو رہی تھی۔ تیار کیا ہو رہی تھی، زبردستی کی دھونس یکے سا سنوارا جا رہا تھا۔ اس کے اردگرد ماہرین آرائش کا گھیراؤ تھا۔ جیسے ہی اسے موقع ملا تھا اس نے ایک ایمرجنسی ٹیکسٹ گھسیٹ کر سینڈ کا بٹن دبا دیا تھا۔

"نیڈ ٹو ٹاک ٹو یو۔" ایک لائن کا یہ ٹیکسٹ دوسرے ہی لمحے اذہان حسن بخاری کے سیل فون پر ابھرا تھا۔ مگر اس ٹیکسٹ کو خاطر خواہ اہمیت نہ دیتے ہوئے اس نے سیل کو دوبارہ کوٹ کی جیب تھا اور اس موقع کی مصروفیت کا حصہ بن گیا تھا۔

ساہیہ جانتی تھی کہ وہ اس لمحے فرار چاہ رہا ہوگا۔ تبھی اگلے چند لمحوں میں کوئی جواب نہ پا رہ گئی تھی۔ ماہا اندر سے آئی تھی جب اس نے دریافت کیا تھا۔

"ماہا سویٹی! بھائی صاحب کہاں ہیں تمہارے؟" حلق تک کڑواہٹ گھلی تھی مگر یہ پوچھنا لمحے ضروری تھا۔ ماہا مسکرا دی تھی۔

"بھائی ـــــ وہ تو غالباً گیسٹ کے ساتھ بزی ہیں۔"

"گیسٹ؟ ـــــ گیسٹ آنا شروع ہو بھی گئے؟"

"ہاں ـــــ وقت بھی تو ہو چلا ہے۔ ممی نے یہی وقت دیا تھا تقریب کے آغاز کا۔" ما سے دیکھتے ہوئے بتایا تھا۔ "کیوں، کیا ہوا؟ کوئی پرابلم ہے کیا؟"

ساہیہ مسکرا دی تھی۔

"نہیں ـــــ کوئی پرابلم نہیں ہے۔ میں تو بس یونہی۔ تم ایک کام کرو گی؟"

"ہاں کروں گی۔ مگر ایک بات کہنے کے بعد۔"

"کیا؟" ساہیہ چونکی تھی۔

"آج آپ بہت بہت خوب صورت لگ رہی ہیں۔ بھائی دیکھیں گے نا تو حیران رہ جائیں پاگل ہو جائیں گے۔" ماہا مسکرائی تھی۔ اور مسکرانا ساہیہ پر بھی جیسے فرض ہو گیا تھا۔

"کاش میں اس شخص کا کچھ کر سکتی۔" مدھم لہجے میں وہ دانت پیس کر ہولے سے بولی تھی۔ آل ریڈی ہے۔ کاش! میں ان موصوف کا دماغ کچھ ٹھکانے لگا پاتی۔"

"کچھ کہا آپ نے؟" ماہا کلیئرلی سن نہیں پائی تھی، سو پوچھا تھا۔ مگر ساہیہ نے مسکراتے ہوئے ہلا دیا تھا۔

"میرے گھر سے آ گئے سب؟"

"نہیں ـــــ ابھی ممی کی بات ہوئی ہے ان سے۔ غالباً نکل رہے ہیں سب۔"

"اچھا، پھر تم ایک کام کرو۔ چھوٹا سا کام۔ اپنے بھائی صاحب کو بلا کر لاؤ۔" درخواست باقاعدہ کھلے منہ پر ہاتھ رکھ کر حیران ہوئی تھی۔

"ہا ـــــ اس وقت ملیں گی آپ بھائی سے؟"

"کیوں، اس وقت کیا ہے؟" وہ چونکی تھی۔

"بھول گئیں آپ؟ ـــــ آپ کی انگیج منٹ ہونے جا رہی ہے۔" ماہا نے یاد دلایا تھا۔

"تو پھر؟" وہ چڑ جانے کو تھی مگر اپنا غصہ دباتے ہوئے مسکرا کر بولی تھی۔ "ماہا سویٹی! سمجھنے کی کوشش مجھے ایک ضروری بات کرنی ہے ان سے۔"

"مگر اس طرح ـــــ اس وقت کیسے؟ آئی مین یہ کس طرح پاسیبل ہو سکتا ہے؟"

"کیوں ـــــ امپاسبل کس طرح ہے یہ؟" ساہیہ نے کڑی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ پھر نرمی سے تھی۔ "دیکھو ماہا! ایک پرابلم ہے جو کسی اور سے نہیں کہہ سکتی۔ اینچولی یہ پرابلم صرف تمہارے بھائی کی سمجھ میں آئے گی۔ سو پلیز، میرا میسج انہیں کنوے کر دو۔"

"ٹھیک ہے۔" ماہا فطری نرمی سے مسکراتے ہوئے باہر نکلتی ہوئی اپنے پیچھے دروازہ بند کر گئی تھی۔ ساہیہ بے حد الجھن محسوس کرتے ہوئے پانی کا گلاس اٹھا کر لبوں سے لگایا تھا۔

عجب گھبراہٹ سی ہو رہی تھی۔ وہ پورا گلاس پانی کا پی گئی تھی مگر حلق پھر بھی سوکھا ہوا لگا تھا۔ جھنجلا کر اس گھڑی کی طرف دیکھا تھا۔ ماہا کو گئے بھی کافی لمحے گزر چکے تھے مگر ماہا کے بھائی صاحب کا بدستور اب والی پتہ نہ تھا۔ موصوف بدستور اب تک گدھے کے سر سے سینگ کی طرف غائب تھے۔ ساہیہ کو الجھن ہوئی۔ جانے وہ شخص کیوں نہیں سمجھ رہا تھا۔

سیل اٹھا کر اس نے روانی سے ٹیکسٹ گھسیٹا تھا۔

"کین آئی سی یو؟" مختصر جملہ لکھ کر روانہ کیا تھا۔ اب پتہ نہیں ماہا کے پیغام دینے کا اثر تھا یا اس ٹیکسٹ ہی اتنا موثر تھا کہ اس کے اگلے ہی پل وہ اس کے سامنے تھا۔

"کیا ہوا؟ ـــــ ارادہ بدل لیا کیا تم نے؟ ـــــ کیا براہِ راست شادی کا پروگرام طے ہے؟ میں ممی سے بات کر لوں؟" وہ سنجیدہ نہ تھا۔ اسے بغور دیکھا تھا اور سر تا پا دوبارہ دیکھا تھا۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟" وہ چونکی تھی۔

"اچھی خاصی لگ رہی ہو ـــــ سچ کہوں، پہچانی نہیں جا رہی ہو۔ میں پہلی نظر میں تو یہی سمجھا کہ غلط جگہ آ گیا ہوں۔ مگر مجھے یقین کرنا پڑا، میری ساہیہ جیسی بے وقوف لڑکی اس دنیا میں یقیناً دوسری نہیں ہے۔" وہ اعتراف کرتے ہوئے بولا تھا۔ ساہیہ نے اٹھ کر اپنے بھاری لہنگے کو سنبھالتے ہوئے سامنا کیا تھا۔

"یہ مذاق کا وقت نہیں ہے۔ اپنی اور کسی اور کی زندگی سے مت کھیلو۔ یہ ٹھیک نہیں ہے۔"

"کیا ٹھیک نہیں ہے؟ ـــــ انگیج منٹ تو بہت سے لوگ کرتے ہیں۔" وہ قطعی سنجیدہ ہونے کو تیار نہ تھا۔ وہ زچ ہو کر رہ گئی تھی۔ برہمی سے اسے دیکھا تھا۔

"ان کی زبان سمجھو گے تم؟ ـــــ کس طرح سمجھاؤں تمہیں؟ ـــــ ابھی بھی وقت ہے، تم سمجھ کیوں نہیں لیتے؟"

"کیا کہوں؟ ـــــ مجھے تو اس وقت کچھ دکھائی نہیں دے رہا ہے نہ سنائی۔ سدھ بدھ گنوا رہی ہو، تم اتنی اچھی کیوں لگ رہی ہو؟" اس کے ہاتھوں کو تھام کر اپنی مضبوط گرفت میں لے لیا تھا۔

"او گاڈ ــــ!" وہ بری طرح پریشان تھی۔ الجھی دکھائی دے رہی تھی۔

"اذہان! یہ وقت مذاق کا نہیں ہے۔"

"یہی تو میں بتانا چاہتا ہوں۔ ابھی کسی نے اس طرح اس بند کمرے میں دیکھ لیا تو فسانے بننے لگے گی۔ لیکن اچھا ہی ہوگا۔ سب جان جائیں گے کہ ہم کتنے پیار کرنے والے ہیں۔" وہ اب بھی مائل نہ تھا۔

ساہیہ نے ٹھٹک کر اسے دیکھا تھا۔

"دیکھو اذہان! سمجھو میری بات کو۔ میں غلط نہیں کہہ رہی۔ مجھ سے بڑا خیر خواہ تمہارا یقیناً کوئی اور......" وہ بات مکمل نہیں کر پائی تھی۔ یکدم چکر سا آیا تھا۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا دوسرے ہی پل وہ چکرا کر اس کے بازوؤں میں تھی۔

"ساہیہ! ــــ ساہیہ!" اذہان نے پریشانی سے پکارا تھا۔

ساہیہ خان کے وجود میں حرکت نہیں ہوئی تھی۔

"ساہیہ ــــ!" اذہان نے اس کے چہرے کو تھپتھپا کر اسے ہوش میں لانے کی کوشش ساہیہ اسی طرح بے حس و حرکت اس کے بازوؤں میں پڑی رہی تھی۔ تبھی فارحہ نے دروازہ کھول جھانکا تھا اور چونک پڑی تھیں۔

"کیا ہوا اسے؟"

"پتہ نہیں۔ شاید وہ بکنس ہو جانے کے باعث......" اذہان کوئی مناسب جواز تلاش نہ کر سکا "تم اسے صوفے پر ڈالو۔ میں ڈاکٹر کو فون کرتی ہوں۔" فارحہ بھی پریشان دکھائی دی تھیں نے اپنے بازوؤں میں ساہیہ کے نرم و نازک وجود کو اٹھا کر صوفے پر ڈالا تھا۔ فارحہ ڈاکٹر کو تیزی سے اس کی طرف آئی تھیں۔

"ساہیہ! ــــ آنکھیں کھولو۔" اس کے چہرے کو محبت سے تھپتھپایا تھا۔ "کیا ہوا تھا؟ نہیں کہا؟" فارحہ نے بیٹے کو الزام دیتی نظروں سے دیکھا تھا۔

اذہان نے اس کے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارتے ہوئے دفاعی انداز میں ماں کی طرف

"آپ کو مجھ پر اعتبار نہیں؟"

مگر فوری طور پر اس الزام کے ضمن میں کوئی جواب نہیں آیا تھا۔ فارحہ فکرمندی سے جھکی میں لانے کی کوشش کر رہی تھیں۔

رات بھر وہ سو نہیں سکی تھی۔ مگر صبح وہ مائی اماں کے خیال سے جلدی اٹھ گئی تھی۔ کسی "نلقین" کا اثر نہیں تھا۔ نہ وہ کوئی اچھا "امپکٹ" بنانا چاہتی تھی کسی کی نظر میں۔ وہ بس اپنا فرض نبھا رہی تھی۔ بیان میں جو رشتہ تھا، اسے بھلا بھی دیتی تو اک احساس کا رشتہ تو درمیان تھا نا۔

"اتنی صبح کیوں جاگ گئی تو؟ ــــ سوتی رہتی نا۔ یہ کام دیکھنے کو نوکروں کی ایک فوج موجود ہے۔ تجھے کام کرنے کو یہاں نہیں بلوایا تیری مائی اماں نے۔" وہ ناشتے کی ٹرے کے ساتھ ان کے کمرے میں داخل ہوئی تھی جب وہ بولی تھیں۔

میرب مسکرا دی تھی۔

"نوکروں کے ہاتھ میں وہ ٹیسٹ تو نہیں ہوگا نا، جو آپ کی بیٹی کے ہاتھ میں ہے؟ ــــ اب کیسا محسوس کر رہی ہیں آپ؟" ہاتھ پیشانی پر رکھ کر چھو کر دیکھا تھا اور تسلی بخش انداز میں مسکرا دی تھی۔ "ارے ا ــــ بخار تو سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ گیا۔ لگتا ہے راتوں رات کایا پلٹ گئی۔"

مائی مسکرا دی تھیں۔

"ایک ماں کے لئے سب سے زیادہ قیمتی احساس اس کے بچوں کا ہوتا ہے۔ تو میرے پاس ہے اور آج صبح سبکتگین سے بھی بات ہو گئی۔ اور کیا چاہئے۔"

وہ چائے میں چینی ملاتی ہوئی چونکی تھی۔

"ان کا فون آیا تھا؟"

"ہاں ــــ صبح پہلی بات اسی سے ہوئی۔ بتا رہا تھا ساری رات جاگتی رہی ہو تم ــــ سو نوکروں سے کہہ کر سخت تاکید کروا دوں کہ تمہیں ڈسٹرب نہ کیا جائے۔ اگر میرا خیال رکھتی ہوئی کہیں خود بیمار پڑ گئیں تو؟"

میرب بہ دقت مسکرائی تھی۔

"رات جب فون آیا تھا تو میں جاگ رہی تھی۔ اس لئے انہوں نے کہہ دیا ہوگا۔" اسے کچھ خاص مسرت نہیں ہوئی تھی۔ شاید ماں کو بہلانے کو وہ اسے ایسی توجہ دے رہا تھا۔ یا پھر اس کا "احسان مند" ہو رہا تھا۔ اگر ایسا تھا تو وہ اس پر کوئی "احسان" نہیں کر رہی تھی۔ نہ ہی کوئی ایسا تاثر وہ اس پر باقی چھوڑنا چاہتی تھی۔ اپنی ہی سوچوں سے الجھتے ہوئے اس نے چائے کا کپ مائی اماں کو تھمایا تھا۔ جب انہوں نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"بہت کیئرنگ ہو گیا ہے میرا بچہ۔ سچ پوچھو تو مجھے بھی حیرت ہوئی۔ ایسا نہیں ہے کہ اسے وابستہ لوگوں کی فکر نہیں۔ دراصل وہ اس طرح ظاہری طور پر جتانے کا قائل نہیں ——— تم نے دار بنا دیا ہے میرب! تمہارے اس کی زندگی میں آنے سے اسے ایک احساس نے بیدار کر دیا۔ اپنے آپ کو اور اردگرد کے حالات کو نئے زاویے اور نئے ڈھنگ سے سوچنے لگا ہے۔ تمہارا ایک نئی ذمہ داری کو نبھانے کی طرف پہلا باضابطہ قدم ہے۔"

مائی اسے جانے کیا جتانا چاہتی تھیں۔ مگر وہ کچھ نہیں بولی تھی۔ ایک دھیمی سی مسکراہٹ لبوں اس لمحے انہیں اس بات کا احساس بالکل بھی کروانا نہیں چاہتی تھی کہ جو آپ سوچ رہی ہیں وہ قیاس ہے۔ وہ انہیں جھٹلانا بھی نہیں چاہتی تھی۔ اگر وہ یہی سوچ کر خوش تھیں تو وہ انہیں اس میں رہنے دینا چاہتی تھی۔ بعد کا اسے نہیں پتہ تھا۔ مگر "فی الحال" کے لئے یہ ضروری تھا۔

"کتنی سست لگ رہی ہے تُو ——— ناشتہ کرنے کے بعد آرام کرنے۔ میری فکر اب مت ٹھیک ہوں۔" مائی اس کے لئے فکر مند تھیں۔

"آرام کی ضرورت مجھے نہیں، آپ کو ہے مائی اماں! ذرا طبیعت سنبھل گئی تو اس کا یہ مطلب کہ اب آرام نہیں کریں گی۔ ابھی ان کا فون آ گیا تو کان کھینچیں گے میرے۔ آپ کو تو کچھ کہے نہیں ہوگی موصوف کی۔ لیکن توپ کا جو رخ میری طرف ہو گا اس سے بچنا مشکل ہو جائے گا۔"

مائی اماں مسکرا دی تھیں۔

"اس کی طرف سے تُو فکر مت کر ——— میرے ہوتے ہوئے مجال نہیں اس کی جو تجھے کچھ میرب ان کی تسلی پر مسکرائی تھی۔ تبھی اس کا سیل فون بجا تھا۔ میرب نے سیل اٹھا کر اسکرین نمبر کو دیکھا تھا۔

"کون ہے؟"

"شاہ جنات۔" وہ مسکرائی تھی اور فون کان سے لگا لیا تھا۔

"ہیلو؟" یہ سب کرنا دشوار تھا۔ مگر مائی اماں کے لئے اسے یہ کرنا تھا۔

دوسری طرف سردار سبکتگین حیدر لغاری تھا۔

"مائی اماں کی طبیعت کیسی ہے اب؟"

"ٹھیک ہیں۔ اس وقت ناشتہ کر رہی ہیں ——— بات کرا دوں؟"

"نہیں، بعد میں کر لوں گا۔ ٹمپریچر تو نہیں ہے اب انہیں؟" یہ وہ معمولی باتیں تھیں جنہیں اماں سے بھی پوچھ سکتا تھا۔ پھر اس سے دریافت کرنے کا کیا مطلب تھا؟ ——— سوال میرب اٹھا ضرور تھا مگر کچھ بھی مزید سوچے بغیر وہ بولی تھی۔

"نہیں ——— اب ان کی طبیعت پہلے سے بہتر لگ رہی ہے۔ ابھی ڈاکٹر نہیں آیا۔ مگر میں فون کے بعد انہیں کال کر کے بلواتی ہوں۔ آپ فکر مت کریں۔"

"نہیں ——— اب مجھے اتنی فکر نہیں ہے۔ تم ان کے پاس ہوتا۔ مگر تمہیں بھی آرام کی اتنی ضر

اگر تم خود ٹھیک ہوگی تو تبھی کسی اور کا خیال بھی رکھو گی نا۔"

میرب کے لئے اس کا انداز چونکا دینے والا قطعاً نہیں تھا۔ اگر ایسا کوئی کیئرنگ انداز اپنا رہا ہوں۔" تھا کچھ کہہ رہا تھا تو صرف اپنے مفاد کے ضمن میں۔

"ہاں، کیئرنگ" وہ ضرور تھا مگر صرف اپنی مائی اماں کے لئے ——— وہ اس وقت جو بھی کہہ رہا تھا، جو کر رہا تھا، وہ صرف انہی کے لئے تھا۔ اس سے زیادہ نہ اس کی کوئی حقیقت تھی نہ کوئی وقعت۔ سو وہ تھی۔ نہ کوئی "خوش فہمی" پالی تھی نہ "خوش گمانی" ——— دل ہمیشہ کی طرح خالی تھا اور اب وہ سی جھوٹے "فریب" سے بھرنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ اس کی سوچوں کے برعکس وہ کہہ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے سوچو میرب! ——— مائی کا اس طرح خیال رکھ کر تم نے مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ ہر کے لئے اس کی ماں کی اہمیت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ مگر میں اپنی مائی اماں کے لئے کچھ زیادہ ہی تی اور جذباتی ہوں۔"

"میں نے کوئی احسان نہیں کیا آپ پر۔ مجھے جو ٹھیک لگا میں نے وہی کیا۔ اور اس کے لئے آپ کو کہنے کی ضرورت بھی بالکل نہیں ہے۔" میرب ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے یکسر اجنبی اور کھردرے انداز پر لحہ بھر کو چپ سادھ گیا تھا۔ پھر جیسے تاثر کو زائل کرنے کی کوشش میں فوری طور پر گویا ہوا تھا۔

"اپنی بات، اگر تمہیں زحمت نہ ہو تو کچھ دن مزید مائی اماں کے پاس گزار لو۔ میں جانتا ہوں یہ تمہارے مشکل ہوگا۔ مگر......" پہلے سے والی لگاوٹ دم توڑ رہی تھی۔ بجھا بجھا سا لہجہ ——— اپنائیت کی جگہ یت کا رنگ اوڑھنے کو تھا۔ یقیناً یہ اختیاری ردعمل تھا جو میرب کے رویے پر اختیار کیا گیا تھا۔

"آپ فکر مت کریں۔ میں یہیں ہوں۔ جب تک مائی کی حالت سنبھل نہیں جاتی، میں نہیں جاؤں گی۔" میرب سیال کا لہجہ سرد تھا۔ کسی بھی جذبات سے عاری۔ وہ اس کے ساتھ تعاون شاید نہیں کر رہی تھی۔ احسان بھی جتانا نہیں چاہ رہی تھی۔ غالباً وہ مکمل طور پر "لاتعلق" رہنا چاہتی تھی۔

"رائٹ!" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے جواباً سپاٹ لہجے میں کہا تھا۔ "کسی طرح کی کوئی مشکل پیش یا دشواری ہو، مجھے کال کرنا۔ آئی ایم دیئر۔" جملہ بہت "معمولی" نہیں تھا۔ غالباً خاصی حد تک غیر معمولی" تھا۔ مگر اس لمحے اس کا رنگ بہت پھیکا تھا۔ نہ میرب اس کی حقیقت سمجھنے کو تیار تھی نہ وہ جتانے کا قائل نظر آ رہا تھا۔

"اوکے۔" میرب نے بلاتردد کہا تھا اور دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا تھا۔ میرب خاموشی سے سیل فون لئے کچھ لمحوں تک اسی طرح اس جگہ پر کھڑی رہی تھی۔ پھر چلتی ہوئی دوبارہ مائی اماں کے پاس آ گئی تھی۔ انداز واضح طور پر بجھا بجھا سا تھا۔ جانے کیا بات تھی کہ وہ فوری طور پر اپنے اندر سے اٹھنے والے اس تاثر پر قابو نہیں پا سکی تھی۔ مگر اس لمحے جو ایک سناٹا سا اس کے اندر پھیل رہا تھا وہ اسے محسوس ضرور کر رہی تھی۔

"کیا ہوا؟" مائی نے اس کے چہرے کو بغور دیکھا تھا۔

"نہیں ـــــ کچھ نہیں۔" وہ ان کی طرف دیکھے بغیر سرنفی میں ہلاتی ہوئی ان کی میڈیسن دیکھنے لگی تھی۔

"میڈیسن لے لیجیے آپ۔" پانی کا گلاس اٹھا کر ان کی طرف بڑھایا تھا۔ مائی نے اسے خاموش صرف دیکھا تھا۔ دریافت کچھ نہیں کیا تھا۔ میرب انہیں میڈیسن دینے لگی تھی۔

***

اسے حیرت زدہ ہونا نہیں چاہئے تھا۔ مگر وہ حیران تھی ـــــ حیران سے بھی سوا ساکت تھی۔ جو اس نے سوچا تھا ـــــ جو چاہا تھا ـــــ وہ ایسا ہی چاہتی تھی۔ مگر اب جب ایسا ہوا تھا تو ا کیوں لگا تھا؟ اتنا برا کیوں لگا تھا؟ وہ نہیں جانتی تھی۔

عفنان علی خان نے جو فیصلہ سنایا تھا، وہ ایسا ہی تو چاہتی تھی۔ یہی تو خواہش رکھی تھی اس کے ر وہ لامعہ کو قبول کر لے۔ اسے اپنی زندگی سے نکال باہر کرے۔

یہی تو سوچا تھا اول دن سے ـــــ جب سے اس گھر میں ـــــ اس شخص کی زندگی میں آ تھا، وہ قطعاً اسے اپنا نہیں لگا تھا۔ ہر شے بہت غیر، بہت پرائی لگی تھی۔ تو پھر اب کس شے کے کھو ذرا سے سانس بھی نہیں لینے دے رہا تھا۔

کیا بات ایسی تھی جو اندر ایک شدید تکلیف پہنچا رہی تھی۔

یہ کیسا درد تھا جو اندر پھیل رہا تھا۔

یہ کیسا احساس تھا جو وہ اتنی بے چینی، اتنی اضطرابیت اپنے خون کے اندر دوڑتی بھاگتی محسوس کر ر ان "قربتوں" میں رہ کر بھی کبھی انہیں اپنایا نہیں تھا۔ اپنا جانا نہیں تھا تو پھر اب کس بات کا اس کے اندر بے چینی کو بڑھاوا دے رہا تھا۔

کیا بات تھی کہ کوئی بے خودی سر اٹھا رہی تھی۔

محبت نہیں تھی اسے ـــــ

کرنے کا قصد بھی جب نہیں کیا تھا۔

ارادہ بھی کوئی نہیں تھا۔

تو پھر ـــــ اس شخص کو کیوں اتنا سوچ رہی تھی وہ۔

کیوں ایک ہی خیال سے ڈور بندھ گئی تھی اس کی سوچ کی۔

کئی اہم کام کرتے ہوئے، سب کے ساتھ، سب کے درمیان، مگر وہ خود اپنے ساتھ نہیں تھی۔

"انابیہ ـــــ!" اوزان نے اسے گم صم سا کام کرتے دیکھ کر پکارا تھا۔

دادا ابا کے لیے سوپ نکالتے اس کے ہاتھ واضح انداز میں کانپے تھے اور سوپ چھلک گیا تھا۔ بے بسی سے بنا اس کی جانب دیکھے چہرہ پھیر گئی تھی۔

"انابیہ ـــــ کیا ہوا؟" اوزی نے اسے شانوں سے تھام کر فکر مندی سے دریافت کیا تھا۔

انابیہ نے نگاہ اس پر سے ہٹاتے ہوئے آہستگی سے سرنفی میں ہلا دیا تھا۔

"نہیں ـــــ کچھ نہیں۔"

"ٹھیک تو ہو تم؟ ـــــ یہ کس طرح روبوٹ کی طرح بی ہیو کر رہی ہو؟" اس کی پیشانی کو چھو کر دیکھا ٹھنڈی ہو رہی تھی۔ اوزی اس کا ہاتھ تھام کر اسے کاؤچ کی طرف لے گیا تھا۔ دونوں شانوں پر ہاتھ کر اسے بٹھا دیا تھا۔

"انابیہ! یہ کیا حالت بنا رکھی ہے تم نے اپنی؟ ـــــ چہرہ دیکھ رہی ہو؟ ہوا کیا ہے؟ کیا تم ہمیں کچھ گی؟"

"کچھ نہیں ہوا ہے ـــــ تم خوامخواہ پریشان ہو رہے ہو۔ اور اب پلیز ایسا ویسا کچھ ممی کو بتا کر انہیں پریشان کرنے کی کوشش مت کرنا۔ وہاں دادا ابا سوپ کے لیے انتظار کر رہے ہوں گے اور یہاں تم نے مجھے بٹھا رکھا ہے۔" انابیہ جانے کو اٹھی تھی جب وہ بولا تھا۔

"انابیہ! تمہارا جھگڑا ہو گیا ہے عفنان سے؟"

"جھگڑا؟" وہ چونکی تھی۔ پھر غالباً اسے مطمئن کرنے کو مسکرا دی تھی۔ "ہم دونوں میں کوئی جھگڑا کیوں ہوگا اوزی؟ ـــــ تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ عجیب عجیب باتیں کر رہے ہو۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ ہاں تم مجھے بیمار ضرور کر دو گے۔ میں دادا ابا کو سوپ دے کر آتی ہوں۔"

"عفنان آئے گا تمہیں لینے؟" اوزان نے اس کی پشت دیکھ کر کہا تھا۔

"پتہ نہیں۔" وہ پلٹی تھی۔ شاید بھرم کھونا نہیں چاہتی تھی سو قدم آگے بڑھا گئی تھی۔ اوزی اس رویے کو نظر انداز نہیں کر سکا تھا۔

***

عفنان علی خان خاموشی سے اس کے سامنے بیٹھا تھا۔ لامعہ حق کی نگاہیں اسے بغور دیکھ رہی تھیں۔ غالباً وہ اسے پڑھنا چاہتی تھی مگر ایسا اس کے لیے ناممکن رہا تھا۔ عفنان علی خان اس کے چہرے کے تاثرات کو جیسے پڑھتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

"کیا ہوا؟"

"تم بہت مضبوط اور مشکل انسان ہو عفنان!" لامعہ حق نے مسکراتے ہوئے اعتراف کیا تھا۔

"مجھے پڑھنا چاہتی تھیں؟" عفنان محظوظ ہوا تھا۔

"ہاں ـــــ مگر پڑھ نہیں پائی۔ اب بتا دو تم نے مجھے یہاں کیوں بلایا؟ کوئی کام تھا؟"

"کام؟ ـــــ ہاں، کام ہی تھا۔ تمہاری ضرورت تھی مجھے۔ آئی مین ـــــ ایک اچھی دوست کی ضرورت تھی اس وقت مجھے سو تمہیں بلا لیا۔ کیا غلط کیا؟"

"نہیں، غلط تو نہیں کیا۔ لیکن انابیہ سے بڑھ کر تمہیں کون سمجھ سکتا ہے؟"

"وہ تو نہیں سمجھ رہی۔" وہ روانی سے بولا تھا۔

"کیا نہیں سمجھ رہی؟" وہ چونکی تھی۔

عفنان نے سر افسوس سے ہلایا تھا۔

''وہی جو اسے سمجھنا چاہئے۔ بہت بے وقوف ہے تمہاری دوست۔''

''ایکسکیوزمی!۔۔۔۔ میرے سامنے آپ میری دوست کو برا ہرگز نہیں کہہ سکتے۔'' لامعہ نے ہوئے باور کرایا تھا۔ عفنان مسکرا دیا تھا۔ پھر چند ثانیوں تک چپ سادھنے کے بعد گویا ہوا تھا۔

''لامعہ! وہ واقعی بہت بے وقوف ہے۔ وہ ایسی غلطی کرنے جا رہی ہے جس کے متعلق تم سوچ سکتیں۔''

''کیا کرنے جا رہی ہے وہ؟'' لامعہ حق نے چونکتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

''مجھے خود سے جدا کرنے جا رہی ہے وہ۔ بے وقوف ہے۔ مجھ پر اب تک اپنا کوئی حق نہیں مجھے اپنا نہیں سمجھتی۔۔۔۔ اسے لگتا ہے لامعہ! میں اس کے پاس کسی اور کی امانت ہوں۔''

''کس کی؟'' لامعہ کی آواز اسے خود اجنبی لگی تھی۔

''تمہاری۔۔۔۔'' عفنان علی خان نے پرافسوس انداز میں خالی کپ دور اچھالتے ہوئے دیکھا تھا۔ ''لامعہ! یور فرینڈ از اے اسٹوپڈ گرل۔ شی کوان میڈ۔ کوئی بات اس کی عقل میں نہیں آتی اسے تم۔ شادی کے پہلے دن سے باور کرایا ہے اس نے مجھے کہ میں اس کا نہیں ہوں۔ میں اس بار کا ایک جذباتی فیصلہ سمجھا تھا۔ مگر وہ لڑکی۔۔۔۔ جانتی ہو تم لامعہ! وہ اس سب کا ذمہ دار بھی مجھے جو اس کے ساتھ ہوا۔ وہ سمجھتی ہے وہ سب میں نے اس لئے کروایا کہ اسے حاصل کر سکوں۔ نا۔۔۔۔ اور اب وہ مجھے اس لئے چھوڑنا چاہتی ہے تاکہ میں تمہیں اپنی زندگی میں جگہ دے ایڈمٹ۔۔۔۔ نہیں جانتی، زندگی ایسے احمقانہ فیصلوں پر نہیں گزاری جا سکتی۔'' وہ بول رہا تھا۔ ساکت اسے دیکھ رہی تھی۔ عفنان علی خان نے رک کر اس کا ہاتھ تھاما تھا اور نرم لہجے میں بولا تھا۔

''وہ پاگل ہے لامعہ! تم اب تک اپنی زندگی میں مجھے ڈھونڈتی ہو۔ وہ ایسا سمجھتی ہے لامعہ! کہ رائٹ پرسن۔ اس کے لئے نہ اپنی ذات اہم ہے نہ میری۔۔۔۔ بے وقوف ایک ہی ڈگر پر سوچتی تم سے دوستی میں اتنی اندھی ہو گئی ہے کہ اسے نہ اپنی زندگی دکھائی دے رہی ہے نہ میری۔ وہ امپورٹنس دینے کی قائل نہیں۔ مگر وہ یہ بھی بھول گئی ہے کہ میں کیا چاہتا ہوں۔ میں کیا سوچتا ہوں لئے کیا اہم ہے۔۔۔۔ کیا ضروری ہے۔۔۔۔ اگر میرے لئے تم ضروری ہوتیں لامعہ! تو میں تمہیں اپنی زندگی سے باہر نہیں کرتا۔ میں اس سے محبت کرتا ہوں اور وہ یہ بات آج تک سمجھ نہیں پائی۔ ہے اگر میں یہ بات اسے چیخ چیخ کر بھی کہوں گا تو وہ تب بھی نہیں مانے گی۔ کیونکہ وہ اتنی ہٹ دھرم ضدی ہے کہ اپنی دوستی سے آگے اسے کچھ دکھائی ہی نہیں دے رہا۔ وہ صرف تمہاری آنکھوں میں خوشی دیکھنا چاہتی ہے۔ کیونکہ وہ خود کو تمہارا مجرم سمجھتی ہے۔ اسے لگتا ہے لامعہ! اس نے تمہارے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ مگر وہ نہیں جانتی، وہ خود اپنے ساتھ بھی اچھا نہیں کر رہی۔ اپنے ساتھ کیا، وہ میرے ساتھ بھی زیادتی کر رہی۔۔۔۔ وہ مجھے ایک انسان سے زیادہ ایک شے سمجھ رہی ہے۔ اس نے مجھ سے جھوٹ کہا کسی اور سے محبت کرتی ہے۔ صرف اس لئے کہ وہ مجھے سزا دینا چاہتی تھی۔ تمہیں چھوڑنے کی بھی اپنانے کی بھی۔ تمہیں یہ سب اس لئے بتا رہا ہوں کہ اس معاملے میں تم بھی شریک ہو، مکمل طور پر

''میں۔۔۔۔ میں کہاں۔۔۔۔؟'' لامعہ نے حیرت سے ساکت چہرے سے اسے دیکھتے ہوئے مدھم لہجے میں دریافت کیا تھا۔

''تم ہو لامعہ!۔۔۔۔ تم ہمارے قصے کا حصہ ہو۔۔۔۔ ہماری زندگی کا حصہ ہو۔ نہ چاہتے ہوئے بھی تم ہمارے درمیان ہو۔''

''اور کیا چاہتے ہو تم؟'' اس کی طرف دیکھے بغیر، نظریں چرائے وہ اتنے مدھم لہجے میں بولی تھی کہ خود اپنی آواز اسے بہت دور سے آتی ہوئی لگی تھی۔ عفنان مسکرا دیا تھا۔

''تھینک گاڈ، تمہیں تو یہ یاد رہا کہ میں بھی کچھ چاہ سکتا ہوں۔ میری بھی کوئی مرضی ہو سکتی ہے۔ تم یہ چھوٹی سی بات اپنی اس مہان دوست کو بھی سمجھانا۔ اسے بتاؤ یہ جو بے چارہ سا بندہ عفنان علی خان ہے نا، تم سے محبت کرنے کی گستاخی کر چکا ہے۔ مگر یہ قصور اتنا بڑا نہیں کہ تم اس سے فیصلہ کرنے کا حق بھی چھین لو، سوچنے کا حق تھوڑا سا اسے بھی دے دو۔ آخر اتنی رعایت کا حق دار تو ہوں میں۔'' عفنان علی خان کا لہجہ بھرا تھا۔ وہ اپنا غصہ کسی سمت تو نکالنا چاہتا تھا۔ اس کے سامنے ضبط لازم سہی، مگر لامعہ کے سامنے تو کوئی قدغن نہ تھی۔

لامعہ اس کے جواب میں کچھ نہیں بولی تھی۔ نظریں پھیر کر لاتعلق سی بیٹھی رہی تھی۔

''تم چاہتے ہو میں اسے سمجھاؤں؟'' عفنان کی سمت دیکھے بغیر کہا تھا۔

''تم ایسا کوئی کارنامہ سرانجام دے سکتی ہو؟'' وہ مسکراتے ہوئے بدستور طنز بھرے جلے کٹے انداز میں گویا تھا۔ لامعہ نے خالی خالی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ عفنان علی خان نے اپنا دوسرا ہاتھ بھی اس کے ہاتھ پر رکھ دیا تھا۔

''اگر تم یہ معجزہ کر سکتی ہو تو کر دو لامعہ! کوئی ایسا کرشمہ اس زمین پر دیکھنا چاہتا ہوں میں جب وقت میرے حق میں ہو جائے اور وہ مجھ پر مہربان ہو جائے۔ کچھ اور نہیں تو اعتبار ہی کر لے۔ اک ذرا سا اعتبار۔ مگر وہ تو وہ بھی کرنے کو تیار نہیں۔ کتنا خالی شخص ہوں میں۔۔۔۔ کس قدر ہارا ہوا۔۔۔۔ آج تک سب اس سے بھی نہیں جیت سکا۔ ہونا تو نہیں چاہئے، مگر جانے کیوں مجھے تم سے بہت حسد محسوس ہوتا ہے۔ تم پر بہت اعتبار کرتی ہے وہ۔ اس کی عظمت کی حد دیکھ لو، تمہیں اپنا شوہر انعام میں سونپ دینا چاہتی ہے۔ دوستی کی کتنی اعلیٰ مثال قائم کرنا چاہتی ہے نا۔ کیا تم بھی اس کی اتنی ہی اچھی دوست ہو جتنی کہ وہ تمہاری؟'' عفنان علی خان بظاہر مسکراتے ہوئے مذاق سے گویا تھا۔ مگر لامعہ حق کے چہرے کی کیفیت متغیر ہو گئی تھی۔

''ایکسکیوزمی!'' غالباً برا مانتے ہوئے وہ چہرہ پھیر گئی تھی۔ عفنان مسکرا دیا تھا۔

''آئی ایم سوری!۔۔۔۔ غالباً مجھے تم دونوں کی دوستی پر شک کرنے کا کوئی حق نہیں۔ مگر......''

''اٹس او کے۔'' لامعہ کہتی ہوئی اٹھی تھی۔ ''چلتی ہوں اب۔''

''میری مدد نہیں کرو گی؟'' عفنان نے اسے دیکھا تھا۔ نظروں میں جانے کیوں حیرت نہیں تھی۔ لامعہ نے لبوں پر زبان پھیر کر جیسے انہیں تر کیا تھا پھر جیسے بمشکل بولی تھی۔

''تمہیں جس طرح کی بھی مدد درکار ہوگی، مجھے بتا دینا ـــــ میں ہر طرح سے تم دونوں کے ساتھ ہوں۔ رک کر تم سے مزید بات کرتی، مگر میری ایک ضروری اپائنٹمنٹ ہے۔ آئی ایم سوری، زیادہ وقت نہیں دے پائی۔ لیکن میں نے تمہیں بے توجہی سے نہیں سنا ـــــ دوبارہ جب بھی ضرورت ہو، بلا لینا۔''

وہ اٹھی تھی اور چلتی ہوئی وہاں سے نکل گئی تھی۔ عنفان علی خان گاڑی میں آن بیٹھا تھا۔

❋❋❋

ساہیہ خان جلد ہوش میں آ گئی تھی اور اس نے تقریب جاری رکھنے کا عندیہ بھی دے دیا تھا۔ ڈاکٹرز کے جانے کے بعد فارحہ نے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''نہیں بیٹا! ـــــ اگر تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں تو ہم ملتوی کر دیتے ہیں۔ کچھ بھی تم سے زیادہ نہیں۔'' فارحہ نے اس کے گرد اپنا بازو حمائل کرتے ہوئے کہا تھا۔ ساہیہ نے جواباً اذہان کی طرف دیکھا اور اپنا سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''نہیں آنٹی! ـــــ آئی ایم او کے ناؤ ـــــ کچھ ایسی بھی طبیعت خراب نہیں ہے میری۔ پلیز، میری ماما کو اس کے بارے میں کچھ مت بتائیے گا۔ وہ خواہ مخواہ پریشان ہو جائیں گی۔'' لہجہ نڈھال تھی۔

''میں دیکھ کر آتی ہوں، وہ لوگ آئے یا نہیں۔ اذہان! تم یہیں رہو اس کے پاس۔ خیال رکھنا، آتی ہوں۔''

''ممی! میرا خیال ہے کہ آپ اس منگنی کو ملتوی کر دیجیے۔'' اذہان نے ایک لمحے میں فیصلہ کرتے کہا تھا۔ ساہیہ نے حیرت سے اس شخص کو دیکھا تھا۔

''ڈونٹ بی اسٹوپڈ اذہان! ـــــ میں ٹھیک ہوں اب۔ ذرا سی بے ہوش کیا ہو گئی تم نے تو حد کر دی۔ آنٹی! آپ جائیے، آئی ایم فیلنگ گڈ ناؤ۔''

فارحہ کچھ کہے بغیر باہر نکل گئی تھیں۔ اذہان کچھ کہے بغیر چلتا ہوا فریج کے پاس جا رکا تھا۔ اس کے لیے جوس گلاس میں نکالا تھا اور پلٹ کر دوبارہ چلتا ہوا اس کے پاس آن رکا تھا۔

ساہیہ نے سر اٹھا کر دیکھا تھا۔ وہ اس کی طرف بنا کچھ کہے، مخاطب کیے گلاس بڑھانے لگا۔ ساہیہ نے گلاس اس کے ہاتھ سے تھام لیا تھا۔

''تھینکس۔''

''یو آر ویلکم۔'' اذہان سعادت مندی سے کہہ کر اس کے پاس کاؤچ پر بیٹھ گیا تھا اور بنا اس کی طرف متوجہ ہوئے جیسے کسی فیصلے پر پہنچنے کی سعی کرنے لگا تھا۔

''کتنا عجیب ہو رہا ہے نا سب کچھ۔'' بہت آہستگی سے وہ مسکرایا تھا۔ ''شاید زبردستی کا انجام ہے۔ مجھے کوئی حق نہیں تھا تم پر اس طرح دھونس جمانے کا۔ آئی ایم سوری ساہیہ!''

ساہیہ کا دل کٹ کر رہ گیا تھا۔

''تم مجھے خود سے پرایا کر رہے ہو اذہان!''

''نہیں، تمہیں خود سے الگ رکھ کر سوچ رہا ہوں۔ اب درست زاویے سے دیکھ بھی رہا ہوں اور سمجھ بھی۔'' اذہان کا انداز بجھا بجھا سا تھا۔

''ایسا مت کہو ایسے اذہان!'' ساہیہ نے اپنا سرد سا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا تھا۔ اذہان نے سر اٹھا کر دیکھا تھا۔

''میں تمہارے ساتھ ہوں اذہان! ـــــ ہر قدم پر ـــــ ہر موڑ پر ـــــ جہاں تمہیں میری ضرورت پڑے ـــــ میں ساتھ ہوں۔ مگر میں صرف تمہیں خوش دیکھنا چاہتی تھی ـــــ تمہیں وہ موقع دینا چاہتی تھی جو زندگی نے تمہیں دیا اور پھر چھین لیا۔ میں وہ نا انصافی تمہارے ساتھ دوبارہ دہرانے دینا نہیں چاہتی تھی اذہان! جو تم نے پہلے ایک بار اپنے ساتھ کی۔''

اذہان اس کی طرف دیکھے بغیر اپنے ہاتھوں کو پھیلا کر دیکھتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔ انداز بہت بجھا بجھا سا تھا۔

''مجھے نہیں پتہ ساہیہ! قسمت کیا ہوتی ہے۔ بنی ہوتی ہے، لکھی ہوتی ہے یا ہم خود لکھتے اور بناتے ہیں۔ میں واقعی کچھ نہیں جانتا۔ پتہ نہیں ان لکیروں کی کوئی حقیقت ہے بھی کہ نہیں۔ مگر میں ایک بات جانتا ہوں، زندگی میں جو کچھ ہوتا ہے، یونہی نہیں ہوتا۔ ہر بات کا سبب ہوتا ہے ساہیہ! یہ الگ بات ہے کہ ہم وہ بات سمجھ پائیں یا نہیں۔ بعض اوقات نہیں سمجھ پاتے تو خود کو الزام دیتے ہیں۔ روتے ہیں، پیٹتے ہیں۔ مگر اس سے صورتحال بدل نہیں جاتی۔ بعض دفعہ سمجھ لیتے ہیں تو صبر کر لیتے ہیں۔ مگر ایک بات طے ہے، ہمیں کسی بات پر اختیار نہیں ہے۔ بہت سی چیزوں کو ہم ہونے سے نہیں روک پاتے۔ چاہتے ہوئے بھی نہیں۔ اور بہت سی چیزوں کے ہونے کی خواہشوں میں آس باندھتے پھرتے ہیں اور کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ ایسا کیوں ہوتا ہے ساہیہ؟'' اذہان حسن بخاری کا لہجہ بے بسی سے چور تھا۔

''میں جانتی ہوں اذہان! ایسا ہوتا ہے۔ اور ایسا ہم سب کے ساتھ ہوتا ہے۔ تم تنہا نہیں ہو، نہ میں تنہا ہوں۔ ہم میں سے ہر کوئی خواب دیکھتا ہے، ہر کوئی پانا بھی چاہتا ہے۔ مگر سب کے لیے سب کچھ حاصل کر لینا ممکن نہیں ہوتا۔ تم نے ٹھیک کہا۔ بہت کچھ ایسا زندگی میں ہوتا ہے جو ہم نہیں چاہتے۔ اور بہت کچھ وہ نہیں ہوتا جو ہم چاہتے ہیں۔ جب بہت سی تبدیلیاں ہماری مرضی کے بغیر ہماری زندگی میں آ سکتی ہیں تو پھر کچھ تبدیلیاں ہماری اپنی مرضی سے کیوں نہیں، جب قسمت کے اچھے یا برے کو ہم تبدیل کر سکتے ہیں، قبول کرتے ہیں تو پھر اپنے اچھے یا برے فیصلوں کو کیوں نہیں؟'' ساہیہ رکی تھی۔ مگر اذہان کچھ نہیں بولا تھا۔

''ایک بات کہوں اذہان! ـــــ میں اس لمحے شاید لکی ہوں۔ میرے ساتھ وہ ہونے جا رہا ہے جس کی ممی نے خواہش کی تھی۔'' وہ سر جھکائے جوس کی گلاس پر نظریں جمائے، مجرمانہ انداز میں اس گھڑی بول گویا تھی جیسے اس نے کوئی عظیم گناہ کر دیا ہو۔ اذہان نے اس کی طرف دیکھا تھا مگر وہ چونکا قطعاً نہیں تھا۔ وہ گفتگو جاری رکھتے ہوئے بولی تھی۔

''تم سوچ رہے ہو گے میں یہ سب تمہیں کیسے بتا رہی ہوں؟ اذہان! تم میرے سب سے اچھے دوست

ہو اور دوست سے کبھی کچھ چھپایا نہیں جا سکتا۔ جیسے تم مجھ سے کبھی کچھ نہیں چھپاتے۔"

"تو تم اس موقع سے فائدہ اٹھانے کے لئے تیار ہو؟" اذہان نے اس کے موڈ کے خیال سے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ غالباً وہ اس لمحے کی کثافت کو ختم کرنا چاہتا تھا۔ ساہیہ مسکرا کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"تمہیں آزاد چھوڑ دینا چاہتی تھی۔ مگر اب سوچتی ہوں، یہ مناسب نہیں ہو گا۔ وقت اگر دے رہا ہے تو مجھے فائدہ لینا چاہئے۔ سو وقتی طور پر تمہیں اپنے پلو سے باندھ رہی ہوں۔ مگر تم ہو، جب دل چاہے خود کو میرے اس پلو سے کھول کر آزاد کر لینا۔" وہ مسکرائی تھی۔

اذہان بھی مسکرا دیا تھا۔

"یہ بھی صرف اس لئے کر رہی ہوں کہ تم کسی اور ہاتھ میں نہ پہنچ جاؤ جو تمہیں بعد میں اڑا سکے۔ اب ہر کوئی ساہیہ جیسا تو نہیں ہو سکتا نا۔"

"ہاں واقعی۔" وہ مسکرایا تھا۔ "ٹھیک کہا تم نے —— اب ہر کوئی ساہیہ جیسا تو نہیں ہو سکتا۔ ساہیہ جیسی بے وقوف تو دنیا میں ایک ہی آئی ہے۔" وہ اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے مسکرایا تھا۔ اسے گھورا تھا۔ وہ بنا نوٹس لئے اس کا ہاتھ، ہاتھ میں لے کر اسے بغور دیکھتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

"تو تم نے طے کر لیا ہے، بعد میں جو بھی ہو گا تم اسے قبول کرو گی۔ یعنی میں زندگی کی کوئی آرام سے اختیار کر سکتا ہوں، ٹھیک؟"

"ٹھیک۔" ساہیہ مسکرائی تھی۔

"اور تم برا نہیں مانو گی؟" سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"بالکل بھی نہیں۔" ساہیہ مسکرائی تھی۔

"کوئی واویلا بھی نہیں کرو گی؟"

"اوں ہوں۔" ساہیہ نے یقین دلانے کو مسکراتے ہوئے سر انکار میں ہلایا تھا۔

"ہاؤ سویٹ —— تم ایک مرد کو اتنی نرمی دینے والی دنیا کی پہلی لڑکی ہو گی ساہیہ! —— دنیا میں کوئی اور لڑکی واقعی ایسا نہیں کر سکے گی۔ آئی ایم امپریسڈ۔ آئی ایم رئیلی ویری امپریسڈ تمہیں میں کس میوزیم میں اٹھا کر رکھ آؤں؟"

"میوزیم کیوں؟" ساہیہ نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

"آپ جیسی چیزیں جو بہت نایاب ہوتی ہیں نا، انہیں ہمارے یہاں میوزیم نامی ایک جگہ رکھا جاتا ہے۔ اس لئے پوچھنا ضروری خیال کیا، آپ کو کس میوزیم میں رکھواؤں؟" مسکرایا ہوا تھا۔

"تم مجھے عجوبہ کہہ رہے ہو؟" ساہیہ مسکرائی تھی۔ بنا برا مانے۔

"کہہ رہا ہوں؟ میں واقعی سمجھ رہا ہوں۔ ایک ونڈر کو اگر میں ونڈر نہیں کہوں گا تو مجھے خود اپنی دماغی کیفیت پر حیرت کرنا پڑے گی۔"

"اذہان! اِٹس ٹو مچ ہاں؟" وہ اپنے دفاع میں مسکراتے ہوئے اسے گھورنے لگی تھی۔ "ویسے مادام تساؤ میوزیم اچھا ہے —— وہاں موم سے بنے مجسمے رکھے جاتے ہیں۔ اور میں آل ریڈی موم سے بنی ہوں۔" مسکراتے ہوئے وہ کہیں سے بھی کچھ دیر قبل والی ساہیہ نہیں لگ رہی تھی جو نقاہت اور کمزوری کے باعث بے ہوش ہو گئی تھی۔ شاید وہ لڑکی بہت بہادر تھی۔ یا پھر اس موم کی لڑکی کا دل واقعی ہوا تھا۔ اذہان اسے دیکھتے ہوئے مسکرا دیا تھا اور وہ اپنے ازلی شگفتہ انداز میں کہہ رہی تھی۔

"فارحہ آنٹی بتا رہی تھیں تم نے انگیج منٹ رنگ بدلوا دی۔ کنجوس، ایک ہی بار تو انگیج منٹ ہونا تھی، روز تو نہیں۔ کتنا ننھا سا دل ہے تمہارا۔ تم مردوں پر کبھی اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔"

اذہان مسکرا دیا تھا۔

"ہاں —— میں نے رنگ چینج ضرور کی ہے۔ مگر اس رنگ سے زیادہ مہنگی منتخب کی ہے۔ وہ رنگ والی تھی ساہیہ! تم ویٹ پٹ آن کرنا بند کرو گی تو اور بھی مشکلات ہوں گی۔" شرارت سے چھیڑا تھا۔

"واہ —— کیا جواز تلاشا ہے۔ یعنی آج رنگ بدلی، کل مجھے ہی بدل دو گے۔ میں نے کہا تھا نا تم مردوں کا کچھ اعتبار نہیں۔" اس کے الزام کے باوجود اذہان مسکرا دیا تھا۔

کچھ دیر بعد جب وہ اس کے ہاتھ کی انگلی میں انگیج منٹ رنگ پہنا رہا تھا تو وہ مسکرا دی تھی۔

"تم نے اچھا کیا —— وہ رنگ میری انگلی میں فکس نہیں تھی۔ اِٹس مور کمفرٹیبل اینڈ بیوٹی فل۔" پتہ نہیں کیوں وہ اتنا مسکرا رہی تھی۔ اتنا بول رہی تھی جیسے وہ کسی سناٹے کا گلا گھونٹنا چاہتی تھی یا پھر وہ خوش تھی۔

اذہان نے سب کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اس کا ہاتھ ہاتھ میں لیا تھا اور مسکرا دیا تھا۔

"تم میرے لئے دنیا میں سب سے زیادہ اہم ہو ساہیہ!"

مختصر سا جملہ اس کی سماعتوں کو سونپ کر وہ رسمی طور پر تقریب میں مدعو مہمانوں کے ساتھ مصروف ہو گیا۔ ساہیہ کئی لمحوں تک اس جملے کے حصار سے باہر نہیں آ سکی تھی۔

❋❋❋

ائی اماں نے اسے سونے کی تاکید کی تھی مگر وہ ان کی ہدایت پر عمل نہ کرتے ہوئے باہر آ گئی تھی۔ کچھ دیر تک سیڑھیوں پر خالی دماغ کے ساتھ بیٹھی رہی تھی۔ پھر یک دم رات کا خیال آیا تھا۔ تمام واقعات یاد آنے لگے۔ وہ نحیف تھکا ماندہ چہرہ نظر آیا تھا اور وہ فوراً اٹھ کر اندر کی طرف چل دی تھی۔ دروازے کے باہر رک کر اس نے ہینڈل پر ہاتھ رکھا تھا۔ دروازہ کھلا چلا گیا۔ میرب نے اندر جھانکا تھا۔

وہ خاتون بستر پر اوندھی پڑی تھی۔ کوئی اور وقت ہوتا تو وہ دستک دیے بغیر اس کمرے میں داخل ہرگز نہ ہوتی۔ مگر وہ رات جس طرح کی حالت میں انہیں دیکھ چکی تھی، وہ جانتی تھی کہ وہ اس وقت بھی یقیناً اچھی حالت میں نہیں ہوں گی۔

اور اب کمرے میں داخل ہونے کے بعد اس نے دیکھ بھی لیا تھا۔ وہ بنا مخاطب کئے، بنا پکارے ان کی طرف بڑھی تھی اور ہاتھ سے ان کے چہرے پر سے بال ہٹاتے ہوئے انہیں سیدھا کیا تھا۔ خاتون جاگ رہی تھیں۔ اس کی اس حرکت پر بہت آہستگی سے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا تھا۔

"ٹھیک ہیں آپ؟" بنا کسی تخاطب کے میرب نے پوچھا تھا۔ خاتون نے سر آہستگی سے اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"رات دوبارہ تکلیف تو نہیں ہوئی آپ کو؟" میرب مسکراتے ہوئے نرمی سے یوں گویا تھی جیسے ان کے چہرے کو برسوں سے جانتی ہو۔ اس خاتون نے اٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کی تھی مگر نقاہت اور ... کے باعث ایسا آسان نہیں لگا تھا۔ میرب نے بروقت ان کی مدد کی تھی اور انہیں بٹھا کر ان کے ... دیئے تھے۔ پہلے سوال کا جواب نہیں آیا تھا اور وہ دوبارہ پوچھ رہی تھی۔

"ناشتہ تو یقیناً نہیں کیا ہوگا آپ نے۔ میں کسی سے کہتی ہوں۔" وہ پلٹنے کو تھی جب خاتون نے اسے روک دیا تھا۔

"نہیں ____ فی الحال کچھ بھی کھانے کا موڈ نہیں۔ جب ضرورت ہوگی میں کہہ دوں گی۔"

میرب نے پلٹ کر ان کے چہرے کی طرف دیکھا تھا اور چلتی ہوئی ان کے قریب آن رکی تھی۔

"موڈ کبھی بھی بنتا نہیں ہے، بنانا پڑتا ہے۔ اور کھانے کے لئے تو یوں بھی موڈ سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔" وہ اپنائیت سے مسکرائی تھی۔

وہ خاتون بھی مسکرا دی تھیں۔

"وہی تو کہہ رہی ہوں ____ مجھے ابھی بھوک نہیں ہے۔" خاتون نے اسے نرمی سے دیکھا۔

"بھوک نہیں بھی ہے تو آپ کو کچھ کھانا ضرور چاہئے۔" میرب نے پلٹ کر دروازہ کھولا اور آواز دے کر ملازم کو خاتون کے لئے ناشتے کا کہا تھا اور پلٹ کر دوبارہ ان کی طرف آئی تھی۔

"آپ فریش ہوسکتی ہیں یا میں آپ کی مدد کردوں؟"

اس کی پیشکش پر خاتون نے بنا چونکے اس کی طرف دیکھا تھا۔ نظر بھرپور جائزہ لیتی تھی۔

"تم گین کی دلہن ہو؟" خاتون نرمی سے مسکرائی تھیں۔

"ہاں۔" میرب نے یوں اقرار کیا تھا جیسے کوئی جرم قبول کیا ہو۔

خاتون نے اس کو بغور دیکھا تھا اور نرمی سے مسکرائی تھیں۔

"مجھے اندازہ تھا۔"

"کس بات کا؟" میرب چونکی تھی۔

"گین کی دلہن اتنی ہی خوبصورت ہوسکتی تھی۔" وہ اپنے قیاس کے صحیح ہونے پر ...

میرب فوری طور پر کچھ نہیں کہہ سکی تھی۔

"گین کی زندگی کا حصہ بنی ہو۔ بہت لکی ہو تم۔ بہت نفیس چیزوں کو جگہ دیتا ہے وہ زندگی میں۔ ناپسندیدہ چیزوں کو اپنے ساتھ جوڑے رکھنے کی اس کی عادت نہیں۔ بہت شفاف قسم کا بندہ ہے۔ بہت صاف ستھری نیچر ہے اس کی۔ وہ پیدائشی بلند نظر ہے۔ وہ دنیا میں آیا ہی صرف اس ... سمتوں کو ڈس کور کرے۔ نئے نئے تجربات حاصل کرنا اس کا خاصا ہے۔ اگر کبھی کہیں کسی جگہ ... تو سمجھ لینا، وہ گین کی ذہنی صلاحیتوں کا بھرپور اظہار ہوگی۔ وہ نئی جہتوں کا بندہ ہے۔

... اس کا خاصا ہیں۔ جیسے اس نے تمہیں ڈس کور کیا ہے۔ تم نے شاید کچھ غور سے اب تک تمہیں ... تم اس کا پرفیکٹ میچ ہو۔ لگتا ہے ساری دنیا ڈھونڈ کر نکالا ہے اس نے تمہیں اپنے لئے۔" وہ خاتون ... اتے ہوئے یوں کہہ رہی تھیں جیسے وہ میرب کو بہت اچھی طرح سے اور ایک عرصے سے جانتی ہوں۔ ... تی تو وہ غالباً سردار سبکتگین حیدر لغاری کو بھی تھیں۔ کتنی وضاحت سے اس شخص کا ذکر کر رہی تھیں۔

میرب سیال چونکے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔

"گین کو بہت اچھی طرح جانتی ہیں آپ؟" اس کا انداز سوال سے زیادہ حیرت لئے ہوئے تھا۔ ان ... نے بلا تردد سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"تم نہیں جانتی اسے؟" ان خاتون نے الٹا اس پر سوال داغ دیا تھا جس میں حیرت ہی حیرت تھی۔ ... کو اس طرح کے سوال کی امید نہیں تھی۔ سو جہاں وہ اس سوال پر بھونچکی رہ گئی تھی، وہیں اک احساس ... وا تھا کہ وہ درحقیقت اس کے (اس شخص) کے کتنے قریب ہے۔ ایک "تیسری سمت" سے آتے ... سوال کی وضاحت وہ برملا نہیں دے پائی تھی۔ سو کیا "حقیقت" تھی ان کے "تعلق" کی۔ اور کوئی حقیقت تھی بھی یا کہ نہیں۔

"لگتا ہے تم ابھی گین کو اتنی اچھی طرح سے نہیں سمجھ پائی ہو۔" خاتون نے اپنی بلوریں آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے اخذ کیا تھا۔ انداز میں حیرت سے زیادہ غالباً افسوس تھا۔ غالباً میرب کی بے وقوفی کا ... اس انہیں ہوا تھا تبھی ملامت سے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھتے ہوئے وہ بولی تھیں۔

"گین بہت اچھا ہے۔ بہت ہی نرم اور اچھے دل کا مالک۔ وہ میری دانست میں اس دنیا کا خوبصورت ... ال رکھنے والا شخص ہے۔ اسے سمجھنا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ بس ایک اچھا دل ہونا شرط ہے۔ لگتا ... تم نے زیادہ وقت نہیں گزارا اس کے ساتھ۔ پھر تم دونوں کے بیچ محبت کیسے ہوئی؟"

"محبت؟" میرب سیال چونکی تھی۔ حیرت کا مقام تھا اس کے لئے۔ محبت ان دونوں کے بیچ کہاں تھی؟ ان خاتون کا قیاس اس معاملے میں غلط تھا۔ یہ کوئی بھی گین کی لگتی تھیں، اسے بہت زیادہ تو جانتی ہی ... اسے حد سے زیادہ رعایت دینے کی بھی قائل نظر آرہی تھیں۔ مگر شاید گین کو اس طور جان نہیں پائی ... جس طور اس نے جانا اور سمجھا تھا۔ غالباً وہ اسے کسی اور رشتے کے رخ سے دیکھ رہی تھیں۔ تعلق اور ... شتوں کے اس زاویے سے جہاں سردار سبکتگین حیدر لغاری صرف اچھا اور صرف اچھا ہی لگ رہا تھا۔ ... رشتے سے اس نے اسے دیکھا تھا، برتا تھا، اس تعلق کی کسوٹی پر وہ یقیناً اس طور پورا نہیں اترا تھا۔ مگر وہ ... اتون کو بروقت جھٹلا نہیں سکتی تھی۔ مگر وہ جس طرح حیرت سے اب تک انہیں دیکھ رہی تھی اس بات ... ان نحیف چہرے کو ایک بار پھر مسکرانے پر مجبور ضرور کر دیا تھا۔ اپنی بجھی بجھی آنکھوں کو اس کے روشن ... رے پر ٹکاتے ہوئے وہ بولی تھیں۔

"گویا ____ محبت نہیں کرتی ہو تم اس سے؟ ____ اگر تم نہیں کرتی ہو تو وہ تو ضرور کرتا ہوگا تم ... تبھی تو تمہیں اس ساری دنیا میں سے چن لیا۔ محبت اور نفرت کے معاملے میں بہت کھرا ہے وہ۔ اس ... زندگی میں صرف وہی چیزیں ہیں جن سے وہ محبت کرتا ہے ____ جو اسے پسند نہیں اس کے لئے اس

کی زندگی میں بھی کوئی جگہ نہیں۔ ایسی فضول چیزوں کو "ٹریش" کرنے میں دیر نہیں کرتا وہ۔ تمہیں تو نہیں کہ تم اس کی زندگی میں اہم نہیں ہو۔ کیا اس نے تمہیں کبھی بتایا نہیں کہ وہ تم سے کتنی محبت کر سوال دلچسپ ضرور تھا مگر میرب کا چہرہ اس گھڑی اتنا ہونق تھا کہ اس سوال سے محظوظ بھی نہیں ہو سکی

"تم اس قدر حیران کیوں ہو؟ ___ کیا کبھی پوچھا نہیں تم نے اس سے؟" زیادہ نہیں مگر عجیب ہو گی اسے تم سے۔ کیا تم اس بات سے ناواقف ہو؟ ___ عورت تو محبت کے حوالوں کو بتا دیتا ہے۔ کیا اس کی آنکھوں میں تمہیں کبھی رنگ دکھائی نہیں دیئے؟ مجھے واقعی حیرت ہو رہی ہے۔ کچھ اپروچ والا بندہ دل کی دل میں دبانے کا قائل ہرگز نہیں ہے۔ نفرت ہو یا محبت، وہ برملا اس کا اظہار ہے۔ پھر اس نے تمہیں اب تک کچھ کیوں نہیں بتایا؟ اس کے تو رویے بھی اس کے جذبات کرتے ہیں۔ وہ کب خوش ہے، کب ناخوش، کون سی بات اسے اچھی لگ رہی ہے، کون سی بری بہت چھوٹے چھوٹے زاویوں سے بھی دیکھو تو وہ کھلتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ حیرت ہے، تم نے اب غور سے نہیں دیکھا؟"

"ہماری لو میرج نہیں ہے۔" میرب سیال نے بول کر ان کے سارے تاثر کو اور اب تک زائل کرنا چاہا تھا۔ مگر وہ خاتون اس کا چہرہ ہاتھ میں لیتی ہوئی مسکرا دی تھیں۔

"محبت کیا صرف شادی سے پہلے ہی ہوتی ہے؟" ان خاتون کا سوال اسے چاروں شانے تھا۔ وہ جو بہت پُراعتماد انداز میں دور کی کوڑی لائی تھی، اب حیرت سے سوا انداز میں ان کی طرف تھی۔ اور وہ خاتون جیسے اس کی بے وقوفی کو جانتے ہوئے مسکرائی تھیں۔

"محبت دکھائی دینے والی شے نہیں ہے ___ پوشیدہ رازوں میں دبی بہت راز کی بات محبت ___ کان، کان سے نہ کہے ___ زبان بولے یا نہ بولے، اسے فرق نہیں پڑتا۔ محبت چپ میں بولتی ہے۔ کبھی سننا ہو تو چاروں طرف سے اپنی آنکھیں بھی بند کر لو اور کان بھی اور صرف دھڑکنوں کو غور سے سنو۔ یہ تمہیں سنائی بھی دے گی اور دکھائی بھی ___ تب تم اسے ہاتھ بڑھا سکو گی اور محسوس بھی کر سکو گی۔ محبت ایسی ہی انوکھی، عجیب کتھا ہے ___ کبھی سمجھ میں آ جائے بالکل نہیں آتی۔ مگر تم اس معاملے میں پھر بھی لکی ہو۔ تم اس کے ساتھ ہو جو تمہارے ساتھ ہے اے لکی گرل۔" پتہ نہیں وہ اس سے ایسی باتیں کیوں کر رہی تھیں۔ دروازے پر دستک ہوئی تو سیال جو ساکت سی کھڑی تھی اس کے وجود میں حرکت ہوئی تھی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تھا۔ نوکر کے لئے ناشتہ لے آیا تھا۔

"آپ کا ناشتہ آ گیا ___ آپ اب تک فریش نہیں ہوئیں۔" کھوئے کھوئے سے لہجے تھی اور خاتون مسکرا دی تھیں۔

"شاید کچھ غلط کہا میں نے۔ سبکتگین حیدر لغاری مسٹ بی اے لکی پرسن۔ تم اس کے ساتھ اس کی زندگی میں ہو۔ یوں تو کوئی خلا اس کی زندگی میں نہیں تھا۔ لیکن اگر ایسا کچھ تھا بھی تو تم اسے کر چکی ہو۔" وہ مسکراتے ہوئے اس کا چہرہ تھپتھپا کر واش روم کی طرف بڑھ گئی تھیں۔

میرب نے اپنے پتھر سے وجود کو بہ مشکل حرکت دے کر ملازم کی طرف دیکھا تھا۔

"ہم اس بریک فاسٹ کو وہاں ٹیبل پر لگا دو۔ اور بی بی سے پوچھ لینا، انہیں کسی اور شے کی ضرورت تو

میرب سیال کے لئے وہاں مزید ٹھہرنا محال ہو رہا تھا۔ وہ کہہ کر چلتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔ وہ سینے پر رات کا بوجھ ہٹانے گئی تھی۔ اک اسرار، ایک بھید کو جاننے گئی تھی۔ مگر اک مزید بھید میں الجھ کر رہ گئی۔ اسے یہ تو ہرگز پتہ نہیں چلا تھا کہ وہ کون تھی۔ مگر اس گفتگو نے اسے پتھر ضرور کر دیا تھا۔ دل پہلے تو "عذاب" میں مبتلا نہ تھا۔ اب حالت حد سے سوا ہو گئی تھی اور اس تشویش ناک کیفیت میں وہ تنہا دل کے ساتھ اس کمرے میں بند ہو گئی تھی۔

کیا فقط سردار سبکتگین حیدر لغاری؟

"حقیقت کیا تھا وہ؟ ___ کیوں سب اسے صرف اس زاویے سے دیکھتے تھے جہاں سے وہ صرف ایک "مہان" دکھائی دیتا تھا۔ اس زاویے سے سب اسے کیوں نہیں دیکھتے تھے جہاں کھڑی وہ اسے دیکھ رہی تھی؟

کیا اس "سمت" میں کھڑی "واحد فرد" کیوں تھی؟

"سب رائٹ سمت پہ تھے یا وہ ہی غلط سمت پر کھڑی تھی؟ وہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہوئے مزید الجھتی گئی۔

"اپنے دہی کو کھٹا کوئی نہیں کہتا۔" مثل مشہور تھی تو کچھ سچائی بھی تو ضرور تھی۔ نانی اس کی اپنی تھیں، وہ نانی کوئی قریبی رشتے دار تھیں۔ پھر انہیں اس میں کوئی عیب کیسے دکھائی دے سکتا تھا؟

"غلط سمت پر نہیں، درست سمت پر کھڑی اسے دیکھ رہی تھی اور یہاں سے جو اسے دکھائی دے رہا تھا عمل "منظر نامہ" تھا۔ یہی اصل سردار سبکتگین حیدر لغاری تھا۔

فون خاصی دیر سے بج رہا تھا۔ میرب نے سیل اٹھا کر اسکرین پر نمبر دیکھا تھا اور پھر سیل سوئچ آف کر دیا۔

***

"آٹھ بج گئے ___ عفنان تمہیں لینے نہیں آیا؟" ماہ وش نے فکرمندی سے دریافت کیا تھا۔ مگر انابیہ کچھ نہیں کہہ سکی تھی۔

"کیا ہوا؟ ___ خیریت؟ کہیں تم دونوں میں کوئی جھگڑا تو نہیں ہو گیا؟" ماہ وش بخاری نے فکر سے دریافت کیا تھا۔

"نہیں ___ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" انابیہ نے فوری طور پر صحیح جواب دینا ضروری خیال کیا تھا۔

"تو پھر فون کر دو اسے، بلاؤ۔ اتنا وقت ہو گیا ہے، آیا کیوں نہیں وہ اب تک؟"

ماہ وش کی تشویش عروج پر تھی۔ انابیہ حالات معمول پر ظاہر کرنے کو بامشکل مسکرائی تھی۔

"کیا! کیا اب میں بوجھ بن گئی ہوں آپ پر؟ کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ؟ صبح وہ مجھے خود چھوڑ کر گئے تھے۔ فکرمندی کی بات کیا ہے؟" اس نے اپنی دانست میں انہیں مطمئن کرنا چاہا تھا مگر ماہ وش بخاری

پہلے سے زیادہ تشویش سے بیٹی کو دیکھنے لگی تھیں۔

''انابیہ! بیٹا زندگی کے لئے اتنا کیئرلیس رویہ اچھا نہیں ہوتا۔ تمہیں سمجھنا چاہئے۔ رشتوں سے لاتعلقی اچھی نہیں ہوتی۔'' ممی نے دباؤ ڈالا تھا۔ انابیہ مجبوراً اٹھ کر فون کی طرف آئی تھی۔ تبھی چونکی تھی۔ سامنے وہ اوزان سید کے ساتھ آتا دکھائی دیا تھا۔ انابیہ نے کسی قدر حیرت سے اسے دیکھا۔ خود بھی امید نہیں تھی کہ آج وہ آئے گا۔ صبح جو کچھ اس نے کہا تھا، اس کے بعد کیا جواز باقی بچا تھا یہاں آمد کا؟ کیا وہ بھی رکھ رکھاؤ کا اتنا قائل تھا کہ ''رسم'' نبھانے آ گیا تھا؟—— انابیہ ریسیور ہاتھ میں لئے اس کی طرف دیکھ رہی تھی جب وہ قریب آتا اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا تھا۔

''کیا ہوا؟—— اتنی پریشانی کس لئے؟—— کیا میری فکر ستا رہی تھی؟'' وہ اپنا بیہ طرح گویا ہوا تھا جیسے ان کے درمیان کچھ عجیب ہوا ہی نہ ہو۔ انابیہ کی آنکھوں میں واضح حیرت تھی۔

''تم نے اپنا سیل سوئچ آف کیوں کر رکھا تھا؟—— میں کب سے ٹرائی کر رہا تھا۔ لیٹ ہو گئے نا غالباً؟'' اسے کہہ کر وہ ماہ وش کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

''السلام علیکم ممی! کیسی ہیں آپ؟''

''میں ٹھیک ہوں۔ ابھی میں یہی کہہ رہی تھی انابیہ سے کہ تمہیں فون کرے۔''

''جی بس، وہ ایک میٹنگ میں پھنس گیا تھا۔ انابیہ! آر یو ریڈی، چلیں؟'' عفنان نے اسے دیکھا تھا۔ انابیہ اب اتنی بچی بھی نہیں تھی کہ اس کے حفظِ ماتقدم کے تحت کئے گئے اقدام کو بھی یقیناً سمجھ چکی تھی۔ اس کی یہ توجہ، یہ لگاوٹ اسکے لئے ضروری تھے۔ اس نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

''میں کپڑے چینج کر کے آتی ہوں۔'' اس کے ساتھ ہی وہ پلٹ کر اندر کی جانب بڑھ گئی۔ کس جگہ پر لا کھڑا کیا تھا وقت نے اسے؟

ہر شے اختیار سے باہر اور اپنا آپ ایک بے بسی میں مبتلا دکھائی دے رہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ عفنان علی خان کے ساتھ واپسی کے سفر پر روانہ تھی تو وہ گویا ہوا تھا۔

''سمجھ میں نہیں آ رہا انابیہ! جب سب کچھ تمہاری مرضی کے مطابق ہو رہا ہے تو پھر تم خوش کیوں نہیں لگ رہا؟ یہی سب تو چاہتی تھیں تم۔ پھر اب کیا ہوا ہے؟''

''کیوں—— کیا ہوا ہے؟'' وہ جواباً سوالیہ انداز میں پوچھتی ہوئی دریافت کرنے لگی تھی۔

''کیا کروں میں ایسا آپ کے لئے کہ آپ کو لگے کہ بہت خوش ہوں۔ آپ کو در حقیقت اشتیاق ہے؟'' انابیہ شاہ نے اپنے اندر کا غبار اپنے اندر دبائے ٹھہرے ہوئے لہجے میں دریافت کیا۔ عفنان علی خان نے ڈرائیو کرتے ہوئے ونڈ اسکرین سے نگاہ ہٹا کر اسے اک نگاہ خاص سے دیکھا۔

''یعنی تم خوش نہیں ہو؟'' وہ مسکراتے ہوئے گویا اس کے غصے کو ہوا دینا چاہتا تھا۔ غالباً شدید ترین ''ری ایکشن'' دیکھنے کا متمنی تھا جو اب تک سامنے نہیں آیا تھا۔ وہ خود کو بہت سے کر رکھنے کی قائل تھی اور اب تک کے ''اقدامات'' سے کوئی ایک خول بھی نہیں چٹخا تھا۔ بلکہ

ہیں قید دکھائی دے رہی تھی۔

''خوش نظر آنے کی تشریح آپ کے یہاں کیا ہے؟ کیا مجھے ڈنٹونک کا اشتہار بن جانا چاہئے؟'' بہت سے انداز میں اس نے وضاحت چاہی تھی۔ عفنان علی خان مسکرا دیا تھا۔ اس کی طرف متوجہ نہیں تھا بالآخر اس جواب نے اسے کسی حد تک محظوظ ضرور کیا تھا۔

''خوشی کا بہترین اظہار خوش نظر آنا ہی ہے۔ اور خوش نظر آنے کے لئے مسکرانا ضروری ہے۔''

''میں صرف یہ ظاہر کرنے کے لئے مسکرا نہیں سکتی کہ میں آپ کو خوش نظر آؤں۔'' انابیہ نے اس کی بات کھلے عام کی تھی۔

''یعنی تم واقعی خوش ہو؟''

''آپ مجھے خوش دیکھنے پر اتنا بضد کیوں ہیں؟—— آپ جو کرنا چاہتے ہیں وہ کر کیوں نہیں لیتے؟ بدستور اپنی ہر بات کا سرا مجھ سے جوڑے کیوں بیٹھے ہیں؟'' وہ جل کر بولی تھی۔ عفنان علی خان اسکے زہریلے لہجے کے باوجود مسکرا دیا تھا۔

''کیا کروں؟—— یو آر مائی وائف۔ تم ایک سرے کی بات کرتی ہو، یہاں تو پوری کی پوری زندگی تم سے جڑی ہوئی ہے۔'' اس کی طرف دیکھے بغیر باور کرایا تھا۔ پتہ نہیں وہ افسوس کر رہا تھا یا کوئی طنز اس کے بیچ میں تھا۔ گھر کے پورچ میں گاڑی رکی تھی اور انابیہ کچھ بھی کہے بغیر گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکلی تھی اور چلتی ہوئی اندر کی طرف بڑھ گئی تھی۔ فاطمہ اسے اندر داخل ہوتا دیکھ کر مسکرائی تھیں۔

''انابیہ بیٹا! آ گئیں تم؟'' اسے شانے پر ہاتھ رکھ کر محبت سے دیکھا تھا۔

انابیہ نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ تبھی عفنان چلتا ہوا پیچھے آن رکا تھا۔

''بہت بھوک لگی ہے ماما! کھانا لگوا دیجئے۔''

''تم دونوں فریش ہو کر آ جاؤ، میں ٹیبل لگواتی ہوں۔'' فاطمہ نے بیٹے کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔

''نہیں—— مجھے بھوک نہیں ہے۔ آپ صرف ان کے لئے کھانا لگوا دیجئے۔'' انابیہ کا لہجہ بہت سرد تھا۔ فاطمہ صبح کی کیفیت دیکھ چکی تھیں تبھی مصالحت سے مسکرا رہی تھیں۔

''ٹھیک ہے بیٹا! مگر تم سونے سے پہلے دودھ ضرور لے لینا۔ اب کیسی طبیعت ہے دادا ابا کی؟'' نرم لہجے میں دریافت کیا تھا۔

انابیہ نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''ٹھیک ہیں۔''

''ماموں سے فون پر بات ہوئی تھی میری—— دادا ابا سے بھی۔ مجھے آج جانا بھی تھا مگر پھر عروشہ کی طرف سے فون آ گیا اس لئے جا نہیں پائی۔ لیکن کل ضرور جاؤں گی۔'' فاطمہ معذرت دیتے ہوئے بولی تھیں۔ انابیہ کے لئے وہاں ٹھہرنا محال تھا۔ اس لئے ان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

''اب اپنے کمرے میں جاؤں میں؟'' انداز بے حد سرد تھا۔ فاطمہ بچی تو نہیں تھیں کہ اصل بات نہ

سمجھتیں۔ اتنا تو وہ جان ہی گئی تھیں کہ ان دونوں کے درمیان کچھ عجب چل رہا ہے۔ کیا؟ یہ یقیناً جانتی تھیں۔ مگر ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کو نرمی سے تھپتھپایا تھا۔

"شعور بیٹا! ـــــ تم تھک گئی ہوگی۔ آرام کرو۔"

انابیہ بنا کوئی دوسری بات کئے تیزی سے زینے کی طرف بڑھ گئی تھی۔ فاطمہ نے قدرے رکے انابیہ کی پشت کی طرف بغور تکتے عفنان کی طرف دیکھتے ہوئے پیش قدمی کی تھی۔

"کیا چل رہا ہے یہ سب؟ کیا میں پوچھ سکتی ہوں؟ یا تم لوگ بڑوں کو اپنے معاملات میں ضروری خیال نہیں کرتے؟" فاطمہ کے دریافت کرنے پر وہ کچھ کھسیا سا گیا تھا۔

"کیسی باتیں کرتی ہیں آپ ماما؟ ـــــ آپ کو حق ہے، آپ کچھ بھی پوچھ سکتی ہیں۔"

"پوچھ تو رہی ہوں۔ پھر بتا کیوں نہیں رہے، یہ کیا ہو رہا ہے؟ صبح جس طرح وہ گھر سے روتی نکلی، اور اب....... عفنان! میں ماں ہوں، چہرے دیکھ کر اندر کے احوال پڑھ سکتی ہوں۔ تم اپنے معاملات خود بہتر طور پر نمٹا سکتے ہو تو ٹھیک ہے۔ مگر بات کو تماشا تو مت بناؤ۔ اس کا چہرہ دیکھو تم۔ یہ کیسی محبت ہے تمہاری اس سے؟ اسے تکلیف دے کر تم کون سا سکھ ڈھونڈتے ہو؟ ـــــ لئے لائے تھے تم اسے اپنی زندگی میں؟ اس گھر میں؟" فاطمہ کا لہجہ سخت تھا۔

"آئی ایم سوری ماما!"

"یہ سوری تمہیں مجھ سے نہیں، انابیہ سے کرنا چاہئے۔"

"اس سے نہیں کر سکتا۔" وہ چہرہ پھیرتے ہوئے مدھم لہجے میں بولا تھا۔

فاطمہ اس کے جواب پر حیران رہ گئی تھیں۔

"اگر تم نے غلطی کی ہے عفنان! تو تمہیں سوری بھی کرنا ہوگی۔ مجھے شرمندہ مت کرو۔ میں نے زندگی کے لئے کبھی غلط سبق نہیں پڑھایا۔ اپنی غلطی کو سدھارنے کی کوشش کرنا سکھایا ہے میں نے اپنی غلطی کو قبول کرنا سکھایا ہے ہمیشہ۔"

"میں قبول کرتا ہوں ماما! تبھی تو اسے سدھار بھی رہا ہوں۔" عفنان کا جواب نہ سمجھ میں آ۔ ان کے حیرت سے دیکھنے پر وہ دباؤ دیتے ہوئے گویا ہوا تھا۔

"سدھارنے کی ہی تو کوشش کر رہا ہوں۔ غلطی ہوئی مجھ سے۔ مگر اب کوئی مزید غلطی نہیں۔" دوٹوک لہجے میں کہہ کر وہ زینہ چڑھ گیا تھا۔ فاطمہ دیکھتی رہ گئی تھیں۔

عفنان علی خان دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تھا۔ انابیہ چونکی نہیں تھی۔ جس طرح ڈریسنگ کے سامنے کھڑی چوڑیاں اتار رہی تھی، اسی طرح کھڑی رہی تھی۔ عفنان علی خان نے دروازہ بند کر بغور دیکھا تھا اور پھر اس کی جانب پیش قدمی کر دی تھی۔ اس کے پیچھے رک کر اس کے شانوں پر اس کا رخ اپنی طرف موڑا تھا۔ انداز کچھ مختلف تھا۔

انابیہ نے اس کی طرف چونکتے ہوئے کچھ حیرت سے دیکھا تھا۔ مگر عفنان نے بنا کچھ کہے کر بیڈ پر اچھالا تھا۔ پھر اس کے ہاتھ سے چوڑیاں لے کر ڈریسنگ ٹیبل پر دھری تھیں اور اس کا

اسے بیڈ کی طرف لے آیا تھا۔

انابیہ شاہ کے لئے اس کی یہ کیفیت، یہ حرکت عجب تھی۔ وہ حیرت میں مبتلا ہوئی تھی۔ دماغ میں خطرے کی کوئی گھنٹی بجی تھی ـــــ اس سے قبل کہ وہ کچھ سوچتی، عفنان نے اسے بیڈ پر گرا کر ہاتھ بڑھا کر بتی بجھا دی تھی۔

❊ ❊ ❊

سردار سبکتگین حیدر لغاری دن بھر خاصا مصروف رہا تھا۔ مگر جیسے ہی فراغت کے چند لمحے ہاتھ آئے تھے، انھوں نے بے اختیار جانے کیوں اس کا نمبر گھما ڈالا تھا۔

"مائی کی طبیعت پہلے سے بہت بہتر ہے۔" اس کی طرف سے کچھ بھی پوچھے جانے سے قبل وہ مستعدی سے بولی تھی۔

"گڈ ـــــ ڈاکٹر نے کیا کہا اب؟" انداز تسلی بخش تھا۔

"شام کو دیکھ کر گئے تھے۔ انہوں نے بھی کچھ ایسی پریشانی والی بات نہیں بتائی۔" میرب سیال اس کے تمام سوال غالباً پہلے ہی سے جانتی تھی۔ سو بنا اس کے دریافت کئے مزید گویا ہوئی تھی۔

"ابھی تھوڑی دیر قبل میں نے بی پی چیک کیا تھا۔ نارمل تھا۔ بخار بھی اب نہیں ہے ـــــ بس تھوڑی نقاہت باقی ہے۔ اگلے چند دنوں میں وہ بھی نہیں رہے گی۔"

"گڈ ـــــ یعنی تم مائی اماں کا بہت اچھا خیال رکھ رہی ہو۔" وہ متاثر ہوتا ہوا گویا ہوا تھا۔ "دن بھر بہت مصروف رہا، دھیان تک نہ رہا۔ مائی اماں سے بھی بات نہیں ہو سکی۔ مجھے اندازہ تھا وہ اس وقت سو رہی ہوں گی۔ تبھی انہیں ڈسٹرب کئے بغیر تمہارا نمبر ملا ڈالا۔ تم اب تک سوئی نہیں؟" جانے کیوں وہ پوچھ رہا تھا۔ میرب سیال نے بنا اس کے لہجے اور انداز پر غور کئے سر انکار میں یوں ہلایا تھا جیسے وہ اس کے مقابل بیٹھا ہو۔ پھر خود ہی اپنی حماقت کا اندازہ کرتے ہوئے فوراً بولی تھی۔

"نہیں ـــــ مائی کی ہدایت پر دوپہر میں سو گئی تھی۔ سو اب نیند نہیں آ رہی تھی۔ آپ کب آ رہے ہیں؟" مائی کے خیال سے اس نے مروتاً دریافت کیا تھا۔ لہجہ اور انداز دونوں سرسری تھے۔ مگر دوسری طرف سے جو جواب آیا تھا وہ سرسری نہیں تھا۔

"کیوں؟ ـــــ آر یو مسنگ می؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری یقیناً اس لمحے کوئی لطیف سا مذاق ہی کر رہا تھا۔ انداز سے تو یہی ظاہر تھا۔ میرب سیال نے لمحہ بھر کو غور کرتے ہوئے اخذ کیا تھا۔ مگر حیرت پھر بھی اتنی تھی کہ وہ کچھ بول نہیں سکی تھی۔ دوسری طرف سبکتگین حیدر لغاری دوبارہ گویا ہوا تھا۔

"سو یو ڈونٹ مس می؟" شکوہ کرتا لہجہ تھا۔ غالباً وہ مسکرا رہا تھا۔

"نہیں۔" میرب نے فوراً سے پیشتر اسے رد کیا تھا۔

"بٹ آئی ایم مسنگ یو۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا۔ میرب سیال ششدر سی رہ گئی تھی۔ غالباً وہ دوبارہ مذاق کر رہا تھا۔ سنجیدہ نہیں تھا۔

"جسٹ کڈنگ ـــــ رادر آئی جسٹ وانٹ ٹو ٹرائی چینج یور موڈ۔" دوسرے ہی لمحے وضاحت آئی

تھی اور وہ سنجیدہ لہجے میں کہہ رہا تھا۔ ''تم مائی کا خیال رکھ رہی ہو۔ میں نے شاید تم سے ایسا ایکسپیکٹ نہیں کیا تھا'' وہ اس کا معترف ہوتا ہوا صاف گوئی سے بولا تھا۔

''اپنے طور پر قیاس کرنے سے یہی ہوتا ہے۔ کیونکہ قیاس ہمیشہ سچ نہیں ہوتے'' میرب نے اسے باور کرایا تھا۔

''شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس سے اختلاف نہیں کیا تھا۔ میرب سیال کو حیرت ہوئی تھی۔ خلافِ معمول اس کا انداز بھی نرم تھا۔ گویا وہ واقعی اس کا معترف ہو رہا تھا۔ احسان مند تھا۔ یہ رعایت تو اسی بات کو ظاہر کر رہی تھی۔

''کسی کے بارے میں قیاس واقعی نہیں کرنا چاہیے۔ ہوسکتا ہے جیسا آپ سوچیں ویسا بالکل بھی نہ ہو۔ اور جیسا آپ نہ سوچیں سب ویسا ویسا ہو''

کم لفظوں میں دوسری طرف سے ایک بڑی بات کہی گئی تھی۔ میرب جواباً کچھ نہیں بولی تھی۔

''اینی ہاؤ، میں پھر فون کروں گا۔ تم مائی کی طرف سے غافل مت ہو جانا۔ ان کا بی پی بدلتے دیر نہیں لگتی۔ سو بی کیئر فل۔ ان کی میڈیسن کا مکمل دھیان رکھنا ہوگا'' وہ پھر ہدایت کر رہا تھا۔

''ٹھیک ہے ـــــ میں دیکھ لوں گی۔''

''رائٹ۔ بٹ ناؤ یو شڈ ٹیک ریسٹ ـــــ ہیڈ سلیپ ـــــ سویٹ ڈریمز ـــــ'' ایک ''ہدایتِ خاص'' کرتے ہوئے دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا تھا اور میرب حیرت سے فون ہاتھ میں پکڑے دیکھتی رہ گئی تھی۔

''تم صرف اپنے کام کو لے کر اتنے کنسرن کیوں ہو سبکتگین حیدر لغاری؟ ـــــ جب میں نے کہا ہے خیال رکھوں گی تو رکھوں گی نا'' اس کے انداز پر الجھ کر وہ بولی تھی۔ پھر فون سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر بیڈ پر آگئی تھی۔ اور ایسا کر کے وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی کسی ہدایتِ خاص پر عمل پیرا ہرگز نہیں ہو رہی تھی۔ اسے اب واقعی نیند آ رہی تھی۔

اُدھر سبکتگین حیدر لغاری نے فون رکھا تھا تبھی گی ژیانگ نے اسے یاد کر لیا تھا۔

''ہیلو گی! ـــــ کیسی ہو تم؟''

''میں تو ٹھیک ہوں۔ تم کیسے ہو؟ دن بھر تمہارے سیل پر ٹرائی کرتی رہی۔ کال پک نہیں کی۔ کیا بہت مصروف رہے؟'' گی نے شکوہ کرتے ہوئے پوچھا تھا۔

''ہاں ـــــ بہت مصروف رہا'' گاڑی ہوٹل کے سامنے رکی تھی اور وہ دروازہ کھول کر باہر نکلا تھا۔

''اس وقت یہاں دن کے چار بج رہے ہیں اور میں نے ابھی تک اپنا لنچ نہیں لیا ہے۔''

''اوہ ـــــ اٹس ناٹ اے گڈ سائن۔ بھوک کا نہ لگنا ایک سنگین بات کی طرف اشارہ کرتا ہے گین!'' گی نے مسکراتے ہوئے اشارہ کیا تھا۔

''کون سی بات؟'' وہ چونکا تھا۔

''کتنے ڈفر ہو تم گین! ـــــ تمہیں اتنا پتہ نہیں، بھوک کا احساس کب جاتا رہتا ہے۔ ویسے نیند کیسی

آتی ہے تمہیں؟ ـــــ ڈھنگ سے سو پاتے ہو یا رات بھر جاگتے رہتے ہو؟'' گی ژیانگ شرارت سے مسکرا رہی تھی۔

''اوہ شٹ اپ گی!'' وہ اسے یکسر رد کرتا ہوا مسکرایا تھا۔

''تمہاری بات ہوئی اس سے؟''

''اس سے کس سے؟ ـــــ آئی ایم ٹائرڈ گی لے ـــــ تم مجھے اس طرح پہیلیاں بھجواؤ گی تو میں تمہیں کوئی بھی جواب ڈھنگ سے نہیں دے پاؤں گا'' لفٹ میں داخل ہو کر مطلوبہ فلور کا نمبر دبایا تھا۔

''وہ تو اب بھی ڈھنگ سے قطعی نہیں دے رہے۔ میں میرب کی بات کر رہی تھی۔ اس سے بات ہوئی تمہاری؟''

''ہاں ـــــ ابھی ابھی کچھ دیر پہلے ہوئی تھی۔ کیوں کیا ہوا؟ کیا تم اس پر بھی کوئی قیاس کرنے جا رہی ہو؟'' لفٹ کا دروازہ کھلا تھا اور وہ چلتا ہوا اپنے کمرے کی طرف بڑھنے لگا تھا۔ انداز کسی قدر کاٹ کھانے والا تھا۔ گی مسکرا دی تھی۔

''تم لنچ ضرور لو گین! یہ تمہارے لئے اچھا ہوگا'' گی نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ وہ مسکرا دیا تھا۔

''تم میری فکر مت کرو گی! ـــــ میں اپنی فکر کرنے کو خود آپ کافی ہوں'' کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تھا۔ شوز اتار کر ایک طرف ڈالے تھے، رسا کس ایک طرف۔ اور کوٹ اتار کر صوفے پر ڈالتے ہوئے وہ چلتا ہوا فریج کی طرف آ گیا تھا۔ دروازہ کھول کر جوس کا کین نکالا تھا اور دوسرے ہاتھ سے کھول کر سپ لیتا ہوا کاؤچ کی طرف آ گیا تھا۔

''کاش تم اپنی فکر کچھ آپ کر سکتے۔ مگر ایسا نہیں ہے گین! تم مرد اتنے ایڈیٹ کیوں ہوتے ہو؟'' وہ صاف گوئی سے بولی تھی۔

''ایکسکیوزمی'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بھرپور احتجاج سے کہا تھا۔

''کیونکہ ایسا ہے۔ تم مرد بہت حد تک ڈفر ہوتے ہو۔ دوسروں کی فیلنگز سمجھنا تو دور کی بات تم خود اپنی فیلنگز بھی ڈھنگ سے سمجھ نہیں پاتے ہو۔ بات تم لوگوں کی سمجھ میں تب تک نہیں آتی جب تک صاف کھول کر واضح طور پر جتا نہ دی جائے'' گی نے بھرپور تجزیہ پیش کیا تھا۔

وہ جانے کیوں برا مانے بغیر مسکرا دیا تھا۔

''تمہیں یہ جان کر کتنا عجیب لگے گا گی ژیانگ! کہ ہم مرد بھی تم خواتین کے بارے میں کچھ ایسا ہی قیاس کرتے ہیں۔''

''ہاں، جانتی ہوں میں۔ مگر تم پھر بھی یہ بات مان لو کہ تم لوگ عجیب پہاڑی بکرے جیسی خصوصیات اپنے اندر رکھتے ہو۔ جدھر سینگ سمائے اس طرف چلا تو ایک طرف تم لوگ سینگ مارنے میں بھی بالکل آگے پر گئے ہو۔ بنا کسی کی سمجھے، بنا جانے، منواتے اپنی ہی ہو۔ چاہے کوئی کتنا بھی سچ کیوں نہ کہہ رہا ہو۔'' گی کا مشاہدہ کمال کا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری محظوظ ہوئے بغیر نہیں رہا تھا۔

''تم ہنس رہے ہو گین؟ ـــــ آئی ایم ناٹ کڈنگ'' وہ باور کرا رہی تھی۔

سبکتگین حیدر لغاری نے ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آن کرتے ہوئے مسکراتے ہوئے ٹی وی اسکرین کو دیکھا تھا۔

"تم ہم مردوں کے بارے میں کیا کیا اول فول سوچتی ہو گی ژیانگ! مجھے یہ جان کر حیرت ہو رہی ہے۔"

"تمہیں یہ جان کر حیرت ہو رہی ہے اور مجھے تمہیں جان کر کوئی حیرت نہیں ہو رہی۔ تم بہت وقت لے رہے ہو گین!"

"کس بات کے لیے؟" وہ چونکا تھا۔

"بہت کچھ ماننے کے لیے گین! ـــــ تمہیں یقیناً یہ سب بہت مشکل لگ رہا ہے۔"

"کیا؟" وہ غالباً اب بھی نہ سمجھا تھا۔

"محبت اتنا دقیق اور پیچیدہ معاملہ تو نہیں گین! بڑی چھوٹی سی مختصر سی بات ہے ـــــ محبت ہے یا نہیں ہے تو نہیں ہے۔" گی ژیانگ نے بہت بڑی بات بہت چھوٹے سے پیرائے میں سمیٹ کر اس کے سامنے رکھ دی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کا جوس لبوں تک لے جاتے ہاتھ رکا تھا۔

"محبت کو تسلیم کر لو گین! ـــــ جب تک تم خود تسلیم نہیں کرو گے تم اور کسی کو بھی باور نہیں کرا سکو گے۔ محبت ایسا ہی دقیق معاملہ ہے۔" گی ژیانگ پھر وہی داستان چھیڑے ہوئے تھی۔

دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ سبکتگین حیدر لغاری نے چونک کر دیکھا تھا۔

"یس۔"

ویٹر کھانا لے کر اندر داخل ہوا تھا اور ٹیبل پر کھانا لگانے لگا تھا۔

"میرا لنچ آ گیا ہے گی! ـــــ پھر بات کریں گے۔" سبکتگین حیدر لغاری نے کہہ کر بنا اس کے جواب کا انتظار کیے سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔

❊❊❊

عفنان علی خان کے انداز سے قطعاً کوئی ملامت یا پچھتاوا ظاہر نہ تھا۔ وہ یکسر مطمئن دکھائی دے رہا تھا۔ گویا جو بھی اقدام اس سے سرزد ہوا تھا اس کا اسے کوئی ملال نہ تھا۔ وہ خود کو حق پر خیال کر رہا تھا۔

جبکہ انابیہ کی کیفیت یکسر مختلف تھی۔ اس کی آنکھوں کی نمی سوکھنے میں نہ آ رہی تھی۔ جانے کس بات کا احساسِ جرم اسے سانس تک لینے نہ دے رہا تھا۔ وہ متواتر آنسو بہا رہی تھی۔

عفنان علی خان کوئی ردعمل ظاہر کیے بنا واش روم گیا تھا۔ فریش ہوا تھا۔ نیچے گیا تھا اور خلاف توقع ناشتے کی ٹرے لے کر واپس کمرے میں آ گیا تھا۔ انابیہ شاہ نے اس کی طرف دیکھنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ گھٹنوں پر سر دھرے آنسو بہاتی رہی تھی۔ احتجاج پُر زور تھا اور اسی قدر عجیب بھی۔ عفنان علی خان نے دروازے کے قریب کھڑے اسے بغور دیکھا تھا۔ مگر اس کیفیت پر کوئی ردعمل دیے بغیر وہ پُرسکون انداز میں چلتا ہوا اس کے قریب آیا تھا۔ چند ثانیوں تک کھڑے ہو کر اس کے گٹھڑی سے بنے وجود کو دیکھا تھا۔

بیں اس کے سامنے رکھتے ہوئے خود بھی اس کے مقابل بیٹھ گیا تھا۔
یا کوئی گناہ اس سے سرزد نہیں ہوا تھا۔ مگر اس گھڑی انابیہ شاہ کا احتجاج دیکھ کر اسے لمحہ بھر کو الجھن ہوئی تھی۔ مگر اس الجھن کو اس نے ظاہر کرنا ضروری نہیں خیال کیا تھا۔ بولا تھا تو انداز بہت پُرسکون

"ناشتہ کر لو انابیہ!" اس کے خیال میں انابیہ کا احتجاج بہت فضول اور بچگانہ تھا۔ مگر فوری طور پر وہ اس احساس اسے نہیں کروانا چاہتا تھا۔

اس کے کہنے کا انابیہ کی طرف سے کوئی ردعمل نہیں آیا تھا ـــــ وہ جس طرح بیٹھی تھی، اسی طرح بیٹھی رہی تھی۔

عفنان علی خان کو اس طرح کا اب تک کوئی تجربہ نہیں تھا۔ سو یہ ناز نخرے اٹھانا کچھ عجیب سا لگا تھا۔ مگر یا تھا، اس کے ردعمل کے طور پر اسے یہ سب تو اب فیس کرنا ہی تھا۔ اس کا اندازہ اسے ہو گیا تھا اس نرمی سے اس کے گھٹنوں کے گرد سے اس کے بازو ہٹاتے ہوئے اس کا چہرہ بھرپور توجہ سے اٹھا کر لیا تھا اور ملامت سے گویا ہوا تھا۔

"ناشتہ کر لو شاباش! ـــــ تم نے رات بھی کچھ نہیں کھایا تھا۔" ازالہ کرنے کو یہ اقدام اگرچہ کافی نہ تھا۔ مگر اس سے زیادہ رعایت وہ اسے دے نہیں سکتا تھا۔ اس سے پہلے وہ ایسی ہی رعایت دے کر دیکھ چکا تھا۔

انابیہ بھیگی آنکھوں سے قاتلانہ انداز میں اسے گھور رہی تھی۔ انداز جارحانہ اور غصے سے بھرپور تھا۔ مگر عفنان جانے کیوں مسکرا دیا تھا۔

"مجھے نہیں، اس بریک فاسٹ کو کھانا ہے تمہیں۔ سو اس کی طرف توجہ دو انابیہ!" ناشتے کی طرف نا ہی اشارہ کیا تھا۔ انابیہ کے انداز میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی۔ غالباً وہ اس سے بات کرنے کے موڈ میں بھی نہیں دکھائی دے رہی تھی۔ کوئی کرم کرنا تو دور کی بات تھی۔

"جو ہوا، اس کا افسوس بعد میں کریں گے۔ سوگ بھی منا لیں گے۔ پہلے یہ بریک فاسٹ کر لیتے ہیں۔ تمہارے چکر میں، میں نے بھی رات کا ڈنر نہیں لیا تھا۔ بہت بھوک لگ رہی ہے۔ اور ناشتہ بھی ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ چلو شاباش۔" اسے بچوں کی طرح پچکارا تھا۔ انابیہ نے بنا اس کی طرف دیکھے چہرہ پھیر لیا تھا۔ آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔ ناک، چہرہ سرخ ہو رہا تھا مگر وہ اب بھی اس کے چہرے کو بغور دیکھ رہا تھا۔ پھر اٹھ ہٹانے لگا تھا۔

"ناراض ہو نا مجھ سے؟ ـــــ میری طرف دیکھو گی بھی نہیں؟" پتہ نہیں وہ واقعی توجہ پر مائل تھا یا پھر شاید اس کی کیفیت سے محظوظ ہو رہا تھا۔ اس کا مسکرانا مقابل کو یقیناً اس لمحے زہر ہی لگا تھا۔ عفنان علی خان کو اس بات کا اندازہ تھا غالباً تبھی وہ لب بھینچ کر اسے دیکھتا ہوا سنجیدگی سے گویا ہوا تھا۔

"سوچنے، غور و خوض کرنے کو عمر پڑی ہے انابیہ! ـــــ بعد میں کریں گے۔ پہلے کچھ کھا لیتے ہیں۔ یہ زیادہ ضروری ہے۔" نوالہ بنا کر اس کی طرف بڑھایا تھا۔ مگر انابیہ نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا تھا اور پھٹ

پڑی تھی۔

"بات بھی مت کرو تم مجھ سے۔" کہہ کر چہرہ پھیر لیا تھا۔ عفنان علی خان نے لمحہ بھر کو اسے دیکھا تھا پھر ہاتھ بڑھا کر اس کا چہرہ اپنی طرف موڑ لیا تھا۔

"میں قطعاً بھی شرمندہ نہیں ہوں۔ میں نے کوئی جرم بھی نہیں کیا ہے۔ ٹیل می، وائے آر یو ان دس روم؟ ——— بی کوز یو آر مائے وائف ——— اپنی بیوی کے ساتھ اپنا رشتہ بنا کو میں کوئی جرم خیال نہیں کرتا۔ اگر تم کرتی ہو تو اس کا کوئی علاج میرے پاس نہیں ہے۔ ——— ویٹس ناٹ اے نارمل بی ہیویئر۔ وہاٹ یو آر ڈوئنگ۔ بی آ میچور۔ یہی تمہارے لئے ہوگا اور میرے لئے بھی۔" وہ دو ٹوک انداز میں کہہ رہا تھا اور انابیہ حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی توقع کب تھی اسے۔ ایک تو چوری، اس پہ سینہ زوری۔ اس کی ہمت ہی تو تھی۔

"تم میرے بارے میں کیا سوچتی ہو؟ ——— کیا خیال کرتی ہو؟ اس سے مجھے قطعاً کوئی پڑتا۔ کوئی وضاحت میں تمہیں دینا بھی نہیں چاہتا۔ تم مجھے ایک کمزور مرد خیال کرو، ہوس پرست ڈونٹ کیئر۔ ہوس ایک ہی رات میں ابھر کر سامنے نہیں آتی، یہ بات تم جانتی ہو۔ میں نے تمہیں دیا ہے۔ میرا تمہیں پانا دشوار کبھی بھی نہیں تھا۔ یہ ہوس پرستی پہلے بھی سامنے آسکتی تھی۔ مگر نہیں آئی اس کی وجہ تم خود سوچو تو جان سکتی ہو۔ سو مجھ پر کوئی بھی الزام عائد کرنے سے پہلے خود اپنے آپ انابیہ! وہاٹ یو ڈو؟"

کتنا بے ایمان شخص تھا۔ کتنے آرام سے سارا کا سارا الزام اس کے سر پر رکھ رہا تھا۔ سارے تھا وہ۔ جو الزام اس کے متعلق انابیہ کے دل میں تھے وہ ان سے بھی واقف تھا۔ پھر ایسا کیوں کیا نے؟ ——— اور ہمت یہ تھی کہ اس کے مقابل بیٹھا ان الزامات کی تردید بھی کر رہا تھا۔ انہیں ڈسکس رہا تھا۔ کیا وہ واقعی حق پر تھا؟ ——— شاید نہیں۔

انابیہ کی ساکت آنکھوں سے بہت خاموشی سے بہہ کر رخساروں پر پھیلتے آنسو اس بات کا ثبوت تھے۔ عفنان علی خان نے ان بھیگتی آنکھوں کو الجھن سے دیکھا تھا۔ پھر ردعمل کے طور پر تولیہ دوبارہ رکھ دیا تھا اور بہت ضبط سے اسے دیکھتا ہوا گویا ہوا تھا۔

"تمہیں یہاں سے بڑے ہونے کی ضرورت ہے انابیہ شاہ!" دماغ پر انگلی رکھ کر کچھ سخت لہجہ تھا۔ "گرو اپ فرسٹ۔ دین ٹاک ٹو می۔" اسے تلقین کرتے ہوئے وہ اٹھ گیا تھا۔

انابیہ شاہ اس کے جانے کے بعد بھی اسی پوزیشن میں بیٹھی آنسو بہاتی رہی تھی۔ چپ چاپ۔ آنسو اسے کوئی سکون نہیں دے رہے تھے۔ مزید بے سکونی دے رہے تھے۔ اندر تک سناٹا پھیل رہا تھا گویا ایک خوبصورت رات نوازی گئی تھی اسے۔

وہ باور کرا رہا تھا کہ اس سے کوئی غلطی سرزد نہیں ہوئی۔

اس پر الزام رکھ رہا تھا کہ قصور کہیں نہ کہیں اس کا رہا ہے۔

وہ شرمندہ نہیں تھا۔

ہمت سے اس کے سامنے بیٹھا بات کر رہا تھا۔

اپنے سر الزام بھی لے رہا تھا۔

مگر ان باتوں میں وہ ایک بات نہیں تھی۔

"رشتے" کی ایک سمت کو واضح کرتی کوئی بات سامنے نہیں آئی تھی۔ ایک بار بھی نہیں کہا تھا اس نے، اس رشتے کی اب سمت کیا ہوگی؟

اس کے خیال میں وہ بہکا نہیں تھا۔ کوئی ہوس پرستی بھی نہیں تھی۔ اگر کوئی لسٹ نہیں تھی تو ایک بے سکونی وہ اپنے اندر کیوں محسوس کر رہی تھی؟ ——— بہت کچھ نوازے جانے کے بعد بھی ایک خالی پن کا احساس اندر کیوں اٹھ رہا تھا؟

اس کی مرضی کے خلاف اسے حاصل کر کے اس نے ایسا کیا جرم کیا تھا اس پر؟

کل صبح وہ اسعد حق سے ایک نئے تعلق کے آغاز ہونے کی خبر اسے سنا رہا تھا تو پھر آج اس سے تعلق کی ڈور باندھنا کیا معنی رکھتا تھا؟

❋ ❋ ❋

اذہان حسن بخاری کچھ اہم فائل دیکھ رہا تھا جب فارحہ کافی کا کپ ہاتھ میں لئے اندر داخل ہوئی تھیں۔

"یور کافی۔" کپ ٹیبل پر رکھا تھا۔

"تھینک یو ممی!" اذہان مسکرایا تھا۔

"یہ آفس کی فائلز گھر کیوں اٹھا لائے؟ ——— وہاں ٹائم کم تھا کیا؟" ڈپٹا تھا۔

اذہان مسکرا دیا تھا۔

"کچھ اہم فائلز تھیں جن کا دیکھنا ضروری تھا۔ آپ کھڑی کیوں ہیں؟ بیٹھیں نا۔" فائل پر سے سر اٹھا کر ماں کو دیکھا تھا۔ فارحہ اسے بغور تکتی ہوئی مسکرا دی تھیں۔

"آپ ایسے کیا دیکھ رہی ہیں؟ ——— میرے کسی اقدام سے خوش ہیں آپ؟" اذہان نے اندازہ کرتے ہوئے کہا تھا۔ فارحہ مسکرا دی تھیں۔

"ہاں ——— میں تم سے خوش ہوں ——— بہت خوش ——— ایسے بیٹے سے کون خوش نہیں ہوگا۔ لیکن میں ایک بات جاننا چاہتی ہوں۔" فارحہ نے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔

"وہ کیا؟" اذہان نے مسکراتے ہوئے کافی کا ایک سپ لیا تھا۔

"کیا تم خوش ہو؟"

"یہ کیسا سوال ہے؟ ——— کیا آپ کو لگتا ہے کہ میں خوش نہیں ہوں؟ ——— میں خوش ہوں۔" اذہان نے ماں کے ہاتھ تھامے تھے۔ "بہت خوش۔ آپ نے اتنی اچھی سی فیانسی دی مجھے۔ اتنی اچھی زندگی دی۔ اور کیا چاہیے؟" وہ مسکرایا تھا۔

فارحہ اس کے چہرے کو ہاتھ میں لے کر محبت سے دیکھنے لگی تھیں۔

دوئم

''تم خوش ہوتے ہو تو مجھے زندگی خوبصورت لگنے لگتی ہے۔''

''اور آپ خوش ہوتی ہیں تو مجھے سب کچھ بہت اچھا لگنے لگتا ہے۔ میرب سے بات ہوئی تمہاری

کی؟''

''نہیں۔'' فارحہ اس اچانک ذکر پر کچھ حیران ہوئی تھیں۔ ''تمہاری بات ہوئی؟''

''نہیں ــــــ آپ نے انوائٹ نہیں کیا تھا انہیں؟ ــــــ سابیہ بھی پوچھ رہی تھی۔'' ...

میں کہا تھا۔

فارحہ مسکرا دی تھیں۔

''نہیں ــــــ فون کیا تھا میں نے۔ مظہر بھائی صاحب سے تو بات نہیں ہوئی، ان کی بیگم ...

سے بات ہوئی تھی۔ میں نے انہیں اطلاع دے دی تھی ــــــ میرب کے بارے میں پتہ چلا کہ وہ ...

نہیں ہے۔''

''پھر کہاں ہے؟'' اذہان نے سرعت سے دریافت کیا تھا۔

''غالباً شہر سے باہر کہیں گئی ہوئی ہے۔''

''تو آپ نے اس کے سیل پر ٹرائی نہیں کیا؟ ــــــ کہیں شادی کر کے رخصت تو نہیں ہو گئی ...

انداز کو معمول پر رکھتے ہوئے بہت سرسری انداز میں وہ مسکراتے ہوئے یوں گویا تھا جیسے کوئی بہت ...

ذکر کر رہا ہو۔ فارحہ بیٹے کی کیفیات کو بغور جانچ رہی تھیں۔

''نہیں ــــــ وقت نہیں ملا۔ یہاں تمہاری انگیج منٹ کی تیاریاں اتنی زیادہ تھیں کہ بالکل بھی ...

نہیں رہا۔''

''ارے، آپ کو اپنی نیس یاد نہیں رہی؟ اسے خبر ہو گی تو شکوہ کرے گی۔ اس نے سختی سے تاکید ...

انوائٹ کرنا چاہیے تھا نا۔ آپ مجھ سے الگ تو نہیں۔ اور یوں بھی یہ ڈیپارٹمنٹ تو آپ کے ہاتھ تھا۔''

''ہاں۔ مگر غلطی ہو گئی۔'' فارحہ نے پُر افسوس انداز میں کہا تھا۔ پھر مسکرا دی تھیں۔ ''میں بات کر...

گی۔ اس کا سیل نمبر تھا نا تمہارے پاس؟''

''ہاں، غالباً سیل میں تو تھا۔'' وہ یوں سرسری انداز میں ذکر کر رہا تھا جیسے بہت ہی معمولی سا ...

ہو۔ پتہ نہیں واقعی ایسا تھا یا وہ باور کرانے کی کوشش کر رہا تھا، خود کو بھی اور دوسروں کو بھی۔ فارحہ کچھ ...

تھیں۔

اذہان نے کافی کا سپ لے کر کپ ایک طرف رکھتے ہوئے سیل اٹھا کر ڈائریکٹری میں سے ...

نکالا تھا اور کالنگ کا بٹن پش کر دیا تھا۔ بیل گئی تھی اور کال کنکٹ ہو گئی تھی۔

''ہیلو ــــــ!'' ایک جانا پہچانا لہجہ سماعتوں میں گونجا تھا۔

''میرب! ــــــ اذہان ہیئر۔''

میرب فوری طور پر کچھ نہیں بولی تھی۔ پھر جیسے مزدنا گویا ہوئی تھی۔

''اذہان! کیسے ہو تم؟''

''میں ٹھیک ہوں ــــــ تم کیسی ہو؟''

''... کیسے فون کیا؟'' اس کا لہجہ بہت تھکا سا تھا۔ نیند پوری نہ ہونے کے باعث وہ اس وقت

... نہیں تھی۔

''... ہوا؟ ــــــ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔ آر یو آل رائٹ؟'' اذہان نے اس کی آواز کی

... کرتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ وہ لمحہ بھر کو چونکی تھی، پھر معمول کے مطابق جواب دیتی ہوئی

''... نہیں ــــــ ایسی بات نہیں ہے۔ آئی ایم رائٹ۔ تم سناؤ، انگیج منٹ کر لی، مجھے انوائٹ نہیں کیا

... کو معلوم تھا وہ اس بابت بات کرے گی۔ مگر اس طرح چھوٹتے ہی؟ اس کا اندازہ نہیں تھا۔

''... گھر فون کیا تھا ــــــ مظہر انکل گھر نہیں تھے۔ مگر زوبا رہیہ آنٹی نے بتایا کہ تم گھر نہیں ہو۔ پھر کیسے

... کرتے؟'' وضاحت دی گئی تھی۔ مگر بہت ہی کمزور وضاحت تھی۔ میرب جانے کیوں مسکرا دی تھی۔

''اذہان! جو نمبر تم نے اس وقت ملایا ہے اس روز بھی ملا سکتے تھے۔ اینی وے ــــــ آنٹی کیسی ہیں؟''

اذہان لب بھینچ کر رہ گیا تھا۔ دونوں سمجھ رہے تھے کہ دونوں ایک دوسرے سے قصداً بھاگ رہے تھے۔

دونوں جانتے تھے تو پھر کسی وضاحت کی ضرورت بھی باقی کب بچتی تھی۔

''ممی ٹھیک ہیں۔ ابھی سے تمہارا نمبر بھی ملوایا تھا۔ لو بات کرو۔''

اذہان نے ماں کو فون تھما دیا تھا اور خود سر جھکا کر فائلز دیکھنے کے ساتھ کسیلی کافی کے سپ لینے لگا تھا۔

''ہاں میرب! بیٹا کیسی ہو؟'' فارحہ نے ایک نگاہ بیٹے کو بغور دیکھا تھا پھر چلتی ہوئی باہر نکل آئی تھیں۔

... سے بات کرتے ہوئے انہیں جو اندازہ ہوا تھا وہ غلط نہیں تھا۔ دل بوجھل سا تھا۔ وہ لان میں نکل

... آئی تھیں۔ یقیناً یہ آسان بھی نہیں تھا۔ وہ اذہان کی کیفیت سمجھ رہی تھیں۔ مگر وہ اس کے لئے کچھ کر بھی نہیں

... سکتی تھیں۔ وقت گزر چکا تھا۔ اور جو موجودہ دور میں ہو رہا تھا، وہی ٹھیک تھا۔ وہ سوچ رہی تھیں اور میرب

... تھی۔

''آنٹی! آئی ایم سوری مسنگ یو ــــــ بہت دل چاہ رہا ہے آپ سے ملنے کو۔''

فارحہ مسکرا دی تھیں۔

''میرا دل بھی اپنی بیٹی کو دیکھنے کو بہت چاہ رہا ہے۔ جانتی ہو کتنے وقت سے تم نے صورت نہیں دکھائی۔''

میرب بہت بے بسی سے مسکرا دی تھی۔

''ہاں، جانتی ہوں۔'' آنکھیں نمی سے جانے کیوں بھرنے لگی تھیں۔

''آپ نے تو انگلیوں پر گن رکھے ہوں گے۔ مگر بھولی تو میں بھی نہیں ہوں۔ جانتی ہوں بہت سے دن

... ہو گئے ہیں۔'' مسکراتے ہوئے آنکھوں کی نمی انگلی کے پوروں پر لی تھی۔

''تو پھر آ جاؤ نا۔'' فارحہ نے محبت سے کہا تھا۔ آخر کو عزیز ترین بھانجی تھی۔

''ہاں ــــــ جلد آ جاؤں گی۔'' میرب اپنی کیفیت کو دبانے کے لئے مسکرائی تھی۔ تبھی مائی اماں نے

... آواز دی اور میرب پلٹی تھی۔

''میں آپ سے بعد میں بات کروں گی آنٹی!''

''ٹھیک ہے بیٹا! مگر اپنا خیال رکھنا۔''

''جی، آپ بھی۔'' میرب نے دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔ فارحہ کی نگاہ اٹھی تھی۔ کھلی کھڑکی میں اذہان مضطرب سا کھڑا تھا۔ انداز بہت کھویا کھویا سا تھا۔

وہ جیسے اس ماحول کا حصہ نہیں تھا شاید اسی لئے اسے یہ اندازہ بھی نہیں تھا کہ فارحہ اس ہیں۔ فارحہ کا دل کٹ کر رہ گیا تھا۔ مگر بیٹے کی کیفیت کا کوئی تدارک ان کے ہاتھ نہ تھا۔ انداز میں وہ اندر کی جانب چل پڑی تھیں۔

❄❄❄

اب وقت وہ تھا کہ جہاں انابیہ شاہ صورت حال سے بھی فرار چاہتی تھی اور ماحول، آسان نہیں تھا۔ عفنان علی خان نے ایک ہی پل میں اس کے سارے کے سارے راستے تھے اور ایسا کر کے اس کی صورت حال اتنی مشکل کر دی تھی کہ وہ اپنا دم گھٹتا ہوا سا محسوس کر سارا دن وہ ماما اور انوشے کے ساتھ بزی رہی تھی۔ عریشہ آئی ہوئی تھی۔ بلا وجہ ان ادھر اُدھر کی باتیں کرتی رہی تھی۔ بولنے کی وہ زیادہ عادی تو نہیں تھی مگر عریشے اور انوشے بولتی تھیں کہ اسے زیادہ مشقت کرنا نہیں پڑتی تھی۔ اس وقت بھی وہ عریشے کے گول مٹول میں بٹھائے انوشے کی بات سن رہی تھی جب فاطمہ نے اسے احساس دلایا تھا۔

''انابیہ! بیٹا خاصا وقت ہو گیا ہے۔ اپنے کمرے میں جاؤ۔''

''جی۔'' وہ سعادت مندی سے گویا ہوئی تھی۔

''ماما! رہنے دیں نا بھابی کو یہیں، اگر ان کا موڈ نہیں ہو رہا تو۔'' انوشے نے مسکرا ''یوں بھی بھابی اکثر تو اپنے کمرے میں ہی رہتی ہیں۔ کتنا مزہ آ رہا ہے نا ـــــ آپ کہہ دیجئے، اگر وہ بھابی کو زیادہ مس کر رہے ہیں تو خود بھی یہاں آ جائیں۔'' انداز میں بھولا ہنس دی تھی۔ انابیہ جھینپ گئی تھی۔

''آئیڈیا برا نہیں ہے۔ ویسے عفنان بھائی کو بھی ہمیں جوائن کر لینا چاہئے۔''

''کوئی کسی کو جوائن نہیں کر رہا۔ رات بہت ہو گئی ہے۔ اٹھو تم دونوں بھی۔ انوشے! بھی جانا ہے۔ آنکھ نہیں کھلے گی۔''

''آنکھ نہیں کھلے گی تو چھٹی کر لوں گی۔ کتنے دنوں بعد تو عریشے آئی ہیں۔ اور ٹیپو کو تمہیں چاہ رہا جانے کا کیپس۔'' انوشے منمنائی تھی۔

''کچھ عرصہ انتظار کرو۔ انشاءاللہ بہت جلد ایسا گپلو سا ٹیپو انابیہ بھابی کی اپنی گود میں شوق پورے کر لینا۔'' عریشہ مسکراتی ہوئی شرارت سے بولی تھی مگر انابیہ کان کی لووں تک اچھا ہوا تھا، وہ یہاں نہیں تھا۔ سوچتے ہوئے سر اٹھایا تھا، تبھی دل اچھل کر حلق میں آ گیا ساتھ لگائے کھڑا تھا۔ جانے کب وہ یہاں آیا تھا۔ انابیہ شاہ کو اپنی نظروں کو واپس موڑنا پڑا

عفنان بھائی خود ہی چلے آئے۔'' انوشے بولی تھی۔ فاطمہ اور عریشہ نے پلٹ کر دیکھا تھا۔ مسکراتے ہوئے ان کی طرف پیش قدمی کر دی تھی۔

ابھی رہا نہیں گیا نا کمرے میں۔ ہمیں معلوم تھا، اسی لئے ہم انابیہ بھابی کو اٹھنے نہیں دے رہے بہانے سہی۔ آپ باہر تو آئے۔ کچھ وقت تو گزاریں گے ہمارے بیچ؟'' عریشہ نے مسکراتے وہ انابیہ کے عین سامنے بیٹھتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

رکھو ـــــ ابھی وقت نہیں آیا کہ کسی کے بہانے تم لوگوں کو کوئی مراعات نہ ملے۔ مجھے اپنے مقام پر رکھنا آتا ہے۔ اپنی ذمہ داریوں سے واقف ہوں۔ جانتا ہوں، کس رشتے کو کیسے بہنوں کے لئے میرے پاس وقت ہمیشہ ہوتا ہے۔'' ہاتھ بڑھا کر عریشہ کے پہلو سے بیٹے کو لے لیا تھا۔ ہاتھ سے ہاتھ ٹکرائے تھے۔ انابیہ اس لمس سے جیسے سلگ اٹھی تھی۔

لرزاں۔

اس!

اس لئے اس جگہ سے اٹھ کر بھاگ جانا چاہتی تھی۔ جس لمحے سے بچنے کو تھی۔ جس کی قربت سے وہی اس لمحے اس کے سامنے تھا۔ وہ بے تاثر نظر آنے کی کوشش کرتی اس وقت بہت مضحکہ تھی۔

آپ کو کیا ہوا؟ ـــــ برا مان گئیں کیا؟ ہم تو مذاق کر رہے تھے۔'' عریشہ نے مسکراتے ہوئے

انابیہ مسکرائی تھی۔

ماما کی کوئی بات نہیں۔'' مطمئن کرنے کی کوشش کی تھی۔

بیٹا کچھ بڑا نہیں ہو گیا؟'' بچے کو پیار کرتے ہوئے عفنان نے مسکراتے ہوئے دریافت کیا چونک پڑی تھی۔

مطلب بڑا ہو گیا؟''

دیا تھا۔

ـــــ تم اس کی ڈائٹ پر دھیان دے رہی ہو۔ آئی مین تمہارے ہاں موٹاپا کچھ زیادہ ہے ان کے پیرنٹس ـــــ اور شاید یہ ٹیپو بھی اسی لئے اچھا خاصا صحت مند ہے۔'' عفنان انوشے ہنستی چلی گئی تھی۔ فاطمہ بھی مسکرا دی تھیں۔ عریشہ نے بھرپور احتجاج کیا تھا۔

ـــــ کیا مطلب ہے آپ کا؟ ـــــ ماشاءاللہ ـــــ ہاں ہے صحت مند میرا بچہ۔ اب کیا نظر آپ؟'' اس کے دہائی دینے کا انداز خوب تھا۔ انوشے پیٹ پکڑ کر ہنس رہی تھی۔ انابیہ جیسے اس تھی۔

کے بچے ہوں گے نا ـــــ پھر پوچھوں گی۔'' عریشہ نے بھائی کی گود سے اپنے صحت مند

بچے کو لے کر بھرپور پیار کیا تھا۔ عفنان ہنس دیا تھا۔

"کیا پوچھو گی؟ ـــــ میرے بچے تمہارے نیپو کی طرح ہو سکتا ہے "بہت زیادہ" صحت مند
مگر "صحت مند" ضرور ہوں گے اور خوبصورت بھی۔ اسپیشلی میرے بچوں کی آنکھیں بہت خوبصورت ہوں
گی۔" انابیہ کی طرف اک نگاہ خاص ڈالتے ہوئے وہ گویا تھا۔ انابیہ زمین میں گڑھ جانے کو تھی۔ "بے
باکی" کی حد تھی۔

عریشہ مسکرا دی تھی۔

"ہاں کیوں نہیں ہوں گی۔ ان بچوں کی ماں کی آنکھیں جھیل سیف الملوک جیسی جو ہیں۔"

"ماں کیوں؟ تمہیں باپ کی آنکھیں کچھ کم خوبصورت لگتی ہیں؟" اپنی شان میں قصیدہ گوئی
تھی۔ حد تھی خوش فہمی کی بھی۔

انابیہ متواتر اجنبی ہونے کی کوشش کر رہی تھی۔ مگر ماحول اسے پھر بھی گھیر رہا تھا۔ مقابل نظر
لگی تھیں۔ وہ مکمل استحقاق سے اسے دیکھ رہا تھا اور اب تو گواہی کے طور پر اس کا ہاتھ بھی تھام کر
گواہی طلب کرتے ہوئے گویا ہوا تھا۔

"انابیہ! بتاؤ انہیں ـــــ کیا میری آنکھیں کم خوبصورت ہیں۔ تم بتاؤ تم کیا سوچتی ہو؟ ان
کی آنکھیں تم جیسی ہونی چاہئیں، سرمئی، ہری، نیلی شربتی، یا پھر مجھ جیسی بھوری؟" وہ شائستگی کا
بھرپور انداز میں مسکراتا ہوا اس سے جواب چاہ رہا تھا۔ انوشے، عریشہ مسکرا رہی تھیں اور وہ ان
لمحے اتنی ہمت بھی نہیں تھی کہ اٹھ کر وہاں سے بھاگ ہی سکتی۔ یہ گزرتے لمحے، دن اسے وہ تجربے دے
رہے تھے جن کی وہ پہلے عادی نہیں رہی تھی۔ شاید اسی لئے سب کچھ جھیلنا بھی بہت دشوار ہو رہا
لمحے وہ اس شخص کو جواب دیتا تو در کنار، اس کی طرف دیکھ بھی نہیں رہی تھی۔

"بھائی ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ میرے بھائی کی آئیز زیادہ خوبصورت ہیں۔ شفاف، چمکدار"
انوشے نے بھائی کی بھرپور طرف داری کی تھی۔ عفنان مسکرا دیا تھا۔ انداز بھرپور فاتحانہ تھا۔

"دیکھا ـــــ آئی نو اٹ ـــــ جانتا تھا میں ـــــ دیکھو انابیہ! تم ہار گئیں۔" وہ
مسکراتے ہوئے گویا اس نے تیر اچھالا تھا۔ انابیہ ایک لمحے میں اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"ایکسکیوز می، مجھے نیند آ رہی ہے۔" وہ کہہ کر بنا کسی کا رد عمل دیکھے وہاں سے نکل گئی تھی۔
بغور بہو کو دیکھا تھا۔ ان دونوں کے بیچ کا تناؤ ان کی نگاہ سے چھپا نہیں رہ سکا تھا۔ عریشہ نے
سے دیکھا تھا۔

"ناراض کر دیا نا بھابی کو؟"

"نہیں ـــــ وہ ناراض نہیں ہوتی۔ شی از ویری انڈر اسٹینڈنگ۔" وہ غالباً واقعی ٹھیک تھا
کی غیر موجودگی میں بھرپور حمایت کی تھی اس کی۔ اور خود بھی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"تم لوگ سو جاؤ اب۔ مجھے بھی نیند آ رہی ہے۔ گڈ نائٹ۔" عفنان چلتا ہوا کمرے کی طرف
تھا۔ اس کا اطمینان اس کی چال تک سے واضح تھا۔

❋❋❋

میرب دن بھر مائی کے ساتھ مصروف رہی تھی مگر جیسے ہی اسے وقت ملا تھا وہ مائی کے سونے کے بعد
اس طرف آ گئی تھی۔ فطری طور پر وہ متجسس نہیں تھی۔ مگر پھر بھی جو تھا، وہ اپنے اندر اسرار ضرور لئے ہوئے
تھا۔ وہ خاتون کچھ خاص تھی۔ سب سے بڑی بات، اب تک جو اس نے اس کے بارے میں قیاس کیا تھا وہ
سراسر غلط ثابت ہوا تھا۔ وہ سمجھی تھی وہ "وکٹم" ہے۔ جس کو یہاں اس حالت میں رکھ کر "وکٹمائز" بنایا جا رہا
ہے۔ مگر جس طرح وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی قصیدہ گوئی کرتے ہوئے تعریفوں کے پل باندھ رہی تھی
اس سے تو ایسا نہیں لگتا تھا کہ اسے یہاں پر کسی سے کوئی شکایت بھی ہے۔

بات تو حیرت کی تھی۔ جیسا اس نے سوچا تھا، ویسا نہیں تھا۔ دوسرا وہ اب تک نہیں جان پائی تھی کہ وہ
کون تھی اور یہاں اس حالت میں کیوں تھی؟ وہ ملاقاتیں ہوئی تھیں اس کی، اس چہرے سے اور وہ اس کا
نام تک نہیں جان پائی تھی۔ کچھ تو تھا۔ مائی اماں نے کبھی سرسری انداز میں بھی اس کا ذکر نہیں کیا تھا۔ کئی
باتیں ان کے مابین ہوتی تھیں مگر کبھی اس بند کمرے کا ذکر نہیں آیا تھا۔ کبھی اس بند کمرے میں چھپے چہرے
کا ذکر نہیں آیا تھا۔

کون تھی وہ؟

میرب سیال نے دروازہ کھول کر مسکراتے ہوئے اندر جھانکا تھا۔ وہ چہرہ اسے دیکھ کر مسکرایا تھا۔ میرب
بلو جانتی ان کے لئے تازہ پھول لائی تھی جو اسے تھمائے تھے۔

"تھینکس۔" وہ ایزی چیئر پر بیٹھی پھول تھامتی ہوئی مسکرا دی تھی۔ میرب آگے بڑھ کر کھڑکی سے
پردے سرکانے لگی تھی۔ جب وہ بولی تھی۔

"اس کی کیا ضرورت تھی؟" پھولوں کو عجیب سے انداز میں دیکھتے ہوئے وہ بہت پھیکے سے انداز میں
مسکرائی تھی۔ اور پھر ان پھولوں کو ایک طرف رکھ دیا تھا۔ میرب نے کھڑکیاں کھولتے ہوئے اس کے اس
انداز کو چونکے بغیر دیکھا تھا۔

"آپ کو پھولوں سے لگاؤ نہیں؟" اس کے لہجے میں حیرت نہیں تھی۔

"نہیں۔" اس خاتون کا جواب قطعی تھا۔

"حیرت ہے۔" میرب نے چونکتے ہوئے مسکرا کر انہیں دیکھا تھا۔

"کس بات پر؟" وہ خاتون اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی تھی۔ غالباً ان دنوں وہ اپنا خیال رکھ رہی
تھی۔ اس کی حالت پہلے سے بہت بہتر لگ رہی تھی۔ بہت فریش تو نہیں مگر وہ کچھ بہتر لگ رہی تھی۔

"محبت کی باتیں کرنے والا لہجہ پھولوں کے خلاف کیسے ہو سکتا ہے؟ ـــــ محبت کی گفتگو کرتی یہ
آنکھیں پھولوں کو دیکھنا کیوں نہیں چاہتیں؟" وہ لوجیکلی اس نقطے پر پہنچتے ہوئے بولی تھی۔

خاتون مسکرا دی تھی۔ انداز بہت بجھا بجھا سا تھا۔ وہ جیسے اس کے سوال کا مفہوم بہت واضح انداز میں
سمجھ گئی تھی۔

"لفظ بولنا آسان ہے۔ مگر لفظ بھی ایک دن بجھ جاتے ہیں جیسے یہ آنکھیں بجھ جاتی ہیں۔ خوشبو کی

شے میں باقی نہیں رہتی۔ یہ پھول بہت خوبصورت ہیں، جانتی ہوں میں ——— مانتی ہوں۔ مگر یہ ہمیشہ تو نہیں رہیں گے۔"

"مگر آپ تو کہہ رہی تھیں محبت ہمیشہ آباد رہتی ہیں۔" میرب نے انہیں گھیرا تھا۔

"ہاں ——— رہتی ہے۔ مگر ان کھنڈروں میں کوئی صدا سننے نہیں آتا۔ تم نے کسی کو مرجھائے ہو پھول اٹھاتے دیکھا ہے؟" خاتون نے اپنی دانست میں اسے لاجواب کرنا چاہا تھا۔

میرب مسکرا دی تھی۔

"مگر ایسا نہ ہونے سے پھولوں کی وقعت تو کم نہیں ہو جاتی۔ پھول تو پھر بھی پھول ہی رہتے ہیں۔ پھول ہی کہلاتے ہیں۔" میرب سیال جیسے اسے قائل کرنے پر مائل تھی۔ وہ خاتون خاموش ہو کر چپ ہو گئی تھی۔ میرب نے اسے مزید نہیں اکسایا تھا۔ قدرے توقف سے وہ خود ہی بولی تھی۔

"پھولوں کی تازگی اور خوشبو محبت کے اوائل کے موسموں جیسی ہے۔ مگر دونوں قائم رہنے والی چیزیں نہیں ہیں۔" اس کا لہجہ ٹھہرا ہوا تھا جیسے بہت سے زمانے بول رہے تھے۔

"یعنی آپ خیال کرتی ہیں، محبت مر جاتی ہے؟" میرب رسانیت سے مسکرائی تھی۔

"نہیں ——— محبت نہیں مرتی، یہ لمحہ لمحہ مارتی ہے۔ مگر اس کے باوجود جینے پر اکساتی ہے۔" نفی میں سر ہلاتے ہوئے وہ حتمی لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

"آپ محبت کے متعلق اتنے وثوق سے کیسے بول سکتی ہیں؟" میرب کے ہاتھ ایک ایسا پہلو آیا تھا جس سے بہت سے دروازے کھل سکتے تھے۔ سو اس نے موقع جانے نہیں دیا تھا۔

وہ خاتون مسکرا دی تھی۔ انداز ایسا تھا جیسے بجھی راکھ میں کئی چنگاریاں ہولے ہولے دہک رہی ہوں۔

"میں نے محبت کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ قدم بقدم چلی ہوں میں اس کے ساتھ۔ کیسے وثوق سے بات نہ کروں؟" وہ صاف گوئی سے بولی تھی۔ میرب نے کسی قدر حیرت سے انہیں دیکھا تھا۔ ایک ... ان آنکھوں سے جھانک رہا تھا۔ میرب نے اس چہرے کے درد کو جانے کیوں اپنے بہت اندر محسوس کیا تھا۔ بہت آہستگی سے چلتی ہوئی وہ آگے بڑھی تھی اور اس کے قریب بیٹھتے ہوئے اپنا نازک سا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھا تھا۔ انداز بہت ہمدردانہ تھا۔

"کون ہیں آپ؟ ——— اس طرح یہاں کیوں ہیں؟"

وہ خاتون مسکرا دی تھی۔ جیسے اس کی طرف سے اس سوال کی توقع پہلے سے کر رہی ہو۔

"تم نے یہ ایک سوال بہت دیر سے پوچھا۔" اپنی حیرت واضح کی تھی۔ "تمہیں یہ سوال غالباً سب سے پہلے پوچھ لینا چاہئے تھا۔"

"کیا میں نے کچھ غلط پوچھا؟" میرب نے نرمی سے دریافت کرتے ہوئے ان بجھی آنکھوں میں جھانکا تھا۔ اس خاتون نے کچھ ثانیوں تک خاموشی سے اسے دیکھا تھا پھر بہت نرمی سے مسکراتے ہوئے نفی میں ہلا دیا تھا۔

میرب نے مزید کچھ نہیں پوچھا تھا۔ غالباً وہ اسے خود کو کمپوز کرنے کا وقت دے رہی تھی۔

"تم یہاں میرے پاس کیوں آئی ہو؟" خاتون نے مسکراتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

"میں نہیں جانتی۔ مگر میں آپ کو اس کیفیت میں بھی نہیں دیکھ سکتی۔ یو نیڈ ٹو سی آ ڈاکٹر ——— یو نیڈ آ ... آپ چلیں یہاں سے۔ میں آپ کو اس قید سے نکالنا چاہتی ہوں۔"

وہ خاتون مسکرا دی تھی۔

"مگر میں قید میں نہیں ہوں۔"

"تو پھر؟" میرب نے استفسار کرتے ہوئے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

"میں اپنی مرضی سے یہاں ہوں۔" خاتون کے لہجے میں اطمینان تھا۔

"کیوں؟" میرب کو شدید ترین حیرت ہوئی تھی۔

"ہر سوال کا جواب نہیں ہوتا۔" ایزی چیئر کی پشت سے سر ٹکا کر وہ اطمینان سے گویا تھی۔ میرب اس بے حسی سے پُر لہجے پر حیران رہ گئی تھی۔

"اس طرح ——— خود اپنے ساتھ آپ کیسے کر سکتی ہیں؟ ——— کون ہیں آپ؟ ——— تگین کی خالہ، یا ———" میرب کا سوال ادھورا رہ گیا تھا۔

"سردار سبتگین حیدر لغاری کی بیوی ہوں میں۔" وہ خاتون اس کی بات کاٹتے ہوئے بولی تھی۔ میرب یکلخت جیسے پتھر ہو گئی تھی۔

"کیا؟" اسے لگا تھا جیسے اس نے سننے میں کچھ غلطی کر دی تھی۔

"تگین کی بیوی ہوں میں۔" وہ خاتون باور کراتی ہوئی کہہ رہی تھی اور میرب کو لگا تھا جیسے اس کی کانوں میں کسی نے پگھلا ہوا سیسہ انڈیل دیا ہو!

میرب کے اندر نہ بولنے کی سکت باقی تھی، نہ ہی اسے جھٹلانے کی یا کوئی سوال کرنے کی۔ وہ صرف بے یقینی سے بجھی آنکھوں کے ساتھ اس چہرے کو دیکھ رہی تھی جو اس لمحے پُر اعتمادی سے کہہ رہا تھا۔

"ہاں ——— تگین کی بیوی ہوں میں۔ میں جانتی ہوں تمہارے لئے یہ شاک کا باعث ہوگا۔ لیکن اندازہ ——— شاید تگین نے تمہیں اس بارے میں کچھ نہ بتایا ہو۔ یوں بھی جو رشتہ اپنے اصل خواص کے ساتھ قائم نہ ہو، اس کی حیثیت یوں بھی کالعدم ہو جاتی ہے۔ رشتے صرف بنانے کے لئے نہیں ہوتے، نبھانے کے لئے بھی ہوتے ہیں۔ اور یہ سچ ہے کہ ہم نے یہ رشتہ ایک دوسرے سے کبھی نہیں نبھایا۔ ہم میں تعلق صرف نام کا تھا۔ اس کے سوا اس کی کچھ حقیقت باقی نہیں۔"

... انی کی طرح میرب سیال کے سینے میں کھب رہے تھے۔ کان سائیں سائیں کر رہے تھے۔ وہ سننا نہیں چاہتی تھی مزید ایک لفظ بھی ———

اس میں سکت نہیں تھی۔ حوصلہ بھی باقی نہیں تھا۔ مگر وہ اتنی بے بس تھی کہ وہاں سے ہل بھی نہ سکی تھی۔ اس کا وجود جیسے پتھر کا ہو چکا تھا۔ خاتون نے اپنے نحیف چہرے سے اسے کسی قدر پُر افسوس انداز سے دیکھتے ہوئے اس کا ہاتھ آہستگی سے تھاما تھا جو یخ سرد ہو رہا تھا۔

... اپنے سامنے کھڑی اس لڑکی کی اندرونی حالت کا اندازہ بخوبی تھا۔ مگر وہ کوئی چارہ گری کرنے

کے لئے جیسے خود کو مکمل طور پر بے بس پا رہی تھی۔

"میں ایسا نہیں چاہتی تھی۔ میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ آئی ایم سوری، اگر میری وجہ سے تم دل گرفتہ ہوئی ہو تو۔" کمزور آواز دب گئی تھی۔ پژمردہ لہجہ کھو گیا تھا۔ میرب کی ساکت آنکھوں سے نکل کر چند قطرے بڑی خاموشی سے ٹوٹے تھے اور رخساروں پر بہہ گئے تھے۔

وہ رو رہی تھی، اس شخص کے لئے جس نے سوائے دکھ کے، تکلیف کے اسے کچھ نہیں دیا تھا۔ کے لئے افسوس کر رہی تھی جو اس کا سرے سے کبھی ہوا ہی نہیں تھا۔ اس کے لئے سوگ منا رہی تھی جو باوفا تھا ہی نہیں۔

"میں تمہارے بارے میں جانتی تھی۔ میں خوش تھی، تم گین کی زندگی میں ہو۔ مجھے تم سے نہیں، مجھے گین سے بھی کوئی شکوہ نہیں۔ ہم ایک دوسرے سے کوئی شکوہ کر ہی نہیں سکتے۔ قصور وار ہے۔" وہ خاتون اس کی سمت دیکھتی ہوئی مدھم لہجے میں کہہ رہی تھیں۔ کمرے میں ایک دو کا سناٹا صرف وہ کمزور آواز اس ماحول میں ارتعاش پیدا کر رہی تھی۔ صرف اس ماحول میں ہی نہیں، میرب کے اندر بھی۔

"قصور ہم دونوں کا نہیں ہے، ہماری روایتوں کا ہے۔۔۔۔۔ ہم روایتوں کے ڈسے ہوئے ہیں۔ روایتیں برتنے کے لئے ہوتی ہیں۔ مگر یہاں ہمیں ہماری روایتوں نے برتا ہے۔" وہ مجرمانہ انداز میں یوں گویا تھی جیسے میرب کے تمام دکھ کا بھرپور ازالہ کرنا چاہتی ہو مگر کر نہ پا رہی ہو۔

میرب اب بھی اسی طرح پتھر بنی، ساکت و جامد کھڑی تھی۔

عفنان کمرے میں داخل ہوا تھا۔ اور رخ پھیرے کھڑی انابیہ کی ساری حسیں لمحے کے ہزارویں حصے میں بیدار ہوئی تھیں۔ مگر وہ پلٹی نہیں تھی۔ دھڑکنوں میں اچانک لمحہ آنے والا ارتعاش اتنا سنگین تھا کہ وہ قابو پانے کی کوشش میں خود کو بالکل بے بس پا رہی تھی۔

عفنان قدم آگے بڑھاتا ہوا اس کے قریب آن رکا تھا۔ وہ تب بھی نہیں پلٹی تھی۔ شاید وہ اس وقت اس لمحے میں تھی جہاں وہ "کبوتر" بن کر آنکھیں سختی سے میچ لینا چاہتی تھی۔ مگر ایسا ہونے سے یقیناً خطرہ ٹل نہیں سکتا تھا۔ سو اس نے کوئی بے وقوفی بھی تاحال نہیں کی تھی۔ عفنان نے ہاتھ بڑھا کر اس کے شولڈر پر رکھا تھا اور اس کا رخ اپنی طرف موڑ لیا تھا۔

انابیہ کے اندر جیسے کئی قیامتوں نے ایک ساتھ سر اٹھایا تھا۔

"کوئی نہیں ہے۔" بہت خوفزدہ سے لہجے میں اس نے وضاحت دی تھی جسے عفنان علی خان یکسر نہیں سمجھا تھا۔

"کہاں؟" استفہامیہ انداز انابیہ کو اور بھی مشکل میں ڈال گیا تھا۔ انابیہ نے پانیوں سے بھری آنکھوں کے ساتھ بہت بے بسی سے اسے دیکھا تھا۔ عفنان کو اس لمحے اس پر جیسے ترس سا آ گیا تھا۔ ہاتھ بڑھا کر نرمی سے اس کے چہرے کو چھوا تھا۔ انداز بھرپور ہمدردی لئے ہوئے تھا۔ مگر وہ ان نوازشوں کے زیر خود کو بہت ناتواں سا محسوس کر رہی تھی جھکتے ہوئے انداز میں آنکھیں میچی تھیں تو ساری نمی رخساروں پر آ گئی تھی۔

"کہیں کوئی نہیں ہے۔" مدھم لہجے میں ایک بار پھر وضاحت دی تھی۔ عفنان علی خان کے دل پر کئی نوازشوں نے ایک ساتھ پڑاؤ ڈالا تھا۔ وہ اپنی دانست میں اس سے بچنے کی سعی کر رہی تھی۔ مگر دوسری طرف صورت حال اتنی ہی مشکل ہو رہی تھی کہ کوئی بچنا چاہتا بھی تو نہ بچ سکتا تھا۔ عفنان علی خان نے اسے شانوں سے تھام کر بھرپور استحقاق جتاتے ہوئے اسے خود سے کچھ قریب کیا تھا۔

"میں ضبط باندھنے کے سارے جتن کر کے تھک جاتا ہوں انابیہ!۔۔۔۔۔ تم ایک پل میں سب کچھ زیر و زبر کیسے کر دیتی ہو؟" اپنے سامنے موجود چہرے کو دیکھتے ہوئے بھرپور شکوہ کیا تھا۔ انابیہ جیسے اس لمحے سے بھرپور طور بچنا چاہتی تھی۔ وہ واقعی "کبوتر" بن گئی تھی۔ اور آنکھیں نہیں کھول رہی تھی۔

"کہیں کوئی نہیں ہے۔" ایک ہی جملہ دہراتے ہوئے وہ اس لمحے بہت بے بس لگی تھی۔ وہ اس لمحے لرزتے انداز میں کانپ رہی تھی۔

"تمہارے قریب آنے کی سعی کرنا نہیں چاہتا۔ مگر تم بے بس کر دیتی ہو۔ یہ تمہارا کمزور کانپتا وجود مجھے

لگتا ہے جیسے یہ کہہ رہا ہو، تھام لو مجھے، پناہ میں لے لو اپنی، میری نظریں دیکھنا بھی نہیں چاہتی تھیں، تم ــــــ تم اپنی گرفت سے نکلنے ہی نہیں دیتیں۔" بے بسی سے چور مدھم لہجے میں وہ اپنی کیفیت بیان رہا تھا۔

"کہیں کوئی نہیں ہے ــــــ سچ کہہ رہی ہوں میں۔" وہ جیسے ان پناہوں سے دور بھاگ جانا چاہتی تھی۔ سارے حصار توڑ دینا چاہتی تھی۔

"جب کوئی نہیں ہے تو پھر کیوں دور بھاگتی ہو تم مجھ سے؟ ــــــ کیوں ان فاصلوں کو ختم نہیں ہونے دیتیں؟ ــــــ دن رات کیوں بڑھاتی جا رہی ہو ان دائروں کو اپنے اور میرے بیچ؟" آنکھیں بھی بھیگے، اس بھیگتے چہرے کو اوپر اٹھا کر دیکھا تھا۔ مگر وہ سرخی میں جلنے لگا تھا۔

"کوئی نہیں ہے ــــــ کوئی نہیں ہے۔" وہ یکدم چیخی تھی اور اپنے گرد کا وہ حصار توڑ کر باہر نکل گئی تھی۔

"جب کوئی نہیں ہے تو کیوں کر رہی ہو تم ایسا؟ ــــــ کیوں کر رہی ہو تم یہ سب؟" وہ بھی چیخا تھا۔ مگر انابیہ بھیگی آنکھوں سے خاموشی سے اسے دیکھنے کے سوا کچھ نہیں کہہ سکی تھی۔ عفنان کو جیسے اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا۔ بہت الجھے ہوئے انداز میں اس کی طرف پیش قدمی کی تھی اور اسے شانوں سے تھام کر بغور دیکھا تھا۔

"محبت دل، نظر سب کچھ پڑھ سکتی ہے انابیہ! ــــــ مجھے غیب کے ان رازوں کو جاننے سے کچھ شغف نہیں ہے۔ سو کچھ باور کرانے کی کوشش مت کرو تم۔"

انابیہ نے اس کے ہاتھ اپنے شانوں پر سے ایک لمحے میں ہٹائے تھے۔

"تم اتنا کمزور کیوں سمجھ رہے ہو مجھے؟"

"میں تمہیں کمزور سمجھ رہا ہوں نہ ہی تمہاری کسی [illegible] سے کوئی فائدہ اٹھانے کا میرا ارادہ ہے۔ بات تم سمجھنا نہیں چاہتی ہو صرف وہ سمجھانے کی کوشش [illegible] ہوں۔ مگر میں جانتا ہوں، یہ سود مند نہیں ہوگی۔ کوشش رائیگاں جانے کا افسوس مجھے پھر رہے گا۔" [illegible] لہجے میں جتایا تھا۔

"تو کس نے کہا ہے اپنا وقت ضائع کرو مجھ پر ــــــ جب اپنا آپ مجھ سے الگ کرنے کی ٹھان لی ہے تو پھر الگ کر بھی کیوں نہیں لیتے؟ ــــــ شادی کرنا چاہتے ہو، یہی کہا تھا نا تم نے ــــــ پھر کیا ہوا تمہارا وہ فیصلہ؟ ہمت نہیں ہے نا تم میں؟" وہ اس لمحے سخت لہجے میں بولتی ہوئی ہمیشہ سے مختلف لگ رہی تھی۔ مگر عفنان علی خان کو اس کے اس انداز پر غصہ نہیں آیا تھا، نہ ہی کسی قسم کا کوئی طیش۔ بہت اطمینان سے وہ اس کی سمت دیکھتا ہوا آگے بڑھا تھا۔ اور قریب آن رکا تھا۔

انابیہ اس کی جانب نہیں تھی۔ چہرہ موڑے کھڑی تھی۔ عفنان علی خان نے بنا اس کے غصے کی پرواہ کیے اس کا چہرہ اپنی سمت موڑا تھا اور بغور دیکھتے ہوئے پُرسکون لہجے میں بولا تھا۔

"بس یہی ــــــ بس یہی انداز میں تمہارا دیکھنا چاہتا تھا۔"

انابیہ شاہ نے اسے بے طرح چونک کر استعجابیہ نظروں سے دیکھا تھا۔

"مجھے حیرت نہیں ہوئی ــــــ حیرت تب ہوتی جب تم ایسا ری ایکٹ نہیں کرتیں۔" اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا وہ کہہ رہا تھا اور انابیہ اسے حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں اس کی کوئی بات نہیں آ رہی تھی۔

❋❋❋

"تمہارے لئے شاید یہ واقعی بہت بڑا راز ہے جس سے آج پردہ ہٹا تھا۔ مگر میں اسے راز نہیں کہوں گی۔ راز تو یہ تب ہوتا جب تمہیں اس کے بارے میں اس گھر کے باہر کے کسی فرد سے بھنک پڑتی۔ یہ صرف ایک غیر اہم قصہ یا غیر ضروری بات تھی جسے تمہیں بتانا ضروری اس لئے خیال نہیں کیا گیا کہ ایسا ضروری نہیں تھا۔"

میرب سیال سر جھکائے کھڑی تھی۔ جب اس خاتون کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔ اس بت سے وجود میں ایک لمحے کو حرکت ہوئی تھی اور اس نحیف و کمزور نظر آنے والے چہرے کو اس نے کچھ حیرت سے دیکھا تھا۔

"غیر اہم؟ ــــــ غیر ضروری؟"

وہ خاتون اس قصے کو غیر ضروری کہہ رہی تھی۔ وہ بات جس نے اس کی ذات میں ایک بھونچال اٹھا دیا تھا وہ بات اتنی غیر اہم تھی؟

"میں تمہاری کیفیت سمجھ سکتی ہوں۔" خاتون اس کی حالت کا اندازہ کرتی ہوئی بولی تھی۔

"کیا آپ کو لگتا ہے کہ مجھے آپ کی ہمدردی کی ضرورت ہے؟" وہ اس لمحے چیخنا چاہتی تھی مگر آواز حلق کے اندر ہی کہیں دم توڑ گئی تھی۔ خاتون کچھ ثانیوں تک کچھ نہیں بولی تھی۔ میرب سیال نے اس کا بھرپور جائزہ لیا تھا۔

وہ ایک پڑھی لکھی خاتون تھی۔ اس کی گفتگو سے صاف ظاہر ہو رہا تھا، عمر میں وہ تگین سے بڑی ضرور تھی مگر صاف لگ رہا تھا اس کی تربیت میں کہیں کوئی کمی نہیں چھوڑی گئی۔ ایک آزاد سوچ کی جھلک واضح محسوس ہو رہی تھی۔ وہ چہرہ اب بھی روشن تھا۔ اس بیماری کے باوجود آنکھوں میں چمک اب بھی باقی تھی۔ کیسے وقوع پذیر ہوا ہوگا یہ رشتہ؟ ــــــ تگین نے کیا اسے بھی رد کر دیا ہوگا؟

"سچ پوچھو ــــــ میں تمہیں اپنے بارے میں کچھ بتانا نہیں چاہتی تھی۔ میں نے ہی ماں کو منع کیا تھا کہ وہ تمہیں میرے بارے میں کچھ نہ بتائیں۔"

"آپ نے ایسا کیوں کیا؟ ــــــ آپ تو مجھے جانتی بھی نہیں تھیں۔ پھر یہ مہربانی کیسے ہو گئی؟" میرب کو ل میں یہ پہلا سوال تھا جو اس نے دریافت کیا تھا۔ وہ خاتون مسکرا دی تھی۔

"تم مجھے نہیں جانتی تھیں۔ مگر میں جانتی ہوں۔ مجھے تمہارے بارے میں پتہ تھا۔ مجھے اندازہ تھا تم الجھ رہی ہوگی۔" میرب سیال کے لئے اپنا ذکر اس کے منہ سے سننا کوئی معنی نہیں رکھتا تھا ــــــ سب کچھ بے معنی ہو کر رہ گیا تھا۔

وہ کیا کہتی کہ کیا خواب دیکھے تھے اس نے۔ اور یہ کہ وہ کیسے چکنا چور ہو گئے!

کیا کہتی کہ ایک لمحے میں اسے سب بے معنی لگا تھا۔ سب کچھ۔
وہ اٹھی تھی اور چلتی ہوئی کھڑکی کے پاس جا رکی تھی۔ گھٹن اس کمرے میں ہی نہیں، اس کے اندر بھی تھی۔ اس نے شیشے ہٹا دیے تھے۔ باہر کا موسم یکسر مختلف تھا۔ یا پھر اس کے اندر جیسا ——— وہ بھیگا ہوا پانی تھی۔ سرد ہوا کے جھونکے نے اسے سانس لینے میں مدد دی تھی۔ اس کے سینے کی گھٹن کو کچھ راستہ ملا تھا۔ باہر بارش ہو رہی تھی۔
کتنی چپ چاپ تھی یہ بارش!
اسے خبر تک نہیں ہوئی تھی۔
"تمہیں بہت دکھ ہو رہا ہے نا؟" میرب سیال چپ چاپ کھڑی باہر برستی بارش کو دیکھ رہی تھی۔ جب خاتون اس کی پشت کو دیکھتی ہوئی بولی تھی۔
"پتہ نہیں۔" میرب سیال کا انداز، لہجہ سرد تھا۔
خاتون کو کچھ افسوس ہوا تھا۔ مگر فوری طور پر وہ کچھ نہیں کہہ سکی تھی۔
"بارش اتنی چپ چاپ ہو رہی تھی کہ اندازہ نہیں ہوا ——— سب کچھ خاموشی میں کتنا چپ چاپ بھیگ رہا تھا۔" میرب سیال باہر کے منظر کو دیکھتی ہوئی بولی تھی۔ انداز، لہجہ کھویا کھویا سا تھا۔
"مگر مجھے اندازہ ہے۔" خاتون نے مدھم لہجے میں جیسے قبول کیا تھا اور مجرمانہ انداز میں اسے دیکھتی ہوئی بولی تھی۔
"مجھے افسوس ہے، میرے باعث تمہیں تکلیف پہنچی۔ مگر میں تمہارا دکھ سمجھ سکتی ہوں۔"
"میرا دکھ؟" وہ استہزائیہ انداز میں مسکرائی تھی۔ "میرا نہیں خیال کہ میرا دکھ اتنا بڑا ہے جتنا کہ آپ کا۔ گلہ تو مجھے ہونا چاہیے۔ دکھ تو میں نے آپ کو دیا ہے۔ کین کی دوسری بیوی ہوں نا میں۔ آپ کا [illegible] حق چھینا ہے میں نے۔" طنز عجیب نہیں تھا۔ مگر وہ خاتون بہت نرمی سے مسکرا دی تھی۔
"میرا نام نہیں پوچھو گی؟"
"کیا کروں گی جان کر؟" بے تاثر انداز میں وہ چہرہ پھیر گئی تھی۔
"تمہارے لیے اتنی غیر اہم ہوں میں؟" وہ خاتون دلچسپی سے اسے دیکھنے لگی تھی۔
میرب سیال نے پلٹ کر اسے بغور دیکھا تھا۔
ایزی چیئر پر بیٹھا وہ نحیف وجود ——— وجود نہ تھا ——— ایک کہانی تھا۔ یہ بند کمرہ، اس کی گھٹن بے معنی تو نہ تھی۔ اس کا یوں قیدِ تنہائی میں عمر کاٹنا ——— خون تھوکنا ——— بے معنی تو نہ تھا۔
تو کیا وہ میرب سیال سے بھی زیادہ بے بس تھی؟
"ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟" وہ چہرہ اس کے دیکھنے پر مسکرایا تھا۔
"کچھ نہیں۔" میرب نے سر انکار میں ہلا دیا تھا۔ "آپ یہاں کیوں ہیں؟"
"تمہیں عجب تو نہیں لگے گا اگر کہوں کہ سزا کاٹ رہی ہوں؟"
"کیا اس سزا کا تعلق کین سے ہے؟" دل پر پتھر رکھ کر وہ نام لیا تھا۔

"میرا تعلق تو کین سے بھی نہیں ہے۔" وہ اس کے سوالوں کے جواب جانے کیوں اتنی غیر سنجیدگی سے دے رہی تھی۔
"آپ......" میرب کچھ بولنے کی خواہش رکھتے ہوئے بھی کچھ نہیں بول سکی تھی۔
"رومیصا ——— رومیصا لغاری کہہ کر پکارنا چاہو تو پکار سکتی ہو۔" وہ مسکرائی تھی۔ "کتنی عجیب بات ہے جو رشتہ ہم دونوں میں ہے اسے لے کر ہمیں ایک دوسرے سے نفرت کرنی چاہیے۔ مگر ہم دیکھو اس کے نیچے کتنے ضبط سے پُرسکون کیفیت میں ایک دوسرے کو جھیل رہے ہیں۔ چپ چاپ بارش شاید ایسی ہوتی ہے۔"
میرب سیال نے جواباً کچھ نہیں کہا تھا۔ گردن موڑ کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی تھی۔
خاتون کھانسنے لگی تھی۔ تبھی وہ اس کی سمت پلٹی تھی۔ ٹیبل سے جگ اٹھایا تھا اور پانی گلاس میں ڈال کر اس کی سمت بڑھایا تھا۔ رومیصا لغاری نے دو چار سپ لیے تھے اور گہرے گہرے سانس لیتی اسے دیکھنے لگی تھی۔
"ڈاکٹر کو فون کروں؟" کہنے کے ساتھ ہی اس نے سیل پر نمبر ملانا چاہا تھا مگر رومیصا لغاری نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔
"اس رات کی سرگوشیاں کہہ رہی ہیں میرب سیال! اسے یونہی گزر جانے دو۔ کوئی تردد مت کرو۔"
"آپ ایسا کیوں کر رہی ہیں؟ ——— خود اپنے ساتھ؟"
"کہا تو تھا ——— سزا کاٹ رہی ہوں۔"
"محبت کرتی تھیں آپ کین سے؟" ایک الجھن کے ساتھ دریافت کیا تھا۔
وہ خاتون مسکرا دی تھی۔ جیسے اس کا سوال بہت ہی غیر اہم اور بچگانہ ہو۔
"تمہیں کیا لگتا ہے؟"
"مجھے کچھ اندازہ نہیں ہے ——— میں یہاں پہیلیاں بوجھنے یوں بھی نہیں آئی تھی۔ کین آپ سے محبت کرے یا آپ کین سے ——— کیا فرق پڑتا ہے۔" اس کا بجھا بجھا سا لاتعلق لہجہ رومیصا لغاری کو مسکرانے پر مجبور کر گیا تھا۔
"وِن تھنگ دی موسٹ ہرٹ ——— یو نو واٹ؟" رومیصا نے دریافت کیا تھا۔
میرب سیال نے صرف سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا۔
"لو لی ——— " رومیصا لغاری کا جواب بہت مختصر مگر بامعنی تھا۔ میرب سیال کچھ نہیں بولی تھی۔ مگر رومیصا لغاری کہہ رہی تھی۔
"دنیا میں صرف محبت ہی ایسا کر سکتی ہے۔ یہ سچ ہے، محبت دل جوڑتی ہے۔ مگر یہ اس سے بھی بڑا سچ ہے کہ محبت دل توڑتی بھی ہے۔ نفرت سے لوگ بلاوجہ خائف نظر آتے ہیں۔ نفرت کبھی کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ کمزور صرف محبت کرتی ہے۔" اس کے الجھے الجھے جملے سمجھنے کی سکت میرب سیال کے اندر نہ تھی۔ مگر شاید وہ سچ ہی کہہ رہی تھی۔ اندر ایک دھواں سا جو پھیلا تھا وہ بے معنی تو نہ تھا۔ یہ گھٹن کس شے کا

باعث تھی۔

"تو آپ کو گین سے محبت تھی۔ اور گین نے آپ کو چھوڑ دیا۔"

"گین مجھے چھوڑتا تو تب جب وہ مجھے اپناتا ___ اس نے مجھے کبھی اپنایا ہی نہیں تو پھر چھوڑ بات درمیان میں کیسے آسکتی ہے؟" وہ خاتون جیسے اس کی عقل پر ماتم کر رہی تھی۔ میرب سیال بجھے بجھے سے چہرے کو دیکھا تھا۔ اگر آج وہ اس حالت میں نہ ہوتی تو پرکشش ترین عورت کہی جا عمر میں وہ گین سے بڑی ضرور تھی مگر......!

"میں گین سے عمر میں بڑی ہوں ___ تقریباً پندرہ برس ___ ہماری شادی بے جوڑ تھی۔ سے ہمارا کوئی جوڑ تھا ہی نہیں ___ میرے بابا گین کے بابا کے بڑے بھائی تھے۔ اصولاً بڑے بھائی کی نسل کو منتقل ہوتی ہے۔ مگر لڑکی ہونے کے باعث ایسا ممکن نہیں تھا۔ گین بہت منتوں کے بعد اس گھر میں آیا تھا۔ خاندان بھر میں مہینوں جشن منائے گئے ___ وہ مجھے بھی بہت عزیز اس کی پیدائش پر میں نے قطعاً نہیں سوچا تھا کہ میرا اس سے کوئی ایسا رشتہ بندھ جائے گا۔ میں اپنی ان بازوؤں میں کھلاتا تھا۔ چاچی کی گود میں اسے رہنے ہی نہیں دیتی تھی۔ وہ میرے کمرے جاتا تھا۔ میرے ساتھ۔ میں اس کا جھولا بھی اپنے کمرے میں اٹھا لائی تھی۔ میں اس سے بہت محبت کرتی تھی۔" رومیصا لغاری ان دنوں کو اپنے اندر بھاگتا دوڑتا محسوس کر رہی تھی۔

میرب سیال کی سانسوں کی رفتار بہت مدھم ہو رہی تھی۔ کیسا اسرار تھا اس رات میں ___ یہ رات کوئی راز، راز نہیں رہنا تھا۔

"تم نے ٹھیک کہا ___ میں گین سے محبت کرتی ہوں۔" رومیصا لغاری اس سچائی کو بہت وقار ساتھ قبول کر رہی تھی۔ اور میرب سیال چپ چاپ اسے دیکھ رہی تھی۔

کیسا رشتہ تھا یہ؟

کیسا احساس تھا؟

"تیسری سمت" سے چل کر آنے والی ہوائیں تک اس کج رو کے احساس سے لبریز دکھائی دیتی ایک استحقاق لہجے میں بولتا دکھائی دیتا تھا۔ پہلے گی اور اب رومیصا لغاری ___

کس کس کا تھا وہ؟ ___ کس کس کے ساتھ اسے مزید بانٹنا باقی تھا ابھی؟ ___ اگر وہ اس اتنا یقین، اتنا اعتماد اس کے لہجے میں کیوں نہ تھا؟ ___ وہ اتنی چپ چاپ کیوں کھڑی تھی؟

"ہاں، گین سے کرتی ہوں میں محبت۔" رومیصا لغاری کی آواز اس کو جھنجھوڑنے لگی تھی۔

"ہزار حصوں میں بٹا ہوا وہ شخص میرا بھی نہیں ہو سکتا۔" وہ کھوئے کھوئے سے انداز میں بڑبڑائی تھی۔ رومیصا لغاری نے اسے چونک کر دیکھا تھا۔ غالباً وہ اسے بغور سن نہیں پائی تھی۔

"کچھ کہا تم نے؟"

میرب سیال نے بہت آہستگی سے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

❋❋❋

"اتنا بے وقت بالکل بھی نہیں ہوتا تمہارے پاس۔ کل سارا دن تمہارا سیل بجتا رہا۔ مگر تم نے کال پک نہیں کی۔" گی نے فون پر شکوہ کیا تھا اور وہ کرٹسی والا بندہ اس لمحے شرمندہ سا ہو گیا تھا۔

"آئی ایم سوسوری گی! ایٹنگ بزی وود ورک ___ سیل بھی سائلنٹ پر تھا ___ دھیان نہیں رہا۔ تم کیسی ہو؟ ___ اینی پرابلم؟"

"مجھے جب کوئی پرابلم ہو، کیا تبھی تمہیں فون کر سکتی ہوں؟ ایک تو تم مجھے اپنے اتنے بڑے کیسل میں چھوڑ گئے ہو۔ آئی ریئلی ڈونٹ نو کہ تمہاری وائف یہاں اپنا وقت کیسے گزارتی تھی۔ مگر مجھے دیواروں سے باتیں کرنا بالکل بھی نہیں آتا۔" گی مسکراتے ہوئے بولی تھی اور وہ مسکرا دیا تھا۔

"آئی ایم سوری گی! ___ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ میں یا مائی اماں میں سے کوئی وہاں ہوتا اور تمہارا خیال رکھتا۔"

"میرا ارادہ ایسا نہیں تھا۔ تمہارا گھر اب اتنا بھی برا نہیں ہے۔ ہاں، بہت بڑا ضرور ہے۔ بندہ اگر گم جائے تو کوئی دنوں تک اسے ڈھونڈ نہیں سکے گا۔"

"ایسا ہی کچھ میرب بھی کہتی تھی۔" وہ غیر دانستہ روانی سے بولا تھا۔ پھر جیسے اپنی غلطی کا اندازہ ہوا تھا تو بات بدلتے ہوئے بولا تھا۔

"تم اپنا ریگولر چیک اپ لے رہی ہو نا گی؟"

"تمہیں مشکل کیا لگتا ہے گین؟" گی نے مسکراتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کو اندازہ تھا وہ کس ضمن میں کہہ رہی ہے۔ شاید اسی لیے وہ مسکرا دیا تھا۔

"تھنک ___ تھنک از امپاسبل ان دس ورلڈ ___ سب کچھ ممکن ہے یہاں۔" انداز بے فکری تھا۔

"ممکن ہے تو پھر خود ہی ناممکن کیوں بنا رہے ہو؟"

"کیا ناممکن بنا رہا ہوں میں؟ ___ اب تک تو سب کچھ میرے اختیار میں ہے۔ ہر ایک شے۔"

"میں ہر ایک شے کی بات نہیں کر رہی گین!" تیزی سے اس کی بات کاٹی تھی۔

"تو پھر؟" گین قصداً چونکا تھا۔

"میں اس قصے کو دہرا رہی ہوں گین! جس سے تم دانستہ بھاگ رہے ہو۔"

وہ ہنس دیا تھا۔

"تمہیں ایسا لگتا ہے کہ میں بھاگ رہا ہوں؟"

"ہاں ___ مگر تم یہ نہیں دیکھ رہے کہ محبت تمہارے پیچھے بھاگ رہی ہے۔" جانے وہ کیوں جتانا چاہتی تھی اسے۔ بظاہر اس بات میں کہیں کوئی مزاح کا پہلو نہیں نکلتا تھا۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری دل کھول کر ہنسا تھا۔

"میرا مذاق بنا لو گین! ___ جتنا تمہارا دل چاہے۔ مگر تم مجھے جھٹلا نہیں پاؤ گے۔ تمہیں یہی لگتا ہے نا، میں بہت بے وقوفی کی باتیں کرتی ہوں؟"

"نہیں ـــــ تم اس دنیا میں غالباً محبت کی سب سے بڑی پیروکار ہو۔ مگر افسوس ہماری زمین رسم کے لئے کچھ خاص جگہ نہیں ہے۔ تم وینس پر واپس کیوں نہیں چلی جاتیں؟" وہ مسکرا رہا تھا۔

"وینس پر؟" وہ چونکی تھی۔

"محبت کا پلینٹ تو وینس ہی ہے۔" محظوظ ہونے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔

"گیبن!ـــــ تم سامنے ہوتے تو بتاتی۔" وہ جل کر بولی تھی۔

"کیا؟ـــــ یہی کہ محبت مجھ سے کتنے فٹ کے فاصلے سے دوڑتی ہوئی پیچھا کر رہی ہے؟" وہ سنجیدہ نظر نہیں آ رہا تھا۔

"گیبن!" وہ تنبیہہ کرتی ہوئی بولی تھی۔ مگر وہ مسکرا دیا تھا۔

"آئی ایم ناٹ کڈنگ ـــــ تم نے میرا دن بنا دیا ہے گی!ـــــ ساری تھکن اڑنچھو ہو گئی اب خاصا ہلکا پھلکا محسوس کر رہا ہوں میں۔"

"تمہیں میری باتیں فضول لگتی ہیں، ہاں؟" گی برا مانتی ہوئی افسردہ لہجے میں بولی تھی۔

"نہیں ـــــ تم دنیا میں واحد لڑکی دوست ہو جس کی باتوں سے میں سب سے زیادہ محظوظ ہوں۔ ویسے تمہاری باتیں سن کر مجھے ایک شعر یاد آ گیا ہے۔ پتہ نہیں تمہاری سمجھ میں آئے گا یا نہیں۔"

"جب تم جیسے مشکل بندے کو میں سمجھ سکتی ہوں تو تمہاری ہر بات بھی سمجھ سکتی ہوں۔ تم بتاؤ، کیا بات؟"

"بات نہیں ہے، چھوٹا سا شعر ہے۔ میرے تایا سنایا کرتے تھے۔ بات کچھ یوں ہے۔

کوئی تعویذ ہو رد بلا کا
محبت میرے پیچھے پڑ گئی ہے

اس کا مطلب ہے گی!ـــــ کوئی جادو ٹونا ایسا نہیں جو محبت کے پیچھے پڑنے کا علاج کر سکے۔" انگریزی میں اسے سمجھاتے ہوئے سردار سبکتگین حیدر لغاری بولا تھا۔ وہ مسکرا دی تھی۔

"تو تم نے مان لیا گیبن!ـــــ اس بات کا کوئی حل نہیں۔"

"ہاں ـــــ مانتا ہوں ـــــ مگر میں اب بھی محبت سے کئی فٹ کے فاصلے پر دوڑ رہا ہوں۔" تھا۔ انداز اب بھی غیر سنجیدہ تھا۔

"تم مانو گے گیبن! ایک دن ضرور مانو گے۔ اور میں دعا کرتی ہوں تب تک وقت، حالات بھی تمہاری گرفت میں ہوں۔" گی ژیانگ نے اسے دعا دی تھی اور وہ مسکراتے ہوئے لب بھینچ گیا تھا۔

"تمہارے معاملے کا کیا ہوا گی؟ـــــ بات بنی یا نہیں؟" اس کی بابت دریافت کیا تھا۔

"نہیں ـــــ اب تک تو نہیں۔ محبت تلاشنا آسان تو نہیں گیبن!" وہ عجب یاسیت سے مسکرائی "پہلے پیچھے پیچھے سرپٹ دوڑتی ہے۔ اور پھر جب پکڑ لیتی ہے تو اچانک ہی ہاتھ چھڑا کر آگے آگے شروع کر دیتی ہے۔ مگر اسکا اپنے پیچھے دوڑانے کا عمل بھی کچھ کم دلچسپ نہیں۔"

"اسے ڈھونڈو گی ژیانگ! اس شخص کا ملنا ضروری ہے۔" گیبن سنجیدگی سے بولا تھا۔

جاتی ہوں ـــــ تم کب آ رہے ہو؟"

جلد ـــــ کوشش کر رہا ہوں سارا کام جلد نمٹا لوں۔ پتہ نہیں کیوں ـــــ مگر اب کے دل رہا۔" مدھم لہجے میں برملا کہا تھا۔

کو مس کر رہے ہو؟" گی چھیڑنے سے باز نہیں آئی تھی۔

نہیں۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے مسکراتے ہوئے شانے اچکا دیے تھے۔ وہ جیسے کسی ان کے درپے تھا۔

ہوئے، بی لیو ـــــ جلد ملتے ہیں۔" بروقت اس نے خود کو سنبھالا تھا اور سلسلہ منقطع کر دینا چاہا فوری طور پر بولی تھی۔

رے لئے کیا لاؤ گے گیبن؟"

ہارے لئے؟ ـــــ کیا لاؤں؟ تم بتا دو۔" صورت حال کو جیسے آسان کرنا چاہا تھا۔

ئے چھوڑو ـــــ جس کے لئے لاتا ہے، لے آؤ۔ شاید اسے بھی کسی ایسی ہی بات کا انتظار ہو۔" وہ نظر رکھی۔ گیبن مسکرا دیا تھا۔

ے گی ژیانگ!" ایک غیر اہم قصہ جانتے ہوئے اس نے سننا گوارا نہیں کیا تھا۔ گی ژیانگ فون لئے اس شخص کے متعلق سوچنے لگی تھی۔

ں ایسا کر رہے ہو تم گیبن؟ـــــ کیسے بتاؤں یہ ٹھیک نہیں ہے۔ میں تمہیں اپنی جیسی کسی صورت ا دیکھنا نہیں چاہوں گی۔ مگر میں تمہیں سمجھا بھی تو نہیں پا رہی۔" ایک تھکن سے وہ چلتی ہوئی اپنے ں آ گئی تھی۔

❋❋❋

بت کچھ ایسا وقتی معاملہ بھی نہیں ہے کہ سمجھ نہ آ سکے۔ بہت آسان ہے یہ ـــــ بڑے آرام سے آ جاتی ہے اس کی زبان۔ مشکل ہے نا اس کے اسرار و بھید ـــــ مگر بات صرف ماننے کی ہے۔" لغاری مدھم لہجے میں کہہ رہی تھی۔ میرب سیال نے کھڑکی سے باہر خاموشی سے دیکھا تھا۔

بارش رک گئی ہے۔ شاید وقتی طور پر۔ موسم کی گھٹن بتا رہی ہے، یہ غبار دیا نہیں رہے گا۔" وہ محض موسم بات کر رہی تھی۔

بیہا لغاری مسکرا دی تھی۔

بارش برس جائے، یہی اچھا ہوتا ہے۔ ورنہ بادلوں کے وجود بھی سرد پڑ جاتے ہیں۔ اولے جب گرتے تو اپنا بھی نقصان کرتے ہیں اور دوسروں کا بھی۔" وہ غالباً اس کمرے کی کثافت کو کم کرنا چاہتی میرب چہرے کا رخ پھیرے چپ چاپ کھڑی رہی تھی۔

میرب سیال نے نگاہ اٹھا کر سیاہ بادلوں کی طرف دیکھنا چاہا تھا مگر آنکھیں یک دم ہی پانیوں سے اٹی لہور خسار بھیگتے چلے گئے تھے۔ وہ اپنی کیفیت پر خود آپ حیران تھی۔ اتنا بے بس، اتنا کمزور و ناتواں اسنا خود کو کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔

''محبت کرنے لگی ہو نا مجھ سے؟'' ایک مانوس لہجہ اس کے اردگرد گونجا تھا۔ اطراف کا شور...
''محبت ہو گئی ہے نا تمہیں؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری کا لہجہ اس لمحے بھی اتنا ہی ترو تازہ...
بے خبر یلی کی کھنک اس کے کانوں میں رس گھول رہی تھی۔ اسے زچ کر رہی تھی۔

''جھوٹا ہے وہ شخص ــــــ ایک دم جھوٹا ــــــ'' وہ عجب بے بسی سے بڑبڑائی تھی۔

رومیصا لغاری نے اس کی کیفیت کو بغور جانچا تھا۔

''مجھے خاموشی سے بڑا ڈر لگتا ہے۔ خاموشی ہوتی ہے تو میرے اندر کی بے بسی اور بھی...
میں نے گین کو بھی بتایا تھا، وہی یہ میوزک سسٹم میرے کمرے میں چھوڑ گیا۔ کہہ رہا تھا دل...
بے وقوف ہے، نہیں جانتا، دل سنبھلے تو بہلے نا ــــــ اتنا تو سمجھ ہے کہ سمجھتا ہی نہیں۔'' رومیصا...
عجب اک بے خودی کے زیر تھا۔ مگر اس کی آنکھیں ویرانیوں کے باوجود بے رنگ نہ تھیں۔ کیسی...

کیا محبت ایسی ہی ہوتی ہے؟ ــــــ اپنے رنگ میں رنگنے والی!

سارے زمانے اپنے کرنے والی؟

میرب سیال بنا اپنی آنکھوں کو پونچھے، بنا بھیگتے رخساروں کو صاف کیے رومیصا لغاری کو...
رہی تھی۔ وہ یہاں کیوں تھی، کس لیے تھی ــــــ شاید وہ خود نہیں جانتی تھی۔ اتنا کچھ جان لینے...
اور کیا جاننا باقی تھا۔ سوچا تھا۔ مگر اپنا سارا وجود پتھر کا پایا تھا۔

''سنگ دل ہے وہ ــــــ بے رحم ــــــ صرف دل توڑنا جانتا ہے یا پھر دلوں سے کھیلنا...
آپ کا دل بھی توڑ دیا ہوگا۔'' اپنے دکھ کو بھول کر وہ اس لمحے خیر خواہی پر مائل تھی۔ رومیصا لغاری...
پہلے چونک کر دیکھا تھا، پھر بات سمجھتے ہوئے جانے کیوں مسکرا دی تھی۔

''مجھے سردار سبکتگین حیدر لغاری سے کوئی گلہ نہیں ہے ــــــ میں اس کے بارے میں...
سوچتی۔'' رومیصا لغاری اسے حد درجہ رعایت دینے کی قائل دکھائی دے رہی تھی۔ میرب حیران...

''آپ اسے رعایت دینا چاہتی ہیں؟''

''رعایت نہیں، مراعات۔'' رومیصا لغاری کا جواب اسے پاگل کر دینے والا تھا۔ اس کا...
کی دھیمی مسکراہٹ۔ میرب سیال کا دل چاہا تھا اسے شانوں سے پکڑے اور اس کے کمزور...
جھنجھوڑ کر رکھ دے۔ مگر وہ ایسا کچھ نہیں کر سکی تھی۔

''محبت اتنی اندھی نہیں ہوتی۔'' وہیں کھڑے اسے جھٹلایا تھا۔

''سردار سبکتگین حیدر لغاری سے میری انسیت تم نہیں سمجھ سکو گی۔'' رومیصا لغاری بہت...
مسکرا رہی تھی۔ ''محبت اس سے بھی زیادہ رعایت دے سکتی ہے۔ دینے کے لیے اس...
مراعات محبت کے پاس ہیں۔''

''سردار سبکتگین حیدر لغاری جانتا ہے آپ اس سے اس قدر محبت کرتی ہیں؟'' میرب سیال...
کو خود آپ کھڑے ہونے پر مائل دکھائی دے رہی تھی۔

''ہاں ــــــ اپنے ان ہاتھوں سے میں نے اُسے کھلایا ہے۔ جیسے میں اس سے واقف...

...جاتا ہے''
...رشتہ آگے کیوں نہیں بڑھ سکا؟ ــــــ آپ نے نہیں چاہا یا......'' بات ادھوری چھوڑ کر وہ
...رخ پھیر گئی تھی۔ اپنی ضبط ٹوٹتی آواز کا بھرم قائم رکھنے کو ایسا از حد ضروری لگا تھا۔ ''وہ آوارہ مزاج
...کر سکتا ہے۔ اس کے لیے دل اور دل سے وابستہ رشتے کوئی امپورٹنس نہیں رکھتے۔ بیڑیوں
...والا بندہ وہ نہیں ہے۔ اسے صرف آزاد فضاؤں میں رہنا اور سانس لینا اچھا لگتا ہے۔ رشتوں
...میں بندھ کر اس کا دم یوں ہی گھٹتا ہے۔'' میرب سیال کو کبھی بھی اس سے اچھی امید نہیں رہی
...کا کڑوا لہجہ اس کی بھرپور غمازی کر رہا تھا۔ آواز اتنی مدھم تھی کہ رومیصا لغاری واضح طور پر سن نہیں
...مگر اس کے تاثرات سے وہ جان گئی تھی۔

...نہیں بھی گین سے محبت ہے نا؟ ــــــ تم کتنی رعایت دے سکتی ہو اسے؟''

...میرب سیال نے اسے چونکتے ہوئے دیکھا تھا۔

...محبت کرنے لگی ہو نا مجھ سے ــــــ؟'' ایک بے خبر لمحے کا پُرفسوں لہجہ اس کے گرد اپنا حصار باندھ گیا
...روش، کج ادا اس کے قریب تھا۔
...ــــــ'' میرب سیال نے اپنا سر نفی میں ہلایا تھا۔ ''مجھے اس شخص سے محبت نہیں ہے۔ وہ اس
...ہے کہ اس سے محبت کی جا سکے۔ اس سے محبت کرنے کا مطلب ہے خود آپ اپنی شامت کو بلاوا
...سوائے دکھ کے کچھ نہیں دے سکتا۔''

...میرب سیال کی ساکت آنکھوں سے غبار ایک بار پھر ڈھلنے کو تھا۔ رخسار بھیگتے چلے گئے تھے۔
...صرف محبت دل توڑ سکتی ہے۔ دنیا میں اور کوئی ایسی طاقت نہیں جو آپ کا دل توڑ سکے اور آپ کو دکھ
...سکے۔ صرف محبت ہی دل توڑ سکتی ہے۔'' رومیصا لغاری اسے جیسے جتا رہی تھی۔ میرب سیال چپ
...بنی کھڑی تھی۔ اندر باہر بہت گھٹن تھی۔ اس نے گردن کا رخ موڑ کر دیکھا تھا۔ باہر ایک بار پھر
...اتر آئی تھی۔

❊❊❊

محبت آبادکاری کرتی ہے ــــــ خالی جگہوں کو بھرتی ہے۔ مگر کبھی کبھی یہی محبت بہت سی جگہوں کو بنجر
...کرتا ہے۔ مجھے ڈر لگتا ہے اذہان! ــــــ کبھی کبھی بہت ڈر لگتا ہے۔'' ساہیہ خان نے اپنے خدشے کو
...اور اذہان حسن بخاری مسکرا دیا تھا۔
''ڈرنے کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جہاں محبت ہوتی ہے۔ ہمارے درمیان کمزور کر دینے والا ایسا
...نہیں ہے۔ کیونکہ ہمارے درمیان جو کچھ بھی ہے اس سے بڑھ کر ہے۔'' وہ غیر سنجیدہ دکھائی
...شاید دانستہ ایسا کر رہا تھا۔ ساہیہ خان نے اسے بغور دیکھا تھا۔
...یوں دیکھ رہی ہو؟''
...'' وہ کچھ کہنے کا ارادہ ترک کرتی ہوئی نگاہ پھیر گئی تھی۔
...تنگ ساہیہ!'' اذہان نے جانے کیا اخذ کرتے ہوئے کہا تھا۔

ساہیہ نے فوری طور پر کوئی ردِعمل ظاہر نہیں کیا تھا۔

''تم کیا سوچ رہی ہو ساہیہ؟''

''کچھ نہیں۔ حیران ہو رہی ہوں۔''

''کس بات پر؟''

''محبت حیران کن شے ہے۔'' اس کی سمت دیکھے بغیر بولی تھی۔

''تمہیں یہ ادراک کیسے ہوا؟'' وہ بغور ساہیہ کو دیکھ رہا تھا۔

''اگینے کو دیکھ کر۔'' ساہیہ کا لہجہ مدھم تھا۔

''اگینے؟ ——— اگینے کو کیا ہوا؟ ان کی ڈائیورس تو ہو گئی نا۔ کیا انہوں نے اب تک ڈس کور نہیں کیا؟''

''اگینے کو اس بات کو چھپانے کی ضرورت نہیں تھی۔ مگر وہ بہت محتاط ہیں۔ وہ کسی کو اذیت دینا نہیں چاہتیں۔''

''بالکل تمہاری طرح۔'' اذہان حیران ہوئے بغیر بولا تھا۔ مگر ساہیہ سوائے اسے خاموشی سے دیکھنے کے کچھ نہیں بولی تھی۔

''تم بھی تو اتنی محتاط ہو کر اپنی ذات سے کسی کو کوئی دکھ دینا نہیں چاہتی۔ مگر یہ ٹھیک تو نہیں، اس طرح خود کو تو تکلیف پہنچتی ہے نا۔ اس تکلیف کا کیا؟'' لہجہ ہمدردانہ تھا۔ ساہیہ مسکرا دیا تھی۔

''محبت حیران کن شے ہے اذہان! ——— تم تو جانتے ہو گے ——— اس میں ——— 'میں' نہیں رہتا ——— سب کچھ ''تُو'' ہی ''تُو'' بن جاتا ہے۔''

اذہان خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس لڑکی کا لہجہ اس کے اندر کی بھرپور غمازی کر رہا تھا۔ کسی قدر احساسِ جرم نے گھیرا تھا۔

''ساہیہ ———!'' اس کے ہاتھ پر آہستگی سے اپنا ہاتھ رکھا تھا۔ مگر وہ اس لمحے اتنا قائل نہیں کر سکا تھا۔

ساہیہ اسے دیکھنے لگی تھی۔

''تم بہت اچھی ہو ساہیہ! میں تمہارا دل کبھی دکھانا نہیں چاہوں گا۔''

''اور اگر دکھایا تو؟'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتی ہوئی مسکرائی تھی۔

''معاف کر دو گی؟'' اذہان کا لہجہ دھیما تھا۔

''ہاں۔'' قدرے توقف کے بعد وہ سوچ کر بولی تھی اور مسکرا دی تھی۔

''محبت کا دل بہت بڑا ہوتا ہے نا؟'' اذہان نے سرگوشی میں پوچھا تھا۔

''ہاں۔'' ساہیہ نے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

''آئی نو دیٹ۔'' اذہان نے اعتراف کیا تھا۔

ساہیہ چند لمحوں کو چپ رہی تھی۔ پھر بولی تھی۔

''اذہان! میں اگینے کو لے کر پریشان ہوں۔ ان کے ساتھ اچھا نہیں ہوا۔ ہم صرف یہ جانتے ہیں ان کا ڈائیورس ہو گیا مگر کس وجہ سے ہوا، یہ ہم نہیں جانتے۔ انہوں نے اپنی میرڈ لائف میں بہت سفر کیا ہے اور اس میں کچھ حد تک قصور کسی اور کا بھی ہے۔''

''کس کا؟''

''فیض چاچو کا۔''

''فیض چاچو؟ ——— فیض چاچو کا اس معاملے سے کیا تعلق ہے؟''

''تم نے کبھی ان سے پوچھا نہیں اذہان! انہوں نے اب تک شادی کیوں نہیں کی؟'' ساہیہ نے اس کی آنکھوں میں بھرپور انداز میں دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ وہ جواباً کچھ نہیں بولا تھا۔ غالباً وہ معاملے کی تہہ تک پہنچ گیا تھا۔

''اگینے ——— تمہارا مطلب ہے؟''

''تم ٹھیک سمجھے ہو ——— اگینے فیض چاچو سے محبت کرتی تھیں۔''

''اور فیض چاچو؟''

''شاید نہیں ——— اگر کرتے ہوتے تو شاید صورتِ حال آج کچھ مختلف ہوتی۔''

''لیکن ساہیہ......!'' اذہان نے کچھ بولنا چاہا تھا مگر جیسے سارے لفظ کھو گئے تھے۔

''کیا ہوا؟ ——— یہ تو میں بھی نہیں جانتی۔ مگر مجھے لگتا ہے اگینے کی محبت ون سائیڈڈ رہی ہو گی۔ تمہیں کیا لگتا ہے اذہان! فیض چاچو نے اب تک......'' باقی کا جملہ ساہیہ کی زبان پر ہی رہ گیا تھا۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا تھا۔ فیض بخاری بہت قریب کھڑے تھے۔ ساہیہ فوری طور پر کوئی ری ایکشن نہیں دے سکی تھی۔ البتہ اذہان مسکراتے ہوئے انہیں دیکھنے لگا تھا۔

''چاچو! آپ ———؟''

''کیا چل رہا ہے؟'' غالباً انہوں نے کوئی بات نہیں سنی تھی۔ ساہیہ تو کچھ نہیں بولی تھی البتہ وہ بات ٹالتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

''ڈسکسنگ پلاننگ فور لائف۔''

''نائس بیٹا۔'' فیض چاچو مسکرائے تھے۔ ''یہی دن پلاننگ کے ہوتے ہیں۔ اس کے بعد تو سوچنے کا وقت نہیں ملتا۔''

''چاچو! ایک بات بتائیں گے؟ ——— آپ نے شادی کیوں نہیں کی؟'' ساہیہ کی سوئی وہیں اٹکی ہوئی تھی۔ اذہان کو اندازہ ہو گیا تھا۔ اس نے فوراً اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر اسے کچھ مزید کہنے سے باز رکھا تھا۔ فیض چاچو حیرت سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''چاچو! آپ مانچسٹر جانے والے تھے نا؟'' اذہان نے مسکراتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

''ہاں ——— مگر بیٹا، وہ ٹرپ پوسٹ پون ہو گیا۔ بھابی دکھائی نہیں دے رہیں۔'' فیض چاچو نے کہا تھا۔

''ممی مارکیٹ گئی ہیں۔ کوئی کام تھا؟''

''نہیں ــــــ یوں ہی پوچھ رہا تھا۔ اینی ہاؤ، تم لوگ انجوائے کرو۔ ڈریسنگ فور فیوچر۔ میں ذرا تھک گیا ہوں۔ آرام کروں گا۔'' فیض چاچو کہہ کر آگے بڑھ گئے تھے۔ ساہیہ اب بھی ان کی پشت کو دیکھ رہی تھی۔

''فیض چاچو ہارٹ اسپیشلسٹ ہیں نا؟ــــــ اس کے باوجود یہ کسی کا دل نہیں سمجھ سکے۔ عجیب بات ہے نا۔ اور میں حیرت کیوں کر رہی ہوں۔ دل توڑنے کے لیے ہارٹ اسپیشلسٹ ہونا ضروری نہیں۔ دل تو کوئی بھی توڑ سکتا ہے۔'' ساہیہ بہت دل گرفتہ لگ رہی تھی۔ اذہان حسن بخاری اس لیے نہیں سمجھ سکا تھا۔ کوئی جملہ ہمدردی نہیں، کوئی دلاسہ بھی نہیں۔

''اذہان! ایک طرفہ محبت یوں ہی دکھ دیتی ہے؟'' وہ سر جھکائے دھیمے لہجے میں دریافت کر رہی تھی۔ اذہان حسن بخاری کے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا اور وہ بول رہی تھی۔

''مجھے ہمیشہ لگتا ہے اذہان! محبت دونوں طرف سے ہونی چاہیے۔ یہ ون سائیڈڈ لو بالکل اچھا نہیں ہے۔ دکھ کے سوا کچھ نہیں دیتا۔'' شاید پہلے وہ اس نہج پر سوچتی بھی نہیں تھی۔ مگر اب اس پہلو پر یہ سوچ رہی تھی۔

''اذہان! کیا ہمیشہ ایسا ہی ہوتا ہے؟'' ساہیہ خان کی آنکھوں میں نمی واضح انداز میں تیر رہی تھی۔ اذہان حسن بخاری نے اپنا ہاتھ بڑھایا تھا اور اس کے ہاتھ پر رکھ دیا تھا۔

''ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا۔'' بہت مدھم لہجے میں وہ اسے باور کراتے ہوئے بولا تھا۔ مگر انداز عجیب سا تھا۔

❄❄❄

''ہمیشہ ایسا ہی ہوتا رہا ہے ــــــ میں نے تمہارا، تمہاری ذات کا ہمیشہ احترام کیا ہے۔ آخر؟'' عفنان علی خان کا انداز دھیما مگر شکوہ بر ملا تھا۔

انابیہ شاہ سر جھکائے بیٹھی رہی تھی۔ ایک بار بھی اس کی طرف دیکھنے کی زحمت نہیں کی تھی۔

''مجھے تو کبھی یہ بھی سمجھ میں نہیں آیا کہ تم چاہتی کیا ہو آخر؟ــــــ کیا کچھ کروں میں تمہارے لیے؟'' عفنان علی خان نے جیسے قسم کھا رکھی تھی کہ آج سارے حساب بے باک کر دے گا۔ اس کا ضبط جواب دے چکا تھا۔

''کیا کروں؟ــــــ تمہارے قریب آنا چھوڑ دوں؟ــــــ تمہیں دیکھنا چھوڑ دوں؟ــــــ محبت کرنا چھوڑ دوں؟ــــــ کیا چاہتی ہو تم؟ــــــ تمہاری خواہشوں کی لسٹ تو بے حساب ہے۔ کیا کچھ کروں میں تمہارے لیے؟ تمہیں خوش کرنے کے لیے اپنا آپ اٹھا کر تمہاری اس دہلیز پر رکھ دوں؟ کتنی بچگانہ باتیں ہیں تمہاری۔ اس پر بھی کہتی ہو کہ تمہارے ساتھ ناانصافی ہوئی ہے۔'' لفظ اور اتنا سخت لہجہ عفنان علی خان کی طرف سے کبھی استعمال نہیں ہوا تھا۔ غالباً وہ ٹھانے بیٹھا تھا۔ انابیہ شاہ کے چودہ طبق روشن کر دے گا تھا۔ مگر انابیہ ٹس سے مس نہ ہوئی تھی۔ نہ سر اٹھا کر اسے

جارحانہ ہی کوئی جواب دیا تھا۔

[...] تاثر ظاہر کیے وہ سر جھکائے بیٹھی رہی تھی۔ اس کی اس کیفیت پر عفنان علی خان کو جیسے حد درجہ [...] آیا تھا۔ بہت ہی جارحانہ انداز میں وہ آگے بڑھا تھا اور اسے بازو سے کھینچ کر اپنے مقابل کھڑا کر [...]

[...] ہتی کیا ہو تم؟ــــــ کیا بچھتی ہو تم ہاں؟ــــــ کیا اہم ہے میرے لیے؟'' یہ گوشت پوست کی [...] تعمیر شدہ عمارت؟ اس سے آگے کچھ نہیں دیکھتی میری نظر؟ مجھے ان حدتوں کو پانے کا شوق ہے بس؟ [...] کی جستجو ہے، یہی رفاقت جنون ہے میرا؟ دہاٹ انابیہ؟ــــــ دہاٹ یو تھنک؟ــــــ کیا [...] ہو تم؟ زبردستی کی میں نے تمہارے ساتھ؟ــــــ تمہارا وقار مجروح کر دیا؟ــــــ تمہارا نسوانی [...] نہس کر دیا؟ تو پوچھو مجھ سے کیوں کیا میں نے ایسا؟ــــــ کس لیے؟ میرے اغراض کو کبھی تو [...] کوشش کیا کرو۔ خواہشوں سے تو تمہیں کوئی واسطہ نہیں ہے۔ میرے خوابوں سے تو کچھ لینا دینا [...] ہے۔ جو کہتا ہوں، کرتا ہوں، کبھی اس کو سمجھنے کی کوشش کر لیا کرو۔ مجھے سمجھنے کی کوشش تو تم عمر بھر نہیں [...] گی۔ مجھے کبھی کبھی پتہ ہے کیا لگتا ہے انابیہ؟ شاید ایک دوسرے کے لیے نہیں بنے ہیں ہم۔'' اس کی [...] دیکھتے ہوئے وہ صاف گوئی سے کہہ رہا تھا۔ انابیہ خالی خالی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''اندازہ ہو رہا ہے مجھے اپنی بے وقوفی کا۔ بہت غلط کیا میں نے۔ بہت غلط کیا تم سے محبت کر کے [...] اس سے اچھا تھا میں کسی دیوار سے سر دے مارتا۔ تم نے مجھے سوائے پریشانی کے کچھ نہیں دیا [...]'' وہ شانوں سے پکڑ کر اسے جھنجھوڑتے ہوئے بولا تھا۔ انابیہ کی ساکت آنکھوں سے نمکین پانی کے [...] بہت خاموشی سے ٹوٹے تھے اور رخساروں پر بہہ گئے تھے۔

''جاننا چاہتی ہو میں نے تمہارے ساتھ ایسا کیوں کیا؟ــــــ جاننا چاہتی ہو؟ــــــ پریشان تھا میں [...] رے لیے۔ فکر تھی مجھے اس رشتے کی۔ بچا کے رکھنا چاہتا تھا میں یہ تعلق۔ مجھے لگا پاگل ہوتی جا رہی ہو [...] ایک بہت اچھے سائیکاٹرسٹ سے کنسلٹ کیا تھا میں نے۔ ہمارے اس رشتے کو بچائے رکھنے کے [...] تمہیں یہ باور دینا ضروری تھا کہ تم تمام سیاہ و سفید کی مالک ہو ــــــ سب کچھ تمہارا ہے ــــــ تمہیں [...] کا احساس سونپنا ضروری تھا۔ کوئی لسٹ نہیں تھی وہ۔ جانور نہیں ہوں میں، شکار پھانسنے اور جھپٹ [...] کا کوئی تجربہ نہیں ہے مجھے۔ میں صرف تمہیں راہ راست پر لانا چاہتا تھا۔ بتانا چاہتا تھا یہ کہ یہاں جو [...] ہے تمہارا ہے۔ کچھ بھی کسی اور کا نہیں ہے۔ تمہارے اندر اپنی چیز پر حق جتانے کا ایلی منٹ سرے [...] نہیں ہے۔ مجھے کیا کرنا ہے یہ تم مجھے نہیں سکھاؤ گی انڈراسٹینڈ؟ جو ہو چکا ہے میں اس کو واپس [...] سکتا ہوں۔ مجھے اس سے بھی کوئی غرض نہیں ہے کہ تمہاری زندگی میں کبھی کوئی تھا بھی کہ نہیں۔ تمہیں [...] کی طرح بے بس انداز میں صرف مجھے اپنے پاس آنے سے روکنے کے لیے یہ بودی وضاحتیں دینے [...] ضرورت نہیں ہے۔ تم یہ چاہتی ہو نا کہ میں تم پر توجہ نہ دوں؟ تو ٹھیک ہے ــــــ آج کے بعد میں [...] کبھی کچھ بھی نہیں۔'' لہجے میں بہت اشتعال تھا۔

[...] کیا لگتا ہے ہمارے اس رشتے کی کوئی حقیقت نہیں ہے تو میں آج کے بعد تم پر اپنا کبھی کوئی حق

نہیں جتاؤں گا۔ تمہیں لگتا ہے اس کمرے میں میرے آنے سے تمہیں ان سکیورٹی فیل ہوئی ہے، آج کے بعد ہمارے کمرے الگ ہوں گے ——— تمہیں اور جو لگتا ہے، مجھے بتا دو۔ مگر خود کو مجھے یوں فالتو چیز سمجھ کر لوگوں میں بانٹنا ترک کر دو۔ میں تمہارے پاس تمہاری کوئی بے فائدہ وجود نہیں ہوں۔ میں کس سے کیا تعلق بناتا ہوں اور کیا توڑتا ہوں، وٹیس ناٹ یور کنسرن، رائٹ۔ مجھ سے کسی طرح کی رعایت کی تمنا رکھنا ترک کر دو۔ تھک چکا ہوں میں تم سے ——— اور اپنے اس گئے زبردستی کے رشتے سے ——— سوائے ریگرٹ کے کچھ نہیں ملا ہے مجھے۔ مگر میں اور مزید کچھ چاہتا ہوں۔ تمہیں مجھ سے ڈرنے کی یا خوفزدہ ہو کر دیواروں میں کونوں کھدروں میں چھپنے کی ضرورت ہے۔ کبوتر کی طرح آنکھیں میچنے کی عادت ترک کر دو اب۔ کیونکہ عفنان علی خان نے آج سے اس کا گلا گھونٹ دیا ہے۔ آئندہ یہ نہ کوئی مشکل اپنے لئے کری ایٹ کرے گا نہ ہی تمہارے لئے۔ تم کہو تو یہ بات میں تمہیں لکھ کر بھی دے سکتا ہوں۔ میرا ڈر اپنے اندر سے ختم کر دو۔ میرا ارادہ تمہیں احساس کو جگانے کا تھا۔ تمہیں خوفزدہ کرنا کبھی میرا مشن نہیں رہا۔ اگر میری محبت تمہیں خوفزدہ کرتی ٹھیک ہے، آج سے میں اپنی محبت کا ہاتھ کھینچ لیتا ہوں۔ میری طرف سے اب تمہیں مزید کوئی الجھن رہے گی۔ جینا بہت ضروری ہے۔ سو جینے کے قاعدے پڑھنا آج ہی سے شروع کر دو۔ دوسروں کا خواہش کا جنوں تمہارے سر پر سوار ہے۔ مگر خود پہلے آپ کو بھی تو دیکھو۔ مگر مجھے تمہاری پرواہ کیوں ہے؟ تمہاری زندگی ہے یہ۔ فیصلے بھی تمہارے ہونے چاہئیں۔ میں احترام کرتا ہوں تمہارے فیصلوں کا۔ میں کر رہا ہوں اس سے بہتر تدارک اور سدِ باب شاید کوئی نہیں ہے۔“

انابیہ شاہ ساکت بت سی بنی اب بھی ویسے ہی چاپ چاپ کھڑی اسے بھیگی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ عفنان علی خان نے اس کے شانے پر سے اپنا ہاتھ بہت آہستگی سے ہٹایا تھا۔ مڑا تھا اور چلتا ہوا نکل گیا تھا۔

انابیہ شاہ کے پتھر وجود میں تب بھی کوئی حرکت نہیں ہوتی تھی۔ اسی طرح چپ چاپ کھڑی اس نے آنکھیں میچ گئی تھی۔ آنکھوں کی تمام نمی رخساروں پر آ گئی تھی۔ گرم گرم کھولتے پانی جیسے آنسو رخسار جیسے جلاتے چلے گئے تھے۔

❋❋❋

میرب سیال کی ساکت نگاہیں کھڑکی سے باہر کی برستی ہوتی بارش کو متواتر دیکھ رہی تھیں۔ پیچھے رومیصا لغاری ایزی چیئر پر بیٹھی ہوئی تھی۔

دونوں خاموش تھیں ——— اور کمرے کی فضا بہت بوجھل تھی۔ مگر کوئی بھی اس بوجھل پن کو توڑنے کے ارادے میں دکھائی نہ دے رہا تھا۔ میرب سیال کو اس بوجھل، گھٹے گھٹے ماحول میں مزید رہنا بے حد لگا تھا۔ وہ چلتی ہوتی آگے بڑھی تھی۔ ارادہ اس کمرے سے نکل جانے کا تھا۔ مگر رومیصا لغاری نے ہاتھ تھام لیا تھا۔

”بات ابھی مکمل نہیں ہوئی ہے میرب سیال! ——— سننے کو ابھی بہت کچھ باقی ہے۔“ رومیصا

اس کی سمت دیکھتے ہوئے دھیمے سے مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

میرب کے انداز میں بہت ٹھہراؤ تھا۔

”کیا فائدہ ہے جان لینے سے؟ ——— ان سب کے جان لینے سے کیا بدلے گا؟ ——— میرے لئے اس تعلق میں ہر لمحہ حیرت ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں۔ آپ تو پھر بھی ایک جائز تعلق ہیں اور مجھ سے پہلے اس رشتے سے وابستہ ہیں۔ میں تو ان لمحوں کی حیرتوں سے بھی گزری ہوں جو نا قابلِ قبول تھے۔ اور اپنے لائق بھی نہ تھے۔“ اس کا انداز عجب اک یاسیت اپنے اندر رکھتا تھا۔

رومیصا لغاری نے اس کا ہاتھ بہت آہستگی سے چھوڑ دیا تھا۔

”اگر تم نہیں چاہتی ہو تو میں تمہیں کچھ نہیں بتاؤں گی۔ مگر جو بات میں کہنا چاہتی ہوں اس میں اگر تمہارا کوئی فائدہ نہیں ہے تو وہ غلط فہمی ضرور مٹ سکتی ہے جو تمہیں اس رشتے کو لے کر ہو گئی ہے۔“

”کیا وضاحت دیں گی آپ؟ میرے معاملات کو سلجھانے کے لئے ایسی کوئی وضاحتیں کام نہیں آنے والی۔ آپ اگر کوئی ریگرٹ فیل کر رہی ہیں تو پلیز اس سے باہر آ جائیے۔ میرا آپ سے ایسا کوئی تعلق نہیں ہے کہ آپ میرا دل دکھانے کا سبب خود کو جاننے لگیں یا سارا الزام اپنے سر لینے لگیں۔ میری ناؤ پہلے بھی پار نہیں تھی۔ یہ تغیر نیا نہیں ہے۔ میں ایسے مد و جزر کی عادی ہوں۔ سو آپ خود کو کوئی الزام مت دیجئے۔“ میرب سیال مسکرائی تھی۔ رومیصا لغاری اسے بغور دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

”ہمارا نکاح اس وقت ہوا تھا جب گیبن صرف ایک برس کا تھا۔ اس وقت وہ اس رشتے کی حقیقت کو بالکل بھی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ مگر میں اس وقت سولہ برس کی تھی۔ میری سمجھ اتنی چھوٹی نہیں رہی تھی کہ تعلقات کے لئے وضاحتیں دینا پڑتیں۔ میں نے اپنے طور پر اس رشتے کو رد کرنا چاہا تھا۔ مگر ہمارے یہاں اصول مختلف ہیں۔ روایات زیادہ مضبوط ہیں۔ سو میرا کوئی واویلا کام نہیں آیا اور وہ نکاح ہو گیا۔ میں نے بہت احتجاج کیا، کچھ کھایا پیا نہیں ——— مگر اس سے اب اور کچھ ہونے والا نہیں تھا۔ جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا۔ ہمارے ہاں ایسے بے جوڑ رشتے عام روایت رکھتے ہیں۔ یہاں اسی طرح نصیب لکھ دیئے جاتے تھا۔ میں اب اس تعلق سے رہا نہیں ہو سکتی تھی۔ میں اس چھوٹے سے گیبن کی طرف دیکھتی تھی جو اپنے بھولے چھوٹے ہاتھوں سے میرا آنچل پکڑ کر کھینچتا تھا، اپنی طرف بلاتا تھا۔ اس کا بھی کہیں قصور نہیں تھا۔ اسے تو خود پتہ نہیں تھا وہ اس وقت کس رشتے میں بندھ چکا ہے۔ میں ان روایات کے خلاف جانے کی خواہش رکھتے ہوئے بھی ایسا کچھ نہیں کر پائی تھی۔ اپنے بابا کی اکلوتی بیٹی تھی میں ——— انہیں بہت عزیز تھی اور آج تک ہوں۔ مگر وہ میرے حق میں اسی فیصلے کو ٹھیک جانتے تھے۔ سو میں نے رونے دھونے اور احتجاج کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اس رشتے کو قبول کر لینے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ میں اس رشتے کے پلو سے بندھ چکی تھی اور اب اس کی گرہ کبھی نہیں کھلنی تھی۔ ہمارے ہاں رشتے صرف بنتے ہیں۔ ٹوٹتے نہیں۔ ہمارے یہاں توڑنے کے لئے کوئی اصول نہیں ہے۔ صرف دل ہیں، مگر میں اپنا دکھ کسی سے نہ کہہ سکتی تھی۔ اس تقدیر کو ماننا شرط تھا میرے لئے۔ مگر میں اس ماحول سے نکلنا چاہتی تھی۔ سو بابا نے میری خواہش پر مجھے ابراڈ بھجوا دیا۔“ وہ دھیمے لہجے میں بول رہی تھی جب اچانک ہی کھانسی کا اٹیک ہوا تھا

اور وہ کھانستی چلی گئی تھی۔

میرب نے ایک بار پھر گلاس میں پانی انڈیل کر گلاس اس کی طرف بڑھایا تھا۔

رومیصا لغاری نے چند سِپ لیے تھے اور گلاس واپس اس کی طرف بڑھا دیا تھا۔

"آپ نے میڈیسن نہیں لی تھی نا؟" میرب سیال اب بھی خیر خواہی پر مائل دکھائی دے رہی تھی۔ رومیصا لغاری مسکرا دی تھی۔

"تم مجھے جینے پر کیوں اُکسا رہی ہو؟"

"اُکسا نہیں رہی۔ میں نہیں چاہتی......" جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔

"کیا نہیں چاہتی؟" رومیصا لغاری نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ میرب کچھ نہیں بولی تھی۔

"تمہیں زندگی خوبصورت لگتی ہے؟" رومیصا لغاری اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرائی تھی۔ میرب نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"زندگی اچھی ہو یا بری، جینا شرط ہے۔ کوئی نا انصافی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ جینا چھوڑ جائے۔"

رومیصا لغاری جیسے محظوظ ہوئی تھی۔

"زندگی سے بھاگنا اور کیا کہلاتا ہے؟" میرب نے الٹا سوال کر دیا تھا۔ مگر رومیصا لغاری جواب دینے کی بجائے کھانسنے لگی تھی اور کھانستی چلی گئی تھی۔ میرب کے لیے اسے سنبھالنا دشوار ہو گیا تھا۔ اس نے دروازہ کھول کر ملازم کو آواز دی تھی۔

"ڈرائیور سے کہو گاڑی نکالے۔" کہہ کر وہ دوبارہ اس کی طرف آئی تھی اور اس کی پیٹھ سہلانے لگی تھی۔ ایک ہاتھ سے سیل پر ڈاکٹر کا نمبر ملاتے ہوئے، دوسرے ہاتھ سے پانی کا گلاس آگے بڑھایا تھا مگر کھانستے ہوئے اتنی بے ترتیب ہو رہی تھی کہ پانی کا گلاس فرش پر جا پڑا تھا۔ رومیصا لغاری کی حالت بری طرح بگڑ چکی تھی۔ جانے اس رات میں اور کیا کیا ہونا باقی لکھا تھا۔

❋❋❋

سردار سبکتگین حیدر لغاری ایک اسٹور میں گی ٹریاتگ کے لیے کچھ دیکھ رہا تھا۔ جب اس کا خیال گیا تھا۔ اس نے بہت خوبصورت سا نیکلس اٹھا کر دیکھا تھا۔ لمحہ بھر کو وہ چہرہ نگاہ کے سامنے جھلملا گیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس نیکلس کو پیک کروانے کا آرڈر دیا تھا اور ماتحت کو ہدایت دے کر باہر نکل آیا تھا۔ بے اختیاری میں ہی سیل فون پر ایک نمبر ملایا تھا اور سیل فون کان سے لگا لیا تھا۔ مگر دوسری طرف غالباً موبائل سائلنٹ تھا۔ مسلسل بیپ جا جا کر سلسلہ منقطع ہو گیا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کو کسی قدر تشویش ہوئی تھی۔ بے اختیار ہی نمبر ڈائل کیا تھا۔ بیل پھر گئی اور اب کے کال ریسیو کر لی گئی تھی۔

"ہیلو!...... تگین بات کر رہا ہوں۔ وہاٹ ہیپنڈ؟...... کال کیوں نہیں پک کی؟ وہاں سب ٹھیک تو ہے؟ مائی کیسی ہیں؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے دریافت کیا تھا۔

میرب سیال ہاسپٹل کے لاؤنج میں کھڑی تھی، اس وقت اس شخص کی کال ریسیو نہیں کرنا چاہتی تھی۔ مگر جب کر ہی لی تھی تو بات کرنا بھی ضروری ہو گیا تھا۔

"مائی بالکل ٹھیک ہیں...... گھر پر سو رہی ہیں۔ آپ کو بات کرنا ہے تو وہاں کا نمبر ملا لیجیے۔" اس کا لہجہ پر گرم جوش تو کبھی نہیں رہا تھا۔ مگر اس لمحے تو سرد مہری کی حد ہو گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کو اس بات کی امید نہیں تھی۔

"کیوں، کیا ہوا؟ تم کہاں ہو؟ ہیو یو بیک؟"

"نہیں، میں نہیں ہوں۔ مگر اس وقت میں گھر پر نہیں ہوں۔"

"گھر پر نہیں ہو تو پھر کہاں ہو؟" رات کے اس وقت وہ کہاں ہو سکتی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کو تشویش نہ ہوتی تو حیرت ہوتی۔ اس لمحے اس کا انداز بہت پُر استحقاق تھا۔ حالانکہ فاصلے درمیان صدیاں بن چکے تھے۔ اس کے باوجود وہ بہت دھڑلے سے اس پر اپنا حق جتا چکا تھا۔

"میں اس وقت بات نہیں کر سکتی۔ کڈ یو کال می لیٹر؟" میرب سیال کا انداز اور لہجہ بہت مختلف تھا۔ اس لہجے وہ دبی دبی سی میرب کی جگہ بہت مضبوط میرب دکھائی دے رہی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لیے چونکنے کا لمحہ تھا۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا، وہ فون کا سلسلہ منقطع کر چکی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کو اس بات کی امید نہیں تھی۔ برہم انداز میں دوبارہ کال کیا تھا۔

"کہاں ہو تم اس وقت؟ کیا چل رہا ہے یہ سب کچھ؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری کا انداز سخت گیر تھا۔ میرب جس معاملے پر بات کرنا نہیں چاہتی تھی وہ اسے اسی پر بولنے پر اُکسا رہا تھا۔

"میں اس وقت ہاسپٹل میں ہوں۔"

"یہی تو پوچھ رہا ہوں، ہاسپٹل میں کیوں ہو؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اپنا لہجہ سخت گیر ہونے سے روکا تھا۔ "دیکھو...... تم مجھے نہیں بتاؤ گی تو مجھے پتہ نہیں چلے گا۔ آر یو او کے؟"

اس لہجے کو پڑھا جاتا تو اس میں کچھ آہنگ تھا، کچھ خاص تھا۔ وہ لہجہ وہ انداز اس کے بارے میں کنسرن تھا۔ مگر میرب سیال ایسا کچھ نہیں سوچ رہی تھی۔ نہ تو وہ اس لہجے کو نوٹ کر رہی تھی نہ ہی اس انداز کو۔

"مجھے کیا ہونا ہے؟...... میں ٹھیک ہوں۔ کوئی اور ٹھیک نہیں ہے۔" ترکی بہ ترکی جواب دیا گیا تھا۔ اس انداز، اس دلیری پر مقابل حیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

"تم مجھے پہیلیاں کیوں بجھوا رہی ہو؟...... بتا کیوں نہیں رہی ہو کون ہے اس وقت ہاسپٹل میں؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے حتی الامکان ضبط کرتے ہوئے اپنے غصے پر اور لہجے کی سختی پر قابو پایا تھا۔

"رومیصا لغاری۔" میرب سیال نے کہہ کر ایک بار پھر فون کا سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس طرف ساکت کھڑا تھا۔ اس لہجے کی سرد مہری کی وجہ اب پوشیدہ نہیں رہی تھی۔ گاڑی میں بیٹھ کر آنکھیں واضح طور پر کسی گہری سوچ سے اٹی تھیں۔ مگر اس سب میں ایک غصے کا عنصر اور ضبط بہت نمایاں تھا۔

میرب سیال نے اسے کبھی کوئی سمجھداری کی امید نہیں رہی تھی اور اس لیے وہ کیا سوچ رہی تھی
سوچنا چاہتی تھی اور کرنا چاہتی تھی وہ یہ بھی اچھی طرح سمجھ گیا تھا۔
دھیان سیٹ پر دھرے اس کے گفٹ پر گیا تھا۔ ہاتھ بڑھا کر اٹھایا تھا، لمحہ بھر کو دیکھا تھا اور پھر کا
کچھ سوچے کھڑکی کھول کر اسے باہر اچھال دیا تھا۔
''ڈیم اِٹ ——'' لہجے میں غصے کا واضح عنصر موجود تھا۔
''نیاز مندی'' کا دروازہ پھر بند ہو چکا تھا۔
''نوازش'' پھر اپنے پر سمیٹ چکی تھی۔
سرد مہری پہلے سے زیادہ گہری ہو چکی تھی۔

❋❋❋

میرب سیال ہاسپٹل کے لاؤنج میں چپ چاپ کھڑی تھی مگر آنکھوں سے سیال مادہ بہت روانی سے
بہہ رہا تھا۔ وہ جانتی تھی سب کچھ۔
اس شخص کی رگ رگ سے واقف تھی۔
تو پھر ہر بار نئے سرے سے اعتبار کیسے کر لیتی تھی؟
وہ خود سمجھ نہیں پائی تھی۔
ہر بار رعایت کیسے دے دیتی تھی جبکہ وہ جانتی تھی وہ ''وفا'' کے لیے بنا ہی نہیں۔ اور وہ رو رہی تھی
کج ادا کے لیے؟
اپنے قیمتی آنسو ضائع کر رہی تھی اس ''بے وفا'' کے لیے، جس کی سرشت صرف دھوکا دہی اور
تھا۔ صرف فریب تھا وہ شخص ——— صرف یہی سچائی تھی اس کی۔
پہلے کئی چہرے، کئی نام ——— قطار در قطار ——— کئی رابطے، کئی واسطے بنا شرمندہ ہوئے، بنا
کیے وہ اپنی رواداریاں نبھاتا رہا تھا۔ بلا خوف ——— بلا خطر۔
کتنا نڈر تھا وہ ——— کس قدر دلیر ———
سردار سبکتگین حیدر لغاری نے تو دیدہ دلیری کی حد کر دی تھی۔ اپنا کوئی بھی ناجائز رشتہ وہ بہت دلیری
سے نبھاتا تھا۔ نکاح کے پہلے دنوں سے لے کر اب تک ——— وہ کبھی بھی اس ایک ''رشتے'' کے
''کمٹ'' نہیں ہوا تھا۔ اور وہ پھر بھی اس سے امیدیں لگائے بیٹھی تھی۔
ہر بار نیا سلسلہ ——— امید بنانا ——— بڑھانا ———
اور پھر ہر بار ——— چکنا چور ہوتے دیکھنا۔
وہ خود سوچ رہی تھی تو حیرت ہو رہی تھی اپنی بے وقوفی پر ——— اسے غالباً سردار سبکتگین حیدر لغاری کا
پہلے ہی سمجھ لینا چاہیے تھا۔ کئی کے ساتھ اس کے ''ریلیشن شپ'' کی حد تھی۔ وہ ناجائز طور پر باپ بنے
رہا تھا اور حد تھی کہ شرمندہ تک نہ تھا۔
وہ حیران تھی، اس سے زیادہ دلیر شخص اس نے زندگی بھر نہیں دیکھا تھا۔

بھیگی آنکھوں کے ساتھ وہ کھڑی دھندلے منظر دیکھ رہی تھی۔ اندر ڈاکٹر، رومیصا کو طبی امداد دے
رہے، وہ آہستہ روی سے چلتی ہوئی باہر آ گئی تھی۔ تبھی فون دوبارہ بجا تھا۔
میرب سیال نے بنا سوچے سمجھے، دیکھے کال ریسیو کی تھی اور زہر خند لہجے میں بولی۔
''اب اور کیا باقی ہے؟ ——— کیا کہنا چاہتے ہیں آپ؟'' وہ عجب ہذیانی انداز میں تھی۔
''میرب! کیا ہوا؟'' دوسری طرف اذہان حسن بخاری تھا۔ وہ حیران ہوئی تھی۔ سوچ بھی نہیں سکتی تھی
کہ دوسری طرف اس لمحے کوئی دوسرا ہوگا۔
''ہیلو میرب! ——— آر یو دیئر؟'' اس کے خاموش ہونے پر اذہان حسن بخاری دوبارہ بولا تھا۔
میرب سیال کی آنکھوں سے نمکین سمندر نکلنے کا سلسلہ تھما نہیں تھا۔ مگر اب کے اس نے بہت سختی سے آنکھوں
کو رگڑا تھا۔
''ہاں ——— آئی ہیئر۔'' آنسو کے کئی پھندے حلق میں تھے۔ آواز اپنی صحیح سطح پر نہیں تھی اور بوجھل
پن واضح طور پر محسوس ہو رہا تھا۔ وہ اس وقت کسی سے بات کرنا نہیں چاہتی تھی۔ مگر اذہان کا اس لمحے کال
کرنے کا مقصد کچھ خاص رہا ہوگا۔ تبھی وہ کرسی سے بولی تھی۔
''آپ ——— اس وقت کیسے فون کیا؟'' اپنی حالت کو سنبھالنا آسان تھا، نہ اس کیفیت سے باہر آنا۔ مگر
وہ اپنے آپ کو ممکنہ حد تک روک دینا چاہتی تھی۔
''کیا ہوا ہے تمہیں؟ ——— وہاٹ ہیپنڈ؟ ——— ٹھیک تو ہو تم؟'' اذہان حسن بخاری دوسری طرف
اس کی حالت پر حیران تھا۔
میرب سیال کے لیے بولنا دشوار تھا۔
''اذہان! ہم بعد میں بات کریں گے۔ آئی ایم سوری مگر میں ابھی بات نہیں کر سکتی۔'' وہ سلسلہ منقطع
کرنے کے ارادے سے بولی تھی۔ مگر تبھی اذہان روانی سے بولا تھا۔
''میں تو پوچھ رہا ہوں۔ کیا ہوا ہے تمہیں؟ ——— تم رو رہی ہو؟'' دوسری طرف وہ اس کے اندر کے
موسموں کو پڑھ رہا تھا۔ مگر اس طرف میرب کچھ نہیں بولی تھی۔ تیزی سے بہتے آنسوؤں کو ہاتھ کی پشت
سے ایک بار پھر سختی سے رگڑ دیا تھا۔
''نہیں۔'' کمزور لہجے کو مضبوط بنانے کی حتیٰ المقدور کوشش کی تھی۔ مگر وہ پھر بھی چھپ نہیں سکی تھی۔
''تم رو رہی ہو؟'' اذہان حسن بخاری جتاتے ہوئے بولا تھا۔
''آئی سیڈ ——— آئی ایم سوری! ——— آئی کانٹ ٹاک ٹو یو رائٹ ناؤ۔ کائنڈلی کال می لیٹر۔''
سارے موسم، خیال، احساسات وہ سب رو کر رہی تھی۔
سب کچھ تیاگ رہی تھی۔ صرف اس کج ادا کے لیے۔ اس بے وفا کے لیے۔
اذہان کا سلسلہ منقطع کر کے وہ چلتی ہوئی اندر آ گئی تھی۔
دوسری طرف اذہان حسن بخاری اس کی کیفیت پر پریشان سا بیٹھا تھا۔ مگر اس تشویش کا کوئی بروقت
حل نہیں تھا۔

میرب چلتی ہوئی رومیصا لغاری کے پاس آئی تھی۔ اس کے چہرے پر آکسیجن ماسک لگا تھا۔ وقت وہ آنکھیں بند کئے پُرسکون انداز میں غالباً سو رہی تھی۔

تکلیف کا احساس اس کے چہرے سے قدرے کم ہوا تھا۔ مگر اس کے اندر ایک شے تھمنے والا بڑھتی جا رہی تھی۔

"کیا لگتی ہیں یہ آپ کی؟ —— بہت کنسرن ہو رہی ہیں آپ ان کے لئے۔ اتنی پریشانی کے لئے بھی اچھی نہیں۔ آپ پلیز، وہاں لاؤنج میں جا کر بیٹھ جائیے۔ یا ڈرائیور کے ساتھ واپس جائیے۔ انہیں ابھی مزید آبزرویشن میں رکھنے کی ضرورت ہے۔ بائے دی وے، بتایا نہیں آپ نے کیا رشتہ ہے آپ کا ان سے؟" ڈاکٹر اس سے دریافت کر رہا تھا۔ مگر وہ کوئی جواب دینے کے قابل نہیں پا رہی تھی۔ کیا کہتی؟ —— کیا تھی وہ اس کی ——؟

کیا رشتہ تھا!

وہ اپنی سوتن کے لئے اتنی پریشان تھی ——؟

اس کے لئے اتنا کنسرن دکھا رہی تھی ——؟

اسے آنسو بہا رہی تھی۔

زمانہ کیا کیا دیکھتا ہے اور کیا کیا سمجھتا ہے۔ مگر اصل کیفیت تو وہی جانتا ہے جو ان حالات سے گزر رہا ہوتا ہے۔ میرب سیال نے سر بہت آہستگی سے نفی میں ہلا دیا تھا۔

"آپ یہ بتائیے، یہ کب ہوش میں آئیں گی؟ —— بائے دی وے، وی آر ریلیٹیوز۔"

"کچھ دیر لگے گی —— فی الحال تو یہ دواؤں کے زیر اثر ہیں —— سوئیں گی۔ اور یہی ان کے بہتر بھی ہے۔ آپ شہر سے آئی ہیں۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی کچھ لگتی ہیں؟ پہلے آپ کو کبھی یہاں دیکھا؟" ڈاکٹر اس فیملی کو جانتا تھا شاید تبھی دریافت کر رہا تھا۔ مگر میرب سیال نے اب کے ان سوالوں کو مکمل نظر انداز کر دیا تھا اور بولی تھی۔

"میں یہیں لاؤنج میں ہوں۔ کسی شے کی ضرورت ہو تو پلیز مجھے بتا دیجئے گا۔ اینی میڈیسن ......"

ڈاکٹر اس کی بات کاٹتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

"نہیں —— اس کی فی الحال ضرورت نہیں۔ اور میں تو یہ بھی کہوں گا کہ آپ گھر چلی جائیے۔ اس وقت آپ کا یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں ہے۔ لغاری خاندان کی روایتوں کو اچھی طرح سے جانتا ہوں میں۔" وہ ڈاکٹر بہت کچھ جانتا تھا جیسے۔ مگر شاید وہ سب کچھ پھر بھی نہیں جانتا تھا جو وہ جانتی تھی۔

وہ سر ہلاتی ہوئی پلٹی تھی اور چلتی ہوئی باہر آ گئی تھی۔ بارش اب بھی ہو رہی تھی۔

اور ایک بارش تو متواتر اس کے اندر بھی ہو رہی تھی۔

وہ چلتی ہوئی گاڑی کی طرف آئی تھی۔ ڈرائیور نے مؤدب انداز میں دروازہ کھولا تھا۔ وہ بیٹھی تھی گاڑی اس حویلی کی سمت بڑھنے لگی تھی۔ کیا تھیں یہ روایتیں؟ —— روایتوں کے نام پر استحصال کا سلسلہ کب تک باقی رہنا تھا؟ —— دنیا بھر میں ہیومن رائٹس وائلیشن پر کئی سیمینار ہوتے ہیں۔ تقریریں

عمران کا بلا واسطہ کوئی اثر اس سسٹم پر کیوں نہیں پڑتا جس پر پڑنا چاہئے ——؟
چلتے ہوئے دماغ کے ساتھ وہ کچھ بھی سوچ رہی تھی جو سوچنا ضروری بھی نہیں تھا۔

❄❄❄

فاصلے بڑھے تھے۔

کچھ اور پھیلے تھے —— اور پھیلتے چلے گئے تھے۔

سرد مہری کی دبیز تہہ موسم پر ہی نہیں آنکھوں اور لہجے پر بھی جمی تھی۔ نظر سے نظر کو کوئی واسطہ نہیں رہا تھا۔ ہاتھ کو ہاتھ سے کچھ رابطہ باقی نہیں رہا تھا۔

کمرے کا سکوت بتا رہا تھا کہ تنہائی کتنی بڑھ چکی ہے اس کمرے کی۔

کتنے دنوں کے لئے —— مہمان بنے آ گئی ہے۔

انابیہ شاہ چپ چاپ بیٹھی تھی۔ جب دروازہ کھلا تھا اور فاطمہ خان چائے اور دیگر لوازمات لے کر کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔

جو چل رہا تھا، پوشیدہ نہیں رہا تھا۔ مگر وہ اس میں غلط کسی ایک کو نہیں ٹھہرا سکتی تھی۔ غلطی شاید فریقین کی تھی۔ مگر یہ لمحہ جتانے کا نہیں تھا۔ فاطمہ خان جانتی تھیں سو نرمی سے مسکراتے ہوئے انابیہ شاہ کے سامنے آ بیٹھی تھیں اور اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر اسے محبت سے دیکھا تھا۔

"چائے لے لو —— ساتھ میں، میں نے اپنے ہاتھوں سے تمہارے لئے چکن کے کباب بنائے ہیں۔ تم بیف، مٹن نہیں لیتی ہو نا۔" وہ مسکراتی ہوئی بالکل اسی طرح بات کر رہی تھیں جس طرح اس کی اپنی ماما کیا کرتی تھیں۔ وہ بھی ممی کی طرح جانتی تھیں کہ اسے مٹن، بیف پسند نہیں ہے۔ اس گھر کے افراد اسے کیا جانتے تھے؟ اس حد تک سمجھتے تھے؟

اسے واضح طور پر حیرت ہوئی تھی۔

"کیا ہوا؟ —— تم اس طرح کیا دیکھ رہی ہو؟ —— میری بچی ہو، کیا مجھے تمہاری پسند ناپسند کا پتہ نہیں ہوگا؟ —— عریشہ، انوشے، عفنان —— اس گھر میں میرے بچوں کو کیا پسند ہے، کیا ناپسند میری نظر سے کچھ بھی چھپا ہوا نہیں ہے۔ ماں ہوں نا۔ جانتی ہوں کس وقت میرے بچے کیا چاہتے ہیں، کیا اچھا لگتا ہے۔ تم یہ چائے لے لو۔ صبح کا بریک فاسٹ تم نے منع کر دیا تھا۔ دوپہر کا لنچ بھی گول کر گئیں۔ میرا کہا مت ٹالو۔ ورنہ بہت پٹائی لگاؤں گی۔" فاطمہ شاہ مسکراتی ہوئی بھرپور محبت سے بولی تھیں اور کباب اٹھا کر اس کے منہ کی طرف بڑھایا تھا۔

کیا تھے یہ لوگ ——؟

کیسے تھے؟

وہ شخص اسے جانتا تھا ——

یہاں تک ٹھیک تھا —— لا جک بنتی تھی —— وہ محبت کا دعویدار بنتا تھا —— اسے جاننا بھی بنتا تھا۔ مگر یہاں تو پورے گھر کو اس کے اندر کے موسموں کی خبر تھی۔ کیسے تھے یہ لوگ ——؟

اتنی محبت، اتنی کیئر کرنا کیسے جانتے تھے؟

وہ بھی اس کی اتنی سرد مہری کے جواب میں؟

اس کی مسلسل یخ بستگی کے جواب میں؟

انابیہ نے منہ کھول دینے میں کوئی عار نہیں جانی تھی۔

"گڈ ــــ تم یہ سارے کباب ختم کر لو۔ اور فریش ہو کر نیچے آجاؤ۔ ہم ماں بیٹی آج باہر گھومنے چلیں گے۔ بہت سی شاپنگ کریں گے۔ آخر اس گھر کے مردوں کو کچھ تو پتہ چلے کہ ہم بھی خاص ہیں اور میں ہر وقت دیکھے رہنا ہماری ڈیوٹی میں نہیں ہے۔" فاطمہ شاہ مسکراتے ہوئے مسلسل بھرپور اپنائیت کا اظہار اختیار کر رہی تھی۔ انابیہ شاہ کی آنکھوں کی اداسی عود کر آئی تھی۔

"کیا ہوا؟ ــــ تم رو رہی ہو؟ ــــ نہیں جانا، تو ٹھیک ہے ہم نہیں جاتے ــــ مگر تم کم از کم فریش تو ہو جاؤ۔ کہو تو میں تمہارے سر میں تیل ڈال دوں؟ ــــ ٹھہرو، میں تیل لے کر آتی ہوں۔" وہ جانے کو اٹھی تھیں جب انابیہ نے سرعت سے ان کا ہاتھ تھام لیا تھا اور شرمندہ ہوتی ہوئی بولی تھی۔

"نہیں، آپ رہنے دیں ــــ مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔"

"ضرورت نہیں ہے؟ ــــ اس کا اندازہ تمہیں کیسے ہو گیا؟ ــــ بیٹا! کیا تم ہمیں اپنا نہیں سمجھتی ہو؟ کیا میں تمہاری ممی جیسی نہیں ہوں؟"

"ایسی بات نہیں ہے۔"

"تو پھر؟" فاطمہ نے اپنے عزیز ترین بیٹے کی عزیز ترین ہستی کا چہرہ محبت سے تھاما تھا۔

"میں صرف اپنے بیٹے سے محبت نہیں کرتی بیٹا! ــــ مجھے اس سے وابستہ ہر شے سے محبت ہے۔ مجھے تم بہت عزیز ہو۔ کیونکہ تم اسے عزیز ہو۔" سارے حوالے کتنے معتبر کر دیے تھے۔ انابیہ کی آنکھوں میں بہت سی نمی ایک ساتھ جمع ہو گئی تھی۔

"آپ کو بھی یہی لگتا ہے کہ میں پاگل ہوں؟" ان کی جانب دیکھے بغیر شکوہ کیا تھا۔

فاطمہ نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"نہیں ــــ مجھے ایسا نہیں لگتا۔ اور کسی اور کو بھی ایسا نہیں لگتا۔" محبت سے اس چہرے کو دیکھا۔ لہجہ ممتا سے بھرپور اور نرم تھا۔

انابیہ کی آنکھوں کے سمندر چھلک گئے تھے۔

"اگر ایسا نہیں سمجھا گیا ہوتا تو کسی سائیکاٹرسٹ سے یوں رجوع نہیں کیا گیا ہوتا۔" اس کے مدھم لہجے میں ایک کرب کا احساس تھا۔

فاطمہ نے کچھ دیر خاموشی سے اس چہرے کو دیکھا تھا، پھر ملائمت سے بولی تھیں۔

"دیکھو بیٹا! ــــ یہ شادی کے بعد کی زندگی آسان نہیں ہے۔ شاید ہی کوئی ایک ہو جس کو شادی کے بعد پرابلمز فیس کرنی نہ پڑتی ہوں۔ ورنہ سب کے ساتھ کوئی نہ کوئی پرابلم ہوتا ہی ہے۔ بات سارا افہام داری کی ہے۔ سمجھ داری سے ہینڈل کرنے کی ہے۔ تم اسے الزام دیتی رہو گی اور وہ تمہیں غلط ٹھہراتا رہے گا۔ تو بات اور بھی تلخ ہو جائے گی۔ اس زندگی میں محبت سے زیادہ ایک دوسرے کو انڈر اسٹینڈ کرنا ضروری ہے۔ تم فریش ہو جاؤ۔ پھر کہیں باہر چلتے ہیں۔ میں تمہاری بھی اتنی ہی ماں ہوں جتنی کہ عفنان کی۔ تم کسی مقام پر مجھے ایک ماں سے کم نہ پاؤ گی۔ ایک بات میں چاہوں گی۔ تم ماہ وش سے یا بابا سے اس بارے میں کوئی بات نہ کرو تو بہتر ہے۔ ایسا میں اس لیے نہیں کہہ رہی کہ میں اپنے بیٹے کے پردہ ڈالنا چاہتی ہوں۔ میں تمہاری خیر خواہ ہوں بیٹا! ــــ تمہارے لیے ایک ماں کی طرح سوچ رہی ہوں۔ دادا کی طبیعت ابھی ابھی سنبھلی ہے۔ اور ماہ وش بخاری کے لیے پہلے بھی پیچیدہ صورت حال نازک ہو چکی ہے۔ تم فریش ہو جاؤ، ہم ماں بیٹی کہیں باہر چل کر ڈنر بھی کریں گے اور بہت سی اچھی اچھی باتیں۔ عفنان علی خان کے کان کیسے کھینچتے ہیں یہ میں اچھی طرح جانتی ہوں۔" دھیمے سے مسکراتے ہوئے اس کا چہرہ تھپتھپا کر باہر نکل گئی تھیں۔

انابیہ شاہ بھیگی ہوئی آنکھوں سے دروازے کی طرف دیکھتی رہ گئی تھی۔

❋❋❋

اور وہی ایک الجھن میں کمرے میں ادھر سے ادھر چکر کاٹتی رہی تھی۔ پھر رکی تھی اور کمرے کی ساری چیزیں اٹھا اٹھا کر پھینکنے لگی تھی۔

"آئی ہیٹ یو انابیہ ــــ آئی ہیٹ یو ــــ نفرت کرتی ہوں میں تم سے۔" عجب ہذیانی انداز اپنایا تھا۔ اس کے چہرے پر اور آنکھوں میں انتہائی شدت کی کیفیت تھی۔

"نفرت ہے مجھے تم سے ــــ نفرت ــــ نہیں ہو تم میری دوست۔" کمرے میں اس کے علاوہ کوئی نہیں تھا وہ جیسے ہواؤں سے باتیں کر رہی تھی۔ انداز میں ایک پاگل پن صاف دکھائی دے رہا تھا۔

ایک ایک کر کے اس نے کمرے کی کتنی ہی چیزیں توڑ ڈالی تھیں اور پھر تھک کر زمین پر بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔

"کیسے کر سکتی ہو تم میرے ساتھ ایسا؟ ــــ کیسے؟ ــــ نفرت ہے مجھے تم سے ــــ بالکل بھی اچھی نہیں لگتی ہو تم مجھے ــــ بہت عظیم بننے کا شوق ہے تمہیں ــــ ہمیشہ اپنا ہاتھ اوپر ہی کیوں رکھنا چاہتی ہو تم؟ ــــ کیوں؟" گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھی وہ چیختی ہوئی کہہ رہی تھی۔ انداز عجب جنونی تھا۔ وہ بہت ہار چکی تھی۔

شام میں عفنان کی آنے والی کال کے الفاظ اب بھی سماعتوں میں گونج رہے تھے۔

"شادی کرو گی تم مجھ سے؟" جملہ اتنا غیر متوقع تھا کہ وہ حیران رہ گئی تھی۔ عفنان علی خان بنا کسی تمہید کے درخواست کر رہا تھا جیسے روزمرہ کی کوئی معمول کی بات کر رہا ہو۔ نہ انداز خاص تھا نہ لہجہ۔

"واٹ یو مین؟" وہ بھونچکا رہ گئی تھی۔

"کیا یہ میری ممی؟" عفنان علی خان کا لہجہ کسی بھی طرح کے جذبات سے عاری تھا۔ مگر وہ لفظ ــــ بات بھی نہ کی کتنا کسی بات کی؟ ــــ اس نے تو تب بھی اس لہجے کو سننے کے بارے میں نہیں سوچا تھا جب اس سے وابستہ تھی۔ اور اب تو پھر بھی۔

لفظ کتنے خاص تھے ——— مگر وہ لہجہ!

عام سے بھی عام تھا۔

سرسری ——— یخ بستہ ——— سرد!

"یو گون میڈ عفنان! تم انابیہ کے ساتھ ایک رشتہ آل ریڈی رکھتے ہو۔ پھر اس سوال کی کیا تم اس لیے یہ لہجہ، یہ انداز ضروری تھا سو وہ بولی تھی۔

دوسری طرف عفنان علی خان نے بری طرح رد کر دیا تھا۔

"کہاں لکھا ہے کہ ایک رشتے کے ساتھ دوسرا رشتہ نہیں بن سکتا؟ وفاداری کو مختلف حصوں میں تو جا سکتا ہے۔" لہجے میں رسانیت تھی۔

"یہ وفاداری کی کون سی قسم ہے عفنان؟ ——— وہ دوست ہے میری۔ تم نے مجھ سے پہلا تھی۔ میں نے اس لئے ہاں کر دی، بی کوز میں تم دونوں کی خیر خواہی چاہتی تھی۔ مگر یہ سب کیا ہوئی عفنان علی خان؟ ——— وہ تمہارے اسے چاہنے کے دعوے کیا ہوئے؟" لامعہ حق نے باز کرنا چاہا تھا۔ حالانکہ دل میں یہاں سے وہاں تک ایک اتھل پتھل سی مچی تھی۔

"اس کی خواہشوں کو پورا کرنے جا رہا ہوں۔" عفنان علی خان کا لہجہ مدھم تھا۔

"کیا مطلب؟" لامعہ حق حقیقتاً کچھ نہیں سمجھی تھی۔ "وہ پاگل ہو گئی ہے؟"

"اس کا خیال ہے یہی میرے لئے بہتر ہے۔"

"اور تم اس کی بات مان رہے ہو؟"

"ہاں۔" عفنان علی خان کا لہجہ عجب پُرسکوت تھا اور اس طرح وہ ساکت رہ گئی تھی۔

"تم نے اس روز بھی جب ایسا کہا تو تم ——— عفنان! مجھے لگا تھا تم دونوں کو میری ضرورت اس طرح؟ ——— یہ کون سی صورت ہے مدد مانگنے کی؟" اسے اپنی آواز جیسے کسی کنوئیں سے محسوس ہو رہی تھی۔

"ہاں ——— مجھے تمہاری ضرورت ہے۔ کیونکہ وہ ایسا خیال کرتی ہے۔ تم نے جواب نہیں دیا ٹھہرا ہوا لہجہ تھا عفنان علی خان کا۔

"عفنان! تم پاگل ہو گئے ہو؟ ——— تم لوگوں نے مجھے سمجھ کیا رکھا ہے؟ وہاٹ یو تھنک؟ میری کوئی مرضی نہیں؟ آئی ایم لائک اے ڈمی؟ ——— جو کچھ بھی ہے تم دونوں کا ہے؟ اس اور تمہارا پورا کرنا شرط ہو گیا۔ دوست ہوں میں اس کی۔ کیا سمجھ رکھا ہے تم نے؟"

"دوست ہو، تبھی تو تم سے رجوع کیا ہے۔" عفنان کا لہجہ رسانیت بھرا تھا۔

"عفنان! گو ٹو ہیل ——— یو اینڈ ہر بوتھ۔" لامعہ حق غصے سے بولی تھی۔ تبھی وہ مدھم لہجے میں طرف بولا تھا۔

"میرے لئے کچھ بھی اہم نہیں ہے لامعہ! ——— میں کچھ سمجھ نہیں پاتا ہوں، کچھ سوچ نہیں میرے لئے زندگی کا مفہوم صرف وہ ہے جو وہ چاہتی ہے۔ میں اسے وہ دینا چاہتا ہوں۔"

بٹ اپ عفنان!" لامعہ حق اسے بولنے سے جیسے روکنا چاہتی تھی۔ "تم دونوں ایک دوسرے کے بارے ہو، ایک دوسرے کو خوش رکھنے کے لئے تم جو چاہو کرو مگر مجھے بیچ میں مت لاؤ۔"

تمہیں بیچ میں، میں نہیں لا رہا۔"

——— ؟" لامعہ کا ماتھا کچھ ٹھنکا تھا۔ لہجہ کچھ کمزور پڑا تھا۔ چہرے کی رنگت کچھ پھیکی پڑی تھی۔ بغیر ہوئی تھی۔

تم بیچ میں موجود ہو لامعہ! ——— "عفنان علی خان کا لہجہ مضبوط تھا۔ "اور تمہیں اب اس معاملے کو ہوگا۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" لامعہ کا لہجہ کمزور ترین تھا۔ دوسری طرف عفنان چند لمحوں کے لئے چپ ہو تو "کہنا کیا چاہتے ہو تم؟ ——— تم لوگوں کی زندگی میں خراب کر رہی ہوں؟"

"میں نے ایسا کچھ نہیں کہا۔ میں تمہیں کوئی الزام دے بھی نہیں سکتا۔ ساری بات تو یہ ہے لامعہ حق! جو کہنا چاہ رہی ہے وہی کچھ نہیں سمجھ رہی ہے۔"

"وہ نہیں سمجھ رہی تو تم مجھے سمجھانے آ گئے ہو؟" لامعہ کا لہجہ سخت تھا۔

"میں سمجھانے نہیں آیا، تمہیں بتانے آیا ہوں کہ اپنی دوست کو اس گلٹ سے آزاد کر دو۔"

"کیسے گلٹ سے؟"

"کیا کیا سمجھتی ہے، تم نہیں جانتیں؟"

"عفنان! وہ تمہاری بیوی ہے۔ اسے سمجھانے کا فرض تمہارا ہے، نہ کہ میرا۔"

"لامعہ حق! میں نے ایک بات کہی ہے۔ وہ اگر عظیم انسان بننے کے جتن کر رہی ہے تو اس کی وجہ تم نے کچھ نہیں کیا۔ مگر وہ ایک گلٹ میں ہے کہ اس نے مجھے تم سے چھینا ہے۔ وہ تمہارے لئے اتنا رہا ہے تو کیا تمہارا فرض نہیں بنتا کہ تم اس کے لئے کچھ کرو؟"

عفنان علی خان اس کے لئے ایک سوالیہ نشان چھوڑ گیا تھا۔ مگر وہ اب تک فائنڈ آؤٹ نہیں کر پائی تھی رہا تھا اور اسے کیا کرنا چاہئے تھا۔

❋❋❋

سردار سبکتگین حیدر لغاری کے چہرے پر پریشانی کی لکیریں درج تھیں۔ پیشانی کی رگیں واضح انداز میں دکھائی دے رہی تھیں۔

انہوں نے فون اٹھا کر ماتحت کو اطلاع دی تھی۔

بیلا! اردونا! ——— کل کے لئے جتنی بھی میٹنگز شیڈول ہیں انہیں آج میں منتقل کرنے کی کوشش کریں ان دو دنوں میں تمام کام نمٹا کر واپس جانا چاہتا ہوں۔" فون بند کر کے اس نے میرب سیال کا نمبر ملایا تھا۔

ایک ——— دو ——— تین ——— کتنی بیل گئی تھیں ——— سردار سبکتگین حیدر لغاری کے چہرے کی تنی انداز میں تنی ہوئی محسوس ہوئی تھیں۔ اگر دوسری طرف کال ریسیو کرنے والی میرب اس کے

سامنے ہوتی تو یقیناً وہ اسے تہس نہس کر چکا ہوتا۔ مگر اس کی خیریت تھی تو صرف اس لئے کہ درمیان سمندروں کے فاصلے حائل تھے۔ یہیں میرب سیال کی بچت ہوگئی تھی۔ پہلی بار پر کال پک نہیں ہوئی بیل جا کر کال ختم ہوگئی تھی۔ تب سردار سبکتگین حیدر لغاری نے دوبارہ وہی نمبر ملایا تھا۔ اگر ایک ہوتا تو وہ اس وقت فون اٹھا کر میرب کے کان پر لگا دیتا۔

ایک ——— دو ——— تین ———

"ہیلو!" میرب کی آواز اچانک دوسری طرف سے ابھری تھی۔

"کہاں تھیں تم؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے تشویشی انداز اختیار کیا تھا۔ مگر دوسری طرف سیال کی ہٹ دھرمی میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی۔

"ہواؤں میں ہرگز نہیں ہوں ——— کہئے، آپ کو کیا کہنا ہے؟"

دوسری طرف سردار سبکتگین حیدر لغاری کے ضبط کی حد جیسے ختم ہونے پر آن پہنچی تھی۔

"ٹھیک کہا آپ نے ——— ہواؤں میں نہیں ہیں آپ ——— آسمانوں میں ہیں ——— آپ کو صرف یہ بتانے کے لئے فون کیا ہے کہ میں واپس آ رہا ہوں۔"

"تو ——— ؟" میرب کی طرف سے سرد مہری کی حد تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری ضبط کر کے رہ گیا تھا۔

"رائٹ ——— آپ کو پرواہ ہونی بھی نہیں چاہئے۔ لیکن اگر آپ کے اختیار میں ہو یا آپ پہ آسان ہو تو یہ خبر مائی اماں تک پہنچا دیجئے ——— میں نے ان کا نمبر ٹرائی کیا تھا، مگر غالباً وہ سو" بتانے کے ساتھ ہی سلگتے ہوئے لہجے میں وضاحت بھی دی تھی۔

"ٹھیک ہے ——— میں بتا دوں گی۔"

"اس وقت کہاں ہیں آپ؟"

"ہاسپٹل میں۔"

"حویلی کے باقی لوگ کہاں ہیں جو تیمارداری کا کام آپ نے سنبھال لیا ہے؟"

"میں نہیں جانتی۔"

"نہیں جانتیں تو پھر یہاں کیوں ہیں؟"

"ٹھیک ہے، میں واپس گھر چلی جاتی ہوں۔"

"کہیں نہیں جائیں گی آپ ——— جب تک میں واپس نہ آ جاؤں، وہیں رہیں گی آپ" تھا۔

"یہ آپ کا حکم ہے؟"

"تم جو بھی سمجھ لو۔"

"میں کسی ایسی حاکمیت کی پابند نہیں ہوں۔" وہ منمنائی تھی۔

"آپ کس حاکمیت کی پابند ہیں اور کس کی نہیں، یہ تو وقت ہی بتائے گا۔ فی الحال آپ یہیں اور حویلی واپس جائیے۔" رشتے کا استحقاق لہجے میں بول رہا تھا مگر دوسری طرف میرب یہ بات ماننے کو تیار نہیں تھی۔

"آپ رعب نہیں جما سکتے مجھ پر۔"

"میں کیا کر سکتا ہوں، یہ آپ بہت جلد جان جائیں گی۔ ڈونٹ چیلنج می ——— رائٹ۔ جو آپ سے کہا جا رہا ہے آپ وہ کیجئے۔" وہ حق جتانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھ رہا تھا۔

"کس کے حوالے چھوڑ کر جاؤں رومیصا لغاری کو؟ ——— یہاں کوئی اور نہیں ہے۔"

"تم کس کے ساتھ یہاں آئی ہو؟"

"ڈرائیور کے سوا کسی اور کو بھی آپ نے ڈیوٹی سونپ رکھی تھی؟" وہ اسے طیش دلانے میں کسر نہیں چھوڑ رہی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بہت ضبط سے دوسری طرف لب بھینچے تھے پھر مضبوط لہجے میں گویا ہوا تھا۔

"لیکن میرب! تم سے جو کہہ رہا ہوں، صرف وہ کرو۔ تم ڈرائیور سے کہو وہ تمہیں گھر چھوڑ دے ——— ڈیوٹی سے کسی ملازمہ کو پیشنٹ کے ساتھ چھوڑ دو۔"

"دی پیشنٹ از ری لیٹڈ ٹو یو سردار سبکتگین حیدر لغاری! ——— ہاؤ کڈ یو نگلکٹ دیٹ؟" طنز کا تیر چلایا تھا۔

"آئی ڈونٹ نگلکٹ اینی تھنگ ——— اچھی طرح سمجھتا ہوں، کون سا رشتہ کتنا اہم اور ضروری ہے۔ فوری طور پر نکلو یہاں سے۔ اور مزید تمہیں رومیصا لغاری کے قریب نہیں جانا چاہئے ہو۔"

"کیوں ——— ڈرتے ہیں آپ، آپ کے دبے راز کھل جائیں گے؟ ——— کوئی بات دلی نہیں رہے گی" طنز کی حد تھی۔ دوسری طرف لہجہ زہرخند تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کو حیرت نہیں ہوئی تھی۔ غالباً وہ اس کا ایکسپکٹ کر رہا تھا تبھی بہت ٹھوس لہجے میں گویا ہوا تھا۔

"مجھے کچھ بھی ڈر نہیں ہے۔ آئی ڈونٹ کیئر ——— اگر تمہیں کچھ جاننے کا شوق ہے تو شوق سے جان لو مگر تم میں یہ صلاحیت نہیں ہے میرب سیال! تم رازوں سے پردہ ہٹانا نہیں جانتی ہو۔" لہجہ بہت کچھ جتاتا تھا۔ "اس وقت کوئی بحث نہیں چاہتا میں۔ گھر واپس جاؤ اور مائی سے میری بات کراؤ۔"

حاکمانہ انداز میں کہہ کر اس نے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔ میرب حیرت زدہ سی کھڑی رہ گئی تھی۔ ایک تو چوری، اس پر سینہ زوری۔ شرمندہ ہونے کی بجائے وہ مزید اکڑ رہا تھا۔ کیا کہتی وہ اس خبیث پہ آہستگی سے چلتی ہوئی لاؤنج میں نکلی تھی۔ تبھی ڈاکٹر نے بتایا تھا۔

"آپ کے ساتھ جو پیشنٹ ہیں ان کی حالت اچانک بگڑ گئی ہے۔ انہیں آئی سی یو میں شفٹ کیا جا رہا ہے بیٹر ہے آپ آ جائے۔"

سردار سبکتگین حیدر لغاری کا حکم نامہ ایک طرف دھرا رہ گیا تھا اور وہ اس پر عمل پیرا ہوئے بغیر رو کرتی رومیصا لغاری کی طرف بڑھنے لگی تھی۔

رومیصا لغاری کی حالت واقعی بہت بگڑ چکی تھی۔

اسے سانس لینے میں انتہائی دقت ہورہی تھی۔

''رومیصا!۔۔۔۔۔۔ رومیصا! آر یو اوکے؟'' اس کے قریب آکر وہ بہت اپنائیت سے اس کا ہاتھ
ہولی بولی تھی۔ مگر دوسری طرف سے رومیصا لغاری کچھ نہیں بول سکی تھی۔

''رومیصا!۔۔۔۔۔۔ رومیصا!'' اس کی بگڑتی سانسوں پر ہراساں سی ہوکر میرب نے اسے پکارا۔

''آپ پلیز باہر جائیے۔'' ڈاکٹر نے اسے باہر کردیا تھا۔

''میرب۔۔۔۔۔۔!'' رومیصا لغاری نے اپنی اُلجھی سانسوں کے بیچ اسے پکارا تھا۔ وہ سرعت
تھی۔ ایسا کیا خاص بتانے لائق باقی بچا تھا۔ میرب سیال واقعی نہیں سمجھ سکی تھی۔ مگر اس نے اپنا
کے بڑھے ہوئے ہاتھ پر رکھ دیا تھا۔

میرب سیال کچھ سننے کی منتظر تھی۔ اس کی آنکھیں بغور اس نحیف و کمزور چہرے کو دیکھ رہی
رومیصا لغاری بولنے کی خواہش رکھتے ہوئے بھی کچھ بول نہیں سکی تھی۔ اس کی سانسوں کے اتار
جیسے اسے بے بس کردیا تھا۔

ڈاکٹر نے نرس کو اشارہ کیا تھا۔ نرس نے اسے بازو سے پکڑ کر رومیصا لغاری سے دور ہٹایا
کمزور و نحیف ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھوٹتا چلا گیا تھا۔

ڈاکٹر مستعدی سے اسے ٹریٹمنٹ دینے لگے تھے۔

''یہ کیسے ہوا۔۔۔۔۔۔؟''

بکتگین حیدر لغاری پہلی فرصت میں پاکستان میں تھا اور گھر پہنچتے ہی بنا ریسٹ کیے میرب کی
ازف جانے کی تیاری کرنے لگا تھا۔ صورت حال گی کو بتائی تھی۔ گی کی تشویش بڑھ گئی تھی۔ مگر سردار
بکتگین حیدر لغاری نے جواباً کوئی جملہ نہیں کہا تھا۔ شرٹ کے بٹن تیزی سے بند کرتے ہوئے گی کی
ازف ایک نگاہ بھی نہیں کی تھی۔ گی کا دل اس کی کیفیت کو جیسے گہرائی سے سمجھ رہا تھا۔

''بہت عجیب کیفیت ہے نا یہ۔۔۔۔۔۔ بہت مشکل لگ رہی ہوگی نا محبت؟''

''گی۔۔۔۔۔۔!'' وہ اپنی کیفیت سے نکلتے ہوئے ایک پل میں مسکرایا تھا۔ مگر اس مسکراہٹ میں
لب پھیکا پن تھا۔

''کچھ غلط کہا میں نے؟'' گی نے نرمی سے دریافت کیا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے سرنفی میں ہلا دیا تھا۔ پھر اس کی طرف دیکھے بغیر بیڈ کے کنارے پہ
بیٹھ کر شوز پہنتے ہوئے بولا تھا۔

''یہ جو تمہاری محبت ہے نا، بہت بے وقوفی والی چیز ہے۔ بہت ہی عجیب شے۔'' لہجے میں نہ چاہتے
ہوئے بھی ایک طنز سا اُتر آیا تھا۔ اس کے اندر کی جلن اس کے لہجے کا حصہ بن گئی تھی۔ گی کو یقیناً بہت
افسوس ہوا تھا۔

''بہت مشکل ضرور ہے تگین! مگر اس میں کچھ بھی ناممکن نہیں ہے۔'' اس نے باور کرایا تھا۔

''ہاں۔۔۔۔۔۔ احمقوں کی جنت میں کبھی کچھ ناممکن نہیں ہوتا۔'' وہ اٹھ کر بالوں میں برش کرنے لگا
تھا۔ گی اسے بغور دیکھ رہی تھی۔

''تگین! ایک بات کہوں؟'' اجازت چاہی تھی۔

تگین نے اس کی طرف دیکھے بغیر سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''میں جانتی ہوں تم ایک سمجھ دار اور مصلحت پسند شخص ہو۔ جلد باز ہرگز نہیں ہو۔ مگر پھر بھی اتنا کہنا
چاہوں گی کہ کسی بھی مقام پر کوئی فیصلہ بہت جلدی مت کرنا۔ محبت وقت چاہتی ہے تگین! اور توجہ
بھی۔''

''کچھ نہیں چاہتی محبت۔ بہت فضول ہے یہ تمہاری منطق گی! بہت اسٹوپڈ ہے یہ تمہاری محبت۔''
تگین نے اس کی بات تیزی سے کاٹتے ہوئے دیکھا تھا۔ ''اس میں کچھ بھی ویسا نہیں ہے جیسا تم بتاتی

ہو۔ جیسا تم سوچتی ہو۔ اپنے پاگل پن سے باہر آ جاؤ۔ یہ محبت انتہائی فضول شے ہے۔ بہت فضول۔''

گی اس کے لب و لہجے پر حیران رہ گئی تھی۔ اسے بھی اپنے لہجے کی تیزی پر غالباً افسوس ہوا تھا ہی اگلے چند لمحوں تک اس نے کچھ بولنا گوارا نہیں کیا تھا۔ پھر چلتا ہوا اس کے قریب آن رکا تھا کے شانے پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔

''محبت ویسی بالکل بھی نہیں ہے گی! جیسا تم بتاتی ہو۔'' مدھم لہجہ ایک گہرا ملال اپنے اندر رکھتا گی کچھ بھی جواباً بول سکی تھی۔

''مان لو، محبت ویسی بالکل بھی نہیں ہے۔ تمہاری نظر کا دھوکا ہے یہ ——— صرف اور صرف ایک خوب صورت فریب۔ ایسا کوئی جہاں دنیا میں نہیں ہے گی! جہاں اپنے سے زیادہ کسی اور کی فکر ہو جہاں سب کچھ اچھا ہو۔ روح کو تسکین دینے والا ہو۔ اپنے آپ کو دیکھا ہے کبھی گی ثریا تم؟ ——— دیا تمہیں اس تمہاری محبت نے؟ اگر یہ خوب صورت تھی تو تمہیں اتنا بے رنگ کیسے کر گئی؟ ——— نئے جہاں آباد کر سکتی تھی تو اس نے تمہیں اتنا تنہا کیسے کر دیا؟ ——— اگر یہ اتنی نوازنے والی ہے تم اتنی خالی ہاتھ کیوں کھڑی ہو؟ ——— ایسا کیوں ہے گی؟ ——— اگر محبت اتنی پُرکشش اور دلفریب ہے تو تمہاری آنکھوں میں یہ ویرانی کیسی ہے؟'' اس نرم و مدھم لہجے میں بہت کچھ تھا۔ گی چپ چاپ کھڑی تھی اور وہ کہہ رہا تھا۔

''مان لو گی! تمہاری محبت کچھ نہیں ہے۔ کچھ بھی نہیں۔ بہت فضول شے ہے یہ۔ ایک دم کچھ بھی نہیں دیتی یہ۔ سارے رنگ لے کر بھی کچھ نہیں۔ مان لو یہ بات ——— کیونکہ یہ میں کہتا ہوں۔'' وہ مسکرایا تھا۔ بہت دھیما اور پھیکا سا انداز تھا۔ گی تب بھی کچھ نہیں بولی تھی۔ وہ پلٹا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا تھا۔ گی اسی طرح کھڑی دیکھتی رہ گئی تھی۔

❋❋❋

وہ لاؤنج میں کھڑی تھی جب سامنے ڈرائیور کے ساتھ کوئی بہت بارعب سی پرسنالٹی کے مالک چلتے اور اس کی طرف بڑھتے دکھائی دیے تھے۔ میرب کو کوئی خاص تعجب نہیں ہوا تھا۔ بڑے انداز میں وہ ان کی طرف متوجہ رہی تھی۔ حتیٰ کہ وہ قریب آئے اور اس کے پاس رک گئے تھے۔

''یہ جی بڑے آغا جان ہیں ——— رومیصا بی بی کے والد صاحب۔ اور کین صاحب کے۔'' ڈرائیور بہت مؤدب انداز میں تعارف کرانے جا رہا تھا جب کہ آغا جان نے ہاتھ اٹھا کر اسے بولنے سے باز کر دیا تھا اور جانے کا اشارہ کرتے ہوئے میرب کی طرف دیکھنے لگے تھے۔

میرب کی سمجھ میں اس لمحے بالکل نہیں آیا کہ وہ اس سے کیا بات کرنا چاہتے ہیں۔

''ہم آپ کے مشکور ہیں ——— آپ نے رومیصا کو بروقت ہاسپٹل پہنچا کر ہم پر احسان کیا۔''

''میں نے آپ پر کوئی احسان.......'' میرب نے بولنا چاہا تھا تب ہی انہوں نے ہاتھ اٹھا کر بولنے سے باز رکھا تھا۔

''ابھی ہماری بات مکمل نہیں ہوئی بچی! ہم یہ کہنا چاہ رہے تھے کہ...... خیر، ہم تمہارا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ رومیصا ہمیں کتنی عزیز ہے، یہ شاید تم یا کوئی اور نہ جان سکے۔''

''ایک بات کہوں ——— اگر آپ کی اجازت ہو تو؟'' میرب نے مؤدب انداز میں انہیں پکارا

''کہو۔'' انہوں نے گویا اجازت دی تھی۔

''رومیصا لغاری جب آپ کو اتنی عزیز ہے تو آپ نے اسے اس قید میں کیوں ڈال رکھا ہے ——— جس طرح کا سلوک اس کے ساتھ یہاں کیا جا رہا ہے ویسا تو کوئی ——— معاف کیجیے گا، ایسا سلوک تو کوئی اپنے کسی پالتو جانور کے ساتھ بھی نہیں کرتا۔ پھر آپ نے اسے اس طرح کیسے؟''

اس کی بات سن کر آغا جان اطمینان سے اسے دیکھتے رہے تھے۔ پھر بولے تھے۔

''ہم جانتے تھے، کوئی ایسا ہی سلگتا ہوا سوال آپ کے ذہن میں ہوگا۔ مگر پھر بھی ہم نے آپ کو نہیں کہنے دیا۔ کیا ہمارا لبرٹی دینے کا انداز یہ بات پروف نہیں کرتا کہ ہم کتنے لبرل ہیں۔ اور رہی رومیصا کی تو اسے آپ جانے دیجیے، یہ ہمارا نجی معاملہ ہے۔ آپ کا احسان ہم مانتے ہیں۔ آپ نے رومیصا کے لیے یہ سب کر کے ہم پر واقعی احسان کیا ہے۔ اس کے بدلے آپ ہم سے جو چاہیں مانگ سکتی ہیں۔'' آغا جان کا انداز وہی ازلی تمکنت رکھتا تھا۔

میرب نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''نہیں شکریہ۔ مجھے آپ کی کسی قسم کی مراعات کی ضرورت فی الحال نہیں ہے۔ یوں بھی میں نے سب کسی صلے کے لالچ میں نہیں کیا۔ آپ کچھ اور کہنا چاہتے ہیں ہم سے؟'' اس نے سوالیہ نظروں سے آغا جان کی طرف دیکھا تھا۔

''نہیں۔'' آغا جان نے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

''معاف کیجیے گا۔'' وہ اسی مؤدب انداز میں بولی اور چلتی ہوئی ان کے قریب سے نکل گئی تھی۔

آغا جان اس لڑکی کو دیکھ کر رہ گئے تھے۔

❋❋❋

گاڑی رکی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری دروازہ کھول کر باہر نکلا تھا اور چلتا ہوا کیسل کے اندر داخل ہو گیا تھا۔ مائی سے ملنے کے بعد وہ پہلی فرصت میں اس کے سامنے تھا۔

میرب سیال نے اسے دیکھ کر کسی حیرت کا اظہار نہیں کیا۔ خوشی تو اسے یوں بھی کوئی نہیں تھی۔ انداز ناگواری کی حد سے سوا تھی۔ کسی ''لچک'' کے نظر آنے کے باوجود اس کی سمت پیش قدمی کی تھی اور اس کے قریب جا رکا تھا۔

میرب سیال ایک سرسری سی نگاہ اس پر ڈالنے کے بعد نگاہ پھیر گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے خاموشی سے دیکھا تھا۔ انداز میں واضح طور پر ایک ٹھہراؤ تھا۔ اسی خاموشی سے دیکھتے ہوئے اس نے ہاتھ بڑھایا اور اس چہرے کو آہستگی سے اپنی جانب پھیر کر بھرپور توجہ چاہی تھی۔

"تو بہت سے رازوں کے بھید پا گئی ہیں آپ؟" سوال غیر متوقع تھا نہ غیر واضح۔ اس کے
میرب سیال اسے خاموشی سے دیکھتی رہی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کا انداز اس لمحے سپاٹ
اس کی سرد مہری سے بیزار قطعاً نہیں ہوا تھا۔

"کیسا لگ رہا ہے آپ کو؟ ـــــ ٹھیک ٹھاک ہیں آپ؟" انداز میں نرمی کے باوجود ایک
سی تھی۔ میرب خاموشی سے اسے دیکھتی رہی تھی۔ بولی کچھ نہیں تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے
پر ایک طنزیہ جیسی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"بہت اطمینان بخش لگ رہا ہوگا سب آپ کو، ہے نا؟ ـــــ کچھ نیا یا انوکھا جان کر بھی
حیرت ہوتی ہے۔ حیرت تو ضرور ہوئی ہوگی؟"

وہ مسلسل طنز فرما رہا تھا۔ میرب کے لئے چپ رہنا دشوار ہو گیا تھا۔

"مجھے ایسا کچھ نہیں لگا۔" وہ تنک کر بولی۔ "میں یہاں آپ کی جاسوسی کرنے نہیں آئی تھی
نے خود ہی اجازت دی تھی۔"

"آں......ہں......اچھا، واقعی......اجازت تو میں نے ہی دی تھی۔" وہ معمول کے انداز
بات چیت کر رہا تھا جیسے کوئی اہم واقعہ وقوع پذیر ہوا ہی نہ ہو۔

"شاید پھر میں نے خود ہی چاہا ہوگا کہ آپ کو یہ سب پتہ چل جائے۔ کیا ایسا بھی نہیں؟"
طنز کے تیر چلانے میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ جتنا غصہ اس کے اندر تھا وہ اسے بہت اطمینان سے
رہا تھا۔

"مجھے نہیں پتہ آپ نے کیا چاہا تھا اور کیا نہیں۔ مجھے نہ آپ سے کوئی غرض ہے نہ آپ کی
زندگی کی کسی دلی سچائی سے۔ اور نہ ہی کسی انوکھے راز سے۔" وہ سرعت سے بولی تھی۔ جب
سبکتگین حیدر لغاری نے ایک لمحے میں اسے جارحانہ انداز میں تھام کر خود سے قریب کیا تھا۔ یہ
اتنا اچانک تھا کہ وہ حیران رہ گئی تھی۔ ساکت نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ سردار سبکتگین
لغاری اس کی سمت بغور دیکھ رہا تھا۔ آنکھوں میں ایک نہ سمجھ میں آنے والا اسرار تھا۔

وہ اسی طرح ساکت کھڑی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بہت آہستگی سے ہاتھ بڑھا
کے چہرے کو ہولے سے چھوا تھا۔

"تمہاری سمجھ بہت چھوٹی ہے۔ اور اس کا کوئی علاج میرے پاس نہیں ہے۔ اگر تم میں
صلاحیت ہوتی تو تم......" انداز تلملایا ہوا تھا۔ لہجہ بلند نہیں مگر سخت ضرور تھا۔

"کسی راز کو جاننے کی صلاحیت تم میں نہیں ہے میرب سیال!" ایک جھٹکے سے اس کے وجود
حصار سے آزاد کر دیا تھا۔ میرب سیال دم بخود تھی اور وہ اسی سرد انداز میں کہہ رہا تھا۔

"مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ تم نے کیا جان لیا ہے اور کیا جاننا باقی ہے۔ میں چھپ
کر نہ وار کرنے کا قائل ہوں نہ پیٹھ میں چھرا گھونپنے کا عادی۔ مجھے جو کرنا ہوتا ہے وہ ڈنکے کی چوٹ پر
کرتا ہوں۔ تمہیں جاننے کا جنون ہو تو کچھ ہمت تم بھی دکھاؤ۔ مگر اس طرح رومیصا لغاری

...کر دو۔ اس کی زندگی بہت تھوڑی ہے۔ جتنی ہے اسے سکون سے جینے دو۔ تمہیں جب کسی
...کوئی فرق نہیں پڑتا تو پھر یہ سب جاننے سے فائدہ؟ ـــــ جو ہے، جیسا ہے اسے اس کے
...چھوڑ دو۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری مڑا تھا اور باہر نکل گیا تھا۔ میرب سیال ساکت کھڑی اسے
...رہ گئی تھی۔

❋ ❋ ❋

...چلنے میں اتنی دیر نہیں لیتے جتنی تیزی سے فاصلے بڑھتے ہیں۔ سایوں سے زیادہ تیزی سے
...چلتے ہیں۔

...یہاں بھی بڑھ چکے تھے۔ مگر اس کا اندازہ فی الحال اناہیہ کو نہیں تھا یا پھر وہ کرنا نہیں چاہتی
...یا پھر دونوں اس سے منہ پھیرے کھڑے تھے۔ سچ جیسے ایک سورج تھا، جس کی طرف وہ دونوں
...لگنا نہیں چاہتے تھے۔ وہ چپ چاپ کھڑی تھی جب عفنان علی خان کمرے میں داخل ہوا تھا اور بنا
...کی طرف دیکھے الماری کے سامنے جا رکا تھا اور اپنا ضروری سامان نکالنے لگا تھا۔ اناہیہ نے اسے
...دیکھا تھا پھر آہستگی سے بولی تھی۔

"آپ کو اپنا سامان کہیں لے جانے کی ضرورت نہیں ہے ـــــ آپ چاہیں تو میں......میں
...سے چلی جاتی ہوں۔" یہ کہہ کر وہ الماری کی طرف بڑھ گئی تھی اپنا سامان لینے کے لئے۔ مگر تب
...پلٹا تھا اور وہ بری طرح سے اس شخص سے ٹکرا گئی۔ ایک پُرتپش لمس نے وجود کو چھوا تھا۔
عفنان علی خان نے غالباً اس کے گرنے کے خیال سے اسے تھام لیا تھا۔ قربت کا یہ لمحہ کہنے کو بہت
...تھا۔ مگر جس طرح اناہیہ شاہ اپنی آنکھیں شدت کے احساس کے ساتھ بھینچ کر رہ گئی تھی، اس پر
...علی خان نے اسے دوسرے ہی پل بہت آہستگی سے اپنی گرفت سے آزاد کر دیا اور نگاہ پھیر گیا
...تھا۔

"سوری۔" وہ یوں شرمندہ دکھائی دے رہا تھا جیسے کوئی بہت سنگین جرم سرزد ہو گیا ہو۔ اناہیہ سر
...جھکائے کھڑی تھی۔ نہ اس کی طرف دیکھ سکی تھی، نہ ہی کچھ کہہ سکی تھی۔

عفنان علی خان مڑا اور پھر تیزی سے اپنی چیزیں نکالنے لگا۔

"آپ پلیز......" اناہیہ اسے ایسا کرنے سے باز رکھنا چاہتی تھی۔ تب ہی آہستگی سے بولی تھی۔

"کیا چاہتی ہو تم؟ ـــــ اب اور کیا؟" عفنان علی خان نے یک دم مڑ کر اسے دیکھا تھا۔ وہ
...صرف خاموشی سے دیکھ کر رہ گئی تھی۔ کچھ کہہ نہیں سکی تھی۔

"اناہیہ شاہ! تم چیزوں کو صرف اپنے رنگ میں کیوں دیکھنا چاہتی ہو؟ ـــــ پرابلم کیا ہے تمہارا؟
...جو چاہا ہے میں نے کیا ہے۔ میری بھی کوئی زندگی ہے۔ میں بھی کچھ چاہ سکتا ہوں۔ میری بھی
...کوئی مرضی ہو سکتی ہے۔ مگر تم یہ سب کیوں سمجھو گی؟" سلگتے ہوئے لہجے میں کہتا ہوا وہ پلٹا تھا اور دوبارہ
...چیزیں الماری کے اندر سے نکالنے لگا تھا۔

"میں چلی جاتی ہوں یہاں سے۔" وہ بہت اطمینان سے بولی تھی۔ عفنان علی خان نے اسے دیکھا

تھا۔ انداز میں کسی قدر برہمی تھی مگر کچھ بھی بولے بغیر ہاتھ میں پکڑے ہوئے کپڑے بیڈ پر اچھالا اور کچھ بھی کہے بغیر پلٹ کر نکل گیا۔

انابیہ شاہ چپ چاپ کھڑی اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

❁ ❁ ❁

میرب سیال نے اپنے ذہن سے اس شخص کے خیال کو جھٹکا تھا اور چلتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔ وہ ہسپتال جانے کے لیے قدم بڑھا رہی تھی جب سردار سبکتگین حیدر لغاری کی بھاری آواز نے اس کے قدم روک لیے تھے۔

"کہاں جا رہی ہو تم؟"

"کیوں؟ ——— اب مجھے ہر بات کی اجازت آپ سے لینا ہو گی؟" اس کا انداز غیر لچک تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کی پیشانی پر سلوٹیں واضح طور پر دکھائی دی تھیں مگر وہ بولا تھا تو انداز بہت مطمئن تھا۔

"ساری دیواریں گرانا چاہتی ہو تم ——— حدوں سے نفرت ہے تمہیں؟"

"میں کوئی دیوار پھلانگ کر کہیں نہیں جا رہی۔ نہ ہی کہیں بھاگ رہی ہوں۔ میں آپ کی..... میں ہسپتال جا رہی ہوں۔"

"رک کیوں گئیں؟ ——— کہو نا، کس کی تیمارداری کرنے جا رہی ہو؟ ——— زبان روک لینے سے کیا سچائی چھپ جائے گی؟ ——— سچ اگر جان ہی گئی ہو تو اسے قبول کیوں نہیں کر رہیں؟" لہجے میں عجیب سی چبھن تھی۔

میرب سیال الجھنا نہیں چاہتی تھی۔ تبھی نرم لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

"مجھے کسی سچائی کو قبولنے سے کوئی تعرض نہیں ہے۔ کیونکہ سچ کو نہ ماننے والے سچ سے بھاگنے کے عادی ہوتے ہیں۔ اور میں ایسی نہیں ہوں۔ میرے نظریں پھیر لینے سے یا کسی کے کہہ دینے سے سچ چھپ نہیں جائے گا۔ نہ ہی بدل جائے گا۔ میں آپ کی وائف کی خیریت معلوم کرنے ہسپتال جا رہی ہوں۔" وہ بہت پُر اعتماد انداز میں بولی تھی۔ گمان تھا کہ مقابل چاروں شانے چت ہو جائے گا مگر ایسا نہیں ہوا تھا۔ وہ بہت پُرسکون انداز سے مسکرا رہا تھا۔ انداز حد درجہ محظوظ ہونے والا تھا۔ یہ بڑی غیر متوقع کیفیت تھی۔ میرب کو واقعی حیرت ہوئی تھی۔ مگر اس نے یہ حیرت اس شخص پر قطعاً ظاہر نہیں ہونے دی۔

"میری وائف؟ ——— آئی سی۔" وہ جیسے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ انداز میں ایک پُرسکون کیفیت تھی۔ وہ چلتا ہوا کچھ قریب آ گیا تھا۔

"میری وائف ——— آپ کی کیا ہو گئیں؟" پُر اعتمادی سے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

میرب سیال کا دل کٹ کر رہ گیا۔ وہ جو پُر اعتماد انداز سے اس کی سمت دیکھ رہی تھی، نگاہ پھیر گئی۔ یہ شخص اسے کبھی سکون سے نہیں رہنے دے گا۔ شاید یہ طے کر لیا تھا اس نے۔ ایک پل میں اس کے اطمینان کے ٹکڑے کر دیے تھے۔

"ہوں ——— کیا ہو گئیں وہ آپ کی؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری جیسی سی مسکراہٹ لبوں میں لیے اس کے جواب کا منتظر تھا۔ میرب سیال نے ایک کڑوا گھونٹ لیا تھا اور اس کی طرف دیکھے بغیر بولی۔

"رومیسا لغاری کا آپ سے کچھ بھی رشتہ سہی۔ مجھے ان سے ہمدردی ہے......"

"کیوں؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری تیزی سے اس کی بات کاٹتے ہوئے گویا ہوا تھا۔ "کیوں؟ میں پوچھ رہا ہوں۔ کیوں ہے تمہیں یہ ہمدردی؟ کس لیے؟ ——— رشتہ میرا ہے اور فکر میں آپ دبلی ہوئی جا رہی ہیں۔ ایک ان جانے رشتے سے اتنی ہمدردی؟ ——— آپ کو تو اس سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہونا چاہیے۔ غرض تو پھر دور کی بات ہے۔" انداز جتانے والا تھا۔ غالباً وہ اسے طیش دلانے کے [illegible] رہا تھا۔ میرب سیال کے دل پر جیسے ایک بوجھ سا آن گرا تھا۔ ایک لمحے میں خود کو سنبھالنا محال لگا تھا۔

یہ شعور جان لیوا تھا کہ وہ اس کا نہیں۔ یہ خیال تو اور بھی قتل کر دینے والا تھا کہ وہ اس کا نہیں۔

"میں جانتی ہوں، ایک سے زیادہ حصوں میں بٹا ہوا رشتہ میرا ہرگز نہیں۔ آپ مجھے سمجھانے کی کوشش کیوں کر رہے ہیں؟ جبکہ یہ بات میں پہلے سے جانتی ہوں۔" نظریں بوجھل تھیں۔ ذرا سا بھرم [illegible] نہ جائے۔ وہ ساری نمی اپنے اندر کہیں اتار لینا چاہتی تھی۔ تبھی اس کی طرف متوجہ بھی نہیں تھی۔

"جانتی ہوں میں یہ بات ——— آپ پلیز۔" باور کرانا چاہتی تھی مگر اتنا حوصلہ کس میں تھا۔ آواز لرزتی ہوئی تھی اور حلق میں ہی کہیں دم توڑ گئی تھی۔ وہ جو پُر اعتماد انداز میں اس کے سامنے کھڑے رہنا چاہتی تھی، بہت کمزور پڑنے پر نگاہ پھیر گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے بغور دیکھا تھا۔ انداز جانچنے والا تھا۔

"جانتی ہو تو مانتی کیوں نہیں؟" اس بار انداز خلاف معمول حد درجہ نرم واقع ہوا تھا۔ لہجہ [illegible] تھا۔ مگر بغور اس چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ کیا باور کرانا مقصود تھا اس شخص کو؟ ——— کیا ثابت کرنا چاہتا تھا وہ؟ باور کرا بھی پایا تھا کہ نہیں۔ اس کا اندازہ اگلے ہی پل ہو گیا تھا جب وہ کہہ رہی تھی۔

"مان چکی ہوں ——— مان ہی تو چکی ہوں۔ اور آپ کو بھی اس کا اندازہ بہت جلد ہو جانے گا۔" انداز فیصلہ کن تھا۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری کا اطمینان کم نہیں ہوا تھا۔

"اوہ۔" وہ جیسے قطعاً متاثر نہ تھا۔ "جلن ہو رہی ہے؟" اس نے مسکراتے ہوئے پُرسکون انداز میں پوچھا تھا۔ میرب سیال نے سلگتے ہوئے انداز میں قاتل نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"کیا؟" وہ چونکے بغیر نہیں رہ سکی۔

"جلن، جیلسی، حسد محسوس کرنا۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بہت پُرسکون انداز میں واضح کیے تھے جیسے وہ قطعاً نابلد ہو۔ میرب سیال کا سارا ضبط جواب دے گیا تھا۔ آنسو آنکھوں پر اب تک جو ایک اختیار تھا ایک لمحے میں وہ بند ٹوٹا تھا اور سارا نمکین پانی رخساروں پر تھا۔ مگر وہ بنا شرمندہ ہوئے، خجل ہوئے پُراعتماد نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

"جلن؟ ___ مجھے جلن کیوں محسوس ہو گی؟ کس لیے؟" اگر نگاہوں سے کوئی قتل کر سکتا تو سردار سبکتگین حیدر لغاری کو آج قتل کر چکی ہوتی۔

"کیا رشتہ ہے میرا آپ سے؟ ___ کیا لگتے ہیں آپ میرے؟" تنک کر پوچھا تھا۔ انداز ایک جلن بہت واضح تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بہت آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر اس رخساروں پر سے نمکین پانی کا ایک قطرہ اپنی انگلی کی پور پر لیا تھا۔ اسے بغور دیکھتا دھیمے انداز دیا تھا۔

"نہیں جانتی ہو ___؟" مدھم لہجے میں جیسے کوئی ایک شکوہ سر پیٹ رہا تھا۔ میرب سیال پھیر گئی تھی۔

"نفرت ہے مجھے آپ سے۔"

"محبت کب ہوئی تھی۔ بتایا نہیں تم نے؟" شکوہ در شکوہ۔ انداز دلچسپ تھا۔ وہ جیسے اپنے سکون اسے زچ کر رہا تھا۔ میرب سیال کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اپنے سامنے کھڑے اس لمبے چوڑے تہس نہس کر کے رکھ دے۔

"محبت ___ محبت کے معنی جانتے ہیں آپ؟" وہ پھنکاری تھی۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری چہرے کو بغور دیکھتا رہا تھا۔

"تم سمجھا دو۔" مدھم لہجے میں کوئی درخواست تھی۔ کوئی دھیما دھیما الاؤ تھا۔ مگر میرب سیال کچھ دیکھ رہی تھی۔ کچھ بھی سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

"محبت کے پیچھے بھی نہیں آتے آپ کو۔ محبت کی "میم" کی بھی خبر نہیں ہے۔ اور......" وہ اس طرف دیکھے بغیر زہر خند لہجے میں بولی تھی۔

"اور؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری اس چہرے کو بغور دیکھ رہا تھا۔ لہجہ نرم بھی تھا اور لچک دار نکلنے کو بہت سی گنجائش نکل سکتی تھی۔ مگر یہاں کوئی مائل نہیں تھا۔

میرب چہرے کا رخ پھیرے کھڑی تھی۔ تب ہی اس ساکت ماحول میں سردار سبکتگین حیدر کی مدھم آواز دوبارہ ابھری تھی۔

"اور......؟" وہ اس ادھوری بات کو مکمل کر دینے کے درپے تھا۔ مگر میرب سیال ایک دم تھی اور وہاں سے نکل جانا چاہا تھا۔ تبھی سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ایک بھرپور استحقاق سے نازک کلائی کو اپنی گرفت میں لیا تھا۔

"ادھوری باتیں، ادھورا پن دیتی ہیں میرب سیال! ادھورا پن اچھا نہیں ہوتا۔ مکمل کر دو۔

بات کا حوالہ دیے بغیر یہ تذکرہ خاص، ایک خاص مفہوم رکھتا تھا۔

مکمل کرو۔" درخواست گزار انداز کسی قدر ضدی بھی تھا اور دھیما بھی۔ مگر میرب سیال نے مڑ کر نہیں تھا۔ وہ جیسے اپنی ذات کی بات کر رہا تھا۔

"بہت جلد ختم ہو جائے گا یہ سب ___ بہت جلد آپ کو پتہ چل جائے گا۔" وہ کچھ سمجھے بغیر اس دیکھے بنا ہاتھ چھڑا کر باہر نکل گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری وہیں کھڑا اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔

❋ ❋ ❋

"کیسی ہیں اب آپ؟"

پچھلے روز سے رومیصا لغاری آئی سی یو میں تھی۔ ابھی کچھ حالت سنبھلی تھی تو اسے پرائیویٹ روم کیا گیا تھا۔ میرب نے جیسے ہی قدم رکھا تھا، رومیصا لغاری اسے اپنائیت سے دیکھتے ہوئے سے مسکرائی تھی۔ چہرے پر نقاہت اب بھی تھی۔

"کیا محسوس کر رہی ہیں اب آپ؟" تازہ پھولوں کا بکے اس کے قریب رکھتے ہوئے میرب اپنائیت سے دریافت کیا تھا۔ رومیصا لغاری نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"تم ___ تم کہاں چلی گئی تھیں؟" رومیصا لغاری نے شکوہ کیا تھا۔ میرب سیال جیسے اس لمحے مسکرائی تھی۔

"آپ نے مجھے مس کیا؟" انداز بہت پھیکا سا تھا۔ رومیصا لغاری نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"میں نے ابھی تھوڑی دیر پہلے بابا سے بھی پوچھا تھا۔ بتا رہے تھے کہ تم گھر پر ہو۔ کین آیا ہوا" نقاہت سے پُر آواز میں پوچھا تھا۔

میرب سیال نظریں چرا گئی تھی۔

"ہاں۔" مختصر جواب دے کر اس کی دواؤں کو دیکھنا شروع کر دیا تھا۔

"کیسا لگ رہا ہے اب آپ کو؟ ___ پہلے سے بہتر محسوس کر رہی ہیں نا؟ دوائیں تو وقت پر لے رہی ہیں نا آپ؟" وہ جیسے اس موضوع پر آنا ہی نہیں چاہتی تھی۔

رومیصا لغاری نے اسے بغور دیکھا تھا اور پھر اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا تھا۔

میرب سیال چند ثانیوں تک کھڑی اس خالی ہاتھ کو دیکھتی رہی پھر بہت آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر اس کے خالی ہاتھ پر رکھ دیا۔

"میرب! ایک خالی ہاتھ کو جانتی ہو کیا شے بھر سکتی ہے؟" رومیصا لغاری نے جیسے اسے سمجھانا چاہا۔ میرب سیال نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"کیا؟" انداز میں کوئی لگاوٹ نہ تھی۔

"صرف ایک محبت بھرا ہاتھ میرب!" رومیصا لغاری نے مدھم لہجے میں جیسے بہت کچھ جتایا تھا۔

"صرف محبت بھرا ہاتھ ایک خالی ہاتھ کو بھر سکتا ہے میرب! اور کچھ نہیں۔ پتہ نہیں مجھے یہ بات تمہیں سمجھانا چاہیے کہ نہیں۔ مگر جب ایسا کوئی لمحہ یا ہاتھ، ہاتھ میں آئے تو اسے جھٹکنا نہیں چاہیے۔"

رومیصا لغاری اسے پتہ نہیں کیا سمجھانا چاہتی تھی۔ مگر وہ اسی طرح خاموش سی کھڑی رہی تھی۔ بولی تھی۔ رومیصا لغاری دوبارہ بولی تھی۔

''وہ ہاتھ تمہارا ہے میرب! اُسے اس طرح اگنور مت کرو۔'' رومیصا لغاری اُسے جتا رہی تھی شے کے بارے میں جو اس کی تھی ہی نہیں۔ وہ ایک عجیب طنز سے مسکرا دی تھی۔

''رومیصا! آپ......'' وہ کچھ بولتے بولتے رہ گئی تھی۔

''میں جانتی ہوں میرب! ــــ میں جانتی ہوں۔ بے خبر لمحوں کی خبر تمہیں دینا چاہتی ہوں سے تم واقف نہیں ہو۔'' رومیصا لغاری کو اس کی بے وقوفی پر جیسے افسوس ہوا تھا۔

میرب سیال مسکرا دی تھی۔

''رومیصا! مجھے ایک بات بہت عجیب لگتی ہے۔''

''کیا؟''

''شاید آپ بھی جانتی ہیں، ہم دونوں جس رشتے میں ہیں اس میں ایسی دل جوئی کہیں نہیں مگر ہم ایک دوسرے کی دل جوئی بھی کرتے ہیں اور خیر خواہی بھی۔'' میرب سیال نے پھیکے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھنے سے گریز کیا تھا۔ رومیصا لغاری بھی مسکرا دی تھی۔

''ایسا کیا ہے میرب؟ ــــ کیا ہم میں واقعی کوئی دشمنی ہونی چاہیے؟''

''پتہ نہیں۔ میں نے آج تک کسی سے نفرت نہیں کی۔ کسی سے عداوت نہیں رکھی۔ مجھے نہیں کیا ہونا چاہیے اور کیا نہیں۔ مگر میں کسی سے بھی نفرت نہیں کر سکتی۔'' اس کا انداز بے بس تھا۔

''تمہارا دل بھی کوئی دُکھا دے تب بھی نہیں؟''

''نہیں ــــ میں خود کو ہرٹ کرنے والے سے بھی نفرت نہیں کر سکتی۔'' وہ بالکل مجز میں سر جھکا کر بول رہی تھی۔ اسے جیسے اپنی بے وقوفی پر غصہ آ رہا تھا۔ رومیصا لغاری نے ا دیکھا تھا۔

''تم دنیا کی بہت انوکھی لڑکی ہو میرب! اور تب ہی شاید بہت اچھی بھی لگی ہو۔ تم جیسی کو کوئی ہرٹ کرنا نہیں چاہے گا۔''

''پتہ ہے، آپ کے بابا سے ملاقات ہوئی تھی اس روز۔'' میرب سیال نے بات یک دی تھی ــــ رومیصا لغاری کو حیرت نہیں ہوئی تھی۔ وہ جانتی تھی، وہ اس موقع سے، اس مو فرار کیوں چاہتی ہے۔ مگر وہ بہت قلیل لمحوں میں اسے قائل کرنا چاہتی تھی۔ جیسے یہ سب اس بہت ضروری تھا۔

''میرب!'' اسے دیکھتے ہوئے بہت آہستگی سے پکارا تھا۔

میرب نے سرنفی میں ہلا دیا تھا۔

''پلیز رومیصا! مجھے یہ سننا بہت محال لگتا ہے۔ اور اس سے بھی زیادہ یقین کرنا۔ میں کسی دیکھے پر یقین نہیں رکھتی۔ جو میری نگاہ دیکھتی ہے میں اس پر اعتماد کرتی ہوں اور میری نگاہ نے

نہیں دیکھا رومیصا!''

اعتبار کرو میرب! تم جس لمحے میں زندہ ہو، وہ لمحہ تمہارا ہے۔ اپنے اس لمحے کو جی لو۔''

کیسے جی لوں؟ ــــ کیا یہ اتنا آسان ہے؟ آپ...... آپ کیسے کہہ سکتی ہیں یہ سب؟ جبکہ

''......

میں کیا میرب؟ ــــ تم رک کیوں گئیں؟ بولو نا۔''

کچھ نہیں۔'' میرب سیال چہرہ پھیر گئی تھی۔

میں تمہیں کچھ بتانا چاہتی ہوں میرب!'' رومیصا لغاری نے مدھم لہجے میں کہا تھا۔

رامیصا! پلیز۔ میں آپ کے پاس کسی راز کی انفارمیشن گیٹ کرنے نہیں آئی۔ مجھے کچھ جاننے درکار نہیں ہے۔ آپ پلیز خود پر بروڈن مت ڈالیے۔ آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔ آپ آرام

''

انہیں کین نے کچھ کہا ہے میرب؟''

نہیں ــــ'' وہ اس کی طرف دیکھنے سے مکمل گریز کر رہی تھی۔ ''انہوں نے مجھے کچھ نہیں کہا۔'' ے جیسے بے فکر کر دینا چاہتی تھی۔ رومیصا لغاری اس کے منع کرنے کے باوجود اس موضوع سے تیار نہیں تھی۔

انہیں اتنا مشکل نہیں کہ سمجھ میں نہ آ سکے۔''

یرب سیال اس ذکر سے، اس نام سے جتنا بچنا چاہتی تھی وہ نام، وہ ذکر اسے اتنا ہی زیادہ گھیرتا رہ کچھ نہیں بولی تھی۔ نہ اسے روکا تھا، نہ چپ کرایا تھا۔ غالباً اس کا احترام کر رہی تھی۔ شاید تی کہ اس کے پاس جینے کے لئے لمحے تھوڑے ہیں اور وہ اسے اس کی خواہش سے جینے دینا تھی۔

''اس کا دل بہت خوبصورت ہے میرب! ــــ اس کے دل میں جھانکو، اتر کر دیکھو۔ وہ جتنا وہ جتنا اسٹرونگ دکھائی دیتا ہے، اندر سے وہ اتنا ہی نرم اور سوفٹ ہے۔ وہ اندر سے ادھورا ہے ہو اُسے مکمل کر دو۔''

''مکمل کر دو ــــ'' ایک بازگشت جیسے اس کے اندر ہوئی تھی۔ ابھی کچھ لمحوں پہلے کہا گیا ایک لہجہ دھیما لہجہ اس کے اندر گونجا تھا۔ میرب نے چونک کر رومیصا لغاری کو دیکھا تھا۔

''اس کا دل جو کہتا ہے اسے وہ کہنے کا فن نہیں آتا میرب! وہ جو محسوس کرتا ہے اسے بیان نہیں کر سکتا شاید کبھی بھی اس طرح نہیں بتا پائے گا کہ وہ کیا چاہتا ہے۔ اسے تمہاری کتنی ضرورت ہے۔''

سب باتیں اس کے لئے جیسے بے معنی تھیں۔ وہ رومیصا لغاری کو صرف اس لئے سن رہی تھی کہ بولنے کا موقع دینا چاہتی تھی۔ ورنہ اسے نہ ان باتوں کی وقعت کا کوئی اعتبار تھا نہ ہی کوئی یقین اس کے اندر سر اٹھا رہا تھا۔ وہ خالی دل، خالی نظروں کے ساتھ اس لمحے چپ چاپ اس کے سامنے کھڑی تھی۔

"اسے مکمل کر دو میرب سیال!" رومیصا لغاری اسے کہہ رہی تھی اور وہ چپ چاپ دیکھ رہی

❊ ❊ ❊

"کیا ہوا؟ ـــــ کیا سوچ رہے ہو تم؟" ساحبہ نے دریافت کیا تھا۔
اذہان حسن بخاری جو کسی سوچ سے چونکا تھا، سرنفی میں ہلانے لگا تھا۔
"تم کچھ ڈسٹرب ہو؟"
"نہیں ـــــ وہ، میرب کو فون کیا تھا ـــــ کچھ عجیب سا بی ہیو کر رہی تھی۔"
"اس نے تمہیں نہیں بتایا؟" ساحبہ حیران ہوئے بغیر پوچھنے لگی تھی۔ اذہان نے اس کی طرف دیکھا تھا جیسے اس کو ساحبہ کے انداز پر حیرانی ہوئی تھی۔ وہ یہی سمجھ رہا تھا کہ میرب کے نام پر وہ کچھ الگ ری ایکٹ کرے گی۔ مگر ایسا نہیں ہوا تھا۔
"کیا ہوا؟ ـــــ ایسے کیا دیکھ رہے ہو تم؟"
"کچھ نہیں۔" اذہان نے سرنفی میں ہلا دیا تھا۔
"میں جانتی ہوں ـــــ مگر میں نہیں پوچھوں گی۔" ساحبہ مسکرا دی تھی۔ وہ لڑکی اپنی جگہ ٹھیک تھی۔ اذہان حسن بخاری کو اس بات کو ماننا پڑا تھا۔ اس کا دل واقعی بہت گنجائش رکھتا تھا۔
"تم میرب کے بارے میں بتا رہے تھے؟" اس کے خاموشی سے دیکھنے پر ساحبہ نے اسے یاد دلایا تھا۔ اذہان نے سر ہلا دیا تھا۔
"بات نہیں ہوئی اس سے۔"
"تو کیا پرابلم ہے؟ ـــــ بات کر لو اس سے۔ کیا وہ تم سے بات کرنا نہیں چاہتی؟" وہ انداز میں یوں بات کر رہی تھی جیسے وہ میرب سیال کو بہت اچھی طرح سے جانتی ہو۔ اذہان حسن نے اسے بغور دیکھا تھا۔
"تم کیا سوچ رہی ہو ساحبہ؟"
"میں کیا سوچ رہی ہوں؟" وہ پُرخیال انداز میں سوچتے ہوئے مسکرائی تھی۔ "میں سوچ رہی ہوں کہ دنیا آخر گول ہی کیوں ہے۔" یہ کہہ کر وہ ہنس پڑی تھی۔ عجیب غیر سنجیدہ انداز تھا جیسے وہ اس بات کو مذاق میں اُڑانا چاہتی تھی۔
"ساحبہ!" اذہان نے اسے بہت آہستگی سے پکارا تھا۔
"تمہیں ڈر لگتا ہے نا؟" بہت عجیب سوال نہیں تھا۔ مگر وہ چونکی تھی اور مسکرائی تھی۔
"ڈر؟ ـــــ مجھے ڈر کیوں لگے گا؟ ہاں لگتا تھا کبھی ـــــ مگر اس وقت میں بہت چھوٹی تھی۔ اب نہیں لگتا۔ کیونکہ اب میں بڑی ہو گئی ہوں۔" وہ مسکراتے ہوئے اسے بتا رہی تھی جیسے اس راز کو وہ نہ جانتا ہو۔ اذہان مسکرا دیا تھا۔
"ڈر صرف بچوں کو ہی نہیں لگتا ساحبہ! بعض اوقات بڑوں کو بھی لگتا ہے ـــــ اور ڈر کمزوری والی بات نہیں ہے۔ وہ ہٹلر تھا نا، وہ بھی ڈرتا تھا۔ اور وہ جو نپولین تھا نا، وہ بھی ڈر گیا تھا

اس کے مقام پر اسے شکست ہوئی تھی تو وہ رویا بھی تھا۔ کیونکہ وہ اس ہار کو قبول نہیں کر رہا تھا۔ اور وہ بڑی ہار تھی۔ ہار جانے کا ڈر صرف بچوں کو ہی نہیں ہوتا ساحبہ! یہ ڈر بڑوں کو بھی لگتا ہے۔" وہ نرمی سے کہہ رہا تھا اور وہ ہنس دی تھی۔
ہنسنے سے اس کی آنکھوں میں پانی کے ننھے ننھے قطرے چمکنے لگے تھے جو بالآخر آنکھوں سے باہر آ گئے۔ ساحبہ نے کناروں پر سے آنکھوں کی اس نمی کو اپنی پوروں پر لیا تھا اور مسکرا دی تھی۔
"یہ واٹرلو والی کیا داستان ہے؟ اس روز آگے بھی بتا رہی تھیں۔ کیا بہت بڑی ہار تھی وہ؟ ـــــ کیا ہار چھوٹی بڑی ہوتی ہے؟" وہ مسکراتے ہوئے معمول کی ساحبہ لگی تھی۔ اذہان اسے دیکھتے نرمی سے مسکرایا تھا۔
"ہار، ہار ہوتی ہے ساحبہ! چھوٹی یا بڑی نہیں ہوتی۔ ہار کو جھیلنا آسان نہیں ہوتا۔"
"اور ہم پھر بھی اس ہار کو جھیلتے اور سہتے ہیں۔" اذہان کی بات کو اس نے بہت نرمی سے مسکراتے مکمل کیا تھا۔ اذہان نے اس کی طرف دیکھا تھا۔ وہ اس لمحے جیسے کسی فرار کی تلاش میں تھی۔ اس طرف متوجہ نہیں تھی۔ شاید ایسا وہ جان بوجھ کر کر رہی تھی۔ مسلسل اپنی پوروں پر اس نمی کو دیکھ رہی تھی۔ اذہان کچھ بول نہیں سکا تھا۔ تبھی وہ مسکرا دی تھی۔
"دل کی ہار بہت بری ہوتی ہے نا اذہان! اس واٹرلو سے بھی بہت بڑی۔ یا پھر اس واٹرلو کی جیسی ہی۔"
"تمہیں کیا لگتا ہے ساحبہ؟"
"مجھے؟" وہ مسکرائی تھی۔ انداز بالکل سرسری اور غیر سنجیدہ تھا۔ "مجھے دل کی ہار اس واٹرلو کے مقام کی بڑی ہار لگتی ہے اذہان! نپولین اس کا اندازہ کبھی نہیں لگا سکا۔ کیونکہ نپولین کا دماغ صرف اس میں لگا تھا۔ صرف دماغ انوالو تھا، دل نہیں۔ وہ اس جنگ کی ہار کو صرف دماغی طور پر جھیل سکا۔ کبھی وہ اس ہار کو محسوس نہیں کر سکتا۔ اگر وہ دل سے ہارا ہوتا تو شاید اسی لمحے میں مر گیا ہوتا۔ دل اندر سے اندر جینے کا حوصلہ ختم کرتی ہے اذہان! ڈائریکٹ دل کو مارتی ہے۔ نپولین کبھی اس بات کا اندازہ نہیں لگا سکا ہوگا۔ دل کی ہار شاید واٹرلو کی اس ہار سے بھی بہت بڑی ہوتی ہے۔ اسے جھیلنے والے زیادہ انعام کے حق دار ہونے چاہئیں۔ حیرت ہے، انہیں کوئی خراج تحسین تک پیش نہیں کرتا۔"
سنجیدہ بات کہنے کے بعد غیر سنجیدگی سے مسکرائی تھی۔ اذہان اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔
"تم خود کو اتنا بے فکر ظاہر کیوں کرتی ہو ساحبہ؟"
"کیوں، میرا فکر مند ظاہر کرنا میرے لئے کون کون سے فائدے لا سکتا ہے؟" وہ بدستور اسی طرح ہنس رہی تھی۔ اذہان کو وہ لمحہ بہت مشکل لگا تھا۔
"تمہیں ڈر ہے نا؟"
"ڈر کے نہیں ہوتا اذہان! ـــــ میں بھی انسان ہوں۔ میرے سینے میں بھی ایک دل ہے۔ اور وہ دھڑکتا بھی ہے۔ تو ڈر تو مجھے لگے گا نا۔ ویسے ابھی سے بتا دوں، مجھے اندھیرے سے بہت ڈر لگتا

ہے۔" وہ مسکرائی تھی۔ "یاد ہے تمہیں، اس روز جب اچانک لائٹ چلی گئی تھی تو اور وہ بڑی مبہم کتنی موٹی کالی بلی تھی نا۔"

"ہاں، میں جانتا ہوں۔ تم لڑکیوں کو اندھیرے سے ڈر لگتا ہے۔"

"اور تم مردوں کو یہ بات پتہ ہے، اس کے باوجود میرے آواز دینے کے پانچ منٹ بعد پہنچے تھے۔ کتنے افسوس کی بات ہے نا۔" اس نے مصنوعی خفگی سے دیکھا تھا اور اذہان مسکرا دیا تھا۔

"وہ تو میں کینڈل ڈھونڈ رہا تھا۔" وضاحت پیش کی گئی تھی اور ساہیہ ہنس دی تھی۔

"تم مردوں کے پاس ہر بات کا جواز موجود ہوتا ہے۔"

"اور تمہیں ڈر نہیں لگتا۔" وہ اسی نقطے پر واپس آیا تھا۔

"لگتا ہے ـــــ بہت لگتا ہے۔" وہ ایک پل میں سنجیدہ ہوئی تھی۔ "مجھے ڈر لگتا ہے اذہان! کبھی کبھی واقعی بہت لگتا ہے۔ مگر میں خوفزدہ ہونا نہیں چاہتی۔ نہ ہی میں ڈرنا چاہتی ہوں۔"

"تم خیال کرتی ہو کہ ڈرنا منع ہے۔" وہ مسکرا رہا تھا اور وہ ہنس دی تھی۔

"نہیں ـــــ میں نہیں سمجھتی ہوں کہ ڈرنا ضروری ہے۔"

"ساہیہ!" اذہان نے اسے سنجیدگی سے پکارتے ہوئے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔ "ساہیہ! اذہان؟ ـــــ مجھ پر بھروسہ رکھو۔ وہ کبھی تم سے غافل نہیں ہوگا۔" اس نے نرم، دھیمے لہجے میں اسے یقین دلایا تھا۔

ساہیہ جواباً کچھ نہیں بولی تھی۔ صرف خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔

❄ ❄ ❄

میرب سیال چلتی ہوئی مائی کے پاس آئی تھی۔ مگر یہ دیکھ کر قدم دروازے میں ہی رک گئے تھے وہ موصوف بھی وہاں براجمان تھے۔

"کیا ہوا بچے! ـــــ اندر آؤ نا ـــــ اس طرح رک کیوں گئیں؟" مائی نے اسے لگا پکارا تھا۔ مگر اس کی نگاہ اس شخص کی جانب گئی تھی جو اس گھڑی خاموشی سے سپاٹ چہرے کے اسے دیکھ رہا تھا۔ میرب سیال نے ایک پل کو دیکھا تھا۔ پھر قدم آگے بڑھا دیئے تھے اور سامنے جا رکی تھی۔

"مائی اماں! مجھے واپس جانا ہے۔" اس کا انداز فیصلہ کن تھا۔ جیسے وہ ہر بات کا فیصلہ کر چکی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے اس اقدام پہ چونکا نہیں تھا۔ وہ بہت اطمینان سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"اچھا، ٹھیک ہے ـــــ واپس تو مجھے بھی جانا تھا اور گین کو بھی۔ اگر تم ہمارے ساتھ جا سکو تو ہمیں اطمینان بھی رہتا اور خوشی بھی ہوتی۔" مائی اماں نے مروت سے کہا تھا۔ تبھی وہ جواباً بولا تھا۔

"میں ایسا ضرور کرتی مائی! مگر ـــــ بابا کا فون آیا تھا۔ وہ بھی مجھے مس کر رہے ہیں۔ اسٹڈی......."

"ہاں، وہ تو ہی ہے ـــــ اور زیادہ ضروری بھی ہے ـــــ ٹھیک ہے۔ میں کسی سے کہہ کر بندوبست کروا دیتی ہوں۔ تم اپنا سامان پیک کر لو۔ مگر......." مائی اماں کسی الجھن میں دکھائی دی تھیں۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری لاتعلق سا بیٹھا تھا۔

"ہاں، مگر کیا مائی؟ ـــــ کوئی پرابلم ہے؟ ـــــ اگر ایسا ہے تو مجھ سے کہیے ـــــ ہو سکتا ہے کہ میں آپ کے لئے کچھ کر سکوں۔" میرب کا انداز مائی کے ساتھ بہت الگ تھا۔

"وہ تو ہے بیٹا! لیکن تم خود ہی کہہ رہی تھیں کہ ـــــ تمہیں جانا ہے۔"

"تو آپ چاہتی ہیں کہ میں رک جاؤں؟" سوالیہ نظروں سے مائی اماں کو دیکھتے ہوئے وہ اس لمحے سردار سبکتگین حیدر لغاری کو مکمل طور پہ اگنور کر رہی تھی۔ اور شاید وہ جان بوجھ کر ایسا کر رہی تھی۔

"ہاں نہیں بیٹا! رومیصا لغاری۔ صبح میں ہسپتال گئی تھی۔ اس کے ڈاکٹرز سے بھی بات ہوئی تھی۔ اس کے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ اگر ممکن ہوتا تو میں اس کے لئے کچھ کرتی۔" مائی کی آنکھیں آبدیدہ ہو گئی تھیں۔ میرب خاموشی سے کھڑی انہیں دیکھتی رہی۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ مائی کیا کہنا چاہ رہی تھیں۔ وہ یہاں کسی کی تیمارداری کرنے نہیں آئی تھی۔ نہ ہی وہ کوئی مسیحا تھی۔ پھر یہ لوگ کیا چاہ رہے تھے اس سے ـــــ اور کیا کیا کچھ۔

"آپ کو لگتا ہے کہ میرے یہاں رہنے سے رومیصا لغاری کی حالت سنبھل سکتی ہے؟"

"مجھے نہیں، خود رومیصا نے ایسا کہا ہے کہ تم اس کے قریب رہو۔ بیٹا! مرنے والی کی آخری خواہش لائق رکھنی ہے۔ مگر میں تم پہ کوئی قدغن پھر بھی نہیں لگاؤں گی۔ اگر تم جانا چاہو تو جا سکتی ہو۔ میں نہیں جانتی کیوں اور کیسے مگر رومیصا لغاری کو تم سے کچھ انسیت ہو گئی ہے۔ وہ کیا چاہتی ہے اس سے تمہیں کوئی سروکار نہیں ہوگا۔ میں تمہیں پابند بھی نہیں کرنا چاہتی۔ میں تو کسی قدر شرمندہ ہوں کہ میں نے تمہیں اس رشتے سے لاعلم رکھا اور تمہیں اس کے بارے میں خود سے پتہ چلا۔" مائی شرمندہ دکھائی دے رہی تھیں۔

میرب میں اب اتنا حوصلہ بھی نہیں تھا کہ انہیں اس شرمندگی سے کچھ کہہ کر نکال پاتی۔ ہاں اسے دکھ تھا ـــــ بہت دکھ ہوا تھا اور اس کا ازالہ صرف یہ کہہ دینے سے ممکن نہیں تھا۔

"میرب بیٹا! تم تیاری کر لو۔ میں تمہارے جانے کا بندوبست کروا دیتی ہوں۔" مائی بولی تھیں اور وہ خاموشی سے چلتی ہوئی باہر آ گئی تھی۔ یہ دیکھے بغیر کہ کوئی اور بھی اٹھ کر اس کے پیچھے آ گیا تھا۔

"میرب!" باقاعدہ آواز دے کر پیچھے سے پکارا گیا۔ یہ وہ صدا نہیں تھی کہ اس کے قدموں کو منجمد کر پاتی یا پتھر ہو جاتی۔ مگر اس کے باوجود اس میں اتنی کرنسی تھی کہ وہ رک گئی تھی۔ اگرچہ پلٹ کر پھر اس نے نہیں دیکھا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری چلتا ہوا اس کے سامنے آن رکا تھا۔

اس کے بولنے کی منتظر اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ مگر وہ فوری طور پہ نہیں بول سکا تھا۔ میرب نے خاموشی سے اسے دیکھا تھا۔

"تو تیار ہو تم۔ واپس جانا چاہتی ہو؟"

"ہاں۔" اس نے بلاتردد جواب دیا تھا۔ انداز سرد تھا۔

"میں نہیں جانتا تھا تم اتنی بے حس ہو۔ اتنی پتھر ہو۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے پُراسرار میں کہتے ہوئے ایک الزام اس کے سر کیا تھا۔ اسے اس الزام پر واضح حیرت ہوئی تھی۔

"کیا کہا آپ نے؟ —— بے حس ہوں میں؟ —— میں بے حس ہوں؟ —— اگر بے حس ہوتی تو یہاں پر نہ ہوتی۔ مجھ پر الزام لگا کر آپ کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں؟" وہ پُراعتماد دریافت کر رہی تھی۔

"ثابت کچھ نہیں کرنا چاہتا۔ صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تمہیں رومیصا کی خواہش کا کچھ تو احترام کرنا چاہیے۔"

"کیوں —— کیوں کروں میں احترام؟ —— کیا لگتی ہیں وہ میری؟ اور آپ —— الزام لگانا باقی ہو تو وہ بھی لگا دیجیے۔ پہلے راز جاننے کا، کچھ کھوج داری کا الزام لگایا اور اب اور کس لئے رکوں میں تاکہ آپ کو یقین ہو سکے کہ میں واقعی کسی راز کی کھوج میں یہاں آئی ہے اس روز آپ نے ہی مجھے رومیصا لغاری سے ملنے سے باز رکھنا چاہا تھا نا۔ ان کے قریب سے بھی منع کیا تھا۔ صرف اسی وجہ سے ناکہ آپ کو لگتا ہے میں ان کے قریب جا کر ان سے رہی ہوں۔ تو پھر اب کیوں روک رہے ہیں آپ مجھے؟" وہ اس کی طرف دیکھتی ہوئی پُراعتماد دریافت کر رہی تھی۔ سردار سبکتگین کو اس کی ہمت نے ایک بار پھر دونوں شانے چت کر دیا۔ بالکل ٹھیک کہہ رہی تھی۔ مگر اس لمحے وہ اس کے سامنے کمزور پڑنا نہیں چاہتا تھا۔ تبھی بہت جا میں اسے شانوں سے تھاما تھا اور بولا تھا۔

"مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ تم کیا سوچتی ہو۔ کس لئے سوچتی ہو۔ جو میں کہہ رہا ہوں وہ تمہاری عقل میں بات کیوں نہیں آتی؟ —— اتنی بند عقل کی لڑکی کیوں ہو تم؟ —— کب لوگی تم؟ عقل کو استعمال بھی کرنا ضروری ہے۔ کس روز پتہ چلے گا تمہیں؟ —— وہ ذرا سی ہمدردی چاہتی ہے۔ تمہاری ذرا سی توجہ اور تم۔"

"تو کیوں دوں میں اسے توجہ؟ —— کیوں دوں ذرا سی ہمدردی؟" متوازن انداز ہوئے اس نے اپنے شانوں پر سے سردار سبکتگین کے ہاتھ ایک لمحے میں جھٹک دیے تھے۔

"کوئی نرس نہیں ہوں میں —— نہ ہی کوا ٹینڈنٹ —— آپ کی سمجھ یہ بات نہیں آتی ہیں آپ مجھے —— بیوی ہوں آپ کی تو سب کی غلام بھی ہو گئی؟" اس کا لہجہ معمول تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کا ہاتھ جانے کیسے اس لمحے میں اٹھا تھا اور اس کے چہرے پر گیا تھا۔ وہ ساکت سی، بھرپور حیرت سے اسے دیکھنے لگی تھی۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری مڑا اور چلتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔ میرب سیال بت بنی وہیں کھڑی رہ گئی تھی۔

❄ ❄ ❄

وہ کمرے میں چپ چاپ دبکی بیٹھی تھی۔ جب فاطمہ شاہ اندر آئی تھیں۔

"کیا ہوا؟ —— تم اس طرح اندھیرا کیے کیوں بیٹھی ہو؟"

مینا شاہ سیدھی ہو بیٹھی اور سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"نہیں —— ایسی بات نہیں ہے۔"

انہوں نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے اس کے چہرے کو محبت سے تھپتھپایا تھا۔

"میں تمہیں یہ بتانے آئی تھی کہ کل گھر میں ایک تقریب ہے۔ بہت سے گیسٹ آ رہے ہیں۔ سب تمہیں سے ملنے کا بھی شوق ہے۔ اس لئے تم اٹھو اور سیلون جا کر کچھ فریش ہو جاؤ۔"

ان کا موڈ بحال کرنے کو وہ مسکرائی تھیں۔ وہ بھی مسکرا دی تھی اب اتنی تو کسر باقی تھی اس میں۔

"کبھی باتیں کرتی ہیں آپ ممی؟ —— آپ کا زمانہ اب اتنا پرانا بھی نہیں ہے۔ میں نے شادی کی تصویریں دیکھی ہیں آپ کی۔ اچھی خاص ماڈرن خاتون تھیں آپ۔" انابیہ بولی تھی۔

"اچھا —— تو کیا اب نہیں ہوں؟" وہ اس کا چہرہ ہاتھ میں لے کر ہنس دیں۔ "چلو اچھا ہوا، تمہاری کسی بات نے ہی سہی، خوش تو کیا۔ ہمارے بچے کے چہرے پر مسکراہٹ تو نظر آئی۔"

انابیہ نے اسے کہا تو وہ جیسے زبردستی مسکرائی تھی۔ تبھی فاطمہ شاہ محبت سے بولی تھیں۔

"بیٹا! زندگی کے دروازے اس طرح بند نہیں کرتے۔ یہ عمر جینے کی ہے۔ اسے زندہ دلی سے بسر کرو۔ تمہاری عمر کے جب ہم تھے نا، ہم اس طرح کمرہ بند کر کے بیٹھنا تو درکنار، ہم گھر پر بھی مشکل سے ٹکتے تھے۔ بالکل رہتے تھے۔ ہماری اماں ہماری خبر گیری کو پیچھے پیچھے ہوتی تھیں اور ہم آگے آگے۔ مگر بیٹا! کھل کر جینا۔ لڑکیاں بڑی نرم دل ہوتی ہیں۔ بہت دلکش۔ انہیں رنگوں سے، موسموں سے رہنا چاہیے۔ تمہیں پتہ ہے اس وقت باہر کتنا خوبصورت موسم ہے۔ انوشے اور عریشہ ٹیرس پر ہیں۔ تم فٹافٹ اٹھو۔ ٹیرس پر چلو۔ میں گرم گرم چائے کے ساتھ گرم گرم پکوڑے بنا کر بھیجتی ہوں۔ اور ہاں صبح تم عفنان کے ساتھ اٹلی جا رہی ہو۔" جاتے جاتے انہوں نے دھماکا کیا تھا۔

"کیا؟" وہ بھرپور حیرت سے انہیں دیکھنے لگی تھی مگر وہ سرسری انداز میں مڑ کر اس کی طرف دیکھتی مسکرا رہی تھیں۔

"وہ جا رہا تھا۔ میں نے سوچا تم اس طرح کمرے میں بند کیوں رہو۔ اس لئے کہہ دیا کہ ایک کی ٹکٹ لے آئے۔ تم جلدی سے اٹھو۔ باہر چلو۔ چائے کے بعد عریشہ تمہیں پارلر لے جائے گی۔ پارٹی میں سب کو نظر آنا چاہیے کہ میری بہو کتنی خوبصورت ہے۔" وہ مسکراتی ہوئی یہ کہہ کر باہر نکلی تھیں۔ وہ کچھ دیر تک یوں ہی بیٹھی رہی تھی۔ پھر اٹھی اور چلتی ہوئی ٹیرس پر آ گئی تھی۔ موسم خوب تھا۔ بوندا باندی ہو رہی تھی۔ بوندوں نے اس کے تن کو چھوا تھا۔ کچھ تر و تازہ سا احساس ہوا تھا۔

"ارے واہ بھابی! —— آ گئیں؟" انوشے اسے دیکھ کر خوشی سے چلائی تھی۔

"اور بھائی بھی آ گئے۔" عریشہ اس کے پیچھے آتے عفنان کو دیکھ کر مسکرائی تھی۔ انابیہ کے قدم ایک لمحے کو جیسے رک گئے تھے۔ عفنان علی خان چلتا ہوا بہنوں کے پاس پہنچ گیا تھا۔

"کیا ہو رہا ہے بھئی؟" آتے ہی ٹیپو کو پیار کیا تھا۔

''بھائی! آپ اس وقت کیسے؟ ——— اتنی جلدی؟'' عریشہ مسکرائی تھی۔ ''کہیں ایسا تو نہیں
موسم میں بھابی کی یاد اس شدت سے ستائی ہو کہ آپ رہ ہی نہیں سکے۔'' انداز میں ایک خاص شرارت
تھی۔

عفنان علی خان بمشکل مسکرایا تھا۔ پلٹ کر اپنے پیچھے کھڑے وجود پر ایک نگاہ غلط انداز ڈالی
تھی۔

''ارے بھابی! آپ وہاں کیوں رک گئیں؟ ——— آگے آئیے نا۔'' انوشے خود آگے بڑھ کر
ہاتھ تھام کر اسے گھسیٹ لائی تھی۔ وہ اس ماحول میں خود کو بہت اجنبی محسوس کر رہی تھی۔ اگرچہ
اردگرد کے لوگ متواتر لگاوٹ دکھا رہے تھے۔

''کل کی پارٹی کی کچھ خاص تیاریاں باقی تھیں۔ یہ تم لوگوں کو بارش میں بھیگنے کا کیا شوق
بارش بھی کوئی انجوائے کرنے والی شے ہے؟ تم لڑکیاں بھی عجیب بدھو ہوتی ہے۔''

''اچھا ——— صرف ہم لڑکیاں۔ اور آپ جو اس موسم میں رہ ہی نہیں سکے اور بہانے سے
دوڑے چلے آئے۔'' عریشہ نے بھائی کی خبر لی تھی۔

وہ بے ساختہ ہنسا تھا۔ مگر ہنسنے کا یہ انداز بڑا اکھڑا تھا۔

رسم دنیا نبھانا آسان نہ تھا۔ مگر کرنا پڑ رہا تھا۔

انابیہ شاہ سر جھکائے اس سے کچھ انچ کے فاصلے پر کھڑی بوندا باندی میں متواتر بھیگ رہی
عریشہ نے اسے بغور دیکھا تھا۔

''یہ آپ کو کیا ہوا بھابی؟ ——— کہیں آپ دونوں میں کوئی ان بن تو نہیں ہو گئی؟ ——
رومانٹک موسم میں اس طرح خاموشی سے کھڑے رہیں، ہو ہی نہیں سکتا۔ ضرور کچھ گڑبڑ ہے۔
بھابی! بتائیے، کیا ہوا بھلا؟''

انابیہ کے لئے یہ لمحہ اتنا مشکل ہوگا، اگر اسے یہ پتہ ہوتا تو وہ باہر اس طرح اٹھ کر کبھی نہ
تبھی انوشے بولی تھی۔

''کیا ہوا؟ ——— کیا سوچ رہی ہیں آپ؟ کہیں آپ یہ تو نہیں سوچ رہیں کہ ہم دونوں کیا
اچھی خاصی ہڈیاں ہیں اور ہمیں یہاں سے پہلی فرصت میں آؤٹ ہو جانا چاہئے۔ تاکہ آپ
رومانٹک سے موسم کو مل کر انجوائے کر سکیں۔'' اس کا انداز شرارت سے بھرپور تھا۔ مگر انابیہ
نے مسکرائے بغیر سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''میں پکوڑے لے کر آتی ہوں۔'' انوشے نے شرارت سے آنکھ دباتے ہوئے وہاں سے
تھا۔ مگر عفنان نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا اور سرد انداز میں بولا تھا۔

''اس کی ضرورت نہیں ہے۔''

''کس کی ضرورت نہیں؟'' عریشہ نے مسکراتے ہوئے ہنوز شرارت سے بھائی کو دیکھا تھا۔

''ہمیں کسی پرائیویسی کی ضرورت نہیں۔''

''ہاہا ——— تو کیا آپ لوگ ہماری موجودگی میں ——— '' عریشہ نے شرارت سے ہنستے ہوئے
پہلو کو چھیڑا تھا۔ عفنان نے مسکراتے ہوئے اس کے سر پر چپت لگا دی تھی۔
''تمہارا بیٹا پہلے سے بھی کچھ زیادہ صحت مند ہو گیا ہے۔ کچھ خیال کرو۔ یہی حال رہا تو تمہیں اسے
ہیلتھ سینٹر میں ڈلوانا پڑے گا۔'' ٹیپو کو پیار کرتے ہوئے وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا۔ جہاں عریشہ نے
گھورا تھا وہیں انوشے کھلکھلا کر ہنستی چلی گئی تھی۔

''ارے واہ ——— آپ کو میرا بچہ ہی نظر آتا ہے۔ ہاتھ دھو کر پیچھے پڑ گئے ہیں آپ۔ نظر لگا کر ہی
چھوڑیں گے۔'' ایک جھٹکے میں ٹیپو کو اس کی گرفت سے کھینچ کر اپنے سینے سے بھینچا تھا۔ ٹیپو معصومیت
سے ماما کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگا تھا۔ عفنان ہنس دیا تھا۔

''ماما ہوں ——— پیار کرتا ہوں بھئی ——— اتنا تو میرا حق ہے۔'' اس نے ٹیپو کے گال کو چھوا تھا۔

انابیہ شاہ لاتعلق سی کھڑی ان بوندوں میں چپ چاپ بھیگ رہی تھی۔

''یہ آپ دونوں کو ہوا کیا ہے؟'' عریشہ نے پھر انہیں بغور دیکھا تھا۔ ''اس طرح دو ڈفرنٹ پول
کی الگ سمتوں میں انجان بنے کیوں کھڑے ہیں؟''

''ہم غور و خوض کر رہے ہیں۔'' عفنان بات سنبھالتے ہوئے مسکرایا تھا۔

''کس بات کے متعلق؟''

''فیملی پلاننگ کے متعلق۔''

ایک زبردست قہقہہ فضا میں بکھرا تھا اور وہ ہنستا چلا گیا تھا۔ انابیہ چہرے کا رخ پھیر کر دوسری
جانب دیکھنے لگی تھی۔ عفنان نے ایک نگاہ دانستہ اس پر بڑے بے خبر انداز میں ڈالی تھی اور بولا تھا۔

''ہم سوچ رہے ہیں کہ ہمیں اور کتنا کچھ جھیلنا باقی ہے۔ کتنا ہم اپنے حوصلوں کو آزما سکتے ہیں۔''

بات اگرچہ سچ تھی اور بہت کڑوی کسیلی اور گہری تھی۔ مگر انداز ایسا تھا کہ مذاق لگے۔ مگر عریشہ پھر
نا سمجھتے ہوئے بغیر ہنس رہی تھی۔

''خدانخواستہ، کیسی بری باتیں کر رہے ہیں آپ۔ ابھی ابھی تو شادی ہوئی ہے آپ لوگوں کی۔ ہنسنے
کھیلنے کے دن ہیں اور آپ ——— ابھی تو ماشاء اللہ آپ کو پوری زندگی ساتھ گزارنی ہے۔ دو دھوں نہانا
اور پوتوں پھلنا ہے۔ ایسی بری باتیں تو نہ کریں آپ۔'' عریشہ نے تنبیہہ کی تھی۔ باقاعدہ ڈانٹا تھا۔ وہ
مسکرا رہا تھا۔ انابیہ کی طرف دیکھنے کی گستاخی اب بھی نہیں کی تھی۔ وہ اپنے کہے کو نبھانے کا عادی تھا۔

انابیہ کا دل چاہا تھا کہ وہ وہاں سے بھاگتی ہوئی کہیں نکل جائے۔ سانس لینا محال ہو رہا تھا اس
کے لئے ممکن تھا۔ اس کی ہمت تھی کہ وہ وہاں کھڑی تھی۔ عجیب مجرمانہ سا انداز تھا۔ جیسے اس نے کوئی بہت
بڑا جرم کر دیا ہو۔ آخر کب تک اسے اس طرح دنیا دکھاوے کی زندگی جینا تھی۔ جب یہ تعلق کوئی نام
نہیں رکھتا تھا۔ کوئی اہمیت ہی نہ رکھتا تھا۔

وہ سر جھکائے بوندوں میں بھیگتی ہوئی چپ چاپ کھڑی تھی۔ اسی وقت انوشے آگے بڑھی تھی اور
انابیہ کا ہاتھ تھام کر ایک پل میں بھائی کے قریب لے جا کر اس کا تھاما ہوا ہاتھ عفنان کے ہاتھ میں دے

دیا تھا۔ پھر عفنان کا دایاں بازو پکڑا اور انابیہ کے گرد شولڈر پر رکھ دیا۔ یہ سب اتنا اچانک اور غیر
ہوا تھا کہ دونوں حیران رہ گئے تھے۔ اور ایک دوسرے کو ساکت نظروں سے دیکھنے لگے۔
انوشے نے دونوں کی حیرتوں پر ان کا بغور جائزہ لیتے ہوئے بھرپور انداز میں سراہا تھا۔ پھر
نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو اشارہ کیا تھا اور وہاں سے نکلنے کی ٹھانی تھی۔ کباب
مزید ہڈی بنے بغیر۔
''آپی! میں دیکھ کر آتی ہوں، یہ ابھی تک پکوڑے بنے یا نہیں۔'' انوشے کہہ کر ایک
سیڑھیاں پھلانگ گئی تھی۔
''میں بھی دیکھتی ہوں کہ چائے بنی کہ نہیں۔'' عریشہ بھی دوسرے ہی لمحے وہاں سے غائب
اب وہاں اس ساکت جامد ماحول میں دو وجود کھڑے رہ گئے تھے۔
بالکل ساکت جامد انداز میں۔ برف کی مانند سرد ---- گلیشیر کی طرح ٹھنڈے، یخ بستہ
ایک دوسرے کے ساتھ ---- ایک دوسرے کے مقابل کھڑے تھے۔
قربتیں تھیں مگر حدتوں کی رمق دور دور تک نہ تھی۔
جذبوں میں کمی واقع ہوئی تھی یا دل ہی محسوس کرنے کا ہنر کھو چکا تھا۔ دونوں ایک دو
گریزاں، نگاہ پھیرے کھڑے تھے۔
انابیہ شاہ ایک قدم دور ہٹی تھی۔ عفنان علی خان بھی گریز پائیوں کے زیر تھا۔ اپنا ہاتھ اس
سے ہٹا کر وہ کب کا نکال چکا تھا۔ شاید اجنبی بن کر آگے بھی بڑھ جانا چاہا تھا۔ مگر انابیہ نے پکارا
''وہ......'' بات کرنے کو لفظ جیسے کہیں کھو گئے تھے۔ نہ حرف باقی رہے تھے اور نہ
موضوع۔ تعلقات کی نہج پر یہ یخ بستگی نئی تو نہیں تھی۔ مگر پہلے سے کچھ تو کمی ضرور تھی کہ جان
روح تک میں ایک قیامت کی سی ہلچل تھی۔
''کچھ کہنا چاہتی ہیں آپ؟'' عفنان علی خان نے دوریوں کو کچھ اور سوا کیا تھا۔ بوندوں
بڑھ رہا تھا۔ دونوں تیزی سے بھیگ رہے تھے۔ مگر دل اتنے ہی بنجر تھے دونوں کے۔
''ہاں، وہ......'' انابیہ کے حلق میں جیسے آنسوؤں کا پھندا آن پڑا تھا۔ دل یک دم ہی
بہت رونے کو چاہا تھا۔ عفنان علی خان نے کوئی مداخلت نہیں کی تھی۔ اسے خود کو کمپوز کرنے کا
اور موقع فراہم کیا تھا اور اطمینان سے اس کے سامنے کھڑا رہا تھا۔
''ممی بتا رہی تھیں ---- کل ---- کل پارٹی ہے گھر میں؟'' انابیہ نے بات بامشکل مکمل
انداز میں ایک گہرا سکوت تھا۔
''ہاں ---- آپ چاہیں تو شرکت نہ کریں۔ ایسا ضروری نہیں ہے کچھ۔'' کتنا برف سا
شخص کا۔ جیسے حدتوں سے کبھی کوئی واسطہ رہا ہی نہ ہو۔ انابیہ شاہ کے دل پر ایک برچھی سی چلی
تھا اندازہ ایسے رویوں کا؟ ---- کب تھا تجربہ جھیلنے کا؟ ---- ایسی یخ بستیوں کو سہنے کا۔
اب تو سارا منظر ہی تبدیل تھا۔

''ایک بات پوچھوں؟'' انابیہ نے سر جھکا کر دریافت کیا تھا۔
''کیا؟''
''کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں یہاں سے چلی جاؤں؟'' لہجے کی سردی نے فضاؤں کو بھی منجمد کر دیا
تھا۔
''تمہاری مرضی ہے۔'' کچھ سوچے سمجھے بغیر دوسرے ہی لمحے دوسری طرف سے جواب آیا تھا۔
انابیہ شاہ نے سر اٹھا کر اس شخص کو دیکھا تھا۔ آنکھوں کے اندر نمی یک دم ہی بڑھنے لگی تھی۔
یخ بستگیوں کے موسم میں الاؤ دہکا بھی تھا تو اس موسم میں جب برف بہت زیادہ جم چکی تھی۔ بھیگنے
کی حد گزر چکی تھی۔ اس ننھے منے الاؤ نے اب کیا ہونا تھا۔
عفنان نے اس کی جانب چونکے بغیر دیکھا تھا۔ پھر سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔ انابیہ جیسے کسی ایک
لمحے کی منتظر تھی۔ جیسے اسی ایک اجازت کی طلب گار تھی۔ بنا کوئی دوجی بات سوچے وہ آگے بڑھی تھی
اور اپنا سر اس کے شانے پر رکھ دیا تھا۔
قطرہ ---- قطرہ ----
کتنے آنسو چپ چاپ اس شانے میں جذب ہونے لگے تھے۔
عفنان اس کے سامنے ایک برف کی سِل کی مانند کھڑا تھا۔ نہ ہاتھ پھیلا کر اسے کوئی حصار دیا تھا نہ
ہی اس کا حوصلہ بڑھانے کو اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اس نے سر کو سہلایا تھا۔
کتنے سارے حق محفوظ رکھتا تھا وہ ----
لیکن اس نے ایک حق بھی استعمال نہیں کیا تھا ----
کوئی ایک حق بھی نہیں جتایا تھا ----
انابیہ شاہ کتنی دیر اس کے شانے پر سر رکھے اپنے اندر کا لاوا بہاتی رہی تھی۔
قربتوں کے موسم کیسے تھے۔
حدتوں کے ساتھ ----
حدتوں سے پرے ----
قربتوں کے ساتھ۔ قربتوں کے موسموں سے بے خبر!!!۔
انابیہ شاہ نے اپنے اندر کا سارا درد اس کے شانے پر بہانے کے بعد اپنا سر اس کے شانے پر سے
ہٹایا تھا اور بنا شرمندہ ہوئے دو قدم دور ہٹ کر کھڑی ہوئی تھی۔
''تھینک یو۔'' ایک لمحے میں کہا تھا اور دوسرے ہی لمحے وہ پلٹی تھی اور چلتی ہوئی اس منظر سے نکلتی
چلی گئی تھی۔ عفنان کتنی دیر اس بارش میں تنہا بھیگتا رہا تھا۔
کتنے لمس جل رہے تھے اس وجود پہ ----
شانے پر وہ سر جیسے اب بھی دھرا تھا ----
کتنی قربت تھی وہ۔ سپردگی کے بھرپور احساس کے ساتھ ----

لمحہ دو لمحہ ——— پل دو پل!

نہ اقرار ——— نہ اظہار ———

نہ وہ لمس۔ نہ وہ شانے پر دھرا اس کا سر ——— نہ اس کی آستین میں جذب ہوتے اس کے

بے معنی تو شاید کچھ بھی نہیں تھا ———

وہ بنا کچھ کہے اپنے اندر کا سارا درد اس کے شانے پر بہا گئی تھی۔ دوسرے معنوں میں اپنا

اسے سونپ گئی تھی۔

کیسی تھی یہ محبت ———

کیسا تھا یہ تعلق ———

ادھورا ادھورا ——— آدھا آدھا تھا سب کچھ۔

❄❄❄

وہ اپنے کمرے میں تھی جب نوکر نے آکر اطلاع دی تھی۔

''بی بی! مائی فرما رہی ہیں آپ کے جانے کا بندوبست ہو گیا ہے۔ باہر گاڑی تیار کھڑی ہے

تیار ہو کر آ جائیے۔''

''جا کر کہہ دو مائی سے، نہیں جانا مجھے۔'' اس نے سرد لہجے میں جواب دیا تھا۔ نوکر نے

انداز سے سر ہلایا تھا اور باہر نکل گیا تھا۔

وہ رومیصا کے پاس ہاسپٹل جانے کی غرض سے کپڑے نکالنے کے لئے الماری کی طرف

جب آنا فاناً کمرے میں سردار سبکتگین حیدر لغاری داخل ہوا۔

''جب کہا تھا جانا ہے تو اب کیا ڈرامہ ہے یہ؟'' وہ اپنی گزشتہ غلطی پر شرمندہ ہونا تو دور

رتی بھر پُر ملال تک نہ تھا۔

میرب سیال نے مڑ کر دیکھا تھا تو اسے اس شخص کے ظرف پر حیرت ہوئی تھی۔

''یہ ڈرامہ نہیں ہے۔ ڈرامہ وہ ہے جو آپ کرتے ہیں۔ اور آپ مجھ سے اس لہجے میں بات

سکتے۔ آپ کا مجھ پر کوئی حق باقی نہیں ہے۔'' وہ بجائے مصلحت پسندی اختیار کرنے کے اس

کے الاؤ کو اور دہکا رہی تھی۔

مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے حد درجہ اطمینان سے دیکھا تھا۔

''میرا آپ پر کتنا حق باقی ہے، اس کا فیصلہ میں ایک پل میں کر سکتا ہوں۔ چاہوں تو یہ

بھی دکھا سکتا ہوں۔ مگر چھوڑیے، آپ کی سمجھ میں یہ ساری باتیں نہیں آئیں گی۔''

''کیسے انسان ہیں آپ؟ ——— آپ کو افسوس تک نہیں کہ کس طرح کے جنگلی پن کا

چکے ہیں آپ۔ ہاتھ تک اٹھا لیا تھا آپ نے مجھ پر۔ عورت کو کتنا کمزور جانتے ہیں آپ۔ ایک

زیر کرنے کا بس ایک ہی فن ازبر ہے آپ کو؟ ——— ایک کو وہاں قید خانے میں ڈال کر تڑپ

مرنے کو باقی چھوڑ دیا اور دوسری کو......'' وہ اپنے اندر کا سارا زہر جیسے نکال دینا چاہتی تھی۔

دوسری کی عقل بالکل کام نہیں کرتی۔ دماغ ٹھکانے لگانے کی ضرورت اب بھی باقی ہے۔''

''آپ اس طرح دماغ ٹھکانے لگائیں گے میرا؟ ——— اس طرح ٹارچر کر کے؟ ———

مجھے پتہ ہے ایک دن آپ مجھے بھی اٹھا کر کسی اندھیرے کمرے میں بند کر دیں گے۔ آپ کے یہاں

دماغ ٹھکانے لگانے کا یہی ایک بہترین طریقہ ہے۔ محکوم قوم سمجھتے ہیں نا آپ اس عورت کو۔ آواز

اٹھانا نہیں اور آپ کی تضحیک ہوئی نہیں۔ ویسے تو لبرل ہونے کا ڈھونگ رچاتے ہیں اور دوسری

طرف۔'' آنسوؤں نے سارا اعتماد پل میں ڈھیر کر دیا تھا۔ وہ تھپڑ اب تک بھولا نہ تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے وجود کو بغور دیکھا تھا۔

''جب اتنی نالاں ہیں تو دور جا نکلنے میں اتنی دیر کیوں لگا رہی ہیں آپ؟ ——— بھاگنے کا موقع

فراہم تو ہو رہا ہے آپ کو۔ اگر آپ کو کسی اندھیری کال کوٹھڑی میں بند نہیں ہونا تو آپ چلی کیوں نہیں

جاتیں؟ اتنی انسیت کس خوشی میں ہو گئی ہے آپ کو اس گھر اور اس کے مکینوں سے؟'' وہ سلگتے ہوئے

انداز میں گویا تھا۔

''میں یہاں پر آپ کے لئے نہیں ہوں۔ پہلے والی میرب سیال میں اور اس میرب سیال میں بے

حد تبدیلی واقع ہو چکی ہے۔'' یہ جو سامنے تھی، کوئی لگی لپٹی رکھنے کی قائل نہیں لگ رہی تھی۔ بے حد پُر

اعتماد ہو چکی تھی وہ۔ اس کی حقیقت جان لینے سے جیسے اس میں کوئی عجیب سی طاقت آ گئی تھی کہ اب وہ

اسے بڑے آرام سے زیر کر سکتی تھی۔

''لگتا ہے کہ میری کمزوری تمہارے ہاتھ آ گئی ہے۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس انداز میں

دریافت کیا تھا جیسے وہ اس گھڑی سطر سطر پڑھ رہا تھا۔ میرب چونکی تھی۔ پھر سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''میں کسی کی کمزوری سے فائدہ اٹھانے والی ہرگز نہیں ہوں۔ بہت بزدل ہوتے ہیں وہ لوگ جو

کسی کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔''

''اور وہ کون ہوتے ہیں جو کسی کو اپنی کمزوری بنا لیتے ہیں؟'' بات کچھ خاص تھی مگر لہجے میں ایک

عجب سی چبھن تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کا لہجہ اتنا سخت نہیں تھا جتنا کہ ہونا چاہئے تھا۔ غالباً وہ

دانستہ میرب سیال کو رعایت دے رہا تھا۔

''میں نہیں جانتی، آپ کیا کہہ رہے ہیں۔'' وہ اس کی آنکھوں کے تاثر کو سمجھے بغیر اسی کڑے تیور

سے بولی۔

''تم نہیں جانتی ہو۔ مگر تم کسی کی کمزوری کو اپنی طاقت بنانا ضرور جانتی ہو۔'' لہجہ ہی نہیں انداز بھی

ذومعنی تھا۔ مگر وہ قطعاً نہیں سمجھ پائی تھی کہ اس کا مفہوم کیا تھا اور اس شخص کی کمزوری در حقیقت کیا تھی۔

اور اس نہج پر سوچ ہی نہیں رہی تھی۔

''سردار سبکتگین حیدر لغاری کی جاسوسی کرنا مقصود ہو تو آئندہ اسٹریٹجی کچھ مختلف پلان کرنا۔''

وہ کسی قدر تسلی بخش لہجے میں بولا تھا۔ میرب سیال نے اسے چونک کر کسی قدر حیرت سے دیکھا

تھا مگر مفہوم اب بھی جاننے سے قاصر رہی تھی۔

"بڑے ناقص رہے ہیں آپ کے ہتھیار اور بہت ناقص العمل رہا ہے آپ کا پلان۔ اگر سبکتگین حیدر لغاری کی کمزوری کے متعلق رتی بھر بھی جان نہیں پائیں۔ جان پاتیں تو اس طرح خیرت سے مجھے دیکھتے ہوئے میرے سامنے نہ کھڑی ہوتیں۔" وہ محظوظ ہو رہا تھا اور وہ پیچ و تاب کھا کر رہ گئی تھی۔

"مجھے آپ سے یا آپ کی کسی کمزوری کو جاننے سے قطعاً کوئی لگاؤ نہیں ہے۔ سمجھے؟" کہا تھا۔

"اوہ ریئلی؟" وہ دھیمے سے مسکرایا تھا۔ انداز آگ پر تیل چھڑکنے والا تھا۔ میرب سلگتی نظروں سے اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

"اگر آپ کو نہیں جانا یا جانے کا دل نہیں چاہ رہا تو اتنا واویلا کرنے یا حیلے بہانے کرنے کی ضرورت ہے؟" وہ بدستور مسکرا رہا تھا۔ "اینی ہاؤ ۔۔۔۔ اگر آپ واقعی نہیں جا رہیں اور میرے یہاں قیام کرنا چاہتی ہیں تو اپنا سامان واپس کھول سکتی ہیں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔" پُرسکون کیفیت میں کہہ کر پلٹا تھا جب کہ وہ سلگتے ہوئے انداز میں بولی تھی۔

"میں یہاں آپ کے لئے نہیں رہ رہی۔ سنا آپ نے؟" وہ چیخی تھی۔

"سامان کھول کر واپس اس کی جگہ پر لگا دیجئے۔" وہ پلٹے بغیر ہدایت جاری کرتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔ انداز اطمینان بھرا تھا۔ میرب سیال پاؤں پٹخ کر رہ گئی تھی۔

❊❊❊

لامعہ حق خاموشی سے سر جھکائے بیٹھی تھی جب اس کی دوست فضا اس کے پاس آئی تھی۔

"تم کب تک اسی طرح بیٹھی رہو گی؟ کم آن ۔۔۔۔ چلو باہر چلتے ہیں کہیں۔"

"فضا! پلیز، تم جاؤ یہاں سے۔"

"تم نے ایسا کیا کر دیا ہے کہ تم گھٹن سے سانس تک نہیں لے پا رہی ہو؟ آنٹی تک کو پریشان کر کے رکھا ہوا ہے۔ اگر تمہیں کچھ چاہئے تو اپنی بات منوانے کا یہ کون سا طریقہ ہے؟ گھر کی ساری چیزیں توڑ دینا، بھوک ہڑتال کر دینا......" فضا بول رہی تھی۔ جب اس نے فوراً بات کاٹی تھی۔

"ایسا کچھ نہیں ہے فضا! پلیز مجھے اکیلا چھوڑ دو۔ تمہیں کچھ پتہ نہیں ہے۔"

"تم چاہتی کیا ہو آخر؟"

"نہیں ...... میں اس وقت کچھ نہیں چاہتی ہوں۔ میں نے کسی کو ہرٹ کیا ہے، اسے تکلیف دی ہے۔" لامعہ کا انداز پُر افسوس تھا۔

فضا چونکی تھی۔

"کیسے؟ ۔۔۔۔ کسے ہرٹ کیا ہے تم نے؟"

لامعہ نے سرنفی میں ہلا دیا تھا۔

"ہرٹ کرنا یا کسی کو نقصان پہنچانا تو بہت چھوٹی بات ہے فضا! میں نے کسی کے اعتماد کو قتل کیا ہے۔ بہت بری ہوں میں۔ بہت برا کیا ہے میں نے۔" وہ اپنا سر ہاتھوں پر گرا کر بے آواز رونے لگی تھی۔ فضا نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تھا۔ تبھی وہ بولی تھی۔

"مجھے تنہا چھوڑ دو فضا! ۔۔۔۔ اس وقت میں کسی سے بھی کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔" وہ اس کی طرف دیکھے بغیر بولی تھی۔ فضا چلتی ہوئی کمرے سے نکل گئی تھی۔

❊❊❊

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اندر قدم رکھا تھا اور رومیصا لغاری نے اسے چونک کر دیکھا تھا اور پھر بہت ملائمت سے مسکرا دی تھی۔

"تگین! تم ۔۔۔۔"

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے قدم آگے بڑھا دیئے تھے اور چلتا ہوا اس کے قریب جا رکا تھا۔ رومیصا لغاری اسے چمکتی نظروں سے دیکھنے لگی تھی۔

"اتنی دیر لگا دی آنے میں؟"

"میں یہاں کافی دیر سے آ چکا تھا۔" وہ باور کراتا ہوا بولا تھا۔

"پھر اتنی دیر مجھ تک آنے میں کیوں لگا دی؟" رومیصا لغاری نے اسے مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ جواباً کچھ نہیں بولا تھا۔ مگر اس کے انداز سے صاف ظاہر تھا جیسے وہ کسی گہری سوچ میں گم تھا۔ رومیصا لغاری نے اسے بغور دیکھا تھا مگر کچھ بھی دریافت کئے بغیر مسکرا دی۔

پھر بہت آہستگی سے ہاتھ بڑھایا اور پھیلا کر اس کے سامنے کر دیا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اپنا ہاتھ بہت آہستگی سے اس کے پھیلے ہوئے ہاتھ پر رکھ دیا تھا۔

"مجھے پتہ تھا، تم ضرور آؤ گے۔"

"کیسے نہیں آتا؟ ۔۔۔۔ آپ نے یاد ہی اتنا کیا تھا۔"

"جھوٹے!" رومیصا لغاری مسکرائی تھی۔ "میں نے تو تمہیں پہلے بھی کئی بار یاد کیا تھا۔ تب تو تم نہیں آئے۔ میں جانتی ہوں تم یہاں کس کے لئے آئے ہو ۔۔۔۔ اسے بھی بتایا کہ نہیں؟" رومیصا لغاری بہت دوستانہ انداز میں اسے چھیڑ رہی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا۔ پھر بات بدلتے ہوئے بولا۔

"آپ نے اپنا خیال نہیں رکھا نا ۔۔۔۔ ایک نہیں مانی ۔۔۔۔ بہت ضدی ہیں آپ۔" شکوہ کیا تھا مگر وہ ہنس دی تھی۔

"تگین! ۔۔۔۔ اب تم تو ایسے مت کہو ۔۔۔۔ میں نے تمہاری ہر بات مانی ہے۔ تم نے جو بھی، جب بھی کہا ہے میں نے کیا ہے۔" ان دونوں کی باتوں میں ایک عجب سی آشنائی جھلک رہی تھی۔

"ہمیشہ نہیں۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے جتایا تھا۔

"ہاں ۔۔۔۔ ہمیشہ نہیں ۔۔۔۔ مگر مانا تو ہے نا ۔۔۔۔ تمہارا کہا کبھی ٹالا تو نہیں۔" رومیصا لغاری

نے مانتے ہوئے کہا تھا۔

"ہاں ـــــ لیکن اگر ہمیشہ مانی ہوتیں تو آج آپ ٹھیک ہوتیں اس طرح یہاں تو نہ ہو
مند لہجے میں کہا تھا۔

"اب کیا کروں اگر یہاں ہوں تو ـــــ چلو کہیں بھاگ چلتے ہیں۔ زمانے سے
لوگوں سے پرے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

سردار سبکتگین بہت دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

"میں یہی مسکراہٹ تمہارے چہرے پر دیکھنا چاہتی تھی۔"

"اور میں آپ کو کس طرح اور کیا دیکھنا چاہتا تھا، کبھی سوچا آپ نے؟ ـــــ ہمیشہ اپنی
ہے۔ ہمیشہ اپنی ضد منوائی ہے۔ ہمیشہ، ہر بار صرف اپنی بات پوری کی ہے۔" سردار سبکتگین
کا لہجہ پُر افسوس تھا۔

"آپ کو بالکل بھی احساس نہیں کہ آپ نے اپنا کتنا بڑا اور کتنا بھاری نقصان کیا ہے۔
کس طرح دیکھنا چاہتا تھا اور آپ......"

"گین ـــــ!" وہ مسکراتے ہوئے کسی قدر اُکتا کر اسے دیکھنے لگی تھی۔ "کم آن، کیا
کرو نا ـــــ مجھے چھوڑو، اپنی بات کرو ـــــ میری کہانی تو ختم ہو گئی ـــــ وہی اپنا
سوچنے سمجھنے، کہنے سننے کو باقی کچھ نہیں بچا ـــــ نہ افسوس کرنے کو، نہ ہی ہاتھ ملنے کو ـــــ
کرنا چاہتی تھی وہ میں نے کر دیا ہے۔ میں ایک Lesson اپنے پیچھے چھوڑ کر جا رہی ہوں
ہوپ کہ اب ہماری روایتوں کو دہرانے سے پہلے کوئی ایک بار ضرور سوچے گا۔ میں اپنی با
دلانا چاہتی تھی۔ جو غلط ہے سو غلط ہے ـــــ اس غلطی کو سدھارنے کا اس سے بہتر طریقہ
نہیں تھا۔ کسی کو غلط ثابت کرنے کے لئے مجھے یہ طریقہ ہتھیار کے طور پر استعمال کرنا
لغاری بہت اطمینان سے کہہ رہی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کو شدید ترین اختلاف ہوا تھا۔

"میں نہیں مانتا ـــــ آپ نے دوسروں کو سمجھانے کے لئے خود اپنے آپ کو دا
ـــــ خود اپنی قربانی دی ہے۔ بے وقوفی کی ہے سراسر آپ نے۔ دیکھئے گا آپ، کچھ بھی
گا۔ سب ویسے کا ویسا رہے گا۔ صرف آپ اپنے آپ کو اس طرح برباد کر کے جا چکی ہوں

اس کے جارحانہ انداز پر وہ بہت پُرسکون انداز میں مسکرا دی تھی۔

"گین! تم جانتے ہو بحث میں تم مجھ سے جیت نہیں پاؤ گے۔ نہ ہی ضد میں۔ میں
کیا۔ اسے بھول جاؤ ـــــ اب نہ پچھتاوے کا کوئی وقت باقی ہے نہ افسوس کا۔"

"آکا جان ملنا چاہتے ہیں آپ سے ـــــ ایک بار تو مل لیجئے۔"

"نہیں ـــــ" اس کا انداز اور لہجہ یک دم ہی قطعی ہو گیا تھا۔ وہ نرمی، وہ شگفتگی ا
غائب ہو گئی تھی۔

"...اس طرح بھی کرتا ہے رومیصا؟ ـــــ اس طرح؟"

"آپ ـــــ مجھے آپ سے اس طرح کی امید قطعاً نہیں تھی۔ وہ باپ ہیں آپ کے۔ اور کتنی سزا
...آپ انہیں؟"

"...نہیں! پلیز، کوئی اور بات کرو۔ میں یہ سب سننا نہیں چاہتی۔"

"رومیصا ـــــ!" قطعی انداز میں پکارا تھا۔ مگر وہ چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

...سردار سبکتگین حیدر لغاری نے آگے بڑھ کر اس کے قریب بیٹھتے ہوئے اس کا ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھ
...لیا اور اسے بغور دیکھنے لگا تھا۔

"آپ بات نہیں مانتی ہیں نا ـــــ سب سے بری بات یہی ہے آپ کی۔" انداز لچک دار تھا۔
...رومیصا نے تب بھی اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ تب سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بہت آہستگی سے
...لب اس کی پیشانی پر رکھ دیے تھے۔

...عریب سیال جو وہاں آئی تھی وہ کافی حد تک ان کی گفتگو بھی سن چکی تھی۔ اپنی جگہ ساکت رہ گئی

"...کیئر اباؤٹ یو رومیصا! ـــــ آل ویز ـــــ آپ جانتی ہیں۔" وہ اس کا ہاتھ اپنے مضبوط
...ہاتھ میں لئے کہہ رہا تھا اور رومیصا لغاری اس کی طرف دیکھتی ہوئی مسکرا دی تھی۔

"...آزما چکے آخری ہتھیار بھی ـــــ بہت ڈھیٹ ہو تم۔" رومیصا لغاری کے انداز میں ایک خاص
...تھی۔

...گین مسکرا دیا تھا۔

...عریب سیال کے لئے وہ منظر مزید دیکھنا محال ہو گیا تھا۔

...وہ ایک دم ہی پلٹی اور وہاں سے نکلتی چلی گئی۔ پلکیں نمی سے یک دم ہی بھاری ہونے لگی تھیں۔

...کیسی عجیب تھی یہ کیفیت۔

...کچھ کہنے سے قاصر تھی۔

مگر اسے یقین تھا، جو دیکھا تھا وہ دھوکا نہ تھا۔ نہ نظر کا فریب۔ سب سچ تھا۔ سردار سبکتگین حیدر
...اس رشتے سے انسیت رکھتا تھا۔ یہ بات جانے کیوں اندر کا سارا سکون ایک پل میں ڈھا رہی
...تھا۔

...ادھر سردار سبکتگین حیدر لغاری کہہ رہا تھا۔

"رومیصا! ٹھیک نہیں ہے یہ ـــــ بالکل بھی ٹھیک نہیں ہے۔ کسی چھوٹی سی غلطی کی سزا اتنی بڑی
...نہیں ہو سکتی۔"

"تم اسے چھوٹی سی غلطی کہتے ہو گین؟ ـــــ یہ آکا جان کی چھوٹی سی غلطی تھی؟ ـــــ چلو مان لیا
...کی چھوٹی سی غلطی ہی تھی، میں روایتوں یا رسموں، رواجوں کو بھی کوئی الزام نہیں دیتی۔ مگر میں یہ
...چاہتی کہ ایسا کسی اور کے ساتھ بھی ہو۔ کسی اور کی بیٹی کو یہ خمیازہ بھگتنا نہ پڑے اس لئے۔" ...نے

ایسا کیا۔ میری خود کو دی گئی سزا اگر کسی کے کام آ سکتی ہے تو میں سمجھوں گی کہ میں کا...
تمہاری بیٹی اگر ان روایات سے کٹ کر ایک اچھی زندگی بسر کرتی ہے تو مجھے خوشی ہوگی...
بات سننے پر مائل نہ تھی۔ گیبن چپ ہو کر اسے دیکھنے لگا تھا۔

"مجھے کوئی نئی راہ اختیار کرنی ہوتی تو تب بھی کر سکتی تھی گیبن! جب میرے سامنے...
اور کئی راستے میرے سامنے تھے۔ مگر میں نے اس وقت میں بھی کوئی دوسری بات...
چاہتی تو بغاوت بھی کر سکتی تھی۔"

"میں تو آپ کو کہہ رہا تھا رومیصا! آپ کو میری کسی بھی طرح کی مدد کی ضرورت...
ہوں۔ مگر آپ ہی نے........"

"ہاں، یاد ہے مجھے ــــــ میں نے ہی تمہیں منع کر دیا تھا۔ مجھے تم سے کوئی گلہ...
ــــــ تم میرے سب سے بڑے خیر خواہ ہو اور ہم ہی وہ دو ہیں جو ان روایتوں کا...
ہیں۔ یہ بات تم بھی جانتے ہو اور میں بھی۔"

"تو پھر تب آپ نے طلاق کے ان پیپرز پر سائن کرنے سے منع کیوں کر دیا...
اپنی زندگی کا رخ نہیں موڑ دیا تھا؟ یہ آج کا اتنا بڑا سبق دینا ضروری تھا کیا؟ ــــــ...
تھیں کہ میں اور آپ وہ ہیں جو تمام روایتوں کا گلا گھونٹ سکتے ہیں ــــــ تو پھر کیوں...
پھر کیوں؟" وہ اسے اس حالت میں دیکھ کر جیسے خوش نہیں تھا۔

مگر رومیصا لغاری مسکرا دی تھی۔

"تمہارے اور میرے بیچ رشتے کی نوعیت دنیا کے سامنے کچھ اور ہے۔ اسے زمانہ...
نے دیکھتی ہے گیبن! مگر تم اور میں جانتے ہیں کہ درحقیقت ہم ایک دوسرے کے کیا...
رشتہ نبھانا تھا اسے ہم ایمان داری سے نبھا چکے ہیں ــــــ اور وہ رشتہ خیر خواہی اور...
کیئرنگ اور شیئرنگ کا ہے۔ ہم ایک دوسرے کی سالمیت کو بنا نقصان پہنچائے جہت...
خواہی کے اس تعلق کو نبھا چکے ہیں۔ ہمارے درمیان کی فصیلیں کچھ بھی رہی ہوں مگر...
ایک خاص ڈھنگ سے ساتھ چلنے اور ایک دوسرے کا ساتھ دینے سے کبھی نہیں روکا۔ تم...
ــــــ اور تیرا تم سے کیا رشتہ ہے؟ ــــــ یہ ہر کوئی نہیں جان سکتا۔"
انہی کے تھکن زدہ لہجے میں جیسے بہت سے زمانے بول رہے تھے۔ گیبن اس کا...
اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے سر ہلانے لگا تھا۔

"ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔"

"تم نے میرب کو بتایا؟"

"کیا؟" وہ چونکا تھا۔

رومیصا لغاری نے خاموشی سے اسے دیکھا، پھر مسکرا دی تھی۔

"گیبن! چپ رہنے سے بھید کبھی نہیں کھلتے۔ اس کے لئے بولنا پڑتا ہے۔ ورنہ...

...مجبوری سے اسے سمجھانا چاہ رہی تھی۔
...اگر آپ نہ کریں۔ اس لڑکی کے دماغ کی کل یوں بھی ڈھیلی ہے ــــــ بات بہت دیر
...سمجھ میں آتی ہے۔"
...تم اتنی دیر کیوں کر رہے ہو؟"
...دیر ــــــ؟ نہیں، میں دیر نہیں کر رہا۔ میں زندگی کے ساتھ ساتھ چل رہا ہوں

...چل رہے ہو تو کچھ بول کر اپنی موجودگی کا احساس بھی دلا دو۔ خاموشی میں کیا پتہ چلے گا
...بھی کہ نہیں۔" وہ بہت کچھ جتا رہی تھی۔ گیبن یقیناً سب کچھ سمجھ رہا تھا۔ اس نے سنجیدگی
...میں ہلا دیا تھا۔ بنا کوئی آرگیومنٹ کئے۔ مگر اس کی آنکھوں میں سوچوں کی واضح لہریں
...رہی تھیں۔ وہ اس لمحے ایک گہری سوچ میں تھا۔

میرب نے واپس آکر بنا کچھ کہے اپنا سامان پیک کیا تھا اور مائی اماں کو اطلاع دی تھی۔
"مائی اماں! مجھے واپس جانا ہے —— آج ہی۔"
مائی نے اسے خاموشی سے دیکھا تھا اور پھر بلا تردد سر ہلاتے ہوئے بولی تھیں۔
"ٹھیک ہے —— تم تیاری کرلو۔ میں ڈرائیور سے کہہ دیتی ہوں۔"
"بہتر۔ شکریہ" وہ کہہ کر باہر نکل گئی تھی
گین کا سامنا وہ دانستہ دوبارہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ مگر جب جانے کے لئے باہر نکلی تھی تو
سبکتگین حیدر لغاری سے سامنا ہو گیا تھا۔
پورچ میں کچھ فاصلے پر کھڑا وہ اسے خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔ اپنے لئے تیار کھڑی گاڑی کی
بڑھنے کے لئے اس کے پاس سے گزرنا تھا۔ ایک لمحے میں وہ اسے دیکھ کر رکی تھی۔ وہ بھی اس کا
بغور دیکھ رہا تھا۔
میرب سیال نے نگاہ اس پر سے ہٹائی تھی اور اس کے قریب سے ہو کر نکلتی ہوئی آگے بڑھ گئی
سردار سبکتگین حیدر لغاری بنا اس کی طرف پلٹ کر دیکھے، توجہ دیئے چلتا ہوا اندر کی طرف بڑھ
تھا۔ چہرے پر کوئی تاثر واضح نہ تھا۔ جیسے اسے اپنے مزاج کے موسموں پر مکمل کنٹرول تھا۔
میرب سیال نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اس شخص کی پشت کو دیکھا تھا اور پھر چہرہ پھیر کر
ڈرائیور کو گاڑی آگے بڑھانے کا حکم دیا تھا۔
زمانے پیچھے چھوٹنے لگے تھے۔
وقت پیچھے چھوٹنے لگا تھا۔
اور جانے اس کے ساتھ اور کیا کچھ ——!
مگر میرب سیال جیسے اس کے متعلق نہ سوچنا چاہتی تھی نہ کوئی مزید فکر کرنا —— میرب نے
سے نکالا اور آنکھیں موند لیں۔ آنکھیں —— دماغ —— سب جل رہا تھا۔
مگر وہ مزید کچھ سوچنا نہیں چاہتی تھی۔

❊❊❊

"میں آپ سے یہ نہیں کہوں گا آکا جان! کہ آپ غلط تھے یا غلط ہیں۔ مگر جو ہوا شاید وہ نہ
چاہئے تھا۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری آکا جان کے سامنے کھڑا کہہ رہا تھا۔

آکا جان کو زندگی کے اس موڑ پر اپنی غلطی کا بھرپور احساس تھا۔ تب ہی وہ فوری طور پر سردار سبکتگین
لغاری کی نفی نہیں کر سکے تھے۔ بولے بھی تھے تو ان کا انداز پہلے سے کمزور تھا۔
"ہاں —— مانتے ہیں ہم —— غلطی ہوئی ہم سے۔ مگر اب اس کا ازالہ ممکن نہیں ہے۔ اس غلطی
کی سزا ہم نے بھگتی ہے شاید کسی نے نہیں بھگتی۔ ہم نے ساری زندگی اپنی بچی کا چہرہ نہیں دیکھا۔
ہمیں خود سے محروم کر دیا۔ خود اپنے آپ کو وہ سزا دی کہ ہم —— ہمیں افسوس اس بات کا ہے
وقت نے ہمیں اتنا پیچھے چھوڑ دیا کہ ہم تدارک تک نہ کر سکے۔" وہ کہہ کر چپ ہوئے تھے۔ سردار
سبکتگین حیدر لغاری خاموشی سے کھڑا انہیں دیکھتا رہا۔
نہ کوئی وضاحت دی تھی نہ انہیں مورد الزام ٹھہرایا تھا۔
"سبکتگین! تم کہو اس سے —— وہ ایک بار مل لے ہم سے۔ ایک بار ہمیں اپنا چہرہ دیکھ لینے دے۔
بابا اس نے ہمیں سزا دی ہے۔ اور ہم جانتے ہیں کہ ہم نے لمحہ لمحہ کتنی اذیت میں کاٹا ہے۔ وہ
بند کمرے میں سانسیں لے رہی ہوتی تھی تو ہم سے اس کھلی فضا میں سانس لینا محال ہو جاتا تھا۔
اس نے اپنے جو قفس دیا تھا وہ دکھائی نہ دینے والا تھا۔ مگر اس نے جو اپنے لئے قفس چنا —— اسے دیکھ
کر ہم لمحہ لمحہ اندر ہی اندر مرتے رہے۔ ہم مانتے ہیں ہم سے غلطی ہوئی مگر —— وقت اگر ہماری مٹھی
میں دوبارہ آ جائے تو ہم کبھی اس غلطی کو دہرانا نہیں چاہیں گے۔ روایات انسانوں کے لئے بنی ہیں، ہم
روایات کے لئے نہیں بنے۔ ہمیں خود کو ان کا پابند نہیں کرنا چاہئے۔ ہمیں اب اس کا اندازہ ہو گیا ہے۔"
آکا جان شرمندہ تھے۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری جواباً کچھ نہیں بولا تھا۔
"تم کہو اس سے سبکتگین! وہ تمہاری بات مانتی ہے۔ دوست ہو نا تم اس کے۔ کہو اس سے ایک بار
آ کر اپنے باپ کا چہرہ دیکھ لے۔ معاف نہیں کرنا چاہتی تو مت کرے —— لیکن مجھے ایک بار خود کو دیکھ
لینے دے۔ میں اپنی بچی کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے کر اس کے ہونے کا احساس کرنا چاہتا ہوں۔ وقت
ریت کی طرح ہماری مٹھی سے سرکتا جا رہا ہے۔ بہت سا وقت ہم گنوا چکے ہیں۔ مزید گنوانا نہیں
چاہتے —— جو بچے کھچے لمحے ہاتھ میں ہیں، ان میں ہم کوئی تدارک تو خیر نہیں کر پائیں گے۔ مگر اس
بابا کی قدر راحت تو نصیب ہو گی نا۔"
"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں آکا جان!" اس نے ان سے اختلاف کرنے کی جرأت کبھی نہیں کی تھی۔
نیا ماحول کا پروردہ سہی مگر اپنے بڑوں کا احترام کرنا اس نے اب بھی نہیں چھوڑا تھا۔ وہ اب بھی انہیں
غلط نہیں کہہ سکتا تھا، اگرچہ وہ جانتا تھا کہ وہ کتنے غلط ہیں۔
"میں کمارو میصا سے بات کرتا ہوں۔" وہ کہہ کر باہر نکل گیا تھا۔ چہرے پر عجب سوچوں کے جال بنے
تھے۔

❊❊❊

ملتان سے آنے کے بعد میرب کسی سے کچھ نہیں بولی تھی۔ پاپا نے مائی اماں کا احوال دریافت کیا
تو اس نے مطلع کر دیا تھا اور وہ مطمئن بھی ہو گئے تھے۔ حالات کے ساتھ چلتے چلتے اب اسے اتنا ہنر تو

آ ہی گیا تھا کہ وہ اپنے احساسات پر کچھ قابو پانے کے قابل ہو گئی تھی۔ مگر خاموشی میں اندر ہی اندر کچھ جل رہا تھا وہ سہنا بھی کسی قدر دشوار سا تھا۔ اتنا غبار سا بھرا تھا کہ سارے مناظر دھواں دھواں سے ہو رہے تھے۔

اسے وہ وقت جیسے کسی خواب کا قصہ لگ رہا تھا —— اُس کا اس شخص سے رشتہ، اسے لگ رہا تھا جیسے وہ ایک خواب سے ہو کر گزری ہو —— اور حقیقت سے اس کا کوئی واسطہ ہی نہ ہو۔

مگر در حقیقت ایسا نہیں تھا۔

وہ سب حقیقت تھا —— اور ایک کڑوی کسیلی حقیقت۔

وہ کسی سے کہہ سن نہیں سکتی تھی مگر اندر ہی اندر بہت کچھ جل رہا تھا۔

اس شام زوبار یہ اور پاپا، فانی کے ساتھ باہر جا رہے تھے۔ اسے بھی بہت فورس کیا تھا مگر اس نے منع کر دیا تھا۔ وہ اپنے کمرے میں تھی جب اطلاع ملی کہ کوئی اس سے ملنے آیا ہے۔ اس نے بے زار انداز میں ملازم کو اسے ڈرائنگ روم میں بٹھانے کا کہا تھا۔ ملازم نیا تھا۔ سو رشتے داروں سے واقف نہیں تھا۔

وہ اٹھی تھی اور شانوں پر دوپٹہ پھیلا کر باہر نکل آئی تھی۔

مگر جس شخص کو سامنے دیکھا تھا، اسے دیکھ کر وہ لمحہ بھر کو وہیں جم سی گئی تھی۔ اذہان حسن بخاری اس کے سامنے موجود تھا۔ اسے اس کی موجودگی کا احتمال نہیں تھا مگر فوری طور پر وہ اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے آگے بڑھی تھی۔ راہ و رسم نبھانے کو ایک پھیکی تبسم زبردستی لبوں پر سجایا تھا اور مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

''کیسے ہو تم؟''

اذہان حسن بخاری نے اسے بغور دیکھا اور سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''ٹھیک ہوں۔ تم —— تم کیسی ہو؟''

میرب سیال نے اس کی طرف خاموشی سے دیکھا تھا۔ جانے کیوں ایک لمحے میں آنکھوں میں بہت سی نمی آن ٹھہری تھی۔ وہ اندر سے اتنی کمزور پڑ چکی تھی یا اندر کا غبار ہی اتنا بڑھ گیا تھا کہ وہ خود پر ایک لمحے میں قابو نہ رکھ سکی تھی۔ اور دوسرے ہی پل اس شخص کے شانے پر سر رکھتے ہوئے بے آواز رو دی تھی۔

اذہان حسن بخاری اس کی کیفیت پر حیران نہیں ہوا تھا۔ اسے جیسے اندازہ تھا، ایک لمحے کو دل چاہا اس وجود کے گرد اپنا حصار باندھ دے —— مگر دوسرے ہی پل ہاتھ رک گئے تھے۔ وہ جس طرح کا تھا، اسی طرح کھڑا رہا۔ میرب سیال نے اپنے اندر کا سارا غبار اس کے شانے پر سر رکھ کر دھو دیا تھا اس سے الگ ہو گئی تھی۔ کچھ شرمندہ سی —— کچھ بے بس سی۔ وہ اس سے نگاہ نہیں ملا پائی تھی۔ زندگی کی ملمع کاری ایک لمحے میں اترتی دکھائی دی تھی۔ وہ اپنی زندگی کے اس پہلو کی سچائی کو اس سے چھپا کر نہیں رکھ سکتی تھی۔ اگرچہ وہ کسی پر بھی کچھ واضح کرنا یا کھولنا نہیں چاہتی تھی۔

ازہان نے اسے شانوں سے تھام کر بٹھایا اور خود اس کے سامنے بیٹھ کر اسے بغور دیکھنے لگا۔

''مجھے معلوم تھا تم خوش نہیں ہو۔'' وہ اس لمحے کچھ جتانا نہیں چاہتا تھا۔ مگر دل ایک لمحے میں اس کے پہلو سے نکل رہا تھا۔ ان آنسوؤں کی نمی اس کے شانوں پر اب بھی جلتے انگاروں کی مانند تھی۔ وہ جیسے اپنا کے درد سے کٹ کر نہیں جی سکتا تھا۔

''میں خوش ہوں۔'' میرب سیال نے ہمت کر کے اسے اس پل میں جھٹلایا تھا مگر آواز رندھ گئی تھی۔ آنکھوں میں پھر آن رکی تھی اور وہ چہرہ پھیر گئی تھی۔ اذہان حسن بخاری خاموشی سے اس کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ میرب سیال نے بنا اس کی طرف دیکھے اپنی آنکھوں کے ان بھید کھولتے آنسوؤں کو اپنی پوروں پر لیا تھا اور سر نفی میں ہلاتے ہوئے بنا اس کی طرف دیکھے بولی۔

''بہت خوش ہوں میں —— آئی ایم ہیپی۔'' اس نے اپنے اردگرد ایک حصار کھینچنا چاہا تھا۔ مگر تب اس شخص سے نگاہ ملی تھی اور وہ کچھ کہے بغیر خاموشی سے اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

''تم جانتی ہو میرب! —— تم میرے سامنے جھوٹ نہیں بول سکتی۔ کیونکہ مجھے سننے کے لیے لفظوں کی درکار۔ میں تمہیں تمہارے اندر سے پڑھ سکتا ہوں۔''

''پڑھ سکتے تھے تو پھر پڑھ کیوں نہیں لیا؟ —— کیوں چھوڑ دیا مجھے ان حالات کے سر پر؟ کیوں تنہا کر دیا مجھے تم نے؟ —— جھوٹے ہو —— تم بھی اوروں جیسے ہو۔'' میرب سیال آنسوؤں کے درمیان روکتی ہوئی بولی تھی۔ اذہان حسن بخاری کچھ نہیں بولا تھا مگر اس کی بے بسی اس کی آنکھوں میں واضح دکھائی دے رہی تھی۔

کتنے لمحے اسی چپ میں گزر گئے تھے۔ بالآخر اذہان ہمت کر کے بولا تھا۔

''مانا جانتا ہوں مرد کو کبھی کمزور نہیں پڑنا چاہیے۔ مگر کبھی کبھی حالات کے بس میں کچھ نہیں ہوتا۔ یا حالات انسان کے بس میں ہی نہیں ہوتے۔'' مدھم لہجے میں کئی لمحوں کا سکوت بول رہا تھا۔

''ٹھیک کہہ رہے ہو —— ایسا ہوتا ہے۔ اپنی عادت سی ہو چکی ہے وقت کے سر سب کچھ ڈال کر بری الذمہ ہو جانے کی۔ مگر میں تمہیں کوئی الزام نہیں دینا چاہوں گی۔ نہ تمہیں، نہ خود کو۔ میں بھی بالآخر کے لکھے کو اسی طرح الزام دیتی ہوں جس طرح اور بہت سے لوگ دیتے ہیں۔''

اذہان حسن بخاری خاموشی سے اسے دیکھنے لگا تھا۔ پھر نفی میں سر ہلاتے ہوئے گویا ہوا تھا۔

''بہت مشکل ہے یہ میرب! —— بہت اذیت ناک۔ تمہیں اس کیفیت سے گزرتے دیکھنا مشکل ہے میرے لیے۔ سچ کہوں، جھیل نہیں پا رہا ہوں میں۔ کیا تم مجھے بتاؤ گی، اصل واقعہ کیا ہوا؟ جب تمہاری روتی آواز فون پر سنی ہے، دل بس میں نہیں ہے۔ یہ کیفیت نہ سمجھ میں آنے والی ہے میرب! تمہیں تکلیف میں کبھی نہیں دیکھ سکتا۔''

''کیا ملے گا تمہیں جان کر؟ —— کیا کر لو گے تم؟ —— میرے لیے کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ میں اپنے لیے کچھ نہیں کر سکتی۔'' میرب سیال کے لیے وہ ہمدردانہ لہجہ کمزوری کا باعث بن رہا تھا۔ وہ اسے ٹوٹتا پھوٹتا اور شکستہ محسوس کر رہی تھی۔ اندر ایک انتشار سا تھا۔ اور پھر اس نے اذہان سے

سب کچھ کہہ دیا تھا۔ اس عرصے میں جو جھیلا وہ سب کچھ بتا دیا تھا۔

وہ سن کر خاموشی سے اسے تکتا چلا گیا تھا۔

وقت نے عجب دوراہے پر اسے لا کھڑا کیا تھا۔

❊❊❊

رومیصا لغاری کی حالت رات کے پچھلے پہر کچھ بگڑنا شروع ہوگئی تھی۔

ڈاکٹر نے گیبن کو فون کر کے مطلع کیا تھا اور وہ پہلی فرصت میں اس کے پاس تھا۔ آکا جان ساتھ گئے تھے۔ مگر باہر ہی رک گئے تھے۔

"کیا ہوا ہے آپ کو؟ ـــــ کل شام تک تو ٹھیک تھیں آپ۔ یہ اچانک کیا کرلیا ہے خود کو؟ بالکل بھی خیال نہیں ہے آپ کو اپنا۔" وہ اس کا ہاتھ تھام کر پرتشویش لہجے میں بولا تھا اور وہ مسکرا دی تھی۔ اس کیفیت میں اس کے لئے مسکرانا یقیناً دشوار تھا۔ مگر وہ جیسے حالات کو قابو میں ظاہر کرنے کی قائل تھی۔

"میرب کہاں ہے؟ ـــــ اسے نہیں لائے تم؟" رومیصا لغاری نے دریافت کیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے دانستہ نہیں بتایا تھا کہ وہ واپس جا چکی ہے۔ وہ جانتا تھا اسے دکھ ہوگا اس لئے لہجے میں بھی کوئی واضح جواب دیئے بغیر بولا تھا۔

"عجب خاتون ہیں آپ ـــــ میرب کی پڑی ہے آپ کو اپنی نہیں۔ میں آپ کے سامنے ہوں کوئی اچھی سی بات مجھ سے کیجئے۔" وہ جیسے اس کا ہر تاثر زائل کر دینا چاہتا تھا۔ ڈاکٹر نے آتے ہی اس کی کیفیت کے متعلق بتا دیا تھا۔ رومیصا کے پاس یقیناً زیادہ وقت نہیں تھا۔ اس کی آنکھوں کی جوت بجھ رہی تھی۔

"منع کیا تھا میں نے اسے۔ وہ پھر بھی چلی گئی۔" رومیصا لغاری کو جیسے اس کے چلے جانے کا علم ہوا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس موضوع پر کچھ بولنا نہیں چاہتا تھا، تب ہی لب خاموشی سے بھینچ لئے تھے۔ رومیصا لغاری مسکرا دی تھی۔

"بہت اچھی لڑکی ہے وہ گیبن! ـــــ اسے خوش رکھو۔ وہ تمہاری زندگی کے سارے خلا پُر کرنے والی ہے۔ بس ذرا بھولی ہے۔ اسے یقین دلانے کی کوشش درکار ہے۔ سمجھ دار ہے، سمجھ سکتی ہے۔ تم دونوں کو ساتھ ساتھ دیکھنا چاہتی ہوں ہمیشہ۔" شاید یہ اس کی آخری خواہشیں تھیں۔ سردار سبکتگین لغاری لب سختی سے بھینچے بنا کوئی تاثر دیئے رومیصا لغاری کے سامنے تھا۔

میرب سیال نے جو کیا تھا اسے وہ یقیناً نہیں کرنا چاہئے تھا۔ مرنے والے کی آخری خواہشات کا احترام ہر کوئی کرتا ہے اور اس نے میرب سیال کو کئی بار رکنے کے لئے کہا تھا مگر وہ لڑکی جیسے اپنا ثانی نہیں رکھتی تھی۔ پہلے کبھی سمجھی تھی جو اب سمجھتی۔

"گیبن! ـــــ بابا کو بلا دو۔ مجھے ان سے ملنا ہے۔" رومیصا کی آنکھوں میں ویرانی کچھ بڑھ گئی تھی۔ سانسوں کی رفتار بتا رہی تھی اس کی حالت بگڑ رہی ہے۔

"ڈاکٹر!" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے پلٹ کر آواز دینا چاہی تھی مگر رومیصا لغاری نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے روکا تھا اور اس کی طرف دیکھتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"مجھے بابا سے ملنے دو گیبن!" اس کا انداز ملتجی تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے پلٹ کر چلتے ہوئے جا کر آکا جان کو بلایا تھا اور خود دانستہ وہاں سے ہٹ گیا تھا۔

آکا جان نے سرعت سے اس کی طرف قدم بڑھائے تھے۔

"میری بچی!"

"بابا!" رومیصا لغاری ان کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرائی تھی۔ آکا جان نے آگے بڑھ کر اسے اپنے ساتھ لگایا تھا۔ کتنے عرصے بعد بیٹی کا چہرہ دیکھنا نصیب ہوا تھا۔ اب تک اس نے صرف ضد میں دن گزارے تھے۔ ایک عمر کاٹ دی تھی۔ ایک غلطی کی سزا دینے میں حد کر دی تھی۔ مگر اب ـــــ!

"میری بچی! ـــــ ہم آپ کی صورت دیکھنے کو ترس گئے۔ کوئی یوں بھی کرتا ہے۔ کتنی بڑی سزا دی آپ نے اپنے بابا کو۔ ہمیں آس رہتی کہ ہماری بچی آ کر ہمیں معاف کرے گی اور ایک لاچار باپ کی سزا کم ہوگی مگر......"

"بابا! ـــــ مجھے یہاں پیار کرو بابا! ـــــ جیسے آپ ہمیشہ کرتے تھے۔" رومیصا لغاری نے اپنی پیشانی کی طرف ہاتھ بڑھا کر کہا تھا۔ آکا جان کتنا کچھ کہنا چاہتے تھے۔ ایک عرصے کے ترسے ہوئے باپ کی محبت جیسی ہو سکتی تھی، اس لمحے ان کی کیفیت ویسی تھی۔ وہ بے بس باپ لگ رہے تھے۔ بوڑھی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ انہوں نے چہرہ آگے بڑھا کر لب اس کی جلتی ہوئی پیشانی پر رکھے تھے۔ رومیصا لغاری کا وجود اپنی گرفت میں انہیں کچھ ڈھیلا پڑتا محسوس ہوا تھا۔

"رومیصا! میری بچی!" انہوں نے اسے دیکھا تھا مگر وہ ساکت آنکھوں سے انہیں اپنی طرف دیکھتی رہی۔

"گیبن! ـــــ ڈاکٹر ـــــ گیبن! ڈاکٹر کو بلاؤ ـــــ رومیصا! میری بچی! ـــــ رومیصا!" وہ پکار رہے تھے مگر ان کی اس آہ و زاری کو سننے کے لئے رومیصا لغاری اب وہاں نہیں تھی۔

گیبن تیزی سے چلتا ہوا اندر آیا تھا۔ اس کے پیچھے ہی ڈاکٹر بھی تھے۔ گیبن نے ان ساکت آنکھوں کو جھک کر بند کیا تھا۔ کسی طرح کی تصدیق کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی مگر غالباً آکا جان کی تسلی کے لئے اس نے ڈاکٹر کو رومیصا کو چیک کرنے کے لئے کہا تھا۔

ڈاکٹر نے چیک کیا اور رومیصا لغاری کی موت کی تصدیق کر دی تھی۔

آکا جان جیسے شخص دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے۔ اتنے مضبوط شخص کو ٹوٹتے دیکھنے کا عمل یقیناً ناقابل برداشت تھا اور کئی الزامات بھی تو باقی تھے۔ شاید تب ہی سردار سبکتگین حیدر لغاری چلتا ہوا باہر نکل

❊❊❊

ازہان حسن بخاری، میرب سے مل کر تو آ گیا تھا مگر اس کے بعد اسے ہر شے اپنی جگہ سے ہٹی محسوس ہوئی تھی۔ اپنے اردگرد بہت کچھ بدلا ہوا سا لگا تھا۔ اس نے ٹھیک کہا تھا، اس کی اس کیفیت کا ذمے دار وہ تھا۔ اس نے اس لڑکی سے محبت کی تھی اور اسے تنہا کر دیا تھا۔

بے بس اور ویران کر دیا تھا ـــــ

اگر تب اس نے اپنا ہاتھ درمیان میں ہی چھڑا نہ لیا ہوتا تو آج صورت حال مختلف ہوتی۔ صورت حال نے اسے نہ صرف پل میں مجرم کر دیا تھا بلکہ وہ کسی قدر شرمندہ بھی تھا۔

"کیا ہوا؟ ـــــ تم کھانا کیوں نہیں کھا رہے ڈھنگ سے؟" وہ بے دھیانی میں پلیٹ میں چمچ گھمائے جا رہا تھا، جب فارحہ نے اسے ٹوکا تھا۔

"کیا ہوا؟ ـــــ کیا سوچ رہے ہو تم؟" ازہان نے چونک کر ان کی طرف دیکھا تھا اور سر ہلا دیا تھا۔

"نہیں ـــــ کچھ نہیں ہے۔" اس نے چمچ پلیٹ میں چھوڑ دیا تھا۔

"کھانا اچھا نہیں بنا؟" فارحہ نے تشویش سے دریافت کیا تھا۔

ازہان نے ایک بار پھر سر انکار میں ہلایا تھا۔

"نہیں ـــــ ایسی بات نہیں ہے۔ دل نہیں چاہ رہا۔ فیض چاچو دکھائی نہیں دے رہے؟"

"یاد نہیں تمہیں؟ ـــــ وہ تو آج شام ہی شکاگو کے لئے نکل گئے ہیں۔"

"ہاں، یاد آیا ـــــ انہیں غالباً سیمینار کے سلسلے میں جانا تھا۔" وہ بے دھیانی میں بولا تو فارحہ نے بیٹے کو بغور دیکھا تھا مگر کچھ دریافت نہیں کیا تھا۔ غالباً وہ چاہ رہی تھیں اگر اسے کوئی مسئلہ ہے تو وہ خود اس کا اظہار کر دے۔

"آپ اس طرح کیوں دیکھ رہی ہیں؟ ـــــ کیا ہوا؟" ازہان نے دریافت کیا تھا۔

"نہیں، شام میں تمہاری نانو اور ماموں لوگ آئے تھے۔"

"خیریت؟"

"ہاں ـــــ وہ ہماری ماہا کے لئے سیفی کا رشتہ لائے ہیں۔"

"ارے، یہ تو اچھی خبر ہے۔ آپ اس طرح برے انداز میں کیوں سنا رہی ہیں؟" وہ مسکرایا۔ "ماہا کہاں ہے؟ ـــــ ٹھہریئے، میں ابھی اس کی خبر لیتا ہوں۔"

"وہ سو چکی ہے ـــــ تمہیں اندازہ نہیں ہے غالباً۔ تم خاصا لیٹ آئے ہو۔" فارحہ نے [illegible] بھی الزام دیئے بغیر جتایا تھا۔ وہ شرمندہ ہو گیا تھا۔

"آئی ایم سوری ـــــ وہ دراصل ......" وضاحت دینے کے لئے الفاظ ڈھونڈنے چاہے؟ فارحہ نے اسے روک دیا تھا۔

"ازہان! ـــــ بیٹا! تمہیں کسی وضاحت دینے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"جی ـــــ میں جانتا ہوں۔ پاپا کو پتہ ہے کہ ماہا کے لئے سیف کا پرپوزل آیا ہے؟"

"ہاں، وہ شام میں یہیں تھے۔"

"تو پھر انہوں نے کیا کہا؟"

"پرپوزل تو اچھا ہے۔ لیکن تم اپنے پاپا کو جانتے ہو۔ سوچنے کے لئے ہمیں یوں بھی کچھ وقت تو چاہئے تھا۔"

"وہ تو ہے۔ آپ خوش ہیں؟"

"ـــــ کون ماں خوش نہیں ہو گی۔ میرے بچوں کی خوشی سے زیادہ مجھے اور کیا شے عزیز ہو گی۔"

"آپ نے کبھی اپنی خوشی کے بارے میں نہیں سوچا؟"

"خوشی؟" وہ چونکتے ہوئے مسکرائی تھیں۔

"خوشی ہی تو ہے یہ میری۔ تم لوگ کیا مجھ سے الگ ہو؟"

"مگر ـــــ دوسروں کے لئے خوش ہونے میں کبھی کبھی اپنا نقصان بھی تو ہو جاتا ہے نا۔" وہ بڑے سرسری انداز میں گویا ہوا تھا۔ فارحہ نے بیٹے کو بغور دیکھا تھا پھر مسکرا دی تھیں۔

"شاید ـــــ تمہارے پاپا اپنی وائف کو چھوڑ رہے ہیں۔" ایک اور بہت بڑی خبر انہوں نے سرسری انداز میں دی تھی۔ ازہان حسن بخاری حیران رہ گیا تھا۔

"واقعی؟ ـــــ مگر یہ تو اچھی خبر ہے۔"

"خبر ہے کہ نہیں، یہ تو مجھے نہیں پتہ ـــــ مگر ـــــ"

"کیا ہوا ممی؟ ـــــ کیا آپ خوش نہیں ہیں؟ پاپا کو آخرکار اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے۔" اسے یہ جان کر خوشی ہوئی تھی۔

"ـــــ میں خوش ہوں۔ مجھے ہونا بھی چاہئے۔ میری فیملی پھر سے مکمل ہونے جا رہی ہے۔ مگر درمیان میں جب کچھ ٹوٹ جاتا ہے تو باقی سب کچھ بہت عجیب سا لگتا ہے۔"

ان کی بات میں شاید واقعی سچائی تھی۔ ازہان نے سوچتے ہوئے پُرخیال انداز میں اثبات میں سر ہلایا۔

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں ممی! ـــــ شاید کبھی کبھی بہت کچھ ٹوٹ جانے سے بہت زیادہ فرق پڑتا ہو، یہ خبر پھر بھی اچھی ہے کہ پاپا آخرکار اپنی غلطی کو مان چکے ہیں۔ اب باقی کے حالات بھی ٹھیک ہو جائیں گے۔"

فارحہ کے لبوں کی مسکراہٹ بہت پھیکی سی تھی۔

"اپنے کمرے میں جاؤ ـــــ میں دودھ بھجواتی ہوں۔ تھک گئے ہو گے تم۔ آرام کرو ـــــ رات ہو گئی ہے۔" فارحہ کہتے ہوئے اٹھ کر ٹیبل سے برتن سمیٹنے لگی تھیں۔ ازہان حسن بخاری چلتا ہوا کمرے کی جانب بڑھنے لگا تھا۔

❊❊❊

پتہ نہیں ـــــ

محبت اب رہی بھی تھی کہیں ـــــ یا پھر نہیں ـــــ

محبت کے اتنے بھرپور احساس کے بعد اچانک اتنے گریز کی سرد چادر کے تن جانے سے باتوں کا مفہوم یک دم ہی بدل گیا تھا۔ انابیہ شاہ نے اس ساکت و جامد ماحول میں خود کو بہت تنہا اٹھ کر باہر آ گئی تھی۔

گھر کے باقی لوگ جانے کہاں تھے۔

اس کے حلق میں جیسے کانٹے سے اُگ آئے تھے اور سارا وجود جلتا ہوا سا محسوس ہو رہا تھا۔

وہ اوزان کو فون کرنے والی تھی کہ آ کر اسے کچھ دنوں کے لئے لے جائے، فوری طور پر اس نے فیصلہ نہیں ہو رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ یہ جگہ، یہ مقام ہمیشہ کے لئے چھوڑ دینا چاہئے پھر۔

وہ ابھی نمبر ملا ہی رہی تھی جب لامعہ کا فون آ گیا تھا۔

"ہیلو لامعہ! ـــــ کیسی ہو تم؟ ـــــ کتنے دن سے غائب ہو؟ ـــــ عجب دوست ہو پلٹ کر خبر تک نہیں لیتی ہو۔" وہ شکوہ کرتی ہوئی بولی تھی۔ مگر دوسری طرف لامعہ حق خلاف توقع کھلکھلا کر ہنسی تھی نہ ہی مسکرائی تھی۔

"بس وقت ہی نہیں ملا۔ تم کیسی ہو؟" لامعہ حق کا انداز سرد تھا۔ جسے وہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔ تب ہی چونکتے ہوئے بولی تھی۔

"کیا ہوا؟ ـــــ تم ٹھیک تو ہو؟" اگرچہ وہ خود ٹھیک نہیں تھی مگر اس کے باوجود اس نے سے دریافت کیا تھا۔ مگر دوسری طرف لامعہ کچھ نہیں بولی تھی۔

"لامعہ ـــــ!"

"میں تم سے بعد میں بات کرتی ہوں انابیہ! ـــــ تم برا مت ماننا ـــــ فی الحال مصروف ہوں۔" یہ کہنے کے ساتھ ہی لامعہ نے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔

وہ سمجھ نہیں پائی تھی۔

لامعہ کا اس طرح خود فون کرنا اور پھر خود ہی بات نہ کر کے سلسلہ منقطع کر دینا ـــــ کیا اسرار رکھتا تھا؟

اوہ ـــــ کہیں ایسا تو نہیں تھا کہ لامعہ اس وقت کسی اور سے بات کرنا چاہتی تھی۔ غالباً عفنان علی خان سے ـــــ اور اسے نہ پا کر سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔

وہ اسی کشمکش و پیچ میں فون ہاتھ میں لئے کھڑی تھی جب عفنان اندر داخل ہوا تھا۔

وہ لاتعلق انداز میں نگاہ چرا گئی تھی۔ عفنان نے بھی اسے دیکھا تھا مگر انداز سرسری سا تھا۔ وہ ہوا آگے بڑھ گیا تھا جب اچانک انابیہ نے اسے پکار لیا تھا۔

"عفنان!"

وہ رک گیا تھا۔ پھر پلٹ کر اسے دیکھا تھا۔ وہ چند ثانیوں تک کچھ نہیں بول سکی تھی۔

"کیا بات ہے؟" عفنان علی خان نے سرد انداز میں دریافت کیا تھا۔ انابیہ شاہ نے لمحہ بھر کو سوچا پھر بولی تھی۔

"لامعہ کا فون تھا۔"

"تو ـــــ؟" وہ بلاتر دد بولا تھا۔ انداز انتہائی لاتعلق تھا جیسے اسے کوئی سروکار ہی نہ ہو۔

"تو ـــــ؟" انابیہ کو سمجھ نہیں آیا کہ کیا کہے۔ مگر دوسرے ہی پل اس نے فیصلہ کیا تھا کہ اسے بتا دے کہ لامعہ کا فون اس کے لئے تھا تب ہی وہ اس سے بات کرنا نہیں چاہتی تھی۔

"لامعہ کا فون آپ کے لئے تھا۔" وہ پُر اعتماد انداز سے اس کی طرف دیکھتی ہوئی بولی تھی۔ عفنان خان اس کے الزام پر کسی قدر حیران ہوا تھا اور اس حیرت کا اس نے بھرپور طور پر اظہار بھی کیا تھا۔

"اوہ، واقعی ـــــ؟ میری فون کالز میرے سیل کی جگہ اس لینڈ لائن پر کیسے آنے لگیں؟" اس کے لہجے کا طنز کسی طرح بھی چھپا ہوا نہ تھا۔ انابیہ شاہ کو بہت سبکی محسوس ہوئی تھی۔ خجل سی ہو کر وہ چہرہ پھیر گئی اندر ایک الاؤ دہکتا ہوا تو پہلے بھی محسوس ہو رہا تھا۔ اس لمحے تو یوں لگا تھا جیسے سارا شہر کا شہر جل رہا تھا۔ فون سے فون پٹختے ہوئے وہ مڑی تھی۔ چلتی ہوئی آگے بڑھی تھی۔ دم گھٹ سا رہا تھا۔ وہ چلتی ہوئی کھلی فضا میں نکل جانا چاہتی تھی۔ مگر عین اسی وقت وہ چکرائی اور وہیں گر گئی تھی۔ عفنان علی خان نے بہت اطمینان سے دیکھا تھا۔

گھر میں کوئی اور نہ تھا۔ سو مدد کرنا ناگزیر ہو گیا تھا۔ وہ چلتا ہوا آگے بڑھا۔ اپنا بیگ صوفے پر ڈالا اس کے قریب آن رکا تھا۔

انداز میں کوئی بے قراری تھی نہ کوئی فکرمندی۔ جیسے وہ ہر طرح کے جذبے سے عاری ہو چکا تھا۔ اطمینان سے جھک کر اسے سیدھا کیا تھا۔ بظاہر کہیں کوئی چوٹ نہیں آئی تھی۔ کوئی اندرونی چوٹ تھی بھی تو اس کا اندازہ وہ فی الحال نہیں کر سکا تھا۔ اس کا جسم جل رہا تھا۔ غالباً اسے بخار تھا۔ ہمدردی کے طور پر، یا پھر انسانیت کے طور پر اسے بازوؤں میں اٹھایا اور سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اس کے کمرے تک آ گیا تھا۔

اسی کمرے میں جو کبھی ان دونوں کا مشترکہ کمرہ تھا۔

اس کے نرم وجود کو اپنے بازوؤں میں بھرے کوئی احساس اسے چھو نہ رہا تھا۔ اتنی قربت اس پر رتی بھر اثر انداز نہیں ہو رہی تھی۔ اسے جھک کر بیڈ پر لٹایا تھا ـــــ اور پھر جیب سے سیل فون نکال کر ڈاکٹر کو فون کرنے لگا تھا۔

محبت اب شاید کہیں نہیں تھی۔

تمنا بھی نہیں ـــــ

دل کا چاپ باقی تھی، نہ کوئی آہٹ ـــــ

اگر عفنان علی خان اسے باہر لاؤنج سے یہاں اٹھا کر اپنے کمرے تک لایا بھی تھا تو صرف اس لئے

کہ اس کے اندر ''ہمدردی'' کا عنصر اب بھی باقی تھا۔

انابیہ ہر بات سے بے خبر بیڈ پر پڑی تھی۔

نہ اسے یہ پتہ تھا کہ وہ ابھی تھوڑی دیر قبل اس کے کتنے قریب رہ چکی تھی ـــــ نہ اسے اس قربت کا کوئی اندازہ تھا نہ اس حدت کا ـــــ آج شام ماما کے مطابق انابیہ شاہ کو اس کے ساتھ اٹلی جانا تھا مگر اب ناممکن دکھائی دے رہا تھا۔ غالباً اس حالت پر اسے کوئی خاص افسوس نہ تھا۔ انداز خاصا مطمئن دکھائی دے رہا تھا۔

ڈاکٹر کے آنے تک وہ وہیں کمرے میں موجود رہا۔ ڈاکٹر کے آنے پر بھی وہ وہیں رہا۔ چیک اپ کے بعد کچھ خاص نہیں، ڈاکٹر نے فقط معمولی بخار اور نقاہت ہی وجہ بتائی تھی اس کے اس طرح بے ہوش ہو جانے کی۔ کچھ دوائیں اور ٹانک لکھ کر دیئے اور پھر اپنی راہ لی تھی۔ جب تک وہ ہوش میں نہ آ جاتی عفنان کا وہاں رکنا محال تھا۔ سو ماما کا نمبر ڈائل کرتا ہوا وہ باہر نکل آیا تھا۔

''ماما! ـــــ آپ واپس آ سکتی ہیں؟''

''کیوں بیٹا! کیا ہوا؟''

''مجھے کچھ نہیں ہوا ـــــ آپ کی بہو کی طبیعت خراب ہے۔ تیز بخار ہے اور غالباً کچھ کمزوری بھی۔ گر کر بے ہوش ہو گئی تھیں۔ اٹھا کر ان کے کمرے تک پہنچایا ہے انہیں ـــــ ڈاکٹر کو بلا کر بھی دکھایا ہے۔ آپ آ جائیں تو ان کے پاس ٹھہریں ـــــ مجھے اٹلی جانے کی تیاری کرنی ہے۔''

''تو تم اس کے بغیر جاؤ گے؟'' ماما کو تشویش ہوئی تھی۔

''ماما! ـــــ اس کے ساتھ جانے کا کوئی پروگرام یوں بھی میرا نہیں تھا۔'' اس نے بیزاری سے یوں کہا تھا جیسے اس کے ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہ پڑتا ہو۔

''عفنان! ـــــ وہ تمہاری بیوی ہے۔ وہ تمہاری ذمہ داری ہے۔ تم اس طرح لاتعلق کیسے ہو سکتے ہو؟ بھول گئے تم کہ اس گھر میں اسے بیاہ کر لانے والے تم ہی ہو۔'' ماما نے ان کے فون پر ہی کان کھینچے تھے۔

''سو واٹ ـــــ آپ بتائیں، میں کیا کروں؟ ـــــ اپنا یہ وزٹ کیسے ملتوی کر دوں؟'' صورت حال کے سامنے وہ ایک لمحے میں بے بس نظر آیا تھا۔

''میں واقعی نہیں جانتی بیٹا! ـــــ مجھے اندازہ ہے یہ تمہارا مسئلہ ہے۔ یہ تمہاری ذمہ داری ہے، تم اسے کس طرح نباہتے ہو اس کا فیصلہ تمہیں کرنا ہے۔ اس وقت میرا آنا تو مشکل ہے۔ میں انوشے کو فون کرتی ہوں۔ غالباً وہ اپنی کسی دوست کے ہاں ہے۔''

''نہیں ـــــ اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں سنبھال لوں گا۔''

فون کا سلسلہ منقطع کر کے وہ کچھ دیر اسی طرح کھڑا رہا تھا۔ یہ ماما کو کیا ہو گیا تھا ـــــ اس سے پہلے تو انہوں نے کبھی اس طرح کی لاتعلقی کا اظہار نہیں کیا تھا ـــــ پھر اب اچانک ـــــ وہ سمجھ نہیں پایا تھا۔ مگر غالباً ماما ٹھیک ہی کہہ رہی تھیں۔ وہ اب اس کی ذمہ داری تھی۔ خواہ وہ اسے

چھوڑ دیتا ـــــ یا پھر ـــــ

ایک ـــــ ''اس کے ذہن میں انابیہ کی کیفیت آئی تھی تو وہ دوسرے ہی پل خاصے تھکے سے انداز میں اس کے کمرے کی طرف قدم بڑھانے لگا تھا۔

کیا تھا ـــــ؟ تو اب اسے ان محترمہ کی تیمارداری کے لئے اپنے اہم ترین امور بھی چھوڑنا تھے؟ یہ پروف کرنے کے لئے کہ وہ اس کی ذمے داری تھی اور وہ اس کا خیال رکھ سکتا تھا؟ ـــــ غیر ارادی طور پر وہ خبر وہ نہیں تھا۔ مگر ان حالات میں یہ خاصا بڑا ''سانحہ'' لگ رہا تھا۔ اور اسے سرانجام دینا اور بادل ناخواستہ مشکل۔ مگر جب کوئی راہ نہیں تھی تو اپنی ذمہ داری تو نباہنا ہی تھی۔ فون کر کے اس نے اپنی ٹکٹ کینسل کروائی تھی اور پھر چلتا ہوا اس کے کمرے کی طرف آ گیا تھا۔

انابیہ اب بھی بدستور اسی طرح لیٹی تھی۔ اس نے چلتے ہوئے پاس آ کر اسے بغور دیکھا تھا۔ غالباً وہ سانس لے بھی رہی ہے یا کہ نہیں ـــــ وہ یہی دیکھنے کے لئے اس پر جھکا تھا۔ مگر عین اسی لمحے انابیہ کی آنکھ کھل گئی تھی۔ عفنان علی خان کو اس لمحے اپنے اس قدر قریب دیکھ کر وہ کچھ ساکت سی رہ گئی تھی۔

عفنان علی خان کچھ خجل سا ہوا تھا اور پھر سیدھا ہو کر کھڑا ہو گیا تھا۔

''اب تم کیسا محسوس کر رہی ہو؟'' بے تاثر لہجے میں دریافت کیا تھا۔

انابیہ نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''گڈ ـــــ'' وہ اطمینان ظاہر کر کے باہر نکل گیا تھا۔ نوکر کو جا کر اسے کچھ کھلانے کی ہدایت کی ساتھ ہی اس کی میڈیسن کے متعلق بھی کہہ دیا تھا کہ یاد سے ملے بنا لے۔ اپنی ''ذمہ داری'' کسی اور کو دے کر وہ فریش ہونے کے لئے اپنے کمرے میں آ گیا تھا۔

❋ ❋ ❋

رومیصا لغاری کے آخری امور انجام دے کر وہ واپس آ گیا تھا۔

ماما کو معلوم ہوا تو اسے بہت افسوس ہوا تھا۔

''میری بیٹی تمہارے ساتھ نہیں آئی؟''

سردار سبکتگین حیدر لغاری کی پیشانی پر کئی سلوٹیں ایک ساتھ نمودار ہوئی تھیں اور وہ کوئی جواب دیئے بنا چپ ہو گیا تھا۔ ماما کو تشویش ہوئی تھی۔ اپنے سامنے بیٹھے شخص کے چہرے کو بغور پڑھنا چاہا تھا مگر یہ مشکل تھا کہ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر کا چہرہ سپاٹ تھا۔

''کیا ہوا؟''

''کچھ نہیں ـــــ تم بتاؤ، تم ٹھیک ہو؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری جیسے اس موضوع پر کوئی بات کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے یکسر بات ہی بدل دی تھی اور ماما کو اندازہ ہوا تھا کہ بات یقیناً معمولی نہیں تھی۔ انہوں نے بھی تب اس موضوع پر اسے مزید کریدنا مناسب نہیں سمجھا تھا اور رومیصا لغاری کے انتقال کا افسوس کرتی ہوئی بولی تھی۔

"مجھے رومیصا لغاری کے بارے میں سن کر واقعی بہت افسوس ہوا۔ تمہاری انسیت تو مجھ [illegible] سے کہیں زیادہ تھی۔"

"ہاں ——— زندگی میں عجب ایک خلا کا سا احساس ہو رہا ہے ——— جانے یہ خلا کبھی پُر ہو [illegible] گا کہ نہیں۔ میں نے اپنی ایک بہت اچھی دوست اور خیر خواہ کو کھو دیا ہے۔ میرا نقصان بہت بڑا ہے۔" وہ سپاٹ لہجے میں کہہ رہا تھا۔ اس لمحے اس کا چہرہ کسی بھی جذبات سے قطعاً عاری تھا۔ بالو [illegible] محسوسات پر قابو رکھنا اچھی طرح جانتا تھا یا پھر وہ ہر ایک پر انہیں ظاہر ہی نہ کرنا چاہتا تھا۔

"گیس! ——— میرب، رومیصا کو لے کر ہی تم سے کچھ بدظن ہوئی ہے نا؟" اس نے بہت [illegible] سے اندازہ کرتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

وہ چند لمحوں تک کچھ بول نہیں سکا تھا۔ غالباً وہ فی الحال اس موضوع پر کوئی بات کرنا نہیں چاہتا تھا۔

"جو شے میری زندگی میں اہم ہے، مجھے اسے امپورٹنس دینا ہوگی۔ اور اس کے لیے مجھے کسی کی [illegible] پرواہ نہیں ہے کہ کوئی کیا سوچتا ہے اور کیا نہیں۔ زمانہ تمہیں لے کر بھی کچھ کم بدظن نہیں ہے۔ مگر [illegible] سبکتگین حیدر لغاری زمانے سے زیادہ اپنے دل کی ماننے اور سننے کا قائل ہے۔" وہ بڑے آرام [illegible] اسے عام لوگوں میں شمار کر گیا تھا۔ گی کو اندازہ ہو گیا تھا کہ بات کچھ زیادہ ہی سنگین نوعیت کی ہے۔

"تم ٹھیک ہو نا گی؟ ——— آر یو او کے؟" وہ اس موضوع سے ایک بار پھر ہٹتا ہوا بولا تھا۔ گی [illegible] سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"تم میرب کو وہ سب کیوں نہیں بتاتے گیس! جو سچ ہے، جو وہ جاننا چاہتی ہے؟" گی نے ایک [illegible] کوشش پھر کی تھی۔ وہ اس کی بے وقوفی پر غالباً مسکرایا تھا۔

"مجھے وضاحتیں دینے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ نہ ہی کوئی ضرورت۔ مجھے وضاحتیں دینا آتا [illegible] نہیں۔ اور جہاں تک ان محترمہ کی بات ہے، وہ کھوج لگانا اچھی طرح جانتی ہیں۔ تمہیں اس سے کسی طرح کی ہمدردی کرنے کی ضرورت قطعاً نہیں ہے۔ وہ اتنی مظلوم نہیں ہے جتنا تم اسے سمجھ رہی ہو۔"

"تم بتا رہے تھے، رومیصا کسی سے ملنا چاہتی تھی مگر نہیں مل سکی۔ کون ہے وہ؟" اچانک یاد آنے پر گی نے دریافت کیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے سر ہلا دیا تھا۔

"ہاں ——— ڈاکٹر بخاری تھے کوئی۔ ان دنوں آؤٹ آف ٹاؤن تھے۔ مجھے بہت افسوس [illegible] رومیصا کی آخری خواہش پوری نہیں کر سکا۔ انہوں نے جتنی کٹھن زندگی گزاری اس کا اندازہ کوئی نہیں کر سکتا۔"

"ہاں شاید ———" گی نے پُر خیال انداز میں سر اثبات میں ہلایا تھا۔ "اور رومیصا محبت کرتی تھیں ان سے؟"

"ہاں ———" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے مختصر جواب دیا تھا۔ "انہوں نے اپنی زندگی کے سارے دروازے اپنے ہاتھ سے بند کیے تھے۔ ڈاکٹر بخاری شادی کرنا چاہتے تھے رومیصا سے [illegible] بھی ان سے محبت کرتی تھیں۔"

"پھر؟ ——— پھر کیا ہوا تھا؟"

"فی الحال چھوڑو ——— میں آرام کرنا چاہتا ہوں۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری اٹھ کھڑا ہوا تھا اور [illegible] سے نکل گیا تھا۔

❋ ❋ ❋

"تم نے انکل کو بتایا ہے کہ تمہارے ساتھ یہ سب کچھ پیش آتا رہا ہے یا آ رہا ہے؟" اذہان نے [illegible] کافی کا سِپ لیتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

میرب نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"ان کی طبیعت خراب تھی اذہان! ——— تم تو جانتے ہو، میں نے کبھی ان سے کوئی بات نہیں کی۔ [illegible] بھی صرف ان ہی کی ایما پر کیا کہ وہ اپنی زندگی میں مجھے پروفیشنل دیکھنا چاہتے تھے۔"

"اوہ، آئی سی۔" وہ آہستگی سے بولا تھا۔

"کبھی کبھی ہم نے اپنی زندگی کے لیے جو سوچا ہوتا ہے وہ نہیں ہوتا اذہان! ——— سب ویسا ویسا [illegible] ہوتا ہے جیسا ہم نے سوچا نہیں ہوتا۔" میرب ٹیبل کی سطح پر انگلی پھیرتے ہوئے مدھم لہجے میں بولی تھی۔

"ایسا ہم سب کے ساتھ ہوتا ہے میرب!"

"ہاں، شاید۔" وہ عجب پھیکے انداز میں مسکرائی تھی۔ "زندگی دوسرا موقع نہیں دیتی ——— موسم دوبارہ لوٹ کر نہیں آتے ——— ورنہ شاید کوئی شکوہ باقی نہ رہے۔" وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرائی تھی۔

"ہم میں سے کوئی خوش نصیب نہیں ہے میرب! ——— میں بھی اکثر یہ سوچتا ہوں اگر زمانے واپس آ جائیں تو میں کیسے جینا چاہوں گا اس زندگی کو۔ اس طرح جس طرح کہ میں چاہتا ہوں؟ ——— یا کہ اس طرح، جس طرح کہ دوسرے چاہتے ہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا۔ میرب مسکرا دی تھی۔ [illegible] تنہائی کے موسموں کی کہانی بہت مدھم لہجے میں اپنی بولیاں بول رہی تھی۔ دونوں کو کسی قدر افسوس تھا۔ دونوں ہی خود کو معمول پر ظاہر کرنا چاہ رہے تھے اور دونوں ہی خوش نہیں تھے۔ دونوں کے انداز میں ایک خاص گریز تھا۔ دونوں ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے تھے مگر بات کرنے کو جیسے لفظ ہی نہیں مل رہے تھے۔

کل کے زمانوں کے قصے اس لمحے خواب سے لگ رہے تھے۔ کتنی دیر دونوں کے درمیان خاموشی [illegible] رہا تھا۔ پھر وہ اس کی طرف اور میرب اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا دی تھی۔

"کتنا عجیب لگ رہا ہے اتنے عرصے بعد ——— اس طرح ———!"

"ہاں ——— عجیب ہی لگ رہا ہے۔ ہم نے زمانوں کو صدیوں پر محیط کر دیا ——— ایک شہر میں رہ کر ......" اذہان نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔

"اذہان! ——— وقت مٹھی سے ریت کی طرح پھسل جائے تو ایسا ہی ہوتا ہے۔" وہ مسکرائی تھی۔

"ایک بات پوچھوں میرب؟" وہ آہستگی سے بولا تھا۔

''تمہیں افسوس ہوتا ہے؟'' عجب سوال تھا۔

وہ لمحہ بھر کو اس کی طرف دیکھتی ہوئی کچھ بول نہیں سکی، پھر مسکرا دی تھی۔

''تمہیں نہیں ہوتا؟''

اذہان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تب ہی وہ عجب پھیکے انداز سے مسکراتے ہوئے بولی۔

''شاید نہیں ــــ شاید ہاں ــــ پتہ نہیں ــــ''

''ٹھیک کہہ رہی ہو تم ــــ زندگی میں ایک وقت ایسا آتا ہے جب اندازہ نہیں ہو پاتا کہ جو ہوا وہ بہتر تھا ــــ ٹھیک تھا ــــ یا جو ہو رہا ہے وہ بہتر ہے اور ٹھیک ہے۔ ایسا ہم سب کے ساتھ ہوتا ہے۔'' اذہان نے اس کی بات کی وضاحت کے طور پر کہا تھا۔ وہ سر ہلاتے ہوئے چونکی تھی۔

''تم نے اپنی فیانسی کے متعلق نہیں بتایا ــــ کیسی ہے وہ؟ ــــ ٹھیک ہے؟''

''ہاں ــــ شی از ویری پریٹی گرل۔'' وہ سابیہ کے متعلق بتاتے ہوئے مسکرایا تھا۔ ''بہت سمجھدار لڑکی ہے۔''

''اور تم اس کے ساتھ خوش ہو۔'' وہ مسکرائی تھی۔ ''تم بہت لکی ہو۔'' وہ بظاہر مسکراتے ہوئے بول رہی تھی۔ اذہان حسن بخاری فوری طور پر کچھ نہیں بول سکا تھا۔

''ایک بات کہوں میرب!'' اس کا مدھم لہجہ اسے چونکا گیا تھا۔

''ہاں ــــ'' عجب نیم جاں انداز میں وہ بولی تھی۔

''ہم سب جینے کے لئے سمجھوتے کرتے ہیں ــــ ایک سمجھوتہ تم نے کیا۔ ایسے ہی ایک سمجھوتہ میں نے بھی کیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ بہت اچھی ہے ــــ مگر ــــ مجھے اس سے محبت نہیں۔ شاید کبھی مجھے اس سے محبت ہو جائے۔ مگر میں اب نہیں مانتا کہ جینے کے لئے محبت کے ساتھ رہنا ہی ضروری ہے۔ اور محبت ایک بار ہی ہوتی ہے۔''

''کیا محبت دوبارہ بھی ہو سکتی ہے؟'' وہ وضاحت چاہتی ہوئی بولی تھی۔

''پتہ نہیں ــــ ابھی تک نہیں ہوئی۔ ایک بار کی تھی ــــ وہی عجب جاں گسل واقعہ رہا۔'' وہ مسکرایا تھا۔ مگر میرب سیال مسکرا بھی نہیں سکی تھی۔ ذہن میں ایک لمحے کو سردار سبکتگین حیدر لغاری کا چہرہ آیا تھا۔

''اور تم ــــ؟'' اذہان نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تھا۔ ''تم کیا سوچتی ہو؟''

''پتہ نہیں۔ کسی بات کی کچھ خبر رہی نہ احساس۔ عجب خلاؤں میں معلق ہے وجود ــــ اپنے ہونے کا گمان نہیں رہا۔ کبھی خود کو دیکھوں بھی تو سب بکھرا بکھرا سا اور اپنی جگہ سے ہٹا ہٹا سا لگتا ہے۔''

''ہم میں سے کوئی بھی اپنے مقام پر نہیں ہے میرب!'' اذہان حسن بخاری نے ایک پل میں اس کی نفی کی تھی۔

''ہاں، شاید'' وہ مسکرائی تھی۔ ''شاید تم ٹھیک کہتے ہو۔''

''ہاں ــــ مگر شاید تم بھی ٹھیک ہی کہہ رہی ہو۔''

''تم پلٹ کر دیکھتے ہو؟''

''ہاں ــــ بارہا ــــ پھر آگے دیکھنے کو دل نہیں چاہتا۔ سوچتا ہوں اور ان لمحوں سے نکل نہیں پاتا۔ کوئی راہ محبت چھوڑتی ہی نہیں۔'' سنجیدہ انداز میں کہتے کہتے یک دم وہ مسکرایا تھا اور میرب نگاہ پھیر گئی۔

''اور تم ــــ؟''

''میں ــــ؟'' میرب چونکی تھی۔ ''میں ــــ میرے پاس پیچھے مڑ کر دیکھنے کا وقت ہی نہیں ہے۔'' عجب طنز خود پر کرتے ہوئے وہ مسکرائی تھی۔

''سردار سبکتگین سے محبت ہو گئی ہے تمہیں؟'' اذہان حسن بخاری نے مسکراتے ہوئے چھیڑا تھا مگر وہ مسکرائی نہیں تھی۔ ہاں، ان لمحوں میں یک دم ہی کوئی بازگشت سی چاروں اطراف ہونے لگی تھی۔

''محبت کرنے لگی ہو مجھ سے؟''

''مکمل کر دو ــــ!!''

ادھورے، آدھے جملے اس کی سماعتوں میں گونجے تھے ــــ پتہ نہیں ان لفظوں کا کوئی مفہوم تھا کہ نہیں۔ وہ نہیں جانتی تھی۔ ابھی تک کچھ سمجھ نہیں پائی تھی۔

''میرب!'' وہ عجب کھوئے کھوئے سے انداز میں ایک جانب دیکھ رہی تھی جب اذہان نے اسے پکارا تو اس نے چونکتے ہوئے اسے دیکھا تھا اور پھر مسکراتے ہوئے بیگ شولڈر پر ڈالنے لگی تھی۔

''گو نا؟''

اذہان حسن بخاری کی جان ایک لمحے میں مٹھی میں آئی مگر وہ مسکرا دیا تھا۔

''رائٹ ــــ چلو میں چھوڑ دیتا ہوں تمہیں۔''

''نہیں ــــ میں انتظام کر لوں گی۔'' اس نے تعرض سے کام لیا تھا۔ مگر اذہان مسکرا دیا۔

''اجنبی ہو گیا ہوں تمہارے لئے ــــ مگر اس قدر بھی نہیں۔ چلو ــــ!''

میرب سیال مزید تردد کیے بغیر اس کے ساتھ چل پڑی تھی۔

جب وہ گاڑی میں بیٹھ رہی تھی تب ہی سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے دیکھ لیا تھا۔ وہ لنچ کی غرض سے آیا تھا۔ گاڑی پارک کر رہا تھا۔ مگر ــــ نگاہوں میں یک دم ہی الاؤ سے دہکنے لگے تھے۔

اذہان حسن بخاری گاڑی آگے بڑھا لے گیا تھا۔

وہ لمحہ سرک گیا تھا۔ آگے بڑھ گیا تھا۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری کے اندر آگ لگا گیا تھا۔

کون تھا وہ ــــ؟

کس کے ساتھ تھی وہ ــــ؟

تو کیا اس کے سامنے کوئی نئی راہ تھی ــــ؟

تب ہی وہ اس کے ساتھ بھی چل ہی نہیں سکی تھی ــــ؟

جلتے جلتے کئی انگاروں پر وہ لوٹنے لگا تھا۔ لنچ کا ارادہ منسوخ ہوا اور وہ گاڑی واپس موڑتا ہوا وہاں

سے نکل گیا تھا۔

❊ ❊ ❊

لامعہ حق عجب صورت حال سے گزر رہی تھی۔

اضطرابیت حد سے سوا تھی۔

وجود جیسے قیامتوں کے زیر اثر تھا۔

مگر وہ کچھ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

وہ انابیہ سے بات کرنا چاہتی تھی۔ مگر ہزار ہا کوشش کے باوجود خود میں ہمت نہیں پا رہی تھی۔ کل رات بھی فون کیا تھا ـــــ خود کو تیار کیا تھا۔ مگر ایک لمحے میں ہمت جواب دے گئی تھی۔ شاید سچ کہنے کے لئے واقعی بہت ہمت درکار ہوتی ہے۔ کچھ دیر وہ مضطرب سی کمرے میں ادھر سے اُدھر ٹہلتی رہی تھی۔ پھر فون اٹھا کر اس کا نمبر ملایا۔ بیل خاصی دیر جاتی رہی تھی۔ وہ دواؤں کے زیر اثر سو رہی تھی اور اس کا سیل فون عفنان نے سائیلنٹ پر کر دیا تھا۔ وہ فون بند کرنے والی تھی جب دوسری طرف عفنان نے فون اٹھا لیا تھا۔

''ہیلو!'' بھاری آواز ابھری تھی۔

دوسری طرف لامعہ میں بولنے کی ہمت نہیں تھی۔

''ہیلو ـــــ لامعہ! میں جانتا ہوں دوسری طرف تم ہو ـــــ تم بول کیوں نہیں رہی ہو؟ ـــــ تم ٹھیک تو ہو؟''

''آں ـــــ ہاں ـــــ ٹھیک ہوں میں۔'' لامعہ نے جس ہمت سے کہا تھا وہی جانتی تھی۔

''انابیہ کہاں ہے؟''

''انابیہ تو سو رہی ہے ـــــ تم نہیں جانتی شاید ـــــ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ بابا اسلام آباد میں ہیں۔ سو تیمارداری کی تمام تر ذمہ داری مجھ پر ہی آن پڑی ہے۔ تم کیسی دوست ہو؟ ـــــ آ جاؤ نا۔'' وہ دانستہ مدھم آواز میں بول رہا تھا کہ کہیں وہ ڈسٹرب نہ ہو اور بیدار نہ ہو جائے۔

لامعہ دوسری طرف کچھ بول نہیں پائی تھی۔ اسی لئے وہ بولا۔

''لامعہ! انتظار کرو ـــــ میں تمہیں کال بیک کرتا ہوں۔ یا تم میرے سیل پر فون کر لو۔ ادھر اسلام آباد کی کوئی کال ہے۔''

انابیہ نے تب ہی آنکھ کھول کر دیکھا تھا، کچھ اور تو سمجھ میں نہیں آیا تھا، صرف لامعہ کا نام سنائی دیا تھا۔ عفنان علی خان کی اس کی طرف پشت تھی۔ وہ اسی طرح چلتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔

''لامعہ ـــــ یہ لامعہ کیا بات کرنا چاہتی ہے عفنان سے ـــــ؟'' اس نے الجھ کر سوچا تھا۔

❊ ❊ ❊

میرب نے بہت سوچا تھا اور اسے لگا تھا کہ اسے کم از کم پاپا سے کچھ نہیں چھپانا چاہئے۔ اب پاپا

صورت حال مختلف تھی۔ پاپا اب تندرست تھے۔ بات اتنی اثر پذیر نہیں ہوئی تھی۔ اور اگر ہو بھی جاتی تو ـــــ وہ اپنی زندگی کے اتنے بڑے سچ سے انہیں لاعلم کیسے رکھ سکتی تھی۔

''کیا ہوا؟ ـــــ کیا سوچ رہی ہو؟'' زوباریہ نے اسے خاموش دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ مگر اس نے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

''پاپا جاگ رہے ہیں ماما؟''

''ہاں ـــــ کیوں، کوئی کام ہے؟''

''ہاں ـــــ مجھے ان سے بات کرنی ہے۔'' وہ چلتی ہوئی کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔ پاپا لیٹ کر کتاب پڑھ رہے تھے۔

''آؤ ـــــ میرب بیٹے!'' اسے دیکھ کر پاپا نے کتاب ایک طرف رکھ دی تھی۔

''مجھے آپ سے بات کرنا ہے پاپا!''

''ہاں، تو کرو بیٹے! سن رہا ہوں میں۔'' پاپا مسکراتے ہوئے بولے تھے۔

وہ تذبذب کی کیفیت میں کچھ دیر یوں ہی کھڑی رہی تھی۔ پھر ان کے پاس بیٹھ گئی۔

''پاپا! ـــــ میں آپ سے وہ شیئر کرنا چاہتی ہوں جو میں نے اب تک آپ سے پوشیدہ رکھا۔''

''ہاں بیٹے! کہو ـــــ میں سن رہا ہوں۔''

''پاپا ـــــ!'' اسے قصہ بیان کرنا دشوار ترین لگ رہا تھا۔ ہمت ناپید تھی۔ مگر بیان تو کرنا ہی تھا۔

''کوئی پرابلم؟'' پاپا اس نہج پر یقیناً نہیں سوچ رہے تھے جس نہج پر وہ سوچ رہی تھی۔ اس نے سر نفی میں ہلایا تھا اور پھر کچھ سوچتے ہوئے بولی تھی۔

''پاپا! ـــــ سردار سبکتگین حیدر لغاری ویسے قطعاً نہیں ہیں جیسا آپ سوچتے ہیں۔''

''کیا؟ ـــــ کیا مطلب؟ ـــــ کیا کہنا چاہتی ہو تم؟''

کچھ لمحے وہ یوں ہی خاموشی سے سر جھکائے بیٹھی رہی تھی۔ آنکھوں سے بہت خاموشی سے آنسو قطار بہنے لگے اور پھر بالآخر اس نے ہمت کر کے ساری داستان پاپا کے گوش گزار کر دی تھی۔

پاپا نے سنا تو گنگ رہ گئے تھے۔

ان کی اکلوتی بیٹی کا نصیب ایسا ہوگا۔ ایسا تو انہوں نے سوچا بھی نہیں تھا۔ وہ، جسے انہوں نے پھولوں کی طرح پالا تھا، وہ اس قدر اذیت میں تھی۔ وہ بھی اس شخص کے باعث جس کے ساتھ اسے اپنی زندگی گزارنی تھی۔

''میں آپ کو بتانا نہیں چاہتی تھی پاپا! ـــــ مگر ـــــ'' وہ عجب مجرم سے انداز میں بولی تھی۔ پاپا نے اسے اپنے ساتھ بھینچ لیا تھا۔

''مجھے لاعلم رکھو گی تو پھر تمہاری خوشیوں کا خیال اور کون رکھے گا میری بچی؟ ـــــ مگر تم نے مجھے پہلے ہی کیوں نہ بتایا؟''

میرب سیال کچھ نہیں بول سکی تھی۔ مظہر سیال بھی اس لمحے کسی گہری سوچ میں ڈوبے دکھائی دیے

تھے۔

❊ ❊ ❊

"کیا ہوا؟ —— ناشتہ نہیں کرو گے تم؟" مائی اماں نے اسے آفس کے لئے نکلتے ہوئے پایا تو دریافت کیا تھا۔ گل بھی اسے خاموشی سے دیکھ رہی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے پلٹ کر دیکھا اور سر نفی میں ہلا دیا۔ چہرہ کسی بھی قسم کے جذبات سے عاری تھا۔ رومیسا کی ڈیتھ کے بعد وہ بہت گم صم سا ہو گیا تھا۔

"بیٹا! —— تم نے رات کو بھی کھانا نہیں کھایا تھا۔ ملازم بتا رہا تھا مجھے۔ آ کر اپنے کمرے میں جا کر سو گئے تھے تم —— اور اب بھی ——"

"مائی! بھوک بالکل نہیں ہے۔ رات کو بھی میں باہر سے کھا کر آیا تھا۔" انہیں مطمئن کرنے کو بولا۔ مائی نے اسے بغور دیکھا تھا۔ ماں تھیں، اس کے دل کی کیفیت کیسے نہ جان پاتیں۔

"شام میں تم جلدی آ جاؤ تو ہم مظہر میاں کی طرف جائیں گے۔ میرب کو دیکھے کئی دن گزر گئے ہیں۔ بچی خیریت سے بھی ہے کہ نہیں۔ گئی ہے تو پلٹ کر خبر تک نہیں لی۔"

"شام میں میرے پاس وقت نہیں ہوگا مائی! آپ جانا چاہیں تو ڈرائیور کے ساتھ چلی جائیے گا۔"

"کیوں —— تم کیوں نہیں جاؤ گے وہاں؟"

وہ صبح صبح کوئی تکرار کرنا نہیں چاہتا تھا۔ مگر مائی کی بے ادبی اس نے کبھی نہیں کی تھی۔ سو نہ چاہتے ہوئے بھی اس موضوع پہ بول رہا تھا۔

"مائی! بتایا ہے نا، مصروف ہوں گا۔"

"گین! —— بچے! کسی کو یوں موردِ الزام ٹھہرانا ٹھیک نہیں ہوتا۔ وہ وہاں رہتی تو تھی۔ بھلا رومیسا سے کوئی رشتہ بھی تو نہیں تھا۔ تم اسے بھی تو سمجھنے کی کوشش کرو۔ وہ بچی جس طرح اتنے دنوں وہاں رہی، میری تیمارداری کی، رومیسا کی دیکھ بھال کی وہ بہت زیادہ ہے۔ ہمیں اسے جواب میں سرد مہری سے نہیں نوازنا چاہیے۔ وہ وہاں اگر نہیں رک سکی تو اس کی کوئی مجبوری......"

"میں نے ایسا کچھ نہیں کہا مائی!" وہ ان کی بات تیزی سے کاٹتا ہوا بولا تھا۔ مائی اسے دیکھ کر رہ گئی تھیں۔ آج سے پہلے نہ وہ اس قدر ڈسٹرب دکھائی دیا تھا نہ اس طرح بات کی تھی۔

سردار سبکتگین کچھ دیر تک خاموش رہا تھا۔ پھر اپنی غلطی کا احساس ہوا تو نرمی سے گویا ہوا۔

"آپ جانا چاہیں تو ہو آئیں۔" انداز میں ایک خاص طرح کی لاتعلقی تھی۔ یہ کہتے ہی وہ پلٹ کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا وہاں سے نکل گیا تھا۔ مائی اسے دیکھ کر رہ گئی تھیں۔

گل بھی کچھ نہیں بولی تھی۔ مگر وہ اتنا جان گئی تھی کہ کوئی بات اسے بہت زیادہ ڈسٹرب کر رہی ہے۔

❊ ❊ ❊

"کل شام میں تمہارا سیل ٹرائی کر رہی تھی —— مسلسل آف سوئچڈ تھا۔ تم بزی تھے کہیں؟" ساہیہ نے دریافت کیا تھا۔

اذہان نے سر انکار میں ہلا دیا تھا۔

"نہیں —— میں اپنا سیل غالباً گھر بھول گیا تھا۔"

"اوہ ——" اس نے ہونٹ سکوڑے تھے اور پھر یک دم شرارت سے مسکرا دی تھی۔ "میں سمجھی تم کسی لڑکی کے ساتھ تھے۔"

اذہان حسن بخاری اس کی شرارت پر اتنا محظوظ نہیں ہوا تھا مگر غالباً مروتاً مسکرا دیا تھا۔

"تم سوچ رہے ہو گے —— شک کرنے لگی ہوں تم پر۔ ہے نا؟" وہ مسکرائی تھی۔

"نہیں —— میں نے ایسا کچھ نہیں سوچا اب تک۔ تم شک کرنا چاہو تو خوشی سے کر سکتی ہو۔" وہ سنجیدہ لہجے میں کہتا ہوا مسکرایا تھا۔

"اوہ، رئیلی؟" ساہیہ نے اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔

"ہاں۔" وہ نگاہ اس پر سے ایک لمحے میں دانستہ ہٹا کر فائل دیکھنے لگا تھا۔

"اچھا، تو کس پہ شک کروں؟ —— تمہاری اس موٹی بھدی کالی اسسٹنٹ پہ یا تمہاری اس پکی پکی ناک والی سیکرٹری پہ؟ —— تمہارے آفس میں تو کوئی ایک بھی ڈھنگ کی لڑکی نہیں ہے۔ کتنا ایب نارمل ٹیسٹ ہے تمہارا اذہان!" وہ مسکراتے ہوئے کچھ اس انداز سے افسوس کرتی ہوئی بولی تھی کہ وہ مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

"آئی ایم ناٹ کنڈکٹنگ اذہان! —— تمہارے آفس میں کوئی ایک بھی ڈھنگ کا چہرہ نہیں ہے۔ خود اپائنٹ کرنا ہو تو مجھے بتا کر کرنا۔"

"کیوں —— سلیکشن تم کرو گی؟" وہ اسے دیکھتا ہوا مسکرایا تھا۔

ساہیہ نے بلاتردد سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"کیا کروں؟ —— جب تمہارا ٹیسٹ اتنا خراب ہے تو......"

"اور تم ایسا اس لئے کرو گی تا کہ تم شک کر سکو؟" مسکراتے ہوئے وضاحت چاہی گئی تو ساہیہ نے سر اثبات میں ہلایا۔ پھر ہنس دی تھی۔

"تم پہ شک کرنے کے لئے تمہارے اردگرد مجھ سے زیادہ خوب صورت لڑکیاں ہونی چاہئیں مسٹر اذہان حسن بخاری! اور وہ یہاں نہیں ہیں۔ اس لئے مجھے اس طرف سے فی الحال مکمل اطمینان ہے۔"

"اگر کسی نے مجھے چرانا ہوگا تو وہ اس آفس سے باہر کی بھی تو ہو سکتی ہے۔ ضروری تو نہیں کہ وہ اس آفس میں ہی ہو؟" وہ مسکراتے ہوئے فائل سے نگاہ ہٹا کر لمحے بھر کو اسے دیکھتا ہوا بولا تھا۔ "ہائے دی وے، تم نے لنچ کیا؟ —— کافی لو گی؟"

"کافی؟ اس وقت؟ —— بالکل نہیں۔ بھوک لگ رہی ہے۔ میں تو تمہارا کام ختم ہونے کی منتظر تھی تا کہ اس کے بعد ہم ساتھ لنچ پر چلیں۔ ویسے تم نے ٹھیک کہا —— وہ کوئی آفس سے باہر کی بھی تو ہو سکتی ہے۔" اس کی بات کے جواب میں سوچتے ہوئے وہ بولی اور اذہان مسکرا دیا۔

"تو تم واقعی عام خواتین کی طرح اب شک کرنے لگی ہو؟"

''نہیں ـــــ ابھی تک نہیں ـــــ لیکن تمہاری سوچ اگر ایسی ہی رہی تو ایک دن ضرور۔'' بولا
دی تھی۔ اس کی آنکھوں میں شفاف پانی کے قطرے چمکنے لگے تھے۔ اذہان نے اس شفاف دل کی ما
لڑکی کو بغور دیکھا تھا۔

''کیا ہوا؟ ـــــ ایسے کیوں دیکھ رہے ہو؟ ـــــ اچھی لگ رہی ہوں؟'' اس نے ابرو چڑھا
ہوئے دریافت کیا۔ انداز میں کچھ شرارت تھی۔ مگر وہ مسکرا دیا تھا۔

''ہاں ـــــ بہت اچھی ـــــ اِن فیکٹ تم بہت اچھی ہو بھی۔''

''ہاں، وہ تو میں ہوں۔ لیکن اس وقت تمہیں اچانک احساس کیسے ہو گیا؟ ـــــ کہیں تم!
بٹرنگ تو نہیں کر رہے؟''

''ساہیہ! ـــــ ایسا کچھ نہیں ہے۔ مگر میں تمہیں کچھ بتانا ضرور چاہتا تھا۔'' مدھم لہجے میں
ہوئے اسے دیکھا تھا۔

''کیا؟'' وہ شرارت سے مسکرائی تھی۔ ''یہ کہ میں اتنی اچھی ہوں کہ تمہیں مجھ سے محبت ہو گئی ہے؟''
بات خوشگوار تھی ـــــ اگر کوئی اور ہوتا تو یقیناً اس بات کے جواب میں کچھ کہتا۔ مگر اذہان
بخاری جو مسکرا رہا تھا، یک دم ہی اپنے لب بھینچ گیا تھا۔ پھر سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے
تھا۔

''میں میرب سے ملا تھا ساہیہ!''

''اچھا، کب؟'' وہ حیران جتنی ہوئی تھی اتنا خود کو ظاہر نہیں کیا تھا۔ غالباً وہ خود پر، اپنے احساسات
بروقت قابو پانا جانتی تھی۔ وہ درحقیقت جس قدر لاابالی دکھائی دیتی تھی، اتنی تھی نہیں۔ یہ بات اذہان
جانتا تھا۔

وہ اس گھڑی بھی مسکرائی ضرور تھی مگر وہ اس کی طرف دیکھ نہیں سکی تھی۔ گردن گھما کر دوسری طر
دیکھنے لگی تھی۔

''تمہارے آفس کا یہ فرنیچر بہت پرانا ہو گیا ہے اذہان! اسے چینج کر دو اب۔ اور یہ وال پیپر
بدلوا دو۔ اچھے نہیں لگ رہے۔''

''ہاں بدلوا دوں گا۔ تم جاننا چاہو گی ہم میں کیا بات ہوئی؟''

''نہیں ـــــ اگر تم نہیں بتانا چاہو گے تو کبھی بھی نہیں۔'' وہ ملائمت سے مسکرائی تھی پھر نگاہ
تھی۔ اذہان حسن بخاری اس کی کیفیت کو سمجھ سکتا تھا تب ہی اس کے ہاتھ پر بہت آہستگی سے اپنا
رکھ دیا تھا اور بغور دیکھتے ہوئے مدھم لہجے میں بولا تھا۔

''تمہیں مجھ پر اعتبار ہے؟''

ساہیہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تھا پھر قدرے توقف سے سر اثبات میں ہلا دیا تھا
مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

''آف کورس ـــــ مجھے تم پر اعتبار ہے۔ مگر تم یہ اس وقت کیوں پوچھ رہے ہو؟ تمہارے آفس

ایک بھی خاتون ایسی نہیں ہے جس کے باعث میں تم پر شک کر سکوں؟'' وہ دوسرے ہی پل کھلکھلا
اٹھی۔ وہ مسکرا دیا تھا۔

''یو آر رائٹ۔''

''لنچ کے لئے چلیں اگر تم فارغ ہو گئے ہو تو؟'' ساہیہ نے اس کی ٹیبل پر موجود پیپر ویٹ کو گھماتے
ہوئے دیکھا تھا۔ ''باقی کی باتیں ہم وہیں کر لیں گے۔ رائٹ؟''

اذہان سر ہلاتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''تم ایک انٹیلیجنٹ لڑکی ہو ساہیہ!'' اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے وہ بولا تھا اور وہ مسکرا دی تھی۔

''لڑکیاں ساری ایک جیسی ہی ہوتی ہیں اذہان! مگر یہ بات تم مردوں کی سمجھ میں بہت دیر سے آتی
ہے۔'' اس کا انداز بظاہر سرسری تھا مگر در پردہ وہ اسے بہت کچھ جتا رہی تھی۔ اذہان حسن بخاری اتنا
نہیں جانتا تھا کہ اس کی کہی بات کے مفہوم کو سمجھ نہ پاتا یا جان نہ پاتا۔

❋ ❋ ❋

''اتنے دن کہاں رہیں تم؟ کیسی دوست ہو، پلٹ کر پوچھا تک نہیں؟'' لامعہ کو سامنے دیکھ کر اس
نے شکایت کی تھی۔ لامعہ مسکرائی مگر انداز بہت بجھا بجھا سا تھا۔

''عفنان سے بات ہوئی تھی ـــــ اس نے بتایا تھا کہ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

''اگر طبیعت ٹھیک ہوتی تو تم آج بھی نہ آتیں؟'' اناہیہ نے دوبارہ شکایت کی تو لامعہ کچھ نہیں بول سکی

''اب کیسی طبیعت ہے تمہاری؟ ـــــ کیسی ہو تم؟'' لامعہ قدرے توقف سے بولی تھی۔

اناہیہ نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''ٹھیک ہوں اب میں ـــــ اس روز بارش میں بھیگ گئی تھی نا۔ اور تم جانتی ہو میں کتنی حساس
ہوں حالانکہ بارش......''

''اناہیہ!'' وہ روانی سے بول رہی تھی جب لامعہ نے اسے درمیان میں ہی ٹوک دیا تھا۔ ''میں تم
سے بات کرنا چاہتی ہوں اناہیہ!'' اس کا لہجہ پُرسکون تھا۔

اناہیہ نے اسے بغور دیکھا تھا اور اس کی کیفیت سمجھے بغیر ملائمت سے مسکرا دی تھی۔

''انتظار کرو نا ـــــ میں سن رہی ہوں تمہیں۔ رکو، میں تمہارے لئے چائے کا کہہ دوں۔'' اس
نے اٹھنا چاہا مگر لامعہ نے اسے روک دیا تھا۔

''نہیں ـــــ اس کی ضرورت نہیں۔'' اس کا لہجہ اسے چونکا گیا تھا۔ لامعہ کے تاثرات پہلے سے
مختلف تھے۔ اناہیہ کو اب اس کا نوٹس لینا پڑا تھا۔

''کیا ہوا ہے؟ ـــــ اینی پرابلم؟''

لامعہ نے سر انکار میں ہلا دیا تھا۔

''اناہیہ! مجھے تمہیں کچھ بتانا ہے۔''

"تو پھر؟"

"انابیہ! تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں میں ـــــ کوئی بہت ضروری بات۔"

"تو کرو نا ـــــ سن رہی ہوں میں۔ لیکن وہ کون سی بات ہے جو تمہیں اتنا پریشان کر رہ
میں بھی جاننا چاہتی ہوں۔ فرینڈ شپ شیئرنگ اور کیئرنگ کا نام ہے اور......"

"مگر میں اپنی غلطی ماننے کو تیار نہیں ہوں۔" لامعہ نے اس کی بات کو کاٹا تھا۔

"غلطی؟" انابیہ چونکی تھی۔ "کیسی غلطی؟"

لامعہ کے لئے اس لمحے کچھ کہنا دشوار ترین ہو گیا تھا۔ وہ اس سے نگاہ پھیر گئی تھی۔ انابیہ شاہ ا
بولنے کی منتظر اسے خاموشی سے دیکھ رہی تھی تب وہ اس کی طرف دیکھے بغیر بہت آہستگی سے بولا

"میں تمہارے ساتھ مخلص نہیں ہوں۔"

"واٹ ـــــ؟" انابیہ شاہ چونکی تھی۔ مگر لامعہ نے اس کی طرف دیکھے بغیر سر اثبات م
تھا۔

"مجھے کہہ لینے دو انابیہ! ـــــ نہیں کہوں گی تو شاید میرا دم گھٹ جائے گا۔ بہت سا بوجھ م
دل پر محسوس کر رہی ہوں۔ سانس تک لینا محال ہو رہا ہے۔ میں اب اس بوجھ کے ساتھ جی ن
سکتی۔"

"کہنا کیا چاہتی ہو تم؟" انابیہ شاہ اب بھی کچھ نہیں سمجھی تھی۔ بہت مدھم لہجے میں کہتے ہو
دیکھا تھا۔ لامعہ حق جیسے خاموش رہ کر خود کو تیار کر رہی تھی۔

"انابیہ! میں تمہاری اچھی دوست نہیں ہوں ـــــ نہیں ہوں میں تمہاری بالکل بھی اچھی د
لامعہ کی آنکھوں سے جھر جھر نمکین پانی بہنے لگا تھا۔

اور انابیہ شاہ اسے ساکت سی دیکھ رہی تھی۔

"کیا ہوا ہے؟" کچھ دیر کے بعد وہ ہمت کر کے صرف یہی کہہ سکی تھی۔ "کیسے کہہ سکتی ہو ک
اچھی دوست نہیں ہو؟ ـــــ اچھی دوست ہو تم میری۔ ہم بچپن سے ساتھ ساتھ ہیں۔ ہم نے
اچھا وقت ساتھ گزارا ہے۔ ایک دوسرے کے کھلونوں سے کھیلے ہیں ہم اور......"

"اور میں وہ سب بھول گئی انابیہ! ـــــ سب کچھ بھول گئی۔" وہ آنسوؤں کے ساتھ
بلانے لگی تھی۔ انابیہ کی سمجھ میں اب بھی اس کی کوئی بات نہیں آئی تھی۔ مگر وہ اس کے بتانے
چاہتی تھی۔ تب ہی اسے کریدے بغیر اس کے سامنے بیٹھی رہی۔

"انابیہ! بچپن میں ہم ایک دوسرے کے کھلونوں سے کھیلتے تھے اور اب ـــــ اب م
کے احساسات و جذبات سے کھیلا ہے۔ میں کتنی بری ہوں، تم سوچ بھی نہیں سکتی ہو۔ بہت ز
تھی نا تم مجھ پر۔ مگر میں نے تمہارے اس اندھے اعتماد کے پرخچے اڑا دیے۔ توڑ دیا میں
یقین۔ میں تو دوست کہلانے کے لائق بھی نہیں ہوں۔"

"یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟ ـــــ ایسا کیا، کیا ہے میں نے؟" دھیان عفنان علی خان کی طرف

ام بھی غالباً اسی سے بات کرنا چاہتی تھی اور پرسوں جب اس نے خود کال ریسیو کی تھی، یہ سب
ہیلی کی کڑی تو نہیں تھے۔ کہیں عفنان واقعی ـــــ؟؟

نہیں تم ـــــ" اس نے جملہ ادھورا چھوڑ کر لامعہ کو دیکھا تھا۔

کیا؟" لامعہ چونکی تھی۔ "کیا کہنا چاہتی ہو تم؟ ـــــ کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں نے کیا، کیا

نہیں ـــــ میں نہیں جانتی۔ تم بتاؤ۔" انابیہ نے سانس روک کر دریافت کیا تھا۔

تم مجھ سے نفرت کرنے لگو گی انابیہ! بہت بری لڑکی ہوں میں ـــــ میں نے تمہیں دھوکا دیا

کیا دھوکا؟ ـــــ پلیز لامعہ! اب یہ پہیلیاں بجھوانا بند کرو۔ میں یہ سب کچھ برداشت نہیں کر
یرا دم گھٹ رہا ہے۔" انابیہ بولی تھی۔ جب ہی وہ چیخ پڑی تھی۔

ہاں تو میرا گھٹ رہا ہے ـــــ ایک گلٹ کے ساتھ تو میں جی رہی ہوں۔"

کیا گلٹ؟ ـــــ کیا، کیا ہے تم نے؟"

تم جانتی ہو انابیہ! ـــــ تم ظاہر کرنا نہیں چاہتی ہو ـــــ بہت بڑے دل کی بننا چاہتی ہو تم۔
اعلیٰ ظرف کی مگر......"

ایسا کچھ نہیں ہے ـــــ میں ایسا کچھ چاہتی بھی نہیں ہوں۔ اب تم مجھے بتا دو کہ تم کیا کہنا چاہتی
میری دوست ہو اور میں نے تمہیں ہمیشہ اپنی بہترین دوست جانا ہے۔ میں نے تمہارے لئے یا
کسی کے لئے کبھی برا نہیں چاہا۔"

تمہاری یہی خوبی مجھے لمحہ لمحہ مارتی ہے انابیہ! ـــــ تمہارا یہی بڑا پن مجھے تم سے دور لے گیا۔"
ابتا بھی دو لامعہ!" وہ زچ ہو کر بولی تھی۔

سننا چاہتی ہو تو سنو انابیہ! ـــــ تمہارے ساتھ جو بھی ہوا وہ میں نے کیا ـــــ وہ میں نے
" لامعہ حق نے کہا تھا اور وہ ساکت سی اسے دیکھنے لگی تھی۔ وہ اب بھی سمجھ نہیں پائی تھی۔ غالباً
کی حیرت صاف بتا رہی تھی۔

اب بھی نہیں سمجھی ہو انابیہ! یا جان بوجھ کر عظیم بننے کی کوشش کر رہی ہو؟ ـــــ ہمیشہ اپنا ہاتھ
اونچا اچھا لگتا ہے تمہیں؟"

لیا بولشٹ اپ لامعہ؟ ـــــ میں ایسی کچھ بھی نہیں ہوں۔ نہ میں ایسا کچھ ثابت کرنے کی کوشش
ہوں۔ اگر تم نے ایسا کچھ کیا ہے کہ تمہیں اپنا آپ چھوٹا محسوس ہو رہا ہے تو میں تمہارے لئے
کر سکتی۔ میں تمہیں اب بھی اپنی دوست سمجھتی ہوں۔" انابیہ نے جواباً سختی سے کہتے ہوئے اسے
وہ خاموشی سے کچھ دیر اسے دیکھتی رہی تھی، پھر بولی تھی۔

انابیہ! تمہارے ساتھ جو کچھ بھی ہوا ـــــ وہ میں نے کروایا۔ تمہارا کڈنیپ، تمہاری کلائیوں کا
سب کچھ" وہ واضح انداز میں بولی تھی اور انابیہ اپنی جگہ ساکت رہ گئی تھی۔

"کیا؟" اسے اپنی آواز کنوئیں سے آتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

"ہاں ـــــ وہ سب میں نے کیا ـــــ بہت بری ہوں میں۔ میں نے کہا تھا نا تم مجھ سے نفرت کرنے لگو گی۔ دوست کہلانے کے لائق نہیں ہوں میں۔ تمہیں اتنا بڑا دھوکا دیا۔ تمہیں اتنا ذلیل کیا صرف اس لئے کہ میں عفنان سے محبت کرتی تھی اور وہ تم سے ـــــ نہیں برداشت کر سکی تھی تم کو بہت جلن ہوتی تھی مجھے۔ بہت حسد محسوس ہوتا تھا۔ اور جب تم نے بتایا کہ تم ہی وہ لڑکی ہو جس کا اس نے مجھ سے اپنی انگیج منٹ ختم کر دی تو میں پاگل ہو گئی۔ نفرت ہونے لگی مجھے تم سے ـــــ تب بھی میرے ساتھ مخلص تھیں۔ مجھ سے اتنی ہی محبت رکھتی تھیں، اتنی ہی خیر خواہی سے ملتی تھیں ـــــ میں تمہارے حق میں اچھا نہیں سوچ رہی تھی۔ بہت خود غرض ہو گئی تھی میں انابیہ میں نے تمہیں ایک طرح جان سے ہی مار دیا تھا۔ وہ تو عفنان نے تمہیں موقع پر پہنچ کر بچا لیا اگر وہاں وقت پر نہیں پہنچتا تو تم آج میری کوئی غلطی سننے کے لئے میرے سامنے نہیں ہوتیں۔" اس کی آنکھوں سے تیزی سے آنسو بہہ رہے تھے اور انابیہ شاہ اسے ساکت سی دیکھ رہی تھی۔

اس کی نظروں میں بے یقینی ہی بے یقینی تھی۔

وہ جس کام کے لئے عفنان علی خان کو الزامات دیتی رہی، اسے برا بھلا کہتی رہی تھی اس میں تو سرے سے اس کا کبھی تھا ہی نہیں۔

اس نے ایسا کچھ بھی کیا ہی نہیں تھا۔

کتنا برا سلوک روا رکھا تھا اس نے اس سے۔

کتنا برا بھلا کہا تھا اسے۔

مگر وہ کبھی اپنی صفائی میں ایک لفظ نہیں بولا تھا۔ اور اس کی یہی خاموشی اسے مجرم ثابت کرتی تھی۔ وہ بدستور اسے ہی مورد الزام ٹھہراتی رہی تھی۔ اسے ہی قصور وار مانتی رہی تھی۔

اور حتیٰ کہ خود کو بھی ـــــ!

اس نے آج تک اپنا گھر آباد ہونے نہیں دیا تھا۔

اپنا دل آباد ہونے نہیں دیا تھا۔

صرف اپنی دوست کے لئے۔

عفنان علی خان جو اس کا شوہر تھا۔ جس کے تمام حقوق صرف وہ محفوظ رکھتی تھی، اسے اس نے اس لئے کبھی اپنا نہیں جانا تھا کہ وہ اس پر اپنی دوست کا حق تصور کرتی تھی ـــــ اور وہ دوست

"تم مجھے برا بھلا کہنا چاہتی ہو تو کہو انابیہ! ـــــ میں سننا چاہتی ہوں۔ پلیز تم لڑو، جھگڑو، مجھے مارو ـــــ میں نے تمہارے ساتھ بہت برا کیا۔ میں دوست کہلانے کے لائق نہیں ہوں۔ میں تمہاری ایک اچھی دوست نہیں رہی۔" لامعہ حق کہہ رہی تھی اور وہ اسے دھندلائی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔

❋ ❋ ❋

"کیا ہوا؟ ـــــ کچھ پریشان لگ رہے ہیں آپ؟" زوباریہ نے مظہر سیال سے دریافت کیا تھا۔

"پریشانی کی بات بھی ہے زوباریہ! ـــــ میرب کے ساتھ کچھ بھی اچھا نہیں ہوا ہے۔"

"کیا؟ ـــــ کیا ہوا ہے میرب کے ساتھ؟" وہ چونکی تھی۔

"وہ خوش نہیں ہے۔"

"یہ کیا بات ہوئی، وہ خوش نہیں ہے ـــــ اس سے پہلے تو ایسا اس نے کبھی نہیں کہا۔ اور سبکتگین حیدر لغاری ـــــ وہ تو بہت کیئرنگ، لونگ پرسن ہے۔ میرا نہیں خیال وہ میرب کو کبھی......"

"ایسا کچھ نہیں ہے زوباریہ! وہ تصویر کا ایک دوسرا رخ تھا جو ہم دیکھتے رہے۔ سیدھی بات تو یہ ہے کہ سردار سبکتگین حیدر لغاری ویسا بالکل بھی نہیں ہے۔ میں نے یہ رشتہ صرف تمہارے کہنے پر کیا تھا زوباریہ! مجھے تم پر اعتبار تھا۔"

"کیا مطلب اعتبار تھا؟ ـــــ تو میں نے کیا غلط کیا؟ کیا اب آپ کو مجھ پر اعتبار نہیں رہا؟ ـــــ آپ سمجھتے ہیں میں میرب کی خیر خواہ نہیں تھی؟ اگر سبکتگین میں کچھ عیب ہے یا اس نے کچھ برا کیا ہے تو اس میں میرا کیا قصور؟ ہم کسی کے باطن کے بارے میں کتنا قیاس کر سکتے ہیں؟" زوباریہ صاف گوئی سے وضاحت دیتی ہوئی بولی تھی۔ تب ہی مظہر سیال کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہ معذرت کرتے ہوئے گویا ہوئے۔

"آئی ایم سوری زوباریہ ـــــ مگر میں اپنی بچی کے لئے بہت پریشان ہوں۔"

"تو کیا میں اس کے لئے پریشان نہیں ہوں گی اگر مجھے پتہ چلے کہ اس کے ساتھ کچھ غلط ہوا ہے؟ مگر مجھے پتہ بھی تو چلے۔"

"زوباریہ! سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ہماری میرب کو بہت دکھ دیا ہے۔ لیکن اب مزید میں اپنی بچی کے ساتھ کچھ غلط نہیں ہونے دوں گا۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔" وہ فیصلہ کن انداز میں گویا ہوئے تھے۔

"کیسا فیصلہ؟" زوباریہ چونکی تھی۔ "دیکھیں مظہر! کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے سوچ لیں کہ یہ گڈے گڑیوں کا کھیل نہیں ہیں۔ اتنی جلد بازی کا مظاہرہ ہمیں قطعاً نہیں کرنا چاہئے۔ چھوٹی موٹی پرابلم تو بات چیت سے بھی حل ہو سکتی ہے۔ آپ جانتے ہیں، نکاح ہوا ہے اس کا ـــــ اور اگر خدانخواستہ ـــــ آپ جانتے ہیں، ایک نکاح کا ٹوٹ جانا کیا معنی رکھتا ہے۔ ایک شادی کا ٹوٹ جانا ـــــ!"

"تو کیا کروں میں؟ جھونک دوں اسے اس جہنم میں جہاں وہ نہ خوش ہے نہ ہی مطمئن؟ ـــــ جہاں لمحہ لمحہ اسے اذیت سے گزرنا پڑ رہا ہے؟" مظہر سیال برہمی سے بولے تھے۔

"ایسا میں نے نہیں کہا۔ لیکن کیا میرب ایسا ہی چاہتی ہے جیسا کہ آپ؟ ـــــ آپ نے پوچھا ہے اس سے، کیا وہ علیحدگی چاہتی ہے سبکتگین حیدر لغاری سے؟"

"وہ بے چاری کیا کہے گی؟ ـــــ وہ تو بچی ہے۔ ہمارے یہاں کی بچیاں اپنے منہ سے کبھی کچھ

کہتی ہیں؟ —— ہم بھیڑ بکریوں کی طرح انہیں جس کھونٹے سے چاہیں باندھ دیتے ہیں —— جس لاٹھی سے چاہیں ہانک دیتے ہیں بنا ان کی رضا پوچھے، بنا ان کی مرضی جانے۔ وہ بھی بھلا کبھی کوئی اعتراض کرتی ہیں؟ —— اور میرب کے بارے میں کیا میں نہیں جانتا کہ اس نے یہ شادی کیوں کی؟ —— اگر میں اپنی بچی کو فورس نہیں کرتا تو وہ کبھی بھی اس نکاح کے لئے ہاں نہیں کرتی۔ سراسر قصور میرا ابھی ہے۔ میں نے ہی کوئی چھان بین نہیں کی —— اس وقت جیسے وہ میرے لئے بھی بوجھ بن گئی تھی۔ میں بھی ایک خود غرض باپ بن گیا تھا۔ مگر اس وقت مجھے خود پتہ نہیں تھا کہ صورت حال کیا رخ لے گی۔ مجھے اپنی زندگی کے بارے میں کچھ یقین نہ تھا۔ میں اپنی زندگی میں اسے سکھی اور اپنے گھر دیکھنا چاہتا تھا۔ مگر مجھے کیا پتہ تھا کہ......" ان کے لہجے میں پچھتاوا ہی پچھتاوا تھا۔ زوبار یہ انہیں دیکھ کر رہ گئی۔

"ایک بات کہوں —— جتنے خیر خواہ آپ ہیں میرب کے، اگر آپ سمجھیں تو میں بھی اتنی ہی ہوں۔ میں آپ سے اب بھی یہی کہوں گی کہ اتنی جلد بازی کا مظاہرہ نہ کریں۔ ایک بار جلدی پہلے آپ نے کی تھی اس رشتے کو بنانے میں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ دوسری جلدی اب آپ کریں اور پچھتائیں۔" زوبار یہ نے مشورہ دیا تھا۔ مگر مظہر سیالی کچھ نہیں بولے تھے۔ وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبے دکھائی دیے تھے۔

❋ ❋ ❋

"تم —— لیکن تم ایسا کیوں چاہتی تھیں؟ —— کیوں چاہا تم نے ایسا لامعہ؟ میرے ساتھ ایسا کر کے تمہیں کیا ملنا تھا؟" انابیہ شاہ ایک گہرے کرب سے گویا ہوئی تھی۔ اسے اب بھی یقین نہ تھا کہ اس کے ساتھ لامعہ اس قدر برا کر چکی تھی۔

"تم کیا اب بھی نہیں سمجھی انابیہ؟ —— کیا تم اتنی ہی بھولی ہو؟" لامعہ کے لہجے میں ایک عجب طنز سا تھا۔ انابیہ اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

"میں تمہیں عفنان علی خان کی نظروں میں گرانا چاہتی تھی۔ اس دنیا کی نظروں میں چھوٹا ثابت کرنا چاہتی تھی۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ عفنان اس کے باوجود بھی نہ تم سے نفرت کر سکا نہ تمہیں چھوڑ سکا۔ الٹا اس نے تم سے شادی کر لی۔ اور میں —— انابیہ! تم مجھ سے نفرت کرو —— میں بہت بری ہوں —— بہت بری ہوں میں —— کبھی تم سے مخلص نہیں رہی۔ کبھی تمہارا بھلا نہیں چاہا —— ایک دوست ہو کر تم سے سب سے بڑا دھوکا کیا۔" لامعہ حق صاف گوئی سے اسے بتا رہی تھی۔

"اتنا کچھ تھا تو تم نے مجھ سے چھپایا کیوں لامعہ؟ —— پہلے کیوں نہیں بتایا؟ یہ پچھتاوا تمہیں اتنا کیوں ہوا؟ —— یہ گلٹ تمہیں آج ہی کیوں ستانے لگا؟" انابیہ نے اس سے جواز مانگا تھا۔

"اس لئے کہ تم اپنے بڑے پن کا یہ ہنر چھوڑنے کو قطعاً تیار ہی نہ تھیں۔ تمہیں عادت ہو چکی ہے انابیہ! خوامخواہ اپنی برتری ثابت کرتے رہنے کی۔ اپنا ہاتھ ہمیشہ اوپر رکھنے کی۔ تمہیں ہمیشہ دینے والا ہاتھ بننا پسند ہے اور دنیا تمہارے لئے بہت چھوٹی اور ادنیٰ ہے۔ تم صرف خود کو نوازنے والا ثابت کرنا چاہتی ہو اور ایسا ہی تم نے اب بھی کیا۔ تم نے عفنان علی خان کو پا کر مجھے لوٹانا چاہا۔ اسے ادا کرنا چاہا۔ یہ عظمت کا بہت بڑا ثبوت تھا تمہارا۔ مگر میں تم سے نفرت کرتی ہوں انابیہ! نفرت ہے تم سے۔ نفرت ہے مجھے تمہاری اس نوازنے کی عادت سے اور خوامخواہ بڑا بننے کی عادت سے۔ ٹھیک انابیہ! انسان بن کر جینا شروع کر دو۔ خدا نہیں ہو تم۔ اتنے بڑے مرتبے پہ بیٹھنے کی کوشش ترک کر دو۔ ورنہ تمہارے پاس کچھ نہیں رہے گا —— خالی ہاتھ رہ جاؤ گی تم۔" لامعہ حق آنسوؤں اور اسے کہہ رہی تھی اور وہ ساکت، دھندلائی سی آنکھوں کے ساتھ اپنی اس دوست کو دیکھ رہی تھی۔ [illegible] رہی تھی وہ اسے؟ کیا کرنا چاہتی تھی وہ اس کے لئے اور ——

"میں تمہیں صرف یہ سمجھانا چاہتی ہوں، میں نے ایسا کیا کیوں کہ میں خود غرض تھی۔ میری طرح اور بہت سے لوگ خود غرض ہوتے ہیں۔ تم خود غرض نہیں ہو، یہ غلط ہے۔ آئی ایم سوری انابیہ! اس کے مجھے پچھتاوا ہے —— تمہارے ساتھ میں نے جو بھی کیا اس نے کبھی مجھے چین سے رہنے نہیں دیا۔ لیکن میں اتنی بری بھی نہیں ہوں۔ مجھے صرف تمہاری اچھائی کے اس ڈھنڈورے نے برائی کرنے پر اکسایا۔ لیکن اس کے باوجود مجھے افسوس ہے۔" لامعہ حق ہاتھ کی پشت سے آنکھوں کو رگڑتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"کل تم مجھ پہ نیکی کرنے چلی تھیں، مجھے اپنا شوہر نواز کر —— آج میں ایک احسان تم پہ کرتی ہوں —— تمہارا وہی شوہر تمہیں واپس لوٹا کر —— رشتے کھیل یا کھلونے نہیں ہیں انابیہ! ان سے باہر کر دو۔ عظیم بننے کا یہ شوق بہت برا ہے۔ اگر میری جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو شاید وہ تمہارا دان کیا واپس نہیں کرتی۔ دوسروں سے شکوے شکایات کرنے سے بہتر ہے انابیہ! کہ تم اپنی غلطیاں سدھار لو۔ ضروری نہیں کہ ہر بار دوسرے ہی غلط ہوں۔ کبھی کبھی آپ بھی غلط ہو سکتی ہیں۔" وہ مڑی اور انابیہ کو اسی طرح ساکت چھوڑ کر باہر نکلتی چلی گئی۔

انابیہ دھندلائی آنکھوں سے اس خالی خالی منظر کو دیکھ رہی تھی۔

کیا ہاتھ آیا تھا اس کے —— ؟؟

کیا —— ؟؟؟

❋ ❋ ❋

میرب کا دل مائی سے بات کرنے کو بہت چاہ رہا تھا۔ اس نے نمبر ملایا تھا، بات کی تھی تب ہی ان کے بارے میں پتہ چلا تھا۔ وہ شرمندہ ہو کر ان کی طرف چلی آئی تھی

"مائی! آپ نے مجھے بتایا تک نہیں۔" اگرچہ شکوہ کرنے کا کوئی حق وہ نہیں رکھتی تھی مگر اتنے تھوڑے دنوں میں جو انسیت اسے رومیسا لغاری سے ہوئی تھی اس پر اس کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔

"کیسے بتاتی بچے! —— خدا کو جو منظور —— اور پھر اس کی موت کچھ اتنی غیر متوقع بھی نہیں تھی۔ ہم جانتے تھے کہ وہ زیادہ دنوں کی مہمان نہیں ہے۔ ڈاکٹروں نے تو تمہارے ہوتے ہی جواب دے دیا تھا۔" مائی اماں نے وضاحت سے بتایا تھا۔ وہ جیسے زمین میں گڑھ گئی تھی۔

"آئی ایم سوری مائی! ــــــ میں وہاں سے اچانک چلی آئی۔" شرمندگی سے بولتے ہو
نے مائی کو دیکھا تھا تب ہی عین سامنے سے سردار سبکتگین حیدر لغاری آتا دکھائی دیا تھا۔ وہ دانستہ
گئی تھی۔

"خیر ہے بچے! ــــــ جو ہونا تھا سو ہو گیا۔ کسی کے رکنے سے یا جانے سے رومیصا کو کیا
تھا۔ وہ بے چاری تو تھی ہی بدنصیب۔ ساری زندگی اس نے ایک عذاب میں مبتلا رہ کر گزار دی
صلہ ملا، نہ سکون ــــــ وہ خالی ہاتھ آئی تھی اور خالی ہاتھ ہی چلی گئی۔" مائی اماں پھر آبدیدہ ہو
اور آنکھوں سے آنسو تو اس کے بھی رواں تھے۔

"تم ذرا بیٹھو بچے! میں نماز پڑھ کے آتی ہوں۔" مائی کہتے ہوئے اٹھ گئی تھیں۔ میرب
بیٹھی تھی جب سردار سبکتگین حیدر لغاری چلتا ہوا اس کے قریب آن رکا تھا۔

میرب نے سر اٹھا کر بھیگی آنکھوں سے اسے خاموشی سے دیکھا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری
اگرچہ سپاٹ تھا مگر اس کی نظروں میں اسے اپنے لئے آج پہلی بار ناگواری کا تاثر صاف ابھرا دکھ
تھا جس کی وجہ وہ جانتی تھی۔ مائی نے خفگی کا اگرچہ اظہار نہیں کیا تھا مگر گین کی طبیعت سے وہ واقف

"آئی ایم سوری ــــــ رومیصا کے بارے میں سن کر ــــــ"

"وائے؟" اس سے قبل کہ اس کی بات مکمل ہوتی، سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کا جملہ کا
کہتے ہوئے خشمگیں نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

اتنی خفگی ــــــ؟

اتنی بے اعتنائی ــــــ؟

اتنا غصہ ــــــ؟

اس کا درشت انداز ــــــ اگرچہ وہ یہاں جھیلنے نہیں آئی تھی۔ مگر کسی قدر قصور اس کا تھا۔ وہ
اس کا قصوروار بھی تھی۔

رومیصا نے اسے رکنے کے لئے خود کہا تھا۔ خود درخواست کی تھی مگر وہ اس کے باوجود وہاں سے
آئی تھی۔

"میں مانتی ہوں غلطی میری تھی ــــــ مجھے وہاں سے اس طرح نہیں آنا چاہئے تھا مگر......"
وضاحت دے رہی تھی۔

"آپ یہ وضاحتیں کس لئے دے رہی ہیں؟ ــــــ کون تھی وہ آپ کی؟ ــــــ کچھ نہیں
رشتہ نہیں تھا اس کا آپ سے۔ اور آپ کو تو اس کی موت کا کوئی افسوس ہونا بھی نہیں چاہئے۔"
انتہائی سفاکی سے کہتا ہوا وہ پہلے سے بہت مختلف سردار سبکتگین حیدر لغاری لگا تھا

میرب سیال کے لئے حیرت کا باعث نہیں ہونا چاہئے تھا۔ رشتے جس نہج پر چل رہے تھے
سب کچھ ممکن تھا۔ کچھ بھی عجب نہ تھا۔ مگر اس کے باوجود وہ ساکت سی اسے بنا کچھ بولے تکتی آ
سے تکنے لگی تھی۔ اگر یہ لمحہ کوئی اور ہوتا تو شاید اس لمحے کی تقدیر کچھ مختلف ہوتی۔

شاید یہ ایک لمحہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے دل پر کئی بجلیاں لمحے کے ہزارویں حصے میں گرا چکا
مگر اس لمحے کی کہانی بہت مختلف تھی۔
تو ان بھیگی پلکوں کا کوئی اثر اس دل پر ہوا تھا نہ اس کی سمت سے کسی "عنایت" کی پیش قدمی ہوئی

"آپ کے یہ آنسو بہت بے کار ہیں میرب سیال! انہیں کسی اور وقت کے لئے سنبھال کر رکھئے۔
ہاں ان کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ سلگتے ہوئے لہجے میں کہہ رہا تھا۔
اتنی تلخی ــــــ اتنی بے اعتنائی ــــــ اس شخص کے لہجے میں تو کبھی نہیں تھی۔

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟ ــــــ کیا مطلب ہے آپ کا؟" وہ ہاتھ کی پشت سے آنکھیں رگڑتی
پُر اعتماد انداز سے اسے تکنے لگی تھی۔

"میرا خیال ہے کہ آپ بہتر طریقے سے سمجھ سکتی ہیں مس میرب سیال! بچی نہیں ہیں آپ کہ آپ کو
ہر ایک شے انگلی پکڑ کر سمجھائی جائے۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری کے پاس تیروں کی جیسے کمی نہیں تھی۔
"کیا سمجھانا چاہتے ہیں آپ مجھے؟" میرب سیال نے پُر اعتماد انداز میں کہتے ہوئے سر اٹھا کر
سردار سبکتگین حیدر لغاری کو دیکھا تھا۔ "کھل کر کہئے ــــــ کیا کہنا چاہتے ہیں آپ؟" وہ وضاحت
مانگتی ہوئی بولی تھی۔ مگر جواباً سردار سبکتگین حیدر لغاری کی نظروں نے اسے جس طرح دیکھا تھا وہ انداز
پہلے سے کہیں زیادہ سلگتا ہوا تھا۔

میرب اس شخص کے انداز پر حیران تھی۔ کچھ بھی رہا ہو، اس کا انداز ایسا کبھی نہیں رہا تھا۔

اتنا درشت۔

اتنا سرد۔

آنکھیں آگ برساتی ہوئی تھیں جیسے وہ اسے ایک پل میں جلا کر خاکستر کر دینا چاہتی ہوں۔ میرب
مائی سمت سے کچھ بولے جانے کی منتظر تھی۔ کوئی الزام تھا تو وہ سننا چاہتی تھی۔ کوئی طعنہ بھی تھا تو وہ
جاننا چاہتی تھی۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری خاموش تھا۔ کچھ نہیں بولا تھا اسے بس دیکھا تھا اور چلتا ہوا
اسا سے نکل گیا تھا۔

میرب سیال وہاں بیٹھی، ساکت سی اس جانب تکتی رہی تھی۔

صبح آفس جانے سے پہلے وہ اس کے کمرے میں آیا تھا۔

انابیہ جاگ رہی تھی۔ نگاہ اس پر پڑی تھی۔ مگر دوسرے ہی لمحے وہ نگاہ پھیر گئی تھی۔ نہ ہمت تھی نہ حوصلہ۔ کیا کیا نہ سوچ لیا تھا اس نے۔ کیا کچھ نہ کہہ دیا تھا، اور اب۔

''میں صرف یہ پوچھنے آیا تھا آپ نے ناشتہ کرلیا ہو تو دوا لے لیجئے۔'' عفنان علی خان نے کہا تھا اور اس کے لئے اس سے نظریں بچائے رکھنا ناگزیر ہوگیا تھا۔

مگر اس بار انداز میں کچھ مختلف نہ سہی، مگر آنکھوں میں موجود تاثر کچھ الگ ضرور تھا جو شاید پہلے کبھی نہیں تھا۔ وہ شرمندہ تھی۔ رنج زدہ تھی۔ رنجور تھی۔ کوئی بھید نہ کھل پایا تھا۔ بس وہ نگاہ اٹھی تھی اور اس شخص پر ساکت ہوگئی تھی۔

''کیا ہوا؟ ــــــ اینی پرابلم؟'' اس کے اس طرح یک ٹک دیکھنے پر عفنان علی خان نے دریافت کیا تھا۔ لہجے میں کوئی ہمدردی تھی نہ انسیت۔

مگر وہ جانے کیوں پھر بھی اس کی طرف دیکھتی رہی تھی۔

عفنان اس کی کیفیت سے یقیناً واقف نہیں تھا۔ تب ہی اسے کسی قدر تشویش سے دیکھا تھا۔

''یو اوکے؟''

انابیہ کی آنکھوں میں ایک لمحے میں پانی جمع ہوا تھا اور جانے کیوں فوراً ہی آنکھوں سے باہر بھی چھلک پڑا تھا۔ ضبط ہار گیا تھا یا وہ واقعی کمزور لمحہ تھا۔ یا پھر وہ اب اپنے آنسو اس سے چھپانا نہیں چاہتی تھی۔ رخسار بھیگتے چلے گئے تھے۔

عفنان نے اسے صرف خاموشی سے دیکھا تھا۔ کوئی سبب دریافت نہیں کیا تھا۔

''میں رشیدہ کو بھجواتا ہوں ــــــ وہ آپ کو ناشتہ بھی کرا دے گی اور دوا بھی یاد سے دے دے گی۔''

دوسری طرف اس کے لئے جیسے سب کچھ بہت سرسری تھا۔ وہ ڈھنگ سے نوٹس تک نہ لے رہا تھا۔ جیسے اس رشتے کی وقعت اس کے لئے واقعی ختم ہوگئی تھی۔ جیسے وہ تعلق اس کے لئے اب کوئی معنی نہ رکھتا تھا۔ جیسے وہ اب اس کی کچھ نہیں رہی تھی۔

وہ عجلت سے کہہ کر پلٹنے لگا تھا جب وہ بول پڑی تھی۔

''عفنان ــــــ'' گلے میں آنسوؤں کا پھندا سا اٹک گیا تھا۔ بولنا چاہا تھا مگر وہ بے بسی کے انداز میں

...پھیر گئی تھی۔ عفنان نے اس کی کیفیت کو چپ چاپ دیکھا تھا۔

وہ رنجیدہ تھی۔

مگر اسے پرواہ تک نہ تھی۔ انابیہ نے خود اپنا حوصلہ آپ بندھاتے ہوئے ایک لمحے کو خود کو بولنے کے قابل بنایا تھا۔

''اس ــــــ اس کی ضرورت نہیں ہے ــــــ میں ٹھیک ہوں۔''

عفنان علی خان نے بنا کچھ کہے اسے خاموشی سے دیکھا تھا۔ نہ کوئی تفصیل طلب کی تھی نہ ہی کوئی وضاحت چاہی تھی۔ جیسے اسے ان آنسوؤں کے اسباب جاننے کی سرے سے کوئی فکر ہی نہ تھی۔ وہ مڑا تھا اور چلتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔

انابیہ شاہ چہرہ پھیرے بھیگے چہرے کے ساتھ، خالی خالی آنکھوں سے خالی خالی منظر کو دیکھتی رہ گئی تھی۔

❊ ❊ ❊

''کیا ہوا؟ ــــــ کیا سوچ رہے ہو تم؟'' اذہان کو کسی قدر خاموش دیکھ کر ساہیہ نے دریافت کیا تھا۔ وہ چونکا تھا۔ پھر مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''نہیں ــــــ کچھ نہیں۔''

''رئیلی؟'' ساہیہ نے بہت سرسری انداز میں مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

''ہوں ــــــ'' اذہان نے کافی کا سپ لیتے ہوئے سر اثبات میں ہلایا تھا۔ ساہیہ کچھ کہے بغیر اس کی جانب سے نگاہ ہٹا گئی اور اذہان مسکرا دیا تھا۔

''تمہیں کیا لگا، میں کیا سوچ رہا ہوں؟'' انداز میں کسی قدر شگفتگی تھی۔ ساہیہ نے اسے بھرپور اعتماد سے دیکھا تھا اور مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

''مجھے ــــــ!'' انداز اعتماد سے بھرپور تھا۔ اذہان مسکرا دیا تھا۔

''ٹھہرو ــــــ میں آنے والی زندگی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ میں اپنا ہنی مون پلان کر رہا تھا۔''

اذہان اسے مطمئن کرنا چاہ رہا تھا۔ اس کے لبوں پر مسکراہٹ لانا چاہ رہا تھا۔ مگر جانے کیوں وہ مسکرا نہیں پائی تھی۔

''اچھا ــــــ؟'' وہ جیسے یقین کرنا چاہ رہی تھی۔

''بائے دی وے، ہم شادی کب کر رہے ہیں؟'' اس کے خاموش رہنے پر ایک عجیب طنز سے وہ مسکرائی۔ مگر وہ دوسرے ہی پل مسکرا دیا تھا۔

''تم جب کہو ــــــ ابھی ــــــ؟'' وہ شرارت کے موڈ میں دکھائی دیا تھا۔

''کم آن اذہان!'' وہ مسکراتے ہوئے کسی قدر اکتائے ہوئے انداز میں چہرہ پھیر گئی جیسے اس کے کہے پر ایک فیصد بھی اعتبار نہ ہو۔

''کیا تمہیں مجھ پر یقین نہیں؟'' اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے اذہان نے دریافت کیا تھا۔ وہ الجھے الجھے ہوئے سے انداز میں جیسے زبردستی مسکرائی تھی۔

"ہے۔۔۔۔۔!" اس نے بلا تامل کہا تھا۔

"پھر۔۔۔۔۔؟" اذہان نے استفسار کیا تھا۔

"کچھ نہیں۔" وہ ٹالتے ہوئے مسکرا دی تھی۔ "کچھ نہیں۔۔۔۔۔ تم کچھ بتا رہے تھے۔" وہ جیسے اس موضوع سے ہٹنا چاہتی تھی۔

اذہان نے اسے بغور دیکھا۔ وہ مسکرا دی تھی۔

"کیا سوچ رہی ہو تم؟"

"کچھ نہیں۔ صرف یہ کہ اعتبار کرنا شاید اتنا آسان نہیں۔"

"اعتبار کرنا آسان ہے۔ مگر اس کے بعد کی جو کیفیت ہوتی ہے وہ آسان نہیں۔ ڈر لگتا ہے۔ لحظہ لحظہ خوف میں بسر ہونے لگتا ہے۔"

"کیوں۔۔۔۔۔؟" اذہان نے دھیمے لہجے میں دریافت کرتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ "جب اعتبار ہو تو پھر ڈر کیسا؟"

"پتہ نہیں۔"

"کیا لمحہ لمحہ تجدید وفا کرنا ضروری ہے؟" اذہان نے مدھم لہجے میں وضاحت چاہی تھی۔

"ہاں۔" ساہیہ نے بلا تامل کہا تھا۔ "کیا تم سمجھتے ہو کہ ایسا ضروری نہیں؟"

"نہیں۔۔۔۔۔ میرے خیال میں یہ سب بہت ضروری ہے۔ سو میں بھی یہی چاہوں گا۔۔۔۔۔ بار بار ہر بار یہی کہنا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔۔۔۔۔ قریب ہوں۔۔۔۔۔ سویٹ ہارٹ سوئٹ سی۔" اذہان نے مدھم لے میں اسے یقین دلایا تو وہ مسکرا دی۔

"میں جانتی ہوں۔" وہ مسکرائی تھی مگر انداز بہت پھیکا تھا۔ "تم میرب کی طرف گئے۔۔۔۔۔ کیا ہوا؟" اس نے یک دم ہی موضوع بدل دیا تھا۔

"کیا مطلب، کیا ہوا؟" وہ چونکا تھا۔

"وہ ٹھیک ہے نا؟" ساہیہ نے مسکراتے ہوئے وضاحت دی تھی۔ "تم ہی تو بتا رہے تھے وہ پریشان تھی۔"

"ہاں۔۔۔۔۔ نہیں، میں اس کی طرف نہیں گیا۔ فون پر بھی بات نہیں ہوئی۔ کچھ مصروفیت زیادہ رہی دھیان ہی نہیں رہا۔۔۔۔۔ چلو میں تمہیں چھوڑ دوں۔"

"نہیں، اس کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔۔۔ میں چلی جاؤں گی۔" وہ مروت سے مسکرائی تھی۔ اٹھنے کی کوشش کی تھی جب اذہان نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔

ایک انوکھے سے احساس نے جیسے اسے چھوا تھا۔ نگاہ اٹھا کر اس شخص کی طرف دیکھا تھا۔ اس کے چہرے یا آنکھوں میں کوئی خاص آہنگ نہ تھا۔

"میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔۔۔۔۔ اعتبار کرنا سیکھ لو ساہیہ! میں دل توڑنے کا عادی نہیں۔" کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

پیا اس کی طرف دیکھ کر رہ گئی تھی۔

❁❁❁

گاڑی کے ساکت ماحول میں سردار سبکتگین حیدر لغاری خاموشی سے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ گی اس کے برابر بیٹھی تھی۔ مگر اس میں اس سے پوچھنے کی ہمت نہ تھی۔ وہ اپ سیٹ تھا۔ یہ وہ جانتی تھی۔ کیوں تھا، یا کس کے باعث تھا، یہ بات بھی اس کے علم میں نہیں تھی۔

"سبکتگین۔۔۔۔۔!" وہ اسے پکارنا نہیں چاہتی تھی۔ لیکن باز نہیں رہ سکی تھی۔

"ہاں۔۔۔۔۔!" وہ ایک لمحے میں چونکا تھا۔

"مجھے میرب سے ملنا ہے۔ تم اس کی طرف گاڑی لے جا سکتے ہو؟"

"کیا؟" وہ اس کے سوال پر چونکا تھا۔

"ہاں۔۔۔۔۔ مجھے میرب سے ملنا ہے۔" وہ اسی قدر اطمینان سے گویا ہوئی تھی۔

"کیوں؟۔۔۔۔۔ کس لیے؟" استفسار کیا تھا۔ لہجہ بے تاثر تھا۔ گی نے اسے تشویش سے دیکھا تھا۔

"کیا مطلب؟ ملنا ہے مجھے اس سے۔ کیا میں اس سے نہیں مل سکتی؟" الٹا سوال کر دیا تھا۔ گین کوئی جواب دیئے بغیر ونڈ اسکرین سے اس پار دیکھنے لگا تھا۔

"گی!۔۔۔۔۔ مجھے تمہارا بہت خیال ہے۔ بہت پرواہ کرتا ہوں میں تمہاری۔ پلیز مجھے ایسا کرنے کو مجبور مت کرو جو میں تمہارے لئے نہ کرنا چاہوں یا نہ کر سکوں۔" اس کی طرف دیکھے بغیر سردار سبکتگین حیدر لغاری کا لہجہ اتنا قطعی تھا کہ گی اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

"اتنے بے حس مت بنو گین! وہ تمہاری اپنی ہے۔ وہ تمہاری بیوی ہے۔" گی نے اسے اس کی لاپرواہی کا احساس دلانا چاہا تھا۔

"ہاں، جانتا ہوں میں گی!۔۔۔۔۔ مجھے ری مائنڈ کروانے کی ضرورت نہیں۔ مجھے اچھی طرح پتہ ہے کن رشتوں میں بندھا ہوں اور کس کس بات کا پابند ہوں۔"

"اگر تم پابند ہو گین! تو پھر اس طرح کیوں کر رہے ہو؟" گی نے بے یقینی سے کہا تھا۔

"کیا کر رہا ہوں میں؟" ایک طنزیہ مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیل گئی تھی۔

گی جواباً کچھ نہیں بولی تھی۔ وہ اس کی کیفیت کو کس قدر سمجھ رہی تھی۔ فوری طور پر وہ کچھ بھی بول کر اسے مزید اپ سیٹ کرنا نہیں چاہتی تھی۔

میرب اس کی دوست تھی۔

عزیز تر تھی۔

وہ اپنا چہرہ کھڑکی کی طرف کئے چپ چاپ بیٹھی تھی جب گین اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

"گی! مجھے رشتوں کو بنانا بھی آتا ہے اور انہیں نباہنا بھی۔ میں اپنے رشتوں کے لئے بے خبر رہ سکتا ہوں نہ بے پرواہ۔"

"سمجھتی ہوں، جانتی ہوں گین!۔۔۔۔۔ تم ایسے نہیں ہو۔ مگر پلیز رشتوں کو سمجھنا بھی سیکھو۔ یہ ایسی ڈور ہے جو

کھینچو تو ٹوٹ جاتی ہے۔ خود کو نہیں، اپنے دل کے معاملات سنوارنے کا موقع دو۔ تمہارا دل کبھی کم نہیں کہے گا۔ دل کے معاملات دل پر چھوڑ دو۔ عقل کو اپنے کام کرنے دو اور دل کو اپنے۔"

"گیبن! دل کو اپنا پابند بنانا چھوڑ دو۔"

"نہیں چھوڑ سکتا گی! ــــــ بہت من مانی کرتا ہے یہ۔ ماننے گا نہیں۔" وہ اس کی طرف دیکھ بہت الجھے ہوئے انداز میں بولا تھا۔

گی اس کے چہرے کو پڑھنے کے جتن میں چہرہ پھیر گئی تھی۔ اس کی پیشانی کی رگیں تنی ہوئی تھیں آنکھیں بالکل بے تاثر تھیں۔ مگر وہ جانتی تھی اس وقت اس کا ذہن بہت الجھا ہوا تھا۔

گاڑی ایک نامعلوم جگہ پر رکی تھی۔ گی نے اسے چونک کر دیکھا تھا۔ تب ہی وہ اس کی طرف بغیر دیکھے لہجے میں بولا۔

"تم میرب سے مل لو ــــــ میں کچھ دیر بعد واپس آ کر تمہیں یہاں سے پک کر لوں گا۔"

تو اس نے گاڑی کو میرب کے گھر کے سامنے روکا تھا؟ ــــــ وہ خود اتنا سپاٹ اور بے تاثر دے رہا تھا کہ جیسے کوئی واسطہ ہی نہ ہو۔ جیسے اس سے اس کا کوئی تعلق ہی نہ ہو۔ وہ اتنا بے تاثر کیوں رہا تھا؟

جہاں تک وہ جانتی تھی، سردار سبکتگین حیدر لغاری محبت میں مبتلا ہو چکا تھا۔ تو پھر اب یہ اتنی بے اچانک کہاں سے آ گئی تھی؟ ــــــ گی بالکل بھی نہیں سمجھ پائی تھی۔ مگر اس نے بنا کوئی آر گومنٹ کے لئے اپنی طرف کا دروازہ کھول دیا تھا۔

"تم اندر نہیں آؤ گے؟"

"نہیں ــــــ مگر تمہیں واپس لینے ضرور آؤں گا۔" بے تاثر لہجہ سرد ترین تھا۔ وہ سر ہلاتی ہوئی سے نکل گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری گاڑی زن سے آگے بڑھا لے گیا تھا۔

ایسا اچانک کیا ہوا تھا؟

گی بالکل سمجھ نہ پائی تھی۔

❋❋❋

"اذہان! ساہیہ بتا رہی تھی تم ہنی مون کے لئے جگہ کا انتخاب کر رہے ہو۔ تو کیا تم شادی کر رہے؟" فارحہ کے ساتھ بیٹھی اگینے نے دریافت کیا تو اس نے نیوز پیپر سے نظریں ہٹائے بغیر جواب دیا۔

"آف کورس ــــــ شادی تو ہمیں کرنا ہی ہے۔"

"کب؟ ــــــ تم نے مجھے بھی نہیں بتایا؟" فارحہ نے بھی حیرت کا اظہار کیا تھا۔ وہ پاپا سے کہنے لگا۔

"ماما! مجھے چائے مل سکتی ہے؟"

"جی بھائی۔" وہ فوراً اٹھی تھی۔

"ذرا جلدی ــــــ سر میں تھوڑا درد ہے۔"

سر میں درد ہے تو ڈاکٹر کو فون کرو۔ یہ تم آج کل کے بچے بھی نا ــــــ چھٹی کا ایک دن ہے، بھی آرام کرتے ہوئے نہیں گزار سکتے۔ کیا ضرورت تھی رات گئے تک باہر رہنے کی۔" فارحہ نے تھا۔

بھابی! کرنے دیں انجوائے۔ شادی کے بعد تو ساری کسر نکل جاتی ہے۔ بندہ کسی اور طرف لائق بھی نہیں رہتا۔ کیوں اذہان! ٹھیک کہہ رہی ہوں نا میں؟" اگینے نے مسکراتے ہوئے اسے تھا۔

جی اگینے! ــــــ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ ــــــ میں واقعی آنے والے خطرات سے پہلے ہی اقدامات کر رہا ہوں۔" وہ مسکراتے ہوئے گویا ہوا تھا۔ آنکھوں کے پپوٹے کچھ بھاری سے تھے۔ وہ کی طرف رکھ کر ہاتھ سے کنپٹی کو دبانے لگا تھا۔ ماہا چائے لے کر آ گئی تھی۔

شاباش گڑیا! ــــــ جب تم بیاہ کر اپنی سسرال چلی جاؤ گی تو میں سب سے زیادہ تمہاری اس کو مس کروں گا۔ بہنیں دنیا کی وہ واحد مخلوق ہوتی ہیں جو بھائی کی آواز پر سب سے پہلے اور بہت جلد تی ہیں۔" وہ مسکرایا تھا۔

مسکرائی تھی۔ چہرے پر کچھ رنگ بکھر گئے تھے۔

لیکن بہن چھوڑ کر جا رہی ہیں آپ کو۔" محبت سے کہتے ہوئے بھائی کے سر کو دبانا شروع کر دیا تھا۔

رہنے نہیں ــــــ اس کی ضرورت نہیں۔ تم رہنے دو۔ تمہارے ہاتھ کی چائے میں ہی اتنا جادو ہے ہی میں سارا درد رفع کر دے گی۔" بہت محبت سے بہن کو منع کیا تھا۔ ماہا اس کے کہنے کے باوجود رہی تھی۔

بہنیں کتنی اچھی ہوتی ہیں، اس کا احساس تمہیں ماہا کے چلے جانے کے بعد ہو گا۔" اگینے نے ہوئے کہا تھا۔

نا ــــــ مگر یہ جائے گی تو میں اس کی بھابی لے آؤں گا۔ بس یہ جلدی سے اپنے گھر کی ہو مسکراتے ہوئے بہن کو چھیڑا تھا۔

ے، آپ مجھے نکال کر بھابی کو لائیں گے؟"

ہاں ــــــ ورنہ تم اپنی بھابی سے جھگڑا جو کرو گی۔"

ے واہ ــــــ ابھی سے اپنی دلہن کا اتنا خیال ہے اور میری معصوم بچی۔" فارحہ نے محبت سے وہ مسکرا دیا۔

کی بات ہے اذہان! ــــــ بہن کتنی اچھی ہوتی ہے، اس کا احساس تمہیں اس کی شادی کے بعد ہو نے بھی مسکراتے ہوئے ڈپٹا تھا۔

ے واہ۔ کوئی ساہیہ کی سائیڈ لینے کو تیار ہی نہیں۔ اگر میں اسے ڈیفنڈ نہیں کروں گا تو کون کرے اس کے انداز میں شرارت تھی جسے محسوس کرتے ہوئے سب ہی مسکرا دیے تھے۔

بتاؤ، شادی کب کر رہے ہو؟ ــــــ کیا واقعی تم تیار ہو؟" اگینے نے پوچھا تھا۔

''ہاں ـــــ تیار ہوں۔ مگر کچھ کام نمٹانے کے بعد۔''

''ارے، میں تو خوش ہو رہی تھی۔ ایک اچھی خبر ہاتھ لگی تھی اور تم انکاری بھی ہو گئے۔'' فارحہ نے تشویش سے بیٹے کو دیکھا تھا۔

''میں مکر نہیں رہا ممی! ـــــ یہیں ہوں۔ اگر میں نے منگنی کی ہے تو شادی بھی کروں گا۔ اس رشتے کو میں نے خود بنایا ہے۔ کیسے توڑ سکتا ہوں؟''

''ہم جانتے ہیں اذہان! تم کبھی کوئی کام غلط کر ہی نہیں سکتے۔ سامیہ خوش قسمت ہے کہ اسے تم جیسا سمجھدار لڑکا ملا ہے۔'' اکیتے بولی تھی۔ اور وہ ایک کرسی سے مسکرا دیا تھا۔ تب ہی اس کا سیل فون بج اٹھا۔ ایک جانے پہچانے نمبر کو دیکھ کر وہ قصداً وہاں سے اٹھ گیا تھا۔

''ایکسکیوزمی۔'' وہ چلتا ہوا باہر آ گیا تھا۔

کوئی گناہ نہیں کر رہا تھا وہ۔ مگر جانے کیوں اندر ایک عجیب سا احساس ابھرا تھا۔

''ہیلو میرب! ـــــ کیسی ہو تم؟''

''میں ٹھیک ہوں۔ تم کیسے ہو؟ پلٹ کر خبر ہی نہیں لی۔'' میرب نے شکوہ کیا تھا۔ وہ فوری طور پر کچھ کہہ سکا تھا۔ دل عجیب سا کھنچ رہا تھا۔ اضطرابیت کچھ بڑھ رہی تھی۔

آ قریب آ
تجھے دیکھ لوں
تجھے جان لوں ـــــ تجھے باندھ لوں
اِک ان دیکھی سی ڈور سے
آ قریب آ
میرے دل کا خالی کمرہ
ہے ایک دیے کا منتظر
تُو قریب آ
تجھے چھو لوں میں
میری تمازتوں کو سکون ملے
آ قریب آ
اِک دیا جلا
میرے ویرانے ہیں منتظر
میرے دل کے کونے یہاں وہاں
ہیں تیرے قدموں کے منتظر
میرے زاویے، میرے حاشیے
ہیں تیری ایک نگاہ کے منتظر

میرے راستوں کو باندھ لے
مجھے اپنے سنگ لے کر چل
میں تیرا ٹھہرا وقت ہوں
میں تیرا آگیا وقت ہوں
آ قریب آ
مجھے اپنی مٹھی میں تھام لے
تُو نظر ملا
میری روح کو تن سے کھینچ لے
میری نگاہ کو خود سے باندھ لے
میری اضطرابیوں کو قرار دے
مجھے اک نئی بہار دے
میری جلتی بجھتی خواہشوں کو
اپنے لمس سے زندہ کر
آ چھو لے مجھے
پھر اک بار مجھے زندہ کر
میں تیرا ٹھہرا وقت ہوں
میرے ساتھ رہ
میرے ساتھ چل
آ قریب آ

''اذہان ـــــ!'' وہ کھویا کھویا سا کھڑا تھا جب میرب نے اسے پکارا تھا۔ اس کی ساکت نظروں میں حرکت ہوئی تھی۔ جامد لبوں میں جنبش ہوئی تھی۔ وہ ایک لمحے میں خود سے ہاتھ چھڑا کر باہر کی دنیا میں آیا تھا۔

''ہاں ـــــ میں یہاں ہوں۔ کیا کہہ رہی تھیں تم؟''

''میں کچھ نہیں کہہ رہی تھی ـــــ تم ہی چپ تھے۔'' وہ دوسری طرف مدھم لہجے میں بولی تھی۔

''ہاں ـــــ شاید ہم دونوں ہی چپ تھے۔'' اذہان کا لہجہ کھویا کھویا تھا۔

''ہاں شاید ـــــ!'' میرب نے بھی اسی کا کہا دہرایا تھا۔

''باہر بارش ہو رہی ہے۔'' میرب نے قدرے توقف سے اطلاع دی تھی۔

''ہاں ـــــ یہاں بھی۔'' اذہان نے تائید کی۔

''فارحہ آنٹی کیسی ہیں؟''

''ٹھیک ہیں ـــــ سب مس کر رہے ہیں تمہیں۔ ایک عرصے سے چکر نہیں لگایا تم نے۔'' دونوں کے پاس بات کرنے کو جیسے کوئی موضوع نہ تھا۔

"ہاں، ٹھیک کہہ رہے ہو تم۔" وہ بھی مروت سے اس کی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے مسکرائی تھی۔

"آج آ جاؤ ـــــ ممی بھی تمہیں پوچھ رہی تھیں۔"

"تم نے بتایا تھا انہیں؟" وہ چونکی تھی۔

"نہیں، سب کچھ نہیں۔ صرف یہ کہ تم ملی ہو۔"

"رائٹ ـــــ پلیز، انہیں کچھ مت بتانا اذہان! ـــــ میں جانتی ہوں انہیں دکھ ہوگا۔ وہ مجھ سے بہت پیار کرتی ہیں۔"

"ایک بات پوچھوں؟" اذہان نے مدھم لہجے میں دریافت کیا تھا۔

"کیا؟" وہ دوسری جانب چونکی تھی۔

"تمہیں لگا کہ میں تم سے محبت نہیں کرتا؟" ایک مدھم سرگوشی ہوئی تھی۔

"کیا ـــــ؟" وہ بھونچکی رہ گئی تھی۔

"کچھ نہیں ـــــ تھنگ ـــــ میں صرف یہ کہنا چاہتا تھا کہ ہم اپنا درد جن سے بانٹتے ہیں۔ جس سے ہم سب سے زیادہ قریب ہوتے ہیں۔" اذہان نے بات کو بہت آہستگی سے سنبھالا تھا۔

وہ دوسری جانب کچھ نہیں بولی تھی۔

وقت ان کے درمیان بہت خاموشی سے ایک کہانی لکھ رہا تھا۔

پہر ساکت تھے۔

"اذہان! میں چکر لگاؤں گی وقت نکال کر۔ تم فارحہ آنٹی کو میرا سلام کہنا۔ اور سانیہ کیسی ہے؟"

ایک لمحے میں اسے جتاتے ہوئے اس کو موجودہ وقت میں کھینچ لائی تھی۔

"شیور۔ آل رائٹ۔ میں تمہیں پھر کال کروں گا۔"

"بائے اذہان!" دوسری طرف آواز کا سلسلہ منقطع ہوا تھا اور اس طرف الجھنیں کچھ اور بڑھ گئی تھیں۔

آ قریب آ
تجھے دیکھ لوں
تجھے اپنے دل میں رکھ لوں
آ قریب آ

کیسی کیسی خواہشیں اندر سر ابھار رہی تھیں۔

وہ متواتر خود کو جھٹک رہا تھا۔ باور کرا رہا تھا۔

مگر دل جیسے ضدی بچہ بن گیا تھا۔

❁❁❁

"کل وہ جو لڑکی آئی تھی، وہ کیا لگتی ہے سبکتگین کی؟" کھانے کی ٹیبل پر مظہر سیال نے دریافت کیا تھا۔

میرب سیال چونک پڑی تھی۔

"وہ ـــــ پاپا! ـــــ وہ گی ثریا بیگ ہے۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی دوست۔"

"یہ دوست ہے جو اس کے ساتھ رہ رہی ہے؟"

"جی پاپا!" وہ سر جھکا کر مجرم انداز میں ایسے کہہ رہی تھی جیسے سارا قصور اس کا ہو۔

"وہ یہاں کیوں آئی تھی؟"

"ارے آپ بھی بات کا بتنگڑ بنا لیتے ہیں۔ کیا حرج ہے اگر وہ یہاں آ گئی۔" زوباریہ مداخلت کرتی ہوئی بولی تھی۔

"زوباریہ ٹھیک کہہ رہی ہیں پاپا! آپ کو خود کو ریلیکس رکھنا ہے۔ یوں بھی وہ یہاں صرف مجھ سے ملنے آئی تھی۔ اور میری خیریت دریافت کرنے۔" میرب نے مدھم انداز میں کہا تھا اور کھانے کا چمچ پلیٹ میں رکھ دیا تھا۔

"ایکسکیوز می۔" وہ بولی تھی اور اٹھ کر چلتی ہوئی وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی۔

زوباریہ اور مظہر سیال ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہ گئے تھے۔

❁❁❁

بارش کی بوندوں کو اس نے چپ چاپ ہاتھ پر لیا تھا۔ سارا اندر جیسے جل رہا تھا۔ مگر ان بوندوں کے لمس نے اس احساس کو کچھ اور بھی سوا کر دیا تھا۔

وہ کھڑکی میں چند منٹوں تک یوں ہی ساکت سی کھڑی رہی تھی۔ پھر زوباریہ کی طرف دیکھتی ہوئی بولی تھی۔

"زوباریہ! میں ذرا باہر جا رہی ہوں۔ پاپا سے کہنا پریشان نہ ہوں۔"

"ہاں، ٹھیک ہے ـــــ مگر ذرا جلدی واپس آ جانا ـــــ موسم اچھا نہیں ہے۔ جانے کب یہ بوندا باندی تیز بارش کی صورت اختیار کر لے۔" زوباریہ نے نصیحت کی تھی۔ وہ سر ہلاتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔

عجب اضطراب اس کے اندر سر ابھار رہے تھے۔ مگر وہ کچھ سوچنا نہیں چاہتی ہے۔

سر کو جھٹک کر جیسے تمام سوچوں سے الگ ہوئی وہ چل پڑی تھی۔

اس طرح بوندوں میں بھیگتے ہوئے چلنا اچھا لگ رہا تھا۔

"مکمل کر دو ـــــ"

ایک مدھم سرگوشی ـــــ اچانک اس کے اندر کے سناٹوں میں ابھری تھی۔ میرب سیال کی دھڑکنوں کا ایک پل میں انتشار برپا ہوا تھا۔ اردگرد لوگ تھے ـــــ راستہ ویران نہ تھا۔ کئی اور لوگ بھی واک کر رہے تھے ـــــ موسم سے لطف اٹھا رہے تھے۔ بارش تیز ہو گئی تھی۔ بوندیں تیزی سے برسنے لگی تھیں مگر وہ اپنے آپ میں گم صم سی تیز تیز قدموں سے چلتی چلی گئی تھی۔ جیسے وہ اپنے آپ سے بھاگ رہی ہو۔

"محبت کرنے لگی ہو مجھ سے؟"

اس کے اندر کے سناٹے میں ایک اور سرگوشی ابھری تھی۔ اس نے تیزی سے قدم اٹھائے۔ تب ہی اس طرح کسی سے ٹکرا گئی تھی۔

"مکمل کر دو ـــــ" ایک بازگشت سنی تھی اس نے اس کے اندر۔

ایک مانوس جانی پہچانی خوشبو نے اسے چھوا تھا۔
ایک مانوس لمس کی تپش اسے ایک پل میں بیدار کر گئی تھی۔
اس نے معا سر اٹھا کر دیکھا تھا۔
"مکمل کر دو۔" ایک سرگوشی اندر ہی اندر کہیں من مانی کر رہی تھی۔ اس نے دیکھا تھا اور اسے اپنی آنکھوں پر حیرت کا گمان گزرا تھا۔
وہ جن آہٹوں کو سننا نہیں چاہتی تھی ——— جن آوازوں سے بھاگ رہی تھی ——— جن سرگوشیوں سے بچنے کے لیے سرپٹ دوڑ رہی تھی ——— اس گھڑی وہی اس کے سامنے تھا۔
برستی تیز بارش میں سر اٹھا کر اس نے دھندلے منظر میں اس چہرے کو دیکھا تھا۔ وہ اس لمحے اس کی گرفت میں تھی۔ اس کا حصار اس کے گرد تنا تھا۔ وہ اس لمحے جیسے ایک مضبوط آہنی پناہ میں تھی۔
اس عجیب سے احساس نے اس کے اندر سر اُبھارا تھا۔
سردار سبکتگین حیدر لغاری خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ آنکھوں میں کوئی خاص تاثر نہ تھا۔ بہت آہستگی سے اس کے گرد سے اپنا حصار ہٹا کر آزاد کر دیا تھا۔
"صاحب! گاڑی میں کوئی بڑا فالٹ لگتا ہے۔ آپ کہیں تو ورکشاپ پہنچا کر آپ کے لیے کیب کا بندوبست کر دوں؟" ڈرائیور نے بونٹ پر سے سر اٹھا کر سردار سبکتگین حیدر لغاری کی طرف دیکھا تھا۔
سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ڈرائیور کو ہدایت دے کر ایک لمحے میں اس کا ہاتھ تھاما تھا اور اسے لے کر چلتا ہوا املتاس کے گھنے پیڑ تلے آن کھڑا ہوا تھا۔ وہ ایک میکانکی انداز میں اس کے ساتھ چلتی ہوئی یہاں تک آئی تھی۔
گھنے پیڑ کی چھتری تلے کھڑی وہ اسے عجب گم صم سی دیکھ رہی تھی۔
سردار سبکتگین حیدر لغاری نے چپکے سے اس کی طرف دیکھنا چاہا تھا مگر کچھ دیکھے بغیر دھیان پھیر گیا تھا۔
کیسی قربت تھی۔
کیسی دوری تھی۔
اُلجھی اُلجھی سی۔
تھوڑی ان کہی۔

میں محبت ہوں
ایک میٹھی سرگوشی ہوں
سنو مجھے
دل کی لے پر گنگنا دو مجھے
گیت کوئی سمجھ کر گا لو مجھے
میں محبت ہوں

سارا منظر دھند میں لپٹا ہوا تھا۔ بارش کی بوچھاڑ انہیں بھگو رہی تھی۔ سارا منظر بارش میں لپٹا ہوا تھا

...
...ظر بھیگ رہا تھا۔ مگر وہ ایک دوجے کے قریب کھڑے ایک دوسرے سے کوسوں دور تھے۔
...درمیان میں کچھ تھا کہ نہیں۔
...نظروں میں اتنی دھند تھی کہ کچھ ڈھنگ سے دکھائی تک نہ دے رہا تھا۔
...دل سے دل کچھ کہہ رہا تھا تو سنائی نہیں دے رہا تھا۔
...بت درمیان تو ہے مگر اس کے کچھ بولنے میں دو چپ کے بھید کھولنے میں، ابھی کچھ دن لگیں گے۔
"...بی ——— مائی کیسی ہیں؟" میرب سیال نے اس خاموشی کو بالآخر توڑا تھا۔
سردار سبکتگین حیدر لغاری نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔ اس پر نگاہ ڈالے بغیر۔ جیسے وہ خوفزدہ تھا۔ اس ...یا اسے لگا تو ہار جائے گا۔
"ان کی بہت یاد آ رہی تھی۔" وہ مدھم لہجے میں بولی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کوئی جواب نہیں ...تا۔ نہ ہی اس کی طرف دیکھا تھا۔ جیسے وہ کسی طرح کی مروت نبھانے پر بھی مائل نہ تھا۔
...اس کے سرد رویے پر جانے کیوں میرب سیال کے اندر ایک عجیب سے احساس نے سر اُبھارا تھا۔
...لہیں نمی سے بھر گئی تھیں۔ وہ اس کی جانب دیکھتے ہوئے یک دم پلٹی تھی۔ ارادہ وہاں سے نکل جانے ...تا۔
جب وہ قریب تھا ——— اور اس کے باوجود صدیوں کے فاصلے پر رکا تھا۔ تو پھر کیا جواز باقی بچتا تھا ...ہاں اس کی گھنی چھتری تلے وہ اس کے ساتھ کھڑے رہنے کا؟ ——— وہ اس سے دور نکل جانے کے ...لیے پلٹی تھی مگر تب ہی سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی نازک کلائی کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔
...وہ بے خبر دکھائی دے رہا تھا۔ وہ اتنا تھا نہیں۔
...اس بے دھیانی میں بھی اس کے سارے دھیان از بر کیوں تھے۔
...وہ سمجھ نہیں پائی تھی۔ اُلجھن سے پلٹ کر اسے دیکھا تھا۔ نظر سے نظر ملی تھی۔ وہ کچھ سمجھ نہیں پائی تھی۔ ...اُن کی نگاہ میں اس گھڑی کیا تھا؟ ——— کچھ تھا بھی کہ نہیں۔ اس کی کلائی پر اس کی گرفت بدستور ...تھی۔
"میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔" وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا تھا۔
میرب سیال نے اس کی گرفت میں موجود اپنی کلائی کو دیکھا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بھی اس ...نظروں کا تعاقب کیا تھا۔ اور پھر یک دم ہی اس کی کلائی کو اپنے ہاتھ کی گرفت سے آزاد کر دیا تھا۔
اس ایک لمحے میں باقی کچھ نہیں رہا تھا۔ صرف ایک جلتا بجھتا احساس باقی رہ گیا تھا۔ صرف ایک جلتا ...اس۔ جسے وہ دیکھ بھی سکتی تھی اور محسوس بھی کر سکتی تھی۔
"ڈرائیور کیب لے کر آ رہا ہے۔ موسم اچھا نہیں ہے۔ آپ کا تنہا جانا مناسب نہیں۔" وہ اس کی جانب ...بنا بہت سرسری سے لہجے میں وضاحت دے رہا تھا۔ میرب سیال جواباً کچھ نہیں بولی تھی۔
"آپ ——— آپ زحمت نہ کریں۔ گھر یہاں سے کچھ زیادہ دور........" اس نے سردار سبکتگین لغاری کے اقدام پر جواباً وضاحت کی تو سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے بہت سرد نظروں سے

دیکھا تھا۔

"مجھے زحمت نہیں ہوگی۔" انداز اتنا قطعی تھا کہ وہ اس کے بعد مزید کچھ کہہ ہی نہیں سکی تھی۔

دھند میں لپٹے وہ لمحے دلکش ترین تھے۔

وہ ان مناظر میں اس کی ذات کا حصہ ہوتے ہوئے بھی اس کی کچھ نہیں تھی۔ ایک احساس اندر ہی اندر کچوکے لگانے لگا تھا۔

"مکمل کر دو۔۔۔۔" ایک مدھم سرگوشی اندر کہیں سر پٹخنے لگی تھی۔ اس کی آنکھوں سے جانے کیوں جھر جھر پانی بہنے لگا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری دھیان پھیرے اس سے بالکل بے خبر کھڑا تھا۔ چند ہی لمحوں میں کیب اس کے قریب آن رکی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بارش سے بچنے کے لئے اپنی جیکٹ اتار کر اگلے ہی پل اس کے شانوں پر ڈال دی تھی۔

کیا تھا یہ؟

کیسا احساس تھا؟

ایسا کرنے کے بعد وہ بنا اس کی طرف دیکھے، بنا اس کو پکارے یا بلائے چلتا ہوا کیب کی جانب بڑھا تھا۔ گھنے املتاس کی چھتری تلے اس کی جیکٹ کے حصار میں کھڑی وہ چپ چاپ اونچے لمبے، چوڑے شانوں والے اس بندے کو خاموشی سے دیکھ رہی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کیب کا دروازہ کھول کر اسے خاموشی سے مڑ کر دیکھا تھا۔ اس کا درخواست ماننا ضروری تھا اور تقلید کرنا بھی۔ فاصلہ زیادہ تو نہیں تھا۔ مگر قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔

بارش نے بھرم رکھ لیا تھا۔ چہرہ آنسوؤں سے کتنا بھیگا ہوا تھا مگر دکھائی نہیں دیا تھا۔ وہ چپ چاپ کیب میں بیٹھ گئی اور رخ کھڑکی کی طرف موڑ کر باہر کا منظر دیکھنے لگی تھی۔ آنکھوں کو جانے کیا ہو گیا تھا۔ بھر بھر آ رہی تھیں اور وہ خود کو روک بھی نہیں پا رہی تھی۔

اچانک سردار سبکتگین حیدر لغاری کا ہاتھ اس کی طرف بڑھا تو وہ چونکی۔ وہ بنا اس کی جانب دیکھے اپنا رومال اسے پیش کر رہا تھا۔

کیسا چارہ گر تھا یہ۔

کیسا ہمدرد تھا یہ۔

اس عنایت کا وہ کیا مطلب لیتی؟

ہاتھ جھٹک دیتی یا تھام لیتی؟

وہ اس کے آنسوؤں سے بے خبر نہیں تھا۔ جب ہی تو؟

وہ اس کے آنسو پونچھ لینے کا خواہاں تھا تو؟

جب بے خبر بھی نہیں تھا تو وہ اس کا ہاتھ جھٹک نہیں سکی تھی۔ ہاتھ بڑھایا تھا اور اس کے ہاتھ سے رومال چپ چاپ لے لیا تھا۔ اگر وہ خیر خواہی پر بضد تھا تو وہ کیونکر ہاتھ جھٹکتی؟ اور اس سے فائدہ بھی کیا تھا!

❋❋❋

"کیا محسوس کر رہی ہیں آپ؟" عفنان نے کھانے کی ٹیبل پر اس سے دریافت کیا تھا۔ اس نے اس شخص کی جانب دیکھا تھا، پھر بہت آہستگی سے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"پاپا کا فون آیا تھا۔۔۔۔ پوچھ رہی تھیں۔" سرسری لہجے میں مطلع کیا تھا۔

"آپ نے کیا کہا؟" اتابیہ نے آہستگی سے سر اٹھایا تھا۔

"بتا دیا، آپ ٹھیک ہیں۔"

"اور۔۔۔۔؟"

"اور کیا؟" وہ چونکا تھا۔

"وہ کیسی ہیں؟۔۔۔۔ پاپا کیسے ہیں؟"

"سب ٹھیک ہیں۔" عفنان کا لہجہ بہت سرسری سا تھا۔

"ماما کہہ رہی تھیں اگر تمہیں کہیں باہر جانا ہو تو۔۔۔۔"

"نہیں۔ اس کی ضرورت نہیں۔"

"اوکے یو وش۔" عفنان نے شانے اچکا دیئے تھے۔ وہ قدرے توقف سے بولی تھی۔ "لامعہ سے بات ہوئی آپ کی؟"

"نہیں۔ کیوں؟" وہ چونکتے ہوئے اس کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

"نہیں۔۔۔۔" اتابیہ نے سر نفی میں ہلا دیا تھا اور آہستگی سے بولی تھی۔ "کچھ نہیں۔"

"اوکے۔" عفنان نے دوسرے ہی پل لاتعلق دکھائی دیتے ہوئے اسے کریدنا ضروری نہیں سمجھا تھا اور اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔

"کسی شے کی ضرورت ہو تو؟" عفنان علی خان نے ایک رسمی پیش کش کی تھی۔ اس نے پھر سر نفی میں ہلا دیا۔ وہ اٹھنے لگا تھا جب اس نے ہاتھ بہت آہستگی سے اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ عفنان علی خان چونکا اور اسے کسی قدر حیرت سے دیکھا تھا۔ مگر وہ سر جھکا ہوا تھا۔ وہ اس کی کیفیت سمجھ نہیں پایا تھا۔ دوسری طرف لڑکی کو اپنی حماقت کا پورا احساس ہوا تھا اور اس نے اپنا ہاتھ واپس ہٹا لیا تھا۔

"آئی ایم سوری۔۔۔۔ مگر میں۔" اس کی جانب دیکھے بغیر وہ ایک انجان سی وضاحت دیتی ہوئی اس لمحے ایک لمحے میں بکھرتی دکھائی دی تھی۔ عفنان نے اسے بنا کچھ کہے صرف خاموشی سے دیکھا تھا۔

"میں گھر جانا چاہ رہی تھی۔ بہت دنوں سے اس طرف نہیں گئی۔" وہ سر جھکائے بولی تھی۔

"ٹھیک ہے۔ آپ تیار ہو جائیں۔" وہ سرد سے لہجے میں کہہ کر وہاں سے نکل گیا تھا۔ اتابیہ سر جھکائے اس کی پلیٹ کو دیکھتی رہ گئی تھی۔

ایک لمحے میں زندگی کی ڈور اس کے ہاتھ سے باہر تھی۔

کیا تو نہیں سوچا تھا اس نے۔۔۔۔!!

کیا کوئی رشتہ بھی اپنا نہیں رہا تھا۔

نہ عمر بھر کی رفاقت

نہ دوستی

نہ محبت

پتہ نہیں قصور اس کا تھا یا قسمت ہی اس کے ساتھ ایسی چال چل رہی تھی۔

لامعہ نے کہا تھا، وہ غلط ہے۔ ایک طرح سے لامعہ نے تمام کا تمام ذمہ دار اسے ٹھہرایا تھا۔ اور جب سے وہ اپنا محاسبہ کرنے میں لگی ہوئی تھی کہ سارے رشتے اس سے بدظن ہو گئے تھے۔

سارے دل کے تعلق دور ہو گئے تھے۔

وہ محبت کی جنوں خیزی نہ رہی تھی۔

وہ پہلی سی محبت نہ رہی تھی۔

وہ دوستی بھی باقی نہ رہی تھی۔

لامعہ کے الفاظ اب بھی اسے برچھیوں کی طرح کاٹ رہے تھے۔

غلطی اس سے ہوئی تھی۔ وہ فقط اتنا یاد کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ دل بہت بوجھل سا ہو رہا تھا۔

عفنان کے کہنے پر وہ تیار ہو کر باہر آئی تو بارش ہو رہی تھی۔ وہ کسی قدر حیران تھی۔ جانے اردگرد سے اتنی بے خبر کیسے ہوئی کہ کچھ خبر ہی نہ رہی تھی۔ پتہ نہیں کیوں، وہ وہیں سیڑھیوں میں بیٹھ کر بارش کو دیکھنے لگی تھی۔ سارا لان بھیگ رہا تھا۔

عفنان باہر آیا تو اسے وہاں بیٹھا دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔ وہ سر جھکائے کچھ بکھری بکھری سی دکھائی دے رہی تھی۔

کیا ہوا تھا؟ یہ تو وہ نہیں جانتا تھا مگر اس گھڑی اس کی سرد مہری ایک لمحے میں ٹوٹی اور اس کے قریب وہیں سیڑھیوں پر بیٹھ گیا۔

''کیا ہوا ـــــ؟'' مدھم لہجے میں دریافت کیا گیا۔ مگر وہ کچھ نہیں بولی تھی۔ اسی طرح خاموشی سے بارش میں بھیگتے منظر کو دیکھتی رہی۔

''آپ پریشان ہیں؟'' عفنان نے دوبارہ دریافت کیا۔

''نہیں۔''

''تو پھر؟'' اس نے استفسار کیا۔

''پتہ نہیں۔'' وہ عجب بکھرے بکھرے سے لہجے میں اس کی طرف دیکھے بغیر بولی تو عفنان نے اس کی طرف دیکھا۔

''کہیں اس پریشانی کا سبب یہ رشتہ یا میں تو نہیں ہوں؟'' سوال اتنا غیر متوقع تھا کہ وہ اچانک چونک پڑی تھی۔ اس کی الجھنوں میں کچھ اور اضافہ تھا اس گھڑی وہ شخص۔ وہ ابھی سنبھلی بھی نہیں تھی جب وہ گویا ہوا تھا۔

''اگر میری طرف سے کوئی پرابلم ہے تو......''

...'' اس کی بات مکمل ہونے سے قبل ہی وہ بول پڑی تھی۔ جیسے اسے خدشہ تھا کہ وہ شخص جو ...اسے نہ سن پائے گی نہ جھیل پائے گی۔ اس کے مضمحل سے انداز پر عفنان نے اسے خاموشی ...ایک عرصے بعد وہ دونوں ساتھ بیٹھے تھے۔ بہت دنوں بعد وہ دانستہ اس کے قریب ہوا تھا۔ ...اگر دیکھا جاتا تو یہ فاصلہ ایک لمحے میں سمٹ سکتا تھا۔ مگر دونوں جانب ایک سرد مہری ...تھی۔

...'' اس کی خاموشی دیکھ کر عفنان نے سر اثبات میں ہلا دیا۔ ''میرا مقصد آپ کی پریشانیاں ...کم کرنا ہے۔ آپ جب بھی، جو بھی چاہیں میں آپ کی خواہش کا احترام کروں گا۔ جہاں ...اگر آپ کو یہ رشتہ نبھانا یا ساتھ لے کر چلنا بوجھ لگے، بتا دیجئے گا۔ میں آپ کی پریشانی کم کرنے ...کی پوری کوشش کروں گا اور ضروری اقدامات بھی۔'' وہ کیا کہہ رہا تھا، وہ بچی نہیں تھی کہ ...وہ اس رشتے کو کتنی آسانی سے ختم کرنے کی بات کر رہا تھا۔

...کی طرف بے یقینی سے دیکھ رہی تھی۔ مگر وہ بنا اس کی طرف دیکھے، بنا اس کی پرواہ کیے اٹھ کھڑا ...

...صبح آفس بھی جانا ہے۔'' یہ اس نے رات کے پہر زیادہ وقت ہونے کے خیال سے کہا تھا۔

...اگر آپ کو صبح جلدی اٹھنا ہو تو رہنے دیتے ہیں۔ میرا جانا اتنا ضروری بھی نہیں کہ آپ کی نیند ...خراب ہو جائے۔ میں صبح ڈرائیور کے ساتھ چلی جاؤں گی۔'' انابیہ نے کہا۔ مگر وہ چلتا ہوا گاڑی ...تک گیا۔

...صرف انابیہ کے چہرے پر ہی نہ تھیں، عفنان کے چہرے پر بھی ان الجھنوں کی لکیریں صاف ...نمایاں تھیں۔ انابیہ کے لیے اٹھنا ناگزیر ہو گیا تھا۔ وہ اٹھی اور چلتی ہوئی گاڑی کی طرف آ گئی۔ ...اس نے اس کے لیے فرنٹ ڈور پہلے سے کھول دیا تھا۔ وہ بیٹھی تو اس نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ ...گاڑی کے ماحول میں سکوت سا تھا۔ مگر دونوں ہی اس سکوت کو توڑنے کو تیار نہ تھے۔

❋❋❋

...کے دنوں تک تم ہم سے دور رہیں۔ کوئی ایسے بھی کرتا ہے؟'' فارحہ آنٹی نے اسے اپنے ساتھ ...لگا کر کہا۔ ایسا کہتے ہوئے ان کی آنکھیں نمی سے اٹ گئیں۔ اور بھیگ تو میرب سیال کی آنکھیں ...بھی گئی تھیں۔ صرف ایک رشتہ اسے کتنے رشتوں سے دور لے گیا تھا۔

...کم آن ممی! ـــــ اتنے خوشی کے لمحوں میں بھلا کوئی روتے ہیں؟ میرب آپی اتنے دنوں بعد آئی ...ہیں تو خوش ہونا چاہئے۔'' ماما نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

...ٹھیک کہہ رہی ہے ممی!'' اذہان نے میرب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

...ہاں ـــــ یہ تو ہے۔ اتنے عرصے بعد میری بچی نے اس گھر میں قدم رکھا ہے۔ میرا تو دل خوشی ...سے بھر گیا ہے۔ تمہیں دیکھ کر، تمہارا چہرہ دیکھ کر آپا کی یاد آتی ہے۔'' انہوں نے اپنی آنکھوں کو رگڑا اور ...مسکرا دی۔

"پاپا بھی یہی کہتے ہیں کہ میں اپنی ماما کی مشابہت رکھتی ہوں۔"

"ہاں، مظہر بھائی ٹھیک کہتے ہیں۔ تم واقعی آپا سے ملتی ہو۔ اماں بتا رہی تھیں تم ان کی طرف بھی گئیں۔ پاپا سے مل کر سب رشتے بھول گئے۔" فارحہ نے مسکراتے ہوئے شکوہ کیا تو وہ شرمندہ سی ہو گئی۔

"آئی ایم سوری۔ مگر مصروفیت ہی اتنی رہی۔ میں نانو کو فون کروں گی۔ لیکن آپ کی بات کب ان سے؟ آپ گئی تھیں ان کی طرف؟"

"ہاں، گئی بھی تھی۔ اور وہ سب بھی آئے تھے۔ اپنی ماہا کے رشتے کی بات چل رہی ہے نا۔" فارحہ مسکراتے ہوئے کہا تو وہ چونک پڑی۔

"رشتے کی بات؟ ——— کس کے ساتھ؟"

"سیف کا پروپوزل آیا ہے ماہا کے لئے۔ کیا سیف نے تمہیں نہیں بتایا؟"

"نہیں۔ بڑا ہی بدتمیز قسم کا بندہ ہے وہ۔ حالانکہ دوست ہے میرا۔ مگر اپنی زندگی کی اتنی بڑی بات اس نے مجھے نہیں بتائی۔ فون کروں گی تو خوب کان کھینچوں گی۔" میرب نے مسکراتے ہوئے کہا۔ کتنا کچھ ہو اس کے اردگرد اور وہ کتنی بے خبر تھی۔ اپنے اندر سے، اپنے آپ سے نکل ہی نہ پا رہی تھی کہ کسی اور بھی دھیان دے پاتی۔ وہ جیسے واقعی کسی خلا میں معلق ہو۔

"ضرور کان کھینچنا۔ مگر ان دنوں وہ ملک سے باہر بزنس ٹور پر ہے۔ تمہیں شاید پتہ ہو، اس نے بھائی صاد کمپنی جوائن کر لی ہے۔" فارحہ آنٹی نے بتایا تھا۔

"ہاں ——— یہ بات تو میں بھی جانتی ہوں۔ مگر یہ شادی کے پروپوزل والی بات میں نہیں جانتی۔ خیر اچھی ہے اور خوشی کی بھی۔ مبارک ہو ماہا! اب تو آپ ہمیں اور بھی عزیز ہونے جا رہی ہیں۔ کیونکہ آپ کے ہونے والے حضرت ہیں نا، وہ ہمیں بہت عزیز ہیں۔" میرب بہت دنوں بعد ریلیکس انداز میں بولتی ہوئی دل سے مسکرائی تھی۔ اذہان اسے چپ چاپ دیکھتا رہا۔

"تمہارا کیا ہوا؟ ——— کب ہو رہی ہے تمہاری رخصتی؟" فارحہ نے دریافت کیا۔

میرب سیال کے چہرے کی کیفیت ایک پل میں متغیر ہوئی مگر اس سے اگلے ہی لمحے وہ مسکرا دی تھی۔

"جی ——— بس ———" اس نے بولنے کے لئے لب کھولے تھے مگر اس سے قبل ہی اذہان بول پڑا تھا۔

"ممی! آپ ساری باتیں آج ہی پوچھ لیں گی؟ ——— میرب بھی ہماری مہمان ہے۔ کوئی مدارات نہیں ہوگی؟"

"ارے ہاں، میں تو بھول ہی گئی۔ ایک تو تم آئی بھی اچانک ہو۔ بنا مطلع کئے۔ ورنہ میں ساری فیورٹ ڈشز بنا کر رکھتی۔ ماہا! چلو، ذرا میری ہیلپ کر دو۔" فارحہ کہتے ہوئے اٹھیں۔

"جی ممی!" ماہا نے بھی ماں کی تقلید کی تھی۔

"سعد انکل کیسے ہیں؟ ——— دکھائی نہیں دے رہے۔ اور ڈاکٹر انکل، چاچو ٹھیک ہیں؟ شادی ہو گئی ان کی؟" وہ مسکراتے ہوئے ادھر اُدھر کی باتیں کرنے لگی تھی۔

مسکرا دیا۔

ٹھیک ہیں۔ اور چاچو بھی آؤٹ آف ٹاؤن ہیں۔ جلد لوٹ آئیں گے۔ شادی انہوں نے نہیں اپنے دل کی انگلی اب تک تھام کر چل رہے ہیں۔ کچھ مشکل ہوتا ہے یہ۔ مگر فیض چاچو محبت کی نبھا رہے ہیں۔"

ہوئی تھی انہیں بھی؟" میرب نے یوں ہی بات کی تھی۔

بھی مطلب؟" اذہان ہنس دیا تھا۔ وہ خجل سی ہو کر سر جھکا گئی تھی۔ تب ہی وہ خیال کرتے "شاید۔ کبھی بتایا نہیں انہوں نے۔" اذہان کا لہجہ مدھم تھا۔

بالکل تم لوگوں کے ساتھ نہیں رہتے اب؟"

آتے جاتے رہتے ہیں۔ ان کا گھر ہے یہ۔ ممی بتا رہی تھیں، وہ اپنی دوسری وائف کو ڈائیورس ہیں۔ اس کے بعد شاید وہ دوبارہ ہم سب کے ساتھ رہنے لگیں۔"

——— اوہ اے گڈ نیوز۔ فارحہ آنٹی کس قدر مطمئن ہو گئی ہوں گی۔ میں نے سنا تو مجھے اچھا بہت نائس دو من ہیں آنٹی۔ میں نے آج تک انہیں ماتھے پر تیوری ڈالے نہیں دیکھا۔ سب سے والی خاتون کی زندگی میں اچانک ہی کوئی موڑ ایسا آئے گا، کون جانتا تھا۔ جانے کیوں خوب ان کے نصیب اچھے نہیں ہوتے۔" بہت عجب سے لہجے میں کہہ کر وہ پھیکے سے انداز میں مسکرا دی تھا اسے مصنوعی خفگی سے گھورا۔

وہ ——— ایسے نہیں کہتے۔" وہ اس کے چہرے پر مسکراہٹ لانے کو بولا تھا۔ پھر ہنس دیا۔ لے مسکرانا جیسے شرط ہو گیا تھا۔

آئی رائٹ؟" اس کی جانب مکمل توجہ سے دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ پھر اس کے جواب کا خود بولا۔ "یس، آئی نو ——— اذہان از رائٹ۔"

انداز پر وہ ہنس دی تھی۔ وہ مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

خواہش ہے ——— کرتی رہا کرو ——— ہنستی رہا کرو۔" مدھم لہجے میں ایک خواہش کا اظہار کیا

کچھ بولے بغیر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ پھر مسکرا دی۔

اپنی منگنی کی تصویریں مجھے نہیں دکھائیں۔"

نے بھی تو اپنے نکاح کی اسنیپس مجھے نہیں دکھائیں۔" اذہان نے جواباً شکوہ کیا تھا۔ وہ چپ گئی تھی۔

پاس اس سوچ کی کوئی یادگار نہیں ہے۔"

رہی ہو۔" اذہان مسکرا دیا۔

سب؟" وہ چونکی۔

پاس اس واقعے کی یادگار ہے۔"

''کیا؟''

''سردار سبکتگین حیدر لغاری۔'' اذہان نے برملا کہا تھا اور اس کے چہرے کو بغور دیکھا تھا جو جھکائے ایک الجھن سے ٹیبل کی سطح پر الٹی سیدھی لکیریں کھینچتی رہی تھی۔

''اتنی الجھن میں کیوں ہو میرب؟ ——— کہیں تمہیں محبت تو نہیں ہو گئی؟'' اذہان نے اس جائزہ لیتے ہوئے کہا اور وہ اپنی جگہ ساکت رہ گئی۔

''محبت ہو گئی ہے تمہیں مجھ سے؟'' ایک سرگوشی کہیں اندر اُبھری اور وجود کے سارے خلاؤں چلی گئی۔

''مکمل کر دو ———''

ایک درخواست۔ایک خواہش۔ایک مدعا۔

کہنے کو دو لفظ تھے۔مگر اپنے اندر کیا کیا آہنگ سمو رکھتے تھے۔کیا کیا مفہوم خاص سمو رکھے تھے۔

اندر کی آوازوں میں کھونے لگی تھی۔وہ آوازیں اسے اپنی گرفت میں باندھنے لگی تھیں اور گمان بندھ بھی جاتی اور گم بھی ہو جاتی کہ اذہان نے اسے پکار لیا۔

''میرب!''

اور وہ جیسے ایک لمحے میں اس بازگشت سے ہاتھ چھڑا کر باہر کی دنیا میں پلٹی تھی۔

''ہاں۔'' سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تو وہ سرنفی میں ہلاتے ہوئے مسکرا دیا۔

''نہیں ——— کچھ نہیں۔میں نے تو یوں ہی مذاق کیا تھا۔تم تو سیریس ہو گئیں۔''

''نہیں ——— ایسی کوئی بات نہیں۔میں سوچ رہی تھی، ہر شے کتنی جلد بدل جاتی ہے۔ اچانک کیسے بدل جاتا ہے۔اچانک لمحوں میں دنیا بدل جاتی ہے۔''

''ہاں،شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔مگر یہ بھی زندگی کا حصہ ہے۔اگر ایک جگہ زندگی تھم جائے تو یہ بھی اچھا نہ لگے۔'' اذہان نے کہا تھا اور اس نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

''میں تمہارے لیے منگنی کا البم لے کر آرہا ہوں۔''

''شیور۔'' میرب مسکرا دی۔

اذہان چلتا ہوا اندر کی طرف بڑھ گیا۔

میرب سیال نے تنہائی پاتے ہی صوفے کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔

❋❋❋

بات دل میں رکھی جائے تو بوجھ بن جاتی ہے۔

اس کے سینے پر بھی بہت بوجھ تھا۔ماما سے وہ کچھ نہیں کہہ سکتی تھی۔داود سے بھی نہیں۔مگر جب اس سے اس کی اس اُلجھی ہوئی کیفیت کا سبب پوچھا تو اس کی آنکھیں خود بخود ہی پانیوں سے بھر گئی تھیں۔

''کیا ہوا؟ ——— عفنان نے کچھ کہہ دیا؟'' اوزان سید کو تشویش ہوئی تھی۔

''نہیں۔'' آنکھوں سے پانی باہر چھلک آیا تھا۔اس نے ایک لمحے میں ہاتھ کی پشت سے آنکھوں کو

''تم چھپا رہی ہو کچھ مجھ سے؟ ——— اپنے بھائی سے بھی چھپاؤ گی؟ ——— مجھے بتاؤ، کیا ہوا؟ عفنان نے کچھ کہا ہے کیا؟'' اوزان نے دریافت کیا تھا۔

''نہیں۔'' اس نے بھرائی ہوئی آواز میں بنا اس کی طرف دیکھے کہا تھا۔آنکھیں پھر بھر گئی تھیں۔

''پھر ———؟''

''لامعہ ———'' انابیہ نے سر جھکا کر مدھم لہجے میں کہا تھا۔

''لامعہ؟ ——— لامعہ کو کیا ہوا؟''

''نہیں ——— اُسے کچھ نہیں ہوا۔'' اس نے خود کو یکسر بے بس پایا تھا۔

''پھر؟ ——— انابیہ! تم مجھے کچھ بتاؤ گی؟'' اوزان نے الجھن سے بہن کو دیکھا۔

''لامعہ ——— لامعہ سمجھتی ہے میں نے اس کے ساتھ ہمیشہ ناانصافی کی ہے۔تم جانتے ہو اوزی! ساتھ جو کچھ بھی ہوا اس کے پیچھے ہاتھ کس کا تھا؟ ——— لامعہ کا۔''

''تمہیں یہ بات کیسے پتہ چلی؟'' اوزان نے اسے بغور دیکھا۔

وہ اس گھڑی بہت بکھری بکھری سی دکھائی دے رہی تھی۔اس کے پاس ہمت تک ناپید تھی یہ سب کچھ نے کی اور کسی اور کو بتانے کی۔

''اس نے خود۔'' بہت دیر کے بعد وہ ہمت کر کے بولی۔مگر اوزان سید اس کے بتانے پر قطعاً بھی نہیں ہوا۔

''تم یہ بات نہیں جانتی تھیں؟'' رسانیت سے پُر لہجے میں وہ قدرے توقف سے بولا۔

''تم جانتے تھے؟'' انابیہ نے حیرت سے سر اٹھا کر اوزی کی طرف دیکھا۔

اوزی نے سر بہت آہستگی سے اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''ہاں ——— مجھے معلوم تھا۔''

''کیسے؟ ——— تم نے یہ بات مجھ سے کیوں چھپائی؟ کیوں نہیں بتایا مجھے سب کچھ؟''

''تمہیں بتانے سے کیا فرق پڑتا؟ ——— اور یوں بھی جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا۔جب تمہارے کیس کی انویسٹی گیشن ہو رہی تھی تب ہی یہ بات سامنے آگئی تھی۔لامعہ نے تمہیں کڈنیپ کے بعد جس گھر میں رکھا تھا،وہ عرصہ دراز سے بند اور کسی کے استعمال میں نہ تھا۔وہ گھر لامعہ کے کزن کا تھا۔لامعہ سمجھ رہی تھی کہ وہ اس سے صاف بچ نکلے گی اور اس کا نام تک نہیں آئے گا۔مگر سچ سامنے آجاتا ہے۔ انویسٹی گیشن سے یہ بات بھی سامنے آگئی۔اس کے کزن سے رابطہ کرنے پر معلوم ہوا کہ لامعہ کی فیملی اس گھر کو استعمال کرنے کا اختیار رکھتے ہیں۔کیونکہ ان کی غیر موجودگی میں اس پراپرٹی کی دیکھ بھال کی ذمہ داری ان ہی کے پاس ہے۔''

''مگر تم نے بھی ——— اوزان! تم نے بھی اتنا کچھ چھپایا مجھ سے؟'' انابیہ نے بے یقینی سے بھائی کو

دیکھا۔

"کیا کرلیتیں تم انابیہ؟ ـــــ کیا کرلیتیں تم؟ ـــــ لامعہ کو سزا دلواتیں؟ تم ایسا تو اب بھی کرسکتی ہو۔ مگر خود سے پوچھو، کیا تم ایسا کرپاؤ گی؟ ـــــ نہیں انابیہ! تم ایسا کچھ نہیں کرسکتیں۔ وہ تمہارے ساتھ کچھ بھی کرلے تم اس کے ساتھ ایسا کچھ نہیں کرسکتیں انابیہ! یہ بات تم بھی جانتی ہو اور میں بھی۔"

انابیہ سر جھکائے بیٹھی رہی۔

"اور کون کون جانتا ہے یہ بات؟"

"کیا فرق پڑتا ہے انابیہ! اس بات سے کہ اسے کتنے لوگ جانتے ہیں۔ تم خوش نصیب ہو جب اچھی زندگی گزار رہی ہو، مطمئن ہو تو پھر یہ سب بے معنی ہو جاتا ہے۔ لامعہ نے جو بھی کیا وہ اس کا اپنا تھا۔ تم کیا کرو گی، تمہارا ظرف ہوگا۔" اوزان اپنی بہن کو اچھی طرح جانتا تھا۔

"ہاں ـــــ ٹھیک کہہ رہے ہو تم۔ میں جب خوش بھی ہوں اور مطمئن بھی۔" کیسے درد اندر رہے تھے۔ کیسی کسک تھی جو سانس تک نہ لینے دے رہی تھی اور لوگ سمجھ رہے تھے وہ خوش تھی۔ مطمئن تھی۔

"ٹھیک کہہ رہے ہو تم ـــــ جب میں خوش ہوں تو کیا فرق پڑتا ہے۔" اس نے آنکھیں رگڑتے ہوئے جیسے خود کو بہلایا تھا اور دوسری طرف اوزان کو باور کرایا تو اوزان نے اسے خاموشی سے دیکھا مزید نہیں کہا۔

"تم نے ٹھیک کہا ـــــ میں لامعہ کو چاہوں بھی تو سزا نہیں دے سکتی۔ مگر میں اسے کوئی سزا دینا بھی نہیں۔ اس نے جو کیا وہ اس کا ظرف ہے۔ اور جو میں نے کیا یا جو میں کروں گی وہ میرا ظرف ہے۔ مجھے اس سے کوئی شکایت نہیں ہے اور میں کبھی کوئی شکایت اس سے کروں گی بھی نہیں۔ وہ میری دوست اور ہمیشہ دوست ہی رہے گی۔ مجھ سے دوستی نبھائی نہیں گئی، میں دشمنی کیسے نبھاؤں گی؟ ـــــ مجھے محبت کرنا آتی ہے اوزان! مجھے نہیں پتہ نفرت کیسے کرتے ہیں۔ کیونکہ میں نے یہ کام کبھی نہیں کیا۔ کام نہ کیا ہوا سے کرنے کی نہ عادت ہوتی ہے نہ خواہش۔ مجھے لامعہ سے کوئی شکایت نہیں ہے۔" تھی اور پھر اٹھ کر وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی۔

اوزان چپ چاپ بیٹھا اسے دیکھتا رہ گیا۔

❄❄❄

"مائی اماں! آپ؟" انہیں اپنے مقابل دیکھ کر وہ کچھ حیران رہ گئی تھی۔

مائی نے آگے بڑھ کر اسے اسی لگاوٹ سے ساتھ لگا کر پیار کیا تھا۔

"کیسی ہے میری بچی؟ ـــــ میں نے سوچا اگر تجھے ماں بھول گئی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ماں بھی اپنی بیٹی بھول جائے گی۔"

"آپ تنہا آئی ہیں یا......" میرب نے جانے کیوں پوچھ لیا تھا۔ وہ مسکرا دی تھیں۔

"تگین چھوڑ کر گیا ہے۔ میں نے کہا اندر آجاؤ مگر وہ مانا نہیں۔ کہہ رہا تھا، ضروری کام ہے۔"

نے اس کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر محبت سے دریافت کیا تھا۔

باتوں کو چھوڑ، یہ بتا تو ٹھیک ہے؟"

جی مائی اماں! ـــــ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ نے کیوں زحمت کی؟ مجھے بلوا بھیجا ہوتا۔ ایک بار کہہ دیتیں، میں آن حاضر ہوتی۔" میرب نے شرمندہ ہوتے ہوئے کہا تھا۔

مسکرا دی تھیں۔

کیا فرق پڑتا ہے، ماں بچے کے پاس جائے یا بچہ ماں کے پاس آئے۔ بہت اداس تھی۔ رہا نہیں ... سے تگین سے کہہ رہی تھی، اس کے پاس وقت ہی نہیں تھا۔ ایک دم ہی بڑی ہو گیا ہے وہ۔ نہیں رہا اس کے پاس۔ کچھ بجھا بجھا سا بھی ہے۔ رومیصا کی موت نے اسے بہت چپ سا کر دیا مائی کا انداز سرسری تھا۔ مگر وہ سارے مفہوم خاص پا گئی تھی۔

ذمہ دار سبکتگین حیدر لغاری کو اتنی انسیت تھی اپنی مسز سے کہ وہ......

تم ٹھیک تو ہو بیٹا؟ ـــــ کیسی شکل نکل آئی ہے۔" محبت سے اس کا چہرہ چھوتے ہوئے کہا۔ وہ بدقت مسکرائی تھی۔

میں ٹھیک ہوں مائی!"

خدا صحت مند رکھے۔ میرے بچوں کو کسی کی نظر نہ لگے۔ زوباریہ اور مظہر میاں کہاں ہیں؟"

جی وہ کام سے گئے ہیں۔"

مجھے تو مظہر میاں سے ضروری بات کرنا تھی۔"

آپ کہیں تو فون کر دوں، وہ جلد لوٹ آئیں۔ کوئی اہم اور ضروری بات تھی؟"

مائی اماں مسکرا دی تھیں۔

ہاں ـــــ بہت اہم اور ضروری بات۔ تجھے ہمیشہ کے لئے اپنے گھر لے جانے کی بات کرنا تھی ان سے۔ اپنی بچی کو مانگنے کی بات کرنا تھی۔ اب وقت آ گیا ہے کہ رخصتی ہو جائے۔ یہی اس وقت کا اقدام ہوگا۔ تگین کی حالت بھی کچھ سنبھل جائے گی اور گھر میں خوشی آجائے گی۔" مائی اس کی کیفیت سے بے پرواہ کہہ رہی تھیں اور وہ سر جھکائے خاموشی سے بیٹھی اپنے ہاتھ کی لکیروں کو دیکھ رہی تھی۔

گہرا رشتہ ہے میرا تم سے ـــــ پھر اتنی گہرائی دکھائی کیوں نہیں دیتی؟ تمہاری آنکھوں میں اس گہرائی کی جگہ ایک سرد مہری کیوں دکھائی دیتی ہے؟"

کیا سوچ رہی ہو تم؟" مائی نے اسے خاموش دیکھ کر پکارا۔

ـــــ کچھ نہیں۔ آپ بیٹھیں۔ میں آپ کے لئے کچھ لاتی ہوں۔"

ـــــ اس کی ضرورت نہیں۔ بس تم میرے پاس بیٹھو۔ میں صرف اپنی بچی سے ملنے آئی ابھی تھوڑی دیر میں تگین آجائے گا تو جلدی مچا دے گا۔"

مائی بول ہی رہی تھیں کہ نوکر نے آکر اطلاع دی۔

ـــــ باہر کوئی سبکتگین صاحب آپ کو لینے آئے ہیں۔"

"لو، وہ آ گیا۔" مائی اماں مسکرا دیں۔
میرب کے اندر ایک خاص آہنگ ہوا تھا۔ ایک ایسی کیفیت جیسے وہ کوئی نام نہ دے پائی تھی۔
"آپ انہیں اندر بلا لیں مائی! ـــــ آپ کو بنا خاطر جانے نہیں دوں گی۔" اس نے مدھم لہجے میں کہا تو مائی مسکرا کر رہ گئیں۔
"جاؤ، صاحب سے کہہ دو اندر آ جائیں۔"
"جی بہتر۔" مائی کے حکم پر ملازم واپس پلٹا۔ میرب سر جھکائے اپنے دل کی منتشر کیفیتوں کو سنبھالنے میں لگی ہوئی تھی۔ جب ملازم نے آ کر اطلاع دی۔
"صاحب کہہ رہے ہیں آپ جلد آ جائیں۔ وہ اندر نہیں آ سکتے۔ انہیں کہیں اور بھی جانا ہے۔"
میرب کی دھڑکنوں میں ایک لمحے میں سکوت آیا تھا۔
"چلو ٹھیک ہے ـــــ میں چلتی ہوں۔ پھر چکر لگاؤں گی۔ تم اپنا خیال رکھنا۔ مظہر میاں سے میں فون پر بات کروں گی۔" مائی اماں نے اس کی پیشانی پر پیار کرتے ہوئے کہا اور اس نے سر ہلا دیا۔

❊❊❊

"میں نے ایک وکیل سے بات کر لی ہے۔" مظہر سیال نے کہا اور زوباریہ نے کسی قدر حیرت سے انہیں دیکھا تھا۔
"کس لیے؟ ـــــ آئی مین کس کام کے لیے؟"
"میرب کی ڈائیورس کے لیے۔"
"وہاٹ ـــــ؟" زوباریہ بھونچکی رہ گئی تھی۔ "آپ نے فیصلہ کر بھی لیا کہ آپ کو کیا کرنا ہے؟ میرب سے پوچھے بغیر؟ ـــــ اس کی مرضی جانے بغیر؟" زوباریہ حیرت سے پوچھ رہی تھی۔
"میرب کی مرضی کیا ہو گی زوباریہ! کیا تم یہ چھوٹی سی بات سمجھ نہیں پا رہی ہو؟ ـــــ اگر وہ خوش تو کیا مجھے یہ سب بتاتی؟ وہ خوش نہیں ہے زوباریہ! یہ بات تم بھی جانتی ہو اور میں بھی۔ میری بچی معصوم اور سعادت مند ہے کہ اگر اب بھی میں اسے وہاں جا کر زندگی گزارنے کے لیے کہوں تو وہ دے گی۔ مگر اس میں اس کی خوشی شامل نہیں ہو گی۔ یہ بات میں جانتا ہوں۔ سو میں اسے اس جہنم میں جانے کے لیے نہیں کہوں گا۔"
"مظہر! ہو سکتا ہے آپ ٹھیک کہہ رہے ہوں۔ مگر ایک بار میرب سے اس کی مرضی بھی تو جان لیں۔ اتنی جلد بازی کس لیے؟ وہ ہم سے زبردستی میرب کو لے جا تو نہیں رہے۔ پھر آپ انتہائی اقدام اٹھانے میں اتنی جلدی کیوں کر رہے ہیں؟ ـــــ زندگی بھر کا معاملہ ہے یہ۔ پلیز کچھ سوچ کر فیصلہ کریں۔"
"زوباریہ! تم جانتی ہو تم کیا کہہ رہی ہو؟"
"ہاں ـــــ میں جانتی ہوں۔ آج اگر میری جگہ میرب کی اپنی ماں بھی ہوتی تو وہ بھی یہی کہتی۔ میرب کو کیوں ضروری نہیں سمجھ رہے؟ ـــــ اس نے صرف آپ کو یہ بتایا کہ اس کے ساتھ کیا حال پیش آ رہی ہے۔ اس نے یہ نہیں کہا کہ وہ اب کیا چاہتی ہے۔ آپ اتنی جلدی کیوں کر رہے ہیں؟ اس کی زندگی آپ کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی؟ اس بے چاری لڑکی کی ساری زندگی بدل جائے گی، کیا آپ یہ جانتے؟ دنیا کو اسے فیس کرنا پڑے گا، نہ کہ آپ کو۔" زوباریہ مسلسل انہیں قائل کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"تو پھر تم ہی بتاؤ، کیا کروں میں؟ ـــــ انتظار کروں؟ ادھر سے آ کر کوئی مجھ سے رخصتی کی بات کرے اور میں اپنی بیٹی کو رخصت کر دوں؟" مظہر سیال نے جل کر پوچھا۔
"میں نے ایسا نہیں کہا۔ مگر کچھ سکون اور تسلی سے بھی تو سوچ کر فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ اتنی جلد بازی کس لیے؟"
"میرب بتا رہی تھی، آج سبکتگین کی والدہ آئی تھیں۔" مظہر سیال نے کہا۔ زوباریہ نے چہرے کی رنگت کرتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا۔
"ہاں، سنا تو میں نے بھی تھا۔ غالباً وہ میرب سے ملنے آئی تھیں۔ آف کورس، اس رشتے سے ان کی وابستگی میرب سے ہو گئی ہے تو اس میں اتنی تشویش کی بات کیا ہے؟"
"میں اپنی بیٹی کے ساتھ اب کچھ غلط ہونے نہیں دوں گا۔ اب میں اس کی خوشی کے لیے وہ سب کروں گا جو مجھے بہتر لگے گا۔" مظہر سیال حتمی لہجے میں بولے تھے اور زوباریہ انہیں دیکھتی رہ گئی تھی۔

❊❊❊

"اذہان! اگینے بتا رہی تھی تم شادی کے لیے فی الحال تیار نہیں ہو؟"
"ہاں، اگینے ٹھیک کہہ رہی تھیں۔ ماما کی شادی سے پہلے نہیں۔" اس نے مسکراتے ہوئے رسانیت سے جواب دیا۔ وہ کینڈل لائٹ ڈنر اس لمحے کچھ پھیکا پھیکا سا لگ رہا تھا۔ ساحیہ اس کی خاموشی صاف محسوس کر رہی تھی۔ اس نے کچھ نہیں کہا تھا۔ مگر یہ وہ اسٹیج نہیں تھی جہاں کچھ کہنے سننے کی ضرورت رہتی۔ وہ اس کی آنکھوں سے پڑھ سکتی تھی۔
"کیا ہوا ہے؟" تشویش سے اذہان کی طرف دیکھتے ہوئے مدھم لہجے میں دریافت کیا۔
"ہاں ـــــ ٹھیک ہوں میں۔" مسکراتے ہوئے سارا الزام اس کے سر تھوپ دیا تھا۔ وہ جانے کیوں گھبرا دی تھی۔
"میں ـــــ شاید میں ہی چپ تھی۔ اذہان! اگر تم بہتر محسوس نہیں کر رہے تو آج کا یہ ڈنر کینسل کر دیتے ہیں۔ کیا ضروری ہے یہ سب؟ ہم کبھی بھی دوبارہ پروگرام بنا سکتے ہیں۔" اس کے خیال سے وہ مسکراتے ہوئے بولی تو اذہان مسکرا دیا۔
"نہیں ـــــ اس کی ضرورت نہیں تھی۔ آج میرے پاس وقت بھی تھا اور اچھا موڈ بھی۔ تمہیں ملنے کے لیے اچھا دن بھی۔ غالباً وہ اسے مطمئن کرنے کے خیال سے ایک "خاص" جملہ اچھال گیا تو وہ مسکرا دی۔
"تھینکس۔"
"شکریے کی ضرورت نہیں۔" اذہان نے مسکراتے ہوئے مدھم لہجے میں کہا۔ ساحیہ نے اس کی

آنکھوں میں جھانکا مگر اسے وہ تپش وہاں دکھائی نہیں دی جو وہ اپنے چہرے پر محسوس کرنا چاہتی تھی۔

''کیا ہوا؟ ——— اس طرح کیوں دیکھ رہی ہو؟'' ازہان نے اس کے دیکھنے پر دریافت کیا تھا مگر وہ کچھ بھی مزید کہے بغیر اس کی آنکھوں میں براہِ راست دیکھتی ہوئی بولی۔

''ریئلی؟'' اس کی آنکھیں ایک یقین چاہ رہی تھیں۔ ازہان بچہ نہیں تھا کہ اس کا مطلب نہ جانتا۔ وہ مسکرایا اور سر اثبات میں ہلا دیا۔ مگر اس انداز میں بہت کمی تھی۔ سابیہ جانتی تھی مگر کچھ بولی نہیں۔ صرف مسکرا دی۔

''کیا ضرورت تھی یہ سہانے خواب دکھانے کی؟'' وہ اس کی طرف سے نظر ہٹا کر موضوع بدلتے ہوئے بولی۔ جب وہ چونک پڑا۔

''کیا مطلب؟''

سابیہ مسکرا دی۔

''مطلب یہ کہ ہنی مون کے پلان بنا کر خواب دکھانے کی کیا ضرورت تھی جب کہیں جانا ہی نہیں تھا تو؟'' وہ ماحول کے پُرسکون تاثر کو بدلنا چاہتی تھی تب ہی اپنی فطری خوش گفتاری سے بول رہی تھی۔

وہ مسکرا دیا۔

''وہ خواب بے کار نہیں ہیں سابیہ! سب سچ ہیں اور سچ ہوں گے۔ ہم ہنی مون کے لئے جائیں گے۔ مگر ماہا کی شادی کے بعد۔''

''آئی نو ——— یوں ہی مذاق کر رہی تھی۔ ماہا کی منگنی کی بات چلی؟'' اس کا انداز ایسا تھا کہ وہ ہنس دیا۔ پھر بہت آہستگی سے اس کے ہاتھ پر اپنا مضبوط ہاتھ رکھتے ہوئے اسے دیکھا۔

''اپنی اور میری بات کرو سابیہ! یہاں وہاں کے قصے چھوڑ دو۔ فی الحال میں کچھ اور سننا نہیں چاہتا۔ میں تمہارے ساتھ ہوں اور تمہارے ساتھ ہی رہنا چاہتا ہوں۔ ان لمحوں کی حقیقت کو سمجھو۔'' وہ جانے اسے کیا جتا گیا تھا۔ وہ ساکت سی اسے تکتی رہ گئی تھی۔

''کیا بات کروں ازہان؟'' مدھم کھوئے ہوئے لہجے میں کہتی ہوئی وہ اس کی طرف سے نگاہ ہٹا گئی تھی۔ ازہان نے ٹیبل پر گلدان میں لگی ایک سرخ گلاب کی ٹہنی نکال کر اس کی طرف بڑھا دی۔

''سابیہ! اردگرد کے ماحول کو دیکھو۔ اس آرکسٹرا کی دھن کو سنو۔ کیا یہ رومانٹک سا ماحول اب بھی تمہیں کوئی اچھی سی بات کہنے پر نہیں اُکسا رہا؟'' ازہان نے اس کے ہونق چہرے کو دیکھتے ہوئے چھیڑا تو وہ مسکرا دی۔ اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ سے وہ سرخ گلاب لے لیا۔

''تھینکس۔ ازہان! مجھے تمہاری ایک بات بہت اچھی لگتی ہے۔ ہمیشہ۔ تم بہت انڈر اسٹینڈنگ ہو۔'' سابیہ نے مدھم لہجے میں کہا تو وہ مسکرا دیا۔

''اور تمہاری سب سے اچھی بات یہ ہے کہ تم بہت اچھی ہو سابیہ!'' ازہان نے اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ ''تم واقعی بہت اچھی ہو سابیہ! تمہیں اپنی زندگی میں پا کر میں خوش ہوں۔ تم وہ لڑکی ہو جو میرے لئے میرے کچن میں ایک بہترین شیف ہوگی۔ میرے بچوں کے لئے ایک بہترین ماں ہوگی اور میرے

لئے ایک بہترین وائف ——— این آئی نیڈ وِیٹ آل۔ مجھے اپنے کچن کے لئے ایک بہترین قسم کا شیف بھی چاہئے۔ اپنے بچوں کے لئے ایک اچھی لک آفٹر کرنے والی ماں بھی اور ایک اچھی، بہت خیال کرنے والی ایک سوئٹ بیوی بھی۔'' وہ مسکرایا۔ انداز میں کسی قدر شرارت تھی۔

سابیہ بھی مسکرا دی۔

''اور تم میں یہ ساری خوبیاں ہیں سابیہ!''

''بہت کنجوس ہو تم۔ اپنا اتنا خرچ بچا رہے ہو۔'' مصنوعی خفگی سے گھورا گیا۔ ''اور یہ شیف والی بات بھی تم یہ سوچ کر تو نہیں کر رہے کہ میں اپنا ریسٹورنٹ ہینڈل کر رہی ہوں؟''

ازہان ہنس دیا تھا، پھر شانے اچکا دیے تھے۔

''شاید۔ لیکن میں جانتا ہوں تم مجھے ایک مکمل گھر دو گی۔'' وہ اس کا ہاتھ تھامے کہہ رہا تھا۔ سابیہ اسے خاموشی سے دیکھ رہی تھی۔ مگر اندر کئی سوال مچل رہے تھے۔ کئی تمنائیں سر اٹھا رہی تھیں۔

''مگر میں تمہیں مکمل کرنا چاہتی ہوں ازہان!'' وہ بولنا چاہتی تھی مگر کچھ نہیں بول سکی تھی۔ اسے دیکھا اور صرف مسکرا دی۔

❋❋❋

''کتنے چھپے رستم ہو تم ——— چپ چاپ میدان مار لیا اور ہمیں بتایا تک نہیں۔'' میرب نے سیف کا کان کھینچتے ہوئے کہا اور وہ مسکرا دیا۔

''کیا برا کیا؟ ——— سوچا جب سب ٹھکانے لگ گئے ہیں، ہم بھی کوشش کر دیکھیں۔ ہاتھ پیر ہلائے، منت کی، کوشش کی۔ جذبوں میں کچھ صداقت تھی۔ خدا نے ہاتھ تھاما اور کامیاب کر دیا۔ اور کیا؟'' سیفی کا بڑا ایک انداز تھا۔ وہ ہنس دی۔

''کتنے بدتمیز قسم کے دوست ہو تم۔ کم از کم بتا تو دیتے۔''

''کیا بتا دیتا؟ ——— میں سمجھا تھا تم کچھ کوشش کرو گی۔ مگر تم نے تو بے مروتی کی حد کر دی۔ خود ٹھکانے لگ گئیں تو سب پرانے دوست بھول بھال گئے اور میں ان چھوں پر تکیہ کیا کرتا؟ کرتا تو یقیناً ہارتا۔ بس میں نے خود کوشش کر لی۔'' وہ اس کے ایک مکا رسید کرنے پر اپنا بازو سہلاتے ہوئے بولا تھا۔ پھر ہنس دیا تھا۔

''خوشی نہیں ہوئی تمہیں؟ ——— اب ہم دونوں دوست خیر سے اپنے اپنے گھروں کے ہو جائیں گے۔'' لہجہ کی اپنی ایک تنک تھی۔ میرب بے اختیار ہنسی۔ تب ہی وہاں نانو آ گئیں۔

''کیا ہوا؟ ——— کس بات پر خوش ہیں میرے بچے؟''

''نانو! میں اس نالائق کی خبر لے رہی تھی کہ اس نے مجھے بے خبر رکھا اور یہ الٹا مجھے لتاڑ رہا ہے۔'' میرب نے اسے گھورا تو سیف مسکرا دیا۔

''لتاڑ کیا رہا ہوں، ٹھیک تو کہہ رہا ہوں۔ خیر سے اب ہم دونوں دوست اپنے اپنے گھروں کے ہو جائیں گے۔ دادی! آپ بتائیں، میں نے کچھ غلط کہا؟'' سیف نے مسکراتے ہوئے نانی کی طرف دیکھا۔

"نہیں۔ کچھ ایسا غلط بھی نہیں کہا۔ میرے سارے بچے آہستہ آہستہ کر کے ماشاءاللہ اپنے اپنے گھر بار کے ہو رہے ہیں۔ میرب بیٹا! تمہاری رخصتی کب ہو رہی ہے؟ ـــــ مظہر تو نہ ہمیں کچھ بتاتا ہے نہ کسی مشورے کے قابل سمجھتا ہے۔ جانے کب اس کی غلط فہمی دور ہو گی؟ ـــــ کب اس کا دل صاف ہو گا اور وہ ہم سے بدظن نہیں رہے گا؟"

میرب چلتی ہوئی نانی کے پاس آبیٹھی۔ پھر بہت آہستگی سے ان کی گود میں سر رکھ دیا۔

"پتہ نہیں نانو! پاپا آپ سب کے ساتھ ایسا کیوں کرتے ہیں۔ یہ تو مجھے معلوم ہے کہ وہ ماما کی موت کا کسی قدر ذمہ دار بڑے ماموں کو سمجھتے ہیں کیونکہ اس وقت گاڑی وہ ڈرائیو کر رہے تھے۔ مگر یہ حادثہ تو کسی سے بھی ہو سکتا تھا۔ پاپا یہ بات کیوں نہیں سمجھتے؟ اتنی چھوٹی سی تو بات ہے۔ نانو! مجھے جانے کیوں لگتا ہے کہ کوئی اور بات بھی ہے۔ پاپا کی سرد مہری اس سے قبل بھی رہی ہے۔ کیا میں غلط ہوں؟" اس نے سر اٹھا کر نانو کی طرف دیکھا تھا۔ فوری طور پر وہ کچھ نہیں بول پائیں۔ خاموشی سے میرب کو دیکھا تھا پھر اپنے ہاتھوں سے میرب کے بالوں کو سہلانے لگی تھیں۔

"پھر کبھی بتاؤں گی۔ خوشی کے لمحوں میں صرف خوشی کی بات ہونی چاہئے۔ اور خوشی کی بات یہ ہے کہ تو اپنے دوست کی خوشیاں بانٹنے یہاں آئی ہو۔" نانو نے اسے بہلا دیا اور وہ مسکرا دی۔

"تم بتاؤ، تمہاری رخصتی کی بات چلی؟" نانو نے دوبارہ دریافت کیا تھا۔ تب ہی سیف مسکراتا ہوا آگے آ گیا تھا۔

"اس کی رخصتی کروانے کی کیا ضرورت ہے؟ موصوف توپ باز ہیں۔ الف سیکشین پر سوار ہو کر آئیں گے اور اسے اُڑا کر لے جائیں گے۔"

"چپ رہ۔ میں اپنی بچی سے پوچھ رہی ہوں۔"

"تو غلط پوچھ رہی ہیں نا۔ وہ بے چاری آپ کو کیا جواب دے گی؟ ٹھہری مشرقی لڑکی۔ سیدھی سادی بھولی بھالی مشرقی لڑکیاں کبھی اپنے منہ سے اپنی شادی کی بات کرتی ہیں؟" وہ بدستور شرارت سے مسکرا رہا تھا۔ میرب نے اسے گھورا مگر وہ بنا پرواہ کیے ہنس دیا۔

"دادی! آپ کو کچھ پوچھنا ہو تو انتظار کریں۔ میرب پہلے مجھے بتائے گی پھر میں وہ جواب آپ کو منتقل کر دوں گا۔ ہوں تو میں بھی مشرقی لڑکا تب ہی تو میں بھی اپنی شادی کی بات خود نہیں کر رہا۔" سیف نے ثابت کر دیا تھا اس جیسا کوئی اور نہیں۔ میرب کے لبوں پر مسکراہٹ تو آئی ہی تھی۔ نانو بھی مسکرا دیں۔

"تو چپ رہ سیفی!" دادی نے محبت سے جھڑکا۔

"چپ کیا رہوں دادی؟ ـــــ مجھے پوچھنے تو دیں۔ ہاں تو کب ہو رہی ہے تمہاری رخصتی میرب؟ وہ تمہارے محترم توپ پر سوار ہو کر آئیں گے یا پالی بادن پر؟" اس کی آنکھوں میں شرارت ہی شرارت تھی۔

"سیفی!" میرب نے گھورتے ہوئے کہا۔

"گھور کیا رہی ہو؟ ـــــ کیا ارادہ بدل لیا ہے؟ ـــــ شادی کا ارادہ نہیں ہے کیا؟"

"تم چپ نہیں ہو گے؟"

"اچھا ـــــ شرم آ رہی ہے۔ چلو، بعد میں پوچھ لوں گا۔ دادی! آپ ان سے بات چیت کریں۔ ذرا کپڑے چینج کر کے آتا ہوں۔" وہ مسکراتا ہوا آگے نکل گیا تھا۔ تب ہی نانو نے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"باقی سب ٹھیک ٹھاک ہے؟ ـــــ اتنے دنوں میں کیوں چکر لگایا؟ مظہر تجھے آنے سے منع کرتا ہے؟" نانو کو خدشہ ہوا تھا۔ میرب نے اپنا سر نفی میں ہلا دیا۔

"نہیں نانو! پاپا نے مجھے کبھی کچھ کرنے سے منع نہیں کیا۔ ان کی اگر کوئی مخالفت ہے تو صرف آپ تک محدود ہے۔ انہوں نے مجھے کسی کام سے کبھی نہیں روکا۔" میرب نے انہیں مطمئن کرنے کی غرض سے کہا تھا۔ پھر ان کی گود سے سر اٹھا کر ان کے سامنے بیٹھ گئی۔

"سب ٹھیک ہے نانو! ـــــ آپ فکر مت کیا کریں۔"

"سب ٹھیک نہیں لگ رہا مجھے ـــــ یہ جو بوڑھی آنکھیں ہیں نا، یہ دھندلا ضرور گئی ہیں مگر یہ اب بھی پہلے سے زیادہ بہتر انداز میں دیکھ پاتی ہے۔ تو مجھے نہ بتا مگر میری نظریں اس گھڑی تجھے دیکھ رہی ہیں اور جان رہی ہیں۔ میری بچی! تو پریشان ہے نا؟ کوئی بات ہے جو تجھے ستا رہی ہے۔ کیا اپنی نانو کو نہیں بتائے گی؟" نانو نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر پوچھا اتنے یقین سے کہا کہ وہ اپنی جگہ ساکت رہ گئی۔ چند لمحوں تک تو کچھ بول ہی نہ سکی تھی۔ پھر سنبھلی تھی اور مسکرا دی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں نانو! بس ذرا......" کوئی بہانہ تلاشنا چاہا تھا۔ مگر اس سے قبل ہی نانو اس کی بات کاٹتے ہوئے گویا ہوئیں۔

"تجھے اگر نہیں بتانا تو نہ بتا۔ مگر مزید پریشان مت ہو۔ میرا ارادہ تیری پریشانی بڑھانے کا نہیں، کم کرنے کا ہے۔ میں تو بس یہی دعا کرتی ہوں کہ خدا تجھے خوش رکھے۔ تجھے آباد رکھے۔" نانو نے اسے دعا دی۔ جواباً کچھ نہیں بول پائی۔

"ایسے موقعوں پر لڑکیاں آمین کہتی ہیں۔ کیا یہ بات بھی مجھے ہی بتانا پڑے گی؟" نانو کے عقب سے سیفی کی آواز ابھری تھی۔ وہ اس کا مسکراتا چہرہ دیکھ کر مسکرا دی تھی۔

"میرے حصے کا آمین تم کہہ چکے ہو۔"

"سب ہی بچے باہر لان میں ہیں۔ تم بھی وہیں چلو۔ میں تمہاری بڑی ممانی سے کہہ کر کھانا لگواتی ہوں۔" نانو بول رہی تھیں۔

"نانو! کھانا پھر کبھی کھاؤں گی میں۔ اس وقت تو چلوں گی۔ اور سیفی! حشر کر دوں گی اب سے کوئی بات مجھ سے چھپائی تو۔" مسکراتے ہوئے شانے پر گھونسا مارتے ہوئے دھمکی دی گئی۔

"میں تمہیں چھوڑ دیتا ہوں۔" سیفی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

مگر اس نے مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا۔

"نہیں ـــــ میں چلی جاؤں گی۔ تم فی الحال آرام کرو۔ تھکے ہوئے ہو۔ خواب دیکھو، اچھے اچھے ستارے۔" میرب کہہ کر باہر نکل آئی۔ باہر آ کر کیب گھر جانے کے لئے کروائی تھی۔ گاڑی راستوں پر

گامزن تھی جب اچانک ہی اس نے ڈرائیور کو گاڑی مخالف سمت موڑنے کو کہا۔ وہ خود نہیں سمجھ سکی کہ اس نے ایسا کیوں کیا تھا۔

اپنے ایک پل کے فیصلے پر وہ خود حیران رہ گئی تھی۔

کب جانے پہچانے راستوں پر چل نکلی تھی۔

وہ ساکت نظروں سے ان منظروں کو، راستوں کو دیکھتی جا رہی تھی۔

گاڑی اس کے اشارے پر رکی۔ وہ اتری، گیٹ کھلا تھا۔ مگر اس کے قدم آگے نہیں بڑھ سکے۔

کیا کہے گی؟

کیا جواز دے گی؟

وہ سمجھ نہیں سکی تھی۔

ایک لمحے میں دماغ ماؤف لگا۔

کوئی پوچھے گا تو وہ کیا کہے گی؟ وہ سمجھ پائی نہ جان پائی تھی۔ شاید اسی بات نے اس کے قدم باندھ لئے تھے۔ شاید اسے اس طرح یہاں نہیں آنا چاہئے تھا۔

اس نے ایک پل میں فیصلہ کیا اور الٹے قدموں واپس مڑی جب اچانک پیچھے آنے والی گاڑی کے بونٹ سے ٹکرا کر نیچے گر گئی۔

سبکتگین حیدر لغاری نے دوسرے ہی پل گاڑی سے نکل کر اسے اٹھا لیا تھا۔ غالباً اپنے سامنے کھڑی اسے دیکھ کر وہ بھی کچھ حیران ضرور ہوا تھا۔

''تم یہاں؟''

نیچے گرنے کے باعث خراشیں اس قدر آ گئی تھیں کہ وہ درد سے کچھ بول ہی نہ سکی۔ ساری کلائیاں چھل گئی تھیں۔ سردار سبکتگین نے اس کے خون رستے بازوؤں کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

''چوٹ آ گئی تمہیں تو ـــــ چلو ڈاکٹر کے پاس لے چلتا ہوں۔''

ایک نوازش ہوئی تھی۔ جانے کیونکر۔ مگر وہ سرنفی میں ہلاتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔ گھٹنے میں شدید درد محسوس ہوا تھا۔ سبکتگین نے اسے اپنے مضبوط بازو کا سہارا دیا۔

''اس کی ضرورت نہیں۔ میں ٹھیک ہوں۔'' اس نے ہسپتال جانے سے انکار کر دیا۔

''لیکن تم یہاں آئی کیوں تھیں؟'' وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ وہ شخص اس سے جواز چاہ رہا تھا۔ لہجہ سرد تھا اور سپاٹ بھی۔ میرب اس کی آنکھوں میں جھانکنے کی کوشش کرتے ہوئے ہار گئی۔

آنکھیں پانیوں سے لبالب پھر بھر گئی تھیں۔ احتمال تھا کہ چھلک جاتیں، وہ نگاہ پھیر گئی۔ چوٹ نے کچھ بھرم رکھ لیا تھا۔ وہ اگر اس کی آنکھوں کی نمی دیکھ بھی رہا تھا تو یہی سمجھ رہا ہو گا یہ نمی اس اچانک لگنے والی چوٹ کے باعث ہے۔ مگر جواز ـــــ بروقت کوئی جواز دینا تو ضروری تھا۔

''میرا ـــــ میرا کچھ سامان یہاں رہ گیا تھا۔ کچھ ـــــ کچھ بکس اور ـــــ'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے کچھ کہنے سے قبل ہی سرد مہری سے چہرہ پھیرتے ہوئے واچ مین کو گیٹ بند کرنے

کا کہہ دیا تھا۔ پھر اسے سہارا دے کر اس کے منع کرنے کے باوجود گاڑی میں بٹھایا اور خود ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے گاڑی راستوں پر ڈال دی تھی۔

میرب سیال بھیگی آنکھوں سے اسے چپ چاپ دیکھتی رہ گئی تھی۔

کوئی جواز دے سکی نہ کوئی وضاحت۔

کبھی چپ سی لگی تھی لبوں پر۔

اور خاموش تھا وہ شخص بھی۔

وقت کے ہاتھوں میں جیسے اس وقت، اس گھڑی سب کچھ تھا۔ جو چاہتا کہانی لکھ دیتا۔ عجب سوچی سی گھڑیاں تھیں وہ۔ کچھ عجب اسم پھونکنے والی۔

وہ دونوں خاموش تھے۔ اپنی اپنی جگہ چپ تھے۔ مگر شاید دونوں ہی اس کیفیت کے زیر اثر تھے دونوں ہی نگاہ چرا رہے تھے۔ وقت سے آنکھیں پھیر رہے تھے۔

میرب نے دانستہ اس پر نگاہ کی تھی۔ اس شخص کو دیکھا تھا۔ دل چاہا تھا، کوئی بات ہو۔ دل میں کئی خواہشوں کا پہرہ تھا مگر وہ لمحے چپ چاپ گزر رہے تھے۔

بنا کوئی کہانی لکھے۔

''آپ نے خوامخواہ زحمت کی۔۔۔۔ میں ٹھیک تھی۔'' اس نے ٹریٹمنٹ کے بعد ہسپتال سے نکلتے کہا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے جواباً اسے خاموشی سے ایک نگاہ دیکھا تھا۔ پھر گردن دوبارہ موڑلی قدرے توقف سے بولا تھا۔

''ڈاکٹر نے دو ہفتے کے بیڈ ریسٹ کے لیے کہا ہے۔ چلنے جلنے سے بالکل منع کیا ہے۔ کسی نئی ... مت نکل جائیے گا۔'' انداز عجب ڈپٹنے والا تھا۔ میرب سیال کے لیے یہ نیا پن تھا۔ مگر اس وقت ... کچھ غنیمت لگا تھا۔

''ہاں، ماؤنٹ ایورسٹ تو مجھے ہی سر کرنا ہے نا۔'' وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی تھی۔ ''آپ ... ماؤنٹ ایورسٹ سے کم تو نہیں۔'' آواز بہت کم تھی۔ وہ غصہ نکالنے کو منہ ہی منہ میں بڑبڑائی تھی۔ سبکتگین حیدر لغاری کے کانوں تک کچھ آواز پھر بھی جیسے پہنچ گئی تھی۔

''کچھ کہا آپ نے؟'' ایک نگاہ سرسری انداز میں اس پر ڈال کر دریافت کیا تھا۔

''نہیں۔'' میرب نے بڑے ہی لاتعلق انداز میں اس کی طرف دیکھے بغیر کہا تھا۔ سردار سبکتگین لغاری نے ڈرائیونگ کرتے ہوئے ایک نگاہ بھرپور انداز میں اس پر ڈالی تھی۔

''کچھ کھانا ہے آپ کو؟''

میرب سیال اس سے قطع نظر ہاتھ آگے بڑھا کر اس کے میوزک کلیکشن کو چیک کر رہی تھی۔ اچانک مہربانی نے کچھ چونکایا ضرور تھا مگر وہ زیادہ حیرت ظاہر کیے بغیر صرف ایک نظر اس شخص ...

... متوجہ ہو گئی تھی۔

... بھی اپنے جیسا رکھا ہوا ہے۔ کوئی ایک ڈھنگ کا نہیں۔'' وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی تھی۔ اس ... دیکھے بغیر۔

... نے پوچھا، کچھ کھانا ہے آپ کو؟''

... تو اس نے صبح سے کچھ نہیں تھا۔ اس شخص کی مہربانی پر کچھ حیرت بھی تھی۔ درمیانی دیوار اتنی بڑی ... کا جواب یقیناً نہیں ہی ہوتا۔ مگر جانے کیسے اس نے نگاہ اس شخص کی جانب کی تھی اور سر خود بخود ... ہل گیا تھا۔ پھر نگاہ پھیر کر اس نے ساری توجہ اس میوزک سسٹم پر مرکوز کر دی تھی۔

... شام و سحر یہاں وہاں
... ڈھونڈا کیے تیرے نشاں
... ے پیا!
... ے بنا
... ہائے نہ
... شام و سحر یہاں وہاں
... ڈھونڈا کیے تیرے نشاں

... کی آواز ماحول کی ترجمانی کرنے لگی تھی۔ میرب نے دوسرے ہی پل ہاتھ بڑھا کر پلیئر آف کر ... سردار سبکتگین حیدر نے اس کے اس اقدام کو بہت سرسری انداز میں دیکھا تھا اور بنا کوئی ردعمل ظاہر ... ریسٹورنٹ کے سامنے روک دی تھی اور اس کے اترنے کا منتظر ہو کر اس کی جانب متوجہ ہوا تھا۔ ... نے یوں تاثر دیا تھا جیسے وہ قطعاً نابلد ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔

... ہیں گی آپ؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے یاد دلایا تھا کہ یہاں گاڑی روکنے کا مقصد کیا ...

... آپ نے ہی تو کہا تھا، ڈاکٹر نے بیڈ ریسٹ کے لیے کہا ہے۔'' میرب نے ری مائنڈ کروایا تھا۔ وہ ... کر رہ گیا تھا۔

... سوچ کر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے شانے اچکائے تھے۔ میرب سیال نے سوالیہ نظروں سے ... دیکھا تھا۔ جواباً وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکلا اور گھوم کر اس کی طرف آیا۔ دروازہ کھولا اور میرب ... سمجھنے کا موقع دیے بغیر جھک کر اسے بازوؤں میں لیا اور اٹھا کر چلتے ہوئے ریسٹورنٹ میں داخل ... ایسا کرتے ہوئے سردار سبکتگین حیدر لغاری کو کیسا لگا تھا، وہ نہیں جانتی تھی۔ مگر وہ اتنی سکی محسوس کر ... اس کی آنکھیں خود بخود میچ گئی تھیں۔

... اتنا اچانک تھا کہ وہ سنبھل تک نہ سکی۔

... کے بعد قربتیں اتنی بڑھیں گی وہ سوچ تک نہیں سکتی تھی۔ اور وہ بھی اس پر ہجوم مقام پر۔ ... کی پناہوں میں خود کو پانا ایک دلفریب احساس تھا۔ دل ساتویں آسمان پر اڑنے کو تھا۔ کتنا محفوظ ...

محسوس کر رہی تھی وہ خود کو۔ کتنا متغیر۔

اچانک اسے اپنا آپ بہت بلندیوں پر لگا تھا۔

اس کے کان سبکتگین حیدر لغاری کی دھڑکنوں کے کتنے قریب تھے۔ کاش وہ دل اس کے لیے سکتا۔ دھک، دھک کی اس آواز میں کوئی صدا اس کے نام کی بھی ہوتی۔

حسرتوں نے اپنے پاؤں ایک دم سمیٹے تھے۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے نرم و نازک چیئر پر بٹھایا۔ اس کی پناہوں میں بدستور موجود میرب نے آنکھیں کھول دیا۔ کتنے لوگ دکھ رہے اس نے آنکھیں ایک لمحے میں دوبارہ میچ لیں۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی گردن میں اس کی نازک اب تک موجود تھی جیسے وہ اس کی پناہ سے نکلنا نہیں چاہتی ہو۔ اس خواب کو توڑنا نہیں چاہتی تھی۔

"مکمل کر دو——"

اس کا جملہ اس کے اندر ابھرا تھا اور بازگشت دور تک گئی تھی۔

"مکمل کر دو——"

اس کے لب بہت بے خودی میں، بہت آہستگی سے ہلے تھے۔ اسے احساس تک نہ ہوا تھا کرشمے کے ہونے کا اس لمحے یقین نہیں کر رہی تھی۔ اسے گمان بھی نہ تھا۔ نہ کوئی خوش فہمی۔

مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری کے اس سے یک دم دور ہو جانے پر اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا جیسے کسی خواب سے بیدار ہوئی ہو۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کا انداز معمول پر تھا۔ جیسے کوئی ہو، کوئی انوکھی بات نہیں ہوئی ہو۔

اس ایک بات کی ہلچل سردار سبکتگین حیدر لغاری کی دنیا میں کہیں دکھائی نہیں دی تھی۔ تو کیا سردار سبکتگین حیدر لغاری کے کانوں تک نہ پہنچی تھی؟

اس کی دھڑکنوں کا ارتعاش ایک لمحے کو تھا۔

تو وہ آواز صرف اس کے اندر گھٹ کر رہ گئی تھی۔

وہ فسوں ساز لمحے گزر چکے تھے۔

جان کا فسوں ختم چکا تھا۔

وہ ایک لمحے کا طلسم جامد ہو چکا تھا۔

کیا ہوتا جو وہ آواز لبوں تک آ پاتی۔

اس کی سماعتوں تک جا پاتی۔

تو کیا پھر کوئی کرشمے ہو جاتے۔

وہ فسوں کچھ کام کر جاتا۔

وہ سوچنے کی خواہش رکھتے ہوئے بھی زیادہ سوچ نہیں پائی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری سامنے پھیلائے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ شاید وہ کچھ دریافت بھی کر رہا تھا۔ میرب نے کچھ بغیر سراثبات میں ہلا دیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے خاموش ہو کر اس کا جائزہ لیا تھا۔ پھر

دیا تھا۔ میرب اس کی سمت اپنی پوری جاں سے متوجہ تھی۔ دل جانے کیوں ٹھہر جانے کو تھا۔
سا ہو رہا تھا۔ ان لمحوں کو روک لینے کا خواہاں تھا۔

ایم سوری۔" سردار سبکتگین اچانک اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا تو وہ چونکی۔ اچانک ایک
کہیں اندر ابھری تھی۔

وہاٹ؟"

انجیڈنٹ کے لئے۔ آپ کو یہ درد میری وجہ سے ملا۔ کوئی پوچھے گا تو آپ کیا کہیں گی؟" وہ
لہجہ کچھ اجنبی لگا تھا۔ میرب کو ایک لمحے میں سارے منظر انہی سرد خانوں میں سمٹے لپٹے نظر

صرف آپ کی ہی نہیں ہے۔" نگاہ اس پر سے ہٹا کر وہ آہستگی سے تسلیم کرتے ہوئے بولی تھی۔
بھی تھی۔" پتہ نہیں کس ضمن میں وہ بول رہی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے کسی قدر
دیکھا تھا۔ مگر وہ نگاہ دوسرے ہی لمحے سرسری انداز میں تبدیل ہو چکی تھی۔
بعد کچھ لمحے ساتھ گزارنے کو ملے تھے۔
لمحے بھی بہت غنیمت لگے تھے۔ وہ ان لمحوں کے تاثر کو زائل کرنا نہیں چاہتی تھی۔ بھرپور طور پر
چاہتی تھی۔ مگر دوسری طرف کی خاموشی کا وہ کیا کرتی۔
——— آپ کچھ کھا نہیں رہیں؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے دیکھا۔ وہ سر جھکائے
سبکتگین کی نگاہ اس کی بینڈیج والی کلائی پر گئی تھی۔
" وہ انڈراسٹینڈ کرتے ہوئے اپنا چمچ اپنی پلیٹ میں رکھ کر اس کی جانب متوجہ ہوا اور اس کا چمچ
کھلانے لگا۔

حیرت بھری آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتی جا رہی تھی۔ یہ لمحے کیا کر رہے تھے اس کے
کیا اسم پھونک رہے تھے؟
مد کر رہا تھا۔
خواہشوں نے اس کے گرد اپنے پر پھیلائے تھے۔
حیرت کدے میں کھڑی تھی۔ وہ اس کے روبرو تھا، ساتھ تھا۔
اس قدر دور دکھائی کیوں دے رہا تھا؟
آنکھوں سے چپ چاپ اسے بھرپور توجہ سے کھانا کھلاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

❋❋❋

جیا نہیں لاگے
سورے سا جیا
جیا نہیں لاگے
سورے پیارے سا جیا

دوئم

رات اندھیری

گگنوں میں تارے

کیسے آؤں پیا تورے دوارے

لاگے نہ موراجیا

میوزک گاڑی میں بج رہا تھا۔ وہ چپ تھا۔ مکمل چپ ساہیہ نے اسے صرف خاموشی سے دیکھا تھا

فوری طور پر کچھ نہیں بولی تھی۔

"کیا ہوا؟۔۔۔۔ تم اس طرح چپ کیوں ہو؟" اذہان نے اسے چپ دیکھ کر خود ہی دریافت کیا

مسکرا دی۔

"میں چپ نہیں ہوں۔ تمہاری گاڑی میں سی ڈی پلیئر اتنا اچھا بج رہا تھا کہ میں تو کھو ہی گئی" اس کا

انداز انتہائی غیر سنجیدہ تھا۔ اذہان ایک ٹرانس میں ہونے کے باوجود مسکرا دیا تھا۔ جس طرح اس نے

نام تک گنوا دیا تھا، وہ اس لہجے میں چھپے طنز کو سمجھ سکتا تھا۔

"نہیں، ریئلی ساؤنڈ اچھا ہے۔ میں بھی اپنی گاڑی میں یہی میوزک سسٹم لگواؤں گی۔"

"ہا۔۔۔۔ ہا۔۔۔۔ ہا۔۔۔۔ اوکے، میں تمہاری مدد کروں گا۔ نو پرابلم، اپنی ٹائم۔ مگر اس لئے

سوؤ زیادہ اہم ہے۔"

"اوہ ریئلی؟۔۔۔۔ آپ کو اس بات کا اندازہ ہے؟" وہ اتنے پُر سکون انداز میں بات کرتی

تھی کہ وہ کسی قدر شرمندہ سا ہو جاتا تھا۔

"آئی ایم سوری۔" وہ اسی نرمی سے مسکرائی تھی۔

"تم جانتی ہو، ہم میں بہت سی باتیں ایسی ہیں ساہیہ! جو ہمیں ایک دوسرے سے کہنے کی ضرورت

نہیں ہے۔" وہ بولا تو ساہیہ مسکرا دی تھی۔

"ضرورت ہوتی ہے اذہان! اور میں سوچتی ہوں ضرورت باقی رہنی چاہئے۔ اگر ان چھوٹی

باتوں کی ضرورت باقی نہ رہی تو شاید۔۔۔۔ اینی ہاؤ، تمہیں میں نے اپنے نئے ریسٹورنٹ کے

دیکھنے کو کہا تھا۔"

"ہاں۔ تمہیں اگر دیر نہیں ہو رہی تو ہم میرب کی طرف ہو لیں؟ وہ ٹھیک نہیں ہے۔ بات

غالباً کوئی ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔"

"وہاٹ؟۔۔۔۔ کیسے؟۔۔۔۔ اب ٹھیک ہے وہ؟" ساہیہ کو تشویش ہوئی تھی۔

"ویل۔۔۔۔ آئی ہوپ۔ مگر زیادہ بڑا ایکسیڈنٹ نہیں ہوا۔ بتا رہی تھی معمولی چوٹیں آئی ہیں

لڑکی کی معمولی چوٹوں کو بھی جانتا ہوں میں۔ وہ اپنی زندگی میں اپنے لئے بالکل بھی کنسرن نہیں

اس کا سب سے بڑا پرابلم ہے۔"

وہ یوں بول رہا تھا، بنا اس کے احساسات کی پرواہ کئے۔ ساہیہ اسے سنتے ہوئے بہت

مسکرا رہی تھی

"آپ اچھی طرح سے جانتے ہو اسے؟" پتہ نہیں سوال تھا یا حیرت کا بھرپور اظہار۔ وہ بنا توجہ دیئے

پہلو پر بولا تھا۔

"جانوں گا کیسے نہیں۔ ہم ایک مدت تک ساتھ رہے ہیں اور......" ایک دم ہی اسے اپنی بات کا

احساس ہوا تو بات وہیں پر ادھوری چھوڑ دی تھی۔

ساہیہ بنا اسے کسی بات کا احساس دلائے یا جتائے چہرہ پھیر گئی تھی۔

وہ بھی کچھ نہیں بولا تھا۔

"کہاں جا رہے ہیں ہم؟" ساہیہ کی نگاہ راستوں پر پڑی تو بولی تھی۔ "تم تو وہی گھر کی طرف آ رہے

میرب کی طرف نہیں جانا؟"

"نہیں۔" انداز پُر سکون تھا۔

"کیوں؟"

"ابھی نہیں۔۔۔۔ آج نہیں۔۔۔۔ میں پھر کسی وقت چلا جاؤں گا۔ تم بتاؤ، کہاں جانا ہے؟" وہ اپنی

توجہ اس پر مرکوز کرتا ہوا بولا تھا۔

"کہاں جانا ہے، کیا مطلب؟۔۔۔۔ ہم میرب کی طرف جا رہے ہیں۔ پلیز ڈونٹ بی اسٹوپڈ۔ مجھے

اس سے ملنا ہے۔ اتنی ساری اچھی باتیں سنی ہیں میں نے اس اچھی سی لڑکی کی۔ اب میں بھی اس سے

ملوں گی۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

"شیور؟" وہ جیسے اسے پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

وہ جانے کیوں مسکرا دی تھی۔

"آف کورس۔ کیوں، تم مجھے اس سے ملوانا نہیں چاہتے؟"

"تم جانتی ہو، ایسی بات نہیں ہے ساہیہ!" وہ اپنے آپ کا مکمل دفاع کرنے کی کوشش کرتے ہوئے

بولا۔

"ہاں۔۔۔۔ میں جانتی ہوں۔"

"کیا جانتی ہو تم؟" وہ چونکا تھا۔

"تم مجھ سے محبت کرنے لگے ہو۔" وہ محظوظ ہو کر مسکرائی تھی۔ اذہان ایک گہری سانس خارج کرتے

مسکرا دیا تھا۔

"ساہیہ! تم بھی نا۔"

"تم بھی نا، وہاٹ؟ کیا تم مجھ سے محبت نہیں کرتے؟"

"مجبوراً کرتا ہوں۔۔۔۔ میں ایک مشرقی قسم کا بندہ ہوں ساہیہ! اب تم سے محبت نہیں کروں گا تو اور

کس سے کروں گا۔" وہ جس انداز سے بولا تھا اس پر وہ ہنس دی تھی۔

"یعنی مجھ سے محبت کرنا اب تمہاری مجبوری ہے؟"

"نہیں، خواہش۔" وہ جواباً پُر سکون انداز میں مسکرایا تھا۔

''یہ خواہش حسرت ہی نہ بن جائے کہیں۔'' وہ بے تاثر لہجے میں کہتی ہوئی راستوں پر نگاہ ڈالتی بول رہی تھی۔ پھر اس کی طرف دیکھا تھا

''اور یہ تم پھر میرب کی طرف نہیں چل رہے۔ اگر تم مجھے اس سے ملوانا نہیں چاہتے تو ٹھیک ہے۔''

''ایسی بات نہیں ہے کہ میں تمہیں اس سے ملوانا نہیں چاہتا۔''

''پھر کیا وہ مجھ سے ملنا نہیں چاہتی؟''

''نہیں ـــــ ایسا بھی نہیں ہے۔''

''یوں بھی ہے۔ تم خود ضرور اس سے مل لینا۔''

''کیا مطلب؟'' وہ چونکا تھا مگر وہ کچھ کہے بغیر چہرہ پھیر گئی تھی۔

''تم مجھ پر شک کرنا چاہتی ہو؟''

''نہیں۔''

''پھر؟''

''محبت کرنا چاہتی ہوں۔'' وہ اس کی تمام ٹینشن ایک پل میں رفع کرتی ہوئی مسکرا دی تھی۔

''ساہیہ! تم ـــــ'' وہ مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

''اذہان! تم جتنے سیدھے نظر آتے ہو، ہو نہیں۔''

''مطلب؟''

''مطلب یہ کہ آپ اچھا خاصا بے وقوف بنا سکتے ہیں۔''

''رئیلی؟'' وہ ونڈ اسکرین سے نگاہ ہٹا کر اس کی طرف دیکھتا ہوا مسکرایا تھا۔

''ہاں۔'' ساہیہ مسکراتے ہوئے نگاہ ہٹا گئی تھی۔

''کیا ہوا؟'' اذہان نے اسے بغور دیکھا تھا۔

''کچھ نہیں۔'' ساہیہ نے اس کی طرف دیکھنے سے گریز کیا تھا۔

ساہیہ اس لمحے اس کی طرف نہیں دیکھ سکی تھی۔ اس کی طرف سے رخ پھیرے پھیرے سرخی میں ہلا تھا۔ اذہان کو زیادہ حیرت نہیں ہوئی تھی۔ شاید اسی لئے وہ مزید کچھ نہیں بولا تھا۔

❋❋❋

باہر بارش ہو رہی تھی۔

انابیہ ویران گھر میں تنہا کھڑی تھی۔ کھڑکی سے باہر کا منظر کچھ خاص اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ اچھا تو ان دنوں کچھ بھی نہیں لگ رہا تھا۔

عمر کیسے کٹے گی ساری
جی نہیں لگ رہا محبت میں

اس نے سیل اٹھا کر یوں ہی اس کا نمبر ڈائریکٹری سے نکالا تھا۔ انگلی پش کے بٹن پر تھی۔ دل چاہا مگر اس نے ہاتھ کو کوئی حرکت دیے بغیر ـــــ صرف اس نمبر کو بغور دیکھا تھا اور پھر اینڈ کا بٹن پش کر

بالآخر منقطع کر دیا تھا۔

وہ تنہا گھر میں ڈر نہیں رہی تھی مگر وہ اپنے اردگرد کسی کو چاہ ضرور رہی تھی۔

دل پتہ نہیں کیوں چاہ رہا تھا کہ اسے آس پاس ہونا چاہئے۔

کیسی خواہش تھی یہ؟

کیسی لگن تھی؟

وہ جان نہیں پائی تھی۔

وہ ہمیشہ اس سے دور جانے کے اقدامات کرتی رہی تھی۔ پھر اب یہ خواہش کیوں سر ابھار رہی تھی۔ اس نے ہر طرف سے دھیان ہٹا کر پھر سیل فون ہاتھ میں لیا اور اس کا نمبر اب کے ملا دیا۔

ایک ـــــ دو ـــــ تین ـــــ

''ہیلو!''

تیسری بیل پر کال ریسیو ہو گئی تھی۔ اور عفنان علی خان کی بھاری آواز اس کی سماعتوں میں تھی۔ انابیہ کی طرف فوری طور پر کچھ بول نہیں سکی تھی۔

''ہیلو!'' عفنان اس کے چپ رہنے پر الجھن سے دوبارہ بولا تھا۔

''ہیلو ـــــ میں بات کر رہی ہوں۔'' انابیہ نے ہمت کر کے بمشکل کہا۔ وہ لمحہ بھر کو چپ ہو گیا پھر ملائمت سے بولا تھا۔

''ہاں، بولو۔''

''وہ...... میں......'' سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا، کیا بولے۔

''ڈر لگ رہا ہے؟'' عفنان نے دریافت کیا تھا۔

''نہیں...... وہ......'' انابیہ کچھ بول نہیں سکی تھی۔ ''وہ میں چاہ رہی تھی میں لامعہ کی طرف ہو آؤں۔''

''اس موسم میں؟'' عفنان کو حیرت ہوئی تھی۔

''ہاں ـــــ اکیلی گھر پر اور کیا کروں؟''

''کس کے ساتھ جائیں گی؟''

''پتہ نہیں۔'' بے خبری سی بے خبری تھی۔

''اگر جانا اتنا ضروری نہیں اور آپ میرا انتظار کر سکتی ہیں تو کر لیجئے۔ میں تھوڑی دیر میں کام ختم کر کے نکل رہا ہوں۔'' کوئی بھی دوسری بات سنے بغیر دوسری طرف سے فون رکھ دیا گیا تھا۔ انابیہ ہاتھ میں سیل تھامے کھڑی رہ گئی تھی۔

❋❋❋

''کیسے چوٹ لگوائی یہ تم نے؟'' فارحہ کو پتہ چلا تو رہ نہیں سکیں۔ بہت عرصے بعد وہ اسی بہانے ہی دوبارہ اس گھر میں آئی تھیں۔ آخری بار وہ تب آئی تھیں جب ماما کی موت کا سانحہ گزرا تھا۔ میرب فارحہ کے آنے پر خوش تھی۔

''بس آنٹی! لگ گئی۔ آپ پریشان نہیں ہوں۔ زیادہ بڑی چوٹ نہیں ہے۔ معمولی سی ہے۔ جلدی ٹھیک ہو جاؤں گی۔ اذہان نہیں آیا؟''

''ہاں۔۔۔ وہ کہہ رہا تھا آنے کو۔ مگر پھر شاید کوئی ضروری کام آن پڑا۔ آئے گا وہ۔ تمہاری سسرال والوں کو پتہ چلا کہ کیا ہوا ہے؟''

''کیا؟'' وہ چونکی تھی۔

''اس ایکسیڈنٹ کے متعلق پوچھ رہی ہوں۔'' فارحہ آنٹی نے اس کے حیران ہونے پر وضاحت کی تھی۔

''اوہ۔۔۔ اچھا۔۔۔'' میرب کو قدرے اطمینان ہوا تھا۔ ''شاید کسی نے بتا دیا ہو۔'' اس نے سرسری انداز میں بات سمیٹی تھی۔

''کیا مطلب؟۔۔۔ تم نے انہیں نہیں بتایا؟''

''نہیں۔ مگر زوباریہ نے شاید بتا دیا ہو۔'' اس نے چائے کی ٹرالی لئے اندر آتی زوباریہ کو مسکراتے ہوئے دیکھا۔

''کیا۔۔۔؟'' زوباریہ نے دریافت کیا۔

''فارحہ آنٹی پوچھ رہی ہیں، آپ نے لغاری کے گھر والوں کو اس ایکسیڈنٹ کے بارے میں بتایا کہ نہیں؟''

''ہاں، بات ہوئی تھی میری لغاری کی مائی سے۔ بتا دیا تھا میں نے انہیں۔ آپ کیسی ہیں؟۔۔۔ میرب کی آنٹی ہیں آپ، پھر بھی اتنا کم آتی ہیں۔'' زوباریہ نے مسکراتے ہوئے اپنائیت کا بھرپور احساس دیا تھا۔

''بس، وقت ہی نہیں ملتا۔'' فارحہ نرمی سے مسکرا دیں۔

''اپنوں سے ملنے کے لئے وقت نکالنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔''

''ہاں۔۔۔ ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔'' فارحہ نے مکمل اتفاق کیا۔

''اب آتے رہنے کی کوشش کرتی رہوں گی۔ مظہر بھائی کیسے ہیں؟''

''ٹھیک ہیں۔'' زوباریہ نے جواب دیا اور چائے کا کپ انہیں تھما دیا۔

''کافی عرصہ گزر گیا ان کو دیکھے، ان سے ملے۔ میرب کی رخصتی کب کر رہے ہیں آپ؟'' فارحہ نے دریافت کیا تھا۔

''بس دیکھیں۔۔۔ مظہر کیا کرتے ہیں۔ اس کی سسرال نے تو جلدی مچائی ہوئی ہے۔''

''ہاں، اتنی پیاری بہو کون نہیں چاہے گا۔'' فارحہ نے اس کے چہرے کو چھوا تھا۔

''آپ نے بھی تو بیٹے کی منگنی کی ہے نا۔'' زوباریہ نے دریافت کیا تھا۔

میرب کو اس وقت وہ ذکر کچھ عجیب لگ رہا تھا۔ دھیان اس طرف سے زیادہ اس طرف تھا۔ کل [illegible]

''کیا ہوا؟۔۔۔ کیا سوچ رہی ہو تم؟۔۔۔ کوئی پریشانی ہے؟'' زوباریہ کے جانے کے بعد فارحہ نے اس سے دریافت کیا تو میرب نے سر انکار میں ہلا دیا۔

''نہیں۔۔۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں ٹھیک ہوں۔''

''شیور؟'' فارحہ نے جانچتی نظروں سے اسے دیکھا۔

میرب نے نگاہ پھیرتے ہوئے سر ہلا دیا۔

''تم اس شادی سے خوش ہو نا؟'' فارحہ کو جانے کیوں تشویش ہوئی تھی۔

''جی آنٹی!۔۔۔ سب ٹھیک ہے۔''

''سب ٹھیک ہے تو پھر تم خوش دکھائی کیوں نہیں دے رہیں؟''

''میں خوش ہوں۔'' وہ ایک لمحے میں جیسے زبردستی مسکرائی تھی۔

''تم نے بتایا نہیں، یہ ایکسیڈنٹ کیسے ہوا؟''

''وہ بس اچانک۔۔۔ نانو کے گھر سے واپسی پر۔'' وہ کوئی واضح جواب نہیں دے سکی تھی۔ ''ماہا کی شادی کی بات کہاں تک پہنچی؟'' میرب نے بات بدل دی تھی۔

''ہاں، بس چل رہی ہے۔ دعا کرو سب اچھا اچھا ہو جائے۔ بچوں کی خوشیوں کی فکر ان سے زیادہ ہمیں ہوتی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں ہم کچھ سمجھتے نہیں۔ انہیں یہ نہیں خبر ہم ان کے دل کی جان رہے ہوتے ہیں۔'' فارحہ نے پتہ نہیں کیا جتانا چاہا تھا۔ وہ بس پھیکے سے انداز میں مسکرا دی تھی۔

''آنٹی! مجھے امید ہے سب اچھا ہو جائے گا۔ ماہا کی شادی دھوم دھام سے ہو گی۔''

''ہاں۔۔۔ خدا تمہاری زبان مبارک کرے۔ تمہاری بھی اتنی ہی دھوم دھام سے ہو۔ ہم والدین تو اپنے بچوں کو خوش دیکھنا چاہتے ہیں۔''

''ہم بھی۔''

''یہ مظہر بھائی کب تک آتے ہیں؟۔۔۔ سوچا آج آئی ہوں تو ان سے بھی ملتی چلوں۔''

''پتہ نہیں۔۔۔ شاید دیر لگے۔ آپ آتی جاتی رہیے گا نا اب۔ آپ کا ناتا مجھ سے جڑا ہوا ہے نا۔ یا وہ بھی ختم ہو گیا؟'' میرب بولی تو انہوں نے مسکراتے ہوئے اس کا چہرہ ہاتھ میں لیا۔ پھر پیشانی پر پیار کرتے ہوئے بولیں۔

''یہ رشتہ کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔ میں نے تو اس رشتے کے اور بھی گہرا ہونے کا خواب دیکھا تھا مگر...... میں خوش ہوں اور اپنی پیاری سی بیٹی کے خوش رہنے کی دعا کرتی ہوں۔ خدا تمہارا نصیب اچھا کرے۔'' آنٹی کی دعاؤں کو جانے قبول ہونا تھا یا کہ نہیں، وہ نہیں جانتی تھی۔ بس وہ اتنا جانتی تھی کہ اس وقت اس کے اندر ایک اضطرابیت کے سوا کچھ نہ تھا۔

❋❋❋

''آپ تیار نہیں ہوئیں؟'' وہ سیڑھیوں پر بیٹھی تھی جب وہ چلتا ہوا اس کے پاس آن بیٹھا تھا۔ اتا بیہ نے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"میں نے سوچا آپ آجائیں تو ——"

"آپ کو لگا نہیں آؤں گا میں؟" عفنان نے اسے کسی قدر حیرت سے دیکھا تھا جیسے وہ اس سے اس طرح کی توقع رکھتا تھا۔

"نہیں —— ایسی کوئی بات نہیں تھی۔" وہ اس کی طرف دیکھے بغیر مدھم لہجے میں بولی۔

"تو پھر؟" عفنان علی خان نے استفسار کیا۔

"دل نہیں چاہ رہا۔" بہت کمزور سی وضاحت آئی تھی۔

"کیا مطلب؟" عفنان چونکا۔

"مطلب یہ کہ اب موڈ نہیں۔" اس نے ایک نگاہ اسے دیکھ کر کہا۔ عفنان علی خان کو کچھ حیرت اب بھی نہیں ہوئی تھی۔ اس نے بس خاموشی سے اسے دیکھا۔

"پھر ——؟" قدرے توقف سے وضاحت طلب کی گئی۔

"مطلب؟" انابیہ سمجھی نہیں تھی۔

"پھر کیا کرنا ہے؟"

"پتہ نہیں۔"

"کہیں جانا ہے؟"

"پتہ نہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"کچھ نہیں۔"

"بات کا پتہ ہے آپ کو؟"

"نہیں۔"

"تو پھر پتہ کیجئے۔"

"رائٹ۔"

"آپ بہت........"

"کیا؟"

"کچھ نہیں۔" عفنان نے مزید کچھ بولنا مناسب خیال نہیں کیا تھا۔ کچھ دیر خاموشی سے بیٹھا تھا پھر کھڑا ہو گیا۔ اسی لمحے وہ بولی۔

"گاڑی کی چابی مل سکتی ہے مجھے؟"

وہ چونکا تھا۔

"کس لئے؟"

"کیا میں اپنی مرضی سے کہیں جا بھی نہیں سکتی؟"

"موسم دیکھ رہی ہیں آپ؟ —— اس موسم میں اکیلی کہاں جائیں گی؟"

"کہیں بھی۔" وہ سر جھکا کر منہ ہی منہ میں بڑبڑائی تھی۔

"کیا کہا آپ نے؟" عفنان نے وضاحت چاہی تھی۔

"گھٹن ہوتی ہے مجھے۔ گھٹن ہو رہی ہے۔ دم گھٹ رہا ہے میرا اندر آپ کے اس قید خانے میں۔ بلی دیواروں کو دیکھتے دیکھتے تھک چکی ہوں میں۔" انابیہ کا ضبط جواب دے گیا تھا۔ عفنان نے کچھ دیر خاموشی سے دیکھا تھا پھر اس کا ہاتھ تھام کر اسے کھڑا کیا اور لے کر چلتا ہوا گاڑی کی طرف بڑھنے لگا۔

وہ پُراطمینان دکھائی دے رہا تھا۔

انابیہ اس کے اقدام پر حیران تھی لیکن فوری طور پر کچھ بول نہیں سکی تھی۔

"کہاں جانا ہے؟" عفنان نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے پوچھا مگر وہ کچھ نہیں بولی۔

عفنان علی خان نے ایک لمحے کو انتظار کیا پھر بنا کچھ مزید دریافت کئے گاڑی آگے بڑھا دی۔

"آپ مجھے نہیں بتائیں گی تو میں بھی یوں ہی چپ چاپ گاڑی چلاتا رہوں گا۔"

"کیوں کریں گے آپ ایسا؟ —— اتنا فالتو وقت ہے آپ کے پاس؟" انابیہ نے جیسے جل کر دریافت کیا تھا۔

عفنان نے کچھ کہے بغیر صرف ایک نگاہ خاموشی سے اس پر ڈالی۔

"ہمیشہ وہ مت سوچا کریں جو آپ کے دماغ میں آتا ہے۔ کبھی وہ بھی سوچ لیا کریں جو آپ سوچنا نہیں چاہتی ہیں۔" اس کی طرف دیکھے بغیر بھرپور انداز میں شکوہ کیا گیا تھا۔

وہ اس کی طرف دیکھ کر رہ گئی۔ کیسا شکوہ تھا؟ —— کیسا طنز تھا؟

کیا سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا؟

"آپ کو لگتا ہے کہ غلطیاں صرف ایک ہی فرد کر سکتا ہے؟" اس نے کسی قدر جل کر پوچھا۔ وہ جانے کس اطمینان سے منہ پھیر کر مسکرا دیا۔

"اب آپ یہ سمجھ رہی ہیں کہ میں آپ پر الزام لگا رہا ہوں۔" اس نے اپنے طور پر نتیجہ اخذ کیا۔

"نہیں —— میں نے ایسا کچھ نہیں کہا۔"

"تو پھر آپ نے کیا کہا؟"

"آپ لڑنے کے موڈ میں ہیں؟" وہ اطمینان سے پوچھ رہا تھا۔

"صرف میں؟" الٹا وہ پوچھنے لگی تھی۔

"تو آپ کا کیا خیال ہے، میں بھی؟"

"آپ کا نہیں لانے کا موڈ تھا تو سیدھے سے منع کر دیتے —— اس طرح سب کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" وہ جل کر بولی۔ بڑے دنوں بعد درمیان کی خاموشی ٹوٹی تھی۔ جھگڑ رہی تھی مگر وہ اس سے بات تو کر رہی تھی۔ جھگڑے کا یہ انداز خالصتاً گھریلو تھا۔ رشتے کی پہچان لئے میں ہو رہی تھی۔

"اگر میرا موڈ نہیں ہوتا تو میں آپ کو کبھی نہیں لاتا۔"

"مجھے ساتھ لا کر مجھ پر احسان کیا کیا؟"

"اب آپ بیویوں کی طرح لڑیں گی؟" وہ بولا تو وہ ایک لمحے میں چپ ہو گئی۔ نظریں صرف اس شخص کو دیکھتی رہ گئی تھیں۔ ایک لمحے میں پتہ چلا تھا ان کے درمیان رشتہ کیا تھا۔ وہ ایک دوسرے کے کیا لگتے تھے۔ اس رشتے میں کتنا کچھ سہا جا سکتا ہے۔

وہ جانے کیوں چپ ہو کر چہرہ پھیر گئی تھی۔ گاڑی میں کچھ دیر خاموشی رہی۔ عفنان علی خان نے کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھا تھا اور پھر معمول کے انداز میں دریافت کیا تھا۔

"آپ نے سوچ لیا ہمیں کہاں جانا ہے؟"

"نہیں ـــــ مجھے نہیں پتہ۔" وہ چہرہ پھیر کر بارش کو دیکھنے لگی تھی۔

"سی ویو ـــــ؟" اس کے چہرے کو تکتے ہوئے دریافت کیا گیا۔

"پتہ نہیں۔" وہ لاتعلق ہو گئی تھی۔

عفنان نے گاڑی سمندر کے کنارے روک دی تھی۔ وہ پہلی فرصت میں دروازہ کھول کر باہر نکلی۔

عفنان نے چپ چاپ اس اقدام کو دیکھا پھر اپنی طرف کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ وہ اس سے بے خبر چلتی ہوئی لہروں کے پاس جا رکی تھی۔ پھر اچانک سر اٹھا کر آسمان کی طرف تکتی ہوئی ان بارش کی بوندوں کو اپنے چہرے پر محسوس کرنے لگی تھی۔ وہ دور گاڑی کے ساتھ ٹیک لگائے چپ چاپ کھڑا اسے تکتا رہا۔

ایک عالم اپنی جگہ ٹھہر گیا۔

دونوں بارش میں بھیگ رہے تھے۔ وہ سوچ نہیں پایا تھا، اسے کیا سوچنا چاہیے۔ وہ صرف اسے دیکھ رہا تھا۔

جو لمحے اس کی گرفت میں تھے وہ صرف ان کو دیکھ رہا تھا، ان کو سوچ رہا تھا۔

ایک لمحے میں کئی خواہشوں نے اسے تھاما تھا۔

کئی خواب اس کے اندر جاگے تھے۔ وہ اس ہاتھ کو تھامے اور چلتا ہوا دور تک نکل جائے یا پھر اس بھیگے آنچل کا ایک کونا چپکے سے چھو لے اور اسے خبر تک نہ ہو۔

وہ چپ چاپ کھڑا دیکھ رہا تھا۔

مگر اچانک جانے کیا ہوا کہ قدم اٹھے اور وہ چلتا ہوا اس کے قریب جا رکا۔ وہ چونک کر یکدم مڑی اور اس کے ساتھ آن ٹکرائی۔ فاصلے صدیوں کے تھے اور لمحوں میں سمٹ گئے۔ محبت کی گرفت میں جیسے سارا زمانہ آ گیا ہو۔

وہ خاموشی سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

عفنان نے جانے کیوں بہت آہستگی سے اس کے گرد اپنا مضبوط بازو پھیلا دیا تھا۔ نگاہوں میں ایک تپش تھی۔ انابیہ اس اتفاق پر کچھ حیران تھی۔ یہ بے وقت کا "کرم" کچھ سمجھ نہیں آیا تھا۔ وہ نوازش کچھ پلے نہیں پڑی تھی۔ مگر ایک پل میں اس کے اندر سب زیر و زبر ہوا تھا۔ ایک لمحے میں سارے وجود میں ایک قیامت سی مچی تھی۔ ساری جان جیسے مٹھی میں آ گئی تھی۔

پل میں یہ کیا ہوا؟ ـــــ وہ جان نہیں پائی۔ وہ اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ نگاہوں میں کچھ تھا۔

انابیہ کو اپنا چہرہ جھلستا ہوا محسوس ہوا۔

عفنان نے اسی توجہ سے اسے دیکھتے ہوئے اپنا ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے پر سے بارش کی ان ٹھہری بوندوں کو چنا تھا۔ تب ہی انابیہ نے چہرہ پھیر لیا۔

لمحے ایک پل میں ایک طلسم سے جاگے تھے۔

عفنان علی خان نے ایک لمحے میں اس کے گرد سے اپنا حصار ختم کیا تھا اور اسے جیسے ہر تاثر سے آزاد کیا تھا۔

وہ دور ہٹی تھی اور پھر دوسرے ہی پل رخ پھیر کر سمندر کی وسعتوں کو دیکھنے لگی تھی۔ عفنان علی خان نے بھی نگاہ اس منظر سے پھیر لیا۔

❋❋❋

"اچانک بیٹھے بٹھائے کیا کر لیا؟" فون کے اس طرف اذہان حسن بخاری نے پوچھتے ہوئے دریافت کیا تو وہ مسکرا کر رہ گئی۔

"قسمت کی چوٹ کو کوئی روک نہیں پاتا۔ مگر پریشانی کی بات نہیں ہے۔ کیونکہ چوٹ کچھ اتنی بڑی نہیں معمولی سا ایکسیڈنٹ تھا۔ تم سب کیوں اتنا پریشان ہو رہے ہو؟" میرب نے دھیمے سے مسکراتے دریافت کیا۔ "جو اہم ہوتے ہیں ان کے لئے پریشان ہونا پڑتا ہے۔ جو اہم ہو اس کی فکر بھی رہتی ہے۔" اذہان جتا رہا تھا۔ وہ بہت پھیکے سے انداز سے مسکرائی۔

"اہم؟" آنکھوں میں ایک چہرہ آ کر ٹھہر گیا۔

"ہاں۔" اذہان نے باور کرایا۔ "ایسا ہوتا ہے ـــــ اگر محبت درمیان ہو تو۔"

"شاید۔" وہ بے یقین سی دکھائی دی تھی۔ اس کا بات کرنے کا اپنا دائرہ تھا اور اذہان کا اپنا زاویہ۔ دونوں اپنی اپنی سمتوں میں کھڑے اپنے اپنے دائروں میں قید تھے۔

"شاید نہیں، یقیناً ـــــ رشتہ کوئی بھی ہو اگر محبت ہے تو وہ اہم ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔" میرب کا لہجہ اب بھی یقین سے کچھ خالی تھا۔

"کیا ہوا؟" اذہان نے اس طرف اس کی آواز کے موسموں کو جانچا تھا۔

"کچھ نہیں ـــــ کچھ نہیں۔" میرب نے سر انکار میں یوں ہلایا جیسے اس گھڑی وہ اس کے سامنے بیٹھا ہو۔

"میرب! تمہارے لہجے میں ایک تبدیلی آئی ہے۔ تم جیسی لڑکی کو اتنا بے یقین دیکھ کر مجھے حیرت ہو رہی ہے۔"

"کس بات کی حیرت؟" وہ بہت کھلے انداز میں مسکرائی تھی۔ "وقت کے ساتھ سب کچھ بدل جاتا ہے لیکن اس بات پر تو حیرت نہیں ہوتی ـــــ پھر میرے بدلنے پر کیوں؟" وہ بہت پھیکے انداز میں [illegible]

دوئم

”نہیں —— میں حیران نہیں ہو رہا۔ صرف یہ چاہتا ہوں تم اپنا خیال کرو۔“

”تم بھی اذہان! —— تم ٹھیک ہو؟“

”ہاں ——“

”کیا ہوا؟ —— کچھ تھکے لگ رہے ہو؟“

”ہاں —— کچھ مصروف تھا۔“

”کچھ وقت خود کو بھی دیا کرو اذہان!“

”ہاں۔“ وہ مسکرا دیا تھا۔

”ایسے کیوں مسکرا رہے ہو؟ —— آئی ایم سیریس۔“

”ہاں، جانتا ہوں۔ آئی ول ڈو۔“

”ساحیہ ٹھیک ہے؟“

”ہاں۔“

”تم آئے نہیں؟“

”ہاں، آؤں گا۔ مجھے آنا تھا۔ مگر بزی اتنا تھا کہ......“

”اب تمہارے پاس میرے لیے بھی وقت نہیں رہا؟“ اس نے مسکراتے ہوئے شکوہ کیا۔ وہ مسکرا دیا۔

”ایسی بات نہیں ہے —— میں آؤں گا۔ اور......“ وہ بول رہا تھا اور ملازمہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تھی۔

”بی بی جی! تگین صاحب آپ سے ملنے آئے ہیں۔“

”اچھا۔“ ملازمہ کو جواب دے کر اس نے فوراً اذہان کو دوبارہ مخاطب کیا تھا۔ ”اذہان! میں کچھ دیر بعد تمہیں کال کروں گی۔ ٹیک کیئر۔ تھینکس فار کالنگ۔“ سلسلہ منقطع کیا تھا۔ دل جانے کیوں بہت تیزی سے دھڑکنے لگا تھا۔

شاید یہی وہ ایک پیغام تھا جسے سننے کو اس کے کان منتظر تھے۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اندر داخل ہوا۔

میرب دیکھنے کی خواہش کے باوجود اس کی طرف دیکھ نہیں سکی تھی۔

”کیسی ہیں آپ؟“

نہ ہاتھ میں کوئی بکے، نہ لبوں پر کوئی دھیمی سی اپنائیت بھری مسکراہٹ۔

میرب نے سر اٹھا کر دیکھا تو کچھ دل بجھ سا گیا۔

”ٹھیک ہوں۔“ مدھم لہجے میں بولی تھی۔ ”آپ بیٹھیے نا۔“

سردار سبکتگین حیدر لغاری جیسے نہ چاہتے ہوئے مجبوراً بیٹھ گیا۔

”اب طبیعت کیسی ہے آپ کی؟“ سردار سبکتگین پوچھ رہا تھا۔

”ٹھیک ہوں۔“

”زخموں میں کوئی درد وغیرہ تو نہیں؟“

ان زخموں کی بات کر رہا تھا وہ؟ —— زخم تو کئی تھے۔ وہ کن زخموں کا مداوا کرنے آیا تھا؟

”ہاں —— ٹھیک ہوں۔ درد ہے۔ مگر زخموں میں درد تو ہوتا ہی ہے۔“ وہ کہنے سے باز نہیں رہ سکی انداز میں ایک شکوہ سا تھا۔

کیا سردار سبکتگین حیدر لغاری کو پرواہ تھی؟

کیا وہ چارہ گر بن کر آیا تھا؟

”اگر زیادہ درد ہے تو آئی کین کال ٹو ڈاکٹر۔ اگر وہ کہیں تو ہاسپٹلائز کروا دیتے ہیں۔“ وہ بنا سمجھے، غور کیے اور ہی کہہ رہا تھا۔

آہ —— کیسا تھا یہ چارہ گر —— کیسا تھا بے خبر؟

اس کی نگاہ صرف بیرونی زخموں پر تھی جو صرف اس نے بیرونی طور پر دیے تھے۔

”نہیں —— ٹھیک ہوں میں۔ اس کی ضرورت نہیں۔“ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے سیل فون اٹھایا تب اس نے منع کر دیا۔

”رائٹ۔“ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے کہنے پر موبائل دوبارہ رکھ دیا تھا۔ جیسے وہ بہت ذات منشا ہو۔

”سو واٹ اباؤٹ آپ؟“

”ناٹ مچ —— آپ ٹھیک ہیں؟“

”ہاں —— کل جرمنی جا رہا ہوں ایک ہفتے کے لیے۔ پھر نیویارک، پھر پیرس، اس سے اگلے آٹھ دن کے لیے کینیڈا۔“

وہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔

”امی پوچھ رہی تھیں —— ان کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ اس لیے وہ آ نہیں سکیں۔“

”کیا ہوا انہیں؟“

”کچھ زیادہ نہیں —— کچھ بی پی ہائی تھا۔“

”اوہ —— میری طرف سے انہیں پوچھ لیجیے گا۔“

”رائٹ —— سب ٹھیک ہے نا؟“ وہ غالباً مروتاً پوچھ رہا تھا۔

”ہاں۔“ (سب کچھ ٹھیک نہیں بھی ہو تو کیا؟) میرب نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

”ٹھیک ہے —— چلتا ہوں میں۔ کچھ چاہیے ہو تو......“ وہ کوئی نوازش کرنے کے موڈ میں تھا کیا؟

”نہیں۔“ اس نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

”اوکے —— چلتا ہوں۔“ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ میرب نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

”کیا گڈ بائے بھی نہیں کہیں گے؟“ وہ مڑا تو وہ بولی تھی۔ کہنا تو نہیں چاہا تھا مگر زبان سے لفظ پھسل گئے تھے۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری مڑا۔ اسے دیکھا۔ نگاہ بھرپور تھی۔ شاید کوئی خاص تاثر بھی رکھتی تھی۔ میرب

خاموشی سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

”ٹیک کیئر ـــــ سی آ ـــــ“ کہنے کے ساتھ ہی وہ مڑا اور چلتا ہوا باہر نکل گیا۔ اور ایک خواب جیسے وقت کی مٹھی سے آزاد ہو گیا ہو۔

کیا تھی ملاقات ـــــ

لمحوں پہ محیط ـــــ

دو چار رسمی جملوں سے بھری۔

اندر کی بے چینی کچھ بڑھ گئی تھی۔ سکون تو پہلے بھی نہیں تھا۔ اب تو اور بھی رخصت ہو گیا تھا۔

❄❄❄

”یہ کیا بات ہوئی؟ ـــــ تم نے اس سے کچھ نہیں کہا؟“ گی ژیا نگ نے اسے حیرت سے دیکھا تھا۔

”کیوں؟ ـــــ کیا کہنا تھا مجھے اسے؟ ـــــ گی! تم بہت بے وقوف لڑکی نہیں؟“

”نہیں ـــــ میں بے وقوف نہیں ہوں گین! میں زندگی کو سنجیدگی سے لینے کی عادی ہوں۔“

”زندگی کو سنجیدہ لینے سے کچھ نہیں ہوتا۔ زندگی کو بندے کو سنجیدہ لینا ضروری ہے۔“ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

”سردار سبکتگین حیدر لغاری! زندگی کی فلاسفی کو سمجھنے سے کہیں بہتر زندگی کو سمجھنا ہے۔ اس زندگی کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ جو تمہارے سامنے ہے۔“ گی ژیا نگ نے اسے سمجھانا چاہا۔ مگر وہ مسکرا دیا تھا۔

”تم یہ بات مجھے سمجھا رہی ہو؟ ـــــ میرا تجربہ تم سے بہت زیادہ ہے۔ میں نے زندگی کو اس سے بھی قریب سے دیکھا ہے۔ سو میری کیلکولیشن کبھی غلط نہیں ہو سکتی۔“

”گین! اتنا قطعی ہونے کی کوشش مت کرو۔ ضروری نہیں کہ زندگی تمہارا فرض کیا ہوا مفروضہ ہی ہو۔ زندگی کچھ اور بھی ہو سکتی ہے۔ وہ جو تم نے نہ فرض کی ہو نہ ہی کیلکولیٹ۔“ گی نے اپنی دانست میں بڑی بات کہی تھی۔ مگر وہ مسکرا دیا تھا۔

”گی! زندگی کی سمجھ اب تمہیں آنے لگی ہے۔ یہ جان کر خوشی ہوئی۔ شاباش! اچھی بات ہے۔ اسے سمجھنے کی کوشش کرتی رہو۔ ایک دن تم بھی میری طرح اچھا کیلکولیٹ کرنے لگو گی۔“ گی کو اس سے ایسے جواب کی توقع قطعاً نہیں تھی۔ اسی لئے کسی قدر حیرت سے دیکھا تھا مگر وہ ہنس دیا۔ گی کے لئے یہ نیا تھا وہ بہت کم ہنستا تھا۔ عموماً اس کا مسکرانا ہی ایک ”گڈ سائن“ ہوتا تھا۔ لیکن اب اگر وہ ہنس رہا تھا تو یقیناً کوئی بات تھی۔

شاید وہ خود کو دھوکا دے رہا تھا یا پھر بہلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ شاید وہ اپ سیٹ تھا اور اپنے اس نا سے باہر آنا چاہتا تھا اور اسی لئے یہ کھوکھلے قہقہے اسے اپنا بہترین سہارا محسوس ہو رہے تھے۔

”گین! محبت ایسے نہیں ایچی۔“ گی نے اسے دیکھتے ہوئے سرنفی میں ہلایا تھا۔ ”بالکل بھی نہیں ا گین! ـــــ ٹرسٹ می۔ محبت ایسے نہیں ہوتی۔ اسے راہ دو گین! یہ تمہارے اندر اپنی جگہ خود بخود بنا لے گی۔“ گی ژیا نگ سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔

محبت کوئی عملی تجربہ یا فرض کی ہوئی بات نہیں ہے۔ یہ کوئی کیلکولیشن بھی نہیں ہے گین! محبت یہ سب ہے جو تم اسے سمجھ نہیں پا رہے ہو۔ سود اور خسارے کی بات مت کرو۔ مت کیلکولیٹ کرو۔ یہ جمع تفریق والی بات نہیں ہے۔ یہ فرض کرنے والی بات بھی نہیں ہے۔ اسے دل کے حوالے کرو۔ دل کو اپنے فیصلے کرنے کی عادت ڈالو گین!“

”گی! میں نے کیا کہا ہے یار؟ یہ اتنا دھواں دھار قسم کا لیکچر کس لئے دیا؟ تمہیں خبر ہے کہ اتنے بزی شیڈول میں تمہارے لئے وقت نہیں نکال پاؤں گا۔ سو تم ساری باتیں آج ہی کر لینا چاہتی ہو۔ ہر بات ہنسی میں اڑا دینا چاہ رہا تھا۔ گی اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

”تم سمجھ رہی ہو مجھے کوئی بہت بڑی قسم کا، خطرناک سا کوئی غم لاحق ہے تو ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ آئی ایم فائن۔ میں ان پیار محبت میں بالکل بھی نہیں ہوں۔ نیور ـــــ آئی نیور بلین ان لو۔ ان سب کے جھنجھٹوں میں وہ پڑتے ہیں جنہیں کوئی اور کام نہیں ہوتا۔ اور میرے لئے دنیا میں اور بھی کئی کام ہیں۔ میں نہ مجنوں بن سکتا ہوں نہ کچھ اور۔ میں جذباتی عمر کے کسی لمحے میں نہیں ہوں۔ میں جس عمر میں ہوں وہاں دل سے نہیں صرف عقل سے کام لیا جاتا ہے۔ یہاں سب کچھ صرف زندگی کی ضرورت ہے۔ یہاں جس شے کی ضرورت پڑے وہ لے لینا چاہئے۔“ گین نے کہا تھا اور وہ مسکرا دی تھی۔

”کبھی جب مجھے خود کو جھٹلانا ہوتا ہے تو میں بہت زیادہ بول لیتی ہوں گین! مگر اس سے مجھے کچھ نہیں ملتی۔“ وہ ایک لمحے میں اسے جھٹلا گئی تھی۔

سبکتگین حیدر لغاری اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

”گی! یہ تمہاری زندگی ہے۔ تمہاری اپنی زندگی۔ اسے اوروں کی طرح دور سے بے خبری دیکھ کر مت گزارو۔ یہ تمہارے معاملات ہیں۔ ان میں انٹرسٹ لو۔“ وہ ناصحانہ انداز میں بولی تھی۔

سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

”میں جانتا ہوں۔ مجھے اپنی زندگی کو کس طرح ہینڈل کرنا ہے گی! یہ معاملات مجھ سے چھپے ہوئے قطعاً نہیں۔ تم فکر مت کرو۔ سب جلد ـــــ بہت جلد ٹھیک ہو جائے گا۔ ٹرسٹ می۔“

”ہونہہ۔ تم میرے رب کو بتانے جا رہے ہو کہ تم ان سے کتنی محبت کرتے ہو؟“ وہ اسے طیش دلاتی ہوئی بولی۔ وہ ہنس دیا تھا۔

”تم بالکل پاگل ہو۔“

”بالکل ـــــ محبت کرنے سے کوئی پاگل ہو جاتا ہے؟“

”کس دنیا میں رہتی ہو تم؟ ـــــ بالکل اپنے جیسی فضول سی دنیا بنا رکھی ہے تم نے یہ۔ جو تم سوچنا چاہو صرف وہ سوچتی ہو۔“

”یہ بے وقوفی تو نہیں ہے۔“ گی نے نفی میں سر ہلایا تھا۔ دوسرے الفاظ میں اسے جھٹلانا چاہا تھا۔ وہ نظرانداز کرتا ہوا بولا۔

”یہ سب بے وقوفی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اپنے دماغ کو اس ٹین ایج سے نکالو۔ تم اب بچی نہیں رہی

دوشم

ہو۔" وہ بات ختم کرتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔
گی کو ایک لمحے میں سب محنت بے کار جاتی نظر آئی تھی۔

❋❋❋

انابیہ رہ نہیں سکی تھی۔
لامعہ کو اس سے کتنے بھی گلے سہی۔
وہ اس کے سامنے آئے بغیر رہ نہیں سکتی تھی۔
اس لمحے وہ اسے خاموشی سے دیکھ رہی تھی جبھی وہ بولی۔
"شاید تم مجھ سے بہت زیادہ نفرت کرتی ہو — شاید تم میری صورت دیکھنا بھی نہ چاہو مگر میں
انابیہ نے آہستگی سے چلتے ہوئے قدم اس کی طرف بڑھائے تھے اور اس کے مقابل جا کر رک گ
لامعہ جس خاموشی سے دیکھ رہی تھی، اس کے چہرے پر کوئی تاثر واضح نہ تھا۔
"لامعہ! میں بہت دنوں سے تم سے ملنا چاہ رہی تھی، مگر اپنے اندر ہمت نہیں پا رہی تھی۔ اس لئے
کہ میں نے کوئی غلطی ایسی کی ہے جس پر میں شرمندہ ہوں۔ صرف اس لئے کہ — میں تمہاری آن
سامنا نہیں کر سکتی۔ میرے لئے یہ مشکل تھا۔ شاید میں نے واقعی غلطی کی ہے۔ کہیں نہ کہیں، کوئی نہ کوئی
ہوئی ہے۔" وہ سارا الزام اپنے سر لے رہی تھی۔
مگر لامعہ بنا کچھ بولے چپ چاپ کھڑی تھی۔
انابیہ نے ہاتھ بڑھا کر آہستگی سے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔
"آئی ایم سوری لامعہ! اگر تمہارا دل میری وجہ سے دکھا ہو تو......"
"تم پھر — انابیہ! کس قسم کی لڑکی ہو تم؟ تم پھر یہاں آ گئی ہو، مجھے اس بات کا احساس دلا
میں نے تمہارے ساتھ کتنا غلط کیا ہے۔" اس کا لہجہ زہر خند تھا۔
مگر انابیہ کو کچھ حیرت نہیں ہوئی۔
"لامعہ! مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ تم مانو یا نہ مانو مگر میں تمہیں کہیں قصوروار نہیں سمجھتی۔"
"اوہ — تو تم پھر یہ بتانے آئی ہو کہ تم مجھے کتنا نواز سکتی ہو۔" لامعہ بدستور زہر اگل رہی تھی،
میں ایک طنز تھا۔ مگر انابیہ کا حوصلہ جیسے بہت بڑا تھا۔
"لامعہ! تم کچھ بھی کہو، میں تم سے بات کئے بغیر یہاں سے نہیں جاؤں گی۔ چاہے تم دھکے
اس گھر سے نکال دو مگر پھر بھی — میں تم سے بات ضرور کرنا چاہوں گی۔"
"اوہ — اب تم مجھے اتنا برا ثابت کرنا چاہتی ہو کہ میں تمہیں دھکے دے کر اس گھر سے
سکتی ہوں۔ ہاں، اچھائی کا کام آپ نے جوڑ لیا ہوا ہے۔"
"لامعہ! تم مجھ سے اس حد تک خائف ہو؟" انابیہ کو حیرت ہوئی تھی۔ "میں تو سمجھی تھی وہ تمہارا
ہوگا اور جب میں دوبارہ تمہارے سامنے آؤں گی تو......"
"انابیہ! کس مٹی سے بنی ہو تم؟ — تم کیوں فرشتہ بننے پر تلی ہو؟ میں نے تمہارے ساتھ

— تم"
عہ! اگر میں تمہیں قصوروار سمجھتی تو یہاں نہیں آتی۔"
تم مجھے کچھ بھی سمجھو، آئی ڈیم کیئر۔ مجھے پتہ ہے تم یہاں صرف آئی ہو تو اس لئے کہ تم ایک بار پھر وہ
حاصل کر سکو جو تمہیں کسی کو خود سے نیچے ثابت کر کے ملتی ہے۔"
عہ! شٹ اپ۔ تمہارے اندر میرے لئے اتنا زہر بھرا ہوا ہے۔ اتنا، اس قدر برا سوچتی ہو تم۔
ہم ساتھ رہے ہیں۔ ایک دوسرے کے کھلونوں سے کھیلے ہیں ہم۔ اور تم — لامعہ! میں نے
آج تک تم سے کوئی برا رویہ رکھا، کبھی تمہیں لٹ ڈاؤن کرنے کی کوشش کی؟" انابیہ نے وضاحت

ہیں — تم نے ایسا کچھ بھی کرنے کی کوشش نہیں کی۔ مگر تم نے ہمیشہ وہ کیا جس نے تمہیں اور
قد کو ہمیشہ بڑھا دیا۔ انابیہ! مجھے نہیں لگتا کہ ہم کبھی اچھے دوست بھی تھے۔" لامعہ زہر خند لہجے میں

تم کہہ رہی ہو لامعہ؟" انابیہ کو سراسر حیرت ہوئی تھی۔
وہ پلیز انابیہ! اب اتنا اچھا بننے کی کوشش مت کرو۔ کچھ نہیں — کچھ نہیں کیا تم نے۔ مگر میں
نے کچھ کیا ہے اور وہ تمہیں بھی پتہ ہے۔ تم ایک بار پھر اپنا ہاتھ اوپر کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔ اتنی
ت ہو کہ جیسے تمہیں کچھ خبر نہیں اور اتنی فرشتہ بننے کی کوشش بھی مت کرو کہ تم سب آسانی سے بھول
معاف کر سکتی ہو۔"
عہ! تم — تم اس طرح کیسے بول رہی ہو؟ — اتنا بدل سکتی ہو تم — اندازہ نہیں ہوتا
ری لامعہ — میری اپنی لامعہ اتنی بدل سکتی ہے۔ چلو ٹھیک ہے، میں فرشتہ بننے کی کوشش نہیں
مگر تم — لامعہ! جو تم نے کیا، کیا تم اس پر ایک بار بھی گلٹی نہیں ہو؟" اس کی آنکھوں میں دیکھتے
پوچھا تو لامعہ مسکرا دی۔
انابیہ! یہی بات میں تمہارے منہ سے سننا چاہتی تھی۔ تمہیں اس احساس میں ایک بار ضرور مبتلا دیکھنا
کہ جو کچھ تمہارے ساتھ ہوا اس کا کوئی ایک الزام، کوئی ایک ردعمل میں تمہارے چہرے پر دیکھنا
۔ تمہارے لہجے میں محسوس کرنا چاہتی تھی اور وہ میں نے دیکھ لیا۔ تم نے محسوس کیا، تم نے پہلی بار
کوئی الزام اچھالا ہے۔ ہاں، ٹھیک کہا تم نے۔ بالکل ٹھیک پوچھا۔ جو کچھ بھی میں نے کیا، میں اس
گلٹی ہوں۔ یس، آئی ایم گلٹی۔ دین — کیا فرق پڑتا ہے اس سے — تم تو اب بھی تمہیں
اب بھی ویسی ہی ہو۔" اس کے لہجے پر انابیہ کو حیرت سی حیرت تھی۔
معہ! مجھے یقین نہیں آتا تم اس حد تک جا سکتی ہو۔ مگر میں اب بھی تمہیں اپنا دوست مانتی ہوں۔"
ب بھی؟" لامعہ مسکرائی۔ انداز عجب استہزائیہ تھا۔
شٹ اپ لامعہ! — اگر اب تم نے کچھ بھی مزید کہا تو۔ میں تم پر اب بھی اتنا ہی حق سمجھتی ہوں۔
ے کوئی شکوہ نہیں۔ ہاں، کچھ غلطیاں مجھ سے ہوئی ہیں۔ مگر میں انہیں بھی سدھار سکتی ہوں۔ اگر تم

سمجھتی ہو کہ میں نے تمہارے ساتھ کوئی نا انصافی کی ہے تو میں اس کے لیے عفنان کو بھی چھوڑ سکتی ہوں
مگر پلیز، تم مجھ پر یہ طنز کرنا بند کر دو۔ غلطیاں تم سے بھی ہوئی ہیں۔ اگر میں ان کی طرف نشاندہی نہیں کر
رہی تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم بے قصور ہو۔ شیم آن یو۔ تم نے اپنی دوست کے ساتھ جو کیا وہ کوئی نہیں کر
سکتا۔ مر جاتی میں، تمہیں تب بھی کوئی فرق نہ پڑتا۔ کوئی ملال نہ ہوتا۔ کتنی بے حس لڑکی ہو تم، یہ مجھے آج
چلا ہے۔ اور اب بھی تم سب کچھ جانتی ہو کہ تم نے کتنا کچھ کہاں کہاں غلط کیا ہے تو تم شرمندہ تک نہیں
کس قسم کی لڑکی ہو تم؟ —— تمہیں میں اپنا دوست کہتی ہوں —— تم جیسی لڑکی کو —— جو اس ذرا
ذرا بھی نہیں کرتی۔ جو دوست یا دوستی کے معنی تک نہیں جانتی۔ بات صرف اتنی سی تھی کہ میں اس
کو توڑنا نہیں چاہتی تھی۔ جو کچھ بھی ہوا، اسے بھول جانا چاہتی تھی مگر تم —— لامعہ! تم کسی بھی بات کو
نہیں چاہتی ہو۔" وہ مڑی اور وہاں سے نکلتی چلی گئی۔

آنکھیں دھواں دھواں سی تھیں۔

لامعہ چپ چاپ کھڑی اسے دیکھ رہی تھی۔

❀❀❀

کتنا عجیب شخص تھا وہ۔

میرب نے اپنی زندگی میں اس سے زیادہ عجیب شخص نہیں دیکھا تھا۔ اتنا وقت اس کے ساتھ گزار
وہ اسے سمجھ نہیں پائی تھی۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا۔

پتہ نہیں اس شخص کے لیے جذبے، احساسات کوئی معنی رکھتے بھی تھے یا کہ نہیں۔

ہمیشہ کتنے اعتدال میں دکھائی دیتا تھا وہ شخص۔

ایک بیلنس لائف گزارنے کا اتنا عادی تھا کہ ——

اور اب کتنے بہت سے دنوں کے لیے اسے چلے جانا تھا۔

یہاں —— وہاں —— کتنی جگہوں پر جانا تھا اسے۔

کتنا لمبا چوڑا شیڈول بتایا تھا اس نے اسے۔ اسے تو یاد تک نہ رہا تھا۔ یاد رہا تھا تو بس اتنا کہ وہ
دور جا رہا تھا۔ وہ اپنے کمرے میں نیم دراز کیا کچھ سوچ رہی تھی مگر سوچوں کا تسلسل اسی کے نام تھا۔
منسوب تھا۔

پتہ نہیں کیوں ان دنوں وہ شخص بھولتا نہیں تھا۔ کچھ بھی ہوتا، نام ذہن سے نکلتا تک نہ تھا۔ کچھ
ہو رہا تھا ان دنوں۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کیوں؟

وہ ایسا محسوس کر رہی تھی۔ سب کچھ بہت نیا تھا۔

وہ بالکل سمجھ نہیں پائی تھی یہ کیوں تھا اور کیسے تھا؟

ہاں، مگر اس لمحے بہت اچھا سا لگا تھا جب وہ شخص وہاں آ گیا تھا۔

"آپ ——؟" وہ حیران رہ گئی تھی۔

"ہاں —— جا رہا تھا۔ مائی نے کہا تمہارا حال احوال پوچھ لوں۔"

"مائی کیسی ہیں؟" میرب نے مدھم لہجے میں دریافت کیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی
طرف دیکھا۔ اونچا لمبا، سوٹڈ بوٹڈ سامنے کھڑا کتنی تمکنت رکھتا تھا اپنے اندر۔ جیسے وہ سارا جہاں فتح کر
چکا ہو۔

"آپ بیٹھیں نا۔ کھڑے کیوں ہیں؟" میرب نے اسے جیسے یاد دلایا تھا کہ وہ کتنی عجلت میں ہے۔
وہ جیسے چونکا تھا۔ پھر کاؤچ پر بیٹھ گیا تھا۔

"کیسی طبیعت ہے آپ کی؟" سبکتگین نے حال احوال پوچھا تھا۔

"ٹھیک ہوں۔" میرب نے آہستگی سے کہا تھا۔ "آپ کیسے ہیں؟"

"ٹھیک ہوں —— مائی کہہ رہی تھیں کسی شے کی ضرورت ہو تو بتا دیں۔"

"ضرورت تو ہے مگر......" میرب بولتے بولتے رہ گئی تھی۔

"کس شے کی؟" وہ چونکا تھا۔ میرب نے خاموشی سے اسے دیکھا تھا، پھر سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"نہیں —— کچھ نہیں۔ سب کچھ ہے میرے پاس۔"

"سب کچھ؟" سبکتگین حیدر لغاری نے جانے کیا جاننا چاہا تھا۔ میرب نے بنا سوچے سمجھے سر اثبات
میں ہلا دیا تھا۔ غور تک نہ کیا تھا کہ اگلا بندہ کس ضمن میں دریافت کر رہا تھا۔ وہ اگر جاننے کی کوشش کرتی تو
جان پاتی۔

"مائی کو میری طرف سے شکریہ کہیے گا اور بتائیے گا میں انہیں بہت مس کر رہی ہوں۔" میرب نے
نرمی سے کہا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"بابا کی طبیعت پہلے سے بہتر ہے؟" میرب نے خاموشی اور سکوت کے ڈر سے پہلے سے پوچھی گئی
بات زاویہ بدل کر دوبارہ پوچھی تھی۔

"وہ پہلے سے بہتر ہے۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری کچھ سنجیدہ تھا۔

"کیا ہوا؟ —— آپ اس طرح چپ چاپ سے کیوں دکھائی دے رہے ہیں؟" وہ شاید بالکل نہ
سمجھی۔ اس شخص کی صورت سے صاف ظاہر تھا کہ کوئی بات ضرور ہے۔

"میرب —— کچھ نہیں۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری جیسے کچھ بتانا نہیں چاہتا تھا۔

"کیا بتانا نہیں چاہتے؟" وہ صاف گوئی سے بولی تھی۔

"آپ کے لائر کی طرف سے ایک نوٹس ملا تھا۔"

"—— میرا کون سا لائر ہے؟ کس قسم کا نوٹس۔" وہ جتنا حیران ہوتی کم تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری زیادہ بولنے پر مائل دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

"بتائیں گے مجھے کچھ؟" وہ جل کر بولی۔

وہ بولا تھا۔

"ڈائیورس —— کیا آپ نہیں جانتیں؟"

"وہاٹ ـــــ ڈائیورس؟ ـــــ کس کی؟" وہ قطعاً نہ سمجھ سکی تھی۔

"آپ اتنا انجان بننے کی کوشش کیوں کر رہی ہیں؟ ـــــ اگر آپ اپنے سر کوئی الزام لینا نہیں چاہتیں تو کوئی جھوٹ بول دیجئے۔ کیا ضرورت ہے اس طرح دامن بچانے کی ـــــ یا پھر ـــــ"

"آپ ـــــ آپ مجھے ہی کیوں الزام دینے پر بضد دکھائی دیتے ہیں؟" وہ حیران ہوئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے خاموشی سے بغور دیکھا۔

"کیا واقعی کچھ نہیں جانتیں آپ؟" آواز میں یقین بہت کم تھا۔ جیسے سردار سبکتگین حیدر لغاری کو اعتبار نہ ہو۔ میرب سیال نے بہت بے یقینی سے لہجے میں سر انکار میں ہلایا تھا جیسے جو ہوا ہو اس پر یقین نہ ہو۔

"آپ مجھے کچھ بتائیں گے؟"

"جو مجھے معلوم تھا آپ کو بتا دیا۔ اس سے آگے آپ کو لائر ہی بتائے گا۔" وہ سخت انداز میں بولا تھا۔ وہ کچھ الجھ کر رہ گئی تھی۔

"کیا مطلب ـــــ؟" بات قطعاً سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

"مطلب یہ کہ اب آپ اتنی بھی بچی نہیں ہیں۔ اچھی طرح سمجھتی ہیں معاملات کو۔ کیا بات ہے آپ کی سمجھ میں نہیں آئی؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے سخت لہجے میں کہا تھا پھر خود اندازہ دوبارہ بول نہیں سکا تھا۔

میرب سیال کو اپنی سماعتوں پر اب تک یقین نہ ہوا تھا۔ ایسا تو اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔ یہ کیا ہو گیا تھا ـــــ اور کس نے کیا تھا یہ؟ اس کی اجازت کے بغیر ایسا کون کر سکتا تھا؟

صرف پاپا ـــــ

تو کیا پاپا اس سے پوچھے بغیر اتنا آگے تک جا سکتے تھے؟

میرب سیال یوں ساکت بیٹھی تھی جیسے اس کے سر پر آسمان آن پڑا ہو۔

وہ رشتہ جو ہمیشہ اس کے لئے دردِ سر تھا، جو ہمیشہ بوجھ معلوم ہوا تھا، ہمیشہ سے نالاں دکھائی دی ہمیشہ جس رشتے سے بھاگتی تھی آج وہی رشتہ بہت اہم لگا تھا۔ آج اس رشتے کے ٹوٹنے کے خیال کی جان رکنے کو تھی۔ اس کے وجود میں جیسے کوئی بھونچال آ چکا تھا۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری حالت سے بے خبر اسے کہہ رہا تھا۔

"آپ کو یہ سب کرنا تھا تو پہلے بتا دیتیں۔ اس طرح عدالتوں میں خواری کی نوبت نہیں آتی۔ کے سارے بکھیڑوں سے بچ جاتیں۔ آپ کو ہر کام کی جلدی ہوتی ہے اور آپ ہر کام کا غلط طرز آغاز کرتی ہیں۔"

کس کام کی بات کر رہا تھا؟

کیا غلط آغاز کیا تھا اس نے ـــــ؟

اس کی زندگی میں ہی تو داخل ہوئی تھی۔

اور وہ بھی اپنی مرضی سے کہاں؟

اپنی رضامندی سے کہاں؟

اس میں تو سراسر مصلحت تھی۔

"کیا میں اس کے دل میں گھر کر چکی ہوں؟ ـــــ کس بات کا ملال ہے آپ کو؟ ـــــ" وہ دریافت چاہتی تھی مگر شاید لفظ حلق میں اٹک جاتے۔ وہ بولتی تو شاید بولا نہ جاتا۔

کیا غلط سوچ رہا تھا وہ شخص؟

کیا غلط سمجھ رہا تھا؟

سارا کا سارا الزام اس کے سر رکھ دیا تھا۔

مگر وہ اس پوزیشن میں قطعاً نہیں تھی کہ اپنے متعلق کوئی وضاحت دے سکتی۔ وہ ساکت سی اس کی دیکھ رہی تھی۔

"آپ جو چاہتی ہیں وہ بہت جلد ہو جائے گا۔ کچھ بھی ناممکن نہیں تھا۔ آپ نے خوامخواہ کورٹس کا سہارا لے کے چکروں میں پڑیں۔ آپ آرام سے بیٹھ کر بات کر لیتیں تو اس سب کی نوبت بھی نہیں آتی۔" الزامات کی بارش کر رہا تھا۔

یہ سب اس کے سر کر رہا تھا۔ میرب دھندلی آنکھوں سے اس شخص کو دیکھ رہی تھی۔ کیا وہ اس کا پڑھنا چاہتی تھی؟ کیا وہ پُر ملال تھا اس رشتے کے ختم ہونے پر؟ کچھ دُکھ اسے بھی تھا؟ کیا وہ بھی اتنی ہی افسوس کر رہا تھا؟

وہ اسے پڑھنا چاہتی تھی۔ اسے پڑھنے کی خواہش میں اس کی طرف دیکھا تھا۔

مگر وہ نہیں پڑھ پائی تھی۔

بظاہر ہمیشہ کی طرح بے تاثر اور نہ سمجھ میں آنے والی تھی۔

"ماں کو اس بات کی کچھ خبر نہیں ـــــ اگر خبر ہوئی تو وہ بہت شاکڈ رہ جائیں گی۔ ہماری فیملی وقار کا خیال کیا ہوتا۔ اتنا نام، مقام اور یوں کورٹس کی خواریاں ـــــ ہم ایسے اسکینڈلز افورڈ نہیں کر سکتے۔ تک ایسا نہیں ہوا۔ آپ نہیں جانتیں شاید، آپ کے لئے یہ معمولی ہو مگر ہمارے لئے یہ بات بہت ہے۔ اگر ایک بار آپ پہلے سے بات کر لیتیں تو بیٹھ کر کچھ مصالحت ہو سکتی تھی۔ بات کورٹ میں بغیر فیصلہ آپ کے حق میں ہو سکتا تھا۔ بس بات طریقے اور سلیقے سے کرنے کی تھی۔ بات اس طرح اور میڈیا میں نہ جاتی۔ آپ نہیں جانتیں لیکن آپ کی ذرا سی غلطی کی وجہ سے اب ہمیں اور ہماری فیملی کو کتنا سفر کرنا پڑے گا۔ یہ معاملات جتنے آسان ہو سکتے تھے آپ نے اب اتنے ہی الجھا دیے کتنے الزامات تھے۔

اس شخص کے حد درجہ خلاف رہی تھی۔ کبھی بھی اسے دل سے قریب نہیں لگا تھا یہ سب۔

وہ رشتہ، نہ وہ شخص۔ مگر اب جب اسے ختم کرنے کی خبر سنی تھی تو ایک لمحے میں جان وجود سے نکلی کیوں ہوئی تھی؟

وہ ہمیشہ دور بھاگی تھی اس شخص سے۔

پھر یہ اچانک کیا ہوا تھا؟

کچھ کچھاڑ سا وہ کیوں محسوس کر رہی تھی؟ —— پلٹ کر ایک لمحے کو دیکھا تھا تو سب کچھ بندھا ہوا کیسے دکھائی دیا تھا؟ —— دل کا کوئی کونا اس رشتے سے اٹک کر کیوں رہ گیا تھا؟ کیوں ہوا تھا ایسا؟

پھر یہ احساس کیوں ہوا تھا کہ اس سے اس کا سب کچھ چھن رہا ہو۔

''میرب! آپ ہمیشہ جلد بازی کی قائل رہی ہیں۔ بہت بچپنا ہے آپ میں —— آپ ایک جھٹکے میں معاملے کو سلجھانا چاہتی ہیں۔ مگر اس طرح نہیں ہوتا۔ زندگی میں ہر بات کا انسٹنٹ حل کوئی نہیں ہو سکتا۔ یہاں فوری طور پر کچھ نہیں ہوتا۔ آپ اپنا بچوں جیسا مزاج بدل لیں۔ اس طرح گزارا نہیں چلتا۔ ہر دفعہ فائدہ ہو، ایسا ضروری بھی نہیں۔ ذرا سی عقل استعمال کرنے سے بندہ بہت بڑے نقصان سے بچ جاتا ہے۔ آپ کو تو سوچ ہی لینا چاہیے تھا۔ یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں تھی کہ اس کے لئے اتنے بڑے خطرے مول لئے جاتے۔ مجھے اتنا تو جان گئی ہوں گی آپ اس عرصے میں —— میرے لئے کیا اہم ہے اور کیا غیر اہم اور غیر ضروری۔ اس بات کا اندازہ ہو گیا ہوگا آپ کو —— میں آپ جیسی ناسمجھداری کی عمر میں نہیں ہوں۔ نہ ہی بچگانہ انداز میں فیصلوں کو الجھانے کا عادی ہوں۔ جو بات آپ کو تکلیف دے اسے ختم کر دینا بہتر ہے اور یہ سب اگر سکون سے ہو تو زیادہ بہتر ہے۔ پُرسکون حالت کے فیصلے زیادہ پائیدار ہوتے ہیں اور بہتر بھی۔ میں حالت سکون میں رہنے کا قائل ہوں اور اس میں فیصلے کرنے کا بھی۔ میرے لئے خود سے زیادہ اہم فیملی پرسٹیج ہے۔ مجھے میڈیا میں پاپولر ہونے یا نام بنانے کا کوئی خاص شوق نہیں تھا۔ آپ نے غلط سمت میں قدم اٹھایا۔ جو بات دو فریقین کے درمیان میں کمرے میں بیٹھ کر حل ہو سکتی تھی اسے اس طرح دنیا کے سامنے لانے کی کیا ضرورت تھی؟''

کتنا سرد، لاتعلق اور بے تاثر انداز تھا اس کا۔ جیسے وہ اپنے تئیں کسی اور کے معاملات کی بات کر رہا ہو۔ کتنا ٹھہراؤ تھا اس کے لہجے میں جیسے اس سب سے اسے کوئی فرق ہی نہ پڑتا ہو۔ جیسے یہ سب اس کے لئے معمول ہو۔ کوئی اہمیت ہی نہ رکھتا ہو۔

تو کیا وہ رشتہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لئے واقعی کوئی مفہوم نہ رکھتا تھا؟ —— کیا وہ واقعی اس سے لاتعلق تھا؟ —— اس رشتے کی اسے کوئی پرواہ نہیں تھی؟

کیا واقعی ——؟

وہ اس کا چارہ بن کر آیا تھا۔ اس کا احوال پوچھنے اور کیسے کیسے زخم لگا رہا تھا اسے۔

وہ خار خار ہے شاخِ گلاب کی مانند
میں زخم زخم ہوں پھر بھی گلے لگاؤں اسے

میرب کی آنکھوں میں بہت خاموشی سے نمکین پانی کے قطرے ٹوٹے تھے اور بڑی ہی بے قدری سے رخساروں پر بہہ گئے تھے۔

ان الزامات کے جواب میں اس کے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا۔ وہ کسی ایک الزام کی وضاحت نہیں دے سکی تھی، کسی ایک بات کے جواب میں بھی نہیں بول سکی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ایک پل میں اس کا سارا وجود پتھر کا کر دیا تھا۔

وہ ساکت، بے یقین آنکھوں سے صرف اس شخص کو دیکھ رہی تھی —— چپ چاپ۔

وہ نگاہ ساکت تھی۔ نگاہ میں حیرت تھی۔

جو سامنے تھا، بے حس تھا، بے مروت تھا، سنگ دل تھا۔

دل نہیں تھا اس کے سینے میں —— تب ہی تو برچھیوں سے وار کر رہا تھا۔

دل زخم زخم تھا۔

اور وہ۔ اب بھی اس سے منہ موڑ نہیں پا رہی تھی۔

ان کے اتنے ٹھوس الزامات کے نتیجے میں وہ کتنی پژمردہ تھی۔

ایک بار بھی اپنا ٹھیک سے دفاع نہیں کر پائی تھی۔

رندھی میں ہلاتی ہوئی بولی بھی تھی تو انداز بہت کمزور سا تھا۔

''میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔'' اس نے اپنے دل میں کہا تھا۔ مگر دوسری طرف وہ قطعات بانا تھا۔

''میرب! تمہیں اپنی صفائی دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہارے اقدام ہی تمہاری سب سے بڑی گواہی ہیں۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری کا لہجہ سرد تھا۔

دونوں فریقوں کے لئے رشتوں کی وقعت کتنی مختلف تھی۔

وہ اس کے سامنے تھا۔ اتنے الزامات عائد کرنے کے باوجود۔ اتنے سرد لہجے کے باوجود وہ اسے اجنبی بالکل نہیں لگ رہا تھا۔ بس نگاہ میں حیرت لئے وہ اسے دیکھ رہی تھی۔ جو دل سے کچھ خاص قریب تھا۔ مگر دل کو سمجھ نہ رہا تھا اور کس قدر اجنبی تھا۔ جیسے اس سے اس کا کوئی واسطہ ہی نہ ہو۔ اس کے لئے اس تعلق کے معنی کتنے مختلف تھے۔ اس تعلق کو توڑ دینا کتنا آسان تھا۔ جیسے وہ تعلق اس کے لئے کچھ نہ تھا۔

''کیا آپ کو لگتا ہے کہ میں ایسا کر سکتی ہوں؟'' میرب نے اپنی صفائی چاہی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے لمحہ بھر کو دیکھا تھا۔

نظروں کے سامنے وہ منظر گھوم گیا تھا جب وہ ریسٹورنٹ سے اس شخص کے ساتھ نکل رہی تھی۔

''لگنے والی کوئی بات نہیں ہے میرب! جو ہے صاف ظاہر ہے۔''

''آپ یہ بات کیوں نہیں مان لیتے کہ میں......'' زچ ہو کر وہ چپ ہو گئی تھی۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

میرب کے جسم سے جیسے جان نکلنے کو تھی۔

''میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔'' وہ چیخی تھی۔ ''آپ مان کیوں نہیں رہے؟ میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔ بھلا کروں گی میں ایسا؟ —— کیوں؟ —— میں تو آپ سے......'' جملہ زبان پر ہی رہ گیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری چلتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔

اس سناکت منظر میں وہ تنہا رہ گئی تھی۔

لمحہ بھر کو اس نے ڈبڈبائی آنکھوں سے اس شخص کو دیکھا تھا پھر بہت زور سے چیخی تھی۔

"محبت تھی مجھے تم سے ـــــ کیوں کرتی میں ایسا؟ ـــــ محبت کرتی ہوں میں تم سے۔ کیوں کروں گی میں ایسا؟ ـــــ ہو گئی تو کیا کروں؟ ـــــ کیا کروں اب جب محبت ہو گئی تو......؟" عجب سا لہجہ تھا۔ لیکن اس خالی خالی منظر میں اس کے سوا کوئی نہیں تھا۔

صرف وہ تھی۔

اور اس کی محبت۔ کچھ آنسو اور تنہائی۔

"مائی! آپ نے اتنی ڈھیر سی شاپنگ کر لی۔ خیریت؟" گی نے کسی قدر حیرت سے پوچھا تھا۔ مائی ...ائی تھیں۔

"ہاں ـــــ خیریت ہی ہے۔ اپنے بیٹے کی شادی کی تیاریوں میں ہوں۔ اپنی بہو کو لانے کی تیاری ...رہی ہوں۔"

"رئیلی؟" گی چونکی تھی۔

"کوئی بات ہوئی آپ کی میرب کے والدین سے؟"

"نہیں ـــــ ابھی تو نہیں ہوئی۔ مگر وہ بھی ہو جائے گی۔ صرف رسم ہی تو باقی ہے۔ اور سب تو ہو چکا ...ب سے بڑا کام ہے بندھن جڑنا۔ وہ تو جڑ چکا۔" مائی اماں بہت خوش دکھائی دے رہی تھیں۔

"شاید ٹھیک ہی کہہ رہی ہیں آپ۔" گی مسکرا دی تھی۔

"یہ دیکھو نا۔ میری میرب پر یہ کلر سوٹ کرے گا نا؟ ـــــ پتہ نہیں وہ ایسے بھرے بھرے کپڑے پسند ...تی ہے کہ نہیں۔ آج کل کے بچوں کا کچھ پتہ بھی تو نہیں۔ ہمارے زمانے میں تو......" مائی تشویش ...بولی تھیں اور وہ مسکرا دی تھی۔

"نہیں مائی! میرب پر یہ رنگ سوٹ بھی کرے گا اور اسے اچھا بھی لگے گا۔"

"لے بھلا ـــــ اپنے ساتھ لگا کر دیکھ۔" مائی نے اسے تھما دیا تھا۔ گی مسکرا دی تھی۔

"میرا بھلا اس سے کیا مقابلہ؟ مگر میرب پر یہ رنگ بہت سوٹ کرے گا۔ آپ نے گیلن سے بات کر ...کسی قدر تشویش سے دریافت کیا تھا۔

"لے بھلا۔ اس سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے؟ پوچھ تو نہیں۔ پتہ ہے اسے، نکاح ہوا ہے۔ اب تو ...رف میرب کو باضابطہ اس گھر میں لانے کی ہے۔ مجھے پتہ ہے وہ بھی خوش ہو گا۔ آخر ماں ہوں۔ ...یٹے کے دل کی خوشی جانتی ہوں۔ میرب اس کی زندگی میں ہو، وہ بھی یہ چاہتا ہے۔ اسی لئے تو میں ..."

"ہاں، ٹھیک ہے ـــــ ٹھیک سوچ رہی ہیں آپ۔"

"کل تم میرے ساتھ تو چلنا۔ ہم کچھ زیورات کی خریداری کر لیں گے۔ جتنے کام ہیں، ابھی سے نمٹا لوں۔ ...ر وقت تک نہیں گا اور بہت سے کام ہوں گے کرنے کے لئے۔" مائی ابھی سے متفکر دکھائی دے ...لما۔ گی نے سر ہلا دیا تھا۔

تب ہی سردار سبکتگین حیدر لغاری وہاں آیا تھا۔ ماں کی تیاری کو سرسری انداز میں دیکھا تھا۔

"کیا ہو رہا ہے یہ؟"

"تمہاری دلہن کو اس گھر میں لانے کی تیاریاں۔ میں نے سوچا، ڈھیروں کام ہوں گے۔ پھر وقت کم ملے گا۔ سو تیاری ابھی سے شروع کر دوں۔" مائی اماں مسرور دکھائی دے رہی تھیں۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کچھ نہیں بولا تھا۔ چہرے کی پیشانی کی رگیں تنی ہوئی تھیں۔

"تجھے کیا ہوا؟" مائی نے اس کا چہرہ بغور دیکھا تھا۔ مگر اس نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"نہیں، کچھ نہیں۔ آپ کو بتایا تھا کہ میں رات کی فلائٹ سے نیویارک جا رہا ہوں۔"

"ہاں۔ لیکن تجھے ہوا کیا ہے؟ ___ ٹھیک تو ہے تو؟ ___ طبیعت تو ٹھیک ہے؟" سامنے پھیلا ہوئے کپڑے ایک طرف رکھ کر مائی اماں تشویش سے اٹھی تھیں۔ باقاعدہ اس کی پیشانی پر ہاتھ لگا کر تھا۔ گل خاموشی سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کی نظریں دھواں دھواں تھیں۔ کچھ تو تھا۔ گل جانتی نہیں تھی مگر سمجھ ضرور گئی کوئی بات تو تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اس وقت چپ چاپ کھڑا تھا۔

"کیا ہوا؟" مائی نے دوبارہ دریافت کیا تھا۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بے تاثر انداز میں میں ہلا دیا تھا۔

"کتنی بار کہا ہے اتنا کام مت کیا کر۔ اپنی صحت کا بھی کچھ خیال رکھا کر۔ اور اب تو اس طرح دور پر چلا جائے گا۔ تجھے اپنی کوئی فکر ہے کہ نہیں؟ ___ کچھ میرا ہی خیال کر۔"

"مائی! آپ کا خیال ہے ___ بہت خیال ہے۔ اپنا خیال رکھیے گا۔ میں فون کرتا رہوں گا۔" سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ چہرہ اور انداز بے تاثر تھا۔

"کوئی نیویارک نہیں جا رہا تو آرام کر۔ میں ڈاکٹر کو فون کرتی ہوں۔ صورت دیکھی ہے تو نے ایسے پردیس جائے گا؟"

مائی کو بہت فکر ہوئی تھی۔

"کچھ نہیں ہے مائی! ٹھیک ہوں میں۔ آپ خواہ مخواہ پریشان ہو رہی ہیں۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔" اپنے آپ پر حیرت ہوئی تھی۔ وہ اس کیفیت میں تھا کہ اپنے جذبات و احساسات پر کنٹرول نہیں تھا۔ اس کی نگاہ پڑھی جا رہی تھی۔

احساسات اتنے حاوی تھے اس پر۔ ایک لمحے میں بہت حیرت ہوئی تھی۔

"میں تجھے جانے سے منع نہیں کر رہی۔ تجھے جانا ہے، چلے جانا۔ مگر آج نہیں۔ فون کر کے کینسل کرا دے۔ تو اس طرح چلا گیا تو مجھے فکر رہے گی۔" مائی اماں فکر مندی سے کہہ رہی تھیں۔ سبکتگین حیدر لغاری نے خاموشی سے انہیں دیکھا تھا پھر سائیڈ پر بکھرے ہوئے انواع و اقسام کے بکھے تھے۔

"یہ کس بات کی تیاری ہے؟" سپاٹ لہجے میں دریافت کیا تھا۔

"میری دلہن کو لانے کی۔ لیکن تو اسے چھوڑ فی الحال، چل آرام کر۔ میں ڈاکٹر کو بلاتی ہوں۔" مائی اماں مندی سے بولی تھیں مگر اس نے منع کر دیا تھا۔

"نہیں مائی! اس کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ کہہ کر پلٹا تھا اور چلتا ہوا سیڑھیاں چڑھ گیا تھا۔ مائی اماں اسے دیکھتی رہ گئی تھیں۔

❋❋❋

"عجیب لڑکی ہو تم۔ اچھا خاصا شوہر ملا ہے مگر اس کے باوجود جب بھی ملو، منہ پر بارہ ہی بجے ہوتے ہیں۔" اوزان نے اسے دیکھ کر کہا تھا مگر وہ مسکرائی نہیں تھی۔

"کیا ہوا ہے؟ ___ تمہارا چہرہ اترا ہوا کیوں ہے؟" ممی نے دریافت کیا تھا۔

"ہاں ___ کچھ کمزور لگ رہی ہے میری بچی۔" دادا ابا نے بھی کہا تھا لیکن اوزان مسکرا دیا تھا۔

"آپ لوگوں کو محبت نے اندھا کر دیا ہے۔ اچھی خاصی تو ہے۔ بلکہ مجھے تو پہلے سے کچھ موٹی بھی لگ رہی ہے۔ ہے نا۔ انابیہ! تم نے ویٹ پٹ آن کیا ہے نا؟"

وہ اچھے موڈ میں نہیں تھی مگر اس لمحے وہ مسکرائے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔ اگر اس کا ارادہ یہی تھا کہ وہ مسکرائے تو وہ مسکرا دی تھی۔

"اوزی! تم بھی نا۔" انابیہ نے اس کے شانے پر مکا مارا تھا۔ وہ مسکرا دیا تھا۔

"تم تو اپنے گھر خوش ہو۔ اب اپنے اس بے چارے سے بھائی کی بھی کچھ فکر کر لو۔"

"کیا فکر؟" وہ چونکی تھی۔

"کیا فکر مطلب؟ میری شادی نہیں کراؤ گی؟"

"شادی ___" اس کا ذہن کہیں اور تھا۔ دھیان اس طرف بالکل بھی نہ تھا۔ جو کچھ بول رہی تھی، خالی دماغ سے تھا۔ اس کا اندازہ اسے ہوا تھا۔ تب ہی چونک کر چہرہ پھیر گئی تھی۔ پھر قدرے توقف سر ہلاتی ہوئی بولی تھی۔

"ہاں، سوری! مجھے یاد نہیں رہا۔ اپنے بھائی کی شادی تو مجھے ہی کروانا ہے۔" وہ زبردستی مسکرائی تھی۔ دادا ابا نے اس کی کیفیت کو پہلے ہی محسوس کر لیا تھا۔ تب ہی اس لمحے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے نرمی سے مسکرا دیا تھا۔

"دادا ابا! آپ ٹھیک ہیں؟ ___ اپنی دوائیں وقت پر لے رہے ہیں؟" اس نے دادا ابا کی طرف دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ وہ اپنا دھیان پھیر کر دوسری طرف لگانا چاہتی تھی۔ بالکل بھی اس طرح نہیں رہنا چاہتی تھی۔ مگر وہ کامیاب نہیں ہو پا رہی تھی۔ اندر بہت کچھ بکھرا بکھرا سا تھا۔

"ہاں بیٹا! ٹھیک ہوں ___ وقت پر دوائیں بھی لے رہا ہوں۔ اوزی بہت خیال رکھتا ہے میرا۔" دادا مسکراتے ہوئے بولے تھے۔

"دیکھا ___ دیکھا۔ تمہیں یہاں کوئی مس نہیں کرتا۔ تمہاری کمی اس گھر میں کوئی بھی محسوس نہیں

کرتا۔ تم اگر یہ سوچ کر دکھی ہونا چاہتی ہو تو ہو سکتی ہو۔" وہ مسکرایا تھا۔

"اوزی! بکواس مت کرو۔" وہ چلتی ہوئی دادا ابا کے قدموں میں گھٹنوں کے بل جا بیٹھی تھی۔

"دادا! اب ٹھیک ہیں؟" مدھم لہجے میں دریافت کیا تھا۔

دادا نے محبت سے سر پہ ہاتھ پھیرا تھا۔

"ہاں بیٹا! ٹھیک ہوں۔ یہ اوزان کی مت سن۔ تُو جانتی ہے اس کی عادت ہے۔ تجھے چھیڑتا ہے۔ یہاں تجھے ہم بہت مس کرتے ہیں۔ یہ جو گدھا ہے نا، یہ بھی تجھے بہت مس کرتا ہے۔" دادا ابا نے مطلع کیا تھا۔ اوزی ہنس دیا تھا۔

"دادا ابا! آپ بھی نا۔ جھوٹ بولنے کی بھلا کیا ضرورت ہے؟"

"میں جانتی ہوں، میرے دادا ابا کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔ چپ رہو تم، مجھے پتہ ہے، تم سب مجھے بہت مس کرتے ہو۔" کہہ کر اس نے دادا ابا کی گود میں سر رکھ دیا تھا۔

آنسو خود بخود آنکھوں سے بہہ نکلے تھے۔

"میں جانتی ہوں، تم سب مجھے بہت مس کرتے ہو۔" آواز بھرا گئی تھی۔

"یار! اب زیادہ جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ عفنان ساتھ کیوں نہیں آیا؟ تم دونوں میاں بیوی آگے پیچھے کیوں آتے ہو؟ ساتھ ساتھ کیوں نہیں؟" اوزی نے موضوع یکسر بدل دیا تھا۔

"وہی چھوڑ کر گئے ہیں مجھے۔" انابیہ نے باقی کے آنسو اندر ہی کہیں مدغم کیے تھے اور اپنی آنکھوں ہاتھ کی پشت سے رگڑتے ہوئے جواب دیا تھا۔

"دادا ابا! آپ اپنا خیال رکھا کریں۔ اور اگر یہ اوزی آپ کا خیال نہ رکھے تو آپ مجھے فون کریں۔ میں اس کے کان بہت زور سے کھینچوں گی۔"

اوزی ہنس دیا تھا۔

"بس کان ہی کھینچنا۔ میرا ہاتھ اور ذمہ داریاں بانٹنے والی کوئی نہ لانا۔" اوزی نے شکوہ کیا تھا۔ دادا مسکرائے تھے۔ وہ بھی مسکرائے بنا نہیں رہ سکی تھی۔

"دادا ابا! دیکھ رہے ہیں آپ، کیا زمانہ آ گیا ہے۔ موصوف اپنے منہ سے کہہ رہے ہیں۔"

"ہاں تو کیا بھلا غلط کہہ رہا ہوں؟ جب بہن کو ہی احساس نہیں تو پھر مجھے ہی احساس دلانا پڑے گا؟ کیوں دادا جی! میں نے کچھ غلط کہا؟" اس نے فوراً دادا ابا کو وکیل کیا تھا۔

"کہہ تو اوزی ٹھیک رہا ہے۔" دادا ابا مسکرائے تھے۔

"دادا! آپ ـــــ آپ اوزی کی سائیڈ لے رہے ہیں؟" وہ بے یقینی سے بولی تھی۔

دادا ابا مسکرا دیے تھے۔

"ٹھیک ہے ـــــ دیکھتی ہوں کوئی لڑکی تمہارے لیے۔" انابیہ نے ہار مانتے ہوئے کہا تھا۔

"کوئی لڑکی نہیں ـــــ صرف ایک لڑکی۔" اوزان نے باور کرایا تھا۔

"کون؟" انابیہ چونکی تھی۔

دادا ابا اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

"اچھا! تم لوگ بیٹھو، باتیں کرو۔ میں نماز پڑھ لوں۔"

"ممی ابھی تک کچھ کھانے کو نہیں لائیں۔ مجھے بھوک لگ رہی ہے۔" انابیہ جیسے دانستہ منہ موڑ کر اس سے بچنا چاہتی تھی۔

"تم لامعہ کی طرف گئی تھیں؟" اوزی نے دریافت کیا تھا۔

اس نے قدرے توقف سے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"ہاں ملی تھی۔ بات بھی کی تھی مگر۔"

"وہ اب تک اسی طرح بی ہیو کر رہی ہے؟"

"پتہ نہیں۔" انابیہ نے بہت آہستگی سے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"وہ میری دشمن نہیں ہے۔ نہ میں اس کی۔ مگر ہم دونوں ایک دوسرے کو سمجھ نہیں پا رہے فی الحال۔"

اوزی خاموشی سے اسے دیکھتا رہا تھا۔

"اوزی! وہ اب بھی ویسا ہی سوچتی ہے۔ میں بھی، اس کا دلی غبار ہے، دُھل گیا تو اب اس کے بعد وہ اس بات کو لے کر برہم نہیں ہوگی۔ مگر وہ۔" انابیہ کی آنکھوں میں بہت سی نمی آن رکی تھی۔ اوزان نے اس کے لیے بہن کے شانے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم سیریس مت لو۔"

"اوزی! یہ سب بہت زیادہ ناقابل برداشت ہے۔"

"انابیہ! زندگی میں ہر شے کے لیے ہمیشہ تیار رہو۔ یہ ایسا کچھ نہیں ہے کہ ٹھیک نہ ہو سکے۔ یہ رشتے اہم ہیں۔ لیکن تمہاری پہلی ترجیح تمہارا شوہر ہے۔ اس وقت تمہارے اس رشتے کو تمہاری سب سے ضرورت ہے۔ ان سب کو لے کر اپنے اس ایک رشتے کے ساتھ کوئی ناانصافی مت کرو۔ کوئی غفلت برتو۔ یہ چھوٹی چھوٹی غلطیاں بعض اوقات بہت بڑا ایشو بن جاتی ہیں۔ پھر حل کرتے بھی رہو تو حل ہوتیں۔" اوزی اسے سمجھا رہا تھا۔

وہ کچھ بولی نہیں تھی۔

"انابیہ! محبت اور دوستی میں فرق ہوتا ہے۔ دونوں کو الگ الگ خانوں میں رکھنا سیکھ لو۔" وہ جیسے ایک بات بتا رہا تھا۔ مگر وہ اسے کیا بتاتی کہ اب بات اس سے نکل کر بھی کچھ اور تھی۔ عفنان علی خان، اس جناب سرد پڑتا الاؤ تھا۔

اس نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تھا۔ سامنے عفنان علی خان کھڑا تھا۔

اور کوئی جوت نہیں جاگی تھی۔ وہ اسی طرح دیکھتی رہی تھی۔

باقی تھی وہ اسے لینے آ گیا ہے۔ اور اب وہی معمول کی زندگی ہوگی۔ معمول کے انداز میں۔ کچھ نیا نہیں اتو کھا۔

"ارے عفنان! تم؟" اوزی نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا اور مسکراتے ہوئے بولا تھا۔

"آؤ نا ـــــ وہیں کیوں ٹھہر گئے؟" اوزی بولا تھا۔

انابیہ چپ چاپ سر جھکا گئی تھی۔ عفنان آگے بڑھ آیا تھا۔

"اور سناؤ، کیا ہو رہا ہے؟" اوزان نے دریافت کیا تھا۔

"سب ٹھیک ہے۔ کیا راز و نیاز چل رہے ہیں دونوں بہن بھائیوں میں؟" عفنان نے مسکراتے ہوئے ان دونوں کو دیکھا تو اوزی مسکرا دیا۔ انابیہ چہرہ پھیر کر بے تاثر بن گئی تھی۔

"راز کیا چلنے ہیں یار! ـــــ بس ایک درخواست کر رہا تھا۔"

"کیا؟" عفنان چونکا تھا۔

اوزان ہنس دیا تھا۔

"ایک عدد گھر والی لانے کے لیے۔" اوزان نے کہا تھا۔ عفنان مسکرا دیا تھا۔

"اوہ ـــــ اچھا۔"

"کیا کروں؟"

"کوئی ڈھنگ کا کام کرلو مگر شادی مت کرو۔"

"ریئلی؟"

"ہاں ـــــ شادی کے بڑے عذاب ہیں یار! پتہ جب چلتا ہے جب بھگتنا پڑتا ہے۔" عفنان مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ دونوں نے ہاتھوں پر ہاتھ مارا تھا اور ہنستے چلے گئے تھے۔

"اچھا ـــــ میں تو بھول ہی گیا کہ یہاں ایک تجربہ کار انسان موجود ہے جس کے تجربے سے کم سبق لیا جا سکتا ہے۔" اوزان ہنسا تھا۔ انابیہ اسے بہت تنقیدی نظروں سے گھور رہی تھی۔

"ایسا کیا عذاب میں مبتلا کیا میں نے آپ کی زندگی کو؟" اس نے بھرپور استحقاق سے دریافت کیا تھا۔ عفنان علی خان اس کے اچانک تخاطب پر چونکا تھا۔ مگر وہ بول کر وہاں سے نکل گئی تھی۔ اوزان دیا تھا۔

"میں سمجھ سکتا ہوں۔ تمہارے تجربات سے مجھے ضرور سبق لینا چاہیے۔"

عفنان مسکرا دیا تھا۔

"اور سناؤ ـــــ ٹھیک گزر رہی ہے نا؟" قدرے توقف سے اوزی نے دریافت کیا تھا۔ عفنان خان نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"ہاں، بہت اچھی۔ تب ہی تو تمہیں باز رکھ رہا تھا۔" وہ مسکرا دیا تھا۔ اوزان بھی مسکرا دیا تھا۔

"وہ تو خیر۔ مذاق کی بھی اپنی ایک حد ہوتی ہے۔ تم خوش تو ہو نا؟ وہ سارے وعدے، عہد پورے کیے یا نہیں؟ ـــــ تمہیں یاد ہے جب ہم ہاسپٹل میں انابیہ کو آخری سانسیں لیتے دیکھ رہے تم اس وقت کتنے ڈپریس تھے۔ اب بھی اتنی ہی محبت کرتے ہو اس سے؟" سرسری انداز میں دریافت تھا۔

عفنان علی خان کچھ نہیں بولا تھا۔

بس خاموشی سے اس شخص کو دیکھا تھا۔

شاید وہ اس کے سوال کا مطلب اچھی طرح سے سمجھ رہا تھا۔

"ہاں، مجھے سب یاد ہے۔" اس نے بہت دھیمے لہجے میں کہا تھا۔ انداز صرف ایک سرگوشی لگا تھا۔

❊❊❊

"کیا ہوا؟ ـــــ اب کیسی طبیعت ہے تمہاری؟" اذہان نے اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے دریافت کیا وہ خالی خالی نظروں سے اس کا چہرہ دیکھ کر رہ گئی تھی۔

وہ صرف گزشتہ زخموں کی بات کر رہا تھا، جو معمولی تھے۔ اس کے بعد کے زخم کتنے گہرے تھے، وہ ان متعلق کچھ نہیں جانتا تھا۔

"ہاں، ٹھیک ہوں میں۔" وہ سر جھکا کر مدھم لہجے میں بولی تھی۔ اس کے لہجے میں اس لمحے بہت کچھ رہا تھا۔

اذہان حسن بخاری نے اسے بغور دیکھا تھا۔

"کیا ہوا؟" اس کے چہرے کو جانچتی نظروں سے دیکھا تھا جیسے وہ اسے پڑھ لینا چاہتا ہو۔

میرب نے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔ آنکھیں بھر آئی تھیں۔

آنکھوں کی نمی چھپانے کے لیے وہ سر جھکا گئی تھی۔

"کیا ہوا میرب؟" اذہان نے ایک بار پھر دریافت کیا تھا۔ مگر اس نے نفی میں ہلا دیا تھا۔

اذہان اس کے سامنے بیٹھا اسے چپ چاپ دیکھ رہا تھا۔ جب یک دم میرب نے اس کے شانے پر سر رکھ دیا تھا اور آنسوؤں پر کچھ اختیار نہ رہا تھا۔ اذہان حسن بخاری کی روح جیسے لمحوں میں قیامتوں کی گئی۔

تیرے بن میں یوں
کیسے جیا
کیسے جیا تیرے بن
تیرے بن میں یوں کیسے جیا
کیسے جیا تیرے بن

میرب سیال کے گرم گرم آنسو اس کے شانے کو جلانے لگے تھے۔ اذہان حسن بخاری کے وجود میں کوئی ہلچل ہوئی تھی۔ وہ اسی طرح ساکت سا اس کے سامنے تھا۔ بہت سی دبی راکھ میں چنگاریاں سی جل ل ان لمحے۔

لے کر یادیں تیری
راتیں میری گئیں
سے باتیں تری
لاتی ہے چاندنی

تنہا ہیں تجھ بن راتیں میری
دن میرے دن کے جیسے نہیں
تنہا بدن
تنہا ہے روح
نم میری آنکھیں رہیں
آ جا میرے اب رو برو
جینا نہیں بن تیرے
تیرے بن

ایک لمحے میں محبت نے اندر سر اٹھایا تھا۔ ایک لمحے میں اندر ایک قیامت مچی تھی۔ اذہان خود حیران رہ گیا تھا۔ ایک لمحے میں پتہ چلا تھا، وہ کتنا کمزور تھا اور محبت کتنی مضبوط۔ ایک پل میں سارا سمیٹا ہوا بکھر کے ریزہ ریزہ تھا۔ ایک لمحے میں اسے اپنا وجود زیر و زبر ہوتا دکھائی دیا تھا۔ ایک لمحے میں اس کا سارا وجود بکھر گیا تھا۔ بے اختیاری کیا ہوتی ہے، اس ایک لمحے میں پتہ چلا تھا۔ اس کی ساری جان جیسے اس لمحے ایک مٹھی میں تھی۔ میرب سیال کا سر بدستور اس کے شانے پر تھا۔ اس کے آنسو اس کے شانے پر تھے۔ اذہان حسن بخاری نے ایک لمحے کو دل کی مانی تھی اور اس کے گرد اپنا بازو پھیلا دیا تھا۔

میرب سیال دل گرفتہ سی تھی۔ اذہان حسن بخاری نے بہت آہستگی سے اپنا حصار اس کے گرد باندھا تھا۔

"کچھ نہیں سمجھتا وہ۔ کچھ نہیں جانتا۔" بے خودی کے عالم میں وہ روتے ہوئے بول رہی تھی۔ "مجھ سے اتنا بدگمان ہے وہ۔ میری کسی بات کا یقین تک نہیں کرتا۔ اسے لگتا ہے میں......" یک دم حسیات بحال ہوئی تھیں اور وہ چپ ہو کر چہرہ پھیر گئی تھی۔

اذہان حسن بخاری چپ چاپ اس کے جھکے سر اور بھیگی آنکھوں کو دیکھ رہا تھا۔

میرب سیال اپنے اس ایک لمحے کے اقدام پر کسی قدر شرمندہ نظر آ رہی تھی اور اذہان اسے مزید شرمندگی میں مبتلا رکھنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ اٹھا تھا اور چلتا ہوا وہاں سے نکل گیا تھا۔ میرب سیال نے اذہان کے اس طرح اٹھ کر چلے جانے کا قطعاً کوئی نوٹس نہیں لیا تھا۔ وہ اپنی سوچوں کے ساتھ اتنی الجھی ہوئی تھی کہ اس کے لئے باہر کے سارے منظر ایک لمحے میں بالکل ثانوی ہو کر رہ گئے تھے۔

"سبکتگین!..... کس موڑ پر لا کھڑا کر دیا ہے تم نے مجھے؟"

"آئی لو یو گین!" ایک مدھم سی سرگوشی کمرے میں ابھری تھی۔

"میں تم سے محبت کرتی ہوں گین! کبھی سمجھنے کی کوشش کی تم نے؟ کتنا بے بس کر دیا ہے تم نے مجھے خود سے۔ مبتلا کیا ہے اور میرے لئے سارے راستے بند کر دیے ہیں۔ جس سے آگے نہ مجھے کچھ دکھائی دے رہا ہے نہ سنائی۔ کیوں کیا ہے تم نے ایسا؟"

وہ چیخی تھی مگر وہاں ان تمام سوالوں کا جواب دینے والا کوئی نہیں تھا۔

❊❊❊

"گین! کیا تمہیں یقین ہے کہ ایسا سب میرب نے خود کیا ہے؟" گی نے بے یقینی سے کہتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تھا۔ وہ کچھ نہیں بولا تھا۔ گی کی نظروں میں ایک بے یقینی تھی۔

"تم واقعی ایسا کرو گے؟" سوال میں حد درجہ حیرت تھی۔ "تم واقعی میرب کو اپنی زندگی سے نکال باہر کرو گے؟"

ان کے کئی سوالوں کے جواب میں بھی وہ کچھ نہیں بولا تھا۔ مکمل طور پر خاموش تھا۔

"تمہیں لگتا ہے تم ایسا کچھ کر لو گے؟" اب کے پہلے سے سوا حیرت لہجے میں تھی۔ مگر سردار سبکتگین حیدر ویسا ہی خاموش بیٹھا تھا۔

"سبکتگین حیدر لغاری! تم اس لڑکی سے محبت کرتے ہو۔ کیسے کر سکتے ہو ایسا سب؟"

"وہ مجھ سے محبت نہیں کرتی۔" اس کی اتنی باتوں کے جواب میں وہ پہلی بار بولا تھا اور گی چپ کی چپ رہ گئی تھی۔

"اسے مجھ سے محبت نہیں۔ تالی دو ہاتھوں سے بجتی ہے گی! ایک ہاتھ سے بجے تو طمانچہ کہلاتا ہے۔ اس کا کوئی انجام نہیں ہوتا۔ اور مجھے بھی اس سے کوئی محبت وحبت نہیں تھی۔ یہ صرف تمہاری سوچ ہے۔ تمہارے دماغ کی خرافات ہیں۔ میرے پاس فضول کا اتنا وقت نہیں ہے کہ میں ادھر ادھر صرف کرتا پھروں۔ میرے پاس کوئی غیر ضروری بات سوچنے کے لئے وقت نہیں ہے......"

"وہ تمہیں بھولتی نہیں ہے۔" اس کی بات کاٹ کر وہ بولی تھی۔

وہ حیرت سے اسے تکتا رہ گیا تھا۔

"اور وہ تمہیں بھولتی نہیں ہے۔ رائٹ؟" گی نے اپنی بات کی وضاحت چاہی تھی۔ گین نے اسے مانا تھا اور پھر اس پر سے دھیان ہٹاتے ہوئے آہستگی سے بولا تھا۔

"پاگل ہو تم۔ بالکل پاگل۔ فضول کی باتیں کرتی ہو۔ فضول کی باتیں ہونے پر یقین رکھتی ہو اور......"

"محبت کرتے ہو اس سے تو بتا کیوں نہیں دیتے اسے؟..... تمہارے دل میں جو بھی ہے وہ اس کا جواب دو اسے۔ آزما کر دیکھ لو، اسے تمہاری تم سے زیادہ ضرورت ہو گی۔ صرف ایک بار..... صرف ایک بار گین! اس کی طرف ایک قدم بڑھا کر تو دیکھو۔ وہ تمہارے قریب ہے۔ اسے کیوں خود سے دور کر رہے ہو؟ کیوں فاصلوں کو صدیاں بنانے پر تلے ہو؟ سمجھنے کی کوشش کرو گین! تم اس کی ضرورت ہو۔ تمہیں اس کی ضرورت ہے۔ تمہیں تمہاری زندگی میں اس کی بہت ضرورت ہے۔ اسے خود سے دور مت دھکیلو۔ تم سے وابستہ ہے وہ۔ وہ تمہارا وقت ہے۔ اسے کیوں گنوا رہے ہو تم؟" گی اس کے جذبات سمجھاتی ہوئی تھی۔

مگر سردار سبکتگین نے بہت رسانیت سے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"تم جو بھی سوچ رہی ہو، وہ غلط ہے گی! ایسا کچھ نہیں ہے۔ ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کہا تھا۔ "ان باتوں کو چھوڑو تم۔ یہ بتاؤ تمہارا چیک اپ کیسا رہا؟"

"مجھ سے اہم یہ ٹاپک ہے گیلن! اس لڑکی کو کس بات کی سزا دے رہے ہو تم؟ اور خود کو؟ اس کے بغیر کیسے جیو گے؟" گی نے دریافت کیا تھا۔ مگر وہ جواباً کچھ نہیں بولا تھا۔ اٹھا اور چلتا ہوا چپ چاپ باہر نکل گیا تھا۔

❋❋❋

"تم نے میرے ریسٹورنٹ کے لئے جو جگہ دیکھنا تھی، وہ دیکھ لی؟" ساہیہ نے دریافت کیا تھا۔ مگر اذہان حسن بخاری نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ وہ کسی قدر الجھا اور کھویا کھویا سا دکھائی دیا تھا۔

"اذہان!" ساہیہ نے اسے دوبارہ پکارا تھا۔

"ہاں؟" وہ چونکا تھا۔

"کیا ہوا اذہان؟" ساہیہ نے اسے کسی قدر حیرت سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"کچھ نہیں ـــــ تم کچھ کہہ رہی تھیں؟" اذہان نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

"ہاں ـــــ میں نے ریسٹورنٹ کے لئے جگہ دیکھنے کے لئے کہا تھا مگر تم......"

"ہاں ـــــ میں نے بات کی تھی۔ جلد ہی۔" الجھے ہوئے انداز میں کہا تھا۔ ساہیہ نے اسے بغور دیکھا تھا۔

"کیا ہوا؟ ـــــ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

"ہاں ٹھیک ہے۔ میں تمہیں لے جاؤں گا۔ تم دیکھ لینا، جگہ اچھی ہے۔ تمہیں پسند آ جائے گی۔"

اسے جواب تو دے رہا تھا مگر انداز بہت الجھا ہوا تھا۔

"مجھے جگہ سے زیادہ تمہاری فکر ہے اذہان!"

وہ مسکرا دیا تھا مگر وہ مسکراہٹ بہت پھیکی تھی۔

"آئی ایم گڈ۔ تھینکس۔"

"آر یو شیور؟" ساہیہ نے اسے بغور دیکھا تھا۔

اس نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"کوئی پریشانی ہے؟"

"نہیں۔"

"پھر؟"

"کچھ نہیں۔"

جواب قطعی تھا۔ اس کے بعد ساہیہ کچھ نہیں بولی تھی۔ کریدنا اسے بھی اچھا نہیں لگا تھا لیکن اندازہ ہو گئی تھی کہ کوئی بات ہے جو اسے پریشان کر رہی ہے۔

بہت دیر وہ خاموش رہی تھی۔ کچھ بول نہیں سکی تھی۔

سرد مہری فضا میں اتنی زیادہ تھی کہ اندر کے سارے لفظ جیسے کہیں کھو گئے تھے۔

"کیا ہوا؟ ـــــ تم اس طرح چپ کیوں ہو گئیں؟" اذہان نے دریافت کیا تھا۔

کیا بات کروں؟"

"کچھ بھی۔" اذہان حسن بخاری جیسے اپنے اردگرد کی خاموشی کو فی الفور توڑنا چاہتا تھا۔

ساہیہ سر اٹھا کر اسے خاموشی سے دیکھنے لگی تھی۔ پھر دھیمے سے مسکرا دی تھی۔ بڑا مجلسی سا تبسم تھا۔

"مسکرانا مجھے بھی اچھا لگتا ہے اور بات کرنا بھی۔ مگر بولنے کو اور مسکرانے کو کچھ ہو بھی تو۔"

"تمہارا کیا خیال ہے؟ ہمارے درمیان ایسا کچھ بھی نہیں ہے؟" اذہان حسن بخاری بولا تھا تو اس کا اپنا یقین تھا۔ ساہیہ نے آہستگی سے مسکرا کر سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"نہیں ـــــ ایسا میں نے نہیں کہا۔ ہمارے پاس باتیں کرنے کو بہت کچھ ہے ابھی۔ تم میرب کی طرف گئے تھے؟" ساہیہ نے کہا تھا اور ساتھ ہی ایک نیا موضوع تلاش کیا تھا۔

اذہان کچھ دیر تک بول نہیں سکا تھا۔ پھر بولا تھا۔

"ہاں ـــــ شی از اوکے۔" کہتے ہوئے میرب کی وہ کیفیت نگاہ کے سامنے آ گئی تھی۔

وہ اب تک اس لمحے کے حصار سے نکل نہیں سکا تھا۔

میرب کی اس کیفیت کا سبب کیا تھا، وہ نہیں جانتا تھا۔

مگر ایک بات جان گیا تھا کہ وہ خوش نہیں تھی۔

... تھی۔

اذہان اس کے کسی دکھ کا کوئی مداوا نہیں کر سکتا تھا۔

اس کے شانے پر آنسو بہا کر شاید کسی قدر مطمئن ہو گئی ہو مگر اذہان حسن بخاری کی روح میں کئی ... کو بھر دیا تھا۔

"ــــ کہاں ہو تم؟" ساہیہ نے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا تھا۔

"ہاں ـــــ میں ٹھیک ہوں۔ میرب کی طرف گیا تھا میں۔ وہ بھی ٹھیک ہے۔"

"تمام میں اگر تمہارے پاس ٹائم ہو تو پلیز مجھے بھی لے چلنا۔ میں بھی اس کی خیریت دریافت کرنا چاہوں گی۔"

اذہان کچھ نہیں بولا تھا۔

"کیسی طبیعت ہے اب اس کی؟"

"کس کی؟"

"میرب کی۔"

"ہاں۔ تمہیں بتایا تو ہے۔ شی از اوکے ناؤ۔"

اذہان حسن بخاری ذہنی طور پر بہت ڈسٹرب لگ رہا تھا۔

اس نے بہت آہستگی سے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔ منہ سے کچھ نہیں بولی تھی۔ اذہان اس کو دیکھنے لگا تھا۔ ساہیہ کی نظروں میں بنا کچھ کہے کہہ دینے والے احساس تھے۔ اس کے لئے کیئر تھی۔ اذہان حسن بخاری کو لمحہ بھر کسی قدر شرمندگی سی ہوئی تھی۔ وہ مسکرا دیا تھا۔

"کیا ہوا ____؟"

"اوں ہوں۔" وہ سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

"تمہیں کوئی پرابلم ستا رہی ہے؟" ساحیہ نے دھیمے لہجے میں دریافت کیا تھا۔

"تمہیں کیسے پتہ چلا؟"

"بس پتہ چل گیا ____ بتاؤ، شیئر کرنا نہیں چاہتے ہو تو الگ بات ہے۔ مگر میرا خیال ہے تم پریشان ہو۔ پلیز بی ریلیکس۔" ساحیہ کے انداز میں اس کے لئے محبت بول رہی تھی۔

اذہان نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"میں تمہارے ساتھ ہوں۔" پتہ نہیں کیا جتانے کو وہ بولا تھا۔ ساحیہ نے اس کی طرف دیکھا تھا اور مسکرا دی تھی۔

"تمہیں یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں جانتی ہوں تم میرے ساتھ ہو۔"

اذہان فوری طور پر کچھ نہیں بول سکا تھا۔

"تمہیں نہیں لگتا میں تمہارے ساتھ ہوں؟" قدرے توقف سے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتا ہوا بولا تھا۔

"میں نے ایسا نہیں کہا۔"

"اذہان! لڑکی کے لئے یہ اظہار کرنا آسان نہیں ہوتا۔ نہ یہ درخواست کرنا۔ تمہیں یاد ہے جب میں نے کہا تھا تم آزاد ہو۔ چاہو تو کوئی بھی راہ اختیار کر سکتے ہو۔ جب چاہو جیسے چاہو چل سکتے ہو۔ اب سوچتی ہوں مجھ میں کتنا حوصلہ تھا جو میں نے وہ سب تمہیں کہہ دیا۔ خود کو دیکھتی ہوں تو ایک پل بھی تمہارے بغیر کاٹنا محال لگتا ہے۔ کہاں میں ساری زندگی کے لئے تمہیں خود سے دور بھیج دینا چاہتی تھی۔" وہ بولی تھی پھر یک دم ہنس دی تھی۔

"یہ مت سوچو میں بہت ایموشنل ہو رہی ہوں۔ شاید ایسا ہوتا ہے۔ میں نے تب نہیں سمجھا تھا۔ جانا تھا مگر اب میں اتنی جنونی نہیں ہوں۔ نہ تمہارے لئے اتنی پاگل ہوں۔ تم جب چاہو، جہاں چاہو راستے اختیار کر سکتے ہو۔ میں یا میرا تعلق کبھی تمہارے لئے زنجیر نہیں بنے گا۔"

اذہان نے بغور اس کی طرف دیکھا تھا۔ اس لڑکی کے چہرے پر دبی مسکراہٹ تھی۔ زندگی کو ایک میں جی لینے کی ایک رمق تھی۔ ایک اطمینان تھا۔ کیسی تھی یہ محبت۔

"تم ایسا کیوں سوچتی ہو؟" اس کو اطمینان دلانے کی کوشش میں وہ اپنے اندر کی بے اطمینانی بھولا تھا۔ ساحیہ مسکرا دی تھی۔

"میں ایسا سوچتی نہیں ہوں، بولتی ہوں۔ محبت کو باندھ کر رکھنے والے بے وقوف ہوتے ہیں۔ پابند بنا کر رکھنا فضول ہے۔ محبت کو آزاد چھوڑ دینا چاہئے۔ اگر یہ تمہاری ہے تو واپس پلٹ کر تمہارے آئے گی۔ اگر نہیں تو اسے بھول جاؤ۔" عجب بے فکری سے اس نے شانے اچکائے تھے۔ اذہان نگ میں حیرت لئے اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔

"محبت اتنی آسان ہو سکتی ہے؟"

"پتہ نہیں ____ مگر میرے لئے تو ہے۔" وہ ہنس دی تھی۔ انداز صاف بتا رہا تھا وہ مذاق کر رہی تھی۔ مگر اس کی آنکھوں میں کئی موتی چمک رہے تھے۔ نمی صاف دکھائی دے رہی تھی۔ اذہان حسن بخاری نے بڑھا کر اس کی آنکھوں کے کناروں پر سے پانی کے ننھے قطرے کو لیتے ہوئے اس کی جانب دیکھا۔ اذہان کے ہاتھ کی انگلی کی پوروں پر وہ اپنی آنکھ کی اس نمی کو دیکھ نہیں سکی تھی۔ نظر جھکا گئی تھی۔

"تم بتا رہے تھے وہ ریسٹورنٹ کی جگہ کافی اچھی ہے۔" ساحیہ نے یک دم فرار کے راستے اختیار کرتے ہوئے موضوع بدل دیا تھا۔

"ساحیہ!" اپنے ہاتھ پر اس نمی کو دیکھتے ہوئے اذہان نے اس کی طرف دیکھا تھا۔ ساحیہ نے خاموش نظر اس کی طرف ایسے دیکھا تھا جیسے کوئی چور چوری کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑا جاتا ہے۔

"سب اتنا آسان ہے ساحیہ؟" ایک لمحے میں جتاتے ہوئے وہ دریافت کر رہا تھا۔ وہ لمحہ بھر کو چپ رہ گئی تھی۔ کچھ نہیں بول سکی تھی۔ پھر بہت آہستگی سے سر انکار میں ہلا دیا تھا۔

"نہیں۔ مگر محبت میں جبر نہیں ہے۔ ایسا سوچنے سے سب کچھ اپنے آپ آسان لگنے لگتا ہے۔ اپنے بارے میں سوچو تو بندہ خود غرض ہونے لگتا ہے۔ سو جب بھی سوچو، کسی دوسرے زاویے سے سوچو، کسی اور کے زاویے سے دیکھو، جانچو، پھر محبت صاف سمجھ آتی ہے۔ محبت صرف اپنی ذات کا مسئلہ نہیں ہے۔ اسے صرف اپنی نظر سے نہیں دیکھنا چاہئے۔ اگر میں اپنی نظر سے دیکھتی ہوں تو مجھے صرف اپنا آپ دکھائی دے گا اور یہ ٹھیک نہیں ہوگا۔" ساحیہ اطمینان سے کہہ رہی تھی۔

اور اذہان حسن بخاری کو کچھ حیرت نہیں ہوئی تھی۔ اگر وہ ایسا کہہ رہی تھی تو وہ ایسا کر بھی سکتی تھی۔ اس بارے میں یقین تھا اسے۔ ساحیہ سے واقف تھا وہ۔ جو اس کے دل میں تھا وہ چھپا بھید نہ تھا۔ وہ شفاف تھی اور وہ خود۔

لمحہ بھر کو اپنے آپ پر نگاہ گئی تھی اور وہ اس کی طرف سے دھیان پھیر گیا تھا۔

"محبت شاید اپنا اپنا زاویہ ہے۔" بہت دھیمے لہجے میں وہ بولا تھا۔ تب ہی وہ مسکرا دی تھی۔

"محبت اپنا اپنا نظریہ ہے۔"

"فرق کیا ہے؟" وہ اپنی خفت مٹانے کو بولا تھا۔

"بہت زیادہ فرق ہے۔ زاویہ نظریہ بدل دیتا ہے۔" وہ مسکرائی تھی۔

"نظریہ زاویہ بھی تو بدل سکتا ہے۔" وہ اپنی جگہ اڑ گیا تھا۔

"آزما لو۔" ساحیہ نے اسے ایک پل میں بہت اطمینان کے ساتھ اپنے سحر سے آزاد کر دیا تھا۔ اذہان خاموشی سے اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔

❊❊❊

سردار سبکتگین حیدر لغاری سیاہ کول تار کی سڑک پر نگاہ جمائے گاڑی دوڑائے چلا جا رہا تھا۔ نگاہ راستوں پر تھی۔ ذہن الجھا ہوا تھا۔ پیشانی پر کئی سلوٹیں تھیں۔ سرخ آنکھیں اس بات کی غماز تھیں کہ کتنی راتوں کی

بیداری دیکھی تھی۔

جانے کیا سوچ کر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے گاڑی اس کی طرف جانے والے راستوں پر ڈال دی تھی۔

***

محبت الجھاوؤں میں اُلجھی ہوئی تھی اور وہ غالباً اُسے سلجھانے کی اپنی سی کوشش کر رہا تھا۔ اس شام وہ دوبارہ اس کے سامنے تھا۔

''اذہان، پلیز! میرا کہیں جانے کا موڈ نہیں ہے۔'' میرب نے تیسری بار انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا تھا۔

''میرب! تم کیوں اپنے اندر کی گھٹن میں گھٹ کر مر جانا چاہتی ہو؟'' اسے تقریباً ڈپٹتے ہوئے اذہان بولا تھا۔

''تم غلط سمجھ رہے ہو اذہان! بالکل ٹھیک ہوں میں۔'' ''سب سے مشکل سچویشن وہ ہوتی ہے جب باور کرانا پڑے کہ سب کچھ انڈر کنٹرول ہے۔

''میرب!۔۔۔۔ کبھی کبھی ہم ساری دنیا سے جھوٹ بول کر بھی خود کو مطمئن نہیں کر پاتے۔ یہاں وہاں، سب کی فکر کرو گی۔ سب کو خوش کر دو گی اور خود آپ؟۔۔۔۔ کبھی خود اپنے بارے میں سوچا ہے تم نے؟'' اذہان نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

لمحہ بھر کو وہ کچھ بول نہیں پائی تھی۔ قدرے توقف سے بہت آہستگی سے سر انکار میں ہلاتے ہوئے بولی تھی۔

''مجھے ایسا کوئی پرابلم نہیں ہے اذہان! تم غلط سمجھ رہے ہو۔'' میرب نے اسے جھٹلایا تھا۔

اذہان براہِ راست اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔ میرب کے لئے جھوٹ بولنا محال ہو گیا تھا اور نظر ملانا بھی۔ وہ نگاہ آہستگی سے جھکا گئی تھی۔

''تم سمجھ نہیں رہے ہو اذہان! یہاں کچھ بھی غلط نہیں ہے۔ میں ٹھیک ہوں اور بہت خوش بھی۔ تم سمجھ کیوں نہیں رہے ہو؟'' وہ زچ ہو گئی تھی۔

اذہان حسن بخاری نے اسے شانوں سے پکڑ کر جھنجھوڑ دیا تھا۔

''تو کیا ہوا کہ تمہیں کوئی دکھ لاحق نہیں ہے۔ تم خوش بھی ہو۔ فرض کر لیتے ہیں، ہمیں کسی بات کا کوئی ملال نہیں ہے۔ ہمیں کوئی وہم بھی نہیں ستاتا۔ فرض کر لیتے ہیں، تم اور ہم دونوں خوش ہیں تو بھی۔ جمع اور تفریق کے درمیان کوئی نقطہ ایسا بچتا ہے جہاں پھر بھی خسارہ صاف دکھائی دیتا ہے۔ کس بات کے لئے آخر کیوں؟ میں نے تم سے کسی بات کی وضاحت چاہی؟ تم نے اپنا سارا دکھ یہاں میرے شانے پر سر رکھ کر بہا لیا۔ میں نے تم سے کوئی ایک بھی وضاحت چاہی؟ ایک ذرا سی بھی وضاحت؟۔۔۔۔ نہیں نا؟ تو پھر تم کس بات پر اتنی خوف زدہ ہو؟ کس بات کا ڈر ہے تمہیں؟ لفظوں کے معنی تمہارے لئے بدلے ہیں میرب! بدلا سب کچھ تمہارے لئے ہے۔ چلو مان بھی لیا، سب کچھ بدل گیا ہے تو بھی کیا سب کچھ ختم

ہے؟ تمہارا میرا احساس ختم ہو جاتا ہے یا پھر وہ ایک رشتہ؟۔۔۔۔ چلو ہر شے ایک طرف رکھ دیتے ہیں، سب کچھ ختم ہو گیا۔ سب کچھ فنا ہو چکا۔ تو کیا میں تم پر اتنا بھی حق نہیں رکھتا کہ تمہارے چہرے پر اس نمی کو چن سکوں؟۔۔۔۔ ان آنکھوں میں تیرتی اس نمی کو چرا سکوں؟ اور یہ سب بھی رہنے دو۔ کیا مجھے اتنا حق نہیں کہ تم سے تمہارا ان کہا ہر درد بانٹ سکوں؟۔۔۔۔ سچ کہو، کیا نہیں ہے مجھے یہ حق؟ کیا ایسا کوئی میں حق محفوظ نہیں رکھتا؟'' عجب جارحانہ انداز میں کھڑا وہ بول رہا تھا۔

میرب سیال کے بہت قریب۔ مدِ مقابل۔ اتنا سچ بولا ہوا کہ وہ چاہتی بھی تو اس کی کسی بات کو رد نہیں کر سکتی تھی۔ کسی ایک بات کو بھی جھٹلا نہیں سکتی تھی۔

بھیگی، پانیوں سے تیرتی آنکھوں سے اُسے دیکھا تھا اور پھر بہت آہستگی سے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔ اس کے شانوں پر رکھی اس کی گرفت ایک لمحے کو کمزور پڑ گئی تھی۔ مگر وہ کہہ رہی تھی۔

''مان لیا، سب کچھ سچ بھی ہے تو؟ کیوں بانٹوں میں تم سے اپنا سب کچھ؟۔۔۔۔ اگر میں مان بھی لوں کہ ہم اچھے دوست ہیں تب بھی۔ میرے پاس جو بھی ہے، وہ میں تم سے بانٹ نہیں پاؤں گی۔ بالکل نہیں۔''

اذہان حسن بخاری کے ہاتھ بدستور اس کے شانوں پر تھے۔ کس قدر قریب کھڑا تھا وہ اس لمحے اس کو۔ اسے چپ چاپ دیکھ رہا تھا۔

کھلے دروازے سے یہ منظر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے دیکھا تھا اور وہ الٹے قدموں واپس لوٹ گیا تھا۔ دل اور دماغ دونوں سلگ رہے تھے۔ اندر کہیں جیسے الاؤ دہک اٹھے تھے۔ پورا وجود جلنے کو تھا۔ وہ تیزی سے باہر نکلا تھا جب زدباریہ نے اسے دیکھ کر پکارا تھا۔

''گین۔۔۔۔!''

مگر اس نے سنا نہیں تھا، نہ ہی دیکھا تھا۔ سرعت سے چلتا ہوا وہ گاڑی کی طرف آیا تھا اور اسٹارٹ کر فوراً گاڑی باہر نکال لی تھی۔ زدباریہ اس آناً فاناً ہونے والے اقدام پر کچھ حیرت زدہ سی ہو رہی تھی۔ تھی جب دیکھا تھا۔ اذہان حسن بخاری کوریڈور سے نکل رہا تھا۔

''جا رہے ہو تم؟''

''جی۔'' اذہان نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا تھا۔

''بیٹھیے۔ کافی پی کر جاتے۔ ایک تو یہ میرب بھی عجیب ہے۔ آئے گئے کو پوچھتی تک نہیں۔ پہلے سبکتگین طرح آیا تھا، اسی طرح واپس گیا اور اب تم۔'' اذہان چونکا تھا۔

''سبکتگین یہاں آیا تھا؟''

''ہاں۔ میں نے پکارا بھی مگر اس نے سنا نہیں۔ اینی ہاؤ، تم فارحہ آپا کو میری طرف سے سلام دینا۔''

''جی ضرور۔'' اذہان متفکر سا آگے بڑھا تھا۔ زدباریہ اس اچانک کیفیت پر آپ حیران تھی۔ چلتی ہوئی ب کی طرف آئی تھی۔

''میرب! کیا ہوا؟۔۔۔۔ گین آیا تھا؟''

''کیا؟ ــــــ کب؟ وہ تو کل ہی نیو یارک جانے والے تھے۔'' حیرت کا ایک پہاڑ سر پر ٹوٹا تھا۔ وہ
بھونچکا سی بیٹھی رہ گئی تھی۔

''وہ تم سے مل کر نہیں گیا؟'' زوباریہ نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

''نہیں ــــــ مگر ــــــ آہ ــــــ'' کوئی قیامت کا لمحہ باقی بچا تھا کیا؟ ــــــ میرب کو یقین تھا
اس کی قسمت میں کہیں کوئی خوش بختی نہیں ہے۔

''وہ یہاں اندر نہیں آیا؟'' زوباریہ دوبارہ دریافت کر رہی تھی اور میرب کے پاس دینے کے لئے کوئی
جواب نہیں تھا۔

''بہت تیزی سے نکل کر جاتے ہوئے میں نے اسے دیکھا تھا۔ پکارا بھی مگر اس نے سنا ہی نہیں۔ کیا
کبھی تم نے کچھ کہہ دیا ہے۔ یہ معاملہ کیا ہے؟ گیبن بہت غصے میں دکھائی دے رہا تھا۔''

میرب کی آنکھوں سے جھڑی لگ گئی تھی۔

''آپ نہیں جانتیں؟''

''کیا؟''

''شاید پاپا نے طلاق کا کیس فائل کر دیا ہے۔''

''وہاٹ ــــــ؟'' زوباریہ اگرچہ جانتی تھی مگر اس کے باوجود حیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔ تاہم
ایسی امید نہیں تھی مظہر سیال سے کہ وہ ایسا کچھ اتنی جلدی کر بھی گزریں گے۔ وہ تو سمجھ رہی تھی، وہ صرف
لائحہ عمل ہے اور ــــــ!

''ایسا کیسے ہو گیا؟ میں خود بھی نہیں جانتی۔ مگر گیبن سمجھتے ہیں ایسا میں نے کیا ہے۔ وہ میری کسی بات کا
کوئی یقین کرنے کو تیار نہیں اور......'' اس کی آواز بھرا گئی تھی۔ جملہ ادھورا چھوڑ کر بے ہمت سی وہیں بیٹھ کر
چلی گئی تھی۔

''میرب! تمہارے ساتھ کچھ برا نہیں ہوگا۔''

''برا نہ ہونے کو اب بچا کیا ہے؟'' وہ سخت بے یقین دکھائی دے رہی تھی۔ زوباریہ نے لمحہ بھر کو اس کی
طرف دیکھا تھا، پھر بولی تھی۔

''تمہارے پاپا ایسا کرنا چاہتے تھے مگر میں ہمیشہ انہیں روکتی رہی۔ میں نے ان سے کہا بھی کہ وہ
سے پہلے پوچھ لیں۔ مگر وہ...... تو کیا انہوں نے تم سے کچھ پوچھا بھی نہیں؟ پتہ نہیں کیوں مظہر سیال کو لگا
ہے کہ تم گیبن کے ساتھ خوش نہیں ہو۔ کیا ایسا کچھ ہے؟'' زوباریہ نے پوچھا تھا اور وہ بھیگی، ڈبڈبائی آنکھوں
سے اس کی طرف دیکھ کر رہ گئی تھی۔

''میرب ــــــ!''

''زوباریہ! ــــــ میری زندگی میں اب کوئی اور راہ باقی نہیں ہے جس پر میں چلنا چاہوں گی۔ میری
ہر راہ اس شخص تک جاتی ہے۔ مجھ سے یہ کیوں نہیں پوچھا کسی نے؟ میری زندگی کا فیصلہ مجھ سے پوچھے بغیر
کر لینے سے پہلے یہ تو سوچ لیا ہوتا کہ میں بھی کچھ چاہ سکتی ہوں۔ میری بھی کوئی مرضی ہو سکتی ہے۔ اپنا

آئی لو ہم زوباریہ! ــــــ یس آئی ڈو ــــــ'' بلا خوف و خطر وہ کہہ کر اٹھی تھی اور کمرے سے
نکل گئی تھی۔

زوباریہ ساکت سی کھڑی دیکھتی رہ گئی تھی۔

❊❊❊

اس کی نگاہ صاف پڑھ رہی تھی۔ لمحوں میں عجیب ''درخواستیں'' سی چھپی تھیں۔ شام سے جب وہ اسی
گھر میں تھی تب سے یا پھر تب سے جب وہ سمندر کے کنارے پر کھڑی بارش میں بھیگ رہی تھی۔ وہ
ان کے ان زاویوں کو سمجھ رہی تھی۔ صاف محسوس کر رہی تھی۔ مگر اس کا انداز بہت سرسری تھا۔ وہ کسی
بھی اس طرح خود پر طاری نہیں کرنا چاہتی تھی۔ خواہ اندر سے دل کچھ ڈرا ڈرا سا تھا۔
مگر وہ بظاہر ''اگنور'' کر کے کچھ مضبوط ظاہر کرنا چاہتی تھی خود کو۔ گاڑی آ کر پورچ میں رکی تھی۔
وہ اتری تھی ــــــ چلتی ہوئی کمرے تک آئی تھی۔ معمول کے انداز میں شاور لیا تھا۔ بالوں کو رگڑتی
باہر نکلی تھی جب عفنان علی خان کو وہاں کمرے میں دیکھ کر اپنی جگہ ٹھٹک کر رک گئی تھی۔
لمحہ بھر کو قدم رکے تھے، نگاہ الجھی تھی، جھکی تھی مگر پھر وہ چلتی ہوئی قریب سے گزری تھی۔ ارادہ ڈریسنگ
کی طرف بڑھ جانے کا تھا۔ مگر ہاتھ اس ایک مضبوط ہاتھ میں آ گیا تھا۔ انابیہ کی جان ایک لمحے میں
ان کے زیر آئی تھی۔

ایک پل میں سب زیر و زبر ہوا تھا۔

دھڑکنوں میں ایک لمحے میں بھونچال سا آ گیا تھا۔

کچھ بھی توقع کے برعکس نہ تھا۔

وہ نگاہ پڑھ رہی تھی۔

جانتی تھی اس نگاہ کے ''تقاضے'' کیا تھے۔ مگر اس کے باوجود اب جب وہ اس لمحے کی ''قید'' میں تھی تو
وجود کسی شاخ سے ٹوٹے پتے کی مانند کانپ رہا تھا۔ نگاہ تھی کہ اٹھ نہ رہی تھی اور سانسوں کا زیر و بم
ایک قیامت اپنے اندر رکھتا تھا۔ وہ سر جھکائے، نظر ملائے بغیر کھڑی تھی۔ مگر ان نگاہوں کی گرمی وہ
چہرے پر اس گھڑی صاف محسوس کر سکتی تھی۔

عفنان نے ہاتھ بڑھا کر بازو اس کے گرد حمائل کر کے اسے اپنے حصار میں باندھ لیا تھا۔ اتنی قربتوں
ایک لمحے میں فنا ہونے کو تھی۔ عفنان نے ہاتھ بڑھا کر ان بالوں کی شبنم کو چھوا تھا۔ پھر وہ ہاتھ اس
چہرے پر آ گیا تھا۔ اس ایک لمس میں کیا کیا کرشمہ سازیاں تھیں۔ اگر وہ بت بھی ہوتی تو اب تک
مل جان آ چکی ہوتی۔ اس لمس میں کیا کچھ نہ تھا، وہ کوئی مزاحمت کر سکی تھی نہ تعرض۔ وہ لمحے کوئی جادو
رہے تھے اور وہ مکمل طور پر ان لمحوں کے حصار میں تھی۔ ایک لمحے کو سب کچھ بھول جانے کو جی چاہ رہا
سب کچھ مٹا دینے کو۔ سارے شکوے ــــــ سارے گلے ــــــ سارے خدشے ــــــ سارے
ــــــ اسے کچھ یاد نہیں رکھنا چاہئے تھا۔
وہ ایک لمحے کے حصار میں قید بے بس کھڑی تھی۔ وہ لمحے جیسے طلسم والے تھے۔ بے خودی کے تھے۔

وہ اپنی جگہ پتھر بنی ساکت کھڑی تھی۔ عفنان کا لمس اس کے چہرے پر تھا۔ اس کی سانسوں کی تپش سے سارا چہرہ سلگتا ہوا سا محسوس ہوا تھا۔ عفنان کا انداز بھرپور استحقاق والا تھا۔ جیسے وہ سارا اختیار رکھتا ہو۔ جیسے سارے حقوق محفوظ رکھتا ہو۔ اور سچ بھی تھا مگر ——!

ایک لمحے میں وہ اس حصار کو توڑتی ہوئی باہر نکلی تھی اور الٹے قدموں چلتی ہوئی دور جا کھڑی ہوئی تھی۔

عفنان اسے حیرت سے کھڑا دیکھ رہا تھا۔

انابیہ نہیں جانتی تھی، اس نے کیا، کیا تھا۔

عفنان علی خان کو ایک لمحے میں کتنی تذلیل محسوس ہوئی تھی، وہ قطعاً سمجھ نہیں سکی تھی۔ کسی مرد کی مردانہ انا کو کتنی چوٹ پہنچ سکتی ہے۔ وہ اس لمحے قطعاً اخذ نہیں کر سکی تھی۔ عفنان علی خان سرخ آنکھوں سے جس طرح غصے سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ لمحہ بھر کو خوفزدہ ہو گئی تھی۔ عفنان علی خان چلتا ہوا آگے بڑھا تھا۔ انابیہ کا دل کسی پتے کی مانند لرز گیا تھا۔ عفنان علی خان آگے بڑھا تھا۔ اس کی طرف۔ وہ اس سے کسی بھی اقدام کی اب توقع رکھتی تھی۔

ایک —— دو —— تین ——

قدم کچھ اور قریب آئے تھے۔ انابیہ کی جان پر بن گئی تھی۔ اسے لگا تھا اب کچھ کام نہیں آ سکے گا۔ نہ اس کا تعرض، نہ کوئی جبری فاصلہ۔ وہ شخص جتنا برہم تھا وہ اس سے کچھ بھی توقع کر رہی تھی۔ مگر —— وہ چلتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا تھا۔ دروازہ کھولا تھا اور باہر نکل گیا تھا۔ انابیہ کو اس لمحے اگرچہ کچھ مطمئن ہونا چاہیے تھا۔ وہ جتنی 'حد بندیاں' لگا کر رکھنا چاہتی تھی، وہ قائم رہی تھیں۔ عفنان علی خان نے زبردستی ان کے بنائے ہوئے حاشیے کو توڑنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

وہ 'محفوظ' رہی تھی۔ دھڑکنوں کو معمول پر آنا چاہیے تھا۔ اب کوئی ڈر باقی نہیں رہا تھا۔ مگر دل کچھ بجھا بجھا سا لگا تھا۔ ایک لمحہ قبل جتنی اتھل پتھل تھی، اب اتنی ہی خاموشی تھی۔ ایک لمحے میں اتنا ہی سکوت رکھ دیا تھا۔

اپنے دل کے اندر بھی اور باہر کی دنیا میں بھی —— کیا ہوا تھا ایسا؟ وہ جان ہی نہیں پائی تھی۔ انابیہ نے جو چاہا تھا، وہ ہوا تھا۔ اس نے جو کرنا چاہا تھا، وہ کیا تھا۔ تو پھر اب —— ایک بے کلی نے اندر سر کیوں ابھارا تھا؟ وہ ساکت رہ گئی تھی۔ اپنی خواہشوں پر وہ خود حیران رہ گئی تھی۔ لفظوں کے معنی کیسے بدلے تھے وہ جان نہیں پائی تھی۔ زاویے —— حاشیے —— کیسے بدلے تھے وہ جان نہیں پائی تھی۔

خواہشوں نے کب نئے معنی پہنے تھے، وہ جان نہیں پائی تھی۔ اس کا انداز خود اسے حیران کر رہا تھا۔ ساکت سی کھڑی اپنے اندر کی آواز کو سننے کے لیے سماعتیں لگائے کھڑی تھی۔ اتنی خاموشی تھی کہ دھڑکنوں کا شور تک صاف سنائی دے رہا تھا۔ ایک ایک سانس میں کتنی ہزار ہا خواہشیں پنہاں تھیں۔ وہ حیران رہ گئی یہ تبدیلی کیسے آئی تھی۔

انقلاب کیسے برپا ہوا تھا۔

❋❋❋

بات عجیب سایوں سی ہے۔ جب اس کے پاس سب کچھ تھا، سارے منظر اس کے تھے تو وہ ان مناظر سے بھاگ رہی تھی۔ اور اب جب کہ سارے منظر اس سے دور جا رہے تھے تو وہ ان مناظر کو اپنی مٹھی میں بند کر لینا چاہتی تھی۔ مگر سائے یک دم لمبے ہو رہے تھے۔ وہ پکڑنا چاہتی تھی مگر پکڑ نہیں پا رہی تھی۔ عجب دھوپ چھاؤں کا سا کھیل تھا۔

کبھی وقت خود اس کے اختیار میں تھا اور کبھی وہ خود اس وقت کے پیچھے بھاگ رہی تھی۔

بھیگی آنکھوں کے ساتھ وہ اندر داخل ہوئی تھی۔ مائی نے اسے کسی قدر حیرت سے دیکھا تھا۔

"کیا ہوا میرو! —— میری بچی؟"

مگر وہ کچھ بول نہیں سکی تھی۔

"تم ٹھیک تو ہو؟" اس نے بہتے آنسو دیکھ کر دریافت کیا تھا۔ وہ کیا کہتی؟ —— سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"کچھ بتاؤ تو سہی —— ہوا کیا ہے؟" مائی اصرار کر رہی تھیں۔

مگر میرب نے اپنی آنکھیں رگڑتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"مظہر میاں تو خیریت سے ہیں؟" مائی اماں کا دھیان جس طرف گیا تھا اسی طرف کا دریافت کیا تھا۔

ان کی اس تشویش پر بھی اس نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"تو پھر کیا ماجرا ہے؟ —— بتائے گی مجھے کچھ؟" مائی نے کسی قدر ڈپٹتے ہوئے کہا تھا۔

اس کا دل پھٹا جا رہا تھا۔ مگر وہ مائی سے کچھ کہہ نہیں سکتی تھی۔ مائی کی طبیعت کے متعلق وہ جانتی تھی۔ ان اس طرح کی کوئی کتھا سنانے کا مطلب یہ تھا کہ ان کی جان کے خطرے کو خود مدعو کیا جائے۔ اگر ایسا ہو جاتا تو تگین اسے ساری زندگی معاف نہ کرتا۔ وہ جانتی تھی۔ تبھی سر انکار میں ہلاتے ہوئے بولی۔

"تگین کہاں ہیں؟"

"وہ تو گھر پر نہیں ہے۔ مگر تو اس طرح رو کیوں رہی ہے میرے بچے! مجھے بتا، خیریت تو ہے نا؟" مائی کا کلیجہ منہ کو آ رہا تھا۔

"سب خیریت ہے مائی! بس یوں ہی۔" اس نے بات بنانا چاہی تھی۔ مگر ذہن اس قدر بلینک تھا کہ وہ کچھ سوچ نہیں سکی تھی۔

کوئی ایک معقول جواز بھی نہیں۔

اس کا ذہن اس قدر ماؤف تھا کہ فوری طور پر اس میں کچھ نہیں آیا تھا۔

"میرو! —— تو مجھے کچھ بتائے گی یا کہ نہیں؟" مائی نے اب کے اسے ڈپٹا تھا۔

اس نے بہت آہستگی سے سر ان کے شانے پر رکھ دیا تھا اور بہت مدھم لہجے میں بولی تھی۔

"آپ کی بہت یاد آ رہی تھی۔"

"پاگل! —— تو یہ کون سا سبب ہے رونے کا؟ اور تم تگین کے بارے میں کیوں پوچھ رہی تھیں؟"

مائی اماں کو مطمئن کرنا آسان نہیں تھا۔ اور اس کے پاس دینے کو زیادہ وضاحتیں بھی نہیں تھیں۔

"ان کی یاد بھی آ رہی تھی۔" وہ سر جھکا کر بولی تھی۔ جھوٹ بولنا آسان نہ تھا۔ اسے گمان تھا اب وہ

دو ئم

صاف پکڑی جائے گی۔ مگر تبھی اس نے مائی اماں کو مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔ میرب کچھ حیران رہ گئی تھی۔

"آپ مائی ـــــ"

"بے وقوف ـــــ اُس سے جی اُداس تھا تو اس میں اس طرح رونے کی کیا ضرورت تھی؟" مائی نے اس کے چہرے کو ہاتھ میں لیتے ہوئے محبت سے کہا تھا۔

وہ سر جھکا گئی تھی اور ایک جھوٹ کا سہارا لیا تھا۔

"مجھے ان کی یاد واقعی بہت آ رہی تھی مائی اماں! ـــــ مجھے لگا وہ مجھ سے ملے بغیر چلے جائیں گے اور......"

کتنا جھوٹ وہ مزید کہتی۔

سب پچھا سے بہت مشکل لگا تھا۔

"تگین تو اس وقت گھر پر نہیں ہے ـــــ آئے گا تو اس کا دو کانوں کے بیچ میں سر کر دوں گی۔ بھلا تجھ سے ملنے کیوں نہیں گیا۔ جانے سے پہلے اسے تجھ سے ملنا تو چاہیے تھا۔" مائی اماں تسلی سے کہتی ہوئی مسکرا رہی تھیں۔

میرب کو کچھ اطمینان ہوا تھا۔

"جی مائی اماں! ـــــ مگر ایسا نہیں ہوا ـــــ وہ مجھ سے ملنے نہیں آئے ـــــ اور مجھے لگا وہ کل ہی چلے گئے ہوں گے۔"

"ہاں جانا تو اسے کل ہی تھا۔ مگر اس کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی۔ میں نے ہی منع کر کے ٹکٹ کینسل کروا دی تھی۔ اب نئی ٹکٹ کچھ دن بعد کی کنفرم ہوئی ہے۔ تسلی سے مل لینا اُسے ـــــ اب نہیں ہے۔"

مائی اماں مسکرائی تھیں۔

دستوراً اسے شرمانا چاہیے تھا مگر وہ ذہنی طور پر اتنی ڈسٹرب تھی کہ شرمانا، گھبرانا کچھ یاد نہیں تھا۔ یاد تھا تو بس اتنا کہ وہ شخص اس سے بہت دور جا رہا ہے ـــــ فاصلے بڑھ رہے ہیں۔ اور ایک سب کچھ ختم ہو جانا ہے۔ یہ رشتہ، اس کی ساری حقیقت ایک لمحے میں مٹ جانا ہے۔ اور یہ سب کچھ وہ چاہتی تھی۔ دل کی آواز کو اس نے بہت دیر سے جانا تھا۔

مگر ایک لمحے کی غفلت سے کچھ بھی ہو سکتا تھا۔

"آؤ بیٹھو ـــــ تمہیں بری کے کپڑے دکھاؤں۔ آج کل میں مظہر میاں سے بات کرنے آئی ہوں۔ اس کے بعد میری بچی میرے اس آنگن میں ہوگی۔" مائی نے اسے پیار کرتے ہوئے کہا تھا۔

بے جان سی مسکراہٹ چہرے پر سجا کر رہ گئی تھی۔

ایسا کچھ نہیں ہونا تھا۔ پاپا نے جو بھی کیا تھا، غلط کیا تھا۔ ہمیشہ اس کی خواہشوں کا احترام کرنے پاپا ایک لمحے میں کیسے سفاک بن گئے تھے ـــــ ایک لمحے کی بات تھی ـــــ اور اگر بات ختم ہو سارا منظر پل میں راکھ بن جانا تھا۔

پھر کیا ہونا تھا۔

اُس سے آگے کی زندگی کے بارے میں اسے سوچ کر بھی ہول آتے تھے۔ اس گھر میں شادی کی باتیں چل رہی تھیں اور ـــــ!

"پاپا! ـــــ یہ آپ نے کیا کر دیا؟" اس نے دل ہی دل میں سوچتے ہوئے مائی کی طرف دیکھا تھا۔

"مائی! چلتی ہوں میں ـــــ پھر آؤں گی۔"

"لو، ایسے کیسے؟ ـــــ اتنے دنوں بعد میری بچی میرے گھر آئی ہے۔ ایسے کیسے جانے دوں گی؟"

مائی اس پر اپنی محبت لٹا رہی تھیں۔ مگر اس نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"نہیں مائی! بالکل بھی کسی شے کا موڈ نہیں ہے۔ اگر ہوتا تو میں کہہ کر مانگتی۔ میرا اپنا گھر ہے۔ میں مہمان تو نہیں ہوں۔" اس نے پھیکے سے انداز میں مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ دل اندر خون کے آنسو رو رہا تھا اور باہر سے وہ مسکرا رہی تھی۔

کتنا مشکل تھا یہ۔

مگر وہ مائی اماں کو مطمئن کرتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔ تبھی عین سامنے پورچ میں کھڑی تگین کی گاڑی کی طرف نظر گئی تھی۔

دھیان کیا تھا تو اس کو بھی اس گاڑی کے اندر پایا تھا۔ اس کے اندر ایک لمحے میں ایک قوت سی آ گئی برعت سے چلتی ہوئی اس کی گاڑی کے قریب جا رکی تھی۔ دروازہ کھولا تھا اور اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی تھی۔

بردار سبکتگین حیدر لغاری اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ ایک دریا کے بعد ایک اور دریا کا سامنا شاید وہ نہیں جانتی تھی۔

سوچ کر نکلی تو تھی۔

مگر اب ـــــ!

کیا کہے گی اُس شخص سے؟

کس طرح بیان کرے گی؟

سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا۔ ایک لمحے میں سب کچھ ہاتھ سے نکلتا ہوا سا محسوس ہوا تھا۔

سارا منظر ـــــ بہت فاصلے پر اور پرایا پرایا سا لگا تھا۔

وہ شخص اسے مکمل سرد مہری سے دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

"کیا ہے یہ سب؟" انداز لاتعلقی لیے ہوئے تھا اور لہجہ سرد۔ وہ جو اتنا کچھ طے کر کے آئی تھی، ایک لمحے میں ملتا دکھائی دیا تھا۔ سارے ارادے ریت کی دیوار ثابت ہوئے تھے۔ لڑنے نکلی تھی۔ ہمت بھی کر لی تھی۔ مگر یہ اجنبی انداز ـــــ یہ سرد مہر تیور۔ حالات کو بس میں کرنا دیوانے کا کوئی خواب لگا تھا۔

"کیا ہے یہ سب کچھ؟" تگین نے کسی قدر برہمی سے دریافت کیا تھا۔ "کیوں آئی ہو تم یہاں؟ ـــــ کس لیے؟ ـــــ تم نے مائی کو تو نہیں بتا دیا؟ ـــــ اگر میری مائی کو کچھ ہو گیا تو ـــــ میں زندہ

نقصان برداشت کرسکتا ہوں ۔۔۔۔ مگر مائی ۔۔۔۔ بتا دیا تھا میں نے تمہیں مگر تم......"

"میں نے مائی سے کچھ نہیں کہا۔" میرب نے اس کی بات کاٹ کر کہا تھا۔

"اوہ، رئیلی؟ ۔۔۔۔ تھینکس۔ آپ نے مجھ پر بڑا احسان کر دیا۔ چلو، ڈیل کرتے ہیں۔ اٹس ڈیل۔" طنزیہ لہجے میں اچانک سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ایک آفر دی تھی۔ میرب سیال حیران رہ گئی تھی۔

"کیسی ڈیل؟" سوالیہ نظروں سے اپنے سامنے موجود شخص کو دیکھا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کے چہرے پر مکمل سکون دکھائی دے رہا تھا۔ جیسے وہ بہت مطمئن تھا۔ میرب سیال کی جان جیسے سولی پر اٹکی ہوئی تھی۔

دل ایک لمحے کو جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا تھا۔

پتہ نہیں وہ شخص کیا سوچ بیٹھا تھا۔ کیا فیصلہ کیا تھا اس نے ۔۔۔۔ وہ نہیں جانتی تھی۔

کیا تھا اس کے دل میں؟ ۔۔۔۔ میرب کو علم نہیں تھا۔ اس کا دل رکنے کو تھا۔

مگر وہ شخص بدستور پُرسکون دکھائی دے رہا تھا۔ دل نہیں، جیسے پتھر تھا اس کے سینے میں۔

"کیسی ڈیل؟" میرب نے آہستگی سے دہرایا تھا۔

جواباً سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے مکمل پُرسکون انداز سے دیکھا تھا پھر گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔ میرب سیال اس کے بولنے کی منتظر تھی۔ چپ کے یہ لمحے کاٹنا بے حد محال تھے۔ اس کی چپ بہت کھل رہی تھی مگر وہ اسے بولنے پر مجبور نہیں کر سکتی تھی۔ سو چپ چاپ اس کی طرف دیکھتی رہ گئی تھی۔ ایک ایک پل بھاری تھا۔ اس کی چپ بری طرح کاٹ رہی تھی۔

"آپ مائی کو کچھ نہیں بتائیں گی۔ آپ کو جو چاہئے وہ آپ کو میں دوں گا۔ لیکن اس بات کا مائی کو پتہ نہیں لگنا چاہئے۔ رائٹ؟" کتنے بے حس انداز میں وہ اس کے دل پر برچھیاں چلا رہا تھا۔

میرب چپ چاپ دیکھتی رہی تھی۔

کتنا بدظن تھا وہ اس سے ۔۔۔۔ اُس پر اعتبار تک نہ تھا۔ کتنا بدگمان تھا وہ۔

"آپ یہ بات پہلے بھی کہہ چکے ہیں۔ باتوں کو دہرانے کی عادت ہو چکی ہے آپ کو۔" میرب کی آواز بہت ہمت کے باوجود بھرائی ہوئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری عجب پتھر ہو رہا تھا۔ اس کی جانب دیکھ تک نہ رہا تھا۔

"دہرا نہیں رہا۔ دوبارہ کہنا نہیں چاہتا۔ لیکن اپنوں کے معاملے میں کسی پر اعتبار نہیں کر سکتا۔" سرد لہجے میں کہی گئی بات میں ایک بے گانگی تھی۔

'اپنوں کے معاملے میں' یعنی وہ اسے بڑے آرام سے اپنے معاملات سے الگ کر رہا تھا۔

میرب سیال کی آنکھوں میں ٹھہرا ہوا پانی ایک لمحے میں چھلکا تھا مگر آنسو بڑی بے قدری سے رخساروں پر بہہ گئے تھے۔ کسی کو ان آنسوؤں کی کوئی خاص پرواہ نہ ہوئی تھی۔

جان تھم جانے کو تھی۔

روح جسم سے نکل جانے کو تھی۔

میرب بھیگی آنکھوں سے اسے اب بھی بے یقینی سے دیکھ رہی تھی۔

"آپ کو لگتا ہے کہ ہمارے درمیان اب ہر رشتہ بے معنی ہے؟" اس نے صاف دکھائی دینے کے باوجود دل کی تسلی کے لئے پوچھا تھا۔

"آپ رشتوں کی بات مت کیجئے۔ آپ کے منہ سے رشتوں کی باتیں عجیب لگتی ہیں۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے لاتعلق لہجے میں کہا تھا۔

"آپ کہہ رہے ہیں؟" میرب کو یقین اب بھی نہ ہوا تھا کہ وہ شخص اس حد تک جا سکتا ہے۔ وہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی اور وہ کہہ رہا تھا۔

"مجھے نہیں پتہ، آپ یہاں کیا بات کرنے اور کون سے رشتوں کو ڈیفنڈ کرنے آئی ہیں۔"

"کون سے رشتوں کو ڈیفنڈ کرنا چاہئے مجھے؟ ۔۔۔۔ کون سا رشتہ رکھا ہے آپ نے مجھ سے؟" اس نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے نہ اس کی طرف دیکھا نہ کوئی جواب دیا۔

گاڑی سیاہ تارکول کی سڑک پر بھاگتی جا رہی تھی۔ درمیان میں مکمل خاموشی تھی۔ میرب سیال کی آنکھوں سے آنسو تیزی سے بہہ رہے تھے۔ چہرہ بھیگ رہا تھا۔ مگر دوسری طرف کسی پر کوئی اثر دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

کتنا کچھ تھا دل میں ۔۔۔۔ کتنا کچھ کہنے کا ارادہ تھا۔ مگر وہ کچھ کہہ نہیں پا رہی تھی۔ وہ سننا بھی کہاں چاہتا تھا۔

"گاڑی روکئے۔" ہر شے سے بے نیاز دیکھ کر وہ بولی تھی۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے جیسے نہیں سنا تھا۔

"آپ گاڑی روکئے۔" آنسوؤں سے بھری آواز میں ایک بار پھر کسی قدر برہمی سے کہا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کوئی حکم نہیں مانا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کا ہاتھ اس کی طرف ضرور بڑھا تھا۔ نظریں بدستور سامنے ونڈ اسکرین پر تھیں۔ میرب نے بھیگی آنکھوں سے اس کے چہرے پر سے نظریں ہٹا کر اس کے ہاتھ کی طرف دیکھا تھا اور ذرا کچھ حیران ہوئی تھی۔ پھر ایک دم غصے سے اس ہاتھ کو جھٹک دیا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے قطعاً برا مانے بغیر ہاتھ دوبارہ آگے کر دیا تھا۔ میرب سیال نے برہمی کے ساتھ دوبارہ جھٹک دیا ساتھ ہی چیخ پڑی تھی۔

"نہیں چاہئے آپ کی یہ ہمدردی ۔۔۔۔ رکھئے اپنے پاس۔"

"آنسو پونچھئے۔" اس کی طرف متوجہ ہوئے بغیر کہا تھا۔

"نہیں پونچھوں گی۔ اور آپ کو اس سے کیا؟ ۔۔۔۔ فضول کی کسی ہمدردی کی ضرورت نہیں مجھے۔ آپ جانے دیجئے۔"

"پہلے یہ رومال لو اور اپنے آنسو پونچھو۔"

"نہیں پونچھوں گی۔ آپ کو اس سے کیا ہے؟"

"آئی ول ناٹ اسٹاپ دی کار ڈیئر۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی طرف بن دیکھے اپنا فیصلہ صادر کر دیا تھا۔

"اتنے اچھے مت بنئے —— اگر آپ اتنے اچھے ہوتے تو......" آواز بھرا گئی تھی۔ وہ ڈھنگ سے شکوہ بھی نہیں کر سکی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کا ہاتھ بدستور اس کی طرف تھا۔ وہ اس کی ضد سے آگاہ تھی۔ ہاتھ کی طرف بھیگی نظروں سے دیکھا تھا اور پھر خاموشی سے رومال پکڑ کر آنکھیں پونچھ لی تھیں۔

مگر آنکھوں میں اسی تیزی سے پھر پانی اُمڈ آیا تھا۔

"بس؟" دھندلی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بھرائی آواز میں کہا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ایک لمحے کو اس چہرے پر نگاہ کی۔ پھر دوبارہ ونڈ اسکرین کی طرف دیکھنے لگا مگر گاڑی پھر بھی نہیں روکی تھی۔

میرب سیال بے بسی کے ساتھ چہرہ پھیر گئی تھی۔ پانیوں سے بھری آنکھیں پھر چھلک پڑی تھیں۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے ایک نگاہ اس چہرے کی طرف دیکھا تھا۔ میرب اس نگاہ سے بے خبر دھندلے پانیوں سے بھری آنکھوں سے راستوں کو دیکھ رہی تھی جو اس کے گھر کی طرف جا رہے تھے۔ یہ شخص ثابت کر رہا تھا کہ اسے اس کا کتنا خیال تھا۔

اتنا کہ اُسے آنسو دے رہا تھا۔

اُسے رُلا رہا تھا۔

دھکے دے کر اپنی زندگی سے نکال رہا تھا۔

خود سے دور کر رہا تھا۔

کیسی تھی یہ محبت —— !!!

کیسی تھی یہ اپنائیت —— !!!

کیسا تھا یہ پیار —— !!!

پل پل مار بھی رہا تھا جو —— اور اُس کا خیال بھی کر رہا تھا۔

"آپ ایک بات بالکل بھی نہیں سمجھتیں۔ جو کام آرام اور سکون سے ہو سکتا ہے اس میں اتنا رونے کی ضرورت نہیں۔" بہت رسانیت سے سمجھانے والے انداز میں وہ کہہ رہا تھا۔

مگر میرب سیال نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

اب باقی کیا بچا تھا سمجھانے کو؟

کیا سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا وہ؟

کیا سمجھانا چاہتا تھا؟

درمیان میں کتنا کچھ انجانا سا تھا۔

ان کہا —— ان سنا سا۔

واضح اب بھی کچھ نہیں تھا۔

...یان میں کیا تھا، اب بھی سمجھنا مشکل تھا —— کبھی کچھ واضح ہوا ہی نہیں تھا۔

...ی کوئی کوشش ہی نہیں کی گئی تھی۔

...ب کا دل چاہا تھا —— وہ چیخ چیخ کر اس شخص کو کہے کہ وہ کتنا بے حس ہے۔

...تا نچ رو ہے۔

...ر کچھ کہہ نہیں سکی تھی۔

...ر اتنا غبار تھا کہ کچھ کہہ ہی نہیں سکی تھی۔

...ختم ہوا تھا۔

...سبکتگین حیدر لغاری نے گاڑی روکی تھی۔

...ب اُس کی طرف دیکھے بغیر چپ چاپ اُتر گئی تھی —— اور اس شخص کی طرف دیکھے بنا آگے

...ی۔

...ین نے چپ چاپ اس کی پشت کو دیکھا تھا۔ پھر گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔

''کیا ہوا؟۔۔۔۔ کچھ ڈسٹرب لگ رہے ہو۔'' فارحہ نے بیٹے کو کسی قدر کھویا ہوا دیکھ کر دریافت کیا تو

اذہان چونکا۔ پھر مسکرا دیا۔

''نہیں۔۔۔۔ کچھ نہیں ممی!۔۔۔۔ آئی ایم گڈ۔'' اذہان نے سب کچھ معمول پر ظاہر کرنا چاہا تھا۔

فارحہ نے بیٹے کو بغور دیکھا۔

''میرب کیسی ہے؟'' دانستہ دل والی بات کی تھی۔ وہ چونک پڑا۔ ماں کی طرف دیکھا، پھر سر اثبات میں ہلا دیا۔

''شاید ٹھیک ہو۔''

''کیا مطلب؟'' فارحہ چونکی۔

''پتہ نہیں۔ میں گیا نہیں اس کی طرف۔'' نگاہ ملائے بغیر جواب دیا گیا۔

''کوئی بات ہے جو تمہیں پریشان کر رہی ہے؟'' فارحہ نے دریافت کیا تھا۔ اذہان حسن بخاری نے بہت مضمحل سے انداز میں دیکھا، پھر بہت آہستگی سے ماں کی گود میں سر رکھ دیا تھا۔ انداز میں ایک تھکن تھی۔

فارحہ کچھ کہے سنے بغیر بیٹے کے دل کا حال جان رہی تھیں۔

اس کی کیفیت سمجھ رہی تھیں۔

بہت آہستگی سے اس کے سر پر اپنا ہاتھ رکھا تھا۔ اور اذہان حسن بخاری کے گرم گرم آنسوؤں نے گود بھگونے لگی تھی۔

بیٹے کے دل کے اندر کیا تھا؟

یہ پوچھنے کی ضرورت انہیں پہلے بھی نہیں تھی اور اب بھی نہیں۔ یہ سارے احوال بنا کہے ظاہر

فارحہ نے کچھ بھی بولے بغیر اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ وہ اسے خاموشی سے دیکھ رہی تھیں۔

''ممی! دل نہیں مان رہا۔'' بہت مضطرب سے انداز میں ایک جملہ اذہان حسن بخاری کے آزاد ہوا تھا۔ ''جان کچھ مشکل میں ہے ممی!۔۔۔۔ کیوں؟ یہ میں بھی نہیں بتا سکتا۔۔۔۔ پتہ نہیں نہیں پڑ رہا۔

وضاحتوں کی ضرورت نہیں تھی۔

مگر اقدامات کا وقت گزر چکا تھا۔

...بی کی ڈور ہاتھ میں نہیں تھی۔

...بیٹے کو تسلی تک نہیں دے سکی تھیں۔

...تا کچھ بھی کہیں گی تو وہ فضول ترین ہوگا۔ مگر دل پر ایک گھونسا سا پڑا تھا۔ وہ خود اپنے دل کو بھی ...بل گھرا محسوس کر رہی تھیں۔

...بھی بچے کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی۔

...وہ دیکھ رہی تھیں۔

...ت کچھ کرنے کی خواہش رکھتے ہوئے بھی وہ اس کے لئے کچھ نہیں کر سکی تھیں۔

...مجھے پتہ ہے، اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ وقت ہاتھوں سے نکل چکا ہے۔ مگر یہ چیز دل کو سمجھانے پر بھی سمجھ ...آتی۔''

...کیا کروں میں؟'' اذہان مضمحل دکھائی دے رہا تھا۔

...فارحہ کے اختیار میں بھی کچھ نہیں تھا۔ وہ بیٹے کو کمزور پڑتے دیکھ کر خوش نہیں تھیں اور وہ کہہ رہا تھا۔ ...بھیگا ہے، آپ مجھے کمزور سمجھ رہی ہوں۔ مگر میں کمزور نہیں پڑ رہا۔ ہر شے میرے سامنے ہے اور ...معاملات پر نگاہ رکھ رہا ہوں۔ ہر شے کی خبر ہے مجھے۔۔۔۔ جو ضروری ہے وہ بھی پتہ ہے۔۔۔۔ ...غیر ضروری ہے اس پر بھی میری نگاہ ہے۔ میری نگاہ سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں ہے مگر۔۔۔۔ میرا ...میرا دل میرے مقابل ڈٹ گیا ہے۔ کیا کروں؟۔۔۔۔ کیا کروں اس کا؟'' اذہان کبھی اتنا ...نہیں دیا تھا۔

...کی آنکھوں سے بھی آنسو رواں ہو گئے تھے۔

...میں اب بھی ہارنا نہیں چاہتا۔۔۔۔ وہی کرنا چاہتا ہوں جو دماغ کہتا ہے۔ مگر دل اس عقل کی ...نہیں مان رہا۔ جانتا ہوں، ایک دن مان بھی جائے گا۔ مگر فی الحال یہ بہت مشکل لگ رہا ہے۔۔۔۔ ...مشکل۔'' اذہان بہت دھیمے لہجے میں کہہ رہا تھا اور فارحہ کے آنسو خاموشی سے بہہ رہے تھے۔

...میں جانتا ہوں مجھے کیا کرنا ہے۔ میں کروں گا بھی وہی۔ وہی ٹھیک بھی ہے۔ میں کسی بات سے مکر ...پھر نہیں رہا۔ اب بھی میرے قدم اسی مضبوطی سے اپنی اس زمین پر جمے ہوئے ہیں۔ مگر یہ لمحہ ...کا ہے۔ مجھے پتہ ہے میں اس پر جلد قابو پا لوں گا اور ایک بار پھر سب کچھ پہلے جیسا ہوگا۔ ویسا ...ہونا چاہئے۔ جیسا عقل چاہتی ہے۔ ہوگا سب ویسا ہی۔ مگر یہ وہ مشکل لمحہ ہے جو دل جھیل رہا ہے۔ ...گا تو کسی کو خبر بھی نہیں ہوگی کہ یہ لمحہ آیا بھی تھا کبھی۔ آپ کا بیٹا کمزور نہیں ہے۔ کمزور پڑے گا ...۔ آپ پریشان مت ہوئیے۔ میں سب پھر سے ویسا ہی کروں گا جیسا آپ کو ٹھیک لگتا ہے۔ ...سے بھی۔ یہ بات میں کسی کو بتانا نہیں چاہتا۔ کسی کو بھی نہیں کہ میں کن موسموں میں جی رہا ...بزدم گھٹنے لگا تھا۔ سانس لینا محال ہو گیا تھا۔ میں کوئی فضول کی ضد نہیں کر رہا۔ نہ کوئی فضول کی ...بنا ہوں۔ دل میرے نزدیک ایک بچہ سا ہے جو جلد ہی بہل جائے گا۔ اور سنبھل کر پھر سے اسی ...آ جائے گا۔ مگر ایسا ہونے کی یہ کیفیت کچھ تسلی بخش نہیں ہے۔ اور کسی قدر جان لیوا بھی۔'' اذہان

دوئم

اپنا دل کھول کر ماں کے سامنے رکھ رہا تھا۔ یہ جانے بغیر کہ یہ سب سن کر اس کی ماں کے دل پر کیا گزر رہ
ہے۔

اپنے بیٹے کے غم میں وہ کتنی دکھی ہو رہی ہے۔

"آپ یہ مت سمجھئے گا میں کوئی ضد کرنے والا ہوں۔ مجھے چاند نہیں چاہئے ——— مجھے پتہ ہے
ایک بے بس کر دینے والے لمحے کے حصار میں ہوں اور اس سے باہر نہیں آ پا رہا ہوں۔ مگر دل جلد سنبھ
جائے گا۔"

اذہان حسن بخاری نے سر اٹھایا۔ ہاتھ بڑھا کر ماں کے آنسو پونچھے ——— اور پھر چپ چاپ ا
باہر نکل گیا۔

فارحہ بیٹھی دیکھتی رہ گئی تھی۔

❋❋❋

"یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟" زوباریہ نے مظہر سیال کے سامنے کھڑے ہو کر دریافت کیا تھا۔

"کیوں ——— کیا ہوا؟"

"میرب کی طلاق کا معاملہ آپ نے اٹھایا؟"

"ہاں۔"

"کیوں؟"

"کیوں ——— مجھے جو بہتر لگا میں نے وہی کیا۔ شی از مائی ڈاٹر۔ اس کی زندگی برباد ہوتے
سکتا۔" مظہر سیال نے جواب دیا تھا۔

"آپ کو لگتا ہے کہ ایسا کر کے اس کے ساتھ کچھ بہتر کیا ہے؟" زوباریہ نے الٹا دریافت کیا تھا۔

"آپ کو نہیں لگتا کیا؟" مظہر سیال نے پوچھا۔

"نہیں۔"

"یہ میری بیٹی کی زندگی کا معاملہ ہے ——— اس کے لئے جتنا بے چین میں ہو سکتا ہوں، کوئی
ہو سکتا۔ اس کے ساتھ ہونے والی ناانصافی کا دکھ مجھے زیادہ ہے۔"

ایک لمحے میں زوباریہ کو اپنے معاملات سے الگ کر دیا تھا۔

"اور جو آپ کر رہے ہیں وہ کیا ہے؟" زوباریہ نے دریافت کیا۔

"آپ کو لگتا ہے یہ غلط ہے؟" مظہر نے پوچھا۔

"آپ پتہ نہیں کیا سمجھ رہے ہیں۔ لیکن آپ کو کچھ بھی کرنے سے پہلے میرب سے ایک با
چاہیے تھا۔ ایک بار اس کی مرضی بھی معلوم کر لینی چاہیے تھی۔ آپ پھر وہی غلطی کرنے جا رہے
پہلے بھی کر چکے ہیں۔ آپ اسے دہرانے کی کوشش مت کیجئے۔" زوباریہ نے سمجھانا چاہا۔

"میں جانتا ہوں مجھے کیا کرنا ہے اور کیا نہیں۔ ایک غلطی ہوئی تھی، اس کو سدھارنے کی
ہوں۔"

"آپ سمجھتے ہیں اس طرح کچھ کر کے آپ اپنی غلطی سدھار رہے ہیں تو یہ غلط ہے۔"

"غلط نہیں ہے۔ غلط وہ تھا جو پہلے کیا۔ اور یہ اس کی مرضی کے خلاف بھی نہیں ہو رہا۔ پیپرز میرب کے
بھوائے تھے۔ اس کی مرضی سے ہوا ہے یہ۔"

"کیا؟" زوباریہ حیران رہ گئی تھی۔ "ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟"

"ایسا ہے ——— اور اب میں کچھ بھی اپنی بیٹی کے خلاف نہیں ہونے دوں گا۔" مظہر سیال نے دو
ٹوک انداز میں کہا تھا۔ زوباریہ اسے دیکھتی رہ گئی۔

❋❋❋

پتہ نہیں اس نے ٹھیک کیا تھا یا نہیں۔

مگر اسے وہ گریز ہی مناسب لگا تھا۔

وہ کچھ برہم لگا تھا۔

مگر صبح ناشتے کی ٹیبل پر وہ برہم تو نہیں لیکن "لاتعلق" ضرور تھا۔ کچھ "انسیت" تو اس سے قبل بھی زیادہ
نہ تھی۔ مگر اب تو لاتعلقی کچھ بڑھ گئی تھی۔

انابیہ نے چپ چاپ اس کے سامنے چائے رکھی تھی۔

"تھینکس۔" ٹھہرے ہوئے پانی میں ایک کنکر پڑا تھا۔ سکوت میں لمحہ بھر میں ہلچل ہوئی تھی اور سارا
منظر پھر سے ویسا ہی تھا۔

انابیہ کچھ عجیب سی لگ رہی تھی۔ حالانکہ اب تو اسے عادی ہو جانا چاہئے تھا۔

"آپ گاڑی بھجوا دیں گے؟ ——— شام میں مجھے کہیں جانا ہے۔" وانستہ طور پر بات کا آغاز کیا تھا۔

"کہاں جانا ہے تمہیں؟" اس سوال کی امید نہیں تھی۔ اتنی "سرد مہری" کے موسم میں ایسا کوئی سوال، وہ
توقع نہیں کر رہی تھی۔ شاید تبھی اس کے پوچھنے پر کچھ حیرت ضرور ہوئی تھی۔

"لامعہ کی طرف۔" اس نے سر جھکا کر توس پر بٹر لگاتے ہوئے کہا تھا۔ عفنان نے چند لمحوں تک
اس نے اسے دیکھا تھا پھر اخبار سامنے پھیلا کر چائے کے سپ لینے لگا۔

"وہاں کیا ہے؟" اتنی وضاحتیں طلب کی جائیں گی، وہ جانتی نہیں تھی۔

"ضروری ہے کچھ ہو تب ہی جاؤں؟" انابیہ نے الٹا دریافت کیا تھا۔

"اذہان کے لئے جا رہی ہو؟" ایک چھوٹے سے معاملے پر اتنی "بات چیت" ہو گی اسے علم نہ تھا۔
انابیہ کو کس قدر حیرت ہوئی تھی۔

نگاہ اٹھا کر اس شخص کی طرف دیکھا تھا جو انجان بن کر بھی انجان نہ تھا۔

"نہیں۔" اس نے مختصر جواب دیا تھا۔

"پھر ———؟"

"آپ چاہتے ہیں میں نہ جاؤں؟" تنک کر پوچھا گیا۔

"ایسا میں نے نہیں کہا۔ لیکن مجھے اچھا نہیں لگے گا اگر کوئی میری بیوی کی بے عزتی کرے ———"

تمہاری کوئی عزت ہو نہ ہو، مگر میری ہے۔ اگر تمہیں کوئی کچھ کہتا ہے تو اس سے میری حیثیت پر حرف ہے۔'' کتنے آرام سے وہ بول گیا تھا۔ وہ حیرت سے اس کی طرف دیکھتی رہ گئی تھی۔ یعنی اس کی اپنی حیثیت ہی نہیں تھی۔

حیرت سی حیرت تھی۔

مگر عفنان اس کی حیرت کی مطلق پرواہ کیے بغیر چائے کے سپ لینے لگا تھا۔

''کیا کہا آپ نے؟ ـــــ آپ کو لگتا ہے میری کوئی عزت نہیں؟'' بات جتنی پُرسکون دکھائی دے رہی تھی اب ''فضا'' ویسی نہیں رہی تھی۔

عفنان علی خان نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

''آپ کو لگتا ہے میری خود کی کوئی حیثیت نہیں؟''

''میں نے ایسا نہیں کہا۔'' عفنان نے اس کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا۔ لہجہ بے تاثر تھا۔

انابیہ اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

اس ایک جملے میں پنہاں معنی خاص وہ سمجھ ہی نہ سکی تھی۔

''میری اپنی بھی کوئی شناخت ہے۔ کوئی ویلیو ہے۔'' اس نے چائے کا کپ ٹیبل پر رکھتے ہو۔ کرایا تھا۔

''ضرور ہو گی ـــــ مگر جو میں کہہ رہا ہوں اسے سمجھنے کی کوشش کیجیے۔ عقل استعمال کرنے کے لیے ہوتی ہے۔ اگر آپ استعمال کریں گی تو آپ کے لیے بھی آسانی ہو گی اور میرے لیے بھی۔'' انداز ڈپٹنے والا تھا۔

انابیہ کچھ بول نہ سکی تھی۔

''اجب تک اس گھر میں ہیں، آپ میری ذمہ داری اور عزت ہیں۔''

''تو ـــــ؟''

''تو ـــــ؟؟'' عفنان نے اس کے شانے اچکانے پر اسے دیکھا تھا۔

''آپ چاہتے ہیں کہ میں لامعہ سے ملنا جلنا بند کر دوں؟''

''آپ فضول کی بحث کیوں کر رہی ہیں؟''

''فضول کی بحث میں کر رہی ہوں؟''

''نہیں ـــــ آپ کی نیبر کر رہی ہیں۔'' عفنان علی خان نے اخبار ایک طرف رکھا اور اٹھ کھڑا

''اس کا مطلب ہے کہ میرا دنیا میں آنا جانا، ملنا جلنا بند؟'' انابیہ کو سوچ کر ہی دھچکا لگا تھا۔ ''کیوں ہیں؟ ـــــ کیونکہ میں آپ کو......'' ایک بات زبان پر آتے آتے رہ گئی۔ عفنان علی خان نے کر دیکھا۔ پھر پلٹ کر اس کی طرف آ گیا۔ کچھ دیر اسے خاموشی سے دیکھا تھا۔ پھر ہاتھ بڑھا کر آہستگی سے چھوا تھا۔

''میرے لیے کچھ مشکل نہیں ہے انابیہ! ـــــ اگر میں کچھ حاصل کرنا چاہوں تو کر سکتا؛

ساری حد بندیاں اگر ہیں تو صرف اس لیے کہ ـــــ چھوڑو ـــــ تم نہیں سمجھو گی۔ مگر ایک بات اب ضروری ہے کہ آپ ان لوگوں سے نہیں ملیں گی جو آپ پر فضول الزامات لگاتے ہیں۔'' بہت مدھم لہجے میں وہ کہہ رہا تھا۔

''تم ایسا اس لیے نہیں چاہتے کہ لامعہ تمہاری ایکس بھی رہ چکی ہے؟''

''ایکس رہنے سے کیا ہوتا ہے؟ تم جانتی ہو سب ـــــ تم سے تو کچھ چھپا نہیں ہے۔ اگر میں تم کو اس سے ملنے سے روکنا چاہوں تو اس میں میرا راز نہیں چھپا۔ اگر مجھے لامعہ سے کوئی لگاوٹ ہوتی تو آج تم نہیں وہ میری زندگی میں میرے ساتھ ہوتی۔ وجہ اب تم خود ڈھونڈو۔ الزامات سے زیادہ حقائق پر نگاہ رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ آنکھیں کھول کر اپنے اردگرد کی دنیا کو دیکھو۔ سب سمجھ میں آ جائے گا۔''

عفنان علی خان نے اسے چھوڑ دیا تھا اور چلتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔

انابیہ وہیں کھڑی دیکھتی رہ گئی تھی۔

ساری صورت حال اس کے لیے نئی تھی اور تعجب خیز بھی۔

اس شخص کے انداز میں Posessiveness تھی۔ جو اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

❄❄❄

محبت ہوتی تو کوئی بات بھی تھی۔

درمیان میں کچھ نہ تھا۔

اگر ہوتا تو شاید لفظوں کے، باتوں کے معنی مختلف ہو بھی سکتے تھے۔

اگر محبت ہوتی۔

اور محبت نہیں تھی۔ تبھی صورت حال اتنی پیچیدہ بھی تھی۔

میرب سیال کو لگ رہا تھا، قدموں تلے سے زمین سرک رہی ہو۔

ایک بار پہلے زندگی اس کی اجازت مانگے بغیر اس کی دنیا میں ایک عجب انقلاب لے آئی تھی۔ وہ اب جسے نہ اس کی عقل نے تسلیم کیا تھا نہ دل نے۔

اور آج پھر اس کی زندگی اسے وہ دکھانے جا رہی تھی جس کے لیے وہ تیار نہیں تھی۔

وہ تبدیلی جسے وہ اپنی زندگی میں نہیں چاہتی تھی۔

وہ بے جان، ساکت سی بیڈ پر لیٹی تھی جب فون کی بیل اچانک بجی۔ اس نے کوئی دھیان نہیں دیا۔

فون بجتا رہا تھا۔

ایک ـــــ

دو ـــــ

تین ـــــ

کئی بار ـــــ

''ہیلو ـــــ!''

"تم فون کیوں نہیں اٹھا رہی تھیں؟" دوسری طرف سردار سبکتگین حیدر لغاری کچھ متفکر دکھائی دے رہا تھا۔

"بس نہیں اٹھا رہی تھی۔" اس نے بولنے کی کوشش کی تھی۔ مگر آواز کہیں اندر ہی دب گئی تھی۔

"یو اوکے؟" دوسری طرف سے کوئی جواب نہ پا کر وہ کچھ مضطرب دکھائی دیا تھا۔ کوئی معجزہ ہونے جا رہا تھا کیا؟

"ہاں ـــــ ٹھیک ہوں میں۔" میرب نے آہستگی سے جواب دیا تھا۔

"ٹھیک تھیں تو فون اتنی دیر سے کیوں اٹھایا؟" دوبارہ سوال وہی تھا۔

"آپ نے کس لئے فون کیا؟" وہ تپ گئی تھی۔ "یہ جاننے کے لئے کہ میں مر گئی یا پھر زندہ ہوں؟" میرب سیال نے درشت لہجے میں کہا تھا۔

"شٹ اپ!" جواباً اس کی برہم آواز سنائی دی تھی۔ "مائی کو تم سے بات کرنا تھی۔" بروقت ایک جواز آیا تھا۔

"اچھا ـــــ تو پھر دیں فون انہیں ـــــ آپ کیوں بات کر رہے ہیں؟" میرب سیال نے لاتعلقی کی حد کر دی تھی۔

"میرب تم ـــــ" وہ جیسے یک دم سلگ اٹھا تھا۔

"کیا میں؟"

مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

"آپ کی طرح قتل عام نہیں کرتی ـــــ دوسروں کے احساسات کی بھرپور پرواہ ہے مجھے۔ اگر آپ نے اس لئے فون کیا ہے کہ میں مائی کو کچھ نہ بتا دوں تو آپ غلط ہیں۔ میں اس بات پر قائم ہوں۔ آپ مانتے ہیں یا نہیں، اس کے بارے میں، میں نہیں جانتی۔ مگر مجھے پورا احساس ہے اس بات کا۔"

"کس بات کا؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے دریافت کیا تھا۔

"کہ مائی اماں کو کسی بات کا پتہ نہ چلے۔ نہ ہی انہیں کوئی تکلیف پہنچے۔"

"رائٹ ـــــ گڈ ـــــ تو آپ ڈیل پر قائم ہیں۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کہا تھا۔

میرب سیال ایک لمحے کو دنگ سی رہ گئی تھی۔

وہ شخص بدلنے والا نہیں تھا۔

ایک لمحے کو سارے قیاس ڈھیر ہوئے تھے۔

ساری خوش فہمیاں بھی ایک طرف دھری کی دھری رہ گئی تھیں۔

زندگی کی سوئی پھر اس جگہ پر اٹک گئی تھی۔

اُسے اپنی عقل پر ایک بار پھر ماتم کرنے کو دل چاہا تھا۔ اس کی عقل ہمیشہ اس شخص کو رعایت دیتی تھی مگر وہ شاید اس قابل تھا ہی نہیں۔

اس کی توقعات ایک بار پھر اوندھے منہ پڑی تھیں۔ اور سردار سبکتگین حیدر لغاری اسی حمکنت سے

کھڑا تھا۔

"آپ خود کو سمجھتے کیا ہیں؟" اس نے ساری جان سے سلگ کر دریافت کیا تو وہ چونک پڑا۔

"کیا مطلب؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری کا انداز سوالیہ تھا۔

"مطلب یہ کہ آپ اس دنیا کے سب سے زیادہ خود غرض اور بے حس شخص ہیں۔ آپ صرف ظاہر کرتے ہیں کہ آپ کو کسی کی پرواہ ہے ـــــ مگر درحقیقت ایسا کچھ نہیں ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ آپ صرف اپنے بارے میں سوچتے ہیں۔ صرف اپنی پرواہ کرتے ہیں۔ آپ کی بلا سے دنیا جائے بھاڑ میں۔ صرف جو چاہتے ہیں وہ ویسا ہونا چاہئے۔" میرب سیال نے اپنے اندر کا غبار کسی قدر نکال دیا تھا۔ دوسری طرف سردار سبکتگین حیدر لغاری کچھ نہیں بولا تھا۔

"بہت زعم ہے آپ کو خود پر؟ ـــــ اپنے پیسے پر؟ ـــــ آخر سمجھتے کیا ہیں خود کو؟ ـــــ جب جو بھی چاہیں خرید سکتے ہیں؟ ـــــ دنیا مٹھی میں ہے آپ کی؟ ـــــ آپ چاہیں تو سانس لے ـــــ آپ چاہیں تو سانس لینا بند کر دے گی۔ آخر کیا ـــــ کیا چیز ہیں آپ؟" میرب سیال روانی سے بولی تھی۔

الجھن وہ گویا ہوا تھا۔

"ایک لبرل شخص ہوں ـــــ خود کو بھی آزاد دیکھنا چاہتا ہوں اور دوسروں کو بھی۔ جبر پسند نہیں ہے ہر مسئلے کو مصلحت سے حل کرنا چاہتا ہوں۔"

"نہیں ہیں آپ ایسے ـــــ آپ بالکل بھی ایسے نہیں ہیں۔" میرب نے اسے ایک لمحے میں رد کر دیا۔

"تو پھر؟ ـــــ کیسا ہوں میں؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے سوال پوچھ کر الٹا اس کی جان مصیبت میں ڈال دی تھی۔

"بہت برے ہیں آپ۔" میرب سیال نے یہ کہہ کر فون رکھ دیا تھا۔

سبکتگین حیدر لغاری ہاتھ میں فون لئے دیکھتا رہ گیا تھا۔

کیا ہو گیا اس لڑکی کو؟ ـــــ اتنا ہائپر کیوں ہو رہی تھی وہ؟ ـــــ وہ سمجھ نہیں پایا تھا۔

سب کچھ تو اس کی مرضی کے مطابق ہو رہا تھا ـــــ جیسا وہ چاہ رہی تھی، ویسا ہی ہو رہا تھا ـــــ پھر اتنی ہائپر کیوں ہو رہی تھی؟؟

❋❋❋

"کہاں جا رہی ہو تم؟" گگی کو جاتا دیکھ کر سبکتگین حیدر لغاری نے دریافت کیا تھا۔

"ایک ضروری کام سے ـــــ اور تم ـــــ تمہیں کیا ہوا؟ ـــــ اب تک کوئی حل نہیں نکالا تم نے مسئلے کا؟" اسے بکھرا اسا دیکھ کر دریافت کیا تھا۔ اس شخص کے چہرے سے صاف ظاہر تھا کہ وہ صرف اپنا بھرم قائم رکھنا چاہتا ہے، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ گگی کو اس کی حالت پر بہت افسوس ہوا تھا۔

"سبکتگین! اپنے اوپر فضول جبر کیوں کر رہے ہو؟ جبکہ تمہیں پتہ ہے کہ تمہارے لئے بھی یہ آسان نہیں

ہے۔ پھر یہ بھرم قائم رکھنا کیوں چاہتے ہو؟ ــــــ تم شرمندہ کیوں ہو؟ ــــــ تم دنیا میں پہلے شخص تو نہیں ہو جو اپنے ایموشن کے ہاتھوں ہار رہا ہے۔ پھر کیوں گین؟ تم نارمل ری ایکٹ کیوں نہیں کرتے سب کچھ نارمل کرنے کے لیے؟ یہ بہت ضروری ہے گین! تمہیں اتنی سی بات سمجھ میں نہیں آتی۔'' گی زبانگ نے اسے ڈپٹا تھا۔ مگر وہ جواباً کچھ نہیں بولا تھا۔

''یہ ٹھیک نہیں ہے گین!'' پُرافسوس انداز سے کہا تھا۔

''تم کہاں جا رہی ہو؟'' وہ جیسے اپنے موضوع پر بات ہی نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''خود سے نظریں ملانا نہیں چاہتے ہو گین! خود اپنے لیے اہم نہیں ہو تم؟ ــــــ اپنے دل، اپنے ایموشن کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تم؟ ــــــ کس بات سے ڈرتے ہو تم؟ ــــــ آخر سمجھ کیوں نہیں لیتے کر تمہارے لیے کیا اور کتنا ضروری ہے۔''

''مجھے مت سمجھاؤ گی! ــــــ میرے معاملات کو مجھ پر چھوڑ دو۔ تم اپنی بات کرو۔''

''میری بات ــــــ مسٹر بخاری نے رات مجھے کہیں سے نمبر ڈھونڈ کر خود کال کی ہے۔ وہیں جا رہی ہوں۔''

''اوہ ــــــ دیٹس اے گڈ نیوز۔ تم جسے اتنے عرصے سے ڈھونڈ رہی تھیں بالآخر وہ تمہارے سامنے آ گئے۔ چلو کچھ تو اچھا ہوا۔'' سردار سبکتگین حیدر نے کہا تھا۔

''ہاں ــــــ مگر میں اتنی خوش نہیں ہوں۔ مجھے خوشی تب ہوگی جب تم اپنے لیے وہ ایک فیصلہ کر لو گے جو تمہارے دل کی خوشی کے لیے ہو۔ خود کو یوں اس طرح ضائع کرنا بند کر دو گین! ــــــ بہت تکلیف دہ ہے یہ۔ تمہارے لیے تو ہے ہی ــــــ مگر ہم دوسرے جو تمہارے اردگرد ہیں، ان کے لیے بھی یہ جھیلنا آسان نہیں ہے۔ پلیز خود کو یہ فضول کی سزائیں دینا بند کر دو۔'' گی نے اپنی خواہش کا اظہار کیا تھا۔

''ساتھ چلوں تمہارے؟'' سبکتگین حیدر لغاری نے دانستہ بات بدل دی تھی۔ گی نے کچھ سوچ کر سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''میں بھی تم سے یہی کہنے والی تھی کہ تم ساتھ چلو۔''

گین گاڑی کی طرف بڑھ گیا تھا۔

گی اس کے پیچھے چلتی ہوئی آئی تھی۔

''مجھے عجیب سا لگ رہا ہے گین! ــــــ زندگی اتنی الجھ گئی تھی۔ اور اب جب اچانک ہی سلجھتے جا رہی ہے تو ــــــ اور پتہ نہیں سلجھتے جا رہی ہے کہ نہیں ــــــ مگر سب عجیب سا لگ رہا ہے ــــــ یقین بھی نہیں آ رہا۔ کتنا عرصہ لگا دیا میں نے اسے ڈھونڈنے میں ــــــ اور آج اچانک وقت نے اسے سامنے لا کھڑا کیا۔ زندگی یوں بھی ہوتی ہے گین! ــــــ ایسی بھی ــــــ یقین نہیں آتا۔'' گی نے کہا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری جواباً کچھ نہیں بولا تھا۔

''گین! ایک بات مانو گے؟'' گی نے سردار سبکتگین حیدر لغاری کا چہرہ بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

''کیا؟''

''اپنی زندگی کو اپنی مرضی سے چلانے کی بجائے اپنے دل پر چھوڑ دو۔ اپنے دل کی مرضی کو ایک بار پورے کر دیکھو۔ صورتِ حال خود بخود بدل جائے گی۔'' گی نے کہا تھا مگر وہ مسکرا دیا تھا۔

بہت بجھا بجھا سا انداز تھا۔

انداز میں ایک طنز صاف واضح تھا۔

''گی! تم تھکتی نہیں ہو ایک ہی طرح کی باتیں کر کے؟''

''ایک ہی طرح کی باتیں تمہارے لیے کتنی اہم ہو سکتی ہیں ــــــ کبھی سوچا ہے تم نے؟'' گی نے الٹا سوال کر دیا تھا۔

''ایسا نہیں ہوتا گی! ــــــ تم فضول کی باتیں کرتی ہو ــــــ اور فضول کی باتوں پر زندگی نہیں گزرتی۔ آنکھیں کھول کر حقائق کو دیکھنا پڑتا ہے۔ اور حالات میرے حق میں اچھے نہیں ہیں۔''

''تم یہ کیوں سوچتے ہو گین؟ ــــــ حالات تمہارے ہاتھ میں اور تمہارے حق میں ہو بھی سکتے ہیں۔''

''گی! میں احمقوں کی دنیا میں نہیں رہتا۔ مجھے معلوم ہے کیا ہو رہا ہے اور کیا ہونے کو ہے اور کیا ہونا ہے۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے بری طرح رد کر دیا تھا۔

''تم صرف اپنی طرح سوچتے ہو ــــــ کبھی دوسروں کی طرح بھی سوچ کر دیکھ لیا کرو۔'' گی کو کچھ غصہ آ گیا تھا۔

''دوسروں کی طرح سوچ کر کیا ہوگا، یہ مجھے معلوم ہے۔ سو میں اپنی طرح سے ہی سوچتے رہنا چاہتا ہوں۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے مسکراتے ہوئے خود کو معقول پر ظاہر کیا تھا۔

''ایک بات بتاؤ ــــــ تم جی لو گے میرب کے بغیر؟'' گی نے ایک ٹھوس بات پوچھی تھی۔

سردار فوری طور پر کچھ نہیں بولا تھا۔

گی کی طرف دیکھا بھی نہیں تھا۔

اس کی خاموشی میں وہ معنی پنہاں تھے۔

گی کو کچھ حیرت نہیں ہوئی تھی۔ تبھی وہ بھرپور یقین سے بولی تھی۔

''سردار سبکتگین حیدر لغاری! وہ لڑکی تمہاری زندگی کا اہم اور ضروری ترین حصہ ہے۔ اور اس بات کا پورا احساس تمہیں بھی ہے کہ وہ تمہارے لیے کتنی اور کس قدر ضروری ہے۔ تم خود بھی یہ بات جانتے ہو۔ مگر تم خود سے نگاہ چرانا چاہتے ہو ــــــ اپنے دل کو خود آپ رد کرنا چاہتے ہو۔ اس آواز کو سننے کی کوشش نہیں کر رہے ہو۔''

ہوٹل یا ریسٹورنٹ کے سامنے سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کچھ بولے بغیر گاڑی روک دی تھی۔ اور گی اترنے کا منتظر ہو کر اسے خاموشی سے دیکھنے لگا تھا۔

''تم میرے ساتھ اندر نہیں آؤ گے؟''

''نہیں ــــــ کچھ مناسب نہیں لگتا۔ تم چلی جاؤ۔ میں تمہارا یہاں باہر انتظار کرتا ہوں۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کہا تھا۔

"ایسا کچھ نہیں ہو رہا۔۔۔۔ آپ میرے ساتھ اندر چل رہے ہیں۔ سچ میں گین! بہت عجیب لگ رہا ہے۔۔۔۔ یوں اس طرح۔۔۔۔ مجھے اپنا سارا جسم بے جان سا لگ رہا ہے۔۔۔۔ پلیز تم میرے ساتھ اندر چلو۔" گی بولی تھی اور وہ چپ چاپ اس کے ساتھ آ گیا تھا۔

"مجھے نہیں پتہ گین! کیا ہو گا؟" ریسٹورنٹ میں سردار سبکتگین حیدر لغاری کے ساتھ داخل ہوتے ہوئے وہ بولی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کا حوصلہ بندھانے کو بہت ہولے سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ چونکی، پھر مسکرا دی تھی۔

"تھینکس گین!۔۔۔۔ تم میرے بہت اچھے دوست ہو۔ تم نے واقعی بہت ساتھ دیا ہے۔ یہاں تک کہ تم نے میرے لئے اپنی زندگی تک کو خطرے میں ڈال لیا۔ اگر آج تمہاری زندگی اس قدر الجھی ہوئی ہے تو اس میں میرا بھی ہاتھ ہے۔ مگر تم نے کبھی مجھے اس بات کی وضاحت میرب کو دینے نہیں دی۔ نہ خود کبھی اسے بتاتے ہو نہ مجھے بتانے دیتے ہو۔۔۔۔ بہت عجیب ہو تم۔" گی نے شکوہ کیا تھا۔

تبھی وہ آہستگی سے بولا تھا۔

"گی!۔۔۔۔ زندگی میں ساتھ رہنا، ساتھ جینا ہی سب کچھ نہیں ہوتا۔۔۔۔ ایک دوسرے کی خواہش کرنا، ایک دوسرے کے لئے جینا بھی اہم نہیں ہوتا۔۔۔۔ اہم ہوتا ہے ایک دوسرے کو سمجھنا۔ اگر ایک عمر گزار کر بھی کوئی کسی کو سمجھ نہ سکے تو سب فضول ہے۔ اینی ہاؤ، تمہارے مسٹر بخاری دکھائی نہیں دے رہے، شکل تو یاد ہے نا تمہیں ان کی؟" سردار سبکتگین نے ایک چھوٹا سا مذاق کیا تھا۔

گی نے اسے مصنوعی خفگی سے دیکھا تھا۔ پھر متلاشی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگی تھی۔ اور بالآخر کی نگاہ ایک شخص پر رک گئی تھی۔

"وہ رہے۔۔۔۔!" گی نے ہاتھ کے اشارے سے کہا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس نظروں کا تعاقب کیا تھا اور نگاہ لحہ بھر کو ساکت رہ گئی تھی۔

"از ہی مسٹر بخاری۔۔۔۔؟" کسی قدر حیرت سے وہ بولا تھا۔

گی اتنی مگن تھی کہ کسی قسم کی حیرت کی پرواہ کئے بغیر سر اثبات میں ہلا گئی تھی۔

"آؤ۔" گی آگے بڑھنے لگی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کچھ دیر تک یوں ہی کھڑا رہا تھا پھر آہستگی سے آگے بڑھا دیئے تھے قدم۔

"کیسے ہیں آپ بخاری؟" گی نے مسکراتے ہوئے اس شخص کو دیکھا تھا۔ بخاری صاحب مسکرا دیئے تھے۔ گی، گین کے آنے کی منتظر تھی۔ وہ آ رہا تھا۔ تبھی اس کا تعارف کراتے ہوئے بولی تھی۔

"گین! ہی از مسٹر بخاری۔ ڈاکٹر فیض بخاری۔۔۔۔ اور بخاری! ہی از سردار سبکتگین حیدر لغاری۔ جسٹ فرینڈ۔" گی نے تعارف کرایا تو گین نے ہاتھ ملایا۔ تبھی فیض بخاری بولے تھے۔

"گی بتا رہی تھی آپ نے بہت ہیلپ کی اس کی۔ اس کے لئے میں آپ کو تھینکس کہوں گا۔"

ہو ویلکم۔۔۔۔ میں نے گی کے لئے جو بھی کیا وہ میرا فرض تھا۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ اینی ہاؤ، لوگ باتیں کیجئے، مجھے ایک ضروری کام یاد آ گیا ہے۔۔۔۔ گی! میں تمہیں پک کر لوں گا۔ تم ٹائم بتا ایک گھنٹے بعد لے لوں؟" سوالیہ نظروں سے گی کو دیکھا تھا۔ تبھی فیض بخاری بولے تھے۔

"میں واپسی پر چھوڑ دوں گا۔"

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے پُر خیال انداز میں سر ہلایا پھر پلٹ کر چلتا ہوا ریسٹورنٹ سے باہر نکل گیا۔

❋❋❋

دل بہت بوجھل تھا۔

بھی یاد آ رہی تھیں۔

جی میں پتہ نہیں کیا آیا کہ وہ فارحہ آنٹی کی طرف آ گئی تھی۔ گلے ملی تو کتنی دیر تک چپ چاپ بے آواز رو رہی تھی۔

فارحہ نے اس سے کچھ دریافت نہیں کیا تھا۔

جیسے وہ بہت سے اسباب پہلے سے جانتی تھیں۔

کتنی دیر تک میرب روتی رہی تھی۔ فارحہ چپ چاپ اس کا سر تھپکتی رہی تھیں۔ جی کا غبار دھل گیا تھا تو میرب نے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا اور خجل سی ہو کر بولی۔

"آپ کی یاد بہت آ رہی تھی۔۔۔۔ آپ نے تو بالکل ہی بھلا دیا۔" شکوہ لبوں پر آ گیا تھا۔

فارحہ شرمندہ سی ہو گئی تھی۔

"میں آنا چاہتی تھی مگر۔۔۔۔ مظہر بھائی۔۔۔۔ خیر چھوڑو، یہ بتاؤ کیا کھاؤ گی؟ اتنی انرجی ویسٹ کر کے رو کر۔۔۔۔ اتنی یاد آ رہی تھی تو فون کر دیا ہوتا۔۔۔۔ میں آ جاتی۔" اس کے لئے فریج میں سے کوکین نکالتی ہوئی وہ بولی تھیں۔

"آپ واقعی پاپا کی وجہ سے گھر نہیں آتیں؟" میرب نے کسی قدر حیرت سے سر اٹھا کر فارحہ کو دیکھا۔ وہ کچھ نہیں بولیں اور کین اس کی طرف بڑھاتے ہوئے نرمی سے مسکرا دی تھیں۔

"اپنی نانو کی طرف گئی تھی تو؟"

"نہیں۔۔۔۔ بہت دنوں سے نہیں گئی۔ کسی کو میری یاد نہیں آتی۔ کسی کے لئے میری کوئی امپورٹنس نہیں۔۔۔۔ سوچ لیا ہے۔۔۔۔ اب میں بھی کسی سے ملنے نہیں جاؤں گی۔ آپ کی طرف بھی آخری بار آئی ہوں۔" بچوں کی طرح خفا سی وہ شکوہ کر رہی تھی۔

فارحہ مسکرا دیں۔

"صرف یہی بتانے آئی تھی؟"

"پاپا کو آپ سے کیا الجھن ہے آنٹی؟"

فارحہ جو مسکرا رہی تھیں، یک دم ہونٹ بھینچ گئیں۔

"الجھن تو انہیں ہم سب سے ہے۔۔۔۔ بتایا تو تھا کہ وہ آپا کی موت کے بعد ہم سے ملنا پسند نہیں

کرتے۔ کیونکہ وہ آپا کی موت کا ذمہ دار انہیں سمجھتے ہیں۔'' فارحہ نے بتایا تھا۔

''بس ـــــ صرف یہی وجہ ہے؟'' میرب نے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔

فارحہ کچھ دیر تک خاموش رہیں، پھر آہستگی سے بولیں۔

''الجھنوں کو بڑھانے کے لئے جواز ضروری نہیں ـــــ تم بتاؤ، اتنا رو کیوں رہی تھیں؟'' فارحہ اس کے پاس بیٹھ گئی تھیں۔

''بس یوں ہی ـــــ دل چاہ رہا تھا۔'' میرب نے آہستگی سے جواب دیا تھا۔

''ایسے ہی کیوں؟'' فارحہ نے جواب چاہا تھا۔

''بس دل عجیب سا ہو رہا تھا۔'' درد اتنا بڑھا تھا کہ سنبھالنا مشکل تھا۔ میرب کا سینہ پھٹا جا رہا تھا۔

''آنٹی! پاپا میری شادی ختم کر رہے ہیں۔''

''کیا ـــــ؟'' فارحہ حیران رہ گئی تھیں۔ ''لیکن وہ ایسا تمہاری مرضی کے بغیر کیسے کر سکتے ہیں؟''

''انہیں لگتا ہے کہ میں خوش نہیں ہوں۔''

''اور تم؟'' فارحہ آنٹی نے اس کی طرف دیکھا تو میرب سر جھکا گئی تھی۔

''آنٹی! میرے ساتھ بہت عجیب ہوا ـــــ زندگی نے میرے ساتھ سب کچھ عجیب کیا۔ پہلے میں اس رشتے کے لئے تیار ہی نہیں تھی ـــــ وقت نے مجھے پابند کر دیا ـــــ میں اس رشتے کو بوجھ سمجھتی تھی۔ اتار کر پھینک دینا چاہتی تھی۔ اور پھر ـــــ مجھے پتہ ہی نہیں چلا کب معنی بدل گئے ـــــ کب اس رشتے سے مجھے انسیت ہوئی ـــــ مجھے خبر ہی نہیں ہوئی ـــــ پتہ ہی نہیں چلا ـــــ خبر اب ہوئی جب میں اس رشتے سے علیحدہ ہو رہی ہوں ـــــ اب میں علیحدگی نہیں چاہتی۔ میں آنکھیں بند کر کے جی رہی تھی آنٹی! ـــــ محبت کا کہیں ذکر نہیں تھا ـــــ اور سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لئے تو بالکل بھی نہیں۔ مگر جانے کب چپکے ہوئے مجھے پتہ ہی نہیں چلا۔ کیسے ہوئی یہ محبت ـــــ آہستہ آہستہ۔'' وہ سر جھکائے مدھم لہجے میں کہہ رہی تھی۔ فارحہ چپ چاپ اسے خاموشی سے دیکھ رہی تھیں۔ نظروں میں کچھ حیرت تھی۔

اور حیرت تو ازہان حسن بخاری کی آنکھوں میں بھی تھی جو قدرے فاصلے پر کھڑا تھا۔

غالباً وہ اسی ساعت وہاں آیا تھا۔ مگر چہرے کا ری ایکشن بتا رہا تھا، وہ سب کچھ سن چکا تھا۔

فارحہ کی نگاہ بیٹے پر گئی تھی۔

تبھی نظروں کے تعاقب میں میرب نے دیکھا تھا۔ مگر کچھ بولی نہیں تھی۔

ازہان چپ چاپ آگے بڑھ آیا تھا۔

اسے دیکھ کر مسکرایا تھا۔

''کیسی ہو تم؟'' کچھ دشوار ہو رہا تھا خود کو سنبھالنا۔ مگر وہ اتنا کمزور ہرگز نہیں تھا۔

میرب مسکرا نہیں سکی تھی۔

''ٹھیک ہوں۔'' بہت مدھم لہجے میں بولی تھی۔ ''اور تم ـــــ؟''

ازہان مسکرا دیا تھا۔

''نہیں فٹ فاٹ ـــــ اپنی رخصتی کا دعوت نامہ دینے آئی ہو کیا؟'' وہ ہر شے معمول پر ظاہر کرنا چاہتا تھا۔ کسی قدر بے تاثر بھی۔ تبھی مذاق کرتے ہوئے مسکرایا تھا۔

''نہیں ـــــ میں فارحہ آنٹی سے ملنے آئی تھی۔'' میرب آہستگی سے بولی تھی۔

''صرف فارحہ آنٹی سے؟ ـــــ ہم سے نہیں؟'' ازہان حسن بخاری نے شکوہ کیا تھا۔

''مجھے کیا پتہ تھا تم اچانک آ ٹپکو گے۔'' میرب نے دوستانہ انداز میں کہا تو ازہان مسکرا دیا۔ مگر انداز پھیکا تھا۔

''ہاں ـــــ مجھے بھی خبر نہیں ہوئی تھی کہ گھر میں تم آ چکی ہو۔'' ازہان نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا دی تھی۔

''تم دونوں بیٹھ کر باتیں کرو۔ میں چائے لے کر آتی ہوں اور ساتھ میں کچھ کھانے کو بھی۔'' فارحہ کے لئے اس منظر کو دیکھتے رہنا مشکل تھا شاید۔ تبھی وہ وہاں سے ہٹ گئی تھی۔ میرب سر جھکائے بیٹھی تھی۔

ازہان اس کے ساتھ بیٹھ گیا تھا۔

''اور کیا چل رہا ہے؟'' مسکراتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

میرب نے سر اٹھا کر اسے خاموشی سے دیکھا تھا۔

''کیا ہوا؟ ـــــ اپنے میاں سے جھگڑا ہو گیا ہے تمہارا؟'' وہ مسکرا دیا تھا۔ صورت حال کو اپنے اختیار میں ظاہر کرنا چاہ رہا تھا اور دوسرے معنوں میں وہ میرب کو بھی اس شرمندگی سے بچانا چاہتا تھا جو اسے فیل اس صورت حال میں کہ وہ اس کے متعلق سب جان چکا ہے۔

''تم جان چکے ہو نا سب؟'' میرب نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ وہ جو مسکرا رہا تھا، چہرے کے تاثرات یک دم بدل گئے تھے۔ لب بھینچے ہوئے اسے دیکھا تھا اور نگاہ پھیر گیا تھا۔

''تم اپنے دکھ بھی اب مجھ سے بانٹنا نہیں چاہتی ہو تو میں کیا کروں؟ ـــــ تم نے تو ایک دم ہی پرایا بنا دیا۔'' ازہان نے شکوہ کیا تھا۔

میرب کچھ نہیں بول سکی تھی۔

''تمہیں لگتا تھا اب میں تمہیں تسلی بھی نہیں دے سکوں گا؟''

''نہیں ـــــ مجھے ایسا کچھ نہیں لگا تھا۔'' میرب نے اس کی طرف دیکھے بغیر نفی میں سر ہلایا تھا۔

''تو پھر؟ ـــــ تمہیں لگا تھا ـــــ تمہارا مان ٹوٹ جائے گا ـــــ یا پھر تم خود کو کمزور ثابت کرنا چاہتی تھیں۔'' ازہان نے جواز تلاشے تھے مگر میرب نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''ازہان! ایسا کچھ نہیں ہے ـــــ بس میں بہت پریشان تھی اور تمہیں پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔ مجھے لگتا تھا تم سن کر اپ سیٹ ہو جاؤ گے۔''

''اور تم جو اتنی پریشان ہو، اس کا کیا؟''

''میری پریشانی تو ختم ہونے جا رہی ہے اور......''

''تم ایسا نہیں چاہتی نا؟'' ازہان نے اسے دیکھا تھا۔

میرب جو سر جھکائے بیٹھی تھی، سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تھا، پھر سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''اگر ایسا نہیں چاہتی تو پھر ایسا ہونے کیوں دے رہی ہو؟ ـــــ یو کون میڈ؟'' اذہان حسن بخاری نے اسے برہمی سے دیکھا تھا۔

''یہ اتنا آسان نہیں ہے اذہان!'' وہ بے بسی سے بولی تھی۔

''کیا آسان نہیں ہے، تم میں ہمت نہیں ہے؟ ـــــ بچی ہو؟ ـــــ اوہ، کم آن میرب! یہ بچپنا پیچھے کہیں چھوڑ دو تم ـــــ اپنی زندگی کے فیصلے خود کرنا سیکھو۔ ایک پڑھی لکھی لڑکی ہو تم۔ کیا مشکل ہے تمہارے لئے؟'' اذہان نے اسے ڈپٹا تھا۔

''تم نہیں سمجھو گے اذہان!'' وہ بے بس دکھائی دی تھی۔

''کیوں نہیں سمجھوں گا؟ ـــــ تم سمجھاؤ تو ـــــ کیا تم سمجھتی ہو کہ میں کوئی بہترین حل تمہیں نہیں دے سکوں گا؟'' وہ بولا تھا۔

میرب نے اسے کسی قدر خفگی سے دیکھا تھا۔

''تم ہر شے الٹی لے رہے ہو اذہان! ـــــ میں نے تمہیں نہیں بتایا تو اس کا مطلب ہرگز بھی یہ نہیں تھا کہ تم میرے ساتھ سینسیئر نہیں ہو یا مجھے کوئی اچھا مشورہ نہیں دے سکتے۔ تم صرف یہ سمجھو نہیں پا رہے ہو، مشوروں کی ضرورت تو مجھے تب ہو جب میرے ہاتھ میں کچھ ہو ـــــ اور میرے ہاتھ میں کچھ نہیں ہے، میں اس معاملے میں کسی اور طرح کی ہوں ـــــ دور سے کھڑی صرف دیکھ رہی ہوں اور بے بس ہوں اور مجھے نہیں پتہ اس سے آگے کیا ہوگا۔'' میرب نے بے بسی سے کہا تھا۔ آواز بھرا گئی تھی۔

''تمہیں ایسا اس لئے نہیں پتہ کیونکہ تم ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر کھڑی رہنا چاہتی ہو ـــــ تم یہ سمجھنا بند کرو کہ یہ معاملہ کسی اور کا ہے۔ یہ سوچو گی تو پھر تم دور بے فکر رہ کر صرف دیکھتی نہیں رہو گی، اس معاملے کو دو گی اور اپنا معاملہ حل بھی کر دو گی۔'' اذہان نے اسے اکسایا تھا۔

مگر اس میں کوئی تحریک دکھائی نہیں دی تھی۔

''اذہان! تم ایسا کہہ رہے ہو ـــــ کیونکہ تم اب بھی وہ سب کچھ نہیں دیکھ رہے جو میں دیکھ رہی ہوں۔''

''معاملہ کیا ہے تمہارے ساتھ؟ ـــــ چاہتی کیا ہو تم؟'' اذہان نے تنگ آ کر کہا تھا۔

''اسے چاہتی ہوں ـــــ آئی لو ہم ـــــ مگر وہ مجھے نہیں چاہتا ـــــ وہ شخص میرے لئے ضروری ہے۔ کیونکہ وہ میری زندگی میں ہر طرف ہے ـــــ ہر جگہ ہے ـــــ مگر میں اس کی زندگی میں کہیں نہیں ہوں۔ میری جگہ کہیں بھی نہیں ہے۔ ایک فضول شے کی طرح ہوں میں اس کی زندگی میں۔ نہ میرے ہونے نہ ہونے سے اسے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ وہ مجھ سے محبت نہیں کرتا۔'' آنکھوں میں رکا سارا نمکین پانی توڑ کر باہر نکل آیا تھا۔

اذہان حسن بخاری اسے خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔

''مجھے پہلی بار پتہ چلا اذہان! کہ سب کچھ ہوتا اور کچھ نہ ہونا کیا ہوتا ہے۔ اور ـــــ اور یہ کہ

ـپ کی مرضی، آپ کا چاہنا امپورٹنٹ نہیں ہوتا ـــــ زندگی میں پہلی بار میں خود کو اتنا بے بس محسوس کر رہی ہوں اور وہ ـــــ وہ تو یہ تک نہیں مانتا کہ ایسا میں نے نہیں کیا۔ میں اس سے دوری نہیں چاہتی۔ وہ مجھ سے اس حد تک بدظن ہے کہ اسے لگتا ہے، میں سب کچھ کر سکتی ہوں۔ جو بھی ہوا ہے اس میں میری ـنالی ہے اور یہ سب میں نے ہی کیا ہے۔ تم جانتے ہو اذہان! میں کتنی بے بس ہوں؟ ـــــ اسے ـے سو نہیں پائی میں اور......''

ـبہت بدتمیز شخص ہے وہ ـــــ اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو ایک رسید کرتا اس کے۔ انتہائی بے وقوف ہے وہ ـــــ محبت ہے یا نہیں ـــــ اس کے لئے بتانا ضروری نہیں ہوتا۔ ایسی باتیں خود بخود سمجھ ـا ہیں۔ اور اگر وہ شخص اتنا ہی زیادہ بے وقوف ہے اور سمجھنے کو تیار نہیں تو آپ انہیں بتا دیں۔ بات ـنے گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ سیدھا ان کے پاس جائیے اور صاف کہہ دیجئے۔ پھر جو ہو سو ہو ـــــ ـکم آپ کے دل میں کوئی ملال تو نہیں رہے گا نا ـــــ اور یوں بھی ایسا کرنے کے بعد جو بھی ہو گا، پہلے والی کیفیت سے پھر بھی بہتر ہو گا ـــــ تم اس سے جا کر کہہ دو۔'' اذہان نے مشورہ دیا تھا۔

ـے جو اتنا آسان اور سیدھا دکھائی دے رہا تھا، در حقیقت تھا نہیں ـــــ میرب بھیگی آنکھوں سمیت ـا گئی تھی۔

ـان آنکھوں سے آنسو بہانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے میرب! اس طرح رونے سے کچھ نہیں ہو گا۔'' ـنے جیب سے رومال نکال کر اس کے سامنے کر دیا تھا۔

ـرب سیال کی نظروں میں وہ منظر گھوم گیا تھا۔ جس میں وہ تھی ـــــ اور سردار سبکتگین حیدر لغاری!

ـآنسو نہیں دیکھ سکتا وہ میرے ـــــ اور مجھے اتنا درد دے رہا ہے۔'' دل کی بات لبوں سے بے ـلی پھسل پڑی تھی۔

ـان حسن بخاری نے اسے چونک کر دیکھا تھا۔

ـرب کو بھی یک دم احساس ہوا تھا۔

ـاٹھانے کی ہمت نہیں رہی تھی۔

ـیک دم ایک شرمندگی نے آن گھیرا تھا۔

ـجل سی ہو گئی تھی۔

ـا شخص کو ترچھی نظروں سے دیکھا تھا۔

ـان حسن بخاری اس کی طرف سے دانستہ نگاہ پھیر گیا تھا۔ پھر اٹھا ـــــ اور چلتا ہوا اندر کی جانب

ـرب سیال کو حیرت نہیں ہوئی تھی۔

❄❄❄

ـدار سبکتگین حیدر لغاری نے روسیہ لغاری کی کئی سال پرانی ڈائری الماری سے نکالی تھی۔ اسے یقین ـپھر بھی ایک بار اپنی تسلی کر لینا چاہتا تھا۔

ڈائری کھولی تھی۔

ڈاکٹر فیض بخاری کی ایک تصویر ڈائری سے پھسل کر نیچے کارپٹ پر جا پڑی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے جھک کر تصویر اٹھائی تھی اور بغور دیکھا تھا۔

فیض بخاری ہی وہ شخص تھا جو رومیصا لغاری کی زندگی میں کبھی موجود رہا تھا۔ جس کا انتظار رومیصا لغاری نے ساری زندگی کیا تھا۔

رومیصا لغاری کی یہ چند دی ہوئی چیزیں اس لئے تھیں کہ وہ ان چیزوں کو آگے پہنچا سکے۔ اس شخص تک۔ لیکن اسے نہیں لگتا تھا کہ اب ان کی ایسی کوئی ضرورت باقی رہی تھی۔

"کیا ہوا؟ ——— کیا کر رہے ہو تم؟" گی اس کے کمرے میں کھٹکا کیے بغیر آ گئی تھی۔ وہ اس تصویر کو چھپا بھی نہیں سکا تھا اور شاید چھپانا بھی نہیں چاہتا تھا۔

گی قریب آ چکی تھی اور اس کے ہاتھوں میں بدستور وہ تصویر موجود تھی۔

"کیا ہے یہ؟ ——— دکھاؤ ——— میرب کی تصویر ہے؟ ——— ارے، یہ تو مسٹر بخاری ہیں ——— ان کی تصویر تمہارے پاس کیسے آئی؟" گی کچھ حیران ہوئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری بہت آہستگی سے گویا ہوا تھا۔

"یہ تمہارے مسٹر بخاری ہی ہیں مگر........"

"مگر کیا؟" گی چونکی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری چند لمحوں کو چپ ہوا تھا پھر قدرے توقف سے بولا۔

"شاید یہ بات تمہیں کچھ دکھ دے ——— مگر جو فیض بخاری آج تمہاری زندگی میں اہم ہیں ایسے فیض بخاری کل کسی اور کی زندگی میں اہم رہ چکے ہیں۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری کا لہجہ مدھم تھا۔

"کس کی زندگی میں؟ ——— کیا کہہ رہے ہو تم؟" گی قطعاً سمجھ نہیں پائی تھی۔

"آؤ ——— میں تمہیں بتاتا ہوں۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے ہاتھ سے تصویر لے کر ڈائری میں رکھی تھی اور اسے لے کر چلتا ہوا باہر آ گیا تھا۔

"بات زیادہ طویل نہیں ہے۔" اسے لے کر بیرونی اسٹیئرز پر بیٹھتے ہوئے وہ گویا ہوا۔ خزاں کے درختوں پر سے ٹوٹ کر گرتے ہوئے پتے بھلے لگ رہے تھے۔

گی اسے دیکھ رہی تھی۔ جیسے وہ اس کے بولنے کی منتظر تھی۔

"رومیصا کے بارے میں جانتی ہو نا تم ——— فیض بخاری واز ہی لونگ لو ہر ——— رومیصا جس شخص سے محبت کرتی تھی، وہ فیض بخاری تھے ——— یہی فیض بخاری ——— ساری بات یہ ہے کسی کا بھی کل کیسا ہو سکتا ہے ——— آج اہم ہوتا ہے ——— کل نہیں رہتا۔ سو کل نہیں رہا۔ وہ کل تھی۔ ختم ہو گئی۔ مگر فیض بخاری تمہارا آج ہیں ——— وہ تم سے جو بھی رشتہ یا تعلق بناتے ہیں وہ آج ہو گا۔"

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

"مجھے یہ سب چیزیں رومیصا نے اس لئے دی تھیں کہ میں انہیں فیض بخاری کو دے دوں۔ مگر شاید ان کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ جب ایک نئی زندگی نئے حوالوں سے شروع ہو رہی ہو تو پھر باقی کسی کی یا ذکر کی ضرورت نہیں رہ جاتی ——— ٹھیک کہہ رہا ہوں نا میں؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ مگر اس نے سر اثبات میں ہلانے کی بجائے انکار میں ہلا دیا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے حیرت سے دیکھا تھا۔

"ایسا کچھ نہیں ہے جیسا تم سمجھ رہے ہو۔" اس کے لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ تھی۔ بڑا عجیب سا انداز تھا۔

"کیا مطلب؟" اب کے سردار سبکتگین حیدر لغاری چونکا تھا۔

وہ دھیمے سے مسکرائی۔ پھر رسانیت سے بولی۔

"ہم میں ایسا کچھ نہیں ہے گین!"

"کیا ——— ؟" وہ چونکا تھا۔

"ہاں ——— میں سچ کہہ رہی ہوں۔ وہ سب جو ہوا، وہ بس جذباتی لمحوں کی ایک چھوٹی سی کہانی تھی۔ ت میں بھی جانتی تھی اور فیض بخاری بھی۔"

"تو پھر تم فیض بخاری کو اس طرح ڈھونڈ کیوں رہی تھیں؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری بول رہا تھا جب نے بات درمیان میں کاٹی تھی اور بولی۔

"آئی ڈونٹ سے دیٹ آئی لو ہم ——— آئی ڈونٹ سے دیٹ ایور۔" وہ رسانیت سے مسکرا رہی

"تو پھر وہ سب؟"

"تم غلط سمجھ رہے ہو۔ مجھے فیض بخاری سے محبت کبھی نہیں رہی ——— میں صرف انہیں اس لئے تلاش رہی تھی کہ انہیں بچے کے بارے میں بتا سکوں۔ ایسا نہیں تھا کہ میں اس بچے کی اکیلے ذمے داری نہیں اٹھا سکتی یا اسے پال نہیں سکتی۔ مگر میں صرف اس بچے کو ایک نام دلوانا چاہتی تھی۔ معاشرے میں وہ مقام جو اس کا جائز حق ہے ——— دوسرے فیض بخاری کو بھی اس بات سے آگاہ کرنا چاہتی تھی کہ ان سے وابستہ بچہ اس دنیا میں آ رہی ہے ——— ان سے مل کر، انہیں بتا کر میں ایک ذمے داری سے آزاد ہونا چاہتی تھی ——— ایک فرض پورا کرنا چاہتی تھی ——— اور وہ میں نے آج کر دیا۔ میں اگر انہیں تلاش کر رہی تھی تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ مجھے ان سے محبت تھی۔ یا مجھے ان سے شادی کرنا تھی۔ ایسا کچھ نہیں تھا۔" وہ ان سے کہتی ہوئی پُراعتماد انداز میں مسکرا رہی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے بغور حیرت سے دیکھا تھا۔

کیسی عجیب لڑکی تھی وہ۔

بظاہر محبت کی بات کرتی تھی۔

بظاہر محبت کا ذکر اس کے لبوں پر رہا تھا۔

بظاہر محبت کو ڈی فنڈ کیا تھا اس نے۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کے مقابل تک وہ محبت کے لئے لڑتی رہی تھی۔

اور آج ___!

سردار سبکتگین حیدر لغاری اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ وہ جانتی تھی وہ اسے سطر سطر پڑھ رہا ہے اور وہ شرمندہ ہوئے بغیر مسکرا دی تھی۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟ ___ کیا اچانک بدل گئی ہوں میں؟" دریافت کیا تھا۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے سر انکار میں ہلا دیا تھا۔

"نہیں ___ بدلی نہیں ہو۔ سمجھ میں اب آئی ہو۔"

"تم حیران ہو رہے ہو میں یہاں کیوں تھی؟ ___ کیوں آئی تھی؟ ___ کیوں اتنا عرصہ رہی؟" و بولی تھی۔

"نہیں ___ مجھے ایسی کوئی حیرت اب نہیں ہو رہی گی! ___ ایسی کوئی حیرت مجھے نہیں ہے۔" سردار سبکتگین حیدر اس کی بات کاٹ کر بولا تھا۔

"محبت صرف اپنے بارے میں سوچنا نہیں ہے گین! ___ محبت دوسروں کے بارے میں بھی ا طرح سوچنے کا نام ہے۔ اگر میری طلب اہم ہے، میری ضرورت اہم ہے تو کسی دوسرے کی طلب بھی ا قدر اہم اور خاص ہے۔ اس کی ضرورت بھی اسی قدر شدید ہے۔ یہ ایک چھوٹی سی بات سمجھ لینے سے مح خود بخود سمجھ میں آ جاتی ہے اور ___!"

سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کی طرف دیکھے بغیر اٹھنے لگا تھا۔ جب گی نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ بہت آہستگی سے رکھ دیا تو اس نے کسی قدر حیرت سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

مگر وہ بہت دھیمے انداز میں مسکرا دی تھی۔

"تمہیں یاد ہے گین! جب ہم پہلی بار ملے تھے ___ اس وقت بھی درختوں سے پتے یوں ہی گ رہے تھے ___ یہی موسم تھا اور ___ اور میں نے تمہارے قریب رک کر تم سے یہی کہا تھا کہ مجھ موسم بہت اچھا لگتا ہے ___ مجھے آج بھی یہ موسم اچھا لگتا ہے گین! میں اس موسم میں جی سکتی ہوں خوشی۔ کیونکہ میرے نزدیک محبت صرف بڑھا ہوا ہاتھ نہیں ہے۔ محبت نوازنے والا ہاتھ ہے۔ د ہاتھ ہے۔ دے کر کبھی کبھی اتنی خوشی ہوتی ہے کہ اتنی کچھ لے کر بھی نہیں ہوتی ___ اور میں میرے پاس تو یوں بھی دینے کو کچھ نہیں۔" آہستگی سے ہاتھ پھیلا کر بغور ہاتھوں کو دیکھا تھا۔

"میں کل بھی خالی ہاتھ تھی ___ وقت نے مجھے کچھ دیا ہی نہیں تھا کہ کسی کو نوازتی۔ ایسا ک نہیں جس سے دستبردار ہوتی۔ کسی شے پر میرا حق کبھی تھا ہی نہیں۔"

"اور اس کے باوجود تم یہ سوچتی ہو کہ محبت پھیلا ہوا ہاتھ نہیں ہے ___ محبت صرف دینے کا نا

"ہاں ___ میں ایسا سوچ کر خوش ہوتی ہوں ___ مجھے خوشی محسوس ہوتی ہے یہ سوچ کہ ایک شے پر میرا حق ہو بھی سکتا تھا۔ مگر ہوا نہیں۔ کیونکہ میں نے ایسا چاہا نہیں۔" وہ یک دم ہنس

[illegible] کو ذاتی [illegible] اڑا دینا چاہتی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری اسے اب بھی متواتر دیکھ رہا تھا۔

گی اس کے لئے نہ سمجھے والا معمہ رہی تھی۔

وہ یہاں محبت کے لئے آئی تھی۔

اُسے محبت کی تلاش تھی ___ اور ___!

اگر فیض بخاری کبھی اس کی محبت رہا ہی نہیں تھا تو پھر؟ ___ پھر کون تھا اس کی محبت؟

کس کی خاطر یہ جنوں کا سودا ہوا تھا ___؟؟

کس کی خاطر یہ اضطرابیاں تھیں ___؟؟

یہ نگاہیں کس کی پیاسی تھیں ___؟؟

سردار سبکتگین حیدر جیسے شخص نے سمجھنے میں اتنی دیر کیوں کر دی تھی؟ ___ وہ کیوں سمجھ نہیں سکا تھا۔

"گین! بعض اوقات انسان بالکل بھی سمجھ نہیں پاتا کہ اسے کس شے کی ضرورت ہے ___ نگاہ کے سامنے کچھ اور ہوتا ہے اور وہ تلاش کچھ اور کر رہا ہوتا ہے ___ مگر تمہارے معاملے میں، میں ایسا نہیں چاہتی۔" گی نے اپنا خدشہ بیان کیا تھا۔

وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی سمت دیکھ رہی تھی۔ بھرپور توجہ سے۔ انداز خیر خواہی لئے ہوئے تھا۔

وہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔ وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی خیر خواہ تھی۔ اس کی بھلائی چاہتی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری بھی یہ بات جانتا تھا۔

کئی بار وہ اسے میرب کے لئے قائل کر چکی تھی۔

اس کا دل شفاف تھا۔

شفاف آئینے جیسی تھی وہ۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کو ایک لمحے میں اس چہرے پر بہت ترس آیا تھا۔

ایک لمحے میں اس سے گہری ہمدردی محسوس ہوئی تھی۔

محبت کا ایک روپ تھی وہ ___ اور ___!!!

"محبت کرتی ہو مجھ سے؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے دریافت کیا تھا۔

گی نے اسے بھرپور حیرت سے چونک کر دیکھا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اپنی بات دہرائی تھی۔

"محبت کرتی ہو مجھ سے ___؟"

فضاؤں میں بازگشت سی تھی اور گی اس شخص کو حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

کچھ لمحوں تک وہ واقعی ساکت رہ گئی تھی۔

پھر اس تاثر کو زائل کرنے کو دوسرے ہی پل مسکرا دی تھی۔

"پاگل ہو گئے ہو گین؟" بہت پھیکی سی مسکراہٹ تھی۔

"یہ کیسی فضول کی باتیں کر رہے ہو تم؟ ___ تم میرب کی طرف گئے تھے، کوئی بات ہوئی ہے

اُس سے؟"

محبت
ایک ان کہی سی چپ
اور اس ایک چپ میں
جلتے ہوئے کئی خواب!

سردار سبکتگین حیدر لغاری کچھ نہیں بولا تھا ـــــ اُسے چپ چاپ دیکھتا رہا تھا۔
تبھی وہ دوبارہ مسکرا دی تھی۔
"تگین! ـــــ ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟ ـــــ تم سے کچھ پوچھ رہی ہوں میں، سنا نہیں؟"
تگین نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔
"نہیں ـــــ دیکھ رہا ہوں۔" لہجہ مدھم تھا۔
"کیا؟" بہت دھیمی آواز میں وہ بولی تھی۔
"محبت۔" جواب مختصر سا تھا اور مدلل بھی۔
"محبت؟" وہ چونکی تھی۔ پھر مسکرا دی تھی۔ انداز ٹالنے والا تھا۔ "کہاں ہے محبت؟" جیسے وہ جان بوجھ کر نظر انداز کر رہی تھی۔
"کچھ خواب بھی ہیں!" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی بات کا جواب دیے بنا آگے کہا تھا۔
"خواب؟" وہ چونکی تھی۔
"ہوں ـــــ کچھ جلتے بجھتے خواب ـــــ اتنا کچھ چھپانا کب سے آ گیا گی ـــــ؟" وہ وضاحت طلب کر رہا تھا۔
"کیا کہہ رہے ہو تم گین؟ ـــــ اسٹوپڈ ہو ـــــ میں کیوں چھپانے لگی کسی سے کچھ؟ ـــــ میری بات کا جواب کیوں نہیں دے رہے؟ میرب سے ملے یا نہیں؟ ـــــ اس سے کچھ کہا یا نہیں؟" دانستہ نگاہ چرا رہی تھی۔
جیسے اس کا بہت بڑا قصور ہو۔
خود پر قابو پانا جانتی تھی وہ ـــــ بہت بہادر لڑکی تھی یقیناً۔
سردار سبکتگین حیدر لغاری اسے بغور تکتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔
"گی ـــــ!" پھر کچھ مزید بولے بنا اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ "تمہیں شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے گی! ـــــ محبت کوئی گناہ نہیں۔ اِٹس اے ٹرو فیلنگ ـــــ اس پر زور نہیں ہوتا۔"
گی اپنی جگہ ساکت رہ گئی تھی۔

محبت ان کہے لفظوں میں
چھپا اک راز ہے گہرا!
جیسے گہرے سمندر میں

چھپا اک قیمتی موتی
لفظوں سے عیاں نہ ہو ـــــ!
لفظوں میں بیاں نہ ہو ـــــ!
کہانی مضطرب سی اک
قصہ لا بیان سا اک
سمجھنے کو، سمجھانے کو
دل کا ہونا ضروری ہے!!

"تگین! ـــــ تمہیں زندگی کو سنجیدہ لینے کی عادت اب تک نہیں ہوئی؟"
"نہیں۔" اس نے سعادت مندی سے اقرار کیا تھا۔
"پھر کیا بات ہوئی؟ ـــــ میں نے تم سے پوچھا میرب سے ملے یا نہیں؟ ـــــ بات ہوئی یا نہیں ـــــ!"
"میں تمہارے بارے میں بات کر رہا تھا گی!" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے ایک لمحے میں چپ کرا دیا تھا۔
"شٹ اپ گین! ـــــ تمہاری اپنی بھی کوئی زندگی ہے۔ اس کے بارے میں کیوں نہیں سوچتے؟ اپنے بارے میں سوچو۔"
"اور تم ـــــ تم دوست ہو میری گی! ـــــ یو آر آلسو امپورٹنٹ فور می۔"
"ہاں ـــــ مگر تمہاری زندگی سے زیادہ نہیں۔ یو ہیو ٹو نیڈ جسٹ کونسنٹریٹ آن یور لائف۔" گی نے سرزنش کر دیا تھا۔
وہ جواباً کچھ نہیں بولا تھا۔

پیاس آنکھوں میں
اک جلن ہے ——!
یا پھر یہ آنسو کہ رُکے ہیں
نہیں ہو تم جو قریب میرے
مگر ہو پھر بھی یوں آس پاس

میرے پاس پاس
میرے آس پاس
میں دل کے رستوں پہ
بنا چہرہ
تیرے پلٹنے کی آس لے کر
میں منتظر ہوں
کہیں تو ہوگا
تیرے آس پاس
میرے پاس پاس!

میرب ٹیرس پر تھی جب اذہان حسن بخاری اس کے قریب بنا چاپ کیے آن رُکا تھا۔ وہ چونکی تھی۔ نہ ہی اس کی طرف دیکھا تھا۔
یونہی اسی طرح کھڑی رہی تھی۔
''میرب ——!''
مگر میرب نے اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔
''وہاٹ اباؤٹ دیٹ اسٹوپی ڈٹی؟''
''وہاٹ اِز اسٹوپی ڈٹی؟'' میرب نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا تھا۔ ''تمہیں لگتا ہے ہوگئی ہوں؟''
''نہیں۔ مگر ہو جاؤ گی۔'' اذہان حسن بخاری نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے مدھم لہجے میں کہا۔
''تم سب کو ایسا لگتا ہے تو میں کیا کروں؟ —— میرے ہاتھ میں کچھ نہیں ہے۔'' وہ

ذرکسی قدر ہیلپ لیس بھی۔
اذہان حسن بخاری نے ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے پر پڑے ہوئے بالوں کو ہٹایا تھا۔ پھر ملائمت بولا تھا۔
''ہم سب تم سے کچھ نہیں چاہتے میرب! جسٹ بیک ٹو لائف۔ آئی نو —— آئی کانٹ ایون واٹ آؤٹ —— بٹ جسٹ یو —— اینڈ یور سیلف کین ڈو اِٹ —— لیس میرب! —— یو کین ڈو اِٹ بائے یور سلف۔ اپنے آپ کو اس طرح سزا دینا بند کرو —— اینڈ جسٹ ذی کیئر اباؤٹ یو۔'' اذہان حسن بخاری کے مدھم لہجے میں اس کے لئے بہت ساری کیئر تھی۔
اس کو یقیناً وہ اس حال میں نہیں دیکھ سکتا تھا۔
کچھ دیر تک دونوں کے درمیان خاموشی چھائی رہی تھی۔
میرب اتنی باتوں کے جواب میں بھی کچھ نہیں بولی تھی۔
سر اٹھا کر خاموشی سے اسے دیکھا تھا۔ پھر بہت آہستگی سے سر اٹھا کر اس کے شانے پر رکھا تھا اور زار و قطار رو پڑی تھی۔ اذہان حسن بخاری اس کے لئے تیار نہیں تھا۔
تبھی کچھ حیرت سے اس کے سر کو اپنے شانے پر دھرا دیکھا تھا۔

میرے ہم راہی سنو
آؤ چلیں چاند کے پار
اک دنیا میں کہیں دور
جس میں نہ غم ہوں نہ آنسو ہوں
نہ آہیں ہوں کہیں
اگر کچھ ہو
تیرا پیار ہو ——!
تیرے آس پاس
میرے پاس پاس!

اذہان حسن بخاری نے اپنا بازو اس کے گرد پھیلاتے ہوئے اس کے سر پہ اپنا ہاتھ رکھا تھا۔
''اذہان! —— مجھے کچھ سمجھ نہیں آتا اذہان! کہ کیا ہوگا؟ مگر —— مگر میں جی نہیں پا رہی بہت مشکل لگ رہا ہے اذہان! —— اس شخص کو کھو کر کیسے جیوں گی، پتہ نہیں —— مگر اب سانس بہت بھاری لگ رہی ہے۔'' کتنے اقرار تھے اس لڑکی کے لہجے میں۔ مگر اس کے لئے نہ تھے۔
بہت سے لفظ تھے۔
مگر سب کسی اور کے لئے تھے۔
اذہان دل کے دھڑکنے کی صدا بھی سن رہا تھا۔ مگر اس دل میں اس کے نام کی ایک صدا نہیں تھی۔

کیا تھی محبت ——!

کیا یہی ——؟

کسی کی لگن میں جلتے ہوئے!

اس کے آنسو پونچھنا!

اس کے دُکھ کو اپنی پوروں پر لینا!

اذہان حسن بخاری ساکت سا کھڑا تھا۔ اور وہ اس کے شانے پر سر دھرے اپنے آنسو بہا رہی تھی۔

اذہان کی آنکھوں کے موسم پُر سکوت تھے —— ٹھہرے ٹھہرے، رُکے رُکے!

محبت کو میں نے دیکھا ہے ——!

چپ چاپ چلتے ہوئے

اپنی ہی آگ میں جلتے ہوئے

کچھ کہتے ہوئے

نہ سنتے ہوئے

محبت کو میں نے دیکھا ہے ——!

چپ چاپ ہاتھ ملتے ہوئے

خواب سجا کر آنکھوں میں

کسی کی راہ تکتے ہوئے!

بس اپنی لگن میں جلتے ہوئے!

میں نے دیکھا ہے ——!

محبت کو بہت قریب سے دیکھا ہے!

"میرب! —— سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم فکر مت کرو۔ اس بار تم وقت سے نہیں ہارو گی۔" اس کے آنسو پونچھتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

میں نے دیکھا ہے محبت کو

شب بھر جاگتے ہوئے

روتے ہوئے ——!

محبت کو میں نے دیکھا ہے!

"اذہان! میں اسے جانتی ہوں —— وہ جو سوچتا ہے، وہ کر کے رہتا ہے۔ ٹھان لی تو بس ٹھان لی۔ بہت انا پرست ہے وہ۔ بہت زیادہ ایگوسٹ —— دوسری بات، اذہان! ہی ڈونٹ لو می —— اُسے محبت نہیں ہے —— سو وہ اس رشتے کو لے کر میری طرح نہیں سوچتا —— اس کے لئے کچھ نہیں ہوں —— کچھ بھی نہیں —— یہ رشتہ اس کے لئے توڑنا بہت آسان ہے اذہان! —— کیونکہ یہ رشتہ ہمیشہ اس کے لئے ایک بوجھ جیسا رہا ہے۔ میں اس کے ساتھ رہتی —— اور اُسے

وہی رہتا —— بہت پاس رہتی —— اور کبھی پا ہی نہیں سکی —— قریب رہ کر بھی بہت دور رہا وہ ہے۔ وہ کبھی میرا نہیں رہا —— جانتی ہوں میں، اس کی توجہ ہزار راستوں میں —— ہزار سمتوں بٹی ہوئی ہے —— اس کی کوئی سمت بھی میری سمت نہیں آتی۔ میں اس کے راستوں میں نہیں ہوں اذہان! —— نہ میں اس کی منزل ہوں —— جانتی ہوں میں —— سب جانتی ہوں۔ مگر دل کہ......" آنکھیں چھلکی تھیں اور اس نے سر انکار میں ہلا دیا تھا۔

"دل نہیں مانتا —— وہ پل پل مارتا ہے —— مگر پھر بھی اس کی حمایت کرتا ہے۔ میں کبھی اس کے خلاف نہیں سوچ سکی —— سوچ بھی نہیں سکتی اور —— جی بھی نہیں سکتی —— کانٹ —— لیو ود آؤٹ ہم ——!" عجب اک بے بسی۔ یک دم سے آنسوؤں کے درمیان وہ بولی تھی اور اٹھتی ہوئی وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی۔

اذہان حسن بخاری چپ چاپ کھڑا اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔

❋❋❋

دلوں کے درمیاں اب

کچھ رہا تو نہیں لیکن

محبت اک مسئلہ بن گئی ہے

اُلجھتی ہے نہ سلجھتی ہے

اک کچی ڈور بن گئی ہے

اُسے یہ ضد کہ اب میں بلاؤں

مجھے یہ ضد کہ وہ دور کیوں گئی ہے

دل یہ کہتا ہے فون کر لوں

مگر انا درمیان میں کھڑی ہے۔

"دستگین! —— بچے! کوئی کام نہیں تو گاڑی نکالو۔" مائی نے سیڑھیاں اتر کر اس کی طرف آتے ہوئے کہا تھا۔ وہ جو چائے کے ساتھ سگریٹ کے گہرے کش لیتے ہوئے بڑے ریلیکسنگ انداز میں پڑھ رہا تھا، چونکا تھا پھر سگریٹ فوراً ایش ٹرے میں مسل دی تھی۔ مائی کا اتنا احترام تو تھا۔

مائی نے سگریٹ مسلنے والی حرکت کو نہیں مگر اُسے بغور دیکھا تھا۔

"کیا ہوا؟ —— آپ ایسے کیوں دیکھ رہی ہیں مائی؟"

"یہ کیا حالت بنائی ہوئی ہے اپنی؟ —— ٹھیک تو ہے تو؟"

"میں ٹھیک ہوں مائی! —— آپ کہیں جانے کا کہہ رہی تھیں؟" گین نے اپنی طرف سے توجہ ہٹاتے ہوئے اصل مسئلے کی طرف توجہ مبذول کروائی تھی۔

"ہاں —— میرب کی طرف جانا تھا۔ رخصتی کی بات کرنے۔ لیکن یہ تم اتنے اُلجھے اُلجھے سے دکھائی دے رہے ہو؟ —— کیا مسئلہ ہے؟" مائی نے اُسے جانچتی نظروں سے دیکھا تھا۔

''کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ آپ اتنی صبح سویرے کیوں جا رہی ہیں؟ —— آئی مین شام میں چلی جایئے گا۔ پھر آج چھٹی ہے۔'' تگین نے اپنی دانست میں خاصا معقول جواز دیا تھا۔

''و بج رہے ہیں تگین! —— یہ صبح نہیں ہوتی۔ اور پھر کس نے کہا یہ کہ چھٹی والے دن کسی کے گھر جانا منع ہے؟ —— اور میں کسی غیر سے نہیں، اپنی بہو سے ملنے جا رہی ہوں۔ تم مجھے اس کے لئے منع نہیں کر سکتے۔ اُٹھو اور گاڑی نکالو —— ورنہ ڈرائیور سے کہہ دو۔'' مائی نے دوٹوک کہا تھا۔

تگین کے پاس جیسے کوئی راہ نہیں تھی۔

چپ چاپ اٹھا تھا —— سلیپر پاؤں میں اڑسے تھے اور ان کے ساتھ چل پڑا تھا۔

''چلیں ——؟''

مائی نے ایک بار اس کے حلیے کو دیکھا تھا پھر تنقیدی نظروں سے دیکھ کر اس کے ساتھ ہولی تھیں۔

وہ ڈرائیو کرتے ہوئے پہلے سے زیادہ الجھا دکھائی دیا تھا۔

''آج تو مظہر میاں سے رخصتی کی بات ضرور کروں گی۔ میرب کو جلد سے جلد اپنے گھر لانا چاہتی ہوں۔ اور اب تیری بھی کوئی من مانی نہیں چلے گی۔'' مائی نے مکمل سنجیدگی سے کہا تھا۔ سبکتگین حیدر لغاری نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

''کیا ہوا؟ —— اس طرح چپ چپ کیوں ہے؟ —— کسی بات کا جواب کیوں نہیں دے رہا؟'' مائی نے پوچھا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لئے بولنا ناگزیر ہو گیا تھا۔

''کچھ نہیں مائی! —— آپ بھی پتہ نہیں کیوں —— '' انداز اُلجھا سا تھا۔

''کیا، پتہ نہیں کیوں؟ —— کیا سوچ رہا ہے تُو؟ —— چاہتا کیا ہے؟'' مائی نے ڈپٹتے ہوئے پوچھا تھا۔

''کچھ نہیں۔'' وہ ان کی طرف دیکھے بنا بولا تھا۔

''تُو یہ رخصتی نہیں چاہتا؟'' مائی نے اسے دیکھا تھا۔

''آپ کو اتنی جلدی کیوں ہے مائی؟ —— آخر کس بات کی جلدی ہے؟''

''یہ جلدی ہے؟ —— سال ہونے کو آیا ہے۔ اور کتنا عرصہ؟''

''مجھے نہیں پتہ مائی! —— مگر یہ جلد بازی ہے۔''

''تُو نہیں چاہتا کہ میں رخصتی کی بات کرنے مظہر میاں کے پاس جاؤں تو ٹھیک ہے۔ موڑ لے گاڑی۔ نہیں کرتی کوئی بات۔'' مائی غصے سے بولی تھیں۔

سبکتگین حیدر لغاری کی سمجھ میں بالکل نہیں آیا تھا کہ کیسے سمجھائے۔ گاڑی بھی نہیں روکی تھی۔

''تم گاڑی نہیں موڑ رہے؟''

''نہیں۔''

''مجھے بتاؤ تمہارا پرابلم کیا ہے؟'' مائی نے اسے تنقیدی نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا تھا، جیسے

خیال کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

''کچھ نہیں ہے —— یوں ہی کہہ رہا ہوں۔ ابھی اس کی کیا ضرورت ہے؟'' سبکتگین حیدر لغاری گہری سانس خارج کی تھی۔ معاملہ کب تک چھپاتا۔

کس طرح چھپاتا ——

سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا۔

آج یقیناً بات کھل ہی جانا تھی۔

اور وہ ایسا بالکل نہیں چاہتا تھا۔ تبھی کچھ اُلجھا اُلجھا دکھائی دیا تھا۔ گاڑی اس کے گھر کے سامنے رکی تھی۔ مائی اُتری تھیں اور اس کی طرف دیکھا تھا۔

''اندر نہیں آؤ گے تم؟''

''نہیں —— آپ ہو آئیں۔ میں یہیں ہوں۔''

''باہر ڈرائیوروں کی طرح انتظار کرو گے؟ —— گھر واپس چلے جاؤ۔ میں کیب کر کے آ جاؤں گی۔'' مائی نے اپنی دانست میں شرم دلائی تھی اور چلتی ہوئی اندر چلی گئی تھیں۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری گاڑی میں بیٹھا دیکھتا رہ گیا تھا۔

محبت اک واقعہ ہے جو
وقت کے ساتھ رونما ہوا
اور وقت کے ساتھ ہی
یہ دھندلا جائے گا
نہ یاد رکھنے کو کوئی
بات ہو گی!
نہ شے
نہ کوئی بات ہوئی
ہاں پھنسی ہے اک پھانس سی دل میں!
مگر ——!
محبت اک واقعہ ہی تو ہے ——!
وقت کے ساتھ یہ گزر ہو جائے گا تو
یاد بھی نہ رہے گا کہ ——
محبت خواب موسم میں
دلوں کی سرزمین پر کچھ
خواب لائی تھی ——؟

سردار سبکتگین حیدر لغاری گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکلا تھا اور پھر چلتا ہوا اندر داخل ہو گیا تھا۔

عین سامنے ہی وہ اسٹیئرز پر بیٹھی دکھائی دی تھی۔

قدم جانے کیوں من من بھر کے وزنی ہو گئے تھے۔

میرب نے جو اپنے دھیان میں بیٹھی تھی، سر اٹھا کر سردار سبکتگین حیدر لغاری کی طرف دیکھا تھا۔ دونوں لمحوں تک خاموش رہے تھے۔ کوئی بات نہ کی تھی۔

''تمہیں اندازہ ہے اندر کیا چل رہا ہو گا؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بالآخر پوچھا تھا۔ میرب نے اس کی طرف دیکھا تھا۔ آنکھیں یکدم ہی نمی سے اٹنے لگی تھیں۔ اس نے سرنفی میں ہلا دیا تھا۔

''یو شڈ گو اِن سائیڈ گین!'' میرب نے کہا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری اس کے پاس وہیں بیٹھ گیا تھا۔

''تم یہاں کیوں بیٹھی ہو؟''

''کیا مطلب؟'' وہ چونکی تھی۔ ''میرا گھر ہے ـــــ کہیں بھی بیٹھ سکتی ہوں۔''

''تو پھر اندر جا کر کیوں نہیں بیٹھتیں؟ جہاں وہ سب چل رہا ہے۔'' سردار سبکتگین حیدر نے مدعا بیان کیا تھا۔

میرب سیال دیکھ کر رہ گئی تھی۔

''چاہتے کیا ہیں آپ؟ ـــــ کیا کروں میں؟ ـــــ جیسے میرے ہاتھ میں تو سب کچھ ہے۔'' آنکھوں کی نمی چھلکی تھی۔ مگر اس نے سردار سبکتگین حیدر لغاری کی طرف دیکھے بغیر سختی سے آنکھیں رگڑ دی تھیں۔

''آپ کے ہاتھ میں جو تھا، وہ تو آپ نے کر دیا۔'' عجب اک طنز ہوا تھا۔

میرب سیال دیکھ کر رہ گئی تھی۔

''میں نے کچھ نہیں کیا ـــــ اس بات کی صفائی مجھے آپ کو کتنی بار دینا پڑے گی؟'' وہ تنگ کر بولی تھی۔ سردار سبکتگین نے سپاٹ چہرے سے اسے دیکھا تھا۔

''میں نے منع کیا تھا ناں کہ آپ مائی سے کچھ نہیں کہیں گی؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے جتایا تھا۔

''میں نے کسی سے کچھ نہیں کہا ـــــ آپ کیوں سارا الزام میرے سر رکھ رہے ہیں؟ ـــــ کیوں مجھے سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے؟'' میرب نے شکوہ کیا تھا۔

''یہ ٹھیک نہیں ہے ـــــ میں نے آپ سے کہا تھا، مائی مجھے بہت عزیز ہیں۔''

''مائی مجھے بھی عزیز ہیں۔ تو پھر میں کیا کروں؟ آپ کیوں لائے انہیں؟ ـــــ سمجھا دیتے۔ کچھ بھی کہہ دیتے۔'' میرب نے اپنا دفاع کیا تھا۔

''کیا سمجھاتا؟ ـــــ وہ اتنی ضد کر رہی تھیں کہ میں کچھ کہہ ہی نہیں پایا۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اپنی بے بسی بیان کی تھی۔

دونوں آپس میں جھگڑ رہے تھے۔

کسی ایک میں بھی ہمت نہ تھی، اٹھ کر اندر جاتا اور مسئلے کو نمٹاتا یا کچھ ہونے سے روکتا ـــــ

بس ایک دوسرے کو الزامات دے رہے تھے۔

''مائی کو بہت اعتبار ہے تم پر۔ انہیں کیا پتہ کہ تم......'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔

''میں کیا؟ ـــــ آخر کہنا کیا چاہتے ہیں آپ؟''

''آپ یہی چاہتی تھیں۔'' ایک اور الزام۔

''کیا چاہتی تھی میں؟'' میرب نے واضح الزام پر کسی قدر حیران ہو کر اسے دیکھا۔ ''آپ مجھ پر الزام لگانے سے بہتر ہے خود اپنے بارے میں غور کریں۔''

''میں اپنے بارے میں کیا غور کروں؟ ـــــ کہنا کیا چاہتی ہو تم؟'' گین نے وضاحت چاہی

یہ مسئلہ اتنا کھلا، واضح انداز میں ڈسکس ہو گا، وہ نہیں جانتی تھی۔

''آپ کبھی بھی اس رشتے کو بنانا نہیں چاہتے تھے۔ کبھی بھی نبھانا نہیں چاہتے تھے۔'' میرب نے طور پر کہہ دیا تھا۔

''ہاں ـــــ!'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے غصے کو فوری طور پر دبایا تھا۔ ''تمہیں جو سمجھنا ہے، سمجھ جو فرض کرنا ہے کر لو ـــــ میں اس بارے میں کوئی صفائی نہیں دوں گا۔ نہ ہی مجھے کوئی ضرورت ہوتی ہے کہ کوئی وضاحت کروں۔'' سردار سبکتگین ایک لمحے میں بری الذمہ دکھائی دیا تھا۔ میرب نادم ہو گئی تھی۔ وہ شخص اسے چوکے لگانے سے باز نہیں آتا تھا۔ بے رحمی سے وار کرتا تھا۔

''ٹھیک ـــــ آپ کو جیسا لگتا ہے ویسے سمجھے ـــــ مجھے بھی کوئی صفائی دینے یا وضاحت دینے کی ضرورت نہیں ہے۔'' میرب نے بھی دو ٹوک کہہ دیا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

کن سے مکمل طور پر دھیان ہٹائے وہ بہت اُلجھی ہوئی سی دکھائی دی تھی۔

''ٹوٹ جائے گا یہ رشتہ بھی ـــــ آپ خوش ہو جائیے ـــــ یہی چاہتے تھے آپ۔'' میرب نے مجھ سے کہا تھا۔

''ہاں ـــــ ہو جاؤں گا خوش۔ آپ کو میری خوشی کی پرواہ ہی کب رہی ہے۔'' دونوں صرف ایک دوسرے پر الزامات دے رہے تھے۔ صفائی دینے کی فکر کسی کو نہیں تھی۔

''جتنا میں نے برداشت کیا، کوئی برداشت نہیں کرتا۔'' میرب نے بھیگتی آنکھوں کے ساتھ کہا تھا۔

''کیا برداشت کیا آپ نے؟ ـــــ آپ تو اپنے آپ سے باہر کبھی نکل ہی نہیں سکیں۔ اپنی دنیا میں رہنے کی عادت رہی آپ کو۔ وہی تنگ نظری، وہی چھوٹا سا آسمان ـــــ کبھی کھلے آسمان کو آنکھیں اٹھا کر دیکھا ہی نہیں آپ نے۔ کبھی کوشش ہی نہیں کی۔ کرتی تو شاید آج ایسی کنڈیشن ہم فیس نہ کر رہے ہوتے۔'' گین اپنی غلطی ماننے کو قطعاً تیار نہ تھا۔

''میں تنگ نظر تھی یا آپ ہی آزادی کے بہت زیادہ قائل تھے؟ —— آپ نے تو آزاد خیالی کی حد کر دی تھی۔ اتنا تو کوئی بھی نہیں کرتا۔''

''ٹھیک —— میں نے جو بھی کیا، مانتا ہوں —— آپ کو اب مجھ پر انگلی اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ جیسا چاہتی تھیں سب ویسا ویسا ہو رہا ہے۔ اب تو کوئی ایشو نہیں رہا —— تو انجوائے دی مومنٹ۔ سووائے دی آر فائٹنگ؟ —— جیسا آپ نے چاہا آپ کو مل رہا ہے۔ جیسا میں نے چاہا مجھے مل رہا ہے۔ جب دونوں کی مرضی پوری ہو رہی ہے تو جھگڑا نہیں ہونا چاہئے۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے مصلحت پسندی سے کہا تھا۔

وہ دیکھ کر رہ گئی تھی۔

کتنا کٹھور تھا وہ ——

کتنا بے رحم ——

کتنا سنگ دل ——

''دل نہیں ہے آپ کے سینے میں —— پتھر ہیں آپ۔'' میرب نے واضح طور پر منہ پھیرتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ وہ جواباً دیکھتا رہ گیا تھا۔ پھر دوسرے ہی لمحے سر ہلاتا ہوا بولا تھا۔

''فائن —— ہاں، نہیں ہے —— دل نہیں ہے، پتھر ہے میرے سینے میں، پھر؟ —— آپ نے اپنے دل ہونے کا جتنا ثبوت دیا ہے، صاف دکھائی دے رہا ہے۔ ایک معاملے تک کو تو آپ نے ہاتھ میں رکھا نہیں گیا، دل کی بات کرتی ہیں۔ آپ کو پتہ تھا —— مائی کی کنڈیشن ایسی نہیں کہ وہ سب سہہ سکیں۔ مگر آپ نے پھر بھی صبر نہیں کیا۔''

''میں نے مائی اماں کو کچھ نہیں بتایا —— نہ ہی انہیں یہاں انوائٹ کیا کوئی میٹر ڈسکس کرنے کے لئے۔ آپ اپنی غلطی ماننے کو کیوں تیار نہیں؟ —— سارا الزام میرے سر کیوں رکھ رہے ہیں؟'' وہ بھیگتی آنکھوں کے ساتھ بولی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری جانے کیوں کچھ کہے بنا اس چہرے کو دیکھتا رہ گیا تھا۔

میرے ہم راہی سنو
آؤ چلیں چاند کے پار
ایسی دنیا میں کہیں دور
جس میں نہ غم ہو نہ آنسو ہوں
نہ آہیں ہوں کہیں
اور کچھ ہو ——
میرا پیار ہو ——
تیرے آس پاس
میرے آس پاس

وہ سر جھکائے آنسو بہا رہی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کو جانے کیا ہوا تھا —— اس کی طرف کھنچا چلا گیا تھا۔ پھر ہاتھ بڑھایا تھا اور بہت آہستگی سے اس کے چہرے کو اوپر اٹھایا تھا۔

وہ اپنی پوروں سے اس کے آنسوؤں کو پونچھنے لگا تھا

میرب سیال ساکت سی رہ گئی تھی۔ مگر اس حیرت سے قطع نظر وہ اس کے آنسو پونچھ رہا تھا۔

کبھی تنہا جو ہوئی تم
کسی جیون کے سفر میں
میری آواز سنو گی
کہیں میری دھڑکن میں
زندگی مجھ کو بھی
تجھ سے جدا بھی کر دے
بند آنکھوں کے دریچوں میں
تجھے دیکھوں گا ——!
میرے سائے کی طرح
تم تو رہو گی ہر پل میں
میرے آس پاس ——
میرے پاس پاس ——

میرب کی نگاہ میں بھرپور حیرت تھی۔ مگر وہ اس حیرت کی کوئی پرواہ کئے بنا اٹھا تھا —— اور چلتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔

کیا تھا یہ شخص —— ؟
کیسا تھا —— ؟
کیا چاہتا تھا —— ؟
کیا تھا دل میں اس کے —— ؟
اتنا نہ سمجھ میں آنے والا کیوں تھا —— ؟
آخر سمجھ میں کیوں نہیں آتا تھا —— ؟

وہ بھیگی پلکوں سے اس شخص کی پشت کو جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

یقین ہے مجھ کو
تم بھی اک دن
چلے ہی آؤ گے
میں جی اٹھوں گی
اک جہاں کی

میرے آس پاس
تیرے پاس پاس
تیرے آس پاس
میرے پاس پاس!
کتنے ارماں تھے ـــــ کتنے خواب! ـــــ سب اس شخص سے جڑے تھے ـــــ!
اور وہ سمجھنے کی کوشش تک نہیں کرتا تھا۔

❋❋❋

"کہاں ہو ان دنوں؟ ـــــ کتنے دنوں سے گھر کا چکر بھی نہیں لگایا۔ میں نے سوچا فون کر کے پوچھ لوں، میری بہن ٹھیک تو ہے۔" اوزان نے اس کے فون اٹھاتے ہی کہا تھا۔

عفنان علی خان کچھ ہی فاصلے پر بیٹھا ٹی وی پر نیوز دیکھ رہا تھا۔ انابیہ کا دل کٹ کر رہ گیا تھا۔ اور کچھ بھی، جل کر بس یہی کہہ سکی تھی۔

"ہاں، میں ٹھیک ہوں ـــــ بس یونہی چکر نہیں لگایا۔ وقت نہیں ملا ـــــ گھر میں سب ٹھیک ہیں؟ دادا ابا ـــــ ممی ـــــ؟" انابیہ اپنے اندر سے اٹھنے والی غصے کی لہر کو دباتے ہوئے کسی قدر پُرسکون انداز میں بولی تھی۔

عفنان دانستہ بے فکر اور لاتعلق نظر آیا تھا۔ ورنہ پورا دھیان اسی طرف تھا۔

"کہیں تمہارے میاں نے کرفیو تو نافذ نہیں کر دیا؟" اوزان نے چھیڑا تھا۔

"ہاں ـــــ کرفیو ہی لگایا ہوا ہے۔ تم لوگ آ جاؤ۔"

"سوچ رہا تھا میری بہن، میری شادی میں پیش پیش ہو۔ مگر تمہیں تو کوئی فکر ہی نہیں۔" وہ شکوہ کر رہا تھا۔

"لڑکی دیکھ لی؟"

"لڑکی دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ ـــــ لڑکی دیکھی ہوئی ہے ـــــ بس اسے منانا ہے۔"

"کون؟" وہ چونکی تھی۔

"تم جانتی تو ہو۔" اوزان نے یاد دلایا تھا۔ "ایک ہی لڑکی تو تمہارے بھائی کی زندگی میں آئی تھی۔ اب بھی وہی ہے۔ اس کو منانا ہے۔ اب بھول مت جانا۔"

"لامعہ کو؟" وہ عفنان علی خان کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ "میں کیسے مل سکتی ہوں اس سے؟ ـــــ آئی مین، یہاں فی الحال گھر میں بہت کام ہیں نا۔ پھر ممی پاپا بھی ابھی تک واپس نہیں آئے۔" اس نے دانستہ بہانہ کیا تھا۔ اور اس شخص کا دفاع کر دیا تھا۔

عفنان علی خان سن رہا تھا۔
دل کو کچھ حد تک تو سکون ملا تھا۔
وہ اس کی بات مان رہی تھی۔

...کچھ تو سمجھتی تھی۔

...شتے کی ڈور اتنی اُلجھی ہوئی تھی تو کچھ سلجھی ہوئی تھی۔ کسی ایک نقطے پر تو ڈور اتنی کھنچی ہوئی نہیں...
...دل کو یہ اطمینان کچھ اچھا لگا تھا۔

...یری آنکھوں میں رات جلتی ہے
...ات میں کئی خواب جلتے ہیں
...یے جلتے نہیں!
...ے یہ کیسے بتاؤں کہ
...جان جلتی ہے ـــــ!
...ب چھلکتی ہے!
...ڈلجھ دل سلگتا ہے!
...یے جلتے نہیں!

...فنان علی خان کچھ مسرور تو ہوا تھا۔

...قیدی بنا رکھا ہے ـــــ جیسے میری کوئی اپنی مرضی ہی نہیں ـــــ جو کہیں گے، وہی کروں گی۔
...وقوف ہوں نا۔" وہ فون بند کر کے منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی ہوئی کچن کی طرف بڑھ گئی تھی۔

...رتھا ـــــ بندوق کا رخ مڑ گیا تھا۔
...نا اس کا جھگڑا کرنے کا کوئی موڈ نہیں تھا۔
...ب کچھ "ہوائی فائر" ہوئے تھے۔

...ابھی یہی ـــــ اس کے کچن میں چلے جانے سے وقتی طور پر کچھ سکون ہو گیا تھا جس پر عفنان ...ہی کیا تھا۔ اس کے مسلسل بولنے سے جو نیوز سننے کا کونسنٹریشن ٹوٹ رہا تھا۔ اب پھر سے بحال ...ا۔ کچھ ہی دیر میں وہ کچن سے دوبارہ نکلی تھی۔

...نا اس بار کوئی فائر نہیں تھا۔

...نا سکون تھا۔ اور چائے کے دو مگ اس کے ہاتھ میں تھے۔ وہ مکمل خفگی سے چلتی ہوئی اس کی ...آئی تھی۔ اور چائے کا مگ اس کی طرف بڑھا دیا تھا۔

...ن علی خان نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ وہ خفا خفا سی بنا اس کی طرف دیکھے چائے کا کپ ...کھڑی تھی۔ عفنان علی خان نے سر اٹھا کر اس کا چہرہ دیکھا تھا۔ پھر ایک ہاتھ سے اس سے مگ ...ے دوسرے ہاتھ سے اس کی کلائی کو تھاما تھا۔ وہ اس سانحے کے لیے قطعاً بھی تیار نہیں تھی۔
...ا چونکی تھی ـــــ دوسرے ہاتھ میں پکڑا کپ یکدم ہی چھلک گیا تھا گرم چائے عفنان علی خان ...پر گری تھی۔

...ے؟ ـــــ دیکھ کر نہیں پکڑ سکتے تھے چائے؟" وہ فوراً مگ ٹیبل پر رکھتے ہوئے اس پر جھکی ...کف کھلا تھا اور آستین اوپر چڑھائی تھی اور اس کی کلائی دیکھی تھی جو گرم گرم چائے گرنے

سے سرخ پڑ گئی تھی۔ وہ خالصتاً بیویوں والے کیئرنگ انداز میں بولی تھی۔ وہ بنا چونکے، بنا پکھ
بدستور اسی توجہ سے اسے دیکھتا رہا تھا۔

اس کا چہرہ اس کے چہرے کے کچھ قریب تھا۔

اس کی خوشبو کئی احساسات جگا رہی تھی۔

"رکیے ــــ میں دوا لاتی ہوں۔ یہاں بیٹھیے گا۔ واپس آتی ہوں۔" وہ جانے کو پلٹی تھی۔ مگر ہاتھ وہیں گرفت میں رہ جانے کے باعث دوسرے ہی پل واپس مڑی تھی۔

نگاہ اس شخص کی نگاہ سے ملی تھی

ایک لمحے میں اپنا آپ جلتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

اور نگاہ جھکتی چلی گئی تھی۔

اناہیہ کے لئے اس لمحے کی گرفت سے فرار جیسے ممکن نہیں رہا تھا۔ عفنان اس لمحے بے خودی کے اثر تھا۔

کچھ سوچنے، کچھ سمجھنے کو تیار نہ تھا۔

اس کا ہاتھ اس طرح تھامے تھامے وہ کھڑا ہوا تھا۔

اس کے جھکے ہوئے چہرے کو اوپر اٹھاتے ہوئے بغور دیکھا تھا۔

اناہیہ کی وہ کیفیت تھی کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ وہ اس لمحے بت بنی ساکت سی کھڑی تھی۔

سانس جیسے رکی رکی سی تھی۔ مگر چہرہ سرخ پڑا ہوا تھا۔

وہ شخص سارے حق محفوظ رکھتا تھا ــــ وہ چاہتی بھی تو اسے باز نہیں رکھ سکتی تھی۔

مگر دھڑکنوں کے ارتعاش کا کیا کرتی؟ ــــ دل اتنے زور سے دھڑک رہا تھا جیسے سینہ توڑ ابھی باہر آ جائے گا۔

عفنان نے ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے پر آئے ہوئے بالوں کو پیچھے ہٹایا تھا۔

اس کا لمس اناہیہ کے اندر پل میں کئی احساس جگا گیا تھا۔

تبھی فون بجا تھا۔

اناہیہ چونکی تھی ــــ ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھڑانا چاہا تھا۔ مگر عفنان علی خان کی گرفت اس کلائی پر کمزور نہیں پڑی تھی۔

فون بجتا چلا گیا تھا۔

عفنان اس لمحے عجب دیوانگی کے حصار میں تھا۔

اناہیہ کو "فون" ہی فرار کی صحیح راہ دکھائی دیا تھا۔ تبھی کمزور سے لہجے میں بولی تھی۔

"فو......فون ہے۔"

کلائی ایک بار پھر چھڑانے کی کوشش کی تھی۔

مگر عفنان علی خان نے کچھ بھی سنے بغیر اسے بازوؤں میں اٹھا لیا تھا اور لے کر بیڈ روم کی طرف

بڑھنے لگا تھا۔

اناہیہ کے حواس خطا ہو گئے تھے۔ دھڑکنوں کی آواز اسے کانوں میں گھستی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ عفنان علی خان کی دیوانگی کے سامنے وہ جیسے بے بس تھی۔ اس شخص کے ساتھ قربتوں کا ایسا لمحہ بھی آئے گا ــــ اس کے بارے میں اس نے سوچا تک نہ تھا۔

وہ نوازشوں پر اتنا مائل ہو گا ــــ وہ نہیں جانتی تھی۔

ایسے کسی کرم کے بارے میں اس نے نہیں سوچا تھا۔ فرار کے سارے راستے ایک لمحے میں مسدود کر دیئے تھے۔

اس کی خواہشوں کے سامنے وہ کوئی دیوار نہیں اٹھا سکی تھی۔

سارے "دائرے" ایک ہی لہر سے مٹتے دکھائی دیئے تھے۔ وہ کوئی تعرض نہیں کر سکی تھی۔

فون متواتر اب بھی بج رہا تھا ــــ!

❊ ❊ ❊

"کتنے دنوں بعد ملے نا ــــ لانگ ٹائم! کہاں ہوتے ہو؟" ساہیہ نے مسکراتے ہوئے اس کی جانب دیکھا تھا۔ وہ قصداً مسکرایا تھا۔

"یار سوری! ــــ کچھ بزی رہا۔"

"اوہ ــــ رائٹ۔" ساہیہ نے مسکراتے ہوئے ہونٹ سکوڑے تھے۔ "ایک دم سے کچھ زیادہ مصروف ہو گئے آپ؟" ساہیہ نے کوئی طنز نہیں کیا تھا۔ کوئی جواز نہیں چاہا تھا۔

مگر وہ خود ہی اپنی جگہ شرمندہ سا ہو گیا تھا۔

"آئی ایم سوری ساہیہ!"

"اٹس او کے ــــ آئی کین انڈر اسٹینڈ۔ اتنا تو سمجھ سکتی ہوں۔ شاہ گروپ آف انڈسٹریز کے ایم ڈی ہو ــــ تھوڑے سے بزی ہونے کا حق تو تمہیں ہے۔" وہ بدستور خوشگوار موڈ میں تھی۔ "کئی بار کال کی مگر آپ کا سیل بھی میسج پر لگا ہوا تھا۔ آپ تو واقعی بڑے بزی ہو گئے۔"

"آئی ایم سوری ساہیہ! ــــ تمہیں اتنا وقت نہیں دے سکا۔ مگر پچھلے کچھ دنوں سے میں واقعی بزی تھا۔"

"اوکے، اوکے ــــ اب یہ بزی والا چیپٹر کلوز کرتے ہیں۔ آپ کے پاس بھی وقت ہے اور میرے پاس بھی۔ چلو کہیں باہر چلتے ہیں۔" ساہیہ نے کہا تھا۔

"ساہیہ! میں چلوں گا۔ مگر یو ہیو ٹو ویٹ فور آور ــــ ایک میٹنگ ہے۔ اس کے بعد فوراً۔"

"اوہ، رائٹ۔" ساہیہ کا چہرہ ایک لمحے میں بجھ سا گیا تھا۔

اس کا چہرہ ایک کتاب تھا جیسے ــــ سارے تاثرات ایک پل میں واضح تھے۔

ذیشان کو ایک لمحے میں گہرے ملال نے گھیرا تھا۔

وہ اپنی سیٹ سے اٹھا تھا اور چلتا ہوا اس کے پاس آن رکا تھا۔ ساہیہ اس کی طرف بالکل بھی متوجہ

نہیں تھی۔ اذہان نے اُسے شانوں سے تھام کر اس کا رُخ اپنی جانب موڑا تھا اور مسکراتے ہوئے اس کا
چہرہ اوپر اٹھایا تھا۔

"کیا ہو گیا؟ ــــــ ناراض ہو گئیں کیا؟"

ساہیہ نے اس کی طرف دیکھا تھا۔ پھر مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔ مگر عجب ایک پھیکی سی
مسکراہٹ تھی اذہان کو اپنی کوتاہی کا مکمل احساس ہوا تھا۔

"آئی ایم سوری ساہیہ! ــــــ میں پچھلے کچھ دنوں میں تمہیں واقعی وقت نہیں دے پایا۔ مگر ــــــ
او کے ڈیئر۔" اس نے اسے کہہ کر فون اٹھایا تھا۔

تبھی اس کی اسسٹنٹ اندر داخل ہوئی تھی۔"

"اذہان! میٹنگ کا وقت ہو گیا ہے۔ تم نے وہ فائل دیکھ لی تھی جو میں نے تمہیں بھجوائی تھی؟"

"ہاں ــــــ بٹ ــــــ آئی ایم ناٹ ایبل ٹو اٹینڈ دیٹ میٹنگ۔ سو پلیز پوسٹ پون اٹ اِ
ہینڈل اٹ بائے یور سیلف۔" اذہان اتنی روانی سے بولا تھا کہ ساہیہ اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

"اوہ اچھا ــــــ" اسسٹنٹ نے اسے مسکراتے ہوئے جانچتی نظروں سے دیکھا تھا پھر سر ہلا
تھا۔ "او کے ــــــ نو پرابلم۔ آئی ول ہینڈل اٹ۔"

"یس، آئی نو دیٹ ــــــ آپ یہ فائل لے جائیے اور سب دیکھ لیجئے۔ کل مجھے رپورٹ کر دیجئے
گا۔ او کے۔"

"او کے ــــــ ٹھیک ہے، میں جاتی ہوں پھر بورڈ روم میں ــــــ سی یو آفٹر ٹائم۔" اسسٹنٹ
کہتی ہوئی پلٹ کر باہر نکل گئی تھی۔

اذہان نے دوبارہ اس کی طرف دیکھا تھا۔ ساہیہ کسی قدر حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"کیا ہوا؟" اذہان مسکرایا تھا۔

"وہاٹ یو ڈو؟! ــــــ کیا ضرورت تھی میٹنگ چھوڑنے کی؟! ــــــ تم نے میرے لئے ا
میٹنگ چھوڑ دی؟" وہ واقعی حیران تھی۔ بلکہ حیران سے زیادہ وہ اسے ڈیفنڈ رہی تھی۔

مگر وہ مسکرا دیا تھا۔ پھر اسے شانوں سے تھام کر اس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

"ساہیہ! ــــــ تم میرے لئے ان سب چیزوں سے زیادہ اہم ہو۔ یوں بھی یہ میٹنگ اتنی ا
نہیں تھی۔ مسز سارہ احمد ان سب چیزوں کو بہت اچھا دیکھ سکتی ہیں۔"

"اسٹوپڈ ہو تم اذہان! ــــــ تمہیں میرے لئے یہ سب کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"تمہارے لئے نہیں۔"

"پھر ــــــ؟"

"اپنی بیٹر ہاف کے لئے۔" وہ مسکرا دیا تھا۔

ساہیہ بھی مسکرا دی تھی۔

"چلو ــــــ کہاں جانا ہے؟ ــــــ ویسے تم سامنے ہو تو مجھے یہ آفس کا سڑا ہوا ان وائرمنٹ

رومینٹک ساؤنڈ کرتا ہوا لگتا ہے۔" وہ شرارت سے بولا تھا۔

وہ مسکرا دی تھی۔

"کیا بات ہے؟ ــــــ کچھ زیادہ ہی پیار جتا رہے ہو۔"

"ہاں، تو کیا مطلب؟ ــــــ اب اپنی ہونے والی بیوی سے پیار بھی نہ جتاؤں؟ ــــــ ٹھہرو
یا فون کر کے مسز سارہ احمد کو بلاتا ہوں اور ساری محبت ان سے جتاتا ہوں۔ پھر تو خوش ہو جائیں گی نا
پ۔" وہ یکدم ہی بہت موڈ میں دکھائی دیا تھا۔ مگر ساہیہ مسکرائی نہیں تھی۔

"اے ــــــ اب کیا ہوا؟ ــــــ یوں چپ چاپ کیوں ہو گئیں؟ ــــــ یار! تم کہو تو تمہارے
یہ دنیا بھی چھوڑ دوں۔ یہ تو صرف میٹنگ تھی۔"

"شٹ اپ اذہان!" ساہیہ نے اسے ڈپٹا تھا۔

"خدانخواستہ ــــــ" وہ ایک دم ہی بہت متفکر دکھائی دی تھی۔

"اے، ریلیکس ــــــ کڈنگ ــــــ اس میں اتنا سیریس ہونے کی کیا بات ہے؟" اذہان نے
ے خاموش دیکھ کر اس کے سر پر ایک چپت لگائی تھی۔

"لیکن تم ایسی بات مذاق میں بھی نہیں کہو گے اذہان!" ساہیہ نے وارن کیا تھا۔ وہ سر ہلاتا ہوا
زا دیا تھا۔

"ٹھیک ہے ــــــ نہیں کہوں گا۔ خوش؟" اسے مطمئن کرنا چاہا تھا۔ "پاگل ہو تم۔ یہ تم لڑکیاں اتنی
اپڈ کیوں ہوتی ہو یار؟ ــــــ ذرا ذرا سی بات پر خوش ــــــ ذرا ذرا سی بات پر اُداس ــــــ ذرا
ی بات پر خفا ــــــ تم لوگوں کی سمجھ بالکل نہیں آتی۔ تم لڑکیوں کو سمجھنے کے لئے آدمی کا آدھا پاگل
ضروری ہے۔" اسے معمول پر لانے کی کوشش کی تھی۔ مگر وہ مسکرائی نہیں تھی۔

"اے ساہیہ! ــــــ وہاٹ از ڈس؟ ــــــ یہ منہ پر بارہ کیوں بجے ہیں؟ ــــــ اب کیا ہے؟"
ن نے جواز پوچھا تھا۔

"اذہان! ــــــ آئی ایم ناٹ سلفش ــــــ تم میرے رہو نہ رہو مگر تمہیں کچھ نہیں ہونا چاہئے۔
تمہارے ساتھ رہوں یا نہ رہوں بٹ آئی وانٹ ٹو سی یو آل رائٹ۔"

"اوہ، رائٹ ــــــ ٹھیک ــــــ کتنا ڈیپ سوچتی ہو تم ساہیہ! کتنی ڈیپ ہو تم۔" اذہان بولا تھا مگر
وہ نہیں بولی تھی۔

کتنا چاہتی تھی وہ۔

دل میں کتنی محبت تھی اُس کے۔

وہ محبت بھی کتنی بے ریا ــــــ!

اور ساری کی ساری اُس کے لئے تھی۔

اس کا سارا پیار ــــــ!

اور وہ کیسے بے خبر تھا اُس سے۔

اذہان نے لمحہ بھر کو سوچا تھا تو بہت شرمندگی سی محسوس ہوئی تھی۔

''چلو—— ''مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔ ''کہیں دور—— لمحوں کو اپنا کرنے۔''

''اگر تم اپنے ہو تو لمحے پرائے نہیں۔''

''مگر اور اپنا کرنے—— جتنے لمحے اچھے ہوں سب ہمارے ہوں۔ یہ چاہتا ہوں میں۔'' وہ مدھم لہجے میں بولا تھا۔ ''تم ایسا نہیں چاہتی؟'' اس کی طرف بھرپور توجہ سے دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

وہ چند لمحوں تک اس طرح خاموشی سے دیکھتی رہی تھی، پھر مسکرا دی تھی۔

''چاہتی ہوں—— بہت چاہتی ہوں۔'' سر ہلایا تھا۔

''تو پھر؟—— پرابلم کیا ہے؟'' وہ ہنسا تھا۔

''پرابلم؟—— اوں، ہوں—— شاید کچھ نہیں—— ایک بات بتاؤ گے؟''

''ہاں، پوچھو۔''

''کس بات کا ازالہ کرنے کے لئے یہ سب کر رہے ہو؟—— اتنا زیادہ بولنے کے عادی تو تم کبھی بھی نہیں رہے۔ پھر اب؟''

وہ جو سمجھ رہا تھا وہ اپنی جگہ اپنے آپ کو سنبھالے ہوئے اور چھپائے ہوئے ہے، ایک لمحے میں حیران ہوا تھا۔

یعنی وہ نگاہ اُسے جان گئی تھی۔

ساہیہ نے اُسے پکڑ لیا تھا۔

دراصل یہ تھا دل کا تعلق!

وہ اُسے دل سے سمجھ رہی تھی——

دل سے جان رہی تھی——

دل سے پڑھ رہی تھی——

سطر سطر——

وہ مسکرا دیا تھا۔

''میں نے ٹھیک کہا تھا ساہیہ!—— کسی ذہین لڑکی سے محبت ضرور کرلو—— مگر شادی مت کرو.. بڑی پرابلم ہو جاتی ہے یار!—— چھوٹی چھوٹی چیزوں پر پکڑ لیتی ہے۔'' وہ ہنس دیا تھا۔ ساہیہ بھی مسکرا دی تھی۔

''تمہیں جتنے مزے کرنے ہیں کر لینا، میں تمہیں نہیں پکڑوں گی۔ اگر میں تمہاری بیوی ہوئی تو۔''

''تو؟—— اب یہ تو بیچ میں کہاں سے آ گیا؟—— کم آن یار! انگیج منٹ ہو چکی ہے ہماری آئندہ چند برسوں میں شادی بھی ہو جائے گی۔'' وہ مسکرا دیا تھا۔

''چند برسوں میں؟'' ساہیہ نے اسے گھورا تھا۔ وہ ہنس دیا تھا۔

''بہت جلد—— واٹ کنڈنگ—— جسٹ وانٹڈ ٹو میک یو لاف۔'' وہ اتنی معصومیت سے بولا:

کہ وہ مسکرا دی تھی۔

اذہان نے اسے بغور دیکھتے ہوئے اس کا ہاتھ تھاما تھا اور بہت آہستگی سے لبوں سے لگا لیا تھا۔

''ساہیہ!—— تم پاس ہوتی ہو تو سب بہت اچھا لگتا ہے۔ پلیز آل ویز بی ریڈی فور می۔ آل بی وارڈز'' اذہان نے جیسے ایک درخواست کی تھی۔

ساہیہ نے اس کی طرف دیکھا تھا۔ پھر بہت آہستگی سے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

❋ ❋ ❋

کالج کے تھے سارے وعدے
رشتے یا کچے تھے دھاگے
دل کے تاروں کو چھو کر
تم کہاں چل دیئے
سرہانے میرے تو آ کے
بانہوں میں مجھے لٹا کے
خواب سہانے دکھا کے
تم کہاں چل دیئے——!
اب اس پل میں جینا
تم بن مشکل ہے!
موسم یہ پھر اب آئے نہ
جس میں ہم تھے!
جس میں ہم تھے!

''زوباریہ! مجھے آپ سے کچھ پوچھنا ہے۔'' زوباریہ کچن میں کام کر رہی تھی جب وہ چلتی ہوئی اس کے پاس آن رکی تھی۔

''ہاں پوچھو۔'' زوباریہ بولی تھی۔

''اس روز مائی آئی تھیں۔''

''ہاں—— پھر؟''

''آپ مجھے بتا سکتی ہیں، کیا بات ہوئی تھی؟''

''نہیں——!''

''کیوں——؟'' وہ چونکی تھی۔

''کیونکہ مجھے بھی پتہ نہیں کہ کیا بات ہوئی۔ مظہر نے مجھے وہاں سے جانے کے لئے کہہ دیا تھا۔ اور میں بالکل نہیں جان پائی تھی کہ ان کے درمیان کیا ڈسکس ہوا۔ کیوں، کیا ہوا؟'' زوباریہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔ ''تم اتنی پریشان کیوں ہو؟''

"آپ کو لگتا ہے کہ یہ بات اتنی آسان ہے اور مجھے اس کے لئے بالکل بھی پریشان نہیں ہونا چاہئے؟"

"نہیں ——— ایسا میں نے نہیں کہا۔"

"تو پھر؟ ——— زوباریہ! میری زندگی کی اتنی بڑی بات ہے یہ ——— اتنا بڑا فیصلہ اور مجھ ہی سے ہر بات چھپی ہوئی ہے۔" اس کا ضبط جواب دے گیا تھا۔

"ریلیکس ——— تمہیں اس سب کے بارے میں یا تو اپنے پاپا سے بات کرنی چاہئے یا پھر مائی سے۔ کل ان کے بیچ جو بھی ڈسکس ہوا وہ دونوں ہی جانتے ہیں اور کوئی نہیں۔ تم ٹھیک کہتی ہو ——— تمہاری زندگی کا سب سے بڑا فیصلہ ہے یہ اور تم ہی اس کے بارے میں نہیں جانتی۔ یو ہیو نیڈ ٹو ٹاک ٹو یور فادر ——— اپنے پاپا سے بات کرو۔ انہیں لگتا ہے وہ تمہارے سب سے بڑے خیر خواہ ہیں۔ انہیں کم از کم یہ تو بتا دو کہ وہ کتنا غلط سوچ رہے ہیں۔ تم جاؤ اور انہیں سب کچھ بتاؤ۔ ان سے پوچھو یہ جو درمیان اتنا زیادہ گیپ ہے نا، اٹس ناٹ گڈ۔ تمہیں یہ ڈسٹنس کو ختم کرنا ہوگا۔ میں حیران ہوں تم اتنی بزدل کیسے ہو؟ ——— اب تک بات کیوں نہیں کی؟ ہی از یور فادر ——— حق ہے تمہارا ان سے بات کرنا۔ ان سے ڈسکس نہیں کرو گی تو اور کس سے کرو گی؟"

زوباریہ نے اسے سمجھایا تھا۔ زوباریہ غلط نہیں کہہ رہی تھی۔ وہ ٹھیک سمجھا رہی تھی۔

اس نے ہی مروت اور لحاظ میں اتنی دیر کر دی تھی۔

وہ اٹھی تھی اور باہر نکل گئی تھی۔

پاپا تو گھر پر نہیں تھے۔

اس نے گاڑی کی چابی اٹھائی تھی اور باہر نکل آئی تھی۔

❄ ❄ ❄

تنکا تنکا جوڑ کر میں نے
گھر بنایا تھا جو وہ
بکھر گیا تھا لیکن ———!
میں نے ہواؤں کو اب
اپنے بس میں کر لیا ہے!
اب اس گھر کو
آندھیوں کا کوئی
ڈر نہیں رہا ———!

"کتنا بکھر گیا تھا نا سب ——— مجھے لگتا ہی نہیں تھا کہ یہ سب ٹھیک ہوگا ——— مگر آج ایک بار پھر سب کچھ اپنی جگہ پر ہے۔ رشتوں کی ڈور کچھ الجھ ضرور گئی تھی مگر وقت نے اسے ٹوٹنے نہیں دیا۔"

فارحہ گلدان میں پھول سجاتی ہوئی بولی تھیں۔

اگینے نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

شیفون کی فیروزی ساڑھی میں، اونچی بنی، دھان پان سی فارحہ بہت خوش اور بہت مطمئن لگ رہی تھیں۔

"کیا ہوا؟ ——— ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟" اس کے دیکھنے پر فارحہ چونکی تھیں۔ تبھی اگینے مسکرا دی تھی۔

"آپ بہت اچھی لگ رہی ہیں بھابی! ——— ایک بار پھر سے مکمل۔ بہت دنوں بعد آپ کو خوش دیکھا ہے اور بہت اچھا لگ رہا ہے ——— خدا آپ کو خوش ہی رکھے۔"

"تمہیں بھی اگینے! ——— یہ زندگی جو ہے نا، بہت عجیب شے ہے۔ اس کو اپنے ساتھ رکھنے کے لئے اس کے ساتھ ساتھ چلنا پڑتا ہے۔ ایک قدم پیچھے چلو گی تو لمبے سائے بننے لگیں گے۔ دو قدم آگے چلو گی تو وقت تمہیں دبا دے گا۔ سو میانہ روی یہی ہے کہ زندگی کا ہاتھ تھام کر اس کے ساتھ ساتھ چلو۔ بس ایک لمحے میں زندگی سے کوئی ایک قدم پیچھے رہ گئی تھی اور وقت نے مجھے چھوڑنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ آج بہت عرصے کی محنت کے بعد میں اس وقت سے دوبارہ مل پائی ہوں۔ قدم سے قدم دوبارہ ملا پائی ہوں۔ اور اب میں نے ٹھان لی ہے ہمیشہ وقت کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر ہی چلوں گی۔ آج بہت دنوں بعد سعد شام میں اس گھر واپس آ رہے ہیں اور گھر کو میں اس طرح سجا سنوار رہی ہوں۔"

فارحہ واقعی خوش دکھائی دے رہی تھیں۔

"بھابی! ——— کسی کو معاف کر دینا اتنا آسان ہے کیا؟ ——— کیا واقعی دل اتنا بڑا ہو سکتا ہے؟"

اگینے کچھ الجھی ہوئی سی دکھائی دی تھی۔

فارحہ نے پلٹ کر اسے دیکھا تھا، پھر بولی تھیں۔

"اگینے! ——— عورت کا دل بہت بڑا ہوتا ہے۔ ایک بار نہیں، کئی بار معاف کر سکتی ہے یہ۔ بڑی سے بڑی خطاؤں کو نظر انداز کر سکتی ہے۔ مگر مرد کے لئے یہ سب کرنا کچھ مشکل ہے۔"

"آپ نے سعد بھائی کو واقعی معاف کر دیا؟"

"ہاں ——— کیونکہ میں صرف اپنے آپ کو نہیں دیکھ رہی اگینے! ——— اپنے گھر کو دیکھ رہی ہوں۔ اپنے بچوں کو دیکھ رہی ہوں۔ میرا وہ بکھرا بکھرا پن میرے گھر کے سکون میں خلل ڈال رہا تھا ——— میرے بچے مطمئن نہیں تھے۔ سب سے بڑھ کر میں مطمئن نہیں تھی۔ سب کہتے ہیں ایک مرد ایک عورت کو کمپلیٹ کرتا ہے، غلط کہتے ہیں۔ ایک عورت ایک مرد کو کمپلیٹ کرتی ہے۔ آدھا ادھورا ہوتا ہے وہ ہمیشہ۔ اسے مکمل صرف ایک عورت کرتی ہے۔ نادرا ہے کچھ ——— قدر نہیں کرتا ——— مگر جانتا ہے، میں کس طرح کمپلیٹ ہوں اور کس قدر کمپلیٹ ہوں۔" فارحہ بہت لائٹ انداز میں گہری باتیں کر رہی تھیں۔ اگینے مسکرا دی تھی۔

"ہاں ——— ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔" وہ مکمل ہم خیال ہوئی تھی۔

فارحہ نے اسے جانچتی نظروں سے دیکھا تھا۔

''کیوں، کیا ہوا اکیتے؟ ــــــ اپنی بھابی کو نہیں بتاؤ گی؟''

''کچھ نہیں ہے بھابی! ــــــ بس یونہی۔''

''کیا یونہی؟ ــــــ کہیں تُو فیض کو لے کر تو پریشان نہیں ہو رہی؟'' بھابی تہہ تک پہنچ گئیں۔

''فیض کے ساتھ میرا ایسا کوئی رشتہ نہیں ہے۔'' اکیتے نے جھلایا تھا۔

جواباً فارحہ نے اسے بغور دیکھا تھا۔

''تم اب بھی یہ بات چھپانا چاہو گی؟'' فارحہ نے جیسے اسے ایک لمحے میں پکڑا تھا۔

اکیتے ایک پل میں ساکت تھی۔ اپنے پکڑے جانے پر حیران تھی۔ فارحہ چلتی ہوئی اس کے قریب آئی تھیں پھر اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ بہت آہستگی سے رکھ دیا تھا اور مسکراتے ہوئے ملائمت سے بولی تھیں۔

''اکیتے! ــــــ ایک عرصے سے تم خود سے بھاگ رہی ہو اور اب بھی ــــــ محبت اتنا بڑا گناہ ہے کیا کہ اسے خود سے بھی چھپانا چاہتی ہو اور سب سے بھی؟''

''پتہ نہیں بھابی! مگر محبت کرتے رہنے کا یہ مطلب بھی نہیں کہ دوسروں کو بتاتے بھی رہو کہ آپ اسے کتنا چاہتے ہو۔''

''محبت کی یہ کون سی لاجک ہے اکیتے! جسے چاہا جائے، اسے ہی نہ بتایا جائے؟'' فارحہ نے پوچھا تھا۔

''بتانے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا بھابی!''

''ہو بھی سکتا ہے۔''

''میں ایسا نہیں سمجھتی کہ یک طرفہ محبت کسی کام آتی ہو۔ میں کل بھی اس کے قریب تھی ــــــ اس نے زندگی نے مجھے اپنے لئے نہیں چنا تھا ــــــ اور آج بھی ــــــ وہ مجھے چننا نہیں چاہے گا۔ میں اس کے سامنے کھڑے ہو کر کیوں کہوں کہ پلیز چوز می فار یور لائف جبکہ میں اس کی زندگی میں کہیں ہوں ہی نہیں۔ نہ کل تھی نہ آج ہوں ــــــ اگر اسے مجھے چننا ہوگا تو وہ مجھے خود چننے لگا۔ چل کر اس کی زندگی میں داخل نہیں ہونا پڑے گا۔ وہ میرا ہاتھ پکڑ کر خود مجھے اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہے گا۔ محبت بتانے والی شے نہیں ہے ــــــ محسوس کی جانے والی بات ہے ــــــ اگر کسی کو نہیں ہوتی تو بتائی نہیں جا سکتی۔'' اکیتے سر جھکائے بول رہی تھی۔

فارحہ ملائمت سے مسکرا دی تھیں۔

''تم صرف اگوئیسٹ ہو رہی ہو اکیتے! ــــــ بتاؤ گے نہیں تو کسی کو کیسے پتہ چلے گا؟''

''محبت بڑھا ہوا یا پھیلا ہوا ہاتھ نہیں ہے بھابی! ــــــ آئی کانٹ ڈو دیٹ ــــــ اور آپ پلیز میری فکر نہ کریں۔ آئی ایم ہیپی۔ مجھے زندگی سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ آئی ایم ہیپی ود مائی لائف۔''

اکیتے مسکرا دی تھی۔ فارحہ نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''جس کے لئے اتنی محبت ہے جب اسی کو نہ بتایا جائے تو پھر کیا فائدہ؟''

''اور بتانے سے کیا فائدہ ہوگا؟ ــــــ کوئی فائدہ نہیں ہوگا بھابی!''

''ایسا نہیں ہوتا اکیتے! ــــــ بتانا پڑتا ہے۔ بتانا بھی چاہیے۔ محبت اتنی ہی اگوئیسٹ ہوتی ہے اور......''

سعد بھائی آ گئے تھے۔ اکیتے بولتے بولتے یک دم چپ ہوئی تھی۔ بہت دنوں بعد سعد بھائی کے ہیں بکے تھا جو یقیناً وہ فارحہ بھابی کے لئے لائے تھے۔ اکیتے جانے کے لئے فوراً اٹھی تھی تبھی نے بہت آہستگی سے اس کا ہاتھ تھاما تھا اور پھر اٹھتے ہوئے بولی تھی۔

''محبت پلٹ آتی ہے اکیتے! ــــــ ایک بار ہاتھ بڑھا کر تو دیکھو۔''

سعد چلتے ہوئے وہیں آ گیا تھا اور مسکراتے ہوئے بکے فارحہ کی طرف بڑھایا تھا۔

''کیسی ہو اکیتے؟''

''ٹھیک ہوں بھائی! ــــــ آپ آج ہماری بھابی کے ساتھ ڈیٹ پر جا رہے ہیں؟'' چھیڑا تھا۔ مسکرا دیے تھے۔

''اپنی بھابی سے پوچھ لو، کہاں جانے کے لئے تیار ہے۔ تم کہاں جا رہی ہو؟ تم بھی چلو نا۔ آج لانچ کرتے ہیں۔ میں نے ٹیبل بک کروا دی ہے۔'' سعد بھائی ہمیشہ سے مختلف دکھائی دیے تھے۔

اکیتے مسکرائی تھی۔ پھر فارحہ بھابی کی طرف دیکھا تھا۔

''نہیں بھائی! ــــــ آپ بھابی کے ساتھ جائیے۔ ہم پھر کبھی چلے جائیں گے ــــــ چلتی ہوں!'' گلے مل کر وہ فوراً ہی پلٹی تھی اور چلتی ہوئی باہر نکلتی چلی گئی تھی۔

''محبت پلٹ آتی ہے اکیتے! ــــــ ایک بار ہاتھ بڑھا کر تو دیکھو۔''

فارحہ بھابی کی مدھم سی سرگوشی اس سے جانے کیوں کان میں گونجی تھی۔

❄ ❄ ❄

فاصلے دلوں میں ہوں تو مٹنے میں صدیاں لگتی ہیں۔

نابیہ نے ہاتھ سے کر باہر نکلتے ہوئے سوچا تھا۔

اتنی قربتوں کے باوجود ــــــ

فاصلے بدستور قائم تھے ــــــ

کوئی گریز درمیان تھا۔

بیڈ کے دوسرے کنارے پر سوئے ہوئے اس بندے کو اس نے بغور دیکھا تھا۔

مرد کی اور عورت کی ضرورتوں اور خواہشوں میں واضح فرق ہے۔ عورت من کی خواہش کرتی ہے۔ تن کی خواہش کرتی ہے ــــــ اور مرد ــــــ!

نابیہ نے کلاک دیکھا تھا۔ دن خاصا چڑھ آیا تھا اور وہ شخص ــــــ

شاید یہ نیند سکون کی تھی! ــــــ جو ٹوٹنے میں دیر لے رہی تھی۔

کسی ایک کی جیت تھی!

شاید ——!

اپنے اندر ایک لمحے میں بہت کچھ ٹوٹتا ہوا محسوس کرتے ہوئے وہ کھڑکی تک آئی تھی۔

اندر یک دم ہی بہت بجھا بجھا سا دکھائی دیا تھا۔ اس نے پردے کھینچ دیے تھے۔ بہت سی روشنی اندر آ گئی تھی۔ وہ پلٹ کر سائیڈ دراز میں سے کچھ ڈھونڈنے لگی تھی۔ یہ سائیڈ دراز اس شخص کی طرف تھا۔ جھکنے کے باعث گیلے بال جھک کر یکدم ہی نیچے آئے تھے —— بالوں سے ٹپکتی کئی بوندیں اس شخص کے چہرے پر جا پڑی تھیں۔

ایک لمحے میں وہ بیدار ہوا تھا۔

وہ جھجک کر رہ گئی تھی۔ نگاہ اس شخص پر پڑی تھی۔

اس کی توجہ کا مرکز بھی وہی تھی!

اناہیہ نے نگاہ ہٹاتے ہوئے بہت آہستگی سے دراز بند کی تھی اور واپس مڑنے لگی تھی جب اس شخص کی گرفت میں کلائی آ گئی تھی۔ وہ چونکی تھی۔

پلٹ کر دیکھا تھا۔

دل کے اندر کوئی احساس بیدار نہیں ہوا تھا۔

عفنان اس کی طرف بغور دیکھ رہا تھا۔

نگاہ میں کچھ خاص تھا۔

مگر اناہیہ کا انداز سرد برف جیسا تھا۔

عجب برف سی لگی تھی وہ ——

جھکی جھکی —— پشیمان سی نگاہ —— جیسے وہ کوئی بہت بڑی خطا کر چکی ہو۔ عفنان نے اس لمحے میں اس چہرے کو پڑھا تھا۔

پھر بہت آہستگی سے وہ کلائی چھوڑ دی تھی۔ اناہیہ پلٹی تھی اور چلتے ہوئے باہر نکل گئی تھی۔

مرد اور عورت کبھی ایک جیسا نہیں سوچتے ——

کبھی ایک جیسا نہیں سوچ سکتے ——

مرد کی خواہشات مختلف ہیں اور عورت کی مختلف ——!

عورت کی خواہشوں میں "دل" بھی شامل ہے اور "روح" بھی۔ مگر کوئی مرد کبھی یہ چھوٹی سی بات نہیں سمجھتا۔

اپنی خواہشوں کے آگے وہ ایک چھوٹی سی بات کو بھول جاتا ہے!

عورت تن سے نہیں —— من سے سیراب ہوتی ہے!

کچن میں وہ چپ چاپ کھڑی اُبلتے ہوئے دودھ کو خالی خالی نظروں سے دیکھتی جا رہی تھی۔ دل باہر جا رہا تھا اور ——!

یک دم ہی احساس ہوا تھا!

اور اناہیہ نے چولہا بند کر دیا تھا۔

***

محبت ——!
اس کے میرے درمیاں!
اک فاصلہ ہے ——!
(جو صدیوں تک ہے پھیلا ہوا)
محبت ——!
اس کے میرے درمیاں!
اک انا کا مسئلہ ہے!
مسائل دل طے کرنے کو
اک لمحہ ضروری ہے
اسے یہ کون بتلائے
پلٹنا کتنا ضروری ہے!

پورچ میں گاڑی روک کر وہ باہر آئی تھی۔ یہاں تک آتے ہوئے سب کچھ جتنا آسان لگ رہا تھا، اتنا ہی مشکل تھا۔

مگر وہ بھی نہیں تھی۔ چلتی ہوئی آگے بڑھی تھی اور گلاس ڈور کھول کر اندر داخل ہو گئی۔ نوکر نے مؤدب انداز میں سلام کیا تھا۔

میرب نے سر ہلایا تھا۔

"تائی کہاں ہیں؟"

"تائی تو کسی کام سے باہر گئی ہیں۔ آپ بیٹھیں۔ تھوڑی دیر میں واپس آ جائیں گی۔ کیپٹن صاحب کو بتا دوں انہیں؟ —— وہ بی بی کے ساتھ کہیں باہر جا رہے ہیں۔ میں بتاتا ہوں انہیں۔" خادم پلٹا تھا۔ مگر میرب نے اسے یک دم ہی روک دیا تھا۔

"نہیں رہنے دو —— میں تائی کا انتظار کر لیتی ہوں۔ کتنی دیر پہلے گئی تھیں؟"

"ایک گھنٹہ ہو گیا۔"

"اوہ —— پھر تو انہیں شاید ٹائم لگے گا۔ میں چلتی ہوں پھر۔" وہ یک دم ہی پلٹی تھی۔ تبھی اپنے سامنے کھڑے شخص کو دیکھ کر نگاہ جم گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بھی اسے بغور دیکھا تھا۔

مگر میرب نے دوسرے ہی پل بے تاثر بن کر قریب سے نکل جانا چاہا تھا۔ انداز میں عجب ایک بے نیازی تھی۔

پتہ نہیں کوئی حق تھا کہ نہیں ——

مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ میرب سیال چونکی تھی۔ نگاہ اٹھا کر اس شخص

کو دیکھا بھی تھا ـــــ مگر اس کا چہرہ سپاٹ تھا۔

"واپس کیوں جا رہی ہو؟"

"مائی سے ملنے آئی تھی۔ وہ گھر پر نہیں ہیں۔ سو ـــــ!"

"انتظار کرلو ـــــ کچھ ہی لمحوں میں واپس آجائیں گی۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے مشـ
تھا۔

اس نے کوئی جواب دیے بنا خاموشی سے اس شخص کو دیکھا تھا۔ سوٹڈ بوٹڈ، ٹک سک ـ
ـــــ تیاری کچھ خاص لگ رہی تھی۔ غالباً وہ کسی کے ساتھ ڈنر کے لیے جا رہا تھا۔

میرب کو اندازہ ہوا تھا اور دل کٹ کر رہ گیا تھا۔

"کیا ہوا؟ ـــــ کیا سوچ رہی ہیں آپ؟" اسے خیالوں میں کھوئے دیکھ کر پوچھا تھا۔

"نہیں ـــــ کچھ نہیں۔" میرب نے سر انکار میں ہلا دیا تھا۔

"کوئی ضروری بات تھی ـــــ؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی بات کی بابت پوچھ
وہ کرنے آئی تھی۔

"نہیں ـــــ کچھ خاص نہیں۔ آپ کو دیر ہو رہی ہوگی۔" ایک بے تاثر پن سے کہا تھا۔
بے تاثر انداز میں بھی کئی حوالے چھپے تھے۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے چہرے کو بغو
تھا۔

"مجھے اپنے معاملات کو نمٹانا آتا ہے۔ آپ کو کیئر کرنے کی ضرورت نہیں۔ آپ بیٹھ جائیں
انتظار کرلیں۔ وہ آئیں گی تو انہیں اچھا نہیں لگے گا کہ آپ آئیں اور اس طرح واپس بھی لوٹ
پھر مجھ سے ڈسکس کرلیں۔ کیا کہنے آئی تھیں آپ؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے تفصیل چاہنا
میرب کو اس بات کا گمان نہیں تھا۔ تبھی کچھ چونک کر دیکھا تھا۔

"آپ کو دیر ہو رہی ہے۔ آپ میری فکر نہ کریں ـــــ میرے پاس کافی ٹائم ہے انتظا
کے لیے۔" وہ کہہ کر خادم کی طرف مڑی تھی۔

"خادم! میں باہر گاڑی میں مائی اماں کا انتظار کر رہی ہوں۔ آئیں تو بتا دینا۔" وہ کہہ کر جا
لیے یکدم ہی مڑی تھی جب سردار سبکتگین حیدر لغاری نے جارحانہ انداز میں اس کی کلائی کو پکڑا
اپنی طرف کھینچا تھا۔ حملہ اتنا اچانک ہوا تھا کہ وہ سنبھل نہیں پائی تھی۔ سنبھلتے سنبھلتے بھی سردار سبکتگین
لغاری کے سینے سے جا لگی تھی۔ الجھی ہوئی سانسوں کے ساتھ سر اٹھا کر دیکھا تھا۔

وہ شخص خشمگیں نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"کیا تماشا بنا رہی ہیں آپ اس رشتے کو لے کر؟ ـــــ آپ باہر کھڑی ہو کر مائی کا انتظا
گی؟ اس گھر میں اتنی جگہ بھی نہیں کہ آپ یہاں بیٹھ کر انتظار کرسکیں؟"

"مجھے جگہ اس گھر میں نہیں، تمہارے دل میں چاہیے سردار سبکتگین حیدر لغاری!" میرب چاہ
سکی تھی، کہہ نہیں سکی تھی۔ عجب ایک بے بس سا انداز تھا۔

یب بے بسی نظروں میں تھی۔

گین کو اس چہرے پر بے طرح ترس آیا تھا۔

سے اپنے حصار سے آزاد کیا تھا۔

وہ اسی طرح کھڑی رہی تھی ـــــ سر جھکائے۔

ب سردار سبکتگین حیدر لغاری نے یکدم ہی اس کا ہاتھ تھاما تھا اور لے کر چلتا ہوا صوفے کی طرف آ
یا، اسے بٹھایا تھا۔ پھر خود اس کے عین پاس بیٹھ گیا تھا۔

اب بولو ـــــ کیا بات ہے؟" وہ شخص سارے حوالے ختم کر رہا تھا۔ سارے رشتے مٹا رہا تھا تو
ے اس کی، اس کے موڈ کی اتنی فکر کیوں تھی؟

ن کے لیے تو بے تاثر بن جانا بہت آسان ہونا چاہیے تھا۔ اجنبی بن کر ـــــ بنا نگاہ ملائے
بڑھ جانا بہت معمولی سا واقعہ ہونا چاہیے تھا۔ پھر وہ چھوٹی چھوٹی معمولی باتوں کو بھی اتنی اہمیت
ے رہا تھا؟

رب جیالی اسے جانچنا چاہتی تھی۔

جننا چاہتی تھی۔

ـــــ وہ اُلجھی اُلجھی نگاہ بجھی بجھی تھی تو بہت خالی خالی سی تھی۔

دار سبکتگین حیدر لغاری خاموشی سے اس کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے میرب کی نگاہ
نے کہاں سے اور کیونکر نمی اتری تھی۔ جسے چھپانے کو وہ نگاہ پھیر گئی تھی اور چہرہ بھی۔

دار سبکتگین حیدر لغاری کو اس نگاہ کی الجھنیں کچھ اور بڑھتی دیکھ کر کچھ خاص خوشی نہیں ہوئی تھی۔

اب کیا ہوا؟" اس نمی کا جواز چاہا تھا۔

رب نے اس کی طرف دیکھے بغیر سر انکار میں ہلا دیا تھا۔

آپ چاہتی کیا ہیں؟ ـــــ بتائیں گی آپ؟ خواہ مخواہ خود بھی پریشان ہونے کی عادت ہے اور
دکو پریشان کرنے کی بھی۔"

و آپ سے کس نے کہا کہ آپ پریشان ہوں۔ میں یہاں آپ کو پریشان کرنے بالکل نہیں آئی
پ جائیے جہاں آپ جا رہے تھے۔ میں نے آپ کو نہیں روکا۔" جواباً وہ بولی تھی اور سردار
حیدر لغاری خاموشی سے اسے دیکھنے لگا تھا۔

یشہ وہ بولتی تھی جو وہ سننا نہیں چاہتا تھا ـــــ

جنبی ـــــ بے تاثر ـــــ!

مجر کو غصہ آیا بھی تھا مگر دوسرے ہی پل قابو پاتے ہوئے اس نے میرب کی طرف دیکھا تھا اور
رسے بولا تھا۔

ی ٹولڈ یو ـــــ آئی کین ہینڈل مائے پرابلمز ویری ویل۔ مجھے اپنے معاملات کو نمٹانا بہت
ا سے آتا ہے۔ اب آپ بتائیے، آپ یہاں کیا کہنے آئی تھیں؟ ـــــ پھر کوئی نئی شکایت

لے کر، نیا شکوہ لے کر؟ —— آپ روز روز کے ان جھگڑوں سے تنگ نہیں آ جاتیں؟ ہمیشہ معاملہ کو ربڑ کی طرح کیوں کھینچتی ہیں؟ انہیں سمیٹتی کیوں نہیں؟ —— چھوٹی چھوٹی باتوں کو پھیلانے بہت شوق ہے آپ کو۔" میرب نے حیرت سے اس شخص کو دیکھا تھا۔ وہ بالکل نہیں سمجھ پائی تھی کہ کیا کہنے والا تھا یا کیا کہنا چاہتا تھا۔

"کیا —— کیا کہہ رہے ہیں آپ؟ —— آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟" وضاحت نہ چاہنے کا ارادہ رکھتے ہوئے بھی وہ بولی تھی۔

"گین! تیار ہو گئے تم؟ —— چلو —— آئی ایم ریڈی۔" یک دم گی کی آواز آئی تھی۔ میرب نے آواز کی سمت چہرہ موڑا تھا اور گی کو دیکھا تھا۔

وہ نک سک سے تیار کھڑی سردار سبکتگین حیدر لغاری کی منتظر تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے گی کی طرف دیکھا تھا۔ پھر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"ٹھیک ہے —— آپ کو جتنا انتظار کرنا ہے، یہاں بیٹھ کر کیجئے، جب تک مائی واپس نہیں آ جاتیں۔ چلو گی!" اسے تھوڑا انداز سے کہہ کر وہ گی کی طرف بڑھا تھا۔

میرب حیرت زدہ سی رہ گئی تھی۔

وہ نگاہ حیرت لئے ہوئے تھی۔

مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری مطلق پرواہ کئے بغیر چلتا ہوا گی کے ساتھ آگے بڑھ گیا تھا۔

ایک لمحے میں محبت اور بھی الجھ گئی تھی۔

میرب کا دل چاہا تھا، وہاں سے اٹھے اور بھاگتی ہوئی نکل جائے اور پھر کبھی پلٹ کر نہ اس طرف دیکھے نہ اس طرف نگاہ کرے۔ مگر یہ سوچنا آسان تھا، اس پر عمل کرنا مشکل تھا۔ مگر وہ یہ بات اس شخص کو بتا نہیں سکتی تھی۔

مائی اماں کے آنے تک وہ یوں ہی سر جھکائے بیٹھی رہی تھی۔

"کیا ہوا ہے تمہیں میرب —— بچے؟" مائی اماں چلتی ہوئی اس کی طرف آئی تھیں۔ مگر میرب نے سر اٹھا کر نہیں دیکھا تھا۔ پورا چہرہ بھیگا ہوا تھا۔ شاید وہ اپنی کمزوری کا پتہ کسی کو دینا نہیں چاہتی تھی مگر یہاں سے جانا بھی نہیں چاہتی تھی۔ اسے صاف دکھائی دے رہا تھا، اب اس شخص کو اس کی ضرورت نہیں تھی۔ مگر وہ سچائی کا پتہ پھر بھی لینا چاہتی تھی۔

"ایسے بیٹھی کیوں رو رہی ہے تو؟ —— کیا ہوا؟" مائی اماں نے اس کا چہرہ اٹھایا۔

"اماں! آپ مجھے ایک بات بتائیں گی؟"

"کیا؟"

"وہی جو آپ کے اور پاپا کے بیچ میں ہوئی۔" میرب نے دوٹوک پوچھا تھا۔

"کیا مطلب، کیا ہوا؟" مائی اماں نے اس کے آنسو پونچھے تھے۔ "تم اس طرح رونا بند کرو، آرام سے بات کرو۔ اگر کوئی پریشانی ہے تو مجھے بتاؤ۔"

"آپ یہ سب چھوڑیئے، پہلے مجھے بتائیے، آپ میں اور پاپا میں کیا کیا باتیں ڈسکس ہوئیں؟ —— پاپا انہوں نے آپ سے؟" میرب نے ضدی بچوں کی طرح کہا تھا۔

"چل ٹھیک —— تو رونا بند کر، پھر بتاتی ہوں تمہیں۔" مائی نے نرمی سے کہتے ہوئے اس کے آنسو پونچھے تھے۔

"مجھے آج ممی کی طرف جانا ہے۔ جا سکتی ہوں۔" انابیہ نے ناشتے کی ٹیبل پر کہا تھا۔
عفنان علی خان نے اسے کسی قدر حیرت سے دیکھا تھا۔
"یہ آپ مجھے اطلاع دے رہی ہیں یا اجازت چاہ رہی ہیں؟"
"آپ کو کیا لگا؟" انابیہ نے ناگواری سے اسے دیکھا تھا۔
عفنان نے شانے اچکا دیے تھے۔
"آف کورس ——— آپ سے پوچھ رہی تھی، کیا میں جا سکتی ہوں؟ یہ نہیں کہا کہ میں جا رہی ہوں۔" انابیہ نے باور کرایا تھا۔
"سمجھا نہیں، آپ کیا کہنا چاہ رہی ہیں؟ ———" عفنان علی خان نے مکمل لاعلمی کا اظہار کیا تھا
"اوہ، رائٹ ——— اِٹس بین طنز ——— میں نے اُس روز جو منع کیا تھا۔" لمحہ بھر کو چپ رہ کر کچھ سوچا تھا۔ پھر کسی نتیجے پر پہنچتے ہوئے کہا تھا۔
"جب جانتے ہیں تو پوچھ کیوں رہے ہیں؟" وہ تنک کر بولی تھی۔
عفنان نے اس کے چہرے کو لمحہ بھر کو دیکھا تھا۔ وہ مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔
"آپ سمجھتے کیا ہیں خود کو؟ شوہر بن گئے تو ساری دنیا ہاتھ میں آ گئی آپ کے؟" انابیہ سچ مچ لڑائی کے موڈ میں لگ رہی تھی۔
مگر عفنان علی خان بہت مطمئن انداز میں چائے کے سپ لیتے ہوئے سر جھکا کر نیوز پیپر دیکھنے لگا تھا۔
"ابھی تک بیوی تو مٹھی میں آئی نہیں ——— ساری دنیا کیا خاک ہاتھ میں آئے گی؟" وہی معصوم سا، شوہروں کا انداز تھا اور انابیہ اسے گھور کر رہ گئی تھی۔
اس وقت انابیہ کو اپنا آپ انتہائی ظالم بیوی والا لگا تھا۔
"ہاں ——— بہت معصوم ہیں آپ تو۔" انابیہ مکمل لڑائی کے موڈ میں تھی۔
"آپ نے طے کر لیا ہے، آپ جھگڑالو وائف کا کیریکٹر بھرپور طریقے سے نبھائیں گی؟" عفنان علی خان نے پوچھا تھا۔ انداز نرم تھا۔
"اور آپ نے طے کر لیا ہے کہ آپ ظالم شوہر بن کر رہیں گے۔" انابیہ نے ترکی بہ ترکی جواب دیا تھا۔

عفنان نے نیوز پیپر لپیٹ کر ایک طرف رکھ دیا تھا۔
"آپ جھگڑے کے فل موڈ میں ہیں تو جھگڑ لیجیے۔"
"جھگڑے کے موڈ میں، میں ہوں اور آپ جو کرتے ہیں؟"
"کیا کرتا ہوں؟ ——— آپ خواہ مخواہ بات کو بڑھانا چاہتی ہیں۔ ممی اور دادا ابا سے ملنے کو میں نے کبھی نہیں روکا آپ کو۔ آپ بتائیے، کبھی منع کیا میں نے آپ کو ان سب سے ملنے کو؟ ——— منع بس میں نے آپ کو کیا تھا مگر صرف......" وہ بولتے بولتے یک دم رُک گیا تھا۔ نگاہ اٹھا کر سامنے دیکھا تھا۔
وہاں لامعہ حق کھڑی تھی۔ عفنان علی خان اٹھ کھڑا ہوا تھا اور چلتے ہوئے وہاں سے نکل گیا تھا۔
انابیہ نے پلٹ کر دیکھا تھا، لامعہ کو اپنے سامنے دیکھ کر اسے کچھ حیرت ہوئی تھی۔
لامعہ کچھ دیر تک یوں ہی فاصلے پر ساکت کھڑی اس کی طرف دیکھتی رہی تھی، پھر چلتے ہوئے آگے بڑھ آئی تھی۔
انابیہ مسلسل حیرت میں تھی۔

❊❊❊

"محبت پلٹ آتی ہے۔"
فارحہ نے ایک جملہ کہا تھا اور اس کی بازگشت کتنے ہی دنوں تک اس کے اردگرد گونجتی رہی تھی۔
"آپ نہیں جانتیں بھابی! کبھی کبھی محبت نہیں بھی پلٹتی۔ بہت کچھ لے کر بھی نہیں۔ طویل انتظار کے بعد بھی نہیں۔" اپنے ہی دھیان میں چلتی ہوئی وہ پلٹی تھی جب فیض بخاری کو اپنے سامنے دیکھ کر کچھ حیران رہ گئی تھی۔
"آپ کی خود سے اُلجھنے اور باتیں کرنے کی عادت ختم نہیں ہوئی؟" فیض بخاری نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔
مگر اکیفے مسکرا نہیں سکی تھی۔
"ایسا کچھ نہیں ہے ——— آپ یہاں کیسے؟ ——— خیریت؟"
"ہاں ——— بس یہاں سے گزر رہا تھا۔ تمہارا خیال آ گیا۔ سوچا ملتا چلوں۔" فیض مسکرا دیے تھے۔
"او کے۔" اکیفے کچھ زیادہ نہیں بول سکی تھی۔
"اور کیا کر رہی ہیں آپ آج کل؟"
"کچھ خاص نہیں ——— بھابی کیسی ہیں؟ ——— اور بچے؟"
"سب ٹھیک ہیں۔" فیض نے کہا تھا۔ "بھابی بتا رہی تھیں تم نے بوتیک کھول لیا ہے۔"
"ٹھیک۔ تھینکس۔" اکیفے مروتاً مسکرائی تھی۔ "آپ کھڑے کیوں ہیں؟ ——— بیٹھیے نا۔"
فیض بخاری نے اسے دیکھا تھا، پھر مسکرا دیے تھے۔

"تمہیں نہیں لگتا ہم پہلی دوسری بار ملے ہیں۔"

"نہیں ــــ کیوں، کیا ہوا؟" اگینے نے نگاہ اٹھا کر فیض کو دیکھا تھا۔

"مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔ وقت ہے؟"

"ضروری بات؟" اگینے چونکی تھی۔

"ہوں ــــ وقت ہے؟" فیض بخاری نے دوبارہ پوچھا تھا۔

اگینے کچھ دیر تک یوں ہی اس کی طرف خالی خالی نظروں سے دیکھتی رہی تھی۔ پھر سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

❋ ❋ ❋

کمرے میں بہت خاموشی تھی۔ لامعہ حق اس سے کچھ فاصلے پر خاموشی سے کھڑی تھی۔

انابیہ شاہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

"کھڑی کیوں ہو؟ ــــ بیٹھ جاؤ۔"

اگرچہ اسے قطعاً پتہ نہیں تھا کہ وہ یہاں کس لئے آئی ہے مگر اس کے باوجود کرٹسی اس کے انداز میں واضح تھی۔ جیسے ان کے درمیان کوئی برا موڑ آیا ہی نہ ہو۔

لامعہ اسی خاموشی سے اس کے سامنے بیٹھ گئی تھی۔

کچھ دیر تک وہ کچھ نہیں بول سکی تھی۔

"چائے پیو گی؟" انابیہ جو کچھ لمحوں پہلے تک بہت ہائپر دکھائی دے رہی تھی، اب بہت پرسکون تھی۔

لامعہ نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"نہیں۔" لہجہ قطعی تھا۔

انابیہ مزید کچھ نہیں پوچھ سکی تھی۔

"میں کچھ کہنا چاہتی ہوں انابیہ!" لامعہ حق مدھم لہجے میں بولی تھی۔ انابیہ نے سوالیہ نظروں سے اسے خاموشی سے دیکھا تھا۔

"آئی ایم سوری۔" لامعہ حق کی آواز ابھری تھی اور انابیہ اسے حیرت سے تکتی رہ گئی تھی۔

"مجھے اندازہ ہے انابیہ! میں نے تمہارے ساتھ سب غلط کیا۔ پلیز مجھے اس کے لئے معاف کر دو۔ میں جانتی ہوں ان سب کے لئے معافی کا لفظ بہت چھوٹا ہے اور شاید تم مجھے معاف کر بھی نہ سکو۔ مگر میں اپنے دل سے ایک بوجھ اتارنے یہاں چلی آئی۔"

لامعہ حق کہہ رہی تھی اور انابیہ اسے خاموشی سے دیکھ رہی تھی۔

"انابیہ! میں شرمندہ ہوں۔ شاید یہ لفظ بھی بہت چھوٹا ہے۔ لیکن یہ سچ ہے۔"

انابیہ کو یقین نہیں تھا۔ لامعہ حق کو واقعی اپنی غلطی کا اندازہ ہو گیا تھا یا پھر وہ کوئی نیا جال بُن رہی تھی۔

ابیہ ساکت سی اپنی جگہ پر بیٹھی تھی۔

معہ نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔

"ابیہ! آئی ایم سوری ــــ رئیلی ویری سوری۔" لامعہ کا لہجہ مدھم تھا۔

ابیہ اسے خالی خالی آنکھوں سے دیکھنے لگی تھی۔

ہ پر یقین کیسے نہ کرتی۔ لامعہ حق کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔

❋ ❋ ❋

ی کیا بات تھی جسے کہنے کے لئے تم مجھے یہاں لے آئے؟" اگینے نے ریسٹورنٹ کے ماحول کو ظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

ھی ایک بات۔" فیض بخاری بولے تھے۔ وہ اس وقت گہری سوچ میں دکھائی دیتے تھے۔ اگینے ن کے چہرے کو بغور دیکھا تھا۔

کوئی پریشانی ہے؟" اگینے نے دریافت کیا تھا۔

نہیں ــــ ایسی کوئی بات نہیں۔"

پھر ــــ؟"

گینے ــــ!"

ی ــــ"

ھ سے شادی کرو گی؟"

کیا ــــ؟" سوال اتنا غیر متوقع اور اچانک تھا کہ وہ لمحہ بھر کو ساکت رہ گئی تھی۔

م اپنی زندگی کا بہت سا وقت گزار چکے ہیں اگینے! ــــ بہت سال ــــ شاید اب اتنے رے ہاتھوں میں باقی بھی نہیں ہیں کہ گنوا سکیں۔" فیض بخاری کا لہجہ اُسے حیران کر رہا تھا۔ مگر جیسے ایک تمہید جیسی تھیں۔ درحقیقت وہ کوئی اور بات کہنا چاہ رہا تھا۔

گینے! تمہارے اور میرے بیچ کسی نئے رشتے کے آغاز سے پہلے میں تمہیں کچھ بتانا چاہتا ہوں۔ کے بعد کے سارے فیصلے تمہارے اپنے ہوں گے۔ اس کے بعد تم جو بھی کہنا چاہو کہہ سکتی ہو۔"

م کہنا کیا چاہتے ہو؟" اگینے نے پوچھا تھا۔

گینے! بات بہت مختصر سی ہے مگر اتنی آسان نہیں ہے۔"

رومیصا کے بارے میں کوئی بات کرنا چاہتے ہیں آپ؟" اگینے نے پوچھا۔

ا نے سر انکار میں ہلا دیا تھا۔

ں ــــ رومیصا ایک گزر جانے والا واقعہ ہے۔ جس پر بہت سے برسوں کی گرد بھی جم چکی ، سوچوں بھی تو وہ لڑکی ایک خواب جیسی لگتی ہے۔ شاید خواب ہی تھی وہ ــــ مگر ــــ میں اسے کرنا چاہتا ہوں وہ کچھ مختلف ہے۔ قصہ یہ ہے کہ ــــ کچھ عرصہ قبل میں ایک لڑکی سے نا بھی فرشتہ نہیں تھا۔ سو ہم نے کچھ اچھا وقت ساتھ گزارا۔ وہ کسی اور کے ساتھ جذباتی وابستگی

رکھتی تھی۔ اسی کا انتظار بھی شاید وہ کر رہی تھی۔ سو ہم میں کوئی جذباتی وابستگی نہیں ہوئی۔ بس ہم نے وقت ساتھ گزارا اور ہم اپنی اپنی راہ پر ہو گئے۔ مگر اب وہ یہاں میری تلاش میں آئی تھی اور مجھے ہا پتہ بھی چل گیا تھا۔ آئی فاؤنڈ ہر، میٹ ہر، دین شی ٹولڈ می دیٹ ـــــــ شی از پریگننٹ بٹ وہ اسے کئز وہ مجھ پر اس بچے کی کوئی ذمہ داری نہیں ڈالنا چاہتی۔ نہ ہی مجھ سے کوئی رشتہ چاہتی ہے۔ اس کا ہے اس کے لیے اس کی تھوڑی سی محبت پوری زندگی گزارنے کے لیے کافی ہے اور محبت کو شاید زیادہ کی خواہش ہوتی بھی نہیں۔ میرا تمہاری طرف آنا، اُسے ریجیکٹ کیا جانا نہیں ہے اپنے! میں بہت عرصہ پہلے دانتے کی ایک لائن پڑھی تھی۔ اس نے کہا تھا۔ شادی اور محبت دو الگ الگ چ ہیں۔ میں بھی یہی مانتا ہوں۔ محبت سراسر دل کا معاملہ ہے جسے تم کسی قدر جذباتی معاملہ بھی کہ ہو۔ مگر شادی دماغ کا فیصلہ ہے اور میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

فیض بخاری کا لہجہ دھیما تھا۔

اور وہ چپ چاپ ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

❋❋❋

دونوں کتنے لمحوں تک ایک دوسرے کے کاندھوں پر سر دھرے روتی رہی تھیں۔ لمحے چپ چاپ کے درمیان جیسے ٹھہر سے گئے تھے۔

"میں نے کبھی نہیں سوچا تھا انابیہ! ہم میں اتنی اور اس قدر دوری آ جائے گی۔" کچھ دیر بعد ا نے اس کے کاندھے پر سے سر اٹھا کر اس کے آنسو پونچھے تھے۔

انابیہ نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"ہاں ـــــ میں نے بھی یہ کبھی نہیں سوچا تھا مگر ـــــ"

"انابیہ! میں مانتی ہوں جو بھی ہوا وہ اتنا معمولی نہیں تھا۔ مگر کیا تم اسے بھلا کر سب پہلے جیسا سکتی ہو؟ میں جانتی ہوں میں نے جو بھی کیا وہ بہت غلط تھا۔ مگر میں اپنی غلطیوں کا ازالہ کرنا ہوں۔ میں شرمندہ بھی ہوں۔ بہت بری ہوں نا میں۔" لامعہ سر جھکا کر بولی تھی۔

"نہیں ـــــ تم بری نہیں ہو لامعہ! شاید ہم سب ایسے ہی ہوتے ہیں۔ سب اچھے ہی ہوتے ہیں۔ ہماری خواہشیں بری ہیں جو ہمیں برا بناتی ہیں۔ کچھ برا کرنے پر مجبور کرتی ہیں۔ تم بھی کیا میں تمہیں اس کے لیے قصوروار نہیں مانتی۔" انابیہ نرمی سے بولی تھی اور بہت آہستگی سے کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔

"چلو، بھول جاتے ہیں سب کچھ۔ پھر سے دوستی کرتے ہیں ـــــ اس بار رشتوں کے نام دیتے ہیں ـــــ میری بھابی بنو گی؟" انابیہ نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

لامعہ نے بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھا تھا، پھر مسکرا دی تھی۔

"تھینکس انابیہ! تم بہت اچھی ہو۔ مجھے تمہارے اتنے اچھے ہونے پر ہمیشہ بہت غصہ آتا تھ اب ـــــ اب نہیں آتا۔ سارا خالی پن اندر سے اُٹھتا ہے اور اندر کا خالی پن سکون نہیں لینے د

کے ساتھ تو شاید ایسا نہیں ہوتا مگر کسی کسی کے ساتھ ضرور ہوتا ہے۔ میرے اندر کا خالی پن تھا جس نے مجھے ایسا سب کرنے پر اُکسایا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو شاید آج صورت حال ایسی نہ ہوتی۔ ن کو تفتیش کی ضرورت پیش نہ آتی اور ہماری دوستی اسی طرح برقرار ہوتی۔ اِک دراڑ بیچ میں نہ "لامعہ بولی تھی۔

کوئی دراڑ بیچ میں نہیں ہے لامعہ! تم ایسا مت سوچو۔ ایسا سب لکھا ہوتا ہے۔ تمہارے میرے بیچ تھا، وہ بھی لکھا ہوا تھا۔ سو ہو گیا۔ غلطی کس سے نہیں ہوتی۔ سب کہیں نہ کہیں، کوئی نہ کوئی بھول ضرور کرتے ہیں یہاں اس دنیا میں۔ ہم سب انسان ہیں، فرشتے نہیں۔ سو ہمیں ایک دوسرے ی توقع بھی نہیں رکھنی چاہئے کہ ہم کوئی فرشتوں جیسے کام کریں گے۔ اگر ہم میں سے ہر کوئی یہ لے تو آدھے پرابلم یہیں ختم ہو جائیں۔" انابیہ بولی تھی اور اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ بہت آہستگی ہو دیا تھا۔

اب سوچنا بند کرو۔ ہم سب اپنی اپنی جگہ کوئی نہ کوئی غلطی ضرور کرتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے ہم کریں۔ تم میں تو پھر بھی حوصلہ ہے کہ مان رہی ہو۔"

آئی ایم سوری انابیہ! تم اتنی اچھی تھیں اور میں تمہیں ـــــ"

اِٹس او کے لامعہ! تم بھی بہت اچھی ہو۔" انابیہ مسکرائی تھی۔ "میری ہونے والی بھابی بری کیسے ہو ہے۔"

معہ مسکرائی تھی۔

فضول قسم کا بندہ ہے وہ ـــــ تم نے کیسے سوچ لیا کہ میں اس کے ساتھ زندگی گزار سکوں گی؟"

غزاور ان کا آ گیا تھا۔

میرا بھائی؟ ـــــ" انابیہ نے وضاحت چاہی تھی۔ "میرا بھائی اس دنیا کا سب سے اچھا بندہ تمہیں ساری دنیا گھوم لینے کے بعد بھی کوئی اس جیسا نہیں ملے گا۔ آزما لو۔" انابیہ مسکرائی تھی۔

دنیا میں کوئی ایسا دل والا نہیں ہو گا جو ایک دو بار ریجیکٹ ہونے کے بعد بھی دوبارہ اسی ذوق د سے لڑکی کو پروپوز کرے۔"

بے وقوف! وہ تم سے محبت کرتا ہے۔ تم بہت لکی ہو۔" انابیہ نے باور کرایا تھا۔

آئی ڈونٹ نو۔" لامعہ نے مسکراتے ہوئے سر انکار میں ہلایا تھا۔ "مجھے نہیں پتہ کہ میں لکی ہوں یا نہیں۔"

تم ہو لامعہ! ـــــ محبت تمہارے تعاقب میں برسوں سے ہے تمہارے ساتھ ساتھ ہے۔ تم لکی ہے، محبت کی لاجک کیا ہے؟"

دل، ہوں ـــــ نہیں پتہ۔ تم بتا دو۔" لامعہ مسکرائی تھی۔

محبت کی لاجک یہ ہے کہ مرد عورت کی خوبصورتی سے محبت کرتا ہے اور عورت مرد کی محبت سے تی ہے۔ یوں بھی کہتے ہیں، محبت کو اپنے پیچھے آنے دو۔ اس کے پیچھے مت بھاگو اور تم نے

محبت کو اپنے پیچھے بھی آنے دیا اور اسے اپنے سنگ باندھ بھی لیا۔ وہ تمہیں بہت خوش رکھے گا۔" انا نے مسکراتے ہوئے بھائی کی وکالت کی تھی۔

لامعہ مسکرا دی تھی۔

"میں جانتی ہوں انابیہ! ۔۔۔ بہت سی غلطیوں میں سے ایک غلطی یہ بھی ہے۔ میں نے اوز سید کو، اس کی محبت کو کبھی سمجھا ہی نہیں۔ کبھی سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی اگر میں پہلے ہی یہ سمجھ جاتی آج یہ سب نہ ہوتا۔ اوزان، اوزان کی محبت میرے لیے تھی۔ میرے ساتھ تھی اور میں بھاگتی جا رہی تھی۔ انابیہ! میں ایک بات سمجھ نہیں پائی تھی۔ محبت دل میں خود گھر کرتی ہے، اس کے لیے زبردستی نہیں آتی۔ زبردستی چھین لینے کی خواہش سے خواہشیں مرنے لگتی ہیں۔ ایسا مجھے بہت دیر میں پتہ چلا میرے اندر کی خواہشیں بھی ایک ایک کر کے مر گئیں۔ صرف خود غرضی تھی وہ۔ میں غلط تھی، سو کھڑی رہ گئی۔ اور سچ بھی تنہا نہیں ہوتا انابیہ! تم خوش ہو نا؟" لامعہ نے پوچھا تھا اور انابیہ جواب کیا خود کو یکسر بھولے بیٹھی تھی، چونک پڑی تھی۔

"میں؟ ۔۔۔ ہاں، میں ۔۔۔ میں خوش ہوں۔ بہت خوش۔" بہت پھیکی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر تھی۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے انابیہ؟ ۔۔۔ وہ بندہ تم سے اتنی محبت کرتا ہے، یہ تم بھی جانتی ہو۔ دوسروں محبت کی حقیقت سمجھانے والی لڑکی محبت سے اتنی خائف رہے، اچھا نہیں لگتا۔" لامعہ نے اسے ڈپٹا تھا۔

انابیہ خاموشی سے سر جھکا گئی تھی۔

"عفنان علی خان تمہیں کس قدر اور کتنا چاہتا ہے انابیہ! یہ بات صرف میں ہی نہیں، پورا جہان جانتا ہے۔ کس قدر پاگل ہے وہ تمہارے لیے۔ پھر یہ بے یقینی کیوں؟"

"نہیں لامعہ! ۔۔۔ بعض اوقات جو نظر آتا ہے ویسا ہوتا نہیں۔ شاید عفنان کو مجھے پانے کی ایک لگن تھی۔ اگر یہ لگن پوری نہ ہوتی تو شاید وہ اب تک اسی دیوانگی سے میری تمنا کرتا رہتا۔ مگر کسی شے کے حصول کے بعد، اسے پا لینے کے بعد اس کی اٹریکشن ختم ہو جاتی ہے سو......"

"شٹ اپ انابیہ! ۔۔۔ تم عفنان کو سمجھنے میں ضرور کوئی غلطی کر رہی ہو۔ خواہ مخواہ اپنا دل کا سکون برباد مت کرو۔ تم جانتی ہو وہ تم سے محبت کرتا ہے اور بے پناہ محبت کرتا ہے۔ اب یہ ادھر ادھر کی فضول باتیں جانے دو۔ تجدید وفا کی طرح تجدید محبت بھی ضروری ہے۔ مگر اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ اعتبار ہی اٹھ جائے۔ تم تو جان بوجھ کر آنکھیں بند کر رہی ہو۔ سب جانتے ہیں اور تم بھی جانتی ہو۔ وہاٹس رونگ ود یو؟" لامعہ نے ڈپٹا تھا۔

دونوں دوستوں کے درمیان ویسا ہی دوستی کا ماحول تھا۔ جیسے کوئی دراڑ درمیان میں آئی ہی نہ ہو۔

"میں بھی ایسا سوچتی تھی لامعہ! مگر ایسا واقعی نہیں ہے ۔۔۔ اگر ایسا ہوتا تو میں محسوس بھی کرتی مگر......"

انابیہ نے سر ہلاتے ہوئے ایک الجھن میں بات ادھوری چھوڑ دی اور لامعہ سمجھ گئی۔ ان دونوں

ن کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ اور یہ بھی کہ انابیہ ان فاصلوں کو اور بھی بڑھا رہی ہے۔

❋❋❋

"ماہا کی انگیج منٹ ہو جائے تو اذہان کی شادی کی طرف آ جائیے۔" سعد حسن بخاری ٹائی کی ناٹ بتے ہوئے بولے تھے۔

فارحہ نے بالوں میں برش کرتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"ہاں ۔۔۔ میں بھی یہی سوچ رہی ہوں۔ مگر آپ کو نہیں لگتا، ماہا کی شادی پہلے ہونی چاہیے؟"

"نہیں ۔۔۔ وہ ابھی ایم بی اے کر رہی ہے۔ اسے کرنے دو۔ میں نے ایک بار پہلے اپنے بچوں کی خواہشوں کو کوئی امپورٹنس نہ دے کر انہیں خود سے پرے دھکیل دیا تھا۔ اب ایسا نہیں ہوگا۔ کوئی زبردستی نہیں ہوگی۔ میرے بچے جو کرنا چاہیں گے انہیں ویسا کرنے کی اجازت ہوگی۔" سعد بولے تو فارحہ انہیں دیکھنے لگی تھیں۔

ایک بار پھر وہی پرانا سعد ان کے سامنے کھڑا تھا۔ ایک پل کو تو لگا ہی نہیں تھا کہ کوئی گزرا ہوا برا وقت درمیان آیا بھی ہو۔ ایک لمحے نے ایک جادوئی چھڑی گھما کر جیسے سارا منظر بدل دیا تھا۔

"ایسا ہوتا ہے؟" فارحہ سوچ رہی تھیں جب سعد بولے تھے۔

"کیا ہوا؟ ۔۔۔ یہ آپ ایسے کیوں دیکھ رہی ہیں؟"

"نہیں ۔۔۔ کچھ نہیں۔" وہ مسکرا دی تھیں۔

"کچھ تو ہے ۔۔۔ بتاؤ؟"

"سوچ رہی تھی ۔۔۔"

"کیا ۔۔۔؟"

"ایک پل میں سب پہلے جیسا کیسے ہو گیا۔" اس کے لہجے میں حیرت تھی اور ایک اطمینان بھی۔

سعد چلتے ہوئے ان کے پیچھے آن رکے تھے۔ جھک کر ان کے گرد اپنے بازوؤں کا حصار پھیلایا تھا آئینے میں ان کے عکس کو دیکھتے ہوئے بولے تھے۔

"تم میں ایک جادو ہے فارحہ! ۔۔۔ بس سمجھ لو، اسی جادو سے تم نے یہ سب ٹھیک کر دیا ہے۔" ان کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

"جادو ۔۔۔؟" وہ چونکی تھیں۔

"ہاں ۔۔۔ خود سے دور نہیں جانے دیتیں۔ گیا تھا کچھ دنوں کے لیے مگر ۔۔۔ جی لگا نہیں۔"

فارحہ ہنس دی تھیں۔

"مذاق مت کیجیے۔"

"مذاق نہیں۔ ٹرسٹ می۔ میں واقعی نہیں رہ سکا۔ بس ایک عادت سی پڑ گئی تھی تمہاری۔ اور کچھ محبت بھی۔ جو کچھ میں نے کیا وہ تو بس ایک ضد سی تھی جو مجھے ہو گئی تھی۔ لیکن میں غلط تھا۔ اور اب اس کا اندازہ مجھے ہو چکا ہے۔" سعد نے مدھم لہجے میں کہا تھا۔

"غلط آپ نہیں تھے سعد! ـــــ غلط شاید وقت تھا۔ میں نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا کہ آپ اس طرح، اتنی دوری پر مجھ سے جا کھڑے ہوں گے۔ اور وہ بھی کسی دوسرے کے ساتھ۔ اینی ہاؤ، اب جب سب کچھ ٹھیک ہو چکا ہے تو اس بات کا ذکر بھی کیوں کریں۔"

"ٹھیک ـــــ تمہاری ایک بات بہت اچھی ہے فارحہ! بہت جلد معاف کر دیتی ہو تم۔ میں سوچ رہا ہوں، دو چار گناہ اور کر لوں۔" سعد شرارت سے کہتے ہوئے ہنس دیے تھے۔

فارحہ نے پہلے گھورا، پھر مسکرا دی تھیں۔

"ہماری عمر تمام ہوئی سعد! ـــــ اب تو وقت ہمارے بچوں کا ہے۔ ہمیں ان کے پرابلمز کو حل کرنا چاہیے، نا کہ اپنے پرابلمز سے انہیں اُلجھانا چاہیے۔ آپ نے نہیں دیکھی، میں نے دیکھی ہے وہ اسٹریس۔ وہ فرسٹریشن۔ بہرحال، وہ سب گزر گیا سو اب ہمیں اس کا ذکر بھی نہیں کرنا چاہیے۔" فارحہ نے بات سمیٹ دی تھی۔

"ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔ آئی ایم ریڈی۔ میں باہر دیکھتا ہوں۔ گیسٹ آنا شروع ہو گئے ہیں۔ آپ بھی تیار ہو کر آ جایئے۔"

"ٹھیک ـــــ لیکن اپنی بیٹی سے ملنا مت بھولیے گا۔ کچھ نروس ہو گی وہ۔ پوچھ لیجئے گا اُسے۔"

فارحہ نے لبوں پر لپ اسٹک لگاتے ہوئے کہا تھا۔ سعد نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

❋❋❋
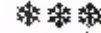
"تمہاری آنٹی فارحہ کا فون آیا تھا۔ ماہا کی انگیج منٹ ہے آج۔ تم نے جانا نہیں کیا؟" وہ بیڈ پر آڑھی ترچھی لیٹی ہوئی تھی جب زوباریہ نے اس کے کمرے کی کھڑکی کے پردے کھینچتے ہوئے کہا تھا۔

"نہیں ـــــ موڈ نہیں۔" اس نے بہت مدھم لہجے میں کہا تھا۔

زوباریہ نے چند لمحوں تک اسے خاموشی سے دیکھا تھا، پھر چلتی ہوئی اس کے قریب چلی آئی تھی۔

"جیا ایسے نہیں جاتا میرب! ـــــ جینا سیکھو۔ میں تمہارے لیے کافی بنا کر لاتی ہوں۔" زوباریہ اس کے بالوں میں ہاتھ پھیر کر اٹھی اور چلتی ہوئی باہر نکل گئی تھی۔

"میں نہیں جانتی جیا کیسے جاتا ہے۔ نہیں جینا آتا مجھے۔" میرب نے سر بیڈ پر پٹخا تھا۔ مائی نے اسے کچھ نہیں بتایا تھا۔ جیسے پاپا کے اور ان کے درمیان کوئی بات ہوئی ہی نہ ہو۔ مائی جھوٹ تو نہیں بول سکتی تھیں۔ وہ ان پر اعتبار کرتی تھی۔ جب وہ جھوٹ نہیں بول رہی تھیں یقیناً سچ یہی تھا کہ ان کی اور پاپا کی کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔

اب باقی بچتے تھے پاپا ـــــ ان کے آنے تک اسے انتظار تو کرنا ہی تھا۔ وہ ایک دن کے لیے جرمنی گئے تھے اور جب تک وہ واپس آ جاتے، اسے یوں ہی سوچتے رہنا تھا۔ پتہ نہیں کیا کر رہی تھی اس کے ساتھ زندگی۔

وہ اسی طرح اوندھے منہ پڑی تھی جب اس کا سیل فون بجا تھا۔ اس نے بے دھیانی سے دیکھے بغیر فون کان سے لگا لیا۔

"کتنی بے مروت لڑکی ہو تم ـــــ اس دنیا کی سب سے خود غرض لڑکی۔" سیفی نے کوئی لگی لپٹی رکھے بغیر کہا تھا۔

"اوہ ـــــ سیف الرحمٰن! تم؟" اس کے ہوش ایک منٹ میں ٹھکانے آ گئے تھے۔

"سیف الرحمٰن کی بچی ـــــ کہاں غائب ہو تم؟ ـــــ اتنی منتوں مرادوں کے بعد خدا خدا کر کے میری انگیج منٹ ہو رہی ہے اور تم غائب ہو۔" سیف نے گلہ کیا تھا۔

اپنے برے موڈ کے باوجود وہ مسکرائے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔

"سیفی! تم بھی نا ـــــ"

"آج واقعی میری انگیج منٹ ہونے جا رہی ہے۔"

"ہاں ـــــ جانتی ہوں میں۔ پتہ ہے مجھے۔" وہ مدھم لہجے میں بولی تھی۔

"پتہ ہے اور پھر بھی غائب ہو۔"

"غائب نہیں ہوں سیف! دراصل میری طبیعت خراب ہے۔ زوباریہ بھی یہی کہہ رہی تھی۔"

"تو تم نہیں آ رہی ہو؟" سیف الرحمٰن کو حیرت ہوئی تھی۔

"میں آئی تو پھر بھی تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہو گا سیفی! ـــــ میرا موڈ بہت خراب ہے۔"

"شٹ اپ میرب! ـــــ تمہیں صرف اپنی پرواہ ہے، میری نہیں۔ کیسی لڑکی ہو تم؟ ـــــ ٹھیک ہے، مت آؤ۔ آرام کرو۔ بائے۔" سیف الرحمٰن نے فون بند کر دیا تھا۔

میرب سیل فون ہاتھ میں لیے رہ گئی تھی۔

کیوں سمجھ نہیں رہا تھا سیفی ـــــ؟

وہ اس موڈ کے ساتھ کیسے شرکت کر سکتی تھی؟ ـــــ اس موڈ کے ساتھ شرکت کرنے کا مطلب کسی اور کا موڈ بھی خراب کرنا تھا۔ مگر سیفی یقیناً سمجھ نہیں رہا تھا۔ ناراض ہو گیا تھا وہ۔ اگر کوئی اور وقت ہوتا تو وہ اسے منانے کی، کوشش فوری طور پر کرتی مگر اس وقت تو وہ اپنی جگہ سے نہیں اٹھی تھی۔ جب ہی دوبارہ سیل فون بجا تھا۔

"ہیلو سیفی! آئی ایم سوری۔ تم......"

"ہیلو، اِٹس ناٹ سیفی۔ اذہان ہئیر۔ وہاٹ ہیپنڈ؟" اذہان نے پوچھا تھا۔

اس نے تھکے ہوئے انداز میں ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے سر دوبارہ بیڈ پر رکھ دیا تھا۔

"ہائے اذہان! ـــــ کیسے ہو؟ ابھی تھوڑی دیر پہلے سیفی کا فون آیا تھا۔ وہ مجھے آنے کے لیے کہہ رہا تھا۔ لیکن میں نہیں آنا چاہتی۔"

"کیوں ـــــ اب کیا ہوا؟" اذہان نے اس کی بات سن کر مکمل رسانیت سے پوچھا تھا۔

"کچھ نہیں ـــــ تم کہاں ہو اس وقت؟"

"میں اس انگیج منٹ وینیو میں ہوں۔ تم ریڈی ہو؟"

"نہیں۔" میرب کو صاف لگا تھا اب اس کا انکار کوئی معنی نہیں رکھے گا۔ تب ہی تھکے ہوئے لہجے

میں بولی تھی۔

"تو ٹھیک ہے ـــــ تم آدھے گھنٹے میں ریڈی ہو جاؤ۔ میں پک کر لیتا ہوں۔"

"اذہان! ـــــ موڈ نہیں ہے۔ پھر کبھی سہی۔ آج نہیں۔" اس نے کمزور لہجے میں انکار کیا تھا۔

"کوئی بات نہیں ـــــ موڈ بن جائے گا۔ اور جب موڈ خراب ہو تو اسے ٹھیک کرنے کے لئے وہ کرنا چاہئے جس کے لئے دل نہ چاہ رہا ہو۔ ایسا کرنے سے خراب سے خراب موڈ بھی ٹھیک ہو جاتا ہے۔ شاباش، تیار ہو جاؤ۔" اذہان نے کہہ کر فون بند کر دیا تھا اور تب میرب کے پاس کوئی اور راہ نہیں بچی تھی ماسوائے اٹھنے اور تیار ہونے کے۔

❋ ❋ ❋

گی چپ چاپ الماری کے اندر سے کپڑے نکال کر سوٹ کیس میں ڈال رہی تھی جب سردار سبکتگین حیدر لغاری اندر داخل ہوا تھا۔

"یہ کیا کر رہی ہو تم؟"

"کچھ نہیں ـــــ پیکنگ کر رہی ہوں۔ تمہاری ٹکٹ کنفرم ہو گئی جانے کی؟"

"نہیں ـــــ میں نے ٹرائی نہیں کیا۔ یہ پیکنگ کس لئے؟ ـــــ خیریت؟"

"ہاں ـــــ سب ٹھیک ہے۔ بہت اچھا لگا۔ بہت مزہ آیا۔ بہت سارا اچھا وقت گزارا میں نے یہاں۔ اور اب واپسی۔"

"واپسی؟ ـــــ تم کہاں جا رہی ہو؟"

"واپس ـــــ بھول گئے تھے؟ میں تو یہاں کچھ دنوں کے لئے ہی آئی تھی۔" گی بہت اطمینان سے مسکرائی تھی۔

"ہاں، مگر......"

"مگر کیا؟ ـــــ جب پتہ ہے تو واپسی شرط ہے۔ آئی ہوپ کہ تم اپنی اس اچھی سی دوست کو مس ضرور کرو گے۔"

"شٹ اپ گی! ـــــ تم یہاں سے صرف اس لئے بھاگ رہی ہو کہ......"

"ہاں ـــــ بھاگ رہی ہوں۔" گی اپنا کام جاری رکھتے ہوئے مسکرائی تھی۔ "میں یہاں ایک کام سے آئی تھی گین! کام ختم اور میرا واپس جانا ضروری ہو گیا ہے۔" گی بولی تھی اور سردار سبکتگین حیدر لغاری اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

"تم صرف اس لئے واپس جا رہی ہو کہ......"

"نہیں گین! ـــــ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ مجھے تو واپس جانا ہی تھا۔ اور اب وہ مقصد بھی پورا ہو گیا ہے۔ میں چلی بھی جاؤں گی مگر میں چاہتی ہوں گین! تم اپنی زندگی بہت اچھی طرح سے گزارو اور اس کے ساتھ گزارو جس کے ساتھ تم گزارنا چاہتے ہو۔ اختلافات بہت معمولی ہیں گین! بھلا دو سب کچھ۔ یہ یاد رکھو کہ کوئی ضروری ہے اور اس کے ساتھ زندگی کتنی ضروری ہے۔"

نے ہمیشہ کی طرح ایک ہی بات پر زور دیا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

"اچھا بولتی ہو ـــــ تمہاری باتیں بھی اچھی لگتی ہیں۔ مگر زندگی تمہاری خوب صورت باتوں کی طرح نہیں ہے۔ زندگی بہت الگ ہے گی!" سردار سبکتگین حیدر لغاری کا لہجہ مدھم تھا۔

"کچھ بھی الگ نہیں ہے گین! تم ایک بار قدم بڑھاؤ۔ سب ایک جیسا ہو جائے گا۔ یہ منظر بدل جائے گا۔ تم ہاتھ بڑھا کر تو دیکھو۔" گی جانے سے پہلے جیسے سب چیزوں کو ان کی جگہ پر دیکھنا چاہتی تھی۔

"یہ سب باتیں تم ہزاروں بار کہہ چکی ہو گی!" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے یاد کرایا تھا۔ "میں چاہتا تھا تم یہاں رہو۔ اس گھر کو اپنا گھر سمجھو مگر تم......" کچھ سوچ کر بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔

گی مسکرا دی تھی۔

"یہ گھر کسی اور کا ہے گین! اور جس کا ہے اسے اس کے اندر آنے کی اجازت دو۔ میں تو تمہاری بھی دوست ہوں۔ آتی جاتی رہوں گی۔ جسے ہمیشہ یہاں رہنا ہے تم اس سے کیوں نظریں چرا رہے ہو؟" گی نے بات کا رخ ایک بار پھر اسی طرف موڑا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔ پھر قدرے توقف سے بولا تھا۔

"تم جانتی ہو گی! میں بہت پریکٹیکل قسم کا بندہ ہوں۔ زندگی کو دیکھنے کی اور برتنے کی لاجک بہت الگ ہے میری۔ میں زندگی کو تمہاری نظر سے نہیں دیکھتا۔ تم جو باتیں کرتی ہو، دنیا کے دو پرسنٹ لوگ ہی ان باتوں پر یقین نہیں کرتے۔ تم ایک جذباتی لڑکی ہو اور میں تمہارے خیالات کی قدر کرتا ہوں۔ نو ڈاؤٹ ـــــ زندگی ان باتوں کے سہارے آباد نہیں ہوتی۔ تم اس طرح تنہا کھڑی ہو تو اس میں قصور تمہاری اپنی سوچوں کا ہے۔" وہ روانی سے کہہ گیا تھا۔

گی جو تیزی سے سامان رکھ رہی تھی، ایک لمحے میں اس کا ہاتھ رک گیا تھا۔ وہ پلٹ کر سردار سبکتگین حیدر لغاری کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کو گمان تک نہیں گزرا تھا کہ وہ کچھ غلط کہہ گیا ہے۔

"میں اگر تنہا ہوں تو اس میں قصور میری سوچوں کا نہیں ہے گین! ـــــ ایسا طے شدہ تھا۔ میری قسمت ہے یہ ـــــ اور میں اسے قبول کرتی ہوں۔" وہ بہت مضبوط لہجے میں بولی تھی۔ آنکھوں میں نمی صاف دکھائی دے رہی تھی۔ اس کا اس حالت میں اتنا اسٹریس لینا اور اتنی دیر کھڑے رہنا مناسب نہیں تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کو خیال آیا تھا اور اس نے گی کو شانوں سے تھام کر بیڈ پر بٹھا دیا تھا۔

"ریلیکس گی! ـــــ سوری، میرا مطلب یہ نہیں تھا۔ لکھا یا طے شدہ کچھ نہیں ہے۔ ہم جو سوچ لیتے ہیں جو کرتے ہیں اسی سے ہماری آگے والی، آئندہ آنے والی زندگی بنتی ہے۔" نرمی سے سمجھایا تھا۔

"بات اپنے اپنے سوچنے کی ہے گین! ـــــ جیسا تم سوچتے ہو ویسا میں نہیں سوچتی۔ اور جیسا

میں سوچتی ہوں ویسا تم نہیں سوچتے۔ بعض اوقات کسی کو پا ہی لینا کافی ہوتا ہے اور بعض اوقات پا ہی لینا کافی نہیں ہوتا۔ اور تمہیں تو یہ بھی نہیں پتہ کہ میں تنہا ہوں بھی یا کہ نہیں۔ مگر میں تمہاری طرح سوچوں تو شاید مجھے بھی لگے کہ میں خالی ہاتھ ہوں اور تنہا ہوں مگر —— میں ایسا سوچتی ہی نہیں۔ میرے ہاتھ خالی ضرور ہیں گین! مگر میرا دل بھرا ہوا ہے اور جب دل بھرا ہوا ہو تو پھر کسی اور شے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ میرے پاس آدھی ادھوری ہی سہی، محبت ضرور ہے۔ اور میں اس پر شرمندہ بھی نہیں ہوں۔ کچھ یادیں بھی ہیں اور ان کے ہونے پر بھی پُر ملال نہیں ہوں۔ میں جو بھی ہوں، جیسی بھی ہوں اپنے آپ کو قبول کرتی ہوں اس لئے میں دوسروں کو بھی اتنی آسانی سے قبول کر سکتی ہوں۔ شاید دوسروں کو میں بہت غلط لگتی ہوں۔ مگر میں صحیح ہوں۔ یہ بات میں جانتی ہوں۔'' گی کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ ایک پُر اعتماد، دھیمی سی مسکراہٹ۔ جیسے وہ اپنی سوچ سے ہی سردار سبکتگین حیدر لغاری کو شکست دے رہی ہو۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔ پھر گھٹنوں کے بل اس کے عین سامنے بیٹھا ہوا نرمی سے بولا تھا۔

''گی! تم غلط نہیں ہو۔ میری اتنی اچھی دوست غلط ہو ہی نہیں سکتی۔ کیا تم مجھے بھی اپنے جیسا سوچنا سکھا سکتی ہو؟'' وہ اس کا موڈ درست کرنے کو مسکرایا تھا۔ گی کے لبوں پر بھی مسکراہٹ آ گئی تھی۔

''سچ میں گی! تم بہت اچھی ہو۔ اتنی اچھی کہ اگر میری زندگی میں میری اس ہو کالڈ وائف کی جگہ نہ بن چکی ہوتی تو شاید میں تم سے شادی بھی کر لیتا۔'' وہ شرارت سے مسکرایا تھا۔ گی کھل کر مسکرا دی تھی۔

''اس کو مانو گے تب ہی تو اسے زندگی میں جگہ دے پاؤ گے۔ ویسے مان تو تم چکے ہو۔ بس یہ اپنی انا پرستی کی دیواریں بھی گرا دو۔''

''تمہارا خیال ہے، میں انا پرست ہوں اور وہ جو فیمی ازم میں قید ہے، اس کو کیا کہو گی تم؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری ایک پل میں سنجیدہ ہوا تھا۔ ''مسئلہ جہاں نہیں بھی ہوتا ان محترمہ کو خود مسئلہ کھڑا کر اچھا لگتا ہے۔ جہاں غلطی نہیں بھی ہوتی، وہاں بھی غلطیاں تلاش کرتی ہیں وہ۔''

''نہ تم یہ میل ایگو ازم توڑنے کو تیار ہو نہ وہ اپنے فیمی ازم سے باہر آنے کو تیار ہے۔ تو پھر بات کیسے بنے گی؟'' گی کو تشویش تھی۔ وہ صحیح معنوں میں ان دونوں کی خیر خواہ تھی۔

''بات اب بنے گی نہیں گی! ختم ہو گی۔ اِٹس آل ریڈی ڈن۔ بات ختم ہی ہونے جا رہی ہے۔ محترمہ نے آغاز کر دیا ہے۔ بلکہ بہت دن پہلے آغاز کر دیا تھا۔ وہ اس رشتے کو ختم کرنا چاہتی ہیں تو رشتہ ختم ہو جائے گا۔ میں تو صرف ان کی خواہشوں کو پورا کر رہا ہوں۔ تم کس بات کی فکر کر رہی ہو گی؟''

''دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا بھی گین! وہ نا سمجھی میں کر چکی ہے تو کیا تم بھی؟ —— تم تو دار ہو۔ کم از کم کلیئر کرنے کی کوشش کرو۔''

''کیا کلیئر کرنے کی کوشش کروں؟ —— وہ منا رہی ہے سب کچھ اور تم بات کرتی ہو کلیئر کرنے کی۔ کلیریفیکیشن کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جہاں کچھ باقی بچتا ہو اور اس کے اور میرے درمیان سب ختم ہونے کو ہے اور میں اپنی صفائیاں آپ پیش نہیں کر سکتا۔ اس سب کے لئے ''معافی نامہ'' دائر نہیں کر سکتا جو میں نے کبھی کیا ہی نہیں۔ مجھے سمجھوتہ نہیں کرنا ہے۔ اور ایسے حالات میں تو قطعاً ہی نہیں۔ اگر وہ اپنی فضولیات کی سوچوں میں زندہ رہنا چاہتی ہے تو رہے۔ میں اسے کسی بات کی کوئی وضاحت نہیں دوں گا۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری کا لہجہ اور انداز دوٹوک تھا۔

''تمہیں کوئی فرق نہیں پڑتا گین؟'' گی نے نرمی سے پوچھا تھا۔ ''اس کے ایسا کرنے سے —— دور جانے سے تمہیں کوئی فرق نہیں پڑتا؟ —— چلو مان لو، وہ غلط کر بھی رہی ہے۔ جو بھی کر رہی ہے وہ غلط کر رہی ہے مگر تم نے کیا، کیا اس رشتے کو بچانے کو؟ —— کوئی ایک بھی اسٹیپ لیا؟ —— اگر کبھی لیا ہوتا تو آج تمہارا یہ رشتہ اس طرح ٹوٹ نہیں رہا ہوتا۔ اس بے چاری لڑکی کو سارے الزام مت دو گین! غلطیاں آپ کی بھی ہیں۔ اگر آپ بہت اچھے ہیں تو اسے غلط ثابت کیوں نہیں کر دیتے؟ وہ صرف غلط فہمیوں کا شکار ہے تو اس کی غلط فہمی دور کر دو نا۔ سارا اعتبار اسی کی طرف سے کیوں؟ تم بھی تو کچھ اعتبار کر سکتے ہو اس پر۔ تھوڑا اعتبار سونپ سکتے ہو اسے۔ تم اتنا کچھ اس کی طرف سے کیوں امید کرتے ہو؟ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ کچھ امیدیں اس کی بھی ہو سکتی ہیں۔ وہ بھی تو ایسا سوچ سکتی ہے کہ پہلے تم ہاتھ بڑھاؤ، اسے تھامو، سہارا دو۔ کیا غلط چاہتی ہے وہ گین؟ لڑکیاں عجیب ہوتی ہیں گین! ان کی خواہشات بھی عجیب ہوتی ہیں۔ انہیں سمجھنا اتنا مشکل نہیں۔ بس دل چاہئے۔ بے وقوف ہوتی ہیں کچھ۔ دل سے سوچتی ہیں۔ جو بھی کرتی ہیں دل سے کرتی ہیں۔ سو انہیں دماغ والے نہیں سمجھ سکتے۔'' گی نے میرب کا بھرپور دفاع کیا تھا۔

''ٹھیک کہتی ہو تم۔ لڑکیوں میں عقل تھوڑی ہوتی ہے۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے حتمی طور پر کہا تھا۔ گی کا دل سر پیٹ لینے کو چاہا تھا۔

''سردار سبکتگین حیدر لغاری! کبھی سوچیں گے کہ لڑکی بھی کوئی احساس یا جذبات رکھتی ہے۔''

''میں لبرل ہوں گی! میرے لئے لڑکی یا لڑکے سے فرق نہیں پڑتا۔ مرد ہو یا عورت، اپنی غلطیوں کو ماننا چاہئے۔''

''تم مانتے ہو؟'' گی اس کی بات کاٹتی ہوئی بولی تھی۔

''کیا؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بنا سمجھے کہا تھا۔

''گین! غلطیاں تو تم سے بھی ہوئی ہیں۔ پھر سارا الزام اسی پر کیوں؟ ٹھیک ہے، اگر آپ اسے کچھ نہیں بتا سکتے تو میں بتا دیتی ہوں۔'' بہت اطمینان سے کہا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری چونک پڑا تھا۔

''کیا بتاؤ گی تم اُسے؟''

''سب۔'' گی کا اطمینان ہنوز برقرار تھا۔

''سب کیا؟'' گی کے کہنے پر سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی طرف دیکھا تھا۔ ''گی! میں تم

سے یہ بچوں جیسی باتوں کی امید نہیں کرتا۔ کم از کم تم تو اس طرح کی باتیں نہ کرو۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری بولا تھا۔

"یہ بچوں جیسی باتیں نہیں ہیں گین!"

"پھر بھی تم کسی سے کچھ نہیں کہو گی۔" حکم جاری ہوا تھا۔

"تو پھر تم کیا کہو گے؟" گی نے اس کی طرف دیکھا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کچھ نہیں بولا تھا۔ چپ چاپ اٹھا تھا اور باہر نکل گیا تھا۔

❄❄❄

بہت ہی گہما گہمی ہو رہی تھی —— لوگ تھے —— ہجوم تھا —— مگر وہ اس بھیڑ میں بھی تنہا ہی کھڑی تھی۔ اپنے ہی دھیان میں۔ اِدھر اُدھر کی کچھ پرواہ تھی نہ فکر۔

اذہان اُسے یہاں لے ہی آیا تھا مگر یہاں کے ماحول نے موڈ پر کچھ زیادہ اثر نہیں ڈالا تھا۔ اس کا موڈ جوں کا توں تھا۔

"کیا ہوا؟ —— آپ چپ چاپ کیوں کھڑی ہیں؟" ایک دوستانہ لہجہ اس کے قریب ہی اُبھرا تھا۔

میرب نے چونک کر سر اٹھایا تھا۔ سامنے بلیو شیفون کی ایمبرائیڈڈ ساڑھی میں نازک سی لڑکی کھڑی تھی۔ میرب کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی۔

"ساہیہ؟" میرب نے مدھم لہجے میں پکارا تھا۔

"اب پوچھئے میں نے آپ کو کیسے پہچانا؟"

میرب اس کی بات پر بھی کچھ نہیں بولی تھی۔ تب ہی وہ مسکراتی ہوئی اسی شگفتگی سے بولی تھی۔

"دنیا کی سب سے اچھی اور خوبصورت لڑکی کو پہچاننا کچھ اتنا مشکل بھی نہیں۔" ساہیہ کے لبوں پر بڑی دوستانہ سی مسکراہٹ تھی۔

میرب کے لئے مسکرانا ضروری ہو گیا تھا۔

"ہاں —— میں ہی میرب ہوں۔ میرے لئے بھی تمہیں پہچاننا مشکل نہیں رہا۔ میں بھی کچھ ایسا ہی سوچ رہی تھی۔"

ساہیہ ہنس دی تھی۔

"ہم دونوں ایک دوسرے کے بارے میں کافی اچھا سوچتے ہیں۔ لیکن آپ اس قدر چپ کیوں کھڑی تھیں؟" ساہیہ نے پوچھا تھا۔

"نہیں —— میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی۔ میں تو آنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ مگر سیفی نے بہت ضد کی۔ سو آنا پڑا۔ وہ میرا بہت اچھا دوست ہے۔ میں اس کی بات نہیں ٹال سکتی۔ سو چلی آئی۔"

میرب نے ایک مروت بھری مسکراہٹ لبوں پر سجا کر کہا تھا۔ ساہیہ مسکرا دی تھی۔

"نائس ہاؤ۔ آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔" ساہیہ نے اپنا ہاتھ بڑھا دیا تھا۔

"تم سے مل کر بھی بہت خوشی ہوئی۔ تمہارے بارے میں اذہان سے بہت سنا تھا۔ دیکھا تو پتہ چلا ان غلط نہیں تھا۔" میرب مسکرا دی تھی۔

"ارے آپ اس کی باتوں پر یقین کرتی ہیں؟ —— اُسے تو عادت ہے بے پر کی اُڑانے کی۔ ان نے آپ کے بارے میں غلط نہیں کہا تھا۔" ساہیہ اپنے شگفتہ سے انداز میں مسکرائی تھی۔

"آپ کھڑی کیوں ہیں؟ —— آپ کی تو طبیعت بھی ٹھیک نہیں۔ آپ پلیز بیٹھ جائیے۔ ابھی ی ہی دیر میں منگنی کی پارٹی شروع ہو رہی ہے۔ آپ سیفی سے ملنا چاہیں گی، اس لئے آپ یہاں ہی بیٹھئے۔" ساہیہ نے ایک قریب پڑی چیئر کی طرف اشارہ کیا تھا۔

میرب کو ہجوم سے یوں بھی اُلجھن سی ہو رہی تھی۔ عجیب مردہ سا دل ہو رہا تھا۔ تب ہی اس نے رنفی میں ہلا دیا تھا۔

"نہیں —— میں یہیں ٹھیک ہوں۔"

"آپ کی سگی خالہ کا گھر ہے اور آپ پھر بھی اتنی فارمل ہو رہی ہیں۔" ساہیہ نے مسکراتے کہا تھا۔

"نہیں —— ایسا نہیں ہے۔ اس گھر میں بھاگتے دوڑتے بڑی ہوئی ہوں میں۔ پھر یہ گھر میرے لیے کیسے ہو سکتا ہے؟" میرب پُر اعتماد انداز میں گویا ہوئی تھی۔

ساہیہ مسکرا دی تھی۔

"ہاں —— میں تو بھول ہی گئی تھی۔"

"کیا؟" میرب چونکی تھی۔

"یہی کہ آپ اس گھر کی بہت پیاری سی بیٹی ہیں۔ فارحہ آنٹی واقعی آپ سے بہت پیار کرتی ساہیہ کا انداز شفاف تھا۔

"ہاں —— ایسا ہی ہے۔ اذہان بہت لکی ہے اسے تم جیسی لڑکی ملی۔"

ساہیہ ہنس دی تھی۔

لیا سے پوچھ کر دیکھئے گا۔ اسے لگے گا میں لکی ہوں جسے اس جیسا لڑکا ملا۔ آپ کو پتہ ہے کتنی بار ان سے آپ سے ملوانے کو کہا مگر وہ ہر بار ٹال گیا۔ مجھے تو لگا وہ چاہتا ہی نہیں ہے کہ میں آپ ۔" ساہیہ مسکرائی تھی۔ اس کے انداز میں کہیں کوئی طنز نہیں تھا۔ کوئی تجسس بھی نہیں تھا۔

ب کے دل میں بھی کہیں کوئی چور نہیں تھا۔ سو اعتماد سے اس کی طرف دیکھتی ہوئی مسکرائی تھی۔ ا میں اذہان کے ساتھ اس کا کوئی بھی رشتہ رہا ہو اب اس کی کوئی حقیقت نہیں رہی تھی اور ایسا دل جانتا تھا۔ مگر شاید ساہیہ کہیں اس حقیقت سے بے خبر تھی۔ شاید اس کی یادداشت کے کسی ں اب بھی وہ رشتہ زندہ تھا اور میرب اس بات کی حقیقت پا گئی تھی۔ تب ہی بہت نرمی سے ف دیکھتی ہوئی مسکرائی تھی۔

"یہ کیا دیکھ رہی ہیں آپ؟"

"کچھ نہیں ـــــ صرف محبت تلاش کر رہی ہوں۔ جو اذہان تم سے کرتا ہے اور تم اذہان سے کرتی ہو۔"

ساہیہ مسکرا دی تھی۔

"تو پھر کیا نظر آیا آپ کو؟" ساہیہ نے دلچسپی سے پوچھا تھا۔

"محبت۔" میرب دھیمے سے لہجے میں بولی تھی۔

"محبت؟" ساہیہ چونکی تھی۔

"ہاں، محبت۔ محبت زندگی میں کئی زاویے بدل کر آتی ہے ساہیہ! کئی رنگوں میں نظر آتی ہے اور ہر بار رنگ نیا ہوتا ہے۔ اذہان نے شاید تمہیں نہ بتایا ہو مگر اس کی زندگی میں تم بہت اہم ہو ـــــ سب کی زندگی میں کوئی نہ کوئی ہمارے لئے بہت اہم ہوتا ہے۔ جیسے میرے لئے کوئی اہم ہے۔ اتنا کہ میں اس کے بنا جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ وہ میرا شوہر ہے۔ میری دنیا اس کے گرد گھوم رہی ہے۔ آج وہ یہ بات نہیں سمجھ رہا مگر ایک دن ضرور سمجھ جائے گا۔ ایسے ہی اذہان کی دنیا میں تم ہو۔" میرب نے ایک لمحہ ہاتھ میں آتے ہی ساہیہ کی سوچ کا رُخ بدل دیا تھا۔

ساہیہ اسے ساکت سی دیکھ رہی تھی۔ جب اذہان وہاں ان کے درمیان آن رکا تھا۔

"یہ تم دونوں خواتین کیا سازش کر رہی ہو؟"

"کچھ خاص نہیں۔ ہم بس آپ کی برائیاں کر رہے تھے۔" ساہیہ مسکرائی تھی۔

"اوہ، آئی سی۔ میرب! تم بھی ان کے ساتھ مل گئیں۔ کم از کم مجھے تم سے ایسی امید نہیں تھی۔" اذہان نے شکوہ کیا تھا۔

"نہیں ـــــ میں صرف اپنے شوہر کی برائیاں کر رہی تھی۔" میرب نے مسکراتے ہوئے جتایا۔ اذہان نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ لمحہ بھر کو آنکھیں کچھ بجھی تھیں۔

"چلو ـــــ منگنی پارٹی شروع ہو رہی ہے۔ باقی کی برائیاں آپ دونوں خواتین کسی اور وقت کر سکتی ہیں۔ فی الحال یہ کام بھی اہم ہے۔" اذہان بولا تھا اور ساہیہ مسکراتی ہوئی میرب کا ہاتھ تھام آگے بڑھنے لگی تھی۔

❄❄❄

"ممی کا فون آیا تھا صبح۔ اوزی کے لئے لامعہ کا ہاتھ مانگنے جانا ہے۔ آج شام آپ جلدی آ جائیں گا تو ہم چلیں گے۔" صبح کی معمول کی روٹین کے ساتھ اناہیہ نے اطلاع دی تھی۔

عفنان نے شرٹ کے بٹن بند کرتے ہوئے اسے ایک نگاہِ غلط انداز سے دیکھا تھا۔ وہ الماری کھولے غالباً اس کے لئے میچنگ کی ٹائی نکال رہی تھی۔ سب کچھ تھا مگر درمیان کی وہ سرد مہری بدستور پھر بھی قائم تھی، وہ ختم نہیں ہو رہی تھی۔ عفنان اس کی وجہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ ایک اجنبیت برقرار تھا تو کیوں تھا؟

"اگر آپ کے پاس وقت نہ ہو تو بتا دیجئے ـــــ میں چلی جاؤں گی۔" خالصتاً بیویوں جیسے انداز میں وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے خدوخال میں ڈھل رہی تھی۔ اجنبی بننے کے باوجود مکمل طور پر اجنبی نہیں بن پا رہی تھی۔ ایک ٹائی برآمد کر کے پلٹی تھی۔

"یہ ٹھیک ہے؟" ٹائی کی طرف اشارہ کیا تھا۔

عفنان نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"دوستی ہو گئی؟" ٹائی تھامتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

اناہیہ نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا جیسے وہ سمجھ نہیں پائی تھی کہ وہ کس کی بابت دریافت کر رہا تھا۔

وہ قریب تھی۔

ایک خواہش اندر اُبھری تھی۔

اسے تھام کر قریب کر لینے کو دل چاہا تھا۔

مگر وہ ہاتھ صرف ٹائی تھام کر بے خبر ہو گیا تھا۔

"آپ کو خوشی نہیں ہوئی؟" اناہیہ نے پلٹ کر الماری بند کرتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

عفنان مسکرا دیا تھا۔

"خوشی کی بات ہے؟" انداز میں ایک خفیف سا طنز تھا۔

اناہیہ نے پلٹ کر اسے دیکھا تھا۔

"خوشی کی بات تو ہے۔ دلوں میں میل رکھنا اچھی بات تو نہیں۔" اطلاع دی تھی۔

"اچھا ـــــ یہ بات آپ کہہ رہی ہیں؟" عفنان علی خان نے ٹائی کی ناٹ باندھتے ہوئے ایک عجیب سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا تھا۔

"ہاں ـــــ میں ہی کہہ رہی ہوں۔" اس کی کوئی پرواہ کئے بنا وہ بولی تھی۔

"میں نے کبھی کسی کے لئے میل دل میں نہیں رکھا۔ آپ کو کیا لگتا ہے؟" اس کے طنز کو محسوس کرتے ہوئے وضاحت دے کر پوچھا تھا۔ عفنان علی خان نے اس کی طرف دیکھا تھا پھر شانے اچکا دیئے تھے۔

"آپ کا اشارہ پھر میری طرف کیوں ہوا؟" اناہیہ نے نشاندہی کی تھی۔

"میں نے کوئی اشارہ نہیں کیا۔ آپ تو چور کی داڑھی میں تنکے والی بات کر رہی ہیں۔" وہ بڑے اطمینان سے پرفیوم اسپرے کرتا ہوا مسکرایا تھا۔

اناہیہ کی حیرت کی حد رہ گئی تھی۔

"کیا؟ ـــــ میں بھی آپ ڈھکے چھپے انداز میں طنز فرما رہے ہیں۔ آپ تو کھلے عام الزامات لگا رہے ہیں۔"

"لو ـــــ ہو گئی شروع جنگ دوئم۔" وہ اکتا کر بولا تھا۔

"آپ منہ ہی منہ میں بڑبڑ کیا کر رہے ہیں؟ ـــــ کچھ سنانا ہے تو اونچی آواز میں سنا دیجئے۔"

انابیہ نے کمبل تہہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

"کچھ نہیں سنانا مجھے آپ کو۔ سنایا وہاں جاتا ہے جہاں کوئی اثر بھی ہو۔ یہاں کچھ کہنا، نہ کہنا بے کار ہے۔" بات ختم کرنے کی کوشش کی تھی۔

انابیہ اس قطعی انداز پر اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔ سوٹڈ بوٹڈ وہ شخص ایک پل میں بہت پرایا لگا تھا۔ جیسے اس کے اور انابیہ کے بیچ کوئی تعلق ہی نہ ہو۔ انابیہ کو ایک لمحے میں اپنا آپ بہت خالی لگا تھا۔ ہاتھوں کی گرفت کمبل پر کمزور پڑی تھی۔ اس نے کمبل وہیں چھوڑ دیا تھا اور چلتے ہوئے اس کے قریب سے گزر کر باہر نکل جانا چاہا تھا۔ تب ہی عفنان علی خان نے اس کی کلائی کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا انابیہ نے سوالیہ نظروں سے اس شخص کی طرف دیکھا تھا مگر عفنان کے لبوں پر چپ تھی۔

"بیویوں والے سارے تیور آتے جا رہے ہیں آپ میں۔" لبوں پر خفیف سی مسکراہٹ لئے وہ بولا تھا۔

"یہی بتانے کے لئے آپ نے راستہ روکا ہے؟" وہ نظریں پھیرتی ہوئی بولی تھی۔

"راستہ کہاں روکا ہے؟ ——— میں نے ہاتھ تھاما ہے۔ ہاتھ تھامنے والے ساتھ چلتے ہیں، راہ رکاوٹ نہیں بنتے۔ اگر آپ کو لگتا ہے کہ میں آپ کے راستے کی کوئی رکاوٹ ہوں تو ہاتھ چھڑا کر آگے بڑھ جایئے۔ اپ ٹو یو۔" بہت بامعنی بات بہت ہی سرسری انداز میں کہتے ہوئے عفنان علی خان نے دھیان اس کی طرف سے ہٹایا تھا اور ساتھ ہی اس ہاتھ کو بہت آہستگی سے چھوڑ دیا تھا۔

انابیہ اپنی جگہ ساکت رہ گئی تھی۔

ایک پل میں اس شخص نے ساری بات ختم کر دی تھی۔ وہ کیوں نہیں سمجھتا تھا کہ جو باتیں اس کے لئے بہت معمولی تھیں وہ انابیہ کے لئے غیر معمولی بھی ہو سکتی تھیں۔ وہ پلٹ کر اس ہاتھ کو تھام نہیں سکی تھی۔ وہ ہاتھ خود اس نے چھڑا لیا تھا اور وہ ——— وہ تو اب تک اس کے ساتھ صرف اپنی مرضی سے تھی۔ اس شخص کی مرضی اس میں کہیں نہیں تھی۔

یعنی اس کا یہاں رہنا یا نہ رہنا صرف اس کا فیصلہ تھا۔ اس شخص کو اس سے کوئی سروکار ہی نہ تھا کوئی فرق پڑتا ہی نہ تھا۔ وہ چلتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔

عفنان علی خان نے اسے خود سے دور جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس کے اور اپنے درمیان فاصلے بڑھتے دکھائی دیے تھے۔ پہلے سے بھی کہیں زیادہ۔ اس تعلق کا انجام کیا ہونا تھا؟ وہ نہیں سمجھ سکا تھا۔

❄ ❄ ❄

زوبا ریہ نے بتایا تھا کہ اس سے کوئی ملنے آیا ہے۔

وہ سمجھی شاید سابیہ ہو گی۔ وہ نیچے آئی تھی مگر وہاں گی کو دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔

"آپ؟"

گی بہت اطمینان سے مسکرا دی تھی۔

"کیسی ہو تم؟ ——— مجھے یہاں دیکھ کر حیرت ہو رہی ہے؟"

"ٹھیک ہوں ——— مائی سے صبح بات ہوئی تھی۔ بتا رہی تھیں آپ واپس جا رہی ہیں۔" میرب نے اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا تھا۔ گی نے مسکراتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"ہاں ——— مائی نے تمہیں ٹھیک بتایا۔ میں واقعی واپس جا رہی ہوں۔"

"مگر کیوں؟ ——— تگین نے روکا نہیں آپ کو؟" میرب نے پوچھا تھا۔ گی اس جملے کا مفہوم اچھی طرح سے سمجھتی تھی تب ہی بولی تھی۔

"ہاں، تگین نے روکا مجھے۔ جانے سے منع بھی کیا مگر ——— میں واپس جانا چاہتی ہوں۔"

"کیوں؟" میرب نے دریافت کیا تھا۔

"کیوں سے کیا مطلب؟ ——— آف کورس، مجھے واپس جانا ہی ہے۔ تگین نے شاید تمہیں بتایا تھا، میں یہاں ایک ضروری کام سے آئی تھی۔ وہ کام پورا ہو گیا تو بس اب واپسی کے سوا کوئی چارہ نہیں بچا۔ یوں بھی کوئی کتنی دیر کہیں رہ سکتا ہے؟ ——— میں یہاں صرف ایک گیسٹ تھی۔ تگین بہت اچھا ہے۔ بہت خیال رکھا اس نے میرا۔ بہت ساتھ دیا۔ بہت اچھا دوست ہے وہ میرا۔ ان فیکٹ اس نے یہ ثابت بھی کر دیا۔ میں بہت دنوں سے تم سے ملنا چاہتی تھی مگر نکلنا ہی نہیں ہو رہا تھا۔ آج ساری پیکنگ مکمل ہوئی تو فوراً تمہاری طرف چلی آئی۔ میرب! مجھے تم سے بہت سی باتیں کرنا چاہتی تھی۔"

"آپ اتنی جلدی کیوں جا رہی ہیں؟ ——— اگر سردار سبکتگین حیدر لغاری چاہتے ہیں، آپ رکیں تو آپ رک جائیں۔" میرب نے مشورہ دیا تھا۔ "آپ کو مجھ سے کیا بات کرنی تھی؟ کوئی ضروری کام؟" اس کا انداز بہت اُلجھا اُلجھا اور عجیب سا تھا جیسے وہ گی کو فیس نہیں کر پا رہی تھی۔ تگین کی مکمل توجہ کا مرکز تھی وہ۔ پھر وہ کیوں نہ چاہ رہا تھا کہ وہ یہاں سے چلی جائے جب کہ اب اس کا اور تگین کا رشتہ بھی نیا اختتام پر تھا۔

گی اس کے سامنے بہت پُراعتماد انداز سے بیٹھی تھی۔ اس کے چہرے پر مکمل سکون تھا۔ مگر میرب اندر کہیں بھی سکون نہیں تھا۔

"تم پریشان لگ رہی ہو ——— کیا ہوا؟" گی اس کی طرف سے متفکر ہوئی تھی۔

میرب نے سر ہلا دیا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں ——— اگر تگین چاہتا ہے آپ رک جائیں تو آپ کو رک جانا چاہئے۔ یوں بھی آپ کی حالت ایسی نہیں کہ آپ سفر کر سکتیں ——— بچے کی ڈلیوری تک تو آپ کو رکنا چاہئے۔" میرب نے مشورہ دیا تھا۔

"نہیں۔ میں ٹھیک ہوں۔ اور ابھی تو بہت سا عرصہ پڑا ہے۔ تم میری فکر نہ کرو۔ میں اپنی کیئر خود کر لیتی ہوں۔" گی نے نرمی سے مسکراتے ہوئے کہا تھا اور میرب کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ بہت نرمی سے رکھا تھا۔

"آپ کو مجھ سے کیا بات کرنا تھی؟" میرب نے پوچھا تھا۔

"تم مجھ سے ناراض ہو؟" گی نے ملائمت سے مسکراتے ہوئے پوچھا تھا۔

''نہیں۔'' میرب نے کہا تھا پھر اس کی طرف سے اپنا دھیان پھیر گئی تھی۔ ''میں آپ سے ناراض کیوں ہوں گی؟ ـــــ آپ نے میرا کیا بگاڑا ہے؟'' لبوں پر ایک طنز بھری مسکراہٹ بھی تھی جیسے وہ کسی اور سے نہیں، اپنی قسمت سے خائف ہو۔

''گی! میں کسی اور سے نہیں، شاید اپنی قسمت سے یا پھر اپنے آپ سے خفا ہوں ـــــ مجھے سبکتگین سے کوئی گلہ ہے نہ کسی اور سے۔''

''تمہیں کیا لگتا ہے میرب! میں اس تمام بگاڑ کی وجہ ہوں؟'' گی جیسے آج سارے معاملات سلجھا دینے کی غرض سے آئی تھی۔

''نہیں ـــــ میں ایسا کچھ نہیں سمجھتی۔ میں نے کہا نا، مجھے کسی سے کوئی شکوہ نہیں۔ لیکن آپ سبکتگین کو تنہا کیوں چھوڑ رہی ہیں؟ ـــــ سبکتگین کو جب آپ کی ضرورت ہے۔ بچے کی ضرورت ہے تو۔'' میرب بولی تھی اور گی مسکرا دی تھی۔

''میں جانتی ہوں میرب! تم بہت سی غلط فہمیوں کا شکار ہو۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کا مجھ سے اس بچے سے کوئی واسطہ نہیں۔''

میرب نے سر اٹھا کر گی کی طرف دیکھا تھا۔

''اگر آپ سبکتگین کو چھوڑ کر جانا چاہتی ہیں تو ـــــ لیکن آپ اپنے بچے ـــــ آئی مین اس بچے کو اس کے حق سے محروم کیوں کر رہی ہیں؟ ـــــ سبکتگین کی ذمہ داری ہے یہ۔ آپ کو اس کی تمام تر ذمہ داری اسی کے حوالے کر دینی چاہئے۔''

''نہیں ـــــ تم غلط سمجھ رہی ہو میرب! میں نے جو کہا، وہ تم نے سنا نہیں۔ میں نے کہا سبکتگین میرے بچے کا باپ نہیں ہے۔ سبکتگین صرف میرا اچھا دوست ہے۔ اس نے میری مدد کی اور یہی اس نے بھی غلط ہوا اور مجھ سے بھی۔''

''کیا ـــــ؟'' میرب چونکی تھی۔

''ہاں ـــــ سبکتگین تمہیں کبھی یہ سب نہیں بتا سکا۔ کیونکہ تم یہ سب جاننا چاہتی ہی نہیں تھیں۔ تم نے اپنے طور پر سب کچھ اخذ کر لیا تھا اور اسی کو سچ مانتے رہنا چاہتی تھیں۔ سو تمہیں کبھی سچ پتہ بھی نہیں چل سکا۔''

''سچ ـــــ سچ کیا تھا؟ ـــــ آپ یہاں سبکتگین کے پاس آئی تھیں۔ آپ دونوں اس بچے کو لے کر باتیں کر رہے تھے۔ اور......''

''اور ضروری تو نہیں تھا کہ وہ ذمے دار تھا اس لئے میں اس سے اس بچے کے متعلق باتیں کر رہی تھی۔'' گی نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا تھا۔

''گی! تم فضول کی وضاحتیں کیوں دے رہی ہو؟ ـــــ اگر کچھ ایسا ہوتا تو سبکتگین کچھ خود کہتا مجھ سے۔'' میرب نے ایک لمحے میں سب کچھ جھٹلا دیا تھا۔

''سردار سبکتگین حیدر لغاری کو تم مجھ سے زیادہ بہتر جانتی ہو گی میرب! وہ تمہارا شوہر ہے۔ مگر وہ

بہت سی باتوں کی وضاحت نہیں دیتا۔ کچھ میں بھی سمجھتی ہوں اسے۔ وہ چاہتا ہے دوسرے اس پر اپنے طور پر اعتبار کریں۔ وہ اپنی صفائی میں کچھ نہیں کہتا۔ اور تمہارے معاملے میں تو یوں بھی ـــــ اس کا دل انوالو تھا۔''

''دل ـــــ؟'' میرب چونکی تھی۔ ''لیکن سردار سبکتگین حیدر لغاری سے محبت تو آپ کرتی تھیں نا۔ کیا یہ بھی غلط فہمی ہے؟'' میرب بہت مدھم لہجے میں بولی تھی۔

گی نے مسکراتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''تم ٹھیک سمجھی۔ میں محبت کرتی تھی سبکتگین سے۔ پتہ نہیں کب سے ـــــ کس طرح سے ـــــ مگر وہ میرے دل میں گھر کر گیا تھا۔ میں اس سے تب ملی تھی جب تم اس کی زندگی میں نہیں آئی تھیں۔ ہم بہت کم عرصے کے لئے ملے تھے۔ مگر سبکتگین کی محبت کے رنگ بہت گہرے تھے۔ میں اسے کبھی نہیں بتا سکی۔ وہ چلا گیا۔ پھر بات نہیں ہوئی۔ میں نیویارک میں تھی جب وہ تمہارے ساتھ دکھائی دیا۔ مگر تب اس نے نہیں بتایا تھا کہ اس کی شادی ہو چکی ہے۔ میرب! میں اس سے آج بھی محبت کرتی ہوں۔ مگر میں جانتی ہوں وہ مجھ سے محبت نہیں کرتا۔ زندگی میں ایسا ہوتا ہے جو آپ کے لئے سب کچھ ہوتا ہے۔ آپ اس کے لئے کچھ نہیں ہوتے۔ سبکتگین میرے زاویے سے دیکھنے پر میرا سب کچھ تھا مگر ـــــ وہاں سبکتگین کھڑا تھا۔ اس کے زاویے سے اس کے لئے میں بالکل اہم نہیں تھی۔ اگر میں غیر اہم تھی تو بچہ کوئی تو اہم ہوگا اس کے لئے۔'' گی نے سمجھایا تھا۔

میرب تب ہی بہت مدھم لہجے میں بولی تھی۔

''تو کون ہے باپ؟''

گی مسکرا دی تھی۔

''میرب! تم بہت سوچتی ہو۔ یہی سب مسائل کی وجہ ہے۔''

''کیا مطلب ہے آپ کا؟'' میرب بولی تھی۔

''میں آپ کو سب کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہی ہوں میرب! آپ پلیز سمجھنے کی کوشش کریں۔ اس بچی کو توڑنا چاہتی ہیں آپ؟'' گی نے پوچھا تھا۔

''یہ آپ کیوں پوچھ رہی ہیں؟'' میرب بولی۔

''سردار سبکتگین حیدر لغاری سمجھتا ہے تم ایسا چاہتی ہو۔ تم دونوں کسی دن بات کر کے آپس کی غلط فہمیاں دور کیوں نہیں کر لیتے؟''

گی کی باتوں سے کسی قدر دل کو اطمینان ہوا تھا مگر اس سے ملنے میں، بات کرنے میں اب بھی انا حائل تھی۔ یہ وہ گی کو نہیں بتا سکی تھی۔

''میں نے اس رشتے کو توڑنا کبھی نہیں چاہا تھا۔'' وہ بڑبڑائی تھی۔

گی نے اس کے جھکے ہوئے سر کو دیکھا تھا، پھر آہستگی سے بولی تھی۔

''میرب! تم جانتی ہو وہ تم سے کتنی محبت کرتا ہے؟''

''کیا؟'' میرب کو شدید ترین حیرت نہ ہوتی تو اور کیا ہوتا۔ مگر گی اسی قدر اطمینان سے بولتی رہی تھی۔

''تمہیں خبر نہیں میرب! مگر تم اس کی زندگی میں بہت اہم ہو۔ اتنی کہ اس کی ساری سوچیں تم ہی سے شروع ہو کر تم پر ہی ختم ہوتی ہیں۔ وہ تم سے بہت محبت کرتا ہے میرب! بے حد ـــــ بے حساب ـــــ مگر وہ تمہیں کبھی کہہ نہیں پائے گا۔'' گی بول رہی تھی اور وہ اسے حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

''ایسا آپ کو گین نے بتایا؟''

یقین نہ ہوا تھا جو سنا تھا۔ گی ضرور صرف ان کے درمیان مفاہمت کرانے کو آئی تھی۔ ان کے درمیان ٹوٹتے رشتے کو بچانے آئی تھی۔

میرب نے سوچ کر اسے دیکھا تھا۔

گی کو اس بات کا احساس ہو گیا تھا کہ میرب کیا سوچ رہی ہے تب ہی وہ بولی تھی۔

''تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں؟''

''نہیں ـــــ ایسا نہیں ہے۔'' میرب سر جھکا کر اپنے ہاتھ پھیلا کر دیکھنے لگی۔

''میرب! اگر تم بھی ایسا چاہتی ہو جیسا کہ گین چاہتا ہے تو پھر تم دونوں یہ سب کیوں ہونے دے رہے ہو؟ ـــــ تم دونوں میں سے کسی ایک کو تو اس سب کو ہونے سے روکنا ہوگا۔ تمہیں سوچنا ہے میرب! تمہیں اس رشتے کو بچانا ہے یا یوں ہی وقت گنوانا ہے۔ تم چاہو تو مجھ پر اعتبار مت کرو۔ مگر اپنے دل کی تو سن سکتی ہو نا تم۔ میں نے گین سے بھی بات کی تھی۔ اسے بھی بہت سمجھایا۔ مگر انا بہت بری شے ہے میرب! کبھی تم دونوں نے سوچا ہے کہ انا کے اندر قید رہنا تم دونوں کو کیا دے گا؟ ـــــ میں تم دونوں کی خیر خواہ ہوں۔ پل دو پل کو سمجھا کر چلی جاؤں گی۔ میں تم دونوں کی زندگی کا حصہ نہیں ہوں۔ لیکن تم دونوں اپنی زندگیوں کے ساتھ مت کھیلو۔ یہ ٹھیک نہیں ہے۔ تم دونوں میں سے کسی ایک کو آگے قدم بڑھانا ہوگا۔ کسی ایک کو تو پہل کرنا ہوگی۔'' گی سمجھانے کی حتیٰ الامکان کوشش کر رہی تھی۔

''سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اگر کچھ کیا ہی نہیں تو پھر وضاحت کیوں نہیں دے سکتا؟ ـــــ ایک بار آ کر مجھے بتا تو سکتا ہے کہ اس نے کچھ نہیں کیا۔ میں جو بھی وہ میری غلط فہمی تھی۔ مگر وہ تو ایک بار بھی یہ کہنے کو تیار نہیں کہ اس کی زندگی میں کہیں میری ضرورت باقی ہے اور آپ ـــــ آپ بھی تو اب آئی ہیں۔ پہلے تو کبھی آپ نے ایسا کچھ بتانے کی کوشش نہیں کی۔ یہاں تک کہ میں اس گھر میں بھی تھی تب بھی آپ نے ایسا کچھ نہیں بتایا۔ پھر اب اچانک ایسا کیا ہو گیا کہ آپ سب باتوں کی وضاحتیں دینے چلی آئیں؟'' میرب نے کہا تھا۔

گی کچھ لمحوں تک کچھ نہیں بول سکی تھی۔ پھر ایک گہری سانس خارج کرتی ہوئی بولی تھی۔

''میرب! محبت اور زندگی کو بہت زیادہ تو نہیں جانتی میں۔ مگر اتنا جانتی ہوں، کوئی بات اگر کہنے کی ہو تو اسے کہہ دینا چاہیے۔ یہ بات میں نے گین کو بھی سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ پتہ نہیں وہ بھی سمجھا کہ

ں؟ محبت بہت عجیب شے ہے۔ آزما کر دیکھو تم بھی۔ مگر میں یہ بھی نہیں چاہوں گی کہ تم دونوں میں بھی کوئی پچھتائے۔ کیونکہ کسی شے کو کھو کر جینا کیا ہوتا ہے۔ یہ بات میں بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔''

''آپ کو لگتا ہے پہل مجھے کرنی ہوگی؟ اور اگر گین نے میرے اس اسٹیپ کو رد کر دیا تو ـــــ ون ذمے دار ہوگا؟ ضروری تو نہیں آپ کی سوچ رائٹ ہو۔ آپ نے صرف سوچا کہ گین کو مجھ سے ہے۔ گین نے ایسا کہا تو نہیں۔ اگر میں صرف اس مفروضے پر آگے بڑھتی ہوں تو ایسا نہ ہو میں یا ی انا ہرٹ ہو۔ گین کو جہاں تک میں جانتی ہوں، وہ بندہ بہت انا پرست ہے۔ اپنی انا کی تسکین لئے وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔''

''تم گین سے اتنی خائف ہو؟'' گی کو حیرت ہوئی تھی۔ دھیمی سی مسکان لبوں پر سجائے اس نے فت کیا تھا۔

میرب نے سر انکار میں ہلا دیا تھا۔

''خائف نہیں ہوں ـــــ میں جتنا اسے جانتی ہوں، اس کی بات کر رہی ہوں۔''

''ٹھیک ہے ـــــ تم سوچ لو، تمہیں کیا کرنا ہے۔ ایک رشتہ اپنے اختتام پر تو ہے۔ تم دونوں اگر اپنی جگہ اسی طرح کھڑے رہے تو اور کیا ہوگا؟ تم دونوں یہ بات سمجھ سکتے ہو۔ میں چلتی ہوں۔'' گی تھی۔ میرب کچھ نہیں بولی تھی۔

سوچیں اتنی ہی تھیں کہ وہ اُلجھتی چلی گئی تھی۔

کسی اور طرف نہ دیکھنے کا ٹائم ملا تھا اور نہ کچھ سوچنے کا ـــــ وہ اپنے آپ سے اُلجھتی ہوئی وہیں رہ گئی تھی۔ نہ گی کا شکریہ ادا کیا تھا، نہ اسے خدا حافظ کہا تھا، نہ اٹھی تھی، نہ دروازے تک چھوڑنے گی۔

تمہیں خبر نہیں میرب! مگر تم اس کی زندگی میں بہت اہم ہو۔ اتنی کہ اس کی ساری سوچیں تم ہی شروع ہو کر تم ہی پر ختم ہوتی ہیں۔ وہ تم سے بہت محبت کرتا ہے میرب! ـــــ بے حد ـــــ بے ب ـــــ مگر وہ تمہیں کبھی کہہ نہیں پائے گا۔''

گی کی آواز اس کے اندر باہر گونج رہی تھی۔

صرف قیاس تھا یا یقین ـــــ؟

صرف سوچیں تھیں یا سچ میں ایسا تھا؟ ـــــ میرب سمجھ نہیں پائی تھی۔

سب بے طرح الجھا دکھائی دیا تھا۔

اس کی زندگی ـــــ سردار سبکتگین حیدر لغاری ـــــ اور وہ خود ـــــ کچھ بھی سلجھا ہوا نہ تھا۔

کوئی بات اگر کہنے کی ہو تو اسے کہہ دینا چاہیے۔''

گی کی آواز اس کے گرد گونج رہی تھی۔

ہ کچھ نہ سمجھتی ہوئی اپنی سوچوں میں گم تھی۔ جب ایک دردناک چیخ سنائی دی تھی۔ میرب چونکی

تھی۔

''میرب!۔۔۔۔ گی کو دیکھو، کیا ہو گیا؟'' زوباریہ کی آواز آئی تھی۔ وہ سرعت سے اٹھی تھی۔ بھاگتی ہوئی زوباریہ کی آواز کی طرف پہنچی تھی۔

''اوہ مائی گاڈ!۔۔۔۔ یہ کیا ہو گیا۔۔۔۔؟'' میرب کی جان ایک پل میں فنا ہونے کو تھی۔

''گی!۔۔۔۔ تمہیں کچھ نہیں ہو گا گی۔۔۔۔!''

گی درد سے تڑپ رہی تھی جب اس نے اسے تسلی دی تھی۔ مگر گی دوسرے ہی پل آنکھیں موند گئی تھی۔

وہ نہیں جانتی تھی۔ گی کا پاؤں پتہ نہیں کیسے اسٹیئرز سے پھسلا تھا۔ مگر اس وقت وہ بہت تکلیف میں تھی۔

زوباریہ کے ساتھ مل کر اس نے اسے ہسپتال پہنچایا تھا۔

پتہ نہیں اب کیا ہونا تھا۔ مگر میرب کا دل بہت ڈر رہا تھا۔

اس نے سردار سبکتگین حیدر لغاری کو بھی فون کر دیا تھا۔ کچھ ہی دیر میں وہ ہسپتال میں تھا۔

''کیسے ہوا یہ سب۔۔۔۔؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے پوچھا تھا۔

میرب کو لگا تھا اس سب کا ذمے دار اب اُسے ہی ٹھہرائے گا۔ اُسے سب سے زیادہ فکر گی اور اس کے بچے کی تھی۔

''گی مجھ سے ملنے آئی تھی۔ واپسی پر جب وہ جا رہی تھی اس کا پاؤں اسٹینڈ سے جانے کیسے پھسل گیا اور وہ۔۔۔۔!''

''یہ گی بھی نا۔۔۔۔ میں نے اسے منع کیا تھا۔ مگر وہ۔۔۔۔'' الزام براہِ راست اس پر تو نہیں لگایا تھا مگر اس کا انداز ایسا ہی تھا کہ قصور کی ساری وجہ وہی دکھائی دی تھی۔

وہ ہسپتال لاؤنج میں جیسے اپنا کوئی نیا جرم سنائے جانے کی منتظر کھڑی تھی۔

''کیا ہوا؟۔۔۔۔ آپ اس طرح گم صم سی کیوں کھڑی ہیں؟'' ساہیہ نے اگینے کو کھڑے دیکھ کر پوچھا تھا۔

اگینے نے کچھ بھی کہے بغیر سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''آپ پریشان ہیں کچھ؟'' ساہیہ نے اسے بغور دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

''نہیں۔۔۔۔ ایسی بات نہیں ہے۔''

''تو پھر؟''

''فیض نے مجھے پرپوز کیا ہے۔'' مدھم لہجے میں بتایا تھا۔

''واؤ۔۔۔۔ اٹس اے گریٹ نیوز۔ وائے آر یو سو سیڈ دین؟''

''نہیں۔۔۔۔ میں سیڈ نہیں ہوں۔''

''تو پھر؟'' ساہیہ نے اگینے کی طرف دیکھا تھا۔

''کچھ نہیں۔'' اگینے بے طرح اُلجھی دکھائی دی تھی۔

ساہیہ نے اس کے شولڈر پر اپنے ہاتھ رکھ دیے تھے۔

''زندگی سلجھ رہی ہے تو اسے سلجھنے دیں۔ آپ پریشان کیوں ہو رہی ہیں؟''

اگینے کچھ نہیں بول سکی تھی۔

''ممی پاپا کو بتایا آپ نے؟'' ساہیہ نے پوچھا تھا۔

''نہیں۔''

''کیوں نہیں بتایا؟۔۔۔۔ یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ آپ کو بتانا چاہیے۔''

''ہاں، مگر۔۔۔۔'' اگینے کچھ تذبذب کا شکار نظر آئی تھی۔

''آپ پریشان ہیں نا؟'' ساہیہ کسی نتیجے پر پہنچتی ہوئی بولی تھی۔

''فیض چاچو بہت اچھے ہیں پھپھو! مجھے یقین ہے وہ آپ کو بہت خوش رکھیں گے۔ آپ کو اس پرپوزل کو قبول کر لینا چاہیے۔ فیض چاچو از اے نائس گائے۔۔۔۔ اینڈ ہی از ہینڈسم ٹو۔۔۔۔ آپ کو تو خوش ہونا چاہیے، ایک موسٹ ایلی جبل بیچلر آپ کو پرپوز کر رہا ہے۔'' مذاق میں چھیڑا تھا۔

اس کی کوشش کامیاب رہی تھی۔ اگینے مسکرا دی تھی۔

''مذاق ایک طرف پھپھو! لیکن فیض چاچو واقعی بہت اچھے ہیں۔ مجھے لگتا ہے وہ آپ کو بہت خوش

رکھیں گے۔" ساہیہ پُر یقین لہجے میں بولی تھی۔ اگلے بہت نرمی سے مسکرا دی تھی۔

"میری بات چھوڑو۔ اپنی بتاؤ۔ تم دونوں کب شادی کر رہے ہو؟"

"ہماری باری تو بعد میں آئے گی۔ پہلے آپ بڑے تو کرلیں۔" ساہیہ نے بات مذاق میں ٹال دی تھی۔ دونوں ہنس پڑی تھیں۔

"میں آپ کے لئے کافی بنا کر لاتی ہوں۔" ساہیہ اٹھ کر چلی گئی تھی۔ اگلے دوبارہ اسی نہج پر سوچنے لگی تھی۔

❋ ❋ ❋

گی کا بے بی ابارٹ ہو گیا تھا۔ لیکن اس کی جان بچ گئی تھی۔

سردار سبکتگین کا تو پتہ نہیں مگر میرب اس سب کے لئے خود کو ذمہ دار سمجھ رہی تھی۔ اس کے مس کیرج کی وجہ اس کو وہ خود لگی تھی۔ بہت مجرمانہ سے انداز میں وہ سر جھکائے گی کے پاس آئی تھی۔ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے اس کا ہاتھ تھاما تھا اور بہت آہستگی سے بولی تھی۔

"آئی ایم سوری گی! ــــــ یہ سب میری وجہ سے ہوا۔ اگر تم میرے پاس نہیں آتیں تو شاید آج تمہارا مس کیرج نہیں ہوتا۔"

"ایسا مت سوچو میرب! میں ایسا نہیں سوچتی۔ یہ سب بھی طے تھا۔ بہت سی نہ ہونے والی اور ہونے والی باتوں کی طرح یہ بھی طے تھا سو ہو گیا۔ میری قسمت میں یہ خوشی بھی نہیں تھی۔ سو میں ماں بھی نہیں بن سکی۔ لیکن اس سب کی ذمہ دار تم نہیں ہو۔" گی بہت نرمی سے بولی تھی۔

میرب وضاحت میں مزید کچھ نہیں بول سکی تھی۔

"تم نے ایسا کیوں سوچا؟ ــــــ کیین نے تمہیں ایسا کچھ کہا؟"

"نہیں ــــــ مگر میں جانتی ہوں۔" سر جھکائے وہ مجرمانہ انداز میں بولی تھی۔

"کیا جانتی ہو؟"

"یہی کہ غلطی میری ہے۔"

"ڈونٹ بی اسٹوپڈ میرب! غلطی تمہاری کہاں ہے؟ ــــــ میں اسٹیئرز پر سے پھسلی تھی۔ وہٹ واز جسٹ این ایکسیڈنٹ۔ یہ کسی کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔ ہر شے کی ذمہ دار خود کو مت سمجھا کرو۔" گی بول رہی تھی اور میرب کی آنکھیں پانیوں سے بھر گئی تھیں۔

"گی! تم بہت اچھی ہو۔ آئی ایم سوری، میں نے تمہیں غلط سمجھا۔" وہ صاف گوئی سے بولی تو گی مسکرا دی تھی۔

"ہماری عادت ہوتی ہے میرب! ہم اپنی مرضی سے کچھ بھی سمجھ لیتے ہیں ــــــ ایک بات میں نے بھی کہی تھی تمہارے لئے۔"

"کیا؟" میرب نے بھیگی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"وہ یہ کہ ــــــ تم بہت اچھی ہو ــــــ اور میں غلط نہیں تھی۔ تم واقعی اچھی ہو میرب! ــــــ

اچھی۔" گی بولی تھی اور میرب مسکرا دی تھی۔

"مجھ سے دوستی کریں گی آپ؟"

"میں تو تمہاری دوست ہوں۔"

"ہاں، وہ تو ہیں۔ مگر ایک اچھی دوستی کی ابتدا کریں گی آپ؟"

"ہاں۔" گی نرمی سے مسکرا دی تھی۔ "ہم اپنی سوچوں میں کہاں کتنے غلط ہوتے ہیں، یہ وقت سمجھا دیتا ہے ہمیں۔"

میرب نے سر ہلا دیا تھا۔

"ہاں ــــــ ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔"

"اگر تمہیں مجھ پر اتنا یقین آ گیا ہے تو ایک بات مانو گی تم؟" گی نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے نرمی سے کہا تھا۔

میرب نے خاموشی سے صرف اس کی طرف دیکھا تھا۔

"اس شخص کو اب مزید سمجھنے کی غلطی بھی مت کرو۔ جیسا بھی ہے جو بھی ہے، یو نو دیٹ ہی لوز یو۔ ... آل اِس لائف۔ فور آل لائف۔"

... کی بات میں سچائی تھی یا نہیں مگر اس نے جواباً کچھ نہیں کہا تھا۔

❋ ❋ ❋

... ت اپنی ڈگر پر لوٹ آیا تھا۔

... را منظر پھر سے پہلے جیسا تھا۔

... کچن میں چائے کے ساتھ لوازمات بنا رہی تھیں۔

... دادا ابا عفنان کے ساتھ شطرنج کی بازی کھیل رہے تھے۔

... یہ بہت دنوں بعد کھلکھلا کر ہنسی تھی۔

اس ہنسی میں لامعہ کی ہنسی بھی شامل تھی۔

... گی اپنی ڈگر پر تھی اور مطمئن تھی۔

... اس زندگی میں کچھ کمی اب بھی تھی۔

... نے قدرے فاصلے پر بیٹھے ہوئے عفنان علی خان کو دیکھا تھا جو دادا ابا کے ساتھ شطرنج کھیلنے ... ف تھا۔

... اس طرف جا کر الجھ گئی تھی۔

"تم اس طرح چوری چوری کیوں دیکھ رہی ہو اُن موصوف کو؟ ــــــ تمہارے ہزبینڈ ہیں بھئی۔ ... کر دیکھو۔" لامعہ نے اس کی چوری پکڑتے ہوئے کہا تھا۔

... نا ہو کر مسکرا دی تھی۔

"... شٹ اپ۔ تم اپنی شادی کے لئے تیار ہو جاؤ اب۔"

''ہاں ــــ میں تیار ہوں۔ مگر کوئی ڈھنگ کا لڑکا بھی تو ملے۔'' لامعہ شرارت سے مسکرائی تھی۔
''کیا مطلب؟ ــــ میرا بھائی تمہارے خیال میں ڈھنگ کا لڑکا نہیں؟ ــــ اوزی! دیکھ رہے ہو نم؟ تمہیں یہ کسی ڈھنگ کے لڑکے میں کاؤنٹ ہی نہیں کرتی اور تم ہو کہ عشق میں ڈبلے ہوئے رہے ہو۔'' انابیہ نے مسکراتے ہوئے بھائی کی طرف دیکھ کر کہا تھا۔ اوزان ہنس دیا تھا۔
''تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے میری پیاری بہنا! کیونکہ آپ کی ایسی دوست کو کوئی ڈھنگ کا لڑکا ملنے والا نہیں ہے۔ خدا نے ان کے لئے کوئی چوائس نہیں رکھی۔ شادی تو یہ مجھ ہی سے کرے گی۔'' انداز میں شرارت تھی۔
''اویں ــــ میں کیوں کرنے لگی تم سے شادی۔ لولی لنگڑی ہوں کیا؟ ــــ یا اندھی کانی ہوں؟ میں تو شادی کروں گی اپنے خوابوں کے شہزادے سے۔''
''ہاں تو وہ میں ہی تو ہوں۔'' اوزان برجستگی سے بولا تھا۔ انابیہ ہنس دی تھی۔
لامعہ بھی جھینپ سی گئی تھی۔
تبھی اوزان اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتا ہوا کچھ اس کی طرف جھکا تھا اور آہستگی سے بولا تھا۔
''شادی تو آپ کی مجھ ہی سے ہوگی۔ لکھ کر رکھ لو۔ ساری دنیا گھوم پھر آؤ، کہیں کوئی نہیں ہے آپ کو اتنا اور اس قدر پیار دے سکے۔ آپ نہیں جانتیں مگر آپ ہمارے نصیب میں لکھ دی گئی ہیں۔ مانیے یا نہ مانیے مگر بات سچ تو یہی ہے کہ ــــ
لے جائیں گے، لے جائیں گے
دل والے دلہنیا لے جائیں گے ــــ!''
انابیہ نے بھی بھائی کا ساتھ دیا تھا اور دونوں باقاعدہ گانے لگے تھے۔ لامعہ کے چہرے پر ڈھیروں رنگ بکھر رہے تھے۔
عفنان نے گردن موڑ کر انابیہ کو خوشی سے گاتے ہوئے دیکھا تھا۔
بہت دنوں بعد اس کے چہرے پر ایک اطمینان دیکھ کر اسے برا نہیں لگا تھا۔
ہاں مگر وہ اس چہرے سے نگاہ ہٹا بھی نہیں پایا تھا۔
''کیا ہو گیا ہے؟ ــــ کیوں تنگ کر رہے ہو میری بچی کو؟'' ممی چائے اور دیگر لوازمات لئے نوکر کے ہمراہ اندر داخل ہوئی تھیں۔
''مام! دیکھئے نا یہ مجھے کتنا تنگ کر رہے ہیں۔'' لامعہ نے فوراً شکایت کی تھی۔
''مت تنگ کرو میری بچی کو ــــ انابیہ! اٹھو بیٹے! ــــ دادا اور عفنان کو یہ کباب سرو کرو۔''
انابیہ ماں کے کہنے پر سعادت مندی سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔
دادا ابا کو کباب سرو کر کے وہ اس کی طرف مڑی تھی۔
نگاہ پل بھر کو ملی تھی۔
عفنان علی خان کا انداز خاص تھا۔

نگاہ عام نہیں تھی۔
وہ چونکے بنا پلٹی تھی۔
''انابیہ ــــ!'' پیچھے سے آواز آئی تھی۔
انابیہ کو حیرت ہوئی تھی۔ وہ شخص اتنا بے صبرا ہو رہا تھا کہ دادا ابا کا بھی کچھ لحاظ نہ تھا۔
بادل ناخواستہ وہ پلٹی تھی۔
''کین آئی ہیو آ کافی پلیز؟'' اس کو غالباً چائے درکار نہیں تھی۔ نگاہیں اس کے چہرے پر جمی تھیں۔
انابیہ نے سر نفی میں ہلا دیا تھا اور فوراً ہی پلٹ کر وہاں سے ہٹ گئی تھی۔ دھڑکنوں کا ارتعاش کچھ گیا تھا۔

❄ ❄ ❄

''کیسی ہو اب تم؟'' گین چلتے ہوئے اس کے قریب آن رکا تھا۔ گی تکیے کے سہارے بیٹھی تھی۔
ی طرف دیکھے بغیر سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔
''یو شڈ تھنک ــــ ایوری تھنگ از دی پارٹ آف لائف۔'' بہت نرمی سے سمجھانا چاہا تھا۔
مگر اتنی مضبوط لڑکی اس چھوٹے سے ہمدردی کے جملے پر پگھل کر رہ گئی تھی۔
آنسو آنکھ سے چھلک پڑے تھے۔
گین نے آگے بڑھ کر اس کے شولڈر پر ہاتھ رکھا تھا۔
تبھی اچانک گی اس کے ساتھ لگ کر دھواں دھار رو پڑی تھی۔
سردار سبکتگین حیدر لغاری نے تسلی دینے کی غرض سے اس کے گرد اپنا بازو پھیلا دیا تھا۔
کتنی دیر وہ اس طرح روتی رہی تھی۔
ندر کا غبار کچھ ڈھلا تھا۔
گی اس سے دور ہٹ گئی تھی۔
سردار سبکتگین حیدر لغاری نے جیب سے اپنا رومال نکال کر پیش کر دیا تھا۔ پھر سائیڈ ٹیبل پر سے جگ اٹھا کر اس کے لئے گلاس میں پانی نکالا اور گلاس اس کی طرف بڑھا دیا تھا۔
گی نے خاموشی سے گلاس اس کے ہاتھ سے لے لیا تھا۔
نی کے چند سپ لئے تھے اور پھر گلاس اس کی سمت بڑھا دیا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے لے کر ٹیبل پر رکھا تھا۔
ر اس کی طرف مڑا تھا۔
گی! تم ــــ''
ردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے دلاسہ دینا چاہا تھا مگر اس سے پہلے ہی وہ بول پڑی تھی۔
بات یہ نہیں ہے گین! کہ میں خالی ہاتھ رہ گئی۔ آج میرے پاس کچھ نہیں رہا۔ دکھ اس بات کا میں نے ــــ میں نے اپنا بچہ کھو دیا گین! اس کے چھوٹے سے ننھے منے وجود کو لے کر کتنے

ننھے منے، چھوٹے چھوٹے خواب بُن لئے تھے میں نے ——— وہ گیا ہے تو ——— وہ سارے خواب ٹوٹ کر بکھر گئے ہیں۔ یہ درد میرے اس آدھے ادھورے رہ جانے والے درد سے بہت بڑا ہے گیبن!" گی کی آواز اس کے درد کی غمازی کر رہی تھی۔

گیبن جو اسے دلاسہ دینے کی غرض سے آیا تھا، کچھ نہیں کہہ سکا تھا۔

"گی! ایسا سب کے ساتھ زندگی میں ہوتا ہے۔ اِٹس ٹرو۔ دکھ ہوتا ہے ——— بہت زیادہ ہوتا ہے۔ مگر ہم جینا چھوڑ تو نہیں سکتے۔ تمہیں بھی جینا ہے گی! یو ہیو ٹو بیک ٹو لائف۔ تم ایک بہادر لڑکی ہو تمہارے لئے یہ مشکل نہیں ہونا چاہئے۔"

"ہاں ——— میں ایک بہادر لڑکی ہوں۔ سب کچھ سہہ سکتی ہوں۔ سب کچھ۔" گی کے لبوں پر ایک شکوہ تھا۔

اور سردار سبکتگین حیدر لغاری کچھ نہیں بول سکا تھا۔

❄ ❄ ❄

"گی کتنی بہادر لڑکی ہے نا۔" زوباریہ بولی تھی۔

"ہاں۔" میرب نے بلآخر دوسر ہلا دیا تھا۔ "بہت اچھی لڑکی ہے وہ۔"

"مجھے تو بہت دکھ ہوا۔ اس کے ساتھ بہت برا ہوا۔ لیکن خدا کا شکر ہے اس کی جان بچ گئی۔"

"ہاں ——— خدا کا شکر ہے وہ بچ گئی۔ اگر اسے کچھ ہو جاتا تو شاید میں خود کو کبھی معاف نہ پاتی۔ ملال تو مجھے اب بھی ہے مگر......" وہ بہت مدھم لہجے میں بولی تھی۔ زوباریہ قدرے فاصلے ہونے کی وجہ سے اسے مکمل طور پر سن نہ سکی تھی۔ کچن میں کام کرتے ہوئے پلٹ کر اسے لمحہ بھر کو دیکھا تھا۔

"کچھ کہا تم نے؟"

"نہیں۔" میرب نے سر انکار میں ہلا دیا تھا۔

"آج شام کی فلائٹ سے تمہارے پاپا واپس آ رہے ہیں۔" زوباریہ نے مطلع کیا تھا۔

"اچھا ———!"

"ہاں ———" اب زوباریہ نے ایک بار پھر پلٹ کر اس کی طرف دیکھا تھا۔ "کہیں جا رہی تم؟"

"ہاں ——— گی کی طرف۔ آج وہ ہسپتال سے ڈسچارج ہو رہی ہے نا۔"

"اچھا ——— میری طرف سے بھی پوچھ لینا۔"

"جی ضرور۔" میرب کہتی ہوئی باہر نکل گئی تھی۔

وہ راستے میں تھی جب مائی نے اسے فون کر کے بتایا تھا۔

"ہم گی کو لے کر گھر آ گئے ہیں ——— لہٰذا تم ہسپتال مت جاؤ، گھر آ جاؤ۔"

"اوکے۔ بہتر۔" اس نے فون منقطع کر کے گاڑی گھر کی طرف موڑ لی تھی۔ اتنا کچھ ہوا تھا کہ وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔

مگر وہ جانتی تھی ایسا ناممکن ہی ہو گا۔

وہ گی کو سہارا دے کر تکیے کے سہارے بٹھا رہا تھا جب وہ کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

ایسا دیکھ کر وہ چونکی نہیں تھی۔ نہ ہی اُسے کوئی حیرت ہوئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کو تو پہلے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

گی اُس کی طرف متوجہ ہوئی تھی اور ملائمت سے مسکرا دی تھی۔

"آؤ میرب!"

میرب بھی ملائمت سے مسکرا دی تھی۔

"کیسی ہو تم؟"

"ٹھیک ہوں ——— میرب! تم وہاں کیوں کھڑی ہو؟ یہاں آؤ نا۔"

میرب اس کے کہنے پر آگے بڑھ آئی تھی۔

سردار سبکتگین اس سے اور وہ سردار سبکتگین حیدر لغاری سے گریزاں تھے۔

"گی! ٹیک کیئر۔ آئی ول سی یو لیٹر۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری پلٹا تھا اور وہ چلتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔

یعنی وہ اس کا سامنا کرنا نہیں چاہتا تھا۔

دل پر ایک گھونسہ سا پڑا تھا۔ مگر وہ چلتی ہوئی گی کی طرف آ گئی تھی۔

"کیسا فیل کر رہی ہو تم؟" میرب نے زبردستی کی مسکراہٹ لبوں پر سجا کر پوچھا تھا۔

"ٹھیک ہوں ——— تم کھڑی کیوں ہو؟ بیٹھو نا۔ کتنا عجیب لگتا ہے۔ گھر تو یہ تمہارا اپنا ہے اور یوں نہیں میں رہی ہوں۔"

"نہیں ——— تم غلط سمجھی ہو ——— یہ گھر ——— میرا کبھی نہیں رہا۔ ایٹی ہاؤ۔ سب کچھ بھول کر وہ لب لہجے میں مسکرائی تھی۔ "ڈاکٹر نے کیا کہا؟"

"نتھنگ ——— صرف بیڈ ریسٹ۔ لیکن میں فوراً واپس جانا چاہتی ہوں۔ اب اور اسے نہیں کر تی۔"

"تمہیں رکنا چاہئے۔ جب تک کہ تم بہتر محسوس نہ کرو۔"

"نہیں ——— میں ایسا نہیں سوچتی۔"

"مائی کہاں ہیں؟" میرب نے بات بدلتے ہوئے پوچھا تھا۔

"شاید نیچے ہیں۔ تمہاری گیبن سے ملاقات ہوئی؟" گی نے پوچھا تھا۔ وہ سر جھکا گئی تھی۔ پھر ت ہمت کر کے سر انکار میں ہلا دیا تھا۔

"میں مائی سے مل کر آتی ہوں۔" وہ یک دم اٹھنے لگی تھی۔

"میرب!" گی نے اُس ایک لمحے میں پکارا تھا۔

وہ جانتی تھی بات کیا ہوگی۔ شاید اسی لئے وہ ان لمحوں سے دامن چھڑا لینا چاہتی تھی ——— نگاہ بچا لینا چاہتی تھی۔

"سیرب! تمہیں تمکین سے بات کرنی چاہئے۔ اگر وہ آگے بڑھنے میں ——— بات کرنے میں پہل نہیں کر پا رہا ہو تو ——— تم ———"

"کیا کروں گی میں؟" وہ یک دم سر اٹھا کر بے بسی سے بولی تھی۔ "اور سب کی طرح تمہیں بھی اب یہ مان لینے کی ضرورت ہے کہ ہمارے درمیان اب کچھ نہیں رہا۔" سیرب کا لہجہ بجھا بجھا سا تھا۔ مگر وہ دانستہ خود کو مضبوط ظاہر کرنے کو مسکرا رہی تھی۔

"نہیں ——— ایسا نہیں ہے۔ میں ایسا نہیں سمجھتی۔"

"تم نہیں سمجھتی ہو! لیکن ایسا ہے۔" سیرب مسکرائی تھی جیسے سب ختم ہو چکا ہو۔ "اینی وے، تم آرام کرو ——— میں مانی سے مل کر آتی ہوں۔" وہ یک دم اٹھی تھی اور چلتی ہوئی باہر نکل گئی تھی۔ گل اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

سیرب ہاتھ کی پشت سے آنکھوں کو رگڑتی ہوئی راہداری میں جا رہی تھی۔ سارے منظر جیسے دھندلا رہے تھے۔

جانے وہ کب، کیسے سردار سبکتگین حیدر لغاری سے ٹکرائی تھی۔

توازن بگڑا تھا۔

مگر اس مضبوط سہارے نے اسے گرنے سے بچا لیا تھا۔

قربتوں نے کوئی جادو نہیں کیا تھا۔

ان لمحوں میں کوئی فسوں نہیں تھا۔

وہ سر اٹھا کر خالی خالی نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ وہ بھی فوری طور پر کچھ نہیں بولا تھا وہ لمس خاص کوئی نیا احساس بھی جگا نہیں پایا تھا۔

دوسرے ہی لمحے وہ سنبھلتی ہوئی اس حصار سے باہر تھی۔

"سیرب!" اپنی اپنی راہ پر جانے سے قبل ایک آواز اس کی سمت آئی تھی۔ وہ چونکی تھی۔

نگاہ اٹھا کر اس شخص کی سمت دیکھا تھا۔

"اگر وقت ہے تو مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔ آؤ ———!"

درخواست نہیں تھی۔ حکم تھا۔ اور وہ جیسے ایک "معمول" تھی۔

سیرب چپ چاپ اس کے ہمراہ چلتی ہوئی باہر آ گئی تھی۔

❊ ❊ ❊

وہ اپنی ممی کے گھر اس رات ٹھہرنا چاہتی تھی۔ مگر عفنان علی خان نے اسے عین موقع پر منع کر دیا تھا۔

اس نے کوئی آرگیومنٹ نہیں کیا تھا۔

گاڑی گھر کے پورچ میں رکی تھی اور وہ چپ چاپ چلتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف آ گئی تھی۔

رات اگرچہ بہت ہو گئی تھی۔ مگر عفنان علی خان وہیں نیچے رک گیا تھا۔

غالباً وہ ٹی وی پر کچھ دیکھ رہا تھا ——— ٹی وی کی آواز یہاں تک آ رہی تھی۔

وہ سیڑھیاں چڑھتی ہوئی اوپر آئی تھی۔ کانوں کے جھمکے اتارتے ہوئے دروازہ کھولا تھا۔ لائٹ آن کی تھی اور حیران رہ گئی تھی۔

پورا کمرہ پھولوں سے بھرا تھا۔

فرش میں یہاں وہاں ———

پھول ہی پھول ———!

وہ اپنی جگہ ساکت رہ گئی تھی۔ حیرت زدہ سی یکدم پیچھے پلٹی تھی اور اپنے پیچھے عفنان علی خان سے ٹکرا گئی تھی۔

یہ سب کیا ہو رہا تھا؟ ——— کچھ سمجھ نہ آیا تھا۔

سر اٹھا کر حیرت زدہ سے انداز میں عفنان علی خان کو دیکھا تھا۔

ان نگاہوں میں تاثر خاص تھا۔

کچھ تپش تھی۔

کچھ اور بھی تھا۔

وہ دیکھ نہیں سکی تھا ——— نگاہ جانے کیوں جھک گئی تھی۔

"یہ ——— یہ ——— سب!" وہ ابھی پوچھنے ہی والی تھی جب وہ بول پڑا تھا۔

"مینی مینی ہیپی ریٹرنز آف دی ڈے۔"

"مطلب ———؟" وہ چونکی تھی۔

"یور برتھ ڈے۔" عفنان علی خان نے یاد دلایا تھا۔ وہ حیران سی رہ گئی تھی۔

❊ ❊ ❊

اگینے نے فیض چاچو کے پرپوزل کو ایکسپٹ کر لیا تھا۔

گھر میں ایک خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی۔

"کتنا مزہ آنے لگا نا ——— فیض چاچو کی شادی ہوگی۔" ہاہا ایکسائٹمنٹ سے بولی تھی۔

"ہاں ——— خوشی کی بات تو ہے۔ کتنی خواہش تھی فیض ہاں کرے اور میں ایک اچھی سی دیورانی گھر میں بیاہ کر لاؤں۔ مگر یہ مانتا ہی نہیں تھا۔ خدا کا شکر ہے، بالآخر عقل آ گئی۔ فارحہ بولی تھیں اور نانی مسکرا دیئے تھے۔

"ہاں بھئی، اب سب میں ہم جیسی ہمت تو نہیں ہوتی۔ شادی کرنا اور جھیلنا آسان کام تو نہیں۔" [illegible] نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ فارحہ ہنس دی تھیں۔

"سنا تم نے فیض! تمہارے بھائی صاحب کیا کہہ رہے ہیں؟"

"ہاں، سنا۔ اور بھائی صاحب کچھ ایسا غلط بھی نہیں کہہ رہے۔ شادی واقعی ایک مشکل معاملہ ہے۔ ایک میرڈ شخص سے زیادہ مظلوم شخص کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا۔" فیض نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

اگینے نے ترچھی نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔

"چاچو! ـــــ کم آن۔ آپ احسان مانئے، ہماری اگینے پھپھو نے ہاں کر دی ورنہ آپ تو یونہی کنوارے رہ جاتے۔" ساہیہ نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

"ایکسکیوزمی ـــــ میرے چاچو کے لئے لڑکیوں کی کوئی کمی نہیں تھی۔ وہ تو فیض چاچو کا کچھ دل آ گیا تھا اگینے پر ورنہ ـــــ" اذہان نے کہا تھا اور سب ہنس دیئے تھے۔

"فیض چاچو! ٹھیک کہا نا میں نے؟" اذہان نے دریافت کیا تھا۔

"ہاں ـــــ کہا تو ٹھیک ہے۔ مگر آئی گیس اِٹس اے رائٹ ٹائم فور میری۔ اگر میں اس ٹائم کو بھی ضائع کرتا تو پھر ـــــ شاید ـــــ کوئی لڑکی بھی نہ ملتی۔" فیض چاچو آنکھوں میں شرارت لئے بولے تھے۔ سب ہنسنے لگے تھے۔

"کتنا اچھا لگ رہا ہے نا۔ اتنے عرصے بعد میرے گھر کے آنگن میں خوشیاں اتری ہیں۔ اے خدا! میرے گھر کی خوشیاں یونہی قائم و دائم رکھنا۔" فارحہ نے دل ہی دل میں دعا مانگی تھی۔

"سعد! کیا خیال ہے؟ چاچو کے ساتھ ساتھ بھتیجے کی شادی بھی نہ کر دیں؟" مسکراتے ہوئے پوچھا تھا۔

اذہان نے ایک لمحے میں ساہیہ کی طرف اور ساہیہ نے اس کی طرف دیکھا تھا۔

ساہیہ کو لگا تھا ابھی وہ کچھ کہے گا۔ کوئی انکاری جملہ۔ مگر وہ کچھ نہیں بولا تھا۔

کوئی تعرض نہیں ہوا تھا۔

اور ساہیہ کو اس پر حیرت ہوئی تھی۔

"آنٹی! فی الحال اگینے پھپھو اور چاچو کی شادی پر اکتفا کریں۔ ہماری شادی کوئی اتنی ضروری نہیں ہے۔" وہ مسکراتی ہوئی بالآخر بولی تھی۔

اذہان اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد جب وہ ریلنگ کے پاس اپنا کافی کا مگ لئے کھڑی تھی وہ چلتا ہوا اس کے پاس آن رکا تھا۔ ساہیہ نے اس کی طرف دیکھا تھا اور بنا لبا مروتاً مسکرا دی تھی۔

اذہان بھی مسکرایا تھا۔

"سردی اچانک ہی کتنی بڑھ گئی ہے نا ـــــ موسم اچانک ہی کتنا بدل گیا ہے۔"

"ہاں۔" اذہان نے کہا تھا پھر اپنا کوٹ اتارا تھا اور آگے بڑھ کر اس کے شانوں پر ڈال دیا تھا۔

ساہیہ کچھ حیران ہوئی تھی۔

چونکی تھی۔

لیکن وہ مسکرا دیا تھا۔

"موسموں کا تو کام ہی بدلنا ہے۔ ان پر ایسا چونکنا کیسا؟"

"ہاں، مگر......" وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر مسکرا دی تھی۔ "ہم بھی کیا فضول کی باتیں لے کر بیٹھ گئے۔"

"نہیں ـــــ کچھ ایسی فضول باتیں بھی نہیں ہیں یہ۔ یوں بھی کبھی کبھی فضول باتیں بھی کر لینی چاہئیں۔ اچھا لگتا ہے۔" اذہان مسکراتے ہوئے بولا تھا۔ "تم وہاں سے اچانک اٹھ کر کیوں آ گئی ہیں؟"

"نہیں، بس یونہی۔" ساہیہ کوئی وضاحت نہیں دے سکی تھی۔

"شیور؟" اذہان حسن بخاری نے اس کی طرف بھرپور توجہ سے دیکھا تھا۔

"ہاں۔" ساہیہ نے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

اذہان کچھ نہیں بولا تھا۔ خاموشی سے اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

❄❄❄

رومیصا لغاری کی تصویر کو وہ چپ چاپ دیکھ رہے تھے۔ جب اگینے چلتی ہوئی ان کے پیچھے آن رکی تھی۔

فیض بخاری نے پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔ جیسے وہ جانتے تھے کہ ان کے پیچھے کون ہے۔

اگینے جو وہیں رک گئی تھی۔ چلتی ہوئی آگے بڑھ آئی تھی۔

"اگر تمہیں کسی بات پر کوئی اعتراض ہے تو تم ـــــ تم اپنا فیصلہ بدل بھی سکتے ہو۔" اگینے نے ہمت کر کے کہا تھا۔

"انسان اگر پیچھے مڑ کر دیکھتا ہے تو اس لئے نہیں کہ وہ اپنی زندگی کے کسی فیصلے پر پشیمان ہے یا نہیں ـــــ کبھی کبھی پیچھے مڑ کر اس لئے بھی دیکھا جاتا ہے کہ ہم نے کیا پایا اور کیا گنوا دیا۔"

اگینے نے انہیں دیکھا تھا پھر ان کے قریب بیٹھ گئی تھی۔

"میں اپنے گزرے کل کو دیکھ رہا ہوں اگینے! کیونکہ یہ میری زندگی کا حصہ ہے۔ اور میں اسے بھلا نہیں سکتا۔ یہ ہمیشہ اسی طرح میری زندگی کا حصہ رہے گا ـــــ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں آج سے خوش نہیں۔"

فیض بخاری نے تصویر ایک طرف رکھتے ہوئے اگینے کا ہاتھ تھاما تھا۔

اگینے خاموشی سے انہیں دیکھ کر رہ گئی تھی۔

"یہ سچ ہے اگینے! میں ایک عرصہ تک ایک حصار میں قید رہا۔ کبھی نکل ہی نہیں پایا اس دائرے سے۔ رومیصا لغاری کی محبت میرے گرد کچھ ایسی ہی تھی کہ اس کے جانے کے بعد بھی میں اس میں قید رہا۔ کبھی دھیان آیا ہی نہیں اس دائرے سے باہر نکل کر جینے کا۔

میں خوش تھا، رومیصا کے ساتھ، اس کی یادوں کے ساتھ ـــــ اور شاید ساری زندگی یونہی گزر جاتی۔ میں کبھی اس خواب سے جاگتا بھی نہیں ـــــ مگر تم ـــــ اگینے! تم وہ لڑکی ہو جس نے مجھے

اس وائرے سے باہر نکالا اور زندگی کو نئے سرے سے جینا سکھایا ——؟

اکینے! میں تو جینا جیسے بھول ہی چکا تھا۔ اپنے آپ کو بھول چکا تھا۔ مگر تم —— تم نے مجھے جینا سکھایا۔ ایک نئی راہ دی جینے کی۔ میں نے تمہیں پرپوز کیا تھا تو اس لئے نہیں کہ مجھے صرف زندگی کو آگے بڑھانا تھا بلکہ اس لئے کہ مجھے واقعی ایک ہم سفر کی ضرورت تھی جس کے ساتھ میں قدم قدم چل پاتا۔ جس سے اپنے سکھ دکھ شیئر کر پاتا۔ جس سے پیار کر سکتا۔ دل کی بات کر سکتا۔ سو میں نے تم سے کہہ دیا —— کہہ دیا کہ مجھے تمہاری ضرورت ہے۔ اکینے! جو دل میں ہو کہہ دینا چاہئے۔ دل کی دل میں نہیں رکھنی چاہئے۔ میرے دل میں تمہارے لئے جو بھی تھا میں نے کہہ دیا۔ تمہیں کیا لگتا ہے؟" فیض بخاری نے پوچھا تھا۔

"مجھے لگا ہے فیض! اگر ہم زندگی کی راہ پر مل کر چلیں تو زندگی کچھ اور بھی خوبصورت ہو سکتی ہے اور....."

"اور ——؟" فیض بخاری نے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"اور میں —— آپ کا ہاتھ تھام کر اس زندگی کی راہ پر ضرور چلنا چاہوں گی —— میں جانتی ہوں کہ ہر زندگی کے پیچھے ایک بند دروازہ کھلتا ہے اور اس بند دروازے سے پیچھے ایک Past بھی ہوتا ہے۔ جو بند دروازہ کھلنے پر جھانکتا ہے۔ ایسا ہر ایک کے ساتھ ہوتا ہے فیض! میں حقیقت پسند ہوں۔ ہم اب اس عمر میں نہیں ہیں فیض! جہاں ہاتھ بڑھا کر جگنو پکڑے جاتے ہیں اور بچوں کی طرح خوش ہوا جاتا ہے۔ ہم اس وقت سے بہت آگے نکل آئے ہیں۔ اب اگر ہم ایک دوسرے کو نہیں سمجھ پاتے تو یہ اچھا نہیں ہوگا۔" وہ ملائمت سے بولی تھی۔

فیض بخاری مسکرا دیے تھے۔ پھر آہستگی سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔

"آئی نو —— ہمارے اس نئے سفر میں کہیں کوئی ملال دور دور تک نہیں ہوگا۔"

"ہاں ——" اکینے نے کہا تھا اور مسکرا دی تھی۔

فیض بھی مسکرا دیے تھے۔

❋ ❋ ❋

دونوں خاموشی سے بیٹھے تھے۔

سنگی بینچ کے ایک کونے پر وہ تھی —— اور دوسرے کونے پر سردار سبکتگین حیدر لغاری۔ وہ اس سے کیا کہنا چاہتا تھا، وہ نہیں جانتی تھی۔

اس کے دل میں کیا تھا وہ نہیں جان پائی تھی۔

خاموشیاں کیا کہہ رہی تھیں، اس کے لئے یہ جاننا بھی مشکل تھا۔

مگر وہ اس کے ہمراہ وہاں موجود تھی اور اس کے بولنے کی منتظر تھی۔

"میرب! جو کچھ بھی ہمارے بیچ ہو رہا ہے، اس کی اب بھی ماں کو کوئی خبر نہیں ہے۔ اور میں چاہتا ہوں کہ —— اس کی خبر انہیں نہ ہی ہو تو بہتر ہے۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے سگریٹ کے کش کے ساتھ بات کا آغاز کیا تھا۔ وہ خاموشی سے اس کی طرف دیکھتی رہی تھی۔ "جو کچھ ہو رہا ہے۔ ٹھیک ہے۔ مرضی کے عین مطابق ہے۔"

"کس کی مرضی کے عین مطابق ہے؟" میرب پوچھنا چاہتی تھی مگر باوجود خواہش کے وہ نہیں بول سکی تھی۔

"اٹس آل رائٹ۔ سب ٹھیک ہو رہا ہے۔ اور کچھ ہی دنوں میں معاملہ سولو بھی ہو جائے گا۔ بٹ آئی ڈونٹ ویٹ —— میں اس طرح نہیں چاہتا۔ اٹس لٹل بٹ امپیور اینڈ کڈی۔ آئی وانٹ اے پیور سولوشن۔ اس کا اس سے بہتر حل بھی ہو سکتا ہے اور ہے بھی۔ میں تمہیں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ کورٹ کچہری ہمارے لئے نہیں ہے۔ ہماری فیملی پریسٹیج کے لئے یہ ٹھیک نہیں۔ لغاری خاندان کو یہ سب زیب نہیں دیتا۔ سو اس کا متبادل حل بھی نکالا جا سکتا ہے —— اینڈ آئی فاؤنڈ ویٹ۔ وہاٹ اباؤٹ آؤٹ آف کورٹ سیٹل منٹ؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری مکمل سپاٹ لہجے میں بولا تھا اور وہ حیران رہ گئی تھی۔

وہ اس قدر سفاک ہو سکتا تھا۔

اتنا سنگ دل ہو سکتا تھا۔

وہ نہیں جانتی تھی۔

اس کا انداز مکمل طور پر کاروباری تھا۔ جیسے وہ کوئی بزنس ڈیل کر رہا ہو۔

"کتنا حق مہر تھا تمہارا؟ —— ڈو یو ری ممبر؟" اس کے احساسات کی پرواہ کئے بغیر وہ اسی سپاٹ لہجے میں گویا تھا۔ "ایز فار ایز آئی ری ممبر فائیو کروڑ۔ رائٹ؟ سو وہاٹ یو تھنک اگر ہم اس کو دس کروڑ کر لیں اور بات سیٹل کی جگہ ختم ہو جائے —— ہم مزید کورٹ کچہری میں جائیں ہی نہ —— آؤٹ آف کورٹ سیٹل منٹ۔ سیف اینڈ سیکیور میتھڈ۔ نہ آپ کا وقت برباد ہو نہ میرا۔ بات سکون سے طے پا جائے۔ وہاٹ یو تھنک؟ —— اگر آپ کہیں تو ہم آفر کو بڑھا بھی سکتے ہیں —— پانچ کی جگہ جہاں دس ہوا، وہیں پندرہ یا بیس بھی ہو سکتا ہے مگر......"

سردار سبکتگین حیدر لغاری کی بات ختم بھی نہیں ہوئی تھی جب میرب کا ہاتھ اٹھا تھا اور تڑاخ سے سردار سبکتگین حیدر لغاری کے چہرے پر تھا۔ جانے کیسے اس میں اتنی ہمت آ گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری قطعاً بھی ایسا کچھ ایکسپیکٹ نہیں کر رہا تھا۔ وہ اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔

مگر وہ اس کی بالکل بھی پرواہ کئے بغیر بولی تھی۔

"رشتوں پر سودے بازی پہلی بار کرتے سنا ہے میں نے کسی کو سردار سبکتگین حیدر لغاری! —— آپ تو بہت ہی بڑے بزنس ٹائیکون ہیں۔ اپنے ہی رشتوں پر سودے بازی کر رہے ہیں آپ اور کمال کا سودے بازی کر رہے ہیں۔" میرب کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔

سارا ضبط ٹوٹ گیا تھا۔

"بہت افسوس ہو رہا ہے مجھے آج —— بہت افسوس۔ بہت غلط سوچتی رہی میں آپ کے لئے۔

بہت شرمندہ ہوں آج ——— آپ یہ، آپ وہ ——— مگر کیا ہیں آپ؟ ——— سچ بات تو یہ ہے کہ یو ڈونٹ ڈیزروی۔ شرمندہ ہوں۔ کتنی فیلنگز ہیں میرے دل میں آپ کے لئے، کیا سوچا آپ کو ——— کس قدر چاہا ——— پہروں نہیں، لمحوں نہیں، دنوں نہیں، ہر ہر پل ——— محبت کرتی تھی آپ سے ——— ساری زندگی آپ کے ساتھ گزارنا چاہتی تھی۔ ساری عمر آپ کو چاہتے رہنا چاہتی تھی مگر ——— اب اس سب پر بہت شرمندہ ہوں۔ آپ جیسے شخص کو چاہ رہی ہوں میں۔ آپ جیسے شخص کو پل پل سوچتی رہی ہیں۔ آپ سے محبت کرتی رہی جو محبت کے معنی تک نہیں جانتا تھا۔ جسے فیلنگز کی اے بی سی ڈی بھی معلوم نہیں، اس شخص کے ساتھ میں اپنی پوری عمر گزارنا چاہتی تھی۔ ڈیم ———!

سب غلط سوچا میں نے ——— سب غلط سمجھا ——— سب غلط قیاس کیا ——— بے وقوف تھی میں۔ سب فضول سوچتی رہی۔ جس کا کوئی مطلب تھا نہ کوئی مقصد۔ بٹ ناٹ ناؤ۔ آپ کے لئے میری یہ محبت، میری خود کی انا اور وقار سے زیادہ نہیں ہے ——— اب آپ کیا مجھے اپنی زندگی سے نکالیں گے، میں خود بھی آپ کو اپنی زندگی میں نہیں چاہتی۔ ہمیشہ اس رشتے کو بچانا چاہتی تھی میں ——— جسٹ بی وانٹڈ ٹو سیف دِس ریلیشن شپ۔ مگر اب کوئی زبردستی نہیں ہے۔ میں آج سے ——— ابھی سے آپ کو اپنی زندگی سے نکالتی ہوں۔ سب ختم ——— آل اوور ناؤ ———!'' کہہ کر وہ اٹھی اور چلتی ہوئی وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی۔

سروار سبکتگین حیدر لغاری اس کی سمت دیکھتا رہ گیا تھا۔

❄ ❄ ❄

''سب کچھ کیسے معمول پر آ گیا تھا، مجھے تو اب تک یقین نہیں۔ کتنا اچھا لگ رہا ہے نا۔'' ساہیہ نے کافی کا کپ اسے تھماتے ہوئے اس کے ساتھ بیٹھتے ہوئے کہا تھا۔

اذہان مسکرا دیا تھا۔

''ہاں، واقعی ——— سچ میں سب ایک دم سے ٹھیک ہو گیا۔ کبھی کبھی یوں بھی ہوتا ہے جب ہم کسی بات کو بہت سلجھانے کی کوشش کرتے ہیں تو وہ اور بھی اُلجھتی چلی جاتی ہے۔ مگر کبھی کبھی جب ہم تھک ہار کر چھوڑ کر بیٹھ جاتے ہیں تو اچانک ہی جیسے کوئی غیب کا کرشمہ ہو جاتا ہے اور سب ٹھیک ہو جاتا ہے۔ جیسے کبھی کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔''

''ہاں، ٹھیک کہتے ہو۔'' ساہیہ مسکرا دی تھی۔ ''مگر کبھی کبھی ایسا نہیں بھی ہوتا۔ سنورنے والے سارے موسم چپکے چپکے گزرتے رہتے ہیں۔ کہیں کوئی لمحہ بھی خلاف نہیں ہوتا۔ مگر وقت پھر بھی آپ کے حق میں کوئی فیصلہ نہیں دیتا۔'' ساہیہ مسکراتی ہوئی بولی تھی اور اذہان اسے دیکھ کر رہ گیا تھا اور وہ کہہ رہی تھی۔

''میرے ہاتھ کوئی جادو کی چھڑی نہیں ہے۔ وقت میرے حق میں بھی نہیں ہے۔ مگر میں خوش ہوں۔ بہت خوش ہوں۔ فارحہ آنٹی اور سعد انکل کی زندگی پھر ڈگر پر آ گئی۔ فیض چاچو اور اُلجھے چچھو بھی ایک ویولنتھ پر آ گئے۔ وقت نے نا تو سچ میں جادو کی کوئی چھڑی گھما دی۔'' وہ ہنس دی تھی۔ اذہان

اس کے لہجے میں چھپی حسرتوں کو صاف محسوس کر رہا تھا۔ مگر وہ فوری طور پر اس سے کچھ بھی نہیں کہہ سکا تھا۔

اندر جیسے کوئی چور سا بیٹھا تھا۔ جو کوئی فیصلہ لینے نہیں دے رہا تھا۔

وہ جیسے خود اپنے بس میں نہیں تھا۔

''میں سوچتی ہوں، واپس چلی جاؤں۔ وقت اور زندگی شاید کچھ نئے زاویے پر مڑ جائیں۔'' وہ اپنے طور پر فیصلہ کرتی ہوئی بولی تھی۔

''ایسا کیوں سوچ رہی ہو تم؟ ——— یہاں کیا نہیں ہے جو وہاں ہے؟'' اذہان بولا تھا مگر وہ اس کی طرف دیکھتی ہوئی ملائمت سے مسکرا دی تھی۔

''دل کی مانوں تو شاید مجھے بھی یہی ماننا پڑے کہ وہاں ایسا کیا ہے جو یہاں نہیں۔ دل تو شاید کچھ زیادہ کی ہی گواہی دے کہ یہاں بہت کچھ ہے ٹھہرنے کو۔ یہاں تم ہو۔ مگر دل کی مان کر بھی کبھی بندہ کچھ زیادہ فائدے میں نہیں رہتا۔ اور میں کچھ زیادہ نقصان نہیں سہنا چاہتی۔ یوں کہو کہ اب زیادہ نقصان سہہ نہیں سکتی۔ سو سوچتی ہوں آئی شُڈ بیک۔'' ساہیہ نے ایسا کوئی فیصلہ کیوں کیا؟ کب کیا؟ وہ حیران رہ گیا تھا۔

ایسا کچھ اس نے نہیں سوچا تھا۔

اور ایسا ہونا بھی نہیں چاہیے تھا۔

جو بھی ہو رہا تھا غلط تھا۔ اس کا اندازہ بہرحال اُسے تھا۔

''کیا فضول سوچ رہی ہو تم ———؟'' وہ بولا تھا۔ انداز اُلجھا اُلجھا سا تھا۔ مگر ساہیہ اسی اطمینان سے مسکرا دی تھی۔

''فضول نہیں ہے اذہان! ——— وقت کی ضرورت ہے اور......''

وہ بول رہی تھی جب اس کا سیل فون بجا تھا۔ اذہان نے اسکرین پر دیکھا تھا۔ دوسری طرف میرب تھی۔

''ایکسکیوزمی!'' معذرت چاہتے ہوئے اذہان نے کال ریسیو کی تھی۔

''ہیلو! ——— کیسی ہو تم ———؟''

''ٹھیک ہوں ——— مگر ———''

''مگر کیا؟''

''کچھ بھی ٹھیک نہیں ہے اذہان!'' غالباً وہ دوسری طرف رو رہی تھی۔

ساہیہ نے سر اٹھا کر اذہان کی طرف دیکھا تھا۔ وہ یکدم اٹھی تھی اور وہاں سے نکل جانا چاہتی تھی۔ مگر اذہان نے سرعت سے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا اور دوسری طرف میرب سے پوچھا تھا۔

''وہاٹ ہیپنڈ؟''

''کچھ نہیں۔'' میرب نے فون رکھ دیا تھا۔

وہ سیل بند کرتے ہوئے سابیہ کی طرف متوجہ ہوا تھا۔
''میرب کو ہماری ضرورت ہے سابیہ! ـــــ ہمیں ابھی اس کی طرف جانا ہوگا۔'' وہ بولا تھا۔
سابیہ کوئی تعرض نہیں کرسکی تھی۔

❄❄❄

یہ سچ تھا ـــــ اُسے یقین نہیں آیا تھا۔
عفنان علی خان کی محبت اس کے لئے اب بھی باقی تھی یا نہیں، وہ نہیں جانتی تھی۔ مگر یہ اقدامات کیا کہہ رہے تھے، وہ نہیں جان پائی تھی۔
اگر وقت کے پاس اس کے کانوں کے لئے کچھ سرگوشیاں تھیں بھی تو فی الحال اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔
وہ صرف دلچسپی کیئر شو کررہا تھا۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں تھا۔
محبت اس سے زیادہ کچھ نہیں تھی۔
اور شاید وہ محبت تھی بھی نہیں۔
وہ زیادہ سوچ کر الجھنا نہیں چاہتی تھی۔
شام میں سب گھر آئے تھے۔ ممی، دادا ابا، اوزی، لامعہ ـــــ اس کے برتھ ڈے کو وہ سب کیسے بھول سکتے تھے؟ وہ خوش تھے۔ مگر وہ خود خوش کیسے دکھائی دے؟ یہ بھول بیٹھی تھی شاید۔ یا پھر وہ خود کو دھوکا دے رہی تھی۔
''تمہیں کیا ہوا ہے؟'' وہ جوس گلاسوں میں انڈیل رہی تھی جب لامعہ نے اس کے قریب رکتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ وہ چونکی تھی، پھر مسکرا دی تھی۔
''کچھ نہیں ـــــ کیوں، کیا ہوا؟''
''منہ پر بارہ بج رہے ہیں۔'' اطلاع آئی تھی۔
''اچھا ـــــ!'' وہ برا مانے بغیر ہنس دی تھی۔
''مذاق نہیں ہے یہ ـــــ تمہیں واقعی کیا ہوتا جارہا ہے؟ ـــــ تمہارا ہزبینڈ تمہارا کوئی خیال نہیں رکھتا؟ ابھی جاکر پوچھتی ہوں۔ بیوی ہو، کوئی غلام تو نہیں۔ یہ سارے ملازم کیوں نکال باہر کیے؟ فاطمہ آنٹی کے ہوتے ہوئے تو دس ملازم تھے۔'' لامعہ نے خبر گیری کی تھی۔
مگر انابیہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر روک دیا تھا۔
''پاگل ہوگئی ہو؟ ـــــ کیا فرق پڑتا ہے؟ ـــــ اور ممی پاپا کے جانے کے بعد یوں بھی زیادہ کام کاج نہیں رہا۔ ہم دو تو افراد ہیں۔ تھوڑا سا کام ہے۔ میں تو چٹکیوں میں کرلیتی ہوں۔ یوں بھی اس اتنے بڑے گھر میں، اتنے لمبے چوڑے دن میں میرے پاس کرنے کے لئے ہوتا بھی کیا ہے۔'' وہ بہت پرسکون انداز میں کہتی ہوئی مسکرائی تھی۔
لامعہ اُسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

''تم تو مکمل 100 فیصد پرفیکٹ وائف بن چکی ہو۔ کوئی شکایت کرو تو اپنے ہزبینڈ کو ڈیفنڈ کرنا بھی آگیا ہے۔''
''نہیں ـــــ میں انہیں ڈیفنڈ نہیں کررہی۔'' انابیہ مسکرا دی تھی۔ ''ان فیکٹ، سچ بتا رہی ہوں نہیں۔''
''ہاں ـــــ اس چار دیواری میں بند کرکے، تم سے یہ گھر کے کام کرا کے کہاں کی محبت ہورہی ہے۔ مجھے تو تم دونوں میں ایسی کوئی افلاطونی محبت دکھائی نہیں دیتی۔''
''افلاطونی محبت کا وقت نکل گیا۔ اب تو پریکٹیکل لائف اسٹارٹ ہے۔ اور پریکٹیکل لائف تو ایسی ہی ہوتی ہے۔ جب تمہاری شادی اوزان کے ساتھ ہوگی تب پوچھوں گی۔''
''خدا نہ کرے اوزان تمہارے ان سو کالڈ ہزبینڈ جیسا ہو۔'' لامعہ اُس کی کیفیت پر تپ کر بولی تھی۔
''کم آن لامعہ! ـــــ ان کا کوئی قصور نہیں۔ مگر خود کچھ کرنے کو دل نہیں چاہتا۔''
''اوہ، پلیز! ان حضرت کو ڈیفنڈ کرنا بند کرو۔ کیا سمجھتی ہو تم، کسی کو بتاؤ گی نہیں تو کسی کو پتہ بھی نہیں چلے گا؟ آپ کے چہرے پر صاف پڑھا جارہا ہے کہ آپ خوش نہیں ہیں۔''
''نہیں ـــــ ایسا نہیں ہے لامعہ!'' وہ کمزور سے لہجے میں سرنفی میں ہلاتی ہوئی بولی تھی۔
لامعہ اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔
''تم پلیز ـــــ ایسا کچھ ممی، دادا پا پھر اوزان سے مت کہنا۔ وہ فضول میں پریشان ہوں گے۔ تمہیں بھی پتہ نہیں کیوں یقین نہیں ہورہا کہ سب ٹھیک ہے اور کہیں کچھ غلط نہیں ہے۔'' وہ متواتر پریڈ کرتے ہوئے بولی تھی۔ جب اچانک دھیان عفنان علی خان کی طرف گیا تھا۔
جانے کب سے تھا وہ وہاں۔
کیا سنا تھا ـــــ کیا نہیں۔
انابیہ سر جھکا کر رہ گئی تھی۔
تبھی وہ اندر بڑھ آیا تھا۔
''کیا پروگرام ہے؟'' جوس کی ٹرے اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے پوچھا تھا۔ لامعہ قریب ہی کھڑی دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ انابیہ نہیں چاہتی تھی ایسا کچھ بھی لامعہ کے سامنے ہو جس سے پتہ چلے کہ ان کے درمیان کہیں کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ تبھی خوشگواری سے مسکرا دی تھی۔
''کیسا پروگرام؟ ـــــ فی الحال تو ڈرنک سرو کررہے ہیں۔ آپ بتا دیجئے، کیا کرنا ہے؟ ڈنر گھر پہ کروں ہاں ـــــ!''
''نہیں ـــــ اس کی ضرورت نہیں۔'' عفنان اس کے ہاتھ سے جوس کی ٹرے لیتے ہوئے بولا۔ ''میں نے ٹیبل بُک کروا دی ہے۔ ہم ڈنر باہر کریں گے۔''
وہ حیرت میں تھی۔ جب لامعہ بولی تھی۔
''عفنان! یہ کیسی برتھ ڈے ہے جو کیک کے بغیر ہے؟''

وہ مسکرایا تھا۔

"کس نے کہا کہ کیک نہیں؟ ـــــ ان فیکٹ تم اپنی دوست کے لئے چھری پہ ریڈ ربن باندھ کر لے آؤ۔ کیک کٹنے کے لئے تیار ہے۔ انا بیا! ـــــ تم چینج کر لو۔" وہ مکمل ذمہ دار شوہر لگ رہا تھا۔

غالباً وہ جو پروف کرنا چاہتا تھا اس میں کامیاب بھی رہا تھا۔

اگر اس کا مقصد صرف لامعہ لوگوں کو اطمینان دلانا تھا تو یہ کوشش کارگر رہی تھی۔

مگر اس کے اندر کتنی خاموشیاں پھیل رہی تھیں۔ یہ صرف وہ جانتی تھی۔

وہ ٹرے لے کر باہر جا چکا تھا اور وہ خاموشی سے وہاں کھڑی تھی۔

"تم اس طرح کیوں کھڑی ہو؟ ـــــ کم آن یار! ریڈی ہو جاؤ جا کر۔ میں باقی سب کو ریڈی کرتی ہوں۔" لامعہ بولی تھی۔ تبھی وہ مسکراتی ہوئی سر ہلاتی باہر نکل گئی تھی۔

مگر اس کے اندر کہیں بھی، کچھ بھی مکمل طور پر اپنی جگہ پر نہ تھا۔

محبت اتنی اُلجھی ہوئی ہو سکتی ہے، وہ نہیں جانتی تھی۔

اُلجھی اُلجھی
بکھری بکھری
تھوڑی حیران
تھوڑی سلجھی
محبت کو میں نے دیکھا ہے
کچھ خوش گمان
کچھ بدگمان
کچھ چارہ گر
کچھ رہنما
محبت کو میں نے دیکھا ہے
چپ چاپ، تنہا چلتے ہوئے
خود اپنی آگ میں جلتے ہوئے
کچھ کہتے ہوئے نہ
سنتے ہوئے
محبت کو میں نے دیکھا ہے

اسے کچھ معلوم نہیں تھا، زندگی اب کس کروٹ بیٹھے گی؟ ـــــ آخر کیا ہوگا؟

یا پھر کوئی نیا رخ ہوگا بھی یا کہ نہیں۔

مگر زینہ طے کرتے ہوئے وہ بہت اُلجھی ہوئی سی تھی۔

اوزان کی کسی بات پر مسکراتے ہوئے عفنان علی خان نے اسے بغور دیکھا تھا۔

❋❋❋

"کیا ہوا تھا؟" اذہان نے پوچھا تھا۔

سامیہ بھی میرب کو بغور دیکھ رہی تھی۔ مگر اس نے اُن کی طرف دیکھتے ہوئے سر انکار میں ہلا دیا تھا۔

"بس یونہی، میں کچھ پریشان تھی۔"

"ہاں، وہی تو پوچھ رہے ہیں۔ کیا پریشانی تھی؟ تم اتنی ڈسٹرب لگ رہی ہو تو اس کی کوئی وجہ تو ہو گی۔" اذہان حسن بخاری نے پوچھا تھا۔

مگر غالباً وہ سامیہ کے ہونے کے باعث کچھ بھی شیئر نہیں کر رہی تھی۔ سامیہ کو اندازہ ہو گیا تھا۔ تبھی شاید وہ اٹھنے لگی تھی۔ مگر میرب نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا اور نرمی سے بولی تھی۔

"تمہیں کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے سامیہ! تم بھی میری اتنی ہی اچھی دوست ہو جتنا اذہان! ایسی کوئی بات نہیں ہے جو میں صرف اذہان سے شیئر کر سکتی ہوں اور تم سے نہیں۔"

سامیہ مسکرائی تھی۔

"تم دونوں بہت پرانے دوست ہو میرب! میں نئی ہوں۔ اور نئے اور پرانے دوست کا فرق میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ یوں بھی مجھے نہیں لگتا میرے ہوتے ہوئے تم کمفرٹیبل فیل کرو گی۔" وہ ملائمت سے مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

"ایسا کچھ نہیں ہے سامیہ! میرے لئے نئے یا پرانے دوست ایک جیسے ہیں۔ میں سردار سبکتگین حیدر لغاری کی طرف گئی تھی۔ بہت دنوں سے ہمارے درمیان کچھ بھی ٹھیک نہیں۔ بس اسی کو لے کر کچھ زیادہ ڈسٹرب ہو گئی تھی۔" کہتے ہوئے اس کی آنکھوں میں بہت سا پانی آن ٹھہرا تھا۔ اس نے ہاتھ کی پشت سے آنکھوں کو رگڑا تھا۔

"کبھی کبھی زندگی اتنی اُلجھ جاتی ہے کہ اسے سلجھانا مشکل ہو جاتا ہے۔ میرے معاملے میں محبت کچھ اُلجھی ہوئی ہے فی الحال۔ پتہ نہیں کیا ہوگا۔ مگر میں اس تعلق کو توڑنا نہیں چاہتی۔ آئی لو ہم۔" میرب بولی تھی اور اذہان کے اردگرد جیسے یہ جملہ بازگشت ہو گیا تھا۔ چونکی تو سامیہ بھی تھی۔ اور وہ اذہان کو اس لمحے دیکھے بنا نہیں رہ سکی تھی۔

"ہاں، یہ ٹھیک ہے۔ دیٹس ٹرو۔ آئی لو ہم۔ میرے لئے اس کے بنا زندگی کا کوئی مطلب ہی نہیں اور وہ ہے کہ یہ بات سمجھتا ہی نہیں۔ میرے ایموشن، میری فیلنگز جیسے اس کے لئے کوئی میننگ ہی نہیں رکھتیں۔ میں جانتی ہوں، آئی نوٹ دیٹ۔ ہی لوز می۔ تبھی تو جب چاہتا ہے، اتنے آرام سے ہرٹ کرتا ہے۔ دنیا میں صرف ایک شخص ہوتا ہے جو ہمیں درد دے سکتا ہے۔ جو جانتا ہے کہ ہم اس سے اور وہ ہم سے محبت کرتا ہے اور سردار سبکتگین حیدر لغاری اس بات سے انجان نہیں ہے۔ ہی کین ہرٹ می۔ ہی آل ویز ہرٹ می۔ بی کوز آئی لو ہم۔"

میرب بولی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو اپنے آپ بہہ رہے تھے۔ اگر وہ کوئی صورت حال ان

دونوں پر واضح کرنا چاہتی تھی تو وہ کامیاب رہی تھی۔
ساہیہ نے اس کے جھکے ہوئے سر کو دیکھا تھا، پھر اس کے ساتھ بیٹھتے ہوئے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔
اذہان اس منظر کو صرف دیکھ کر رہ گیا تھا۔

❋❋❋

"تم کیا کر رہی ہو——؟" گی کو نئے سرے سے پیکنگ کرتے دیکھ کر گین نے دریافت کیا تھا۔
"دیکھ تو رہے ہو تم—— پیکنگ کر رہی ہوں۔" وہ لاتعلق لہجے میں بولی تھی۔ سروار سبکتگین حیدر لغاری اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔
"خفا ہو تم مجھ سے؟" گی نے سب کام چھوڑ کر اس کی طرف دیکھا تھا۔
"کس قسم کے آدمی ہو تم گین!—— تم اتنے کٹھور ہو سکتے ہو، مجھے اندازہ تک نہیں تھا۔ ہمیشہ کتنا سمجھایا بجھایا تمہیں لیکن تمہاری سمجھ میں نہیں آیا۔ تم جبرف دل دُکھانا جانتے ہو۔ تم اتنے سنگ دل ہو اس بات کا اندازہ نہیں تھا مجھے۔ تمہارا سب سے بڑا پرابلم یہ ہے کہ تم خود نہیں جانتے، تم زندگی سے کیا چاہتے ہو۔ زندگی تمہارے قریب ہے، پاس ہے اور تم اسے پرے دھکیل رہے ہو۔ کتنا سمجھایا تھا میں نے اُسے۔ کتنا پوزیٹو کرنے کی کوشش کی تھی۔ مگر تم نے ان تمام کوششوں پر پانی پھیر دیا۔ عجیب آدمی ہو تم۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تمہاری۔ اتنی اچھی لڑکی کو درد دے رہے ہو تم۔ کیوں کر رہے ہو تم ایسا؟ میں نہیں جانتی گین! بٹ آئی ایم ناٹ ہیپی۔ مجھے دُکھ ہے۔ کیونکہ تم اُسے دُکھ دے رہے ہو۔" گی بولی تھی۔
سروار سبکتگین حیدر لغاری فوری طور پر کچھ نہیں بولا تھا۔
"سروار سبکتگین حیدر لغاری!—— یہ کیا کر رہے ہو تم، خود اپنی زندگی کے ساتھ؟—— کیا لگا ہے، خوش رہ پاؤ گے؟" گی نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے کہا تھا۔
"نہیں—— قطعاً نہیں خوش رہوں گا اگر تم یہاں سے جاؤ گی تو۔ گی! فی الحال میں کسی طرف نہیں دیکھ رہا۔ میری نظر کسی معاملے پر نہیں۔ تم میری بہت اچھی دوست ہو اور میں تمہیں اس طرح کھونا نہیں چاہتا۔" وہ مطمئن انداز میں بولا تھا۔
"میں—— میری دوستی گین؟—— اینڈ ویئر از یور اون لائف؟—— یو گون میڈ؟ کیا ہو گیا ہے تمہیں؟—— پاگل ہو گئے ہو تم؟—— کیوں کچھ سمجھ میں نہیں آتا تمہیں؟ کیوں کچھ دکھائی نہیں دیتا؟ تم ہر لمحہ اسے اپنی زندگی سے باہر دھکیل رہے ہو اور تمہیں اس بات کا اندازہ تک نہیں ہے۔ میں نے اپنی ساری زندگی میں تم سے زیادہ بے وقوف شخص نہیں دیکھا۔ پلیز، فار گاڈ سیک سروار سبکتگین حیدر لغاری! اپنی زندگی کو سمجھو۔ کب سمجھ آئے گی تمہیں؟ محبت کرتے ہو اُس سے تو اُسے بتاتے کیوں نہیں؟"

"گی! میں کیا کر رہا ہوں، کیوں کر رہا ہوں؟ میں جانتا ہوں۔ آئی ایم ناٹ اے فول۔" وہ پوزیس (Posses) کرتا ہوا بولا تھا۔
"کچھ نہیں جانتے تم گین!—— سچ میں بہت بے وقوف ہو تم۔" گی نے اس کی عقل پر افسوس کرتے ہوئے کہا تھا۔ "سروار سبکتگین! میں کھونے کا درد جانتی ہوں۔ مجھے احساس ہے، جب کچھ کھویا جاتا ہے تو کتنا درد ہوتا ہے۔ تم پلیز، یہ سمجھنے کی کوشش کرو۔ خدا نہ کرے تم اس حد سے گزرو۔ میں کبھی بھی تمہیں اس درد سے گزرتا نہیں دیکھنا چاہوں گی۔" گی بولی تھی اور سروار سبکتگین حیدر لغاری اسے چپ چاپ دیکھ رہا تھا۔

❋❋❋

ڈنر سے واپس لوٹنے کے بعد وہ اپنے کمرے میں جانے والی تھی جب عفنان علی خان نے اُسے پکارا تھا۔
"سنو——!"
وہ زینہ چڑھتے چڑھتے یک دم جیسے بت بن گئی تھی۔
عفنان چلتا ہوا اس کے پیچھے آن رکا تھا۔
"گھر کی باتیں گھر میں رہیں تو زیادہ بہتر ہوتا ہے۔ اگر تمہیں مجھ سے کوئی شکایت ہو تو مجھ سے کہو۔ میں اس کا ازالہ کرنے کی پوری کوشش کروں گا۔ مگر اس طرح——!"
اُسے اندازہ تھا۔ ایسی ہی کوئی بات ہو گی۔ اور وہی ہوا تھا۔
عفنان علی خان اپنے طور پر اخذ کی گئی باتیں کر رہا تھا۔ وہ بہت سکون سے پلٹی تھی۔
"میں نے کسی سے کچھ نہیں کہا۔ گھر کی یا ہماری آپس کی کسی بھی بات کو اس گھر سے باہر نہیں کیا۔ ر آپ لامعہ کی بات کر رہے ہیں تو میں اس سے کسی قسم کی کوئی شکایت نہیں کر رہی تھی۔ میں صرف ناحت دے رہی تھی کہ میں......"
"کہ آپ کو یہاں نوکر بنا کر رکھا جا رہا ہے اور آپ کا کوئی خیال نہیں رکھا جا رہا۔" عفنان نے ت مکمل کی تھی۔
"مجھ پر کسی طرح کا کوئی ظلم نہیں ہو رہا اور نہ ہی میں مظلوم بننا چاہوں گی۔ آپ نے جو بھی سنا وہ ھی ادھوری باتیں تھیں۔ یوں بھی کسی کی باتیں چھپ چھپ کر سننا اچھی بات نہیں۔" اس نے مضبوط ہ میں کہا تھا۔
عفنان علی خان اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔
"مجھے نہیں پتہ کہ آپ اتنا کچھ کیوں سہہ رہی ہیں۔ اگر میں آپ کی زندگی میں ان چاہا حصہ ہوں تو ما باہر کیجئے۔ پلیز، لیو اینڈ لٹ لیو۔" وہ بولی تھی۔
عفنان علی خان کا ہاتھ اٹھا تھا اور تڑاخ سے اس کے چہرے پر تھا۔
وہ حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔ مگر وہ چلتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔

❋❋❋

"آج کا دن اچھا رہا نا ــــــ" اناہیہ کی برتھ ڈے پر ڈنر کے بعد اوزان لامعہ کو چھوڑنے جا رہا تھا۔

"ہاں ــــــ اچھا رہا۔ عرصے بعد ہم اس طرح مل کر کہیں بیٹھے۔ مجھے اچھا لگا۔" لامعہ نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

"اناہیہ خوش ہے نا؟ ــــــ مجھے جانے کیوں آج وہ کچھ بجھی بجھی سی لگی۔" بھائی کی نگاہ اُسے پڑھ گئی تھی۔

لامعہ چونکی تھی۔ پھر فوراً سر انکار میں ہلا دیا تھا۔

"نہیں ــــــ وہ خوش ہے۔ خوش کیسے نہیں ہوگی۔ عثنان اُسے سر آنکھوں پر بٹھاتا ہے۔ اس کی ہر خوشی کا خیال رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ دیکھا نہیں آج تم نے۔" لامعہ نے اس کا زاویہ نظر موڑنے کی کوشش کی تھی۔

"ہاں ــــــ یہ تو ہے۔ مگر اس کے باوجود مجھے وہ کچھ اُداس لگی۔ اینی ہاؤ، کوئی آج بہت اچھا بھی لگ رہا تھا۔" وہ ایک نظر اس کی طرف دیکھتا ہوا بولا تھا۔

لامعہ مسکرادی تھی۔ اس کے چہرے پر کئی رنگ بکھرتے دیکھ کر اوزان کو اچھا لگا تھا۔

"میں نے ایسا کبھی نہیں سوچا۔" وہ اس کی طرف دیکھے بغیر مسکراتی ہوئی بولی تھی۔

"کیا ــــــ؟" وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا۔ "تم اپنی زندگی میں مجھے ایکسپیکٹ نہیں کرتی تھیں؟"

"نہیں ــــــ ایسی بات نہیں۔ مگر زندگی میں اتنے سارے ٹوئسٹ آئیں گے، اس کے بارے میں میں نے کبھی نہیں سوچا تھا۔ وقت کب، کہاں، کس طرح بدلا کچھ پتہ نہیں چلا۔ کتنی خود غرض ہوگئی میں۔ کیسے اتنا سب کر دیا، سمجھ نہیں آ رہا۔ مگر آج جب سوچتی ہوں تو میرے اپنے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ حسد اور جلن میں، میں بہت آگے نکل گئی تھی۔ وہ تو اچھا ہوا بروقت میری آنکھیں کھل گئیں۔ ورنہ آج جانے میں کہاں کھڑی ہوتی۔ یہ تم ــــــ یہ ایک اچھا سا احساس ــــــ یہ چھوٹے چھوٹے سے خواب ــــــ شاید یہ سب جو آج میرا ہے، میرا نہ ہوتا۔"

"لامعہ! جو ہونا ہوتا ہے وہ ہوتا ہے۔ اور جو ہوتا ہے اچھا ہوتا ہے۔ بھول جاؤ سب۔ جو وقت زندگی کا حصہ نہ رہے اسے زندگی کی کتاب میں سے نکال دینا چاہئے۔ اور دوبارہ اس کا ذکر بھی نہیں کرنا چاہئے۔"

"ہاں ــــــ ٹھیک کہہ رہے ہو تم اوزان! مگر کتنے بہت سے لمحے میں نے گنوا دیئے۔ تم میرے ساتھ تھے، قریب تھے، میرا ساتھ چاہتے تھے اور میں تم سے ہی بھاگتی رہی۔ جب ہمیں ملنا ہی تھا تو ہم اتنی دیر میں کیوں ملے۔ میں نے وہ لمحے کیوں گنوائے؟ اس بات کا ملال کبھی کبھی بہت ستاتا ہے۔" وہ اُداس لہجے میں بولی تھی۔

وہ مسکرا دیا تھا۔

"یہ اچانک اتنا کرم کیسے؟ ــــــ خیر تو ہے؟" انداز میں کچھ شرارت تھی۔ وہ مسکرادی تھی۔

"اوزان! تم ریئلی بہت اچھے ہو۔ مجھے اس بات کا احساس بہت دیر سے ہوا۔"

"تم بھی بہت اچھی ہو لامعہ! اینڈ آئی وانٹڈ ٹو سے یو ون تھنگ آل ویز ــــــ!"

"کیا ــــــ؟" وہ چونکی تھی۔

"آئی لو یو لامعہ! ــــــ آئی ریئلی لو یو سو مچ۔ میری زندگی میں تمہارے نہ ہونے سے کہیں کچھ کم تھا۔ ہر طرف بہت زیادہ کمی تھی۔ میں نے تمہاری بہت زیادہ خواہش کی تھی۔ مگر میں نہیں جانتا تھا تم میری زندگی میں آ پاؤ گی۔ مجھے کبھی نہیں لگا تھا میں کبھی تمہیں پا سکوں گا۔ جب تم نے پہلی بار میرے پروپوزل کو ریجیکٹ کیا تھا، مجھے لگا تھا میرے لئے زندگی ختم ہوگئی ہے۔ میں چلا گیا تھا اور سوچا کبھی واپس نہیں آؤں گا۔ مگر دیکھو، زندگی مجھے تم تک کھینچ لائی۔ ہم ایک دوسرے کے لئے تھے، اس کا اندازہ مجھے آج ہوا ہے۔ تھینکس ٹو بی مائے ہارٹ لامعہ! آج تم میری زندگی کا حصہ ہو اور ہم ایک عمر گزارنے جا رہے ہیں۔ میں خوش ہوں۔ بہت خوش ہوں۔ آئی لو یو لامعہ! ــــــ تم اگر میری زندگی میں نہیں آتیں تو میں مرتا نہیں۔ مگر کبھی اس طرح جی بھی نہیں پاتا۔" وہ مکمل سچائی سے بولا تھا۔

لامعہ مسکرادی تھی۔

اندر ایک اطمینان دور تک پھیلتا ہوا محسوس کر رہی تھی۔ اس کا نازک ہاتھ اس کے مضبوط ہاتھ میں تھا اور زندگی بہت دلکش لگ رہی تھی۔

لامعہ کی آنکھوں میں جگنو سے چمک رہے تھے۔

وہ خوش دکھائی دے رہی تھی۔

"تمہاری زندگی میں آنے سے خود کو بہت Complete فیل کر رہی ہوں۔ مگر ڈرتی ہوں، یہ سب خواب نہ ہو۔ آنکھ کھلے تو کہیں کچھ بھی نہ ہو۔" لامعہ کو یک دم ہی اندیشے گھیرنے لگے تھے۔

اوزان مسکرا دیا تھا۔

"ایسا کچھ نہیں ہے محترمہ! یہ جو آپ لمبا چوڑا ایک ہینڈسم سا بندہ دیکھ رہی ہیں نا، یہ بہت جلد آپ کا ہونے جا رہا ہے۔ بالکل قانونی طور پر، 100 فیصد آپ کا۔ اب تو آپ کو کوئی ڈاؤٹ نہیں ہونا چاہئے۔ اور ہمارے مشرقی قسم کے بے چارے شوہروں کو تو جانتی ہیں آپ۔ کتنے معصوم ہوتے ہیں۔ اگر وہ چاہتے ہوئے بھی ایک سے زائد شادی نہیں کر سکتے۔" وہ بولا تھا اور وہ کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔

"تو آپ کا پلان ہے، ایک کے علاوہ بھی شادی کرنا؟" لامعہ نے مصنوعی خفگی سے گھورا تو وہ مسکرا دیا۔

"ایک بہت مشکل سے ہو رہی ہے۔ دوسری کے لئے کیا سوچوں؟ ــــــ ایک لڑکی سے غلطی سے ہو رہی تھی۔ اس نے اتنا تنگ کیا کہ اب اور کی ہمت ہی نہیں۔ تم ایک مجھے بہت ہو۔" اوزان اسے محبت سے دیکھتا ہوا بولا تھا۔

"ہمیشہ اسی طرح چاہو گے نا؟" لامعہ نے پوچھا تھا۔

"ہوں ـــــ سوچ تو رہا ہوں۔" وہ مسکرایا تھا۔

"کیا ـــــ؟" وہ چونکی تھی۔

"کہ آئی شُڈ کیپ لوِنگ یو ـــــ" وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا۔ "مگر اس کے ساتھ ہی مجھے بھی کچھ چاہئے۔"

"کیا؟"

"تمہارا ساتھ ـــــ تمہارا پیار۔"

"آئی وِل ڈو۔" وہ سر جھکا کر مدھم لہجے میں اپنی مکمل رضامندی سے بولی تھی۔

"وہاٹ اباؤٹ ناؤ۔" اس کی آنکھوں میں شرارت تھی۔ لامعہ نے اس کی طرف دیکھا تھا مگر ان نگاہوں میں اتنی تپش تھی کہ وہ زیادہ دیر دیکھ ہی نہیں سکتی تھی۔ نظر خود بخود جھکتی چلی گئی تھی۔ اور بالآخر وہ چہرہ موڑ کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی تھی۔ اوزان مسکرا دیا تھا۔

❄ ❄ ❄

"تو تم نے طے کر لیا ہے؟" سردار سبکتگین نے اُس کے قریب بیٹھتے ہوئے اُسے بغور دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

گی بہت اُلجھی اُلجھی دکھائی دی تھی۔ اس کی سمت دیکھ بھی نہیں رہی تھی۔

"کیا ہے یہ سب گی؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اُلجھ کر اُسے دیکھا تھا۔

"اوں، ہوں ـــــ کچھ نہیں۔" گی نے سر انکار میں ہلایا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں یک دم ہی نمی ٹھہرنے لگی تھی۔

"گی ـــــ!" بھرپور توجہ سے دیکھتے ہوئے سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے مدھم لہجے میں پکارا تھا۔

گی کا ضبط ایک لمحے میں ٹوٹا تھا۔ آنکھوں سے پانی باہر چھلک رہا تھا۔ مگر وہ پھر بھی مضبوط نظر آنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"گی! ـــــ وہاٹ دی ہیل اِٹ اِز؟" گی کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کہا تھا۔

تبھی وہ محبت سے گندھی لڑکی اپنا ضبط ہار بیٹھی تھی۔ اس کے شانے پر سر رکھا تھا اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

"کتنا مشکل ہے یہ سب میرے لئے۔ کوئی نہیں جانتا ـــــ کانٹوں پر لوٹ رہی ہوں میں۔ لمحہ لمحہ جان قیامت میں ہے میری ـــــ کوئی نہیں جان سکتا کہ میں کیا کہہ رہی ہوں اور کس قدر سہہ رہی ہوں ـــــ میرا دل کیا چاہتا ہے اس بات کی خبر صرف مجھے ہے، کسی دوسرے کو نہیں ـــــ دل چاہتا ہے کوئی میرا ہاتھ تو تھامے اور ہولے سے کہے۔ "ڈے ـــــ ڈے ـــــ گی!" (مت گی) ـــــ میں ایک سرگوشی اپنے کانوں میں سننا چاہتی ہوں ـــــ مگر وہ سرگوشی کہیں نہیں ہے۔ مگر سننے کے جتن میں کان لگاتی ہوں تو صرف میرے اندر کا سکوت مجھے سنائی دیتا ہے۔ اس سکوت کے ساتھ میں کیسے جیتی ہوں اور کیسے پل پل مرتی ہوں، یہ بات کوئی نہیں جانتا ـــــ کوئی بھی نہیں ـــــ!"

گی آج وہ کہہ رہی تھی جو اس نے کبھی پہلے نہیں کہا تھا۔ اس کے لبوں پر اس کے اندر کی آواز تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس لہجے کا درد اندر تک محسوس کیا تھا۔ مگر وہ ایک چھوٹی سی بات نہیں کہہ سکا تھا۔ جو گی اُس سے سننا چاہتی تھی۔

اُسے پہلی بار اندازہ ہوا تھا، وہ اندر سے کتنا بندھا ہوا تھا۔

اندر کیسے رنگ پھیلے تھے۔

اور ان رنگوں کے اسباب کیا تھے۔

وجود کے پورے علاقے پر کسی کا قبضہ محسوس ہوا تھا۔

پہلی بار احساس ہوا تھا کہ اپنا آپ اپنا نہیں ہے۔ اور سردار سبکتگین حیدر لغاری حیران رہ گیا تھا۔

پہلے جہاں وہ پاپا کے واپس آنے کا بے تابی سے انتظار کر رہی تھی، اب ان کے آنے پر جیسے ان سے بات کرنے کا سارا جواز ختم ہو گیا تھا۔

زوبار یہ نے شاید انہیں مطلع کر دیا تھا کہ وہ ان سے کوئی بات کرنا چاہ رہی ہے اور ان کا انتظار بھی کر رہی تھی۔ اس لئے انہوں نے اسے شام میں طلب کر لیا تھا اور میرب خالی ذہن اور خالی نظروں کے ساتھ ان کے سامنے جا بیٹھی تھی۔

اب کہنے کو، پوچھنے کو کچھ نہیں تھا۔

وہ کیا کہتی؟ ــــــ سر جھکائے بیٹھی تھی جب پاپا بولے تھے۔

''سبکتگین کی والدہ اس روز آئی تھیں اور ہم نے تمام باتیں ڈسکس کی تھیں۔ ان کا کہنا تھا کہ ہمیں بچوں کو ایک موقع دینا چاہیے۔ اتنی آسانی سے گھر نہیں بنتے۔ اور بچے ناسمجھ ہوتے ہیں۔ مجھے ان سے پورا اتفاق ہے۔ اسی لئے میں نے وکیل سے بات کر کے اس کیس کو وہیں کلوز کروا دیا تھا۔''

پاپا کہہ رہے تھے اور وہ حیران نہیں ہوئی تھی۔ حیران ہوتی شاید اگر کوئی اور وقت ہوتا۔ وہ بھی جاننے کے لئے تو بے تاب تھی کہ ان کے درمیان کیا کیا ڈسکس ہوا ہوگا۔ یہی جاننے کی کوشش میں تو تھی اور اب جب جانا تھا تو ــــــ!

اندر کہیں کوئی اُمنگ نہ تھی۔

جیسا چاہا تھا۔ ویسا ہوا تھا۔

سب حسب منشا تھا۔ مگر وہ خوش نہیں تھی اب۔

''زوباریہ نے بات کی تھی مجھ سے بیٹا! ــــــ مجھے اندازہ ہوا میں جلدی میں بہت کچھ بگاڑ چلا تھا۔ بہت غلطی پر تھا میں۔ تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں؟ ــــــ ایک بار بتایا تو ہوتا۔ میں اپنے کے خلاف تو نہیں جا سکتا تھا۔'' پاپا اس کی طرف دیکھتے ہوئے محبت سے کہہ رہے تھے۔

مگر وہ کچھ نہیں بول رہی تھی۔

''آئی ایم سوری بیٹا! ــــــ میں تمہارے خلاف گیا۔ میں نہیں جان سکا کہ میرے بچے کے دل میں کیا ہے۔ میں نے کوشش بھی نہیں کی آپ کو جاننے کی۔ میری وجہ سے آپ کو جتنی تکلیف سہنا پڑی اس کے لئے میں شرمندہ ہوں۔''

''نہیں پاپا! ــــــ آپ ایسا مت کہئے۔ آپ نے کچھ غلط نہیں کیا۔ آپ نے وہی کیا جو آپ

مناسب لگا۔ اور کوئی بھی پیرنٹس اپنی اولاد کے حق میں کچھ غلط نہیں چاہتے۔ آپ کو میرے حق میں وہ مناسب لگا سو آپ نے کیا۔ مگر تقدیر میں کیا لکھا ہوتا ہے یہ تو کوئی بھی نہیں جانتا۔ پلیز، آپ کچھ بھی ایسا ویسا سوچ کر اسٹریس مت لیں۔ جو بھی ہونا ہوگا، ہو جائے گا۔ مجھے آپ سے یا آپ کے کسی بھی فیصلے سے کوئی اختلاف نہیں ہے۔''

میرب مکمل سعادت مندی سے بولی تھی۔

مظہر سیال نے اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھ دیا تھا۔

❋ ❋ ❋

''کیا ہوا؟ ــــــ رات سوئے نہیں کیا؟'' سبکتگین ناشتے کی ٹیبل پر تھا جب مائی اماں نے دریافت کیا تھا۔ وہ کچھ نہیں کہہ سکا تھا۔

''اماں! اب بس آپ ان کے لئے لڑکی لے ہی آئیے۔ آج ہی میرب کے گھر جائیے اور شادی کی ڈیٹ فکس کر دیجئے۔'' گی نے مشورہ دیا تھا۔

''مجھے اس کی شادی کا مشورہ دے رہی ہو اور خود جا رہی ہو؟''

''مجھے تو جانا ہی تھا۔ مگر آپ وہ کریں جو ضروری ہے۔'' گی مسکراتے ہوئے بولی تھی۔ ''سو، کیا ڈیسائیڈ کیا آپ نے گین؟''

''مجھے کچھ ڈیسائیڈ کرنا تھا؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری نے الٹا سوال داغ دیا تھا۔

''گین کی شادی کے بارے میں تو میں بھی سوچ رہی ہوں۔ مگر اتنی جلدی کیوں جا رہی ہو؟ گین کی دوست ہو۔ اس کی خوشی میں شامل نہیں ہو گی؟'' اماں نے گی سے شکوہ کیا تھا۔

''اماں! میں ضرور شامل ہوتی۔ مگر آل از ڈن ناؤ۔ آئی ہوپ سو، اب جب میں واپس آؤں گی تو گین کے دو تین بچے ہو چکے ہوں گے۔'' وہ ماحول کو خوشگوار کرنے کی کوشش کرتی ہوئی بولی تھی۔

مگر گین پر اس بات کا قطعاً کوئی اثر ہوتا دکھائی نہیں دیا تھا۔

مائی اماں مسکرا دی تھیں۔

''انشاءاللہ ــــــ میری تو دیرینہ خواہش ہے گین کے بچوں کو گود میں کھلانے کی۔ پتہ نہیں کب وہ دن آئے گا جب میں اپنے پوتوں کو کھلاؤں گی۔ خدا پتہ نہیں یہ موقع دکھائے گا بھی کہ نہیں۔'' اماں کی آواز میں حسرت سی دکھائی دی تھی۔

''ایسا مت کہیں اماں! آپ ضرور دیکھیں گی۔'' گی نے خاموشی سے چائے انڈیلتے گین کی طرف دیکھا تھا۔

''گین! ــــــ مائی کتنی پریشان ہیں، تم دیکھ رہے ہو؟''

''ہاں ــــــ!'' بہت مختصر سا جواب آیا تھا۔

ناشتے کی ٹیبل پر صبح ہی صبح بہت ثقیل گفتگو کا آغاز ہو چکا تھا جو کسی بھی طرح ٹھیک نہیں تھا۔ گین یقیناً اس سے بچنا چاہتا تھا۔

سارا اندر اُلجھا ہوا تھا۔

مگر ——

”گین! —— کیا سوچا ہے تم نے؟“ مائی اماں کی آواز اُبھری تھی اور گین زیادہ دیر بے تاثر نہیں رہ سکا تھا۔

”کس بارے میں مائی؟“

”تیری شادی کے بارے میں گین!“

”مائی! مجھے آفس کے لئے دیر ہو رہی ہے۔ کیا ہم یہ بات شام میں کر سکتے ہیں؟“

”شام میں تو گی کو جانا ہے۔ تم بھول رہے ہو یہ بات۔ آج کام سے چھٹی کیوں نہیں لے لیتے؟“ مائی نے کہا تھا۔

”نہیں مائی! کچھ ضروری کام ہے۔ میں جلد واپس لوٹ آؤں گا۔“ وہ چائے کا کپ میز پر رکھتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

”چلتا ہوں مائی! —— گی! اپنی پیکنگ کمپلیٹ کر لینا۔ میں جلد واپس آ جاؤں گا۔“ وہ بول پڑا تھا۔

”رُکو گین!“ گی اُٹھ کر اس کی طرف آئی تھی۔

گین رُک گیا تھا۔

گی نے مسکراتے ہوئے اُسے دیکھا تھا۔

”گین! شاید تم سے شام میں بات کرنے کا موقع نہ مل سکے۔ اور مجھے تم سے بہت کچھ کہنا ہے۔ کیا تم مجھے آغا سپر مارکیٹ تک ڈراپ کر سکتے ہو؟ —— اسی بہانے میں تم سے کچھ بات بھی کر لوں گی۔“ گی اپنی سی ایک آخری کوشش کرنا چاہتی تھی۔

اور سردار سبکتگین حیدر لغاری نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

❁ ❁ ❁

”اذہان بیٹا! —— کیا سن رہی ہوں میں یہ؟ —— ساحیہ کینیڈا جا رہی ہے؟“

”ہاں —— میں نے بھی یہی سنا ہے ممی! مگر میں نے ساحیہ سے فی الحال کوئی بات نہیں کی۔“ اذہان نے ٹی وی کا والیم کم کرتے ہوئے کہا تھا۔

”کیوں نہیں پوچھا؟“ ممی نے پوچھا تھا۔

”آپ کو لگتا ہے یہ سچ ہوگا؟“ اذہان مسکرا دیا تھا۔ ”اُس لڑکی کی عادت ہے ممی! —— مذاق کر رہی ہوگی۔“

”تم ایسا سمجھ رہے ہو اذہان؟“ ممی نے اُسے جانچتی نظروں سے دیکھا تھا۔ وہ کچھ الرٹ ہو گیا تھا۔

”اذہان! آئی ڈونٹ تھنک سو کہ تمہیں اس معاملے کو اتنا لائٹ لینا چاہئے۔ بیٹا! اِٹس ناٹ اے

جوک —— میں نے خود فون کیا ہے۔ ساحیہ واپس جا رہی ہے۔ ایسا کیوں ہے، یہ میں نہیں جانتی۔ شاید شاہینہ کے گھر والے بھی نہیں جانتے۔ مگر تم ایک ایسے انسان ہو جو یہ بات جانتے ہو۔“

”میں ——؟ مگر ممی! مجھے تو خود کچھ پتہ نہیں۔ ساحیہ نے مجھے اس بارے میں کچھ نہیں بتایا۔“

”مگر وہ تو کہہ رہی ہے تم جانتے ہو!“

”جانتا ہوں؟ —— ہاں —— ایک بار بتایا تھا اُس نے۔ بٹ آئی سپوز ڈشی مسٹ کڈنگ —— اور اُسے جانے کی ضرورت کیا ہے؟ ہو سکتا ہے وہ کسی کام سے جا رہی ہو کچھ دنوں کے لئے۔“ اذہان نے وضاحت دی تھی۔

”میں نہیں جانتی۔“ فارحہ نے شانے اچکا دیئے تھے۔

”لیکن اذہان بیٹا! اِٹس یور رسپانسبلٹی ناؤ —— تمہاری زندگی کا حصہ ہے وہ۔ اُس کا خیال رکھو۔“ فارحہ نے اس کے شولڈر پہ ہاتھ رکھ کر کہا تھا۔ پھر چلتے ہوئے وہاں سے نکل گئی تھیں۔

اذہان کئی لمحوں تک اس ٹرانس سے نکل نہیں پایا تھا۔

❁ ❁ ❁

”گین! —— کبھی کبھی بہت سی چیزوں کو سمجھنے میں ہم بہت دیر کر دیتے ہیں۔ میں نہیں چاہتی تم بیا کرو —— یا تمہارے معاملے میں ایسا ہو۔“ گی بولی تھی اور سردار سبکتگین حیدر لغاری ڈرائیو کرتے وئے اطمینان سے مسکرا دیا تھا۔

”گی ہنی! —— کبھی کبھی معاملات کو ان کی حالت پر چھوڑ دینا چاہئے۔ حل زیادہ بہتر انداز میں سامنے آ جاتے ہیں۔“ لہجہ کسی قدر پُر اطمینان تھا۔

”زندگی کو اس طرح چھوڑ دینے سے کبھی کبھی کوئی حل نہیں نکلتا۔ مسائل اور بھی الجھ جاتے ہیں لین!“

”یا —— آئی نو —— میں جانتا ہوں یہ۔ مگر کبھی کبھی حل نکل بھی آتا ہے۔ تم اس طرح پریشان ت ہو گی! مجھے لگتا ہے کوئی بہتر حل ضرور نکل آئے گا۔“ یہ گین نے اُسے یقین دلایا تھا۔

”گین! تم میرے بہت اچھے دوست ہو۔ اگر تمہاری زندگی میں کچھ بھی غلط ہوتا ہے تو مجھے اس کا ت دکھ ہوگا۔“ گی نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری مسکرا دیا تھا۔

”یقین رکھو —— میری زندگی میں کہیں کچھ غلط نہیں ہوگا۔ اگر کہیں کچھ غلط ہوا بھی تو میں تم سے ع کر لوں گا۔ تم ہو نا۔“ بات مذاق میں اڑائی جا رہی تھی۔

گی گہری سانس خارج کر کے رہ گئی تھی۔

”گین! میں تمہارا پیچھا چھوڑ دوں گی اگر تم میرے پاس کچھ بھی مانگنے آئے۔“

”کیوں چائے کی پتی بھی نہیں؟“ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے پُر خیال انداز میں سوچتے ہوئے کہا

گی مسکرائے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔

"تم اتنی دور مجھ سے چائے کی پتی مانگنے آؤ گے؟"

"تم نیبر ہو گی نا میری۔ ہمارے گھر میں جب بھی چائے کی پتی ختم ہو جایا کرے گی ہم تم سے مانگنے آجایا کریں گے۔" وہ مسکرا رہا تھا۔

غالباً اُسے برے موڈ کے ساتھ رخصت کرنا نہیں چاہتا تھا۔

"تمہیں تو بالکل بھی نہیں دوں گی۔ ہاں، اگر تمہاری وائف آئے گی تو انکار نہیں کروں گی۔" گی نے مسکراتے ہوئے کسی قدر تسلی بخش انداز میں جواب دیا تھا۔

وہ مسکرا دیا تھا۔

"مجھے کیوں نہیں؟ ——— اور میری وائف کو کیوں؟"

کیونکہ میرب تم سے زیادہ اچھی ہے اور مجھے زیادہ پیاری ہے۔ اسے تو میں کبھی بھی انکار نہیں کر سکتی۔ کسی صورت بھی نہیں۔"

"ٹھیک، آپ کی مرضی۔ آپ کچھ بھی کر سکتی ہیں۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے سعادت مندی سے آزاد قرار دے دیا تھا۔ گی مسکرا دی تھی۔

"گی! تم بہت اچھی ہو ——— میں تم سے یہ بات کہنا چاہتا تھا شاید۔ مگر کبھی کہہ نہیں پایا۔ تم پلیز! اپنی زندگی کو کبھی نئے راستے پر موڑنے کی کوشش کرنا۔ جس طرح تم مجھے خوش دیکھنا چاہتی ہو، اسی طرح میں بھی تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"میں خوش ہوں تگین! ——— تمہیں کس نے کہا میں خوش نہیں ہوں؟" وہ مسکرائی تھی۔

"اس طرح نہیں گی! میں تمہیں اندر سے خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔ اور یہ تبھی ہو گا جب تم اپنی زندگی پھر سے اسٹارٹ کرو گی۔ پرامس ٹو می یو ول ڈو دیٹ۔"

سردار سبکتگین حیدر لغاری بولا تھا۔ مگر وہ فوری طور پر کچھ نہیں کہہ سکی تھی۔

"گی! تم جیسی سمجھدار لڑکی سے میں کوئی فضول بات ایکسپیکٹ نہیں کرتا۔ کوئی بے وقوفی نہیں کرو گی تم۔ اپنی زندگی کو بہت اچھی طرح گزارو گی۔ ورنہ ———!" سردار سبکتگین نے دھمکی دی تھی۔

"ورنہ کیا؟" گی نے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"ورنہ میں تمہارا نیبر کبھی نہیں بنوں گا۔"

"اچھا ———" وہ ہنس دی تھی۔

"اِٹس ناٹ کڈنگ یار ———!" سردار سبکتگین نے اُسے ڈپٹا تھا۔

"ہاں ——— جانتی ہوں میں۔ مگر فی الحال میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ میرے پاس فی الحال کوئی خواب نہیں ہے۔ میرے پاس جتنے بھی خواب تھے وہ بکھر چکے ہیں۔ پتہ نہیں میں ان بکھرے ہوئے خوابوں کو سمیٹ پاؤں گی یا نہیں۔ یا پھر نئے خواب دیکھ پاؤں گی یا نہیں۔ میں نہیں جانتی۔ میں تم سے کوئی جھوٹا وعدہ بھی نہیں کر سکتی۔ یہ زندگی اتنی آسان نہیں ہے۔"

"آسان تو کچھ بھی نہیں ہوتا گی! مگر آسان بنایا تو جا سکتا ہے۔ تم اگر کچھ بدلنے کے بارے میں سوچو گی ہی نہیں تو کچھ کیسے بدلے گا؟"

"سبکتگین! مجھے وہ سب مت سمجھاؤ جو میں تمہیں سمجھا چکی ہوں۔ تم جانتے ہو میں ہر بات کو پہلے سے جانتی ہوں۔"

"تو پھر مجھے کیوں اتنا سمجھاتی ہو؟ ——— کیا میں نا سمجھ ہوں؟"

"نہیں ——— تم نا سمجھ نہیں ہو تگین! بس میں تمہیں کسی نقصان میں نہیں دیکھ سکتی۔"

"اور کیا میں تمہیں کسی نقصان میں دیکھ پاؤں گا......"

"نہیں دیکھ سکتے تو روک لو مجھے۔" اس کی بات کاٹتی ہوئی گی اطمینان سے بولی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری بھونچکا رہ گیا تھا۔

"روک سکتے ہو مجھے؟" گی پوچھ رہی تھی اور سردار سبکتگین حیدر لغاری کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

گی بہت اطمینان سے مسکرا دی تھی۔

"سردار سبکتگین حیدر لغاری! جانتے ہو تم مجھے کیوں نہیں روک پائے؟ ——— کیونکہ مجھے اپنی زندگی میں نہیں لے پائے۔ کیونکہ تم اپنی زندگی میں کسی اور کو رکھتے ہو اور اس کے وجود کو مانتے بھی ہو۔ یہ جو تمہاری آنکھوں میں ایک وحشت سی ہے نا، یہ محبت ہے۔ محبت کرتے ہو تم میرب سیال سے۔ ورنہ تمہارے لئے کوئی بھی راہ اختیار کر لینا اتنا مشکل نہیں ہوتا۔"

سردار سبکتگین حیدر لغاری کچھ نہیں بولا تھا۔ چپ چاپ ڈرائیو کرتا رہا تھا۔

"کوئی بھی فیصلہ لینا صرف اس وقت مشکل ہوتا ہے سردار سبکتگین حیدر لغاری! جب آپ اندر سے کہیں بندھے ہوئے ہوں۔ اگر آج آپ میرب کے ساتھ دل سے بندھے ہوئے نہیں ہوتے تو کوئی بھی نیا قدم آرام سے اٹھا چکے ہوتے۔ آپ بالکل بھی ایسا نہیں کر سکے ——— یہ محبت ہے!"

گی پُر یقین تھی۔

"محبت ایسی ہی ہوتی ہے ——— کچھ پُر یقین، کچھ بدگمان ——— بٹ آئی نو، آپ کی یہ بدگمانی بہت جلد دور ہو جائے گی۔ اور پھر آپ کو کوئی شکایت نہیں رہے گی۔"

گی کی منزل شاید آ گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے گاڑی روکی تھی اور وہ چپ چاپ اُتر گئی تھی۔

"گی! ——— تم بھی اپنے نئے راستوں کو تلاشو گی اور ایک مکمل زندگی بسر کرو گی۔" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کی طرف دیکھے بنا کہا تھا جیسے مزید دیکھے گا تو رہا سہا مان بھی جاتا رہے گا۔

گی کچھ نہیں بولی تھی۔ خاموشی سے چلتے ہوئے آگے بڑھ گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔

❋ ❋ ❋

انابیہ نے چائے کا ایک کپ لا کر سائیڈ ٹیبل پر رکھا تھا۔ موصوف جاگ رہے تھے اور نیوز پیپر دیکھ رہے تھے۔ سنڈے کی روٹین اسٹارٹ تھی۔

"ممی کا فون آیا تھا ـــــ اگلے سنڈے واپس آ رہے ہیں وہ لوگ۔"

"ہاں جانتا ہوں میں ـــــ اور ان کے آتے ہی ان کی ضد شروع ہو جائے گی، میں تمہیں کہیں باہر لے جاؤں کچھ عرصے کے لئے۔" وہ اخبار سے نظریں اٹھائے بغیر بولا تھا۔

انابیہ نے کسی قدر ناگواری اور برہمی سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"آپ انکار کر دیجئے گا۔ آپ سے ایک انکار نہیں ہوتا۔" انداز میں جلن بہت واضح تھی۔ مگر وہ مسکرا دیا تھا۔

"انکار ہی تو نہیں ہوتا۔ ممی کو خوش کرنے کے چکر میں ہی تو اتنا کچھ کر رہا ہوں۔ ورنہ......" اس ادھورے جملے میں ایک الاؤ تھا جو انابیہ کو جلا کر ایک پل میں خاکستر کر گیا تھا۔

"تو یہ ـــــ اتنا کچھ ماں کو خوش کرنے کے لئے تھا۔"

"کیا مطلب آپ کا؟ ـــــ وضاحت دیں گے آپ مجھے؟" انابیہ نے جل کر پوچھا تھا۔ مگر وہ مسکرا دیا تھا۔ نگاہیں اس پر نہیں، نیوز پیپر پر تھیں۔

"کس بات کی وضاحت چاہتی ہیں آپ؟ ـــــ آف کورس، شی از مدر۔ ان کی بات نہیں مانوں گا تو پھر کس کی بات مانوں گا؟"

"تمہارا مطلب ہے تم نے اُن کی بات مان کر......" انابیہ سے آگے کچھ بھی کہا نہیں گیا تھا۔ ایک لمحے میں سب کچھ بہت تاریک لگا تھا۔

وہ قربتیں ـــــ

وہ احساس ـــــ

وہ مروت ـــــ

جسے وہ حق سمجھ رہی تھی، درحقیقت وہ ایک احسان تھا۔

اوہ ـــــ!

اپنا آپ ایک لمحے میں بہت پست لگا تھا۔

چہرے پر ایک تاریک سایہ تھا۔ جب وہ مُڑنے لگی تھی، عفنان علی خان نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ وہ غالباً موڈ میں تھا۔ مگر وہ مُڈی نہیں تھی۔ پلٹ کر بھی نہیں دیکھا تھا۔

عفنان علی خان نے اسے ایک جھٹکے سے بیڈ پر گرا لیا تھا۔

وہ اسے کچھ لمحے پھر نوازنے کے در پے تھا۔ مگر وہ یک دم ہی جھٹک کر اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"مجھے ممی کی طرف جانا ہے ـــــ اوزان کی شادی کے کئی کام پڑے ہیں۔ آپ ڈرائیور سے کہہ کر چھوڑوا دیں گے؟" لاتعلق سے انداز میں بولی تھی۔

عفنان علی خان کچھ نہیں بولا تھا۔

انابیہ نے دروازہ کھولا تھا اور باہر نکل گئی تھی۔

ایک پل میں ـــــ

فاصلے صدیوں سے بڑھ گئے تھے۔

خاموشیاں تھیں کہ ٹوٹ نہیں رہی تھیں۔

❋ ❋ ❋

"پھپھو! کتنا مزہ آئے گا نا آپ کی شادی پر ـــــ ڈھیر سارے چمکیلے کپڑے بنوائیں گے ہم۔ بھڑک دار ـــــ!" ساہیہ نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

اکیتے مسکرا دی تھی۔

"بھائی ـــــ بھائی کو فون کرو۔ پوچھو کب آ رہے ہیں وہ۔"

"ہاں، وہ تو میں کرلوں گی۔ مگر آپ اس طرح ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر مت بیٹھیں اب۔ آپ برائیڈ ل۔ سیلون جائیں، کوئی ٹریٹمنٹ لیں۔ رُکیں میں آپ کے لئے فون کر کے اپائنٹ منٹ لیتی ہوں۔" ساہیہ نے خوشی کا بھرپور اظہار کرتے ہوئے فون اٹھایا تھا۔

"ڈھیر ساری پکچرز لے کر جاؤں گی آپ کی۔ اپنے کمرے میں یہاں وہاں، ہر جگہ لگا دوں گی۔ وں کی، مہندی کی، شادی کی، ولیمہ کی اور پھپھو......"

"ساہیہ! تم واپس کیوں جا رہی ہو بچے؟" اکیتے نے پوچھا تھا اور وہ جو روانی سے بول رہی تھی یتے کے پوچھنے پر یک دم ہی چپ ہو گئی تھی۔

"ماما پاپا سے ملنے کو دل چاہ رہا ہے پھپھو! سچ میں بہت دل اُداس ہے۔ آپ کو یاد نہیں آتی کیا ان ؟" وہ دوسرے ہی پل مسکراتی ہوئی بولی تھی۔

"دو ماہ پہلے تک تو وہ یہیں تھے ساہیہ! اور جہاں تک مجھے لگتا ہے اِٹس ناٹ دی ریزن۔ ہو سکتا تم اُداس ہو۔ مگر دیئر آر لاٹس آف دی ری سورسز۔ نیٹ ہے، فون ہے، ویکم ہے۔ تم انہیں دیکھ سکتی بات کر سکتی ہو۔ پھر جانا کیوں ضروری ہے؟"

"تھک گئی ہوں کام سے ـــــ تھک گئی ہوں پھپھو! کچھ دنوں تک ریسٹ لینا چاہتی ہوں ہر سے۔ ہر طرح کی ٹینشن سے فری ہونا چاہتی ہوں۔ یہ بھاگ دوڑ، یہ افراتفری، سب باتوں نے تھکا دیا ہے مجھے۔ سچ میں، بہت تھکن فیل ہو رہی ہے۔ اگر آپ کی شادی کی بات بیچ میں نہ آ تو میں کب کی نکل چکی ہوتی۔ دل تو بہت چاہتا ہے رُکوں، ساری رسموں میں شرکت بھی کروں۔ ـــــ" وہ مسکرا دی تھی۔

"تم نہیں جاؤ گی ساہیہ! ـــــ میں تمہیں نہیں جانے دوں گی۔ کم از کم میری شادی تک تو رکو۔" بولی تھی۔

وہ کچھ بھی بولے بغیر مسکرا دی تھی۔

ڈور بیل ہوئی تھی۔ دونوں چونکی تھیں۔

"ساحبہ!" اگینے بولی تھی۔

"لگتا ہے پھپھو! آپ کا مایوں کا جوڑا آ گیا ہے۔" ساحبہ مسکراتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھی تھی۔ دروازہ کھولا تھا اور سامنے اذہان حسن بخاری کو دیکھ کر کچھ حیران رہ گئی تھی۔

اذہان مسکرا دیا تھا۔

"حیران ہو ———؟"

"نہیں ———" وہ پیچھے ہٹی تھی۔

"ہو تو ———" وہ اندر بڑھ آیا تھا۔

اگینے غالباً کچن کی طرف بڑھ گئی تھی۔

"کون ہے ساحبہ؟" وہیں سے آواز دے کر پوچھا تھا۔

"پھپھو! اذہان ہیں ——— میں سمجھی تھی، پھپھو کا مایوں کا جوڑا آیا ہے اُن کی سسرال سے۔" وہ بے تاثر بنی ہوئی بولی تھی۔

"سسرال سے جوڑا تو نہیں آیا۔ مگر سسرال خود حاضر ہے۔ جوڑ بھی بن چکا ہے۔ اب آگے کیا مرضی ہے؟" اذہان حسن بخاری مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کسی قدر خوشگوار انداز میں بولا تھا۔ وہ فوری طور پر کچھ نہیں کہہ سکی تھی۔

"جوڑے تو آسمانوں پہ بنتے ہیں۔ یو نو میڈ اِن ہیون۔ زمین پر تو صرف بات بنتی ہے۔ آپ کچھ کنفیوژ دکھائی دے رہی ہیں۔ خیریت؟ طبیعت تو ٹھیک ہے آپ کی؟"

"ٹھیک ہوں میں۔ ایک دم پرفیکٹ۔ آپ کی باتوں پہ کچھ حیران تھی۔" وہ دھیمے سے مسکرائی تھی۔

"کیوں ——— ایسا کچھ غلط کہہ دیا میں نے؟" اسے بازوؤں سے تھام کر اپنے مقابل کیا تھا اور بغور دیکھا تھا۔

"نہیں، کچھ غلط نہیں کہا۔ مگر آپ کا موڈ ——— یو لکس ویری چیئرفل اینڈ ہیپی ٹوڈے۔ خیریت؟"

"کیوں؟ ——— پہلے کبھی میں اچھے موڈ میں نظر نہیں آیا کیا؟" وہ مسکرایا تھا۔

"بہت کم۔" وہ صاف گوئی سے بولی تھی۔

وہ مسکرا دیا تھا۔

"ہاں ——— کچھ ایسا غلط بھی نہیں۔ مگر یہ تمہارے ساتھ ہونے سے ہے۔ تم ساتھ ہو تو سب اچھا لگتا ہے۔ برے سے برا دن بھی۔ خراب سے خراب موسم بھی ———!"

"کیا بات ہے؟ ——— آج واقعی آپ اچھے موڈ میں ہیں۔ کہیں یہ خوشی میرے یہاں سے جانے کی تو نہیں؟" وہ مسکرائی تھی۔

اذہان حسن بخاری کے مسکراتے لب یک دم ہی سکڑ گئے تھے اور اُس کے کاندھوں پر اس کے ہاتھوں کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی تھی۔

"ساحبہ!" وہ سنجیدگی سے بولا تھا۔

ساحبہ کی روم روم حسِ سماعت بن گئی تھی۔

سارا اندر اس کی آواز کے زیرِ بندھ گیا تھا۔

"ساحبہ! ——— سب کچھ جانتی ہو تم، مجھے آج تک ایسا لگتا تھا۔ مگر تم ——— تم مجھ سے اس حد تک برہم ہو، میں نہیں جانتا تھا۔ تم جانتی ہو، میں نے کبھی تم سے کسی طرح کا کوئی جھوٹ نہیں کہا۔ کبھی کوئی کوتاہی نہیں برتی۔ پھر بھی جانے کیوں۔" وہ غالباً بڑی طرح ہرٹ ہوا تھا۔

ساحبہ کو بری طرح افسوس ہوا تھا۔ مگر وہ فوری طور پر کوئی ازالہ نہیں کر سکی تھی۔

"ارے اذہان! تم آئے ہو۔ بیٹھو نا، کھڑے کیوں ہو؟ ——— فارحہ بھابی کیسی ہیں؟ اور سعد مائی؟" وہ معمول کے انداز میں مسکراتی ہوئی بولی تھی۔

"سب ٹھیک ہیں اگینے!" اس نے آہستگی سے کہا تھا۔

"ساحبہ! ——— اذہان کے لئے چائے بناؤ بیٹا۔"

"نہیں اگینے! اس کی ضرورت نہیں۔ میں بس یہاں سے گزر رہا تھا۔ سوچا ملتا چلوں۔ چائے پھر کبھی سہی۔ چلتا ہوں۔ سی یو۔" وہ بولا تھا اور مڑ کر فوراً ہی وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔

ساحبہ کی آنکھیں جلنے لگی تھیں۔

اگینے نے اُسے جاتا ہوا حیرت سے دیکھا تھا۔

"اسے کیا ہوا؟ ——— اتنی جلدی کیوں چلا گیا؟"

"پتہ نہیں پھپھو! شاید کوئی کام ہو۔" ساحبہ بولی تھی اور وہاں سے نکل گئی تھی۔

❋❋❋

"اتنا کچھ ہوا اور تم نے کسی کو کچھ نہیں بتایا؟" سیفی نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے پوچھا تھا۔ میرب فوری طور پر کچھ نہیں بولی تھی۔

"میرب! اسے بے وقوفی کہتے ہیں جو تم کر رہی ہو۔ مجھے تو حیرت ہے تم ہو کس انتظار میں؟ تمہیں لگتا ہے کوئی کرشمہ کہیں اچانک سے ہوگا اور سب کچھ بدل جائے گا؟"

"نہیں، مجھے ایسا کچھ بھی نہیں لگتا۔ اور ایسا کچھ ہوگا بھی نہیں۔ مجھے لگتا ہے، پاپا جو بھی کر رہے تھے زیادہ ٹھیک تھا۔ اگر اس رشتے کو ختم ہونا ہے تو یوں ہی سہی۔ مگر آئی کانٹ بیئر اِٹ اینی مور۔ میرے لئے یہ سب سہنا بہت مشکل ہے سیفی! سچ میں دم گھٹنے سا لگا ہے۔" میرب تھکے ہوئے سے لہجے میں بولی تھی۔

"محبت سب سے بڑی بے وقوفی ہے میرب! اور تم یہ بے وقوفی کر چکی ہو۔ اب تمہیں کیا لگتا ہے تم مسٹر ہٹلر کو بھول پاؤ گی؟ اب کیا ڈیسائیڈ کیا ہے تم نے؟"

"مجھے نہیں پتہ سیفی! میں نے اب سب کچھ وقت پر چھوڑ دیا ہے۔ اگر سردار سبکتگین حیدر لغاری کو یہ رشتہ توڑنا ہے تو یوں ہی سہی۔ مگر اب میں مزید نہیں چلوں گی۔"

"یہ فیصلہ تم نے بہت دیر میں کیا ہے میرب! تم بھول رہی ہو۔ اب یہ تمہارے ہاتھ میں بھی نہیں

رہا۔ اور تم آسانی سے خود کو وقت کے حوالے کر رہی ہو۔ تم نے ان محترم ہٹلر کو خود سے اس طرح کھیلنے کا حق ہی کیوں دیا؟" سیفی ناگواری سے بولا تھا۔ وہ سر جھکا گئی تھی۔

"مجھے نہیں پتہ سیفی! مگر شاید محبت بہت سے چانس دے سکتی ہے۔ یہ میری اس کے لئے محبت ہی تھی جس نے اسے اتنے مواقع دیئے۔ پتہ نہیں کس بات کے انتظار میں تھی میں۔ سمجھ ہی نہیں آیا مجھ کو۔ آنکھیں، عقل سب بند تھا جیسے۔ آج سوچا تو پتہ چلا سب خسارہ تھا۔ آج سوچتی ہوں، پلٹ کر پیچھے دیکھتی ہوں تو اندازہ ہوتا ہے کیا کیا گنوا دیا میں نے۔ کل میں اس رشتے کو بنانے کے حق میں نہیں تھی۔ اور آج اس سے دامن نہیں چھڑا پا رہی ہوں۔"

سیفی نے اس کے شولڈر پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

"آئی نو ـــــ تمہارے لئے یہ سب مشکل ہے میرب! مگر ٹیک اٹ ایزی۔" سیفی نے اسے حوصلہ دیا تھا۔ مگر یہ بہت بودا تھا۔ وہ چپ چاپ سر جھکائے بیٹھی تھی۔

"پاپا کو لگتا ہے سیفی! وہ اس سب کے ذمہ دار ہیں۔ اگر انہوں نے جب میرا نکاح سردار سبکتگین حیدر لغاری کے ساتھ نہ کیا ہوتا تو صورتحال آج کچھ مختلف ہوتی۔ مگر مجھے ایسا نہیں لگتا کہ اس میں ان کا کوئی قصور ہے۔ یہ میرے نصیب میں درج تھا، لکھا تھا ایسا، سو پورا ہوا جیسے اب تک ہوتا آیا ہے۔ میں آگے بھی معاملات کو وقت پر ڈال دینا چاہتی ہوں۔ جن معاملات کا حل ہم نہیں نکال پاتے، ان کا حل خدا بہت بہتر نکالتا ہے۔" میرب کو جیسے اب کوئی شکوہ نہیں رہا تھا۔ کسی سے نہیں۔ نہ وقت سے، نہ حالات سے، نہ سردار سبکتگین حیدر لغاری سے۔

وہ بہت پُرسکون دکھائی دے رہی تھی۔

"مجھے اُمید ہے میرب! سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"مجھے اب ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھنا سیفی! ـــــ کچھ ٹھیک ہو یا نہ ہو، اب میں اپنی زندگی کو ضائع نہیں کروں گی۔ مجھے بہت کچھ کرنا ہے۔ یہ شادی زندگی کی منزل نہیں ہے صرف۔" وہ پُرعزم لہجے میں بولی تھی۔

"تمہیں ضرورت ہے میرب! اپنا دھیان کسی اور طرف لگانے کی اور خود کو پوزیٹو سمت کی طرف لانے کی۔ اِٹس بیٹر فار یو۔" سیفی نے ایک دوست ہونے کے ناتے سراہا تھا اُسے۔

"میں پاپا کے ساتھ ان کا بزنس دیکھوں گی سیفی! ـــــ آئی رئیلی گاٹ فیڈ اپ ناؤ۔" میرب کا لہجہ پُرتھکن تھا۔

اور سیفی اس کا بھرپور حوصلہ بڑھا رہا تھا۔

❋ ❋ ❋

"میں میرب سے ملنا چاہتی تھی گین! مگر نہیں مل پائی۔ پلیز تم اس سے ملو تو میری طرف سے سوری کر دینا۔" گی نے ایئرپورٹ پر کھڑے ہوئے سردار سبکتگین حیدر لغاری سے کہا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کچھ نہیں بولا تھا جیسے یہ ذکر ایک فضول ذکر ہو۔

"تم اپنا خیال رکھنا گی! اور جیسا میں نے تمہیں صبح کہا تھا، ویسا کرنے کی کوشش کرنا۔ اگر تم میری ڈانس پر عمل کرو گی تو مجھے خوشی ہو گی۔" اُسے تاکید کرتے ہوئے وہ بولا تھا۔

"اور مجھے بھی خوشی ہو گی گین! اگر تم اپنے دل کی مانو۔ پلیز، خود سے بھاگنا، بچنا، نگاہ چرانا ترک ردو۔ محبت اگر زندگی کے لئے ضروری ہے تو اسے ہو جانے دو۔ تمہیں اگر لگتا ہے تم ایسا کوئی اعتراف رکے ہار جاؤ گے تو مان لو، یہ کوئی ہار نہیں۔ محبت میں ہارنے والا ہارتا نہیں۔ محبت میں جو ہارتا ہے س کی جیت ہوتی ہے۔" وہ جاتے جاتے بھی اس کے رشتے کو ایک نہج پر لانے کی کوشش کر رہی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے پتہ نہیں سنا تھا کہ نہیں۔

"گی! اناؤنس منٹ ہو رہی ہے۔ اپنا خیال رکھنا۔"

"رکھوں گی گین! ـــــ تم پرامس کرو، میرب کو لے کر ایک بار مجھ سے ملنے ضرور آؤ گے۔"

"بائے گی! ـــــ ٹائم ٹو گو۔" اس کی بات کو مکمل طور پر نظرانداز کرتے ہوئے سردار سبکتگین حیدر لغاری بولا تھا۔

"میری باتوں کو نظرانداز مت کرو گین! اِٹس امپورٹنٹ۔" گی نے اسے ہگ کرتے ہوئے کہا تھا۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری بولا تھا۔

"پرامس تمہیں پورا کرنا ہے گی!" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے یاد دلایا تھا۔

"گی کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔ وہ کچھ نہیں بولی تھی جواباً۔ بس آنسو پونچھے تھے اور پلٹ کر چلتی آگے بڑھ گئی تھی۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری کھڑا اُسے دیکھتا رہا تھا۔

❋ ❋ ❋

"تم شام میں ناراض ہو کر گئے تھے؟" ساحیہ نے اس کے سامنے کھڑے ہو کر پوچھا تھا۔ اذہان زینے کی طرف بڑھ رہا تھا، رک گیا تھا۔

"نہیں۔" مختصر جواب دیا۔

"پھر مجھے ایسا کیوں لگا کہ تم ناراض ہو کر گئے ہو؟" وہ دھیمے سے مسکرائی تھی۔ غالباً اس کے موڈ کو بحال پر لانا چاہا تھا۔ مگر اذہان مسکرایا نہیں تھا۔

"آثار تو سارے ناراضگی والے ہی تھے۔ اب بھی چہرہ صاف بتا رہا ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"نہیں ـــــ ایسا نہیں ہے۔ میں تم سے ناراض کیوں ہوں گا؟" وہ لاتعلقی سے بولا تھا۔ وہ کچھ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی تھی، پھر مسکرا دی تھی۔

"ہاں، تم بھلا مجھ سے خفا کیوں ہو گے؟" ایک شکوہ سا تھا لہجے میں۔ اذہان اُسے کسی قدر ناگواری سے دیکھنے لگا تھا۔

"تم غلط سمجھ رہی ہو ساحیہ! ـــــ ایک بار پھر غلط۔ میرے کہنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ میں تم سے

ناراض نہیں ہو سکتا۔" اذہان نے باور کرایا تھا۔ ساہیہ مسکرا دی تھی۔ پھر بولی تھی۔

"تم بزی تو نہیں ہو؟"

"اس وقت؟" چونکتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ "نہیں —— بالکل بھی نہیں۔" سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"تو چلو پھر آئس کریم کھانے چلتے ہیں۔" وہ بولی تھی۔

"اس وقت؟" وہ حیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

"ہاں۔ اس وقت۔" وہ منہ بگاڑتے ہوئے بولی تھی۔ "میرا دل چاہ رہا ہے اذہان! کتنے دن سے تمہارے ساتھ کہیں نہیں گئی۔ اور یوں بھی آئی وانٹ ٹو کلیکٹ سم گڈ میموریز۔ چلو نا۔" وہ بولی تھی۔

اذہان حسن بخاری خاموشی سے اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔

مگر اسے انکار کرنا ممکن نہیں تھا۔ سو تھوڑی دیر بعد ہی وہ اس کے ساتھ آئس کریم پارلر میں تھا۔

"تمہیں یاد ہے اذہان! جب میں یہاں آئی تھی تو تم کیسے غصیلے بلے جیسے تھے۔ یہ غصہ ہر وقت ناک پر دھرا تھا تمہاری اور مسکرائے تو تم کبھی نہ تھے۔ مگر کتنا ستایا تھا میں نے تمہیں۔ ہر وقت کسی نہ کسی بہانے تمہارے سر پر سوار رہتی تھی تاکہ تمہارے اس موڈ کو چینج کر سکوں۔ کتنا اری ٹیٹ کرتی تھی نا میں تمہیں۔" وہ یاد کرتے ہوئے ہنسی تھی۔ اذہان مسکرا دیا تھا۔

"نہیں —— تم مجھے بالکل بھی اری ٹیٹ نہیں کرتی تھیں۔ میں بالکل بھی اری ٹیٹ نہیں ہوتا تھا مجھے اچھا لگتا تھا جب تم میرے آس پاس ہوتی تھیں۔ اور اب بھی اچھا لگتا ہے۔ تم جب پاس ہوتی مجھے ہر شے بہت کمپلیٹ سی لگتی ہے۔" وہ کیسے کیسے انکشاف کر رہا تھا مگر ساہیہ پر کسی شے کا کچھ اثر نہیں ہوا تھا۔ وہ اس بات کو، اس موقع کی نزاکت کو بالکل نہیں سمجھ رہی تھی۔

"کل میں گھر آؤں گی۔ تمہارے کمرے سے تمہاری پکچرز اگر غائب ہو جائیں تو سمجھ لینا میں اٹھا کے لے جا چکی ہوں۔ میرے پاس تمہاری کوئی تصویر نہیں ہے۔ مگر کینیڈا خالی ہاتھ تھوڑی جاؤں گی۔ تمہاری بہت سی یادوں کے ساتھ تھوڑی سی پکچرز بھی چرا کر لے جاؤں گی۔" وہ اسی خوشگوار انداز میں کہتے ہوئے مسکرائی تھی۔

"تم واقعی جا رہی ہو؟" اس کے لہجے کی مکمل خوشگواری کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ دھیمے لہجے میں بولا تھا۔

ساہیہ چونکی تھی، پھر ہنس دی تھی۔

"ہاں نا —— مجھے مس کرو گے؟" اک آس سے مسکراتے ہوئے پوچھا تھا۔

"تم واقعی جا رہی ہو؟" اس کا سوال بدستور تھا۔

ساہیہ جو مسکرا رہی تھی، چپ ہوئی تھی۔ ہونٹ سکوڑے تھے۔ پھر مسکراتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"کیوں جا رہی ہو؟" وجہ جاننا چاہی تھی۔

"کیا مطلب کیوں جا رہی ہو۔" وہ ہنس دی تھی۔ "دل چاہ رہا ہے۔" وہ بالکل بھی سنجیدہ نہیں تھی۔

"مذاق کی بات نہیں ہو رہی ساہیہ! تم مسکراتی ہوئی اچھی لگتی ہو ہمیشہ۔ مگر اس وقت میں کچھ سیریس میٹرز ڈسکس کرنا چاہتا ہوں۔ کائنڈلی پے یور اٹینشن۔" وہ بولا تھا۔ لہجے میں سنجیدگی تھی۔

ساہیہ خاموشی سے اسے دیکھنے لگی تھی۔ اذہان نے بھی اسے خاموشی سے دیکھا تھا۔

"اب بتاؤ، کیوں جا رہی ہو؟" جاننا چاہا تھا۔ مگر ساہیہ خاموشی سے سر جھکا گئی تھی جیسے اس کے اس فوری طور پر کوئی جواز نہیں تھا یا پھر وہ اسے کہنا نہیں چاہتی تھی۔

"ہر تعلق توڑ کر جا رہی ہو؟" ایک سوال مزید ہوا تھا۔ مگر ساہیہ خاموش تھی۔

اوز ان کی شادی کی تاریخ طے ہو چکی تھی۔ عفنان کو معلوم تھا، اسے بہت سی چیزوں کی ضرورت ہو گی مگر وہ منہ سے کچھ نہیں کہے گی۔ سو اپنے طور پر ہی اس کی بہت سی شاپنگ کر کے آ گیا تھا۔

اندازہ تو نہیں تھا اُسے کیا کیا چاہئے۔ مگر اپنے طور پر اس نے ہر شے کافی کوالٹی میں لے لی تھی۔ جیولری کے دس بارہ سیٹ، دس بارہ قیمتی ساڑھیاں، میچنگ جوتے۔ کوشش کی تھی کوئی کسر باقی نہ رہے۔ اب اُسے پسند آنا تھا یا نہیں، وہ نہیں جانتا تھا۔ مگر اسے بتائے بغیر اپنے طور پر یہ سب اسے لے کر Present کرنا چاہتا تھا۔

وہ باتھ لے کر باہر نکلی تھی تو ہر شے یہاں سے وہاں بکھری دیکھ کر کچھ حیران رہ گئی تھی۔

''کیا ہے یہ؟ ـــــ یہ سب کہاں سے آیا؟'' وہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔

عفنان نے اسے بغور دیکھا تھا۔ بھیگے بھیگے گیسو چہرے کے اردگرد بکھرے ہوئے تھے۔ پانی کی کئی بوندیں چہرے پر تھیں۔ وہ نگاہ نہیں ہٹا سکا تھا۔

''یہ سب تمہارے لئے ہے۔''

''میرے لئے؟'' وہ مزید حیران ہوئی تھی۔ ''مگر کس لئے؟''

''تمہیں ان چیزوں کی ضرورت ہو گی۔ ایسا مجھے لگا۔''

''آپ کو لگا یا ممی نے فون کر کے کہا؟'' وہ طنز کرتی ہوئی بولی تھی۔

عفنان کا سارا اشتیاق دھرا کا دھرا رہ گیا تھا۔ وہ لب سکوڑ گیا تھا۔

''آپ کو لگتا ہے کہ انہوں نے مجھے فون کر کے کہا ہو گا تبھی میں نے ایسا کیا؟'' لہجے میں کچھ ناگواری تھی۔ اس کے لئے یہ سب کر کے جو خوشی اس کے چہرے پر دیکھنا چاہتا تھا، نہیں دیکھ پایا تھا۔

''آپ سے کچھ بھی ایکسپیکٹ کر سکتی ہوں میں۔ کہیں یہ سب ایک ''قیمت'' تو نہیں؟'' وہ طنز میں بجھے تیر چلا رہی تھی۔

''انابیہ ـــــ!'' وہ دھاڑے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ ہاتھ اٹھا تھا مگر وہ اسے مار نہیں سکا تھا۔ وہ اپنی نادانی میں کیا کہہ گئی تھی، وہ شاید خود بھی نہیں جانتی تھی۔

عفنان علی خان پلٹا تھا اور چلتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔ انابیہ کھڑی دیکھتی رہ گئی تھی۔

❋❋❋

سردار سبکتگین حیدر لغاری تنہا ہوا تھا تو بہت سی باتوں کو از سر نو سوچا تھا۔ نگاہ میں ایک چہرہ در آیا تھا۔ وہ نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔

وہ چپ رہتا۔ کچھ نہ کہتا۔ کسی کو نہ بتاتا۔ مگر گی جان گئی تھی۔ اور یہی سچ بھی تھا۔

اس کی زندگی میں بہت عرصے سے کوئی شریک ہو چکا تھا۔ اس کا حصہ بن چکا تھا۔ اور اب وہ بھی اس کا عادی ہو چکا تھا۔

کتنا بدل چکا تھا وہ خود کو اس کے لئے پہلے دن سے اب تک۔ کتنا زیادہ ـــــ!

پرامس تو اس نے نہیں کیا تھا گی سے مگر وہ خود کو میرب کے بارے میں سوچنے سے نہیں روک پا رہا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا ایسا مگر جیسے سوچیں اس سے ہٹ ہی نہیں رہی تھیں۔

جب سے وہ گئی تھی ہر طرف ایک ویرانی سی بکھر گئی تھی۔ اپنے پیچھے کے سارے منظر وہ فانی اور بے جان کر گئی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی، اس بات سے واقف بھی نہیں تھی۔ مگر سچ تھا اس کے بغیر اس کی زندگی میں تھوڑی نہیں، بہت زیادہ کمی واقع ہو چکی تھی۔ ایک خلا سا اُبھر آیا تھا۔ وہ سر جھکائے سموکنگ کر رہا تھا جب مائی چلتی ہوئی اس کے قریب آن رکی تھیں۔

''تم سوئے نہیں اب تک گین؟''

''بس مائی! نیند نہیں آ رہی تھی۔'' اس نے سگریٹ مسلتے ہوئے کہا تھا۔

''گی کے چلے جانے سے اس گھر کا سونا پن اور بھی بڑھ گیا ہے نا۔''

''ہاں ـــــ مگر گی کو تو چلے ہی جانا تھا۔''

''ہاں ـــــ سچ کہتے ہو۔ گی کو تو جانا ہی تھا۔ آخر کوئی کتنی دیر کہیں رُکتا ہے۔ مہمان کو تو ایک دن جانا ہی ہوتا ہے مگر.......'' مائی نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔

سردار سبکتگین بچہ نہیں تھا جو کچھ نہ سمجھتا۔ ساری بات سمجھ میں آ گئی تھی، مائی کیا کہنا چاہ رہی تھیں اور کس کے متعلق۔

''مجھے میرب بہت یاد آ رہی ہے گین بیٹا! وہ اس گھر میں تھی تو اس گھر کے ویرانے جیسے ختم ہو گئے تھے۔ مگر ایک عرصے بعد پھر وہی سکوت ہے اس گھر میں۔ وہ اس گھر میں آئی تھی تو رونق لائی تھی۔ اپنے قدموں کے ساتھ کئی خواب باندھ لائی تھی۔ میری بوڑھی آنکھوں نے کیسے کیسے خواب بننے شروع کر دیئے تھے مگر.......''

مائی کے لہجے میں ایک حسرت بول رہی تھی۔

اور سردار سبکتگین حیدر لغاری اس حسرت کو صاف محسوس کر رہا تھا۔

''گین بیٹا! آج شام مظہر میاں کا فون آیا تھا۔ میرب کے سلسلے میں بات کر رہے تھے وہ۔ ہمارے درمیان طے پایا تھا کہ یہ رشتہ ختم نہیں ہو گا۔ سو انہوں نے کیس واپس لے لیا۔ مگر اب ہماری طرف سے کوئی پیش رفت نہ پا کر وہ کچھ متفکر سے ہیں۔ مجھے نہیں پتہ بیٹا! تمہارے دل میں کیا ہے۔ اگر میں سمجھتی بھی ہوں تو شاید اس طور پر نہیں سمجھ پاتی۔ کیونکہ میں اس بچی کو لے کر زیادہ پریشان ہوں۔

تم میرے بیٹے ہو۔ شاید کہیں تم اس سے اتنے خوش نہیں ہو جتنا ایک شوہر کو ہونا چاہئے اس رشتے کو لے کر۔ مگر میں اپنے بیٹے کی کوئی کوتاہی نظر انداز نہیں کر سکتی، صرف یہ سوچ کر کہ وہ میرا بیٹا ہے۔ میں جانتی ہوں تمہیں اب اس کی ضرورت اپنی زندگی میں محسوس ہونے لگی ہے، ٹھیک اسی طرح جس طرح ہمیں اس گھر میں اس کی کمی محسوس ہوتی ہے۔ ہم چاہیں تو اسے اپنے گھر میں بیاہ کر لے بھی آئیں اور تم انکار بھی نہ کر سکو۔ مگر اس سے قبل میں چاہتی ہوں اس بچی کو جتنا سہنا پڑا ہے تم اس کا ازالہ کر دو۔ دل سے۔ کسی زور زبردستی سے نہیں۔ تم نے اس کے ساتھ کہیں نہ کہیں ناانصافی کی ہے۔ تم سے بے نا انصافی ہوئی ہے۔ تم اس رشتے کو اتنی ایمانداری سے نبھا نہیں پائے جس طور تمہیں نباہنا چاہئے تھا۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ تم بے وفائی کے مرتکب ہوئے۔ مگر تم نے اس کا دل دُکھایا ہے سبکتگین! ایک شوہر کو اپنی بیوی کی خوشیوں کا ہر طور خیال رکھنا چاہئے اور تم اس کا خیال نہیں رکھ پائے۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری! میں چاہتی ہوں تم میرب سے اپنی خوشی سے ملو۔ اور اس بات کا ازالہ کرو۔"

مائی بہت نرمی کے ساتھ اس کو حکم نامہ جاری کر رہی تھیں۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری خاموشی سے انہیں سن رہا تھا۔

بات کچھ عجیب یا انوکھی نہیں تھی۔

دل بھی تو کچھ ایسا ہی بول رہا تھا۔

اگر مائی کی نہیں بھی سنتا تو دل تو کہہ ہی رہا تھا۔

ہاں وہ اس کے لئے ضروری تھی۔

تھوڑی نہیں — کسی قدر نہیں۔

بہت زیادہ۔

مگر یہ بات وہ اس سے کیسے کہتا —؟

کس طرح کہتا —؟؟

اس بات کا حل وہ نہیں ڈھونڈ پایا تھا۔

مگر حل چاہئے تو تھا۔

اگر یہ مسئلہ تھا تو اسے حل تو کرنا ہی تھا۔

مائی اپنی بات کہہ کر کب کی جا چکی تھیں اور وہ اب تک اسی نہج پر سوچ رہا تھا۔

اب تک سو نہیں پایا تھا۔

دل اس کے ساتھ کس طور، کس قدر بندھ چکا تھا، اس کا پتہ اتنی دیر سے کیوں چلا تھا۔

یا پھر اس نے ہی آج تسلیم کیا تھا۔ اپنی کوتاہی کا بھرپور احساس ہوا تھا۔

❋ ❋ ❋

"انابیہ! تمہیں وہ سب چیزیں پسند آئیں بیٹا؟" مائی نے فون کر کے پوچھا تھا۔

انابیہ چونک پڑی تھی۔ ایک تو بہت عرصے بعد مائی اماں سے بات ہو رہی تھی۔ دوسرا وہ ان کا بہت ادب بھی کرتی تھی۔ جس طرح کہ عفنان کرتا تھا۔

"جی مائی! — آپ کو کیسے پتہ چلا کہ......"

"لو — وہ میرے ہی پاس تو آیا تھا پریشان حال سا۔ بولا تمہارے بھائی کی شادی ہے اور تمہیں وہ بہت سے تحفے تحائف دینا چاہتا ہے۔ اس میں اس کی مدد کروں۔ کیونکہ فاطمہ تو وہاں ہے نہیں۔ سو میں ساتھ چل دی۔ مگر ایک ایک شے میں مرضی عفنان کی ہی رہی۔ بہت پیار کرتا ہے وہ تم سے۔ بہت پریشان تھا کہ پتہ نہیں تمہیں یہ سب پسند بھی آتا ہے کہ نہیں۔ میں تو کہتی رہی بھلا پسند کیوں نہیں آئے گا۔ بیوی کے لئے تو شوہر ایک چھوٹی سی شے بھی اپنی مرضی اور شوق سے لے آئے تو وہ لاکھوں روپے سے زیادہ قیمتی لگتی ہے۔ اور تمہارے لئے تو اس نے روپیہ پانی کی طرح بہا دیا۔ بیٹا! عفنان کی محبت کی قدر کرنا۔ ایک اچھی بیوی کی یہی نشانی ہے۔ عموماً مشرقی بیویاں بڑی وفا شعار ہوتی ہیں۔ اپنے شوہروں کی بڑی آؤ بھگت کرتی ہیں۔ مگر شوہر پلٹ کر پوچھتا تک نہیں۔ اگر شوہر اس خدمت اور محبت کا کوئی انعام اپنی مرضی اور خوشی سے دے تو اس سے منہ نہیں موڑنا چاہئے۔ ہمارا زمانہ تو گزر گیا۔ یہ تم لوگوں کا زمانہ ہے۔ مگر کچھ باتیں تو اب بھی پرانی ہی ہیں بیٹا!" مائی محبت سے کہہ رہی تھیں۔

انابیہ نے سر ہلا دیا تھا۔

"جی مائی! — ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔"

"اچھا، یہ بتاؤ ساس کب واپس آ رہی ہیں تمہاری؟ کچھ زیادہ لمبا ٹور نہیں ہو گیا ان لوگوں کا؟" مائی مسکرائی تھیں۔ "ہاں بھئی، جب گھر سنبھالنے کو ایک اچھی بہو موجود ہو تو پھر ساس کو فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ میری بہو میرب بھی میرے گھر میں آ جائے تو میں بھی سب ذمہ داریوں اور کاموں سے چھٹی لے کر لمبے عرصے کے لئے نکل جاؤں گی۔" مائی مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔ "بیٹا! وقت نکال کر ایک چکر مائی اماں کی طرف بھی لگاؤ۔"

"جی مائی! ضرور۔ اوزان کی شادی نمٹ جائے تو پھر بس چکر لگاتے ہیں۔ آپ سنائیے، کب رخصتی کروا رہی ہیں سبکتگین بھائی کی دلہن کی؟"

"بس بیٹا! جلد ہی۔" مائی نے کہا تھا۔ "اچھا بیٹا! میں فون رکھتی ہوں۔ پھر بات کرتے ہیں۔ اپنا خیال رکھنا۔"

"جی مائی —!" وہ سعادت مندی سے بولی تھی۔

فون ہاتھ میں لئے وہ کتنی دیر ساکت سی بیٹھی رہی تھی۔

❋ ❋ ❋

گاڑی گھر کے پورچ میں رکی تھی۔ ساحیہ دروازہ کھول کر باہر نکلی تھی۔

"ساحیہ!" وہ چلتی ہوئی آگے بڑھ جانے کو تھی جب اوزان گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکلا تھا اور بسرعت سے پکارا تھا۔ وہ رک گئی تھی۔

وہ چلتا ہوا اس کے قریب آن رکا تھا۔
"اپنے اور میرے بیچ کے رشتے کو ان خاموشیوں کی نذر مت کرو۔"
"ساحبہ! آئی وونا لسن یور پلائے۔ آئی وونا لسن وی ریزن۔ ٹیل می۔" اُسے شانوں سے تھام کر اپنے سامنے کھڑا کرتے ہوئے وہ بولا تھا۔ ساحبہ خاموشی سے سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی تھی۔
"میرے پاس تمہارے کسی سوال کا جواب نہیں ہے اذہان! ــــ آئی ایم ٹائرڈ۔ ہم صبح بات کریں گے۔ گڈ نائٹ۔" وہ کہہ کر سرعت سے پلٹی تھی جب اذہان نے ایک جھٹکے سے اسے اپنی طرف کھینچ لیا تھا۔ وہ اس کے سینے سے آن ٹکرائی تھی۔
اذہان نے اسے اپنے حصار میں باندھ لیا تھا اور اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے بولا تھا۔
"آئی نیڈ یو۔ ڈیم اٹ۔ آئی نیڈ یو۔ فور مائی ہول لائف۔ ایک دن کے لئے، دو چار دن کے لئے بھی نہیں، پوری عمر کے لئے ضرورت ہے مجھے تمہاری۔ آئی مین اٹ۔ تمہارے بنا میں بہت ادھورا ہوں۔ پلیز مجھے اس طرح ادھورا مت چھوڑو۔ یو کمپلیٹ می بے بی! سو ڈونٹ گو۔ پلیز اسٹے۔" مدھم سرگوشیوں میں کیا کیا کچھ نہ تھا۔
وہ سر اٹھائے نگاہ ساکت کیے اسے دیکھ رہی تھی۔ کتنی قریب تھی وہ۔ اسے کس طرح نگاہ چرانا چاہیے تھی۔ سب بھول گئی تھی وہ۔ اپنے، اس کے تعلقات میں اتنی، اس درجہ قربت پہلی بار محسوس کی تھی۔ اس کی نگاہوں کی وہ تپش پہلی بار محسوس کی تھی۔ وہ سانسوں کی تپش جو اس گھڑی اس کے چہرے کو جھلسا رہی تھی، وہ پہلی بار محسوس کر رہی تھی۔
یہ سب بہت نیا تھا۔ اور شاید پہلی بار تھا۔ اس سے پہلے اذہان نہ اس کے اتنا قریب آیا تھا نہ اس طرح اس سے اظہارِ بیاں کیا تھا۔ وہ حیران نہ ہوتی تو کیا ہوتا۔
اس کی نگاہ اسی طرح ساکت تھی۔ جب اذہان نے سر جھکا کر اس کی پیشانی پر بڑی عقیدت سے اپنے لب رکھ دیے تھے۔
"آئی نیڈ یو ــــ آئی ریئلی نیڈ یو ساحبہ ــــ!" وہ اسے خود سے بھینچے بہت مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا اور ساحبہ کو وہ پل ساکت لگے تھے۔ کسی خواب جیسے۔
جیسے وہ وقت کوئی خواب تھا۔ حقیقت کا جس سے دور تک واسطہ نہ تھا۔

❄ ❄ ❄

اپنی غلطی کا کچھ اندازہ تو تھا۔ مگر وہ اس طرح فوری طور پر اسے ایکسپیکٹ نہیں کر سکتی تھی۔ قصور سارا اس کا نہیں تھا۔ کچھ قصور تو عفنان علی خان کا بھی رہا تھا۔ سو پھر وہ کیوں جھکتی۔ اور پھر روپیہ جتنے پانی کی طرح بہا دینے سے کہیں سے بھی ظاہر نہیں ہوتا کہ کون کتنی محبت اب بھی کرتا ہے۔ اور کرتا بھی ہے کہ نہیں۔ گو تحفے تحائف ہیں تو محبت کی ہی نشانی مگر۔ وہ ماننے کو اب بھی تیار نہیں تھی۔
سو شام میں اسعد اور اوزان کی مایوں کے لئے وہ اس کی لائی گئی بیش قیمت جدید تراش خراش کی ساڑھی زیب تن کیے اور جیولری پہنے زینہ اتری تو وہ بالکل بھی نہ چونکا۔ حالانکہ اسے چونکنا تو چاہیے

تھا۔ یہی تیاری کچھ دل سے ہوئی تھی۔ فان کلر کی ساڑھی میں بہت جچ رہی تھی۔ مگر عفنان نے ایک نگاہِ غلط انداز بھی نہ ڈالی تھی۔ انابیہ کو اپنی تیاری ضائع ہو جانے پر ملال تو ہوا تھا مگر وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گئی تھی۔ وہ چلتی ہوئی اس کی طرف پہنچی تھی۔ وہ متوجہ نہیں ہوا تھا۔
"آپ سامان پیک کر لیتیں۔" اس کی طرف دیکھے بغیر کہا گیا تھا۔
"کس لئے؟" وہ چونکی تھی۔
"آپ کے بھائی کی شادی ہے۔ پھر کہیں گی ظلم کر دیا آپ پر۔ آپ کو اس گھر اور چار دیواری میں قید کر دیا گیا۔ مجھے تو ڈر ہے وہائی وے کر کہیں دو چار این جی اوز کو نہ بلا لیا جائے کہ انسانی حقوق کی خلاف ورزی یہیں ہو رہی ہے۔ ہیومن وائلیشن والی تنظیمیں تو مفت میں دھر لیں گی مجھے۔" وہ طنز کے تیر تابڑ توڑ برسا رہا تھا۔ انابیہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی تھی۔ پھر بولی تھی۔
"بری لگتی ہوں نا آپ کو؟ ــــ ہاتھ پکڑ کر گھر سے باہر کھڑا کیوں نہیں کر دیتے پھر آپ؟" آنکھوں میں بھرپور نمی تھی۔
عفنان علی خان کو اپنے لہجے کی سختی کا اندازہ ہوا تھا۔
"آئی ایم سوری ــــ آئی ڈو ناٹ مین ٹو ہرٹ یو۔" جیب میں ہاتھ ڈال کر رومال والا ہاتھ آگے بڑھایا تھا۔ مگر انابیہ نے وہ ہاتھ ایک جھٹکے سے جھٹک دیا تھا۔
"بہت بری لگتی ہوں نا آپ کو ــــ جینا دوبھر کر دیا ہے نا آپ کا۔ دم گھٹتا ہے نا آپ کا میرے ساتھ ایک چھت تلے رہتے ہوئے۔ تو ختم کر دیجئے سب۔ کیا ضرورت ہے زبردستی کا بوجھ ڈھونے کی؟ کس بات کا انتظار کر رہے ہیں آپ؟ ــــ اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں خود چلی جاؤں تو ٹھیک ہے۔ میں ہی چلی جاتی ہوں۔" ایک پل میں فیصلہ لیتی ہوئی وہ پلٹی تھی جب ہاتھ عفنان کے ہاتھ میں ہی رہ گیا تھا۔ وہ آگے نہیں بڑھ سکی تھی۔ عفنان ایک قدم آگے بڑھا کر اس کے مقابل آن رکا تھا۔ اس کے چہرے کو چند ثانیوں تک خاموشی سے تکتا رہا تھا پھر ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں لیا تھا اور اپنے چہرے کے قریب کر کے ان پلکوں کی ساری نمی چن لی تھی۔

اس کی آنکھیں بتاؤ کیسی ہیں؟
جھیل سیف الملوک جیسی ہیں

"ان آنکھوں کی نمی کبھی نہیں دیکھ سکتا میں ــــ ان آنکھوں میں نمی کبھی نہیں دیکھنا چاہتا۔ کیونکہ یہ آنکھیں آج بھی مجھے اس دنیا میں ہر شے سے زیادہ پیاری ہیں۔" بہت مدھم لہجے میں سرگوشی ہوئی تھی اور انابیہ بت سی بن گئی تھی۔ نگاہ اٹھا کر اس کی طرف دیکھ رہی تھی صرف۔ حیرت سے سوا حیرت تھی۔
"آئی لو یو انابیہ! ــــ لیں، آئی اسٹل ڈو ــــ وہاٹ اباؤٹ یو؟ ــــ میں آج بھی تم سے اتنی ہی محبت کرتا ہوں۔ میری جنوں خیزی اب بھی ویسی ہی ہے۔ تمہارے لئے میری محبت کبھی نہ کم ہوئی تھی نہ کبھی ہو گی۔ اظہار کو زبان نہ ملے تو محبت مر نہیں جاتی۔ محبت ختم نہیں ہوتی انابیہ! اگر میں تم سے نہیں کہہ سکا، کچھ حالات ایسے رہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں اب تم سے محبت نہیں کرتا۔ کرتا

ہوں۔ بے حد، بے حساب کرتا ہوں۔ میں تو آج بھی اتنا ہی پاگل ہوں۔ تم جن بدگمانیوں میں سانس لیتی رہیں میں انہیں کبھی اس طور ختم نہیں کر سکا۔ مگر تم نے یہ کیسے جان لیا کہ میں تم سے تھک آچکا ہوں۔ یا اب مجھے تمہاری ضرورت نہیں رہی۔"

اس کی آنکھوں میں جھانکتا ہوا وہ کہہ رہا تھا۔ اور انابیہ کی سماعتیں سیراب ہوتی جا رہی تھیں۔

محبت کو اظہار کی ضرورت ہمیشہ رہتی ہے
چاہے کتنی بھی پرانی ہو جائے
اس کی جڑیں چاہے دور تک پھیل جائیں
مگر ضرورت رہتی ہے کہنے کی
مجھے تم سے محبت ہے ــــ!

اگر آج عفنان اس طرح نہ کہتا تو وہ اپنے طور پر کیا کیا سمجھی بیٹھی تھی۔ اس کی سانسوں کی تپش اس کے چہرے پر تھی۔ وہ اپنا بھرپور استحقاق استعمال کر رہا تھا۔ اس کے گرد اپنے بازوؤں کا حصار باندھے وہ اسے مسکراتے ہوئے دیکھ رہا تھا اور وہ نگاہ اٹھا نہیں رہی تھی۔ وہ اندر تک سرشار ہو گئی تھی۔ محبت کی بارش پور پور اسے بھگو گئی تھی۔

"انابیہ! ــــ میں ہمیشہ سننا چاہتا تھا تم سے۔ اگرچہ میں جانتا ہوں تم بھی مجھ سے محبت کرتی ہو مگر میں بھی تو بدگمان ہو سکتا ہوں نا۔ میں بھی سننا چاہتا ہوں انابیہ! تم نے کبھی مجھ سے محبت کی یا نہیں؟" وہ ان لمحوں کو خوشبوؤں میں باندھ رہا تھا۔

انابیہ سر جھکائے مسکرا دی تھی۔

"آپ جانتے ہیں ــــ پھر کیوں پوچھ رہے ہیں؟" وہ نگاہ بار حیا سے جھکی جاتی تھی۔

"کیا جانتا ہوں میں؟ ــــ میں تو کچھ نہیں جانتا۔ ہاں جاننا ضرور چاہتا ہوں۔" اس رنگوں بھرے چہرے کو بھرپور دلچسپی سے تکتے ہوئے وہ بولا تھا۔ انابیہ سر جھکائے مسکرا دی تھی۔

"آپ جانتے ہیں۔ کوئی خود کو کسی کو یونہی نہیں سونپ دیتا۔"

"اوہ، آئی سی۔" وہ ہونٹ سکوڑ کر مسکرا دیا تھا۔ "تو یہ دونوں طرف برابر لگی ہوئی تھی یعنی۔ بڑی گھنی ہیں آپ۔ کبھی خبر ہی نہیں ہونے دی۔" وہ مسکرا دیا تھا۔

"جھوٹ مت بولیں۔ خبر تو آپ کو تھی۔" وہ اسے پکڑتے ہوئے بولی تھی۔ وہ ہنس دیا تھا۔

"میں بھی بندہ بشر ہوں۔ سمجھ سکتا ہوں کہ اب آپ کو مجھ سے محبت نہیں رہی۔" آنکھوں میں شرارت بھرے وہ بولا تھا۔

"نہیں ــــ ایسا نہیں ہے عفنان!" وہ بولی تھی۔

"پھر کیسا ہے انابیہ؟" وہ شرارت پر مائل تھا۔

"مجھے بھی آپ سے محبت ہے۔ اتنی نہ سہی، مگر ہے ضرور۔ تبھی تو میں اس گھر سے کہیں نہ جا سکی۔ ہمیشہ آپ سے شکوے کرتی رہی۔ اگر محبت نہیں ہوتی تو کوئی کمپلین کیوں کرتی۔" وہ مسکرائی تھی۔

"اوہ ــــ تو کمپلینز کا مطلب محبت ہوتا ہے۔ اوہ، رائٹ۔ یہ بات مجھے نہیں پتہ تھی۔" وہ مسکرایا تھا۔ "تو ٹھیک ہے ــــ اب آپ جتنی زیادہ کمپلینز کریں گی، میں اتنا ہی سمجھوں گا کہ آپ مجھ سے محبت کرتی ہیں۔ مجھے یونہی فضول میں اتنے دنوں تک لگتا رہا کہ میں زبردستی کوئی حق وصول کر رہا ہوں۔ اگر وہ خود سپردگی تھی تو اس کے بارے میں مجھے اتنی دیر بعد کیوں بتایا گیا؟" وہ شرارت پر مائل تھا۔

انابیہ نے مسکراتے ہوئے اس کے حصار سے خود کو نکالا تھا۔

"جلدی چلیں ــــ وہاں مایوں کی رسم شروع نہ ہو چکی ہو۔ ممی نے مجھے پہلے آنے کا کہا تھا اور میں لیٹ ہوں۔"

عفنان نے اسے تھام کر ایک بار پھر قریب کر لیا تھا۔

"سچ کہوں ــــ بالکل بھی موڈ نہیں ہے اب کہیں جانے کا۔ ایسا کرتے ہیں ہم فون کر کے منع کر دیتے ہیں، ہم نہیں آ رہے۔ آج ہمارا موڈ محبت کرنے کا ہے ــــ!" شرارت سے کہتے ہوئے جیب سے سیل فون نکالا تھا۔ جب انابیہ نے مسکراتے ہوئے اس کا سیل والا ہاتھ پیچھے کر دیا تھا۔

"اس کام کے لئے بہت سا وقت ہے ہمارے پاس۔ مگر فی الحال وہاں اذہان اور لامعہ ہمارا ویٹ کر رہے ہوں گے۔" وہ خالصتاً بیویوں والے انداز میں ڈپٹتے ہوئے بولی تھی۔ وہ مسکرایا تھا۔

"ٹھیک ہے ــــ لیکن تم وہاں رات نہیں رہو گی۔ میرے ساتھ گھر واپس آؤ گی۔ رائٹ؟" وہ آگے بڑھی تھی اس کا ہاتھ تھام کر جب وہ رک کر وہیں پر جم کر شرط رکھتے ہوئے بولا تھا۔

انابیہ بلش ہو کر رہ گئی تھی مگر پھر دیر ہونے کے خیال سے فوراً سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"ٹھیک ہے ــــ چلئے اب۔" وہ اس کا ہاتھ تھامے آگے بڑھنے لگا تھا۔

انابیہ کو پہلی بار سب کچھ بہت دلکش لگا تھا۔ اس اونچے لمبے شخص کا اپنے قدموں سے قدم ملا کر چلنا۔ اسے ایک لمحے میں اپنی دنیا بہت مکمل لگی تھی۔

❋ ❋ ❋

اس کی بانہوں کی گرفت میں ہی نہیں وہ اس کی نظروں کی تپش سے بھی پگھل رہی تھی۔

"کوئی دا ریزن ساہیہ! ــــ وائے یو لیو می؟ ــــ صرف ایک بار کہو، تم کیوں چھوڑ کر جانا چاہتی ہو مجھے؟"

ساہیہ کو اپنا آپ ایک لمحے میں بہت ہارتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

وہ سمجھی تھی وہ تعلق "تعلق خاص" نہیں۔ اس کی کوئی امپورٹنس نہیں۔ مگر ایسا نہیں تھا۔ وہ سمجھتی تھی اذہان کو اس کے دور جانے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا تو وہ غلط تھی۔

"اذہان! بہت کوشش کی تھی میں نے۔ مگر مجھے لگتا تھا میں ہار رہی ہوں۔ کہیں کوئی شے تمہارے میرے درمیان ہے۔ وہ جو ہونا چاہئے تھا، وہ نہیں ہے۔ وہ احساس، وہ فیلنگز میں تمہارے نہیں جگا سکی تھی جو اس رشتے کی ضرورت ہیں۔ سو میں نے ڈیسائیڈ کیا کہ تمہیں چھوڑ کر چلی جاؤں۔ میں نے کبھی

چاہے کچھ بھی کہا ہو مگر میں ایک لڑکی ہوں۔ اندر سے میری فیلنگز بھی کچھ مختلف نہیں ہیں۔ میں تمہیں مکمل طور پر اپنا دیکھنا چاہتی تھی۔ مگر آئی واز فیلنگ مائے سیلف ٹمبل ڈاؤن۔ سیم تھنگ واز ٹمبل ان سائیڈ۔ اور وہ سہنا میرے لئے آسان نہیں تھا۔ سو میں نے سوچا اگر کوئی رشتہ ورک نہیں کرتا تو اسے چھوڑ دینا بہتر ہے۔ کیونکہ میں نے اپنا سو فیصد بیسٹ اس رشتے کے لئے دیا تھا اور ——!"

اور تم سمجھتی ہو میں نے سو فیصد نہیں دیا؟" اس کی بات کاٹتے ہوئے پوچھا تھا۔ وہ کوئی جواب دیئے بغیر نگاہ چرا گئی تھی۔

"ساحیہ ——!" اس کے چہرے کو بھرپور توجہ سے دیکھتے ہوئے اوپر اٹھایا تھا۔

"ہنی! میں نے بھی اپنا بیسٹ دیا ہے۔ سو فیصد۔ آئی ایم یورز۔ میں تمہیں اپنا آپ سونپ رہا ہوں۔ اور اس دن کے لئے میں نے تم سے وقت چاہا تھا جب میں کہہ سکوں کہ میں تمہارا ہوں۔ اور آج کا ایک ایک لمحہ مجھے بتا گیا کہ اگر تم میری زندگی سے جاتی ہو تو میں بالکل خالی ہاتھ رہ جاؤں گا۔ کچھ نہیں رہے گا میرے پاس —— تم مجھے ادھورا کر جاؤ گی —— کیا تم مجھے ادھورا کرنا چاہتی ہو؟" براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا تھا۔ ساحیہ کچھ دیر تک خاموشی سے اس کی طرف دیکھتی رہی تھی۔ پھر یک دم اس نے سر انکار میں ہلا دیا تھا اور اپنا سر اس کے شانے پر رکھ دیا تھا۔

"یو کمپلیٹ می اذہان! اینڈ آئی ڈونٹ وانٹ ٹو گو اینی ویئر ناؤ۔" بہت مدھم لہجے میں وہ اپنا اقرار اسے سونپتے ہوئے بولی تھی۔

اذہان مسکرا دیا تھا۔

پہلی بار اس نے خود کو بہت پُرسکون پایا تھا۔

اور مکمل بھی ——!

❋❋❋

وہ بہت فریش سی اٹھی تھی۔ کسی طرح کی کوئی ٹینشن اب اس کے چہرے پر نہ تھی۔ وہ ریلیکس تھی۔ تیار ہو کر ناشتے کی ٹیبل پر آئی تھی۔ زوباریہ نے ناشتہ لگا دیا تھا۔ ثانی بیٹھا تھا اور پاپا بھی۔ وہ مسکرا دی تھی۔

"گڈ مارننگ ——!"

"گڈ مارننگ بیٹا! —— سو یو آر ریڈی ٹو ڈو ورک ایٹ یور آفس۔" پاپا نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ وہ مسکرا دی تھی۔

"یس پاپا —— آئی ایم ——!"

"اوہ —— تو بیٹی آج آفس سنبھالنے جا رہی ہیں۔ دیٹس اے گڈ ڈی سی ژن۔" زوباریہ اس کے لئے چائے انڈیلتی ہوئی مسکرائی تھی۔

"تھینکس زوباریہ! —— خود کو ناکارہ کرنے سے بہتر ہے میں پاپا کے ساتھ ان کے کام میں کسی قدر ہاتھ بٹاؤں۔"

"ہاں —— بالکل صحیح فیصلہ کیا تم نے۔ تمہیں یہ بہت پہلے کر لینا چاہئے تھا۔ بیٹی ہو یا بیٹا، آخر کو والدین کے بازو ہوتے ہیں۔" زوباریہ نے مسکراتے ہوئے اسے ایپری شیئٹ کیا تھا۔

میرب خوش خوش ناشتہ کرنے لگی تھی جب گھر کے پورچ میں گاڑی رُکنے کی آواز آئی تھی اور اس کے تھوڑی ہی دیر بعد ملازم اندر داخل ہوا تھا۔

"صاحب! سردار سبکتگین حیدر لغاری آئے ہیں۔ میرب بی بی سے ملنا چاہتے ہیں۔"

مظہر سیال ہی نہیں، وہ بھی چونکے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔

"اچھا ٹھیک ہے —— انہیں اندر بلاؤ۔" مظہر سیال نے کہا تھا۔ میرب کی دھڑکنیں ٹھہرنے کو تھیں۔ تو کیا فیصلے کی گھڑی آن پہنچی تھی؟ فیصلہ ہو گیا تھا؟ —— سردار سبکتگین حیدر لغاری نے طے کر لیا تھا جو آج اس کو مطلع کرنے آن پہنچا تھا؟ —— وہ اپنے ایک نئے دن کی شروعات کرنے چلی تھی۔ ایک نئی اُمنگ اور حوصلے کے ساتھ بیدار ہوئی تھی اور وقت اس کے لئے کیا طے کرنے چلا تھا ——!!!

"صاحب کہہ رہے ہیں، بی بی صاحبہ باہر آ جائیں۔ وہ ان کا انتظار کر رہے ہیں۔" تھوڑی ہی دیر بعد ملازم دوبارہ سر پر تھا۔

میرب کی دھڑکنیں بند ہونے کو تھیں۔ قسمت اس کے لئے جانے کیا لکھ چکی تھی۔ کیا طے کر چکی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی۔

"جاؤ بیٹا!" پاپا بولے تھے۔

وہ ہمت کر کے اٹھی تھی اور چلتی ہوئی باہر آ گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری گاڑی میں اس کا منتظر تھا۔

وہ دروازہ کھول کر اس کے برابر بیٹھی تھی۔

"گڈ ڈے!" سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کہا۔

"گڈ ڈے!" وہ مروتاً بولی تھی۔

"ہاؤ آر یو؟" احوال پوچھا گیا تھا۔

میرب نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔ جواباً پوچھنے کی ہمت نہیں تھی۔ سو نہیں پوچھا تھا۔ مگر سردار سبکتگین حیدر لغاری کا مطمئن انداز اسے بتا رہا تھا کہ وہ کوئی فیصلہ کر کے آیا تھا۔

"سو اینی پلان فور ٹو ڈے؟" سردار سبکتگین حیدر لغاری اس سے سوال پوچھ پوچھ کر کسی حد تک تو حیران کر ہی رہا تھا۔

"کچھ خاص نہیں۔ پاپا کے ساتھ آفس جا رہی تھی۔"

"واؤ —— ہاؤ ونڈرفل از دیٹ۔ تو کب سے یہ کام سنبھالا تم نے؟"

"آج ہی سے۔"

"گڈ —— لیکن تم اگر آفس سنبھالو گی تو پھر میرا گھر کون سنبھالے گا؟"

"کیا —— ؟؟؟" مطمئن لہجے میں کہا گیا ایک جملہ اسے حیرتوں میں ڈال گیا تھا۔ بے حد چونک

کر سردار سبکتگین حیدر لغاری کی طرف دیکھا تھا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ خلافِ معمول!!!

"سوری ـــــ!!!" وہ جیسے کچھ نہ سمجھتے ہوئے بولی تھی۔

"آفس کی ذمہ داریاں سنبھالنا اچھی بات ہے میرب! مگر میں چاہتا ہوں میری وائف میری اور میرے گھر کی ذمہ داریاں سنبھالے۔" اتنی بڑی تبدیلی کی اُمید میرب کو نہیں تھی۔ یہ صبح اس کے لئے کیا لے کر آئی تھی۔ اس نے وقت کو خود کے حوالے کیا تھا اور...... !

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیا تھا اور بہت آہستگی سے بولا تھا۔

"آئی ایم سوری میرب! اف آئی ایور ہرٹ یو۔ بٹ آئی ڈِڈ ناٹ مینٹ ٹو اوفینڈ یو۔" بہت انکساری سے وہ بولا تھا۔

میرب سیال اسے حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

ایسے پتھر صفت انسان سے اس بات کی اُمید نہیں تھی اور وہ کہہ رہا تھا۔

"میں نے زندگی میں کبھی کسی کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ مجھے لگتا تھا کوئی کہیں بھی ضروری نہیں ہے۔ تم نے دیکھا، مجھے واقعی رفاقتوں پر اعتبار نہیں تھا۔ یہ ٹھہرنا، رُکنا مجھے نہیں آتا تھا مگر...... پھر مجھے رُکنا اچھا لگا۔ میں رُک گیا۔ ٹھہر گیا۔ اور میرا دل ان لمحوں کو روکنے کو چاہنے لگا۔ میں وقت کے ساتھ بہہ رہا تھا۔ شاید تبدیل ہو رہا تھا۔ اس ساتھ کو ایکسپٹ کر رہا تھا۔ مگر میں مان نہیں رہا تھا ـــــ بٹ آئی کنسیڈر اِٹ ناؤ۔ یو چینجڈ می میرب! ـــــ وہٹ واز پہلا ـــــ وہ تم تھیں جس نے میری زندگی کا نئے زاویوں پر موڑا۔ مجھے نئے طریقوں سے سوچنا سکھایا۔ مجھے بتایا کہ محبت کیا ہوتی ہے۔ کسی کے لئے سوچنا کیوں اچھا لگتا ہے۔ جاگنا کیوں اچھا لگتا ہے۔ یہ تم نے مجھے سکھایا۔ میں ہار چکا تھا میرب شاید بہت پہلے۔ مگر میں ماننے کو تیار نہیں تھا۔ ہمیشہ تمہارے خلاف رہا میں۔ ہمیشہ تمہارے خلاف بات کی۔ تمہارا دل دُکھایا۔ بہت برا ہوں ناں میں۔ تم چاہو تو مجھے کوئی بھی سزا دے سکتی ہو۔ آئی ول ایکسپٹ دیٹ۔ بٹ بی فور وہٹ لٹ می سے۔ آئی ڈو نیور اباؤٹ یو۔ پلیز گیو می آ چانس ٹو ٹیک کیئر آف یو۔ فور ہول مائی لائف۔ ـــــ لٹ می پروٹیکٹ یو ـــــ لٹ می لو یو ـــــ!

میں اپنی مرضی سے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ، ایک ایک سانس تمہارے ساتھ بِتانا چاہتا ہوں میرب! مجھے موقع دو کہ میں تمہیں اپنا آپ پروف کرا سکوں۔ میرے پاس تمہیں دینے کے لئے بہت کچھ ہے۔ بہت سی محبت، ہے میرب! بہت سی محبت سونپنا چاہتا ہوں میں۔ مجھے چانس دو۔ اک عمر گزار کر مجھے احساس ہوا ہے کہ میں تم سے محبت کرنے لگا ہوں۔ اور اس محبت کے رنگ کچے نہیں میرب!"

بہت مدھم لہجے میں بولا تھا۔ اس کے لہجے میں صفائی تھی۔ ایک یقین تھا ـــــ میرب سیال اس کی طرف خاموشی سے دیکھ رہی تھی۔ پتہ نہیں کیوں، یقین تھا کہ وقت اس کے لئے اتنا بدل سکتا ہے۔ یہ شخص اتنا بدل سکتا ہے، اس نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ کیا واقعی بدل چکا تھا وہ۔

کل تک جو اسے کیسی کیسی آفرز دے رہا تھا اور آج ـــــ!

"تم مجھ سے بدگمان ہو میرب! وہٹ آئی نو۔ تم مجھ سے خوش نہیں ہو، یہ بات جانتا ہوں میں۔

بہت زیادہ آفنڈ کیا ہے میں نے تمہیں۔ آئی ڈونٹ نو، وہاٹ آئی ڈیزرو۔ بٹ اِف یو تھنک آئی ڈونٹ ڈیزرو دین یو کین ٹیک یور سیلف بیک۔ فیصلہ میں تمہارے ہاتھ میں دیتا ہوں میرب! میں نے تم پر ہمیشہ اپنی مرضی تھوپی ہے۔ مگر اب میں ایسا نہیں چاہتا۔ تمہیں لگتا ہے میں تمہارے لئے بہتر ہوں تو یو کین کم الونگ ویدی۔ میں فیصلے کا حق تمہیں دے کر تمہیں آزاد چھوڑتا ہوں۔ میں فطری طور پر حکم دینے کا عادی رہا ہوں مگر اپنی زندگی کے اس فیصلے کے لئے میں تم پر کوئی زبردستی نہیں چاہتا۔ مگر یہ بات سچ ہے کہ آئی ایم اِن لو وِد یو۔ بیڈلی اِن لو وِد یو۔ میں نے کبھی کسی کے لئے اپنی نیند برباد نہیں کی۔ مگر تمہارے لئے جانے کتنی راتوں تک جاگا ہوں میں۔ میں نے کبھی کسی کے لئے لمحے نہیں گنے، مگر تمہارا انتظار کرتے ہوئے میں نے لمحوں کو شمار کیا ہے میرب! تم نے مجھے بدل دیا۔ میرے سوچنے کے انداز کو بدل دیا۔ اگر تم میری زندگی میں نہیں آتی تو شاید میں بہت ہی بے معنی سی زندگی گزار رہا ہوتا۔ مائی کو لگتا ہے تم میرے لئے بہترین انتخاب ہو۔ مجھے اپنی ساری زندگی تمہارے ساتھ بسر کرنی چاہئے۔

گی بھی یہی سوچتی ہے کہ تم سے زیادہ بہتر لڑکی میری زندگی میں نہیں آ سکتی۔ اور میں ـــــ میرب! میں بھی یہی سوچتا ہوں کہ تم سے زیادہ بہتر مجھے کوئی نہیں مل سکتی۔ مگر تم کیا سوچتی ہو، یہ بات زیادہ اہم ہے میرے لئے۔ میں سیلفش نہیں ہونا چاہتا۔ اگر میں صرف اپنے بارے میں سوچ کر ہی فیصلہ صادر کر دوں تو یہ ناانصافی ہوگی۔ سو اس بار فیصلے کا حق تمہارے پاس ہے۔ میں نے تم سے تم تک کا سفر طے کیا ہے۔ میں نے ہمت کی ہے۔ میں تم تک آیا ہوں۔ مگر تمہارے راستے کیا راہ اختیار کریں گے یا تمہارے راستوں کی کیا سمت ہونی چاہئے یہ تم طے کرو گی۔ اب تم مجھے یہ بتاؤ، تم کیا چاہتی ہو؟"

اس نے تمام باتیں کر کے فیصلے کا حق اس کے ہاتھ میں دے دیا تھا۔ میرب کے لئے یہ لمحہ اتنا مشکل نہیں تھا مگر اتنا کچھ سہا تھا اور اب اتنا کچھ سنا تھا کہ آنکھیں بھیگے بغیر نہیں رہ سکی تھیں۔

وہ اس کی سمت سے نگاہ ہٹائے ہوئے اپنی آنکھوں کو نمی کی راہ دینے لگی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری اسے چپ چاپ دیکھنے لگا تھا۔ پھر بہت آہستگی سے ٹشو نکال کر ہاتھ اس کے سامنے کر دیا تھا۔

"میرب! تمہاری آنکھوں میں آنسو میں کبھی بھی نہیں دیکھ سکا۔ بہت مشکل لمحہ ہوتا ہے یہ میرے لئے۔ اس کے باوجود کہ میں نے تمہیں بہت بہت رُلا دیا ہے، میں تمہیں کبھی بھی رُلانا نہیں چاہتا تھا۔ مگر کبھی کبھی، بہت کچھ نہ چاہتے ہوئے بھی آپ کے خلاف ہو جاتا ہے۔ سو میں بھی وقت کو کبھی اپنے حق میں نہیں کر پایا۔ آج جب سب کچھ میرے اختیار میں ہے تو تب بھی میں خود کو بہت زیادہ بے اختیار محسوس کرتا ہوں۔ تم کیا سوچتی ہو میرب! پلیز، اپنے بارے میں بات کرو۔ میں کیا سوچتا ہوں، کیا چاہتا ہوں یہ اہم نہیں ہے۔ تم کیا سوچتی ہو، کیا چاہتی ہو، یہ اہم ہے۔"

اتنے اہم موڑ پر ایک مشکل ترین فیصلے کا حق اسے سونپ رہا تھا وہ۔ دریا دلی سی دریا دلی تھی۔

بھلا ہو تیرا تو نے مجھ کو
رہائی تو دی اور پَر کاٹ ڈالے
وہ فیصلہ کرتی بھی تو کیا کرتی ـــــ سوچتی بھی تو کیا سوچتی!

اس کی زندگی کی سمت تو بہت عرصہ پہلے ہی طے ہو چکی تھی۔ وہ تو بس راہ پر چل رہی تھی۔ اس کی سمت سفر کر رہی تھی۔ اور وہ ــــــ!

''تگین! تمہارے لئے زندگی چاہے کچھ بھی رہی ہو، مگر میرے لئے زندگی کا مفہوم ہمیشہ سے تم تھے۔ میرے ہر راستے پر، ہر منزل پر میں نے تمہیں کھڑا پایا ہے۔ حالانکہ حقیقت میں اگر میں ہاتھ بڑھاتی تھی تو تم کہیں نہیں تھے۔ مگر میرے خوابوں میں، میرے خیالوں میں، میری زندگی میں، میری انگلی تھامے ہر سمت تم تھے۔

تم سے ہمیشہ دور بھاگنا چاہتی تھی میں۔ مگر جب بھی تم سے دور بھاگنا چاہتی تھی، کھلتا یہی تھا کہ درحقیقت تمہاری ہی سمت بھاگ رہی ہوں۔ میرا سفر تو ہمیشہ سے تمہاری ہی سمت تھا اور یہ بات میں تمہیں بتا بھی چکی ہوں۔ کہہ رہی ہوں کہ تم میرے لئے کیا ہو۔''

وہ مکمل توجہ سے اس کی بات سن رہا تھا۔

اور میرب کہہ رہی تھی۔

''تم اور مجھ میں سب سے بڑا فرق ہے تگین! تم بہت اگزیکٹ ہو۔ اپنی غلطی نہیں مانتے۔ مانتے بھی ہو تو بہت دیر سے۔ جبکہ میں ــــــ میں بہت جلد کسی بھی بات کے لئے ایکسکیوز کر سکتی ہوں۔ تم نے اتنی چھوٹی سی بات کو ماننے میں اتنی دیر کر دی۔ اتنے زیادہ دن ــــــ تگین! تم جیسا شخص جس کے لئے اپنی پوزیشن، اپنے اسٹیٹس کے لئے ایک ایک لمحہ اہم ہے، ایک ایک منٹ قیمتی ہے تم نے اتنے دن ایک چھوٹی سی بات کو تسلیم کرنے میں لگا دیئے۔

صرف اتنی چھوٹی سی بات کہ تمہیں مجھ سے محبت ہے۔

تگین! یہ سچ ماننا تمہارے لئے اتنا مشکل تھا کہ لوگوں کو تمہیں فورس کرنا پڑا۔ آج اگر تم میرے سامنے ہو تو اس لئے کہ مائی اماں نے کہا کہ آئی ایم سو گڈ فور یو۔ تم آج مجھ سے یہ بات کہہ رہے ہو۔ صرف اس لئے کہ کسی نے تم سے کہا کہ میں تمہارے لئے بہترین ہوں۔ مگر تگین! تم ــــــ تم خود ــــــ تمہاری مرضی کیا ہے؟ تم جیسا بزنس ٹائیکون، کروڑوں کی بزنس ڈیلز کرنے والا بندہ خود اپنا نفع نقصان نہیں جان پایا۔ اسے خود معلوم نہیں کہ اس کے لئے کیا اچھا ہے اور کیا برا ــــــ!''

''سنو میرب! ــــــ میں......''

''میری بات کمپلیٹ نہیں ہوئی ابھی سردار سبکتگین حیدر لغاری! پلیز لسن ٹو می۔ تم نے مجھے بولنے کا اختیار دیا ہے تو میری سنو بھی۔ تم خود کیوں جان نہیں پائے کہ میں تمہارے لئے کتنی ضروری ہوں۔''

میرب بولی تھی۔ اُسے لگا تھا کہ سردار سبکتگین حیدر لغاری کی برداشت جواب دے جائے گی اور وہ غصے میں اسے گاڑی سے باہر نکال دے گا اور خود گاڑی دوڑاتا واپس گھر چلا جائے گا۔ مگر اس کے اندازوں کے برعکس وہ مسکرا دیا تھا۔

وہ شخص مسکرا رہا تھا اور اس کے لئے یہی باعث حیرت تھا۔ یعنی وہ شخص بہت حد تک واقعی بدل چکا تھا۔

''میرب! ــــــ ہنی! ــــــ میں اگر تمہارے سامنے ہوں تو اس کے کئی ریزنز تمہیں بتا چکا ہوں۔ سب سے بڑا ریزن محبت ہے میرب! اور محبت کا کوئی ریزن نہیں ہے۔ کیونکہ محبت کسی ریزن کے بغیر ہوتی ہے۔ اور آئی لو یو وداؤٹ اینی ریزن ــــــ!''

بہت مدلل اور ٹھوس بات کہتے ہوئے وہ مسکرایا تھا۔ پھر اس کا ہاتھ تھاما تھا اور بہت آہستگی سے لبوں کے قریب لے گیا تھا اور اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اتنی ہی نرمی سے بولا تھا۔

''آئی لو یو میرب! ــــــ آئی ریئلی لو یو۔ میرے پاس اس سے بڑا ریزن کوئی نہیں ہے۔ اور اس بات کے لئے مجھے کسی نے فورس نہیں کیا۔ میں خود یہ بات کہہ رہا ہوں۔ کیا تم اپنی ساری لائف میرے ساتھ گزارنا چاہو گی؟'' اس کا ہاتھ تھامے ہوئے وہ بولا۔

میرب کچھ لمحوں تک اُسے خاموشی سے دیکھتی رہی تھی۔ پھر بہت آہستگی سے اپنا سر ہلا دیا تھا۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اسے تھاما تھا اور اپنے ساتھ لگا لیا تھا۔ بہت عقیدت سے اس کی پیشانی پر اپنے لب رکھے تھے اور پھر دھیمے لہجے میں بولا تھا۔

''میرب! آئی لو یو ہنی! ــــــ اینڈ آئی ول نیور لٹ یو ڈاؤن۔ تمہیں زندگی میں کبھی بھی مقام پر میں شکایت کا موقع نہیں دوں گا۔ لیکن کہیں پھر بھی کوئی کوتاہی ہو جائے تو تم کمپلین کر سکتی ہو۔ میں اپنی غلطیوں کو سدھارنے کی کوشش کروں گا۔ میں نے تم سے دُور رہ کر زندگی کو جانا ہے۔ اس کے بعد میں تم سے دُور کبھی نہیں رہنا چاہوں گا۔ سو میں نے مائی سے کہہ دیا ہے کہ فوراً رخصتی کی بات کر لیں۔ ناؤ آئی ڈونٹ وانٹ ویسٹ ٹائم اینی مور۔ پہلے ہی بہت سا وقت گنوایا ہے۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا اور میرب سیال کے چہرے پر کئی رنگ بکھر گئے تھے۔

سردار سبکتگین حیدر لغاری نے گاڑی اسٹارٹ کی تھی اور آگے بڑھا دی تھی۔

''کہاں جا رہے ہیں ہم؟'' میرب نے پوچھا تھا۔ اندر ایک اطمینان سا محسوس ہو رہا تھا۔ اس کا بازو اس کے گرد پھیلا تھا اور اس کا سر بدستور اس کے شانے پر تھا۔ مگر گاڑی ریورس گیئر میں باہر نکلتے دیکھ کر اس کی پوزیشن یک دم ہی تبدیل ہوئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے اس کے گرد سے اپنے بازو کا حصار نہیں ہٹایا تھا مگر اس نے اپنا سر ہٹا لیا تھا اس کے شانے پر سے۔

''ہم مائی سے ملنے جا رہے ہیں میرب! اپنی بہو سے بہت اداس ہے ان کا جی۔ اور وہ تم سے ملنا چاہتی ہیں۔ ہم آج ایک اچھی نیوز کے ساتھ ان کی مورننگ بھی اچھی بنا دیں گے۔ ان کے خیال سے بس ان کا ایک نالائق بیٹا ہوں جو اب تک انہیں ایک عدد بہو اور چار پوتے نہیں دے سکا۔ بٹ ناؤ آئی سپائیلڈ۔ اِٹس ڈن۔ ہم فوراً ہی ہنی مون پر جائیں گے اور اس مشن پر کام شروع کر دیں گے۔'' وہ مسکرا رہا تھا اور میرب سیال کا چہرہ کان کی لوؤں تک سرخ پڑ چکا تھا۔

''تمہارا کیا خیال ہے؟ ــــــ بچے کتنے ہونے چاہئیں؟'' وہ معمول سے ہٹ کر بول رہا تھا اور میرب میں قطعاً ہمت نہیں تھی اس کا کوئی جواب دینے کی۔

''مجھے نہیں پتہ۔'' وہ اس کی طرف دیکھے بغیر بولی تھی۔

وہ ہنس دیا تھا۔

"پتہ تو مجھے بھی نہیں ـــــ لیکن جتنے بھی ہوں اچھے ہونے چاہئیں۔ گرلز لائیک یو اینڈ گائز لائک
می ـــــ!"

"یس ـــــ!" وہ ڈپٹتی ہوئی بولی تھی۔ وہ ہنس دیا تھا۔ اس طرح ہنستا ہوا وہ اسے پہلی بار دیکھ
رہی تھی اور اس کے خود کے اندر بھی اطمینان ہی اطمینان تھا۔

گاڑی سیاہ کول تار کی سڑک پر بھاگ رہی تھی اور وہ اس کے کان کے قریب سرگوشی کرتے ہوئے
کہہ رہا تھا۔

"آئی ول بی لونگ یو فورایور۔"

جملے کی صداقت پر اُسے اعتبار تھا۔ تبھی وہ بھی مسکرا دی تھی۔

(تمت بالخیر)

میرب کی آنکھوں میں بے بسی کی تحریر صاف پڑھی جا رہی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری پلٹا تھا میرب نے پکارا تھا۔ وہ رک گیا تھا۔ پھر بہت آہستگی سے پلٹ کر بھرپور توجہ سے اسے دیکھا تھا۔ مدعا بیان کرنا انتہائی دشوار لگا تھا۔ کسی قدر بیزی ٹیٹ ہو کر وہ نگاہ جھکا گئی تھی۔ سردار سبکتگین حیدر پوری توجہ سے منتظر کھڑا اسے دیکھتا رہا تھا۔ میرب نے بالآخر ہمت کر کے سر اٹھایا تھا۔

''سبکتگین!''

''اوں، ہوں، تگین —— صرف تگین تمہارے لبوں سے اچھا لگتا ہے۔'' سرگوشی بہت دلربا تھی جادو ارد گرد پھیلا تھا۔ اس کے دھیمے لبوں کی مسکراہٹ ایک اسرار رکھتی تھی۔ میرب کی ساری ہمتیں ایک بھر ڈھیر تھیں۔

''تم کچھ کہہ رہی تھیں۔'' سردار سبکتگین حیدر لغاری کے پاس جیسے فرصت ہی فرصت تھی۔ مگر میرب نہیں کہہ سکی تھی۔ آنکھیں پانیوں سے بھر گئی تھیں اور وہ بے ہمت سی سر جھکا گئی تھی۔ سردار سبکتگین لغاری کو جیسے اس پر رحم آ گیا تھا —— آگے بڑھا تھا اور اس کے چہرے کو بھرپور وارفتگی سے ہاتھوں میں تھام لیا تھا۔

''معاملہ کیا ہے سوئٹی؟ —— کس بات کی اُلجھن ستا رہی ہے تمہیں؟'' مدھم لہجے میں جیسے کو تھا۔ میرب کو اپنا سارا وجود اس کے زیرِ اثر لگا تھا۔ وہ سر اٹھا کر اس انتہائی مضبوط جسامت کے مالک پانیوں سے بھری آنکھوں سے دیکھنے لگی تھی۔ کتنا بھرپور سراپا تھا۔ کیسا گھنا سایہ تھا۔

اور وہ پھر بھی جلتی دھوپ میں کھڑی تھی۔

شدتِ کرب سے وہ آنکھیں میچ گئی تھی۔ پانی کے کئی قطرے ان بند پلکوں سے ٹوٹ کر رخسار بہہ نکلے تھے۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری کے لئے یہ منظر انتہائی توجہ کا باعث تھا۔ نظر جیسے بندھ کر رہ گئی سردار سبکتگین حیدر لغاری کی زندگی میں گرفت میں لینے والے لمحے بہت تھوڑے آئے تھے۔ ایسا ہوا تھا کہ وہ اپنے جذبات کے زیرِ اثر ہوا ہو۔ اک جادو سا جیسے فضا میں گھلا تھا یا پھر وہ چہرہ گھڑی ایسی کشش لئے ہوئے تھا کہ سارا عالم عجب فسوں ساز ہو رہا تھا۔ ہر شے اسی رنگ میں رنگی گئی سردار سبکتگین حیدر لغاری نے بہت آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر اس پیکر کو تھاما تھا اور تمام تر استحقاق ہوئے اس کے رخساروں پر سے وہ موتی چن لئے تھے۔ میرب سیال کو جیسے شعلوں نے چھو لیا تھا۔ آ دیکھا تھا نظر تحیر میں گھر گئی تھی۔

تعلق میں نا مہربان، بے مہر ہاں، اس لمحے کس درجہ عنایت پر مائل تھا۔ آنکھوں میں وارفتگی تھی۔ میرب کچھ آ ہوا لگا تھا۔ وہ نظر جھکا گئی تھی۔ تگین نے اس چہرے کو ہاتھ بڑھا کر قدرے اوپر ا

''میرب! میں۔

تمہیں خوش رہنے دوں۔ کاش میں اس چہرے کو کل علم اور بھیدوں سے پڑھ پاتا۔ کاش اس نگاہ کو پڑھ سکتا کچھ دن یہاں رہو گی اسمِ اعظم سے واقفیت ہوتی میری تو شاید اس چہرے پر سوچوں کا یہ پہرہ ''کیا فائدہ؟ —— تے پانی مجھے صاف بتا دیتے کہ کہانی کیا ہے؟ —— کیسی کیسی خواہشیں

میں۔ کیسے کیسے خواب!''

کیسی مدھم سرگوشیاں تھیں۔ ماحول ساکت تھا۔

''کاش میں جان پاتا تو شاید تمہاری فکریں اس قدر ریزہ ہونے نہ پاتیں۔

کاش جان پاتا کہ تمہیں کیا شے ستاتی ہے تو شاید کبھی اس کی نوبت نہ آنے دیتا۔ کچھ اور نہیں تو —— جگنو ہی دیتا۔ ان پانیوں کی جگہ کچھ اپنے سے وابستہ خواب! مجھے خبر تو کرو کہ تم کیا سوچتی ہو، کیا چاہتی ہیں اس قدر انجان تو نہ رہتا۔''

سارے منظر میں عجب اک نغمگی سی تھی۔ جیسے سارے رنگ اسی ایک رنگ میں رنگ گئے ہیں۔ سردار سبکتگین حیدر لغاری نے کیا اسم پھونکا تھا یکدم کہ سب کچھ اپنی مٹھی میں کر لیا تھا۔

''سچ کہوں، مجھے کوئی تجربہ نہیں ہے۔'' مدھم لہجے میں وہ اعتراف کر رہا تھا۔ ''زیست کی —— مجھے ابھی کوئی ہنر نہیں آتا۔ آج تک کبھی ایسا لمحہ گزرا ہی نہیں کہ سیکھ پاتا۔ مگر اب دل چاہتا ہے سیکھوں، وہ تمام تر، وہ تمام اسلوب جو دل کو دل سے قریب کر سکیں۔ کچھ اور نہیں تو دستکوں کا ہنر ہی سیکھ لوں۔'' سرگوشی کرتے ہوئے اس چہرے کو بہت آہستگی سے چھوا تھا۔

''سچ بتاؤ —— تمہیں آتا ہے وہ ہنر؟ —— میں تو کورا ہوں —— سچ، بالکل کورا۔ تمہیں تو آداب محبت آتے ہوں گے۔ کبھی سوچا نہیں، قرینے برتو اور اپنے بس میں کر لو۔ کوئی وار کرو اور ہوش اُڑا دو۔ کچھ نہ —— کچھ تو ایسا آتا ہوگا۔ سکھا نہیں سکتی ہو مجھے؟ —— جانتی ہو تو پڑھا دو وہ سبق۔ سچ کہتا ہوں، ان آنکھوں کی تمام روشنی کی قسم کھا کر۔ جو چاہو گی تمہارا ہوگا۔ جیسا چاہو گی سب ویسا —— ویسا ہوگا۔ مجھے اپنے جادو کے زیر کر لو۔ جیت لو۔ میں ہار جانا چاہتا ہوں۔'' مدھم لہجے میں کیسی کہانیاں تھیں۔ میرب سیال کی نگاہ ساکت تھی۔ وہ کچھ سمجھ نہ پا رہی تھی۔

''پہیلی سی لے —— شکست و ریخت کا لطف کبھی نہیں چکھا میں نے۔ مجھے سکھا دو یہ سارے اسلوب۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں اس خواب سے آگے کا سفر کیسا ہے۔ جو اک موڑ ہے، اس موڑ سے آگے کیا ہے؟ تمہاری آنکھوں کی تمام تر روشنی دلفریب ہے۔ اس روشنی سے آگے کا سفر کیا ہے؟ —— اس کے آگے کے منظر کتنے دل پذیر ہیں۔ جاننا چاہتا ہوں میں۔ بتاؤ گی تم مجھے؟'' سردار سبکتگین حیدر لغاری کی گرفت جنونی تھی اور انداز بے خودی کے زیر۔

میرب سیال کا سارا وجود کسی پتے کی طرح کانپنے لگا تھا۔ یکدم وہ اس گرفت سے نکلی تھی اور چلتی ہوئی تیزی سے وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی۔

دھڑکنوں میں ایک ارتعاش تھا۔

وہ اس خواب خواب موسم کی گرفت سے نکلنے کے بعد بھی جیسے انہی لمحوں کی گرفت میں قید تھی۔ وہ سارا خواب اب بھی اسے اپنے اندر بازو زور کرتا محسوس ہو رہا تھا۔ کتنی دیر وہ گہرے گہرے سانس لے کر خود کو نارمل کرنے کے جتن کرتی رہی تھی۔

❊ ❊ ❊